گی کیونکہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے سارے اصول یہاں لاگو ہیں۔

نمبر دو پر جج امجد حسین ہیں۔ والد صاحب (سوری آئی جی صاحب) کے سب سے بڑے جانشین... یعنی حماقت کے رشتے سے میرے سب سے بڑے بھائی... اُن کے بارے میں صرف اتنا کہنا چاہیے کہ وہ جج ہیں اور والد صاحب کو اُن سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس ایک جملے میں امجد حسین کی پوری تعریف آ جاتی ہے۔

نمبر تین ایس پی طارق حسین ہیں۔ والد صاحب کے محکمے سے متعلق ہیں اور پوری طرح اُن کے تربیت یافتہ۔ ایک دلچسپ بات بتا دوں۔ والد صاحب نے انھیں اے۔ ایس۔ آئی کا عہدہ دلوایا تھا اور کہا تھا کہ انھیں آئی۔ جی کہنا ہے۔ وہ اپنے اختیارات قطعی استعمال نہیں کریں گے اور طارق حسین ایس پی کے عہدے تک پہنچے تھے۔ سمجھ گئے ہوں گے آپ...!

چوتھا نمبر نصرت حسین کا ہے، بیرسٹر نصرت حسین۔ خدا نے اگر کچھ انسانیت اس گھر کو دی ہے تو نصرت حسین کی شکل میں... والد صاحب اور بھائیوں کے سامنے ہوتے ہیں تو اپنی چال بھول کر اُن کی چال چلنے لگتے ہیں لیکن تنہائی میں انسانوں جیسی باتیں کر لیتے ہیں اتنا ہی غنیمت ہے۔

پانچویں نمبر پر یہ خاکسار آتا ہے اور چھٹے نمبر پر ہم سب کی اکلوتی اور میرے علاوہ پورے گھر کی صفات کا مجموعہ یعنی لالہ رُخ... ہے تو وہ لالہ رُخ ہی لیکن گوناگوں خصوصیات کی حامل... ہٹلر اگر عورت ہوتا تو بالکل لالہ رُخ جیسا ہوتا۔ ہلاکو خان اگر ہلاکہ خانم ہوتا تو لالہ رُخ اُس کا نمونہ تھی۔ اس گھر کی آئی۔ جی بننے کی کوشاں بھی۔ اس کے علاوہ شوہر پرست والدہ صاحبہ، پُر مذاق بھابیاں، جو غیر خاندانوں کی ہونے کی وجہ سے ٹھیک ٹھاک تھیں اور کوٹھی کے اسٹیج پر اپنا کردار کامیابی سے نبھا لیتی تھیں۔

گھر بھر کی لعن طعن کا شکار بس تھا تو یہ خاکسار، پُر تقصیر جو دُھن کا پکا اور قول کا سچا تھا اور تہیہ کیے ہوئے تھا کہ اس قانون گھر کے قوانین کو قبول نہیں کرے گا۔ ماننے کی جو باتیں ہوتی ہیں، وہ مان لی گئی تھیں اب ضروری تو نہیں کہ کسی کی خواہش پر زندگی کا جغرافیہ ہی بدل لیں جائے۔ ایم اے کر لیا تھا، ایل ایل بی کر لیا تھا، کافی تھا۔ مزید تعلیم کے لیے ملک سے باہر جانا مناسب نہیں سمجھتا تھا، اس لیے صاف صاف کہہ دیا: "مجھے یورپ کی برتری قبول نہیں ہے۔ اپنے وطن میں جو کچھ ہے کافی ہے۔"

"آئندہ زندگی میں کیا کرنا چاہتے ہو؟" جج صاحب نے پوچھا۔

"شادی...!" میں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔ پاس بیٹھی عصمت بھابی نے خوبصورتی سے مسکراہٹ کو چھینک کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اس پر بھی بات نہ بنی تو کوئی چیز گرا کر شرمندہ شرمندہ سی شکل بنا کر اُٹھانے کے لیے جھک گئیں۔

"میں تم سے سترہ سال بڑا ہوں، سمجھے؟" قبلہ بھائی صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آپ سے شادی نہیں کروں گا، وعدہ!" میں نے پُر یقین لہجے میں جواب دیا اور عصمت بھابی "چائے لاؤں!" کہہ کر جلدی سے اُٹھ گئیں۔ جج امجد حسین صاحب بھی آئی۔ جی صاحب کی طرح تنک مزاج تھے لیکن سمجھ دار بھی تھے، اس لیے جلدی سے بولے۔

"اسے بتاؤ عصمت! بڑوں کی عزت بھی کی جاتی ہے۔ یہ سب کو ایک لکڑی سے ہانکتا ہے، مجھ سے مذاق کر رہا ہے، بدتمیز کو شرم نہیں آتی۔"

"وہی کہہ رہا ہوں بھائی جان جو اس گھر میں ہوتا رہا ہے۔ اگر آپ لوگ نہیں چاہتے تو میں شادی نہیں کروں گا، یہ بھی وعدہ ہے۔"

"شارق...!" بھابی مداخلت بے جا کو اپنا فرض جانتی ہوئی گویا ہوئیں۔ "کیا تم سنجیدہ نہیں ہو سکتے؟"

"ہو سکتا ہوں بھابی بشرطیکہ باقی لوگ بھی سنجیدہ ہو جائیں۔ ہر تیسرے دن مجھ سے یہ مذاق کیا جاتا ہے۔ مستقبل میں کیا کرو گے، بات کھانے کمانے کی ہے نا؟ وہ مجھ پر چھوڑ دیا جائے، میں کر لوں گا۔ اس قانون گھر میں کوئم پورا ہے۔ محکمہ پولیس موجود ہے، عدالت موجود ہے، وکیل اور بیرسٹر موجود ہیں، اب بتائیے کیا گنجائش ہے۔ بیرسٹر بنتا ہوں تو نصرت حسین کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔ بھائی امجد حسین کی کرسی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ طارق حسین صاحب سالہا سال کی کوششوں کے بعد ایس پی بنے ہیں، بڑا بھائی میرا ماتحت ہو، یہ دیکھ کر مجھے شرم آئے گی۔ زندگی کے دوسرے شعبے بھی تو ہیں، جنرل اسٹور کھول لوں اگر اجازت ہو؟"

"جنرل اسٹور...!" عصمت بھابی یہ کہہ کر یوں ہنس پڑیں، جیسے یہ لفظ انھیں گدگدانے لگا ہو۔ جج امجد حسین پیچ و تاب کھا رہے تھے لیکن اُن سے آنکھ کون ملا رہا تھا۔ کم از کم اتنی عزت تو ضروری تھی۔ میں تو عصمت بھابی کی طرف دیکھ رہا تھا، جن کے رخساروں کے گڑھے مجھے دلکش لگتے تھے۔

"بھابی جان! انسانی ضروریات پر ہنسا نہیں جاتا۔ ہم سب معاشرے کے ستون ہیں۔ ہمیں زندگی کے ہر شعبے سے دلچسپی رکھنا چاہیے۔ کیا آپ کے خیال میں میرے وطن میں سب مجرم بستے ہیں جنھیں عدالت اور پولیس اور وکیلوں کے علاوہ کسی شے کی ضرورت نہیں؟"

"یہ آٹا دال بیچو گے؟" جج صاحب نے تلملاتے ہوئے کہا۔

"اور بھی چیزیں ہیں، جوتا، کپڑا اور...!" جج صاحب کا ہاتھ جوتے کی طرف بڑھا تو میں جلدی سے اُٹھ گیا۔ "میری چائے میرے کمرے میں بھجوا دیجیے بھابی جان! قانون جوتا سنبھال رہا ہے۔"

میں یہ کہہ کر جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ایس پی صاحب کہتے "محکمہ پولیس تمھارے لیے سب سے موزوں ہے۔ بہترین جسم رکھتے ہو، شاندار صحت ہے، پولیس کی وردی میں خوب جچو گے۔"

"نہیں طارق بھائی! ایک گھر میں صرف ایک شاندار پولیس افسر ہونا چاہیے، میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا۔"

"بھئی ابّو نے مجھ سے کہا تھا کہ تم سے تمھارے خیالات معلوم کیے جائیں۔ تمھارے لاابالی پن سے سب پریشان ہیں، آخر کچھ تو کرو گے زندگی میں...!"

"آشیانے میں جج ہے، پولیس ہے، بیرسٹر ہے، بس ایک کمی ہے۔"

"کیا؟" شفق بھابی نے پوچھا۔

"مجرم... صرف مجرم! کیوں نہ میں یہ پیشہ اپنا لوں؟"

"خدا نہ کرے بھیّا!" چھوٹی بھابی نے پیار سے کہا۔

"اگر جرم قانون کے علم میں آ جائے تو گرفتاری قبل از جرم بھی ہو سکتی ہے، اس لیے میرے سامنے ہوشیار رہا کرو۔" طارق حسین نے کہا۔

"میں نے تو صرف خیال ظاہر کیا تھا۔"

ہ

سب سے چھوٹی بھابی تنویر نے ایک دن اطلاع دی "ہو سکے تو کھسک جاؤ، آج گھر میں عدالت لگنے والی ہے۔ ابّو نے تمھارے لیے آخری فیصلہ کر لیا ہے اور امی نے سپریم کورٹ بن کر اس فیصلے کی توثیق کر دی ہے۔"

"جمہوریت کا دور ہے بھابی، اس لیے میں اس خود ساختہ مارشل لاء آرڈر کو نہیں مان سکتا کیونکہ آج کوئی انسان کسی دوسرے بالغ انسان کی تقدیر کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ میں ایسی عدالتوں سے نہیں گھبراتا۔"

"ابّو کے سامنے زبان کھولی تو مصیبت میں پھنس جاؤ گے...!" تنویر بھابی نے کہا۔

"حوادث سے اُلجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے۔" میں نے سینہ تان کر کہا اور شام کی چائے پر بڑے طمطراق سے مارشل لاء کے خلاف اور جمہوریت کی بالادستی قبول کرانے کے لیے عدالتِ عالیہ میں پہنچ گیا۔ صورتِ حال واقعی گمبھیر لگتی تھی۔ سب کے چہرے سنجیدہ تھے اور لالہ رُخ کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔ میرے پہنچتے ہی عدالتی کارروائی شروع ہو گئی۔ میں نے اس عدالت کے سلسلے میں ایک پروگرام سوچ لیا تھا کیونکہ یہاں بھی میں اُن سب کو حیران کر دینا چاہتا تھا۔

ابّو حضور نے نرم لہجے میں کہا "شارق! مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"جی ابّو، فرمائیے؟"

"میں تمہید میں اُلجھنے سے ہمیشہ گھبراتا ہوں، اس لیے کسی تمہید کے بغیر میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا؟"

"ابھی تک کچھ نہیں ابّو!"

"کب سوچو گے؟"

"کوئی جلدی ہے؟"

"ہاں، میں اپنے تمام فرائض پورے کرنا چاہتا ہوں۔ تمھارا مسئلہ بھی میرے ذہن میں اُلجھا ہوا ہے۔"

"امجد بھائی نے بھی مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی ابّو! میں ملک سے باہر نہیں جانا چاہتا۔ یہاں کی زندگی میرے لیے اطمینان بخش ہے اور میں اسی میں اپنی جگہ تلاش کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میں تمھیں باہر جانے کے لیے مجبور نہیں کر رہا لیکن کچھ شروع تو کرو۔" ابّو نے کہا اور میں خود حیران رہ گیا۔ ابّو کی اس ضد سے مجھے اختلاف تھا۔

"ریڈی میڈ سینٹر کیسا رہے گا ابّو؟"

"تمھاری ان فضول باتوں کی اطلاع مجھے مل گئی ہے۔ میں ایسے کسی کام کی تمھیں اجازت نہیں دوں گا، اس لیے اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔ ہم لوگوں نے آپس میں گفتگو کر کے تمھارے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے۔ تم نے ایل۔ ایل۔ بی کیا ہے، نصرت کے ساتھ تم پریکٹس کا آغاز کر دو۔ میرے خیال میں یہ تمھارے لیے موزوں ہے۔" ابّو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ میں نے ابّو کے لہجے پر غور کیا۔ ایک دلچسپ خیال ذہن میں اُبھرا تھا، پھر میں نے کہا۔

"مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے ابّو، میں تیار ہوں لیکن ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں۔" میرے اس جواب پر سب اُچھل پڑے تھے، کسی کو میرے مان جانے کا یقین نہیں تھا۔

"کیا؟" ابّو نے پوچھا۔

"زندگی کے کسی شعبے میں بھی بھجوا دیں آپ مجھے، میں اپنے اصولوں سے روگردانی نہیں کروں گا۔ سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنا میری فطرت ہے، اس سے کسی کو نقصان پہنچے یا فائدہ، مجھے اس سے غرض نہیں ہوگی۔"

ابّو نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں پھر بولے "یہ تو بہترین اصول ہے، اس سے کسے انکار ہے۔"

"کیوں بھائی صاحب؟" میں نے بیرسٹر نصرت حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں... ہاں ہاں... بالکل...!" بیرسٹر صاحب نے لوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تو پھر مجھے منظور ہے۔"

"کل سے تم نصرت کے جونیئر کی حیثیت سنبھال لو گے" تاآبو بولے۔

"بسروچشم! بصد ادب...؟" میں نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور ابو کا چہرہ کھل اٹھا، منہ سے کچھ نہیں بولے لیکن چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ مطمئن ہیں البتہ نصرت حسین صاحب کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ قطعی غیر مطمئن ہیں۔ عدالت برخاست ہو گئی، سب کو اس اجلاس کے پُرامن طور پر ختم ہو جانے کی توقع نہیں تھی۔

لالہ رخ نے کہا "نصرت بھلا ایک باعزت انسان ہیں، ان کی عزت کا خیال کرنا چاہیے۔"

"شکل پر پھٹکار برسنے لگی ہے جب اتنی بڑی بڑی باتیں کرتی ہو تم" "گھر کی عزت سے ڈرتی ہوں بس، جس کا آپ کو کوئی خیال نہیں ہے۔" لالہ رخ نے ناک چڑھا کر کہا۔

اس وقت شفیق بھابی میرے قریب پہنچ گئیں اور پیار سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر مشفقانہ لہجے میں گویا ہوئیں "تم نے حیرت انگیز فیصلہ کیا ہے بیٹا، میں تو ڈر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ شام تمھارے شرپسندانہ خیالات کی وجہ سے ہنگاموں کی نذر ہو جائے گی لیکن تم نے بڑا اچھا فیصلہ کر لیا اور اب تمھاری ذہانت سے مجھے امید ہے کہ تم ایک کامیاب وکیل ثابت ہو گے۔"

"ہونہہ...!" لالہ رخ نے نخوت سے کہا اور منہ پر کڑوے بادام کی سی تلخیاں سجائے ایک طرف بڑھ گئی، میں سعادت مندانہ کم طنزیہ انداز میں مسکراتا ہوا بیرسٹر نصرت حسین کی طرف دیکھنے لگا۔ ابو اور امی اندر چلے گئے تھے، بیرسٹر نصرت حسین میرے خیالات پر جرح کرتے ہوئے اپنی بیگم سے کہنے لگے۔

"اس کے الفاظ کچھ معنی رکھتے ہیں، میرا خیال ہے ابو نے بھی بے پوچھے بغیر یہ فیصلہ کر کے اچھا نہیں کیا۔"

"کیا مطلب؟" تنویر بھابی حیرانگی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر تعجب سے بولیں۔

"ارے تم اس فتنے کو نہیں جانتیں کہ کیا چیز ہے، مرا انسان کا پیشہ کاروبار ہوتا ہے اور اس کاروبار کے جو اصول ہوتے ہیں لیکن شاید اب اس کے اصول میری ذات پر مسلط ہو جائیں گے۔"

اپنے بارے میں یہ پُرتفکر تحسین آمیز الفاظ سن کر بے ساختہ میرے حلق سے قہقہہ نکل کر فضا میں منتشر ہوا تو بیرسٹر نصرت حسین چونک کر مجھے دیکھنے لگے اور پھر کسی بچے کی طرح غصیلے انداز میں پاؤں پٹختے ہوئے اندر چلے گئے۔

"آپ نے دیکھا بھابی! یہی فرق ہے مجھ میں، اس آشیانے میں اور اس آشیانے کے باسیوں میں... میں حقیقتوں کا پجاری ہوں سچائیوں کا دلدادہ ہوں اور یہ لوگ صرف دُنیاوی رکھ رکھاؤ سے دلچسپی رکھتے ہیں۔"

"تمھیں قسم ہے شارق! ایسی کوئی حرکت نہ کرنا جس سے سب کو پریشانی اٹھانی پڑے۔"

"مجھے سپریم کمانڈر یعنی ابو کی طرف سے اجازت مل گئی ہے اور میں ان کے حکم کو ٹھکرا کر حکم عدولی کا مرتکب ہونا پسند نہیں کروں گا" میں نے جواب دیا۔

آشیانے کے باسیوں سے زیادہ بیرسٹر نصرت حسین کی پریشانی میں جانتا تھا کیونکہ وہ مجھے جانتے تھے کہ میں منہ پھٹ اور بے تکلف آدمی ہوں اور کسی ایسی بات کو برداشت نہیں کر سکتا جس میں جھوٹ، مبالغہ آمیزی اور مفاد پرستی کی سرپرستی ہو، چنانچہ اس طرح قبلہ آئی جی صاحب نے نادانستگی میں میرا نہیں بلکہ اپنے بیٹے نصرت حسین کا امتحان لے ڈالا تھا اور جسے سرخروئی کے ایسے امتحان سے گزرنا ہوتا ہے، وہی بہتر جانتا ہے کہ مقام ندامت اور منزل سرخروئی کے درمیان کتنا فاصلہ ہوتا ہے۔

رات کی تاریکی پر صبح کی روشنی غالب آ گئی یعنی آشیانے والوں نے اپنی دانست میں میری آزادی سلب کر لی تھی کیونکہ آج مجھے نصرت حسین صاحب کے دفتر میں حاضری دینا تھی لیکن اپنے معمولات کو چھوڑنا میرے بس کی بات نہیں تھی، میرے دیگر معمولات میں سے ہفتے میں تین بار استاد قدوس کے اکھاڑے میں جانا بھی ایک معمول ہوتا تھا۔ وہاں پہلوانی کے گُر سیکھتا تھا، چنانچہ معمول کے مطابق بائیک نکال کر استاد کے اکھاڑے کی طرف چل پڑا۔

اکھاڑے کی مٹی سے سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ پٹھے ورزش زور کر رہے تھے، دوسرے تمام پٹھے استاد کے آس پاس بیٹھے ہوئے تھے، سفید مونچھوں والے استاد قدوس حقے کی نے منہ سے لگائے اپنی محنت کو زور آزمائی کی صورت میں دیکھ پرکھ رہے تھے، میں نے استاد کو سلام کیا اور لنگوٹ کس کر ان کے نزدیک آ بیٹھا۔

"چل بیٹے! آج تیرا زور ایسا سے ہے" میں نے ایلیا تیلی چھوڑ لے اور تم دونوں بھڑ جاؤ" استاد نے ہدایات جاری کیں، میں ران پر ہاتھ مارتا ہوا اکھاڑے میں اتر گیا۔ زمین سے مٹی اٹھا کر بدن پر ملی تو ایک پھریری لینے کے بعد میرا بدن پہلے سے ڈیڑھ گنا ہو گیا اور مسلز پھول اٹھے، ایلیا میرے مقابلے پر آ گیا تھا، ایک جاہل سا گبرو تھا، جو خاص طور سے مجھ سے بیر رکھتا تھا اور جب بھی میرا اس کا زور ہوتا تھا وہ فاؤل کرنے لگتا تھا اور پھر استاد کے جوتے کھا کر اکھاڑے سے نکلتا تھا۔ یہ اس کی تقدیر تھی اور عموماً اس کی یہ تقدیر بنانے میں میرا بڑا ہاتھ ہوتا تھا لیکن اسے جوتے کھاتے دیکھ کر مجھے بڑا لطف آتا تھا۔ ایلیا سیدھا سادا زور کرتا تھا لیکن میں غیر محسوس طور پر ایسی کوئی حرکت کر دیتا تھا کہ اسے طرارہ آ جائے اور پھر وہ بدحواس ہو کر ایسی الٹی سیدھی کوششیں شروع کر دیتا تھا جو استاد کی زیرک نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہتیں۔ اس وقت بھی اس نے مجھے گھورتے ہوئے ہاتھ ملایا تھا اور اس کے بعد ہم دونوں نے ایک دوسرے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر سر جوڑ لیے، ایلیا سر کی قوت سے مجھے پیچھے دھکیل رہا تھا اور میں اس کے پیچھے میں پنجہ ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا، ایلیا نے دفعتاً زمین پر بیٹھ کر میری دونوں ٹانگیں پکڑنے کی کوشش کی۔ اس وقت اصولاً یہ ہونا چاہیے تھا کہ میں اس کے سر کے اوپر سے نکل جاتا لیکن جونہی وہ میری ٹانگوں میں گھسا، میں اس کی گردن پر بیٹھ گیا اور پورا وزن میں نے اس کی گردن پر ڈال دیا۔ ایلیا کا منہ اکھاڑے کی مٹی میں دھنس گیا تھا، اسے امید تھی کہ میں داؤ بچا جاؤں گا لیکن اس وقت وہ جس بری طرح گرا تھا جس طرح اس کی ناک مٹی سے رگڑی، اس سے اس پر قدرتی طور پر جھنجلاہٹ طاری ہو گئی اور یوں میرا کام پورا ہو گیا، میں پھرتی سے اس کی پیٹھ پر سے ہوتا ہوا اس کے پیچھے پہنچ گیا... استاد نے حقے کی نے منہ سے نکال کر میرے اس شاندار داؤ کی داد دی تھی۔

"واہ واہ! کیا کھائی مار دی ہے، کیا پھرتی ہے" یہ کہہ کر کھڑا ہو جا، یہ پلٹ انھوں نے ایلیا سے کہی تھی، ایلیا کھڑا ہو گیا اور کسی ارنے بھینسے کی طرح میرے پیٹ پر ٹکر ماری اور مجھے رگیدتا ہوا اکھاڑے کے کنارے تک لے آیا۔ اس کے بعد اس نے مجھے کنارے پر دھکا دینے کی کوشش کی لیکن اس کے لیے میں تیار تھا چنانچہ کسی سانپ کی طرح اس کے نیچے سے نکل گیا اور ایلیا اوندھے منہ کنارے پر آ رہا، استاد حقے کی نے چھوڑ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"پھر تو نے وہی حرکت کی ماں کے... جب کنارے پر آ گیا تھا تو دھکا دینے کی کیا ضرورت تھی۔"

"استاد اس نے بھی تو حرکت کی تھی۔ گردن پر بیٹھ جانا کون سا داؤ ہے؟"

"...میرے بچے! وہ پیارے تیری پیٹھ خوب ٹھپتا تا اور کہتا کہ ایلیا بچے ٹانگ سے پکڑ کر زمین پر دے مار۔ ابے میں کتا ہوں، تو زور کرنے آتا ہے یا جھگڑا کرنے، سیدھا کھڑا ہو اور اب کوئی حرکت کی تو یہ جوتی دیکھی ہے۔"

"مجھے ہی ڈانٹتے ہو استاد، اسے کچھ نہیں کہتے" ایلیا نے کہا اور اس بار وہ سنبھل سنبھل کر مجھ پر داؤ آزمانے لگا لیکن ایلیا کے جوتے نہ پڑیں تو پھر میرا نام ہی کیا تھا۔ چنانچہ میں نے اسے مشتعل کرنے کی بیہودہ حرکتیں کیں، جس کے جواب میں ایک بار ایلیا نے جھلا کر میری گردن پر دوہتڑ مار دیا۔ استاد کو بھلا یہ بات کہاں برداشت ہو سکتی تھی، جوتا لے کر میدان میں آ گئے اور آج کی زور آزمائی کا بھی وہی نتیجہ رہا جو ایلیا کے ساتھ زور آزمائی میں ہمیشہ ہوتا تھا۔ جوتے مارتے تھے، استاد حاتم تھے، کیونکہ وہ مارتے بہت تھے اور گنتے ایک نہ تھے۔ مجھے ہمیشہ ان سے یہی خطرہ رہتا تھا کہ کسی دن یہ جوتا میرے سر کا رخ نہ کر لے۔ استاد سے کچھ بھی بعید نہیں تھا، کسی کے ساتھ رعایت نہیں برتتے تھے۔ گالیاں دینا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور نئی نئی گالیوں کی اختراع پسندی غالباً دوسرا محبوب ترین مشغلہ... ایلیا کو ہٹا کر کھیل ختم کرا دیا گیا، کھیل سیدھا سادا شریف آدمی تھا، کہنے لگا۔

"بھیا شجو! میں تو کبھی تم سے الجھتا نہیں ہوں، اللہ کے واسطے مجھے جوتے کھانے سے بچانا" اکھاڑے میں مجھے شجو کے نام سے پکارا جاتا تھا، یہ نام میں نے خود ہی ان لوگوں کو بتایا تھا، میرے خیال میں ذہن کے ساتھ ساتھ بدن کی درستگی بھی ضروری تھی۔ اس کے لیے کسی سے اجازت لینے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، میرے اپنے مشاغل تھے اور میں ان میں آزاد تھا چنانچہ اس قسم کے کئی مشغلے میں نے جاری کر رکھے تھے اور ان کی باقاعدہ تربیت لیتا رہتا تھا۔

☐ تو نے گھر واپس پہنچا، ناشتا وغیرہ کیا اور اس کے بعد دفتر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ جو وعدہ آئی جی صاحب سے کیا تھا اس کا ایفا ضروری تھا اور پھر یہ بات میرے اصولوں سے مطابقت رکھتی تھی۔ بیرسٹر صاحب پہلے ہی دفتر جا چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بیرسٹر صاحب کے دفتر کی طرف چل دیا۔ یہ دفتر ایک شاندار عمارت میں تھا اور اپنی نفاست میں اپنی مثال آپ تھا۔ ایک یکتا، ایک حسین اسٹینو ٹائپسٹ، دو کلرک، ایک چپراسی اور دو جونیئر مجھ سے پہلے ہی نصرت حسین صاحب کے اس دفتر میں موجود ہوا کرتے تھے۔ نصرت حسین صاحب کا خوبصورت ڈیکوریٹڈ کیبن دفتر کے آخری حصے میں تھا اور موکلوں کے بیٹھنے کے لیے ایک الگ ویٹنگ روم موجود تھا۔ بیرسٹر صاحب اپنے کیبن میں کرسی پر تنہا بیٹھے تھے۔ میں کئی بار ان کے دفتر میں آ چکا تھا لیکن آج ان کے کیبن کی ترتیب کچھ بدل گئی تھی اور یہ انتظامات میرے لیے کیے گئے تھے۔ کیبن کے ایک گوشے میں ایک اور شاندار میز لگا دی گئی تھی جو پہلے یہاں موجود نہیں

تھی، میں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی اور مجھے اجازت مل گئی۔

"آؤ شارق، وہ تمہاری سیٹ موجود ہے۔" انھوں نے مسکرا کر نئی میز کی طرف اشارہ کیا۔

"سوری سر! میرا خیال ہے یہ آپ نے اصولی طور پر غلط کیا ہے آپ کے دو جونیئر باہر بیٹھتے ہیں۔ میری جگہ بھی وہیں ہونا چاہیے تھی۔"

"اگر تم مجھے اپنا سینئر سمجھتے ہو اور میرے پاس پریکٹس شروع کرنے آئے ہو تو اصولی طور پر ہی تمہیں میرے اوپر نکتہ چینی کا حق نہیں پہنچتا براہِ کرم اپنی کرسی پر بیٹھ جاؤ۔" نصرت حسین صاحب کی فطرت عود کر آئی میں نے گردن خم کی اور اپنی کرسی پر جا بیٹھا، تب وہ مسکرا کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"دیکھو میاں! تمہاری شیطنت بھری شرارت سے میں بھی واقف ہوں اور حقیقی بات یہ ہے کہ ابّو نے یہ فیصلہ کر کے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے لیکن یہ یاد رکھنا کہ اوّل تو تم میرے بھائی ہو، دوسری بات یہ کہ تمہیں تھوڑا مشقّت لگانا بھی ضروری ہے تاکہ تم اپنی حرکتوں سے گریز کرو اور میری عزت کا خیال رکھو۔"

"آپ کے خیالات اس ناچیز کے بارے میں اتنے خراب ہیں، مجھے اس کا افسوس ہے لیکن میں اس بات کا مکمل خیال رکھوں گا کہ یہاں آپ میرے سینئر ہیں اور مجھے آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔"

"شکریہ! میں تمہیں کچھ فائل دیتا ہوں۔ یہ وہ کیسز ہیں جنھیں میں جیت چکا ہوں۔ میں اپنے ہر کیس کی خواہ وہ ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ باقاعدہ تفصیلی فائل ریکارڈ کے طور پر رکھتا ہوں تمہیں ان سے بہت مدد ملے گی۔" نصرت حسین صاحب نے بیل بجا کر چپراسی کو اور پھر اس کے ذریعے اپنی سیکرٹری کو بلایا اور حسنِ مجسم اسٹینو ٹائپسٹ لڑکی اندر داخل ہو گئی حسین لباس سے آراستہ اس قیامت کے چہرے کی سنجیدگی بتاتی تھی کہ نصرت حسین جیسے خشک آدمی کے دفتر میں نوکری کر کے وہ خوش نہیں ہے۔ نصرت حسین صاحب نے اسے کچھ ہدایات دیں اور وہ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دو فائل لا کر میرے سامنے رکھ دیے تھے۔

میں پوری سنجیدگی سے ان فائلوں میں غوطہ زن ہو کر قانونی نکات کی آنکھ مچولی دیکھنے لگا۔ قانون کا امتحان میں نے بھی پاس کیا تھا، اس لیے ضروری نکات کو سمجھنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ بیرسٹر نصرت حسین کی پُرمغز ذہنی کاوشوں کا اندازہ ان فائلوں سے ہو جاتا تھا ویسے بھی وہ شہر کے چند معروف وکلاء میں سے ایک تھے اور اپنی زندگی میں شاید ہی کوئی کیس ہارے تھے۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک میں نے ایک فائل کی ورق گردانی کی۔ اس دوران میں دو دفعہ میرے لیے چائے آئی تھی۔ نصرت حسین صاحب اپنے معمولات میں مشغول تھے۔ پونا ایک بجا تھا اس وقت جب دو خواتین نصرت صاحب کے پاس آئیں، ان میں ایک عمر رسیدہ تھیں اور دوسری اٹھارہ اُنیس سالہ۔ دونوں کے چہروں پر غم آلود سنجیدگی چھائی ہوئی تھی، بڑے دُکھی چہرے تھے ان کے...!

"فرمایئے؟" نصرت حسین نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ شاید مجھے پہچان نہیں سکے بیرسٹر صاحب، میں مسز عباسی ہوں، راحیل عباسی کی ماں۔ یہ میری بیٹی قدسیہ عباسی ہے۔"

"اوہ! جی ہاں، میں پہچان گیا آپ کو، فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" میں نے نصرت حسین کا لہجہ بدلتا ہوا محسوس کیا تو مجھے ان دونوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔

"بیرسٹر صاحب! آپ بہت بڑے انسان ہیں، ہمیں آپ کے بارے میں معلوم ہو چکا ہے، بہت بڑا خاندان ہے آپ کا، اس لیے میں التجا کرتی ہوں کہ ایک چھوٹے سے خاندان پر رحم کر دیں بیرسٹر صاحب اس خاندان میں صرف چار انسان ہیں، صرف چار۔" اتنا کہہ کر بوڑھی عورت کی آواز آنسوؤں میں ڈوب گئی۔

"میں سمجھا نہیں؟" نصرت صاحب حیرانگی سے بولے۔

"راحیل ہماری زندگی بھر کی محنت ہے بیرسٹر صاحب! وہ اس بچی کا بھائی ہے جس نے ابھی دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔ بوڑھے باپ نے زندگی بھر اس کے لیے محنت کی ہے۔ میرا اور کوئی بیٹا نہیں ہے بیرسٹر صاحب! یہ خاندان زندہ درگور ہو گیا ہے، رحم کریں ہم پر بیرسٹر صاحب... رحم کریں۔" بزرگ خاتون کی سسکیاں اُبھرنے لگیں۔

"آپ غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہیں محترم خاتون! میں بیرسٹر ہوں، جج نہیں۔" نصرت صاحب نے کہا۔

"جج آپ کے بھائی ہیں، آپ ایاز احمد کی طرف سے یہ کیس لڑ رہے ہیں، فیصلہ کیا ہو گا، میں جانتی ہوں۔"

"گویا آپ یہ الزام لگانا چاہتی ہیں کہ ہم دونوں بھائی مل کر آپ کے بیٹے کو سزائے موت دینا چاہتے ہیں۔" نصرت صاحب تلخ لہجے میں بولے۔

"نہیں بیرسٹر صاحب، میں کوئی الزام نہیں لگا رہی، آپ اگر چاہیں تو... تو میرے بچے کی جان بچ سکتی ہے۔ ایک ماں دیوانگی کی حدود میں داخل ہونے سے بچ سکتی ہے۔ اپنی ماں کو نگاہ میں رکھ کر مجھے دیکھیں، میری کسی بات کو غلط نہ سمجھیں، آپ حقائق کا سطحی نگاہ سے جائزہ نہ لیں، اپنے مؤکل کی پیروی صرف اس لیے نہ کریں کہ وہ آپ کا مؤکل ہے۔ ایک بے گناہ کی زندگی بچا لیں، خدا آپ کو اس کے عوض بہت کچھ دے گا۔ آپ یہ کیس ہار جائیں بیرسٹر صاحب! اسے اپنی انا کا

سوال نہ بنائیں، اس ہار کے عوض خدا آپ کو دونوں جہان میں سرفراز کرے گا۔"

"عجیب گفتگو کر رہی ہیں آپ، میں وکیل ہوں، حالات میرے علم میں جس ثبوت کے ساتھ آئے ہیں، ان سے انحراف کیسے کر سکتا ہوں، وہ بھی تو انسان تھی جس پر آپ کے بیٹے نے ظلم کیا جس نے اس سے اس کی آبرو، اس کی زندگی چھین لی، بتایئے کیا وہ کسی کی بیٹی نہیں تھی، کیا وہ انسان نہیں تھی؟"

"خدائے بزرگ و برتر کی قسم بیرسٹر صاحب! اگر میرا بیٹا ایسا کرتا تو میں آپ سے التجا کرتی کہ ایسے درندے کو کتے کی موت مار دیا جائے لیکن اس نے یہ سب کچھ نہیں کیا، وہ بے گناہ ہے، اس کی اپنی بہن ہے، ماں ہے اس کی... میں اسے جانتی ہوں ایک ماں کی نگاہ اپنی اولاد کی پوری زندگی پر ہوتی ہے، وہ ایسا نہیں ہے میں جانتی ہوں، مجھے معلوم ہے۔"

"قانون، ماں کی نگاہ نہیں ہوتا خاتون! حالات اور ثبوت جو کچھ کہتے ہیں، وہی قانون مانتا ہے، میں ایاز صاحب کا وکیل ضرور ہوں لیکن اگر آپ کا بیٹا بے گناہ ہے تو زبردستی صرف یہ کیس جیتنے کے لیے اُسے سزائے موت نہیں دلواؤں گا، اُسے گناہ گار ثابت کرنے کے لیے جو ثبوت موجود ہیں صرف ان کی روشنی میں کام کیا جا رہا ہے۔"

"خدا کے لیے بیرسٹر صاحب... خدا کے لیے رحم کریں ہم پر.... رحم کریں ہم پر، جلد بازی نہ کریں، پہلے چھان بین کر لیں۔ وہ مجرم ہو تو ضرور اُسے سزا دیں اور اگر... اور اگر...!" خاتون کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"میرے وقت کا خیال کیجیے، میں مصروف ہوں۔" نصرت حسین صاحب نے کہا۔

"اُٹھیے امی، چلیے۔" پہلی بار لڑکی کی آواز اُبھری۔ اس نے سہارا دے کر بزرگ خاتون کو اُٹھایا اور بزرگ خاتون کھڑی ہو گئیں۔ انھوں نے آنسوؤں سے تر چشمہ صاف کیا اور کراہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

میں پتھرائی نگاہوں سے ان ماں بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ سر میں درد ہو گیا "چائے پیو گے شارق؟" بیرسٹر صاحب کی آواز اُبھری۔

"ضرور بھائی جان!" میں نے سامنے رکھا فائل ایک طرف سرکا دیا اور نصرت صاحب نے بیل بجا کر چپراسی کو چائے لانے کا حکم دیا۔ پھر بولے "ایسے ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے، محترمہ نے صاف الزام لگا دیا کہ ہم دونوں ایاز احمد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ یہ کیس بھائی جان کی عدالت میں چل رہا ہے۔"

"کیس کیا ہے بھائی جان؟"

"ایاز احمد قالین کے ایک بڑے ایکسپورٹر ہیں، کافی بڑا کاروبار ہے ان کا۔ مقتولہ ندرت رضا، ایاز احمد کی بھتیجی تھی۔ بھائی کے انتقال کے بعد ایاز احمد ہی اس کے سرپرست تھے۔ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی اور ایاز احمد کے شو روم میں بھی اس نے ذمے داریاں سنبھال رکھی تھیں۔ ملزم راحیل پانچ ماہ قبل ایاز احمد کے پاس ایکسپورٹ منیجر کی حیثیت سے ملازم ہوا تھا۔ دوسرے ہی مہینے اس نے ندرت سے راہ و رسم بڑھانا شروع کر دیا اور اکثر اُسے ندرت کے ساتھ دیکھا جانے لگا۔ ایاز احمد نے اس بات کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا تھا لیکن وہ کسی مناسب وقت کی تلاش میں تھے تاکہ ان دونوں کو سرزنش کریں۔ ندرت کو وہ بیٹیوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے کیونکہ ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں ہے۔ ایک شام ندرت، راحیل کے ساتھ اپنی کار میں گئی اور اس کے بعد لاپتا ہو گئی۔ دوسرے دن اس کی لاش شہر سے باہر ایک سنسان مقام پر پائی گئی۔ اُسے چھری کے پے در پے وار کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بدن پر جگہ جگہ ایسے نشانات پائے گئے، جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس پر دست درازی کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کامیاب نہ ہونے کی شکل میں اُسے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ بے چارے ایاز احمد اس صدمے سے نیم پاگل ہو گئے۔ انھیں شدت سے اس بات کا احساس ہے کہ وہ بھائی کی امانت کی حفاظت نہ کر سکے۔ تمام شبہات راحیل کے خلاف جاتے ہیں۔ ندرت اُس کے ساتھ گئی تھی، وہ اس سے متاثر تھی۔ کئی لوگوں نے دفتری اوقات کے بعد ہوٹلوں اور پارکوں میں انھیں یکجا دیکھا تھا۔ چنانچہ راحیل کو گرفتار کر لیا گیا اور پھر راحیل کا خون آلود لباس بھی دستیاب ہو گیا، جسے اس نے اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک زیرِ تعمیر عمارت میں گٹھری بنا کر پھینک دیا تھا۔ اس کے بعد کوئی گنجائش نہ رہی اور راحیل کو قاتل سمجھ کر دفعہ ۳۰۲، ۳۷۶، الف اور ۳۶۴ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ایاز صاحب ابّو کے دوستوں میں سے ہیں۔ پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے انھوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا کیونکہ وہ مجرم کو بدترین سزا دلوانا چاہتے ہیں اور بہرحال یہ میرا پیشہ ہے۔"

ملازم چائے لے آیا۔ میں نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہا "صرف انہی دو ثبوتوں کی بنا پر راحیل کو قاتل سمجھ لیا گیا بھائی جان؟"

"صرف...؟" نصرت صاحب آنکھیں پھاڑ کر بولے "آلۂ قتل دستیاب ہو گیا، مجرم کا خون آلود لباس مل گیا، یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اس شام دفتر سے راحیل کے ساتھ نکلی تھی، اس سے زیادہ اور کیا چاہیے؟"

"یقیناً سو فیصد، دلچسپ کیس ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"راحیل کو سزائے موت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔" نصرت صاحب نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں خاموشی سے چائے پیتا رہا پھر میں نے کہا "اس امکان پر غور بھی نہیں کیا جا سکتا بھائی صاحب، کہ ممکن ہے قاتل راحیل کے علاوہ کوئی اور ہو؟"

"یہ غور کرنا پولیس کا کام ہے۔ ہم وکیل لوگ تو بس شواہد پر کام کرتے ہیں۔ پولیس کارروائی کر رہی ہے، جو کچھ ہمارے سامنے آئے گا، ہم اس کی روشنی میں کام کریں گے۔"

"بالکل... بالکل...!" میں نے گردن ہلائی لیکن بات دل میں چبھ سی گئی تھی۔ راحیل مجرم ہے تو اسے ضرور سزا ملنی چاہیے اور اگر نہیں ہے تو... لیکن اپنے اس احساس کی ہوا بھی میں نے بیرسٹر صاحب کو نہ لگنے دی اور دوبارہ فائل کھول کر سامنے رکھ لیے۔ یہ تھا میرے کام کا پہلا دن!

دوسرے دن ایک پیشی کے سلسلے میں بیرسٹر صاحب اپنے ایک جونیئر کے ساتھ ہائی کورٹ گئے ہوئے تھے۔ میرا چونکہ دوسرا دن تھا، اس لیے ابھی مجھے ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ میں نے حسن مجسم سیکرٹری کو بلا کر راحیل کیس کا فائل طلب کر لیا، جو مجھے فوراً دے دیا گیا۔ میں اس فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ مکمل فائل پڑھنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بس کچھ اہم نکتے میں نے نوٹ کر لیے تھے، اس کے بعد بقیہ وقت میں نے معمول کے مطابق دفتر میں گزارا اور شام کو نصرت صاحب سے اجازت لے کر اٹھنے لگا تو پوچھنے لگے۔

"گھر نہیں چلو گے؟"

"کچھ دوستوں کو وقت دے رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" انھوں نے گردن ہلا دی اور میں بائیک اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ چوبیس گھنٹے سے زائد عرصہ گزر چکا تھا لیکن نگاہوں میں غم آلود سسکیاں بھرتی ہوئی ماں کی پُرامید نگاہیں اور بیرسٹر صاحب کے چہرے پر اپنے بھائی کی زندگی کی تلاش میں نگاہیں جمائے ہوئے وہ سادہ سے نقوش کی لڑکی پر مشتمل گھرانے کی دونوں صورتیں محفوظ تھیں۔ فائل میں جو کچھ پڑھا تھا، وہ سب راحیل کو مجرم ثابت کرتا تھا لیکن میری پُرتجسس نگاہوں نے جائزہ لے لیا تھا کہ ان شواہد کی ترتیب میں ان گہرائیوں پر نگاہ نہیں رکھی گئی، جو اس میں پوشیدہ تھیں، جو صرف یہ سوچ کر نظر انداز کر دی گئی تھیں کہ کیس ایاز احمد صاحب نے بیرسٹر صاحب کے سپرد کیا ہے اور وہ اپنی بیٹی کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اختلاف اس بات سے نہیں تھا کہ قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ اختلاف صرف اس بات سے تھا کہ کوئی بے گناہ موت کی آغوش میں نہ جا سوئے۔

قانون سے متعلق بہت سے ایسے واقعات اور کیس پڑھے تھے جن میں بے گناہوں کو سزائیں دے دی گئی تھیں اور بعد میں قانون کو کف افسوس ملنا پڑے تھے۔ میرا نظریہ تھا کہ جو شخص سوچا سمجھا جرم کرتا ہے وہ اس جرم کی مکمل پلاننگ کرتا ہے۔ اس پلاننگ میں کبھی صرف اپنی گردن بچانے پر غور کیا جاتا ہے اور کبھی کسی بے گناہ کو پھانسنے پر۔ مجرم کو سزا ضرور ملنی چاہیے لیکن بے گناہ کو نہیں... اور کسی کا وکیل بننے کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے اپنے مؤکل کے حق میں کام کیا جائے بلکہ اگر کوئی بے گناہ نگاہوں کے سامنے آ رہا ہے تو اس زندگی پر بھی توجہ دی جائے، جو اپنی معصومیت میں یا اپنی بے گناہی کی وجہ سے موت کی آغوش کی طرف بڑھ رہی ہو۔

راحیل اگر کسی جذباتی لغزش کا شکار ہوا ہے تو مجبوری تھی۔ ظاہر ہے جذبات پر قابو رکھنا بھی ضروری ہے، انسان کی ایک لغزش اس کی پوری زندگی کے راستے تبدیل کر دیتی ہے اور اگر سزا نہ دی جائے تو مجرم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

بہرحال میں نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح بھی بن پڑے گا کم از کم یہ معلوم کرنے کی کوشش ضرور کروں گا کہ راحیل مجرم ہے یا نہیں۔

فائل میں ایاز احمد صاحب کی کوٹھی کا پتا بھی تھا اور راحیل کے والد احتشام عباسی کی رہائش گاہ کا بھی۔

عجیب مزہ لگ رہا تھا کیونکہ مسئلہ صرف اصولوں کا ہی نہیں بلکہ بھائی جان کی حیثیت کا بھی تھا لیکن ابو کے فیصلے سے بیرسٹر نصرت حسین صاحب بلاوجہ ہی خوفزدہ نہیں ہوئے تھے، اس کی گہرائیوں میں، میں تھا۔

موٹر بائیک احتشام عباسی صاحب کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑی اور تھوڑی دیر کے بعد میں ایک علاقے کے ایک متوسط مکان کی جانب پہنچ کر رک گیا۔ موٹر بائیک کھڑی کی، بیل بجائی تو اسی لڑکی نے دروازہ کھولا۔ غالباً بیرسٹر صاحب کے دفتر میں اس نے میرے چہرے پر غور نہیں کیا تھا۔ اس نے سوالیہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا تھی۔

"فرمایئے کس سے ملنا ہے؟"

"مجھے مسز عباسی یا احتشام عباسی صاحب سے ملنا ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ کا نام...؟"

"شارق کے نام سے پکار سکتی ہیں آپ مجھے اور یہی نام اندر بتا دیجیے گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک معمولی فرنیچر سے آراستہ برآمدے میں بٹھا دیا گیا اور یہاں احتشام عباسی صاحب نے مجھ سے

ملاقات کی۔ غم و اندوہ کی مکمل تصویر تھے وہ... ایک پاؤں فالج زدہ تھا، اسی سمت کی آنکھ سے مسلسل پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے سلام کیا تو وہ مجھ سے مصافحہ کر کے میرے سامنے بیٹھ گئے۔ مسز عباسی چونکہ انھیں سہارا دے کر لائی تھیں، اس لیے وہ ایک گوشے میں کھڑی ہو گئیں۔

"میں نے پہچانا نہیں آپ کو؟"

"خدائی فوجدار سمجھ لیجیے۔" میں نے جواب دیا۔

"جی...؟" احتشام صاحب متعجبانہ انداز میں بولے۔

"جی ہاں، یہ خاتون غالباً مجھے پہچان نہیں سکیں۔ یہ اپنی صاحبزادی کے ساتھ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے دفتر گئی تھیں۔"

"اوہ! ہاں... غالباً آپ ان کے دفتر میں موجود تھے۔" مسز عباسی نے اداس لہجے میں کہا۔

"جی ہاں، تشریف رکھیے گا۔ میں نصرت حسین صاحب کا جونیئر ہوں۔ آپ کو یہ بتانے میں بھی کوئی عار نہیں سمجھتا کہ میں ان کا سگا چھوٹا بھائی ہوں۔"

مسز عباسی، شوہر سے کچھ فاصلے پر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"آپ نے دوران گفتگو فرمایا تھا مسز عباسی کہ ایاز احمد ایک دولت مند انسان ہیں، کیس انھوں نے خصوصاً میرے سب سے بڑے بھائی جج امجد حسین کی عدالت میں ٹرانسفر کرایا ہے اور پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے بیرسٹر نصرت حسین کو دعوت دی گئی ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا خاتون کہ ایک بھائی جج ہے اور دوسرا بیرسٹر، فیصلہ جو کچھ ہو گا آپ اس سے واقف ہیں۔ میں آپ کے اس نظریے سے اختلاف کرنے آیا ہوں۔"

"نہیں بیٹے! الزام نہیں لگایا تھا میں نے، بس ماں ہوں نہ جانے کیسے کیسے خدشات میرے ذہن میں آتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ بعض اوقات وہ بک جاتی ہوں، جو نہیں کہنا چاہیے، دل کی باتیں زبان پر آ جائیں تو خطرات بڑھ جاتے ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا، جو ماں کے دل کی گہرائیوں کو سمجھ سکے۔ ان گہرائیوں میں جھانک سکے۔ تم تو نوعمر ہو بیٹے، ظاہر ہے اس درد کو نہیں سمجھ پاؤ گے، جو مجھے ہر وقت بے چین کیے رہتا ہے۔ میں نے وہاں دفتر میں بھی بیٹھ کر کہا تھا کہ راحیل اگر دیوانگی کا شکار نکل آئے تو پھر میں خدا سے صبر کی التجا کروں گی اور یہ سوچوں گی کہ جو کچھ اس نے کیا، اس کی موت پر ہی ختم ہو جائے اور اس کے اثرات میری بیٹی پر ظاہر نہ ہوں، کیونکہ ہم بے گناہ ہیں لیکن اگر راحیل بے گناہ ہے تو کوئی تو ایسا ملے جو اس کی بے گناہی کا اعلان کرے۔ بیٹے کچھ ثبوت اس کے خلاف مہیا ہو چکے ہیں لیکن وہ حقیقت نہیں ہیں۔ میں نے ایک ماں کی زبان میں اپنے بیٹے سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اس دیوانگی کا شکار ہوا ہے لیکن شاید تم یقین نہ کرو، میں ایک بار پھر تم سے کہوں گی کہ اپنا بچپن یاد کر لو کہ اپنی ماں سے تم کس طرح اور کس حد تک جھوٹ بول سکتے تھے اور اگر بولتے تھے تو کس طرح وہ جھوٹ کی حقیقت جان لیتی تھی۔ میں نے بھی اسی ماں کی حیثیت سے راحیل کے الفاظ کو پرکھا اور جانچا۔ اس نے مجھ سے میری قسم کھا کر کہا کہ اس جرم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے بیٹے اور میں خدا کی عدالت میں یہ گواہی دینے کو تیار ہوں کہ میرا بچہ بے گناہ ہے۔ اس نے وہ سب کچھ نہیں کیا، جو اس کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ انسان کی عدالت میں کوئی اس بات کو ثابت کرے تو میں جانوں کہ اس نے حق انسانیت ادا کیا، کوئی نہیں ہے ایسا، کوئی نہیں ملتا، کیا کروں؟" مسز عباسی کی آواز بھرا گئی۔ ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگ چکے تھے۔

میں نے انھیں تسلی دینے کے لیے کہا "خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیے۔ براہ کرم حوصلہ رکھیں۔ آپ کو تعجب ہو گا کہ آپ کے مخالفین میں سے ایک شخص یہاں کیوں آیا ہے۔ میں اپنی وکالت نہیں کرنا چاہتا۔ والدین وکیل بنانے کے لیے کوشاں ہیں لیکن میری ذات ذرا مختلف ہے۔ میں انھی حقیقتوں پر کام کر کے اپنی زندگی میں کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہوں، جو سچائیوں پر مبنی ہوں۔ بیرسٹر نصرت حسین کا جونیئر ہونے کے باوجود... اگر راحیل بے گناہ ہے، تو میں وہ ہوں جو عدالت میں اسے بے گناہ ثابت کروں گا۔ اپنے بھائی بیرسٹر نصرت حسین کے خلاف، اپنے بڑے بھائی جج امجد حسین کے فیصلوں کے خلاف میں وہ صحیح آواز عدالت میں پہنچاؤں گا، جو سچ کی آواز ہو گی۔"

بیگم عباسی ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔ لڑکی گلاس میں پانی لے آئی۔ غالباً دروازے کے عقب سے اس نے بھی میری یہ گفتگو سنی تھی۔ ماں کو پانی پلانے کے بعد اس نے آس بھرے لہجے میں کہا۔

"امی خدا کے لیے خود پر قابو پائیے، شارق صاحب کو حقیقتیں بتائیے ممکن ہے خدا ہماری مدد کے لیے آمادہ ہو گیا ہو۔"

"جو کچھ تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو بیٹے پوچھو۔ میں تمھیں ساری حقیقت بتانے کو تیار ہوں شارق! وہ سب کچھ بھی بتاؤں گی میں تمھیں جو دوسروں کو نہیں بتا سکا۔"

"جی! پہلی بات آپ یہ بتائیے محترم کہ راحیل کی تعلیم کیا ہے؟"

"بی۔ ایس سی کیا ہے اس نے۔ آگے پڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن میں معذور ہوں بیٹے، فالج زدہ ہوں۔ سرکاری ملازم تھا، فارغ

کی وجہ سے وقت سے پہلے ریٹائر کر دیا گیا ہوں، جو کچھ ملا تھا، اُس سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ راحیل تقریباً ڈھائی سال سے ملازمت کے لیے کوشاں تھا، اخبار کے اشتہار کے ذریعے اُسے یہ ملازمت ملی بہت اچھی ملازمت تھی، اس کا سلیکشن بھی آسانی سے ہو گیا۔ ایاز صاحب نے ہم پر مہربانیاں کیں اور... اور اُن کی بھتیجی غالباً راحیل سے متاثر ہو گئی، وہ شو روم میں آتی تھی۔ راحیل نے ہمیں تمام حقیقتیں بتلاتے ہوئے کہا تھا کہ وہ بُری فطرت کی لڑکی نہیں ہے بلکہ بہت ہی سادہ مزاج ہے اور راحیل سے محبت کرنے لگی ہے۔ ندرت نے راحیل کو بتایا تھا کہ ایکسپورٹ کی یہ فرم اور قالینوں کے کارخانے بے شک ایاز احمد صاحب نے قائم کیے ہیں لیکن ان میں بہت بڑا سرمایہ اُس کے اپنے والد کا بھی لگا ہوا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ اپنے مستقبل میں وہ کسی کی مداخلت قبول نہیں کرے گی اور اس کے لیے جو بھی فیصلہ کرے گی وہ خود ہی کرے گی۔ میں کسی پر الزام نہیں لگا رہا لیکن مجھے شبہ ہے کہ ایاز احمد صاحب نے غالباً اس بات سے دلبرداشتہ ہو کر راحیل کو پھانسنے کی کوشش کی ہے۔ کاش وہ اس کے لیے میرے بیٹے کا انتخاب ہی نہ کرتے۔"

عباسی صاحب کی اس گفتگو سے میرے ذہن کی کچھ گرہیں کھلنے لگیں... پھر میں نے اُن سے کہا: "آپ نے تو فاروقی صاحب کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"فاروقی صاحب ضعیف العمر آدمی ہیں کبھی کسی زمانے میں اچھے وکیل تھے لیکن اب بے چارے عمر کی اس منزل میں ہیں کہ بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے۔ بہت کم کیس ملتے ہیں انہیں، اس لیے بہت تھوڑے سے پیسوں میں وہ ہمارا مقدمہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ اپنی سی کاوشیں کر رہے ہیں لیکن مایوس ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ خدا سے لو لگائے رکھیں، ممکن ہے وہ اپنے فضل سے کوئی ایسی راہ دکھا دے جس سے راحیل کی بے گناہی ثابت ہو سکے۔"

"جی... میں آپ لوگوں کو کوئی بھروسہ، کوئی اُمید نہیں دلا رہا لیکن ایک وعدہ کرتا ہوں آپ سے کہ فیصلہ سچ کی روشنی میں ہو گا۔ میرا خیال ہے ان الفاظ کو آپ پوری طرح سمجھ گئے ہوں گے۔ بس یہی عرض کرنے آیا تھا، اجازت دیجیے۔"

"نہیں، چائے پی لو۔ کم از کم تم اُن لوگوں میں سے ہو، جو دلوں میں مدھم سی روشنی جگا دیتے ہیں۔ سنو بیٹے! نصرت حسین صاحب کے دفتر تک بھی میری بیوی نے یہی بات کہی تھی کہ اگر راحیل اس گناہ کا ذمے دار ہے یا مرتکب ہوا ہے تو پھر ہم بھی خدا سے اس کے لیے سزا کی دعا کریں گے اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہماری التجا ہے کہ اُسے زندگی دے دیں، اتنا ہی کہنا چاہتا تھا میں۔" احتشام عباسی نے کہا۔ میں نے اُن کے ساتھ چائے کی ایک پیالی پی اور پھر چلتے ہوئے اُنھیں ہدایت دی کہ میری اس آمد کو وہ صرف اپنے ذہن میں رکھیں اور بہتر ہے کہ اپنے وکیل سے بھی اس کا تذکرہ نہ کریں تاکہ بات آگے نہ بڑھ جائے۔

اُنھوں نے وعدہ کیا اور میں اُن سے رخصت ہو کر نکل آیا۔ بڑی ذمے داریاں لاد لی تھیں میں نے اپنے اُوپر، اس کے لیے مجھے بہت کام کرنا تھا۔ میری وہ لاابالی فطرت جو کسی بھی ذمے داری کی متحمل نہیں ہوتی تھی، اس وقت کہیں گہرائیوں میں جا سوئی تھی۔

گھر پہنچا تو زندگی اُنھی ہنگاموں سے معمور تھی، جو اس کوٹھی کی زینت تھے۔ میں خود بھی انھی ہنگاموں میں گم ہو گیا کیونکہ کسی ایسی بات کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، جو دوسرے لوگوں کو چونکا دے۔

میری دو روزہ رپورٹ غالباً تنویر بھائی کو بھی مل چکی تھی چنانچہ اس وقت میری ہر طرح سے پذیرائی کی جا رہی تھی۔ رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جب تمام لوگ اپنی اپنی آرام گاہوں میں پہنچ گئے تو میں بھی اُن چوبیس کمروں میں سے ایک میں آ گیا، جو میری خوابگاہ کی حیثیت سے میرے پاس تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل پڑی ہوئی تھی، جس کا آج تک کوئی مصرف سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن آج مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی۔

ٹیبل کے اُوپر رکھے ایک خوبصورت لیمپ شیڈ کو روشن کرنے کے بعد میں ایک رائٹنگ پیڈ نکال کر اور بال پوائنٹ سنبھال کر بیٹھ گیا۔

راحیل کیس کے فائل میں جو نکات میں نے پڑھے تھے، اُنھیں ذہن کی تختی سے اُتار کر کاغذ پر درج کر لیا اور اُن پر دماغ سوزی کرنے لگا کیونکہ اس سلسلے میں چند اہم باتیں میرے ذہن میں تھیں۔

راحیل کا خون آلود لباس... وہ چھُری جس سے ندرت کو قتل کیا گیا۔ دورانِ قتل کا وقفہ... راحیل کا گھر پہنچنا... اور بھی بہت ساری چیزیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ بہت کچھ سوچا میں نے بہت دیر تک غور کرتا رہا اور بالآخر یہی فیصلہ کیا کہ خفیہ طور پر وکیل فاروقی صاحب سے ملاقات اور اُن سے اس سلسلے میں گفتگو کی جائے اور پھر اپنے خیالات کا اظہار اُن پر کر دیا جائے۔ یہ تمام باتیں بلاشبہ نصرت حسین صاحب کے خلاف جاتی تھیں لیکن میں تو پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ آئی جی صاحب نے میرا امتحان نہیں لیا بلکہ نصرت حسین صاحب کا امتحان لیا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری کے سلسلے میں کس حد تک مخلص ہیں اور نصرت حسین صاحب کو میں دیکھ چکا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہیں۔

میرے اہلِ خاندان میں سے ہر شخص اس عالیشان کوٹھی جس کا نام اُنھوں نے چُھپا کر آشیانہ رکھ دیا تھا، میں چار چاند لگانے میں کوشاں تھا۔ آئی جی صاحب اصول پرست تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اُنھوں نے اپنی زندگی بدعنوانیوں میں گزاری اگر ایسا ہوتا تو اُن کی بدعنوانیوں کی کوئی کہانی کبھی نہ کبھی منظرِ عام پر آ چکی ہوتی لیکن یہ کروفر یہ شان و شوکت ہمیں ورثے میں نہیں ملی تھی۔ یہ سب انھی کا بنایا ہوا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کے بعد اس میں مزید اضافہ جج امجد حسین، ایس پی طارق حسین اور بیرسٹر نصرت حسین نے کیا تھا۔ آئی جی صاحب نے اپنی زندگی بے شک ایمان اور اصول کو مدِ نگاہ رکھ کر گزاری تھی لیکن کم از کم بیرسٹر نصرت حسین کو میں اس انداز میں دیکھ چکا تھا کہ اُنھوں نے دو مظلوم خواتین کو مایوس واپس کر دیا تھا اور تسلی کے دو بول بھی نہ بولے تھے جبکہ انسانیت اُس کے منافی تھی۔ کم سے کم یہ اعتراف ہی کر لیتے اُن کے سامنے کہ اگر راحیل بے گناہ ہے تو وہ صرف اپنی فیس کے لیے اُسے موت کے گھاٹ اُتروانے کی کوشش نہیں کریں گے اور یہیں سے میرا ان سے اختلاف شروع ہو گیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں نے بھی منافقت سے کام لیا تھا اور بہر طور میں دنیا ناشناس نہیں تھا۔ کچھ کرنے کے لیے کچھ ہونا بہت ضروری ہے اور اب یہ ہونا شروع ہو چکا تھا۔

تیسرا دن بھی حسبِ معمول تھا۔ صبح جلدی آنکھ کھل جانے کے باعث میں بستر پر پڑا انتظار کرتا رہا اور آج کے پروگراموں پر غور کرتا رہا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ابھی سے بیرسٹر صاحب کو مجھ پر کسی قسم کا کوئی شک ہو۔ اس لیے بہت ہی نیازمندانہ انداز میں اُن کے دفتر میں داخل ہوا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ہمیشہ مجھ سے پہلے دفتر پہنچ جاتے تھے۔ اس وقت بھی وہ کورٹ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

"اگر تم کورٹ چلنا چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے ہو۔ ایک کیس کی پیروی کرنی ہے۔ اگر موڈ نہ ہو تو دفتر میں بھی بیٹھ سکتے ہو۔"

"نہیں اگر آپ یہ بہتر سمجھتے ہیں سر کہ مجھے آپ کے ساتھ کورٹ چلنا چاہیے تو جو حکم...!"

"تو پھر آؤ چلتے ہیں۔"

میں نے بائیک وہیں چھوڑ دی اور بیرسٹر صاحب کے ساتھ اُن کی خوبصورت کار میں ہائی کورٹ چل پڑا۔ کورٹ میرے لیے اجنبی جگہ نہیں تھی۔ بڑے بڑے انوکھے مناظر یہاں دیکھنے میں آتے تھے۔ آہنی ہتھکڑیاں پہنے ہوئے مجرم، اُن کی رہائی کے لیے سرگرداں اور بے سہارا اُن کے عزیز و اقارب، عادی مجرموں کا دلیرانہ انداز جیسے اُنھوں نے جرم نہ کیا ہو، کوئی قومی فریضہ انجام دیا ہو، وہ چہرے جن پر جرم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ جو عدالت میں اس طرح آئے تھے جیسے اپنی مملکت میں آئے ہوں۔ دوڑتے بھاگتے کالے کوٹ والے وکیل کچھ اپنے آپ پر نازاں، کچھ زمانے سے شاکی۔ آوازیں لگاتے ہوئے اہلکار، چائے کے برتن لیے گھومتے ہوئے بار والے... یہ تھا عدل گاہ کا ماحول۔ بار میں سینئر اور جونیئرز کے درمیان ہونے والی گفتگو، وکیل کی تلاش میں سرگرداں موکل اور اُن کے لواحقین، ضمانت کرانے کے لیے کوشاں لوگ۔ غرض زندگی کے معمولات عجیب و غریب شکل میں نمایاں تھے اور انھیں دیکھ کر لگتا تھا جیسے سارا شہر ہی جرائم میں کسی نہ کسی طرح ملوث ہو کر کورٹ آ گیا ہے۔ بیرسٹر صاحب ایک خاص کمرے میں پہنچ گئے۔ اُن کے موکل بھی معمولی لوگ نہیں ہوتے تھے۔ ایک شاندار شخصیت کے مالک آدمی نے ان سے ملاقات کی۔ اُن کے پیچھے دو مصاحب قسم کے لوگ بھی چل رہے تھے۔ نصرت حسین صاحب گفتگو کرتے ہوئے مطمئن نظر آ رہے تھے۔ بہر طور عدالت کی ان تمام کارروائیوں کو میں دوپہر ساڑھے بارہ بجے تک دیکھتا رہا۔ میں نے جج کے سامنے بیرسٹر نصرت حسین کو نہایت متحمل انداز میں اپنے کیس پر جرح کرتے ہوئے سنا۔ دل کے ایک گوشے میں پسندیدگی کے جذبات بھی اُبھرے تھے کیونکہ بھائی کے انداز میں ایک پُروقار ٹھہراؤ تھا... اور گفتگو کرتے ہوئے یہ پتا چلتا تھا کہ کوئی بیرسٹر بول رہا ہے جس کا اپنا ایک مقام ہے۔ میں نے بے شمار نگاہوں میں نصرت حسین کے لیے احترام و ستائش بھی دیکھی تھی اور اپنے دل کے گوشوں میں فخر کے جذبات بھی پلتے تھے لیکن وہ جو سچائیوں کی جانب سفر نہیں کرتے، اُن سے مجھے اختلاف تھا۔ مجھے بھی کچھ کام انجام دینا پڑے، جو بیرسٹر صاحب کے معاون کے طور پر تھے۔ بیرسٹر صاحب نے ایک دو افراد سے میرا تعارف بھی کرایا اور تقریباً ایک بجے ہم واپس دفتر پہنچ گئے۔ کافی پلوائی گئی اور بیرسٹر صاحب مجھ سے آج کی مصروفیات کے بارے میں میرے تاثرات پوچھنے لگے۔

"سچائی سے گریز نہیں کروں گا سر! یہ حقیقت ہے کہ آج میں نے اپنے بھائی کو پہلی بار عدالت میں کوئی کیس لڑتے دیکھا ہے، میں مسرور ہوں۔"

"شکریہ شارق! میں تمہیں بھی اسی مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔" بھائی جان نے کہا اور میں معنی خیز ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ بہت جلد بھائی جان سے میرے اختلاف کا آغاز ہونے والا ہے۔

میں اب پوری طرح راحیل کے کیس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اس دوران مجھے متعدد کیسز کے فائل پڑھنے کے لیے دیے گئے اور میں اُن سب کو بڑی باریک بینی سے دیکھتا رہا۔ اپنے بھائی کے کام کرنے کا انداز مجھے پسند آیا۔ بلاشبہ اس میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی لیکن بس اختلاف اس بات سے تھا کہ کیس صرف اس لیے نہ لیے جائے

کہ وہ وکیل ہیں جن میں بے شمار ایسے لوگوں کو جانتا تھا جن کی وکالت صرف اسی لیے ٹھپ پڑی ہوئی تھی کہ وہ کوئی غلط کیس لڑنے کے لیے تیار نہیں تھے اپنے بارے میں بھی مجھے اندازہ تھا کہ اگر میں نے اس پیشے کو اپنایا تو میں اُنھی کے درمیان شامل ہوں گا لیکن اپنی اس سوچ کو میں قتل نہیں کر سکتا تھا۔

پانچ چھ دن گزر گئے۔ راحیل کی پیشی میں ابھی کافی دن باقی تھے میں نے اس دوران میں اپنے تعلقات کا دائرہ بھی وسیع کرنا شروع کر دیا تھا اور پھر ایک دن موقع پا کر میں دفتر سے نکل گیا اور اس کے لیے بھائی جان سے ایک بہانہ کرنا پڑا تھا۔ میں نے عدالت میں وکیل فاروقی صاحب سے ملاقات کی۔ اس دوران میں میرا اُن سے بھی تعارف ہو گیا تھا۔ بار رُوم میں وکیل فاروقی صاحب کسی ضمانت کے کاغذات تیار کرا رہے تھے میں نے اُنھیں سلام کیا تو اُنھوں نے گردن اُٹھائی اور پھر میرا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔

"ہیلو شارق! آؤ بیٹھو بھئی۔ کیا بیرسٹر صاحب بھی ہیں؟"

"نہیں، آج میں تنہا ہوں فاروقی صاحب!"

"کس کام سے آئے ہو بیٹے؟" اُنھوں نے بزرگانہ نرمی سے پوچھا۔

"جی ہاں، آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔"

"اوہ! میرے پاس سندر تھوڑی دیر کے لیے اجازت دو تاکہ کاغذات تیار کروں پھر میرا جونیئر انھیں ضمانت کے لیے داخل کر دے گا۔ اس کے بعد کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" میں نے پُراطمینان انداز میں گردن ہلا دی۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں اور وکیل فاروقی عدالت کے احاطے سے باہر ایک چھوٹے سے ہوٹل کے کیبن میں جا بیٹھے۔

"کوئی ذاتی کام تھا مجھ سے یا عدالتی کارروائیوں کے سلسلے میں؟"

"ذاتی ہی کام تھا فاروقی صاحب لیکن اس سلسلے میں آپ سے ایک ضمانت چاہتا ہوں۔"

"کہو، کیا بات ہے؟"

"یہ گفتگو، جو اس وقت میرے اور آپ کے درمیان ہو گی آپ کو اپنی تمام تر دیانت داری اور سچائیوں کے ساتھ صیغۂ راز میں رکھنی پڑے گی۔ اگر آپ اس کا وعدہ کر لیں تو میں ابتدا کروں، ورنہ یوں ہی اُلٹے قدموں لوٹ جاؤں گا۔"

"میرے لفظوں پر یقین کرو گے یا میری ذات پر؟" فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"آپ کی ذات پر بھی اور اس سے وابستہ لفظوں پر بھی۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر اطمینان رکھو۔ تمھاری گفتگو کسی تیسرے فرد کے درمیان گردش نہیں کرے گی۔"

"آپ کے پاس ایک راحیل عباسی نامی ایک نوجوان کا کیس ہے، فاروقی صاحب!"

"ہاں... اور بدقسمتی سے تمھارے بھائی بیرسٹر نصرت حسین صاحب میرے مدِمقابل ہیں۔ وکیل سرکار اطہر بیگ کے پشت پناہ اس کیس میں وہی ہیں اور انھیں ایاز احمد صاحب نے اس پر آمادہ کیا ہے۔"

"فاروقی صاحب! مجھے والدین کے حکم کے تحت بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے جونیئر کی حیثیت سے کام سنبھالے ہوئے ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں لہٰذا اس دُنیا میں اجنبی ہوں۔ اس لیے آپ لوگوں کے سامنے گفتگو کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تاہم اپنے بارے میں سب سے پہلے ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کسی بھی سلسلے میں صرف پیشہ ورانہ کارروائیوں کا حامی نہیں ہوں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ان میں سچائیوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ مختصر یہ کہ راحیل عباسی کا کیس میرے سینے پر تجسس بنا ہوا ہے اور میں اس کی تمام پوشیدہ حقیقتیں جاننے کا خواہاں ہوں۔"

"مگر میاں اس سے فائدہ کیا ہو گا تمھیں؟"

"میں اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز ایک نیکی سے کرنا چاہتا ہوں اگر راحیل عباسی بے گناہ ہے تو اُسے سزا نہیں ملنی چاہیے کیونکہ وہ ایک گھر کا چراغ ہے تین افراد کی آرزو ہے۔"

"یقیناً، بلاشبہ ایک انسان اسی انداز میں سوچے گا بیٹے۔"

"کیا آپ کے دل میں یہ خواہش نہیں ہے فاروقی صاحب کہ راحیل اگر بے گناہ ہے تو بچ جائے؟"

"ہے، خدا کی قسم ہے۔"

"تو فاروقی صاحب اس سلسلے میں، میں آپ کو اپنی مدد کی پیشکش کرتا ہوں۔"

"کیا تمام تر سچائی کے ساتھ؟" فاروقی صاحب نے سوال کیا اور پھر جلدی سے بولے "بہت بُرا سوال ہے لیکن مجھے معاف کر دینا بیٹے! ہمارے پیشے میں بڑے بڑے عجیب کھیل ہوتے ہیں۔"

"فاروقی صاحب! جب آپ ایک بات جانتے ہیں کہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے مقابلے پر آپ کوئی بڑا کام انجام نہیں دے سکتے تو پھر یہ سمجھ لیجیے کہ بیرسٹر نصرت حسین مجھے کسی سازش کے تحت آپ کے پاس نہیں بھیج سکتے۔ یہ صرف میرا ایک ذاتی فعل ہے، جو صرف اور صرف سچائی کی سربلندی کے لیے آپ کے ساتھ مل کر انجام دوں گا۔ اس لیے میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے تعاون کریں گے۔"

"خدا تمھیں اجر دے گا بیٹے! کیونکہ فریب اور ریاکاری کے اس دور میں تم راہِ حق کی جنگ لڑ رہے ہو۔"

"تو پھر آج سے اس کیس کے سلسلے میں ہم ایک ہوئے۔"

"بیشک! تم درست کہہ رہے ہو۔"

"اب یہ فرمائیے کہ راحیل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"راحیل ایک نیک نفس اور شریف نوجوان ہے۔ جس ماحول میں اس نے پرورش پائی ہے تم خود اپنی نگاہوں سے اس کا جائزہ لے سکتے ہو۔ اس کے والد احتشام عباسی صاحب گورنمنٹ سروس میں رہے ہیں۔ میں نے اُن کے ماضی کے بارے میں پوری پوری چھان بین کی ہے۔ ایک بے داغ ماضی رکھتا ہے وہ شخص کسی ایسے سرکاری محکمے میں جہاں اُس کے پاس ذرائع آمدنی بھی ہوں، نیک نام رہنا بڑی بات ہے اور بیٹے تمھارا اس سلسلے میں کوئی تجربہ ابھی نہیں ہو سکتا کیونکہ دُنیا کو تم نے دوسری نگاہ سے دیکھا ہے۔ کوئی شخص اگر ایک طویل زندگی اس انداز میں گزارے تو ہم اُسے دوسروں سے منفرد قرار دے سکتے ہیں اور ایک نیک دار اور بااصول شخص اپنے بچوں کی تربیت بھی اسی طرح سے کرتا ہے۔ راحیل کا کالج کا پس منظر اُس کی عملی زندگی اس بات کی مظہر ہے کہ وہ جرم کی دُنیا کا انسان نہیں ہے اور قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب تو کبھی کر ہی نہیں سکتا۔ یہ تمام باتیں صرف محسوس کی جا سکتی ہیں۔ انھیں لفظی طور پر بطور ثبوت بھی پیش کیا جا سکتا ہے لیکن یہ ثبوت کوئی ٹھوس حیثیت نہیں رکھتے۔ ملازمت کی تلاش میں سرگرداں راحیل کو اخباری اشتہار کے ذریعے ایاز صاحب کی قالینوں کی فرم میں ایک اچھا عہدہ مل گیا۔ معقول تنخواہ تھی۔ وہاں اس کی ملاقات ایاز صاحب کی بھتیجی ندرت سے ہوئی۔ ندرت بھی فرم کے معاملات میں ایک کارکن کی حیثیت رکھتی تھی۔ دونوں جوان تھے۔ راحیل شکل و صورت کا بہت اچھا ہے۔ ندرت اُس سے متاثر ہو گئی۔ اس نے راحیل سے التفات کا اظہار کیا تو راحیل بھی اپنے آپ کو اس لگاوٹ سے محفوظ نہ رکھ سکا۔ جو جوانی کا خاصہ ہوتی ہے دونوں کی شامیں بارہا چند گھنٹوں کے لیے ساتھ گزریں لیکن راحیل کے کہنے کے مطابق یہ تعلقات پاکیزگی کی حدود میں تھے۔ ندرت نے کبھی کھل کر یہ بات نہیں کہی تھی کہ وہ راحیل کو پیار کرتی ہے اور نہ ہی راحیل ان الفاظ کی ادائیگی کی جرأت کر سکا تھا لیکن ندرت بارہا اس پر یہ اظہار کرتی رہتی تھی کہ وہ خود مختار ہے اور کسی کے کسی بھی فیصلے کو اپنی ذات پر حاوی نہیں ہونے دے گی گویا یہ اشارے تھے کہ اگر راحیل اس کی زندگی میں آنا چاہے تو وہ دل و جان سے اُسے خوش آمدید کہے گی۔"

"بقول راحیل کے، واردات والی شام وہ حسبِ معمول ندرت کی گاڑی میں بیٹھ کر ایک ریستوران میں گیا۔ وہاں اُنھوں نے کافی پی اور اس کے بعد ندرت اُسے اس کے گھر ڈراپ کر کے چلی گئی۔ یہ اُن کے روزانہ کے معمولات میں سے ایک معمول تھا۔ وہ شام بھی عام شاموں کی طرح عمل میں آیا تھا۔"

"کیا میں راحیل سے ملاقات کر سکتا ہوں؟"

"اگر کل فرصت نکال سکو تو ملاقات کا بندوبست کر دوں گا۔"

"ضرور آپ انتظام کر لیجیے۔" میں نے کہا۔ پھر رسمی گفتگو کے بعد میں ان سے رخصت ہو کر چلا آیا۔

اس شعبے میں قدم رکھتے ہی زندگی کی بے کیف ساعتوں میں لطف کی چاشنی گھل گئی تھی، جو زندگی کے ایک نئے رُخ سے آشنا کرا رہی تھی۔ گھر کے معمولات جوں کے توں تھے۔ لوگ میرے بارے میں کوئی شکایت یا کسی ہنگامے کی رُوداد سننے کے منتظر رہتے تھے لیکن ندرت بھی میری سعادت مندی و محنت کے گُن گا کر انھیں حیرتگی کے سمندر میں غوطے کھانے پر مجبور کر دیتے تھے۔

بار کونسل کے الیکشن ہونے کی وجہ سے دوسرے دن بھی بھائی جان نے تو چھٹی دے دی... پھر آج اکھاڑے کا دن بھی تھا اس لیے میں صبح صبح نکل آیا کیونکہ اپنے ان معمولات کو میں کبھی ترک نہیں کر سکتا تھا۔ استاد قدوس کے لیے کچھ تحائف لے گیا تھا۔ یہ سال اکھاڑے میں چند پٹھوں کے ساتھ زور کیے اور پھر واپسی پر ایک جگہ رُک کر فاروقی صاحب کو فون کیا۔

"ہاں، میں نے انتظام کر لیا ہے۔ بارہ بجے کا وقت ملا ہے جیل میں! کیا تم تنہا اس سے ملو گے؟"

"اگر آپ بھی ساتھ ہوں تو بہتر ہے۔"

"تمھیں کوئی مشکل تو نہیں ہو گی اور ویسے بھی پولیس کے لوگ تم سے اجنبی نہیں ہیں۔"

"میں اس کی پروا نہیں کرتا۔"

"تو پھر پونے بارہ بجے کے قریب سینٹرل جیل پہنچ جاؤ۔ میں وہیں تمھارا انتظار کروں گا۔"

"بہتر ہے۔" میں نے جواب دے کر فون بند کر دیا۔

بارہ بجے جیل میں راحیل سے ملاقات ہوئی۔ خوبصورت نقوش کے مالک چھبیس سالہ اس نوجوان کا چہرہ معصومیت کی نوازش سے سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اس نے پہلے فاروقی صاحب کو پھر مجھے دیکھا۔ انسان شناسی کا دعویٰ نہیں رکھتا۔ چہرے دھوکے بھی دیتے ہیں لیکن یہ نوجوان

ایک وحشی قاتل نہیں ہو سکتا، یہ میرا فیصلہ تھا۔

"یہ شارق ہیں اور تم سے ملنا چاہتے تھے۔"

"میں تو یہ پوچھنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ کیا خدمت کروں۔" اُس نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

"صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں راحیل۔" میں نے کہا۔

"جی ضرور...!"

"کسی وقتی ہیجان نے کسی طوفانی جذبے نے تمہیں اس جُرم کا ارتکاب کرنے پر مجبور تو نہیں کر دیا؟"

راحیل عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ "جیل میں ہوں شارق صاحب ایک قاتل، ایک مجرم کی حیثیت سے۔ میرے جواب کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے تاہم آپ نے پوچھا ہے تو بتا رہا ہوں کہ ایک دن ماں نے کہا تھا بیٹے زندگی ایک بے لگام گھوڑے کی مانند ہے اس کی لگامیں چھوڑ دو گے تو ٹھوکر کھائے بغیر نہ رہو گے میں نے ماں کی ہدایت ذہن میں رکھی پھر نہ جانے یہ سب کیوں ہو گیا۔ حالات کیا کہتے ہیں۔ ثبوت کیا حیثیت رکھتے ہیں میں یہ سب کچھ نہیں جانتا اس دُنیا میں جینے کی خواہش اب بھی میرے دل میں ہے۔ موت بھی برحق ہے لیکن موت سے پہلے یہ آرزو ضرور رکھتا ہوں کہ مجھے اس جھوٹے ظالمانہ و سفاکانہ الزام سے بری کرا دیا جائے پھر اگر مجھے مرنے کے لیے کہا جائے تو خدا کی قسم میں دس بار موت کو ہنسی خوشی گلے لگانے کو تیار ہوں۔" ان الفاظ کی ادائیگی نے اس کے حلق میں بھراہٹ اور آنکھوں میں آنسو بھر دیے تھے۔

"چلیے فاروقی صاحب!" میں نے کہا تو فاروقی صاحب چونک پڑے تھے۔

"خیریت؟"

"میرا کام ہو گیا ہے اور سنو راحیل مطمئن رہو تم نے جُرم نہیں کیا تو سزا بھی نہیں پاؤ گے خدا حافظ!" یہ کہہ کر میں پلٹ پڑا اور فاروقی صاحب حیران حیران میرے پیچھے چل پڑے تھے۔

"کوئی اندازہ شارق؟"

"راحیل قاتل نہیں لگتا فاروقی صاحب!"

"لیکن قانون کی نظر میں تو ہے۔"

"آپ کے پاس کسی جونیئر کی گنجائش ہے فاروقی صاحب؟" میں نے ایک غیر متوقع سوال کیا تو فاروقی صاحب چونک پڑے۔

"میں نہیں سمجھا؟" انھوں نے تعجب سے کہا۔

"اگر میں آپ کے پاس جونیئر کی حیثیت سے پریکٹس کرنا چاہوں ...؟" میں نے سوال کیا۔

فاروقی صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے... پھر گردن اٹھا کر آہستہ سے بولے "میں دُشمنیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا عمر کی جس منزل میں ہوں تم دیکھ رہے ہو اور پھر یہ بہت بڑے لوگوں کا معاملہ ہے۔"

"میں بھی اُن بہت بڑے لوگوں میں شامل ہوں اگر کچھ کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں تو ایثار کے لیے بھی تیار ہونا پڑے گا۔"

"ذمے داریاں پریشان کرتی ہیں کیا بتاؤں، تمھیں اپنے بارے میں اور پھر میرے پاس کوئی دفتر نہیں ہے۔ گھر کے ہی ایک کمرے میں بیٹھ کر دفتری ذمے داریاں نبھاتا ہوں اور باقی کام عدالت میں آ کر کرتا ہوں۔"

"اس کمرے میں ایک چھوٹی سی میز کی گنجائش نکال لیں بس!"

"حاضر ہوں بیٹے لیکن پروگرام کیا ہے؟"

"بہت جلد بتا دوں گا۔"

فاروقی صاحب کو اُن کے گھر چھوڑ کر واپس آتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال گردش کر رہا تھا کہ اس وسیع دُنیا میں انسان کسی دوسرے انسان کے دکھ درد کا مداوا تو نہیں بن سکتا لیکن اپنے قول و فعل اور عمل سے اس درد کی کسک تو ضرور دور کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر وہ ایک انسان کو بھی خوشیوں کی طرف لوٹا دے تو وہ اپنے دل و ضمیر کی عدالت سے انسان ہونے کا حق حاصل کر کے ایک قلبی طمانیت حاصل کر سکتا ہے میں بھی اسی طمانیت کا متلاشی تھا اور آج کی یہ کارروائی اسی خیال کے تحت تھی۔ دوسرے دن دفتر میں میں نے بھائی جان سے بات کی۔

"نصرت بھائی جان! بچپن میں کرکٹ کھیلتے ہوئے کبھی کبھی آپ مجھے باؤلنگ کرایا کرتے تھے، یاد ہے آپ کو؟"

"ہاں یاد ہے۔"

"بہت عرصے سے کوئی کھیل نہیں کھیلا، اس لیے میں آپ کے ساتھ ایک کھیل کھیلنا چاہتا ہوں۔"

"سُوجھی کیا؟" نصرت بھائی مسکراتے ہوئے بولے۔

"ہاں بھائی جان۔ معاف کیجیے، اس وقت میں آپ کو سر نہیں کہہ پاؤں گا"

"کیا بات ہے؟"

"آپ راحیل کا کیس نہ لڑیں۔ ایاز احمد صاحب کو منع کر دیں کہ آپ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

"کیا؟" بھائی جان چونک پڑے۔

"میرا ذاتی خیال ہے کہ ایاز صاحب نے راحیل پر جھوٹا الزام لگایا ہے یا پھر وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔"

"بات حماقت کی ضرور ہے لیکن اس خیال کی کوئی وجہ ضرور ہو گی اور وہ وجہ مجھے بھی بتاؤ۔"

"میں نے جیل میں راحیل سے ملاقات کی ہے۔ وہ کم از کم قتل جیسے گھناؤنے جُرم کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔"

نصرت صاحب عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔ "کس کے ایما پر تم اُس سے ملے تھے؟"

"سوری سر! یہ سوال آپ دوبارہ مجھ سے نہ کریں کیونکہ میں ایسے کسی سوال کا آپ کو جواب نہیں دوں گا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ راحیل قاتل نہیں ہے لیکن ندرت قتل کی گئی ہے اور ہمیں یہ بات ثابت کرنی ہو گی کہ ندرت کا قاتل راحیل نہیں ہے۔"

"تم بھول رہے ہو کہ تم طارق بھائی کے ساتھ نہیں نصرت کے ساتھ ہو۔ قاتل کی تلاش اور جُرم کی تفتیش پولیس کا کام ہے۔ ہمارا کام اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔"

"واہ! آپ نے اچانک مجھے ایک نیا راستہ دکھایا ہے۔ بہرحال میں یہ بات مانتا ہوں لیکن حقائق کی چھان بین کر کے صحیح بات معلوم کرنا اور کسی بے گناہ کی زندگی بچانا کیا ایک دلچسپ کھیل نہیں ہے کیا آپ مجھے اس کھیل میں باؤلنگ کرانا پسند کریں گے بھائی جان؟"

"اگر تم کسی جذباتی حماقت کا شکار ہو رہے ہو شارق تو میں بڑے بھائی کی حیثیت سے تمھیں منع کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ ہم راحیل کو پھانسی نہیں دے رہے، ہم تو صرف حالات و شہادتیں عدالت کے سامنے پیش کریں گے اور ان کی ہی روشنی میں عدالت فیصلہ کرے گی۔"

"حالات کی تھوڑی سی چھان بین بھی کر لی جائے تو کیا حرج ہے؟"

"نہیں، یہ ہمارا کام نہیں ہے۔"

"تب یہ کام میں کروں گا۔"

"یہ بات جانتے ہو کہ ایاز احمد ابو کے دوست ہیں۔" بھائی جان چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"گویا ابو کا کوئی بھی دوست کسی بے گناہ کی جان لے سکتا ہے؟"

"یہ سوال اگر مناسب سمجھو تو ابو سے ہی کر لو۔"

"واہ! کمال کر رہے ہیں بھائی جان۔ آپ نے مجھے ایک اور راستہ دکھا یا ہے بے حد شکریہ! میں آپ لوگوں کی رہنمائی ہی میں وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں جو میں چاہتا ہوں۔"

"میں پہلے ہی جانتا تھا۔" نصرت حسین صاحب ناخوشگواری سے معمور لہجے میں کہنے لگے "تمھیں راحیل سے میری اجازت کے بغیر نہیں ملنا چاہیے تھا۔ یہ ہمارا گھر نہیں ہے کہ جو جی چاہے کرتے پھرو۔ اس دفتر کے اُصول ہیں اور میں انھیں برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری اس حرکت کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہی کہ تم یہاں موجود رہو یہاں میرے بے شمار فائل ہیں تمہاری وجہ سے مجھے کوئی بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"اس کے امکانات ہیں بھائی جان! میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ آپ کے پُرانے کیس میرے سامنے آ رہے ہیں اگر کسی فائل سے مجھے ایسی کچھ معلومات حاصل ہوئیں کہ کوئی بے گناہ آپ کی وجہ سے سزا بھگت رہا ہے تو میں اس کیس کو نہ صرف دوبارہ زندہ کرواؤں گا بلکہ نئے سرے سے یقیناً عدالتی چارہ جوئی بھی شروع کر دوں گا۔"

"اس لیے آج کے بعد دوبارہ تم اس دفتر میں قدم نہیں رکھو گے کسی بھی حیثیت سے۔"

"خدا حافظ!" میں اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر بھائی جان کے قریب پہنچ کر ان سے مصافحہ کرنے کی ناکام کوشش کر کے دفتر سے باہر نکل آیا۔ یہ سب کچھ میری توقع کے مطابق تھا۔

ایک عمدہ سی فلم کا شو دیکھا پھر ایک ہوٹل میں رات کا کھانا کھایا۔ جانتا تھا کہ گھر میں کھانا ذرا مشکل ہو گا اور پھر اطمینان سے کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ سب کچھ وہی تھا جس کی اُمید لے کر گیا تھا یعنی عدالت میری پیشی کی منتظر تھی۔

"کیا کر ڈالا تم نے شجو! تمام خوشیاں ملیامیٹ کر دیں۔ ہم سب تو بہت خوش تھے۔" تنویر بھائی نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"خوشیاں صرف اس گھر کی میراث نہیں ہیں بھائی کچھ مصائب زدہ گھرانے بھی خوشیوں کے منتظر ہیں میں تھوڑی سی خوشیاں اُنھیں دینے کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں۔"

"ابو کا حکم ہے کہ تم جو نہی گھر میں داخل ہو ان کے پاس پہنچا دیے جاؤ۔"

"بسم اللہ... !" میں نے گردن خم کر کے کہا اور مارچ کرتا ہوا ابو کی عدالت میں پیش ہونے چل پڑا سب موجود تھے۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟" ابو غرائے۔

"باہر سے۔" میں نے جواب دیا۔

"گھر والوں کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں بے اصولوں کے لیے اس گھر میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"آئندہ خیال رکھوں گا۔" میں نے دلی تابعداری سے کہا۔

"نصرت نے تمہاری سرکشی کے بارے میں بتایا ہے۔ یہ کیا حرکت شروع کر دی ہے تم نے؟"

"نصرت بھائی پوری کہانی سُنا چکے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!"

"کتنی فیس مل رہی ہے انھیں اس کیس کی۔ غالباً پچیس ہزار میرے اکاؤنٹ سے یہ رقم لے لی جائے۔" میں نے کہا۔

"آپ کا اکاؤنٹ؟" لالہ رُخ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اُدھار رہی فالہ رُخ... ادائیگی کر دوں گا" جی ہاں میرا اکاؤنٹ۔ پچیس ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہیں اس میں۔ آپ لوگ ایک بار اس بکتے ہوئے خاندان سے مل لیں اُن کے پھٹتے ہوئے سینوں میں جھانک لیں خدا کے فضل سے اس خاندان میں چار بیٹے ہیں لیکن اُس معذور باپ کا ایک ہی بیٹا ہے۔ یہ اُس کنواری بہن کا ایک ہی بھائی ہے۔ اُس ماں کا صرف ایک ہی سہارا ہے۔ ایک بے گناہ نوجوان جس کی زندگی کی کہانی ختم کی جا رہی ہے۔ میں ابھی وکیل نہیں بنا لیکن میں اس کی وکالت کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں۔"

"تم نے اُسے بے گناہ قرار دے دیا شارق؟" جج صاحب نے کہا۔

"ہاں بھائی جان اور کوشش کروں گا کہ آپ بھی اُسے بے گناہ ہی قرار دیں۔ میں جانتا ہوں اس معصوم خاندان سے آپ لوگوں کو کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔

"اگر وہ بے گناہ ہے تو میں کیا اُسے کوئی سزا نہیں دے سکتا۔" امجد حسین بولے۔

"میں اس کے لیے اجازت چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ اسے بے گناہ ثابت کروں۔"

"قانون جانتے ہو؟ یا رشوت دے کر ایل ایل بی کیا ہے۔ تم اپنی پریکٹس مکمل کیے بغیر وکیل کی حیثیت سے عدالت میں نہیں آ سکتے۔" نصرت بھائی نے کہا۔

"اس بات کے جواب میں میں صرف مسکرا سکتا ہوں۔ یوں تم میں نے آنکھیں بھینگی کر کے باچھیں کھینچ دیں۔ عفت بھابی کے حلق سے غٹ کی سی آواز نکل گئی۔

کیونکہ وہ ہنسی روکنے میں ہمیشہ ناکام رہتی تھیں۔ کچھ اور ہونٹ بھی مسکرائے لیکن پھر ان مسکراہٹوں کو راستے ہی میں روک کر سنبھل گئے۔ نصرت بھائی میری اس حرکت اور حرکت کے جواب میں ہونے والے ردِ عمل کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے۔

"تم نے میری اجازت کے بغیر میری سیکرٹری سے راحیل کیس کا فائل کیوں طلب کیا؟" انھوں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"سیکرٹری کی چھ ماہ کی تنخواہ بھی میرے اکاؤنٹ سے۔ اس سے زیادہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ دیسے قسم لے لیجیے، وہ اس فیصلے سے پہلے کی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میرے سامنے غیر سنجیدہ ہونے کی کوشش کی جا رہی ہے۔" ابو نے دہاڑتے ہوئے کہا۔ اور سب کو سانپ سونگھ گیا پھر ابو نے کہا "ایاز احمد ایک شریف انسان ہے اُسے بھتیجی کی موت سے ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچا ہے میری سفارش پر نصرت نے یہ کیس لیا ہے اور تم اس کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے ہو؟" مخاطب میں تھا۔

"ایاز احمد کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا ابو، صرف بے گناہ راحیل کو بچانا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو بھی مجرم ہو میں کسی کی وکالت نہیں کروں گا۔ مجھے کوشش کرنے دی جائے اگر راحیل ہی مجرم ثابت ہوا تو آپ اُسے پھانسی دینے والے جلاد کی ڈیوٹی میرے سپرد کر سکتے ہیں۔"

"اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے نصرت۔" بات ابو کی سمجھ میں آ گئی۔

"محکمہ پولیس نااہل ہے ابو؟ ثبوت جھوٹے ہیں؟ سب کچھ ثابت ہو چکا ہے۔ میں اس کیس کو قبول کر چکا ہوں۔ اب کسی فضول حرکت کی گنجائش کہاں ہے؟" نصرت حسین نے کہا۔

"تو پھر عدالتی کھیل کیوں کھیلا جا رہا ہے؟ آپ میں سے کوئی بھی پستول میں کارتوس بھرے اور راحیل کو شوٹ کر دے، بلاوجہ وقت ضائع کیا جا رہا ہے۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"لیکن تم کر کیا سکو گے شارق! تم ابھی باقاعدہ وکیل نہیں ہو۔" امجد حسین نے کہا۔

"یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیا جائے۔"

"کیوں نصرت حسین کیا کہتے ہو؟"

"صرف ایک بات ابو۔ دُنیا جانتی ہے یہ کیس میرے پاس ہے۔ میں اپنی ساکھ خراب نہیں کروں گا۔ یہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے ضرور کرلے۔" نصرت حسین نے کہا۔

"میں صرف سچ کا پجاری ہوں بھائی جان اور پہلی بار میدانِ عمل میں آیا ہوں۔"

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔" نصرت حسین نے کہا۔

"اگر وہ لڑکا بے گناہ ہے تو حقیقت سامنے آنے دو نصرت! یہ جو کچھ کرتا ہے اسے کرنے دو تم اپنا کام کرو۔ ایاز احمد کو صرف مجرم چاہیے وہ جو اُس کی بھتیجی کا قاتل ہے... اگر مجرم وہ لڑکا نہیں ہے تو پولیس اصل قاتل تلاش کرے۔ میں سمجھتا ہوں اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" ابو نے فیصلہ دے دیا۔ اس کے بعد کسی کے بولنے کی کیا گنجائش رہ جاتی تھی۔ عدالت برخاست ہو گئی۔

دوسری صبح تقریباً سات بجے تھے کہ میں باورچی خانے سے چائے کی ٹرے سجائے ایس پی صاحب کے بیڈ روم کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دستک دی تو شفق بھابی نے دروازہ کھول دیا۔

"ارے یہ کیا؟" وہ چیخ پڑیں۔

"چائے ہے بھابی" میں نے سوکھے منہ سے کہا۔

"کیا مذاق ہے بھئی، آؤ اندر آؤ" شفق بھابی نے پریشانی سے کہا اور میں چائے لیے اندر داخل ہو گیا۔ طارق حسین جاگ اُٹھے تھے۔ وہ بھی حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

میں نے ادب سے چائے میز پر رکھی اور پھر بولا "آپ کے لیے شکر کتنی بھائی جان؟"

"شفق اسے کیا ہو گیا ہے؟" ایس پی صاحب بولے

"پتا نہیں، مجھے کیا معلوم؟"

"بھائی جان کے لیے کتنی شکر بھابی جان؟" میں نے ان کی گفتگو پر توجہ دیے بغیر کہا۔

"ایک چمچ... ہٹو میں بناتی ہوں، ہٹو نا!" بھابی مجھے دھکیلتے ہوئے بولیں۔ پھر پیالیوں میں چائے انڈیلتے ہوئے کہنے لگیں "اس شرارت کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"دل چاہتا تھا بھابی۔ نہ جانے کیوں آپ دونوں کو رات بھر خواب میں دیکھتا رہا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا۔

"... شفق کوئی خطرہ قریب ہے۔" طارق حسین نے کہا۔

"نہیں بھئی اب ایسی بات بھی نہیں ہے لو شارق چائے پیو۔"

"شکریہ بھابی" میں نے ادب سے پیالی لی اور ایک سمت بیٹھ گیا۔

"اب ہماری چائے حرام نہ کرو... بتا دو کیا مسئلہ ہے...؟"

طارق صاحب نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"ایک چھوٹا سا کام تھا آپ سے بھائی جان۔"

"ارشاد... ارشاد، یہ ہوئی نا بات... کہو!"

"رات کی باتیں سُنی ہیں آپ نے؟"

"معافی مانگنا چاہتے ہو نصرت سے؟"

"کوئی گستاخی ہوئی ہے تو نشاندہی کر دیجیے، معافی بھی مانگ لوں گا۔"

"تو پھر مجھ سے کیا چاہتے ہو بھائی؟"

"تھوڑی سی مدد۔"

"کس سلسلے میں؟"

"راحیل کیس کی تفتیش کس نے کی تھی؟"

"غالباً انسپکٹر زیدی نے۔"

"میرا اُن سے تعارف کرا دیں، کچھ تفصیلات معلوم کرنی ہیں۔"

میں نے دیکھا، یہ بات تھی۔ ویسے شارق ایک مشورہ دوں۔ اس چکر میں نہ پڑو تو بہتر ہے۔ نصرت پر بھی ضرب آئے گی۔ وہ منا ہوا ... ہے۔ کوئی کیس نہیں ہارا اور ہارنا بھی مشکل ہے۔ بظاہر یوں لگتا ہے جیسے قاتل وہی لڑکا ہے تمہیں شرمندگی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایاز احمد بڑے تعلقات کا آدمی ہے جس طرح ابو سے اس کے تعلقات ہیں اسی طرح دوسرے بہت سے لوگوں سے بھی ہیں کسی شکل میں بھی پھنس سکتے ہو۔"

"ایک انسان کی زندگی کی بات نہ ہوتی تو گردن بچا کر جانے کی کوشش کرتا... چاہتا ہوں اس کے باوجود اگر راحیل مجرم ہے تو اُسے سزا ضرور ملے گی۔"

"ٹھیک ہے زیدی تم سے تعاون کرے گا۔" طارق حسین نے کہا

"کس وقت چلا جاؤں اُس کے پاس؟" میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"گیارہ بجے کے قریب وہ پولیس ہیڈ کوارٹر آئے گا، وہیں مل لینا اُس سے میں کہہ دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔" میں نے چائے کی آدھی پیالی چھوڑی اور وہاں سے بھاگ آیا۔ دل مسرت سے دھڑک رہا تھا۔ حالات کچھ ... ہوتے جا رہے تھے۔

⊡⊡⊡

گیارہ بجے پولیس ہیڈ کوارٹر میں انسپکٹر زیدی کو تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوئی۔ میں نے تعارف کرایا تو اس نے پُرجوش انداز میں استقبال کیا۔ "ایس پی صاحب نے فون کیا تھا مجھے۔"

"آپ کو کہیں چائے پلانا چاہتا ہوں انسپکٹر۔"

"اگر ہیڈ کوارٹر میں کوئی مصروفیت نہ ہو تو میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیں وہیں بات ہوگی اور چائے بھی۔"

تھوڑی دیر کے بعد میری موٹر سائیکل زیدی کی جیپ کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔

پولیس اسٹیشن میں زیدی نے عزت سے مجھے اپنے دفتر میں بٹھا کر چائے منگوائی اور اردلی سے کہہ دیا کہ کسی کو اندر نہ آنے دے۔

"جی اب بتائیے مسٹر شارق مجھ سے کیا کام ہے؟"

"راحیل نامی ایک نوجوان کے کیس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں انسپکٹر! وہ جس پر قتل کا الزام ہے اور...!"

"ہاں ہاں میں سمجھ گیا کیا جاننا چاہتے ہو اُس کے بارے میں؟"

"کیا وہ قاتل ہے؟" میں نے انسپکٹر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

میرے اس سوال پر زیدی کی آنکھوں میں کچھ الجھن نظر آئی پھر اُس نے کہا "ثبوت یہی کہتے ہیں مسٹر شارق!"

"آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟"

"ثبوتوں کے سامنے ذاتی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے" زیدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بعض معاملات میں انسان اپنے ضمیر سے بھی کوئی سوال کر لیتا ہے۔"

زیدی اپنا گال کھجانے لگا پھر اس نے کہا "وہ لڑکا صورت

24

سے قاتل نہیں نظر آتا۔ بسا اوقات کوئی بہت شریف آدمی بھی جذباتی ہیجان کا شکار ہو کر ایسا جرم کر بیٹھتا ہے، جس کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی... لیکن راحیل...؟" انسپکٹر نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"آپ کی ذاتی رائے معلوم ہو گئی انسپکٹر... اب ثبوتوں پر آ جائیے وہ چھری جسے آلۂ قتل کے طور پر برآمد کیا گیا ہے کہاں سے ملی؟"

"راحیل کے مکان کی چھت سے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"اور خون آلود لباس؟"

"ایک زیرِ تعمیر عمارت سے جو اُس کے مکان کے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔"

"چھری خون آلود تھی؟"

"ہاں، اُس پر جمے ہوئے خون کے کچھ نشانات تھے۔"

"زخم اُسی چھری کے تھے؟"

"سو فیصد۔"

"کس قسم کی تھی، میرا مطلب ہے گھروں میں سبزی ترکاری وغیرہ کے استعمال میں آنے والی یا کسی مخصوص ساخت کی؟"

"نہیں وہ چھری گھریلو استعمال کی نہیں تھی۔ ایسی چھریاں عموماً جرائم پیشہ افراد اپنے پاس رکھتے ہیں۔"

"چھری پر اُنگلیوں کے نشانات تو ضرور ہوں گے؟"

"نہیں اُسے صاف کر دیا گیا تھا۔"

"بہت خوب! لباس کے بارے میں تصدیق ہو چکی ہے؟"

"ہاں، وہی لباس اُس دن راحیل پہنے ہوئے تھا۔"

"اُس پر مقتول ہی کا خون ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"خون کی لیبارٹری رپورٹ؟"

"اوہ! اس پر شاید توجہ نہیں دی گئی۔"

"گویا خون کا کیمیاوی تجزیہ نہیں کرایا گیا؟"

"حالات راحیل کے خلاف تھے۔ وہ اسی کا لباس تھا خون آلود جسے مشکوک حالات میں پھینک دیا گیا تھا اس کے بعد مزید چھان بین نہیں کی گئی۔"

"آخری بات اور انسپکٹر صاحب! کیا آپ اس گفتگو کو راز میں رکھ سکیں گے انسانیت کے نام پر۔ ایک بے گناہ کا خون اپنی گردن پر نہ لینے کا وعدہ کریں انسپکٹر..."

"مسٹر شارق ہم بھی انسان ہیں۔ مجرم معاشرے کا ناسور ہوتا ہے ایسے ناسور کو تلاش کر کے نکال پھینکنا ہماری ذمہ داری ہوتی ہے، ہمیں کسی بے گناہ سے دشمنی نہیں ہوتی۔"

"آپ صرف اس گفتگو کو راز میں رکھیے، میں ذاتی طور پر آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گا۔"

"وعدہ مسٹر شارق حالانکہ اس میں میری ذات ملوث ہو کر متاثر ہو سکتی ہے لیکن پھر بھی میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے پُرجوش انداز میں انسپکٹر سے ہاتھ ملایا اور پھر رخصت کی اجازت مانگی۔ "آئندہ بھی ملاقات رہنی چاہیے شارق صاحب! آپ سے بھی کوئی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"میں ہر لمحہ آپ کے لیے حاضر رہوں گا انسپکٹر۔" میں نے مسرت کے عالم میں کہا اور پھر میں وہاں سے نکل آیا۔

کورٹ ٹائم ختم ہونے کے بعد میں فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ اُنھوں نے پُرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ "تمھارے بارے ہی میں سوچ رہا تھا شارق۔"

"کچھ اطلاعات ہیں آپ کے لیے فاروقی صاحب! پہلی اطلاع یہ ہے کہ میں نے نصرت حسین صاحب کا دفتر چھوڑ دیا ہے۔"

"میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کوئی گھریلو اختلاف ہے؟"

"قطعی نہیں۔ وہ میرے لیے قابلِ احترام ہیں لیکن ایک انسان کی زندگی میرے لیے اس احترام سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"خدا نے تمھیں ایک پُرنور دل دیا ہے شارق! اس کے علاوہ اور کیا کہوں۔ تو تم کب سے میرے ساتھ شریک ہو رہے ہو؟"

"اس کیس کے بعد سے۔ میں نصرت صاحب کو کسی شبے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔"

"میں مسلسل خوفزدہ ہوں۔" فاروقی صاحب بولے۔

"کیوں، آخر کیوں؟"

"یہ خوف ہی میرے لیے کم نہیں تھا کہ کسی قتل کے کیس میں مجھے نصرت صاحب جیسے کامیاب بیرسٹر کے مقابلے پر آنا پڑے گا اور اب یہ حالات!"

"فیس کے لیے تو آپ نے ہمیشہ ہی کیس لڑے ہیں فاروقی صاحب اس بار انسانیت کے لیے کام کریں، دیکھیے کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔ لیکن اب اس بارے میں ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"میرا خیال ہے میں بہت کچھ کر کے آیا ہوں۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب چونک پڑے۔ "آپ اس کیس کا فائل لائیں۔"

"میں لاتا ہوں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور اندر جا کر فائل لے آئے۔ میں نے فائل بغور دیکھا تو مجھے مایوسی ہوئی۔ اندازہ ہوتا تھا کہ فاروقی صاحب کو ایک [illegible] نہیں تھی کامیابی کی، میں نے فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"بہت سی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی فاروقی صاحب، بہت کچھ کرنا پڑے گا ہمیں۔ وہ چھری جسے آلۂ قتل کے طور پر برآمد کیا گیا ہے، اُن پیشہ ور مجرموں کے استعمال کی چھری ہے جو ایسے کام

25

کرتے رہتے ہیں۔ اور اُس پر کسی کی اُنگلیوں کے نشانات نہیں تھے۔ آپ کے خیال میں کسی ادارے کے منیجر کے پاس ایسی چھری ہونی چاہیے؟"

"نہیں... لیکن بازار میں کیا ایسی چھریاں دستیاب نہیں ہو سکتیں کوئی بھی شخص کسی منصوبے کے تحت ایسی چھری خرید سکتا ہے۔"

"چھری کہاں ہے؟"

"تمام سامان عدالت کے مال خانے میں سربمہر ہے۔"

"کیا ہم اُسے دیکھ سکتے ہیں؟"

"اس کے لیے ایک پروسیجر ہوتا ہے اس کے بعد اس کا جائزہ لیا جا سکتا ہے متعلقہ ادارے کے کسی رُکن کے سامنے۔"

"آپ اس کا انتظام کریں فاروقی صاحب! میں دیکھنا ہے کہ چھری نئی ہے یا پہلے سے استعمال شدہ۔"

"فرض کرو وہ استعمال شدہ بھی ہے تو ہم اس سے کیا ثابت کر سکیں گے؟"

"دوسری بات!" میں نے کہا۔ "ایک قاتل آلۂ قتل کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے اُسے اطمینان سے چھت پر نہیں پھینک دیتا، جبکہ وہ اپنے خون آلود لباس کو کچھ فاصلے پر ایک زیرِ تعمیر عمارت میں ڈال دیتا ہے، ہاں یہ تو بتائیے کیا اس عمارت میں تعمیر کا کام جاری ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"بہرحال پتا چل جائے گا جب وہ اپنا لباس اس عمارت میں ڈال سکتا ہے تو کیا آلۂ قتل بھی اسی لباس کے ساتھ نہیں پھینک سکتا، اُسے یہی کرنا چاہیے تھا لیکن اُس نے پولیس کی آسانی کے لیے چھری چھت پر ڈال دی تاکہ اُسے برآمد کرنے میں دقت نہ ہو اور لباس بھی اپنے گھر کے قریب ایک عمارت میں ڈال دیا تاکہ بے چاری پولیس پریشان نہ ہو۔ تو پھر کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں ہے عموماً ایسی چیزیں دفن کر دی جاتی ہیں لیکن اس احمق قاتل نے۔"

فاروقی صاحب کا چہرہ قابلِ دید تھا۔

"لباس پر موجود خون کا لیبارٹری تجزیہ بھی کرانا ضروری ہے کیونکہ مجھے اس کی رپورٹ درکار ہے فاروقی صاحب!"

"خدا کی قسم... خدا کی قسم میرے سامنے بیرسٹر نصرت حسین سے بھی زیادہ ذہین ایک [illegible]..."

"ابھی نہیں فاروقی صاحب... ابھی نہیں، بہت کچھ کرنا ہے۔ میں ممکن ہے اس کے بعد میں کئی دن تک آپ سے ملاقات نہیں کر سکوں گا۔ ابھی راحیل کی پیشی میں کتنا وقت ہے؟"

"بائیس دن۔"

"بہت کچھ ہو جائے گا ان بائیس دنوں میں فاروقی صاحب! بہت کچھ ہو جائے گا۔"

*

نصرت حسین صاحب بدستور ناراض تھے اُن سے زیادہ ناراض لالہ رُخ تھی۔ اُسے مجھ سے قدرتی بیر تھا۔ اُن دنوں زیادہ وقت گھر پر ہی گزر رہا تھا۔ ہفتے میں تین دن اکھاڑے جانا ہوتا تھا اور بس خوش قسمتی سے ابا کی شامت ابھی تک نہیں آئی تھی۔ معمولات جاری تھے۔ اس دوپہر ایک تفریح سُوجھ گئی۔ میرا ایک کلاس فیلو لندن سے واپس آیا تھا۔ نعمان سیدھا سادہ تھا۔ نقوش بھی بھدے تھے فطرتاً وہ باش طبع تھا۔ سول انجینئرنگ کا کورس کر کے وہ لندن ہی میں ملازمت کر رہا تھا۔ اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مجھ سے فون پر بات ہوئی تو میں اس سے ملاقات کرنے جا پہنچا۔ اسی وقت وہ شرارت ذہن میں کلبلائی تھی۔ نعمان کو رات کے کھانے کی دعوت دے آیا۔ واپس آیا تو بدقسمتی سے لالہ رُخ ٹکرا گئی۔

"ہیلو کالی بلی، ہمیشہ راستہ کاٹ جاتی ہو، لاحول ولا قوۃ!"

"ہوش میں ہیں آپ... میں فضول باتیں پسند نہیں کرتی۔" وہ تنک کر بولی۔

"ایک خوشخبری لایا ہوں تمھارے لیے، سننا ہو تو امی کے کمرے میں آ جاؤ۔" میں نے کہا اور امی کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ لالہ رُخ میری بہن تھی، اس کے بارے میں مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا۔ امی جان کے کمرے کی کھڑکی پر مجھے اُس کا سایہ صاف نظر آ گیا تھا۔

"ایک اہم بات کرنی تھی آپ سے امی۔"

"کیا بات ہے؟"

"وہ امی! اکثر گھر میں لالہ رُخ کے لیے تذکرے ہوتے رہتے ہیں، میں بھی سنتا ہوں، میں بھی اس کا بھائی ہوں کچھ حقوق مجھے بھی ملیں گے؟"

"صاف صاف کہو۔" امی نے کہا۔

"نعمان میرا دوست ہے، اعلیٰ خاندان کا نوجوان ہے آپ اطمینان سے اُن کے خاندان کے بارے میں تفتیش کر سکتی ہیں۔"

"اوہو، کیا کرتا ہے؟" امی نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"سول انجینئر ہے، لندن کی ایک فرم میں ملازم ہے۔"

"چال چلن؟"

"آپ بالکل مطمئن رہیں اس کی ہر طرح ضمانت دی جا سکتی ہے۔ میں نے رات کے کھانے پر مدعو کیا ہے، آپ لوگ دیکھ لیں۔"

"تم نے مدعو بھی کر لیا؟"

"لندن سے آیا ہے جلدی چلا جائے گا، آپ دیکھ لیں کوئی ہم

26

کردیتے ہیں بعد میں شادی کردیں گے۔ میرے خیال میں ابھی کسی سے تذکرہ نہ کریں۔"

"کیوں تذکرہ کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"جیسی آپ کی مرضی۔" میں نے سادگی سے کہا۔ لالہ رُخ کا سایہ کھڑکی سے ہٹ گیا تھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ امی کے مطلب کی بات تھی پھر کس کی مجال تھی کہ بات گھر سے باہر ہوتا۔ لندن پلٹ بھی بڑی شان سے آیا تھا۔ اعلیٰ درجے کی مرسیڈیز کار تھی۔ عمدہ تراش کا سُوٹ پہنے ہوئے تھا لیکن صُورت سے کالا رنگ اور بھدے نقوش کچھ زیادہ ہی نمایاں ہوگئے تھے۔ آئی جی صاحب نے اس کا استقبال کیا تھا۔ نعمان کو شاید اس تپاک کی اُمید نہیں تھی۔ اس لیے وہ کچھ بوکھلا سا ہوگیا اور جب تک یہاں رہا، اونگی بونگی حرکتیں کرتا رہا لیکن نہ جانے کیوں اہلِ خاندان کو وہ پسند آیا تھا۔

"خاندانی نوعیت کیا ہے؟" ابو نے اس کے جانے کے بعد دریافت کیا۔

"وہ ابو آپ شاید رحمان یزدانی کو جانتے ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ، وہ یزدانی سینٹر والے؟"

"جی ہاں جی ہاں۔"

"بہت بڑے لوگ ہیں وہ تو... پھر نعمان نوکری کیوں کرتا ہے؟"

"اپنے اصُولوں کے تحت ابو، وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے۔"

"بات آگے بڑھاؤ۔" ابو نے کہا اور میں نے گردن خم کردی۔ بہت سلسلے چل رہے تھے جس کی اُمید تھی وہی ہوا۔ پونے بارہ بجے تھے جب دروازے پر دستک ہوئی اور میری اجازت پر لالہ رُخ اندر آگئی۔ چہرہ زلزلے کا شکار تھا۔ ناک اور آنکھیں متورم تھیں۔ خونخوار انداز میں مجھے گھورنے لگی۔

"یہ درندگی کیوں کی ہے میرے ساتھ؟" اس نے پھنکار ماری۔

"کیا مطلب؟"

"وہ انسان ہے؟"

"کون؟"

"جسے آپ نے مجھ پر مسلط کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔"

"اوہ تمھیں علم ہوگیا، چلو اچھا ہوا کیا خرابی ہے اس میں؟"

"کیا وہ صُورت سے افریقی نہیں لگتا؟"

"ہاں، لگتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر...؟"

"اچھا ہے سب سے منفرد نظر آئے گا۔"

"شارق بھائی، میں جانتی ہوں سب کچھ جانتی ہوں۔ تم کتنی اچھی طرح جانتی ہوں مجھے آپ کے الفاظ یاد ہیں۔ آپ نے کہا تھا۔ اُدھار رہی لالہ رُخ ادائیگی کردوں گا۔"

"یاد ہیں نا اور بھی بہت سے حساب تھے لالہ... میرے خیال میں سُود در سُود ادائیگی ہوگی اب ساری زندگی وصول کرتی رہو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

اور اُس کا منہ حیرت سے کھُل گیا غالباً اسے اس اعتراف کی توقع نہیں تھی... پھر اُس نے کہا "آپ کے خیال میں میں موم کی گڑیا ہوں جس کا جو دل چاہے گا میرے ساتھ کردے گا۔"

"اسی لیے میں نے ابو جان سے ابتدا کی ہے صرف انھیں یہ باور کرانا پڑے گا کہ تمھارے لیے نعمان سے بہتر لڑکا اور کوئی نہیں ہوگا اس کے بعد تم جس طرح چاہو اپنا ڈیفنس کرلینا۔"

"میں خودکشی کرلوں گی۔"

"یہ تمھارا ذاتی فعل ہے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ لالہ رُخ تھوڑی دیر تک مجھے گھورتی رہی پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں شرارت سے مسکرانے لگا تھا۔

آج کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ فاروقی صاحب سے ملاقات میں احتیاط رکھتا تھا اور یہ احتیاط اس دن سے اور زیادہ ہوگئی تھی جب میں نے نصرت حسین صاحب کے ایک جونیئر کو اپنے تعاقب میں دیکھا تھا۔ میرے علی الصباح گھر سے نکلتے ہی وہ میرے پیچھے لگ گیا تھا اور اتفاق سے مجھے اس کا اندازہ بھی فوراً ہی ہوگیا تھا۔ وہ نصرت حسین صاحب کی کار میں تھا اور یہ کار میری نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتی تھی۔ اس دن اکھاڑے جانا تھا۔ میں اکھاڑے گیا، وہاں زور کرتا رہا پھر وہاں سے کوئی بیس میل دُور ایک آبادی میں گیا، جہاں ایک جھونپڑا نما ہوٹل میں چائے پی اور ایک گھنٹے تک بیٹھا رہا پھر وہاں سے مزید بیس میل دُور ایک باغ میں گیا اور بڑے پُراسرار انداز میں باغ میں داخل ہوکر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اس درخت سے امرود توڑ کر کھائے اور پھر وہاں سے شہر واپس آگیا۔ شام کو تین بجے تک میں ایسی ہی حرکتیں کرتا رہا پھر گھر واپس آگیا۔ جونیئر نے یقیناً میرے بارے میں بہترین رپورٹ پیش کی ہوگی۔

اس دن کے بعد میں پوری طرح محتاط ہوگیا تھا۔ فاروقی صاحب سے ملاقاتیں مسلسل ہو رہی تھیں لیکن بڑی احتیاط سے۔ ہم لوگ کامیابی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن ابھی بہت سے کام باقی تھے لیکن میں ابھی مبتدی تھا، اس لیے دوڑنے سے گریز کر رہا تھا۔ بس ایک ایک قدم سنبھل کر چل رہا تھا۔ لالہ رُخ کیس بھی میرے لیے بہت دلچسپ تھا۔ بقیہ دن تفریحات میں گزرا۔ میں نے پُرجوش انداز

27

میں ایک ایک کو نعمان کے حق میں ہموار کردیا تھا۔

شام کے پانچ بجے تھے جب تنویر بھابی نے خصوصی طور پر مجھ سے ملاقات کی۔ وہ زیادہ گہری نہ تھیں اس لیے صاف ظاہر ہوگیا تھا کہ اس ملاقات کا کوئی خاص مقصد ہے۔

"آج کہیں گئے نہیں گھر سے؟"

"کہاں جاؤں بھابی کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بس محدود زندگی ہے۔ سوچ رہا ہوں کہ سنجیدگی سے کچھ کر ہی ڈالوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کر نہیں رہے۔ میں نے تو سُنا ہے آج کل تم بڑی محنت کر رہے ہو کسی کیس کے سلسلے میں اس رات تمھاری تقریر بھی شاندار تھی مایو جیسے انسان کو تم نے متاثر کردیا تھا۔"

"اوہ بھابی کچھ کہوں گا تو دُنیا بھر میں پھیلا دیں گی۔" میں نے نیم وا آنکھوں سے انھیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کررہے ہو، اتنا بُرا سمجھتے ہو مجھے؟" بھابی نے شکایت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ڈرتا ہوں دل کی بات کہتے ہوئے۔ دراصل بھابی میں خود اپنی زندگی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکا۔ بھیا کے دفتر میں بالکل دل نہیں لگ رہا تھا، بڑا خشک ماحول ہے وہاں سے نکل بھاگنے کی اور کوئی ترکیب ہی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ سو یہ چکر چلا دیا اور بھیا جی نے کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور بھابی چونک پڑیں۔

"اور وہ راحیل کیس؟"

"میں دوسری فطرت کا انسان ہوں بھابی، مکھیاں مارنا مجھے پسند نہیں۔ ابو نے پھنسا دیا تھا، انکار بھی نہیں کرسکتا تھا اس لیے ذرا گھما پھرا کر کام کرنا پڑا۔"

"خدا تجھے نیکی دے شارق، گویا سب ڈھونگ تھا۔"

"خدا کے واسطے کسی سے کہہ نہ دینا بھابی۔"

"نہیں میں کس سے کہنے جارہی ہوں مگر شارق تم نے بلاوجہ پریشان کرکے رکھ دیا۔ جانتے ہو نصرت صاحب کتنے ناراض ہیں، تم سے...؟"

"جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اُنھوں نے ہی آپ کو مجھ سے مل کر اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے کہا ہوگا۔ بھیا ذہین ضرور ہیں لیکن مجھ سے زیادہ نہیں۔ ویسے بھابی ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں آپ کو۔"

"کیسا خطرہ؟"

"آپ جانتی ہیں، ساری بھابیوں میں میں سب سے زیادہ آپ کو چاہتا ہوں۔"

"آج سُن رہی ہوں مگر خطرہ کیسا؟"

"نصرت صاحب کے دفتر میں شمسہ نام کی ایک لڑکی کام کرتی ہے پرسنل سیکرٹری ہے اُن کی۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" بھابی نے کہا۔

"صرف اتنا ہی معلوم ہے یا کچھ اور بھی؟" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیا؟"

"بس اتنا کہہ سکتا ہوں بھابی، اپنے سہاگ کو بچائیے، اس سے زیادہ کچھ کہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے کہا اور بھابی کو دیکھنے لگا۔ تیر نشانے پر بیٹھا تھا، اُن کا چہرہ ایک دم اُتر گیا تھا۔

"کیا بات ہے شارق؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے بھابی، بس کچھ عجیب سا رابطہ ہے ان دونوں کے درمیان بھیا کا ماضی بے داغ رہا ہے، اس لیے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکا لیکن کچھ ہے ضرور۔"

"آخر کیا؟"

"میرے لیے اُنھوں نے آپ سے کیا کہا تھا؟"

"کب؟"

"اوہ انھیں واقعات کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ آپ کے ذریعے وہ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے۔"

"بس یہی کہ تم راحیل کے کیس میں کیا کر رہے ہو۔ کوئی خاص بات تو نہیں معلوم کی تم سے۔"

"یہ اُنھوں نے آپ کے ذریعے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی؟"

"ہاں اُنھوں نے کہا تھا کہ میں پیار سے تم سے ساری معلومات حاصل کروں۔" بھابی نے سادگی سے کہا۔

"اس سے میں یہ ظاہر کرتا چاہتا ہوں بھابی کہ بھیا گہرے انسان ہیں، وہ نہایت چالاکی سے کام کرتے ہیں اور کسی بھی اہم مسئلے کو چھپانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میری دُعا ہے کہ خدا کرے مجھے شمسہ کے بارے میں صرف غلط فہمی ہو لیکن آپ کو محتاط رہنا چاہیے۔"

بھابی سناٹے میں رہ گئی تھیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی اور چلی گئیں۔ میں مسکرانے لگا۔ نصرت بھیا کو کسی وقت یہ بتانا تھا کہ وہ آئندہ میرا راستہ کاٹنے کی کوشش نہ کریں۔

اس کامیاب وار کے اثرات اُسی رات عیاں ہوگئے۔ رات کے کھانے پر تنویر بھابی موجود نہیں تھیں۔ ان کے بارے میں پوچھا

گیا تو نصرت حسین صاحب نے پھیکے سے لہجے میں اُن کی طبیعت خراب ہونے کی اطلاع دی۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ آغاز ہو گیا ہے۔ اب بھیّا جانیں اور بھائی۔ میرا کام تو مختصر تھا۔ دوسری طرف لالہ رُخ تھی، جس کی طبیعت مکمل خراب ہو گئی تھی۔

★★

نصرت حسین صاحب کی طرف سے مکمل طور پر ہوشیار رہنا پڑ رہا تھا۔ ایک بار اُن کے جونیئر کو تعاقب کرتے دیکھ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی کوشش بھی ہو سکتی تھی، اس لیے محتاط رہنا بہت ضروری تھا۔ فاروقی صاحب سے اس رات ملاقات کرنا ضروری تھا کیونکہ دوسرے دن راحیل کی پیشی تھی۔ اس کے لیے میں نے فون پر اُن سے کہہ دیا تھا کہ رات کو دیر سے اُن کے پاس آؤں گا۔ پھر تقریباً بارہ بجے میں اُن کے گھر پہنچا تھا۔ فاروقی صاحب اسی کیس میں مصروف تھے۔

"بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" انھوں نے ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا لگا میں نے اتنی دیر کی ہے۔ ویسے آپ کچھ نروس نظر آرہے ہیں۔" میں مُسکراتے ہوئے کہا۔

"اس اعتراف سے منکر نہیں ہوں اگر پہلے بیرسٹر صاحب کے بارے میں پتا چل جاتا تو شاید میں یہ کیس ہی نہ لیتا۔ بہت بڑے آدمی ہیں وہ۔ میں کیا اچھے اچھے گھبراتے ہیں۔"

"میں دوہری کیفیت کا شکار ہوں فاروقی صاحب! اپنے بھائی پر فخر بھی ہوتا ہے اور اس بات پر افسوس بھی کہ انھیں یہ کیس ہارنا پڑے گا۔"

"تم بہت پُر اُمید ہو!"

"راحیل کو رہا ہونا ہے فاروقی صاحب! یہ میری اُمید ہے۔ بہرحال رپورٹیں مل گئیں؟"

"ہاں تمھارا اندازہ درست ہے۔" فاروقی صاحب نے لرزتی آواز میں کہا۔ اور چند کاغذات میرے سامنے رکھ دیے۔ میں اُن کا جائزہ لیتا رہا اور فاروقی صاحب میری صورت دیکھتے رہے۔ اتنی دیر میں اُن کی بیٹی چائے لے آئی تھی۔

"کل کی پیشی میں آپ کوئی بحث نہیں کریں گے فاروقی صاحب، بالکل خاموشی اختیار کریں۔"

"ہاں، یہ تو پہلے ہی طے ہو چکا ہے۔"

"میرے لیے اور کوئی خدمت؟"

"نہیں بس! تمھارے ذہن میں اور کچھ ہو تو بتاؤ۔"

"کچھ نہیں، چند کام کرنے ہیں، جو میں خود کر لوں گا۔" چائے کے بعد میں وہاں سے چلا آیا اور پھر رات کو دیر تک کل کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ سچ تھا کہ یہ سب کچھ کرتے ہوئے مجھے عجیب لگ رہا تھا لیکن بات ایک نوجوان کی زندگی کی تھی۔

دوسری صبح میں تیار ہو گیا حالانکہ آج اکھاڑے کی حاضری تھی لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ نصرت حسین صاحب جا چکے تھے۔ میں گھڑی میں وقت دیکھ کر خود بھی باہر نکل آیا اور پھر کورٹ چل پڑا۔ عدالتوں کی کارروائی شروع ہو گئی تھی۔ امجد حسین صاحب کی عدالت کے باہر لسٹ میں راحیل عباسی کا نام موجود تھا۔ راحیل کو ہتھکڑیاں پہنا کر لایا گیا تھا۔ مسز عباسی بے چاری ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُنھیں دیکھ کر دل میں انسانی ہمدردی کے سوتے پھر کُھل گئے۔ ان ماں بیٹے کی زندگی بھائی جان کے وقار سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں نے دل میں سوچا اور میرا عزم تازہ ہو گیا۔ میں نے راحیل اور مسز عباسی کے سامنے آنے سے گریز کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے مسٹر فاروقی کو بھی دیکھا جو مسز عباسی سے باتیں کر رہے تھے پھر وہ اندر داخل ہو گئے۔ اندر کسی کیس کی ہیئرنگ ہو رہی تھی پھر راحیل عباسی کے نام کی صدا لگائی گئی اور ہتھکڑیوں میں جکڑے راحیل کو اندر لے جایا گیا۔ میں بھی دبے پاؤں اندر پہنچا اور پچھلی ایک کرسی پر بیٹھ گیا لیکن میں جانتا تھا کہ نہ صرف مسٹر نصرت حسین بلکہ جج صاحب نے بھی مجھے دیکھ لیا ہے۔

ظہیر بیگ نے ابتدائی کارروائی کے بعد کام شروع کر دیا۔ آج ایاز احمد کے دفتر کے دو گواہوں کو بلایا گیا، جنھوں نے گواہی دی ... کہ اُنھوں نے کئی بار راحیل عباسی کو قدرت کے ساتھ ہوٹلوں میں دیکھا ہے۔ ظہیر بیگ نے جج صاحب سے کہا کہ کیس کی تمام شہادتیں، گواہیاں اور واقعات مُجرم کو خونی ثابت کرتے ہیں چنانچہ مُجرم کو موت کی سزا دی جائے۔

وکیل صفائی سے اس سلسلے میں گواہوں سے جرح کے لیے پوچھا گیا جس پر فاروقی صاحب نے کہا۔ "مجھے ان کی گواہی سے کوئی اختلاف نہیں ہے جناب والا! یہ سچ ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے متاثر تھے اور اکثر ساتھ رہتے تھے۔"

"گویا آپ اس سے متفق ہو گئے ہیں کہ قاتل آپ کا مؤکل ہی ہے! بہتر ہے اُسے اقبالِ جُرم کا مشورہ دیں۔" ظہیر بیگ نے کہا۔

"اس سلسلے میں آئندہ پیشی میں شاید میں آپ کی مدد کر سکوں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور بیرسٹر صاحب چونک کر فاروقی صاحب کو دیکھنے لگے۔ شاید اُن کا لہجہ بیرسٹر صاحب کے لیے اجنبی تھا۔

امجد حسین صاحب نے سولہ دن کے بعد کی تاریخ دے دی تھی، اس کے بعد پولیس راحیل کو لے کر باہر نکل گئی۔ اس وقت مسٹر فاروقی مسز عباسی سے ملاقات مناسب نہیں تھا چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ اسی وقت نصرت حسین صاحب کا جونیئر میری طرف آیا۔ یہ وہی شخص تھا جو اس دن میرا پیچھا کر رہا تھا۔ "شارق صاحب ...!" اس نے مجھے پکارا۔

"ہیلو ...!" میں نے مُسکراتے ہوئے اُسے دیکھا۔

"وہ سر ... بیرسٹر صاحب نے مجھے ہدایت کی ہے کہ آپ کو جانے دوں۔" اس نے کہا۔

"کیسے روکو گے؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں ... وہ میرا مطلب ہے کہ انھوں نے کہا تھا آپ کا پیغام ... میرا مطلب ہے اُن کا پیغام آپ کو دے دوں۔"

"اُردو صحیح بولا کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور رُک کر نصرت حسین صاحب کا انتظار کرنے لگا۔ جونیئر کسی قدر نروس ہو گیا تھا۔ وہ احمقانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ "سنو ...!" میں نے کہا اور وہ میرے قریب کھسک آیا۔ "تو اُس دن لُطف آیا تھا؟"

"مگ ... کس دن؟"

"جس دن تم بیرسٹر کی کار کا پیٹرول۔ بیدردی سے پھونک رہے تھے۔ کار اور موٹر سائیکل میں فرق ہوتا ہے۔ میرا خیال پچیس روپے سے زیادہ کا پیٹرول نہ خرچ ہُوا ہوگا جبکہ میرا خیال ہے کہ تم نے پوری ٹنکی خالی کر دی ہوگی۔"

جونیئر کی آنکھیں پھیل گئی تھیں پھر اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ... اوہ بیرسٹر صاحب!" اس نے کہا اور میں بھی چونک کر نصرت حسین صاحب کو دیکھنے لگا۔

وہ ہماری طرف آئے اور ایک فائل جونیئر کو دے کر بولے۔ "تم جاؤ۔" اور وہ فائل لے کر آگے بڑھ گیا۔ "کس کام سے آئے ہو؟" اس بار وہ مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"کوئی حکم ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔" اُنھوں نے کہا اور میں سعادت مندی سے ان کے ساتھ چل پڑا۔ وہ سیدھے اپنی کار کے پاس آئے تھے۔ میں اُن کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں میں نے اندازہ لگایا کہ کار دفتر کی طرف جا رہی ہے۔ راستے بھر ہم دونوں خاموش رہے تھے۔

دفتر میں داخل ہونے لگے تو میں دروازے پر رُک گیا اور بولا۔ "سر! آپ نے میرا داخلہ اپنے دفتر میں کسی بھی حیثیت سے بند کر رکھا ہے اس لیے آپ مجھے اس گستاخی سے معاف رکھیے۔"

نصرت حسین ایک دم بھڑکتے ہوئے بولے۔ "بکومت اور اندر

آؤ میرے ساتھ۔"

میں سیکرٹری کو سلام کر کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے میں اب تک میری میز موجود تھی۔ "بیٹھو!" بیرسٹر صاحب نے اپنے سامنے کی کُرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میں بیٹھ گیا۔

"کیا پیو گے؟"

"آپ کا ملازم کافی بہت عمدہ بناتا ہے۔" میں نے مدھم لہجے میں کہا اور بیرسٹر صاحب نے چپراسی کو بُلا کر کافی کے لیے کہہ دیا پھر وہ براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھنے لگے۔

"تو پرسوں تم نے جھوٹ بولا تھا؟"

"جی ہاں۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے سچ نہیں بول سکتا تھا اور پھر اس کے لیے آپ نے میری معصوم سی بھابی کا انتخاب کیا تھا۔ اُن سے اور کیا کہہ سکتا تھا اس کے سوا ...؟"

"شمسہ کے بارے میں اس سے کیا کہا تھا؟"

"کوئی خاص بات نہیں، وہ آپ کے لیے صرف ایک اشارہ تھا۔ آپ نے سمجھ لیا ہوگا۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"تم اس کی تردید کرو گے۔ اس سے کہو گے کہ تم نے مذاق کیا تھا۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے میری زندگی عذاب کر دی ہے۔"

"بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا بہتر ہے؟"

"بھابی کو پوری تفصیل بتا دوں گا کہ کس طرح آپ نے مجھے کورٹ سے ہٹوا کے یہ حکم دیا ہے کہ میں آپ سے تردید کروں۔"

"تم اسے مذاق سمجھتے ہو شارق، ہماری گھریلو زندگی تباہ ہو جائے گی۔"

"صرف گھریلو زندگی، کسی انسانی زندگی سے آپ کو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"وہ قاتل ہے، سو فی صد قاتل ہے تمام ثبوت اس کے خلاف ہیں۔ ایک قاتل سے ہمدردی حماقت ہے۔ تم ابھی کچھ نہیں جانتے ایسے لوگوں کے بارے میں مُجرم ہمیشہ معصوم بننے کی کوشش کرتا ہے۔"

"وہ قاتل نہیں ہے بیرسٹر صاحب!"

"کیا ثبوت ہے تمھارے پاس؟"

"نہیں بیرسٹر صاحب! اس سلسلے میں ایک بات بھی نہیں کروں گا آپ سے صرف ایک جُملہ کہنا چاہتا ہوں آپ اسے غور

سے سُن لیں، میری بات پر پوری توجہ دیں۔ اس کیس سے ہاتھ کھینچ لیں، آپ معذرت کرلیں ایاز احمد سے... اطہر بیگ جو کچھ کر رہے ہیں انھیں کرنے دیں، عدالتوں میں آپ کا نام گونجتا ہے بھائی صاحب! مجھے اس گونج پر فخر ہے، میں نہیں چاہتا کہ آپ کے نام پر کوئی دھبہ لگے، میری درخواست ہے آپ سے۔"

"مگر یہ کیس تو فاروقی لڑ رہے ہیں، کیا تم اُن کے ساتھ کام کر رہے ہو؟"

"میں جو کچھ کر رہا ہوں، راحیل کی زندگی کے لیے کر رہا ہوں اور راحیل رہا ہو جائے گا، آپ اس کیس میں کامیابی نہیں حاصل کر سکیں گے۔"

"بچّے ہو، بیوقوف ہو، جو کچھ کر رہے ہو کرتے رہو، مجھے ذرّہ برابر پروا نہیں ہے، ہاں یہ سمجھ لو جو کچھ تم کر رہے ہو وہ تمھارے حق میں مضر بھی ہو سکتا ہے، تم کسی چکّر میں پھنس سکتے ہو۔"

"آزمالیں بھائی جان، یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا اور پھر کافی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نصرت حسین مجھے گھورتے رہے۔ کافی پینے کے بعد میں کھڑا ہو گیا "اجازت؟"

"جا سکتے ہو۔"

واپسی پر میں نے تعاقب وغیرہ کا خاص خیال رکھا تھا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ سب خیریت ہے تو میں راحیل کے گھر کی طرف چل پڑا۔ کورٹ آتے ہوئے موٹر سائیکل ساتھ نہیں لایا تھا، اس لیے ٹیکسیوں کے ذریعے سفر کر رہا تھا۔ راحیل کے گھر سے کافی دُور رُکوائی تھی اور پیدل چل پڑا۔ بیل بجانے پر راحیل کی بہن نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"آپ... آئیے۔" اُس نے مجھے راستہ دے دیا اور پھر اندر جا کر ڈرائنگ رُوم کھول دیا۔ میں نے صُورتِ حال کا اندازہ لگا لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اعتشام صاحب اندر آ گئے۔ میں نے سلام کیا تو انھوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا پھر بھرّائی ہوئی آواز میں بولے۔

"شارق میاں! فاروقی صاحب نے آپ کی کاوشوں کے بارے میں مختصراً بتایا ہے۔ میں اس بارے میں کچھ کہنے کے قابل نہیں ہُوں، جو کچھ آپ کر رہے ہیں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہُوں کہ ذرا...؟" اعتشام صاحب کی آواز بھرّا گئی اور پھر وہ رو پڑے۔

میں خاموشی سے انھیں دیکھتا رہا تھا پھر میں نے کہا "کہنے کے لیے بہت سی جذباتی باتیں، بہت سے الفاظ ہیں میرے پاس اعتشام صاحب لیکن بہت کچھ کہہ چُکا ہُوں، مزید کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ اپنی سچائیوں پر بھروسا کریں۔"

مسز عباسی، راحیل کی بہن کے ساتھ اندر داخل ہو گئیں۔ اُن کی حالت کافی خراب تھی۔ اندر آ کر وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگیں۔ راحیل کی بہن نے روتے ہوئے کہا۔

"بڑی مشکل سے امّی کو یہاں لائی ہُوں شارق صاحب جب سے کورٹ سے آئی ہیں روئے جا رہی ہیں کہہ رہی ہیں بھیا بھیّا بڑے کمزور ہو گئے ہیں۔"

"بچپن سے نازک مزاج ہے، پسند کا کھانا نہیں ہوتا ہے تو ہزاروں نخرے کرتا ہے، اس کی دُبلی پتلی گردن میں پھانسی کا پھندا..." مسز عباسی کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"آپ لوگ میری ہمّت توڑ رہے ہیں، میں راحیل کے لیے اپنے پورے گھر کی مخالفت مول لے چکا ہُوں، کہہ چکا ہُوں آپ سے کہ دُنیا کی کوئی عدالت اُسے سزا نہیں دے سکتی، نہ جانے کیوں آپ لوگ اس قدر بددل ہیں۔"

"ایاز احمد بہت طاقت وَر ہے بیٹے۔ دولت اس کی غلام ہے، کیا نہیں کر سکتا وہ؟" اعتشام صاحب بولے۔

"کیا خدا سے بھی زیادہ؟" میں نے سوال کیا۔

"نعوذ باللہ" اعتشام صاحب نے کہا۔

"ہم نے خدا کا سہارا لیا ہے کہ سکتے ہیں تو اس پر بھروسا کریں، اس کے بعد میں کچھ اور نہیں کہوں گا۔"

"تم پُراُمّید ہو شارق؟" بیگم عباسی نے پوچھا۔

"مجھے مکمل یقین ہے، آپ صرف پُراُمّید ہونے کی بات کر رہی ہیں۔"

"آج کورٹ میں" بیگم عباسی نے کہا۔

"میں وہاں موجود تھا، جان بُوجھ کر آپ کے سامنے نہیں آیا چاہتا ہُوں کہ کسی کی توجہ اس طرف نہ جائے، آپ لوگ بھی اس کا خیال رکھیے گا، میری پوزیشن بہت خراب ہے۔"

"ہم پورا خیال رکھیں گے۔"

"کچھ خاطر کرو بیٹی شارق کی... شارق میاں کیا پیو گے؟"

"آپ سب کے ساتھ عمدہ سی چائے۔ ہاں پولیس نے راحیل کے کمرے کی تلاشی لی تھی؟" میں نے سوال کیا۔

"پورے گھر کی تلاشی لے چکی ہے، وہ بھی دو تین بار۔"

"میں راحیل کا کمرا دیکھنا چاہتا ہُوں، پولیس نے کمرا سیل تو نہیں کیا؟"

"نہیں آؤ۔" بیگم عباسی نے کہا اور میں ان سے باتیں کرتا ہُوا اندر چلا گیا۔ کمرے سے راحیل کی نفاست کا اندازہ ہوتا تھا۔ ایک سمت رائٹنگ ٹیبل پڑی ہوئی تھی۔ شیلف میں کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ میں اُن

کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگا۔ بیگم عباسی حسرت بھری نظروں سے ایک ایک چیز دیکھ رہی تھیں۔ کتابوں کے بعد میں نے میز کی درازیں کھول لیں لیکن پولیس نے یہاں کیا چھوڑا تھا، جو مجھے ملتا پھر میں کپڑوں کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ الماری کھولی بہت سے لباس لٹکے ہوئے تھے۔ میں ان کی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ دفعتاً میرے ذہن میں بجلی سی کوندگئی، میری نگاہ ایک لباس پر جم گئی تھی۔ میں نے اُسے خوب غور سے دیکھا اور پھر بیگم عباسی کی طرف مُڑا۔

"یہ سب راحیل کے کپڑے ہیں؟"

"ہاں یہی ایک شوق تھا اُسے، ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتا تھا۔"

"یہ لباس راحیل ہی کا ہے؟" میں نے سُوٹ نکال لیا۔

"ہاں کیوں؟"

"کیا اس طرح کے دو سُوٹ بنائے تھے اُس نے؟"

"دو...؟" بیگم عباسی نے کہا "میرا خیال ہے نہیں۔"

"آپ کو یقین ہے؟" میرے دل میں مسرّت پھُوٹ رہی تھی۔

"ہاں بالکل ایک جیسے دو نہیں تھے، کوئی شک نہیں ہے۔"

"میں یہ لباس کچھ دن کے لیے اپنے پاس رکھ سکتا ہُوں، واپس کر دوں گا۔"

"ضرور، لاؤ میں کسی تھیلے میں رکھ دوں۔"

"بس مجھے اور کچھ نہیں دیکھنا۔" میں نے مسرُور لہجے میں کہا پھر میں نے اُن لوگوں کے ساتھ چائے پی اور اس کے بعد فاروقی صاحب کے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ فاروقی صاحب کے ساتھ میں نے شام پانچ بجے تک وقت گزارا تھا۔ اس کے بعد گھر چل پڑا تھا۔ آشیانے میں داخل ہُوا تو لالہ رُخ پر نظر پڑی۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر نفرت کی لکیریں اُبھر آئی تھیں۔ اندر داخل ہُوا تو شفق بھائی نے اطلاع دی۔

"نعمان صاحب کا فون دو بار آ چکا ہے۔"

"کچھ کہہ رہا تھا؟"

"ہاں فون کر لو۔" بھائی نے کہا۔

نعمان کو فون کیا تو اس نے کہا "کہاں مر گئے تھے یار دو دفعہ فون کر چکا ہُوں۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"گھر آ جاؤ، اہلِ خاندان آج موجود نہیں ہیں، اس لیے یاروں کی محفل جم گئی ہے، کھانا یہیں کھانا، جلدی آ جاؤ۔"

"تمھارے یاروں کی محفل میں میرا کیا کام؟"

"یار پردیسی ہُوں، کچھ تو خیال کرو۔"

"اوکے... آ رہا ہُوں۔" میں نے جواب دیا پھر ایک خوبصورت لباس پہنا، طارق بھائی کی پرائیویٹ کار لی اور چل پڑا۔ مجھے بائیک کی سواری پسند تھی، اس لیے میں نے خود کار نہیں خریدی تھی۔ راستے میں نعمان کے بارے میں سوچتا رہا، اس کی رنگ رلیاں میرے لیے اجنبی نہیں تھیں لیکن دوست تھا اور دوست کی حیثیت سے بہت اچھا تھا۔ اس نے مجھے کبھی کسی غلط کام کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ محفل میری توقع کے مطابق تھی۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں رقص کر رہے تھے، شراب چل رہی تھی۔ نعمان نے میرا پُرتپاک استقبال کیا اور آنکھ دبا کر بولا۔

"کوئی گرل فرینڈ نہیں بنائی ابھی تک۔ یار تُو کب تک مولوی رہے گا، اُسے دیکھ وہ شہناز ہے کیسی ہے؟"

"جیسی شہناز ہو سکتی ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"میری نئی گرل فرینڈ ہے۔ یہ ذلیل مسلسل اس کے پیچھے لگا ہُوا ہے۔ ہمیشہ کا کمینہ انسان ہے، آؤ تمھارا تعارف کرا دُوں ان لوگوں سے۔" جس ذلیل کے بارے میں نعمان نے کہا تھا، وہ ایک بُلند قامت نوجوان تھا، صُورت ہی سے غنڈہ نظر آتا تھا۔

"ان سے ملو شارق... یہ شہناز ہیں اور یہ میرا دوست... شاہد ایاز... ایاز احمد کے بارے میں تو تم جانتے ہو گے، قالینوں کے سب سے بڑے ایکسپورٹر۔" نعمان نے کہا اور میرے ذہن میں ایک دم آتش بازی سی پھُوٹ پڑی "شاہد ایاز احمد!"

کسی انسان کو فوری طور پر کس طرح دوست بنایا جاسکتا ہے۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا چنانچہ میں نے شاہد ایاز سے بہت پُرجوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا "ایاز احمد صاحب جیسے معروف لوگ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہوتے۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر شاہد صاحب۔"

"شکریہ۔ لیکن یہ تعارف ابھی تک یکطرفہ ہے۔" شاہد نے کہا۔

"بس شاہد صاحب نعمان کا دوست ہوں۔ اس سے زیادہ میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نام شارق حسین ہے۔"

"کافی ہے۔" شاہد نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یار شاہد، بچے کو کچھ دکھاؤ۔ اس نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔ شارق تم شاہد پر مکمل بھروسہ کر سکتے ہو۔" نعمان کسی اور مہمان کی طرف چلا گیا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ غیر ملکی دو ہم وطنوں سے بات کر رہا ہے۔ ہم کل نہ ملے آج مل لیے۔ شاہد صاحب آج نہ ملتے کل مل لیتے۔ مگر اسے کون بتائے۔"

"آپ کے کیا مشاغل ہیں شارق صاحب؟"

"گھر والوں کی کمائی پر عیش و عشرت۔" میں نے کہا اور شاہد ہنس پڑا۔

"بالکل ٹھیک کرتے ہیں آپ، ایک وقت آئے گا کہ کمائیں گے ہم اور کھائیں گے دوسرے۔ تو اس سے پہلے اپنا حق کیوں نہ وصول کریں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر بولا "لیکن آپ مولوی کیوں ہیں؟"

"سچ بتا دوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً۔"

"ہمت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ یہ بات ہے۔ آیئے آپ بھی کیا یاد کریں گے۔ روزی، اے روزی!" شاہد نے ایک خوبصورت لڑکی کو آواز دی اور وہ قریب آگئی۔

"ہیلو۔" اس نے پہلے شاہد کو اور پھر مجھے دیکھا۔

"اس کافر کو مسلمان کر دو تو دیکھیں تمہارا فن۔" شاہد نے کہا اور میرا ہاتھ روزی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پھر خود آگے بڑھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ روزی اُسے کینہ توز نگاہوں سے دیکھ رہی ہے۔ مجھ سے نگاہیں ملیں تو وہ زبردستی مسکرادی میں

بھی بڑے خلوص سے مسکرا دیا تھا۔ پھر روزی میرا ہاتھ پکڑے رقاصوں کی طرف چل پڑی۔

"آپ کو مایوسی ہوگی مس روزی۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں اس فن سے ناواقف ہوں۔"

"اور میں نچانا نہیں جانتی۔ نچانا آتا تو آج۔" اس نے ایک بار پھر نفرت بھری نگاہ شاہد ایاز پر ڈالی۔ پھر بولی "آؤ بیٹھیں گے۔" میں اس کے ساتھ چلتا ہوا ایک الگ تھلگ جگہ جا بیٹھا۔

"آپ کی شخصیت مجھے ان لوگوں سے مختلف نظر آتی ہے مس روزی۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پُرکشش اور منفرد۔ مجھے انسانوں کو پڑھنے کا شوق ہے۔"

"اسے نہیں پڑھ سکے آج تک؟"

"کسے؟"

"شاہد کی بات کر رہی ہوں۔"

"میری اس سے ملاقات صرف چند منٹ قبل ہوئی ہے۔ دراصل میری دوستی نعمان سے ہے۔" اس نے مجھے بھرپور نظر سے دیکھا۔

"سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں۔ سب ایک جیسے ہیں اور کون جانے تم بھی۔" وہ تلخ لہجے میں بولی اور اسی وقت قریب سے گزرتی ہوئی ایک ٹرالی سے دو گلاس اُٹھا لیے۔ میں اُسے دیکھ کر نیازمندی سے مسکرا رہا تھا "لو۔" اس نے گلاس میری طرف کھسکا دیا۔

"شراب ہے؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"میں نہیں پیتا۔"

"کیوں؟" اس بار اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی

"بس روزی، اس میں کیوں کا کیا سوال ہے؟ دراصل میں ان راستوں کا راہی نہیں ہوں۔"

"پھر ان لوگوں کی محفل میں کیوں شریک ہو؟"

"اس لیے کہ نعمان میرا دوست ہے اور حال ہی میں انگلینڈ سے واپس آیا ہے اس لیے اس کی دلجوئی ضروری تھی۔"

روزی نے اپنا گلاس اُٹھایا اور چند چُسکیاں لینے کے بعد بولی "تعجب ہے۔ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو دوسروں کی دلجوئی کے لیے اپنے آپ پر جبر کر لیتے ہیں۔ کیا تم

کسی دوسری دُنیا کے انسان ہو؟"

"نہیں روزی۔ لیکن تم خود بھی اس ماحول کے بارے میں تلخ انداز میں گفتگو کر رہی ہو۔ کیا وجہ ہے اس کی؟"

"وجہ معلوم کر لوگے تو کیا تیر مار لوگے۔ البتہ ایک مشورہ ضرور دے سکتی ہوں میں تمھیں۔ بُری صحبتیں انسان کو بالآخر بُرائیوں کی جانب لے آتی ہیں۔ دلجوئی اچھی چیز ہے لیکن اگر اس سے اپنا مستقبل خطرے میں پڑ جائے تو پھر وہ بُرائیوں میں شمار ہونے لگتی ہے۔"

میں نے چونک کر روزی کی شکل دیکھی۔ اس کے چہرے پر تلخی نظر آرہی تھی۔ چند لمحات میں اُسے دیکھتا رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا "روزی، تم ذہنی طور پر کسی تکلیف کا شکار معلوم ہوتی ہو۔"

"جانے دو۔ جانے دو۔ اب شاید میری دلجوئی کروگے۔ کیا دوسروں کی دلجوئی کرنا تمھارا کاروبار ہے؟"

"میں اخلاقیات پر فضول قسم کی لفاظی نہیں کروں گا۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا، اگر دل چاہے تو دل کا درد مجھے بتا دینا ورنہ میں اس کے لیے تمھیں مجبور نہیں کروں گا۔"

نہ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہوا کہ روزی میرے لیے کام کی شخصیت ثابت ہوسکتی ہے۔ شاہد ایاز سے ملاقات ہوتے ہی ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا تھا کیوں کہ ایاز میرے نزدیک مشکوک لوگوں میں سرِفہرست تھا لیکن ابھی تک میں نے ان لائنوں پر نہیں سوچا تھا۔ نعمان کے تعارف کراتے ہی یہ تاثر میرے ذہن میں پیدا ہوگیا تھا کہ شاہد ایاز سے میری دوستی مفید رہے گی۔ بظاہر شاہد ایاز کی ساتھی نظر آنے والی مگر اندر سے اس کی مخالفت کرنے والی روزی سے میرا تعارف کرا کے اس نے میرے کام کو کسی حد تک آسان کر دیا تھا۔ اس لیے روزی کو زیادہ سے زیادہ قابو میں لانے کی کوششیں کرنا ضروری تھا۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے پھر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خواہ مخواہ تمھیں بھی بور کر رہی ہوں۔ بہتر ہوگا میرے بجائے کسی اور کو اپنی ساتھی منتخب کر لو۔"

"روزی پلیز، اس دور میں بھی انسانوں کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں، کچھ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کے دُکھ پر قہقہے لگاتے ہیں کچھ وہ ہوتے ہیں جو قہقہے نہیں لگاتے بلکہ اُس سے متاثر ہوتے ہیں اور اپنے لیے ذرا کچھ نہ پاکر ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ تم نے مجھ سے جو الفاظ کہے ہیں نہ جانے کیوں انھوں نے میرے دل کی گہرائیوں کو چھُو لیا ہے۔ چند لمحاتی ملاقات ہے میری تم سے اس لیے مزید کچھ کہتے ہوئے بھی عجیب سی شرمندگی کا احساس ہو رہا ہے۔ البتہ دل یہ ہی چاہ رہا ہے کہ تمھارے دُکھ میں شریک ہو جاؤں۔ اس جذبے کو جو نام دینا چاہو دے سکتی ہو۔ مجھ سے اجتناب کرو تو میں یہاں سے ہٹ جاتا ہوں لیکن اگر دل کے کسی گوشے میں کوئی نرمی پیدا ہو جائے تو مجھے اپنا دوست سمجھ سکتی ہو۔" میرے ان الفاظ پر روزی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ چند لمحات وہ ڈبڈبائی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اتنا دردمند ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ نقصان اُٹھاؤگے۔"

"بے وسائل ہوں، محدود ہاتھ پاؤں کا مالک ہوں۔ کچھ بھی نہیں کر سکتا لیکن تمھارے دُکھ میں شریک ہو کر مجھے سکون ملے گا روزی۔ میں تم سے عشق کا اظہار نہیں کر رہا۔ ظاہر ہے ان محفلوں میں میری شرکت بہت کم رہی ہے لیکن ایسی محفلوں میں شریک ہونے والوں کو جانتا ہوں۔ وقتی طور پر ہنستے ہیں، مسکراتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ایسی چند محفلوں میں شرکت کر کے میں بھی اُن ہی کی طرح کا ہو جاؤں ۔ ابھی نہیں ہوں تو کیا کروں۔"

"مت پاگل بناؤ مجھے، میں بہت دُکھی ہوں اور مزید پاگل نہیں بن سکتی۔" وہ رو دینے والے انداز میں بولی اور میں بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہ کیفیت بہتر نہیں تھی۔

قریب سے گزرتی ہوئی ٹرالی سے میں نے شراب کے دو جام اُٹھا لیے اور اُن میں سے ایک جام روزی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "شراب تمھیں سہارا دے گی۔"

"نہیں یہ مجھے اور میرے جذبات کو بے لگام کر دیتی ہے اور نہ پلاؤ مجھے۔"

"میری خواہش ہے روزی کہ تم خود کو پُرسکون کرو۔ کیا تم یہاں سے چلنا پسند کروگی۔"

"نہیں یہ بھی میرے حق میں بہتر نہ ہوگا۔" روزی نے جواب دیا اور گلاس اُٹھا کر اُسے ہونٹوں سے لگا لیا۔ پھر وہ چند گھونٹ لینے کے بعد گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی اور اس کے بعد اپنا چھوٹا سا پرس کھول کر اس نے ایک خوبصورت وزیٹنگ کارڈ نکالا۔

"اگر دل چاہے اور دل سوزی کی اس حماقت کا بعد میں احساس نہ ہو تو بعد میں مجھ سے مل لینا۔ تم سے گفتگو کر کے شاید مجھے کچھ سکون ملے۔" میں نے احترام سے اس کا کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور آہستہ سے بولا۔

"میں کل ہی تم سے ملاقات کروں گا روزی لیکن کیا تم سے ملاقات ہو جائے گی؟"

"یہ میرے گھر کا پتا ہے۔ میں وہاں اپنے پورے خاندان کے ساتھ رہتی ہوں۔ تم میرے دوست کی حیثیت سے مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو۔"

"بہت بہت شکریہ روزی۔" میں نے کارڈ احتیاط سے جیب میں رکھ لیا اور اس کے بعد نعمان ہی نے ہمارے درمیان مداخلت کی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا میرے قریب آ گیا۔

"ایک اناڑی آدمی میں یہی خرابی ہوتی ہے۔ جہاں چپکا چپک ہی گیا۔ آخر کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں۔ ویسے روزی، یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم نے ہمارے دوست کو بہت زیادہ متاثر کر لیا ہے۔" روزی نے مسکراتے ہوئے نعمان کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

"نہیں مسٹر نعمان۔ اب میرے اندر وہ صلاحیتیں باقی نہیں رہی ہیں۔" نعمان نے ایک بے معنی سا قہقہہ لگایا اور میرا بازو پکڑ کر مجھے وہاں سے اٹھا لے گیا۔

شاہد ایاز شہناز کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ نعمان مجھے ساتھ لیے ہوئے اپنے اور دوستوں کے قریب پہنچ گیا۔ ان سے میرا تعارف کرایا۔

رات گئے تک یہ پارٹی جاری رہی اور اس کے بعد میں نے گھڑی دیکھ کر نعمان سے اجازت طلب کر لی۔

"ارے ابھی کہاں، ابھی تو اس کے بہت سے مدارج ہیں۔"

"نہیں دوست، تم انگلینڈ واپس چلے جاؤ گے مگر میں کہاں جاؤں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور نعمان بھی ہنسنے لگا۔

میں واپس چلا آیا۔ گھر کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہی معمولات، وہی انداز یعنی سب کچھ جوں کا توں تھا۔ رات گئے تک میں روزی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ شاہد ایاز شکل صورت سے ہی غنڈہ معلوم ہوتا تھا۔ حالانکہ ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا لیکن اس کے عادات و اطوار خطرناک نظر آتے تھے۔ میرے ذہن میں کچھ اور ہی خیالات مچلنے لگے تھے لیکن دعوے سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ ایک نئی سوچ تھی جو میرے ذہن تک پہنچی تھی اور میں اس پر کام کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن میں روزی کے دیے ہوئے پتے پر اس کے پاس پہنچ گیا۔

عیسائی آبادی کی ایک بلڈنگ میں اس کا فلیٹ گراؤنڈ فلور پر تھا۔ میں نے بیل بجائی تو ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکی نے دروازہ کھولا جو روزی کی ہم شکل نظر آتی تھی۔ میں نے اس سے روزی کے بارے میں پوچھا تو اس نے نہایت اخلاق سے اندر آنے کے لیے کہا اور پھر ایک سادگی سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ چند ہی لمحات کے بعد روزی آئی اور مجھے دیکھ کر بڑے خلوص سے مسکرانے لگی۔

"مجھے یقین نہیں تھا کہ تم مجھ پر اتنی توجہ دو گے۔" اس نے مجھے ہیلو کرتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے بہر حال میں آنا تھا کیونکہ شاہد نے جس طرح میرا تم سے تعارف کرایا تھا۔ اس نے میرے ذہن کو دہری کیفیت کا شکار کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے شاہد تمہارا مالک ہے اور تم اس کے اشاروں پر چلتی ہو لیکن اس کے ساتھ ہی تمہاری دوسری شخصیت بھی ڈھکے چھپے انداز میں سامنے آئی اور میں تمہارے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہو گیا۔"

"ہاں۔ حالات نے مجھے بُری طرح پیس دیا ہے مسٹر شارق! کیا پینا پسند کریں گے آپ؟"

"جو بھی آپ پلوا دیں مس روزی۔ میرا مطلب ہے شراب کے سوا۔"

"اس کا تو ذکر ہی نہ کرو۔ میں کافی بنواتی ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ واپس آ گئی اور میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اس گھر میں میری ممی رہتی ہیں۔ ڈیڈی بھی رہتے ہیں۔ دو چھوٹی بہنیں ہیں اور ایک بڑا بھائی ہے جونی۔ جونی تقریباً پانچ سال سے بے کار ہے لیکن ان دنوں وہ شراب خانوں میں پایا جاتا ہے اور اکثر گھر میں بھی شراب کی بوتلیں لے آتا ہے۔ اس کی مالی حالت بہتر ہو گئی ہے۔ جانتے ہو کیوں؟" اس نے تلخ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اور میں سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ آج کل وہ شاہد ایاز کا آلۂ کار ہے۔"

"اوہ۔" میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ پھر بولا۔ "شاہد ایاز تمہاری زندگی پر اتنا مسلط کیسے ہو گیا مس روزی؟"

"اگر انسان حالات کا دیانتداری سے جائزہ لے تو اُس کے بگڑے ہوئے وقت میں خود اُس کی اپنی کوششیں کارفرما نظر آتی ہیں۔ شاہد ایاز کا مجھ پر تسلط میری ہی حماقتوں کا نتیجہ ہے۔ میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھ کر ایک خوبصورت زندگی کی تلاش میں سرگرداں رہتی تھی اور شاہد ایاز ایک ماہر شکاری تھا۔ کرسمس کی ایک رات اس سے ملاقات ہوئی اور اُس نے مجھے اپنی دوستی کی پیشکش کر دی۔ خوبصورت کار بہت کشادہ تھی اور میری نگاہیں اس پر جم گئیں۔ ہمارے درمیان دوستی قائم ہو گئی۔ شاہد ایاز نے میرے گھریلو معاملات میں بھی دلچسپی لینا شروع کر دی۔ وہ مجھے شاپنگ وغیرہ بھی کرانے لگا اور اس کے بعد مسٹر شارق وہی ہوا جو مجھ جیسی چمک کی رسیا کسی لڑکی کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ میں اس کے ہاتھوں برباد ہو گئی۔ زندگی کے کچھ ایسے موڑ آئے کہ اس کی مدد کے بغیر یہ موڑ کاٹنا مجھے مشکل محسوس ہوا اور اُس نے میری مدد بھی کی۔ اپنی بدنامی کو چھپانے کے لیے، لیکن اس کے بعد میں مستقل اس کی آلۂ کار بنتی چلی گئی۔ اور وہ مجھ پر مسلط ہوتا چلا گیا۔ جونی کو اس نے خاص طور سے اپنے جال میں پھانسا تھا۔ صرف اس لیے کہ کہیں جونی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔ شراب کے رسیا جونی کو شراب کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی اور اس کے لیے اُسے رقم درکار ہوتی تھی۔ چنانچہ اُس نے شاہد ایاز کی تمام حرکتوں کو برداشت کر لیا۔ میرے پاپا بے چارے معذور انسان ہیں۔ پندرہ سال پہلے وہ فالج کے مرض میں گرفتار ہو گئے تھے اور اُن کے پاس ذریعۂ آمدنی کچھ نہیں رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم اُن کا علاج بھی نہیں کرا سکے۔ اب لے دے کر ہمارا سہارا جونی ہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ میں بھی تھوڑا بہت کچھ کر لیتی ہوں لیکن وہ کچھ ملازمت نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ شاہد جیسے لوگوں کی حاشیہ برداری ہے۔ یہ ہے میری شخصیت جس سے اب میرے گھر کے لوگ بھی لاعلم نہیں ہیں لیکن مجبوروں کی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ ہم سب ان حالات کے لیے مجبور ہیں۔ جونی کا سہارا ہم سب کے لیے نہ ہونے کے برابر ہے چنانچہ اس قسم کی محفلوں میں مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنتی رہتی ہوں۔ یہ تمام باتیں میں نے صاف گوئی سے تمہیں اس لیے بتا دی ہیں کہ تم اُن لوگوں سے کچھ مختلف نظر آئے۔ میرا تو خیال یہ تھا کہ شاہد ایاز جب تم سے میرا تعارف کرائے گا تو تم بھی مجھے اپنی ملکیت سمجھ کر مجھ پر ٹوٹ پڑو گے لیکن تم نے دل کے اُن گوشوں کو چھو لیا جہاں ابھی درد کی کسک باقی ہے اور یہ درد میری زبان سے آج تمہارے سامنے اُبل پڑا۔ مجھے یقین ہے مسٹر شارق کہ میری کہانی سے تمہیں کچھ نہیں حاصل ہو گا بہر طور جو کچھ میں تمہیں بتا چکی ہوں وہ یہی سب کچھ تھا۔ مجھے بتاؤ میں تمہاری اور کیا خدمت کروں؟"

بے باکی اور بے تکلفی سے اُس نے مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا حالانکہ یہ اس کے لیے ضروری نہیں تھا لیکن میں اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ دُکھی دل جب ذرا سی ٹھیس پاتے ہیں تو اُبل پڑتے ہیں اور یہی کیفیت اس وقت روزی کی تھی۔ میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ اسی دوران روزی کی چھوٹی بہن نہایت نفاست سے ایک ٹرے میں کافی کا سامان لے آئی اور روزی اپنے ہاتھوں سے کافی بنانے لگی۔ اُس نے ایک پیالی مجھے دے کر دوسری اپنے سامنے رکھی اور پھر تلخ سے انداز میں مسکرا کر بولی۔ "کہیے مسٹر شارق! کیا فائدہ ہوا آپ کو اس کہانی سے۔ صاحبِ دل ہیں تو رنجیدہ ہو گئے ہوں گے اور بس۔"

"ہاں مجھے واقعی دُکھ ہوا ہے مس روزی۔ اس دُنیا میں قدم قدم پر ایسی لاتعداد کہانیاں بکھری پڑی ہیں لیکن شاہد ایاز جیسے لوگوں کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی۔ تم ایک لڑکی ہو جس سے میری ملاقات ہو گئی اور اس نے مجھے اپنی کہانی سُنا دی لیکن شاہد جیسے لوگوں کی شکار نہ جانے کتنی لڑکیاں ہوں گی جن سے میری ملاقات نہیں ہو سکی۔ میں تو یہ چاہتا ہوں روزی کہ ایسے لوگوں کو عبرتناک سزا ملنی چاہیے۔"

"صرف چاہتے ہو اور چاہتے رہو گے۔ کیا کر سکتے ہو۔ وہ دولت کے سہارے جیتے ہیں اور اس دور میں دولت بہت بڑا سہارا ہوتی ہے۔"

"مجھے شاہد ایاز کے بارے میں اور کچھ بتاؤ۔" روزی نے کافی کی پیالی لی۔ پھر دفعتاً میں نے اس کے چہرے پر چونکنے کے آثار دیکھے۔ وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگی۔ پھر اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"تمہارا شاہد ایاز سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہے؟"

"نہیں روزی۔ میں سچ بولنے کا قائل ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی بتایا تھا۔ اس میں ایک لفظ بھی غلط نہیں تھا۔"

نعمان سے دوستی تھی میری اور تم سے ملاقات سے میرا خیال ہے کوئی پندرہ منٹ پہلے نعمان نے اُس سے میرا تعارف کرایا تھا اور بس۔ اِس سے پہلے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ہاں ایاز احمد کا نام پہلے سُن چکا تھا۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ شاہد ایاز اُن کا بیٹا ہے۔"

"ہُوں۔ میں کچھ اور تو بتانا نہیں چاہتی لیکن ایک بات ضرور بتاؤں گی تمھیں۔"

"کیا؟"

"میرا بھائی جونی شاہد کے گہرے دوستوں میں سے ہے۔ جونی شروع ہی سے بگڑی ہوئی فطرت کا مالک تھا لیکن شاہد سے اس کی ملاقات ابھی حال ہی میں ہوئی ہے۔ جونی کے اندر ایک بہت بڑی خرابی ہے کہ شراب پینے کے بعد وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ ایک رات جونی نشے میں دُھت بہت سے سازوسامان کے ساتھ لدا پھندا آیا۔ جب جونی نشے میں ڈوبا ہوا گھر آتا ہے تو اس کے لیے گھر کا دروازہ میں ہی کھولتی ہوں۔ مجھے اس سے محبت ہے کیونکہ وہ میرا بڑا بھائی ہے۔ اس رات نشے کے عالم میں اُس نے کچھ ایسی گفتگو کی جو میرے لیے قابلِ تشویش تھی۔"

"وہ کیا؟" میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے روزی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اُس نے پانچ ہزار روپے کے نوٹ میرے پاس رکھوائے اور وہ تمام چیزیں مجھے دیتے ہوئے بولا کہ میں عیش کروں بلکہ اگر مجھے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ بھی بتا دوں۔ آج اُس نے اچھی خاصی رقم کمائی ہے۔ میں نے تفصیلات پوچھیں تو اس نے بتایا یہ رقم اس نے نہ جوئے میں جیتی ہے نہ ریس میں۔ اِس رقم کے حصول کا ذریعہ کچھ اور ہی ہے۔ اس نے تاسف بھرے انداز میں کہا کہ انسان کو قتل کرنا دُنیا کا سب سے مشکل کام ہے لیکن اُس کے عوض معاوضہ بہت اچھا ملتا ہے اور شاہد ایاز جیسے دوست بلاشبہ قابلِ تعریف ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ گفتگو اس نے نشے کے عالم میں کی تھی اِس لیے میں اس سے بہت سے سوالات تو نہ کر سکی لیکن شاہد ایاز کے نام نے مجھے چونکا دیا تھا۔ دوسرے دن جب ہوش میں آنے کے بعد میں نے اُس سے اِس بارے میں سوالات کیے تو جونی سہم گیا۔ اس نے پہلے تو جھکے سے لہجے میں مجھے ٹالنے کی کوشش کی اور کہا شراب کے نشے میں وہ جو کچھ بکواس کرتا ہے اُس کی کوئی حیثیت یا اصلیت نہیں ہوتی لیکن جب میں نے اس سے اس رقم کے بارے میں پوچھا جو اس نے میرے پاس رکھوائی تھی تو وہ کچھ نروس سا ہو گیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ رات کی باتوں پر ہمیشہ کے لیے زبان بند رکھوں اور کسی سے اِس کا تذکرہ بھی نہ کروں ورنہ وہ مصیبت میں پھنس جائے گا۔ یہ بات میرے ذہن میں آج تک چبھتی رہی ہے۔ میں نے خاموشی تو اختیار کر لی لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جونی کے ذریعے شاہد ایاز نے کوئی بھیانک جرم کرایا ہے۔"

روزی کے اس انکشاف نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیے تھے۔ گویا میرے ذہن میں ایک چھوٹا سا شبہ پیدا ہوا تھا۔ اس کے لیے کوئی باقاعدہ راستہ موجود تھا اور میں مزید کوششوں سے اس راستے پر آگے بڑھ سکتا تھا۔ روزی نے بلاشبہ یہ حیرت انگیز بات کی تھی۔ اُسے مجھ پر نجانے کیوں اتنا اعتبار ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے بھائی سے متعلق ایک ایسی کہانی مجھے سُنائی تھی جو اُس کے بھائی کے لیے عذاب بھی بن سکتی تھی۔ کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے میں چند لمحات خاموشی سے سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"مس روزی! اس سلسلے میں اگر آپ کو میری کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ جس طرح آپ نے مجھ پر اعتماد کر کے اپنے بھائی سے متعلق اس اہم راز کا انکشاف کیا ہے اسی طرح میں بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ سے جو کچھ بھی بن پڑے گا آپ کے لیے کروں گا۔"

"نہیں مسٹر شارق۔ آپ یقین کیجیے۔ میں نے کسی خاص جذبے کے تحت آپ سے یہ سب کچھ نہیں کہا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ میرا بھائی ایک بگڑا ہوا نوجوان ہے ہم لوگ اس سے مستقبل کی توقعات ختم کر چکے ہیں۔ بس اسی خوف کے شکار ہیں کہ کہیں وہ کسی بڑی مصیبت میں نہ گرفتار ہو جائے۔"

"لیکن مس روزی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کا بھائی شاہد ایاز کے ہاتھوں پھنس کر کوئی جرم کر بیٹھا ہو۔ بغیر کسی بڑی کارروائی کے اتنی بڑی رقم تو کسی کو نہیں دی جا سکتی۔" روزی سپاٹ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"جونی نے اگر کوئی جرم کیا ہے تو اُسے سزا سے کون بچا سکتا ہے۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں، اُسے سزا ضرور ملے گی۔

آتا ہے بس اور اتنا خود غرض نوجوان ہے کہ اُس نے کبھی اپنی [illegible] کے بارے میں نہیں سوچا۔ گھر کے معاملات دوسروں کو بتانا ہر چند کہ اچھی بات نہیں ہے لیکن جس کا وجود [illegible] سے نچڑ ہو تو وہ کیا کرے۔ میں اپنی بہنوں اور ماں باپ کو بہت چاہتی ہوں لیکن کیا تم کسی ایسے آدمی سے ہمدردی کر سکتے ہو جو اپنی کسی ضرورت کے پوری نہ ہونے پر اپنی بہنوں پر ہاتھ بھی اُٹھائے۔ جونی ایسا ہی نوجوان ہے۔ نشے میں ہوتا ہے تو انسان بن جاتا ہے۔ اپنے بارے میں سب کچھ اُگل دیتا ہے اور ہوش میں ہوتا ہے تو ہم سب کے لیے شیطان ہے وہ۔"

"جونی سے کہیں ملاقات ہو سکتی ہے مس روزی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ ہر بدنام شراب خانے میں وہ نظر آ جاتا ہے عام طور سے وہ لائن بار میں ہوتا ہے۔ شام کو سات بجے کے بعد۔ اور اگر کبھی جیب میں زیادہ رقم ہو تو اور بڑے بڑے شراب خانوں میں نظر آ جاتا ہے۔" میں نے لائن بار کے متعلق روزی سے تفصیلات معلوم کیں اور پھر کسی خیال کے تحت نہایت محتاط انداز میں اُس سے پوچھا۔

"ایک ایسا سوال کر رہا ہوں مس روزی جو یقیناً آپ کو ناگوار بھی گزر سکتا ہے لیکن جب آپ نے اتنا کچھ بتا دیا ہے اپنے بارے میں تو براہِ کرم اس ایک سوال کا جواب اور دے دیجیے۔"

"ہاں مسٹر شارق پوچھیے۔ میں حاضر ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ کے دل میں برائی کے خلاف ایک نفرت موجود ہے اور میں اسی نفرت سے محبت کرتا ہوں۔ مس روزی کوئی بہت بڑی بات نہیں کہتا میں آپ سے لیکن آپ کی زندگی کی تعمیر میں اگر میری شخصیت کسی بھی شکل میں کام آ جائے تو آپ یقین کیجیے کہ میں خود کو بہت بڑا انسان سمجھوں گا۔ یہ الفاظ میں سوچ سمجھ کر ادا کر رہا ہوں اور مجھے ان کا پاس بھی کرنا ہے۔" روزی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ چند لمحات وہ کافی کی پیالی کو گھورتی رہی پھر جلدی سے آنسو خشک کرتے ہوئے بولی۔

"کیا سوال کر رہے تھے آپ؟"

"مس روزی۔ کیا جونی یہ بات جانتا ہے کہ آپ کن راستوں کی راہی ہیں؟" روزی اس سوال پر چند لمحات مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

"ممکن ہے جانتا ہو ممکن ہے کسی نے اسے بتایا بھی ہو لیکن ایک بے غیرت بھائی جب برائیوں کی آخری حد دل تک جا نکلتا ہے تو پھر اس کے دل میں اس طرح کی کسی بات کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس نے کبھی مجھ سے اس سلسلے میں باز پُرس نہیں کی لیکن وہ یہ تو جانتا ہو گا کہ بہنوں کی تعلیم کا خرچ، ان کے کھانے پینے کا خرچ گھر میں کہاں سے آتا ہے۔ جب وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا تو اگر اُسے کسی نے میرے بارے میں بتایا بھی ہو گا تو اس کی غیرت پر کون سی ضرب پڑ سکتی ہے۔"

"گویا باقاعدہ وہ اس بات سے واقف نہیں ہے؟"

"یہ میں نہیں جانتی۔" روزی نے جواب دیا۔

"مس روزی ایک آخری سوال اور۔"

"ہاں۔ ہاں پوچھیں آپ۔ کیوں بلاوجہ اتنے زیادہ تکلفات کا اظہار کر رہے ہیں۔"

"شاہد ایاز آپ کو کوئی باقاعدہ رقم دیتا ہے؟"

"ہاں۔ ہر ماہ تو نہیں لیکن میں اُس سے کبھی کبھی دو چار ہزار روپیے لیا کرتی ہوں اور یہ ضرورت مہینے میں ایک آدھ بار پڑ جاتی ہے۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معاش آپ کا؟"

"تفصیل کیوں پوچھ رہے ہو۔ سب کچھ تو بتا چکی ہوں۔" روزی نے جواب دیا اور اس کے بعد اس نے سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا۔ پھر میں اُٹھتا ہوا بولا۔

"روزی! اجازت چاہتا ہوں۔ اس گفتگو کے بعد یوں سمجھ لو کہ میرے اور تمھارے درمیان ایک رشتہ قائم ہو گیا ہے۔ احترام اور اعتماد کا رشتہ۔ تم سے کچھ نہیں کہوں گا روزی چونکہ تم اپنا [illegible] مجھے دے چکی ہو لیکن اس گفتگو کے بعد مجھ پر بہت کچھ فرض ہو گیا ہے۔ ایک دُعا اور کرتا ہوں [illegible] لیے کہ اس فرض کو [illegible]

روزی [illegible] آئی تھی

وہاں سے نکلتے [illegible] ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے۔ ذہن [illegible] سمتوں میں دوڑ رہا تھا۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ حالات نے خود میری رہنمائی کی تھی ورنہ نعمان کے ہاں کی پارٹی، شاہد ایاز سے ملاقات۔ روزی سے ملاقات اور روزی کا اس قدر اعتماد اور اس کا جذبہ باقی ہو جانا

یہ سب کچھ حقیقتوں سے دُور کی بات تو نہیں تھی لیکن اتنی جلدی ایسے واقعات پیش نہیں آتے، تو اگر یہ غیبی اشارہ ہے تو پھر کیوں نہ میں اپنے آپ کو صحیح راستوں کا راہی بنالوں۔

بہت دیر تک سوچنے کے بعد انسپکٹر زیدی کا خیال ذہن میں آیا۔ اس شخص سے بھائی صاحب کی ہدایت پر ملاقات ہوئی تھی لیکن اب وہ میرا آشنا سا بن گیا تھا کیوں نہ اس شناسائی سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ جوان کی شخصیت ایسی نظر آئی تھی کہ شاید وہ میرے لیے کارآمد ہو سکے۔ اگر یہ سب کچھ نہ ہوا تو اس کارروائی سے بچاؤ کا کوئی راستہ بھی اختیار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ میں انسپکٹر زیدی کی تلاش میں چل پڑا۔

پولیس ہیڈ کوارٹر میں انسپکٹر زیدی موجود نہ تھے مگر اُن کے کمرے میں ایک چالیس پینتالیس سالہ شخص چہرے پر عجیب سی کیفیت سجائے اے ایس آئی کی وردی میں ملبوس بیٹھے تھے۔ میں نے زیدی کے بارے میں اسی سے سوال کیا تھا۔

"زیدی صاحب موجود نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک آئیں گے۔ کوئی خاص کام ہو آپ کو تو مجھے بتا دیں۔ میں اُن کا اسسٹنٹ ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ آپ کا نام؟"

"بس جی غالب کہتے ہیں مجھے لیکن حالات نے مجھے مغلوب کر رکھا ہے۔" اس نے بھاری لہجے میں بتایا۔

"اوہ غالب صاحب، مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔ دراصل میں سابق انسپکٹر جنرل کا بیٹا ہوں۔ شارق میرا نام ہے اور زیدی صاحب سے ایک خاص سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔"

"اوہ۔ اوہ اچھا تو بیٹھیے جی، کوئی چائے پانی وغیرہ۔"

"نہیں شکریہ۔ زیدی صاحب سے ملاقات ضروری تھی۔ ایک ایسے شخص کے خلاف اُن کی مدد کی ضرورت ہے جس پر شبہ ہے کہ وہ مجرم ہے لیکن وہ دندناتا پھر رہا ہے اور ایک بے گناہ مصیبت میں پھنس گیا ہے۔" سب انسپکٹر غالب چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر خفیف سی مسکراہٹ سے بولا۔

"اس بے گناہ سے آپ کا کیا رشتہ ہے جی؟"

"صرف انسانیت کا رشتہ۔ ایک مظلوم ماں۔ ایک اپاہج باپ کو میں نے روتے ہوئے دیکھا تو میرا دل پگھل گیا اور صرف نیکی کا جذبہ مجھے اس بات پر مجبور کرنے لگا کہ میں اُن کے لیے کام کروں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو انسپکٹر زیدی اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کریں گے۔ مجھ سے کہو، کس کام آسکتا ہوں۔" غالب کے لہجے میں کوئی ایسی بات پوشیدہ تھی جس نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"میں نہیں سمجھا مسٹر غالب۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو بھائی۔ جب میں پولیس ڈیپارٹمنٹ میں آیا تھا تو میرے ماں باپ نے سخت مخالفت کی تھی۔ میرے چچا پولیس میں تھے۔ یہ صرف ان کی کوششیں تھیں کہ میں اس ڈیپارٹمنٹ میں آگیا۔ میرے ماں باپ کا کہنا تھا کہ میں صحیح راستوں پر نہیں رہ سکوں گا۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ کوئی ایسی بُرائی قبول نہیں کروں گا جو دل میں چبھے اور آج تک یہی سب کچھ کرتا رہا ہوں شارق بھائی اور اس کی وجہ سے بڑے تماشے ہوئے ہیں میرے ساتھ۔ پچھلے دنوں ایس ایچ او تھا ترقی ہوگئی اور ایک سیڑھی نیچے اُتر آیا۔ اب اسسٹنٹ ہوں۔"

"کیا مطلب ترقی ہوگئی؟"

"ہاں جی۔ میں تو اسے ترقی ہی کہتا ہوں۔ دو بار معزول ہو چکا ہوں۔ کبھی سسپنڈ ہو جاتا ہوں۔ عہدہ بڑھتا ہے اور پھر گھٹ جاتا ہے اور اس کی وجہ کوئی نہ کوئی بڑا آدمی ہوتا ہے۔ مگر مرے ہوئے ماں باپ کی روح کو کتنا سکون ملتا ہوگا۔ بس یہ بات مجھے سُرور دیتی ہے۔" میں حیرت سے غالب کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"تب پھر تم کیوں کہتے ہو مسٹر غالب کہ تم مغلوب ہو۔ تم تو آج بھی غالب ہو اور میرا خیال ہے ہمیشہ غالب رہو گے۔"

"ہاں جی۔ دُنیا کی نگاہوں میں مغلوب ہو جاتا ہوں۔ لوگ کہتے بھی ہیں یہ بات۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں غالب ہی ہوں۔ خدا کی قسم اگر کانسٹیبل بھی بنا دیا جاؤں تو مجھے پروا نہیں ہوگی۔ کروں گا وہی جو میرا ضمیر کہتا ہے۔"

اس شخص کی چند منٹ کی گفتگو نے ہی مجھے متاثر کر دیا تھا اور میرے اس خیال کی تصدیق ہوگئی تھی کہ دُنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہے لیکن میں جس مقصد کے لیے یہاں آیا تھا اس کے لیے انسپکٹر زیدی کی حیثیت کے آدمی کی ضرورت تھی۔ اگر اس شخص کو خواہ مخواہ اپنا آلۂ کار بنانے کی کوششیں کروں تو ممکن ہے یہ تیار نہ ہو۔ چند لمحات ذہن میں کشمکش رہی

پھر میں نے کہا۔

"آپ یہ بات ضرور جانتے ہوں گے مسٹر غالب کہ نیکی کے راستے پُر خار ہوتے ہیں اور اُن پر چلنا آسان کام نہیں ہے۔" غالب پوری طرح میری طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو کہو جی۔ اگر اپنے لیے کوئی کام ہو تو یہ مت سوچو کہ ہماری تمہاری آج ہی شناسائی ہوئی ہے۔ ہم تو خرچ ہی اس کے لیے ہو رہے ہیں۔"

"یقیناً مسٹر غالب! میں آپ کو اپنا مقصد ضرور بتاؤں گا۔ ممکن ہے آپ ہی میرے لیے کام کے آدمی ثابت ہوں۔ انسپکٹر جنرل کا بیٹا ضرور ہوں لیکن مجھے وہ مراعات حاصل نہیں ہیں جن کے تحت میں آسانی سے اپنے راستے پر آگے بڑھ سکوں۔"

"آپ عطرت حسین کے بیٹے ہو جی؟" غالب نے سوال کیا۔

"ہاں۔ یہ اندازہ تم نے کیسے لگایا؟"

"نہیں جی۔ ہم جانتے ہیں۔ پچھلے آئی جی صاحب کو بہت عرصے سے آگے پیچھے ہوتے رہے ہیں۔ بہرحال اچھے آدمی تھے بے چارے۔ اُن کا نام کسی کے لیے اجنبی نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا یہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے یا کہیں اور؟"

"اس وقت تو شاید آپ ڈیوٹی پر ہیں۔"

"ہاں۔ زیدی صاحب بٹھا گئے ہیں۔ کچھ کام تھے۔"

"تو غالب صاحب میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ اُس سلسلے میں میری معاونت کر سکیں گے۔ یہاں سے کس وقت فرصت مل جائے گی آپ کو؟"

"پانچ بجے جی۔" غالب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ کوئی ایسی جگہ مقرر کر لیجیے جہاں پانچ بجے میں آپ کا انتظار کر لوں۔"

"ہم آپ کا انتظار کریں گے شارق جی۔ جگہ بتاؤ۔" اور میں نے ایک ہوٹل کا نام لے دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ساڑھے پانچ بجے کا وقت مقرر کر لو۔"

"ٹھیک ہے میں ساڑھے پانچ بجے آپ کا انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور اس کے بعد غالب سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔

کافی دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کر کے یہ اندازہ لگاتا رہا کہ حسبِ عادت میرا پیچھا تو نہیں کیا جا رہا یا کوئی خاص طور سے میری طرف متوجہ تو نہیں ہے اور جب یہ اطمینان ہوگیا کہ اب کوئی میرے تعاقب میں نہیں ہے تو ایک سمت متعین کر کے چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب آج کورٹ نہیں گئے تھے۔ کوئی کیس نہیں تھا ان کے پاس۔ ویسے بھی میں بتا چکا ہوں کہ بے چارے عمر کی اُس منزل میں تھے جہاں صرف ذمے داریاں ہی کام کرتی ہیں، اعضا نہیں۔ مجھے دیکھ کر وہ ہمیشہ خوش ہو جایا کرتے تھے اور اب ان کے اندر ایک بزرگانہ شفقت پیدا ہوگئی تھی۔ میرا پُرجوش استقبال کیا اور پھر دروازہ بند کر لیا۔

"آپ کا پُرجوش چہرہ بتاتا ہے فاروقی صاحب کہ کافی کام کیا ہے آپ نے۔"

"ہاں میاں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ تم نے ایک بار پھر بوڑھی ہڈیوں میں برقی رَو دوڑا دی ہے اور بعض اوقات تو میں یہ سوچتا رہا ہوں کہ اگر سال دو سال تمہارا ساتھ رہ گیا تو شاید جوانی پھر سے لوٹ آئے۔"

"ویسے تو کوئی بات نہیں ہے مگر شاید چچی جان کو اس پر اعتراض ہو۔" میں نے زیرِ لب کہا لیکن فاروقی صاحب نے سُن لیا تھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"مجھے سمجھائیے کہ آپ اس سلسلے میں کیا کر کے آئے ہیں؟"

"جو ذمے داریاں تم نے میرے سپرد کی تھیں ان کی تکمیل کر لی ہے۔"

"گڈ۔ ویری گڈ، یعنی ۔۔۔"

"کام نمبر ایک ہوگیا ہے۔ تسلی بخش ہے۔ کام نمبر دو بھی ہوگیا ہے اور اس میں بھی پوری پوری کامیابی ہوئی ہے۔"

"واہ۔ خوب اور بہت خوب۔ فاروقی صاحب یہ کیس آپ کر جیتا ہی ہے۔ اس کے لیے تیاریاں کر لیجیے۔"

"میاں کچھ کہنا عجیب سا لگتا ہے۔ یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ بیرسٹر صاحب کا مدِ مقابل ہوں۔ بڑی شرمندگی ہوگی اُن سے۔"

"ان تمام باتوں کو نظر انداز کر کے ایک نگاہ اُس غریب گھرانے پر بھی ڈال لیجیے۔ جس کا چشم و چراغ راحیل ہے۔ سارے رشتے ناتے ماند پڑ جاتے ہیں فاروقی صاحب اور ایک رشتہ سینے میں جاگ اُٹھتا ہے، محبت کا رشتہ، انسانیت کا رشتہ، خدا کی قسم اگر راحیل مجرم ہوتا تو مجھے ذرّہ برابر اس سے ہمدردی

نہیں ہوتی اور اس وقت زیادہ سے زیادہ میں یہ کر سکتا تھا کہ خود محنت مزدوری کر کے اس خاندان کی کفالت کروں لیکن راحیل بے گناہ ہے تو پھر دو ہی کام ہو سکتے ہیں یا تو اس کے ساتھ میں خود بھی سُولی پر چڑھ جاؤں گا یا پھر اُسے رہا کرا لوں گا۔"

فاروقی صاحب کی آنکھیں بھر آئیں۔ انھوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز سسکیوں میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ وہ خود کو سنبھالنے لگے آنسو خشک کیے اور بولے۔

"تمھارا عزم چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے بیٹے کہ جس راستے پر قدم بڑھائے ہیں۔ اُس میں کامیابی تمھارے قدموں کی غلام ہوگی۔ اِس سے زیادہ اور میں کیا کہوں۔"

چند لمحات کے لیے جذباتی سی فضا قائم ہو گئی۔ پھر بیگم فاروقی چائے کی ٹرے سجائے ہوئے اندر آ گئیں۔ اس گھر میں اب مجھ سے کوئی پردہ نہیں رہا تھا۔ بالکل اپنائیت ہو چکی تھی۔ چائے پیتے ہوئے میں فاروقی صاحب سے اُن کی اپنی کارکردگی کے بارے میں گفتگو کرتا رہا اور جب چائے ختم ہو گئی تو میں نے کہا۔ "فاروقی صاحب! ایک اور اہم مسئلہ میرے سامنے آ گیا ہے۔ آپ کی دعائیں قدرت کی طرف سے راحیل کی زندگی کی خوشخبری سُنا رہی ہیں۔ میں نے ایک اور راستے پر قدم بڑھا دیے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا ہے" فاروقی صاحب متوجہ ہو گئے۔

"میرا ایک دوست لندن سے آیا ہے اور یہاں کے اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا نام نعمان ہے۔ پُرانی دوستی ہے میری اُس سے۔ رات کو اُس نے مجھے ایک پارٹی میں بُلایا تھا اور اسی پارٹی میں میری ملاقات شاہد ایاز نامی ایک نوجوان سے ہو گئی جو ایاز احمد صاحب کا بیٹا ہے۔"

"اوہ۔ یعنی ندرت کا چچازاد بھائی۔"

"جی ہاں۔"

"خوب۔ پھر؟"

"دراصل آپ کی صحبت میں رہ کر مجھے بہت کچھ سیکھنا ہے فاروقی صاحب۔ وکالت صرف کتابوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے لیے کچھ تجربات بھی ضروری ہیں۔ ہم اب تک صرف ایک ہی لائن پر سوچتے رہے ہیں۔ وہ یہ کہ راحیل کو بے گناہ ثابت کر دیں۔ اس کے لیے ہم نے جو کوششیں کی ہیں بے شک راحیل ان سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور ہم اس کیس کو بالکل ناکارہ کر کے رکھ دیں گے لیکن یہ سوال آج تک ہمارے ذہن میں نہیں اُبھرا کہ اگر ندرت کو راحیل نے قتل نہیں کیا تو پھر اس کا قاتل کون ہے۔ وہ کیا عوامل ہیں۔ کیا حالات ہیں جن کی وجہ سے ندرت کو قتل کیا گیا۔ کوئی تو اس کا قاتل ہوگا۔ اتفاقیہ حادثے کے تحت یا کسی اور شکل میں یا پھر ممکن ہے اس کے خلاف کوئی سازش کی گئی ہو اور اس سازش کے پس منظر میں قاتل کا چہرہ چھپا ہوا ہو۔ فاروقی صاحب ہم نے ابھی تک اس اہم بات کو نظرانداز کیا ہوا ہے اور مجھے تو اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ اگر میں عدالت میں آپ کے ذریعے یہ تمام چیزیں پیش کر دوں تو اس کے بعد ممکن ہے بیرسٹر نصرت حسین صاحب یہ سوال اُٹھا دیتے کہ اگر راحیل ندرت کا قاتل نہیں ہے تو پھر کون ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ راحیل کو شک کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے لیکن ندرت کا قتل تاریکی میں جا پڑتا ہے اور اس کے اصل قاتل کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ یعنی ندرت اس کے راستے سے ہٹ جاتی ہے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ واقعی بہت گہری سوچ ہے لیکن تمھارے الفاظ مجھے شبہے میں ڈال رہے ہیں۔"

"یقیناً جو کچھ آپ سمجھے ہیں وہی میرے ذہن میں ہے۔ شاہد ایاز سے ملنے کے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ ایک اوباش نوجوان ہے جس پارٹی میں اُس سے ملاقات ہوئی وہ بھی اچھے لوگوں کی پارٹی نہیں تھی۔ یعنی دولت مندوں کی وہ تمام بُری عادتیں اور بُری حرکتیں وہاں موجود تھیں جو ہو سکتی ہیں۔ شاہد ایاز اُس کا روحِ رواں تھا۔ میں نے فوری طور پر ان میں سے وہ چکر ڈھونڈنے شروع کر دیے جن کے ذریعے شاہد ایاز کے بارے میں کھوج کی جا سکتی تھی۔ ان میں ایک کرسچین لڑکی روزی ہے جو نہ صرف شاہد ایاز کی فطرت کا شکار ہوئی ہے بلکہ ابھی تک اُس کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ روزی کا اوباش فطرت بھائی جوئی آج کل شاہد ایاز کا دستِ راست ہے اور جوئی کے ذریعے شاہد ایاز بہت کچھ کر رہا ہے اور اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ جوئی کو قابو میں کر کے شاہد ایاز کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ اس کے علاوہ یہ اندازہ بھی لگانا ہوگا کہ ایاز احمد صاحب کے مزید کتنے بیٹے ہیں اور وہ کس قماش کے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے

کہ ہم اس پہلو کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ ندرت کے قتل میں اس خاندان کا بھی کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

ویسے جہاں تک ایاز احمد کا تعلق ہے تو آج تک یہی بات سامنے آتی رہی ہے کہ ایاز احمد اپنی بھتیجی کو بہت زیادہ چاہتے تھے کیونکہ ان کی اپنی کوئی بیٹی نہیں تھی اور اس کے قتل نے انھیں نیم پاگل کر دیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے میری یہ سوچ بالکل غلط ہو لیکن وہ اپنی یہ محبت اپنے بیٹوں میں تو تقسیم نہیں کر سکتے تھے۔ اِس سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"اگر تم مناسب سمجھو تو ان لائنوں پر کام کرو۔ ویسے اگر ہم اس سلسلے میں زیادہ آگے نہ بھی بڑھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اصل قاتل تلاش کرنا پولیس کا کام ہے۔ ہمارا مقصد تو صرف راحیل کو آزاد کرانا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر تم اصل قاتل بھی عدالت کے حوالے کرنا چاہتے ہو تو پھر جس طرح مناسب سمجھو لیکن مجھے خدشہ ہے کہ کہیں حالات بگڑ نہ جائیں۔ واقعات کوئی دوسرا رخ نہ اختیار کر جائیں کیونکہ اگر واقعی ایسی کوئی صورتِ حال ہے تو پھر ایاز احمد کی طرف سے دوسری کارروائی بھی ہوگی۔ بصورتِ دیگر تو ان کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور ہمارا کام بھی بن جاتا ہے۔"

"نہیں فاروقی صاحب۔ یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔ ایک بے گناہ کو پھانسی کے پھندے تک پہنچانے والے خود بچ کر نہیں جا سکتے۔ کم از کم انھیں بھی اسی راستے پر سفر کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر تم اپنی کارروائی جاری رکھو۔ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

تھوڑی دیر بیٹھے رہنے کے بعد میں فاروقی صاحب کے ہاں سے واپس چلا آیا۔ گھر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ بس باقی وقت ایسے ہی آوارہ گردی کرتے ہوئے گزارا اور پھر مقررہ وقت پر میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں غالب سے ملاقات کرنی تھی۔

اے ایس آئی غالب مجھ سے پہلے وہاں موجود تھا۔ سادہ لباس میں اس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو میں پہچان ہی نہیں سکا لیکن پھر اس کے اشارے پر میں نے اس کی سمت دیکھا اور مسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور بیٹھنے کی پیشکش کی۔

اس شخص کے چہرے پر ایک عجیب بات تھی جسے میں بخوبی محسوس کر رہا تھا۔ میرے بیٹھنے کے بعد اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بولا۔

"کیا پیئو گے؟"

"میرا خیال ہے کوئی ٹھنڈی چیز منگوائی جائے۔"

"ہاں۔ میں بھی اسی کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

اس نے ویٹر کو اشارہ کیا اور ایک مشروب لانے کے لیے کہا۔ چند لمحوں بعد مشروب آ گیا اور ہم اس کے چھوٹے چھوٹے سِپ لینے لگے۔ پھر غالب نے کہا۔ "ہاں جی۔ اب تم بتاؤ پورا قصہ کیا ہے۔"

"کوئی خاص بات نہیں غالب صاحب۔ آپ کی زندگی میں تو ایسے واقعات صبح شام کا معمول ہیں۔ ایک نوجوان کو ایک لڑکی کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اور اس پر قتل کا مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے۔ وہ جیل میں ہے حالات میرے علم میں آئے تو مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ مجرم نہیں ہے بلکہ اُسے اس کیس میں پھانسا گیا ہے اصل مجرم کوئی اور ہی ہے۔ میں نے ان راستوں پر کام شروع کیا تو آہستہ آہستہ مجھے ایسے شواہد ملتے گئے جن سے یہ ثابت ہو گیا کہ راحیل مجرم نہیں ہے۔ انسپکٹر زیدی نے اس کیس کو ڈیل کیا تھا۔ میں اپنے بارے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں آئی جی عطرت حسین کا بیٹا ہوں۔ میرے بھائی نصرت حسین یہ کیس لڑ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے انھیں حاصل کیا گیا ہے لیکن میرا اپنا نظریہ یہ ہے کہ راحیل بے گناہ ہے تو اُسے بچنا چاہیے۔ اگر وہ گناہگار ہوتا تو ظاہر ہے کہ کوئی شریف آدمی کسی قاتل کی مدد نہیں کرتا لیکن جب حالات ہمارے سامنے آ رہے ہیں تو ہم کیوں نہ اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔"

"یہ انسانی اصول ہے جی۔ آدمی کو اگر کچھ معلوم ہو جائے اور وہ کسی کے حق میں بہتر ہو تو اُسے ضرور [illegible] کرنا چاہیے۔"

"لیکن مسٹر غالب صورتِ حال ذرا مختلف ہے۔ ایاز احمد صاحب جن کی بھتیجی ندرت قتل ہوئی ہے۔ آئی جی عطرت حسین کے دوست ہیں اور اسی کی بنیاد پر اُنھوں نے عطرت حسین کے بیٹے نصرت حسین کو حاصل کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے بہت سے تعلقات ہیں اور راحیل بے چارہ اُن کی فرم میں

مینیجر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ اُس کا ایک اپاہج باپ ہے بوڑھی ماں ہے اور ایک نوجوان بہن ہے۔ اس خاندان کی وہی کفالت کرتا ہے تو پھر وہ نصرت حسین جیسے بیرسٹر کو کیسے حاصل کر سکتا تھا اور اپنی بے گناہی کے لیے کہاں سے ثبوت مہیا کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی ذمے داری سنبھال لی۔ میں آپ کو ساری تفصیلات بتا سکتا ہوں۔ غالب صاحب لیکن اس سے پہلے آپ کو میری مدد کا وعدہ کرنا ہوگا۔"

"دیکھو جی۔ ہم نے پولیس میں رہ کر بھی اپنی زندگی اپنے ضمیر کے مطابق صاف ستھری گزاری ہے اور تین دفعہ انسپکٹر بننے کے بعد اے۔ ایس۔ آئی کی پوسٹ پر واپس آ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم سچائیوں کو پسند کرتے ہیں۔ رشوت لی جا سکتی ہے اور دوسرے بہت سے کام بھی کیے جا سکتے ہیں لیکن بھائی جس چیز کو ضمیر قبول ہی نہ کرے اُسے کرنے سے فائدہ۔ ایک اچھا گھر، اعلیٰ فرنیچر، بہترین کھانا، سب کچھ مٹی ہی ہے نا۔ جانا تو مٹی میں ہے تو پھر ان چیزوں سے اتنی رغبت کیوں رکھی جائے۔ ہاں اگر جائز طور پر کچھ ملتا رہے تو پھر ٹھیک ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اسی لیے ہم نے آج تک اپنا یہی اصول رکھا ہے کہ بندہ کوئی بھی ہو، اس کے لیے سچائی سے کام کرو۔ غلط ہے تو اسے غلط ثابت کرو۔ صحیح ہے تو اُسے صحیح بتاؤ۔ طریقہ کار ہم نے دوسرا رکھا جو عام لوگ نہیں رکھتے۔ مثلاً یہ کہ ہم نے کسی کو پکڑا نہیں اور اُوپر سے فون آ گیا کہ یہ تو فلاں صاحب کا بھتیجا، بھانجا یا بھائی ہے۔ اس کے ساتھ زیادتی نہ کی جائے جی۔ بھائی بُرے آدمی کو تو برائی کے راستے سے ہی صحیح کرنا پڑتا ہے۔ ہم یہی کرتے ہیں اور نتیجے میں ہمارا عہدہ گھٹ جاتا ہے۔ پھر جب سینیارٹی کی لسٹیں آگے بڑھتی ہیں اور افسران مہربان ہو جاتے ہیں تو ہمیں دوبارہ ہمارے عہدے پر بھیج دیا جاتا ہے، مگر ہمیں پروا نہیں ہے جی۔ ڈیوٹی کرنی ہے تنخواہ لینی ہے۔ کبھی کم کبھی زیادہ۔ گھر والی کو اس کے لیے تیار کر لیا ہے اور بچہ بچہ جانتا ہے اپنا کہ ابو کی اگر آج ترقی ہو گئی ہے تو کل واپس انھیں اپنی جگہ پر آنا ہے۔" غالب نے اس انداز میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے دلچسپ نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو غالب صاحب آپ کو اپنے کام میں مشکلات تو بہت آتی ہوں گی؟"

"ہاں جی۔ ہر مشکل کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔ جو کام دفتر میں نہیں کر سکتے وہ گھر لے آتے ہیں۔"

"مطلب؟" میں نے اسے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھا۔

"او جی بس۔ چھپڑ کی بات چھپڑ میں رہنے دو۔ لوگ دفتروں سے فائل لے کر گھر آ جاتے ہیں اور گھر میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔ اِسی طرح ہم مجرموں کو بھی گھر لے آتے ہیں۔ جگہ بنا رکھی ہے ہم نے اپنے کام کے لیے۔"

"ارے کیا واقعی؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"کہا نا جی۔ چھپڑ کی بات چھپڑ میں ہی رہنے دو۔ بہت سے کام ہوتے ہیں اپنے ضمیر کی تسکین کے لیے۔" غالب نے جواب دیا۔

"آپ سے مل کر میں بے حد متاثر ہوا ہوں غالب صاحب اور مجبور ہوں اس بات کے لیے کہ وہ کہانی جو میں نے آج تک اپنے دل کی گہرائیوں میں چھپا رکھی ہے آپ کے سامنے اُگل دوں۔ فیصلہ آپ خود کر سکتے ہیں کہ میں صحیح راستوں پر ہوں یا غلط۔ بلکہ مجھے آپ سے مدد بھی مل سکتی ہے۔"

"آپ کی مرضی ہے جی۔" غالب نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور میں نے راحیل کے بارے میں پوری داستان غالب کو سُنا دی۔ اس داستان کا کوئی پہلو میں نے اس کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رکھا تھا۔ میں نے ایک ایک پوائنٹ اُسے بتایا اور غالب بڑے غور سے اُسے سنتا رہا اور پھر جب میں خاموش ہوا تو وہ بھی دیر تک خاموشی سے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"بڑا کام کیا ہے تم نے شارق صاحب۔ مانتا ہوں، واقعی ہمت کا کام ہے اور اگر بات ایسی ہی ہے جیسی تم کہہ رہے ہو تو پھر میں تمھارا ساتھ دینے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ اچھا ہوا انسپکٹر زیدی سے تمھاری ملاقات نہیں ہوئی۔ ورنہ شاید تمھارا کام نہ بنتا۔"

"میں اس کے لیے دلی طور پر شکر گزار ہوں غالب صاحب اور اِس بات کو ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ آپ نے میرے کام میں میری بے لوث مدد کی ہے۔"

"یہ کام تمھارا ہی تو نہیں ہے بھائی۔ ہم بھی انسان ہیں۔ اور ہر انسان کو دوسرے انسان کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی چاہیے مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے؟"

"میرا خیال ہے جونی کو ہم اپنی تحویل میں لے لیں اور

اُس سے صورتِ حال معلوم کریں۔"

"جونی۔ ہاں کام کا بندہ معلوم ہوتا ہے۔ کہاں بتایا تھا تم نے کہاں ملے گا وہ؟"

"لائن بار میں۔"

"ہوں۔ لائن بار میں اگر وہ ملے گا تو میرا خیال اُسے ایسے اُٹھانا تو ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی اور ہی چکر چلانا پڑے گا۔"

"مثلاً؟"

"یہ ہم پر چھوڑ دو تم۔ جونی کی زبان ہی کھلوانی ہے نا۔ کھلوائیں گے۔ اچھی طرح کھلوائیں گے۔"

"مگر کب؟"

"رات کو لائن بار میں ملے گا وہ؟" غالب نے سوال کیا۔

"امکانات تو ہیں۔ ویسے اگر لائن بار میں نہیں ملا تو دوسری جگہوں پر بھی اُسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا ساتھ دے سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ پروا مت کرو۔ یہ کام ہم خود کر لیں گے۔"

"تو پھر میں آپ سے کب ملاقات کروں؟"

"ابھی چل کر میرا گھر دیکھ لو اور کل دن میں ہمارے پاس پہنچ جاؤ۔ کس وقت پہنچو گے یہ بتا دو تا کہ ہم اس وقت گھر پر ہی موجود ملیں تمھیں۔ پولیس ہیڈ آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"جب آپ کہیں۔"

"تو پھر صبح دس بجے آ جاؤ۔"

"میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

☆☆☆

غالب کو میں نے اپنی داستان سُنا تو دی تھی لیکن دل میں خوفزدہ بھی تھا۔ وہ رات خاصی بے چین گزری تھی مجھ پر۔ صبح غالب کے بتائے ہوئے پتے پر اس کے گھر پہنچ گیا۔ ایک گنجان آبادی میں واقع درمیانے درجے کے مکان کی حالت بتاتی تھی کہ غالب کے انداز میں پولیس والوں جیسی کوئی خصلت نہیں ہے۔ ایک بچے نے دروازہ کھولا اور میں نے اپنا نام اندر کہلوا دیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد غالب ایک تہبند اور کُرتے میں ملبوس باہر آ گیا اور اس نے مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد مجھے اندر آنے کے لیے کہا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ ایک چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں اس نے مجھے بٹھایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"لو جی۔ ہم نے تمھارا کام کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں حیرت سے اُچھل پڑا۔

"ملو گے اُس سے؟"

"کیا مطلب؟" میں نے پھر اُسی انداز میں کہا۔

"آؤ پہلے اُس سے ملا دیں تمھیں۔ بعد میں چائے وائے پلائیں گے۔" غالب نے کہا اور مجھے لیے ہوئے ایک اندرونی کمرے میں پہنچ گیا۔

کمرا بالکل اندرونی گوشے میں تھا۔ مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا اُس پر۔ غالب نے دروازے میں پڑا ہوا تالا کھولا اور میرے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔ پورے کمرے میں ایک چارپائی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی اور اس چارپائی پر جونی بیٹھا ہوا تھا۔ مضبوط بدن کا ایک نوجوان آدمی تھا۔ چہرے ہی سے اوباش لگتا تھا۔ اس وقت اس کی حالت کافی خراب نظر آ رہی تھی۔ غالب کو دیکھ کر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"یہ اپنا جونی ہے۔ رات کو ہم نے اسے شراب پی کر غل غپاڑہ مچانے کے الزام میں گرفتار کیا تھا اور اپنے اس پرائیویٹ آفس میں لے آئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد ہم نے اس سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اس بے چارے نے بہت کچھ بتا دیا ہمیں۔ دراصل ہمارے کام کرنے کا انداز ذرا مختلف ہے۔"

"اس نے شاہد ایاز کے بارے میں کچھ بتایا؟" میں غالب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بہت کچھ بتا دیا ہے لیکن تم خود بھی پوچھ لو۔ سیدھا ہو گیا ہے اپنا یار۔" غالب نے جونی کی طرف رُخ کر کے کہا اور جونی مجھے خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"تم کون ہو۔ کیا تمھارا تعلق بھی محکمۂ پولیس سے ہے؟"

"بہت بڑے افسر ہیں بھائی یہ۔ ذرا لہجہ سنبھال کر بات کر۔" غالب نے کہا۔

"مگر کیا یہ طریقہ غیر قانونی نہیں ہے۔ کیا میں اس کے لیے عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتا؟" جونی بولا۔

"جونی! اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ تم سے تمھاری زبان کھلوائی جائے۔ دیکھو دوست ہر بُرے انسان کے سینے میں بھی وہی سُرخ خون والا دل دھڑکتا ہے جو عام انسان کے سینے میں ہوتا ہے۔ بُرائی انسان کی ذات میں

ہوتی ہے، دل میں نہیں۔ اور بعض اوقات حالات سے ناواقفیت بھی انسان کو غلط راستوں پر لے جاتی ہے۔ جوئی، میں صرف تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ دین، مذہب، انسانیت، ملت بہت کچھ حیثیت رکھتی ہیں لیکن رشتوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"

"مقصد؟"

"اگر میں تمھیں ایک ایسی بات بتاؤں، جو آج تک تمھارے علم میں نہ ہو تو شاید تم اپنے بُرائی کے راستے سے واپس لوٹ آؤ۔ پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے شاہد ایاز کے بارے میں غالب کو کیا بتایا ہے؟"

"یہ اسی سے پوچھ لو۔" جوئی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ لیکن غالب کے چہرے پر اس لہجے سے غصے کا کوئی تاثر نہیں جھلکا تھا۔

"شاہد ایاز سے تمھاری دوستی کب سے ہے؟"

"دوستی نہیں وہ اپنا باس ہے۔" جوئی نے جواب دیا۔

"کیا کرتا ہے وہ؟ کیا کام لیتا ہے وہ تم سے؟"

"اس کے مفاد میں جو بھی کام ہوتا ہے ہم کرتے ہیں۔"

"دیتا کیا ہے اس سلسلے میں؟"

"جتنا معاوضہ طے پاجاتا ہے لے لیتے ہیں۔" جوئی نے جواب دیا۔

"ہوں۔ اب یہ بتاؤ جوئی کہ ندرت نامی لڑکی کو تم نے کیوں قتل کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"ہم نے کہاں قتل کیا۔ اُس نے خود قتل کیا ہے اُسے۔ بس ہم تو اس کے مددگار تھے۔" جوئی نے جواب دیا اور میرا دل دھڑکنا بھول گیا۔ ایک لمحے کے لیے میں ساکت و جامد رہ گیا تھا۔ میں نے چند لمحات اپنی کیفیت پر قابو پایا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کیسے؟"

جواب میں جوئی نے مجھے ایک مختصر کہانی سنائی اور میں ششدر رہ گیا۔ میرے ذہن کے بند دریچے کھل گئے تھے۔ میں نے جس راستے پر قدم بڑھایا تھا اُس میں مجھے کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ پھر میں نے غالب سے کہا۔

"میں جوئی سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے جی۔ ہم چلے جاتے ہیں۔" غالب بولا اور دروازہ بند کرکے چلا گیا۔

جوئی کینہ توز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ "جوئی۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں کسی کے علم میں لانا بہت مشکل ہوتا ہے لیکن تم مجھے صرف ایک سوال کا جواب دو۔ اپنی ماں، اپنے باپ اور اپنی بہنوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔ تین بہنیں ہیں تمھاری۔ ایک بہن بالکل جوان ہے۔ میں تمھاری اپنی زندگی، تمھاری اپنی سوچ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن اگر تمھاری بہن ایک کال گرل کی حیثیت سے کام کرتی رہے تو کیا ایک غیرت مند بھائی کی حیثیت سے تم یہ پسند کروگے یا پھر غیرت کا کوئی تصور نہیں رہا ہے تمھارے ذہن میں۔"

"دیکھو بابو ایک بات ہم تمھیں بتادیتے ہیں۔ ہم اس وقت تمھاری غیر قانونی قید میں ہیں لیکن اگر ہماری ذات پر کیچڑ اُچھالی تم نے، تو پھر جان دے دیں گے یا جان لے لیں گے۔"

"اس کا مقصد ہے تمھارے اندر غیرت باقی ہے جوئی۔ اگر میں تم سے دوسرا لفظ یہ کہوں کہ تمھاری بہن روزی کو میں اپنی بہن کے برابر سمجھتا ہوں تو کیا تم میرے الفاظ پر یقین کرلوگے؟"

"روزی کو تم کیسے جانتے ہو؟" جوئی نے کہا۔

"میں پہلے اُسے نہیں جانتا تھا جوئی۔ ابھی دو دن قبل میری اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ اور ایک بڑے آدمی نے اُسے میرے پاس میرا دل بہلانے کے لیے بھیجا تھا۔"

"کیا بکواس کرتا ہے گتے!" جوئی دہاڑتا ہوا اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"جوئی! غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ تمھاری بہن کو میں اپنی بہن کے برابر تصور کررہا ہوں۔ اس لیے جوش میں نہ آؤ۔ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اتنی ٹھوس حقیقت ہے کہ تم اس پر یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ بات تم خود روزی سے پوچھ سکتے ہو۔"

"کون تھا وہ کتیا کا بچا۔ کون تھا؟"

"شاہد ایاز۔" میں نے جواب دیا۔

"بکواس کرتے ہو۔"

"نہیں جوئی۔ بکواس نہیں کرتا۔ میں ابھی تمھیں لے کر یہاں سے سیدھا روزی کے پاس جاؤں گا۔ وہ خود تمھیں پوری کہانی سنائے گی۔"

سوال:

"مگر شاہد ایاز اور روزی کیسے تیار ہوگئی اس بات پر؟"

"اس لیے کہ شاہد ایاز نے اُسے مجبور کیا ہے۔ اُس نے اپنا آلۂ کار بنا کر روزی کو ایک تتلی بنا دیا ہے۔ ... ہے کیوں کہ اس کا بھائی اُس کا محافظ اور نگران ہے۔"

"نہیں، نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ میں بُرا ضرور ہوں ... مگر یہ بات برداشت کرنے سے پہلے مر جانا پسند کرتا ہوں۔"

"سچ کہہ رہے ہو جوئی۔" میں نے مسرور لہجے میں کہا۔

"فضول گفتگو مت کرو۔ اگر تمھارے الزام کی تصدیق ہوگئی تو پھر تمھارا خون کردوں گا میں۔"

"تیار ہوجاؤ جوئی، تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں نے غالب سے بات کرکے جوئی کو اپنے ساتھ لے جانے کے انتظامات کرلیے۔ جوئی کو ساتھ لے کر میں سیدھا روزی کے مکان پر پہنچا۔ خدشہ تھا روزی کہیں باہر نہ نکل گئی ہو لیکن خوش بختی تھی کہ وہ گھر میں ہی مل گئی۔ جوئی کو میرے ساتھ دیکھ کر اس نے نفرت بھرے انداز میں ہونٹ سکوڑے تھے اور پھر ہم اندر داخل ہوگئے۔ جوئی نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"روزی اندر آؤ۔" پھر ہم تینوں ایک کمرے میں بند ہوگئے جوئی، روزی سے شاہد ایاز کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ اور میرے اشارے پر روزی نے اُسے ساری تفصیلات بتا دیں۔ جوئی کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہوگئی تھیں۔

"چھوڑوں گا نہیں۔ چھوڑوں گا نہیں اُس کتے کے بچے کو۔ یہ تو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ میری غلطی ہے بہت بڑی غلطی ہے۔ نہیں چھوڑوں گا۔ میں اُسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"جوئی اگر تم چاہو تو مجھے اپنا دوست سمجھ سکتے ہو۔ ایک دوست کی حیثیت سے میں تم سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں آج تک روزی کے ساتھ جو کچھ ہوا اُسے ہم واپس نہیں لاسکتے لیکن میری خوش قسمتی ہے کہ میری کوششوں سے تم واپس آگئے۔ اپنی بہن کے محافظ بن جاؤ۔ کسی کو قتل کرنے سے کچھ نہیں ملے گا۔ سوچو جوئی۔ اگر تم ان واقعات سے مشتعل ہوکر شاہد ایاز کو قتل کردیتے ہو تو تمھیں سزائے موت ہوجائے گی۔ آج شاہد ایاز ہے تو کل کوئی دوسرا آدمی اس کے سامنے آجائے گا کیونکہ روزی کا کوئی بھائی اس کا محافظ نہیں ہوگا۔ میرے دوست اپنی زندگی قائم رکھو۔ شاہد ایاز کے لیے میں موجود ہوں اور مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔" جوئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس کی نگاہیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"بڑی غلطی ہوگئی یار۔ بڑی غلطی ہوگئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ حالات یہاں تک پہنچ جائیں گے۔ سچی بات یہ ہے کہ مجرم میں ہی ہوں۔"

"انسان کو جب اپنی غلطی کا احساس ہوجائے جوئی تو پھر اس کے لیے بہترین مشورہ یہی ہے کہ وہ خود کو سنبھالے۔ تمھارے مضبوط بازو اس گھر کو سنہرے رنگ میں رنگ سکتے ہیں لیکن جذباتی قدم مت اُٹھانا میرے دوست۔ ہم سب کے لیے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ راحیل کی زندگی کے لیے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ جو کچھ تم نے مجھے بتایا ہے اس کے تحت ہم کام کریں گے لیکن اس وقت تک تمھیں اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ میں خود بھی تمھیں حفاظت کی جگہ پیش کرسکتا ہوں اور اگر تم خود چاہو تو اپنے طور پر بھی رہو۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"فکر مت کرو۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ اب اتنا کچا بھی نہیں ہوں میں کہ اپنی حفاظت بھی نہ کرسکوں۔ میں تم سے مسلسل رابطہ رکھوں گا۔ میرے لیے تم جو ذمے داری تصور کرو اس پر یقین کرلینا کہ میں اُسے پورا کردوں گا۔ باقی رہی دوسری بات تو اس کے لیے میں تیار ہوں۔"

"جوئی اگر تمھیں تھوڑا بہت نقصان بھی پہنچا تو اطمینان رکھو اس دوران روزی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں اس کے لیے دوسرا جوئی بن جاؤں گا۔" جوئی نے ڈبڈبائی آنکھوں سے گردن ہلائی اور آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے تم پر اعتماد ہے۔"

"تو میں جاؤں؟"

"ہاں۔ اور اس سلسلے میں میرے لیے جو بھی کام سوچو مجھ سے ملاقات کرکے مجھے بتا دینا۔ میں گھر پر ہی ملوں گا۔ بے فکر رہو۔ یہاں مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" جوئی نے جواب دیا اور میں مسرور وہاں سے نکل آیا۔

دل میں پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں۔ بے انتہا خوشی تھی اِن واقعات سے۔ جو قدم میں نے اُٹھایا تھا وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گھر پہنچ گیا۔ حالات معمول کے مطابق تھے۔ تمام لوگ واپس آ گئے تھے۔ لان پر چائے لگی ہوئی تھی۔ مجھے اشارہ کیا گیا تو میں بھی اسی طرف پہنچ گیا۔

ہمارے گھر کے قبلہ و کعبہ بھی موجود تھے۔ چنانچہ ماحول کی سنجیدگی برقرار تھی لیکن اس وقت میری آمد میرے حق میں سود مند نہ رہی کیونکہ والد صاحب نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"جی وہ ابو بس۔ ایسے ہی دوستوں سے ملنے گیا تھا۔"

"ہوں۔ کیا کر رہے ہو آج کل؟"

"فی الحال تو جو ایک ذمے داری اپنے سر لی تھی، اُسی کو انجام دینے میں مصروف ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں یہ فرار ہے۔ اگر کچھ کر رہے ہو تو مجھے اس کے بارے میں بتاؤ؟ ورنہ میں تمھیں اس طرح آوارہ گردی کی اجازت تو نہیں دے سکتا۔"

"کچھ وقت دے دیجیے ابو۔ اس کے بعد آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"ہر بار یہ الفاظ کہہ کر تم اپنی جان بچا لیتے ہو۔ نصرت کے ساتھ لگے تھے تو یہ ڈراما کھیل لیا۔ میں کہتا ہوں کہ زندگی میں کچھ کرنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

"جی ابو ہے۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"کوئی بھی ایسا کام ابو جو زندگی گزارنے میں معاون ہو۔"

"تو کوئی فیصلہ تو کیا ہوگا اس کے لیے؟"

"فیصلہ یہی کیا ہے ابو کہ وکالت کروں گا۔"

"صرف وکالت۔ یہی تمھاری انتہا ہے۔"

"نہیں ابو۔ اور بھی بہت کچھ کروں گا لیکن ابتدا تو کہیں نہ کہیں سے ہونی ہی چاہیے۔"

"یہ ابتدا کب ہوگی؟"

"بہت جلد ہو جائے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔"

"ہاں ہاں۔ مجھے تو اطمینان ہی ہے۔" ابو نے کہا اور چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ حسبِ مراتب تمام اہلِ خانہ نے اپنی بساط کے مطابق مجھ پر لعن طعن کی تھی مگر میں بھی ڈھیٹ خاموشی سے سب کی سُنتا رہا اور ساتھ ہی اس بات کی توقع کرتا رہا کہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب تم بارے میں کچھ کہہ دیں تو پھر میں بھی کچھ کہوں لیکن وہ بہت چالاک آدمی تھے اس لیے خاموشی اختیار کیے بیٹھے رہے بالآخر ابو اٹھ کر چلے گئے اور میں نے سکون کی سانس لی۔ اور یہاں سے اُٹھ کر اندر آیا تو بیرسٹر صاحب میرے نزدیک پہنچے اور آہستہ سے بولے۔

"میرے ساتھ آؤ۔"

"جی۔" میں نے سعادت مندی سے کہا اور اُن کے ساتھ چل پڑا۔ تنویر بھابی کافی پیچھے رہ گئی تھیں لیکن جب ہم کمرے میں داخل ہوئے تو وہ بھی تیزی سے اندر داخل ہو گئیں۔ بیرسٹر نصرت حسین نے اُنھیں دیکھا اور آہستہ سے بولے۔

"تنویر یہ موجود ہے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے اپنی دانست میں بُرے انداز میں نہیں کیا لیکن میں ایک بار پھر تمھارے سامنے اس سے درخواست کروں گا کہ تمھاری غلط فہمی دُور کردے۔" تنویر بھابی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

میں نے چونکہ اس دوران ان دونوں کے تعلقات پر نگاہ ہی نہیں رکھی تھی۔ اس لیے مجھے نہیں معلوم تھا کہ آج کل بیرسٹر نصرت حسین پر کیا گزر رہی ہے۔ ہاں اُنھوں نے مجھ سے جو گفتگو کی تھی اس سے میں نے حالات کا کسی حد تک اندازہ لگا یا تھا۔ بیرسٹر صاحب چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولے۔

"اگر تم میرے دشمن نہیں ہو شارق تو تنویر کی غلط فہمی دور کردو۔ ورنہ اس کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ اپنے تھوڑے سے مفاد کے لیے تم اپنے بھائی کو داؤ پر لگا سکتے ہو۔"

"کیا کہلوانا چاہتے ہیں آپ اُس سے۔ کیا میں اندھی ہوں۔ میں نے خود تحقیقات نہیں کیں۔"

"حماقت کی باتیں کر رہی ہیں آپ تنویر۔ آپ کہیں تو میں ایک لمحے کے لیے اُس لڑکی کو اپنے پاس نہ رکھوں اور اُسے نوکری سے جواب دے دوں لیکن بہت عرصے ساتھ رہ کر وہ سارا کام سمجھ سکی ہے۔ اب اگر کسی اور کو بلاؤں گا تو میرے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"تنویر بھابی، کیا آپ میرے اُن الفاظ پر واقعی سنجیدہ

ہو گئی تھیں۔" میں نے کہا اور تنویر بھابی چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔

"کیا مطلب؟"

"دراصل بھیا سے میری ٹسل چل رہی تھی۔ ایک کیس ہے اُن کے پاس جس کے سلسلے میں۔ میں چاہتا تھا کہ یہ وہ کیس نہ لڑیں اور اسی کے لیے میں اُنھیں مجبور کر رہا تھا۔ اُس وقت جو شمسہ والی بات میں نے کہی تھی خدا کی قسم بھابی وہ صرف ایک مذاق تھا۔ بھیا کو پریشان کرنے کی ایک کوشش۔ اگر میرے کسی مذاق سے میرے گھر کے ماحول میں تلخیاں پیدا ہو جائیں تو میں اپنے اِس مذاق کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"قسم کھا چکا ہوں بھابی، غلط نہیں کہہ رہا۔ شمسہ والی بات صرف فراڈ تھی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یہ بھیا کو تنگ کرنے کی کوشش تھی۔"

"قسم کھا رہے ہو تم؟" تنویر بھابی نے سوال کیا۔

"ہاں بھابی۔ میں حالات کو اس طرح تو نہیں بگاڑ سکتا۔ آخر یہ میرا گھر ہے۔ آپ لوگ میرے اپنے ہیں۔"

"میں... میں کیا کہوں تم سے بس۔ سوری نصرت۔ سوری۔" تنویر بھابی نے کہا اور بیرسٹر نصرت حسین مسکرا اُٹھے۔

"نہیں بھئی ٹھیک ہے۔ میں خود بھی تمھارے لیے کوئی کوفت نہیں پسند کرتا۔ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ اس لڑکی کو تمھاری ہدایت پر نکال کر باہر کیا جا سکتا ہے لیکن بے قصور ہے بے چاری۔ کوئی مسئلہ بھی تو نہیں ہے۔ تم خود بتاؤ کیا ماضی میں میرے نام کے ساتھ کوئی ایسی غلطی وابستہ رہی ہے۔ پھر بلاوجہ تم میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو گئیں۔"

"یہ حرکت اس کمینے کی ہے۔ میں اِسے مارے بغیر نہیں رہوں گی۔"

"مار لیں بھابی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک کام میرا بھی کر دیں۔ بھیا کو سمجھائیں کہ جس کیس کو انھوں نے اپنی انا کا سوال بنا لیا ہے اُس میں ایک انسان کی زندگی ملوث ہے۔ اس کے لیے کوئی لچک پیدا کریں۔"

"دیکھو شارق۔ عمل کی دُنیا جذبات سے بہت دُور ہٹ جاتی ہے۔ مجرم جرم کرنے کے بعد دو ہی کام کرتے ہیں۔ یا تو قانون کے ہاتھوں سے صاف بچ کر نکل جاتے ہیں اور اگر قانون کی گرفت میں آ جاتے ہیں تو پھر اپنے آپ کو معصوم بنا لیتے ہیں۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ میں کوئی بہت زیادہ بااصول آدمی نہیں ہوں اور بعض معاملات میں مجھے بھی اپنے کردار میں لچک پیدا کرنی پڑتی ہے لیکن ایک لڑکی قتل ہوئی۔ ایک نوجوان قاتل ہے۔ مقتولہ کا کیا قصور تھا یا اگر تھا بھی تو کم از کم کسی کی زندگی لینے کا حق تو کسی کو بھی نہیں ہے۔ راحیل نے اُسے قتل کیا ہے۔ تمام حالات، تمام ثبوت اس کے خلاف موجود ہیں پھر میں اُسے کیسے بچا سکتا ہوں۔ اگر پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے مجھے نہ استعمال کیا جائے تو کوئی اور قابل وکیل اس سلسلے میں آ سکتا ہے۔ ایاز احمد صاحب ملی طور پر کمزور نہیں ہیں۔ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں پھر میری ساکھ کیوں خراب کی جا رہی ہے۔ اگر فاروقی صاحب عدالت میں اُسے بے گناہ ثابت کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔ مجھے انکار نہیں ہوگا لیکن تم اگر یہ چاہو کہ میں اس کیس سے دستبردار ہو جاؤں تو یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے شارق۔ تم اگر ذاتی طور پر راحیل کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔ میں اس حد تک تمھاری مدد کرنے کے لیے تیار ہوں کہ تمام حقائق و شواہد تمھیں بتا دوں۔"

"گویا آپ اس سے دستبردار نہیں ہوں گے؟"

"تم آخر ایسا کیوں چاہتے ہو۔ میں اگر اس سے دستبردار ہو جاؤں گا تو کوئی دوسرا یہ کیس لڑ سکتا ہے۔"

"پھر اُس سے مقابلہ کرتے ہوئے مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا بھیا۔" میں نے کہا۔

"تم مجھ سے مقابلہ کرو۔ اگر تم جیت گئے تو یقین کرو، میں تمھیں پُرخلوص مبارکباد پیش کروں گا لیکن اس کے لیے تمھیں ٹھوس بنیادوں پر کام کرنا ہوگا۔ میں تمھیں جدوجہد کرنے سے منع تو نہیں کر رہا۔"

"آپ نے تو اپنے طور پر بہت کچھ کیا ہے بھیا۔ آپ کے جونیئر میرا تعاقب کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ اچھی بات ہے؟"

"اُس وقت میری سوچ کچھ غلط تھی۔ اس بات کا میں اعتراف کرتا ہوں لیکن اس کے بعد سے تمھیں اس کی شکایت نہیں ہوئی ہوگی۔"

"وہ میں نے آپ کے جونیئر کو بتا دیا تھا کہ وہ کہاں کہاں میرے پیچھے لگا رہا ہے۔"

"یقین کرو۔ اس وجہ سے میں نے اُسے تمھارے پیچھے سے نہیں ہٹایا۔ تمھیں روکنے کے لیے میں دوسرے ذرائع بھی استعمال کر سکتا تھا لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ تم کوئی جرم نہیں کر رہے۔ اپنے طور پر اگر تم کسی شخص کی حفاظت کرنا چاہتے ہو تو یہ بُری بات نہیں ہے۔ چنانچہ میری طرف سے مطمئن رہو۔ میں تمھارے معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا۔ اگر فاروقی صاحب کی مدد کرنا چاہتے ہو تو بڑی خوشی سے کرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے بھیا۔ بہر طور میرے لیے کیا حکم ہے۔ کیوں بُلایا تھا آپ نے مجھے؟"

"یہی تنویر کا مسئلہ تھا۔ اُس دن سے مسلسل میری زندگی عذاب کر رکھی ہے اس نے۔ عورت بڑی عجیب چیز ہوتی ہے۔ حالانکہ ہمارے درمیان شکوک و شبہات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن تنویر کو کیا کہا جائے بس حماقت کا شکار ہو گئی تھیں۔"

"میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ اپنے بھیا سے بات کیجیے۔"

"اب تو تمھارا دل صاف ہو گیا؟"

"ہاں۔" تنویر بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں جاؤں بھیا؟"

"جاؤ۔ لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا خیال رکھنا۔" نصرت حسین صاحب نے کہا اور میں باہر نکل گیا۔

بے چارے نصرت حسین صاحب غلط فہمیوں کے شکار تھے۔ بہر طور انھوں نے مجھے کام کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس لیے اب میں زیادہ سکون سے اپنا کام انجام دے سکتا تھا۔ وہاں سے نکلا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لالہ رُخ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے آنکھیں بند کر کے زور سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ دفعان ہو جاتی ہوں۔ آپ لاحول نہ پڑھیں صرف ایک اطلاع دینی تھی آپ کو پیارے بھیا۔"

"اوہ... اوہ لالہ رُخ ہو۔ سوری پتا نہیں کیوں آج کل میری نظر کچھ کمزور ہو گئی ہے۔"

"میں سنجیدہ ہوں بھیا۔ کچھ کہنے آئی تھی میں آپ سے۔"

"ارے۔ ارے آج تو تمھارا لہجہ بڑا نرم ہے۔ خیریت لالہ رُخ کوئی نرم چیز کھا کر آئی ہو۔"

"نہیں۔ بس اب زندہ رہنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ سوچا تم سے ایک بار زندگی کی بھیک اور مانگ لوں۔"

"ارے نہیں نہیں۔ میری بہن۔ بھیک کیا تو مجھ سے زندگی چھین سکتی ہے۔ ایسی کیا بات ہے؟"

"خدا کی قسم میں خودکشی کر رہی ہوں۔"

"اوہو۔ کیوں خیریت ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ اگر خودکشی بہت زیادہ ضروری ہے تو پھر ایک آدھ ہفتہ اور رُک جاؤ۔ موسم بھی کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس موسم میں خودکشی کرنا کچھ اچھا نہیں لگے گا۔ کیونکہ یہ دن موسم سے لطف اندوز ہونے کے ہیں، نہ کہ تمھارے غم میں رونے کے۔" میں نے کہا۔

"میں جانتی ہوں آپ کو میری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بھیا۔ پتا نہیں میری موت سے آپ کے کون سے مفادات پورے ہو جائیں گے۔ جب ہی تو آپ نے میری موت کا مکمل بندوبست کر دیا ہے۔ آپ شاید میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں لیکن آپ نے یہ غور نہیں کیا کہ زندگی بھر کا یہ عذاب میں کیسے برداشت کروں گی۔ میری کچھ آرزوئیں ہیں، کچھ احساسات ہیں میرے دل میں اور آپ نے اپنی انا کی تسکین کے لیے، اپنے انتقام کے لیے مجھے سُولی پر لٹکا دیا ہے۔ یہ آپ نے اچھا تو نہیں کیا شارق بھیا۔ آپ نے بہت بُرا کیا۔ بہت خوفناک انتقام لیا ہے آپ نے مجھ سے۔"

"بیٹھو۔ بیٹھو۔ میں اس وقت تمھاری اچھی تقریر سُننے کے موڈ میں ہوں۔ کبھی کبھی تو تمھارا لہجہ نرم ہوتا ہے۔"

"میں آپ سے آخری گفتگو کرنے آئی ہوں۔ نعمان سے میری زندگی کس طرح بچائی جا سکتی ہے؟"

"یہ کام تو قدرت کرتی ہے ہم انسان تو قدرت کے فیصلوں کے آگے بے بس ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر آپ بے بس ہیں تو میرا فیصلہ بھی سُن لیجیے۔ میں نعمان سے کبھی شادی نہیں کروں گی۔ اس سے پہلے میں مر جانا پسند کروں گی۔ میں جانتی ہوں کہ جو بات آپ نے ابو کے ذہن میں بٹھا دی ہے۔ اُسے ابو نے اچھی طرح قبول کر لیا ہے اور اب اُن کے ذہن کو بھٹکانا آسان کام نہیں ہوگا۔ شاید آپ بھی اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہ کر سکیں۔ میں صرف یہ آخری اُمید لے کر آئی تھی کہ کیا کسی طور آپ مجھے میرے ان الفاظ کے لیے معاف کر سکتے ہیں جو میں نے آپ سے کہے تھے اور جس کے بدلے میں آپ میری زندگی

تباہ کرنے کے درپے ہیں۔"

"ہوں۔ معافی کا مسئلہ ہے تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ کیا تم تحریری طور پر یہ معافی نامہ لکھ کر دے سکتی ہو۔" میں نے کہا اور لالہ رُخ مجھے گھورنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں غصّہ بھی تھا، بے بسی بھی تھی۔ ایسی کیفیت اس سے قبل شاید کبھی نہیں ہوئی تھی اُس کی۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ لالہ رُخ مجھے گھورتی رہی پھر بولی۔

"نہیں کوئی تحریر نہیں دوں گی میں۔ مجھے اتنا بے وقعت کر دیا ہے آپ نے بھیا۔ مجھے اتنا بے وقعت کر دیا ہے۔" وہ رونے لگی۔ اور میرا دل پسیج گیا۔

"ہری مرچ۔ تو تو بس زہر اگلتی ہوئی اچھی لگتی ہے۔ یہ رونے دھونے کا کاروبار کب سے شروع کر دیا تو نے، مجھے تیری شخصیت کی یہ تبدیلی پسند نہیں ہے۔ کس نعمان کی بات کر رہی ہے تو۔ وہی لچا لفنگا جو لندن میں عیاشیاں کرتا ہے اور یہاں آنے کے بعد بھی چند روز باز نہیں رہ سکتا۔ ارے کوئی شکل و صورت ہے اُس کی۔ میں تو اُسے اپنے دروازے کے اندر قدم نہ رکھنے دوں۔ وہ تو بس بے وقوفی ہو گئی تھی۔ بھلا میرے لیے یہ کام کیا مشکل ہو گا۔ ابو کو اس کے کرتوت اچھی طرح بتا دوں گا کہ بعد میں جب میں نے اس کے بارے میں تحقیقات کیں تو پتا چلا کہ وہ تو عیاش طبع نوجوان ہے۔ ایسے عیاش طبع انسان سے میں اپنی بہن کی شادی کروں گا۔ توبہ توبہ۔" میں نے کہا اور لالہ رُخ رونا دھونا بھول کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ چند لمحات میرے الفاظ پر غور کرتی رہی اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی۔

"خدا غارت ہی کرے تمھیں۔ خدا تمھیں غارت کر دے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا اور دروازے سے نکل بھاگی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

لالہ رُخ کو میں نے اچھی طرح درست کر دیا تھا لیکن میرے دل کے کسی گوشے میں یہ تصور بھی نہیں تھا کہ نعمان کے نام کے ساتھ اس کا نام بھی سُن سکوں۔ وہ تو بس ایک تفریح تھی جو کر لی گئی اور بات ختم ہو گئی تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی بھی مناسب وقت ابو کو نعمان کے بارے میں بتا دوں گا تاکہ ان لوگوں کے ذہن سے بھی یہ خیال ختم ہو جائے۔ اپنے طور پر بہت سی باتیں سوچنا تھیں مجھے چنانچہ غور و خوض کے لیے ڈیپارٹمنٹ میں آ بیٹھا۔ کاغذ پنسل نکالی اور اپنی اب تک کی کارروائی پر غور کرنے لگا۔ سوچتے سوچتے دفعتاً ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں چونک پڑا۔ میں پوری طرح جونی کی کہانی پر غور کر رہا تھا اور یہ خیال جو میرے ذہن میں آیا تھا۔ انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ اگر رات نہ ہو جاتی تو شاید میں اسی وقت فاروقی صاحب کی طرف دوڑ پڑتا لیکن انتظار کرنا تھا۔ دوسرے دن صبح کو اکھاڑے کا دن تھا۔ دو ناغہ ہو چکے تھے چنانچہ آج زور کرنے کے لیے چل پڑا۔ بائیک کھڑی کی اور اُستاد کے سامنے پہنچ گیا۔

"آ مرے تم۔ میں تو سمجھا تھا کہ انتقال ہو گیا تمھارا۔ ارے میں کہتا ہوں ہفتے میں تین دن تو آتا ہے اور دو دن ناغہ کر دیتا ہے۔ اگر بدن بنانا ہے پٹھے تو اکھاڑے کی پابندی ضروری ہے۔ ہم ایسے ناغہ کرنے والوں کو اپنے ہاں جگہ نہیں دیتے۔"

"اُستاد۔ اُستاد یہ تو پوچھا ہوتا کہ ہوا کیا تھا۔ بیمار ہو گیا تھا اچھا خاصا میں۔"

"ایں۔ ابے شکل سے تو وہی ہٹا کٹا نظر آ رہا ہے تو استادی کر رہا ہے ہم سے۔ سوچ لے بیٹا۔ ایک بار معاف کر دیتا ہوں لیکن اگر آئندہ ناغہ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔"

"خیال رکھوں گا اُستاد۔" میں نے کہا اور سزا کے طور آج اُستاد نے مجھے ڈنگر کے حوالے کر دیا۔

ڈنگر اس اکھاڑے کا سب سے جاندار پہلوان تھا۔ چھوٹے سے قد و قامت کا۔ بھینسے کا بھینسا۔ سر کی ٹکر سے انسان کو اُٹھا کر کنارے پر پھینک دیتا تھا۔ ٹکریں مارنے کی اُسے عادت تھی اور اس سے زور کرنے والوں کو اس کی ایک دو ٹکریں برداشت کرنی پڑتی تھیں۔ ڈنگر سے آج تک میرا زور نہیں ہوا تھا۔ ویسے بھی وہ اُستاد کے بعد دوسرے نمبر پر تھا اور خاصا تجربہ کار پہلوان مانا جاتا تھا۔ الیہ کی آج بن آئی تھی ڈنگر سے مجھے بھڑتے ہوئے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے الیہ کا خوشی سے چمکتا ہوا چہرہ دیکھا اور ہونٹ بھینچ کر ڈنگر کے سامنے آ گیا۔ سیاہ رُو بڑی بڑی نوکدار مونچھوں والا ڈنگر لنگوٹ باندھ کر میرے سامنے رانوں پر ہاتھ مار مار کر اُچھل رہا تھا۔ میں نے اُستاد کی طرف دیکھا۔ وہ مختلف جوڑوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ آج ڈنگر کو اُس کی اوقات یاد دلا دوں گا۔ ڈنگر نے حسبِ معمول دونوں ہاتھ پھیلائے، گردن جھکائی میری اُنگلیاں پکڑنے کی کوششیں کیں جو میں نے بچالیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ ارنے بھینسے کی طرح میرے اوپر پل پڑا لیکن میں نے اُسے گھٹنے پر روکا اور سائیڈ میں جگہ دے کر پلٹ دیا۔ وہ دھپ سے نیچے گرا۔ اس دوران میں نے دیکھ لیا تھا کہ استاد میری طرف متوجہ تو نہیں ہیں۔ وہ کھڑا ہوگیا۔ اس نے احتجاجی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"یہ کیا فری اسٹائل لڑ رہا ہے؟"

"چل بے بھینسے سامنے آجا۔" میں نے آہستہ سے کہا اور ڈنگر کی آنکھیں غصّے سے سُرخ ہوگئیں۔

اُس نے اس بار رُخ بدلا اور پھر مجھ پر اسی طرح سر سے حملہ کیا، لیکن میں نے اس کی گردن کو اپنے بازو میں دبوچ کر نیچے سے ایک ہاتھ اس کی پیشانی پر مار دیا اور ڈنگر کے حلق سے ایک زوردار چیخ نکل گئی۔ اُستاد چونک کر ہماری طرف متوجہ ہوگئے۔ ڈنگر احتجاجی انداز میں اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"اُستاد، یہ فاؤل کر رہا ہے۔"

"کیا؟" اُستاد نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر بگڑے ہوئے لہجے میں بولے۔ "چلو سامنے آجاؤ میرے۔" اور میں اطمینان سے اُستاد کے سامنے پہنچ گیا۔

ڈنگر نے پھر ران پر ہاتھ مارا اور غصیلے انداز میں گردن جھکا کر میرے پیٹ پر ٹکر مارنے کی کوشش کی لیکن میں اس کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ انتہائی پھرتی سے میں زمین پر لیٹا اور ڈنگر کی ٹانگوں کو پکڑ کر اُسے اُلٹ دیا۔ اُستاد کے حلق سے ایک آواز نکل گئی تھی۔ ڈنگر نے زمین چاٹی۔ میں پیچھے ہٹ گیا تھا اور پھر وہ کھڑا ہوگیا۔

"کوئی فاؤل نہیں ہے، زور کرو۔" اُستاد مطمئن لہجے میں بولے اور ڈنگر خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اُس وقت واقعی میں نے فاؤل نہیں کیا تھا۔ وہ بار بار مجھے ٹکریں مارنے کی کوششیں کر رہا تھا لیکن ایک بار بھی میں نے اس کی کوشش کامیاب نہیں ہونے دی۔ کبھی فاؤل کر کے اور کبھی کسی ترکیب سے میں اُسے گراتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بُری طرح تھک گیا پھر میں نے اُسے مار لگانا شروع کر

دی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ڈنگر کے حوصلے پست ہوگئے۔ بہت سے جوڑا ہی اپنی کُشتیاں چھوڑ کر مجھے اور ڈنگر کو دیکھنے لگے۔ انھیں حیرت تھی کیونکہ ڈنگر اُستاد کے بعد دوسرے نمبر پر تھا اور تمام زور کرنے والوں پر رُعب جمائے رہتا تھا۔ اُستاد بھی اب دلچسپی سے متوجہ ہوگئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُنھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ابے یہ کون سی بیماری تھی بچھے۔ ڈنگر کو مار مار کر بھُرتہ کر دیا تو نے۔ کوئی خاص بیماری تھی کیا۔ ایسی بیماری تو میرے سارے پٹھوں کو ہونی چاہیے۔" دُوسرے لڑکے ہنسنے لگے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا۔ اُستاد کو سلام کیا اور اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر واپس چل پڑا۔ گھر آیا، غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر باہر نکلا تو لالہ رُخ ٹکرا گئی۔ آج اُس کے رُخِ زیبا پر نرمی ملکورے لے رہی تھی۔

"بھیا، جو کچھ تم نے کہا ہے بھُولنا مت۔ ورنہ میں تمھیں بتا چکی ہوں۔"

"ہُوں۔ میرے اکاؤنٹ کے بارے میں کیا خیال ہے"

"اب چھوڑو نا غلطی ہوگئی۔ مگر کرو گے کیا؟"

"کوئی خاص چکر چل رہا ہے آج کل؟"

"ہاں۔ ابّو اور امّی بڑے پُرجوش ہیں، کہہ رہے ہیں کہ میری منگنی کر دی جائے اور اس کے بعد پوچھ لیا جائے کہ اس لنگور سے کب تک میری شادی کی جاسکتی ہے۔"

"ہُوں، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ تو اطمینان رکھ۔ ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا اور وہاں سے چل پڑا۔

سیدھا فاروقی صاحب کے پاس پہنچا تھا۔ بیرسٹر صاحب سے جو گفتگو ہوئی تھی، وہ کافی اطمینان بخش تھی۔ حالات میرے حق میں ہوتے جا رہے تھے۔ فاروقی صاحب کو آج کورٹ کسی کام سے جانا تھا۔ تیاریاں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑے۔

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں فاروقی صاحب! انتہائی اہم مسئلہ ہے۔ کسی بھی طرح راحیل سے ملاقات کا ایک اور بندوبست کریں۔"

"اوہو۔ ایمرجنسی ہے کوئی؟"

"ہاں بالکل۔"

"مگر مجھے تھوڑی دیر کے لیے کورٹ جانا ہے۔ کچھ کام ہے۔ تم چاہو تو ساتھ چلو۔ وہاں سے سیدھے سینٹرل جیل چلیں

گے اور کسی نہ کسی طرح کوشش کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔"

کورٹ میں فاروقی صاحب کو تقریباً ایک گھنٹہ صرف ہوا۔ اس دوران میں دوسروں سے الگ تھلگ ایک ریستوران میں جا بیٹھا تھا۔ فاروقی صاحب سے میں نے وہیں پہنچنے کے لیے کہہ دیا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد فاروقی صاحب آئے اور ہم دونوں بائیک پر بیٹھ کر سینٹرل جیل کی طرف چل دیے۔ راحیل سے ملاقات کے لیے کافی مشکلات پیش آئی تھیں لیکن بہرطور ہم اس کے پاس پہنچ گئے۔ راحیل کی صحت کچھ اور خراب ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں گڑھے نظر آرہے تھے ہونٹ خشک ہوگئے تھے۔ داڑھی بڑھ گئی تھی۔ ہمارے سامنے پہنچ کر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا۔

"ہیلو راحیل۔" میں نے اُسے مخاطب کر کے کہا۔

"ہیلو شارق صاحب۔" راحیل نے آہستہ سے کہا۔

"راحیل تم سے ایک انتہائی ضروری بات کرنی ہے۔ پورے ہوش و حواس اور دلجمعی سے مجھے اس کا جواب دینا۔"

"ہاں بیٹے، میں کوئی بُری بات تو نہیں کہتا لیکن خدا کی ذات سے مجھے اُمید ہے کہ تمھاری بے گناہی کو ثابت کر دیا جائے گا۔"

"آپ لوگ مجھے یہ جھوٹی تسلیاں کیوں دے رہے ہیں کیا فائدہ ان سے۔ کم از کم آخری وقت میں خدا سے لَو تو لگا لینے دیجیے۔ یہ احساس تو دل میں پیدا نہ ہو کہ دنیا پھر میرے ہاتھ آسکتی ہے۔"

"مایوسی کی باتیں نہ کرو راحیل۔ خدا کی ذات سے مایوس کبھی نہیں ہونا چاہیے۔"

"میں نے تو اس کی مرضی کے آگے سر جھکا دیا ہے۔ جو اُس کا حکم۔ مجھے قبول۔"

"ٹھیک ہے جو اُس کا حکم ہوگا۔ وہی ہوگا لیکن ہم انسان ہیں اپنی کوششیں تو کرنی چاہییں۔"

"میں کیا خدمت کر سکتا ہوں شارق صاحب۔" راحیل نے کہا۔ اب وہ مجھ سے واقف ہو چکا تھا۔

"راحیل۔ ندرت سے جو تمھارے تعلقات چل رہے تھے اس کی بناء پر اُس نے اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کچھ بتایا ہوگا؟"

"نہ کبھی کوئی خاص بات بنائی اس نے اور نہ ہی میں نے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں زیادہ کریدنے کی میری ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ اس سے کھُل کر بات کروں کیونکہ اس نے جو حیثیت مجھے دے دی تھی مجھے اس پر ہی یقین نہیں آتا تھا۔"

"پھر بھی اُس نے اپنے ماضی کے بارے میں، اپنے ماں باپ کے بارے میں کچھ تو بتایا ہوگا؟"

"صرف اتنا کہ اس کے والدین کا انتقال ہوگیا تھا اور ایاز احمد صاحب ہی اس کے سرپرست تھے۔"

"کیا اس کے والدین نے کوئی بڑی جائیداد چھوڑی تھی؟"

"ہاں۔ ندرت کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ اس کا روبار میں جو ایاز احمد صاحب کرتے ہیں۔"

"کیا ندرت نے اپنے لیے الگ کسی وکیل کو مقرر کیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسا وکیل جو اس کی جائیداد کے کاغذات کی دیکھ بھال کرتا ہو؟"

"ہاں، اُس نے کسی وکیل جمیل احمد صاحب کا نام لیا تھا۔ دراصل یہ نام بھی صرف اس لیے لیا گیا تھا کہ ایک شام اُسے ان سے ملنا تھا اور اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔"

"اوہو جمیل احمد۔ جمیل احمد صدیقی تو نہیں۔" فاروقی صاحب بولے۔

"ہاں شاید۔ اُن کے آفس کے بورڈ پر یہی نام لکھا ہوا تھا۔"

"گڈ گڈ۔ ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا شارق۔ اور کوئی سوال کرنا ہے تمھیں راحیل سے؟"

"اس شام جب آپ کے ساتھ ندرت نے جمیل احمد صدیقی صاحب سے ملاقات کی تھی تو کسی خاص موضوع پر گفتگو ہوئی تھی؟"

"نہیں۔ وہ مجھے باہر بٹھا کر اندر چلی گئی تھی اور تقریباً پچیس منٹ کے بعد باہر نکلی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے تمھیں یقین ہے کہ جمیل احمد صدیقی صرف ندرت کے ہی وکیل تھے۔ میرا مطلب ہے کہ ایاز صاحب سے تو اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا؟"

"نہیں۔ اس بارے میں میں کوئی تفصیل نہیں جانتا۔" راحیل نے جواب دیا۔

"تم مطمئن رہو۔ انشاءاللہ بہتر ہی ہوگا۔" میں نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس نکل آئے۔

فاروقی صاحب پُرخیال انداز میں بولے۔

"یہ بات تم نے کسی خاص وجہ سے راحیل سے پوچھی ہے؟"

"ہاں۔ اب آپ کو بھی جو مصروفیت ہو۔ آپ اپنے کام میں مصروف رہیں۔ میں اپنے طور پر کام کر لوں گا۔" میں نے کہا۔

"سنو، شارق۔ مجھے اب کوئی کام نہیں ہے۔ جمیل احمد صدیقی کے بارے میں میں تمھیں بتا دوں کہ وہ میرے ہم زُلف ہیں۔ میری سالی کا انتقال ہو چکا ہے لیکن جمیل احمد سے میرے آج بھی بہت اچھے تعلقات ہیں۔ اگر تم اُن سے کوئی کام لینا چاہو تو میں اُن سے ملاقات کرا سکتا ہوں تمھاری۔"

"گڈ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔ اِس وقت کیا وہ بار میں ہوں گے؟"

"ہاں یقیناً۔ دو بجے کے بعد ہی اُن سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

باقی وقت میں نے فاروقی صاحب کے گھر پر گزارا۔ ٹھیک دو بجے ہم وہاں سے نکلے اور جمیل احمد صدیقی کے دفتر کی جانب چل پڑے۔ جمیل احمد صدیقی صاحب بھی اچھے آدمی تھے۔ بہت زیادہ تیز طرّاری طبیعت میں نہیں تھی۔ متحمل مزاج اور نرم گو تھے۔ بڑے پُرجوش انداز میں فاروقی صاحب سے مصافحہ کیا اور پھر مجھ سے۔ میں نے فاروقی صاحب کی معرفت اپنا مدّعا اُن سے بیان کیا تو وہ چند لمحات سوچنے کے بعد ہماری مدد کرنے پر آمادہ ہو گئے اور تقریباً دو گھنٹے کے بعد جب ہم اُن کے آفس سے اُٹھے تو وکیل فاروقی صاحب کی آنکھیں بھی خوشی سے چمک رہی تھیں۔ اور میری تو مسرّتوں کا ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں نے اب اپنا کیس مکمل کر لیا ہے اور اب عدالت میں بیرسٹر نصرت حسین صاحب سے ایک دلچسپ ملاقات ہوگی۔

☆

مقدمے کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی۔ وکیل فاروقی صاحب نے پیشکار سے گفتگو کر لی تھی۔ اس دوران دو بار میں نے جوئی سے ملاقات کی۔ جوئی کے اندر کافی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ روزی نے مسرّت کے عالم میں بتایا کہ جوئی نے شراب چھوڑ دی ہے۔ میں نے جوئی سے پوچھا کہ اس دوران شاہد ایاز نے اُسے طلب تو نہیں کیا تھا جس پر جوئی نے جواب دیا کہ نہیں اِن دنوں اُسے اُس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ویسے بھی وہ روزانہ جوئی سے ملاقات نہیں کرتا تھا۔ روزی نے بھی یہی بتایا کہ اس کے بعد سے آج تک شاہد ایاز سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے ان دونوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ تمام ضروری امور پر میں نے غور کر لیا تھا اور اس کے لیے کچھ خصوصی تیاریاں بھی کی تھیں جن میں میرے اپنے اکاؤنٹ سے اچھے خاصے پیسے خرچ ہو گئے تھے۔ روزی کو میں نے انتہائی اصرار کے ساتھ پانچ ہزار روپے کی رقم پیش کر دی تھی تاکہ اُسے اس کے معاملات میں دِقّت پیش نہ آئے۔ وہ ممنون نگاہوں سے مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئی تھی۔ جوئی کو یہ بات نہیں بتائی گئی تھی ورنہ وہ شاید اعتراض کرتا۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب ہمیں اس مقدمے کی صحیح معنوں میں ابتدا کرنی تھی۔ چونکہ اس کیس کی سماعت ہونی تھی اس لیے تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔

☆

عدالت میں جج کی کرسی پر جج امجد حسین تھے۔ پبلک پراسیکیوٹر اطہر بیگ صاحب اپنے کاغذات کی ریڈنگ کر رہے تھے اور بیرسٹر نصرت حسین صاحب بھی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ میں جب وکیل فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوا تو جج امجد حسین اور بیرسٹر نصرت حسین دونوں کی نگاہیں میری طرف اُٹھیں اور دونوں کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔ چونکہ میں اس وقت وکیل فاروقی صاحب کے جونیئر کی حیثیت سے پہلی بار منظرِ عام پر آیا تھا۔ ہم دونوں ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ وکیل فاروقی صاحب کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ بار بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتے تھے۔ میں نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فاروقی صاحب! کیا اس طرح آپ یہ مقدمہ لڑیں گے؟"

"نہیں۔ بس نجانے کیوں نروس ہو رہا ہوں۔ ان لوگوں نے باقاعدہ تمھیں میرے ساتھ دیکھ لیا ہے۔"

"میں نے لا کر لیا ہے اور کسی بھی شخص کے جونیئر کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ یہ کوئی جرم تو نہیں ہے فاروقی صاحب؟"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن لیکن نجانے کیا ہوگا۔ کیس بنے گا؟"

"میرا خیال ہے میں آپ کو معجون مقوّی خاص کھلاؤں۔ ورنہ اس طرح تو آپ راحیل کے کیس کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔"

"نہیں بھئی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ بس میں نے کہا نا ذرا نروس ہو رہا ہوں، ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

راحیل کو عدالت کے کٹہرے میں لے آیا گیا اور شاہد ایاز احمد نے عدالت میں آنے سے معذرت کر لی تھی۔ اُن کی جگہ نصرت حسین صاحب اور اطہر بیگ موجود تھے۔ مقدمے کی کارروائی کی اجازت دے دی گئی۔ جج امجد حسین کے سامنے راحیل کے کیس کا فائل کھلا ہوا تھا۔ اطہر بیگ نے کھڑے ہو کر کچھ کاغذات جج صاحب کو دیے اور اُن کی اجازت پر کیس کا آغاز کیا۔

"جنابِ عالی! آپ کی عدالت میں قتل کے ایک ایسے ملزم کو پیش کیا گیا ہے جس نے کئی قتل کیے ہیں۔ ایک اخلاقی قتل جو اُس نے کیا۔ وہ شہر کے ایک معزز اور شریف انسان ایاز احمد کے اعتماد کا قتل تھا۔ ملزم راحیل طویل عرصے سے بیکار تھا۔ اس نے ایاز احمد سے ملازمت مانگی اور ایاز احمد نے راحیل عباسی پر رحم کھاتے ہوئے اُسے اپنی شرافت النفسی کی بناء پر ایک معزز عہدہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنی فرم میں اسے مینیجر کی حیثیت سے جگہ دی لیکن اُسی مینیجر نے ایاز احمد کی بھتیجی ندرت رضا پر ڈورے ڈال کر اُسے اپنے جال میں پھانس لیا اور ایک سنہرے مستقبل کے خواب دیکھنے لگا۔ ندرت رضا ایک معصوم صفت لڑکی تھی۔ ماں باپ سے محروم ہونے کے بعد اس نے اپنی تمام زندگی بڑی سادہ لوحی سے اپنے چچا ایاز احمد کے گھر میں گزار دی۔ بیکاری کے لمحات اس سے برداشت نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ اس نے ایاز احمد سے اجازت طلب کی کہ وہ خود بھی فرم کے شوروم میں کچھ خدمات انجام دے گی۔ یہیں ملزم راحیل کا اُس سے تعارف ہوا اور اپنی خوش شکل اور وجیہہ شخصیت کی بناء پر اس نے ندرت رضا کو متاثر کر لیا اور ان دونوں کی خاصی یگانگت ہو گئی۔ معصوم صفت لڑکی محبت میں ایک حد تک جانے کی قائل تھی۔ ملزم نے ایک بار اُسے گناہ کے راستوں پر چلنے کی دعوت دی جس سے ملزم کا مطمحِ نگاہ یہ تھا کہ ان راستوں سے گزرنے کے بعد اُسے یہ خدشہ نہیں رہے گا کہ ندرت رضا اس سے انحراف کرے لیکن جب ندرت رضا نے اپنی پاکیزہ فطرت کی بناء پر ملزم کے مذموم ارادوں میں معاون نہ ہونے کی جدوجہد کی تو ملزم نے جوشِ جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُسے قتل کر دیا۔ اس نے جنون کے عالم میں چھری کے پے در پے وار کر کے ندرت رضا کو زندگی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اس کے بعد خود روپوش ہو گیا۔ ندرت رضا کی لاش دستیاب ہونے کے بعد اس کے بارے میں چھان بین کی گئی تو پتا چلا کہ ملزم اُسے ورغلا کر اُس جگہ لے گیا تھا جہاں اس کی لاش پائی گئی اور اس کے بعد اس نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ وہ حقائق ہیں جنابِ عالی جن کی بناء پر ملزم راحیل عباسی کو بدترین سزا ملنی چاہیے۔ میں اس کے لیے سزائے موت تجویز کرتا ہوں۔"

"کیا اس قتل کا کوئی عینی گواہ ہے؟"

"جنابِ عالی۔ یہ سوال ہر عدالت میں بارہا کیا جاتا ہے۔ عینی گواہ کا موجود ہونا بذاتِ خود بڑی عجیب بات ہے۔ یا تو عینی گواہ ملزم یا مجرم کا معاون کار ہو سکتا ہے، یا اگر دوسرا شخص ہو تو وہ اپنی نگاہوں کے سامنے ایسے بھیانک جرم کا ارتکاب ہوتے کیسے دیکھ سکتا ہے۔ ایسا کوئی گواہ نہیں ہے جس نے اپنی آنکھوں سے یہ جُرم ہوتے دیکھا ہو۔"

"ملزم کے خلاف اِس جُرم کا ثبوت کیا ہے؟"

"جنابِ عالی۔ یہ چھری جس سے ملزم نے مقتولہ کو پے در پے وار کر کے قتل کیا۔ بعد میں یہ چھری پولیس کو ملزم کی چھت پر پڑی ہوئی ملی اور اس کے بعد ملزم کا وہ خون آلود لباس ملزم کے گھر کے کچھ فاصلے پر ایک زیرِ تعمیر عمارت میں پولیس کو دستیاب ہوا۔ پولیس انسپکٹر زیدی نے اس سلسلے میں تحقیقات کیں اور یہ تمام چیزیں برآمد کرنے کے بعد ملزم کو اس قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔"

"وجہِ قتل کیا ہو سکتی ہے؟" جج صاحب نے سوال کیا۔

"جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں جنابِ عالی کہ ملزم جانتا تھا کہ مقتولہ ندرت رضا۔ ایاز احمد جیسے دولت مند شخص کی بھتیجی تھی اور بذاتِ خود بھی کافی دولت مند تھی چنانچہ اس کے ذریعے ملزم خود دولت مند بننے کا خواہشمند تھا کیونکہ اس کا تعلق ایک پسماندہ گھرانے سے ہے۔ اس کا باپ مزدور ہے۔ ایک ماں اور ایک بہن کی بہتر زندگی کے لیے ملزم کسی ایسی بات کا خواہاں تھا جو اس کی تقدیر بدل دے اور ایسی لڑکی ندرت کے علاوہ اور کون ہو سکتی تھی جس کے بل پر ملزم دولت حاصل کرے لیکن وہ اپنے جال کو مضبوط کرنا چاہتا تھا۔ ندرت اپنی سادہ لوحی کی بناء پر اس کی محبت

میں تو گرفتار ہو گئی تھی مگر اپنی عزت گنوانے کے لیے تیار نہیں ہوئی اور ملزم پر جنون طاری ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنی درندگی اور اپنے ناآسودہ خواہش کی تکمیل کے لیے مقتولہ کو قتل کر دیا اور اس کے بعد جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ جوشِ جذبات میں کیا کر بیٹھا ہے تو اس نے اپنے آپ کو قانون سے محفوظ رکھنے کے لیے کارروائیاں شروع کر دیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جو راحیل عباسی کو اس قتل کا مجرم ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ ان ثبوتوں کی روشنی میں میں ملزم کے لیے سزائے موت کی درخواست کرتا ہوں۔"

"وکیلِ صفائی!" جج صاحب نے پُروقار لہجے میں کہا اور ان کے چہرے پر اعتماد نظر آ رہا تھا۔

"جنابِ عالی۔ میں ملزم کا وکیلِ صفائی ہوں اور اپنے کاغذات عدالت کو پیش کر چکا ہوں۔ وکیلِ استغاثہ نے میرے مؤکل راحیل عباسی پر قتل کا گھناؤنا الزام لگایا ہے۔ میں جانتا ہوں انھیں میرے مؤکل سے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے بلکہ صرف ثبوتوں کی روشنی میں وہ اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔ لیکن انسانی نقطۂ نگاہ سے کسی ایسے شخص کو، جو جرم کرتے وقت رنگے ہاتھوں نہ پکڑا گیا ہو مجرم بنا دینا اچھی بات نہیں ہے۔ اس سے قبل یہ بہتر ہوتا ہے کہ ان ثبوتوں پر اچھی طرح غور کر لیا جائے جو کسی بے گناہ کو مجرم بنانے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ میں کوئی طویل گفتگو نہیں کروں گا۔ سب سے پہلے تو میں ملزم راحیل عباسی کی اس زندگی کے بارے میں شواہد پیش کروں گا جو اس نے بچپن سے لے کر جوانی تک گزاری۔ اپنے کالج میں وہ ایک نیک فطرت اور نیک سیرت نوجوان کی حیثیت سے وقت گزارتا رہا ہے۔ اس سے قبل اس کے اسکول میں میٹرک تک اس کی تعلیمی رپورٹ بھی پیشِ خدمت ہے اور اس بات کا اظہار بھی ہوتا ہے اس رپورٹ سے کہ میرا مؤکل صرف تعلیم سے دلچسپی رکھتا تھا اور اپنا مستقبل بنانے کے لیے محنت کرتا تھا جس کا ثبوت ہمیشہ فرسٹ کلاس نمبر لانے سے مل جاتا ہے۔ یہی کیفیت اس کی کالج کی زندگی کی تھی۔ اس کے نام کے ساتھ کبھی کوئی اسکینڈل وابستہ نہیں ہوا جس کے لیے کیریکٹر سرٹیفکیٹ اس کے کاغذات کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس سے میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں جنابِ عالی کہ ایک پسماندہ گھرانے کا چشم و چراغ جس کے کاندھوں پر گھر کی ذمے داریاں ہوں اور جو صرف اس لیے عمل کی دنیا میں آنا چاہتا ہو کہ اپنے معذور باپ، نوجوان بہن اور بے بس ماں کی کفالت کرے، کبھی جرم کی جنبش تک دنیا میں آنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں سوچتا بلکہ میرے محترم وکیل کے کہنے کے مطابق اپنے والدین، اپنی بہن کے بارے میں سوچتا ہے کہ انھیں ایک بہترین زندگی مہیا کر سکے۔ چنانچہ قتل کرنے سے پہلے ایک ایسا نوجوان یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ ہر جرم کی سزا بھی ہوتی ہے اور سزا پانے والوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جاتی۔ یہ سرٹیفکیٹ اُن کاغذات کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں۔" وکیل فاروقی نے کچھ کاغذات جج صاحب کے سامنے رکھے اور جج صاحب نے سرسری سی نگاہ سے انھیں دیکھا، پھر گردن ہلا دی۔ اطہر بیگ نے کہا۔

"جنابِ عالی۔ اس قسم کے سرٹیفکیٹ پچاس سے سو روپے میں دستیاب ہو جاتے ہیں اس لیے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"بے شک آپ نے صحیح فرمایا۔ معاشرے کے ایک اہم پہلو کی عکاسی آپ نے اپنے تجربات کی روشنی میں بہتر طور سے کی۔ تعلیمی ادارے صرف سو اور پچاس روپے میں جعلی سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں۔ یہ انکشاف واقعی یہاں موجود تمام لوگوں کے لیے مفید ہو گا۔" عدالت میں ہلکی سی ہنسی کی آواز ابھری تو جج امجد حسین صاحب نے ڈیسک بجا کر ہنستے لوگوں کو خاموش رہنے کے لیے کہا۔ پھر وہ وکیل فاروقی صاحب سے بولے۔

"جو ثبوت اس قتل کے لیے پیش کیے گئے ہیں، اُن کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"جنابِ عالی! ان ثبوتوں کی طرف ہی آ رہا تھا۔ یہ چھری جو آپ کے سامنے پیش کی گئی درحقیقت وہی چھری ہے جس سے مقتولہ کو قتل کیا گیا۔ کیا اس چھری پر قاتل کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں؟"

"جنابِ عالی! قاتل نے ایک مکمل جرم کیا ہے کیونکہ وہ ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہے اور اس دور میں تو عام قسم کے لوگ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ آلۂ قتل پر ہاتھ کے نشانات نہیں ہونا چاہئیں۔" اطہر بیگ نے کہا۔

"درست فرمایا میرے فاضل وکیل نے۔ بلاشبہ ایک ماہر

قاتل اور جرائم پیشہ شخص کے ذہن میں یہ بات ہونی ہی چاہیے لیکن یہ کیسا بے وقوف نوجوان تھا جس نے چھری پر سے اپنے ہاتھ کے نشانات تو صاف کر دیے لیکن نشانات صاف کرنے کے بعد اس چھری کو بڑے اطمینان سے اپنے مکان کی چھت پر ڈال دیا تاکہ پولیس کو تلاش کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ ملزم کا خون آلود لباس جو اس کی نگاہ میں مشکوک ہو گیا تھا اس کے مکان سے تھوڑے فاصلے پر ایک زیرِ تعمیر مکان میں پایا گیا۔ ایک ایسے ذہین آدمی کو، چھری کے دستے سے انگلیوں کے نشانات صاف کرنے کی عقل تھی اسے یقیناً یہی سب کچھ کرنا چاہیے تھا۔ اس نے بڑے ناپ تول کر اپنا یہ خون آلود لباس صرف اتنے فاصلے پر پھینکا کہ پولیس کو اس لباس تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے اور اس لباس کو پھینکتے وقت اس نے چھری کو چھت پر سے اٹھا کر اس لباس میں لپیٹ کر اس عمارت تک پہنچانا پسند نہیں کیا۔ تمام چیزیں ایک ہی جگہ ہو جائیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔"

وکیل فاروقی صاحب اب پوری طرح موڈ میں آ گئے تھے۔ ہلکی سی ہنسی ابھری اور جج صاحب کی آواز پر پھر خاموشی چھا گئی۔ اطہر بیگ نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"جنابِ عالی! معزز وکیل عدالت کو تھیٹر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جرم کرنے والا اگر تربیت یافتہ مجرم ہو تو ہر پہلو پر غور کرتا ہے ورنہ قدرتی طور پر مجرم سے حماقتیں سرزد ہوتی ہیں۔ راحیل ایک تربیت یافتہ مجرم نہیں تھا اگر وہ تربیت یافتہ مجرم ہوتا تو معاشرے کے ان راستوں کی طرف نکل سکتا تھا جو برائی کے راستے کہلاتے ہیں۔ وہ ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھا اور اسے اس کی توقع سے کہیں اچھی ملازمت مل گئی۔ اس کے بعد اسے زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنے کا موقع ملا اور اس کی نگاہ ندرت رضا پر آ ٹکی۔ ندرت رضا کی شکل میں اسے دولت کی کان نظر آئی۔ اس نے اس طرف قدم بڑھائے اور اسے اپنے قابو میں کرنے کے لیے ہر وہ راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی جس سے ندرت کے گرد اس کا جال مضبوط ہو سکتا تھا اور اسی کوشش میں وہ جذباتیت کا شکار ہو گیا۔ وکیل صاحب اپنی جادو بیانی سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ راحیل بے گناہ ہے۔ چھری کا چھت پر پھینک دینا اور خون آلود لباس کا ایک زیرِ تعمیر عمارت میں ڈال دینا اس کی جرم سے ناتجربہ کاری کی دلالت کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ عادی مجرم نہیں تھا۔ لیکن پہلی بار اس نے جرم کیا ہے۔ میں عدالت کی اجازت سے راحیل سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"اجازت ہے۔" امجد حسین صاحب نے کہا اور اطہر بیگ راحیل کے سامنے پہنچ گیا۔

"راحیل عباسی! ندرت سے تمھاری پہلی ملاقات کب، کہاں اور کن حالات میں ہوئی؟"

"وہ میری مالکہ کی حیثیت سے میرے سامنے تھیں۔ مینیجر ہونے کی حیثیت سے اکثر میرا اُن سے رابطہ رہتا تھا۔ اسی رابطے کی بنا پر ہمارے درمیان تعلقات قائم ہو گئے۔ میں احترام کی حدود میں تھا لیکن وہ مجھ سے بے تکلف ہونا چاہتی تھیں اور بالآخر میں خود کو باز نہ رکھ سکا۔ ہمارے درمیان ملاقاتیں زیادہ سے زیادہ ہوٹلوں میں چائے پینے تک محدود رہیں اور اس دن بھی چائے پینے کے بعد میں نے انھیں رخصت کر دیا تھا۔ مجھے خود کچھ کام تھا۔ اس لیے میں بازار چلا گیا۔ اور اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ اُن کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ بعد میں مجھے ان کے قتل کی اطلاع ملی اور پھر مجھے اس قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔"

"گویا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ تمھارے دل میں ندرت رضا کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے؟"

"جی ہاں۔ اور اس کا اظہار انھوں نے بھی کیا تھا۔" راحیل نے جواب دیا۔

"جنابِ عالی۔ یہ نوجوان اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ بڑھ کر ایک خاتون سے دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس کے پسِ پردہ کون سے جذبات ہو سکتے ہیں۔ صرف دولت کی ہوس۔"

"یہ غلط ہے۔ میں نے کبھی ایسی بات نہیں سوچی۔"

"کیا ندرت رضا نے تم سے کہا تھا کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں وکیل صاحب! ہمارے درمیان اس قسم کی گھٹیا گفتگو کبھی نہیں ہوئی۔" راحیل نے تلخ لہجے میں کہا۔

"گویا ہوٹلوں میں ملاقاتیں ندرت رضا کی تم سے محبت اور التفات ہمیشہ پاکیزگی کی حدود میں رہے؟"

"جی ہاں، بشرطیکہ آپ اس پاکیزگی کو تسلیم کرلیں۔ یا وہ آپ کے معیار کے مطابق ہو" راحیل بدستور تلخ لہجے میں بولا۔

"غلط۔ تم نے جب محسوس کیا کہ تمھاری تمام تر کوششوں کے باوجود ندرت رضا تمھیں ایک حد سے آگے بڑھنے نہیں دینا چاہتی تو تم نے اس پر تسلط جمانے کے لیے اس پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی اور جب اس میں ناکام رہے تو تم نے اُسے قتل کردیا۔"

"ایک سوال کی اجازت چاہتا ہوں جنابِ عالی!" وکیل فاروقی نے اُٹھ کر کہا۔

"اجازت ہے۔"

"پبلک پراسیکیوٹر نے خود یہ اعتراف کیا ہے کہ میرا مؤکل راحیل عباسی ایک تربیت یافتہ مجرم نہیں تھا اور اسی کی بناء پر اس سے چھری چھت پر پھینکنے اور خون آلود لباس اس زیرِ تعمیر عمارت میں ڈالنے کی حماقت سرزد ہوئی۔ دوسری طرف میرے محترم وکیل یہ بھی فرماتے ہیں کہ راحیل عباسی ندرت رضا کا التفات حاصل کرکے یا اس پر جسمانی قبضہ قائم کرکے اُسے اپنی تحویل میں لینے کا خواہش مند تھا۔ میں فرض کرلیتا ہوں کہ ملزم نے ایسا سوچا لیکن جسمانی تسلط قائم کرنے کے لیے کیا ایک مہلک چھری کو ساتھ رکھنا ضروری تھا اور کیا ملزم کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ اگر وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو پائے تو وہ اس لڑکی کو قتل کردے۔ کیا میرے محترم وکیل یہ وضاحت فرما سکتے ہیں کہ اس قتل کے بعد ملزم کو کیا فائدہ حاصل ہونے والا تھا؟"

"جنون۔ دولت حاصل کرنے کا جنون۔ جس کی تاریخ کھلی پڑی ہے۔ انسان جوشِ جذبات میں دیوانہ ہو کر وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے جو پہلے سے اُس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔"

"بلاشبہ درست فرمایا آپ نے لیکن پہلے سے یہ بات کیسے اس کے ذہن میں آگئی کہ وہ ایک قتل کرنے والی چھری اپنے ساتھ رکھے؟"

"وہ چھری ممکن ہے اس نے مقتولہ کو دھمکانے کے لیے اپنے پاس رکھی ہو۔ تاکہ ہر قیمت پر وہ اس پر قدرت حاصل کرے اور جب مقتولہ نے ملزم کی برتری تسلیم نہیں کی تو ملزم نے جھنجلاہٹ میں اُسے قتل کردیا۔" اطہر بیگ نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے فاضل دوست صرف تُکّے لگا رہے ہیں۔ اب میں اس سلسلے میں وہ حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جنابِ عالی! جو ملزم کی بے گناہی ثابت کردیں گے اور اس بات کا اظہار کردیں گے کہ راحیل عباسی کو اس قتل کے الزام میں پھانسنے کی کوشش ایک بہترین منصوبے کے تحت کی گئی۔"

"نمبر ایک۔ جنابِ عالی! ایاز احمد صاحب کی وہ فرم جو قالینوں کا کاروبار کرتی ہے۔ ایک اعلیٰ پائے کی فرم ہے۔ اور اس میں بہترین تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں۔ اس فرم میں مینیجر کی جگہ حاصل کرنے کے لیے یقینی طور پر بے شمار لوگ کوششیں کرسکتے ہیں۔ اعلیٰ پائے کے تربیت یافتہ افراد جو امپورٹ ایکسپورٹ کا کام بخوبی جانتے ہوں۔ جب اتنی بڑی فرم میں کوئی جگہ نکلتی ہے تو اس کے لیے ہمیشہ تجربہ کار آدمیوں کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ کیا محترم وکیل یہ فرما سکتے ہیں کہ مینیجر کی پوسٹ کے لیے اخبارات میں کوئی اشتہار دیا گیا۔ کیا میرے محترم دوست یہ فرما سکتے ہیں کہ راحیل سے قبل اس فرم کا مینیجر کون تھا؟ اور اُسے کن وجوہات کی بناء پر فرم سے نکالا گیا یا ریٹائر کیا گیا؟ عموماً اس قسم کی بڑی کمپنیوں میں مینیجر کی ملازمت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور نئے مینیجر کے لیے ایک تجربہ کار اور قابل آدمی کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر میں یہ تسلیم کرلوں کہ راحیل عباسی کوئی بڑی سفارش لے کر وہاں پہنچا تھا تو کیا مجھے اس سفارش کا ذریعہ بتایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ بتایا جا سکتا ہے مجھے کہ ایک ناتجربہ کار اور عرصے سے بے کار نوجوان کو اتنے بڑے عہدے کے لیے کس بنیاد پر منتخب کرلیا گیا؟ میں اس راستے سے ہٹ جاتا ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنے مؤکل کی اس حیثیت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ معاشرے کے ان لوگوں میں سے تھا جو بے روزگاری سے تنگ آکر ہر طرح کی ملازمت کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک اپاہج خاندان کی کفالت کر رہا تھا۔ اُسے اگر کلرک کی ملازمت بھی دی جاتی تو وہ اُسے بھی قبول کرلیتا لیکن اُسے مینیجر کی حیثیت سے منتخب کرلیا گیا۔ مقتولہ ندرت رضا اس کی مردانہ وجاہت سے متاثر ہو کر یا اس کی شخصیت کی نرمی سے متاثر ہو کر اس کی جانب متوجہ ہوئی اور اس کے بعد یہ حادثہ پیش آگیا۔ جنابِ عالی! ایک ناتجربہ کار نوجوان جس کے دل میں دولت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوگیا ہو فوری طور پر اقدامِ قتل کی جرأت نہیں کرسکتا۔ یہ قتل راحیل نے نہیں کیا بلکہ اُس کے شانوں پر بندوق رکھ کر چلائی گئی ہے۔ چھری بالکل نئی ہے اور اس کے دستے پر انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں۔ قتل کرنے کے بعد چھری اپنے مکان کی چھت پر نہیں پھینکی جاتی۔ اگر اُسے اسی بے پرواہی سے پھینکنا تھا تو قاتل اُسے وہیں کہیں بھی پھینک سکتا تھا کیوں کہ اس نے چھری کے دستے سے انگلیوں کے نشانات مٹا دیے تھے۔ خون آلود لباس وہ اپنے گھر سے قریب کبھی نہیں پھینکتا کہ پولیس کو آسانی سے دستیاب ہو جائے۔ اس سلسلے کا سب سے اہم پہلو یہ ہے جنابِ عالی کہ جو خون آلود لباس اُس زیرِ تعمیر عمارت سے دستیاب ہوا۔ وہ درحقیقت میرے مؤکل کا لباس ہی نہیں ہے بلکہ اس لباس کو ذہن میں رکھتے ہوئے اُس کی نقل تیار کی گئی۔ دراصل یہ واقعات ناتجربہ کاروں کے درمیان ہوئے ہیں۔ جس شخص نے راحیل عباسی کو اس قتل کے جرم میں پھانسنے کی کوشش کی وہ خود بھی کوئی تربیت یافتہ مجرم نہیں تھا بلکہ صرف ایک سازش کی گئی تھی جو انتہائی ناقص تھی۔"

"میرے محترم اور بزرگ دوست یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لباس مجرم کا نہیں ہے؟" اطہر بیگ نے کہا۔

"میں یہ ثابت کرسکتا ہوں کہ درحقیقت یہ وہ لباس نہیں ہے جو راحیل عباسی اُس شام پہنے ہوئے تھا۔ سب سے پہلا انکشاف جنابِ عالی یہ ہے کہ لباس پر موجود خون انسانی خون نہیں ہے۔ اس کا کیمیاوی تجزیہ کرانے کی کوشش نہیں کی گئی کیونکہ یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ خون ندرت رضا کا ہے۔ میں نے اس خون کا تجزیہ گورنمنٹ لیبارٹری میں کرایا ہے اور یہ اس تجزیے کی رپورٹ ہے جس میں صاف کہا گیا ہے کہ یہ انسانی خون نہیں بلکہ بکرے کا خون ہے۔"

عدالت میں بھنبھناہٹ کی ایک لہر گونج گئی تو امجد حسین کو ہتھوڑی بجانی پڑی۔

رپورٹ امجد حسین صاحب کے سامنے پیش کردی گئی اور وہ اس کا جائزہ لینے لگے۔ اطہر بیگ کے چہرے پر پہلی بار حیرت کے نقوش اُبھرے تھے۔ انھوں نے بیرسٹر نصرت حسین صاحب کی طرف دیکھا۔ نصرت حسین کا بھی چہرہ بھی اب کسی قدر پریشان نظر آرہا تھا۔ لیبارٹری کی رپورٹ فائل میں رکھ لی گئی تو وکیل فاروقی نے کہا۔

"اس کے علاوہ جنابِ عالی! اس لباس کا ناپ لے لیا گیا ہے۔ اگر عدالت چاہے تو یہ لباس ملزم کو پہنا کر دیکھ سکتی ہے۔ اس کی آستین تقریباً دو انچ بڑی ہیں اور نچلے لباس کا سائز بھی ملزم کے اصل سائز سے خاصا بڑا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لباس بالکل نیا ہے اور استعمال نہیں کیا گیا۔ میرے معزز دوستوں نے جنھوں نے راحیل کو اس قتل کے جرم میں پھانسنے کی کوشش کی ہے شاید جرم کی ابجد سے بھی واقفیت حاصل نہیں کی کوئی بھی لباس اگر ایک گھنٹہ بھی استعمال کرلیا جائے تو کم از کم کالر میں ہلکا سا میل آجاتا ہے۔ کوئی شخص اگر نہا کر بھی یہ لباس ایک یا ڈیڑھ گھنٹے استعمال کرلے تو کالر کا تھوڑا سا میلا ہو جانا یقینی ہوتا ہے لیکن یہ لباس بالکل صاف ہے اور اس کے کالر، آستین یا اندرونی کسی حصے پر کوئی داغ نہیں ہے۔ ملاحظہ کیا جائے۔" امجد حسین صاحب نے دلچسپی سے لباس کا جائزہ لیا۔ اس پر پڑے ہوئے خون کے دھبے دیکھے۔

اب امجد حسین صاحب کی آنکھوں میں اس کیس سے دلچسپی کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ پھر انھوں نے پیشکار سے کہا کہ اس لباس کے ناپ کا راحیل عباسی کے لباس سے جائزہ لیا جائے اور تھوڑی دیر کے بعد اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوگیا کہ لباس راحیل عباسی کے بدن پر کافی بڑا ہے۔

"اور جنابِ عالی جناب میں وہ لباس پیش کرتا ہوں جس کی نقل تیار کرکے اصلی مجرم یہ سوچ کر مطمئن ہو گئے کہ انھوں نے راحیل عباسی کو پھانس لیا۔"

وکیل فاروقی نے مجھ سے لباس کا پیکٹ لے کر کھولا۔ اور اصل لباس امجد حسین صاحب کے سامنے پیش کردیا گیا۔

"یہ ہے وہ لباس جو راحیل عباسی اس روز پہنے ہوئے تھا اور جس کی نقل فوری طور پر تیار کرکے اور بکرے کے خون میں ڈبو کر اس عمارت میں پھنکوا دیا گیا اور یہ یقین کرلیا گیا کہ کام مکمل ہوگیا۔ یہ لباس تین بار لانڈری میں دھل چکا ہے۔ جنابِ عالی! ایک شخص ایک ہی ڈیزائن اور ایک ہی طرز کے دو سوٹ کس لیے سلوا سکتا ہے۔ یہ بات شاید میرے فاضل وکیل ہی بتا سکیں۔ دوسری بات یہ کہ اُس دن پہنے ہوئے اس لباس کو آخری بار جس لانڈری میں دُھلوایا گیا ہے۔ اس

لانڈری کی یہ رسید موجود ہے جو چھ دن قبل کی ہے۔"

وکیل فاروقی صاحب نے رسید امجد حسین صاحب کو پیش کی۔

"اس رسید کے تحت یہ لباس استعمال کے تین روز قبل اُس لانڈری سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ ڈپلیکیٹ اس بات کا اظہار کرتی ہے اور چونکہ یہ لباس وقوعہ کے روز راحیل عباسی کے جسم پر تھا۔ اس لیے اس کے کالر پر بھی ہلکے سے میل کا نشان دیکھا جا سکتا ہے۔ اصل مجرموں نے اس بات کی ضرورت نہیں محسوس کی کہ وہ اُس دن پہنے ہوئے لباس کو کم از کم راحیل عباسی کے مکان سے غائب ہی کر دیتے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مظلوم راحیل عباسی کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے قاتل بنانے کی کوشش کی گئی ہے، ورنہ درحقیقت اس قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

عدالت میں سناٹا چھا گیا تھا۔ نصرت حسین صاحب اضطراب سے ہاتھ مل رہے تھے۔ پبلک پراسیکیوٹر کے چہرے پر بے بسی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ امجد حسین صاحب نے عدالت دوسرے دن تک کے لیے ملتوی کر دی اور اس کے بعد اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں وکیل فاروقی صاحب کے تمام فائل اکٹھے کرنے لگا اور انھیں بیگ میں باندھ کر اُن کے ساتھ چل پڑا۔ لوگ عدالت کے کمرے سے نکلتے ہوئے وکیل فاروقی صاحب کے پوائنٹ کی تعریف کر رہے تھے۔ چند وکلا نے وکیل فاروقی صاحب کو مبارک باد بھی دی تھی۔ بیرسٹر نصرت حسین تیزی سے نکل کر باہر چلے گئے تھے۔ اور پبلک پراسیکیوٹر اپنے کاغذات درست کر رہے تھے۔ ہم دونوں تیزی سے باہر نکل آئے اور پھر وہاں سے واپس چل پڑے۔ وکیل فاروقی صاحب کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ اُن کے گھر پہنچ کر ہم دیر تک اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ وکیل فاروقی صاحب نے ہچکچاتے لہجے میں کہا۔

"آج تمھاری خیر نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن حالات کا مقابلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ کل کے لیے جو تیاریاں کی ہیں اُن پر آپ غور کر لیجیے۔ میں ممکن ہے کل صبح پانچ بجے آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب دعا کرو کہ کل تمام سماعت مکمل ہو جائے۔ کل ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ آج سے کہیں زیادہ ہو گا۔

"دیکھنا یہ ہے کہ آج کے ان معاملات کا ردِعمل کیا ہوتا ہے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد میں وکیل فاروقی سے رخصت ہو کر چل پڑا۔ کوٹھی پہنچ گیا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب واپس نہیں آئے تھے۔

لالہ رخ نے دور ہی سے دیکھا اور مسکراتی ہوئی میرے سامنے پہنچ گئی۔ اس نے اپنے انداز میں نجانے کس دل سے یہ تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ ورنہ کم از کم وہ میرے سامنے کبھی نہیں مسکراتی تھی۔

"ہیلو۔ کالی بلی!" میں نے چھیڑنے والے انداز میں کہا۔

"شکریہ۔ میرا بھائی جو نام بھی دے دے، ان دنوں میں اس کے بس میں ہوں۔" لالہ رخ جبر کر کے مسکراتے ہوئے بولی اور میں اندر داخل ہو گیا۔

شفیق بھابی سے کچھ چونچلیں ہوئیں۔ تنویر بھابی موجود تھیں۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے دانت پیسے۔ وہ کئی دن تک میری وجہ سے ذہنی عذاب کا شکار رہی تھیں۔ بہرحال اس کے بعد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں ہمیشہ اسی خطرے کا شکار رہتا تھا کہ دیکھوں کون سی نئی مصیبت آتی ہے۔ بیرسٹر نصرت حسین کی واپسی کے بعد کچھ ہنگامہ خیزی کے امکانات تھے۔ ممکن ہے مجھ سے بازپرس۔ لیکن تقریباً سات بجے بیرسٹر نصرت حسین واپس آئے اس کے بعد رات کے کھانے پر ان سے حسبِ معمول ہی ملاقات ہوئی۔ اُن کے انداز میں کوئی کبیدگی نظر نہیں آتی تھی اور نہ ہی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی ذہنی ہیجان کا شکار ہوں۔ بہرطور یہ میری سوچ بھی ہو سکتی تھی۔ بیرسٹر صاحب کے پاس تو ایسے درجنوں کیس آتے رہتے تھے اور وہ ذہنی طور پر ان میں اس طرح ملوث نہیں ہوتے تھے کہ اس کے اثرات گھر میں بھی ان پر پائے جاتے۔ میں منتظر ہی رہا۔ رات کو سونے کا وقت ہو گیا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ مجھ سے کوئی بازپرس نہیں ہوئی۔ یہ تک نہیں پوچھا گیا کہ میں فاروقی صاحب کے جونیئر کی حیثیت سے عدالت میں کیسے نظر آیا تھا۔ رات کو دیر تک دوسرے دن کی کارروائیوں کے بارے میں سوچتا رہا۔

▼▼

صحیح طور پر نیند بھی نہیں آئی تھی، اس لیے صبح ساڑھے چار بجے اُٹھ گیا۔ منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر موٹر سائیکل

دھکایا اور گھر سے باہر نکلا تاکہ موٹر سائیکل کا ناوقت اسٹارٹ ہونے کی آواز دوسروں کو نہ چونکا دے۔ گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے دروازہ کھولا اور میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے فاروقی صاحب کے گھر کی جانب چل پڑا۔ فاروقی صاحب بھی اس کیس کے سلسلے میں اتنے ہی پُرجوش تھے جتنا میں۔ سوکھے دھانوں میں پانی پڑ رہا تھا۔ موٹر سائیکل کی آواز سن کر باہر نکل آئے اور پھر مجھے پُرتپاک انداز میں اندر لے گئے۔ بیگم صاحبہ نے ناشتا تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ میں نے ایک کپ چائے اور ایک دو اُبلے ہوئے انڈے لیے اور اس کے بعد فاروقی صاحب کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

"ایک اہم اطلاع ہے تمھارے لیے۔ کل شام کو بیرسٹر نصرت حسین صاحب ایاز احمد صاحب کے ساتھ یہاں آئے تھے۔"

"آپ کے گھر؟"

"ہاں بھئی۔ زندگی میں پہلی بار دو بڑے آدمیوں کا استقبال کیا تھا میں نے اس چھوٹے سے گھر میں۔"

"گڈ۔ ویری گڈ۔ خیریت۔ کیا کہہ رہے تھے؟"

"یہی کہ میں اس کیس کے سلسلے میں اُن سے گفتگو کر لوں۔ ایاز احمد صاحب کا انداز ذرا جارحانہ تھا۔ انھوں نے یہی کہا کہ میں کسی بھی طور راحیل کو اس قتل کی سزا سے نہیں بچا سکوں گا بلکہ اپنی رہی سہی ساکھ بھی کھو بیٹھوں گا۔ نصرت حسین صاحب کے انداز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ صرف ایاز احمد صاحب کی فرمائش پر آ گئے ہوں۔ انھوں نے اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کی۔ صرف چند قانونی پوائنٹس پر مجھ سے گفتگو کی لیکن ایاز احمد صاحب ڈھکے چھپے الفاظ میں دھمکیاں دے کر گئے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ وہ پریشان کیوں ہیں، بات صرف میرے مؤکل کی ہے، جسے میں بے گناہ ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ انھیں تو اصل قاتل ہی کی تلاش سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ راحیل کے علاوہ اور کوئی ہو تو کیا حرج ہے۔ بہرطور کوئی بہت اہم گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن ایاز احمد صاحب کے انداز سے بے چینی جھلک رہی تھی۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر میں نے کہا۔

"ایک بات آپ ذہن میں رکھیں فاروقی صاحب کہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب بذاتِ خود بُری طبیعت کے انسان نہیں ہیں اور کسی بھی لالچ کی بنا پر کوئی ایسا کام کرنے پر تیار نہیں ہو سکتے جس میں حقیقت اور سچائی نہ ہو۔ دراصل عظمت حسین صاحب سے ایاز احمد کے براہِ راست تعلقات ہیں، ممکن ہے صرف اس بنیاد پر بیرسٹر صاحب یہاں چلے آئے ہوں۔"

"کاش میں کسی اچھی حیثیت سے اُن کا استقبال کر سکتا۔ میں خود بھی ان کے مداحوں میں سے ہوں۔ بلاشبہ ذہین انسان ہیں۔"

"چھوڑیے فاروقی صاحب ان تمام باتوں کو۔ راحیل کی زندگی ہمارے تمام احساسات سے زیادہ قیمتی ہے۔ کیا کیا تیاریاں کی ہیں آپ نے، مجھے دکھائیے۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب نے اپنی تمام تیاریوں کی رپورٹ میرے سامنے پیش کر دی۔ ہم دونوں ساڑھے آٹھ بجے تک ان تمام نکات پر غور کرتے رہے تھے۔ فاروقی صاحب نے جو کچھ بھی کیا تھا اس کے بارے میں تمام تفصیلات میں نے اُن سے معلوم کر لی تھیں۔ جمیل احمد صدیقی کو بھی آج عدالت میں پیش ہونا تھا۔ گو اس کے لیے ہم نے باقاعدہ درخواست نہیں کی تھی۔ صرف چانس پر رکھا تھا انھیں لیکن فاروقی صاحب نے جمیل احمد صدیقی کو اطلاع دے دی تھی۔

ہم وقت پر پہنچ گئے۔ آج عدالت میں ایاز احمد صاحب اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ غالباً انھیں حالات کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے سرسری نگاہ سے مجھے دیکھا لیکن میں نے منہ پھیر لیا تھا اس لیے میں اُن کے تاثرات کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ جج امجد حسین تشریف لائے تو ان کا احترام کیا گیا اور اس کے بعد مقدمے کی کارروائی شروع ہو گئی۔ اطہر بیگ نے کارروائی شروع کرتے ہوئے کہا۔

"جنابِ عالی! ملزم کے وکیل نے کل جو تمام تفصیلات پیش کیں بلاشبہ پُراثر تھیں اور مجھے ذاتی طور پر یہ احساس ہوا تھا کہ کہیں پولیس کی تفتیش میں کچھ غلطیاں نہ ہو گئی ہوں لیکن غور و خوض کے بعد مجھے اس فیصلے میں کچھ تبدیلیاں کرنا پڑیں۔ اس سے قبل میں نے مجرم کو ایک معصوم قسم کا انسان کہا تھا لیکن نظرِ ثانی کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ اتنا معصوم انسان نہیں ہے بلکہ اس کی شخصیت میں بے پناہ گہرائی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس

پورے پروگرام کے پسِ پردہ کوئی اور خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے جس نے ملزم کو منظرِ عام پر رکھ کر اپنے کسی مقصد کو پورا کیا ہو؟

"کیا آپ کسی ایسے شخص کی نشاندہی کر سکتے ہیں؟" امجد حسین صاحب نے سوال کیا۔

"اس کے لیے باقاعدہ تفتیش کی ضرورت ہے۔ مجھے صرف اس بات پر حیرت ہے کہ ملزم کے لباس پر کسی جانور کے خون کے دھبے کیوں ہیں۔ میں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، جنابِ عالی، کہ ملزم نے پوری اسکیم کے تحت یہ تمام کام کیا۔ خون آلود لباس کا اس کے گھر کے پچھواڑے فاصلے پر پایا جانا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ ملزم پولیس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنا چاہتا تھا۔ اس نے خون آلود چھری پھینک دی لیکن اس کے دستے پر انگلیوں کے نشانات صاف تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم جرم کی بہترین صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ ندرت رضا سے اس کی دلچسپی کو عام حالات میں محسوس کیا جا سکتا ہے اور اسے شبہ تھا کہ دوسرے لوگ اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اس نے اس شبہ کو برقرار رکھا اور اپنے خلاف ایسے ثبوت بھی مہیا کر دیے جس سے یہ ثابت ہو کہ قتل اس نے کیا ہے لیکن درپردہ اس نے ان ثبوتوں کی تردید بھی کر دی تھی۔ جب تحقیقات ہو کہ لباس اس کا نہیں اور جس پر خون کے دھبے بھی کسی انسانی خون کے دھبے نہیں بلکہ کسی جانور کا خون استعمال کیا گیا ہے تو صاف ظاہر ہو کہ اسے کسی سازش کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس دور میں سازشی ذہن ایسے بہت سے پلان بناتے ہیں اور اس سے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ ان تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے عدالت اپنا فیصلہ کرے۔" اطہر بیگ کے لہجے کا کھوکھلا پن بتاتا تھا کہ اسے خود بھی اپنے کمزور دلائل کا احساس ہے۔

مجھے شدید حیرت ہو رہی تھی۔ بیرسٹر نعمت حسین اس دوران بالکل خاموش تھے۔ اگر وہ اطہر بیگ کی مدد کر رہے تھے تو پھر انھیں خود بھی کچھ بولنا چاہیے تھا۔ یا کم از کم اطہر بیگ کو وہ پوائنٹس ہی بتانا چاہیے تھا جن کی بنیاد پر راحیل کو مجرم ثابت کرنے کے لیے مضبوط دلائل دیے جا سکتے۔ البتہ یہ خوف تھا مجھے کہ اطہر بیگ نے اپنے آپ کو آخر کے لیے محفوظ نہ رکھا ہو اور کوئی ایسا نکتہ اُن کے ذہن میں ہو جو صورتِ حال کو تبدیل کر دے۔ وکیل فاروقی صاحب کو بولنے کی اجازت دی گئی تو انھوں نے کہا۔

"جنابِ عالی، جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ پولیس کی تفتیش ناقص ہے۔ وہ خون آلود لباس جعلی ہے اور حقائق بتاتے ہیں کہ جرم راحیل نے نہیں کیا۔ تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وکیلِ استغاثہ ایک بے گناہ کو مجرم ثابت کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ حقیقتیں اگر اصل مجرم کی نشاندہی کر دیں تو انھیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ پسِ پردہ کون ہے جو راحیل اور صرف راحیل کو سزا دلانا چاہتا ہے؟"

"کیا میرے فاضل وکیل کی نگاہ میں کوئی ایسی شخصیت موجود ہے جو درحقیقت اس جرم کی ذمے دار ہو؟"

"یقیناً۔ میں کوشش کروں گا کہ اُس شخصیت کو منظرِ عام پر لاؤں۔ اس سے قبل میری خواہش ہے کہ محترم وکیل اپنے ان تمام گواہوں کو پیش کر دیں جو راحیل کے جرم کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔"

"مجھے اس سلسلے میں مزید کسی گواہ کو پیش نہیں کرنا۔"

"شکریہ۔ جنابِ عالی! اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کہ راحیل کا ندرت رضا کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہمارے ذہن میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ندرت رضا کو کس نے قتل کیا اور کیوں کیا؟ بلاشبہ یہ بحث ایک مختلف نوعیت رکھتی ہے لیکن اپنے دلائل کو مضبوط بنانے کے لیے میں ایاز احمد صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہ میرے کچھ سوالات کے جواب دیں۔"

"ایاز احمد صاحب!" امجد حسین صاحب کی آواز ابھری۔

ایاز احمد صاحب کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور کٹہرے میں آ کھڑے ہوئے۔ وکیل فاروقی اُن کے پاس پہنچے اور پھر انھوں نے ایاز احمد صاحب کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کے کتنے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں؟"

"تین بیٹے ہیں میرے، بیٹی کوئی نہیں ہے۔" ایاز احمد نے جواب دیا۔

"آپ کے تینوں بیٹے کیا کرتے ہیں؟"

"میرا کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں۔" ایاز احمد صاحب بولے۔

"ایاز احمد صاحب، آپ کو اپنی بھتیجی ندرت رضا سے بلاشبہ محبت ہوگی کیونکہ وہ آپ کی بیٹی کی ضرورت پوری کرتی تھی؟"

"جی ہاں۔" ایاز صاحب نے جواب دیا۔

"کیا میں یہ بات معلوم کر سکتا ہوں کہ ندرت رضا کے والد احمد رضا نے اس کے لیے کتنی جائیداد اور کتنی دولت چھوڑی تھی؟"

"کیا اس کی تفصیلات میں عدالت میں لے کر آیا ہوں" اطہر بیگ نے کھڑے ہو کر کہا۔ "یہ سوال قطعی غیر متعلق ہے۔ اس کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"تعلق ہے وکیل صاحب، گہرا تعلق ہے۔ جنابِ عالی! میری گزارش ہے کہ ایاز احمد صاحب کو میرے سوال کا جواب دینے کی ہدایت کی جائے۔"

"آپ جواب دیجیے۔" امجد حسین نے کہا۔

"اس کے حسابات موجود ہیں۔"

"کیا آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ احمد رضا صاحب کا وصیت نامہ، جائیداد اور دولت کی تمام تفصیل جمیل احمد صدیقی ایڈووکیٹ کے پاس موجود ہے؟" ایاز احمد صاحب بُری طرح چونکے تھے۔ پھر انھوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور آہستہ سے بولے

"جی ہاں۔"

"کیا آپ ندرت رضا کی دولت کا ان تمام کاغذات کے مطابق پورا پورا حساب دے سکتے ہیں؟"

"جنابِ عالی! میں پھر یہ عرض کروں گا کہ یہ قطعی غیر متعلق سوالات ہیں۔ یہاں حساب کتاب کی کیا ضرورت ہے؟" اطہر بیگ نے کہا۔

"آپ تشریف رکھیے۔" امجد حسین نے بھاری لہجے میں کہا اور اس کے بعد فاروقی صاحب کو سوالات کی اجازت دی گئی۔

"بہرطور اس کا حساب کتاب بعد میں پیش کیا جا سکتا ہے اور یہ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں ایاز احمد صاحب کہ جب ندرت رضا کو آپ نے اپنی تحویل میں لیا ہوا تھا اور وہ آپ پر مکمل اعتماد کرتی تھی۔ آپ کے اور اُس کے درمیان بہت گہرے روابط قائم تھے تو پھر اُسے یہ ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ وہ خود قالینوں کے شوروم میں جا کر بیٹھے اور وہاں کے حسابات چیک کرے؟"

"اسے اس کا شوق تھا۔ وہ بے کاری کے لمحات اسی انداز میں گزارنا چاہتی تھی۔"

"بہتر۔ اس سے قبل آپ کے ہاں منیجر کی پوسٹ کس نے سنبھالی ہوئی تھی؟"

"کسی نے نہیں۔"

"گویا اچانک ہی آپ کو یہ خیال آیا کہ آپ اپنے ہاں کوئی منیجر رکھیں؟"

"ہاں۔ میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔"

"پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اپنے منیجر کو کیا تنخواہ دے رہے تھے؟"

"ساڑھے پانچ ہزار۔"

"اور یقینی طور پر آپ کو یہ علم ہوگا کہ راحیل کی تعلیمی صلاحیتیں کیا تھیں؟"

"ہاں۔ اس نے گریجویشن کیا تھا۔"

"اور اس کا کوئی تجربہ بھی نہیں تھا؟"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔"

"آپ نے اتنی معقول تنخواہ کے عوض کسی ایسے تجربہ کار شخص کو منیجر بنانا کیوں نہ پسند کیا جو آپ کی فیلڈ میں اچھی خاصی صلاحیتیں رکھتا ہو؟"

"میں ایک نوجوان کو اس کا موقع دینا چاہتا تھا۔" ایاز احمد صاحب نے جواب دیا۔

"کیا راحیل نے اپنی ذمے داریاں بخوبی سنبھالی ہوئی تھیں؟"

"ہاں۔"

"کیا آپ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ آپ کی بھتیجی ندرت رضا راحیل سے متاثر ہے؟"

"یہ علم مجھے بعد میں ہوا۔ اُس وقت جب اسے قتل کر دیا گیا تھا۔" ایاز احمد صاحب نے کہا۔

"ایاز صاحب، آپ کے بیٹے آپ کے کاروبار کو سنبھالے ہوئے ہیں لیکن میں تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے شاہد ایاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"کیا یہ درست نہیں ہے کہ شاہد ایاز ایک بگڑا ہوا نوجوان ہے؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ کچھ عرصہ قبل اُسے گرفتار کر لیا گیا تھا اور آپ نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے کام

لے کر اُسے کسی چکر میں پھنسنے سے بچا لیا تھا؟"

"یہ ایک غیر متعلق بات ہے۔"

"نہیں ایاز احمد صاحب۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ شاہد ایاز ایک آوارہ منش اور بگڑا ہوا نوجوان ہے؟ وہ جوشِ جذبات میں کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے؟"

"کیا فضول بکواس ہے۔" ایاز احمد صاحب غصّے سے دہاڑے لیکن امجد حسین صاحب کی ہتھوڑی بج اٹھی۔

"جواب دیا جائے۔" امجد حسین صاحب بہت زیادہ رعایت دے رہے تھے۔

"یہ میرا بالکل ذاتی معاملہ ہے۔ شاہد ایاز میں اگر کچھ برائیاں ہیں تو اس کا ذمّے دار میں خود ہوں اور اگر اُسے کسی جرم میں ملوّث کیا جاتا ہے تو اُس کا فیصلہ عدالت باقاعدہ کرے گی۔"

"نہیں ایاز احمد صاحب۔ ندرت رضا کے کیس سے شاہد ایاز کا گہرا تعلق ہے۔"

"جنابِ عالی! کیا یہ ایک بالکل ہی غیر ضروری کارروائی نہیں ہے۔ کیا اس قسم کے سوالات کر کے شہر کے ایک معزز کاروباری شخص کی عزّت کو نہیں اچھالا جا رہا ہے؟"

"غیر ضروری سوالات سے پرہیز کیا جائے۔" امجد حسین نے کہا۔

"لیکن یہی غیر ضروری سوالات اصل مجرم کی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں جنابِ عالی! بہرحال مجھے کس کی اجازت ملنی چاہیے؟"

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس قتل میں ایاز احمد صاحب کے خاندان ہی کے کسی فرد کا ہاتھ ہے؟"

"سو فیصد۔ ایاز احمد صاحب پر یہ الزام لگاتے ہوئے مجھے خود بھی انتہائی دُکھ ہے کہ دراصل ندرت رضا کا قتل ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کرایا گیا اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ندرت رضا کی جائیداد اور دولت کا ایک بہت بڑا حصّہ ایاز احمد صاحب کے تصرّف میں آچکا ہے اور ان کے بیٹے اُسے ضائع کر چکے ہیں۔ جمیل احمد صدیقی ایڈووکیٹ کو میں عدالت میں پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

ایاز احمد صاحب کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ عدالت کی اجازت پر جمیل احمد صدیقی کو طلب کر لیا گیا۔

"جمیل احمد صدیقی صاحب! کیا آپ کے پاس احمد رضا صاحب کی جائیداد کے کاغذات موجود ہیں جو اُن کی وصیت کے مطابق ندرت کے نام تھی؟"

"جی ہاں۔ میرے پاس اس کی تمام تفصیلات موجود ہیں۔"

"کیا اس سلسلے میں کبھی ایاز احمد صاحب نے آپ سے رابطہ قائم کیا؟"

"جی ہاں۔ انھوں نے ان کاغذات کے حصول کے لیے کئی بار کوشش کی لیکن میں نے ان سے یہی کہا کہ ندرت رضا تحریری طور پر اگر وہ کاغذات مجھ سے طلب کرے گی تو میں اُسے یہ کاغذات دے دوں گا۔"

"کیا ندرت رضا نے کبھی آپ سے اِس موضوع پر گفتگو کی؟"

"جی ہاں۔ اُس نے ایک دن مجھ سے ملاقات کر کے مجھے بتایا کہ اُس کی جائیداد کے کاغذات کو محفوظ رکھا جائے کیونکہ اُسے خدشہ ہے کہ اس کے چچا اس کی جائیداد کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"آپ پورے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ ندرت رضا نے اس سلسلے میں مجھے ایک تحریر بھی دی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ان حالات میں اُسے کوئی خطرہ بھی درپیش ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس کی جائیداد کا مکمل طور پر تحفّظ کیا جائے۔ اسی بنیاد پر اس نے اپنے شوروم میں خود جا کر ایک اہم ذمّے داری سنبھالی تھی۔" جمیل احمد صدیقی نے جواب دیا۔

اطہر بیگ اور نصرت حسین صاحب اب بُری طرح چونکے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اطہر بیگ نے اس سلسلے میں جمیل احمد صدیقی سے سوالات کیے اور وہ کاغذ عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا جو ندرت رضا نے ایک درخواست کی شکل میں جمیل احمد صدیقی کو تحریری طور پر دیا تھا۔ امجد حسین صاحب نے کاغذ کا جائزہ لیا اور پھر آہستہ سے بولے۔

"اب آپ ایاز احمد صاحب سے مزید سوالات نئی تفصیل کی روشنی میں کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ جنابِ عالی! تو ایاز احمد صاحب کیا اس حقیقت سے آپ انکار کرتے ہیں کہ آپ ندرت رضا کی جائیداد کا بہت بڑا حصّہ خود اپنے تصرّف میں لے چکے ہیں؟"

"میں نے کہا نا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دوں گا۔"

"لیکن اس کے ثبوتوں کی تفتیش کی جا سکتی ہے اور لازمی طور پر اس سلسلے میں یہ بات منظرِ عام پر لائی جا سکتی ہے کہ آپ اُس کی جائیداد کا کتنا حصّہ خود ہضم کر چکے ہیں۔"

"تو اس سلسلے میں کارروائی کی جائے، مجھ سے کیوں پوچھا جا رہا ہے۔" ایاز احمد صاحب نے جواب دیا۔

"جنابِ عالی! درحقیقت یہ ساری اسکیم سوچی سمجھی ہے۔ ایاز احمد صاحب کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جسے وہ اپنا آلۂ کار بنا کر ندرت کا قاتل ثابت کر سکیں۔ اسی لیے ایک تجربہ کار منیجر کی بجائے ناتجربہ کار نوجوان کا انتخاب کیا گیا۔ اُسے بھاری تنخواہ دے کر اپنے پاس رکھا گیا۔ اس نوجوان کی شکل و صورت کا بھی خاص طور سے خیال رکھا گیا تھا تاکہ ندرت رضا اس سے متاثر ہو جائے۔ پروگرام یہ تھا کہ کسی بھی مناسب موقع پر ندرت رضا کو قتل کر کے اس نوجوان پر اس قتل کی ذمّے داری عائد کر دی جائے اور اس کے بعد جب ندرت رضا کا پتّا صاف ہو جائے تو اس کی تمام دولت بڑے اطمینان سے ہڑپ کی جا سکے۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ جس کے لیے میں ایک سب سے اہم اور آخری ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں۔" امجد حسین صاحب بہت دلچسپی سے یہ تمام تفصیل سن رہے تھے۔ انھوں نے ثبوت پیش کرنے کی اجازت دے دی۔

اب تو نصرت حسین اور اطہر بیگ دونوں ہی بدحواس نظر آرہے تھے۔ خود ایاز احمد کٹہرے کو پکڑے ہوئے کھڑے تھے اور ان کے چہرے سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ بازی اُلٹ جانے کا اُنھیں پورا پورا احساس ہے۔ پھر عدالت میں جونی کو لایا گیا۔

وکیل فاروقی نے جونی کے بارے میں عدالت کو تفصیلات بتائیں اور اس کے بعد اس سے جرح شروع کر دی جس کے نتیجے میں جونی نے صاف الفاظ میں کہا کہ ندرت رضا کا قاتل شاہد ایاز ہے اور وہ خود اس کا معاون رہا ہے۔ اس نے اپنے اور شاہد ایاز کے تعلقات پر روشنی ڈالی۔ اُس کے بعد شاہد ایاز کے گھناؤنے کرتوتوں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ وقوعہ والے روز ندرت رضا حسبِ معمول راحیل عبّاسی کے ساتھ تھی۔ وہ دونوں ایک ریستوران میں چائے پینے کے لیے داخل ہوئے تو میں نے ندرت رضا کی کار میں تھوڑی سی گڑبڑ کر دی۔ کوائل کے تار نکال دیے تاکہ کار اسٹارٹ نہ

ہو۔ راحیل عبّاسی وہیں سے رُخصت ہو گیا تھا۔ ندرت رضا نے کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی تو اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اُسی وقت شاہد ایاز اپنی کار میں وہاں پہنچ گیا اور اس نے ندرت کو گھر چلنے کی پیشکش کر دی۔ ندرت اطمینان سے اس کی کار میں جا بیٹھی۔ مجھے شاہد ایاز نے پیچھے پیچھے آنے کے لیے کہا تھا چنانچہ میں اُس موٹر سائیکل پر جو شاہد ایاز نے ہی مجھے دی تھی اُن کا تعاقب کرنے لگا۔ پھر شاہد ایاز ندرت کو اس جگہ لے گیا جہاں اُسے قتل کیا گیا تھا۔ میں صرف اطراف کی نگرانی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہد ایاز واپس آگیا اور پھر باقی ذمّے داریاں بھی میرے سپرد کی گئیں۔ شاہد ایاز نے پہلے سے ایک لباس خریدا ہوا تھا جو راحیل عبّاسی کے اس لباس سے مطابقت رکھتا تھا جسے وہ قتل والے روز پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ہی وہ خون آلود لباس اس زیرِ تعمیر عمارت میں ڈالا اور چھُری راحیل عبّاسی کے مکان کی چھت پر پھینک دی تھی۔

جونی سے اطہر بیگ نے سوال کیا کہ اس سے قبل اس نے عدالت کو حقیقت بتانے کی کوشش کیوں نہیں کی یا شاہد ایاز کے بارے میں پولیس اسٹیشن میں اطلاع کیوں نہیں دی تو جونی نے جواب دیا۔

"جنابِ عالی! میں اُس کا دستِ راست تھا۔ بہت دن بے کار رہنے کے بعد شاہد ایاز سے میرا تعارف ہوا اور اس نے میری کفالت کا بوجھ خود سنبھال لیا۔ میں شراب کا رسیا ہوں اور شاہد ایاز کی محفلوں میں برابر کا شریک ہوتا تھا۔ اس طرح میں خود بھی اس کے جرم میں چونکہ براہِ راست ملوّث تھا اس لیے بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اس کے بارے میں

پولیس اسٹیشن جاکر اطلاع دیتا لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ شاہر ایاز نے میری بہن روزی کو اپنی شیطنت کا نشانہ بناکر گناہ کے راستے پر لگا دیا ہے تو میں برداشت نہیں کر سکا۔ اور اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو شاہر ایاز کے خلاف عدالت میں پیش کر دیا۔"

جونی سے بہت سے سوالات کیے گئے اور وہ نہایت اطمینان سے اُن کا جواب دیتا رہا۔ چند ہی لمحات میں کیس کی نوعیت ہی تبدیل ہوگئی اور اس کے بعد وہی ہوا جس کی ہمیں توقع تھی۔ جج صاحب نے فیصلہ سناتے ہوئے راحیل عباسی کو بے گناہ قرار دے کر باعزت بری کر دیا اور اس کیس کی ازسرِنو تفتیش کے لیے ہدایات جاری کر دی گئیں۔ وکیل فاروقی صاحب سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین سب سے پہلے کمرۂ عدالت سے باہر نکل گئے تھے۔ راحیل عباسی کے بدن کا جیسے سارا خون خشک ہوگیا تھا۔ اس سے اپنے قدموں پر کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا تھا۔ میں نے جب اُس کا ہاتھ تھاما تو وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ میں اُسے سہارا دے کر باہر لایا۔ وکیل فاروقی صاحب کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے نم تھیں۔ اُنھیں اس کیس میں بہت بڑی کامیابی نصیب ہوئی تھی اور اُن کے ساتھی وکلا اُن سے طرح طرح کے کلمات ادا کر رہے تھے اور ان کی نگاہیں بار بار میری طرف اُٹھ جاتی تھیں۔

عدالتی معاملات سے فارغ ہو کر میں وکیل فاروقی اور راحیل عباسی کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ ہم نے اُن دونوں خواتین کو عدالت آنے سے منع کر دیا تھا اور اُنھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ان پیشیوں میں راحیل کا فیصلہ بھی ہو سکتا ہے۔ میں اُس وقت کا تصور کر رہا تھا جب راحیل عباسی ایک بے گناہ اور آزاد حیثیت سے اپنے اہلِ خاندان سے ملے گا اور اس کے ساتھ ہی کچھ اور لمحات کا تصور بھی میرے ذہن میں تھا۔ اُن لمحات کا جب مجھے اپنی کوٹھی میں داخل ہونا تھا۔ نصرت حسین صاحب کا سامنا کرنا تھا اور آئی جی صاحب کا بھی جنھوں نے یہ اجازت تو دے دی تھی کہ اگر راحیل بے گناہ ہے تو اُس کی مدد کر دوں، یہ اجازت نہیں دی تھی کہ اُن کے دوست ایاز احمد کو اس کیس میں پھنسا دوں۔ بہرحال یہ شام میرے لیے ہولناک تھی۔

خوشگوار دن کی ہولناک شام رفتہ رفتہ قریب آتی جا رہی تھی۔ راحیل کے اہلِ خاندان کو اچانک جو مسرتیں حاصل ہوئی تھیں وہ صحیح طور سے روح کی غذا تھیں۔ اپنی روح کو مسرتوں کی اس غذا سے بھرنے کے بعد میں آشیانے کی جانب پرواز کرنے لگا۔ آشیانہ سر چھپانے کا ٹھکانا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہاں دن بھر کی جسمانی و ذہنی تھکن کو دور کرنے کے لیے شام کی لطافتیں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجود ہوتی ہیں لیکن میرے اندازے کے مطابق میرے آشیانے میں کچھ ہولناک منظر میرے منتظر تھے۔ میرے لیے اس خوشگوار دن کا اصل لطف ان ہولناکیوں میں ہی پوشیدہ تھا۔

جب میں آشیانے میں داخل ہوا تو خلافِ توقع آشیانے کا ماحول حسبِ معمول پُرسکون تھا۔ میں چوروں کی طرح ہی اندر داخل ہوا تھا لیکن لالہ رخ بھی کسی ایسے پولیس والے سے کم نہیں تھی کہ چور اس کی نگاہوں سے چھپے رہ جائیں اور شاید ان دنوں وہ میری تاک ہی میں لگی رہتی تھی۔ خود پر تو پورا وقت بیت رہا تھا۔ لذیذ ڈشیں بھی پکاتی تھی۔ خوشامدیں بھی کرتی تھی لیکن اس کے چہرے کی شفاف کھال کے نیچے جہاں خون کی گردش دیکھی جا سکتی تھی۔ وہیں اس کی حسین نرگسی آنکھوں کے عقب میں شدید غصہ بھی چھپا رہتا تھا اور اس غصے کی ہلکی ہلکی سرخی کا روپ دھار کر اس کی آنکھوں سے نمایاں ہوتی رہتی تھی اور اگر اتفاق سے اس غصے کو دبانے کی ضرورت پیش آجائے تو کم از کم اس کی آنکھوں میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ اسے چھپا سکیں۔ ان دنوں وہ انھی کیفیات کا شکار تھی۔ مسکراتی تھی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دانستہ ہنس رہی ہو کیونکہ ... وہ کسی بھی طرح میری ذہنی برتری قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ غصیلی نظروں سے گھورتی اور درمیانہ قدموں سے چلتی ہوئی وہ میرے قریب پہنچی اور اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

"آج آپ بہت دیر سے آئے ہیں۔"

"سبحان اللہ، بیگم ہو تو ایسی۔ کیا تم میرے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے تھیں؟"

"اُردو کے ثقیل اور بدہضم الفاظ تخلیق کرنے والوں کو اگر میرے سپرد کر دیا جاتا تو زندگی بھر آسان اُردو بولتے۔" لالہ رخ نے کہا۔

"اوہ، اوہ۔ کھانے میں کیا ہے آج؟"

"بادام کا حلوہ۔" اس نے جھٹ جواب دیا لیکن مجھے یوں سنائی دیا جیسے کہہ رہی ہو کہ خدا تمھیں غارت ہی کر دے۔

"تم نے خود بنایا ہے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر میرا خیال ہے شام کی چائے کے ساتھ ہو جائے۔"

"شام کی چائے پی لی گئی ہے۔" اس نے اصلی لہجے میں کہا اور پھر جھرجھری سی لے کر بولی۔ "میرا مطلب ہے ہم سب لوگوں نے پی لی ہے لیکن میں آپ کے لیے لے آتی ہوں۔"

"شکریہ، شکریہ۔" میں نے اُسے فرشی سلام کرتے ہوئے کہا اور لالہ رخ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں چائے بھی آگئی تھی۔

بلاشبہ حلوۂ بادام خوب است لیکن جس دل سے لالہ رخ نے اسے بنایا ہوگا، میں ہی جانتا تھا۔ ابھی دو ہی چمچے حلق سے اُترے تھے کہ وہ خوشامدانہ انداز میں بولی۔ "پسند آیا؟"

"ارے ہاں۔ لالہ رخ کے ہاتھ کا حلوۂ بادام ہو اور پسند نہ آئے۔"

"تو پھر کیا کیا جائے اُس بات کا؟"

"ہاں، ہاں، میں جانتا تھا کہ تیسرے چمچے سے پہلے ہی یہ سوال مجھ سے کر دیا جائے گا۔ ویسے لالہ رخ میری دعا ہے کہ تم کسی نہ کسی مسئلے میں پھنستی رہو اور مجھے تمھارے ہاتھ کے بنے ہوئے مزے دار حلوے کھانے کو ملتے رہیں۔"

"میرے صبر کا بہت زیادہ امتحان نہ لیں۔ گھر والوں کو آج کل فرنچک ہوگئی ہے۔ ہر وقت اس صورت حرام کا تذکرہ۔ جس کے تصور سے میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آپ نے مجھ سے تو یہ سب کچھ کہہ دیا لیکن ابھی ان لوگوں تک۔ میرا مطلب ہے، تیاریاں ہو رہی ہیں۔ خدا کے لیے کچھ کیجیے شارق بھائی! کیوں میرا خون جلا رہے ہیں۔"

"کل کی ڈش طے ہو جائے تو بات کروں۔"

"خدا کی قسم، جو کہیں گے کھلا دوں گی۔"

"بس تو پھر آج یہ تذکرہ ختم ہو جائے گا۔" میں نے کہا اور اُسی وقت تنویر بھابی اندر آگئیں۔

"اکیلے اکیلے چائے پی جا رہی ہے۔ ویسے تعجب کی بات ہے۔ آگ اور پانی، بعض اوقات اس طرح یکجا ہو جاتے ہیں کہ یقین نہیں آتا۔"

"حلوہ چکھیے بھابی! یہ مس آگ نے بنایا ہے۔" میں حلوے کی ڈش تنویر بھابی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"نہیں بھئی، مجھے اپنا وزن نہیں بڑھانا لیکن کیا قصہ ہے آج کل میں لالہ رخ میں نمایاں تبدیلیاں دیکھ رہی ہوں۔ میرا خیال ہے گھر سے رخصت ہونے کا تصور ذہن میں آگیا ہے۔"

"یہ بات نہیں بھابی! ایک کنوارے کو کنوارے ہی سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ لالہ رخ کو یقیناً یہ احساس ہو گا کہ اب اس گھر میں میں ہی کنوارا رہ جاؤں گا۔ وہ تو چلی سسرال۔"

"کیا فضول باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ۔ تنویر بھابی آپ بھی ایسی چھچھوری باتوں میں دلچسپی لیتی ہیں۔"

"ہاں بھئی کیا کروں؟ یہ چھچھورا مذاق مجھ سے بھی کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ یہ زندگی کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ اسی مذاق کے نتیجے میں بیرسٹر صاحب مجھ پر مسلط کر دیے گئے چنانچہ قوم کی لومڑی کب کسی کی سلامتی چاہتی ہے۔"

"واہ بھابی واہ۔ قسم خدا کی حقیقت پسندی کی انتہا ہے۔ آپ کو دیکھ کر جو تصور ذہن میں اُبھرتا ہے اور جو کبھی زبان سے ادا نہیں کیا جاتا۔ اس کے لیے اس سے زیادہ موزوں الفاظ اور کوئی نہیں ہیں۔"

"یہ چپل دیکھی ہے میری؟" تنویر بھابی نے اپنے پاؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"خوبصورت ہے، آپ کے پاؤں میں تو واقعی جچ رہی ہے۔ کتنے کی خریدی؟" میں نے کہا اور تنویر بھابی ہنس پڑیں۔

"چلو سپریم کورٹ میں تمھاری طلبی ہوئی ہے۔"

"اتنی بے رحمی بھی کس کام کی۔ کم از کم حلوے کا صحیح لطف تو اٹھا لینے دیا ہوتا۔ اچانک ہی منہ میں کڑواہٹ گھل گئی ہے۔"

"گلی کر کے آجاؤ۔ الّو کے کمرے میں۔"

"خدا کی پناہ۔ کمرا اور وہ بھی الّو کا۔"

"میں جا رہی ہوں۔ الّو نے خود ہی مجھ سے کہا تھا کہ تمھیں بُلا لاؤں۔"

"تنویر بھابی! صورتِ حال کیسی ہے... میرا مطلب ہے کس کس کے ہاتھ میں کیا کیا ہے؟"

"دیکھے بغیر پتا نہیں چل سکے گا۔ اس لیے فوراً جاؤ۔" تنویر بھابی پلٹ کر دروازے سے باہر نکل گئیں اور میں غمناک نگاہوں سے لالہ رخ کو دیکھنے لگا۔

"میں نے بارہا تمھارا دل دُکھایا ہے لالہ رخ! چھوٹی بہن ہونے کی حیثیت سے تمھیں میرے ہاتھوں بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی ہیں لیکن یہ آخری وقت ہے۔ مجھے معاف کر دینا میری پیاری بہن! جو غلطیاں مجھ سے ہوئی ہیں، انھیں معاف کرنا، انھیں بھول جانا۔"

"پھر... پھر گڑبڑ کی آپ نے۔ مجھے ایسی باتوں پر غصہ آنے لگتا ہے۔"

"اوہ، تم نہیں جانتیں کہ اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہ طلبی سزائے موت سنانے کے لیے ہے۔ اس سے کم کوئی سزا نہیں دی جا سکتی مجھے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ آؤ مرنے سے پہلے یہ حلوے کی ڈش تو خالی کر دوں۔ جس کا مزہ تنویر بھابی کی آمد نے خراب

کردیا ہے۔" میں نے جلدی جلدی حلوہ کھایا۔ چائے پی۔ اس دوران لالہ رُخ مجھے گھورتی رہی تھی۔ پھر وہ بے چینی سے بولی۔

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ آج یہ قصّہ ختم ہو جائے گا۔"

"میری زندگی کے ساتھ ساتھ سارے قصّے ہی ختم ہو جائیں گے۔ اچھا، لالہ رُخ! اللہ حافظ۔"

"میں بھی چل رہی ہوں آپ کے ساتھ۔"

"افسوس ان لمحات میں تم میری کوئی مدد نہیں کر سکو گی۔" میں نے کہا اور لالہ رُخ نے میری بات نہیں مانی اور میرے ساتھ ساتھ ہی آئی جی صاحب کے کورٹ میں میرا مطلب ہے۔ خوابگاہ میں داخل ہو گئی۔

کمرۂ عدالت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ جج امجد حسین، بیرسٹر نصرت حسین، ایس پی طارق حسین معہ بیگمات، اماں بی اور ان سب پر حکمران جناب آئی جی صاحب۔ میں سہمے ہوئے قدموں سے اندر داخل ہو گیا۔ سرسری نگاہ ہر شخص کے چہرے پر اس خیال سے دوڑائی کہ یقیناً آنکھوں میں نفرت کی جھلکیاں، چہرے پر غصّے کے تاثرات پھیلے ہوں گے لیکن پتا نہیں بصارت کا دھوکا تھا یا ذہن ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اُن سب کے چہرے نارمل ہی نظر آ رہے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" آئی جی صاحب کی آواز اُبھری اور میں اس خالی نشست پر جا بیٹھا جو میرے لیے ہی ہو سکتی تھی۔ لالہ رخ ریٹائرڈ مہمان تھی لیکن کبھی کبھی ابّو حضور سے بے تکلّف ہو جاتی تھی۔ چنانچہ اس وقت اس نے حالات کا اندازہ مجھ سے بہتر لگایا اور آئی جی صاحب کے پاس جا بیٹھی۔ آئی جی صاحب چند لمحات خاموش رہے، پھر بولے۔

"وکیل فاروقی نے اس کیس میں کیا تمھاری مدد کی تھی؟ میں صرف سچ سننا پسند کروں گا۔"

"میں آج کل وکیل فاروقی صاحب کا نائب ہوں ابّو۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ اطلاع مجھے مل چکی ہے اور تمھارے انتخاب پر مجھے حیرت ہوئی ہے۔"

"کیوں ابّو؟" میں نے سوال کیا۔

"میں کسی شخص کو گھٹیا سمجھنے کا عادی نہیں ہوں۔ وکیل فاروقی پُرانے اور تجربہ کار وکیل ہیں لیکن میرے خیال میں ان کی وکالت کبھی نہیں چمکی۔ دراصل وکالت کا پیشہ صرف کتابوں کو پڑھ کر نہیں اپنایا جا سکتا بلکہ اس میں ذہانت اور ہوشیاری ایک لازمی حیثیت رکھتی ہے۔ ایل ایل بی کرنے کے بعد اگر ہر شخص خود کو وکیل سمجھ لے تو یہ مناسب بات نہیں ہے۔ چھوٹے موٹے معاملات میں کامیابی حاصل کر لینا یا پھر ضمانتیں وغیرہ کرا لینا، وکالت سے تعلق نہیں رکھتا اور وکیل فاروقی کے پُرانے ریکارڈ میں بھی کوئی ایسا کیس نہیں ہے، جس میں انھوں نے ذہانت کا مظاہرہ کیا ہو۔ جب کہ اس کیس کی جو تفصیلات نصرت حسین نے مجھے بتائی ہیں اور اب امجد حسین نے جن پوائنٹس کی تعریف کی ہے۔ وہ وکیل فاروقی کے بس کی بات نہیں ہو سکتی چنانچہ میرے سوال کا جواب تشنہ ہے۔"

"جی ابّو! میرے ذہن میں جو کچھ آیا۔ وہ میں نے وکیل فاروقی صاحب کو ضرور بتایا تھا اور ہم دونوں نے مل کر آپ کی اجازت سے راحیل کے کیس پر کام کیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا ابّو! کہ اگر راحیل بے گناہ ہے تو اس کی مدد کی جائے۔"

"گویا تم نے وکیل فاروقی صاحب کی مدد کی؟"

"میں اعتراف کرتا ہوں۔"

"لباس، چھُری، جائیداد کے کاغذات کی تفصیل اور جوتی کی تلاش اور اس کی دستیابی اور دوسری تمام چیزیں۔ کیا یہ تمام پوائنٹس تمھارے تھے؟"

"ہم دونوں کے تھے ابّو!"

"وکیل فاروقی کی بات مت کرو۔ میں ایک بار پھر کہنا چاہتا ہوں کہ میں ان کی توہین نہیں کر رہا لیکن وہ بزرگ جناب اس قدر ذہانت استعمال کر سکتے ہیں اور نہ اس طرح بھاگ دوڑ اُن کے بس کی بات ہے۔ چنانچہ سچ بولنے سے گریز مت کرو۔"

"جی ابّو! اس سلسلے کی تمام کارروائی میں نے ہی کی تھی۔"

"ہُوں۔" آئی جی صاحب نے بیرسٹر نصرت حسین کی طرف، جج امجد حسین کی طرف اور پھر ایس پی طارق حسین کی طرف دیکھا، اور پھر انھوں نے عقب میں ہاتھ ڈالا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اب ان کے عقب سے چمڑے کا ہنٹر، یا غصّے کی شدت ہوئی تو پستول برآمد ہو گا۔

لیکن جو کچھ برآمد ہوا تھا اُسے دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ پھولوں کا ہار تھا۔ ناقابلِ یقین بات تھی لیکن اب آنکھوں کی بینائی اس قدر کمزور بھی نہیں ہو گئی تھی کہ میں ان سرخ سرخ گلاب کے پھولوں کو نہ دیکھ سکتا، جن کی گوٹے کے تار گندھے ہوئے تھے۔

"تم خود ہی اُٹھ کر یہاں آ جاؤ میرے گھٹنوں میں درد ہے۔"

"جی، جی ابّو!" میں نے کہا اور اُٹھ کر ابّو کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر وہ ہار میرے گلے کی زینت بن گیا۔ بیرسٹر نصرت حسین نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر مجھے مبارک باد دی اور پھر بولے۔

"تم نے محسوس کیا ہو گا شارق کہ اطہر بیگ کے ساتھ میں نے بولنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں تمھاری کاوشوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ یہ کیس ہار کر مجھے خوشی ہوئی ہے۔"

"شکریہ بھائی جان! آپ کی اس فراخدلی کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔"

"میں بھی تمھیں مبارک باد دیتا ہوں شارق! کیونکہ اب تک یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک ناکارہ شخصیت کا اضافہ ہو گیا ہے تو یہ خیال تم نے غلط ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ میں ازراہِ غرور نہیں بلکہ فخر سے کہہ رہا ہوں کہ آشیانے کے رہنے والوں کو جینئس تصوّر کیا جاتا ہے اور کچھ لوگ دورانِ گفتگو یہ بات کرتے ہیں کہ یہ خاندان جینئس لوگوں کا خاندان ہے۔ بس تمھاری طرف سے فکر تھی لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے وقت میں تم بھی اپنے آپ کو جینئس کہلانے کا اہل ثابت کر دو گے اور مجھے امید ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔" ایس۔ پی طارق حسین نے بھی مجھے اسی انداز میں مبارک باد دی اور بولے۔

"لیکن وکیل کی حیثیت سے اگر تم بذاتِ خود یہ کیس لڑتے اور اس کی کامیابی تم سے منسوب ہوتی تو تمھیں مزید خوشی ہوتی۔"

"وکیل فاروقی صاحب عمر کی اس منزل میں ہیں ابّو! جہاں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ بات شاید آپ کے علم میں نہ ہو کہ اُن کا کوئی بیٹا بھی نہیں ہے۔ ممکن ہے میرے ساتھ رہ کر انھیں بھی کچھ سہارا مل جائے۔"

"کیا تمھارے اُن سے پہلے سے تعلقات تھے؟" نصرت حسین صاحب نے سوال کیا۔

"نہیں، بھائی جان! بس یہ کیس چونکہ وہ لڑ رہے تھے۔ اس لیے میں نے خود اُن سے ملاقات کی۔"

"ہُوں، ٹھیک ہے لیکن ایاز احمد بُری طرح پھنس گئے ہیں۔ مجھے ٹیلیفون کیا تھا انھوں نے اور خاص طور سے نصرت حسین کی شکایت کی تھی اور کہا تھا کہ انھوں نے اس کیس کو۔۔۔ جان بُوجھ کر خراب کیا ہے اور ان کی خاموشی ہی نے واقعات کو یہ رُخ دیا ہے۔ انھیں اطہر بیگ کی مدد کرنی چاہیے تھی۔ بہت برہمی کا اظہار کیا ہے اس نے، لیکن میں نے ایک بات کہہ کر سلسلہ ختم کر دیا۔ میں نے کہا کہ ایاز احمد اپنی ملازمت کے دوران جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا۔ میں نے کسی مجرم کی مدد نہیں کی۔ ہاں بے گناہوں کو اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی بنا پر رہا ضرور کرایا ہے لیکن کسی گناہ گار کو معاف کرانے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ اپنی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد میں یہ مجرمانہ کارروائی کیسے کر سکتا ہوں۔ ہم نے پیشکش بھی کی کہ اپنے بیٹے کا کیس اگر وہ چاہے تو نصرت حسین کو دے سکتا ہے۔ اس بات پر اس نے ہم لوگوں کو بُرا بھلا کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔"

"کیا شاہد ایاز گرفتار ہو گیا ہے؟ بھائی جان!" میں نے ایس۔ پی طارق سے پوچھا۔

"ہاں، اُسے فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا ہے اور اس وقت وہ لاک اپ میں ہے۔"

"بہرحال راحیل کے اہلِ خاندان کو اس بے گناہ انسان کی رہائی سے جس قدر مسرّتیں حاصل ہوئی ہیں۔ آپ لوگ انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو میرا خیال ہے، اس وقت یہاں بھی خوشیاں منائی جا رہی ہوتیں۔"

"اب یہ تمام باتیں تو ٹھیک ہیں لیکن میں تمھیں ایک اور حکم دینا چاہتا ہوں۔ یہ کسی طرح بھی قابلِ قبول نہیں ہے کہ تم وکیل فاروقی کے جونیئر کی حیثیت سے عدالت میں آؤ۔ نصرت حسین موجود ہیں۔ پہلے بھی انھوں نے تم سے انحراف نہیں کیا تھا اور آج بھی میں ان سے گفتگو کر چکا ہوں۔ چنانچہ تم انتہائی دیانتداری کے ساتھ بیرسٹر نصرت حسین کے ساتھ کام کرو گے۔" میں نے بے چینی لگا ہوں سے پہلے ابّو کو اور پھر نصرت حسین صاحب کو دیکھا۔ ان کے چہرے سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ صرف ابّو کے حکم کے سامنے خاموش ہو گئے ہیں۔ ورنہ شاید دل سے وہ مجھے اپنے ساتھ قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس مسئلے کو اسی وقت طے کرنے کے لیے میں نے کہا۔

"بھائی جان! کیا آپ نے ابّو کو نہیں بتایا کہ آپ کے آفس میں میرے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے چہرے پر مسرّتوں کے کتنے ہی خول چڑھا رکھے ہوں لیکن بہرحال ان کے اندر ایک شکست خوردہ شخص موجود تھا جو اس وقت اچانک نقاب اُتار کر سامنے آ گیا تھا۔

"ابّو کے سامنے یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں بھائی جان کہ میری اپنے ساتھ شمولیت کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیں۔ میں صرف سچ کا پجاری ہوں اور اگر آپ کے پاس کوئی بھی غلط کیس لایا گیا جس میں ایک گناہ گار کو بچانے کی کوشش کی جا رہی ہو تو میں اس کے خلاف ہی کام کروں گا۔"

"دیکھیے نا ابّو! میں نے یہ بات آپ سے عرض کی تھی۔ آپ قانون سے ناواقف نہیں ہیں۔ وکالت کے پیشے میں بعض اوقات ایسے معاملات بھی آ جاتے ہیں، جن کے لیے کام کرنا پڑتا ہے اور اگر

بازصاحب ہی کے کیس کا ذکر کیا جائے تو آپ خود بھی جانتے ہیں کہ شارق نے میرے کام میں مداخلت کی۔ وہ فائل پڑھ لیے جو میں نے اس کیس کے لیے تیار کیے تھے اس طرح کچھ راز میرے دفتر سے باہر بھی نکل گئے۔ جن سے وکیل فاروقی نے فائدہ اُٹھایا۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے ابو کہ آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"مگر شارق کہتا ہے ... میں درست ہوں گے۔ وہ ان میں تعاون کرے گا۔"

"ابو! شارق اس طرح کبھی ایک اچھا اور کامیاب وکیل نہیں بن سکتا۔ ہر پیشے کے کچھ ایسے اصول ہوتے ہیں ابو! جو بعض اوقات ذہن کو گراں گزرتے ہیں۔ تجارت کو لے لیجیے، سیاست کو لے لیجیے، زندگی کے کسی شعبے سے اگر آپ کسی نیک ترین آدمی کے حالات زندگی دیکھیں گے تو آپ کو اس میں بھی کچھ ایسے سقم ضرور نظر آئیں گے جنھیں بعض اوقات اس کے ضمیر نے نہیں قبول کیا ہوگا لیکن بہر طور انھیں برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ وکالت کے شعبے میں یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے اور اس میں ہمیں صرف حقائق کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اُن کی گہرائیوں میں اُترنا بعض اوقات کسی وکیل کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ پولیس کی تفتیشی رپورٹ اور شواہد اور ثبوت ہی کسی شخص کو مجرم یا بیگناہ ثابت کرتے ہیں۔ راحیل کے مسئلے کو میں اپنی انا پر کوئی ٹھیس نہیں سمجھتا کیونکہ اس کی کاوشوں سے ایک بے گناہ انسان کی زندگی بچی ہے لیکن ذرا غور فرمایئے، میرے پاس کوئی کیس آتا ہے تو میں اس کی تفتیش کرنے میں مصروف ہو جاؤں گا یا حالات و شواہد کی بنا پر کیس لڑ دوں گا۔ شارق کی سوچ کو میں غلط نہیں کہتا لیکن یہ وکالت کے پیشے کے منافی ہے۔"

"شارق تم سے ہر ممکن تعاون کرے گا نصرت! تم خود سوچو، تمھارے پاس رہ کر یہ ..."

"نہیں ابو! ویری سوری، میں شاید اسے برداشت نہیں کرسکوں گا۔ آپ مجھے اس کے لیے مجبور نہیں کیجیے گا۔"

"ہُوں، کیوں شارق؟ تم کوئی لچک نکال سکتے ہو؟"

"میں بھائی جان کے دفتر میں چپراسی کی حیثیت سے ملازمت کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن یہ بات آخری ہے کہ اگر کسی بے گناہ یا گناہ گار ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی تو میں بھول جاؤں گا کہ میری ڈیوٹی کیا ہے، ویسے بھائی جان! آپ سے ایسی ایک بات قبل از وقت کہنا چاہتا ہوں جو کہنا جائز نہیں ہے لیکن کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں صرف وکالت کروں گا اور اس پیشے کو اس کے معنی کے طور پر استعمال کروں گا۔ درحقیقت میں اس قسم کا وکیل بننا چاہتا ہوں جو صرف حقیقتوں کو منظرِ عام پر لا سکے۔ خواہ اس کے لیے آشیانے میں سر چھپانے کی ممانعت ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑے۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمھارے سلسلے میں ابھی غور کیا جائے گا۔ ویسے طارق اگر تم اسے پولیس کی ملازمت میں کوئی جگہ دلوا دو تو کیا حرج ہے۔"

"ابو! اس سلسلے میں آپ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، ہم لوگ غور کریں گے اور اس کے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔ نعمان! نہیں آیا شارق کئی دن سے۔ کیا بات ہے؟" ابو نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

میری نگاہیں بے اختیار لالہ رخ کی جانب اُٹھ گئیں ... وہ بے چاری سہمی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ میں نے اس کیس کو بھی ختم کرنے کے بارے میں سوچا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

"ابو! شاہد ایاز سے میری پہلی ملاقات نعمان کی پارٹی ہی میں ہوئی تھی۔ اس نے میرا شاہد ایاز سے تعارف کرایا تھا اور شاہد ایاز کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ایک اوباش اور آوارہ منش ہے۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ اسی آوارگی کی بنیاد پر نعمان سے اس کی دوستی ہوئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" آئی جی صاحب بُری طرح چونک پڑے۔

"نعمان کے کردار کی تفتیش کرنے سے پتا چلا کہ اس کی شخصیت میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں۔ یورپ کی مسموم فضاؤں سے محفوظ رہنا بے حد مشکل کام ہے ابو! چند ہی لوگ ہوتے ہیں جو اس زہر سے بچ سکیں۔ میں نعمان کو پاکباز سمجھا تھا لیکن اب جب اس کی اصلیت سامنے آئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میری بہن کے قابل نہیں ہے۔"

"اوہ، ویسے تم سے غلطی نہیں ہوئی شارق! اگر یہ بات ہمارے گھر سے نکل جاتی تو۔"

"ہاں ابو! غلطی ہوئی ہے اور میں اس کا اعتراف آج ہی کرنے والا تھا۔"

"تو پھر لعنت بھیجو میاں اُس پر۔ آیندہ وہ اِس گھر کا رُخ بھی نہ کرے۔"

"میں نے تو اُسی وقت اُس پر لعنت بھیج دی تھی ابو! جب مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ وہ شاہد ایاز جیسے قاتل اور مجرم کا دوست ہے۔"

"بس بھی ختم کرو اس تذکرے کو۔ خدا کا شکر ہے کہ بات آگے نہیں بڑھی تھی۔" آئی جی صاحب نے کہا اور میں نے ایک دفعہ پھر دزدیدہ نگاہوں سے لالہ رُخ کو دیکھا۔ اُس کے چہرے کے مُرجھائے خطوط پھول بن کر کھل اُٹھے تھے۔

ابو نے امّی کو روک لیا اور نشست برخاست ہوگئی۔ باقی لوگ ایک ایک کرکے نکلنے لگے۔ تنویر بھابی کا چہرہ کسی قدر سُرخ ہوگیا تھا۔ غالباً اس کی وجہ بیرسٹر نصرت حسین اور میرے درمیان ہونے والا ہلکا سا اختلاف تھا لیکن بیرسٹر صاحب نے اس وقت مکمل طور پر بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔ باہر نکل کر انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں اُن کے کمرے میں آؤں اور پھر ہم تینوں یعنی میں، تنویر بھابی اور نصرت حسین صاحب اس کمرے میں داخل ہوگئے، جو بیرسٹر صاحب کی خوابگاہ تھی۔

"ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے وہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ میں خلوصِ دل اور خوشی کے ساتھ تمھیں اپنے دفتر میں خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہوں لیکن نظریاتی اختلاف بدستور قائم رہے گا۔ وقت میں کچھ تبدیلیاں ہوئی ہیں شارق! جو کام بعض اوقات ہم لوگ اپنے ضمیر کے تقاضے سے متاثر ہوکر نہیں کر پاتے، وہ لوگ کر ڈالتے ہیں۔ کوئی بھی اُن پر اُنگلی نہیں اُٹھاتا اور وہ باعزت لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی بے گناہ کے بارے میں مؤثر ثبوت نہ ہو تو تم اُسے بے گناہ ثابت نہیں کرسکتے اور اگر وہ کیس تم نہیں لیتے تو کوئی دوسرا قابل وکیل اُسے لے لے گا۔ اور پھر وہ، وہ سب کچھ کرے گا جو ایک وکیل کو کرنا چاہیے۔ ایسے حالات میں تم کیا کروگے؟ فرض کرو، اگر میں تمھیں یہ اجازت دے دیتا ہوں کہ تم حق کی تلاش میں سرگرداں ہو جاؤ تو تم محکمۂ جاسوسی قائم کروگے یا وکالت کروگے؟ کبھی پولیس کی تفتیش یہ ثابت کر دیتی ہے کہ فلاں شخص نے فلاں جرم کیا ہے اور ثبوت اس کے خلاف ہوتے ہیں پھر تم اُن کے مخالف ثبوت کہاں تلاش کروگے؟"

"بھائی جان! آپ کے سامنے میں طفلِ مکتب ہوں۔ آپ بیرسٹر ہیں، اسپیشلسٹ ہیں قانون کے، لیکن میں صرف ایک لفظ کی تشریح چاہتا ہوں۔ وکالت کیسے کی جاتی ہے، کسی بھی شخص کی سچائیوں کا گواہ بن جانا اور حقیقت کو واضح کر دینا۔ یہ ایک پیشہ ضرور ہے بھائی جان، لیکن جس طرح کسی ڈاکٹر پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام مسرتوں کو ترک کرکے اپنی تمام خواہشات کے برعکس کسی دکھی انسان کو، کسی بیمار کو، کسی زخمی کو اپنی کاوشوں سے صحت دے اور اسی بات کی وکالت بھی متقاضی ہے۔ بلاشبہ ایک وکیل محکمۂ جاسوسی نہیں قائم کرسکتا لیکن اگر کچھ حقائق اس کے علم میں آجائیں تو پھر اپنے پیشے سے الگ ہٹ کر اس پر کسی انسانی زندگی کو بچانے کا فرض سب سے پہلے عائد ہوتا ہے۔ بھائی جان، میں یہی سب کچھ کروں گا،

"چاہے اس کے لیے مجھے فاقے کیوں نہ کرنے پڑیں۔ دیکھ لیجیے گا، آنے والا وقت میرے ان الفاظ کی تائید کرے گا۔"

"بھئی، ہم تو تمھاری کامیابی کے لیے دُعاگو ہیں۔ اگر وکالت کے ساتھ ساتھ تم محکمۂ جاسوسی بھی قائم رکھنا چاہتے ہو تو یہ صرف ایک ندرت ہوگی بلکہ جدّت ہوگی۔ وکالت کے پیشے میں جہاں تک قانونی معاملات کا تعلق ہے۔ اگر تمھیں کبھی میری مدد کی ضرورت پڑے تو اپنے بھائی کے پاس آجانا۔"

"یہ الفاظ آپ کی طرف سے میرے لیے اتنا بڑا انعام ہیں بھائی جان، جسے پاکر میں زندگی کی ایک عجیب سی لذّت سے دوچار ہورہا ہوں، بہت بہت شکریہ۔" میں نے گردن خم کرکے کہا۔ تنویر بھابی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ بیرسٹر صاحب نے محبت سے میرا شانہ تھپتھپایا اور بولے۔

"راحیل کیس میں تمھاری محنت، مجھے فخر کا احساس دلا رہی ہے اور درحقیقت یہ ہار تمھاری گردن میں سجتا ہے۔"

"بھابی، آپ نے دیکھا کہ بھیّا میری ہار سے کس قدر خوش ہیں۔"

"میری نہیں، میرے ہار سے کہو۔ میں جذباتی ہورہا ہوں اس وقت۔" نصرت حسین صاحب نے کہا اور میں آہستہ سے بولا۔

"بھیّا! آپ کی دُعائیں مجھے درکار ہوں گی۔ آئیے تنویر بھابی، مجھے ذرا باہر تک چھوڑ دیجیے۔" تنویر بھابی نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"یہ نعمان کے بارے میں تم نے سچ کہا تھا؟"

"راز کی بات بتاؤں بھابی؟" میں نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا راز کی بات ہے؟"

"نعمان کے بارے میں تو مجھے روزِ اوّل ہی سے معلوم تھا۔ یہ دراصل ان الفاظ کا قرض تھا، جو لالہ رُخ نے میرے اکاؤنٹ کے بارے میں کہے تھے۔ میں نے بھی اُسے اتنے دن تک سُولی پر لٹکائے رکھا ہے۔"

"خدا تمھیں غارت کردے۔" تنویر بھابی نے کہا۔

"رو دُگی سر پکڑ کر، اگر ایسا ہوگیا۔"

"کیسا؟" انھوں نے تعجب بھرے انداز میں کہا۔

"اگر میں غارت ہوگیا تو تنویر بھابی!"

"ارے توبہ، آگ لگے میری زبان کو۔ یہ جملہ بس زبان پر چڑھ گیا ہے۔ خدا تمھیں میری عمر بھی دے دے۔ بس اب جاؤ ورنہ میں رو پڑوں گی۔" انھوں نے کہا۔ آخری جملہ ادا کرتے ہوئے تنویر بھابی کی آواز رندھ سی گئی تھی۔

"دیکھا میرا کمال! اس کے بعد بھی آپ لوگ مجھے الفاظ کا جادوگر تسلیم نہیں کریں۔ اللہ حافظ۔" میں نے کہا اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

***

یہ رات اتنی خوفناک تو نہ تھی جتنی میں نے سمجھی تھی۔ آشیانے میں پہلی بار حقیقتوں کو تسلیم کیا گیا تھا اور تھرِ درویش الٰہ جان بھی اپنی عادتوں کے برعکس کچھ بدل سے گئے تھے۔ لالہ رُخ کا مسئلہ بھی میں نے لگے ہاتھوں حل کردیا تھا۔ اس سے زیادہ اُسے پریشان کرنا بہتر نہیں تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت تھی کہ میرے ذہن میں جو کچھ بھی تھا، گھر والوں کو تو اس بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ بات گھر سے نکل جائے تو پھر خراب ہوجاتی ہے۔ رات بڑی پُرسکون گزری۔ دوسری صبح اُستاد کی خدمت میں حاضری تھی، چنانچہ دست بستہ پہنچ گیا۔ اُستاد حسبِ معمول حقّے کے کش لگا رہے تھے۔ زور کیا اور اس کے بعد بائیک پر بیٹھ کر وکیل فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ وکیل فاروقی صاحب جیسے میری دستک ہی کے منتظر ہوں۔ دروازہ کھولا اور بے اختیار مجھے سینے سے لپٹا لیا۔

"کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے؟"

"ہاں۔ بہت بڑی غلطی، چلو اندر آؤ۔" انھوں نے کہا اور میں اندر پہنچ گیا۔

"ناشتا یقیناً نہیں کرکے آئے ہو گے؟"

"آپ کو کیسے معلوم؟"

"بھئی اب اتنا تو حق دے دو ہمیں، کہ تمھارے بارے میں تھوڑی بہت معلومات رکھیں۔" بیگم فاروقی بھی آگئیں۔ محبتوں کے ڈونگرے برس رہے تھے۔ فاروقی صاحب کے انداز میں ایک عجیب سی سرشاری پائی جاتی تھی۔ بولتے بولتے ان کی آواز رندھ جاتی تھی۔ بیگم فاروقی کہنے لگیں۔

"ساری رات جو ایک پل سوئے ہوں۔ مجھے بھی جگائے رکھا۔ بس کل کا مقدمہ جیت جانے کی خوشی میں پاگل ہوگئے ہیں۔ اس سے پہلے تو ایسے نہیں تھے۔"

"کسی شخص کا عروج اور پھر زوال ہوجائے اور اس کے بعد اس کو ایک بار پھر عروج ملے تو تم اس کی مسرّتوں کا صحیح تجزیہ نہیں کرسکتیں بیگم، لیکن یہ تمام کامیابی جس کی رہینِ منّت ہے۔ افسوس میرا اُس سے کوئی رشتہ نہیں۔"

"سُنا آپ نے چچی جان! توڑ لیے سارے رشتے۔"

"یہ تو مر کر بھی نہیں توڑ سکتے تم سے رشتے شارق۔ کہہ رہے تھے کہ اگر خدا انھیں شارق دے دیتا تو شاید وہ فرطِ مسرّت سے مر ہی جاتے۔"

"کفر نہ بولیں فاروقی صاحب! خدا نے شارق آپ کو دے دیا ہے۔ اور کس رنگ میں چاہتے ہیں اُسے۔"

"ہاں بیٹے، کمزور ہوگیا ہوں نا، اس لیے جذباتیت برداشت نہیں کرپاتا۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو، تم سُناؤ تم پر کیا بیتی؟"

"حیرت انگیز۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟" فاروقی صاحب دلچسپی سے بولے اور میں نے انھیں گھر کی پوری کہانی سُنادی۔

"خیر مجھے اس کہانی پر حیرت نہیں ہوئی۔ تم اسے خوشامد تصوّر نہ کرنا۔ آئی جی اپنے عہدے کے دور میں منفرد انسان رہے ہیں اور اُن کے نام کے ساتھ کبھی کوئی اسکینڈل وابستہ نہیں رہا اور تم سب اُن ہی کی اولاد ہو۔ خداوندِ عالم تمھیں ثابت قدم رکھے، نیک جذبے بہت اچھی چیز ہوتے ہیں بیٹے! لیکن زمانے کو کیا کیا جائے خوش حالی ان ہی راستوں سے آتی ہے جو ضمیر میں سوراخ کرتے ہوئے گزرتے ہیں اور پھر یہ سوراخ اتنا کشادہ ہوتا جاتا ہے کہ اس کا احساس ہی نہیں رہتا اور یہ راستے ایک عام گزرگاہ محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس تم نے جو کچھ سوچا ہے اس میں دشواریاں ہی دشواریاں ہیں تمھارے لیے۔ نوجوان ہو جذبات کی منزل سے نکلوگے تو نہ جانے کیا بن جاؤ۔ خوشیاں ضرور پوری کرلو۔ ممکن ہے کوئی نیکی قدرت کو تمھارے دل کی طرف مائل کردے اور تمھیں اسی کے عوض خوشحالی بھی مل جائے، ویسے آج کا کیا پروگرام ہے؟"

"آپ کا کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔"

"ہاں، ایک ضمانت ہے۔ کئی دن پہلے مجھ سے بات ہوئی تھی اور میں نے منظور کرلیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص کیس نہیں ہے، چلو گے؟"

"ہاں، آپ کا جونیئر آپ کے ساتھ نہیں جائے گا۔ تو پھر کیا کرے گا۔"

"میں ان الفاظ پر بعض اوقات شرمندگی بھی محسوس کرتا ہوں۔ تم میرے جونیئر ہو لیکن یہ کیس سو فیصد تمھارا ہے، جو میں نے جیتا۔"

"ہم نے کوئی کیس نہیں جیتا فاروقی صاحب! خدا نے ہمیں سچائیاں منکشف کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی، جو ہم نے پوری کی ہے۔"

***

ہم کورٹ کی جانب چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد بار روم میں داخل ہوگئے۔ ایک گوشے سے آواز آئی۔

"لیجیے دُلھا میاں آگئے۔" فاروقی صاحب نے گردن اُٹھا کر دیکھا تو اُن کے چند وکیل ساتھی ان کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ ان میں کچھ لوگ میرے شناسا بھی تھے۔ جو مجھے نصرت حسین کے بھائی کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے۔ انھی لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

"واہ فاروقی صاحب، واہ، تجربے کی مار ماری ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میرے خیال میں آپ نے ایک بار پھر اپنی ساکھ بنالی ہے۔"

"نصرت حسین صاحب تو بیٹھے زخم چاٹ رہے ہوں گے۔" ایک صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"زخم نصرت حسین کے نہیں لگے بلکہ اس شخص کے لگے تھے، جو جھوٹ بولنے پر آمادہ تھا اور کسی بے گناہ کی زندگی ختم کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن فاروقی صاحب! کیا غضب ڈھایا ہے آپ نے؟ یہ ترکش کا کون سا تیر تھا جو آپ نے بچا کر رکھا تھا؟"

"سیال دیکھو، یہ پیشہ مقدس ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں بُرائی خود شامل نہ کی گئی ہو۔ نصرت حسین سچے وکیل ہیں۔ تم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا کہ اس کیس میں اگر کاغذی طور پر انھوں نے اطہر بیگ کی کوئی مدد کی ہو تو کی ہو لیکن خود انھوں نے کوئی سوال نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حقیقتوں کو سمجھ چکے تھے۔"

"اب بہت زیادہ اعلیٰ ظرفی کا ثبوت نہ دیں فاروقی صاحب، بہرطور آپ نے اس وقت ایک تیر مارا ہے۔"

"اس تیر کے بھائی سے ملو۔ یہ شارق حسین ہیں، بیرسٹر نصرت حسین کے چھوٹے بھائی۔" فاروقی صاحب نے کہا اور جو لوگ نصرت حسین صاحب کا مذاق اُڑانے پر تُلے ہوئے تھے، ایک دم جھینپ سے گئے۔

"اوہو، شارق صاحب، دیکھیے نا آپ..."

"جی، میں فاروقی صاحب کا جونیئر ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کمال ہے، آپ سے پہلے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔" سب کا رویّہ تبدیل ہوگیا۔ اب وہ نصرت حسین صاحب کے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔

اُن سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ضمانت کے کاغذات تیار کیے گئے۔ وہ مؤکل بھی پہنچ گیا، جسے اپنے بھائی کی ضمانت کرانی تھی۔ جیل سے ابھی ملزم کو نہیں لایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ جج یوسف صفر صاحب بھی ابھی نہیں پہنچے تھے۔ اُن ہی کی عدالت میں یہ کاغذاتِ ضمانت داخل کرنے تھے۔ عدل گاہ کا ماحول جوں کا توں تھا۔ ہراساں اور خوف و تشویش میں ڈوبے ہوئے چہرے اِدھر سے اُدھر دوڑتے

ہوئے کالے کوٹ والے وکیل اُن کی تلاش میں سرگرداں لگا ہیں، امید و بیم لیے چہرے، خشک ہونٹوں پر پپڑی جمی ہوئی اور آنکھوں سے یاسیت ٹپکتی ہوئی تھی۔ ایسے اوباش جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں لیکن چہروں پہ بے حیائی کی پھٹکار برس رہی تھی، جیسے وہ عدالت میں نہ لائے گئے ہوں بلکہ اپنی مملکت میں آئے ہوں۔ اپنے قانونی فرض کی ادائیگی کی بجائے اُن کی خوشامدوں میں مصروف اُن کے نگران سپاہی غرض ہر طرف ایک نئی دنیا آباد۔ میں اس انوکھی دُنیا کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے ایک ملزم کو دیکھا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پیروں میں بیڑیاں تھیں لیکن اس کی شکل وصورت کچھ اس طرح کی محسوس ہوئی کہ میری نگاہیں اس پر جم گئیں۔ اس کی صورت میں ایک اور راحیل نظر آرہا تھا اور یہ کیفیت غیر فطری نہیں تھی۔ حالات کی بے رحم چکی کسے کس انداز میں پیستی ہے اس کا اندازہ مجھے آہستہ آہستہ ہو رہا تھا۔ ملزم کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے نظر آرہے تھے۔ چہرہ انتہائی معصوم اور سنجیدہ تھا۔ پیروں میں پڑی ہوئی بیڑیاں اس بات کا احساس دلاتی تھیں کہ وہ کسی خطرناک جرم میں ملوث ہے لیکن میں زیادہ دیر اس کا تجزیہ نہیں کرسکا کیونکہ جج یوسف اصغر صاحب کمرۂ عدالت میں آگئے تھے۔ وکیل فاروقی صاحب نے میرے شانے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔

"آؤ، فوری طور پر ہم ضمانت کے کاغذات داخل کردیں کیونکہ اس کے بعد ایک قتل کے مقدمے کی سماعت ہونی ہے۔ پھر وقت نہ مل سکے گا۔"

"کیا آپ کا مؤکل آگیا؟"

"آنے ہی والا ہوگا۔ اس وقت تک پیشکار سے ذرا بات کرلیں۔" میں فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ انھوں نے کاغذات ضمانت پیشکار کو پیش کیے اور پھر انھوں نے مجھ سے کہا۔

"تم یہاں رُکو۔ میں ذرا باہر مؤکل کو دیکھ آؤں لیکن انھیں کمرۂ عدالت سے باہر جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اُن کا مؤکل آگیا تھا۔ ضمانت کے کاغذات منظور کرلیے گئے اور جج صاحب نے ضمانت لے لی۔ وکیل فاروقی صاحب کا کام چند ہی منٹ کا تھا جو آسانی سے ہوگیا اور وہ باہر جانے لگے تو میں نے آہستہ سے کہا۔

"کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے اس وقت۔"

"نہیں، کیوں؟ کوئی کام ہے؟" وکیل فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"میں ذرا اس قتل کے مقدمے کی سماعت سننا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں تو پھر بیٹھ جاؤ۔ میں بار روم میں ہوں۔ ممکن ہے کوئی کیس ہی آجائے۔"

"شکریہ۔ اس سماعت کی تکمیل کے بعد میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

اُسی وقت اس نوجوان کو کمرۂ عدالت میں پیش کردیا گیا، اور سماعت کا آغاز ہو گیا۔ بہت سے لوگ کمرۂ عدالت میں آگئے تھے۔ سرکاری وکیل نے آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"جنابِ عالی! ملزم احسان تائب کا چالان پچھلی بار کی پیشی میں پولیس نے پیش کردیا تھا اور اس کے بعد یہ پہلی سماعت ہے۔ ملزم نے قتل جیسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا ہے اور پولیس کے سامنے اس قتل کا اعتراف بھی کرلیا ہے۔ مقتول فرہاد احمد ایک چھوٹی سی فرم کے مالک تھے اور ملزم پر اُن کے بے شمار احسانات تھے لیکن اس ناسپاس شخص نے ان احسانات کے عوض فرہاد احمد کو بے دردی سے ہلاک کردیا۔ انھیں اُن کے دفتر میں گردن میں خنجر مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ خنجر کے دستے پر ملزم کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ احسان تائب ولد مقصود حسین نے پولیس کے سامنے اعترافِ جرم کیا ہے۔ اس کے عوامل ملزم کے عدالت میں بیان کی روشنی میں سامنے آئیں گے۔ ایک ایسے شخص کو جو احسانات کے عوض زندگی چھین لیتا ہے، معاشرے کا بدترین فرد کہا جاسکتا ہے اور معاشرے کو ایسے ناسپاس انسانوں کو نجات دلانے کے لیے میری عدالت سے درخواست ہے کہ ملزم کو بدترین سزا دی جائے۔ تاکہ ایسے گھناؤنے کردار فروغ نہ پاسکیں۔"

☆☆☆

جج صاحب نے سامنے رکھے ہوئے فائل سے نگاہیں ہٹائیں اور کٹہرے میں کھڑے ہوئے خوبصورت نوجوان کو دیکھا جسے عدالت میں پیش کرنے سے قبل ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے آزاد کردیا گیا تھا۔ پھر انھوں نے مجمع پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ملزم کا وکیلِ صفائی؟" کسی طرف سے کوئی آواز نہ اُبھری تو جج صاحب نے اس بار ملزم احسان تائب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تمھارا کوئی وکیلِ صفائی ہے؟"

"نہیں جج صاحب! ہم خود ہی اپنی صفائی پیش کرلیں گے۔ اپنی غلاظتوں کو خود سمیٹنا اچھا ہوتا ہے۔" احسان تائب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، آپ کارروائی شروع کریں۔" سرکاری وکیل کٹہرے کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنے مخصوص کاروباری انداز میں احسان تائب

[illegible] کھتے ہوئے کہا۔

"احسان تائب! سب سے پہلے تو تم اپنے تائب ہونے کی وضاحت کرو۔"

"آپ بھی شاعر معلوم ہوتے ہیں وکیل صاحب! تائب میرا تخلص ہے یا پھر یوں کہیے کہ وہ حقیقت جو زندگی سے روشناس ہونے کے بعد میں نے اپنالی۔ میں اپنی اس چھبیس سالہ بے کار اور بے مقصد زندگی سے تائب ہوچکا ہوں۔ اسی لیے میں نے اپنے تخلص میں تائب پسند کیا ہے۔" کمرۂ عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ پھر سرکاری وکیل نے کہا۔

"تم بے روزگار ہو؟"

"پیدائشی۔" تائب نے جواب دیا اور لوگ پھر مسکرا دیے۔

"تعلیم کہاں تک ہے؟"

"اس دُنیا سے شناسائی تک۔" ملزم نے جواب دیا۔

"بے روزگاری کے دوران تم کیا کرتے رہے ہو؟"

"شاعری۔ اور میرے خیال میں ہر بے روزگار نوجوان کے لیے یہ ایک بہترین مشغلہ ہے۔ کسی بھی شعر کو مکمل کرنے کے لیے بیٹھ جاؤ، دُنیا کے مسائل کا احساس ہی نہیں رہتا۔ شعر عرض ہے

اسی لیے تو ہوا رو پڑی درختوں میں
ابھی میں کھل نہ سکا تھا کہ رُت بدلنے لگی

ایک بار پھر ہونٹوں پہ مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ وکیلِ صفائی نے جھنجلا کر کہا۔

"تم نے فرہاد احمد کو کیوں قتل کیا؟"

"مشکل میں تھا بے چارہ۔ عشقِ شیریں میں تو جان سے جا ہی چکا تھا۔ ہم نے سوچا کہ کہاں تیشہ گردی کرتا رہے گا۔ چٹانوں سے سر ٹکراتا پھرے گا۔ سو ہم نے اُسے زندگی کے بوجھ سے آزاد کردیا۔ یہ ایک اضافی ہمدردی کا مسئلہ تھا۔" اس نے جواب دیا اور عدالت میں قہقہہ گونج اٹھا۔ جج صاحب نے ہتھوڑی میز پر بجاتے ہوئے کہا۔

"عدالت کے وقار کا خیال رکھا جائے۔"

"وہ بڑا احترام کیا ہے اس زمانے کا جج صاحب! کس کی مرضی سے جیتے ہیں اور اب جب موت کی جانب گامزن ہیں تو تھوڑی دیر ہنسنے ہنسانے کا موقع دے دیں تو کیا حرج ہے؟ آپ ہمیں اپنی نوکِ قلم سے پھانسی دے ہی دیں گے۔ چند روز تو اپنی مرضی سے جی لینے دیں۔ جب کہ اس سے قبل جینے کے لیے ہم نے دوسروں کی مرضی پر انحصار کیا ہے۔ اب تو یہ کیفیت ہے کہ

[illegible] چکے ہیں میرے سینے میں محبت کے کنول
اب تیرے حسنِ پشیماں سے مجھے کیا لینا

اس بار عدالت میں قہقہہ نہیں اُبھر سکا تھا۔ لوگ غالباً اس کی کیفیت سے متاثر ہو رہے تھے۔ میری پتھرائی ہوئی نگاہیں احسان تائب کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا ایک ایک رُوآں چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ کرب کا شکار یہ شخص زمانے کی سنگلاخ زمین پر لوٹ رہا ہے۔ موت کے آرزومند ایسے نہیں ہوتے۔ زندگی کی آگ اتنا جھلسا دیتی ہے انھیں کہ موت کی پُرسکون آغوش انھیں سب سے حسین لگتی ہے۔ میری آنکھوں میں نمی پیدا ہوتی جارہی تھی۔ وکیلِ صفائی نے ایک بار پھر جھلائے انداز میں کہا۔

"جنابِ عالی! مقتول فرہاد احمد پر اس کے احسان کے صلے میں موت نازل کی گئی اور یہ شخص اس کا قاتل ہے۔ جس کا یہ عدالت میں بھی اعتراف کررہا ہے۔ خانہ پوری کے لیے میں اس کا بیان آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ورنہ یہ کیس سیدھا سادا ہے۔"

"وجۂ قتل کیا ہے؟" جج صاحب نے سوال کیا۔

"جنابِ عالی! پولیس کی تفتیشی رپورٹ کے مطابق ملزم احسان کی بہن فریال حسین، فرہاد احمد مرحوم کے دفتر میں اُن کے سیکریٹری کی حیثیت سے کام کررہی تھی۔ فرہاد احمد شادی شدہ تھے اور اُن کی بیگم ثمینہ فرہاد اُن پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتی ہیں۔ فرہاد احمد ایک خدا ترس انسان تھے.... جو [illegible] ہونے کے باوجود ان کے دل میں انسانیت کی ہمدردی تھی اور اسی انسانی ہمدردی کی بنیاد پر انھوں نے اس خاندان پر احسانات کیے۔ اُن کی وہ تمام چھوٹی موٹی ضروریات پوری کرتے رہے جو اُن کی نگاہ میں آئیں لیکن اس کے بدلے احسان تائب نے اُن سے زیادہ سے زیادہ رقم کی وصولیابی شروع کردی اور ہر شخص کو بالآخر یہ احساس ہوجاتا ہے کہ جن لوگوں سے وہ مخلص ہوئے ہیں۔ ان میں لالچ اور شیطنت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ وہ ان کی شرافت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ملزم احسان تائب اپنی بہن کے عوض فرہاد احمد سے مزید رقم اینٹھنا چاہتا تھا لیکن فرہاد احمد صرف اتنا ہی کرسکتے تھے۔ جتنا وہ کررہے تھے۔ جب انھوں نے ملزم کو مزید رقم دینے سے منع کردیا تو ملزم نے انھیں دھمکیاں دینا شروع کردیں اور بالآخر انھیں قتل کردیا۔"

"کیا تم اس حقیقت سے انکار کرتے ہو؟" جج صاحب نے احسان تائب کی طرف دیکھا۔ اب اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ اس نے وکیلِ صفائی کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔

"وکیل صاحب! آپ ایک قاتل کو اس کے قتل کی سزا دلانا چاہتے ہیں نا۔ آپ کی آسانی کے لیے میں نے تو اعترافِ جرم میں کوئی کسر نہیں

چھوڑی اور میرا خیال ہے۔ قاتل عدالت کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر کے میں نے آپ کے راستے کی ہر دیوار دُور کر دی ہے۔ اس کے بعد آپ کا رُخ میری بہن کی جانب کیوں ہو رہا ہے۔ آپ کی کوئی بہن ہے وکیل صاحب؟"

"کیا مطلب؟" وکیلِ صفائی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میری دُعا ہے کہ خدا آپ کے گناہ کو اس پر مسلط نہ کرے۔ بہنوں کے سروں سے چادر اُتارنا اچھی بات نہیں ہے۔ وہ آپ کی عدالت میں نہیں موجود۔ آپ کو اُس سے کوئی ذاتی رنجش بھی نہیں ہے۔ پھر اس کے سفید چہرے کو کیوں داغدار کرنا چاہتے ہیں آپ؟ جج صاحب! میرا سوال ہے آپ سے، کیا بہنوں کی چادریں اُتارنا قانون کے لیے ضروری ہیں۔ کیا اس قتل کا تعلق اُس سے ظاہر کر کے وکیلِ سرکار کو کوئی روحانی خوشی ہو گی؟ میں نے اعتراف کیا ہے کہ میں نے قتل کیا ہے، اس کی وجہ کچھ بھی ہو۔ اس پر لعنت بھیجیے۔ وجہ تو اس وقت تلاش کی جاتی ہے۔ جب قاتل منحرف ہو۔ میری گردن حاضر ہے۔ جب چاہیں رسّی کے پھندے میں باندھ کر لٹکا دیں کہ میں اِسی قابل ہوں۔ قتلِ انسانیت سے زیادہ وحشتناک جرم اور کوئی نہیں ہے۔ خدائے بزرگ و برتر نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو میں نے پیدا کیا۔ تمھیں کوئی حق نہیں ہے کہ اس سے زندگی چھیننے کی کوشش کرو۔ قتل کو بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور میں اس بدترین گناہ کا مرتکب ہوا ہوں اور اس کی سزا چاہتا ہوں۔ بات ختم ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کی عدالت میں انصاف کا کوئی حصّہ ہے اور آپ انسانی اقدار کو تسلیم کرتے ہیں تو وکیلِ سرکار کی زبان بند کر دیجیے۔ اُن سے کہیے کہ قاتل موجود ہے اور سزا کے لیے آپ کے ہاتھ میں قلم بھی موجود ہے۔ اُس کے اُوپر یا کچھ معصوم لوگوں پر کیچڑ نہ اُچھالی جائے۔ جنھوں نے کوئی جرم نہیں کیا، جنھوں نے وکیلِ سرکار کا کچھ نہیں بگاڑا۔ میرا مسئلہ بالکل مختلف ہے جج صاحب! میں زندگی کی بازی ہار رہا ہوں اور اس کی وجوہات میرے سینے میں پوشیدہ ہیں۔ انھیں پوشیدہ رہنے دیجیے۔ ہم نے تو فیصلہ کیا ہے کہ ؎

کانٹوں سے دل لگاؤ جو تا عمر ساتھ دیں
پھولوں کا کیا جو سانس کی گرمی نہ سہہ سکیں

سانس کی یہ گرمی میرے وجود کو پگھلا رہی ہے وکیل صاحب! میں اب اس آنچ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے موت چاہیے صرف موت۔ اور اس کے بعد میں خدا کے بخشے ہوئے سانسوں اور خدا کی دی ہوئی زبان کو اپنی مرضی سے استعمال کرنے کا حقدار ہوں۔ قانون کے احترام میں، میں نے خود کو موت کے لیے پیش کر دیا ہے کہ ایک قاتل کے لیے سزائے موت ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد میرے پاس کہنے کے لیے اور کچھ نہیں ہے۔"

اُس کی آواز میں ہلکی سی بھرّاہٹ نمایاں ہو گئی۔ کمرۂ عدالت میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی آنکھیں نم تھیں۔ خود جج صاحب پریشان نگاہوں سے مجرم کو دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے سرکاری وکیل سے کہا۔

"کچھ اور پوچھنا ہے آپ کو؟"

"اگر عدالت اس بات سے مطمئن ہو کہ قاتل نے اعترافِ جرم کیا، اور اس کے لیے سزائے موت یقینی ہو گئی ہے تو مجھے مزید کچھ نہیں کہنا۔" وکیلِ سرکار نے کہا اور جج تھوڑی دیر کچھ سوچنے کے بعد بولے۔

"سماعت آئندہ پیشی کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔"

لوگ کمرۂ عدالت سے باہر جانے لگے۔ ملزم کو پولیس کی تحویل میں باہر لا کر دوبارہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں سے آراستہ کر دیا گیا اور میں بھی باہر نکل آیا اور خاموش نگاہوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ دل اندر سے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ یہ شخص قاتل نہیں ہو سکتا۔ اس کے اقرار کی گہرائی میں کچھ پوشیدہ ہے جسے جاننے کی کوشش نہیں کی گئی۔

اور اب مجھے بھلا اس کے معاملے سے دلچسپی لینے سے کون روک سکتا تھا، میری پسند کا کیس تھا۔ فاروقی صاحب بار روم میں ایک معمّر شخص سے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ سامنے کچھ کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ میں اُن کے قریب پہنچا تو انھوں نے گردن اُٹھا کر کہا۔

"اچھا تم آ گئے شارق! یہ پروفیسر ابراہیم ہیں اور اپنا کیس مجھے دینا چاہتے ہیں۔ ابتدائی تفصیلات میں نے نوٹ کر لی ہیں، تم بھی ایک نگاہ ڈال لو۔ شام کو ان سے دفتر میں ملاقات ہو گی۔"

"ٹھیک ہے جناب!" میں نے ایک اسسٹنٹ کی طرح مؤدب لہجے میں جواب دیا اور وکیل فاروقی صاحب ایک بار پھر ابراہیم صاحب سے گفتگو کرنے لگے تھے۔ ایک چھوٹا سا کیس تھا۔ چنانچہ اس کی ریڈنگ کرنے کے بعد میں نے کاغذات سمیٹ لیے۔ جب رسمی گفتگو کے بعد وکیل فاروقی صاحب کا مؤکل چلا گیا تو انھوں نے کہا۔

"یہ شخص مجھے تلاش کر رہا تھا اور مجھ سے بہت متاثر نظر آتا ہے۔ تم نے ایک بار پھر میری وکالت چمکا دی ہے۔ اس کے الفاظ سے پتا چلتا تھا کہ یہ شخص مجھ سے بہت زیادہ مرعوب ہو گیا ہے۔"

"فاروقی صاحب! ابھی تو دیکھتے جائیے۔ ہم دونوں کا گٹھ جوڑ کیا کیا گُل کھلاتا ہے لیکن ایک بات آپ سے عرض کر دوں۔ مجھے اپنا جونیئر بنانے کے بعد آپ کو مسلسل خسارے سے دوچار رہنا پڑے گا۔"

"کس طرح کا خسارہ؟" فاروقی صاحب نے سوال کیا۔

"میری تو وہی مثل ہے کہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھ کو بھی لے ڈوبیں گے۔ میرے پاس عموماً ایسے ہی کیس ملیں گے آپ کو فاروقی صاحب! جن میں ہمیں کوئی مالی فائدہ نہ ہو۔"

"میاں تم دیکھ چکے ہو۔ میری زندگی بھی کیا ہے لیکن خدا کی قسم دِل [illegible] سے مگر سکون سے نصیب ہو تو میرے خیال میں یہ مجھ جیسے [illegible]لوں کو طمانیت بخشتی ہے۔ اگر ہماری ذات کسی کے کام آ جایا کرے تو ہم پر [illegible]ا ہے۔ دیکھو نا! نوجوانی کے زمانے میں بہت سے گناہ بھی [illegible]ہوں گے۔ نہ جانے کتنے ایسے کیس لڑے ہوں گے، جن میں [illegible] ایسے کسی بے گناہ کو نقصان پہنچ گیا ہوگا۔ اب جب بڑھاپے [illegible]ل کے اختتام کا سفر جاری ہے، کچھ نیکیاں ہو جائیں تو اس سے [illegible] اور کونسا ہو سکتا ہے۔ تم نے تو اس کا آغاز نوجوانی ہی کی عمر [illegible]ع کر دیا ہے اور جوانی کی عبادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ مقبول [illegible] تمھیں ان تمام نیکیوں کا بھرپور صلہ دے گا۔" میں نے مسکرا کر [illegible]ہلائی اور پھر بولا۔

"[illegible] صاحب! میں جس سماعت کو سننے کے لیے کمرۂ عدالت [illegible] گیا تھا وہ انتہائی دلچسپ ہے۔ احسان تائب نامی ایک ملزم نے [illegible] فرہاد احمد کو قتل کر دیا ہے اور اس قتل کا نہ صرف [illegible] کے سامنے بلکہ کمرۂ عدالت میں سیشن جج کے سامنے بھی اعتراف [illegible] ہے۔ اس کے بعد کیا کارروائی رہ جاتی ہے۔"

"وکیلِ سرکار نے وجہِ قتل تو جاننے کی کوشش کی ہوگی؟"

"جی ہاں لیکن مجرم کا کہنا ہے کہ اس نے تعزیتاً فرہاد احمد کو قتل [illegible] اور اب اس قتل کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہے تو پھر عدالت اپنا [illegible] ہے؟"

"اوہ! [illegible] محسوس کرتے ہو؟"

"یہ کہ [illegible] نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو کسی ایسے جذبے [illegible] اس نے [illegible] شخص کو قتل کیا ہے جس میں یہ قتل ناگزیر ہو، یا [illegible] اضطرابی کیفیت کا نتیجہ ہوا اور اب اُسے اس کا اعتراف ہے۔ کیا [illegible] کے لیے کچھ [illegible] ہو سکتا؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو [illegible] اللہ کرو۔ وہاں بات کی ہے۔"

"تو پھر [illegible] صاحب! وکالت نامہ بھر لیجیے اور اس کیس کا [illegible] طلب کر لیجیے۔ میرے خیال میں ہمیں اپنے کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔ [illegible]ن ابراہیم صاحب کی بات، تو وہ تو آج شام کو آپ کے پاس آ رہے [illegible] ان کی آمد کے [illegible] باقی کارروائیاں مکمل کر لی جائیں گی۔"

"میں کار[illegible] کرتا ہوں لیکن ابھی مجھے اس کیس کا فائل نہیں .... سکتا۔"

"سرکاری ذریعہ؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب [illegible]کر مجھے دیکھنے لگے۔ پھر وہ بھی مسکرا دیے۔

"وہاں سرکاری طور پر۔ میں کوشش کیے لیتا ہوں۔"

وکیل فاروقی صاحب مجھے بار روم میں ہی بٹھا کر چلے گئے۔ پھر تقریباً پینتیس منٹ کے بعد اُن کی واپسی ہوئی تھی۔ وہ اس کیس کا فائل لے آئے تھے۔

"پیشکار صاحب خود بھی اس کیس سے بہت متاثر ہیں۔ انھوں نے بالکل ذاتی بنیاد پر یہ فائل میرے حوالے کر دیا ہے۔ اب ذرا جلدی جلدی اس کی ورق گردانی کر لو۔"

وکیل فاروقی صاحب خود بھی مصروف ہو گئے۔ میں نے ایک کاغذ پر تفصیلات اُتارنا شروع کر دیں۔ مقتول فرہاد احمد شہر کے فیشن ایبل طبقے کے ایک علاقے میں رہتے تھے۔ اُن کے ساتھ اُن کی بیگم ثمینہ فرہاد بھی مقیم تھیں، چند ملازمین، ایک بچّہ۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اُن کے ساتھ۔ احسان تائب شہر کی ایک نواحی بستی کے ایک چھوٹے سے کوارٹر میں اپنی ماں، بہن اور تین چھوٹے بھائیوں کے ساتھ مقیم تھا۔ اس نے گریجویشن کیا تھا جب کہ اس کی بہن ذیبال حسین صرف انٹرمیڈیٹ تھی۔ باقی تین چھوٹے بھائی پڑھ رہے تھے۔ باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ وقوعہ کے دن احسان تائب اپنی بہن کے دفتر پہنچا اور سیدھا فرہاد احمد کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ جہاں اس کا کسی بات پر فرہاد احمد سے اختلاف ہوا اور یہ اختلاف ہاتھا پائی کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ فرہاد احمد کے دفتر میں کافی افراتفری پائی گئی تھی جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ مقتول اور حملہ آور کے درمیان شدید کشمکش اور جھگڑا ہوا ہے۔ کمرے کا بیشتر فرنیچر اُلٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ بہت سی چیزیں فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ دھینگا مشتی، اور کشمکش کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ فرہاد احمد کو کاغذات کاٹنے والے چاقو یا خنجر سے ہلاک کر دیا گیا، جو پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اس کے دستے پر پولیس نے ملزم احسان تائب کی انگلیوں کے نشانات دریافت کر لیے تھے۔ ملزم احسان تائب کی نشاندہی فرہاد صاحب کے ڈرائیور محمود نے کی تھی، جو یہ معلوم کرنے کے لیے گیا تھا کہ آخری آدمی کے جانے کے باوجود فرہاد صاحب اپنے کمرے سے کیوں نہیں نکلے اور پھر اُس نے فرہاد صاحب کی لاش دیکھ کر پولیس کو اطلاع دی اور مکمل تفتیش کے بعد پولیس نے احسان تائب کو گرفتار کر لیا۔ پولیس نے احسان تائب سے اقبالِ جرم کرانے کے لیے کیا حربے استعمال کیے۔ ظاہر ہے اس کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہو سکتی تھی لیکن احسان تائب نے کمرۂ عدالت میں جج کے سامنے اقبالِ جرم کر کے اپنے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ اُس نے وجہِ قتل بتانے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ بات ایک معمّہ کی حیثیت رکھتی تھی، اور ویسے بھی ظاہر ہے قتل کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ وکیلِ سرکار پولیس کی تفتیشی رپورٹ کے مطابق اس قتل کو کسی نہ کسی طور احسان تائب کی

بہن فریال حسین سے منسوب کر رہا تھا۔ ہم نے اس فائل سے احسان تائب کا پتا، فرہاد احمد کا پتا اور وہ تمام ضروری پوائنٹس نوٹ کیے جن کی ہمیں ضرورت پڑ سکتی تھی۔ احسان تائب پر تین دفعات لگائی گئی تھیں۔ پانچ سو تین تخویف مجرمانہ یا کسی پر مجرمانہ رعب ڈالنا، چار سو باون مداخلت بے جا، بغرض زرر رسانی۔۔۔۔ اور تین سو دو قتل عمد۔ یہ تمام چیزیں تفصیلی طور پر نوٹ کرنے کے بعد وکیل فاروقی صاحب نے فائل واپس لے جا کر پیشکار کو دے دیا اور اس کے بعد ہم عدالت کی عمارت سے باہر نکل آئے۔

وکیل فاروقی صاحب نے تجویز پیش کی کہ پہلے احسان تائب کے اہلِ خاندان سے مل کر ان کے ذریعے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ احسان تائب اس قتل کی ذمّہ داری کس لیے قبول کر رہا ہے۔ چنانچہ ہم اُس پتے پر چل پڑے۔ جو ہم نے نوٹ کیا تھا۔ نواحی علاقے کے ایک خستہ حال مکان کے سامنے میں نے بائیک روکی اور دروازے پر دستک دی۔ چند ہی لمحات کے بعد دس گیارہ سال کے ایک لڑکے نے دروازہ کھول دیا اور ہمیں دیکھ کر اندر بھاگ گیا۔ پھر ایک نوجوان لڑکی باہر آئی۔ اس کے خدوخال احسان تائب سے ملتے جلتے تھے۔ چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں خوف و ہراس کے آثار نمایاں تھے۔ اُس نے سوالیہ انداز میں ہمیں دیکھا۔

"آپ فریال حسین ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ ... آپ..." وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہمیں آپ سے ملنا ہے۔ براہِ کرم اپنی والدہ سے کہیے کہ ایک وکیل اُن سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

فریال حسین نے وکیل فاروقی صاحب کے سیاہ کوٹ سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم وکیل ہو سکتے ہیں۔ اُس نے خود ہی ہمیں اندر آنے کی پیشکش کر دی اور اس جیسے مکان میں اگر کسی ڈرائنگ روم کا تصوّر کیا جا سکتا ہے تو بالکل اسی توقع کے مطابق ڈرائنگ روم میں ہمیں لے جا کر بٹھا دیا گیا جہاں قدیم طرز کا ایک۔۔۔ ایسا صوفہ بچھا ہوا تھا جس کے اسپرنگ بھی بیٹھ گئے تھے۔ صوفے کے پھٹے ہوئے کپڑے کو چھپانے کے لیے اس پر ایک چادر بچھا دی گئی تھی۔ فرش ننگا تھا۔ صوفے کے سامنے ہی ایک بوسیدہ حال ٹیبل پڑی ہوئی تھی۔ آرائش کا کوئی سامان اس ڈرائنگ روم میں نہیں تھا۔ لڑکی نے ہمیں یہاں بٹھانے کے بعد کہا۔

"میں امّی کو اطلاع دیتی ہوں۔"

"جی۔" وکیل فاروقی صاحب نے جواب دیا۔ چند لمحات کے بعد ایک معمر عورت اندر آگئیں۔

قدیم طرز کے غرارے میں ملبوس تھیں۔ اُن کے چہرے سے شدید پریشانی کا اظہار ہوتا تھا۔ ہم نے سلام کیا، وہ ہمیں پریشان نگاہوں سے دیکھتی ہوئی ایک طرف بیٹھ گئیں۔ لڑکی اُن سے [...] فاصلے پر کھڑی ہو گئی تھی۔

"میرا نام وکیل احمد ہے اور یہ میرے جونیئر شارق حسین [...]"

"آپ عدالت سے آئے ہیں؟"

"جی ہاں، یہی سمجھ لیجیے۔ لیکن کسی عدالتی کارروائی کے [...] یہاں نہیں آئے ہیں۔ محترمہ! آپ ہی مسز مقصود ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"احسان تائب ... کے پاس پیشی کے دوران آپ کا کو[ئی] موجود تھا؟"

"جی نہیں۔ ہم نے اُسے صرف خدا کے بھروسے پر چھ[وڑا ہوا] ہے۔ میں ہوں، میری بیٹی ہے اور تین چھوٹے بچّے ہیں۔ [...] علاوہ ہمارے خاندان میں کوئی مرد نہیں ہے۔ عزیز و اقارب [...] معاملات کے لیے وقت نہیں نکال سکتے اور پھر سب [...] اپنے اپنے دامن سمیٹنے میں مصروف ہیں۔ کون کسی کی آگ [...]"

"درست فرمایا آپ نے۔ لیکن محترمہ میں آپ [...] سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں اپنے بارے [میں] وضاحت کر دوں کہ میں کسی سرکاری مقصد کے تحت یا کسی فیس [...] کے سلسلے میں یہاں نہیں آیا۔ آج آپ کے بیٹے کا مقدمہ [عدالت] میں پیش تھا۔ جب اُس سے وکیلِ صفائی کے بارے میں پو[چھا گیا] تو اُس نے کہا کہ اُس کا کوئی وکیلِ صفائی نہیں ہے۔ ہم جا[نتے ہیں] کہ وکیلِ صفائی نہ ہونے کی صورت میں عدالت خود ہی اس [کے لیے] وکیلِ صفائی مقرر کر سکتی ہے لیکن آپ کے بیٹے نے عدالت [سے] کہا کہ وہ خود ہی اپنا کیس لڑنا چاہتا ہے۔ چنانچہ صورتِ حال [...] ہو گئی۔ میرا خیال ہے مسز مقصود! کہ کوئی بھی انسان خواہ [کتنا] ہی ذہین یا تعلیم یافتہ کیوں نہ ہو، قانونی کارروائیوں میں [...] حصّہ نہیں لے سکتا، یا اگر لینے کی کوشش کرے تو قانونی [نکات] کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ آپ کا بیٹا نقصان اٹھا سکتا [ہے]۔ بہرطور میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو بلا معاوضہ آپ کے بیٹے کا وکیل بننے کے لیے [تیار] ہوں۔"

[...] نے حیران نگاہوں سے وکیل فاروقی صاحب کو دیکھا، پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بانتھ ملتی ہوئی بولی۔

"میں خود بھی چاہتی تھی لیکن وکیل صاحب درحقیقت [ہمارے] پاس ایسے وسائل نہیں ہیں جن کے ذریعے ہم کسی اچھے وکیل کی خدمات حاصل کر سکیں۔ ہم پڑوس کے کچھ ہمدردوں سے منت [کر رہے] تھے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے کسی وکیل سے بات کی جائے۔

اگر اللہ کے واسطے یہ کام کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو دُعاؤں کے سوا کچھ نہیں دے سکیں گے۔" معمر عورت کی سسکیاں بلند ہونے لگیں۔

[...] نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"حالات نے آپ کے دل پر جو ضرب لگائی ہے محترمہ! [...] طور پر اس کا مداوا نہیں ہو سکتا۔ صرف جذبات سے کام لینے کی [بجائ]ے عقل سے کام لینا ہوگا۔ چنانچہ آپ اپنے آپ کو سنبھالیے، [...] بی بی! آپ فریال حسین ہی ہیں نا؟"

"جی ہاں، میں اس بدنصیب بھائی کی بہن ہوں۔"

"آپ کے اُوپر بڑی ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ آپ تعلیم یافتہ [...]۔ آپ کے بھائی کی زندگی موت کے قریب پہنچ چکی ہے۔ مجھے [تعجّ]ب ہے کہ آپ لوگوں نے کسی بھی ذریعے کو اختیار نہ کر کے اس [...]لت کا ثبوت کیوں دیا۔"

"ایسی بات نہیں ہے وکیل صاحب! میں، میں اپنے طور [پر] ہر ممکن کوشش کر رہی ہوں۔ ہماری خواہش تھی کہ ہم بہت جلد کسی اچھے [وک]یل سے بات کریں اور اس کے لیے میں نے پڑوس کے کچھ ہمدردوں سے بات بھی کی ہے۔ دراصل ہم اپنے وسائل کو اکٹھا کر کے وکیل کی فیس جمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"چلیے، اب آپ کا ایک مسئلہ تو حل ہو گیا۔ اب میں آپ سے کچھ ایسے سوالات کروں گا، جن کے جواب آپ ہم پر اعتماد کرنے کے بعد ہی دے سکیں گی۔"

"جی کہیے۔"

"تمھیں فرہاد احمد کی فرم میں ملازمت کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"تقریباً ڈھائی ماہ۔"

"اس ملازمت کو دلانے کا ذریعہ کیا تھا؟"

"اخبار کا اشتہار تھا، جسے دیکھ کر میں بھی انٹرویو کے لیے پہنچ گئی تھی اور میرا سلیکشن کر لیا گیا۔"

"انٹرویو لینے والوں میں کون کون شامل تھا؟"

"صرف فرہاد صاحب۔"

"ہوں۔ اُنھوں نے آپ کو کس بنیاد پر یہ عہدہ دیا؟"

"انھوں نے مجھ سے کچھ سوالات پوچھے اور اس کے بعد اسی وقت مجھے اطلاع دے دی کہ میرا سلیکشن کر لیا گیا ہے۔ میں دوسرے دن سے اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جاؤں۔"

"فریال! اب میں آپ سے کچھ ایسے سوالات کر رہا ہوں۔ جن کے جوابات دیتے ہوئے آپ کو کچھ دقّت بھی ہو سکتی ہے لیکن جواب دینا ضروری ہے۔"

"جی۔" میں نے فریال کے لہجے میں ایک لرزش محسوس کی۔ اچانک ہی اس کے چہرے کے عضلات خوف سے سکڑ گئے اور آنکھوں میں دہشت نظر آنے لگی۔

"آپ نے دوسرے دن سے فرہاد صاحب کی ملازمت جوائن کر لی؟"

"جی ہاں۔"

"آپ کے سپرد کیا ذمّہ داریاں کی تھیں انھوں نے؟"

"ایک سیکرٹری کے جو فرائض ہو سکتے ہیں۔"

"ہوں۔ بحیثیت انسان تم نے فرہاد احمد کو کیسا پایا؟"

"میں فرہاد احمد صاحب سے زیادہ ملاقات نہیں کرتی تھی، اور جب بھی اُن کے سامنے جاتی تھی اُن کے چہرے کی طرف بھی نہیں دیکھتی تھی۔ بس۔ مجھے اپنے کام سے کام تھا، اس لیے میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ وہ بحیثیت انسان کیسے ہیں۔ ہاں مزاج کے خشک لگتے تھے۔"

"کیا تمھیں تنخواہ کے علاوہ اور کسی قسم کی مراعات بھی دی گئیں؟"

"جی نہیں۔"

"دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں مس فریال! کہ جب تمھارا یا تمھارے خاندان کا کوئی تعلق فرہاد احمد سے نہیں تھا اور تم نے بذریعہ اشتہار یہ ملازمت حاصل کر لی تھی تو صرف ڈھائی ماہ میں احسان تائب کے تعلقات فرہاد احمد سے کیسے ہو گئے؟ یہ بات قابلِ غور ہے۔ کیا فرہاد صاحب اس گھر میں آتے تھے؟"

"نہیں بیٹے! کبھی نہیں۔" اس بار معمر خاتون نے جواب دیا۔

"تو پھر تمھارا کیا خیال ہے فریال! آخر احسان تائب فرہاد احمد کے دفتر کیوں پہنچے؟"

"میں نہیں جانتی... میں نہیں جانتی۔" اُس نے ایک سسکی لے کر کہا۔ بار بار وہ سسکیاں لے رہی تھی اور مجھے اس بات کا اندازہ ہوتا جا رہا تھا کہ فریال یقیناً بہت کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہے۔ میرے ذہن میں یہ خیال جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔ پھر میں نے فریال سے پوچھا۔

"ایک آخری سوال کا جواب اور دے دو فریال! کیا تمھاری موجودگی میں کبھی احسان تائب فرہاد احمد سے ملا؟"

"نہیں۔" اُس نے روہانسے لہجے میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ، بلکہ آپ بتائیے معمر خاتون!

کہ احسان اس قتل کی ذمہ داری کیوں قبول کر رہا ہے ؟ قتل کا کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا اور کوئی ایسا ثبوت بھی نہیں مل سکتا تھا۔ اگر وہ قتل سے منکر ہو جاتا تو اس کے لیے آسانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ وہ کیوں اپنے آپ کو مجرم ثابت کرنے پر بضد ہے جب کہ وہ قاتل نہیں ہے ؟" میں نے فریال کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سینے پر رکھے، پھر چھوڑ دیے۔ پھر معمر عورت کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں دہشت کے آثار نمایاں نظر آتے تھے۔ میں نے معمر عورت سے پوچھا۔

"پولیس نے آپ لوگوں کا بیان تو ضرور لیا ہوگا ؟ "

" ہاں ہماری زندگی تلخ کر دی گئی ہے " معمر عورت باقاعدہ رونے لگی۔

"پلیز، خود کو سنبھالیے۔ ہمارا تعلق نہ تو پولیس سے ہے اور نہ ہی آپ کے کسی دشمن سے۔ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری مدد کیجیے۔ ایک بات بتائیے خاتون! احسان تائب سے پوچھا گیا تھا کہ اس نے کوئی وکیل کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا تھا کہ وہ اپنا وکیل نہیں کرنا چاہتا۔ وہ اپنا کیس خود لڑے گا اور کیس وہ اس طرح لڑ رہا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مجرم تسلیم کر لیا ہے۔ کیا ایسی صورت میں وہ ہماری وکالت قبول کرے گا ؟ "

" اُسے کرنی چاہیے "

" تو پھر آپ تیار ہو جائیے۔ کل آپ ہمارے ساتھ احسان سے ملیں گی۔ وکالت نامہ تیار کر لیا جائے گا اور یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس سے دستخط کروالیں "

" میں کروا لوں گی " معمر عورت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ میں نے ایک بار پھر فریال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

" مس فریال! جب پولیس نے آپ سے بیانات لیے ہوں گے تو اس وقت بھی کیا آپ اتنی ہی خوفزدہ ہو گئی تھیں جتنی اس وقت میرے سوالات سے ہو گئی ہیں۔ کیا آپ محسوس کر رہی ہیں کہ آپ کا بدن لرز رہا ہے "

" اوہ، میں، میں، کبھی ایسے واقعات سے دوچار نہیں ہوئی۔ ہمارے سر سے سائبان ہٹ گیا ہے۔ جتنے بے سہارا ہم لوگ اس وقت ہیں، اس سے پہلے کبھی ہم نے اپنے آپ کو اس قدر بے سہارا محسوس نہیں کیا تھا "

" ٹھیک ہے فریال! میری بھی یہی رائے ہے کہ اپنے آپ کو توانا رکھیے۔ آپ کے چہرے کی زردی اور بدن کی کپکپاہٹ ختم ہو جانی چاہیے ورنہ اس کے بعد آپ کے لیے نقصانات کے سوا اور باقی نہیں ہے۔ بہت جلد آپ سے دوسری ملاقات بھی ہو گی۔ خاتون آپ کل گیارہ بجے تیار رہیے گا۔ ہم جیل میں احسان تائب سے ملاقات کریں گے "

" مجھے یہیں سے لے لیجیے گا۔ میں جیل کا راستہ نہیں جانتی ایک دفعہ پڑوسی کے ساتھ گئی تھی۔ بار بار جانا چاہتی ہوں اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے، جس کے ساتھ نہ جانے کیا ہونے والا ہے لیکن لیکن ..... " معمر عورت پھر رونے لگی۔ ہم لوگ اُسے تسلیاں دیتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے۔ دروازے تک وہ دونوں ہی ہمیں چھوڑنے آئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر فریال سے کہا۔

" مس فریال! اگر آپ نے ہمت سے کام نہ لیا تو آپ ہمت کھو بیٹھیں گی " جواب میں اُس نے گردن ہلا دی تھی۔

میں اپنی بائیک پر بیٹھ گیا اور فاروقی صاحب پچھلی نشست پر اور اس کے بعد ہم دونوں واپس چل پڑے۔ بائیک کا رُخ فاروقی صاحب کے گھر ہی کی طرف تھا۔ فاروقی صاحب کے مخصوص کمرے میں پہنچ کر میں بیٹھ گیا اور وہ چند لمحات کے لیے لباس تبدیل کر کے میرے پاس آ گئے۔ ان کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اس کیس کے کاغذات سامنے رکھ لیے اور اُن تمام پوائنٹس پر غور کرنے لگے جو اب تک ہمارے سامنے آئے تھے۔

" کیا خیال ہے آپ کا فاروقی صاحب ؟ کیا احسان تائب قاتل ہو سکتا ہے ؟ "

" ہاں، ہو سکتا ہے " فاروقی صاحب نے جواب دیا۔

" وجہ قتل ؟ " میں نے سوالیہ انداز میں فاروقی صاحب کو دیکھا اور وہ سنجیدگی سے گردن ہلانے لگے۔

" فی الحال وہی جو تم سوچ رہے ہو " انھوں نے کہا۔

" گویا آپ کا ذہن ان ہی راستوں پر سفر کر رہا ہے ؟ "

" میں سمجھتا ہوں کہ وکیل سرکار بھی ان ہی راستوں پر چل رہا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ لڑکا بالکل احمق ہے۔ اعتراف قتل حقیقتوں کو تو نہیں چھپا سکتا۔ بہر طور قاتل کے اعتراف کے باوجود قتل کی وجہ تو سامنے لائی جائے گی اور کسی نہ کسی طرح حقیقتیں منظرِ عام پر آ جائیں گی۔ وہ حماقت کر رہا ہے "

" آپ کے خیال میں یہ قتل صرف اس غیرت کی بنیاد پر ہوا ہو گا جو بہن کو کسی کے چنگل میں پھنسا دیکھ کر بھائی کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے ؟ "

" اس کے امکانات ہیں "

" لیکن کچھ الجھنیں ہیں فاروقی صاحب! اگر فرہاد احمد فریال حسین کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تھا اور اس کا علم ہونے کے بعد احسان تائب نے اُسے قتل کر دیا تو فریال کے خاموش رہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ اُسے یہ احساس کیوں نہیں ہے کہ اس کا بھائی موت کی سزا بھی پا سکتا ہے اور اس نے اپنی زبان کیوں بند رکھی ہے ؟ "

" یہاں پر میں اپنے تجربے کا تذکرہ ضرور کروں گا شارق میاں! جرم سے ناواقف گھرانے اور ناآشنائے جرم لوگ ان تمام باریکیوں کو نہیں سمجھتے۔ کوئی بات دل میں تصور کر لیتے ہیں اور اُسے اپنے طور پر آخری چیز سمجھ لیتے ہیں جب کہ قانون اتنا بے لچک بھی نہیں ہے کہ حقیقتوں کی رونمائی کے بعد وہ ملزم کی مدد نہ کر سکے۔ یہی بات اُن لوگوں کو سمجھانی ہے اور اگر وہ سمجھ گئے اور وہ شاعر اپنی ضد پر نہ اڑا رہا تو اس کیس میں کافی جان باقی ہے "

" میں آپ کے تجربے سے متفق ہوں۔ اب اس سلسلے میں باقی تمام گفتگو حالات کے سامنے آنے پر ہی ہو گی۔ آپ وکالت نامہ تیار کر لیجیے اور لائیے، مجھے ابراہیم صاحب کے سلسلے کے کاغذات دکھا دیجیے تاکہ میں اُن پر کارروائی شروع کر دوں " فاروقی صاحب نے مسکرا کر ایک فائل میرے حوالے کر دیا اور میں اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

یہ بھی ایک دلچسپ کیس تھا۔ جو فاروقی صاحب کو ملا تھا اور اس میں شاید اُن کو مناسب آمدنی متوقع تھی۔ چنانچہ میں پوری دلچسپی اور تندہی سے اس کیس کی فائل کی ریڈنگ کرنے لگا۔ شام کو اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ جب ابراہیم صاحب بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور بقیہ معاملات بھی طے ہو گئے۔ فیس کی چالیس فیصد رقم فاروقی صاحب کو مل گئی اور جب ابراہیم صاحب چلے گئے تو انھوں نے آہستہ سے کہا۔

" میں یہ بات کہہ کر نہ تو تمھاری خوشامد کر رہا ہوں شارق! نہ تمھارے احسان کا شکریہ ادا کر رہا ہوں کہ یہ کیس صرف اس لیے مجھے ملا ہے کہ میں راحیل کا کیس جیت چکا ہوں "

" اس میں میری خوشامد وغیرہ کا پہلو کہاں سے نکلتا ہے فاروقی صاحب ! "

" بہر طور یہ رقم میرے لیے بڑی ضروری تھی۔ کچھ ایسے ہی مسائل میں الجھا ہوا تھا "

" آپ کو آپ کے مسائل میں مالی مدد کی فرمائش کر کے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا فاروقی صاحب! لیکن ایک بات ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میرے ذریعے آپ کی کوئی الجھن دور ہو سکے تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے مجھے وہی مقام دیا جس کا میں طلب گار ہوں "

" بخدا یقین کرو۔ دل میں یہ تصور بھی کبھی نہیں آیا۔ بس کافی دنوں سے الجھنوں کا شکار تھا لیکن اب یہ تکلیف خود بخود دُور ہو گئی "

" میرے ذاتی اکاؤنٹ میں بھی اچھے خاصے پیسے پڑے ہوئے ہیں۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیے کہ آپ کو کتنے پیسوں کی ضرورت ہے ؟ "

" خدا کی قسم اب بالکل نہیں ہے۔ بس ان پیسوں میں میرا کام چل جائے گا " فاروقی صاحب نے مخلصانہ لہجے میں کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد مزید کچھ وقت اور فاروقی صاحب کے ساتھ گزارا اور پھر وہاں سے گھر کی طرف چل دیا۔

آشیانے میں قدم رکھتے ہی لالہ رُخ نظر آئی مگر اس کے چہرے پر نخوت سے چڑھی ناک اور ماتھے پر پڑے بل دیکھ کر فوراً ہی عقل نے دماغ پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا بیٹا شارق! خوشامدی لذیذ ڈشوں اور مکھن لگی باتوں سے اب ہاتھ دھو بیٹھو مگر ہم بھی ایک ڈھیٹ ٹھہرے فوراً ہی آواز لگائی۔

" اے لالہ رُخ وعدے کے مطابق آج کیا تیار کیا ہے میرے لیے "

" ذرا صابن سے منہ دھو آیئے۔ میں اور آپ کے لیے کچھ تیار کروں گی "

" خدا کی پناہ، گویا، گویا، تو نے مجھے بیوقوف بنایا تھا "

" کسی بیوقوف کو میں کیا بیوقوف بناؤں گی " لالہ رُخ اپنی اصل کیفیت میں آ گئی تھی۔ میں ایک لمحہ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے گھونسا بنا کر کہا۔

" ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، یہ مت سمجھنا کہ یہ آخری داؤ تھا۔ تو نے ایک بار پھر مجھ سے اعلان جنگ کیا ہے۔ چنانچہ اعلانِ جنگ ہو گیا " لالہ رُخ نے شاید میری بات بھی سنی نہیں تھی۔ میں مسکراتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گیا۔ گھر کے معاملات جوں کے توں تھے۔ رات حسب معمول گزری .....

دوسرے دن جلدی سو کر اُٹھا اور تیار ہو کر جلدی ہی باہر نکل آیا۔ تاکہ کسی اُلٹی سیدھی بات سے موڈ خراب نہ ہو جائے۔

ایک بار پھر وہی حالات میرے سامنے تھے جو راحیل کے کیس میں پیش آئے تھے۔ فاروقی صاحب سے ملاقات کے بعد ہم دونوں تیاریاں مکمل کر کے چل پڑے تاکہ جیل میں احسان تائب سے ملاقات کا بندوبست ہو سکے۔ اس ملاقات کا بندوبست کرنے کے بعد گیارہ بجے کا وقت لے کر ہم اس کے گھر پہنچ گئے۔ دستک دیتے ہی اسی لڑکی نے دروازہ کھولا تھا۔ فریال اور اس کی والدہ یقیناً ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ آج اُن کے چہرے پر کسی قدر رونق نظر آ رہی تھی۔ فریال کی والدہ نے میرے

سلام کا جواب دیا۔ فاروقی صاحب کو سلام کیا اور دونوں ہمیں اندر لے گئیں۔ پھر انھوں نے کہا۔

"بھیا، یقین نہیں آتا کہ اس دور میں کوئی کسی دوسرے کے لیے اتنی لگن سے کام کر سکتا ہے۔ مجھے معاف کرنا میں اور فریال یہی سوچ رہے تھے کہ پتا نہیں تم آؤ گے یا نہیں۔"

"آپ تیار ہو جائیے۔ ٹھیک گیارہ بجے ہمیں جیل پہنچ جانا ہے۔"

"بیٹی! تم گھر میں رکو، میں چلی جاتی ہوں۔"

بالآخر ہم نے وہیں چھوڑ دی تھی اور اس کے بعد ہم تینوں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ وکیل فاروقی صاحب فریال کی والدہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور میں آگے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر تھا۔ وہ فریال کی والدہ کو سمجھا رہے تھے۔

"آپ کو تمام زور اس بات پر دینا ہے کہ احسان ہم سے مخلص ہو جائے اور وکالت نامے پر دستخط کر دے۔ اُس کے ذہن میں جو بھی خناس سمایا ہوا ہے اور وہ جس طرح بھی رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو قاتل پیش کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ اُسے ختم کرنا ہے۔ آپ کو میری مدد کرنی ہو گی۔"

"اللہ ہم سب کی مدد کرے۔" فریال کی والدہ نے کہا۔

جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایک بار پھر میں نے اُسی چہرے کو دیکھا جس نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ بلاشبہ یہ نوجوان اگر اپنی زندگی میں کوئی منزل حاصل کر لیتا تو انتہائی ہنس مکھ ہوتا۔ اس کی آنکھوں میں ہنسی جھانکتی تھی۔ ماں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کرب کے آثار پیدا ہو گئے۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا امی کہ یہ جگہ آپ کے قابل نہیں ہے۔ اپنے مقدس قدم یہاں نہ لایا کریں، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ وکیل صاحب! آپ میری تائید کیجیے۔"

"میں اطمینان سے تم سے اس موضوع پر گفتگو کروں گا احسان! فی الحال ہم اس وکالت نامہ پر تمھارے دستخط کرانے آئے ہیں۔ میرا نام وکیل فاروقی ہے اور میں اس کیس میں تمھاری وکالت کروں گا۔"

"امی! میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ مجھے وکیل کی ضرورت نہیں ہے جو چند پیسے آپ کے پاس ہیں اُن سے کچھ دن کے لیے آٹا خرید لیں تاکہ فاقے نہ شروع نہ ہو جائیں۔ فریال کو دوسری نوکری شروع کرنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ امی! آپ نے مجھ سے تعاون نہیں کیا جبکہ آپ نے اس کا وعدہ کیا تھا۔" معمر خاتون رو پڑی تھیں۔ اُن کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔ وکیل فاروقی صاحب بولے۔

"احسان میاں! انسانیت کے سب سے بڑے مبلّغ تم ہی نہیں ہو۔ کچھ دوسرے بھی ہیں، جن کے دل میں انسانیت کا درد اُٹھ سکتا ہے۔ میں نے تمھاری والدہ سے کوئی فیس طلب نہیں کی۔ تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔"

"فرشتے، اور وہ بھی یک، نہ شُد دو شُد۔ کیوں دوست! اپنے بزرگ ساتھی کو سمجھاتے نہیں، مفت کی وکالت کرنے چلے ہیں۔ یہ دور مفت خوروں کے لیے کچھ کرنے کا نہیں ہے۔ ہم سب سے کیا ملے گا آپ کو وکیل صاحب! وقت کا چہرہ دیکھیے، جہاں سے جو کچھ ہاتھ آئے سمیٹ لیجیے۔ جذبات کے غلام رہے تو فاقوں میں زندگی بسر کرنا ہو گی۔"

"شاعر بھی ہو اور مقرر بھی۔" میں نے مسکرا کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مقصد کی بات کرو۔" وکیل فاروقی صاحب نے کہا۔

"معاف کیجیے گا، وکیل فاروقی صاحب! میں نے اپنی والدہ سے کہہ دیا تھا کہ میرے لیے وکیل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ جو گناہ کیا ہے اُس کی سزا پا جاؤں تو بہتر ہے۔ کم از کم عاقبت میں کچھ گناہ دُھل جائیں گے ورنہ وہاں بھی آگ کی سلاخوں سے داغا جاؤں گا۔"

"اور تمھاری موت کے بعد جو چند افراد تم سے وابستہ ہیں۔ وہ عمر کی آخری حد تک جہنم میں سُلگتے رہیں گے۔ اس کے بارے میں تم نے نہیں سوچا احسان! کیا یہ خود غرضی نہیں ہے؟"

"وکیل صاحب! بہت کچھ سوچا ہے میں نے اور آپ یقین کیجیے۔ بہت سی سوچوں کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس ناکارہ زندگی کو سانسوں کی قید سے آزاد کر دوں جو اس زمین پر کسی کو کچھ نہیں دے سکتی، کیا سمجھے آپ۔ بہت بہت شکریہ آپ کی اس عنایت کا۔ پتا نہیں کون سے جذبے آپ کے دل میں بیدار ہو گئے کہ آپ نے ہم غریبوں کی جانب رُخ کیا۔ ہم ناسپاس نہیں ہیں اور جب میں خدا کے حضور پہنچوں گا۔ آپ کے ان جذبوں کا ذکر ضرور کروں گا اور کہوں گا کہ آپ کو ان کی جزا دے۔"

"احسان بیٹے! وکالت نامے پر دستخط کر دو۔ میں وعدہ کر کے آئی ہوں۔ اس طرح اپنی زندگی نہ کھو میرے لال! ہم مر جائیں گے، ہم سب مر جائیں گے۔"

"نہیں امی! آپ لوگ زندہ رہیں گے۔ میرے مرجانے سے آپ کو ایک اچھی زندگی مل سکتی ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ اگر میں زندہ رہا تو آپ مر جائیں گی۔"

"مجھے تیری زندگی کے عوض موت قبول ہے، بیٹے!"

"بات تنہا آپ ہی کی تو نہیں ہے امی! آپ کو پتا ہے کہ وہ کون ہیں جن کے لیے میں مرنا چاہتا ہوں۔" احسان کے لہجے میں درد پیدا ہو گیا۔

"احسان تم اس وکالت نامے پر دستخط کر دو۔ یہ وکالت نامہ ہے، تمھاری زندگی کا پروانہ نہیں ہے اگر تمھیں موت آنی ہے تو کون تمھیں روک سکے گا۔ مرنے کے اتنے شوقین ہو تو ضرور مر جانا لیکن کم از کم وہ باتیں تو سامنے ... آنے دو، جن کے لیے تم نے موت قبول کی ہے۔" میں نے کہا اور احسان کے چہرے پر پہلی بار ایک سراسیمگی سی پھیل گئی۔

"کیا مطلب؟" اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"مطلب مجھ سے پوچھو احسان! ایثار اچھی چیز ہے اور انسان اپنوں کے لیے بہت کچھ کر ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ موت بھی قبول کر لیتا ہے لیکن ایک بے مقصد موت نہیں۔ ایک وکیل کی حیثیت سے میں تمھیں بتاتا ہوں کہ تم سے وہ تمام سوالات کیے جائیں گے، جن میں سے کچھ باتیں چھپانے کے لیے تم نے موت جیسی شے بھی قبول کر لی ہے۔ بہتر ہے کہ اُن سوالات سے بچنے کے لیے ہماری مدد حاصل کرو۔"

"آپ لوگ... آپ لوگ... امی!"

"میں نے تو ان لوگوں سے آج دوسری ملاقات کی ہے اور یہ بس وکالت نامے پر دستخط کرانے آئے ہیں۔"

"وکیل صاحب! میں دستخط نہیں کروں گا۔"

"تمام باتیں جذباتی باتیں ہیں۔ لو اس وکالت نامے پر دستخط کرو۔ اگر تقدیر نے یہ جُرم تمھاری موت کا سبب بنایا ہے تو تم یقیناً مر جاؤ گے لیکن ہم دل میں حسرتیں نہیں رکھنا چاہتے۔ پلیز دستخط کر دو۔"

"ٹھیک ہے، جو آپ کی مرضی لیکن وہ سب کچھ نہ کیجیے گا جو میں نہیں چاہتا۔"

اُس نے وکالت نامے پر دستخط کر دیے۔ اس مرچھرے آدمی کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی تھی۔ ماں بیٹے اور بیٹی کے درمیان کوئی ایسی کھچڑی پک گئی تھی جو سرطور قانونی نقطۂ نگاہ سے غلط تھی۔ خواہ اس کی کوئی بھی نوعیت کیوں نہ ہو جائے۔ چنانچہ میں ان لوگوں کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وکیل فاروقی صاحب نے وکالت نامہ اپنے بریف کیس میں رکھا اور پھر احسان سے کہنے لگے۔

"وکیل مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے بیٹے! کہ تم نے کسی پر اعتماد کر لیا۔ میں تم سے دوسری ملاقات بھی جلد کروں گا کیونکہ دوسری ملاقات میں تم سے کام کی باتیں ہوں گی۔"

احسان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں سے واپس چل پڑے۔ میں نے وکیل فاروقی صاحب سے سرگوشی کی۔

"بڑی عجیب سی کیفیت ہے ان تینوں افراد کی۔ پتا نہیں کیا چکر ہے؟ کوئی مصروفیت تو ہے نہیں آج آپ کو۔ کیوں نہ ہم اس راز کی عقدہ کشائی کریں۔" وکیل فاروقی صاحب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

ٹیکسی واپس اُسی علاقے میں پہنچ گئی، جہاں سے ہم چلے تھے۔ اور اس کے بعد ہم تینوں واپس گھر میں داخل ہو گئے جہاں فریال آنسوؤں سے لبریز آنکھیں لیے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔

"امی! بھائی نے وکالت نامے پر دستخط کر دیے؟" فریال نے بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں۔" معمر عورت نے مجرمانہ انداز میں گردن ہلائی۔

ہم لوگ اُسی ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے تھے، جہاں ان لوگوں نے ہمیں پہلی بار بٹھایا تھا، فریال چائے بنانے چلی گئی تھی۔ معمر عورت میرے عین سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے چند لمحات خاموشی اختیار کرنے کے بعد معمر عورت سے کہا۔

"امی! میری بھی ماں ہے، بہن بھائی ہیں، ایک بھرا پُرا گھر ہے میرا۔ ہمارے سینے میں جو نیک جذبہ جاگا ہے وہ ازراہِ ہمدردی نہیں بلکہ ازراہِ انسانیت ہے اور امی کیا آپ اس بات کی قائل نہیں ہیں کہ انسان سے جس صورت میں بھی ممکن ہو سکے۔ اپنے جیسے دوسرے انسان کی مدد کرے۔ میں بھی ایسے ہی جذبے سے یہاں آیا ہوں۔ کیا آپ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے انھیں ٹھکرا دیں گی۔ آپ یقین کیجیے، میرے دل میں ماں کا تصور بہت بڑا ہے۔ ماں تو زندگی کی بازی لگا کر، اپنے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر اولاد کی زندگی کی خواہاں ہوتی ہے۔ وہ کوئی بھی جذبہ ہو اور اس کی خواہ کتنی ہی اہمیت ہو۔ آپ کو ماں کی ممتا پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ اپنی زبان بند نہ رکھیے۔ ہمارے درمیان خدا کا وجود ہے اور آپ اس خدائے برتر پر یقین رکھ کر مجھے اپنے بیٹے کا دوسرا روپ سمجھیے اور یہ سمجھ لیجیے کہ جس طرح احسان آپ کی عزت رکھنا چاہتا ہے ہم بھی اس میں کوئی داغ نہیں لگنے دینا چاہتے لیکن حقیقتوں سے آگاہی ضروری ہے۔ حقیقتیں ہمارے سامنے آ جانی چاہییں۔ آپ ہمیں پوری تفصیل بتا دیجیے تاکہ ہم اس کیس کو لے کر آگے بڑھ سکیں۔" فریال چائے کے برتن لیے ہوئے اندر آ گئی تھی اور اس نے یہ الفاظ سُن لیے تھے۔ اُس نے ہیجانی انداز میں کہا۔

"نہیں... ہمیں معاف کیجیے گا... نہیں، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ہمارا خاموش رہنا ضروری ہے، بہت ضروری ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ بڑی اُلجھنیں سامنے تھیں۔ میں نے ایک بار پھر معمر خاتون کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"یہ خاموشی آپ کے بیٹے کی زندگی لے سکتی ہے اور اگر آپ تمام حقیقتیں بتا دیں تو اس بات کے امکانات ہیں کہ احسان ایک دن ہنستا کھیلتا اس گھر میں واپس آ جائے۔ میں آپ کو سمجھنے کا نام بدرجہ تو

دے رہا ہوں۔ غور کیجیے۔ اگر یہ راز احسان کی زندگی سے زیادہ قیمتی ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ مجھے ماں کی ممتا اور بہن کی محبت پر یقین نہیں رہے گا۔ آئیے فاروقی صاحب! اس گھر میں کیا چائے پینا، جہاں سچے جذبات، ممتا اور بہن کی محبت کا کوئی جذبہ نہ ہو۔ آئیے۔"

فاروقی صاحب اُٹھ گئے۔ وہ دونوں ہمیں یاس بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئیں۔ انھوں نے ہمیں روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ فاروقی صاحب کا موڈ بھی خراب ہو گیا تھا۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کی اور ہم دونوں بیٹھ کر چل پڑے۔ راستے بھر خاموشی رہی تھی اور پھر ٹھکانا فاروقی صاحب کے دفتر کے علاوہ اور کہاں ہو سکتا تھا چنانچہ ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر احمقوں کی طرح ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ فاروقی صاحب بولے۔

"اس طرح تو بڑی مشکل پیش آئے گی شارق۔ پتا نہیں ان دونوں خواتین کو کیا ہُوا ہے؟"

"ہاں، فاروقی صاحب! اُن کی زبان کھُلنا ضروری ہے اور کون سی کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"میں اُن لوگوں کا نیچر سمجھ رہا ہوں۔ بہت سے جاہل گھرانوں میں قانون سے ناواقفیت کی بنا پر نہ جانے کیا کیا حماقتیں خود پر طاری کر لی جاتی ہیں۔ یہ لوگ صورتِ حال کو سمجھ نہیں رہیں۔ کاش یہ ہماری مدد کرتیں۔" تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد دفعتاً ہی میرے ذہن میں روشنی کی ایک چمک اُبھری اور میں نے فاروقی صاحب سے کہا۔

"ابھی ثمینہ فرہاد باقی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"اوہ" فاروقی صاحب چونک پڑے۔ "ذرا وضاحت کرو۔"

"اگر میں اس سے ملاقات کر کے اُن کے کردار اور ان کی شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کروں تو ممکن ہے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ ہم لوگ وکیل کی حیثیت سے ابھی تک سامنے نہیں آئے ہیں اور ثمینہ فرہاد تو یہ سمجھتی ہے کہ احسان تابش نے اپنے لیے کوئی وکیل نہیں کیا ہے، چنانچہ ممکن ہے وہ کوئی کام کی بات اُگل دے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن صورتِ حال خراب بھی ہو سکتی ہے۔"

"کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

"تم اُس سے کس حیثیت سے ملاقات کرو گے؟"

"کوشش کروں گا کہ وہ ابتدا میں میرے بارے میں نہ جاننے پائے۔ بعد میں اُسے اگر یہ بات بتا بھی دوں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ظاہر ہے اُس کے بعد اس کا رویہ میرے ساتھ درست نہیں ہو گا لیکن اگر ہمیں کوئی پوائنٹ مل جائے تو اس پوائنٹ کے تحت ہم کم از کم کام کا آغاز تو کر سکتے ہیں۔"

"ثمینہ کمرۂ عدالت میں یہ بیان دے سکتی ہے کہ تم اُس سے ملے تھے، اُسے دھمکایا تھا یا پھر ایسی ہی کوئی بات۔ اُس کے شوہر کے قتل کا معاملہ ہے اور وہ اس میں شریک ہے۔"

"اگر ایسا ہے بھی تو وہ اس کے لیے کوئی ثبوت تو پیش نہیں کر سکے گی۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب مسکرا پڑے۔

"بھئی، تم اگر اپنے طریقۂ کار کے مطابق یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔ ظاہر ہے کہ تم عام قسم کے وکیل تو ہو نہیں۔"

"اُن لوگوں نے ذہنی طور پر اُلجھا دیا ہے لیکن اُس شاعر کو بچانے کو جی چاہتا ہے فاروقی صاحب، بشرطیکہ وہ گنہگار نہ نکلے۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب گردن ہلانے لگے۔

فاروقی صاحب سے رُخصت ہونے کے بعد اب صرف گھر تھا جہاں رونقیں تھیں، دلچسپیاں تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ محتاط بھی رہنا پڑتا تھا۔ آج جب گھر پہنچا تو ماحول کافی خوشگوار نظر آیا۔ لان پر پکنک کا سا سماں تھا۔ پتا چلا کہ شفق بھابی نے شام کی چائے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ اُن کے میکے کے لوگ بھی آ رہے تھے۔ میری تینوں بھابیاں بہت اچھی طبیعتوں کی مالک تھیں اور اُن سے میں بے حد متاثر تھا چنانچہ میں اُن کی دلچسپیوں میں شریک ہو گیا۔ شفق بھابی نے اپنے گھر والوں کو چائے پر بلایا تھا۔ کافی اہتمام کیا گیا تھا اور باقی دونوں بھابیاں بھی اس اہتمام میں شریک تھیں چنانچہ رات گئے تک اس پارٹی کی رونقیں اپنی تمام تر دلچسپیوں کے ساتھ جاری رہیں۔ شفق بھابی نے مجھے خاص طور سے نیلوفر نامی ایک لڑکی سے ملایا۔ اچھی شکل و صورت کی مالک اور شگفتہ مزاج تھی لیکن بھابی کے ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھ کر میں کسی قدر خوفزدہ ہو گیا۔ بعد میں لالہ رُخ نے میرے خیال کی تصدیق کر دی۔

"ہوں، تو اب جناب کو نیلوفر کے پھولوں سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔"

"مجھے تو صرف لالہ رُخ پسند ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی کام لینا چاہتے ہیں مجھ سے تو میں حاضر ہوں۔" خلافِ توقع اُس کے لہجے میں پیار کی حلاوت گھُلی تھی۔

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ نیلوفر کے پھولوں کے سلسلے میں۔"

"مجھے صرف گوبھی کے پھول پسند ہیں۔ میری پیاری بہن جب بھی کبھی سوچو گوبھی کے پھولوں کے بارے میں سوچنا، نیلوفر کے پھولوں سے تو مجھے نفرت ہے۔"

"شفق بھابی کو پتا چل گیا تو ناراض ہو جائیں گی۔"

"کیوں بھئی! میری پسند۔ جس قسم کے پھول بھی میں پسند کروں۔"

"میرے پیارے بھیا یوں لگ رہا ہے اب جیسے بازی میرے حق میں پلٹ رہی ہے۔ جس طرح آپ نے مجھے پریشان کیا تھا، اُس کا جواب بخوبی دیا جا سکتا ہے۔"

"اطمینان رکھو۔ میں تمھاری طرح گڑگڑاؤں گا نہیں۔"

"ارے واہ، میں کب گڑگڑائی تھی۔ آپ نے ایسا دباؤ مسلط کر دیا تھا مجھ پر کہ بس پریشان ہو گئی تھی۔ یہ امی اور ابو تو بس آنکھیں بند کر کے دوڑ لگا دینے کے عادی ہیں۔"

"کیا گفتگو ہو رہی ہے بھئی، ہمیں بھی اس میں شریک کر لیا جائے۔" شفق بھابی نے کہا۔

"نیلوفر کے پھولوں اور گوبھی کے پھولوں کا تجزیہ کیا جا رہا تھا۔" لالہ رُخ نے کہا۔

"اوہو، اس کا مقصد یہ ہے کہ بات نیلوفر کے پھولوں کی کسی نہ کسی حد تک جاری ہے۔"

"ہاں بھابی! میں لالہ رُخ کو یہی بتا رہا تھا کہ مجھے پھولوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے یا اگر پسند ہیں تو صرف گوبھی کے پھول جو کسی کے کام تو آ سکتے ہیں۔ کیا آپ نے گوبھی کا حلوہ کھایا ہے؟"

"میں آسانی سے احمق بننے والوں میں سے نہیں ہوں۔" شفق بھابی نے یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی چلی گئیں۔

←

دوسری صبح کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ بس ثمینہ فرہاد سے ملاقات کا تصور ذہن میں موجود تھا۔ ٹیلی فون ڈائرکٹری میں سے فرہاد احمد کے گھر کا نمبر معلوم کرنا مشکل نہ ثابت ہوا۔ میں نے ثمینہ فرہاد کو ٹیلی فون کیا اور اس طرف سے ایک ملازم نے ٹیلی فون اُٹھایا۔ میں نے ثمینہ کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ وہ کہیں گئی ہوئی ہیں اور دوپہر کو ایک بجے تک واپس آئیں گی۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے میں تیار ہو کر چل پڑا اور شہر کے اس فیشن ایبل علاقے میں پہنچ گیا جہاں فرہاد کی کوٹھی تھی۔ دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔ میں نے ثمینہ فرہاد سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

تھوڑی دیر کے بعد مجھے ثمینہ فرہاد سے ملاقات کی اجازت مل گئی اور ایک ملازم مجھے اپنے ساتھ ایک خوبصورت ڈرائنگ روم میں لے گیا جس کی آرائش اس کوٹھی کی مناسبت سے تھی۔ ثمینہ فرہاد اندر داخل ہوئی۔ خوبصورت عورت تھی اور لباس کا سلیقہ رکھتی تھی۔ آنکھوں کے پپوٹے متورم تھے۔ سلام کر کے میرے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔

"جی فرمایئے! آپ کا تعلق کسی پریس سے ہے یا پھر انتظامیہ سے؟"

"یوں لگتا ہے ثمینہ صاحبہ! کہ پریس اور انتظامیہ کے لوگ آپ کو کافی پریشان کرتے رہے ہیں؟"

"نہیں، سب کے فرائض ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے میں کوئی بالکل ہی جاہل اور گھریلو قسم کی عورت نہیں ہوں۔ میرے اپنے احساسات میری ذات تک ہیں۔ دوسرے لوگ انھیں کیا سمجھ سکتے ہیں۔"

"آپ یہاں تنہا رہتی ہیں؟"

"وہ سوال جو ذاتی نوعیت کا نہ ہو۔ براہِ کرم اُس سے مجھے معاف رکھیں۔ میں شدید ذہنی تھکن کا شکار ہوں۔ آپ پہلے تعارف کرائیں۔ کوئی کارڈ وغیرہ نہیں ہے آپ کے پاس؟"

"اتفاق ہے ثمینہ صاحبہ! ابھی میں کارڈ کے قابل نہیں ہو سکا۔"

"تو پھر آپ یہاں کس لیے تشریف لائے ہیں؟"

"آپ سے کچھ ایسے سوالات کرنے، جن کا جواب آپ کے لیے بھی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔"

"افسوس، اب تک آپ کے تعارف سے محروم ہوں؟"

"آپ مجھے شارق حسین کہہ سکتی ہیں۔"

"خیر ٹھیک ہے۔ اپنی آمد کا مقصد بتایئے۔ چائے منگواؤں آپ کے لیے؟"

"آپ کھانا کھا چکی ہیں؟" میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ کھائیں گے؟"

"نہیں پلیز۔ دراصل میں اس لیے پوچھ رہا تھا کہ اگر آپ کھانا کھا چکی ہیں تو چائے پلوا دیجیے ورنہ آپ ڈسٹرب ہوں گی۔"

"آپ کے لیے منگوائے دیتی ہوں۔" اُس نے کہا اور اُس نے گھنٹی بجا کر ملازم کو طلب کیا اور اس سے چائے لانے کے لیے کہہ دیا۔ اس کے بعد وہ مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"ثمینہ صاحبہ! بہت سے لوگ آپ سے ملنے آئے ہوں گے۔ آپ سے تعزیت بھی کی ہو گی۔ وہی گھسے پٹے جملے دُہرائے ہوں گے۔ میں وہ جملے نہیں دُہرانا چاہتا۔ ہر ملنے والا اخلاقی طور پر اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اُسے آپ کے دُکھ کا بے پناہ دُکھ ہے۔ یہ طور انسانی رشتوں کی بنیاد پر اگر اس دُکھ کا اظہار کیا جائے تو فطری چیز ہے۔ میں اس قتل کی وجہ کی تلاش میں ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے پوچھا۔

"ثمینہ صاحبہ! میں نے آپ سے آپ کی تنہائی کے بارے میں پوچھا تھا تو آپ نے اُسے ذاتی سوال کہہ دیا لیکن اس سوال کا تعلق میری تحقیقات سے ہے۔ میں آپ سے براہِ راست ایک بات پوچھتا

ہوں، اُس کا ضرور جواب دیجیے گا "

"جی فرمایئے ؟"

"آپ کے اور فرہاد احمد صاحب کے درمیان تعلقات کیسے تھے ؟"

"آپ اس سوال کا جواب کس بنیاد پر طلب کرنا چاہتے ہیں ؟"

"صرف اس بنیاد پر کہ میں فرہاد صاحب کے قتل کو صحیح رنگ میں پیش کرنا چاہتا ہوں "

"میں یہ کہتی ہوں کہ آخر آپ ہیں کون ؟ ایک غیر متعلق آدمی آکر مجھے یہ بتلائے کہ اس کا نام شارق حسین ہے اور اس کے بعد یہ سوالات کر دے تو میں اپنے آپ کو اس کے جوابات کے لیے کیوں مجبور کر دوں ؟"

"میں وکیل ہوں... ثمینہ صاحبہ ! اور یہ صرف اپنے طور پر معلومات کرنا چاہتا ہوں " میرے پیشے کے متعلق سنتے ہی اس کا چہرہ پُرسکون ہوتا چلا گیا اور پھر صوفے سے سر ٹکاتے ہوئے بولی۔

"میرے اور میرے شوہر کے درمیان بہترین تعلقات قائم تھے ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرے شوہر ایک صاحبِ کردار انسان تھے اور مجھے اُن سے کبھی شکایت نہیں ہوئی "

"ثمینہ صاحبہ ! افسوس کہ آپ کو یہ بات بھی معلوم نہیں کہ آپ کے شوہر بہت اچھے انسان اور بہت اچھے شوہر ہونے کے باوجود حُسن پرست بھی تھے اور انھوں نے ایک خوبصورت لڑکی کو اپنی سیکریٹری کی جگہ صرف اسی لیے دی تھی "

"مسٹر شارق ! آپ یہ نہیں بتائیں گے کہ کون ہیں آپ ؟ کس کے وکیل ہیں ؟ کیا حکومت کی طرف سے آپ کو مقرر کیا گیا ہے ؟ کیا آپ اس قاتل کے وکیل ہیں ؟ براہِ کرم پہلے مجھے اس بات کا جواب دے دیجیے " یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر دوبارہ درشتگی پھیلنے لگی تھی۔

"ہاں ثمینہ صاحبہ ! میں اس شخص کی وکالت کرنا چاہتا ہوں جو اس قتل کا ملزم ہے "

"تو پھر آپ براہِ کرم یہاں سے فوراً چلے جایئے۔ آپ میرے دشمن کے ساتھی ہیں، میں آپ کو اپنا دوست کیسے سمجھ سکتی ہوں۔ آپ کو... آپ کو انسانی جذبات کا ذرا بھی خیال نہیں ہے ؟ آپ کس بنیاد پر مجھ سے یہ معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں ؟ آپ کو، آپ کو یہ جرأت کیسے ہوئی ؟" ثمینہ کا پارہ آہستہ آہستہ چڑھتا جا رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا " میری ساری زندگی ویران ہو گئی۔ وہ اس دنیا سے چلا گیا جو میرا سائبان تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو بے پناہ چاہتے تھے اور اس کے بعد آپ اُس شخص کی وکالت کر رہے ہیں جس نے میری زندگی کو ایک خشک صحرا میں تبدیل کر دیا ہے۔ میں میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ انتہائی قابل وکلا کی خدمات حاصل کر کے اس شخص کو بدترین سزا دلواؤں۔ کاش ! موت سے بڑھ کر کوئی سزا ہو سکتی اُس کے لیے۔ میں... میں ایک لمحہ آپ کے وجود کو اس چھت کے نیچے برداشت نہیں کر سکتی۔ میں اتنی بد اخلاق نہیں ہوں لیکن آپ... آپ انتہائی شاطر آدمی ہیں۔ چلے جایئے، براہِ کرم یہاں سے چلے جایئے "

"وہ آپ کی چائے خراب ہو جائے گی "

"میں کہتی ہوں چلے جایئے۔ آپ کو ایک غمزدہ عورت سے مذاق کرتے شرم نہیں آتی " اُس نے گھنٹی کے بٹن پر اُنگلی رکھ دی اور میں جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں صرف اس لیے آپ کے پاس حاضر ہوا تھا محترمہ ! کہ اگر احسان نائب بے گناہ ہے تو اس کی زندگی بچ جائے اور اگر وہ گنہگار ہے تو آپ یقین کیجیے کہ آپ سے زیادہ میں اس کے لیے بدترین سزا کا طالب ہوں۔ باقی رہی گھر میں آنے والوں کی بات تو ٹھیک ہے آپ مجھے اپنی چھت کے نیچے سے نکال دیجیے۔ آپ کو اس کا حق ہے " ملازم اندر آ گیا تو ثمینہ فرہاد نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ان صاحب کو دروازے کے باہر چھوڑ آؤ، فوراً "

"چلیے صاحب ! " ملازم نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور میں مسکرا کر ثمینہ فرہاد کو دیکھتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ کافی حد تک اسی کی اُمید تھی اور اس عورت سے ملاقات پر کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ بہرطور کامیابی یا ناکامی تو ایسے معاملات میں ہوتی ہی رہتی ہے۔

بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے میرے دل میں ثمینہ فرہاد کے رویے کا کوئی ملال نہیں تھا۔ البتہ یہ احساس ضرور ہوا تھا کہ اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔ ابھی بائیک نے رفتار بھی نہیں پکڑی تھی کہ اسی علاقے کے ایک بنگلے سے میں نے ایس۔ پی طارق حسین کی کار نکلتے ہوئے دیکھی۔ اُنھوں نے بھی شاید مجھے دیکھ لیا تھا۔ کسی شخص کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ اُنھوں نے گاڑی کی رفتار سُست کر دی اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ ان کے نزدیک ہی کوئی اور بھی بیٹھا ہوا تھا... ایس۔ پی صاحب نے میرے سلام کے جواب میں کہا۔

"کہاں جا رہے ہو ؟ ادھر یہاں کہاں آئے تھے ؟"

"جی، وہ بھائی جان ! ایک کام سے آیا تھا۔ کوئی حکم ہے میرے لیے ؟"

"نہیں۔ تمھاری بائیک دیکھی تو میں نے گاڑی رُکوالی۔ یہ

ملزوں جیل کے جیلر صاحب ہیں وقار احمد۔ وقار صاحب ! یہ میرا سب سے چھوٹا بھائی شارق حسین، پریکٹس کر رہا ہے "

"خوب شارق حسین صاحب ! آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ کبھی جیل آیئے نا " وقار احمد نے کہا اور میں نے خوفزدہ سی شکل بنا لی۔ ایس۔ پی طارق حسین ہنسنے لگے تھے۔

"میرا مطلب ہے خدانخواستہ کسی جرم میں ملوث ہو کر نہیں بلکہ یوں ہی "

"یقیناً وقار صاحب، بلکہ آپ سے تعارف ہونے کے بعد تو میں بھائی صاحب سے یہ کہنے والا تھا کہ آپ سے میری سفارش بھی کر دیں۔ اگر کسی ملزم سے ملاقات کے لیے کوئی ضرورت پیش آئے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ مشکل حل کر لی جائے "

"جب جی چاہے آ جانا بھئی، پھر وکیل اور جیلر کا تو چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ جب کوئی ضرورت پیش آئے تو میرے پاس آ جانا "

"بہت بہت شکریہ "

"کہاں جا رہے ہو ؟ " بھائی جان نے پوچھا۔

"بس بھائی جان، ذرا کچھ کام نمٹانے تھے، اس کے بعد گھر جاؤں گا اور اگر کوئی حکم ہو تو مجھے بتلا دیجیے "

"نہیں شکریہ۔ چلو ڈرائیور۔ اچھا بھئی خدا حافظ " ایس۔ پی صاحب نے کہا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔

میں واپس موٹر سائیکل پر جا بیٹھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اس اتفاقیہ ملاقات سے تو بڑا فائدہ ہو گیا۔ اب کم از کم جیل کا راستہ کھل گیا ہے یعنی اگر کسی قیدی سے ملاقات کرنی ہو تو اس کے لیے باقاعدہ لمبی چوڑی کارروائی کی ضرورت نہیں تھی۔ وقار صاحب کے ذریعے یہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ یہاں سے فاروقی صاحب ہی کے پاس جانا تھا۔ چنانچہ میں اُن کے گھر کی جانب چل پڑا۔ کورٹ کا وقت ختم ہوا ہی چاہتا تھا اور پھر بظاہر تو کوئی مصروفیت تھی نہیں اُن کی۔ گھر پہنچا تو فاروقی صاحب ابھی تک نہیں آئے تھے لیکن چچی جان سے اب میرا پوری طرح تعارف ہو چکا تھا اور ان کے رویے میں بڑی شفقت پائی جاتی تھی۔ چنانچہ بیٹھا اُن سے باتیں کرتا رہا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد فاروقی صاحب بھی آ گئے۔

"بائیک دیکھ لی تھی میں نے تمھاری " اُنھوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر بیوی سے بولے۔

"کھانا نکال لاؤ۔ بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے " میں بھی فاروقی صاحب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گیا۔

کھانے کے دوران ہی ثمینہ فرہاد کے بارے میں گفتگو شروع ہو گئی تھی۔ میں نے فاروقی صاحب کو ساری تفصیل بتا دی اور وہ گردن ہلانے لگے۔

"مجھے یہی خطرہ تھا کہ وہ تم سے تعاون نہیں کرے گی۔ ویسے بھی بڑے لوگ ہیں۔ اُن کے بھی کافی تعلقات ہیں۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے شارق ! کہ اتفاق سے جیسے تمھارا پہلا کیس شروع ہوا تھا۔ دوسرے کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ہاں یہ شکر ہے کہ اس کیس میں بیرسٹر نصرت حسین اور جج امجد حسین نہیں ہیں "

"یہ کوئی خاص بات نہیں ہے فاروقی صاحب ! آنے والے وقت میں بڑے بڑے کیس ملیں گے لیکن کسی بھی کام کی ابتدا نیک کاموں سے ہونی چاہیے اور پھر آپ یقین کیجیے کہ میری زندگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ بے گناہ انسان وہ نادار لوگ جو قانون کا صحیح استعمال اس لیے نہیں کر پاتے کہ ان کی معلومات اور وسائل محدود ہوتے ہیں۔ میرے ذریعے استفادہ حاصل کریں اور قانون کو صحیح انداز میں اُن پر صحیح استعمال کیا جائے۔ چنانچہ یہ دوسرا کیس صرف اسی لیے دوسرے کیس سے مماثلت رکھتا ہے کہ غریب اور پریشان حال لوگ اسی انداز میں پھنس جاتے ہیں " فاروقی صاحب خاموشی سے کھانا کھاتے رہے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد چائے کا دور شروع ہو گیا۔ اُنھوں نے کہا۔

"تمام کاغذی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ میں نے مال خانے میں موجود چیزوں کے لیے بھی درخواست دے دی ہے اور ایک آدھ دن میں ہم آلۂ قتل وغیرہ کا بھی معائنہ کر لیں گے۔ یہ میں نے اپنے طور پر صرف اس لیے کر لیا ہے کہ پچھلی بار تم نے آلۂ قتل سے بڑا فائدہ اٹھایا تھا۔ ممکن ہے کوئی کام کی بات ذہن میں آ جائے۔ ویسے اس بار آلۂ قتل کے ساتھ انگلیوں کے نشانات کی رپورٹ موجود ہے۔ پھر بھی شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے لیکن اصل مسئلہ ان لوگوں کی زبان کھلوانے کا ہے۔ ویسے اب یہ بتاؤ کہ تمھارے اپنے خیال میں یہ پورا قصہ کیا ہو سکتا ہے ؟"

"صرف ایک بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں فاروقی صاحب ! وہ یہ کہ قتل کی اس واردات میں کہیں نہ کہیں قریال حسین کی ٹانگ اڑی ہوئی ہے اور جیسا کہ ہم لوگوں نے تصور کیا کہ غیرت مند بھائی بہن کی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکا اور طیش میں آ کر فرہاد احمد کو قتل کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ بات کسی طور پر بھی منظرِ عام پر نہیں آئے گی۔ سوائے اس کے کہ ہم اپنے طور پر ہی یہ پوائنٹ اُٹھائیں، ورنہ احسان نائب کی خاموشی اور اقرارِ جرم ہر بات کی پردہ پوشی کر دیتا ہے "

"یقیناً اسی پوائنٹ پر کام شروع کیا جائے گا لیکن کم از کم کچھ اشارے تو مل سکیں اُن لوگوں کی طرف سے۔ کیا خیال ہے، ایک بار اور اُن سے ملاقات کر لی جائے "

"آج رہنے دیجیے۔ کل اس سلسلے میں کوشش کریں گے اور ہاں اب جیل میں احسان تائب سے ملاقات مشکل نہیں رہ گئی، جیلر وقار صاحب سے بھائی جان کے ذریعے میری ملاقات ہو گئی ہے۔"

"چلو یہ اچھا ہوا۔ کم از کم اس طرح اس قسم کے لوگوں سے ملنے میں ان مشکلات سے تو نہیں گزرنا ہوگا جو پیش آتی ہیں۔ ہم لوگ وکیل ہیں تو ہیں لیکن بہر طور ان وقتوں سے تو گزرنا ہی ہوتا ہے۔"

"ہاں بالکل۔ میں نے بھی اس موقعے سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں اور فاروقی صاحب، ابراہیم صاحب کے کیس کے سلسلے میں گفتگو کرنے لگے، جس کی پیشی دوسرے دن تھی۔

شام تک میں ابراہیم صاحب کے کیس کے سلسلے میں تیاریاں کرتا رہا اور پھر میں نے جو تفصیلات فاروقی صاحب کو بتائیں انھیں سن کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"خدا کی قسم بہت شاندار، بہت ہی شاندار، اب ہم اس کیس کو دو پیشیوں میں ختم کر لیں گے۔"

"ہاں، دو یا تین پیشیاں، اس سے زیادہ نہیں۔"

"ابراہیم صاحب بہت بااختیار آدمی ہیں۔ میرا خیال ہے اگر یہ معاملہ ان کی مرضی کے مطابق نمٹ گیا تو ہمارے لیے بہتری ہوگی۔"

"میں آپ کے لیے بہتری کا خواہاں ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب گردن ہلانے لگے۔

☆☆☆

تین چار دن خاموشی سے گزر گئے۔ ان دنوں میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ آستانے کے ہاں حاضری اور پھر فاروقی صاحب کے آفس یا سٹی کورٹ۔ ابراہیم صاحب کی پہلی پیشی بڑی کامیاب رہی تھی اور فیصلہ دوسری پیشی پر ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ابراہیم صاحب بہت خوش تھے۔ جس دن ان کی پہلی پیشی ہوئی اور عدالتی کارروائی کے بعد باہر نکلے تو انھوں نے فاروقی صاحب کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"فاروقی صاحب! آپ چھپے رستم ہیں بلکہ پرانے چاول ہیں۔ کیا پوائنٹس دیے ہیں آپ نے، مقدمہ لڑنے کا لطف آگیا۔ ویسے فاروقی صاحب! آپ نے کوئی دفتر کیوں نہیں بنایا۔ اگر آپ دفتر بنانا چاہیں تو آپ کو جگہ دے سکتا ہوں اور وہ بھی وسط شہر۔ میرا ایک کمرا خالی پڑا ہوا ہے۔ میں خلوصِ دل سے آپ کو اس کی پیشکش کرتا ہوں۔" فاروقی صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا، میں نے جلدی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر مناسب کرایہ وغیرہ طے ہو جائے تو کیا حرج ہے فاروقی صاحب! دفتر تو گھر سے باہر ہی ہونا چاہیے۔"

"بھئی ابراہیم میاں! ایک چھوٹا سا کام کرا رہا ہوں میں تمھارا، جس کا تم مجھے معقول معاوضہ دے رہے ہو۔ یہ احسان کچھ زیادہ نہیں ہو جائے گا؟"

"اماں، احسان کاہے کا فاروقی صاحب! زیادہ سے زیادہ آپ مجھے اس کا تھوڑا سا کرایہ دے دیا کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"کیوں بھئی! کھل کر بات کرو۔ کیا مشورہ ہے تمھارا۔؟"

"دراصل ابراہیم صاحب! میں تو بوڑھا ہو کر گوشہ نشین ہو گیا تھا مگر لڑکا پھر مجھے زندہ کر رہا ہے اور پھر جب انسان زندہ ہوتا ہے تو زندگی کے لوازمات سے دُور نہیں ہو سکتا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس نے میری عمر کچھ اور بڑھا دی ہے۔ اگر واقعی وہ دفتر آپ کے کام کا نہیں ہے تو میرا خیال ہے ہمیں دے دیں۔ کوئی حرج بھی نہیں ہوگا۔ کرایہ آپ ہم سے معقول لیں۔ ویسے ہم بڑے باقاعدہ کرایہ دار ثابت ہوں گے۔" ابراہیم صاحب ہنس پڑے۔ پھر بولے۔

"کاش، اس وقت میں اس کی چابی لے کر آیا ہوتا۔ فکر نہ کریں۔ چابی گھر پر پہنچ جائے گی۔ آپ خود ہی دفتر دیکھ لیں۔ اگر دفتر آپ کے کام کا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر چابی مجھے واپس کر دیں۔"

مجھے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ واقعی کوئی دفتر گھر سے باہر بھی ہونا چاہیے تھا۔ جس عمارت کا پتا ابراہیم صاحب نے بتایا تھا، وہ کورٹ سے زیادہ دُور بھی نہیں تھی اور کسی وکیل کے دفتر کے لیے انتہائی موزوں۔ چنانچہ میں نے اور فاروقی صاحب نے طے کیا کہ اس دفتر کو لے لیا جائے۔

ابراہیم صاحب بات کے پکے نکلے۔ دوسرے ہی دن انھوں نے چابی بھجوا دی اور میں اور فاروقی صاحب دفتر دیکھنے پہنچ گئے۔ ہمارے حساب سے بہت نفیس دفتر تھا۔ کشادہ کمرا، جس میں اگر پارٹیشن وغیرہ لگا لیے جائیں تو بڑی عمدگی سے کام ہو سکتا تھا۔ میں فاروقی صاحب کے ساتھ رہنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ اتفاقات نے اُن کے ساتھ ابتدا کی تھی۔ تو اب میں انھیں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے بھی بے چارے بے یار و مددگار تھے اور میرے سہارے نے درحقیقت انھیں نئی زندگی بخش دی تھی۔

چنانچہ میں نے دفتر کی تیاریوں کی ذمہ داری سنبھال لی۔ فاروقی صاحب کو ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کرنے دیا اُس پر اور اس کے بعد اگلے تین دن تک میں دفتر ہی میں مصروف رہا۔ ان دوران میں نے فاروقی صاحب کو دفتر آنے کے لیے منع کر دیا تھا۔ اپنے اکاؤنٹ سے اچھی خاصی رقم نکلوائی۔ دفتر میں شاندار میزیں، بہترین قالین، کمرا انتظار الگ ترتیب دے

دیا گیا تھا۔ درمیان میں شیشے کا پارٹیشن کر کے دو کیبن بنا دیے گئے تھے۔ ایک ائرکنڈیشنر بھی خرید کر لگوا دیا تھا۔ تقریباً تیس پینتیس ہزار روپے خرچ ہو گئے لیکن دفتر منہ سے بولنے لگا اور پھر بھرپور پیسے دیے جائیں تو کام میں زیادہ وقت بھی نہیں لگتا۔ چنانچہ چوتھے دن ہمارا یہ دفتر مکمل تھا۔

اس دوران فاروقی صاحب کو اتفاق سے دو چھوٹے چھوٹے کیس اور مل گئے تھے۔ جن میں وہ بالکل مصروف ہو گئے تھے۔ دفتر کی تیاری کے بعد ایک شام میں نے فاروقی صاحب کا تمام ریکارڈ اُن کے گھر سے اُٹھوایا اور اسے لے کر دفتر چل پڑا۔ فاروقی صاحب ارے ارے کرتے ہی رہ گئے تھے۔ انھوں نے کہا تھا کہ اس ریکارڈ روم کی ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن پر ابھی انھیں کام کرنا ہے لیکن میں نے اُن کی ایک نہیں سنی تھی اور پھر دوسری صبح فاروقی صاحب کو اپنی بائیک پر لے کر دفتر چل پڑا۔ فاروقی صاحب نے دفتر دیکھا تو رو پڑے تھے، لیکن انھوں نے اس سلسلے میں مجھ سے ایک بھی سوال نہیں کیا۔ جب میں نے انھیں اُن کی ریوالونگ چیئر پر بٹھایا تو ان کے آنسو بہنے لگے تھے۔ پھر انھوں نے آنسو خشک کیے اور سامنے رکھے ہوئے فائل پر جھک گئے۔

ابراہیم صاحب کا کیس دوسری پیشی پر ختم ہو گیا تھا۔ کرایہ وغیرہ کے بارے میں ابھی تک ابراہیم صاحب سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی لیکن اب اتنے پیسے تھے اور ہماری پسندیدہ جگہ پر دفتر وغیرہ کا کرایہ منہ مانگا بھی دیا جا سکتا تھا۔

میری میز دوسرے کیبن میں تھی اور اس کے بعد ہم نے اوقات کار متعین کر لیے تھے۔ ایک چپراسی کے لیے بھی انتظام کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ غرض ایک اچھے دفتر میں جو چیزیں ہو سکتی تھیں۔ اب وہ سب چیزیں اس دفتر میں موجود تھیں سوائے چپراسی کے۔ باقی اور دوسرا عملہ بھی رکھا جا سکتا تھا لیکن جلد بازی مناسب نہیں تھی۔ ہم پہلے احسان تائب کے کیس سے نمٹ لینا چاہتے تھے۔ احسان تائب کے کیس کی پیشی ٹھیک ایک ہفتے کے بعد تھی۔ تاریخ ہمارے پاس درج تھی۔ اس دوران کئی بار میرے اور فاروقی صاحب کے درمیان گفتگو ہو چکی تھی۔ فاروقی صاحب کا کہنا تھا کہ اگر ایک بار اور احسان تائب کے گھر والوں سے مل لیا جائے تو شاید اُن کے انداز میں کچھ نرمی پائی جائے لیکن میں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ پھر اس دن میں نے اُن کے اہلِ خاندان سے ملنے کی بجائے خود اُسی سے ملنا مناسب سمجھا اور وقار صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وقار احمد صاحب کو سلام کیا تو انھوں نے ایک ہی نگاہ میں مجھے پہچان لیا۔ اچھی یادداشت کے مالک تھے۔ مجھے میرے نام ہی سے مخاطب کیا۔

"کہو بھئی وکیل صاحب! کیسے آنا ہوا؟" انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"دراصل آپ نے ایک وعدہ کر لیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے فائدہ ہی اٹھا لیا جائے۔"

"کیسا وعدہ بھئی؟"

"ایک قیدی سے ملاقات کرنی ہے۔"

"تو کر لو۔ کون ہے وہ؟"

"احسان تائب نام ہے اُس کا اور قتل کا ملزم ہے۔"

"میں ہدایات جاری کیے دیتا ہوں۔ مل لو۔"

"بہت بہت شکریہ وقار صاحب!" میں نے جواب دیا۔

جب میں احسان تائب کے پاس پہنچا تو اُس نے مجھے حیرت سے دیکھا اور پھر اُس نے مجھے پہچان لیا۔

"ارے ہو، وہ ہو جو مسیحائی کرنا چاہتا ہے۔ کیا کرو گے میاں، ہمیں بچا کر۔ زمین پر ویسے ہی آبادی کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے، تناسب برقرار رہنے دو۔ ایک آدمی کم ہوا تو نہ جانے کس بے چارے کو اُس کی جگہ مل جائے۔"

"بھائی شاعر! تم شاعر ہو اور میں وکیل۔ بڑا بے جوڑ رشتہ ہے ہمارے اور تمھارے درمیان، لیکن اگر میں تم سے وعدہ کروں کہ تم سے تمھاری چار غزلیں سن لوں گا تو کیا تم مجھ سے اس سلسلے میں تعاون کر سکتے ہو۔" احسان تائب نے چونک کر مجھے دیکھا۔ دیکھتا رہا اور میں نے کبھی کسی کے چہرے کے عضلات میں اتنی نمایاں تبدیلی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اچانک ہی اس کی صورت کے پیچھے ایک نئی صورت نمودار ہو گئی۔ مجھے احساس ہوا کہ زندگی سے لاپروائی کا جو خول اُس نے اپنے چہرے پر چڑھا رکھا ہے وہ سو فیصد مصنوعی ہے۔ وہ مجھے دیکھتا رہا۔ نہ جانے میرے ان الفاظ نے اس کے ذہن کے کون سے تاروں کو جھنجھوڑ دیا تھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"ایک بات کا جواب دو، بُرا مت ماننا۔"

"پوچھو؟"

"کیا سرکاری طور پر تمھیں میرا وکیل مقرر کیا گیا ہے۔ غیر اخلاقی طور پر بے کاری اور لاچاری کے عالم میں حکومت نے مجھ پر رحم کھایا ہے، یا کوئی اور بات ہے؟"

"یہی سمجھ لو دوست! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ تم نے اگر مجھے خلوصِ دل سے وکیل قبول کر لیا ہے تو اس سے میرا بہت بھلا ہو سکتا ہے، تو کیا تم مجھ پر رحم نہیں کھاؤ گے اور میرا چھوٹا سا کام نہیں

کروگے تاکہ میں دلجمعی سے اپنا کام کرسکوں۔"

"عجیب الفاظ ہیں۔ کیا جواب دوں ان کا۔ میں ہنس رہا ہوں اس دنیا پر۔ حکومت ایک بے بس قاتل کو اپنے خرچ پر ایک وکیل مہیا کرسکتی ہے۔ ایک بے بس بے روزگار شخص کو رزق کما کر نوکری نہیں دلا سکتی۔ کیسی عجیب دُنیا ہے تمھاری۔ کیا نام ہے تمھارا، دوست؟" اس نے سوال کیا۔

"شارق؟"

پھر وہ بالکل ہی موم ہوگیا۔

"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" "یہ بتانے سے پہلے مجھے یہ بتاؤ، جو آدمی جینے کی خواہش کھو بیٹھا ہو، جس نے موت ہی کی آغوش کو اپنا لینے کا فیصلہ کیا ہو۔ اُسے زندگی کی طرف لے جانے کی کوشش حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے اور پھر میرے دوست! میرا مرنا ضروری ہے اور بے حد ضروری ہے۔ سزا تو آخر کسی نہ کسی کو ملنی ہی چاہیے نا۔ قتل میں نے کیا ہے تو سزا بھی مجھ ہی کو ملنی چاہیے اور پھر کیا فائدہ کہ اس کرب کو سینے میں رکھ کر زندہ رہوں کہ ایک انسانی زندگی میرے ہاتھوں سے ضائع ہوئی۔"

"کیا تم اپنے کیے پر پشیمان ہو تائب؟"

"نہیں، خدا کی قسم نہیں۔" اُس نے اچانک بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جسے قتل کرکے تمھیں افسوس نہیں ہے تو پھر اس سے ہمدردی کا اظہار کیوں کررہے ہو؟"

"مجھے الفاظوں کے جال میں جکڑنے کی کوشش مت کرو۔ میں تمھیں ایک مخلص یا درد مند انسان سمجھ کر اپنے بارے میں یا اس قتل کے بارے میں تفصیلات بتلا بھی دوں تو اس میں نقصان میرا ہی ہوگا۔"

"قانون اندھا ضرور ہے لیکن بے رحم نہیں ہے۔ حالات و شواہد بعض اوقات قانون کے سامنے اس طرح آتے ہیں کہ وہ اپنے تقاضوں کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے لیکن اگر گنجائش کے راستے مل سکتے ہیں تو پھر قانون کسی بے گناہ کو سزا دینا پسند نہیں کرتا۔"

"لیکن میں بے گناہ نہیں ہوں۔ تم یہ بات کیوں نہیں .... سمجھتے شارق؟"

"میرے دوست! اگر تم مجھے کچھ تفصیلات بتادو تو میں فیصلہ آسانی سے کرلوں گا اور یہ وعدہ کرتا ہوں تم سے اگر تمھارے لیے کچھ نہ کرسکا، یا اگر تمھارے لیے موت ہی مناسب ہوئی تو پھر جدوجہد نہیں کروں گا۔"

"نہیں شارق! مجھے معاف کردو، خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔ میں اگر اپنی زبان کھولوں گا تو خدا جانے کتنے چہرے بے نقاب ہوجائیں گے اور میں اُن چہروں کی بے حُرمتی پسند نہیں کرتا۔ مجھے معاف کردو میرے دوست! مجھے معاف کردو۔" اچانک وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ میں رحم کی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ روتے روتے اُس نے کہا۔

"کبھی نہیں بتاؤں گا، کبھی نہیں بتاؤں گا اور اگر تم نے زیادہ ضد کی تو ان ہی سلاخوں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مرجاؤں گا لیکن کچھ نہیں بتاؤں گا۔ سمجھ لو اس بات کو۔ جو فیصلہ میں نے کیا ہے، وہ اٹل ہے۔ جاؤ، خدا کے لیے میرا وقت برباد مت کرو۔ مجھے پریشان مت کرو۔ تم وکیل ہو نا میرے۔ عدالت میں جو دل چاہے سوال کرلینا لیکن میں تمھیں اپنی زبان سے کچھ نہیں بتاؤں گا، کچھ بھی نہیں بتاؤں گا۔" وہ روتا ہوا میرے سامنے سے ہٹ گیا اور میں تاسف بھری نگاہوں ..... سے اُسے دیکھتا رہا۔

اس بات پر میرا پختہ یقین ہوگیا تھا کہ احسان کے دل میں کوئی بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔ کوئی بہت ہی گہرا راز، لیکن شارق کے اندر ایک فطرت اور بھی چھپی ہوئی تھی۔ ایک ضدی فطرت جو ناقابلِ تسخیر تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم میرے لیے چیلنج بن گئے ہو احسان! اگر تم بے گناہ ہو تو خدا کی قسم تمھاری رہائی پر میرا مستقبل کا انحصار ہے۔" اور میں جیل سے واپس چل پڑا۔

وقار احمد صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے دفتر میں چند لمحات کے لیے جانا ضروری تھا۔ میں اندر پہنچا تو وقار احمد کے سامنے دبلے پتلے قامت کا ایک تقریباً پچاس پچپن سالہ شخص کھڑا ہوا تھا۔ دو کانسٹیبل بھی تھے اور وقار احمد صاحب اس سے کہہ رہے تھے۔

"جیل کسی کا گھر نہیں ہوتی چھوٹے صاحب! بلاشبہ بعض انسان اس دُنیا میں بے سہارا ہوتے ہیں لیکن انھیں اپنے سہارے خود بنانے پڑتے ہیں۔ خداوند عالم نے دنیا تخلیق کی۔ انسانوں کے واسطے زندگی گزارنے کے راستے منتخب کیے اور باقی انسانوں پر چھوڑ دیا کہ وہ کس طرح اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ آپ کوشش کیجیے کہ اپنی زندگی کی بقیہ سانسوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی مؤثر جائے پناہ مل جائے۔"

"ٹھیک ہے جیلر صاحب! میں نے آپ سے ایک استدعا کی تھی، شاید میری جیل کی زندگی کا ریکارڈ آپ کے علم میں ہو۔ میں نے ایک لمحہ بے مشقت نہیں گزارا اور نہ ہی میں ان لوگوں میں سے رہا، جو جیل کی روٹیوں کو زندگی گزارنے کا آسان طریقہ سمجھتے ہیں۔ محنت سے میں نہیں گھبراتا لیکن آزادی کی یہ دنیا مجھے بہت بُری لگتی ہے۔ اُن

لوگوں کو دیکھ کر شدید حسد کا شکار ہوجاتا ہوں جو عیش و آرام کی زندگی گزارتے ہیں اور اس کے بعد جرم کر بیٹھتا ہوں۔ اس لیے کہ اس کائنات میں میرے لیے کوئی جگہ کیوں نہیں بنائی گئی۔ آپ کا فرض ہے جیلر صاحب کہ اگر جرم ہونے سے قبل مجرم آپ کے سامنے آجائے تو آپ کو اُسے قبل از جرم گرفتار کرلینا چاہیے۔ میں جرم کروں گا اور ضرور کروں گا اور پھر واپس آجاؤں گا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ آپ مجھے جرم کرنے کے لیے باہر کی دنیا میں دھکیل رہے ہیں۔"

"یہ قانون ہے بزرگ! آپ جرم کریں گے اور سزا پاکر آئیں گے تو میں آپ کا استقبال کروں گا، جائیے۔" وقار احمد صاحب نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا اور معمر شخص نے دونوں شانے ہلائے۔ پھر سلام کرکے باہر نکل گیا۔ میں اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

دبلے پتلے جسم کا مریل سا آدمی تھا۔ قد پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ شکل و صورت سے جاہل نظر آتا تھا لیکن اندازِ گفتگو صاف ستھرا تھا اور وہ الفاظ جو اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے، میرے لیے تعجب خیز تھے۔ وقار احمد صاحب نے گردن جھٹکی اور پھر میری طرف دیکھ کر پُر اخلاق انداز میں مسکرائے اور بولے۔

"کہیے، ملاقات ہوگئی؟"

"جی ہاں، آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں بھائی، طارق حسین کے بھائی بھی ہیں آپ، اور پھر وکیل بھی ہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہمارے اور آپ کے درمیان تعاون جاری رہنا چاہیے۔ میرے لائق جب بھی کوئی خدمت ہو آپ بلاتکلف آجائیں۔ مجھ سے جو کچھ بن پڑا ضرور کروں گا۔"

"شکریہ، وقار احمد صاحب! ویسے معاف کیجیے گا۔ دو چار باتیں اس شخص کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔"

"بس بھائی۔ یہ دنیا دُکھوں کا گھر ہے۔ ہر ہنستے مسکراتے چہرے کے نیچے غموں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگ خود کو چھپائے رہتے ہیں۔ ڈھائی سال کی سزا کاٹ کر جارہا ہے، کسی کو زخمی کردیا تھا۔ غالباً اس سے کچھ چھیننا چاہتا تھا۔ موقع پر موجود پولیس نے پکڑ لیا۔ بہت شریف آدمی ہے۔ پتا نہیں کن حالات کا شکار تھا۔ کہہ رہا تھا کہ مجھے جیل ہی میں رہنے دیا جائے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس کا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ قید بامشقت تھی۔ اس کی عمر کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایسے کام اس کے سپرد کیے گئے جنھیں وہ آسانی سے کرسکے لیکن اس نے انکار کردیا اور کہا کہ مشقت میں رعایت نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے خوب آدمی ہے بھائی۔ سخت سے سخت کام کرلیتا ہے۔ اس کی ہڈیاں فولاد ہیں۔ پتا نہیں بیچارے کی کیا کہانی تھی۔" میں نے گردن ہلائی اور پھر وقار احمد صاحب کو سلام کرکے برق رفتاری سے جیل کی عمارت سے نکل آیا۔

اُس کے الفاظ میرے دل کو گدگدا رہے تھے۔ ایک عجیب سا گداز پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں چاروں طرف نگاہ دوڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور پھر دُور سے میں نے اُسے دیکھ لیا۔

وہ بے پرواہی سے ناک کی سیدھ میں چلا جارہا تھا۔ بائیک میں نے اُس کے قریب روک دی، وہ پیچھے ہٹ گیا۔ میں نے اُسے سلام کیا تو اُس نے سرد سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے میرے سلام کا جواب دیا اور پھر سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

"آپ کا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں۔"

"لے لو۔" اُس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"آیئے، پیچھے بیٹھ جائیے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ ایک لمحہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اپنے مخصوص انداز میں شانے جھٹک کر میرے پیچھے بائیک پر بیٹھ گیا۔ میں نے بائیک اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ریستوران کے سامنے میں نے بائیک روک دی۔

"آیئے۔" میں نے خلیق لہجے میں کہا اور وہ پھر میری صورت دیکھنے لگا۔ اس کی تجربہ کار آنکھوں میں تجربہ کی گہرائی تھی۔ اپنے لباس کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر میری طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"اس لباس میں ہوٹل میں داخل ہوں گا تو لوگ مجھے نہیں تمھیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھیں گے۔"

"آیئے۔" میں نے ٹھوس سے لہجے میں کہا اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہوٹل کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ایک میز کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا کھائیں گے؟"

"ابھی کھانے کا وقت نہیں ہوا ہے لیکن کھانا ہی کھاؤں گا۔ ایسا کرو مرغ قورمہ، شیرمال، کھیر اور اگر زیادہ ہی کھلنے کے موڈ میں ہو تو ایک پلیٹ بریانی بھی منگالینا۔ کیا مزا آئے گا۔" اس نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

اور میں نے مسکراتے ہوئے ویٹر کو بلاکر ان سب چیزوں کا آرڈر دیا۔ میں نے اپنے لیے بھی کھانا ہی طلب کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمارا آرڈر سرو ہوگیا اور وہ اس طرح کھانا کھانے میں مصروف ہوگیا جیسے کھانا کھانے ہی میرے ساتھ آیا ہو۔ میں اس کی فطرت کو سمجھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میں نے خود کو کھانے میں مصروف رکھا تاکہ وہ کسی بھی طرح اپنی سبکی محسوس نہ کرے۔ کھانے سے فارغ ہوکر

کے بعد میں نے اُس سے پوچھا۔

"کیا پیو گے؟"

"چائے صرف چائے۔ میں ٹھنڈا نہیں پیتا۔" اُس نے کہا۔ چند لمحات کے بعد ویٹر نے چائے بھی لاکر میز پر رکھ دی اور وہ خود چائے بنانے لگا۔ اس دوران خاموشی ہی رہی۔ پھر چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ بولا۔

"کبھی کبھی نیک کام کر لینا اچھی بات ہے۔ ممکن ہے میں تمھیں اپنی زبان سے دُعائیں نہ دوں لیکن ڈھائی سال کے بعد تم پہلے آدمی ہو جس نے مجھے میری پسند کا کھانا کھلایا ہے۔ دعائیں نہیں دوں گا۔ شکریہ ادا کروں گا کیونکہ میری دعائیں اگر ہوتیں تو اپنے لیے ہی نہ ہوتیں۔" میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"میرا نام شارق حسین ہے۔"

"ممکن ہے، ماں باپ نے میرا بھی کوئی نام رکھا ہو لیکن بچپن ہی سے یار دوست چھوٹے کہا کرتے تھے۔ ایک یتیم خانے میں ہوش سنبھالا تھا اور ان ہی لوگوں سے دوستی تھی۔ ماں باپ سُنا ہے کسی سیلاب میں بہہ گئے تھے۔ بہرطور میں نے ماں باپ دیکھے ہی نہیں۔ یتیم خانے کی زندگی اُس وقت تک گزارتا رہا جب تک کہ پوری طرح ہنر مند نہیں ہُوا تھا۔ اس کے بعد بھیک مانگتے ہوئے شرم آئی، تو وہاں سے نکل بھاگا اور پھر ایک نیک سیرت انسان کے ہاتھ لگ گیا جس نے اپنی زندگی میں مجھے بہت کچھ دیا۔ درویش صفت آدمی تھا۔ کچھ ہنر سکھائے اس نے اور اس کے بعد اپنی بیٹی کے ساتھ میری شادی کر دی۔ پھر وہ اس دنیا میں ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔ میرے تین بیٹے ہوئے اور بیوی اس دنیا سے رخصت ہو گئی۔ اُن تین بیٹوں کی پرورش کرتا رہا اور اپنی حیثیت سے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ کٹا بیٹھا۔ بیٹے تعلیم یافتہ ہو گئے۔ شادیاں کیں اُن کی۔ اور اس کے بعد جب انھیں اپنی زندگی نصیب ہوئی تو انھیں یہ بیوقوف سا انسان پسند نہیں آیا، جس کا نام تک لینے کے قابل نہیں تھا۔ چھوٹے واہ کیا نام ہے۔" اس نے اپنا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔ میں تاسف بھری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔

"میرے تینوں بیٹے اچھی زندگیاں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن اُن میں سے ایک بھی ایسا نہیں تھا جسے مجھ سے کوئی دلچسپی ہو۔ میں نے یکے بعد دیگرے تینوں کو آزمایا لیکن جب اپنے آپ کو اُن پر بوجھ پایا تو اُن سے علیحدگی اختیار کر لی۔ یہ دنیا اچانک ہی مجھے بہت بُری لگنے لگی تھی۔ تم خود سوچو، میں یہ نہیں کہتا کہ اولاد پیدا کر کے اُن کی پرورش کی جائے اور انھیں ایک اچھی زندگی دی جائے تو اولاد پر کوئی احسان ہے لیکن ازراہِ انسانیت ایک ایسے شخص کو جس نے اپنی ابتدا بھی لاوارثوں کے انداز میں کی ہو، ایسے تو نہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ اپنی انتہا بھی لاوارثوں کے انداز میں کرے۔ میں برسوں اس تصور میں ڈوبا رہا تھا کہ ممکن ہے میرے کسی بیٹے کو یہ احساس ہو جائے کہ اُن کی زندگی سے میرا بھی کوئی تعلق ہے لیکن ایسا نہیں ہوا اور مجھ پر انتقام کا بھوت سوار ہو گیا۔ اپنی اولاد کو کوئی اپنے ہاتھوں سے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ بہت سی آرزوئیں، دل میں جنم لیتی تھیں لیکن آہستہ آہستہ اُن سب سے نفرت ہو گئی۔ وہ جانتے تھے کہ میں لاوارثوں کے انداز میں مختلف جگہوں پر زندگی گزار رہا ہوں لیکن وہ مجھے بھول گئے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ان کی گاڑیاں میرے سامنے سے گزر گئیں۔ میں جان بوجھ کر ان کی گاڑیوں کے آگے آتا تھا۔ ایک بار میں ۔ ۔ ۔ اپنے ایک بیٹے کی گاڑی سے ٹکرا بھی گیا، اور اُس نے صرف اتنا کیا کہ مجھے اسپتال تک پہنچا دیا اور لاوارثوں ہی کی طرح مجھے اسپتال میں داخل کرنے کے بعد روپوش ہو گیا۔ تم بتاؤ کہ میں ایسے لوگوں کی عزّت کیسے رکھ سکتا ہوں۔ چنانچہ طیش میں آ کر میں نے جُرم کی زندگی اپنائی۔ صرف اس لیے کہ جیل جاؤں اور لوگوں کو بتلاؤں کہ میں ایسے نافرمان بیٹوں کا باپ ہوں۔ پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے عدالت میں کھڑے ہو کر بیانات دیے، سزا ہوئی۔ جیل سے نکلا اور دوسری بار سزا پائی۔ اس بار میں نے ایک آدمی کو زخمی کر دیا تھا۔ خوب چیخ چیخ کر میں نے عدالت میں بیانات دیے اور یہ بیانات اخبار میں بھی چھپے، کالم لکھے گئے مجھ پر، لیکن پتا نہیں میری زندگی کی وہ کون سی غلطی تھی جس نے مجھے ایسے نافرمان بیٹوں کا باپ بنایا اور اس کے بعد جی چاہنے لگا۔۔ نوجوان دوست! کیا نام بتایا تم نے اپنا؟"

"شارق۔" میں نے آہستہ سے بتایا۔

"اُس کے بعد جی چاہا کہ جیل سے باہر نہ نکلوں۔ بہت سے قیدی لمبی سزائیں کاٹ رہے ہیں۔ میں نے اُن سے دوستی کر لی ہے۔ اُنھیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ پتا نہیں کیوں یہ ڈھائی سال ختم ہو گئے۔ اب میں واپس آ گیا ہوں لیکن تمھارے سامنے میں نے جیلر سے کہہ دیا تھا کہ میں پھر جرم کروں گا اور پھر جیل آ جاؤں گا۔ مجھے وہیں کی زندگی پسند ہے۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنی کہانی سُناتا رہا۔ خاموش ہوا اور اس کے بعد قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"کہو، کیسی رہی میری کہانی، لیکن میں جانتا ہوں اس کے باوجود تم خسارے میں ہو۔"

"کیسے خسارے میں؟" میں نے دُکھ بھرے انداز میں سوال کیا۔

"میری کہانی نے وقتی طور پر تو تمھیں دلچسپی مہیّا کی ہو گی لیکن کھانے کا بل خاصا بڑا ہو گا۔ معذرت خواہ ہوں۔ ڈھائی سال تک جیل کی زندگی گزاری ہے اور باہر آنے کے بعد کوئی ایسا ذریعہ یا وسیلہ نہیں تھا کہ فوری طور پر اپنی کسی خواہش کی تکمیل کر سکوں۔ چنانچہ جب تم نے مجھ سے مل بیٹھنے کے لیے کہا تو میں نے بلا تکلف تم سے اس کی فرمائش کر ڈالی۔ بیوقوف سمجھ کے نہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس کے عوض میں نے تمھیں اپنی کہانی سُنا دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اسی تجسّس نے تمھیں مجبور کیا ہو گا۔ میں نے تمھیں جیلر کے کمرے میں دیکھا تھا۔ غالباً تم نے میرے کچھ الفاظ بھی سُنے تھے اور یقیناً اُن ہی الفاظ نے تمھیں میری جانب متوجہ کیا تھا۔ کہو کیسی رہی؟"

"آپ کا کہنا بالکل ٹھیک ہے محترم، درحقیقت مجھے آپ سے اسی لیے دلچسپی اور اُنسیّت پیدا ہوئی تھی۔ ویسے آپ کی کہانی پر غم کا اظہار کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن میں عملی آدمی ہوں۔ ایک اور درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"مجھ سے اور درخواست۔ میاں بہت انکساری برتنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھ سے جو بھی چاہو گے اُس میں نقصان تمھارا ہی ہو گا۔ جیل میں تم نے جیلر صاحب سے میری باتیں سُن لی تھیں۔ میں جیل میں رہنا چاہتا تھا کیونکہ اب وہی مجھے اپنا گھر سا محسوس ہوتی ہے۔ باہر کی دُنیا میں اب میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ کسی فٹ پاتھ پر یہ وقت گزاروں گا جو جیل سے باہر کا وقت ہے۔ جُرم کرنے کو جی نہیں چاہتا میرا لیکن تم بتاؤ، اور کیا ذریعہ، اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہاں جاؤں کیا ان نامُرادوں کے پاس جو اب خود کو میری اولاد کہتے ہوئے شرم محسوس کرتے ہیں۔ یقین کرو مجھے اُن سے بے پناہ نفرت ہے۔ میں اُن کے تصوّر سے گھن کھاتا ہوں۔ کیا کروں اس دُنیا میں خودکشی نہیں کر سکتا کہ حرام ہے لیکن جینے کو جی بھی نہیں چاہتا۔ بار بار اس بات کی خواہش کی کہ خداوندِ عالم مجھ بے سہارا کو۔ کم از کم اپنا سہارا تو دے دے۔ اپنے پاس ہی طلب کر لے لیکن ابھی مقبولیت میں دیر معلوم ہوتی ہے۔"

"میری درخواست سُن لیجیے اور پھر فیصلہ کیجیے۔"

"میرے پاس یا میرے ذریعے اگر تمھاری کوئی خواہش پوری ہو سکتی ہے تو درخواست مت کرو۔ بس حکم دے دو کیونکہ میں تمھارے اس وقت کے احسان کا مقروض ہوں۔"

"میں آپ کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ زندگی کے بقیہ لمحات آپ مجھے دے دیں۔" میں نے کہا اور معمر شخص چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

اُس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں، پھر اس کے چہرے پر جنون کے سے آثار پیدا ہو گئے اور پھر رفتہ رفتہ وہ نارمل ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور اس کے بعد کہنے لگا۔

"اگر ایسا کر سکتے ہو شارق تو ضرور کرو۔ میں تمھیں اس کے عوض کچھ نہیں دے سکوں گا لیکن اگر تمھارے ضمیر کی طلب پوری ہو جاتی ہے تو تم سمجھنا کہ وہی سب کچھ ہے۔"

"میں آپ کو نہ رحم کھا کر اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں اور نہ کوئی اور جذبہ میرے سینے میں ہے۔ بس میں اس بات کا قائل ہوں کہ انسان کو انسان کی ضرورت ہے۔ اس دُنیا میں بسنے والا ہر شخص ایک دوسرے کا محتاج ہے۔ کچھ کام میرے آپ کے ذریعے نکل سکتے ہیں۔ اگر اس حقیقت سے منہ موڑ دیا جائے تو آپ یقین کیجیے کہ وقتی طور پر تسلی ہو سکتی ہے دائمی طور پر نہیں۔ چنانچہ اب یہ بات طے ہو گئی کہ ہم دونوں ساتھی ہیں۔ اس کے بعد کی بات بعد میں کر لی جائے گی۔"

معمر شخص نے گردن جھکا لی۔ اس کے چہرے پر افسردگی پھیل گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی عالم میں بیٹھا رہا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا۔ نہ جانے اس وقت اس کے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہو رہی تھی۔ چند لمحات میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"اب تمھارا شکریہ ادا کر دوں تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟"

"بالکل حرج ہے۔ آپ قطعی شکریہ ادا نہیں کریں گے بلکہ مجھے دعائیں دیں گے۔" میں نے کہا اور معمر شخص کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے ٹپک پڑے۔ اُس نے جلدی سے آنسو خشک کیے اور بولا۔

"خدا تمھیں زندگی کے ہر موڑ پر کامران کرے۔ اب میری یہ دُعا تم پر قرض ہو گئی کیونکہ یہ بہت قیمتی ہے۔"

"یقیناً، اور میں کوشش کروں گا کہ تمھارا یہ قرض ادا کر سکوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ہوٹل سے نکل آئے۔ بزرگ چھوٹے کو حسن کا نام لیتے ہوئے مجھے عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ اپنے ساتھ موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر فاروقی صاحب کی طرف چل پڑا۔ راستے میں مکمل خاموشی رہی تھی۔ میرے ذہن میں پھر احسان کا چہرہ گردش کرنے لگا تھا۔ ہلکی سی جھنجلاہٹ بھی تھی اس پر۔ ایسے لوگ جو صرف کردار کے چکر میں پڑ کر اپنے اطراف میں الجھنیں بکھیر لیتے ہیں میرے نزدیک عقل مند نہیں ہوتے۔ کردار بلاشبہ ایک

اچھی چیز ہے اور صاحب کردار انسان کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن کسی بھی مسئلے میں انتہا پسند ہو جانا میرے خیال میں مناسب بات نہیں تھی۔ آشیانے والوں سے بھی مجھے یہی شکایت تھی۔ اصول پرستی، تنہا پرستی اور جہاں اپنے مفادات مجروح ہوں وہاں دوسرے ذرائع اختیار کرنا میرے نزدیک دوغلی پالیسی تھی اور میں اس پالیسی سے متفق نہیں تھا۔ یہی اختلاف مجھے ان کی نگاہوں میں ہلکا کرتا تھا۔

فاروقی صاحب گھر پر ہی ملے اور معمول کے مطابق ملے۔ چھوٹے کو دیکھ کر انھوں نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"یہ میرے اُستاد چھوٹے ہیں" فاروقی صاحب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور معدوم ہو گئی۔ انھوں نے چھوٹے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ پھر وہ ہمیں اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئے اور بولے۔

"بھئی ان سے ذرا مکمل تعارف کراؤ۔ ویسے یہ مذاق میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"خود ہماری سمجھ میں نہیں آیا بھائی، تو آپ کی سمجھ میں کیا آئے گا۔ انھوں نے اُستاد کہہ دیا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ کچھ اور لوگ بھی ہمیں اُستاد چھوٹے کہا کرتے تھے۔ آپ لوگوں کو اگر چھوٹے کہتے ہوئے کچھ دقت ہوتی ہے تو اُستاد چھوٹے ہی کہہ لیا کریں۔ ذرا بات بن جاتی ہے" اُستاد چھوٹے نے کہا۔

"یقیناً، یقیناً۔ آپ کو صرف چھوٹے کہتے ہوئے بچپن یاد آ جاتا ہے" فاروقی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر مجھ سے بولے۔

"بھئی کچھ اور تعارف نہیں کراؤ گے اپنے استاد صاحب کا؟"

"اطمینان سے ہوگا فاروقی صاحب! بس یوں سمجھ لیجیے کہ مجھے اُستاد کی تلاش تھی اور اُستاد مجھے مل گئے۔"

"پھر تو ٹھیک ہے، گویا اُستاد سے ہمارا رابطہ رہے گا۔"

"میرے ساتھ ہی رہیں گے۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب نے معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے بعد خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد انھوں نے کہا۔

"ایک اور کیس آگیا ہے، دلچسپ ہے۔ تمھیں اس کی تفصیلات بتاؤں گا۔"

"فوراً بتائیں گے یا کچھ وقت ہے؟"

"نہیں، نہیں، ابھی جلدی نہیں ہے۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے" فاروقی صاحب نے جواب دیا۔

اس کے بعد فاروقی صاحب کو احسان تابش سے ملاقات کے بارے میں بتانے لگا اور اس سے کی جانے والی تمام گفتگو اُنھیں سنا دی۔ فاروقی صاحب تھوڑی کھجانے لگے تھے۔ پھر وہ بولے۔

"ہمیں اپنے طور پر ہی سب کچھ کرنا ہوگا شارق۔ ان لوگوں سے ہمیں کچھ مدد نہیں مل سکتی۔ اس کا اندازہ ہو چکا ہے لیکن اتنی زیادہ اُلجھن کی بات نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی تم سے کہا تھا کہ اگر ان کی امداد حاصل ہو جاتی تو ہمارے لیے کچھ آسانیاں پیدا ہو جاتیں لیکن عدالتی معاملات کسی ایک آدمی کے ہاتھ میں نہیں ہوتے۔ وہ لوگ اپنی اپنی زبان بند رکھے ہوئے ہیں لیکن ہم ان کا کیس تو لڑ سکتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھیں ہی اس سلسلے میں کچھ دقت پیش آئے گی۔ یعنی وہ باتیں جو وہ لوگ چھپانا چاہتے ہیں منظر عام پر لائی جائیں گی۔ اس وقت سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ تم اس کیس کے لیے بالکل پریشان نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے فاروقی صاحب! اب میں اُستاد کو لے کر آشیانہ جا رہا ہوں۔ آشیانے میں ان کے لیے بھی کوئی سوراخ پیدا کرنا ہے جہاں یہ بھی بسیرا کر سکیں۔"

"میرے لائق بھی کوئی خدمت ہو تو ضرور بتا دینا۔ اُستاد کی خدمت کر کے مجھے بھی خوشی ہو گی" وکیل صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ خدمت گاروں کی خدمت کا اظہار کرنا ان لوگوں کو زیب دیتا ہے جو زندگی سکون کے ساتھ گزار رہے ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں ہے" استاد چھوٹے نے کہا۔

فاروقی صاحب مسکرانے لگے۔ پھر بولے "میں آپ کے ان الفاظ پر کچھ نہیں کہوں گا اُستاد، بعض اوقات انسان کو زندگی میں اتنے دُکھ ملتے ہیں کہ وہ سکون کا نام بھول جاتا ہے۔ آپ خدمت گار نہیں، دوست ہیں اور جب آپ کو اس دوستی کا تعین ہو جائے گا تو آپ ان الفاظ کا بُرا نہیں مانیں گے۔"

"آئیے چھوٹے صاحب!" میں نے کہا اور بائیک پر بیٹھ کر آشیانے کی طرف چل پڑا۔ موٹر سائیکل آشیانے میں داخل ہوئی تو اُستاد کچھ بے چین ہو گئے۔ میں نے بائیک اس کی جگہ روک دی۔

"تم یہاں رہتے ہو؟"

"ہاں اُستاد۔"

"کس کا گھر ہے؟"

"آپ کا، اُستاد۔"

"میرا مطلب ہے اس کوٹھی سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"یہاں میرے والد رہتے ہیں۔ بھائی بہن اور بھابیاں رہتی ہیں۔ اس لیے جو تعلق اس سے ہو سکتا ہے اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔"

"بھائی میاں تم تو بہت بڑے آدمی ہو۔"

"آپ سے بڑا نہیں ہوں اُستاد، آئیے۔" میں نے کہا اور اُستاد کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ استاد ہونق نظر آ رہے تھے۔

"رات کے کھانے پر آپ کا تعارف سب لوگوں سے کراؤں گا۔" میں نے کہا "آپ یہاں آرام کریں۔ میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔" اُستاد کو چھوڑ کر میں اندر چل پڑا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ گھر والے نارمل تھے۔ استاد کے لیے کسی مناسب جگہ کا انتخاب کر لیا تھا۔ اوپری منزل کے ایک کمرے میں بالآخر میں نے ان کے قیام کا فیصلہ کر لیا۔ باقی تمام باتیں اپنی جگہ لیکن اس بات کا مجھے یقین تھا کہ استاد کو یہاں ٹھہرانے کے سلسلے میں میری مخالفت کوئی نہیں کرے گا۔ اماں بی سے کچھ باتیں کرتا رہا اور دورانِ گفتگو میں نے انھیں... چھوٹے کے بارے میں بتا دیا۔ اماں جی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ چھوٹے کی کہانی سے وہ بہت متاثر ہوئی تھیں اور کہا تھا کہ کسی بے سہارا کو سہارا دینا اچھی بات ہے۔ تنویر اور شفیق بھائی سے کچھ گپیں ہوئیں، پھر واپس اُستاد کے پاس پہنچ گیا۔ استاد سنجیدہ شکل بنائے ہوئے بیٹھے تھے۔

"وہ غسل خانہ ہے اُستاد، غسل کر لیں، اور..."

"ایک منٹ... بس ایک منٹ۔ کچھ کہنا چاہتا ہوں عزیزی"

"جی اُستاد۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو۔ معاف کرنا واقعی اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ تمام غریبوں کی طرح مجھے بڑے آدمیوں سے نفرت نہیں ہے لیکن سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل نہیں ہونا چاہتا۔ کوا ہو کر ہنس کی چال کبھی نہیں چلوں گا، اپنی چال چلنا چاہتا ہوں۔ اگر مجھ پر رحم آ گیا ہے تو پھر مجھے میری پسند کی جگہ دے دو۔"

"نہیں سمجھا اُستاد۔"

"اس کوٹھی میں کوئی نوکری دے دو اور ملازموں کے ساتھ رکھ لو۔ ہاں کر دو گے تو رکوں گا ورنہ چلا جاؤں گا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں اُستاد! آپ میرے..."

"خدا حافظ" اُستاد کھڑے ہوئے۔

"کمال ہے۔ آپ یہاں کچھ دن رہ کر اندازہ تو کر لیں اُستاد۔"

"جس شخص نے مجھے یتیم خانے سے نکال کر اپنے گھر میں پناہ دی تھی وہ بڑا باکمال انسان تھا۔ درویش منش... صوفی... جہاندیدہ... بہت کچھ سکھایا تھا۔ اس نے مجھے بہت سی نصیحتیں کی تھیں۔ تمھارے خلوص پر شک نہیں کرتا لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

"ارادہ اُستاد۔"

"اُستاد کہہ رہے ہو تو بات بھی مان لو۔ مہربانی ہو گی تمھاری۔"

اُستاد نے اس لجاجت سے کہا کہ مجھے خاموش ہونا پڑا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے اُستاد لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہوگا۔"

"اصل احسان یہی ہوگا تمھارا۔ اگر نوکروں کا کوئی کوارٹر خالی نہیں ہے تو کسی کے ساتھ ہی ٹھہرا دو۔"

"آئیے، آپ کی خواہش ہی پوری کر دوں۔" میں نے زچ ہو کر کہا اور پھر استاد کو ساتھ لے کر باہر آ گیا۔ اکرم خان چوکیدار تنہا رہتا تھا۔ میں نے سوچا کہ اُستاد کو اس کے ساتھ ہی ٹھہرا دوں۔ ان کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ باہر نکلا تو امجد حسین صاحب کار سے اُتر رہے تھے۔ میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے جواب دے کر چھوٹے صاحب کی طرف دیکھا اور پھر وہ ایک دم چونک پڑے۔

"تم... یہاں..." ان کے منہ سے نکلا۔ میں نے چونک کر استاد چھوٹے کی طرف دیکھا۔ وہ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے امجد حسین کو دیکھ رہے تھے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" انھوں نے قریب پہنچ کر عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"سزا ختم ہو گئی ہے جج صاحب! اس لیے اب کسی نئے جرم کے لیے سرگرداں ہوں، لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ یہ عمارت قانون کی ہے۔" چھوٹے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جج صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے کہا۔

"آپ انھیں جانتے ہیں بھائی صاحب؟"

"جج صاحب کی یادداشت قابلِ تحسین ہے۔ ورنہ کون کسی کو یاد رکھتا ہے شارق میاں! اتفاق سے دونوں بار مجھے جج صاحب ہی کے قلم سے سزا ہوئی ہے۔" امجد حسین کی بجائے اُستاد نے جواب دیا۔

"یہ میرے دوست ہیں بھائی صاحب! اور میں نے انھیں اسی عمارت میں رہنے کی پیش کش کی ہے۔"

"ہوں۔" جج صاحب نے کہا اور پھر پُرخیال انداز میں چھوٹے کو گھورتے ہوئے اندر چلے گئے۔

"اب کہو حاتم طائی۔ کیا خیال ہے؟" اُستاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آیئے اُستاد! آپ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔" میں نے انھیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور اُستاد چل پڑے۔ میں نے انھیں کریم خان سے ملایا۔

"کریم خان یہ میرے دوست اُستاد چھوٹے ہیں تمھارے ساتھ رہیں گے اور رات کی ڈیوٹی میں تمھاری مدد کریں گے۔" کریم خان نے خوش دلی سے اُستاد سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہے دوست! میں اکیلا گھبراتا بھی بہت ہوں۔"

"شکریہ کریم بھائی لیکن شارق میاں۔۔۔"

"جج صاحب میرے بھائی ہیں اُستاد اور یہ کوٹھی ہمارے باپ کی ملکیت ہے۔"

"اور میں اسی ملکیت کے سلسلے میں اختلاف کی بنیاد بنوں گا۔" اُستاد نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اگر کسی کے دل میں انسانی ہمدردی، محبت اور دوستی کا جذبہ بیدار ہو جائے اُستاد تو اُسے اتنا تنگ نہ کریں کہ وہ دوسروں کے لیے بھی اس جذبے سے عاری ہو جائے۔" میں نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ! میں یہ گناہ نہیں کر سکتا۔" اُستاد لرز کر بولے۔

"تب مجھ سے تعاون کیجیے۔ عمر کے لحاظ سے آپ اس دُنیا کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اس میں میری مدد کریں۔ ورنہ میں بددل ہو جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اُس وقت تک کچھ نہیں کروں گا جب تک مجھے ہاتھ پکڑ کر یہاں سے نہ نکال دیا جائے۔" اُستاد نے کہا۔

"ہاں، اُستاد اُس وقت تک کچھ نہ کریں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔"

اُستاد کو کریم خان کے ساتھ چھوڑ کر میں واپس چلا آیا۔ خیال تھا کہ امجد حسین مجھ سے اس سلسلے میں کچھ کہیں گے لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ہاں رات کے کھانے کے بعد انھوں نے مختصراً گفتگو کی تھی۔

"اس شخص کو یہاں کیوں لائے تھے اور یہ عمارت میں رہنے کی پیش کش؟"

"وہ مجرم ہے نا بھائی صاحب؟"

"ہاں دو دفعہ کا سزا یافتہ۔"

"میں یہی کوشش کروں گا کہ اُسے تیسری بار سزا نہ ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ناتجربے کاری تم سے حماقتیں کرا رہی ہے اور اس کے بدلے تم نقصان اٹھاؤ گے۔ دُنیا اِن حماقتوں سے آگے بڑھ گئی ہے۔"

"اس کے باوجود بھائی جان! انسان کو انسان کا سہارا درکار ہے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔"

"میں مخالفت نہیں کر رہا لیکن اُس پر نگاہ رکھنا۔"

"بے حد شکریہ۔ آپ کے الفاظ میری ذمہ داری ہیں۔" میں نے اطمینان کی گہری سانس لے کر کہا۔ یوں اُستاد چھوٹے کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ بہرحال میرے لیے وہی شب و روز تھے اور درحقیقت میں نے جو زندگی اپنائی تھی وہ میرے لیے بے حد دلکش تھی۔

◄ دوسری صبح اکھاڑے پر حاضری تھی۔ گیٹ پر پہنچا تو اُستاد ڈیوٹی پر مستعد تھے۔ انھوں نے گیٹ کھولتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"آپ۔۔۔؟" میں نے بائیک روکتے ہوئے کہا۔

"کریم خان نے پانچ بجے تک ڈیوٹی کی ہے اور وہ

سونے چلا گیا ہے۔ اب بارہ بجے دوپہر تک میں ڈیوٹی دوں گا۔" اُستاد نے کہا۔

"میں نے آپ کو یہ جگہ نہیں دی تھی اُستاد۔"

"اسے برقرار رکھنے میں میری مدد کرو۔ یہ احسان مجھ پر کر دو۔" اُستاد نے کہا اور میں گہری سانس لے کر آگے بڑھ گیا۔ اکھاڑے کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ نو بجے اور پھر دوسرے معمولات سے فراغت حاصل کر کے فاروقی صاحب کے پاس چل پڑا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ فاروقی صاحب دفتر گئے ہیں چنانچہ میں مسکراتا ہوا چل پڑا۔ فاروقی صاحب دفتر مل جانے سے جتنے خوش تھے مجھے اُس کا اندازہ تھا یہ دوسری بات ہے کہ بُردبار آدمی تھے اور اپنی کیفیت چھپانا جانتے تھے۔ دفتر میں اُن کے ساتھ ایک اور شکل سیاہ کوٹ میں نظر آئی تو اندازہ ہوا کہ یہ صاحب اپنے ہی ہم پیشہ ہیں۔

"یہ جاوید قریشی ہیں۔ میرے دُور کے عزیز ہوتے ہیں۔ پہلے دوسرے شہر میں ہوتے تھے اب یہاں آ گئے ہیں اور یہیں پریکٹس کریں گے اور جاوید یہ شارق حسین ہیں میرے۔۔۔" فاروقی صاحب رُکے۔

"جونیئر! بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر جاوید صاحب۔" میں نے جاوید سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے شہر میں اجنبی ہوں شارق صاحب آپ لوگوں کی مدد درکار ہوگی۔" جاوید ہنس مکھ نوجوان معلوم ہوتا تھا۔

"ہم ہر طرح حاضر ہیں۔ کب تشریف لائے؟"

"آئے ہوئے تو دو ماہ ہو گئے کچھ زمینیں تھیں بیچ دیں یہاں ایک دفتر بنایا ہے۔ ایک فلیٹ خریدا ہے اور بقیہ رقم شادی کے لیے بینک میں ڈال دی ہے۔ بس کھانا کمانا ہے۔" جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دوسرے لوگ؟" میں نے سوال کیا۔

"دوسرے ہیں۔ اپنے نہیں۔"

"ہم آپ کے اپنے ہیں جاوید صاحب! یہ کیا بات ہوئی۔"

"میں اب کورٹ آنا چاہتا ہوں۔ ماموں جان سے بات کی ہے اس سلسلے میں آپ لوگوں نے تو بڑا شاندار دفتر بنا لیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اب ایک دوسرے سے تعاون رہے۔"

"ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جاوید چلا گیا تو فاروقی صاحب نے کہا۔

"بہت اچھا نوجوان ہے میں اس کے پورے خاندان کو جانتا ہوں۔ دفتر کا تذکرہ کیا تو بضد ہو گیا کہ میں اُسے دفتر دکھاؤں۔"

"میرے خیال میں اب ہمیں دفتر کی ابتدا کر دینی چاہیے۔"

"جیسے مناسب سمجھو۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"آج کورٹ کی کوئی مصروفیت؟"

"میرے خیال میں کوئی نہیں ہے۔"

"بس تو پھر آج کام مکمل کر لیتے ہیں۔ باقی دن میں اور فاروقی صاحب دفتر ہی میں مصروف رہے اور شام تک تمام کام سے فارغ ہو گئے۔

"ایک اور تجویز میرے ذہن میں آئی ہے۔" فاروقی صاحب بولے۔

"کیا؟"

"اُستاد چھوٹے کو کیوں نہ ہم دفتر سونپ دیں؟"

"زندہ باد فاروقی صاحب شاندار تجویز ہے۔ بس سمجھیں کل سے وہ دفتر کا چارج سنبھال لیں گے۔ واپسی پر فاروقی صاحب کو اُن کے گھر چھوڑا اور میں آشیانے کی طرف چل پڑا۔ راستے ہی میں تھا کہ ایک اسکوٹر برابر آ گیا اور ایک آواز کانوں میں اُبھری۔

"ابے او بے مروّت۔ ابے او بے وفا۔ جی کرتا ہے کہ گاڑی ٹکرا دوں۔" میں نے گردن گھما کر دیکھا انسپکٹر غالب تھا۔

"اوہ! غالب صاحب۔ بھئی شرمندہ کر دیا آپ نے تو۔"

"بڑی مہربانی جی آپ شرمندہ ہوئے۔ اب اسی شرمندگی میں کہیں بیٹھ کر چائے پلا دو۔" غالب نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ غالب نے میرے لیے واقعی کام کیا تھا اور راحیل کیس میں اُسی کی مدد سے مجھے کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اصولاً مجھے اُس سے ملاقات کرنی چاہیے تھی لیکن خیال ہی نہیں آیا تھا۔ ہم دونوں ایک ریستوران میں جا بیٹھے۔ میں نے چائے طلب کی اور غالب سے اس کی مصروفیات پوچھنے لگا۔

"بس جی پولیس کی مصروفیات کیا ہو سکتی ہیں۔ آپ خود سوچ لو آپ سنائیے پھر کوئی خدمت نہیں لی ہم سے؟"

"ایک بار پھر شرمندہ کر دیا آپ نے غالب صاحب"
"او جی یہ تو اچھی بات ہے کچھ اسنیکس وغیرہ بھی منگوالو"
"ضرور" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا کر رہے ہو آج کل؟"
"ایک نئے کیس پر کام کر رہا ہوں"
"وہ بچہ تو رہا ہو گیا تھا نا؟"
"ہاں غالب۔ وہ گھرانہ اب خوشیوں سے ہمکنار ہے"
"چلو جی یہی زندگی ہے۔ انسانیت کو ختم کرنے کے لیے تو روس اور امریکہ ہی کافی ہیں ہم لوگ بھی ان کے شریک کیوں ہو جائیں۔ پولیس کا کوئی کام ہو تو ہمیں بتا دینا اب اس سے زیادہ تنزلی تو ہونے سے رہی"
"اگر تم کہو غالب تو میں تمہارے لیے کوشش کروں"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ تمہیں تمہارے عہدے پر بحال کرانے کی کوشش کروں"
"کر سکتے ہو ضرور کر سکتے ہو۔ سابق آئی جی کے بیٹے ہو موجودہ ایس پی کے بھائی ہو پر بھائی جی پھر ہمیں ایسی دوستی کیا سلام دعا سے بھی معاف ہی رکھو کیونکہ ہمارے لیے تو پولیس کی نوکری ہی کسی دشمنی سے کم نہیں ہے اور تم ہو کر اب ہمارے دشمنوں کی صف میں محکمہ جاتی دشمنی بھی شامل کرنا چاہتے ہو۔ نہ بھائی نہ ہمیں تو تم معاف ہی رکھو"
"دشمنی؟" میں نے حیرت سے کہا۔
"ہاں شارق جی پکی دشمنی۔ دیکھو نا بھائی محکمے سے تنخواہ مل جاتی ہے اور ہم صرف تنخواہ کے بندے ہیں۔ عہدہ بڑھے گا تو مشکلیں بھی بڑھیں گی پر ہم تنخواہ سے آگے نہیں بڑھیں گے اپنا یہی عہدہ ہے۔۔۔۔ پھر کیا فائدہ عہدے بڑھوانے سے۔ حکومت کو خود ہی علم ہو جائے گا کہ ہم عیش کر رہے ہیں تو عہدہ بڑھا دے گی"
"بڑے دلچسپ آدمی ہو غالب"
"وہ تو ہم ہیں ہی لیکن تم مجھے اپنے نئے کیس کی تفصیل بتاؤ کیونکہ آج ماید ولت فرصت ہی فرصت رکھتے ہیں"
میں اب تک معلوم ہونے والی پیش رفت کے بارے میں بتانے لگا۔ غالب مسلسل کھائے جا رہا تھا پوری تفصیل سننے کے بعد بھی وہ کھاتا رہا۔ پھر بولا۔
"وہ لونڈا تو قاتل ہو ہی نہیں سکتا"
"تمہارا تجربہ میرے لیے کارآمد ثابت ہوگا"
"یہ مسز فرہاد اثر رسوخ والی ہوگی؟"
"یقیناً دولت مند لوگ ہیں"
"اور وہ کہتی ہے کہ اس کے شوہر کا چال چلن ٹھیک تھا؟ اچھا یہ بتاؤ چھوکرا شکل و صورت کا کیسا ہے اور مسز فرہاد بھی کیا خوب صورت اور جوان ہے؟"
"احسان اچھی شکل و صورت کا مالک ہے اور مسز فرہاد بھی خوب صورت اور تقریباً جوان ہے"
"کوئی ٹھوس بات نہیں ہے پر کوشش کر دیکھو۔ وہ تو کچھ نہیں بتائے گی لیکن چھوکرے کو ٹٹولو۔ ان دونوں کے درمیان کوئی گڑبڑ تو نہیں تھی"
"مسز فرہاد اور احسان کے درمیان؟"
"ہاں بھائی! چوٹ کھائی عورت کے سامنے ناگن کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ پہلو بھی دیکھ لو"
"ممکن نہیں ہے غالب، فریال حسین نے یہ ملازمت اخبار کے اشتہار کے ذریعہ کی تھی اور اس سے پہلے فرہاد اور فریال ایک دوسرے کو جانتے بھی نہ تھے"
"ظاہر کی آنکھ کو تو اندھا ہی سمجھو بھائی ـــ بڑی پیچیدگیاں ہوتی ہیں۔ زندگی میں ہوتا کچھ ہے نظر کچھ آتا ہے۔ ارے ہاں احسان شکل و صورت کا اچھا ہے تو اس کی بہن بھی خوب صورت ہوگی؟"
"ہاں! وہ تو ہے"
"تو یار پھر لفڑا کیا ہے۔ فرہاد کے دفتر پہنچ جاؤ معلوم کرو خود فرہاد کس قسم کا آدمی تھا دفتر کے کسی آدمی کو توڑ لو۔ کوئی کام کا بندہ ہاتھ لگ جائے تو پھر ہمیں بھی بتا دینا زبان ہم کھلوا لیں گے"
"ویری گڈ۔ اسے کہتے ہیں تجربہ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"چلو پھر بل منگواؤ" غالب نے کہا۔ اور میں نے مسکراتے ہوئے بل طلب کر لیا۔ بل آیا تو غالب نے اپنی طرف سرکا لیا۔
"یہ کیا مسٹر غالب؟"
"دیکھو بھائی جی! اپنی پوزیشن بڑی نازک ہے اور پھر پولیس تو ویسے ہی بدنام ہوتی ہے"
غالب نے کسی قیمت پر مجھے بل نہ دینے دیا۔ ویسے

بھی عجیب انسان تھا۔ اس کے بعد ہم مختلف سمتوں کو چل پڑے۔ واقعی ابھی تک یہ خیال دل میں نہیں آیا تھا فرہاد کے بارے میں اس کی بیوی سے زیادہ دفتر کے لوگ حقیقت بتا سکتے تھے اور اس کے بعد کوٹھی کی طرف چل پڑا۔
یہاں آنے کے بعد باہر کی دنیا کو بھول جانا پڑتا تھا اندر داخل ہوا تو سب سے پہلے نیلوفر پر نگاہ پڑی اور میں اُسے دیکھ کر ہونق ہو گیا تھا کیونکہ اُس کے پاس کوئی موجود نہیں تھا۔
"ہیلو" نیلوفر نے آگے بڑھ کر کہا۔
"آپ کب آئیں مس نیلوفر؟"
"اس دنیا میں؟" نیلوفر نے ہنستے ہوئے کہا۔
"خیر وہ تو مجبوری تھی اور میں کسی کی مجبوری کو جاننے کی کوشش نہیں کرتا۔ آشیانے کے بارے میں بات کر رہا ہوں"
"آشیانہ؟" نیلوفر نے آنکھیں بند کر کے مسکراتے ہوئے کہا اور جونہی اُس نے آنکھیں بند کیں میں جھپاک سے اندر داخل ہو گیا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہوا تو کسی نے دروازے سے جھانکا اندر جھانکنے والی روح جان کرلوا بادام لالہ رُخ اپنے مزاج کی تمام تر تلخیوں پر شہد کی شیریں تہیں چڑھائے مسکرا رہی تھی۔
"چائے کے وقت سے آپ کا انتظار ہو رہا ہے"
"خیریت؟"
"بس شفق بھابی کئی بار پوچھ چکی ہیں اور غالباً اس کی وجہ نیلوفر کی آمد ہے"
"کبھی کھوپڑی میں موجود مغز کا استعمال بھی کر لیا کرو"
"مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے ویسے حرج بھی کیا ہے"
لالہ رُخ نے کہا
"مجھے علم ہوا ہے کہ نعمان کے بارے میں ملنے والی اطلاعات غلط تھیں لوگوں نے اس کی کردار کشی کی تھی"
"اب ان تلوں میں تیل نہیں ہے بھائی جان، کوشش کر دیکھیں ویسے اُمید ہے وہ آپ میرے ساتھ کرنا پسند فرمائیں گے" لالہ رُخ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔
تھوڑی دیر تک میں سوچتا رہا پھر اُستاد جمونے کی طرف چل پڑا۔ اُستاد مین گیٹ کے پاس کریم خان کے ساتھ بیٹھے تھے۔
"کہیے اُستاد! کیسے مزاج ہیں؟"
"میں تو خوش ہوں مگر تم اس کریم خان کو سمجھاؤ"
"کیا ہوا کریم خان؟"
"وہ چھوٹے صاحب! یہ اُستاد مجھے مسلسل ذلیل کیے جا رہے ہیں رات کو زبردستی چوکیداری کرنے لگے تھے اور مجھے کمبل دے کر سونے بھیج دیا تھا۔ دن میں میرا کوارٹر صاف کر ڈالا اور اب دھمکی دے رہے ہیں کہ مستقل یہ کام کریں گے"
"بالکل نہیں کریں گے تم اطمینان رکھو"
"یارو۔ کیوں آشیانہ چھیننے پر تلے ہوئے ہو۔ بہت عرصے کے بعد تو مجھ آوارہ پنچھی کو ایک پرسکون چھت ملی ہے"
"آپ کے لیے میں نے دوسری ذمے داریاں تلاش کر لی ہیں اُستاد! فکر نہ کریں"
"بھائی میاں کبھی باورچی خانے بھیج کر دیکھو۔ مغلیہ دور کی یاد نہ تازہ کر دیں تو بات ہی کیا" اُستاد نے کہا۔
"جی نہیں۔ باورچی موجود ہے"
"تو پھر اور کیا کر سکتے ہیں ہم۔ خیر چلو تم ہی بتا دو لیکن کچھ نہ کچھ کریں گے ضرور"
"جاسوسی کر سکتے ہیں آپ؟"
"اماں ایسی ویسی۔ واللہ کھوجی دانتوں تلے انگلیاں دبالے گا۔ کوئی جاسوسی کارنامہ سونپ کر دیکھو ہمیں"
"بس تو اس کے لیے تیار رہیں"
"بات کچھ سمجھ میں نہیں؟"
"آ جائے گی فکر نہ کریں" میں نے کہا۔ اُستاد سے دیر تک گپیں رہیں پھر واپس آ گیا۔ اُس کے بعد رات کے کھانے پر شریک ہونا پڑا تھا۔ نیلوفر موجود تھی اور بار بار مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ عجیب ہونق لڑکی تھی اُسے دیکھ کر غصہ آتا تھا لیکن کوئی ترکیب سوچنی پڑے گی اس بارے میں ایسے تو کام نہیں چلے گا۔ کھانا زہر مار کیا۔ باہر نکلا تو نیلوفر تعاقب میں چلی آئی۔
"کس وقت سوتے ہیں؟" اُس نے پوچھا۔
"کیا لوریاں دے کر سلانے کا ارادہ ہے؟"
"میرا مطلب ہے کہ آپ جلد سونے کے عادی تو نہیں؟"
"میں رات بھر اختر شماری کرتا ہوں"
"کیا مطلب؟"
"پسندیدہ پرندہ اُلو ہے" میں نے سنجیدگی سے جواب

دیا اور ہنسنے لگی۔

"مجھے بھی آپ کچھ عجیب لگتے ہیں۔ آج چاند کی چودھویں تاریخ ہے۔"

"مگر اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"آشیانے کا لان بہت خوب صورت ہے۔ چاندنی زمین پر اُترے گی تو سحر پھیل جائے گا۔" نیلوفر نے کہا۔

"آپ شفیق بھائی کی بہن ہیں؟"

"کوئی شک؟"

"شک نہیں افسوس ہے۔ کاش بھیا کی شادی سے پہلے آپ سے ملاقات ہو جاتی۔"

"اب ہو گئی تو کیا حرج ہے؟"

"حرج ہے، اب تو مجبوری ہے۔"

"آپ کی ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"آہ اب تو بھیا کی شادی ہو چکی ہے۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا اور [illegible] مشکل [illegible] پڑا۔ نیلوفر شاید میرے الفاظ کا مفہوم سمجھ [illegible] تھی۔ پیچھے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا۔ شفیق بھائی بہت اچھی شخصیت [illegible] لیکن نیلوفر تعلق سے نہیں اُتر رہی تھی۔ بہرحال اُس [illegible] کے بارے میں سوچتے نکلا جس نے ایک اچھا آئیڈیا دیا تھا لیکن فرہاد احمد کے دفتر میں کسی کو ٹریس کرنا ایک مشکل کام تھا تاہم کوشش کی جا سکتی تھی۔

❖ ❖

دوسرے دن صبح کو معمولات سے فارغ ہوا اور پھر نیلوفر سے بچنے کے لیے جلدی کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ بائیک اسٹارٹ کر کے کورٹ روڈ کی طرف چل پڑا۔ اُستاد جا کے بیٹھے تھے۔

"تیار ہیں؟"

"دل و جان سے۔" اُستاد نے مزید کچھ پوچھے بغیر کہا۔

"آئیے۔" میں نے کہا اور اُستاد بائیک پر بیٹھ گئے۔ میں نے سیدھے دفتر کا رُخ کیا تھا۔ دفتر پہنچ کر میں نے اُستاد کو چابی دے دی اور کہا۔

"دروازہ کھولیے۔" اُستاد نے دروازہ کھول دیا تھا۔

"آج آپ کے ہاتھوں اس دفتر کا افتتاح ہوا ہے اُستاد۔ اب اس کی کل ذمہ داری آپ کے سپرد ہے اور یہی آپ کا نیا مشغلہ ہے۔"

"بہت بڑی ذمہ داری دے دی ہے تم نے مجھے شارق میاں۔ میرے تصور سے بھی زیادہ۔ میں ایسی ہی پرسکون زندگی چاہتا ہوں اور یقین کرو جب بھی اس بارے میں سوچا۔ ہمیشہ مایوسی ہی ذہن میں آئی۔ بس تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔"

"اگر الفاظ نہیں ہیں اُستاد تو پھر اُن کی تلاش میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں اور پھر میں آپ کی جتنی عزت کرتا ہوں۔ شاید آپ کو اس کا یقین آ جائے لیکن ذرا دیر لگے گی۔ بہرطور جذباتی گفتگو کی ضرورت نہیں ہے یہ آپ کا دفتر ہے۔ آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ یہاں کیا ہوگا؟"

"پوچھنا چاہتا ہوں۔" اُستاد چھونے بولے۔

"آپ کو علم ہے کہ میرا خاندان قانون کی خدمت کرنے والا خاندان ہے۔ میں نے بھی وکالت کی تعلیم حاصل کی ہے اور یہاں دفتر وکالت قائم ہو رہا ہے لیکن اُستاد مختصر الفاظ میں پہلی اور آخری بات۔ آپ کو اپنا مقصد بتا دوں میرے ساتھ فاروقی صاحب ایڈووکیٹ ہیں۔ بڑے نیک آدمی ہیں۔ دُنیاوی جدوجہد سے تھکے ہوئے ہیں اپنی نیکی اور دیانت داری کی وجہ سے کچھ نہیں کر پائے۔ بس یوں سمجھیں کہ میرا اور اُن کا ساتھ ہے میں وکالت کرتا ہوں اُستاد ایسے لوگوں کی جو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے بڑے بڑے وکیل نہیں کر سکتے۔ بے گناہ ہوتے ہیں ناکردہ گناہ کی سزا پاتے ہیں۔ چنانچہ پیٹ بھرنے کے بعد صرف اُن لوگوں کی مدد میرا فرض ہے۔"

"خدا تمہیں اس کا اجر دے گا شارق میاں۔ تم نے مجھے میری ذمہ داریاں سمجھا دیں۔ میں تو سوچ بھی اسی دفتر میں ہی جایا کروں گا۔"

"نہیں اُستاد مجھے اس سے دُکھ ہوگا۔ کوٹھی میں اگر آپ کو کوئی تکلیف ہے تو میں آپ کے لیے کوئی اور بندوبست کر دوں گا۔"

"نہیں میاں نہیں، تکلیف تو بالکل نہیں ہے۔ تمہارا وہ چوکیدار بہت اچھا آدمی ہے۔ ٹھیک ہے پھر وہیں چلا جایا کروں گا۔"

"ہاں۔ اس طرح آپ مجھے گھر کے ایک فرد محسوس ہوں گے۔" میں نے کہا اور اُستاد مطمئن ہو گئے۔

پھر میں اُستاد کو وہاں چھوڑ کر فاروقی صاحب کے

گھر چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد فاروقی صاحب کو بھی دفتر لے آیا۔ راستے میں، میں نے فاروقی کو اُستاد چھونے کے بارے میں بتا دیا تھا۔

دفتر پہنچے تو فاروقی صاحب دلچسپ نگاہوں سے اُستاد چھونے کو دیکھنے لگے۔ اُستاد اپنی سیٹ دروازے کے پاس ڈال کر بیٹھ گئے تھے۔ ہم نے دفتری امور کا آغاز کر دیا۔ باہر بورڈ بھی لگا دیا گیا تھا۔ جو فاروقی صاحب ہی کے نام سے تھا۔ دن میں تقریباً اُن تمام کیسز کے کاغذات دیکھے گئے جو اس وقت فاروقی صاحب کے پاس موجود تھے۔ کوئی خاص کام نہیں تھا لیکن اب ہم ناامید نہیں تھے۔ یقیناً لوگوں کی توجہ اس طرف ہوگی۔ ذرا فرہاد کیس اور رزلٹ جانے تو ممکن ہے فاروقی صاحب کا نام کچھ اور چمکنے لگے۔ مجھے اپنے نام سے تو کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ بس کام کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوپہر کے دو بجے تک فاروقی صاحب کے ساتھ رہا۔ انہیں غالب کے بارے میں تفصیل نہیں بتائی تھی۔ کسی ایسے کام کے بارے میں بتانا بے مقصد تھا جو ابھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی ہو۔ وہاں سے فرہاد احمد کی اُس فرم کی جانب چل پڑا۔ جہاں یہ واقعہ ہوا تھا۔

قانونی طور پر اندر سے تو کوئی جائزہ نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے عمارت خاصی خوب صورت تھی اور فرم کا دفتر بھی شاندار ہی نظر آتا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک باہر کھڑا سوچتا رہا اور پھر بیٹھ کر ایسے یوں ہی اندر کا ایک چکر لگانے کا فیصلہ کیا اور اندر داخل ہو گیا۔ خاصا اسٹاف تھا۔ استقبالیہ پر مجھ سے میری آمد کے بارے میں پوچھا گیا لیکن ظاہر ہے کیا جواب دیتا خواہ مخواہ ایک نام لے دیا لیکن اتفاق سے اس نام کا کوئی بھی فرد دفتر میں موجود نہیں تھا۔ دفتر کے ماحول کا جائزہ تقریباً میں نے لے لیا تھا۔ اس سے زیادہ یہاں کیا معلوم ہو سکتا تھا۔ ہاں۔ میں کسی ایسے شخص کی تلاش میں ضرور تھا۔ جو میرے لیے کارگر ثابت ہو سکے۔ ساڑھے چار پانچ بجے کے قریب لوگ باہر نکلنا شروع ہو گئے اور میں اُن کا جائزہ لینے لگا۔ مختلف شکلیں تھیں۔ مختلف قسم کے لوگ تھے لیکن میں کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا اور یہ کام دوسرے دن پر ملتوی کر دیا۔

واپس دفتر آیا۔ فاروقی صاحب گھر جا چکے تھے۔ اُستاد چھونے نے دفتر بند کیا اور میں آشیانہ میں واپس آ گیا۔ خدا کا شکر تھا کہ نیلوفر چلی گئی تھی اور آج اس سلسلے میں مجھے کوئی اُلجھن پیش نہیں آئی۔

• •

دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جب میں دفتر میں بیٹھا ہوا تھا تو غالب اچانک دفتر میں داخل ہو گیا۔ انسپکٹر غالب کو دیکھ کر مجھے بے حد مسرت ہوئی تھی۔ وہ وردی ہی میں تھا۔ ڈنڈا ہلاتا ہوا میرے پاس پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب کسی کام کے سلسلے میں کورٹ گئے ہوئے تھے۔

"کمال ہے بھئی۔ اگر بتا دیتے کہ تم نے دفتر بنا لیا ہے تو پھر ہمیں بلا وجہ کی دقتیں کیوں پیش آتیں۔"

"آؤ غالب۔ بتانے والا تھا لیکن اتفاق یہ ہے کہ دفتر کا افتتاح ابھی کل ہی ہوا ہے۔"

"ہوں۔ بڑا فرسٹ کلاس دفتر بنایا ہے بھئی تم نے تو ویسے ہمارے لیے کوئی خدمت ہو تو ضرور بتانا۔"

"میں آپ کو اپنا مقصد بتا چکا ہوں۔ کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھئی نیک کاموں میں تو ہر انسان تھوڑا بہت حصہ لینا پسند کرتا ہے اور پھر غالب تو غالب ہی ہے جو چاہتا ہے۔ ہم نے تمہارا کام کر دیا ہے۔" انسپکٹر غالب نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"کوئی خاص کام تو نہیں ہے؟"

"نہیں بھیا۔"

"تو پھر اُٹھو یار۔ دیر کرنا اچھا نہیں ہوگا۔" غالب نے کہا اور میں جلدی سے اُٹھ گیا۔

غالب مجھے خاموشی سے ساتھ لیے باہر نکل آیا تھا۔ نیچے سرکاری جیپ کھڑی ہوئی تھی اُس نے مجھے اسی جیپ میں بیٹھنے کی پیشکش کر دی اور بولا۔

"واپس چھوڑ دوں گا فکر مت کرو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک پولیس اسٹیشن میں داخل ہو رہے تھے۔

"معاملہ کیا ہے۔ مجھے کچھ تو بتاؤ۔"

"بھئی ایک بندہ پکڑا ہے ہم نے۔ ایک خاص

مسئلے میں۔ بندہ بے گناہ ہے اور ہمارا خیال یہ تھا کہ ہم اُسے چھوڑ دیں گے مگر اُس نے ایک ایسی بات بتائی جو کام کی ہو سکتی ہے۔"

"کیا بات؟"

"بھئی وہ فرہاد احمد کی کمپنی میں اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ باخبر بندہ معلوم ہوتا ہے۔ بس یہ معلوم ہونے کے بعد میں نے اُسے تھوڑی دیر کے لیے اور روک لیا ہے۔"

"او ہو، ویری گڈ۔"

"تو پھر آجاؤ۔" انسپکٹر غالب نے کہا اور مجھے لیے ہوئے لاک اپ کی جانب چل پڑا۔

لاک اپ کا تالا کھلوا کر اُس نے ایک دراز قامت آدمی کو باہر نکلوا لیا۔ کچھ اور مجرم بھی لاک اپ میں بند تھے۔ اس دراز قد آدمی کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا یا پھر ممکن ہے۔ فرہاد احمد کی فرم میں میری نگاہ ہی اس پر نہ پڑی ہو۔ انسپکٹر غالب اُسے لیے ہوئے ایک مخصوص کمرے میں پہنچ گیا۔

"بھائی! ذرا اِدھر دیکھو۔" اُس نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ جس پر ایک ڈنڈا لگا ہوا تھا اور ڈنڈے کے نیچے ایک عبارت لکھی ہوئی تھی "آجا صورے بالما تیرا انتظار ہے۔"

اُس سے کچھ فاصلے پر چمڑے کا ایک چابک ٹنگا ہوا تھا اور اس کے نیچے لکھا ہوا تھا "جن کتھاں گزاریاں رات سُوہنے۔"

"مطلب یہ ہے بھائی صاحب کہ یہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے اور یہاں نہ جانے کیا کیا ہو جاتا ہے۔ پولیس کے معاملات تو تم جانتے ہی ہو۔ میں ذرا مختلف آدمی ہوں۔ میں شریف آدمیوں کی عزت کرتا ہوں اور مجھے یہ پتا چلا ہے کہ تم شریف آدمی ہو۔"

"آپ جانتے ہیں جناب۔ آپ جانتے ہیں۔" دراز قد آدمی نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"ہاں! ہاں اچھی طرح جانتے ہیں مگر بھائی کسی کے لیے کچھ کرنے کے لیے اپنا کام بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تمھیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اس سلسلے میں بے گناہ ہو مگر تمھارا وہ ساتھی۔"

"میں عرض کر چکا ہوں جناب۔ وہ میرا ساتھی ہی نہیں ہے۔ صرف میرا شناسا ہے کمبخت نے بلاوجہ میرا نام اپنے کیس میں لے دیا۔"

"یہ ہم جانتے ہیں۔ شریف آدمی ایسے ہی پھنستے ہیں مگر تمھاری مدد کرنے کی ایک شرط ہوگی۔ تمھیں ابھی چھوڑ دیا جائے گا دس منٹ کے بعد۔ اس کمرے سے سیدھے تم اپنے گھر جاؤ گے مگر ایک کام کرنا پڑے گا تمھیں۔"

"جی، جی، فرمائیے۔ میں حاضر ہوں۔"

"کام ذرا مختلف ہے لیکن کیے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ پولیس کسی بھی لمحے تمھیں اس معاملے میں گھسیٹ سکتی ہے۔ اُس سے بچنے کا طریقہ بس ایک ہی ہے کہ تم ہمارا کام کرو اور ہم تمھارا۔"

"آپ کہیے تو سہی۔"

"فرہاد احمد صاحب کی کمپنی میں کتنے عرصے سے کام کر رہے ہو؟" انسپکٹر غالب نے پوچھا۔

"تقریباً آٹھ سال ہو چکے ہیں مجھے۔ میرا ریکارڈ نکلوا کر دیکھ لیجیے کبھی کوئی ایسی بات۔۔۔"

"نہیں بھائی! ہم ریکارڈ نکلواتے نہیں صرف بجاتے ہیں۔ کیا سمجھے چنانچہ ان آٹھ سالوں میں تو تم نے بہت کچھ دیکھا ہوگا۔ فرہاد احمد صاحب کے بارے میں تمھیں معلوم ہے کہ اُن کا قتل ہو چکا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اب اُن کی فرم کون چلا رہا ہے؟"

"مسز فرہاد۔ وہی فرم کے معاملات کی دیکھ بھال کرتی تھیں اور اب بھی کر رہی ہیں۔"

"اور فرہاد صاحب کیا کرتے تھے؟"

"کچھ نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ تو کام کیا ہی کرتے تھے۔" دراز قد نے کہا۔

"کیا نام بتایا آپ نے اپنا؟"

"نیاز احمد۔"

"بھائی نیاز احمد۔ ذرا فرہاد احمد صاحب کے بارے میں کچھ تفصیلات معلوم کرنی ہیں؟"

"کیسی تفصیلات؟" نیاز احمد نے پوچھا۔ وہ بے چارہ خوف زدہ نظر آتا تھا۔ واقعی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"فرہاد احمد صاحب کس طرح کے آدمی تھے؟"

"بس جناب۔ ایسے ہی تھے جیسے مالکان ہوا کرتے ہیں۔ جیسے تمام بڑے آدمی ہوتے ہیں۔ خشک طبیعت کے مالک اپنے آپ میں مگن رہنے والے لیکن دوستوں میں خوش بھی رہتے تھے لیکن ہم لوگوں کے ساتھ اُن کا رویّہ صرف مالکانہ ہی تھا۔"

"ہوں۔ مزاج کے کیسے تھے۔ میرا مطلب ہے کچھ رنگین مزاج آدمی تھے؟" انسپکٹر غالب نے پوچھا اور نیاز احمد کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

"میں براہِ راست تو نہیں جانتا جناب لیکن کچھ اُڑتی اُڑتی خبریں سُنی تھیں۔ اُن کے بارے میں لوگ دبی دبی زبان سے تذکرہ کیا کرتے تھے کہ فرہاد صاحب حُسن پرست آدمی ہیں۔"

"فرہاد جو ہوئے مگر یہ تذکرہ کیوں کیا جاتا تھا؟"

"اس لیے جناب کہ اُن کی سیکرٹری ہمیشہ خوب صورت لڑکی ہی ہوتی تھی۔"

"ہمیشہ سے کیا مراد ہے تمھاری؟"

"چھ سات مہینے سے زیادہ کوئی بھی سیکرٹری نہیں رہتی تھی۔"

"واہ، ہوئی نا کام کی بات تو ہر چھ مہینے کے بعد سیکرٹری بدل جایا کرتی تھی؟"

"جی ہاں۔ کبھی چار مہینے اور تین مہینے بھی لگتے تھے لیکن اُن کی سیکرٹری کی حیثیت سے کوئی بھی لڑکی شاید فرم میں سال بھر تک ٹک سکی ہو۔"

"اندازاً کتنی لڑکیاں اس فرم میں کام کر چکی ہیں؟"

"جناب! جب سے میں اس فرم میں آیا ہوں۔ پندرہ سولہ لڑکیاں میں نے بدلتی دیکھی ہیں۔"

"کیا فرم میں اُن لڑکیوں کا ریکارڈ موجود ہے؟"

"کیوں نہیں۔ فرم میں اُن تمام لڑکیوں کے ریکارڈ موجود ہیں جو سیکرٹری کی حیثیت سے ملازمت کر چکی ہیں۔ نہ صرف سیکرٹریوں کے بلکہ تمام ملازمین کے ریکارڈ موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم کام کے آدمی ثابت ہو سکتے ہو۔ چلو بھائی نیاز احمد۔ ریکارڈ میں وہ فائل پندرہ بیس ہی ہوں گے نا اور اُن تک تمھاری پہنچ مشکل بھی نہیں ہو گی؟"

"میں۔ میں سمجھا نہیں؟"

"پولیس کو وہ فائل چاہئیں۔"

"میرا تو خیال ہے پولیس کو یہ ریکارڈ دینے سے کوئی بھی انکار نہیں کرے گا۔"

"ہمیں کسی سے مانگنے نہیں ہیں وہ فائل۔ یہ کام تمھارا ہے۔ وہ فائل وہاں کے ریکارڈ سے غائب کر کے ہم تک پہنچا دو۔"

"جناب سرکاری طور پر۔"

"او بھائی! کونسی زبان سمجھ میں آئے گی تیرے۔ وہ سامنے والی یا اُدھر والی۔"

"نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔"

"تو پھر۔ جو مطلب تھا وہ بتا دے؟"

"بس جناب جیسا آپ فرما رہے ہیں ویسا ہی ہو گا۔"

"ہوں! بھائی تم شریف آدمی ہو۔ ہمیں وہ فائل قانون کی مدد کے لیے چاہئیں لیکن ہم کسی کو اُن کے بارے میں بتانا نہیں چاہتے تمھارا یہ کام ہے کہ وہ فائل وہاں سے غائب کر کے کل شام تک ہمیں پہنچا دو۔"

"اور اگر۔۔۔ اور اگر۔۔۔"

"اور اگر۔۔۔ اور اگر۔۔۔ تو پولیس تمھیں پکڑے گی نہیں اطمینان رکھو۔" غالب نے بدستور تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"بہت بہتر۔"

"یہ ہوئی نا بات۔ دیکھو نا شریف آدمی اسی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ہم تمھیں اس شرط پر اُس وقت تک کے لیے چھوڑ رہے ہیں جب تک تم وہ فائلیں ہمارے حوالے نہیں کرتے۔ فائل خاموشی سے ہمارے پاس پہنچ گئے۔ تو یوں سمجھ لو تمھاری گردن بھی نکل گئی اس کیس سے تمھارا نام ہی غائب کر دوں گا اور اگر نہیں پہنچے تو وہ دوسرا آدمی چھوٹ جائے گا اور تم اُس کی جگہ پھنس جاؤ گے۔ کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا۔ اچھی طرح سمجھ گیا۔"

"تو پھر کب کر رہے ہو یہ کام؟"

"کل ہی کوشش کروں گا۔"

"پھر کوشش۔"

"نہیں، میرا مطلب ہے کل کروں گا۔" نیاز نے کھسیانے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر ملاؤ ہاتھ یار۔ تم تو بڑے کام کے آدمی نکلے۔ ٹھیک ہے۔ اب تم یہاں سے سیدھے باہر نکل جاؤ۔" غالب نے آنکھ بند کر کے اشارہ کرتے ہوئے کہا اور نیاز احمد متحیرانہ انداز میں پہلے اور غالب کو دیکھنے لگا۔ دروازے کی طرف بڑھا۔ دو قدم چلا۔۔۔ پھر ٹھٹکا اور پھر تیزی برق رفتاری سے باہر نکل گیا کہ مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ غالب نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم بھی ہاتھ ملاؤ شارق بھائی۔ کیا کام ہوا؟"

"اس وقت تو آپ نے کمال کر دیا غالب۔ میں جس کام کو بھی انتہائی مشکل سمجھ رہا تھا، وہ آپ نے کر دکھایا۔"

"میاں ہمارے ساتھ رہو گے۔ تو یہ ہی سب سیکھ لو گے۔"

"اور غالب صاحب، آنے والے دنوں میں بھی آپ کا اتنا ہی معاون ثابت ہوں گا۔"

"ارے رہنے دو بھائی، رہنے دو۔ لالچ میں رشتے دیے، غالب کبھی کسی لالچ میں نہیں آتا کیا سمجھے؟ اگر آتا تو شاہ کا مصاحب پھرتا، بنا شہر در شہر درست ہوتا کیا سمجھے۔" میں ہنسنے لگا تھا۔ پھر میں نے غالب سے اس کے آئندہ پروگرام کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔

"بس بھائی کوشش کی ہے تمھارے لیے۔ ممکن ہے کچھ کامیابی ہو جائے۔ میرا فون نمبر رکھ لو۔ اس پر جب بھی مجھے بلاؤ گے یا میں اگر نہیں ملا تو تمھیں یہ پتا چل جائے گا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔" اس نے کہا اور میں نے فون نمبر لے کر جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد غالب کے پاس رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔

▼

شام حسب معمول تھی۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ استاد چھوٹے اپنے کوارٹر میں جا چکے تھے اور میں بھابیوں سے خوش گپیاں کرتا رہا تھا۔ آئی جی صاحب بھی آج بڑے اچھے موڈ میں تھے بار بار مسکراتے تھے۔ جبکہ انھیں کبھی کبھی ہی مسکراتے دیکھا جاتا تھا۔ پھر میں اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلا گیا۔ اس وقت تقریباً رات کا ایک بجا ہوگا۔ جب اچانک زبردست فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔ بہت سی گولیاں چلی تھیں۔ جو یقیناً کسی آٹومیٹک پستول سے چلائی گئی تھیں۔ میں متوحش ہو گیا۔ آواز کوٹھی کے کسی حصے سے آرہی تھی اور گولیاں مسلسل چل رہی تھیں۔ دفعتاً کچھ چیخ و پکار کی آوازیں بھی بلند ہوئیں اور پھر کوئی زور سے گرا۔ اس کے بعد میں نے اپنے کمرے کے سامنے والی راہداری سے کسی کو دوڑ کر باہر جاتے ہوئے دیکھا اور میں خود بھی برق رفتاری سے باہر نکل آیا۔ پستول میرے پاس نہیں تھا لیکن محتاط انداز میں راہداری کے اس حصے کی جانب دوڑ رہا تھا جس طرف میں نے کسی کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرے پیچھے ہی جج امجد حسین صاحب، ایس پی طارق حسین صاحب اور دوسرے تمام لوگ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے تھے اور طارق حسین صاحب چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ ہوشیار رہنا گولی کی زد میں آنے سے بچیں اور پھر گیٹ کے قریب کوئی ہنگامہ سنائی دیا۔ ایک دھماکا ہوا اور اس کے بعد اٹھا پٹخ ہونے لگی۔ میں نے متحیرانہ انداز میں دوسرے لوگوں کے ساتھ اس طرف دیکھا۔ گیٹ کے پاس مدھم سی روشنی تھی اور اس روشنی میں دو آدمی مقابلہ کرتے نظر آرہے تھے۔ دفعتاً تیسرے آدمی نے کسی کو للکارا اور اسی وقت ایک آدمی دوسرے آدمی کو دھکا دے کر گیٹ پھلانگ کر بھاگ گیا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ پتا نہیں کیا قصہ تھا۔ بہرطور تمام لوگ دوڑتے ہوئے گیٹ کے نزدیک پہنچ گئے۔

کریم خان کی ٹانگ میں گولی لگی تھی اور استاد چھوٹے کریم خان پر جھکے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ امجد حسین صاحب اور دوسرے تمام لوگ گیٹ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ پھر امجد حسین صاحب نے استاد چھوٹے کی طرف بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ہونہہ۔ تو تم اس لیے یہاں آئے تھے؟"

"جی جی سرکار، سمجھ نہیں سکے ہم۔" استاد چھوٹے نے تعجب سے کہا۔

"گولی مار دوں گا اگر تم نے اپنی جگہ سے جنبش کی۔ چلو اس کے ہاتھ پشت پر جکڑ دو۔" امجد حسین صاحب پستول کا رخ استاد چھوٹے کی طرف کر کے بولے اور کریم خان کراہتے ہوئے کہنے لگا۔

"نہیں سرکار، نہیں سرکار، یہ تو، یہ تو۔"

"شارق تم کریم خان کو دیکھو اور اسے لے چلو۔ چلو سوچ لینا کہ حفاظت خود اختیاری کے تحت میں تمھیں گولی مار کر ہلاک بھی کر سکتا ہوں۔" جج امجد حسین نے استاد چھوٹے سے کہا۔ استاد چھوٹے عجیب سی نگاہوں سے جج امجد حسین کی طرف دیکھ رہے تھے پھر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر کر دیے اور بولے۔

"ہمارے ہاتھ بندھوا دیجیے سرکار، ورنہ ممکن ہے کوئی حرکت کر بیٹھیں ہم۔" انھوں نے درد بھرے لہجے میں کہا اور چند ملازموں نے ان کے ہاتھ پشت پر کس دیے۔

میں کریم خان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ گولی ران کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی تھی اور ہڈی وغیرہ پر کوئی ضرب نہیں آئی تھی۔ زخم پر کپڑا کس کر باندھ دیا گیا۔ تمام لوگ پہنچ چکے تھے۔ گھر میں فرسٹ ایڈ کا سامان بھی تھا۔ زخم اتنا گہرا نہیں تھا کہ کریم خان کو ہسپتال وغیرہ لے جانے کی ضرورت پیش آتی یا پھر ڈاکٹر کو طلب کیا جاتا۔ خون رک گیا تو اسے اندر کوٹھی میں لے جا کر ایک بستر پر لٹا دیا گیا لیکن میں جج امجد حسین صاحب کی اس کارروائی کو حیرت کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا کیونکہ جہاں تک میرا اندازہ تھا، استاد چھوٹے نے کچھ نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو گیٹ پر ہی تھے اور شاید اٹھا پٹخ ان ہی سے ہو رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں اس بڑے کمرے میں پہنچ گیا۔ جہاں استاد چھوٹے کو بٹھا دیا گیا تھا۔ جج صاحب اسے خونناک نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ایس پی صاحب ٹیلی فون پر گفتگو کر رہے تھے۔ ممکن ہے محکمہ پولیس سے یا کسی اور سے۔ میں نے متحیرانہ انداز میں جج صاحب سے کہا۔

"بھائی جان! یہ آپ نے انھیں کیوں بندھوا دیا؟"

"اس لیے کہ اس شخص نے میری زندگی لینے کی کوشش کی تھی۔ اس نے مجھ پر فائرنگ کی تھی اور اس کے بعد جب اپنی کوششوں میں ناکام رہا تو معصوم بننے کی کوشش کرنے لگا۔"

"استاد چھوٹے نے؟"

"اسی نام نہاد استاد نے۔" جج صاحب نفرت سے استاد کو گھورنے لگے۔ استاد چھوٹے پُراعتماد انداز میں بیٹھے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگے پھر انھوں نے میری طرف دیکھا اور پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے آہستہ سے بولے۔

"جج صاحب کو غلط فہمی ہو گئی ہے شارق میاں۔ اللہ نے چاہا تو دور ہو جائے گی۔"

"تم جیسے بدفطرت لوگ چہرے پر معصومیت کے کتنے ہی نقاب ڈال لیں لیکن ان کی اصلیت سامنے ہی آکر رہتی ہے مسٹر چھوٹے۔" بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔

"نہیں بیرسٹر صاحب، نہیں جج صاحب۔ بھلا کوئی جس گھر میں نمک کھاتا ہے، وہ وہاں نمک حرامی کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ آپ سوچیے ہم آپ کے ساتھ یہ بدتمیزی کیوں کرتے؟" استاد چھوٹے نے کہا۔

"اس لیے کہ تم دو بار میرے ہاتھوں سزا پا چکے ہو۔"

"آپ کے ہاتھوں نہیں جج صاحب بلکہ قانون کے ہاتھوں، اور وہ جرم ہم نے کیے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے کتنی فراخدلی سے انھیں قبول کر لیا تھا۔ یا تو ہم اپنے آپ کو بے گناہ سمجھتے یا بے گناہ کہتے اور آپ ہمیں سزا دیتے تو ہمیں آپ سے شکایت ہوتی۔ جب ہم نے خود ہی اپنے جرموں کو مان لیا تھا اور آپ سے ان کی سزا چاہی تھی۔ تو بھلا ہمارے دل میں پھر آپ کے لیے کیا بغض ہو سکتا تھا۔"

"مکاری مت کرو۔ تم جیسے لوگوں کی فطرت سے میں اچھی طرح واقف ہوں اور تم کیا سمجھتے ہو۔ میرے بھائی کی ہمدردیاں حاصل کر کے اس کوٹھی میں گھس آئے تو کیا میں نے تم پر یقین کر لیا تھا۔ میں شارق کو تمھاری یہاں موجودگی سے منع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ خود ہی صورتحال کا اندازہ کرے اور اپنی اس خدا ترسی کو ترک کر دے۔ جو خواہ مخواہ انھیں دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کرتی ہے۔" امجد حسین صاحب نے کہا۔

"بھائی جان۔ میں اس سلسلے میں اتنا ضرور کہوں گا کہ حالات کا اچھی طرح جائزہ لیں اور اس کے بعد استاد چھوٹے آپ پر قاتلانہ حملے کے مجرم نکلے تو ظاہر ہے مجھے آپ سے زیادہ یہ عزیز نہیں ہیں۔"

"بالکل ٹھیک کہا۔ جج صاحب اگر چاہیں تو ہم یہ الزام اپنے سر لے سکتے ہیں کیوں؟ اس کی وجہ ہم سے نہ پوچھی جائے لیکن اچھا تو یہ ہوگا کہ اتنے اچھے لوگ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر گناہ گار نہ ہو جائیں۔ سچی بات یہ ہے جج صاحب کہ ہم نے تو اس بدمعاش کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اگر

کریم خان بیچ میں ٹانگ نہ اڑا دیتا تو آپ یقین کریں کہ ہم آپ کو اُس کی ہڈیاں پسلیاں پیش کر دیتے مگر کریم خان نے یہ بات بگاڑ دی اور وہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ ورنہ مجال تھی کہ چھونے کے ہاتھ سے کوئی نکل جائے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم مجھے غلط راستے پر نہیں ڈال سکتے۔" امجد حسین صاحب نے کہا اور اُسی وقت ایس پی طارق حسین واپس آ گئے۔

"ارے اسے کیوں باندھ دیا۔ کیا یہ اُس کا ساتھی تھا؟" طارق حسین صاحب نے پوچھا۔

"کس کا؟" اُس نے خود ہی مجھ پر گولیاں چلائی تھیں۔"

"نہیں بھائی صاحب۔ آپ نے شاید اُسے پہچانا نہیں۔ وہ بھادوں تھا۔ بھادوں۔۔۔"

"کیا؟" امجد حسین چونک پڑے۔

"بھادوں۔ وہ خطرناک مجرم۔" بیرسٹر صاحب بھی چونک پڑے۔

"میں نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہی کم بخت تھا۔ میری گولیوں سے بچ کر نکل گیا۔ آپ کو یاد ہے اُسے آٹھ سال کی سزا ہوئی تھی۔ ان دنوں جیل میں تھا۔ میں نے پولیس کو چوکس کر دیا ہے اور پیٹرولنگ پولیس اُس کی تلاش شروع کر چکی ہے۔"

"تمھیں یقین ہے کہ وہ بھادوں ہی تھا؟" بیرسٹر نصرت حسین نے پوچھا۔

"میں نے اُسے دیکھ لیا تھا بھائی صاحب اور میں بھلا اُسے نہیں پہچانوں گا۔ آپ کو یاد ہے کہ اُسے میں نے ہی گرفتار کیا تھا۔"

"لیکن، لیکن۔۔۔!"

"آپ یقین کیجیے اور مجھے یقین ہے کہ پولیس اُسے ضرور گرفتار کر لے گی۔ ویسے میں ابھی وقار احمد صاحب کو فون کرتا ہوں اور اُن سے معلوم کرتا ہوں کہ وہ تو جیل میں تھا جیل سے باہر کیسے آ گیا۔"

"تو پھر یہ اُستاد چھونے؟"

"اگر آپ نے انھیں اُس کے ساتھ دیکھا تھا تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ تنہا ہی تھا۔ میں نے اُسے بہت اچھی طرح دیکھا اور پہچان لیا بلکہ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ میں ابھی واپس آیا۔ ذرا وقار احمد سے بات کر لوں۔ میرا خیال ہے آپ انھیں کھول دیجیے کیونکہ یہ آپ پر فائرنگ کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ وہ ایک ہی آدمی تھا۔"

طارق حسین صاحب یہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ جج امجد حسین صاحب کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آنے لگے۔ وہ پریشانی کی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر جلدی سے آگے بڑھ کر اُستاد چھونے کے ہاتھ خود کھولنے لگے اور کہنے لگے۔

"میرا ذہن تمھاری ہی طرف گیا تھا۔ بھئی عجیب سی غلط فہمی ہوئی ہے مجھے۔ میں، میں سمجھ نہیں پا رہا۔" یہ کہتے ہوئے اُنھوں نے اُستاد چھونے کے ہاتھ کھول دیے۔

"آپ بالکل ہی فکر نہ کریں صاحب۔ آپ نے اچھا کیا تھا کہ ہمیں باندھ دیا تھا۔ نمک خوار ہو گئے ہیں اب آپ کے، نمک حرامی کبھی نہیں کریں گے۔ ذرا ہمیں یہ بتا دیجیے کہ یہ بھادوں کون ہے ہم خود ہی اُسے پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں گے۔"

"نہیں، نہیں بھئی۔" طارق حسین کا کہنا ہے کہ اُنھوں نے خود ہی اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ایک ہی آدمی تھا۔ مجھے غلط فہمی ہوئی۔ میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں اُستاد چھونے، واقعی شدید غلط فہمی ہوئی۔"

"ارے سرکار۔ ذلیل کر رہے ہیں آپ ہمیں۔ آپ خود ہی ہمیں معاف کر دیجیے کہ ہم، کہ ہم۔۔۔"

"دیکھو بھئی۔ اگر مجھے شرمندہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہو تو تمھیں اس کا حق حاصل ہے۔ جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ پتا نہیں کمبخت کیوں غلط فہمی ہو گئی۔ خواہ مخواہ، بس یوں سمجھو کہ ذہن سویا ہوا تھا اور یہ سب کچھ اچانک ہی ہوا تھا۔ اگر تم واقعی مجھے معاف کر دو تو میں تمھارا شکر گزار ہوں گا۔"

"چھوٹے منہ سے اگر آپ یہ بات کہلوانا ہی چاہتے ہیں سرکار۔ تو صرف آپ کی تسلی کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے سچے دل سے آپ کو معاف کر دیا ہے۔ انسان، انسان ہی ہوتا ہے۔ غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے اُسے۔ کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے۔" اُستاد چھونے نے فراخدلی سے کہا اور اپنے ہاتھ ملتے ہوئے میرے قریب آ کھڑے ہوئے۔

میں خاموشی سے امجد حسین صاحب کو دیکھ رہا تھا۔ اُستاد

چھونے کے لیے امجد صاحب نے جو کچھ کیا تھا۔ وہ واقعی انتہائی افسوسناک تھا لیکن اُنھیں خود بھی احساس ہو گیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ایس پی طارق حسین واپس آ گئے اور اُنھوں نے بتایا۔

"وقار احمد نے بتایا ہے کہ بھادوں کل ہی جیل سے فرار ہوا ہے۔ اُس کے بارے میں شاید اخبار میں کوئی چھوٹی موٹی خبر بھی چھپی تھی جو ہماری نگاہ سے نہیں گزری۔"

"ہوں۔ وہ بھادوں ہی ہو گا۔ میں جانتا ہوں۔ اوہ، مجھے یاد آیا۔ اُس نے مجھے دھمکی بھی دی تھی۔ اُس نے کہا تھا، جج صاحب میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"وہ بھادوں ہی تھا بھائی جان۔ اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن آپ بالکل فکر نہ کریں۔ یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اُسے گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دوں۔"

"ہو جائے گا، ہو جائے گا بھائی، میں نے اس شریف آدمی کو بلاوجہ پریشان کیا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔"

"معافی مانگ لیتے ہیں ہم ان سے۔ غلط فہمی کی بنا پر ایسا ہوا۔"

"میں باہر چلا جاتا ہوں سرکار۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں سنوں گا۔"

"نہیں، تم نہیں رُکو اور سنو اگر تم اس واقعے کے بعد اس کوٹھی کو چھوڑنے کی کوشش کرو گے تو اُستاد چھونے یقین کرو کہ میں کبھی اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گا۔ تمھیں یہیں رہنا ہو گا۔ اسی جگہ۔ وعدہ کرو مجھ سے اگر صاحبِ ظرف ہو اور کسی کو معاف کرنے کی ہمت رکھتے ہو تو پھر وعدہ کرو کہ اس کوٹھی سے جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"نہیں جائیں گے سرکار۔ اور ہم تو، ہم تو۔۔۔" اُستاد چھونے کی آواز بھرا گئی۔ اُنھوں نے گردن جھکا لی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ جج امجد حسین نے آگے بڑھ کر اُستاد چھونے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں بہت زیادہ جذباتی انسان نہیں ہوں گو کہ میرا تعلق ایک ایسے پیشے سے ہے جس میں جذبات سے زیادہ عقل کو ساتھ رکھنا پڑتا ہے لیکن اگر تمھاری آنکھوں سے یہ آنسو ٹپکے تو پھر، تو پھر یوں سمجھ لو کہ نہ جانے کیا ہو جائے۔"

اُستاد چھونے نے جلدی سے آنکھیں خشک کر لیں اور گردن جھکا لی۔

"میرے بھائیوں کی طرح تم یہاں رہو گے۔ تم ایک باعزت انسان ہو، میں آج سے تمھیں کبھی شک کی نگاہ سے نہیں دیکھوں گا۔"

"بہت بہتر سرکار، بس اب آپ ان باتوں کو جانے دیجیے۔ ذرا ہمیں بھی اُس بھادوں کے بارے میں بتا دیجیے۔"

"نہیں، تمھارا قانون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں صرف قانون کی مدد چاہتا ہوں۔ براہ کرم اپنے طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا۔ اب تم جاؤ۔ اور آرام کرو لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اُسے یاد رکھنا۔"

امجد حسین صاحب نے اُستاد چھونے سے اتنا کچھ کہہ دیا تھا کہ اب میرے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی۔ کافی دیر تک ہم ساتھ بیٹھے رہے۔ بھادوں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی تھی۔ خواتین خوف زدہ ہو گئی تھیں کیونکہ بھادوں نکل بھاگا تھا اور اُس نے جج امجد حسین کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی لیکن ایس پی طارق حسین نے کہا کہ چونکہ اس سے پہلے اس قسم کے کسی واقعے کا اُن کے ذہن میں شائبہ نہیں تھا اس لیے بھادوں کی اس کوٹھی تک رسائی بھی ہو گئی لیکن اس کے بعد وہ کبھی اس کوٹھی کی طرف اُرخ نہیں کر سکے گا۔ اوّل تو اُسے گرفتار کر لیا جائے گا اور اگر نہ بھی گرفتار ہوا تو پھر دیکھ لیں گے کہ اس کا کیا حل تلاش کیا جائے۔ آپ لوگ بالکل فکر نہ کریں۔ خاص طور سے میں خواتین سے کہتا ہوں کہ یہ جو انھوں نے اپنے چہروں پر خوف و ہراس قائم کر رکھا ہے اس کوٹھی میں کم از کم ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ قانون بہر حال مجرم سے زیادہ ذہین اور تیز رفتار ہوتا ہے۔"

رات تقریباً آنکھوں ہی میں گزر گئی تھی۔ میں اُستاد چھونے کے پاس جانے کی ہمت نہیں کر سکا لیکن صبح کو کھاڑ کا دن تھا اور مجھے اُستاد عبدالقدوس کی خدمت میں حاضری دینا ضروری تھی چنانچہ بائیک اسٹارٹ کر کے کریم خان کے کوارٹر کے پاس پہنچا تو اُستاد چھونے منتظر ملے۔ خوش تھے مسکرا رہے تھے۔ میرے ساتھ خاموشی سے بائیک پر بیٹھ گئے اور میں نے بائیک خاموشی سے آگے بڑھا دی۔

"اس گھر میں جو عزت ہمیں آج ملی ہے خدا کی قسم زندگی میں اِس سے زیادہ اللہ کسی چیز کی طلب نہیں تھی

بھی غلط فہمی کو ہو ہی جاتی ہے انسان کو اور پھر وہ جو بدنامی کا داغ لگ جاتا ہے نا کسی کی پیشانی پر فقط مشکل ہی سے دُھلتا ہے۔ ہاں سب سے پتلی گردن ہماری ہی تھی جو پھنک گئی مگر اس سے ایک فائدہ ہوا میاں۔ وہ یہ کہ اس کوٹھی میں ہمارا بھی ایک مقام بن گیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ ہی سوچتے رہے تھے کہ جج صاحب کو یاد ہو گا کہ وہ ہمیں سزا دے چکے ہیں اور دوسرے لوگوں سے بھی اس کا تذکرہ کریں گے اور ہم خواہ مخواہ ہی بدنام ہوتے رہیں گے کہ ہم نے اب اپنی زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"اس کے باوجود آپ اپنے آپ کو چھوٹا آدمی کہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"دیکھو شارق میاں۔ اب سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ہم نے اپنا دل صاف کر لیا ہے تو تم لوگ کیوں اس جھگڑے میں پڑے ہوئے ہو۔ معاملہ ہمارا اور جج صاحب کا تھا جو کیا وہ...... تم لوگوں نے بھی دیکھا کہ انھوں نے کس طرح ہمیں سینے سے لگا لیا۔ بس ہماری زندگی میں اس سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس موضوع پر اب اگر کوئی بات کرو گے تو ہم ناراض ہو جائیں گے۔"

"نہیں استاد۔ میں اس موضوع پر بات نہیں...... کروں گا۔ ہاں استاد ذرا اکھاڑے پر زور کرنے جانا ہے تھوڑی دیر تک ساتھ رہیں گے اور اس کے بعد میں سے دفتر نکل چلیں گے۔ میں گھر واپس نہیں آؤں گا۔"

"اچھا زور کرنے کا شوق ہے تمہیں؟" استاد نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس ذرا اپنے آپ کو جسمانی طور پر فٹ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آج ہم بھی تمہارا زور دیکھیں گے۔" استاد چھونے نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں استاد عبدالقدوس کے اکھاڑے پر پہنچ گیا۔

زور جاری تھا۔ استاد عبدالقدوس بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ چھونے نے انھیں دیکھا اور انھوں نے چھونے کو اور دفعتاً استاد حقہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے ارے، چھونے صاحب، چھونے صاحب تم۔"

"اوہو قدوس میاں۔ کہو پہلوان کیا حال ہیں؟"

"کیوں شرمندہ کر رہے ہیں استاد۔" استاد آگے بڑھے اور انھوں نے جھک کر چھونے کے قدم چھو لیے۔

"ارے، ارے بھائی، کیوں گناہ گار کر رہے ہو۔ یہ ہندو طریقہ ہے۔ مسلمانوں کو یہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔"

"استاد۔ آپ کے قدم اس اکھاڑے کی سمت آئے۔ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا بڑا آدمی یہاں تک پہنچے گا۔" میں متعجبانہ نگاہوں سے استاد قدوس کو دیکھ رہا تھا۔ استاد عبدالقدوس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"کیوں شجو! استاد کہاں سے تیرے ہاتھ لگ گئے؟"

"بس استاد۔ اللہ کا کرم ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا اور پلٹ کر کپڑے وغیرہ اتارنے لگا۔

استاد عبدالقدوس، استاد چھونے سے گفتگو کر رہے تھے اور میں اکھاڑے میں زور کرنے اتر گیا۔ استاد عبدالقدوس کے انداز سے یوں لگتا تھا کہ جیسے چھونے کوئی بہت ہی بڑی چیز ہوں۔ میں ذہن میں یہ الجھن ضرور رکھتا تھا لیکن میں نے بہت زیادہ جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ استاد چھونے پر مجھے پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں اور دنیا کا کوئی بھی فرد اب اُن کی طرف سے میری رائے خراب نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اگر استاد خود ہی کچھ بتانا پسند کریں گے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں خود نہیں پوچھوں گا۔ زور کرنے کے بعد جب میں کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے لگا تو استاد عبدالقدوس میرے پاس پہنچ گئے انھوں نے کسی قدر بدلے ہوئے انداز میں کہا۔

"شجو یہ سب کیا ہے اور مجھ سے تم نے یہ سب کیوں چھپایا؟"

"کیا استاد؟"

"تم اتنے بڑے آدمی کے بیٹے ہو۔ تم، تم اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہو۔ میں تو، میں تو شرمندہ ہو گیا ہوں تم سے۔"

"کیا ہو گیا استاد۔ آپ کا پٹھا ہوں۔ اس کے علاوہ کیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں شجو۔ بڑی کوٹھیوں میں اتنے بڑے دل کم ہی ہوتے ہیں۔ میں نے...... میں نے تمہارے ساتھ کافی بدتمیزیاں کی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تم سے معافی مانگوں۔"

"استاد کیا بات ہے۔ آپ کیوں مجھے ذلیل کر رہے ہیں؟"

"شجو میاں یہ بات نہیں ہے۔"

"استاد کل سے میں اکھاڑے پر نہیں آؤں گا۔"

"کیوں، کیوں شجو؟" استاد نے پوچھا۔

"اس لیے کہ آپ مجھے شجو کی بجائے شجو میاں کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں بیٹے۔ بہت بڑے انسان ہو تم۔ بڑے آدمی ہو تم۔ مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ دراصل، دراصل، اس قسم کے لوگوں میں ذرا زبان خراب ہو ہی جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، نہیں آؤں گا کل سے اکھاڑے پر۔"

"نہیں بھئی میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ بس چھونے میاں نے تمہارے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔"

"تفصیلات کیا بتائی ہیں استاد؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ ہی کہ تم بڑی عالیشان کوٹھی میں رہتے ہو سابق آئی جی کے بیٹے ہو۔ ایک بھائی جج ہیں، ایک بھائی بیرسٹر اور ایک بھائی ایس پی ہیں اور، اور بہت کچھ ہو تم اور اس کے باوجود کس قدر انکسار سے آتے ہو میرے پاس تم میری گالیاں کھاتے ہو۔ زور کرتے ہو۔ تم نے کبھی اس بات کا احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ تم، تم......؟"

"استاد! میں تو تمہارا شاگرد ہی ہوں۔ بڑے ہوں گے میرے والد صاحب۔ جو آئی جی تھے۔ بیرسٹر صاحب، جج صاحب اور ایس پی صاحب ہوں گے۔ میرا اس میں کیا قصور ہے۔"

"نہیں بیٹے قصور کی بات نہیں۔ دراصل بس انسان کی کمزوری ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ استاد چھونے کو آپ کس طرح جانتے ہیں۔"

"ارے یہ کوئی معمولی شخصیت ہیں۔ دو تین بار ان سے مل چکا ہوں۔ بنوٹ کا اتنا بڑا ماہر میرا خیال ہے پوری دنیا میں اس وقت کوئی نہیں ہے۔ استاد چھونے نے بنوٹ اپنے سسر سے سیکھی تھی اور ان کے سسر ایک درویش قسم کے آدمی تھے۔ میں نے استاد کے بنوٹ کے ہاتھ دیکھے ہیں۔ کیا بات ہے۔ یہ جو تم سب ہو نا۔ اکٹھے ڈنڈے لے کر استاد کے سامنے آ جاؤ تو استاد دو منٹ میں تمہارا تیا پانچا کر کے رکھ دیں گے۔ بہت بڑی چیز ہیں استاد۔ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت استاد چھونے یہاں موجود ہیں اور یہ کیا ہیں تو میرا خیال ہے ان کی عزت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔" میں نے استاد کی طرف دیکھا۔ وہ انکساری سے گردن جھکائے باادب کھڑے تھے۔

"ارے نہیں قدوس میاں۔ وہ تو...... وہ تو ایک امانت ہے میرے پاس۔ فن ایک امانت ہی تو ہوتا ہے۔ اس امانت کو سنبھالے رکھنا چاہیے۔ اس کی رسوائی نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے میں نے کبھی اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا۔ آج اتفاق سے جا رہا تھا شارق میاں کے ساتھ۔ تو یہ ادھر نکل آئے۔ بھائی تم خواہ مخواہ ذلیل مت کرو۔"

"نہیں استاد۔ ایک درخواست ضرور کروں گا کبھی کبھی قدوس کے پاس بھی آ جایا کریں۔ شارق میاں......" استاد قدوس نے کہا۔

"بالکل استاد۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک شجو تو اب یہ تیری ذمہ داری ہے کہ کبھی کبھی ہمیں بھی استاد کی زیارت کرا دیا کرنا۔"

"ضرور۔ اکثر استاد میرے ساتھ آپ کے پاس آیا کریں گے۔" میں نے کہا اور پھر استاد چھونے سے بولا۔

"چلیں استاد۔"

"چلو بھائی۔ پتا نہیں کیا کیا ہونے والا ہے۔" بائیک پر بیٹھ کر ہم جب فاروقی صاحب کے دفتر کی طرف جا رہے تھے۔ تو میں نے راستے میں استاد چھونے سے کہا۔

"استاد۔ وہ بھاؤ دین آپ کے ہاتھ سے کیسے نکل گیا۔"

"کریم خان نے کباڑہ کر دیا۔ ورنہ میں تمہیں اس کے کان پکڑے پیش کر دیتا۔" استاد چھونے نے کہا۔

"یہ بنوٹ کیا چیز ہوتی ہے؟"

"فن ہے میاں۔ لکڑی کا فن خاص طور سے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سی چیزیں آ جاتی ہیں مگر یہ روحانی کیفیت رکھتا ہے۔ عام لوگوں کے ہاتھوں میں اگر یہ فن پہنچ جائے تو بڑا نقصان پہنچا سکتا ہے نالے کو۔ بس ایک لکڑی کا چار فٹ کا ڈنڈا ہاتھ میں دے دو اور پھر تماشا دیکھو۔ بڑی عجیب و غریب دنیا ہے اس فن کی۔"

"ہوں۔ کبھی ہمیں اس کی زیارت ہوسکے گی اُستاد؟"
"کیوں نہیں ہوسکے گی۔ تم کہو گے تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔" اُستاد چھوٹے نے کہا۔

اس سے زیادہ گفتگو نہیں ہوسکی تھی۔ فاروقی صاحب کا دفتر آگیا تھا۔ ہم دونوں بائیک سے اُتر کر دفتر کی جانب بڑھنے لگے۔ اُستاد چھوٹے نے آگے بڑھ کر دفتر کا دروازہ کھولا اور پھر جھاڑ لے کر صفائی میں مصروف ہوگئے۔ میں نے اُنھیں اس سے نہیں روکا تھا حالانکہ شرمندگی ہو رہی تھی لیکن اُستاد چھوٹے کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ ہوگیا تھا اگر اُنھیں اس کام سے روکتا تو وہ بُرا مان جاتے۔ اُنھوں نے اپنی یہ ہی دُنیا بنالی تھی پھر جب وہ فارغ ہو کر میرے پاس پہنچے تو میں نے شکایتی انداز میں کہا۔

"اُستاد جو کچھ آپ کر رہے ہیں۔ وہ میرے سینے پر ایک بوجھ کی مانند ہے۔"

"تم اچھے انسان بنے رہو شارق میاں اور اچھا انسان وہی ہے جو دوسروں کے جذبات کا خیال رکھے۔ دیکھو بیٹے۔ میرے اپنے دونوں بیٹوں نے مجھے دربدر کردیا حالانکہ کیا نہیں کیا تھا میں نے اُن کے لیے دُنیا سے اتنا بددل ہوگیا تھا میں کہ میں نے دُنیا سے انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا پھر میں نے سوچا کہ اس دُنیا نے کیا قصور کیا ہے قصور تو میرے بیٹوں کا میری اولاد کا ہے چنانچہ اُنھیں ذلیل کرنے کے لیے میں نے جُرم کیے اور جیل پہنچ گیا میں یہ ہی چاہتا تھا کہ لوگ اُنھیں مجرم باپ کی اولاد کہیں۔ تم بتاؤ اپنی اولاد کو اس سے زیادہ اور نقصان پہنچایا جاسکتا ہے؟ میں اُنھیں مار تو نہیں سکتا۔ ورنہ سُسروں کے کانپ ٹھڈے توڑ کر اُن کی بغل میں دبادوں لیکن اذیّت سے تڑپتے رہیں اسی میں مجھے خوشی ہوتی ہے بددُعا نہیں دیتا سُسروں کو کہ کلیجے کے ٹکڑے ہیں لیکن اپنے طور پر جو کچھ کرسکتا ہوں۔ وہ تو کرتا ہی رہوں گا باقی جہاں تک رہا مسئلہ تمھاری اس محبّت کا۔ تو سُنو میاں کہ میں زندہ ہی اسی شکل میں رہ سکتا ہوں کہ مجھے میرے حال میں مست رہنے دیا جائے۔ کبھی اگر اپنے کسی کام سے اُکتاہٹ محسوس کروں گا تو قسم اللہ کی دل پر جبر نہیں کروں گا تم سے کہہ دوں گا۔ اس وقت تک میں خوشی سے جو کچھ بھی کر رہا ہوں۔ مجھے کرنے دو۔ اس میں روڑے مت اٹکاؤ۔"

"میں نے آپ کو صفائی کرنے سے نہیں روکا۔ اُس کی وجہ یہ ہی ہے۔"

"ہاں اور سُنو۔ فاروقی صاحب کو میرے بارے میں اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اُستاد۔ نہیں بتاؤں گا۔" میں نے کہا اور اُسی وقت فاروقی صاحب دفتر میں داخل ہوئے اُستاد اپنے کام میں مشغول ہوگئے تھے۔ میں اور فاروقی صاحب سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ احسان تائب کی پیشی میں ابھی کافی دن تھے اور اس دوران ہمیں اس کیس میں کافی محنت کرنا تھی۔ میں نے فاروقی صاحب کو ابھی غالب کے سلسلے میں بتانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ تھوڑی دیر تک فاروقی صاحب دفتر میں رہے۔ پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولے۔

"ساڑھے گیارہ بجے کورٹ پہنچنا ہے۔ ایک دو ضمانتیں کرانی تھیں تمھاری کیا مصروفیت ہے؟"

"کوئی خاص نہیں فاروقی صاحب۔ چلیے میں آپ کو چھوڑ دوں۔" "نہیں میاں۔ رکشا سے چلا جاؤں گا کوئی ایسی خاص بات نہیں۔"

"آپ کے لیے گاڑی کا بندوبست بھی فوراً ہی کرنا ہے فاروقی صاحب۔"

"بچّوں جیسی باتیں مت کرو گاڑی خریدیں گے لیکن ابھی نہیں۔" فاروقی صاحب بولے اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"میں بھی ایک کام سے اُس طرف جا رہا ہوں۔ آیئے آپ کو چھوڑتا چلوں۔"

"چلو تم بہت تکلف کرتے ہو۔" فاروقی صاحب نے کہا اور ہم دونوں اُستاد چھوٹے کو صورتِ حال سمجھا کر باہر نکل آئے۔

فاروقی صاحب کو سٹی کورٹ چھوڑنے کے بعد میں واپس پلٹ پڑا۔ فی الحال کوئی خاص پروگرام نہیں تھا شہر کے ایک بھرے پُرے بازار سے گزر رہا تھا کہ ایک جگہ حادثہ ہوگیا۔ ایک منی ویگن والا ایک نوجوان کو کچلتا ہوا فرار ہوگیا کچھ لوگ منی بس کے تعاقب میں دوڑ پڑے اور باقی لوگ وہیں جمع ہوگئے۔ میں بھی موٹر سائیکل سڑک کے کنارے چھوڑ کر

مجمع میں داخل ہوگیا۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ منی بس والوں کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ ویگن کو پکڑا جائے اور اس میں آگ لگادی جائے۔ اس کے علاوہ ٹریفک کے معاملے کو کوسا جا رہا تھا لیکن نوجوان کے سلسلے میں ابھی تک کسی نے کچھ نہیں کیا تھا کیونکہ قُرب و جوار میں کوئی گاڑی موجود نہیں تھی میں نے برق رفتاری سے ایک گاڑی کو روکا اور اُس میں بیٹھے ہوئے شریف صورت شخص کو صورتِ حال بتائی۔ تو وہ کہنے لگا۔

"بھائی مجھے اسپتال چلنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن کہیں میری ہی گردن نہ پھنس جائے۔"

"میں موجود ہوں آپ فکر نہ کریں۔" میں نے اور لوگوں کی مدد سے اُس زخمی نوجوان کو کار میں ڈالا۔ میرے ساتھ ایک معمر شخص بھی موجود تھا جو شکل و صورت سے غریب آدمی معلوم ہوتا تھا اور زار و قطار رو رہا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اس لڑکے کا باپ ہے۔ میں اپنی بائیک وہیں چھوڑ کر اُس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اُس کار کے ذریعے اسپتال پہنچ گئے۔

چونکہ زیادہ دقت نہیں ہوا تھا اس لیے ڈاکٹروں نے فوری توجہ دی۔ بے چارہ معمّر شخص بُری طرح دھاڑیں مار رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی ختم نہیں ہوتی تھی۔ ڈاکٹر نوجوان کو آپریشن رُوم میں لے گئے تھے پھر ایک ڈاکٹر نے مجھ سے اخراجات کے بارے میں سوال کیا تو میں نے بے تکلفی سے اپنا کارڈ نکال کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میرا کارڈ ہے۔ میں آپ کو تمام اخراجات آپ کی خواہش کے مطابق ادا کروں گا۔ بس نوجوان کی زندگی بچنا چاہیے۔"

"گوشت کچلا ہے۔ ہڈیاں متاثر نہیں ہوئیں یہ خوش بختی کی بات ہے لیکن چونکہ خون بہت نکل گیا ہے اس لیے نقاہت بہت زیادہ ہے ایک چھوٹے آپریشن کے بعد اس کی زندگی بچانے میں کامیابی ہوسکتی ہے۔"

"آپ فوراً آپریشن شروع کردیں ڈاکٹر صاحب اخراجات کی فکر نہ کریں۔"

"بہتر ہے آپریشن ہوچکا ہے لیکن میں نے اخراجات کے سلسلے میں بات کرنا ضروری سمجھا۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب۔ براہِ کرام اس پر پوری توجہ دیجیے۔" لڑکے کا باپ پوری گفتگو سُن رہا تھا۔ اُس نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

"جناب، جناب۔ آپ انسان ہیں یا فرشتہ۔"

"رہنے دیں بزرگوار خاموش رہیں۔ مجھے ذلیل مت کریں فرشتے بہت بلند ہوتے ہیں۔ ہم لوگ ایک دوسرے کے کام آنے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔" میں نے کہا اور وہ بے چارہ بینچ پر جا بیٹھا۔

"اگر آپ کسی کو اطلاع دینا چاہتے ہیں تو بے تکلفی سے چلے جائیے۔ میں یہاں موجود ہوں۔"

"نہیں بھائی۔ مجھے کسی کو اطلاع نہیں دینی۔ ایک بیوی ہے جو بے چاری اندھی ہے۔ ایک بیٹا ہے اور میں ہوں۔ تین افراد کا گھرانہ ہے۔ ساری توجہ اسی بچّے پر تھی۔ پڑھ رہا ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹے کچھ خریداری کے لیے نکلے تھے کہ کمبخت حادثہ ہوگیا۔ خدا، یا خدا بڑے گناہ کیے ہیں میں نے لیکن اُن کی سزا مجھے ہی ملنی چاہیے۔ میرے بچّے کو نہیں۔" وہ پھر رونے لگا۔ میں خاموشی سے اُس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"کیا کرتے ہیں آپ؟" میں نے سوال کیا۔

"ڈرائیور ہوں بھائی۔ میں بھی ڈرائیور ہوں۔ ایک بڑے آدمی کی گاڑی چلاتا تھا لیکن اُس بڑے آدمی، اُس بڑے آدمی ------۔" وہ شخص خاموش ہوگیا تو میں نے اُس سے پھر سوال کیا۔

"کیا ہوا اُس بڑے آدمی کا، کیا اُس نے تمھیں نوکری سے نکال دیا؟"

"نہیں۔ اُس کو قتل کردیا گیا۔ بس اعمال کی سزا انسان کو ضرور ملتی ہے۔ مجھے بھی میرے اعمالوں کی سزا ملی ہے۔ اللہ جانتا ہے۔ مجھے صرف اپنی روزی سے غرض تھی لیکن لیکن میں نے کسی مظلوم کی فریاد نہیں سُنی۔ میں نے کبھی اپنے ضمیر کے کہنے کے مطابق کام نہیں کیا۔ مجبوری تھی۔ ڈھائی سال کی بے روزگاری کے بعد ڈرائیوری ملی تھی۔ مگر مالک اچھا آدمی نہیں تھا۔ وہ، وہ ...۔"

"کون تھا وہ؟"

"فرہاد نام تھا اُس کا۔ ایک بہت بڑی فرم کا مالک تھا۔"

"فرہاد احمد؟" میں نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

"ہاں وہی۔ اُس کی موت کے بعد۔ اُس کی بیوی نے مجھے نوکری سے جواب دے دیا کیونکہ وہ مجھے ناپسند کرتی تھی۔"

"اوہو۔ کیا نام ہے آپ کا جناب؟" میں نے سوال کیا۔

"فیاض احمد خاں ہے میرا نام۔ میرے بیٹے کا نام اعجاز خاں ہے۔ دیکھ لوں ذرا اُسے آپریشن تھیٹر میں جاکر دیکھ لوں۔"

"نہیں، نہیں، ڈاکٹر آپ کو آپریشن تھیٹر میں جانے سے منع کر دیں گے۔ اطمینان سے بیٹھیے۔ فکر مت کیجیے سارا کام ہو جائے گا بلکہ اگر آپ مجھے تھوڑی دیر کے لیے اجازت دیں تو ذرا رقم وغیرہ کا بندوبست کر کے واپس آجاؤں گا۔"

"بھیا، بیٹے، بچے، میرے لال، خدا نے، خدا نے اگر تمہیں اتنی توفیق دی ہے تو اس وقت اس بوڑھے کو آزمائش میں مت ڈالنا۔ میرے پاس، میرے پاس کچھ بھی تو نہیں ہے یقین کرو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیے۔ میں آپ کو دھوکا نہیں دوں گا۔" میں نے کہا اور اُس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا۔

☆☆

ٹیکسی کر کے اپنی بائیک کے پاس پہنچا۔ بینک کا وقت ختم ہونے والا تھا۔ اس لیے اندھا دھند گھر کی طرف بھاگا اور پھر خدا کے فضل و کرم سے اپنی مطلوبہ رقم گھر سے حاصل کر کے اسپتال پہنچ گیا۔ بوڑھے کی آنکھیں دروازے کی طرف نگراں تھیں۔ اُس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"ڈاکٹروں نے آپریشن کر دیا ہے۔ ابھی ابھی اُسے آپریشن تھیٹر سے نکال کر اوپر کی منزل پہ لے جایا گیا ہے۔ میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ میں کاؤنٹر پر پہنچ جاؤں۔"

"آئیے۔" میں نے فیاض خاں سے کہا اور اُسے ساتھ لیے ہوئے میں کاؤنٹر پہنچ گیا اور پھر کاؤنٹر کلرک کو صورتِ حال بتلائی تو اُس نے ساڑھے تین ہزار کا بل پیش کر دیا۔

"یہ رقم جمع کرا دیجیے۔ اس کے بعد کے جو اخراجات ہوں گے۔ وہ رقم آپ سے بعد میں وصول کر لی جائے گی۔" "ڈاکٹروں سے میں کہہ چکا ہوں کہ رقم کی فکر نہ کی جائے یہ دس ہزار روپے آپ اس اکاؤنٹ میں جمع کر لیجیے بعد میں حساب کتاب ہو جائے گا۔" میں نے دس ہزار روپے کی گڈی کاؤنٹر کلرک کو دی تو وہ گڈی لے کر رجسٹر میں اُس کا اندراج کرنے لگا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں تشکر کی جھلکیاں نظر آرہی تھیں۔

"آئیے فیاض صاحب۔ میرا خیال ہے اب ہمیں کمرے میں جانے دیا جائے گا۔"

لڑکے کو جنرل وارڈ میں رکھا گیا تھا لیکن بعد میں اُسے ایک پرائیویٹ روم میں شفٹ کرا دیا اور اُس کے بعد فیاض صاحب کے پاس جا بیٹھا حالانکہ میں نے یہ سارا کام صرف انسانی بنیاد پر کیا تھا لیکن فیاض خاں کے بارے میں یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ فرہاد احمد کا ڈرائیور تھا۔ میرے دل میں دلچسپی جاگ اُٹھی تھی۔ البتہ یہ وقت اُس سے یہ باتیں کرنے کا نہیں تھا۔ اس لیے بمشکل تمام میں نے صبر کیا۔ فیاض خاں سے میں نے اُس کے گھر کا پتا پوچھا اور پھر اُس سے کہا کہ وہ جاکر اپنی بیوی سے مل لے اور اگر صورتِ حال بتانا چاہے تو بتا دے۔

"نہیں بھائی مر جائے گی۔ اندھی ہے بے چاری پہلے ہی اپنی آنکھوں کو کوستی رہتی ہے۔ اگر بیٹے کے بارے میں یہ پتا چلے گا تو غم سے مر ہی جائے گی۔ میں اُسے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کوئی ایسی بات کہہ دوں گا کوئی بہانا بنا دوں گا کہ اُسے پتا نہ چل سکے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میرے بیٹے کی جان بچ جائے گی۔"

"یقیناً آپ کا بیٹا بچ جائے گا۔ آپ کہیں تو میں خود ڈاکٹر صاحب سے معلومات حاصل کر لوں۔"

"کر لو بھیا۔ بس میرے پاس زبان نہیں ہے کہ تمہارا شکریہ ادا کروں۔" فیاض نے کہا اور میں ڈاکٹر کے کمرے کی طرف چل دیا۔

ڈاکٹر کے پاس پہنچ کر میں اُس سے صورتِ حال معلوم کرنے لگا۔ ڈاکٹر نے مجھے انتہائی تسلی دلائی اور کہا کہ نوجوان کی زندگی کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یقیناً اب وہ بچ جائے گا پھر میں وہاں سے فیاض خاں کے پاس پہنچ گیا جو بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا اور بولا۔

"مبارک ہو فیاض صاحب۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ

اعجاز خاں چند روز میں بالکل درست ہو جائے گا۔ اب اُس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔" فیاض خاں نے گردن نیچے جھکا لی تھی۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اُس نے۔ لیکن اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گرنے لگے۔

"نہیں فیاض خاں صاحب۔ آپ روئیں گے نہیں۔ آپ میرے بزرگ ہیں میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جیسا آپ کے لیے اعجاز ایسا میں لیکن آپ اس بات پر یقین کر لیجیے کہ جب تک آپ کا اعجاز گھر پر نہیں پہنچ جاتا۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔"

"اور میں اس کے صلے میں آپ کو کیا دوں گا؟"

"کچھ نہیں فیاض خاں صاحب۔ کچھ نہیں ہر چیز کا صلہ نہیں لیا جاتا۔"

"بس تو پھر اللہ ہی آپ کو اس کا صلہ دے گا۔" فیاض خاں نے کہا اور میں پُرخیال انداز میں فیاض صاحب کی صورت دیکھتا رہا۔ کافی دیر اسی انداز میں گزر گئی۔ پھر میں نے کہا۔

"فرہاد احمد کی بیوہ نے یہ بھی نہیں سوچا کہ آپ اتنے عرصے سے اُس کے ملازم تھے۔ کتنے عرصے سے آپ وہاں ملازم تھے؟"

"پورے ساڑھے پانچ سال۔ ساڑھے پانچ سال بعد اُس عورت نے مجھ سے میری روزی چھین لی۔ حالانکہ بڑی مشکل سے مجھے یہ نوکری ملی تھی۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہے۔ ڈرائیور کی ملازمت تو آپ کو کہیں بھی مل سکتی ہے۔"

"بھیا۔ بوڑھا سمجھ کر کوئی نوکری نہیں دیتا۔ تجربے کو آج کل کون پوچھتا ہے۔ بس لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ آنکھیں صحیح کام کر رہی ہیں۔ ہاتھ پاؤں ٹھیک ٹھاک ہیں حالانکہ گاڑی ہاتھ پاؤں سے نہیں چلتی تجربے سے چلتی ہے۔ جہاں تک بینائی کا تعلق ہے۔ بینائی بالکل ٹھیک ہے لیکن پہلے بھی بڑی ٹھوکریں کھاتا رہا ہوں۔ اس کے بعد نوکری ملی تھی۔"

"وہ عورت آپ کو ناپسند کیوں کرتی ہے؟"

"لمبی کہانی ہے بیٹے۔ کس نام سے پکاروں تمہیں؟ تم نے تو اپنا نام تک نہیں بتایا۔"

"میرا نام شارق ہے۔"

"شارق بیٹے۔ بس بُرائیوں میں پھنس گیا تھا۔ میں ان بُرائیوں میں خود بھی برابر کا شریک ہوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔ فیاض خاں صاحب؟"

"سُنا ہے کہ جب کوئی مر جائے تو اُس کی بُرائیوں کو منظرِ عام پر نہیں لانا چاہیے لیکن جب مجھ سے حقیقت پوچھی جائے تو مجھے بتاؤ۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"مطلب یہ کہ فرہاد اچھا آدمی نہیں تھا؟"

"ویسے تو ٹھیک ٹھاک تھا لیکن، لیکن بس عیاش طبع تھا۔ خدا اُسے معاف کرے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھو مجھ سے۔"

"فیاض احمد خاں صاحب میرے دل میں فرہاد احمد کے بارے میں جاننے کی بے حد خواہش ہے تاہم اگر آپ نہیں چاہتے۔ تو اس وقت میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔" فیاض خاں نے کوئی جواب نہیں دیا اور بیٹے کی طرف دیکھنے لگا جو آہستہ آہستہ کراہنے لگا تھا۔

میں نے ڈاکٹر کو اطلاع دی تو چند نرسوں نے آکر اُسے ایک انجکشن وغیرہ دیا۔ پھر میں فیاض خاں کے پاس سے اُٹھ گیا۔

"یہاں اسپتال میں آپ ہی رہیں گے اعجاز کے پاس؟"

"ہاں بھائی اور کون ہے!"

"میرا خیال ہے۔ ایک آدھ گھنٹے میں آپ اپنے گھر کا چکر لگا آیئے۔ کوئی بھی بہانا بنا دیجیے اعجاز کی والدہ سے اُس وقت تک میں یہاں موجود ہوں بعد میں آپ آکر اس کی دیکھ بھال کر لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں۔" اُس نے کہا اور میں نے بائیک کی چابی اُسے دیتے ہوئے کہا۔

"اگر موٹر سائیکل استعمال کرنا چاہیں تو باہر موجود ہے۔" اُس کا نمبر میں نے فیاض خاں کو بتایا اور فیاض خاں چابی لے کر چلا گیا۔

میں خاموشی سے بیٹھا فیاض کے بیٹے اعجاز کی شکل دیکھتا رہا۔ اُس کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی ایک گھنٹے سے پہلے ہی فیاض خاں واپس آگیا۔ اب وہ مطمئن نظر آرہا تھا۔

"میں نے اُس سے بہانا کر دیا ہے اور اب میں دو چار دن اس کے رہ سکوں گا۔"

"تو پھر مجھے اجازت دیجیے۔ کل گیارہ بجے آپ کے پاس آؤں گا۔" میں نے کہا اور فیاض خان ممنونیت سے مجھے رخصت کرنے کے لیے باہر تک آیا۔ میں اُس سے ہاتھ ملا کر چل پڑا۔

اس تمام کارروائی کے بارے میں سوچتا ہوا میں دفتر ہی کی جانب جا رہا تھا۔ فیاض خاں کا مل جانا میرے خیال میں میری امداد غیبی تھی۔ فرہاد احمد کا یہ ڈرائیور اگر زبان کھولنے پر آمادہ ہو جائے تو مجھے بہت کچھ بتا سکتا ہے اس کے الفاظ میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ فرہاد احمد عیاش طبع آدمی تھا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا تھا لیکن بڑی مشکل سے مجھے نوکری ملی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ فیاض خاں ایک بہترین کردار ثابت ہو سکتا تھا۔ بشرطیکہ وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہو جائے اور میرا خیال تھا کہ میں اس سلسلے میں یقینی کامیابی حاصل کر لوں گا چونکہ فیاض خاں میرا ممنون بھی تھا اور پھر چوٹ کھایا ہوا تھا۔ ثمینہ احمد نے اُس بے چارے کو ملازمت سے نکال دیا تھا اگر اس سلسلے میں اُس کے لیے کچھ اور بھی ہو جائے تو اچھا ہے اور یہ کوئی مشکل بھی نہیں تھا۔ دفتر کے معاملات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں تھی۔ تمام کام جُوں کے توں تھے۔ شام کو میں نے غالب کے دیے ہوئے نمبر پر فون کیا تو غالب ہی نے ریسیور اُٹھایا تھا اور جب میں نے اپنا نام بتایا تو وہ جلدی سے بولا۔

"آ جاؤ بھئی آ جاؤ۔ کام ہو گیا۔"

"کہاں پہنچوں؟"

"میرا خیال ہے۔ تم ہی کوئی جگہ منتخب کر لو۔ میں وہیں آ جاؤں گا۔"

"فرصت ہے آفیسر؟"

"بالکل فرصت ہے کام چونکہ خاصا دلچسپ ہوا ہے اس لیے میں خود بھی تم سے فوراً ہی ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے پولیس آفیسر غالب کو ایک ریستوان کا پتا دیا اور غالب نے ایک گھنٹے کے اندر اندر مجھ سے وہاں پہنچ جانے کے لیے کہا۔

میں نے اُستاد جمونے کو کوٹھی روانہ کر دیا تھا اور اُس کے بعد میں اپنی بائیک پر بیٹھ کر مطلوبہ جگہ پہنچ گیا۔ غالب شاید ابھی نہیں پہنچا تھا۔ میں اُس کا انتظار کرتا رہا اور انتظار کچھ زیادہ طویل نہیں ثابت ہوا۔ غالب آ گیا۔ اس کے پاس ایک خاصا بڑا بنڈل تھا جس کے بارے میں میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس میں وہی فائل ہو سکتے تھے۔ جو نیاز احمد نے اُسے دیے ہوں گے۔ ہم لوگوں نے ایک پُرسکون گوشہ تلاش کر لیا۔

"ہاں مسٹر غالب! کیا صورت حال رہی؟"

"نیاز احمد نے کام کر دیا۔ بڑا خوفزدہ تھا بے چارہ لیکن میں نے اُس سے وعدہ کیا ہے کہ یہ تمام ریکارڈ اُسے واپس کر دیا جائے گا اور اس کا نام قطعی نہیں لیا جائے گا۔ بس اُس کا اتنا ہی کام تھا۔"

"گڈ! لیکن کیا ہم یہیں بیٹھ کر یہ فائل دیکھیں گے؟"

"بھئی یہ تمہارا معاملہ ہے میں نہیں جانتا۔ یہاں دیکھنا ہے تو یہاں دیکھ لو لیکن کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اگر چاہو تو میرے گھر چلے چلو۔"

"ٹھیک ہے مسٹر غالب۔ آپ یہ زحمت کیجیے۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے کچھ کھائے پیے بغیر اُٹھے اور میں پولیس آفیسر غالب کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف چل دیا۔

غالب نے مجھے اپنے مکان میں ایک ایسے ڈرائینگ رُوم میں بٹھایا جس میں فرنیچر ضرور تھا لیکن سب کا سب معمولی قسم کا۔ اُس نے چائے کا بندوبست بھی کر لیا تھا اور اس کے بعد ہم وہ بنڈل کھول کر بیٹھ گئے۔ پہلی فائل دُردانہ فراز احمد کی تھی شکل سے تیز و طرار لڑکی نظر آتی تھی لیکن یہ لڑکی تقریباً تین سال قبل فرہاد احمد کی سیکرٹری تھی اور اس کی مدتِ ملازمت آٹھ ماہ تھی۔

"کافی عرصہ گزر چکی ہے۔ اس لیے بے کار ثابت ہوگی، آگے بڑھو۔"

دوسری فائل دیکھی گئی پھر دوسری اور پھر چوتھی، پانچویں، چھٹی فائل میں ہمیں ایک لڑکی شہناز کا پتا چلا۔ اس نے صرف ڈھائی مہینے ملازمت کی تھی اور غالب نے یہ فائل الگ رکھ دی۔ میں اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ غالب نے اس فائل کو الگ کیوں رکھا ہے۔ تمام فائلوں کی ورق گردانی کی گئی اور اس کے بعد ایک اور لڑکی کا

فائل مل گیا جس کا نام فائزہ خان تھا اور مدتِ ملازمت صرف دو ماہ تھی۔ اس فائل کو بھی الگ رکھ دیا گیا۔ ان فائلوں میں ثریا حسین کی بھی فائل ملی جو فرہاد احمد کی آخری سیکرٹری تھی۔ یہ تمام فائلیں دیکھنے کے بعد ہم نے ایک سمت سرکا دیے پھر میں نے غالب کی طرف دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"ذرا یہ تو بتاؤ۔ میں نے یہ دو فائل الگ کیوں کی ہیں؟"

"بتانے کی بجائے۔ میں پوچھنا زیادہ پسند کروں گا؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مدتِ ملازمت، اتنی کم ہے ان لڑکیوں کی کہ ان ہی پر توجہ دی جا سکتی ہے۔ کوئی چھ ماہ رہی، کوئی چار ماہ رہی کوئی پانچ ماہ کام کی تو یہ سب ہی ہو سکتی ہیں لیکن یہ دو لڑکیاں زیادہ کام کی معلوم ہوتی ہیں۔ ڈھائی ماہ اور ڈیڑھ ماہ میں ملازمتیں چھوڑ دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فرہاد احمد سے متفق نہیں ہو سکیں۔"

"گڈ ویری گڈ۔ غالب آپ کا ذہن تو خوب چلتا ہے۔"

"بھائی یہ وکالت کا مسئلہ نہیں، پولیس کا معاملہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم غالب کی شاگردی اختیار کر لو۔"

"وہ تو میں کر چکا ہوں۔"

"نہیں شارق مذاق کر رہا تھا۔ میں کس قابل ہوں۔ بس تمہارا جذبہ مجھے تمہاری طرف مائل کر رہا ہے۔ دراصل میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ پولیس کا محکمہ مجھے سُوٹ نہیں کرتا۔ بس آ گیا ہوں اور دوسری کوئی ملازمت کرنے کی بجائے پولیس کی ملازمت کر رہا ہوں۔ بہرحال اب کام کی بات کریں۔ میں نے ان دونوں لڑکیوں کی فائلیں اس لیے الگ رکھی ہیں کہ ان سے ہمیں مدد بھی مل سکتی ہے اور صورتِ حال معلوم بھی ہو سکتی ہے۔ ان میں ان کے پتے درج ہیں۔ میرا خیال ہے ان پتوں پر انھیں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ہمارا اندازہ درست ہے اور فرہاد احمد کی فطرت میں وہی سب کچھ ہے جو کہ نظر آ رہا ہے تو پھر یہ لڑکیاں ہماری مدد بھی کر سکتی ہیں اگر کسی طرح ہم انھیں عدالت تک لانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر یوں سمجھو کہ فرہاد احمد کا معاملہ ہی حل ہو گیا۔"

"بالکل، بالکل۔"

"ویسے ایک بات اور ذرا غور طلب ہے۔ یہ ثمینہ احمد کا کیریکٹر کیا ہے۔ وہ اپنے شوہر کو نیک ثابت کرنے پر کیوں تُلی ہوئی ہے۔ کیا فرہاد احمد کی یہ حرکتیں اُس کی نگاہ سے پوشیدہ ہوں گی؟"

"شاید میں آپ کو بتا چکا ہوں آفیسر کہ میں ثمینہ احمد سے ملا تھا۔"

"ذرا تفصیل بتاؤ اس ملاقات کی؟" غالب نے کہا۔

"اور میں ثمینہ احمد کے بارے میں تفصیل بتانے لگا۔

"یہ بڑے آدمیوں کا مسئلہ ہے۔ یہاں آپس کے تعاون کی زندگی بھی گزرتی ہے یعنی شوہر بیوی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا اور بیوی شوہر کے معاملات میں یا پھر ممکن ہے وہ شوہر پرست قسم کی عورت ہو۔ دونوں ہی باتیں ہو سکتی ہیں لیکن میرا خیال ہے کسی بھی قیمت پر وہ عدالت میں آ کر اپنے شوہر کے خلاف بیان نہیں دے سکتی کہ اُس کا شوہر عیاش طبع تھا اور اُس کی موت اِسی وجہ سے ہوئی۔"

آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔ کب مل رہے ہو اُن لڑکیوں سے؟"

"جب آپ کہیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے ہمیں کل ہی اُن سے ملاقات کرنی چاہیے۔ ملازم پیشہ ہیں، شام کے وقت ہی مل سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کہیں نہ کہیں ملازمت کر رہی ہوں گی۔"

"اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ان ہی پتوں پہ موجود ہیں یا نہیں۔"

"یہ کام میں کر لوں گا۔ فکر مت کرو۔"

"ویری گڈ مسٹر غالب میں آپ کو کچھ اور بھی بتانا چاہتا ہوں۔ اتفاقیہ طور پر مجھے اس سلسلے میں ۔۔۔ غیبی امداد حاصل ہو گئی ہے۔"

"بتاؤ، بتاؤ۔" غالب نے کہا اور میں نے فیاض خاں کا پورا واقعہ غالب کے سامنے دُہرا دیا۔

"کمال ہے یار۔ واقعی اس سلسلے میں تو قدرت ہی نے تمہاری مدد کی ہے۔ فیاض خان، فرہاد احمد کا ذاتی ڈرائیور

تھا اور اس قسم کے لوگ جیسے ذاتی چپراسی، ذاتی ڈرائیور بہت زیادہ کارآمد ہو سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے اُٹھالیں اُسے۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ مَیں آپ کو بتا چکا ہُوں کہ اُس کا بیٹا اسپتال میں ہے اور اس وقت وہ بہت زیادہ چوٹ کھایا ہُوا ہے۔ مَیں نے تو یہ بھی سوچا ہے کہ اس کے لیے کہیں ڈرائیور کی ملازمت کا بندوبست کر دوں۔"

"میرا خیال ہے اس پر ایسی گرفت قائم کر کہ وہ نکلنے نہ پائے۔"

"آپ اطمینان رکھیے وہ نکل نہیں سکے گا۔"

"تو پھر اُن لڑکیوں سے کل شام کو ملاقات کریں گے اور اگر اس سے پہلے تم فیاض خاں سے کچھ معلومات حاصل کر لو تو مجھے اُس سے آگاہ ضرور کرنا۔"

"بالکل۔ یہ کیس میرا ہے اور آپ کے تعاون سے ہی آگے بڑھے گا۔"

"احسان تائب کی پیشی کب ہے؟"

"ابھی تو اس میں کئی دِن باقی ہیں۔ یہ وقت ہمیں بہت مدد دے رہا ہے۔"

"بالکل۔ بالکل۔"

"تو پھر اب مجھے اجازت دیجیے۔" مَیں نے کہا اور غالب مجھے باہر تک چھوڑنے آیا۔

بہت ہی نیک اور اچھا انسان تھا۔ بلاشبہ انسانی جذبوں سے مالامال۔ ایسے لوگ خاص طور سے ایسے محکموں میں ذرا کم ہی نظر آتے ہیں۔ مَیں پولیس آفیسر غالب کے بارے میں سوچتا ہُوا آشیانہ پہنچ گیا۔ آشیانے کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ چنانچہ ذہنی طور پر مطمئن رہا۔ البتہ اُستاد جمو نے تقریباً ایک گھنٹے کے بعد میرے کمرے میں آ گئے تھے۔ مَیں نے پُرتپاک انداز میں اُن کا استقبال کیا تو ہنس کر کہنے لگے۔

"بھئی تقدیر زیادہ ہی مہربان ہو رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے خداوند عالم ہمیں کچھ دینے پر ہی تُل گیا ہے۔"

"کیا ہُوا؟"

"جج صاحب نے بُلایا تھا مجھے اپنے کمرے میں۔ کہنے لگے کہ وہ اب مجھے ملازموں کے کوارٹروں میں نہیں رہنے دیں گے۔ مَیں نے اُن کی جان بچائی ہے۔"

"خوب۔ مجھے مسرت ہُوئی اس بات سے۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی آپ کی پوزیشن صاف کر دی۔ یہ بڑی اچھی بات ہُوئی ہے۔ تو پھر کونسا کمرا دیا جائے گا آپ کو؟"

"بھائی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اِن عنایتوں کو ناجائز طور پر نہیں استعمال کرنا چاہتے۔ ہم نے بڑے خلوص سے جج صاحب سے کہا کہ کریم خان کے کوارٹر میں، مَیں بہت مطمئن ہُوں۔ مَیں نے اُنھیں بہت سمجھایا کہ دیکھیے صاحب کوٹھی کے معاملات کوٹھی ہی میں رہنے چاہئیں۔ بیرونی لوگوں کو اس قدر جگہ نہیں دینی چاہیے اندرونی حصّوں میں کہ وہ کوٹھی کے معاملات سے واقف ہو سکیں۔ ویسے بھی مَیں بے تکلفی سے کریم خاں کے ساتھ رہ رہا ہُوں اور مجھے وہاں کوئی تکلیف نہیں ہے تو یہ گفتگو ہُوئی لیکن اب مجھے کوٹھی میں آنے جانے کی آزادی ہے اس لیے اس وقت میں تمھارے سامنے موجود ہُوں۔"

"اُستاد مجھے بے حد مسرت ہے کہ مَیں آپ کے تھوڑا بہت کام آ سکا۔"

"تھوڑا بہت بیٹے۔ بس یُوں سمجھو کہ مجھے دوبارہ جُرم کی طرف لے جانے سے روکنے والے تم ہو۔ ورنہ باہر نکلتا چوری چکاری کرتا اور جیل چلا جاتا۔ جیل کی ہی زندگی میں مجھے سکون ملتا تھا کیوں وہاں دُنیا کے بہت سارے جھگڑے نہیں کھڑے ہوتے۔ اب یہ بھادروں کا مسئلہ دیکھ لو۔ تمھارا کیا خیال ہے۔ یہ میرے لیے ایک چیلنج نہیں بن گیا؟"

"آپ کے لیے؟"

"ہاں۔ نمک کھاؤ تو پھر اُس کی ادائیگی بھی کرو۔"

"نہیں اُستاد۔ آپ کہاں چکّر میں پڑیں گے؟"

"میاں۔ اِن بوڑھی ہڈیوں کو تو دیکھ رہے ہو تم۔ جیلر نے بھی شاید اس بارے میں تمھیں بتایا تھا کہ ہڈیاں فولاد ہیں۔ عُمر کی طرف مت جاؤ۔ میرے بازو بہت مضبوط ہیں۔"

"ہاں اُستاد! بنوٹ کے بارے میں بات ہُوئی تھی۔ یہ بنوٹ کیا چیز ہے؟ آپ نے کہا تھا کہ مَیں تفصیل سے تمھیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔"

"ہاں میاں۔ میرے اُستاد میرے سُسر تھے۔ بنوٹ کے ماہر تھے۔ بنوٹ جیسا فن درویشوں کی میراث ہے۔ کوئی بڑی چیز کسی ایسے ہی بڑے آدمی کو حاصل ہونی چاہیے جو اس کا اہل ہو۔ اگر تمھارے ہاتھ میں قوّت آ جاتی ہے اور اگر تم کم ظرف ہوئے تو اپنے سے کمزور انسانوں کو پیس کر رکھ دو گے۔ اس قسم کی جتنی بھی چیزیں ہیں۔ اُن میں انسان کا باظرف ہونا ضروری ہے یعنی بحالتِ مجبوری اور انتہائی دُشوار حالات میں اس فن کو استعمال کرو ورنہ اگر کوئی دو تھپڑ بھی لگا کر چلا جاتا ہے تو گال سہلاتے ہُوئے واپس

آ جاؤ۔"

"یقیناً اُستاد [illegible]"

"حالانکہ مَیں اس کا اہل نہیں [illegible] لیکن [illegible] اپنی بیٹی کو جہیز میں کوئی خاص چیز نہیں دی [illegible] نے یہ فن۔۔۔ سکھا دیا تھا۔ لیکن یُوں سمجھو کہ [illegible] پانچ [illegible] ابھی تو پچانوے فیصد باقی ہے۔ جو بہت ہی [illegible] جانتے ہوں گے۔"

"یہ ہے کیا چیز؟"

"کہانا۔ لکڑی کا [illegible] ہے۔ لکڑی تیار کر لو اور اس کے بعد اپنے دُشمنوں میں گھس [illegible] اگر انتہائی ضرورت پیش آ جائے تو پھر تمھارا کوئی دُشمن [illegible] پیروں پر نہیں جا سکے گا۔"

"لیکن اُستاد! یہ تو پستول [illegible] گولیوں کا دور ہے۔ ایسی حالت میں تو کافی دُشواری پیش آ [illegible] ہے۔ بنوٹ کا فن تو قریب سے لڑنے کا فن ہے۔"

"کبھی کبھی قریب [illegible] ہے لیکن اگر صورتحال ایسی ہی ہو جائے تو پھر اور بھی بہت کچھ [illegible] ہے۔"

"مثلاً اُستاد؟" مَیں [illegible] کیا۔

"یہاں تو مَیں تمھیں بتا نہیں سکتا۔ [illegible] کوارٹروں کے پیچھے آ جاؤ۔ پیچھے [illegible] ذرا عام انسانی نگاہوں سے محفوظ ہے۔ پھر ہم [illegible] فن سکھا دیں گے جو ہمیں ہمارے اُستاد [illegible]"

"مَیں ضرور سیکھوں گا اُستاد۔"

"تو پھر ابھی چلو حرج کیا ہے؟"

"چلیے اُستاد مجھے کوئی خاص کام نہیں ہے۔" مَیں نے دلچسپی سے کہا اور اُستاد اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

ہم دونوں پہلے کریم خاں کے کوارٹر میں آئے۔ کریم خان کے کوارٹر سے ایک چارپائی لی اور اُستاد نے تقریباً ایک پانچ فٹ لمبا ڈنڈا لے لیا۔ اُس کے بعد دُوسرے کوارٹر سے ایک مُرغی حاصل کی گئی اور ہم لوگ مُرغی بغل میں دبائے کوارٹروں کے پیچھے پہنچ گئے۔ ہم نے کسی اور کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ چارپائی کوارٹروں کے پیچھے کُھلی جگہ میں بچھا دی گئی اور اُستاد نے مجھ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہو جانے کے لیے کہا۔ مَیں وہاں کھڑا ہو گیا۔ اُستاد کی بغل میں مُرغی دبی ہُوئی تھی۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اُستاد نے تھوڑی دیر کے بعد مُرغی کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنے ہاتھ میں پڑا ہُوا ڈنڈا سنبھال لیا۔ مُرغی چونکہ بہت دیر سے اُستاد نے اپنی بغل میں دبائی ہُوئی تھی۔ اس لیے

وہ برق رفتاری سے نکل کر پلنگ کے نیچے سے بھاگی اور دفعتاً چیختی ہُوئی دوبارہ پلنگ کے نیچے پہنچ گئی اور اب میرے سامنے دُنیا کا ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ اُستاد چارپائی کے چاروں طرف پھرکی کی طرح گھوم رہے تھے اور اُن کی لاٹھی مسلسل [illegible] رہی تھی۔ اس لاٹھی سے ایک حصار سا بن گیا تھا۔ مُرغی جس طرف [illegible] جاتی تھی لاٹھی اُس کا راستہ روکتی تھی۔ مُرغی بہت پُھرتیلی اور [illegible] ہوتی [illegible] بار چارپائی کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس میں [illegible] کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی اور دلچسپ بات یہ تھی کہ ایک [illegible] لاٹھی نے اُس کا بدن نہیں چُھوا تھا لیکن چارپائی کے [illegible] سا حصار قائم ہو گیا تھا اور اُستاد کے ہاتھ اس برق رفتاری سے چل رہے تھے کہ مُرغی انتہائی کوشش کے باوجود چارپائی کے نیچے سے نہیں نکل سکی تھی۔ چند لمحات کے بعد اُستاد نے ڈنڈا روک لیا۔ میری آنکھیں حیرت سے کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔ بلاشبہ یہ انوکھا تماشا مَیں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مُرغی بڑی تیزی سے نکل بھاگی اور اُستاد چارپائی اُٹھا کر کریم خان کے کوارٹر میں داخل ہو گئے۔

"اُستاد کمال ہے۔"

"یہ کمال نہیں ہے۔ یہ کوئی بات ہی نہیں ہُوئی۔ مُرغی ویسے ڈل جانور ہے۔ بلّی بہت تیز ہوتی ہے۔ ویسے مَیں تمھیں یہ بتا دُوں کہ دُنیا کا کوئی بھی تیز رفتار سے تیز رفتار جانور ہو، سانپ ہو یا اور کوئی چیز اگر لاٹھی کا یہ حصار قائم کر دیا جائے تو پھر اُس کا اُس کے نیچے سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔ بنوٹ کے تمام پینترے ہر اُس جگہ پڑتے ہیں جہاں سے کسی کے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے جس کی تمھارے سامنے یہ ایک مثال تھی۔ اب اسی طرح سے تم لاٹھی گھماؤ اور تمھارے سامنے بیس پچیس افراد ہوں تو اُن میں سے کوئی بھی تمھارے نزدیک نہیں پہنچ سکتا۔ لاٹھی اگر صحیح طریقے سے بنالی جائے تو پستول کی گولی بھی اُس پر کارگر نہیں ہو سکتی اور تم اپنے بدن کو اس سے محفوظ رکھ سکتے ہو۔"

"لیکن اُستاد اس کے لیے ہاتھوں میں تیزی ہونا بھی تو ضروری ہے۔"

"وہ تو خود بخود آ جاتی ہے۔ جب آدمی کام سیکھتا ہے۔"

"آپ نے لاٹھی بنانے کی بات کی ہے۔ بنائی کیسے جاتی ہے؟"

"لمبا کھیل ہے۔ کچّی لکڑی کو اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ اس کے دونوں سرے آگ میں جل جائیں اور وہ انتہائی ٹھوس اور مضبوط ہوں۔ پتھر پر بھی پڑے تو اُچٹ ضرور جائے لیکن ٹوٹنے کا نام و نشان نہ ہو اُس میں۔"

"گڈ، ویری گڈ۔ لیکن اُستاد یہ فن؟"

"بہت سے طریقوں سے سیکھا جاتا ہے۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ یہ ایک رُوحانی فن ہے۔ درویشوں کے پاس ہوتا ہے لیکن بس ایک فن کے طور پر اور بھلا درویش اسے کس پہ استعمال کریں گے۔" اُستاد نے جواب دیا۔

"کمال ہے اُستاد۔"

"واقعی کمال ہے لیکن صرف رُوحانی کمال ہے۔ اسے جسمانی کھیل قرار دینا مناسب نہیں ہے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے اُستاد۔ میں بہت دلچسپی سے یہ سب کچھ سُن رہا ہوں لیکن ظاہر ہے کہ اگر میں آپ سے یہ فرمائش کر دوں کہ اُن پانچ فی صد میں سے اگر ایک فی صد یہ کھیل مجھے بھی سکھا دیں تو آپ یہی سوچیں گے کہ کتنا گھٹیا آدمی ہے فوراً ہی اس نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔" اُستاد مسکرانے لگے پھر بولے۔

"اُس وقت تک میرے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی جب تک کہ میں نے تمھیں قدوس خاں کے اکھاڑے میں نہیں دیکھا تھا۔ اگر تم جسمانی فن سے واقعی دلچسپی رکھتے ہو تو بیٹے تمھاری محبتوں کے صلے میں، میں تمھیں اپنا یہ مختصر سا فن دے دُوں گا۔ حالانکہ یہ فن ایک امانت ہوتی ہے اُن بزرگوں کی جو اسے دُوسروں تک پہنچائیں اور اُنھیں ہدایت بھی کر دی جاتی ہے کہ اس امانت کو محفوظ رکھا جائے لیکن تم ٹھنڈے دماغ کے انسان ہو، ہمدرد ہو، محبت کرنے والے ہو اور تمھارے جذبے قابلِ قدر ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ تمھیں دینے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی اور میں کسی تشویش کا شکار نہیں ہوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ اُستاد۔ تو پھر کیا آپ؟"

"ہاں۔ جب تم مناسب سمجھو۔ جگہ منتخب کر لو۔ میں تمھیں اس فن کے بارے میں بتاؤں گا۔" اُستاد نے کہا اور میں نے پُرمسرت انداز میں گردن ہلا دی۔

اگر اُستاد کے بارے میں کچھ سُنا ہوتا تو شاید مجھے اس سے زیادہ دلچسپی پیدا نہیں ہوتی جو کچھ دیکھ چکا تھا۔ وہ واقعی حیرت انگیز تھا۔ اُستاد کے ساتھ کافی دیر تک نشست رہی اور پھر اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا۔

✵

دُوسرے دن اُستاد چھوٹے کے ساتھ آفس چل پڑا۔۔۔

فاروقی صاحب بھی آ گئے تھے۔ اُنھیں کویت جانا تھا۔ اس لیے فوراً ہی دفتر سے چلے گئے اور میں ساڑھے دس بجے تک دفتر ہی میں رہا تھا اور اس دوران اپنے طور پر فائلوں کی ورق گردانی کرتا رہا تھا۔ پھر میں دفتر سے باہر نکلا اور اسپتال کی جانب چل پڑا۔ فیاض خان سے گیارہ بجے ملنے کا وعدہ تھا۔ چنانچہ ٹھیک گیارہ بجے میں فیاض خان کے پاس پہنچ گیا۔ فیاض خاں کمرے میں موجود تھے اور اعجاز خان اُس وقت ہوش میں تھا۔ اُس کی حالت ٹھیک نظر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر فیاض خان اُٹھ کھڑا ہوا اور میرے نزدیک پہنچ گیا۔ اُس نے بڑے پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا اور پھر اعجاز خان کے پاس لے گیا۔

"دیکھو بیٹے۔ یہ ہیں شارق میاں، ہمارے ہمدرد، ہمارے دوست۔" اعجاز خان نے مجھے سلام کیا اور میں اعجاز سے اُس کی خیریت دریافت کرنے لگا۔

"خدا کے فضل سے ٹھیک ہوں۔ آپ نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔" اعجاز خان نے کہا۔

"اور جواب میں اب میں کہوں گا کہ یہ تو میرا فرض تھا حالانکہ میں غلط نہیں کہوں گا۔۔۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے اب عجیب سا لگتا ہے۔ تم بالکل ٹھیک ہو اعجاز خان اور بالکل اطمینان رکھو۔ خدا نے چاہا تو اب تم لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"بھائی کچھ بھی کہو تم۔ لیکن ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں فرشتہ ہی بنا کر بھیجا ہے۔"

"چھوڑو اِن باتوں کو فیاض خان۔ ہر شخص ایک دُوسرے کے کام آتا ہے۔ میں تمھارے اور تم میرے۔ اِسی طرح یہ دُنیا چلتی ہے ورنہ اس کا خاتمہ ہو جائے۔"

"بے شک اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن جب میں اپنے آپ پہ نگاہ ڈالتا ہوں تو خیال اُبھرتا ہے کہ میں بھلا تمھارے کیا کام آ سکتا ہوں؟"

"کام آنا چاہتے ہو فیاض خاں؟"

"دل و جان سے۔ جان بھی مانگو گے تو حاضر کر دوں گا۔ وقت پہ ساتھ دینے والے بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ اس دُنیا میں تو اُن کی تلاش ہی کی جا سکتی ہے۔ اُنھیں پانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور جو پالے وہ بڑا خوش نصیب ہوتا ہے۔" فیاض خان نے خلوصِ دل سے کہا۔

"خیر چھوڑو۔ ہاں فیاض خان۔ تم نے ایک بات کہی تھی

مجھ سے کہ فرہاد صاحب کی بیوہ نے تمھیں ملازمت سے نکال دیا۔ کیا کوئی اور ڈرائیور اُن کے پاس موجود تھا۔ ظاہر ہے فرہاد صاحب کی کار تو اُن کے پاس موجود ہوگی۔ کسی نہ کسی کو اُس پر ڈرائیور کی حیثیت سے رکھا ہی جاتا۔"

"ہاں صاحب۔ بس منع کر دیا۔ بڑے آدمیوں کی زبان کون روک سکتا ہے۔ زبان کی ایک جنبش سے کسی غریب کی روزی ختم کر دینا تو ایک کھیل ہے۔"

"تم فکر مت کرو۔ ویسے تمھیں کیا کوئی دوسری ملازمت ابھی تک نہیں ملی؟"

"میں نے کہا نا صاحب کہ اس عمر کے آدمی کو ملازمت کون دیتا ہے؟ لوگ سوچتے ہیں کہ اندھا دھندلا آدمی ہے۔ گاڑی کہیں مار دے گا۔ بس فرہاد صاحب نے رکھ لیا تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی میری بینائی بھی ٹھیک ہے اور ہاتھ پاؤں بھی لیکن غربت شکلیں تبدیل کر دیتی ہے۔ اگر فارغ البال ہوتا تو یہی صحت دیکھنے کے قابل ہوتی۔"

"تم اس سلسلے میں فکر بالکل مت کرو فیاض خان۔ یُوں سمجھو کہ تمھاری نوکری بھی پکی ہو گئی ہے۔"

"صاحب، صاحب، نہیں۔"

"صاحب نہیں۔ شارق۔ چھوٹا ہوں تم سے۔ عزت کرتا ہوں تمھاری۔ بڑے بھائی کی حیثیت رکھتے ہو میرے لیے۔ صاحب واحب کچھ نہیں۔ شارق بھائی کہہ لو، شارق کہہ لو۔ اعجاز کا چچا ہوں میں۔" فیاض کی آنکھوں میں ممنونیت کے آنسو آ گئے۔ وہ میرے قریب پہنچا اور پھر میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر بولا۔

"کتنے احسان کرو گے ہم پر شارق بھیا!"

"جب بھیا کہہ دیا تو پھر احسان کا ہے کا؟ یُوں سمجھو کہ میں نے تمھاری ملازمت پکی کر دی ہے لیکن ملازمت پر اُس دن سے آؤ گے جب اعجاز بالکل ٹھیک ہو کر اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ البتہ تمھاری تنخواہ شروع ہو گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"مم مگر کہاں۔ کس سے بات کی ہے؟"

"یہ سب بعد میں بتا دُوں گا۔ تنخواہ کے بارے میں بتا دُوں۔ پندرہ سو روپیہ ماہوار۔" میں نے کہا اور فیاض کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ شکریہ ادا کرنے کے لیے بھی ایک حد ہوتی ہے۔"

"آؤ میرے ساتھ۔ تم سے کچھ باتیں بھی کرنی ہیں مجھے۔"

میں نے کہا اور پھر اعجاز کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"اعجاز میاں۔ آرام سے رہو۔ میں ذرا باہر بیٹھا تمھارے ابو سے باتیں کر رہا ہوں۔ ویسے میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتا دو۔"

"نہیں چچا میاں۔ اب تو میں آپ کو چچا میاں ہی کہوں گا۔"

"بالکل۔ بالکل۔ میں ہوں ہی تمھارا چچا۔" میں نے پیار سے کہا اور اس کے بعد فیاض خاں کے ساتھ باہر نکل گیا۔ میں اُسے لے کر اسپتال کے ایک دُور دراز گوشے میں جا بیٹھا۔ فیاض خان سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"یہ بات مت سمجھنا فیاض خان کہ میں نے تمھارا انتخاب صرف اس لیے کیا تھا کہ میں تم سے ایک چھوٹا سا کام لے سکوں۔ تمھیں اندازہ ہے کہ تمھارے بچے کا حادثہ ہوا تھا تو میں نے پہلے فرض اور انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت تمھاری مدد کی تھی اور اس کے بعد بھی جو کچھ ہوا وہ بھی انسانی جذبوں کے تحت ہی ہوا تھا لیکن اس دوران اتفاق سے تم نے ایک ایسا نام لے دیا جو میرے لیے باعثِ دلچسپی تھا۔"

"م میں نے، میں نے کون سا ایسا نام لے دیا۔ شارق میاں؟"

"فرہاد احمد صاحب کا نام۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ اس نام میں کیا خاص بات تھی؟"

"اس بات کا تو تمھیں علم ہی ہے کہ فرہاد کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"جی۔ مجھے معلوم ہے اور اس کے بعد ہی میری ملازمت بھی گئی ہے۔"

"میرا تعلق نہ پولیس سے ہے اور نہ انتظامیہ سے۔ ابھی وکالت کی پریکٹس کر رہا ہوں۔ چھ مہینے کے بعد مکمل وکیل بنوں گا۔ لیکن ایک وکیل صاحب کے ساتھ جونیئر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔ کیا تمھیں اس بات کا علم ہے فیاض خان کہ فرہاد صاحب کے قتل کے جرم میں ایک نوجوان کو گرفتار کر لیا گیا ہے؟"

"مجھے معلوم ہے۔"

"اس نوجوان کو جانتے ہو؟"

"کسی حد تک۔ زیادہ تفصیل نہیں جانتا ہوں اس کے بارے میں۔ اس کا نام احسان ہے۔ شاعری وغیرہ بھی کرتا ہے۔"

"کیا تمھیں اس کا اندازہ ہے کہ احسان کی ایک بہن ہے، ماں ہے اور وہ اپنے گھر کا واحد کفیل ہے۔"

"وہ کفیل کہاں تھا صاحب۔ کفالت تو اُس کی بہن کر رہی

تھی۔ فریال نام تھا اُس بی بی کا جس نے فرہاد صاحب کی نئی سیکرٹری کی حیثیت سے فرائض سنبھالے تھے۔"

"گویا تم اس بارے میں اچھی طرح جانتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔ فرہاد صاحب کا ڈرائیور تھا۔ چھوٹی موٹی باتیں تو کانوں میں پہنچ ہی جایا کرتی ہیں۔ اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ فریال ہی اپنے گھر کی کفالت کرتی تھی۔"

"کیا یہ بات بھی جانتے ہو تم کہ قاتل احسان نائب نہیں تھا؟" میں نے سوال کیا اور فیاض خان کے چہرے پر ہچکچاہٹ نظر آنے لگی۔ چند لمحات تک وہ ہچکچاہٹ کا شکار رہا پھر وہ ایک دم چونک کر بولا۔

"اب تم سے کیا چھپانا بھیا؟ اور تم سے چھپا کر مجھے ملے گا بھی کیا؟ سچی بات ہے تم نے بے لوث میری مدد کی ہے۔ مجھے تم پر کوئی شک نہیں کرنا چاہیے مگر دیکھو تا معاملہ پولیس کا ہوتا ہے تمھیں معلوم ہے پولیس کیا سلوک کرتی ہے ایسے لوگوں سے جو کسی بھی شکل میں اُن کے ہتھے چڑھ جائیں۔ مجھے تو بس اللہ نے بچایا۔ دو چار بار پوچھ گچھ کر کے ہی چھوڑ دیا گیا اور میری ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ میں نے بیان ہی ایسا دیا تھا۔"

"لیکن فیاض خان۔ تم اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جانتے ہو؟"

"ہاں جانتا ہوں اور اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے زبان کھولنا مناسب نہیں سمجھا۔ بڑے لوگوں کی بڑی بات ہوتی ہے۔ دولت ہر عیب ڈھک لیتی ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ سامنے ہی ہوتا ہے۔ بے شمار ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ مجرم کوئی تھا اور سزا کسی کو ملی لیکن میں خود کو سزا نہیں دلوانا چاہتا شارق بھیا۔ میں خود ان جھگڑوں سے بچنا چاہتا ہوں۔"

"فیاض خان۔ اعجاز زخمی ہوا ہے۔ تم نے اپنے دل میں ان زخموں کی کیسی تکلیف محسوس کی؟" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا اور فیاض خان چونکتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"احسان بھی کسی کا بیٹا اور کسی کا بھائی ہے۔ اُن لوگوں کے مستقبل کا واحد سہارا۔ اعجاز سے کسی طرح کم نہیں ہوگا۔ وہ اپنے والدین کے لیے۔ اعجاز کو خدا نے صحت دے دی ہے اور چند روز کے بعد وہ بالکل ٹھیک ہو کر گھر چلا جائے گا لیکن احسان نوجوان پھانسی کے پھندے سے پر لٹک جائے گا۔ یہ تم نے سوچا فیاض خان اور اگر نہیں سوچا تو میرے کہنے سے ایک بار ضرور سوچو۔ میرے تمھارے درمیان گہرے تعلقات ہیں۔ فیاض خان

کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔ بے شک وہ بھی اپنے ماں باپ کا بیٹا ہے لیکن میں کیا کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟"

"کیا تم مجھے بھی حقیقت نہیں بتاؤ گے؟"

"خدا کی قسم شارق بھیا حقیقت تو میں بھی نہیں جانتا لیکن لیکن وہ خاندان، وہ خاندان مصیبت میں پھنس چکا ہے اور اب خدا ہی اُسے اس مصیبت سے نکال سکتا ہے۔"

"بے شک۔ خدا ہر انسان کو مصیبت سے نکال سکتا ہے لیکن انسان کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ تمھیں اس بارے میں جو کچھ معلوم ہے مجھے بتاؤ۔" میں نے کہا اور فیاض گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ چند لمحات کے بعد اُس نے گہری سانس لی اور پھر گردن ہلا کر پُرعزم لہجے میں بولا۔

"ہر انسان کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔۔۔ تم صورتِ حال مجھ سے سُن لو۔ اس کے بعد جو بھی فیصلہ کرو۔ صاحب میرا مطلب ہے مرحوم فرہاد صاحب رنگین مزاج آدمی تھے۔ وہ نئی نئی سیکرٹریاں رکھا کرتے تھے اور جیسا کہ تمھیں معلوم ہے شارق میاں کہ میں اُن کا ڈرائیور تھا۔ مجھ سے زیادہ شاید ہی کوئی اُن کا راز دار ہو۔ گو اُنھوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی لیکن نوکر سب سمجھتے ہیں۔ بہت سی سیکرٹری لڑکیاں جو فرہاد صاحب کے ساتھ تفریح کرنے جایا کرتی تھیں۔ وہ سارا سارا دن تفریحی مقامات پر پھرتی رہتی تھیں اور بعض اوقات تو پوری پوری رات اُن کے ساتھ گزارتی تھیں۔ سمندر کے کنارے اُن کا اپنا ایک خوبصورت مکان بھی موجود ہے۔ اُس مکان میں فرہاد صاحب نے بہترین فرنیچر ڈالا ہوا ہے۔ بہت سی سیکرٹری لڑکیاں اُن کے ساتھ سمندر کے کنارے جاتی تھیں اور جو جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اُن کی مہینے ڈیڑھ مہینے میں ہی چھٹی ہو جایا کرتی تھی۔ اس سلسلے میں فرہاد صاحب مختلف ہتھکنڈوں سے کام لیتے تھے۔ اگر کوئی سیکرٹری اُن کی مرضی کے مطابق ہر کوئی عمل کر بھی لیتی تھی تو بھی اُس کی مدتِ ملازمت چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔۔۔ یہ دوسری بات ہے کہ فرہاد صاحب اُنھیں اتنا کچھ دے کر روانہ کرتے تھے کہ اُنھیں ملازمت چھوٹنے کا افسوس نہیں ہوتا تھا لیکن چھٹے مہینے کے بعد تو سیکرٹری بدل ہی جایا کرتی تھی۔ اس سے آپ یہ اندازہ لگا لیجیے کہ فرہاد صاحب کس قماش کے آدمی تھے۔ یہ لڑکی جو اُن کی آخری سیکرٹری تھی اور جس کا نام فریال حسین تھا۔

بہت سیدھی بہت شریف اور بہت نیک لڑکی تھی۔ اس لیے فرہاد صاحب نے اس کا سلیکشن کر لیا اور وہ نوکری پر آنے لگی۔ میں نے اُسے زیادہ نہیں دیکھا شارق میاں لیکن وہ شریف لڑکی تھی۔ دو چار بار میں نے ذرا سی دیر ہونے پر اُس کے بھائی کو دیکھا جو اُسے لینے آجاتا تھا اور اُس دن بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ فرہاد صاحب آفس میں موجود تھے سیکرٹری بھی کام کر رہی تھی دیر ہو چکی تھی احسان اُسے لینے آگیا اور کچھ دیر کے بعد دونوں بہن بھائی گئے جب بہت دیر ہو گئی تو میں اندر یہ معلوم کرنے گیا کہ صاحب چلے کتنی دیر میں چلیں گے اور میں نے وہاں اُن کی لاش دیکھی۔"

"وہ باہر نکلے تو اُن کے کپڑے خون آلود تھے؟"

"میں نے غور نہیں کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے فیاض خان تمھیں عدالت میں یہ بیان دینا ہوگا۔" میں نے کہا اور فیاض خان تھوڑی دیر کے بعد اس کے لیے تیار ہو گیا۔ میں اُس کا شکریہ ادا کر کے چل پڑا تھا۔

غالب نے حسبِ معمول پُرتپاک انداز میں میرا خیر مقدم لیا۔ ہمارے درمیان اب بے تکلفی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔

"یقیناً آپ نے مجھے اچھی اطلاع دینے کے لیے بُلایا ہوگا۔"

"بھائی جس کی شکل اچھی ہوتی ہے وہ اچھی اطلاع ہی دیتا ہے اور پھر ہم تو اللہ کے فضل و کرم سے غالب ہی رہتے ہیں۔"

"بے شک۔ بے شک، کیا پوزیشن ہے؟"

"بالکل صحیح۔ لڑکی نمبر ایک کا نام شہناز ہے۔ اس وقت ان لینڈ اندسٹریز میں ملازمت کر رہی ہے۔ بتا دیا ہے اور چھٹی شام کو پانچ بجے ہوتی ہے۔ ملاقات گھر پر ہی کرنی ہوگی۔ دوسری لڑکی کا نام فائزہ احمد ہے۔ یہ لڑکی آج کل ملازمت نہیں کر رہی گھر میں ہے۔ پتا دیا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟"

"شام ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اپنی کارروائی کا آغاز کر دینا چاہیے۔"

"تو پھر چلیں۔"

"تو یار یہ بن ٹھن کر کیوں بیٹھا ہوں؟" غالب نے کہا اور میں مُسکرا دیا۔

ہم نے سفر کے لیے بائیک ہی استعمال کی تھی۔ شہناز ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ بیل بجی تو ایک خوب صورت سی شفاف چہرے والی لڑکی نے فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ چہرے سے بہت شریف اور نیک نظر آتی تھی۔ اُس نے خود ہی ہمیں سلام کیا تھا۔

"مس شہناز یہیں رہتی ہیں؟"

"جی۔ میں ہی ہوں فرمائیے؟"

"یہ کارڈ۔" غالب نے اپنا کارڈ نکال کر اُس کے سامنے کر دیا۔

"اوہ، پولیس۔ خیریت۔" اُس نے کسی قدر لرزتی آواز میں کہا۔

"بالکل خیریت ہے۔" پولیس کی وردی میں ہم اس لیے نہیں آئے کہ ہر شریف آدمی کو اس سے خوف محسوس ہوتا ہے لیکن مس شہناز کچھ ایسی باتیں دریافت کرنی ہیں جو کسی شخص کی زندگی بچانے کا باعث بن سکتی ہیں۔"

"ایک منٹ۔ میرے ابو گھر میں ہیں۔۔۔ میں اُنھیں بُلاتی ہوں۔"

"ضرور بُلائیں۔" غالب نے متین لہجے میں کہا۔ چند لمحات کے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص نے دروازہ کھولا اور کہنے لگا۔

"تشریف لائیے۔" لیکن اُس کے چہرے پر پریشانی کے سائے لرز رہے تھے۔ ہمیں اُنھوں نے ایک ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ غالب نے اُنھیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"میں نے اپنا کارڈ دکھا دیا۔ یہ اس لیے ضروری تھا کہ آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ ہم کس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آئے ہیں لیکن وہ سلسلہ عام لوگوں سے قطعی تعلق نہیں رکھتا بلکہ صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہم آپ سے مدد کے طالب ہیں۔"

"جی۔ جی، کوئی بات نہیں ہے۔ کہیے کیا خدمت کی جا سکتی ہے؟"

"مس شہناز ہی سے کام ہے۔" غالب نے کہا۔

"میں حاضر ہوں۔" شہناز دروازے کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اندر آئی اور بولی۔ "آپ لوگوں کے لیے چائے بنواؤں یا کافی وغیرہ۔"

"نہیں مس شہناز براہِ کرم آپ تشریف رکھیے اور محترم بزرگ اگر آپ بُرا نہ محسوس کریں تو مس شہناز کو ہمارے درمیان تنہا چھوڑ دیجیے۔" بزرگ کے چہرے پر پھر پریشانی کے آثار پیدا ہونے لیکن شہناز کہنے لگی۔

"جنابِ عالی۔ یوں سمجھیے کہ میرے ابو میرے دوست ہیں۔ میں نے اپنی زندگی کا کوئی گوشہ اُن سے چھپا کر نہیں رکھا۔ اس لیے اگر آپ میرے ساتھ یہ رعایت کر سکیں تو مجھ سے میرے

ابّو ہی کی موجودگی میں گفتگو کریں۔ میں اس کے لیے شکرگزار رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے مس شہناز لیکن آپ کو جو جوابات دینے ہوں گے اُن میں آپ قطعی جھجک کا اظہار نہیں کریں گی۔"

"کوشش کروں گی۔" شہناز نے کہا۔

"میں آپ سے آپ کی ایک ملازمت کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ جو فرہاد احمد کی فرم میں آپ نے بطور سیکرٹری کی تھی۔"

"جی فرمائیے۔ اس سلسلے میں، میں کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

"کیا آپ نے فرہاد احمد کی سیکرٹری کی حیثیت سے کچھ عرصہ فرائض انجام دیے ہیں؟"

"جی ہاں اور اب میں ہالینڈ انڈسٹریز میں ملازمت کرتی ہوں جو فرہاد احمد کی ملازمت سے کافی ہلکی ملازمت ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں بھی مطمئن ہوں اور میرے ابّو بھی۔" شہناز کے خاموش ہوتے ہی بزرگ گویا ہوئے۔

"دراصل میری آنکھوں میں کالا موتیا اُتر آیا ہے اور میں صحیح طور پر دیکھنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس لیے میری بچّی کو میرا سہارا بننا پڑا ہے لیکن انشاءاللہ تعالیٰ اب کچھ عرصے کے بعد اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ کیونکہ میرا بیٹا بھی ملازمت سے لگنے والا ہے۔"

"گھر کی خوش حالی کے لیے اگر اہلِ خاندان کچھ کریں تو یہ کوئی بُری بات تو نہیں ہے جناب۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ بس یہی سمجھا جائے۔"

"بات فرہاد احمد کی ملازمت کی ہو رہی تھی۔"

"کیا آپ کو یہ علم ہے مس شہناز کہ فرہاد احمد کو قتل کر دیا گیا ہے؟"

"جی ہاں۔ میں نے اخبار میں یہ خبر پڑھی تھی۔"

"ظاہر ہے۔ آپ نے اس پر توجہ بھی دی ہو گی۔ کیونکہ فرہاد احمد سے آپ کا رسمی سا تعلق رہ چکا ہے۔"

"کیوں نہیں۔" شہناز نے جواب دیا۔

"فرہاد احمد کا قتل ایک معمّہ بنا ہوا ہے مس شہناز اور ہمیں اس معمّے کو ہی حل کرنے کے لیے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ فرہاد احمد کی فرم میں آپ کی مدّتِ ملازمت بہت مختصر تھی۔ کیا اس کی وجہ بتا سکتی ہیں آپ؟"

"فرہاد صاحب نے مجھے ملازمت سے نکال دیا تھا۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں اُن کی توقعات پر پوری نہیں اُتری تھی۔"

"وہ توقعات کیا تھیں؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ جو ایک اوباش مرد کو ایک عورت سے وابستہ ہو سکتی ہیں۔ اُس لڑکی سے جو شکل و صورت کی بھی کچھ مناسب ہو۔ فرہاد احمد صاحب مجھے اپنی پرائیوٹ سیکرٹری کے علاوہ گرل فرینڈ بھی بنانا چاہتے تھے اور میں یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ اپنے ابّو کے سامنے کہہ رہی ہوں جس دن میں نے یہ بات محسوس کی اُسی دن واپس گھر آ کر یہ بات میں نے ابّو کو بتائی۔ ابّو نے مجھ سے کہا کہ میں کل ملازمت پر نہ جاؤں اور اپنا استعفیٰ پیش کر دوں لیکن میں نے کہا کہ میں خود ہی فرہاد صاحب سے بات کر کے اس مسئلے کو ختم کر دوں گی۔ فرہاد صاحب چونکہ مجھ سے مایوس ہو گئے تھے اس لیے خوش قسمتی سے مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پیش آئی بلکہ یہ پروگرام بنا کر جس دن میں اُن کی فرم میں پہنچی مجھے برطرفی کا نوٹس مل گیا اور میں اپنے واجبات وصول کر کے چلی آئی۔"

"معاف کیجیے گا۔ فرہاد صاحب نے آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیسے کیا تھا؟"

"ابتدا جہاں سے کی جا سکتی ہے۔ وہیں سے ابتدا تو انھوں نے کی تھی ایک ماہ تک وہ ایک بہت اچھے انسان کی حیثیت سے مجھ سے ملتے رہے۔ دوسرے ماہ میں انھوں نے اپنی بیوی کے بارے میں رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے کہ وہ ایک انتہائی بدمزاج اور بدمزاج عورت ہے اور میری زندگی تلخ ہو گئی ہے۔ مرد یہیں سے ابتدا کرتے ہیں جناب۔ اگر وہ کسی سے اپنی ناپاک خواہشات کا اظہار کرنا چاہیں۔ معاف کیجیے گا۔ میں صرف اُن اوباش مردوں کے لیے کہہ رہی ہوں جو شادی شدہ ہونے کے باوجود اس معاشرے میں غلاظت پھیلانے پر تُلے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ مس شہناز۔ آپ کی صاف گفتگو سے ہم دونوں بڑے متاثر ہوئے ہیں۔ اُس کے بعد؟"

"میں سُنتی رہی۔ ایک ہفتے کے بعد میں نے اُن سے عرض کیا کہ فرہاد صاحب یہ آپ کے ذاتی معاملات ہیں۔ میں آپ کی پرائیوٹ سیکرٹری تو ضرور ہوں لیکن ذاتیات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ ... فرہاد احمد صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ... اور انھوں نے کہا کہ دُنیا کا کوئی بھی شخص کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ میں تجربہ کار نہیں تھی جناب۔ یہ میری دوسری ملازمت تھی۔ اس سے قبل بھی میں ایک جگہ ملازمت کر چکی تھی لیکن وہ بہت ہلکی ملازمت تھی اور فرہاد صاحب کی ملازمت اس سے بہتر تھی۔ اس لیے میں نے اس دوسری ملازمت کو قبول کیا تھا لیکن میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فرہاد صاحب مکّار آدمی

ہیں اور اس طرح میری ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فرہاد صاحب مسلسل کوششوں میں مصروف رہے۔ انھوں نے بار بار اس قسم کے مواقع مہیا کیے کہ مجھے دفتر میں کچھ دیر ہو جائے اور مجھے میرے گھر چھوڑنے کی پیش کش کر دیں لیکن میں نے اُن کے ساتھ اُن کی گاڑی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ طرح طرح کی کوششیں کی جاتی رہیں اور ایک دفعہ انھوں نے کسی تقریب میں مجھے اپنے گھر مدعو کیا لیکن میں نہیں پہنچی۔ دوسرے دن انھوں نے شکایت کی اور اس شکایت کے بعد ہی میرے اور اُن کے درمیان تعلقات کی پوزیشن واضح ہو گئی۔ میں نے اُن سے کہا کہ فرہاد صاحب میں صرف ملازمہ رہنا چاہتی ہوں۔ دوست نہیں بن سکتی، گرل فرینڈ نہیں بن سکتی۔ اگر انھیں صرف ملازمہ کی ضرورت ہے تو مجھے برقرار رکھیں۔ ورنہ بہتر ہے کہ مجھے ملازمت سے برطرف کر دیں۔ فرہاد صاحب اُسی دن سے مجھ سے برگشتہ ہو گئے پھر تقریباً کچھ عرصے تک یہ مسئلہ چلتا رہا اور اس کے بعد مجھے وہ نوٹس مل گیا جس کی بنا پر میں ملازمت سے علیحدہ کر دی گئی۔"

"بہت ہی شکرگزار ہیں ہم لوگ آپ کے مس شہناز۔ اب صورتحال ہم سے سُن لیجیے۔ آخری سیکرٹری فریال حسین نامی لڑکی تھی جس کے بعد فرہاد صاحب کو قتل کر دیا گیا اور قتل کا الزام فریال حسین کے نوجوان بھائی کے اوپر ہے۔ ان لوگوں کی ذاتی زندگی کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات آپ سے عرض کر دینا ضروری ہے۔ احسان تائب ایک جوان العمر نوجوان ہے۔ اس خاندان کا واحد کفیل، جس کے بارے میں ابھی ان بزرگ نے فرمایا کہ وہ ملازمت سے لگنے والا ہے اور اس کے بعد شہناز کو گھر میں بیٹھنے کی اجازت ہو گی بالکل یہی کیفیت اُس خاندان کی بھی ہے۔ اگر احسان تائب برسرِ روزگار ہوتا تو اس کے بعد اس بہن کی بھی زندگی پُرسکون ہو جاتی لیکن اُس کا بھائی قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ نوجوان قاتل نہیں ہے بلکہ کسی ایسی جذباتی کیفیت میں مبتلا ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ اقبالِ جرم کر رہا ہے۔ مس شہناز ایک انسان کی زندگی بچانے کے لیے آپ کی ضرورت ہے کیا عدالت میں آپ گواہ کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر فرہاد صاحب کی زندگی کے بارے میں تفصیلاً بتا سکتی ہیں؟"

"اس کا جواب ابّو دیں گے۔" شہناز نے کہا۔ بزرگ فوراً ہی بولے۔

"خدا کے فضل و کرم سے انسان ابھی اتنا بے ضمیر نہیں ہوا ہے کہ کسی بے گناہ انسان کی زندگی بچانے کے لیے اپنے آپ کو محدود رکھے۔ بیٹی اگر تمھارا بیان اُس شخص کی زندگی بچانے کے کام آ سکتا ہے تو میں خوشی سے تمھیں اجازت دیتا ہوں۔"

"میں اس کے لیے تیار ہوں۔" شہناز نے بغیر کسی حجت کے کہا۔

"قابلِ احترام ہیں آپ لوگ۔ اب ہم آپ کا نام گواہوں کی فہرست میں شامل کیے لیتے ہیں۔"

"یقیناً کیجیے۔ میں گواہی دوں گی۔" شہناز نے کہا۔

▼ ▼

یہاں سے ہم بہت مطمئن اور مسرور ہو کر اُٹھے تھے اور ہماری دوسری منزل فائزہ احمد کا گھر تھی۔ فائزہ احمد شہناز سے بھی زیادہ بولڈ نکلی۔ وہ فرہاد کی حرکات پر بہت زیادہ برافروختہ تھی اور اُس نے انتہائی نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اُس شخص کو قتل کر دیا گیا۔ یہ بہت سوں کی خوش بختی ہے۔ قتل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ بات قابلِ نفرت تھی۔ میں خلوصِ دل سے اُس شخص کا کچا چٹھا کھولنے کے لیے تیار ہوں۔"

فائزہ احمد نے بھی تقریباً وہ ہی بیان دیا تھا جو شہناز نے دیا تھا اور اس طرح ہم لوگوں کی یہ مہم انتہائی کامیاب رہی۔ واپسی پر غالب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لو جی۔ اپنا تو کام ہو گیا اور غالب کے لیے کوئی خدمت؟"

"غالب، غالب رہے گا۔ اس سلسلے میں جو بھی کارروائی ہو گی میں آپ کو اُس سے آگاہ رکھوں گا اور میرا خیال ہے کہ دونوں گواہ ہمارے لیے انتہائی اہم ثابت ہوں گے۔"

"دو نہیں بھائی تین۔ فیاض خان بھی فرہاد احمد کی نقاب کشائی میں نمایاں کردار انجام دے گا۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اس سے منحرف نہیں ہو گا۔"

"تو بس پھر یوں سمجھو کہ احسان تائب تو بچا ہی بچا لیکن پھر مسئلہ اصل قاتل کا آتا ہے؟"

"وہ بھی سامنے آ جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ مجھے اللہ کی ذات سے بھرپور اُمید ہے۔"

غالب سے رُخصت ہونے کے بعد میں بڑا مسرور تھا۔ فاروقی صاحب کو ابھی تک ان حالات کی ہوا بھی نہیں لگی تھی ... اس رات میں نے اپنے کمرے میں بیٹھ کر تحریری طور پر تمام رپورٹیں تیار کیں۔ میرا خیال تھا کہ میری کارروائی کافی حد تک مکمل ہو چکی تھی۔ میں نے جرح کے لیے پوائنٹس ترتیب دے لیے تھے اور اب مجھے احسان تائب کی پیشی کا انتظار تھا۔ دفتر نے ہمیں کافی سہولتیں فراہم کی تھیں۔ ٹیلی فون وغیرہ کا بھی فوری طور پر بندوبست کیا جا رہا تھا۔

اور ایک آدھ دن میں ٹیلی فون لگنے والا تھا۔ اسی دوران فاروقی صاحب کے پاس دو کیس اور آ گئے ایک زمینوں کے سلسلے میں تھا اور دوسرا بھی وراثت ہی کے سلسلے میں تھا۔ اس میں کوئی بہت بڑی اُلجھن نہیں تھی۔ فاروقی صاحب نے مجھ سے بھی اُن دونوں کیسوں کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا اور میں پوری دلچسپی سے اُنھیں اس سلسلے میں مدد دے رہا تھا۔ مصروفیات جُوں کی توں تھیں۔ اُستاد جمو نے دفتر کے انتظامات سنبھالے ہوئے تھے اور ہم نے ایک اور چپراسی کے لیے اشتہار دے دیا تھا۔ اُستاد کی حیثیت کم از کم یہ نہیں ہونی چاہیے تھی کیونکہ وہ ذرا پُر تکلف آدمی تھے اور ہماری ضرورت کے لیے اس طرح بھاگ دوڑ کرتے تھے کہ ہمیں خود ہی شرمندگی ہوتی تھی۔ نئے چپراسی کے اشتہار کے جواب میں ہمیں بالآخر ایک چپراسی بھی مل گیا اور یوں وہ دن نزدیک آ گیا۔ جب احسان تائب کی پیشی کی تاریخ تھی۔ تاریخ سے ایک دن پہلے فاروقی صاحب نے ڈائری دیکھ کر مجھ سے کہا۔

"احسان تائب کی کل پیشی ہے شارق۔ کل ہم وکالت نامہ پیش کر دیں گے لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی مؤثر کام نہیں ہو سکا۔"

"کل کی پیشی میں کچھ معاملات طے ہو جائیں گے میرا خیال ہے"

"کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ کہ میں آپ کو مکمل تفصیلات پیش کروں گا۔"

"کب؟"

"آج رات کو۔ میں آپ کے پاس تقریباً ساڑھے آٹھ بجے حاضر ہو جاؤں گا۔"

"اوہ! اس کا مقصد ہے کہ تم نے کچھ کام کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ کسی حد تک ممکن ہے آپ کو پسند آئے۔"

"خوب، خوب، ویسے یہ دلچسپ بات ہے کہ اس بار تم نے معاملات مجھ سے چھپائے رکھے ہیں۔"

"بس مقررہ وقت پر آپ کو اس سلسلے میں تفصیلات بتانا چاہتا تھا۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں بڑی بے چینی سے ساڑھے آٹھ بجنے کا انتظار کروں گا۔" فاروقی صاحب نے کہا اور اس کے بعد ہمارے درمیان سلسلۂ گفتگو منقطع ہو گیا۔

✸

ساڑھے آٹھ بجے میں بائیک پر بیٹھ کر فاروقی صاحب کے گھر کی جانب چل پڑا۔ بے چارے بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔

"کھانا کھا لیا ہے؟" اُنھوں نے سوال کیا۔

"نہیں۔ آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"تمھاری چچی نے کچھ ڈشیں تیار کی ہیں۔ دراصل ہم لوگوں کی نئی زندگی لوٹ آئی ہے تمھاری وجہ سے۔ اس لیے بیگم صاحبہ بھی آج کل ذرا زیادہ ہی مسرت کا اظہار کرتی ہیں۔"

کھانا واقعی بہت لذیذ پکا تھا۔ ہم لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد میں اُس جگہ آ گیا جہاں فاروقی صاحب نے ابھی تک اپنا دفتر بنا رکھا تھا۔ یہاں بیٹھ کر میں نے اپنی تیار کردہ رپورٹوں پر مشتمل فائل کھول کر فاروقی صاحب کے سامنے رکھ دیا اور پھر فاروقی صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے لگا۔ فاروقی صاحب کی آنکھیں لحظہ بہ لحظہ پھیلتی جا رہی تھیں۔ وہ بار بار چونک کر مجھے دیکھنے لگتے تھے۔ جب تمام تفصیلات معہ اُن قانونی پوائنٹس کے جن پر گفتگو کرنا تھی، طے ہو گئیں تو میں نے فاروقی صاحب سے کہا۔

"اس سلسلے میں کوئی اُلجھن ہو تو میں حاضر ہوں۔ ویسے میری اس کارروائی کے بارے میں آپ کا تبصرہ کیا ہے؟"

"میاں ذلیل کرتے ہو تم مجھے اس انداز میں۔"

"کیوں؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"اب یہ بتاؤ کہ تم نے سارا مسئلہ تو حل کر کے رکھ دیا ہے۔ گویا صرف زبان میری ہو گی۔"

"نہیں جناب۔ آپ کا جونیئر ہوں۔ کوئی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ ایک جونیئر ہی کی حیثیت سے کیا ہے۔ کیا اپنے سینئر کی مدد میرا فرض نہیں ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے قاتل احسان تائب نہیں ہے۔"

"لیکن رویّہ کیا رہے گا تمھارا اس بارے میں؟"

"سخت انتہائی سخت۔ کیونکہ اُن لوگوں نے تعاون نہیں کیا ہے ہمارے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے ممکن ہے احسان تائب گڑبڑ کرنے کی کوشش کرے۔"

"اُسے سنبھالنا آپ کا کام ہو گا۔" فاروقی صاحب گردن ہلانے لگے۔

"یہ سب چیزیں میں رکھ لوں اور ویسے وہ تینوں پہنچیں گے؟"

"جی ہاں! یقیناً پہنچیں گے اور جہاں تک چیزیں رکھنے کی بات ہے تو میں لایا ہی آپ کے لیے ہوں۔ صبح آٹھ بجے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ تاکہ مزید کچھ تیاریاں کر کے ہم کورٹ جا سکیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" فاروقی صاحب مسرور نظر آنے لگے۔

کافی دیر میں اُن کے ساتھ رہا اور اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔

✸ دوسرے دن کورٹ جانا تھا معمولات جُوں کے توں تھے سوائے اس کے کہ اُستاد جمو نے کو میں نے دفتر بھیج دیا تھا اور خود فاروقی صاحب کے گھر کی جانب چل پڑا۔ فاروقی صاحب میرا انتظار کر رہے تھے اس کے بعد ہم دونوں مکمل تیاریوں کے بعد چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد کورٹ پہنچ گئے۔

بار رُوم میں وہی ہنگامے تھے۔ بیرسٹر صاحب بھی نظر آئے غالباً اُن کا کوئی اور کیس کسی اور عدالت میں چل رہا تھا۔ میں نے اُنھیں سلام کیا تو وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"کیسے جا رہے ہو؟"

"بھائی جان کی دعا سے بالکل ٹھیک۔"

"بھائی جان کی دعا سے۔ میں تو تمھیں دعائیں نہیں دیتا۔ ظاہر ہے میری دعائیں اُس وقت تمھارے ساتھ ہوتیں جب تم میرے ساتھ نظر آتے۔"

"جونیئر کی حیثیت سے تو میں خود بھی اس بات کا متوقع نہیں ہوں لیکن بھائی کی حیثیت سے تو آپ کو میرا یہ حق نہیں چھیننا چاہیے"

"بہت تیز ہو گئے ہو۔" بیرسٹر صاحب محبت بھرے انداز میں مسکرائے اور پھر گھڑی دیکھ کر آگے بڑھ گئے۔ میں فاروقی صاحب کے پاس پہنچ گیا تھا۔

فاروقی صاحب، جاوید سے گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے جاوید کو بھی سلام کیا اور جاوید مجھ سے میری خیریت پوچھنے لگا اس کے بعد ہم نے احسان تائب کو دیکھا جسے جیل سے لایا گیا تھا۔ اور پھر عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ فاروقی صاحب نے پُر وقار انداز میں اپنا وکالت نامہ جج صاحب کو پیش کیا اور جج صاحب نے گردن ہلا کر اُسے قبول کر لیا۔ وکیل سرکار اپنی کارروائی کے لیے تیار تھا۔ معمولات کے مطابق وکیل سرکار نے احسان تائب کے بارے میں عدالت کو مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ احسان تائب اقبالی مُجرم ہے اور اس کے سلسلے میں کسی وکیل یا صفائی کی ضرورت پیش نہیں آ سکتی چنانچہ اُسے سزا سُنانے میں دیر نہ کی جائے۔ فاروقی صاحب اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور پھر اُنھوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا

"جناب والا۔ معاشرے میں جب کوئی گھناؤنا جُرم ہوتا ہے تو ممکن ہے بہت سے لوگ اپنے ضمیر کی سیاہی کے مطابق اُس پر توجہ نہ دیتے ہوں لیکن لاتعداد افراد ایسے ہوتے ہیں جنھیں اُس جُرم سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور وہ دل میں خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ معاشرہ کس طرح بُرائی کی طرف جا رہا ہے لیکن جناب والا! بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقائق پر اتنے دبیز پردے آ پڑتے ہیں کہ اُن کے پیچھے دیکھنا مشکل ہوتا ہے کوئی بھی شخص قتل کرنے کے بعد اتنی فراخدلی سے اُس قتل کا اعتراف نہیں کرتا جبکہ احسان تائب ایسا کر رہا ہے اور میرا خیال ہے کہ معزز عدالت بھی اس بات سے متفق ہو گی کہ اس اقبالِ جُرم کے پس پردہ کوئی حقیقت پوشیدہ ہے۔"

"جناب والا! عدالت مختصر وقت میں حالات کو جاننے کے بعد اور ثبوت کے حصول کے بعد فیصلے کرتی ہے۔ اُن حقائق کو تلاش کرنے کی کوشش وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کسی جذباتی مسئلے میں جُرم کرتا ہے اور اُس کے بعد وہ انکار کر دیتا ہے کہ وہ وجۂ جُرم نہیں بتائے گا۔ اُس نے جُرم کیا ہے اُسے سزا دی جائے تو کیا عدالت اُسے مجبور کر سکتی ہے کہ وہ عدالت کو جُرم کی وجہ ضرور بتائے۔ اُس نے جُرم کیا اور اُس کے تمام ثبوت مہیا ہو گئے تو اُس کے لیے سزا ایک لازمی امر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب وہ اگر اپنی زبان وجۂ جُرم بتانے کے لیے نہیں کھولتا تو وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے اُس کی زبان کھلوائی جا سکے؟" وکیل سرکار نے کہا۔

"جناب عالی! میں اُن حقائق کو سامنے لانا چاہتا ہوں جن کی بنیاد پر میرے مؤکل نے اپنی زبان بند کر رکھی ہے۔ عدالت عالیہ یقیناً کسی ایسے مُجرم کو سزا دینا پسند نہیں کرے گی جس نے جُرم ہی نہیں کیا ہو بلکہ کسی جذباتی خوف یا رُسوائی کے احساس نے اُسے زبان بندی کے لیے مجبور کیا ہو۔ درحقیقت یہ جُرم میرے مؤکل احسان تائب نے کیا ہی نہیں ہے وہ ایک ایسے خوف کا شکار ہے جس کی بنا پر اُسے خدشہ ہے کہ وہ اور اُس کے اہل خاندان رُسوا ہو جائیں گے چنانچہ اپنے اہل خاندان کو رُسوائی سے بچانے کے لیے اُس نے اپنی جان کی قربانی دینا مناسب سمجھی۔ میں اجازت چاہتا ہوں کہ اُن حقائق کو سامنے لاؤں۔" جج صاحب کی جانب سے اجازت ملنے کے بعد فاروقی صاحب نے کہا۔

"معزز عدالت سے میری پہلی درخواست یہ ہے کہ مسز ثمینہ فرہاد احمد سے کچھ گفتگو کروں۔ خاتون کمرۂ عدالت میں موجود ہیں۔ براہِ کرم اُنھیں حکم دیا جائے کہ وہ میرے سوالات کے جواب دیں۔"

"جناب عالی! ایک مغموم بیوہ، جو بیوگی کا غم برداشت کر رہی ہے قابلِ رحم و احترام ہوتی ہے۔ ہم اُسے کس جُرم کی سزا میں عدالت کے سامنے پیش کریں۔" وکیل سرکار نے کہا

"حقائق کو سامنے لانے کے لیے میں ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر

محترمہ ثمینہ احمد عدالت کی مدد کرنے کی خواہش مند ہوں اور اپنے شوہر کے قتل کا معمہ حل کرنا چاہتی ہوں تو انھیں ضرور ہماری مدد کرنی چاہیے۔" عدالت کے حکم پر ثمینہ احمد کٹہرے میں پہنچ گئی۔

"خاتون! میں آپ کے دکھ میں شریک ہوں لیکن حقیقت کو سامنے لانے کے لیے کچھ سوالات کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیا آپ یہ بتا سکیں گی کہ فرہاد احمد مرحوم سے آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟"

"بارہ سال۔"

"کیا آپ صاحبِ اولاد ہیں؟"

"نہیں۔"

"اس کی کوئی وجہ؟"

"میں نہیں جانتی۔" ثمینہ احمد نے جواب دیا۔

"کیا آپ لوگوں کی شادی نارمل انداز میں ہوئی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کے بزرگوں کے ذریعے یا اس میں آپ کی پسند شامل تھی؟"

"بزرگوں کے ذریعے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"مسز ثمینہ احمد۔ فرہاد سے آپ کے ازدواجی تعلقات کیسے تھے؟"

"کیا یہ عدالت میں بتانے والی بات ہے؟" ثمینہ احمد نے چڑچڑے انداز میں کہا۔

"میں آپ کی انتہائی زندگی کے بارے میں سوال نہیں کر رہا۔ میرا مطلب ہے فرہاد احمد صاحب بحیثیت شوہر کیسے تھے؟"

"بہت اچھے۔ قابلِ فخر، قابلِ احترام۔" ثمینہ احمد نے جواب دیا۔

"گویا آپ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا؟"

"نہیں۔"

"کیا اس بات پر بھی نہیں کہ فرہاد احمد صاحب آپ کو مسلسل نظرانداز کیے رہتے تھے۔ آپ کو وہ وقت نہیں دے سکتے تھے جو آپ کا حق ہوتا تھا؟"

"یہ بات آپ کو کس نے بتائی؟"

"حالات نے، واقعات نے، ثبوتوں نے۔" فاروقی صاحب نے جواب دیا۔

"تو وہ ثبوت آپ عدالتِ عالیہ کو پیش کر دیں۔"

"جنابِ عالی! مرحوم فرہاد احمد۔ درحقیقت ایک اوباش طبع انسان تھے۔ ان کی زندگی میں بے شمار لڑکیاں شامل تھیں وہ اپنی راتیں اکثر گھر سے باہر گزارا کرتے تھے اور ثمینہ احمد کو اس بات پر ان سے ابتدا میں اختلاف بھی ہوا تھا لیکن بعد میں انھوں نے اپنے شوہر سے سمجھوتہ کر لیا۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"جنابِ عالی! یہ جھوٹ نہیں ہے میں ثبوت کے طور پر یہ فائل پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مقتول فرہاد احمد نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو پرسنل سیکرٹری بنا کر رکھنا پسند کرتے تھے۔ ان لڑکیوں کی مدتِ ملازمت ایک سے چھ ماہ تک ہوا کرتی تھیں۔ اگر ان میں سے کوئی خوبصورت لڑکی فرہاد احمد کی توقعات پر پوری اتر جاتی تھی تو اس کی ملازمت جاری رہتی تھی اور وہ چار چھ ماہ گزار لیتی تھی اور اگر وہ ان کی خواہشات سے انکار کر دیا کرتی تھی تو پھر یہ مدت ایک ڈیڑھ ماہ کے اندر ختم ہو جاتی تھی۔ براہِ کرم یہ فائل ملاحظہ فرمائیے۔" وکیلِ سرکار نے انتہائی غصیلے انداز میں کہا۔

"ایک مرحوم مقتول پر یہ مذموم الزامات عدالت کی توہین بھی تصور کیے جا سکتے ہیں جنابِ عالی۔"

"لیکن حقائق۔ عدالت کی توہین نہیں بنتے معزز وکیل۔" فاروقی صاحب نے کہا اور وہ فائل جو فرہاد احمد صاحب کے دفتر سے حاصل کی ہوئی معلومات کا نچوڑ تھی اور جس کی تمام نقول تصویروں کے ذریعے تیار کرائی گئی تھیں۔ عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا جج صاحب کے سامنے ایک دلچسپ چیز آئی تھی۔ انھوں نے کافی دیر تک اس کا مطالعہ کیا۔ خاص طور سے انھوں نے دو نشان زدہ تصویریں بغور دیکھیں اور ان کے اپائنٹمنٹ لیٹر پڑھے جو مس شہناز اور فائزہ احمد کے تھے۔ فائل دیکھنے کے بعد انھوں نے فاروقی صاحب کو ہدایت کی کہ وہ اپنا بیان جاری رکھیں۔

"یہ حقیقت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے جنابِ عالی کہ فرہاد احمد صاحب کو خوبصورت لڑکیوں کے جھرمٹ میں رہنے کا شوق تھا اور کوئی بھی شخص اگر اپنی ذاتی سیکرٹریوں میں تبدیلیاں کرتا ہے تو ہم اس کے کردار کے بارے میں جان سکتے ہیں۔"

"یہ سراسر بہتان ہے۔ الزام ہے۔ میں اس پر سخت احتجاج کرتی ہوں۔ میرے شوہر پر ان کی موت کے بعد بھی مذموم الزامات لگائے جا رہے ہیں۔" ثمینہ احمد نے کہا۔

"لیکن۔ ثبوت آپ کے اس جذباتی احتجاج کو مسترد کر رہے ہیں۔ مسز ثمینہ احمد۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"وہ کون سے ٹھوس ثبوت اور دلائل ہیں۔ جو میرے معزز وکیل کو اس طرح بڑھ کر بولنے پر مجبور کر رہے ہیں؟" وکیلِ سرکار نے پوچھا۔

"پہلی چیز میں عدالتِ عالیہ کے سامنے پیش کر چکا ہوں اس کے بعد میں چند گواہان کو عدالت کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان دو تصاویر پر سرخ نشان لگائے ہوئے ہیں جنابِ عالی۔ آپ نے یقیناً انھیں بغور دیکھا ہوگا۔ میں پہلی گواہ، مس شہناز

نفیس احمد کو معزز عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

شہناز نفیس احمد کٹہرے میں آگئی۔ میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ بہت بولڈ قسم کی لڑکی ہے چنانچہ شہناز سے سوالات کیے گئے اور اس نے وہ ہی تمام باتیں عدالت کو بتائیں جو وہ مجھے اور غالب کو بتا چکی تھی۔ جج صاحب نے اس کا بیان مکمل قلم بند کرایا تھا۔ اس کی مدتِ ملازمت کا فائل میں وقت دیکھا گیا اور پھر فائل کو ایک سمت رکھ دیا گیا۔ وکیل فاروقی صاحب نے کہا۔

"میری دوسری گواہ مس فائزہ احمد ہیں۔"

فائزہ احمد کو کٹہرے میں پیش کیا گیا۔ وہ ویسے ہی فرہاد احمد سے نفرت کرتی تھی۔ چنانچہ اس نے وہ تمام تفصیلات بلا جھجک عدالت کو بتائیں۔ جو اس کے ساتھ پیش آچکی تھیں۔ وکیلِ سرکار نے اس سے اس کے بارے میں چند سوالات کیے۔ وکیلِ سرکار کچھ جھنجلائے ہوئے معلوم ہوتے تھے لیکن فائزہ احمد نے ہر سوال کا جواب تسلی بخش انداز میں دیا۔ وکیلِ سرکار نے فائزہ احمد سے اس کے ماضی کے بارے میں پوچھا تو اس نے مکمل تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"جنابِ عالی! ہم لڑکیوں کا ماضی تقریباً یکساں ہوتا ہے۔ والدین کی آغوش میں جوان ہوتے ہیں۔ وقت اور ناسامعد حالات ہمیں دفتروں اور کارخانوں تک لے جاتے ہیں لیکن وہاں ہمیں دُہری مشقت برداشت کرنا ہوتی ہے۔ وہ کام جو ہمیں اس دفتر میں یا کارخانے میں کرکے تنخواہ دلواتا ہے اور اپنا تحفظ جو ہر شخص کے روپ میں ہمارے لیے خوف کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرہاد احمد صاحب کے ہاں میں نے ملازمت کی اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ بے شمار لڑکیاں جن کی فائل ممکن ہے ان ہی فائلوں میں موجود ہوں یہ ہی بیانات دیں گی جو میں دے رہی ہوں۔ ان میں سے کچھ نے حالات کا شکار ہو کر فرہاد احمد سے تعاون کیا ہوگا لیکن اس کے بعد بھی ان کی مدتِ ملازمت طویل نہ رہی اور انھیں رخصت کر دیا گیا۔ اگر عدالتِ عالیہ ان سب کو طلب کرے اور انھیں حکم دے کہ وہ صحیح بات عدالت کے سامنے پیش کریں تو آپ یقین کیجیے کہ فرہاد احمد کی اصل شخصیت اس طرح کھل کر سامنے آئے گی کہ مسز احمد اسے برداشت نہیں کر سکیں گی۔ مسز احمد کے بارے میں، میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گی کہ اگر ایک بیوی اپنے شوہر کی شخصیت سے اس قدر لاعلم رہے تو پھر [illegible]"

عدالت نے فائزہ احمد کو اس قسم کے الفاظ ادا کرنے سے منع کیا اور اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا جناب۔ چند نوٹوں کے عوض مجھ سے جو سودا کیا جا رہا تھا۔ میں اس کی وجہ سے بہت جذباتی ہو گئی تھی۔ جس وقت جب مجھے حقائق بیان کرنے کا موقع ملا۔ تو میں اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکی۔" وکیلِ سرکار بہت کچھ کہتے رہے اور فائزہ ان کے سوالوں کے جواب دیتی رہی۔

میں مطمئن تھا اور فاروقی صاحب بھی مطمئن تھے۔ اس کے بعد ہم اپنے تیسرے اور آخری گواہ فیاض خان کو بھی پیش کر دیا۔ فیاض خان جب کمرۂ عدالت میں داخل ہوا تو ثمینہ احمد نے اسے چونک کر دیکھا۔ فیاض خان نے کٹہرے میں کھڑے ہو کر کہا۔

"جنابِ عالی! میں فرہاد احمد کے جرائم کا کسی حد تک شریک کار ہوں اور اگر جرم میں شریک کسی شخص کو سزا دی جا سکتی ہے تو اپنے آپ کو میں اس سزا کے لیے تیار کرکے آیا ہوں۔ بیگم احمد جانتی ہیں کہ میں فرہاد احمد صاحب کا ذاتی ڈرائیور تھا اور ہم جیسے لوگوں سے مالکان دوسرے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ بے تکلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہم ان کی عملی زندگی کے شریکِ راز ہوتے ہیں بے شک۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ فرہاد احمد صاحب حسن پرست اور زندگی کے گھناؤنے راستوں کے راہی تھے یہ بات میں اس بنیاد پر کہہ رہا ہوں کہ بیشتر مواقعوں پر میں فرہاد احمد صاحب کی خدمت میں چوبیس چوبیس گھنٹے تک حاضر رہا۔ سمندر کے کنارے اس مکان کے بارے میں شاید بیگم احمد کو علم ہو جو فرہاد صاحب کی ملکیت ہے اس مکان کے بیرونی برآمدے میں، میں رات رات بھر بیٹھا آرام کرتا رہا ہوں اور اندر فرہاد احمد صاحب اپنی کسی دوست کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے رہے۔ ایسے مواقع اکثر پیش آئے اور میں بحالتِ مجبوری اپنے ضمیر کی آواز کو دبائے ان کا ساتھ دیتا رہا کیونکہ عمر رسیدہ شخص کو ڈرائیوری کی ملازمت آسانی سے نہیں مل جاتی۔ اس کے علاوہ مجھے انعامات سے بھی نوازا جاتا تھا اور یہ انعامات میرے ضمیر کو دبانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔"

"گویا تمھارا خیال ہے کہ فرہاد احمد صاحب ایک عیاش آدمی تھے؟"

"جی ہاں جنابِ عالی! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"لیکن تم نے یہ اطلاع پولیس کو یا کچھ ایسے افراد کو کیوں نہیں دی جن کے ذریعے فرہاد احمد صاحب کو ان اقدامات سے روکا جا سکتا تھا۔"

"جنابِ اعلیٰ! کیا ایک غریب ملازم جس کی بیوی اندھی ہو۔ اس کا بیٹا تعلیم حاصل کر رہا ہو۔ اپنی آمدنی کا ذریعہ چھوڑ کر ضمیر کی آواز پر دوڑتا پھرے گا۔ معاف کیجیے گا۔ یہ جذبے کتابوں

ملں تو مل سکتے ہیں۔ عملی زندگی میں ذرا مشکل ہی ہو جاتی ہے۔ میں

ایسے لوگوں کے نہ ہونے کی بات نہیں کرتا۔ ہوتے ہیں جو اپنے ضمیر کے خلاف کچھ نہیں کرتے لیکن میں اُن میں سے نہیں تھا۔"

"تو پھر اچانک آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ آپ فرہاد احمد کے قتل کے سلسلے میں اُن کی اصل شخصیت کو بے نقاب کریں؟" وکیلِ سرکار نے پوچھا۔

"اِس لیے کہ کچھ عرصے قبل میرے بیٹے کا حادثہ ہو گیا تھا۔ وہ شدید زخمی تھا اور اس وقت مجھے یہ احساس ہوا کہ میری حرام کی کمائی اُس کے خون میں شامل ہو گئی تھی اور سزا میرے لیے مقرر کی گئی تھی۔ میں حقیقتِ حال بتانے پر تل گیا اور میں نے وکیل صاحب کے پاس جا کر یہ تمام تفصیلات بتا دیں۔ چونکہ مجھے اپنے بیٹے کی زندگی بچانے کے عوض کسی اور کی زندگی بچانے کا جذبہ بے چین کر رہا تھا۔"

"آپ فیاض خاں سے سوالات جاری رکھ سکتے ہیں۔" عدالت نے وکیل فاروقی صاحب کو حکم دیا۔

"فیاض خاں۔ اب میں تم سے اُس دن کے بارے میں سوالات کرنا چاہتا ہوں جس دن فرہاد احمد صاحب کو قتل کیا گیا۔"

"جی۔" فیاض خان نے کہا۔

"فریال! احسان تائب کی بہن تھی اور فرہاد احمد کی سیکرٹری۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وقوع والے دن فریال حسین اُس وقت کہاں تھی جب فرہاد احمد صاحب کا قتل ہوا؟"

"وہ فرہاد احمد صاحب کے کمرے میں تھی۔"

"کیوں کیا وہ وقت ایسا تھا کہ فریال حسین کو وہاں ہونا چاہیے تھا؟"

"جی نہیں۔ عملاً تقریباً سب کا سب جا چکا تھا۔ فریال حسین کو کچھ ٹائپنگ کا کام دیا گیا تھا اور وہ یہ کام کر رہی تھی۔"

"گویا اس وقت فرہاد صاحب دفتر میں تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیا عموماً فرہاد صاحب اتنی ہی دیر دفتر میں رہا کرتے تھے؟"

"جی نہیں۔"

"کیا اُس دن اُنھوں نے اپنے دفتر میں دیر تک رکنے کی وجہ بتائی تھی؟"

"جی نہیں۔ مجھے کوئی وجہ نہیں بتائی گئی تھی۔ بس میرا یہ معمول تھا کہ میں اُن کو اُن کے گھر تک یا جہاں بھی وہ جانا پسند کریں اُنھیں پہنچا دوں۔ چونکہ وہ دفتر سے نہیں نکلے تھے اس لیے میں باہر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔"

"آپ قاتل یا ملزم۔ احسان تائب کو پہچانتے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کس طرح؟"

"یہ صاحب اکثر اپنی بہن کو دفتر لینے کے لیے آجایا کرتے تھے۔"

"روزانہ؟"

"جی نہیں۔ میں نے اکثر کہا ہے۔ خاص طور پر اُس وقت جب بہن کو دیر ہو جایا کرتی تھی۔"

"اور اُس دن فریال حسین کو دفتر سے گھر جانے میں کچھ دیر ہو گئی تھی؟"

"جی ہاں۔"

"اندازاً یہ دیر کتنی تھی؟"

"تقریباً چالیس منٹ۔"

"عموماً جب احسان تائب اپنی بہن کو لینے آتے تھے تو کتنا وقت گزر چکا ہوتا تھا؟"

"بیس سے پچیس منٹ تک۔"

"جنابِ عالی! اِس بات کو خصوصاً نوٹ کیا جائے کہ فریال حسین کے گھر کا فاصلہ دفتر سے تقریباً ڈیڑھ میل کا ہے اور دفتر سے باہر ایک بس اسٹاپ موجود ہے جس پر ہر دو منٹ کے بعد بس گزرتی رہتی ہے۔ گویا پانچ بجے چھٹی ہونے کے بعد اگر فریال حسین سوا پانچ بجے تک گھر نہ پہنچ جائے، تو تشویش لازمی امر کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بعد ملزم بے چین ہو کر اُسے لینے کے لیے دفتر پہنچ جایا کرتا تھا۔ گویا یہ چالیس منٹ کا وقفہ اتنی حیثیت رکھتا ہے کہ ملزم کو اپنی بہن کے لیے پریشان ہو جانا چاہیے تھا۔"

"ہاں تو فیاض خان۔ احسان تائب اُس دن بھی وہاں پہنچے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"تم دفتر کے جس برآمدے میں بیٹھے تھے۔ وہاں سے فرہاد صاحب کے دفتر کا کتنا فاصلہ ہے؟"

"کافی فاصلہ ہے۔"

"گویا اندر کی آوازیں تم باہر سن سکتے تھے؟"

"جی نہیں۔"

"ٹھیک اُس کے بعد؟"

"احسان تائب اندر چلے گئے اور تھوڑی دیر کے بعد دونوں بہن بھائی باہر نکل آئے۔"

"یہ کس قدر پریشان یا بوکھلائے ہوئے تھے؟"

"میں نے غور نہیں کیا جناب۔" فیاض خان نے جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"میں کافی دیر تک صاحب کا انتظار کرتا رہا اور جب میں اُن کے انتظار میں پریشان ہو گیا تو یہ معلوم کرنے کے لیے خود ہی اندر پہنچ گیا کہ صاحب دفتر سے کس وقت نکلنا پسند کریں گے اور اندر میں نے اُن کے کمرے میں لاش دیکھی۔"

"آپ نے پولیس کو اطلاع دی تھی؟"

"جی ہاں! اور اس کے بعد پولیس کو میں نے اپنا بیان بھی لکھوا دیا تھا۔"

"آپ کے خیال میں قاتل احسان تائب ہو سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" فیاض خان نے کہا۔ فاروقی صاحب نے گردن خم کر کے فیاض خان سے سوالات ختم کرنے کا اشارہ کیا اور پھر بولے۔

"میں آخری شخص کو اور طلب کرنا چاہتا ہوں جنابِ عالی! اُس کے بعد میں اپنی ذمے داریاں ختم کر دوں گا۔"

"وہ آخری شخص کون ہے؟" جج صاحب نے سوال کیا۔

"فریال حسین۔" فاروقی صاحب نے ایک گوشے کی طرف اُنگلی اُٹھا کر کہا۔ جہاں فریال حسین بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ چونک پڑی۔ عدالت کے حکم پر اُسے کٹہرے میں آنا پڑا۔ اُس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ فاروقی صاحب اُس کے سامنے پہنچ گئے۔

"آپ کہیے کہ جو کچھ کہیں گی خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہیں گی۔"

"میں جو کچھ کہوں گی خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہوں گی۔" فریال حسین نے کہا۔

"مس حسین! آپ خدا کے فضل و کرم سے ایک مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہماری پوری زندگی کا دار و مدار اُسی مقدس کتاب پر منحصر ہے۔ جس کے سامنے آپ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو کچھ کہیں گی سچ کہیں گی۔ مس فریال حسین! اس شخص کو پہچانتی ہیں جو سامنے کٹہرے میں قاتل کی حیثیت سے کھڑا ہوا ہے۔ اس نے آپ کے مالک کو قتل کیا اور اس قتل کے الزام میں اسے موت کی سزا ہو جائے گی۔ جہاں تک میرے علم میں ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا اور کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد بقیہ زندگی ضمیر پر صرف اس بوجھ کے ساتھ گزاریں گی کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے اپنی عزت کے تحفظ کے لیے اپنے بھائی کی قربانی دی۔"

"میں احتجاج کرتا ہوں جنابِ اعلیٰ! وکیل صاحب نے بلاوجہ میرا وکیل بننے کا اظہار کیا تھا۔ میری والدہ کو انھوں نے مجبور کیا اور اُن کے ذریعے وکالت نامے پر دستخط کرائے۔ میں انھیں ان سوالات کی اجازت کبھی نہیں دے سکتا جو وہ میری بہن سے کر رہے ہیں۔ میں قاتل ہوں میں نے فرہاد احمد کو قتل کیا اور اس کی وجہ اُن سے میری ذاتی دشمنی تھی۔ اس کے بعد ان تمام فضول باتوں کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ میں اپنا وکالت نامہ منسوخ کرتا ہوں۔ وکیل صاحب کو قطعی اجازت نہیں دیتا کہ وہ میری بہن سے اس طرح کے سوالات کریں۔"

"جنابِ اعلیٰ! مجرم یا ملزم وکالت نامے پر دستخط کرنے کے بعد اُسے عدالت میں صرف اس لیے مسترد نہیں کر سکتا کہ وہاں اُس کی بہن سے سوالات کیے جا رہے ہیں۔ میں حقائق کو سامنے لانے کے لیے اجازت چاہتا ہوں۔"

"اجازت ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

"مس فریال حسین! آپ فرہاد صاحب کی سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہی تھیں؟"

"جی۔" فریال حسین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا آپ اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ آپ اُسے چاہتی تھیں؟ آپ اُس سے عشق کرتی تھیں اور اس کی موت کے بعد آپ کو اپنے بھائی سے نفرت ہو گئی۔ آپ نے اپنے محبوب کے قتل کا بدلہ اپنے بھائی سے لینا پسند کیا؟"

"یہ الزام ہے، یہ بہتان ہے، یہ، یہ..."

"آپ کو اپنے جذبات کا اس قدر احساس ہے مس فریال حسین! کیا آپ اس بات کو بھول گئیں کہ آپ کا ایک ہی بھائی ہے؟ کیا آپ کو اس بات پر دکھ نہیں ہوتا کہ یہ نوجوان جو کل پھانسی کے پھندے پر لٹکنے والا ہے بے گناہ ہے اور آپ کے لیے اور صرف آپ کی عزت کے تحفظ کے لیے اپنی زندگی کی قربانی دے رہا ہے۔ کیا آپ کو تاریخ میں موجودہ ماحول میں یا گزرے ہوئے کچھ وقت میں وہ بہنیں یاد نہیں ہیں جو بھائیوں کے لیے موت کا جام خوشی خوشی پی گئیں ہیں۔ آپ اپنے تحفظ کے لیے اپنے بھائی کی زندگی لینا پسند کر رہی ہیں۔ یہ کون سا جذبہ ہے۔ کون سی بہنوں میں شمار ہوتا ہے آپ کا؟ احسان تائب عظیم ہے جو آپ کی عزت کے تحفظ کے لیے آپ کے مستقبل کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر رہا ہے اور آپ معاف کیجیے گا مس فریال! آپ نے خود غرضی کا وہ ثبوت دیا ہے جو تاریخ میں کبھی نہیں دہرایا جا سکتا۔ کیا آپ اس مقدس کتاب کے حوالے سے یہ بات کہہ سکتی

ہیں کہ فرہاد صاحب کا قتل آپ کی لگتا ہوں کے سامنے آپ کے بھائی نے کیا ہے۔" فریال کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ احسان تائب چیخنے لگا۔

"وکیل صاحب! آپ یہ سوالات میری بہن سے نہیں کر سکتے۔ آپ آپ، میں درخواست کرتا ہوں کہ ان سوالات کو بند کیا جائے ورنہ، ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔"

"ملزم کو روکا جائے۔" عدالت نے سپاہیوں کو حکم دیا اور وہ احسان تائب کے آس پاس آکھڑے ہوئے۔

"جی مس فریال حسین! آپ کو فوراً جواب دینا چاہیے۔"

"میں جواب دے رہی ہوں۔ قاتل میرا بھائی نہیں ہے۔ لعنت ہے مجھ پر، لعنت ہے میرے احساس پر، لعنت ہے اُس زبان پر جو حقیقت کو اُگلنے سے آج تک ناکام رہی ہے۔ لعنت میرے وجود پر کہ میں نے آج تک صرف اپنے بھائی اور اپنی ماں کے کہنے پر اپنی زبان بند رکھی۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ میری وجہ سے میرا بھائی سُولی پر چڑھ رہا ہے۔ لعنت ہے مجھ پر، لعنت ہے مجھ پر جج صاحب قتل میں نے کیا ہے۔ جی ہاں، قتل میں نے کیا ہے میں فرہاد کی قاتل ہُوں۔ اُس بے ضمیر درندے کی جو مجھ جیسی مظلوم لڑکیوں کو اپنا ملازم رکھتا تھا اور اُن کی عزت سے کھیلتا تھا اور جب اُس کا دل اُن سے بھر جاتا تھا تو انھیں چچوڑی ہوئی ہڈیوں کی طرح دُور پھینک دیتا تھا۔ جی ہاں، یہ حقیقت ہے کہ فرہاد مختلف طریقوں سے مجھے گناہ کی طرف راغب کرتا رہا۔ اُس نے طرح طرح کے بہانے تراشے میرے سامنے۔ اپنی بیوی کے بارے میں اُس نے کہا کہ وہ ایک بددماغ اور فضول قسم کی عورت ہے۔ اُس کی ساری زندگی کرب و اذیت میں گزری ہے اور میں اُسے بہلا دوں۔ ان سہاروں کی مانگ مجھ سے کرتا تھا اور میں اُس سے یہی کہتی تھی کہ میں ایک بے بس لڑکی ہُوں۔ میں اپنی عزت کسی قیمت پر گنوانا پسند نہیں کروں گی۔ مجھے نوکری چاہیے لیکن لیکن..."

"تو اس کا مطلب ہے مس فریال حسین! کہ فرہاد کو آپ نے قتل کیا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"فریال! کیوں بکواس کر رہی ہو؟" احسان تائب چیخا۔

"نہیں احسان بھائی۔ آپ بہت عظیم انسان ہیں۔ آپ بہت بڑی قربانی دے رہے تھے میرے لیے لیکن میں بدبخت صرف آپ کی وجہ سے زبان بند کیے رہی۔ میں مرنا چاہتی ہُوں۔ موت اُسے دی جانے جس نے جرم کیا ہے۔ میرا بھائی بالکل بےگناہ ہے۔ یہی ہوا تھا۔ مجھے فرہاد صاحب نے کچھ ضروری کاغذات ٹائپ کے لیے دیے تھے اور کہا تھا کہ یہ انتہائی ارجنٹ ہیں میں انھیں ٹائپ کرنے کے بعد ہی چھٹی کروں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ فرہاد صاحب اس وقت بھی وہاں موجود ہیں۔ کاغذات ٹائپ کرنے کے بعد میں نے اُن کا فائل بنایا اور اُسی وقت فرہاد صاحب اپنے دفتر سے باہر نکلے۔ انھوں نے مجھ سے اُن کاغذات کے بارے میں پوچھا اور جب میں نے اُن سے کہا کہ وہ کاغذات تیار ہو چکے ہیں تو انھوں نے کہا کہ میں وہ کاغذات لے کر اُن کے آفس میں پہنچ جاؤں۔ دفتر میں گئی تو فرہاد صاحب دروازے کے پاس ہی موجود تھے اور اُن کے چہرے پر شیطنت کھیل رہی تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں اب اُن سے اجتناب نہیں کر سکوں گی۔ آج انھوں نے بہت سوچ سمجھ کر میرے لیے منصوبہ تیار کیا ہے۔ میں نے کاغذات اُن کے مُنہ پر دے مارے۔ باہر نکلنے کی کوشش کی تو انھوں نے مجھے پکڑ لیا اور اس کے بعد میں نے اپنی عزت بچانے کے لیے جو کچھ بھی بن سکتا تھا کیا۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ میں اُن کی میز پہ رکھا ہُوا وہ لمبا قلم تراش آگیا جو کاغذ کاٹنے کے مقصد کے لیے وہاں رکھا گیا تھا۔ میں نے اُسے اپنی گرفت میں لیا اور فرہاد صاحب کے پہلو میں گھونپ دیا۔ میں نے اُس جگہ کا تعین نہیں کیا تھا جہاں وہ قلم تراش یا کاغذ تراش پڑا تھا۔ میں اپنے تحفظ کے لیے سب کچھ کرنا چاہتی تھی۔ چونکہ گھر پہنچنے میں مجھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس لیے معمول کے مطابق میرے بھائی احسان وہاں پہنچ گئے اور جب میں باہر نہ ملی تو وہ فرہاد صاحب کے دفتر کی جانب آگئے۔ وہاں انھوں نے یہ سب کچھ دیکھا۔ فرہاد صاحب دم توڑ رہے تھے کیونکہ چاقو اُن کے کسی ایسے مقام پر پیوست ہو گیا۔ جس نے انھیں زندگی سے دُور کر دیا تھا۔ میرے بھائی نے یہ تمام کیفیت دیکھی اور مجھ سے صورتِ حال پوچھی تو میں نے انھیں تمام تفصیل بتا دی اور اس کے بعد احسان نے مجھے قسمیں دیں۔ ہاں میرے بھائی نے مجھے وہ وہ قسمیں دیں کہ اس کے بعد میں اپنی زبان نہ کھول سکی لیکن آج وکیل صاحب نے میری آنکھیں کھولی ہیں تو مجھے یہ احساس ہُوا کہ میں کتنی پست ہُوں، کتنی پست ہُوں میں، کتنی ذلیل ہُوں میں کہ اپنی زندگی کے لیے اپنے بھائی کی زندگی لے رہی تھی۔"

"فریال! بے وقوف فریال! کیا کہہ رہی ہے تو۔ کیا کہہ رہی ہے؟"

"میں جو کچھ کہہ رہی ہُوں بالکل صحیح کہہ رہی ہُوں احسان بھائی۔ آپ بہت بڑے انسان ہیں مانتی ہُوں۔ آپ اپنا فرض پورا کر چکے ہیں۔ آپ نے وہ سب کچھ کر ڈالا ہے جو میں نہیں کر سکتی تھی لیکن اب میری باری ہے، میری باری ہے۔" فریال جوشِ جذبات سے لرز رہی تھی اور جج صاحب حیران نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔

"آہ فریال! بے وقوف فریال! تُو نے اچھا نہیں کیا۔ تو کیا سمجھتی ہے اپنی ذلّت اور رُسوائی کے بعد میں زندہ رہ سکوں گا؟ کیا دیا تھا میں نے تجھے۔ ہاں جج صاحب! قتل میں نے نہیں اسی بدنصیب لڑکی نے کیا تھا۔ وہ لڑکیاں کتنی بدنصیب ہوتی ہیں جن کے سامنے بھائیوں کے سہارے ہوتے ہیں لیکن بے بس، مجبور بے روزگار، نادار بھائیوں کے سہارے۔ میری بہن کے کئی رشتے آئے ہوئے ہیں جج صاحب لیکن ہم صرف اس لیے خاموش تھے کہ ہم اس کی شادی کے انتظامات نہیں کر سکتے تھے۔ میں کوشش میں مصروف تھا کہ خود کوئی ملازمت کر لوں اور اپنی بہن کو باعزت طریقے سے رخصت کر دوں لیکن حالات میرے بس میں نہیں تھے میں اپنی بہن کو جہیز نہیں دے سکا تو موت بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ قصور میرا تھا۔ وہ بھائی انتہائی بدنصیب اور بےغیرت ہوتے ہیں جو اپنی جوانی کو نظر انداز کر کے بہنوں کی کمائی کھانے پر تُل جاتے ہیں۔ جج صاحب مجرم میں ہی ہُوں۔ میں اسے عزت کی زندگی دینا چاہتا تھا۔ میں اس کے نام کے ساتھ کوئی داغ نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس قتل کا اعتراف کیا۔ جو سراسر میری مظلومیت پر منحصر تھا۔ ہاں جج صاحب یہ حقیقت ہے۔ اسے موت ہی آئی ہے۔ موت نے ہی اس سے اُس کی زبان کھلوائی ہے۔ میں اسے موت سے نہیں روک سکتا لیکن لیکن یہ اچھا نہیں ہُوا۔" احسان تائب پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ فریال بھی رونے لگی تھی اور اس کے بعد عدالت کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں تھی کہ وہ احسان تائب کو قید رکھ سکے۔ چنانچہ جج صاحب نے حکم سُنایا۔

"فریال حسین کو فرہاد احمد کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے اور احسان تائب کو رہا کر دیا جائے۔"

فوراً ہی زنانہ پولیس نے فریال حسین کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دیں۔ احسان تائب نے سر پھوڑ لیا تھا پھر اسے عدالت کے کٹہرے سے باہر نکالا گیا۔ وہ بُری طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ تب میں نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"احسان! باہر چلو تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"تم، تم۔"

"کوئی جذباتی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو میں نے اگر تمھیں پھانسی کے پھندے سے نیچے اُتارا ہے تو کیا تمھارے خیال میں فریال کو سزا ہونے دوں گا۔ نہیں احسان تم مجھ پر بھروسا کرو، مجھ پہ یقین کرو۔ فریال کو اگر ایک دن کی بھی سزا ہوئی تو خودکشی تم نہیں میں کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے، یہ میرا عہد ہے۔"

میرے ان الفاظ نے شاید احسان پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اُس کی کیفیت ایک دم بحال ہو گئی۔ اُس نے آنسو خشک کیے اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ فریال حسین کو کمرۂ عدالت سے باہر لے جایا گیا تھا۔ بے شمار افراد فاروقی صاحب کی طرف دوڑ پڑے۔ فاروقی صاحب کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی جا رہی تھیں اور فاروقی صاحب کی گردن شرم سے جھکی ہوئی تھی۔ غالباً وہ تحسین کے ان الفاظ کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ کیونکہ یہ سب کچھ انھوں نے نہیں کیا تھا وہ تو صرف بولنے والی زبان تھے۔ لیکن میں مسرور تھا اور میں نے خود بھی آگے بڑھ کر انھیں مبارک باد دی تو فاروقی صاحب رو پڑے۔

فاروقی صاحب جذباتی ہو گئے تھے بمشکل تمام میں نے اُنھیں سنبھالا پھر احسان ثاقب کو ساتھ لے کر ہم سب لوگ اپنے دفتر میں آ گئے۔ احسان کی حالت صدمے سے خراب ہو رہی تھی۔ جاوید قریشی جس کا تذکرہ میں پہلے ہی کر چکا ہوں، فاروقی صاحب کے ساتھ ہی کورٹ سے ہمارے دفتر آ گیا تھا۔ احسان کو کافی تسلیاں وغیرہ دی گئیں اور وہ بلک بلک کر رو پڑا کہنے لگا۔

"بدنصیبی جب گھیرتی ہے تو چاروں طرف سے گھیرتی ہے۔ مصائب کی زندگی انسان کو سر اُٹھانے کی مہلت نہیں دیتی۔ یہ حادثہ شاید میرے ناکارہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے لیکن آپ یقین کریں وکیل صاحب، میں نے ملازمت کے حصول کے لیے پوری دیانت داری سے کوشش کی تھی۔ محنت مزدوری بھی کرنے کی کوشش لیکن ایک تعلیم یافتہ آدمی کا حلیہ دیکھ کر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس شخص کے ملازمت مانگنے کے پیچھے کوئی اور بات نہ پوشیدہ ہو۔ سرکاری اور غیر سرکاری دفتر کے چکر کاٹتے کاٹتے میری زندگی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ میں اُن لوگوں کے طریقۂ کار سے اتنا واقف ہو چکا ہوں کہ شاید ہی دُنیا کا کوئی فرد ہو۔ وکیل صاحب! ذرا سوچیے یہ معاشرہ کس طرف جا رہا ہے۔ [illegible] انسان کو یکساں طور پر اس دُنیا میں بھیجا ہے لیکن زمین پر بسنے والوں نے اُن کی تفریق کر ڈالی ہے۔ کچھ لوگوں سے جینے کا سہارا بھی چھین لیا گیا ہے۔ اقربا پروری، رشوت ستانی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ وہ جن کے پاس دینے کے لیے رشوت نہیں ہے اور وہ جن کے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ وہ جائز طریقے سے روزی کما سکیں، زندہ درگور ہو گئے ہیں۔ میری بہن نے ملازمت کے لیے کوشش کی اور وکیل صاحب اس معاشرے میں فرہاد احمد جیسے لوگ جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں کسی حسین اور نوجوان لڑکی کو ملازمت دے دی جاتی ہے خواہ وہ اس کی اہل ہو یا نہ ہو بعض لوگ تو ملازمتوں کے اشتہار ہی اس لیے جاری کرتے ہیں کہ اپنی دلچسپیوں کا سامان پیدا کر سکیں۔ اس معاشرے کو تبدیل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے وکیل صاحب تو پھر ہم جیسے لوگ کیا کریں۔ مجھے اور میرے باپ کو اس بات کا شدید رنج تھا کہ ہم دونوں اپنی بہن اور بیٹی کی کمائی پر جا پڑے ہیں لیکن پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے انسان کو اپنی سطح سے اتنا گر جانا پڑتا ہے کہ وہ پھر خود کو دُنیا کی حقیر شے سمجھتا ہے۔ میں اپنی بہن کے لیے کچھ اور نہیں کر سکا تھا جبکہ میرے دل میں لاتعداد آرزوئیں تھیں۔ اُس نے ملازمت اختیار کر لی میرے جی کو لگ گئی۔ میں اُس کے لیے ایک لمحہ دیر ہونے سے بے چین ہو جاتا تھا۔ میں چھپ چھپ کر فرہاد صاحب کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ کس طبیعت کے انسان ہیں لیکن شاید اس سلسلے میں میرا تجربہ میرا ساتھ نہیں دے سکا تھا اُس دن بھی یہی سب کچھ ہوا تھا جس کی تفصیل آپ لوگوں نے معلوم کر لی۔ میں اور کچھ نہیں دے سکا تھا اپنی بہن کو تو میں نے یہ سوچا کہ اس ناکارہ زندگی کو اپنی بہن کی عزت پر قربان کر دیا جائے لیکن وکیل صاحب...... وکیل صاحب مجھے بچانے کے لیے آپ نے...... آپ نے میری قربانی رائیگاں کر دی۔ فریال اب ایک قاتلہ ہے۔ اخبار اب اس خبر کو اُچھالیں گے۔ بے شک میری غیرت کی پبلسٹی ہو گی میری بہن کے بارے میں بھی یہ لکھا جائے گا کہ اُس نے اپنی عزت بچانے کی بھرپور کوشش کی لیکن آپ اس معاشرے سے ناواقف نہیں ہیں وکیل صاحب! یہ معاشرہ اس کے بعد ہم لوگوں کو صرف اپنی سرگوشیوں کا نشانہ بنا لے گا۔ بتائیے کیا میری زندگی اتنی قیمتی تھی کہ میں چند افراد کو ہمیشہ کے لیے ذلتوں کی پستی میں دھکیل دوں۔ وکیل صاحب بعض اوقات نیکیاں بھی دوسروں کے لیے عذاب بن جاتی ہیں۔ آپ نے اچھا نہیں کیا، بات دب جاتی۔ فرہاد احمد مر چکا تھا۔ لوگ فریال کے بارے میں نہ سوچتے، مجھے قاتل سمجھا جاتا اور پھر کسی نہ کسی طرح فریال کو اُس کی زندگی کا سہارا مل جاتا۔"

"تعجب ہے احسان ثاقب، تم اتنے خوبصورت اشعار کہہ لیتے ہو، اتنی اچھی باتیں کر لیتے ہو، اتنی گہری سوچ ہے تمھاری لیکن اس سلسلے میں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم نے حماقت کا ثبوت دیا تھا۔ تمھیں پھانسی ہو جاتی تو تمھارا کیا خیال ہے کہ تمھارے والدین کا مستقبل سنور جاتا؟ کیسے؟ مجھے جواب دو اس کا، کیسے وہ لوگ اپنی عزت کو برقرار رکھ پاتے۔ تمھاری بہن ایک قاتل کی بہن کہلاتی، تمھارے ماں باپ ایک قاتل کے ماں باپ کہلاتے۔ کیا لوگ پوری محبت کے ساتھ تمھاری بہن کی جانب رجوع ہو سکتے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں، تمھارا فیصلہ غلط تھا احسان ثاقب۔ فریال حفاظت خود اختیاری کے تحت قتل کے جرم کی مرتکب ہوئی ہے اور میں سمجھتا ہوں فاروقی صاحب! کہ حفاظت خود اختیاری اور انتہائی اقدام کے تحت کسی کو قتل کر دینے کی سزا موت نہیں

ہو سکتی۔"

"بے شک!" فاروقی صاحب نے کہا۔ ہم لوگ دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ جاوید قریشی بھی ہماری اس گفتگو میں شریک تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کافی ذہین نوجوان ہے۔ بہرطور فریال کے لیے باقاعدہ کیس تیار کیا گیا۔ احسان کو یہ کہہ کر ہم نے رخصت کر دیا تھا کہ اب اس کا معاملہ ہماری ذمہ داری ہے۔ جو کچھ اُس سے کہا گیا ہے اُسے پورا کیا جائے گا۔ سب لوگ مکمل طور پر دلچسپی لے رہے تھے اور فریال حسین کے سلسلے میں پہلی ہی پیشی ہمارے لیے بڑی اُمید افزا ثابت ہوئی تھی۔

میں نے اور جاوید قریشی نے مل کر دلائل تیار کیے تھے، فاروقی صاحب ہی نے فریال حسین کا کیس اپنے سر لیا تھا اور وہی اُس کی پیروی کر رہے تھے۔ ہم دونوں اُن کے مددگار تھے۔ دوسری، تیسری اور پھر چوتھی پیشی ہو گئی۔ پانچویں پیشی پر فریال حسن کے کیس کا فیصلہ تھا۔ نجمہ فرہاد احمد نے اس سلسلے میں خاص سرگرمیاں دکھائیں لیکن ہمارے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ ایک دن کوٹھی میں بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے بھی مجھے بلایا اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"کیوں شارق! مقابلہ کرنے کا ارادہ ہے؟"

"کس سلسلے میں بھائی جان!" میں نے مؤدب لہجے میں پوچھا۔

"نجمہ احمد، فریال حسن کا کیس میرے پاس لے کر آئی ہے وہ اپنے شوہر کی قاتلہ کو موت کی سزا دلانا چاہتی ہے۔" میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"زندگی کے کسی مرحلے پر میں آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کر سکتا بھائی جان لیکن جہاں اصولوں کا معاملہ ہو وہاں یوں سمجھ لیجیے کہ میں کسی سے بھی ہار نہیں مانوں گا۔ میری طرف سے آپ کو پیشکش ہے کیس لے لیجیے اور میرے سامنے آ جائیے آپ یقین کریں بھائی جان، آپ کو کامیابی نہیں ہو سکے گی۔"

"دیکھو شارق چیلنج مت کرو، فضول باتیں بعض اوقات نقصان دہ ہو سکتی ہیں اُس لڑکی سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے اگر تمھاری کوششوں سے وہ سزا سے بچ رہی ہے تو میں...... اس میں مداخلت نہیں کروں گا لیکن اگر واقعی کبھی کوئی مسئلہ آیا تو پھر میں تمھیں ذہنی کاوشیں آزمانے کا موقع دیتا ہوں۔ اتفاق یہ ہے کہ جس کیس میں تم میرے سامنے آئے تھے وہ کیس ہی غلط تھا اور میرے ضمیر نے بھی مجھے اجازت نہیں دی تھی کہ میں اصل مجرم کو بچانے کی کوشش کروں چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کی تھی اور اس کے گواہ تم خود بھی ہو لیکن ہمارے پلاٹ سے ٹکرانے کی کوشش مت کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے اور خواہ مخواہ کسی بے گناہ کو سزا دلوا دو گے۔" میں نے مسکرا کر گردن خم کر دی تھی۔

"اگر یہ بات ہے بھائی جان تو میں اپنا چیلنج واپس لیتا ہوں لیکن فریال حسین کے سلسلے میں میری کچھ مدد تو کیجیے۔"

"یہ کونسی بڑی بات ہے۔ بیٹھو میرے ساتھ۔" بیرسٹر صاحب نے کہا اور اس رات اُنھوں نے مجھے جو نکات سمجھائے اُنھیں سُن کر میں نے اس بات کو دل سے تسلیم کیا کہ بیرسٹر نصرت حسین نے بلاوجہ ہی اتنا نام نہیں کمایا ہے وہ ذہین ہیں اور ان کے پاس مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ ہے۔ اس سلسلے میں بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے صرف مجھ سے مذاق کیا تھا۔

فریال کی پانچویں پیشی ہوئی تو عدالت نے اُسے نہ صرف باعزت بری کیا بلکہ اُس کے بارے میں بہترین ریمارکس بھی دیے۔ جج صاحب جذباتی ہو گئے تھے اُنھوں نے کہا اپنی عزت کے تحفظ کے لیے اپنے اوپر جھپٹ پڑنے والے کو [illegible] والی شخصیت قابل احترام ہے اور فرہاد احمد جیسے لوگ لعنت کے قابل ہیں جو دوسروں کی مجبوری سے اس طرح فائدہ اُٹھاتے ہیں چنانچہ عدالت فریال حسین کو باعزت بری کرتی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے سلسلے میں اُس کے ہاتھوں ہلاک ہو جانے والے فرہاد احمد کی مذمت کرتی ہے [illegible] کیا جاتا ہے۔ اس روز احسان ثاقب کے ساتھ فریال حسین کے والدین بھی تھے۔ ہم لوگ عدالت سے واپس ہوئے تو فاروقی صاحب نے اپنے دفتر چلنے کے لیے اُن سب کو پیشکش کی [illegible] باقاعدہ مٹھائی تقسیم کی گئی۔ احسان ثاقب [illegible] تھا فریال کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ حسن صاحب کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ بہرطور اس مظلوم خاندان کو اس...... آفت سے نجات مل گئی تھی۔ جب وہ چلے گئے تو جاوید قریشی نے کافی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد فاروقی صاحب سے کہا۔

"فاروقی صاحب! یہاں آپ میرے بزرگ ہیں اور اگر کوئی مسئلہ میرے ذہن میں اُلجھ جائے تو اس کے لیے آپ ہی کو زحمت دے سکتا ہوں۔"

"کوئی خاص بات ہے جاوید؟" فاروقی صاحب نے اپنائیت سے پوچھا۔

"جی ہاں، زندگی کی اس تنہائی سے اُکتا گیا ہوں، آپ کی

مدد چاہتا ہوں۔"

"مطلب؟" فاروقی صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"بھائی میری شادی وادی کرا دیجیے۔ اکیلے رہتے رہتے زندگی تنگ آ چکی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔"

"بھئی کمال ہے! یہ اچانک تمھیں بیٹھے بیٹھے شادی کی کیسے سوجھی؟ واقعی شادی کرنا ہے تو ٹھیک ہے گھر آؤ، بیگم سے مشورہ کرو، بات چیت کرتے ہیں کہیں نہ کہیں۔ کوئی لڑکی تو نہیں تمھارے ذہن میں؟"

"جی ہاں ہے۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کون ہے؟ خاندان کیا ہے؟ اور کیا لڑکی والے تمھارے شناسا ہیں؟"

"جی ہاں، آپ کے ذریعہ۔" جاوید قریشی نے کہا، میں چونک کر جاوید کی صورت دیکھنے لگا تھا۔ بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی تھی۔

"میرے ذریعے، کون لوگ ہیں بھئی؟"

"فاروقی صاحب میں، میں فریال حسن سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" احسان نے کچھ ایسے الفاظ کہے تھے جن کی بنیاد پر میرے ذہن کی گہرائیوں میں یہ تصور پیدا ہو گیا تھا۔ بات یہ ہے کہ جب گرتے ہوئے کو تھاما ہی ہے تو پھر انھیں پھر عزت و احترام سے کیوں نہ تھاما جائے۔ فاروقی صاحب کا منہ حیرت سے پھیل گیا تھا، میں بھی تعجب سے جاوید قریشی کی صورت دیکھ رہا تھا۔ فاروقی صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"جاوید کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟"

"فاروقی صاحب اتنی اہم بات غیر سنجیدگی سے نہیں کہی جا سکتی۔ احسان تائب کا کہنا درست ہے کہ اگر کسی پر داغ لگ جاتا ہے تو لوگ اس داغ کو اچھالتے پھرتے ہیں اور انھیں وقت گزارنے کے لیے بہترین مشغلہ مل جاتا ہے اور اس کے اہل خاندان، اس کے شناسا اور حسن صاحب کے جاننے والے جب بھی کبھی فریال حسن کے بارے میں گفتگو کریں گے تو یہ تصور ان کے ذہن میں ہو گا کہ وہ ایک قاتلہ ہے۔ چنانچہ میں اس مسئلے کو ختم ہی کیوں نہ کر دوں۔ آپ کا کیا مشورہ ہے؟"

"میاں حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے ہمارے اب تک کے کیے دھرے پہ پانی پھیر دیا۔"

"میں نہیں سمجھا فاروقی صاحب؟"

"جو تم نے مسئلے کا حل دیا ہے وہ ہمارے تمام اقدامات پر بھاری ہے۔ ہم نے تو صرف چند روز کی کاوشوں اور محنتوں کے ذریعہ حقیقت کو حقیقت بنا کر پیش کیا اور جواب میں فریال حسن کو موت کے شکنجے سے نکال لائے لیکن تم اسے زندگی بھر کا سہارا دے کر وہ عظیم کارنامہ انجام دے رہے ہو جو بہت کم نوجوان دے سکتے ہیں۔" میں نے پرجوش انداز میں جاوید قریشی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"جاوید! اگر تم یہ کام کر لو تو یوں سمجھ لو کہ میری زندگی بھر کی دوستی تمھیں حاصل ہے۔"

"واہ! یہ ہوتا ہے نیکی کا صلہ۔ حقیقت یہ ہے شارق کہ تم جیسے نوجوان کی دوستی اگر مجھے زندگی بھر کے لیے حاصل ہو جائے تو میں اپنے آپ کو انتہائی خوش بخت سمجھوں گا۔ میں تم سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔"

"تو پھر زندہ باد! فاروقی صاحب آپ میرے سپرد بھی کچھ ذمہ داریاں کیجیے۔ میں خوشی سے انھیں انجام دوں گا۔ جاوید میرا بھائی ہے اور اس کی شادی کے سلسلے میں میری تمام تر خدمات حاضر ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم لوگ پیام ڈالتے ہیں۔"

بعد کے معاملات انتہائی دلچسپی کے حامل تھے۔ میں اگر چاہتا تو اپنے اہل خاندان کو بھی اس سلسلے میں مجبور کر سکتا تھا لیکن یہاں ایک تصور آڑے آیا۔ بہت بڑے لوگ تھے وہ۔ آئی جی صاحب کا خاندان تھا۔ ان کی تمکنت ان کا غرور شاید انھیں ان جذبات کی عکاسی کرنے نہ دیتا جو کسی غریب گھرانے میں کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے لیے بیگم فاروقی کا ہی انتخاب کیا گیا تھا اور پھر میں، فاروقی صاحب اور ان کی بیگم فریال حسن کے گھر پہنچ گئے۔ احسان تائب نے ہمارا پرجوش استقبال کیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ ہم اس سے کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن جب بیگم فاروقی نے اپنا مدعا ظاہر کیا تو وہ سب دنگ رہ گئے تھے۔ حسن صاحب بلک بلک کر رو پڑے۔ احسان گردن جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔

"کیا تم لوگ ہماری اس خواہش سے پریشان ہو گئے احسان! لیکن اس پریشانی کی وجہ تو پتا چلنی چاہیے۔"

"میں کیا کہوں ...... میں کیا کہوں۔" احسان بھی اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔

"اگر تم جاوید کو اس قابل سمجھتے ہو تو پھر اس سے انکار نہ کرو۔ ہم لوگ فریال حسن کو انتہائی قابل احترام تصور کرتے ہوئے اس رشتے کی پیشکش کرنے آئے ہیں اور اس بات کا تمھیں یقین

دلایا جاتا ہے احسان کہ جاوید قریشی ایک شریف النفس نوجوان ہے۔ وکالت کرتا ہے اور اچھی خاصی رقم کما لیتا ہے۔ اس دنیا میں تقریباً تنہا ہے۔ فریال حسن کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی اس کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔" حسن صاحب اٹھ کر فاروقی صاحب سے لپٹ گئے انھوں نے روتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ۔۔۔ آپ لوگ کون سی دنیا سے آئے ہیں، اس دنیا میں تو فرشتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے بغیر کسی لالچ اور غرض کے ہمارے خاندان کو مصیبتوں کے گہرے غار سے نکالا ہے۔ ہم تو اسی خوف کا شکار تھے۔ دونوں بچوں کی جان تو بچ گئی ہے لیکن اس کے بعد ہمارا مستقبل نہایت سیاہ اور تاریک ہو گیا تھا۔ ہماری تو راتوں کی نیندیں حرام تھیں لیکن ...... لیکن یہ سب کچھ کہہ کر تم نے ہمیں جینے کا حق دیا ہے۔ ہم تمھیں اس صلے میں کیا دے سکیں گے؟"

"محبت، اپنائیت اور دعائیں۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"کاش ان تمام چیزوں کا حقیقی اظہار کیا جا سکتا؟" حسن صاحب بولے۔

"آپ کر سکتے ہیں حسن صاحب۔"

"کس طرح؟"

"ہماری درخواست قبول کر کے۔"

"فاروقی صاحب...... فاروقی صاحب یوں سمجھیے کہ ہم سب آپ کے غلام ہیں اور بھلا کس کی مجال ہے کہ اس بات سے انکار کر سکے۔"

"جاوید قریشی سے آپ مل لیجیے۔"

"میں ان سے ضرور ملوں گا لیکن اپنا داماد بنانے کے بعد۔"

شادی کی تقریب خاصی پر تکلف تھی۔ ہم نے اس سلسلے میں رسومات کا سہارا نہیں لیا تھا۔ بہت ہی سادہ سی تقریب ہوئی اور جاوید قریشی کا نکاح فریال حسن سے کر دیا گیا۔ وقت کہاں لگتا تھا اس تمام کارروائی میں لیکن زندگی بڑی دلچسپ گزر رہی تھی سب ہی لوگ اس میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لے رہے تھے۔ جاوید قریشی بہت خوش تھا۔ فریال حسن کو اس کی دلھن بنا کر اس کے پاس پہنچا دیا گیا اور ہم اس کام سے فارغ ہو گئے۔ دل کو انتہائی فرحت کا احساس ہوتا تھا ان تمام کارروائیوں سے۔ گو یہ جذباتی اقدامات تھے اور جدید دنیا میں ایسے قدم اٹھانے والے کو احمق تصور کیا جاتا ہے لوگ یہی سوچتے ہیں کہ فالتو وقت بے مقصد زندگی کو ضائع کر رہے ہیں لیکن فاروقی صاحب کو بھی ہم نے اپنا ہمنوا بنا لیا تھا اور فاروقی صاحب میرے ہر اس قدم میں دلچسپی لیتے تھے جو میں اٹھانا چاہتا تھا۔ بہر طور ان کارروائیوں سے ہمیں فراغت مل چکی تھی اور زندگی کا وہی پرانا معمول شروع ہو گیا تھا۔

اسی دوران گھر میں بھی چھوٹے موٹے واقعات رونما ہوتے رہے تھے لیکن ان میں کوئی قابل ذکر نہیں تھا۔ زندگی مخصوص راستوں پر چل رہی تھی البتہ میرے اہل خاندان آشیانے کے لوگ میری طرف سے ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔ میری مصروفیات کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی رہتی تھیں اور اس سلسلے میں کبھی کبھی آئی جی صاحب کی سرزنش بھی سننے کو مل جاتی تھی۔ متفقہ طور پر یہ بات تسلیم کر لی گئی تھی کہ میں غلط راستوں کا راہی ہوں اور زندگی میں اپنا کوئی مقام نہیں بنا سکوں گا۔ بعض اوقات تو اس سلسلے میں خاصی لے دے ہو جاتی تھی اور ہر وقت مرچیں چبانے والی عزیزہ لالہ رخ اس سلسلے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی تھیں۔ انھیں مجھ سے دیرینہ بغض تھا اور وہ اس کا اظہار ہمیشہ ہی کرتی رہتی تھیں۔ ان کے خیال میں، میں ان کا سب سے ناکارہ بھائی تھا جو خاندان کی ناک کے پیچھے پڑ گیا تھا اور رکڑدا بادام، راحت جاں ہمہ وقت سب کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں کہ بالآخر ایک دن وہ آئے گا جب تیری وجہ سے آشیانہ کی نیک نامی میں سے نیک نکل کر بد کو جگہ دے دے گا یعنی آشیانہ بدنام ہو جائے گا۔ میں ان باتوں کا کبھی سنجیدگی سے نوٹس نہیں لیتا تھا بس لالہ رخ اگر کبھی آئی جی صاحب کے کان بھرنے میں کامیاب ہو جاتی تھی تو تھوڑی سی ڈانٹ ڈپٹ کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن اب یہ تمام چیزیں میرے معمولات میں شامل تھیں۔

فاروقی صاحب کے ساتھ پریکٹس جاری تھی۔ اچھے خاصے کیس ملنے لگے تھے انھیں اور خاصا نام کما لیا تھا انھوں نے، لیکن شریف النفس آدمی تھے۔ کبھی اس بات کو فراموش نہیں کرتے تھے کہ انھیں یہ نئی زندگی میری وجہ سے ملی ہے۔ جب بھی کبھی وہ اس کا اظہار کرتے میں ہنس کر ٹال دیتا۔ جاوید قریشی اپنی بیوی فریال حسن کے ساتھ بہت خوش تھا اور سب سے دلچسپ اور دلکش بات یہ تھی کہ اس نے احسان تائب کو ایل ایل بی میں داخلہ دلوا کر وکیل بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی۔

احسان تائب اب جاوید قریشی کے دفتر ہی میں بیٹھا کرتا تھا۔ استاد چھوٹے بھی بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ ان کی صحت پہلے سے بہتر ہو گئی تھی۔ بڑی خوش اسلوبی سے انھوں نے ہمارا دفتر سنبھال

رکھا تھا اور دفتر کے تمام انتظامی امور انھی کی نگرانی میں تھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی مجھے یا فاروقی صاحب کو اُن سے۔ بلکہ اب تو انھیں اختیارات بھی مل گئے تھے۔ چنانچہ دفتر کے فرنیچر میں اگر کوئی تبدیلی ہو تو استاد چھو نے ہم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے یا اگر کوئی نئی چیز کی خریداری مقصود ہو تو اس کے لیے اُن کے پاس اچھی خاصی رقم موجود ہوا کرتی تھی۔ استاد کے اکھاڑے پر بھی اب آنا جانا کسی حد تک کم ہو گیا تھا لیکن استاد چھو نے سے بنوٹ سیکھنے کی خواہش میرے دل میں ختم نہیں ہوئی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابتدائی مصروفیات کی وجہ سے میں نے ابھی اس پروگرام کو شروع نہیں کیا تھا لیکن بالآخر ایک دن میں نے استاد سے اس بات کا اظہار کر دیا۔

"آپ نے خاموشی اختیار کر لی ہے استاد کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں صاحبزادے؟" استاد چھو نے سوال کیا۔

"آپ نے مجھے بنوٹ سکھانے کا وعدہ کیا تھا؟"

"میاں عجیب آدمی ہو، استاد بھی کہتے ہو اور احسان بھی لادنا چاہتے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں استاد۔"

"استادی، شاگردی کا ایک الگ مقام ہوتا ہے۔ دیکھو میاں سر پھرا آدمی ہوں۔ تم نے جو عزت جو وقار مجھے دیا ہے اُس نے میری شخصیت کو ٹھہراؤ بخش دیا ہے اور مجھے یہ محسوس ہونے لگا ہے جیسے میں بھی اس دُنیا میں جینے والوں میں سے ایک ہوں اور جینے کا حق رکھتا ہوں۔ چنانچہ اب اس سلسلے کی طرف آ جاؤ تم اس خواہش کا اظہار کرو، دستار بندی کرو، مٹھائی تقسیم کرو تو اس کے بعد ہی میں تمھیں شاگرد بناؤں گا۔"

"واہ استاد! یہ بات پہلے ہی کہہ دی ہوتی۔ کل ہی لیجیے۔"

دستار بندی کی رسم فاروقی صاحب کے دفتر میں ہوئی تھی میں نے استاد کو باقاعدہ صافہ باندھا اور استاد عجب مضحکہ خیز نظر آنے لگے پھر میں نے اپنے ہاتھ سے اُنھیں مٹھائی کھلائی اور اس طرح میں اُن کی شاگردی میں آ گیا۔ استاد نے اُسی دن شام کا پروگرام میرے پہلے سبق کے لیے رکھا تھا چنانچہ ایجنسی کے پچھلے والے حصے میں ہم نے اپنا نیا اکھاڑہ بنا لیا۔ استاد نے اس دن مجھے بنوٹ کے بارے میں لیکچر دیے تھے جو واقعی باقاعدہ ایک سائنٹیفک حیثیت رکھتے تھے یعنی ذہنی قوتوں کو مجتمع کیا جائے۔ دل کو وسوسوں اور بُرے خیالات سے پاک کیا جائے اور اس کے بعد اس کام کی ابتدا کی جائے۔ چنانچہ میں نے استاد کی ہدایت پر عمل شروع کر دیا۔ دو دن تک یہ سلسلہ جاری رہا تیسرے دن استاد نے ڈنڈا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اپنے ہاتھ میں ایک رومال پکڑا جس کے ایک سرے پر ایک گول چھلا باندھ دیا گیا تھا۔ یہ چھلا استاد نے اپنی اُنگلی میں ڈالا اور رومال کے دوسرے سرے کو انگوٹھے سے پکڑ لیا۔ اُس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ جس طرف سے چاہوں اور جس انداز میں چاہوں استاد کا سر ڈنڈا مار کر پھاڑ دوں۔ میں نے حیرت سے استاد کی شکل دیکھی تو وہ جھنّائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"دیکھو میاں ایک بات سُن لو، ساری باتیں اپنی جگہ لیکن یہ وقت میری استادی کا ہے اور جب باقاعدہ استاد بنایا ہے تو پھر اس سلسلے میں میری توہین کرنے کا تمھیں کوئی حق نہیں ہے۔"

"توہین ہی تو نہیں کرنا چاہتا استاد۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں آپ کو ڈنڈا ماروں اور آپ کا سر پھٹ جائے اُس کے بعد آپ کو اسپتال لے جاؤں اور پھر خود ہی اپنے اوپر مقدمہ چلا کر اس کی پیروی کروں۔" استاد ہنسنے لگے تھے۔ "میاں ڈنڈا تو مارو اُس کے بعد ذرا تماشا دیکھو۔" میں نے بڑی مشکل سے اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا تھا میں ڈنڈا لے کر استاد پر دوڑا اور بائیں سمت سے ان کی پنڈلی پر ڈنڈا مارنے کی کوشش کی استاد نے اپنا ایک ہاتھ نیچے کیا اور ڈنڈے کو رومال پر روکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ کر اُنھوں نے میرا گریبان پکڑ لیا اور خونخوار آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے۔

"یہ ڈنڈا مارا ہے، کسی نازک سی لونڈیا کے ہاتھ میں ڈنڈا دے دیا جائے تو وہ اس سے زیادہ زور سے وار کر سکتی ہے۔"

"مگر استاد!"

"دیکھ جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کر لے، میں تجھ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں بڑا غلط آدمی ہوں اس وقت تجھے معاف نہیں کروں گا۔" استاد کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے استاد، لیکن ... لیکن!"

"ابے بھائی پھاڑ دے میرا سر، میں تجھ سے کہہ رہا ہوں میرا سر پھاڑ دے۔" استاد جھنّا کر بولے۔

"استاد؟"

"لعنت ہے تجھ پر، ٹھیک ہے اب کے تو ڈنڈے سے مجھ پر وار کر۔" میں نے استاد کی ہدایت پر بھرپور عمل کرنے

کی کوشش کی تھی لیکن اپنی اُس فطری جھجک کو کیا کرتا؟ ڈنڈا استاد کے سر تک لے جاتے ہوئے خواہ مخواہ اُس کا زور کم ہو گیا کہ کم از کم کھوپڑی پر پڑے تو ناریل کے دو ٹکڑے نہ ہو جائیں۔ استاد نے ڈنڈے کو پھر رومال پر روکا لیکن اس کے ساتھ ہی پلٹ کر رومال کا ایک سرا چھوڑ کر میری پنڈلی پر مارا۔ لوہے کا ایک چھوٹا سا حلقہ تھا لیکن پنڈلی پر وہ ضرب پڑی کہ نانی یاد آ گئی۔ پنڈلی پکڑ کر بیٹھ گیا۔ استاد... غصیلے انداز میں دُور جا کھڑے ہوئے تھے۔

"یہ ایک چھوٹا سا سبق ہے تمھارے خنّاس کو دُور کرنے کے لیے اور اُس کے بعد اگر تم نے یہی حرکت کی تو پھر یہ لوہے کا حلقہ ایسی جگہ پڑے گا کہ کم از کم تین دن تک لنگڑاتے رہو گے۔"

"استاد سوچ لیجیے!"

"سوچنا تمھارا کام ہے بس اب کے ڈنڈا مارو اور پوری قوت سے مارو کہ میرا سر بیچ سے کُھل جائے ہلکا ہاتھ پڑا تو ذمہ داری تمھاری ہوگی سمجھ لینا اچھی طرح سے۔" میں بوکھلایا ہوا تھا لیکن بہرطور استاد کی ہدایت تھی اور پھر میں اُن کا فن دیکھ بھی چکا تھا چنانچہ اس بار میں نے کسر نہیں چھوڑی ڈنڈا سنبھال کر استاد پر پل پڑا اور پوری قوت سے اُن کے سر پر دے مارا لیکن اُس کے ساتھ ہی میں نے اُن پر فاتحہ بھی پڑھ لی تھی استاد نے دونوں ہاتھ بلند کیے ڈنڈے کو رومال پر روکا تھوڑا سا رومال کو نیچے پھسلایا اور اُس کے بعد نجانے کیا ہوا میری سمجھ میں کچھ نہیں آ سکا تھا رومال ڈنڈے سے پھسل کر میرے ہاتھوں تک پہنچا چونکہ ڈنڈا دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھا اس لیے ہاتھ جُڑے ہوئے تھے اور پھر مجھے یہ پتا نہ چل سکا کہ کس طرح رومال کا دوسرا سرا لوہے کے حلقے میں پھنسا اور میرے دونوں ہاتھ رومال کی گرفت میں کَس گئے۔ استاد نے ڈنڈا اطمینان سے میرے ہاتھ سے چھین لیا تھا اور میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کھولنے کے لیے زور لگا رہا تھا لیکن بندش بھی اتنی کمزور نہیں تھی کہ آسانی سے میں اپنے ہاتھوں کو رومال کی گرفت سے نکال سکتا میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کارروائی کو دیکھنے لگا۔ استاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اب کہو تو اس ڈنڈے سے تمھارا سر کھول دوں؟" اُنھوں نے کہا۔

"نہیں نہیں استاد، میرا سر بند ہی رہنے دیں مگر کمال ہے واقعی کمال ہے۔"

"بنوٹ میں ایسے ہی کمالات ہوتے ہیں میاں! بس ذرا ہوشیاری سے سیکھتے رہو اور یہ یاد رکھو اُس [illegible] مت کرو۔ جب تک دشمن پر وار نہیں کرو گے اُس وقت تک دشمن کی صلاحیتوں کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکے گا اور پہلا وار کا نام ہی بھرپور رہنے کی ضمانت ہے۔ اگر کمزور وار کیا تو اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے دشمن سے بھی مخلص نہیں ہو۔ لاؤ میں تمھارے ہاتھ کھول دوں، سنبھالو ڈنڈا۔" اُس کے بعد میں نے استاد کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی۔ جدھر بھی پینترا بدل کر ڈنڈا مارتا وہاں استاد کا رومال موجود ہوتا۔ صرف ایک رومال اور لوہے کے ایک حلقے کا کمال میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا اس کے بارے میں تو کبھی پڑھا یا سُنا بھی نہیں تھا لیکن یہ فن مارشل آرٹس کے بہت سے فنون سے کہیں زیادہ شاندار تھا۔ بہت دیر تک استاد پر ڈنڈے برساتا رہا اور ناکام ہوتا رہا، میں نے استاد کے فن کا خلوص دل سے اعتراف کیا تھا۔

"بس آج کا کام اتنا ہی ہے۔ کل پھر ڈنڈے بازی ہو گی۔" استاد نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس سبق کے بارے میں میں بہت دیر تک سوچتا رہا تھا۔ میرے معمولات میری خواہش کے مطابق جاری تھے اور بظاہر زندگی پُرسکون تھی۔ فاروقی صاحب کا کام اچھی طرح چل رہا تھا۔ تمام حالات معتدل تھے اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو بہت زیادہ قابلِ توجہ ہوتی لیکن آئی جی صاحب کے دربار میں میرے سلسلے میں کُل مقدمات پیش تھے۔ تحریک نہ جانے کس کی تھی لیکن آئی جی صاحب کے کانوں تک پہنچ چکی تھی اور غالباً میرے بارے میں فیصلے کیے جا رہے تھے میرے لیے پھانسی کی سزا ہو اور لالہ رُخ کی زبانی نہ سُنائی جائے اُس شام تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد خوشگوار سے موڈ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا کہ عزیزہ کڑوا بادام زبانِ بے لگام لالہ رُخ نظر آ گئیں۔ چہرے پر طنز کے نقوش اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہے تھے۔ جب اُس نے شرارت بھری تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے اپنی آنکھیں بھینگی کر لیں۔

"تمام شوخی اور طراری نکل جائے گی اب۔ آیئے ڈیڈی نے بُلایا ہے۔"

"لعنت ہو تم پر لالہ رُخ، کبھی کوئی کام کی بات بھی کیا کرو۔"

"ہوں، گویا ڈیڈی کی حیثیت اب گھر میں ایسی ہے کہ اُن کا نام سُن کر اُن پر لعنت بھیجی جائے۔"

"اور یہ بات تم جا کر سیدھی ڈیڈی کو بتا دو۔"

"کیوں نہیں بتاؤں گی۔ میرے باپ ہیں عزت کرتی ہوں اُن کی، کھاتی ہوں اُن کا، نمک حرامی تو نہیں کر سکتی نا۔ آپ تو بس کیا کہوں آپ کو آپ۔ کے بارے میں تو اب کچھ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"لالہ رُخ۔۔۔ لالہ رُخ اگر میں ہندو ہوتا تو ہندو عقیدے کے مطابق ضرور یہ سوچتا کہ پچھلے جنم میں میرا اور تمھارا کوئی اہم جھگڑا رہا ہے اور اب اِس جنم میں تم اُن جھگڑوں کا بدلہ لے رہی ہو۔"

"خدا نہ کرے۔ میں خدا کے فضل سے مسلمان ہوں اور اس قسم کی جہالت پر یقین نہیں رکھتی۔"

"تو اے مسلمان دوشیزہ کسی سے دشمنی کرنا بھی تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

"فضول باتیں کیے جا رہے ہیں۔ ڈیڈی نے مجھے آپ کو بلانے کے لیے بھیجا ہے۔"

"یہ تو بتا دے میری بہن کہ مسئلہ کیا ہے۔"

"جب مصیبت پڑتی ہے تو بہن پیاری ہو جاتی ہے ورنہ کبھی بہن یاد بھی نہیں آتی۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس لیکن کیا ایک بہن کی یہ آرزو نہیں ہوتی کہ بھائی بھی اُسے تحفے میں کچھ دے مگر بھائی دے گا کیا گھر کی روٹیوں پر پڑا ہوا ہے نہ کچھ کرتا ہے اور نہ۔۔۔۔ اپنی ہی کوئی عزت بنا تا ہے میں کیسے چُپ رہوں۔" لالہ رُخ نے کہا۔

"چل ٹھیک ہے تیری اس بکواس کو سُننے سے تو بہتر ہے کہ ڈیڈی کے حضور ہی حاضری دی جائے۔ ویسے میری پیاری بہن قصّہ کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم چلیے۔" لالہ رُخ نے کسی ایسے سپاہی کی طرح کہا جو فرض شناسی کے ساتھ ساتھ مجرم سے ذاتی دشمنی بھی رکھتا ہے۔ بہر طور آئی جی صاحب کے کمرے میں داخل ہوا اور اندازہ ہوا کہ صورتِ حال واقعی کوئی سنگین حیثیت رکھتی ہے۔ بہر طور بیرسٹر نصرت حسین، جج امجد حسین، طارق حسین، والدہ محترمہ، بھابیاں حضور سب کی سب براجمان تھیں اور آئی جی صاحب کے چہرے پر تلکُّر کے آثار تھے۔ مجھے ایک بار پھر ناقدانہ نظروں سے دیکھا اور جائزہ لیا جانے لگا کہ میرے اندر کیا کمی بیشی ہوئی ہے۔

"بیٹھ جاؤ۔" آئی جی صاحب معمول کے مطابق بولے اور میں اُس خالی نشست پر بیٹھ گیا جو میرے لیے ہی ہو سکتی تھی۔ یعنی مجرم کی نشست۔ لالہ رُخ ایک گوشے میں جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ غالباً وہ میرے لیے سرکاری وکیل کی حیثیت رکھتی تھی۔ آئی جی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"تمھیں بہت سی رعائتیں دی جا چکی ہیں کئی ماہ گزر چکے ہیں تمھاری پریکٹس کا کیا حال ہے؟"

"فاروقی صاحب کے جونیئر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔"

"ہُوں، کیا تمھیں اس بات پر شرم نہیں آتی کہ تم بیرسٹر نصرت حسین جیسے قابل وکیل کی ماتحتی میں نہیں ہو اور اُس کی بجائے ایک پُرانے اور عمر رسیدہ وکیل کے ساتھ پریکٹس کر رہے ہو۔"

"ڈیڈی! معافی چاہتا ہوں۔ نیا نو دن اور پُرانا سو دن والے مقولے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کیا!" آئی جی صاحب کی آنکھیں اُبل پڑیں۔

"مم۔۔۔ میرا مطلب ہے، بس ایسے ہی ایک محاورہ یاد آ گیا تھا کیوں تنویر بھابی۔" تنویر بھابی ہی میرے قریب تھیں اس لیے میں نے اُن سے ہی سوال کر ڈالا۔ تنویر بھابی نے دوسری طرف رُخ کر کے اپنی مسکراہٹ کا غبارہ اُڑا دیا۔ میرے سلسلے میں وہ کچھ نہیں بولی تھیں۔ غالباً میرے ان الفاظ نے آئی جی صاحب کا پارہ چڑھا دیا۔ اُنھوں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے اب اس سے زیادہ تمھاری نالائقیاں برداشت نہیں کی جا سکتیں۔ نصرت حسین تمھیں اپنے جونیئر کی حیثیت سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ تم ایک گستاخ نوجوان ہو اور اُن کے قانونی معاملے میں دخل انداز ہوتے ہو۔ کیا تم اپنے آپ میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو؟"

"ڈیڈی اب تو میری پریکٹس کو مکمل ہونے میں زیادہ وقت بھی نہیں رہ گیا میرا خیال ہے یہ تھوڑا سا وقت فاروقی صاحب کے ساتھ گزار لینے دیں۔"

"کیا تیر مارا ہے تم نے فاروقی صاحب کی شاگردی میں آ کر۔ کتنے کیس طے ہیں تمھیں، کبھی عدالت میں تمھیں باقاعدہ وکیل کی حیثیت سے پیش ہونے کی توفیق نہیں ہوئی ہے اور اگر کبھی ہو بھی گئی تو پھر تمھاری حیثیت اُن کی تیسرے درجے کے وکیلوں میں شمار کی جائے گی۔ میرے خاندان میں ماشاء اللہ ایس پی طارق حسین ہے۔ جج امجد حسین ہے، اور نصرت حسین بھی ہے تمھارا مقام کہاں ہو گا۔ کیا تم دُنیا سے یہ کہلوانا چاہتے ہو کہ آئی جی صاحب نے چھوٹے بیٹے پر توجہ ہی نہیں دی۔ بس نو میاں، بہت تماشا ہو گیا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمھارا اپنا کیا مقام ہے اور تم مستقبل میں کیا کرنا چاہتے ہو۔ تیسرے درجے کا ایک وکیل کم از کم میرے نام سے منسوب نہیں ہو سکتا۔"

"ڈیڈی! درجوں کا تعیّن آپ نے کیا ہے۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فاروقی صاحب تیسرے درجے کے وکیل ہیں اور اُن کی شاگردی میں میں تیسرے درجے کی حیثیت اختیار کر جاؤں گا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری حیثیت آپ کے تینوں بیٹوں سے کسی طرح کم نہیں ہو گی۔"

"ہُوں، یہ لہجہ تم میرے سامنے استعمال کر رہے ہو۔"

"نہیں ڈیڈی! صرف آپ کی سوچ ہے۔ ورنہ میرے لہجے میں آپ کے لیے ادب و احترام موجود ہے۔" میں نے دست بدستہ کہا لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن میں بھی کچھ گرہ سی پیدا ہو گئی تھی۔ چند لمحات کے لیے مکمل خاموشی طاری ہو گئی پھر آئی جی صاحب نے کہا۔

"تمھیں تمھارے فیصلوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا کل سے تم فاروقی کے دفتر میں نہیں بیٹھو گے۔ میں نے نصرت حسین سے بات کی ہے بھائی ہے تمھارا۔ تمھیں وکالت کا سرٹیفکیٹ جاری کرے گا اور تم اپنے طور پر کام کا آغاز کر دو گے۔ تمھاری نگرانی نصرت حسین کے سپرد رہے گی اور وہ تمھیں ضروری مشورے دیتا رہے گا۔ اس طرح تمھارا تجربہ بھی بڑھے گا اور تم بھی کام کے آدمی بن سکو گے۔ اس کے علاوہ میں نے ایک اور فیصلہ بھی کیا ہے جس سے تمھیں آگاہ کر دینا ضروری ہے۔"

"جی ڈیڈی فرمایئے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اب تم آدمی بن جاؤ بچے نہیں ہو کافی عمر ہو چکی ہے، اپنے فرائض کی ادائیگی چاہتا ہوں۔ میں تمھاری شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"جی ڈیڈی۔"

"اور تمھیں بھی غالباً اس سلسلے میں کچھ اطلاعات موصول ہو چکی ہیں۔"

"جی نہیں مجھے ایسی باتیں کسی نے نہیں بتائیں۔"

"تو پھر مجھ سے سُن لو۔ نیلوفر بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہمارے اپنے ہی خاندان کی بچّی ہے۔ شفق کی بہن ہونے کی حیثیت سے ہم اُسے پورا پورا احترام دیتے ہیں۔ میں نے اُسے تمھارے لیے منتخب کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ دو ڈھائی ماہ کے اندر اندر تمھاری شادی ہو جائے تاکہ تم بھی اپنی ذمہ داریاں اُسی طرح سنبھال لو

جس طرح تمھارے تینوں بھائیوں نے سنبھالی ہوئی ہیں۔" یہ بات میرے ذہن میں آگ لگا دینے والی تھی، بارود بچھا ہوا تھا، چنگاری کی دیر تھی میرا دماغ بھڑک اُٹھا تاہم ڈیڈی کے سامنے سخت بولنے کی جرأت کبھی نہیں ہوئی تھی اور ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ اپنے آپ پر قابو پا کر کہا۔

"جی نہیں ڈیڈی! میں ابھی بالکل شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں اور خاص طور سے نیلوفر سے۔ میں اُس سے مل چکا ہوں بہت اچھی لڑکی ہے بھابی کی بہن ہے لیکن میں اُسے اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا۔" یہ الفاظ غالباً اُس کوٹھی کی چہار دیواری میں پہلی بار گونجے تھے ورنہ کس کی مجال تھی کہ آئی جی صاحب کے کسی فیصلے سے انحراف کر سکے۔ آئی جی صاحب خود بھی چونک کر مجھے دیکھنے لگے تھے۔ پھر اُن کی آنکھوں میں آہستہ آہستہ خون اُترنا شروع ہو گیا محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً وہ خود سے انحراف برداشت نہیں کر سکے تھے۔

"کیا بکواس کر رہا ہے۔۔۔ کیا بکواس کر رہا ہے، اپنے الفاظ پر غور کیا؟"

"ہاں ڈیڈی! غور کرنے کے بعد میں نے یہ الفاظ اپنے مُنہ سے ادا کیے ہیں۔"

"لیکن میں اپنا فیصلہ سُنا چکا ہوں۔ آج سے ٹھیک ڈیڑھ ماہ کے بعد تمھاری شادی نیلوفر سے کر دی جائے گی۔ وہ نہایت اچھی لڑکی ہے مجھے بھی پسند ہے اور تمھاری والدہ کو بھی اور شفق یہاں موجود ہے وہ بھی میری بیٹی ہے۔ میں اپنی بیٹی سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اُس کی بہن کو بہو بنا کر اس کوٹھی میں لے آؤں گا۔"

"آپ اُسے سُرخ جوڑا پہنا کر گھونگٹ نکال کر اپنی کوٹھی میں لے آئیں ڈیڈی لیکن میری بیوی کی حیثیت سے نہیں۔"

"میں کہتا ہوں کیا بکواس کر رہا ہے، تو کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"شارق بھیّا۔" تنویر بھابی نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے ناصحانہ لہجہ میں کہا۔

"نہیں بھابی جو بات میرے ذہن سے اُترتی ہی نہیں اُسے میں کیسے قبول کر لوں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ڈیڈی نے فیصلہ ضرور کر لیا ہے لیکن میرے مشورے کے بغیر۔"

"تو گویا۔۔۔ تو گویا تجھ سے مشورہ لینا چاہیے تھا۔"

"ہاں ڈیڈی! کم از کم اس سلسلے میں۔" میں نے

جواب دیا۔

"خوب، بہت خوب بڑی دلچسپ بات سُنی ہے میں نے اس کوٹھی میں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اس کوٹھی کے بارے میں میں نے جتنے فیصلے کیے ہیں خود ہی کیے ہیں۔ ڈکٹیٹر نہیں بننا چاہتا لیکن میرے کیے ہوئے فیصلوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا اس لیے میں مزید فیصلے کرنے میں بھی خود کو حق بجانب سمجھتا ہوں اور چونکہ جس شخص کے لیے میں نے جو فیصلہ سُنایا اُس نے اُسے تسلیم کیا اور خوش ہے اس لیے آج میں کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ میرے فیصلے سے انحراف کرے۔ اس انحراف کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔"

"میرے اکاؤنٹ میں ڈیڈی بہت تھوڑی سی رقم ہے۔" دفعتاً میرے منہ سے نکلا اور میری رگِ ظرافت پھڑک اٹھی۔ اب ظاہر ہے اس سلسلے میں جذباتی ہونے سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ ڈیڈی کے فیصلے کو سُن چکا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا کہ اسی فیصلے پر میری اس کوٹھی میں رہائش کا دارومدار ہے لیکن شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ابھی تو میں نے اپنی زندگی کا آغاز بھی نہیں کیا تھا ابھی تو میرے ذہن میں بہت سے منصوبے تھے پھر بھلا کسی کی۔۔۔ ایسی شپ کو کیسے قبول کر سکتا تھا میری اس بات پر چند ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ لالہ رُخ بھڑک اٹھی اور ڈیڈی اُس سے زیادہ بھڑک اُٹھے۔

"مردود۔ ذلیل میرا مذاق اُڑاتا ہے میرے سامنے بدتمیزی کرتا ہے کیا اس شخص پر پاگل پن کے دورے پڑنے لگے ہیں؟" ڈیڈی نے اس بار گھر والوں کو مخاطب کیا تھا۔

"پتا نہیں کیا ہوگیا ہے اسے۔ اسے بھی میں کہتی ہوں کہ اگر کرے گا کیا؟" امی جان کی گھبرائی ہوئی آواز اُبھری۔

"ڈنڈے بجاتے رہیں گے اور خاندان کی ناک کٹواتے رہیں گے بیٹھے بٹھائے گئے۔" لالہ رُخ کی آواز کونے سے سُنائی دی۔

"لیکن یہ سب کچھ اس کوٹھی میں نہیں ہوگا سمجھے۔ اس کوٹھی میں صرف اُس شخص کے لیے جگہ ہے جو میرے فیصلوں پر عمل کرے اور ان سے انحراف نہ کرے۔ کان کھول کر سُن لیا تو نے اگر وہ سب قبول کرنے کے لیے تیار ہے جو میں نے کہا ہے تو تو اس کوٹھی میں رہ سکتا ہے ورنہ مجھے کل سے تیری صورت یہاں نظر نہ آئے۔"

"تب آپ کے سامنے آنے سے گریز کروں گا ڈیڈی۔" میں نے کہا۔

"ہرگز نہیں تم ابھی اور اسی وقت اس کوٹھی سے نکل جاؤ گے سمجھے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات مجھے قبول نہیں ہوگی۔"

"تب پھر مجبوری ہے جو آپ کا حکم۔" میں نے کہا اور تنویر بھابی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں۔۔۔ نہیں شارق، ڈیڈی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ ہم سب کے حق میں ہے۔"

"یہ ماں کی سمجھ میں کبھی نہیں آئے گی، ذرا ٹھوکریں کھا لینے دیں بھابی، خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔ دیکھتی ہوں کہاں جائیں گے، نہ کمانے کے نہ کھانے کے اور نخرے اتنے۔" لالہ رُخ زہر بھرے لہجے میں بولی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو لالہ رُخ بجائے اس کے کہ بات بنا دو اور بگاڑے جا رہی ہو۔"

"تو میں کیا بگاڑ رہی ہوں جو کچھ کر رہے ہیں بھریں گے۔" لالہ رُخ نے تنک کر کہا اور عدالت سے باہر نکل گئی۔ سب لوگ مجھے سمجھانے لگے لیکن ڈیڈی کی غرّاہٹ اُبھری۔

"یہ سب کچھ میرے سامنے ہو رہا ہے۔ خوشامدیں کی جا رہی ہیں اس کی۔ میں کہتا ہوں ایک منٹ میں تو باہر نکل جا۔ ذلیل جینے میں دیکھوں گا تجھے، اچھی طرح دیکھ لوں گا تیرے عزائم کو بھی۔ نکل جاؤ فوراً نکل جاؤ۔ خبردار جس کسی نے بھی اسے روکنے کی کوشش کی وہ میرے حکم سے انحراف کرے گا۔" ڈیڈی غصیلے انداز میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور امجد حسین صاحب مجھے بازو سے پکڑ کر باہر لے آئے۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئے تھے۔ کمرے میں لے جا کر انھوں نے کہا۔

"یہ کیا فضولیات شروع کر دی تم نے؟"

"میری کیا خطا ہے بھائی جان مجھے کم از کم بتا تو دیا جائے۔"

"ڈیڈی جو کچھ کہہ رہے ہیں کیوں نہیں مان لیتے؟"

"کیا یہ سب کچھ اتنا ہی آسان ہے؟"

"کون سی بات مشکل ہے، نیلوفر سے شادی، نصرت حسین کے ساتھ اُس کے جونیئر کی حیثیت سے کام کرنا۔ آخر تم وکالت ہی کرنا چاہتے ہو یا کوئی اور نظریہ ہے تمھارا۔ اگر وکالت کرنی ہے تو پھر نصرت حسین سے زیادہ قابل وکیل تمھیں اور کون مل سکتا ہے، دیکھو اس کوٹھی میں کبھی ڈیڈی کے حکم سے انحراف نہیں کیا گیا یہ اُن کی شخصیت پر ضرب ہوگی جسے ہم میں سے کوئی نہیں برداشت کر سکتا، پتا نہیں تم کیوں اس حماقت کے مرتکب ہوئے ہو۔ اس سے پہلے تو تم نے کبھی اس طرح کی گستاخی نہیں کی تھی۔"

"اس سے پہلے میرے اوپر اتنا سخت حکم عائد بھی نہیں کیا گیا تھا بھائی جان۔ آپ سب کا دل سے احترام کرتا ہوں لیکن بہرطور اتنا جانتا ہوں کہ ہر انسان کو اپنے طور پر جینے کا حق ہے۔"

"تو تم سے جینے کا حق کون چھین رہا ہے۔ نیلوفر کے علاوہ کہیں اور شادی کرنا چاہتے ہو؟ میرا خیال ہے اگر یہ مسئلہ ہے تو ڈیڈی کو اس کے لیے آہستہ آہستہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ ویسے جہاں تک نیلوفر کا تعلق ہے وہ ایک اچھی لڑکی ہے شفق کو بھی کتنا دُکھ ہوگا، کتنی محبت کرتی ہے وہ تم سے۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان لیکن میں نیلوفر سے شادی نہیں کرنا چاہتا، میں بیرسٹر صاحب کے جونیئر کی حیثیت سے کام کرنا نہیں چاہتا اور میں آپ سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل میں میں وکیل بنوں گا یا کچھ اور۔"

"آخر کچھ تو تمھارے ذہن میں ہوگا کم از کم اُسی سے آگاہ کر دو ہم بات بنانے کی کوشش کریں گے۔"

"ڈیڈی نے آخری جملے میں کہہ دیا ہے کہ اُن کے حکم سے انحراف نہ کیا جائے۔"

"انحراف نہیں کیا جائے گا۔ ہم میں سے کوئی اس کی جرأت نہیں رکھتا تم نے جو کچھ کہا ہے، اُس سے میرا خیال ہے ہم سب ہی کو دُکھ ہوا ہوگا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ اپنے طور پر زندگی گزارنا اتنا آسان ہے۔ آشیانے کو چھوڑ کر کہاں بھٹکتے پھرو گے۔ اس بات کو کان کھول کر سُن لو اگر ڈیڈی کے دونوں احکامات کی تعمیل نہیں کی گئی تو ہم میں سے کوئی بھی تمھاری مدد نہیں کر سکے گا۔"

"ٹھیک ہے بھائی جان! آپ بخوشی مجھے اجازت دیجیے کہ میں خود بھی اپنے آپ کو آزماؤں۔"

"میرا خیال ہے تم اُن فلمی لڑکوں کی طرح سوچ رہے ہو جو صرف فلموں میں کام کر کے ہیرو بننے کے چکر میں گھروں سے نکل جاتے ہیں۔ اپنے طور پر زندگی گزارنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتے ہیں زیادہ تر ٹھوکریں کھانے کے بعد کسی بھی المیے کے بعد اپنے گھر پہنچ جاتے ہیں۔ تم بھی اپنے آپ کو انھی آزمائشوں میں ڈالنا چاہتے ہو؟"

"ہاں بھائی جان! میں کندن بننا چاہتا ہوں۔"

"کہانیوں کی باتیں سوچ رہے ہو۔ اچھے خاصے سمجھ دار آدمی ہو میں کہتا ہوں اپنے فیصلے پر نظرثانی کرو۔"

"لیکن کیا آپ اب مجھے اس کوٹھی میں روکنے کی جرأت کریں گے بھائی جان؟"

"نہیں، میں یہ حماقت نہیں کروں گا۔ چند روز تھیر باہر رکھوں گا اور پھر آہستہ آہستہ ڈیڈی کو اس بات کے لیے تیار کر لوں گا کہ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے چند روز مجھے باہر گزار لینے دیجیے گا بلکہ دیکھیے اس بات کی کہ میں کسی المیہ کا شکار ہو کر واپس آ جاؤں اور آپ ڈیڈی سے میری سفارش کر دیں۔"

"شارق پاگل پن کی باتیں کر رہے ہو اور اب یہ باتیں میرے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہو رہی ہیں۔"

"تو آپ بھی مجھے دھکے مار کر اپنے کمرے سے باہر نکال دیجیے۔" میں نے کہا اور جج صاحب میری صورت دیکھتے رہے۔ چند لمحات سوچتے رہے پھر انھوں نے کہا۔

"تمھاری مرضی بھئی۔ واقعی تم جوان ہو، بالغ ہو تم پر کسی طرح کی پابندی نہیں عائد کی جا سکتی لیکن سوچ لینا، جب بھی عقل درست ہو جائے ہم سب تمھاری مدد کریں گے کیونکہ تم ہم سب سے چھوٹے بھائی ہو۔"

"بہت بہت شکریہ آپ کی اس امداد کو میں کبھی نظرانداز نہیں کروں گا۔" میں جج صاحب کے کمرے سے باہر نکل آیا کوٹھی میں اچھا خاصا ہنگامہ مچا ہوا تھا، لالہ رُخ الگ کونے میں کھڑی ہوئی تھی اُس کی آنکھوں میں میرے لیے ذرا سے بھی رحم کے جذبات نہیں تھے۔ میں اُس کے قریب پہنچ گیا اور پھر میں نے اُس سے کہا۔

"تیری شادی اگر کسی کالے کلوٹے بھتنے سے نہ کرائی تو میرا نام بھی شارق نہیں ہے۔"

"ہُوں، اب آپ کا اس کوٹھی میں گزر ہی نہیں ہوگا، کیا سمجھتے ہیں آپ؟" لالہ رُخ نے ناک ٹیڑھی کر کے کہا اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ڈیڈی کے حکم کو ماننا واقعی میرے بس کی بات نہیں تھی۔ لیکن۔۔۔ لیکن اپنے طور پر ایک آزاد زندگی گزارنے کے لیے آشیانے کی پابندیوں سے نجات بھی میرے لیے ناخوشگوار نہیں تھی، ان لوگوں کی ذہنی کیفیت سے واقف تھا۔ سب ہی کو میرے جانے کا دُکھ ہوگا لیکن کیا کیا جائے۔ میں دیر تک سوچتا رہا اس دوران کسی نے میرے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی، شفق بھابی، تنویر بھابی اور

تیسری بھابی بھی مجھے کافی چاہتی تھیں۔ اچھا خاصا ماحول تھا اس کوٹھی کا لیکن نیلوفر سے کم از کم میں شادی نہیں کر سکتا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین تو ویسے بھی ناکوں چنے چبائے جا سکتے تھے۔ میں اُن کی کارکردگی سے کبھی متفق نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرطور اس وقت یہی بہتر ہے کہ یہاں سے نکل جاؤں اور اپنے لیے نئے راستوں کا انتخاب کروں۔ فاروقی صاحب کا گھر میری پناہ گاہ بن سکتا تھا لیکن ایک بات اور ذہن میں آئی۔ فاروقی صاحب کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ اُن کی وجہ سے مجھے دیس نکالا مل گیا تو یقیناً وہ دل گرفتہ ہوں گے اور مجھے اس بات کے لیے مجبور کریں گے کہ میں آشیانے میں واپس چلا جاؤں لیکن فاروقی صاحب کو اس طرح درمیان میں چھوڑ دینا بھی میرے لیے ممکن نہیں تھا چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک ممکن ہو سکے فاروقی صاحب کو اس صورتِ حال کا علم ہی نہ ہونے دیا جائے۔ وقت ایسا تھا کہ میں اپنے لیے کوئی بندوبست بھی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ یہی فیصلہ کیا کہ رات کسی ہوٹل میں گزاری جائے اور صبح اپنے لیے کسی ٹھکانے کو تلاش کیا جائے۔ اُستاد چھوٹے کے علاوہ میرا یہاں کوئی سامان نہیں تھا۔ لے جانا بھی نہیں چاہتا تھا جب کوٹھی سے نکلنا ہی ہے تو باعزت طریقے سے کیوں نہ نکلا جائے۔ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع کیوں دیا جائے کہ اپنا سامان بھی لے گیا جبکہ وہ میرا نہیں تھا۔ واقعی ڈیڈی کی ملکیت تھا۔ یہ صرف جذباتی بات تھی کیونکہ میری جیب میں جو کچھ تھا وہ بھی جیب خرچ ہی سے جمع کیا گیا تھا۔ اچھی خاصی رقم تھی بہرطور ان ساری فضول باتوں میں پڑنا حماقت تھی چنانچہ میں نے چند جوڑے کپڑے رکھ ہی لیے۔ ڈیڈی کا حکم چونکہ آخری حکم تھا اور اب اس کوٹھی میں رہنا انھیں مزید غصّہ دلانے کے مترادف تھا اس سے قبل کہ کوئی خود مجھ سے اس کی فرمائش کرے۔ میرے لیے یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ کوئی میرے کمرے میں نہیں آیا جب میں باہر نکلا تب بھی لوگوں نے اپنے ہی کمروں سے میرے نکلنے کا نظارہ کیا۔ پتا نہیں اُن کے ذہنوں کی کیا کیفیت تھی لیکن بہرطور اس کا مجھ پر اظہار نہیں ہو سکا اور میں وہاں سے نکل کر کریم چوکیدار کے کمرے میں پہنچ گیا جہاں اُستاد چھوٹے موجود تھے۔ اُستاد کو میں نے باہر بلایا اور اُستاد میرے نزدیک پہنچ گئے۔

"اُستاد ہمیں یہ کوٹھی چھوڑنی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آشیانہ چھوڑنا ہے ہمیں یہ سلطان ہے میرے پاس۔ میاں جا رہا ہوں ابھی آپ کو دیس نکالا نہیں ملا لیکن ایسا ہے کہ کل دفتر میں ملاقات ہوگی ظاہر ہے جب میں یہاں نہیں تو پھر آپ کے یہاں رہنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔"

"مم مم۔۔۔ مگر میاں ہوا کیا، کیا اس کی وجہ میں تو نہیں ہوں؟"

"فضول باتیں نہ کریں اُستاد۔ میرا دماغ گھوم جائے گا آپ اس کی وجہ قطعی نہیں ہیں بلکہ آپ کو تو ایک اچھے انسان کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا ہے۔ بس میں یہاں سے جا رہا ہوں۔"

"مگر کیوں؟" اُستاد نے پوچھا۔

"آئی جی صاحب آشیانے کو پولیس ہیڈکوارٹر بنانے پر تُلے ہوئے ہیں اور میں پولیس ہیڈکوارٹر میں نہیں رہ سکتا۔ بہرحال آپ حسبِ معمول دفتر آ جائیں اور ابھی فاروقی صاحب سے تذکرہ نہ کریں۔"

"مگر جاؤ گے کہاں؟" اُستاد چھوٹے مضطرب لہجے میں بولے۔

"رات کسی ہوٹل میں گزاروں گا۔ صبح کو دفتر پہنچ جاؤں گا اور اس کے بعد کوئی مناسب فیصلہ کریں گے۔" میں نے جواب دیا اور کوٹھی سے باہر نکل آیا اس کے بعد کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

*

میں کافی دُور آنے کے بعد ایک آٹو رکشا میں بیٹھا اور اپنے ایک پسندیدہ ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ ذہن میں کوئی خاص احساس نہیں تھا، سوائے اس کے کہ میں نے جو کچھ کیا بہتر کیا۔ آئی جی صاحب کے اس فیصلے کو بہرطور میں قبول نہیں کر سکتا تھا۔ نیلوفر سے شادی کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا میرے اور اس کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا، وہ لڑکی مجھے بیوی کی حیثیت سے ذرا بھی پسند نہیں تھی اور پھر میں ان تمام جھگڑوں میں پڑنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ابھی تو میری زندگی کا آغاز ہوا تھا اور میں اپنی اس زندگی کو بالکل نئے راستے پر چلانے کا خواہشمند تھا۔ گھسے بندھے کسی اصول پر کام کرنا مجھے پسند نہیں تھا۔ میرے دل میں تو بس یہی احساس تھا کہ وہ دُکھی لوگ جو اپنی بے بسی کی وجہ سے قانون کا صحیح طور پر سہارا نہیں حاصل کر سکتے میری خدمات سے فائدہ اُٹھائیں اور میں نے اپنے آپ

کو اس کے لیے وقف کر دیا تھا اور اب تک اسی راستے پر چل رہا تھا۔ ہوٹل میں کمرا حاصل کرنے میں کوئی دقّت نہیں ہوئی۔ ذہن کو آزاد چھوڑ کر اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔ اپنے اس اقدام پر کسی خاص کیفیت کا احساس نہیں ہوا تھا بلکہ ایک طرح سے یہ آزادی میرے۔۔۔ اپنے مقصد کے لیے بہترین تھی البتہ یہ فیصلے ضرور کیے کہ مجھے مزید کیا کرنا چاہیے۔

چنانچہ دوسرے دن سب سے پہلے چیک لکھ کر اپنے بینک سے اُسے کیش کرایا اور پھر کئی بروکروں سے ملاقات کی۔ کوئی درمیانے درجے کا فلیٹ درکار تھا اور اپنی پسند کا فلیٹ حاصل کرنے میں مجھے کوئی دقّت پیش نہیں آئی۔ بالآخر ایک بلڈنگ میں فلیٹ پسند آ گیا اور میں نے بروکر کو فوری طور پر ادائیگی کر کے قبضہ لے لیا۔ باقی تمام کارروائیاں آہستہ آہستہ بھی ہو سکتی تھیں۔ اُستاد چھوٹے بہترین منتظم تھے۔ وہ یقیناً اس فلیٹ کو اعلیٰ پیمانے پر آراستہ کر سکتے تھے چنانچہ فلیٹ کا قبضہ لینے کے بعد میں نے فاروقی صاحب کے دفتر کا رُخ کیا تھا۔ اُستاد چھوٹے بڑی بے چینی سے میرے منتظر تھے۔ مجھے دیکھ کر اُنھوں نے سکون کی گہری سانس لی۔ فاروقی صاحب کورٹ گئے ہوئے تھے، کسی کیس کا سلسلہ تھا۔ اُستاد چھوٹے فوراً ہی میرے پاس پہنچ گئے۔

"رات کیسی گزری فارق میاں؟"

"بہت عمدہ اُستاد۔ ویسے میں نے ایک فلیٹ کا بندوبست کر لیا ہے اور اب ہم اور آپ اسی فلیٹ میں رہا کریں گے۔"

"فلیٹ میں؟ اتنی بڑی کوٹھی چھوڑ کر تم ایک فلیٹ میں رہو گے؟"

"اُستاد آپ نے تو دُنیا مجھ سے کہیں زیادہ دیکھی ہے۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ میرے اس فیصلے کو آپ بھی ذہن سے قبول کر لیں اور اس موضوع کو ہی ترک کر دیں۔ میرا خیال ہے جس مقصد کے لیے ہم نے کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس میں ہماری یہ آزادی ہمارے لیے فائدہ مند ہوگی۔"

"اگر تم بہتر سمجھتے ہو اور خوش ہو تو ٹھیک ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"فلیٹ میں چار کمرے ہیں۔ ایک بہت بڑا ڈرائنگ روم ہے۔ میرا خیال ہے ہمارے لیے کافی ہے البتہ اُنھیں ڈیکوریٹ کرنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ ایک کمرا تو ہم اپنی مشق کے لیے بالکل خالی رکھیں گے۔ ایک ڈائننگ روم بنا لیں گے ایک آپ کا بیڈروم اور ایک میرا۔ بہترین گزرے گی اُستاد بلکہ یوں سمجھو مزا آ گیا۔" اُستاد میری صورت دیکھنے لگے پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"اب میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ بہرطور تم نے جو فیصلہ کیا ہے مناسب ہی کیا ہوگا۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں اُستاد کہ اب مجھ سے آشیانے کے بارے میں گفتگو نہ کی جائے۔ ظاہر اُن لوگوں سے میرا قطع تعلق تو نہیں ہو گیا ملاقاتیں رہیں گی لیکن میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ دل میں تو بہت سی خواہشات ہیں اُستاد۔ ہم ایک اور کوٹھی بنائیں گے جس کا نام آشیانہ ہی رکھیں گے۔"

اُستاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں فاروقی صاحب کی میز پر بیٹھ کر اُن کے موجودہ مقدمات کے فائل دیکھنے لگا۔ اب میں نے اپنے ذہن کو مکمل طور پر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ فائلوں کی ورق گردانی میں مصروف تھا کہ فاروقی صاحب بھی آ گئے۔ اُنھوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذات میز پر ڈالے اور ایک آرام کرسی پر دراز ہو گئے۔

"کہیے فاروقی صاحب کیا صورتِ حال ہے؟"

"کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے بھئی۔ میں اُس سے بچنا چاہتا ہوں لیکن گردن پھنس گئی ہے۔"

"خیریت؟"

"وہ جو عظیم بیگ والا کیس ہے نا اس میں مخالف پارٹی نے بیرسٹر نصرت حسین کو اپنے ساتھ شامل کیا ہے اور ایک بار پھر مجھے بیرسٹر صاحب کے سامنے آنا پڑے گا۔"

"کمال ہے فاروقی صاحب! بھائی آپ لوگ وکیل ہیں آپ کو تو بار بار ایک دوسرے کے سامنے آنا پڑے گا کیا آپ وہ کیس لینے سے انکار کر دیں گے یا اس کیس سے دستبردار ہو جائیں گے۔ جس میں آپ کا مقابلہ بیرسٹر نصرت حسین سے ہوگا یہ اندازِ فکر مناسب نہیں ہے۔"

"بس میاں احترام کرتا ہوں اُن کا اور پھر سچی بات یہ ہے کہ میں اپنی ذہنی صلاحیتوں کو اُن کے سامنے کچھ بھی نہیں پاتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ بھائی بھائی کا مقابلہ ہونے دیں آپ کو کیا اعتراض ہے اس میں؟"

"نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"آپ مجھے پورا کیس سمجھا دیں میرا خیال ہے یہ کیس میں خود لڑوں گا اور بیرسٹر صاحب کے سامنے خود آؤں گا۔"

"کیا یہ مناسب ہوگا؟"

"ہاں بالکل مناسب ہوگا۔ ایسی باتیں کرکے مجھے پریشان نہ کریں فاروقی صاحب۔"

"ٹھیک ہے بھئی تو پھر یہ کیس میں تمھارے نام ہی ٹرانسفر کیے دیتا ہوں۔ وکالت نامے میں بھی تمھارا ہی نام شامل کر دیا جائے گا!"

"آپ ضرور ایسا کر دیں۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب گردن ہلانے لگے۔

ہم لوگ ابھی اس گفتگو سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُستاد اندر داخل ہوئے۔

"ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔" اُنھوں نے اطلاع دی۔

"کون ہیں، کیا چاہتی ہیں؟"

"بس کہہ رہی ہیں کہ وکیل صاحب سے ملنا چاہتی ہیں۔" اُستاد چھوٹے بولے اور فاروقی صاحب [illegible] دوسری کرسی پر جا بیٹھے۔ میں نے اُستاد چھوٹے سے کہا کہ خاتون کو بھیج دیا جائے [illegible] ہو سکتا تھا۔

آنے والی ایک [illegible] خاتون تھیں جو برقعہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ اندر داخل ہو کر اُنھوں نے نقاب اُلٹ دیا اور [illegible] شعر کی حقیقت سامنے آ گئی۔

[illegible] پوچھا [illegible] سے چاند نکلتا ہے کس طرح
زُلفوں کو رُخ پہ ڈال کے جھٹکا دیا کہ یوں

[illegible] سیاہ برقعے سے چاند طلوع ہو گیا تھا۔ فاروقی صاحب گہری نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ صحت مند چہرے کی مالک ایک حسین لڑکی تھی۔ فاروقی صاحب نے اُسے بیٹھنے کی پیش کش کی تو وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر بے پناہ سنجیدگی نظر آ رہی تھی جو اُس کی شخصیت سے ہم آہنگ نہیں لگتی تھی۔ ہم دونوں اُسے خاموشی سے دیکھتے رہے پھر فاروقی صاحب نے اُس سے کہا۔

"کیا پیو گی بیٹی، چائے منگواؤں تمھارے لیے؟"

"جی منگوا لیجیے۔ میں ضرورت محسوس کر رہی ہوں۔" لڑکی نے بے تکلفی سے کہا اور فاروقی صاحب نے بیل بجا کر اُستاد چھوٹے کو طلب کر لیا پھر اُنھیں چائے کی ہدایت کر دی گئی۔ لڑکی خاموش بیٹھی رہی تھی۔ فاروقی صاحب نے چند لمحے انتظار کیا پھر بولے۔

"کیا کام تھا ہم لوگوں سے؟"

"وکیل صاحب! میں آپ سے مدد چاہتی ہوں بہت پریشان ہوں میں۔ بہت کچھ سوچا سمجھا میں نے اور اس کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ آپ کی مدد لی جائے۔"

"کیا تم مجھے جانتی ہو؟"

"نہیں۔ بس کسی نے آپ کا نام لیا تھا اور آپ کے دفتر کا پتا بتا دیا تھا میرے ایک شناسا سلیم نے۔"

"ٹھیک ہے کیا اُلجھن ہے، کیا پریشانی ہے تمھیں؟" فاروقی صاحب نے سوال کیا۔

"میں مصیبتوں کا شکار ہوں وکیل صاحب۔ کیا آپ ہی وکیل فاروقی ہیں؟"

"ہاں میرا نام وکیل فاروقی ہے اور یہ شارق حسین ہیں۔"

"جی۔ کیا میں پورے اعتماد سے آپ کو اپنی کہانی سنا سکتی ہوں یا اس سلسلے میں اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ آپ میرے کیس کو نظر انداز کر دیں گے یا اُسے لینے سے انکار کر دیں گے۔ دیکھیے وکیل صاحب اس طرح میری پوزیشن [illegible] اور اگر کسی طور میرے دشمنوں کو یہ معلوم ہو گیا [illegible] اس طرح کی کوئی کارروائی کر رہی ہوں تو وہ جوابی کارروائی [illegible] چنانچہ پہلے آپ مجھے اس بات کا اطمینان دلا دیجیے کہ جو کچھ آپ سے کہوں گی صیغۂ راز میں رہے گا۔"

"بیٹی کسی وکیل کے پاس آنے کا فیصلہ کرنے کے بعد تمھیں یہ سب کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔ وکیل کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ اگر اُس کے مؤکل کی پریشانی جائز ہے اور وہ کسی کے خلاف ناجائز کارروائی نہیں کرنا چاہتا تو وکیل اُس کی مدد کرے لیکن ایک بات کا تمھیں اطمینان دلایا جاتا ہے کہ اگر تمھاری کارروائی ناجائز بھی ہوئی تو ہم زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کرنے سے انکار کر دیں گے البتہ تمھارے راز کو فاش نہیں کیا جائے گا اس کی تمھیں ضمانت دی جاتی ہے اور یہ ضمانت زبانی ہی ہوگی فیصلہ کرنا تمھاری اپنی ذمہ داری ہے۔"

"نہیں آپ بزرگ ہیں۔ میں آپ پر اعتماد کرتی ہوں میرا خیال ہے میرا مقدمہ آپ کے ضمیر پر بوجھ نہیں بنے گا۔ ویسے وکیلوں کے بارے میں تو میں نے یہی سنا ہے کہ صرف اُنھیں اپنے مقدمے سے غرض ہوتی ہے کون سچا ہے کون جھوٹا اس کی اُنھیں پروا نہیں ہوتی۔"

"غلط سُنا تم نے اُس کا تجربہ تمھیں ہو جائے گا۔" وکیل فاروقی صاحب بولے۔ میں خاموشی سے لڑکی کو دیکھ رہا تھا

اُس نے دو تین بار اُلجھی ہوئی نگاہوں کے ساتھ مجھے دیکھا غالباً اُس کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنی کہانی تنہا وکیل فاروقی صاحب کو سُنائے لیکن وکیل فاروقی بھی اس کا مقصد سمجھ گئے اور بولے۔

"شارق حسین قابلِ اعتماد وکیل ہیں اور یوں سمجھ لو کہ جو کارروائی بھی ہوتی ہے ان کے بغیر نہیں ہوتی۔"

"شکریہ۔ میرے ذہن میں یہ اُلجھن تھی۔ میں چاہتی تھی کہ میری داستان کم سے کم لوگوں کے کانوں تک پہنچے لیکن اگر آپ مناسب سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ اتنی دیر میں اُستاد چھوٹے چائے لے آئے تھے۔ اُنھوں نے چائے بنا کر ہم تینوں کے سامنے رکھی اور پھر واپس چلے گئے۔ وہ اپنے ان معمولات کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھاتے تھے اور اُن کی پیشانی پر کوئی شکن نہیں ہوتی تھی لیکن اُستاد چھوٹے نے یہ شرط رکھ دی تھی کہ اگر اُن سے دفتر میں دفتری اصولوں کے مطابق کام نہ لیا گیا تو وہ دفتر چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ہم لوگ بھی خاموش ہو گئے تھے ورنہ دوسرا چپڑاسی بھی رکھا جا سکتا تھا۔ لڑکی چائے کے گھونٹ لیتی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد اُس نے ہونٹ خشک کر کے کہا۔

"میرا نام حنا سعید ہے۔ مرحوم سعید بیگ کی بیٹی ہوں سعید بیگ یہاں کاٹن بنانے کی ایک فیکٹری کے مالک تھے لیکن کچھ عرصہ قبل اُن کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"ہوں ٹھیک ہے آگے کہو۔"

"میری والدہ کا انتقال میری کمسنی ہی میں ہو گیا تھا اس کے بعد طویل عرصہ والد صاحب نے تنہا گزارا، میں بڑی ہو گئی لیکن اُس کے بعد پھر نہ جانے کیا ہوا ہماری زندگی میں اُلجھنیں ہی اُلجھنیں داخل ہو گئیں۔ والد صاحب نے فرخندہ بیگم سے شادی کر لی اور فرخندہ بیگم بہت سی سازشوں کے ساتھ ہماری کوٹھی میں آ گئیں۔ میرا ایک بھائی بھی ہے جو مجھ سے ایک سال چھوٹا ہے کچھ عرصہ قبل وہ بالکل ٹھیک تھا کوئی تکلیف نہیں تھی اُسے بچپن ہی سے ماں کے بغیر پرورش پائی ہے اس لیے لاابالی فطرت کا مالک ہے لیکن۔۔۔۔ لیکن وکیل صاحب اب وہ ذہنی طور پر ایک معذور انسان ہے غالباً نشہ آور ادویات استعمال کرتا ہے۔ اُسے کسی نشے کا عادی بنا دیا گیا ہے اور وہ ہر وقت اُسی کے نشے میں مست رہتا ہے۔ میں اپنے بھائی کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ اس فطرت کا انسان نہیں تھا اُسے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہیروئن کا عادی بنایا گیا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے اس سازش میں صرف اور صرف فرخندہ بیگم کا ہاتھ ہے۔ وکیل صاحب میں اپنی زندگی کے بدترین دَور سے گزر رہی ہوں۔ فرخندہ بیگم کا رویّہ دُنیا کے سامنے میرے ساتھ بہت اچھا ہے لیکن یہ بات میں ہی جانتی ہوں کہ اُن کے ذہن میں کیا ہے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد وہ تمام ذمہ داریاں اُنھوں نے خود سنبھال لی ہیں جو والد صاحب کی تھیں اور شاید والد صاحب نے اُن کے لیے وصیت بھی چھوڑی ہے جس کی رُو سے وہ اپنے آپ کو ان تمام چیزوں کا حق دار سمجھتی ہیں۔ آپ یقین کیجیے وکیل صاحب میں کانٹوں کے بستر پر زندگی گزار رہی ہوں۔ بہت کچھ سوچتی رہی ہوں ان دنوں اور صرف ایک ہی فیصلہ کر پائی ہوں کہ میرے بھائی کو ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اس طرف لگایا گیا ہے تاکہ اُس کے پاس بولنے کے لیے زبان نہ رہے اور میں مظلوم اور بے بس لڑکی ان لوگوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ فرخندہ بیگم نے اپنے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع کر لیا ہے۔ ہمارے گھر میں پارٹیاں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے لوگ آتے ہیں اور فرخندہ بیگم کو نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ فرخندہ بیگم نے اپنے ایک کزن کو بھی [illegible] ہے۔ طاہر مقصود کے بارے میں وہ یہ بتاتی ہیں کہ [illegible] میں تنہا ہے اور اسی لیے اُنھوں نے طاہر کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ طاہر ایک شریف [illegible] لیکن بہر طور میں اُسے اس لیے پسند نہیں کرتی کہ وہ فرخندہ بیگم کا [illegible] یہ تمام اُلجھنیں ہیں وکیل صاحب۔ بہت غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کسی اچھے وکیل سے مشورہ کیا جائے [illegible]"

لڑکی خاموش ہو گئی اُس کی [illegible] چائے بچی ہوئی تھی جسے اُس نے ایک [illegible] حلق سے اُتار لیا میں خاموشی سے اُسے دیکھتا ہوا یہ جائزہ لے رہا تھا کہ وہ کس حد تک مظلوم ہے۔ اُس کی پیشانی پر پریشانی کی شکنیں نظر آ رہی تھیں۔ حسین چہرے پر یہ شکنیں کچھ عجیب سی لگ رہی تھیں۔ بہر طور فاروقی صاحب اس سے متاثر ہو گئے تھے چند ساعت سوچنے کے بعد اُنھوں نے کہا۔

"لیکن بیٹی یہ کوئی مقدمہ تو نہ ہوا۔ فرخندہ بیگم کے خلاف ہم کس طرح کارروائی کر سکتے ہیں۔ کیا تم نے پولیس کو اس سلسلے میں کوئی رپورٹ پیش کی، کوئی ایسی بات، کوئی ایسا واقعہ، کوئی ایسا حادثہ جس کی وجہ سے فرخندہ بیگم کو مجرم قرار دیا جا سکے۔ تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمھارے بھائی کو ہیروئن کا عادی ان لوگوں نے بنایا ہے۔ تم اپنے بھائی کو علاج کے لیے کسی اسپتال میں

داخل کرا سکتی ہو۔ یہ اس کی ذہنی درستگی کے لیے ضروری ہے اور اس کے بعد وہ تمھارا بہترین سہارا بن سکتا ہے۔ دراصل تمھارے پاس فرخندہ بیگم کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت ہونا چاہیے۔ کیا کوئی ایسی بات ہے جس کی بنا پر تم فرخندہ بیگم سے خوفزدہ ہو یا کسی قسم کی پریشانی محسوس کرتی ہو۔ کیا کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے؟" وکیل فاروقی نے پوچھا۔

"ہاں وکیل صاحب۔ اکثر میں نے محسوس کیا ہے کہ فرخندہ بیگم میرے سلسلے میں تشویش کا شکار رہتی ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں کسی وقت مجھے ہلاک نہ کر دیا جائے۔"

"یہ شبہ آپ کو کیسے ہوا؟"

"بس میں محسوس کرتی ہوں۔"

"لیکن احساس تو کوئی ثبوت نہیں ہوتا حنا۔ ہمیں بہرطور فرخندہ بیگم پر یہ الزام عائد کرنے کے لیے کوئی ثبوت درکار ہے۔ ویسے اگر تم چاہو تو ایک کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"کیا؟" حنا بے قراری سے بولی۔

"فرخندہ بیگم سے یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ حنا اور اس کے بھائی کو اس جائیداد میں سے ایک باقاعدہ حصہ دے دیا جائے اور فرخندہ بیگم اپنے لیے جو کچھ چاہتی ہیں وہ اسے الگ کر لیں۔ اگر اس سلسلے میں فرخندہ بیگم کوئی حیل و حجت کرتی ہیں تو پھر ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جا سکتی ہے لیکن اگر وہ اس طرح سے تمھارا حصہ تمھارے حوالے کر دیں تو پھر بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنے بھائی کو بغرض علاج کسی بہتر ہسپتال میں ایڈمٹ کرا دو اور خود اس کی نگرانی کرو اور اس کے بعد جب وہ تندرست ہو جائے تو اسے سنبھالو اور اپنے لیے مستقبل کے راستوں کا تعین کرو۔"

"وکیل صاحب، کھلی زبان سے میں یہ الفاظ کہتے ہوئے تھوڑی سی خوفزدہ بھی ہوں لیکن مجھے ایک اور شبہ بھی ہے۔"

"کیا؟"

"جاوید کی ذہنی حالت ہیروئن کی وجہ سے بے شک خراب ہو سکتی ہے لیکن وہ اتنا لاغر ہو گیا ہے کہ مجھے اس کے بارے میں تشویش سی ہو گئی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے اسے کسی اور ذریعے سے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے مثلاً سلو پائزن۔" لڑکی نے کہا اور میں چونک پڑا۔

"تو اس کا طبی معائنہ کرایا جا سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں ایک بے بس لڑکی ہوں جناب اور آپ لوگوں سے مدد اس لیے مانگی ہے میں نے کہ جو کچھ میں نہ کر سکوں وہ آپ کر لیں۔ اس کے لیے میں آپ کو منہ مانگا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں۔ میرے اپنے اکاؤنٹ میں خاصی رقم پڑی ہوئی ہے۔ جسے میں نے محفوظ رکھا ہے۔ یہ رقم اس وقت میرے پاس ہے جب میرے والد حیات تھے اور ہم بھی خوشیوں سے ہمکنار تھے۔" لڑکی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے تھے اور وکیل فاروقی صاحب بہرطور اس سے متاثر ہو گئے تھے اور ہمیں اس کے لیے کوئی حل تلاش کرنا تھا۔

لڑکی کا معاملہ الجھا ہوا تھا۔ فاروقی صاحب گردن جھکائے سوچتے رہے۔ پھر انھوں نے کہا۔ "تمھارا یہ کہنا درست ہے کہ جاوید سعید کو سلو پائزن دیا جا رہا ہے تو پھر اس سلسلے میں کارروائی کی جا سکتی ہے۔ کیا تم اس کا طبی معائنہ کرانا پسند کرو گی؟"

"وکیل صاحب، میں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے۔ اسکول اور اس کے بعد کالج۔ میں نے دنیا کو دوسرے انداز میں کبھی نہیں دیکھا۔ باہر کی دنیا کیا ہے؟ اس کے بارے میں میری معلومات صفر ہیں۔ میں نے دوست بھی نہیں بنائے کیونکہ مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ ماں کی موت کے بعد اپنے برے حالات کا شکار رہی۔ زندگی میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔ اس خلا کو پُر کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی لیکن اس میں میرے والد نے مجھ سے تعاون کیا۔ آخری لمحات میں نہ جانے وہ کس طرح فرخندہ بیگم کے جال کا شکار ہو گئے۔ شادی کے بعد بھی ان کا رویہ میرے یا میرے بھائی کے ساتھ برا نہیں تھا لیکن وہ تمام اثرات جو سوتیلی ماں کی موجودگی میں ہونے چاہیے تھے رفتہ رفتہ نمودار ہونے لگے تھے اور میں انھیں اچھی طرح محسوس کر رہی تھی۔ ان کی اچانک موت میرے لیے بہت بڑا صدمہ تھی لیکن یہ صدمہ بھی مجھے تنہا ہی برداشت کرنا پڑا اور اس کے بعد لے دے کر میرا سہارا صرف میرا بھائی تھا اور جب وہ بھی بھٹک گیا تو یہ دنیا میرے لیے تاریک ہو گئی۔ میری تمام مسرتیں خاک میں مل گئیں۔ میں اپنے مستقبل سے مایوس ہو گئی۔ میں نے جب اپنے دوستوں کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تو مجھے چاروں طرف ویرانے نظر آئے۔ کوئی بھی تو نہیں تھا جو میرے شانہ بشانہ میرے تحفظ کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ بہت غور کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ کسی قابل وکیل سے رجوع کروں۔ وکالت کے کیا اصول ہوتے ہیں اور وہ لوگ کس طرح کسی کی مدد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ مجھے اس کا کوئی تجربہ نہیں ہے میں نے اپنے

حالات آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں اور لفظ وکیل بہت بڑے سہارے کا حامل ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ میری اس پریشانی کی قانونی نوعیت کیا ہے۔ پولیس سے اگر میں رجوع کرتی تو کس بنیاد پر اور میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ جو وسائل فرخندہ بیگم کے ہیں وہ میرے نہیں ہیں۔ ڈیڈی کے کاروبار کو وہ مکمل طور سے سنبھالتی ہیں۔ بے شمار افراد ان کی زیر نگرانی کام کرتے ہیں چنانچہ میرا تجربہ ان کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ میں آپ کے پاس آئی ہوں اگر میری ذات کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو میرے لیے اب کوئی بہتر فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہوگا۔"

"محترمہ حنا سعید، درحقیقت ان الجھے ہوئے حالات میں فرخندہ بیگم کے خلاف کوئی کارروائی ممکن نہیں ہے ہم لوگ وکیل ہیں۔ کوئی مقدمہ باقاعدہ ثبوتوں کے ساتھ ہمارے پاس آئے تو اس کے لیے ہم زیادہ باقاعدگی کے ساتھ کارروائی کر سکتے ہیں لیکن اگر مدِمقابل کے لیے ہمارے پاس کسی بھی قسم کا کوئی ثبوت نہ ہو تو آپ ہی بتائیے ہم کس بنیاد پر اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتے ہیں۔ آپ نے جاوید سعید کے بارے میں بتایا ہے اگر صرف منشیات نے اس کا ذہن ماؤف کیا ہے اور اس کے اعضاء پر غلط اثر ڈالا ہے تو اس کے لیے بھی اس کے علاوہ کوئی اور ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن اگر سلو پائزن والی بات ہے تو آپ اپنے شبہے کا اظہار فرخندہ بیگم پر کر سکتی ہیں۔ اس طرح اگر یہ بات ثابت نہ ہوئی کہ فرخندہ بیگم ہی جاوید سعید کو زہر دینے کی ذمہ دار ہیں تب بھی آپ کے شبہے کی بنیاد پر یہ کارروائی کی جا سکتی ہے کہ آپ کو آپ کے والد کے ورثے میں سے حصہ دلا دیا جائے۔ باقی وہی کچھ ہوگا جو فاروقی صاحب نے کہا ہے۔ آپ اپنے بھائی کے ساتھ فرخندہ بیگم سے علیحدہ زندگی گزاریے۔ اس کے علاوہ اور کچھ ناممکن ہے۔"

"تو پھر جو کچھ بھی ہو سکے آپ لوگ کیجیے مجھے آپ اپنا معاوضہ بتا دیں۔ میں اپنی حدود میں رہتے ہوئے ادائیگی کر دوں گی۔"

"معاوضہ بلاشبہ اہمیت رکھتا ہے بیٹی۔" اس کا تعین اگر تم چاہو تو اس وقت ہو جائے گا جب تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔"

"آپ لوگ میرے ساتھ اتنا تعاون کریں گے؟" حنا سعید نے پوچھا۔

"ہاں اتفاق ہے کہ تم ہم لوگوں تک آ گئی ہو ورنہ رکاوٹیں یوں نہیں ہوتیں۔" فاروقی صاحب مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ کر بولے۔

"تو پھر میں آپ کو اپنا وکیل مقرر کرتی ہوں اور یہ الفاظ بہت بڑے اعتماد کا ثبوت ہوتے ہیں۔ میرے مسائل آپ سنبھال لیجیے میں تا زندگی آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"اپنے بارے میں مزید تفصیلات بتا دیجیے حنا صاحبہ۔ قیام کہاں ہے آپ کا؟ آپ سے کہاں رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ ہم لوگ کوئی مناسب فیصلہ کر کے آپ سے رجوع کریں گے پھر آپ کو بتا دیں گے کہ آپ کی اس پریشانی کے سلسلے میں ہم لوگ کیا کارروائی کر رہے ہیں۔"

حنا سعید نے اپنا پتا درج کرا دیا اور فاروقی صاحب اس سے بہت سے سوالات کرتے رہے۔ اسی طرح انھوں نے اس عمارت کے مکینوں کے بارے میں تقریباً تمام معلومات حاصل کر لی تھیں۔ جاوید سعید کی مصروفیات کے بارے میں بھی معلوم کر لیا تھا۔ ان تمام کارروائیوں سے فارغ ہو کر فاروقی صاحب نے حنا کو جانے کی اجازت دے دی اور وہ سلام کر کے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد فاروقی صاحب چند لمحات خاموش رہے پھر انھوں نے مجھ سے کہا۔

"کیا خیال ہے بھئی، یہ کیس تو تمھاری دلچسپیوں پر پورا اترتا ہے۔"

"بہت زیادہ نہیں۔ تاہم اس لڑکی نے بے بس ہو کر ہمیں اپنا وکیل مقرر کیا ہے اگر یہ سب کچھ اس کی غلط فہمی نہیں ہے پھر تو وہ قابلِ مدد ہوئی۔"

"مگر میاں وکیلوں کو محکمۂ جاسوسی قائم کرنے کی تو اجازت نہیں ہوتی۔ تم زیادہ سے زیادہ حالات کی بنیاد پر فرخندہ کو نوٹس دے سکتے ہو۔ اپنی مؤکل کے خدشات کا اظہار کر سکتے ہو۔ اس کے خلاف جاسوسی کیسے کرو گے؟"

"فاروقی صاحب درحقیقت وکالت کا پیشہ اپناتے ہوئے یہی ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی کہ کیا ہم لوگ یا صرف میں ایسے ہی کیس لیتے رہیں گے جن کی تمام تفصیلات ہمارے علم میں ہوں گی۔ ہم دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرتے رہیں گے یا پھر کچھ ایسے لوگوں کی مدد بھی کی جا سکتی ہے جو اپنے لیے وسائل نہ رکھتے ہوں۔ میں نے بہت غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا تھا کہ پولیس کی ملازمت کی بجائے وکالت کا پیشہ زیادہ موزوں رہے گا۔ کیس کی مکمل تفتیش کے لیے پولیس کی

ملازمت بھی کافی ہوتی ہے اور ابتدا ہی میں اس بات کی چھان بین ہوسکتی ہے کہ جس شخص کے خلاف الزام لگایا گیا ہے یا جس شخص کو مجرم قرار دیا جا رہا ہے وہ درحقیقت مجرم ہے بھی یا نہیں۔ اس کے بعد اگر اس کے خلاف ثبوت مہیا ہو جاتے ہیں تو پولیس کا کام اتنا ہی ہوتا ہے کہ ان ثبوتوں کو عدالت میں پیش کر دے۔ میں نے وکالت کا پیشہ اسی لیے منتخب کیا ہے فاروقی صاحب کہ پولیس کے فرائض درپردہ انجام دیتا رہوں اور اس کے بعد غلط یا صحیح کا تجزیہ عدالت میں پیش کر دوں چنانچہ اگر آپ اسے محکمۂ جاسوسی کہتے ہیں تو وہ بھی غلط نہیں ہے اپنے موکلوں کے لیے میں یہ آسانی بھی فراہم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انھیں ثبوت حاصل کرنے میں دشواریاں درپیش ہوں تو میں ان کی مدد کر دوں۔"

"شارق میرا تجربہ ذرا مختلف ہے۔ انسانوں سے محبت مظلوموں سے اظہار ہمدردی بلاشبہ انسانی فطرت کا ایک اہم حصہ ہیں لیکن میں نے ایسا کرنے والوں کو زیادہ خوش نہیں دیکھا بعد میں جب انسان کو تجربات حاصل ہوتے ہیں تو وہ اس خود غرض دنیا میں اسی خود غرض دنیا کے متعلق برے انداز میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اسے یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ تمام دنیا کو نہیں بدل سکتا اور اسے اپنی ان کوششوں میں وقت ضائع کرنے کے علاوہ کچھ نہیں حاصل ہو سکتا پھر وہ خود بھی ان خود غرضوں میں شامل ہو جاتا ہے اور دنیا کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھتا ہے یہ سوچ کر کہ ہر شخص اپنے مصائب سے نمٹنے کا ذمہ دار ہے۔ نوجوانی کی عمر میں جذبات میں شدت ہوتی ہے۔ کسی مظلوم کو دیکھ کر خون جوش مارتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ظالم کے ٹکڑے کر دیے جائیں لیکن اس کے نتائج توقع کے مطابق نہیں نکلتے۔ بہرطور میں اس خون کی روانی کو نہیں روک سکتا اگر تم اپنے طور پر یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے تم اس بوڑھے پر جو ذمہ داریاں عائد کر گئے وہ اسے نبھانے کے لیے تیار ہے۔"

"فاروقی صاحب بلاشبہ جو تجزیہ آپ نے کیا ہے میں اس سے منحرف نہیں ہوں لیکن اگر ذہن اس طرف راغب ہے تو میرا خیال ہے کہ جو لمحات مجھے میسر ہیں میں انھیں استعمال کروں۔ دنیا جب مجھے تجربہ دے گی تو اپنے آئندہ اقدامات کا فیصلہ اسی تجربے کی روشنی میں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سلسلے میں تم سے اختلاف نہیں رکھتا لیکن اب کس طرح کام کرو گے؟" فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"یہی سوچنا ہے۔ میرا خیال ہے مجھے حالات کے تجزیے کے لیے فرخندہ بیگم کی کوٹھی میں داخل ہونا ہوگا۔ بس اس کے لیے کوئی ترکیب سوچنا ضروری ہے۔"

"ہوں میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے اگر چاہو تو اس پر غور کر لو۔"

"ضرور فاروقی صاحب میں نے آپ کے تجربے کو کبھی چیلنج نہیں کیا۔"

"حنا جیسا کہ اس نے ہمیں بتایا ایک گھریلو سی لڑکی ہے۔ اس کا حلقۂ احباب نہ ہونے کے برابر ہے لیکن جاوید لڑکا ہے۔ منشیات کا عادی تمھیں اس کا جائزہ لینا ہوگا اگر وہ تمھارے ہاتھ لگ جائے تو اس سے راہ و رسم بڑھا کر اس کوٹھی میں داخل ہوسکتے ہو میرا خیال ہے ابتدا جاوید سے کرو اس کے معمولات کا جائزہ لو اس سلسلے میں حنا بھی تمھاری مدد کر سکتی ہے پھر جاوید کے دوست کی حیثیت سے تم اس کوٹھی میں مقیم ہو جاؤ۔ یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ حنا اور جاوید کو وہاں کیا مقام حاصل ہے کیا جاوید اپنے کسی دوست کو فرخندہ بیگم کی اجازت کے بغیر کوٹھی میں رکھ سکتا ہے۔ بہت سی باتیں سامنے آجائیں گی۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فاروقی صاحب کی یہ تجویز مجھے پسند آئی تھی۔ میں پرخیال نگاہوں سے فاروقی صاحب کو دیکھتا رہا۔

"کیا خیال ہے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہو یا مناسب نہیں ہے ہاں ایک قباحت ضرور ہو گی تمھیں۔"

"کیا؟"

"اگر جاوید صاحب کے ساتھ قیام کا موقع مل گیا تو گھر کا کیا کرو گے۔ وہاں بھی تو دن رات گزارتے ہوں گے۔"

پہلے تو دل چاہا کہ اس سوال کو ٹال دوں پھر سوچا کہ آج نہیں تو کل فاروقی صاحب کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہیں دل میں یہ خیال نہ کریں کہ میں نے ان سے حقیقت چھپائی کہیں کبھی گھر پر مجھ سے رابطہ قائم نہ کر بیٹھیں ممکن ہے کوئی ایسی صورت حال پیش آجائے۔ چنانچہ میں نے کہا۔

"یہ ایک دلچسپ اتفاق ہے فاروقی صاحب کہ میں نے گھر چھوڑ دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" فاروقی صاحب چونک کر بولے۔

"اہل خانہ میری شادی کے درپے تھے بہت دن سے یہ

سلسلہ چل رہا تھا لیکن ہم جیسے خانہ بدوش کہاں رک سکتے ہیں سو چل پڑے اور گھر سے دور نکل آئے۔"

"تم عموماً مجھ سے مذاق نہیں کرتے؟" فاروقی صاحب تعجب سے بولے۔

"جی ہاں! خصوصاً بھی نہیں کرتا۔"

"یہ حادثہ کب ہوا؟"

"آج ہی اور آج ہی میں نے اپنا خیمہ بھی لگا لیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" فاروقی صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"مارسٹن روڈ کے ایک فلیٹ میں عمدہ جگہ ہے جمشید چیمبر فلیٹ نمبر اٹھارہ۔"

"اگر یہ فیصلہ کر ہی لیا تھا تو اتنی جلد بازی کیا تھی، مجھ سے شرکت نہیں برتی تم نے؟"

"اپنائیت برتی ہے فاروقی صاحب۔ آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں کھڑی کی۔"

"ہوں" فاروقی صاحب سنجیدگی سے بولے۔ "خوشی نہیں ہوئی۔"

"یہ ضروری تھا فاروقی صاحب۔ جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں۔ آئی جی صاحب، ایس پی صاحب، جج صاحب اور بیرسٹر صاحب اسے پسند نہ کرتے اختلاف تو ہونا تھا وقت سے پہلے ہو گیا اور شاید یہ اچھا ہی ہوا۔"

"کیا کرنا چاہتے ہو تم۔ معاف کرنا اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ تمھیں گھر واپس بھجوانے کی ذمہ داری ایک بزرگ کی حیثیت سے مجھ پر بھی عاید ہوتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں فاروقی صاحب۔ سنیے لوگ اگر صاحب ثروت ہوں وسائل رکھتے ہوں تو اپنی اولاد کے بارے میں اپنی پسند کے مطابق نظریات رکھتے ہیں کوئی ڈاکٹر تخلیق کرتا ہے کوئی انجینئر کوئی جج اور بیرسٹر۔ زندگی انھی چند شعبوں میں محدود تو نہیں ہے اور بھی بہت سے شعبے خالی پڑے ہیں لیکن وہ لوگ سوچتے ہیں کہ دولت کے جو انبار انھوں نے لگائے ہیں ان کی اولادیں ان میں اضافہ کرتی رہیں۔ میں دولت کے حصول کو برا نہیں سمجھتا دولت کمانا بھی چاہتا ہوں لیکن اپنی پسند سے۔ میں نے اپنے جو راستے منتخب کیے ہیں وہ مجھے پسند ہیں۔ میں جن لوگوں سے دولت وصول کروں گا وہ دوسرے ہوں گے اور آپ دیکھیں گے کہ میں ایک نیا آشیانہ تعمیر کروں گا لیکن اپنا بیشتر وقت میں ان لوگوں کو بھی دینا چاہتا ہوں جو اس کے ضرورت مند ہیں جیسے یہ لڑکی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" فاروقی صاحب گردن ہلانے لگے اس کے بعد وہ دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے۔ پھر بولے۔ "بہرحال میری دعا ہے کہ تم نے جو بھی قدم اٹھایا ہے اس میں تمھیں کامیابی ہو۔ ہاں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔"

"تمھیں پیسوں کی ضرورت ہو گی۔ آج تک یہ بات کہنے کی جرأت نہیں ہو سکی لیکن اب مجبوری ہے۔ اس دوران جو کچھ بھی آمدنی ہوئی ہے اس کی نصف رقم میں نے تمھارے نام محفوظ رکھی ہے۔ یہ وقت ہے کہ میں وہ رقم تمھارے حوالے کر دوں۔"

"شکریہ فاروقی صاحب۔ سنیے میرے اکاؤنٹ میں کافی رقم جمع ہے اور طویل عرصے تک مجھے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ اس کے علاوہ فاروقی صاحب میرے پاس وسائل ہیں اور میں جب چاہوں اپنے لیے رقم کا بندوبست کر سکتا ہوں ویسے بھی آپ کی اس آمدنی میں میرا کوئی حق نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ میں آپ کے جونیئر کی تنخواہ لے سکتا ہوں جو بہرطور آپ کی آمدنی کا نصف نہیں ہوتا۔ اس موضوع پر گفتگو کر کے وقت ضائع کرنا بیکار ہے فاروقی صاحب یہ وعدہ رہا کہ اگر کچھ ضرورت پیش آئی تو آپ سے مانگ لوں گا۔"

"میں تو تمھاری ہر بات ماننے کا عادی ہوں۔" فاروقی صاحب مسکرا کر بولے۔

"شکریہ۔ تو پھر آپ کی تجویز پر آج ہی سے عمل کیوں نہ کروں؟"

"جیسے مناسب سمجھو۔" فاروقی صاحب گہری سانس لے کر بولے۔ اس کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ میں ان سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ استاد باہر موجود تھے۔ میں نے انھیں ضروری ہدایات دیں اور پھر باہر نکل آیا۔ اس سلسلے میں اصولی طور پر حنا سے رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا لیکن میں نے پہلے اس عمارت کا جائزہ لینا ضروری سمجھا۔ حنا کا دیا ہوا پتا مجھے یاد تھا چنانچہ اسے تلاش کرنے میں دقت نہیں ہوئی۔

دروازے پر چوکیدار موجود تھا۔ "جاوید موجود ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی صاحب!"

"میں ان کا دوست ہوں۔ ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"آئیے صاحب۔" چوکیدار بولا۔ میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ چوکیدار نے ڈرائنگ روم کھول دیا۔ تھوڑی دیر

کے بعد دُبلے پتلے بدن کا ایک خوب صورت نوجوان اندر داخل ہوگیا۔

"ہیلو جاوید کیسے ہو بھئی۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟" میں نے بے تکلفی سے کہا اور وہ مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"معاف کیجیے گا میں نے آپ نہیں پہچانا؟"

"جاوید کیا کہہ رہے ہو مجھے بھول گئے۔ شارق کو، اپنے پرانے دوست کو۔ جاوید میں شارق ہوں۔ تمھارے اسکول کا ساتھی تمھارا وہ دوست جس پر تم جان چھڑکتے تھے۔ تم مجھے بھول گئے جاوید" میری آواز بھرا گئی۔ "میں تو ۔۔۔۔ میں تو نہ جانے کیا کیا سوچ کر آیا تھا۔ نہ جانے کیا کیا سوچ کر ۔۔" میں ناک سے شوں شوں کی آوازیں نکالنے لگا۔

"سوری شارق سوری۔ میں بیمار ہوگیا ہوں۔ شارق میں بیمار ہوں نہ جانے میری یادداشت کو کیا ہوگیا ہے کچھ یاد نہیں رہتا سوری یار مائنڈ مت کرو۔ کہاں ہو آج کل؟" جاوید نے میری کیفیت سے متاثر ہوکر جلدی سے کہا۔

"پنڈی میں تھا۔ بہت دن سے تم یاد آرہے تھے اور جب قوتِ برداشت جواب دے گئی تو چل پڑا۔ سامان اسٹیشن پر رکھوایا اور سیدھا تمھارے پاس آگیا لیکن جاوید یہ بیماری ۔۔۔"

"ہاں۔ میں بیمار ہوگیا ہوں۔ کیا نام ۔۔۔ کیا نام ۔۔۔"

"شارق" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں۔ شارق ۔۔۔ شارق" وہ میرا نام یاد کرنے لگا۔

"حنا کیسی ہے اور ممی؟"

"سب لوگ ٹھیک ہیں" وہ اُلجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"اب تو تم نے مجھے پہچان لیا؟"

"بالکل ۔۔۔۔ بالکل پہچان لیا"

"تب تم میرے لیے انتظامات کرو میں اسٹیشن سے اپنا سامان اُٹھا لاتا ہوں" میں نے کہا۔ صرف عمارت دیکھنے نکلا تھا۔ چوکیدار کو دیکھ کر اچانک سُوجھ گئی تھی لیکن اس شاندار کامیابی کی اُمید نہیں تھی۔ اب اس موقع سے فائدہ نہ اُٹھانا حماقت تھی ہر حال سر گھسیڑ دیا تھا بعد کے حالات بعد میں دیکھے جائیں گے۔

جاوید مجھے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ میں فوراً وہاں سے چل پڑا۔ اس کے بعد سامان مہیا کرنے میں مجھے زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ باشیک فاروق صاحب کے گھر چھوڑی اور ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ دوسری بار جب کوٹھی میں داخل ہوا تو حالات مختلف تھے۔ جاوید کے ساتھ حنا بھی تھی اور ایک نوجوان عورت جو ہلکے سُرمئی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس ایک دلکش اور بھرے بھرے بدن کی مالک تھی۔ چوتھی شخصیت ایک خوب صورت مرد کی تھی جو بے حد اسمارٹ تھا رنگ و روپ سے مقامی لگتا ہی نہیں تھا۔ اُس نے بہترین تراش کا لباس پہنا ہوا تھا۔

حنا کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں شدید حیرت تھی۔ اُس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔

"ہیلو شارق بھائی۔ کمال ہے آپ تو بالکل بدل گئے"

"ہیلو حنا میرا خیال ہے ہم چھ سات سال کے بعد ایک دوسرے سے مل رہے ہیں" میں نے کہا۔

"اس سے بھی کچھ زیادہ عرصہ ہوگیا" حنا نے کہا۔

"ہیلو ممی۔ آپ سے پہلی بار مل رہا ہوں"

"ہیلو۔ اتفاق سے اس گھر میں پہلے کبھی تمھارا نام نہیں سُنا" خوب صورت عورت نے سرد لہجے میں کہا۔

"اسے اپنی بدقسمتی ہی کہہ سکتا ہوں جب کہ میں ان لوگوں کو ہمیشہ یاد کرتا رہا ہوں۔ مرحوم چچا جان مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ میرے گھرانے پر اُن کے بہت سے احسانات ہیں"

"آؤ اندر آؤ۔ حنا انھیں اُوپری منزل پر پہنچا دو۔ میں کچھ مصروف ہوں شارق خیال نہ کرنا رات کو کھانے پر ملاقات ہوگی" فرخندہ بیگم نے کہا۔ حنا اور جاوید میرے ساتھ اوپر آئے تھے۔ جاوید کچھ بے چین تھا اوپر پہنچ کر اُس نے کہا۔

"حنا شارق کا خیال رکھنا میں تھوڑی دیر کے لیے اجازت چاہتا ہوں۔ حنا اُسے دیکھ کر رہ گئی جاوید نے مجھ سے بھی معذرت کی اور چلا گیا۔ خوب صورت نوجوان اور فرخندہ بیگم نیچے ہی سے رخصت ہوگئے تھے۔ حنا نے مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا چند لمحات خاموش رہی پھر دروازے کی طرف بڑھ گئی دروازہ کھول کر اُس نے باہر جھانکا اور پھر واپس اندر آگئی۔

"خدا کی پناہ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی"

"کیا؟"

"آپ نے تو قیامت ہی ڈھا دی۔ اتنی برق رفتاری تک تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی"

"کام اسی انداز میں ہونا چاہیے حنا صاحبہ۔ ہم جاوید کی موت کا انتظار تو نہیں کرسکتے تھے"

"خدا نہ کرے۔ میرا بھائی۔ آپ نے اس کی حالت دیکھی ہے شارق صاحب"

"میری آمد کے بارے میں تمھیں کیسے پتا چلا؟"

"جاوید ممی سے آپ کے قیام کی اجازت لینے گئے تھے میں بھی وہاں موجود تھی۔ جاوید نے ممی سے کہا کہ اُن کے ایک دوست پنڈی سے آئے ہیں اور یہاں چند روز قیام کریں گے اُن کے لیے کون سا کمرا مخصوص کیا جائے۔ اس سے قبل کبھی ایسا نہیں ہوا۔ ممی نے تجویز پیش کی کہ اُنھیں یعنی آپ کو اپنے اخراجات پر کسی ہوٹل میں قیام کرا دیا جائے لیکن جاوید نہ مانے۔ ممی نے اجازت دے دی۔ میں خود بھی حیران تھی۔ میں نے جاوید سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے آپ کا نام لیا۔ مجھے آپ کا نام یاد تھا لیکن آپ کے اس قدر جلد پہنچ جانے کی اُمید نہیں تھی نہ ہی مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم تھا کہ آپ اس طرح یہاں۔ آپ نے واقعی کمال کیا ہے کیا جاوید سے واقعی شناسائی تھی؟"

"نہیں۔ شناسائی پیدا کی ہے"

"اور اُنھوں نے آپ کو اپنا دوست تسلیم کرلیا؟"

"میں نے کرالیا"

"بہت چالاک ہیں آپ لیکن یہ فیصلہ آپ نے کس طرح کیا۔ یہاں رہ کر آپ کیا کریں گے؟"

"وہ سب کچھ جو ضروری ہے"

"بہت اچھا کیا اب تمام حقیقتیں آپ کو معلوم ہوجائیں گی۔ میں آپ کو قریب رہ کر حالات سے آگاہ کرتی رہوں گی آپ خود بھی نگاہ رکھیں۔ آپ نے جاوید کی حالت دیکھی؟"

"ہاں۔ اچانک وہ کیوں چلے گئے؟"

"نشے کی طلب ہوئی ہوگی۔ آہ میرا بھائی"

"حوصلہ رکھیں حنا خود کو سنبھالے رکھیں یہ ضروری ہے۔ آپ کی ممی کے ساتھ وہ کون صاحب تھے؟"

"ممی کے کزن۔ طاہر مقصود"

"یہی تھے وہ؟"

"جی!"

"گڈ۔ ویسے آپ کی ممی کو میری یہاں آمد پسند نہیں آئی ہوگی؟"

"قطعی نہیں لیکن وہ شاید کوئی فیصلہ نہیں کر پائیں جب ہی بادل ناخواستہ اجازت دے دی"

"ٹھیک ہے۔ آپ مجھ سے گفتگو میں محتاط رہیں۔ بہت کم ملیں ویسے آپ نے مجھ سے شناسائی کا اظہار کرکے بہت اچھا کیا۔ دوسری بہت سی معلومات آپ سے حاصل کرنی ہے لیکن ابھی نہیں کسی خاص موقع پر"

"بہتر ہے ویسے آپ یقین کیجیے شارق صاحب آپ کے آجانے سے مجھے اتنا حوصلہ ملا ہے کہ میں شاید سکون کی نیند سو بھی نہ سکوں، خوشی کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آئے گی میں نے بہترین فیصلہ کیا تھا اور آپ کی قوتِ کارکردگی کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ مجھ سے ملاقات کے چند گھنٹوں کے اندر اندر آپ یہاں اس کوٹھی میں اس حیثیت سے موجود ہیں کیا تمام وکیل اتنے ہی اسمارٹ اور اعلیٰ کارکردگی کے حامل ہوتے ہیں؟"

"میں نے آپ سے عرض کیا نا حنا صاحبہ، خوشیوں کے اظہار کے لیے آپ خطرات مول نہ لیں۔ مجھ سے جتنی کم گفتگو کریں گی اُتنی ہی آپ کے حق میں بہتر ہوگی"

"بہت بہتر میں معافی چاہتی ہوں" حنا نے کہا لیکن وہ لڑکی واقعی خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی اور مجھے خدشہ تھا کہ کہیں وہ اپنی حماقتوں سے میری حقیقت کا اظہار نہ کر دے۔ ویسے جاوید سے بھی ملا تھا۔ خوب صورت نوجوان اپنی سرجنبش سے بیمار نظر آتا تھا۔ ہیروئن کے مریضوں کو میں نے بہت زیادہ تو نہیں دیکھا تھا لیکن اُس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ اُس کی گفتگو میں ہکلاہٹ اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ وہ شدید نشے کا عادی ہے لیکن نشہ الگ چیز ہے اگر اُسے زہر دیا جا رہا ہے تو پھر اُس کی ہلاکت میں بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ بظاہر بے چارہ ٹھیک نظر آتا تھا افسوس ایک ظالم عورت کی خوفناک درندگی کا شکار ہو رہا تھا۔ میری فطرت میں تو انسانوں سے محبت بسی ہوئی تھی اور خاص طور سے کوئی بھی ایسی شخصیت جو مظلوم ہو اور جسے مدد اور انصاف درکار ہو میرے لیے باعثِ توجہ ہوتی تھی چنانچہ مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ میری اتفاقیہ یہاں آمد اور بروقت فیصلہ کم از کم جاوید سعید کے حق میں بہتر تھا اور اب میں دوسرے کاموں سے بھی دریغ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اُس کی حالت کافی خراب تھی۔ اپنے کمرے میں قید رہ کر میں نے اس سلسلے میں بہت سے منصوبے ترتیب دیے۔ عملی زندگی کا آج سے آغاز ہونا تھا لیکن میں ایک خوشنما کوٹھی ۔۔۔ کا تھا۔ بس یہی خطرہ تھا کہ میری شخصیت کو یہاں صیغۂ راز میں رہنا چاہیے۔ ویسے طاہر مقصود بھی مجھے کافی خطرناک شخصیت کا مالک نظر آتا تھا بہت اسمارٹ تھا۔ بہت خوب صورت تھا لیکن اس کی خوبصورتی کے پیچھے کوئی وحشی درندہ بھی ہوسکتا تھا۔ اس بات کے امکانات

بہت زیادہ تھے کہ وہ فرخندہ بیگم کا دستِ راست ہو ورنہ پھر اُس کی اس کوٹھی میں موجودگی کیا معنی رکھتی تھی۔ کیا صرف کزن ہونے کے ناطے وہ فرخندہ بیگم پر مسلط تھا۔ بہرطور یہاں موجود ان تمام افراد کو چیک کرنا تھا بشرطیکہ تقدیر اس کی اجازت دے۔ باقی تمام مصروفیات میں نے فوری طور پر ترک کر دی تھیں۔ ابھی تو میں استاد پچونے یا فاروقی صاحب کو بھی یہ اطلاع نہیں دے سکا تھا کہ میں نے اپنا کام اچانک ہی شروع کر دیا ہے ممکن ہے وہ لوگ میرے لیے کافی پریشان ہوں لیکن کم از کم آج کا دن محتاط انداز میں گزارنا تھا اور اُس کے بعد ان لوگوں کو اطلاع دے دی جائے گی۔ جاوید سعید میرے پاس سے جانے کے بعد دوبارہ واپس نہیں آیا تھا۔ رات کے کھانے تک نہ ہی حنا سعید نے مجھ سے ملاقات کی نہ ہی فرخندہ بیگم یا اور کوئی شخص میرے پاس آیا لیکن رات کے کھانے کے لیے مجھے ایک ملازمہ بلانے آئی تھی۔

"بڑی سرکار یاد کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" میں نے جواب دیا۔ اس دوران غسل کر کے لباس تبدیل کر لیا تھا اور نوک پلک اچھی طرح سنوار لیے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر فرخندہ بیگم، طاہر مقصود اور حنا کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ جاوید سعید شاید نشے میں پڑا ہوا تھا۔ ان تینوں ہی نے پُرتکلف انداز میں میرا استقبال کیا۔ طاہر مقصود نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی شارق صاحب معاف کیجیے گا درحقیقت آپ مہمان تو جاوید سعید کے تھے لیکن اپنے اتنے قدیم اور گہرے دوستوں سے اس قدر ناواقف رہنا بھی عجیب لگتا ہے۔ چھ سات سال کے بعد بقول آپ کے، آپ راولپنڈی سے واپس آئے تو آپ کو اپنا دوست یاد آ گیا جبکہ اس دوران آپ کا اس سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ طاہر صاحب؟"

"دیکھ لیں بھئی آپ کا دوست آپ کے استقبال کے لیے کھانے کی میز پر موجود نہیں ہے!"

"میں حیران ہوں! وہ مجھ سے تھوڑی دیر کے بعد آنے کا وعدہ کر کے گیا تھا اور اُس کے بعد دوبارہ مجھ سے نہیں ملا۔ میرا خیال ہے یہ چھ سات سال ہمارے درمیان بہت اونچی دیوار کھڑی کر چکے ہیں۔ اُس نے تو تقریباً مجھے پہچاننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ بیمار ہے اس کی یادداشت کمزور ہو گئی ہے لیکن کیا اس قدر کہ اپنے گہرے دوست کو ہی نہ پہچان سکے۔ تاہم میں آپ کی باتوں کا مقصد سمجھ رہا ہوں۔ طاہر مقصود صاحب آپ یقین کیجیے مجھے یہاں زیادہ عرصہ قیام نہیں کرنا ہے لیکن اس کے باوجود میں آپ کو مزید تکلیف نہیں دوں گا۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ شارق صاحب! یہ تصور آپ نے کیسے قائم کیا کہ جاوید سعید کے دوست ہونے کی وجہ سے ہم آپ کو نظرانداز کر دیں گے یا طاہر کی گفتگو میں اس قسم کی کوئی بات ہے ہرگز نہیں۔ کھانا شروع کیجیے ٹھنڈا ہو جائے گا اُس کے بعد میں آپ کی تسلی کرنے کی کوشش کروں گی۔ پلیز شارق صاحب! طاہر کی باتوں کو نظرانداز کر دیجیے گا۔ بھلا آپ کو یہاں سے کون جانے دے گا۔"

"شکریہ ممی! میں واقعی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں خاص طور سے جاوید کے اس طرح مجھے نظرانداز کر دینے سے۔"

"ہم لوگ ہیں آپ جتنے دن بھی یہاں قیام کرنا چاہیں ہمیں مسرت ہو گی رہا ان باتوں کا تذکرہ تو براہ کرم آپ اس گفتگو کو اپنے ذہن سے خارج کر دیجیے گا۔ میں آپ کو حکم بھی دے سکتی ہوں لیکن فی الحال اسے میری التجا سمجھیے۔ حنا مہمان کی خاطر کرو۔" فرخندہ بیگم نے نرم لہجے میں کہا۔ اُس کے انداز میں بڑی اپنائیت اور نرمی تھی۔ حنا نے ڈشیں اُٹھا اُٹھا کر میرے سامنے پیش کرنا شروع کر دیں۔ میں نے شکریہ کے ساتھ چند چیزیں قبول کر لیں اور کھانا شروع ہو گیا۔ طاہر مقصود اب سنجیدہ ہو گیا تھا کھانے سے فارغ ہونے کے بعد فرخندہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً آپ ابھی تک طاہر کی باتوں سے متاثر ہیں۔ کیا میری یہ التجا آپ پُراثر انداز نہیں ہوئی؟"

"نہیں ممی ایسی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں آپ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں شارق صاحب۔ کیوں طاہر کیا آپ مجھے اجازت دیں گے۔ کیوں حنا؟" فرخندہ بیگم بولیں۔

"ضرور ممی ضرور۔" طاہر کی بجائے حنا جلدی سے بول اُٹھی۔

"آئیے شارق صاحب آپ کو تسلی دینا میرا فرض ہے۔"

فرخندہ بیگم کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا میں کوٹھی کے عقبی حصے میں پہنچ گیا جہاں ایک خوب صورت چھوٹا سا لان لگا ہوا تھا رات کی رانی مہک رہی تھی اور ایک چھوٹے سے فوارے میں لگی لائٹس فضا میں روشنی بکھیر رہی تھیں اس میں خصوصی طور پر پانی کو روشن کرنے کے لیے سفید بلب لگائے گئے تھے جس کی

وجہ سے وہ بہت خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے اردگرد چھوٹی چھوٹی چار گول نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ فرخندہ بیگم مجھے لیے ہوئے وہاں پہنچ گئیں اور مجھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا تھا۔

"بعض لوگوں کو زندگی میں ایسے دکھوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے شارق صاحب کہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا کریں۔ آپ کے خیال میں میری عمر کیا ہو گی؟"

"جی؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں آپ کے اندازے کے مطابق میری عمر کتنی ہے؟"

"اس سلسلے میں، میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔ میری عمر کو جانے دیجیے۔ کیا آپ کے منہ سے مجھے ممی سن کر اچھا لگتا ہو گا؟"

"ہم..... میں میں ... میرا مطلب ہے۔"

"نہیں شارق صاحب انسان فطری طور پر بہت کمزور ہے۔ بہت سے رشتے اُس سے منسوب کر دیے جاتے ہیں لیکن ان میں بے شمار رشتے ایسے ہوتے ہیں جو اُسے ناپسند ہوتے ہیں براہ کرم میری آپ سے ایک التجا اور ہے۔ مجھے ممی نہ کہیں خواہ مخواہ میرے دل پر ایک ضرب سی پڑتی ہے۔ ایک دباؤ سا محسوس ہوتا ہے مجھے۔ فرخندہ بیگم نہ کہیں تو صرف بیگم صاحبہ کہہ دیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اس کے پس پردہ کوئی بھی احساس نہیں ہے۔ پاکیزگی کے وہ تمام رشتے ہمارے اور آپ کے درمیان قائم رہیں گے جو ممی کے مترادف ہو سکتے ہیں۔ مجھے بس آپ کے ممی کہنے سے ایک عجیب سا جھٹکا لگتا ہے۔ کیا آپ میری یہ التجا قبول کر لیں گے؟" بڑی عمدہ گفتگو تھی، بڑی عجیب سی آواز تھی میں اُس آواز کے سحر میں کھو سا گیا۔ جو خواہش کی جا رہی تھی اُس میں ذرا بھی کھوٹ نہیں تھی یہ الفاظ کہہ کر کہ پاکیزگی کے وہ تمام رشتے جو ممی کہنے کے مترادف تھے ہو سکتے ہیں میرے اور بیگم صاحبہ کے درمیان قائم رہیں گے۔ نجانے کیوں فرخندہ بیگم نے مجھے متاثر کر دیا تھا۔ میں نے اُن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بس دیکھتا رہا۔ فرخندہ بیگم کے چہرے پر چند لمحات کے لیے افسردگی کے جذبات نظر آنے لگے پھر اُنھوں نے یک دم خود کو سنبھال لیا اور مسکراتی ہوئی بولیں۔

"تم بھی کیا سوچ رہے ہو گے میرے بارے میں شاید۔ بہرحال یہ ایک التجا تھی مانو یا نہ مانو۔ جاوید کے دوست کی حیثیت سے تم میرے لیے بہت محترم ہو۔ جاوید کے بارے میں جاننے کے لیے تمہارے دل میں خواہش ضرور ہو گی۔ طاہر مقصود میرا عزیز ہے اُس کا کوئی نہیں ہے اس دُنیا میں میں نے اُس سے درخواست کی تھی کہ وہ ہمارے ساتھ آ کر رہے۔ ہر چند کہ سعید مرحوم کے بعد میں نے ہمت کر کے تمام کاروبار کو اپنے کنٹرول میں لے لیا ہے لیکن اس کے باوجود میں عورت ہوں اور ہر جگہ مرد کی کمی محسوس کرتی ہوں مجھے کوئی ایسا ساتھی درکار تھا جو میرے ساتھ شامل ہو کر کاروبار کی نگرانی کر سکے۔ بہرطور طاہر زبان کا کڑوا ہے اور سوچے سمجھے بغیر کچھ باتیں مُنہ سے نکال دیتا ہے لیکن اُن کے پس پردہ کوئی گھناؤنا پن نہیں ہوتا۔ جاوید کا سلسلہ بہت عجیب ہے شارق۔ تم بہت عرصے بعد اُس سے ملے ہو یقیناً وہ پہلے بہترین نوجوان تھا۔ انتہائی محبت کرنے والا، سادہ لوح اور مخلص حالات سے مکمل سمجھوتا کر لینے والا لیکن اُسے کسی کی نظر کھا گئی۔ نہ جانے کب اور کس طرح اُسے نشہ آور اشیاء کی لت پڑ گئی اور جب ہمیں اس کا علم ہوا تو بہت وقت گزر چکا تھا میں نے بہت کوشش کی کہ جاوید کو اس لعنت سے چھٹکارا دلاؤں لیکن شاید یہ بات تم بھی جانتے ہو کہ نشہ آور اشیاء کا چھوٹنا انسان کی قوتِ ارادی پر منحصر ہوتا ہے کوئی بھی اُسے مجبور نہیں کر سکتا۔ جاوید کے سلسلے میں بھی بارہا ایسا ہی ہوا۔ میں نے کوششیں کیں لیکن وہ ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اُس کی صحت روزبروز گرتی جا رہی ہے۔ میں اُس کی طرف سے تشویش کا شکار ہوں لیکن مجھے بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں۔ البتہ میں تمہیں اس کی پیش کش کرتی ہوں شارق کہ جاوید کی زندگی بچانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو ایک دوست کی حیثیت سے ضرور کرو۔ تمہارے پاس سے وہ اس لیے چلا گیا ہو گا کہ اُسے نشے کی طلب ہو رہی ہو گی اور نشہ کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں یا تو بستر پہ پڑا ہو گا یا فرش پر۔ اکثر اُسے بُری حالت میں باہر سے اُٹھا کر گھر لایا جاتا ہے میں خود انتہائی پریشانی کا شکار ہوں۔" میں نے اس قسم کی اداکاری شروع کر دی جیسے جاوید کے بارے میں یہ انکشاف سن کر مجھے صدمہ ہوا ہو۔ میں نمناک نگاہوں سے فرخندہ بیگم کو دیکھتا رہا اور پھر میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آہ! بیگم صاحبہ کیا آپ اس بات پر یقین کر سکتی ہیں کہ جاوید مثالی کردار کا نوجوان تھا۔ شاید کبھی نہ بہکنے والوں میں سے اُسے کیا ہو گیا اچانک ہی اُسے کیا ہو گیا؟ کیا اُس کی صحبت غلط ہو گئی تھی۔ کیا اُس نے دوستوں میں بہت زیادہ اُٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا تھا یہ نشہ اُسے خود بخود تو نہیں لگ سکتا۔"

"میں نہیں جانتی۔ ویسے اُس کے دوستوں کی تعداد بھی بہت زیادہ نہیں تھی۔ گنے چنے لوگ ہیں اور اتفاق کی بات ہے کہ ان میں سے کوئی نشہ آور چیزوں کا عادی نہیں ہے پھر یہ بات میں کیسے کہہ سکتی ہوں کہ نشے کی یہ لت اُسے اُس کے کسی دوست نے لگائی ہے وہ کہاں اس لعنت کا شکار ہوا یقین کرو اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔" میں چند لمحات سکتے کے عالم میں رہا بیگم صاحبہ دُکھ بھری نگاہوں سے میری صورت دیکھتی رہیں پھر اُنھوں نے کہا۔

"تمھیں یقیناً حالات کا علم ہوگا شارق۔ کم از کم جاوید سے تمھاری خط و کتابت رہی ہوگی۔ میں اُس کی سوتیلی ماں ہوں۔ میرے یہاں آنے کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں یقینی طور پر کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہوں گی لیکن یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ میں نے سعید مرحوم کے ساتھ ساتھ اُن دونوں کو بھی دل سے قبول کر لیا تھا اور میرے دل میں اُن کے لیے وہی گنجائش موجود ہے جو ایک ماں کے دل میں اپنی اولاد کے لیے ہو سکتی ہے اور پھر ویسے بھی میں صاحبِ اولاد نہیں ہوں ہر چند کہ چھوٹے چھوٹے بچے درحقیقت بچے کہہ کر پکارے جاتے ہیں لیکن جذبوں کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ میرے دل میں اُن دونوں کے لیے وہ شدید جذبے تو نہیں ہیں جو اپنے بچوں کے لیے ہو سکتے ہیں لیکن سعید مرحوم کے بچوں کی حیثیت سے میں اُنھیں اتنا ہی چاہتی ہوں جتنا اپنے بچوں کو چاہ سکتی تھی۔"

"یقیناً بیگم صاحبہ ایسا ہی ہوگا بھلا اس میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔"

"شارق! طاہر مقصود نے جو کچھ تم سے کہا یقیناً تمھارا ذہن اب اُس کی طرف سے صاف ہو گیا ہوگا۔ حنا کا تعاون حاصل کرو وہ بھی بہت اچھی لڑکی ہے۔ جاوید کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو ضرور کرو۔ ممکن ہے دوست ہونے کی حیثیت سے وہ تمھاری باتیں مان لے۔"

"اب تو یہ میرا فرض ہو گیا ہے بیگم صاحبہ کہ میں جاوید کے لیے کچھ کروں۔"

"تم اخراجات کی بالکل فکر مت کرنا جو کچھ بھی خرچ ہوگا میں اُس پر کروں گی۔ جس طرح چاہو اُس کے لیے کرو لیکن تمھیں ذہنی طور پر خود اُسے تیار کرنا ہوگا کہ وہ اپنا علاج کرائے کیا تم یہ کام کر سکو گے شارق؟"

"کیوں نہیں اور پھر آپ کی ہدایت ہے تو... ضرور کروں گا۔ آپ بہت اچھی انسان ہیں۔"

"شکریہ۔ میں تم سے بس یہی کہنا چاہتی تھی اس کوٹھی کا سوگوار ماحول تمھیں یقیناً پسند نہیں آئے گا۔ اپنے ہنستے اور مسکراتے دوست کے پاس آئے ہوگے لیکن اب وہ اس شکل میں موجود ہے تم خود دیکھ لو۔ یقین کرو اس میں کسی کا قصور نہیں ہے۔ وہ خود ہی بھٹک گیا ہے کیونکہ اس کا اندازہ ہم میں سے کسی کو نہیں ہو سکا اگر تم اُس سے معلوم کر سکو تو میں تمھاری شکر گزار ہوں گی۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ اب یہ میری ڈیوٹی ہو گئی ہے۔"

"تو پھر یہاں سے کہیں جاؤ گے تو نہیں۔ کم از کم اُس وقت تک جب تک جاوید کی حالت بہتر نہ ہو جائے۔"

"جی میں وعدہ کرتا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور فرخندہ بیگم نے ایک بار پھر میرا شکریہ ادا کیا۔ تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھی رہیں پھر کلائی پر بندھی ہوئی خوب صورت گھڑی میں وقت دیکھا اور اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں اب سونے جاؤں گی تم اگر چاہو تو حنا وغیرہ سے بات چیت کرو۔ خدا حافظ۔" وہ چلی گئیں اور تھوڑی دیر کے بعد میں بھی کوٹھی میں اپنے کمرے میں آگیا لیکن حنا کو میرے پاس آنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی نا ہی طاہر مقصود کے بارے میں اندازہ ہو سکا تھا کہ وہ کہاں ہے میں نے اپنے کمرے میں آکر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور اُن واقعات پر غور کرنے لگا۔

دوسری صبح خوشگوار تھی اس لیے کہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور سورج کا نام و نشان نہیں تھا۔ کُھلی ہوئی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے سرمئی بادلوں کے غول نظر آرہے تھے اور موسم میں ایک عجیب سی مستی پیدا ہو گئی تھی میں چونک پڑا یہ کھڑکی کیسے کھل گئی! جبکہ رات کو تو یہ بند تھی۔ دروازے کی سمت دیکھا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا۔ یقیناً یہ ایسا دروازہ تھا جسے باہر سے بھی کھولا جا سکتا تھا۔ میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر اس بات کا اندازہ لگایا اور پھر مجھے اس بات پر حیرت رہی یقیناً کوئی ملازمہ آئی ہوگی اور پردہ ہٹا کر کھڑکی کھول گئی ہوگی۔ میں نے باتھ روم میں جاکر غسل کیا لباس پہنا اور باتھ روم سے باہر آیا ہی تھا کہ وہی ملازمہ آگئی۔

"ناشتے پر آپ کا انتظار کیا جا رہا ہے۔" ناشتے کی میز پر بھی جاوید نہیں تھا۔ بیگم فرخندہ اور حنا نے میرا استقبال کیا۔ اس وقت طاہر مقصود بھی موجود نہیں تھا۔ فرخندہ بیگم خاموشی سے ناشتے

میں مصروف ہو گئیں۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اُنھوں نے کہا۔

"جاوید کی طبیعت رات سے کافی خراب ہے۔ حنا نے مجھے آکر بتایا تھا وہ اپنے کمرے میں نیم بے ہوشی کی کیفیت میں پڑا ہوا ہے اور چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے ساڑھے نو بجے کا وقت دیا ہے ڈاکٹر نے اُس سے پہلے شاید وہ نہیں آسکتے تھے۔"

"اوہ! کیا میں اُسے دیکھ سکتا ہوں؟"

"کیوں نہیں، حنا انھیں جاوید کے کمرے میں لے جاؤ۔" فرخندہ بیگم نے حنا کو حکم دیا اور حنا خاموشی سے اُٹھ گئی وہ میرے ساتھ ساتھ قدم ملاتی ہوئی آگے بڑھی اور جاوید کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اُس کی سسکیاں جاری ہو گئی تھیں اُس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے اُس نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیکھ رہے ہیں شارق صاحب۔ دیکھ رہے ہیں میرے بھائی کو۔ دیکھ رہے ہیں اسے جو مثالی صحت کا مالک تھا اُس کی حالت دیکھ رہے ہیں۔" وہ تیز تیز سسکیاں لینے لگی اور میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"حنا آپ کو ہمت رکھنی چاہیے اگر آپ نے اپنی ہمت توڑ دی تو ہم اپنا کام کیسے جاری رکھ سکیں گے۔ میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ رات کو مناسب نہیں سمجھا کیا اس وقت آپ یہ کمرا محفوظ سمجھ رہی ہیں۔"

"ہاں بظاہر کوئی خدشہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کسی کو بھی آپ پر شبہ نہیں ہو سکا شارق۔ بے چارے جاوید کی تو حالت ہی بہتر نہیں ہے جو وہ حقیقتوں کا انکشاف کر سکے آپ دیکھیے اسے ذرا دیکھیے۔" حنا کرب سے تڑپتی ہوئی جاوید کی مسہری کے پاس پہنچ گئی وہ مسہری پر بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ ہونٹ خشک تھے اور اُن پر پپڑیاں جم رہی تھیں۔ چہرے پر واقعی ایک عجیب سی پیلاہٹ چھائی ہوئی تھی۔ میں اُسے دیکھتا رہا اس مظلوم نوجوان کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ انتہائی باعثِ کرب تھا میں نے اُس کے دل کی دھڑکنیں سنیں، نبض دیکھی بظاہر ٹھیک ٹھاک ہی تھا لیکن بہر طور اُس کی حالت بہت زیادہ بہتر نہیں تھی۔"

"کون سے ڈاکٹر کو دکھایا جاتا ہے اِسے؟"

"ہمارے فیملی ڈاکٹر ہیں۔"

"کیا تمھیں اُن پر اعتماد ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتی، شارق میں بالکل کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ میرا ذہن خود بھی ماؤف ہو چکا ہے۔" حنا نے پیشانی پکڑتے ہوئے گلوگیر آواز میں کہا۔

"حوصلہ حنا، حوصلہ حنا۔" میں سیدھا کھڑا ہو گیا اور پھر میں نے حنا سے کہا۔ "جاؤ ذرا باہر دیکھو، میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" حنا دروازہ کھول کر اُس طرف باہر نکلی جیسے کسی کام سے جا رہی ہو لیکن جب باہر اُس نے حالات پُرسکون دیکھے تو واپس آگئی۔

"کوئی بھی ہماری طرف متوجہ نہیں ہے۔" اُس نے کہا۔

"رات کو فرخندہ بیگم سے میری کافی طویل گفتگو ہوئی اور اتفاق سے وہ چند جملے کہہ کر خود اپنے ہی جال میں پھنس گئی ہیں۔"

"کیا؟"

"اُنھوں نے جاوید کی حالت پر ہمدردی اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے دوست ہونے کی حیثیت سے مجھ سے درخواست کی ہے کہ اگر جاوید کی صحت یابی کے لیے کوشش کر سکوں تو وہ میری شکر گزار ہوں گی بہت تشویش کا اظہار کر رہی تھیں مجھ سے۔"

"تم شاید اس بات پر یقین نہ کر سکو شارق کہ ناگنیں انسانی رُوپ اختیار کر لیتی ہیں۔ میں نے قصے کہانیوں میں پڑھا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے پہلی بار ایک ناگن کو دیکھ رہی ہوں جو بلا شبہ بے حد خوفناک ہے اتنی خوفناک کہ تم تصور نہیں کر سکتے اُس کی باتوں میں مٹھاس ہے لیکن اگر یہ مٹھاس تمھاری زبان تک پہنچ جائے تو یقین کرو تم ایک لمحہ بھی زندہ نہ رہ سکو وہ اتنی زہریلی ناگن ہے کہ اُس کا کاٹا ہوا پانی نہیں مانگتا اُس کا لہجہ اتنا شیریں ہے کہ کوئی بھی ملنے والا کبھی اُس کے بارے میں غلط رائے قائم نہیں کر سکتا اندر سے وہ کیا ہے کاش تم اس بات کو جان سکو شارق۔"

"میں جان لوں گا حنا تم فکر مت کرو، میں اچھی طرح جان لوں گا۔ جو ڈاکٹر جاوید کو دیکھ رہا ہے مجھے اُس کے بارے میں بھی تشویش ہو گئی ہے اگر وہ ڈاکٹر ہے تو اُسے یقینی طور پر اس بات کا علم ہو جانا چاہیے کہ جاوید کی یہ حالت صرف نشہ آور ادویات کی وجہ سے نہیں بلکہ اُس کے معدے میں زہر بھی اُتر رہا ہے۔" حنا کسی سوچ میں ڈوب گئی اور پھر اُس نے پُرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو یقیناً تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ معاف کرنا پریشانی کے عالم میں میں آپ سے تم پر اُتر آئی۔ براہِ کرم اس بات کو محسوس نہ کرنا۔"

"ان احمقانہ باتوں کو محسوس کرنے کا وقت بھی نہیں ہے ہمارے پاس حنا۔ ہمیں اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہیے تمھیں تو میں اپنے ساتھ جانے کی دعوت تو نہیں دے سکتا کیونکہ اس طرح فرخندہ بیگم مشکوک ہوسکتی ہیں لیکن میں خود اپنے پسندیدہ ڈاکٹر کے پاس جاوید کو لے جاؤں گا اور اُس کا طبّی معائنہ کراؤں گا۔ اس سلسلے میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔ تم بالکل اطمینان رکھو۔"

"بہت بہت شکریہ شارق۔ کاش میں اپنے جذبات کا الفاظ میں اظہار کرسکتی۔"

"بس۔۔۔۔ بس۔" میں نے اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم بالکل مطمئن رہو یہ میری ذمہ داری ہے اور اب تم اس سلسلے میں ذرا بھی پریشان نہ ہو۔ خدا جو کچھ بھی کرے گا بہتری کرے گا۔ ہم ہر ممکن طریقے سے جاوید کی جان بچانے کی کوشش کریں گے۔ باقی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔" حنا ایک سسکی لے کر خاموش ہوگئی۔ اُس نے اپنے آنسو خشک کرلیے تھے۔ مجھے اس لڑکی پر بے حد ترس آرہا تھا اور اتنا ہی ترس مجھے جاوید پر آرہا تھا جو زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار تھا اُس کی موجودہ حالت بتاتی تھی کہ وہ اندر سے کافی ختم ہوچکا ہے اور اس بات کے امکانات بھی تھے کہ کوئی بھی ہوا کا تیز جھونکا اُس کی زندگی کے چراغ کو بُجھا دے گا۔ بہت دیر کے بعد حنا نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا جاوید کے ساتھ جو کچھ کیا جاسکتا تھا کیا جاچکا تھا اور اب وہ صرف موت کی گھڑیاں گن رہا تھا۔

ساڑھے نو بجے ڈاکٹر پہنچ گیا۔ طاہر مقصود ابھی تک کوٹھی واپس نہیں آیا تھا۔ فرخندہ بیگم خود ڈاکٹر کو لے کر جاوید کے کمرے کی طرف بڑھیں ہم نے اُنھیں دُوری سے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ بھی وہیں پہنچ گئے۔ جاوید اُسی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے نہایت اطمینان سے اپنے آلات نکالے اور جاوید کے سینے اور سانس وغیرہ کا جائزہ لینے لگا۔ میں ڈاکٹر کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ زیادہ عمر رسیدہ شخص نہیں تھا۔ چہرے ہی سے مکاری اور عیاری ٹپکتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بَلا کی شیطنت تھی وہ ایک شاطر شخص نظر آرہا تھا۔ جاوید کا معائنہ کرلے کے بعد اُس نے گہری سانس لی اور طنزیہ لہجے میں بولا۔

"یہ شخص خود کو ختم کر رہا ہے تو آپ لوگ اس کی زندگی بچانے کے خواہاں کیوں ہیں؟"

میں نے عجیب سی نگاہوں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔ حنا کچھ نہیں بولی تھی۔ ڈاکٹر نے بیگ سے ایک انجکشن اور سرنج نکالی اور چند لمحات کے بعد انجکشن جاوید کے بازو میں انجیکٹ کردیا۔ پھر اُس نے حنا کی طرف دیکھ کر آہستہ سے کہا۔

"سب کچھ معمول کے مطابق ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن کی کیفیت بحال ہو جائے گی لیکن اس طرح کب تک زندگی کی گاڑی دھکیل سکیں گے۔ مجھے اجازت۔" حنا نے بے بسی سے گردن ہلادی اور ڈاکٹر واپس چلا گیا۔

میں جاوید کی صورت دیکھ رہا تھا اور میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔ حنا اپنے کمرے میں چلی گئی اور اب میری بھی وہاں موجودگی ضروری نہیں تھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حنا نے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ پھر اندر آگئی۔

"اب کیا پروگرام ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"میں تھوڑی دیر کے لیے جا رہا ہوں حنا۔ فاروقی صاحب کو ابھی میری کاروائی کا علم نہیں ہے۔ اُنھیں مطمئن کرنا ہے۔"

"میں بھی تھوڑی دیر کے بعد دفتر آجاؤں؟"

"اگر کوئی دقّت نہ ہو تو ضرور آجاؤ۔"

"میں نے اُس کے لیے طریقۂ کار دریافت کرلیا ہے۔ میں برقعہ وغیرہ نہیں اوڑھتی لیکن جاوید کے سلسلے میں انتظامات وغیرہ کرنے کے لیے میں نے برقعے کا بندوبست کیا ہے۔ یہاں سے نکل جاتی ہوں ایک جگہ منتخب کر رکھی ہے۔ وہاں پہنچ کر برقعہ پہنتی ہوں وہاں سے اپنی کارروائیاں کرتی ہوں اور اس کے علاوہ کیا بھی کیا جاسکتا ہے۔ میں کسی کی نگاہ میں نہیں آنا چاہتی ورنہ اگر فرخندہ بیگم میری کارروائیوں سے واقف ہوگئیں تو میں جانتی ہوں کہ میرا کیا حشر ہوگا۔"

"کاش! میں تمھیں ان مصیبتوں سے نکال سکوں۔" میں نے ہمدردی سے کہا اور حنا کا چہرہ روہانسا ہوگیا۔ اُس نے دروازے کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں چلتی ہوں۔ تقریباً دو گھنٹے بعد آپ کے پاس دفتر آؤں گی۔" میں نے گردن ہلادی۔ حنا چلی گئی اور تھوڑی سی دیر بعد میں تیار ہوکر باہر نکل آیا۔ میں نے فرخندہ بیگم کو اطلاع دینا ضروری سمجھا تھا میں ان کے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو وہ شاید باہر ہی نکل رہی تھیں۔

"ہیلو" میں نے کہا۔

"آؤ شارق کوئی کام تو نہیں ہے مجھ سے؟" انھوں نے پوچھا۔

"نہیں بیگم صاحبہ۔ میں ذرا باہر جا رہا ہوں اطلاع دینے حاضر ہوا تھا۔"

"کہاں جاؤ گے؟"

"کچھ اور شناسا بھی ہیں یہاں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتادو۔"

"نہیں بے حد شکریہ۔ میں تو خود چور سا بن گیا ہوں۔ آپ لوگ پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں ایسے حالات میں کسی مہمان کی آمد اور پریشان کرتی ہے۔"

"تو پھر اپنے آپ کو مہمان مت سمجھو شارق۔ تم خود بھی ہماری پریشانیوں میں شریک ہوجاؤ۔" فرخندہ بیگم نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کاش میں آپ کی اُلجھنوں کا حل تلاش کرسکتا۔" میں نے کہا۔

"خیر۔ تم باہر جاؤ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم دوپہر کا کھانا بھی گھر پر نہیں کھاؤ گے؟"

"نہیں پلیز آپ انتظار نہ کریں۔ البتہ رات کے کھانے پر آپ کا ساتھ ضرور دوں گا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔" فرخندہ بیگم نے حسبِ معمول نرم لہجے میں کہا اور میں باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ٹیکسی میں جا رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے بالکل ہی غیر متعلقہ جگہ کا پتا بتا دیا تھا۔ یہ بات نظر انداز نہیں کرسکتا تھا کہ کوٹھی سے میرا تعاقب بھی کیا جاسکتا ہے۔ محتاط رہنا ضروری تھا۔

جس جگہ کا پتا میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو بتایا تھا وہاں پہنچ کر میں نے بل ادا کیا اور خواہ مخواہ ایک عمارت میں داخل ہوگیا۔ راستے بھر میں تعاقب کا جائزہ لیتا رہا تھا لیکن مجھے کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔

عمارت میں تھوڑا وقت گزارنے کے بعد میں باہر نکلا اور ایک اور ٹیکسی کرکے دفتر کی جانب چل پڑا۔ دفتر پہنچا تو حالات میری توقع کے مطابق تھے۔ فاروقی صاحب نے اپنی تمام مصروفیات ترک کردی تھیں۔ استاد محمود بھی پریشان تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو اُستاد اُچھل کر کھڑے ہوگئے ان کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غصّے کے آثار نظر آئے لیکن فوراً ہی اُنھوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

"ہیلو اُستاد۔" میں نے کہا اور اُستاد کے ساتھ ہی فاروقی صاحب کے دفتر میں داخل ہوگیا۔ فاروقی صاحب کرسی کی پُشت سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑے۔

"کہاں رہ گئے تھے بھئی۔ کتنا پریشان کیا ہے تم نے۔ کیا اس کا اندازہ ہے؟"

"کیوں نہیں فاروقی صاحب لیکن ہم نے جن راستوں پر قدم بڑھائے ہیں وہاں ایسی پریشانیاں تو لاحق ہوتی رہیں گی۔" میں نے مسکرا کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مگر ہمیں کچھ پتا تو چل جاتا۔ یہ تو معلوم ہوجاتا کہ کہاں مصروف رہو گے اور پھر جو لے صاحب نے جب یہ بتایا کہ تم رات کو بھی نہیں پہنچے تو اور بھی دہشت ہوگئی۔ کہاں رہ گئے تھے رات کو اور وہ بھی کسی کو بتلائے بغیر؟"

"چُھری تلے دم تو لیجیے فاروقی صاحب۔ ذرا تفصیل سے بتانے کی باتیں ہیں۔" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

اُستاد محمود ابھی پیچھے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے گردن گھما کر اُنھیں دیکھا تو وہ جلدی سے بولے۔

"کچھ چائے وغیرہ لاؤں؟"

"دیکھا فاروقی صاحب۔" اُستاد نے کیا بھیگا ہوا جوتا رسید کیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیوں اُستاد آخر استادی دکھا ہی دی۔" اُستاد نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اُستاد واقعی بہت پریشان تھے تمھارے لیے اور پھر موجودہ حالات یعنی تم نے اپنا گھر بھی چھوڑ دیا ہے۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"گھر کی طرف سے تو کوئی خبر نہیں ملی؟"

"نہیں۔ کچھ نہیں۔"

"یہ اچھی بات ہے۔ ان لوگوں کو بھی سکون ہوگیا اور میں بھی خوش ہوں۔ ویسے اُستاد چائے کی بات کرکے آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

"کیوں؟" فاروقی صاحب بولے۔

"یہ چائے کمبخت ایسی ہی چیز ہے اس کا نام درمیان میں آجائے تو بس جی چاہنے لگتا ہے۔"

"چائے لے آؤں؟" اُستاد نے کہا۔

"بس کیا کہوں اُستاد۔" میں نے کہا اور اُستاد چلے گئے۔ فاروقی صاحب سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"کہاں رہے؟" اُنھوں نے بے صبری سے پوچھا۔

"میں نکلا تو اس لیے تھا فاروقی صاحب کہ ذرا عمارت کا جائزہ لے لوں لیکن حالات نے مجھے اس عمارت میں گھس بیٹھنے کا موقع فراہم کر دیا۔"

"اوہ خوب، خوب۔ ہاں ذرا تفصیل بتاؤ۔" فاروقی صاحب نے کہا اور میں نے انھیں مکمل تفصیل سُنا دی۔ فاروقی صاحب کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ میرے خاموش ہونے کے بعد وہ چند لمحات سوچتے رہے پھر گردن ہلا کر بولے۔ "میں نہیں کہہ سکتا شارق میاں کہ تمھارا مستقبل کیا ہوگا تم ایک اعلیٰ پائے کے جاسوس بھی بن سکتے ہو اور ایک مایۂ ناز وکیل بھی اور پھر تم نے کام کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ بہت سے غیر ملکی وکیلوں سے ملتا ہے جو روایتی حیثیت رکھتے ہیں اس طرح تو تم ان حقیقتوں کی کھوج لگا لو گے جنھیں بعض اوقات پولیس نظر انداز کر دیتی ہے۔ میرا خیال ہے جو مقصد تم نے اپنایا ہے اُس کے لیے تمھارا یہ طریقۂ کار بہت شاندار ہے، واقعی بڑے دلچسپ معاملات ہیں اور صورتِ حال بھی تقریباً وہی آ جاتی ہے یعنی دو مظلوم بہن بھائی جو زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہیں اور کسی کے ظلم کے سائے تلے پروان چڑھ رہے ہیں، بلاشبہ دُکھی انسانیت کی خدمت اسی انداز میں کی جا سکتی ہے۔ شارق میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے نہایت مختصر وقت میں اتنی زبردست کامیابی حاصل کر لی۔"

"یہ شعبہ میرے لیے نیا ہے فاروقی صاحب اس لیے ابھی بہت سے معاملات میں کچا ہوں لیکن بہت کچھ سوچ رہا ہوں چند چیزوں کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ جن کا حصول آسان کام نہیں ہے۔"

"کیا چیزیں؟ اگر مجھے بتاؤ تو کوشش کروں۔"

"نہیں نہیں، میں خود ہی کوشش کر لوں گا۔ بہرطور انتظامات تو کرنے ہی ہیں آپ مطمئن ہو گئے ہوں گے کہ میں بلاوجہ غائب نہیں رہا۔"

"ہاں۔ بس پریشانی تھی کیونکہ اس بات کا یقین تھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے کم از کم اپنے بارے میں اطلاع ضرور دے دو گے۔"

"احتیاطاً میں نے ایسا نہیں کیا ورنہ دفتر فون کر سکتا تھا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اب کم از کم اطمینان ہو گیا۔" چھوٹے صاحب نے چائے پیش کر دی اور میں ان لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ فاروقی صاحب کے پاس آج کل جو کیس تھے اُن کے سلسلے میں بھی تھوڑی سی گفتگو ہی اور پھر

میں نے فاروقی صاحب کو بتایا کہ حنا آنے والی ہے ٹھیک دو گھنٹے بعد حنا دفتر میں داخل ہو گئی تھی وہی بُرقعہ اوڑھے ہوئی تھی۔ چہرے پر سوگوار کیفیت پھیلی ہوئی تھی میں نے اُس سے جاوید کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا

"اب وہ نارمل ہے۔ بس جب ہوش میں ہوتا ہے تو خاموش بیٹھا رہتا ہے۔ میں نے اُسے تمھارے بارے میں کافی سنبھال لیا ہے بڑے اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ شارق سے اُس کی شناسائی کب ہوئی بظاہر تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں شارق محفوظ نہیں ہے۔ جب میں نے اُسے یقین دلایا کہ شارق تو اس کے بچپن کا دوست ہے اور اُس سے میں بھی مل چکی ہوں۔ پتا نہیں اُس کے ذہن میں شارق کا تصور کیوں نہیں آ رہا۔ میں نے اُس سے کہا کہ شارق بہت حساس انسان ہے اگر یہ بات محسوس کرے گا کہ جاوید اُسے بھول گیا ہے تو وہ ایک لمحہ بھی اس عمارت میں نہیں رُکے گا اور یہ اچھی بات نہیں ہوگی۔ تو اُس نے بے زاری سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ مجھے اب دوستوں سے اُلجھن سی ہوتی ہے۔ بہرطور اب وہ آ ہی گیا ہے تو مجبوری ہے۔ میں نے اُسے تیار کر لیا ہے شارق صاحب کہ وہ آپ کو دوستانہ انداز میں ڈیل کرے اور یہ احساس قطعی نہ ہونے دے کہ آپ اُس کے دوست نہیں ہیں۔"

"واقعی آپ نے یہ کام بہت اچھا کیا ہے۔" فاروقی صاحب کہنے لگے۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی لیکن حنا کی کیفیت کے پیشِ نگاہ میں نے اپنے آپ کو روک لیا تھا۔ زبردستی کوئی کسی کا دوست کس طرح بن سکتا ہے یہ مجھ سے پوچھا جاتا۔ بہرطور پھر ہم سنجیدہ ہو گئے۔ میں نے حنا سے کہا۔

"حنا! ان ڈاکٹر صاحب پر تمھیں اعتماد ہے؟"

"نہیں۔" حنا نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے شارق صاحب اختیار ہر شخص کو اپنا فرمانبردار بنا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب وہی زبان بولتے ہوں گے جو فرخندہ بیگم چاہتی ہوں گی اور اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب خود بھی اس سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہوں لیکن شارق صاحب صورتِ حال سے اب تک آپ کو کافی واقفیت حاصل ہو گئی ہے اب ان حالات میں آپ کیا کریں گے؟"

"ابھی وقت درکار ہے حنا صاحبہ، دیکھتا ہوں اس

سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں، سب سے پہلے جاوید کا طبی معائنہ کرانا ضروری ہے اگر وہ ہیروئن کی لعنت کا شکار ہے تو پتا نہیں اس کے علاج کے سلسلے میں ہمیں کیا کیا اُلجھنیں اُٹھانا پڑیں گی۔ بس کم از کم مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ فرخندہ صاحبہ اس کے علاج کی اجازت دے کر پھنس گئی ہیں۔" میں نے کہا۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ وہ ناگن ہے ایک خوفناک ناگن جو اپنے آپ کو بدلی ہوئی شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے لیکن . . .۔" حنا جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی وہ جذباتی ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر وہ ہمارے ساتھ رہی پھر اجازت لے کر چلی گئی اُس کے جانے کے بعد میں نے فاروقی صاحب سے کہا۔

"جاوید کا طبی معائنہ کرانا ضروری ہے اس بات کا اندازہ ہونا چاہیے ہمیں کہ وہ زہر خورانی خوراک کا شکار ہو رہا ہے یا نہیں اور اگر بات صرف ہیروئن تک ہی ہے تو پھر اُس کے لیے ذرا مختلف انداز میں سوچا جائے گا۔ پہلے تو ہمیں اس کی زندگی بچانے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔"

"تم اگر چاہو تو نوید صاحب سے مل سکتے ہو۔ نوید صدیقی میرے بہت اچھے دوست ہیں اور بہت اچھے ڈاکٹر ہیں۔ امریکہ میں انھوں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی ہے اور اپنے فن میں کافی مہارت حاصل ہے اُنھیں۔ کیا خیال ہے ہم اُن سے رابطہ قائم کریں؟"

آپ کے پاس اُن کا ٹیلیفون نمبر ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں بالکل ہے۔"

"تو براہِ کرم ان سے بات کر کے کوئی وقت لے لیجیے۔"

"بھئی خاصی بے تکلفی ہے میرے اور اُن کے درمیان اور میرا خیال ہے کہ میں ٹیلی فون کر کے تمھیں فوراً ہی بھیج دوں تو اُنھیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے آپ یہ کام کر لیجیے۔"

فاروقی صاحب نے انڈیکس میں نمبر دیکھ کر نوید صدیقی سے گفتگو کی اور میرا تعارف کراتے ہوئے بولے کہ میں ایک اہم مسئلے میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ نوید صدیقی صاحب نے مجھے گھر پر ہی طلب کر لیا تھا کیونکہ معاملہ کسی بیماری وغیرہ کا نہیں تھا۔

نوید صدیقی صاحب کی خوب صورت کوٹھی قابلِ دید تھی اس سے اُن کی شخصیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ ایک دراز قد اور متناسب الاعضا شخص نے میرا استقبال کیا یہی نوید صدیقی تھے۔ حسین ڈرائنگ روم میں مجھے بٹھا کر انھوں نے فاروقی صاحب کی خیریت وغیرہ پوچھی اور پھر مجھ سے میری آمد کا مقصد پوچھنے لگے۔

"ڈاکٹر صاحب ہم وکیل لوگ بعض اوقات مؤکل کے ذاتی معاملات تک میں داخل ہو جاتے ہیں ایسا ہی ایک کیس ہمارے پاس ہے جس میں ایک نوجوان کے بارے میں خدشہ ہے کہ اسے سلو پوائزن دیا جا رہا ہے اور میں صرف اُس کی تصدیق چاہتا ہوں۔"

"اوہ تو یوں کرو کہ آج ہی شام پانچ بجے تم اسے میرے پاس لے آؤ۔" نوید صاحب نے کہا۔

"اگر شام ممکن نہ ہو سکے ڈاکٹر صاحب تو؟"

"تو کل شام پانچ بجے اُسے میرے کلینک میں لے آؤ میں اُس کا مکمل چیک اپ کر لوں گا لیکن میرے پاس آنے سے قبل تم مجھے فون ضرور کر لینا۔"

"ڈاکٹر صاحب اگر آج ہی مجھے یہ موقع مل گیا تو میں آپ کے پاس آج ہی آ جاؤں گا۔"

"آ جانا بھئی آ جانا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے اور پھر اس قسم کے کیس کو اہم نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ میں تمھاری جو کچھ بھی مدد کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

"بے حد شکریہ۔ آپ نے میری بہت حد تک مشکل حل کر دی ہے۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ . . . پھر ان کے اصرار پر میں مشروب کا ایک گلاس پی کر اُن سے رخصت ہو گیا۔ فاروقی صاحب سے کہہ کر آیا تھا کہ اس کے بعد واپس دفتر نہیں پہنچوں گا۔ اُستاد چھوٹے کو بھی سمجھا دیا تھا کہ ابھی میں چند راتیں اس فلیٹ میں نہیں گزار سکوں گا۔ اُنھوں نے اس کا افتتاح کر دیا ہے۔ یہی کافی ہے اور ویسے بھی میں اپنی نئی رہائش گاہ کا افتتاح اُنھی کے ہاتھوں کرانا چاہتا تھا۔ اُستاد بھی مطمئن ہو گئے تھے بہرطور ان تمام معاملات سے فارغ ہو کر میں واپس حنا کی کوٹھی پہنچ گیا کوٹھی پر وہی سوگوار کیفیت طاری تھی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی جو قابلِ ذکر ہوتی ظاہر مقصود شاید ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں نے ایک ملازم سے بیگم صاحبہ اور حنا کے متعلق پوچھا تو پتا چلا کہ حنا سو رہی ہے اور بیگم صاحبہ کے بارے میں کوئی صحیح اطلاع نہیں ہے کہ وہ کہاں گئی ہیں۔ جاوید کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ وہ

اپنے کمرے میں موجود ہے اور میں جاوید ہی کے کمرے کی جانب چل پڑا کیونکہ اس وقت مجھے ۔۔۔۔۔ صرف اسی شخص سے غرض تھی۔ جاوید اپنے کمرے کی مسہری پر نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی بے بسی کے آثار منجمد نظر آ رہے تھے۔

"ہیلو جاوید!" میں نے اُسے مخاطب کیا تو وہ سنبھل کر اُٹھ گیا۔

"ہیلو!" وہ مسکرا کر بولا اور میں نے قریب جا کر اس سے ہاتھ ملایا پھر اُس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔

"جاوید مجھے تم سے اس بزدلی کی اُمید نہیں تھی۔ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے اپنی!"

"بزدلی۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ "میں بزدل نہیں ہوں لیکن میں خود بھی اپنے آپ کو سمجھنے سے قاصر ہوں نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے!"

"جاوید میں تمہارا جتنا گہرا دوست ہوں مجھے اس پر ناز ہے اگر اپنے انتہائی گہرے دوستوں سے بھی اپنے آپ کو چھپایا جائے تو کیا اُن دوستوں کے ساتھ انصاف ہو گا؟"

"نہیں شارق میں اپنے آپ کو چھپانے کی صلاحیتیں ہی کھو بیٹھا ہوں!" جاوید نے کمزور سے لہجے میں کہا۔

"میں یہ جاننا چاہتا ہوں جاوید کہ تمہیں یہ لعنت کس نے لگائی؟ تم ہیروئن کے عادی کیسے ہوئے؟"

"کاش میں خود ہی جانتا!" جاوید آہستہ سے بولا۔

"مطلب؟"

"میں کچھ نہیں جانتا، یقین کرو میں کچھ نہیں جانتا!" جاوید کے انداز میں عجیب سی بے بسی تھی میں گہری نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"تم ہیروئن استعمال کرتے ہو جاوید؟" اُس نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"ہاں!"

"تمہیں اس بات کا اندازہ ہے کہ یہ لعنت کب سے تم پر مسلط ہوئی ہے؟" وہ میرے سوال پر سوچ میں ڈوب گیا پھر کہنے لگا۔

"صحیح تعین نہیں کر سکتا لیکن غالباً چھ سات ماہ ہو چکے ہیں اس کو استعمال کرتے ہوئے!"

"پہلی بار تمہیں کس نے ہیروئن استعمال کرائی تھی؟"

"یہ مجھے قطعی نہیں معلوم ۔۔۔۔ شاید میں بیمار ہو گیا تھا۔ شاید میں کسی عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا پھر کوئی مجھے ملا اور اُس نے وہ تکلیف رفع کر دی غالباً اُس نے مجھے ہیروئن ہی پینے کے لیے دی تھی وہ کون تھا یہ میں نہیں جانتا پھر اُس کے بعد میں مسلسل اس عذاب کا شکار رہا چند گھنٹے گزر گئے ہیں تو میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور میں ہیروئن کی ضرورت محسوس کرنے لگتا اس کے حصول کے ذرائع مجھے معلوم نہیں تھے لیکن پھر ایک اور شخص مجھے ملا جس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اپنی زندگی چاہتا ہوں اور اپنی ضرورت پوری کرنا چاہتا ہوں تو وہ معقول معاوضہ لے کر میری مدد کر سکتا ہے مختلف ذرائع سے مجھے ہیروئن دستیاب ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ میں سب کچھ بھول گیا اور اب تو کچھ عرصے سے وہ مجھے یہیں میرے گھر میں مل جاتی ہے میں نہیں جانتا کون میرے لیے ہیروئن لاتا ہے لیکن میرے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کی نچلی دراز میں مجھے اُس کی پڑیاں مل جاتی ہیں اور میں اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہوں شاید گھر والوں ہی کو مجھ پر رحم آ گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا چنانچہ خفیہ طور پر کوئی نہ کوئی میری میز کی دراز میں پڑیاں رکھ دیتا ہے اور مجھے جب بھی ضرورت ہوتی ہے میں اس میں سے نکال لیتا ہوں!"

"تم نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ یہ ہیروئن تمہیں کون مہیا کرتا ہے؟" جاوید نے پھر مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"یہ جاننے کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ فرصت ہی نہیں ملی بس نہ جانے کیا ہوتا جا رہا ہے مجھے۔ میں خود بھی نہیں جانتا۔ میری زندگی دُنیا کی تمام دلچسپیوں سے کٹ چکی ہے مجھے صرف اصرف سوری شارق سوری محسوس نہ کرنا شاید یہی وجہ تھی کہ تم بھی میری یاد داشت سے محو ہو گئے تھے!"

"نہیں میرے دوست مجھ سے اظہارِ افسوس نہ کرو مجھے بتاؤ کیا تم نے کبھی یہ سوچا کہ تمہیں اس مصیبت سے نکلنا چاہیے"

"میں نے۔ شاید کبھی میں نے سوچا ہو مجھے یاد نہیں!" اُس نے لکنت زدہ لہجے میں کہا۔

"تم اس سے نکلنا بھی نہیں چاہتے؟"

"اس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا میں ایک شدید کرب اور شدید بے چینی کا شکار ہو جاتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے

اپنے بدن کی بوٹیاں اپنے دانتوں سے کاٹ لوں میرا دل چاہتا ہے کہ جو کوئی میرے سامنے آئے اُسے فنا کر دوں اور جب۔ جب اپنا مقصود پا لیتا ہوں تو پھر۔ پھر میں مطمئن ہوتا ہوں ایک گہرا سکون ایک عجیب سا سُرور مجھ پہ طاری ہو جاتا ہے اس کے بعد کچھ سوچنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی!"

"کیا تمہیں احساس ہے جاوید کہ تم ایک اچھے خاندان کے فرد ہو۔ تم ایک شریف انسان ہو اور زندگی وسیع تر ہے زندگی میں لاتعداد دلچسپیاں ہیں کیا لوگ تمہاری طرح ہی جیتے ہیں؟"

"یہ تمام باتیں تم مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو شارق؟ مجھے ان تمام چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے میں بس اپنی ہی دُنیا میں رہنا چاہتا ہوں بس اسی دُنیا میں، جس میں میں ہوں!"

"نہیں جاوید تمہیں باہر کی دُنیا دیکھنی چاہیے تمہیں لوگوں کو دیکھنا چاہیے۔ بہت تھوڑے عرصے پہلے کی بات ہے تم ایک جیتے جاگتے ہنستے بولتے نوجوان تھے لیکن اب تم نے کبھی اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا کبھی اپنے آپ پر غور کیا ہے!"

"میرا ذہن ماؤف ہو جاتا ہے۔ جب کبھی میں خود پر غور کرتا ہوں اپنی اس حالت کو دیکھتا ہوں!"

"یہی تو کمی ہے تمہارے اندر تمہیں خود پر غور کرنا چاہیے جاوید میں نے تمہارے لیے کچھ دلچسپیاں تلاش کی ہیں!"

"نہیں!" پلیز شارق میں اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا میری ذات سے تمہیں جو کچھ چاہیے وہ شاید اب میرے پاس نہیں ہے مجھے اپنے آپ میں رہنے دو تم یہاں آئے ہو میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن گھر میں دوسرے افراد بھی ہیں تم ان کے ساتھ جس طرح چاہو سیر و تفریح کرو جو اُلجھن تمہیں درپیش ہو جتنا تمہاری مدد کرے گی لیکن میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا!" وہ بدستور لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں بولا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ اُس کا لہجہ بھی درست نہیں رہا۔

"میں اپنی دوستی کے نام پر تم سے کچھ وقت چاہتا ہوں جاوید!"

"کہیں جانا ہے؟" اُس نے بے بسی سے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں!"

"کب؟"

جب تم پسند کرو!"

"میں کب پسند کروں گا مجھے نہیں معلوم!"

"تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج پانچ بجے نکلتے ہیں اس وقت تین بج کر چالیس منٹ ہوئے ہیں کافی وقت ہے ہم تم پانچ بجے یہاں سے چلیں گے!"

"مگر کہاں؟" اُس نے پریشانی سے پوچھا۔

"ان دوستوں کے پاس جو ہمارے مشترکہ دوست تھے تمہیں ان سے مل کر یقیناً خوشی ہو گی!" جاوید مجھے اُلجھے ہوئے انداز میں دیکھنے لگا اس کی کیفیت سے اظہار ہوتا تھا کہ وہ میرا دل بھی رکھنا چاہتا تھا لیکن میرے ساتھ خوشی سے جانے پر آمادہ بھی نہیں ہے پھر اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے پانچ بجے چلنا ہے نا؟"

"ہاں!" اور پانچ بجے تک تم میرے ساتھ رہو گے!" میں نے کہا اور جاوید خاموش ہو گیا اس کے بعد میں نے جاوید کو موقع نہیں دیا تھا۔ ویسے بھی شاید ہیروئن استعمال کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ میں نے پانچ بجے سے کچھ دیر پہلے ڈاکٹر نوید صدیقی کو فون کیا اور ان کے ملازم سے ملاقات ہو گئی۔

"ڈاکٹر صاحب سے میرا ایک پیغام کہہ دینا۔ میرا نام شارق ہے اور میں ٹھیک پانچ بجے اپنے مریض کے ساتھ اُن کے پاس پہنچوں گا!"

"بہتر جناب!" ملازم نے جواب دیا اور اس کے بعد میں تیاریاں کرتا رہا پانچ بجنے میں دس منٹ تھے جب میں جاوید کو تیار کرا کر باہر لے آیا۔ حنا یا فرخندہ بیگم سے میری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جاوید کو باہر لا کر میں نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر نوید صدیقی کے کلینک کی جانب چل پڑا جس کے بارے میں مجھے تفصیلات بتا دی گئی تھیں۔ نوید صدیقی شاید وقت کے بہت پابند تھے۔ پانچ بجے میرے لیے وقت کا تعین کر لیا گیا تھا اور جب میں اُن کے پاس پہنچا تو وہ میرے منتظر تھے اُنھوں نے پُرتپاک انداز میں ہمارا خیر مقدم کیا جاوید سے ہاتھ ملایا۔ جاوید پریشان نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا

"ڈاکٹر نوید صدیقی!" میں نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ پھر بولا "جاوید میں چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب تمہارا تفصیلی چیک اپ کر لیں!"

"لیکن کیوں؟"

"بس یہ میری خواہش ہے!"

"مگر۔۔۔۔ مگر! میں نہیں چاہتا۔ کیا فائدہ میری تحقیقیں جس قدر پوشیدہ رہیں بہتر ہے!"

"ڈاکٹر سے انسان کو اپنی حقیقتوں کو پوشیدہ نہیں رکھنا چاہیے جاوید صاحب اور پھر ہم آپ کے دوست ہیں آپ کے ہمدرد، آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔" نوید صدیقی نے کہا۔

"کیا کرنا چاہتے ہیں؟ پتا نہیں آپ کیا کرنا چاہتے ہیں جو میں نہیں چاہتا وہ آپ کیوں چاہتے ہیں؟"

"اس لیے کہ ہم آپ کے دوست ہیں۔" جاوید خاموش ہوگیا نوید صدیقی صاحب نے چند لمحات کے بعد انتظامات کر لیے اور میں جاوید کو ساتھ لے کر اُن کی لیبارٹری میں داخل ہوگیا۔ بلاشبہ جدید ترین آلات سے آراستہ لیبارٹری تھی جہاں جسم کی نگہداشت کے مختلف شُعبے متعین کیے گئے تھے جاوید کو ایک میز پر لٹا دیا گیا اس وقت ہم اُس کے ساتھ زیادتی ہی پر آمادہ تھے اُس کے ہاتھ کلپ میں کس دیے گئے جاوید کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اس کے بعد نوید صدیقی نے اُس کا معائنہ شروع کر دیا کافی دیر تک معائنہ جاری رہا اس کے بعد نوید صدیقی نے جاوید کو ایک انجکشن دیا اور جاوید ہلکی سی غنودگی کی کیفیت کا شکار ہوگیا پھر نوید صدیقی نے جاوید کا کچھ اور ذرائع سے معائنہ شروع کر دیا عجیب و غریب مشینیں استعمال کر رہے تھے وہ۔ اُنھوں نے ایک آلہ جاوید کا مُنہ کھول کر اُس کے حلق میں اُتارا اور اُس کا رابطہ ایک مشین سے کر دیا مشین پر لگے ہوئے ڈائل اور سُوئیاں اپنا کام کرنے لگے نوید صدیقی تقریباً پچیس منٹ تک اس معائنے میں مصروف رہے تھے اتنا طویل معائنہ شاید ہی وہ کسی مریض کا کرتے ہوں لیکن فاروقی صاحب کی درخواست پر اُنھوں نے خصوصی طور پر غور کیا تھا پھر وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئے اُنھوں نے میری طرف دیکھ کر مجھ سے کہا۔

"جاوید کچھ دیر بعد بالکل نارمل ہو گا میں نے اُسے جو انجکشن دیا ہے تقریباً وہ ہیروئن ہی کے برابر ہے یعنی وہ اپنے آپ کو پُرسکون محسوس کرے گا لیکن ابھی اسے ہوش آنے میں میرا مطلب ہے کہ مکمل ہوش میں آنے میں کچھ دیر لگے گی میرا خیال ہے اسے یہیں رہنے دو ایک ملازم کو اس کی نگہداشت کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔" میں نے مؤدبانہ گردن ہلائی اور نوید صدیقی میرے ساتھ باہر آ گئے۔

"تمھارا خیال درست ہے مسٹر شارق تمھارا خیال بالکل درست ہے اسے زہر دیا جا رہا ہے۔ انتہائی مہلک قسم کا زہر جو اُس کے جسمانی نظام کو اندر سے ختم کر چکا ہے اور مجھے یہ کہتے ہوئے سخت افسوس ہو رہا ہے کہ شاید یہ زیادہ عرصے تک زندہ نہ رہ سکے۔"

"اوہ۔ نوید صاحب گویا یہ بات سچ ثابت ہوگئی کہ یہ زہر خورانی خوراک کا شکار ہے؟"

"ہاں۔" رفتہ رفتہ اثر کرنے والے ایک ایسے زہر کا شکار جس کا استعمال عام لوگ نہیں جانتے یقیناً کوئی بہت ہی تجربہ کار شخصیت اس کی زندگی کے درپے ہے۔"

"کیا کوئی ذریعہ ایسا ہو سکتا ہے ڈاکٹر صاحب کہ اس نوجوان کا علاج ہو سکے؟"

"دُہری مصیبت کا شکار ہے ہیروئن کے استعمال نے اس کے اندر جو ٹوٹ پھوٹ پیدا کی ہے وہی اس کے لیے کافی جان لیوا تھی کہ اس کے ساتھ ساتھ ہی اس زہر کو بھی استعمال کرانا شروع کرا دیا گیا اب یہ دونوں چیزیں دو آتشہ ہو چکی ہیں تاہم تم اگر چاہو تو اسے میرے کلینک میں داخل کرا دو میں کوشش کروں گا کہ اسے سنبھال سکوں کم از کم زہر کے اثر سے اسے آزاد کر دوں لیکن اس کے لیے میرے پاس پندرہ فیصد امکانات ہیں کیونکہ سلو پوائزننگ کا یہ کھیل یقینی طور پر چار پانچ ماہ سے جاری ہے عام قسم کے زہر اس سے جلد اثر کرتے ہیں لیکن اب اس کی موت کے بعد اگر اس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا تو شاید اس کے سسٹم پر زہر خورانی کے اثرات نہ ملیں اور اس کی موت ہیروئن کی وجہ سے قرار دی جائے۔"

ڈاکٹر نوید صدیقی کا یہ انکشاف انتہائی سنسنی خیز تھا مجھے درحقیقت دُکھ ہوا تھا تاہم میں نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب صورتِ حال ایسی عجیب و غریب ہے کہ میں پریشان ہو گیا ہوں، کچھ لوگوں سے اس کے لیے اجازت بھی لینی چاہیے تھی لیکن صورتِ حال اس قدر سنگین نوعیت اختیار کر چکی ہے تو میرا خیال ہے اسے فوری طور پر آپ کے کلینک میں داخل کرا دوں۔"

"اگر تم چاہتے ہو دوست تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں اس سلسلے میں متعلقہ افراد کو ہدایات دے دیتا ہوں۔"

"لیکن ڈاکٹر صاحب یہ ہیروئن کا عادی بھی ہے کیا آپ اسے سنبھال سکیں گے؟"

"ہاں۔ جب تم اسے میرے حوالے کر دو گے تو پھر باقی ذمہ داریاں میں خود ہی قبول کر لوں گا لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا متعلقہ افراد جو اس کے سرپرست ہوں مجھے تحریری شکل میں اس کی اجازت دیں گے کہ میں اسے اپنے کلینک میں داخل کر لوں یہ قانونی معاملہ ہے۔"

"میں انتہائی کوشش کروں گا نوید صاحب۔" میں نے جواب دیا۔ اُس کے بعد دیر تک کارروائیاں ہوتی رہیں جاوید کو تھوڑی دیر بعد ہوش آ گیا تھا اور وہاں سے نکل کر ہمارے پاس آ بیٹھا ڈاکٹر نوید صدیقی نے اُس سے کہا۔

"جاوید تمھاری کیفیت کافی خراب ہے اندرونی طور پر تم ہیروئن کے اثرات سے بالکل ختم ہو چکے ہو میں چاہتا ہوں کہ تمھارا علاج کروں۔"

"نہیں ڈاکٹر صاحب، میں ختم ہی ہو جانا چاہتا ہوں۔"

"نہیں، یہ ممکن نہیں ہو سکتا ایک ڈاکٹر کے سامنے تم یہ الفاظ کہنے کے مجاز نہیں ہو۔"

"میں اپنا علاج نہیں کرانا چاہتا ڈاکٹر صاحب پھر مجھے کون مجبور کر سکتا ہے؟"

"میں۔" نوید صدیقی نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہیں یہ شارق؟ یہ ڈاکٹر صاحب کیا کہہ رہے ہیں؟" جاوید نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں جاوید تمھیں وہی کرنا ہوگا۔"

"میری مرضی کے خلاف یہ سب کچھ کیا جائے گا؟"

"ہاں۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں میں جا رہا ہوں، میں یہاں سے جا رہا ہوں یہ سب کچھ میری مرضی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔"

ڈاکٹر نوید نے کال بیل کا بٹن دبایا اور ایک شخص اندر آ گیا۔

"ان صاحب کو رُوم نمبر تیرہ میں لے جاؤ اور اُنھیں وہاں رکھنا ہے خواہ یہ پسند کریں یا نہ کریں۔"

"یہ تو زبردستی ہے، میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا۔" جاوید نے کہا۔ آنے والے شخص نے اپنی مدد کے لیے دو اور آدمیوں کو بُلا لیا جو غالباً میل نرس تھے اور پھر جاوید کو وہاں سے زبردستی رُوم نمبر تیرہ میں لے جایا گیا۔

"بہت بڑی ذمہ داری عاید کر دی تم نے مجھ پر صاحبزادے! فاروقی صاحب سے بھی اس سلسلے میں مشورہ کر لیتا کچھ قانونی اُلجھنیں پیدا ہو سکتی ہیں اور یہ بہتر ہوگا کہ اس کا جو بھی سرپرست ہو تم مجھے اس کی تحریر لا دو یہ میرے لیے ضروری ہے ویسے میں اس کا علاج فوری طور پر شروع کیے دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ صدیقی صاحب۔ فاروقی صاحب بھی آپ کو ٹیلی فون کر دیں گے آپ اطمینان رکھیے بقیہ ذمہ داریاں ہم لوگ خود قبول کرتے ہیں۔" چند فارم پر میں نے بھی دستخط کیے تھے جو جاوید کو یہاں داخل کرنے کے سلسلے میں تھے یہ تمام صورتِ حال پے درپے اس طرح پیش آ رہی تھی کہ میں خود بھی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا لیکن جو کچھ میں نے کیا تھا اُس کے مجھے انسانی طور پر حقوق حاصل تھے۔ یہاں سے باہر نکل کر میں نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فاروقی صاحب کو تلاش کیا فاروقی صاحب دفتر ہی میں مل گئے تھے ٹیلی فون پر میں نے اُنھیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا اور فاروقی صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر اُنھوں نے کہا۔

"کیا فرخندہ بیگم سے تم یہ تحریر لے سکتے ہو؟"

"فرخندہ بیگم نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا اُس کے تحت تو اُنھیں یہ تحریر دے دینی چاہیے لیکن اگر نہیں دیں گی تو پھر بات آگے لے جاؤں گا فاروقی صاحب۔"

"آگے سے کیا مراد ہے تمھاری؟"

"محکمۂ پولیس تک۔ ڈاکٹر نوید صدیقی مجھے اس سلسلے میں رپورٹ دے سکتے ہیں کیس ذرا تبدیل ہو جائے گا لیکن یہ سب کچھ بہرحال کرنا پڑے گا۔"

"جیسے تم مناسب سمجھو ویسے میں اس بات سے بھی قطعی اختلاف نہیں کروں گا کہ تمھارے تعلقات مجھ سے کہیں زیادہ ہیں۔"

"آپ صرف نوید صدیقی کو فون کر کے یہ اطمینان دلا دیجیے کہ ان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی اور ہم ان تمام باتوں کی ذمہ داریاں قبول کریں گے۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی نوید کو فون کیے دیتا ہوں وہ اپنے کلینک میں موجود ہے نا؟"

"جی ہاں۔"

"او کے شارق، تم اس سلسلے میں پورے اطمینان کے ساتھ اپنا کام کرو۔" فاروقی صاحب سے سلسلۂ گفتگو منقطع کرنے کے بعد ظاہر ہے میرا رُخ فرخندہ بیگم کی کوٹھی کے علاوہ اور کہاں ہو سکتا تھا تھوڑی دیر کے بعد میں کوٹھی پہنچ گیا برآمدے ہی میں میری حنا سے ملاقات ہوئی تھی۔

"طاہر مقصود واپس آ گیا ہے۔" حنا نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور پھر چونک کر بولی۔ "لیکن جاوید کہاں ہے؟"

"اُسے اسپتال میں داخل کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور حنا کا چہرہ ایک دم سُرخ ہو گیا تھا۔ لمحات وہ تعجب سے میری صورت دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

"کیا واقعی! کیا واقعی؟"

"ہاں حنا۔ جو ذمہ داریاں تم نے ہمارے سپرد کی ہیں انھیں را کرنے میں، میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"خدا کی قسم تمھارا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی غارق! تمھارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکوں گی۔" وہ بھرّائی ئی آواز میں بولی۔

"اس سلسلے میں مجھے فرخندہ بیگم سے بھی گفتگو کرنی ہے نا، تم اندر آجاؤ۔"

"میں چلوں تمھارے ساتھ؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، بہتر یہی ہے کہ میں فرخندہ بیگم سے مکمل نہائی میں گفتگو کروں۔"

میں تھوڑی دیر کے بعد فرخندہ بیگم کے پاس پہنچ گیا۔ ؤہ ایک رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھیں۔ طاہر مقصود ن کے پاس نہیں تھا۔ مجھے دیکھ کر رسالہ رکھ دیا اور بولیں۔

"آؤ شارق کہاں گھوم آئے؟"

"اپنے ایک شناسا ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔ جاوید کے سلسلے یں اُس سے درخواست کی ہے میں نے۔ بہت ہی اعلیٰ پائے کا ڈاکٹر ہے میں نے جاوید کا معائنہ کرایا اور فرخندہ صاحبہ انتہائی دکھ انکشافات ہوئے ہیں جاوید کے بارے میں۔"

"کیا مطلب؟" فرخندہ بیگم حیرت سے بولیں۔

"پہلی اطلاع تو آپ کو میں یہ دے دوں کہ میں نے جاوید و ڈاکٹر نوید صدیقی کے کلینک میں داخل کرا دیا ہے۔"

"کیا۔ کیا مطلب؟" وہ اسی انداز میں بولیں۔

"کیا جاوید تمھارے ساتھ نہیں آیا؟" فرخندہ بیگم نے ونک کر پوچھا۔

"نہیں اُس کی کیفیت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ یں۔۔۔ اُسے واپس لاتا حالانکہ جاوید نہیں چاہتا تھا کہ وہ سپتال میں داخل ہو لیکن اگر ہم اُس کی بات مان لیتے بیگم احبہ تو آپ سمجھ لیجیے کہ ہم اُس کی زندگی سے کھیلتے نوید صدیقی نے جو انکشاف کیا ہے وہ آپ کے لیے سنسنی خیز ہوگا۔"

"کیا۔ خدا کے لیے بتاؤ، مجھے ہول چڑھ رہا ہے۔" فرخندہ گم نے کہا۔ میں گہری نگاہوں سے اُن کا جائزہ لے رہا تھا۔

"فرخندہ بیگم نوید صدیقی کا کہنا کہ جاوید صرف ہیروئن ہی کا کار نہیں ہے بلکہ اُس کے جسم میں کافی مقدار میں ایک خطرناک م کا زہر بھی موجود ہے۔"

"زہر؟" فرخندہ بیگم کی خوفزدہ آواز اُبھری۔

"جی ہاں۔" اسے سلو پوائزن دیا جا رہا ہے۔" فرخندہ بیگم نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اُن کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا اور بلاشبہ اس سلسلے میں اُن کی اداکاری کی داد نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس طرح تشویش کا اظہار کر رہی تھیں وہ جیسے ان حالات سے اُنھیں کوئی واقفیت ہی نہیں ہے چند لمحات وہ اس طرح بیٹھی رہیں پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"یہی ہو رہا ہے فرخندہ بیگم صاحبہ۔ ڈاکٹر کی رپورٹ آپ کو مل سکتی ہے۔"

"نوید صدیقی۔" فرخندہ بیگم بڑبڑانے والے انداز میں بولیں۔

"جی ہاں۔" بہت مشہور ڈاکٹر ہیں امریکہ کے تعلیم یافتہ اُن کا کلینک بھی بہت شاندار ہے اُنھوں نے جاوید کے سلسلے میں کوئی وعدہ نہیں کیا بس یہ کہا ہے کہ وہ کوشش کریں گے کہ جاوید کی زندگی بچا سکیں۔"

"اچانک ہی یہ سب کچھ کر ڈالا تم نے؟"

"آپ کی اجازت تھی اور میں جاوید کا دوست ہوں میں یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا بیگم صاحبہ کہ میرے دوست کی زندگی منشیات کے ناسور کی بھینٹ چڑھ جائے۔"

"لیکن زہر، کیا یہ زہر ہیروئن کے ذریعے اس کے جسم میں منتقل نہیں ہو سکتا میرا مطلب ہے کہ ہیروئن کے اثرات سے لوگ مر بھی تو جاتے ہیں ہیروئن ہی میں اس کے زہر کے اجزاء شامل تو نہیں ہوتے؟"

"اس سلسلے میں ڈاکٹر ہی بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں میں نے اپنے طور پر اپنی دوستی کا فرض ادا کر دیا ہے بیگم صاحبہ لیکن ایک ذمہ داری آپ نے بھی پوری کرنی ہے۔"

"کیا جاوید؟"

"جاوید کے سلسلے میں ایک سرپرست کی حیثیت سے ڈاکٹر کو تحریری اجازت دینا ہوگی اس کے علاج کے لیے۔"

"کیا علاج کے لیے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے اسے ہم نے وہاں پہنچایا ہے تو ہمارا مقصد یہی ہوگا کہ ہم اُس کا علاج کرانا چاہتے ہیں۔"

"جی بیگم صاحبہ اجازت کی ضرورت ہے کیونکہ جاوید کا کیس ذرا مختلف ہے۔"

"یہ اجازت مجھے دینی ہے؟" فرخندہ بیگم نے پوچھا۔

"جی ہاں صرف اور صرف آپ کو کیونکہ آپ ہی اس کی اور حنا کی سرپرست ہیں۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے جو مجھ سے کہو لکھ کر دے دوں۔"

"شکریہ، میرا خیال ہے یہ کام ابھی کر لیا جائے تا کہ نوید صدیقی کو بھی مطمئن کر دوں۔"

"ضرور کر دو۔" فرخندہ بیگم نے کہا اور پھر وہ خود ہی ایک رائٹنگ پیڈ اور قلم اُٹھا لائیں اور اُس کے بعد میں اُنھیں ہدایات دیتا رہا اور وہ لکھتی رہیں اور آخر میں اُنھوں نے اپنے دستخط کیے اور یہ کاغذ ایک لفافے میں رکھ کر میرے حوالے کر دیا اس سلسلے میں اُنھوں نے ذرا بھی حیل و حجت نہیں کی لیکن میں اُن کی ذہنی کیفیت اچھی طرح جانتا تھا اُس طرح پریشان اور کھوئی ہوئی تھیں جیسے کسی چوری کا انکشاف ہو گیا ہو اُن کی کیفیت سے میں لطف اندوز ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود میری زبان پر ہمدردی کے الفاظ تھے ذرا دیر بعد طاہر مقصود بھی اندر آ گیا۔ فرخندہ بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے کچھ اشارے کیے جن کا مفہوم تو میں نہیں سمجھ سکا تھا لیکن میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جاوید کے بارے میں طاہر مقصود کے سامنے کچھ نہیں کہوں گا۔ فرخندہ بیگم خود ہی بولیں۔

"شارق نے جاوید کو اسپتال میں داخل کرا دیا ہے۔"

"کیا؟" طاہر چونک پڑا۔

"ہاں، کوئی ڈاکٹر نوید صدیقی ہیں جو شارق کے شناسا تھے۔ شارق اور جاوید سیر کے لیے باہر گئے تھے شارق کو اپنا ڈاکٹر دوست یاد آ گیا اور اس سے اُنھوں نے جاوید کا معائنہ کرایا جس کی بنیاد پر جاوید کو اُنھوں نے اپنے کلینک میں داخل کر لیا ہے میری اجازت کی ضرورت تھی تو میں نے تحریری طور پر اس کی اجازت دے دی ہے۔"

"اوہ۔ یہ تو ایک اچھے دوست کا فرض تھا لیکن شارق صاحب ہم لوگ خود بھی اس سلسلے میں کوشش کرتے رہے ہیں جاوید دراصل خود ہی آمادہ نہیں ہوتا اگر وہ اپنے طور پر قوتِ ارادی سے کام لے کر ہیروئن چھوڑنے پر راضی ہو جائے تو اس کا علاج مشکل نہیں ہوگا تاہم میں تمھاری اس بات سے بہت خوش ہوں تم نے بلاشبہ ایک اچھے اور سچے دوست کا کردار ادا کیا ہے۔ ہم لوگ تمھارے ساتھ بھرپور تعاون کریں گے۔ اطمینان رکھو۔"

"بہت بہت شکریہ طاہر صاحب، درحقیقت وہ میرا اتنا اچھا دوست ہے کہ میں اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔" میں نے کہا اور طاہر گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"میں آپ کی اس بات سے بہت متاثر ہوا ہوں اور بہت جذباتی ہو گیا ہوں۔ اس سلسلے میں ہم لوگوں کی جو بھی خدمات درکار ہوں۔ ظاہر ہے یہ کہنا بے مقصد ہے کہ تم، میرا مطلب ہے آپ اس سے دریغ نہیں کریں گے۔"

"مجھے تم ہی رہنے دیں طاہر صاحب۔ ظاہر ہے جاوید کا دوست ہوں اور آپ کے لیے جاوید ہی کی مانند۔"

"بھئی فرخندہ ایسے لوگ اس دور میں ذرا مشکل ہی سے ملتے ہیں۔ شارق نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ تمھارے بارے میں بہت سے سوالات ذہن میں اُبھرتے ہیں شارق۔ ذرا تفصیلی گفتگو ہوگی۔ اب یہ بتاؤ کہ جاوید کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ میں اُس کی نگہداشت کروں گا۔ آپ لوگ بالکل مطمئن رہیں۔"

"اخراجات وغیرہ کے سلسلے میں شارق تم کوئی تکلف مت کرنا جتنا بھی خرچ ہوگا میں ادا کروں گی۔" فرخندہ بیگم نے کہا۔

"جی ہاں۔ درحقیقت اس سلسلے میں آپ کو میری تھوڑی بہت مدد ضرور کرنا ہوگی کیونکہ میں غریب الوطن ہوں اگر راولپنڈی میں ہوتا تو میرا خیال ہے یہ بات کہتے ہوئے بھی مجھے آپ سے شرم محسوس ہوتی۔"

"نہیں بھئی تم نے جو کچھ کیا ہے وہی ہم پر بہت بڑا احسان ہے اور اس کے لیے ہم تمھارے ممنون ہیں۔"

ان لوگوں کی ذہنی کیفیت جو کچھ بھی لیکن بہرطور میری اس کارروائی پر کسی نے برہمی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ فرخندہ بیگم طاہر مقصود اور پھر حنا کے ایما پر تو یہ کارروائی ہوئی ہی تھی۔ مجھے فرخندہ بیگم کا تحریری اجازت نامہ لے کر ایک بار پھر ڈاکٹر نوید صدیقی کے کلینک پر جانا پڑا۔ اس بار طاہر مقصود بھی میرے ساتھ تھا بلکہ خود اُس نے پیشکش کی تھی۔ اس کے پاس شاندار کار تھی۔ ڈاکٹر نوید صدیقی سے ان کی مصروفیات کے باوجود ملاقات کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ میں نے طاہر مقصود سے اُن کا تعارف کرایا اور نوید صدیقی نے اس سے بھی تپاک انداز میں ملاقات کی۔ فرخندہ بیگم کا تحریری اجازت نامہ پڑھ کر نوید صدیقی نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ زیادہ بہتر ہے۔ ہم لوگوں کو بھی تھوڑی بہت جوابدہی کرنا ہوتی ہے۔" طاہر مقصود نوید صدیقی سے کچھ سوالات کرنے لگا اور نوید صدیقی نے انتہائی ذہانت سے کام لے کر اُسے

گول مول سے جواب دے کر خاموش کر دیا۔ اس کے بعد جاوید کی کیفیت کا جائزہ بھی لیا گیا۔ جاوید کو نیم بے ہوشی کی حالت میں رکھا گیا تھا تاکہ ہیروئن کی طلب اُسے زیادہ محسوس نہ ہو۔ ہم لوگ وہاں سے مطمئن ہو کر واپس پلٹے تھے۔ راستے میں طاہر مقصود کہنے لگا۔

"شارق میاں، واقعی بھئی تم نے دوستی کا حق نبھایا ہے ویسے یہ ڈاکٹر صاحب بھی مجھے خاصے اعلیٰ قسم کے معلوم ہوتے ہوتے ہیں۔ جاوید ٹھیک ہو جائے گا تو ہم سب کو بے پناہ مسرت ہوگی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ تم اُس کے لیے نیکی کے فرشتے بن کر آئے ہو کب تک قیام کرنے کا ارادہ ہے؟"

"ایک ماہ کی چھٹی لے کر آیا تھا۔ دراصل ایک پرائیویٹ ملازمت کرتا ہوں۔ تعلیم ختم کر چکا ہوں بہت عرصے سے جاوید سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ہم لوگ بہت اچھے دوست تھے لیکن بس حالات نے ہمیں جُدا کر دیا۔" طاہر مقصود مجھ سے میرے اہلِ خاندان کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ میں اُس شخص کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن ذرا سی اُلجھن، ذرا سا خوف تھا مجھے ہر چند کہ میں نے اپنی گفتگو میں اس قسم کے مواقع رکھے تھے کہ اگر وہ میرے والدین کے بارے میں راولپنڈی میں چھان بین کرنے کی کوشش کرے تو اُسے زیادہ کامیابی نہ ہو لیکن بہرطور یہ بات تو تھی کہ وہ میرے بارے میں کھوج نکال سکتا تھا لیکن جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ اب تو اوکھلی میں سر دے ہی دیا تھا۔

مجھے خود بھی اس کوٹھی میں محتاط ہی رہنا تھا ہم واپس پہنچ گئے۔ ڈنر کی ٹیبل پر حنا اُداس تھی۔ فرخندہ بیگم پریشان، طاہر اور میں کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے تھے اس کے بعد طاہر مقصود نے کہا۔

"بھئی حنا، جاوید کے دوست ہم سب کے لیے قابلِ احترام ہیں اور پھر یہاں آنے کے بعد جاوید کے لیے اُنھوں نے جو کچھ کیا ہے، اُس نے تو ہمارے دل میں اُن کا احترام بے حد بڑھا دیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ انھیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہو تم خاص طور سے ان کا خیال رکھنا۔"

حنا نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لیے تھے اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کھانے کے بعد ٹہلنے کی غرض سے میں عمارت کے عقبی حصّے میں نکل آیا اور جوتے اُتار کر چھوٹے سے لان پر چہل قدمی کرنے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ حنا میرے پاس پہنچ گئی۔ میں نے گہری نگاہوں سے اُسے دیکھا تھا حنا نے متفکر لہجے میں کہا۔

"ڈاکٹر صدیقی نے جاوید کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں حنا، اب جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا، بہرطور جاوید کے بارے میں مَیں تمھیں بہت زیادہ اُمید نہیں دلا سکتا وہ انتہائی خطرناک حالت میں ہے۔"

حنا رونے لگی۔ میں نے اُسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں حالات کا مقابلہ کرنا ہے حنا، جو کچھ منصوبہ بندی تمھارے دشمنوں نے کی ہے اُسے ختم کرنے کے لیے بہرطور کافی محنت کرنا ہوگی۔"

"مگر اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ کیا پولیس کو اس کے بارے میں اطلاع دی جائے؟ آپ کا کیا مشورہ ہے شارق؟"

"حنا میرا خیال ہے ابھی جاوید کی طرف توجہ رہنی چاہیے ہم باقی معاملات بعد میں بھی حل کر سکتے ہیں، جاوید کی حالت ذرا بہتر ہو جائے تو پھر اس کے بارے میں مناسب فیصلہ کیا جائے گا۔"

"میرا بھائی۔ اُسے زندہ رہنا چاہیے شارق صاحب، وہ میرے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔"

"صرف تمھارے ہی لیے نہیں حنا، ہم سب کے لیے، میں انسانی رشتوں کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہا ہوں اور کم از کم تم نے اس بات کا اندازہ لگا ہی لیا ہوگا کہ میں معاوضے کے لیے کام نہیں کر رہا بلکہ صرف ایک انسانی فرض سمجھ کر اپنی یہ خدمات انجام دے رہا ہوں اور اُس کے لیے دُعائے خیر کا طالب ہوں۔"

"شارق صاحب! مجھے تو صرف اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے صحیح لوگوں کا انتخاب کیا آپ براہِ کرم اس سلسلے میں اپنی تمام تر توجہ صرف کریں، میں جانتی ہوں کہ آپ کی زندگی بے حد مصروف ہوگی لیکن ایک انسانی زندگی اگر آپ کی وجہ سے بچ جائے اور کچھ شیطان آپ کی وجہ سے کیفرِ کردار تک پہنچ جائیں تو یہ ایک بہت بڑا کام ہوگا۔"

مجھے اپنے فرض کا احساس ہے مس حنا۔ ایک سوال میں میں آپ سے کروں، بُرا تو نہیں مانیں گی۔"

"نہیں۔"

"بالکل ٹھوس لہجے میں مجھے جواب دیجیے، طاہر مقصود کی یہاں کیا حیثیت ہے؟" حنا چند ساعت کچھ سوچتی رہی پھر اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے خود کوئی اندازہ نہیں لگایا؟"

"اتنے مختصر سے وقت میں اتنے سارے اندازے لگا لینا میرے لیے آسان تو نہیں حنا!" میں نے کہا۔

"تو پھر میری زبانی جو کچھ سُنیں گے آپ وہ زیادہ اچھا نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے طاہر مقصود کا کوئی نہ کوئی پوشیدہ تعلق فرخندہ بیگم سے ضرور ہے۔ ورنہ اپنے کزن کو صرف رشتوں کی بنیاد پر اتنی قُربت دینا سمجھ میں نہیں آتا اور پھر اُن کے درمیان بہت گہرا ربط وضبط ہے۔"

"ہُوں، گویا تمھارے خیال میں فرخندہ بیگم، کسی طرح طاہر مقصود سے وابستہ ہو سکتی ہیں؟"

"ہاں میرا یہی خیال ہے۔"

"لیکن مجھے تعجب ہے۔ آپ کے ڈیڈی کی عمر کیا تھی؟"

"خاصے عمر رسیدہ تھے وہ۔"

"فرخندہ بیگم سے کتنے بڑے ہوں گے؟"

"دونوں کی عمریں کسی طور سے میل نہیں کھاتی تھیں فرخندہ بیگم بالکل نوجوان تھیں اور ڈیڈی...."

"اس شادی میں کسی قسم کا کوئی ایسا پہلو پوشیدہ ہے۔ میرا مطلب ہے کیا فرخندہ بیگم نے کسی مجبوری کے تحت یہ شادی کی تھی؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"فرخندہ بیگم کے دیگر اہلِ خاندان؟"

"میرا خیال ہے کوئی نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو فرخندہ بیگم سے کوئی نہیں ملتا اور میں نے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش بھی نہیں کی، سوائے طاہر مقصود کے۔"

"طاہر مقصود فرخندہ بیگم کی زندگی میں کب داخل ہوا؟"

"میں نہیں جانتی، ڈیڈی کی موجودگی میں بھی اُس نے فرخندہ بیگم سے کئی بار ملاقاتیں کی تھیں لیکن ملاقاتوں کا وقفہ ڈیڑھ ڈیڑھ اور ایک ایک سال کے قریب تھا۔ ڈیڈی کے انتقال کے بعد بھی وہ تقریباً ایک ماہ تک نہیں آیا اور پھر اچانک یہاں پہنچا گفتگو ہوئی اور فرخندہ بیگم نے اُسے کوٹھی میں ہی بلوا لیا۔"

"طاہر مقصود کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اُس کے دیگر مشاغل کیا ہیں؟"

"اب تو کچھ نہیں ہوں گے، ظاہر ہے وہ فرخندہ بیگم کا دستِ راست ہے۔"

"گویا فرخندہ بیگم کے ساتھ ساتھ اُس شخص پر بھی شبہہ کیا جا سکتا ہے۔"

"میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی، وہ فرخندہ بیگم سے کافی متاثر ہے اور دونوں میں خاصی گہری چھنتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بہرطور اس بات کو ذہن میں رکھا جائے گا اب تم آرام کرو۔"

میں نے حنا کو واپس بھیج دیا۔ بہت زیادہ ربط دوسروں کی نگاہوں میں مشکوک ہو سکتا تھا جبکہ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ فرخندہ بیگم اور طاہر مقصود کی ذہنی کیفیت کیا ہے لیکن یہ معاملات میرے لیے خاصی دلچسپی رکھتے تھے اور میں فیصلہ کر چکا تھا کہ فرخندہ بیگم کو بے نقاب کیے بغیر نہیں رہوں گا۔ یہ کیس میری زندگی کا دلچسپ ترین کیس تھا اور اس انداز میں مَیں نے پہلی بار کام کا آغاز کیا تھا لیکن یہ سب کچھ مجھے بہت ہی اچھا لگ رہا تھا دلچسپ اور سنسنی خیز۔

مسہری پر لیٹا تو گھر یاد آیا۔ آئی جی صاحب کی سخت مزاجی، بھائیوں کی کیفیت، سب کے سب نارمل غیر جذباتی، سب گھر میں ایک دوسرے سے گھل مل کر رہتے تھے لیکن کسی کے لیے کسی کے دل میں ایثار نہیں تھا۔ یہاں تک کہ والدہ صاحبہ بھی غیر جذباتی تھیں۔ پولیس کی زندگی نے آئی جی صاحب کو بے حد سخت کر دیا تھا اور وہ اصولوں میں لچک کے قائل نہیں تھے جو حکم صادر ہو گیا اُس کی تعمیل ضروری تھی۔ بھائیوں میں ایک جج صاحب تھے، ایک بیرسٹر اور ایک والد صاحب کی طرح پولیس آفیسر۔ تھے بندھے اصول۔ نالدرخ کو مجھ سے ازلی بیر تھا، اُس نے بھی زندگی میں کبھی بہن کے پیار کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بھابیاں بھی بس ٹھیک ہی تھیں۔ کوئی کسی کو نقصان پہنچانے کے درپے نہیں ہوتا تھا لیکن کوئی کسی کے لیے کچھ کرتا بھی نہیں تھا اگر شفیق بھائی چاہتیں تو نیلوفر کے سلسلے کو خود بھی ختم کر سکتی تھیں لیکن بات اپنی انا کی تھی۔ اُن کی بہن کو ٹھکرایا گیا تھا اور وہ بھلا یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں؟

بہ حال میں اسی دُنیا کا انسان تھا لیکن نہ جانے کیوں میں اُن جیسا نہیں تھا؟ بلکہ شاید ان غیر جذباتی لوگوں کے درمیان رہ کر ہی میرے احساسات جاگے تھے جس کا ثبوت میرا اندازِ فکر تھا۔ فاروقی صاحب تھے، استاد جُونے تھے اور اب تک کی کارروائیاں۔ ان لوگوں کے درمیان سے نکل آنا ہی بہتر ہُوا ورنہ شاید اپنی مرضی سے نہ جی سکتا۔ وکالت کا پیشہ پسند تھا لیکن بیرسٹر نصرت حسین کی مانند نہیں۔ کوئی شخص فریاد لے آئے بس اُس کی سرپرستی کی جائے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ بے گناہ ہے یا گناہگار۔ یہ تو کوئی بات نہ ہُوئی۔ یہ تو ہر جگہ ہی ہو رہا ہے جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ دوسروں کو جینے کا حق ہی نہیں... جو زیادہ دولت خرچ کر سکے وہی ایمان دار ہے اور وہ جو دولت صرف اس لیے اکٹھی نہیں کر سکتے کہ انھیں بے ایمانی کرنا نہیں آتی، مجرم بن جائیں۔ یہ انصاف تو نہ ہُوا۔

تمام وکیل ایسے نہیں ہوتے۔ وہ اپنے پیشے کے تقدس کا احترام کرتے ہیں اور وہ کیس لیتے ہیں جو سچ پر مبنی ہو اور مظلوم کو انصاف دلانے کے لیے ہو لیکن بہت سے ظالم اور مظلوم کا تعین کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ بس اعلیٰ درجے کا تعین ضروری ہے۔ میں اس روایت میں تبدیلی کا خواہاں تھا اور اپنے کام کا آغاز کر چکا تھا۔ اس طریق کار سے یہ اطمینان تھا میرے دل میں اُن لوگوں کے لیے ہمدردی تھی جو بے گناہ سزا پا رہے تھے۔ وہ

میں اُن کی مدد کے لیے ایک منصوبہ تشکیل دینا چاہتا تھا لیکن سارے کام بہت جلد نہیں ہو جاتے۔ اُن کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔ اپنے اس منصوبے کی تکمیل میں مجھے کافی وقت لگے گا لیکن ان کاموں کے ساتھ میں قلاش بھی نہیں رہنا چاہتا تھا۔ نیکی کے کام بے شک اہمیت رکھتے ہیں لیکن دُنیا جس کا نام ہے، وہ بہت بے رحم ہے۔ دولت شخصیت کا تعین کرتی ہے۔ میں اپنے اہلِ خاندان کی... مضحکہ خیز نگاہوں کا سامنا بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اُن کے مقابل آنا تھا ورنہ پھر ساری پیش گوئیاں درست ہو جاتیں میرے بارے میں چنانچہ دولت کا حصول بھی ضروری تھا... فاروقی صاحب مخلص انسان تھے اور اپنی آمدنی کا ایک حصہ مجھے دینا چاہتے تھے لیکن میں اندازہ لگا چکا تھا کہ پچھلا طویل عرصہ انھوں نے پریشانیوں کے عالم میں گزارا ہے۔ ابھی انھیں مجھ سے زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے پھر آمدنی بھی کون سی خاص ہوتی تھی۔ چنانچہ میں اُن سے کچھ نہیں لینا چاہتا تھا۔ بہرحال اس کے لیے بھی کچھ کرنا پڑے گا۔

انھی سوچوں میں نیند نہیں آئی اور نہ جانے کتنی رات گزر گئی۔ دفعتاً مجھے دروازے پر ایک آہٹ سنائی دی۔ رات کے سناٹے میں یہ آواز کافی واضح تھی۔ میں چونک پڑا۔ میں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ میں نے دم سادھ لیا اور ادھ کھلی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ دروازہ تھوڑا سا اور کھل گیا اور پھر ایک سایہ سا نظر آیا جو کمرے کی مدھم روشنی میں واضح نہیں ہُوا تھا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا اُس نے اندر آنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر دروازہ اُسی طرح بے آواز بند ہو گیا۔

میں اُچھل کر مسہری سے نیچے اُتر آیا پھر میں نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ کچھ فاصلے پر وہی سایہ آگے بڑھتا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اُس کا تعاقب کرنے لگا۔ سایہ نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔ میں اُس کا تعاقب کرتا رہا۔ سیڑھیاں اُتر کر میں ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا پھر میں نے فرخندہ بیگم کے کمرے کا دروازہ کھلتے ہُوئے دیکھا۔ میرے جبڑے بھنچ گئے تھے۔

تو فرخندہ بیگم چوکس ہیں اور میری طرف سے مشکوک بھی۔ واقعی خطرناک عورت تھی اوپر سے بہت نرم، حلیم اور خوش اخلاق لیکن اندر سے... مجھے اُس کے الفاظ یاد آنے۔ میرا ممی کہنا اُسے

ناگوار گزرتا تھا۔ اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ وہ ممی کہلانے کے لائق نہیں تھی لیکن...

چند لمحات میں اسی جگہ کھڑا رہا پھر اپنا شک رفع کرنے کے لیے آگے بڑھا اور فرخندہ بیگم کے کمرے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اندر جھانکنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ اندر زیرو بلب روشن تھا۔ میں وہاں سے پلٹ کر کمرے کے اطراف کا جائزہ لینے لگا اور کمرے کے عقب میں مجھے ایک کھلی کھڑکی نظر آئی۔ اس کھڑکی سے اندر جھانکنا مشکل نہیں تھا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں فرخندہ بیگم کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا اور اب اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ خود فرخندہ بیگم ہی میرے کمرے میں جھانکنے کے لیے اُوپر آئی تھیں۔

میں نے رُکنا مناسب نہیں سمجھا اور وہاں سے پلٹ آیا۔ احتیاطاً میں نے حِنا کے کمرے میں بھی جھانک لینا مناسب سمجھا۔ حِنا اپنی مسہری پر گہری نیند سو رہی تھی۔ یہی کیفیت طاہر مقصود کی بھی تھی صرف فرخندہ بیگم جاگ رہی تھیں اور اُن کی جاگنے کی وجہ میں جانتا تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر میں مسہری پر لیٹ گیا۔ فرخندہ نے میری کارروائی پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یہ بات اُس کے لیے خاصی پریشان کُن تھی کہ جاوید کا علاج ہو رہا ہے۔ اُس کی نیندیں اس لیے اُڑ گئی تھیں کہ جاوید کو زہر دینے کی بات منظرِ عام پر آ گئی تھی لیکن اس خطرناک عورت سے محتاط رہنا ضروری تھا۔ بہت دیر تک میں ان معاملات کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتا رہا اور پھر رات کے نہ جانے کون سے پہر نیند آ گئی۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر سب تھے۔ فرخندہ بیگم نے کہا۔

"شارق! جاوید کے پاس کب جاؤ گے؟"

"تقریباً دس بجے۔"

"میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔" اُنھوں نے کہا۔

"میں بھی جاؤں گی۔" حِنا سسکی لے کر بولی۔

"تم بعد میں چلی جانا حِنا۔ سب لوگوں کا ایک ساتھ جانا مناسب نہیں ہوگا۔" فرخندہ بیگم کا لہجہ سرد تھا پھر اُنھوں نے فوراً ہی طاہر سے کہا۔ "تمھارا کیا پروگرام ہے؟"

"آفس جاؤں گا۔" طاہر بولا۔

"ہاں! میں بھی یہی کہنا چاہتی تھی۔ تمام ضروری امور سنبھال لینا ممکن ہے میں آج آفس نہ آؤں میری طبیعت... ٹھیک نہیں ہے۔"

"اوکے مطمئن رہو۔" طاہر نے جواب دیا۔

"آؤ شارق!" فرخندہ بیگم شاید مجھے حِنا کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں۔ میں اُٹھ کر اُن کے ساتھ چل دیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُنھوں نے کہا۔ "کوئی اور مصروفیت تو نہیں ہے؟"

"نہیں بیگم صاحبہ!" میں نے جواب دیا۔ فرخندہ بیگم ایک کرسی پر دراز ہو گئیں۔

"پریشان تو نہیں ہو یہ ہوان حالات سے؟" چند لمحات کے بعد اُنھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جاوید میری زندگی مجھے عزیز ہے یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ میں جاوید کے کسی کام آ رہا ہوں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تم نے ایک تحریک پیدا کر دی ہے ورنہ شارق تم تو میں جاوید سے بہت بڑے ہو گے؟"

"بلاشبہ، دس سال سے کم فرق نہ ہوگا۔"

"تم دونوں کی دوستی کیسے ہوئی؟"

"یہ بات یاد ہی نہیں۔"

"شادی شدہ ہو؟"

"نہیں!" میں نے جواب دیا۔ میرے ذہن میں فوراً ہی کچھ تبدیلیاں ہُوئیں۔ میں نے فرخندہ بیگم سے پوچھا۔ "بیگم صاحبہ! ایک سوال بار بار میرے ذہن میں مچلتا ہے لیکن گستاخی کرنے کی جرأت نہیں کر پاتا۔"

"تم پُرتکلف الفاظ استعمال کرتے ہو شارق! یہ مناسب نہیں ہے۔ ویسے بھی میں ذرا مختلف طبیعت کی مالک ہوں۔ بہت زیادہ لوگوں سے میری شناسائی نہیں ہے لیکن جو بہت قریب ہوتے ہیں اُن کے ساتھ تکلف مجھے ناپسند ہے۔"

"آپ نے جاوید کے والد سے شادی کرنے کا فیصلہ کیسے کر لیا؟" میرے اس سوال پر ایک لمحے کے لیے اُن کے چہرے پر تاریکی سی پھیل گئی پھر اُنھوں نے کہا۔

"بس یُوں سمجھو حالات یہی کہتے تھے۔"

"گویا اس شادی میں آپ کی پسند شامل نہیں تھی؟"

فرخندہ بیگم نے کچھ ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا کہ میں اُلجھ سا گیا۔ ان آنکھوں کا مفہوم پڑھنے کے لیے صدیاں درکار تھیں۔ ان آنکھوں میں عجیب و غریب تاثرات تھے اور مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں نے یہ سوال کر کے اُن کے سینے کی گہرائیوں میں پوشیدہ نازک جذبات کو چھیڑ دیا ہے۔ چند ثانیے وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہیں پھر بولیں۔ "بعض باتوں کا...

رہنا ہی مناسب ہوتا ہے۔ شارق! ویسے سعید صاحب سے شادی کر کے مجھے کوئی مایوسی نہیں ہوئی لیکن افسوس زندگی کی اس دوڑ میں وہ میرا زیادہ عرصے ساتھ نہیں دے سکے اور مجھے اِن اُلجھنوں میں چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے اُن سے اگر کوئی شکایت ہے تو صرف اتنی سی۔۔۔"

"بیگم صاحبہ! چند سوالات اور میرے ذہن میں بُری طرح مچلتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کو اندازہ ہو چکا ہے کہ جاوید ہیروئن کا شکار ہے۔ کیا اس سلسلے میں جاوید کی اپنی کوئی حماقت کارفرما ہے یا پھر بیرونی طریقے سے اُس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے؟"

"مَیں اس سوال کا کیا جواب دے سکتی ہوں شارق؟ ظاہر ہے میرے پاس اِس سوال کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔" فرخندہ بیگم نے گھبرائے ہوئے سے انداز میں کہا اور مَیں دل ہی دل میں مُسکرا اُٹھا۔ مَیں نے سوچا کہ خاتون بلاشبہ اچھی اداکاری کر لیتی ہیں۔ ہر حال مَیں نے اپنے چہرے سے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت صورتِ حال مختلف تھی۔

"شارق! آپ بہت اچھے انسان ہیں! مجھے کبھی کبھی حسرت ہوتی ہے کہ کاش! مجھے بھی کوئی ایسا دوست مل جاتا جو میرے لیے بے لوث تڑپتا جو مجھے بتائے بغیر میرے لیے کچھ کرتا جو۔۔۔ جو شارق جو۔۔۔"

"مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں بیگم صاحبہ؟" مَیں نے سوال کیا۔

"خدمت؟" فرخندہ بیگم نے میری طرف دیکھا اور پھر دفعتہً مُسکرا پڑیں۔

"نہیں بھئی! میرا مقصد یہ نہیں تھا۔ تم جاوید کے دوست ہو اور مَیں اُس کی حق تلفی کیسے کر سکتی ہوں لیکن ایک درخواست کروں تو تم مان لوگے؟"

"آپ حُکم دیجیے۔ درخواست کا لفظ کیوں استعمال کر۔۔۔ رہی ہیں؟"

"تم سوچو گے کہ عجیب عورت ہے پہلے کچھ فرمائش اور اب اس فرمائش کو بھی تبدیل کر دینا چاہتی ہے۔"

"نہیں نہیں بے تکلفی سے فرمائیے۔"

"تم مجھے بیگم صاحبہ بھی نہ کہا کرو۔ صرف فرخندہ کہو تو مجھے بے حد مسرت ہوگی۔" میرے ذہن میں ایک خانہ سا کھُل گیا تھا۔ فرخندہ بیگم اب مجھے چارہ ڈال رہی تھیں۔ ظاہر ہے جاوید میرے ذریعے اسپتال میں داخل ہُوا تھا اور انھیں میری ذات سے خطرہ ہو سکتا تھا۔ اِس طرح مجھے اپنے جال میں پھانس کر شاید وہ میری زبان بند کرنے کی خواہش مند تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی صاحبِ اختیار عورت جس کے پاس کروڑوں کی دولت اور جائیداد ہو اگر کسی عام قسم کے نوجوان کو اہمیت دے تو غالباً اس دَور کے بے شمار نوجوان اس بات کو خوشی سے قبول کر لیں گے کیونکہ مستقبل کا تصوّر بدل چُکا ہے۔ لوگ دولت کے حصول کو آسان سے آسان تر بنانا چاہتے ہیں۔ یہ جال بہت خُوب صورت تھا اور اصولاً مجھے اس میں پھنس جانا چاہیے تھا۔ چنانچہ مَیں نے پھنسنے کا فیصلہ کر لیا۔ اِس طرح میرے ذہن میں ایک نئی بات پیدا ہُوئی تھی۔ مَیں نے سوچا کہ بیگم صاحبہ کی زیادہ سے زیادہ قربت حاصل کر کے مَیں ظاہر مقصود کے اثرات کو کسی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور اگر بہت زیادہ بے تکلفی اور اعتماد قائم ہو گیا تو پھر خود بیگم صاحبہ اپنی ہی زبانی اپنے جُرم کا اعتراف کر لیں گی۔ میرے چہرے پر پھر اسی قسم کے تاثرات پھیل گئے جن کی اس وقت ضرورت ہو سکتی تھی۔ مَیں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"جی تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کو ممی کہا جائے نہ بیگم صاحبہ۔ آپ یقین کیجیے جاوید سے میرے قریبی تعلقات ہیں اور مَیں صرف اُسی کی خوشی میں خوش ہُوں۔ حِنا بھی مجھے عزیز ہے لیکن جاوید کے رشتے سے مَیں نے پہلی بار آپ کو ممی کہا تھا تو مَیں شاید خود پر ہنس پڑا تھا اور پھر انتہائی جبر کے ساتھ مَیں نے یہ لفظ استعمال کیا۔ آپ نے میری یہ مشکل حل کر دی تھی۔۔۔ بیگم صاحبہ کہہ کر کم از کم مَیں اپنے ذہن میں وہ عجیب سی کیفیت نہیں پاتا تھا جو آپ کو ممی کہنے سے پیدا ہو جاتی تھی اور اب اگر آپ مجھے یہ اجازت دیتی ہیں تو یُوں سمجھیے مَیں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ رہا ہُوں لیکن ایک بات آپ مجھے ضرور بتا دیجیے۔۔۔ کہ اچانک اس تبدیلی پر دوسرے لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"کم از کم اُن کی غیر موجودگی میں تو مَیں فرخندہ کہلانے کی حق دار ہُوں۔"

"بہت بہتر فرخندہ صاحبہ! آپ کا شکریہ۔" مَیں نے کہا۔

"کیا خیال ہے؟ کتنی دیر میں چلوگے؟" فرخندہ بیگم نے پوچھا۔ اور مَیں نے کلائی پر بندھی ہُوئی گھڑی پر وقت دیکھتے ہُوئے کہا۔

"آپ تیار ہو جائیے۔"

"جاؤ پھر تھوڑی دیر کے بعد تمھیں تمھارے کمرے سے لے لوں گی۔" فرخندہ بیگم نے کہا اور مَیں اُٹھ کر اپنے کمرے میں

آگیا۔ ابھی ہماری روانگی میں کچھ وقت تھا۔ مَیں تیار ہُوا ہی تھا کہ حِنا شعلۂ جوالہ بنی ہُوئی میرے کمرے میں داخل ہُوئی۔

"مَیں جانتی ہُوں، اچھی طرح جانتی ہُوں مَیں جانتی ہُوں کہ وہ میرے تمام راستے بند کر دینا چاہتی ہے۔ مَیں جانتی ہُوں کہ وہ ہر اُس شخص پر جال ڈالنے کی فکر میں سرگرداں رہتی ہے جو ذرا سی بھی میری قُربت حاصل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو جائے لیکن شارق۔۔۔ شارق کیا تم۔۔۔ کیا تم بھی مجھ سے دُور ہو جاؤ گے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو حِنا؟ جوشِ جذبات میں تم۔۔۔ اپنے منصوبے سے دُور ہٹتی جا رہی ہو۔" مَیں نے اُسے سرزنش کی۔

"وہ ساحرہ ہے شارق! ساحرہ ہے، وہ ہر شخص پر اپنا سحر طاری کر دیتی ہے اور یہ سحر طاری کرنے میں اُسے کمال حاصل ہے۔ مَیں۔۔۔ مَیں شارق خوف زدہ ہُوں یقین کرو، مَیں خوف زدہ ہُوں۔"

"تم اگر میری یہاں موجودگی ناپسند کرتی ہو حِنا تو مَیں یہاں سے واپس چلا جاتا ہُوں تاکہ تم اِس خدشے سے دُور ہو جاؤ۔ تم جانتی ہو کہ یہ ڈراما کر کے مَیں کتنی مشکل سے یہاں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہُوا ہُوں اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ مَیں نے اپنی حیثیت کا بالکل غلط استعمال کیا ہے اگر کل اس گھر کے لوگ مجھ سے یہ سوال کر دیں کہ جاوید کو اپنی مرضی سے اسپتال میں داخل کرانے کا حق، مجھے کس نے دیا تو میرے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ مَیں طوفانی کارروائیاں کر رہا ہُوں حِنا! ہم جاوید کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ ہمیں سب سے پہلے اُس پر پوری توجہ دینی چاہیے۔ اس کے بعد، باقی تمام کارروائیاں کرنا مناسب ہوگا۔۔۔ فرخندہ بیگم بہر طور سامنے آجائیں گی۔ مَیں دیکھوں گا کہ وہ کس طرح اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتی ہیں لیکن اگر اس سلسلے میں مجھے اُن سے محبت اور یگانگت کا برتاؤ کرتے ہُوئے دیکھو تو صرف یہ تصوّر کرنا کہ مَیں تمھارے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہُوں!"

حِنا میرے اِن الفاظ سے نرم پڑ گئی۔ غالباً بات اُس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اُس نے گہری سانس لے کر آہستہ سے کہا۔

"مجھ جیسی لڑکی کو جس طرح کے خوف ہوں کم ہیں۔ تم میرا اندازہ کر سکتے ہو؟"

"بہر طور! جب کسی پر اعتماد کیا جاتا ہے حِنا تو پھر اُس پر اعتماد قائم بھی رکھا جاتا ہے۔ تم مجھے کم از کم اِس ذہنی اُلجھن کا شکار مت کرو۔ فرخندہ بیگم سے مَیں جتنی بھی قُربت حاصل کر سکتا ہُوں اُس کے لیے شدید کوششیں کر رہا ہُوں کیونکہ اسی طرح مَیں انھیں اندر سے کھول سکتا ہُوں۔"

"اُس کے جال میں تو نہیں پھنس جاؤ گے شارق؟"

"محترمہ! آپ کو مجھ پر یہ الزام لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔" مَیں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"سوری، شارق سوری! بس تم مجھے ایک پریشان حال لڑکی سمجھ سکتے ہو۔"

"تم جاؤ! میرا خیال ہے فرخندہ بیگم آنے والی ہوں گی۔ جاوید کے سلسلے میں اطمینان رکھو۔ بہر طور اُس کی زندگی اور موت خُدا کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر صدیقی نے اُس کے بارے میں شدید تشویش کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ سو فی صد وہ جاوید کی صحت کا ذمّہ نہیں لے سکتے۔ بہر طور وہ کوشش کر رہے ہیں۔" حِنا نے گردن جھکائی اور باہر نکل گئی۔ مَیں گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ اس سلسلے میں جہاں بے شمار دلچسپیاں تھیں، وہاں اُلجھنیں بھی تھیں لیکن بہر طور مَیں اپنے کام میں کامیابی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ فرخندہ بیگم کا میری گرفت میں آنا بہت ضروری تھا۔ اِسی طرح مَیں شیطان کو بے نقاب کر سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد فرخندہ بیگم آگئیں۔ وہ ایک سادہ سا لباس پہنے ہُوئی تھیں لیکن کافی خُوب صورت نظر آ رہی تھیں۔ ویسے بھی وہ انتہائی دل کش عورت تھی۔ مَیں اُن کے ساتھ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد فرخندہ بیگم اپنی کار میں بیٹھ کر۔۔۔ اسپتال کی جانب چل پڑی۔ راستے میں اُنھوں نے اپنے پرس سے نوٹوں کی کچھ گڈیاں نکالیں اور انھیں میرے حوالے کرتی ہُوئی بولیں۔

"یہ رکھ لو شارق!"

"یہ کیا ہے فرخندہ؟" مَیں نے اُس کی ہدایت کے مطابق بے تکلفی سے اُسے مخاطب کیا اور فرخندہ سامنے سے نگاہیں ہٹا کر مجھے دیکھنے لگی۔۔۔ پھر اُس کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

"نوٹ ہیں اور کیا ہے؟"

"خاصی بڑی رقم ہے غالباً تیس ہزار روپے۔"

"ہُوں! یہ رکھ لو پلیز۔۔۔"

"مگر کیوں بھئی؟ آخر کیوں۔۔۔؟" مَیں نے سوال کیا۔

"جاوید کے سلسلے میں جو کچھ کر رہے ہو کیا اُس کے اخراجات بھی خود ہی اُٹھاؤ گے؟"

"ابھی کوئی خاص خرچ نہیں ہُوا۔ نوید صدیقی سے اس

سلسلے میں بات بھی نہیں ہوئی۔ بہرطور جب جاوید صحت یاب ہو جائے گا تو وہ بل دیں گے۔ تب آپ اُسے ادا کر دیجیے گا۔"

"نہیں، تمھیں یہ رکھنا ہوں گے۔ میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں پلیز... اس سلسلے میں میرے ذہن کو مت اُلجھاؤ... اپنے طور پر اس رقم کو جس طرح چاہو خرچ کرو۔ جاوید بیٹا تو میرا!" فرخندہ بیگم نے کہا اور ایک بار پھر میں دل ہی دل میں مسکرا اُٹھا۔ میں نے پورے خلوص سے دل ہی دل میں کہا۔

"فرخندہ بیگم صاحبہ! ابھی کچھ دیر قبل ہی میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ بہرطور لوگوں کے کام آنا ایک اچھی بات ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ جب میں لوگ میرے کام آنے لگیں۔ یعنی میں بھی مالی مشکلات کا شکار ہو جاؤں۔ گھر چھوڑا ہے تو کم از کم گھر بنانا بھی ہے۔ چنانچہ آپ کی اس عنایت کو میں خلوص دل سے قبول کرتا ہوں۔ میں نے تیس ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں جیب میں ٹھونس لیں۔ بہرطور اپنے آپ کو بے کردار بھی نہیں ثابت کرنا چاہتا تھا۔ ورنہ فرخندہ بیگم کا وہ اعتماد کھو بیٹھتا جو اچانک اُنھوں نے مجھ پر کیا تھا۔

نوید صدیقی کے کلینک میں داخل ہونے کے بعد میں نے نوید صدیقی کے بارے میں معلوم کیا لیکن ابھی وہ کلینک نہیں پہنچے تھے۔ چنانچہ ہم جاوید کے کمرے کی جانب چل پڑے... فرخندہ بیگم جاوید کی مسہری کے پاس بیٹھ گئیں۔ جاوید اب بھی نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا۔ ہیروئن کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ڈاکٹر نوید صدیقی اُسے نشہ آور انجکشن دے رہے تھے اور اس کے لیے وہ تمام کوششیں کر رہے تھے جو موت کی دہلیز پر موجود کسی بھی مریض کے لیے کی جاسکتی تھیں۔ ایک ڈاکٹر نے مجھے جاوید کی کیفیت کے بارے میں بتایا۔

"ابھی کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ ہم صرف ہیروئن کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مختلف ادویات انجکشن کی شکل میں استعمال کی جا رہی ہیں۔ ایک بار اُنھیں ہوش میں لایا گیا تھا لیکن اُن کی حالت شدید خراب ہوگئی تھی۔ وہ بُری طرح جنون کا شکار ہوگئے اور پاگلوں کی طرح اپنے آپ کو نوچنے لگے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کیا ہے کہ اُنھیں ہوش میں لانا مناسب نہیں ہے۔ تاہم دوسرے ذرائع سے اُنھیں کنٹرول کر رہے ہیں۔ باقی جو معاملات ہیں وہ ڈاکٹر صاحب خود ہی دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے بارے میں ہم لوگوں کو علم نہیں ہے۔" فرخندہ بیگم عجیب سی نگاہوں سے جاوید کو دیکھنے لگیں۔ میں ان نگاہوں کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بہت ہی مضبوط اعصاب کی عورت تھی۔ اپنے آپ کو مکمل طور پر کنٹرول میں کیے ہوئے تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے گردن جھٹکی اور بولی۔

"چلیں شاق! یا تم یہاں رُک کر نوید صدیقی کا انتظار کرو گے؟"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"اگر کوئی اہم ضرورت نہیں ہے تو آؤ چلتے ہیں۔"

میں فرخندہ بیگم کے ساتھ باہر نکل آیا۔ کار میں بیٹھ کر اُنھوں نے کہا۔

"بتاؤ کہاں چلیں؟"

"کوٹھی کے علاوہ اور کہاں جاسکتے ہیں۔"

"میں ابھی کوٹھی نہیں جانا چاہتی۔"

"تو پھر...؟"

"آج آفس نہیں جاؤں گی۔ آؤ ساحل سمندر پر چلتے ہیں۔"

میں نے فرخندہ بیگم کی تجویز سے اختلاف نہیں کیا حالانکہ مجھے ان تفریحات کی کہاں مہلت تھی لیکن فرخندہ بیگم کے سلسلے میں جو فیصلہ کیا تھا، اُس پر عمل درآمد کرنے کے لیے اُن کی خواہش کا احترام بھی ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے گردن ہلا دی اور تھوڑی دیر کے بعد ساحل سمندر پر پہنچ گئے۔ ساحل پر چہل قدمی کرتے ہوئے فرخندہ بیگم نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور مجھ سے کہا۔

"میرے ہاتھ کی انگلیوں کو اپنی گرفت میں لے لو۔" میں نے اُن کی اس ہدایت پر عمل کیا۔ اپنی ذہنی کیفیت بھی کچھ خراب ہونے لگی تھی لیکن اُستاد پُونے کے نام کا نعرہ لگایا اور فرخندہ بیگم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ساحل پر چہل قدمی کرنے لگا۔

"بعض اوقات دل میں عجیب عجیب سی خواہشات اُبھرتی ہیں۔ تمھارا کیا خیال ہے؟ میری اس خواہش کے بارے میں تم کیا کہو گے؟"

"میں کچھ نہیں کہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

فرخندہ بیگم نے مسکرا کر گردن جھکا دی۔ اُن کے ہاتھ کا لمس مجھے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا لیکن اس لمس کو میں نے ایک کاروباری لمس قرار دیا تھا۔ کافی دیر تک ہم سمندر پر چہل قدمی کرتے رہے اور اس کے بعد فرخندہ بیگم مجھ سے کہنے لگیں۔

"بہت عرصے کے بعد اس طرح ساحل سمندر پر چہل قدمی

کی ہے۔ اب آؤ کسی ہوٹل میں کھانا کھائیں گے۔"

میں نے اس بات سے بھی انحراف نہیں کیا تھا۔ ایک بہت ہی عمدہ ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد ہم کوٹھی واپس پہنچ گئے۔

✥

حنا سب سے پہلے نظر آئی تھی لیکن ہم دونوں کو دیکھ کر وہ کٹ گئی۔ بظاہر مقصود کا کوئی پتا نہیں تھا۔ فرخندہ بیگم نے آگے سے گزرنے کے بعد چاہت کے ڈونگرے برساتی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میں جانتا تھا کہ اب حنا نازل ہوگی اور پھر یہ... سوالات کی بوچھار کر دے گی لیکن میرے ذہن میں فاروقی صاحب بھی تھے کیونکہ اُنھیں ٹیلی فون نہیں کیا تھا۔ میں نے سب سے پہلے اپنے کمرے میں پہنچ کر فاروقی صاحب کو ٹیلی فون کیا اور اُن سے صورت حال معلوم کی۔

"سب کچھ نارمل ہے کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"میرے گھر کی طرف سے کوئی تحریک؟"

"نہیں بھئی اور یہ بات کہتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے۔"

"اور مجھے خوشی ہوئی کہ کم از کم گھر والوں نے مجھے تھوڑی بہت آزادی بخش دی ہے، ورنہ محبتوں سے مجبور ہو کر اگر وہ میری تلاش میں نکل پڑتے تو مجھے خواہ مخواہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔"

"کہاں سے ٹیلی فون کر رہے ہو؟"

"جائے واردات سے۔" میں نے جواب دیا۔

"گویا حالات پُرسکون ہیں۔"

"ہاں ابھی تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی ہے۔ جاوید کے بارے میں تو میں نے آپ کو بتا ہی دیا تھا۔ تھوڑی دیر قبل ہم لوگ کلینک گئے تھے لیکن جاوید کے بارے میں کوئی اُمید افزا رپورٹ نہیں ہے۔"

"نوید صدیقی نے مجھ سے بھی بات کی تھی۔"

"کیا کہتے تھے؟"

"یہی کہہ رہے تھے کہ زہر اتنی مقدار میں جسم میں پہنچ گیا ہے کہ اب اُسے کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ زہر جاوید کے خون میں سرایت کر چکا ہے اور خون کی گردش جاوید کو لمحہ بہ لمحہ زندگی سے دور کر رہی ہے۔"

"بڑی تشویش ناک صورت حال ہے فاروقی صاحب!... بہرحال دیکھتے ہیں کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، اپنے کام میں مصروف رہو۔ یہاں ابھی اس وقت کوئی اہم صورت حال نہیں ہے۔ اس لیے تمھارے پاس کافی وقت ہے۔ اپنا شوق بھی پورا کرو اور مقصد کی تکمیل بھی۔"

"او کے فاروقی صاحب! ممکن ہے میں آپ کو جلدی ٹیلی فون نہ کر سکوں۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ اب میں مطمئن ہوں۔" فاروقی صاحب نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حنا میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر اندر آگئی۔ اس کا چہرہ اس وقت بھی اُنھی کیفیات کا غماز تھا۔ وہ خاصی جلن اور حسد محسوس کر رہی تھی۔ میں نے اُسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو حنا! پریشان ہو؟"

"ہونا بھی چاہیے آخر۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آرام سے وقت گزارو حنا! میں صرف جاوید کی طرف سے تشویش کا شکار ہوں۔ باقی معاملات کی مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ بیٹھو۔ فرخندہ بیگم کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں۔" حنا نے جواب دیا۔

"کہیں وہ اس طرف نکل نہ آئیں؟"

"امکان نہیں ہے۔ تاہم اگر چاہو تو باہر چلیں کھلی جگہ میں زیادہ آسانی سے گفتگو ہو سکے گی۔ ہم اطراف پر بھی نگاہ رکھ سکیں گے۔ ظاہر ہے کوئی مجھے تمھارے ساتھ دیکھ کر اعتراض نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" میں نے کہا اور ہم وہاں سے نکل کر کوٹھی کے عقبی حصے میں آگئے۔ حنا خاموشی سے ساتھ چلتی رہی تھی۔ ایک پُرسکون گوشے میں پہنچ کر وہ بنچ پر بیٹھ گئی۔

"کیا رہا؟"

"کچھ نہیں بس ہم لوگ اسپتال گئے اور کافی دیر تک اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے۔"

"ہوں ممی کو اچانک آپ پسند آگئے ہیں شاید۔" حنا نے طنزیہ انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"اگر ایسا ہے بھی حنا تو تمھیں کیا تشویش ہے؟"

"کیا مطلب ہے اس بات سے؟" حنا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بھئی اب بار بار یہ بات کہتے ہوئے مجھے اُلجھن سی ہونے لگتی ہے کہ میں صرف تمھارے لیے کام کر رہا ہوں اور اگر تم پسند نہ کرو تو میں آج اور ابھی واپس چلا جاتا ہوں لیکن اگر یہ چاہتی ہو کہ میں اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دوں تو پھر

تمھیں مجھ سے ہر طرح کا تعاون کرنا ہوگا۔"

"یہ بات تم کیوں نہیں سمجھتے ؟"

"کیا سمجھانا چاہتی ہو؟ کم از کم کھل کر کہہ تو دو۔" میں نے اُسے دیکھتے ہُوئے کہا۔

"بس تم کسی بھی قیمت پر فرخندہ بیگم کے جال میں مت پھنسنا۔ وہ جو کچھ بھی کہے، جس طرح سے کہے اُسے صرف فریب سمجھنا۔"

"میں ایسا ہی کر رہا ہوں۔"

"سوری، میں تمھیں بار بار پریشان کرنے لگتی ہُوں مگر اتنی دیر کہاں چہل قدمی کرتے رہے ؟"

"بس ایسے ہی، دوپہر کا کھانا ہم نے ریستوران میں کھایا تھا۔"

"دیکھا... دیکھا یہ تمام کارروائیاں کس سلسلے میں ہوسکتی ہیں۔ مگر مجھے صرف ایک بات پر تعجب ہے کہ آخر اُنھوں نے اپنے اختیارات سے کام کیوں نہیں لیا۔ وہ اگر چاہتیں تو کسی اجنبی کو اس کوٹھی میں رہنے سے منع کرسکتی تھیں۔"

"اُنھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ جاوید کے دوست کی حیثیت سے مجھے خاصی اہمیت دی ہے لیکن حنا، یہ طاہر مقصود کا کردار میری سمجھ میں نہیں آسکا۔ وہ فرخندہ بیگم کا کزن ہے تو اُسے صرف کزن رہنا چاہیے اگر وہ فرخندہ بیگم کے کاروبار کا نگران ہے تو پھر اُسے ملازم رہنا چاہیے۔ یہاں وہ بڑی شان سے رہتا ہے۔" حنا میری صُورت دیکھتی رہی اور پھر نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

"شارق! مجھے یہ کہتے ہُوئے شرم بھی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے، میرے خیال میں وہ صرف کزن نہیں ہے... صرف کاروبار کا نگران نہیں ہے بلکہ فرخندہ بیگم کی زندگی میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔"

"ہُوں، کیا فرخندہ بیگم کی اس کارروائی میں وہ بھی شریک ہوسکتا ہے ؟"

"میں نے کبھی یہ بات محسوس نہیں کی۔ اُس نے کبھی شک کا موقع نہیں دیا۔ اس لیے اس سلسلے میں اُس پر کوئی الزام عائد نہیں کرسکتی۔"

"اچھا یہ بتاؤ تم نے جو دوسرے شُبہے کا اظہار کیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ صرف فرخندہ بیگم کا کزن نہیں ہے بلکہ کچھ اور بھی ہے تو کیا اس سلسلے میں تم نے کبھی کوئی بات دیکھی ؟"

"کوئی خاص بات نہیں لیکن جس قدر بے تکلفی اور اپنائیت سے وہ فرخندہ بیگم کے ساتھ رہتا ہے اور جس طرح فرخندہ بیگم نے اُسے اس کوٹھی میں جگہ دی ہے، اُس سے مجھے اس شُبہے کا احساس ہوتا ہے۔"

"گویا اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

"نہیں، میں کسی بھی مسئلے میں جھُوٹ نہیں بولوں گی۔" حنا نے کہا اور میں نے محسوس کیا کہ طاہر مقصود کی طرف سے اُس کے خیالات بہت زیادہ خراب نہیں ہیں۔ حنا سے دیر تک گفتگو رہی۔ میں نے اُسے فرخندہ بیگم کی رات والی حرکت کے بارے میں نہیں بتایا تھا کہ کس طرح وہ میرے کمرے میں جھانک رہی تھیں ظاہر ہے۔ فرخندہ بیگم کو میری طرف سے تشویش تو ہوگی اور وہ یہ جاننا چاہتی ہوں گی کہ میں کون سے اختیارات کے تحت اس طرح کی کارروائیاں کر رہا ہُوں۔ حنا کو یہ بات بتانے کا مقصد تھا کہ وہ اور بھڑک جاتی۔ بہر طور ناتجربہ کار لڑکی تھی چنانچہ میں نے یہ بات اپنے ذہن ہی میں رکھی۔ البتہ دوسری رات کے لیے میں اپنے آپ کو تیار کر رہا تھا۔

❖

دوسری رات میں تقریباً تین بجے تک جاگتا رہا۔ اس دوران میں، میں نے ایک دو بار باہر کا چکر بھی لگایا تھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ کوٹھی میں کوئی خاص قسم کی سرگرمیاں تو نہیں ہیں لیکن حالات پُرسکون تھے۔ طاہر مقصود اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ حنا اپنے کمرے میں تھی اور فرخندہ بیگم اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہی تھیں چنانچہ تین بجے میں خود بھی آکر سوگیا۔ دوسرے دن ناشتے کے بعد میں نے فرخندہ بیگم اور حنا سے کہا کہ میں کچھ دیر کے لیے باہر جانا چاہتا ہُوں۔ وہی پُرانے دوستوں سے ملنے کی بات تھی۔ حنا کہنے لگی۔

"اگر آپ اجازت دیں تو میں جاوید سے مل آؤں ؟"

"کمال کرتی ہیں حنا! اس سلسلے میں میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔" حنا نے کوئی جواب نہیں دیا اور پھر میں وہاں سے رُخصت ہو کر چلا آیا۔

آج مجھے اپنے معاملات کے لیے اہم کارروائیاں کرنا تھیں۔ فاروقی صاحب کی طرف رُخ بھی نہیں کیا۔ تیس ہزار روپے جیب میں موجود تھے۔ بینک میں اکاؤنٹ تھا۔ اُس میں سے کافی رقم بینک میں جاکر جمع کرادی۔ بقیہ رقم لے کر الیکٹرونک مارکیٹ کی جانب نکل گیا۔ مجھے کچھ خریداری کرنی تھی... کافی دُکانیں گھُومنے کے بعد، مجھے کچھ مطلوبہ چیزیں مل گئیں جنھیں میں نے خرید لیا۔ جاسُوسی کا محکمہ قائم کرنے کے لیے یہ چیزیں

میرے لیے انتہائی کارآمد تھیں۔ ویسے اپنی اس حرکت پر مجھے بعض اوقات خود بھی ہنسی آجاتی تھی۔ ظاہر ہے یہ میری فیلڈ نہیں تھی... لیکن میں مطمئن بھی تھا، بندھے اصولوں سے ہٹ کر کام کرنے کے لیے یہ تمام کارروائیاں ضروری تھیں اور پھر میں نے وکالت کے پیشے کو ایک نیا رنگ دینے کا تہیہ کرلیا تھا جو کم از کم میرے اس ملک میں رائج نہیں تھا۔ جب کہ غیر ممالک کے بارے میں میں نے کافی پڑھا تھا کہ وہاں وکیل آدھے جاسوس بھی ہوتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر اپنے مؤکلوں کے لیے جاسوسی کی خدمات بھی سرانجام دیتے ہیں۔ میں اُسی پیرائے پر کام کرنے کا خواہاں تھا اور اتفاق سے حالات نے مجھے جلد ہی اس کے لیے موقع فراہم کردیا تھا۔

اپنی ان چیزوں کو احتیاط سے سنبھالے ہُوئے میں فاروقی صاحب کے دفتر پہنچا اور وہاں پہنچ کر اُستاد جُمّو نے سے ملاقات ہُوئی۔ فاروقی صاحب کورٹ گئے ہُوئے تھے۔ ان کی واپسی کا انتظار میں نے دفتر ہی میں کیا۔ اُستاد سے فلیٹ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو وہ ہنس کر کہنے لگے۔

"یُوں لگتا ہے جیسے وہ فلیٹ تم نے میرے لیے ہی خریدا ہو۔ تم نے ابھی تک وہاں ایک رات بھی نہیں گزاری۔"

"جلدی کیا ہے اُستاد! اطمینان سے وہاں وقت گزاریں گے۔ ذرا ان معاملات سے نمٹ لوں۔"

"تمھاری مشق بھی درمیان میں رہ گئی ہے۔"

"اُستاد زندہ باد، درمیان کی کسر بھی پوری کرلی جائے گی۔" میں نے کہا اور اُستاد مسکرانے لگے۔

"آپ مطمئن رہیں اُستاد!"

"انتہائی مطمئن، خدا تمھیں خوش رکھے۔"

پھر میں فاروقی صاحب کے پاس موجود کیسوں کی فائل کا جائزہ لینے لگا۔

کافی دیر کے بعد فاروقی صاحب واپس آئے۔ مجھے دیکھ کر خوش ہوگئے۔ بے تپاک انداز میں ملے اور اپنی آج کی مصروفیات کے بارے میں بتانے لگے۔ ایک بہت ہی عمدہ مقدمہ اُن کے ہاتھ آیا تھا، جس میں اُنھیں اچھی خاصی آمدنی ہو جانے کی توقع تھی۔ اس بات پر وہ بہت خوش تھے۔

"گویا اب آپ پوری طرح میدانِ عمل میں آگئے ہیں۔" میں نے فاروقی صاحب کو دیکھتے ہُوئے کہا۔

"میرا حلقۂ احباب پریشان ہے کہ اچانک ہی مجھے یہ الٰہ دین کا چراغ کہاں سے مل گیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں بھرے ہُوئے ہیں۔ سچی بات ہے کہ میں تو اب میرے وکیلوں میں شمار ہونے لگا تھا، جنھیں زیادہ سے زیادہ ضمانت کے لیے استعمال کرلیا جاتا ہے لیکن اب میرے پاس بڑے بڑے کیس آنے لگے ہیں۔ بعض لوگ تو اس پر تبصرے بھی کرتے ہیں اور میں حقیقتوں سے انحراف نہیں کرتا۔"

"تبصرے کیا ہوتے ہیں فاروقی صاحب ؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی جن میرے قبضے میں آگیا ہے جو میری رہنمائی کر رہا ہے۔ اب میں اُس جن کا نام تو اُن لوگوں کو نہیں بتا سکتا لیکن ان الفاظ پر میں خاموش ہو جاتا ہُوں۔ کیا یہ... حقیقت نہیں ہے شارق!"

"آپ مجھے جو کچھ بھی بنا دیں فاروقی صاحب! میں بھلا آپ پر اعتراض کا کیا حق رکھتا ہُوں۔"

"کیسے معاملات چل رہے ہیں؟ اپنی کارروائی سے مطمئن ہو؟"

"جی ہاں، کافی حد تک۔"

"ٹھیک ہے ہم تو تمھاری کامیابی کے لیے دُعائیں ہی کر سکتے ہیں۔"

"بس آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ میری مدد کی ضرورت تو نہیں ہے کسی سلسلے میں ؟"

"ابھی نہیں لیکن کچھ دن کے بعد ضرورت پڑے گی۔ ذرا اس کیس پر میں توجہ دینا چاہتا ہُوں۔ بہت بڑے آدمی کا معاملہ ہے اور سچی بات یہ ہے کہ کیس بہت جاندار ہے۔ اب تو میرا ذہن بھی اُنھی راستوں کی جانب چل پڑا ہے۔ جب کہ اپنی جوانی کی عمر میں میں نے بہت زیادہ ان چیزوں کا خیال نہیں رکھا لیکن ہر انسان کو ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور تم نے اس سلسلے میں میری رہنمائی کی ہے۔"

"کانٹوں پر گھسیٹ رہے ہیں فاروقی صاحب! آپ میرے بزرگ ہیں۔ اتنا جانتا ہُوں کہ جو نیک فطرت آپ نے پائی ہے۔ اُس پر میں کبھی شُبہ نہیں کرسکتا۔ یقیناً آپ نے کبھی ایسا کیس نہیں لیا ہوگا جس پر آپ کے ضمیر نے آپ کو ملامت کی ہوگی۔" فاروقی صاحب خاموش ہوگئے۔ اُنھوں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

تھوڑی دیر اُن کے ساتھ رہنے کے بعد میں وہاں سے واپس چل پڑا۔ اپنی ہر جنبش پر میں پوری نگاہ رکھتا

تمھیں، اِس بات کی توقع رکھتا تھا کہ میرا تعاقب کیا جا سکتا ہے۔

"طاہر مقصود کا کردار ابھی تک میرے ذہن میں اُلجھا ہُوا تھا۔ پکچہ یہ میں وہ شخص کافی سخت گیر اور چالاک قسم کا نظر آتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ ابھی تک اُس نے کہیں بھی میرا راستہ کاٹنے کی... کوشش نہیں کی تھی۔ کوٹھی میں ایک پُرسکون انسان کی حیثیت سے زندگی گزار رہا تھا تا ہم یہ بات میرے لیے تشویش ناک تھی کہ فرخندہ بیگم سے اُس کے کس قسم کے تعلقات تھے۔ طاہر مقصود کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا خواہاں تھا لیکن اس کے لیے ابھی میرے پاس ذرائع نہیں تھے۔ کوٹھی تک پہنچتے ہوئے راستے میں مَیں نے اِس بارے میں بہت کچھ سوچا۔ اگر چند افراد کو اپنی مدد کے لیے تیار کر لوں اور اُنھیں تربیت دے لوں تو یقینی طور پر میرا یہ محکمۂ جاسوسی مکمل ہو جائے گا۔ مَیں اِس میں کسی قسم کی کوئی مضحکہ خیزی محسوس نہیں کرتا تھا۔ ظاہر ہے میرے مُلک میں ان تمام چیزوں کا رواج نہیں تھا۔ جرائم ہوتے تھے، جرم کی تفتیش پولیس کے سپرد تھی فیصلے عدالت کے سپرد اور وکیل کا کام وکالت کرنا ہوتا تھا۔ ممکن ہے میری ہی طرح کوئی اور شخص بھی اِس انداز میں کام کر رہا ہو اگر نہیں کر رہا تو کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا کیونکہ مَیں لاقانونیت نہیں کر رہا تھا۔ جرم کی بعض اوقات صحیح تفتیش نہیں ہو پاتی۔ پولیس کو بھی غلط راستوں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے مجرم جرم کرتے ہُوئے منصوبہ بندی کرتا ہے اور اُس کی اِس منصوبہ بندی کی گہرائیوں تک پہنچنے کا معاملہ ذرا اُلجھا ہُوا ہی رہتا ہے۔ بعض اوقات پولیس بھی ان گہرائیوں میں نہیں جھانک پاتی۔ نتیجے میں بے گناہ لوگ گرفت میں آ جاتے ہیں اور نہ جانے کتنے ایسے بے گناہ لوگ موت اور قید کی سزا پا چکے ہیں۔ بس مَیں اُنھی حقیقتوں کی تلاش کے لیے کام کرنا چاہتا تھا اور میری یہی آرزو تھی کہ وکالت کے اِس پیشے کو نئی بنیادوں پر استوار کر دوں۔

اُنھی سوچوں میں ڈوبا ہُوا کوٹھی پہنچ گیا۔ فرخندہ بیگم سامنے لان میں پڑی ہُوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر تنہا بیٹھی ہُوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اُنھوں نے ہاتھ ہلایا اور مَیں اُن کے نزدیک پہنچ گیا۔

"تنہا ہیں؟" مَیں نے سوال کیا

"ہاں!" فرخندہ بیگم کی مسکراہٹ میں بہت سی داستانیں... پوشیدہ تھیں۔ اُنھوں نے میرے اِس جملے کو ذومعنی حیثیت دے دی تھی۔

"حنا وغیرہ کہاں ہیں؟"

"حنا واپس نہیں آئی۔ جاوید ہی کے پاس گئی ہُوئی ہے۔"

"اور طاہر صاحب؟" مَیں نے سوال کیا۔ فرخندہ بیگم چند لمحات خاموش رہیں پھر بولیں۔

"اُس کی آفس کی مصروفیات کے بعد کی مصروفیتیں مجھے نہیں معلوم، وہ بھی موجود نہیں ہے۔"

"چند لمحات کی اجازت دیں گی ابھی حاضر ہُوا۔"

"ضرور... ضرور..." فرخندہ بیگم نے کہا اور مَیں واپس پلٹا تو کہنے لگیں "جاتے ہوگے؟"

"ضرور۔" مَیں نے جواب دیا اور فرخندہ بیگم نے گردن ہلا دی تھی۔

کمرے میں آ کر مَیں نے اپنا وہ تمام سامان محفوظ کیا جو اِس وقت میرے لباس میں پوشیدہ تھا اور اس کے بعد مَیں دوسرے کپڑے پہن کر فرخندہ بیگم کے پاس پہنچ گیا۔ اِس وقت وہ بہت اُداس نظر آ رہی تھیں۔ اُن کے سامنے بیٹھ کر مَیں نے اُن کی صورت دیکھی اور آہستہ سے بولا۔

"کچھ پریشان ہیں؟" فرخندہ بیگم نے گہری سانس لی اور آہستہ سے بولیں۔

"بس! اس پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ میرا دل اندر سے گھبراتا رہتا ہے۔"

"آفس نہیں گئیں آج آپ؟"

"گئی تھی تھوڑی دیر کے لیے لیکن وہاں بھی جی نہیں لگتا۔"

"اس کی... کوئی خاص وجہ فرخندہ صاحبہ؟" مَیں نے سوال کیا۔

"کوئی خاص بات ہوتی تو شاید مَیں اُسے دُور کر دیتی۔"

"آپ... فرخندہ بیگم! آپ... آپ بقیہ تمام زندگی اِسی طرح گزار دینے کا ارادہ رکھتی ہیں؟" فرخندہ بیگم مجھے دیکھتی رہیں پھر آہستہ سے بولیں۔

"تو کیا کروں؟"

"میرا مطلب ہے کہ کبھی آپ کے ذہن میں ایسا کوئی تصوّر نہیں اُبھرا کہ آپ کسی کو زندگی کا ساتھی بنا لیں۔"

"نہیں! اِس انداز میں مَیں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ حالات مجھے اِس کی اجازت دیتے ہیں۔ تمھیں میرے بارے میں کبھی کچھ معلومات حاصل ہُوئیں شارق؟"

"اتفاق سے نہیں۔"

"جاوید نے اپنے کسی خط میں بھی تمھیں اس بارے میں کچھ نہیں لکھا؟"

"نہیں۔"

"بس شارق! مَیں بھی عام انسانوں کی طرح بہت سی مجبوریوں اور بہت سے حادثات کا شکار ہُوں۔ میرے بارے میں بہت کم لوگ کچھ جانتے ہیں کیونکہ میرا تعلق اِس شہر سے نہیں ہے۔ مَیں فیصل آباد میں رہتی تھی وہیں پرورش وغیرہ بھی پائی تھی۔ میرے والد سعید بیگ صاحب کے ملازم تھے۔ سعید بیگ صاحب کا کچھ... کاروبار فیصل آباد میں بھی تھا اور اکثر جب بھی کبھی سعید بیگ صاحب فیصل آباد جاتے تھے تو ہمارے گھر ہی قیام کرتے تھے۔ مَیں نے زندگی کا بیشتر حصہ اُن کے سامنے ہی گزارا تھا اور ہم پر اُن کی بہت سی عنایتیں بھی تھیں لیکن مَیں نے کبھی اِس انداز میں نہیں سوچا تھا کہ مجھے اُن کی زندگی میں شامل ہونا پڑے گا۔ میرے والد صاحب مرحوم بدنصیب انسان تھے۔ اُن کی اپنی زندگی کی بھی ایک الگ کہانی ہے، جس سے تمھیں کوئی دلچسپی نہیں ہوگی... پھر ایک بار سعید بیگ صاحب کے اُس کاروبار میں ایک بڑا غبن ہُوا جو فیصل آباد میں تھا اور جس کے نگران میرے والد تھے۔ لاکھوں روپے کی رقم خورد بُرد ہو گئی تھی اور اس کی تمام تر ذمّے داری میرے والد صاحب پر ہی عائد ہوتی تھی۔ بچپن ہی سے مَیں طاہر مقصود سے منسوب تھی اور ہمارے ذہنوں میں یہی جذبے پروان چڑھ رہے تھے کہ جوان ہونے کے بعد ہم دونوں یکجا ہو جائیں گے۔ طاہر مقصود تعلیم کے حصول کے لیے لندن چلا گیا تھا اور ہم اُس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے پھر وہ لندن سے واپس آ گیا تھا لیکن اِس دوران میں یہ حادثہ ہو چکا تھا۔ سعید بیگ صاحب نے کھُل کر میرے والد سے کہہ دیا کہ اُس کی رقم کو پورا کرنا اُن کی ذمّے داری ہے لیکن ہم اگر بِک بھی جاتے تو اتنی بڑی رقم کا بندوبست ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ والد صاحب اِس صدمے سے ایسے شدید بیمار ہُوئے کہ بستر سے لگ گئے۔ اِس دوران میں طاہر مقصود نے انتہائی کوششیں کیں کہ مَیں اُس کی زندگی میں شامل ہو جاؤں لیکن بھلا اِس دوران میں اِن تمام چیزوں کی کہاں گنجائش تھی پھر پتا نہیں کن جذبوں کے تحت اور کن مقاصد کے تحت سعید بیگ صاحب اور میرے والد میں یہ سمجھوتہ ہو گیا کہ میری شادی سعید بیگ سے کر دی جائے۔ مَیں نے یہ سُنا تو دنگ رہ گئی۔ مَیں نے شدّت سے اختلاف کیا تھا لیکن میرے والد صاحب نے میرے سامنے اپنی مجبوریاں بیان کر دیں۔ اُن کی حالت ایسی نہیں تھی کہ مَیں کوئی دوٹوک جواب دے دیتی چنانچہ صبر و سکون کے ساتھ مَیں نے یہ زہر پی لیا۔ سعید بیگ صاحب کے لیے میرے دل میں کوئی اچھے تاثرات نہیں تھے۔ مَیں اُن کے اِس اقدام سے اختلاف رکھتی تھی لیکن مجھ سے شادی کرنے کے بعد اُنھوں نے میرے ساتھ بہترین سلوک کیا۔ اِس دوران میں میرے والد کا بھی انتقال ہو گیا اور ایک طرح سے سعید بیگ کے علاوہ میرا اِس دُنیا میں کوئی نہ رہا تھا۔ بہر طور سعید بیگ صاحب کے دونوں بچّوں کو مَیں نے سینے سے لگائے رکھا۔ مَیں اِسے اپنا فرض سمجھتی تھی لیکن پھر زندگی نے اُن سے بھی وفا نہیں کی اور وہ اِس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ یقین کرو شارق! مجھے اِس بے پناہ دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے دل میں جو ویرانیاں گھر کر گئی ہیں اُنھیں دُور کرنے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ مَیں عجیب و غریب حالات کا شکار ہُوں، عجیب و غریب حالات کا..." فرخندہ بیگم خاموش ہو گئیں۔ مَیں گہری نگاہوں سے اُنھیں دیکھ رہا تھا۔ جب وہ دیر تک کچھ نہ بولیں تو مَیں نے کہا۔

"فرخندہ بیگم! ایک سوال میرے ذہن میں اُبھرا ہے۔"

"کیا...؟"

"طاہر مقصود مکمل طور پر آپ کے پاس آ گئے ہیں؟"

"ہاں وہ احمق آج بھی مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن شارق! تم خود بتاؤ، کیا مَیں اب اُسے اپنی زندگی میں شامل کر سکتی ہوں؟ دُنیا کیا کہے گی، لوگ کیا سوچیں گے؟ مَیں اُسے چاہتی تھی اور شاید چاہتی بھی ہُوں لیکن اپنے آپ کو جس انداز میں مَیں اُس کے سامنے پیش کرنا چاہتی تھی، اُس میں مَیں نہیں پیش کر سکی۔ چنانچہ اب اِس کا کیا امکان ہے کہ مَیں طاہر مقصود سے دوبارہ رجوع کروں اور اُس سے شادی کر لوں۔ ایسا کوئی تصوّر اب میرے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں اُبھرتا۔"

"لیکن فرخندہ! اِس میں حرج کیا ہے طاہر مقصود اگر یہ چاہتا ہے تو میرے خیال میں تمھیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"نہیں! مَیں نے اپنا ایک معیار بنایا ہے شارق! تم غور کرو، کیا مَیں عمر کی اُس منزل میں ہُوں کہ اپنے جذبوں کی تسکین کروں یہ کیسے ممکن ہے؟" مَیں حیرانی سے فرخندہ بیگم کی صورت دیکھتا رہا۔ وہ میرا چہرہ دیکھ رہی تھیں... پھر وہ مسکرا کر بولیں۔

"شارق! ایک بات کہوں بُرا تو نہیں مانو گے؟"

"نہیں فرخندہ بیگم کہیے۔"

"مَیں نے تم سے اِس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ تم مجھے ممّی

نہ کہو کچھ اور کہو۔"

"ہاں۔"

"اس سے تم نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟"

"کوئی خاص نہیں فرخندہ!"

"اٹکے ہوئے لہجے میں بول رہے ہو جو دل میں ہے وہ نہیں بتاؤ گے؟"

"نہیں، نہیں یقین کرو، میرے ذہن میں کوئی ایسا تصور نہیں اُبھرا جو تمھاری پاکیزگی پر داغ کی مانند ہو۔" میں نے کہا۔

"قسم کھاتے ہو؟"

"ہاں۔"

"اور اس کے بعد میں نے تمھیں بیگم صاحبہ کہنے سے روکا، تمھارے ساتھ ساحلِ سمندر پر چہل قدمی کی، دوپہر کا کھانا کھایا، تمھارے کیا جذبات تھے میرے لیے؟" میں خاموش ہو کر فرخندہ کی صورت دیکھنے لگا۔ یقیناً جہاں دیدہ عورت تھی اور اُس نے یہ بات ضرور سوچی تھی کہ میں اُس کی کیفیت پر غور کر رہا ہوں گا۔

"اگر میں خود آپ سے یہ سوال کروں فرخندہ کہ اس خواہش کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما تھا تو کیا آپ جواب دینا پسند کریں گی؟"

"کیوں نہیں۔" فرخندہ نے کہا۔

"تو براہِ کرم اس سوال کو میری طرف سے اپنی جانب منتقل کر لیجیے۔" فرخندہ چند لمحات پھیکے انداز میں مسکراتی رہی پھر بولی۔

"انسان کی زندگی میں کمزوریاں ہی کمزوریاں ہیں... میں سعید بیگ کی بیوی بننے کے بعد ہمیشہ اس کا احساس رہا کہ دوسرے جب مجھے دیکھتے ہوں گے تو یہ تصور اُن کے ذہن میں ضرور اُبھرتا ہوگا کہ میں ایک بوڑھے شخص کی نوجوان بیوی ہوں۔ وہ میرے بارے میں ضرور سوچتے ہوں گے کہ میرے جوان جذبات کی تشنگی بوڑھے شخص سے کس طرح مٹتی ہوگی حالانکہ یہ سب کچھ نہیں تھا۔ جب میں نے خلوص سے سعید صاحب کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا تو ایک سچی بیوی کی مانند میری تمام محبتیں اور میرے تمام احساسات اُن کی طرف منتقل ہو گئے تھے میں نے اُن کی عمر پر کبھی توجہ نہیں دی تھی لیکن اندرونی طور پر شاید بالکل لاشعوری طور پر یہ احساس یقیناً میرے ذہن میں جاں گزیں تھا کسی بھی نوجوان جوڑے کو سرمستیوں میں مصروف دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش شدت سے جاگ اُٹھتی تھی کہ میری زندگی کا ساتھی بھی اِنھی خوبیوں کا حامل ہوتا۔ یہ احساس ایک تشنگی بن گیا تھا اور جب سعید بیگ کا انتقال ہو گیا اور لوگ مجھے اُن کی بیوہ کی حیثیت سے یاد کرنے لگے تو یہ تشنگی اور بڑھ گئی۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو شارق! کہ تم سے ممی کا لفظ سننے کے بعد، مجھے رونا آ گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ مجھے زبردستی بوڑھا بنا دیا گیا ہے لیکن اگر تم میرے سینے میں پوشیدہ اس جذبے کی... حقیقت پر نگاہ ڈالو تو تمھیں تعجب ہوگا۔ میں تمھیں نہایت محبت سے اپنا بھائی کہہ سکتی ہوں، اپنا بیٹا کہہ سکتی ہوں۔ وہ سب کچھ کہہ سکتی ہوں، جن کا تعلق صرف اور صرف پاکیزگی سے ہے۔ بس ایک نوجوان انسان ہونے کی حیثیت سے میں تمھارے مُنہ سے احترام کا کوئی جملہ نہیں سُن سکتی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے بےتکلفی سے مخاطب کرو۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمھارے ساتھ ساحلِ سمندر پر لہروں سے اٹکھیلیاں کروں، ہوٹلوں میں کھانا کھاؤں لیکن اس کے باوجود تم میرے لیے پاکیزگی کے تمام رشتوں میں منسوب رہو۔ میں کبھی تمھارے وجود کا تصور ایک نوجوان کی حیثیت سے نہیں کر سکتی۔ خدا کی قسم میں اپنے اِن الفاظ میں پوری طرح سنجیدہ ہوں اور اپنے دل کی انتہائی گہرائیوں سے بول رہی ہوں۔"

میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ فرخندہ بیگم کے یہ الفاظ میرے لیے واقعی تعجب خیز تھے۔ میں دیر تک اِن الفاظ کے اثرات سے نہ نکل سکا۔ ایک ملازم نے چائے ہمارے سامنے لگا دی تھی۔ فرخندہ بیگم نے چائے بنا کر مجھے دی اور پھر اپنی پیالی لے کر اُس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ اُسی وقت حِنا کوٹھی کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئی اور ہم لوگوں کو دیکھتی ہوئی چلی گئی۔ فرخندہ بیگم خاموشی سے چائے پیتی رہی تھیں پھر اُنھوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"حنا آ گئی ہے۔"

"ایک اور سوال کر سکتا ہوں آپ سے فرخندہ بیگم؟"

"پوچھتے کیوں ہو، میں نے تمھیں کب منع کیا ہے؟" فرخندہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

"حنا اور جاوید کا رویّہ آپ کے ساتھ کیسا رہا؟" اس سوال کا جواب فرخندہ بیگم نے کافی دیر تک نہیں دیا تھا پھر وہ آہستہ سے بولیں۔

"شارق! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں کہتے ہوئے انسان خوف محسوس کرتا ہے۔"

"مثلاً۔"

"تمھارا یہ سوال میرے لیے بڑی پریشانیوں کا حامل ہے۔ حِنا شاید مجھے پسند نہیں کرتی۔ روزِ اوّل سے مجھے پسند نہیں کرتی۔ اُس دن سے جس دن سے میں اس گھر میں آئی ہوں، اُس کا برتاؤ میرے ساتھ بہت اچھا نہیں رہا۔ جب کہ میں نے اس کے لیے انتہائی کوششیں کر ڈالیں۔"

"کیا کبھی اُس نے کھلے الفاظ میں برہمی یا نفرت کا اظہار کیا ہے؟"

"بس الفاظ ہی نہیں استعمال کیے باقی سب کچھ رہا ہے۔"

"اور جاوید؟"

"جاوید ایک درمیانے مزاج کا نوجوان ہے یا تھا۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ بھی مجھ سے مخلص نہیں ہو سکا لیکن وہ اپنے آپ کو گھونٹنے کا عادی تھا۔ سعید صاحب کی زندگی میں تو ان دونوں نے مجھ سے جس حد تک بھی ممکن ہو سکا تعاون کیا لیکن اس کے بعد دونوں ہی مجھ سے متنفر ہو گئے۔ جاوید نے کبھی کھل کر کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ حنا کا رویّہ مزید سخت ہو گیا۔ طاہر یہاں آیا، آنے کے بعد اُس نے کچھ ایسے حالات کا تذکرہ کیا کہ میں اُسے یہاں رکھنے پر مجبور ہو گئی۔ اتنا حق تو میں... استعمال کر سکتی تھی اپنا... لیکن اُس کی آمد کو بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھا گیا اور وہ آج تک صرف مجھ تک ہی محدود ہے۔ میں ہٹ دھرمی سے کام لے کر اس کے لیے جو کچھ بھی کر سکتی ہوں کر دیتی ہوں۔ حنا نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچا، جس میں اپنائیت ہوتی اور ظاہر ہے، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جب وہ مجھ ہی سے نفرت کرتی ہے تو پھر طاہر سے کیسے محبت کر سکتی ہے۔ جاوید کے لیے میرے دل میں یہ احساس اور شدت پیدا کر دیتا ہے کہ شاید وہ میری وجہ سے اِن حالات کا شکار ہوا ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو مطمئن رکھنے کے لیے نشہ آور اشیاء کا استعمال شروع کیا۔ وہ مجھ سے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے آپ ہی کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ سب کچھ مجھے ذہنی طور پر جتنا مضطرب رکھتا ہے شارق! میں بیان نہیں کر سکتی۔" میں نے گہری سانس لی اور خاموش ہو کر کچھ... سوچنے لگا پھر میں نے کہا۔

"فرخندہ بیگم! کیا آپ طاہر کے ذہن میں اب بھی اُسی حیثیت سے ہیں؟ میرا مطلب ہے کہ کیا وہ آپ سے شادی کرنے کا... خواہش مند ہے؟"

"اُس نے اپنے آپ کو بالکل بند کر رکھا ہے۔ وہ اب اس موضوع پر کچھ نہیں کہتا۔" فرخندہ بیگم نے جواب دیا۔ اسی وقت وہی ملازمہ جو چائے لے کر آئی تھی اِس طرف آتی ہوئی نظر آئی اور ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ ملازمہ نے کہا۔

"شارق صاحب! حنا بی بی آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے اُٹھ چلو شارق! چلتے ہیں بلکہ تم حنا سے مل لو میں یہاں بیٹھی ہوئی ہوں۔" فرخندہ بیگم نے کہا اور میں اُس سے رخصت ہو کر اندرونی حصّے کی جانب چل پڑا۔ فرخندہ بیگم کی گفتگو پر لفظ بہ لفظ غور کر رہا تھا بس ایک بات پر مجھے حیرت ہوئی تھی کہ اُس نے اپنے انداز کو یکسر تبدیل کیوں کر دیا تھا جو کچھ اُس نے کہا تھا۔ وہ اُس کی کوئی نئی چال بھی ہو سکتی تھی ممکن ہے، اُس نے کوئی اس طرح کا نظریہ قائم کیا ہو کہ مجھ سے یگانگت کا اظہار کر کے کہیں وہ کسی نقصان کا شکار نہ ہو جائے یا پھر اس بات کے امکانات بھی تھے کہ طاہر نے اس بات پر اعتراض کیا ہو۔ بہرطور فرخندہ کے الفاظ کے نئے جال میں اُلجھ کر میں اُس کی شخصیت کو نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔ حنا اپنے کمرے میں تھی۔ میں وہاں پہنچ گیا تو وہ طنزیہ انداز میں مسکرا کر بولی۔

"بڑی گھٹ گھٹ کر گفتگو ہو رہی تھی فرخندہ بیگم سے، کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" میں ہنس پڑا۔

"حنا! عورت اپنی کیفیت کو کبھی نہیں تبدیل کر سکتی لیکن محترمہ! میں صرف آپ کا وکیل ہوں۔ اس کے علاوہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں ہے۔ چنانچہ اگر میں کسی شخص سے ملتا ہوں یا گفتگو کرتا ہوں تو اس کے لیے آپ کو جواب دِہ نہیں ہوں۔"

"تلخ کیوں ہو رہے ہو شارق! میں نے تو بس یونہی سوال کر لیا تھا۔"

"نہیں میں قطعی تلخ نہیں ہو رہا۔ آپ کو صرف آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ کوئی بات آپ کے خلاف نہیں ہوئی۔"

"اوہ... میرا یہ مقصد نہیں تھا۔"

"اگر نہیں تھا تو چلیے جانے دیں۔ بس میں نے کہا نا کہ مختلف موضوعات پر باتیں ہو رہی تھیں اور ان میں کوئی خاص بات شامل نہیں تھی۔ آپ کہاں رہیں دن بھر؟"

"جاوید کے پاس۔ جاوید کی حالت ابھی تک درست نہیں ہے۔ میں نے ڈاکٹر نوید صدیقی سے بھی اس بارے میں گفتگو کی تھی۔ وہ بہت محتاط آدمی ہیں۔ میرا خیال ہے، تمھارے علاوہ

کسی کو بھی کوئی بات بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ گول مول سا جواب دے کر مجھے ٹال دیا۔ ویسے جاوید ہوش میں نہیں ہے اور میں تو یہ محسوس کر رہی ہوں کہ وہ پہلے سے کچھ زیادہ ہی کمزور ہو گیا ہے۔"

"بہر طور حنا! جاوید کے سلسلے میں میں تمھیں کوئی جھوٹی اُمید نہیں دلا سکتا، سوائے اس کے کہ خُدا سے دُعا کرو۔" حنا آزردہ ہو گئی اور پھر سسکیاں لیتی ہوئی بولی۔

"مجھے میرا بھائی چاہیے... زندہ... تندرست۔ بس اس کے علاوہ مجھے اس دُنیا میں کوئی شے درکار نہیں ہے۔ یہ عورت مجھ سے سب کچھ لے لے۔ ایک ایک چیز لے لے، میں اُسے دینے کے لیے تیار ہوں۔ میرا بھائی صحت مند ہو جائے، میں اُسے لے کر کسی جھونپڑی میں بھی رہ سکتی ہوں شارق صاحب! بس مجھے میرا بھائی واپس دے دیجیے۔"

"خُدا سے مانگیے حنا! خُدا سے۔" میں نے اُسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا۔

❋

رات کو حالات معمول کے مطابق رہے تھے۔ کھانا، حنا اور طاہر کے ساتھ ہی کھایا گیا تھا۔ اس کے بعد میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ فرخندہ کی گفتگو ذہن میں گردش کرتی رہی تھی۔ میں بہت دیر تک اُس کے بارے میں سوچتا رہا اور عجیب و غریب احساسات کا شکار رہا۔ اس وقت رات کا تقریباً پونے ایک بجا تھا، جب ایک بار پھر مجھے اپنے دروازے پر قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ ذہن نیم غنودگی کا شکار تھا۔ اس لیے پہلے تو کوئی توجہ نہیں دی لیکن پھر فرخندہ بیگم کا خیال آیا اور میں چونک پڑا تھا۔

فرخندہ بیگم کیا اپنے الفاظ کا ردِّعمل معلوم کرنا چاہتی ہیں، میں نے دل میں سوچا، اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ برق رفتاری سے دروازے کے قریب آیا لیکن دروازہ اور اُس کے سامنے کا حصہ بالکل خالی تھا۔ دُور دُور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں دوڑتا ہوا سیڑھیوں کی طرف پہنچا لیکن وہاں سے بھی کوئی نظر نہیں آ سکا... لیکن قدموں کی وہ چاپ صرف میرا وہم نہیں تھی۔ کچھ نہ کچھ ضرور تھا... کچھ نہ کچھ تھا ضرور۔ میں سیڑھیاں اُتر کر نیچے پہنچ گیا۔ یہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ کیا فرخندہ بیگم اپنے کمرے میں داخل ہو گئی ہیں؟ کیا انھیں اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ میں اُن کی چاپ سُن کر جاگ گیا ہوں؟ میری متجسس نگاہیں...

چاروں طرف بھٹک رہی تھیں پھر میں نے عمارت کے بالکل آخری حصے میں ایک سایہ سا دیکھا اور میں برق رفتاری سے ستون کی آڑ میں ہو گیا۔ سایہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور ایسی جگہوں کا سہارا لیتے ہوئے اُس سائے تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگا، جہاں سے مجھے دیکھا نہ جا سکے۔ بالآخر میں کوٹھی کے عقبی حصے کے اُس لان کی راہ داری میں پہنچ گیا جو کافی خوب صورت تھا اور جہاں فوّارہ زمین سے آسمان کی طرف بلند ہوتا تھا۔ میں نے فوّارے کے نزدیک ایک کی بجائے دو سائے دیکھے اور فوراً ہی میں نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر لیا تھا۔ میری نگاہوں کو دھوکا نہیں ہوا تھا۔ یہ دونوں سائے ایک مرد اور ایک عورت کے تھے۔ میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ تو یہ کھیل ہو رہا ہے اور فرخندہ بیگم اپنی عیاری سے کام لے کر اس طرح سب کو بے وقوف بنا رہی ہیں۔ فاصلہ کافی تھا اور میری نگاہیں اُن سایوں کی طرف نگران رہیں اور یہاں سے میں اُن لوگوں کی گفتگو نہیں سُن سکتا تھا... اور نہ ہی اُن کے خدوخال مجھے نظر آ رہے تھے لیکن میری نگاہیں بہر طور اتنی کمزور نہیں تھیں کہ میں طاہر مقصود کو نہ پہچان سکتا۔ دوسری شخصیت پانی کی آڑ میں تھی لیکن ظاہر ہے، وہ فرخندہ بیگم کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ میں بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ رات کے اس وقت طاہر مقصود اور فرخندہ بیگم یہاں کیا کر رہے ہیں؟ یقیناً کوئی اتنی اہم گفتگو ہو گی جس کے لیے وہ کوٹھی چھوڑ کر یہاں تک پہنچے۔ ...اور فرخندہ بیگم، طاہر مقصود کے ساتھ کوئی منصوبہ بندی کرنے سے پہلے میرا جائزہ لیے بغیر کیسے رہ سکتی تھیں۔

غالباً انھوں نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں۔ اس کا مقصد ہے کہ چالاک عورت نہایت چالاکی سے اپنا کھیل کھیل رہی ہے۔ طاہر مقصود بلاوجہ اس عمارت میں نہیں داخل ہوا۔ ان دونوں کے ذہنوں میں زبردست منصوبہ بندی ہے اور اس کے تحت وہ ظلِ ہما بیے سعید بیگ کی تمام دولت ہتھیانا چاہتے ہیں۔ فرخندہ بیگم نے کم از کم مجھ سے یہ بات تو کہی تھی کہ اُن کا طاہر مقصود سے عشق چل رہا تھا اور طاہر اُن کے حصول میں ناکام رہا تھا۔ بہر طور میں ان دونوں چالاک انسانوں کے خلاف کوئی ثبوت حاصل کیے بغیر کچھ نہیں کر سکتا تھا... اور اس کے لیے مجھے ابھی بہت کچھ کرنا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ میں کسی طور پر اُن کے قریب

پہنچ کر اُن کی گفتگو سُن سکوں۔ اس جگہ سے ہٹتا تو یقیناً دیکھ لیا جاتا... اور پھر وقت سے پہلے وہ لوگ محتاط ہو جاتے۔ چنانچہ میں واپس چل پڑا اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ اپنے کمرے میں پہنچ جاؤں۔ میں دبے قدموں حنا کے کمرے کے سامنے سے بھی گزرا تھا۔ معصوم بہن بھائی واقعی مصیبتوں کا شکار تھے۔ حنا اس سلسلے میں جتنی مضطرب نہ ہوتی کم تھا۔ حنا کے کمرے میں جھانکا اور نہ جانے کیوں میرے ہاتھ پاؤں سُن سے ہونے لگے تھے۔ میں بے چین سی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بہت دیر تک میں آنکھیں پھاڑے ہوئے اندر جھانکتا رہا تھا۔ اس کے بعد میں وہاں سے ہٹ آیا اور اب میرا رُخ فرخندہ بیگم کے کمرے کی جانب تھا۔

★★

دوسری صبح گہری نیند سویا ہوا تھا کہ دفعتہً بھونچال آ گیا۔ اتنی زور زور سے کمرے کا دروازہ پیٹا گیا تھا کہ میں بوکھلا کر مسہری سے نیچے کود پڑا۔ ایک لمحے کے لیے بدحواس نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر جب صورتِ حال سمجھ میں آئی تو دوڑ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو حنا کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سُرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور لباس بے ترتیب تھا۔ وہ دیوانہ وار اندر گھس آئی اور اُس نے نزدیک آ کر دونوں ہاتھوں سے میرا گریبان پکڑ لیا۔

"شارق... شارق... میرا بھائی... جاوید... شارق... شارق!" اُس نے ایک دلدوز چیخ ماری اور مجھ سے لپٹ کر بلکنے لگی۔ میرے حواس چند لمحات کے لیے گم ہو گئے تھے۔ حنا کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ میں نے ذرا گردن جھٹکی، ایک عجیب سا خیال میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ بمشکل تمام میں نے حنا کو سنبھالا۔

"حنا کیا ہوا؟ بتاؤ تو سہی حنا ہوا کیا؟"

"جاوید... جاوید! کلینک سے فون آیا ہے شارق! میرا بھائی چلا گیا۔" وہ بہت ہی کرب ناک لہجے میں بولی اور میرے اعصاب ایک لمحے کے لیے سُن ہو گئے لیکن میں نے خود کو سنبھالا۔

"حنا... حنا! خُدا کے لیے ہوش میں آؤ۔ کیا فون آیا ہے، کلینک سے؟"

"چلو، شارق جلدی چلو... جلدی چلو! آہ... دُشمن ہمیں کھا گئے۔ آہ، دُشمنوں نے ہمیں ختم کر دیا۔ شارق! اسپتال چلو۔ شارق اسپتال چلو۔" حنا کی چیخوں کی آواز دُور دُور تک سُنی

جا رہی تھی۔ ملازم اس طرف دوڑے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد فرخندہ بیگم بھی حیران و پریشان وہاں پہنچ گئیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے طاہر بھی آ رہا تھا جو شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھا۔ سب کے چہرے بگڑے ہوئے تھے۔ فرخندہ بیگم نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"کیا ہوا... کیا ہوا؟ کچھ تو بتاؤ ہوا کیا؟"

"ناگن... ناگن تو کھا گئی میرے بھائی کو، وہ تیرے پیٹ میں اُتر گیا۔ ناگن میں بھی تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ تو نے میرے بھائی کو کھا لیا ہے، میں... میں تجھے کھا جاؤں گی، میں تجھے چبا جاؤں گی۔"

"حنا... حنا ہوش میں آؤ۔" میں نے حنا کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"کیسے ہوش میں آؤں، کیسے ہوش میں آؤں، میرا بھائی مر گیا ہے۔"

"مر گیا!" فرخندہ بیگم کے حلق سے ایک تیز آواز نکلی۔

"بس میرے سامنے تم اداکاری مت کرنا شارق!... تم اسپتال چلتے کیوں نہیں؟ جلدی چلو... جلدی چلو... ایسے ہی چلو۔"

"حنا! میں ذرا لباس تبدیل کر لوں۔ آؤ کمرے میں آؤ۔" میں نے اُسے اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ طاہر مقصود، فرخندہ بیگم اور ملازم باہر ہی کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے حنا کو وہیں چھوڑا اور جلدی سے رات کا پہنا ہوا لباس جو اُتار کر غسل خانے میں لٹکا دیا تھا، بدن پر چڑھا لیا اور پھر میں باہر نکل آیا۔

"چلو، آپ لوگ بھی آ جائیے۔ میرا خیال ہے کلینک سے فون آیا ہے۔ جاوید شاید... جاوید کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔" میں نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ فرخندہ بیگم اپنی جگہ ساکت کھڑی ہوئی تھیں۔ اُن کے احساسات کا کوئی اظہار نہیں ہوتا تھا۔ حنا نے جو کچھ اُن سے کہا تھا، اب اس کے بعد انھیں یقیناً شک بھی نہیں رہا ہو گا کہ اُن کی حقیقت کھل چکی ہے۔ حنا باہر آ گئی۔ میں نے کار کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں تیزی سے نوید صدیقی کے کلینک کی جانب جا رہا تھا۔ حنا بدستور رو رہی تھی۔ اُس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ اُس کا کلیجہ کٹا جا رہا تھا۔ وہ مسلسل جاوید، جاوید چیخے جا رہی تھی۔ میرے سمجھانے کی کوششیں بھی بیکار ثابت ہوئی تھیں۔ بہر طور میں کلینک میں داخل ہو گیا۔ نوید صدیقی کی کار باہر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ اندر موجود تھے۔ حالانکہ یہ اُن کے کلینک آنے کا وقت نہیں تھا لیکن محسوس یوں ہوتا تھا کہ

جاوید واقعی موت کا شکار ہو گیا۔ اندر پہنچا تو ایک اور ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی جو شناسا تھے۔ میں نے پریشان لہجے میں اُن سے جاوید کے بارے میں سوال کیا تو اُن کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات پھیل گئے۔

" آپ لوگ براہِ کرم! نوید صاحب کے آفس میں تشریف رکھیے۔ نوید صاحب مصروف ہیں۔"

" کہاں مصروف ہیں وہ ؟ ہمیں جاوید کے پاس لے چلیے۔ پلیز... ہمیں جاوید کے پاس لے چلیے۔"

" جاوید اپنے کمرے میں نہیں ہے، وہ لیب میں ہے... نوید صاحب مصروف ہیں اور انھوں نے حکم دیا ہے کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے، خواہ کوئی بھی ہو۔"

" آہ! بھائی کے بارے میں مجھے یہ تو بتا دو کہ جو اطلاع کلینک سے دی گئی ہے۔ وہ غلط ہے یا درست ؟"

" محترمہ! نوید صاحب ابھی تشریف لا رہے ہیں، وہی بتا دیں گے۔ آپ براہِ کرم! ان خاتون کو نوید صاحب کے کمرے میں لے جایئے۔" میں بمشکل تمام حنا کو اُس کے کمرے میں لایا۔ حنا بلک بلک کر رو رہی تھی، روتے ہوئے اُس نے کہا۔

" ڈاکٹر نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کا مقصد ہے، اس کا مقصد ہے کہ جو کچھ مجھے فون پر بتایا گیا ہے درست ہے۔"

" حنا! تمھیں صبر کرنا ہو گا، میں نے تمھیں... میں نے تمھیں تو نوید صدیقی کے الفاظ پہلے ہی بتا دیے تھے۔ نوید نے کہا تھا کہ صرف بیس فی صد امکانات ہیں باقی اور کوئی چانس نہیں ہے۔ جاوید کھوکھلا ہو چکا تھا، وہ اندر سے ختم ہو چکا تھا حنا!... ویسے تم بتا سکتی ہو کہ فون پر تم سے کیا کہا گیا تھا ؟"

" آہ... بس یہی کہا گیا تھا... بس یہی کہا گیا تھا کہ جاوید اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ میرا بھائی... میرا بھائی..." حنا پھر چیخنے لگی۔ میں خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔ اس کے رونے کی آواز آہستہ آہستہ کمرے میں نشر ہو رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد نوید صدیقی اندر آ گئے۔ وہ ایپرن پہنے ہوئے تھے اور اُن کے ہاتھ پر دستانے چڑھے ہوئے تھے۔ انھوں نے دستانے اُتار کر ایک طرف ڈالے اور اپنی کرسی پر بیٹھے۔

" ہیلو شارق... ہیلو حنا!"

" ڈاکٹر صاحب... ڈاکٹر صاحب!"

" ہاں حنا، تمھارا بھائی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔" نوید صدیقی نے بھاری لہجے میں کہا اور حنا پھر چیخ چیخ کر رونے لگی۔ نوید صدیقی نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

" شارق! اور کوئی نہیں آیا تمھارے ساتھ ؟"

" شاید آنے والے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

" حنا کو سنبھالو۔ بہر طور جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا ہے۔"

" ڈاکٹر صاحب... ڈاکٹر صاحب! میرے بھائی کو قتل کیا گیا ہے، میرے بھائی کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ میں قاتلوں کو نہیں چھوڑوں گی۔ آپ کو میری مدد کرنی ہو گی۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے جاوید کی موت کا صحیح صحیح سرٹیفکٹ جاری کیجیے۔ اب میں خاموش نہیں رہ سکوں گی میں کیا کروں، مجبوری ہے۔ ڈیڈی نے جو ناگن پالی تھی، بالآخر اُسے ہم لوگوں کو ڈسنا ہی تھا۔ جاوید مر گیا ہے اور اس کے بعد اب میری باری ہے۔ ڈاکٹر صاحب! اب میری باری ہے۔"

" اگر آپ خود کو سنبھالیں تو میں آپ سے کچھ حقائق کا اظہار کروں۔ درحقیقت یہ کیس میری توقع کے بہت خلاف ہوا ہے۔ کیا سمجھے آپ لوگ ؟ میں خود بھی کافی اُلجھنوں کا شکار ہوں۔"

" مجھے بتلایئے ڈاکٹر صاحب... مجھے بتایئے... مجھے وہ بات بتایئے، جس سے جاوید کی موت کا بدلہ اُس کے دشمنوں سے لے سکوں۔"

" ضرور... میں آپ کو مکمل رپورٹ پیش کروں گا۔ جاوید کو ایک خاص قسم کے زہر کا شکار بنایا گیا لیکن میں نے اپنی انتہائی کوششیں صرف کر کے اُس زہر کے ساٹھ فی صد اثرات زائل کر دیے تھے۔ میرے پاس اُس کے ایکسرے اور تمام رپورٹیں موجود ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ جاوید تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ میں نے آپ لوگوں کو بتایا نہیں تھا لیکن میں جاوید کے سلسلے میں انتہائی پُر اُمید ہو گیا تھا۔ البتہ پچھلی رات... پچھلی رات اُسے دوبارہ زہر دیا گیا ہے۔ زہر کا ایک بہت ہی خوفناک انجکشن اُس کے جسم میں لگایا گیا ہے اور اس کے لیے میں جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ یہ میرے پیشے کے خلاف ہے۔ یہ انجکشن اُسے کلینک ہی میں دیا گیا ہے لیکن کسی ایسے شخص نے، جس کا تعلق کلینک سے نہیں۔ آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں ؟ میں مکمل تفتیش کر چکا ہوں۔ میں نے اچھی طرح معلوم کیا ہے۔ انجکشن رات کے دو اور تین بجے کے درمیان دیا گیا ہے اور اُسی سے جاوید کی موت واقع ہوئی ہے۔"

" آہ، ڈاکٹر صاحب! آہ، آہ یہ کیا کہہ دیا آپ نے ؟... کیا کہہ دیا آپ نے ؟ میرا بھائی صحت کی جانب جا رہا تھا لیکن دشمن کیسے گوارہ کر سکتے تھے ؟ ہاں ڈاکٹر صاحب! بالکل درست کہتے ہیں۔ بھلا کلینک کے کسی شخص کو اس بات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے جو لوگ اس کے پس پشت ہیں۔ وہی، وہی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مجھے سہارا چاہیے ڈاکٹر صاحب مجھے سہارا چاہیے۔"

ڈاکٹر نوید صدیقی نے میری جانب دیکھا اور پھر بولے۔

" فاروقی صاحب کو اطلاع دے دیں شارق! اس سلسلے میں تھوڑی سی اُلجھن مجھے بھی ہو گئی ہے کیونکہ بہر طور یہ حادثہ میرے کلینک میں ہوا ہے۔ کوئی بیرونی شخصیت اندر داخل ہوئی۔ اُس کے نشانات صاف ملتے ہیں۔ میں تمھیں اُن کے بارے میں تفصیلات بتا دوں گا اور پھر جاوید کو انجکشن دے کر ہلاک کر دیا گیا۔"

" میں فاروقی صاحب سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔ میں باہر نکلا ہی تھا کہ فرخندہ بیگم اور طاہر مقصود مجھے نظر آئے۔ فرخندہ بیگم کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔ اُن کی آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں، نہ اُن میں رونے کے آثار تھے نہ غم کے۔ بس ایک عجیب سی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی اُن کے چہرے سے۔ طاہر مقصود نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

" کیا یہ سب کچھ سچ ہے شارق صاحب ؟"

" ہاں طاہر صاحب! بہتر ہے حنا کو سنبھالیے آپ۔" طاہر اندر داخل ہو گیا، فرخندہ باہر ہی کھڑی رہ گئی تھی۔ اُسے طاہر نے اندر آنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ میں باہر آیا۔ جس کار میں حنا کو لے کر میں آیا تھا۔ اُس کی چابی اب بھی میرے پاس تھی۔ چنانچہ میں نے کار اسٹارٹ کی اور برق رفتاری سے کلینک سے باہر نکل آیا۔ فاروقی صاحب کے گھر پر ٹیلی فون نہیں تھا اور بہر طور یہ وقت ایسا تھا کہ وہ گھر پر ہی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں فاروقی صاحب کے مکان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ فاروقی صاحب صبح خیزی کے عادی تھے۔ دروازہ انھوں نے ہی کھولا اور مجھے دیکھ کر چونک پڑے۔

" خیریت! بتاؤ ؟"

" جاوید مر چکا ہے فاروقی صاحب!"

" اوہ، اندر آؤ۔" فاروقی صاحب نے کہا اور میں اندر

داخل ہوگیا۔

"چائے بن گئی ہوگی! مجھے جلدی سے ایک کپ چائے پلوا دیجیے۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیگم فاروقی چائے کے ساتھ آگئی تھیں۔ فاروقی صاحب بھی حیران و پریشان میرے نزدیک آکر بیٹھ گئے۔

"ہاں تو وہ ہوگیا، جس کا اندیشہ تھا۔"

"ہاں فاروقی صاحب! حنا، فرخندہ بیگم اور طاہر مقصود وغیرہ کلینک میں موجود ہیں۔ نوید صدیقی بھی کچھ الجھنوں کا شکار ہیں کیونکہ جاوید کو زہریلا انجکشن دے کر ہلاک کیا گیا ہے اور یہ کام کسی نے خفیہ طریقے سے کلینک میں داخل ہوکر کیا ہے۔ اب براہِ کرم فوراً آپ وہاں چلے جائیے۔ باقی کارروائیاں آپ ہی کو کرنی ہیں۔ میں فی الحال کوٹھی واپس نہیں جاؤں گا۔ میرے سلسلے میں آپ جو مناسب سمجھیں ان لوگوں سے کہہ دینا اور حالات کو آپ جس انداز میں چاہیں سنبھالیں۔ میں تھکا ہوا ہوں فلیٹ پر جا رہا ہوں۔ آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔ اس کے بعد ہی صورتِ حال کے بارے میں ہم لوگ غور کریں گے۔"

"ضرور کوئی خاص بات ہے۔"

"اس سے زیادہ خاص بات کیا ہوسکتی ہے فاروقی صاحب کہ جاوید صحت مند ہو رہا تھا۔ نوید صدیقی اس سلسلے میں خاصے پُرامید ہوگئے تھے لیکن اس کے بعد اُسے زہر کا انجکشن دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اب ظاہر ہے یہ معاملہ اتنا آگے بڑھ چکا ہے۔ میں اس سلسلے میں جو کچھ کر سکوں گا ضرور کروں گا لیکن تمام معاملات آپ ہی کو دیکھنے ہیں۔" فاروقی صاحب نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھنے لگے تھے پھر انھوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ آرام کرو۔ فلیٹ پر جاؤ گے واپس اگر نیند آرہی ہے تو یہیں آرام کر لو۔"

"نہیں نہیں۔ آج اپنے فلیٹ کی زیارت کر ہی لوں۔" میں نے مسکرا کر کہا اور فاروقی صاحب بھی مسکرانے لگے... پھر میں نے کہا۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو باہر کھڑی ہوئی کار لے جائیں۔ میں بائیک پر چلا جاؤں گا۔"

"نہیں میاں ڈرائیونگ نہیں آتی۔ تمھیں ہی چھوڑنا پڑے گا مجھے نوید صدیقی کے کلینک تک۔"

"ٹھیک ہے وہاں سے میں ٹیکسی لے کر چلا جاؤں گا۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب تیار ہونے کے لیے اندر چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہم دونوں کار میں بیٹھے ہوئے نوید صدیقی کے کلینک جا رہے تھے۔ راستے میں بھی فاروقی صاحب اس سلسلے میں مجھ سے گفتگو کرتے رہے اور میں انھیں تفصیلات سمجھاتا رہا۔ فاروقی صاحب کا خیال تھا کہ اب یقیناً حنا، فرخندہ بیگم کے خلاف کارروائی شروع کر دے گی۔ چنانچہ اس سلسلے میں انھیں کیا کرنا چاہیے؟"

"آپ مکمل طور پر حنا کا ساتھ دیں گے۔ فاروقی صاحب! باقی گفتگو بعد میں ہو جائے گی۔ ویسے بھی ظاہر ہے اس کیس میں میرا کردار اتنا ہی ہو سکتا تھا... کیونکہ میں آپ کا جونیئر ہوں۔" فاروقی صاحب بے اختیار ہنس پڑے اور پھر کہنے لگے۔

"یہ جونیئر والا ٹھپّا تم بار بار اپنے آپ پر لگانے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟"

"اس لیے کہ جونیئر ہوں۔" میں نے بھی ہنس کر کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم کلینک پہنچ گئے۔ اندر کیا کچھ ہو رہا تھا اس کے بارے میں اب مجھے پتا نہیں تھا لیکن بہرطور میں خود اندر نہیں داخل ہوا۔ کار کی چابی میں نے فاروقی صاحب کو دے دی اور ان سے اس سلسلے میں آخری گفتگو کر کے واپس چل پڑا۔

فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر میں نے بیل بجائی تو اُستاد نے دروازہ کھول دیا۔ اُستاد اصول پرست تھے۔ صبح کو جلدی اُٹھتے تھے اور غالباً نماز بھی پڑھتے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

"ارے ارے آؤ بھائی! آؤ اندر آؤ۔ آج کیسے راستہ بھول گئے؟" اُستاد کے اس جملے پر میں بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ میں نے کہا۔

"اُستاد بس! آپ کی زیارت کے لیے جی چاہ رہا تھا... دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ اپنی اس نئی رہائش گاہ میں کیسے رہتے ہیں۔"

"آؤ! اتنی صبح میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ویسے سب خیریت تو ہے نا؟"

"بالکل اُستاد۔"

"ناشتا تو نہیں کیا ہوگا؟"

"نہیں کیا۔"

"تو پھر جاؤ آرام کرو اپنے کمرے میں۔ میں ناشتا لاتا ہوں۔"

"غسل کروں گا اُستاد! بڑی تھکن ہو رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر کپڑے...؟"

"چھوڑیں اُستاد! کس چکر میں پڑتے ہیں۔ کپڑے بھی چل جائیں گے۔" میں نے کہا اور غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ کافی دیر تک ٹھنڈے پانی سے نہاتا رہا تھا۔ ذہن میں عجیب سے خیالات تھے۔ مسہری پر آکر دراز ہوگیا۔ اُستاد کے سپرد تمام کارروائی کر دی گئی تھی۔ اس لیے اُستاد نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ایک پورا بسا بسایا فلیٹ معلوم ہوتا تھا جہاں ضروریاتِ زندگی کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ البتہ ایک بات پر مجھے حیرت ہوئی۔ میں نے اُستاد کو کچھ رقم ضرور دی تھی لیکن یہ اتنی نہیں تھی کہ فریج، ٹیلی ویژن، فرنیچر، پردے اور کچن کا تمام سامان خریدا جا سکے۔ میرے ذہن میں بھی یہ تمام چیزیں موجود تھیں لیکن ان کے لیے میں نے یہ سوچا تھا کہ جب کبھی اطمینان سے بیٹھوں گا، ان سب چیزوں کا انتظام کر لوں گا۔ اُستاد نے یہ اتنی رقم کہاں سے حاصل کی، یہ سوال میرے ذہن میں پیدا ہوگیا تھا... مسہری پر لیٹ کر ایک عجیب سے سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جو اب میرا گھر تھا۔ گھر کے تصور سے گھر کے بھی بہت سے لوگ یاد آرہے تھے لیکن اس یاد کے ساتھ ذرا سی تلخی کا احساس بھی تھا۔ اُن لوگوں نے بھی تو میرے بارے میں یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی کہ میں کہاں ہوں۔ وہ آشیانے کے رہنے والے اپنوں سے اتنے دور ہیں تو بہتر ہے... کہ آشیانے سے دور ہی رہا جائے۔ کیا فائدہ ایسے لوگوں کے درمیان گھسنے کا، جن کے دلوں میں محبت کے تھوڑے سے جذبات بھی نہ ہوں۔ میں اُنھی کے بارے میں سوچتا رہا اور اُستاد نے ناشتا تیار کر لیا۔ پھر وہ میرے کمرے میں آکر بولے۔

"شارق میاں! ناشتا تیار ہے۔"

"تو اُستاد لے آئیے یہاں۔"

"یہاں نہیں، ڈائننگ روم میں۔" اُستاد نے جواب دیا اور میں ہنستا ہوا اُن کے ساتھ چل پڑا۔ بہترین قسم کی ڈائننگ ٹیبل تھی۔ ناشتا اُس پر لگا ہوا تھا۔ اُستاد ایک طرف کھڑے ہوگئے۔ انھوں نے میرے لیے کرسی گھسیٹ دی تھی لیکن میں نے کرسی پر بیٹھنے سے پہلے دوسری کرسی گھسیٹی اور اُستاد کا انتظار کرنے لگا۔ اُستاد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے تو میں نے کہا۔

"اب آپ تکلف کی وہ دیواریں حائل کرنے کی کوشش نہ کریں جو میرے اور آپ کے درمیان قطعی موجود نہیں ہیں۔"

"نہیں نہیں شارق میاں! بات کچھ نہیں ہے۔ بس ایک پردہ رہنا چاہیے، دو شخصیتوں کے درمیان۔"

"اُستاد! انھی پردوں سے مجھے نفرت ہے۔ میں شخصیتوں پر پڑے ہوئے پردوں کو جلا کر راکھ کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ اگر ابھی تک مجھے نہیں سمجھ سکے تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک بار سنجیدگی سے مجھ پر غور کریں اور میرے بارے میں فیصلہ کر لیں کہ میں کیا ہوں۔"

"نہیں بھئی! خواہ مخواہ الجھ رہے ہو۔ میں بیٹھ جاتا ہوں۔" اُستاد نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

"چلیے! ناشتا شروع کیجیے۔" اُستاد کسی قدر شرمندہ سے تھے لیکن میں نے اُن کی اس شرمندگی کی جانب توجہ نہیں دی اور اُن کے ساتھ خاموشی سے ناشتا کرتا رہا۔ پھر میں نے چائے بنا کر چائے کی ایک پیالی اُستاد کی جانب بڑھا دی اور اُستاد نے کرسی سے اُٹھ کر چائے قبول کی۔ چائے پیتے ہوئے میں نے اُستاد سے کہا۔

"ایک سوال میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔"

"کیا میاں؟" اُستاد نے پوچھا۔

"فلیٹ میں جو سامان موجود ہے اُستاد خاصا قیمتی ہے۔ میں نے تو آپ کو اتنی رقم نہیں دی تھی کہ آپ یہ قیمتی اشیاء خرید لیں۔"

"ہاں میاں! آپ نے تو نہیں دی تھی۔ فاروقی صاحب نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ میں نے دبے لہجے میں اُن سے کہا بھی تھا کہ آپ یہ پسند نہیں کریں گے... تو فاروقی صاحب نے کسی قدر خشک رویّہ اختیار کر لیا اور کہنے لگے۔ پسند کیوں نہیں کریں گے اُنھیں پسند کرنا پڑے گا۔"

"اوہو، اچھا اچھا... خیر ٹھیک ہے اُستاد! آپ بھی فاروقی صاحب سے اس بارے میں کچھ نہ کہیں۔ وہ بے حد جذباتی آدمی ہیں۔"

"ہاں میاں! میرا خیال ہے تم صرف خود ہی فرشتہ بننے کی... کوشش مت کیا کرو۔ دوسروں کے لیے بھی جگہ چھوڑ دیا کرو۔"

"بہتر ہے اُستاد! میں اب کبھی آپ کا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور اُستاد بھی ہنسنے لگے تھے۔

"اب کیا پروگرام ہے میاں! تمھاری وہ مصروفیات ختم ہوگئیں؟" اُستاد نے پوچھا۔

"نہیں نہیں اُستاد! ابھی تو وہ جاری ہیں بلکہ ممکن ہے اب زیادہ زور شور سے جاری ہو جائیں۔ ہاں جب آپ یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو ایک زحمت اور کریں۔ آیئے ذرا فلیٹ کا جائزہ لے لیں۔ مَیں اپنے لیے بھی تو کوئی جگہ بنانا چاہتا ہُوں۔"

"پورے فلیٹ میں تمھارے لیے جگہ ہی جگہ ہے میاں! بہر طور اُٹھو!" فلیٹ کا جائزہ لینے کے بعد مَیں نے بالآخر ایک جگہ منتخب کر لی اور اُستاد سے کہا۔

"یہ جگہ میں اپنے دفتری امور کے لیے بنانا چاہتا ہُوں... اُستاد! یہاں اسٹیل کے دو کیبنٹ، ایک میز اور ایک ذرا آرام دہ قسم کی کُرسی اور مہیّا کر دیں۔ اسٹیشنری کا سارا سامان بھی ہونا چاہیے تاکہ کبھی فرصت سے بیٹھوں تو یہاں اپنا کام کر سکوں۔ اس کھڑکی سے باہر کے مناظر بہت عمدہ نظر آتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

"بندوبست ہو جائے گا میاں! انشاء اللہ شام کو تم دیکھ لوگے کہ تمھاری پسند کی ہر چیز موجود ہوگی۔" اُستاد نے جواب دیا۔

"اب اگر آپ کی اجازت ہو تو تھوڑی دیر سو جاؤں؟"

"آرام سے سو جاؤ۔" مَیں اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ مسہری پر لیٹ کر ذہن کو ہر طرح کے خیالات سے آزاد کیا اور اس کے بعد گہری نیند سو گیا۔ پتا نہیں، پچھلے چند دِنوں کا خمار تھا یا پھر یہ صرف اتفاق تھا کہ بڑی ہی گہری نیند آئی اور ڈھائی بجے کے قریب آنکھ کھلی۔ پیٹ میں چُوہے دوڑ رہے تھے۔ چونک کر اطراف کا ماحول دیکھا اور یہ یاد کر کے کہ مَیں اپنے فلیٹ میں ہُوں، عجیب سی کیفیت کا احساس ہُوا۔ بہر حال، مُنہ ہاتھ دھویا، بال سنوارے اور اس کے بعد اُستاد کو آواز دی۔ وہ فوراً ہی آموجود ہُوئے تھے۔

"اُستاد کھانا۔"

"ہاں میاں! تیار ہے۔ ویسے بہت دیر ہو گئی ہے لیکن کوئی بات نہیں۔ رات کا کھانا دیر سے کھا لینا۔" کھانا بھی مَیں نے اُستاد کے ساتھ ہی کھایا تھا اور اس بے چارے نے بھی میری وجہ سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ البتّہ کھانے کے بعد مَیں نے اُن سے درخواست کی کہ اگر مَیں کبھی کھانے پر لیٹ ہو جایا کروں تو اُستاد تکلّف نہ کیا کریں۔

"آیندہ خیال رکھوں گا میاں!"

"ارے ہاں اُستاد! آپ دفتر نہیں گئے؟"

"فاروقی صاحب سے آج کی چھٹّی لے لی تھی۔ مَیں نے فون کر دیا تھا، مَیں نے۔" اُستاد نے جواب دیا۔

"اوہو... اچھا اچھا ٹھیک ہے لیکن اب ہم معمول کے مطابق کام کریں گے۔"

"فکر ہی مت کرو میاں! دراصل کچھ ذمّے داریاں پوری کرنی تھیں۔ اس لیے چھُٹّی لینی پڑی۔ آؤ، ذرا اپنا آفس رُوم دیکھو۔" اُستاد مجھے اُس کمرے میں لے گئے جو مَیں نے اپنے لیے منتخب کیا تھا۔ واقعی کمال ہو گیا تھا۔ اتنی جلدی اُستاد یہ سب کچھ کر ڈالیں گے اس کی مجھے اُمید نہیں تھی۔ انتہائی خوب صُورت کیبنٹ بڑے سلیقے سے رکھے ہُوئے تھے۔ بہت ہی اعلیٰ پائے کی سیاہ رنگ کی میز اور اس کے پیچھے اُسی رنگ کی ریوالونگ چیئر، ایک سائیڈ ریک تھا، جس میں اسٹیشنری کا تمام سامان سجا ہُوا تھا۔ ٹیبل پر ایک سیٹ لگا ہُوا تھا جس میں عمدہ قسم کے قلم، رائیٹنگ پیڈ وغیرہ موجود تھے۔ دوسری جانب ٹیلی فون اور اس کے نزدیک ہی ٹیلی فون ڈائریکٹری رکھی ہُوئی تھی۔ مَیں نے ممنون نگاہوں سے اُستاد کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"اُستاد اتنی محبّت نہ کریں کہ مَیں رو پڑوں۔"

"نہیں میاں! یہ محبّت کا اظہار نہیں ہے بلکہ فرائض کی بجا آوری ہے کچھ تو مجھے بھی حق و حلال کا کھانے دو۔" مَیں ٹیبل کے پیچھے ریوالونگ چیئر پر جا بیٹھا اور اُستاد نے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ سب سے پہلے مَیں نے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھا کر فاروقی صاحب کا نمبر ملایا۔ چند لمحات کے بعد اُن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہیلو فاروقی صاحب! مَیں شارق بول رہا ہُوں۔"

"سُبحان اللہ میاں! اکیلا چھوڑ کر غائب ہو گئے ہو۔ اُستاد جُمّو نے کی بھی چھٹّی کرا دی۔"

"ہاں اُستاد دراصل فلیٹ کے افتتاح پر بے حد خوش ہیں۔ کچھ ضروری کام بھی تھے۔ آپ کو تکلیف تو ہُوئی ہوگی۔"

"نہیں بھائی! ہم ذرا فقیر منش آدمی ہیں۔ ہمیں کیا تکلیف ہو سکتی تھی؟"

"خبر سنایئے کیا صورتِ حال ہے؟"

"دُور دُور رہ کر ہی ابھی مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ بات بہت آگے بڑھ گئی ہے اور میرا خیال ہے قدرت نے فرخندہ بیگم کو اُن کی حرکت کی خود ہی سزا دے ڈالی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بس بہت بڑی چُوک کر گئی ہیں۔ اتنی بڑی کہ تم تصوّر بھی

نہ کر سکو گے۔"

"کیا ہُوا؟ کیا بات ہے؟"

"نوید صدیقی نے باقاعدہ پولیس کو رپورٹ دی ہے اور کہا کہ زہر خورانی کے ایک مریض کا علاج کرتے ہُوئے اُنھیں کافی کامیابی حاصل ہُوئی تھی لیکن جن لوگوں نے اُسے زہر دے کر مارنے کی کوشش کی تھی، اُنھوں نے آخری اقدام کے طور پر اُسے زہر کا انجکشن لگا کر ختم کر دیا ہے۔ سیدھا، سیدھا قتل کا... کیس ہے۔"

"آپ کسی غلطی کی بات کر رہے تھے؟"

"ہاں، اتفاق کی بات ہے کہ جاوید کی مُٹھّی میں ایک چھوٹا سا سونے کا لاکٹ دبا ہُوا پایا گیا، جس کی زنجیر دھینگا مُشتی میں ٹُوٹ گئی تھی۔ اس لاکٹ پر ایف۔ ایس لکھا ہُوا ہے اور اندر دو ننھی ننھی تصویریں بھی ہیں۔ ایک فرخندہ بیگم کی ہے اور دوسری سعید بیگ کی۔ جاوید کی دوسری مُٹھّی میں چند لمبے لمبے بال دبے ہُوئے پائے گئے ہیں جو فرخندہ بیگم ہی کے ہیں۔ خفیہ طور پر مَیں اس کی تحقیق کر چُکا ہُوں۔ بہر طور پولیس نے لاش ابھی اپنی ہی تحویل میں رکھی ہُوئی ہے۔ طاہر مقصود بہت کوشش کر رہا ہے کہ لاش کو حاصل کر لے لیکن پولیس مکمّل تحقیق کے بغیر لاش اُن لوگوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور شاید ابھی پوسٹ مارٹم وغیرہ ہو رہا ہے۔"

"ہُوں، حنا کا کیا حال ہے؟"

"نوید ہی کے کلینک میں ہے۔ اُس پر شدید غشی کا دورہ پڑا ہے اور اب تک ہوش میں نہیں آئی۔ نوید نے ڈرپ لگا دی ہے۔"

"واقعی بڑی افسوس ناک صورتِ حال ہے۔ بہر طور... فاروقی صاحب! اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"میرا خیال ہے پولیس اس سلسلے میں فوری کارروائی کرے گی۔ اب تک پولیس کے چند افراد نوید کے آفس میں موجود ہیں اور حنا کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے فرخندہ بیگم کی گرفتاری حنا کے ہوش میں آنے کے بعد ہی ممکن ہے۔"

"کیا پولیس کو اس بات کی اطلاع دے دی گئی ہے یا اُسے خود پتا چل چکا ہے کہ لاکٹ فرخندہ بیگم کا ہے؟"

"بھئی! اس میں موجود تصویریں خود بخود اس بات کی نشاندہی کر رہی ہیں۔ پولیس کو اطلاع دینے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ ویسے یہ معلومات مجھے پولیس ہی سے حاصل ہُوئی ہیں کہ ایسا کوئی لاکٹ جاوید سعید کے پاس سے پایا گیا ہے۔ مَیں اپنے طور پر بھی کارروائی کرتا رہا ہُوں اور شاید تمھیں یہ سُن کر خوشی ہو کہ یہ کیس اتفاقیہ طور پر تمھارے دوست انسپکٹر غالب کے پاس ہے۔"

"کیا...!؟" مَیں دلچسپی سے اُچھل پڑا۔

"ہاں، یہ بات بھی مجھے اسپتال میں معلوم ہُوئی ہے۔ غالب سے میری سرسری ملاقات ہُوئی تھی۔ غالباً وہ یہ جانتا ہے کہ تم میرے ساتھ کام کر رہے ہو۔ مجھ سے تمھاری خیریت پوچھ رہا تھا۔"

"اوہو... اس کا مقصد یہ ہے کہ غالب کا عہدہ پھر بڑھ گیا ہے۔" مَیں نے مسکراتے ہُوئے کہا۔ فاروقی صاحب کی سمجھ میں میری بات نہیں آئی تھی کیونکہ وہ انسپکٹر غالب کے پورے حالات سے واقف نہیں تھے۔

"ٹھیک ہے فاروقی صاحب! یہ سب اطلاعات میرے لیے کافی دلچسپ ہیں لیکن فاروقی صاحب! اب ذرا سا کھیل تبدیل کر دینا ہے۔"

"مَیں سمجھا نہیں۔"

"غالب سے مَیں خود مل لُوں گا۔ یقینی طور پر میرے سلسلے میں بھی چھان بین کی جائے گی اور جاوید سعید کے اس دوست کے بارے میں ضرور معلومات حاصل کی جائیں گی جو راولپنڈی سے آیا تھا لیکن میرے مسئلے کو اب بالکل صیغۂ راز میں رکھیں۔ یہ اچھی بات ہے کہ کیس انسپکٹر غالب کے پاس ہے... مَیں کوشش کروں گا کہ فی الحال اپنا نام پوشیدہ رکھوں۔ ظاہر ہے طاہر مقصود ایک ایسی شخصیت ہے جو میرے نام کو منظرِ عام پر لانے کی کوشش کرے گا لیکن بعد میں اس سلسلے میں بھی دیکھا جائے گا۔ فی الحال اس معاملے سے مجھے بالکل علیحدہ ہی رکھیں۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ ہے شارق؟"

"جی ہاں فاروقی صاحب! بہت خاص وجہ ہے اور اس کے بارے میں ابھی آپ کو تفصیلات نہیں بتا سکوں گا۔"

"ٹھیک ہے فی الحال تو معاملہ فرخندہ بیگم کی گرفتاری کا ہے۔ ویسے شارق! وہ کہیں فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔"

"یہ کام پولیس کا ہے۔ ہم اس میں ٹانگ کیوں اڑائیں۔"

"تو پھر تم انسپکٹر غالب سے کب مل رہے ہو؟ میرا خیال ہے کہ اس بات کی بھی نشاندہی کر دینا۔ ویسے تو لاکٹ کی دستیابی

کے بعد یہ مسئلہ خود پولیس کا ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی بعض اوقات بڑی موٹی موٹی باتیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے فاروقی صاحب! آپ اطمینان رکھیے۔ میں انسپکٹر غالب سے ملاقات کر لوں گا۔ ویسے وہ کون سے تھانے میں تعینات ہے؟"

"اُسی علاقے کے تھانے میں جو فرخندہ بیگم کی کوٹھی کے حلقے میں آتا ہے۔"

"شکریہ، خدا حافظ!" فاروقی صاحب سے اور کوئی کام نہیں تھا۔ اس لیے میں نے ٹیلی فون بند کر دیا اور اس کے بعد ایک سوچ میں گم ہو گیا۔ کام ہو چکا تھا۔ اب اس کے نتائج کا جائزہ لینا تھا لیکن انسپکٹر غالب سے ملاقات کر لینا میرے لیے ضروری تھا۔ یہ بھی ایک دلچسپ اتفاق تھا کہ کیس انسپکٹر غالب کے پاس پہنچ گیا تھا۔ غالب کی بھی مدد کی جا سکتی ہے۔ نہ صرف مدد کی جا سکتی ہے بلکہ اُس سے کچھ کام بھی لیا جا سکتا ہے...

چنانچہ میں تیار ہو کر باہر نکل آیا اور پھر ایک ٹیکسی مجھے لے کر پولیس اسٹیشن کی جانب چل پڑی۔ جب میں پولیس اسٹیشن کے کمپاؤنڈ میں داخل ہُوا تو اُسی وقت انسپکٹر غالب پولیس کی جیپ سے نیچے اُتر رہا تھا۔ کہیں باہر سے آیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر مجھے پہچان کر اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے لپٹ گیا۔

"اوہو، شارق میاں! مبارک باد دو بھائی شارق!... ایک بار پھر ہم پھنس گئے ہیں لیکن کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تھوڑے ہی دن بعد کسی ایس پی یا ڈی ایس پی سے چل جائے گی اور ہم اپنی جگہ واپس پہنچ جائیں گے۔ آؤ یار اندر آؤ، کم از کم تمھیں اپنے نئے آفس کی زیارت تو کرا دوں۔" میں ہنستا ہُوا انسپکٹر غالب کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ چند پولیس والے وہاں موجود تھے۔ وہ اپنی اپنی رپورٹیں وہاں دینے لگے۔ غالب نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ اُن سب کو ہدایات جاری کرنے کے بعد انسپکٹر غالب نے اُنھی میں سے ایک سے کہا کہ اس کا دوست آیا ہے۔ اس لیے وہ ابھی کسی سے نہیں مل سکے گا اور وہ سب باہر نکل گئے۔

"سناؤ جی شارق میاں! کیا حال ہیں تمھارے؟"

"ایک بار تم پھر غالب ہو گئے ہو غالب!" میں نے ہنستے ہُوئے کہا۔

"ہاں جی! غالب، مغلوب ہوتا ہی رہتا ہے۔ تم اپنی خیریت بتاؤ؟"

"بالکل ٹھیک ہوں اور بڑے اطمینان کے ساتھ ایک فلیٹ میں رہ رہا ہُوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آشیانہ چھوڑ دیا ہے میں نے۔"

"او بھئی! ایک آشیانہ چھوڑ دیا تو کیا ہے؟ دوسرا آشیانہ بسا لیا۔ انسان تو پرندے ہی کی مانند ہے۔ کبھی بھی آشیانہ اُسے نہیں چھوڑتا لیکن ایسا کیوں ہُوا؟"

"بس! اصولوں کی جنگ چل رہی ہے۔"

"جاری رکھو بیٹے، جاری رکھو۔ جنگ جاری نہ رہے تو... انسان اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے مگر کیا آئی۔ جی صاحب! ناراض ہو گئے ہیں تم سے؟"

"ہاں اور میں نے اس لیے زیادہ پروا نہیں کی کہ وہ ریٹائرڈ ہو چکے ہیں۔"

"او نہیں بھائی! ایسا سوچنا بھی مت۔ ابھی ایس پی صاحب بھی ہیں اور پھر آئی۔ جی صاحب سے تعلقات بھی اتنے ہیں کہ اگر وہ حکم دیں کہ تمھیں گرفتار کر لوں تو پہلے تو مجھے تمھیں ہی گرفتار کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد میں اُن سے یہ پوچھ سکوں گا کہ یہ گرفتاری کس سلسلے میں ہے؟" غالب نے ہنستے ہُوئے کہا اور میں اُسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"تم ایسا نہیں کرو گے انسپکٹر غالب!"

"کیا مطلب؟"

"مطلب وہی ہے جو میں نے کہا۔ بہرحال میری نگاہوں میں انسان کا ایک معیار ہے اور اُسے اس معیار سے گرتے ہُوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

"یار میں نے تو مذاق کیا تھا اگر ایسا حُکم مل جائے تو سب سے پہلے میں تجھے فرار کرا دوں گا۔ اس کے بعد کہوں گا کہ اب بتائیے کہ اُسے کس سلسلے میں گرفتار کرنا ہے؟" انسپکٹر غالب نے ہنستے ہُوئے کہا اور پھر بولا۔ "کم از کم میرے نئے دفتر میں چائے تو پی جاؤ۔ یہ سوچ سوچ کر خوش ہوتا رہوں گا کہ تم اس بات کی گواہی دے سکتے ہو کہ میں کچھ دن کے لیے انسپکٹر ضرور رہا تھا۔" میں نے مسکراتے ہُوئے گردن ہلا دی۔

چائے کے دوران میں نے انسپکٹر غالب سے کہا۔ "ہمارے تمھارے درمیان یہ آنکھ مچولی چلتی ہی رہے گی غالب! اور

میں اپنے تمام اُلجھے ہُوئے معاملات تمھارے سامنے لاتا رہوں گا۔"

"پھر کوئی معاملہ اُلجھ گیا ہے جانو؟" غالب بے تکلفی سے بولا۔ وہ خود بھی شاید مجھ سے محبت کرنے لگا تھا۔

"ہاں غالب اور میں اسے اپنی خوش بختی ہی سمجھتا ہُوں کہ کیس تمھارے پاس آیا ہے۔"

"کون سا کیس بھائی؟"

"زہر خورانی کا وہ کیس جو نوید صدیقی کے کلینک میں ہُوا ہے۔"

"اوہو ہاں! آج میں سارا دن اُسی میں مصروف رہا ہُوں۔"

"کیا صورتِ حال ہے؟"

"پہلے یہ بتاؤ اس کیس سے تمھارا کیا تعلق ہے؟"

"گہرا تعلق ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ بہرطور کیس کی ساری نوعیت ظاہر ہے۔ بس پوسٹ مارٹم کی آخری رپورٹ مل جائے۔ اس کے بعد ملزم کو گرفتار کرنا ہے۔"

"ملزم تمھارے خیال میں فرخندہ بیگم ہی ہیں؟"

"سارے ثبوت اس کے خلاف ہی ملتے ہیں۔ لڑکی کا بیان ہو جانے دو، اس کے بعد ہم اس پر ہاتھ ڈالیں گے ویسے کوٹھی کے آس پاس سادہ لباس والے چھوڑ دیے گئے ہیں تاکہ ملزمہ فرار ہونے کی کوشش نہ کرے۔ اگر اس نے کہیں جانا چاہا تو اُسے روک دیا جائے۔"

"ہُوں، گڈ، مجھے تم سے یہی اُمید تھی غالب!"

"تم اس کیس کے سلسلے میں کیا جانتے ہو میری کچھ مدد کرو۔" انسپکٹر غالب نے کہا۔

"میں تمھیں تھوڑی سی تفصیل بتلائے دیتا ہوں غالب!" میں نے کہا اور اس کے بعد میں غالب کو حنا کی آمد اور اس کے خدشات اور اس کے بعد اپنی وہاں موجودگی اس سلسلے کی معلومات وغیرہ کی تفصیلات بتانے لگا۔ انسپکٹر غالب بڑے غور سے میری ساری کہانی سن رہا تھا۔ میں نے اُسے بہت سے اہم نقطے بھی سمجھائے اور انسپکٹر غالب پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

"بہرطور ملزم کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ ویسے حنا کے کیس [illegible]

[illegible]

بقیہ [illegible]

"ٹھیک ہے۔ تمھیں تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ جاری رکھو جوان جاری رکھو اپنا کھیل اور کچھ نہیں تو کم از کم زندگی کو سکون ملتا ہے۔"

"اور یہ سکون میرے لیے بے حد قیمتی ہے۔" میں نے کہا اور غالب پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ تمھاری اس نئی رہائش گاہ کا کوئی فون نمبر وغیرہ؟"

"ہاں ہے بلکہ بہت جلد ہی اپنی اُس نئی رہائش گاہ پر تمھاری دعوت بھی کرنے والا ہوں۔"

"اوہو بھئی، ہم دونوں جہاں مل بیٹھیں گے کھا پی لیں گے۔ کسی دعوت کی کیا ضرورت ہے ویسے نمبر مجھے لکھوا دو۔" میں نے انسپکٹر غالب کو ٹیلی فون کا نمبر دے دیا۔ اس کے بعد میں نے کہا۔

"میرا تم سے رابطہ رہے گا۔ ہاں ذرا اس بات کا خیال رکھنا میری وہاں موجودگی کی وجہ تو تم سمجھ ہی گئے ہو۔ مجھے میں ٹارگٹ مت بنانا۔ میں اپنے آپ کو ایک گواہ کی حیثیت سے تمھارے سامنے پیش کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے جی پروا ہی نہ کرو، ضرورت پیش آئی تو ایسا کر لیں گے ورنہ تم اپنا کیس لڑتے رہو۔ ہاں ایک بات بتاؤ ظاہر مقصود کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"

"اُسے نگاہ میں رکھو غالب، نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے اُسے۔"

"ٹھیک ہے جی ٹھیک ہے۔ میرا اپنا بھی یہی خیال تھا۔"

❋

میں انسپکٹر غالب کے پاس سے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے نوید صدیقی کے کلینک کا رُخ کیا۔ ڈاکٹر نوید صدیقی کے ملنے کا وقت تھا اس لیے وہ مجھ سے ملے۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے پُرتپاک انداز میں گردن ہلائی اور بولے۔

"میں تم سے ملنا چاہتا تھا شارق۔ ویسے فاروقی صاحب نے اپنی تمام ذمہ داریاں نبھائی ہیں لیکن اس کیس میں پولیس مجھے بھی براہِ راست ملوث کرے گی۔"

"سوری نوید صدیقی آپ بھی کیا سوچیں گے اس بارے میں۔"

"نہیں بھائی، مجرم جُرم کرتے ہیں تو پورے معاشرے کے لیے شرم کی بات ہوتی ہے۔ مجرموں کو ان کے جرم کی سزا

دلانا صرف پولیس ہی کا کام نہیں، بے شمار لوگوں کو اس سلسلے میں کارروائی کرنی چاہیے تاکہ جرم ختم ہو سکے۔ میں اپنے فرائض سے کوتاہی نہیں کرتا۔ ایک طرف جہاں میں بیمار مریضوں کا علاج کرتا ہوں وہیں اگر بیمار معاشرے کے لیے کچھ قدم اٹھانے پڑیں تو میرا خیال ہے مجھے ان سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔"

"آپ بڑے انسان ہیں ڈاکٹر نوید صدیقی اور یہ بڑے انسانوں ہی کی باتیں ہیں۔"

"بس بھائی، انسان کہہ دو اتنا ہی کافی ہے۔ اس لفظ کی بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے۔" نوید صدیقی نے کہا اور پھر وہ مجھے اس سلسلے میں تفصیلات بتانے لگے۔

"جاوید کو زبردستی انجکشن لگایا گیا ہے۔ جیسا کہ تمھیں علم ہو چکا ہے کہ اس کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے پہلے سے گیت گانے مناسب نہیں سمجھے تھے۔ بڑا بگڑا ہوا کیس تھا۔ زہر کے بارے میں، میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ یہ ایک عجیب و غریب قسم کا زہر ہے جسے کوئی تجربہ کار شخص ہی استعمال کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے اثرات ضائع کرنا معمولی کام نہیں تھا۔ پہلے میں نے یہی کوشش کی اور اس کے لیے جاوید کو نیم بے ہوشی کی کیفیت میں رکھنا پڑا۔ زہر کے اثرات حیرت انگیز طور پر کم ہوتے جا رہے تھے اور مجھے امید تھی کہ تقریباً ایک ماہ کے علاج کے بعد میں اُسے کم از کم زہر کے اثرات سے آزاد کر لوں گا لیکن شاید مجرم کو یا اس کے دشمن کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ اس کے کیے دھرے پر پانی پھر جائے اور جاوید دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔ چنانچہ اس نے اس زہر کا ایک بڑی مقدار کا انجکشن اُسے دے دیا اور ظاہر ہے اس کا نتیجہ موت ہی ہو سکتی تھی لیکن جاوید نے انجکشن دینے والے سے باقاعدہ جدوجہد کی ہے۔ ویسے مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ میرے کلینک میں ایسا ہوا۔ ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ اس بات سے کم از کم مجھے بھی ایک تجربہ حاصل ہوا ہے۔ مجھے ان خاص قسم کے مریضوں کے تحفظ کی دیکھ بھال کے لیے مزید بندوبست کرنے ہوں گے جو اس قسم کے واقعات کا شکار ہوتے ہیں۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نوید صدیقی سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور اس کے بعد میں ان سے بھی رخصت ہو گیا۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے رات کو میرے فلیٹ پر فاروقی صاحب نے فون کیا کہ فرخندہ بیگم کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور پولیس نے ان کے کمرے کی تلاشی کے دوران زہر کی وہ شیشی بھی حاصل ہو گئی ہے جو جرمنی سے امپورٹ کی [...] ہے کیونکہ یہاں پورے پاکستان میں کہیں بھی وہ زہر [...] نہیں ہے۔ خصوصی طور پر یہ زہر باہر سے منگوایا گیا [...] اور اس کی کافی مقدار استعمال کی جا چکی تھی گویا یوں [...] فرخندہ بیگم کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی ہے [...] بالوں کے بارے میں بھی تصدیق ہو گئی کہ وہ فرخندہ [...] کے ہیں اور لاکٹ کا پتا بھی چل گیا۔

"کیا حنا ہوش میں آ گئی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں، وہ ہوش میں ہے آج رات اور اُسے کل [...] میں رکھا جائے گا صبح کو وہ رخصت ہو جائے گی۔"

"کیا طاہر مقصود کو بھی گرفتار کیا گیا؟"

"نہیں۔ اس کے سلسلے میں ابھی تک کوئی کارروائی [نہیں] ہو سکی کیونکہ پولیس کو اس پر شبہ نہیں ہو سکا ہے یا پھر [اس] کے خلاف کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے۔ چنانچہ پولیس نے اس پر ہاتھ نہیں ڈالا اور اب فرخندہ بیگم کے بیان [میں] اگر اس کا نام نہیں آتا ہے تو دوسری بات ہے ورنہ [...] خود ہی اس سلسلے میں کوشش کرنی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے میرے لیے کوئی خدمت؟"

"ابھی تو کوئی نہیں بس ذرا حنا ٹھیک ٹھاک ہو جا[ئے] اس کے بعد دیکھیں وہ کس طرح اس کیس کو آگے بڑھا[تی] ہے۔" فاروقی صاحب نے کہا اور میں نے پُرخیال انداز [میں] گردن ہلا دی۔

"اور کوئی حکم فاروقی صاحب؟"

"نہیں کل آفس آ رہے ہو؟"

"یقیناً حاضری دوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "تو کل آپ کا کورٹ میں تو کوئی پروگرام نہیں ہے؟"

"صبح کو جاؤں گا اور دس ساڑھے دس بجے واپس آ جاؤں گا۔ میرا خیال ہے کہ تم گیارہ بجے تک آفس پہنچو۔"

"بہتر۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد سلسلۂ گفتگو منقطع ہو گیا لیکن میرے لیے یہ گفتگو بہت سی [...] خیالات کی حامل تھی۔ نہ جانے رات کو کتنی دیر تک میں [...] کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

دوسرے دن گیارہ بجے تک دفتر پہنچنا تھا لیکن صبح ساڑھے سات بجے ہی تیار ہو کر فلیٹ سے نکل آیا [...] کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ حسب معمول دفتر پہنچ جا[ئے]

[...] میں بیٹھ کر فرخندہ بیگم کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ میرے [...] بہت سے خیالات تھے۔ کوٹھی میں داخل ہوا تو سب [...] طاہر مقصود نظر آیا۔ وہ برآمدے میں بے چینی سے [...] تھا۔ شیو بڑھا ہوا تھا۔ چہرے پر پریشانی کے آثار، [...] مجھے دیکھ کر ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں [...]پن تھا۔

"ہیلو!" میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

"کہاں غائب رہے ہو تم... تم کہاں غائب تھے؟" طاہر مقصود [نے ...] انداز میں مجھ سے پوچھا۔

"اوہو! طاہر صاحب! شاید آپ کے علم میں یہ بات نہ ہو کہ [...] میرے کئی پرانے دوست بھی رہتے ہیں انھی کے یہاں مقیم تھا۔"

"بڑے مناسب وقت پر تم ان کے یہاں مقیم ہوئے؟" [طاہر] مقصود نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مطلب؟" میں نے سوال کیا۔

"تمھیں علم ہے کہ کیا کچھ ہو چکا ہے؟"

"ظاہر ہے علم کیوں نہ ہوتا۔"

"یہ بات بھی پتا چل چکی ہے تمھیں کہ فرخندہ بیگم گرفتار [کر لی گ]ئی ہے۔"

"جی ہاں پتا چل چکی ہے۔"

"مجھے تو تمھارا کردار بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے اور میں تمھارے [بار]ے میں بہت کچھ غور کرتا رہا ہوں۔"

"تو بہتر یہ ہو گا کہ طاہر مقصود صاحب کہ آپ پولیس کو میرے [بار]ے میں بیان دے دیجیے۔ یقیناً پولیس نے آپ سے اس [سلس]لے میں پوچھ گچھ کی ہو گی۔"

"ظاہر ہے پولیس کے سامنے میں تمھارا تذکرہ کیے بغیر [نہ]یں رہ سکتا۔ مجھے بارہ بجے پولیس اسٹیشن طلب کیا گیا ہے [او]ر مجھ پر پابندی عائد کر دی گئی ہے کہ پولیس کی اجازت کے [بغ]یر میں نہ جاؤں۔"

"بہر حال آپ اپنی کارروائی کیجیے۔ میں نے آپ سے [...]لار تو نہیں کیا ہے۔ کیا حنا واپس آ گئیں؟"

"ہاں وہ اپنے کمرے میں موجود ہے لیکن بہتر ہے کہ تم [اس]ے پریشان کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"آپ اپنے مشورے سمیت اپنے کمرے میں جائیے طاہر مقصود [ص]احب، مجھے کیا کرنا ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" میں [...]نے کڑک لہجے میں کہا اور طاہر مقصود مجھے خونخوار نگاہوں سے گھورنے لگا لیکن میں اس کی پروا کیے بغیر اندر کمرے میں پہنچ گیا۔ حنا کی حالت کافی خراب معلوم ہوتی تھی۔ وہ مسہری پر چت پڑی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے گردن گھمائی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔

"وہی ہوا نا... وہی ہوا نا جو ہم سب کو معلوم تھا۔ بالآخر فرخندہ نے، بالآخر اس ڈائن نے میرے بھائی کو مجھ سے جدا کر دیا۔ شارق، میرا بھائی مجھ سے چھن گیا۔ تنہا رہ گئی میں اس دُنیا میں، شارق میں اس دُنیا میں تنہا رہ گئی۔ آہ! کاش میرے دشمن، میرے بھائی کے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر دیتے۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ اس دولت میں سے مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ کچھ بھی نہیں چاہیے مجھے لیکن... لیکن نہ جانے ان کی کیا منصوبہ بندی تھی، نہ جانے ان کی کیا منصوبہ بندی تھی۔"

"حنا اپنے آپ کو سنبھالو۔ ظاہر ہے تمھارے غم کا کوئی مداوا نہیں۔ جس قدر غم زدہ ہو گی اس کا اندازہ کم از کم میں تو کر سکتا ہوں لیکن حنا، تمھیں اپنے آپ کو سنبھالنا ہو گا۔ اپنے بھائی کے قاتلوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو سنبھالو حنا، اپنے آپ کو سنبھالو۔"

"کیسے سنبھالوں، تم خود غور کرو شارق، ماں باپ مر چکے تھے۔ باپ نے سوتیلی ماں نازل کر دی اور وہی روایتی کہانی یہاں بھی دُہرائی جانے لگی جو ہزاروں بار دُنیا کے سامنے آ چکی ہے۔ بالآخر اس نے میرے بھائی کو ڈس لیا۔ اس نے مجھے تباہ کر دیا۔ مجھے بتاؤ میں اس دُنیا میں کس کے سہارے زندہ رہوں گی؟"

"لاکھوں انسان اپنے سہارے زندہ رہتے ہیں حنا۔ جو کچھ ہو چکا ہے تم اسے واپس نہیں لوٹا سکتیں چنانچہ اپنے آپ کو پوری طرح سنبھالو۔" حنا آہستہ آہستہ خاموش ہو گئی پھر وہ مسہری کے تکیے کے سہارے پشت لگا کر بیٹھ گئی اور خونخوار انداز میں مجھ سے بولی۔

"فرخندہ کو کتوں کی موت نصیب ہونی چاہیے شارق، یہ ذمہ داری میں نے تمھارے کاندھوں پر رکھی ہے۔ فرخندہ کو بدترین سزا دلواؤ۔ تم لوگ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو؟"

"تم نے پولیس کو اپنا بیان دے دیا ہے حنا؟"

"ہاں، اسپتال ہی میں انسپکٹر نے مجھ سے میرا بیان لیا تھا۔"

"کیا بتایا تھا تم نے اس بیان میں؟ ویسے اس بیان کی نقل تو مجھے مل ہی جائے گی۔"

"میں نے صاف صاف فرخندہ بیگم کا نام لیا ہے۔ میں نے تمام حقیقتیں پولیس کے سامنے کھول دیں اور تمھیں معلوم ہے کہ فرخندہ بیگم کے کمرے سے وہ زہر بھی برآمد ہو گیا جو میرے بھائی کو دیا گیا ہے۔"

"ہاں اور فرخندہ بیگم کا لاکٹ بھی۔"

"وہ لاکٹ میں نے بارہا ان کے گلے میں دیکھا ہے۔ ایف۔ ایس لکھا ہوا ہے اس پر اور ڈیڈی کی تصویر بھی اُن کے ساتھ اس لاکٹ میں لگی ہوئی ہے۔ میرے بھائی نے جدوجہد کی تھی یہ جان کر مجھے کتنا غم ہوا ہے شارق کہ میرا بھائی صحت مند ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی بچانے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ آہ شارق! اگر وہ گھر میں ہوتا تو شاید قاتل اتنی آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔"

"تمھارے خیال میں حنا، فرخندہ بیگم نے خود یہ کوشش کی تھی؟"

"میرے خیال میں کیا پولیس کا بھی یہی خیال ہے اور ثبوت موجود ہیں اس کے۔"

"میرے ذہن میں ایک اور بات بارہا آئی ہے جس کا تذکرہ میں، سرسری انداز میں تم سے بھی کر چکا ہوں۔"

"کیا؟"

"کہ طاہر مقصود، فرخندہ کا دستِ راست ہو سکتا ہے؟"

"نہیں، پہلے مجھے بھی اس سلسلے میں شبہ تھا لیکن بعض لوگ بدنصیب ہوتے ہیں۔ طاہر کی کہانی شاید تمھارے علم میں نہ ہو۔ میں تمھیں بتاؤں طاہر مقصود، فرخندہ کو چاہتا تھا۔ وہ اس سے شادی کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے فرخندہ سے شادی کرنے کے لیے بے حد جدوجہد کی تھی لیکن اس کے پاس وہ دولت وہ شان نہیں تھی جو میرے ڈیڈی کے پاس تھی۔ فرخندہ نے ایک پلان ترتیب دیا۔ اس نے فیصلہ کیا ہو گا کہ پہلے ایک دولت مند شخص سے شادی کر لی جائے اور اس کے بعد گلچھرے اڑائے جائیں۔ اس نے یہی کیا بلکہ اب میں عدالت میں اس بات کا شبہ بھی ظاہر کر دوں گی کہ میرے والد کی موت بھی طبعی موت نہیں تھی بلکہ انھیں بھی قتل کیا گیا تھا اور اس کی بھی چھان بین کی جائے۔ میں... میں شارق کوئی پہلو کمزور نہیں چھوڑوں گی۔ طاہر مقصود کے بارے میں تمھیں بتا رہی تھی۔ وہ معصوم شخص خواہ مخواہ مصیبتوں کا شکار ہو گیا۔ فرخندہ بیگم نے اُسے اپنی کوٹھی میں رہنے کی پیشکش کی صرف اس لیے کہ وہ... وہ ان کا دستِ راست بنا رہے۔ وہ پرانے رشتے جو... چاہتی تھیں لیکن طاہر مقصود کی نگاہوں سے وہ ہمیشہ کے لیے گر چکی تھیں۔ چونکہ وہ دولت کی پجارن تھیں لیکن یہ بات طاہر کو بھی معلوم نہیں تھی کہ وہ اتنے بڑے بڑے اقدامات کر سکتی ہیں... وہ بے چارہ بس اپنا وقت گزار رہا تھا۔ نہیں شارق یہ شخص بے گناہ ہے۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اگر وہ فرخندہ بیگم کا دستِ راست ہوتا تو یہ کام وہی انجام دیتا جبکہ فرخندہ بیگم نے خود ہی اپنے طور پر تمام کارروائی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ طاہر مقصود سے بھی وہ مخلص نہیں ہوں گی۔ ممکن ہے انھوں نے اپنے اسی اقدام کے لیے اسے اپنا آلۂ کار بنایا ہو لیکن قدرت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس نے دیکھو کس طرح فرخندہ کا راز فاش کر دیا۔ کس طرح وہ اپنے جال میں پھنس گئیں!"

میں دلچسپ نگاہوں سے حنا کو دیکھ رہا تھا۔ حنا کے اس بیان نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ وہ طاہر مقصود کی پشت پناہی کرنا چاہتی ہے۔ بہرطور اس سلسلے میں میرا کچھ کہنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں بس اُس سے اظہارِ ہمدردی اور اظہارِ تعزیت کرتا رہا۔ میں نے اس سے اس کے آئندہ پروگرام کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ پولیس کو بیان دینے کے بعد اب اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اب وہ اس مقدمے کو پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ لڑے گی۔ اُس نے مجھ سے کہا۔

"تمھارے لیے میں نے کچھ رقم نکلوائی ہے۔ براہ کرم اُسے قبول کر لو۔ نوید صدیقی کے کلینک کا پے منٹ بھی کرنا ہو گا۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی کام بغیر پیسوں کے ہو۔ تم پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اپنا کام کرو۔ پیسے کی بالکل پروا مت کرو۔ پلیز! یہ رقم رکھ لو۔" اس نے سو سو کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"پچاس ہزار کی رقم ہے۔ باقی پچاس ہزار روپے میں تمھیں کل یا پرسوں تک دے دوں گی۔ اس کے باوجود جتنی بھی رقم درکار ہو اس میں تم کوتاہی مت کرنا۔ تمھارا اپنا معاوضہ جو کچھ ہو گا وہ میں بعد میں ادا کر دوں گی۔ فی الحال یہ رقم اخراجات کے لیے رکھ لو۔"

"شکریہ حنا۔ ظاہر ہے اب اس کی ضرورت پڑے گی۔ میں تمھیں پورا پورا حساب دوں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو شارق۔ کیا میرے اور تمھارے

درمیان اب حساب کے راستے رہ گئے ہیں؟ تم صرف اپنا کام کرو صرف اپنا کام۔" میں نے پچاس ہزار روپے بھی اپنے لباس میں رکھ لیے۔ دیر تک حنا کو تسلیاں دیتا رہا اس کے بعد وہاں سے نکل آیا۔

میرا رُخ فاروقی صاحب کے آفس کی جانب تھا کیونکہ وقت بھی قریب آ گیا تھا۔ آفس میں اُستاد جمو نے اور فاروقی صاحب دونوں ہی موجود تھے۔ حسبِ معمول میرا استقبال کیا گیا اور میں فاروقی صاحب کے ساتھ دفتری کاموں میں مصروف ہو گیا۔ کسی خاص موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد جو میں نے فاروقی صاحب نے اور اُستاد جمو نے ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھایا تھا فاروقی صاحب مجھ سے اس کیس کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔

"اب ہم لوگوں کو اس سلسلے میں تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔ تمھارے پاس کچھ اس قسم کے پوائنٹ اکٹھے ہوئے جو اس کیس کے سلسلے میں ہماری مدد کر سکیں؟"

"کیوں نہیں فاروقی صاحب۔ ویسے بھی ابھی کافی وقت ہے جب تک کیس شروع ہو گا میں اور کام بھی کر چکا ہوں گا۔"

"لیکن میرے خیال میں اب تمھیں اس کوٹھی سے نکل آنا چاہیے۔ ویسے اس سلسلے میں تم نے کیا سوچا۔ ظاہر ہے طاہر مقصود، فرخندہ اور حنا تینوں ہی تمھارا نام لیں گے۔ جیسے حنا کے بارے میں تو ہم یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ عدالت کو تمھارے بارے میں یہی بیان دے گی کہ اس نے تمھیں وقت سے پہلے ہوشیار کر دیا تھا۔ تمھارے صفائی کے ثبوت اس طرح بھی مل جاتے ہیں کہ تم نے خود جاوید کو نوید صدیقی کے کلینک داخل کرایا تھا اور اس کی بنیاد یہی تھی کہ حنا نے اس بات کا شبہ ظاہر کر کے تمھاری مدد طلب کی تھی لیکن بہرطور جاوید کی موت کے سلسلے میں تمھارا نام بھی لیا جائے گا۔ ایسی صورت میں کیا حنا کے وکیل کی حیثیت سے تمھیں قبول کیا جائے گا؟"

"حنا کے وکیل تو آپ ہیں وکیل صاحب، میں حنا کا وکیل کہاں سے ہو گیا؟"

"بھئی تمھارا وقت تقریباً مکمل ہونے کو ہے میرا خیال ہے اب اگر تم چاہو تو چند روز کے بعد اپنا لائسنس لے سکتے ہو اور وکیل کی حیثیت سے کام شروع کر سکتے ہو؟"

"ارے ہاں فاروقی صاحب! یہ بات میں بھی آپ سے کہنے کو تھا۔ آپ میرے سلسلے میں سرٹیفکیٹ جاری کر دیجیے مجھے اب اس کی ضرورت پیش آئے گی لیکن جہاں تک حنا کا معاملہ ہے وہ آپ ہی دیکھیں گے۔ میں حسبِ معمول آپ کو اسسٹ کرتا رہوں گا۔"

"جیسا تم پسند کرو۔ لائسنس کے سلسلے میں میں کارروائیاں کیے لیتا ہوں۔ بار ایسوسی ایشن میں تمھارا رجسٹریشن کرا دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"تو بس یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ یہ کام آپ کر دیجیے گا۔ ممکن ہے مجھے دو تین روز کے لیے جانا پڑے۔"

"کہاں؟"

"ذرا کچھ کام ہے۔ یہاں سے باہر جانا پڑے گا۔ دو تین دن لگیں گے۔ میں واپس آ جاؤں گا۔ ابھی آپ اپنا کام جاری رکھیے۔ فرخندہ بیگم گرفتار ہو گئی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ طاہر مقصود ان کی ضمانت وغیرہ کے لیے کیا بندوبست کرتے ہیں۔ ویسے ضمانت شاید ممکن نہ ہو کیونکہ فرخندہ بیگم کے خلاف جو ثبوت ملے ہیں وہ انھیں قاتل ثابت کرتے ہیں۔ زہر کی شیشی جو امپورٹ کی گئی ہے ضروری نہیں ہے کہ اس کے امپورٹ کے کاغذات بھی دستیاب ہو جائیں۔ ممکن ہے یہ کسی میڈیکل اسٹور کے تحت باہر سے منگوائی گئی ہو یا کسی آنے جانے والے سے۔ بہرطور وہ فرخندہ بیگم کے سامان سے برآمد ہوئی ہے۔ میں انسپکٹر غالب سے مل کر تمام تفصیلات معلوم کر چکا ہوں اس کے علاوہ جو فرخندہ بیگم کا لاکٹ جاوید کے ہاتھ سے ملا ہے وہ بھی ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ میرا خیال ہے فاروقی صاحب اس سلسلے میں آپ کو بہت زیادہ محنت نہیں کرنی ہو گی تاہم ابھی تو کافی وقت ہے جب آپ اپنا کام شروع کریں گے تو میں آپ کے ساتھ مل کر اس کیس کی تیاریاں کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے مجھے اطمینان ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ پوری طرح درست ہو گا۔"

"ہاں فاروقی صاحب یہ حنا نے پچاس ہزار روپے دیے ہیں ضروری اخراجات کے لیے مزید پچاس ہزار روپے وہ دینے والی ہے اس سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے؟"

"دیکھو بھائی میں اس میں سے ایک پیسہ نہیں لوں گا۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس میں بھلا میرے کچھ لینے کی کیا گنجائش ہے؟"

"کمال ہے فاروقی صاحب یہ کیس تو آپ ہی لڑیں گے۔"

"ہوں، میں جانتا تھا کہ تم یہ بات کہو گے۔ بہرطور میری فیس اس کیس کے سلسلے میں صرف پانچ ہزار ہو گی اور باقی یہ

پینتالیس ہزار روپے تم اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرو۔"

"نوید صاحب کے کلینک کا بل بھی ادا کرنا ہے۔"

"وہ سب کچھ تمھاری ذمے داری ہے میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں کروں گا۔"

"اور فلیٹ کے سلسلے میں آپ جو کچھ کر چکے ہیں۔"

"اُستاد جمو نے یہ بات مجھے بتا رہے تھے۔ کیا اس کا تذکرہ تمھارے لیے مناسب ہے شارق؟" فاروقی صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں نہیں فاروقی صاحب میں کہاں تذکرہ کر رہا ہوں۔ میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ ڈرائنگ روم میں ذرا عمدہ قسم کا قالین اور بچھوا دیجیے۔"

"یہ ہوئی نا بات ٹھیک ہے صاحب قالین پہنچ جائے گا۔" فاروقی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں کافی دیر تک فاروقی صاحب سے گفتگو کرتا رہا۔

٭٭٭

یہ شام مجھے فرخندہ بیگم کی کوٹھی میں ہی گزارنی تھی۔ ابھی تو بہت سے معاملات ایسے تھے جو مجھے انجام دینے تھے چنانچہ میں رات کو ہی فرخندہ بیگم کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ حِنا کی حالت اب پہلے سے کچھ بہتر تھی۔ طاہر مقصود سب سے پہلے مجھے ملا اور اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہیلو شارق آؤ حِنا کے پاس چل رہے ہو؟"

"طاہر صاحب! حِنا کی کیسی طبیعت ہے؟"

"ظاہر ہے جس غم کا وہ شکار ہوئی ہے اُسے بھول جانا آسان کام نہیں ہے۔ میں تو یہاں عجیب کیفیت میں گرفتار ہو گیا ہوں، شارق صاحب، حِنا سے میرا کوئی براہ راست رشتہ نہیں ہے لیکن انسان ایک جگہ رہتا ہے تو اس کے دل میں ہر چیز سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ فرخندہ میری کزن ہیں، میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ انھوں نے اگر یہ سب کچھ کیا ہے تو آپ یقین کیجیے کہ اس کے بعد میرے یہاں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ میں کس حیثیت سے اس کوٹھی میں رہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کاروباری امور میرے سپرد کیے گئے ہیں ان سے بھی فوری طور پر پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ میں بڑی پریشانی میں پھنس گیا ہوں۔"

"طاہر صاحب آپ کو کیا پریشانی ہے؟"

"بھئی کمال ہے! ہر دیکھنے والا مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کافی لوگ حِنا سے تعزیت کے لیے آ چکے ہیں اور ہر شخص میری طرف ایسی کینہ توز نگاہوں سے دیکھتا ہے جیسے فرخندہ کے ساتھ میں بھی اس قتل کا شریک ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ فرخندہ کے اندر یہ جنون کیسے بیدار ہوا۔ سکون کی زندگی گزار رہی تھی۔ حِنا اور بے چارہ جاوید کبھی اس کے آڑے نہیں آیا تھا۔ وہ تو اس کی بے پناہ عزت کرتے تھے پھر اُس نے کیا سوچا ہوگا۔ کبھی یہ سوچ سوچ کر دماغ کی شریانیں پھٹی جا رہی ہیں۔ پہلے تو معاف کرنا شارق میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ فرخندہ کو پھنسانے کے لیے کارروائی کی گئی ہے لیکن صورت حال پر غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ بھلا جاوید میں یا حِنا میں یہ صلاحیت کہاں تھی کہ وہ کسی قسم کی سازش کرتے۔ فرخندہ نے جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا۔" طاہر نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ میں اس کی بدلی ہوئی کیفیت کو دیکھ رہا تھا اور میرے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی لیکن میں نے اس مسکراہٹ کا اظہار نہیں ہونے دیا اور جلدی سے بولا۔

"خدا جانے اصلیت کیا ہے۔ بہرطور طاہر صاحب حِنا قابلِ ہمدردی ہے۔ براہِ کرم آپ اس کا خیال رکھیے۔ ویسے بھی پولیس کی طرف سے آپ پر پابندی عائد کر دی گئی ہے کہ آپ یہ شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ یہ کوٹھی چھوڑ کر بھی کہیں نہ جائیں۔ فرخندہ بیگم نے اگر واقعی یہ سب کچھ کیا ہے تو قانون انھیں سزا دے گا اور اگر نہیں کیا ہے تو بالآخر وہ رہا ہو جائیں گی۔ اس کے بعد آپ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ کو کاروبار کی ذمے داریاں سونپی گئی تھیں تو آپ نے یہ ذمے داریاں کیوں ترک کیں؟ بہرطور آپ کو کچھ نہ کچھ ان کا معاوضہ بھی ضرور ملتا ہوگا؟"

"ہاں میری باقاعدہ تنخواہ ہے جو مجھے دفتر سے ملتی ہے۔"

"تو پھر صرف اس بنیاد پر کیا آپ کا رشتہ حِنا سے نہیں بلکہ فرخندہ سے ہے۔ آپ کو یہ دفتر نہیں چھوڑنا چاہیے، اس طرح تو لوگ آپ پر بھی شبہ کر سکتے ہیں کہ آپ فرخندہ کے ساتھی تھے۔" میرے ان الفاظ پر طاہر مقصود کے چہرے پر کسی قدر خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔

"اگر ایسا ہوا تو میں بے موت مر جاؤں گا۔ میں نے تو زندگی میں کبھی کسی چڑیا کے بچے کو بھی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ میں بہت امن پسند انسان رہا ہوں۔ میری زندگی بہت دکھوں سے دوچار ہے شارق صاحب آئیے میرے

کمرے میں آئیے۔ تھوڑی دیر بیٹھیں گے، اس کے بعد آپ حِنا کے پاس چلے جائیے گا۔" طاہر مقصود بہت زیادہ بددل اور افسردہ نظر آ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مجھے بھی سامنے بیٹھنے کی پیش کش کر دی اور پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ کو شاید میرے اور فرخندہ کے درمیانی رابطے کا علم نہیں ہے؟"

"کس طرح کا رابطہ؟"

"ایک زمانہ تھا جب میں فرخندہ کے نام پر جیتا تھا۔ میں باہر کی دنیا میں بھی رہا ہوں لیکن فرخندہ کے تصور کے ساتھ اور جب میں نے فرخندہ بیگم کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ فرخندہ کو کسی اور سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ کچھ حالات کچھ واقعات کا سہارا لیا گیا لیکن میں فرخندہ کی مرضی کا خواہاں تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر فرخندہ میرا ساتھ دے تو میں ساری دنیا سے بغاوت کر کے جس طرح ممکن ہو سکے اُسے اپنا لوں گا لیکن شارق! دنیا بہت عجیب و غریب جگہ ہے۔ فرخندہ نے سوچا کہ سعید بیگ مجھ سے ایک لاکھ درجے بہتر ہے۔ وہ مالی طور پر بہت مستحکم انسان تھا جبکہ میں زندگی کے ان راستوں پر تھا جہاں اپنی تعمیر کی جاتی ہے اور اس تعمیر میں وقت بھی لگتا ہے۔ میں نے فرخندہ کو سمجھایا کہ میں اپنے آپ کو مستحکم کر لوں گا، میں بھی کچھ بن جاؤں گا لیکن وہ ان لمحات کا انتظار کرنے کے لیے تیار نہیں تھی کیونکہ اس کے پاس میرا نعم البدل تھا۔ اس نے سعید بیگ سے شادی کر لی اور اس کے بعد میں اُسے بھولنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا لیکن۔ ۔ ۔

لیکن میں اسے بھول نہ سکا۔ میرے دل میں اس کی یاد کسکتی رہی اور میں انھی یادوں کو سینے سے لگائے وقت گزارتا رہا کہ اطلاع ملی کہ سعید بیگ کا انتقال ہو گیا ہے۔ فرخندہ تنہا رہ گئی تھی۔ اس کے والد کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ میں بہت غور و خوض کرتا رہا۔ بالآخر اُسے سہارا دینے کے لیے چل پڑا۔ یہاں آ کر میں نے محسوس کیا کہ فرخندہ کو واقعی میری ضرورت ہے۔ آپ یقین کیجیے شارق صاحب! میرے دل کے کسی گوشے میں اس کے لیے اب کوئی اور تصور نہیں تھا۔ میں تو اسے اپنی ایک بھولی بسری یاد سمجھتا تھا اور ان یادوں سے میرے لیے کوئی رشتہ جوڑنا ممکن نہیں تھا۔ میں اُسے تنہا بھی نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ دُہری کیفیت کا شکار تھا میں۔ کاش! مجھے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہو جاتا کاش! میں اُسے سنبھال سکتا، میں اُسے بتا سکتا کہ سعید بیگ کا نمک کھایا ہے۔ اس لیے اس کے دونوں بچے اب اس کا فرض بن گئے ہیں۔ اس فرض سے نفرت کیا معنی رکھتی ہے۔ نہیں یہ کسی بھی طور مناسب نہیں تھا۔ انسان کسی بھی حیثیت میں ہو دوسرے انسانوں پر اپنے حق رکھتا ہے اور پھر یہ بچے تو ابھی فرخندہ کے دستِ نگر تھے۔ فرخندہ کو بھلا ان سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اس نے جو کچھ کیا بہت بُرا کیا۔ کاش! میں اُسے سمجھا سکتا۔ کاش! وہ مجھے اپنے دل کا راز بتا دیتی؟"

"بڑی عجیب و غریب کہانی ہے طاہر مقصود صاحب واقعی بڑی عجیب و غریب کہانی ہے۔ کیا آپ فرخندہ بیگم سے گرفتاری کے بعد ملاقات کر چکے ہیں؟"

"ابھی کہاں، میں تو خود پریشان ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کے لیے کیا کروں۔ میرا خیال ہے اس کی تو ضمانت بھی نہیں ہو سکتی۔"

"جی ہاں ممکن نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرطور میں ایک پریشان انسان ہوں۔ حِنا کو دیکھتا ہوں تو دل میں ہمدردی کے جذبے سر ابھارتے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ حِنا مجھ سے اتنی ہی نفرت کرتی ہے جتنی فرخندہ بیگم سے۔ اور اس کی سوچ بہرطور درست ہے۔ وہ اس بات پر حق بجانب ہے کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ میں فرخندہ کا عزیز ہوں حِنا کا نہیں۔"

"یہ کوئی بات نہیں ہوئی طاہر صاحب۔ بہرطور میں فرخندہ کے خیالات آپ کی طرف سے بہتر کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"ضرور کرنا، میرے اوپر احسان ہوگا۔ میں کسی بھی بات سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ اگر مجھے کسی بھی طور ملوث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو میں اپنا قانونی بچاؤ ضرور کروں گا۔ چونکہ میں ان معاملات سے ذرا برابر تعلق نہیں رکھتا لیکن اس کے باوجود میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"آپ اطمینان رکھیے، اگر آپ کے ہاتھ صاف ہیں تو پولیس بھی احمق نہیں ہے کہ آپ کو بلاوجہ ملوث کرے گی۔"

"شکریہ شارق بہت بہت شکریہ۔" طاہر مقصود نے کہا اور اس کے بعد میں اس سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔

حِنا کے پاس آیا تو اس کی کیفیت حسبِ معمول تھی۔ ایک پتھر کے بُت کی طرح ساکت و جامد وہ ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی

تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے پلکیں اُٹھائیں۔ اس کی آنکھیں سُوج رہی تھیں۔ میں نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"حِنا، تم باہمت لڑکی ہو۔ اب تو خود کو سنبھالنا ضروری ہے۔"

"میں سنبھل چکی ہوں شارق، میری فکر بالکل مت کرو۔ بس اپنا کام شروع کر دو۔ میں اپنے دشمن کی بوٹیاں چبا جانا چاہتی ہوں۔ کاش! قانون اپنے ہاتھ میں لیا جا سکتا۔ کاش! مجھ پر قانونی پابندیاں نہ ہوتیں تو میں اپنے مجرم کو خود ہی سزا دے لیتی۔ کمزور ضرور ہوں لیکن اب اتنی کمزور بھی نہیں۔ بہت عرصے سے فرخندہ بیگم کے مظالم جھیل رہی ہوں۔ ان کی یہ جنگ مجھ سے پتا نہیں کب سے جاری ہے۔ وہ تو میرا خیال ہے اس دن سے مجھ سے نفرت کرتی ہیں جس دن سے اس گھر میں آئی تھیں۔ مجھ سے نفرت کرتی رہتی، ہم دونوں کو گھر سے نکال دیتی، ہمارے تمام حقوق ہم سے چھین لیتی لیکن میرے بھائی کی زندگی نہ لیتی وہ۔ ارے وہ ایک بار کہہ کر تو دیکھتی کہ ہم دونوں یہ گھر چھوڑ دیں۔ میں لعنت بھیج کر چلی جاتی اس گھر پر جہاں نہ میری ماں ہے نہ میرا باپ۔ ایک بھائی ہی تو تھا دُنیا میں، بہر طور اب میں اس کا ماتم نہیں کروں گی۔ اب میں اس کا انتقام لوں گی صرف انتقام۔" حِنا کا چہرہ آگ کی طرح سُرخ ہو گیا۔ میں اُسے تسلیاں دینے لگا۔

"جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو حِنا اُس میں، میں اور فاروقی صاحب ہر طرح سے تمھارے ساتھ ہیں۔" کافی دیر تک میں حِنا کو سمجھاتا رہا تھا پھر میں نے کہا۔

"حِنا! اب میری اس کوٹھی میں ضرورت باقی تو نہیں رہ گئی ہے کیوں نہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟"

"چلے جاؤ گے؟" حِنا نے شکایتی سے انداز میں کہا۔

"جانا ضروری نہیں ہے حِنا! میں کس بنیاد پر یہاں رہوں گا۔ بہر طور میرے بارے میں بھی سوالات کیے جائیں گے۔ ٹھیک ہے میں وکیل کی حیثیت سے منظرِ عام پر آؤں گا اور یہ بات کہہ کر اپنے اوپر سے تمام شبہات ختم کر دوں گا کہ تم نے مجھے اپنی مدد کے لیے طلب کیا تھا۔ میرا یہاں رہ پڑنا تو مناسب نہیں ہے؟"

"ابھی نہیں پلیز! ابھی نہیں، میری کیفیت دیکھ رہے ہو، کون ہے میرا ہمدرد، کون ہے، کس سے میں ہمدردی کی توقع رکھ سکتی ہوں۔"

"حِنا، طاہر کے بارے میں کیا خیال ہے تمھارا؟"

"اللہ جانے، اللہ بہتر جانے۔ پہلے میں اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ جو کچھ فرخندہ بیگم کر رہی ہیں طاہر اس میں یقیناً شریک ہے، لیکن اب میرے خیالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں۔ طاہر ہر چیز سے غیر متعلق رہنے والا ایک شخص ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس نے فرخندہ بیگم سے محبت کی تھی لیکن اس عورت پر کون بھروسا کر سکتا ہے جو صرف دولت کے لیے ایک شادی کر لیتی ہے اور پھر اپنے شوہر سے چھٹکارہ پانے کے بعد اس کی اولاد کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ طاہر کے دل میں اگر فرخندہ بیگم کی کوئی عزت یا محبت تھی بھی تو اب نکل چکی ہے۔ میری اس سے بات ہوئی تھی۔ بے چارہ مجھ سے بھی شرمندہ ہے اور اس کی شرمندگی کو میں دل سے محسوس کر چکی ہوں لیکن کوئی کسی کا نہیں ہوتا۔ فرخندہ بیگم نے ممکن ہے اُسے چارہ بنا کر استعمال کرنے کی کوشش کی ہو، ممکن ہے وہ یہی سوچ رہی ہوں کہ کسی طرح طاہر مقصود کو اپنے مسئلے میں پھانس دیں گی اور اس بات کو ذہن میں ضرور رکھنا شارق کہ فرخندہ بیگم یہ کھیل بھی کھیل سکتی ہیں۔ ممکن ہے بے چارے طاہر مقصود کو قربانی کا بکرا بنانے کی کوشش کی جائے میں صرف اپنے بھائی کے قاتل سے نفرت کرتی ہوں۔ باقی دنیا سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ طاہر مقصود اگر یہاں سے جانا چاہے تو چلا جائے۔ مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے لیکن بظاہر وہ بے گناہ لگتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اُس ذہن میں بھی کچھ گہرائیاں ہوں۔"

"تم نے آج تک طاہر مقصود کی کوئی ایسی بات دیکھی ہے حِنا، جس سے تمھیں یہ شبہ ہو کہ طاہر مقصود فرخندہ بیگم کا دستِ راست ہو سکتا ہے؟" حِنا میرے اس سوال پر چند لمحات سوچتی رہی اور پھر بولی۔

"سچّی بات یہ ہے شارق کہ جب انسان کسی کے بارے میں نفرت بھرے انداز میں سوچے تو پھر اس کی ہر بات مشکوک لگنے لگتی ہے لیکن اگر سچّائی کا جائزہ لیا جائے تو بظاہر کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوتی جس سے میں طاہر مقصود پر شبہ کر سکوں اور پھر فرخندہ بیگم بھی شاید طاہر مقصود سے اپنے ذہنی جذبات کا اظہار نہیں کر سکیں۔ اگر ایسا ہوتا تو جاوید کو قتل کرنے کے سلسلے میں طاہر مقصود ان کا بہترین مُہرہ بن سکتا تھا لیکن انھوں نے اس پر بھی بھروسا نہیں کیا۔ بڑی ہی چالاک عورت تھی۔ خود ہی سارے میدان مار لینے کی کوشش کی تھی اس ڈائن نے۔" حِنا کی آنکھیں پھر نمناک ہو گئیں۔ بہر طور میں اُسے سمجھاتا رہا اور حِنا کی اس درخواست پر کہ ابھی میں اس کے ساتھ ہی

وقت گزاروں۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے جس حد تک ممکن ہو سکے گا میں تمھارا ساتھ دوں گا لیکن چند روز کی مصروفیات کے لیے میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھو نا، حِنا۔ مجھے بہت سارے معاملات سے نمٹنا ہوتا ہے۔ میں چند روز کے لیے ذرا مصروف رہوں گا۔ ان دنوں کے لیے مجھے معاف کر دینا۔"

"میں تمھاری کمی شدّت سے محسوس کروں گی۔ چند روز سے تمھاری کیا مراد ہے؟ کیا بالکل ہی ملاقات نہیں کرو گے؟"

"میں یہاں رہوں گا ہی نہیں۔ باہر جانا ہے ایک کیس کے سلسلے میں کچھ کام کرنے ہیں۔ میرا خیال ہے دو یا تین دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

"ٹھیک ہے وہاں سے واپسی کے بعد تو یہاں واپس آ جاؤ گے؟"

"ہاں۔"

"کب جا رہے ہو؟"

"شاید کل چلا جاؤں یا شاید پرسوں۔"

"پلیز! میری مدد کرو، ابھی مجھے تمھاری ضرورت ہے شارق مجھے تمھاری شدید ضرورت ہے۔"

"میں تمھارے ساتھ ہوں حِنا، میں خلوصِ دل سے تمھارے ساتھ ہوں۔"

"ٹھیک ہے کل مت جاؤ، پرسوں چلے جانا۔ مجھے تم سے کچھ کام بھی ہے۔" حِنا بولی اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں ایک آدھ دن باہر نہیں جاؤں گا۔

حِنا کو تسلیاں دینے اور رات کو واپس آنے کا وعدہ کر کے میں وہاں سے چلا آیا اور اس کے بعد میں نے ایک پبلک کال بوتھ سے غالب کو ٹیلی فون کیا۔ غالب اس وقت آفس میں موجود نہیں تھا۔ میں نے اُس کے لیے پیغام چھوڑ دیا اور خود اپنے فلیٹ پر چلا گیا۔ اُستاد جمو نے واپس آ چکے تھے اور گھریلو کاموں میں مصروف تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"میاں کیسا لگ رہا ہے الگ رہ کر؟"

"ابھی کچھ نہیں لگ رہا اس لیے اس بار میں الگ رہ ہی نہیں رہا۔ میں تو مہمان کی حیثیت سے آیا تھا۔ اب ذرا ان مصروفیات سے فراغت ہو جائے تو پھر اپنے گھر میں رہنے کے مزے لوٹیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے تمھارا کام ہی ایسا ہے لیکن عزیزم اس مشق کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اُستاد چند روز کی چھٹی۔"

"ہاں... ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعد میں اس سلسلے کو باقاعدگی سے جاری کریں گے۔" اُستاد کے ساتھ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ غالب کا ٹیلی فون آ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اس سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں۔ نتیجے میں میں نے غالب کو اپنے ساتھ رات کے کھانے کی دعوت دے دی۔

"واہ... واہ واہ یہ ہوئی نا بات، پتا ایک بار پھر ذہن نشین کرا دو۔ میں کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں۔" میں نے غالب کو اپنے فلیٹ کا پتا بتا دیا۔ اس نے ساڑھے آٹھ بجے میرے پاس پہنچنے کے لیے کہا۔

وقت کا پابند آدمی تھا۔ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے اس نے میرے دروازے کی بیل بجائی تھی۔ میں نے غالب کا استقبال کیا اور وہ اندر آ گیا۔ فلیٹ کو وہ بڑی تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس نے کہا۔

"آشیانہ چھوڑ کر یہاں رہنا کیسا لگ رہا ہے شارق صاحب؟"

"بس یوں سمجھو کہ ایک آزاد فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ جس گھونسلے کو آشیانہ کہا جاتا تھا وہاں بڑی زنجیریں ملی تھیں۔"

"بہر طور میاں اپنے اپنے ہی ہوتے ہیں۔ سوچ لینا۔ جج صاحب، ایس پی صاحب اور بیرسٹر صاحب تمھیں اتنی آسانی سے نہیں چھوڑیں گے اور پھر آئی جی صاحب، وہ تو بہت ہی سخت انسان ہیں۔"

"فکر نہ کرو غالب، انھیں مجھے چھوڑتے ہی بن پڑے گی۔" میں نے کہا اور غالب ہنسنے لگا پھر بولا۔

"کھانے میں کیا کیا پکوایا ہے؟ کوئی نوکر رکھا ہوا ہے ساتھ؟"

"نوکر نہیں، بھول کر بھی مت کہنا۔ میرے اُستاد میرے ساتھ ہیں اُستاد جمو تے۔"

"اوہو، اوہو مزے دار چیز ہوں گے یہ اُستاد۔ تو کیا یہ اُستاد باورچی خانے میں بھی اُستادی دکھاتے ہیں؟"

"میں نے کہا تو تھا کہ میرا ایک دوست آ رہا ہے۔ اس کے لیے بھی کچھ تیاریاں کرتی ہیں۔ اب دیکھیں اُستاد نے کیا تیر مارے ہیں؟"

تھوڑی دیر کے بعد اُستاد جمو نے کافی بنا کر لے آئے۔

غالب انھیں دیکھ کر چونک پڑا تھا پھر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔
"آپ... آپ، اُستاد چھوٹے؟"
"ہاں انسپکٹر صاحب، میں وہی چھوٹے ہوں۔"
"مسٹر غالب... مسٹر غالب، اُستاد میرے بہت قریبی عزیز ہیں۔ انھیں میرے عزیز کی حیثیت سے جان لو۔ اس سے زیادہ کچھ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔"
"لیکن اُستاد ہمیں بھی بہت سی اُستادیاں دکھا چکے ہیں۔" غالب نے کہا۔
"غالب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پہ غور کرو۔"
"اچھا اچھا بھائی... ٹھیک ہے۔" اُستاد آپ نے پکایا کیا ہے؟" غالب نے پوچھا۔
"ہر چیز پسند آئے گی، اطمینان رکھیے انسپکٹر صاحب۔" اُستاد چھوٹے نے کہا۔ مجھے بڑا ہی عجیب سا لگ رہا تھا۔ بے چارے اُستاد دوسروں کی نگاہوں میں تھے درحقیقت وہ نہیں تھے۔ بعض اوقات تقدیر انسان کو کس طرح بدل دیتی ہے۔ اُستاد چلے گئے اور ہم کافی پیتے ہوئے غالب سے گفتگو کرتے رہے۔ زیر بحث وہی فرخندہ بیگم کا معاملہ تھی۔ غالب نے مجھے اپنی کارروائی کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور میں غالب کو اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں بتلانے لگا۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"شارق جس طرح تم مناسب سمجھو کرو، ہر طرح کا تعاون تمھارے ساتھ ہے۔ کھانا اُستاد نے واقعی کمال کا پکایا تھا۔" غالب نے کھانے کی تعریف کرتے ہوئے اُستاد چھوٹے سے کہا۔
"آپ کے اگلے اور پچھلے سارے گناہ معاف، اس کھانے کو کھانے کے بعد۔" اُستاد چھوٹے مسکرا کر خاموش ہو گئے تھے۔ کھانے کے بعد غالب مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا۔ میرے اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی کافی تسلی بخش اور میرے پروگرام کے مطابق تھی۔ اس کے جانے کے بعد اُستاد چھوٹے نے کہا۔
"پولیس والوں سے میری خاصی گہری شناسائی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی پولیس والا مجھ سے مل کر اپنے کسی خدشے کا اظہار کرے تو تم اس کی صفائی پیش کرنے مت بیٹھ جایا کرو۔ یہ میرا اور ان کا معاملہ ہے جو تم ہم لوگوں کے درمیان ہی رہنے دو۔"
"اُستاد! آپ یقین کریں میں تو شرمندہ ہو جاتا ہوں۔"
"کمال ہے! قصور میں نے کیا اور شرمندہ تم ہو جاتے ہو، یہ بات ٹھیک نہیں ہے آئندہ اس کا خیال رکھا جائے۔"
"ٹھیک ہے اُستاد، جیسا آپ پسند کریں۔" میں نے کہا اور اس کے بعد خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

دوسرے دن تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک کا وقت میں نے حنا کی کوٹھی میں حنا کے ساتھ گزارا۔ طاہر دفتر گیا ہوا تھا۔ اس نے جاتے ہوئے حنا سے اجازت لے لی تھی جس کے بارے میں حنا نے خود مجھے بتایا۔ وہ کہنے لگی۔
"طاہر نے مجھ سے دفتر جانے کے بارے میں پوچھا تھا۔ بہت ہی افسردہ صورت بنائے ہوئے میرے پاس آیا اور کہنے لگا 'حنا جو غم تمھیں ملا ہے وہ اس کی اجازت تو نہیں دیتا کہ میں تم سے کوئی خاص گفتگو کروں لیکن بعض معاملات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انسان ان کے لیے مجبور بھی ہو جاتا ہے۔ کچھ دفتری امور ایسے ہیں جنھیں دیکھنا ضروری ہے چونکہ میں اس سلسلے میں کام کرتا رہا ہوں۔ بعد میں تم جو فیصلہ کرو گی مجھے خلوص دل سے منظور ہوگا کیونکہ جس ہستی کے راستے چل کر میں تم تک آیا تھا وہی تمھاری دشمن نکلی۔ اس لیے اب میں کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہوں لیکن اگر اجازت دو تو ان دفتری امور کو نمٹا لوں۔'"
"تم نے کیا جواب دیا تھا حنا؟"
"میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنا کام مسلسل جاری رکھے۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔"
"ٹھیک ہے، ظاہر ہے۔ باقی معاملات اپنی جگہ دفتری امور کو دیکھنا بھی ضروری ہے اور پھر حنا، جب تمھارے دل میں اس کے لیے کوئی بُرائی نہیں ہے تو ایک شخص جو ٹھیک ٹھاک زندگی گزار رہا ہے اُسے جاری رہنے دو۔ بعد میں یہ فیصلہ کرنا تمھارا کام ہوگا کہ تم طاہر کو اس کوٹھی میں رکھتی ہو یا نہیں۔ ظاہر ہے وہ فرخندہ بیگم کی وجہ سے یہاں تھا اور اب اس کے یہاں رہنے کا بظاہر کوئی جواز نہیں ہے بشرطیکہ تم چاہو۔" حنا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔
"شارق! بہر طور ابھی تو میری تنہائیاں نہ جانے مجھے کہاں کہاں رلائیں گی۔"
"ٹھیک ہے حنا فی الحال کوئی بڑی تبدیلی نہ کرو تو بہتر ہے۔" اس کے بعد میں حنا سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ میں نے اپنے طور پر کچھ کارروائیاں اس کوٹھی میں کر ڈالی تھیں اور مطمئن تھا

کہ رپورٹیں میری مرضی کے مطابق ملیں گی۔
اس کے بعد میں نے فاروقی صاحب کو اطلاع دی کہ میں فیصل آباد جا رہا ہوں اور پھر اسی شام میں فیصل آباد کے لیے چل پڑا۔ یہاں مجھے فرخندہ بیگم، اس کے والدین اور طاہر مقصود کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھیں۔
دوسرے دن میں نے اپنا کام شروع کر دیا اور اس سلسلے میں اتفاق سے مجھے خاطر خواہ کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ جو کچھ میں معلوم کرنا چاہتا تھا وہ بخوبی معلوم ہو گیا۔ اس لیے اب یہاں رُکنا بے کار تھا۔ چنانچہ میں نے واپسی کا بندوبست کیا۔
تیسرے دن اپنے شہر میں آ گیا۔ سب سے پہلے میں حنا ہی سے ملا تھا اور باقی معاملات بعد کے تھے۔ حنا کہنے لگی۔
"فاروقی صاحب نے مجھے بتا دیا تھا کہ تم کسی کام سے گئے ہو، کام ہو گیا تمھارا؟ کہاں گئے تھے؟"
"بس حنا! ظاہر ہے جو کچھ میں کر رہا ہوں اس کے لیے بہت سے جھگڑے نمٹانے پڑتے ہیں۔ ویسے اور کوئی تبدیلی رونما تو نہیں ہوئی؟"
"نہیں ابھی تک نہیں۔"
"تمھاری حالت اب کچھ بہتر معلوم ہوتی ہے؟"
"صبر جسے کہتے ہیں نا، شارق وہ مجبوری کا بدلا ہوا نام ہے۔ اگر انسان مجبور نہ ہو تو کبھی صبر نہ کر پائے۔"
"شاید۔" میں نے پُرخیال انداز میں حنا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
پورا دن اور اس کے بعد کی رات میں نے حنا ہی کے ساتھ گزاری تھی اور اس رات میں اپنی کارکردگی کا جائزہ بھی لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس کے بعد میرے لیے اس کوٹھی میں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔
تاہم دوسرے دن حنا کو اطلاع دیے بغیر میں وہاں سے آ گیا۔ حنا نے انتہائی کوشش کی تھی کہ میں ابھی چند روز اور اس کے ساتھ گزاروں لیکن میں نے اُسے جواب دیا۔
"حنا یہ میرے اور تمھارے دونوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ تم جب چاہو فاروقی صاحب کے دفتر میں مجھ سے رابطہ قائم کر سکتی ہو۔ اس کے علاوہ میں تمھارے سلسلے میں مزید کام بھی کر رہا ہوں۔ چنانچہ مجھے اجازت دے ہی دو تو بہتر ہے۔"
حنا نے بحالتِ مجبوری مجھے اجازت دے دی اور میں وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ اس کے بعد میں نے فلیٹ ہی کا رُخ کیا تھا۔
جب میں فلیٹ پہنچا تو اُستاد چھوٹے غالباً دفتر جا چکے تھے۔ فلیٹ کی دوسری چابی میرے پاس موجود تھی چنانچہ میں نے آرام کیا اور کافی گھنٹے آرام کرنے کے بعد ٹیلی فون پر فاروقی صاحب کو اپنی واپسی کی اطلاع دی۔
"کب پہنچے؟"
"بس یوں سمجھیے کافی دیر ہو گئی۔"
"دفتر نہیں آئے؟"
"اتنا ضروری نہیں تھا دفتر آنا۔ آج نہیں آؤں گا۔ آپ سنائیے کوئی خاص تحریک؟"
"ابھی تک کچھ نہیں۔ غالب نے ابھی تک تفتیش مکمل نہیں کی اور فرخندہ بیگم کے سلسلے میں اس کے دفتر کے چند افراد نے کوشش کی تھی جو ناکام رہی۔"
"کوشش!" میں نے سوالیہ انداز میں فاروقی صاحب سے پوچھا۔
"ہاں! اس کے ضمانت وغیرہ کے کاغذات داخل کیے گئے تھے۔ دفتر کے کچھ افراد ہیں جن میں فرخندہ بیگم کے شوہر کے زمانے کے ایک منیجر صاحب بھی ہیں جو اب منیجر کی حیثیت سے کام نہیں کرتے بلکہ طاہر مقصود کے آنے کے بعد انھیں ریٹائر کر دیا گیا ہے۔"
"اور اس کے علاوہ...؟"
"کچھ نہیں باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" فاروقی صاحب نے جواب دیا اور پھر ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔
معاملات حسب معمول چلتے رہے۔ غالب سے میرا مسلسل رابطہ تھا اور وہ اس سلسلے کی تمام تفصیلات بتاتا رہتا تھا۔ گھر والے یقینی طور پر اس بات پہ متفق ہو گئے تھے کہ میں زمانے کی ٹھوکریں کھاؤں اور اس کے بعد ایک اچھا انسان بن کر ان کے پاس پہنچوں۔ چونکہ ان تمام دلوں میں میرے لیے کوئی تمنا [illegible] فاروقی صاحب سے ملتا رہا ہوں۔ اگر میرے سلسلے میں کسی کارروائی کی ضرورت محسوس کی جاتی تو فاروقی صاحب سے رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا لیکن ادھر سے ایسی کوئی کوشش نہیں ہوئی تھی اور میں بھی اطمینان سے تھا۔ ظاہر ہے میری پہنچ ان لوگوں تک تھی اور جب کبھی میرے ذہن میں کبھی ان کے لیے کوئی احساس

پیدا ہوتا تو بھلا میرے لیے ان تک پہنچ جانا کیا مشکل تھا۔ چنانچہ راوی عیش ہی عیش لکھ رہا تھا۔

فرخندہ بیگم کو لاک اپ سے جیل میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ پولیس کی کارروائی تقریباً مکمل ہو گئی تھی۔ ایک بار عدالت میں انھیں پیش کر کے تین دن کا ریمانڈ بھی لیا گیا تھا۔ یہ تمام باتیں مجھے غالب سے معلوم ہو رہی تھیں اور جو کچھ کارروائی اس سلسلے میں ہو رہی تھی اس کی تمام رپورٹیں میرے پاس تھیں۔ حنا سے بھی تقریباً ہر روز ملاقات ہو جاتی تھی۔ کبھی فون پر اور کبھی آمنے سامنے۔ وہ فاروقی صاحب کے دفتر آ جایا کرتی تھی۔ اس کی طرف سے بھی کوئی خاص بات نہیں پتا چل سکی تھی۔ ویسے اس نے اپنے آپ کو اب سنبھال لیا تھا البتہ چہرے کی مُردنی دُور نہیں ہوئی تھی۔ پھر مجھے فرخندہ بیگم کی پہلی پیشی کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں۔

دو دن کے بعد میں نے ایک شام فاروقی صاحب کے ساتھ ایک نشست اپنے فلیٹ پر کی۔ میں نے اس سلسلے میں تمام کارروائیاں کر لی تھیں۔ میں نے جب کچھ کاغذات فاروقی صاحب کے سامنے پیش کیے تو وہ چونک کر میری صورت دیکھنے لگے۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"براہ کرم آپ ملاحظہ فرمالیجیے۔" میں نے فاروقی صاحب سے کہا اور فاروقی صاحب عجیب سے انداز میں مجھے دیکھ کر ان کاغذات پر جھک گئے۔ جُوں جُوں وہ کاغذات کا جائزہ لے رہے تھے ان کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار پھیلتے جا رہے تھے۔

"گک... کیا مذاق ہے بھئی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا؟"

"مذاق نہیں فاروقی صاحب ایک حقیقت ہے۔ میرا رجسٹریشن ہو چکا ہے اور اب میں ایک باقاعدہ وکیل ہوں۔ کسی بھی وکیل کے مقابلے میں مقدمہ لڑنے کے لیے۔ کیا آپ میرے اس حق کو تسلیم نہیں کرتے؟"

"سو فیصد کرتا ہوں بیٹے، سو فیصد کرتا ہوں لیکن... لیکن خدا کے لیے مجھے بتا دو یہ سب کیا ہے؟"

"کاغذات ہیں فاروقی صاحب اور اس سلسلے میں آپ کو کچھ کارروائیاں بھی کرنی ہیں۔"

"خدا کی پناہ! کوئی عقل میں آنے والی بات بھی ہو، میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا؟"

"وقت آپ کو بہت کچھ سمجھا دے گا فاروقی صاحب لیکن ان کاغذات کو لے کر آپ کو کل فرخندہ بیگم کے پاس جانا ہوگا۔"

"جیل میں؟"

"ہاں! اب جیل کا مسئلہ اتنا مشکل نہیں رہا ہے کیونکہ میرے تعلقات گھر سے خراب ضرور ہو گئے ہیں لیکن یہ خبر اخبارات میں نہیں شائع ہوئی۔ چنانچہ وقار احمد صاحب آپ سے مکمل تعاون کریں گے۔"

"لیکن فرخندہ بیگم! فرخندہ بیگم بھی کیا مجھ سے تعاون کریں گی؟"

"فرخندہ بیگم کی کیفیت کی تفصیل مجھے نہیں معلوم لیکن آپ کو یہ کاغذات بڑی چالاکی سے دستخط کرانے ہیں۔ فرخندہ بیگم کو اس کا علم نہ ہو تو بہتر ہے۔ ہاں سائن ہونے کے بعد اگر ایسی کوئی ضرورت پیش آ جائے تو آپ انھیں بتا دیجیے گا۔"

"لیکن میں سائن کرنے کے لیے انھیں مجبور کیسے کروں گا؟"

"آپ اسے عدالتی کارروائی قرار دیجیے۔ ویسے اس دوران فرخندہ بیگم سے ملاقات کا تو کوئی موقع نہیں ملا آپ کو؟"

"نہیں۔ حالانکہ مجھے اُن سے ملنا چاہیے تھا لیکن میں نہیں ملا۔ تعجب کی بات ہے کہ طاہر مقصود نے بالکل چُپ سادھ لی ہے۔ حالانکہ اُسے فرخندہ بیگم کی بھرپور مدد کرنی چاہیے تھی۔"

"طاہر کے بارے میں حنا مجھ سے کہہ رہی تھی کہ وہ ٹھیک ٹھاک نوجوان ہے اور خود اس بات پر شرمندہ کہ اس کی ایک عزیزہ نے حنا کو اس کے بھائی سے محروم کر دیا۔ چنانچہ وہ اس سلسلے میں تو کوئی کارروائی آگے بڑھ کر نہیں کر رہا۔"

"ٹھیک ہے بہرطور فاروقی صاحب یہ کوشش کیجیے گا، پوری ذمہ داری کے ساتھ۔"

"لیکن بھئی تم نے مجھے جو گھن چکر بنا کر رکھ دیا ہے اس کا میں کیا کروں؟"

"کچھ نہیں کیجیے، بس گھن چکر بنے رہیے۔"

"تعجب ہے! واقعی بے حد تعجب ہے۔" فاروقی صاحب نے پریشان لہجے میں کہا اور اس کے بعد وہ جب تک میرے پاس رہے وہ ایسی ہی گفتگو کرتے رہے۔ بات ان کے حلق سے کسی طرح نیچے نہیں اتر رہی تھی لیکن بالآخر میں نے انھیں اس کام کے لیے تیار کر ہی لیا۔

★★

دوسرے دن میری اُن سے دوپہر کو ملاقات ہوئی تھی۔ فاروقی صاحب نے میرے دیے ہوئے کاغذات میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"فرخندہ بیگم کو یہ نہیں پتا چل سکا ہے کہ یہ کاغذات کیسے ہیں۔"
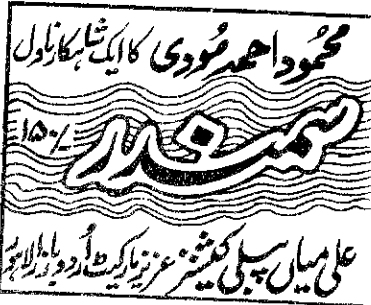
"ان کی کیفیت کیا تھی؟"

"پتھر کے بُت کی مانند ساکت و جامد، چہرہ سفید اور اُترا ہوا آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں، تمام رونق ختم ہو چکی ہے لیکن میاں یہ چکر جو تم نے چلایا ہے اس نے مجھے واقعی بدحواس کر دیا ہے اور میں پچھلی رات بالکل نہیں سو سکا۔"

"فاروقی صاحب یہ زیادتی ہے آپ کی۔ آپ کو اتنا زیادہ نہیں سوچنا چاہیے۔"

"کمال کے انسان ہو میاں! چکر ایسا چلایا ہے اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ نہ سوچوں اس بارے میں۔"

"کیا ان چکروں میں لطف نہیں آئے گا فاروقی صاحب؟"

"کمال ہے! میری سمجھ میں تو کچھ آ ہی نہیں رہا۔ آخر مجھے کیا کرنا ہے اس بارے میں؟"

"وہی جو آپ کی ذمہ داری ہے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اس طرح دھوپ میں لا کر مار گئے۔ اس بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔"

"کبھی کبھی انسان کو دھوپ بھی کھانی چاہیے فاروقی صاحب!" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب گردن ٹیڑھی کر کے خاموش ہو گئے۔

معمولات جاری رہے۔ فاروقی صاحب کی حیرتیں عروج پر تھیں۔ بہت سی بار تم سے اس کیس کے سلسلے میں معلومات حاصل کر چکے تھے۔ میں نے یہ بھی معلوم کیا تھا کہ فرخندہ بیگم نے اپنے لیے کسی وکیل کو مقرر کیا ہے یا نہیں لیکن پتا چلا تھا کہ فرخندہ بیگم سے بارہا پوچھا گیا لیکن انھوں نے کہا کہ میں کسی کو وکیل نہیں بنانا چاہتی۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی تھی۔ بالآخر وہ تاریخ آ گئی جس پر مجھے فرخندہ بیگم کے کیس کے سلسلے میں پیش ہونا تھا۔

حنا شعلہ جوالہ بنی ہوئی تھی۔ طاہر مقصود بھی حنا کے ساتھ ہی آیا تھا لیکن بجھا بجھا سا شیو بڑھی ہوئی، اس پر ایک عجیب سی مُردنی چھائی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس کی گاڑی پہنچ گئی جو فرخندہ بیگم کو ساتھ لائی تھی۔ فرخندہ بیگم ایک سادہ سے لباس میں ملبوس تھیں۔ ان کا چہرہ دیکھ کر نہ جانے کیوں مجھے ایک دُکھ کا احساس ہوا لیکن بہرطور انھیں ایک مجرمہ کی حیثیت سے لایا گیا تھا اور عدالت کا فیصلہ ہر طرح سے برتر و اعلیٰ ہوتا۔ فرخندہ بیگم کا کیس پیش کیا گیا اور عدالتی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ ابتدائی مراحل طے

ہونے اور پھر فاروقی صاحب نے حنا سعید کی طرف سے اپنا وکالت نامہ پیش کر دیا۔ وکالت نامہ جج صاحب نے اپنی تحویل میں لے لیا اور فاروقی صاحب کو اپنی کارروائی کا آغاز کرنے کی ہدایت کی۔ فاروقی صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔

"جناب والا! عدالت کے سامنے ایک قاتل کو پیش کیا گیا ہے جو ایک معزز شخصیت ہونے کے باوجود قتل جیسے بھیانک جرم کی مرتکب ہوئی ہے۔ فرخندہ سعید بیگ معاشرے کا ایک ایسا گھناؤنا کردار ہے جس کی مذمت جس حد تک کی جا سکتی ہے ضرور کی جانی چاہیے۔ مرحوم سعید بیگ نے اسے اپنی شریکِ زندگی اس لیے بنایا تھا کہ ان کے دونوں بچے جو ماں کی محبت سے محروم ہو گئے تھے اس کی ممتا کی زیرِ نگرانی پروان چڑھیں اور یقینی طور پر فرخندہ بیگم نے اُن سے وعدہ کیا ہوگا کہ بچوں کی سوتیلی ماں ہونے کے باوجود وہ ان کی مکمل نگہداشت کرے گی لیکن اس کے بعد اس نے کیا کیا، اس کی تفصیل ایک بھیانک کہانی کی مانند ہے جسے عدالت کے سامنے پیش کیا جانا ضروری ہے۔ جناب والا! سعید بیگ کی موت غیر متوقع تھی لیکن اس کے بعد فرخندہ بیگم کی بن آئی۔ یقینی طور پر اس نوجوان عورت نے سعید بیگ سے شادی صرف اس لیے کی تھی کہ اس کی بے پناہ دولت کی مالک بن کر زندگی عیش و آرام سے گزاری جائے۔ فرخندہ بیگم نے شوہر کا کانٹا نکل جانے کے بعد اس کے دونوں بچوں پر نگاہ کی اور اچھی طرح یہ اندازہ لگا لیا کہ اگر اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ ہے تو سعید بیگ کے دونوں بچے۔ جاوید سعید اور حنا سعید۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے جاوید سعید کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ ترتیب دیا۔ جاوید سعید کو خفیہ ذرائع سے ہیروئن جیسی لعنتی چیز کا عادی بنایا گیا اور آپ جانتے ہیں جناب والا کہ یہ چیز پوشیدہ طور پر بھی مختلف ذرائع سے انسانی جسم میں شامل کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد انسان اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

ہیروئن جیسی لعنت کا شکار بنانے کے ساتھ ساتھ ہی فرخندہ بیگم نے جاوید سعید کے لیے ایک ایسے زہر کا استعمال کرنا شروع کر دیا جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے اور یہ کارروائی اس کے لیے مشکل نہیں تھی کیونکہ وہ تمام لوگ ایک ہی چھت کے نیچے پناہ گزیں تھے۔ معصوم مقتول جاوید کو اس بات کا قطعی علم نہیں ہو سکا کہ اس پر کیا بیتی ہے۔ وہ اپنی سوتیلی ماں کی سازشوں کا شکار رہا اور آہستہ آہستہ گھلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی حالت بے حد خراب ہو گئی۔ حنا سعید نے پہلے تو بہت دن تک انتظار کیا کہ شاید جاوید کی حالت بہتر ہو جائے لیکن اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ منشیات کے علاوہ جاوید کو زہر بھی دیا جا رہا ہے۔ اس کا علم اُسے اُس وقت ہوا جب اس نے جاوید سعید کو نوید صدیقی صاحب کے کلینک میں معائنے کے لیے پیش کیا۔ نوید صاحب نے انکشاف کیا کہ جاوید صرف ہیروئن ہی کا شکار نہیں ہے بلکہ اُسے اس قسم کا زہر دیا جا رہا ہے جو انتہائی خوفناک ہے اور جس کے استعمال کا نتیجہ بالآخر موت ہے۔ نوید صدیقی نے اپنی انتہائی کوشش کر کے جاوید کی حالت بہتر بنانے کی کوشش کی اور حنا کو اس کی اطلاع دے دی گئی کہ جاوید صحت کی طرف مائل ہے۔ فرخندہ بیگم کو جب اس بات کا علم ہوا کہ ان کے کیے دھرے پر پانی پھر رہا ہے تو انھوں نے انتہائی اقدام کیا اور خفیہ طور پر نوید صدیقی کے کلینک میں داخل ہو کر جاوید کو زہریلا انجکشن دے کر اس کی زندگی ختم کر دی۔ جناب والا! اس کے بعد پولیس نے تفتیش کی اور پولیس آفیسر وں نے حقیقتوں کا سراغ لگاتے ہوئے چند اہم ثبوت فراہم کیے جن میں زہر کی وہ شیشی بھی موجود ہے جو فرخندہ بیگم کی خواب گاہ کے ایک پوشیدہ حصے سے برآمد کی گئی۔ اس کے علاوہ جب فرخندہ بیگم جاوید کو قتل کرنے کے لیے نوید صدیقی کے کلینک میں داخل ہوئیں تو جاوید یقیناً ہوش میں تھا۔ وہ فرخندہ بیگم کے خوفناک ارادے کو بھانپ گیا اور اس نے [illegible] کی کوشش کی جس کے نتیجے میں فرخندہ بیگم کا وہ لاکٹ جس پر فرخندہ بیگم اور سعید بیگ کی تصویر موجود ہے، ٹوٹ کر جاوید کے ہاتھ میں آ گیا اور فرخندہ بیگم کو بدحواسی کی وجہ سے اس کا احساس نہ ہو سکا چنانچہ مرحوم جاوید کی مٹھی سے پولیس نے وہ لاکٹ برآمد کیا۔ جناب والا! فرخندہ بیگم کا ماضی اور ان کی موجودہ کاوش اس بات کا مکمل ثبوت ہیں کہ فرخندہ بیگم نے اپنے گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جاوید سعید کو قتل کر دیا۔ یقیناً میری مؤکلہ حنا سعید بھی ان کی اس سازش کا شکار ہوتی لیکن فرخندہ بیگم ایک ذہین عورت ہیں۔ انھوں نے سوچا کہ پہلے ایک کو ختم کیا جائے۔ اگر بیک وقت دونوں موت کا شکار ہوتے تو کوئی بھی ان پر شک کر سکتا ہے۔ فرخندہ بیگم کی ذہانت اور مجرمانہ مہارت کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ انھوں نے جاوید سعید کی موت کے لیے جو زہر استعمال کیا وہ عام طور سے دستیاب نہیں۔ انھوں نے اسے کسی بیرونی ملک سے منگوایا تھا اور اس زہر کی خوبی یہ ہے کہ مرنے والے کے اندرونی اعضا پر اس کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے بلکہ وہ ہیروئن کی وجہ سے موت کا شکار محسوس ہوگا۔ یعنی فرخندہ بیگم نے پہلے مرحوم جاوید کو ہیروئن کا عادی بنایا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس زہر کا استعمال شروع کرا دیا تاکہ ان کا کام جلد از جلد ہو جائے اور کسی کو شائبہ تک نہ ہو بلکہ دُنیا صرف یہی کہے کہ جاوید کی موت ہیروئن کے استعمال کی وجہ سے واقع ہوئی۔ فاروقی صاحب نے انسپکٹر غالب سے درخواست کی کہ زہر کی شیشی اور لاکٹ محترم جج صاحب کے سامنے پیش کر دیں۔ معزز عدالت نے ان دونوں اشیا کا معائنہ کیا اور اس کے بعد جج صاحب کی آواز ابھری۔

"ملزمہ کی طرف سے وکیل کون ہے؟" عدالت میں موجود متعلقہ افراد کی نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔ تب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور ایک فائل لے کر جج صاحب کے سامنے پہنچ گیا۔

"میں ملزمہ کا وکیل ہوں جناب والا! میں نے یہ کاغذات معزز عدالت کے سامنے پیش کیے لیکن میرے ان الفاظ کا ردِ عمل لاتعداد دھماکوں کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ فرخندہ بیگم جو نڈھال سی گردن لٹکائے کٹہرے میں کھڑی ہوئی تھیں بُری طرح چونک پڑیں اور مجھے گھورنے لگیں۔ پچھلی کرسیوں پر بیٹھی ہوئی حنا ایک لمحے کے لیے کرسی سے کھڑی ہوئی اور پھر بے جان سے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ بلاشبہ مقصود کی چھپی چھپی آنکھیں میری جانب نگراں تھیں اور فاروقی صاحب کے چہرے پر ایسے آثار نظر آ رہے تھے جیسے کسی نے انھیں بھری عدالت میں بے لباس کر دیا ہو۔ ایک عجیب سی کیفیت یہاں موجود افراد پر چھا گئی تھی اور مجھے بڑا لطف آ رہا تھا۔ یہ میری زندگی کا پہلا ایسا مقدمہ تھا جسے میں وکیل کی حیثیت سے لڑنے والا تھا لیکن اس کا ردِ عمل جن لوگوں پر جس انداز میں ہوا تھا وہ واقعی ایک پُرلطف بات تھی۔

میرے یہ الفاظ عدالت میں موجود افراد پر جس طرح بھی اثرانداز ہوئے ہوں معزز عدالت کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ میں نے ایک سرسری سی نگاہ ان تمام لوگوں پر ڈالی تھی اور ان کی کیفیات سے لطف اندوز ہوتا ہوا جج صاحب کے سامنے مؤدب ہو گیا۔ جج صاحب نے وکالت نامہ اپنی تحویل میں لے کر کیس کا آغاز کرنے کی اجازت دی۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جناب والا! قانون کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے میرے ذہن میں قانون کے تحفظ اور اپنے مستقبل کے لیے بہت اچھے خیالات تھے لیکن عدالتوں میں وکالتوں کی زبان درحقیقت تہذیب کی زبان قرار نہیں دی جا سکتی۔ وکلاء ہر اس شخصیت پر جس کا جرم عدالت کے سامنے ثابت نہ ہوا ہو الزامات لگاتے ہوئے وہ زبان استعمال کرتے ہیں جو کسی بھی طرح مہذب زبان نہیں کہلا سکتی۔ دلائل پیش کرنے کے لیے ہمارے پاس وہ الفاظ بھی موجود ہوتے ہیں جن سے ہم کسی کی توہین کیے بغیر اپنا مقصد معزز عدالت پر واضح کر سکتے ہیں لیکن معاشرے کے گھناؤنے کردار کسی رعایت کے مستحق نہیں ہوتے کم از کم جرم ثابت ہونے کے وقت تک۔ اگر اس زبان سے پرہیز کیا جائے جو عدالتوں میں رائج ہے تو میرے خیال میں اس سے عدالتوں کا وقار بڑھتا ہے۔ معزز جج کے سامنے جو قوانین کی روشنی میں حقیقتوں سے واقف ہو کر اپنا فیصلہ سنانے ہیں۔ اچھی زبان کا استعمال ایک اچھے معاشرے کا اظہار کرتا ہے۔ خاص طور سے کسی خاتون کے لیے جو ایک باعزت اور معزز زندگی سے وابستہ ہو جس کی زندگی میں اس سے پہلے کسی بھی جرم کا داغ نہ لگا ہو ویسی زبان میں گفتگو کرنا نہ صرف ان خاتون کی بلکہ جج صاحب اور معزز عدالت کے وقار کی توہین ہے۔ جناب والا! قانون کا تحفظ کرنے والے [illegible] کی تہذیب بھی آپ کے [illegible] کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنا حق مانگتی ہے [illegible] آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ ایک معزز خاتون جو ایک باقاعدہ کاروبار کو سنبھال رہی ہیں اور جنھیں معاشرے نے کبھی گھناؤنے روپ میں نہیں دیکھا لیکن حالات نے ان کی پیشانی پر ایک داغ لگانے کی کوشش کی ہے۔ یہ داغ کچا بھی ہو سکتا ہے جناب والا! آپ کی باریک بین نگاہیں اس داغ کو صاف بھی کر سکتی ہیں۔ تو کیا یہ بات ضروری ہے کہ ان خاتون کو ایسے ہی الفاظ میں مخاطب کیا جائے جو ایک مکروہ اور گھناؤنی شخصیت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جناب والا، میری مؤکلہ پر الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے سوتیلے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ فاضل وکیل نے اس کا پس منظر بتاتے ہوئے کہا کہ خاتون فرخندہ بیگم جن کا تعلق فیصل آباد سے ہے، دولت کے لیے مرحوم سعید بیگ سے منسوب ہوئی تھیں اور ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت انھوں نے مرحوم سعید بیگ سے شادی کی اور اُن کی موت کے بعد اُن کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے ان کے دونوں بچوں کو راستے سے ہٹانا چاہا۔ میں عدالت کے قیمتی وقت کے تحفظ کے لیے بہت زیادہ گھماؤ پھراؤ اختیار کرنا نہیں چاہتا۔ جناب والا... سب سے پہلی بات میں عدالت کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری مؤکلہ فرخندہ بیگم، مرحوم سعید بیگ کے ایک ایسے ملازم کی بیٹی ہیں جو فیصل آباد میں مرحوم سعید بیگ کے کاروبار کی نگرانی کرتے تھے۔ فرخندہ بیگم کا ماضی ان کے اسکول سے کر کالج تک سرٹیفیکیٹ کی شکل میں موجود ہے۔ اور کوئی بھی شخص ان کے کردار پر کوئی داغ نہیں دکھا سکتا۔ اس شادی کا پس منظر بہت ہی واضح ہے اور اس کے لیے میں چند چیزیں عدالت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ایک فائل میں سے کچھ کاغذات نکال کر عدالت کے سامنے پیش کیے اور جج صاحب ان کاغذات کا جائزہ لینے لگے۔ متجسس نگاہیں جج صاحب کی طرف نگراں تھیں، تب جج صاحب نے مجھے گفتگو جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

"جناب والا! فرخندہ بیگم کے والد ایک نہایت نیک طبیعت اور دیندار آدمی تھے اور سعید بیگ کے ملازم کی حیثیت سے ایک طویل عرصے سے کام کر رہے تھے پھر اس کے بعد مرحوم کے کاروباری امور میں کوئی گڑبڑ ہوئی اور ایک معقول رقم غبن کر لی گئی اور اس کی تمام تر ذمہ داری [illegible] فرخندہ بیگم کے والد [illegible] مرحوم سعید بیگ [illegible] کاغذات سے ان کے دستخطوں اور تحریر کا جائزہ لیا جا سکتا ہے اور یہ دوسرا خط جناب والا! جو اس غبن کے تقریباً ڈھائی ماہ بعد فرخندہ کے والد صاحب کو لکھا گیا تھا۔ اس خط میں کھلی بلیک میلنگ کی گئی تھی۔ فرخندہ بیگم کے والد کو لکھا گیا کہ اگر وہ غبن کی رقم جمع نہیں کرتے تو پھر انھیں ایک اور [illegible]

پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اپنی بیٹی کی شادی مرحوم سعید بیگ سے کر دیں۔ یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد باقی معاملات بھلائے جا سکتے ہیں۔ دونوں خطوط کی تحریر یکساں ہے۔ جناب والا! یہ کچھ ایسے کاروباری کاغذات ہیں جو مرحوم سعید بیگ کی تحریر کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ براہِ کرم انھیں بھی ملاحظہ فرمائیے۔" میں نے چند کاغذات جج صاحب کے سامنے پیش کر دیے۔ اور جج صاحب ان دونوں خطوط سے اُن کاغذات کا موازنہ کرنے لگے تب میں نے کہا۔

"جناب والا! اس طرح یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ یہ شادی فرخندہ بیگم کے پروگرام کے مطابق نہیں تھی بلکہ اس کے لیے مرحوم سعید بیگ نے فرخندہ بیگم کے والد کو مجبور کیا تھا اور اس سلسلے میں اب میں فیصل آباد کے کچھ گواہ پیش کرنا چاہتا ہوں جنھیں میں نے خصوصی طور پر طلب کیا ہے۔"

"اجازت ہے۔" جج صاحب نے دلچسپی سے کہا۔

"ان گواہوں کے نام ہیں... چودھری عظمت علی اور محترم منشی مجید۔ یہ دونوں افراد اسی کمپنی میں ملازم تھے اور اب جبکہ فیصل آباد میں مرحوم کا کاروبار اُن کی موت کے بعد ختم ہو گیا تو یہ اپنے طور پر زندگی گزار رہے ہیں۔ میں نے فیصل آباد جا کر ان سے ملاقات کر کے صورت حال معلوم کی اور ان دیندار لوگوں نے یہاں آ کر عدالت میں گواہی دینا منظور کر لیا۔ منشی مجید آپ براہِ کرم کٹہرے میں تشریف لائیے۔" اور ایک کرسی سے ایک لمبے قد کے بزرگ صورت آدمی آ کر کٹہرے میں کھڑے ہو گئے۔ رسمی قسم لی گئی اور منشی مجید نے کہا۔

"جی ہاں جناب والا! میں تقریباً تیرہ سال مرحوم سعید بیگ کے دفتر میں کام کرتا رہا۔ میرا عہدہ کیشیئر کا تھا۔ یہ رقم خورد برد ہو گئی اور کاغذات کا تعلق مرحوم علی احمد ہی سے تھا۔ علی احمد صاحب بہت ہی اچھے آدمی تھے۔ جب غبن کا الزام ان پر لگا تو ہم میں سے کسی کو اس بات پر یقین نہیں آیا۔ تاہم کاغذات کی وجہ سے ہم خاموش رہے اور اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے بارے میں ہمیں زیادہ نہیں معلوم۔ بس علی احمد صاحب نے بتایا کہ ان کی بیٹی کی شادی سعید بیگ سے ہو رہی ہے۔ مالک کا معاملہ تھا ہم کیا کر سکتے تھے۔ شادی ہو گئی اور اس کے تقریباً سات مہینے بعد ہمارا ایک اسسٹنٹ کیشیئر کمپنی چھوڑ کر کویت چلا گیا۔ تب ہمیں معلوم ہوا کہ رقم اس نے غبن کی تھی اور اس کے بہت سے ثبوت بھی مل گئے تھے۔ علی احمد صاحب کی پوزیشن صاف ہو گئی تھی مگر وہ بے چارے بد دیانتی کی اس ذلت سے غم زدہ رہتے تھے۔ رسوائی کے اس گھاؤ نے انھیں بیمار کر ڈالا اور بالآخر ان کا انتقال ہو گیا۔ غبن کا معاملہ بالکل صاف ہو گیا تھا جناب! اگر آج بھی وہاں کے کاروبار کا ریکارڈ نکلوایا جائے تو اس میں یہ تمام تفصیلات موجود ہیں۔ بس ہم اتنا ہی جانتے ہیں۔" دوسرے گواہ چودھری عظمت علی نے کہا۔

"علی احمد تو بڑے ہی شریف انسان تھے جناب! وہ بدبخت ریاض الدین جس نے غبن کیا تھا، علی احمد کے پیچھے ہی لگا رہتا تھا۔ بعد میں پتا چلا کہ غبن اُس نے کیا ہے اور علی احمد صاحب کی پوزیشن صاف ہو گئی۔ علی احمد صاحب نے ہم سے مشورہ کیا تھا، میں نے ان سے کہا کہ بیٹی کو کم از کم اُس کی عمر کے آدمی کے ساتھ بیاہ دو لیکن علی احمد صاحب زیر بار تھے اور ہمیں تو بہت بعد میں یہ معلوم ہوا کہ انھیں پولیس میں صرف اسی لیے دیا گیا تھا کہ سعید بیگ ان کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔"

"جناب والا! ان دونوں گواہوں کے بیان نتیجہ طلب اور یہ کاغذات کم از کم اس بات کی نشاندہی تو کر دیتے ہیں کہ یہ شادی فرخندہ بیگم کا منصوبہ نہیں تھی بلکہ اس کے خواہش مند سو فیصد سعید بیگ صاحب تھے۔ میں فاضل وکیل کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ گواہان سے جرح کریں۔"

وکیل فاروقی صاحب اپنی جگہ سے اٹھے لیکن اسی وقت حنا سعید اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس دوران میں طاہر مقصود اُس سے کچھ گفتگو کرتا رہا تھا۔

حنا سعید نے کہا۔

"جناب والا! میں مقتول جاوید سعید کی بہن اور مرحوم سعید بیگ صاحب کی بیٹی ہوں۔ کچھ وجوہات کی بنا پر میں اس کیس کو اسی جگہ روکنا چاہتی ہوں اور آئندہ تاریخ کی خواہش مند ہوں۔"

جج صاحب نے چشمے کی آڑ سے حنا سعید کو دیکھا اور بھاری لہجے میں بولے۔

"اس بات کی کوئی خاص وجہ مس حنا سعید؟"

"جی ہاں جناب والا! کچھ ایسی ہی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے مجھے عدالت کی کارروائی میں مداخلت کرنی پڑی ہے۔"

"وجوہ بیان کی جائے۔" جج صاحب نے کہا اور حنا سعید

آگے آ گئی لیکن اُسے کٹہرے میں کھڑے ہونے کے لیے کہا گیا تھا۔

"جناب والا! میرے وکیل فاروقی صاحب ہیں لیکن اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ اس کیس کے سلسلے میں وہ قابلِ اعتماد نہیں چنانچہ میں ان کی وکالت منسوخ کرتی ہوں اور جب تک میں کسی نئے وکیل کا بندوبست نہ کر لوں اس کیس کو آگے بڑھانا نہیں چاہتی کیونکہ میرے بھائی کی قاتل میری سوتیلی ماں نے جس وکیل کو اپنے لیے مقرر کیا ہے، وہ وکیل فاروقی صاحب کے ساتھ وکالت کرتا ہے۔ اس شخص کے بارے میں میں عدالت کو بہت کچھ بتاؤں گی۔ یہ دونوں حضرات ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور میں اس بات پر قطعی اعتماد نہیں کر سکتی کہ ان میں سے ایک میرا وکیل ہو اور دوسرا فرخندہ بیگم کا۔ دونوں ملے ہوئے ہیں جناب والا! چنانچہ یہ حقائق کو جس انداز میں پیش کریں گے وہ میرے لیے تسلی بخش نہیں ہو گا۔"

جج صاحب نے گردن ہلائی اور سامنے رکھا فائل بند کرتے ہوئے بولے۔

"ٹھیک ہے۔ ان لوگوں کو تاریخ دے دی جائے۔"

حنا سعید کی یہ حرکت میں نے دلچسپ نگاہوں سے دیکھی تھی۔ وکیل فاروقی صاحب بُری طرح سٹ پٹا گئے تھے۔ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بہرطور یہ بات حقیقت تو تھی۔ جج صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے تھے۔ زنانہ پولیس فرخندہ بیگم کو ہتھکڑیاں لگا کر باہر لے گئی۔ میں نے فرخندہ بیگم سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میں وکیل فاروقی صاحب کے پاس موجود تھا۔ حنا سعید تولتی نگاہوں سے مجھے گھورتی ہوئی طاہر مقصود کے ساتھ باہر نکل گئی۔ پیش کار نے نئی تاریخ دے دی تھی اور اس کے بعد میں اور فاروقی صاحب باہر نکل آئے۔ وکیل فاروقی مسکرا رہے تھے۔ باہر طاہر مقصود اور حنا سعید ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ طاہر مقصود تیزی سے چلتا ہوا میرے نزدیک آ گیا۔ اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو تم وکیل ہو!"

"ہاں! فرخندہ بیگم کا وکیل۔ اسی لیے طاہر مقصود صاحب میں آپ سے کوئی گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ فاروقی صاحب میں بار روم جا رہا ہوں، آپ وہیں آ جائیے۔"

"آپ سے مجھے کچھ بات کرنی ہے فاروقی صاحب۔" طاہر مقصود نے کہا۔

"آپ لوگوں نے جس طرح اپنی ایک حماقت کی بنیاد پر عدالت میں میری توہین کی ہے اس کے بعد بھلا اس بات کی کیا گنجائش ہے کہ میں آپ سے کوئی بات کروں۔ دفتر آ کر اپنے کاغذات حاصل کر لیجیے۔ یہاں میں آپ سے کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔" وکیل فاروقی صاحب بھی تیزی سے میرے پیچھے پیچھے آ گئے تھے۔ ان کے یہ الفاظ میں نے بھی سنے تھے۔ بار روم میں پہنچ کر ہم ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ فاروقی صاحب نے مسکراتے ہوئے میری پیشانی چومی اور کہنے لگے۔

"خدا کی قسم شارق! شاید تم میرے جذبات کا صحیح اندازہ نہ کر سکو۔ شاید تم یقین نہ کر سکو۔"

"فاروقی صاحب اس قدر بے اعتمادی ہے مجھ پر!"

"نہیں بیٹے۔ میرا مطلب ہے۔"

"نہیں فاروقی صاحب، میں آپ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات پر یقین رکھتا ہوں۔"

"تو پھر میرا جی چاہتا ہے کہ آج سارے شہر میں مٹھائی تقسیم کر دوں، ہر شخص کو مٹھائی کھلاؤں۔ آج تمھارے مقدمے کا پہلا دن تھا لیکن شارق یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک انتہائی منجھا ہوا وکیل کمرۂ عدالت میں بول رہا ہو، جن... لوگوں نے تمھارے انداز کو دیکھا اُن سب کی آنکھوں میں تحسین کے آثار تھے۔ کم از کم میرے لیے یہ بات بے حد باعثِ مسرت ہے کہ میں تمھارے استاد کی حیثیت سے جانا جاتا ہوں۔ پس منظر چاہے کچھ بھی ہو۔ لوگ تو یہی سمجھتے ہیں۔"

"اور میرے لیے بھی یہ بات باعثِ فخر ہے وکیل صاحب کہ لوگ مجھے آپ کے شاگرد کی حیثیت سے جانیں لیکن آج جس طرح آغاز ہوا ہے۔ میں اس کے لیے بھی آپ سے شرمندہ ہوں۔"

"بیٹے، مجھے ذلیل مت کرو۔ میں تمھاری عظمت کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ آج جس طرح تم نے میری زبان بندی کی، خدا کی قسم اگر میں ایک صحیح وکیل کی حیثیت سے بھی اس وقت یہ کیس لڑ رہا ہوتا تو بوکھلا جاتا۔ فیصل آباد تم اس لیے گئے تھے۔ یہ کیا تھا تم نے وہاں جا کر، ان دونوں گواہوں کو کہاں ٹھہرایا ہے؟"

"منشی مجید کی بیٹی کی سسرال ہے یہاں پر اور چودھری عظمت منشی مجید کے بچپن کے دوست ہیں۔ میں نے ان دونوں سے کہا تھا کہ میں ان کے قیام کا بندوبست کر دوں گا لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا۔ اب یہ لوگ وہیں چلے جائیں گے۔"

"بہرحال بڑے مضبوط پیرائے میں تم نے اس کیس کا آغاز کیا ہے۔ خدا تمھیں کامیابی نصیب کرے۔"

"دیکھنا یہ ہے فاروقی صاحب کہ اب میرے مدِ مقابل کون آتا ہے۔"

"جو بھی ہوگا شکست کھائے گا۔ مجھے اس بات پر یقین ہے۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"ویسے مجھے حنا سعید کی اس جرأت پر حیرت ہے۔ فاروقی صاحب! میں سمجھتا تھا کہ ایک آدھ پیشی تو نکال ہی جائے گی اور اس کے بعد اُسے اپنی حماقت کا احساس ہوگا۔ لڑے گی جھگڑے گی لیکن اس نے جس جرأت مندانہ انداز میں فوراً ہی اس بات کا اظہار کر دیا اس سے اس کی شخصیت ظاہر ہوتی ہے کہ حنا کافی ٹیڑھی کھیر ہے۔" فاروقی صاحب پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے تھے۔ پھر وہ بولے۔

"اور تمھارا سامان وغیرہ؟ میرا مطلب ہے وہ سامان جو حنا سعید کے گھر پر تھا؟"

"احمق تو نہیں ہوں۔ آہستہ آہستہ سب نکال لایا اب بھلا وہاں گھسنے کا کیا تصور ہے۔ ایک رات بھی اگر وہاں رک گیا تو دوسری صبح میری لاش ہی برآمد ہوگی۔" فاروقی صاحب کچھ نہیں بولے تھے۔ بار روم کا وقت ختم ہوگیا تو ہم دونوں اپنے دفتر کی جانب چل پڑے۔

* استاد چھمو نے کرسی پر دراز آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے ان سے خیریت پوچھی تو انھوں نے کسی مؤکل کے بارے میں اطلاع دی جس نے تین بجے کا وقت دیا تھا۔ یہ ایک بالکل غیر متعلق شخصیت تھی چنانچہ میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور پھر میں فاروقی صاحب سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

غالب سے ملاقات کرنی تھی مگر غالب پولیس اسٹیشن پہ نہیں ملا۔ میں اس کے لیے پیغام چھوڑ آیا تھا چنانچہ رات کو ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے غالب میرے فلیٹ پہنچ گیا۔ اُستاد [illegible] کھانا تیار کیا تھا۔ غالب نے [illegible] داخل ہوتے ہی باورچی خانے کا رخ کیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

"بھائی پولیس والوں کا پیٹ بڑا وسیع ہوتا ہے اور ہم لوگ پہلے اپنے کھانے پینے کا جائزہ لے لیتے ہیں۔ اب ذرا بات چیت میں مزہ آئے گا کیونکہ باورچی خانے سے بڑی اچھی اچھی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔ ویسے استاد تمھاری اُستادی ہمارے شارق کے باورچی خانے میں خوب چل رہی ہے لیکن کہیں اپنے یار کو کوئی لمبی اُستادی مت دکھا جانا۔ کھانے کھلا کھلا کر تم پولیس کو بھی اپنا ہم نوا بنا لو گے۔" میں نے غالب کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے ساتھ لیتے ہوئے اندر آگیا۔ پھر میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"غالب! میری جان تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ قبول کر لوگے تو تمھارا بڑا احسان مانوں گا۔"

"ارے بولو بھائی جی! تم تو صرف حکم دیا کرو اپنے غالب کو۔" غالب نے ترنگ میں کہا لیکن میں سنجیدہ رہا۔

"اُستاد کے بارے میں تم کچھ بھی نہیں جانتے غالب! کچھ بھی نہیں۔ وہ ایک ستم رسیدہ انسان ہیں۔ مجرم نہیں تھے مجرمانہ ذہنیت کبھی نہیں رکھتے تھے۔ جوان بیٹوں نے [illegible] کی عزت کر ڈالی تو انتقام پر آمادہ ہوگئے اور صرف بیٹوں کی غیرت کو ابھارنے کے لیے انھوں نے جرم کی راہ اختیار کی تھی۔ جیل میں رہ کر وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ وہ جوان بیٹوں کے باپ ہیں لیکن چوری اور جرائم کر کے پیٹ کا دوزخ بھر رہے ہیں۔ وہ صرف ایک انتقامی کارروائی تھی غالب جو انتہائی شدید حالات میں ذہنی توازن خراب ہو جانے کی وجہ سے عمل میں آئی تھی ورنہ یہ شخص فطرتاً بہت نیک ہے۔ اگر تم سنجیدگی سے میری بات پر توجہ دو تو تک یہ کہنے میں عار نہیں محسوس کروں گا کہ میرے لیے وہ ایک باپ ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرے یار! اگر تم میرے باپ کو ذلیل کرنے میں خوشی محسوس کرو گے تو پھر میں خاموشی اختیار کر لوں گا۔" غالب کے چہرے پر ایک دم شرمندگی کے آثار اُبھر آئے تھے۔ اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"اپنا قصور نہیں ہے بھائی جی! ان الفاظ پر تم نے کبھی اُستاد کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ آج سے تم دیکھ لینا، ہم ان کی عزت کریں گے مگر وہ [illegible] ذرا نام پتا بتا دو۔ کچھ دن کے لیے اندر کر [illegible] گا کہ دماغ درست ہو جائیں گے۔"

"نہیں غالب! یہ صفحہ اب بند ہو چکا ہے۔ اُستاد میرے پاس خوش ہیں بس میں چاہتا ہوں کہ ان کے دل پر زخم نہ لگے۔"

"اور نہیں لگے گا بھائی جی! تم پروا مت کرو۔ بات ختم ہو گئی۔ کہو آج کا کام کیسا رہا۔ اطمینان ہے تمھیں؟"

"ہاں غالب۔"

"پر یار، یہ کیا نام ہے اس کا، بیگم صاحبہ کا۔ فرخندہ بیگم۔ کیا واقعی بے گناہ ہے۔ تمھیں یقین ہے اس بات کا؟"

"حالات اس حقیقت کو ثابت کر دیں گے غالب! وقت سے پہلے کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"پر یار تمھاری جاسوسی کی مہم بھی چل رہی ہوگی نا فیصل آباد سے یہ بندے کیسے پکڑ لائے تم۔ بڑی مشکل پڑی ہوگی اس میں تو۔ انوکھے ہی وکیل ہو۔ میرا خیال ہے بڑے بڑوں کے کان کاٹ لوگے۔ آج تو مزہ آگیا عدالت میں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اب ذرا کھانے کے بارے میں پوچھ لو کتنی دیر لگے گی۔"

استاد چھمو نے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے اور انھوں نے کہا۔

"بس انسپکٹر صاحب، دس پندرہ منٹ اور لگ جائیں گے۔ چائے یا کافی کے لیے پوچھنے آیا تھا۔"

"نہیں اُستاد جی! چائے کافی پینے سے بھوک مر جائے گی . . . آپ ہمیں تو کھانا ہی کھلاؤ بس۔" غالب نے کہا اور اُستاد چھمو نے واپس چلے گئے۔ ان کے چہرے سے ایک عجیب سا اظہار ہو رہا تھا جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ انھوں نے میری اور غالب کی باتیں سُن لی ہیں۔ بہر طور یہ اچھی بات تھی کہ انھیں میرے جذبات کا علم ہو چکا تھا۔ اب وہ شاید مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ آج بھی کھانا خوب تھا۔ غالب تعریفیں کرتا رہا۔ ہم نے لاکھ چاہا کہ استاد ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائیں لیکن انھوں نے سختی سے منع کر دیا تھا اور خادموں ہی کی طرح کام کرتے رہے۔ رات کو جب غالب چلا گیا اور استاد کھانے سے فارغ ہو گئے تو میں نے ان سے کہا بھی کہ یہ دُہری محنت میرے لیے ناقابلِ برداشت ہے یا تو انھیں دفتر چھوڑنا ہوگا یا پھر کھانا وغیرہ پکانے کے لیے کسی ملازم کو رکھا جائے گا۔" اُستاد سنجیدگی سے بولے۔

"دیکھو میاں! ہم جو کر رہے ہیں، اپنی خوشی سے کر رہے ہیں جس دن کام سے تھکن محسوس کریں گے تو تم سے صاف صاف کہہ دیں گے فضول باتیں کر کے ہماری کھوپڑی مت گھمایا کرو۔"

"جی اُستاد۔" میں نے مؤدب ہو کر کہا۔

★★

دوسرے دن خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ اُستاد نے گریبان پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

"بد حرام ہو جاؤ گے۔ یہ دیر سے اٹھنا تو میں کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ صبح پونے سات بجے منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہو جاؤ۔ اس سے زیادہ کا وقت نہیں دے سکتا۔ کمرہ میں نے تیار کر لیا ہے۔ جو کام تم نے شروع کیا ہے اُسے اُدھورا نہیں چھوڑنے دوں گا۔"

"کک۔ کون سا کام اُستاد؟"

"بس بدن کو چست رکھنے کے لیے تمھیں ورزش کرنا ضروری ہے تیسرے کمرے میں آ جاؤ۔" میں نے جلدی سے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا۔ تیسرا کمرہ ہال کی حیثیت رکھتا تھا اور اس ہال میں اُستاد نے مجھے بنوٹ سکھانے کے انتظامات کر رکھے تھے۔ کچھ نئی چیزیں دیوار پر سجی گئی تھیں۔ میں دلچسپی سے انھیں دیکھنے لگا۔ اُستاد لنگوٹ باندھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔ مجھے بھی لنگوٹ باندھ کر ان کے سامنے آنا پڑا۔ فرش پر بہترین قسم کا موٹا قالین بچھا ہوا تھا جو نہ جانے کب یہاں آیا تھا۔ استاد مجھے بنوٹ کے گر سکھانے لگے اور میں سب کچھ بھول کر ساڑھے آٹھ بجے تک ان کے ساتھ مصروف رہا۔ اُن کے اس فن کو تو میں پہلے ہی دل سے تسلیم کر چکا تھا۔ آج اُستاد نے مجھے نئی چیزیں سکھائی تھیں۔ بہرحال ساڑھے آٹھ بجے جان چھوٹی اور میں غسل خانے میں داخل ہوگیا۔ نہا دھو کر نکلا تو ناشتا تیار تھا۔ اُستاد نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس میاں! میں ناشتا کر کے دفتر چلتا ہوں کتنی دیر میں پہنچو گے؟"

"دیر سے آؤں گا اُستاد! کچھ دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور اُستاد گردن ہلا کر باہر نکل گئے۔ پھر نو بج کر بیس منٹ پر وہ فلیٹ سے نکل کر چلے گئے تھے۔ میں ان کے جانے کے بعد کاہلوں کے سے انداز میں بیٹھا سوچتا رہا کہ مجھے کیا کام کرنے ہیں۔ کوئی کام ہی ذہن میں نہیں تھا۔ ایک بار دل میں آیا کہ فرخندہ بیگم سے ملاقات کروں لیکن پھر مناسب نہیں سمجھا تھا۔ فرخندہ بیگم سے ملاقات کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔ انھوں نے میرے وکالت نامے کی تردید نہیں کی تھی۔ چنانچہ ٹیلی فون پر فاروقی صاحب سے بات چیت کی۔ کوئی خاص کام نہیں تھا اس لیے فلیٹ پر ہی پڑا رہا۔ ڈھائی بجے کے قریب تیار ہو کر باہر نکل آیا۔

رُخ فاروقی صاحب کے دفتر ہی کی سمت تھا۔ فاروقی صاحب کورٹ سے واپس آ چکے تھے۔ استاد چھمو نے اپنے کام پر مستعد تھے۔ چائے پیتے ہوئے میں نے ان سے حنا سعید کے بارے میں پوچھا تو فاروقی صاحب نے بتایا کہ حنا سعید نے نہ تو ٹیلی فون کیا اور

ناہی کسی اور طریقے سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔"
"ویسے یہ بات ذرا تعجب خیز ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ابھی تک حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھل نہیں سکی ہے۔"
"نہیں شارق! یہاں مجھے تم سے اختلاف ہے۔ وہ حیران ہوکر سوچنے کی عادی نہیں معلوم ہوتی بلکہ جس طرح اس نے عدالت میں فوری عمل کر ڈالا اسی طرح اب اس سلسلے میں بھی کچھ نہ کچھ کارروائیاں بھی کر رہی ہوگی۔ ویسے میری رائے ہے کہ تم محتاط رہو۔"
"کہاں کی باتیں کر رہے ہیں فاروقی صاحب، ایک لڑکی کا معاملہ ہے۔ بھلا میں اس سے کیا مرعوب ہو سکوں گا۔ مجھے تو نہ جانے اس زندگی میں کتنے لوگوں سے واسطہ پڑے گا۔ براہ کرم آپ میری ہمت بندھاتے رہا کریں۔" فاروقی صاحب مسکرانے لگے تھے۔

*

فرخندہ بیگم سے ملاقات کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی تھی۔ فاروقی صاحب نے بھی اُن سے ملاقات نہیں کی تھی۔ ہم لوگ ابتدا میں حنا اور طاہر مقصود کا انتظار کرتے رہے لیکن اُن دونوں میں سے کسی نے بھی دفتر کا رُخ نہیں کیا تھا۔ البتہ میری مصروفیات پھر سے شروع ہوگئی تھیں۔ میں اپنی سوچ کے مطابق عمل کر رہا تھا اور اس سلسلے میں مجھے کافی بھاگ دوڑ کرنی پڑ رہی تھی۔ مختلف لوگوں کو میں نے اپنے جال میں پھانسا تھا اور اُن سے اس کیس کے سلسلے میں مدد لے رہا تھا اور مجھے اس سلسلے میں خدا کے فضل سے خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ لیکن حنا سعید کی کوٹھی کے کسی ایسے شخص کو اپنا رازدار نہ بنا سکا جس سے مجھے یہ معلومات حاصل ہو سکتیں کہ حنا سعید نے کون سے نئے وکیل کا بندوبست کیا ہے۔ ذہن میں کوئی تصور بھی نہیں تھا لیکن دوسری پیشی میں عین اس وقت جب فرخندہ بیگم کا کیس پیش ہونے والا تھا، بیرسٹر نصرت حسین کو کمرۂ عدالت میں داخل ہوتے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ بیرسٹر صاحب کی آمد ممکن ہے کسی اور سلسلے میں ہوئی ہو لیکن کیس کی ابتدا پر جب انھوں نے اپنے کاغذات جج صاحب کو پیش کیے اور خود کو مقتول جاوید سعید کی وکالت کے لیے مخصوص کیا تو ایک لمحے کے لیے میرے اوسان خطا ہوگئے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے مقابلے میں یہ پھندا کیس مجھے مہنگا بھی پڑ سکتا تھا۔ حالات کچھ بھی تھے، میں اپنے بھائی کی دل سے عزت کرتا تھا لیکن یہ کیفیت مجھ پر صرف چند لمحات

طاری رہی۔ یہاں پھر وہی اختلاف آ کھڑا ہوا تھا کہ ایک وکیل کو صرف وکیل ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایک انسان بھی ہونا چاہیے۔ مقتول جاوید سعید کی طرف سے پیش ہوتے ہوئے انھیں اس بات کی بھی چھان بین کر لینی چاہیے تھی کہ خود فرخندہ بیگم کا کردار کیا ہے۔ پتا نہیں نصرت حسین صاحب کو یہ بات معلوم تھی یا نہیں کہ ان کا مدمقابل ان کا ناتجربہ کار بھائی ہے۔ ممکن ہے حنا سعید نے انھیں میرا نام بتایا ہو لیکن ان کے تصور میں بھی یہ بات نہ آ سکی ہو کہ میں اُن کے سامنے مقدمہ لڑوں گا لیکن جب کیس پیش ہوا اور بیرسٹر نصرت حسین کے سامنے مجھے کھڑا ہونا پڑا تو ان کی طنز بھری نگاہیں اور طنزیہ مسکراہٹ اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ وہ حقیقت جانتے ہیں اور واقعی میری یہ سوچ غلط تھی کہ انھیں صورتحال معلوم نہیں ہوگی۔ اگر وکیل فاروقی کے حوالے سے شارق حسین کا نام حنا سعید نے ان کے سامنے لیا ہوگا تو انھوں نے اندازہ لگا لیا ہوگا۔ بیرسٹر صاحب کے سامنے ایک فائل رکھا ہوا تھا۔ جج صاحب نے کیس کی کارروائی کی اجازت دی اور مسکرا کر بولے۔
"محترم وکیل شارق حسین نے پچھلی بار عدالت عالیہ سے درخواست کی تھی کہ ملزم پر جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے اسے نفرت کا نشانہ نہ بنایا جائے اور اس کے لیے ایسے الفاظ نہ استعمال کیے جائیں جو اس کی توہین کرتے ہوں۔ میں ابھی اس بات کو قانون کا درجہ تو نہیں دے سکا لیکن اپنے طور پر یہ ہدایت کرتا ہوں کہ الزامات عائد کرتے ہوئے کم از کم توہین آمیز زبان نہ استعمال کی جائے۔"
"معافی چاہتا ہوں محترم جج صاحب، کیا وہ مہذب الفاظ متعین کر دیے گئے ہیں؟ کیا ملزمہ سے یہ کہنا پڑے گا کہ محترمہ عزیزہ آپ نے اپنے سوتیلے بیٹے کو اس بیدردی سے کیوں قتل فرمایا، یا ایسی کون سی مجبوری لاحق تھی کہ آپ کو یہ کام خود کرنا پڑا۔ کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ کسی مناسب شخص کو اس کام کے لیے متعین کر دیتیں۔" عدالت میں قہقہے گونج اٹھے تھے۔ جج صاحب بھی مسکرا رہے تھے۔ انھوں نے کہا۔
"نہیں بیرسٹر صاحب، بات صرف اتنی سی ہے کہ اگر ملزمہ کے ماضی کی چھان بین کی گئی ہو اور اس کے بارے میں کچھ کہنا ہو تو کم از کم ایسے الفاظ میں کہا جائے جو کسی کو ناگوار نہ گزریں۔ حقیقت تو بہرحال بیان کرنا ہی ہوگی۔"

"پچھلی بار جب یہ کیس پیش ہوا تھا تو مقتول کی طرف سے جناب فاروقی صاحب، وکیل کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے۔ وکالت کے پیشے میں کسی بھی قسم کا گٹھ جوڑ انتہائی گھناؤنا فعل قرار دیا جاتا ہے۔ وکیل کوئی بھی ہو اپنے مؤکل کا رازدار ہوتا ہے اور اس کی بہتری کے لیے عمل کرتا ہے۔ جناب والا۔ کیا گٹھ جوڑ کی ایک بدترین مثال قائم نہیں کی گئی؟ کیا وکالت کے تقدس کو اس انداز میں مجروح نہیں کیا گیا؟"
"یہ ایک بالکل ہی مختلف بحث ہے اور اس کیس سے اس بحث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ بیرسٹر صاحب آپ اس مسئلے کو عدالت میں نہ اٹھائیں۔ اور کیس کا آغاز کریں۔"
"معزز عدالت کے سامنے پچھلی بار دو گواہوں کو پیش کیا گیا تھا۔ میں نے درخواست کی تھی کہ ان دونوں گواہوں کو طلب کیا جائے۔ کیا وہ گواہ موجود ہیں؟"
"جی ہاں! گواہوں سے سمن تعمیل کرائے گئے ہیں۔" پیشکار نے اپنے سامنے رکھا ہوا فائل دیکھ کر کہا۔
"اُن گواہوں کو طلب کیا جائے۔" بیرسٹر نصرت حسین بڑے اعتماد سے بولے اور پہلے چودھری عظمت علی کو گواہوں کے کٹہرے میں طلب کر لیا گیا۔
"چودھری عظمت علی صاحب آپ کا تعلق فیصل آباد سے ہے؟" بیرسٹر نصرت حسین نے پوچھا۔
"ہاں جی! وہیں کے بندے ہیں ہم۔"
"کیا کرتے تھے آپ وہاں؟"
"نوکری کرتے تھے۔"
"اب کیا کرتے ہیں؟"
"آرام کرتے ہیں جی۔"
"کیا آپ نے اپنی نوکری سے اتنی دولت کمالی کہ آپ کا بڑھاپا سکون سے گزر رہا ہے؟"
"نہیں جی، اللہ کے فضل وکرم سے اپنے تین بیٹے ہیں ایک کھیتی باڑی کرتا ہے اور دو ملازمت کرتے ہیں۔ شریف لوگ ہیں جی ہم اور ہمارے بیٹے بھی ہمارا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ دو کی شادی کر دی ہے ہم نے۔ بڑے کے تین بچے ہیں۔ سب سے بڑے کی عمر گیارہ سال ہے اور اس کا نام رمضان علی ہے۔" چودھری عظمت علی نے سادگی سے بتایا اور کمرۂ عدالت میں پھر قہقہے گونج اٹھے۔
"چودھری عظمت علی صاحب، ہر چند کے آپ کے بیٹے آپ کا بڑا خیال رکھتے ہوں گے لیکن کیا آپ ذاتی طور پر آپ کچھ نہیں کرتے؟"
"بس اب ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔"
"لیکن آپ نے اس بار کاروبار کیا کیا ہے؟"
"کیسا کاروبار جی؟"
"کیا وکیل صاحب نے آپ لوگوں کو کراچی بلانے کے لیے کوئی رقم پیش نہیں کی؟"
"ہاں جی کی ہے، تین ہزار روپے دیے ہیں انھوں نے اور آنے جانے کا کرایہ الگ مگر اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہے جی۔"
"جناب والا! گواہی کی قیمت تین ہزار روپے فیصل آباد سے آنے جانے کا کرایہ، مجھے یقین ہے کہ دوسرے گواہ کو بھی یہی پیشکش کی گئی ہوگی۔ کرائے کے گواہ حاصل کر لینا اس دور میں کوئی مشکل کام نہیں ہے اور یہ بات ایک لمحے میں جناب والا کے سامنے ثابت ہوگئی کہ گواہوں کو رقم دے کر گواہی کے لیے تیار کیا گیا ہے۔"
"او نہیں جی بھائی صاحب ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ہم نے تو منع کیا تھا، پر وکیل صاحب بولے کہ ہمارے کراچی میں رہنے کے اخراجات بھی ہوں گے۔ ہم مجید بھائی کی بیٹی کے گھر رہ رہے ہیں۔ پر جی بیٹیوں کے گھر رہ کر بیٹیوں پر بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ ہم نے ان کے لیے بھی بہت کچھ کیا ہے اور پھر آتے ہوئے پیسے کسے بُرے لگتے ہیں۔"
"بالکل ٹھیک کہا چودھری صاحب آپ نے۔ آتے ہوئے پیسے کسے بُرے لگتے ہیں اور اگر اس کے لیے تھوڑا سا جھوٹ بول دیا جائے تو کوئی ایسا خاص نقصان بھی نہیں ہوتا۔ ہاں تو کیا کہا تھا میرے فاضل وکیل نے آپ سے؟ آپ نے جو گواہی دی آپ کو یاد ہے؟"
"کمال ہے جی! کوئی ہم نے جھوٹ بولا تھا۔ آج کی بات تو نہیں ہے وکیل جی۔ آپ فیصل آباد چلے جاؤ۔ بہت سے لوگ ایسے مل جائیں گے جو یہ بات آپ کو بتائیں گے کہ ہم سعید بیگ صاحب کے دفتر میں نوکری کرتے تھے اور پھر جی ہمارے پاس وہ کاغذات بھی موجود ہیں۔ آپ نے یہ بات کیسے کہہ دی کہ تین ہزار روپے کے لیے ہم جھوٹی گواہی دینے آئے ہیں۔ ہم لعنت بھیجتے ہیں جی تین ہزار روپے پر۔ غریب آدمی ہیں مگر عزت نہیں بیچتے پھرتے۔ ہم نے گواہی

کے تین ہزار روپے تھوڑی لیے ہیں۔ وہ تو وکیل صاحب نے ہم سے کہا کہ ہمارا جو ٹائم خراب ہوگا اس کے لیے ہمیں تین ہزار روپے دیے جائیں گے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ بعد میں ایسے طعنے برداشت کرنے پڑیں گے۔"

"بہت خوب، بہت خوب۔ آپ لوگ بہت اچھے لوگ ہیں۔ بالکل سچی گواہی دینے آئے ہیں آپ، تین تین ہزار روپے کے حساب سے۔" نصرت حسین صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا۔ پھر منشی مجید کو طلب کیا گیا اور وہ کٹہرے میں آکھڑے ہوئے۔

"آپ تو اپنی بیٹی کے لیے بہت سے تحائف لائے ہوں گے منشی صاحب، کیا خیال ہے آپ کا۔ آپ اس شادی کے بارے میں جو کہانی لے کر آئے ہیں۔ اس سے آپ کو دکھ نہیں ہوا؟"

"وکیل صاحب، جاہل آدمی نہیں ہوں میں۔ خدا کے فضل سے اس وقت میں نے بی اے پاس کیا تھا جب آپ انگوٹھا چوستے ہوں گے۔ جہاں تک تین ہزار روپے قبول کرنے کی بات ہے تو صاحب، انسان لالچ کا پتلا ہے۔ بے شک یہ بات میرے دل میں بھی آئی تھی کہ کراچی آنے جانے میں کافی دقت ہوگی اور پھر کسی کیس کی گواہی دینے کے لیے عدالت کے لمبے چکر کاٹنے پڑتے ہیں۔ عمر اس قابل نہیں رہی کہ اب رفاہی کام کیے جائیں لیکن جب یہ پتا چلا کہ معاملہ کچھ ایسا ہے کہ کسی پر کوئی الزام عائد ہو رہا ہے تو مجبوری ہوگئی اور پھر تین ہزار روپے کی پیش کش نے وہ تمام کسر دور کر دی جو تھوڑی بہت طاری تھی۔ محترم وکیل صاحب، ہر شخص کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتا ہے اور پھر سچی بات عدالت میں کہنی تھی۔ آپ لوگ بے چارے علی احمد پر کوئی بھی الزام لگا دیں۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں ہے لیکن میں کھلی زبان سے یہ بات کہتا ہوں کہ علی احمد کو مجبور کر کے اس کی بیٹی سے شادی کی گئی تھی۔ یہ اگر کوئی جھوٹی بات ہے تو قاضی جی بھی موجود ہیں جنھوں نے نکاح پڑھایا تھا۔ دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ آپ خود معلومات کر لیجیے کہ شادی کس طرح کی گئی تھی۔"

"ہوں، ٹھیک۔" "جنابِ والا، دونوں معزز گواہان نے بڑے وثوق کے ساتھ اس بات کا اظہار کیا ہے آپ کے سامنے کہ شادی فرخندہ بیگم کی ایما پر نہیں ہوئی بلکہ اس کے لیے مرحوم سعید بیگ نے فرخندہ بیگم کے والد علی احمد کو مجبور کیا تھا کیوں کہ وہ ایک غبن کے مجرم تھے۔ معزز گواہان کے بیان کی کیا حقیقت ہے، مرحوم سعید بیگ نے ایسا کیا یا نہیں کیا۔ یہ خطوط ان کی تحریر میں کس طرح حاصل کیے گئے یہ تفتیش پولیس کی ذمے داری ہے۔ میں صرف فاضل عدالت کے علم میں یہ بات لانا چاہتا تھا کہ دو ملازمتوں سے ریٹائرڈ شدہ افراد، تین تین ہزار روپے نقد اور کرایہ آمد و رفت کے عوض اس گواہی کے لیے کراچی طلب کیے گئے ہیں سیر و تفریح بھی ہوگئی۔ بیٹی سے ملاقات بھی اور تین ہزار روپے کی کمائی بھی۔ چنانچہ اس گواہی کی جو حقیقت ہو سکتی ہے جنابِ والا خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔" بیرسٹر نصرت حسین نے کہا اور دونوں گواہوں کو کٹہرے سے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ جج صاحب اپنے سامنے رکھے ہوئے فائل پر کچھ نوٹ کر رہے تھے۔ پھر انھوں نے فرخندہ بیگم کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"ملزمہ فرخندہ بیگم، آپ نے پولیس کو جو بیان دیا ہے وہ بحالتِ مجبوری یا پولیس کی خواہش کے مطابق ہے یا آپ نے پولیس سے سب کچھ سچ سچ کہا ہے؟"

"براہِ کرم بیان پڑھ کر سنا دیا جائے۔" میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ فرخندہ بیگم کو پولیس کے سامنے دیا ہوا بیان سنایا گیا اور انھوں نے اس کی تصدیق کر دی۔

"جی ہاں، یہ بیان سچ پر مبنی ہے۔"

"آپ براہِ کرم عدالت کے سامنے اپنا بیان دہرائیں۔"

"جنابِ عالی! میں نے پولیس کے سامنے جو کچھ کہا ہے اس سے مجھے ذرا بھی انحراف نہیں ہے۔ میری شادی میرے والد کی مرضی سے ہوئی تھی۔ اگر شادی سے قبل مجھے یہ اختیارات دیے جاتے کہ میں سعید بیگ سے شادی کے سلسلے میں اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار کروں تو میں کسی بھی قیمت پر یہ شادی کرنے پر راضی نہیں ہوتی کیوں کہ میری اور سعید بیگ کی عمر میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ غبن کا واقعہ بھی میرے علم میں لایا گیا اور میرے والد نے مجھے بتایا کہ ان پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے اور کوئی بھی ایسا ثبوت ان کے پاس موجود نہیں ہے جس سے وہ اپنی بے گناہی ثابت کر سکیں۔ وہ مجبور تھے کیونکہ ان کے علاوہ میری دیکھ بھال کرنے والا اس دُنیا میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔ انھوں نے کچھ عرصے بعد سعید بیگ صاحب کی اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے

مجھے بتایا تھا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو سعید بیگ مرحوم میرے والد کو پولیس کی تحویل میں دے دیں گے۔ میں جانتی تھی کہ میرے مرحوم والد کس فطرت کے انسان ہیں چنانچہ میں نے خاموشی سے مشرق کی لڑکیوں کی روایات کے مطابق یہ زہر پی لیا۔ سعید بیگ صاحب سے میری شادی ہوگئی۔ وہ مالی طور پر بہت مستحکم انسان تھے۔ میں نے ان کی کوٹھی میں آکر وہ عیش و عشرت دیکھے جو اس سے قبل میرے تصوّر سے بھی باہر تھے۔ سعید بیگ صاحب نے مجھے اپنائیت دی۔ وہ مجھ سے مخلص تھے اور اُن کی ذات سے بحیثیت ایک شوہر مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ ہم لوگ پُرسکون زندگی گزارنے لگے۔ اس کے بعد حالات نے پھر کروٹ بدلی سعید بیگ صاحب کا انتقال ہوگیا اور پھر گھر کی تمام ذمّے داریاں مجھ پر آپڑیں۔ میں نے ان ذمّے داریوں کو سنبھالا۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر کام کیا۔ کاروباری اور دفتری امور بھی میں نے خود ہی سنبھالے۔ مرحوم جاوید سعید اور حنا سعید کا رویّہ ابتدا ہی سے میرے ساتھ بہتر نہیں تھا۔ حنا مجھے پسند نہیں کرتی تھی۔ میں نے اس موضوع پر اس سے بارہا بات کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ جاوید کم گو نوجوان تھا۔ جذبات اس کے بھی حنا سے مختلف نہیں تھے لیکن وہ اظہار کا عادی نہیں تھا اور جب اس نے ہیروئن کا استعمال شروع کیا تو میں یہ بات جانتی تھی کہ یہ سب اس نے اپنی ذہنی اُلجھنوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔ میری اس سے اس موضوع پر بات چیت بھی ہوئی لیکن وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکا مجھ سے اور اپنی حالت تباہ کرتا چلا گیا۔ پھر اُسے اسپتال میں داخل کرانا پڑا۔ میں نہیں جانتی کہ اسپتال... میں کسی نے اُسے زہر کا انجکشن دیا اور کیوں؟ میں انسانی زندگیوں کو اتنا ارزاں نہیں سمجھتی کہ اُسے اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کی کوشش کروں۔ نا ہی یہ میری تعلیم ہے اور نا ہی یہ میرا مسلک۔ میں نے یہ قتل نہیں کیا۔ میں نے ان لوگوں میں سے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ میں نہیں جانتی کہ زہر کی شیشی میرے کمرے میں کیسے آئی۔ مجھے کچھ نہیں معلوم، میں کچھ بھی نہیں جانتی۔" بیرسٹر نصرت حسین فرخندہ بیگم کے پاس پہنچ گئے۔

"بلاشبہ فرخندہ بیگم، آپ نے بڑا منجھا ہوا بیان دیا ہے درمیان سے وہ حقائق آپ بڑی خوب صورتی سے غائب کرتی چلی گئی ہیں جو آپ کی مکروہ شخصیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ میں فیصل آباد ہی کی زندگی کے بارے میں سوالات کرتا ہوں۔ آپ نے اپنی تعلیم فیصل آباد ہی میں مکمل کی تھی؟"

"میں نے فیصل آباد میں انٹر کیا تھا اور گریجویشن میں نے کراچی آنے کے بعد یعنی شادی ہونے کے بعد کیا تھا۔"

"آپ نے اپنے والد کی مجبوری کے سامنے سر جھکا دیا۔ فرخندہ بیگم صاحبہ، لیکن کیا آپ کے ذہن میں کوئی ایسا نوجوان تھا جس سے آپ شادی کرنا چاہتی تھیں؟ کیا ایسی کوئی شخصیت آپ کی زندگی میں داخل ہوگئی تھی؟" بیرسٹر نصرت حسین نے سوال کیا۔ فرخندہ بیگم کی آنکھیں جھک گئیں اور انھوں نے کہا۔

"مقدّس کتاب پر ہاتھ رکھ کر مجھ سے سچ بولنے کا عہد لیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ جھوٹ کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی۔ یہ حقیقت ہے کہ میں ایک شخص سے محبت کرتی تھی۔"

"کیا نام تھا اس کا؟" بیرسٹر صاحب نے پوچھا۔

"طاہر مقصود۔"

"یہی طاہر مقصود، جو اس وقت کمرۂ عدالت میں آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔" بیرسٹر صاحب نے کرسی پر بیٹھے ہوئے طاہر مقصود کی طرف اشارہ کیا اور فرخندہ بیگم نے گردن ہلا دی۔ "جی ہاں، یہی طاہر مقصود۔"

"خوب، تو فرخندہ بیگم آپ نے اپنے والد کی مجبوری کے سامنے اپنی محبت کا قتل کر دیا۔ طاہر مقصود نے آپ کو اس کے لیے منع نہیں کیا؟"

"ہاں طاہر مقصود نے مجھ سے کئی ملاقاتیں کیں۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو قربانی کا بکرا نہ بناؤں۔ اگر میرے والد صاحب گرفتار ہو بھی جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ انھیں اس غبن کے الزام میں سزائے موت تو نہیں ملے گی۔ زیادہ سے زیادہ قید ہوگی۔ جرمانہ ہوگا۔ یہ جرمانہ مِل جُل کر ادا کر دیا جائے گا۔ ہم اپنا مکان بیچ دیں گے اور بالآخر علی احمد صاحب کو رہا کرا لیں گے لیکن اگر ہماری محبت قتل ہوگئی تو ہمارے پاس کیا باقی بچے گا۔ ہمیں ساری زندگی کی سزا نہیں مل جائے گی! لیکن میں نے طاہر مقصود کی بات کو قبول نہیں کیا۔ میں جانتی تھی کہ اگر میرے والد ایک دن کے لیے بھی جیل چلے گئے تو پھر وہاں سے ان کی لاش ہی واپس آئے

گی۔ وہ ایک غیور انسان تھے۔"

"تو گویا آپ نے طاہر مقصود کی محبت کو ٹھکرا دیا؟"

"نہیں، قربان کر دیا۔" فرخندہ بیگم نے جواب دیا۔

"اور اس قربانی کے بعد آپ ایک عالیشان کوٹھی میں آ گئیں اور آپ نے انتہائی ذہانت سے مرحوم سعید بیگ کے کاروباری امور سنبھال لیے۔ آپ پہلے سے کوئی کاروباری تجربہ رکھتی تھیں؟"

"نہیں، بلکہ سعید بیگ صاحب نے مجھے خود ہی اپنے کاروباری معاملات سے آگاہ کیا تھا اور اکثر میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہتی تھی۔"

"گویا مرحوم آپ سے اس قدر خوش تھے کہ وہ اپنی زندگی کے سارے راز آپ کو بتا دینے کے لیے تیار رہتے۔ اپنی ذمے داریاں آپ کو سونپ چکے تھے؟"

"جی ہاں! وہ مجھ سے ناراض نہیں تھے۔"

"ظاہر ہے ناراض ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔ آپ نے انھیں خوش رکھنے کے لیے اپنی اچھی سے اچھی صلاحیتوں سے کام لیا تھا جن صلاحیتوں سے کام لے کر آپ نے انھیں اس شادی پر آمادہ کیا تھا تا کہ ایک دولت مند بوڑھے کی بیوی بن سکیں۔ بہر طور جناب والا! کسی بھی طرح سہی، یہ معاملہ چونکہ بالکل مختلف ہے۔ سعید بیگ صاحب کا انتقال ہو گیا اور کاروباری امور محترمہ فرخندہ نے سنبھال لیے۔ سارے کاروبار پر قبضہ کر لینے کے بعد انھوں نے اپنی زندگی کے ٹوٹے رشتے استوار کرنے کی سوچی اور انھوں نے فیصل آباد سے طاہر مقصود کو طلب کر لیا۔ طاہر مقصود ان کے پاس پہنچ گئے اور فرخندہ بیگم کی اسکیم کا ایک حصہ پورا ہو گیا۔ فرخندہ بیگم اب آزاد تھیں۔ لیکن جیسا کہ خود فرخندہ بیگم بیان کر چکی ہیں کہ جناب سعید ان سے خوش نہیں تھے اور جاوید ان کی وجہ سے خود کو ہیروئن کی لعنت کا شکار بنا بیٹھا تھا۔ فرخندہ بیگم نے سوچا کہ طاہر مقصود کو باقاعدہ اپنی زندگی میں شامل کرنے سے پہلے ان دونوں کانٹوں کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ ان دونوں کی موت اگر ایک ہی وقت میں ہو جاتی تو پولیس یقیناً فرخندہ بیگم کے پیچھے لگ جاتی اور اس بات کا شبہ کیا جاتا کہ ان دونوں کو قتل کرنے والی ہستی فرخندہ بیگم کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کی موت کا تمام تر مفاد فرخندہ بیگم ہی کو ملتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی ناقص سوچ کے مطابق جاوید کو کسی نہ کسی طور ہیروئن کا عادی بنا دیا۔ ہیروئن کے بارے میں اچھی طرح یہ بات پتا چل چکی ہے کہ نامعلوم طریقوں سے اسے کسی بھی انسان کے جسم میں داخل کر کے اسے اس کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ فرخندہ بیگم یہ بات جانتی تھیں کہ صرف ہیروئن ہی جاوید سعید کو ہلاک نہیں کر سکتی چنانچہ انھوں نے اس کی آڑ میں ایک زہر بھی جاوید سعید کے جسم میں داخل کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں جاوید آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا لیکن پھر جاوید کو اسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں اس کا علاج کیا جانے لگا اور اس علاج کے نتیجے میں جاوید سعید کی حالت بہتر ہونے لگی۔ فرخندہ بیگم کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ سخت دہشت کا شکار ہو گئیں اور پھر انھوں نے آخری قدم اٹھا ڈالا یعنی اسپتال میں داخل ہو کر جاوید سعید کو زہر کا انجکشن دے دیا جس کے نتیجے میں جاوید کی فوری موت واقع ہو گئی اور اس سلسلے میں ہمارے ملک کے مایہ ناز ڈاکٹر نوید صدیقی کا سرٹیفکیٹ موجود ہے جناب والا! اسے ملاحظہ فرما سکتے ہیں اور آئندہ پیشی میں ڈاکٹر نوید صدیقی کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے جناب والا کہ ان حقائق کی روشنی میں ملزمہ کی شناخت مشکل نہیں رہی ہے۔ ہر انسان اعلیٰ پائے کے جرم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اپنی ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے وہ یہ سوچتا ہے کہ وہ ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک دے گا۔ لیکن قانون کی گہرائیوں سے ناواقف ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ قانون بہر حال حقیقت پا لیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس دنیا پر جرم کرنے والوں کا راج ہو۔ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا جناب والا۔"

بیرسٹر نصرت حسان بیٹھ گئے۔ میں کھڑا ہو گیا اور میں نے جج صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"معزز اور قابل احترام بیرسٹر نے بہترین حقائق پیش کیے ہیں اور میں ان کی بات سے متفق بھی ہوں جناب والا کہ اگر قانون کے ہاتھ مضبوط نہ ہوں تو اس دنیا پر صرف جرم کرنے والوں کا راج ہو اور قانون بہر حال حقیقتیں پا لیتا ہے۔ ایک نوجوان کو قتل کیا گیا اور طریقۂ قتل انتہائی گھناؤنا اور ناقابل برداشت ہے۔ اس نوجوان کے قاتلوں کو سزا یقیناً ملنی چاہیے۔ ایسی بد ترین سزا کہ بے شمار افراد کو عبرت ہو۔ میں مجرم کو سزا دلانے کے حق میں ہوں لیکن جناب والا! لیکن میں صحیح

مجرم کا انتخاب کرنا چاہتا ہوں۔ میرے معزز وکیل صاحب نے میری مؤکلہ فرخندہ بیگم سے سوالات کیے اور الزام لگایا کہ انھوں نے اہم حقائق کو بڑی صفائی سے چھپا لیا۔ بلاشبہ کوئی بھی شادی شدہ عورت اور جو بیوہ ہو چکی ہو، اپنی جوانی کی داستانوں کو کمرۂ عدالت میں بے شمار افراد کے سامنے مزے لے کر بیان نہیں کر سکتی۔ میری مؤکلہ فرخندہ بیگم نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ قتل انھوں نے کیا ہے۔ اگر وہ اس قتل کا اقرار کر لیتیں تو کیس ختم ہو جاتا اور کوئی بھی زبردستی اس کی گردن بچانے کی کوشش نہ کرتا لیکن ایک ایسی ہستی جو اپنے آپ کو اپنے والد کی عزت کے لیے قربانی کا بکرا بنا کر پیش کر سکتی ہے کم از کم اس لیے قابل احترام ہے کہ اس کے اندر قربانی کے جذبے ہیں۔ فاضل وکیل نے یہ بھی کہا ہے کہ فرخندہ بیگم نے طاہر مقصود کو وہ مراعات دیں جو ان کی خواہش کے مطابق تھیں۔ اس سلسلے میں طاہر مقصود خود زیادہ تفصیل سے اور زیادہ بہتر انداز میں بتا سکیں گے۔ لیکن میرے معزز وکیل کو یا تو بہت سے حقائق سے لاعلم رکھا گیا ہے یا پھر انھوں نے بھی فرخندہ بیگم ہی کا طریقۂ کار اختیار کیا یعنی ان اہم باتوں کو گول کر گئے جو اس کیس کے سلسلے میں بہتر طریقے سے روشنی ڈال سکتی تھیں۔ میں ان کی تفصیل بعد میں عرض کروں گا جناب والا۔ اس سے پہلے ایک چھوٹے سے نکتے کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ اس کی وضاحت کے بعد میرے معزز وکیل کو بھی کچھ سوچنے کا موقع ملے گا۔ میری مؤکلہ نے کہا کہ جو بیان انھوں نے پولیس کو دیا ہے وہ غلط نہیں ہے اور ان سے کوئی بیان کسی دباؤ کے تحت نہیں لیا گیا ہے۔ اس بیان میں ایک چھوٹا سا ذکر اور ہے جناب والا جس کے بارے میں وکیل صاحب نے کوئی سوال نہیں کیا۔ براہ کرم ملاحظہ فرمائیے۔ پولیس رپورٹ جو میری مؤکلہ کے بیان کے ساتھ ہے اور اس بیان میں میری مؤکلہ نے کہا ہے کہ وہ لاکٹ جو موت کے بعد جاوید سعید کی مٹھی میں دبا ہوا پایا گیا، ان کی ملکیت نہیں ہے اور وہ اس سے ناواقف ہیں جبکہ دوسری جانب سے کہا گیا کہ وہ لاکٹ عموماً فرخندہ بیگم کے گلے میں دیکھا گیا ہے۔ اور اس میں ان کی محبت کا ثبوت سعید بیگ کی اور ان کی تصویریں ہیں اور وہ الفاظ جن پر ایف۔ ایس لکھا ہوا ہے۔ کیا یہ ایک دلچسپ بات نہیں ہے کہ جو چیز میری مؤکلہ کی ملکیت نہیں ہے اسے اس کی ملکیت ثابت کیا جا رہا ہے جناب والا! اس جھوٹ کی یقیناً کوئی نہ کوئی گہرائی ضرور ہو گی۔" بیرسٹر نصرت حسین صاحب کھڑے ہو گئے۔

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں وکیل صاحب؟ کیا ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ لاکٹ جسے جناب سعید نے شناخت کیا ہے اور جس پر واضح طور پر ایف۔ ایس لکھا ہوا ہے یعنی فرخندہ سعید اور جس میں ان دونوں کی تصویریں بھی موجود ہیں، فرخندہ کی ملکیت نہیں ہے۔ یہ تو بہت آسان بات ہے کہ کسی ایسی چیز کو جو ثبوت بن رہی ہو اپنا ماننے سے انکار کر دیا جائے۔"

"میں عدالت میں اسی کا جواب دینے جا رہا ہوں معزز بیرسٹر صاحب۔ درحقیقت اس لاکٹ کی عمر صرف سترہ دن ہے۔ صرف اور صرف سترہ دن۔ غالباً پولیس [illegible] میں اس لاکٹ کا مکمل جائزہ پیش [illegible] کی چھوٹی سی دکان کا بنا ہوا نہیں ہے [illegible] جو جیولری شاپ سے خریدا گیا ہے [illegible] نے اسے تقریباً چودہ دن قبل بنایا [illegible] گئے اس حصے پر جو لاکٹ کے [illegible] بہت ہی باریک الفاظ میں اس کا سیریل نمبر [illegible] اور یہ سیریل نمبر اس فرم کے رجسٹر میں [illegible] دن قبل فرخندہ بیگم کو کیا شوہر [illegible] اس میں اپنے شوہر کی تصویر اپنے ساتھ [illegible] گلے میں پہن لیا اور گلے میں [illegible] قتل کرتے وقت اپنے مقتول کے ہاتھ [illegible] سیریل نمبر سے اس فرم [illegible] اس سلسلے میں میں نے اس فرم کے رجسٹر سے سیریل نمبر نکلوا کر اس کی خریداری کی رسید کی فوٹو کاپی حاصل کر لی ہے جو پیش خدمت ہے۔ آٹھ سے سترہ دن قبل یہ لاکٹ اس فرم سے کسی احمد عبد الکریم نے خریدا ہے اور اسے اس کی رسید ادا کر دی گئی۔ غالباً [illegible] یہ لاکٹ اسی لیے خریدا تھا کہ قتل کرتے وقت [illegible] ساتھ اسے مقتول کے ہاتھ میں چھوڑ جائیں تاکہ پولیس کو کوئی پریشانی نہ ہو۔" میں نے رسید جج صاحب کے سامنے پیش کر دی اور اس کے ساتھ ہی جیولری [illegible] کی تصدیق بھی۔ جج صاحب اس رسید کو دیکھنے لگے تھے۔ عدالت میں چہ میگوئیاں

گونجنے لگی تھی۔ بیرسٹر صاحب کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ جج صاحب نے رسید کو دیکھا اور اسے فائل میں لگا دیا۔ پھر انھوں نے گھڑی میں وقت دیکھا اور بولے۔
"عدالت کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اس کیس کے لیے تین دن بعد کی تاریخ دے دی جائے۔" یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تمام لوگ کھڑے ہو گئے تھے۔ جج صاحب چلے گئے۔ میں خود بھی واپس پلٹ پڑا۔ فاروقی صاحب اٹھ کر میرے نزدیک آ گئے تھے۔ باقی میں نے کسی سے ملاقات کی کوشش نہیں کی۔ یہاں تک کہ فرخندہ بیگم سے بھی نہیں۔ باہر نکل کر میں اور فاروقی صاحب بار روم کی جانب چل پڑے۔ فاروقی صاحب میرے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے تھے۔ انھوں نے آہستہ سے کہا۔
"جیولرز کی رسید حاصل کرنے میں تم نے کمال کر دیا۔ ایسا دھماکہ کیا ہے کہ ذہن جھنجلا کر رہ گئے ہوں گے۔ بلاشبہ تم کمال کے انسان ہو لیکن کیا تمھیں اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ حنا سعید نے میرا وکالت نامہ منسوخ کرنے کے بعد نصرت حسین سے رابطہ قائم کیا ہے؟"
"بیرسٹر نصرت حسین کا سامنا کرنے سے بچنا چاہتا تھا لیکن نہیں بچ سکا..... مجھے یقین تھا کہ نہیں بچ سکوں گا۔" میں نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
ہم دونوں بار روم میں آ بیٹھے تو فاروقی صاحب کہنے لگے "بچنے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔ عدالت میں ہر شخص سے سامنا ہو سکتا ہے۔ اپنے اپنے پیشے کی بات ہے۔ شارق! اس میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بیرسٹر صاحب اپنی ذہانتیں استعمال کر رہے ہیں۔ تم اپنی ذہانت کا مظاہرہ کرو۔ بہرطور بڑا شاندار کیس لڑ رہے ہو۔ خدا تمھیں بری نگاہوں سے محفوظ رکھے۔"
میں انتظار کرتا رہا کہ شاید مجھ سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے لیکن بیرسٹر نصرت حسین مغرور آدمی تھے مجھے دیکھ کر وہ چونکے ہوں گے یا جیسا کہ میرا اندازہ تھا کہ شاید انھیں اس بات کا علم ہو گیا ہو گا کہ اُن کا مدِمقابل میں ہوں۔ لیکن انھوں نے اس بات پر کوئی توجہ نہیں دی ہو گی بہرطور کافی دیر تک ہم لوگ ساتھ رہے اور اس کے بعد دفتر واپس چل پڑے۔
دفتر میں فاروقی صاحب اور میں بہت دیر تک اس کیس پر گفتگو کرتے رہے۔ فاروقی صاحب نے کہا۔
"بدقسمتی سے اگر حنا سعید میرا وکالت نامہ منسوخ نہ کر دیتی تو میرا کیا بنتا، شارق؟"
"نہیں فاروقی صاحب، جو کچھ ہو رہا ہے۔ میری توقع کے مطابق ہو رہا ہے۔ بھلا اس کا کیا سوال تھا کہ میں فرخندہ کا وکیل ہوتا اور حنا یہ کیس آپ کے پاس رہنے دیتی۔"
"لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت ٹھہرے ٹھہرے انداز میں آگے بڑھ رہے ہو۔ تم نے ابھی بہت سی باتوں کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ اس میں ذرا سی گڑبڑ بھی ہو جاتی ہے شارق!"
"میری رہنمائی کیجیے کہ وہ گڑبڑ کیا ہو سکتی ہے؟"
"بھئی بیرسٹر نصرت حسین حالات سے واقف ہو کر بہت سے ایسے راستے بند کر سکتے ہیں جو حقائق کو سامنے لانے والے ہوں۔ مثلاً اگر طاہر مقصود کو یہاں سے فرار کرا دیا جائے تو کیا ہو گا؟"
"حالات ثابت کریں گے کہ طاہر مقصود کا اس سلسلے سے گہرا تعلق تھا اور اس نے فرار ہونے میں عافیت سمجھی ہے۔ میری خواہش تو صرف فرخندہ بیگم کو بے گناہ ثابت کرنے کی ہے۔ باقی اور کیا رہ جاتا ہے۔ اگر بیرسٹر صاحب یہ سب کچھ کرتے ہیں تو بڑی نادانی کریں گے لیکن ایک بات میں بھی جانتا ہوں کہ بیرسٹر صاحب ایسا نہیں کریں گے۔ وہ اپنی ضرورت کے تمام کرداروں کو اپنے گرد جمع رکھیں گے اور ظاہر ہے کہ طاہر مقصود بھی ابھی آسانی سے فرار نہیں ہو گا۔ وہ تعلیم یافتہ آدمی ہے۔ فرار کے نتیجے کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ باقی رہی بیرسٹر صاحب کی بات تو کاغذات، ثبوت اور حقائق کی روشنی میں وہ اپنی تمام تر ذہانتوں کا استعمال کریں گے۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی ثبوت گم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ یہ اُن کی فطرت کے خلاف ہے۔"
"یقیناً۔ یقیناً۔ میں یہ بات نہیں کہہ رہا تھا۔" فاروقی صاحب نے کہا۔
"آپ کوئی بھی بات کہہ کر شرمندہ ہونے کی کوشش نہ کیا کریں۔ یہ بات مجھے ناپسند ہے۔ بہرطور آپ نے میری رہنمائی کی اور میں نے آپ کو بیرسٹر نصرت حسین کے بارے میں بتایا۔ اس سے یہ اندازہ لگا لیجیے کہ جو خدشہ ہمیں لاحق ہے وہ ممکن نہیں ہے۔ باقی اگر بیرسٹر صاحب کچھ اور کرتے ہیں

تو ٹھیک ہے۔ اُن کے کچھ اور کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب بھی مسکرانے لگے۔

*

باقی دو دن کسی خاص واقعہ کے بغیر گزر گئے۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو ذہن کو کھٹکاتی۔ معمولات جوں کے توں تھے فاروقی صاحب سے روزانہ ہی اس کیس کے سلسلے میں بات ہوتی رہتی تھی۔ وہ بے چارے مجھ سے خواہ مخواہ مرعوب رہتے تھے اور اکثر کہتے رہتے تھے کہ وکالت کے پیشے کو کچھ تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور میں جس انداز میں کام کر رہا ہوں وہ زیادہ موثر ہے۔
تیسرے دن پھر پیشی تھی۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کیا کیا تیاریاں کر کے آئے تھے اس کا مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ البتہ میں اپنے طور پر تیاریاں کر کے گیا تھا۔ کیس کا آغاز وہیں سے ہوا جہاں پچھلی پیشی پر ختم ہوا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کھڑے ہو کر بولے۔
"جنابِ والا! حقیقتوں کو چھپانے کے لیے ہر مجرم پیش بندیاں کرتا ہے اور بعض چالاک قسم کے مجرم بہت ہی ذہانت سے کام کرتے ہیں۔ پچھلی بار نوجوان وکیل شارق حسین نے جیولری کی ایک فرم کی رسید پیش کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ احمد عبدالکریم کے نام سے جو لاکٹ خریدا گیا ہے وہ صرف فرخندہ بیگم کو پھانسنے کے لیے خریدا گیا تاکہ مقتول کے پاس اس کی موجودگی یہ ثابت کرے کہ قتل فرخندہ بیگم نے کیا ہے لیکن جنابِ والا! میں ایک اور حقیقت کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی بھی ذہین مجرم جب قتل کی منصوبہ بندی کرتا ہے تو اس سلسلے میں بہت گہرائی سے سوچتا ہے۔ بے شک اس لاکٹ کی خریداری کچھ عرصے قبل ہوئی اور یہ ایک غلط نام سے خریدا گیا لیکن صرف یہ تاثر دینے کے لیے کہ اس کے ذریعے فرخندہ بیگم کو پھانسا جا رہا ہے۔ وہ خود قاتل نہیں ہیں بلکہ قاتلوں نے ان کا نام استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرخندہ بیگم جانتی تھیں کہ اس قتل کا شبہ تو ان کی طرف کیا جائے گا۔ چنانچہ اپنی صفائی کے لیے انھوں نے اس طرح کے انتظامات کیے کہ ان کی شخصیت مشتبہ ہو جائے۔ یہ بھی ایک پوائنٹ ہے جنابِ والا کہ اپنے آپ کو مشتبہ ثابت کر کے یہ تاثر دیا جائے کہ کچھ لوگ انھیں پھنسانے کے لیے سرگرداں ہیں۔ یہ لاکٹ خود ہی خریدا گیا ایک غلط نام سے اور پھر اسے مقتول کے پاس چھوڑ گیا۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ صرف ملزمہ کو پھنسانے کی ایک کوشش ہے۔ چالاک مجرم اس قسم کی حرکات کرتے ہی ہیں لیکن فاضل عدالت کو اس طرح کی چھوٹی چھوٹی حرکات سے راستے سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔ جنابِ والا! جو ملزمہ قتل کے جیسے ایسے بھیانک جرم کا ارتکاب کر سکتی ہے۔ اس کی ذہانت کو محدود نہیں سمجھنا چاہیے۔ میں اس بات کی پُرزور تردید کرتا ہوں کہ لاکٹ کی خریداری کا مقصد اسے مقتول کے پاس چھوڑے جانا کسی اور کا کام ہے۔ یہ صرف اور صرف ملزمہ کی ایک چال تھی جس کے ذریعے انھوں نے پولیس کو غلط راستوں پر لگانے کی کوشش کی ہے۔ [illegible] آل می لارڈ!" بیرسٹر نصرت حسین بیٹھے تو [illegible]
"میں معزز عدالت کی خدمت میں [illegible] کرنا چاہتا ہوں۔ میرے محترم وکیل نے اپنے پچھلے بیان میں اپنے تمام تجربات کا نچوڑ ظاہر کرتے ہوئے [illegible] کہ چھوٹے چھوٹے جرم کرنے والے مجرم اپنے طور پر [illegible] حصار قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ قانون کے لمبے ہاتھوں سے واقف نہیں اور اپنی معمولی صلاحیتوں کو استعمال کر کے سوچتے ہیں کہ انھوں نے قانون کو دھوکا دے دیا ہے۔ اور میرے محترم وکیل کے آج کے یہ الفاظ اُن کے پچھلے خیال کی تردید کرتے ہیں۔ آج وہ فرماتے ہیں کہ اس ذہین مجرمہ نے یا ملزمہ نے لاکٹ ایک اجنبی نام سے خریدا اور اسے مقتول کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا تاکہ جب پولیس اس پر شبہ کرے تو وہ اس بات کا اظہار کر سکے کہ نیا لاکٹ خرید کر اسے جرم میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جنابِ والا! اس سلسلے میں محترمہ حنا سعید کا وہ بیان پیش کرنا چاہتا ہوں جو انھوں نے پولیس کو دیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ یہ لاکٹ وہ بارہا ملزمہ کے گلے میں دیکھ چکی ہیں اور یہ انھی کی ملکیت ہے۔ جنابِ والا! محترمہ حنا سعید کا یہ فرمانا اور اس کے بعد اس بات کا [illegible] اس لاکٹ کی خریداری کی [illegible] دن آج ملا کر بیس دن ہو گئی۔ کیا اس دوران محترمہ حنا سعید صاحبہ مسلسل اس لاکٹ کو دیکھتی رہی ہیں؟" میں کچھ دیر سانس لینے کے بعد پھر بولا۔
"جنابِ والا! اس طرح یہ بات بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو ملزمہ اپنی ذہانت سے یہ بات سوچ سکتی ہے کہ اپنی طرف سے پولیس کا شبہ ہٹانے کے

لیے صورت حال کو مشتبہ کر دیا جائے۔ وہ اس زہر کی شیشی کو اپنے کمرے میں رکھتی ہے جو مقتول کو استعمال کرایا جا رہا ہے۔ پہلی بات تو صرف شبہے کے دائرے میں آتی ہے لیکن زہر کی شیشی کو اپنے کمرے میں رکھ کر وہ اپنی گردن میں پھانسی کا پھندہ بالکل فٹ کر لیتی ہیں۔ کیا یہ پھندہ کہیں سے ڈھیلا نظر آتا ہے جناب والا!" میں نے سوال کیا اور عدالت میں موجود افراد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"میری درخواست ہے کہ فاضل وکیل صاحب اپنے طریقۂ کار یا تھیوری کے تحت میری موکلہ اپنا بچاؤ کر سکتی ہے یا پھر اس نے رضا کارانہ طور پر اپنی گردن کو پھانسی کے لیے پیش کیا ہے۔" میں خاموش ہو گیا تو بیرسٹر نصرت حسین صاحب [illegible] لگے۔

"جس طرح یہ الاسٹک خریدکر مقتولوں کے پاس چھوڑا گیا ہے اسی طرح زہر کی شیشی بھی اپنے کمرے سے برآمد کرانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ شبہے کو مضبوط کیا جا سکے اور یہ [illegible] سازش کی گئی ہے۔ وہ بہت مضبوط ہے۔"

"جناب والا! محترمہ میرے فاضل وکیل صاحب کے مطابق یہ بات بھی بڑی گہرائی سے سوچ سکتی ہے لیکن اس نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے کیا کیا ہے۔ میں صرف یہ بات جاننا چاہتا ہوں اور اس طرح پولیس کی وہ رپورٹ مشتبہ ہو جاتی ہے جو اس نے قتل کے سلسلے میں پیش کی ہے۔ یعنی استغاثہ کے فاضل وکیل کا موقف یہ ہے کہ یہ الاسٹک جدوجہد کے دوران ملزمہ کی گردن سے اتر کر مقتول کی مٹھی میں نہیں پہنچا بلکہ اسے ایک منصوبے کے تحت مقتول کی مٹھی میں چھوڑا گیا ہے۔ مگر پولیس کی تفتیش میں یہ ایک خامی کبھی تھی۔

اس کے علاوہ جناب والا میں ڈاکٹر نوید صدیقی کے کلینک کا ایک چھوٹا سا نقشہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس نقشے میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ تمام نشانات کے ساتھ وہ کمرہ جس میں جاوید سعید کو رکھا گیا تھا کس محل وقوع میں واقع ہے اور کمرے سے اندر داخل ہونے کے لیے کیا دشواریاں پیش آ سکتی ہیں۔ وہ کھڑکی اتنی بلند جگہ پر ہے جناب والا! کہ کوئی بھی گھریلو قسم کی عورت اس تک پہنچ کر اس کے ذریعے دوسری طرف نہیں اتر سکتی۔ یہ کام کوئی چست و چالاک شخص ہی کر سکتا ہے۔ نقشہ پیش خدمت ہے۔" میں نے ایک کاغذ جج صاحب کے سامنے پیش کر دیا اور جج صاحب اس کا جائزہ لینے لگے۔ بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔

"جرم کرنے والے مضبوط اعصاب اور مضبوط جسم کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ملزمہ کی صفائی کے لیے پیش کی جا سکے۔ نوجوان وکیل جذبات سے کام لے کر حقائق کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"جناب والا! اب میں طاہر مقصود صاحب کو اس سلسلے میں بیان دینے کی زحمت دینا چاہتا ہوں۔" جج صاحب کی اجازت ملنے پر طاہر مقصود کو عدالت کے کٹہرے میں طلب کر لیا گیا۔ وہ پُرسکون تھا۔ ویسے بھی یہ شخص اچھا خاصا شائستہ نظر آتا تھا۔ جج صاحب کی اجازت سے میں نے طاہر مقصود سے سوالات شروع کیے۔

"طاہر مقصود صاحب! محترمہ فرخندہ بیگم سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"وہ رشتہ جو ازل سے انسان کی بے بسی بنتا آیا ہے۔ میں کبھی فیصل آباد ہی میں رہتا تھا اور ہمارے خاندان کے ان کے گھر سے تعلقات تھے کہ آپس میں ہم ہر رشتے سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے کو احترام دیتے تھے۔ بہت ہی اچھے تعلقات تھے ہمارے اس خاندان سے۔"

"تو طاہر مقصود آپ بھی اس بات کی کچھ گواہی دے سکیں گے کہ اس غبن میں جسے علی احمد کے نام سے منسوب کیا گیا ہے خود علی احمد کا ہاتھ تھا یا نہیں؟"

"آبجیکشن، جناب والا! کیا وکیل صفائی مرحوم علی احمد کے غبن کے کیس کی پیروی کر رہے ہیں؟ اگر نہیں تو اس سوال کا اس کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"محترم وکیل صاحب! تعلق ظاہر ہو جائے گا تو آپ تسلیم کر لیجیے گا۔ ورنہ آپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔" میں نے بیرسٹر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا اور ان کی آنکھوں میں غصے کے آثار نظر آنے لگے۔ اس غصے میں بڑاپن جھلک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے نگاہیں چرا لیں اور طاہر مقصود کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا طاہر مقصود صاحب۔"

"نہیں، علی احمد چچا ایک شریف انسان تھے اور وہ غبن جیسی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔"

"شکریہ طاہر مقصود صاحب! جناب والا نوٹ کیا جائے۔ اس طرح ان دونوں گواہوں کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

جنھوں نے کہا تھا کہ فرخندہ بیگم نے یہ شادی اپنی مرضی سے نہیں کی تھی۔ طاہر مقصود صاحب، کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ بچپن سے فرخندہ بیگم کو چاہتے تھے؟"

"ہاں، یہ ایک حقیقت ہے۔"

"طاہر مقصود صاحب! کیا فرخندہ بیگم کی سعید بیگ صاحب سے شادی پر آپ کو دکھ نہیں ہوا؟ آپ نے فرخندہ بیگم کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا کہ وہ اس شادی سے انکار کر دیں؟"

"نہیں، [illegible] کیا تھا۔" طاہر مقصود نے جواب دیا۔

"تو پھر فرخندہ بیگم نے کیا کہا؟"

"وہی جو لڑکیاں ایسے موقعوں پر کہتی ہیں۔ وہ علی احمد صاحب کی عزت بچانا چاہتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے سعید بیگ صاحب سے شادی کر لی۔"

"بے حد شکریہ طاہر مقصود صاحب! اس شادی کے بعد آپ کی اپنی کیفیت کیا رہی؟"

"میں یہاں ہجر و فراق کی داستانیں بیان کرنے تو نہیں آیا۔ میری کیفیت میری ذاتی تھی۔ اس سوال کا میں کوئی جواب نہیں دوں گا کہ مجھ پر کیا گزری۔"

"ٹھیک ہے طاہر مقصود صاحب! بلاشبہ آپ اس سوال کے جواب کے لیے مجبور نہیں ہیں۔ کیا میں آپ کا ذریعۂ معاش معلوم کر سکتا ہوں؟"

"آبجیکشن می لارڈ! کیا یہ تمام سوالات عدالت کا وقت ضائع کرنے کے علاوہ کوئی اور بھی حیثیت رکھتے ہیں؟ طاہر مقصود سے اس [illegible] کا بیان لیا جائے۔ ان کی ذاتی زندگی کو کریدنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟" بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔

"اس لیے وکیل صاحب کہ ان سوالات کا اس قتل سے گہرا تعلق ہے۔" میں نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

"آپ یہ تعلق ثابت کیجیے۔" بیرسٹر صاحب بولے۔

"یہ ثابت کرنے کے لیے مجھے طاہر مقصود سے سوالات کی اجازت دیجیے۔" میں نے بھی ترکی بہ ترکی کہا۔ جج صاحب نے بیرسٹر صاحب کو خاموش رہنے کی تاکید کی اور مجھے سوالات جاری رکھنے کی اجازت دی۔

"طاہر مقصود صاحب! فیصل آباد میں آپ کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا آپ نے اس دوران کوئی ملازمت کی؟"

"میں اتنا قلاش آدمی نہیں ہوں کہ وقت گزارنے کے لیے ملازمت کرتا۔"

"گویا آپ ایک صاحب حیثیت آدمی ہیں؟"

"بس میرا گزارا کسی نہ کسی طرح چل ہی رہا تھا۔"

"آپ سعید بیگ کی موت کے بعد فرخندہ بیگم کے پاس پہنچے؟"

"مجھے بلایا گیا تھا۔" طاہر مقصود نے جواب دیا اور میری نگاہیں فرخندہ بیگم کی طرف اٹھ گئیں۔ انھوں نے عجیب سی نگاہوں سے طاہر مقصود کو دیکھا تھا۔

"فرخندہ بیگم نے آپ کو خود بلایا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"کیسے بلایا گیا تھا، بذریعہ خط بلایا تھا یا تار دیا تھا؟"

"انھوں نے مجھے خط لکھا تھا۔"

"کیا آپ کے پاس وہ خط موجود ہے؟"

"جی نہیں، میں کبوتر اور لفافوں والے دور کا انسان نہیں ہوں، خط پڑھا اور ضائع کر دیا گیا تھا۔"

"اس کی تحریر تو آپ کو یقیناً یاد ہوگی؟"

"جی نہیں۔"

"اس کا مفہوم بھی آپ کو یاد نہیں؟"

"بس اس میں یہی لکھا تھا کہ میں فوراً ان کے پاس پہنچ جاؤں۔"

"شادی کے اس درمیانی وقفے میں کبھی فرخندہ بیگم نے آپ کو کوئی خط لکھا؟ میرا مطلب ہے سعید بیگ صاحب کی زندگی میں؟"

"نہیں!"

"آپ نے بھی ان سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا؟"

"نہیں!"

"اس خط کے علاوہ فرخندہ بیگم نے آپ کو کوئی اور

خط لکھا؟"

"جی نہیں!"

"تو آپ اُس ایک خط کے ملتے ہی فرخندہ بیگم کے پاس پہنچ گئے۔"

"جی ہاں!"

"کیا جذبہ تھا آپ کے دل میں کیا تصور رہے کہ آپ جہاں گئے تھے؟"

"مجھے اب وہ تصورات اور جذبات یاد نہیں۔"

"ٹھیک ہے انسان کی یادداشت واقعی بہت کمزور ہوتی ہے۔ بہر طور آپ فرخندہ بیگم کے پاس پہنچ گئے۔ آپ سے مل کر وہ دھاڑیں مار مار کر روئی ہوں گی۔" میں نے سوال کیا اور بیرسٹر نصرت صاحب ایک بار پھر تلملا گئے۔ لیکن کچھ بولے نہیں تھے۔

"یہ کیسے سوالات ہیں جناب والا! بھلا ان کا اس کیس سے کیا تعلق ہے انھوں نے جو کچھ کیا وہ میرا اور اُن کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"ہاں ہاں! یقیناً وہ اُن کا اور آپ کا ذاتی معاملہ ہے طاہر مقصود صاحب! لیکن اُس کے بعد کیا ہوا، اس کا تعلق اس کیس سے ضرور ہے۔"

"کچھ نہیں! فرخندہ نے مجھ سے کہا کہ وہ بے سہارا رہ گئی ہے زندگی طویل ہے اور اُسے مستقبل کے لیے کسی کا ساتھ درکار ہے۔ میں اُس کی مدد کروں۔"

"مستقبل کے لیے فرخندہ بیگم نے آپ کا ساتھ ایک محبوب کی حیثیت سے چاہا تھا، ایک مددگار کی حیثیت سے چاہا تھا یا ایک شوہر کی حیثیت سے؟"

"میں نہیں جانتا کہ اُن کے ذہن میں کیا تھا لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ اگر فرخندہ بیگم کو میں شادی کی پیش کش کرتا تو وہ اسے یقیناً قبول کر لیتیں۔ لیکن میں اتنا گیا گزرا انسان نہیں ہوں کہ جس نے مجھے اس طرح ٹھکرا دیا تھا، اُس کی مجبوری میں اُس کا ساتھی بن جاؤں اور اُس سے شادی کر لوں۔ میں نے کبھی بھی فرخندہ بیگم کو یہ پیش کش نہیں کی کہ میں اُن سے شادی کرنا چاہتا ہوں یا آج [illegible] اُن کے لیے بہت بڑا مقام موجود ہے۔"

"بہت خوب! یہ ہوتی ہے غیور اور خوددار لوگوں کی خودی جناب والا! طاہر مقصود نے خودداری کی بنا پر یہ بات بالکل قبول نہیں کی کہ وہ فرخندہ بیگم سے شادی کر لیتے یا کم از کم اُن کے محبوب کی حیثیت سے ہی زندگی گزارتے۔ لیکن انھوں نے فرخندہ بیگم کی ملازمت قبول کر لی۔ اور پورے اعتماد کے ساتھ اُن کے کاروباری امور میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اُن کی کوٹھی میں اُن کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ یہ ہے خودداری کی بات۔ بلاشبہ میرے دوست کا فیصلہ بہترین تھا۔ طاہر مقصود صاحب! فرخندہ بیگم کے کاروبار میں آپ کی کیا حیثیت ہے؟"

"ایک مینیجر کی۔" طاہر مقصود قدرے نرم لہجے میں بولا۔ اب اُس کے چہرے پر کسی قدر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

"اور کوٹھی میں آپ کی کیا حیثیت تھی طاہر مقصود؟"

"بس یونہی! میرا مطلب ہے میں وہاں رہتا تھا۔ فرخندہ بیگم کی فرمائش پر۔"

"گویا کسی کاروبار کے مینیجر کو مالک کی کوٹھی ہی میں رہنا چاہیے۔ لیکن نہیں نہیں، آپ کے دوسرے تعلقات بھی تو تھے۔ جو آپ استوار کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کیا اس دوران فرخندہ بیگم آپ کو ان تعلقات کی استواری کے لیے مجبور نہیں کرتی تھیں۔ طاہر مقصود؟"

"آبجیکشن می لارڈ!" بیرسٹر نصرت حسین غصیلے انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ "وکیل صاحب کو اس سوال کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ کیا وہ یہ بتانا پسند کریں گے کہ اس طرح وہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟"

"جناب والا! میں صرف اس کیس کے تمام حقائق سامنے لانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس بات پر شدید حیرت ہے کہ اب تک نہ تو بیرسٹر صاحب نے اور نہ ہی کسی اور شخص نے میرا حوالہ کیوں نہیں دیا؟ جب کہ میں بھی اس کیس میں ایک طرح سے براہ راست ملوث ہوں۔ جناب والا! کیا اب تک یہ حقیقت آپ کے سامنے لائی گئی ہے کہ ان دنوں میں بھی کوٹھی میں ان حضرات کے ساتھ ہی رہ رہا تھا۔"

"اس سوال کو بہت پہلے اٹھایا جانے والا تھا۔ وکیل صاحب! میں صرف آپ کے اس پوائنٹ تک آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ می لارڈ! یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ طاہر مقصود کو فیصل آباد سے طلب کیا گیا تھا۔ اور فرخندہ بیگم اُن ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنا چاہتی تھیں جو حالات کے تحت ٹوٹ گئے تھے۔ وہ طاہر مقصود کو ایک [illegible] کی پیش کش [illegible] فیصل آباد سے رخصت [illegible] اور اس کے بعد وقت کا انتظار کر رہی تھیں کہ انھیں اپنے مقصد کی تکمیل کا موقع ملے۔"

"اس طرح تو یہ بات ثابت ہوتی ہے وکیل صاحب! کہ طاہر مقصود بھی فرخندہ بیگم کے دستِ راست ہیں اور اس کیس میں کہیں نہ کہیں اُن کا تعلق بھی نکلتا ہے بلکہ اس بات

کے امکانات بھی ہیں کہ وہ فرخندہ بیگم کے جرم میں برابر کے شریک ہوں۔"

"نہیں نہیں۔ میرا اس کیس سے بھلا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ میں نے تو پہلے ہی فرخندہ بیگم سے منع کر دیا تھا کہ اب میں اُن کا ساتھ کسی طور نہیں دے سکتا۔ یہ سب یہ سب مجھے پھانسنے کی کوشش کی جا رہی ہے جناب والا! میں تو بالکل بے قصور ہوں۔ میرا قصور صرف اتنا ہی ہے کہ فرخندہ بیگم کی طلبی پر اُن کی کوٹھی پر چلا آیا اور انسانیت کے نام پر میں نے اُن کے معاملات سنبھال لیے۔"

"یقیناً طاہر مقصود صاحب! آپ نے ایسا کیا ہے لیکن انسانیت کے نام پر لٹنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ غالباً آپ کو انسانیت کے نام ہی پر اس جرم میں ملوث کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میرے فاضل وکیل کیا اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ طاہر مقصود اور فرخندہ بیگم کے تعلقات اگر اتنی گہری نوعیت کے تھے تو طاہر مقصود، فرخندہ بیگم کے معاملے میں شریک نہیں ہو سکتے۔"

"سو فیصد ہو سکتے ہیں۔ اس کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" نصرت حسین صاحب نے کہا۔

"یہ جھوٹ ہے جناب والا! یہ جھوٹ ہے۔ ایک بے گناہ کو پھانسنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فرخندہ بیگم سے میرا ایسا کوئی تعلق نہیں تھا۔ نہ ہی کبھی فرخندہ بیگم نے مجھ سے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ مقتول جاوید سعید کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتی ہیں۔"

"گویا آپ کے خیال میں طاہر مقصود صاحب! اس قتل میں فرخندہ بیگم کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ جو اعتماد انھیں آپ پر تھا اور جس کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے آپ کو اپنے تمام کاروبار کا مینیجر بنایا، اس کے تحت وہ آپ کو بھی اس جرم میں شریک کر سکتی تھیں۔"

"یقیناً یقیناً! میں یہ بات بالکل وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ قتل فرخندہ [illegible] کیا ہے۔"

"دیٹس آل می لارڈ!" میں نے کہا اور بیٹھ گیا۔ بیرسٹر صاحب طاہر مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ اور انھوں نے طاہر مقصود کو گھورتے ہوئے کہا

"تم نے اتنے عرصے کوٹھی میں رہ کر فرخندہ بیگم کا جائزہ لیا۔ کیا اُن کے ذہن میں ان دونوں یعنی حنا اور جاوید سعید کے خلاف کوئی نفرت پائی جاتی تھی؟"

"قطعی نہیں! میں نے کبھی یہ بات محسوس نہیں کی بلکہ فرخندہ تو ان کے لیے پریشان رہا کرتی تھی۔" طاہر مقصود کے ہوش و حواس اب رخصت ہو گئے تھے۔ میں نے ایسا چکر چلایا تھا کہ طاہر مقصود الجھ کر رہ جائے اور یہ سوچنے لگے کہ اُسے بھی باقاعدہ اس جرم میں شریک کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اب وہ دُہری مار کا شکار تھا۔ ایک طرف میں اُس کی شخصیت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسری طرف بیرسٹر نصرت حسین صاحب بھی حالات میں گھر کر ان ہی راستوں پر آ گئے تھے۔

"جاوید سعید سے تمھارے کیسے تعلقات تھے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ وہ ہوش و حواس ہی میں نہیں رہتا تھا ہیروئن کا عادی تھا اور اُس سے گفتگو کرنے کی ساری کوششیں مضحکہ خیز ہی لگتی تھیں۔ کبھی کسی صحیح بات کا جواب تک نہیں دے سکتا تھا۔"

"طاہر مقصود صاحب! کیا ہیروئن کا علاج کرانے کے لیے کوٹھی میں کچھ کوششیں کی گئیں؟ آپ کا کہنا ہے کہ فرخندہ بیگم انھیں بہت پیار کرتی تھیں اور ان کے لیے پریشان رہتی تھیں جب کہ اس دور میں ہیروئن کا علاج مشکل نہیں رہا ہے۔ اور ہیروئن کے عادی کسی بھی شخص کو اسپتال میں داخل کرا کے اُس کا علاج کرایا جا سکتا ہے۔ فرخندہ بیگم نے کبھی اس سلسلے میں کوئی کارروائی کی؟"

"جی ہاں جی ہاں! ڈاکٹر جبار نوری، جاوید سعید کا علاج کر رہے تھے۔"

"جناب والا! مداخلت کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ یہ نام بھی ذہن میں رکھا جائے۔ مجھے مسرت ہے کہ میرے فاضل وکیل میری مشکلات آسان کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر جبار نوری جو جاوید سعید کا علاج کر رہے تھے اس سلسلے میں ایک گواہ کی حیثیت سے طلب کیے جا سکتے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ نہایت ضروری ہے۔" بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے پلٹ کر غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ان کی آنکھوں کی کیفیت بتاتی تھی کہ وہ شدید اذیت کا شکار ہیں اور ذہنی طور پر خود بھی شدید طور پر الجھ گئے ہیں۔ طاہر مقصود کا چہرہ الگ اترا ہوا تھا۔ اور مہمانوں کی گیلری میں بیٹھی حنا سعید بھی کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آ رہی تھی۔ طاہر مقصود کے بعد اُس کا بھی بیان ہونا تھا۔ بیرسٹر صاحب نے اس کے بعد طاہر مقصود سے کوئی سوال نہیں کیا۔ انھیں اندازہ ہو چکا تھا کہ طاہر مقصود پریشان ہو گیا ہے۔ اور اب وہ کوئی صحیح جواب

نہیں دے سکے گا چنانچہ حنا کو کٹہرے میں طلب کر لیا گیا اُس کے چہرے پر اُداسی اور غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جج صاحب کے ایما پر حنا کا بیان لیا گیا اور اُس نے کہا

"جناب والا! میں آپ کو حقائق سے بے خبر نہیں رکھوں گی۔ میرا بھائی مجھ سے چھین لیا گیا ہے اور اُس کی قاتل میری سوتیلی ماں فرخندہ ہے۔ جناب والا! میری ماں کی موت کے بعد میرے مرحوم والد نے ہم دونوں بہن بھائیوں کو ماں بن کر پرورش کیا اور ایک طویل عرصے تک انھوں نے شادی کا تصور بھی نہیں کیا۔ اُن کی بقیہ زندگی بھی اسی انداز میں گزر جاتی۔ کیونکہ جب بھی اُن سے اِس موضوع پر بات ہوتی انھوں نے یہی کہا کہ میری دُنیا تم دونوں ہو اور تمہارے بعد مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ بھی حقیقت ہے جناب والا کہ فیصل آباد میں میرے والد کا کاروبار تھا۔ اور علی احمد صاحب وہاں ہمارے فرم میں ایک کارکن کی حیثیت سے تھے۔ میرے والد جب بھی فیصل آباد جاتے تھے۔ ان ہی لوگوں کے ساتھ قیام کرتے تھے حالانکہ ان کے پاس وہاں دوسرے ذرائع بھی تھے۔ انسان غلطیوں کا پُتلا ہے میں نہیں کہہ سکتی کہ غلط ان کا معاملہ کیا تھا لیکن فرخندہ بیگم سے شادی کے سلسلے میں اگر اس معاملے کو شامل کیا جائے تو میں اسے تسلیم نہیں کر سکتی میں نہیں جانتی کہ وہ سب حقائق جو عدالت میں پیش کیے گئے ہیں کیا نوعیت رکھتے ہیں بلکہ میں تو یہ بھی مطالبہ کرتی ہوں کہ تحریروں کے ماہر سے ان خطوط کا معائنہ کرا لیا جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ ان کی رائٹنگ میرے والد کی ہے یا کسی تحریروں کے ماہر سے یہ خطوط لکھوائے گئے ہیں۔ بہر طور فرخندہ بیگم میری ماں بن کر کوٹھی میں آگئیں۔ اور ہم نے ان سے بھرپور تعاون کیا۔ لیکن چند ہی روز میں ہمیں علم ہو گیا کہ وہ سوتیلی ماں کے اُس تصور سے مختلف نہیں ہیں جو کہانیوں اور افسانوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے لیے ایک بدترین عورت تھیں بظاہر اُن کا رویہ ہمارے ساتھ بہتر تھا لیکن در پردہ وہ جو کچھ کر رہی تھیں اُس سے بھی ہم لاعلم نہیں تھے۔ میرا بھائی جاوید میری طرح حوصلہ مند نہیں تھا، وہ بارہا میرے سامنے رو تک دیا۔ اور اُس نے کہا کہ ہمارے باپ نے اِس عمر میں ہماری گردنوں پر ایک ایسا بوجھ سوار کر دیا ہے جو بالآخر ہماری گردنوں کو توڑ دے گا۔ جناب والا! اگر میرے پاس کوئی ثبوت ہوتا تو میں عدالت تک یہ بات کھل کر کہہ سکتی تھی کہ والد کی موت بھی طبعی نہیں تھی۔ بلکہ ممکن ہے انھیں بھی ہلاک کرنے کے لیے کوئی گہری منصوبہ بندی کی گئی ہو۔ جناب والا! ہم لوگ صبر کرتے رہے۔ باپ کی موت نے ہمیں بالکل بے سہارا کر دیا تھا۔ فرخندہ بیگم نے فوراً تمام کاروباری امور سنبھال لیے۔ اُن کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ وہ میرے والد کے ساتھ کاروباری معاملات میں شریک [illegible] یہ صرف اتفاق نہیں تھا۔ جناب والا! بلکہ ایک سوچی سمجھی [illegible] تھی اور فرخندہ بیگم مستقبل کے لیے اپنے راستے ہموار کر رہی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ والد کی موت کے بعد انھیں ہی تمام کاروبار سنبھالنا ہو گا۔۔۔۔ اسی بنا پر میں کہہ سکتی ہوں کہ انھیں والد صاحب کی موت کا یقین تھا۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ ہر کام خواہش کے مطابق ہو جائے ہاں اگر انسان کے ذہن میں کوئی منصوبہ ہو تو پھر وہ وقت کا تعین کر سکتا ہے لیکن [illegible] بالکل ہی مختلف بات ہے جس کا کوئی ثبوت میں عدالت کے سامنے پیش نہیں کر سکتی میں اپنے بھائی جاوید کی موت کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ جاوید بے حد بددل تھا۔ اور اکثر مجھ سے کہتا رہتا تھا کہ اُسے اپنی فکر نہیں ہے اگر وہ پریشان ہے تو میرے لیے ہم دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو تسلیاں دیتے رہتے تھے لیکن جاوید برداشت نہ کر سکا اُس نے پتا نہیں کہاں سے ہیروئن کی لعنت اپنے گلے لگا لی۔ یا اگر اس واقعے کو بھی فرخندہ بیگم سے منسوب کیا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ اس سفاک قاتلہ نے اسی پر بس نہیں کیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ہیروئن کے ذریعے موت آسانی سے نہیں واقع ہو سکتی اور اس کا علاج بھی کیا جا سکتا ہے چنانچہ میرے بھائی کو زہر بھی دیا گیا۔ جس کا علم مجھے اب ہوا ہے۔ کاش میں پہلے ہی اِس سے باخبر ہو جاتی بہرطور یہ سلسلہ جاری رہا اور بالآخر میرے بھائی کی جان لے لی گئی جناب والا! میں بے سہارا رہ گئی ہوں۔ ماں کو بچپن میں کھو بیٹھی تھی۔ باپ بھی چلا گیا۔ اور اب آخری سہارا ایک بھائی تھا اُسے بھی مجھ سے چھین لیا گیا جناب والا! سزا صرف مجرم ہی کو نہیں ملے گی۔ بلکہ سزا تو مجھے مل گئی ہے۔ مجھے گناہ کی سزا دے دی گئی ہے۔ زندگی بھر کے عذاب بھگتنے کی سزا جناب والا! اس قاتلہ کو اتنی اجازت دے دیجیے کہ یہ مجھے بھی زہر دے کر مار دے۔ میں اپنے بھائی کے بغیر زندہ رہ کر کیا کروں گی؟" حنا سعید زاروقطار رونے لگی چند لمحات کے لیے خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور میں نے عدالت سے اجازت

طلب کی کہ میں حنا سعید سے کچھ سوالات کروں۔ نصرت حسین نے کہا۔

"جناب والا! مقتول کی بہن حنا سعید پر رقت طاری ہو گئی ہے اور میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ اِس قابل نہیں ہے کہ وکیل صاحب کے سوالات کے جواب دے چنانچہ اسے اِس وقت مجبور نہ کیا جائے۔"

"جناب والا! میں انتظار کر لوں گا۔ ابھی عدالت کا وقت باقی ہے محترمہ حنا سعید کو ہدایت کی جائے کہ وہ خود کو سنبھالیں ضروری ہے جناب والا! کیونکہ یہاں سے بات نکل رہی ہے۔"

"حنا سعید خود کو سنبھالیں۔ اور عدالت میں اپنے بھائی کے قاتل کی نشاندہی کریں۔ یہ اُن ہی کے حق میں بہتر ہے۔" جج صاحب کی آواز اُبھری۔

"جناب والا! ابھی چند لمحات قبل طاہر مقصود صاحب نے کہا کہ میں خود بھی اُن واقعات کا ایک شاہد ہوں۔۔۔۔ میں اسی سمت آنا چاہتا ہوں۔ فاضل وکیل صاحب نے فرمایا کہ وہ وقت کے انتظار میں تھے کہ مجھ سے یہ سوال کریں کہ میں وہاں کیوں موجود تھا۔ میرا خیال ہے سماعت جس قدر زیادہ سے زیادہ ہو جائے بہتر ہے تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ میں خاص طور سے سوالات کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"اجازت ہے۔" جج صاحب نے کہا۔ اور میں کٹہرے کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے حنا کے چہرے پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے کہا

"میں آپ کے غم میں شریک ہوں مس حنا! لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ میں کسی بھی گناہگار کو بچانے کا خواہش مند نہیں ہوں۔ میں فرخندہ بیگم کی وکالت کر رہا ہوں۔ لیکن اگر حالات یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ فرخندہ بیگم ہی جاوید سعید کی قاتل ہیں تو مجھے اُن کے سزا پانے پر ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہو گا۔ انسانوں کی زندگیوں سے کھیلنا معمولی کام نہیں ہے۔ اور جو اس کی کوشش کرتا ہے اسے سزا ضرور ملنی چاہیے۔ براہ کرم آپ پورے ہوش اور حواس کے ساتھ میرے سوالات کے جواب دیں۔" حنا نے آنسو خشک کیے۔ اُس کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں بھری ہوئی تھیں۔ اور وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مس حنا! سب سے پہلے میں آپ سے یہ سوال کروں گا کہ جس وقت فرخندہ بیگم نے طاہر مقصود کو اپنی کوٹھی میں طلب کیا۔ اُسے کاروبار کا نگراں بنایا اور وہاں اُس کے قیام کے لیے جگہ کا انتخاب کیا۔ کیا آپ نے اِس کی مخالفت کی تھی؟"

"ہماری زبانیں بند تھیں پھر ہم اِس حیثیت میں نہیں تھے کہ فرخندہ بیگم کے کسی اقدام پر اعتراض کریں۔ اس کا احساس ہمیں پہلے ہی دلا دیا گیا تھا۔ والد صاحب کی موجودگی میں بھی ہمارا کام بس اتنا ہی تھا کہ اپنی کسی خواہش کا اظہار کر دیں۔ اور اُس کے پورا ہونے یا نہ پورا ہونے کا انتظار کریں اور اُس سے زیادہ ہماری حیثیت اُس گھر میں نہیں تھی تو اُن کی موت کے بعد بھلا اِس بات کی کیا گنجائش تھی کہ میں فرخندہ بیگم کے کسی اقدام پر اعتراض کروں۔"

"تو آپ نے اس سلسلے میں قطعی اعتراض نہیں کیا؟"

"نہیں! کیونکہ اُس کا نتیجہ جانتی تھی۔" حنا سعید نے جواب دیا۔

"پوری طرح غور و خوض کر کے بتائیے صورتِ حال ممکن ہے اس سے پہلے آپ کے علم میں آ گئی ہو یا ممکن ہے [illegible] انکشاف کے بعد کسی زمانے میں طاہر مقصود فرخندہ بیگم سے محبت کرتا رہا ہے کیا آپ اِس بات کی نشاندہی کر سکتی ہیں کہ یہاں آنے کے بعد ان کے درمیان کس طرح کے تعلقات رہے؟"

حنا چند لمحات سوچتی رہی پھر اُس نے کہا

"ہر چند کہ طاہر مقصود فرخندہ بیگم ہی کے مہمان تھے اور انھی کی وجہ سے یہاں آئے تھے لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ فطرتاً بُرے انسان نہیں ہیں۔ انھوں نے یہاں وہ تفریق نہیں برتی جس سے یہ احساس ہوتا کہ وہ ہمیں فرخندہ بیگم کے سوتیلے بچے سمجھتے ہیں۔ طاہر مقصود صاحب کا رویہ ہمیشہ ہمارے ساتھ نرم رہا اور وہ ہم سے ہمدردی بھی کرتے رہے لیکن فرخندہ بیگم کی مرضی کے خلاف نہیں۔ بس اُن کا انداز ہمارے ساتھ بہت بہتر تھا۔ میں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو قابلِ اعتراض ہوتی اور اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ طاہر مقصود صاحب کم از کم بُرے کردار کے انسان نہیں ہیں۔ میں ان کی ممنون بھی رہی ہوں۔ چونکہ جاوید کے سلسلے میں انھوں نے مجھ سے کئی بار کہا کہ اگر میں کسی چیز کی ضرورت محسوس کرتی ہوں تو وہ آگے بڑھ کر کام کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"شکریہ مس حنا! ڈاکٹر جبار نوری کو جاوید سعید کے علاج کے لیے کس نے مخصوص کیا تھا؟"

"فرخندہ بیگم نے۔ کیونکہ وہ ہمارے فیملی ڈاکٹر تھے اور ہمارے تمام چھوٹے بڑے امراض کا علاج وہی کیا کرتے تھے فرخندہ بیگم نے ڈاکٹر جبار نوری سے رابطہ قائم کیا۔ ڈاکٹر نوری

نے گھر پر ہی جاوید کا علاج شروع کر دیا۔"

"اپنے بھائی کی اس کیفیت سے آپ کے دل میں کبھی یہ خواہش نہیں پیدا ہوئی کہ آپ کی سوتیلی ماں اُس کا بہتر علاج نہیں کرا سکتیں بلکہ ممکن ہے اُسے کوئی نقصان پہنچا دیں چنانچہ اُس پیارے بھائی کے لیے آپ نے کسی کا سہارا کیوں نہیں قبول کیا جب کہ آپ کو فوری طور پر یہ کرنا چاہیے تھا۔ جاوید کو پہلے بھی اسپتال میں داخل کرایا جا سکتا تھا۔ آپ نے یہ سب کچھ کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں آتا تھا۔ اس حد تک امید نہیں تھی کہ میرے بھائی کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے گی۔" حنا سعید نے جواب دیا۔

"اب میں اُس اہم نکتے کی طرف آتا ہوں مس حنا سعید جب آپ نے وکیل احمد فاروقی صاحب سے ملاقات کی تھی۔ اُس دن آپ ایک برقعے میں ملبوس وکیل فاروقی صاحب کے دفتر پہنچی تھیں اور آپ نے اُن سے کہا تھا کہ آپ کو اُن کی مدد کی ضرورت ہے۔ آپ نے وکیل فاروقی صاحب سے درخواست کی کہ چونکہ آپ ایک بے بس اور لاچار لڑکی ہیں، اپنی سوتیلی ماں کے مظالم کا شکار رہی ہیں، آپ کو شبہ ہے کہ آپ کے بھائی کو سلو پوائزن دیا جا رہا ہے۔ آپ پولیس سے رابطہ اس لیے قائم نہیں کر سکتیں کہ آپ کے پاس اپنے شبہے کا کوئی ثبوت نہیں ہے چنانچہ وکیل فاروقی صاحب آپ کی مدد کریں۔ اور اُس کے بعد محترمہ حنا سعید آپ نے مجھے اپنی کوٹھی پر طلب کیا، وہاں میرے قیام کا بندوبست کیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس سلسلے میں چھان بین کروں۔ کیا اُس وقت آپ کو یہ علم ہو چکا تھا کہ آپ کے بھائی کو زہر دیا جا رہا ہے۔ اگر نہیں تو آپ نے کس بنیاد پر اس بات کا شبہ ظاہر کیا تھا؟"

"یہ غلط ہے۔ میں نے کبھی آپ کی موجودگی میں وکیل فاروقی سے رابطہ قائم نہیں کیا اور نہ ہی میں کبھی برقع اوڑھ کر وکیل فاروقی صاحب سے ملی [illegible] تو آپ کو جانتی بھی نہیں تھی۔ [illegible] آپ [illegible] کوٹھی میں آئے اور آپ نے کہا کہ آپ راولپنڈی سے آئے ہیں، اور جاوید کے دوست ہیں۔ اُس سے پہلے میں آپ کو بالکل نہیں جانتی تھی۔ یہ قطعی طور پر غلط ہے کہ میں نے آپ سے ایسی کوئی درخواست کی تھی بلکہ آپ خود ہی ہماری کوٹھی میں آئے تھے اس کی گواہی میری کوٹھی کے ملازمین اور ظاہر مقصود دیں گے۔ میں نے کبھی آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"جنابِ والا! یہاں پھر میری مداخلت ناگزیر ہو گئی [illegible] وکیل صاحب نے خود کو اس معاملے میں باقاعدہ ملوث [illegible] اُس کوٹھی میں یہ بھی کچھ وقت گزار چکے ہیں، جہاں [illegible] قتل کا الزام ہے۔ اس حیثیت سے میں ان سے بھی کچھ [illegible] پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔ کیا آپ اجازت دیں گے جناب [illegible] وکیل [illegible] تھوڑی دیر کے لیے ملزمہ کے وکیل کی حیثیت ختم کر کے ایک گواہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہوں [illegible] صاحب نے چند لمحات سوچا اور اُس کے بعد کہا۔

"وکیل صفائی ایک گواہ کی حیثیت سے کٹہرے [illegible] جائیں۔" میں نے فوراً ہی کوٹ اتار کر میز پر رکھا اور کٹہرے [illegible] جا کھڑا ہوا۔ مجھ سے حلف اٹھوایا گیا کہ جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔ اور میں حلف اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب میرے سامنے پہنچ گئے اور مجھے سر نگاہوں سے گھورتے رہے۔

"آپ نے خود تسلیم کیا ہے کہ آپ اس کوٹھی میں کافی وقت گزار چکے ہیں جہاں جاوید سعید، حنا اور فرخندہ بیگم رہتے تھے۔"

"جی ہاں! یہ بات میں تسلیم کرتا ہوں۔"

"حنا سعید کہتی ہے کہ وہ آپ کو نہیں جانتی تھی، آپ نے اپنا تعارف جاوید سعید کے ایک دوست کی حیثیت سے کرایا تھا۔ کیا کبھی ماضی میں جاوید سے آپ کی دوستی رہ چکی ہے؟"

"جی نہیں۔ کبھی نہیں۔"

"... تو پھر آپ نے اپنے آپ کو کوٹھی میں پہنچ کر جاوید سعید کے دوست کی حیثیت سے کیوں متعارف کرایا تھا؟"

"جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حنا سعید نے وکیل فاروقی صاحب سے مدد کی درخواست کی تھی اور اپنے آپ کو ایک معصوم اور زمانہ ناشناس لڑکی بتایا تھا۔ اس کے آنے کے بعد وکیل فاروقی صاحب نے مجھ سے گفتگو کی اور کہا کہ کیوں نہ اس سلسلے کی چھان بین کی جائے اور اگر واقعی کوئی [illegible] کوشش کی جا رہی ہے تو اُسے روکا جائے چنانچہ میں جاوید کے دوست کی حیثیت سے کوٹھی میں داخل ہوا۔ مقصد یہی تھا کہ فرخندہ بیگم کو ذہن میں رکھوں اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کروں کہ وہ جاوید سعید یا حنا سعید کو کیا نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"جب آپ نے جاوید سعید سے ملاقات کی تو کیا اُس نے پہچاننے سے انکار نہیں کیا؟"

"وہ ذہنی طور پر معطل تھا اور قطعی اس قابل نہیں تھا کہ کسی [illegible] بات کر سکے۔ میری تصدیق تو خود حنا سعید نے کی تھی کیونکہ میں [illegible] کے ذریعے کوٹھی تک پہنچا تھا۔ حنا سعید نے جاوید کو یاد [illegible] کہ میں اُس کا بچپن کا دوست رہ چکا ہوں اور میرے اور اُس [illegible] کے درمیان گہرے تعلقات تھے۔ اسی بنیاد پر حنا سعید نے [illegible] میرے قیام کے لیے جگہ حاصل کی تھی۔"

"تو پھر وہاں رہ کر آپ نے کیا معلومات حاصل کیں؟" [illegible] نصرت حسین نے پوچھا۔

"میں حنا کے مددگار کی حیثیت سے وہاں پہنچا تھا لیکن [illegible] میں داخل ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ درحقیقت [illegible] بیگم ایک سادہ لوح خاتون ہیں اور وہ کسی بھی طور جاوید [illegible] کی دشمن نہیں ہو سکتیں۔ اس کے علاوہ میں نے وہاں رہ [illegible] اور بھی بہت سی معلومات حاصل کیں جن کا انکشاف میں [illegible] ابھی عدالت کے سامنے نہیں کرنا چاہتا۔"

"لیکن حنا سعید اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں کہ وہ آپ کو کسی اور حیثیت سے پہچانتی ہیں۔"

"وکیل صاحب! اگر کوئی برا نہ مانے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں [illegible] حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کو خود ہی باریک بینی سے حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ میں اس وقت ایک وکیل کی حیثیت سے نہیں، ایک گواہ کی حیثیت سے بول رہا ہوں۔ اگر حنا سعید صاحبہ مجھے اس حیثیت سے نہیں پہچانتی تھیں تو جب وکیل احمد فاروقی صاحب نے اُن کا کیس پہلی بار عدالت میں پیش کیا اور میں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں فرخندہ سعید کا وکیل ہوں، تو حنا سعید صاحبہ نے فوری طور پر وکیل احمد فاروقی صاحب کا وکالت نامہ کیوں منسوخ کر دیا۔ انھوں نے یہ الفاظ کیوں کہے کہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور وہ اپنے وکیل سے مطمئن نہیں ہیں۔ کیا آپ اس سوال کا جواب دینا پسند کریں گے بیرسٹر صاحب! کہ یہ الفاظ کس بنا پر کہے گئے تھے؟" بیرسٹر نصرت حسین ہکا بکا رہ گئے۔ انھوں نے پریشانی سے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر گردن ہلا کر بولے۔

"تو آپ کو حنا سعید نے اس کام کے لیے مخصوص کیا تھا لیکن وکیل صاحب! کیا ایک وکیل کو جاسوسی کا لائسنس بھی جاری کیا جاتا ہے۔ کیا اُس کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ پہلے اپنے مؤکلوں کے بارے میں چھان بین کرے یا کسی کیس کی تفتیش

کر کے پولیس کے کام میں مداخلت کرے اور اس کے بعد اُس کیس کو حقائق کے ساتھ عدالت میں پیش کرے؟"

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے بیرسٹر صاحب! تو یہ حقیقت ہے کہ میں آپ کے سامنے طفلِ مکتب ہوں لیکن یہ کوئی جرم نہیں ہے اور نہ ہی خلافِ قانون وکالت کے پیشے کو اگر صرف کاروبار کے انداز میں اختیار کیا جائے تو میرے خیال میں یہ اس لفظ کی توہین ہے۔ وکیل بہت بڑی چیز ہوتا ہے۔ کسی کو سزا دلوانا، کسی کے جرم کی نشاندہی کرنا اور اُسے ثبوتوں کے ساتھ قانون کے سامنے پیش کرنا ایک مقدس فریضہ ہے اور اگر اس فریضے کو صرف معاوضے کے ترازو میں تول کر کام شروع کر دیا جائے تو میرے خیال میں یہ اس لفظ کے ساتھ ناانصافی ہے اور اگر آپ اسے جرم ہی قرار دینا پسند کرتے ہیں تو میں آپ سے عرض کروں کہ جس وقت میں حنا سعید کی کوٹھی میں داخل ہوا تو میری پریکٹس عمل نہیں ہوئی تھی اور مجھے باقاعدہ وکالت کا لائسنس جاری نہیں ہوا تھا۔ آپ کو یہ سن کر مسرت ہو گی کہ میں اپنی زندگی کا پہلا مقدمہ لڑ رہا ہوں اور لائسنس جاری ہوئے صرف چند روز ہوئے ہیں۔" بیرسٹر نصرت حسین صاحب کو ایک بار پھر خاموش ہونا پڑا تھا۔ چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد انھوں نے کہا۔

"تو آپ نے محسوس کیا کہ جاوید سعید کی حالت کافی خراب تھی، آپ نے ایک ہمدرد کا انسانی رشتوں سے محبت کرنے والے شخص کی حیثیت سے جاوید سعید کے لیے کیا کیا؟"

"میں نے فوراً ہی نوید صدیقی صاحب سے رابطہ قائم کیا اور کسی کی اجازت کے بغیر جاوید کو نوید صاحب کے اسپتال میں داخل کرا دیا۔ نوید صاحب نے جاوید کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ اس کے جسم میں ایک ایسے زہر کی مقدار پہنچائی جا رہی ہے جو آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے لیکن بے حد خطرناک ہے اور اپنا کام کرنے کے بعد اس کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ نوید صدیقی صاحب جاوید کی زندگی کے لیے بہت زیادہ پُرامید نہیں تھے لیکن انھوں نے کوشش کرنے کے بعد مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ جاوید صحت کی جانب آ رہا ہے۔ زہر کے اثرات ختم کیے جا رہے ہیں اور اس بات کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں کہ ممکن ہے جاوید کو نئی زندگی مل جائے۔" میں نے جواب دیا اور نصرت حسین صاحب اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اُن کی حالت قابلِ رحم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے جرح کا سلسلہ ختم کر دیا اور

میں کٹہرے سے باہر نکل کر کورٹ سے نکلنے لگا۔ وقت بہت ہو گیا تھا اس لیے عدالت برخاست کر دی گئی۔

آج کی یہ کارروائی انتہائی طوفانی تھی اور اس میں میرے اور نصرت حسین صاحب کے درمیان جو بحث ہوئی تھی، اُسے ایک تاریخی بحث قرار دیا جا رہا تھا۔ عدالت میں چند وکلاء بھی موجود تھے جنھوں نے باہر نکلتے ہی مجھے گھیر لیا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب فوراً ہی کمرۂ عدالت سے نکل کر باہر چلے گئے تھے۔ مجھے میرے نئے وکیل ساتھی گھیرے ہوئے بار روم میں لے آئے۔ وہ میری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ جاوید قریشی بھی تھا۔ وہ بھی پُرجوش نظر آ رہا تھا۔ وکیل فاروقی صاحب کی آنکھیں نمناک تھیں۔ انھوں نے آہستہ سے کہا۔

"آج فولاد سے فولاد ٹکرایا ہے۔ کیا جھنکار تھی، کیا آواز تھی۔ تم لوگوں نے ... کسی کو کچھ نہیں کہوں گا لیکن ایک پیشین گوئی کیے دیتا ہوں کہ مستقبل میں ایک بہت بڑا آدمی آپ لوگوں کے سامنے آنے والا ہے۔ خدا کی پناہ، خدا کی قسم ... آج عدالت کی کارروائی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے ... کی تاریخ میں ... کوئی کیس سامنے نہیں آیا ... بار بار بدل کے ایک کونے میں تھوڑا سا گھبرا بھی رہا تھا مگر میں بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ شاید اپنی زندگی ... میں نہیں جانتا تھا ... بیرسٹر صاحب کے بارے میں میری رائے بہت زیادہ ... دوسرے لوگوں کو میں کم سمجھتا تھا ... بیرسٹر صاحب کے ... کیا اس وقت تک وہ مجھے برداشت کر سکیں گے؟ ... رہے تھے کہ اُن سے ملاقات کر کے کہوں کہ وہ اس کیس سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ کیس مجھے جیتنا ہے مگر انھیں نہیں۔ کاش حنا سعید بیرسٹر نصرت حسین کو منتخب نہ کرتی۔ کاش مجھے پہلے مقدمے میں اپنے بھائی ہی کو شکست نہ دینا پڑتی لیکن بہرطور میرے خیالات تھے۔

★★

دفتر آنے کے بعد وکیل فاروقی صاحب مجھ سے بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ بیرسٹر نصرت حسین بھی زیرِ بحث آئے۔ اور وکیل فاروقی صاحب نے مجھے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ تو پہلا مقدمہ ہے شارق، پتا نہیں کتنی بار تمھیں بیرسٹر نصرت حسین کے سامنے آنا پڑے۔ ہم لوگ اپنے اپنے پیشے سے مخلص ہوتے ہیں۔ ہماری تمام بحث عدالت کے اندر ہوتی ہے۔ عدالت سے باہر نکلنے کے بعد ہم سب ایک جان ہو جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے بیرسٹر صاحب کو اس بات پر بُرا نہیں ماننا چاہیے لیکن تمھارے آئندہ اقدامات کیا ہوں گے؟"

"میں نے اب ڈاکٹر جبار نوری کو عدالت میں طلب کیا ہے۔ عدالت سے سمن جاری کراؤں گا اُن کے نام۔ تاریخ بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ اس مسئلے کو جس قدر جلد نمٹانا ممکن ہو، نمٹا دینا چاہیے۔"

"مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمھیں اس سلسلے میں کس پر شبہ ہے؟"

"قبل از وقت کوئی بات نہیں کہنا چاہتا۔ حقائق خود بولیں گے۔ میں صرف ثبوتوں کی زبان میں بات کروں گا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے میرے پہلے دو گواہوں کو کرائے کا گواہ قرار دے کر مجھے بھڑکا دیا ہے۔ براہ کرم ابھی مجھے خاموش رہنے دیں۔ اس سلسلے میں کوئی سوال نہ کریں۔" فاروقی صاحب نے فراخدلی سے گردن ہلا دی تھی۔

پیشی بہت زیادہ دور نہیں تھی اور مجھے اس دوران اور بھی بہت سی کارروائیاں کرنی تھیں۔ اب اس سلسلے میں، میں تنہا نہیں تھا بلکہ میرے ساتھ ایک اور شخصیت بھی تھی جو انسپکٹر غالب کی تھی اور اب تک میں درپردہ غالب سے کافی مدد لیتا رہا تھا۔ یہ مخلص اور ایماندار شخص اس بات سے بے نیاز کہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے وہ کیا کرتا رہا ہے، میری مدد کر رہا تھا اور اُس کی مدد سے مجھے بہت سے فائدے حاصل ہوئے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے کردار کا ایک یہ پہلو بھی میرے سامنے آیا کہ اس کیس میں انھیں خاصی اُلجھنوں سے دوچار ہونا پڑا تھا لیکن انھوں نے مجھ سے رابطہ قائم کر کے اپنے برادرانہ حقوق استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ میں تھوڑا سا پریشان بھی رہا تھا کہ اگر انھوں نے مجھے طلب کر کے صورتِ حال معلوم کرنے کی کوشش کی تو میں انھیں کیا جواب دوں گا۔ ظاہر ہے اپنا کوئی کمزور پہلو تو اُن کے سامنے نہیں پیش کر سکتا تھا۔ لیکن بیرسٹر صاحب نے ایسا نہیں کیا تھا۔

کمرۂ عدالت میں وہ پوری طرح مستعد تھے۔ میں نے ڈاکٹر جبار نوری کو ایک نشست پر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ خصوصی گواہ کے طور پر، میں نے

ڈاکٹر نوید صدیقی کو بھی زحمت دی تھی اور وہ بیچارے وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ جب جج صاحب نے کیس کی کارروائی کا آغاز کیا تو میں نے سب سے پہلے ڈاکٹر نوید صدیقی ہی کو گواہ کی حیثیت سے طلب کیا۔ نوید صدیقی نے عدالت کو بتایا کہ "میں جاوید سعید کو اُن کے کلینک میں لایا تھا" اور اس کے لیے ان کے ایک دوست وکیل فاروقی نے سفارش بھی کی تھی چنانچہ ڈاکٹر نوید صدیقی نے جاوید سعید کا خصوصی معائنہ کر کے اس بات کا سراغ لگا لیا کہ اُس کے جسم میں ایک خصوصی زہر داخل کیا جا رہا ہے۔ نوید صدیقی نے کہا کہ میری فوری ہدایت پر جاوید سعید کو کلینک میں داخل کر دیا گیا اور میں نے اُس کا علاج شروع کر دیا۔ نوید صدیقی نے زہر کے اثرات اور اُس کے عوامل کے بارے میں مختصر سی تفصیل بتائی اور اُس کے بعد انھوں نے اپنے سرٹیفکیٹ کے بارے میں بھی بتاتے ہوئے کہا کہ زہر کی ایک بہت بڑی مقدار کے انجکشن نے جاوید سعید کو موت کی نیند سُلا دیا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ بیرونی سمت سے کسی اجنبی شخصیت کا اندر داخل ہونا ممکن نہیں تھا۔ جو کوئی بھی اندر پہنچا، ہوا کے لیے کھلی ہوئی کھڑکی کے راستے داخل ہوا جو کمرے کے عقب پر ہے۔

عدالت نے بیرسٹر نصرت حسین صاحب سے کہا کہ اگر وہ نوید صدیقی صاحب سے کچھ پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں لیکن بیرسٹر نصرت حسین نے کوئی سوال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تب میں کٹہرے کے سامنے پہنچ گیا اور میں نے نوید صدیقی صاحب سے سوال کیا۔

"ڈاکٹر صاحب! جو مخصوص قسم کا زہر مقتول جاوید کو دیا گیا ہے کیا اُس کا حصول آسان ہے؟"

"نہیں! زہر بلجیم کی صرف ایک کمپنی بناتی ہے۔ اور اسے کوئی بھی میڈیکل اسٹور ذاتی ذرائع سے بھی امپورٹ نہیں کر سکتا۔ دوا ساز کمپنیاں البتہ ایک خصوصی لائسنس کے تحت اسے منگوا سکتی ہیں یا پھر کوئی تحقیق کی غرض کے لیے کوئی بڑا ڈاکٹر جس کی حیثیت مستند ہو اسے حاصل کر سکتا ہے لیکن اُسے بھی اس کا پورا پورا حساب رکھنا ہوتا ہے اور کسی بھی شعبے پر اُس سے یہ حساب طلب کیا جا سکتا ہے۔"

"شکریہ ڈاکٹر صاحب! کیا کوئی ڈاکٹر کسی شخص کے جسم پر ابتدائی مرحلے میں اس زہر کے اثرات دریافت کر سکتا ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں! بشرطیکہ وہ ڈاکٹر ہو۔" نوید صدیقی نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں اُن کا شکریہ ادا کر کے پیچھے ہٹ گیا۔ ڈاکٹر جبار نوری کے چہرے پر ایک عجیب سی وحشت بکھری ہوئی تھی اور جب کمرۂ عدالت میں اُن کا نام پکارا گیا تو کٹہرے تک پہنچتے ہوئے اُن کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ صاف محسوس کی جا سکتی تھی جب کہ اس سے پہلے وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ اسمارٹ ظاہر کرتے رہے تھے۔ رسمی کارروائی کے بعد میں کٹہرے کے نزدیک پہنچ گیا اور میں نے ڈاکٹر جبار نوری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟"

"نہیں!"

"شاید آپ کے ذہن میں ہو کہ ایک بار میری ملاقات اُس وقت آپ سے ہوئی تھی جب جاوید سعید کی حالت بگڑی ہوئی تھی اور آپ نے اُسے انجکشن دیے تھے۔ اس دوران آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ شخص اپنے آپ کو ختم کر رہا ہے۔"

"مجھے یہ ذہن میں نہیں ہے۔ بہت سی باتیں پیش آتی رہتی ہیں۔ انھیں کہاں تک یاد رکھا جا سکتا ہے۔" ڈاکٹر جبار نوری نے جواب دیا۔

"یقیناً! آپ ایک معروف ڈاکٹر ہیں۔ ویسے ڈاکٹر صاحب! سعید بیگ اور اُن کے اہلِ خاندان سے آپ کے کب سے تعلقات ہیں؟"

"طویل عرصہ ہو گیا۔"

"اس عرصہ کی کوئی میعاد تو ہوگی؟"

"ہاں آپ اسے دس سال کہہ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر جبار نوری نے جواب دیا۔

"آپ ان کے فیملی ڈاکٹر ہیں؟"

"جی ہاں! نہ صرف فیملی ڈاکٹر ہوں بلکہ سعید بیگ سے میرے بہت اچھے تعلقات تھے اور ہم دونوں دوستی کا دعویٰ کرتے تھے۔"

"بہت خوب ڈاکٹر صاحب! جاوید کی ایڈکشن کے بارے میں آپ کو کب علم ہوا؟"

"دن اور تاریخ مجھے یاد نہیں۔"

"ایک اندازہ یعنی کم از کم اُس وقت جب جاوید نے پہلی بار ہیروئن استعمال کی ہوگی یا اس سے کچھ پہلے۔"

"ممکن ہے وہی وقت ہو لیکن میں اس کا تعین نہیں کر سکتا۔"

"جاوید کی اِس کیفیت کے بارے میں آپ سے کس نے رجوع کیا۔؟ براہ کرم ذرا غور کر کے جواب دیجیے۔ زندگی میں سب کچھ نہیں بھولا جاتا۔"

"کوٹھی میں اگر کوئی بیمار ہوتا تھا یا کسی کی کیفیت خراب ہوتی تھی تو کوئی بھی شخص مجھے فون کر سکتا تھا۔ جاوید کے بارے میں میرا خیال ہے فرخندہ بیگم نے مجھے ٹیلیفون کیا تھا۔"

"ہُوں! آپ کو الفاظ تو یقیناً یاد نہیں ہوں گے۔ لیکن فرخندہ بیگم نے یہی کہا ہوگا کہ جاوید کی حالت اچانک بگڑ گئی ہے آپ اُس کا معائنہ کر لیجیے۔"

"جی ہاں یہی کہا جاتا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! آپ کے پاس کوئی کلینک وغیرہ نہیں ہے میرا مطلب ہے جہاں آپ مریضوں کو رکھ کر علاج کرتے ہوں؟"

"نہیں۔"

"جاوید کا آپ نے جب پہلی بار معائنہ کیا تو کیا اندازہ قائم کیا تھا آپ نے؟"

"ظاہر ہے میں ڈاکٹر ہوں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اِس نے ہیروئن استعمال کی ہے۔"

"آپ کے خیال میں اُس وقت جاوید کو ہیروئن استعمال کرتے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا تھا؟"

"زیادہ نہیں۔"

"گویا ابتدا تھی۔"

"جی ہاں۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ نے جاوید سعید کے لیے کیا طریقۂ علاج منتخب کیا؟"

"جو ہیروئین کے مریضوں کے لیے کیا جاتا ہے۔"

"اُس کے کچھ بہتر نتائج دیکھے آپ نے؟"

"نہیں! ہیروئن کے مریض کے لیے بہتر نتائج اُسی وقت دریافت ہوتے ہیں۔ جب وہ خود بھی اپنے علاج میں دلچسپی لے اور اپنی قوتِ ارادی سے کام لے۔"

"جاوید سعید ایسا نہیں کرتا تھا؟"

"نہیں! وہ میرے علاج کے باوجود مسلسل ہیروئن استعمال کرتا رہا تھا۔"

"آپ کو تشویش نہیں ہوئی ڈاکٹر صاحب! ایسے حالات میں تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ مریض کو کسی اسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے اور یہی اُس کے حق میں بہتر ہوتا ہے کیا آپ نے جاوید سعید کو کسی اسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ نہیں دیا؟"

"دیا تھا لیکن قبول نہیں کیا گیا۔"

"کس نے؟ آپ بتا سکتے ہیں۔"

"فرخندہ بیگم نے۔" ڈاکٹر نے پورے وثوق سے کہا۔

"آپ کو فرخندہ بیگم کے اِس انحراف سے اختلاف نہیں ہوا۔؟ ظاہر ہے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ کا مشورہ زیادہ معتبر تھا۔ آپ نے اِس سلسلے میں جاوید سعید کی بہن صاحبہ سے گفتگو نہیں کی؟ اُن سے یہ نہیں کہا کہ اُن کی سوتیلی ماں اُن کے حق میں بہتر نہیں کر رہیں؟ جاوید کو فوراً اسپتال میں داخل ہونا چاہیے۔"

"نہیں! میں نے صاحبہ سے یہ گفتگو کبھی نہیں کی۔"

"عدم دلچسپی کی بنیاد پر یا اِس کی کوئی اور وجہ تھی؟"

"بھائی! دراصل کسی کے ذاتی معاملات میں اُس حد تک ہی ٹانگ اڑائی جا سکتی ہے جس حد تک وہ پسند کرے۔ میں زبردستی تو نہیں کر سکتا تھا۔"

"اِس کے باوجود ڈاکٹر صاحب آپ جاوید سعید کا علاج کر رہے تھے اور آپ کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ جاوید سعید ہیروئن کی لعنت کا شکار ہے اور اُس کی عادت بگڑتی جا رہی ہے۔ آپ نے اِس سلسلے میں کوئی ایسا ٹھوس قدم کیوں نہیں اٹھایا جو جاوید سعید کے حق میں بہتر ہوتا؟"

"میں نے کہا نا ٹھوس قدم اٹھانے کے لیے دوسرے لوگوں کا تعاون ضروری ہوتا ہے اور وہاں مجھ سے یہ تعاون نہیں کیا جاتا تھا۔"

"ڈاکٹر صاحب! آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ جاوید سعید صرف ہیروئن کا شکار نہیں ہے بلکہ اِس کے علاوہ بھی اُس کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ ظاہر ہے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے آپ اِس بات کا اندازہ تو لگا سکتے تھے؟"

"میرے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ وہ کسی اور کیفیت کا شکار ہے۔"

"کچھ ٹیسٹ وغیرہ نہیں کرائے آپ نے جاوید سعید کے؟"

"میں نے کہا نا کہ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا تھا اور میں صرف اُن لوگوں کی فرمائش پر جاوید سعید کو ہیروئن سے نجات کے لیے جو دوائیں ہو سکتی تھیں استعمال کرا رہا تھا لیکن مجھے اُن کے نتائج سے بہتری کی اُمید نہیں تھی کیونکہ اثرات زائل بھی نہیں ہونے پاتے تھے کہ جاوید دوبارہ ہیروئن استعمال

کر لیتا تھا اور جیسا کہ آپ نے خود کہا کہ میں نے یہ بات اُن لوگوں کے سامنے کہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر رہا ہے اُس وقت میرے ذہن میں یہ تصور نہیں تھا کہ اس شخص کے جسم میں کوئی زہر وغیرہ بھی داخل کیا جا رہا ہے۔"

"ذرا مختلف سوال ہے ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا کہ سعید بیگ صاحب سے آپ کے دوستانہ تعلقات بھی تھے۔ لیکن آپ ڈاکٹر تھے ایک فیملی ڈاکٹر۔ آپ کو اُس خاندان سے کچھ معاوضہ تو ضرور ملتا ہوگا؟"

"میں مالی طور پر اتنا غیر مطمئن بھی نہیں ہُوں کہ اپنے دوستوں سے معاوضہ وصول کرتا پھروں۔" ڈاکٹر نوری نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ کے تعلقات تو سعید بیگ صاحب سے تھے اُن کے اہلِ خاندان سے بھی آپ کچھ نہیں وصول کرتے تھے؟"

"نہیں! میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ سعید بیگ کی موت کے بعد مجھے اس خاندان سے مزید ہمدردی ہو گئی تھی۔ اُس وقت بھلا اِس کا کیا سوال تھا کہ میں اُن لوگوں سے کچھ وصول کرتا۔"

"ڈاکٹر صاحب! یہ بات تو مزید اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اپنے مرحوم دوست کی موت کے بعد آپ پر کچھ اور ذمہ داریاں عائد ہو گئی تھیں۔ آپ جانتے تھے کہ جاوید سعید آپ کے مرحوم دوست کا اکلوتا بیٹا ہے آپ کو اُس پر پوری پوری توجہ دینی چاہیے تھی۔ اور وہ تمام اقدامات کرنے چاہیے تھے جو ایک دوست اپنے دوست کے بیٹے کے لیے کر سکتا ہے اور وہ بھی ایسا دوست جو اِس دُنیا میں نہ ہو۔"

"اگر تم یہاں مجھے میری کوتاہیوں کا احساس دلانے کے لیے آئے ہو تو میں اِس وقت تمہاری کوئی بات سُننے کے لیے تیار نہیں ہُوں۔" ڈاکٹر نوری نے برگشتہ لہجے میں کہا۔

"معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر صاحب! دراصل یہ سوال بنیادی حیثیت کا حامل تھا۔ ہم اپنے دوستوں کی موت کے بعد اُن کے لواحقین سے کچھ نہ کچھ حد تک تو متاثر ہوتے ہیں اور اُن کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں ضرور کرتے ہیں۔ مجھے ذرا اِس بات پر حیرت ہوئی کہ آپ نے جاوید سعید کو سرسری نگاہ سے دیکھا اور یہ اندازہ تک نہیں لگا سکے کہ اُس کے سسٹم پر صرف ہیروئن ہی نہیں بلکہ کسی اور زہر کے بھی اثرات ہیں۔ ویسے ڈاکٹر صاحب! کیا آپ مسٹر سعید بیگ کی موت کے اسباب پر روشنی ڈال سکتے ہیں؟"

"سعید بیگ کسی حد تک دل کے عارضے کا شکار ہو گئے تھے۔ انہیں انجائنا کا مرض تھا اور انھوں نے اِس کے لیے میرا علاج بھی شروع کر رکھا تھا لیکن وہ بدپرہیزی کے عادی تھے۔ جس نے بالآخر انھیں نقصان پہنچایا اور اچانک ہی وہ حرکتِ قلب بند ہونے کا شکار ہو گئے۔"

"ٹھیک ڈاکٹر صاحب! براہ کرم اب جو میں سوالات آپ سے کر رہا ہوں۔ اُن کے ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیجیے۔" میں نے بیرسٹر نصرت حُسین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اُن کی خاموشی پُراسرار تھی۔ اور وہ اِس سلسلے میں کسی کیفیت کا شکار نظر نہیں آتے تھے بلکہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میری اِس بحث میں دلچسپی لے رہے ہوں۔

"ڈاکٹر صاحب جس زہر کا ذکر رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ اور جس کے بارے میں ایک بہت اچھے ڈاکٹر نوید صدیقی نے یہ کہا ہے کہ اگر کسی مریض کا معائنہ کیا جائے تو ڈاکٹر اِس زہر کے اثرات کا پتا لگا سکتا ہے۔ کیا آپ کا واسطہ کبھی اِس زہر سے پڑا؟"

"ڈاکٹر نوید صدیقی تو یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کوئی واقعی ڈاکٹر ہے تو وہ اِس زہر کے اثرات معلوم کر سکتا ہے ممکن ہے میں واقعی ڈاکٹر نہ ہُوں۔"

"آپ نے کبھی اپنے کسی مریض کو کسی بیماری کے لیے یہ زہر استعمال کرایا؟"

"نہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ کو اِس زہر کے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔ وہی معلومات جن کا تذکرہ ابھی آپ کے سامنے ڈاکٹر نوید صدیقی نے کیا ہے یعنی اِس زہر کو آسانی سے امپورٹ نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی مرض کے لیے امپورٹ کیا جاتا ہے تو اُس کے بارے میں پورا پورا حساب رکھنا ہوتا ہے۔"

"اگر تم بھی مجھے ڈاکٹر نہیں تسلیم کرتے تو پھر میرا اِس سے انکار ہی مناسب ہوگا۔" ڈاکٹر نوری نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب! میری بات کا جواب دیجیے۔"

"ہاں مجھے معلوم تھا۔"

"آپ نے پورے وثوق سے یہ بات کہی کہ آپ نے آج تک اِس زہر کو کسی مریض کے لیے استعمال نہیں کیا؟"

"ہاں! میں نے پورے وثوق سے یہ بات کی ہے۔"

"آپ نے خود اسے کبھی امپورٹ بھی نہیں کیا؟"
"نہیں،" ڈاکٹر نوری نے جواب دیا۔
"آپ جھوٹ بول رہے ہیں ڈاکٹر صاحب! آپ عدالت کے سامنے حلف اٹھانے کے باوجود جھوٹ بول رہے ہیں۔ سترہ جون انیس سو چھیاسی (۱۷-۶-۱۹۸۶) کو آپ نے وزارتِ صحت کو ایک خط لکھ کر ایک اجازت نامہ حاصل کیا۔ اس زہر کو حاصل کرنے کے لیے جس میں آپ نے درخواست کی تھی کہ ایک مریض کے استعمال کے لیے اس کی ضرورت ناگزیر ہے۔ اٹھائیس جون کو آپ نے وزارتِ صحت سے وہ اجازت نامہ حاصل کر لیا۔ اور اس کے بعد گیارہ جولائی کو آپ نے بلجیم کی اس کمپنی سے اس کی ایک شیشی منگوائی جس کا سیریل نمبر او ۸ ۸ ۵۰۰ ہے اور یہ زہر اس کمپنی سے آپ کے نام پر جاری ہوا۔ چونکہ وہ لوگ باقاعدہ ریکارڈ رکھتے ہیں، چنانچہ اُن کے ریکارڈ سے کسی بھی وقت یہ تفصیل منگوائی جا سکتی ہے البتہ جنابِ والا! یہ اس خط کی فوٹو اسٹیٹ ہے جو ڈاکٹر صاحب نے اپنے رائٹنگ پیڈ پر وزارتِ صحت کو لکھا تھا اور اس زہر کی ایک شیشی کے لیے اجازت نامہ حاصل کیا تھا اور یہ وزارتِ صحت کا وہ اجازت نامہ ہے جو ڈاکٹر صاحب کو دیا گیا۔ اس کے تحت یہ تمام باتیں سچ ثابت ہوتی ہیں۔ کمپنی کی ترسیل کی رسید بھی ان کاغذات کے ساتھ منسلک ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے زہر کا یہ پارسل وصول کیا ہے۔ براہِ کرم ملاحظہ فرمایئے۔" میں نے چند کاغذات جج صاحب کو پیش کیے۔ جج صاحب کے انداز میں بھی گرم جوشی پائی جاتی تھی۔ انھوں نے کاغذات کا معائنہ کیا۔ نصرت حسین صاحب اب کرسی کی پشت سے ٹک کر بیٹھ گئے تھے اور انھوں نے انگوٹھا اور انگلی پیشانی پر رکھ لی تھی، اور آہستہ آہستہ پیشانی مسل رہے تھے۔ کاغذات دیکھنے کے بعد جج صاحب نے گردن ہلا کر گفتگو جاری رکھنے کا اشارہ کیا تب میں نے کہا۔
"ڈاکٹر صاحب! غالباً اب آپ کو یاد آ گیا ہو گا کہ ایک بار آپ نے ایسا کیا تھا؟"
"ہاں شاید مجھ سے فرمائش کی گئی تھی۔"
"کیا مطلب؟"
"کسی کو اس زہر کی ضرورت تھی۔"
"خوب، خوب! گویا آپ لوگوں کو زہر بھی فراہم کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب! اگر وہ آپ سے اس کی فرمائش کریں۔ کس نے فرمائش کی تھی آپ سے اس زہر کی؟"
"مرحوم سعید بیگ کی بیوہ فرخندہ بیگم نے، انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ انھیں یہ زہر چاہیے انھیں اس کی سخت ضرورت ہے۔"
"اور آپ نے نہایت خلوص سے اُنھیں یہ زہر فراہم کر دیا۔ آپ نے پوچھا نہیں ڈاکٹر صاحب کہ فرخندہ بیگم کو کس سلسلے میں اس کی ضرورت ہے؟"
"میں نے نہیں پوچھا۔" ڈاکٹر جبار نوری کے لہجے میں خوف و دہشت سمٹ آئی تھی۔ اُس کا بدن ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔
"بہت خوب! بلاشبہ آپ انتہائی نفیس انسان ہیں دوست نواز، اور ادر۔۔۔ ویسے ڈاکٹر صاحب کیا یہ زہر آپ نے تحفتاً محترمہ فرخندہ بیگم کو پیش کیا تھا؟"
"جی نہیں! انھوں نے اس کے لیے مجھے رقم دی تھی۔" ڈاکٹر جبار نوری نے کہا۔
"کتنی رقم؟"
"یہ مجھے یاد نہیں۔"
"رقم نقد تھی یا چیک کی صورت میں؟" میں نے سوال کیا
"شاید نقد تھی۔"
"ڈاکٹر صاحب! آپ مسلسل جھوٹ بول کر عدالت کی توہین کر رہے ہیں۔ دین کا مذاق اُڑا رہے ہیں کیونکہ آپ نے سچ بولنے کی قسم کھائی ہے جنابِ والا! براہِ کرم یہ مزید کچھ کاغذات ملاحظہ فرمایئے۔ یہ ان چیکوں کی فوٹو اسٹیٹس ہیں۔ جو تین تاریخوں اٹھارہ جون اور بائیس جولائی کو جاری کیے گئے ہیں۔ یہ چیک ڈاکٹر صاحب کے اکاؤنٹ میں جمع کیے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلے چیک کی رقم ڈیڑھ لاکھ دوسرے کی ڈیڑھ لاکھ اور تیسرے کی ایک لاکھ ہے۔ ان کے اجراء کی تاریخ اور زہر کی امپورٹ کی تاریخ کو ذہن میں رکھا جائے۔" میں نے بھاری فائل سے کچھ اور کاغذات نکال کر جج صاحب کے سامنے پیش کر دیے۔ اور جج صاحب اُن چیکوں کی نقول دیکھنے لگے۔ ڈاکٹر جبار نوری کٹہرے کو پکڑے کھڑا ہوا تھا اور اُس کا چہرہ دُھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔
"کیا یہ چیک آپ نے وصول کیے ڈاکٹر جبار نوری؟ یا آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہیں؟" جج صاحب نے براہِ راست

سوال کیا اور جبار نوری کا بدن کانپنے لگا۔ یہ اس بات کا اظہار تھا کہ اب انکار کی گنجائش نہیں تھی۔
"میں نے ابھی تک اپنی مؤکلہ کے حق میں یہ بات اپنی زبان سے نہیں کہی جج صاحب کہ میری مؤکلہ قاتل نہیں ہے بلکہ اُس کے خلاف سازش کا ایک جال بچھایا گیا اور اُس کے بالکل قریب موجود لوگ اُس کے اپنے اُس کے دشمن بنے اور اس دشمنی کی بنیاد پر انھوں نے ایسے گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا جس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے جج صاحب یہ چیک محترمہ فرخندہ بیگم کے اکاؤنٹ سے نہیں بلکہ یہ چیک مس حنا سعید نے جاری کیے ہیں۔ اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے زہر کی جو شیشی برآمد کی گئی ہے اُس کا سیریل نمبر یہ ہے جنابِ والا! جو ڈاکٹر جبار نوری نے امپورٹ کیا ہے۔ ان کے پاس اس زہر کے استعمال کا کوئی حساب نہیں ہو گا کیونکہ یہ زہر انھوں نے حنا سعید کے ایما پر جاوید سعید پر استعمال کیا ہے میں نے اپنی زبان سے اب تک نہیں کہا کہ میری مؤکلہ بے گناہ ہے کیونکہ میں قانون کے لیے ثبوت کی زبان میں بولتا ہوں اور ثبوت جو کچھ کہہ رہے ہیں جنابِ والا! آپ کے سامنے ہے میں نے حقائق جس طرح آپ کے سامنے پیش کیے ہیں اُن کے تحت آپ کی فراست نے یقیناً یہ فیصلہ کیا ہو گا کہ جرم کس نے کیا ہے اور قصوروار کون ہے اور قرار دیا جا رہا ہے جرم کرنے والوں کو میں نے آپ کے سامنے بے نقاب کیا ہے جج صاحب! لیکن میری یہ ذمہ داری نہ ہو گی کہ انھیں مجبور کروں تاکہ وہ آپ کے صحیح فیصلے کو قبول کریں چنانچہ یہ درخواست عدالت کی ہے کہ ان لوگوں کو فرار سے روکنے کے لیے بندوبست کیا جائے۔" جج صاحب نے گردن ہلائی اور حکم دیا۔
"ڈاکٹر جبار نوری کو فوری حراست میں لے لیا جائے حنا سعید اور طاہر مقصود کو اُن کے مکان پر نظربند رکھا جائے اور کل عدالت میں پیش کیا جائے۔ اس کے علاوہ وکیل صاحب کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی مؤکلہ کے لیے ضمانت کی درخواست پیش کر سکتے ہیں کیونکہ اب اس کی گنجائش نکلتی ہے سماعت کل تک کے لیے ملتوی کی جاتی ہے کل ڈاکٹر جبار نوری، حنا سعید اور طاہر مقصود کو عدالت میں پیش کیا جائے۔" جج صاحب کرسی سے اُٹھ گئے اور عدالت برخاست ہو گئی۔ پولیس نے اُن تینوں کو حراست میں لے لیا تھا۔ حنا سعید اور طاہر مقصود کو کوٹھی ہی میں نظربند کیا جانا تھا جب کہ ڈاکٹر جبار نوری کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئی تھیں۔ میں فاروقی صاحب کے ساتھ کمرۂ عدالت سے باہر نکلا ہی تھا کہ پیش کار صاحب عقب سے ہمارے نزدیک پہنچ گئے اور انھوں نے آہستہ سے کہا۔
"مداخلت کی معافی چاہتا ہوں وکیل صاحب! جج صاحب آپ سے چیمبر میں ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"
"اوہ! حاضر ہوتا ہوں۔ آیئے فاروقی صاحب۔" فاروقی صاحب ہچکچائے تو میں نے اُن کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔
"آیئے فاروقی صاحب۔" اور اس کے بعد میں فاروقی صاحب کے ساتھ چیمبر میں داخل ہو گیا۔
جج صاحب آرام کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے ہم دونوں کو دیکھ کر انھوں نے گردن خم کی اور مسکراتے ہوئے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ پھر وہ تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولے "نوجوان وکیل! تمھارا مکمل تعارف حاصل نہیں ہو سکا پہلی بار میرے سامنے آئے ہو اور تم نے کچھ عجیب سی کیفیات محسوس کی ہیں۔ بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں۔ دلائل پیش کرتے ہیں چیختے اور شور مچاتے ہیں لیکن تم نے جو شیر کی گرج میں نے آج کمرۂ عدالت میں سنی ہے، وہ بالکل انوکھی ہے تم نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ معاف کرنا عمر کے لحاظ سے بے تکلفی کا اظہار کر رہا ہوں۔ کیا اپنا مکمل تعارف کرانا پسند کرو گے؟"
"اس عزت افزائی کے لیے شکر گزار ہوں جج صاحب! طارق حسین ہے میرا نام۔ یہ خاندان شاید آپ کے لیے اجنبی نہ ہو۔ میں جج امجد حسین کا سب سے چھوٹا بھائی ہوں، جج نصرت حسین صاحب بھی میرے بڑے بھائی ہیں۔"
"اوہو! خدا کی پناہ! تو یہ بات تھی۔ گویا شیروں کے خاندان ہی سے تعلق ہے۔ لیکن نصرت حسین کے بارے میں نصرت حسین کو پہلی بار میں نے اتنا خاموش دیکھا اور یقیناً یہ بھائی کا احترام نہیں تھا بلکہ تم نے جو سحر پھیلا دیا تھا عدالت میں یہ اُسی کے اثرات تھے جس کی گرفت میں آ گئے تھے۔ تو یہ بات ہے۔ طارق حسین صاحب! آپ کا بھی جج صاحب کے خاندان سے تعلق ہے آپ کا۔ لیکن وکیل کی حیثیت سے شاید آپ۔۔۔"
"جی ہاں جج صاحب! یہ میرا پہلا مقدمہ ہے۔"
"خدا کی پناہ! میاں آئندہ کیا کرو گے؟ ہم لوگوں کو تو بڑی احتیاط کرنی پڑے گی۔"

"آپ کی نوازش ہے جج صاحب! اور میرے استاد فاروقی صاحب کی مہربانی ہے۔ میں نے جو کچھ سیکھا ہے وکیل فاروقی صاحب ہی سے سیکھا ہے۔"

"مبارک ہو وکیل صاحب! واقعی آپ نے ایک شیر کو جنم دیا ہے لیکن میاں ایک بات ذرا میرے لیے بھی باعثِ اُلجھن ہے۔ کچھ راہنمائی کرو گے میری؟"

"جی جج صاحب! فرمایئے!"

"بینکوں سے اتنے پُرانے چیکوں کے جاری کی ہوئی نقول، بلجیم کی کمپنی سے زہر کے امپورٹ کا سیریل نمبر اور تفصیلات یہ کام آسان تو نہیں تھے۔ اس سلسلے میں تمھاری مدد کس نے کی؟"

"حالات نے جج صاحب! معاف کیجیے گا میں نے اس کیس کا آغاز کرتے ہوئے آپ سے درخواست کی تھی کہ ایسے طرزِ عمل کے لیے جو صاحبِ عزت ہوں عدالت میں وکیلوں کی زبان سے ایسے الفاظ ادا کرنے دیے جائیں جو ان کی توہین کا باعث بنتے ہوں۔ یہ میرا اپنا نظریہ تھا۔ اگر جرم ثابت ہو جائے تو ملزم قابلِ نفرت ہوتا ہے لیکن اگر وہ بے گناہ ہے تو اُس کی بے عزتی کا حق کسی کو نہیں دیا جانا چاہیے۔"

"خدا کی قسم میں تمھاری اس بات سے بالکل متفق ہوں لیکن تمھاری وہ بات ادھوری رہ گئی۔ میں نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔"

"جی ہاں! معاف کیجیے گا میں اُسی کا جواب دینے جا رہا تھا۔ وکالت میرے نزدیک صرف یہ چیز نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اپنی رُوداد لے کر آپ کے سامنے آئے، آپ سے معاوضے کی بات کرے اور آپ اُس کی ہمدردی پر کمربستہ ہو جائیں، خواہ وہ کتنا ہی بدکردار اور مجرم فطرت انسان ہو۔ وکالت اس کا نام ہے جج صاحب! کہ حقیقتوں کو پرکھ کر آپ منصفِ اعلیٰ کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی پیش کریں۔ بہت سے لوگوں کی زندگی کا سوال ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ آپ کی کوششوں سے تختۂ دار تک پہنچ جاتے ہیں یا جیل کی تاریک کوٹھڑیوں میں زندگی بسر کر دیتے ہیں جب کہ وہ مجرم نہیں ہوتے۔ جج صاحب بے شمار واقعات میرے سامنے ایسے ہیں ابھی پچھلے دنوں قتل کی بات ہے کہ اخبار میں میں نے ایک ایسے شخص کی تصویر دیکھی جس نے اکیس سال کی جیل کاٹی ہے۔ لیکن وہ بے گناہ تھا جج صاحب! اُسے صحیح انصاف نہیں مل سکا اور میں سمجھتا ہوں اس کی ذمہ داری کسی ایک شخص پر عائد نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر مرض کا علاج کرتے ہیں، معمار مکان بناتے ہیں، ہر شخص اگرچہ کسی نہ کسی کے لیے کچھ کرتا ہے لیکن یہ کچھ کرتے ہوئے اپنے معاوضے کے علاوہ اُس شخص کی طلب کا بھی خیال رکھا جائے تو یہ عبادت ہے اور میں عابد ہوں جج صاحب میں نے اپنی مؤکلہ کے لیے صرف الفاظ کا سہارا نہیں لیا بلکہ اس کے لیے جس حد تک مجھ سے ممکن ہو سکتا تھا محنت بھی کی ہے اور مجھ سے تعاون کرنے والے میرے لیے انتہائی باعثِ احترام ہیں۔"

"خداوندِ قدوس تمھارے ارادوں میں استقامت دے۔ بہت بڑے کام کا بیڑا اُٹھایا ہے تم نے شارق حسین! میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کرو اور میں اپنے پیشے کے خلاف کوئی بات تم سے نہیں کروں گا۔ ورنہ میں چاہتا تو اپنی راہنمائی کے لیے تم سے اس کیس کے سلسلے میں بھی سوالات کر سکتا تھا لیکن تمھارے خیال میں کیا یہ بددیانتی نہیں ہو گی۔"

"میں خود بھی آپ کو مجبور نہیں کروں گا جج صاحب! خدا نے آپ کو فیصلے کا حق دیا ہے اور جو ٹھوس ثبوت آپ کے سامنے آئے ہیں۔ اگر وہ آپ کی راہنمائی حقیقی مجرموں کی طرف کر دیں تو بس احتیاط سے کام لیجیے گا۔"

"خدا حافظ! ویسے کبھی کسی ایسے سلسلے میں میری مدد کی ضرورت ہو، جہاں تم اپنے آپ کو اُلجھا ہوا محسوس کرو تو مجھ سے ضرور مل لینا۔"

"اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اجازت؟"

جج صاحب نے کھڑے ہو کر ہم دونوں سے ہاتھ ملا لیا اور ہم چیمبر سے باہر نکل آئے۔ تمام لوگ جا چکے تھے۔ فاروقی صاحب بالکل خاموش تھے۔ بار روم کی طرف جانے کی بجائے اُنھوں نے میرا بازو پکڑ کر باہر چلنے کے لیے کہا اور میں نے اُن کی حالت کافی غیر محسوس کی۔ اُن کے مُنہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

دفتر پہنچ کر بھی وہ بہت دیر تک اسی طرح بیٹھے رہے میں نے استاد چھوٹے سے چائے کے لیے کہہ دیا تھا پھر بمشکل تمام فاروقی صاحب کی زبان کھلی۔

"شادیٔ مرگ اگر کوئی چیز ہوتی ہے تو بس یہ سمجھ لو کہ میں کسی

دن اسی کا شکار ہو جاؤں گا۔ تم نے یہ سب کچھ کر ڈالا شارق! اتنا بڑا کام کر ڈالا تم نے۔ میرا خیال ہے عدالت کی تاریخ میں ایسا مقدمہ اس سے پہلے پیش نہیں ہوا ہو گا کسی وکیل کی شخصیت اس طرح منظرِ عام پر نہیں اُبھری ہو گی۔ اور بیٹے! تم نے جج صاحب کے سامنے مجھے اپنا اُستاد کہا میں تمھیں اس کے صلے میں کیا دوں؟"

"مزید ایک کپ چائے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

دوسرا دن بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ ہم لوگ عدالت پہنچ گئے فرخندہ بیگم بھی آ گئی تھیں۔ ڈاکٹر نوری کو بھی لے آیا گیا تھا اور طاہر مقصود اور حنا سعید بھی پولیس کی حراست میں کمرۂ عدالت تک پہنچ گئے تھے۔

جج صاحب اپنی کرسی پر آ کر بیٹھے تو انھیں تعظیم دی گئی اور اُس کے بعد کیس شروع ہو گیا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب! کہیں نظر نہیں آئے تھے۔ البتہ اُن کی طرف سے بھیجا ہوا ایک وکیل موجود تھا جس نے بیرسٹر صاحب کی ہائی کورٹ میں مصروفیت کی اطلاع دی اور خود اس کیس کی پیروی کرنے کی اجازت حاصل کی۔ ڈاکٹر نوری کو ایک بار پھر کٹہرے میں طلب کیا گیا اور میں نے اُس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"ڈاکٹر جبار نوری! آپ نے اپنے پیشے سے غداری کی ہے آپ کو اپنا جرم قبول کرنا ہو گا۔ بہ الفاظِ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ تو فرخندہ سعید نہ حنا سعید اس معاملے میں ملوث تھیں بلکہ شاید یہ آپ کا کوئی ذاتی مسئلہ تھا جس کی بنیاد پر آپ نے جاوید سعید کو قتل کیا۔"

"نہیں! مم میرا کیا ذاتی مسئلہ ہو سکتا ہے بھلا۔ مم مجھے اُس سے کیا دشمنی ہو سکتی تھی۔ حنا، حنا اور طاہر مقصود نے مجھے اس کے لیے آمادہ کیا۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اُنھوں نے مجھے اس کے لیے ایک اچھی خاصی رقم پیش کی تھی۔ چار لاکھ روپے چیک کی شکل میں دیے گئے اور تین لاکھ روپے نقد ادا کیے گئے۔ اُن دنوں میں شدید مالی اُلجھنوں کا شکار تھا پھر ایسے ہی حالات پیش آ گئے تھے میرے ساتھ کہ میرے ذہن میں کوئی تصور نہیں اُبھرا۔ میں اس بات کو جرم سمجھتا تھا لیکن اب میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میں پیسے کی وجہ سے اس جرم پر آمادہ ہو گیا تھا۔ مجھے میرے جرم کی جو بھی سزا ملے میں اُسے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے طاہر مقصود نے اس کے لیے آمادہ کیا تھا اور حنا نے یہ رقم ادا کی تھی۔ طاہر، حنا کو ان راستوں پر لگانے کا ذمہ دار ہے ورنہ حنا اپنی ماں سے نفرت تو بہت پہلے سے کرتی تھی۔ لیکن اس حد تک شاید وہ نہ جاتی۔" طاہر مقصود اور حنا کی حالت خراب تھی وہ پتھر کے بتوں کی مانند ساکت بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر نوری سے اب مزید کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بات بالکل صاف ہو گئی تھی۔

میں نے جج صاحب کی اجازت سے طاہر مقصود کو طلب کیا اُسے اُٹھنے میں بھی دقت ہو رہی تھی۔ شاید دیوار کا لکھا اُس کے سامنے آ چکا تھا۔ بمشکل تمام وہ اُٹھ کر کٹہرے تک پہنچا۔ نصرت حسین کے وکیل نے ابھی تک اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ بیرسٹر صاحب کیس کی نوعیت سمجھ چکے تھے اور انھیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بہر طور انھیں یہ مقدمہ انتہائی بدترین حالات میں ہارنا ہو گا چنانچہ ہائی کورٹ کی مصروفیت بھی ایک بہانہ ہی ہو سکتی تھی انھوں نے خود عدالت میں آنا پسند نہیں کیا تھا۔ اپنے وکیل کو بھی انھوں نے صرف رسمی طور پر عدالت میں بھیج دیا تھا۔ طاہر مقصود کٹہرے میں کھڑا ہو گیا۔ اُس کا بدن کانپ رہا تھا۔ ایک بار پھر اُس سے حلف لیا گیا۔ اور پھر میں نے طاہر مقصود سے کہا۔

"طاہر مقصود! اب جب کہ تمام صورتِ حال واضح ہو گئی ہے اور جاوید سعید کے قاتل کی حیثیت سے تم، حنا سعید اور ڈاکٹر جبار نوری منظرِ عام پر آ گئے ہو تو بہتر ہے کہ اعترافِ جرم کر لو۔ اعترافِ جرم کم از کم تمھارے ضمیر کی وہ چبھن دُور کر دے گا۔ جو تمھیں موت کے بعد بھی تڑپاتی رہے گی جواب دو طاہر مقصود! تم نے ایسا کیوں کیا۔ تم جو فرخندہ سعید سے کسی زمانے میں محبت کرتے تھے اور شاید اب بھی اس بات کے دعویدار ہو۔ تم نے فرخندہ کو موت کی تاریکیوں میں دھکیلنے کی کوشش کیوں کی؟"

طاہر مقصود چند لمحات آنکھیں بند کیے اپنے حواس مجتمع کرتا رہا۔ اور پھر اُس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی اُس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک پیدا ہو گئی۔ اُس نے کٹہرا پکڑ کر کہا۔

"ہاں! میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ سارے کام میں نے کیے میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں فرخندہ سے نفرت کرنے لگا تھا لیکن اس نفرت کی ایک وجہ تھی بچپن سے میں نے اپنے ذہن میں فرخندہ کے لیے ایک جگہ منتخب کی تھی۔ میں اسے اپنی زندگی میں سب سے بڑا مقام دیتا تھا۔ فرخندہ نے ہمیشہ

مجھ سے بھی کہا کہ زمانے کی رکاوٹیں کتنی ہی ہوں، وہ زندگی میں میرا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔ اُس نے مجھے ساری دُنیا سے کنارہ کش کر دیا تھا جج صاحب! یہ حقیقت ہے کہ میں اُسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا۔ لیلیٰ مجنوں کا زمانہ نہیں ہے، ورنہ شاید فرخندہ کی شادی کے بعد میں گریبان پھاڑ کر صحراؤں میں نکل جاتا۔ فرخندہ مجھ سے اظہارِ الفت کرتی رہی اور جب اُسے سعید بیگ کی طرف سے شادی کا پیغام ملا تو اُس نے اُسے اپنی مجبوری ظاہر کیا۔ جج صاحب! جب سے ہم دونوں جوان ہوئے، میں فرخندہ کی ذہنی کیفیت کا اچھی طرح جائزہ لیتا رہا تھا۔ وہ تعیش پسند تھی۔ اُس کی آنکھوں میں ہمیشہ ایک حسین زندگی کے خواب رقص کرتے تھے۔ ہر چند کہ وہ اِن خوابوں کو مجھ سے ہی منسوب کرتی تھی لیکن یہ بات وہ بھی جانتی تھی کہ میں اتنے وسائل نہیں رکھتا کہ اُس کے ان خوابوں کو پورا کر سکوں۔ میرے پاس حسین کوٹھی کار وغیرہ نہیں تھی اور نہ ہی بظاہر حالات ایسے تھے کہ میں یہ تمام چیزیں حاصل کر سکتا۔ یہی ہوا۔ میں نے فرخندہ کو پیش کش کی کہ اگر یہ بات اُس کی مجبوری ہے تو وہ مجھے موقع دے، جس طرح بھی بن پڑے گا جیسے بھی ممکن ہوگا میں غبن کی وہ رقم ادا کرنے کی کوشش کروں گا خواہ اس کے لیے مجھے اپنے آپ کو بیچنا پڑے لیکن فرخندہ جانتی تھی کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ بے معنی بات سمجھ کر فرض کیا جائے۔ اگر میں ایسا کر بھی لیتا ہوں تو اُس کے بعد میرے پاس کیا رہے گا۔ میں فرخندہ کو ایک حسین زندگی کیسے دے سکوں گا۔ اُس نے محبت کو کاروبار کے ترازو میں تولا اور فیصلہ کیا کہ سعید بیگ مجھ سے بدرجہا بہتر ہے۔ عمر رسیدہ ہے تو کیا ہوا۔ زندگی کے تعیشات تو ملیں گی جج صاحب! اُس نے زمانہ حال کی لڑکیوں کی مانند سوچا اور میری بچپن کی محبت کو پامال کر کے سعید بیگ کے ساتھ شادی رچالی۔ میں انتقام کی آگ میں جھلسنے لگا۔ بہت سے منصوبے بنائے میں نے لیکن میں ایک بزدل انسان تھا، کسی بھی منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکا اور صبر کر کے بیٹھ گیا۔ میری زندگی دُکھوں کا گھر بن گئی تھی جج صاحب میں کسی کام کے قابل نہیں رہ گیا تھا۔ بس آوارہ گردوں کی مانند فیصل آباد کے گلی کوچوں میں سرگشت کیا کرتا تھا۔ کسی کام کا نہیں رہا تھا میں۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر اُس کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ سعید بیگ کا انتقال ہو گیا ہے۔ میرے دل میں دبی ہوئی چنگاریاں پھر سے سُلگ

اُٹھیں۔ میں کش مکش کا شکار ہو گیا اور اُس کے بعد میں خود فرخندہ بیگم سے ملا۔ فرخندہ بیگم نے میری پذیرائی کی اور مجھے اپنی کوٹھی میں خوش آمدید کہا۔ اُسے دیکھ کر میرے دل میں انتقام کا جذبہ پھر سے جاگ اُٹھا۔ میں نے جو سال کرب و اذیت میں گزارے تھے، اُن کی ذمہ دار یہی عورت تھی۔ ہاں یہی عورت کمند! جج صاحب! میرے دل میں اُس کی محبت نہیں اُبھری۔ میں جانتا تھا کہ یہ وہ عورت ہے جس نے مجھے میری مفلسی کی بنا پر ٹھکرا دیا۔ چنانچہ محبت کی بجائے میرے سینے میں انتقام کا جذبہ جاگا۔ اُس نے مجھے پیش کش کی کہ میں اگر چاہوں تو اُس کے ساتھ رہ سکتا ہوں۔ اُس کے ذہن میں شاید یہی خیال ہوگا کہ یہ مجھ سے محبت کے رشتے استوار کرے گا۔ اُس نے کبھی زبان سے یہ بات نہیں کہی۔ لیکن میں محسوس کرتا تھا کہ یہ میری جانب قدم بڑھا رہی ہے۔ میں نے صورتِ حال کا جائزہ لیا۔ چالاکی سے اس گھر میں اپنا مقام بنا لیا تب حنا سعید مجھ پر کھلی۔ حنا روزِ اوّل سے فرخندہ کی مخالف تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ فرخندہ صرف ایک سوتیلی ماں ہے اُس سے اپنائیت کا کوئی رشتہ نہیں قائم کیا جا سکتا۔ جج صاحب! میرے ذہن میں یہ منصوبہ پروان چڑھنے لگا۔ میں نے سوچا کہ ایک بے وفا بیوہ عورت سے ایک نوجوان لڑکی بہتر ہے جو میری طرف محبت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے جو خود بھی اسی عورت کے ہاتھوں تباہ ہوئی ہے۔ بے شک سعید بیگ نے یہ بہت ذلیل قدم اٹھایا تھا۔ فرخندہ اور حنا سعید کی عمروں میں پانچ چھ سال ہی کا فرق ہو سکتا تھا۔ بہر طور حنا مجھ سے اپنے جذبات کا اظہار کرتی رہی اور اُس نے اسی دوران یہ بات میرے سامنے تسلیم کی کہ درحقیقت سعید بیگ اپنی موت نہیں مرے تھے بلکہ اُس نے جوشِ انتقام سے متاثر ہو کر خود اُن کو قتل کیا تھا۔ سعید بیگ دل کی تکلیف کا شکار ہو گئے تھے۔ حنا سعید نے انھیں دم گھونٹ کر مارا۔ تکیہ اُن کے مُنہ پر رکھ کر اُسے دبائے بیٹھی رہی یہاں تک کہ سعید بیگ ہلاک ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ حنا ساری دُنیا سے نفرت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جب اُس نے جاوید سعید سے اِس بات کا تذکرہ کیا کہ میرے ذریعے فرخندہ کو اپنے راستے سے ہٹا دے وزیر مستقبل میں وہ اِس دولت اور جائیداد کی حصّہ دار ہوگی اور وہ لوگ عُسرت کی زندگی گزاریں گے۔ لیکن جاوید نے شدت سے اِس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ فرخندہ کا ساتھ دے گا۔ حنا شدتِ انتقام سے اِس قدر دیوانی ہو گئی تھی کہ

اُس نے جاوید کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور ہم دونوں نے مل کر جاوید کو ہیروئن کا عادی بنا دیا لیکن اِس طرح اُس کی موت جلد واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم اپنے طور پر سوچتے رہے اور پھر ہم نے یہ طے کیا کہ جاوید کو سلو پوائزن دے کر ہلاک کر دیا جائے اور اِس کے لیے ہم نے ڈاکٹر جبار نوری کو آمادہ کر لیا۔ جبار نوری صاحب اُسے زہر کے انجکشن دیتے رہے لیکن پھر یہ شخص جو اِس وقت ایک وکیل کی حیثیت سے یہاں موجود ہے ہمارے درمیان نازل ہو گیا۔ اور اِس نے اچانک ہی جاوید کو اسپتال پہنچا دیا۔ جہاں سے ہمیں اطلاع ملی کہ جاوید صحت مند ہو رہا ہے۔ یہ بات ہمارے لیے بے حد خوفناک تھی کیونکہ جاوید یہ انکشاف کر سکتا تھا کہ ہمارا یہ منصوبہ کیا ہے۔ چنانچہ میں نے موقع ملتے ہی جاوید سعید کو انجکشن لگا کر موت کی نیند سُلا دیا اور اُس کے بعد ہم نے فرخندہ کے گرد جال بُن دیا۔ وکیل شارق حسین اور وکیل فاروقی سے ملاقات کرنے کا مقصد یہی تھا کہ ہم پہلے سے اپنے لیے گراؤنڈ تیار کر لیں اور جب یہ کیس منظرِ عام پر آئے تو کم از کم دو افراد یہ بات جانتے ہوں کہ فرخندہ سعید کی کوششیں کیا تھیں۔ ہاں ہم فرخندہ سعید کو جاوید کے قتل کے الزام میں موت کی سزا دلانا چاہتے تھے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن تقدیر نے ہمارا ساتھ نہیں دیا جج صاحب! میں اُسی دن سے کانٹوں کے بستر پر زندگی گزار رہا ہوں جس دن سے مجھے احساس ہوا کہ کوئی کوٹھی میں ہمارا تعاقب کرتا ہے اور وہ شخص یہی وکیل شارق تھا۔ میں نے اچھی طرح محسوس کیا کہ وہ ہم پر نگاہ رکھتا ہے۔ جج صاحب! خوف کی اِس زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بہتر یہی ہے کہ موت کو قبول کر لیا جائے۔ ہم نے جُرم کیا اور اب ہم اُس جرم کی سزا قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔“ اِس کے بعد بھلا کسی اور بیان کی کیا گنجائش تھی۔ حنا سعید نے کھڑے ہو کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن پھر بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑی۔ جج صاحب! شاید پہلے ہی اپنا فیصلہ لکھ چکے تھے۔ انھوں نے فوراً ہی فیصلہ سنا دیا۔

”حنا سعید، طاہر مقصود اور ڈاکٹر جبار نوری کو جاوید سعید کے قتل کے جُرم میں گرفتار کیا جائے اور اِن پر مقدمہ قائم کیا جائے جس کی سماعت بعد میں کی جائے گی اور محترمہ فرخندہ سعید کو اِس جُرم کے الزام سے باعزت طور پر بری کیا جاتا ہے۔“ میں نے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ یہ میرا پہلا مقدمہ تھا جس میں مجھے خداوند قدوس نے بہترین کامیابی عنایت کی۔ خود جائزہ صاحب اپنی کرسی سے اُٹھ گئے۔ حنا سعید کو بے ہوشی کے عالم میں پولیس کی تحویل میں لے جایا گیا تھا اور طاہر مقصود کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ فرخندہ بیگم لڑکھڑاتی ہوئیں کٹہرے سے باہر آئیں۔ اُن کی آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔ وہ چند قدم آگے بڑھیں اور پھر بے اختیار کمرۂ عدالت ہی میں مجھ سے لپٹ گئیں۔ اِس وقت میں اُن کی جذباتی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ چنانچہ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا اور انھیں سہارا دیتے ہوئے باہر لے آیا۔ وہ وکیل جو اِس وقت کمرۂ عدالت میں موجود تھے میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ میری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین سے جلنے والے وکلاء کے ایک گروہ نے فوراً ہی اِس موقع سے فائدہ اٹھایا۔

”یہ موتی ہے لوہے کی کاٹ۔“

”لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ آج تو بیرسٹر صاحب عدالت میں بھی نہیں آئے۔“

”احساس ہو گیا ہوگا کہ عزت کا جنازہ نکل جائے گا۔“ ایک اور وکیل نے، جو میں فرخندہ بیگم کو لے کر نکل جانا چاہتا تھا جو اُن کی جذباتی کیفیت ہو رہی تھی اور اُن پر ایک طرح سے نیم بے ہوشی سی طاری تھی۔ اِن لوگوں کی باتوں کو برداشت کرتا جا رہا تھا۔ کیا داتی جگہ لیکن بھلا اِن کی مجال کہ اِن میں سے کوئی میرے بھائی کی توہین کرے۔ اِن الفاظ پر رکنا پڑا۔ میں نے خونی نگاہوں سے اپنے قریب چلتے ہوئے لوگوں کو دیکھا اور بولا۔ ۔ ۔

”یہ الفاظ کس نے کہے کہ بیرسٹر نصرت حسین کی عزت کا جنازہ نکل گیا؟“

”میاں اِس کے علاوہ اور کیا ہوا ہے۔ بیرسٹر صاحب تو ناک پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے لیکن آج عدالت ہی سے غائب ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اب اُن کی چڑیا اُڑ چکی ہے۔“ ایک نوجوان وکیل نے کہا۔ ۔ ۔ اور میں نے آگے بڑھ کر اُس کی ٹائی مٹھی میں جکڑ لی پھر اُس کی گردن کو جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ ۔ ۔

”عزت کا جنازہ تو تمھارا نکل گیا تھا وکیل صاحب! بیرسٹر نصرت حسین کی کامیابیوں نے تمھارے دلوں میں ناسُور ڈال دیے تھے اور آج بھی ناسُور پھوٹ رہے ہیں تمھیں غیرت

مجھ سے یہی کہا ...ب! کہ بیرسٹر نصرت حسین کو عدالت میں میرا ... دینے والے تم نہیں تھے بلکہ صرف انھی کا خون کہتا ... ذرا اپنے والدین سے کہو کہ کوئی ایسی اولاد پیدا کر دیں جو ... ن بیرسٹر نصرت حسین یا اس کے اہل خاندان کے سامنے آ سکے۔" میں نے وکیل کو زور سے دھکا دیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ دوسرے لوگ سکتے میں رہ گئے تھے، فاروقی صاحب جلدی سے آگے بڑھ آئے۔

"بلا شبہ آپ نے نہایت بدتمیزی کے الفاظ ادا کیے تھے وکیل صاحب، آپ کو یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔"

"یہ... یہ... بدتمیزی ہے یہ... اس توہین کا نتیجہ آپ انھیں بتا دیجیے فاروقی صاحب۔"

"دوست، اگر اس وقت میری مؤکلہ کی کیفیت ایسی نہ ہو رہی ہوتی تو میں تمھیں مکمل طور پر انسان بنانے کی کوشش کرتا لیکن کوئی بات نہیں ابھی بہت وقت پڑا ہے اس چیز کو ذہن نشین کر لو کہ اس کے بعد مجھے تمھاری صورت نظر نہ آئے۔" میں نے زہریلے لہجے میں کہا اور فاروقی صاحب میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے...

"چلو شارق چلو... یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے کوئی خاص بات نہیں ہے ناکام لوگوں کی زبان یہی ہوتی ہے۔" وکیل صاحب اپنے کلف لگے کالر اور گریبان کو سنبھال رہے تھے یہی شکر تھا کہ انھوں نے آگے بڑھ کر مزید کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش نہیں کی ورنہ عدالت کے باہر ایک اور تماشا شروع ہو جاتا۔

میں فرخندہ بیگم کو ساتھ لیے باہر آ گیا واپسی کے لیے ایک ٹیکسی ہی استعمال کرنی پڑی تھی بیچاری فرخندہ بیگم کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا اتنے دن سے جیل میں تھیں اور اب بے یار و مددگار واپس جا رہی تھیں لوگوں نے شاید یہی سوچ لیا تھا کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا لیکن صورتِ حال بدل گئی تھی وہ جو آزاد آئے تھے آزاد واپس نہیں جا سکے اور وہ جن کے سر پر موت منڈلا رہی تھی آزادی کی خوشیاں لیے ہوئے واپس جا رہے تھے۔

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر فرخندہ بیگم نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں دراز رہیں میں اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا بالآخر ٹیکسی فرخندہ بیگم کی کوٹھی کے گیٹ پر رک گئی میں نے انھیں سہارا دے کر نیچے اُتارا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو ایک نوٹ تھما دیا اور پھر انھیں سہارا دیے ہوئے ہی اندر لے آیا۔

کوٹھی کے بیرونی دروازے سے اندر قدم رکھتے ہی فرخندہ بیگم کے ضبط کے بند ٹوٹ گئے تھے وہ زار و قطار رونے لگیں اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ کوٹھی کے سوگوار ملازمین خوشیوں سے چہچہاتے اندر گھس آئے تھے فرخندہ بیگم کو دیکھ کر ان کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھی تھیں کافی پرانے پرانے ملازم تھے۔ پتا نہیں دلوں میں کیا رکھتے تھے لیکن اس وقت ان کی خوشیوں کا اظہار قابلِ دید تھا۔ ایک بوڑھے ملازم نے نہ جانے کس طرح ہمت کر کے فرخندہ بیگم کو سنبھالا اور انھیں اپنے سینے سے چمٹا کر بولا۔

"بیگم صاحبہ۔ بیگم صاحبہ... بیٹی۔ بیٹی فرخندہ چپ ہو جاؤ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔" فرخندہ بیگم ملازم سے لپٹ گئی تھیں۔ ملازم کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ جذبات تو ہر شخص کے سینے میں ہوتے ہیں اور ان جذبات کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے یہ ملازم جو نہ جانے کب سے فرخندہ بیگم کو بیٹی کہنے کے لیے ترس رہا ہوگا اور جس کی زبان پر عالمِ ہوش میں کبھی یہ الفاظ نہ آتے آج انھیں دیکھ کر بے قابو ہو گیا تھا۔ ملازم کا نام رحیم تھا ہم دونوں فرخندہ بیگم کو سنبھالے ہوئے ان کی خوابگاہ میں پہنچ گئے ان کی حالت کافی غیر تھی اور وہ مستقل روئے جا رہی تھیں۔ رحیم بابا جلدی سے پانی لے آئے اور میں نے فرخندہ بیگم کو سہارا دے کر جلدی سے پانی پلایا ان کی آنسوؤں میں ڈوبی نگاہیں ٹک بار میری جانب اٹھ گئی تھیں۔

"خود کو سنبھالو فرخندہ خود کو سنبھالو۔ پلیز خود کو سنبھال لو۔"

"میں... میں شارق میں۔" فرخندہ بیگم کی آواز بمشکل نکلی اور پھر ہچکیوں میں تبدیل ہو گئی۔

"پلیز فرخندہ خود کو سنبھالو، خود کو سنبھالو۔" میں نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا اور اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے آنسو خشک کرنے لگا رحیم بابا بھی اس کوشش میں مصروف تھے باقی ملازم باہر رک گئے تھے میں نے رحیم بابا سے کہا۔

"بابا فرخندہ بیگم اس گھناؤنے الزام سے باعزت بری ہوئی ہیں حقیقی مجرم سامنے آ گئے حقیقی مجرم بے نقاب ہو گئے۔"

"کون تھا وہ مجرم کون تھا جس نے جاوید میاں کو ہلاک کیا؟"

"افسوس بابا۔ ایک لڑکی جو اپنے جنون کا شکار ہو گئی تھی ایک پاگل لڑکی جس کے اطراف خطرناک لوگ بکھرے ہوئے تھے

اور بالآخر وہ اسے موت کے پھندے تک لے گئے وہ حنا تھی جاوید کی بہن جس نے کمرۂ عدالت میں اپنے باپ کے خون کا بھی اعتراف کیا ہے اور اپنے بھائی کی موت کا بھی ہاں اس نے تمھارے مالک سعید بیگ کو قتل کیا تھا۔"

"رحیم بابا۔" کافی بنا کر لاؤ۔ بہت اسٹرانگ اور بغیر دودھ کے شارق تم پیو گے نا؟" فرخندہ بیگم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"بالکل پیوں گا۔ اتنی محنت کی ہے تو کیا کافی بھی نہیں پیوں گا۔" میں نے کہا اور رحیم بابا جلدی سے باہر نکل گئے۔ فرخندہ بیگم بدستور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں ان کی آنکھوں میں ایک انوکھی کیفیت رقصاں تھی بہت دیر تک وہ اسی طرح خاموشی سے بیٹھی مجھے دیکھتی رہیں اور میں انھیں، تب فرخندہ بیگم نے آہستہ سے کہا۔

"شارق! تم نے یہ سب کچھ۔ تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟"

"اس کا فیصلہ آپ خود کر سکتی ہیں فرخندہ۔"

"نہیں یقین کرو۔ میں روزِ اوّل ہی سے حیران ہوں تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا شارق تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟"

"تمھارے اُن چند الفاظ پر فرخندہ۔" میں نے جواب دیا۔

"میرے الفاظ؟"

"ہاں! تمھارے الفاظ۔"

"مجھے یاد نہیں۔"

"تم نے ایک دن کہا تھا بڑی حسرت تھی تمھارے لہجے میں تم نے کہا تھا فرخندہ کہ کاش زندگی میں تمھیں صرف ایک دوست مل جاتا جو تم سے پوچھے بغیر تمھارے لیے کچھ کرتا۔ کتنی آرزو تھی تمھارے ان الفاظ میں، کتنی تڑپ تھی، مجھے اس کا اندازہ ہو گیا تھا فرخندہ اور اس کے بعد میرے لیے یہ ضروری نہیں تھا کہ میں تمھیں سب کچھ بتاتا، فرخندہ کمرۂ عدالت میں تم نے جو کچھ سُنا وہ ایک سچائی تھی میں وکیل فاروقی صاحب کے جونیئر کی حیثیت سے ان کے ساتھ کام کرتا تھا حنا برقعے میں ملبوس ایک مظلوم لڑکی کی حیثیت سے ہمارے پاس پہنچی اور اس نے ہمیں بتایا کہ اس کی سوتیلی ماں اس پر مظالم کر رہی ہے اور باپ کی دولت ہڑپ کر جانے کے چکر میں ہے۔ حنا نے کچھ ایسا سماں باندھا تھا کہ ہم مجبور ہو گئے براہِ راست کیس نہیں کیا جا سکتا تھا اس کے لیے حنا نے مجھے دعوت دی کہ میں اس کی کوٹھی میں آ کر صورتِ حال کا خود جائزہ لوں در حقیقت فرخندہ حنا تمھارے خلاف کیس تیار کرنا چاہتی تھی پتا نہیں کس احمق نے اسے یہ مشورہ دے دیا تھا کہ وہ کسی وکیل سے جا کر ملے اور اس سازش کو مضبوط کرے یہیں ان لوگوں سے غلطی ہو گئی تھی اگر وہ اپنے طور پر یہ تمام کارروائی کر رہے ہوتے تو شاید ان کا کیس کافی مضبوط ہوتا اور شاید صورتِ حال منظرِ عام پر نہ آتی لیکن مجھے دعوت دے کر حنا نے اپنے تابوت میں کیل ٹھونک لی تھی۔ میں یہاں آیا بے چارے جاوید کے دوست کی حیثیت سے میں نے اپنے آپ کو روشناس کرایا اور حنا نے اس کی تصدیق کر دی کہ میں جاوید کا دوست ہوں۔ یہاں رہ کر میں نے تمھارے خلاف تحقیقات شروع کر دیں اور ابتدا میں درحقیقت میں بھی دھوکا کھا گیا لیکن آہستہ آہستہ صورتِ حال کی وضاحت ہوتی گئی مجھے احساس ہوا کہ معاملات کچھ اور گہرائی رکھتے ہیں مجھے ذاتی طور پر حنا سے کوئی دلچسپی نہیں تھی میں تو بس اپنے کیس کی تیاریاں کر رہا تھا لیکن بعد میں مجھے احساس ہوا کہ میرے فرائض کچھ اور بھی ہیں۔ فاروقی صاحب کے تعاون سے میں نے اس سلسلے میں کچھ اور کارروائیاں شروع کیں اور ان لوگوں کے خلاف ثبوت حاصل کرتا رہا اس کے لیے مجھے فیصل آباد بھی جانا پڑا ان گواہوں کو بھی تلاش کرنا پڑا اور بالآخر خدا کے فضل سے فرخندہ میں نے تمھیں اس مصیبت سے نجات دلا دی میں نے تمھارے اُن الفاظ کی نفی کر دی جس میں تم نے کہا تھا کہ تمھیں زندگی میں کوئی ایسا دوست نہیں ملا میں تمھارا دوست ہوں فرخندہ اور میں نے تمھیں بتائے بغیر تمھ یہ سب کچھ کیا ہے عدالتوں کی تاریخ میں شاید بہت کم ایسے کیس ہوں جس میں کسی ملزم سے ایک سوال کیے بغیر کسی رہنمائی کے بغیر پورا کیس حل کر لیا گیا ہو اور ملزم کو رہائی دلا دی گئی ہو... میں نے اپنی وکالت کی زندگی کا آغاز کرتے ہوئے ذرا منفرد کام کیا ہے اور اس میں تم یوں بھی سمجھ لو کہ میرا اپنی ذات پہ تجربہ بھی شامل تھا۔" فرخندہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس نے پُرمسرت انداز میں کہا۔

"شارق۔ تم میرے دوست ہو واقعی میرے دوست ہو۔"

"ہاں فرخندہ! دوست اور صرف دوست! پاکیزگی کے تمام رشتوں کے ساتھ۔" میں نے جواب دیا اور فرخندہ نے آگے بڑھ کر میری پیشانی چوم لی۔

"میں مالامال ہوگئی ہوں شارق! حقیقتاً میں مالامال ہوگئی ہوں، مجھے احساس ہورہا ہے جیسے میری پشت پر ایک مضبوط دیوار کھڑی ہوگئی ہے۔ شارق میں بھی برائیوں کے راستے کی راہی نہیں ہوں۔ سعید بیگ سے میری شادی ہوئی لیکن اس کے بعد میں نے اپنے ذہن سے ان تمام فاسد خیالات کو نکال دیا جو کبھی میرے ذہن میں تھے۔ طاہر مقصود بلاشبہ میرے بچپن کا ساتھی تھا اور میں چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ منسوب ہو جاؤں لیکن حالات نے صورتِ حال بدل دی اور وہ کچھ نہ ہوسکا جو میں چاہتی تھی۔ طاہر نے مجھے شرافت کے راستوں سے بھٹکایا لیکن میں اپنے باپ کو مٹی میں ملتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ خدا کی قسم شارق میں نے کبھی سعید بیگ سے غداری نہیں کی۔ میں نے حنا اور جاوید کے بارے میں کبھی بُرے انداز میں نہیں سوچا لیکن حنا مجھ سے تعاون نہیں کرتی تھی۔ وہ اس قدر خوفناک ہوگی میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ آہ اس جنونی لڑکی نے اپنے باپ کو بھی قتل کردیا اور بھائی کو بھی۔ یقیناً اس میں طاہر کا ہاتھ بھی تھا۔ اس ذلیل نے مجھ سے غلط کہا تھا۔ وہ یقیناً اسی منصوبے کے تحت آیا تھا۔ اس نے اپنی زبوں حالی کی داستان سنائی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ صرف موت کا انتظار کررہا ہے۔ میں نے اسے زندگی دینے کی کوشش کی تھی، صرف انسانی ہمدردی کی بنیاد پر لیکن... لیکن"

"کوئی بات نہیں فرخندہ خود کو سنبھالو، پہلے سے زیادہ مضبوط بنالو خود کو۔ ابھی ان دونوں کا کیس چلے گا تمھیں بھی گواہی دینی ہوگی۔"

"شارق! تم شارق میری مدد کرتے رہوگے نا۔ تم اپنے الفاظ کو نبھاتے رہوگے نا۔ میں بہت کمزور ہوں، شارق بہت کمزور۔" فرخندہ نے روتے ہوئے کہا اور میں نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اطمینان رکھو فرخندہ۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ پاکیزگی کے تمام رشتوں کے ساتھ۔"

آشیانے سے بچھڑ ضرور گیا تھا لیکن اُس کی محبت دل سے کہاں ختم ہوسکتی تھی۔ وہاں وہ سارے تھے جن کے ساتھ کھیل کود کر بچپن سے جوانی کی سرحدوں تک پہنچا تھا۔ محبت کرنے والے بھائی جنھوں نے کسی انداز میں بھی سہی بہرطور پورا پورا خیال رکھا تھا کہ میں اُن کا چھوٹا بھائی ہوں۔ بھیر بھابیاں آشیانے کی چڑیاں تھیں۔ ہنستی مسکراتی، کوئی بھی تو میرے خلاف نہیں تھیں سب سے مذاق بھی کرلیتا تھا سب ہی میری ضروریات کا پورا خیال رکھتی تھیں۔ نک چڑھی بہن جو کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کے دل میں میرے لیے محبت نہیں نفرت ہے لیکن دل کے کسی نہ کسی گوشے میں نرمی ضرور ہوگی چونکہ خود میرے اپنے دل میں اُس کے لیے محبت تھی۔ چھیڑ چھاڑ شرارتیں اپنی جگہ لیکن میں اُسے چاہتا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماں تھیں۔ آغا جی صاحب تھے جو کبھی کبھی باپ ضرور بن جایا کرتے تھے۔ یہ سارے لوگ میرے اپنے تھے اور میں خود کو اُن سے جُدا نہیں محسوس کرتا تھا۔ لگے بندھے اصولوں کے تحت زندگی گزارنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ اسی لیے علیحدگی اختیار کرکے وکالت کا پیشہ اختیار کیا تھا اور اس سے غیر مخلص نہیں تھا۔ میں حقیقتوں کو تلاش کرنے کا عادی تھا اور اُنھی حقیقتوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنانا چاہتا تھا۔ اب تک جو کچھ کیا تھا اُس میں یہی جذبہ کارفرما تھا لیکن حیرت آشیانے کے مکینوں پر تھی۔ انھوں نے نجانے کن جذبوں کے تحت مجھ سے تعلقات توڑ لیے تھے۔ کبھی کبھی ہلکا سا احساس ضرور ہوتا تھا۔ کم از کم اتنا تو ہوتا کہ مجھ سے رابطہ قائم کیا جاتا۔ میری خیریت پوچھی جاتی۔ ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی۔ دو چار بار آشیانے میں واپسی کا تقاضا کیا جاتا لیکن نجانے کیا ہوگیا تھا اُن سب کو انھوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ بیرسٹر نصرت حسین کے سامنے دو مرتبہ آنا پڑ گیا تھا۔ پہلی بار فاروقی صاحب کے ذریعے بیرسٹر نصرت حسین صاحب کو ایک کیس ہارنا پڑا تھا اور دوسری مرتبہ براہِ راست مجھ سے تصادم ہوگیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کاروباری دنیا میں کسی اچھے مال کی فراہمی قدر... کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ہم دونوں ایک ہی راستے کے راہی تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کو خوشی ہونی چاہیے تھی کہ میں

نے سچائیوں کی راہیں اپنا کر ذہانت سے کیس کا اصل حل پیش کیا۔ بلاشبہ اس میں انھیں نقصان سے دوچار ہونا پڑا لیکن ہم ایک ہی باپ کے دو بیٹے تھے۔ بیرسٹر صاحب کو فراخ دلی سے کام لینا چاہیے تھا۔ فرخندہ کا کیس چل رہا تھا۔ حنا اور طاہر مقصود حراست میں تھے۔ ڈاکٹر بھی مصیبتوں کا شکار ہو گئے تھے لیکن بہرطور وہ مجرم تھے بلکہ بدترین مجرم، خاص طور سے حنا اور اس کے بعد طاہر مقصود، پھر ڈاکٹر۔ حنا نے بہن کے مقدس رشتے کو مجروح کیا تھا۔ بیٹی کی حیثیت سے اُس نے لاتعداد بیٹیوں کے چہرے پر کالک مل دی تھی۔ باپ اور بھائی کی قاتل اُس لڑکی کے ذہن میں صرف سوتیلی ماں کا جنون تھا۔ آخر سوتیلی ماں بھی انسان ہی ہوتی ہے بلاشبہ یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ عورت عورت کی سب سے بڑی دشمن ہوتی ہے۔ مرد فراخ دلی سے زندگی کے ہر مرحلے سے گزر جاتے ہیں لیکن عورت رشتوں کی ترتیب کبھی نہیں بھولتی اور بہت کم ایسے واقعات ہوتے ہیں۔ جہاں وہ فراخ دلی کا ثبوت دے۔ طاہر مقصود جس نے فرخندہ بیگم سے محبت کی تھی اور بعد میں اس محبت کو دولت کے ترازو میں رکھ دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب جنھوں نے اپنے مقدس پیشے سے اس طرح انحراف کیا تھا کہ وہ سب سے زیادہ قابلِ نفرت بن گئے تھے۔ اگر میں نے اُن تین افراد کو منظرِ عام پر لا کر انھیں قانون کے حوالے کردیا تھا تو یہ تو معاشرے کی ایک خدمت بھی تھی۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کو یہ بات سراہنی چاہیے تھی لیکن انھوں نے تنگ دلی کا مظاہرہ کیا۔

بہرحال میں نے اپنے لیے ایک زندگی کا تعین کرلیا تھا اور میں اُس سے مطمئن تھا۔ جب ہر شخص اپنی ذات کی انا کے لیے جیتا ہے تو پھر میں اپنے ارادوں میں تبدیلی کیوں کرتا۔ فاروقی صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ میں صرف وکالت کے پیشے کو ہی سب کچھ نہیں سمجھتا بلکہ میری زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنے محدود وسائل کی بنیاد پر اپنے لیے انصاف نہیں حاصل کرسکتے۔ اُن کی مدد کروں اور اس سلسلے میں کسی بھی لالچ سے بے نیاز ہو جاؤں۔ دولت کی ضرورت صرف اتنی ہی ہوتی ہے کہ انسان بدن ڈھک لے کھانا کھا لے اور اپنی وہ مختصر ضروریات پوری کرلے جن کا پھیلاؤ محدود ہو۔ ورنہ انسان اپنے لیے ضرورتیں تو تراشتا ہی رہتا ہے اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے سرمایہ دار دولت کے انبار پر بیٹھ کر سوچتے ہیں کہ انھیں کس طرح اونچا کیا جائے اور اس کے بعد موت کا ایک لمحہ انھیں اس انبار پر سے اٹھا کر زمین کی گہرائیوں میں پہنچا دیتا ہے۔ میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی تاریخ میں پڑھی تھی کہ کوئی بہت بڑا دولت مند اپنی دولت کے سہارے موت کو ٹال سکا ہو یا مرنے کے بعد کوئی ایسا مقام حاصل کرسکا ہو جو اُسے نمایاں کردے پھر یہ بے ایمان سِکّے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بڑی دولت وہ ہے جو کسی کو مسرتیں دے کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دے اور میں انھی راستوں کو اپنے لیے منتخب کرچکا تھا۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا ضروری ہوتا ہے اول میں نے آشیانہ کھو دیا تھا لیکن مجھے اس کی فکر نہیں تھی۔ استاد جمو نے فلیٹ پر میرے ساتھ رہتے تھے معمولات ایک مخصوص رُخ اختیار کرچکے تھے فلیٹ، فاروقی صاحب کا دفتر، عدالتیں اور پھر فلیٹ واپسی۔ بہت سے دوست حاصل کرچکا تھا اس دوران میں کچھ اپنی پسند کے تھے۔ جیسے انسپکٹر غالب جو میرے ہی راستے کا راہی تھا اور میرے لیے قابلِ اعتماد۔ ایس۔ پی طارق حسین صاحب سے ایک بار انسپکٹر غالب کی ملاقات ہوئی تھی اور میرے سلسلے میں کچھ باتیں ہوئی تھیں۔ غالب نے بتایا کہ ایس پی صاحب مجھ سے ناراض ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ میں یہاں پرائیویٹ جاسوسی کے ادارے قائم کررہا ہوں اور کسی بھی مرحلے پر پولیس مجھ پر ہاتھ ڈال سکتی ہے چنانچہ مجھے سمجھا دیا جائے۔ میں نے انسپکٹر غالب سے کہا کہ مجھے سمجھاؤ تو وہ ہنس پڑا۔

"کیا کریں جی، جی تو چاہتا ہے کہ فوراً ایس پی صاحب کو سمجھا دیں، مگر عہدے میں بڑے تھے اس لیے ہمت نہیں پڑ سکی۔" غالب نے بڑے دلچسپ انداز میں کہا۔

"حقیقت یہی ہے انسپکٹر غالب کہ ایس پی ناسمجھی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ پرائیویٹ جاسوسی کا کوئی ادارہ میں نے قائم نہیں کیا ہے۔ قانون وکلا کو اتنے اختیارات دیتا ہے کہ وہ اپنے مؤکل کی پیروی کرتے ہوئے حقیقتوں کو تلاش کریں چنانچہ میں صرف ایسا ہی کرتا ہوں۔ پرائیویٹ جاسوسی بالکل مختلف چیز ہے۔"

"لیکن شارق جی، اس سلسلے میں اگر کبھی پولیس سے مڈبھیڑ ہوگئی تو؟"

"تو پولیس کو ناکوں چنے چبانے پڑیں گے، انسپکٹر غالب۔"

"او جی یہ محاورہ اپنی سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ کبھی کسی نے ناک سے چنے چبائے ہیں؟"

"میں اِس کا عملی ثبوت پیش کردوں گا، انسپکٹر غالب، اگر

کبھی کسی پولیس افسر نے میرے راستے میں آنے کی کوشش کی؟!

"بھائی جی! بڑے دل والے ہو۔ ایک پولیس افسر کو اُس کے مُنہ پر بیٹھ کر چیلنج کر رہے ہو۔"

"نہیں غالب! تم غالب ہو، اس دور کے اسد اللہ خان جو شعر نہیں کہتے لیکن اُتنے ہی بے ضرر اور اُتنے ہی معصوم ہیں۔ میں تمھیں خوش کرنے کے لیے یہ بات نہیں کر رہا بلکہ میرے ذہن میں اکثر یہ سوال اُبھرا ہے کہ تم پولیس کی نوکری میں آخر کیسے آ گئے اور اگر آ گئے ہو تو اُسے برداشت کیسے کر رہے ہو؟"

"بس بھائی جی! زندگی گزار رہے۔ دُعا یہ کرتے ہیں کہ کسی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ مشکلیں تو اُٹھانی ہی پڑتی ہیں۔ پر ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حساب میں دو چار نیکیاں زیادہ ہی لکھ دے گا۔ چونکہ اس پیشے میں ہونے کے باوجود ہم کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔"

ایسے دوستوں سے سہارا حاصل ہو جائے تو پھر مقاصد کو جِلا کیوں نہ ملے۔ فرخندہ بیگم تھیں۔ جن کے بارے میں آنکھیں بند کر کے یہ باتیں کہی جا سکتی تھیں کہ وہ اس دُنیا کی بہترین خاتون ہیں۔ اپنے آپ کو مجھ پر کھول کر رکھ دیا تھا انھوں نے یہ بتا دیا تھا کہ ایک بیوہ کی حیثیت سے انھوں نے کبھی بیوی کا سُکھ نہیں پایا۔ ایک نوجوان لڑکی کی حیثیت سے اُن کے جذبات کی کبھی پذیرائی نہیں ہوئی۔ وہ ادھوری ہیں۔ جنھیں کسی بھی سلسلے میں تکمیل حاصل نہیں ہو سکی لیکن اس کے باوجود اُن کے جذبات اُن کے قابو میں ہیں۔ وہ آج بھی اس بات کی خواہش مند ہیں کہ جنا سعید کو رہائی مل جائے تو اُس کی دولت کا جائز حصّہ اُس کے حوالے کر کے اُس سے کہیں کہ اپنی زندگی کو انتقام کے راستے سے ہٹا کر خوشیوں کی راہوں پر لائے اور زندگی سے صرف اس طرح لُطف اُٹھائے جس طرح دوسرے انسان زندگی بسر کرتے آئے ہیں لیکن یہ صرف فرخندہ بیگم کی خواہش تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔ جنا سعید نے ایک بھیانک جُرم کیا ہے سماجی، اخلاقی اور قانونی۔ اُسے رہائی ملنا ممکن نہیں ہے۔ بہرطور یہ مسائل جاری تھے۔ فرخندہ بیگم کی کیفیت صرف ایک گواہ سی تھی۔ اُن کا بھی کچھ تھوڑا سا پاؤں اَٹکا ہوا تھا لیکن ایسا نہیں کہ مجھے اس سلسلے میں کوئی پریشانی ہو۔

◙

فاروقی صاحب کے ساتھ ایک دن دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ جاوید قریشی اندر داخل ہوئے۔ جاوید قریشی، فاروقی صاحب کے رشتہ دار ہی نہیں بلکہ ایک طرح سے ہمارے لیے ایک محترم حیثیت اختیار کر گئے تھے اور پھر ہمارے ہم پیشہ بھی تھے۔ ہم نے مسکراتے ہوئے اُن کا خیر مقدم کیا۔

"بھئی، دفتر تو بہت شاندار ہوتا جا رہا ہے اور میرا خیال ہے اس میں ابھی کشادگی کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"پتا نہیں جاوید صاحب، آپ الفاظ ضائع کرنے پر کیوں تُل گئے ہیں۔ بس یہ بتائیے کہ آپ کی آمد کس مقصد کے تحت ہوئی ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو شارق بھائی، کام ہی سے آیا ہوں۔ ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ بلاؤں؟"

"ویسے بُلانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اُن کے اندر آنے سے پہلے تعارف ہو جاتا تو کیا حرج تھا۔" میں نے کہا۔

"نہیں، آپ کو اُن سے مل کر خوشی ہو گی۔" جاوید قریشی نے کہا اور میں نے شانے ہلا دیے۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر اُس بے چارے کو باہر کیوں بٹھا رکھا ہے تم نے۔"

"اُستاد! ذرا بدر شاہ کو بھیج دینا۔" جاوید قریشی نے آواز لگائی اور چند لمحات کے بعد تقریباً سوا چھ فٹ بلند دروازے سے ایک چوڑا چکلا شخص جُھک کر اندر داخل ہوا۔ اُس کی صورت قابلِ دید تھی۔ کھوپڑی صفا چٹ، پورا چہرہ داڑھی سے بے نیاز بس مونچھیں تھیں جو بقیہ ضروریات پوری کر رہی تھیں۔ چوڑے چکلے بدن کا مالک، ہاتھ ضرورت سے زیادہ چوڑے، آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت اور درندگی چھپی ہوئی۔ اندر داخل ہونے کے بعد اُس نے سلام کیا اور جاوید قریشی کے اشارے پر میرے سامنے رکھی ہوئی کُرسی پر بیٹھ گیا۔ فاروقی صاحب بغور اُس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اُن کے انداز سے ایسا پتا چلتا تھا جیسے وہ اُسے پہچانتے ہوں۔

"ہاں، بدر شاہ! یہ ہیں شارق حسین ایڈووکیٹ۔"

"بڑی خوشی ہوئی جی آپ سے مل کر، ہاتھ ملائیے۔" بدر شاہ نے اپنا ہاتھ آگے پھیلا دیا اور میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دینا پسند نہیں کیا تھا چونکہ یہ میرے لیے خطرناک ہو سکتا تھا تاہم بدر شاہ کو بھی احساس ہو گیا ہو گا کہ اُس سے کہیں کمزور بدن کے مالک شخص نے کم از کم مصافحہ بھرپور کیا ہے۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر شارق صاحب، میں اپنے بارے میں آپ کو بتا دوں جی، پیدا ہوا تھا تو ماں کی گود میں اُسی طرح ٹیوں ٹیوں کرتا تھا جیسے پیدا ہونے والے بچے کرتے ہیں۔ کوئی خوبی نہیں تھی جی اپنے اندر۔ کوئی خرابی بھی نہیں تھی۔ ماں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ بڑا ہو کے کیا بنائے گی۔ وہی سارے خواب دیکھتی رہی تھی وہ پگلی اُس وقت تک، جب تک اُس کا شوہر زندہ تھا کہ بیٹے کو بڑا آدمی بنائے گی۔ میز کُرسی پر بیٹھ کر کام کرے گا۔ افسر بنے گا۔ حکم چلائے گا۔ مگر صاحب جی، تقدیر جو ہوتی ہے نا۔ دیکھو جی کچھ لوگ تقدیر کو صرف ایک تماشہ کہتے ہیں۔ میں نیا نہیں پُرانا آدمی ہوں اور اس بات سے اچھی طرح واقف ہوں کہ انسان بعض اوقات جدوجہد کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے۔ کچھ بننا چاہتا ہے مگر تقدیر اُسے موقع نہیں دیتی، تقدیر وہی کرتی ہے جو اُسے کرنا ہوتا ہے میرا خیال ہے جی تعارف لمبا ہو گیا۔ چلو چھوٹا کر دیتے ہیں۔ بات یہ ہوئی نا صاحب جی کہ اپن کے اس بھیجے میں جسے ہم اوپر سے بالکل صاف رکھتے ہیں۔ باتیں تو ساری کی ساری آتی ہیں پر یہ دوسری بات ہے کہ جن راستوں پر ہم سفر کر رہے ہیں وہ بالآخر ایک دن پھانسی کے پھندے یا پولیس کی گولی یا کسی دُشمن کے وار کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے جی۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم کہنا کیا چاہتے ہیں۔" میں مسکراتی نگاہوں سے بدر شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے سوال کیا۔

"بدر شاہ، پڑھے لکھے ہو؟"

"نا جی نا، بس دُنیا سے جو کچھ سیکھ لیا ہے وہی سیکھ لیا ہے۔ پڑھے لکھے ہوتے تو شریف آدمی نہ ہوتے۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"میں بتا دیتا ہوں شارق صاحب! بدر شاہ ایک اڈّہ چلاتا ہے۔ بس یوں سمجھ لو سب کچھ ہوتا ہے اُس اڈّے پر سوائے بدکاری کے۔ تمبولا وغیرہ بھی کھیلا جاتا ہے اور ایک بات میں تمھیں ایک وکیل ہونے کی حیثیت سے بتاؤں شارق کہ جو لوگ بدکاری کے اڈّے قائم نہیں کرتے اور اُس سے پرہیز کرتے ہیں، میرے اپنے نقطۂ نظر سے اُن کے ضمیر یا اُن کے دل میں تل برابر سفیدی ضرور ہوتی ہے۔ اس سفیدی کو اگر پھیلانے کی کوشش کی جائے تو ہمیں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو جاتی ہے۔ بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے۔ تو بدر شاہ تم سے کچھ چاہتے ہیں شارق! ساری تفصیل یہ تمھیں خود ہی بتائیں گے۔ مجھ سے انھوں نے اپنا مقصد بیان کیا تو میرے ذہن میں تمھارا نام آ گیا۔ اسی لیے میں انھیں تمھارے پاس لے آیا۔ میرے خیال میں اِن کے درد کی دوا تم ہو۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں جاوید صاحب تو براہِ کرم مجھے بتائیے کہ مسئلہ کیا ہے؟"

"صاحب جی، دراصل ہم پچھلے دس مہینے سے جیل میں تھے۔ ابھی ایک ہفتے پہلے رہائی ہوئی ہے۔ تین چار دن اڈّے کو سنبھالنے میں لگ گئے اور اُس کے بعد اب اللہ کے فضل سے فرصت ہوئی ہے۔ صاحب جی، جیل میں ہم نے کوئی وعدہ کیا تھا اور صاحب جی ہم بُرے لوگ کبھی کبھی وعدوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ دیکھو نا، یہ بات تو ہمیں پتا ہے کہ ہم جہنم کے بندے ہیں۔ اعمال ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد جہنم ہی میں جانا ہے پر صاحب جی، یہ تو سب کی خواہش ہوتی ہے کہ جہنم میں بھی جائیں تو کم از کم کسی ایسی جگہ جہاں ذرا آگ ہلکی ہو۔ جلنا ہے نا جی بدن کو تو دُکھ تو ہوتا ہی ہے اگر اس دُکھ کو کم کرنے کے لیے تھوڑی بہت کوشش کر لی جائے تو کیا حرج ہے۔" بدر شاہ نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

"وہ بندہ کون تھا بدر شاہ؟"

"پوری بات بتا رہے ہیں صاحب جی۔ جیل میں بھی اپنی خاصی یاد اللہ ہے۔ جیلر صاحب اور دوسرے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں ہمیں اور ہمارے ساتھ تھوڑی بہت رعایت ہو جاتی ہے۔ ایک دن صاحب جی ایک ملاقاتی آیا تھا۔ اُس سے باتیں کر رہے تھے کہ کان دوسری طرف لگ گئے کسی قیدی سے کوئی ملنے آیا تھا صاحب جی۔ دونوں کی آپس میں بات چیت ہو رہی تھی۔ آنے والی ایک عورت تھی۔ ہمارے کان اُن آوازوں پر لگ گئے۔ قیدی کہہ رہا تھا۔ دیکھو رشیدہ، جذباتی ہونے سے کام نہیں چلے گا، رونا پیٹنا کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ آج میرے دو بچے ہیں قسمت نے اُن سے اُن کا باپ چھین لیا ہے۔ کل تیسرا بھی اس دُنیا میں آنے والا ہے۔ رشیدہ میں نے بھرپور کوشش کی کہ اپنے اوپر سے اس الزام کو غلط ثابت کر دکھاؤں لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ مجھے دو چار سال قید کی سزا ملی ہوتی تو میں تجھ سے کہتا کہ سڑکوں پر بھیک مانگ کر یہ وقت گزار لے میری قید کے دن پورے کر لے۔ میں آؤں گا اور اپنے بدن سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر تیرے ان چار سالوں کا قرض ادا کر دوں گا لیکن رشیدہ مجھے عمر قید کی سزا ہوئی ہے۔ اب کوئی ایسی روشنی باقی نہیں ہے جو میں تیرے ہاتھ میں دے دوں اور تجھ

سے کہوں کہ اس چراغ کو لے کر میری واپسی کا انتظار کر چاہے حالات کچھ بھی ہوں۔ رشیدہ، میری رشیدہ بروزِ قیامت اگر خدا نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے کوئی نیکی کی ہے تو اس کے صلے میں کیا چاہتا ہے تو میں اس سے یہی کہوں گا کہ میری رشیدہ کو تلاش کر کے میرے حوالے کر دیا جائے۔ مجھے تجھ سے زیادہ پیارا اور کوئی نہیں ہوگا رشیدہ لیکن اس وقت حالات دوسرے ہیں بچی اور گڈو بھوک سے بلک بلک کر مر جائیں یہ مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔ نیا آنے والا پیدا ہونے سے پہلے دم توڑ دے یہ اچھا نہیں لگے گا رشیدہ۔ دیکھ رشیدہ میری بات مان لے میں نے زندگی بھر تجھ سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ کچھ بھی نہیں مانگا تجھ سے بلکہ جو کچھ بن پڑا تیرے لیے کرتا ہی رہا ہوں اس کے صلے میں مجھے میرے بچوں کی طرف سے دلی سکون دے دے۔ رشیدہ تو شادی کر لے تو جوان ہے خوب صورت ہے بلاشبہ تین بچوں کی ماں کہلائے گی لیکن اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ان بچوں کی پرورش کا۔ رشیدہ اگر تو ایسا نہیں کرے گی تو بھی تجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ دنیا بہت بری جگہ ہے اگر محنت مزدوری کرے گی تو تجھ سے محنت لینے والے پہلے تیرے بدن کو تولیں گے اپنی نگاہوں سے اور اگر ان کی پہنچ تجھ تک ہو گئی تو اپنے ہاتھوں سے رشیدہ، اس وقت مجھے سکون نہیں ملے گا اس کے برعکس اگر میرے بچوں کے مستقبل کے لیے تو کسی کو شوہر کی حیثیت سے اپنا لیتی ہے تو میں سوچوں گا کہ تقدیر نے مجھے اتنے ہی دن کے لیے تیرے حصے میں لکھا تھا اور اب تو دوسرے کے حصے میں چلی گئی۔ میری رشیدہ تیری شادی آسانی سے ہو سکتی ہے جتنی بھی کوششیں کر، صرف اسی کے لیے کرنا۔ مجھ سے طلاق لے لے رشیدہ اور ..... صاحب جی! ہم بڑے ہمت والے ہو، بڑے دل والے ہو، مان لوں گا اگر تم اس کے لیے کچھ کر کے دکھا دو۔ کلیجہ پھٹ کر رہ گیا تھا، عورت بلکتی رہی تھی اور ملاقات کا وقت ختم ہو گیا تھا۔ صاحب جی، اگر دو ہاتھ دو پاؤں اور سننے والے کان ہیں اور سمجھنے والا دماغ ہے تو انسان سب کچھ سمجھ سکتا ہے اور سمجھ کر برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم نے قیدی سے ملاقات کی، اس کا نام روشن علی تھا۔ ہم نے روشن علی سے کہا کہ ہم نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان ہونے والی گفتگو اتفاق سے سن لی ہے۔ روشن علی کی عمر صاحب جی تیس اکتیس سال ہے جوان اور اچھی شکل کا آدمی ہے لیکن اب اس کے چہرے پر مردنی سی چھائی رہتی ہے۔

بہت پوچھنے پر اس نے ہمیں اپنی کہانی سنا دی اسے قتل کے الزام میں پھانسا گیا۔ قتل ثابت کر دیا گیا اور عمر قید کی سزا سنا دی گئی۔ صاحب جی وہ قاتل نہیں ہے۔ اپنا نام بدر شاہ ہے جی۔ بڑی برائیاں کی ہیں ہم نے۔ بڑے لوگوں کو زخمی کیا ہے۔ بڑے ہنگامے کیے ہیں۔ پر کسی کی جان نہیں لی کبھی کسی کو اپنے ہاتھوں سے مارا نہیں ہے اور یہ اصول بنا لیا ہے صاحب جی کہ برے راستوں پر حالات نے دھکیل ضرور دیا ہے لیکن جان اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ برائیاں، مجبوریاں اور پریشانیاں اپنی جگہ لیکن کسی بندے کی جان کسی بندے کو نہیں لینی چاہیے جی کیونکہ اس طرح خدا کے حق پر ڈاکا مارنے والی بات ہوتی ہے اور خدا اگر بگڑ جائے تو پھر بھلا کوئی بچ سکتا ہے جی۔ پر صاحب جی قاتل کو پہچانتے ہیں ہم، ہم جانتے ہیں کہ قتل کس قسم کا آدمی کر سکتا ہے۔ تو صاحب جی، روشن علی قاتل نہیں ہے ہم نے بڑی کرید کرید کر اس سے اس کی تفصیل پوچھی اور ساری صورت حال سمجھ لی جی، مگر وہ جو کہتے ہیں نا کہ یہ دنیا دولت کے بل پر چل رہی ہے انسان نے پیسے کو خدا بنا رکھا ہے اور اس دنیا کے بسنے والے لالچی اور بے حس انسان اس خدا کو خدا تسلیم کر لیتے ہیں۔ پر صاحب جی وہ خدا نہیں ہوتا ہے شک کچھ حالات ہوتے ہیں لیکن حقیقتیں سامنے آنے ہوئے کوئی دیر نہیں لگتی جی۔ وہ بندہ قاتل نہیں ہے۔ اسے قاتل بنایا گیا ہے اور پیسہ خرچ کر کے اسے عمر قید کی سزا دلا دی گئی ہے۔ صاحب جی پوری کہانی ہمارے ذہن میں ہے ہم آپ کو اس کی حقیقت بتا دیں گے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے جی کہ وہ کیس دوبارہ کھولا جائے اور حقیقت سامنے لائی جائے۔ یہ کام ناممکن تو نہیں ہوتا صاحب ایسے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں کہ بندے پھانسی سے بھی اتر آئے ہیں۔ آپ اس کیس کو ری اوپن کرو جی۔ خرچہ وغیرہ آپ جو کچھ بھی کہو گے وہ بدر شاہ کے ذمے ہوگا اور صرف خرچ ہی نہیں صاحب جی بدر شاہ کے ہاتھ پاؤں بھی حاضر ہیں دیکھو نا جی، بس یہ اندر جو چیز دھڑکتی ہے نا کبھی کبھی ایسے دھڑکنے لگتی ہے کہ آدمی بے چین ہو جاتا ہے۔ دس مہینے کی سزا تھی ہماری آرام سے گزار رہے تھے، پھر کوششیں شروع کر دیں کہ سزا کم ہو جائے۔ ساڑھے آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔ جیلر صاحب بہت سخت آدمی ہیں مگر ہم نے ان سے کہا کہ ہمارا ریکارڈ اچھا ہے ہماری ایک مہینے کی سزا معاف کرا دو۔ بے چارے مان گئے ہم نے روشن علی کی ساری کہانی بھی ان کو سنا دی تھی جس سے

وہ اور متاثر ہوئے اور صاحب جی انھوں نے کہا کہ اگر تم سچ کہہ رہے ہیں تو وہ ہمارے لیے کوشش کریں گے۔ انھوں نے ہماری انتیس دن کی سزا معاف کر دی جی۔ آٹھ دن ہمیں ذرا مصروفیت میں لگ گئے اس کے بعد ہم ان وکیل صاحب سے ملے۔ ان سے ذرا ہماری جان پہچان ہو گئی تھی اور وکیل صاحب نے ہمیں آپ کا نام بتا دیا۔ وکیل صاحب کا کہنا ہے کہ یہ کام آپ زیادہ اچھی طرح کر سکیں گے شارق جی، اب بتاؤ جی آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

میرے ذہن میں دو نامانوس شکلیں ابھر رہی تھیں جن کے خدوخال میری آنکھوں میں واضح نہیں تھے لیکن جن کے درد بھرے لفظ میرے کانوں میں ابھر رہے تھے۔ تو دوسری شادی کر لے رشیدہ۔ میرے بچے کیسے پل سکیں گے۔ میں تو عمر قید کا قیدی ہوں جیل سے رہا ہوں گا تو پتا نہیں کیا بن چکا ہوں گا۔ اور اس دوران تو نہ جانے زندگی کے کون کون سے راستوں پر جا نکلے تو شادی کر لے، میرا دماغ کھولنے لگا اور میں نے اپنا چوڑا پنجہ میز پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"بدر شاہ، میں اسی لیے اس دنیا میں آیا ہوں۔ میں اسی لیے پیدا ہوا ہوں۔ اپنا چوڑا ہاتھ ایک بار پھر میرے ہاتھ میں دے میرے دوست۔ تیرا اور میرا مشن ایک ہی ہے۔ اطمینان رکھ، جیل کے دروازے روشن علی کے لیے کھل جائیں گے۔ جج صاحب کو اپنے فیصلے پر پشیمان ہونا پڑے گا۔ روشن علی اپنی بیوی کے پاس جائے گا۔ اس کے بچے اس کی سرپرستی میں پلیں گے۔ یہ میرا عہد ہے۔"

بدر شاہ کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں بازو پھیلائے، اور بے اختیار آگے بڑھ آیا۔

"صاحب جی، اپن غنڈے ہیں کبھی جذباتی نہیں ہوئے لیکن خدا قسم دل بھر آیا ہے آپ کے ان الفاظ پر۔ جاوید جی آپ کا شکریہ کہ آپ نے ہمیں ایک انسان کی صورت دکھائی ہے۔ صاحب جی، جی چاہتا ہے کہ آپ سے گلے مل جائیں۔ اس وقت ہمارا دل مت توڑو۔" بدر شاہ نے آگے بڑھ کر اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ وکیل فاروقی صاحب بھی متاثر نظر آ رہے تھے اور جاوید قریشی بھی۔ میں نے بدر شاہ کو بیٹھنے کے لیے کہا اور وکیل فاروقی صاحب نے درمیان میں دخل دے کر کہا۔

"بھئی اس ملاقات کو خشک نہ رہنے دیا جائے اگر ہم ان جذبات کو چائے میں بھگو لیں تو کیا حرج ہے؟" جاوید قریشی نے مسکرا کر گردن ہلائی۔

"ہاں بڑی جذباتی سی فضا ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے استاد کو استادی دکھانے کا موقع دیا جائے۔" بلانے پر استاد چھوٹے اندر آ گئے اور انھوں نے اندر آتے ہی کہا۔

"چائے بس تیار ہونے ہی والی ہے۔ بس چند منٹ۔"

"دیکھا اسے استادی کہتے ہیں۔" جاوید قریشی نے کہا اور استاد چھوٹے باہر نکل گئے۔

بدر شاہ خاموش ہو گیا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کوئی بھی انسان خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو، اپنے آپ کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جذبات و احساسات نہیں رکھتا ہے۔ بعض اوقات ایسے ایسے لوگ نکل آتے ہیں کہ اسے اپنی زندگی بھر کی تاریخ پر ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے۔ بدر شاہ ایک بدمعاش تھا لیکن اس وقت وہ ایک ایسے انسان کی حیثیت سے میرے سامنے بیٹھا ہوا تھا جس پر انسانیت فخر کر سکتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد استاد چھوٹے نے چائے پیش کر دی اور ہم چائے پینے میں مشغول ہو گئے۔ چائے کے دوران مکمل خاموشی طاری رہی تھی۔ بدر شاہ چائے پینے کے بعد بولا۔

"صاحب! یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ کام ہم اپنے ہاتھ میں لے لیتے اور خود ہی اسے انجام دے ڈالتے مگر صاحب! کیا کریں دماغ پھرا ہوا ہے۔ سیدھا قدم اٹھاتے ہیں، الٹا پڑ جاتا ہے۔ زندگی میں ہم نے جیسا کہ ابھی آپ کو بتایا کسی کو زندگی سے محروم نہیں کیا لیکن یہ حالات ایسے ہیں کہ ممکن ہے ہم برداشت نہ کر پائیں۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ کام قانونی طریقے پر ہی ہونا چاہیے۔ اب یہ معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"بدر شاہ! کیا روشن علی نے عدالت میں اقبالِ جرم کیا تھا؟"

"نہیں صاحب! لیکن اس کے خلاف اتنے ثبوت اکٹھے کر دیے گئے تھے کہ وہ تردید نہیں کر سکا اور فیصلہ اس کے خلاف ہو گیا اور پھر صاحب! ایک غریب کا ندار بھلا قانون کا پیٹ کہاں سے بھر سکتا ہے۔ اس لیے اسے سزا ہوئی۔"

"ٹھیک ہے بدر شاہ! ویسے کیا روشن علی اپنے کیس کو ری اوپن کرنے کے لیے تیار ہوگا؟"

"کیوں نہیں ہوگا صاحب! اس کی بیوی کا معاملہ ہے، دو بچے ہیں اس کے اور اس کی بیوی حاملہ ہے۔ بس یہ صورت حال ہے جی! ہمیں خوشی ہے کہ بات صرف ہمارے دل تک ہی نہ رہی، بلکہ ایک اور صاحب دل ہمیں مل گیا۔ صاحب! کہنا بڑی بات

ہے۔ مگر زمانہ ایسا ہی ہے۔ حرام کی کمائی ہے ہمارے پاس لیکن کیا کریں۔ ذریعہ ہی یہ ہے۔ ہم جو کچھ بھی اس سلسلے میں خرچ ہو کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ اس کی تو بالکل فکر ہی مت کرنا۔"
میں ہنسنے لگا۔

"نہیں بدر شاہ! صاحبِ دل کہا ہے تو دل کی باتیں دل تک ہی محدود رہنے دو۔ آج تو غالباً ممکن نہیں ہوگا۔ کل میں روشن علی سے جیل میں ملاقات کرلوں گا۔"

"قیدی نمبر ایک سو سترہ (117) روشن علی۔ آپ نام یاد رکھنا صاحب!" بدر شاہ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ہم سے رخصت ہوکر چلا گیا۔ جاوید قریشی کو بھی فرصت تھی۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولے۔

"شارق! کیا اس بات کی داد نہ دوگے کہ میں نے تمھیں آگے بڑھانے کے لیے تمھارے شایانِ شان کیس تلاش کیا۔"

"ہاں جاوید صاحب! اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔" میں نے جواب دیا۔ جاوید قریشی کے جانے کے بعد میں اور وکیل فاروقی صاحب اس سلسلے میں باتیں کرتے رہے۔ وکیل فاروقی صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ میں کیا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں نے انھیں بتایا کہ روشن علی سے ملاقات کے بعد ہی کوئی صحیح فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ صورتِ حال اسی سے علم میں آئے گی۔

"اس کے علاوہ تم اگر چاہو تو میں اس کیس کی فائل کورٹ کے ریکارڈ سے نکلوا لوں۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ ہمیں آج ہی درخواست تیار کرلینی چاہیے۔ پتا نہیں یہ کیس کس نے لڑا ہے۔"

"شکریہ فاروقی صاحب! آپ یہ کام کرلیجیے۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب درخواست ڈرافٹ کرنے لگے۔

دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں سینٹرل جیل پہنچ گیا۔ وقار احمد صاحب جیل ہی میں موجود تھے۔ میری صورت دیکھی تو مسکرانے لگے اور بولے۔

"بھئی خدا کے فضل سے بڑی شہرت کما رہے ہو ان دنوں۔ میرا خیال ہے اس پہلے ہی کیس نے تمھیں ہر جگہ روشناس کرا دیا ہے۔ یہاں تک کہ جیل تک تمھارا نام پہنچ گیا ہے۔"

"شکریہ وقار صاحب! کہ جیل میں صرف میرا نام پہنچا ہے میرے لیے تو کوئی خطرہ نہیں؟"

"نہیں ہرگز نہیں۔"

"ابھی چند روز قبل بدر شاہ نامی ایک شخص جیل سے رہا ہوا ہے وہ جس کی اُنتیس دن کی سزا آپ نے معاف کی ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ خدا کی قسم میں نے یہ بات سوچی تھی کہ بدر شاہ تمھارے پاس ضرور پہنچے گا اور وہی ہوا۔"

"گویا آپ سمجھ گئے۔ تب میرے اوپر عنایت کیجیے اور روشن علی کو بلوا دیجیے۔ میں اس سے تنہائی میں کافی دیر بات چیت کروں گا اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو۔"

"نہیں بھئی! ہمارا شمار بھی انسانوں میں ہوتا ہے۔ بے شک قانون کا ایک خاص شعبہ ہمیں دے دیا گیا ہے لیکن میاں! کوئی بھی فطرتاً درندہ نہیں ہوتا۔ انسانوں کو تکلیف پہنچانا ایک مشکل کام ہے۔ بہرحال یہ برابر والا کمرہ موجود ہے جس چیز کی ضرورت ہو مجھے بتا دو۔ میں ابھی روشن علی کو بلوائے دیتا ہوں۔"

"صرف ایک پیڈ اور بال پوائنٹ درکار ہے۔" بے چارے وقار احمد صاحب نے میری مطلوبہ اشیاء کا بندوبست کر دیا اور میں جیل کے آفس سے ملحق ایک کمرے میں جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد روشن علی کو میرے پاس بھیج دیا گیا۔ غالباً اُسے صورتِ حال کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بس جیلر صاحب کا حکم۔ چنانچہ وہ اندر پہنچ گیا۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ جیسا کہ بدر شاہ نے کہا تھا حقیقت نظر آ رہی تھی۔ تیس اکتیس سال کی عمر، روشن چہرہ۔ صرف روشن علی ہی نہیں بلکہ روشن چہرہ بھی تھا۔ آنکھوں سے اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ کم از کم وہ قتل جیسا بھیانک جرم نہیں کر سکتا۔ میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا تو وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اس طرح مجھے دیکھنے لگا جیسے میں اپنے اس مذاق پر اب خود ہی ہنس پڑوں گا۔ پھر میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"بیٹھو روشن علی! تم میرے اس کالے کوٹ کو دیکھ رہے ہو۔ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں کون ہوں؟"

"وکیل صاحب۔" روشن علی نے کہا۔

"ہاں کتنی تعلیم ہے تمھاری روشن علی؟"

"وکیل صاحب! بستی کے اسکول سے مڈل کلاس پاس کی تھی اور اس کے بعد پڑھنا لکھنا ختم ہو گیا تھا کیوں کہ بستی میں صرف مڈل تک کا ہی اسکول تھا اور شہر آکر تعلیم حاصل کرنے کے حالات نہیں تھے۔"

"ہوں! روشن علی! تمھیں عمر قید کی سزا ہوئی ہے کسی قتل کے جرم میں۔ بدر شاہ نامی ایک شخص کو تم اچھی طرح جانتے ہوگے۔ رہا ہونے کے بعد وہ میرے پاس پہنچا اور اس نے مجھ سے کہا

کہ میں اس کیس کو از سرِ نو شروع کروں۔ وہ تمام اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہے کیونکہ تم قتل کے مجرم نہیں ہو۔" روشن علی کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آنے لگے۔ پھر وہ سسکتی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہاں وکیل صاحب! خدا کی قسم میں نے قتل نہیں کیا۔ بس یہ قسم ہی کھا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے میرے پاس۔" اس نے دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

"روشن علی! اب وہ تمام تفصیلات جو تمھارے ذہن میں محفوظ ہیں میرے سامنے دہرا دو تاکہ میں تمھارے لیے اپنا کیس تیار کرسکوں۔"

"وکیل صاحب! خدا کی ذات سے مجھے کبھی مایوسی نہیں تھی۔ جب مجھے سزا ہوگئی تو میں نے یہی سوچا کہ اسی میں خدا کی رضا ہے اور اب اگر میرے لیے دوبارہ کوشش ہو رہی ہے تو میں کوئی بات بتانے سے گریز نہیں کروں گا۔ شاید آپ کو یہ بات معلوم ہو کہ میرا تعلق بستی غلام آباد سے ہے۔ ایک چھوٹی سی آبادی ہے وکیل صاحب! جو بیس پچیس ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ چودھری غیاث الدین ... کی زمینیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ اُن کے آم کے باغات بہت مشہور ہیں اور آموں کی ایکسپورٹ میں وہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کی ہدایت ہے کہ ان باغوں کا ایک بھی آم ملک میں استعمال نہ ہو۔ خواہ وہ سب سڑ جائیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود اُن کے اپنے گھر میں بھی باہر سے آم آتے ہیں۔ بس چودھری صاحب ایسی ہی سخت طبیعت کے مالک ہیں۔ بہرطور بستی والے اُن سے خوف زدہ ضرور رہتے ہیں کیونکہ بستی والوں کے حق میں اُن کے فیصلے اچھے نہیں ہوتے لیکن کوئی اُن کا دشمن نہیں ہے۔ غریب آدمی دشمنی کر بھی کیسے سکتا ہے کسی سے صاحب! وہ تو خود ہی دکھ اٹھانے کا عادی ہوتا ہے۔ چودھری صاحب کا ایک ہی بیٹا ہے امیر الدین۔ پانچوں وقت کا نمازی۔ چہرے پر داڑھی ہے۔ چودھری صاحب اس پر فخر کرتے ہیں۔ دنیا کی برائیوں سے ناآشنا ہے وہ۔ اُس نے بھی ہمارے ساتھ ہی مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی وکیل صاحب! لیکن وہ کبھی کسی پر کھلا نہیں۔ شہر سے البتہ اس کے بہت سے دوست اس سے ملنے کے لیے آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہ خود بھی مذہبی محفلیں منعقد کراتا رہتا ہے اور بہت نیک نام سے مشہور ہے۔ جب کہ چودھری صاحب سخت آدمی کہلاتے ہیں لیکن وکیل صاحب! یہ بات صرف ہم جانتے ہیں کہ امیر الدین بدکار ہے۔ اپنی اس حالت کے پس پردہ وہ بہت ہی گھناؤنی حرکات کرتا ہے۔

اس سے پہلے ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی لیکن دو واقعے ہمارے علم میں آگئے۔ غلام داد کی بیٹی امینہ کو رات کی تاریکیوں میں اٹھا لیا گیا۔ نہر والے پل کے پاس اس کی عزت کی دھجیاں بکھیری گئیں اور امینہ نے چھینا جھپٹی کے دوران ایک انگوٹھی حاصل کرلی جس کے بارے میں بعد میں معلوم ہوا کہ وہ امیر الدین کی انگوٹھی تھی جو انگلی سے اتر گئی تھی۔ ورنہ امیر الدین کا چہرہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ امینہ نے وہ انگوٹھی چودھری غیاث الدین کو پیش کر دی۔ بات پولیس تک نہیں پہنچنے پائی تھی صاحب! چودھری صاحب اس انگوٹھی کو دیکھ کر چراغ پا ہو گئے۔ اپنے بیٹے سے انھیں عقیدت ہے اور وہ اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ امیر الدین ایک نیک نام اور پرہیزگار انسان ہے۔ غلام داد کو بستی سے اس کی بیٹی سمیت نکال دیا گیا اور کوئی داد رسی نہ ہوئی کیونکہ غلام داد باغوں کا رکھوالا تھا اور ایک غلطی پر چودھری صاحب نے اسے نوکری سے نکال دیا تھا۔ چنانچہ چودھری صاحب کے مشیروں نے یہی کہا کہ غلام داد نے بدلہ لینے کے لیے یہ کارروائی کی ہے اور امیر الدین کو بدنام کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ بہرطور بے چارہ غلام داد چلا گیا۔ وکیل صاحب! یہ بات میرے علم میں بھی تھی کہ امیر الدین ایک نیک انسان ہے اور میں بھی اس بات پر حیران رہا تھا لیکن پھر امیر الدین کی ایک اور شکایت میرے کانوں تک پہنچی اور یہ صرف شکایت ہی نہیں تھی بلکہ میری عزت پر حملہ بھی تھا۔ میں ذرا تھوڑی سی تفصیل آپ کو اور بتا دوں۔ میری بیوی رشیدہ بستی کے مؤذن صاحب کی بیٹی تھی۔ مؤذن صاحب مسجد کے حجرے میں رہتے تھے۔ سخت بیمار ہوئے تو بیٹی کا مسئلہ سامنے آیا۔ رشیدہ کی شکل و صورت اچھی تھی لیکن اتنی باپردہ تھی وہ کہ اسے کبھی کسی نے دیکھا نہیں تھا۔ چنانچہ بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ رشیدہ کی شادی میرے ساتھ کرا دی جائے۔ میں بھی بستی کا ایک بے سہارا لیکن شریف نوجوان شمار کیا جاتا تھا۔ میرے والد ایک دکان کرتے تھے اور اُن کی موت کے بعد میں نے وہ دکان سنبھال رکھی تھی۔ بس ٹھیک ٹھاک آمدنی تھی جس سے ہماری گزر بسر ہو جاتی تھی۔ رشیدہ نے ایک دن مجھے بتایا کہ امیر الدین بستی کی مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہا تھا۔ میرا بچہ باہر بھاگ آیا تھا۔ چنانچہ رشیدہ اسے پکڑنے دوڑی تو امیر الدین سامنے آ گیا اور اس نے رشیدہ کو دیکھ لیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ رشیدہ کے سامنے ہی اس نے اس سے پوچھا کہ یہ گلاب کہاں کھلتا ہے؟ جس پر اس کے ساتھی نے اسے

بتایا کہ یہ مسجد کے حجرے ہی میں رہتی ہے تو امیرالدین نے کہا کہ اُس کی عبادت بیکار نہیں گئی لیکن افسوس یہ پھول کھلتے ہی اُس کی نظروں میں کیوں نہ آسکا۔ رشیدہ کو امیرالدین کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ امیرالدین اُسے گھورتا ہوا چلا گیا لیکن رشیدہ پریشان ہوگئی۔ اُسے شدت سے اِس بات کا احساس تھا کہ اُس کی بے پردگی ہوئی ہے اور اُس نے یہ بات مجھے بتا دی۔ مجھے حیرت ہوئی اور غلام داد کی بات مجھے سچ نظر آنے لگی لیکن چودھری غیاث الدین کا معاملہ تھا۔ میں نے رشیدہ سے کہا کہ ہوشیار رہے اور رشیدہ نے اپنے آپ کو محدود کر لیا۔ دس

بارہ دن گزر گئے تھے کہ ایک دن امیرالدین کا وہی ساتھی حجرے پر آیا۔ میں دُکان پر موجود تھا۔ دستک دی تو رشیدہ نے دروازے کی اوٹ سے پوچھا کہ کون ہے۔ وہ اندر گھس آیا۔ پھل، مٹھائی اور کپڑوں کا ایک جوڑا لایا تھا۔ کہنے لگا امیرالدین نے بھیجے ہیں اور کہا ہے کہ اُس دن کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد اُس کا صبر و سکون لٹ گیا ہے۔ امیرالدین، رشیدہ سے ملنا چاہتا ہے۔ رشیدہ نے اُس بے غیرت انسان کو دھکے دے کر باہر نکال دیا اور کہا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت ہونے والا ہے۔ نمازی آئیں گے تو وہ شور مچا کر اُن لوگوں کو بتا دے گی کہ امیرالدین نے کیا کیا ہے جس پر اُس شخص نے کہا کہ امیرالدین جیسے نیک نوجوان کے بارے میں کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر رشیدہ اپنی اور اپنے شوہر کی تقدیر خراب کرنا چاہتی ہے تو امیرالدین کا نام کسی کے سامنے لے۔ وہ دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا۔ سامان وہ اپنے ساتھ واپس لے گیا تھا۔ رشیدہ نے روتے ہوئے مجھے یہ بات بتائی تو میں آپے سے باہر ہوگیا۔ میں نے بہت سوچنے سمجھنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ منشی ریاض سے ملوں۔ اور اُنھیں ساری تفصیل بتاؤں۔ منشی ریاض چودھری غیاث الدین کے خزانچی ہیں اور وہیں کام کرتے ہیں۔ وہ بھی دین دار آدمی ہیں اور میرے والد کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ اُنھوں نے ہی میری شادی رشیدہ سے کرائی تھی اور کچھ اخراجات بھی اپنے پاس سے کیے تھے جو بعد میں مَیں نے اُنھیں ادا کر دیے۔ منشی ریاض سے مل کر میں نے صورتِ حال بتائی تو منشی ریاض خوف زدہ ہوگئے۔ اُنھوں نے دہشت زدہ لہجے میں مجھ سے کہا کہ اب بستی غلام آباد میرے رہنے کی جگہ نہیں رہی ہے میں خاموشی سے دُکان بیچوں اور بھاگ جاؤں۔ میں نے کہا کہ چودھری غیاث الدین صاحب کو اگر صورتِ حال بتا دی جائے تو کیا وہ امیرالدین کی گوشمالی نہیں

کریں گے؟ جس پر منشی ریاض نے کہا کہ نہیں یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔ بس تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میری پریشانیاں عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ منشی ریاض کے مشورے کے بعد یہ میرے لیے ممکن نہیں تھا کہ میں چودھری غیاث الدین سے ملوں۔ چنانچہ میں خاموش ہوگیا اور دُکان بیچنے کی کوشش کرنے لگا لیکن ہمیشہ سے آباد اِس بستی کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں تو اِسی بستی میں پیدا ہوا تھا۔ وقت گزر گیا۔ کچھ اور دن گزرے تو رشیدہ کو مختلف طریقوں سے پریشان کیا جانے لگا۔ ایک بار میں نے چھپ کر اُس آدمی کو دیکھ لیا جو امیرالدین کا نمائندہ تھا۔ میں

نے اُس کی مرمت بھی کر دی اور وہ شخص میرا دشمن بن کر چلا گیا اور پھر مجھے اُس سے دشمنی کی سزا ملی۔ زمرد، فضل خان کی بیٹی تھی۔ فضل خان بھی کھیتی باڑی کرتا ہے۔ دو بیٹیوں کا باپ تھا وہ۔ عزت سے زندگی گزار رہا تھا۔ ایک بات میں آپ کو اور بتا دوں وکیل صاحب! اب سے تقریباً بارہ تیرہ سال پہلے کی بات ہے۔ نوجوانی کی عمر تھی۔ میں نے زمرد کو دیکھا اور وہ مجھے اچھی لگی۔ میں نے کوشش شروع کر دی کہ زمرد سے میری شادی ہو جائے لیکن زمرد کے باپ فضل خان نے اِس رشتے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وکیل صاحب! اُس عمر میں جو بے وقوفیاں ہو سکتی تھیں وہ مجھ سے بھی ہوئیں۔ جنگلوں اور کھیتوں میں سرگرداں رہا۔ لوگ مذاق اُڑاتے رہے۔ اُس زمانے میں میرے والد زندہ تھے۔ ایک مرتبہ پکڑ کر ڈنڈے سے پٹائی کر دی۔ سارا عشق ہوا ہوگیا اور اُس کے بعد دُکان کی ذمہ داری میرے سپرد کر دی گئی۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ ظاہر ہے دو طرفہ معاملہ نہیں تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کچھ بھول گیا لیکن اب جب کہ میری اُس شخص سے دشمنی ہوگئی تو اِس موقع سے فائدہ اُٹھایا گیا۔ زمرد کو ایک رات اغوا کرنے کے بعد اُس کے ساتھ گھناؤنے فعل کیے گئے اور گردن دبا کر مار دیا گیا۔ اِس قتل کی ذمہ داری بڑے خوب صورت انداز میں مجھ پر ڈال دی گئی اور ایسا ماحول پیدا کیا گیا کہ میرے علاوہ کسی اور پر قتل کا شبہ نہ ہو سکے۔ مجھے گرفتار کر لیا گیا اور اُس کے بعد مقدمہ چلا۔ میں نے عدالت میں اور پولیس کو تفصیل بتا دی تھی لیکن اِس تفصیل کے بعد چودھری غیاث الدین . . . کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ اُن کے بیٹے کا نام لیا گیا تھا اِس لیے میرے خلاف لاتعداد ثبوت مہیا ہو جانا کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ دُکان بیچ کر غلام آباد سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا میں نے لیکن دُکان بیچنے کے بعد ساری رقم مقدمے پر خرچ ہو

گئی۔ بیوی بچے بے سہارا ہوگئے اور بالآخر چودھری غیاث الدین کی کوششوں نے مجھے عمر قید کی سزا کرا دی۔ شاید یہ سزا پھانسی کی ہوتی، لیکن عینی گواہ کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھا گیا تھا کیونکہ اُس کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ چنانچہ یہ سزا عمر قید میں تبدیل ہوگئی۔ یہ میری کہانی ہے۔ آپ یقین کیجیے کہ زندگی کی انتہا موت ہوتی ہے اور میں بھی اسی پر ایمان رکھتا ہوں۔ بیماریاں آتی ہیں، حادثے ہوتے ہیں، طوفان آتے ہیں۔ نجانے کیا کیا ہوتا ہے اور انسان مر جاتا ہے۔ مجھے بھی مرنا ہی تھا وکیل صاحب! ایک دن۔ اگر اِس طرح کی موت میری تقدیر میں لکھی ہے تو ظاہر ہے مجھے خدا کی

رضا سے کب انحراف ہو سکتا ہے لیکن بدنصیب ہوں کہ ایک ایسی بے سہارا عورت کو اِس دُنیا میں چھوڑے جا رہا ہوں جس کا میرے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ میں نے درخواست کی تھی کہ میری بیوی کو بستی غلام آباد سے نکال لیا جائے۔ وکیل صاحب بے چارے بزرگ آدمی تھے جو میرا کیس لڑ رہے تھے وہ یہ کیس تو نہ جیت سکے لیکن اپنی ذاتی کاوشوں سے اُنھوں نے اتنا ضرور کیا کہ میری بیوی کو بستی غلام آباد سے نکال کر یہاں دارالامان میں پناہ دلا دی۔ اب وہ دارالامان میں رہتی ہے۔ دو بچے ہیں میرے اور میری بدنصیبی نے تیسرے بچے کا بھی انتظام کر دیا ہے۔ اب بتائیے آپ کیا دارالامان میں پوری زندگی گزر سکتی ہے؟ رشیدہ نوجوان ہے خوب صورت ہے۔ دو بچوں کے بعد بھی اُس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وفا شعار ہے اور باپردہ ہے لیکن یہاں آنے کے بعد جس طرح اُس کی بدنصیبی نے اُسے دربدر کیا ہے۔ میرا دل اُس پر خون کے آنسو روتا ہے۔ وکیل صاحب! بحالتِ مجبوری میں نے اُس سے یہی درخواست کی تھی کہ وہ دوسری شادی کر لے۔ دارالامان کے لوگ اُس کی مدد کریں گے۔ کم از کم اِس طرح وہ ایک باعزت زندگی تو گزار سکے گی لیکن رشیدہ اِس بات کو سن کر سکتے میں رہ گئی۔ اُس کی حالت اِن الفاظ پر بہت خراب ہو جاتی ہے لیکن آپ ہی مجھے بتائیے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ کیا جیل کی چار دیواری میں رہ کر میں اُس کی عزت کا تحفظ کر سکتا ہوں؟ وکیل صاحب! اگر یہی سب کچھ کرنا ہوتا تو امیرالدین کے حوالے ہی اُسے کیوں نہ کر دیا جاتا لیکن آہ! اب بے شمار امیرالدین اُس کے اردگرد ہو جائیں گے۔ کاش مجھے موت کی سزا دلوا دی جاتی۔ کاش یہ عمر قید نہ ہوتی۔ مر کر انسان اپنے تمام جذبوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن وکیل صاحب! مجھے عمر قید کی سزا ملی ہے اور اِس سزا میں سب سے زیادہ اذیت ناک پہلو میرے لیے یہی ہوگا کہ مجھے

یہ علم نہیں ہوگا کہ میری بیوی کس انداز سے زندگی گزار رہی ہے۔ میرا کیس ری اوپن کریں یا نہ کریں وکیل صاحب! خدا کی قسم مجھے ڈر نہیں لگتا جس طرح تقدیر نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے میں اُسے قبول کر لوں گا لیکن اگر کر سکتے ہیں تو مجھ پر ایک ہی احسان کر دیں۔ وہ یہ کہ میری بیوی کو دارالامان سے نکال کر کوئی ایسی باعزت جگہ دلوا دیں۔ جہاں وہ عزت کی زندگی گزار سکے اِس کے علاوہ میری زندگی کا اب کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ بدرشاہ سے بھی میں نے یہی کہا تھا۔ وکیل صاحب! میرے لیے اتنا کر دیں۔ صرف اتنا یوں سمجھیے کہ آپ . آپ . . . . . روشن علی رونے لگا۔

اُس کی خوب صورت آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں اور میرا دل لرز رہا تھا۔ خدایا کتنے ایسے ہوں گے۔ یہ تو صرف ایک ہے جو میرے سامنے آیا ہے کہانی لے کر۔ کتنے ایسے ہوں گے جو سانسوں کے ہر تار کو آری کی طرح برداشت کر رہے ہوں گے۔ کیا بیتتی ہوگی اُن پر، کیسے جی رہے ہوں گے وہ۔ میرا دل خوف سے لرزتا رہا اور پھر میں نے روشن علی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

" روشن علی! جب تم اِس بات پر بھروسا رکھتے ہو کہ تقدیر ہی ہمارے راستے متعین کرتی ہے تو پھر تقدیر پر ہی شاکر رہو۔ ہاں تمھاری تسلی کے لیے میں تمھارے سامنے چند الفاظ ادا کر رہا ہوں۔ روشن علی! جن کا کوئی معاوضہ میں تم سے یا بدرشاہ سے نہیں لوں گا اور جب کوئی بات معاوضے کے لالچ سے بے نیاز ہو کر کہی جاتی ہے تو اُس کی کچھ نہ کچھ بنیاد ہوتی ہے سو روشن علی! رشیدہ کو دارالامان سے نکال لیا جائے گا۔ تمھارے دونوں بچوں کو اور تمھارے آنے والے تیسرے بچے کو ایک باعزت مقام دیا جائے گا۔ میں اُس عورت کو اپنی بہن کا درجہ دے کر کسی ایسی جگہ رکھوں گا۔ جہاں وہ سکون سے بسر کر سکے اور جب بہنوں کو بھائی مل جاتے ہیں تو وہ بے سہارا نہیں رہتیں۔ بدرشاہ اگر مجھ پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دے۔ تو وہ میرے لیے ایک حرام شے ہوں گے اور میں ایک خاندانی آدمی ہوں۔ حرام کھانا قبول نہیں کرتا۔ میں کچھ نہیں لوں گا اُس سے۔ میں جو کچھ کروں گا اپنی بہن کے لیے کروں گا۔ ہاں روشن علی! تمھاری بیوی کو ایک بھائی مل گیا ہے ایک سچا اور مخلص بھائی۔ جو اُسے اپنی سگی بہن کا درجہ دے گا۔ روشن علی! ان الفاظ کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے تمھیں دینے کے لیے۔ رشیدہ اور اپنے بچوں کے مستقبل سے بے نیاز ہو جاؤ اور اُس کے بعد میرا یہ فرض ہوگا کہ میں اپنی بہن کے سہاگ کو قائم رکھنے کے لیے اپنی تمام تر

صلاحیتیں صرف کر دوں۔"

روشن علی ہکا بکا آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "بزرگ کہا کرتے تھے کہ جب تک اِس کائنات میں خدا کا ایک بھی بندہ سچائی سے جی رہا ہے۔ قیامت نہیں آئے گی۔ دوسرے لوگ اُس کے طفیل زندہ رہیں گے اور خدا کی عنایتوں سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ میں تمھیں کچھ نہیں کہتا لیکن تم نے جس طرح ایک بے بس، مایوس اور بے سہارا انسان کو سکون بخشا ہے۔ اُس کے لیے اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا میرے اپنے لیے کوئی دُعا قبول کرے یا نہ کرے لیکن خداوندِ قدوس میری یہ دُعا ضرور قبول کرے کہ تم اِس دُنیا میں سُرخرو اور پُرسکون رہو۔" روشن علی کے ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُسی وقت وقار احمد صاحب اندر داخل ہو گئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر وہ بھی بہت زیادہ متاثر ہوئے اور روشن علی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"نہیں روشن علی! روتے نہیں ہیں۔ تم سچے ہو تو خدا ضرور تمھاری کچھ مدد کرے گا۔ بے فکر رہو۔ جب تک اس جیل میں میں موجود ہوں۔ تمھیں ایک قیدی کی حیثیت سے بھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔ باقی معاملات تم اِس نوجوان سے طے کر لو۔ شارق میاں! اِس سلسلے میں میری خدمات کی جو ضرورت ہو میں بھی حاضر ہوں جو چاہو مجھے بتا دینا۔"

"بس آپ نے جو ذمّہ داری قبول کی ہے وقار احمد صاحب! وہی کافی ہے۔ باقی کام مجھے کرنے دیجیے۔ روشن علی سے ملاقات کے لیے آتا رہوں گا۔ روشن علی! آج سے تین چار دن کے بعد میں تم سے ملوں گا اور اُس کے بعد ہم اس کیس کو ری اوپن کر دیں گے۔ میں دیکھوں گا کہ غیاث الدین کتنا صاحبِ ثروت ہے اور کہاں تک پہنچ رکھتا ہے۔" روشن علی کو تسلیاں دینے کے بعد میں وہاں سے واپس چلا آیا۔

ذہن میں خیالات کے تانے بانے بُن رہے تھے اور اب مجھے اِس سلسلے میں کام کرنا تھا۔ روشن علی کی سنائی ہوئی کہانی سے کچھ پوائنٹس حاصل کیے تھے لیکن یہ اُس وقت ہی کارآمد ہو سکتے تھے۔ جب اِس کیس کا فائل حاصل ہو جائے اور اِس سلسلے میں بہ طور وکیل فاروقی صاحب کام کر رہے تھے معمولات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی میں دفتر پہنچا۔ وکیل فاروقی صاحب کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور ہم لوگ اِس سلسلے میں گفتگو کرنے لگے جو پوائنٹس ہمارے سامنے تھے اُن کے تحت یہی فیصلہ کیا گیا کہ چوہدری غیاث الدین اپنے اکلوتے بیٹے کو بچانے کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں اور ہم لوگ زیادہ سے زیادہ اِس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟ وکیل فاروقی صاحب نے بتایا کہ فائل اُنھیں کل حاصل ہو جائے گا اور اُس کے بعد اُس کی ریڈنگ کر لی جائے گی۔

"ایک اور ذمّہ داری میں نے قبول کی ہے فاروقی صاحب! مجھے یقین ہے کہ کم از کم آپ اُس کا مذاق نہیں اُڑائیں گے۔ میں نے روشن علی کی بیوی رشیدہ کو اُس کے سامنے بہن کہا ہے فاروقی صاحب! پیسے کافی پڑے ہوئے ہیں ہمارے پاس میں اپنی بات کر رہا ہوں اور مجھے دولت کی ہوس بھی نہیں ہے۔ میں اگر چاہوں تو رشیدہ کو کوئی بھی ایسی جگہ دے سکتا ہوں جہاں وہ رہ سکے۔ اُس کے اخراجات کا مسئلہ بھی میرے لیے مشکل نہیں ہوگا لیکن صرف ایک اُلجھن ہے۔"

"کیا؟" وکیل فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"اُس کے ہاں ولادت ہونے والی ہے اور ...؟"

"شارق میاں! تم جو کہنا چاہتے ہو میں نے سمجھ لیا ہے لیکن تمھارے کہنے سے پہلے ہی کچھ کہہ کر ایک آدھ نیکی میں بھی کما لوں۔ تم مجھے کیا کہتے ہو۔ میرا مطلب ہے کیا سمجھتے ہو؟ کم از کم بڑے بوڑھے بزرگوں میں شامل ہوں۔ آئی جی صاحب کے بھائی ہونے کا دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن تمھارا چچا تو کہلا سکتا ہوں۔ اس حساب سے تمھاری بہن میری کون ہوئی؟ مطلب یہ ہے بیٹے! کہ پورے خلوص کے ساتھ اُسے میرے گھر لے جاؤ اور اُسے وہیں رہنے دو جب تک کہ خود روشن علی اُس کے پاس نہ پہنچ جائے بلکہ اُس کے بعد بھی ہم اُس بے سہارا نوجوان کو زندگی کی آسانیاں فراہم کرنے کی کوشش کریں گے۔ پُرلطف بات ہے بلکہ یقین کرو کہ اِس مایوسی اور بڑھاپے کے عالم میں تم نے وکیل فاروقی کو بھی ایک ایسی زندگی سے روشناس کرایا ہے جس میں بڑی لطافتیں ہیں۔ الفاظ ضائع کرنا بے مقصد ہے۔ چلو ہم اُسے آج ہی دارالامان سے لے آتے ہیں۔"

"یہ مشکل ہوگا فاروقی صاحب! بہتر یہ ہے کہ یہ کام بھی ہم کل ہی کریں۔ دارالامان سے اُسے پہلے روشن علی کے پاس لے جانا پڑے گا اور جب روشن علی اس کی اجازت دے گا تب ہی رشیدہ آپ کے گھر آ سکتی ہے۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ ٹھہرو میں دارالامان سے بات کیے لیتا ہوں۔" فاروقی صاحب کی کوئی شناسا مسز دُرّانی، دارالامان سے تعلق رکھتی تھیں۔ فاروقی صاحب نے مسز دُرّانی سے بات کر کے رشیدہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو مسز دُرّانی نے چند ہی لمحات کے بعد تفصیلات بتا دیں۔

"ہاں مسز دُرّانی! ..... میں رشیدہ کی بات کر رہا ہوں۔ براہِ کرم اُسے اطلاع دے دیں کہ کل وہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے سینٹرل جیل پہنچ جائے۔ اُس کے شوہر روشن علی نے اُسے طلب کیا ہے کل ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے۔"

"بہت بہتر! میں اُسے یہ اطلاع دیے دیتی ہوں۔"

"ممکن ہے مسز دُرّانی! اُسے دارالامان سے منتقل کر دیا جائے لیکن اِس سلسلے میں ہم وہ تمام قانونی کارروائیاں مکمل کریں گے جو آپ کے دارالامان کے قوانین کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

"شکریہ! کیا آپ اُس بے سہارا عورت کو سہارا دے رہے ہیں؟"

"ہاں مسز دُرّانی! بس یہی سمجھ لیجیے۔"

"بہت بہتر! آپ کسی کو بھی بھیج دیں۔ قانونی کارروائیاں کرنے کے بعد میں رشیدہ کو اُس کے حوالے کر دوں گی۔" باقی معاملات کوئی خاص نہیں رہے تھے۔

✿✿

دوسرے دن آفس آکر فاروقی صاحب نے مجھے بتایا کہ اُنھوں نے رشیدہ کے سلسلے میں اپنی بیگم سے بھی بات چیت کر لی ہے اور وہ بخوشی اِس کے لیے تیار ہیں کہ رشیدہ کو مستقل اپنے ساتھ رکھ لیں۔ بھئی تم جانتے ہو شارق میاں! کہ ہم لوگ اولاد کی نعمت سے محروم ہیں لیکن زندگی میں تماشے کرنے کے عادی بھی نہیں ہیں کہ کسی کو گود لے لیا جاتا۔ بیگم نے تو کئی بار مجھ سے یہ بات کہی لیکن ایک وکیل ہونے کی حیثیت سے اور اپنی زندگی میں لاتعداد تجربات سے روشناس ہونے کے بعد میں نے بیگم کو سمجھایا کہ ایسا مناسب نہیں ہوتا اور اس کے نتائج بہت کم ہی بہتر نکلتے ہیں چنانچہ اگر ہمارے گھر میں بھی رونق ہو جائے تو کیا حرج ہے۔"

"بہت عمدہ فیصلہ کیا ہے آپ نے فاروقی صاحب! اچھا آپ جا کر فائل حاصل کیجیے۔ میں سینٹرل جیل جا رہا ہوں۔ پہلے روشن علی کے سامنے رشیدہ کو اجازت دلواؤں گا اور اُس کے بعد دارالامان جا کر باقی معاملات طے کر لوں گا۔"

وقار احمد صاحب بے چارے بہت ہی نیک نفس انسان تھے۔ میری درخواست پر اُنھوں نے ایک بار پھر روشن علی کو اُسی کمرے میں بھجوا دیا جہاں میں موجود تھا۔ ساڑھے گیارہ بجنے میں کچھ وقت باقی تھا۔ رشیدہ کے لیے میں نے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت دیا تھا۔ روشن علی کے آنے کے بعد میں نے اُسے صورتِ حال بتائی اور کہا کہ روشن علی اجازت دے دے کہ رشیدہ کو میں اپنے گھر رکھ لوں۔ میں نے اُس سے کہا۔

"میں تمھیں جیلر وقار احمد صاحب کی ضمانت دلوا سکتا ہوں جو الفاظ میں نے تمھارے سامنے ادا کیے ہیں۔ اُن کی وہی حیثیت ہے جو ہو سکتی ہے۔ رشیدہ ایک خاتون ایک بزرگ کے ساتھ رہے گی جہاں اُسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ایک بھائی کی حیثیت سے میں اُس کی کفالت کروں گا اور اُس کے بعد جب تمھاری یہ سزا ختم ہو جائے گی تو تمھیں رشیدہ سونپ دی جائے گی۔ ابھی وہ آنے والی ہے۔ اُسے سمجھا دو کہ میرے ساتھ جائے اور پورے اعتماد کے ساتھ جائے۔" روشن علی نے آنسو بھری آواز میں کہا۔

"بھائی صاحب! میں آپ کو بھائی صاحب کہہ سکتا ہوں؟ ایک ایسے بے سہارا انسان کو جس کی زندگی میں تاریکیوں کے سوا اور کچھ نہ ہو اگر کوئی ایسا سہارا مل جائے تو وہ اُسے کیسے ٹھکرا سکتا ہے۔ مجھے پہلے خدا پر اور پھر آپ پر بھروسہ ہے۔ رشیدہ کو میں ابھی سمجھا دوں گا۔ آپ اُسے ساتھ لے جائیے اور میرے حق میں کم از کم یہ دُعا کیجیے کہ خدا مجھے اتنا موقع دے کہ میں آپ کے اِس احسان کا بدلہ دے سکوں۔"

جیلر وقار احمد کو اطلاع ملی کہ روشن علی کی بیوی ملاقات کے لیے آ چکی ہے تو وقار احمد نے اُسے بھی یہیں بُلوا لیا۔ دو خوبصورت سے بچے۔ جن میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ رشیدہ کے ساتھ تھے وہ ایک بوسیدہ سے برقعے میں ملبوس تھی۔ کمرے میں آئی تو روشن علی کو دیکھا اور مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ روشن علی متاثر لہجے میں بولا۔

"رشیدہ! تم نے ضرور خدا سے دُعا کی ہوگی کہ تمھیں کوئی سہارا دے اور تمھاری زندگی کے لیے کوئی راہ نکل آئے۔ رشیدہ! جو کچھ میں نے تم سے کہا تھا تمھارا بھائی چوہدری کہتا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ دوبارہ جب ملوں گا تو ایک بار تم سے معافی مانگ کر اپنے اُن الفاظ کی معافی ضرور مانگوں گا لیکن تم نے خود یہ بھی سوچا ہو گا کہ میں نے کیسے لمحات میں وہ بات تم سے کہی تھی۔"

"رشیدہ بہن! روشن علی کو میں نے سمجھا دیا ہے وہ اپنے الفاظ پر نادم ہے لیکن آپ ایک بھائی کا سہارا تو قبول کر سکتی ہیں۔

کیا زندگی میں کبھی آپ نے کسی بھائی کا تصور نہیں کیا؟ یہ نہیں سوچا آپ نے کہ ایسے پریشان کن حالات میں اگر آپ کا کوئی بھائی ہوتا تو آپ کی کتنی مدد کر سکتا تھا؟" رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب روشن علی نے کہا۔

"رشیدہ! بہت زیادہ دیر تک ہم لوگ گفتگو نہیں کر سکتے۔ شارق وکیل ہیں۔ میرا کیس ری اوپن کر رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ دوبارہ یہ کیس شروع کر رہے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ یہ اس کیس کو دوبارہ چلا کر مجھے سزا کی مصیبتوں سے بچا لیں بس یہ ایک خدا کے بندے ہیں۔ ان کے بارے میں اور کچھ نہیں کہوں گا میں۔ رشیدہ! میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ ان کے ساتھ چلی جاؤ اور جہاں تمھیں رکھیں وہاں رہو۔ یہ ایک بھائی کی حیثیت سے تمھیں لے جا رہے ہیں اور اب ان الفاظ پر کسی قسم کا شک ظاہر کرنا تمھارے لیے مناسب نہیں ہوگا۔ بس جاؤ۔ اگر میری بات ماننے میں تمھیں کوئی الجھن نہ ہو تو ان کے ساتھ چلی جاؤ۔"

رشیدہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ساکت و جامد کھڑی رہی تھی۔ تب روشن علی نے کہا۔

"تمھیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے رشیدہ؟"

"خدا میرا محافظ ہو۔ تم کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہے۔" رشیدہ کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"بس اس سے زیادہ میں اور کوئی بات تم سے نہیں کرنا چاہتا۔ ذرا بچی اور لڑکے کو مجھے دے دو۔" روشن علی نے اپنے بچوں کو پیار کیا۔ لڑکی بڑی تھی لڑکا چھوٹا تھا۔ دونوں توتلی زبان میں اس سے پوچھنے لگے کہ وہ گھر کب واپس آئے گا اور یہاں کتنے دن تک کام کرے گا۔ روشن علی انھیں اطمینان دلا رہا تھا۔ اس کے بعد میں رشیدہ کو ساتھ لے کر نکل آیا۔

باہر گاڑی کھڑی تھی۔ پروگرام کے مطابق میں گاڑی لے کر آیا تھا کیونکہ بائیک سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ بچے کار میں بیٹھ کر بہت خوش ہوئے۔ میں سیدھا دارالامان گیا۔ وہاں پہنچ کر مسز درانی سے ملا۔ اور فاروقی صاحب کا پیغام انھیں دے دیا۔ اسی وقت فاروقی صاحب کا ٹیلی فون بھی آیا تھا اور میرے سامنے ہی مسز درانی کی ان سے گفتگو ہو گئی۔ مسز درانی نے صرف ایک فارم بھرنے کے لیے دیا جس میں مختلف سوالوں کے جوابات دینے تھے۔ رشیدہ نے اپنے بارے میں تمام تفصیلات لکھ دیں اور وکیل فاروقی صاحب کے گھر کا پتا تحریر کر دیا۔ اس کے بعد رشیدہ کو میرے ساتھ جانے کی اجازت مل گئی تھی، میں اسے کار میں لے کر وکیل فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب کی بیگم میرے سامنے آئی تھیں۔ انھوں نے رشیدہ کا خیر مقدم کیا فاروقی صاحب ابھی آفس سے گھر نہیں پہنچے تھے۔ میں نے بیگم صاحبہ سے رشیدہ کا مکمل تعارف کرایا اور بیگم صاحبہ نے دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا میں نے رشیدہ سے کہا۔

"رشیدہ بہن! یہاں آتے ہوئے تمھارے دل میں بہت سے خدشات سر ابھارتے رہے ہوں گے۔ بلاشبہ جو لوگ دنیا سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ انھیں ایک ایک قدم پر خوف کا احساس رہتا ہے لیکن خدا پر بھروسہ کر کے یہاں پر آئی ہو۔ تو خدا پر بھروسہ کر کے ہی یہاں رہو۔ اب تمھیں اس وقت تک یہاں سے نہیں جانے دیا جائے گا۔ جب تک خود روشن علی تمھیں لینے نہیں آئے گا۔ میں یہاں نہیں رہتا۔ یہ بزرگ خاتون اور ایک وکیل صاحب جو ان کے شوہر ہیں۔ تمھارے اپنے ہوں گے کسی قسم کی ضرورت کا ان سے تکلف مت کرنا۔ بس اس سے زیادہ میں تم سے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

فاروقی صاحب بھی پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے رشیدہ کو مختصر الفاظ میں اطمینان دلایا اور اس کے بعد میرے ساتھ باہر کے کمرے میں آ بیٹھے۔ انھوں نے روشن علی کا کیس فائل میرے سامنے رکھ دیا تھا اور ہم دونوں اس فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہو گئے۔ تمام اہم نکات ہمارے سامنے تھے۔ جج صاحب کا فیصلہ بھی تھا۔ جو انھوں نے مختلف ثبوتوں کی روشنی میں لکھا تھا۔ زمرد کی عمر اس وقت چوبیس سال تھی جب اسے قتل کیا گیا تھا۔ اس کی چھوٹی بہن کی عمر تیرہ سال ہے۔ زمرد، فضل خان کی بیٹی تھی اور نوجوانی کی عمر میں روشن علی کے والد نے اس کا رشتہ فضل خان کو دیا تھا لیکن فضل خان اس رشتے سے متفق نہیں تھا اور اس نے یہ رشتہ مسترد کر دیا تھا۔ قتل والی رات زمرد، پڑوس کے ایک گھر میں گئی ہوئی تھی۔ جو تقریباً اس کے گھر سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اس گھر میں شادی کی ایک تقریب تھی وہاں ڈھولک پر گیت گائے جا رہے تھے۔ زمرد اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ وہاں گئی تھی واپسی پر تقریباً پونے بارہ بجے کا وقت تھا۔ دفعتاً ہی آئے اور اس کی چھوٹی بہن کو اغوا کر لیا گیا ان پر کمبل ڈال دیے گئے تھے اور وہاں سے انھیں ایک پرانے کھنڈر میں لے جایا گیا۔ جہاں زمرد کو اس کی چھوٹی بہن کے سامنے بے آبرو کیا گیا اور اس کے بعد اس کی گردن دبا کر اسے مار ڈالا گیا۔ کھنڈر میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی

اور زمرد کی چھوٹی بہن آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس پر خوف اور بے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی پھر دوسرا صبح اسے بے ہوش اور زمرد کو مردہ شکل میں کھنڈرات سے برآمد کر لیا گیا تھا۔ زمرد کی چھوٹی بہن ساجدہ کو جس رسی سے باندھا گیا تھا وہ پانی بھرنے والے ایک ڈول کی رسی تھی اور یہ ڈول روشن علی کی ملکیت تھا۔ جسے جب اس کے گھر کی تلاشی لے کر برآمد کیا گیا تو اس میں رسی موجود نہیں تھی۔ ساجدہ سے روشن علی کی شناخت کرائی گئی تو اس نے بتایا کہ یہی وہ شخص تھا جس نے اس کے سامنے اس کی بہن کو مارا۔ اس کے علاوہ مراد نامی ایک نوجوان نے اس بات کی گواہی دی کہ روشن علی زمرد کے بارے میں بری نیت رکھتا تھا اور بار ہا یہ بات کہہ چکا تھا کہ کسی نہ کسی دن زمرد کو حاصل کر کے دم لے گا۔ مراد، روشن علی کا دوست تھا اور بستی ہی کے ایک شخص کا بیٹا۔ دو تین اور افراد روشن علی کے خلاف گواہی میں شامل ہوئے تھے اور ان کے بیانات بھی درج تھے۔ جن میں روشن علی کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ وہ ایک لالچی قسم کا آدمی ہے اور کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے افراد نے امیر الدین کے سلسلے میں گواہی دی تھی کہ اس جیسا نیک آدمی پوری بستی غلام آباد میں ایک بھی نہیں ہے اس عمر میں بھی وہ بڑا دین دار اور متقی نوجوان ہے اور اس پر لگائے گئے الزامات غلط ہیں چنانچہ ان تمام چیزوں کی روشنی میں جج صاحب نے روشن علی کو زمرد کا قاتل تسلیم کرتے ہوئے عمر قید کی سزا سنا دی تھی۔ یہ سزا موت کی سزا بھی ہو سکتی تھی اگر عینی گواہ پر مکمل بھروسہ کر لیا جاتا۔ ہم لوگ دیر تک دکلا کے پوائنٹس پر غور کرتے رہے۔ وکیل فاروقی صاحب نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے اس سلسلے میں بہت محنت کرنا ہوگی کیونکہ صفائی میں ایک بھی ایسا گواہ پیدا نہیں ہو سکا جو روشن علی کے جرم کی شدت کو کم کر سکتا۔ یہ بہت پریشان کن بات ہے۔" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے کہا۔

"نہیں فاروقی صاحب! یہی سب سے اہم نکتہ ہے جو روشن علی کی رہائی کے لیے سنگ میل بنے گا۔"

"میں نہیں سمجھا؟"

"ذرا اطمینان سے سمجھاؤں گا آپ کو۔ جاندار کیس ہے اور میرا خیال ہے کہ روشن علی کو رہا کرانے میں ہمیں بہت زیادہ دقتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ ہاں اس کے لیے بستی غلام آباد میں مجھے... رہائش ضرور اختیار کرنی پڑے گی چنانچہ ایک لائحہ عمل مرتب کر کے ہمیں اس سلسلے میں کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔"

"مجھے بھی کچھ ذمہ داریاں سونپو۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وکالت نامے کے کاغذات تیار کر کے روشن علی سے سائن کرا لیے جائیں تاکہ ہمارے پاس اس کے لیے کام کرنے کا قانونی جواز موجود ہو۔"

"ٹھیک ہے یہ کام میں کیے لیتا ہوں۔ ویسے تم نے یہ بات کہہ کر حیران کر دیا ہے کہ روشن علی کی طرف سے کوئی گواہ موجود نہ ہونا اس کے حق میں سود مند ہے۔ آخر کس بنیاد پر تم یہ بات کہہ رہے ہو؟"

"ابھی ذرا بنیاد رکھ لوں فاروقی صاحب تب آپ کو تفصیل بتاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے، میں تمھیں اس کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔"

☆

فاروقی صاحب بہترین معاون تھے انھوں نے جیل جا کر روشن علی سے وکالت نامے پر دستخط کرا لیے اور روشن علی کیس کا فائل میرے پاس موجود تھا اصل فائل واپس جمع کرا دیا گیا تھا چنانچہ اب مجھے اس سلسلے میں کام کرنا تھا۔ فلیٹ پر سکون تھا اور میرے لیے جو کمرہ منتخب کیا گیا تھا وہ انتہائی نفیس تھا استاد چھو نے اسے میرے تمام مقاصد کے لیے پوری طرح تیار کر دیا تھا پُرسکون ماحول میں اپنی میز کے پیچھے بیٹھ کر میں فائل کے ایک ایک ورق کی تفصیلات ذہن نشین کرنے لگا اس کے ساتھ ساتھ ہی میں اس سلسلے میں اپنے لیے پوائنٹ تیار کرتا جا رہا تھا۔ کام کرنے کے لیے ایک لائحہ عمل تیار کرنا تھا چنانچہ بہت غور و خوض کے بعد بالآخر میں نے اپنی کارکردگی کی مکمل تفصیلات تیار کر لیں۔ درحقیقت غلام آباد میں مجھے کافی کام کرنا تھا اور اس کے لیے کچھ تیاریاں بھی۔ اخراجات کا تخمینہ بھی ٹھیک ٹھاک ہی تھا لیکن بہرطور اس کے لیے مجھے کوئی خاص دقت نہیں ہو سکتی تھی میں نے دوسرے دن سب سے پہلے بدر شاہ سے ملاقات کرنا ضروری سمجھا۔

صبح ہی صبح نکل گیا تھا۔ بدر شاہ نے اپنے اڈے کا پتا مجھے تفصیل سے دے دیا تھا اور بدر شاہ کا اڈہ جیسا ہو سکتا تھا ویسا ہی تھا۔ میری موٹر بائیک رکی تو ایک بھاری بھرکم شخص کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا صورت

ہی سے خطرناک نظر آ رہا تھا۔

"بولو باپ، کیا مانگتا؟" اُس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بدر شاہ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اڑے ماں قسم۔ بدر شاہ کیا تمھارا سسرال والا ہوتا پڑا۔"

"جاؤ بدر شاہ سے کہو کہ شارق اُس سے ملنا چاہتا ہے۔"

"اڑے کیا بولا، شارک... شارک مچھلی۔" اُس آدمی نے اپنی دانست میں میرا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

"بدر شاہ سے کہو کہ اُس کا دوست آیا ہے یا پھر میں تمھیں بتاؤں کہ بدر شاہ کے دوست کیسے ہوتے ہیں۔"

"اڑے تڑی مارتا پڑا اے۔" اُس نے غرّاتے ہوئے کہا لیکن دوسرے لمحے میرا اُلٹا ہاتھ اُس کے گال پر پڑا اور یہ ہاتھ کافی زوردار تھا۔ وہ شخص ایک ٹانگ پر اُچھلا، گرنے سے بچنے کے لیے اُس نے ہاتھ کا سہارا لیا تھا پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اڑے تم ہمارے پر ہاتھ اُٹھایا۔ ابھی ہم تم کو بتائیں گا کہ بنٹو کس قیامت کا نام ہے۔"

بدمعاشوں کی اس دنیا سے میرا ابھی تک براہِ راست کوئی واسطہ نہیں پڑا تھا لیکن اُستاد چھونے نے اب تک جو کچھ سکھایا تھا اُس کے استعمال کی مشق بھی ضروری تھی چنانچہ وہ جیسے ہی میری طرف آیا، میں نے اُچھل کر ایک ٹھوکر اُس کی پنڈلی پر ماری اور پھر دوسری پنڈلی پر اور اُس کے بعد میں اُچھل اُچھل کر اُس کے پیر کے مختلف حصوں پر ٹھوکریں مارنے لگا۔ بنٹو بڑے مضحکہ خیز انداز میں اُچھل رہا تھا اور اُس کے بعد وہ پلٹ کر دروازے کی طرف بھاگ نکلا۔

میں مسکراتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو تین چار مسٹنڈے مجھے ایک بڑے سے صحن میں نظر آئے۔ بنٹو اُن کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا لیکن سامنے ہی برآمدے میں بدر شاہ بھی نظر آ گیا اور اس سے پہلے کہ بنٹو اپنے ساتھیوں کو میرے خلاف تیار کرتا، بدر شاہ نے بڑے تپاک سے کہا۔

"اوہو! شارق صاحب۔ آئیے آئیے کمال ہے، میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ یہاں آ جائیں گے۔" بنٹو اور اُس کے دوسرے ساتھیوں نے بدر شاہ کی طرف دیکھا اور اُس کے بعد اس طرح غائب ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے

سینگ۔ میں نے بدر شاہ سے بنٹو کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ اُن لوگوں کی دُنیا... یہی تھی تو پھر فضول باتوں سے کیا واسطہ۔ بدر شاہ مجھے بڑے احترام سے اندر لے گیا تھا۔ اندر سے مکان کافی کشادہ تھا۔ جس ہال نما کمرے میں مجھے بٹھایا گیا تھا وہ بھی اچھی سجاوٹ سے آراستہ تھا۔ بدر شاہ نے تعجب سے کہا۔

"شارق صاحب، اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اسی سلسلے میں آئے ہوں گے آپ لیکن مجھے کیوں نہیں بُلایا؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے بدر شاہ! میں نے سوچا تمھارا اڈہ بھی دیکھ لوں۔"

"خوشی نہیں ہوئی ہو گی۔ ظاہر ہے یہ شریف لوگوں کے آنے کی جگہ نہیں ہے۔"

"نہیں بدر شاہ! میرا واسطہ ایسے حالات سے پڑتا ہی رہتا ہے۔ روشن علی کے لیے وکالت نامہ تیار کرا لیا گیا ہے لیکن کیس کورٹ اوپن کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ غلام آباد جا کر صورتِ حال کا پوری طرح جائزہ لوں۔"

"جاوید قریشی صاحب نے یہ بات بتائی تھی کہ آپ کے کام کرنے کا انداز مختلف ہے شارق صاحب، آپ پہلے مؤکل کے کیس کے بارے میں چھان بین کرتے ہیں، حقیقتوں کا سُراغ لگاتے ہیں اور اُس کے بعد کیس لڑتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ وکالت کی دُنیا میں یہ ذرا نیا کام ہے۔ باہر کے ملکوں کے بارے میں تو میں نے سُنا تھا کہ وہاں آپ کے ٹائپ کے وکیل ہوتے ہیں لیکن ہمارے ملک میں یہ نئی بات ہے۔ ظاہر ہے کون کسی کے پھڈے میں ٹانگ اڑاتا ہے۔ کیس آیا، معاوضہ طے کیا، عدالت میں جرح کی اور جو بھی اُلٹا سیدھا ہو گیا کر ڈالا۔ یہ ذرا مختلف قسم کا کام ہے۔ آپ غلام آباد جانا چاہتے ہیں۔ میرے لیے کیا خدمت ہے اس سلسلے میں؟"

"تمھاری مصروفیات کیا ہیں بدر شاہ؟"

"دیکھیے شارق صاحب میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ بدر شاہ ذرا اسی قسم کا آدمی ہے۔ کوئی بات جی کو لگ گئی تو بس وہیں رہ جاتی ہے۔ باقی سارے کام پیچھے چلے جاتے ہیں۔ رہی اڈے پر میں نے ایسے آدمی تیار کر رکھے ہیں کہ اگر مجھے بڑے گھر جانا پڑے، بڑے گھر سے مراد آپ سمجھ گئے ہوں گے جیل ہے، تو یہاں اڈے کے کاموں میں کوئی دقت نہ ہو سکے۔ میرے شاگرد بڑی ہوشیاری سے میرا اڈہ چلا لیتے ہیں اور اتفاق کی

بات یہ ہے کہ ایماندار بھی ہیں۔ آمدنی میں سے کبھی خورد برد نہیں کرتے۔ اگر میرے لیے کوئی خدمت آپ نے مقرر کی ہے تو بے تکلفی سے کہہ دیں۔ میں تیار ہوں۔"

"ہاں بدر شاہ! غلام آباد میں چودھری غیاث الدین کے بارے میں جو تفصیلات تم نے بتائی ہیں۔ میرا مطلب ہے جو روشن علی سے معلوم ہوئی ہیں وہ ایسی ہیں کہ میں اپنے آپ کو وہاں تنہا محسوس کروں گا۔ مجھے ایسے دو افراد کی ضرورت ہے جو میرے لیے کام کر سکیں۔"

"تو پھر میں چلتا ہوں۔" بدر شاہ نے جواب دیا۔

"تم اگر چاہو تو ایک دو دن کے بعد وہاں آ جانا بدر شاہ، کیونکہ میں کل غلام آباد روانہ ہو رہا ہوں۔"

"آپ فکر ہی مت کرو شارق صاحب، میں اپنے دو تین آدمیوں کے ساتھ وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کس حیثیت سے جاؤ گے۔"

"بس جیسے آپ کہیں، سیر و سیاحت تو وطن کے کسی بھی گوشے میں کی جا سکتی ہے۔ غلام آباد کے کسی حصے میں جا کر ہم بھی پڑے رہیں گے اور آپ کا انتظار کریں گے۔ ویسے اگر ساتھ ہی چلتے تو اور اچھا تھا۔"

"نہیں بدر شاہ! ساتھ نہیں چلنا چاہتا، میں نہیں بتانا چاہتا کہ میرے ساتھ اور بھی لوگ ہیں۔ میں نے اپنے لیے ایک راستہ منتخب کیا ہے۔ تم ایسا کرنا کہ غلام آباد میں کوئی ہوٹل یا کوئی سرائے ٹائپ کی چیز مل جائے تو وہاں قیام کر لینا۔ ممکن ہے بدر شاہ ہمیں وہاں کافی دن لگ جائیں کیونکہ یہ کام آہستہ آہستہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ تم اگر خود نہ جانا چاہو تو اپنے ایک دو آدمیوں کو بھیج دو جن سے میری شناسائی ہو۔ میں انھی سے کام نکال لوں گا۔"

"نہیں شارق صاحب! ایک کاموں کو میں دوسروں کے حوالے کیوں کروں۔ میں آپ سے بول چکا ہوں کہ میں اس کام میں خود دلچسپی لے رہا ہوں۔ آپ بالکل فکر مت کریں، میں غلام آباد پہنچ جاؤں گا۔ کل آپ چلے جائیں۔ آپ جہاں کہیں بھی ہوں گے، بدر شاہ آپ کو تلاش کر لے گا یا پھر بدر شاہ کو کسی سرائے یا کسی ہوٹل میں دیکھ لینا۔ میں وہاں آپ کو مل جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے بدر شاہ! بس اسی سلسلے میں، میں تمھارے پاس آیا تھا۔"

"ایک بات کہیں شارق صاحب، بُرا تو نہیں مانیں گے؟"

"کیا بدر شاہ؟"

"اخراجات کافی ہوں گے آپ کے۔ بدر شاہ کو کچھ خدمت کا موقع دیجیے۔"

"اگر ضرورت پیش آئی بدر شاہ، تو ضرور تم سے کہوں گا۔ اس سے پہلے نہیں۔" میں نے خلوص بھرے لہجے میں کہا اور بدر شاہ نے ممنونیت سے گردن ہلا دی۔ اُس کے بعد اُس نے میری خاطر مدارت کی۔ لاکھ منع کرنے کے باوجود کولڈ ڈرنک پلایا اور اُس کے بعد احترام کے ساتھ باہر چھوڑنے آیا۔ باہر بنٹو وغیرہ کا کوئی پتا نہیں تھا۔ غالباً وہ لوگ اس چکر میں ہوں گے کہ اب میں بدر شاہ سے اُن کی شکایت کروں گا اور اُس کے بعد بدر شاہ اُن کی حجامت کرے گا۔

میں بائیک اسٹارٹ کر کے وہاں سے چلا آیا۔ فرخندہ کیس میں کچھ ایسی چیزیں خریدی تھیں جو میرے کام آ سکتی تھیں۔ اُس کیس میں تو اُن کا کوئی خاص استعمال نہیں ہوا تھا لیکن اب مجھے اُن کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ میک اَپ کا سامان بھی حاصل کرنا تھا۔ کچھ ایسا ہی پروگرام ترتیب دیا تھا میں نے۔ بہرحال اُن تمام چیزوں کو ایک بریف کیس میں رکھنے کے بعد میں نے اپنے چند بہترین لباس منتخب کیے اور پھر غلام آباد جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ رشیدہ، فاروقی صاحب کے گھر سکون سے رہ رہی تھی۔ میں نے بیگم فاروقی سے ملاقات کر کے اُس کے بارے میں پوچھا تو بیگم فاروقی نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

"بھئی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب تم کیوں اُس کے لیے پریشان ہو۔ وہ میری بیٹی ہے میرے پاس رہ رہی ہے تمھیں کم از کم ہم پر اعتبار تو رکھنا چاہیے۔"

"ارے نہیں چچی جان، یہ مقصد نہیں تھا۔ بس ایسے ہی اُس کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ اندرونی کمرے کے دروازے سے آواز آئی۔

"بھائی جان! مجھے تمام صورتِ حال معلوم ہو چکی ہے۔ بس دُعائیں دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی اور اس کا اظہار میرے خیال میں چھچھورا پن ہے۔"

"تم مطمئن ہو رشیدہ؟ بہن، بس میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہے۔ باقی میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ مجھے اس کے لیے کتنی ہی محنت کرنی پڑے۔ تمھارے شوہر سے قتل کا یہ الزام ہٹاؤں گا خواہ کسی بھی قیمت پر۔" رشیدہ کے تاثرات کا تو کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن اس کی خاموشی اس بات کا پتا

رہتی تھی کہ اس کی ذہنی کیفیت کیا ہو)، بہرحال اس وقت۔ فاروقی صاحب سے مل کر میں نے انھیں بتایا کہ آج میں... غلام آباد جا رہا ہوں۔ فاروقی صاحب سنسنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے تھے پھر انھوں نے کہا۔

"یقیناً تم نے ایسے راستے منتخب کیے ہوں گے کہ غلام آباد پہنچ کر تم اس سلسلے میں تفتیش کر سکو۔"

"ہاں فاروقی صاحب، اپنے طور پر کوشش کر رہا ہوں۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

"خداوند قدوس یقیناً تمھاری مدد کرے گا کیونکہ تمھارے ارادے نیک ہیں۔"

رسمی گفتگو کے بعد میں وہاں سے چل پڑا۔ ایک بس کے ذریعے ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچنا تھا۔ وہاں سے غلام آباد کے لیے تانگے وغیرہ مل جاتے تھے۔ اس چھوٹی سی آبادی کے بارے میں کچھ تفصیلات روشن علی سے معلوم ہو چکی تھیں اور کچھ میں نے اپنے طور پر معلوم کی تھیں۔ پہلی بار غلام آباد جا رہا تھا۔ بس کا سفر کافی دلچسپ تھا۔ ویسے بھی اس قسم کے مواقع کہاں ملتے تھے۔ میں اگر چاہتا تو بذریعہ کار وہاں روانہ ہو سکتا تھا لیکن غلام آباد کی بستی میں اپنے آپ کو نمایاں کرنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے ایک درمیانہ درجے کے انسان کی حیثیت سے بس میں سفر کیا اور بالآخر اس چھوٹے سے شہر میں پہنچ گیا۔ جہاں سے غلام آباد جا سکتا تھا۔ معلومات حاصل کرنے پر پتا چلا کہ فلاں جگہ سے غلام آباد جانے کے لیے تانگے مل سکتے ہیں اور کوئی ذریعہ سفر نہیں ہے۔ چنانچہ میں تانگوں کے اڈے پر پہنچ گیا۔ غلام آباد کے کچھ تانگے یہاں موجود تھے۔ پتا چلا کہ غلام آباد یہاں سے آٹھ میل دور ہے۔ تانگے والے سے معاوضہ طے ہو گیا۔ اور وہ مجھے لے کر غلام آباد چل پڑا۔ راستے میں میں نے تانگے والے سے پوچھا۔

"تم غلام آباد ہی کے رہنے والے ہو؟"

"جی صاحب، وہیں رہتے ہیں ہم، چھوریا موڑ پر ہمارا گھر ہے۔"

"بڑی اچھی زندگی گزرتی ہوگی تمھاری تو۔ نام کیا ہے؟"

"دین محمد، صاحب! لوگ دینو، دینو کہتے ہیں۔"

"کتنا کما لیتے ہو روزانہ دینو؟"

"صاحب بس اللہ کا فضل ہے۔ گھوڑے کا چارا اور اپنی دال روٹی نکل آتی ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ چاہیے بھی نہیں۔ تیرہ بھائی ہیں صاحب، سب کے سب کماتے ہیں جسے جو مل جاتا ہے اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لیتا ہے۔"

"تیرہ بھائی ہو تم لوگ؟"

"ہاں صاحب، نو بہنیں اور تیرہ بھائی۔" دین محمد نے جواب دیا اور مجھے چکر آ گیا۔ بہرطور یہ دین محمد کا ذاتی معاملہ تھا، مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے کہا۔

"چودھری غیاث کے بارے میں سنا ہے کہ بڑے اچھے انسان ہیں۔ سنا ہے بہت دولت مند بھی ہیں۔"

"لو جی، چودھری ہیں، کوئی معمولی بات ہے۔ حویلی کی شان دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ کسی راجہ کا محل ہے۔ چودھری صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں جی۔ بس ذرا سخت طبیعت کے مالک ہیں۔ کوئی بات منھ سے نکل جائے تو پتھر کیا پڑ سکتا ہے، چودھری صاحب کی بات کچی نہیں ہو سکتی۔"

"یہ تو اچھی بات ہے دینو۔ ویسے سنا ہے کہ امیر الدین بھی بہت نیک نوجوان ہے۔"

"ہاں جی! امیر الدین بے چارہ اللہ والا آدمی ہے۔ نماز روزے کے علاوہ اسے کوئی اور چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔ بڑا ہی اچھا انسان ہے۔ مگر چودھری صاحب کا ایک ہی بیٹا ہے۔ چودھری صاحب اس سے خوش نہیں ہیں۔"

"کیوں؟"

"بس جی، یہ ہمارا خیال ہے۔ چودھری صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ بیٹے کو کاروبار میں کیسے لگائیں۔"

"تمھاری معلومات تو بہت زیادہ ہیں دینو۔"

"نہیں جی، ایسی بات نہیں ہے۔ پر ہم بڑے بوڑھوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ جو باتیں بڑے بوڑھے کرتے ہیں نا، وہی باتیں ہم بھی کر لیتے ہیں۔" دین محمد نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا، ویسے سنا ہے کہ تمھاری بستی میں جرائم بہت ہوتے ہیں۔"

"وہ کیا چیز ہوتی ہے جی؟" دین محمد نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے قتل و غارت گری، ڈاکے وغیرہ۔"

"او نہیں جی، کسی نے جھوٹ اڑائی ہوگی آپ سے۔ کبھی کبھی کچھ واقعات ضرور ہو جاتے ہیں مگر ایسی بات نہیں ہے۔"

"پولیس کا کیا حال ہے وہاں پر؟"

"پولیس آرام سے ہے جی۔" دین محمد نے جواب دیا۔

"نہیں میرا مطلب ہے پولیس اس سلسلے میں کبھی کوئی کارروائی کرتی ہے۔"

"اب اتنی معلومات ہمیں نہیں ہے جی۔"

"ٹھیک ہے۔ ویسے دین محمد، غلام آباد میں کوئی ہوٹل وغیرہ بھی ہے؟"

"نہیں جی، ہوٹل کا غلام آباد میں کیا کام۔ ویسے نتھو میاں کی سرائے ہے۔ اس کے علاوہ بالی کی سرائے بھی ہے۔ ایک مگر بالی ذرا جھگڑالو عورت ہے۔ عام طور سے اس کے یہاں آنے والے خوش نہیں جاتے۔ کئی بار چودھری کے پاس شکایت پہنچ چکی ہے مگر بالی کا میاں جو تھا نا جی، وہ بے چارہ بستی کے لیے لڑتے ہوئے مرا۔ ڈاکو آ گئے تھے۔ ایک دفعہ یہ صرف نصر اللہ تھا جس نے ڈاکوؤں سے جنگ کر کے بستی کو بچایا تب سے بالی کی بڑی عزت ہے اور چودھری غیاث بھی اس کے معاملے میں رعایت برتتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو کوئی نقصان ہوا تو خود بھی پورا کر دیتے ہیں۔ لیکن جاننے والے بالی کی سرائے کا رخ نہیں کرتے بلکہ نتھو میاں کی سرائے پر رہنا پسند کرتے ہیں۔ آپ وہاں سرائے پر رہو گے جی...؟"

"ہاں، میرا وہاں کوئی جاننے والا نہیں ہے۔"

"اچھا جی اچھا ٹھیک ہے۔ ویسے صاحب جی، غلام آباد کی سیر کرتا ہو تو ہمیں یاد رکھیے۔ چھوریا موڑ پر رہتے ہیں۔ کسی سے بھی ہمارا نام پوچھ لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" تانگے والا راستے بھر باتیں کرتا رہا اور میں اس سے غلام آباد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا رہا۔ میں نے زیادہ چھلانگ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی اور روشن علی کے نام کو سامنے نہیں لایا تھا لیکن جس قدر معلومات حاصل ہو گئی تھیں دین محمد سے، وہی میرے لیے کافی تھیں۔ میں نے دین محمد سے کہا کہ مجھے بالی کی سرائے پر اتار دے اور وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کمال ہے جی! جان بوجھ کر بالی کی سرائے پر جانا چاہتے ہو۔"

"ہاں کیا حرج ہے، تم مجھے وہیں اتار دینا۔" بالی کی سرائے بہت بڑے علاقے میں واقع تھی۔ بستی غلام آباد میں داخل ہونے کے لیے ایک محراب دار گیٹ تھا جس کے ساتھ کافی دور تک تقریباً آٹھ فٹ اونچی دیوار چلی گئی تھی۔ گویا شہر پناہ کا دروازہ تھا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے بازار، گلیاں، کچے پکے مکانات جن میں بعض مکانات اچھے بھی تھے۔ سڑکوں پر گڑھے پڑے ہوئے۔ صفائی کا فقدان لیکن جس جگہ بالی کی سرائے واقع تھی وہ کافی اچھی تھی۔ کچھ فاصلے پر ایک باغ نظر آ رہا تھا۔ سرائے تک گھاس کا بستر بچھا ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ گھاس ناہموار اور بے ترتیب تھی اور اونچے نیچے چٹانی ٹکڑوں پر اگی ہوئی تھی۔ بالی کی سرائے کافی کشادہ جگہ میں تھی۔ ایک لمبی سی بیرک نما جگہ دور تک پھیلی ہوئی تھی جس کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں اور اوپر کھپریل پڑی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ چمنیاں اور روشندان نظر آ رہے تھے۔ سرائے کے سامنے کے حصے میں ایک احاطہ تھا جو پوری بیرک کو گھیرے ہوئے تھا۔ یعنی کوئی مہمان نکل کر بھاگنے نہ پائے اور جسے بھی گزرنا ہو بالی کے سامنے سے گزرے۔ بالی ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ چہرے ہی سے کرخت اور سخت مزاج نظر آتی تھی۔ ایک چبوترے کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ قریب ہی تنور لگا تھا۔ برابر کچھ دیگچیاں چنی ہوئی تھیں۔ جن میں کفگیر پڑے ہوئے تھے۔ بالی نے ہماری طرف دیکھا۔ دین محمد تانگے والے نے آدابِ میزبانی ادا کرتے ہوئے مجھے خود بالی سے متعارف کرایا۔

"بالی بہن مسافر ہیں۔ باہر سے آئے ہیں۔ تمھاری سرائے میں ٹھہرنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں، لچے لفنگے تو نہیں ہو؟ کوئی واردات کر کے تو نہیں بھاگو گے؟" بالی نے براہِ راست سوال کیا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں بالی بہن، زبان سے تو یہی کہوں گا۔ آگے وقت بتا دے گا۔"

"کیوں، پیسے لائے ہو؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، کتنے پیسے دینے ہوں گے مجھے؟"

"دو روپے روز کمرے کا کرایہ۔ پانچ روپے روز کھانے کا۔ صبح کو ناشتا، دوپہر کو کھانا اور رات کا کھانا۔ چائے اگر پیو گے تو دو روپے الگ سے دینے پڑیں گے۔ دودھ بھی مہنگا ہو گیا ہے اور چائے کی پتی آسمان سے باتیں کرنے لگی ہے۔"

"ٹھیک ہے بالی بہن، کل ملا کر ہوئے نو روپے لیکن میں آپ کو یہ دس روپے کے حساب سے دس دن کے پیسے دے رہا ہوں یعنی سو روپے۔"

"دس روپے کے حساب سے کیوں دے رہا ہے بھئی، جب نو روپے بنتے ہیں تو دس روپے میں کیوں لوں گی۔ بخشش دے رہا ہے۔ ارے ابھی ایسا ٹیم نہیں آیا کہ بالی کو بخشش کی ضرورت پڑے۔ ابھی دس آدمیوں کو اپنے ہاتھ سے بٹھا کر کھلا سکتی ہوں۔ لے یہ دس کا نوٹ اور اپنی امیری اپنے پاس رکھ۔" بالی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"نہیں بالی بہن آپ تو برا مان گئیں۔ یہ دس روپے میں نے

آپ کو اس لیے دیے تھے کہ ممکن ہے ایک آدھ چائے مجھے اور لینی ہو۔ آپ سے بعد میں حساب ہو جائے گا۔"

"دس روپے رکھو، چائے کا حساب اپنی جگہ ہو گا۔" بالی نے دس کا نوٹ میرے مُنہ پر مارتے ہوئے کہا اور میں نے ٹھنڈی سانس لے کر نوٹ رکھ لیا۔

بالی نے مجھے میرا کمرہ دکھایا۔ بس کمرہ ہی تھا لیکن غلام آباد جیسی بستی میں اس سے زیادہ پُرآسائش جگہ اور کون سی ہو سکتی تھی۔ پانی کا انتظام باہر ہی تھا یعنی ایک کنواں بنا ہوا تھا جہاں غسل کیا جا سکتا تھا۔ دوسری ضروریات بھی کم از کم اس احاطے کے اندر نہیں تھیں لیکن میں نے صبر و سکون کے ساتھ یہ تمام چیزیں قبول کر لیں۔ کمرے کے عقبی حصے میں ایک بڑی سی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس سے تیز ہوا اندر آ رہی تھی۔ یہاں سے میں نے باہر کے ماحول کو دیکھا۔ ہرا بھرا سرسبز باغ پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ کنارے پر پانی کے چوڑے نالے بہہ رہے تھے جو باغوں کو سیراب کرنے کے لیے تھے۔ ایک انتہائی دلکش منظر میرے سامنے تھا۔ شہر کی پُرشور زندگی سے یہ پُرسکون علاقے کہیں دلکش ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ کبھی کبھی یہاں آیا جائے۔ اپنے کمرے کی واحد مسہری پر لیٹ کر میں نے اپنے آگے کے پروگرام پر غور کیا۔ فوراً ہی کسی سے مل بیٹھنا اچھا نہیں تھا۔ بزرگ کہتے ہیں کہ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو چنانچہ میں ابھی غلام آباد کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ میرے سامان میں مصوری کی چیزیں موجود تھیں اور میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اپنے آپ کو یہاں ایک کمرشل آرٹسٹ کی حیثیت سے متعارف کراؤں گا جو اپنے ادارے کے لیے یہاں کی منظر کشی کرنے آیا ہے۔ یہ ایک بے ضرر اور کسی کے لیے بھی پریشان کن بات نہیں ہو گی اور اس طرح میں جہاں چاہوں گا اپنا ڈیرہ جما سکوں گا۔ دیر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ایزل بورڈ اور رنگوں کا تھیلا برش وغیرہ شانے پر ڈالے اور آوارہ گردی کرنے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔ غلام آباد کی گلیوں اور بازاروں کو تو دیکھ ہی چکا تھا۔ بستی بہت زیادہ وسیع و عریض نہیں تھی۔ میں نے کام کے لیے ایک باقاعدہ پروگرام ترتیب دیا اور پھر ایک ایسی جگہ اپنا مصوری کا سامان ڈال کر کھڑا ہو گیا جہاں تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پرچون کی دکان نظر آ رہی تھی۔ مناسب [illegible] سامنے کھیت تھے اور ان کے [illegible] لڑکے جو دھندے میں پٹے ہوئے تھے۔ غلام آباد کا موسم کافی خوش گوار تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک میں وہاں کام کرتا رہا۔ ادھوری تصویر بورڈ پر لگا کر رنگ وغیرہ سجا لیے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں نے ایک بار بھی تصویر کو برش نہیں لگایا تھا۔ ایسی کئی تصویریں میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ آتے جاتے لوگوں نے مجھے دیکھا۔ کچھ نے دلچسپی لی اور کچھ نظر انداز کر کے آگے بڑھ گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد میں نے سامان سمیٹا اور اس وقت دکان پر پہنچ گیا جب کوئی گاہک وہاں موجود نہیں تھا۔ دکاندار ایک درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ چہرے ہی سے سیدھا سادہ معلوم ہوتا تھا۔ میرے سلام کے جواب کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

"بابو جی کہیں باہر سے آئے ہو۔ میں کافی دیر سے تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ کیا کر رہے تھے؟"

"تصویریں بنا رہا تھا چچا۔" میں نے جواب دیا۔

"انسانی تصویریں بنانا تو گناہ ہے بیٹا۔"

"نہیں چچا۔ میں انسانی تصویریں نہیں بناتا بلکہ مناظر کی عکاسی کرتا ہوں۔"

"اچھا اچھا کھیت وغیرہ۔ بڑا عجیب شوق ہے میاں۔ کیوں کرتے ہو ایسا؟"

"پیٹ کے لیے چچا۔ میں یہی کام کرتا ہوں۔"

"اوہو۔ اچھا اچھا۔ تب دوسری بات ہے۔ چائے بنواؤں تمھارے لیے۔ میرا گھر پیچھے ہی ہے۔"

"نہیں چچا، آپ کہاں تکلیف کریں گے۔"

"میاں پردیسی ہو، کوئی بات نہیں ہے۔ ابے احمد ذرا چائے کی دو پیالیاں بنوا کر لے آنا۔" دکاندار نے آواز لگائی اور میں دکان کے سامنے پڑے ہوئے تختے پر بیٹھ گیا۔

"غلام آباد بڑی خوبصورت جگہ ہے چچا۔ میری تو آنکھیں کھل گئی ہیں اسے دیکھ کر۔ بڑا شوق تھا مجھے اس علاقے میں آنے کا۔ بہت سے لوگوں سے تعریف سُنی تھی۔"

"بس میاں دیہات ہے۔ کیا رکھا ہے یہاں۔ زندگی گھٹتی ہے۔ تم تو شہر سے آئے ہو جہاں ہنگامے ہی ہنگامے ہوتے ہیں۔"

"انھی ہنگاموں کی بات کر رہا تھا چچا۔ اُن ہنگاموں میں ذہن کام نہیں کرتا۔ یہاں بڑا سکون۔ بڑی خاموشی ہے۔"

"ہاں مگر زندگی یہاں بھی مشکل ہے۔ بڑی محنت سے چار پیسے کمائے جاتے ہیں۔"

"یقیناً زیادہ آمدنی کہاں ہو گی آپ کی۔ ویسے سُنا ہے چودھری غیاث بڑے نیک انسان ہیں۔ اپنی بستی کے لوگوں کی مدد کرتے رہتے ہیں۔"

"نہیں میاں۔ کس سے سُن لیا تم نے یہ۔ چودھری صاحب.. چودھری ہیں۔ عام لوگوں سے انھیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ بس وہ اپنے کاموں میں مگن رہتے ہیں۔ ہاں اگر کبھی کوئی ضرورت مند پہنچ جائے اور چودھری صاحب کو اس پر رحم آ جائے تو بات دوسری۔ وہ تو ان کے گُن گائے گا ہی۔" دکاندار چودھری صاحب سے خوش نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"چودھری صاحب کا ایک ہی بیٹا ہے۔ غالباً امیر الدین ہے اس کا۔ کیا چودھری صاحب کے یہاں دوسری اولاد نہیں ہوئی؟"

"نہیں میاں! یہ تو اللہ کی دین ہے جسے ضرورت ہوتی ہے اُس کے یہاں کچھ نہیں ہوتا اور جو خود ہی اپنی زندگی سے تنگ ہو اُس کے ہاں لائن لگ جاتی ہے۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے چچا۔ آپ کی باتیں بڑی اچھی ہیں۔ میرے بھی ایک چچا تھے۔ مرحوم بہت ہی اچھے انسان تھے۔ آپ ہی کی طرح باتیں کرتے تھے۔"

"اچھا اچھا، پانی منگواؤں تمھارے لیے۔"

"ایک گلاس مل جائے تو مہربانی ہو گی۔"

"میاں مسافر ہو۔ ایسی بات کہہ کر شرمندہ کر رہے ہو۔ حق ہے تمھارا۔ ابھی منگواتا ہوں۔" دکاندار نے ایک گلاس پانی منگوایا اور تھوڑی دیر کے بعد چائے بھی آ گئی جو خلوص کا مظہر تھی۔ جیسی بھی تھی چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے میں نے دکاندار سے بہت سی باتیں معلوم کر لیں۔ منشی ریاض کے مکان کے بارے میں معلوم کیا تو پتا چلا کہ دہ سامنے ہی جو مکان نظر آ رہا ہے، وہ منشی ریاض کا ہے اور یہ معلوم کر کے مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ چونکہ منشی ریاض کا کردار خصوصاً میرے ذہن میں تھا۔ چائے پینے کے بعد میں نے شکریہ ادا کیا۔ شام کے جھٹپٹے آسمان سے زمین تک رینگ آئے تھے۔ دکاندار نے مجھ سے کہا کہ جب تک میں یہاں کام کر رہا ہوں جب جی چاہے اس کے پاس آ سکتا ہوں۔ اور میں انھیں سلام کر کے وہاں سے واپس چل پڑا۔

منشی ریاض کو فوراً ہی ٹٹولا جائے یا پھر کچھ وقت انتظار کیا جائے۔ میں نے سوچا لیکن کام میں دیر کرنا میرے لیے مناسب نہیں تھا اور پھر اتفاق سے منشی ریاض کا مکان بھی سامنے نظر آ گیا تھا۔ اگر منشی ریاض جیسا کہ مجھے معلوم ہوا تھا، چودھری غیاث الدین کی حویلی میں کام کرتے تھے تو یہ وقت ایسا تھا کہ اپنے کام ختم کر کے واپس بھی آ گئے ہوں گے۔ ورنہ پھر دوسرے دن شام کا ہی انتظار کرنا پڑتا۔ چنانچہ میں سامان اُٹھائے ہوئے منشی ریاض کے مکان کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد مکان کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ دروازہ ایک معمر آدمی نے کھولا تھا۔ کرتا شلوار پہنے ہوئے تھے۔ چھوٹی سی داڑھی تھی۔ پیشانی پر نماز کا نشان نظر آ رہا تھا۔

میں نے سلام کیا اور انھوں نے بڑے اخلاق سے سلام کا جواب دیا۔

"میں منشی ریاض صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں ہی ہوں بیٹے۔ آؤ اندر آ جاؤ۔ تم غلام آباد کے تو نہیں معلوم ہوتے۔" منشی ریاض نے میرے لیے راستہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

دروازے کے دوسری جانب ڈیوڑھی تھی۔ اس کے بعد کیا تھا یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ کشادہ ڈیوڑھی میں سرکنڈے کے مونڈھے پڑے ہوئے تھے۔ منشی ریاض نے مجھے ان میں سے ایک پر بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر بولے۔

"تمھارے لیے چائے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوں۔"

"نہیں منشی صاحب براہ کرم اس تکلف میں نہ پڑیے۔ میں پی چکا ہوں۔"

"میاں کوئی حرج نہیں ہے۔ چائے تو پی ہی لو۔ مجھے خوشی ہو گی۔"

منشی ریاض صاحب نے چائے کے لیے کہہ دیا اور پھر سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"میں ایک کمرشل آرٹسٹ ہوں منشی صاحب! یہاں تصویریں بنانے کے لیے آیا ہوں۔ تھوڑے سے اور دوسرے کام بھی تھے جنھیں آپ کے ذریعے کرنا چاہتا تھا۔"

"کہو، میں حاضر ہوں۔"

"منشی صاحب پہلے آپ کے اہل خاندان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کتنے بچے اور بچیاں ہیں آپ کے؟"

"میاں مگر اس کی وجہ تو کم از کم بتا دو۔"

"بعد میں بتاؤں گا منشی صاحب۔"

"تین بیٹے ہیں۔ ایک بیٹی ہے جو ابھی صرف نو سال کی ہے۔ بڑا بیٹا شہر میں ملازم ہے۔ باقی دو بیٹے۔ ابھی ایک پڑھ رہا ہے اور ایک ماشاءاللہ بڑا ہو چکا ہے اور روزگار کی تلاش میں ہے۔"

"کیا آپ چودھری غیاث الدین سے کہہ کر اُسے وہاں روزگار نہیں دلا سکتے؟"

"دلانا نہیں چاہتا بیٹے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی اپنے بھائی کے پاس شہر چلا جائے۔"

"آپ کتنے عرصے سے چودھری غیاث الدین کے یہاں ملازم ہیں؟" میں نے سوال کیا اور منشی ریاض چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ اتنی دیر میں چائے آ گئی تھی۔ انھوں نے چائے کی پیالی میرے سامنے رکھ کر اپنی پیالی خود اٹھائی اور اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگے، پھر بولے۔

"دیکھو میاں معاف کرنا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو دل میں ہے کہوں یا نہ کہوں۔ تمھارے سوالات کا انداز کچھ ایسا ہے جیسے پولیس

والوں یا سی۔آئی۔ڈی والوں کا ہوتا ہے۔کیا ایسی کوئی بات ہے؟ اگر ہے تو مجھے بتادو۔وعدہ کرتا ہوں کہ تمھارے ہر سوال کا صحیح جواب دُوں گا۔یقیناً قانون کے رکھوالے اگر کوئی کام کرتے ہیں تو اُن کے پیچھے قانون کی مدد بھی ہوتی ہے اور مَیں نے یہی سیکھا ہے کہ اگر وطن سے محبت ہے تو وطن کے قانون سے بھی پیار ہونا چاہیے کیونکہ اس طرح بُرائیوں کو پروان چڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔"

"آپ کے خیالات سُن کر بے حد خوشی ہوئی مُنشی ریاض صاحب اور میرا دل کہتا ہے کہ آپ ایک سچے اور دیندار آدمی ہیں چنانچہ آپ سے جو سوال کروں گا اس اُمید پر کروں گا کہ اس کا جواب آپ مجھے سچ دیں گے اور میرے اِس راز کو راز رکھیں گے؟"

"ٹھیک ہے میاں! اللہ پر بھروسا رکھو۔" مُنشی صاحب نے جواب دیا اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگے۔

"مُنشی صاحب! سب سے پہلے تو مَیں آپ سے آپ کی بستی کے ایک شخص روشن علی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔یقیناً آپ اس بات سے لاعلمی کا اظہار نہیں کریں گے کہ روشن علی کو آپ نہیں جانتے۔غلام آباد میں ایک دُکان کرتا تھا اور اپنی بیوی اور بچّوں کے ساتھ پُرسکون زندگی گزار رہا تھا۔اُس شخص کو قتل کے جُرم میں گرفتار کر کے سزا دی گئی ہے۔کیا آپ بتا سکتے ہیں مُنشی صاحب! کہ آپ اُسے جانتے تھے؟"

"ہاں! کیوں نہیں؟ غلام آباد ہی میں پیدا ہوا تھا۔یہیں جوان ہوا بلکہ اس کے والدِ مرحوم سے میری اچھی خاصی دوستی بھی تھی۔بہت نیک انسان تھے۔اِس بات پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا کہ روشن علی نے قتل جیسے بھیانک جُرم کا ارتکاب کیا اور فضل خان کی بیٹی۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ!" مُنشی ریاض صاحب خاموش ہو گئے۔

"مُنشی صاحب! اگر آپ سے یہ سوال کیا جائے تو کیا آپ اِس کا جواب دینا پسند کریں گے کہ روشن علی یہ بھیانک جُرم کر سکتا تھا؟"

"میاں! شیطان صرف اپنا عکس ڈالتا ہے۔انسان پُرا در اِس کی برسوں کی ریاضت خاک میں مل جاتی ہے۔روشن علی جس باپ کا بیٹا تھا۔اُسی کا خون اُس کی رگوں میں گردش کر رہا تھا۔میری سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آتی کہ اگر شیطان نے روشن علی پر سایہ ڈالا بھی تو آخر کیوں؟ اُس کے خون کا رنگ کیسے بدل گیا؟"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے مُنشی صاحب! کہ روشن علی پر صرف یہ الزام ہو۔کیا آپ کو اس کے کیس کی تفصیلات معلوم ہیں؟"

"نہیں میاں! ہم عدالت تھوڑی گئے تھے جو ہمیں تفصیلات معلوم ہوتیں۔بس جو خبریں غلام آباد تک پہنچی تھیں اُن سے یہی پتا چلا تھا کہ روشن علی کا جُرم ثابت ہو گیا ہے اور اسے سزا ہو گئی ہے مگر اب ان باتوں سے کیا فائدہ۔وہ اپنے کیے کی سزا پا کر قبر میں چلا گیا ہے۔اب گڑے مُردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ۔"

"افسوس تو یہی ہے مُنشی ریاض صاحب! کہ وہ مُردہ ہو کر قبر میں نہیں گیا بلکہ زندہ درگور ہو گیا ہے۔مَیں آپ کو بتاؤں۔آپ کو علم ہے کہ اُس کی ایک بیوی اور دو بچّے بھی تھے۔رشیدہ یہ بستی چھوڑنے کے بعد دربدر پھر رہی ہے۔وہ حاملہ ہے اور تیسرا بچّہ بھی اس کے ہاں ہونے والا ہے لیکن وہ سر چھُپانے کے ٹھکانے سے محروم ہے۔شاید آپ کو یہ بھی علم ہو کہ رشیدہ اس بستی کے مؤذن کی بیٹی تھی۔روشن علی اس سے کہتا ہے کہ وہ اس سے طلاق لے کر دوسری شادی کر لے تاکہ اس کے بچّوں کی پرورش ہو سکے۔ایک زندہ شوہر جو اپنی بیوی سے محبت بھی کرتا ہے مُنشی ریاض صاحب! جو اپنے بچّوں سے پیار بھی کرتا ہے، ایک ناکردہ گناہ کا شکار ہو کر یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اپنی بیوی کو دوسری شادی کا مشورہ دے رہا ہے۔بے سہارا رشیدہ طلاق نہیں لینا چاہتی۔اُس کی خواہش ہے کہ اُس کے شوہر کی جان بچ جائے۔مُنشی ریاض صاحب! کیا چار افراد کی زندگی کے لیے اور پانچویں ایک ایسے شخص کے لیے جس نے جُرم نہیں کیا لیکن جُرم کا شکار ہو گیا ہے۔آپ کے دل میں خوفِ خدا پیدا نہیں ہوتا۔کیا آپ کی پیشانی پر بنا ہوا عبادت کا یہ نشان خدا کی خوشنودی کے لیے نہیں ہے۔کیا آپ سجدے میں جب سر جھُکاتے ہیں تو اپنا حساب اپنے معبود کو پیش نہیں کرتے۔کیا آپ کا ضمیر اِس بات پر چُبھن نہیں محسوس کرتا کہ آپ سچائیوں کو چھُپا کر جی رہے ہیں؟"

"خدا کی پناہ۔خدا کی پناہ۔میاں! میرے علم میں ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے۔خدا گواہ ہے اِس بات کا کہ مَیں ان حالات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اگر جانتا ہوتا اور مجھ سے پوچھا جاتا تو شاید مَیں ایک انسان کی زندگی کے لیے جھُوٹ نہیں بولتا۔عدالتوں میں مقدمہ چلا ہوگا۔ثبوتوں کی روشنی ہی میں روشن علی کو سزا دی گئی ہوگی۔تم اُسے ناکردہ گناہ کیوں کہہ رہے ہو؟"

"بستی کے لوگوں کا کیا خیال ہے مُنشی ریاض صاحب! کیا وہ بھی روشن علی کو مُجرم قرار دیتے ہیں؟"

"میاں جو حقائق سامنے آئے ہیں۔وہ روشن علی کو مُجرم قرار دیتے ہیں۔بہت پُرانی بات ہے حالانکہ۔روشن علی زمرّد سے عشق کرنے لگا تھا۔مرحومہ کے نام کو یُوں بدنام کرنا گو اب زیب نہیں دیتا لیکن بات ایک ضرورت کے تحت کی جا رہی ہے۔اسی لیے مَیں اسے گناہ نہیں سمجھتا۔کافی واویلا کیا تھا روشن علی نے اُس عمر میں لیکن

بعد میں سب ٹھیک ہو گیا اور اس کے بعد یہ کبھی نہیں سُنا گیا کہ روشن علی نے ایک بار بھی فضل خان کے گھر کے چکر کاٹے ہوں یا زمرّد سے کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش کی ہو۔لوگوں کا خیال ہے کہ روشن علی اپنے دل میں یہ آگ چھُپائے بیٹھا تھا اور موقع ملتے ہی اس نے اپنے اِس آتشی جہنّم کو سرد کر لیا اور خود جہنّم رسید ہو گیا۔"

"ممکن ہے مُنشی صاحب! حقیقت یہ نہ ہو بلکہ روشن علی پر یہ الزام لگایا گیا ہو۔"

"میاں! سچائی تو صرف خدا جانتا ہے لیکن حقائق تو یہی ثابت کرتے ہیں۔فضل خان کی دوسری بیٹی ساجدہ بھی ساتھ تھی اور اس نے خود روشن علی کو دیکھا تھا۔"

"اوہ! اچھا اچھا! ساجدہ کو تو کچھ نہیں کہا گیا؟"

"نہیں بس اس بے چاری کو رسّی سے باندھ دیا گیا تھا۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کسی سے فضل خان کی کوئی اور دشمنی بھی نہیں تھی۔روشن علی ہی کے دل میں بال تھا اور اس نے اپنا یہ بدلہ بڑے گھناؤنے انداز میں لیا۔اس لیے بھی بستی والوں کو اس سے کچھ نفرت سی ہو گئی تھی۔"

"ہوتا ہے مُنشی صاحب! ایسا ہوتا ہے۔بعض اوقات جب کسی پر گردش آتی ہے تو حالات ایسی ہی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔درحقیقت اسے عمر قید کی سزا ہوئی ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ اگر وہ بے گناہ ہے تو اس کی بے گناہی کو منظرِ عام پر لایا جائے۔مُنشی صاحب! غلام آباد آتے ہوئے میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات نہیں تھی کہ اس طرح آپ سے ملاقات کر کے تمام صورتِ حال آپ کے سامنے رکھ دوں گا لیکن آپ سے ملاقات کے بعد نجانے کیوں آپ کی صورت دیکھ کر دل کو ایک اطمینان سا ہُوا کہ مَیں جس شخص کے سامنے اپنا مقصد بیان کرنے جا رہا ہوں اُس کے دل میں خوفِ خدا موجود ہے اور مَیں نے اسی حوالے سے اپنی تمام کہانی آپ کو سُنا دی ہے۔مَیں نے روشن علی سے ملاقات کی تھی۔اُس نے مجھے تمام حقیقتیں بتائیں اور مجھے شک گزرا کہ درحقیقت روشن علی کسی سازش کا شکار ہُوا ہے۔اُس بستی میں جہاں غریبوں کی کوئی آواز نہ ہو کسی خدا رسیدہ شخص کو تلاش کرنا دُنیا کا سب سے مشکل کام ہے لیکن اب جب کہ آپ مجھے مل گئے ہیں تو مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ آپ خدا سے ڈرتے ہیں تو مَیں کھُلے دل سے آپ سے ہر بات کرنے کا خواہش مند ہوں۔مُنشی صاحب! چودھری غیاث الدّین کی حویلی میں کام کرتے ہوئے آپ کو کتنا عرصہ گزرا؟"

"یوں سمجھ لو بیٹے! کہ مَیں وہیں جوان ہو کر بُوڑھا ہُوا ہوں۔"

"گویا غیاث الدّین کا نمک آپ کے لہو میں گردش کر رہا ہے۔"

"ہاں لیکن غیاث الدّین سے زیادہ مَیں اپنے اُس خدا کا شکر گزار ہوں جس نے مجھے اس دُنیا میں بھیجا۔میری زندگی کی تکمیل کی اور مجھے اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔غیاث الدّین اس کے بعد آتے ہیں۔"

"شکریہ مُنشی صاحب! روشن علی نے عدالت میں بھی یہی بیان دیا تھا جسے ٹھکرا دیا گیا اور غیاث الدّین کے تعلقات اور بستی والوں کے بیانات کے بعد اُسے صرف الزام سمجھا گیا۔روشن علی کا کہنا ہے کہ غیاث الدّین کا بیٹا امیر الدّین ایک چھُپا ہوا شکاری ہے۔وہ اپنے آپ کو ایک دیندار انسان ظاہر کرتا ہے لیکن درپردہ وہ شیطان ہے۔روشن علی کی بیوی رشیدہ کو اس نے کہیں دیکھا اور اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی۔رشیدہ نے یہ بات اپنے شوہر کو بتائی اور روشن علی اس سلسلے میں سخت ہو گیا جس کے بعد یہ حادثہ ہوا اور اسے گرفتار کرا دیا گیا۔مُنشی صاحب! آپ کا زیادہ تر واسطہ حویلی ہی سے رہتا ہے۔کیا آپ کے خیال میں روشن علی کا یہ بیان درست ہے؟"

"دراصل بیٹے! مَیں نے کبھی کوئی ایسی بات دیکھی نہیں ہے۔امیر الدّین میری آنکھوں کے سامنے ہی پروان چڑھا ہے۔اکلوتا ہونے کی وجہ سے لاڈلا ضرور تھا اور ایک عمر تک کافی اُلجھاؤ رہا ہے۔چودھری غیاث الدّین بہت سخت گیر انسان ہیں۔بیٹے سے بے پناہ پیار کے باوجود اُنھوں نے کبھی سر پر چڑھانے کی کوشش نہیں کی۔مجھے یاد ہے سترہ سال کی عمر تھی امیر الدّین کی جب وہ گھوڑے پر بیٹھ کر شکار کھیلنے کے لیے جنگل گیا تھا۔ایک ہرن مارا اُس نے لیکن بستی ہی کے ایک اور آدمی کا بیٹا شکار کھیل رہا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ ہرن کا شکار اُس نے کیا ہے۔امیر الدّین نے ان لوگوں پر گولیاں چلائیں اور اپنا شکار چھین لایا لیکن شکایت چودھری غیاث الدّین کے پاس پہنچی تو انھوں نے تحقیقات کر کے ہرن ان لوگوں کے حوالے کر دیا اور بیٹے کو کافی سرزنش کی۔"

"ہوں! مُنشی ریاض صاحب! امیر الدّین پر یہ دینداری کا غلبہ کب سے طاری ہُوا؟"

"زیادہ پُرانی بات نہیں ہے۔غالباً پانچ چھ سال ہو گئے ہیں اُس نے دفعتہً ہی اپنی تمام سرگرمیاں ترک کر دیں اور روزے نماز میں مصروف ہو گیا۔بستی کی مسجد کو اُس نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے بنوایا اور جو کمی تھی پوری کی۔اکثر نماز پڑھنے کے لیے مسجد جایا کرتا ہے۔اس کے علاوہ محفلِ میلاد اور قوالیاں وغیرہ بھی کراتا رہتا ہے۔داڑھی رکھ لی ہے اور زیادہ تر نیک کاموں میں مصروف رہتا ہے بلکہ بعض اوقات تو وہ لوگوں کی امداد کے لیے چودھری غیاث الدّین سے بھی بازی لے جاتا ہے۔کئی واقعے ایسے ہوئے ہیں

اور اس وقت سے لوگوں کے دلوں میں امیرالدین کی محبت پیدا ہو گئی ہے اور وہ اُس سے متاثر ہیں۔"

"کوئی ایسی بات منشی ریاض صاحب!... جو یہ ظاہر کرتی ہو کہ امیرالدین نے دینداری کا ڈھونگ رچایا ہے یا کوئی ایسا واقعہ جو امیرالدین کے نام سے منسوب ہو۔ میرا مطلب ہے اس کے دیندار بننے کے بعد۔" منشی ریاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"خدا کا نام لے کر گناہ کرنے والوں کو تو خدا کبھی معاف نہیں کرے گا۔ امیرالدین کے نام کے ساتھ ایسی کوئی خاص بات وابستہ نہیں ہے۔ البتہ ایک واقعہ ہے جس سے ایک بار اُسے بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔"

"ہاں وہی واقعہ بتایئے منشی صاحب!" میں نے کہا۔

"غلام داد نامی ایک شخص یہاں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے ساتھ ایک حادثہ ہُوا اور اس کا الزام امیرالدین پر لگایا گیا۔ چودھری غیاث الدین نے کسی طرح کی جانب داری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے کھلے دل سے تحقیقات کی اجازت دے دی اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ غلام داد جھوٹ بول رہا ہے تو پھر غلام داد کو اس بستی سے نکال دیا گیا۔ اس میں بستی والے بھی شریک تھے۔"

"غلام داد نے یہ الزام تراشی کیوں کی؟"

"اُس بیچارے نے نہیں بلکہ اس کی بیٹی نے کی تھی لیکن بعد میں پتا چل گیا کہ اُس نے کسی اور کا الزام امیرالدین کے سر تھوپنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد غلام داد کو بستی میں رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ویسے غلام داد بہت اچھا انسان تھا اور کسی بھی طرح اس پر کوئی شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پتا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا یا اُس کی بیٹی نے یہ الزام امیرالدین پر کیوں لگایا۔ اس کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"منشی ریاض صاحب! اگر میں صرف الفاظ میں کہوں تو شاید اپنے دلی جذبات کا صحیح اظہار نہ کر سکوں۔ آپ نے جس شرافت اور نیک نفسی سے میری رہنمائی کی ہے۔ اس کے لیے میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"نہیں میاں! تم نے ہمیں یہ سوالات کر کے شدید اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔ خدا اپنے بندوں ہی کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کی ذمہ داریاں سونپتا ہے۔ ہم تو بہت پریشان ہو گئے۔ اگر ہمارے ذریعے کچھ غلط باتیں تم تک پہنچی ہیں تو روزِ محشر ہمارا ہی گریبان پکڑا جائے گا۔ روشن علی اگر بے گناہ ہے تو صرف تم پر ہی نہیں ہم پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنا فرض پورا کریں۔ ہمیں بتاؤ میاں! اگر ہم فی سبیل اللہ کسی کام آ سکتے ہیں تو شاید دریغ نہ کریں۔ کوشش کریں گے کہ دُنیاداری بھول کر عاقبت سنواریں۔ دراصل تم نے یہ کہہ کر ہمارے دل میں ایک ناسور ڈال دیا ہے کہ روشن علی اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنی زندگی ہی میں اس کی شادی کہیں اور کرانے کا خواہش مند ہے۔ صرف اس لیے کہ اُس کے بچوں کی پرورش ہو جائے۔ اس بات نے دل کو ہلا دیا ہے۔ سُنو میاں! کس نام سے پکاریں تمھیں؟"

"شارق ہے میرا نام۔"

"شارق میاں! کچھ ذمہ داریاں ہمارے سپرد بھی کر دو۔ ہم حلفیہ کہتے ہیں کہ اگر کچھ حقائق ہمیں معلوم ہو سکے تو تمھیں ضرور بتا دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ ہماری نوکری چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے روٹیوں کا بندوبست تو کر ہی دیا ہے۔ ہمیں نوکری سے زیادہ اپنی عاقبت کی فکر ہے۔"

"منشی ریاض صاحب! روشن علی نے اپنے بیان میں آپ کا نام لیا تھا اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اس کے والد کے دوستوں میں سے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک نیک نفس انسان بھی ہیں۔ میرا خیال ہے روشن علی نے میری صحیح رہنمائی کی تھی۔ میں آپ پر ضرور یہ ذمہ داریاں ڈالوں گا۔ سُنیے! میرے دل میں دو خواہشیں ہیں نمبر ایک یہ کہ آپ اپنے طور پر امیرالدین کی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھیں اور صرف یہ جائزہ لینے کی کوشش کریں کہ وہ دُہری شخصیت کا مالک تو نہیں ہے۔ چاہے اس کے لیے آپ کو حویلی میں جاسوسی ہی کرنی پڑے۔ دوسری بات آپ کو یہ معلوم کرنی ہے کہ اُس کے اِردگرد کون کون سے افراد پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایسے لوگوں کے نام مجھے درکار ہیں جو اُس سے بہت زیادہ قریب ہوں۔"

"ایک دو نام تو ہم تمھیں دے سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص خداداد خان ہے جو اس بستی کا باشندہ نہیں ہے بلکہ کہیں اور سے آیا تھا۔ امیرالدین نے اسے اپنا دوست بنا کر اپنے ساتھ رکھا ہُوا ہے۔ یہ شخص بھی نمازی پرہیزگار ہے۔ دوسرا آدمی اسی بستی کا باشندہ ہے۔ اُس کی شخصیت تو میری نگاہ میں بھی مشکوک ہے۔ اس کا نام مراد خان ہے لیکن مُرادو کہلاتا ہے۔ کسی بھی طرح امیرالدین کے معیار کا آدمی نہیں تھا بلکہ بستی کے لفنگوں میں شمار ہوتا تھا۔ تھوڑے دن پہلے تو اس کی شخصیت بڑی قابلِ نفرت تھی لیکن اچانک ہی اس نے امیرالدین کی محفلوں میں شریک ہونا شروع کر دیا اور اب وہ امیرالدین کا دوست ہے۔ اُس نے بھی داڑھی رکھ لی ہے اور کبھی کبھی مسجد میں بھی نظر آ جاتا ہے۔ ذریعۂ معاش کچھ بھی نہیں ہے لیکن آج کل کافی عیش کر رہا

ہے۔ کہتا ہے اسے دستِ غیب میسر ہُوا ہے اور ایک وظیفے کے تحت اس نے اپنی زندگی گزارنے کی ضرورتوں کا بندوبست کر لیا ہے اور ہاں ایک بات اور بتاؤں تمھیں! کہ یہ مُرادو روشن علی کے ساتھ بھی دیکھا جاتا تھا بلکہ ایک طرح سے روشن علی کے دوستوں میں شمار ہوتا تھا لیکن روشن علی کو جب سزا ہوئی تو اس نے ذرا بھی افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ یہ بات خاص طور سے ذہن میں رکھنا۔"

"ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں منشی ریاض صاحب! براہِ کرم آپ میرا یہ کام کر دیجیے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ ایک انسان کی زندگی بچانے کے لیے آپ اپنا فرض پورا کریں گے۔"

"بس میاں! دوبارہ مجھ سے نہ کہو۔ جو کچھ بن پڑا کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔" منشی ریاض نے کہا اور اس کے بعد میں اُٹھنے لگا تو وہ بولے۔

"نہیں بیٹے! ہم دیہاتی لوگ نہ تو دولت مند ہوتے ہیں اور نہ دُنیا ساز۔ کھانے کا وقت ہونے والا ہے۔ کھانا کھا کر چلے جاتا۔"

"اس کا تکلف نہ کریں منشی صاحب! میں بالی کی سرائے میں قیام پذیر ہوں۔ وہیں کھانا کھا لوں گا۔ آپ سے میں رات کے اندھیروں ہی میں ملوں گا تاکہ آپ کی شخصیت بھی منظرِ عام پر نہ آئے۔"

"یہ میرے حق میں بہتر ہو گا بیٹے! جو کچھ کر رہا ہوں صیغۂ راز ہی میں رہے تو زیادہ اچھا ہے۔"

منشی ریاض نے کئی بار مجھ سے کھانے کے لیے کہا لیکن میں ان کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل آیا۔ اپنی اس ابتدائی کامیابی پر میں بے حد مسرور تھا۔ بہت برق رفتاری سے کام ہوا تھا اور منشی ریاض میری مدد پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اب اس سلسلے میں اور کام بھی کرنے تھے۔ بالی کی سرائے میں واپس آیا۔ رات کا کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں پڑ رہا۔ کمرہ زیادہ تکلیف دہ بھی نہیں تھا۔ کھڑکی سے ٹھنڈی ہوائیں آ رہی تھیں۔ میں ان حالات کے بارے میں سوچتے سوچتے سو گیا۔

دوسری صبح ناشتے کے بعد میں آج کے پروگرام طے کرنے لگا۔ خداداد خان تو گرفت میں آنے والوں میں سے نہیں تھا بلکہ ایک طرح سے اس کا کردار بڑا اسرار ہو گیا تھا۔ البتہ مُرادو کو تلاش کیا جا سکتا تھا۔ میرا دوسرا ہدف وہی تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ میں نے ... ایک بات اور بھی سوچی۔ وہ یہ کہ بدر شاہ کو یہاں آنے کی دعوت دے کر میں نے غلطی کی ہے۔ پہلے میرے ذہن میں کچھ اور خیالات تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ یہاں میرے لیے خطرات بھی درپیش ہو سکتے ہیں لیکن اب یہ اندازہ ہوا تھا کہ فی الحال بدر شاہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس سلسلے میں کسی کو اطلاع دینا بھی ممکن نہیں تھا۔ البتہ اگر بدر شاہ یہاں آ گیا تو اُس سے کہہ دُوں گا کہ ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت پڑی تو اُسے طلب کر لیا جائے گا۔ بدر شاہ کے قیام کے بارے میں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یا تو وہ بالی کی سرائے کا رُخ کرے گا یا پھر تھوخان کی سرائے کا اور ان دو جگہوں پر اُسے تلاش کرنا مشکل کام نہیں ہو گا۔ ویسے بھی غلام آباد کے بارے میں تھوڑا بہت اندازہ ہو چکا تھا۔ عام سی معمولی سی آبادی تھی اور یہاں ہوٹلوں وغیرہ کی عیاشی نہیں تھی۔ آج میں نے کسی سے ملاقات کرنے کی بجائے غلام آباد کے اطراف دیکھنا پسند کیا اور اپنا کاٹھ کباڑ اُٹھائے غلام آباد کے نواحی علاقوں میں گشت کرتا رہا پھر دفعتہً ہی مجھے ایک پُرانا بوسیدہ کھنڈر نظر آیا اور میرے ذہن میں وہ تمام واقعات جاگ اُٹھے، جنھیں میں فائل میں پڑھ چکا تھا۔ روشن علی کے کیس میں ان کھنڈرات کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ جہاں یہ حادثہ ہُوا تھا۔ میں دلچسپی سے کھنڈرات کی جانب بڑھ گیا۔ بستی سے بہت زیادہ دُور نہیں تھی یہ جگہ لیکن عام گزرگاہ بھی نہیں تھی۔ کھنڈرات میں گہرا سناٹا اور سکوت چھایا ہُوا تھا۔ بوسیدہ دیواریں اور بڑی بڑی محرابیں اس بات کا پتا دیتی تھیں کہ کسی زمانے میں یہ کھنڈرات کوئی شاندار حویلی ہوں گے لیکن اب تو انھیں آسیب زدہ کہا جا سکتا تھا۔ حالانکہ شاید بستی والے اُنھیں آسیب زدہ نہیں سمجھتے ہوں گے۔ یہاں باہر کی نسبت زیادہ ٹھنڈک تھی۔ میں کھنڈرات کے مختلف گوشوں میں چکراتا رہا۔ انھی میں کوئی جگہ وہ بھی ہو گی جہاں بے چاری زمرد کو قتل کیا گیا اور اس کے ساتھ وحشیانہ حرکات کی گئیں لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جسے ان واقعات کی طرف کوئی نشان کہا جا سکتا۔ کافی دیر تک میں ان کھنڈرات میں رہا اور اس کے بعد وہاں سے بھی چلا آیا۔ تھوخان کی سرائے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ٹہلتا ہوا وہاں بھی پہنچ گیا لیکن وہاں بدر شاہ کے آنے کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ پھر واپس بالی کی سرائے میں آ گیا۔ بالی نے اپنی عادت کے خلاف مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگی۔

"تصویر بنانے والے! کل دوپہر کا کھانا تم نے نہیں کھایا تھا۔ اُس کے پیسے تمھارے حساب سے کٹ گئے ہیں۔ کیا اس وقت کا کھانا کھاؤ گے؟"

"ہاں بالی بہن! کھانا کھلوا دیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد بالی خود ہی کھانا لے کر اندر آ گئی تھی۔ میں نے بڑے احترام سے کھانے کی ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی تو وہ رُک کر مجھے دیکھنے لگی تھی۔

"کسی شریف باپ کی اولاد ہو۔ تمہارے انداز میں شرافت پائی جاتی ہے۔ معاف کرنا میں ذرا بُری زبان کی ہُوں۔ کوئی بُری بات کہہ دی ہو تو دل میں خیال مت کرنا۔ دراصل یہاں زیادہ اچھے لوگ نہیں آتے۔ فضول باتیں کرتے ہیں۔ بے ایمانی کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ ایسا ہی رویّہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں ہے بالی بہن! اور آپ نے تو مجھ سے کچھ کہا بھی نہیں۔"

"پھر بھی اگر کوئی سخت بات کہہ دی ہو تو برداشت کرنا۔ بہن کہہ رہے ہو تو بڑی بہن سمجھ لینا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دو؟"

"بہت بڑی بات کہہ دی ہے بالی بہن! اتفاق سے اس دُنیا میں میری کوئی بہن نہیں ہے۔ تمھیں بہن کہہ کر ہی عجیب لگا تھا لیکن تمہارے رویّے نے ہمت نہیں ہونے دی کہ تم سے کچھ اور باتیں کی جائیں۔"

"اچھا اچھا! چلو بہن ہی سمجھ لو مجھے۔ کہاں سے آئے ہو؟"

"شہر سے آیا ہوں بالی بہن! اور جیسا کہ تم جانتی ہو تصویریں بناتا ہوں۔ یہی میرا روزگار ہے۔"

"اللہ ترقی دے۔ کچھ کام ہو رہا ہے یہاں پر؟"

"ہاں بالی بہن! اندازہ یہ ہے کہ کافی دن لگ جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔ کمرے میں اگر کوئی تکلیف ہو تو دوسرے کمرے میں آ جانا۔ اب جب بہن کہہ ہی رہے ہو اور یہ بھی کہتے ہو کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے تو پھر بالی بھی بہن بن کر ہی دکھا دے گی۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ! ویسے غلام آباد کے بارے میں میری معلومات کچھ بھی نہیں ہیں۔ آپ کو فرصت ہے یا باہر کچھ کام کر رہی ہیں؟"

"یہاں کم بخت مارے آتے ہی کتنے ہیں۔ اس وقت بھی صرف تین آدمی ہیں۔ دو تو غلام آباد کے باشندے ہیں مگر ان کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہیں سرائے میں پڑے رہتے ہیں۔ مجھ سے رعایتیں لے کر مجھے ہی کاٹتے رہتے ہیں۔ پر میں سوچتی ہوں ٹھیک ہے کچھ نہ کچھ تو آتا ہی ہے۔ تیسرے تم ہو۔ ٹھہرو میں ذرا تمہارے لیے سالن اور لے آؤں۔"

"نہیں بالی بہن! آپ جو لائی ہیں کافی ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ غلام آباد کے بارے میں میری زیادہ معلومات نہیں ہیں۔"

"غلام آباد میں کوئی ایسی چیز ہے بھی نہیں جس کے بارے میں معلومات دلچسپ ہوں۔ چودھری غیاث الدین کا علاقہ ہے۔ چودھری صاحب اچھے آدمی ہیں۔ پتھر کی طرح سخت لیکن کبھی کبھی دوسروں پر حیرت انگیز احسان کر دیتے ہیں۔ میں شہید کی بیوہ ہوں۔ غلام آباد کی حفاظت کرتے ہوئے میرے شوہر مارے گئے تھے۔ اللہ نے کوئی اولاد نہیں دی ... بس یہ جگہ میرے شوہر کی ملکیت تھی۔ میں نے سوچا کہ اسے سرائے بنا دوں۔ تب ہی سے یہاں یہ کام کر رہی ہوں۔"

"چودھری غیاث الدین کے بارے میں تو میں نے بڑی تعریفیں سُنی ہیں اور خاص طور سے ان کے بیٹے امیر الدین کے بارے میں۔" میں نے کہا اور ربالی پر نگاہیں جما دیں۔ بالی کا مُنہ بگڑ گیا تھا۔

"ارے رہنے دو۔ بس رہنے دو۔ میرا مُنہ نہ کھلواؤ۔ وہ نہیں کہنا چاہتی جو نہیں کہنا چاہیے۔ آخر مجھے بھی زندگی کے دن پورے کرنے ہیں۔"

"ایک شہید کی بیوہ کو یہ بات زیب نہیں دیتی بالی بہن! تمہاری زبان سے تو صرف سچائی پھوٹنی چاہیے۔ تمہارے شوہر نے تو اتنی بڑی بات کی ہے اور تم جان کے خوف سے اپنی زبان بند رکھتی ہو۔"

"ارے چھوڑو کیسے جان کا خوف ہے۔ میں تو سوچتی ہوں یہاں سے جاؤں گی کہاں؟ پڑی ہوں۔ کان دبا کر، آنکھیں بند کرنا ہی زیادہ اچھا ہوتا ہے بھیا! ظاہر ہے جس کی لاٹھی اُسی کی بھینس۔ کان کھلے رکھو، آنکھیں اور زبان بند رکھو۔ اسی میں فائدہ ہے۔ نہیں بھیا نہیں! اور کچھ نہیں کہوں گی تم سے۔"

"آپ کی مرضی ہے بالی بہن! ظاہر ہے آپ کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور پھر ضروری تو نہیں ہے کہ مُنہ سے صرف بہن یا بھائی کہہ کر ایک دوسرے پر اعتبار بھی کر لیا جائے۔" میں نے چوٹ کی اور بالی تلملا گئی۔

"اب اتنا زبان کا خراب سمجھ رہے ہو بالی کو۔ اتنی بے اعتباری ہے تو پھر بہن کیوں کہہ رہے ہو۔ صرف بالی کہو مجھے۔"

"نہیں بالی بہن! کہوں گا تو بہن ہی لیکن اس بات کا افسوس رہے گا کہ تمہارے دل میں کوئی بات تھی اور تم نے مجھ سے چھپائی۔"

"ارے بھیا! ضد کرو گے کیا۔ سُن کر یہ بات سُن لو امیر الدین جو ہے نا وہ اتنا اچھا نہیں ہے جتنا خود کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ اگر تمھیں اور زیادہ کچھ معلوم کرنا ہے تو جاؤ مکھنی سے جا کر مل لو۔ پتا چل جائے گا تمھیں کہ امیر الدین کیا ہے۔ مکھنی نے ایک دن ترنگ میں آ کر مجھے بتا دیا تھا۔ بس اسی دن سے دل بُرا ہوا ہے۔ لوگ خدا کا نام لے کر بھی جھوٹ بولتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو چھپا لیتے ہیں۔"

"اچھا اچھا! یہ مکھنی کون ہے؟"

"اُدھر رہتی ہے۔ وہ جو پیچھے کا باغ ہے نا۔ باغ کے بالکل پیچھے اس کا مکان بنا ہُوا ہے۔ ذرا پوچھو تو سہی اس مکھنی سے جا کر جس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، مکان کہاں سے بن گیا اور مزے کیسے کر رہی ہے۔ اپنی اولاد کے ساتھ۔ یہ سب امیر الدین کا کھیل ہے۔ جس کا چودھری غیاث الدین کو کچھ پتا نہیں ہے۔ بس بھیا! اس سے زیادہ میری زبان مت کھلواؤ۔ تمھیں خدا کا واسطہ۔ اب میں چلتی ہوں۔" بالی نے کہا اور اُٹھ کر باہر نکل گئی لیکن میرے ذہن میں ایک اور دروازہ کھل گیا تھا۔ مکھنی، مکھنی یہ کیا چیز ہے اور اس سے امیر الدین کے بارے میں مزید کیا معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

شام ہوئی تو ایک بار پھر سرائے سے باہر نکل آیا۔ مکھنی کی طرف جانے کا اس وقت کوئی موقع نہیں تھا۔ ویسے اس کی سمت کا تعین ہو چکا تھا اور بالی نے مجھے وہ راستہ بتا دیا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ بلاشبہ روشن علی کے بارے میں زیادہ چھان بین نہیں کی گئی اور چودھری غیاث الدین کے تعلقات نے پولیس کو اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ یہاں باقاعدہ تفتیش کرتی۔ جسے ملزم بتا دیا گیا۔ وہی پولیس کے ہاتھ لگا اور پھر اس کی بدنصیبی نے وہ شواہد بھی اکٹھے کر دیے۔ جن کی بنا پر اس پر جرم عائد ہو گیا۔ اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ فریب پر مبنی ہے۔ اس میں کس کا کتنا ہاتھ ہے۔ اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ مُنشی ریاض کی شخصیت کو بھی میں مشکوک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بے چارے نیک انسان تھے۔ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس گئے تو یقیناً مجھے دُکھ ہو گا لیکن اُن کا تحفظ بھی ضروری تھا۔ آج کا چونکہ وعدہ کر کے آیا تھا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں میں نے ان کے دروازے پر دستک دی۔ تو وہ گویا میرے منتظر ہی تھے۔ مُسکرا کر بولے۔

"انتظار کر رہا تھا میاں! بڑی دیر لگا دی۔"

"کوئی خاص بات مُنشی صاحب؟"

"نہیں نہیں! بس تم نے آنے کے لیے کہا تھا نا! اس لیے منتظر تھا۔ ویسے آج سے میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ حویلی کے دو حصے ہیں۔ ایک حصے میں چودھری صاحب اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ رہتے ہیں۔ دوسرا حصہ حویلی کا پُرانا حصہ کہلاتا ہے۔ اس علاقے کو کچا سیب زدہ کہا جاتا ہے لیکن پاس کے آس پاس حویلی میں کام کرنے والوں کے چھوٹے چھوٹے مکانات بنا دیے گئے ہیں۔ وہ لوگ وہاں رہتے ہیں۔ حویلی کا پُرانا حصہ جُوں کا توں ہے۔ بہت مضبوط ہے اور اکثر وہاں امیر الدین کو دیکھا جاتا ہے جو عبادت اور چلّہ کشی میں مصروف رہتا ہے۔ آج میں خاص طور سے اس طرف گیا تھا۔ امیر الدین وہاں موجود نہیں تھا۔ چنانچہ تمہارے کہنے کے مطابق میں نے وہاں جاسوسی کر ڈالی۔ اندر سے کافی آراستہ جگہ ہے لیکن مجھے وہاں کوئی خاص چیز نہیں ملی۔ بس آج اتنا ہی کر سکا لیکن تم فکر مت کرو۔ کچھ نہ کچھ کر ہی ڈالوں گا مجھے یقین ہے۔"

"میں آپ کو زیادہ پریشان نہیں کروں گا مُنشی صاحب! تاکہ آپ کسی کی نگاہوں میں مشکوک نہ ہوں۔ اب میں پرسوں آپ کے پاس آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے موقع بھی مل جائے گا۔ ویسے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب امیر الدین کی اس رہائش گاہ کی تلاشی بھی لوں۔ دیکھوں گا کہ وہ وہاں کیا کرتا ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک! ویسے پُرانی حویلی کا کوئی دوسرا راستہ بھی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں ایک عقبی راستہ ہے۔ پہلے اُسے اینٹوں سے چُن کر بند کر دیا گیا تھا لیکن امیر الدین نے وہاں جب سے اپنی عبادت گاہ بنائی ہے وہ راستہ کھلوا لیا ہے۔"

"گُڈ! ویری گُڈ! یہ اچھی بات ہے۔"

"کیوں! کیا تم وہاں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"نہیں مُنشی صاحب! ابھی نہیں۔ پہلے کسی ایسی بات کا پتا چل جائے جس سے امیر الدین مشکوک قرار پائے۔ درحقیقت میں روشن علی کے بیان کے مطابق یہ ساری کارروائی کر رہا ہوں اور امیر الدین اگر اس سلسلے میں کوئی مشکوک شخصیت ثابت ہوتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اگر یہ جُرم روشن علی ہی نے کیا ہے تو بھلا مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ ایک مجرم کی مدد کروں۔"

"ٹھیک ہے میاں! سچائیوں کے راستے تلاش کرو۔ خدا تمھیں منزل دکھائے۔ ویسے آج میں تمھیں کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گا۔ میں نے تمہارے لیے کچھ چیزیں تیار کروائی ہیں۔ کم از کم اتنا تو رتبہ دو مجھے۔"

"بہت بہتر جیسا آپ پسند کریں۔"

منشی ریاض کے ہاں کھانا کھانے کے بعد میں واپس بالی کی سرائے میں پہنچ گیا اور ربالی سے کھانے کے لیے منع کر کے اپنے کمرے میں جا لیٹا۔ نجانے کیا کیا خیالات ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ نجانے کیا کیا تصورات آ رہے تھے۔ اب تک جو کارروائی ہوئی تھی۔ وہ تو غیر تسلی بخش نہیں تھی حالانکہ ابھی کوئی ٹھوس قدم نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ تاہم میں ناامید نہیں تھا۔ سوچتے سوچتے دفعتہً ایک اور خیال ذہن میں آیا اور اس طوفانی انداز میں آیا کہ میں اُٹھ کر اپنے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ بلاشبہ یہ ایک شاندار ترکیب تھی۔

ایک شاندار تجویز جو اتفاقیہ طور پر ہی ذہن میں آئی تھی اگر ایسا ہو جائے تو لطف ہی آ جائے بلکہ صحیح معنوں میں حقیقت معلوم ہو جائے۔ میں نجانے کب تک اپنے اس منصوبے پر غور کرتا رہا۔ میں نے سوچا تھا کہ امیرالدین کو متوجہ کرنے کے لیے اگر کوئی خوبصورت لڑکی یہاں آ جائے تو میرے کام میں آسانی ہو سکتی ہے لیکن میرے حلقۂ اثر میں ایسی کون لڑکی تھی، جو دلیرانہ طور پر اس مقصد کی تکمیل کے لیے میرا ساتھ دے اور میرے ذہن میں ایک نام اُبھر آیا تھا۔ روزی۔ وہ لڑکی جو ایاز شاہد کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھی اور جس نے میری مدد کی تھی۔ وہ مجھ سے متاثر بھی تھی۔ جونی اب انسان بن گیا تھا۔ گو ان واقعات کے بعد میری اُن لوگوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن اتنا اندازہ مجھے ہو چکا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور اگر میں اپنا ایک مسئلہ اُن کے سامنے پیش کر دوں۔ تو ممکن ہے، وہ میری امداد پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ خیال اس طرح ذہن میں جڑ پکڑ گیا کہ میں اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا۔ سوال یہ تھا کہ روزی سے بات کس طرح کی جائے، یا تو میں واپس جاؤں اور دوبارہ روزی کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آؤں۔ یا پھر۔۔ یا پھر۔۔؟ لیکن کوئی فیصلہ ابھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس منصوبے کو اپنے ذہن میں رکھ لیا۔ اب دل میں صرف دو خواہشات تھیں۔ نمبر ایک یہ کہ مُراد کو پکڑ لوں۔ دوسری یہ کہ مکھنی کو تلاش کر لوں۔ پہلے یہ دونوں کام کر لیے جائیں اس کے بعد روزی کے منصوبے پر غور کیا جائے گا لیکن دوسری صبح میری یہ مشکل خود بخود حل ہو گئی۔ بالی کی سرائے میں تین مسافروں کا اضافہ ہوا تھا، جو صبح ہی صبح یہاں پہنچے تھے۔ بالی نے صبح کا ناشتا مجھے دیتے ہوئے اُن کے بارے میں بتایا۔

"بھیا! مجھے تو یہ لفنگے لگتے ہیں۔ تینوں ہی خطرناک صورتوں کے مالک ہیں اور ان کا انداز بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ سوچ رہی ہوں کہ جا کر چودھری غیاث الدین کو ان کے بارے میں اطلاع دے دوں۔ ڈاکو وکو ہوئے تو کیا ہو گا؟" میرا ذہن فوراً ہی بدر شاہ کی طرف گیا تھا۔ میں نے بالی سے کہا کہ وہ فکر نہ کرے۔ میں اُنھیں یہاں سے نکال دُوں گا۔

"ارے نہیں بھیا! کیوں مصیبت مُول لے رہے ہو میرے لیے نہیں نہیں! تمھیں ایسا کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا معاملہ ہے خود ہی نمٹ لوں گی۔ چودھری صاحب ہی اس سلسلے میں صحیح مدد کر سکتے ہیں۔ میں تمھیں بالکل اس کی اجازت نہیں دُوں گی۔" میں نے آنے والے مہمانوں کو دیکھا۔ سب سے پہلے بدر شاہ ہی سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے ایک آنکھ بند کر کے اسے خاموش رہنے کے لیے کہا اور بالی کے سامنے ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔

"محترم دوست! میں تمھیں یہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میری بہن بالی کا خیال ہے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو اور اگر میری بہن یہ چاہتی ہے کہ تم یہاں نہ ہو تو پھر تم یہاں نہیں رہ سکتے۔ آؤ میں تم سے تنہائی میں کچھ بات چیت کروں گا۔" بدر شاہ تیار ہو گیا۔ میں اُسے لیے ہوئے سرائے کے ایک گوشے میں پہنچ گیا تھا۔

"سوری بدر شاہ! تم نے یہاں تک آنے کی زحمت کی ہے۔ لیکن میرا منصوبہ کچھ بدل گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں شارق بھائی!" بدر شاہ نے کہا۔

"دراصل بدر شاہ پہلے میں نے یہ سوچا تھا کہ ممکن ہے یہاں آنے کے بعد میرے کچھ دُشمن پیدا ہو جائیں اور مجھے ان سے نمٹنا پڑے لیکن بظاہر یوں لگتا ہے کہ ابھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنے منصوبے میں تھوڑی سی تبدیلی کر لو، جب تک مجھے یہاں تمھاری ضرورت نہیں ہے، تمھارا وقت ضائع کرنا بے مقصد ہو گا۔ صرف ایک آدمی کو یہاں چھوڑ دو۔ باقی تم اور تمھارا دوسرا ساتھی یہاں سے واپس چلے جاؤ۔ اپنے اس ساتھی کو ایک دوسری سرائے میں منتقل کر دو، اگر کوئی ضرورت ہوئی تو میں اُسے تمھارے پاس بھیج کر اطلاع کرا دوں گا۔ موجودہ حالات کے تحت یہی ضروری ہے۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق بھائی! ابھی تھوڑی دیر کے بعد چلے جائیں گے ہم لوگ لیکن کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہاں آنے کے بعد کامیابی کی کوئی صورت نظر آئی ہے؟"

"بدر شاہ یوں سمجھ لو کہ جب میں یہاں سے واپس آؤں گا تو مجرم کو اپنے ساتھ لے کر آؤں گا۔ میں کوئی دعویٰ نہیں کر رہا لیکن روشن علی کو مصیبت میں پھنسانے والے میرے ان ہاتھوں سے اپنی گردن نہیں بچا سکیں گے اور یہ وقت بالکل قریب آنے والا ہے، ہاں بدر شاہ تمھیں میرا ایک کام اور بھی کرنا ہے۔ میں فاروقی صاحب کے نام ایک پرچا لکھ کر تمھیں دے رہا ہوں، یہ ان تک پہنچا دینا اور ان سے کہنا کہ اس کا جواب دے کر کسی ذریعے سے فوراً مجھے اطلاع دے دیں میرے بارے میں تم انھیں تفصیلات تو بتا ہی دو گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں بدر شاہ کہ تمھیں یہاں آنے کی تکلیف دی اور اس کے فوراً بعد ہی واپس جانے پر مجبور کر رہا ہوں۔"

"غیریت کی باتیں کیوں کر رہے ہو شارق بھائی! ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اب ایک سلسلے میں کام ہو رہا ہے تو حالات کی جو بھی ضرورت ہو، اس میں کسی کی تکلیف کا کیا سوال ہے۔ تم جو گھر بار چھوڑ کر خوار ہو رہے ہو، وہ کس حساب میں ہے؟"

"ٹھیک ہے بدر شاہ! بس اب تم اپنے کمرے میں آرام کرو اور اس بات کا اطمینان رکھو کہ یہاں اب تک جو کارروائی میں کر چکا ہوں وہ کامیاب ہے۔"

"بہت خوب، بہت خوشی ہوئی یہ سُن کر، میں بس تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ ہاں وہ پرچا تم مجھے دے دینا۔"

بدر شاہ کو کمرے میں بھیج کر میں بالی کے پاس آ گیا۔ بے چاری پریشان تھی۔ مجھے دیکھ کر جلدی سے کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"کیا رہا؟"

"کچھ نہیں۔ وہ لوگ تو ویسے بھی یہاں چند گھنٹوں کے لیے آئے تھے اور اب یہاں سے جا رہے ہیں۔ وہ آدمی اتنا بُرا نہیں ہے جتنا صورت سے نظر آ رہا تھا۔" بالی نے اطمینان کی سانس لی اور میں اپنے کمرے میں جا کر فاروقی صاحب کے نام خط لکھنے لگا جس میں میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ روزی کو مختصراً صورتِ حال بتا کر یہاں روانہ کر دیا جائے۔ وہ کسی ایڈورٹائزمنٹ کمپنی کی کمرشل آرٹسٹ کی حیثیت سے یہاں آئے اور بالی کی سرائے نامی جگہ میں مجھے تلاش کر لے مجھے اس سے کام ہے۔ میں نے فاروقی صاحب کو یہ بھی لکھا تھا کہ وہ میری اس عجیب و غریب خواہش پر حیران نہ ہوں۔ روزی اگر اس سلسلے میں تیار نہ ہو تو مجبوری ہے، مجھے اس کی اطلاع بدر شاہ کے کسی آدمی کے ذریعے پہنچا دی جائے اور اگر روزی آنا پسند کرے تو پھر اسے شکریے کے ساتھ یہاں روانہ کر دیا جائے۔"

وہ پرچا میں نے بدر شاہ کو دے دیا اور دوپہر کو بدر شاہ کھانا کھانے کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ وہ شخص جسے یہاں چھوڑا جانے والا تھا، نقو خان کی سرائے میں منتقل ہو گیا۔ اس طرح بدر شاہ کا معاملہ بھی تکمیل تک پہنچ گیا تھا اور میں مطمئن تھا کہ میرا کام اطمینان سے جاری ہے۔

چنانچہ اب میری توجہ مکھنی کی طرف ہوئی۔ خواہش تو یہ تھی کہ جلد از جلد سارے کام مکمل کرنے کے بعد روشن علی کے کیس کو از سر نو عدالت تک لے جاؤں لیکن اپنے کام کی تکمیل ہی میرے لیے ضروری تھی، بالی سے بہت اچھے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ ہر چند کہ میں بہت سے لوگوں کو اپنا راز دار نہیں بنانا چاہتا تھا۔۔ لیکن بہر حال چند افراد کی تو ضرورت تھی جو میرے کام میں میرے معاون ہوں۔ تاہم ابھی بالی ان میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ کسی بھی جگہ کام کرنے کے لیے میری یہ ادھوری تصویریں میری معاون تھیں۔ مصوری کا کام ہی ایسا ہے کہ کسی بھی جگہ کوئی لوکیشن پسند آئے کام شروع کر دیا جائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری کسی بھی ادھوری تصویر میں وہ لوکیشن نظر نہیں آ سکتی تھی لیکن سہارا ہی کافی تھا، چنانچہ میں اپنا تھیلا اور دوسری چیزیں کندھے پر لادے شام کے پانچ بجے بالی کی سرائے سے باہر نکل آیا۔ چلتے ہوئے میں نے بالی سے مکھنی کے بارے میں پھر تفصیلات پوچھی تھیں اور بالی نے مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ آخر میں اُدھر ہی جانا کیوں چاہتا ہوں، یا مکھنی سے مجھے کیا دلچسپی ہے؟ جواب میں میں نے اُسے ٹال دیا تھا۔ بالی بھی اسی قسم کی عورت تھی کہ کسی بھی مسئلے کی گہرائیوں میں جانے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

میں بڑے اطمینان سے سفر کرتا رہا۔ غلام آباد کے اس حصے سے پہلی بار گزر ہوا تھا۔ اس طرف کا علاقہ دوسرے حصوں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ بالآخر میں باغوں کے اس سلسلے کے قریب پہنچ گیا جو دُور تک چلا گیا تھا۔ بالی نے اس کے بارے میں مجھے بتایا تھا۔ کناروں کا پانی پھلانگ کر میں ایک باغ میں داخل ہو گیا۔ یہاں انتہائی نفیس قسم کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، جو پکی ہوئی خوبانیوں کی خوشبو تھی، دوسری جانب سیب اور سنگتروں کے درخت تھے۔ پھل تھے کہ لدے ہوئے تھے۔ آموں کا موسم نہیں تھا ورنہ مجھے روشن علی نے بتایا تھا کہ چودھری غیاث الدین کے آموں کے باغ مُلک بھر میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور سب کے سب باہر جاتے ہیں یقیناً انھیں ایکسپورٹ کرنے کے لیے چودھری غیاث الدین نے باقاعدہ انتظامات کر رکھے ہوں گے۔ دوسرے پھل بھی سب کے سب یہاں استعمال نہیں ہوتے ہوں گے۔ بلکہ بیرونی منڈیوں تک بھی جاتے ہوں گے۔ باغوں کے اس سلسلے کو عبور کر کے جب میں اس کے عقب میں پہنچا تو میں نے وہ جگہ دیکھی جو ایک مکان کی شکل میں تھی، لیکن باہر سے یہ مکان بوسیدہ ہی نظر آتا تھا۔ ابھی میں پانی کی باڑھ کو پھلانگ بھی نہیں سکا تھا کہ دفعتہً اُدھر سے ایک آواز ہوئی اور ایک درخت سے ایک قوی ہیکل آدمی نیچے کود پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں انتہائی خوفناک گنڈاسہ دبا ہوا تھا۔ بدن بھی چوڑا چکلا اور ورزشی معلوم ہوتا تھا۔ چہرہ کالا توا، کالی ہی داڑھی اور بڑی بڑی ناتراشیدہ مونچھیں جو اس کے ہونٹوں پر لٹکی ہوئی تھیں۔ آنکھیں بڑی بڑی کشادہ اور روشن تھیں لیکن ان میں خون کی سُرخی جھلک رہی تھی۔ گنڈاسے کو اس طرح ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا جیسے میرے مدِ مقابل آنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں چونک کر سیدھا ہو گیا اور میں نے جلدی سے اپنا اسٹینڈ نیچے رکھ دیا اور بقیہ سامان کا تھیلا اُس پر لٹکا دیا، پھر میں نے انتہائی لجاجت سے کہا۔

"بھائی صاحب معافی چاہتا ہوں۔ پردیسی ہوں اگر یہاں

آنا آپ کو ناگوار گزرا ہو تو واپس چلا جاؤں گا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ میرے یہاں آنے سے ناراض ہوگئے ہیں۔"

لیکن بھائی صاحب! نے میرے اس لجاجت بھرے لہجے پر کوئی توجہ نہیں دی اور گنڈاسہ پوری قوت سے میرے سر پر گھما دیا۔ حقیقت یہی تھی کہ اگر میں اچھل کر پیچھے نہ ہٹ جاتا تو یہ گنڈاسہ میرے سر کو پھاڑ دیتا۔ بھائی صاحب نے اسی پر اکتفا نہ کی، میں نے ہاتھ آگے کرکے ایک بار پھر اسے روکنے کی کوشش کی۔ یہ قوی ہیکل بدن میرے بس کی چیز نہیں تھا لیکن گنڈاسہ بردار وحشیانہ انداز میں مجھ پر پے در پے حملے کرنے لگا۔ اس کی چوڑی کلائی کم از کم تین انچ چوڑی تھی اور اس پر لمبے لمبے بال نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر وحشت اور خباثت بکھری ہوئی تھی۔ چار پانچ وار کرنے کے بعد وہ رکا اور پھر پینترے بدلنے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ اب مجھے کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہو پھر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور میں نے استاد جمونے کا نام لے کر جوابی چھلانگ بھی لگادی۔ گنڈاسہ میرے پیروں کے نیچے سے نکل گیا تھا۔ اور میری الٹی لات اس کی گُدّی پر پڑی تھی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کوئی سیدھا بلندی سے نیچے گر پڑا ہو، وہ دھپ سے نیچے گرا تھا۔ گنڈاسہ اگر اس کے بدن کے نیچے دب جاتا تو شاید اسے ہی ہلاک کر دیتا لیکن اس کے ہاتھ پھیل گئے تھے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھرتی سے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن اب سب کچھ بے کار تھا۔ التجا بھرے لہجے کو تو اس نے سنا ہی نہیں تھا، چنانچہ ضروری تھا کہ میں بھی ہاتھ پاؤں کا استعمال کروں۔ وہ اٹھا تو میری لات اس کی کمر پر پڑی اور ایک بار پھر وہی دھپ کی آواز سنائی دی۔ میں نے اب یہ سمجھ لیا تھا کہ اس پر میری کوئی التجا اثر انداز نہیں ہوگی۔ اس سے بچنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ اس کا حساب کتاب صحیح کر دیا جائے، چنانچہ اس بار جیسے ہی وہ کھڑا ہوا تھا نیچے زمین پر لیٹ گیا اور میں نے دونوں ٹانگیں اس کی ٹانگوں میں پھنسا کر زور سے قلابازی کھائی اور اسے اپنی لپیٹ میں لے کر نیچے آرہا، پھر اس کی گُدّی پر پڑنے والے گھونسے نے اس کے ہوش و حواس رخصت کر دیے اور وہ اوندھا ہی پڑے پڑے ساکت ہوگیا۔ میں کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ دیہاتی لباس میں ملبوس تھا۔ شاید ان باغوں کا محافظ، لیکن اگر وہ ان باغوں کا محافظ تھا تو باغوں میں گھس آنے والے کسی اجنبی کو قتل کرنے کی اجازت تو اسے حاصل نہیں ہوگی، یا تو وہ دیوانہ تھا یا پھر اسے یہ ہدایات دے دی گئی تھیں کہ ادھر کا رخ کرنے والے کسی شخص کو زندہ نہ چھوڑا جائے اگر ایسی بات تھی تو کیوں؟ گھونسا بلاشبہ ضرب کاری تھا لیکن اس بات کے امکانات بھی تھے کہ اسے ہوش آجائے۔ اب دو ہی باتیں تھیں، یا تو اپنا بوریا بستر لے کر یہاں سے بھاگ نکلوں، یا پھر یہاں تک آ گیا ہوں تو اس مکان کی تلاشی بھی لے ڈالوں۔

چڑیوں کی چہچہاہٹ فضا میں گونج رہی تھی، شام کے اندھیرے زمین پر مسلط ہونے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ روشنی مقدور بھر جدوجہد کر رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر اپنا بوریا بستر اٹھایا اور مکان کی جانب بڑھ گیا۔ تمام خدشات سے میں نے اپنے آپ کو بے نیاز کر لیا تھا۔ باغوں کا رکھوالا اگر ایک بار پھر ہوش میں آ گیا اور اس نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو اس بار اسے ٹھیک ٹھاک مزہ چکھا دوں گا۔ ویسے اس سے جنگ کرکے آج مجھے خود پر کافی اعتماد ہوا تھا۔ یعنی اگر میں استاد جمونے کی سکھائے ہوئے فن سے کام لوں تو اپنے مدِ مقابل کو زیر کر سکتا ہوں، وگرنہ باغوں کا یہ رکھوالا کافی طاقتور اور پھرتیلا تھا۔ ابھی میں مکان کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ بطخوں کی قیں قیں کی آوازوں کے ساتھ ایک شیریں لہجہ سنائی دیا۔ کوئی گیت گنگنایا جا رہا تھا، جس کے بول میری سمجھ میں نہ آسکے لیکن میری نگاہیں اس کی سمت اٹھ گئیں۔

مکان کے داہنی سمت درختوں کے درمیان گھرا ہوا پانی کا ایک چشمہ تھا جو شاید قدرتی ہی تھا، یا پھر اس جگہ جھیل بنائی گئی تھی۔ پانی کی نمی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ بطخوں کی آوازیں بھی اسی سمت سے آ رہی تھیں اور غالباً وہ گنگناہٹ کی آواز بھی۔ میں نے اپنے آپ کو نمایاں کرنا ضروری نہیں سمجھا اور دبے پاؤں اس طرف چل پڑا، اگر یہ آواز کھنی کی تھی تو پھر بالی کا یہ کہنا غلط تھا کہ وہ کوئی عمر رسیدہ عورت ہے اور اگر نہیں تو پھر یہ خاتون کون ہیں، جو نہایت شیریں آواز میں گنگنا رہی ہیں۔

میں نے درختوں کی اوٹ میں پہنچ کر دیکھا تو میری پلکیں خود بخود جھک گئیں۔ وہ پانی سے باہر نکل رہی تھی اور نغمہ اس کے ہونٹوں سے مسلسل جاری تھا۔ لہجہ انتہائی صاف اور شستہ تھا لیکن چونکہ غسل کرکے نکلی تھی، اس لیے اس کی طرف دیکھتے رہنا اخلاقی آداب کے خلاف تھا۔ میں اس کے لیے متجسس ضرور تھا لیکن اخلاقی قدروں کو نظر انداز کرنا اس تنہائی میں بھی جائز نہیں سمجھتا تھا۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے۔ نغمے کے بول مسلسل یہ احساس دلا رہے تھے کہ وہ وہاں موجود ہے۔ چند لمحات کے بعد جب میں نے اس کی جانب نگاہ کی تو حیران رہ گیا۔ مخصوص قسم کی لنگی اور چولی میں ملبوس وہ دیہاتی دوشیزہ نظر آ رہی تھی ہرچند کہ تاریکی اس قدر پھیل گئی تھی کہ اس کے خدوخال نظر نہیں آ رہے

تھے لیکن اس کے باوجود یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہو رہی تھی کہ خاصی خوبصورت اور نوجوان لڑکی ہے۔ نجانے کون تھی۔ دفعتہً میرے ہاتھ سے اسٹینڈ چھوٹ گیا اور اس کے گرنے کی خاصی آواز ہوئی۔ میں بادلِ نخواستہ جھک کر اپنا اسٹینڈ اٹھانے لگا اور وہ میرے سر پر پہنچ گئی اور اب میں نے اسے قریب سے دیکھا اور اس نے مجھے۔ دوسرے لمحے وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"کک، کون ہو تم؟" اس نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

لیکن میرے منہ سے کوئی جواب نہ نکل سکا۔

"میں پوچھتی ہوں کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ دیہاتی لباس میں ضرور ملبوس ہے لیکن کم از کم دیہاتی نہیں ہے۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ شاید مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا!"

اس نے تعجب سے اوپر سے نیچے تک مجھے دیکھا، اور پھر شانے ہلا کر بولی: "مگر تم آ کیسے گئے یہاں؟"

"کیوں یہاں آنے میں کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"غلام آباد کے باشندے ہو یا کہیں باہر سے آئے ہو؟" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"میں جو کوئی بھی ہوں، مگر میرے خیال میں آپ حیرت انگیز ہیں، آپ کے بدن پر لباس تو دیہاتیوں کا سا ہے، زبان آپ شہریوں کی مانند استعمال کر رہی ہیں، لیکن الفاظ نہایت جاہلانہ ہیں۔"

"اوہو، بقراط بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ زندگی چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ۔ اس طرف تمھیں موت کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔" لڑکی نے کہا۔

"کیا یہاں سامری جادوگر رہتا ہے اور تم کوہ قاف کی پری ہو یا ملکِ یمن کی گُل لالہ، جسے سامری جادوگر مکھی بنا کر یہاں لے آیا تھا اور اس کے بعد اس نے تمھیں یہاں رکھا ہوا ہے۔"

"لطیفہ گو بننے کی کوشش کر رہے ہو، تمھاری مرضی۔ شاید... سلطانو نے تمھیں دیکھا نہیں، ورنہ تمام حساب کتاب برابر کر دیتا۔"

"سلطانو، یہ کون صاحب ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اوہ وہ دیکھو۔ وہ آ رہا ہے۔" لڑکی نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ گو تاریکی چھا گئی تھی لیکن مجھے تاریکی میں بھی کوئی متحرک نظر نہیں آیا، تو میں نے پلٹ کر اسے دیکھا، لیکن اب تو لڑکی بھی وہاں نہیں تھی۔

میں بُری طرح چونک پڑا۔ یقیناً کوئی نہیں آ رہا تھا بلکہ اس نے چھپنے کی کوشش کرنے کے لیے یہ حرکت کی تھی، میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

"سنو تم جو کوئی بھی ہو، کم از کم اتنا میں جانتا ہوں کہ تعلیم یافتہ اور شہری لڑکی ہو، براہِ کرم مجھے کچھ تو اپنے بارے میں بتاؤ، تمھارا کیا خیال ہے۔ کیا میں تمھیں تلاش نہیں کر پاؤں گا؟" میں نے کہا اور پھر اس کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا، لیکن اطراف میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی اور کسی ذی روح کا کوئی پتا نہیں تھا۔ توہم پرست تو تھا نہیں میں کہ اسے کوئی چھلاوہ یا چڑیل سمجھتا، سو فیصد انسان تھی اور اس کی یہاں موجودگی میرے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات پیدا کر رہی تھی۔ میں چشمے کے قریب پہنچ گیا۔ درحقیقت ٹھنڈے اور لطیف پانی کا چشمہ تھا، جو ایک ٹیلے سے پھوٹا تھا۔ ٹیلوں کا یہ سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ بہرطور لڑکی کی تلاش میں ناکام ہی رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اب وہ یہاں موجود نہ ہو لیکن جس برق رفتاری سے وہ غائب ہوئی تھی، یہ بات حیران کن تھی۔ تب میرا رخ اس مکان کی جانب ہو گیا، ذہن میں اس دیوقامت شخص کا خیال بھی تھا اور میں ہوشیار رہنا چاہتا تھا۔ لڑکی نے اس کا نام سلطانو لیا تھا۔ بہرطور چند لمحات کے بعد میں مکان کے قریب پہنچ گیا، مکان میں روشنی نظر آ رہی تھی جو بجلی کی نہیں تھی، غالباً شمع روشن تھی یا پھر لالٹین وغیرہ۔

چند لمحات رک کر سوچتا رہا کہ داخلے کے لیے کیا کیا جائے۔ آیا شریف آدمیوں کی مانند دروازے پر دستک دے کر اندر جاؤں یا پھر... لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ میرے ہاتھ میں دبا ہوا اسٹینڈ دروازے سے ٹکرایا اور خاصی تیز آواز پیدا ہوئی جس کے نتیجے میں چند لمحات کے بعد دوسری طرف سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے دروازہ کھول دیا۔

پیلے رنگ کی ساڑھی میں ملبوس ایک درمیانی عمر کی عورت تھی۔ ماتھے پر سیندور لگی ہوئی تھی اور رنگ بھی اچھا خاصا تھا، کسی زمانے میں دلکش ہوگی لیکن اب صرف عمر رفتہ کی یادگار تھی۔ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر مخصوص انداز میں مسکرا دی۔

"کہو بابو، کیا چاہیے؟"

"کھنی ہو تم؟" میں نے سوال کیا۔

"جو کچھ بھی جی چاہے سمجھ لو، یہاں کیسے آ گئے؟" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے، جو پانی میں نہا رہی تھی؟"

"ہائے ہمیں ہی سمجھ لو، ہم کسی سے کم ایں کیا؟" اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چوکھٹ پکڑتے ہوئے کہا، میں ہڑبڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا پھر میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"دروازے پر سے ہٹو، میں تمھارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"پولیس والے ہو۔ بندوق رکھ دو ہمارے سینے پر دھائیں سے گولی داغ دو اور پھر اندر چلے جاؤ۔ یا پھر مسکراتے ہوئے اندر آؤ، ہم تمھارا راستہ نہیں روکیں گے۔" اُس کے لہجے سے ایسی بے حیائی ٹپک رہی تھی کہ مجھے شرمندگی سی ہونے لگی۔ میں نے خود کو سنبھالا اور پھر ڈپٹ کر بولا۔

"وہ اسی طرف آئی ہے، کیا سمجھیں؟"

"کوئے بھاگی ہے تمھارا، کون ہے، ارے کہیں تم نے کوئی پچھل پیری تو نہیں دیکھ لی۔ ان جنگلوں میں چڑیلیں بہت رہتی ہیں بابو، شہر کے لگتے ہو، ادھر کیسے آ گئے؟"

"کیا تم مجھے تلاشی کی اجازت نہیں دو گی؟"

"ہم تو تمھیں ہر طرح کی اجازت دیتے ہیں بابو۔ تم خود ہی دروازے پر کھڑے ہو، جیسے ہمیں ہی پچھل پیری سمجھ رہے ہو، دیکھو ہمارے پاؤں، سامنے ہی کی طرف ہیں۔" اُس نے پاؤں پر سے ساڑی اُٹھا دی لیکن قابلِ اعتراض حد تک، میں نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اگر یہی عورت مکھنی ہے تو بڑی گھناؤنی ہے اس سے تو گفتگو کرنا ہی محال ہے یا پھر یہ اداکاری کر رہی ہے۔ ایک لمحے کے لیے ذہن سے کراہت کا تصور دُور کر کے میں نے دل میں سوچا کہ ممکن ہے کہ اس کی حرکتیں کسی منصوبے کے تحت ہوں چنانچہ اس وقت اسے بے وقوف بنانا بڑا کام ہو گا، میں دو قدم آگے بڑھا اور اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"ہوں، تو تم مجھے اندر آنے کی دعوت دے رہی ہو؟"

"ہم کیا دے رہے ہیں بابو، تم خود ہی یہاں تک پہنچے ہو، آ گئے ہو تو آ جاؤ، ہم بھی اکیلے پڑے پڑے گھبرا جاتے ہیں۔" وہ دروازے سے پیچھے ہٹ گئی اور میں ہمت کر کے اندر داخل ہو گیا۔

بڑا سا صحن تھا جس میں دو تین درخت لگے ہوئے تھے۔ درختوں کے نیچے تخت بچھے ہوئے تھے، سامنے دالان تھا، جس کے تین طرف کمرے بنے ہوئے تھے سامنے کے کمرے کے دروازے سے روشنی چھن رہی تھی۔ میں دالان میں پہنچا تو وہ بالکل میرے قریب آ گئی اور بولی۔

"اس کمرے میں آ جاؤ۔ آؤ اندر آؤ۔"

"پیچھے ہٹو، کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے تم نے؟"

"وہی حرکت کی نا۔ ارے میں کہتی ہوں عمر اگر تھوڑی سی آگے بڑھ جائے تو عورت پختہ ہو جاتی ہے، تم لڑکے لوگ آخر یہ بات کیوں نہیں سمجھتے۔ آؤ اندر آؤ۔" اُس نے میرا بازو پکڑ کر زور سے کمرے کی جانب دھکیلا اور میں کمرے میں داخل ہو گیا لیکن اس کے بعد وہ کیا حرکت کرے گی اُس کا مجھے تصور بھی نہیں تھا۔ جیسے ہی میں کمرے میں پہنچا اُس نے برق رفتاری سے دروازہ باہر سے کھینچا اور اُس کی زنجیر چڑھا دی۔ گویا اب میں کمرے میں قید ہو گیا تھا۔ ایک لمحے میں ساری صورتِ حال واضح ہو گئی، وہ دیو قامت جس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی، چشمے میں نہانے والی لڑکی جو غائب ہو گئی تھی اور پھر یہ عورت جس نے بڑی کامیابی سے مجھے بے وقوف بنا دیا تھا... اب کیا ہو گا۔ واقعات بڑی تیزی سے میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ اس کمرے میں قید رہنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ داخلی دروازہ ایک ہی تھا۔ دیوار میں بلندی پر دو روشندان تھے۔ میری نگاہ اُن روشندانوں پر جم گئی۔ ایک نگاہ ہی میں اندازہ ہو گیا تھا کہ روشندان کام کی چیز ہیں۔ اتنے کشادہ کہ ان سے بہ آسانی نکلا جا سکتا تھا لیکن اُن تک پہنچا کیسے جائے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کمرے میں بان سے بنی ایک چارپائی کھڑی تھی۔ اُسے اُٹھا کر میں نے روشندان کے نیچے رکھا اور پھر جوتے اُتار کر جیب میں ٹھونسے، اُس کے بعد بدن سمیٹ کر میں چارپائی پر چڑھ گیا۔ ہاتھ روشندان تک پہنچ گئے اور میں نے اُس کے کنارے پکڑ لیے پھر بدن کو احتیاط سے اُوپر اُٹھایا اور روشندان میں داخل ہو گیا۔ روشندان تنگ ثابت ہوا تھا اور اُس میں گھستے ہوئے شانے چھل گئے تھے پھر بھی کسی نہ کسی طرح آدھا بدن دوسری طرف نکال لیا۔ اوپر ایک درخت کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک موٹی شاخ پکڑ لی اور بدن کو روشندان سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا ابھی پوری طرح نکل بھی نہیں پایا تھا کہ دفعتہً دروازے پر آہٹیں ہونے لگیں غالباً دروازہ کھولا جا رہا تھا۔

میں برق رفتاری سے روشن دان عبور کر کے چھت پر پہنچ گیا لیکن فوراً ہی فرار ہونے کی کوشش کرنے کی بجائے کمرے میں آنے والوں کا جائزہ لینے کے لیے روشن دان سے آنکھ لگا کر بیٹھ گیا۔ آنے والی مکھنی ہی تھی اور اُس کے پیچھے وہی دیو قامت شخص نظر آیا تھا جسے میں نے بے ہوش کر دیا تھا۔ مکھنی نے اندر داخل ہوتے ہی حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"ہائے رام کہاں چلا گیا پاپی۔" دیو قامت شخص مکھنی کے پیچھے کھڑا گردن جھٹک رہا تھا اور مکھنی پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہی تھی پھر اُس کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا۔ روشن دان کے قریب کھڑی ہوئی چارپائی نے اُسے ساری کہانی سُنا دی۔ وہ چارپائی کے نزدیک آ کھڑی ہوئی اور پھر ہاتھ ملتے ہوئے بولی۔

"روشن دان سے نکل گیا۔ کُتا کہیں کا۔ بھول ہو گئی مجھ سے مگر سلطانو، اب کیا ہو گا؟ اُس نے تو لڑکی کو بھی دیکھ لیا ہے۔ کہیں کسی سے کچھ کہہ نہ دے۔" دیو قامت شخص کا نام اُس نے سلطانو لیا تھا جس سے مجھے بھی اُس کے نام کا علم ہو گیا۔ دفعتہً دیو قامت سلطانو کے مُنہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلیں تو میں حیران رہ گیا کیونکہ یہ آوازیں ایک گونگے شخص کے مُنہ سے ہی نکل سکتی تھیں۔ اس کا مطلب ہے سلطانو گونگا ہے۔ مکھنی اُس کی آوازیں سُنتی رہی اور پھر اُس نے گردن ہلا کر کہا۔

"مار رے نا، ایسا بھول کر بھی مت کریو۔ دونوں ہی مارے جائیں گے پگلے، وہ ہمیں معاف نہیں کرے گا۔ نا رے نا... ایسا مت سوچ۔" سلطانو نے شانے ہلائے۔ مکھنی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

ہلائے۔ مکھنی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"تو ذرا نگاہ رکھیو، اب وہ اِدھر نہ آنے پائے۔ میرا خیال ہے خاموش ہی بھلی رہے گی۔" سلطانو نے پھر بے معنی سی مختلف آوازیں نکالیں اور مکھنی اُنھیں غور سے سُننے لگی پھر اُس نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے رے پر اپنی جان تو نہیں گنوانی ہمیں جو کچھ ہو گا بعد میں دیکھا جائے گا۔ ہم کہہ دیں گے کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں اور ہمیں کچھ نہیں معلوم... اگر سچ بولیں گے تو مارے جائیں گے۔" سلطانو نے پھر کچھ کہا تو مکھنی بولی۔

"ہاں تو چلا جا مگر اب ہوشیار رہیو، بلکہ اچھا ہے کہ گھر کے آس پاس ہی رہ۔ ہائے رام پتا نہیں کون تھا وہ پاپی کہیں کوئی مصیبت ہی نہ ڈھا دے۔ میں نے تو پہلے کبھی غلام آباد میں اُس کی صورت نہیں دیکھی۔ کہیں باہر کا کوئی آدمی نہ ہو۔" سلطانو دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور مکھنی کمرے کے اندر ہی رہی۔ وہ جب بھی روشن دان کی طرف دیکھتی۔ میں وہاں سے اپنا چہرہ ہٹا لیتا۔ میں چھت پر اوندھا

لیٹا ہُوا تھا، در میرے بالکل اُوپر ایک درخت کی شاخ پھیلی ہُوئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں؟ وہ لڑکی اس نے کہاں چھپائی اور وہ کون تھی؟ میرے ذہن میں اس وقت ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح اُس لڑکی کو تلاش کر کے اُس سے صُورتِ حال معلوم کروں لیکن لڑکی کا پتا نہیں چل سکا۔ در تقریباً آدھے گھنٹے تک وہاں وقت ضائع کرنے کے بعد میں اُس شاخ کے ذریعے درخت پر اور پھر درخت سے نیچے اُتر آیا۔ سلطانو بے حد خطرناک آدمی تھا اور اب چونکہ وہ میری طرف سے ہوشیار بھی تھا اس لیے میں کہیں بھی مار کھا سکتا تھا چنانچہ وہاں سے واپسی ہی میرے لیے موزوں تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں بالی کی سرائے میں داخل ہو رہا تھا۔

ساری رات اُس اُدھیڑبُن میں لگ گئی کہ وہ لڑکی کون تھی؟ اور غائب کہاں ہوگئی؟ ویسے حالات میرے موافق جا رہے تھے اور مجھے اُمید ہو چلی تھی کہ میرے یہاں آنے کا مقصد پورا ہو جائے گا کیونکہ کردار آہستہ آہستہ میرے سامنے آ رہے تھے اور بس یہ دہ رہ کر اُن کو بچانے والا بھی میری نگاہوں سے محفوظ نہیں تھا۔ اِسی اُدھیڑبُن میں نہ جانے کس پہر نیند آ گئی۔

دُوسری صبح، بالی بڑے خوشگوار موڈ میں ناشتے کی ٹرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہُوئی "رے بھیا، ناشتا کر لے پتا نہیں آج مَیں کیوں بہت خوش ہُوں۔"

"کیا بات ہے بالی بہن، واقعی تم خوش نظر آ رہی ہو۔"

"بس اللّٰہ ہی جانے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میرے دِل میں بھی خوشی آ جاتی ہے۔ اب اور تو کوئی ہے نہیں میرا، تیرے لیے یہ ناشتا بنا کر لے آئی اور ہاں سُن آج کے ناشتے کے پیسے حساب میں کٹ جائیں گے۔"

"تم ہمیشہ مجھے گالیاں دیتی ہو بالی بہن۔ حساب کتاب بھائی بہنوں کے درمیان کہاں ہوتا ہے؟"

"ارے بس ٹھیک ہے، جو کر رہی ہُوں کرنے دے مجھے اِسی میں میری خوشی ہے۔" بالی نے کہا اور میں خاموشی سے ناشتا کرتا رہا۔ رات کے واقعات میرے ذہن میں گردش کرتے رہے تھے۔ کافی دیر تک بالی میرے ساتھ رہی اور جب جانے لگی تو مَیں نے کہا۔

"بالی بہن کوئی خاص کام ہے کیا؟"

"نہیں رے، بول کوئی بات ہے؟"

"ہاں، مَیں ابھی تھوڑی دیر میں تمھارے پاس آ رہا ہُوں۔"

بالی کے جانے کے بعد میں نے اپنے ذہن میں وہ سوالات تیار کیے جو مَیں بالی سے پُوچھنا چاہتا تھا۔

بالی اپنی مخصوص جگہ بیٹھی ہُوئی کچھ سوچ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر اُس نے جلدی جلدی چائے بنا کر مجھے دی۔

"لے چائے اور پی لے۔" مَیں نے شکریہ کے ساتھ چائے قبول کر لی تھی۔ پھر مَیں نے بالی سے کہا۔

"سوچو گی تو سہی کہ بہن بنا کر بیوقوف بنا رہا ہے مگر پھر بھی میں تم سے کچھ پُوچھنا چاہتا ہُوں۔"

"ارے پوچھ لے رے۔ بھائی تو بہنوں کو بیوقوف ہی بناتے ہیں۔ بس یہ بہنوں کے دِل میں چُھپا پیار ہی ہوتا ہے جو اُنھیں بیوقوف بننے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

"بالی بہن مَیں مکھنی کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہُوں۔"

"پتا نہیں یہ مکھنی تیرے سر پر کیوں چڑھ گئی ہے رے کیا لینا دینا ہے تجھے اس سے؟ بلا وجہ کی باتیں مت کیا کر میرے سامنے۔ اچھی عورت نہیں ہے وہ۔ پتا نہیں کب بستی میں آئی تھی مجھے یاد نہیں پر بہت دن ہو گئے۔ آج تک کبھی اُس کے شوہر نام کی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔ ہندو دھرم سے تعلق ہے اُس کا بس وہیں باغ میں پڑی رہتی ہے کمبخت ماری اور اُس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔"

"کیا کہانیاں مشہور ہیں بالی بہن؟" مَیں نے سوال کیا۔

"بس رے بس، بہن، بھائی کو ایسی کوئی کہانی نہیں سُنا سکتی۔"

"ہُوں؟" میں نے گہری سانس لی۔ پھر مَیں نے کہا۔ "بالی بہن کیا مکھنی، چوہدری غیاث الدین کی ملازم ہے؟"

"ہاں اُنھی سے تنخواہ ملتی ہے۔ رہنے کے لیے بھی وہیں اُسے جگہ دے دی گئی ہے اور وہ ہمیشہ وہیں پڑی رہتی ہے۔"

"ایک اور سوال بالی بہن، سلطانو کون ہے؟"

"اچھا اس کا مطلب ہے کہ تو چکر لگا آیا ہے اُدھر کا۔"

"ہاں، مَیں نے اُسے دیکھا تھا۔ وہ گُونگا ہے۔"

"اب تو تُو مجھے مروا کے چھوڑے گا۔ ارے کیا فائدہ ہو گا تجھے میری جان کے چلے جانے سے۔"

"بالی بہن! ٹھیک ہے کہ میرا اور تمھارا خون کا کوئی رشتہ نہیں لیکن زبان کے رشتے بھی کم نہیں ہوتے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک بھائی اپنی بہن کی زندگی کسی کے حوالے کر دے۔ صرف تم

اُس کا نام بتا دو جس سے خطرہ ہو اُس کی گردن تمھارے سامنے لا کر ڈال دُوں گا۔"

"واہ رے، لگتا تو نہیں ہے ایسا لیکن بات میں وزن معلوم ہوتا ہے۔" بالی مُسکرا کر بولی۔

"جو کچھ کہا ہے کر دکھاؤں گا۔"

"مگر تو کیوں اس پھیر میں گھسنے کے چکر میں پڑا ہے۔ یہ بڑے آدمیوں کا چکر ہے۔ انسان کے پاس جب دولت آتی ہے نا تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ بے شمار انسانوں کے سروں پر اُس کا پیر آ گیا ہے۔ اور اب وہ اُن سے اُوپر کی کوئی چیز ہے... دولت کے بل بوتے پر جس کا جو دِل چاہے کر لیتا ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سی طاقت ہے جس نے انسان سے اُس کا ایمان بھی چھین لیا ہے۔ شیطان بے شک طاقت ور تھا اور اُسے اتنی چھُوٹ دی گئی تھی کہ وہ انسان کو بہکاتا رہے لیکن یہ دولت تو شیطان سے بھی آگے کی شے ہے۔ یہ تو خُدائی کا دعویٰ کرنے لگی ہے اور جس کے پاس پہنچ جاتی ہے اُس کا ایمان چھین لیتی ہے۔" مَیں بالی کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر حیران رہ گیا تھا۔ جاہل عورت کی سوچ میں کتنی گہرائی تھی۔ میں نے اعتراف کرتے ہُوئے کہا۔

"بالی بہن تم ٹھیک کہتی ہو۔ بے شک دولت انسان کو اُس کی حیثیت سے ہٹا دیتی ہے لیکن دولت کے انبار پر بیٹھے ہُوئے کسی شخص نے آج تک اپنی موت کو اپنی بیماری کو نہیں روکا۔ وہ مر جاتا ہے اور اُس کے بعد دولت کی خُدائی کے سارے دعوے جھُوٹے پڑ جاتے ہیں اور پھر ایک ہی خُدا ہمارے سامنے رہتا ہے جو ہمیں ہماری مرضی کے بغیر پیدا کرتا ہے اور ہمیں ہماری خواہش کے بغیر واپس بُلا لیتا ہے۔ شیطانی چکر زندگی کے ساتھ ہی چلتے رہتے ہیں اور اُس کے بعد اس طرح ختم ہوتے ہیں کہ نام و نشان مٹ جاتا ہے۔"

"بس اسی سے تو ایمان قائم ہے بھیا، ورنہ سچّی بات ہے کہ دُنیا دولت ہی کو خُدا مان لیتی۔ تو مَیں کہہ رہی تھی تجھ سے کہ کیوں اِن دولت مندوں کے پھیر میں پڑتا ہے۔ بلاوجہ اتنی ساری باتیں معلوم کر کے اپنے آپ کو بھی پریشان کرے گا اور مجھے بھی؟"

"نہیں بالی بہن یہ میری خوشی ہے۔ چاہو تو پوری کر دو۔" مَیں نے لجاجت سے کہا اور بالی گردن ہلانے لگی پھر بولی۔

"سلطانو بھی چوہدری غیاث الدین ہی کا آدمی ہے۔ پہلے کوٹھی میں کام کرتا تھا اور بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ پھر پتا نہیں کیا ہُوا اور کسی نے اُس کی زبان کاٹ دی۔ وہ ایک کھیت کے کنارے خُون میں لت پت پڑا ہُوا پایا گیا تھا۔ چوہدری غیاث الدین نے اُسے علاج کے لیے شہر بھیجا اور کچھ دِن کے بعد وہ شہر سے واپس آ گیا۔ پہلے اپنے بیوی بچّوں کے ساتھ یہیں رہتا تھا لیکن پھر بیوی اور بچّوں کو اُس نے بیوی کے میکے بھجوا دیا اور خود یہیں کام کرتا ہے۔ یہ سلطانو کی کہانی ہے۔"

"اُس کی زبان کس نے کاٹی تھی؟" مَیں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ بھلا کون جانے اور کون کسی کو بتائے اگر کسی کو معلوم بھی ہو تو۔"

"چوہدری غیاث الدین نے اس سلسلے میں پولیس وغیرہ سے مدد نہیں لی۔"

"نہیں بھیا، یہاں کے معاملات میں پولیس کبھی مداخلت نہیں کرتی۔ چوکی ہے مگر پولیس والے صبح و شام چوہدری غیاث الدین کو سلام کرنے جاتے ہیں اور بڑی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں اُن کی غیاث الدین کے یہاں پھر بھلا جو بات چوہدری غیاث الدین نہ چاہیں وہ کیسے ہو سکتی ہے؟"

"ہُوں، تم نے ایک بات اور بھی بتائی تھی مجھے بالی بہن؟"

"ہاں پوچھو۔ وہ بھی پوچھ ڈالو۔" بالی نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑتے ہُوئے کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ مکھنی اپنی اولاد کے ساتھ رہتی ہے۔"

"رہتی ہے کب کہا تھا مَیں نے۔ مَیں نے تو یہ کہا تھا کہ اپنے بچّوں کو آرام سے پال رہی ہے جانتے ہو اُس کے دونوں بچے کہاں رہتے ہیں؟"

"مَیں کیا جانوں بالی بہن، تم ہی سے سب کچھ پوچھ رہا ہُوں۔"

"وہ عالم پور ہائی اسکول میں پڑھتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں۔ برجوا اور رما ہے اُس کے بیٹے اور بیٹی کا نام۔ عالم پور میں اُن کے سارے اخراجات چوہدری صاحب کے ذمّے ہیں۔ ایک ہندو ملازمہ کے بچّوں کے لیے یہ آسائشیں بھلا معمولی بات ہے۔ اِس سے تم اندازہ لگا لو کہ مکھنی کیا حیثیت رکھتی ہے؟"

"بس یہی مجھے پوچھنا تھا تم سے بالی بہن۔"

"اور بڑا فائدہ حاصل ہُوا ہو گا اِن باتوں سے تمھیں؟"

"بس شوق ہی جو ٹھہرا۔" مَیں نے ہنستے ہُوئے کہا اور بالی بھی ہنسنے لگی۔

دُوسرے دِن مَیں حسبِ معمول اپنے رامان کے ساتھ آوارہ گردی کرنے نکل گیا۔ پُورا دن آوارہ گردی کرنے کے بعد شام کو منشی ریاض کے پاس پہنچ گیا۔ منشی ریاض بے چارے اب اِس سلسلے میں

بہت زیادہ دلچسپی لے رہے تھے۔

"بھائی کچھ نہیں معلوم کرسکا ابھی تک پُرانی حویلی میں دو چکر لگا چکا ہُوں اور دونوں ہی دفعہ امیرالدین سے میری ملاقات نہیں ہُوئی۔ ویسے وہاں کوئی بھی نہیں رہتا خالی پڑی رہتی ہے وہ جگہ۔ امیرالدین نہ جانے کہاں غائب رہتا ہے۔ دن میں البتہ وہ وہیں سے نکلتا ہُوا نظر آتا ہے۔ اُس کی دینداری مسلسل جاری ہے۔ سُنا ہے کچھ دن کے بعد قوالیوں کا پروگرام ہے اور اُس کے لیے شہر سے کچھ قوال بُلائے گئے ہیں۔"

"مُنشی صاحب، پہلے بھی مَیں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ آپ اس سلسلے میں بہت زیادہ بھاگ دوڑ نہ کریں۔ مَیں نہیں چاہتا کہ آپ کسی پریشانی کا شکار ہو جائیں۔" مُنشی ریاض نے پھر اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک اُن کے پاس بیٹھنے کے بعد مَیں وہاں سے چلا آیا۔ ذہن میں بہت سے خیالات گڈمڈ تھے۔ جو چند باتیں معلوم ہُوئی تھیں وہ کافی حیثیت رکھتی تھیں۔

چوتھے دن بدر شاہ نے بالی کی سرائے میں مجھ سے ملاقات کی۔ وہ واپس آگیا تھا۔ بدر شاہ کو دیکھ کر مَیں خوش ہوگیا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کے چار ساتھی سرائے نقو خان میں مقیم ہوگئے ہیں۔

"روزی کا کیا رہا؟"

"روزی کل یہاں پہنچ جائے گی۔ مَیں اُسے جان بُوجھ کر اپنے ساتھ نہیں لایا۔ ساری ہدایات مَیں نے اُس تک پہنچا دی ہیں۔"

"ویری گُڈ بدر شاہ! ویری گُڈ۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ روزی میری بات مان جائے گی۔ کبھی وہ اِس زندگی میں تھی لیکن اب وہ ایک باعزّت زندگی گُزار رہی ہے۔"

"مجھے اپنی کہانی بھی سُنائی تھی اُس نے۔ شارق بھائی تم تو واقعی اِس دَور کے فرشتے ہو۔"

"رہنے دو بدر شاہ رہنے دو۔ اگر تم مجھ جیسے گُناہ گار انسان کو فرشتہ کہتے ہو تو اپنے بارے میں کیا کہو گے تم؟ تمھاری زندگی تو بالکل ہی مختلف تھی لیکن اب ایک انسانی مسئلے میں تم نے اپنے آپ کو کس طرح وقف کر دیا ہے۔ یہ کونسا جذبہ ہے؟"

"بس بھیّا بس، اِس بارے میں کوئی بات مت کرو، ہمارا دِل دُکھے گا۔" بدر شاہ نے کہا پھر بولا۔ "اب یہ بتاؤ تم کیا کر رہے ہو؟"

"بس یوں سمجھ لو کہ جب میں یہاں سے واپس جاؤں گا تو روشن علی کی بے گناہی کے لاتعداد ثبوت لے کر جاؤں گا۔ تم واپس آگئے حالانکہ مَیں نے تم سے کہا تھا کہ ابھی مجھے تمھاری ضرورت نہیں بنے

"ہاں، دِل نہیں لگا کسی اور کام میں۔ بہتر یہ ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ ہی رہنے دو۔"

"ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اب مجھے کسی ایسی جگہ کی ضرورت ہے جو ہمارے کام کے لیے ذرا الگ تھلگ ہو۔"

"یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک ڈاک بنگلہ ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تم سے ملنے کے بعد اُسی ڈاک بنگلے میں چلا جاؤں گا۔"

"اوہو، مجھے تو اُس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"مَیں نہ صرف معلوم کر کے آیا ہُوں بلکہ مَیں نے یہاں آتے ہُوئے اُسے دُور سے دیکھا بھی ہے۔"

"اس سے اچھی تو اور کوئی بات نہیں ہے بدر شاہ۔ تمھارا جو آدمی یہاں نقو خان کی سرائے میں رہتا ہے اُسے یہیں رہنے دو اور تم اپنے بقیہ ساتھیوں کو لے کر ڈاک بنگلے میں چلے جاؤ۔ مَیں خود بھی تھوڑی دیر کے بعد تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا۔" مَیں نے اُس سے ڈاک بنگلے کے بارے میں تفصیلات معلوم کر لی تھیں۔ بدر شاہ چلا گیا اور اُس کے جانے کے تقریباً دو گھنٹے بعد مَیں نے بھی اُس کے بتائے ہُوئے راستے پر ڈاک بنگلے کی جانب سفر شروع کر دیا۔

ڈاک بنگلہ بستی سے تقریباً ساڑھے تین میل کے فاصلے پر تھا اور وہاں تک پیدل ہی جانا پڑا تھا۔ حالانکہ یہاں یکے مل جاتے تھے لیکن مَیں کسی کو اپنی اس نئی جگہ کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا۔ ساڑھے تین میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے ڈاک بنگلے میں داخل ہوگیا۔ ڈاک بنگلہ اب زیرِ استعمال نہیں تھا۔ بدر شاہ اور اُس کے آدمیوں نے وہاں خود ہی صفائی کی تھی۔ صحن میں اب بھی جھاڑ جھنکاڑ بکھرے ہُوئے تھے۔ بہر طور "اسے ڈاک بنگلے کے بجائے بھُوت بنگلہ کہنا زیادہ مُناسب تھا۔" میں نے کہا اور بدر شاہ نے ہنستے ہُوئے جواب دیا۔

"ہاں، اور اب ہم اس بنگلے کے بھُوت ہیں۔ ویسے جب تک ہم یہاں رہیں گے شارق بھائی اطمینان رکھو کسی کا اِدھر سے گُزر نہیں ہوگا۔ ہم سے بڑا بھُوت بھلا کون ہو سکتا ہے؟"

"بدر شاہ، اب مَیں تمھارے سپرد ایک کام اور کرنا چاہتا ہُوں۔"

"ہاں ہاں کہو!"

"یہاں سے کچھ فاصلے پر عالم پور نامی ایک جگہ ہے اور وہاں شاید ایک ہی ہائی اسکول ہے۔ اس ہائی اسکول میں دو بچّے پڑھتے ہیں، بھائی بہن۔ بھائی کا نام پرویز اور بہن کا رما ہے ان دونوں کو اغوا کر لو۔" مَیں نے کہا اور بدر شاہ چونک کر میری صُورت دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"ٹھیک ہے ہو جائیں گے۔ مگر۔۔۔؟"

"نہیں بدر شاہ، ابھی تمھیں اِس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ دونوں بچّوں کو اغوا کر کے یہاں ڈاک بنگلے میں لے آؤ۔ انھیں دہشت زدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسا کام کرنا کہ وہ خوف زدہ نہ ہوں اور نہ ہی انھیں کوئی تکلیف دینی ہے۔" مَیں بدر شاہ کو اس سلسلے میں مزید ہدایات دے کر وہاں سے واپس آگیا۔

دوسرے دن میں کمرے میں آرام کر رہا تھا کہ برابر والے کمرے سے کچھ آوازیں سُنائی دیں۔ غالباً کوئی نیا مسافر یہاں پہنچا تھا۔ ذہن میں ایک خیال آیا اور اُس کی تصدیق کے لیے باہر نکل آیا۔ میرا اندازہ درست تھا۔ وہ روزی ہی تھی۔ ہاتھ میں دو سُوٹ کیس اُٹھائے دروازے کے سامنے کھڑی تھی اور بالی اُسے کمرے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ میں نے فوراً ہی شناسائی کا اظہار کیا اور اُسے دیکھ کر مُسکراتا ہُوا آگے بڑھ آیا۔

"روزی تم یہاں حیرت ہے مجھے۔" روزی نے ایک لمحے کے لیے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر فوراً ہی میرا مقصد سمجھ گئی۔

"ارے شارق تم۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"وہی جو شاید تم کرنے آئی ہو۔" مَیں نے مسکراتے ہُوئے کہا اور پھر بالی کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"بالی بہن یہ تو میری بڑی اچھی دوست ہے، بہت اچھی ساتھی۔ ہم لوگ ایک ہی کاروبار کرتے ہیں۔ یہ تصویریں کیمرے سے اُتارتی ہے اور مَیں ہاتھوں سے بناتا ہُوں۔"

"چلو اچھا ہُوا۔ مَیں نے تو اس بے چاری سے بہت سے سوالات کر ڈالے تھے۔ تم اِسے جانتے ہو تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ کمرہ دیکھ لو بی بی اگر پسند نہ آئے تو دُوسرا کمرہ لے لینا۔ یہ یہ اچھی بات ہے کہ تم دونوں ایک دُوسرے کو جانتے ہو۔ چلو بھیّا اب تم ہی حالات کو سنبھال لو۔ مَیں چلتی ہُوں۔" بالی نے کہا اور مَیں نے روزی کے ہاتھ سے اُس کے سُوٹ کیس لے لیے پھر مَیں اُسے کمرے میں لے گیا جس کا تالا، بالی نے کھول دیا تھا۔ روزی نے مُسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

"آپ کے سوال پر تو میں حیران ہی رہ گئی تھی لیکن بعد میں میری سمجھ میں آیا کہ آپ مجھ سے اتفاقیہ شناسائی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ کیسے ہیں شارق صاحب؟" روزی نے کہا۔ مَیں نے دروازے کے باہر آکر جھانکا۔ بالی مطمئن ہو کر واپس جا چکی تھی۔ پھر میں اندر آکر بیٹھ گیا۔ روزی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ مَیں نے کہا۔

"یہاں تمھیں اس فائیو اسٹار ہوٹل کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں مل سکے گی روزی۔" روزی ہنسنے لگی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

"بلاشُبہ یہ فائیو اسٹار ہی ہے میرے لیے۔" نہ جانے اُس کے اِن الفاظ کا کیا مفہوم تھا؟ میں سمجھ نہ سکا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"ہم پر احسان کرنے کے بعد آپ اس طرح رُوپوش ہو گئے شارق صاحب کہ کبھی آپ کی صُورت ہی نہ دکھائی دی۔"

"صرف اِس لیے روزی کہ تم مجھ سے یہ الفاظ ضرور ادا کرو گی۔" مَیں نے کہا۔

"کون سے الفاظ؟"

"یہی احسان والے۔ میں یہ بات تو خود ہی جانتا ہُوں کہ مَیں نے کس پر احسان کیا؟ تم پر یا اپنے آپ پر۔"

"ہاں ہر بڑے انسان کی یہی سوچ ہوتی ہے لیکن وہ جن کی زندگی بدل جائے اپنے محسن کو کیسے بھُول سکتے ہیں؟"

"اور مجھے اس کی اُمید نہیں تھی روزی کہ تم یہاں آنے کے بعد بھی ایسی باتیں کرو گی۔ بہر طور اگر تم اُسے میرا احسان سمجھتی ہو تو آج میں نے تم سے اپنے احسان کا بدلہ ہی وصول کرنے کے لیے تمھیں یہاں بُلوالیا ہے۔"

"اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں شارق صاحب۔ مَیں تو راستے بھر خوشیوں میں ڈُوبی رہی ہُوں کہ آپ نے مجھے کسی قابل تو سمجھا اور اپنے کسی کام کے سلسلے میں مجھ پر کوئی ذمّے داری تو ڈالی۔"

"افسوس یہ تکلف کی باتیں ہمارے درمیان دیواریں کھڑی کرتی جا رہی ہیں۔"

"سوری ویری سوری، چلیے وعدہ اب تکلف کی کوئی بات نہیں کروں گی۔"

"شکریہ، روزی، یہ بتاؤ باقی لوگ کیسے ہیں؟"

"سب بالکل ٹھیک ہیں، لڑکی ملازمت کر رہا ہے۔ مَیں بھی ایک کوچنگ سینٹر کھولنے کی تیاریوں میں مصروف ہُوں۔ ہم لوگوں کی زندگی ایک صحیح راستے پر آگئی ہے اور اس سے آگے مَیں کچھ نہیں کہوں گی۔"

"ہاں اِس سے آگے تمھیں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔ اب تم یہ سُن لو کہ مَیں نے تمھیں یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"ٹھیک ہے بتایئے۔" روزی نے کہا۔

"روزی جیسا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مَیں نے اپنی زندگی ایسے لوگوں کے لیے وقف کر دی ہے جو قانون کا سہارا چاہتے ہیں لیکن

وسائل نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو جاتے ہیں، یہ واقعہ بھی ایک ایسے ہی شخص سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ شادی شدہ ہے۔ دو بچوں کا باپ ہے اور اپنی بیوی کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ بچوں کی پرورش کے لیے وہ اُس سے طلاق لے کر دوسری شادی کر لے کیونکہ اُسے عمر قید کی سزا ہو چکی ہے۔ میاں بیوی دونوں ایک دُوسرے کو چاہتے ہیں۔ بیوی اس بات پر تیار نہیں ہے لیکن شوہر کا خیال ہے کہ وہ زمانے کی ٹھوکروں سے ایک فاحشہ کی صُورت اختیار کر جائے گی چنانچہ اس سے بہتر ہے کہ وہ اُس کے تسلط سے آزاد ہو جائے حالانکہ روشن علی بے گناہ ہے۔ جس قتل کے الزام میں اُسے عمر قید کی سزا ہُوئی ہے وہ اُس نے نہیں کیا بلکہ کچھ لوگوں نے اپنا گناہ اُس کے سر تھوپ کر اور اپنے وسائل سے کام لے کر اُسے یہ سزا دِلائی ہے۔ میں اُسی مظلوم شخص کے لیے کام کر رہا ہُوں۔"

روزی بہت سنجیدہ نظر آنے لگی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

"تو کیا میری ضرورت بھی ایسے ہی کسی سلسلے میں پیش آئی ہے شارق صاحب؟"

"ہاں روزی، اُس شخص کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے مجھے تمھاری مدد درکار ہے۔"

"تو آپ یہ سمجھ لیجیے کہ میری زندگی کا ہر سانس اُس کے لیے وقف ہے۔" روزی نے متاثر لہجے میں کہا۔

"شکریہ روزی، مختصر الفاظ میں، مَیں تمھیں اس کی تفصیل بتا دُوں۔ ہر چند کہ کام ایسا ہے جس کے لیے مجھے تم سے کہتے ہُوئے شرمندگی ہوتی ہے لیکن روزی ایک بُرے آدمی کو منظرِ عام پر لانے کے لیے بُرائیوں ہی کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔"

"آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں شارق! جب میں نے یہ الفاظ کہہ دیے تو ان کا کوئی مفہوم بھی ہے۔"

"ایک بار پھر مَیں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہُوں روزی،" روشن علی اِسی بستی غلام آباد کا رہنے والا ہے۔ اس پر ایک ایسی لڑکی کے قتل کا الزام لگایا گیا جس سے وہ کبھی بچپن میں محبت کرتا تھا۔ لڑکی کے ساتھ زیادتی کی گئی اور پھر اُسے قتل کر دیا گیا۔ حالات اور ثبوت اس قسم کے پیدا کیے گئے کہ روشن علی قاتل قرار پائے جب کہ قتل اُس نے نہیں کیا۔ قاتل میری نگاہوں میں اس بستی کے بہت بڑے آدمی چوہدری غیاث الدین کا بیٹا امیر الدین ہے۔ امیر الدین نامی نوجوان بہت نیک نام مشہور ہے اور وہ بڑا عابد اور زاہد کہلاتا ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن در پردہ وہ ایک خطرناک قسم کا وحشی ہے جو اپنی حیوانیت کی تسکین کے لیے نوجوان لڑکیوں کو قتل بھی کر دیتا ہے لیکن اُس کا کوئی جرم کبھی منظرِ عام پر نہیں آ سکا۔ روزی جیسا کہ میں نے تمھیں لکھا تھا کہ تم ایک کمرشل آرٹسٹ کی حیثیت سے بستی غلام آباد آؤ۔ یہاں تمھاری ذمّے داریاں یہ ہوں گی کہ تم بستی اور اُس کے مضافات میں فوٹو گرافی کرو۔ کوئی تم سے تمھارے بارے میں پوچھے تو تم یہی جواب دو کہ تم ایک اشتہاری ایجنسی کے لیے کام کر رہی ہو اور یہاں سے عمدہ تصاویر بنا کر لے جانا چاہتی ہو لیکن درحقیقت روزی تمھیں اپنے آپ کو یہاں بستی میں اتنا پُرکشش بنانا ہے کہ کسی بھی طرح امیر الدین کی نگاہوں میں چڑھ جاؤ اور اُس کی قربت حاصل کر کے اُس کی پول کھول دو۔ روزی اس کے لیے تمھیں جن مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔ اُن کا احساس مجھے بھی ہے لیکن مجبوری۔ مَیں نے تمھیں اِسی لیے بُلایا تھا۔" روزی سنجیدہ انداز میں میری صُورت دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش سوچتی رہی پھر اُس نے کہا۔

"میں خلوصِ دل سے تیار ہُوں شارق صاحب۔"

"شکریہ روزی، مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔"

"مجھے کیسے کیسے خطروں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی کچھ نشاندہی کریں گے۔ درحقیقت جس زندگی سے آپ نے نکال لیا ہے شارق صاحب میں دوبارہ اُس زندگی میں واپس نہیں جانا چاہتی لیکن اگر کسی کی جان بچانے کے لیے مجھے دل پر ایک اور زخم کھانا پڑے تو مَیں سمجھتی ہُوں کہ یہ زخم مجھے برداشت کر لینا چاہیے۔"

"کوشش کرنا روزی کہ تمھیں یہ زخم نہ کھانا پڑے۔ ہمیں اصلی لوگوں تک پہنچنا ہے اور ہماری ذہانت ہی ہمیں یہ موقع فراہم کرے گی۔ ویسے اگر تم مجھے ساتھ رکھنا چاہو تو اعتراض نہیں ہو گا۔ صرف یہی خدشہ ہے کہ کہیں اس طرح امیر الدین تم سے اجتناب نہ کرے۔"

"نہیں اگر اس کی ضرورت پیش آئی تو بعد میں بتاؤں گی۔ میرا خیال ہے میں اپنے طور پر یہ کام بآسانی کر سکتی ہُوں۔"

"تو جس قدر جلد ممکن ہو روزی اس کا آغاز کر دوگے۔"

"ہو جائے گا مکرمت کرو۔ ہاں، اُستاد جمیر نے سے ملاقات فاروقی صاحب کے دفتر میں ہُوئی تھی۔ انھوں نے کچھ چیزیں آپ کے لیے بھیجی ہیں۔ مَیں نکال کر دیتی ہُوں۔" روزی نے کہا اور اپنا ایک سُوٹ کیس کھول کر چند چیزیں مجھے نکال کر دے دیں اور مَیں ان میں آٹو میٹک پستول اور مائیکرو ٹیپ ریکارڈر دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اُستاد جمیر نے زبردست کام کیا تھا۔ میں نے یہ مائیکرو ٹیپ ریکارڈر روزی کو دیتے ہُوئے کہا۔

"روزی، یہ تمھارے کام کی چیز ہے۔ ٹیپ ریکارڈر انتہائی حساس اور بہت مختصر ہے اگر تمھاری ملاقات امیر الدین سے ہو جائے تو میرا خیال ہے یہ ٹیپ ریکارڈر بھی ہمارے کام آ سکتا ہے۔"

"مَیں نے ایک ننھا سا مووی کیمرہ بھی ساتھ لے لیا ہے۔ یہ تمھاری خواہش کے مطابق ہے کیوں کہ تم نے ایک کمرشل آرٹسٹ کی بات کی تھی۔ میرا خیال ہے ہمارے یہ فیصلے روشن علی کی زندگی کو روشن کر رہے ہیں۔"

"خدا کرے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔" مَیں نے خلوصِ دل سے کہا۔ اُس کے بعد روزی سے سلسلۂ گفتگو ختم ہو گیا۔ وہ تمام صُورتِ حال سمجھ چکی تھی۔

چنانچہ دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جب وہ بالی کی سرائے سے باہر نکلی تو اُس کی سج دھج قابلِ دید تھی۔ بہت حسین میک اپ کیا تھا اُس نے۔ ایک سادہ سے لباس میں ملبوس سو فیصد کمرشل آرٹسٹ نظر آ رہی تھی۔ مَیں نے اُسے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا اور وہ وہاں سے چلی گئی۔ مَیں اُس سے کچھ فاصلے پر ہی رہنا چاہتا تھا۔ بالآخر وہی آوارہ گردی شروع ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد مَیں غلام آباد کے اُس علاقے کی طرف جا نکلا جہاں کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ ان کھنڈرات میں مجھے کچھ بھی نہیں ملا تھا لیکن نہ جانے کیوں بار بار مَیں اس طرف نکل آتا تھا۔ دل میں یہ خواہش تھی کہ کوئی ایسا نشان مل جائے جو روشن علی کی بے گناہی ثابت کرنے میں معاون ہو لیکن کتنی ہی بار میں ان کا جائزہ لے چکا تھا۔ اس وقت بھی ناکام ہی رہا۔ پھر سارا دن یونہی گزر گیا۔ شام کو اتفاقیہ طور پر منشی ریاض صاحب کے مکان کی جانب جا نکلا اور جب مَیں نے دستک دی تو منشی ریاض صاحب نے دروازہ کھول دیا۔ وہ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔

"خدا کی قسم، اس وقت خدا سے کچھ اور بھی مانگتا تو مجھے مل جاتا۔ مَیں نے یونہی دِل ہی دِل میں سوچا تھا کہ کاش تم نکل آؤ۔"

"خیریت ریاض صاحب؟"

"اندر آ جاؤ جلدی سے اندر آ جاؤ۔" منشی ریاض نے کہا اور مجھے اپنی اُس بیٹھک میں لے گئے جہاں عموماً مَیں اُن کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ بیٹھک میں مَیں نے ایک کمزور سے بُوڑھے آدمی کو دیکھا جو شکل ہی سے غم زدہ نظر آتا تھا۔ بال سفید ہو گئے تھے اور بیماری کی سی کیفیت تھی۔ مَیں منشی ریاض کی طرف دیکھنے لگا تو منشی ریاض نے جلدی سے کہا۔

"یہ فضل خان میرے بہت اچھے شناسا ہیں اور فضل خان یہی وہ ہیں جن کا مَیں ابھی تم سے تذکرہ کر رہا تھا۔ فضل خان کا نام میرے ذہن میں موجود تھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ زمرد کا باپ تھا جس کے قتل کے الزام میں روشن علی کو سزا ہُوئی تھی۔ مَیں نے بڑی گرمجوشی سے فضل خان سے ہاتھ ملایا۔ وہ سیدھا سادا آدمی نظر آتا تھا۔ مَیں بیٹھ گیا۔ منشی ریاض کہنے لگے۔

"شارق، فضل خان میرے پاس اب سے تھوڑی دیر پہلے آئے تھے یہ کچھ پریشان ہیں اور مجھ سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ جو باتیں اِنھوں نے مجھے بتائی ہیں اُنھیں سُننے کے بعد مَیں شدّت سے یہ سوچ رہا تھا کہ کاش تم آ جاؤ تاکہ فضل خان سے تمھاری بات چیت بھی ہو جائے اور یہ شاید میرے سچّے جذبے تھے جو تمھیں اس طرف کھینچ لائے۔" مَیں نے فضل خان کی جانب دیکھا اور پھر منشی ریاض کو دیکھنے لگا تب منشی ریاض بولے۔

"جیسا کہ تمھیں معلوم ہے شارق میاں کہ فضل خان کی بیٹی زمرد کو قتل کر دیا گیا تھا اور حالات و واقعات چونکہ روشن علی ہی کی جانب اِشارہ کرتے تھے اِس لیے فضل خان کی زبان بھی بند ہو گئی۔ یہ ایک فطری بات تھی کہ اپنی بیٹی کے قاتل کو سزا پاتے دیکھ کر فضل خان کو بھی تھوڑا بہت اطمینان ہُوا تھا۔ روشن علی کی سزا فضل خان کے سینے پر لگے ہُوئے زخم کا مرہم تو نہیں تھی لیکن مجرم کو سزا ملنی چاہیے تھی۔ فضل خان بھی ایک نیک اور اچھا انسان ہے۔ ہم لوگ بچپن سے ایک دُوسرے سے واقف ہیں۔ فضل خان کو ایک بات معلوم ہُوئی تو وہ پریشانی میں میرے پاس چلا آیا اور اُس نے مجھے اُس کی تفصیل بتائی ہے۔ میں نے، معاف کرنا شارق میاں یہ بات فضل خان کو بتا دی ہے کہ ایک صاحب شہر سے آئے ہُوئے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ چھان بین کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہُوں کہ جو کچھ میرے سینے میں محفوظ ہے فضل خان بھی اُسے محفوظ رکھے گا۔ فضل خان سے ایک شخص اللہ دینو نے ملاقات کی تھی۔ اللہ دینو بھی بستی غلام آباد کا ایک نوجوان ہے اور اُنھی نوجوانوں میں شمار ہوتا ہے جو چھٹے لفنگے کہلاتے ہیں۔ کچھ عرصے قبل اللہ دینو، مُراد و کا بھی دوست تھا اور روشن علی کا بھی۔ روشن علی تو اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا لیکن مُراد و اور اللہ دینو کی دوستی چلتی رہی۔ پھر غالباً دو دن قبل کسی بات پر مُراد و اور اللہ دینو کا جھگڑا ہو گیا اور مُراد و نے اپنے ساتھی خداداد کی مدد سے اللہ دینو کو کافی مارا پیٹا ہے اور اُسے بہت سے زخم آئے ہیں۔ اللہ دینو لاوارث ہے کوئی کام دھندا نہیں کرتا چنانچہ کون اُس کی دادرسی

کرتا لیکن وہ ایک ایسی اطلاع لے کر فضل خان کے پاس پہنچا ہے جس نے فضل خان کو پریشان کر دیا ہے۔"

"اطلاع کیا ہے؟" منشی صاحب!" میں نے سوال کیا۔

"فضل خان، بتا دو بھئی؟" منشی ریاض بولے اور فضل خان نے گلا صاف کر کے کہا۔

"صاحب جی، آپ پولیس کے آدمی ہو یا روشن علی کے کوئی دوست ہم یہ بات نہیں جانتے لیکن ہم بھی خدا کے بندے ہیں۔ سچّے دل سے مسلمان ہیں۔ ہم دل سے بالکل نہیں چاہتے کہ کسی بے گناہ کو سزا ملے اور گناہ گار زندہ رہے۔ روشن علی کے خلاف بہت سے ثبوت ملے تھے تو ہم نے بھی یہی سمجھا کہ روشن علی نے ہماری بیٹی کو قتل کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم نے اُس کا رشتہ ٹھکرا دیا تھا۔ بس ایسے ہی کچھ خیالات تھے ہمارے دل میں وہ بات پرانی ہو گئی۔ اُس نے ہماری بیٹی کو بدنام کرنے کی کوشش کی جس پر ہم خوش تو نہیں ہو سکتے تھے اُس سے اور پھر ہماری بیٹی کو خدا اُسے مغفرت کرے۔" فضل خان کی آواز بھرّا گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔

"اللہ دینو نے مجھے بتایا کہ مُرادو آج کل امیرالدّین کا گہرا یار بن چکا ہے اور یہ یاری اُس وقت سے شروع ہوئی ہے جب سے میری بیٹی زمرّد کا قتل ہوا۔ مُرادو کا کوئی ذریعۂ آمدنی کچھ نہیں ہے لیکن اِس وقت وہ ہزاروں میں کھیل رہا ہے۔ اکثر اللہ دینو کو بھی پیسے دیا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عیش کرے۔ اللہ دینو نے اُس سے پوچھا کہ یہ پیسے اُس کے پاس کہاں سے آتے ہیں تو اُس نے بتایا کہ اُسے دستِ غیب ہو گیا ہے۔ رات کو تکیے کے نیچے سے اُسے اچھی خاصی بڑی رقم مل جاتی ہے۔ ایک وظیفہ پڑھا تھا اُس نے اس کے لیے۔ اللہ دینو اُس سے وہ وظیفہ پوچھنے لگا تو مُرادو نے ہنس کر ٹال دیا لیکن پھر اللہ دینو کو اُس وظیفے کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ شراب کے نشے میں مُرادو نے اللہ دینو کو بہت سی باتیں بتائیں۔ اُس نے کہا کہ سیّاں کوتوال ہو گئے ہیں اب کاہے کا ڈر۔ یہ سیّاں امیرالدّین تھا۔ مُرادو نے نشے ہی کے عالم میں اللہ دینو کو بتایا کہ امیرالدّین اب اُس کا پکّا یار بن گیا ہے اور اپنے سارے معاملات میں اُس کی مدد لیتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ امیرالدّین کے لیے اُس نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے ہیں۔ اِتنے بڑے آدمی کی دوستی حاصل کر لینا معمولی بات نہیں ہے۔ اُس نے اللہ دینو سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ امیرالدّین کے لیے اُس سے بھی کام لے گا اور اُسے کافی پیسے دے گا اور اس دوران مُرادو نے یہ بھی بتایا کہ وہ امیرالدّین کے لیے بہت سے ایسے کام انجام دے چکا ہے جو کسی کو بتائے نہیں جا سکتے مگر اللہ دینو چونکہ اُس کا دوست ہے اس لیے وہ بتائے دے رہا ہے۔ تب ہی اُس نے کہا کہ فضل خان کی بیٹی زمرّد کو روشن علی نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ زمرّد نے امیرالدّین کی بے عزّتی کر دی تھی چنانچہ اُس کے نتیجے میں اُس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا اور پکڑا گیا روشن علی۔ بہرطور میں یہ نہیں جانتا کہ مُرادو نے یہ باتیں کیوں کہیں لیکن ایک بات جانتا ہوں کہ نشے کے عالم میں انسان سچ بول دیتا ہے اور پھر نہ جانے کیوں بعد میں میرا دل یہی کہتا تھا کہ روشن علی اگر زمرّد سے محبّت کرتا تھا تو کم از کم وہ اُسے قتل نہیں کر سکتا تھا مگر میری یہ سوچ کیا حیثیت رکھتی تھی۔ اللہ دینو اور مُرادو کی دوستی چلتی رہی لیکن مُرادو ہوا میں اُڑنے لگا اور اللہ دینو سے اُس کا جھگڑا ہو گیا۔ یہ ابھی چند روز قبل کی بات ہے۔ اللہ دینو نے اُس کے مُنہ آنے کی کوشش کی تو مُرادو نے خداداد خان کی مدد سے اللہ دینو کی کافی پٹائی کی جس سے وہ زخمی ہو گیا اور اللہ دینو کے دل میں جلتی ہوئی نفرت کی آگ اُسے میرے پاس لے آئی اور اُس نے بڑی بڑی قسمیں کھا کر مجھے اِس بات کا یقین دلایا کہ درحقیقت زمرّد کا قاتل روشن علی نہیں بلکہ یہی لوگ ہیں۔ اُس دن سے یہ بات میرے سینے میں انگارے کی طرح سُلگ رہی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، خدا سے مدد مانگی اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں منشی جی سے اِس بارے میں بات کروں یہ ہے پُورا واقعہ۔"

فضل خان خاموش ہو گیا۔ میرے دماغ میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک میں کچھ سوچتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن فضل خان صاحب آپ کی بیٹی زمرّد کے ساتھ آپ کی دوسری بیٹی ساجدہ کو بھی اغوا کیا گیا تھا اور بعد میں ساجدہ نے پولیس کے سامنے بیان دیا تھا کہ روشن علی ہی وہ شخص تھا جس نے اُس کی بہن کو قتل کیا۔"

"ہاں، میں نے ساجدہ سے بھی بات کی تھی۔ ساجدہ بستی کی معصوم سی لڑکی ہے اس سے جب پوچھا گیا تو اُس نے روشن علی ہی کا نام لے لیا کیوں کہ دُوسرے بھی اُس کے بارے میں کہہ رہے تھے۔ میرے سوال کرنے پر ساجدہ نے بتایا کہ وہ شخص جو زمرّد کے نزدیک موجود تھا اُس کے سامنے نہیں آیا نا ہی اُس نے اُس کا چہرہ دیکھا کیونکہ اُسے تھوڑے فاصلے پر باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ وہ صرف اُس شخص کی پُشت دیکھ سکی اور جب روشن علی کے بارے میں اُس سے پوچھا گیا تو اُس نے روشن علی

ہی کا نام لے لیا کیوں کہ پیچھے سے وہ اُسے روشن علی ہی جیسا لگا تھا۔ وہ ایک گہرے بھُورے رنگ کی چادر اوڑھے ہُوئے تھا۔ اور اُس کا چہرہ چادر ہی میں چھُپا ہُوا تھا۔"

"فضل خان صاحب، اگر آپ کے دِل میں خُدا جاگا ہے تو میں سمجھتا ہُوں کہ یہ ایک بے گناہ کی بے گناہی کی آواز ہے جو منظرِ عام پر آنا چاہتی ہے، بے شک آپ اِس بستی کے رہنے والے ہیں۔ چوہدری غیاث الدّین اور اُس کے بیٹے امیرالدّین سے ٹکرا نہیں سکتے۔ آپ کو اپنی عزّت بھی پیاری ہو گی لیکن ایک بات سوچ لیجیے کہ روزِ قیامت جب آپ خدا کے حضور پہنچیں گے اور آپ سے اِس سچ اور جھوٹ کے بارے میں پُوچھا جائے گا تو اُس وقت آپ کے پاس شرمندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہو گا اور عاقبت طویل ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ دُنیا کی عزّت کو اپنا لیجیے، عاقبت کی ذلّت آپ کا مقدّر بن جائے گی اور اُس کے بعد کوئی انسان آپ کو نہیں بچا سکے گا۔" فضل خان کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی اُس نے گھُٹی گھُٹی آواز میں کہا۔

"نہیں، میں اپنی عاقبت تباہ نہیں کرنا چاہتا مگر میں چھوٹے ذہن کا مالک ہُوں۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی کہ مجھے اِس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے؟ خدا کے لیے مجھے صحیح راستہ دکھاؤ۔ خُدا کے لیے میری رہنمائی کرو۔" میں نے فضل خان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔

"فضل خان، اگر دل میں یہ جذبات جاگے ہیں تو اطمینان رکھو تھوڑی سی کوشش تمھیں خُدا کے حضور سُرخرو کر سکتی ہے۔ اگر روشن علی تمھاری بیٹی کا قاتل ہے تو بلاشبہ اُسے بدترین سزا ملنی چاہیے لیکن اگر وہ بے گناہ ہے تو پھر یہ تمھارا بھی فرض ہے کہ اُس کی بے گناہی ثابت کرنے کے سلسلے میں میری مدد کرو۔ فی الحال خاموشی سے اپنی جگہ موجود رہو۔ میں کسی وقت تمھاری بیٹی ساجدہ سے بھی ملنا چاہتا ہُوں جب تک میں تم سے کچھ نہ کہوں یہ بات کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچنی چاہیے کہ تمھیں حقیقت کا علم ہو گیا ہے۔ باقی سارے کام تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ ساجدہ بیٹی سے جب چاہو مل لو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اُس شیطان کو میں کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتا ہُوں جسے دُنیا کی نگاہ نہیں دیکھ سکتی۔ میری جو بھی خدمت ہو حاضر ہے۔ آج مجھے بے چارہ غلام داد یاد آتا ہے جس کی دادرسی کسی نے نہیں کی تھی لیکن اُس کی بیٹی امینہ سچ ہی کہتی تھی آج بہت سے معاملے کھُل گئے ہیں۔" دفعتًہ ہی میرے ذہن میں غلام داد کا خیال آیا یہ بھی ایک اچھا کردار تھا۔ میں نے فوراً ہی پوچھا۔

"فضل خان، غلام داد اس بستی کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا ہے؟"

"وہ عالم پور میں ہے۔ دُکان کر رکھی ہے بے چارا وہیں اپنی بیٹی کی پرورش کر رہا ہے۔ کبھی کسی سے ملتا جلتا نہیں ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ محلّہ کھٹیا میں اُس کی پرچون کی دُکان ہے۔"

عالم پور! میرے ذہن میں ایک اور کوندا سا لپکا۔ عالم پور ہی کے ہائی اسکول میں تو مکھن کے بچے پڑھتے تھے جن کے حصول کے لیے بدرشاہ گیا ہُوا تھا۔ بہرطور میں فضل خان اور منشی ریاض سے رُخصت ہو کر وہاں سے چلا آیا۔ اب مجھے روزی کی طرف سے رپورٹ درکار تھی۔ ویسے دِل ہی دِل میں مجھے مسرّت کی لہریں اُٹھتی ہُوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ کیونکہ حالات مجھے آہستہ آہستہ اُن راستوں پر لے جا رہے تھے جہاں روشن علی کی بے گناہی بے بس کھڑی ہُوئی تھی اور امیرالدّین کی موت اُس کے عقب سے جھانک رہی تھی۔

شام کو بالی کی سرائے پہنچا تو روزی سے ملاقات ہُوئی۔ دِن بھر کی رپورٹ کوئی خاص نہیں تھی۔ اُس نے بتایا کہ وہ کافی علاقوں میں تصویر کشی کرتی رہی ہے۔ بستی کے لوگ اُسے حیرت سے ضرور دیکھتے ہیں۔ لیکن ابھی تک کسی نے اُس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

"ممکن ہے اس میں کچھ وقت لگ جائے روزی لیکن ایسا ہو گا ضرور۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گی۔ رات کے تقریباً دس بجے جب بالی گہری نیند سو چکی تھی میں اور روزی بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ بدرشاہ آ گیا۔

"جو کام آپ نے ہمارے سپرد کیا تھا شارق جی وہ ہم نے کر لیا ہے۔"

"گڈ" ویری گُڈ۔ گویا وہ دونوں اب تمھارے پاس ہیں؟"

"ہاں جی، آرام سے رکھا ہے۔ ہم نے آپ کی ہدایت کے مطابق اُنھیں۔"

"اُن کی سخت نگرانی کی ضرورت ہے بدرشاہ، ویسے شہر جانے کے لیے کوئی ذریعۂ آمدورفت حاصل ہو سکتا ہے؟"

"ہو کیا سکتا ہے جی ہم نے کر لیا ہے۔ ایک لینڈ روور لے آئے ہیں اِن علاقوں میں استعمال کرنے کے لیے۔ ہمارے ایک دوست کی تھی۔ یوں سمجھیں اپنی ہی ہے۔"

"ارے واہ یہ تو کمال کیا ہے تم نے۔ کہاں ہے وہ؟"

"بنگلے پر ہی ہے۔ میرا مقصد ہے ڈاک بنگلے پر۔ یہاں بستی میں اُسے لانا خطرناک ہو سکتا تھا۔"

"یہ بات تو میں نہیں کہہ سکتا تم سے کہ تم نے بہت بڑا کام کیا ہے کیوں کہ یقیناً تم اِس سے پہلے بھی بہت بڑے بڑے کام کرتے رہے ہو گے؟"

"ہاں جی، مگر اس بار کام کی نوعیت ذرا مختلف ہے۔"

"ٹھیک ہے بدر شاہ، فی الحال وہیں رہو۔ میں ضرورت پڑنے پر تم سے خود رابطہ قائم کروں گا اور میرا خیال ہے مجھے تمھاری ضرورت پیش آتی رہے گی۔"

"فکر ہی مت کرو جی، اپنی جو ذمّے داری ہو گی ہم پوری کریں گے۔ آپ بھی تو محنت کر رہے ہیں اور روزی صاحبہ بھی۔ اچھا اب زیادہ دیر نہیں رُکوں گا، جاؤں؟"

"او کے بدر شاہ بہت بہت شکریہ۔" میں نے جواب دیا۔ بدر شاہ چلا گیا تو روزی مجھ سے اُس کے بارے میں پوچھنے لگی اور میں نے روزی کو مزید کچھ تفصیلات بتائیں۔ روزی حیران رہ گئی تھی۔ میں نے لکھنی کے دونوں بچّوں کے بارے میں اُسے بتایا تو روزی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"اگر تم۔۔۔ سوری۔ اگر آپ کوئی جرائم پیشہ انسان ہوتے تو میرا خیال ہے پُلیس کے لیے بہت بڑی مصیبت بن جاتے۔ یہی شکر ہے کہ آپ اچھے راستوں کے راہی ہیں۔"

"میرا خیال ہے تم تکلّفات کی دیوار ختم کر دو تو بہتر ہے اب تو تم بھی میری دستِ راست ہو۔"

"سچ شارق صاحب، آپ نے میرے اُوپر جو احسان کیا ہے اُس کے تحت میرا جی چاہتا ہے کہ ساری زندگی آپ کی خدمت کرتے ہوئے گزار دوں۔ کبھی کسی سلسلے میں اگر روزی کی مدد درکار ہو تو کبھی گریز نہ کیجیے گا۔ مجھے آپ کے ساتھ کام کر کے بے حد خوشی ہو گی۔"

"روزی تم بُرائیوں کے راستے پر بحالتِ مجبوری جا نکلی تھیں لیکن میں نے پہلے ہی دِن تمھارے اندر ایک اچھی عورت چُھپی ہُوئی دیکھی تھی اور اس اچھی عورت سے مجھے اِنھی الفاظ کی توقع تھی۔ اطمینان رکھو جب بھی مجھے تمھاری ضرورت پیش آئی میں تمھیں ضرور تکلیف دُوں گا۔ اور روزی معاف کرنا بُرا مت ماننا اِس بات کا تمھیں اِن ایّام کا معاوضہ بھی ملے گا کیوں کہ میں خود بھی اس کا معاوضہ کسی نہ کسی سے وصول کر لوں گا۔"

"میرے حالات اب اتنے بُرے نہیں ہیں ہاں اگر کبھی کوئی ضرورت پیش آئی تو تم سے ضرور مدد لوں گی۔"

لکھنی کے بچّے بدر شاہ کی قید میں پہنچ چکے تھے اور مجھے ایک مضبوط پوزیشن حاصل ہو گئی تھی لیکن میں ابھی لکھنی کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ پتا نہیں اِس بات کا اُس پہ کیا ردِّ عمل ہو۔ میں کوئی رِسک نہیں لے سکتا تھا۔ پہلے ذرا دُوسرے معاملات دیکھ لیے جائیں۔ اِن دُوسرے معاملات میں اب میرے پاس کچھ اور راستے بھی تھے۔ مثلاً غلام داد، مُراد و اور ایسے ہی دوسرے چند کردار جنھیں ابھی ٹٹولنا باقی تھا۔ لکھنی کے اپنے بچّوں سے رابطے کا کیا ذریعہ تھا۔ یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا تھا، لیکن بہر طور اپنی طرف سے میں بھی اُسے ایسی کوئی اطلاع نہیں دے سکتا تھا۔

دوسری صبح روزی اپنا کاٹھ کباڑ اُٹھائے چلی گئی۔ میں آج اپنے پروگرام کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ کسی طرح روزی اپنے مشن میں کامیاب ہو جاتی۔ راستے مختصر ہو سکتے تھے لیکن میں کسی بھی ثبوت کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ کافی دیر تک اُس پہ غور کرتا رہا کہ آج کے دِن کیا کرنا چاہیے۔ غلام داد سے ملنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے آج عالم پور جا کر غلام داد سے ملاقات کروں۔

عالم پُور جانے کے لیے ایک یکّہ کرنا پڑا۔ یکّے یہاں سے عالم پُور جاتے تھے۔ ویسے بھی عالم پور کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ گرد و غبار میں اَٹا ہُوا میں بالآخر عالم پور پہنچ گیا۔ محلّہ کھٹیا کے بارے میں معلوم کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں غلام داد کی دُکان کے سامنے کھڑا ہُوا تھا۔ بے چارہ غلام داد جیسا کہ اُسے ہونا چاہیے تھا ویسا ہی تھا۔ مجھے کوئی گاہک سمجھ کر اُس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن میں نے اُسے سلام کرنے کے بعد کہا۔

"غلام داد صاحب، میں شہر سے آپ کے پاس ایک انتہائی ضروری کام سے آیا ہُوں۔ یہ تو نہیں کہوں گا کہ آپ کا مہمان ہوں لیکن عالم پُور تک کا سفر میں نے آپ ہی کی وجہ سے کیا ہے۔" غلام داد بے چارہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر چونک کر بولا۔

"نہیں صاحب، آپ نے یہ کیوں کہا کہ اگر آپ شہر سے چل کر میرے پاس آئے ہیں تو آپ میرے مہمان نہیں ہیں۔ میں معافی چاہتا ہُوں سمجھ نہیں سکا تھا۔ آئیے اندر آئیے۔" غلام داد دُکان کے پیچھے سے نکل آیا اور پھر زبردستی مجھے دُکان کے عقب میں

بنے ہُوئے ایک چھوٹے سے گھر کی ڈیوڑھی میں لے گیا۔ اُس نے مجھے آرام سے بیٹھنے کے لیے کہا اور خود اندر چلا گیا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد واپس آیا اور بولا۔

"آپ کا چہرہ گرد و غبار میں اَٹا ہُوا ہے۔ براہِ کرم اندر جا کر نہا لیجیے۔ میں نے بالٹی میں پانی رکھ دیا ہے۔ صابن بھی ہے۔ آئیے میرے ساتھ آئیے۔ وہ مجھے لیے ہُوئے ایک ایسی چھوٹی سی جگہ پہنچ گیا جسے غسل خانہ کہا جا سکتا تھا اور اُس کے بعد وہ غسل خانے کا پردہ کھینچ کر وہاں سے ہٹ گیا۔ میں بالٹی کے ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہُوئے غلام داد سے گفتگو کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ غسل کر کے باہر نکلا تو غلام داد بے چارہ میری آسائشوں کے لیے جو کچھ بندوبست کر سکتا تھا کر چکا تھا۔ ڈیوڑھی میں ایک چارپائی بچھا دی گئی تھی جس پہ چادر اور دری بچھی ہُوئی تھی۔ اُس نے مجھے آرام سے بیٹھنے کے لیے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد چائے اور کچھ دُوسری چیزیں لے آیا۔

"کھانا تیار ہو رہا ہے جب تک چائے پی لیجیے۔"

"شکریہ غلام داد، میں اِس مہمان نوازی کے لیے آپ کا شکر گزار ہُوں۔"

"شرمندہ نہ کریں صاحب، ہم تو غریب آدمی ہیں۔ اگر آپ ہم سے ملنے آئے ہیں تو ہمارے بارے میں آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ ہم بہت چھوٹی سی حیثیت کے مالک ہیں۔"

"یہ الفاظ کہہ کر آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں غلام داد صاحب۔ میں آپ کی مالی حیثیت سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ مجھے صرف آپ کی ذات سے دِلچسپی ہے۔"

"آپ کا نام ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔"

"میرا نام شارق حسین ہے۔"

"اور ہم یہ بھی نہیں سمجھ سکے کہ شہر سے کوئی ہم سے ملنے کے لیے کیوں آ سکتا ہے؟"

"یہ تمام تفصیلات میں ابھی چند لمحات کے بعد آپ کو بتا دُوں گا۔" میں نے کہا اور غلام داد نے گردن ہلا دی۔ وہ میرے ساتھ چائے میں شریک ہو گیا تھا۔ چائے پیتے ہُوئے میں نے کہا۔

"غلام داد صاحب، بستی غلام آباد چھوڑے ہُوئے آپ کو کتنا عرصہ گزر گیا؟" غلام داد نے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"تیسرا سال ہے۔"

"کیا آپ کو بستی غلام آباد سے آنے کے بعد وہاں کے حالات کا کچھ علم ہے؟"

"ہاں کبھی کبھی غلام آباد کا کوئی باشندہ عالم پُور نکل آتا ہے تو ہمیں وہاں کی خبریں مل جاتی ہیں۔"

"کیا آپ کو بھی اِس بات کا علم ہے کہ فضل خان کی بیٹی زمرّد کو روشن علی نامی ایک شخص نے قتل کر دیا۔"

"ہاں سُنا تھا، روشن علی کو ہم بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ بڑے اچھے باپ کا بیٹا تھا۔ اچھا خون تھا بدن میں، پَر شیطان کسی کا پیچھا کہاں چھوڑتا ہے؟ شروع میں وہ زمرّد سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر فضل خان نے منظور نہیں کیا۔ کافی دن تک شور مچاتا رہا پھر مؤذن صاحب کی بیٹی سے اُس کی شادی ہو گئی مگر اُس کے بعد اُس کی کوئی ایسی بُرائی سننے میں نہیں آئی تھی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ فضل خان کی بیٹی کو قتل بھی کر سکتا ہے۔ ہمیں بڑا تعجب ہوا تھا۔ مگر آپ یہ باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں شارق صاحب؟"

"ہوں، غلام داد صاحب، میں وکیل ہُوں۔ شہر سے اِس سلسلے میں تحقیقات کرنے آیا ہُوں کہ کیا سچ مچ فضل خان کی بیٹی زمرّد کو روشن علی نے ہی قتل کیا ہے یا اِس کے پیچھے کوئی اور حقیقت ہے؟"

"کچھ پتا چلا آپ کو؟ کیا حقیقت ہو سکتی ہے اس کے پیچھے؟" غلام داد نے مجھے بغور دیکھتے ہُوئے کہا۔

"حقیقتوں کا پتا تو چل ہی جاتا ہے لیکن بعض اوقات کسی کی جان بچانے کے لیے بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔ آپ کے پاس آنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ بھی اِن حقیقتوں کی نقاب کشائی میں میری مدد کریں۔"

"میں۔۔۔ میں کیا مدد کر سکتا ہُوں؟"

"مجھے انتہائی شرمندگی ہے کہ میں آپ کے زخموں کو کُریدنے کے لیے آیا ہُوں۔ یہ ہونا تو نہیں چاہیے لیکن میرے محترم بزرگ روشن علی بے گناہ ہے۔ وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ اُس نے زمرّد کو قتل نہیں کیا۔ روشن علی کو عمر قید کی سزا ہو گئی ہے اور وہ اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اپنی بیوی کو طلاق دینے پہ آمادہ ہے تاکہ اُس کے دونوں بچّوں کی پرورش کوئی اور نیک آدمی کر سکے۔ ایک انسان کی بے بسی اگر آپ بھی محسوس کریں تو کیا آپ کا دل نہیں تڑپ اُٹھے گا؟ اُس کی مدد کے لیے؟ روشن علی کا کہنا ہے کہ امیرالدین جو چودھری غیاث الدین کا بیٹا ہے اُس کی بیوی رشیدہ کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتا تھا۔ رشیدہ نے یہ بات روشن علی کو بتا دی اور روشن علی نے جب اِس سلسلے میں ہنگامہ آرائی کی تو اُسے

زمرد کا قاتل بنا دیا گیا اور کوئی فریاد سننے والا نہیں تھا۔ بستی غلام آباد میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو چوہدری غیاث الدین کے بیٹے کے خلاف گواہی دے سکے۔ نتیجے میں روشن علی کو عمر بھر کی قید کی سزا ہو گئی۔ غلام داد تمھارے سینے پر بھی ایک زخم ہے اور میں تمھیں اس زخم کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اگر روشن علی کی جان بچانے کے لیے کچھ کر سکتے ہو تو اپنے فرض میں کوتاہی مت کرو۔"

غلام داد کی آنکھیں سُرخ ہو گئی تھیں۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ظلم تو مجھ پر بھی ہُوا تھا لیکن میری دادرسی کسی نے بھی نہ کی۔ میں بھی تو ایک ایک کے سامنے فریاد کرتا پھر رہا تھا۔ میری بیٹی ایک معصوم پھول کی مانند تھی جس نے اپنی آنکھیں اُٹھا کر کسی انسان کو نہیں دیکھا لیکن اُس کے ساتھ جو وحشت جو درندگی کی گئی۔ میں نے ہر ایک سے کہا تھا کہ میری مدد کرو لیکن اُس وقت میری مدد کرنے والا بھی تو کوئی نہیں تھا۔ مجھے بتاؤ میں بے بس آدمی کسی کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

"کیا تمھیں اس بات پر شبہ ہے غلام داد کہ تمھاری بیٹی امینہ کو امیرالدین نے برباد نہیں کیا؟"

"وہ کتا ہی کتا اس گندگی کا باعث بنا تھا۔ مجھے اُسی طرح اس بات پر بھی یقین ہے جس طرح اپنے خُدا پر لیکن ہم جیسے بدبخت لوگ جو دُنیا میں گمنام پیدا ہوتے ہیں اور گمنام مر جاتے ہیں۔ کبھی کسی صاحبِ ثروت کے خلاف کیا کر سکتے ہیں؟ آپ خود بتاؤ وکیل صاحب؟"

"نہیں غلام داد، خُدا کو کیوں بھول جاتے ہو جو دیر سے سہی لیکن انسان کی گرفت ضرور کرتا ہے۔ وہ وقت آ گیا ہے غلام داد جب امیرالدین کو امینہ کی بے حرمتی کی سزا ملے گی۔"

"آہ کاش! وہ وقت میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔"

"نہیں، وقت کے چل کر آنے کا انتظار مت کرو، غلام داد اس سلسلے میں عمل قدم اُٹھانا ضروری ہے۔"

"مگر میں کیا کر سکتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ۔ میں نے بستی غلام آباد چھوڑ دی۔ یہاں عالم پور میں اہلِ خاندان کا گزارا کرنے کے لیے یہ چھوٹی سی دُکان چلا رہا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟"

"تم عدالت میں یہ بیان تو دے سکتے ہو کہ تمھاری بیٹی امینہ کو برباد کرنے والا وہی امیرالدین تھا۔"

"ہاں دے سکتا ہوں لیکن مجھے عدالتوں تک پہنچنے کا حق کون دے گا؟"

"میں۔" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تو خُدا کی قسم، میں عدالت میں چیخ چیخ کر کہوں گا کہ یہ شخص جس نے داڑھی رکھ کر اپنے چہرے پر بے شمار نقاب ڈال رکھے ہیں شیطان کا چیلا ہے اور اسے موت کی سزا ملنی چاہیے۔ صرف موت کی سزا۔ تم ایک منٹ رُکو۔ وکیل صاحب میں تمھیں ایک چیز دکھاتا ہوں جو اُس شخص کے خلاف سب سے بڑا ثبوت ہے سب سے بڑا ثبوت۔"

"ہاں، میں کسی ایسی ہی چیز کی تلاش میں ہوں۔" غلام داد اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تقریباً دو سوا دو سال کے بچے کو گود میں لیے ہوئے اندر داخل ہُوا اور اُس نے وہ بچہ میرے سامنے کر دیا۔

"اس معصوم بچے کو دُنیا کی نگاہ بہت بُری طرح دیکھے گی اور اگر اس کی حقیقت لوگوں کو معلوم ہوئی تو یہ ہمیشہ اس دُنیا میں رہنے والوں کی نفرتوں کا شکار رہے گا۔ کیونکہ یہ وہ بچہ ہے جو اپنے باپ کے بغیر پیدا ہُوا۔" میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ میری آنکھیں اُس بچے کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ذہن گہری سوچ کا شکار تھا۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں غلام داد صاحب؟"

"سمجھنے کی کوشش کرو، یہ وہ الفاظ ہیں جو ایک باپ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا۔ یہ بچہ امیرالدین کا ہے سمجھے۔ اُس کے اُس گناہ کی نشانی جو اُس نے میری بچی پر ظلم کر کے کیا تھا۔ میں امینہ کے ساتھ عالم پور آ گیا۔ عالم پور میں میں نے رہائش اختیار کر لی اور دُنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر یہاں وقت گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ تب مجھے یہ معلوم ہُوا کہ...کہ۔" غلام داد کی آواز بلند ہونے لگی تو میں نے اُسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں اس سے آگے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں اس گناہ کا قائل نہیں تھا۔ میری بیوی نے مجھے مشورہ بھی دیا کہ میں اپنی بچی کو اس عذاب سے نجات دلا دوں لیکن لیکن۔"

"اوہ۔" میں نے چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ کہا۔ غلام داد کہنے لگا۔

"اور یہ بچہ...؟ اگر تم اسے کسی کے سامنے پیش کرو تو وہ ایک نگاہ اسے دیکھ کر کہہ سکے گا کہ یہ امیرالدین کا بچہ ہے۔ سو فیصد

وہی خدوخال وہی نقوش۔ ہاں وکیل صاحب، درحقیقت یہ بچہ امیرالدین کا ہم شکل ہے اُس کے گناہ کا ثبوت لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس گناہ کو منظرِ عام پر کیسے لاؤں؟ میں یہ ثبوت امینہ کے ساتھ عدالتوں کو کیسے پیش کروں؟ ایسے کام آسان تو نہیں ہوتے اور اگر میں پیش بھی کروں تو اپنی بچی کی بدنامی کے سوا اور مجھے کیا ملے گا؟ کیا میرے ساتھ کوئی انصاف کیا جائے گا؟ کیا چوہدری غیاث الدین کو اس کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس گناہ کو اپنے خاندان کی نشانی سمجھ کر قبول کرے۔ مجھے بتائیے وکیل صاحب کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ مجھ جیسے بے بس بے سہارا اور لاچار آدمی کے لیے کیا یہ ممکن ہے کہ میں چوہدری غیاث الدین جیسے شخص کو للکار سکوں۔ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے کان دبائے یہاں عالم پور میں پڑا ہُوا ہوں۔ لوگوں سے میں نے یہی کہا ہے کہ امینہ بیوہ ہو چکی ہے اور میں اپنی اس بیوہ بچی کے ساتھ زندگی گزار رہا ہوں۔ میں نے اپنی عزت چھپا رکھی ہے۔ دیکھیں خُدا کب تک میری مدد کرتا ہے۔ ویسے میں نے یہ یہ دُعا کی ہے کہ اگر مجھے رُسوا ہونا ہے تو اپنی زندگی میں نہ ہوں۔ موت کے بعد دُنیا سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ وہ اِن لوگوں کی تقدیر۔" میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ یہ کہانی بے حد پُر درد تھی۔ کافی دیر تک میں خاموش بیٹھا رہا۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے پھر میں نے غلام داد سے کہا۔

"غلام داد صاحب، جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں وکیل ہوں اور روشن علی کے کیس کی پیروی کر رہا ہوں۔ میں نے بہت دُکھ دیا ہے آپ کو غلام آباد آ کر۔ امیرالدین کے خلاف میں ثبوت جمع کر رہا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ثبوت ناقابلِ تردید ہے۔ عدالت میں اگر امینہ کا بچہ پیش کیا جائے تو کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ امیرالدین کی اولاد نہیں ہے۔ کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے غلام داد صاحب؟"

"اور اس کے بعد میں امینہ کا کیا کروں گا؟ اس بچے کا کیا کروں گا؟ جسے میں دُنیا کے سامنے ایک ایسے بچے کی حیثیت سے پیش کروں گا جس کا کوئی باپ نہیں ہے۔"

"سوچ لیجیے غلام داد صاحب، اب بھی آپ کو اِن خطرات سے گزرنا پڑ رہا ہے لیکن روشن علی کی زندگی بچا کر اگر آپ کوئی نیک کام کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو اس کی دعوت دیتا ہوں اور اگر آپ اس بات کو پسند نہیں کریں گے تو میں کبھی یہ نہیں چاہوں گا کہ آپ کی بیٹی بدنام ہو۔"

"بھائی صاحب، میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" دروازے کے عقب سے ایک نسوانی آواز گونجی اور غلام داد نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔

"امینہ بیٹی!" اُس نے کہا۔

"میں نے آپ کے سامنے کبھی زبان نہیں کھولی۔ ابّو لیکن جو کچھ میں نے سُنا ہے ابّو اُس کے بعد میں زبان بند نہیں رکھ سکتی۔ میں رُسوا ہو گئی۔ میرا بچہ بِن باپ کا بچہ کہلایا تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ ہم ماں بیٹے کے لیے اس دُنیا میں جگہ نہیں رہے گی لیکن امیرالدین کے چہرے سے ایک نقاب تو اُتر جائے گا۔ ابّو ہمیں یہ نیک کام کرنا ہو گا۔ اگر آپ میرا ساتھ نہیں دیں گے تو آج زندگی میں پہلی بار آپ سے بغاوت کا اعلان کروں گی۔ میں امیرالدین کے اس گناہ کو منظرِ عام پر لانا چاہتی ہوں۔" غلام داد کا سر جُھک گیا۔ کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ تب میں نے دروازے کی جانب رُخ کر کے کہا۔

"امینہ بہن میں نہیں کہہ سکتا کہ اس دُنیا میں فرشتے بستے ہیں۔ ہر شخص لالچ کا بندہ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی غرض کے لیے رشتے تعمیر کرتا ہے اور غرض پوری ہو جانے کے بعد ان رشتوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ رشتے اس دُنیا میں اپنی حیثیت کھو چکے ہیں۔ ہر شخص ہوس کا غلام ہے۔ ممکن ہے میں بھی انھی میں سے ایک ہوں لیکن چونکہ ابھی میرا آپ سے ایک واسطہ ہے ایک ضرورت ہے میری، چنانچہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ اگر دُنیا نے آپ کو کوئی سہارا نہ دیا تو ایک بھائی آپ کو بہن کی حیثیت ضرور دے گا اور اس بچے کو اپنے خاندان سے منسوب کرے گا اور میرا خاندان بُرا نہیں ہے۔ امینہ بہن۔ میں ایک اچھے خاندان کا فرد ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو یہ خطرہ مول لے لیں۔ امیرالدین کو روشنی میں لانے کے لیے۔"

"میں تیار ہوں میرے بھائی!" امینہ شدتِ جذبات سے بے قابو ہو کر میرے سامنے آ گئی۔ سانولی سلونی سی حسین نقوش کی لڑکی تھی لیکن اب چہرے سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ایک خزاں رسیدہ درخت۔ میں نے نظریں جُھکا لیں اور پھر غلام داد کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"اب آپ کو بھی اس سے انکار نہیں ہونا چاہیے۔ غلام داد صاحب۔ باقی معاملات خُدا پر چھوڑ دیجیے۔"

"نہیں بیٹے مجھے اس نیک کام سے انکار نہیں تھا بس خوف تھا تو رُسوائی کا لیکن ٹھیک ہے اگر اس رُسوائی کے عوض روشن علی کی زندگی بچ سکتی ہے اور حقیقتیں سامنے آسکتی ہیں تو تم اطمینان رکھو میرا پورا گھر زندگی کی قیمت پر یہ فرض انجام دے گا"

....اس بات پر میں نے اُن لوگوں کو مُبارک باد دی۔ اور کہا میں خُود بھی انسانی جذبوں کے تحت یہ ساری کارروائی کر رہا ہُوں اور انسانوں ہی کی تلاش میں سرگرداں ہُوں۔ چنانچہ اُن لوگوں کے مِل جانے سے مجھے بے حد مسرّت ہُوئی ہے۔ پھر میں نے اُسی دِن غلام داد سے اجازت طلب کر لی تھی۔ انھوں نے مجھے عالم پور میں روکنا چاہا لیکن میں نے اُن سے معذرت کرتے ہُوئے کہا کہ میرا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے چنانچہ مجھے اجازت دی جائے۔ جس یکّے سے میں یہاں تک آیا تھا وہ مجھے وہیں مِل گیا اور میں اُسی سے واپس چل پڑا۔ یکّے والے کو کچھ زیادہ رقم دیتے ہُوئے میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ میری عالم پور آمد کے بارے میں وہ کسی سے کوئی تذکرہ نہ کرے اور یکّے والے نے وعدہ کر لیا تھا۔ رات کے تقریباً پونے دس بجے جب میں بالی کی سرائے میں داخل ہُوا۔ بالی میرا انتظار کر رہی تھی۔ عموماً وہ اس وقت گہری نیند سو رہی ہوتی تھی لیکن آج صرف میری وجہ سے وہ جاگ رہی تھی۔ میں نے شرمندہ نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ مُسکرا دی۔

"یہاں سے کہیں باہر گئے تھے کم از کم بستی غلام آباد میں تو نہیں تھے"

"تمھیں کیسے معلوم ہُوا بالی بہن؟"

"بس بس۔ یہ سوال مت کرو مجھ سے یہ بتاؤ کھانا نکالوں؟"

"ہاں بھوک لگ رہی ہے" میں نے کہا اور بالی میرے لیے کھانا نکالنے لگی تب میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا روزی نے کھانا کھا لیا ہے؟

"ہاں وہ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی ہے" بالی نے کہا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بالی تو سونے چلی گئی اور میں سیدھا روزی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ بھی میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔

"آج تو آپ نے واپسی میں بہت دیر لگا دی"

"ہاں روزی میں چاہتا ہُوں کہ مختصر وقت میں اپنا کام مکمل کر لوں"

"اس کا مقصد ہے کہ آج کوئی مہم تھی۔ کامیابی ہُوئی؟"

"بہت زیادہ"

"گڈ، آج میں بھی تمھیں تھوڑی سی خوشخبری سنانا چاہتی ہُوں" روزی نے کہا اور میں سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ تب روزی نے وہ مائیکرو ٹیپ ریکارڈر نکالا جو میں نے اُسے دیا تھا۔ اُس نے کیسٹ ری وائنڈ کر کے ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز۔ گائے بھینسوں کے بولنے کی آواز کہیں دُور سے کتے بھونکنے کی آواز اُس کے بعد ایک اور آواز سُنائی دی۔

"سلام و علیکم جی"

"ہیلو کون ہیں آپ؟"

"اوہ جی مُراد خان ہے اپنا نام۔ رئیس ہیں اِس بستی کے۔ آپ کون ہیں بی بی؟ ہم پہلی بار یہاں آپ کو دیکھ رہے ہیں"

"بڑی خوشی ہُوئی آپ سے مل کر مُراد خان صاحب۔ میرا نام روزی ہے۔ میں یہاں فوٹوگرافی کرنے آئی ہُوں۔ آپ کی یہ بستی تو بے حد حسین ہے۔ یہاں کے مناظر ایسے ہیں کہ انھیں دیکھ کر یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا"

"یہاں کے آدمی بھی ایسے ہی ہیں جی جن سے آپ ملو تو آپ کا کبھی یہاں سے جانے کو جی نہ چاہے"

"مجھے تو آپ ہی سے مل کر اتنی خوشی ہو رہی ہے کیا اچھا انداز ہے آپ کا کیسے اچھی طرح سے گفتگو کرتے ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہُوئی مُراد خان صاحب"

"او جی ابھی کیا، ابھی تو ہمارے ساتھ ایک آدھ دِن دعوت کھاؤ تب آپ کو اصلی والی خوشی ہو گی۔ ویسے روزی بی بی آپ بہت خوبصورت ہو جی"

"بے حد شکریہ، مُراد خان۔ آپ کیا کرتے ہیں؟"

"بس جی زمینیں پڑی ہیں یہاں پر اپنی تھوڑی سی۔ ہاری کاشت کرتے ہیں اور ہم عیش"

"خوب، گویا آپ سچ مچ کے رئیس ہیں"

"لو جی، تو کیا آپ نے جھوٹ مُوٹ کا سمجھا تھا۔ آپ یہاں کہاں ٹھہری ہو جی؟"

"سرائے میں" یہ روزی کی آواز تھی۔

"گستاخی معاف جی، آپ جیسی خوبصورت بی بی کو سرائے میں ٹھہرنا نہیں چاہیے تھا۔ ویسے کون سی سرائے میں ٹھہری ہیں آپ؟"

"بالی کی سرائے میں"

"او ہٹ خدا سے ڈرو۔ بالی کی سرائے بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے جی؟"

"مگر یہاں کوئی ہوٹل بھی تو نہیں ہے مُراد خان صاحب پھر میں کہاں ٹھہر سکتی تھی؟"

"کمال ہے جی، اپنے چوہدری صاحب کی حویلی پڑی ہے۔ چوہدری صاحب ایسے بڑے آدمی بھی نہیں ہیں اور پھر اُن کے بیٹے امیرالدین خان، او جی اُن کی تو بات ہی نہ کرو' آپ نے ایسا بندہ اِس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا"

"کہاں سے دیکھتی، مجھے تو اُن کے بارے میں کچھ پتا ہی نہیں تھا"

"ملو گی جی اُن سے تو جی خوش ہو جائے گا"

"اچھے لوگوں سے ملنے کو کس کا جی نہیں چاہتا لیکن میں یہاں اکیلی نہیں ہُوں"

"کیا مطلب جی؟ کون ہے آپ کے ساتھ؟"

"میرے بوائے فرینڈ میرے ساتھ ہیں۔ مسٹر شارق آپ کو اُن سے ملاؤں گی مُراد خان صاحب۔ اگر مسٹر شارق اجازت دے دیں گے تو میں آپ کے امیرالدین خان سے بھی ملوں گی۔ یہ میرا شوق ہے کہ اچھے لوگوں سے ملاقات کروں"

"لو جی، یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہُوئی۔ چلو ٹھیک ہے، کل آپ کے وہ کیا بتایا آپ نے بوئے بوئے"

"بوائے فرینڈ"

"ہاں جی وہی ہمیں انگریزی نہیں آتی پر امیرالدین خان کو آتی ہے۔ او جی آپ تو نہال ہو جائیں گی اُس کے پاس جا کر وہاں سے آنے کو جی نہیں چاہے گا مگر آپ اپنے بوئے فرینڈ کے ساتھ اُدھر مت جانا۔ امیرالدین خان ذرا کم ہی لوگوں سے ملتے ہیں"

"پھر بھی مجھے اُس سے پوچھنا تو ہو گا ہی آپ یوں کیوں نہیں کرتے مُراد خان صاحب کہ آپ میرے بوائے فرینڈ سے مل لیں۔ شارق بھی بہت اچھے آدمی ہیں۔ بڑے زندہ دِل اور ہنس مکھ۔ آپ کو اُن سے مل کر ضرور خوشی ہو گی"

"ہمیں تو آپ سے مل کر جو خوشی ہُوئی ہے جی' اُسے نہیں بول سکتے اپنی زبان سے"

"میں اندازہ لگا رہی ہوں اور میں بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ مجھے بھی آپ سے مل کر بے حد خوشی ہُوئی ہے۔ کاش آپ شہر میں ہمارے پاس آتے"

"آپ بلاؤ گی تو آ جائیں گے جی، بلکہ اپنے امیرالدین کے ساتھ ہی آئیں گے۔ آپ پہلے اُن سے مل لو ایک بار"

"میں ضرور ملوں گی۔ کل صبح کو اگر آپ پسند کریں تو بالی کی سرائے آ جائیں"

"نہ جی نہ، بالی بہت غلط عورت ہے۔ آپ یوں کرو کل صبح دس بجے اسی جگہ آ جاؤ۔ ہماری آپ کی ملاقات بھی ہو جائے گی۔ ہم آپ کو اپنے باغ میں پھل کھلانے بھی لے جائیں گے۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم کھلائیں گے۔ آپ کی کل دوپہر کی دعوت تو ہمارے باغ میں رہی اور پھر بعد میں امیرالدین سے مل لینا لیکن سوچ لو کہیں آپ کے بوئے منع نہ کریں"

"نہیں شارق بہت اچھے انسان ہیں۔ وہ مجھے جانے سے کہیں منع نہیں کرتے۔ آپ چاہیں تو خود اُن سے بات کریں۔ اُنھیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا اور پھر ہم دونوں کا کام ایک ہی ہے وہ تصویریں بناتے ہیں اور میں فوٹوگرافی کرتی ہُوں"

"اچھا جی اچھا، بڑا دِل چاہ رہا ہے آپ کے ساتھ رہنے کو مگر یہ بھی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ نے ہم سے محبت سے بات کی۔ ہم بڑا شکریہ ادا کرتے ہیں آپ کا۔ کل انتظار کریں گے"

"او کے مُراد خان صاحب او کے" روزی کی آواز آئی اور اُس کے بعد اُس نے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ میں حیرت سے روزی کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے میری آنکھوں میں خوشی کے آثار دیکھے تو آہستہ سے بولی۔

"کوئی کام کی بات بنی شارق صاحب؟"

"تم اسے صرف کام کی بات کہتی ہو روزی۔ میں کہتا ہُوں کہ تم نے ایک ہی دِن میں جو کمال کر دکھایا ہے۔ اُس کی کوئی مثال نہیں ہے"

"ٹھیک ہے مجھے مسرّت ہے کہ میں صحیح آدمی تک پہنچ گئی"

"ہاں روزی یقیناً اور تم نے جو کام کیا ہے وہ بھی لاجواب ہے۔ ویسے مجھے اِس بات کا یقین تھا کہ وہ بدبخت جو امیرالدین کا ایجنٹ ہے تم تک ضرور پہنچے گا اور یہی ہُوا۔ واہ روزی یہ عورت کی قوّت بھی اس دُنیا میں کیا چیز ہے؟" روزی ہنسنے لگی تھی۔ کافی دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے۔ دُوسرے دِن کا پروگرام طے ہُوا اور اُس کے بعد میں روزی کو خُدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ آج کا دِن کامیابیوں کا دِن تھا۔ امینہ کے بیٹے کو دیکھ کر مجھے دُکھ بھی ہُوا تھا۔ غلام داد کی بے بسی کا احساس بھی تھا اور یہ مسرّت بھی کہ ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہو گا امیرالدین

کے خلاف لیکن اُس کے ثبوت کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ پتا نہیں امیرالدین کے کانوں تک یہ خبر پہنچی یا نہیں کہ وہ امینہ کے بیٹے کا باپ ہے لیکن دو ڈھائی سال گزر چکے تھے ضروری تو نہیں ہے کہ ابھی یہ خبر اُس تک پہنچے۔ بہرحال اتنا رسک تو لینا ہی تھا۔ چنانچہ مَیں نے سونے کا فیصلہ کر لیا۔

دُوسرے دِن ساڑھے دس بجے کے قریب ہمیں اُس مخصوص جگہ جہاں روزی کی پہلی ملاقات مُراد سے ہُوئی تھی پہنچنا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد ہم اُس جگہ پہنچ گئے مُراد وہ پہلے ہی سے ہمارا منتظر تھا۔ کمبخت شکل ہی سے کمینہ نظر آتا تھا۔ چہرہ انتہائی مکروہ تھا۔ آگے بڑھا اور جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔ مَیں نے مُسکراتے ہُوئے اُس سے ہاتھ ملایا تھا۔

"بھئی مُراد خان صاحب، آپ سے تو ہمیں رقابت ہوگئی۔"

"کیا ہوگئی جی؟" مراد خان رقابت کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا۔

"مطلب یہ کہ ہم تو آپ کے دُشمن ہو گئے۔"

"او جی اللہ نہ کرے۔ ہم تو بڑے شریف آدمی ہیں۔ مہمانوں سے کون دُشمنی کرسکتا ہے پر ہم سمجھے نہیں جی کہ آپ کو ہم سے دُشمنی کیوں ہوگئی؟"

"اس لیے مُراد خان صاحب کہ یہ میری محبوبہ رات بھر آپ کا خواب دیکھتی رہی ہے اور مراد خان مراد خان پکارتی رہی ہے۔"

"اوہ خُدا قسم کی جی کیسی باتیں کررہے ہو آپ، ہم نے ہم تو۔" مراد خان گھبرا کر بولا۔ لیکن میں مُسکرا دیا تھا۔

"نہیں مراد خان صاحب، آپ جیسے رئیسوں کے جتنے بھی گُن گائے جائیں کم ہیں۔ آپ کی تو شکل ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس بستی کے مالک ہیں۔"

"نہیں جی، زمین کا مالک تو اللہ ہے۔ ہم تو بس خادم ہیں آپ لوگوں کے۔ اِن بی بی سے کل ملاقات ہُوئی تھی۔ ہمیں افسوس ہُوا کہ ہم آپ لوگوں کے ٹھہرنے کے لیے کوئی اچھی جگہ نہ دے سکے۔ پھر جی کیا کریں حالات ہی ایسے ہیں۔ پھر بھی ہماری طرف سے آج دوپہر کا کھانا قبول کرو جی بڑی خوشی ہوگی آپ سے باتیں کرکے۔"

"روزی مجھے پہلے ہی بتا چکی ہے کہ آپ نے یہ تکلف کیا ہے۔"

"نہیں جی تکلف کیسا؟ ہم تو یاروں کے یار ہیں آؤ آپ کو اپنی زمینیں گھمائیں۔" میں اور روزی مُراد خان کے ساتھ چل پڑے... ویسے مَیں پوری طرح ہوشیار تھا۔ اُس

کمبخت سے کوئی بھی بات بعید نہیں تھی۔ مَیں اُس کے ساتھ کافی دیر تک گھومتا رہا۔ روزی اپنا کام مسلسل کررہی تھی اور اُس کی ادائیں ایسی تھیں کہ مراد خان جیسے گدھے پاگل ہو جائیں۔ پھر وہ ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئی تو مراد خان جلدی سے بولا۔

"او بی بی جی، آپ شہری لوگ ہو تھک گئی ہوگی چلو ہمارے باغ چلو۔ مراد خان ہمیں جس باغ میں لے کر آیا یہ وہ نہیں تھا جہاں نکھتی رہتی تھی بلکہ ایک نئی جگہ تھی جو میں نے ابھی تک نہیں دیکھی تھی۔ یہاں بھی ایک چھوٹا سا کچا مکان بنا ہُوا تھا جس کے سامنے درخت تھے اور درختوں کے نیچے چارپائیاں پڑی ہُوئی تھیں۔ اُنھی چارپائیوں پر ہماری ضیافت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ مُراد خان نے اچھا خاصا کھانا پکوایا تھا۔ بہرطور ہم نے ساتھ کھانا کھایا۔ روزی کو میں نے آنکھ ماردی اور وہ تھکن کا بہانہ کرکے وہیں پلنگ پر دراز ہو گئی۔ مَیں مراد خان کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ مَیں نے ایک جگہ رُک کر کہا۔

"تمھاری یہ بستی بڑی خشک ہے یہاں حُسن تو نظر ہی نہیں آتا۔" مراد خان چونک کر مجھے دیکھنے لگا تھا پھر وہ ایک مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"ہاں جی یہاں کا حُسن تو گھروں میں بند ہے مگر آپ کو کیا ضرورت ہے صاحب؟ آپ تو خود ہی بہت بڑی چیز کے مالک ہو۔"

"نہیں بھئی مراد خان یہ چیز میری ملکیت نہیں ہے بس دوست ہے میری اور دوست صرف دوست ہی ہوتے ہیں۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"سمجھ رہے ہیں جی سمجھ رہے ہیں۔ شوقین آدمی معلوم ہوتے ہو پر یاری کس سے کی ہے۔ تم نے بتا ہے۔"

"سمجھے نہیں مراد خان صاحب۔"

"او بھائی شہری بابو سمجھنے کی کوشش کرو تم لوگ شہروں میں عیش کرتے ہو تو تمھارا کیا خیال ہے ہم دیہاتی لوگ بھوکے ہی مرتے ہیں کیا؟ ٹھیک ہے جی آج ہماری طرف سے تمھاری دعوت۔"

"ارے ارے، دعوت تو آپ مجھے دے ہی چکے ہیں۔ مراد صاحب۔"

"او شہری بابو یہ وہ دعوت نہیں دوسری دعوت۔" مراد خان آنکھ دبا کر بولا۔

"او اچھا اچھا، مراد خان صاحب مگر رئیسوں کی تو یہی شان ہوتی ہے جس سے پیار کیا اُس پر سب کچھ لُٹا دیا۔ ہم نے

ہاں ہی سُنی تھیں لیکن آج اپنی آنکھوں سے ایک رئیس کو دیکھ رہے ہیں۔"

"ابھی کیا دیکھا ہے جی؟ ہماری یاری تو بڑے کام کی ہے۔ پر یہ بتاؤ اگر اس پر تمھارا اپنا ہاتھ نہیں ہے تو کیا ہم؟"

"ہاں ہاں بھئی کیوں نہیں، وہ میری ملکیت تو نہیں ہے۔"

"اوہ جیتے رہو جی خوش کر دیا۔ یہ تو بڑی خوبصورت ہے۔"

"اب جو کچھ بھی ہے مراد خان صاحب لیکن آپ اپنا یہ شوق کب پُورا کریں گے؟"

"آج ہی جی، شام میں مل جانا ہمیں اس جگہ۔ کیسی جگہ ہے؟"

"مگر یہ تو بہت دور ہے۔"

"اچھا تو ہمیں چوک پہ مل جانا۔ چوک دیکھا ہے؟"

"ہاں وہ جگہ جہاں چند دُکانیں ہیں۔"

"ہاں وہی چوک کہلاتا ہے۔ رات کو نو بجے ہمیں مل جانا۔ چوک کے پاس پر اکیلے ہی آنا یہ نہ ہو کہ روزی کو بھی ساتھ لے آؤ۔"

"نہیں نہیں بھلا ایسے موقع پر روزی کو ساتھ لانے کی ضرورت کیا ہے۔؟"

"ہاں یہی ہم کہتے ہیں۔ ابھی تو ہم تمھیں کچھ اور لوگوں سے ملائیں گے۔ یاروں کے یار ہیں ہم بھی۔ کیا یاد کرو گے تم بھی اپنے شہر جاکر۔"

"نہیں مراد خان صاحب، آپ اطمینان رکھیے میں بھی اتنا ناشکرا نہیں ہوں۔ آپ کو شہر آنے کی دعوت دُوں گا۔" اور پھر میں نے اوباش انداز میں مُراد کو آنکھ ماری۔ کمبخت بے غیرت اسی قسم کا آدمی تھا اور اُس سے اُسی کی زبان میں گفتگو کرنا ضروری تھا چنانچہ وہ اچھی طرح میری بات سمجھ گیا پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ جی، ہمیں بھی ذرا اُس سے اکیلے میں کچھ باتیں کر لینے دو۔ اجازت ہے تمھاری طرف سے۔"

"کیسی بات کررہے ہو مراد خان صاحب، ہماری آپ کی دوستی پکی تو ایسی ایسی ہزار لڑکیاں کیا چیز؟"

"او یار دِل جیت لیا تم نے مُراد کا۔ یار ایسا ہی ہونا چاہیے۔" مُراد نے کہا اور اُس کے بعد وہ اُس جگہ چلا گیا جہاں روزی پلنگ پر لیٹی ہُوئی تھی۔ مَیں نے دُور سے دیکھا، روزی اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ مراد خان بے تکلفی سے اُس کے پاس بیٹھ گیا اور پھر اُس سے باتیں کرنے لگا۔ مَیں نے اِن دونوں

کی گفتگو میں مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی ضرورت بھی نہیں تھی جو باتیں اُن کے درمیان ہورہی تھیں وہ بالآخر مجھے معلوم ہونے ہی والی تھیں چنانچہ جلدبازی بے معنی ہوتی۔

شام تک ہم لوگ وہاں رہے۔ مراد خاں نے ہماری کافی خاطر مدارت کی۔ اُس مکان کے بارے میں اُس نے بتایا کہ یہ چوہدری غیاث الدین کی ملکیت ہے اور یہاں کوئی نہیں رہتا۔ بہرطور شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے اُس نے ہم دونوں کو اجازت دی اور ہم واپس بالی کی سرائے کی جانب چل پڑے۔ راستے میں روزی نے مجھ سے کہا۔

"تمھارے ساتھ گفتگو کرنے کے بعد وہ واپس میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمھارا بوئے فرینڈ تو بالکل ہی گھونچا ہے۔ اُس نے خوشی سے اجازت دے دی کہ میں تمھیں جہاں چاہوں لے جاؤں جس پر میں نے اُس سے کہا کہ ہم شہری لوگ ایک دوسرے کے پیچھے بہت زیادہ پریشان نہیں رہتے۔ ہر شخص اپنی اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ اس پر اُس نے کہا کہ اگر میں پسند کروں تو آج ہی وہ میری ملاقات امیرالدین سے کرا دے لیکن میں نے اُس سے آج کے لیے معذرت کرلی اور کل کے لیے کہہ دیا ہے۔"

"بہت اچھا کیا، آج مَیں اُس کا مہمان ہُوں۔"

"کیا مطلب؟" روزی تعجب سے بولی اور میں نے کسی قدر مناسب الفاظ میں روزی کو اُس کی آج کی پیش کش بتا دی۔ روزی کچھ سوچنے لگی تھی پھر اُس نے کہا۔

"لیکن اس سے فائدہ؟"

"روزی ہمیں اُس کے بارے میں ایک ایک بات معلوم ہونی چاہیے۔"

"ہاں میں سمجھ رہی ہُوں، دیکھو تو سہی یہ کمبخت لوگ کرتے کیا ہیں؟" روزی نے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔

رات کو ساڑھے آٹھ بجے میں پوری طرح لیس ہوکر باہر نکل آیا۔ میرے پاس چھوٹا ٹیپ ریکارڈر محفوظ تھا اور ایک ہلکی سی کوشش پر اُس کا بٹن آن ہوسکتا تھا۔ تصویروں کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ میں نے اُس کے لیے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ چوک پر پہنچا تو وہاں سناٹا چھایا ہُوا تھا لیکن تاریکی میں ایک طرف سے مُراد باہر نکل آیا اور اُس نے آکر میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آؤ جی آؤ۔" میں اُس کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد مَیں نے محسوس کیا کہ مُراد کا رُخ اُس باغ کی جانب ہے جہاں نکھتی رہتی تھی۔ میرے بدن میں ہلکی سی سنسناہٹ ہورہی

تھی اور میں یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ مُرادو کی نیت ٹھیک بھی ہے یا نہیں لیکن بہر طور اپنے آپ کو میں نے ہر طرح کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار کر لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم باغ کے قریب پہنچ گئے۔ میرے لیے ایک اُلجھن پیدا ہو گئی تھی اگر مُرادو نے مکھنی سے ملاقات کی تو وہ ضرور مجھے پہچان لے گی۔۔۔ سلطانو بھی اُس کی تصدیق کر دے گا۔ کہیں مُرادو کو مجھ پر شبہ نہ ہو جائے لیکن اب اس وقت کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فوری طور پہ یہ پروگرام کینسل کرتا تو مُرادو شبہے کا شکار ہو بھی سکتا تھا۔ البتہ میں نے فوراً یہ فیصلہ کر کے کہا۔

"او مُرادو، کیا اس باغ میں داخل ہونا ہے تمھیں؟"

"ہاں جی، چلیے آؤ۔۔۔ یہیں تو عیش کرائیں گے تمھیں۔"

"نہیں بھائی نہیں، ایک منٹ رُک جاؤ۔" میں نے دونوں ہاتھ سیدھے کر کے کہا اور مُرادو مجھے چونک کر دیکھنے لگا۔

"کیوں کیا ہو گیا بھائی جی؟"

"یار ایک دن میں ٹہلتا ہُوا اس باغ کی طرف نکل آیا تھا۔ ایک دیو میرے مقابلے پہ آ گیا اور اگر بھاگ کر جان نہ بچا لیتا تو یقیناً اُس دیو کے ہاتھوں مارا جاتا۔ مجھے اب یہ تو پتا نہیں تھا کہ یہاں آنا منع ہے لیکن وہ رات تو میرے لیے مصیبتوں کی رات تھی۔ اُس دیو سے بچنے کے لیے یہاں سے بھاگا تو ایک چشمے پہ پہنچ گیا جہاں ایک بھتنی سے ملاقات ہو گئی۔ نہا رہی تھی کمبخت اور بڑی خوب صورت تھی۔ مجھے دیکھ کر غائب ہو گئی۔۔۔ میں پریشان تھا اور خوف زدہ بھی کہ کہیں وہ دیو مجھے ہلاک ہی نہ کر دے۔ یہاں ایک گھر بھی بنا ہُوا ہے۔ اُس گھر میں پہنچا تو ایک عورت وہاں ملی۔۔۔ اُس نے دھوکے سے مجھے اندر بند کر دیا۔ روشن دان سے میں نکل بھاگا تھا ورنہ نہ جانے کیا حشر ہوتا؟" مُرادو حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ باتیں سُن رہا تھا اور پھر اُس کے حلق سے ایک قہقہہ اُبل پڑا۔

"ارے واہ میرے شیر، سلطانو کے ہاتھ سے بچ گئے تم۔ یار سلطانو تو ایسا آدمی ہے کہ کسی بھی غلط آدمی کو دیکھ کر اُس وقت تک جان نہیں چھوڑتا جب تک کہ اُس کے ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں رکھ دیتا مگر تم اُس سے بچ گئے اور چشمے پہ نہانے والی بھتنی اور وہ عورت جس نے تمھیں بند کر دیا تھا۔ ارے واہ میرے یار تم نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا بڑے مزے کی کہانی ہے تمھاری۔"

"سلطانو کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہی دیو میرے بھائی۔ اس باغ کا رکھوالا ہے۔ [illegible] صاحب کا ملازم اور وہ عورت جو یہاں رہتی ہے مکھنی ہے۔ اُس کا نام مکھنی ہے۔" مُرادو نے بتایا۔

"مجھے تو اُن لوگوں نے بڑا خوف زدہ کر دیا تھا۔ اُس دن غلطی سے اس طرف نکل آیا تھا لیکن بعد میں کبھی اِدھر رُخ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔"

"تو اب ہمت کرو، تمھارے ساتھ شیر دل کا شیر مُرادو ہے۔" مُرادو نے اکڑتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم باغ میں داخل ہو گئے۔ باغ کے احاطے میں قدم رکھا ہی تھا کہ دھم کی آواز کے ساتھ پیڑ پہ سے سلطانو کود آیا۔ کمبخت واقعی جن بھوتوں جیسا محسوس ہوتا تھا جیسے رات کی تاریکی میں بھی اُس کی آنکھیں دن کی روشنی کی مانند کام کرتی ہوں ورنہ بھلا اتنے بڑے باغ کے اندر کوئی بھی شخص کس طرح اُس کی نگاہوں میں رہ سکتا تھا۔ مُرادو بھی ایک لمحے کے لیے چونک کر رُک گیا تھا۔ سلطانو ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ تب مُرادو نے ہنس کر کہا۔

"ارے نہیں سلطانو، یہ تو اپنے دوست ہیں اپنے جگری یار۔ جا بھائی جا کام کر اپنا۔" سلطانو دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ میں مُرادو کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم مکھنی کی رہائش گاہ پر تھے۔

دستک دینے پر دروازہ کھُلا اور مکھنی نے باہر جھانکا۔ مُرادو کے ساتھ وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ کمبخت تیز آنکھیں رکھتی تھی۔ مجھے گھورتی رہی اور مُرادو ہنس کر بولا۔

"نہیں مکھنی دیوی یہ اپنے یار ہیں۔ اپنے بھی اور امیر الدین کے بھی۔" میں نے غیر محسوس انداز میں ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آن کر دیا۔

"یہ امیر الدین کے آدمی ہیں؟" مکھنی نے سنبھل کر پوچھا۔

"نہ ہوتے تو یہاں کیسے آتے؟"

"ایک دن پہلے بھی آئے تھے یہاں۔"

"ہاں ہاں وہ کہانی ہم سُن چکے ہیں۔ تُو نے انھیں بند کر دیا تھا اور پھر سلطانو کو بُلا لائی تھی۔ یہ بڑی مشکل سے روشن دان سے نکل بھاگے تھے۔"

"ہائے دَیّا۔ میں تو حیران ہی رہ گئی تھی۔ میں تو سمجھی تھی کوئی جنگل کا بھوت ہے جو اِس طرف آ گیا تھا۔ بڑے سُندر ہیں یہ تو۔" مکھنی بے شرمی سے بولی۔

"بس بس زیادہ اداکاری مت کر۔ جا کچھ پینے پلانے کا [illegible] لے کر نیچے آ جا۔" مُرادو نے کہا اور مکھنی نے گردن ہلا دی۔ [illegible] اور کمرے میں پہنچ گیا جو چھوٹی سی کوٹھری کی مانند [illegible] یہاں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ مُرادو نے جیب سے [illegible] نکالی اور اُس کی ایک تیلی روشن کر کے کوئی کارروائی کرنے [illegible] اُس نے ایک بڑا سا لکڑی کا تختہ اپنی جگہ سے ہٹایا۔ [illegible] کے اندر ایک خلا تھا۔ ماچس کی تیلی کی روشنی میں ہی [illegible] خلا میں اُتر گئے۔ آٹھ سیڑھیاں نیچے تک گئی تھیں۔ [illegible] اُس کے اندر مدھم سی روشنی نظر آئی تھی۔ یہ روشنی کسی ایک موم [illegible] کی تھی لیکن جب ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہوئے [illegible] نے دیکھا روشنی ایک لالٹین سے اُبھر رہی ہے۔ مٹی کے [illegible] کی لالٹین ایک گوشے میں جل رہی تھی۔ بظاہر اس عجیب و غریب [illegible] میں اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا لیکن مُرادو نے جانے پہچانے [illegible] پہ قدم بڑھاتے ہوئے کئی موم بتیاں روشن کر دیں اور پھر [illegible] کر ایک بڑے شمع دان کی موم بتیاں جلانے لگا۔ اب اس [illegible] خانے میں کافی روشنی ہو گئی تھی۔ بڑا وسیع و عریض کمرہ تھا بڑا [illegible] روشن دان بھی بنے ہُوئے تھے لیکن اس کے باوجود ہلکی سی [illegible] تھی یہاں۔ ایک طرف ایک مسہری پڑی ہوئی تھی جس پہ کوئی نظر آ رہا تھا۔ ایک جانب چند کُرسیاں تھیں۔ یہ مختصر سامان اس کمرے میں تھا۔ مُرادو نے زور سے آواز دی۔

"پروین کیا سو گئی تم؟ پروین!" اس بار زور سے بولا تو ایک نیند بھری آواز سُنائی دی۔

"کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"ارے اُٹھو، اُٹھو۔ دیکھو تو سہی کون آیا ہے؟" مُرادو بولا اور لڑکی مسہری پہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ آنکھیں مَسل مَسل کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں اُسے پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے میں نے چشمے پر نہاتے دیکھا تھا۔ نیند سے بُرا حال تھا۔ لباس بے ترتیب تھا اور بال منتشر۔ کافی حسین نظر آ رہی تھی۔ مُرادو اُس کے قریب پہنچ کر بولا۔

"[illegible] نیندیں اب تمھاری کہاں ہیں؟ اُٹھو دیکھو کون آیا ہے؟" پروین نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور میں نے [illegible] انداز میں بھی تعجب محسوس کیا۔ غالباً وہ مجھے پہچان گئی تھی لیکن وہ مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ مُرادو نے دو چار اُلٹی سیدھی حرکتیں کیں اور اُس کے بعد ہنستا ہُوا بولا۔

"اپنے یار ہیں یہ، خوش ہو کر جانا چاہیے انھیں یہاں سے۔ اِس میں تمھاری بھلائی ہے۔ لو جی شارق بھائی ہم نے اپنا کام کر دیا۔ یہ اب تمھارے حوالے ہے۔ ہم جا رہے ہیں اُوپر۔"

"لل۔۔۔ لیکن مُرادو تم کہاں جاؤ گے؟"

"او بھائی مکھنی مالِ غنیمت ہے۔ بُرے وقت میں کام آ ہی جاتی ہے چلیے ہم۔۔۔ اور ہاں سنو کچھ پیو پلاؤ گے؟"

"نہیں رہنے دو۔ تم نے شراب کا پُورا ڈرم کھول کر میرے سامنے رکھ دیا ہے تو اب کس چیز کی ضرورت کہاں باقی رہتی ہے؟" میں نے ہنستے ہُوئے کہا اور مُرادو بھی ہنستا ہُوا اُوپر چلا گیا۔ میں آگے بڑھا اور اس تہ خانے کا دروازہ بند کر دیا۔ لڑکی مسہری پر پاؤں لٹکائے بیٹھی مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ اُس کے قریب پہنچا تو وہ ایک جانب کھسک گئی اور میں مسہری پہ بیٹھ گیا۔ اُس کے انداز میں بڑی بے بسی پائی جاتی تھی۔ کافی خوب صورت لڑکی تھی لیکن اِن بُرے راستوں کی راہی کوئی بھی لڑکی میرے لیے قابلِ احترام نہیں ہو سکتی تھی۔ میری آنکھوں میں تلخی سی اُبھر آئی اور میں اُسے دیکھتا رہا۔ اُس نے آنکھیں جھکا لی تھیں۔

"اُس دن تو کافی تیز طرار نظر آ رہی تھیں۔ آج کیا ہو گیا تمھیں؟" میں نے سوال کیا لیکن اُس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر میں بولا۔

"کچھ باتیں نہیں کرو گی مجھ سے؟ کیا خیال ہے اُوپر جا کر مُرادو سے تمھاری بات کروں؟"

"نن۔۔۔ نہیں میں ابھی مُنہ دھو کر آتی ہوں۔ دراصل نیند دماغ پہ سوار ہے۔" اُس نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ کمرے ہی کے ایک گوشے میں ایک چھوٹی سی تپائی پہ پانی کا مٹکا، گلاس وغیرہ رکھا ہُوا تھا۔ اُس نے مُنہ پہ پانی کے چھینٹے مارے اور پھر آہستہ سے چلتی ہُوئی میرے قریب پہنچ گئی۔ مجھ سے ایک فٹ کے فاصلے پہ وہ مسہری پہ بیٹھ گئی اور پھر عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"ویسے یہ جگہ بڑی عمدہ بنائی ہے تم لوگوں نے۔ کون کون آتا ہے یہاں؟" میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں بے چینی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"پروین ہے تمھارا نام؟ لیکن اس بستی کی تو نہیں معلوم ہوتیں؟ تمھاری گفتگو سے پتا چلتا ہے کچھ پڑھی لکھی بھی ہو۔ کہاں سے آئی ہو؟" اُس نے ایک بار پھر مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

"مُرادو تمھیں جس مقصد کے لیے یہاں لایا ہے، اُس کی بات کرو۔ اِدھر اُدھر کی باتوں میں کیوں پڑ گئے ؟"

"پروین صاحبہ، درحقیقت مجھے آپ کے پاس آنا مقصود تھا جس مقصد کے لیے مُرادو یہاں لایا ہے، اُس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی آپ جیسی لڑکیاں توجّہ کا باعث ہو سکتی ہیں۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنے کا خواہش مند ہُوں۔ بشرطیکہ آپ جواب دے سکیں۔" پروین چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"تم۔۔۔ تم ؟"

"ہاں میرا نام شارق ہے اور میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہُوں کہ تمھارا تعلق کہاں سے ہے ؟"

"کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو یہ بات میرے بارے میں ؟"

"اگر تم نے میرے سوالات کے جوابات نہ دیے تو یہ تمھارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"امیرالدین سے تمھارا کیا تعلق ہے ؟"

"میں سوال نہیں اپنے سوالات کے جواب چاہتا ہُوں۔"

"کیا یہ بے رحمی نہیں ہے !" اُس نے سسکی سی لے کر کہا۔

"جو کچھ سمجھو پروین لیکن جواب تمھیں دینے ہی ہیں، بولو اس کے لیے تیار ہو ؟"

"میری موت چاہتے ہو ؟" وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں، زندگی۔" میں نے جواب دیا اور وہ رو پڑی۔

"میں زندہ کہاں ہُوں، میں تو ایک زندہ لاش ہُوں محسوس نہیں کر رہے مجھے، دیکھ نہیں رہے مجھے۔ ذرا اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ میں سو رہی تھی۔ ایک بے ہُودہ شخص تمھیں یہاں لے کر آیا اور مجھے تمھارے حوالے کر کے چلا گیا۔ کیا زندہ انسان ایسے ہوتے ہیں، جن کی نہ اپنی کوئی مرضی ہو اور نہ اپنا کوئی مقام۔"

"تم اپنی خوشی ہی سے تو اِن تمام باتوں کے لیے تیار ہوئی ہوگی ؟" میں نے کہا۔

"نہیں، خُدا کی قسم نہیں۔ میں مجبور ہُوں اِتنی مجبور کہ تم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ میں۔۔۔ میں، میں تمھیں کیا بتاؤں میں کیا تمھیں کیا بتاؤں ؟"

"وہی بتاؤ جو سچ ہے اور اس کے لیے میں یہاں تک آیا ہُوں پروین۔"

"مگر تم ہو کون ؟"

"میں نے کہا نا سوالات مت کرو۔ جب تمھارا ۔۔۔ لوں گا اور تمھیں اِس قابل سمجھوں گا کہ جواب بھی دے ۔۔۔ جواب دے دُوں گا۔ فی الحال تمھارے لیے میرے ۔۔۔ گنجائش نہیں ہے۔" وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے ۔۔۔ پھر بولی۔

"اور اگر تمھارے سوالات کے جواب امیرالدین ۔۔۔ کے خلاف ہُوئے تو میرا کیا ہوگا ؟"

"کچھ نہیں، میرے اور تمھارے درمیان جو گفتگو ۔۔۔ ہے وہ صرف میرے اور تمھارے درمیان رہے گی۔ امیرالدین تک وہ باتیں نہیں پہنچنے پائیں گی۔"

"میں کیسے یقین کر لوں ؟"

"جیسے تمھارا دل چاہے۔" میں نے کہا اور وہ ایک دم پھُوٹ پھُوٹ کر رو پڑی۔

"جی چاہتا ہے اپنی کہانی کسی کو سُناؤں تم نے پہلی بار مجھ سے میرے بارے میں پوچھا ہے تو سُن لو۔ اب اِس کا جو کچھ بھی ہو میرا نام پروین ہے۔ ایک اندھی ماں اور دو چھوٹی بہنوں کی واحد کفیل ہُوں۔ کوئی اور سہارا نہیں ہے میرا۔ ملازمت کی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ جگہ جگہ قسمت آزمائی کر رہی تھی۔ میں نے صرف انٹر پاس کیا ہے۔ ملازمت مِل جاتی لیکن اُس کے ساتھ ہی ہوس بھری نگاہیں بھی میرا تعاقب کرتی رہتی تھیں۔ تین جگہ سے نوکری چھوڑی، مجھ جیسی بے سہارا لڑکیاں ہر شخص کی توجّہ کا مرکز ہوتی ہیں۔ اُس کے بعد ایک اور فرم میں، کام کیا۔ چھوٹی سی فرم تھی جو رنگ بناتی تھی اور اُس کے مالک ناصر صاحب تھے بڑے دیندار اور مذہبی آدمی تھے۔ یہاں میں نے اپنے لیے تھوڑا سا تحفّظ محسوس کیا لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ ناصر صاحب بھیڑیے ہیں۔ وہ سب ہی سے زیادہ خوفناک نکلے۔ اُنھوں نے دھوکے سے مجھے یہاں بھیجا اور یہاں آ کر میں قید ہو گئی۔ ناصر صاحب امیرالدین کے ایجنٹ ہیں شہر میں نوجوان اور بھولی بھالی لڑکیاں پھانس پھانس کر یہاں بھیجتے ہیں اور یہاں سے وہ تباہ و برباد ہو کر جاتی ہیں۔ ناصر صاحب نے مجھے یہاں ایک ایسے کام کے لیے بھیجا تھا جس کے لیے اُنھوں نے کہا تھا کہ اِس میں مجھے دس ہزار روپے کا فائدہ ہو سکتا ہے۔ سال دس ہزار روپے مجھے مِل گئے دیکھو وہ دس ہزار روپے میرے پاس محفوظ ہیں لیکن اب ان دس ہزار روپیوں کی وصولیابی ہو رہی ہے۔ میں کیا کروں۔ مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے ! مجھے دھمکی دی گئی ہے کہ اگر میں نے یہاں سے فرار

کی کوشش کی تو میری ماں اور بہنوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہاں سے جانے کے بعد پولیس کے سامنے زبان کھولی تو مجھے موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ بھلا میں اِس کی سکت رکھتی ہُوں، اِتنی قوّت رکھتی ہُوں کہ اِن وحشیوں سے پنجہ آزمائی کروں۔ یہ ہے میری کہانی اور یہ ہے تمھارے ہر سوال کا جواب۔" اُس نے کہا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کافی دیر تک پروین کی صُورت دیکھتا رہا۔ پھر میں نے اُس سے کہا۔

"ناصر صاحب کا پُورا پتا ؟" اور اُس نے ناصر صاحب کی چھوٹی سی کمپنی کا نام بتا دیا۔

"تمھیں یہاں آئے ہُوئے کتنے دن ہو گئے پروین ؟"

"ایک مہینہ بائیس دِن۔ ایک مہینہ بائیس دِن سے میں یہاں ہوں۔ اُنھوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میری ماں اور بہنوں کو مطمئن کر دیا گیا کہ میں ایک کمپنی کے کام سے باہر گئی ہُوں۔ اُنھوں نے مجھ سے یہ بھی کہا ہے کہ جب انھیں مجھ پر اعتماد ہو جائے گا کہ میں اُن کے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی تو وہ مجھے یہاں سے واپس بھجوا دیں گے اور اگر انھیں شبہ ہُوا کہ میں اُن کی پول کھول سکتی ہُوں تو پھر میری زندہ واپسی یہاں سے ممکن نہیں ہے۔ آہ ! میں جس مصیبت کا شکار ہُوں میں ہی جانتی ہُوں لیکن تمھیں اِن باتوں سے کیا فائدہ ؟ امیرالدین کے ساتھی ہو جس کام سے آئے ہو اُسے پورا کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ کسی مظلوم کی آواز تم لوگوں تک کہاں پہنچ سکتی ہے ؟" پروین مسلسل رو رہی تھی اور میں امیرالدین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں اپنے ذہن میں منصُوبے بنا رہا تھا کہ کیا ہونا چاہیے ؟ کس طرح ہونا چاہیے ؟ بالآخر میں نے ایک ہی فیصلہ کیا وہ یہ کہ پروین کو یہاں سے نکال دُوں۔ لیکن پروین اور مُرادو تین آدمیوں کا فوراً ہی میرے قبضے میں آنا ضروری تھا اور اس کے لیے بدر شاہ، زندہ باد۔ بدر شاہ کو اپنی تمام کوششیں کرنا ہوں گی۔ لیکن اس وقت بدر شاہ سے رابطہ قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ میں پروین کو دیکھتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہمت مت ہارنا پروین، حوصلہ رکھنا۔ چند روز اور انتظار کرو۔ اطمینان رکھو وہی ہوگا جو ہونا چاہیے۔" پروین روتے روتے خاموش ہو گئی۔ اُسے میرے لہجے کی تبدیلی سے ایک عجیب سا احساس ہُوا تھا۔ چند لمحات وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی میں نے آہستہ سے کہا۔

"پروین، میں ایک وکیل ہُوں اور امیرالدین کے خلاف تحقیقات کر رہا ہُوں۔ اس تحقیقات کے سلسلے میں ہر طرح کی کارروائیاں کر رہا ہُوں اور میں اسی تحقیقات کے سلسلے میں یہاں تک پہنچا تھا۔ تم بالکل اطمینان رکھو قانون تمھاری مدد کرے گا لیکن ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔ بڑی ہوشیاری سے۔ میں تم سے چوبیس گھنٹے کی مہلت مانگتا ہُوں۔ اس چوبیس گھنٹے کے اندر تمھیں یہاں سے نکال لیا جائے گا۔ بالکل مطمئن رہو۔" پروین کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے پھر وہ میرے سامنے گڑگڑانے لگی۔

"خُدا کے لیے۔ خُدا کے لیے مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔ تم نہیں جانتے میں کس طرح یہاں وقت گزار رہی ہُوں۔ ایک ایک لمحہ میرے لیے موت کا لمحہ ہوتا ہے۔ خُدا کے لیے۔ میں یہ احسان تمھارا زندگی بھر نہیں بھُولوں گی۔ دیکھو میری زندگی لینے سے تم لوگوں کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ مجھے یہاں سے نکال لو۔" وہ بلک بلک کر روتے لگی۔ میں نے اُسے بڑا دلاسا دیا تھا اور اُس کے بعد بقیہ وقت خاموشی ہی سے گزارنا تھا۔ میں پروین سے امیرالدین کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور اسی طرح صبح ہو گئی۔ مُرادو ہی نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔ میں آنکھیں ملتا ہُوا اُس کے پاس پہنچ گیا تو وہ ہنسنے لگا۔

"شارق جی، تڑکے تڑکے یہاں سے نکل لینا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ تمھاری اپنی ہی رات ہے۔ جب دِل چاہے یہاں آ جانا۔ اب تمھیں کوئی روکنے والا نہیں ہے۔" میں ہنستا ہُوا مُرادو کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس بستی پر آ گئے۔ مُرادو نے مجھے خدا حافظ کہا اور دوسری رات ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

میں بالی کی سرائے میں داخل ہو گیا تھا۔ روزی جاگ گئی تھی اور میرا ہی انتظار کر رہی تھی۔ بالی صبح کی صفائی وغیرہ کر چکی تھی۔ پتا نہیں کیوں وہ مجھے دیکھ کر سنجیدہ سی ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے ہم دونوں کے لیے ناشتا لا کر رکھ دیا تھا اور اُس کے بعد خاموشی سے واپس چلی گئی تھی۔"

"کیا بات ہے ؟ آج بالی بہن کچھ ناراض معلوم ہوتی ہے۔"

"رات کو دو دفعہ مجھ سے پوچھا کہ شارق کہاں گیا۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ بولی۔ جس شخص کے ساتھ وہ ہے وہ اُسے تباہ و برباد کر دے گا۔ اُس کا نام مُرادو ہے۔"

"ہوں، تو بالی بہن اِس لیے ناراض ہے۔"

"چھوڑو بالی بہن کو، یہ بتاؤ کچھ کام کی باتیں ہُوئیں۔"

روزی نے کسی قدر بے تکلفی سے کہا اور پھر ایک دم چونک گئی۔
"سوری ... دراصل میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"
"جو تکلفات تم نے اپنے اور میرے درمیان قائم کر رکھے ہیں روزی، وہ صرف تمھارے پیدا کردہ ہیں۔ میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" روزی مسکرا رہی تھی۔ میں خاموشی سے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔
"ہاں روزی مجھے آج کافی کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ مُرادو مجھے اُس باغ میں لے گیا تھا جس کا تذکرہ میں تم سے کر چکا ہوں اور اُس نے میری ملاقات اُس لڑکی سے بھی کرا دی جس کا نام پروین ہے۔ میں نے پوری کہانی روزی کو سُنا دی اور روزی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر اُس نے دانت پیس کر کہا۔
"امیرالدین، یہ امیرالدین کُتّے کی موت نہ مارا جائے تو میرا نام بھی روزی نہیں ہے۔ اس جیسے لوگوں کے لیے تو دل یہ چاہتا ہے کہ انھیں سنگسار کر دیا جائے۔"
"ہمیں مزید محنت سے کام کرنا ہوگا روزی۔ آج تمھارا دن ہے۔ آج کے سارے کام تمھیں انجام دینے ہیں۔ ممکن ہے اس کے بعد ہمیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہ رہے۔ کیا سمجھی روزی؟ اُس کے بعد ہم یہاں سے واپس چلیں گے۔"
"ٹھیک ہے مجھے واپس جانے کی جلدی نہیں ہے۔ اپنا سارا کام مکمل کر لو اُس کے بعد ہی یہاں سے چلیں گے ورنہ ہمارے آنے کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔" روزی نے کہا۔
دوپہر تک میں روزی سے باتیں کرتا رہا اور اب مجھے بدرشاہ کی تلاش ہوئی۔ نتھو خان کی سرائے پہنچا وہاں بدرشاہ کا آدمی ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اُسے میرے ہی لیے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ اگر غور کرتا تو بدرشاہ بھی اس سلسلے میں مجھ سے کم دلچسپی نہیں لے رہا تھا بلکہ اس کا آغاز ہی اُس نے کیا تھا۔ میں اُس کی اس نیک فطرت کا دل سے قائل ہو گیا تھا۔ ہر وہ کام کر رہا تھا جو کیا جا سکتا تھا۔ بہرطور بدرشاہ سے ملاقات کے لیے مجھے اُس ڈاک بنگلے ہی میں جانا پڑا جہاں بدرشاہ مقیم تھا۔ ہم لوگ چھپتے چھپاتے وہاں پہنچے اور تھوڑی دیر کے بعد بدرشاہ پُرانے ڈاک بنگلے کے کھنڈر نما حصّے سے باہر نکل آیا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا تھا۔
"ارے شارق جی، ہمیں کیوں نہ بُلا لیا؟ آپ اتنا فاصلہ پیدل طے کر کے یہاں کیوں آئے؟"
"بدرشاہ تمھارے پاس آنا ضروری تھا۔ میں نے سوچا تمھاری نئی رہائش گاہ دیکھ لی جائے۔"
"تو پھر آؤ جی اپنی حویلی حاضر ہے۔" بدرشاہ نے ہنس کر کہا اور مجھے بوسیدہ ڈاک بنگلے کے حصّے میں لے گیا۔ باہر سے یہ ڈاک بنگلہ بالکل ہی کھنڈر نظر آتا تھا لیکن اس کے اندرونی حصّے مضبوط تھے۔ بدرشاہ اور اُس کے ساتھیوں نے اندرونی حصّے کی صفائی کر کے اِس جگہ کو قابلِ رہائش بنا لیا تھا۔ بدرشاہ نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔
"اوئے جا بھائی، جاشتا بنا کر لا۔" میں ہنس کر بدرشاہ کی صورت دیکھنے لگا اور پھر ڈاک بنگلے کے فرش پر بچھی ہوئی چٹائیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔
"گویا تم نے یہاں آسائش کے معقول بندوبست کر رکھے ہیں، بدرشاہ۔"
"بس جی یہ کام کرنا ہے اس لیے ساری تیاریاں ہی کرنا پڑیں۔"
"مکھنی کے بچّوں کو کہاں رکھا ہے تم نے؟"
"اوپری منزل میں ہیں جی اور بڑے مزے سے ہیں۔ میں نے انھیں ایک ایسا چکر دیا ہے کہ بچّے خوش بھی ہیں اور ڈر بھی نہیں رہے۔"
"یہ تم نے اچھا کیا بدرشاہ، بچّے کسی کے بھی ہوں بچّے ہوتے ہیں۔"
"ہاں جی بالکل۔ اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے۔"
"بدرشاہ، میری ملاقات اُس شخص سے ہو گئی ہے جو پہلے کبھی روشن علی کا دوست تھا بعد میں وہ امیرالدین کا پٹھو بن گیا اور اُس کے لیے گھناؤنے کارنامے انجام دینے لگا۔ میں نے اُس سے یاری گانٹھ لی ہے۔" میں نے بدرشاہ کو مُرادو سے ملاقات، مکھنی اور پروین کے بارے میں مکمل تفصیلات بتا دیں اور بدرشاہ تعجب سے آنکھیں پھاڑے میری صورت دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔
"واہ جی واہ۔ بڑے کام کی باتیں ہو گئی ہیں۔"
"ہاں، روزی آج مُرادو سے مل رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں بدرشاہ کہ مکھنی اور ... اُس لڑکی پروین کو اس باغ سے حاصل کر کے شہر پہنچا دیا جائے اور ساتھ ہی ان بچّوں کو بھی یہاں سے منتقل کر دیا جائے۔ مُرادو کو بھی یہاں سے لے جاتا ہے لیکن آج وہ روزی کو امیرالدین کے پاس پہنچائے گا۔ اس لیے کم از کم میں اُس وقت تک اُسے اغوا نہیں کیا جا سکتا جب تک اپنے اِس کام کی تکمیل نہ کر لے۔"

"تو کوئی حرج نہیں ہے جی، روزی کو وہاں جانے دو، ہم مکھنی اور اُس لڑکی کو حاصل کر کے یہاں ڈاک بنگلے میں لے آئیں پھر مُرادو جب اپنا کام کر لے گا تو اُس کی بھی گردن پکڑ لیں گے جی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟ اُس کے بعد میں ان سب کو پھر سے جاؤں گا۔"
"لیکن انھیں رکھو گے کہاں بدرشاہ؟"
"لو جی، کمال کی بات کہی آپ نے بھی۔ شارق بھائی اپنا یہ کس کام کا ہے اور پھر مجال ہے کسی کی جو اپنے ڈیرے پر پہنچنے کے بعد اُس وقت تک باہر نکلنے کا سوچ بھی سکے جب تک کہ ہم نہ چاہیں۔"
"گڈ ویری گڈ، بدرشاہ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو ... وہاں تمھیں سلطانو بھی ملے گا جو بلاشبہ بے حد طاقتور آدمی ہے۔ میں اُسے بھی کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ فی الحال میں اُس کی گرفتاری نہیں چاہتا کیونکہ اُس کے متعلق میرے ذہن میں کچھ اور پروگرام ہے۔" اور پھر میں بدرشاہ کو مکھنی کی رہائش گاہ اور اُس تہ خانے کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ اس بات کے امکانات تھے کہ پروین اُسی تہ خانے میں ہو۔ بدرشاہ نے ان تمام چیزوں کو ذہن نشین کر لیا اور میں وہاں سے واپس آ گیا۔
بالی کی سرائے میں روزی اپنے کام میں مصروف تھی۔ اُس نے حسین ترین میک اَپ کیا تھا۔ ویسے بھی اچھی شکل و صورت کی مالک تھی اور پھر تجربے کار بھی تھی جانتی تھی کہ کس طرح کسی کو رِجھایا جا سکتا ہے۔ منی کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر اُس نے انتہائی احتیاط سے اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے۔ اُسے بڑی مہارت سے اپنا کام انجام دینا تھا اور ہم رات ہونے تک اسی سلسلے میں پلاننگ کرتے رہے پھر میں روزی کو ساتھ لے کر ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا۔ مُرادو سے جس جگہ ملاقات کا وعدہ ہوا تھا ہم دونوں وہاں پہنچے تو مُرادو ہمارا انتظار کر رہا تھا۔
"صدقے جاؤں ایسی یاری کے، وعدے کی پابندی ہو تو ایسی۔"
"میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا پورا کر دیا مُرادو۔"
"او جی اس یاری کے نتیجے میں آپ کو جو کچھ ملے گا بھائی جی آپ اُس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ آؤ جی آپ ہمارے ساتھ آؤ اور تم یہیں انتظار کرو۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی ہمیں۔" مُرادو نے کہا اور روزی اُس کے ساتھ چل پڑی۔ میں انتظار کرنے لگا تھا۔ یہ جو کچھ میں نے کیا تھا میرا ضمیر اُسے قبول نہیں کرتا تھا۔ روزی کو میں خطرے کے مُنہ میں جھونک رہا تھا اور پھر ایسی گھناؤنی بات تھی جو کم از کم کسی پُروقار آدمی کے لیے بڑی شرمناک بات ہو سکتی تھی لیکن ایک سانپ کا سر کچلنے کے لیے جال بچھانے ہی پڑتے ہیں۔ روزی کو میں نے قربانی کا بکرا بنا دیا تھا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد مُرادو واپس آ گیا۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اپنا یار امیرالدین تو اُسے دیکھتے ہی پاگل ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب تک اس نایاب ہیرے کو کہاں چھپا رکھا تھا۔ امیرالدین ایسا ہی یار باش آدمی ہے شارق جی۔ اگر خوش ہو گیا تم سے تو یوں سمجھ لو تمھارے سارے دلدر دُور ہو جائیں گے۔"
"چھوڑو ان باتوں کو مُرادو، اب تمھارا کیا پروگرام ہے؟"
"دیکھو جی کسی نئے پنچھی کے لیے تو ابھی ٹائم لگے گا۔ وہ کیا تمھیں پسند نہیں آئی؟"
"نہیں بہت اچھی لڑکی ہے۔"
"تو پھر آؤ چلتے ہیں۔ اپنا بھی کام بن ہی جاتا ہے۔" مُرادو نے کہا اور میں اُس کے ساتھ باغ کی جانب چل پڑا۔ باغ میں داخل ہوا تو سلطانو کہیں نظر نہیں آیا۔ میرے ذہن میں عجیب سی بے چینی کے آثار تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں بدرشاہ نے ابھی تک اپنا کام کیا یا نہیں۔ بدرشاہ سے جو مکمل گفتگو ہوئی تھی اُس کے تحت اس وقت مکھنی اور پروین کو وہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ہم لوگ مکھنی کے مکان پر پہنچ گئے۔ مکان میں سنّاٹا تھا۔ مُرادو نے اندر داخل ہو کر مکھنی کو آواز دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا تھا وہ اور آگے بڑھا اور دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو گیا۔ مکھنی کا گھر خالی پڑا تھا، میرے دل کو ایک گونہ سکون ہوا۔ اس کا مقصد ہے کہ بدرشاہ اپنا کام کر چکا ہے۔
"یہ مکھنی کہاں مر گئی آؤ ذرا تہ خانے میں دیکھیں۔" مُرادو نے کہا اور ہم دونوں تہ خانے میں اُتر گئے لیکن تہ خانہ بھی خالی پڑا تھا، مُرادو ایک دم چونک پڑا۔
"کوئی گڑبڑ ہو گئی شارق بھائی جی، آؤ جلدی آؤ۔" اُس نے کہا اور تیزی سے تہ خانے سے باہر نکل آیا۔ گڑبڑ واقعی ہو گئی تھی لیکن میرے لیے نہیں بلکہ مُرادو کے لیے۔ باہر بدرشاہ اپنے تین آدمیوں کے ساتھ موجود تھا۔ مُرادو اُسے دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آئے۔

اور پھر گرج دار لہجے میں بولا۔

"کون ہے بے تو؟ کیا بات ہے؟ کیوں آئے ہو یہاں؟"

"او مرادو بھائی، آپ سے پروین کے بارے میں بات کرنی تھی۔" بدرشاہ نے کہا اور رازداری سے آگے بڑھ آیا۔ مرادو کے قریب پہنچا تو ایک زوردار گھونسا مرادو کے جبڑے پر پڑا۔ بدرشاہ کا گھونسا اور مرادو کا جبڑا۔ مرادو کا منہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ دُوسرا ہاتھ مرادو کی گدّی پر پڑا اور پھر تیسرا اُس کی کھوپڑی کے پچھلے حصّے پر بس کافی تھا۔ بدرشاہ کے ایک آدمی نے بے ہوش مرادو کو کندھے پر لاد لیا اور بدرشاہ کے اشارے پر باہر لے گیا۔ میں نے بدرشاہ سے سلطانو کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا کہ وہ باغ کے ایک گوشے میں بے ہوش پڑا ہے۔ اُسے کلوروفارم سونگھا کر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ میں نے بدرشاہ کی ذہانت کی داد دی اور پھر اُس سے کہا کہ وہ اپنا کام مکمل کر لے۔ میں پیدل واپس چلا جاؤں گا۔ بدرشاہ نے راستے ہی میں مجھے بتایا کہ اُس نے نکھنی اور پروین کو ڈاک بنگلے پر پہنچا دیا ہے اور اُسے اُن کے اغوا میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

جب میں بالی کی سرائے میں داخل ہوا تو میرا دل فخر و مسرت سے سرشار تھا اور میں کافی دیر تک خدا کے حضور سجدہ ریز رہا۔ جس نے مجھے ایک بار پھر ایک مظلوم کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ اب صرف روزی کا انتظار تھا۔ میرا خیال تھا کہ روزی صبح تک آئے گی لیکن رات کے تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار بجے تھے جب روزی واپس آگئی اور اُس نے میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں جاگ رہا تھا۔ بالی سو گئی تھی۔ روزی کو احاطہ کود کر اندر آنا پڑا تھا لیکن احاطہ ایسا نہیں تھا کہ کسی کو اندر آنے میں کسی خاص دقت کا سامنا کرنا پڑے۔ روزی کو اپنے سامنے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ مجھے اُس کی اس وقت واپسی کی اُمید نہیں تھی لیکن اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر میری جان میں جان آئی۔

"میں جانتی تھی کہ تم جاگ رہے ہو گے۔"

"پہلے یہ بتاؤ روزی کہ سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میرا کام ختم ہو گیا تھا چنانچہ میں واپس چلی آئی۔"

"تنہا؟"

"نہیں، بھائی خداداد مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔" روزی نے مضحکہ خیز انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔ روزی کی شگفتہ کیفیت سے احساس ہوتا تھا کہ اُسے کسی ذہنی حادثے سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ میں نے اُسے بیٹھنے کی پیش کش کی اور اُس نے اپنا سامان نکال نکال کر سامنے ڈھیر کر دیا۔ پھر کیمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس نے کہا۔

"اس کیمرے میں نایاب تصویریں ہیں۔ کاش ہم انھیں یہیں ڈیولپ کر سکتے۔"

"خوب... خوب!"

"اور اس ٹیپ ریکارڈر میں امیر الدین کی حسین آواز ریکارڈ ہے۔ میرا خیال ہے اس کے بعد ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں بھائی۔"

"لگ... کیا کیا اس میں اعترافِ جرم ہے؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔

"ہاں، کم از کم یہ اعتراف ضرور ہے کہ اُس نے اپنی ذات پر جو خول چڑھا رکھا ہے اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

میں کیمرے کی تصاویر تو نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن میں نے جلدی سے ٹیپ ریوائنڈ کر کے کیسٹ پر امیر الدین کی آواز سنی۔ پتلی سی زنانہ سی آواز تھی۔

"آپ... آپ کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے آسمان سے کوئی حور اُتر آئی ہو۔ اس سے پہلے آپ کہاں تھیں؟"

"اس سے پہلے آپ نے ہمیں طلب ہی نہیں کیا تھا امیر الدین صاحب۔"

"اے اللہ میں مر جاؤں، مجھے کیا معلوم تھا کہ میری بگیا میں ایسے ایسے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ آپ تو یہیں رہ پڑو۔ کوئی تکلیف نہیں ہو گی آپ کو۔ محل بنوا دیں گے ہم آپ کے لیے۔"

"لیکن امیر الدین صاحب، میں نے تو سنا تھا کہ آپ بڑے نمازی اور پرہیزگار قسم کے آدمی ہیں؟"

"اے اللہ ہم مر جائیں۔ دُنیا کو یہ نہ بتاتے تو دُنیا کہاں جینے دیتی۔ وہ ایک باپ ہیں ہمارے، بس جی اپنی جوانی میں تو نہ جانے کیا کیا عیش کیے ہوں گے اور ہم پر پابندیاں لگا دیں تو ہم نے سوچا کہ بھائی چولا بدلو۔ چولا بدلنے کے بعد ہمیں جو آرام ملا ہے جی اُسے بتا نہیں سکتے۔ نام کیا ہے آپ کا؟"

"روزی۔"

"ہاں ہاں۔ بھول گئے ہم۔ مرادو نے ہمیں بتایا تو تھا۔"

"لیکن امیر الدین صاحب، آپ کو تو اپنی اس تفریح میں

بڑی دقتیں پیش آتی ہوں گی۔"

"ہاں جی بس کام چلا ہی لیتے ہیں۔ اپنے یار ہیں مرادو اور خداداد۔ یہ ہماری مشکل آسان کرتے رہتے ہیں۔ بس جی دیکھو نا انسان دُنیا میں پیدا ہوا ہے تو کس لیے پیدا ہوا ہے یہی نا کہ جوانی میں مزے کرے اور بڑھاپے میں اللہ اللہ۔ سو ہم نے ابتدا تو کر دی ہے مگر ابھی جوانی ہے اس کا کیا کریں اور پھر جی آج کے دور میں جوانی آتی کتنے دنوں کے لیے ہے۔ اگر اس تھوڑی سی عمر سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا جائے تو آدمی پر لعنت ہے۔"

"بالکل بالکل۔ لیکن آپ اس تنہا گوشے میں بیٹھ کر اپنا کام کس طرح کر لیتے ہیں؟"

"تم تو ہمارا انٹرویو لے رہی ہو جی!"

"نہیں امیر الدین صاحب، دراصل میں آپ کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئی ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔"

"او جی، بس مہربانی ہے آپ کی۔ کام چلا لیتے ہیں۔ بستی کی کئی چھوکریاں اپنی اس رہائش گاہ میں آ چکی ہیں۔ اب اُن کے ماں باپ کا یا تو پیسوں سے منہ بھر دیا جاتا ہے ٹیڑھے میڑھے ہوئے تو کوئی اور کام کر لیا جاتا ہے۔ بس یہ سمجھو کام چلا لیتے ہیں اپنا کسی نہ کسی طرح۔" امیر الدین کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ روزی نے اس کے فوراً بعد ہی ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا تھا پھر اُس نے کہا۔

"اس کے آگے بھی کچھ ہے شارق صاحب، لیکن وہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی بس یوں سمجھو کہ یہیں تک کام کی باتیں تھیں۔ اس کے بعد میری بے غیرتی کے کچھ الفاظ ہیں جن کے ذریعے میں نے امیر الدین سے اپنی جان بچائی۔"

"کیا مطلب؟"

"امیر الدین نے اس دوران شراب بھی پی اور مختلف اُلٹی حرکات کیں جن سے اُس کی شخصیت نمایاں ہو جاتی ہے لیکن بس اس کے بعد میں نے اُسے بے وقوف بنا دیا اور [illegible] آؤں گی۔ میں نے اُس سے بیماری کا بہانا نہ کر دیا تھا۔"

"اوہ۔" میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ روزی نے ایک ناقابلِ یقین کارنامہ انجام دیا تھا۔ میں بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ روزی مجھ سے بیٹھی اُس شخص کے بارے میں گفتگو کرتی رہی اور پھر اُس نے کہا۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟ کیا کل مجھے اُس کے پاس جانا ہو گا؟"

"نہیں روزی، تم نے جس ذہانت سے اپنا کام پورا کیا ہے میں اُس کی داد نہیں دے سکتا۔ میرے اپنے خیال میں میرا اپنا کام ختم ہو گیا ہے۔ تمھیں کل صبح ہی کسی نہ کسی طرح یہاں سے روانہ کر دیا جائے گا۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ایک ڈاک بنگلے میں بدرشاہ مقیم ہے۔ وہ آج کچھ افراد کو شہر چھوڑنے گیا ہے اگر صبح تک واپس آگیا تو ٹھیک ہے ورنہ تمھیں کچھ عرصے ڈاک بنگلے میں قیام کرنا پڑے گا اور اُس کے بعد بدرشاہ تمھیں شہر پہنچا دے گا۔"

"اور آپ...؟" روزی نے سوال کیا۔

"مجھے ممکن ہے کل کا دن انتظار کرنا پڑے یا پھر تم یوں کرو کہ کل یہاں سے نکل جاؤ اور ڈاک بنگلے میں روپوش ہو جاؤ۔ کل شام میں یا دن کے کسی حصّے میں ہم لوگ بھی واپس چلیں گے۔"

"یہ زیادہ بہتر رہے گا۔" روزی نے کہا اور اُس کے بعد میں اُسے اُس کمرے میں بھیج کر خود آرام سے اپنے بستر پر آ گیا۔ نیند کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ ذہن میں منصوبوں کی یلغار تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ بس اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

دُوسرے دن سب سے پہلا کام یہ کرنا تھا کہ روزی کو ڈاک بنگلے پر پہنچاؤں۔ میں نے اپنا سامان سمیٹا اور اُسے پیک کر دیا۔ اور روزی کو لے کر میں خاموشی سے بالی کی سرائے سے باہر نکل آیا۔ ڈاک بنگلے تک کا راستہ اب میں اچھی طرح دیکھ چکا تھا چنانچہ یہ طویل فاصلہ طے کر کے ڈاک بنگلے تک پہنچنا بہت زیادہ مشکل نہیں ہوا۔ روزی نے پوری مستعدی سے میرا ساتھ دیا تھا اور اس ناہموار اور خراب راستے پر سفر کرتے ہوئے کسی قسم کی تھکاوٹ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ڈاک بنگلے میں بدرشاہ کے دو آدمی موجود تھے جنھوں نے بڑے احترام سے ہمارا خیر مقدم کیا۔ بدرشاہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ بہرطور میں نے اُن لوگوں کو سمجھا دیا اور روزی کو اُوپر پہنچا دیا گیا۔ یہاں نکھنی کے دونوں بچّے بھی موجود تھے۔ میں نے خود بھی اُن بچّوں سے ملاقات کی۔ بچّے بے چارے معصوم سے تھے۔ طرح طرح کی باتیں کرتے رہے۔ اُن کی شکل و صورت دیکھ کر یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ نکھنی جیسی عورت کے بچّے ہو سکتے ہیں۔ بہرطور اس کام سے فارغ ہو کر میں واپس چل پڑا۔ اب یہاں اور کوئی مصروفیت نہیں رہ گئی تھی سوائے ایک کے

اور مجھے اپنا یہ آخری کام بھی انجام دینا تھا۔ بالی کی سرائے جانے کی بجائے منشی ریاض صاحب کے گھر پہنچا لیکن وہ ابھی واپس نہیں آئے تھے۔ چنانچہ میں نے اُس دُکاندار سے فضل خان کا پتا معلوم کیا جس سے میری سب سے پہلی ملاقات بستی غلام آباد میں ہوئی تھی۔ فضل خان کا پتا معلوم کر کے میں فضل خان کے گھر پہنچ گیا اور فضل خان سے وہیں میری ملاقات ہو گئی۔

فضل خان مجھے دیکھ کر حیرت سے چونک پڑا تھا۔

بہرطور اُس نے مجھے اندر آنے کی دعوت دی اور میں اندر داخل ہو گیا۔ گھر میں فضل خان اور اُس کی بیٹی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فضل خان کی بیٹی جوانی کی سرحدوں کو چھو رہی تھی اور فضل خان کی آنکھوں میں تشویش کے سائے لہرا رہے تھے۔ میں نے فضل خان سے کہا۔

”یہ بستی تمھاری آبائی بستی ہے فضل خان، ہر چند کہ یہاں تمھارے دل پر ایک ایسا زخم لگایا گیا ہے جس کا کوئی مرہم نہیں لیکن تم بقیہ زندگی اِس بستی میں گزارنا چاہتے ہو یا اِسے چھوڑ دینے کے خواہش مند ہو؟“

”نہیں بھتیا، کہاں جائیں گے یہاں سے اور کوئی ٹھور ٹھکانہ بھی تو نہیں ہے۔ ہماری زندگی بڑی محدود ہے۔ کہیں بھی ہمارا کوئی رشتہ دار وغیرہ نہیں ہے۔ اس بستی کے سارے لوگوں سے رشتے داری ہے۔“

”لیکن فضل خان، یہ احساس نہیں ہے تمھارے دل میں کہ یہاں اِس بستی میں تمھاری ایک بیٹی تم سے چھین لی گئی ہے اور دُوسری بیٹی کے بارے میں تمھارے ذہن میں تشویش موجود ہے۔“

”ہاں، جب سے اللہ دتو نے ہمیں وہ کہانی سُنائی ہے ہم بڑے خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ کس کس سے لڑیں گے اور پھر ایسے لوگوں سے جو بڑی پہنچ رکھتے ہوں۔“

”ہاں فضل خان، میں تم سے یہی کہنا چاہتا تھا۔ کیا تمھارے دل میں یہ خواہش نہیں ہے کہ تمھاری بیٹی کا اصل قاتل پکڑا جائے۔ ایک ایسے شخص کو اِس جرم کا شکار بنا دیا گیا ہے جس کا اِس کارروائی میں کوئی حصّہ نہیں تھا جس کے سر قتل کا الزام تھوپ کر اور اُس کے خلاف کچی ثبوت مہیا کر کے اُسے موت کی وادیوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ کیا تمھارے دل میں کبھی یہ نیک جذبہ نہیں اُبھرتا کہ تم اُس شخص کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔“

”ہم ایک بے وقوف سے دیہاتی آدمی ہیں۔ ہم بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں؟“

”سوچ لو فضل خان، روشن علی تو بے گناہ تھا۔ اگر بے گناہ نہ ہوتا تو تمھارے جنگل میں نہ آتا لیکن آنے والا وقت وہ بُری نگاہیں پھر تمھارے گھر کی جانب پھیر سکتا ہے جنھوں نے تمھاری ایک بیٹی کو تم سے جُدا کر دیا۔“

”خدا کی قسم... خدا کی قسم اگر وہ چوہدری غیاث الدین بھی ہوئے تو میں اپنے دانتوں سے اُن کا نرخرا اُدھیڑ کر اُن کا خون پی جاؤں گا۔ اب وہ سب کچھ آسان نہیں ہو گا جو ہو چکا ہے۔“

”اور اُس کے بعد تمھیں موت کی سزا ہو جائے گی۔ فضل خان اور تمھاری بیٹی ساجدہ بے سہارا رہ جائے گی۔ کیا تمھاری یہ جذباتی سوچ عقلمندی کی نشانی ہے؟“

”تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔“

”فضل خان، اگر میری رائے قبول کرو تو وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ دیکھو فضل خان میں نے پہلے بھی تم سے یہی کہا تھا کہ کسی ایسے آدمی کو جو گناہ گار ہو بچانا اُس سے بھی بڑا گناہ ہوتا ہے... کیونکہ اس طرح جُرم کو فروغ دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر حقیقی مجرموں کو منظرِ عام پر لانے کے لیے اپنی ذات پر تھوڑا سا جبر کر لیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ نیکی کی علامت ہے۔“

”ہم تیار ہیں شارق جی۔ مگر ہمارے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے ہیں۔ آپ بتاؤ ہم کیا کریں؟“

”میرے ساتھ شہر چلو اپنی بیٹی ساجدہ کے ساتھ۔ وہاں پہنچ کر پولیس میں رپورٹ درج کراؤ امیر الدین کے خلاف کہ اُس نے تمھاری بیٹی زمرد کو قتل کیا۔ دراصل پہلا معاملہ تمھاری طرف سے نہیں ہوا تھا بلکہ اُس کے لیے پولیس نے براہِ راست کارروائی کی تھی لیکن اب تم رپورٹ درج کراؤ گے کہ تمھیں ایسے حالات کا پتا چلا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری بیٹی زمرد کو امیر الدین نے قتل کیا۔ میں وکیل ہوں تمھارا ساتھ دُوں گا۔ تم پولیس سے یہ بھی کہو گے کہ اب تمھیں اپنی بیٹی ساجدہ کے لیے خطرہ ہے اور یہ بات جھوٹ نہیں ہو گی فضل خان۔“

”لیکن ہمارے پاس ثبوت؟“

”وہ ثبوت میں مہیا کروں گا فضل خان۔ میں یہی سب کچھ کرنے کے لیے یہاں آیا تھا اور اپنی اِس کوشش میں مجھے

کامیابی حاصل ہوئی ہے۔“

”اوہ۔“ فضل خان کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تو میں نے کہا۔

”ایک بات اور سُن لو فضل خان، میں نہیں جانتا کہ تمھارے مالی وسائل کیا ہیں لیکن اس دوران تمھارا جو خرچ ہو گا اُس کی ادائیگی بھی میں کروں گا۔“

”ارے نہیں شارق بابو، بے غیرت نہیں ہیں ہم کہ تم سے اپنے خرچ کے پیسے مانگیں۔ ایک بے گناہ کی جان بچ جائے ہماری اور نہ صرف ہماری بلکہ ہماری بستی کی عزت محفوظ ہو جائے تو اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہیے۔“

”فضل خان تمام لوگ تیار ہو چکے ہیں۔ غلام داد... اور اُس کی بیٹی امینہ بھی امیر الدین کے خلاف بیان دینے کے لیے تیار ہیں اور نجانے کون کون ہے۔ تم دیکھو گے اور سُنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ میں حقیقتوں کی تلاش میں نکلا تھا اور میں نے حقیقتیں پالی ہیں۔“

”اگر یہ بات ہے شارق بھیا تو ہم تیار ہیں۔ ہم آج ہی تیار ہیں جب بھی تم کہو گے ہم تمھارے ساتھ چلیں گے۔“

”ہم آج ہی چلیں گے فضل خان آج ہی۔“ میں نے مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا اور اُس کے بعد تھوڑی دیر تک فضل خان کے ساتھ رُکا پھر باہر نکل آیا۔ میری کارروائی تقریباً تکمیل تک پہنچ گئی تھی۔ اب بس آخری مراحل طے کرنے تھے لیکن اس کے لیے میرا شہر جانا ضروری تھا۔ میں شام کو منشی ریاض سے ملا۔ اس نیک انسان سے ملاقات کیے بغیر بستی غلام آباد نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ منشی ریاض بے چارے حسبِ معمول محبت آمیز انداز میں ملے۔ میں نے اُنھیں یہ خوشخبری سُنائی کہ میرا کام مکمل ہو گیا ہے۔

”کیا مطلب؟“

”جس کام کے لیے میں یہاں آیا تھا منشی ریاض اور جس کام کے لیے میں نے آپ سے امداد طلب کی تھی خُدا کے فضل سے اُس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ میں جا رہا ہوں اور آنے والے چند روز تو بستی غلام آباد میں کچھ نئے حادثات کے حامل ہوں گے۔ انتظار کریں۔“ منشی ریاض کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ اُنھوں نے مجھے دُعائیں دیتے ہوئے کہا کہ خدا میرے مقصد میں کامیابی عطا کرے۔

شام کو فضل خان اور اُس کی بیٹی ساجدہ کے ساتھ ٹھیک بنگلے پہنچا تو بدر شاہ واپس آ چکا تھا۔ مجھے دیکھ کر خوش ہو گیا میں نے اُس سے کہا۔ ”بدر شاہ، جاؤ سرائے نتھو خان سے اپنے اُس آدمی کو بھی لے آؤ۔ ہمارا کام تقریباً مکمل ہو گیا ہے اور آج رات ہم شہر واپس چل رہے ہیں۔“

”کیا واقعی؟“ بدر شاہ نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں، تمھاری ملاقات فاروقی صاحب سے تو نہیں ہوئی تھی۔“

”مل کر آیا ہوں، فاروقی صاحب پوچھ رہے تھے۔ جاوید قریشی بھی تھے۔ وہ لوگ تمھاری واپسی کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔“

”بس تو آج ہمیں واپس چلنا ہے بدر شاہ۔“ میں نے کہا اور بدر شاہ خوشی خوشی تیار ہو گیا۔

سرائے نتھو خان سے اُس نے اپنے آدمی کو بُلا لیا اور پھر رات کی تاریکی میں یہ قافلہ شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ بدر شاہ نے واپسی کے لیے وہی لینڈ روور استعمال کی تھی جو بالکل نئی اور شاندار تھی۔ میرا سینہ فخر و مسرت سے پھٹا جا رہا تھا جس مقصد کے لیے یہاں آیا تھا وہ تقریباً پُورا ہو چکا تھا۔ روزی بھی خوش تھی۔ بہرطور آدھی رات کے قریب بلکہ شاید اس سے بھی کچھ کم وقت ہو گیا تھا۔ ہم شہر میں داخل ہو گئے۔ بدر شاہ نے مجھے اپنے اڈّے پر ہی چلنے کی پیش کش کی تھی۔ ظاہر ہے اس وقت کسی اور کو پریشان کرنا مناسب نہیں تھا۔ وہ تمام لوگ جمع کر لیے تھے میں نے جو اس کیس میں اہم ترین حیثیت رکھتے تھے۔ بدر شاہ کے اڈّے کو ایک بار پہلے بھی دیکھ چکا تھا لیکن تفصیل سے اب دیکھا تھا۔ اس جگہ سے ملحق ایک اور مکان بھی تھا جو بدر شاہ ہی کی تحویل میں تھا۔ مکھنی کو ایک جگہ رکھا گیا تھا۔ پروین دُوسرے کمرے میں تھی۔ مُراد کو ایک اور کمرے میں منتقل کیا گیا تھا اور ان سب کے نگراں بدر شاہ کے آدمی تھے۔ مکھنی کے دونوں بچوں کو بھی بدر شاہ نے اپنے اڈّے پر ہی رکھا تھا۔ غرض وہ تمام کام بدر شاہ نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیے تھے جو اِس کیس کے سلسلے میں زبردست اہمیت رکھتے تھے۔ فضل خان اور اُس کی بیٹی ساجدہ کو لے کر صبح کو میں بدر شاہ کے ساتھ فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ اتنی صبح پہنچے تھے ہم لوگ کہ فاروقی صاحب کے کہیں جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بدر شاہ میری خواہش کے مطابق ہمیں یہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ فاروقی صاحب نے مجھے دیکھا تو فرطِ مسرّت سے مجھ سے لپٹ گئے پھر اُنھوں نے فضل خان سے ملاقات

کی اور میں نے ساجدہ کو اندر بھجوا دیا۔ فضل خان بے چارہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ فاروقی صاحب کے بیرونی کمرے میں فضل خان کے آرام کا بندوبست کیا گیا اور اُس کے بعد ناشتا کرتے ہوئے میں فاروقی صاحب کو تمام تفصیلات بتانے لگا۔ اُن کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ ناشتا کرنا بھول گئے تھے۔ فضل خان کو ہم دونوں نے بہت تسلیاں دیں اور فضل خان کافی حد تک مطمئن ہو گیا پھر میں نے روشن علی کی بیوی رشیدہ کو دروازے کے پیچھے بُلایا اور فضل خان سے اُس کے بارے میں بات چیت کی۔ فضل خان کی آنکھیں رشیدہ کی آواز پہ آنسوؤں سے بھیگ گئی تھیں۔ رشیدہ نے روتے ہوئے کہا کہ روشن علی بھلا کسی کو کہا قتل کر سکتا ہے؟ وہ تو خود ایک دِل برداشتہ آدمی ہے۔ رشیدہ نے رو رو کر فضل خان سے التجا کی کہ وہ اپنا دعویٰ واپس لے لیں تاکہ روشن علی کی جان بچ جائے۔ فضل خان نے روتے ہوئے کہا کہ بیٹی جو حالات سامنے آئے تھے اُن کے تحت ہی یہ بات منظرِ عام پہ آئی تھی کہ زمرد کا قاتل روشن علی ہی ہے لیکن اگر وہ نہیں ہے تو میری خدا سے دعا ہے کہ وہ بچ جائے اور خدا اصل مجرم کو اُس کے گناہ کی سزا دے۔ بہت دیر تک یہ جذباتی گفتگو جاری رہی اور اُس کے بعد ہم فضل خان کو ساتھ لے کر فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔ یہاں تمام کارروائیاں کی گئیں اور پھر میں نے انسپکٹر غالب کو ٹیلی فون کیا۔ انسپکٹر غالب آفس ہی میں موجود تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ ایک اہم سلسلے میں، میں اُس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں اور بے چارہ غالب فوراً تیار ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ فاروقی صاحب کے دفتر میں داخل ہو رہا تھا۔ ہم سب لوگوں سے مصافحہ کر کے اُس نے فضل خان سے بھی مصافحہ کیا اور ایک کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ہماری ایک ٹیم بن چکی تھی جس میں انسپکٹر غالب بھی ایک اہم رُکن کی حیثیت رکھتا تھا۔ میں نے انسپکٹر غالب کو تمام تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ جن راستوں پہ ہم لوگوں نے قدم اُٹھائے ہیں اُن میں بے پناہ مشکلات و خطرات ہیں۔ انسپکٹر غالب کی شخصیت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے لیکن بہر طور چونکہ اُس نے آج تک اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ بھی برائیوں کے خلاف اسی طرح سینہ سپر ہے جس طرح ہم لوگ۔ چنانچہ ہم اُس کی مدد چاہتے ہیں۔ تو غالب نے کہا۔

"تو بھائی جی، غالب نے کب اِس سے انکار کیا ہے

تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا ہے؟" تھوڑا بہت علم غالب کو بھی اِس معاملے کا تھا۔ میں نے اُسے تفصیلات بتانی شروع کر دیں اور انسپکٹر غالب بڑے غور سے یہ سب کچھ سُنتا رہا۔ تقریباً بیس منٹ تک میں اُسے اِس کیس کے اہم نکات سمجھاتا رہا اور اُس کے بعد میں نے اُس سے اُس کی رائے مانگی۔

"روزی کی وہ فلم ڈیولپ کرائی تم نے؟"

"نہیں غالب یہ کام آج ہی ہو جائے گا۔"

"روزی کہاں ہے؟"

"میں نے روزی کو بھی اُس کے گھر واپس بھجوا دیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"فلم کے پرنٹ اور بنوا لو۔ ہمارے پاس بہترین ثبوت ہوں گے۔ ویسے میرا خیال ہے فضل خان کی رپورٹ پر امیرالدین کو گرفتار کیا جا سکتا ہے اور میں یہ کام خفیہ طور پر ہی کروں گا۔ فضل خان کو میرے پاس تھانے بھیج دو۔ وہ رپورٹ درج کرائے اور دوسری طرف تم لوگ آج ہی اس مقدمے کو ری اوپن کرنے کی درخواست فائل کر دو۔ کام شروع ہو جائے گا۔"

"انسپکٹر غالب، بستی غلام آباد میں چوہدری غیاث الدین کا بڑا اثر ہے۔ تمھیں محنت سے کام کرنا ہو گا۔"

"دیکھو جی، میں امیرالدین کو گرفتار کروں گا۔ اُس کے بعد مقدمہ عدالت میں لے جانا تم لوگوں کا کام ہے۔ بعد میں اگر تم مقدمہ نہ جیت سکے یا کوئی اور اُلجھن پیدا ہو گئی تو مجھے بتاؤ میں اور کیا کر سکتا ہوں؟"

"نہیں انسپکٹر غالب، امیرالدین اور خداداد کو گرفتار کر لینا ہی تمھارا کام ہے۔ البتہ کسی سفارش پہ اُنھیں چھوڑنا مناسب نہیں ہو گا۔ اگر ایسی ہی کوئی بڑی سفارش آئے تو تم مجھے اُس کے بارے میں بتا ضرور دینا۔"

"ٹھیک ہے جی، یہ کام آپ ہمارے سپرد کر دو۔"

"میں بھی تمھارے ساتھ چلوں امیرالدین کی گرفتاری کے لیے؟" میں نے سوال کیا۔

"ضرور چلو جی، ظاہر ہے تم اس کیس کے وکیل ہو گے۔ اپنے مؤکل کی طرف سے درخواست لے لو میرا خیال ہے ہم یہ کام کل کریں گے یا اگر تم اپنے کام سے فارغ نہ ہو سکو تو پھر پرسوں۔ ویسے اِن سارے گواہوں کو اپنے پاس مت رکھنا۔ میں ان میں سے کچھ کو اپنی تحویل میں لے لوں گا کچھ اور کیس بھی بنانے پڑیں گے اُن پہ لیکن تم فکر مت کرو اپنا کام میں کر لوں گا۔

ابھی تو وہ آدمی ناصر ہے جس نے پروین کو امیرالدین کے پاس بھیجا تھا اُسے بھی گرفتار کرنا ہے لیکن اُس کے لیے پروین کو بھی میرے پاس رپورٹ درج کرانی ہو گی۔ پروین کون سے علاقے میں رہتی ہے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"

"تو معلوم کر لو جی، جیسا بھی ہو گا دیکھ لیں گے۔ بس اب یہ ذمے داریاں مجھ پہ چھوڑ دو۔" انسپکٹر غالب نے کہا۔ تھوڑی دیر تک قیام کے بعد وہ یہاں سے چلا گیا۔ فاروقی صاحب اِس سلسلے میں تیاریاں کرنے لگے تھے۔

دِن کے پونے بارہ بجے ہم لوگ سینٹرل جیل میں پہنچے جہاں وکالت نامے پہ اور درخواست پہ روشن علی سے دستخط کرانا تھے۔ بدر شاہ بھی مصروف تھا۔ سب ہی اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ روشن علی سے دستخط کروا کر متعلقہ عدالت میں اسی دن روشن علی کی درخواست پیش کر دی گئی اور اِس کے بعد ہم لوگوں نے اِطمینان کی سانس لی۔ اب صرف انسپکٹر غالب کو اِس سلسلے میں اطلاع دینا باقی تھا۔

چنانچہ دوپہر کے بعد ہم نے اُسے تمام تفصیلات بتا دیں۔

فضل خان کی رپورٹ انسپکٹر غالب نے درج کر لی تھی اور اُس کے ساتھ ساتھ ہی، اُس نے بدر شاہ کی مدد سے پروین کی رپورٹ بھی اپنے پاس ہی درج کر لی تھی۔ کیونکہ پروین کا علاقہ بھی اُسی زون میں آتا تھا۔ یہ سارے کام قدرتی طور پر طے پا رہے تھے۔ اور یقیناً یہ روشن علی کی تقدیر تھی۔ اُسی رات ہم لوگ جیپوں میں بیٹھ کر بستی غلام آباد کی جانب چل پڑے۔ انسپکٹر غالب نے اپنی کوششوں سے امیرالدین کا وارنٹ گرفتاری حاصل کر لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ خداداد کا بھی۔ چوہدری غیاث الدین کی حویلی کی تلاش کے سلسلے میں اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا اور یہ انسپکٹر غالب کی ذاتی کوششیں تھیں جن میں اُس نے کافی محنت کی تھی۔ میں فاروقی صاحب کو تمام ہدایات دے چکا تھا۔ پولیس کی اچھی خاصی تعداد ہمارے ساتھ تھی اور ہر امکانی خطرے کو ذہن میں رکھا گیا تھا۔ رات کے آخری پہر تک ہم اُس ڈاک بنگلے تک پہنچے جو بدر شاہ کا ٹھکانہ رہ چکا تھا۔ رات کو وہیں قیام کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ دن کی روشنی میں چوہدری غیاث الدین کی حویلی پہ ریڈ کیا جائے گا۔ رات کو بڑی خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ انسپکٹر غالب بڑے موڈ میں تھا اور طرح طرح کی باتیں کر رہا تھا۔ میں بھی خوش تھا۔ ہم لوگوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ چوہدری غیاث الدین

کی شخصیت کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائیں گے اور وہاں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ بہرحال صبح کا ناشتا جو شہر سے ساتھ لایا گیا تھا کر کے ہم لوگ وہاں سے چل پڑے۔ بالی کی سرائے راستے میں پڑتی تھی۔ میں نے اُس سے مل لینا مناسب سمجھا۔ بے چاری بالی پولیس کی گاڑیوں کو دیکھ کر خوف سے تھر تھر کانپنے لگی تھی لیکن انسپکٹر غالب کے ساتھ جب اُس نے مجھے دیکھا تو اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"انسپکٹر یہ میری بہن بالی ہے جو اس سرائے کی مالکہ ہے اور اس سلسلے میں ساری کارروائی میں میری مددگار رہی ہے۔ بالی بہن میں نے تم سے کہا تھا نا کہ چوہدری غیاث الدین کے بیٹے امیرالدین کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں میرا ہاتھ ہو گا۔ سو دیکھ لو میں موت بن کر اُن کے لیے آ گیا ہوں۔" بالی کے مُنہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اُس سے رُخصت ہو کر برق رفتاری سے چوہدری غیاث الدین کی حویلی کی جانب چل پڑے اور تھوڑی ہی دیر میں حویلی کے دروازے پہ پہنچ گئے۔ پولیس کے جوانوں کو حویلی کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا۔ غیاث الدین کی کوٹھی میں داخل ہونے کے لیے ہم نے سامنے کا نہیں بلکہ عقبی راستہ اختیار کیا تھا۔ پولیس کے آٹھ جوانوں کے ساتھ میں اُس دروازے سے اندر داخل ہو گیا جس کے بارے میں مجھے تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں اور جو امیرالدین کی عیش گاہ کی طرف جاتا تھا۔ انسپکٹر غالب پستول ہاتھ میں لیے برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہوا اُس عیش گاہ میں داخل ہو گیا۔ امیرالدین وہاں تنہا ہی تھا اور آرام سے پڑا مسہری پہ سو رہا تھا۔ حالانکہ کافی دن چڑھ گیا تھا۔ انسپکٹر غالب نے پولیس کے جوانوں کو چاروں طرف پھیلا دیا اور پھر میں نے امیرالدین کی مسہری پہ ٹھوکر مار کر اُسے جگایا۔ وہ جاگا تو میں نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اُٹھا دیا۔ اچھے خاصے تن و توش کا مالک تھا۔ پیشانی پہ گہرا سیاہ داغ تھا۔ داڑھی بھی بڑی اچھی تھی لیکن آنکھوں میں درندگی چھپی ہوئی تھی اور اُس کی شخصیت کو نمایاں کر دیتی تھی۔ ایک لمحے میں اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"استغفراللہ... استغفراللہ، میں جاگ رہا ہوں یا عالمِ خواب میں ہوں؟"

"تم عالمِ ہوش میں ہی ہو امیرالدین اور ہوش میں آنے

کے بعد بُرائیوں کا جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ آج تمھارے سامنے ہے۔"
"بندہ گناہ گار ہوں لیکن لاتعداد گناہوں میں سے میرا کون سا گناہ ہے جس کی سزا مجھے اس دُنیا میں دی جا رہی ہے۔ تاہم حکم الٰہی ہے تو بھلا اس عاجز کو کیا انکار ہو سکتا ہے؟"

"ہتھکڑیاں ڈال دو، اس کی کلائیوں میں۔" انسپکٹر غالب نے حکم دیا، اور ایک پولیس والے نے امیرالدین کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں، پتا نہیں چوہدری غیاث الدین کو اس کارروائی کی اطلاع ہو سکی تھی یا نہیں کیوں کہ یہ معاملہ حویلی کے پچھلے حصّے میں طے کیا جا رہا تھا۔ پولیس کے جوانوں نے امیرالدین کی رہائش گاہ سے فحش رسالے اور ایسی ہی دُوسری چیزیں برآمد کیں۔ اس کے ساتھ ہی شراب کی دس بوتلیں بھی ایک خفیہ خانے سے برآمد ہو گئی تھیں، وہاں جو کچھ تھا پولیس نے اُسے اپنی تحویل میں لے لیا اور تمام کارروائیاں کرنے کے بعد حویلی کے عقبی دروازے کو بند کر کے وہاں دو پولیس والے تعینات کر دیے گئے۔ سامنے والے حصّے سے امیرالدین کو نکال کر باہر لایا گیا۔ اس دوران چوہدری غیاث الدین کو شاید صورتِ حال کا علم ہو گیا تھا، چنانچہ وہ تین آدمیوں کے ساتھ امیرالدین کی رہائش گاہ کی جانب بڑھتے ہُوئے نظر آئے اور امیرالدین کو اس طرح ہتھکڑیاں پڑے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئے۔ یہ شخص بھی بڑی جاندار شخصیت کا مالک تھا، بڑی بڑی نوک دار مونچھیں اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود چہرے پر تازگی کے آثار جو اس وقت پریشانی کی کیفیات کا شکار تھے۔ ایک لمحے تک وہ ساکت رہے اور اس کے بعد آگے بڑھ کر بولے۔

"انسپکٹر۔ کیا ہے یہ سب کچھ؟" اس شخص کی آواز بھی رُعب دار تھی۔

"آپ کے بیٹے امیرالدین کو مختلف جرائم کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے چوہدری غیاث الدین صاحب۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے دو کوڑی کے آدمی۔ تیری جرأت کیسے ہُوئی کہ میری اجازت کے بغیر تُو میری حویلی میں داخل ہُوا۔" چوہدری غیاث الدین کا پارہ چڑھ گیا، اور انسپکٹر غالب کی آنکھیں بھی سُرخ ہو گئیں۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور چوہدری غیاث الدین کے سامنے پہنچ گیا۔

"پولیس کے لیے یہ الفاظ استعمال کرنے کے الزام میں چوہدری صاحب میں تمھیں اتنے ڈنڈے مار سکتا ہُوں کہ تم اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہو، لیکن تمھارے بڑھاپے کا خیال کر رہا ہُوں اگر خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" غالب خود بھی سرپھرا آدمی تھا وہ بھلا کسی کو کیا خاطر میں لا سکتا تھا، چوہدری غیاث الدین سکتے میں رہ گئے۔ غالباً اُنھوں نے ان الفاظ کا زندگی میں کبھی تصوّر بھی نہیں کیا ہو گا۔ ایک لمحے کے لیے اُن کی سٹّی گُم ہو گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے غالب کو گھُورتے رہے اور پھر اُن کے انداز میں ایک دم تبدیلی آ گئی۔

"انسپکٹر۔ جو کچھ میں نے تمھیں کہا اور اُس کے جواب میں جو کچھ تم نے کہا اس کا حساب ہم لوگ اپنے کھاتے میں درج کیے لیتے ہیں۔ بعد میں فیصلہ کریں گے، لیکن میں تم سے پوچھ سکتا ہُوں کہ تم نے میرے بیٹے امیرالدین کو کون کون سے جرائم کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔"

"اس کی تفصیل شہر آ کر پولیس اسٹیشن سے معلوم کر لینا چوہدری جی۔ میرے پاس اس کی گرفتاری کا وارنٹ۔ آپ کی کوٹھی کی تلاشی کا اجازت نامہ۔ اور کسی بھی قسم کی مداخلت کے سلسلے میں پولیس کارروائی کے تمام اختیارات موجود ہیں۔"

غالب کی کھوپڑی گھُوم گئی تھی، اس لیے اُس نے غیاث الدین کو جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ البتہ امیرالدین بولا۔

"ابّا حضور۔ آپ مزاحمت نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ مجھے اس امتحان سے گُزرنے دیجیے، قانون کے معاملات میں رُکاوٹ درست نہیں ہوتی۔"

چوہدری غیاث الدین پتھّر کے بُت کی مانند اپنی جگہ کھڑا انسپکٹر کو دیکھ رہا تھا، انسپکٹر نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ امیرالدین کو گھسیٹتے ہُوئے باہر لے گئے، چوہدری کا کلیجہ خُون ہُوا جا رہا تھا۔ اُس نے تحمّل سے کام لے کر کہا۔

"انسپکٹر کیا تم نے امیرالدین کی رہائش گاہ کی تلاشی لے لی ہے؟"

"ہاں۔" چوہدری صاحب اور اس سلسلے میں مجھے دو معتبر آدمیوں کی ضرورت ہے جو گواہی دے سکیں کہ امیرالدین کی رہائش گاہ سے کیا کیا برآمد ہُوا ہے؟"

"کیا برآمد کیا ہے تم نے وہاں سے؟"

"شراب کی بوتلیں، فحش میگزین اور ایسی ہی دُوسری چیزیں جو عیّاش لوگ استعمال کرتے ہیں۔"

"بکواس ہے بالکل بکواس ہے۔"

"پولیس فوٹوگرافر ان تمام چیزوں کی تصویریں بنا چکے ہیں چوہدری صاحب۔ میں کچّا کام نہیں کرتا، اُس وقت تک آپ پولیس کو ڈسٹرب کرنے کی کوشش نہیں کریں گے جب تک یہاں کا تمام کام مکمل نہ ہو جائے۔"

"انسپکٹر یوں سمجھ لو۔ تم نے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک کھیل کھیلا ہے۔ میں اگر چاہوں تو پولیس کا ایک بھی سپاہی بستی غلام آباد سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔ لیکن میں تمھاری پہنچ دیکھنا چاہتا ہُوں۔"

انسپکٹر غالب کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کہا، "ضرور چوہدری جی۔ ویسے دُوسری کوشش ضرور کرنا اس طرح ہمیں اور بھی آسانی ہو جائے گی۔" چوہدری غیاث الدین ایک جھٹکے سے گھُوم کر آگے بڑھ گیا تھا۔

بستی میں رُکنا اب کسی طور مناسب نہیں تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی لیکن واپسی میں انسپکٹر غالب نے پولیس کو چوکس کر دیا تھا کیونکہ معاملہ ایک سرپھرے زمیندار کا تھا۔

لیکن چوہدری غیاث الدین نے کوئی غلط کارروائی نہیں کی اور ہم لوگ قیدیوں کو لے کر شہر پہنچ گئے۔ فضل خان کی رپورٹ کی روشنی میں انسپکٹر غالب نے امیرالدین اور خداداد کو لاک اپ میں بند کر دیا تھا۔

"تمھیں ان قیدیوں پر خصوصی توجہ رکھنا ہو گی غالب! ماضی میں تم ان دولت مندوں کے کھیل دیکھ چکے ہو۔" میں نے کہا۔

"فکر ہی مت کرو بھائی جی۔ غرور کی بات نہیں کرتے پر اپنا نام بھی غالب ہے اور غالب کا مطلب تم جانتے ہو اور پھر اپنے یار کو یہ بھی بتانا ہے کہ دو کوڑی کے پولیس والے کیا ہوتے ہیں۔ اس بھوتنی والے کو لوٹے میں ڈال نہ پلائی تو غالب نام نہیں۔"

"مجھ سے رابطہ رکھنا اور کوئی بھی اُلجھن ہو تو فوراً بتانا اس میں تکلّف کی ضرورت نہیں۔"

"او بس جی آرام کرو اور اپنا کام دیکھو۔ ہمیں ہمارا کام کرنے دو۔"

انسپکٹر غالب کے پاس سے رخصت ہو کر تھوڑی دیر تک بدر شاہ کے اڈّے پر رہا۔ بدر شاہ بے حد خوش تھا۔

"شارق جی۔ مردوں کو مرد ملا ہے مان گئے جی دار ہو اور جو کہتے ہو کر دکھاتے ہو۔ دیکھو جی موت سب کو یاد رہتی ہے ہم بھی مریں گے اور فرشتے بغیر کسی سے پوچھے گردن سے پکڑ کر جہنّم میں پہنچا دیں گے۔ اپنے اعمال ایسے ہیں شارق جی مگر آدمی کو ہر طرف نگاہ رکھنی چاہیے اور اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔ سُنا ہے دوزخ کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں کہیں کچھ رعایت مل جاتی ہے اور کہیں سخت سزا ہوتی ہے۔ اس لیے ہم سزا میں کچھ نرمی چاہتے ہیں اور اس کے لیے تمھیں ہماری مدد کرنا ہو گی۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو بدر شاہ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یار تم ٹھہرے دوسرے محلّے کے آدمی۔ یعنی جنّت کے نیک کام کرتے رہتے ہو اور جنّت کما رہے ہو۔ کوئی بھی ایسا کام ہو جس میں بدر شاہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہمیں بھُولنا نہیں (شاید) اس طرح ہماری سزا کی سختی میں ہی کچھ کمی ہو جائے۔"

"خدا تمھارے جذبوں کو استقامت دے بدر شاہ۔" میں نے متاثر لہجے میں کہا۔

پھر وہاں سے میں فاروقی صاحب کے پاس آ گیا۔ اُنھیں مکمل رپورٹ دی اور آئندہ پروگرام کے لیے ان سے مشورے کرتا رہا۔ رات کو فلیٹ پر اُستاد چھمّن سے بہت دیر تک باتیں ہوتی رہی تھیں۔

*

دوسرے دن فاروقی صاحب کی طرف جانا نہ ہو سکا کئی اور کام کرنے تھے چنانچہ پروین کے گھر پہنچا اور اُسے ساتھ لے کر متعلقہ تھانے گیا جہاں میں نے اپنا تعارف کرانے کے بعد رنگ بنانے والی فرم کے مالک ناصر کے خلاف رپورٹ درج کرائی جس میں دھوکے سے ایک معصوم لڑکی کو ملازمت کا لالچ دے کر بستی غلام آباد بھیجنے اور وہاں اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کی تفصیل تھی۔ میں نے ایس۔ ایچ۔ او کو چند ثبوت پیش کیے جو ناصر کی گرفتاری کے کام آ سکتے تھے اور ایس۔ ایچ۔ او نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں فوری کارروائی کا آغاز کر رہا ہے۔ فاروقی صاحب کے سپرد دُوسری ذمّے داریاں کر دی گئی تھیں۔

چند روز اس کام میں صرف ہو گئے۔ ہم ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تمام کام انجام دے رہے تھے اور اس سلسلے میں جاوید قریشی کو بھی مصروف کر لیا گیا تھا چنانچہ ہماری مشترکہ کوششوں سے سارے کام مکمل ہو گئے اور ہم نے امیرالدین کے خلاف مقدمہ درج کرا دیا اس پر دفعہ ۳۰۲ قتل عمد۔ ۳۵۲ حملہ جبر مجرمانہ ۶ ،۲،۷/ زنا

بالجبر ۳۴۸، ضرب شدید ۳۸۵ اور ۳۴۶، حبس بے جا لگائی گئی تھیں۔ ناصر کی گرفتاری بھی عمل میں آ چکی تھی اور اسے دفعہ ۳۷۷ اور ۳۴۲ کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ہم مطمئن ہو گئے تھے۔ اس صبح ہم دفتر ہی میں تھے کہ بدر شاہ آ گیا۔

"آؤ بدر شاہ سب خیریت ہے نا؟" فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"بالکل خیریت ہے۔ فاروقی صاحب ایک خبر لائے تھے آپ کے لیے۔"

"ہاں کہو۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"وہ اپنے چوہدری جی شہر آ گئے ہیں۔"

"کون چوہدری؟"

"ارے بھائی چوہدری غیاث الدین جی۔"

"انھیں تو آنا ہی تھا تمھیں کیسے معلوم ہوا؟"

"نظر آئے تھے ہم نے پیچھا کیا اور سب معلوم کر لیا۔ ان کے ہرکارے کئی دن پہلے پہنچ گئے تھے ایک کوٹھی کرائے پر لی ہے انھوں نے۔ دس آدمی ہیں گیارہویں خود چوہدری جی ہیں۔"

"خوب تمھارا ڈیپارٹمنٹ بھی کام کر رہا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی اور ڈیوٹی لگاؤ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کی شارق جی۔ بیکار بیٹھے ہیں۔"

"نہیں تم بیکار تو نہیں ہو بدر شاہ۔ ان لوگوں کی حفاظت جاری رکھو یہی بڑا کام ہے۔"

"بس یہی اطلاع دینے آئے تھے ہم۔ اب اجازت دو۔" ہم نے بدر شاہ کو چائے پلا کر رخصت کیا تھا۔ اس سے اس کوٹھی کا پتا پوچھ لیا گیا جس میں چوہدری غیاث الدین نے قیام کیا تھا۔

دوسرے دن فاروقی صاحب نے مجھے اطلاع دی۔ "لو بھئی گڑبڑ ہو گئی۔"

"خیریت؟"

"چوہدری غیاث الدین نے اپنا کیس بیرسٹر نصرت حسین کو دیا ہے۔"

"واہ۔" میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔ اس اطلاع سے مجھے دقت ہوئی تھی۔ میں بار بار بیرسٹر نصرت حسین کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا آخر وہ میرے بھائی تھے اُن کی شکست مجھے پسند نہیں تھی لیکن بیرسٹر صاحب کو بھی تو اپنے اندر کچھ تبدیلی کرنی چاہیے تھی۔ میرا اور ان کا یہی اختلاف تو تھا۔ پیشہ ایمان ہوتا ہے اور ایمانداری کا متقاضی ہوتا ہے کوئی بھی کیس صرف اس لیے نہیں اپنا لینا چاہیے کہ اس سے بہتر آمدنی ہو گی کوئی گناہ گار بچ رہا ہو اور بے گناہ پھنس رہا ہو تو کچھ دینی اور اخلاقی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔

دل چاہا کہ بیرسٹر صاحب سے ملاقات کروں اور انھیں کیس لینے سے باز رکھوں لیکن پھر خود کو روک لیا۔ انھیں بھی تو یہ اطلاع مل جائے گی کہ یہ کیس میرے پاس ہے اس لیے وہ خود بھی تو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں اور اگر نہیں تو پھر ٹھیک ہے۔

"ایک بار پھر تمھیں ان کے سامنے آنا ہو گا۔" فاروقی صاحب بولے۔

"مجبوری ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا اور فاروقی صاحب خاموش ہو گئے۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے فاروقی صاحب کے سامنے فون کیا۔ اتفاق سے فون میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"میں نصرت حسین بول رہا ہوں۔ شارق حسین ایڈووکیٹ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"یقین نہیں آتا سر۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کیا آپ واقعی مجھ سے گفتگو کریں گے؟"

"شارق؟"

"جی ہاں۔ آپ میری آواز بہت جلد بھول گئے بھائی جان؟"

"فون پر تمھاری آواز بدل جاتی ہے۔"

"اسے بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"کچھ کام ہے تم سے۔ فرصت ہے؟"

"حکم دیجیے۔"

"دفتر آ جاؤ ابھی۔"

"حاضر ہو رہا ہوں۔" میں نے کہا اور بیرسٹر صاحب نے سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا۔

آشیانے سے نکلے ہوئے اچھے خاصے دن گزر گئے تھے اور ان دنوں میں میرے اپنوں میں سے کسی کی یہ پہلی توجہ تھی لیکن میں احمق نہیں تھا۔ اس توجہ میں کوئی اپنائیت یا محبت نہیں بلکہ صرف ایک کاروبار تھا۔ تاہم ان تمام لوگوں سے مجھے محبت تھی اور تمام تر اختلافات کے باوجود ان کا پیار میں بھول نہیں

سکتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میری موٹر بائیک بیرسٹر نصرت حسین کے شاندار دفتر کی عمارت کے سامنے رک گئی اور میں اُن کے پاس پہنچ گیا۔ اُن کے جونیئر بیرونی کمرے میں مصروف تھے۔ چپراسی نے مجھے سلام کیا اور میں بیرسٹر صاحب کے بارے میں پوچھتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ نصرت حسین صاحب اپنے شاندار آفس کی میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے۔ مجھے دیکھا تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور سلام کا جواب دینے کے بعد سامنے پڑی ہوئی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ اُن کی گہری نگاہیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ آہستہ سے مسکرائے۔

"ابھی تک کار نہیں خرید سکے۔ بائیک پر ہی آنے ہو۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر متحیرانہ انداز میں بولا۔

"بظاہر تو ایسے کیمرے یا ویڈیو اسکرین نظر نہیں آ رہی بھائی جان۔ جو آپ کو اس میز کے پیچھے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھے بیٹھے یہ بتا دے کہ آپ کے دفتر کی عمارت کے سامنے کون کار رکی ہے یا موٹر سائیکل۔ میرے خیال میں آپ نے یقیناً روشن ضمیری کا وظیفہ شروع کر رکھا ہے۔"

"اس قسم کے کرتب تمھیں ہی بھلے لگتے ہیں۔" میں ایک سنجیدہ اور باعمل انسان ہوں۔"

"خدا اور ہم عالم آپ کے درجات میں اضافہ کرے۔ اس سے زیادہ خوشی کی بات میرے لیے اور کیا ہو سکتی ہے۔ حکم کے مطابق حاضر ہو گیا ہوں کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔ مسرت ہو گی۔"

"کیا آشیانے پر لعنت بھیج چکے ہو؟" نصرت حسین صاحب نے پوچھا۔

"نہیں۔ وہاں وہ لوگ ہیں جن سے صرف محبت کی جا سکتی ہے اُن کے بارے میں کسی بُرے انداز سے نہیں سوچا جا سکتا۔"

"بہرحال اس کا کورس بھی کر چکے ہو۔ بہر طور میں تمھارا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ کیا آج کل ایک کیس ہے تمھارے پاس چوہدری غیاث الدین کے بیٹے امیر الدین کا؟"

"جی ہاں۔ امیر الدین دراصل ایک بھیڑیے کی کھال میں چھپا بھیڑیا ہے۔ اس نے یوں تو بہت سے جرائم کیے ہیں لیکن مجھے اس کی تلاش کی ضرورت یوں پیش آئی تھی کہ اس نے ایک قتل کر کے ایک بے گناہ انسان کو اس قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا دلوا دی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ مجھے پسند نہیں مجرم کو سزا ملنی چاہیے اور بے گناہ کو باعزت زندگی۔ آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ یہی میرا مسلک ہے۔"

"اور اسی کے ہاتھوں تم فنا ہو جاؤ گے۔"

"یہی میں بھی چاہتا ہوں بھائی صاحب! کہ اپنے اسی مسلک کی راہ میں فنا کا درجہ پاؤں۔"

"خیر تمھاری حماقتیں اب اس نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہیں کہ تمھیں سمجھانا مشکل ہے۔ گھر چھوڑ کر تم نے سب کی محبتیں ٹھکرا دی ہیں اور آئی جی صاحب کے حکم سے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ تمھیں زمانے کا تجربہ ہونے دیا جائے۔ وقت خود بخود تمھیں آشیانے میں لے جائے گا اور اس بات کو یاد رکھنا کہ اگر کبھی بہت برے حالات کا شکار ہو جاؤ تو انا کو سامنے مت رکھنا۔ اس دن تمھارے لیے آشیانے کے دروازے کھل جائیں گے۔"

"اس محبت بھری پیش کش کا شکریہ۔ ظاہر ہے میرا بھائی مجھ سے یہی کہہ سکتا ہے۔ میں اس بات کو ذہن میں رکھوں گا۔ میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو فرمائیے؟"

"خدمتیں نالائقوں کے سپرد نہیں کی جا سکتیں۔ تم نے اپنے آپ کو لائق کب سے تصور کر لیا؟"

"اب کیا عرض کروں۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہو گی۔ بہر طور میرے لیے کیا حکم ہے۔ آشیانے کے دروازوں ہی کی بات کرنی تھی یا کوئی اور بھی کام تھا مجھ سے؟ ویسے معاف کیجیے۔ آپ لوگوں نے اس عمارت کو آشیانے کا نام غلط دیا ہے۔ وہ صرف قانون گھر ہے۔ آشیانہ تو ایسے آزاد پرندوں کا ٹھکانہ ہوتا ہے۔ جو کسی دباؤ کے بغیر فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں۔ اپنی بساط کے مطابق اپنا رزق تلاش کرتے ہیں اور پھر اس ننھے دروازے کا رخ کرتے ہیں۔ جو تنکوں سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ آشیانے کے بند دروازے اسے آشیانہ کہنے سے روکتے ہیں۔ میرا خیال ہے آپ اس کا نام انگریزی میں لا ہاؤس اور اردو میں قانون گھر رکھ دیجیے۔ خاصا پُروقار نام ہو گا۔"

"چوہدری غیاث الدین نے امیر الدین کا کیس لڑنے کے لیے میرا انتخاب کیا ہے۔ یہ بات تمھیں عدالت میں معلوم ہوتی لیکن اس سے پہلے ہی میں نے تمھیں بتا دینا مناسب سمجھا۔ ان لوگوں کی بات دوسری تھی۔ جن کے خلاف تفتیش کر کے تم نے ایک دو مقدمے جیت لیے ہیں۔ ایسے باعزت اور پُروقار لوگوں پر ہاتھ ڈالنا لوہے کے چنے چبانا ہوتا ہے۔ جن کے تعلقات اعلیٰ حکام تک

ہوں۔ چودھری غیاث الدین کو معمولی شخصیت مت سمجھو۔ وہ ایک بہت ہی اونچے خاندان کے آدمی ہیں اور اس خاندان کے تحفظ کے لیے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ تمھارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔"

"معاف کیجیے گا بیرسٹر نصرت حسین صاحب! میرا مؤکل روشن علی ہے۔ جس نے زمرد نامی لڑکی کو قتل نہیں کیا۔ چودھری غیاث الدین سے کہیں کہ اپنے اعلیٰ تعلقات سے کام لے کر روشن علی کی سزا معاف کرا دیں اور اُسے جیل سے نکلوا دیں۔ میں امیر الدین کے مسئلے میں آگے نہیں بڑھوں گا لیکن اگر روشن علی جیل میں رہا تو امیر الدین کو سزائے موت بھگتنا ہو گی۔"

"سبحان اللہ یہ عالم ہے تمھاری قانون دانی کا۔ قانون اتنا ہی ارزاں ہے۔ اتنا ہی بے حقیقت ہے کہ کوئی شخص اطمینان سے کسی عمر قید کے قیدی کو جیل سے نکال کر آزاد فضاؤں میں چھوڑ دے۔ کیا احمقانہ گفتگو کر رہے ہو۔"

"یہی عرض کرنا چاہتا ہوں بیرسٹر صاحب کہ قانون اتنا ارزاں نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیارات کے بل پر ایک قاتل کو آزاد زندگی دے دے اور ایک بے گناہ کو جیل کی قید۔ غیاث الدین کا کیس اگر آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے تو ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے یہی عرض کر سکتا ہوں کہ آپ اس کیس سے دست بردار ہو جائیں۔ عدالتوں میں لوگوں کی یہ چہ میگوئیاں مجھے پسند نہیں آئیں کہ بیرسٹر نصرت حسین شکست کھا گئے۔ پچھلی بار بھی میں نے ایک وکیل کا گریبان پکڑ دیا تھا۔ جو آپ کے لاف زنی کر رہا تھا۔ بچ گیا میرے ہاتھ سے لیکن کب تک بیرسٹر صاحب۔ آپ جھوٹے کیس ہاتھ میں لیتے رہیں گے اور لوگ آپ کی شکست پر ہنستے رہیں گے اور میں بے گناہوں کا دفاع کرتا رہوں گا۔ آپ ہارتے رہیں گے اور لوگ آپ کی شکست پر ہنستے رہیں گے۔ میں یہ نہیں چاہتا بیرسٹر صاحب۔ چنانچہ میرا مشورہ قبول فرمایئے امیر الدین کے کیس میں بالکل جان نہیں ہے آپ کو اس سے دست بردار ہو جانا چاہیے کوئی اور کیس لڑے تھا تو مجھے بھی لطف آئے گا۔ آپ کے سامنے میں کبھی نہیں آنا چاہتا بیرسٹر صاحب! براہ کرم آپ بھی میرے سامنے آنے سے کترا لیجیے۔" میں کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"گویا تم یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہو۔ دیکھو شارق! اس سلسلے میں جو کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ میں تمھیں بتا نہیں سکتا۔ کیونکہ ایک قانون داں ہوں۔ وکیل ہوں اور مؤکل کے راز، راز میں رکھنا میرا فرض ہے لیکن ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے تمھیں یہ آگاہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر اس سلسلے میں تم نے زیادہ چلت پھرت کی کوشش کی تو ساری زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"کاش میں آپ کو اس کا جواب وہی دے سکتا جو میرے ذہن میں ہے اور چونکہ ذہن میں موجود جواب آپ کو دے نہیں سکتا۔ اس لیے خاموشی اختیار کر رہا ہوں۔ خدا حافظ۔" میں نے کہا اور اس کے بعد تیز قدموں سے بیرسٹر نصرت حسین کے گھر سے واپس نکل آیا۔ اس کے بعد میں اُن کے دفتر میں بھی نہیں رُکا تھا۔

موٹر بائیک اسٹارٹ ہو کر واپس چل پڑی لیکن دماغ میں کوئی تیزی نہیں تھی۔ کوئی فکر یا دھواں نہیں تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے جو کچھ کہا تھا وہ میری رہنمائی کرتا تھا۔ چودھری غیاث الدین یقیناً صاحب اثر تھا اور ظاہر ہے اس نے یہاں بے مقصد ہی قیام نہیں کیا ہو گا۔ امیر الدین کے سلسلے میں وہ اپنی تگ و دو میں مصروف ہو گا۔ خود بیرسٹر نصرت حسین صاحب کیا کر رہے تھے۔ اس بارے میں ظاہر ہے مجھے معلوم نہیں ہو سکتا تھا لیکن میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ فاروقی صاحب کے دفتر میں آنے کے بعد میں نے کچھ ایسے انتظامات کیے کہ کسی بھی قیمت پر کسی بھی بااختیار ذریعے سے امیر الدین کی ضمانت ہونے نہ پائے۔ اس کے لیے کچھ درخواستیں میں نے متعلقہ حکام کے لیے ٹائپ کیں اور انھیں باقاعدگی سے فاروقی صاحب کے ذریعے ان تک پہنچا دیا گیا۔ یہ انتظامات شاید میں نہ کرتا لیکن بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے الفاظ نے اس طرف بھی متوجہ کیا تھا۔ ویسے بھی جو دفعات امیر الدین پر لگائی گئی تھیں۔ اُن میں سے چند ہی قابلِ ضمانت تھیں اور باقی ناقابلِ ضمانت لیکن اس کارروائی کے بعد اعلیٰ حکام خود بھی اس سلسلے میں ملوث ہو جاتے تھے اور امیر الدین کی ضمانت کی سفارش نہیں کر سکتے تھے۔ اس کارروائی سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے سکون کا سانس لیا اور پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ تیاریاں مکمل تھیں اور کوئی ایسی بات نہیں تھی جو پریشانی کا باعث ہوتی لیکن میں سارے راستے مستحکم کرتا جا رہا تھا۔

میں جیلر وقار احمد صاحب سے جا کر ملا وہ اب میرے کافی گہرے شناساؤں میں شمار ہوتے تھے۔ مجھے دیکھ کر اُنھوں نے مسرت کا اظہار کیا اور روشن علی کے بارے میں معلومات حاصل

کرنے لگے میں نے مختصر الفاظ میں اُنھیں تفصیلات بتا دیں وقار احمد صاحب عقیدت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔
"بھئی کمال کے آدمی ہو۔ واقعی تم نے کمال کر دکھایا میرے لائق خدمت ہو تو بتاؤ روشن علی کو بلواؤں؟"
"نہیں وقار احمد صاحب! اس وقت ایک اور مقصد سے حاضر ہوا ہوں۔"
"ہاں کہو۔"
"امیر الدین کا چالان ایک دو دن کے اندر عدالت میں پیش کر دیا جائے گا اور بلاشبہ آپ سے اُسے جیل میں منتقل کر دیا جائے گا اس کا باپ چودھری غیاث الدین یہاں آ گیا ہے اور اس کے لیے بہت سی کوششوں میں مصروف ہے۔ میں اس بات کا یقین رکھتا ہوں کہ قتل کے اس مجرم کی ضمانت نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ اُسے جیل بھیجا جائے گا اور جیل میں اُس کے لیے رعایت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ جو چودھری غیاث الدین جیسے لوگ کر سکتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا وقار صاحب کہ آپ اُس پر تشدد کیجیے لیکن ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ اُسے جیل میں وہی حیثیت دی جائے جو اس جیسے کسی بھی شخص کو دی جا سکتی ہے اگر وہ یہاں مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے دلی رنج ہو گا اور یہ بات میری شکست کے مترادف ہو گی۔"

وقار احمد صاحب نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا "یہ تم مکمل اعتماد رکھو۔ سچائی کے جن راستوں پر تم نے قدم آگے بڑھائے ہیں میں اُن میں تمھارا ہمراہی ہوں مجھے بھی خدا کو منہ دکھانا ہے اور پھر ویسے بھی یہ ایک دیانت دارانہ فرض ہے اور خدا کے فضل سے میں ابھی تک کسی بد دیانتی کا مرتکب نہیں قرار پایا ہوں بالکل اطمینان رکھو۔ اُسے یہاں صرف وہی حیثیت دی جائے گی جو اُس جیسے آدمی کو دی جا سکتی ہے۔"

میں وہاں سے بھی چلا آیا۔ اگر آج تک کی کارکردگی پر نگاہ ڈالتا تو اس بات پر یقین ہو جاتا تھا کہ سچائی کے راستوں پر اگر استقامت سے آگے بڑھا جائے تو امدادِ غیبی ہوتی ہے۔ ان راستوں کی ابتدا ہی کٹھن ہوتی ہے اور اُس کے بعد پُرسکون ڈھلان ہوتے ہیں۔ جن پر دوڑنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ایسے اچھے اچھے انسان مجھے ملے تھے۔ جنھوں نے میرے ہمراہ چلنے کا فیصلہ کر کے کاروانِ حق کی صورت اختیار کی تھی۔ وقار احمد صاحب، انسپکٹر غالب اور نہ جانے کون کون اور وزیر نے امیر الدین کا کچا چٹھا کھولنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ یہ سب کچھ سچائی کے راستوں کے اطراف میں پھیلے ہوئے پھولوں کی مانند ہی تو تھا اور یہ چیز میرے دل میں اعتماد بڑھاتی تھی اور اس اعتماد کے سہارے میں ساری زندگی یہی سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔ یہی میرا نظریۂ حیات تھا۔ حالات معمول کے مطابق تھے اور اب میں ان تمام کاموں سے فرصت پا چکا تھا جو امیر الدین کے کیس کے سلسلے میں مجھے کرنے تھے اگر میں چاہتا تو روشن علی کی ضمانت کی کوششیں بھی کر سکتا تھا لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس سلسلے میں وکیل فاروقی صاحب نے مجھ سے بات کی تھی لیکن کسی بھی طرح کی جلد بازی میں پسند نہیں کرتا تھا پھر ایک اور دلچسپ واقعے سے دوچار ہونا پڑا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب سے ملاقات کو چار دن گزر چکے تھے اور اُس کے بعد انھوں نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا لیکن اس شام جب میں تمام ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے فلیٹ پر پہنچا تو استاد بے چینی سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے کہا۔
"شارق میاں۔ آشیانے سے بلاوا آیا ہے۔"
"کیا؟" میں چونک پڑا۔
"اپنے ملازم معظم کو تو جانتے ہو۔ شاید ڈرائیور ہے۔ وہی یہاں پہنچا تھا اور آئی جی صاحب کا پیغام دے گیا ہے۔ آئی جی صاحب نے کہلوایا ہے کہ رات کے کھانے سے پہلے آپ آشیانے پہنچ جائیں۔"
"اللہ رحم کرے۔ قانون گھر میں میری طلبی کوئی معمولی حیثیت نہیں رکھتی۔" استاد جمو نے مسکراتے ہوئے پھر بولے۔
"بہرطور شارق میاں! وہ آپ کا گھر ہے آپ ضرور جایئے گا۔ گھر عبادت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ گھر جہاں ماں اور باپ ہوں۔"
"آپ ٹھیک کہتے ہیں استاد۔ لیکن وہ جگہ میرے لیے کافی خطرناک ہے۔ تاہم جانا تو پڑے گا بھلا آئی جی صاحب کی بات کو کون ٹال سکتا ہے ہتھکڑیاں ڈال کر بلوا سکتے ہیں مجھے۔"
استاد جمو نے میرے لیے لباس وغیرہ کا بندوبست پہلے ہی کر لیا تھا۔ غسل کرنے میں صرف چند لمحات صرف کیے اور اس کے بعد بائیک پر بیٹھ کر آشیانے کی جانب چل پڑا۔ ذہن میں عجیب و غریب خیالات تھے شکایت بھی تھی کہ مجھے بلایا گیا تو کسی ضرورت پر۔ اس سے پہلے میری ضرورت محسوس نہیں کی گئی

صاحب نے کہا۔

"شارق! چوہدری صاحب کا کیس نصرت نے اپنے ہاتھوں میں لیا ہے۔ چوہدری صاحب کا خیال ہے کہ اُن کا بیٹا بے قصور ہے۔ وہ نمازی اور پرہیزگار نوجوان ہے اور اُس کے نام سے جو کہانیاں منسوب کی گئی ہیں یا روشن علی نے اُس پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ چوہدری غیاث الدین صاحب ایک ایسے حوالے سے ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ جن کے مجھ پر احسانات بھی ہیں۔ دورانِ ملازمت اس شخصیت سے میرے گہرے مراسم رہے ہیں اور وہ ملک کی کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ موجودہ حکومت میں ایک اعلیٰ عہدیدار کی حیثیت رکھتی ہے اور چوہدری غیاث الدین کے اس شخصیت سے گہرے تعلقات ہیں۔ میں ابھی تمہیں اس شخصیت کا نام نہیں بتاؤں گا کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ معاملہ سلجھ جائے۔ چوہدری غیاث الدین ایک اچھے انسان ہیں اور اپنے بے گناہ بیٹے کو بچانا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیئے۔ یہ کیس تم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور سُنا ہے تم ہی اس کی پیروی کر رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے دستبردار ہو جاؤ۔ باقی معاملات چوہدری غیاث الدین خود سنبھال لیں گے" ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں بھڑکنے کی شدید لہر ابھری تھی لیکن باپ کا احترام فرض تھا وہ نہ بہہ سکا جو لینا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن ڈیڈی! ایک وکیل کی کیا یہ حیثیت ہوتی ہے کہ وہ بے گناہ کو سزا دلوا دے۔ اُس کا کام تو حق پر روشنی ڈالنا ہے اور فیصلے عدالت کرتی ہے۔ کرسیِ انصاف پر بیٹھے ہوئے منصف کی آنکھوں میں دُھول جھونکنا تو ممکن نہیں۔ قانون دلائل اور ثبوتوں کی روشنی میں فیصلے کرتا ہے اور وکیل صرف یہی دلائل قانون کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ کیا مجھ جیسا کوئی شخص ایک ایسے بے گناہ شخص کو سزا دلوا سکتا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔ میں ایک وکیل کی حیثیت سے اس کیس سے دستبردار ہو بھی جاتا ہوں، تو کیا کوئی دوسرا وکیل اس کیس کی پیروی نہیں کرے گا۔ روشن علی نے مجھ سے رابطہ قائم کر کے حقیقت کو سامنے لانا چاہا اور میں نے اپنے پیشے کے مطابق اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تو یہ کون سی بڑی بات ہے میرے دلائل یا ثبوت کو ای[illegible] ہیں لیکن فیصلہ تو عدالت ہی [illegible]"

"ٹھیک ہے شارق میاں [illegible] فیصلے سب سے پہلے بڑی عدالت میں ہوتے ہیں اور اُس کے بعد یہ چھوٹی عدالتیں اُن کی توثیق کرتی ہیں۔ امیر الدین میرا بیٹا ہے ابتدا برائیوں سے ہوئی تھی لیکن پھر اُس کی خواہش پر بہ نیک راستوں پر لا ڈالا۔ جب اُس کی برائیوں کا دَور تھا تو [illegible] نے ہمیشہ سختی سے اُن کا نوٹس لیا لیکن جب وہ صحیح ہوا تو میں نے اُس کی ہمت افزائی ہی نہیں کی بلکہ اس کی [illegible] کی۔ ایک بات ذہن نشین کر لو شارق میاں۔ یہ دُنیا ہے۔ لوگ سکون سے کسی کو نہیں جینے دینا چاہتے۔ کسی نے برائیاں کیں تو اُس کی برائیاں کرنے بیٹھ گئے اور جب راستے پر چل پڑا تو وہ بھی اُنہیں پسند نہیں آیا۔ بھلا افضل بیگ کی بیٹی زمرد کے قتل سے امیر الدین کا کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی اُسے پھنسانے پر تُل گیا ہے۔ یقیناً کوئی ایسا ہے جو میری حیثیت سے بَیر ہے اور جو مجھے ذلیل و خوار کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اپنے بیٹے کی بے جا حمایت کے لیے قدم نہیں اٹھائے۔ اس پولیس انسپکٹر نے اُس کی قیام گاہ سے جو چیزیں برآمد کی ہیں۔ وہ کوئی بھی وہاں تک پہنچا سکتا ہے جو سازشی ذہن رکھتا ہو۔ عادل وزیر شاہ صاحب سے بھی میں نے یہی کہا تھا کہ اگر میرا بیٹا بے گناہ ہے تو میرے دشمنوں کے خلاف میری مدد کی جائے اور اُسے بچایا جائے۔ جھوٹے ثبوت بھی کافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے صرف اپنی عزت کے لیے قدم آگے بڑھایا ہے اگر امیر الدین واقعی مجرم ہوتا تو میں اُس کی سفارش نہ کرتا" چوہدری غیاث الدین نے روانی سے بولتے ہوئے مجھے یہ بات بتا دی تھی کہ اُس کا سرپرست کون تھا۔ عادل وزیر شاہ بلاشبہ بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے لیکن ظاہر ہے کوئی اُن تک فریاد لے کر پہنچے تو وہ چھان بین کے لیے تو وقت نہیں نکال سکتے تھے اور صرف تعلقات کی بنیاد پر ہی کسی کے بارے میں سو[illegible] تھے۔ یہ تمام میں نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا تھا [illegible] صاحب بولے۔

"اس کیس کی تفتیش انسپکٹر غالب [illegible] شارق میاں تم اُس شخص کے [illegible] بار [illegible]

[illegible] آدمی [illegible]

[illegible]

[illegible]

وقت کی رفتار کو زندگی کی بیساکھیاں بنا کر جینے والے اس کی زندگی کے نصب العین کو سبوتاژ کر دینا چاہتے تھے مگر وہ ان سے مزاحم ہونے بغیر اپنا سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ عزادار حوروں کے ستائے ہوئے لوگوں کی داد رسی کر سکے، اُن کو انصاف دلوا سکے، اور اخلاقیات کے علمبرداروں کو جامۂ انسانیت پہنا سکے

عدالتی کارروائیوں اور قانونی موشگافیوں سے اٹکھیلیاں کرنے والے سچ کے متلاشی ایک شوریدہ سر کی داستانِ عمل

فاروقی صاحب کی اتنی جلد واپسی پر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ ابھی اُنہیں گئے زیادہ دیر تو نہیں گزری تھی۔ اُن کے پیچھے ہی انسپکٹر غالب بھی مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

"کمال ہے فاروقی صاحب! کیا غالب باہر ہی کھڑے ہوئے تھے؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ہاں یہ حقیقت ہے۔ جیسے ہی ٹیکسی پولیس اسٹیشن کے سامنے رکی اور میں نیچے اُترا۔ غالب مجھے اپنی جیپ میں بیٹھے نظر آئے۔ یہ گھر واپس جا رہے تھے۔ بس میں ان کے ساتھ فوراً ہی ادھر آ گیا۔"

"سناؤ شارق جی۔ اس وقت کیسے چھاپہ مارا ہے؟" انسپکٹر غالب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"بھائی! قانون گھر میں طلبی ہو گئی تھی۔ حکم اور ہدایات دی گئی ہیں کہ اس کیس سے دستبردار ہو جاؤں۔ چنانچہ تمھیں نئے دشمنوں سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔"

"نئے دشمن؟" غالب نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔ آئی جی عظمت حسین، جج امجد حسین، بیرسٹر نصرت حسین اور ایس پی طارق حسین۔ یہ نئی فہرست ہے جسے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لو۔ چوہدری غیاث الدین کیس میں یہ بھی ہمارے مخالف ہیں۔"

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی شارق جی۔ ذرا کھل کر کہو۔" اور میں نے کھل کر انسپکٹر غالب کو تفصیل بتا دی۔ غالب کا قہقہہ بڑا ہی زوردار تھا کہنے لگا۔

"لو بھائی شارق جی! اب تم بھی نمونہ دیکھ لو۔ ایک دن تعجب سے ہم سے پوچھ رہے تھے نا کہ یار غالب کبھی ایس آئی بن گئے کبھی انسپکٹر۔ یہ چکر کیا ہے۔ تو یہ چکر یہی ہے شارق جی! ہم کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے اور نہ ہی یہ کیس تم سے لیا جا سکتا ہے۔ اس کے نتیجے میں چاہے کچھ بھی ہو جائے مگر ایک بات تو سنو یار! وہ تم نے درخواستیں کہاں کہاں لکھ ماری ہیں۔ آئی جی صاحب نے ہمیں فون کر کے بلایا اور ہم سے کہا کہ ہم کھلے دل سے کیس کی تفتیش جاری رکھیں اور اس سلسلے میں کسی دباؤ کا تصور بھی نہ کریں۔ آج ہی شام پانچ بجے کے قریب آئی جی صاحب نے یہ فون کیا تھا اور ڈائریکٹ ہمیں۔ اپنا تو کلیجہ بالشت بھر کا ہو گیا تھا بھائی اور میرا خیال ہے اب آئی جی صاحب بھی اپنا یہ نیا حکم واپس نہیں لیں گے۔ چوہدری غیاث الدین سے کچھ دیر ہو گئی۔ ویسے لیفٹیننٹ وزیر شاہ صاحب کو بھی سنبھالنا ہے۔ چیز واقعی معمولی نہیں ہے۔ ہم چالان تو پیش کر ہی دیں گے۔ اُس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ بس تم اس سلسلے میں ذرا جلدی کر ڈالو۔"

"چالان پیش کرنے کے لیے تمھیں کوئی دقت باقی رہ گئی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بھائی جی۔ سارے مسئلے حل ہو گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں آپ کہیں تو ہم انھیں راتوں رات حل کر ڈالیں۔"

"نہیں، لیکن کل تک تمام معاملات مکمل کر لو۔ کل رات کو ہماری خفیہ میٹنگ یہیں پر ہو گی۔" میں نے کہا اور اُس کے بعد ہم لوگ کافی دیر تک اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے اور پھر

انسپکٹر غالب چلا گیا۔ فاروقی صاحب بھی مجھے تشویش زدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے وہ لیکن بول نہیں پا رہے تھے پھر میں نے اُن سے بھی اجازت لے لی اور فلیٹ واپس پہنچ گیا۔

استاد چھو نے انتظار کر رہے تھے۔ دروازہ کھول کر وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے اور پھر میرے پیچھے ہی پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں نے مختصر الفاظ میں انھیں آشیانے میں طلبی کی داستان سنا دی تھی اور پھر میں نے کہا تھا۔

"ممکن ہے ایک آدھ دن کے بعد چند روز کے لیے مجھے کسی ہوٹل میں منتقل ہونا پڑے تاکہ فلیٹ پر مجھ سے رابطہ نہ قائم کیا جا سکے آپ جانتے ہیں استاد کہ آپ کو کس طرح سے میری مدد کرنی ہے۔"

"ہماری تو فکر ہی مت کرو شارق میاں۔ ہم ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

دوسرے دن جو دلچسپ ڈراما میں نے کیا، وہ یہ تھا کہ کچھ ادھر اُدھر کی سفارشیں لگا کر عادل وزیر شاہ صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا اور میں نے اُن سے ملاقات کے لیے وقت بھی لے لیا۔

یہ میری ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا اور اس سلسلے میں میں نے آئی جی عظمت حسین کے نام کا سہارا نہیں لیا تھا۔ عادل وزیر شاہ صاحب نے اپنے شاہی ڈرائنگ روم میں مجھ سے ملاقات کی۔ میں اُن کی صورت سے ناآشنا نہیں تھا اکثر اخبارات اُن کے کارناموں کے گُن گاتے رہتے تھے۔ شخصیت بہت اچھی تھی۔ انھوں نے نرم لہجے میں مجھ سے میری آمد کی وجہ پوچھی اور کہنے لگے۔

"شارق حسین صاحب! میں صرف اس بات سے واقف ہوں کہ آپ ایڈووکیٹ ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم چونکہ آپ کے کارڈ پر وجۂ ملاقات درج نہیں تھی اور نہ ہی کسی نے مجھے اس کی وجہ بتائی۔"

"میں جانتا ہوں جناب کہ آپ کے انتہائی قیمتی وقت میں سے یہ لمحات لینا کسی طور مناسب نہیں تھا لیکن کچھ ایسی الجھنیں درپیش ہیں کہ مجھے آپ کے پاس حاضر ہونا ہی پڑا۔"

"فرمائیے۔ کیا اُلجھن درپیش ہے آپ کو؟"

"دراصل میں آئی جی عظمت حسین کا بیٹا ہوں۔ غالباً آپ اُن کے نام سے واقف ہوں گے ریٹائرڈ آئی جی عظمت حسین۔"

"ارے ہاں بھئی کیوں نہیں۔ اُف اوہ کمال ہے بڑی خوشی ہوئی میاں تم سے مل کر کہو ہم تمھاری کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"شاہ صاحب! چوہدری غیاث الدین غلام آباد والے غالباً آپ سے ملے ہیں اور اُنھوں نے آپ کے ذریعے کچھ پیغامات مختلف لوگوں کو بھجوائے ہیں۔ جن میں آئی جی عظمت حسین صاحب بھی شامل تھے۔ عظمت حسین کے بڑے صاحبزادے یعنی میرے بڑے بھائی بیرسٹر نصرت حسین صاحب۔ . . . . چوہدری غیاث الدین کے بیٹے امیر الدین کا کیس لڑ رہے ہیں۔ جبکہ میں امیر الدین کا مخالف وکیل ہوں اور اس کے خلاف مقدمے کی پیروی کر رہا ہوں شاہ صاحب میں نہیں جانتا کہ چوہدری غیاث الدین صاحب سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں اور آپ اُن کے لیے کیا جذبات رکھتے ہیں لیکن اپنے طور پر میں سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے ایک انسان ہونے کے ناتے اور اُس کے بعد حکومت کے ایک اعلیٰ رکن ہونے کی حیثیت سے آپ کی نگاہ انصاف کے تقاضوں کو ضرور پورا کرتی ہوگی۔ ممکن ہے حقائق آپ کے سامنے نہ لائے گئے ہوں اور آپ اُن تفصیلات سے واقف نہ ہوں جو اس سلسلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ نے صرف دوستی یا مروّت کی بنیاد پر دوسرے لوگوں کے لیے یہ احکامات صادر کیے ہوں کہ وہ امیرالدین کے ساتھ رعایت برتیں۔ میں صرف اس لیے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو تھوڑی سی تفصیلات بتا دوں تاکہ آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کر لیں۔"

عادل وزیر شاہ صاحب کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں نمودار ہوئیں اور اُنھوں نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔ "بھئی عدالت کے معاملات تو عدالت ہی جانتی ہے اگر کسی شخص کے لیے کسی طرح کی رعایت کا مسئلہ میرے پاس لایا گیا اور میں نے ہدایت کر دی کہ متعلقہ شخص کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے تو اس سے میری مراد یہ تو نہیں تھی کہ کسی مجرم کو معاف کر دیا جائے یا کسی قاتل کی جان بخشی کر دی جائے۔ چوہدری غیاث الدین سے میرے تعلقات کیسے ہی ہوں اگر اُن کے بیٹے امیرالدین نے جرم کیا ہے تو یہ جرم تو بہر طور عدالت کے سامنے آ ہی جائے گا۔ میری سفارش تو صرف اس حد تک تھی کہ اگر امیرالدین بے گناہ ہے اور اُس کے خلاف کوئی جال بچھایا گیا ہے تو پولیس تفتیش کر کے اُس جال کو توڑ دے۔"

"خود میرا بھی یہی خیال تھا شاہ صاحب۔ جو خدا کے فضل سے آپ کے ان الفاظ سے یقین کی حد تک پہنچ گیا۔"

"میرا خیال ہے اس سلسلے میں اس سے زیادہ کوئی مدد نہیں کر سکوں گا تمھاری۔ اگر بات صرف سفارش کی ہے تو میں نے تمھیں بتا دیا کہ یہ سفارش صرف اسی طور ہے کہ اگر امیرالدین مجرم نہ ہو۔ باقی معاملات سے ظاہر ہے میری کوئی ذاتی دلچسپی نہیں ہے چنانچہ بہتر یہ ہوگا کہ تم مجھ سے اس سلسلے میں کچھ کہنے کی بجائے ایک وکیل کی حیثیت سے عدالت میں اپنا صحیح کردار انجام دو۔ میرے لائق اور خدمت؟" عادل وزیر شاہ صاحب غالباً اس بات سے کچھ برافروختہ ہو گئے تھے۔ میں نے تحمل سے کہا۔

"چند اور حقائق آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں شاہ صاحب! ایک شخص جسے قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا دی جا چکی ہے۔ جیل سے فریاد کرتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے اور کچھ صاحبِ اثر افراد نے اپنے اثر و رسوخ کی بنیاد پر اُسے قاتل قرار دیا ہے۔ پولیس تفتیش کرتی ہے تو یہ بات حقیقتاً ثابت ہوتی ہے کہ وہ مجرم نہیں تھا۔ اصل مجرم گرفتار کیا جاتا ہے تو پھر وہی اثر و رسوخ استعمال ہونے لگتے ہیں اور اُن میں آپ جیسا آدمی بھی شامل ہے تو آپ ہی فرمائیے کہ اُس بے گناہ کی داد رسی کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"کیا یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ وہ شخص قاتل نہیں ہے؟"

"اس کے لیے وہ تمام ثبوت فراہم کر دیے گئے ہیں جو حقیقتوں کا انکشاف کریں گے۔ بشرطیکہ آپ جیسے صاحبِ اثر افراد کی سفارشیں ان کے آڑے نہ آئیں۔"

میرے ان الفاظ نے عادل وزیر شاہ صاحب کو چونکا دیا۔ وہ چند لمحات مجھے دیکھتے رہے۔ پھر آہستہ سے بولے۔ "نہیں میری سفارشیں کم از کم اس حد تک نہیں ہیں۔ اس شخص پر مقدمہ کیا جائے جسے اصل قاتل قرار دیا جا رہا ہے اور قانون کی وہ تمام ضرورتیں پوری کی جائیں جو کسی بے گناہ کو بے گناہ ثابت کرنے میں مدد دے سکتی ہیں اگر میری اتنی سی یہ سفارش اس سلسلے میں آڑے آ رہی ہے تو اطمینان رکھو میں یہ سفارش واپس لے لوں گا اور چوہدری غیاث الدین سے کہوں گا کہ وہ حقیقتوں کے ظاہر ہونے کا انتظار کریں۔"

"شکریہ عادل وزیر شاہ صاحب! آپ کے انھی الفاظ کے لیے میں حاضر ہوا تھا۔ آپ صرف بے گناہ کے لیے آواز بلند کریں خواہ وہ امیرالدین ہو یا روشن علی۔ کسی گناہ گار کے لیے آپ کی آواز سہارا نہیں بننی چاہیے۔" میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

عادل وزیر شاہ صاحب نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر میری طرف مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے۔ "جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اطمینان رکھو اس کے خلاف نہیں ہوگا۔"

"بے حد شکریہ۔ میں نے اسی لیے آپ کو زحمت دی تھی خدا حافظ۔"

میں انھیں سلام کر کے واپس نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد میری بائیک عادل وزیر شاہ صاحب کی کوٹھی سے واپس لوٹ رہی تھی۔ میری جیب میں وہ ننھا سا ٹیپ ریکارڈر موجود تھا۔ جو اس گفتگو کو ٹیپ کر چکا تھا۔ درحقیقت یہ ایک خطرناک قدم تھا لیکن اگر عادل وزیر شاہ صاحب اس سلسلے میں انحراف کرتے اور اپنی بات پر بضد رہتے تو میں فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ ٹیپ عدالت کو پیش کر دوں گا۔ بہر طور یہ اب بھی میرے پاس محفوظ تھا۔ اس کارروائی سے مجھے خاصی تقویت ہوئی تھی۔ اس ملاقات میٹنگ میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔

دوسرے دن انسپکٹر غالب، امیرالدین کا چالان عدالت میں پیش کر رہا تھا۔ رنگ بنانے والی فرم کے مالک ناصر ... پہلے ہی عدالت میں پیش کیا جا چکا تھا اور اس کے خلاف ثبوت حاصل کرنے کے لیے میں نے جو کارروائی کی تھی۔ اُس کی تکمیل ہو چکی تھی لیکن ابھی اُسے ایک الگ کیس کا درجہ دیا گیا تھا۔ جب امیرالدین کا کیس چلے گا تو پھر ناصر کو بھی اس طرف گھسیٹ لیا جائے گا۔ یہ ہمارا منصوبہ تھا۔ امیرالدین کا کیس متعلقہ عدالت کو پیش کر دیا گیا اور اس کے چند ہی روز بعد کی تاریخ دے دی گئی۔

آشیانے سے دوبارہ میری طلبی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے میں کسی ہوٹل میں نہیں گیا تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر یہاں سے مجھ پر دباؤ ڈالا گیا تو پھر دیکھا جائے گا لیکن اس دن بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے فون نے معاملے کو تھوڑا سا اُلجھا دیا۔ نصرت حسین صاحب کا فون فاروقی صاحب نے موصول کیا تھا۔ نصرت حسین صاحب نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اُن کے دفتر بھیج دیا جائے۔ بیرسٹر صاحب سے ملنا کوئی خطرناک بات نہیں تھی چنانچہ میں اُن کے دفتر پہنچ گیا۔ اُنھوں نے کافی خشک انداز میں میرا استقبال کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"کیا فیصلہ کیا تم نے چوہدری غیاث الدین والے مسئلے میں؟ چوہدری یہیں موجود ہے اگر تمھیں اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوں تو یقیناً یہ جانتے ہو گے کہ وہ معمولی شخصیت کا مالک نہیں ہے اور عادل وزیر شاہ صاحب اُس کے پشت پناہ ہیں۔ ان حالات میں تمھیں ذاتی طور پر بھی کوئی نقصان پہنچ

سکتا ہے۔ دشمنیاں مول لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ حکام سے بنا کر رکھنی چاہیے۔ پتا نہیں کون کس وقت کام آجائے۔ ڈیڈی بھی اس بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے اُنھیں کوئی جواب نہیں دیا۔ تم نے امیرالدین کا کیس عدالت کو پیش کر دیا ہے۔ اور اس سلسلے میں جو دفعات لگائی گئی ہیں۔ میں اُن کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں۔ ڈیڈی کی ہدایت پر کیس ایک اور عدالت کو ٹرانسفر کیا جا رہا ہے۔ اگلی پیشی میں یہ کام ہو جائے گا اور وہ عدالت ہے جج امجد حسین صاحب کی۔" بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے سرد نگاہوں سے اُنھیں دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"لا ہاؤس میں اب اس قسم کی مجرمانہ کارروائیاں ہونے لگی ہیں۔

آخر کسی مجرم کی پشت پناہی کیوں کی جا رہی ہے؟"

"اپنے الفاظ پر قابو رکھو شارق! گستاخ تو تم ہو ہی۔ اب بدتمیزی کی حدود میں داخل ہو گئے ہو۔ کیا کمی ہے ہم لوگوں کے پاس۔ کیا کچھ نہیں ہے۔ تمھارے خیال میں کیا صرف دولت کمانے کے لیے یہ کارروائی کی جا رہی ہے۔ اچھے تعلقات بھی ایک حیثیت رکھتے ہیں اور مستقبل میں ہمارے معاون ہو سکتے ہیں۔ ایک بہت بڑے آدمی کی طرف سے چوہدری غیاث الدین کی سفارش کی گئی اور ڈیڈی کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ اصول پرست بھی ہیں مگر احسان فراموش بھی نہیں۔ کچھ ایسے ہی معاملات ہیں جن کی وجہ سے ڈیڈی مجبور ہو گئے ہیں اور اپنی اس مجبوری میں تمھیں بھی شریک کرنا چاہتے ہیں۔ تم اُس دن نہایت بدتمیزی سے واپس نکل آئے تھے۔ تمھیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔ میں ایک بھائی کی حیثیت سے تمھیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ تم آگ سے کھیل رہے ہو اور جو جذبے لے کر تم اس دنیا میں آئے ہو۔ وہ صرف تمھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہ ہمارا طویل ترین تجربہ ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔"

"بیرسٹر صاحب! عدالت کی کوٹھڑی میں ایک ایسا شخص بند ہے جس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ وہ بچوں کا باپ ہے وہ اور تیسرا بچہ اس کے گھر ہونے والا ہے۔ وہ اپنی بیوی کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس سے طلاق لے کر دوسری شادی کر لے کیونکہ وہ عمر قید گزارنے کے بعد اس قابل نہیں رہے گا کہ اُس کی کفالت کرے اور اس دوران اُس کے بچوں کا نگہبان کون ہو گا بیرسٹر صاحب! ایک شخص یہ الفاظ جو مجبوری کے عالم میں اُس [illegible] ہیں۔ انسانیت کے لیے ایک تازیانہ ہیں [illegible] نے پر کیوں تلے

ہوتے ہیں؟ چوہدری غیاث الدین اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر آئی جی صاحب کی زبان بند کر سکتا ہے لیکن شارق، لا ہاؤس کا باغی ہے۔ اُس کی بغاوت کو ختم کرنے کے لیے آپ کو بڑی مشکلات سے گزرنا ہو گا بیرسٹر صاحب! میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس کیس سے دستبردار ہو جائیے۔ پہلے بھی آپ سے یہی بات عرض کی تھی کیونکہ آپ اپنے مؤکل کو نہیں بچا سکیں گے۔" بیرسٹر صاحب کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ اُنھوں نے کچھ کہنا چاہا تو میں نے اُنگلی اُٹھا کر کہا۔

"بیرسٹر صاحب! اس وقت میں ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے نہیں۔ ایک ایڈوکیٹ کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں۔ مجھے سخت سُست کہنے یا گالی دینے کی بجائے آپ ایک مہذب انسان کی حیثیت سے گفتگو کریں جو دوسروں کی عزت کرنا جانتا ہو۔ ورنہ اس کے بعد میں آپ کے احکامات کی تعمیل نہیں کر سکوں گا اور آشیانے کے مکینوں کو اپنے دشمنوں میں شمار کروں گا۔"

بیرسٹر صاحب کا غصے سے بُرا حال ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے آہستہ سے کہا: "اب تم جا سکتے ہو۔"

"خدا حافظ۔" میں نے بھی جھٹکے دار لہجے میں کہا اور وہاں سے واپس نکل آیا۔

اپنی اس گفتگو پر میں ذرا بھی شرمسار نہیں تھا اور نہ ہی میرے ذہن میں کوئی اُلجھن تھی بلکہ یہ میرے حق میں بہتر ہوا تھا کیونکہ اب بیرسٹر صاحب سے گفتگو کرنے میں مجھے وہ جھجک نہ رہے گی جو ایک بڑے بھائی کے سامنے چھوٹے بھائی کو ہوتی ہے اب میرا اور اُن کا ٹکراؤ دو وکیلوں کی حیثیت سے ہو گا۔ ویسے مجھے آئی جی صاحب پر حیرت تھی۔ وہ تو اصول پرست آدمی تھے۔ چوہدری غیاث الدین کے سلسلے میں انھوں نے اس قدر شدید اقدامات کیوں کر ڈالے کہ کیس ہٹ کر جج امجد حسین صاحب کو دلوا دیا تاکہ غیاث الدین کا دفاع ہو سکے۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے پاس وہ سب کچھ موجود تھا جس کی تردید کرنے والوں کو دانتوں پسینہ آجائے گا۔

عدالت میں پہلی پیشی ہوئی۔ کیس جج امجد حسین صاحب کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ امیرالدین کو کمرۂ عدالت میں لایا گیا۔ روشن علی کی ضرورت ابھی محسوس نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی اس سلسلے میں ہم نے عدالت سے کوئی درخواست کی تھی۔ امیرالدین کمبخت کا چہرہ بلاشبہ ایک عابد و زاہد کا چہرہ تھا

داڑھی۔ پیشانی پر نشان اور اس کا فقیرانہ حلیہ۔ یہ سب کچھ متاثر کرنے والی چیزیں تھیں لیکن مذہب کی آڑ میں بُرائیاں کرنے والا زیادہ بدترین مجرم ہوتا ہے اور امیرالدین کے بارے میں یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ وہ مجرم ہے۔ چنانچہ اس کو دیکھ کر ضمیر کو کوئی پشیمانی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ فرد جرم پڑھ کر سُنائی گئی اور اس کے بعد وکلا کا کام شروع ہو گیا۔ جج امجد حسین نے عجیب سی نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دو وکیلوں کو دیکھا جو دونوں ان کے بھائی تھے۔

انسپکٹر غالب نے کٹہرے میں کھڑے ہو کر تفصیلات بتائیں اور کہا کہ فضل خان نامی شخص کی رپورٹ پر اُس نے اس کیس کے سلسلے میں تفصیلات معلوم کیں اور اس کی بنیاد پر بستی غلام آباد میں چوہدری غیاث الدین کے مکان پر چھاپہ مارا اور وہاں سے جو اشیا برآمد ہوئیں۔ اُن کی روشنی میں یہ اندازہ لگایا کہ امیرالدین ولد غیاث الدین روپ بدل کر بُرائیاں پھیلا رہا تھا اور بہو بیٹیوں کی عزتوں پر ڈاکے ڈال رہا تھا۔ چنانچہ اس جرم میں اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ بیرسٹر صاحب نے انسپکٹر غالب سے کوئی سوال نہیں کیا تھا البتہ ان کی درخواست پر فضل خان کو کٹہرے میں طلب کیا گیا۔ اُس سے حلف اُٹھوانے کے بعد بیرسٹر صاحب نے اس سے سوالات شروع کر دیے۔

"فضل خان صاحب! بستی غلام آباد میں آپ کا کیا کاروبار ہے؟" جواب میں فضل خان نے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیں تو بیرسٹر صاحب نے سوال کیا۔

"امیرالدین سے کس سلسلے میں آپ کی دشمنی شروع ہوئی؟ یا وہ کون شخص تھا جس نے آپ کو اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ ایک ایسے کیس کے سلسلے میں جس کا تصفیہ ہو چکا ہے اور مجرم کو سزا دے دی گئی ہے۔ آپ از سرِ نو کام کریں اور امیرالدین کو مجرم قرار دینے کی کوشش کریں؟"

"اللہ گواہ ہے صاحب! ہمیں چوہدری صاحب کے بیٹے سے نہ کسی نے دشمنی پر اُکسایا اور نہ ہمارے دل میں چوہدری صاحب کے بیٹے کے لیے دشمنی تھی۔ بلکہ روشن علی کو سزا ہونے کے بعد ہم نے دل میں یہ سوچا تھا کہ ہماری بیٹی تو ہم سے جدا ہو گئی لیکن مجرم بھی خدا کے عتاب سے نہیں بچ سکا۔ ہاں جب یہ بات ہمارے علم میں آئی کہ مجرم روشن علی نہیں بلکہ وہ کوئی اور ہے تو ہمیں بھی خدا کا خوف محسوس ہوا۔ ہم اگر چاہتے

تو چوہدری غیاث الدین کے خوف سے خاموشی اختیار کر لیتے مگر ہمارے ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا کہ غلط فہمی کی بنیاد پر ایک بھرا پُرا گھر برباد ہو جائے لہٰذا ہم نے شہر آکر رپورٹ درج کرا دی۔ باقی کام پولیس کا تھا۔ بات اگر غلط ثابت ہوتی تو ظاہر ہے پولیس امیرالدین کو کیسے گرفتار کرتی؟"

"آپ کو اس حقیقت کا علم کیسے ہوا؟"

"لمبی کہانی ہے جی! مُرادو نامی شخص جو پہلے روشن کا دوست تھا اور بستی کا ایک نکما آدمی تصور کیا جاتا تھا۔ اچانک [illegible] عشرت میں زندگی بسر کرنے لگا۔ کہتا تھا کہ [illegible] ہو گیا ہے شراب کے مسئلے پر اُس کا جھگڑا اُس کے [illegible] دوست اللہ دینو سے ہوا اور اللہ دینو نے ہمیں یہ تفصیل بتائی کہ مُرادو امیرالدین کا کارکن بن گیا ہے اور زہرہ کے قتل میں بھی روشن علی کا نہیں بلکہ امیرالدین کا ہاتھ ہے اور مُرادو اس کا شریک کار۔ صاحب! ایک بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے [illegible] دیا۔ دوسری جوان ہو رہی تھی اور بات صرف [illegible] نہیں تھی۔ بستی غلام آباد ہمارے پرکھوں کی آبادی ہے [illegible] بیٹیوں کی عزت کا بھی تحفظ چاہتے تھے۔"

"فضل خان صاحب! آپ کی دوسری بیٹی [illegible] کیا ہے؟"

"جوانی کی حدوں کو چھو رہی ہے صاحب [illegible] اُس کے ہاتھ پیلے کر دینا چاہتے ہیں۔"

"کیا وہی لڑکی ہے جس کی گواہی پر روشن علی کو [illegible] سُنائی گئی؟"

"یہ بات تو ہم نہیں جانتے کہ صرف اس کی [illegible] کو سزا ہوئی لیکن بہرطور ساجدہ نے روشن علی کے خلاف [illegible] دی تھی۔"

"کیا اُس وقت وہ لڑکی صحیح الدماغ نہیں تھی؟" [illegible] صاحب نے پوچھا۔

"وہ بچی تھی صاحب! [illegible]
نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہم نے [illegible]
پر کیا ہے اگر امیرالدین بے گناہ ہے تو [illegible]
دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"جب یہ اطلاع تمھیں مل [illegible]
سلسلے میں چوہدری غیاث الدین صاحب [illegible]
یہ بات کیوں نہ بتائی کہ تمھاری [illegible]

امیرالدین ہے؟"

"اس لیے وکیل صاحب! کہ اس سے پہلے ہم غلام داد کا حشر دیکھ چکے تھے۔ وہ بھی ہماری طرح بڑی مدت سے بستی غلام آباد میں رہتا تھا۔ اس کی بیٹی امینہ پر مجرمانہ حملہ ہوا امیرالدین کی انگوٹھی اس کے قبضے میں آگئی اور اسے ثبوت کے طور پر پیش کر کے چوہدری غیاث الدین صاحب سے فریاد کی گئی جس کے نتیجے میں غلام داد اور اس کی بیٹی امینہ کو بستی غلام آباد سے نکال دیا گیا۔ ہم جانتے تھے کہ چوہدری صاحب اپنے بیٹے کے خلاف کوئی بات نہیں سنیں گے اور اس شکایت کے نتیجے میں ہمارے ساتھ بہت برا سلوک ہوگا؟" نفل خان نے بے خوفی سے کہا۔

نصرت حسین صاحب نے سوالات کا سلسلہ ختم کر دیا اور مجد حسین صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نفل خان سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے لیے میں نے انکار کر دیا تھا۔ نصرت حسین صاحب نے نفل خان کی بیٹی ساجدہ کو طلب کیا اور ڈری سہمی لڑکی کٹہرے میں آکھڑی ہوئی۔ تب نصرت حسین صاحب نے اس سے پوچھا۔

"لڑکی! تم اس واردات کی عینی گواہ ہو۔ جس شخص نے تمھاری بہن کے ساتھ زیادتی کر کے اُسے قتل کیا، کیا تم نے اُس کا چہرہ دیکھا تھا؟"

"نہیں!" ساجدہ نے جواب دیا۔

"پھر تم نے یہ بات پولس کو کیسے بتائی کہ وہ شخص روشن علی تھا؟"

"مم... مجھ سے... مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے یہ بات کہہ دی تھی۔ وہ کمبل اوڑھے ہوئے تھا اور اُس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ روشن علی کو وہ ہی کمبل اوڑھا کر مجھے پشت سے دکھایا گیا۔ تو وہ مجھے بالکل روشن علی جیسا ہی محسوس ہوا اور میں نے ہاں کہہ دی!"

"اس کے لیے تمھیں کسی نے مجبور کیا تھا؟"

"نہیں!"

"تمھیں رسی سے کسنے والے کون لوگ تھے؟"

"دو آدمی تھے۔ جنھوں نے اپنے چہروں پر کپڑے باندھ رکھے تھے!"

"کیا تم ان دونوں آدمیوں کو کسی طرح بھی نہیں پہچان سکتیں؟"

"نہیں!"

"می لارڈ! جس رسی سے اس لڑکی کو باندھا گیا تھا۔ وہ روشن علی کے گھر سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ اُسی کے گھر کی رسی تھی۔

اس بات کا ثبوت مل گیا تھا!"

جج امجد حسین نے یہ پوائنٹ نوٹ کر لیا۔ ساجدہ سے کچھ اور سوالات کیے گئے اور میں نے ساجدہ سے بھی کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پھر اللہ دیتو کی گواہی لی گئی اور اللہ دیتو نے بھی مختصر الفاظ میں وہ ہی بات کہہ دی جو وہ پہلے کہہ چکا تھا۔ اس کے بعد ایک اہم گواہ مُرادو کو عدالت کے کٹہرے میں طلب کیا گیا۔ مُرادو کا چہرہ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور اُس کی حالت کافی خراب نظر آرہی تھی۔

"تمھارا نام؟" بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے سوال کیا۔

"مُراد خان جی! عرف مُرادو!"

"بستی غلام آباد میں کب سے رہتے ہو؟"

"وہیں پیدا ہوئے تھے جی۔ وہیں پلے بڑھے ہیں!"

"کیا تمھارا تعلق کسی طرح امیرالدین سے رہا ہے؟ کیا تم امیرالدین کے دوست ہو؟"

"نہیں جی! یہ الزام ہے۔ ہم غریب آدمی اور امیرالدین چھوٹے سرکار۔ چوہدری غیاث الدین کے بیٹے۔ بھلا ہماری اور ان کی دوستی کیسے ہوسکتی ہے!"

"گویا تمھارا تعلق امیرالدین سے کبھی نہیں رہا؟"

"بالکل نہیں جی! کہا نا آپ سے ہم تو غریب آدمی ہیں۔ غریب اور امیر کبھی دوست بنے ہیں جی! جو غلام آباد میں بنتے!"

"مُرادو! تمھاری گرفتاری کس طرح عمل میں آئی؟" بیرسٹر نصرت حسین نے ایک زبردست سوال کیا۔

"وہ جی بس کچھ لوگوں نے ہمیں پکڑ لیا تھا اور ہمیں پکڑ کر یہاں لے آئے تھے پھر ہمیں بند رکھا گیا جی۔ بڑی خطرناک شکل کے تھے وہ لوگ۔ بڑے ہی غنڈے چاقو باز۔ ہمیں مارا پیٹا بھی جی اُنھوں نے اور کہا کہ وہ جو کچھ کہیں وہی عدالت میں کہا جائے ورنہ ہماری زندگی کی خیر نہیں ہے۔ بڑے خطرناک لوگ تھے جی وہ۔ ہم سیدھے سادے دیہاتی آدمی۔ بھلا ہم اُن سے کیا لڑتے۔ پھر اُنھوں نے ہی ہمیں پولیس کے حوالے کر دیا تھا اور اس کے بعد ہم بند رہے پھر ہمیں یہاں عدالت میں سامنے پیش کر دیا گیا۔"

"می لارڈ! جس نوجوان کو اس گواہی کے لیے مرکزی کردار کی حیثیت دی گئی ہے۔ اُسے بستی غلام آباد سے پولیس نے نہیں گرفتار کیا تھا بلکہ کچھ خطرناک لوگ اُسے اغوا کر کے شہر لے آئے تھے۔ اُنھوں نے اُسے حراست میں رکھا اور اُس کے بعد پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ اس سازش کی ایک اہم کڑی ہے جو اس

نیک سیرت انسان امیرالدین کے خلاف کی گئی۔ مُرادو بے خوفی سے یہ بات بتاؤ کہ تمھیں اس سلسلے میں کس پر شبہ ہے؟"

مُرادو نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا تو بیرسٹر نصرت حسین جلدی سے بولے۔

"قانون تمھیں تحفظ دیتا ہے اس بات پر اطمینان رکھو کہ کوئی شخص بھی تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا اور تمھارا بال بیکا نہیں کر سکتا جو کچھ حقیقت ہو کھل کر بیان کر دو!"

"وہ جی۔ وکیل صاحب۔ وکیل صاحب۔ بستی میں بہت دن تک جا کر رہے تھے۔ بال کی سرائے میں ان کا قیام تھا اور انھوں نے ہی ہمیں دھمکیاں دی تھیں اور کہا تھا کہ ہم امیرالدین سے اپنا تعلق ظاہر کریں اور انھیں پھانسنے میں وکیل صاحب کی مدد کریں۔ ہم جی بے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ ڈر گئے اور ہم نے بچنے کی کوشش کی مگر پھر ہمیں پکڑ لیا گیا!"

"کیا تم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہو مُرادو کہ بستی غلام آباد میں وکیل شارق حسین نے تم سے ملاقات کی تھی؟"

"ہاں جی ہم پاگل نہیں ہیں جو اتنا بڑا جھوٹ بول لیں گے!"

"جناب والا! اس بات کو اہمیت دی جائے۔ میرے فاضل وکیل نے اپنا ایک محکمۂ جاسوسی بھی قائم رکھا ہے۔ جس کے تحت وہ پہلے اپنے موکلوں کے لیے جاسوسی کی مہم سر انجام دیتے ہیں اپنی ذہنی صلاحیتوں بلکہ جسمانی صلاحیتوں کو بھی استعمال کرتے ہیں اور اس کے لیے جیسا کہ اس معصوم شخص نے کہا انھوں نے جاسوسوں یا غنڈوں کا ایک گروہ بھی پال رکھا ہے۔ جو ان کے لیے ڈرانے دھمکانے کے کام انجام دیتا ہے۔ میں آپ کی توجہ کچھ دن کے پہلے کے ایک کیس کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ جس میں ایک شخص کو سزا دی گئی تھی لیکن میرے فاضل وکیل نے اپنے محکمۂ جاسوسی کے ذریعے اصل مجرم کو ڈھونڈ نکالا۔ اور اس کے بعد اُسے سزا دلوائی گئی۔ وکالت کی دنیا میں محکمۂ جاسوسی کا قیام کم از کم اس ملک میں میرے وکیل کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ اس کے ذریعے وہ بے گناہ کو بے گناہ کا کھوج نکالتے ہیں اور اسے عدالت کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ یہی حربہ میرے فاضل وکیل نے اپنے موکل کے لیے امیرالدین کے خلاف استعمال کیا۔ امیرالدین ایک بڑے باپ کے بیٹے ہیں اُن پر براہ راست ہاتھ تو نہیں ڈالا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے میرے فاضل وکیل نے پہلے ایک سازش تیار کی اور پھر امیرالدین کو اپنے شکنجے میں پھانس لیا۔ یہ نوجوان بے گناہ ہے۔ اسے زبردستی امیرالدین کے خلاف

کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے جس کا ثبوت اس کے بیان سے ملتا ہے۔ میں اس سلسلے میں انسپکٹر غالب سے بھی سوال کرنا چاہتا ہوں!"

انسپکٹر غالب کو کٹہرے میں طلب کیا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ اُس نے مُرادو کو کب اور کس طرح گرفتار کیا تو انسپکٹر غالب نے کہا۔

"ہمیں تفتیش کے دوران یہ بات معلوم ہوئی کہ مُرادو نامی ایک شخص بھی امیرالدین کا آلۂ کار ہے اور ایک اور شخص خدا داد بھی اس کے ساتھ ہی کام کرتا ہے تو ہم نے اُسے بستی غلام آباد سے گرفتار کیا اور لاک اپ میں رکھا!" بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کیا تمھارے روزنامچے میں مُرادو کی گرفتاری کا [illegible] اور وقت درج ہے انسپکٹر غالب؟"

"ہاں جی۔ قانونی کارروائی تو فوراً ہی مکمل کرنا ہوتی ہے۔ ہم نے جن لوگوں کو گرفتار کیا ہے۔ اُن کا روزنامچہ اُسی تاریخ میں موجود ہے۔ ان میں سے ایک مندر عورت مُغنی، ایک [illegible] مُرادو اور خدا داد ہیں۔ ان چاروں کے نام روزنامچے میں [illegible]" انسپکٹر غالب نے کہا۔

بیرسٹر نصرت حسین غصے سے ہونٹ چبانے لگے۔ اس کے بعد مجھے اجازت دی گئی کہ میں مُرادو سے سوالات کروں چنانچہ میں نے کھڑے ہو کر گردن خم کی اور جج امجد حسین صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جناب والا! میرا فرض ہے کہ پہلے میں محترم بیرسٹر صاحب کے ان الفاظ کا جواب دوں جو انھوں نے میرے [illegible] کے سلسلے میں فرمائے ہیں۔ میرے محترم بزرگ نے ایک [illegible] پچھلے کیس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس میں میں نے اپنے [illegible] جاسوسی کے توسط سے کام کرتے ہوئے ایک [illegible] اور ایک گناہ گار کو سزا دلوائی ہے میں اپنے فاضل [illegible] سوال کرنا چاہتا ہوں کہ جس کیس میں میں نے [illegible] کرا کر ایک گناہ گار کو سزا دلوائی [illegible] پاس تھا؟

"یہ سوال بے معنی ہے۔ [illegible] تفصیلات [illegible]

"آپ نے [illegible]

[illegible]

اس بات سے انحراف کرے گی کہ جس بے گناہ شخص کو رہا کرایا گیا، اس بے گناہ کو سزا دلوائی گئی۔ اس میں عدالت کا فیصلہ غلط تھا یا وہ فیصلہ جو رد کیا گیا صحیح تھا۔ اگر وہ فیصلہ صحیح تھا تو از سرِ نو تحقیقات کر کے ایک اور شخص کو سزا کیوں دی گئی۔ کیا میرے محترم بزرگ اس بات پر نازاں ہیں کہ ایک مجرم کو جو درحقیقت مجرم تھا سزا کیوں دلوائی گئی یا وہ اس بات پر مصر ہیں کہ اصل مجرم وہی تھا جسے پہلے سزا دی گئی تھی اور جو بعد میں جس مجرم کو سزا دی گئی اس کے بارے میں عدالت کا فیصلہ غلط تھا اور وہ تمام ثبوت جھوٹے تھے جو اس ملزم کے خلاف پیش کیے گئے۔ کیا میں اپنے دوست سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ ان کے ذہن میں اس سلسلے میں غصہ کیوں ہے؟"

"یہ تمام سوالات غیر متعلق ہیں جناب والا!" بیرسٹر نصرت حسین نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تب میں اپنے محترم بزرگ سے سوال کر سکتا ہوں کہ غیر متعلق کیس کا تذکرہ انہیں جج صاحب کے سامنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" میری آواز میں عزم پیدا ہو گیا تھا۔ جج صاحب بھی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا تب جج صاحب نے کہا۔

"اس بحث کو کارروائی سے خارج کیا جاتا ہے۔ براہ کرم آپ اس کیس کے سلسلے میں گفتگو کیجیے۔"

"اس وقت جناب والا! جب بیرسٹر نصرت حسین اس محکمہ جاسوسی کے بارے میں اپنے الفاظ کی تردید فرما دیں گے، جس کا انھوں نے تذکرہ کیا ہے۔"

جج صاحب نے بیرسٹر نصرت حسین کی طرف دیکھا اور بولے "بیرسٹر صاحب! غیر متعلقہ باتیں آپ اس کیس کے درمیان نہیں لائیں گے۔ عدالت آپ کو حکم دیتی ہے کہ محکمہ جاسوسی کے تمام الزام واپس لیا جائے۔"

"میں معذرت خواہ ہوں می لارڈ!" بیرسٹر نصرت حسین نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ ملزم مرادو کو کسی بھی غیر قانونی طریقے سے گرفتار نہیں کیا گیا بلکہ اس کی گرفتاری باقاعدہ پولیس کی کارروائی کے سلسلے میں عمل میں آئی ہے۔" میں نے [illegible] بیرسٹر نصرت حسین صاحب کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔ وہ شدید غصے [illegible] میں تھے... میں انھیں نظر انداز کر کے مرادو کے سامنے پہنچ گیا۔ مرادو نے مجھے دیکھ کر نظریں جھکا لی تھیں۔

"مرادو خان عرف مرادو! بستی غلام آباد میں تم بچپن سے جوانی کی حدود میں پہنچے۔ تمھارا کوئی بھی نہیں تھا۔ نہ والدین نہ بہن بھائی نہ دوسرے اہل خاندان۔ کیا تمھارا والد کوئی دولت مند آدمی تھا؟"

"نہیں جی۔ ہم تو بڑے غریب تھے۔"

"تمھارا کاروبار کیا تھا وہاں؟"

"کک... کچھ بھی نہیں جی... کچھ بھی نہیں۔"

"گویا تم نے کبھی کوئی کام نہیں کیا؟"

"نہیں جی۔"

"پھر تمھارا پیٹ بھرنے کا ذریعہ کیا تھا؟ کیا تم بستی کے لوگوں سے دست سوال دراز کر کے کام نہیں چلاتے تھے؟ کیا وہاں تمھیں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا؟"

"اب کوئی ہمیں برا سمجھے تو ہم کیا کریں جی۔" مرادو نے جواب دیا۔

"اور اس کے بعد مرادو خان! اچانک تمھاری حالت بہتر ہو گئی۔ تم نے اللہ دیو کو شربت پلانا شروع کر دی۔ اسے پیسے بھی دینے لگے۔ بتا سکتے ہو کہ یہ رقم تمھارے پاس کہاں سے آئی؟"

"وہ جی بس بابا نے ایک وظیفہ بتا دیا تھا اور ہمیں دست غیب ہو گیا۔"

"دست غیب کیا چیز ہوتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ جی جب وظیفہ پورا ہو جاتا ہے نا، تو تکیے کے نیچے سے پیسے مل جایا کرتے ہیں۔"

"کتنے؟" میں نے فوراً سوال کیا۔

"وہ جی ہزار بارہ سو۔"

"پورے ہزار یا پورے بارہ سو؟" میں نے پوچھا۔

"کک... کبھی ہزار اور کبھی بارہ سو۔"

"روزانہ؟"

"ہاں جی اللہ کا فضل ہے۔" مرادو نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"مرادو! تمھیں بستی غلام آباد سے یہاں آئے ہوئے کتنے دن گزر گئے؟"

"یہی جی کوئی سولہ سترہ دن۔"

"گویا اس وقت تمھارے پاس سولہ سترہ ہزار یا تقریباً بیس ہزار روپے ہوں گے۔ کہاں ہیں وہ پیسے؟" میں نے سوال کیا اور مرادو تھوک نگلنے لگا۔

"کہاں ہیں وہ پیسے؟"

"وہ... وہ جی تکیہ نہیں تھا ہمارے پاس۔" مرادو نے جواب دیا اور کمرۂ عدالت میں قہقہے گونج اٹھے۔

"کیا مطلب؟"

"تکیے کے نیچے سے ملتے تھے نا جی۔ جب تکیہ ہی نہیں تھا تو پیسے کہاں سے ملتے۔" مرادو نے کہا اور ہنسی کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ تب جج صاحب کی ہتھوڑی بجی اور قہقہے رک گئے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب والا! اس دست غیب کی حقیقت آپ کے ذہن میں ہو گی۔ ملزم مرادو یہ نہیں بتانا چاہتا کہ دست غیب کی یہ رقم اسے تکیے کے نیچے سے نہیں بلکہ امیر الدین کی جیب سے ملتی تھی۔ کیوں مرادو! کیا اس وظیفے کے نتیجے میں امیر الدین کی دوستی نہیں حاصل ہو گئی تھی تمھیں؟ اور وہیں سے تمھارے اخراجات پورے ہونا نہیں شروع ہو گئے تھے؟" بیرسٹر نصرت حسین غصے کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔

"ایک غریب دیہاتی کو الفاظ کے جال میں پھانس کر اس سے وہ بات کہلوانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو اس کیس میں وکیل صاحب کی معاونت کرے۔"

"جناب والا! ایک ایسے اہم سوال کا جواب جو ملزم دینے ہی والا تھا درمیان سے کاٹ دیا گیا ہے کہ ملزم کو سنبھلنے کا موقع مل جائے۔ یہ جواب بڑی اہمیت کا حامل تھا لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ بیرسٹر صاحب کو اس قسم کے حربے استعمال کرنے کی میری طرف سے اجازت ہے۔ تو مرادو! تمھارا یہ دست غیب ان دنوں بند ہو گیا ہے؟"

"ہاں جی۔ بالکل بند ہے۔" مرادو نے جواب دیا۔

"اچھا مرادو! تمھارا کہنا ہے کہ میں بستی غلام آباد میں تم سے ملا تھا اور وہاں کی سرائے میں میرا قیام تھا۔ کیا میرے اور تمھارے درمیان دوستی قائم ہو گئی تھی؟"

"ہاں جی۔ آپ نے دوست بن کے ہی ہمیں دغا دی۔" مرادو شکایتی لہجے میں بولا۔

"میری اور تمھاری یہ دوستی کس سلسلے میں ہوئی تھی مرادو؟" میں نے سوال کیا۔

مرادو کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار ابھر آئے۔ اس نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "بس ایسے ہی ہو گئی تھی جی بلا وجہ۔"

"تم نے میری دعوتیں وغیرہ بھی کی ہوں گی؟"

"ہاں جی وہ کھلائی تو تھی نا دعوت آپ کو اور بی بی جی کو۔ مم میرا مطلب ہے وہ فوٹو گرافر بی بی کو۔" مرادو نے احمقانہ انداز میں کہا۔

"فوٹو گرافر بی بی۔ وہ ہی نا جنھیں تم نے...؟"

"نہیں جی نہیں جی۔ یہ ساری باتیں غلط باتیں ہیں۔ وہ تو خود ہی گئی تھیں۔"

"کہاں مرادو کہاں؟" میں نے سوال کیا اور مرادو نے آنکھیں بند کر لیں۔

"ہمیں کچھ نہیں معلوم جی! اللہ کی قسم ہمیں کچھ نہیں معلوم!"

"عدالت سے درخواست ہے کہ مرادو کے الفاظ پر خاص طور سے توجہ دی جائے۔ ابھی اس نے اعتراف کیا کہ میری اور اس کی دوستی ہوئی تھی۔ کسی فوٹو گرافر بی بی کا بھی تذکرہ کیا گیا۔ اس کے بعد جب میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اس فوٹو گرافر [illegible] کہاں پہنچی تھی تو [illegible] وہ خود ہی گئی تھیں یہاں [illegible] صیغہ راز میں [illegible] جناب والا! وہ جگہ امیر الدین کی [illegible] جو [illegible] غیاث الدین [illegible] کی کوٹھی کے ایک حصے میں [illegible] وہ جہاں پر سے چھاپہ مار کر انسپکٹر غالب نے امیر الدین کو گرفتار کیا اور جس جگہ سے امیر الدین کے خلاف بہت سی اشیاء برآمد ہوئی ہیں جو اس کیس کی معاونت کرتی ہیں۔

جناب والا! مرادو اور خداداد، امیر الدین کے دست راست تھے۔ مرادو بستی غلام آباد کا ایک نکما نوجوان تھا جس نے زندگی میں کبھی کوئی کام نہیں کیا جو اس کی کفالت کر سکے۔ پھر اچانک ہی اس کے حالات بہتر ہونا شروع ہو گئے اور وہ اپنے دوستوں کو شراب پلانے لگا۔ ان کی کفالت کرنے لگا۔ صرف اور صرف امیر الدین کی وجہ سے، ورنہ بستی غلام آباد میں ایسے ذرائع آمدنی نہیں ہیں کہ کسی شخص کو اچانک بڑی بڑی رقمیں ملنا شروع ہو جائیں۔ جہاں تک دست غیب کی حقیقت ہے، وہ آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ سچ یہ ہے جناب والا کہ امیر الدین نے ایک [illegible] کا روپ دھار کر بستی غلام آباد میں اپنی ناپاک [illegible] شروع کر رکھی تھی۔ فضل خان کی بیٹی زہرہ، امیر الدین [illegible] اور اس سلسلے میں مرادو اور خداداد، امیر الدین کے دست راست [illegible] رہے۔ جناب والا! مرادو سے میری دوستی ہوئی تھی [illegible]... میں نے اس وقت اس سے ملا تھا [illegible] امیر الدین کا دست راست ہے۔ اس نے معلومات [illegible]

کرنے کے لیے میں نے اس سے اسی کے انداز میں ملاقات کی اور بالآخر اس شخص نے اپنی اصلیتوں کا اظہار کر دیا۔ میں اس سلسلے میں کچھ اور بھی چیزیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور جیب سے وہ ننھا ٹیپ ریکارڈر نکال کر جج امجد حسین صاحب کے سامنے رکھ دیا، جس میں مُرادو سے ہونے والی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی۔

کمرۂ عدالت میں خاموشی چھا گئی تھی۔ سب لوگ وہ آواز سننے کے لیے بے چین تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کی بے چینی بھی قابلِ دید تھی اور چوہدری غیاث الدین بھی پریشان نظر آ رہے تھے۔ وہ جھک کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کے کان میں کچھ کہنے لگے اور ٹیپ ریکارڈر پر مُرادو کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ جج امجد حسین اِن آوازوں کو غور سے سُن رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد مُرادو کی... آوازیں ختم ہو گئیں۔ جج صاحب نے کہا کہ آوازوں کے اس کیسٹ کو عدالت کی تحویل میں دے دیا جائے۔ میں نے گردن خم کر دی تھی۔ چنانچہ کیسٹ نکال کر جج صاحب کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وقت کافی ہو چکا تھا۔ اس لیے آج کی سماعت ملتوی ہو گئی۔

تیسرے دن کی تاریخ دے دی گئی تھی۔ کمرۂ عدالت سے واپسی پر میں خاموشی سے وکیل فاروقی کے پاس پہنچ گیا۔ بیرسٹر نصرت حسین، غیاث الدین سے گفتگو کرتے ہوئے باہر جا رہے تھے اور ملزمان کو پولیس اپنی تحویل میں لے کر جیل کی گاڑی کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اس وقت کسی سے ملاقات کرنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں وکیل فاروقی صاحب کو لے کر باہر نکل آیا۔ اور اس کے بعد ہم عدالت میں نہیں رُکے تھے۔ وکیل فاروقی صاحب کے چہرے پر وہی مسرت نظر آ رہی تھی جو میری کسی بھی کامیابی پر ان کے انداز میں نمودار ہو جاتی تھی۔

"میرا خیال ہے آج کی کارروائی نے عدالت کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ بیرسٹر صاحب اور چوہدری غیاث الدین بہت پریشان نظر آ رہے تھے۔" میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم اپنے دفتر پہنچ گئے۔

فاروقی صاحب نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن مسئلہ وہی ہے۔ عادل وزیر شاہ صاحب کا کیا کرو گے۔ اگر انھوں نے اس دوران میں تیز رفتار مداخلت کی تو معاملات بگڑ سکتے ہیں۔"

"آپ کو علم ہے فاروقی صاحب کہ عادل وزیر شاہ صاحب ابھی تک امیر الدین کی ضمانت کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکے۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ میں اُن سے مل چکا ہوں اور اب وہ... براہِ راست اس مسئلے میں مداخلت نہیں کریں گے... چوہدری غیاث الدین اور آشیانے کے باسیوں کو اس سلسلے میں مکمل ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے اور یقیناً اب یہ تمام باتیں اُن کے علم میں آ چکی ہوں گی۔"

"مگر کب؟ تفصیل سے تو تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا؟"

"تفصیل سے بتانے کا موقع ہی نہیں ملا... اور پھر ضرورت بھی نہیں تھی فاروقی صاحب! ظاہر ہے جو کچھ میں کر رہا ہوں اس میں اپنی جڑیں مضبوط کرنا سب سے پہلے میرے پیشِ نگاہ ہوتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ تم اس کیس میں بھی کامیابی حاصل کرو گے۔ ویسے بیرسٹر صاحب..." فاروقی صاحب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئے۔ جانتے تھے کہ میں اپنے بھائی کا مدِمقابل ضرور ہوں لیکن اُن کی بُرائی کسی کی زبان سے بھی نہیں سُن سکتا۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے الفاظ پر قابو پا لیا تھا۔

وقت کا سفر کچھ زیادہ ہی تیز رفتاری اختیار کر گیا تھا... دوسری پیشی چٹکیاں بجاتے آ گئی۔ اس دوران میں کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو قابلِ ذکر ہوتا۔ آشیانے پر سناٹا چھایا ہوا تھا... حالانکہ مجھے اس بات کا شُبہ تھا کہ شاید مجھ سے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کی ذہنی کیفیت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ بدر شاہ کے آدمی چوہدری غیاث الدین کی نگرانی کر رہے تھے۔ بدر شاہ اور بھی چند معاملات میں... اپنا کردار انجام دے رہا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن وقار احمد صاحب کی... وساطت سے مکھنی سے جیل میں ملاقات کی گئی۔ یہ تمام لوگ چونکہ اس کیس میں امیر الدین کے معاون قرار دیے گئے تھے۔ اس لیے انھیں بھی جیل ریمانڈ پر لے لیا گیا تھا۔ مکھنی کی حالت کافی خراب تھی۔ بدر شاہ اس کے لیے ایک خوفناک انسان کی حیثیت رکھتا تھا اور بدر شاہ کی صُورت دیکھ کر ہی اُس کا چہرہ پیلا پڑ جاتا تھا۔ بدر شاہ نے میری موجودگی میں مکھنی سے کہا۔

"دیکھو بائی! تم جانتی ہو کہ تم سے ایسا کوئی کام نہیں لیا جا رہا ہے جو غلط ہو۔ تمہارے بچّوں کی زندگی اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم ساری حقیقت عدالت کو بتا دو۔ تم پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ تم ایک مجبور عورت ہو۔ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیا جائے گا اور اس کیس کی

تکمیل کے بعد تمھارے بچّے تمھارے سُپرد کر دیے جائیں گے۔ ... لیکن تمھارے بچّوں کی زندگی اُسی صورت میں ممکن ہے... کہ عدالت میں تم امیر الدین اور مُرادو کے بارے میں ایک ایک لفظ سچ سچ بتا دو اور اس بات کو بھی کان کھول کر سُن لو۔ اگر عدالت میں تم نے یہ الفاظ کہے کہ تمھیں اغوا کر کے بستی غلام آباد سے یہاں لایا گیا ہے یا تمھارے بچّے ہماری تحویل میں ہیں تو پھر عدالت کی طرف سے جو کارروائی ہو گی وہ بعد میں دیکھی جائے گی لیکن تمھارے اِن الفاظ کے ساتھ ہی تمھارے تمام بچّوں کے سینوں میں گولیاں اُتار دی جائیں گی۔"

مکھنی دہشت سے چیخ پڑی تھی۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر گھگیائے ہُوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں۔ بھگوان کے لیے ایسا نہیں کرنا بابوجی! ہم وہ سب کچھ تو کر رہے ہیں جو تم کہہ رہے ہو۔ چنتا مت کرو۔ جیسا تم کہو گے ہم ویسا ہی کریں گے۔"

"تمھیں صرف سچ بولنا ہے مکھنی!"

"ہم سچ بولیں گے، بھگوان کی سوگند۔ ہم سچ بولیں گے..." مکھنی نے کہا۔

بہرطور بدر شاہ کو اطمینان تھا کہ مکھنی عدالت میں احتیاط رکھے گی۔ سلطانو کو بھی اس پیشی میں طلب کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ناصر کے سلسلے میں بھی وہ کارروائیاں مکمل کر لی گئی تھیں جن کی ضرورت پیش آ سکتی تھی۔ کیس تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ جج امجد حسین صاحب خود بھی اس سلسلے میں چوہدری غیاث الدین کی وجہ سے دلچسپی لے رہے تھے۔ غیاث الدین کو کم از کم آشیانے کی حمایت حاصل تھی حالانکہ یہ حمایت بظاہر عادل وزیر شاہ صاحب کی وجہ سے تھی لیکن بہرطور عادل وزیر شاہ صاحب نے اس سلسلے میں اپنی لاتعلقی کا اعلان نہیں کیا تھا۔ عملاً اب تک انھوں نے کوئی مداخلت بھی نہیں کی تھی۔

پتا نہیں چوہدری غیاث الدین نے اس بارے میں... عادل وزیر شاہ سے کوئی بات چیت کی تھی یا نہیں۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

کمرۂ عدالت میں آج بھی وہ تمام افراد موجود تھے جو پچھلی پیشی میں تھے۔ سلطانو اور مکھنی کو دیکھ کر امیر الدین کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ چوہدری غیاث الدین کے تیور میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ عدالتی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔ میں نے جج امجد حسین کی اجازت پر اپنی کارروائی شروع کر دی... اور جج صاحب سے کہا۔

"جنابِ والا! روشن علی درحقیقت ایک معصوم صفت انسان ہے۔ بلاشبہ نوجوانی کی عمر میں اُسے مرحومہ زمرد سے محبت ہو گئی تھی لیکن اُس وقت بھی اُس نے کسی ناجائز ذریعے سے فضل خان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ تمام جائز ذرائع اختیار کیے تھے جو کوئی شریف نوجوان کر سکتا ہے۔ بلاشبہ وہ زمرد سے محبت کرتا تھا اور اُس سے شادی کے انکار کے بعد اُس پر جنونی کیفیت طاری رہی تھی۔ وقت تو وہ تھا جنابِ والا! کہ وہ کوئی ایسی کارروائی کر ڈالتا جو اس جنون کا نتیجہ ہوتی لیکن فطرتاً وہ بُرا انسان نہیں تھا۔ چنانچہ صبر کیا اُس

نے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ اُس کے ذہن سے یہ جنُون ختم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُس کی شادی بستی کے مؤذن صاحب کی بیٹی شاہدہ سے ہو گئی اور جناب والا! شاید بستی کے تمام ہی افراد اس بات کے گواہ ہوں کہ اُس نے نیک نیتی سے شاہدہ کو اپنی بیوی تسلیم کر کے اُسے شوہر ہونے کے فرائض انجام دینا شروع کر دیے۔ نتیجے میں وہ دو بچّوں کا باپ بن گیا اور دونوں کی زندگی پُرسکون گزرنے لگی لیکن پھر امیر الدین کے ہرکارے خداداد نے ایک بار شاہدہ کو دیکھ لیا اور شاہدہ چونکہ کافی خوب صورت تھی، اس لیے اس کی اطلاع امیر الدین تک پہنچ گئی، جس پر امیر الدین کی جانب سے اُسے ہدایت ملی کہ شاہدہ سے رجوع کیا جائے۔ مُراد و کو بھی اس سلسلے میں شریک رکھا گیا تھا۔ شاہدہ نے وہ ساری باتیں اپنے شوہر کو بتا دیں اور روشن علی نے احتجاج کرنا چاہا لیکن اس کے نتیجے میں اُسے زمرّد کا قاتل قرار دے دیا گیا۔ جناب والا!

امیر الدین کی سیاہ کاریوں کی داستانیں چند ہی ذہنوں تک محدُود تھیں۔ وہ دیندار اور پرہیز گار بن کر دُنیا کی آنکھوں میں دُھول جھونک رہا تھا۔ صرف چند ہی افراد تھے جو اُس کی رنگین زندگی سے واقف تھے۔ اُس نے اپنے لیے ایک باقاعدہ گروہ تیار کر رکھا تھا۔ جو اُس کی معاونت کرتا تھا۔ اس سلسلے میں، مَیں ایک ایسی عورت کو پیش کرنا چاہتا ہُوں جو چوہدری غیاث الدین کی ملازمہ ہے لیکن شاید چوہدری صاحب بھی نہیں جانتے کہ اس ملازمہ کا کام کیا تھا؟"

مکھنی کو کٹہرۂ عدالت میں پیش کیا گیا... اور چوہدری غیاث الدین کا مُنہ حیرت سے کُھلا رہ گیا۔ مکھنی کے چہرے پر خوف کے آثار منجمد تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر مجھے... تب مَیں نے مکھنی سے پوچھا۔

"تمھارا نام؟"

"مکھنی ہے جی۔"

"ذات؟"

"ہندو ہُوں۔"

"شادی شدہ ہو؟"

"نہیں۔" مکھنی نے جواب دیا۔

"مکھنی! تم کتنے عرصے سے چوہدری غیاث الدین کی ملازمہ ہو؟"

"بہت سال ہو گئے جی۔"

"ہُوں۔ تم چوہدری غیاث الدین کے ہاں کیا کام کرتی تھیں؟"

"پہلے حویلی میں تھے۔ بعد میں چھوٹے سرکار نے حویلی سے نکال کر بگیہ میں پہنچا دیا۔ وہیں رہتے تھے۔"

"بگیہ میں تمھارے ساتھ اور کون رہتا تھا؟"

"سلطانو جی، سلطانو!"

"تم دونوں کا کام کیا تھا وہاں؟"

"کک... کچھ نہیں... کچھ نہیں جی!"

"مکھنی! کسی بھی خوف سے بے نیاز ہو کر وہ تمام حقائق عدالت کو بتاؤ جو تم جانتی ہو۔"

بیرسٹر نصرت حسین صاحب کھڑے ہو گئے اور انھوں نے کہا۔ "جناب والا! وکیل صاحب نے طے کر رکھا ہے کہ وہ ہر کمزور کردار جس کا تعلق بستی غلام آباد یا چوہدری غیاث الدین سے ہے سامنے لائیں گے اور اُس سے اپنی من مانی باتیں کہلوائیں گے۔"

"جناب والا! بیرسٹر صاحب کو بھی اختیارات ہیں کہ اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر ان کرداروں کے بیانات کو بے اثر کر دیں۔ مجھے اعتراض نہ ہو گا۔"

جج صاحب کی ہدایت پہ بیرسٹر صاحب بیٹھ گئے اور مَیں نے مکھنی سے کہا۔

"ہاں مکھنی! بگیہ کی اُس عمارت میں جہاں تم رہتی ہو، کتنے کمرے ہیں؟"

"ایک جی ایک۔"

"اس ایک کمرے کے علاوہ مکھنی! اس ایک کمرے کے علاوہ وہاں اور کیا ہے؟"

"ت... جی... جی وہ تہ خانہ ہے۔" مکھنی نے جواب دیا۔

"کیسا تہ خانہ ہے؟"

"وہ جی نیچے ہے... گھر کے نیچے۔"

"وہ تہ خانہ کس نے تیار کروایا تھا؟" مَیں نے سوال کیا۔

...اور مکھنی دہشت بھری نگاہوں سے امیر الدین کو دیکھنے لگی۔

"نہیں مکھنی! جو کچھ تم سے پوچھا جا رہا ہے کسی خوف کے بغیر بتاؤ..."

"جی چھوٹے سرکار نے۔"

"کس لیے؟"

"جی وہ وہاں... وہاں لڑکیوں کو رکھتے تھے۔ میری ذمّے داری یہی تھی کہ جب چھوٹے سرکار کسی لڑکی کو وہاں بھیجیں تو مَیں اُس کی حفاظت کروں اور مَیں ایسا ہی کرتی تھی۔"

"تمھارا رابطہ کن کن لوگوں سے رہتا تھا؟"

"جی وہ مُرادو، خداداد اور سلطانو سے۔"

"یہ لڑکیاں کتنے کتنے عرصے وہاں رہتی تھیں؟"

"کبھی ہفتہ دو ہفتہ اور کبھی مہینہ دو مہینہ۔"

"اور ان لڑکیوں کو ضرورت کے وقت امیر الدین کے پاس بھیجا جاتا تھا؟"

"ہاں جی، خداداد انھیں لے جایا کرتا تھا اور صبح کو چھوڑ جاتا تھا۔"

"کم از کم کتنی لڑکیاں آج تک تمھارے اُس تہ خانے میں رہ چکی ہیں؟"

"جی وہ باہر سے آتی تھیں۔ ہمیں گنتی یاد نہیں رہی ہے۔"

"دس، بارہ یا پندرہ؟" مَیں نے سوال کیا۔

"جی اس سے بھی زیادہ۔"

"ہُوں، تو تمھیں اس بات کی تنخواہ ملتی تھی کہ تم امیر الدین کی بھیجی ہُوئی لڑکیوں کی نگہداشت کرو۔"

"جی سرکار۔"

"آخری بار جو لڑکی تمھارے پاس رہی وہ کون تھی؟"

"جی اُس کا نام پروین تھا۔"

"کتنے عرصے سے وہ تمھارے پاس تھی؟"

"جی ایک مہینے سے کچھ زیادہ ہو گیا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"ہم نہیں جانتے جی۔" مکھنی نے جواب دیا۔

"جناب والا!" مَیں نے گردن خم کی اور بیرسٹر نصرت حسین صاحب غصّے سے کھڑے ہو گئے۔ وہ مکھنی کے قریب پہنچے اور غرّاتے ہُوئے لہجے میں بولے۔

"تم چوہدری غیاث الدین کی ملازمہ ہو؟"

"ہاں جی، ہاں جی۔" مکھنی ڈرے ڈرے لہجے میں بولی۔

"اُن کا نمک کھاتی ہو اور اُن کے خلاف زہر اُگلتی ہو!"

"آبجیکشن می لارڈ!" مَیں نے کھڑے ہو کر کہا۔ "یہ نمک خواری کی باتیں چھوڑ دی جائیں۔ مکھنی سو فی صد ایک نمک حلال عورت ہے۔ جو ذمّے داری اُس کے سپرد کی گئی۔ اس نے اُسے بخُوبی نبھایا ہے لیکن ہر جُرم کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ جب وہ پولیس کی تحویل میں پہنچ گئی اور اس کے سامنے سچ بولنے کی مجبُوریاں آ گئیں تو وہ سچ کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہے۔"

جج صاحب نے بیرسٹر نصرت حسین کو بحث جاری رکھنے کے لیے کہا اور بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔ "مکھنی! نمک خوار... تم چوہدری غیاث الدین کی تھیں لیکن کام امیر الدین کے لیے کرتی تھیں کیوں؟"

"وہ جی ہمیں... ہمیں سرکار ہی نے کہا تھا کہ بگیہ میں جا کر رہیں۔ پوچھ لیں سرکار سے، وہ سامنے کیا بیٹھے ہُوئے ہیں۔" مکھنی نے چوہدری غیاث الدین کی طرف اشارہ کر کے کہا اور گردنیں گھُوم گئیں۔ مسکراہٹیں ہونٹوں پر آ گئیں۔ چوہدری غیاث الدین بوکھلائے ہُوئے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تھے۔

"تو یہ بات چوہدری غیاث الدین کے علم میں تھی کہ تم باغ میں رہنے لگی ہو؟"

"ہاں جی۔"

"اور انھوں نے کبھی یہ نہیں پوچھا کہ وہاں تمھیں کیا کام کرنا ہوتا ہے؟"

"نہیں جی۔ بہت سے ہمارے جیسے چوہدری صاحب کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں اور ہم بھی پل رہے تھے۔"

"امیر الدین نے خود تم سے کیا کہا تھا؟"

"خود تو کچھ نہیں کہا جی... مگر خداداد نے کہا کہ اب ہم امیر الدین کے نوکر ہیں۔ ہمیں جی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ آرام سے زندگی بیت رہی تھی۔ بس کام اتنا ہی کرنا ہوتا تھا کہ جب کوئی لڑکی وہاں لائی جاتی تو ہم اُس کی نگرانی کرتے۔"

"سلطانو تمھارے ساتھ کیا کرتا تھا؟"

"کچھ نہیں جی، وہ باہر کی نگرانی پر تھا اور کوئی غلط آدمی اُدھر نکل آتا تو سلطانو کے ہاتھوں نہیں بچتا تھا۔ سلطانو بہت طاقت ور ہے جی! اچھے اچھوں کی گردن توڑ کر پھینک دیتا ہے۔"

"اس سلسلے میں امیر الدین نے تم سے کبھی براہِ راست کوئی... بات کی تھی؟"

"نہیں جی! چھوٹے سرکار بھلا ہم جیسوں کو کہاں مُنہ لگاتے۔ کبھی کبھی بگیہ میں ضرور آتے تھے وہ... لیکن ہم سے کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔"

"گویا کبھی امیر الدین نے تم سے یہ نہیں کہا کہ جو لڑکیاں تمھارے پاس نگرانی کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔ اُن کا تعلق اُس سے ہے اور تم اُن کا خیال رکھا کرو؟"

"نہیں جی، ہم سے کبھی بات نہیں ہُوئی۔"

"خود امیر الدین نے کبھی تمھیں کوئی انعام وغیرہ دیا؟"

"نہیں جی، ہمیں جو کچھ ملتا تھا خداداد یا مُرادو سے ملتا تھا۔"

"جناب والا! اِسے نوٹ کیا جائے۔" بیرسٹر نصرت حسین

نے کہا اور مکھنی کے پاس سے واپس آ گئے۔ بیرسٹر صاحب ویسے بھی مختصر سی جرح کرتے تھے اور اُسی ہی میں سے کام کی بات تلاش کر لیتے تھے۔ بہرطور اُنھوں نے مکھنی کے کردار کو مشکوک بنا دیا تھا۔

سلطانو کو کٹہرۂ عدالت میں پیش کیا گیا لیکن وہ بے زبان تھا اور کوئی بیان نہیں دے سکا تھا۔ البتّہ جب اُس سے مَیں نے سوال کیے کہ کیا وہ امیرالدین کے لیے کام کرتا تھا تو اُس نے گردن خم کر کے اقرار کیا تھا۔

مَیں نے تیسرے گواہ کے طور پر ایک اہم شخصیّت کو طلب کیا اور پیرزنگ بنانے والی فرم کا مالک ناصر تھا۔ مَیں نے عدالت کو اس کی گرفتاری کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہُوئے کہا کہ یہ شخص اُسی لڑکی پروین کی رپورٹ پر گرفتار ہُوا ہے... جسے امیرالدین کی اس عشرت گاہ سے حاصل کیا گیا تھا اور جسے امیرالدین نے ایک مہینہ دس دن تک حبسِ بے جا میں رکھا ہے۔ ناصر کے بارے میں وضاحت کرتے ہُوئے مَیں نے بتایا کہ ناصر ایک مقامی آدمی ہے اور کسی بنیاد پر اس کا تعلق امیرالدین سے ہو گیا ہے۔ یہاں سے وہ خُوب صورت لڑکیوں کو لالچ اور فریب دے کر امیرالدین کے پاس بھیجتا ہے۔ اس سے اُس کے کیا مفادات وابستہ ہیں؟... اس کا جواب وہی ناصر ہی کر سکے گا۔ چنانچہ عدالت کی اجازت پر مَیں نے ناصر سے جرح کا آغاز کر دیا۔ ناصر پڑھا لکھا... اور خطرناک آدمی تھا۔ اُس نے نہایت اعتماد سے میرے سوالات کا جواب دیا۔

"ہاں، یہ لڑکی پروین بغرضِ ملازمت میرے پاس آئی تھی اور مَیں نے اسے ایک باعزّت ملازمت کی پیش کش کر دی تھی لیکن اس کے بعد یہ اچانک میرے پاس سے غائب ہو گئی اور ظاہر ہے مَیں اپنے ملازموں کے سلسلے میں اُن کے گھروں میں جا کر تفتیش نہیں کر سکتا۔ چنانچہ یہ جب کافی دنوں تک... اپنی ملازمت سے غیرحاضر رہی تو مَیں نے اسے معطل قرار دے دیا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے اور یہ بات کس طرح ثابت ہوتی ہے کہ میرا تعلق امیرالدین نامی کسی شخص سے ہے؟ مَیں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا اور اس سلسلے میں میرے دُشمنوں نے میری ساکھ خراب کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے اس لڑکی کو آلۂ کار بنایا ہے۔"

"لیکن مسٹر ناصر! آپ نے جس شام پروین سے اس سلسلے میں گفتگو کی تھی۔ اُس شام آپ نے ایک چھوٹا سا رُقعہ اُس کے نام بھیجا تھا اور خصوصی طور پر اُس سے ملاقات کی تھی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کس لیے؟ ویسے وہ رُقعہ میرے پاس محفوظ ہے۔"

مَیں نے جیب سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکال کر جج امجد حسین صاحب کو پیش کر دیا۔

"یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اپنے کسی ملازم سے کسی سلسلے میں پوچھ گچھ کرنے کے لیے مَیں کسی بھی وقت اُسے طلب کر سکتا تھا۔"

ناصر کے مسئلے میں ہم بہت زیادہ پُختہ کارروائی نہیں کر سکے تھے، لیکن پروین کا امیرالدین کے پاس پہنچنا یقینی تھا اور اس کے لیے ہمارے پاس بے شمار ثبوت موجود تھے، جن کی تفصیل مَیں بعد میں بیان کرنا چاہتا تھا۔

بیرسٹر نصرت حسین نے کہا کہ یہ امیرالدین کے گرد جال بُننے کی مختلف کوششیں ہیں۔ جو بالآخر بے بنیاد ثابت ہوں گی۔ پروین کو بھی اسی دن عدالت میں پیش کیا گیا تھا اور اُس نے عدالت کو تمام تفصیلات بتا دی تھیں۔ اُس نے مُراد و کے بارے میں بھی بتایا تھا اور خداداد کے بارے میں بھی۔ امیرالدین کی خلوت گاہوں کا تذکرہ کرتے ہُوئے اُس نے رو رو کر کہا تھا کہ وہ ایک پاکباز اور مجبور لڑکی تھی لیکن اُسے داغ دار کر دیا گیا ہے۔ بیرسٹر نصرت حسین نے پروین سے بڑی زوردار جرح کی تھی۔ ...اور کئی بار انھوں نے اس جرح میں ایسے پوائنٹ تلاش کیے تھے جو اُن کے حق میں جاتے تھے لیکن مَیں نے اُس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ آج کی سماعت ان گواہوں کے بعد ملتوی ہو گئی اور امجد حسین نے ایک ہفتے کے بعد کی تاریخ دے دی۔ آج کا دن بہت زیادہ ہنگامہ خیز نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں اور کوئی خاص بات نہیں ہُوئی۔

تیسرے دن ہمارے دفتر میں چوہدری غیاث الدین تشریف لائے تنہا تھے۔ مَیں انھیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فاروقی صاحب بھی ایک لمحے کے لیے خاموش رہ گئے تھے۔ مَیں نے اُستاد جمّو نے کو اشارہ کیا اور اُستاد میرا مطلب سمجھ کر دفتر کی عمارت سے باہر نکل گئے۔ ہم یہ جائزہ لینا چاہتے تھے کہ چوہدری غیاث الدین نے کوئی ایسی کارروائی تو نہیں کی ہے جو ہمارے خلاف ہو یا جس سے ہمیں کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہو۔ چوہدری غیاث الدین کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آ رہے تھے۔ ہماری پیش کش پر وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور پھر اُنھوں نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے یُوں محسوس ہو رہا ہے، جیسے میرے گرد بُنا جانے والا جال بہت مضبوط رسّوں سے بنایا گیا ہے اور مَیں اُس سے گردن نہیں بچا سکوں گا۔ اپنے بیٹے کی تمام کیفیتیں مَیں آپ لوگوں سے

بیان کر چکا ہوں اس کی ابتدا واقعی غلط تھی لیکن جب سے اُسے دین کی طرف رغبت ہُوئی، وہ بالکل ہی بدل گیا ہے۔ اسے آپ اُس کے بارے میں بستی غلام آباد میں جا کر تحقیقات کر لیں۔

اُسے ایک دیندار نمازی اور پرہیزگار نوجوان کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ بستی کے لوگوں کے خیالات اُس کی جانب سے خراب نہیں ہیں پھر آپ لوگ کیوں اُسے مصیبت میں گرفتار کرنے پر تلے ہیں۔ کیا ملے گا آپ کو میرے بچّے کو پھانسی کے پھندے پر پہنچا کر؟ مجھے جواب تو دیں۔ بتا تو دیں کہ کون سی ایسی دُشمنی ہے جو میرے اور آپ کے درمیان ہے؟"

"چوہدری صاحب! اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیجیے کہ ہمارا براہِ راست آپ سے کوئی تصادم ہے یا کسی خاص بنیاد پر ہم امیرالدین کو کسی جال میں پھانسنا چاہتے ہیں۔ بات روشن علی کی تھی جو آپ کی بستی کا ایک معصوم نوجوان ہے۔ اُس نے فریاد کی اور کہا کہ... وہ بے گناہ ہے مگر قید کی سزا ہُوئی ہے اُسے چوہدری صاحب! آپ نے اُسے سزا دلوانے میں اپنے اثر و رسوخ سے کام لیا ہے لیکن آپ کا یہ ظلم اب باطل ہو چکا ہے۔ روشن علی کی حقیقت اب سامنے آنے کو ہے۔ کیا آپ [illegible] چوہدری صاحب! آپ نے روشن علی کی گرفتاری میں پولیس کی مدد کی تھی اور اُس کے خلاف چلنے والے کیس میں بھی آپ نے اپنی طرف سے کارروائیاں کی تھیں؟"

"ہاں، مَیں اعتراف کرتا ہُوں اس بات کا لیکن یہ تو ایک... دیانت دارانہ کوشش تھی۔ مفضل خان کی بیٹی کو قتل کیا گیا اور اُس کا قاتل نگاہوں کے سامنے آ گیا تو مَیں بھلا ایسے کر سکتا تھا کہ اُس کی رہائی کی کوشش شروع کر دیتا؟ مَیں نے پولیس اور قانون کی مدد کی تھی اُس کے سلسلے میں۔ یہ بات میرے علم میں نہیں تھی کہ وہ قاتل نہیں ہے یا قتل کا تعلّق کسی طور پر میرے بیٹے سے ہے۔ آپ لوگ یقین کریں یا نہ کریں، مَیں نے اپنے بیٹے کو بچانے کی خاطر اُسے سزا نہیں دلوائی بلکہ صرف ایک انسانی فرض پورا کیا ہے۔"

"تو دوسرا انسانی فرض اب بھی پورا کیجیے چوہدری صاحب! اس بات سے تو آپ واقف ہیں کہ قانون اگر امیرالدین کو بے قصور پائے گا تو کسی طور پر اُسے سزا نہیں دے سکتا اور یہ کسی کی مجال نہیں ہے۔"

"آہ! مگر تم لوگوں نے... تم لوگوں جو چکّر چلایا ہے۔ وہ تو مجھے بہت خطرناک لگ رہا ہے۔ بیرسٹر نصرت حسین گواہوں سے کوئی جرح ہی نہیں کرتے۔ ابھی تک انھوں نے کوئی ایسا کارنامہ

انجام نہیں دیا جو اُن کے شایانِ شان ہو۔ مَیں تو یہ محسوس کر رہا ہُوں کہ تم دونوں بھائی مل گئے ہو اور میرے بیٹے کی زندگی کے درپے ہو۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اگر میرے معصوم بیٹے کو کچھ ہُوا تو اس کا بدلہ بھی تم سے لیا جائے گا۔ مَیں تم لوگوں کو کبھی کون سے نہیں جینے دُوں گا۔ صرف اتنا ہی کہنے آیا تھا تم سے۔" چوہدری غیاث الدین نے کہا اور کرسی سے اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

ہم نے اُن سے اور کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ باہر نکل گئے [illegible] مسکرا کر فاروقی صاحب سے کہا۔ "ایک مسئلہ [illegible] آ رہا ہے۔"

"کیا؟" فاروقی صاحب [illegible]

"یُوں لگتا ہے جیسے [illegible] ہٹ جائے گا۔ اگر ایسا ہو جائے تو [illegible] مَیں بار بار اُن کے سامنے آنا نہیں چاہتا۔"

"لیکن میاں! اس بات پر غور کیا [illegible] پوزیشن کیا ہو [illegible] کی کیس اگر اُن کے [illegible] کی بارے میں بدتر [illegible] ہوگی۔"

"ظاہر ہے فاروقی صاحب! اس سلسلے [illegible] جا سکتا ہے [illegible] بھائی کی آن کے لیے روشن علی [illegible] پر نہیں لگا سکتا۔ اگر اس سے کم کوئی بات ہوتی اور [illegible] بے گناہ کی زندگی کا نہ ہوتا تو مَیں اپنے بھائی کے [illegible] پر تیار ہو جاتا۔" مَیں نے کہا۔ فاروقی صاحب [illegible] وہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے۔

بہرحال اس کے بعد اور کوئی [illegible] پیشی میں ہمیں علم ہو گیا کہ جو کچھ ہم نے سوچا تھا [illegible] اس پیشی میں ایک اور بیرسٹر [illegible] امیرالدین کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہُوئے [illegible] نہ چلنے دیا اور اس سلسلے [illegible] آ میں جو کیس پر اثر [illegible]

چوتھی پیشی [illegible]

پانچویں پیشی [illegible] طرح ریڈ کر لیا تھا [illegible] قائم نہیں ہُوا تھا [illegible] زندگی کا [illegible] سے واپس [illegible]

[illegible]

خداداد نے اس قتل کا اعتراف کر لیا لیکن اُس نے کہا تھا کہ یہ قتل اُس نے امیرالدین کے کہنے پر کیا تھا۔ جج صاحب نے فیصلہ لکھا اور غیر متوقع طور پر اُسی دن جب کہ آخری سماعت تک کے لیے روشن علی کو بھی جیل سے نہیں لایا گیا تھا۔

"بے گناہ روشن علی کو باعزت رہا کیا جائے اور اُسے اس قید بے جا کا ہرجانہ دو لاکھ روپے نقد کی شکل میں ادا کیا جائے مجرم کے شریکِ کار مرادو کو سات سال قید بامشقت کی سزا سنائی جاتی ہے۔ مجرم امیرالدین کو عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ مجرم خداداد کو قتل کے جرم میں سزائے موت سنائی جاتی ہے ناصر خان کے خلاف از سرِ نو تحقیقات کی جائیں اور امیرالدین کے بیان کی روشنی میں اس کی مذموم حرکات کا جائزہ لیا جائے۔ اس ضمن میں عدالت اُس عدالت سے رجوع کرے گی جس میں امیرالدین کا کیس چلے گا اور اُسے سرکاری طور پر حقائق سے آگاہ کیا جائے گا۔"

روشن علی کی رہائی کا پروانہ میری محنت کا ثمر تھا۔ باہر قدم رکھا تو بدر شاہ بچّوں کی طرح گلے سے لپٹ گیا۔ اُس کا چہرہ اُس کے دلی جذبات کا آئینہ دار تھا۔

"وکیل صاحب! آپ نے بدر شاہ کی گندی زندگی میں جو نیا احساس پیدا کیا ہے اُس کا کوئی صلہ نہیں ہے اپنے پاس۔ بس یہی ایک وعدہ کرتے ہیں کوشش کریں گے کہ زندگی کے ان تاریک راستوں کو چھوڑ دیں۔"

"اس سے بڑا اور کوئی صلہ نہیں ہوگا میرے لیے بدر شاہ!" میں نے اُس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

پھر میں بدر شاہ، فاروقی صاحب اور جاوید قریشی کے ہمراہ آگے بڑھا تو خود سے کچھ دُور سُکھنی کو کھڑے پایا تھا۔ وہ حسرت بھری آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ ایسی بے بسی ایسی اداسی تھی اس کی آنکھوں میں کہ میرا دل لرز گیا۔

"آؤ سُکھنی! یہاں کیوں کھڑی ہو؟"

"صاحب جی! میرے بچّے... میرے بچّوں کا..." اُس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔

"بدر شاہ! سُکھنی کو اپنے کسی آدمی کے ساتھ ڈیرے پر بھیج دو۔ سُکھنی! تم اس وقت تک اسی جگہ رہو جب تک میں دوبارہ تم سے نہ ملوں۔ تمھارے بچّے وہاں آرام سے ہیں۔ جاؤ اُن کے پاس جاؤ!"

بدر شاہ نے فوراً اپنے آدمیوں کو ہدایات جاری کر دی تھیں اور سُکھنی ان کے ساتھ چلی گئی۔

میں نے فاروقی صاحب سے آہستہ آہستہ بات کی اور انھوں نے گردن ہلا دی پھر میں نے بدر شاہ سے کہا "آؤ بدر شاہ ہم روشن علی کو لے آئیں۔"

"اسی کا تو انتظار کر رہا تھا شارق بھائی جی! جلدی چلو!" بدر شاہ نے کہا۔

سینٹرل جیل میں اطلاع پہنچ چکی تھی۔ وقار احمد نے میرا اور بدر شاہ کا استقبال کیا۔ "آج فیصلے کی تاریخ تھی؟ پہلے سے تو اس کا علم نہیں تھا۔"

"جج صاحب نے امیرالدین کے اعتراف کرنے کے بعد فیصلہ سنانے میں دیر نہیں کی۔ کیا آپ کو اطلاع مل گئی ہے؟"

"ہاں، مجرم پہنچ گئے ہیں اور ریلیز آرڈر بھی، میں روشن علی کو بلواتا ہوں۔" وقار احمد نے کہا۔

"کیا اُسے اطلاع دے دی گئی ہے؟"

"نہیں بھئی، فیصلہ اُس کی موجودگی میں ہونا چاہیے تھا، میں متوقع تھا کہ فیصلے کی تاریخ آئندہ ہوگی لیکن شاید تم نے جج صاحب کے ذہن سے تمام اُلجھنیں دُور کر دیں اور انھیں فیصلہ کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے فیصلہ سنا دیا۔ یہ بات قانونی نوعیت بھی رکھتی ہے۔ اس لیے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ کیونکہ کسی بے گناہ شخص کو قانوناً ایک لمحے کے لیے بھی حراست میں نہیں رکھا جا سکتا... اور پھر جب کہ اُس کی بے گناہی کے تمام ثبوت مہیا ہو گئے ہوں میں اُسے بلواتا ہوں۔ ذرا دلچسپی رہے گی۔" وقار احمد صاحب نے کہا اور اس کے بعد انھوں نے اپنے نائب کو ہدایات دیں۔ میں اور بدر شاہ انتظار کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد روشن علی، جیلر صاحب کے کمرے میں پہنچ گیا۔ اُس کے بدن پر جیل کا لباس ہی تھا لیکن وقار احمد نے اُس کے اپنے لباس کا بندوبست کرا دیا تھا۔ روشن علی نے جیلر صاحب کو سلام کیا اور پھر ہمیں دیکھنے لگا۔ بدر شاہ کو دیکھتے ہی وہ چونک پڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی تھی۔

"ارے بدر بھائی! خیریت سے تو ہو؟" اُس نے بے اختیار سوال کیا اور پھر چونک کر جیلر کو دیکھنے لگا۔ "معاف کیجیے گا صاحب! ہماری طلبی کی وجہ...؟"

"بھئی روشن علی! یہ حضرات تمھارے پاس آئے تھے۔ شاید کچھ کہنا چاہتے ہیں تم سے۔" وقار صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور

روشن علی سوالیہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھنے لگا۔

"روشن علی، رشیدہ بہن کے پاس نہیں چلو گے۔ بہت دن دور رہ لیے اُس سے اور اپنے بچّوں سے۔ ہم تمھیں لینے آئے ہیں رشیدہ بہن تمھارا انتظار کر رہی ہے۔" بدر شاہ کی آواز بھرّائی ہوئی تھی۔

روشن علی ہکّا بکّا ہو کر ہم میں سے ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔ اُس کے بدن پر ہلکی سی کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی پھر اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر وقار صاحب کی طرف دیکھا اور وقار احمد مسکرا کر بولے۔

"ہاں روشن علی! میں تو بے قصور آدمی ہوں۔ جیلر ہمیشہ ہی بے قصور ہوتا ہے۔ سرکاری طور پر جسے بھی مجرم قرار دے کر اُس کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ وہ اُسے سرکاری طور پر مجرم سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے لیکن ایسے بہت ہی کم خوش نصیب قیدی ہوتے ہیں، جنھیں بدر شاہ اور شارق حسین جیسے لوگوں کی محبت حاصل ہو۔ اور ایسے بہت ہی کم دوست ہوتے ہیں جو سچائی کو حاصل کرنے میں موت کی بازی لگا دیں اور اپنے دوستوں کی رہائی کا پروانہ لے کر ہی پہنچیں لیکن اب جب کہ عدالت تمھیں بے گناہ قرار دے چکی ہے تو میں تمھیں ایک لمحے کے لیے بھی قید نہیں رکھ سکتا۔ سو میری طرف سے تمھیں رہائی مبارک ہو!"

روشن علی نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے۔ اُسے غالباً چکر آ گیا تھا۔ بدر شاہ نے آگے بڑھ کر اُسے سہارا دیا اور بولا۔ "نہیں، روشن علی دل پر قابو رکھو۔ اب تو تمھاری خوشیوں کا دور شروع ہو گیا ہے۔ جیلر صاحب! ہمیں اجازت دے دیجیے۔ اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتے!"

"بھائی! میں نے کب منع کیا ہے آپ لوگوں کو لیکن کیا آپ اپنے دوست کو جیل کے لباس ہی میں لے جائیں گے۔ ان کے کپڑے رکھے ہیں اور یہ سامنے باتھ رُوم موجود ہے۔ ان سے کہیں کہ کپڑے بھی تبدیل کر لیں!"

بدر شاہ، روشن علی کو سنبھالا دے کر باتھ رُوم میں لے گیا۔ روشن علی کے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی تھی چنانچہ بدر شاہ نے خود اُس کا لباس تبدیل کرایا۔

وقار احمد کہہ رہے تھے "میں سوچتا ہوں شارق حسین اتنی بہت سی دُعاؤں کا تم کیا کرو گے؟ خُدا کے حضور تمھاری بخشش تو شاید تمھاری نیکی کی وجہ سے ہو جائے گی۔ یہ لوگ دُعائیں یقیناً تمھیں جنت [illegible] مدد کریں گی لیکن

دوست۔ اگر دُعاؤں کا ذخیرہ کچھ زیادہ ہو جائے تو ہم پر بڑی عنایت کر دینا۔"

شدّتِ جذبات کی وجہ سے میرے مُنہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی تھی۔ میں نے صرف گردن جھکانے پر اکتفا کیا۔ تب وقار احمد صاحب بولے۔

"حقیقت ہے کہ آشیانے کے مکین تمھاری بلندی کی گرد بھی نہیں چھو سکتے۔ خدا تمھیں انھی جذبوں سے مالا مال رکھے!" میں نے وقار احمد صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

روشن علی باہر آ چکا تھا چنانچہ ہم اُسے لے کر چل پڑے۔ روشن علی کے رخساروں پر آنسوؤں کی لکیریں مسلسل بہ رہی تھیں ہم رلاتے پھر اُسے سمجھاتے رہے کہ رشیدہ کے سامنے یوں جانا مناسب نہیں ہوگا۔ اُسے ہنسنا چاہیے کہ جھوٹا الزام اُس پر سے ختم ہو گیا اور وہ ایک باعزّت انسان کی حیثیت سے اپنی منزل کی جانب سفر کر رہا ہے۔

روشن علی نے روتے ہوئے کہا "نہیں... میں... شارق بھائی! میں آپ کا یہ احسان کیسے اُتاروں گا؟ میں... غریب آدمی، بے کس اور بے سہارا۔ آپ [illegible] اور بدر شاہ! تم انسان کے رُوپ میں جو کچھ ہو [illegible] الفاظ میں کیسے کہوں؟"

"کہنا سُننا چھوڑو بھائی جی! ہم نے جو کچھ کیا ہے [illegible] خود پر ہونے والے عذاب کو کم کرنے کے لیے کیا ہے [illegible] الفاظ کہہ کر ہمارے اس جذبے کو نشانہ کرو۔ ہم بے گناہ [illegible] خُدا نے ہمیں بس یہ بات سمجھنے کی توفیق عطا کر دی اور باقی [illegible] ہماری نیکی تھی!"

ہم لوگ فاروقی صاحب کے مکان پر [illegible] صاحب، اُن کی بیگم، روشن علی کے دونوں [illegible] روشن علی کے استقبال کے لیے تیار [illegible] پہنے ہوئے تھے اور رشیدہ بھی [illegible] موجودہ کیفیت کی وجہ سے [illegible] اُس کے چہرے کی [illegible] آگے بڑھ کر [illegible] پاگلوں کی طرح [illegible] کر رہے تھے۔ انھوں [illegible]

"[illegible]"

[illegible]

"نہیں بیٹے، وہ پنجرہ تو عارضی تھا، بلکہ اب کس کی مجال ہے کہ تمھارے ابّو کو دوبارہ واپس اس پنجرے میں لے جائے۔"

"میں تم سے پہلے بھی یہی کہتا رہا ہوں۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"نانا میاں! آپ وعدے کے بڑے سچے ہیں۔ آپ نے ہم سے کہا تھا آپ ہمارے ابّو کو واپس لے کر آئیں گے۔ ابّو... ابّو... یہ ہمارے نانا میاں ہیں۔ آپ پہلے کبھی ان سے نہیں ملے نا؟"

روشن علی نے ممنون نگاہوں سے فاروقی صاحب کو دیکھا اور پھر بچّوں کو گود سے اُتار دیا۔ "آپ سب نے... آپ سب نے..." اُس کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا تھا۔

"اچھا بھئی! اب روشن علی کو اپنی بیوی سے گفتگو کرنے دو۔ جاؤ رشیدہ، روشن علی کو اندر لے جاؤ۔" بیگم فاروقی نے کہا اور رشیدہ جھجکتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

"جاؤ روشن علی اُسے تسلی دو۔ کل تک تم اس سے کہتے تھے کہ وہ بچّوں کی پرورش کے لیے دوسری شادی کر لے لیکن آج... آج اسے ان باتوں کے بدلے میں تسلیاں دو اور اس سے مستقبل کے وعدے کرو۔"

بدر شاہ نے واپسی کی اجازت مانگی تو فاروقی صاحب کہنے لگے "یہ میاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آج شام تک ہم لوگ خوشیاں منائیں گے۔ بیگم نے رات کے کھانے کی تیاریاں کی ہیں اور بدر شاہ رات کا کھانا یہیں کھائے گا۔"

"ارے نہیں فاروقی صاحب! دعوت تو ہم کریں گے اب آپ کی۔ بڑے بڑے لوگوں سے یاری ہو گئی ہے۔ اب کیا ہے سیّاں کوتوال ہو گئے۔ بدر شاہ کے راستے اب کون روکے گا؟"

"بدر شاہ پھر بھی آج کھانا یہیں کھانا ہے۔"

شام تقریباً ساڑھے چھ بجے انسپکٹر غالب پولیس کی وردی میں پہنچ گئے۔ بدر شاہ، میں، جاوید قریشی اور فاروقی صاحب، روشن علی کے ساتھ لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انسپکٹر غالب نے آتے ہی کہا۔

"کوئی کھوئی [illegible] ولی، کسے پکڑنا ہے بھائی۔ ان میں سے تو کوئی نظر نہیں آ [illegible] شاہ کیا خیال ہے۔ ہتھکڑیاں تو ہیں میرے پاس۔"

"ہاتھ بھی ہیں میرے پاس [illegible] ہتھکڑیاں ڈالنے [illegible] ہے تو ننھ ور ڈال دو لیکن [illegible] دوستوں کے [illegible] مشغلہ ہو جائے گی جی آپ کو [illegible] ہنسنے لگے تھے۔

میں نے انسپکٹر غالب سے کہا "غالب صاحب! کیا یہ وردی آپ سلیپنگ سوٹ کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں، میرے بھائی اس پرائیویٹ نشست میں تو کم از کم سادہ لباس میں آ جاتے۔"

"او یار! تم آدمی ہی اتنے خطرناک ہو شارق جی کہ فون پر تمھاری آواز سنتے ہی یہ خیال آ جاتا ہے کہ کسی کو پکڑنا ہے اور کسی کو نکالنا ہے۔"

"روشن علی سے نہیں ملے غالب؟"

"یہ ہے اپنا بھائی روشن علی! او یار گلے تو لگ جا، تیرے لیے بڑی بھاگ دوڑ کی ہے ہم سب نے مل کر۔" انسپکٹر غالب نے اپنے مخصوص انداز میں روشن علی کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

اس کے بعد رات کے کھانے تک یہ محفل جاری رہی تھی۔ ہنسی مذاق اور خوش گپیاں۔ جاوید قریشی بھی اپنی بیگم کے ساتھ آیا تھا اور وہ زنان خانے میں مصروفِ گفتگو تھی۔ فاروقی صاحب کی آنکھوں میں خوشیوں کے چراغ جھلملا رہے تھے۔

جب سب چلے گئے تو انھوں نے مسرّت بھرے لہجے میں کہا۔ "بھئی تمھاری کون کون سی عنایتوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ یہ گھر اس طرح کی مسرّتوں سے محروم تھا، تم نے اسے بھی کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ شارق سمجھ میں نہیں آتا کہ تمھارے لیے کیا کہا جائے؟ اور کیا کیا جائے۔"

"چھوڑیں فاروقی صاحب! آشیانے کے مکین آشیانہ چھننے کے بعد بہت پُرسکون ہیں۔"

"بدنصیبی ہے اُن کی۔ اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور چونک کر مجھے دیکھنے لگے اور مجھے زور کی ہنسی آ گئی تھی۔

"نہیں فاروقی صاحب! آپ کو میں کیا سمجھتا ہوں۔ بس اس پر غور کیجیے گا اور اس طرح چونک چونک کر مجھے شرمسار نہ کیا کیجیے۔"

☆

دوسرے دن ہمیں بدر شاہ کو خوش کرنے کے لیے اُس کے ڈیرے پر دعوت کھانی پڑی۔ بڑے دلچسپ مناظر تھے اور آج کی یہ تقریب بھی بے حد دلچسپ رہی۔

تقریباً چوتھے دن کی بات ہے۔ اُستاد جمّو نے مجھے ایک پیغام دیا جو ایک لفافے میں بند تھا۔ خوب صورت رائٹنگ پیڈ پر عادل وزیر شاہ کا لکھا ہوا تھا۔ میں دلچسپی سے اس پیغام کو پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"مسٹر شارق حسین ایڈووکیٹ!
السّلام علیکم، مزاجِ گرامی!
کچھ خصوصی طور پر کل شام سات بجے مجھے
آپ کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ براہِ کرم! میری
رہائش گاہ پر تشریف لا کر مجھے شکریہ کا موقع دیں۔
عادل وزیر شاہ۔"

میں نے آنکھوں کے حلقوں میں دیدے نچائے تھے... عادل وزیر شاہ کی طرف سے طلبی معنی خیز تھی۔

دوسرے دن اس کا تذکرہ فاروقی صاحب سے بھی ہوا تھا۔ فاروقی صاحب بھی اس طلبی پر روشنی نہیں ڈال سکے تھے۔ البتہ اُنھوں نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"کچھ نہ کچھ معاملہ چوہدری غیاث الدین کا ضرور ہے۔ اس بات کو تو [illegible] بہرحال احتیاط رکھنا۔" پھر ہنسنے لگا تھا۔

عادل وزیر شاہ کی کوٹھی پر ٹھیک سات بجے پہنچ گیا۔ کوٹھی کے لان پر کچھ گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں [illegible] عظمت حسین کی گاڑی کو میں نے صاف پہچان لیا اور [illegible] کے احساس بیدار ہو گئے۔ [illegible] موجود [illegible] رکھتی تھی۔ ملازموں نے مجھے ایک بہت وسیع ہال میں پہنچا دیا جس میں نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں بیرسٹر نصرت حسین، آئی جی عظمت حسین، جج امجد حسین اور ایس پی طارق حسین موجود تھے۔ ایک نشست پر چوہدری غیاث الدین بھی بیٹھے ہوئے تھے، جو صورت ہی سے بیمار نظر آ رہے تھے۔ اُن کا چہرہ دُھلے لٹھے کی مانند سفید تھا۔

عادل وزیر شاہ نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا تو مجبوراً بقیہ لوگوں کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔ عادل وزیر شاہ نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "ایک بہت بڑے آدمی کا استقبال کر رہا ہوں۔ بھئی سچ بات یہ ہے کہ ایک غم ناک واقعے میں تم سے ملاقات ہوئی ہے لیکن تمھاری عجیب و غریب شخصیت نے میرے ذہن پر گہرا اثر چھوڑا ہے اور میں دل سے تمھاری عزت کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ ابھی چند لمحات قبل ہی میرا ئی جی صاحب سے کہہ رہا تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی بڑی صاف ستھری گزاری ہے اور اپنی اولاد کو بھی اپنا ہی عکس دیا ہے۔ کیسی دلچسپ اور حیرت انگیز بات ہے کہ شارق حسین صرف ایسے کیس لیتے ہیں جن میں بے گناہوں کو قانون کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ واقعی یہ بڑی انسانی خدمت ہے لیکن اس کے لیے عظیم

خون بھی درکار ہوتا ہے۔ یہ کام عظمت حسین کا کوئی بیٹا ہی [illegible] تھا۔ میری طرف سے شارق حسین سے پہلے عظمت حسین کو [illegible] بیٹھو شارق میاں! تم جیسے نرالے آدمی سے ملاقات [illegible] خوش بختی ہی قرار دیتا ہوں۔ تمام حالات مجھے معلوم ہو چکے ہیں۔ چوہدری غیاث الدین میرے دوست ہیں اور انھی کی فرمائش پر میں نے تمھیں اور تمھارے والد کو زحمت دی ہے۔ [illegible] کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے تو مجھے مسرّت ہو گی [illegible] چوہدری غیاث الدین کی طرف سے ہے۔"

میں نے حیرت سے چوہدری غیاث الدین کی طرف [illegible] چوہدری صاحب نے گردن جھکا لی [illegible] آہستہ سے کہا "میں شرمسار ہوں [illegible] آپ یقین فرمائیے۔ اگر قصور روشن علی [illegible] روشن علی ہی کو سزا [illegible] مجھے جب اس بات پر یقین ہو [illegible] بالکل بے گناہ ہے تو میں نے اس کیس کا آغاز کیا [illegible] مجھے امیر الدین سے ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ حالانکہ [illegible] میں نے ابھی آغا ہی کہا تھا کہ چوہدری غیاث الدین [illegible] دیا اور پھر آہستہ سے بولے۔

"مجھے مزید ذلیل مت کرو بیٹے تو تمھارا [illegible] اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا تھا اور میرا دل [illegible] ملاقات کے لیے تڑپ رہا تھا۔ عادل وزیر شاہ صاحب کا احسان [illegible] انھوں نے میری یہ خواہش پوری کر دی۔" چوہدری غیاث الدین کمزور آوازمیں بول رہے تھے اور حقیقت بھی یہی تھی [illegible] بے چارے سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ چند لمحات خاموش [illegible] کے بعد چوہدری غیاث الدین نے کہا۔

"خدا شاہد ہے شارق حسین کہ میں اپنے بیٹے کو [illegible] تھا۔ ابتدا میں مجھے اُس کی کچھ شکایتیں موصول ہوئی تھیں [illegible] تم ایک بار پھر بستی غلام آباد میں آ کر تحقیق [illegible] لے ان شکایتوں پر پوری پوری توجہ دی تھی اور [illegible] سختیاں کی تھیں۔ میں نے اُس پر بہت سی پابندیاں [illegible] تھیں اور ان پابندیوں کے نتیجے [illegible] میرے سامنے آیا۔ مجھے [illegible] سے افراد نے بتایا اور میں نے [illegible] ... لیکن کبھی اسے نماز میں مشغول پایا [illegible] تہجد گزار بھی دیکھا [illegible] بھی دھوکا کر رہا ہے [illegible]

نے دی ہے، جس کا اُس نے مذاق اُڑایا تھا۔ مَیں صرف اپنی صفائی میں یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ مجھے اُس کی کرتوتوں کا کوئی علم نہیں تھا اور مَیں نے اُس کے لیے جتنی بھی مدافعت کی، یہ سوچ کر کی کہ اُس کے دُشمنوں نے اُسے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی ہے اور وہ بے قصور ہے لیکن تم نے جس طرح اُس کی عیّاری کے پردے چاک کر کے حقائق کی تصویر دلائل اور ثبوتوں کے ساتھ عدالت میں پیش کی اُس سے میری آنکھیں بھی کھُل گئیں۔ یہ ثبوت فرضی نہیں تھے۔ مجھے بھی ان حقیقتوں کا اعتراف کرنا پڑا اور جب مجھ پر یہ ظاہر ہُوا کہ میں ایک گناہ گار کی مدد کرتا رہا ہُوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ بے شک وہ میری اولاد ہے لیکن جو کچھ اُس نے کیا ہے۔ اُس کی سزا اُسے ملنی چاہیے میرے دل پر ایک بوجھ تھا، صرف یہ بوجھ کہ تم مجھے ایک مجرم کا باپ ہی نہیں، بلکہ اُس کا ساتھی سمجھ رہے ہو۔ میں نے قسمیں کھائی ہیں... خُدا کے لیے میری ان قسموں پر یقین کر لینا۔"

"چوہدری صاحب! خدا کی قسم مجھے آپ کے ان الفاظ پر یقین ہے اور اب میرے ذہن میں آپ کی وہی عزّت اور وہی احترام ہے جو اپنے بزرگ۔ اور ایک نیک اور ایمان دار آدمی کے لیے ہو سکتا ہے۔" میں نے اُٹھ کر چوہدری صاحب کے زانو پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بیٹے! میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ تم بے حد ذہین اِنسان ہو، قابلِ فخر ہیں وہ لوگ جن کی تم جیسی اولاد ہو، جن کے تم جیسے بھائی ہُوں۔ میری طرف سے ان سب کو مبارک باد تمھاری کامیابی کی۔ بیٹے تھوڑی سی باتیں اور کرنا چاہتا ہُوں تم سے... اجازت درکار ہے۔"

"شرمندہ نہ کریں چوہدری صاحب! فرمایئے کیا بات ہے؟"

"فضل خان کہاں ہے؟ مَیں اُس کی بیٹی کی موت پر اُس سے اظہارِ ہمدردی کرنا چاہتا ہُوں اور اُس کو کچھ تاوان دینا چاہتا ہُوں۔ ایاب اور بیٹی آپ کے سامنے ہے۔ اُس کی شادی کی تمام ذمّے داری [illegible] فضل خان کے مستقبل کو انشاء اللہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"چوہدری صاحب [illegible] فضل خان اب دوبارہ بستی غلام آباد میں جا چکا ہے [illegible] ہُوا تھا مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر ہو سکے تو شہر ہی میں اس کی ملازمت کی بات کروں۔"

"لیکن میں بدنصیب اپنے خوف کی علامت ہی تو بن کر رہ گیا [illegible] یہ بھی میری تقدیر تھی۔ مَیں [illegible] فضل خان کو مَیں بستی غلام آباد ہی میں جا کر سنبھال لُوں گا۔ غلام داد اور امینہ کہاں ہیں؟"

"وہ ابھی یہاں موجود ہیں۔ مَیں نے اُن کے قیام کا بندوبست کر دیا تھا۔" مَیں نے جواب دیا۔

چوہدری غیاث الدین عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے "اُن لوگوں کے سلسلے میں مجھے تمھاری مدد درکار ہو گی بیٹے! ایک درخواست کرنا چاہتا ہُوں تم بڑی پُرسحر شخصیت کے مالک ہو۔ لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو۔ غلام داد سے میرا کام تم ہی کرا سکو گے۔"

"غلام داد سے کیا کام ہے چوہدری صاحب؟" مَیں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں، اُس کے پاس میری ایک امانت ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ وہ امانت مَیں اُس سے واپس لے لُوں۔" چوہدری صاحب نے کہا۔

"امانت...؟" مَیں نے تعجّب سے پوچھا۔

"ہاں، ہرچند کہ مذہباً اور دُنیا کی نگاہوں میں وہ بچّہ ناجائز کہلائے گا لیکن مَیں ساری عمر خُدا سے گڑگڑا کر دُعا مانگوں گا کہ امیر الدین کے اس گناہ کو معاف کر دے۔ اُس بچّے کو ناجائز بچّے کا نام نہیں دیا جائے گا۔ وہ امیر الدین کا بیٹا ہے، میرا پوتا ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں شارق میاں کہ غلام داد سے میری اس خواہش کی تکمیل کرا دو۔ مَیں امیر الدین اور امینہ کا نکاح کرنا چاہتا ہُوں اور اس کے بعد امینہ کا بیٹا میری جائیداد کا وارث ہو گا۔ امیر الدین کی اولاد وہی حق حاصل کرے گی جو اُس کے بیٹے کو حاصل ہو سکتا تھا بیٹے... میرا یہ کام کرا دو۔ اگر امیر الدین کی زندگی ہے اور وہ چودہ سال کی جیل کاٹنے کے بعد زندہ واپس آیا تو اُس کا بیٹا اور اُس کی بیوی اُس کا استقبال کریں گے اور اگر..." چوہدری غیاث الدین کی آواز بھرّا گئی۔

میرے بدن میں بھی تھرتھراہٹ سی پیدا ہو گئی تھی... اگر چوہدری غیاث الدین واقعی اتنا بڑا اِنسان ہے تو اُس کی خواہش کا احترام نہ کرنا گناہ ہو گا۔ اُس نے بہت بڑا کفارہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مَیں نے چوہدری غیاث الدین کے بازوؤں پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا "چوہدری صاحب! اس بہت بڑے کام کے سلسلے میں میری تمام خدمات آپ کے لیے حاضر ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے، آپ نے جس خواہش کا اظہار کیا ہے اُس کی تکمیل اب میری ذمّے داری ہے۔

واقعی چوہدری صاحب! آپ نے کفّارہ ادا کر دیا ہے اور اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔" مَیں خود بھی جذباتی سا ہو گیا تھا۔ یہ تصوّر میرے لیے انتہائی مسرّت آمیز تھا کہ غلام داد کو بھی اُن کی نیکی کا صلہ مل جائے گا اور امینہ کی زندگی برباد ہونے سے بچ جائے گی۔

چوہدری غیاث الدین کہنے لگے "سکھتی کا پتا بھی تمھیں معلوم ہو گا۔ اُس کی کفالت بدستور کی جائے گی۔ اُسے اور سلطانو کو بستی غلام آباد میں وہی حیثیت حاصل ہو گی جو کہ تھی۔ مَیں جانتا ہُوں کہ امیر الدین نے کیسے کیسے کس کس طرح مجبور کیا ہو گا۔ اُس کے بچّے جہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہیں پڑھیں گے کوئی تبدیلی نہیں کروں گا۔ مَیں کسی کی زندگی میں... کیونکہ میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلی آ چکی ہے۔" چوہدری صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

آشیانے والے دم بخود تھے۔ اُنھیں میرے نام پر مبارکبادیں دی جا رہی تھیں۔ عادل وزیر شاہ یا چوہدری غیاث الدین کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ [illegible] اُنھوں نے شاید میرے فلیٹ پر پیغام بھجوائے ہوں گے یا [illegible] بھی نہیں ہو گی۔ وہ اُنھیں مجھ سے منسلک ہی سمجھ رہے [illegible] یہ بات میں جانتا تھا کہ اُن پر کیا بیت رہی ہے۔

چوہدری صاحب نے خود کو سنبھالا اور پھر بولے "روشن علی کے ساتھ ناانصافی ہُوئی ہے۔ مَیں تو اُس سے معافی مانگنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ بہرحال! امجد حسین نے سرکاری طور پر اُسے دو لاکھ جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پانچ لاکھ روپے مَیں اُسے ادا کروں گا اور بستی غلام آباد میں اُسے ایک عزّت دار شخص کی حیثیت حاصل ہو گی۔"

"بے حد شکریہ چوہدری صاحب!"

"شکریہ کی ضرورت نہیں ہے شارق میاں! مَیں تو اپنے سینے کی جلن میں کمی کر رہا ہُوں۔"

"چوہدری صاحب جو کچھ آپ نے سوچا ہے کیا امیر الدین اس پر تیار ہو جائیں گے؟" عادل وزیر شاہ نے پوچھا

"مَیں اُس سے بات کر چکا ہُوں [illegible] شاہ صاحب! جیلر صاحب سے بات کر لیں گے لیکن پہلے غلام داد کی منظوری لے لی جائے۔ یہ کام تم کرو گے شارق میاں؟"

"آپ اطمینان رکھیں، مَیں سب کچھ کر لُوں گا۔"

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر مَیں نے شاہ صاحب سے اجازت مانگی۔ آشیانے کے تمام پنچھی بھی میرے ساتھ ہی باہر نکل آئے تھے۔ مَیں جانتا تھا کہ اُن پر کیا بیت رہی ہے۔ بابر کسی نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی اور مَیں سلام کر کے بائیک اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔

مسرّتوں کے انبار سمیٹے ہُوئے مَیں فاروقی صاحب کے گھر پہنچا۔ فاروقی صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔ اُن سے وعدہ کر کے آیا تھا۔ روشن علی اُن کے پاس موجود تھا۔

"کہو شارق سب خیریت ہے نا؟"

"ضرورت سے زیادہ خیریت ہے۔" مَیں نے گہری سانس لے کر بیٹھتے ہُوئے کہا۔

"کیا کہا شاہ صاحب نے؟ کیوں بُلایا تھا؟"

"یہ طلبی غیاث الدین کی طرف سے تھی۔ [illegible] اب کوئی مُعمّہ نہیں ہے فاروقی صاحب کہ بے چارہ چوہدری غیاث الدین اپنے بیٹے کی اصل شخصیت سے بالکل ناواقف تھا اور اُسے بے گناہ سمجھ کر اُس کے لیے ساری جدوجہد کر رہا تھا [illegible] اصل حالات سے واقف ہو کر وہ اپنے گناہوں کا [illegible] کرنا چاہتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" فاروقی صاحب نے کہا اور مَیں نے تمام تفصیل فاروقی صاحب کو بتا دی۔

"اوہ، واقعی! اُس نے نہ صرف اپنا بلکہ اپنے بیٹے [illegible] کا کفّارہ بھی ادا کر دیا ہے۔ تم بھی دل سے اُنھیں معاف [illegible] روشن علی!"

"مَیں نے اُن دونوں باپ بیٹے کو معاف کیا۔" [illegible] نے کہا۔

دوسرے دن سب سے پہلا کام غلام داد [illegible] تھا۔ کیونکہ یہ لوگ واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے [illegible] امینہ کو بھی شریک کیا تھا۔

"ایک درخواست لے کر آیا ہُوں غلام داد [illegible] اُمید ہے کہ آپ اُسے قبول کر لیں گے۔"

"کہیے شارق صاحب! کیا بات ہے؟"

"امینہ بہن کی [illegible] آپ نے اُن کے لیے کیا سوچا [illegible]"

"ہم [illegible]

حقیقت تو [illegible]

خوشی باقی [illegible]

"میں وہی خوشی لایا ہوں غلام داد صاحب!... چوہدری غیاث الدین نے مجھ سے ایک درخواست کی ہے جو آپ کے اور امینہ کے لیے ہے۔ چوہدری غیاث الدین اپنے پوتے کو اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"پوتے کو؟"

"ہاں، امینہ اور امیر الدین کے بیٹے کو۔"

"کیا؟" غلام داد اچھل پڑا۔ امینہ نے اپنے بچے کو سینے سے بھینچ لیا اور رو پڑی۔

"ہرگز نہیں دوں گی... ہرگز نہیں دوں گی... وہ میرا بچہ ہے... میرا..."

"پوری بات سن لو امینہ بہن! چوہدری غیاث الدین تمہارا اور امیر الدین کا نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ دلھن کو دواع کر کے اپنی حویلی میں لے جائیں گے۔ امینہ کا بیٹا، چوہدری صاحب کی جائیداد کا وارث ہوگا۔ وہ اسے پورا پورا حق دیں گے۔"

غلام داد کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا تھا پھر اس نے کہا۔

"حضور یہ غیاث الدین کی کوئی چال ہے۔"

"نہیں غلام داد صاحب! اس کی ذمے داری میں قبول کرتا ہوں۔ اب وہ کوئی چال نہیں چلیں گے۔" میں نے غلام داد کو پوری تفصیل بتا دی۔

تب غلام داد نے کہا: "مجھے سوچنے کے لیے وقت دو طارق میاں، بڑا مشکل فیصلہ ہے جو منحوس زندگی ہم قبول کر چکے ہیں... اس میں یہ تبدیلی بڑی کٹھن ہے ہمارے لیے۔"

"یقیناً آپ سوچ لیجیے آپ کو حق حاصل ہے۔ کوئی فیصلہ کریں تو مجھے جواب دے دیں۔" میں نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا، اس کے بعد میں چلا آیا۔

***

دوسرے دن غلام داد کا رویہ بدل گیا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا: "اگر چوہدری صاحب ہم فقیروں کو اس حیثیت سے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں تو ٹھیک ہے۔"

وقار احمد صاحب خود اچھے انسان تھے، انھوں نے خوشی سے اپنی رہائش گاہ پیش کر دی تھی۔ وہیں جیل میں تمام انتظامات کر لیے گئے۔ انھوں نے اپنی ذمے داری پر یہ سب کچھ کیا تھا۔ تقریب میں اپنے لوگ شریک تھے۔ زیادہ ہنگامہ کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ امیر الدین کو جیل کی کسٹڈی میں وقار احمد کے بنگلے پر لایا گیا اور قاضی صاحب نے حق مہر دس لاکھ کے عوض امینہ ولد غلام داد کو امیر الدین ولد چوہدری غیاث الدین کی زوجیت میں دے دیا۔

امینہ کو وہیں وقار احمد کے بنگلے میں حجلۂ عروسی میں چھوڑ دیا گیا اور بقیہ افراد جیل سے نکل آئے۔ چوہدری غیاث الدین، غلام داد کو اپنے ساتھ اپنی کوٹھی پر لے گئے جو انھوں نے کرائے پر حاصل کی تھی۔

سارا دن مصروفیت رہی تھی، تھکن ہو گئی تھی۔ فاروقی صاحب اپنے گھر چلے گئے تھے اور رات کو تقریباً دس بجے میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا۔ استاد جمو نے میرا انتظار کر رہے تھے۔

"کھانا کھاؤ گے طارق میاں؟"

"نہیں استاد! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ..."

"ہاں، پھر بھی بس ایسے ہی پوچھا تھا اگر..."

"نہیں شکریہ آپ نے کھانا کھا لیا؟"

"اب کھاؤں گا۔ وہ ایس۔ پی صاحب آئے تھے۔ آپ کے لیے پیغام دے گئے ہیں۔"

"کون ایس۔ پی صاحب؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"طارق حسین صاحب۔"

"پیغام کیا تھا؟"

"آئی۔ جی صاحب نے کل آپ کو کوٹھی پر طلب کیا ہے۔ کہہ گئے ہیں، کل صبح آپ دس بجے پہنچ جائیں۔"

"سر گئے ہیں۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا اور بھاری قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ یہ طلبی بے وجہ نہیں تھی۔

آشیانے میں طلبی بے مقصد نہیں ہو سکتی تھی اور اس بار جو کچھ ہوا تھا اس میں تو آشیانے والوں کو خاصی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی۔ آئی جی صاحب پر براہ راست ضرب پڑی تھی اور بیرسٹر صاحب کی زندگی میں تو شاید یہ پہلا ہی موقع ہو کہ کوئی کیس شبہ کی بنیاد پر ان سے واپس لیا گیا ہو۔ گویا میرے ذریعے آشیانے پر مسلسل ہتھوڑے برس رہے تھے اور اب آشیانے کے مکین اس بات میں حق بجانب تھے کہ مجھے سزائے موت سنا دیں۔ یہ طلبی بڑی ہی سنسنی خیز محسوس ہو رہی تھی۔ طویل عرصے تک آشیانے والوں نے مجھ سے چشم پوشی اختیار کی تھی میں نے بھی انھیں کسی طور الجھانے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا لیکن اب اسے کیا کہا جاتا کہ تقدیر اور حالات دھکیل دھکیل کر مجھے ان لوگوں کے سامنے لے آتے تھے بہر طور تعمیل بہ تقدیر تھا آشیانے سے روگردانی بھی ممکن نہیں تھی۔

دوسرا دن چھٹی کا دن تھا اور یقیناً پوری فورس میرے خلاف

آشیانے میں مسلح موجود ہو گی۔ ایک خوبصورت سا سوٹ زیب تن کیا تھا اور وہاں جانے کے لیے کار استعمال کی تھی۔ آخری لمحات ممکن ہیں تھوڑی سی عیاشی کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں تھا۔ فاروقی صاحب سے فون پر کہہ دیا تھا کہ میری تدفین کا انتظام کر لیں کیونکہ آشیانے سے طلبی ہوئی ہے۔ انھوں نے ہنستے ہوئے مجھے ہدایات دی تھیں اور کہا تھا کہ برے وقت کو کیسے ٹالا جا سکتا ہے۔ ان ہدایات میں بزرگانہ نصیحتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ والدین کی محبت بھائیوں کی چاہت کا تذکرہ تھا۔ اب اس سلسلے میں فاروقی صاحب کو کوئی علم نہیں تھا تو میں انھیں کس طرح قصوروار قرار دیتا۔ استاد جمو نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا کہ کیا وہ بھی ساتھ چلیں تو میں نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے کہا کہ استاد کم از کم میری آخری نشانی کے طور پر آپ تو باقی رہ جائیں۔ یہ فلیٹ آباد رہے اور میری روح جب بھی ادھر سے گزرے تو آپ کو اس فلیٹ میں چلتا پھرتا دیکھے۔ میں نے استاد سے درخواست کی کہ میرے بعد وہ شادی کر لیں اور بال بچوں کے ساتھ کبھی کبھی میری قبر پر آ جایا کریں لیکن افسوس صد افسوس لوگ میری اس تباہ حالی پر ہنسنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتے تھے۔ بالآخر میری کار آشیانے میں داخل ہو گئی۔ خیال تھا کہ ٹڈی دل افراد میری تاک میں ہوں گے مگر ماحول سنسان تھا گویا میرے لیے جو پھندے لگائے گئے وہ صدر دروازے کی دوسری جانب تھے۔ کار ایک طرف کھڑی کر کے بال وغیرہ درست کیے اور پھر فوجیوں کے سے انداز میں چلتا ہوا ایک پامرد سپاہی کی مانند اندر داخل ہو گیا۔ ملازم تاک میں تھے چنانچہ فوراً ہی میرے بارے میں اطلاع دے دی گئی اور آشیانے کے عظیم الشان ڈرائنگ روم میں ہر قسم کے ایک ملزم کی حیثیت سے داخل ہو گیا۔ ایک نگاہ ان لوگوں کو دیکھنا ضروری تھا جو اس وقت میری تقدیر کا نیا فیصلہ سنانے والے تھے۔ آشیانے کے سارے مکین ہی موجود تھے سوائے آئی جی صاحب اور والدہ صاحبہ کے۔ والدہ صاحبہ کو میں والدہ صاحبہ اس لیے کہتا ہوں کہ وہ صرف والدہ صاحبہ ہیں اور ان کے پاس کوئی سرکاری عہدہ نہیں ہے اگر ہوتا تو وہ والدہ صاحبہ نہیں ہوتیں بھابیاں موجود تھیں لیکن ان بے چاریوں کی کیا بات کہ ان سرکاری افسران کے سامنے حق بولنے کی جسارت کر سکیں کیونکہ سرکاری افسران اپنی اپنی ممکلت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف سرکاری جلاد کی حیثیت سے مس لالہ رخ جلوہ افروز تھیں اور سب سے زیادہ ہیبت ناک تاثرات انھی کے چہرے سے عیاں تھے۔ ڈرائنگ روم نئے فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا کیوں نہ ہوتا آشیانہ کے سپوت لاکھوں روپے آشیانے کو حسن بخش رہے تھے۔ اتنے دن کے بعد آیا تھا بھابیوں کی محبت کسوٹی پر تھی لیکن شاید وہ ظالم حکمران کے سامنے سچ بولنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھیں چنانچہ انھوں نے اپنی محبتوں کو بھی دبا لیا اور ابتدا سرکاری جلاد نے کی۔

"سبحان اللہ لگتا ہے ملکی حالات کافی بہتر ہو گئے ہیں۔ مانتے ہی نہیں یہ لوگ کوئی مجھ سے پوچھے کہ طارق حسین صاحب کیا ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ میرے یہ معصوم بھائی خواہ مخواہ شہر کے اندیشے میں سرگرداں ہیں حالانکہ شہر کی حالت بہت محفوظ ہے۔ غریبوں کے غم گسار امیروں کی جیبیں خالی کروا رہے ہیں ورنہ یہ ٹھاٹ باٹ کہاں سے ہوتے۔ بیرونی دنیا سے متاثر ہیں وہاں بلیک میلنگ کے انداز ذرا مختلف ہوتے ہیں۔ تشریف لائیے قبلہ طارق حسین صاحب۔"

میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور پھر بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے لالہ رخ کو دیکھنے لگا۔

"کسی اور کو بھی بلایا ہے؟" میں نے رازدارانہ لہجے میں کہا اور عصمت بھابی ہنس پڑیں۔ جج صاحب نے میز پر ہتھوڑی بجانے کے لیے ہاتھ اٹھایا تاکہ عصمت بھابی کی ہنسی روکی جا سکے لیکن افسوس اس وقت ان کے سامنے میز تھی نہ ہتھوڑی چنانچہ مٹھی باندھ کر گھٹنے پر رکھ لی اور مجھے ایس پی صاحب نے کٹہرے کے بجائے صوفے پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔ ظاہر ہے اس ڈرائنگ روم میں کٹہرا کچھ موزوں نہ لگتا لیکن میں ملزموں کے سے انداز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر صوفے پر جا بیٹھا تھا۔ عصمت بھابی نے جج صاحب سے نگاہیں ملائے بغیر پوچھا۔

"کیسے ہو؟"

"میں بہت ہی برا ہوں عصمت بھابی، برا نہ ہوتا تو اس انداز میں آپ کے سامنے پیش ہوتا؟"

"آئینے کے سامنے ریہرسل کی ہوتی ان الفاظ کی۔" لالہ رخ نے لقمہ دیا۔

"جی نہیں بس ایسے ہی مجھے کافی مشق ہو گئی ہے اس قسم کی باتوں کی۔"

"ہو گیا گئی ہے ہمیشہ سے ہی آپ نے اس قسم کی باتوں کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے کیوں بھائی صاحب؟" میں نے نصرت حسین کی جانب رخ کر کے کہا اور ...

کر کے تنویر بھائی کی جانب دیکھنے لگے ...

"تمھیں ڈیڈی نے بلایا تھا ...

ہم نے تمھیں راضی کیا کہ وہ جو کچھ تم ...

ہیں اگر بات ہم سے نہ بن سکی تو پھر ..."

"گویا پھانسی سے بھی بڑی کوئی سزا متعین کی جانے گی؟"

"کچھ غور کیا آپ نے بھائی صاحب، شارق صاحب کو اب آشیانہ صرف ایک قتل گاہ نظر آتی ہے اور ہم سب جلاد۔"

"سب نہیں لالہ رُخ یہ عہدہ صرف تم پر ہی سجتا ہے۔" میں نے پُر محبت انداز میں کہا۔

"کاش یہ عہدہ میرے پاس ہوتا تو میں آپ کو بتاتی کہ جلاد کیسے ہوتے ہیں؟"

"نہیں پیاری بہن مجھے معلوم ہے۔" میں نے گردن ہلائی اور عصمت بھابی پھر ہنس پڑیں۔

"بیرسٹر صاحب نے بے چینی سے جج صاحب کو دیکھا اور امجد حسین صاحب نے عصمت بھابی کی طرف لیکن عصمت بھابی چھت کو گھورنے لگی تھیں تب امجد حسین صاحب کی آواز اُبھری۔ "ماحول کو سنجیدہ ہی رہنے دیا جائے۔"

"بلکہ رنجیدہ بھی رہنے دیا جائے، یہ ہم سب کے حق میں بہتر ہوگا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بہت خوش مذاقی کا مظاہرہ کر رہے ہو کیا ڈیڈی کو طلب کر لیا جائے؟"

"نن نہیں جہاں پناہ مم میرا مطلب ہے لیڈ آنر غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور اس بار پوری عدالت میں قہقہے کی کھنک سنائی دی لیکن اس طرح کہ فوراً ہی اس قہقہے کو ادھورا چھوڑ دیا گیا تاکہ فردِ جرم سب پر عائد نہ ہو جائے البتہ سب سے سنجیدہ خاتون اپنی لالہ رُخ تھیں جن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ شاذونادر ہی آتی تھی اور شاید مسکرانا ان کی شان کے خلاف تھا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ ڈیڈی کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر ماحول کی سنجیدگی ختم کی جا رہی ہے۔ ہمیں تو خیر ان تمام باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن ڈیڈی چاہتے ہیں کہ تم سے آخری گفتگو اور کر لی جائے" نصرت حسین صاحب نے کہا۔

"آہ! مجھے یقین تھا کہ یہ میری آخری گفتگو ہے۔"

"اگر تم سنجیدہ نہیں ہو سکتے شارق تو بہتر ہے کہ اس موضوع پر بات ہی نہ کی جائے۔"

"... ... موضوع سے آگاہ کیا جائے گا مجھے! ابھی تک موضوع ... ہی ہوتا رہا ہے اس کی کوئی تفصیل مجھے معلوم نہیں ہوگی۔"

"... رہے ہو تم آج کل تمہاری ذہانت اور شاطرانہ چالوں کے ... وہ ہمک ہو رہے ہیں۔ جیل کی دُنیا میں تم ایک ہیرو کی سی حیثیت ... جا رہے ہو اور غالباً ہر قیدی تم سے آس لگائے بیٹھا ہے کہ تم اس کی سزا ختم کرا دو گے۔ اچھا جذبہ ہے برخوردار کتنے عرصے یہ کھیل کھیلتے رہو گے آخر زندگی کو کسی ڈھب پر لانا ہے تمہیں یا نہیں۔ چلو تسلیم کیا کہ تم اپنی ذہانت اور شاطر فطرت کے باعث اپنے مقدمات میں کامیابی حاصل کر رہے ہو لیکن اس سے تمہاری آمدنی کیا ہوئی اس کے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گے؟"

"ابھی تک کچھ نہیں بھائی صاحب لیکن بہت جلد میں ان راستوں کو اختیار کرنے والا ہوں جن کے تحت دولت مندوں کی تجوریاں میرے سامنے کھل جائیں گی اور میں ان میں سے اپنا حصہ ... سکوں گا۔"

"ہاں سُنا ہے آپ نے ایک ماہر تجوری توڑنے والے کو ... رکھ لیا ہے۔ کیا نام ہے ان کا شاید استاد چھونے۔" لالہ رُخ نے ...

"بانسری کی سُریلی تانوں میں یہ پھٹے ڈھول کی آواز آپ سب کو عجیب نہیں لگی؟" میں نے شفق بھابی کی طرف رُخ کر کے ... شفق بھابی مُنہ بنا کر بولیں۔ "مجھ سے تو تم بات ہی نہ کرو۔"

"بہتر ہے۔" میں نے مسکینی سی شکل بنا لی۔ پھٹے ڈھول کا ... پر یقیناً لالہ رُخ کی شکل پھٹے ڈھول کی سی ہو گئی ہو گی لیکن اس صورت کو دیکھنا میرے بس میں نہیں تھا۔

طارق حسین صاحب نے کہا۔ "صرف یہ بتا دو کہ آخر تمہارا ... کیا ہے ان تمام احمقانہ حرکتوں سے؟"

"ملک و قوم کی خدمت، قانون کا ناجائز استعمال کرنے والوں کے خلاف جہاد، قانون کی عظمت اور اس کی بلندی کا پرچار ... کرنا چاہتا ہوں کہ بھائی صاحب قانون بذاتِ خود کوئی مضحکہ خیز چیز نہیں ہے۔ تاریخِ انسانیت میں قانون کے وقار کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا ہے۔ قانون کی تشکیل اور اس کا نفاذ انسانوں کی بھلائی کے لیے ہے ... نہ ہوتا تو قانونِ قدرت بھی نہ ہوتا۔ قانونِ قدرت کی پابندی ہے اور جب قدرت نے انسان کو ذہن دیا اور اس ذہن نے ... کی فلاح کے لیے قانون تراشا تو اس قانون کا مذاق کیوں اُڑایا جاتا ہے؟ اس قانون کو ریزہ ریزہ کیوں کیا جاتا ہے؟ وہ لوگ جو جائز و ناجائز ... سے دولت کے انبار لگا لیتے ہیں قانون کی خریداری کے لیے نکل آتے ہیں اور قانون کی دُکان لگانے والے قانون ... کیوں بیچتے ہیں؟ بھائی صاحب! میں حق کی سربلندی چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ کوئی بھی مظلوم کوئی ملزم یا مجرم جب قانون ... کیا جائے تو قانون اُسے انصاف فراہم کرے۔ وہ مجرم ... دی جائے بے قصور ہے تو قانون اس کا محافظ بنے یہ کیا ... جس نے چاہا قانون کی دُکان پر جا کھڑا ہوا دام لگائے اور ...

... فیصلے کیوں ہوتے ہیں؟ چودھری غیاث الدین کے معاملے کو لے ... بُرا آدمی نہیں تھا بھٹکا ہوا تھا غلط فہمیوں کا شکار اور اس کا بیٹا ... دولت کے بل پر قانون کی دھجیاں اُڑا رہا تھا۔ مجھے بتائیے میں نے ... بُرا کیا؟ میں یہی سب کچھ کرتے رہنا چاہتا ہوں۔" سب لوگ ... خاموش تھے۔ میری آواز میں خود بخود تمکنت پیدا ہو گئی تھی اور مجھے ... غصہ سا آ گیا تھا لیکن آہستہ آہستہ میں معتدل ہو گیا اور میں نے ... آہستہ سے کہا۔

"... قانون کی اس دُکان کو بند کرنا چاہتا ہوں میں، میں قانون ... فروخت نہیں سمجھتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی مجھے اپنا مستقبل ... عزیز ہے۔ آخر لالہ رُخ کی شادی میں مجھے کچھ نہ کچھ تو حصہ لینا ہی ہے۔"

لالہ رُخ پھر بھڑک اُٹھی تھی اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن امجد حسین صاحب ہاتھ اُٹھا کر بولے۔ "یہ سب کچھ جو تم نے کہا ہے ہم ذہن میں ... کھلے دل سے تسلیم کرتا ہوں، کیا تم نے مجھے کرسیِ انصاف پر بیٹھ کر غلط ... فیصلے کرتے دیکھا ہے؟"

"نہیں بھائی صاحب! کبھی آپ پر یہ الزام نہیں لگا سکتا۔"

"نصرت حسین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"بھائی صاحب سے میرا اختلاف چلتا رہا ہے۔"

"اور ایس پی صاحب؟"

"ابھی تک ہمارے راستے آمنے سامنے نہیں ہوئے ہم لوگ ... راستوں پر چلتے رہے ہیں لیکن اگر آپ حکم دیں تو طارق حسین ... کے بارے میں بھی رپورٹ پیش کی جا سکتی ہے مگر پہلے تحقیق ... کروں گا۔"

"ٹھیک ہے ایک بات تم بھی کان کھول کر سُن لو اگر کبھی سامنے ... راستے سے میرے سامنے آئے تو میں بھول جاؤں گا کہ تم میرے ... ہو۔"

"اطلاع کا شکریہ! سامنے سے آؤں گا ہی کیوں اور ویسے ... باتوں سے کام آسان ہو جاتا ہے۔"

"میں پھر کہتا ہوں کہ اس سنجیدہ گفتگو کو مذاق میں اُڑانے کی کوشش ... سوچ لو آشیانے سے دُور رہ کر اچھی زندگی نہیں گزار سکو گے۔"

"نہیں بھائی جان! مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ ... کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی، وہ میرا ... ہے۔"

"ہاں ہاں جلا دو پورے گھر میں آگ لگا دو۔ تمہارے نیک جذبات ہم تک اچھی طرح پہنچ گئے ہیں۔" لالہ رُخ کو پھر موقع مل گیا۔

"میں نے کھیت کی بات کی تھی لالہ رُخ۔"

"تو یہ کھیت اور کون سا ہے آشیانے کو تم نے کبھی کھیت سے زیادہ سمجھا ہے؟"

"اب یہ تو میں آپ کو سب کے سامنے نہیں بتا سکتا بہر حال آپ نے صرف مجھے کیوں سنجیدہ ہونے کا حکم دیا ہے بھائی صاحب! یہ لالہ رُخ مسلسل مذاق کیے جا رہی ہے۔" میں نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا اور تنویر بھابی قہقہہ نہ روک سکیں۔ نصرت حسین صاحب نے انھیں گھور کر دیکھا تو انھوں نے مُنہ پر دوپٹہ رکھ لیا۔ لالہ رُخ کا چہرہ ذرا لال ہو گیا تھا۔

امجد حسین صاحب نے کہا۔ "جو کچھ تم باہر رہ کر کر رہے ہو گھر میں رہ کر بھی تو کر سکتے ہو آخر اس میں کیا قباحت ہے یہاں تمہیں مشورے بھی مل سکتے ہیں، ہمارے ساتھ رہو گے تو بہتر ہی رہو گے۔ آشیانے کو آج تک با عزت اور پُر وقار لوگوں کی رہائش گاہ سمجھا جاتا رہا ہے یہاں ایک ایسی روایت تم نے تو کیا تمہارے خیال میں لوگ اس پر انگشت نمائی نہیں کریں گے۔"

"اس موقع پر بھی مجھے ایک شعر یاد آ رہا ہے مگر کیا کروں ڈر لگتا ہے تاہم سنائے دیتا ہوں، کہتے ہیں ناکہ

سر پھول وہ چڑھا جو چمن سے نکل گیا
اور عزت اُسے ملی جو وطن سے نکل گیا۔"

"اور بھی کچھ سُنیں گے بھائی جان! آپ لوگوں میں اگر قوت برداشت ہے تو یہ گالیاں سنتے رہیے میں چلتی ہوں یہ پھول چڑھ گیا ہے وطن سے نکل کر اور عزت مل گئی ہے اسے جبکہ آشیانہ اب بے عزت لوگوں کی آرام گاہ تصور کیا جاتا ہے، نہیں بھائی جان کم از کم میں برداشت نہیں کر سکتی۔" لالہ رُخ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب یہ یہاں سے سیدھی ابا حضور کی خدمت میں جائے گی اور وہ صندوق سے توپ نکال کر میری طرف دوڑ پڑیں گے۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

امجد حسین صاحب نے لالہ رُخ سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ تم بہت زیادہ بول رہی ہو لالہ رُخ۔" لالہ رُخ امجد حسین صاحب کو جواب دینے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی چنانچہ وہ بدستور مُنہ بنائے بیٹھ گئی۔ امجد حسین صاحب بولے۔

"میں تمھیں پیشکش کرتا ہوں کہ تم آشیانے میں آ جاؤ جو کچھ تم

کر رہے ہو۔ اس میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری پُرجوش فطرت کسی لمحے بھی تمہیں مصیبت میں گرفتار کر دے کم از کم ہم سب تمہاری نگاہوں سے تو بچے رہیں گے۔"

"نہیں گیا وقت ہوں بھائی صاحب۔ اب ہاتھ نہیں آؤں گا۔"

اور اسی وقت توپ داغنے کی آواز آئی مجھے یہی محسوس ہوا تھا لیکن بعد میں پتا چلا کہ دروازہ کھلنے کی آواز تھی اور دروازہ کھولنے والے آئی جی نصرت حسین تھے جنھوں نے شاید اس مقدمے کی تفصیل نہیں سُنی تھی بلکہ بات صرف امجد حسین کی پیشکش اور میرے جواب تک ان کے کان میں پڑی تھی۔ غصے کی شدت سے اُن کے منہ سے جھاگ اُبل رہے تھے۔ میں اُچھل کر صوفے کی دوسری جانب کود گیا۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے کمرے میں موجود ہر شخص کو دیکھا تھا۔

"اس کو پکڑ کر تہ خانے میں بند کر دو۔ پندرہ دن تک بھوکا پیاسا رکھو دماغ درست ہو جائے گا۔ تہ خانے کے اندر نیلوفر سے اس کا نکاح پڑھایا جائے گا اور اسے آزادی اسی وقت ملے گی جب اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔"

"سازش خفیہ سازش پُراسرار ہنگامہ منصوبہ نمبر ۲ ڈیفنس [illegible] ٹو تھری۔" میں نے صوفے کے عقب سے دروازے کی جانب چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے کھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔ اس کے بعد کوٹھی میں رُکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھُرتی سے باہر نکل کر اسٹارٹ کر کے ریورس ہی میں گیٹ تک لے گیا اور زور سے ہارن بجانے پر چوکیدار نے بوکھلا کر دروازہ کھول دیا تھا اور اس کے بعد پیچھا کرنے کا پلٹ کر نہ دیکھا۔

آشیانے سے کافی دُور نکل آنے کے بعد کار کی رفتار سست کر دی اور اب کوئی ایسا پُرسکون گوشہ درکار تھا جہاں بیٹھ کر اس تمام کارروائی پر غور کیا جا سکے چنانچہ ایک ایسے ہوٹل کا انتخاب کیا جس میں کیبن بنے ہوئے تھے اور ان کیبنوں پر پردے کھینچے جا سکتے تھے۔ کار کھڑی کرنے کے بعد میں ہوٹل میں داخل ہو گیا اور ایک کیبن میں جا چھپا۔ ویٹر کے آنے پر میں نے کافی طلب کر لی تھی اور پھر دونوں ہاتھوں پر سر ٹکا کر آج کی اس کارروائی پر غور کرنے لگا آشیانے کے مکین درحقیقت میرے دُشمن نہیں تھے بس میرے اور ان کے اندازِ فکر میں تضاد تھا۔ وہ دنیا سازی بھی چاہتے تھے اور میں سیدھا سادہ انسان تھا دولت کے حصول کے لیے تو سب ہی جیتے ہیں میں ان لوگوں کے لیے جینا چاہتا تھا جن سے جینے کا حق چھین لیا جاتا ہے دل کے اندر جو سکون کا سمندر موجزن تھا وہ کائنات

کے تمام خزانوں سے قیمتی تھا اور میں اس خزانے کا مالک بن کر جینا چاہتا تھا بہرطور آج کی اس بدتمیزی کے بعد جو شاید آئی جی صاحب کے سامنے جوان کے کسی سپوت نے پہلی بار کی تھی آشیانے میں میرا داخلہ میرے اندازے کے مطابق ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا تھا یا پھر ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد تبدیلیاں ہوں اور کسی دن پھر طلبی [illegible] جائے۔ فی الحال حالات بہت گرم ہو گئے تھے ایس پی طارق [illegible] کی دھمکی بھی یاد تھی۔ پھر مسٹر نصرت حسین صاحب تو پہلے ہی [illegible] تھے شاید امجد حسین صاحب نے بھی میری اس حرکت کو ناپسند کیا ہو گا چنانچہ سب کے موڈ خراب ہو گئے ہوں گے۔ بہرطور یہ بات [illegible] زیادہ پریشان کُن نہیں تھی جب بھی دل چاہے گا ان لوگوں [illegible] مل لوں گا اپنے اس مسلک کو میں قیامت تک ترک نہیں کر سکتا [illegible] یہ دن فاروقی صاحب کے ساتھ گزارا اور انھیں صورتحال [illegible] بتا دی رات بھی پُرسکون گزر گئی۔ دوسرے دن دفتر میں بھی [illegible] رہا لیکن آشیانے والوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی غالباً مجھے [illegible] قرار دے کر ہمیشہ کے لیے نگاہوں سے دور کر دیا گیا تھا۔

گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ آشیانے کی طرف سے [illegible] مسلط خوف بھی زائل ہوتا گیا۔ اس دوران کوئی خاص کیس ہاتھ نہیں آیا تھا۔ فاروقی صاحب الحمدللہ معروف ترین وکیل ہو گئے تھے [illegible] میری خدمات اُن کے ساتھ تھیں۔ ہم لوگ مل کر ان کیسوں پر کام کر رہے تھے۔ وہ کیس تو زبردست آمدنی والے تھے اور یہ آمدنی [illegible] بھی نہیں ہو رہی تھی۔ فاروقی صاحب ایسے ہی کیس لینے لگے تھے جن سے ضمیر داغدار نہ ہوتا ہو۔ اس سلسلے میں جاوید قریشی بھی [illegible] معاون تھے اور اس طرح ہم نے ایک گروپ بنا لیا تھا۔ [illegible] صرف رفاہِ عام سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ اپنے طور پر بھی کچھ کرنا تھا تاکہ مقصد بھی پورا ہوتا رہے اور اس سلسلے میں تائید [illegible] ہمارے ساتھ تھی۔ خدا کے فضل سے اب مؤکلوں کی بھرمار [illegible] بس یہ ہے کہ ان میں سے سلیکشن کر لیا جاتا تھا گویا آمدنی کے راستے کھل گئے تھے۔ یہ معاہدہ بھی تھا ہمارے درمیان کہ ایسے تمام [illegible] صاحب اور جاوید قریشی ہی لڑیں گے۔ مجھے دوسرا ڈیپارٹمنٹ [illegible] دیا گیا تھا یعنی اس سلسلے میں وہ پُراسرار اور خفیہ تحقیقات جو پولیس [illegible] نگاہوں سے بچ جاتی تھیں اور کسی مجرم کی حفاظت کے کام آتی [illegible] آمدنی ہم تینوں میں برابر تقسیم ہونے لگی تھی اور اب چونکہ جاوید [illegible] بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے تھے اس لیے فاروقی صاحب کو [illegible] کی تقسیم کے سلسلے میں روکا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ آشیانے والے [illegible] سے مطمئن تھے اور انھیں میری آمدنی کی ضرورت نہیں تھی تاہم

موقع پر یہ ضرورت پیش آ ہی جاتی تو مجھے اپنے خدا پر اتنا اعتماد ضرور تھا کہ میں ۔۔۔ ان سے تعاون کر سکتا تھا۔ کافی دن اسی طرح گزر گئے میرے مطلب کا کوئی کیس میرے پاس نہیں آیا تھا اور منہ کا مزہ کچھ خراب سا ہونے لگا تھا چنانچہ اپنی آسودگیٔ طبع کے لیے میں اب خود کسی کیس کی تلاش میں تھا اور اکثر مختلف عدالتوں کے چکر لگاتا رہتا تھا لیکن یہ مسئلہ ایک دن جیلر وقار احمد صاحب نے حل کر دیا۔ میں تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد فلیٹ میں اُستاد چھوٹے سے ہنوٹ کے فن کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ فلیٹ کی بیل بجی اور اُستاد چھوٹے نے جب دروازہ کھولا تو یقیناً وہ بھی جیلر وقار احمد کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے جس طرح میں ان کے کمرے میں آنے کے بعد ہوا تھا۔ میں حیرت سے کھڑا ہو گیا اور میری آنکھوں میں مسرت کے آثار اُبھر آئے۔

"آپ؟"

"بھئی کمال ہے۔ میری کسی جگہ آمد کو اتنی حیرت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔"

"نہیں جناب! دراصل اپنی خوش بختی پر اس وقت بھی اعتماد نہیں تھا۔" میں نے کہا۔

"نہیں بھئی نہیں۔ تم جیسے باکمل لوگوں کو شاعری زیب نہیں دیتی۔" جیلر وقار احمد نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔ میں نے انھیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ اُستاد چھوٹے کا بھی جیلر صاحب سے گہرا تعلق رہ چکا تھا بلکہ ایک طرح سے جیلر صاحب اُستاد چھوٹے کے محسن بھی تھے چنانچہ اُستاد صاحب کے چہرے پر نیازمندی کے آثار نظر آ رہے تھے وہ پوچھ کر کچن کی طرف چلے گئے۔

جیلر صاحب نے مجھ سے میری خیریت، میرے اہلِ خانہ کی خیریت اور میرے کاروبار کے بارے میں پوچھا اور اس کے بعد کہنے لگے "بھئی تم لوگوں نے جن راستوں کا انتخاب کیا ہے ان پر کھلے ہوئے پھول میری نگاہوں کی زد سے بھی نہیں بچ سکتے۔ میں نے اکثر تم لوگوں کے بارے میں سوچا ہے اپنی اہلیہ سے بھی اس سلسلے میں گفتگو کی ہے اور ہم دونوں کا مشترکہ فیصلہ ہے کہ تم اس پیشے میں بھی دردِ انسانیت کے مظاہرے کر رہے ہو اور یہ ثابت کیا ہے تم نے کہ پیشہ کوئی ہو، اگر دیانت داری سے اُسے کیا جائے تو عبادت کا پہلو نکل آتا ہے۔ لاتعداد پیشے یہی نوعیت رکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے میری تمہید طویل ہو گئی۔ تم نے روشن علی کو قید و بند کے عذاب سے نکال کر سکون کی حسین وادیوں تک پہنچا دیا ہے یہ بات عام ہو گئی ہے اور اس کی پبلسٹی کی ضرورت کسی کو پیش نہیں آئی۔ دو تین دن قبل ایک قیدی

نے مجھ سے ملنے کی درخواست کی تو میں نے اُسے اپنے پاس بُلا لیا اور پھر اُس نے اپنی ایک چھوٹی سی کہانی مجھے سُنائی۔ وہ چودہ سال قید بامشقت کا قیدی تھا۔ تیرہ سال سات مہینے کی سزا کاٹ چکا ہے گویا اس کی رہائی میں صرف پانچ مہینے باقی ہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے اور اسے ایک ناکردہ گناہ کے جرم میں چودہ سال کی سزا دی گئی تھی۔ اب تم یہ بتاؤ شارق کہ کیا اس بے گناہ قیدی کا کیس تم لڑو گے؟"

میں نے حیرت بھری نگاہوں سے وقار احمد صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وقار احمد صاحب! آپ نے بڑی دلچسپ اور بے حد پُراسرار بات کہی ہے۔ چودہ سال قید بامشقت کا قیدی تیرہ سال سات ماہ کی سزا گزار چکا ہے تو میرا خیال ہے [illegible] اس بات کے اختیارات ہیں کہ پھر اس کی پانچ ماہ کی سزا معاف [illegible] اس کے لیے اتنی جدوجہد کی کیا ضرورت؟"

وقار احمد صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور انھوں نے کہا "ہاں! یہ حقیقت ہے کہ میں اُسے کل ضیح رہا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن وہ یہ معافی قبول نہیں کرتا۔ اس کا کہنا ہے کہ [illegible] منظرِ عام پر آنی چاہیے ورنہ یہ پانچ ماہ کیا حیثیت رکھتے ہیں [illegible] اپنی زندگی کا سنہرا دور جیل میں گزار دیا اُسے جیل کی آزادی کی خوشی نہیں ہے اُسے اپنی بے گناہی کے اعلان سے دلچسپی ہے [illegible] ہو۔ میرا خیال ہے اگر تم وقت نکال کر اس سے مل لو اگر کوئی ماخذ ذہن [illegible] تو دیکھ لینا کیا صورتحال ہے ورنہ اُسے [illegible] جو ہے"

"میں اس دلچسپ کہانی سے متاثر ہوا ہوں وقار احمد صاحب! اس سے ملاقات کرا دیجیے۔"

وقار صاحب مسکراتے ہوئے بولے "میں جانتا تھا کہ تم اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکو گے بہرحال اب یہ تم پر منحصر ہے کہ کس وقت تم اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھ پر نہیں آپ پر منحصر ہے۔"

"خیر میں اتنا جذباتی تو نہیں ہو سکتا کہ اسی وقت تمہیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دے دوں لیکن کل دن [illegible]"

"کیوں وقار صاحب! آج دو ایک گھنٹے میں؟ [illegible] زیادہ ہو جانے کا احساس ہے؟ یقیناً بھائی صاحب ناراض ہوں گی۔"

وقار صاحب بولے "نہیں بھئی آپ [illegible] میری پاس دن رات کی مصروفیات کی عادی [illegible] بھی اگر تم ہمیں اتنی اہمیت دو تو [illegible] پُرخوش آمدید کہوں گا۔"

"میں نے عرض کیا تاکہ آج کا کام کل پر کیوں چھوڑا جائے بشرطیکہ آپ کو کوئی دقت نہ ہو۔"

"او بھئی نہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اس طرح نیکیوں کے لیے اُدھار کھائے بیٹھے رہتے ہو ورنہ میں تمھیں ٹیلیفون کر کے ہی بُلا لیتا۔"

"یوں تو آپ کی آمد میرے لیے باعثِ فخر ہے لیکن براہ کرم مجھے وہی درجہ دیجیے جو بڑے بھائی چھوٹے بھائیوں کو دیا کرتے ہیں۔ کسی بھی سلسلے پر آپ کا ایک ٹیلی فون میرے لیے بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

وقار احمد میرے ان الفاظ سے متاثر ہوئے تھے۔ اُنھوں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر چلو نیکی کے کام میں دیر اچھی نہیں ہوتی۔"

میں اُن سے چند لمحات تیاریوں کے لیے مانگ کر لباس وغیرہ تبدیل کرنے چلا گیا تھا۔ اس دوران اُستاد چھونے پھرتی سے کافی تیار کر کے لے آئے۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو وقار احمد جلدی جلدی کافی کے گھونٹ لے رہے تھے۔ میری پیالی بھی تیار رکھی تھی۔

میرے ذہن میں تو یہ تھا کہ چائے یا کافی تمھیں جیل ہی میں پلائی جائے یعنی میرے گھر میں لیکن چھونے صاحب جس محبت سے یہ تیار کر کے لائے میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا لیکن یہ کافی تم نہیں پی سکتے جو تمہارے لیے تیار کی گئی ہے کیونکہ پھر دوسری کافی تم میرے ساتھ نہیں پی سکو گے۔ میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد میں اُستاد چھونے کو ہدایات دے کر وقار احمد کے ساتھ باہر نکل آیا۔ وقار احمد اپنی پرائیویٹ کار میں یہاں آئے تھے۔ میں اسی میں بیٹھ کر اُن کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم جیل کے دروازے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ وہ مجھے اپنی خوبصورت رہائش گاہ میں لے گئے۔ قیدیوں کے ہاتھوں سنوارا ہوا چھوٹا سا لان [illegible] لیے نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی اُن کی رہائش گاہ دیکھ چکا تھا۔ بیگم وقار سے البتہ پہلی بار ملاقات ہوئی۔ بہت خوش اخلاق اور [illegible] خاتون تھیں۔ وقار احمد نے شاید انھیں میرے بارے میں تفصیلات بتا دی تھیں چنانچہ اُنھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شارق بھیا! جنت کی تمام ٹھیکیداری حاصل کر رہے ہو ہم گناہ گاروں کے لیے بھی کوئی جگہ رکھنا۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں بھابی جو کچھ کر رہا ہوں اپنے دل کے اطمینان کی بنیاد پر اور پیشے سے محبت کی بنیاد پر کر رہا ہوں اللہ [illegible] میں کچھ [illegible] کی مدد کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔" میں

نے شرمندہ سے انداز میں کہا۔

وقار احمد صاحب بولے۔ "اچھا بھئی اب تم شارق ...

کی خاطر مدارت کی تیاریاں کرو۔ میں انھیں جس کام کے لیے لایا ہوں اس کی تکمیل کی تیاریاں کر لوں۔" یہ کہتے ہوئے انھوں نے اردلی کو طلب کیا اور اسے ہدایت کی کہ قیدی نمبر ۱۳۷ کو جیل کی کوٹھڑی سے نکال لائے۔ قیدی نمبر ۱۳۷ غالباً وہی شخص تھا جس کے بارے میں وقار احمد مجھ سے بات کرنے گئے تھے۔ میں انتظار کرنے لگا۔ اس دوران مکمل خاموشی طاری رہی تھی۔ وقار احمد بھی کسی خیال میں گم ہو گئے تھے اور میں اس قیدی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر وہ واقعی بے گناہ ہے تو یہ ایک عجیب و غریب خواہش ہے۔ چودہ سال قید بامشقت میں تیرہ سال سات مہینے کی قید گزارنے کے بعد وہ اپنے مقدمے کو دوبارہ شروع کرانا چاہتا ہے۔ صرف پانچ ماہ کی سزا باقی رہ گئی ہے اُس کی جو بقول وقار احمد کے معاف بھی کی جا سکتی ہے لیکن وہ اپنے سر سے گناہ کا الزام دھونا چاہتا ہے۔ بہر طور یہ ایک نیک اور عظیم مقصد تھا۔ اگر کوئی عام شخص ہوتا تو سوچتا کہ صرف پانچ ماہ ہی باقی رہ گئے ہیں کون ان جھگڑوں میں پڑے۔ لیکن اگر وہ ایک بے گناہ کی حیثیت سے منظرِ عام پر آنا چاہتا ہے تو پھر یہ بہت سے لوگوں کی ذمہ داری تھی کہ اس کی مدد کریں۔

جو شخص سپاہیوں کی سرکردگی میں قیدیوں کا لباس پہنے اندر داخل ہوا تھا اُس کے چہرے پر ہی تحریر تھا کہ وہ ملزم نہیں ہو سکتا۔ مجرموں کے چہرے بعض اوقات دھوکا دے سکتے ہیں لیکن اس کا چہرہ دھوکا دینے کے قابل بھی نہیں تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی اُس کے چہرے پر۔

لمبی سی داڑھی۔ پیشانی پر نماز کا نشان آنکھوں میں انسانیت کی چمک۔ میرے سامنے آ کر اُس نے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا اور وقار احمد نے اُسے بیٹھنے کی پیشکش کی تو وہ زمین پر بیٹھنے لگا۔

"نہیں حفیظ بابا۔ صوفے پر بیٹھیے۔" وقار احمد نے کہا تو اُنھوں نے عجیب سی نگاہوں سے اُنھیں دیکھا اور کچھ کہے بغیر سکڑ سمٹ کر صوفے پر جا بیٹھا۔ دونوں سپاہی واپس چلے گئے تھے۔

وقار احمد نے کہا۔ "یہ شارق حسین وکیل ہیں جن کے بارے میں حفیظ بابا تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

حفیظ نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ ان آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی جسے صرف محسوس کیا جا سکتا تھا پھر اُس نے گردن خم کر لی۔

"میں نے انھیں صرف اتنا بتایا ہے کہ ان کے روشن علی والے

کارنامے کے بارے میں سُن کر حفیظ بابا نے بھی اُن سے مدد کی درخواست کی تھی۔ باقی معاملات ان کے تمھارے درمیان ہوں گے حفیظ بابا۔ اب تم نہایت اطمینان سے شارق صاحب سے گفتگو کر لو اور اگر محسوس کرو کہ میری موجودگی غیر مناسب ہے تو میں تم سے اجازت چاہتا ہوں۔"

"حفیظ بابا ... نے ہاتھ اُٹھا کر نیازمندی سے کہا۔ "نہیں جیلر صاحب! انسانوں کی کہانیاں انسانوں کے سامنے بیان کی جا سکتی ہیں۔ براہ کرم بیٹھیے۔ مجھے بھی ڈھارس رہے گی۔"

گفتگو میں بڑی شستگی اور الفاظ موثر تھے۔ وقار صاحب نے شانے ہلائے اور دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

"شارق ہے آپ کا نام؟" حفیظ بابا نے بڑے عجیب انداز میں کہا۔ "شارق میاں پانچ مہینے باقی ہیں میری سزا کے۔ تیرہ سال سات مہینے دُنیا سے دُور رہ کر گزارے ہیں۔ نئے جیلر صاحب کو یہاں آئے ہوئے بہت طویل عرصہ نہیں گزرا لیکن جو وقت ان کے ساتھ گزرا ہے اس کی گواہی یہ بھی دے سکتے ہیں کہ میں نے ایک مجرم ہونے کے باوجود انسانوں کی سی زندگی گزاری ہے۔ اتنا عرصہ جیل میں گزارنے کے بعد مجھے دُنیا کے مقابلے میں جیل سے زیادہ محبت ہو گئی ہے۔ میں اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ جیل سے باہر جانے کے بعد میں اپنے آپ کو زندہ بھی رکھ سکوں گا یا نہیں۔ میں بہت زیادہ نیک طینت بننے کی کوشش نہیں کر رہا لیکن کچھ حقائق ہیں جنھیں میں آپ کے سامنے لانا چاہتا ہوں۔ دیکھ لینا، سوچ لینا اگر چاہو تو میری مدد کر دینا ورنہ کوئی زور نہیں ہے۔"

"میں آپ کی پوری کہانی سُننا چاہتا ہوں؟"

ایک ملازمہ چائے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی اندر آئی۔ اُس کے پیچھے پیچھے بیگم وقار احمد بھی آگئیں۔ ٹرالی پر بہت سی اشیاء سجی ہوئی تھیں میں نے مسکراتی نگاہوں سے وقار احمد کو دیکھا۔

"بھئی یہ سب کچھ رسمی طور پر ضروری بھی تو ہوتا ہے؟" اُنھوں نے فوراً صفائی پیش کی۔ ملازمہ چلی گئی اور بیگم وقار احمد ہمارے لیے کافی بنانے لگیں۔

حفیظ نے اپنی داستان شروع کر دی۔ "شارق میاں! میں میٹرک پاس ہوں۔ میرے والد کبیر الدین، نواب احتشام احمد کے خزانچی تھے۔ ہمارا خاندان پڑھے لکھے خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ نواب صاحب اس خاندان کی عزت کرتے تھے۔ والد صاحب کے بعد وہی ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی۔ نواب صاحب کے بیٹے نیاز احمد اس وقت تمام کاروباری امور سنبھالے ہوئے تھے۔ ریاستیں تو ختم ہو گئی تھیں لیکن بچا کھچا بھی بہت تھا۔ نیاز احمد کسی طرح اپنے والد سے کم میانہ

کی زندگی نہیں گزار رہے تھے۔ میرے والد نے میری والدہ کی موت کے بعد دوسری شادی کر لی تھی۔ پہلے تو میں اکلوتا تھا مگر میری دوسری ماں سے بھی ایک بیٹا ہوا جس کا نام شرف الدین ہے۔ سوتیلی ہونے کے باوجود بہت نیک فطرت تھیں۔ اُنھوں نے کبھی مجھ میں اور شرف الدین میں کوئی فرق روا نہ رکھا۔ اُنھی کی کوششوں سے میں نے میٹرک تک تعلیم بھی حاصل کر لی اور اس کے ساتھ والد صاحب کا عہدہ بھی مجھے ہی ملا۔ شرف الدین مجھ سے صرف چار سال چھوٹا ہے وہ بھی میری بڑی عزت کرتا ہے۔ میں شرف الدین کو اپنے سگے بھائیوں کی مانند ہی چاہتا تھا۔ ماں اور باپ کا انتقال ہو گیا۔ میری شادی ہو چکی تھی۔ اور شادی کے فوراً بعد اللہ نے مجھے ایک ایک سال کے فرق سے دو بیٹے عطا فرمائے تھے۔ سکون کی زندگی گزر رہی تھی۔ شرف الدین کو بھی نواب صاحب نے میرا مطلب ہے نیاز احمد نے زمینوں کی دیکھ بھال اور جنگلوں کی کٹائی وغیرہ کے انتظامات پر لگا دیا تھا۔ میں اور میری بیوی قدسیہ شرف الدین کی شادی کے سلسلے میں کوششیں کر رہے تھے۔ ہم لوگ اپنے بھائی کا گھر بسا دینا چاہتے تھے کہ یہ ہولناک واقعہ پیش آگیا۔ نواب نیاز احمد کو کسی نے گردن پر چھری پھیر کر قتل کر دیا۔ رات کا وقت تھا اور شدید بارش ہو رہی تھی کہ اُن کے گھر سے چیخ بلند ہوئی اور ملازم دوڑ پڑے اور اُنھوں نے شرف الدین کو نیاز احمد کے کمرے کے سامنے سے گزرتے دیکھا لیکن وہ رات کی تاریکی میں روپوش ہو گیا اور اس کے بعد نیاز احمد کو مُردہ حالت میں دیکھا گیا۔ نیاز احمد کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی چنانچہ جو لے دے ہوئی ہو گی اس کا اندازہ آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔ ملازموں نے خاص طور سے شرف الدین کا نام لے دیا جبکہ شرف الدین نے بتایا کہ وہ اتفاقیہ طور پر ہی اس وقت نیاز احمد کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ نیاز احمد کی چیخ کی آواز اس نے نہیں سُنی لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی گئی کیونکہ یہ آواز ملازموں نے بھی سُن لی تھی۔ شرف الدین رو رو کر اپنی بے گناہی کی قسمیں کھا رہا تھا لیکن تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ نواب نیاز احمد کا قتل شرف الدین ہی نے کیا ہے۔ ہر چند کہ اس قتل کی وجوہات سامنے نہیں آ سکی تھیں لیکن پولیس کے لیے معاملہ کیا مشکل ہو سکتا ہے۔ شرف الدین پہ الزام لگایا گیا کہ اُس نے چند درختوں کی کٹائی کے سلسلے میں کچھ رقم خورد برد کر دی تھی اور یہ بات ثابت بھی ہو گئی کہ شرف الدین نے ایسا کیا تھا۔ خیال یہی ظاہر کیا گیا کہ کسی طرح نواب صاحب کو شرف الدین کی اس بددیانتی کے بارے میں معلوم ہو گیا اور شرف الدین نے اُنھیں قتل کر دیا جبکہ شرف الدین بُری طرح بدحواس تھا اور یہی کہتا تھا کہ وہ تو نواب صاحب کے پاؤں کے ناخن

کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا بھلا نواب صاحب کو قتل کس طرح کر سکتا ہوں میرا بھائی گرفتار ہو کر لاک اپ میں پہنچ چکا تھا پولیس اُس سے اقبالِ جرم کرانے کے لیے اُس پر تشدد کر رہی تھی کہ میں اس سے ملنے کے لیے گیا۔ شرف الدین نے مجھ سے بھی یہی کہا کہ میں بے گناہ ہوں اور میرا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو یہ بات مان سکتا تھا لیکن عدالت اس بات سے مطمئن نہیں ہو سکتی تھی اور جب کہ شرف الدین ایک مسئلے میں مجرم بھی ثابت ہوا تھا یعنی رقم کے خورد برد کے مسئلے میں۔ میری مرحومہ ماں مرتے وقت شرف الدین کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گئی تھیں اور انھوں نے کہا تھا کہ ان کی موت کے بعد میں ہی شرف الدین کی ماں اور باپ ہوں۔ میں نے اس قول کو نبھا دیا تھا لیکن میرا نوجوان بھائی ناکردہ جرم کے گناہ میں موت کی جانب جا رہا تھا۔ یہ بات میں کیسے برداشت کر سکتا تھا لیکن کوئی ایسا ذریعہ سامنے نہیں آ رہا تھا کہ میں اپنے بھائی کو موت کے پھندے سے بچا سکوں۔ بیگم نیاز احمد ایک قبائلی سردار کی بیٹی ہیں' انتہائی غصہ ور اور خطرناک فطرت کی مالک وہ اپنے شوہر کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے موت کی سزا دینا چاہتی تھیں اور اگر شرف الدین پولیس کے قبضے میں نہ ہوتا تو بیگم نیاز احمد شاید اُسے پتھروں سے کچل کچل کر مار ڈالتیں۔ وہ عدالتی بنیادوں پر بھی شرف الدین کی سزا کے لیے سخت جدوجہد کر رہی تھیں میں جب بھی اپنے بھائی سے ملتا اُس کی آنکھوں میں حسرت و یاس دیکھ کر میرا کلیجہ نکل پڑتا لیکن کیا کرتا اصل قاتل کا کوئی پتا نہیں تھا اور پولیس بھی مطمئن ہو گئی تھی کہ اس نے صحیح قاتل کو پکڑ لیا ہے تب ایک ہی ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ میں نے نواب صاحب کے خزانچی ہونے کی حیثیت سے ایک اچھی خاصی رقم حساب کتاب کے رجسٹروں میں گڑبڑ کر کے حاصل کر لی۔ یہ رقم میں نے ایک جگہ محفوظ کر دی تھی کیونکہ جو کچھ میں کرنے جا رہا تھا اُس کے نتائج سے اچھی طرح واقف تھا اور اس کے بعد میں نے عدالت میں جا کر اقبالی بیان دیا کہ نواب صاحب کا قاتل شرف الدین نہیں بلکہ میں ہوں حفیظ الدین ولد کبیر الدین شرف الدین کا بڑا بھائی' میں نے اس سلسلے میں اپنی بیوی یا بیٹوں کو راز دار نہیں بنایا تھا۔ بیٹے تو ویسے ہی کم عمر تھے اور ان معاملات سے پوری طرح واقف بھی نہ تھے۔ میری بیوی قدسیہ حیران رہ گئی۔ عدالت میں وکلاء کے سوالات کے جواب میں میں نے بتایا کہ اصل مجرم میں ہوں اور اس جرم کی وجہ ایک بڑی رقم ہے جو میرے ہاتھوں ضائع ہو گئی تھی۔ میں نے ایک پوری کہانی گھڑ لی تھی۔ میں نے کہا یہ رقم میرے پاس بھی نہیں ہے بلکہ میری ایک غلطی کی بناء پر ایک اور [illegible] مل گئی تھی جس کے سلسلے میں میں نے نواب صاحب کو بتایا تو انھوں نے میری بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مجھے دھمکی دی کہ وہ مجھے پولیس کے حوالے کر کے میرے بیوی بچوں کو دربدر کرا دیں گے۔ میں نواب صاحب کو سمجھاتا رہا لیکن جب وہ نہ مانے اور انھوں نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے میری غیرت پر ضرب پڑتی تھی تو میں نے جوش میں آ کر ان کی گردن پر چھری پھیر دی اور وہاں سے نکل آیا۔ میں نے بتایا کہ یہ بھی حقیقت تھی کہ اُس وقت شرف الدین وہاں سے گزرا تھا لیکن اس کے فرشتوں کو بھی صورت حال کا پتا نہیں تھا۔ اسے دیکھ کر میں ستون کی آڑ میں ہو گیا تھا اور پھر جب ملازم نواب صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے تو میں خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔ میں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا جبکہ شرف الدین مسلسل انکار کرتا رہا تھا کہ وہ قاتل نہیں ہے۔ اس اعترافِ جرم کے بعد شرف الدین کو رہا کر کے مجھے نیاز احمد کے قاتل کی حیثیت سے گرفتار کر لیا گیا۔ جرم کی نوعیت چونکہ ذرا نرم تھی اور میں نے بھی اعترافِ جرم کر لیا تھا اس لیے مجھے سزائے موت کے بجائے چودہ سال کی قید بامشقت ہو گئی اور میں نے خوشی سے یہ سب کچھ قبول کر لیا تھا کیونکہ میری سوتیلی ماں کبھی بھی میرے لیے سوتیلی ثابت نہیں ہوئی تھی اُس نے مجھ میں اور اپنے بیٹے میں کوئی فرق نہیں کیا تھا۔ میں نے اُس سے کیے ہوئے وعدے کو نبھا دیا۔ میں نہیں جانتا کہ نواب صاحب کا اصل قاتل کون ہے اور انھیں کیوں قتل کیا گیا لیکن یہ بات میں بخوبی جانتا تھا کہ میرا بھائی ان کا قاتل نہیں ہے اور میں بے گناہ شرف الدین کو پھانسی کے پھندے پر نہیں دیکھ سکتا تھا چونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا میرے پاس' پھر بیگم نواب احمد سے بھی کچھ کہنا بیکار تھا۔ صرف یہی صورت تھی کہ اپنے بھائی کی سزا میں بھگت لوں لیکن نتیجہ کچھ عجیب سا نکلا۔ میری بیوی کے عزیز و اقارب نے مجھ سے سخت نفرت کا اظہار کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ نیک نام اور اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے چونکہ خود اعترافِ جرم کیا تھا اس لیے کسی شک و شبے کا مسئلہ ہی نہ تھا اور پھر میں دُہرے جرم کا شکار تھا اور یہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے نہایت تکلیف دہ تھی چنانچہ گرفتاری سے لے کر آج تک کبھی نہ تو میری بیوی اور بچوں کو مجھ سے ملایا گیا اور نہ ہی کسی اور نے میری جانب توجہ کی۔ شرف الدین ابتداء میں چند بار مجھ سے ملنے آیا اور اُس کے بعد وہ بیچارہ اپنی زندگی کے معمولات میں مشغول ہو گیا۔ میں تو ان کی دُنیا سے نکل ہی چکا تھا اس لیے میں نے بھی اپنے آپ کو جیل کے ماحول میں ضم کر لیا لیکن یہ بات میرے دل میں کانٹے کی طرح چبھتی رہی کہ میری اولادیں میرے دونوں بچے کسی کو اپنا باپ نہیں کہہ سکیں گے پتا نہیں بڑا ہونے کے بعد انھیں میرے بارے میں کیا بتایا گیا لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ جس

طرح اُن لوگوں نے مجھ سے کنارہ کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میرے بچوں کے دلوں سے باپ کی محبت کم کر دی گئی بلکہ اس کا نام ہی مٹا دیا گیا شارق، ایک باپ کی حیثیت سے جب بھی میں نے سوچا مجھے ایک جرم کا سا احساس ہوا بے شک میں نے اپنی سوتیلی ماں سے کیے گئے وعدے کو نبھا دیا تھا اس نے اپنے بیٹے کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا تھا اور میں نے اُس کے بیٹے کی زندگی بچالی تھی لیکن میں نے اپنے بچوں کے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ تو درست نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے آپ کو پُرسکون کر لیا۔ میں نے سوچا اب جیل سے باہر تو نکلنا نہیں ہے جو یادیں جو احساس ہے وہ میرے ساتھ ہی جیل کی چہار دیواری کے اندر ہی کسی قبر میں دفن ہو جائے گا لیکن جوں جوں میری رہائی کا وقت قریب آ رہا ہے اب میرے دل میں یہ احساس شدید ہوتا جا رہا ہے کہ جب میں اپنی یہ کالی صورت لے کر اپنی دُنیا میں واپس جاؤں گا تو مجھے کس حیثیت سے قبول کیا جائے گا۔ ایک مجرم ایک قاتل کی حیثیت سے نا اور اگر میرا دل اپنے بچوں کو دیکھنے کو چاہا میں اُن کے سامنے گیا اور میں نے انھیں بتایا کہ میں اُن کا باپ ہوں تو کیا وہ خوشی سے اپنے باپ کو قبول کر لیں گے۔ ایک ایسے باپ کو جو چودہ سال قید بامشقت بھگت کر آیا ہے ایک قاتل ایک جعلساز کو خوشی سے اپنا باپ کہہ سکیں گے میرا خیال ہے ایسا ممکن نہیں ہو گا' وہ خاندان یہ بات تسلیم نہیں کرے گا میرے وجود سے نفرت کی جائے گی شارق! میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا یا تو مجھے بقیہ زندگی جیل ہی میں رہنے کی اجازت دے دی جائے اور اگر باہر کی دُنیا میں مجھے بھیجا جانا ضروری ہی ہے تو مجھے بے گناہ انسان کی حیثیت سے باہر کی دُنیا میں بھیجا جائے کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے شارق؟ میرے دل میں بھی آرزو ہے کہ میں اپنے بچوں کو دیکھوں اپنی اس بیوی سے بھی ملوں جس نے میرے بعد نجانے کیا کیا ہو گا۔ بڑی محبت تھی ہمارے درمیان۔ وہ صاحبِ کردار عورت تھی۔ اُس کے والدین نے اُسے ایک مجرم شوہر سے ملنے کو تو ضرور منع کیا ہو گا لیکن اس کے لیے وہ اُسے مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ دوسری شادی کر لے جبکہ مجھ سے باقاعدہ طلاق بھی طلب نہیں کی گئی میں جانتا ہوں شارق! یہ کام ضرور کیا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ مجھے قانونی طور پر بھی مجبور کر سکتے تھے لیکن ایسا نہ ہونے کی وجہ صرف میری بیوی کا رویّہ اور اس کا کردار ہے۔ تم خود فیصلہ کرو کہ میرے جیسے بے گناہ شخص کو اگر ساری زندگی جہنم کے عذاب سے گزرنا پڑے تو کیا یہ کسی انسان کے ساتھ مناسب ہو گا کر سکتے ہو میرے دوست تو اتنا ضرور کرو میرے لیے کہ جب میں اس جیل سے رہا ہوں' بے گناہ کی حیثیت سے رہا ہوں شارق میاں! ایک

ایسی بات کہہ رہا ہوں جو مجھے نہیں کہنی چاہیے لیکن ایک بے بس انسان سمجھ کر معاف کر دینا جو رقم میں نے اس سلسلے میں خورد برد کی تھی وہ نواب صاحب کے خاندان کی امانت ہے اُس سے میری مراد فائدہ اُٹھانے کی نہیں تھی لیکن اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اگر . . .“

”نہیں حفیظ الدین نہیں برائے کرم ایسی کوئی گندی بات اپنے مُنہ سے مکمل نہ کرنا جس کردار اور جس عظمت کا ثبوت دیا ہے تم نے اسے برقرار رکھو۔ مجھے رقم نہیں چاہیے ایسی بات کبھی منہ سے مت نکالنا حفیظ الدین۔“ میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

قدرت نے بھی میرا خوب انتخاب کیا تھا۔ یہ معاملہ عجیب اور دلچسپ تھا ایک ایسا شخص جو اپنے ناکردہ جرم کی سزا پوری کر کے رہا ہونے والا ہے مجھے اپنی بے گناہی کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا بہت ہی سنسنی خیز ہو گیا تھا یہ کیس، وقار احمد صاحب میری صورت دیکھ رہے تھے اور حفیظ الدین نے گردن جھکا لی تھی غالباً وہ اپنے الفاظ پر شرمندہ تھا۔ بیگم وقار احمد پُرسحر نگاہوں سے میری طرف نگراں تھیں اور میں اس سلسلے کے اہم سوال پر غور کر رہا تھا تب میں نے گردن اٹھا کر کہا۔

”یوں سمجھ لو حفیظ الدین کہ تمہارا یہ کیس میں نے لے لیا اور میں خلوصِ دل کے ساتھ تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس طرح ممکن ہو سکا میں تمہاری بے گناہی کو منظر عام پر لانے کی کوشش کروں گا اب اس سلسلے میں کچھ ابتدائی سوالات [illegible] تم مجھے دو تاکہ میں اس پر غور کر سکوں۔“ [illegible] مسکراہٹ آ گئی۔ بیگم وقار احمد [illegible] حفیظ الدین گردن اُٹھا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"جو کچھ تم مجھے بتا چکے ہو اُسے بھول جاؤ صرف میرے سوالات کے جواب دو تمہارے کیس کی پیروی کس نے کی تھی؟ تمہارا وکیل صفائی کون تھا؟ کون سی عدالت نے تمھیں یہ سزا دی تھی؟"

"میں اپنے وکیل کا نام بھول چکا ہوں، عدالت وغیرہ کے متعلق مجھے تفصیلات یاد نہیں ہیں ظاہر ہے کم وقت نہیں گزرا اور نہ ہی میں نے اس بارے میں غور کیا وہ تو روشن علی کا معاملہ تھا کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اور میں نے وقار احمد صاحب سے اس بارے میں درخواست کی وقار احمد صاحب ایک نیک دل انسان ہیں۔ میں نے کئی جیلوں میں وقت گزارا ہے لیکن جیلروں میں ایسی انسانیت کہیں نہیں پائی، اسی لیے میری جرأت ہوگئی۔"

"یہ مشکل مسئلہ نہیں ہے اگر تم چاہو تو یہ ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو میں تمہیں حفیظ الدین کی فائل سے یہ تمام تفصیلات فراہم کر دوں گا" وقار احمد نے کہا۔

"حفیظ الدین تمھارے بھائی نے خود رہا ہونے کے بعد تمہارے سلسلے میں کوششیں بھی تو کی ہوں گی؟"

"ہاں میرے لیے وکیل وغیرہ کا بندوبست شرف الدین ہی نے کیا تھا لیکن ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا جس کی وجہ سے ہم بہت زیادہ جدوجہد کر سکتے۔"

"تمہارے سسرال والوں میں سے کسی نے سزا کے بعد یا مقدمے کے دوران تم سے ملاقات کی تھی؟"

"ہاں! میرے سسر اور بڑے سالے نے صرف ایک بار مجھ سے ملاقات کی تھی اور جب میں نے انھیں بتایا کہ میں نے جرم کیا ہے تو وہ مجھ پر لعن طعن کر کے چلے گئے تھے اور اُسی وقت انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اپنی بیٹی اور اپنے نواسوں کو مجھ سے منسوب کرنا لعنت سمجھتے ہیں اس کے بعد میری بیوی اور بچوں کو بھی کبھی مجھ سے نہیں ملنے دیا گیا۔"

"شرف الدین تم سے سزا ملنے کے بعد کتنی دفعہ ملا؟"

"اس بیچارے نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس کی نوکری رہی یا میرے جرم کی پاداش میں بیگم نیاز احمد نے ان لوگوں کے ساتھ بھی کوئی سختی کی۔ میں نے پوچھا بھی تو وہ خاموش ہو کر ٹال گیا البتہ وہ چہرے سے پریشان نظر آتا تھا جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس کے ساتھ بھی میرے جرم کے سلسلے میں بہتر سلوک نہیں ہوا۔"

"کیا اس نے بتایا کہ جس وقت نیاز احمد کو قتل کیا گیا وہ اس طرف کیوں گیا تھا؟"

"اُس نے کہا کہ یہ صرف اتفاق ہے ویسے بھی وہ حویلی کا ہی ملازم تھا اس لیے وہاں بلا روک ٹوک آتا جاتا رہتا تھا۔ نواب نیاز احمد کا رویّہ اُس کے ساتھ بُرا نہیں تھا یُوں بھی وہ بُرے انسان نہیں تھے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ نواب صاحب کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟"

"میں نے ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا ہے کبھی اپنے کام کے علاوہ کسی دوسرے مسئلے میں دلچسپی نہیں لی ویسے بھی مالکان کی ٹوہ میں رہنا میری فطرت کے خلاف تھا اس لیے کبھی میں نے اس پر غور نہیں کیا۔"

"اس سلسلے میں تمہارے کچھ اور شناسا جو تمہاری مدد کر سکیں؟"

"یُوں تو اس بستی میں تمام ہی میرے شناسا تھے لیکن اس کیس کے سلسلے میں کسی نے میری مدد کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ ایک طرح سے وہ سارے نواب صاحب کی رعایا تھے اور نواب صاحب کے قاتل کو کسی طرح کا سہارا دے کر بیگم صاحبہ کا عذاب مول نہیں لے سکتے تھے۔ بیگم نواب کے سلسلے میں تمام باتیں بستی والوں کو معلوم ہیں۔ وہ بہت ہی غصہ ور اور تند خو خاتون ہیں اور ان کا وقار و تمکنت بہت زیادہ تھا۔"

"کون سی بستی ہے تمہاری؟" میں نے سوال کیا۔

"فرحت پور کا رہنے والا ہوں میں، پہاڑی علاقہ ہے شاید آپ نے نام سُنا ہو۔"

"نواب صاحب کی اولادیں؟"

"جی ہاں! اس وقت ان کی ایک بیٹی تھی اور کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔ اب کے بارے میں نہیں معلوم۔"

"آخری بار شرف الدین تم سے کب ملا تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ بھی یاد نہیں ویسے بھی شرف الدین مجھ سے بہت کم ملاقات کرتا تھا اصل میں یہ بات اُسے بھی نہیں معلوم تھی کہ قاتل میں نہیں ہوں بلکہ صرف اس کو بچانے کے لیے میں نے یہ کوشش کی ہے۔ وہ خود بھی مجھ سے رُوٹھا رُوٹھا سا تھا لیکن بس محبت کا مارا کبھی کبھی آجاتا تھا بعد میں اُس نے بھی آنا جانا بند کر دیا۔"

"تم نے اپنی بیوی بچوں کے بارے میں اُس سے پُوچھا ہو گا کہ اُن کی کفالت کون کر رہا ہے؟"

"میرے سسرال والے اتنے غریب نہیں تھے ان کے اپنے بھی باغات وغیرہ تھے اور ٹھیک ٹھاک زندگی گزارتے تھے وہ لوگ، چنانچہ یہ مسئلہ نہیں تھا اور ظاہر ہے میری بیوی میرے جرم میں ملوث نہیں تھی اس لیے میں یہ بات جانتا ہُوں کہ میرے بچوں کو اور میری

بیوی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"کچھ ایسے لوگوں کے نام پتے بتاؤ گے حفیظ الدین جو تم سے ہمدردی اور محبت رکھتے ہوں؟"

"اوّل تو مجھے یاد نہیں چند ایک نام میرے ذہن میں محفوظ ہیں لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہوں گے یا مر چکے ہوں گے۔ ان میں ایک صوفی عبداللہ تھے جو مجھ سے بہت زیادہ ہمدردی اور محبت رکھتے تھے اور بھی کئی افراد تھے میں ان کو بھول چکا ہوں اور اب مجھے ان کے نام تک یاد نہیں رہے۔ درحقیقت میں نے جیل کی زندگی میں اپنے ماضی کو بھلانے کے لیے بہت محنت کی تھی اور اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی میں مصروف کر لیا تھا تاکہ دُنیا سے میری دلچسپی ختم ہو جائے لیکن میں کیا کروں یہ دُنیا ہی مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ جیلر صاحب اگر مجھ سے وعدہ کریں کہ مجھے اپنی جیل سے نہیں نکالیں گے تو یقین کریں کہ میں کچھ بھی نہیں چاہوں گا۔"

وقار احمد صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔ "تمھاری سزا ختم ہو گئی ہے اور اس کے بعد تمھیں رہائی ملے گی ہی یہ دوسری بات ہے کہ اگر تمھاری بے گناہی ثابت نہ ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ لوں گا۔ یہ وعدہ کرتا ہوں۔"

حفیظ الدین کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر بولا۔ "میرے ذہن میں اپنی بیوی بچے اور بھائی ہیں۔ اس کائنات میں صرف یہ چار آدمی ہیں جن سے میں ایک بار صرف ایک بار ملنا اور انھیں دیکھنا چاہتا ہوں اگر میری بے گناہی ثابت نہ ہو سکے کوئی بات نہیں ہے میں خاموشی سے انھیں دیکھوں گا اور اس کے بعد اس دُنیا سے کنارہ کشی کر لوں گا۔ میں اُن سے ملوں گا اُس وقت جب انھیں میری بے گناہی کا علم ہو جائے ورنہ میں اُن سے نہیں ملوں گا۔ جیلر صاحب خدا کے لیے مجھے ایک اجنبی دُنیا میں نہ بھیجیے۔ میں اپنی جانی پہچانی دُنیا میں تو واپس جا سکتا ہوں لیکن ایک سزا یافتہ مجرم کی حیثیت سے آپ خود تصوّر کر لیجیے کہ باہر کی دُنیا میں میرا وجود کیا ہو گا۔"

میں نے ایک بار پھر حفیظ الدین کو تسلیاں دیں اور میں نے اُس سے کہا کہ میں اپنی تمام کوششیں کروں گا باقی معاملات خدا کے ہاتھ ہیں اور فیصلے آسمانوں پر ہی ہوتا ہے۔ کافی دیر تک میں حفیظ الدین سے فرحت آباد کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ فرحت آباد بھی نیاز احمد کی آبائی جاگیر تھی اور اُن کی پشتوں میں کسی کا نام فرحت تھا جس پر یہ بستی آباد ہوئی۔ میں نے صرف اس کا نام سُنا تھا وہ بھی ایک پہاڑی علاقہ ہونے کی ... حیثیت سے ورنہ اور کوئی خاص بات نہیں تھی اس میں، پھر میں نے وقار احمد صاحب سے واپس کی اجازت چاہی، تینوں نے مجھے نہایت محبت اور گرمجوشی کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

فلیٹ پر اُستاد جمونے میرا انتظار کر رہے تھے۔ یہ اُن کی عادت تھی کہ جب تک میں واپس نہ پہنچ جاتا سوتے نہیں تھے بس اس میں وفاداری کا کوئی جذبہ نہیں تھا بلکہ ان کے دل میں میرے باپ کی سی شفقت موجود تھی۔ میں نے اُن سے سو جانے کے لیے کہا اور اپنے بیڈ روم میں جا گھسا۔ لباس وغیرہ تبدیل کر کے میں بستر پر پہنچ گیا لیکن ذہن میں حفیظ الدین کی کہانی گردش کر رہی تھی۔ انکسار پسند انسان جس نے اپنی سوتیلی ماں سے کیے گئے وعدے کے لیے اپنی آدھی زندگی برباد کر دی۔ عظیم لوگ اس کائنات میں ہمیشہ پریشانیوں کا شکار رہتے ہیں۔ حفیظ الدین بیچارہ اپنی عظمت ہی کا شکار رہا تھا۔ اُس کا یہ جذبہ کہ وہ ایک بے گناہ کی حیثیت سے اپنے خاندان کے سامنے جائے اس کی عظمت کی دلیل تھا۔ ویسے اس کے سسرال والوں نے بھی کافی سخت گیری کا ثبوت دیا تھا لیکن بہرحال ہر خاندان کی ایک ریت ہوتی ہے۔ وہ لوگ بھی اپنے طور پر حق بجانب تھے۔ میں دیر تک اس سلسلے میں غور کرتا رہا خاصا مشکل کام تھا چودھری غیاث الدین کے معاملے میں تو چند لوگ میرے سامنے تھے اور مجھے ان سے خاصی مدد ملی تھی لیکن یہاں کوئی خاص کردار بھی سامنے نہیں تھا پتا نہیں شرف الدین فرحت پور میں موجود ہے یا وہ بھی فرحت پور چھوڑ کر چلا گیا ہے بہرحال میرے لیے یہ بھی ایک شاندار مہم تھی اور میں اس میں کامیابی حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔

دوسرے دن معمول کے مطابق دفتر پہنچا وہاں پہنچ کر پتا چلا کہ فاروقی صاحب کورٹ جا چکے ہیں۔ ڈائری میں ایک کیس کی تاریخ بھی درج تھی اور فاروقی صاحب اُسی کی پیروی کے لیے کورٹ گئے تھے۔ میرے لیے اُنھوں نے ہدایات چھوڑ دی تھیں کہ کورٹ میں میرا انتظار کریں گے چنانچہ وہاں سے میں کورٹ پہنچ گیا اور فاروقی صاحب کے معاملات میں اُن کی مدد کرتا رہا۔ عدالتی معاملات اب باقاعدگی سے دیکھنے ہوتے تھے۔ تقریباً ڈیڑھ بجے فرصت ملی اور [illegible] اور فاروقی صاحب دفتر واپس آ گئے جہاں استاد [illegible] کھانے کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ جاوید قریشی [illegible] دفتر آ کر ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے [illegible] اور اس کے بعد کھانا کھایا گیا۔ کھانے [illegible] فاروقی اور جاوید قریشی کے سامنے [illegible] دونوں حیرت و دلچسپی سے اس کی [illegible]

فاروقی صاحب نے متاثر لہجے میں کہا۔ "یقیناً اس بے گناہ انسان کی مدد کرنی چاہیے۔ قانونی طور پر اس کیس کو ری اوپن کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اس طرح کے ایک دو کیس ہو چکے ہیں۔ جن کی تفصیل قانون کی کتاب میں مل جاتی ہے۔ تم اگر چاہو تو میں باقاعدگی سے ان کا مطالعہ کر کے رپورٹ تیار کر دوں۔"

"آپ اس کام کا آغاز کر دیجئے فاروقی صاحب اور مجھے یہ بتائیے کہ کون کون سے معاملے میں میری ضرورت ہے۔"

"مطلب؟"

"ظاہر ہے کہ فرحت پور سے نہ صرف حفیظ الدین کی بے گناہی کے ثبوت تلاش کرنے ہیں بلکہ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ نواب نیاز احمد کا قاتل کون تھا؟"

"کوئی پوائنٹ ہے تمہارے پاس؟" وکیل فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"نہیں ابھی تو صرف ویرانے ہیں ان ویرانوں ہی میں کوئی سایہ تلاش کرنا ہوگا۔"

تھوڑی دیر کے بعد فاروقی صاحب بولے۔ "وہ تین معاملات ہیں جن میں مجھے تمہاری ضرورت ہے تو پھر ہم آج دیر تک بیٹھ کر ان تمام معاملات کو دیکھ لیتے ہیں اس کے بعد تم جب بھی چاہو فرحت پور چلے جاؤ۔ ہاں ایک بات اور کہوں اگر مان لو تو۔"

"جی فرمائیے۔"

"کیوں نہ بدر شاہ کو بھی اس سلسلے میں شامل کر لو؟" فاروقی صاحب نے کہا۔

"ارے نہیں فاروقی صاحب! بھلا بدر شاہ کا ان معاملات سے کیا تعلق اور پھر ابھی میں کسی ساتھی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ کسی کو بس اتنی تکلیف دینی چاہیے جتنی وہ ہنسی خوشی برداشت کر لے۔ بدر شاہ ایک جذبے کے تحت روشن علی کے کیس میں میرا ساتھی بن گیا تھا اس کی اپنی الگ لائف زندگی ہے ظاہر ہے اسے مزید پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں اگر ایسا ہی کوئی معاملہ درپیش ہوا تو بعد میں دیکھا جائے گا پہلے تو یہ دیکھتا ہوں کہ فرحت پور ہے کیا چیز؟"

"بعض تھوڑی سی ذمہ داری میرے سپرد بھی کر دو آپ لوگ ان کیسوں کا جائزہ لیں گے جو آج کل فاروقی صاحب لڑ رہے ہیں۔ میں فرحت پور کے متعلق تمام تفصیلات حاصل کر لیتا ہوں۔"

"واہ جاوید قریشی! یہ ہوئی نا کام کی بات۔ براہِ کرم آپ یہ کام کر دیں۔" جاوید قریشی نے وعدہ کر لیا اور گھڑی دیکھ کر اٹھ گئے۔ ان کا آفس بھی بہت فاصلے پر نہیں تھا۔

اس کے بعد میں اور فاروقی صاحب موجودہ کیس کی فائلوں میں مشغول ہو گئے تھے اور یہ مصروفیت رات کو ساڑھے آٹھ بجے تک جاری رہی تھی پھر میں یہاں سے سیدھا اپنے فلیٹ ہی تک چلا گیا تھا۔ فرحت پور ذہن پر سوار ہو گیا تھا اور میں اپنے آپ کو آمادۂ سفر کر رہا تھا۔ بہت سے خیالات ذہن میں موجود تھے۔ اپنے طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا اتنے طویل عرصے قبل ہونے والے جرم کے سلسلے میں مجھے معلومات حاصل ہو سکیں گی کیا اصل قاتل جو بالکل تاریکی میں تھا سامنے آ سکتا ہے؟ اور اس کے بارے میں پتا چل بھی جائے تو کیا وہ زندہ ہوگا؟ وہ کون ہو سکتا ہے؟ یہ تمام باتیں فرحت پور پہنچ کر وہاں کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی معلوم ہو سکتی تھیں۔ دوسری بات یہ کہ وہاں کام کے دوران مجھے کچھ دشمنوں سے بھی واسطہ پڑ جائے اور ہو سکتا ہے کہ قاتل مجھے اپنے راستے پر دیکھ کر میرا راستہ کاٹنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسی صورتِ حال پیش آ ہی گئی تو پھر کچھ اور کارروائی کر لی جائے گی فی الحال یہ سوچنا حماقت تھی البتہ کچھ انتظامات کرنا ضروری تھے اور اس کے لیے میں نے اپنے ساتھ لے جانے والی اشیا کی ایک فہرست بنا لی۔ وہ چند چیزیں جو ایسے موقع پر ہمیشہ میرے کام آتی تھیں اب بھی میں انھیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔

جاوید قریشی نے دوسرے دن دوپہر کے کھانے پر مجھے فرحت پور کے بارے میں تفصیلات فراہم کر دی تھیں یہ پہاڑی آبادی اب تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد کی بستی تھی پہلے اس کے وسائل صرف کھیتی باڑی تک ہی محدود تھے لیکن اب وہاں کھاد کی کچھ فیکٹریاں قائم ہو گئی تھیں اور چھوٹی موٹی صنعتیں بھی وہاں کام کر رہی تھیں وہاں تک پہنچنے کے لیے ایک بڑے شہر حسن آباد جانا ہوتا تھا اور حسن آباد سے، فرحت پور جانے کے لیے بسیں وغیرہ مل جایا کرتی تھیں کیونکہ فرحت پور عام راستے سے تھوڑا سا کٹا ہوا تھا۔ وہاں کی موجودہ پوزیشن کے معاملے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی تھی اور اس کی فی الحال ضرورت بھی نہیں تھی ویسے بھی مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں کافی وقت صرف ہو جائے گا باقی دو دن میں نے مزید انتظامات میں گزارے اور فاروقی صاحب سے اجازت لے کر فرحت پور کے لیے چل پڑا۔ اپنی حیثیت ایک سیاح کی سی رکھی تھی کیمرہ وغیرہ بھی ساتھ رکھا تھا اور کچھ ایسی چیزیں بھی جو ضرورت کے وقت کام آ سکتی تھیں اور بذریعہ ٹرین حسن آباد کے لیے چل پڑا فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں مختلف قسم کے لوگ موجود تھے لیکن میں سوچنا چاہتا تھا اس لیے اس سفر کو ہم سفروں سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ

نہیں بنایا جبکہ کمپارٹمنٹ میں کئی ایسے کردار نظر آ رہے تھے جو میرے لیے باعثِ دلچسپی ہو سکتے تھے میں نے روکھی سی شکل بنا کر اپنے خیالات میں مگن رہا اور حسن آباد تک کا سفر جو کہ خاصا طویل تھا طے ہو گیا جس وقت میں حسن آباد ریلوے اسٹیشن پر اترا تھا کافی سردی پڑ رہی تھی کیونکہ مجھے فرحت پور کی جغرافیائی پوزیشن بھی بتا دی گئی تھی اس لیے موسم سے بچنے کے انتظامات کر لیے تھے اور میرے پاس گرم لباس کافی تعداد میں موجود تھے حالانکہ ہمارے شہر کا موسم بالکل معتدل تھا لیکن حسن آباد پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ تھوڑے سے سفر کے بعد موسم کتنا بدل جاتا ہے جس وقت میں ریلوے اسٹیشن پر اترا صبح کے پونے سات بجے تھے چاروں طرف کہر چھایا ہوا تھا ہر چیز ٹھٹھری ہوئی نظر آ رہی تھی ریلوے اسٹیشن سے باہر نکل کر سب سے پہلے چائے خانے کا رخ کیا جہاں بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے کمبلوں میں لپٹے ہوئے اونی ٹوپے گردن تک چڑھائے ہوئے چائے خانے کے اندر داخل ہوا تو لوگوں نے مجھے توجہ سے دیکھا تھا لیکن سردی مزاج پوچھ رہی تھی اس لیے کسی کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی اپنا سوٹ کیس ایک طرف رکھ کر میں کرسی پر بیٹھ گیا میں نے چائے منگوا لی چائے کی دو تین پیالیاں پینے سے بدن کے اندر پیدا ہو جانے والی کپکپاہٹ کسی قدر کم ہو گئی تھی حواس بحال ہوئے تو میں نے ایک نگاہ چاروں طرف ڈالی کسی سے فرحت پور جانے والی بسوں کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا اور اس کے لیے مجھے چائے خانے کا مالک ہی موزوں معلوم ہوا باقی لوگ بے چارے مزدور ٹائپ کے تھے کچھ قلی تھے اور کچھ لوگ جو شاید ریلوے اسٹیشن پر کام کرتے ہوں گے چائے خانے کا مالک کسی قدر مہذب دکھائی دے رہا تھا میں نے کرسی چھوڑی اور اس کے قریب پہنچ گیا اس نے استقبالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"کچھ چاہیے بابو صاحب؟"

"میں فرحت پور جانا چاہتا ہوں ابھی پونے سات بجے آنے والی ٹرین سے اترا ہوں کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ فرحت پور کے لیے بسیں کہاں سے ملتی ہیں؟"

"لو جی یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی وہ دیکھو جی وہ سامنے وہ ادھر جو بسیں کھڑی نظر آ رہی ہیں نا یہ بسیں فرحت پور سے ہوتی ہوئی عالم نگر چلی جاتی ہیں فرحت پور راستے میں پڑے گا جی آپ ان بسوں میں سے کسی ایک بس میں چلے جاؤ فرحت پور میں اتر جانا ہر گھنٹے بعد بس چلتی ہے۔"

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر بھی کہ اس سردی میں مجھے فرحت پور جانے کے لیے کوئی لمبا سفر طے نہیں کرنا ہوگا اس کے باوجود میں چاہتا تھا کہ تھوڑا سا وقت اور گزر جائے تو اس کے بعد سفر کا آغاز کروں ہوٹل کے مالک سے معلومات حاصل کرنے کے بعد واپس اپنی میز پر جا بیٹھا پھر ٹھیک آٹھ بجے یہاں سے اٹھا اس دوران ہوٹل ہی میں ناشتا کیا بل ادا کر کے میں باہر جانے کے لیے اٹھا تو ہوٹل کے مالک نے آواز لگائی۔

"اوئے رشیدے، صاحب کا بکسا اٹھا کر انھیں بس کے اڈے پر چھوڑ آ بس میں آرام سے بٹھا دینا۔ چل اوئے جلدی کر۔"

میں نے شکرگزار نظروں سے ہوٹل کے مالک کو دیکھا ان لوگوں میں یہی ایک خوبی ہوتی ہے بے لوث خدمت [illegible] اخلاق [illegible] پر اپنا فرض پورا کرنے سے نہیں چوکتے رشیدے میرا وزنی سوٹ کیس کندھے پر رکھا اور بس کے اڈے تک پہنچا دیا لائن میں موجود بس جسے پہلے سفر کرنا تھا روانگی کے لیے تیار تھی اور کنڈیکٹر وغیرہ مسافروں کو ہدایات جاری کر رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد بس اسٹارٹ ہو کر چل پڑی میں نے فرحت پور تک کا کرایہ ادا کر دیا تھا تھوڑی دیر کے بعد بستی پیچھے رہ گئی اور بس ہرے بھرے کھیتوں کے درمیان سفر کرنے لگی [illegible] کے گلے لے کر چراگاہوں کی جانب سفر کر رہے تھے دھند کی [illegible] صاف ہوتی جا رہی تھیں کھیتوں کے رکھوالے طرح طرح کی آوازیں منہ سے نکالتے ہوئے خوراک کی تلاش میں سرگرداں پرندوں کو پکے ہوئے کھیتوں کی ڈالیوں سے اڑا رہے تھے شہر کے ہنگاموں سے دور یہ مناظر کبھی کبھی ہی دیکھنے میں آتے تھے اور [illegible] کے بعد آنکھوں کو بے حد بھلے لگتے تھے میں ان سے لطف اندوز ہوتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا بس میں تمام دیہاتی مسافر بھرے ہوئے تھے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا سفر طے ہو گیا فرحت پور غالباً [illegible] نہیں تھا لیکن میں نے کسی سے یہ نہیں پوچھا تھا [illegible] یہ سفر کب تک طے کرے گی۔

اچانک میں نے بس کی رفتار [illegible] دوسرے مسافروں کی طرح دیکھنے [illegible] تعجب ہوا یہ بس بھی ان کے قریب [illegible] میں ملبوس چند افراد بس کے ڈرائیور [illegible] لگے اور ڈرائیور اور کنڈیکٹر [illegible] لگے دوسری بسوں [illegible]

کے بعد ہماری بس کے مسافر بھی نیچے اُتر گئے پتا چلا کہ پولیس والوں اور بس والوں کا جھگڑا ہو گیا تھا اور اگلی دو بسیں احتجاج کے طور پر آگے کا سفر ملتوی کر چکی تھیں۔ مذاکرات ہو رہے تھے تیسری بس کا کنڈیکٹر اور ڈرائیور بھی ان مذاکرات میں شامل ہو گئے تھے کافی تیز تیز آوازوں میں گفتگو ہو رہی تھی پولیس والے وہ جھگڑا طے کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جس کی بنا پر بسوں میں سفر کرنا متوی کیا تھا مسافر احتجاج کر رہے تھے ایک ہنگامہ ایک افراتفری کا عالم تھا چنانچہ ہماری بس کے مجاہدوں نے بھی اس جہاد میں حصّہ لینے کا اعلان کر دیا اور پتا چلا کہ بس اب آگے نہیں جائے گی بعض مسافر مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے لیکن پولیس والوں نے انھیں روک دیا اور فساد کے نتیجے میں جیل میں ٹھونسنے کی دھمکیاں دی گئیں مسافروں کو احتجاج کرنے کی اجازت کے ساتھ یہ اجازت بھی تھی کہ وہ واپس حسن آباد چلے جائیں لیکن بس کا معاملہ حل نہیں ہو رہا تھا میں نے بھی اس گفتگو میں حصّہ لینے کی کوشش کی لیکن علاقے کے پولیس والے ذرا مختلف مزاج کے مالک تھے ایک حوالدار نے مجھے ڈانٹ دیا۔

"ارے بابو تو اپنا کام کر اپنا تبترا اٹھا اور ادھر سے رفوچکر ہو جا، بابوگیری دکھائی تو ڈنڈے مار مار کر دماغ ٹھیک کر دیا جائے گا۔"

میں اس کے ہاتھ میں دبے ڈنڈے کو دیکھ کر خاموش ہو گیا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ڈنڈا بازی بآسانی کر سکتا تھا پولیس کو جو اختیارات دیے جاتے ہیں ان کی تفصیلات شاید انھیں بتائی نہیں جاتیں ارکان پولیس امن و امان رکھنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور اس ذمے داری کو سنبھالنے کے لیے انھیں کسی کی حیثیت کا کوئی تعیّن نہیں کرایا جاتا اگر کوئی طاقت ور مل جائے تو معافی کا خانہ تو خالی ہی ہے باقی لوگوں کے لیے ڈنڈے کی زبان، درحقیقت قانون کی کسی کتاب میں پولیس کے یہ اختیارات نہیں ملتے پولیس کا تصور ہماری دُنیا میں ایک بالکل ہی انوکھی چیز بن کر رہ گیا ہے اور یہی تصور پروان چڑھتا جا رہا ہے جس کی بنا پر نئی نسل کے نوجوان پولیس کو صرف ایسی چیز سمجھتے ہیں جو ظلم و ستم اور جارحیت کے لیے تشکیل پاتی ہے۔ نفرتوں کی بنیاد پڑتی ہے اور بالآخر یہ نفرتیں عظیم المیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ بہرطور میں حوالدار کے اس ڈنڈے سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا اور پریشان لوگوں میں خود بھی شامل ہو گیا۔

دیہاتی بے چارے احتجاج کر رہے تھے نہ گھر کے نہ گھاٹ کے اس ویرانے جنگل میں ایک نئی بستی آباد ہو رہی تھی اب مسئلہ یہی تھا کہ بسوں کا معاملہ طے ہو تو مسافروں کی تقدیر کا فیصلہ بھی ہو جائے لیکن معاملہ طے ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا اور اسی جھگڑے میں آدھا دن گزر گیا غالباً ایک بج رہا تھا اور بہت سی بسیں اور بہت سے مسافر جمع ہو چکے تھے پریشانی حد سے گزر رہی تھی راستے پر بسوں کے علاوہ اور کوئی سواری نظر بھی نہیں آ رہی تھی کہ لفٹ وغیرہ مانگ کر آگے کا سفر طے کیا جا سکے میں نے ایک شخص سے فرحت پور کے بارے میں معلوم کیا تو اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"فرحت پور جانا ہے بابوجی؟"

"ہاں بھائی۔"

"تو ان لوگوں کے ساتھ چلے گئے ہوتے جو فرحت پور گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"جب سے تم یہاں پڑے ہوئے اب تک فرحت پور کے چار چکر لگا چکے ہوتے تین ساڑھے تین میل سے زیادہ نہیں ہے۔"

"ارے۔" میں اچھل پڑا واقعی یہ بات ذہن میں نہیں آئی تھی کہ کسی سے فرحت پور کے بارے میں یہ معلوم کر لوں کہ اب اس کا فاصلہ کتنا ہے۔ تین ساڑھے تین میل کا معاملہ ہے تو بہرطور یہ سفر تو کیا جا سکتا ہے بلاوجہ ہی وقت ضائع کرتا رہا عجیب کیفیت تھی ایک اور شخص سے معلومات حاصل کر کے اس بات کا یقین کیا کہ فرحت پور زیادہ دُور نہیں ہے

سڑک طے ہوتی رہی وہ نشیب و فراز میں بل کھاتی ہوئی گزر رہی تھی اور میں شدید کوفت کے عالم میں آگے بڑھ رہا تھا ابتدا میں تو رفتار خاصی تیز رہی بعض جگہ وزنی سوٹ کیس کو اس میں لگے پہیّوں کے ذریعے زمین پر گھسیٹتا رہا لیکن جانتا تھا کہ اگر سوٹ کیس کو گاڑی بنا کر فرحت پور تک کا سفر طے کیا جائے تو نہ صرف پہیّے غائب ہو جائیں گے بلکہ ممکن ہے کہ اس کا پیندا بھی گھس جائے ایک نشیب میں اُترنے کے بعد جب میں اُبھرا تو بسوں کا ہنگامہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا کافی دیر تک سفر کرتا رہا اس کے بعد تھکن کا احساس ہونے لگا پیاس بھی شدت سے لگ رہی تھی اور بھوک بھی، صبح کا ناشتا کیے ہوئے تھا پانی تک نہیں پیا تھا لاقانونیت کے یہ ایسے مظاہرے شہروں میں تو کبھی کبھی باعثِ احتجاج بن جاتے ہیں لیکن اصل مصیبت ان بے چارے دیہاتیوں کی ہوتی ہے جو اپنی آواز شہری حکام تک پہنچا بھی نہیں سکتے اور خاموشی سے ایسی مصیبتوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں تاہم اس کا کوئی حل مشکل تھا اندازاً دو میل یا اس سے کچھ زیادہ کا سفر طے کر چکا تھا پاؤں جواب دیتے جا رہے تھے

اگر آسمان پر بادل نہ چھائے ہوتے تو شاید ابھی تک کہیں لمبا ہو گیا ہوتا جگہ بھی کم بخت ایسی منحوس کہ کوئی اور سواری بھی ابھی تک نہیں گزری تھی تاہم سفر کرنا تھا کہاں تک یہ خدا ہی بہتر جانے گھڑی میں وقت دیکھا تو ساڑھے تین بج چکے تھے ایسا بُرا دن ضائع ہوا تھا کہ بیان نہیں کر سکتا تھوڑی دیر کے بعد بادلوں کے پرے سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور انھوں نے سر سے سایہ بھی چھین لیا جھنجلایا ہوا سورج پوری آب و تاب سے چمکا تو مزہ ہی آ گیا حالانکہ اس کا زوال کبھی کا ہو چکا تھا لیکن دن بھر بادلوں کی قید میں رہنے کے بعد آخری لمحات میں اس نے اپنے غصّے کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا پیاس کی شدت سے زبان باہر آنے لگی لیکن اسی وقت بائیں سمت تقریباً ایک یا ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر چھوٹی سی عمارت نظر آئی اور اسے دیکھ کر قدم خودبخود رک گئے مصیبت تو پڑی ہی ہے اگر اس عمارت میں تھوڑا سا پانی مل جائے تو کام بن سکتا ہے یہ ایک فرلانگ کا فاصلہ عام رفتار سے کہیں تیزی سے طے کیا گیا عمارت کے قریب پہنچا تو وہ ایک قدیم اور بوسیدہ ڈاک بنگلہ ثابت ہوئی یہ ڈاک بنگلہ نہ جانے کس زمانے کا تعمیر شدہ تھا لیکن اب بھی اس کی دیواریں کافی مضبوط تھیں اور بیرونی اندرونی کمرے بھی ٹھیک ٹھاک نظر آ رہے تھے۔

میں پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑانے لگا لیکن پانی موجود نہیں تھا سوٹ کیس میں نے ایک طرف دیا ڈاک بنگلے میں کوئی اور آواز نہیں تھی جس سے احساس ہوتا تھا کہ یہاں میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے میں اس کی اوپری منزل کی جانب چل پڑا دو منزلہ عمارت کی اوپری منزل میں صرف دو کمرے تھے۔ میں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر دیکھا کمرہ خالی پڑا ہوا تھا اور وہاں میرے مقصد کی کوئی چیز نہیں تھی پھر میں دوسرے کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا اور جیسے ہی میں نے دروازہ کھولا دفعتہً ایک سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

"نہیں نہیں خدا کے لیے نہیں دیکھو، دیکھو میرا پیچھا چھوڑ دو، ورنہ اچھا نہیں ہو گا تم مجھے خودکشی سے تو نہیں روک سکتے میں مرنا نہیں چاہتی لیکن تم لوگوں نے مجھے مجبور کیا تو اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ میں اپنی زندگی دے دوں گی۔ واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی تم لوگ، تم لوگ ------" وہ خاموش ہو گئی میں حیرت سے منہ کھولے کھڑا اس حسین و جمیل لڑکی کو دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ حسنِ مشرق کی منہ بولتی تصویر تھا لیکن اس کا حلیہ بے حد خراب تھا بکھرے ہوئے اور اُلجھے ہوئے ریشمی بال، وحشت زدہ چہرہ خشک ہونٹ میلا کچیلا لباس چہرے پر جگہ جگہ گرد نظر آ رہی تھی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں وحشت کی چمک تھی میں تعجب سے کھڑا دیکھتا رہا تب اُس کی آواز اُبھری "بولتے کیوں نہیں تم، بولتے کیوں نہیں تم، کہاں ہو، کون ہو، میری باتیں سُنی تم نے کیوں میری موت چاہتے ہو کیا بگاڑا ہے میں نے تمھارا، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔" وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے یہ بینائی سے محروم نوجوان لڑکی تھی۔ بیس اکیس سال سے زیادہ عمر نہیں ہو گی بظاہر بہت غریب بھی نظر نہیں آتی تھی جو لباس اُس نے پہنا ہوا تھا وہ درمیانے درجے کا تھا یہ دوسری بات ہے کہ میلا کچیلا اور بوسیدہ ہو گیا تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ وہ روشنی سے محروم ہے لیکن یہاں اس ویرانے میں اس جگہ کیا کر رہی تھی وہ ٹٹولتی ہوئی آگے بڑھی اور میرے بالکل قریب پہنچ گئی اور پھر اس کے ہاتھوں نے مجھے چھو لیا ایک دہشت بھری چیخ کے ساتھ وہ پیچھے ہٹ گئی تھی اب میرے لیے ضروری ہو گیا کہ اسے کم از کم اپنے بارے میں ضرور تسلی دے دوں چنانچہ میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"لڑکی تم جو کوئی بھی ہو کم از کم میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو اگر تمھیں کسی سے خطرہ ہے تو میں وہ نہیں ہوں۔ میں تو ایک مسافر ہوں جو پیاس سے بے حال ہو کر یہاں اس ڈاک بنگلے میں آیا تھا صرف اس لیے کہ ممکن ہے یہاں تھوڑا سا پانی مل جائے اگر تم کسی سے خوف زدہ ہو تو کم از کم یہ فکر مت کرو کہ میں وہ ہوں مجھے یہ دیکھ کر بھی انتہائی دُکھ ہوا ہے کہ تم بینائی سے بھی محروم ہو کاش میں تمھاری کچھ مدد کر سکتا۔"

لڑکی کے چہرے پر غور و فکر کے آثار نظر آنے لگے وہ جلدی جلدی پلکیں جھپکا رہی تھی پھر اُس نے جیسے خود سے کہا "الفاظ ہی نہیں آواز بھی بدلی ہوئی ہے۔" سنو کیا واقعی، کیا واقعی تم ان میں سے نہیں ہو اور نہ ہی ان کے ساتھی ہو دیکھو بات سنو میں جو کچھ ہوں وہی رہنا چاہتی ہوں تم مجھے جو کچھ بنانے کی کوشش کر رہے ہو میں نہیں جانتی کہ اس سے تمھارا مقصد کیا ہے۔ خدا کا لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو مجھے کہیں مت لے جاؤ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"جب میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ان میں سے [illegible] ہوں جنھوں نے تمھیں کسی طرح نقصان پہنچایا [illegible] ہے تو پھر تم اس بارے میں بھی یقین کر لو [illegible] میں بھی کچھ نہیں معلوم اگر تم اپنے بارے میں [illegible] نہیں بتانا چاہتیں تو میں تم سے نہیں پوچھوں گا مجھے [illegible]

کر سکتا ہوں۔"

"واہ خدایا تیرا احسان ہے تیرا احسان ہے ان دونوں سے ہوشیار رہنا دیکھنے میں وہ سادہ سے دیہاتی نظر آتے ہیں لیکن پورے شیطان ہیں اگر تم ان میں سے نہیں ہو تو خدا کے لیے اپنی حفاظت کے لیے مستعد رہو وہ معصوم سی صورت بنا کر آئیں گے اور اگر تمھیں اپنا دشمن پائیں گے تو تم پر حملہ کر دیں گے اُن سے بچنے کی کوشش کرو۔"

"کون ہیں وہ؟" میں نے سوال کیا۔

"خدا جانے کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ میری سمجھ میں کچھ آجاتا تو اتنی پریشان نہ ہوتی ہیں۔"

"گئے کہاں ہیں وہ؟" میں نے پوچھا۔

"یہ بھی نہیں جانتی اندھی ہوں نا بینائی جا چکی ہے۔ وہ لوگ اس لیے تو آزاد چھوڑ گئے ہیں کہ میں خود کہیں نہیں جا سکتی بس میری زندگی کے ساتھ ایک انوکھا مذاق کیا جا رہا ہے اور مجھے اس مذاق کا پس منظر بھی نہیں معلوم۔"

"اگر میں تمھیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کروں لڑکی کہ وہ لوگ جو کوئی بھی ہیں اب تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تو کیا تم اس پر یقین کر لوگی۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"مگر اس کے بعد؟ کیا تم صرف انسانیت کے رشتے میری مدد کرو گے؟"

"ہاں صرف انسانیت کے رشتے سے۔" میں نے جواب دیا تو وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی پھر بولی۔

"کچھ کہوں گی تو بُرا مان جاؤ گے جو کچھ کہہ رہے ہو خدا کے لیے اس پر قائم رہنا میں بہت مظلوم ہوں۔" اس کے منہ سے سسکی نکل گئی اور پھر اس کی بے نور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے میرے دل میں ہمدردی کی ایک شدید لہر اٹھی تھی میں دو قدم آگے بڑھا لیکن پھر یہ سوچ کر رُک گیا کہ ہمدردی کا کوئی جذباتی اظہار اسے مشکوک نہ کر دے چند لمحات اس کے شفاف رخسار آنسوؤں سے تر ہوتے رہے پھر اس نے کہا۔

"سبحان چچا کے ساتھ رہتی تھی بہت اچھے انسان ہیں وہ یہ تو انھوں نے کہا تھا مجھ سے کہ میں اُن کی بھتیجی نہیں بلکہ انھوں نے صرف میری پرورش کی ہے لیکن یہ کبھی نہیں بتایا تھا کہ اس کے بعد میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوگا۔ سبحان چچا کو قتل کر دیا ان دونوں نے، قاتل ہیں وہ، مجھے اغوا کر کے لے آئے اور پھر راستے بھر مجھے یہی سمجھاتے رہے کہ میں چھوٹی سرکار ہوں وہ مجھے چھوٹی سرکار کہہ کر ہی مخاطب کرتے ہیں اور مجھے اسی نام سے بولنے پر مجبور کرتے ہیں لیکن میں اُن کا مقصد نہیں جانتی ہوں انکار کرتی ہوں تو منہ پر تھپڑ لگاتے ہیں لاتیں، گھونسے مارتے ہیں مجھے، میرے بال نوچتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے ہر حالت میں چھوٹی سرکار ہی بننا چاہیے کیا چاہتے ہیں وہ؟ کیوں کرتے ہیں ایسا؟" لڑکی نے مجھ سے سوال کیا۔ اس کا رُخ میرے بجائے سامنے والی دیوار کی جانب ہو گیا تھا میں نے گہری سانس لے کر اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو اس کی وجہ میں ان سے معلوم کر لوں گا تم بالکل مطمئن رہو آنے دو اس بار ان لوگوں کو۔" لڑکی کی شخصیت کچھ ایسی تھی کہ میں وقتی طور پر اپنا مشن بھول گیا تھا اس مظلوم کی مدد کرنا تو سب سے زیادہ ضروری تھا حالانکہ یہ بیچ میں اڑنے والی بات تھی لیکن ایک ایسی مظلوم اور اندھی لڑکی کو نہیں چھوڑا جا سکتا جس پر کچھ لوگ تشدد کر رہے ہوں لڑکی نے چند لمحات کے بعد کہا۔

"آگے آجاؤ دیکھو اس گوشے میں کچھ کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی ہیں اگر ضرورت محسوس کرتے ہو تو لے لو یہ چیزیں وہ میرے لیے چھوڑ گئے ہیں تب میری نگاہ کمرے کے اس گوشے کی جانب اُٹھی بہت ہی خوب صورت باسکٹ رکھی ہوئی تھی اس باسکٹ میں کافی کا تھرموس، پانی کی بوتل، سینڈوچ اور بسکٹوں کے کچھ ڈبے رکھے ہوئے تھے اس وقت یہ سب کچھ انتہائی نعمت محسوس ہوا میں نے لڑکی کی اجازت سے پہلے پانی کے چند گھونٹ پیے پھر دو تین سینڈوچ کھا لیے کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی لیکن پیٹ بھرنے کے لیے اس وقت وہ بھی بہت بڑی چیز تھی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ پھیکے انداز میں کہنے لگی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے اگر تم مجھے ان کے چنگل سے نکالنا چاہتے ہو تو پھر یہاں سے براہِ کرم مجھے کہیں لے چلو، کسی ایسی بستی میں جہاں سے میں پولیس سے رابطہ کر سکوں اس دُنیا میں سبحان چچا کے علاوہ میرا اور تھا ہی کون اب تو وہ بھی نہیں رہے۔" لڑکی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔ میں اُلجھن میں پڑ گیا تھا ظاہر ہے یہاں سے حسن آباد تک واپس نہیں جا سکتا تھا۔ بسوں کا مسئلہ حل ہو جائے تو شاید مجھے واپسی کی بس مل جائے لیکن اس وقت دفعتاً میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم تھوڑا سا پیدل سفر کر سکتی ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں کہاں جانا ہے؟"

"یہاں سے کچھ فاصلے پر فرحت پور نامی ایک آبادی ہے

وہاں چلتے ہیں وہاں جانے کے بعد تمہارے لیے کچھ کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"جہاں تمھارا دل چاہے لے چلو میں پیدل چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہاں تک وہ تمھیں کس طرح لائے تھے؟"

"جیپ کے ذریعے اور جیپ لے کر ہی وہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔" دفعتاً میں نے باہر کسی گاڑی کے رُکنے کی آواز سنی اور وہ دہشت سے بولی۔ "آگئے وہ آگئے خدا کے لیے کچھ کرو خدا کے لیے۔" میں پھرتی سے کھڑا ہو گیا ذہن میں انسانیت کا سمندر موجزن تھا میں ان بدمعاشوں سے اس مظلوم لڑکی کو ہر قیمت پر بچانا چاہتا تھا چنانچہ میں کمرے سے باہر نکل آیا احاطے میں ایک جیپ رُکی تھی جس میں دو آدمی موجود تھے جو دیہاتی طرز کا لباس پہنے ہوئے تھے اور اچھے خاصے لمبے چوڑے تھے۔ میں آگے بڑھ کر ان کے سامنے پہنچا تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں شکلوں سے کچھ احمق ہی نظر آتے تھے لیکن کم بختوں کی صورت اور سیرت میں کتنا تضاد تھا۔ اُنھوں نے مجھے دیکھا اور نیچے اُتر آئے ان کی آنکھوں میں سوالیہ تاثرات تھے۔

"تم جو کوئی بھی ہو واپس چلے جاؤ فوراً یہاں سے واپس چلے جاؤ ورنہ جو تمہارے ساتھ ہوگا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"وہ جی... چھوٹی سرکار جناب ہم تو..."

"چھوٹی سرکار کے بچے بات تمھاری سمجھ میں آ رہی ہے کہ نہیں۔"

"ارے بھائی پکے، کون صاحب ہیں یہ کیا کہہ رہے ہیں بھیا اپنی سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔" اس نے دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔

"دیکھیے باؤجی وہ اپنی چھوٹی سرکار اندر ہیں ہم اُنھیں لینے آئے ہیں۔"

"اگر تم نے اس جگہ سے آگے قدم بڑھایا تو میں مار مار کر تمہارا دماغ درست کر دوں گا سمجھے تم۔"

"کچھ سمجھ میں آئے تو سمجھیں بھیا، ارے بھائی ہماری چھوٹی سرکار اندر ہیں انھیں جانا ہے ہمارے ساتھ اور تم پتا نہیں کیا اُلٹی سیدھی بک بک کر رہے ہو اب ہم ایسے گئے گزرے بھی نہیں ہیں کہ اپنی سرکار کی حفاظت بھی نہ کر سکیں ہٹ جاؤ راستے سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" اس نے کہا اور پھر دوسرے آدمی کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"پکے تیار ہو جاؤ وفاداری کا ٹیم آگیا ہے۔" ان کے نام میرے لیے عجیب تھے پہلے نے دوسرے کو پکے کہہ کر پکارا تھا اور دوسرے نے پہلے کو کچے کہہ کر، غالباً کوئی بہت ہی گہرا کھیل ہو رہا تھا۔ کچے اور پکے دونوں ہی اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ نظر آ رہے تھے لیکن میں استاد چھوٹے کا نام لے کر ان کے سامنے جم گیا دونوں آگے بڑھے تو میرے ایک ایک ہاتھ نے اُنھیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا وہ بھی بپھر گئے۔

"ارے ہم نوکر ہیں بھائی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چھوٹی سرکار۔" پکے نے کہا اور میری لات اس کے پیٹ پر پڑی کچے نے میرا پاؤں پکڑنے کی کوشش کی تو میں نے اس کی گردن پکڑ کر اسے گھمایا اور اس کی کمر پر لات رسید کی۔ دونوں مجھ پر حملہ کرتے رہے اب اُنھیں بھی غصہ آگیا اور ان کی معصومیت ہوا ہو گئی تھی شکل سے خونخوار بھی نظر آنے لگے تھے لیکن میری تھوڑی دیر کی محنت نے اُنھیں زمین چٹا دی تھی، اب وہ زمین پر پڑے ہانپ رہے تھے۔ میں نے جیپ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"فوراً دفع ہو جاؤ یہاں سے اگر دوبارہ اس طرف کا رُخ کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔" میں پھر ان کی طرف بڑھا تو وہ پھرتی سے اُٹھ کر جیپ میں بیٹھ گئے اور پھر پکے نے جیپ اسٹارٹ کر کے اس طوفانی رفتار سے جیپ آگے بڑھائی تو میری ہنسی نکل گئی میں اس وقت تک کھڑا انھیں دیکھتا رہا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گئے اور پھر میں کمرے کی طرف لوٹ گیا لیکن کمرے میں داخل ہوا تو دفعتاً ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیلی رہ گئیں لڑکی وہاں موجود نہیں تھی ساتھ ہی وہ باسکٹ بھی غائب تھی جس سے میں نے کھانے پینے کی اشیاء حاصل کی تھیں۔ لڑکی وحشت زدہ ہو کر یہاں سے نکل گئی تھی غالباً اسے احساس ہو گیا تھا کہ میں ان دونوں کے مقابلے پر نہیں ٹک سکوں گا لیکن اندھی ہے بے چاری کہاں جائے گی میں اُسے آوازیں دیتا ہوا ڈاک بنگلے کے مختلف گوشوں میں چکر لگاتا رہا میں نے اسے بتایا کہ میں نے اس کے دشمنوں کو مار کر بھگا دیا ہے اور اگر وہ کہیں پوشیدہ ہے تو باہر نکل آئے لیکن اس کا نام و نشان نہیں ملا یہاں تک کہ میں نے ڈاک بنگلے کا گوشہ گوشہ چھان مارا تھا اب میرے لیے حیرت کے علاوہ [illegible] تھا اگر وہ یہاں سے بھاگی ہے تو کس طرف گئی، پتا نہیں [illegible] اس سمت اختیار کر لی ڈاک بنگلے سے نکل [illegible] تا حدِ نگاہ نظر دوڑائی لیکن اس [illegible]

میں افسردگی سی پیدا ہوگئی تھی نجانے کس طرف نکل جائے اور مصیبت کا شکار ہوجائے مگر اب کریں بھی تو کیا، ایک بار پھر تسلی کے لیے ڈاک بنگلے کی تلاشی لی لیکن صاحب اب اس کا وجود ہوتا تو اس کا کوئی نشان ملتا میں نے شانے ہلائے اور افسردہ سا باہر نکل آیا یُوں بھی شام ہوگئی تھی اور اس ڈاک بنگلے میں اس ویرانے میں بے مقصد رات نہیں گزاری جاسکتی تھی چنانچہ ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے سڑک پر آیا اور پھر فرحت پور ہی کا رُخ کیا لڑکی کے بارے میں بہت افسردہ ہوگیا تھا اگر دہشت زدہ ہوکر وہ فرار نہ ہوجاتی تو میں اس کی پوری پوری مدد کرتا حالانکہ میری اپنی مصروفیات کچھ اور تھیں لیکن بہرحال اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا اور اس کے لیے زیادہ وقت بھی برباد کرنا ممکن نہیں تھا۔ طبیعت پر کچھ تکدر سا چھا گیا تھا۔ سفر جاری رہا اور اس وقت بستی میں چراغ جل اٹھے تھے جب میں فرحت پور میں داخل ہوا تھا چھوٹے بڑے مکانات، باغات اور گلیاں اور بازار نظر آرہے تھے روایتی طرز کی بستی تھی سب سے پہلے مجھے اپنے لیے وہاں کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا تھا ماضی کے کچھ واقعات تازہ ہوگئے تھے یہاں بھی سرائے نما ہوٹل میں جگہ مل گئی تھی لیکن والی کی سرائے جیسی بات کہاں تھی بالی بھی ایک انوکھا کردار تھی سرائے کا پتا مجھے ایک مقامی آدمی سے معلوم ہوا تھا لیکن اُسے سرائے کہنا مناسب نہیں تھا کیونکہ ٹھیک ٹھاک عمارت بنائی گئی تھی اور اس میں چھ سات کمرے تھے جن میں سے ایک مجھے حاصل ہوگیا اور اس کے بدلے معمولی سی رقم ادا کرنی پڑی تھی سرائے کا مالک کھُردری طبیعت کا شخص تھا جس کے اندازِ گفتگو میں کوئی مروّت نہیں تھی بہرحال مجھے کیا لینا تھا میں اپنے کمرے میں مقیم ہوگیا۔ اس وقت اپنے مقصد کی تکمیل سے زیادہ لڑکی کا تصور ذہن میں اُبھر رہا تھا میں اس سے بہت متاثر ہوگیا تھا۔ بات ہی متاثر ہونے والی تھی۔ اگر وہ دوبارہ ان کے ہاتھ لگ گئی تو پھر جنگل میں کسی حادثے کا شکار ہوجائے گی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈاک بنگلہ چھوڑ کر میں نے جرم کیا ہے مجھے اس وقت تک وہاں سے فرحت پور تک کا سفر نہیں کرنا چاہیے تھا جب تک اسے تلاش نہ کر لیتا۔ بہرحال جو کچھ ہونا تھا ہوچکا تھا آدھی رات تک میں اس کا تصور ذہن سے نہ نکال سکا تھا اور سوتے میں بھی مجھے اسی کے خواب نظر آئے اس کی بے نُور لیکن حسین آنکھیں فریادی انداز میں مجھے تکتی رہی تھیں اور اس کی آواز بار بار کانوں میں گونجتی رہی تھی۔ میری مدد کرو، میری مدد کرو یہ لوگ، پتا نہیں کیا قصہ تھا وہ لوگ اُسے جھوٹی سرکار کیوں بنانا چاہتے تھے بڑی گہری ہی سازش معلوم ہوتی تھی لیکن ظاہر ہے تمام سازشوں کا انکشاف کرنے کے لیے میں ہی تو نہیں رہ گیا تھا اُسے مجھ پر بھی اعتماد نہیں ہوگا ورنہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کیوں کرتی۔ صبح میں نے بمشکل تمام اپنے ذہن کو اس کے تصور سے آزاد کر دیا تھا۔ طبیعت بوجھل سی تھی کیونکہ رات کو پُرسکون نیند نہیں آسکی تھی بہر طور اپنے آپ کو سنبھال کر یہاں فرحت پور میں کام کا آغاز کرنا تھا۔ بستی کو رات کی تاریکیوں میں دیکھا تھا اس لیے اس کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ بھی نہیں لگا سکا تھا جو کچھ حفیظ الدین سے معلوم ہوا تھا اُس کی روشنی میں پہلے تو کسی نہ کسی طور نواب نیاز احمد اور ان کے اہلِ خاندان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھیں اُس کے بعد کام کا آغاز کیا جاسکتا تھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میرا یہ کیس پچھلے کیس سے کہیں زیادہ دلچسپ تھا۔ چودھری غیاث الدین کے مسئلے میں تو کچھ کردار منظرِ عام پر تھے اور انھیں کے خلاف تحقیقات کر کے اپنا کام چلا لیا تھا لیکن یہاں معاملہ بالکل مختلف تھا۔ پتا نہیں طویل عرصے قبل ہونے والے اس قتل کے پسِ پردہ کون تھا اور وہ اب زندہ بھی ہے کہ نہیں۔ بہت مشکل کام تھا حفیظ الدین کی خواہش تھی کہ اُسے بے گناہ ثابت کر کے منظرِ عام پر لایا جائے۔ میں اس کی خواہش کے پسِ پردہ چھپے ہوئے جذبے کا دل سے قائل ہوچکا تھا چنانچہ اپنی تمام تر توجہ صرف کر کے نیاز احمد کے اصل قاتل کو سامنے لانا چاہتا تھا لیکن اس کیس میں کم از کم مجھے یہ اطمینان تھا کہ خدانخواستہ اگر میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہ بھی ہو سکا تب بھی حفیظ الدین کو رہائی تو مل ہی جائے گی کیونکہ اس کی سزا کے دن پورے ہو چکے ہیں لیکن اس اچھے مقصد کے لیے میں اپنی کارکردگی میں کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ اندھی لڑکی میرے ذہن میں ضرور تھی لیکن بس وہ اپنی حماقت کا شکار ہوگئی تھی، جلد بازی سے کام نہ لیتی تو شاید میں اُسے اُس کے دشمنوں سے بچا لیتا بہرطور اُس کی تقدیر، میری زندگی تو اب ایسے واقعات سے عبارت ہو ہی گئی تھی۔ چنانچہ دوسری صبح فرحت پور کی مکمل سیر کا پروگرام بنایا تاکہ کم از کم اس آبادی سے پوری طرح واقف ہو جاؤں اور اس پروگرام کی تکمیل کے لیے ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں سرائے سے باہر نکل آیا۔ چوہدری

فرحت پور کی وہی زندگی نگاہوں کے سامنے تھی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے جس کو روزی کا جو ذریعہ حاصل تھا وہ اُس پر کام کر رہا تھا۔ اجنبی نگاہیں میرا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ تجربے کے طور پر میں نے ایک روئی دُھنکنے والے کی دُکان کے سامنے رُک کر ایک گلاس پانی مانگا تو اُس نے تمام کام دھندا چھوڑ کر سلور کے میلے کچیلے گلاس کو جس طرح اُس نے پانی سے بار بار صاف کر کے میرے شایانِ شان بنایا وہ اُس کی محبت کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔ اور پھر اُس نے مجھے پانی پیش کر دیا۔ شکریہ کے ساتھ میں نے پانی کا گلاس اُس کے ہاتھ سے لیا اور پی کر اُسے واپس کر دیا۔

"بیٹھو بابوجی، مسافر ہو، کہیں باہر سے آئے ہو، ہمارے لائق کوئی خدمت؟"

"نہیں بھائی تمہارا شکریہ!" میں نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ فرحت پور کی آبادی اچھی خاصی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں زندگی بسر کرنے والے محنت کش زندگی کی گاڑی دھکیلنے کے لیے محنت کر رہے تھے۔ میں مختلف مناظر سے گزرتا ہوا فرحت پور کے نواحی علاقے میں نکل آیا پگڈنڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور ان کا اختتام ان فیکٹریوں پر ہوتا تھا جن کی چمنیاں دُھواں اُگل رہی تھیں۔ جاوید قریشی نے مجھے ان کھاد فیکٹریوں کے بارے میں بتایا تھا جہاں مصنوعی کھاد تیار ہوتی تھی۔ لوگ ان کے اطراف میں چلتے پھرتے نظر آرہے تھے چاروں طرف باغات اور کھیت بکھرے ہوئے تھے۔ میں وہاں سے گھوم کر دوسرے گوشے کی جانب چل پڑا اور پھر کافی لمبا سفر طے کر کے اس علاقے کی جانب جا نکلا جہاں فرحت پور کی حویلیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان حویلیوں کی تعداد تین تھی۔ ایک سامنے کی سمت اور دو حویلیاں اس کے عقب میں نظر آرہی تھیں۔ عقبی حویلیوں کا رنگ و روغن ماند پڑ چکا تھا جب کہ نئی حویلی خاصی صاف ستھری نظر آرہی تھی۔ میں حویلی کے صدر دروازے کے سامنے سے گزرا۔ بڑا رکھ رکھاؤ تھا۔ بہت بڑے آہنی گیٹ کی دوسری جانب چند جدید ماڈل کی گاڑیاں بھی کھڑی نظر آرہی تھیں۔ ملازمین اِدھر سے اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ اس نئی حویلی کے سامنے سے گزرنے کے بعد میں نے پرانی حویلیوں کا طواف بھی کیا۔ پرانی حویلیوں میں بھی آبادی تھی، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ان حویلیوں میں کون رہتا ہے۔ ممکن ہے نواب نیاز احمد کے اہلِ خاندان ہوں یا اور کوئی، حویلی میں داخلے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پہلے اِدھر اُدھر سے جان پہچان کرنا پڑے گی اور اس کے بعد حویلیوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی۔ نواب نیاز احمد کی بیوہ کے بارے میں سُنا گیا تھا کہ وہ ایک قبائلی خاتون ہیں۔ ان کے غصّے کی کچھ تفصیلات بھی علم میں آئی تھیں لیکن کس ٹائپ کا غصّہ ہے اور کس طرح کی خاتون ہیں یہ تو ان سے ملنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا تھا۔ میں جب تک ممکن ہوسکا فرحت پور کے اطراف کا جائزہ لیتا رہا کوئی خاص بات نہیں تھی بس ایک سیدھا سادہ سا قصبہ یا قصبہ نما تھا جس میں کوئی ایسی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی جو باعثِ تعجب ہوتی۔ مجھے اندازہ تھا کہ نیاز احمد کے قاتل کو لوگ بھول بھی چکے ہوں گے اور اب کسی کو پتا نہیں ہوگا کہ اس آبادی میں حفیظ الدین نامی کوئی شخص بھی رہتا تھا جو زندہ ہے اور ایک ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہے۔ شرف الدین کے بارے میں بہت سے خیالات ذہن میں آئے کم از کم یہ بات شرف الدین کو ضرور معلوم تھی کہ اُس کے بھائی حفیظ الدین نے اُس کی مصیبت اپنے سر لی ہے لیکن جو واقعات میرے علم میں آئے تھے اُن سے اندازہ ہوتا تھا کہ شرف الدین نے بھائی کا یہ احسان بھلا دیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان لمحات میں جب حفیظ الدین کی رہائی کا وقت قریب آرہا تھا شرف الدین کو اس سے مسلسل رابطہ رکھنا چاہیے تھا۔ بہرطور دُنیا بڑی عجیب و غریب جگہ ہوتی ہے، پتا نہیں اب حفیظ الدین کے اہلِ خاندان کہاں تھے۔ اُس کے بیٹوں اور بیوی نے تو اُسے اُسی وقت چھوڑ دیا تھا جب اُسے سزا ہوئی تھی۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں آرہی تھیں میں عجیب و غریب احساسات کا شکار ہوگیا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا جو سردی مجھے حسن آباد میں محسوس ہوئی تھی یہاں اتنی شدت کے ساتھ نہیں تھی۔ صبح کو جب تک سورج نہیں نکلا تھا موسم کافی سرد رہا تھا لیکن سورج نکلنے کے ساتھ ساتھ موسم میں تبدیلی رُونما ہوگئی تھی اور اس وقت جبکہ دن کا ڈیڑھ بجنے والا تھا گرمی خاصی بڑھی ہوئی تھی۔ اس وقت میں ایک خوبصورت باغ کے کنارے موجود تھا۔ درخت جھوم رہے تھے اور بہت سے درختوں میں پھل لگے ہوئے تھے۔ باغ کا منظر کافی خوشنما تھا۔ ایک چھوٹے سے غیر قدرتی نالے کو پھلانگ کر میں ایک سائے دار درخت

کی آڑ میں جا بیٹھا اور درختوں کی شاخوں پر پھدکتے پرندوں کو دیکھنے لگا۔ قدرتی مناظر کو دیکھ کر ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہو چلا تھا۔ میں ہمیشہ ان مناظر میں کھو جایا کرتا تھا۔ اس وقت بھی کیفیت تھی اور یہی وجہ تھی کہ میں ان قدموں کی چاپ نہ سن سکا جن میں پائل کی جھنک بھی شامل تھی۔ پائل کی چھن چھن مجھے پرندوں کی چوں چوں سے ہم آہنگ محسوس ہو رہی تھی لیکن جب وہ میرے قریب آکر رکی تو میں نے چونک کر اس سمت دیکھا اور دوسرے لمحے میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پیلے رنگ کے لباس میں ملبوس دیہاتی دوشیزہ سر پر ایک چھوٹا سا گھڑا سنبھالے اس طرح میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی جیسے مجھ سے اسے کوئی کام ہو۔ میں نے اس کے سراپا پر نگاہ ڈالی۔ دیہاتی لباس اس کے بدن کو ڈھکے ہوئے تھا لیکن اس کے باوجود بدن کی لطافتوں کا احساس نمایاں تھا۔ چہرہ لمبے سے گھونگٹ سے ڈھکا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ سر پر رکھے گھڑے کو سنبھالے ہوئے تھے۔ انداز میں ایک شرمگیں سی کیفیت تھی تب اس نے اپنا لباس سمیٹا دونوں گھٹنے زمین پر ٹکائے اور سر کا بوجھ اتار کر نیچے رکھ دیا۔ میں بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا تب ہی اس کی مترنم آواز ابھری۔

"روٹی کھالو۔"

"ہیں۔" میں گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"کھالو نا تو دی بنائی ہے ہم نے تمہارے لیے۔" اس کی آواز میں ایک عجیب سی شگفتگی تھی لیکن مجھ سے یہ تخاطب، بے تکلفی کا یہ انداز ناقابلِ فہم تھا۔ میں بری طرح گڑبڑا گیا۔

"تت تم... تم نے... تم... تم کون ہو؟"

"ارے کیا ہو گیا تم کا ہم تہار بی بی ہیں چھینا ہے ہمرا نام۔" اس نے کہا۔

"نا... نہ... تم شاید... تم شاید۔"

"اے مجاق ناہی کرو جمو دیکھو تو سہی کا لائے ہیں ہم ترے واسطے۔"

"مم مگر سنو تو میں جمو تو نہیں ہوں۔"

"اے واہ رے واہ، بی بی ہیں ہم تمہاری رکھیل ناہی رہے کہ تم ہم کا مجاق کر کے ٹال دیو، پتلون پہن رہو تو سمجھت ہو کہ ہم تم کو پہچانت ہی ناہی۔"

"غلط۔ غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں لڑکی، میں جمو نہیں ہوں نہ ہی میں نے یہ پتلون میرا مطلب ہے کہ تمہیں دھوکا"

"باج ناہی آؤ گے۔ بس ہو ہی گیا مجاق دیکھو تو سہی کھانے میں کیا رکھت۔" اس نے سامنے رکھی پوٹلی کھول دی۔ میں بے ہوش ہو کر گرنے کی کیفیت میں آ گیا تھا۔ لڑکی کو پتا نہیں کیوں میرے بارے میں غلط فہمی ہوئی تھی جو الفاظ وہ کہہ رہی تھی معصوم دیہاتی لڑکی کی زبان سے بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے مگر یہ غلط فہمی اتنی شدت کے ساتھ۔ میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا۔ لڑکی نے روٹی کی پوٹلی کھول دی تھی۔ موٹی موٹی روٹیاں، مکھن اور ایک پیالی میں رکھی ہوئی توری کی ترکاری سامنے تھی ساتھ میں پانی کا برتن بھی تھا۔ یہ رومانی منظر میں نے بہت سی کہانیوں اور فلموں میں دیکھا اور پڑھا تھا لیکن اس انداز میں شاید کہیں نہیں۔ میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھتا رہا اور وہ بیٹھی شرماتی رہی پتا نہیں اس گھونگٹ کے پیچھے کیسا چہرہ تھا لیکن جیسا بھی ہو وہ جو کچھ مجھے سمجھ رہی تھی وہ باعثِ حیرت تھا۔

"ارے کھڑے رہو گے کہ بیٹھو گے بھی کا ہو گیا تمہیں؟" اس نے چہرہ اٹھا کر مجھے دیکھا۔ باریک اوڑھنی کے نیچے سے اس کی روشن آنکھیں نمایاں تھیں۔ خدوخال کا اندازہ بھی کسی حد تک ہوتا تھا لیکن اس وقت میں چہرے پر پوری نگاہ بھی نہیں ڈال سکتا تھا۔ وہ غلط فہمی کا شکار تھی۔ میں مزید کچھ پیچھے ہٹ گیا تو وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو اب ہم کہت دے رہے ہیں نہ ہی بیٹھو گے تو ترا گریبان پکڑ کر بیٹھا ہت دیں گے۔" وہ میری طرف بڑھی اور میں اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔

"بات سنو بی بی! بات سنو تمہارا جمو یہیں کہیں ہو گا آواز دو اسے تلاش کر لو اگر اس کا چہرہ مجھ سے ملتا جلتا ہے تو اتنی مشابہت پہ مجھے خود شرمندگی ہو گی۔"

"ارے او مکھو پاچا، مکھو چاچا اے" اس نے ایک سمت رخ کر کے آواز لگائی اور بھاری بھر کم وزن کا ایک دیہاتی آدمی کسی درخت کی آڑ سے نکل آیا۔

"کا ہے ری چھینا؟" اس نے قریب آکر پکارا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

"واہ رے جمو آج تو تو شہر کا بابو لگے ہے اے کپڑے کہاں سے چرا لایا؟" اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"تم بھی اسی مرض کے شکار ہو گئے بھائی، میں میں وہ نہیں ہوں جو تم دونوں سمجھ رہے ہو کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔"

"ارے واہ رے واہ شہری بابوؤں کی طرح بول بھی رہا ہے تو، اری واہ ری چھینا دیکھ رہی ہے اپنے مرد کو۔"

"خوب دیکھ رہے ہیں مکھو کاکا کہہ ریا اے کہ ہم وہ ناہی ہیں جو تو سمجھ رہی ہے۔ اب دیکھو مکھو کاکا بیوی اپنے شوہر کو نہیں پہچانے گی تو اور کون پہچانے گا؟"

"مجاق کی تو اس کی عادت ہے، ارے چھوڑ بھائی کھانا رکھا ہوا ہے کھاؤ، رجق کا مجاق نہیں اڑاتے۔" مکھو کاکا نے فیصلہ کر دیا مگر ظاہر ہے یہ فیصلہ میں نہیں تسلیم کر سکتا تھا۔

"تم دونوں پاگل معلوم ہوتے ہو، بار بار کہہ رہا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں جو سمجھ رہے ہو لیکن تم زبردستی اس لڑکی کا شوہر بنائے دے رہے ہو، سوچ لو بعد میں جب تم لوگوں کو حقیقت پتا چلے گی تو کیا حال ہو گا۔"

"ارے مکھو کاکا، کا ہوئی گوا اسے؟ سایہ لگے ہے کسی کا، پہلے تو یہ ایسا مجاق نہیں کرت ہے تم ای کا شکل دیکھو صاف ستھری کر لی ہے پر ہم کا ناہی پہچانت۔"

"تو مانے گا ناہی رے۔" مکھو کاکا نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے ڈانٹا۔ میں نے گہری سانس لے کر ہونٹ بھینچ لیے۔

"بہتر یہی ہو گا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔" میرے لہجے کی سنجیدگی دیکھ کر لڑکی رونے لگی۔

"کا! ہوئی گوا مکھو کاکا، کا ہوئی گوا ہمرے مرد کو۔" وہ رونے لگی۔ "ہمری تو تقدیر ہی پھوٹ گئی اب ہم کا کریں گے۔"

مکھو کاکا بھی اب مجھے غور سے دیکھنے لگا تھا پھر اس نے مجھے نیچے اوپر سے دیکھا اور بولا۔ "تو تو ایسے نہ مانے گا، ادھر آ ہمرے ساتھ آ کوئی بات ہوئی گئی کا؟ ادھر تو آؤ۔" لڑکی روٹی کے قریب بیٹھ کر بھوں بھوں کر کے رونے لگی تھی۔ مکھو کاکا میرا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

"بیٹھ بیٹا بیٹھ، اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی گئی ہے تو بھی تجھے ای نہ کرنا چاہت! ابھی تیری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں دنیا کا کہے گی۔"

"دیکھو بھائی تم لوگ سادہ لوح دیہاتی ہو اس لڑکی کو جو غلط فہمی ہوئی ہے میں اسے اس کی سادگی ہی سمجھتا ہوں میں شہر سے آیا ہوں سیر و سیاحت کے لیے ممکن ہے میری صورت..."

"ناہی مانے گا خسرے ناہی مانے گا اب دو لپڑ لگائیں گے ہم تیرے گال پر تو ٹھیک ہوئی جائے گا تیرا دماغ۔ ارے مکھو کاکا سے بھی مجاق کرے ہے کا دھوپ کا سایہ ہوئی گوا تجھ پر، ٹھہر پانی پلائیں تجھے کھوپڑی ٹھکانے آئے گی۔" وہ واپسی کے لیے مڑا اور ایک درخت کی سیدھ میں سیدھا چلا گیا۔ میرا دل بے اختیار قہقہے لگانے کو چاہ رہا تھا۔ دو بیوقوف ٹکرائے تھے ہنسی بھی آ رہی تھی اور غصہ بھی اور حیرت بھی تھی چلیں لڑکی کو تو احمق تصور کر لیا جائے مگر یہ بڑے میاں لپڑ لگانے کو تیار ہو گئے تھے۔ میرے گالوں پر کہیں سچ مچ ہی نہ شروع ہو جائیں۔ میں سوچنے لگا۔ میں نے نگاہیں اٹھا کر اس طرف دیکھا جدھر لڑکی روٹی لیے بیٹھی تھی ابھی اس کا شوہر آئے گا اور جب اسے یہ بات معلوم ہو گی کہ ایک دوسرا شوہر بھی اس نے پیدا کر لیا ہے تو ممکن ہے وہ خود ہی اس کا دماغ درست کر دے لیکن لڑکی وہاں موجود نہیں تھی۔ میں نے تھوڑی سی گردن اٹھا کر اسے ادھر ادھر دیکھا لیکن آس پاس پیلے رنگ کا کوئی دھبہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہاں چلی گئی وہ۔ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور پھر میری نگاہیں دور دور تک کا جائزہ لینے لگیں لیکن لڑکی موجود نہیں تھی ابھی میں اسے تلاش کر رہا تھا کہ عقب سے قدموں کی چاپ سنائی دی اور ایک اور دیہاتی میرے پاس پہنچ گیا ہاتھ میں لاٹھی دبی ہوئی تھی اور آنکھوں میں غصے کے تاثرات، وہ میرے نزدیک آکر کھڑا ہو گیا۔

"کا بات ہے بابو جی کا کر رہے ہو ادھر؟"

"بھائی ایک پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں فیصلہ تم ہی کر دو ابھی یہاں ایک بیوقوف آنے والا ہے جو میرے لیے پانی لینے گیا ہے کہتا ہے دھوپ کا سایہ ہو گیا ہے مجھ پر، ذرا ایک منٹ رک جاؤ بتا دوں گا میں کیا کر رہا ہوں۔"

"بے وقوف کون ہے؟" آنے والے نے پوچھا۔

"مکھو کاکا۔" میں نے کہا اور ہنس پڑا لیکن میرے سامنے کھڑے ہوئے شخص کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔

"دیکھو بابو جی میں بہت برا آدمی ہوں بڑے بڑے آتے ہیں یہاں پر اور میں انھیں ٹھیک کر دیتا ہوں بہت دنوں

سے باغ کے پھل چوری ہو رہے ہیں لیکن تم شریف آدمی لگتے ہو، جاؤ نکل جاؤ یہاں سے اور آئندہ ادھر مت آنا۔"

"ارے ارے بھائی میں میں ..."

"کیا میں میں لگا رکھی ہے کھو میں ہوں۔"

"تم؟"

"ہاں میں اس باغ کا رکھوالا ہوں۔"

"اور جمو کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"جمو، جمو کوئی نہیں ہے۔"

"اور چھینا؟"

"میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے باہر، جمو یا چھینا یہاں کوئی نہیں ہے اور کھو میں خود ہوں۔"

"ایک منٹ انتظار تو کر لو میں تمہارے درخت اکھاڑ کر نہیں لیے جا رہا، اُسے آجانے دو تمہیں پتا چل جائے گا کہ میں یہاں خود آیا ہوں یا... یا..." میں انتظار کرتا رہا لیکن اب اس کھوکا کا بھی کہیں پتا نہیں تھا دفعتاً ہی میرے ذہن میں عجیب سے خیالات رینگ آئے سامنے کھڑا شخص کڑوی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا پھر اُس نے کہا۔

"کتنی دیر انتظار کرو گے بابو جی؟"

"وہ یار کچھ گھپلا ہو گیا۔"

"رنگے ہاتھوں پکڑے گئے ہو، بیگم صاحبہ کو جانتے ہو، یہ معلوم ہے یہ باغ کس کا ہے؟"

"بھائی مجھے کچھ نہیں معلوم وہ لڑکی خدا کی پناہ ادھر آؤ میں تمہیں بتاؤں اُس نے یہاں روٹی رکھی تھی، میں نے دیہاتی کا بازو پکڑا، اسٹیل کا بنا ہوا ہاتھ معلوم ہوتا تھا۔ مجھے واقعی احساس ہو گیا کہ صورتِ حال سنگین ہے چنانچہ اسے تو میں نہ بلا سکا لیکن خود ہی آگے بڑھ کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں لڑکی موجود تھی۔ اُس کے قدموں کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے وہ جگہ بھی نگاہوں کے سامنے تھی جہاں اُس نے روٹیوں کی پوٹلی رکھی تھی لیکن اس کا کہیں پتا نہیں تھا، دُور کھڑا باغ کا رکھوالا مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے کھسیائی نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا باغ کے بیرونی حصّے کی طرف چل پڑا اور احاطے سے باہر نکل گیا۔ یہ تو کوئی بھوت گرجہ معلوم ہوتا تھا۔ لڑکی کے ساتھ ساتھ اُس کاکا بھی غائب ہو گیا اور وہ کھو بھی نہیں تھا۔ یا الٰہی قصّہ کیا ہے لیکن تمام سوچ سمجھ باغ کے باہر آ کر ہی ہوئی تھی کیونکہ اندر باغ کا رکھوالا کافی سخت گیر معلوم ہوتا تھا اور شاید قول کا پکا بھی۔ بیگم صاحبہ کا باغ ہے، لیکن یہ چھینا قصّہ کیا تھا۔ کاش میں اس لڑکی کی صورت ہی دیکھ لیتا جس نے مجھ جیسے زمانے کے ٹھکرائے ہوئے انسان کو چند لمحات کے لیے اپنا شوہر بنا لیا تھا۔ پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے لیکن ذہن میں حیرت تھی۔ قصّہ کیا تھا غلط فہمی یا میرے ساتھ کوئی مذاق، لیکن یہ مذاق کرنے والے کون تھے اور یہ مذاق بغیر کسی پلاننگ کے تو نہیں کیا گیا تھا کوئی چکر چل رہا ہے کیا۔

اس کے بعد سرائے کا رُخ کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا لیکن حیرتوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ سرائے پہنچ کر دم لیا اور پھر سرائے کے مالک سے کھانا طلب کر لیا کیونکہ زور کی بھوک لگ رہی تھی، کھانا کھاتے ہوئے بھی بار بار ذہن میں توری کی ترکاری اور روٹی آجاتی۔ اس کے ساتھ ہی پیلے لباس میں لپٹا ہوا بدن روتی ہوئی آواز، کیا قصّہ تھا یہ؟ واہمہ، بھوت پریت جو ان دیہاتوں میں ہوا کرتے ہیں یا پھر کوئی مذاق لیکن ایک بات جو سمجھ میں آئی ہو اس کے بعد سارا وقت سرائے میں اپنے اس کمرے ہی میں گزارا تھا اور بستر پر پڑا اُونگھتا رہا تھا۔ ذہن میں یہی تصوّر تھا کہ آخر اب اس سلسلے میں ہونا کیا چاہیے کس طرح کام کا آغاز ہو۔ فرحت پور کی سیر تو کر ہی لی تھی کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی اس آبادی میں جو قابلِ توجہ ہوتی۔ چودہ سال پرانا ایک کیس نئے سرے سے کھولنا تھا۔ اور اس کے لیے جتنی مشکلات درپیش آسکتی تھیں ان کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ اس رات یہاں سے باہر نہیں نکلا۔ دوسرے دن کے بارے میں بھی یہی فیصلہ کیا تھا کہ اس وقت تک جب تک کوئی مناسب کردار علم میں نہ آجائے کام کا آغاز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اب مجھے کسی کردار کی تلاش تھی۔ گزرے دن کا عجیب و غریب واقعہ آسانی سے محو نہیں کیا جا سکتا تھا۔

دن کو جب فرحت پور کے اطراف کی سیر کے لیے باہر نکلا تو قدم خود بخود اُسی باغ کی جانب اُٹھ گئے۔ باغ کے اندر داخل ہونے کی جرأت تو نہیں کر سکتا تھا لیکن میری نگاہیں اندر ہی جمی ہوئی تھیں۔ ایک بار وہ رکھوالا بھی نظر آیا جو دوسرا تھا وہ کھو کاکا نظر نہیں آیا جو اُس لڑکی کا ساتھی تھا۔ بہرطور وہ واقعہ اب بھی میرے ذہن میں صاف نہیں ہو سکا تھا یہاں اس دیہات میں کون تھا جو مجھ سے اس طرح کا مذاق کر سکتا ہے اور پھر میرا ہی انتخاب کیوں کیا گیا تھا۔ باغ کے سامنے سے

گزر کر آگے بڑھ گیا اور پھر نئی حویلی کے دروازے سے اندر جھانکتا ہوا سیدھا نکلتا چلا گیا۔ ایک چوڑی پگڈنڈی کھاد فیکٹری کی جانب جا رہی تھی۔ میں نے یونہی تفریحاً کھاد فیکٹری کی طرف کا راستہ اختیار کر لیا۔ فاصلہ کافی تھا کھاد فیکٹری کے سامنے پہنچ گیا اندر لوگ کام کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یہ فیکٹری کافی بڑے علاقے میں تھی۔ اس بات کا امکان نہیں تھا کہ یہاں کوئی شناسا مل جائے جس سے کوئی کام کی بات ہو۔ زندگی میں پہلی بار تو اس علاقے کا رُخ کیا تھا بلکہ فرحت پور کا تو صحیح معنوں میں نام بھی نہیں سُنا تھا۔ لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں ایک اور کھاد فیکٹری کے سامنے پہنچا یہاں پیچھے قبرستان نظر آ رہا تھا اطراف میں شاید مذبح خانہ بھی تھا کیونکہ گدھ منڈلا رہے تھے۔ ایک عجیب سی ویرانی ماحول پر چھائی ہوئی تھی دُور دُور تک کسی انسان کا وجود نہیں تھا۔ میں نے ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر پگڈنڈیوں کے اس جال کو دیکھا جو مختلف انداز میں مختلف رُخ اختیار کرتا ہوا بالآخر بستی کا رُخ اختیار کر لیتا تھا یہاں ان ویرانوں میں بھٹکنا بے معنی تھا۔ بہتر یہ ہے کہ اب کسی سے شناسائی پیدا کی جائے اور اس کے بعد کام کو آگے بڑھایا جائے۔ بلندی سے اُترنے کے بعد میں پھر آبادی کی جانب چل پڑا، راستہ کافی لمبا تھا درمیان میں جگہ جگہ جھاڑیاں اور کھیت پھیلے ہوئے تھے اور اس وقت میں غالباً بستی سے آدھے فاصلے پر تھا جب اچانک لمبی لمبی جھاڑیوں میں سے چند افراد باہر نکل آئے لباس دیہاتی تھے، چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں لمبی لمبی لاٹھیاں تھیں۔ وہ اس طرح اچانک سامنے آئے تھے کہ میں بھونچکا ہو کر رہ گیا اور میرے قدم اپنی جگہ رُک گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ میرے راستے میں آئے ہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے پینترے بدلنا شروع کر دیے، لاٹھیاں ہاتھوں میں تولیں اور اس طرح کا مظاہرہ کرنے لگے جیسے مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہوں۔ میں بُری طرح پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور بولا۔

"سُنو سُنو کون ہو تم لوگ ڈاکو ہو اور لوٹنا چاہتے ہو تو جو کچھ میرے پاس ہے لے لو لیکن حملہ کی کوشش مت کرنا میں تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ لوگ میرے اردگرد چکرانے لگے۔ اچھے خاصے تن و توش کے مالک تھے، ویسے اندازہ ہو چکا تھا کہ لاٹھیوں کے علاوہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔ چند لمحات کے بعد وہ رُک گئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہمارے ساتھ چلو بابو اور آنکھوں پر پٹی بندھوا لو۔ ہاتھ پیچھے کسوا لو اگر کوئی حرکت کی تو یہیں لاٹھیاں مار مار کر تمام بھیجا باہر نکال دیں گے۔"

"کہاں لے جانا چاہتے ہو مجھے؟"

"یہ نہیں بتایا جائے گا بس تمہیں چلنا ہے۔" اس شخص نے کہا۔

میں پریشان نگاہوں سے اُنھیں دیکھنے لگا، لُوٹ مار کی کوئی بات ہوتی تو کوئی حرج نہیں تھا ویسے بھی اس وقت میرے پاس کوئی ایسی خاص رقم نہ تھی جو قابلِ پریشانی ہوتی۔ گھڑی وغیرہ ہاتھ میں تھی اور چند چھوٹی چھوٹی چیزیں جو اگر چلی جاتیں تو مجھے تکلیف نہ ہوتی لیکن یہ لوگ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں اور کیوں؟ ایک لمحے تک تو سوچا پھر مجھے غصّہ آ گیا۔ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ دوستو! فرحت پور میں اگر یہی تمام تفریحات میری منتظر ہیں تو مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آؤ تمہیں اُستاد ہونے کے کمالات دکھاؤں چنانچہ میں نے تیور بدل لیے میں نے اُس شخص سے کہا جس نے مجھے ساتھ چلنے کے لیے ہدایت دی تھی۔ میں ان کے ساتھ جانا پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے فیصلہ کر لیں، اور وہ چاروں ایک بار پھر لاٹھیاں گھمانے لگے میں نے جیب سے رومال نکال لیا اور اُس کے دونوں سرے چٹکیوں میں دبا لیے۔ وہ چاروں میری حرکات دیکھ رہے تھے ان میں سے کسی نے مجھ پر حملہ نہیں کیا تو میں نے خود آگے بڑھ کر ان میں سے ایک کی پنڈلی پر لات مارنے کی کوشش کی، مجبوراً اُس نے لاٹھی گھمائی تھی لیکن لاٹھی میرے رومال پر پڑی اُس کے بعد رومال کی گرہ لاٹھی میں لگ گئی پھر لاٹھی اطمینان سے اُس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں آگئی اور میں نے عقب میں کھڑے شخص پر حملہ کر دیا۔ لاٹھی اُس کی ٹانگوں پر پڑی تھی اُس کے حلق سے بلبلاہٹ نکلی اور وہ زمین پر گر پڑا لیکن باقی تینوں کی لاٹھیاں میری لاٹھی پر رُکیں اور میں نے طرح دے کر ان کے عقب سے ان پر حملہ کر دیا۔ اس بار دوسرا آدمی میرا شکار ہو گیا تھا۔ باقی دو بدحواسی میں لاٹھی گھما رہے تھے اور میں ان کی لاٹھیاں اپنی لاٹھی پر روک رہا تھا جن دو کے میں نے ضرب لگائی تھیں وہ تو اس قابل بھی نہیں تھے کہ اب کھڑے ہو سکیں۔ بقیہ دو کو میں نے چند ہی ہاتھوں میں لمبا کر دیا اور اس بار میرے دونوں شکار بے ہوش ہو گئے تھے کیونکہ

لاٹھی کی ضرب اُن کے سروں کے پچھلے حصّے میں پڑی تھی۔ گو یہ ضربیں ایسی نہیں تھیں کہ اُن کے دماغوں کو کوئی نقصان پہنچتا لیکن بہرطور بے ہوش کرنے کے لیے یہ ضرب کافی تھی چنانچہ وہ اوندھے ہو گئے جو پہلا مضروب تھا اُس نے اُٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے آگے بڑھ کر اُس کی گردن پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا۔ اُس کے چہرے پر بندھا ہوا ڈھاٹا کھل گیا تھا اور اُس کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آگیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے یہ چہرہ جانا پہچانا محسوس ہوا۔ میں نے متحیرانہ نگاہوں سے اُسے دیکھا اور دوسرے لمحے اُچھل پڑا۔ یہ ان دونوں افراد میں سے ایک تھا جنھیں میں نے ڈاک بنگلے میں دیکھا تھا اور جنھوں نے لڑکی پر قبضہ جما رکھا تھا۔ اندھی لڑکی جو آج بھی میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی تب میری توجہ دوسرے شخص کی طرف مبذول ہوگئی اور میں نے آگے بڑھ کر اُس کی پنڈلی پر ایک زوردار ٹھوکر ماری۔ وہ درد سے کراہ اُٹھا میں نے اُس کا ڈھاٹا بھی کھول دیا لیکن یہ چہرہ میرے لیے اجنبی تھا اور اس شخص کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ البتہ وہ جس کا گریبان میں نے پکڑا ہوا تھا اَب سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”لڑکی کہاں ہے؟“

”کک... کک... کون لڑکی؟“ وہ سہمی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں اُس اندھی لڑکی کی بات کر رہا ہوں جو ڈاک بنگلے میں تمہاری قیدی تھی۔“ میں نے سوال کیا اور اُس شخص کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

میں... میں نہیں جانتا مجھے نہیں معلوم، جواب میں اُلٹا تھپڑ اُس کے گال پر پڑا اور اُس کے منہ سے ایک سہمی ہوئی چیخ نکل گئی۔

”ارے کیوں مارے ڈال رہے ہو ہمیں، ہے وہ لڑکی ہے ہم تمہیں اُس سے ملا سکتے ہیں۔“ اس بار اس کے انداز میں کچھ جھلاہٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔

”تم تو جانتے ہی نہیں تھے؟“

”اب جانتے ہیں سب کچھ جانتے ہیں وہ دونوں مر گئے کیا؟“ اُس نے بے ہوش پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”نہیں مرے نہیں ہیں لیکن دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ تم سب کو یہیں ٹھنڈا کر دوں۔“

”کر دو بھائی تمہیں حق پہنچتا ہے اس کا۔“

”لڑکی کہاں ہے فضول باتوں سے گریز کرو اور مجھے جواب دو۔“

”چلو ہم تو ویسے بھی تمہیں لے جانے کے لیے آئے تھے لڑکی سے ملا دیں تمہیں۔“

”کہاں ہے وہ؟“

”پرانی حویلی میں؟“

”ہاں جھاڑیوں کی دوسری طرف پگڈنڈی پر جیپ کھڑی ہوئی ہے تم نے مجھے پہچان لیا تو جیپ کو بھی پہچان لوگے۔ چلو اِدھر چلو کرمو تو اُٹھتا ہے کہ تیرے سر پر لاٹھی رسید کروں۔“ اُس نے بدستور جھلائے ہوئے لہجے میں دوسرے شخص سے کہا جو ابھی تک زمین پر بیٹھا ہوا کراہ رہا تھا۔

”مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا ریڑھ کی ہڈی کے نچلے حصّے میں لاٹھی لگ گئی ہے کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہوں تو ٹیس ہوتی ہے۔“

”کوشش کر کوشش کر ان دونوں کو بھی اُٹھا کر جیپ میں لے آ ہماری تو مصیبت ہی آکر رہ گئی ہے۔“ اُس شخص نے کہا۔ اُس کی آواز میں بدستور جھلاہٹ تھی جو سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ بہرطور ان دونوں نے کسی نہ کسی طرح اُن دونوں آدمیوں کو اُٹھایا اور کندھے پر لاد کر جیپ کی جانب چل پڑے دوسرے آدمی کی حالت کافی خراب معلوم ہو رہی تھی جس کا چہرہ میں نہیں پہچان سکا تھا۔ باقی دو بے ہوش آدمیوں کے چہرے بدستور ڈھاٹوں میں ڈھکے ہوئے تھے۔ جیپ کی ڈرائیونگ اُسی شخص نے سنبھالی جو قدرے بہتر حالت میں تھا اور جس سے میں نے لڑکی کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں خود بھی جیپ میں سوار ہوگیا حالانکہ یہ بات کسی حد تک غیر مناسب تھی اور مجھے یہ خطرہ نہیں مول لینا چاہیے تھا بقول اُن کے وہ تو مجھے لے جانے کے لیے ہی آئے تھے۔ اگر پرانی حویلی میں میں کسی چکر میں پھنس گیا تو اس دیارِ غیر میں جان بچانا بھی مشکل ہو جائے گی لیکن تجسس مجھ پر غالب تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ معاملہ کیا ہے اور ان لوگوں کو میری ضرورت کیوں پیش آگئی۔ وہ کون ہے جو ان کے پس پردہ ہے اور میرا اس سے کیا تعلق ہے۔ اس تصوّر نے تمام خدشات دور کر دیے اگر کوئی جھگڑا بھی ہوا تو اپنے آپ کو غیر متعلق ثابت کر کے جان بچانے کی کوشش

کروں گا اور اگر مسئلہ گڑبڑ ہی ہوگیا تو پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اَب میں ہاتھ پاؤں کا اتنا کچا بھی نہیں تھا کہ کسی اُلجھن سے اپنے آپ کو نہ بچا سکوں۔ اس فیصلے کے بعد میں اطمینان سے جیپ میں بیٹھا رہا لیکن جیپ کا سفر زیادہ لمبا نہیں تھا۔ پرانی حویلی تھی ہی کتنی دُور۔ ویسے یہ اُنھی تین حویلیوں میں سے ایک تھی جنھیں میں دیکھ چکا تھا۔ عقبی حویلی جو بائیں سمت تھی ہمارا ٹھکانہ ثابت ہوئی اور جیپ اُس کے عقبی دروازے سے اندر داخل ہوگئی۔ حویلی کے احاطے میں جھاڑ جھنکاڑ بکھرے ہوئے تھے۔ جا بجا درخت جھول رہے تھے اور ان کے درمیان ناتراشیدہ گھاس بکھری ہوئی تھی۔ اس گھاس پر سے گزر کر جیپ حویلی کے صدر دروازے پر جا رکی اور ہم تینوں نیچے اُتر آئے عقبی دروازے پر پھاٹک نہیں تھا جس کی وجہ سے جیپ کو اندر داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی لیکن صدر دروازہ کافی مضبوط نظر آرہا تھا اور پھر جب ہم نیچے اُترے تو ایک لمبے تڑنگے آدمی نے کسی طرف سے نکل کر اندرونی دروازہ کھول دیا تھا۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات دیکھے۔ وہ شخص جس سے میری گفتگو ہوتی رہی تھی بدستور بُرا سا منہ بنائے آگے بڑھا اور صدر دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔ اُس نے لمبے تڑنگے آدمی سے کہا۔

”دو اوندھے پڑے ہیں اور ایک سے نیچے نہیں اُترا جا رہا جاؤ انھیں سنبھالو۔“ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے رُک کر حالات کا جائزہ لیا اور پھر خود بھی اُن کے پیچھے چل پڑا۔ اُس نے ایک راہداری میں آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

”آجاؤ بابو آجاؤ جو کچھ ہوگا ٹھیک ہی ہوگا فکر مت کرو۔“ میں اُس کے ان الفاظ پر غور کرنے لگا لیکن میں نے آگے بڑھنے کی رفتار سُست نہیں کی تھی۔ راہداری کا اختتام ایک بڑے ہال میں ہوا تھا جس کے سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔ ہال میں عمدہ قسم کا قالین بچھا ہوا تھا باقی اور کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ دوسرے دروازے کو کھول کر وہ ایک اور غلام گردش میں آگیا اور وہاں سے گزرنے کے بعد ایک بڑے سے کمرے کے دروازے کے سامنے رُک کر بولا۔

”جاؤ اندر چلے جاؤ۔ تمہاری خوش بختی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔“

”بکواس مت کرو دروازہ کھولو تمہیں خود بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔“

”ارے ٹھیک ہے دھمکیوں پر دھمکیاں دیے جا رہے ہو چلو ہم بھی چلتے ہیں۔“ وہ بولا اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ اندر اچھی خاصی روشنی تھی ویسے بھی دن کا وقت تھا روشنی ابھی مدھم نہیں پڑی تھی اس کمرے میں البتہ کافی عمدہ قسم کا فرنیچر موجود تھا لیکن کمرے میں کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اُس شخص کو دیکھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا دفعتہً ایک طرف سے آواز آئی۔

”ہائے میں مر گئی تو آگیا ارے جمو ارے تیرا ستیاناس تمھوا پریشان کر کے رکھ دیو اَب بھی تیری کھوپڑیا پر وہی بھوت سوار ہے یا کچھ عقل ٹھکانے آئی۔“ میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا پیلے لباس میں ملبوس وہی دیہاتی لڑکی ایک کمرے کے دروازے سے نکل کر اس کمرے میں پہنچ گئی تھی۔ چہرہ گھونگٹ سے ڈھکا ہوا تھا اور انداز میں وہی تیکھا پن نظر آرہا تھا۔ میں نے پلٹ کر اُس شخص کو دیکھا وہ بُرا سا منہ بنائے ہوئے کھڑا تھا۔

ارے ممو بھیا تیری بڑی مہربانی یہ ہمرا مرد جب سے نا یہ پھلیں دیکھ دیکھ کر کھراب ہوگیا خود کو بابو سمجھنے لگا ہے اور کہت ہے کہ ہم اس کی لی بی نہ ہی ہیں، سمجھا بھیا اسے آدمی بنے ہم کا کریں گے کسی کا مرد ہی کھراب ہو جانے تو پھر اسے جینے کا کا حق پہنچے ہے۔ بھیا ممو تو اسے سمجھا دے نا۔“

”اس نے ہم سب کو سمجھا دیا ہے چھوٹی سرکار اب تم جانو تمہارا کام۔“ جس شخص کو ممو کہہ کر پکارا گیا تھا اُس نے کہا اور جھلائے ہوئے سے انداز میں باہر نکل گیا لیکن اُس کے منہ سے نکلے ہوئے جملے نے مجھے چونکا دیا تھا۔ چھوٹی سرکار چھوٹی سرکار چھوٹی سرکار یہی شخص تو تھا جو جیپ میں بیٹھ کر وہاں آیا تھا اور اس اندھی لڑکی کو لے جانے کی کوشش کی تھی۔ میں ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر پلٹ کر عقبی دروازہ بند کر دیا۔

”واہ رے جمو اتو ٹھیک ہوگیا نا پہچان لیا نا تو نے اب ہمیں۔“ پیلے لباس میں ملبوس دیہاتی لڑکی نے کہا اور میں اُس کی جانب متوجہ ہوگیا۔

”ہاں میرا خیال ہے میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔“ میں آگے بڑھا تو وہ پیچھے ہٹنے لگی۔

"ارے ارے مارے گا کیا ہم کا ایسی کا بھول ہو گئی ہے رے، مار لے مار لے اگر تیرا من چاہ رہا ہے تو مار لے۔" وہ رُک گئی تو میں نے آگے بڑھ کر اُس کا گھونگھٹ اُلٹ دیا اور پھر میرے اس خیال کی تصدیق ہو گئی جو اچانک ہی میرے ذہن میں رینگ آیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کھوپڑی کا جو حشر تھا وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ میرے سامنے وہی اندھی لڑکی کھڑی ہوئی تھی جس نے رو رو کر مجھے اپنی مظلومی کی داستان سُنائی تھی اور میں ایک رات مسلسل افسردگی کا شکار رہا تھا۔ اُس کی حسین آنکھوں میں ایک شوخ مسکراہٹ تھی اور چہرہ عجیب سی کیفیت کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

پہچان لیا نا تو نے جمو ا ہم کو دیکھ لے جمو پھلوں کی جندگی دوسری ہوئے ہے اور گھر کی جندگی دوسری۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے محترمہ لیکن جو زندگی آپ گزار رہی ہیں وہ آپ کے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ میں مجبور ہوں آپ نے خود مجھے اپنا شوہر مانا ہے اور سُنا یہ گیا ہے کہ ایجاب و قبول کے وقت لڑکی جب ایک اجنبی شخص کو اپنا شوہر مان لیتی ہے تو وہ ہر حال میں اُس کا شوہر بن جاتا ہے آپ نے اگر ازراہِ کرم مذاق میں اپنا شوہر کہا ہے تو قانوناً اور شرعاً مجھے یہ اختیارات حاصل ہو گئے ہیں کہ آپ کو اپنی بیوی ہی سمجھوں۔" میں نے آگے بڑھ کر پھرتی سے اُس کا بازو پکڑ لیا لیکن بہت چالاک تھی کم بخت میرے بازو پکڑتے ہی اُس نے سارا وزن پیچھے کیا اور زمین پر لیٹ گئی۔ میرے لیے توازن قائم رکھنا مشکل ہو گیا تھا اور یہی اُس کی چال تھی بازو میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں دوڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا اگر ہاتھ دیوار پر نہ رکھ دیتا تو یقیناً چہرہ لہولہان ہو جاتا۔ وہ پھرتی سے سیدھی کھڑی ہو گئی تھی۔

"ارے چل رے جمو اب یہ شرارت ہم سے ناہی چلے گی پہلے تو کان پکڑ کر معافی مانگ پھر سوچیں گے تیرے بارے میں بڑا پریشان کیا ہے تو نے ہمیں۔"

"پریشانی تو اب آپ کو اُٹھانی پڑے گی محترمہ سنبھلیے۔" میں نے کہا اور دفعتاً ہی میں نے اُس پر چھلانگ لگا دی۔ مجھے تھوڑا بہت اندازہ ہو رہا تھا حالانکہ زندگی میں کبھی ایسی لڑکی سے پالا بھی نہیں پڑا تھا لیکن اب پڑ گیا تھا اور یہ لمحات میرے لیے بہت اہمیت رکھتے تھے۔ لڑکی نے اپنی جگہ چھوڑ دی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ دائیں یا بائیں ہی کھسکے گی جونہی مجھے احساس ہوا کہ وہ بائیں طرف سرکی ہے میں نے اپنی چھلانگ کا رُخ بدل دیا اس بار میں پوری طرح اُس پر چھا گیا اور وہ کوشش کے باوجود میری گرفت سے نہ نکل سکی۔ میں نے اُسے زمین پر گرا کر دونوں ہاتھ اُس کے گرد رکھ دیے تھے۔ لڑکی نے پوری قوت سے اپنا سر میرے چہرے پر مارنے کی کوشش کی۔ میں تھوڑا سا آگے بڑھ گیا اور اُس کا سر میرے سینے سے ٹکرایا۔ تب میں نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے قبضے میں کر کے اپنے ہاتھوں سے زمین پر دبا دیے۔

"میں نے کہا نا جو اختیارات آپ نے مجھے سونپ دیے ہیں ان سے میں بڑے بڑے فائدے حاصل کر سکتا ہوں۔" میں نے اتنے الفاظ ہی ادا کیے تھے کہ دفعتاً عقب سے اُس کے دونوں پاؤں میری گردن میں آ پڑے اور پھر ایک زوردار جھٹکے سے اُس نے مجھے پیچھے اُلٹ دیا اور پھر اُلٹی قلابازی کھا کر کھڑی ہو گئی۔ میں بھی پھرتی سے سیدھا ہوا تھا مگر اُس کی دولتی میرے سینے پر پڑی۔ خاصی زوردار کِک تھی میں لڑکھڑایا اور پیچھے گر پڑا وہ پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی اور اس کے فوراً ہی بعد اس نے قریب رکھے ہوئے ایک صوفے کے عقب سے پستول نکال لیا تھا۔

"ارے کمال ہے ری چھینا اب تو ہمیں گولی سے دھمکا رہی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تو رو رہی تھی کہ ہم تجھے بھول گئے ہیں چل چھوڑ دیں ہم نے قلمیں دلمیں اب تو ہم تیرے جمو ہیں۔"

"ہوش میں رہو ہوش میں تم مذاق کو بدتمیزی کی حدود میں لے جا رہے ہو۔" اس بار اُس کا لہجہ بدلا ہوا تھا میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔

"محترمہ عورت کی ایک حد ہوتی ہے اور وہ حد بہت جلد ختم ہو جاتی ہے آپ نے محسوس کیا کہ آپ کی حد کتنی مختصر تھی۔"

"بہت زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو ورنہ پستول کی چھ گولیاں تمہارے بدن میں اُتر جائیں گی۔"

"کمال کی چیز ہیں آپ بھی مذاق ہی مذاق میں آپ ایک انسان کی زندگی بھی لے سکتی ہیں؟" میں نے کہا۔

"دونوں ہاتھ بلند کرو تمہارے پاس کوئی پستول وغیرہ ہے"

"جی نہیں مذاق کا شکار میں ہوا ہوں آپ نہیں۔"

"مگر تم نے ہم سے بدتمیزی کی ہے۔" وہ بولی۔

"اور آپ غالباً اب تک مجھے وعظ سُناتی رہی ہیں؟"

میں نے کہا۔

"مذاق کو صرف مذاق کی حد تک رہنا چاہیے لیکن تم مرد لوگ تم لوگ فوراً اخلاق کی گراوٹوں تک پہنچ جاتے ہو۔"

"ہاں شاید مگر بدقسمتی یہ ہے کہ اخلاق کی حدود کا تعین آپ نے کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ معمولی سی تعلیم یافتہ ہیں کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ یہ سب کچھ کیا تھا۔" میں نے سوال کیا۔

وہ مجھے گھورتی رہی پھر اُس کے چہرے پر موجود سختی نرماہٹوں میں تبدیل ہونے لگی اور اُس نے ہاتھ نیچے گرا لیا۔ پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "سوری مگر تم تو واقعی خطرناک چیز نکلے مجھے اس کی اُمید نہیں تھی۔"

"واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں اب ایسی بھی کیا جلدی چھینا مان لیا تو اب دوستی بھی کر لو ٹھیک ہے آئندہ نہیں کہوں گی کہ میرا تم سے کوئی تعلق ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں محترمہ دراصل ایسے مذاق کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"تو چلو مجھے اندھی سمجھ لو، لنگڑی سمجھ لو کچھ سمجھ لو بیٹھو بھئی غصہ اچھی بات نہیں ہے۔ تم نے مجھے متاثر کیا ہے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں پلیز بیٹھ جاؤ۔"

میں نے ایک لمحے اُس کی صورت دیکھی اور پھر ایک صوفے پر جا بیٹھا۔ وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھی اور خود بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی اور اُس کے بعد اُس نے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر پائل اُتارنا شروع کر دیں۔ دونوں پائل اُتارنے کے بعد اُس نے انھیں ایک طرف اُچھال دیا اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولی۔ "کافی پلاؤں۔"

"نہیں بے حد شکریہ مجھ پر پہلے ہی آپ کی کافی اور سینڈوچ اُدھار ہیں۔"

"سینڈوچ کیسے تھے؟" اُس نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔ دانتوں کی قطار بے حد حسین تھی اور مسکراہٹ کے وقت وہ اس انداز سے کھلتے تھے کہ نگاہ ان پر جم کے رہ جائے۔

میں ایک لمحے کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ "اچھے تھے۔"

"نمک بھی تھا ان میں؟"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب تم میرے نمک خواروں میں شامل ہو گئے۔"

"جی نہیں میں آپ کو بازار سے ایک سیر نمک خرید کر بھجوا دوں گا حساب برابر ہو جائے گا۔"

"مگر میں اسے کھاؤں گی نہیں۔"

"نہ کھائیے یہ فرسودہ روایت اب باطل ہو چکی ہے۔ انسان ویسے تو کسی کا وفادار ہوتا نہیں ہے تھوڑا سا نمک کھا لینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"نہیں یہ بحث تم مجھ سے نہیں کر سکتے نمک کھانا تو دراصل ایک اشارہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا زیرِ احسان رہ چکا ہے ورنہ بات صرف نمک کی ہی تو نہیں ہوتی سینڈوچ میں ڈبل روٹی بھی استعمال کی گئی تھی کافی میں شکر بھی تھی اور کافی بھی بلکہ کریم بھی تھی آدمی کریم خوار کیوں نہیں کہلاتا یا شکر خوار کیوں نہیں ہوتا بات صرف اشارے کی ہے۔"

"آپ کی زبان بڑی شستہ ہو گئی اچھی خاصی زبان بول رہی تھیں آپ، یہ اچانک آپ پر تہذیب کا دورہ کیوں پڑا ہے؟"

"بھئی یقین کرو تم نے سارے دورے درست کر دیے کچے پکے کی وہ پٹائی کی تھی اُسی وقت میں حیران رہ گئی تھی۔ ویسے میں نے سُنا ہے کہ باقی لوگوں کی بھی اچھی خاصی مرمت کی ہے تم نے۔ میں نے تو تمہیں لانے کو کہا تھا ان لوگوں سے لیکن پتا چلا ہے کہ تم انھیں لے آئے ہو میرے پاس۔ اب تم خود سوچو ایسے شاندار آدمی کو اگر اپنے دوستوں میں شامل نہ کیا جائے تو پھر کیا کیا جائے؟" میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس نے صوفے ہی کے عقب میں لگی ہوئی کسی گھنٹی کا بٹن دبایا اور اس عقبی دروازے سے جس سے وہ خود داخل ہوئی تھی ایک معمر اور دراز قامت عورت اندر داخل ہو گئی۔

"کافی لاؤ اور کچھ دوسری چیزیں بھی۔" معمر عورت گردن خم کر کے واپس چلی گئی تھی۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "ویسے تم کمال کے آدمی ہو، ہمدرد، ملنسار، طاقتور اور پھرتیلے اور شاید سادہ لوح بھی تم نے [illegible] مجھے [illegible] متاثر کیا ہے۔"

"متاثر تو آپ نے بھی مجھے کافی کر دیا ہے محترمہ لیکن آپ بذاتِ خود کیا ہیں اس کے بارے میں بھی کچھ انکشاف فرمائیں گی۔"

"ارے ہاں ہاں بتا دیں گے بتا دیں گے جلدی کیا ہے دوستی کی ابتدا تو ہو گئی ہے اب تعارف کی رسم بھی پوری ہو

جائے گی۔" اُس نے جواب دیا۔ میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے خیال آیا تھا کہ لڑکی معمولی حیثیت کی معلوم نہیں ہوتی اور یہاں فرحت پور میں میرا کوئی شناسا نہیں تھا اگر اس سے شناسائی کر لی جائے تو شاید کوئی کام کی بات ہو سکے۔ بہرطور وہ کافی تیز طرار اور شیطان صفت تھی لیکن ممکن ہے یہ کسی کام بھی آجائے چنانچہ میں نے فوراً اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کی اور مسکرانے لگا۔

"شکر ہے میں تو سوچ رہی تھی کہ تمہارا موڈ ٹھیک ہی نہیں ہوگا۔"

"ہونا تو واقعی نہیں چاہیے تھا لیکن تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تو ہنسی آتی ہے اندھی لڑکی اور پھر چھینا میرا خیال ہے اگر تمہاری مرضی کے مطابق یہاں پہنچتا تو نجانے تم کون کون سے روپ اختیار کر لیتی اور نجانے ابھی مجھے کتنے عرصے احمق بننا پڑتا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک بہترین تفریح میرے ہاتھ آئی تھی مگر کیا کروں انتخاب غلط ہو گیا۔"

"یعنی؟"

"بس بھئی یوں سمجھ لو کہ تم پر حقیقت کا اظہار دراصل تم سے دوستی کا اظہار ہے اور میں احمقوں سے دوستی نہیں کرتی بلکہ صرف وہی لوگ مجھے پسند ہوتے ہیں جو بذاتِ خود بھی کچھ ہوتے ہیں اب دیکھو نا احمق تو ہوتے ہی احمق بنانے کے لیے ہیں۔ لیکن کون ہو تم اپنے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟"

"بتاتے ہوئے خوفزدہ ہوں کہیں یہ بھی تمہاری چال نہ ہو۔" میں نے کہا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی ان آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے غصے کی سُرخی لہرائی تھی لیکن فوراً ہی یہ سُرخی معدوم ہو گئی۔

"تمہاری بیباکی مجھے پسند آئی حقیقتاً تم دوست بنانے کے قابل ہو کسی کی یہ مجال نہیں ہو سکتی کہ مجھ سے اس لہجے میں گفتگو کرے تم نے میرا دل جیت لیا ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اب تمہیں دوستوں کی مانند گردانوں گی اور ساتھ مزید کوئی شرارت نہیں کی جائے گی۔

میں ایک ذہین لڑکی کی زبان سے یہ الفاظ سُن کر ان پر اعتبار کر سکتا ہوں کیونکہ جو ذہین ہوتے ہیں اور کچھ کرنے کی صلاحیتیں رکھتے ہیں کم از کم جھوٹ نہیں بولتے اور وہ بھی کسی کو دوست کہہ کر۔"

"ہاں اس بات پر یقین رکھو واقعی اب تمہارے ساتھ کوئی فریب نہیں کیا جائے گا۔"

"میرا نام شارق ہے شارق حسین۔"

"میں الماس ہوں الماس آرا نیاز۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"نہ سمجھنے والی تو کوئی بات نہیں ہے جب میں نے تمہاری بات پر یقین کر لیا کہ تم شارق حسین ہو تو اس چھوٹی سی بات پر یقین کرنے میں تمہیں کیا دقت پیش آ رہی ہے کہ میں الماس آرا نیاز ہوں، مرحوم نیاز احمد کی اکلوتی بیٹی۔"

"ارے میرے خدا!" میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ویسے سچ مچ مجھے حیرت ہوئی تھی نواب نیاز احمد کی بیٹی میرے لیے باعثِ تعجب تھی کیونکہ اس کی حرکات عجیب و غریب تھیں۔ وہ کہنے لگی۔

"کیا کرتے ہو؟"

"آوارہ گردی اور صرف آوارہ گردی۔"

"آہ کتنے خوش نصیب ہو تم کیا تمہیں اس کے مواقع حاصل ہیں؟"

"ظاہر ہے حاصل نہ ہوتے تو یہاں تک کیسے پہنچتا۔"

"ذرائع آمدنی کیا ہیں؟"

"ماں باپ کا کھا رہا ہوں کوئی دقت پیش نہیں آتی سیر و سیاحت کا رسیا ہوں کبھی کبھی کتابیں لکھ لیتا ہوں اور ان سے کچھ ذاتی آمدنی بھی ہو جاتی ہے بس ابھی دُنیا دیکھ رہا ہوں اس کے بعد اس دُنیا میں اپنا مقام بنانے کی کوشش کروں گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ اپنا مقام بنانے کے لیے تم اتنے ہی خود مختار ہو جتنا سمجھ رہے ہو، لوگ تمہارے مزاحم نہیں ہوں گے؟"

"ہاں مجھے مکمل آزادی ہے۔"

"کیسے اچھے ماں باپ ہوتے ہیں وہ جو اپنی اولاد کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو یہ تصور ہے کہ اولاد اپنی مرضی سے پیدا ہو۔ اب تم ہی بتاؤ شارق کیا کوئی ماں یہ آرزو کرتی ہے کہ اس کے ہاں شارق پیدا ہو یا الماس پیدا ہو۔ کوئی باپ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ آنے والے وقت میں شارق آنے والا ہے یا الماس آنے والی ہے، ہم سب خدا کی مرضی سے اس کائنات میں آتے ہیں اور پھر انسان کی

مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ والدین بے شک بڑے نازک وقت میں ہماری معاونت کرتے ہیں۔ ہماری پرورش کرتے ہیں لیکن یہ تو دُنیا کی تاریخ ہے دُنیا اسی طرح آگے بڑھی ہے پھر تقاضۂ فطرت میں اپنی مرضی کیوں شامل کر لی جاتی ہے؟ اولاد پر اتنا تسلط کیوں قائم کر لیا جاتا ہے کہ وہ اپنی خوشی کے مطابق جی بھی نہ سکے۔"

"تم بہت دُکھی معلوم ہوتی ہو الماس!" میں نے بے تکلفی سے کہا۔

"اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر حیرت کے تاثرات نمودار ہوئے۔ پھر وہ مسکرا کر بولی: "تم لمحہ بہ لمحہ میرا دل جیت رہے ہو مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو کسی کی حیثیت سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ صرف ان کے رشتوں کو ذہن میں رکھتے ہیں جو اُن کے درمیان قائم ہو جاتے ہیں۔ شارق یار ہاتھ ملاؤ تم واقعی دوستی کے قابل ہو۔" وہ آگے بڑھی اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"دوستی نبھانے کے لیے بڑی محنت کرنا ہوتی ہے مس الماس آرا نیاز۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں میرے لائق اگر کوئی خدمت ہوئی تو اسے ضرور انجام دوں گی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا بہرطور اب ہم دوست بن گئے ہیں ویسے تمہیں کس سے شکایت ہے؟"

"اس وقت ایک ہی ہستی ایسی ہے جو قابلِ شکایت شکایت ہو سکتی ہے اور وہ ہیں میری والدہ محترمہ بیگم حکمت آرا نیاز لیکن ان کے نام میں ذرا سی گڑبڑ ہو گئی ہے حقیقت میں انھیں حکومت آرا ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہ صرف حکومت کی خواہشمند ہیں۔"

"گڈ ویری گڈ۔ بہت سخت مزاج ہیں کیا؟"

"کیا معمولی لفظ استعمال کر رہے ہو سخت مزاجی تو بڑی لطیف چیز ہے حویلی میں ہمیشہ ایمرجنسی قائم رہتی ہے اور ہر شخص خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے کہ کب اس کی شامت آجائے یہی پابندیاں اور یہی سختیاں ہیں جنھوں نے مجھے بغاوت پر آمادہ کیا ہے اور میں نے دُہری شخصیت اختیار کر لی ہے۔"

"دُہری شخصیت؟"

"ہاں کیا تمہیں اس کا اندازہ نہیں، دو تجربے تو تمہیں بھی ہو چکے ہیں۔ میں اس قسم کی تفریحات کرتی رہتی ہوں کیونکہ اس طرح میرے ذہن پر طاری جمود ٹوٹتا ہے اور میں خود کو آزاد فضاؤں کا پنچھی سمجھنے لگتی ہوں۔"

"گویا بہت سے تمہاری شرارتوں کا شکار ہوئے ہوں گے؟"

"اس میں میرا کیا قصور ہے مجھے اس رنگ میں لانے والی میری والدہ محترمہ ہیں۔"

"کیا بیگم حکمت آرا نیاز کو یہ بات معلوم نہیں کہ تم نے...؟"

"کمال ہے اگر معلوم ہو جاتی تو چھ خونخوار قسم کے کتے مجھ پر چھوڑ دیے جاتے اور وہ میری تکا بوٹی کر دیتے۔"

"باپ رے باپ کیا وہ کتے پالتی ہیں؟"

"ہاں اُن کے باڈی گارڈ ان کے کتے ہی ہیں انسانوں پر وہ بھروسا نہیں کرتیں۔" الماس نے جواب دیا اور میں نے دلچسپی سے اس کی باتیں سُنیں وہ کہنے لگی۔ "یہی وجہ ہے کہ میں نے ایک خفیہ گروہ بنا رکھا ہے میرے گروہ کے چند افراد سے تو تم مل ہی چکے ہو گے۔ کچھ یکے میرے دست راست ہیں اور باقی چار افراد اور ہیں جنھیں خفیہ طور پر تنخواہیں ملتی ہیں اور وہ میرے معاملات میں میری معاونت کرتے ہیں۔"

"ویری گڈ ویری گڈ ویسے کمال کی چیز ہیں یہ بیگم حکمت آرا نیاز۔ ویسے کمال کی چیز تو تم بھی ہو کیونکہ تمہاری رگوں میں انھی کا خون ہے لیکن یہ بغاوت کا مسئلہ ذرا گڑبڑ ہے۔"

"مجبوری صرف مجبوری ویسے تم تیز آدمی ہو یہاں فرحت پور کس لیے آئے ہو؟"

"میں نے کہا نا تفریحاً" میں اپنے ملک کے چھوٹے چھوٹے علاقوں کے بارے میں تحقیقات کر رہا ہوں وہاں کے لوگ، وہاں کا طرزِ زندگی، وہاں کے مالی مسائل وغیرہ وغیرہ پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں میں۔ یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ چھوٹے چھوٹے علاقوں میں کس کس طرح کی مشکلات موجود ہیں اور ان کا حل کیا ہو گا۔"

"خیر یہ تو اچھا موضوع ہے مگر ذرا خشک ہے میں کچھ اس طرح کی ذہنی مریض بن گئی ہوں کہ خشک موضوعات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور اس مرض کی وجہ محترمہ حکمت آرا ہیں ملو گے اُن سے؟"

"او ہو کیا پھر سے دشمنی کا آغاز ہو گیا؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

نہیں بھئی فضول باتیں مت کرو میں تو بس اس لیے پوچھ رہی تھی کہ اگر تم اپنے طور پر ان چھوٹے علاقوں کا تجزیہ کر رہے ہو تو حکمت آرا جیسی خطرناک خواتین کے بارے میں بھی کچھ

کھو جو خاتون ہوتے ہوئے بھی ہزاروں مردوں پر بھاری ہوتی ہیں اور بڑی خوبی سے وہ اچھے خاصے انسانوں پر حکمرانی کرتی ہیں۔ میں جو کچھ تم سے کہہ رہی ہوں ممکن ہے تم اسے مذاق سمجھو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اب بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو حکمت آرا کی طلبی پر حواس کھو بیٹھتے ہیں۔"

"اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ ریاست تو ختم ہو چکی ہے لوگ اپنے اپنے طور پر زندگی گزارتے ہیں بیگم حکمت آرا کی حکومت حویلی پر تو تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن باہر کے لوگ ان سے کیوں خوفزدہ رہتے ہیں کوئی نہ کوئی وجہ تو ہو گی؟"

"کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس ان کی فطرت میں حکومت کا عنصر شامل ہے لوگوں کے لیے بہت کچھ کرتی بھی رہتی ہیں خاص طور پر فرحت پور کے نواحی علاقوں میں کھاد فیکٹریوں کا قیام ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اس طرح فرحت پور کے نوجوانوں کو ملازمتیں مل گئی ہیں اور وہ کسمپرسی کی زندگی گزارتے تھے برسرِ روزگار ہو گئے ہیں اپنے اس احسان کا صلہ وہ ہر شخص سے وصول کرتی ہیں۔"

"کس صورت میں؟"

"صرف اس صورت میں کہ وہ ان سے خوفزدہ رہے۔"

"تم اپنی ماں سے بہت برگشتہ معلوم ہوتی ہو!"

"ہونا ہی چاہیے میری تمام آزادی سلب کر کے رکھ لی ہے انھوں نے۔ میں آزاد فضاؤں کی پنچھی ہوں لیکن میرے پر کاٹ دیے گئے ہیں۔ یہ حرکتیں جو کرتی ہوں یہ بھی صرف ذہنی جھنجلاہٹ میں کرتی ہوں ورنہ یہ میرے شایانِ شان نہیں۔"

"بڑی باکمال شخصیت ہیں بیگم حکمت آرا نیاز۔"

"ایک بار نیاز حاصل کر کے دیکھو صحیح اندازہ اسی وقت ہو گا۔"

"خوفزدہ کر رہی ہو؟"

"نہیں۔"

"تو پھر یہ بتاؤ کہ اُن سے ملاقات کیسے کی جا سکتی ہے؟"

"یہ میں بتاؤں؟"

"ہاں بھئی ظاہر تم نے یہاں تک میری رہنمائی کی ہے تو آگے بھی تم ہی مجھے ان سے ملاقات کے بارے میں بتاؤ گی۔"

"ہم۔" وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر چونک کر بولی۔ "تم کسی اخباری نمائندے کی حیثیت سے ان سے مل سکتے ہو بس وہ اخباری نمائندوں ہی کو لفٹ دیتی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ فرحت پور میں ان کی اصلاحات کا صحیح پرچار نہیں کیا جا رہا نہ ہی گورنمنٹ سے انھیں کوئی امداد مل رہی ہے اگر اخبارات ان کے بارے میں تفصیلات لکھیں اور ان کے خیالات عوام اور گورنمنٹ تک پہنچا دیں تو یہاں فرحت پور میں اور بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

میں دل ہی دل میں اس بارے میں سوچنے لگا تھا درحقیقت اپنے مقصد کا آغاز کہیں نہ کہیں سے تو کرنا ہی تھا اگر براہ راست حکمت آرا نیاز تک رسائی ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے بڑی آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں۔ میں اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دے سکتا تھا لیکن اخباری نمائندے کی حیثیت اختیار کرنے کا معاملہ ٹیڑھا تھا۔ بیگم حکمت آرا کے وسائل محدود تو نہ ہوں گے اس پر غور کرنا تھا۔

الماس کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں چونکا تو وہ بھی چونک پڑی پھر اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا سوچنے لگے تھے تم؟"

"اتنی بڑی شخصیت سے ملاقات کا تصور معمولی بات تو نہیں ہے۔" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خوف محسوس کر رہے ہو؟" اس نے ہنس کر کہا۔

"خوفزدہ نہیں ہوں بس یہ سوچ رہا ہوں کہ ان کے وسائل اتنے محدود تو نہ ہوں گے کہ وہ کسی اخبار کے رپورٹر کی حقیقت نہ جان سکیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی تھی کیونکہ اخبارات سے اُن کا اکثر رابطہ رہتا ہے۔"

"تب کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں رائٹر کی حیثیت سے انھیں متاثر کرنے کی کوشش کروں۔"

"لیکن اس کے لیے تمھیں اپنی کچھ کتابوں کا حوالہ دینا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے کتابوں کی حد تک تو بات بن جاتی ہے کیونکہ وہ آؤٹ آف مارکیٹ بھی ہو جاتی ہیں۔ اب میں کل ان سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔ براہ کرم تم اس سلسلے میں مجھے گائیڈ کرو۔" اور الماس مجھے وہ ذرائع بتانے لگی جن سے میں بیگم حکمت آرا نیاز تک پہنچ سکتا تھا۔ تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد میں نے اس سے اجازت چاہی اور وہ ہنس پڑی۔

"کیسے اور کیسے کو بلاؤں۔"

"میرا خیال ہے میں خود ہی یہاں سے چلا جاؤں گا ویسے تم سے ملاقات کرنی ہو تو؟"

"فی الحال اسی حویلی میں کیونکہ یہ میری خفیہ کارروائیوں کے لیے استعمال میں آتی ہے ورنہ دونوں پرانی حویلیاں بند پڑی ہوئی ہیں۔" میں نے گردن ہلائی اور الماس جہاں آرا مجھے حویلی کے عقبی راستے تک چھوڑنے آئی۔

"تو پھر ہماری دوستی پکی ہو گئی ہے ممکن ہے بیگم حکمت آرا کے ساتھ ہی تم سے ملاقات ہو گی۔ کل کس وقت آؤ گے؟" رخصت کرنے سے پہلے اُس نے پوچھا۔

"تقریباً ساڑھے دس بجے۔"

"مناسب ہے۔" اُس نے کہا اور میں اُسے سلام کر کے وہاں سے واپس پلٹ پڑا اور راستوں کا تعین کرتا ہوا بالآخر سرائے پہنچ گیا۔ معاملہ بے حد دلچسپ تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ واقعات میں خود بخود ڈرامائی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور اب کم از کم ایک ذریعہ نکل آیا تھا کام کے آغاز کا اور میں اس سے پوری پوری طرح فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ بہت دیر تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔

دوسرے دن انتہائی نفیس لباس اور اپنی شخصیت کو ایسا بنایا کہ جو دوسروں کے لیے باعث کشش ہو اور اس کے بعد نئی حویلی کے صدر دروازے تک پہنچ گیا۔ ریاستیں تو ختم ہو چکی تھیں لیکن نوابی شان کو ختم کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی اور پھر بیگم حکمت آرا کے وسائل اچھے معلوم ہوتے تھے کیونکہ اس وقت بھی حویلی کی شان ریاستی حویلیوں کی سی ہی تھی۔ دروازے پر باوردی چوکیدار، ہر طرف ادب و آداب کے مظاہرے۔ مجھے استقبالیہ پر پہنچایا گیا جہاں جدید ساخت کا انٹرکام موجود تھا اس کے پیچھے ایک بھاری بھرکم شخص بیٹھا ہوا حساب کتاب کا رجسٹر چیک کر رہا تھا۔ میں نے اُس سے اپنا تعارف شارق حسین کے نام سے کروایا اور بیگم حکمت آرا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

"وجۂ ملاقات؟" اُس نے مشینی انداز میں پوچھا۔

"بیگم حکمت آرا کی شخصیت کے کچھ پہلوؤں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا کیونکہ میرا تعلق ایک اشاعتی ادارے سے ہے۔"

"اطلاع دے دی جاتی ہے جناب بیگم صاحبہ کی اجازت ہوئی تو آپ کو ان کے پاس بھیج دیا جائے گا۔"

"بہتر۔" میں نے کہا اور وہ شخص انٹرکام پر کسی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ یہ بیگم صاحبہ کی کوئی سیکرٹری تھیں جن کی آواز انٹرکام پر اُبھری تھی۔ میرے بارے میں اُنھیں بتایا گیا اور اُنھوں نے کہا۔ "دو منٹ کے اندر جواب دیا جاتا ہے۔" پھر دو منٹ کے بعد انٹرکام پر آواز اُبھری کہ مجھے حویلی کے ڈرائنگ روم میں بھیج دیا جائے۔ حویلی کا ڈرائنگ روم جیسا ہو سکتا تھا اُسے تصور کیا جا سکتا ہے۔ ڈرائنگ روم کیا ڈرائنگ ہال تھا جس میں انتہائی دبیز سُرخ قالین بچھا ہوا تھا، دیواروں پر سرخ ہی پردے تھے۔ صوفوں

کے کشن کا رنگ بھی سُرخ تھا۔ بیگم حکمت آرا کے مزاج کا اندازہ اس سُرخ رنگ سے ہوتا تھا۔ یقینی طور پر وہ خون آشام قسم کی خاتون تھیں لیکن جب وہ سفید لباس میں نمودار ہوئیں تو ذہن سے یہ تمام خیالات خود بخود ختم ہو گئے۔ چہرے پر انتہائی متانت چھائی ہوئی تھی قد لمبا اور نقوش میں الماس کی جھلک ملتی تھی۔ بہت ہی سفید رنگ جو سفید سلک کے لباس سے بالکل ہم آہنگ معلوم ہو رہا تھا۔ بال انتہائی لمبے اور گھنے آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ۔ ہونٹوں کی بناوٹ البتہ یہ ثابت کرتی تھی کہ بیگم صاحبہ سفاک فطرت کی مالک ہیں۔ باریک باریک اور بھنچے ہوئے ہونٹ یہ الماس کے ہونٹوں کی تراش سے نہ تھے غالباً ہونٹوں کی تراش الماس کو باپ سے ملی تھی۔ بیگم صاحبہ کے بولنے کے انداز میں بھی بہت گہرا پن پایا جاتا تھا۔ اُنھوں نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا دیکھتی رہیں۔ میرے سلام کے جواب میں اُنھوں نے صرف گردن خم کی تھی، پھر اُنھوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور مجھ سے کچھ فاصلے پر خود بھی ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"مجھے تمہارے بارے میں بتایا گیا تھا لیکن تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں۔"

"دراصل میں ایک فری لانسر رائیٹر ہوں۔ مختلف موضوعات پر مضامین اور کتابیں وغیرہ لکھتا رہا ہوں۔ فی الحال میرے زیرِ تحریر ایک کتاب ہے جس میں اپنے وطن کی معزز و عجیب شخصیتوں کی تفصیلات لکھ رہا ہوں۔ میں اس سلسلے میں بہت سی جگہوں کا دورہ کر چکا ہوں، بہت سی شخصیتوں سے ملاقات ہوئی ہے۔ آپ کا نام سُن کر اس طرف نکل آیا تھا۔ سُنا ہے کہ آپ نے مرحوم نیاز احمد کے انتقال کے بعد فرحت پور کی شکل و صورت تبدیل کر دی ہے۔ میں نے اس سے پہلے فرحت پور کبھی نہیں دیکھا لیکن اب جائزہ لیا تو یہ محسوس ہوا کہ فرحت پور کی ترتیب میں ایسی نفاست ہے جسے صحیح الفاظ نہیں دیے گئے اور اسے صرف فرحت پور کہہ کر ختم کر دیا گیا۔ یہاں کے بارے میں معلومات میں نے آپ سے دور رہ کر ہی حاصل کی ہیں۔ مثلاً کھاد بنانے کے یہ کارخانے بڑی ذہانت کا مظہر ہیں کیونکہ اس طرح کے کارخانے اس قسم کے علاقوں میں بہتر کام کر سکتے ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ فرحت پور کو ایک بہت ہی جدید شکل دینے کی تیاریاں بھی کر رہی ہیں۔ کیا آپ مجھے اس سلسلے میں تفصیلات بتانا پسند کریں گی؟ اپنی کتاب میں اس گراں قدر اضافے پر میں ہمیشہ آپ کا شکر گزار رہوں گا۔" پہلی بار بیگم حکمت آرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی اور ان کی آنکھوں کی کیفیت بدل گئی۔

"تمہاری یہ کوشش مجھے پسند آئی لڑکے کیا نام ہے تمہارا؟"

"شارق حسین۔"

"اس سے پہلے بھی کتابیں لکھ چکے ہو؟"

"جی ہاں کئی کتابیں جو بڑے اہتمام سے شائع کی گئی ہیں۔"

"تمہاری پیشانی اور آنکھوں کی بناوٹ بتاتی ہے کہ تم بلاشبہ اپنے کام میں مضبوط قوتِ ارادی رکھتے ہو، مجھے ایسے نوجوان پسند ہیں۔"

"اس نوازش کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔"

"میں تمہیں تمہاری کتاب کی تیاری میں پوری پوری مدد کرنے کا وعدہ کرتی ہوں۔ ہر چند کہ میرا تعلق زندگی کے اس شعبے سے کبھی نہیں رہا ہے۔ میں صرف تحریر کو ناکافی سمجھتی ہوں لیکن اگر کوئی اپنا کام اس انداز میں بھی کرنا چاہے تو غلط نہیں ہے۔ یہ بتاؤ تمہارا طریقۂ کار کیا ہے، فرحت پور کا انتخاب کرتے وقت کیا میں تمہارے ذہن میں تھی؟"

"جی ہاں! میں جب کسی علاقے کا انتخاب کرتا ہوں تو پہلے اُس کے بارے میں کافی معلومات جمع کر لیتا ہوں اور یہی معلومات مجھے اس بات پر اُکساتی ہیں کہ میں تفصیلات لکھوں۔ یوں تو بے شمار لوگوں نے بے شمار کام کیے ہیں لیکن وہ ان کاموں کے لیے موزوں ترین تھے جب کہ ایک خاتون نے غالباً پہلی بار اس طرح کی ذمہ داریاں اپنے شانوں پر لی ہیں وہ بھی بے لوث اور بے غرض ہو کر۔ مجھے معاف کیجیے گا محترمہ میں صاف گوئی کا عادی ہوں اور جو کہتا ہوں بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔ بعض اوقات میرے الفاظ کچھ لوگوں کو ناگوار بھی محسوس ہوتے ہیں کیونکہ یہ اُن کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔ درحقیقت یہ ذمہ داریاں تو نواب نیاز احمد کی تھیں لیکن نوابین جنھیں یہ نوابی ورثے میں ملا کرتی تھی خود پر بہت زیادہ توجہ دینے کے شائق ہوتے تھے۔ اپنے تعیشات اور عیش کوشی کے لیے وہ بہت کچھ کر لیا کرتے تھے۔ بہت کم ہی ایسے ہوتے تھے جو عام لوگوں کی زندگی کے بارے میں بھی سوچیں، کیا نواب نیاز احمد بھی ایسے ہی تھے؟"

"نواب نیاز احمد کو اس دُنیا سے گئے ہوئے طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اُن کے بارے میں کچھ کہنا میں سمجھتی ہوں کچھ مناسب نہیں ہے۔"

"ہم قطعی طور پر اُن کی توہین نہیں کریں گے اور نہ ہی کوئی بُرے الفاظ اُن کے بارے میں ادا کریں گے بس میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے دل میں یہ تحریک کب پیدا ہوئی؟"

"نواب صاحب کی موت کے بہت عرصے بعد میں نے فرحت پور کا دورہ کیا۔ ویسے بھی فرحت پور کے لوگوں کے معاملات میرے علم میں آتے رہتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے ان کی مدد بھی کرتی ہوں لیکن میرے پاس اتنے وسائل نہیں تھے کہ میں فرحت پور کے تمام نوجوانوں کو برسرِ روزگار کر دیتی اس کے لیے میں دن رات سوچتی رہی اور پھر میں نے یہ کھاد کے کارخانے تعمیر کرائے اس سلسلے میں میں نے اپنے پاس سے بھی بہت رقم خرچ کی اور ان لوگوں کو بھی اپنی جانب راغب کیا جو اس میں سرمایہ کاری کرنا چاہتے تھے۔ نتیجے میں چند کارخانوں نے کام شروع کر دیا اور بے شمار نوجوان ان میں مصروف ہو گئے۔"

"حالانکہ یہ کام نواب صاحب کا تھا اور انھیں بہت پہلے سوچ لینا چاہیے تھا اس بارے میں ویسے معاف کیجیے گا مرحوم نواب صاحب کی موت بھی طبعی نہیں تھی اُنھیں شاید قتل کیا گیا تھا۔ کیا آپ ان کے قتل پر کچھ روشنی ڈال سکتی ہیں؟"

"میں نے کہا نا کہ گزری بات کو جانے دو، بہت سے زخم تازہ ہو جائیں گے کیا فائدہ زخم کاری سے، بہتر یہ ہے کہ ہم ہنسی خوشی کی بات کریں۔"

"بیگم صاحبہ . . . مجھے قطعی طور پر یہ حق حاصل نہیں ہے کہ میں گڑے مُردے اکھاڑوں لیکن میری تحریر کی یہی ایک خوبی ہے کہ میں ہر شخصیت کا ذہنی تجزیہ بھی کرتا ہوں۔ مرحوم نواب صاحب کی موت کے سلسلے میں مجھے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ بڑی عجیب ہیں اور ان کے بارے میں میری قطعی تشفی نہیں ہوئی اور میں یہ سوچتا ہوں کہ نواب صاحب کی موت کو اس طرح کیوں نظر انداز کر دیا گیا؟"

"مطلب؟" بیگم نواب صاحب نے بھویں سکیڑ کر پوچھا۔

"عرض کر چکا ہوں بیگم صاحبہ کہ جو کام بھی کرتا ہوں اُس کی گہرائیوں تک پہنچنے کا خواہش مند رہتا ہوں۔ کیا آپ میری بات سے متفق نہیں ہیں کہ نواب صاحب جیسی عظیم شخصیت کے قتل کو خاموشی سے دبا دیا گیا، حیرت ہوتی ہے جب کہ ان کے سلسلے میں تو بہت کچھ ہونا چاہیے تھا۔"

"یہاں تمہاری معلومات ناقص ہیں نوجوان! نواب صاحب کے قاتل کو نہ صرف گرفتار کیا گیا بلکہ اُسے سزا بھی ملی۔"

"نواب صاحب کے قاتل کو کتنی سزا دی گئی بیگم صاحبہ۔"

"غالباً چودہ سال قید بامشقت، جس میں کوئی رعایت نہیں کی گئی تھی یعنی یہ نہیں ہوا کہ یہ قید معاف کر دی جاتی، دن اور رات تعین کیے جاتے یہ پوری پوری قید تھی۔"

"نواب صاحب کے قاتل کو صرف چودہ سال کی سزا آخر اسے پھانسی کی سزا کیوں نہیں دی گئی؟"

"اس لیے کہ اسے کچھ قانونی رعایتیں حاصل ہو گئی تھیں۔"

"بدترین سزا کے مستحق شخص کو قانونی رعایتیں؟ بات کچھ عجیب سی نہیں ہے کیا آپ کے وکلا نے اس سلسلے میں جانبداری نہیں برتی؟"

"بھئی اب یہ قانونی معاملات ہیں میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟"

"نہیں بیگم صاحبہ . . . میرا خیال ہے اس شخص کو پھانسی کی سزا ملنی چاہیے تھی جس نے نواب صاحب جیسے فرشتہ صفت انسان کو قتل کیا یا مجھے معاف کیجیے گا نواب صاحب کی شخصیت میں کوئی کھوٹ تھی؟"

"سُنو لڑکے! جملوں کا استعمال کرتے وقت احتیاط برتنی چاہیے۔"

"اگر آپ کے جذبات مجروح ہوئے ہوں تو میں دست بستہ آپ سے معافی کا خواستگار رہوں لیکن جس چیز کے سلسلے میں میں مطمئن نہیں ہوتا اس کے لیے سوالات کرتا رہتا ہوں آپ اسے میری کمزوری گردانیے۔ میں یہ پوچھنے کا خواہش مند ہوں کہ نواب صاحب کو کسی نے کیوں قتل کیا اور قاتل کے ساتھ یہ رعایت کیوں برتی گئی؟"

"بھئی اس کا فیصلہ عدالت نے کیا تھا میں نے نہیں، لیکن یہ خواہش بارہا میرے دل میں مچلی کہ فیصلہ کرنے کی اجازت مجھے ملتی۔"

"فرض کیجیے اگر یہ اجازت آپ کو دے دی جاتی بیگم صاحبہ تو آپ اس سلسلے میں کیا کرتیں؟"

"اپنے دانتوں سے اُس کا نرخرہ چبا ڈالتی اور اس کے بدن کے ٹکڑے کر کے اپنے کتوں کے آگے ڈال دیتی اور وہ اس کی ہڈیاں تک چبا ڈالتے، وہ اسی قابل تھا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ جیسی خاتون بھی اس سلسلے میں بے بس ہو گئیں؟"

"میں قانون شکن نہیں ہوں، قانون نے جو فیصلہ کیا مجھے اس کے سامنے خاموش ہونا پڑا۔" بیگم حکمت آرا نے جواب دیا۔ ان کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، میں چند

لمحات سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔ "لیکن بیگم صاحبہ! لوگوں کا خیال ہے کہ قاتل کوئی اور تھا وہ نہیں جسے سزا ہوئی؟"

"لوگ بکواس کرتے ہیں۔" بیگم نواب صاحبہ نے غرّاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"امکانات ہو سکتے ہیں بیگم صاحبہ۔ آپ اسے نظر انداز کیوں کر رہی ہیں؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔ پولیس نے پوری پوری تحقیق کی اور پھر شاید تم نے صحیح طور پر معلومات حاصل نہیں کیں۔ حفیظ الدین نے خود اعترافِ قتل کیا۔"

"اس کی کوئی وجہ؟"

"ہاں وجہ تھی۔ تھوڑی سی رقم جو میں اپنے کسی کُتے کے علاج پر خرچ کر سکتی تھی اگر مجھے اس رقم کی کہانی سُنا دی جاتی تو میں اس پر لعنت بھیج دیتی یا زیادہ سے زیادہ حفیظ الدین کو اپنی ملازمت سے نکال دیتی لیکن اُس انسان نے رقم کے عوض نواب صاحب کی قیمتی جان لے لی۔ یہی غم تو ہے مجھے کہ نواب صاحب کی زندگی بہت معمولی سی بات کے لیے گئی۔"

"کاش آپ اس سلسلے میں تحقیقات کرتیں بیگم صاحبہ! ممکن ہے نواب صاحب کی قیمتی زندگی اس معمولی سی بات کے لیے نہ لی گئی ہو۔"

"تم مجھے کچھ شکی سے محسوس ہو رہے ہو۔ اپنی کتاب کی تکمیل کرو۔ اس فضول بات سے تمہیں کیا دلچسپی ہے؟"

"نہیں بیگم صاحبہ اتنے عظیم شخص کی موت کے بارے میں تبصرہ آرائی فضول بات نہیں کہی جا سکتی۔ میرے جذبات ان الفاظ سے وابستہ ہیں۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" بیگم حکمت آرا نیاز نے جھلّاتے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ بھلا اور کون نواب صاحب کا قاتل ہو سکتا ہے جب کہ اُس شخص نے خود اس قتل کا اعتراف کیا تھا اور اُس کے بعد سزا پائی تھی۔"

"ذرا سوچیے بیگم صاحبہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قاتل خود کو آپ ہی منظرِ عام پر لے آئے اور تمام حقیقتیں بتا دے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ حفیظ الدین کو کسی نے اس بات کے لیے مجبور کیا ہو ہر چند کہ اُس نے اعترافِ قتل کیا لیکن اس کے باوجود قانون اس سے رعایت کرنے پر مجبور ہو گیا آخر کیوں؟"

"صرف اس لیے کہ قتل کا کوئی عینی گواہ نہیں تھا۔"

"یہی بات تو قابلِ گرفت ہے بیگم صاحبہ، عدالت اسی بات کو شک کا درجہ دیتی ہے اور اس کی سزائے موت معاف کر دیتی ہے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے پسِ پردہ کوئی بہت ہی گہرا ہاتھ کام کر رہا ہو۔" میں نے کہہ تو دیا لیکن دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ الفاظ میرے لیے شامت کا باعث نہ بن جائیں۔ بیگم صاحبہ کے بارے میں ابھی کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کہیں خود بیگم صاحبہ اس قتل کے پسِ پُشت ہوئیں تو میرے الفاظ نہ صرف ان کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں بلکہ وہ میرے بارے میں بھی کسی اور انداز سے سوچ سکتی ہیں لیکن کچھ نہ کچھ تحریک تو پیدا کرنی ہی تھی۔

بیگم حکمت آرا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے غصّے میں گھورنے لگیں پھر بولیں۔ "بہت عرصہ بیت گیا ہے نجانے کیسا کیسا وقت گزرا ہے میں نے براہ کرم ان باتوں کو مت دُہراؤ زخم ہرے ہو جائیں گے اور میں ہفتوں سکون کی نیند نہ سو سکوں گی۔"

"بیگم صاحبہ اگر اصل قاتل حفیظ الدین نہیں ہے تو آپ سکون کی گہری نیند کیسے سو گئیں۔ آپ کو سو فیصد یقین کیسے ہو گیا کہ وہ شخص قاتل ہے۔"

"بے وقوف آدمی اس نے اعترافِ قتل کیا اور اس قتل کی وجہ بھی منظرِ عام پر تھی۔"

"اس قسم کے بڑے لوگوں کے قتل اتنے معمولی انداز میں نہیں ہو سکتے۔ میرا تجربہ یہ بات کہتا ہے اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر آپ تحقیقات کرائیں تو اس کے پسِ پُشت کوئی اور ہی نکلے گا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ نواب صاحب اتنے تنگ دل تھے کہ ایک چھوٹی سی رقم کے عوض اپنے کسی ملازم کو اس حد تک مجبور کر دیں کہ وہ اُنھیں قتل کرنے پر مجبور ہو جائے۔ بیگم صاحبہ معاف کیجیے گا۔ کیا آپ یہ بتا سکتی ہیں کہ آخر حفیظ الدین کے بیوی بچے اس رقم سے فائدہ بھی اُٹھا سکے یا رقم انھیں ملی ہی نہیں۔"

"بیوی بچے تو شاید یہاں موجود نہیں ہیں۔ اس کی بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی تھی۔"

"اوہ کیا آپ نے انتقاماً انھیں فرحت پور سے نکال دیا۔"

"تم اتنی گستاخانہ گفتگو کر رہے ہو کہ مجھے غصّہ آ سکتا ہے، بھلا وہ لوگ میرے انتقام کی کیا تاب لا سکتے تھے، مجھے تو بہت تعجب ہوا کہ حفیظ الدین کے بیوی بچے اپنے گھر چلے گئے ہیں اگر ان سے انتقام ہی لینا ہوتا تو حفیظ الدین کا سگا بھائی جس پر ابتدا میں شک کیا گیا تھا یہیں فرحت پور ہی میں کیوں

قیام کرتا۔ اچھی خاصی زندگی گزار رہا ہے زمینیں ہیں اُس کی۔ باغ لگا رکھے ہیں اُس نے کافی محنت کرتا ہے اور اس کے حالات کافی بہتر ہو گئے ہیں۔ میں نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ آپ میرے لیے ایک آئیڈیل خاتون ہیں۔ میں آپ کی شخصیت بے داغ چاہتا ہوں۔ لوگ کبھی کسی مرحلے پر یہ نہ کہیں کہ آپ نے اپنے شوہر کی موت کو بہت سادگی سے تسلیم کر لیا اور اس سلسلے میں عام لوگوں سے آپ کی رائے الگ نہیں رہی۔"

"تم کچھ کر سکتے ہو اس بارے میں؟" بیگم صاحبہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم اصل قاتل کو تلاش کر لو میں تمہیں دس لاکھ روپے نقد دوں گی بشرطیکہ وہ قاتل ثابت ہو جائے۔"

"اوہ آپ مجھے بے ہوش ہو جانے پر مجبور کر رہی ہیں بیگم صاحبہ، دس لاکھ میں نے زندگی میں کبھی یکجا نہیں دیکھے ہیں، کیا آپ یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہی ہیں۔"

"یہ میرے لیے معمولی رقم ہے۔ میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ یہ ثابت کر دو کہ میں نے نواب صاحب کے قتل پر کوئی توجہ نہیں دی کہ قاتل کوئی اور تھا اور ایک اعتراف کرنے والے کو میں نے سزا دلوا کر نواب صاحب کی موت کا فائل بند کروا دیا۔"

"نہیں بیگم صاحبہ اس انداز میں نہیں اگر یہ سب کچھ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں تو بلاشبہ مجھے اس پر فخر بھی ہو گا اور خوشی بھی کہ آپ نے میرے سپرد کوئی ذمہ داری کی، آپ کو میری مدد کرنا ہو گی اگر آپ مجھے اجازت دیں تو فی الحال میں اپنی کتاب کا معاملہ پسِ پشت ڈال کر نواب صاحب کے سلسلے میں کام کروں گا۔"

"پاگل آدمی کچھ نہیں ہو گا کچھ بھی نہیں ملے گا تمہیں۔"

"اگر نہیں ملے گا تو میں آپ سے معذرت کر لوں گا بتائیے میری مدد کریں گی۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری مدد کروں گی۔" بیگم صاحبہ نے سپاٹ لہجے میں کہا اور میں مسکراتی نگاہوں سے اُنھیں دیکھنے لگا۔ اپنی دانست میں میں نے پالا مار لیا تھا اور اب میں زیادہ ہمّت، محنت اور دلچسپی کے ساتھ اپنے اس کیس پر کام شروع کر سکتا تھا۔

بیگم صاحبہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں غالباً میرے الفاظ میں گُم ہو گئی تھیں پھر اُنھوں نے چونک کر کہا۔

"اور کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"صرف چند الفاظ۔" میں نے فوراً کہا۔

"کہو۔"

"الف لیلیٰ کی راتوں کے لاتعداد تذکرے ہوئے ہیں۔ میں اس دن کو الف لیلیٰ کا دن قرار دینا چاہتا ہوں جس میں میری آپ سے ملاقات ہوئی۔ میری نگاہ میں آپ ایک الف لیلوی شخصیت ہی ہیں۔ آپ نے مجھے دس لاکھ روپے دینے اور اپنے تعاون کا یقین بھی دلایا ہے لیکن معاف کیجیے گا آپ کی نگاہوں میں میرا کوئی مقام نہیں پیدا ہوا اس سے محرومی مجھے ناگوار گزری ہے۔"

بیگم حکمت آرا نے گھورتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ان کے پتلے پتلے ہونٹ بھنچ گئے تھے پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولیں۔ "لڑکے تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ جن لوگوں کے سامنے تم گفتگو کرتے ہو وہ اس دُنیا سے لاعلم نہیں ہوتے۔ اُنھیں لفظوں کی بناوٹ یا ان کی چاشنی کا علم نہیں۔ تم خوبصورت الفاظ کے ذریعے مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میں نے بھی دُنیا بہت گہری نگاہوں سے دیکھی ہے۔ متاثر کرنے کے لیے حسین الفاظ کا سہارا ہر جگہ کارآمد نہیں ہوتا۔ میں ٹھوس طبیعت کی مالک ہوں۔ تم نے مجھے ایک چیلنج کیا۔ میں نے اسے بطورِ چیلنج ہی قبول کر لیا اور اب تم اپنا کام کرو۔ جہاں میری ضرورت ہو لفظوں کو خول میں بند کیے بغیر مجھ سے اظہار کر دینا۔ بات میرے بس کی ہوئی تو تمہاری مدد ضرور کروں گی اور کیسی توجہ چاہتے ہو مجھ سے؟"

"بس کچھ نہیں بیگم صاحبہ جو میں چاہتا تھا اُسے آپ نے بڑی عجیب سی صورت میں تبدیل کر دیا ہے چنانچہ اب صرف اجازت چاہتا ہوں۔"

اسی وقت ایک عجیب سی آواز کانوں میں اُبھری پھر دروازے پر دستک ہوئی، دروازہ کھلا اور الماس جس شکل میں میرے سامنے آئی میں اُسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ ڈھیلے ڈھالے لباس میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی لیکن اُس کی دونوں بغلوں میں بیساکھیاں دبی ہوئی تھیں۔ وہ نہایت سُست رفتاری سے اندر داخل ہوئی تھی۔ بیگم حکمت آرا نے اُسے دیکھا میری نگاہیں بھی اُس کی طرف اُٹھیں۔ الماس کے چہرے پر نظر آنے والی جھلک انتہائی قدرتی تھی جب کہ میں جانتا تھا کہ یہ مصنوعی ہے۔ اس لڑکی کی اداکارانہ صلاحیتوں کو تو میں پہلے ہی قبول

کر چکا تھا لیکن اس وقت تو اس کی صورت قیامت کی معلوم ہو رہی تھی۔ بیساکھیوں کا سہارا اور چہرے پر اپاہج پن کی مایوسی وہ عجیب سی شکل میں نظر آ رہی تھی۔

"معاف کیجئے گا مجھے علم نہیں تھا کہ آپ کے پاس مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اُس نے بیساکھی کا رُخ بدلتے ہوئے کہا۔

تبھی حکمت آرا کی آواز اُبھری "نہیں الماس کوئی بات نہیں ہے۔ آؤ تمہیں ایک دلچسپ شخصیت سے ملواؤں۔"

الماس نے اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھا سلام کیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ آئی۔ بیگم حکمت آرا نے میری طرف رُخ کر کے کہا۔

"شارق یہ میری بیٹی الماس آرا نیاز ہے۔ میری اکلوتی بیٹی تمہیں اس سے مل کر یقیناً خوشی ہوگی۔"

میں نے گردن خم کر کے الماس کو سلام کیا تھا۔

"کون ہے یہ امی؟"

"ادیب۔ کتابیں لکھتے ہیں اور کتابوں کی دُنیا میں اس طرح گُم ہو گئے ہیں کہ ہر وجود انھیں افسانہ نظر آتا ہے۔"

"اوہ۔ ادیب قابلِ قدر ہوتے ہیں امی۔ ہر چند کہ تخیل کی دُنیا کے رہنے والے ہوتے ہیں لیکن ان کے تخیلات بعض اوقات خود اس عام دُنیا کے رہنے والوں کو سکون بخشتے ہیں آپ سے مل کر خوشی ہوئی شارق صاحب۔"

"شکریہ۔ مس الماس لیکن ہم ادیبوں میں یہی ایک بڑی خرابی ہے کہ ہم انسان کو صرف انسان کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ شخصیتوں کا تعین ہمارے نزدیک کچھ نہیں ہے۔ اپنی اپنی سوچ اور حالات ہوتے ہیں جو کسی بھی انسان کا درجہ متعین کر دیتے ہیں ورنہ روتے ہوئے آنے والا اور بے بسی سے چلے جانے والا ایک ہی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔"

"یہ مجھ پر طنز ہے۔ تم ذہنی طور پر مجھے تسلیم نہیں کر پائے۔"

"نہیں بیگم صاحبہ میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ میری جگہ اگر کسی ریاست کا کوئی نواب یا کوئی بڑا سرکاری عہدیدار آپ سے ملاقات کرنے آتا تو آپ یقیناً اُسے خوش آمدید کہتیں اور کم از کم اُسے چائے کی پیشکش ضرور کرتیں کیونکہ آپ کے اس عظیم الشان محل میں چائے کی ایک پیالی پیش کرنے میں آپ کو کوئی دقت نہ ہوتی۔ میں حیثیتوں کے اسی تعین سے افسردہ ہوں۔"

بیگم حکمت آرا نے مجھے چونک کر دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اُن کی نگاہوں میں خجالت کے آثار نظر آئے پھر گردن جھکا کر وہ چند لمحات سوچتی رہیں اور اس کے بعد نرم لہجے میں بولیں۔

"تم نے میری ایک کوتاہی کی جانب توجہ دلائی ہے۔ میں اپنی اس غلطی کی معافی چاہتی ہوں تم سے۔ بے شک یہاں مجھ سے بد اخلاقی ہوئی لیکن اب جب تم اس کی نشاندہی کر چکے ہو تو میری شرمندگی کم کرنے کے لیے میرے ساتھ چائے ضرور پیئو۔"

"مخلص لوگ کسی کے ذہن پر کوئی بار نہیں رہنے دیتے۔ میں چائے پینا چاہتا ہوں۔"

بیگم حکمت آرا نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ اُٹھ کر دیوار پر لگی بیل دبا دی۔ اسی دوران الماس نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے مجھے آنکھ ماری تھی اور میں خوفزدہ ہو کر بیگم حکمت آرا کی طرف دیکھنے لگا کہ اُنھوں نے اس حرکت کو نہ دیکھ لیا ہو۔ وہ دوبارہ اپنی نشست پر آ بیٹھیں۔

"الماس سے گفتگو کرو شارق۔ الماس! درحقیقت شارق ادیب تو ہیں لیکن بڑی نڈر اور بے باک طبیعت کے مالک نوجوان ہیں۔ نجانے کیوں یہ میرے دل میں پسندیدگی کے جذبات پیدا کرتے جا رہے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان ایک شرط لگی اور یہ اپنا یہاں آنے کا مقصد کھو بیٹھے۔"

"اس سلسلے میں مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت دی جائے بیگم صاحبہ۔ میں نے کسی مصنوعی کیفیت کا اظہار نہیں کیا۔ درحقیقت کتاب لکھ رہا ہوں مواد حاصل کرنے آیا تھا۔ آپ جیسی شخصیت کا نیاز حاصل ہوا اور ایک معمولی سی گفتگو میں آپ نے مجھے دس لاکھ روپے کی پیشکش کر دی۔ قسمت آزمانا تو ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ یہ دس لاکھ میں شاید تمام زندگی میں یکمشت نہیں کما سکتا۔ چنانچہ اگر میں نے اپنے ایک مقصد کو پسِ پشت ڈال کر دوسرا اپنا لیا ہے تو کوئی غیر انسانی بات نہیں۔ معاف کیجئے گا مس الماس آرا آپ کو یہ باتیں یقیناً پسند نہیں آ رہی ہوں گی لیکن میں اس وقت کچھ عرض نہیں کر سکتا جب تک بیگم صاحبہ آپ کو کچھ نہ بتا دیں۔"

"بتا دوں گی۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے جس سے الماس کا کوئی تعلق نہیں۔"

"میں مس الماس کی اس کیفیت سے بھی افسردہ ہوا ہوں۔ یہاں اگر ہم لوگوں کو اس بے بسی کا احساس ہوتا ہے جو ہر انسان کی زندگی سے منسلک ہے۔ آپ کے پاؤں کو.. کیا ہوا تھا مس الماس؟"

"یہ سوال نہ کرو تو بہتر ہے شارق۔ الماس غمزدہ ہو جائے

گی۔ یہ بالکل ٹھیک تھی بس اپنے طور پر دُکھی رہتی ہے نجانے کیوں؟ اس کے پاؤں مفلوج نہیں تھے۔ اس کا خیال ہے کہ میں اس کی نسبت دوسروں پر زیادہ توجہ دیتی ہوں اور یہی سوچ کر اس نے اپنی ذہنی حالت تباہ کر لی اور نتیجتہً ایک پاؤں سے معذور ہو گئی۔ ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ پاؤں کی یہ کجی سو فیصد نفسیاتی اثر ہے جب بھی الماس ذہنی طور پر مطمئن ہو گئی مفلوج پاؤں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اوہ مجھے بے حد افسوس ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"شارق صاحب آپ کون سی کتاب لکھ رہے ہیں؟"

"اپنے وطن کی ان معزز اور قابلِ احترام شخصیتوں کے بارے میں جنھوں نے انسانی مسئلوں کو نیا بنا کر سوچا ہے۔"

"خوب تو کیا ہماری امی بھی اس میں شامل ہیں؟"

"ہاں بیگم صاحبہ کا اعتراف ہی مجھے ان تک لایا ہے۔ بیگم صاحبہ خوشامدانہ الفاظ پسند نہیں کرتیں ورنہ میں آپ کے سامنے بھی اپنے جذبات کا اظہار کرتا۔"

چائے آ گئی اس کے بعد ضرورت سے زیادہ رُکنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے اُن سے اجازت چاہی بیگم حکمت آرا نے رُخصتی الفاظ ادا کرتے ہوئے کہا کہ میں جب چاہوں ان کے پاس آ سکتا ہوں لیکن صرف کسی مقصد کو سامنے رکھ کر کیونکہ وہ مصروف رہیں۔

واپسی پر میں بہت مطمئن تھا۔ کام کا آغاز میری پسند کے مطابق ہو گیا تھا۔ اُلجھا ہوا مسئلہ بس یہ تھا کہ بیگم صاحبہ کی شخصیت کیا ہے جہاں تک میں نے تجزیہ کیا تھا اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ بیگم حکمت آرا بے حد جہاندیدہ اور سخت گیر عورت ہے۔ اگر نواب نیاز احمد کے قتل میں اس کا کوئی ہاتھ ہے تو مجھے بہت محتاط رہنا پڑے گا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میری بات کا بیگم حکمت آرا پر کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔ میں نے جس چالاکی سے اپنا مقصد حاصل کیا تھا اس پر مجھے ناز تھا لیکن یہاں آتے ہی میں نے ایک خطرہ مول لے لیا تھا اور اگر کہیں کسی بھی جگہ چوک ہو گئی تو پھر میری کامیابی مشکوک ہو جائے گی۔ امیر الدین کیس میں تھوڑا سا تجربہ ہو گیا تھا۔ اسی تجربے کی روشنی میں کچھ ایسے لوگوں کو تلاش کرنا چاہتا تھا جو اس سلسلے میں میری.. معاونت کر سکیں۔ معاملہ چونکہ چودہ سال پرانا تھا اس لیے زیادہ دُشواریوں کا امکان تھا۔ خود بے چارے حفیظ الدین نے بھی کوئی نشاندہی نہیں کی تھی بس ایک نام لیا تھا اُس نے۔ صوفی عبداللہ کا۔ ان کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا خاصا مشکل کام تھا۔ بہر طور صبر تو کرنا ہی تھا۔ ظاہر ہے یہ تمام کام چند روز کے نہیں ہوتے پھر الماس میرے ذہن میں آئی۔ بلا کی لڑکی تھی۔ اپنی معذوری کی آڑ میں اُس نے اپنی شرارتوں کو چھپا لیا تھا بڑی دلچسپ بات تھی۔ بدلے مجھے احساس ہو رہا تھا کہ الماس میری بہترین پشت پناہ بن سکتی ہے۔ وہ بیگم نواب کی اکلوتی بیٹی تھی اگر اس کا سہارا لے کر کام کیا جائے تو خاص حالات میں بیگم نواب کو بھی مجبور کیا جا سکتا ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ الماس کو جس طرح بھی بن پڑا اپنے ساتھ شامل کر دوں گا۔

دوسرے دن ایسے ہی آوارہ گردی کرنے کے لیے نکلا۔ فیصلہ یہی کیا تھا کہ صوفی عبداللہ کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ ایک جگہ رُک کر ایک بزرگ صورت آدمی سے صوفی عبداللہ کے بارے میں پوچھا تو اُنھوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "صوفی صاحب پر تو فالج کا حملہ ہوا ہے۔ بیچارے بیمار ہیں ان دنوں، ملنا چاہتے ہو تو اُن کے گھر چلے جاؤ۔"

"براہِ کرم مجھے ان کے گھر کا پتا بتا دیجئے۔" جواب میں وہ شخص اپنا سارا کام چھوڑ کر میرے ساتھ چل پڑا۔ ان بستیوں میں یہی سب سے بڑی خوبی تھی کہ یہاں لوگ دوسروں کو نظر انداز نہیں کرتے تھے۔

صوفی عبداللہ کے مکان کے احاطے میں بھینسیں بندھی ہوئی تھیں اور ایک دو آدمی ان کے لیے چارا تیار کر رہے تھے۔ میں نے صوفی صاحب سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا تو مجھے بیٹھک میں پہنچا دیا گیا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد میں اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں صوفی صاحب بستر پر دراز تھے۔ باریش اور پُر نور چہرے والے آدمی تھے۔ داہنی ٹانگ فالج زدہ ہو گئی تھی اور کمر کا ایک حصہ بھی۔ میرے اندر داخل ہونے پر پردہ گرا دیا گیا۔ صوفی صاحب نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور معانقے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"بیٹے مجھے معاف کرنا۔ اسلامی روایتوں کے مطابق تمہارا استقبال نہیں کر سکا۔ خدا کی یہی مرضی تھی۔"

"مجھے انتہائی دُکھ ہے صوفی صاحب کہ آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔"

"یہ سب خدا کے کھیل ہیں بیٹے۔ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اُس سے انحراف بدترین گناہ ہے۔ تکلیف دی ہے اُس نے ختم کرنا پسند کرے گا تو ضرور کر دے گا، امتحان لینا ہے تو ہم خود کو امتحان میں کیوں پیچھے رکھیں۔"

"آپ کے خیالات نہایت پاکیزہ ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ میں آپ جیسے شخص کے پاس آیا۔ دراصل صوفی صاحب میں ایک وکیل ہوں اور اپنے ایک مؤکل کے سلسلے میں یہاں فرحت پور پہنچا ہوں۔ اس نے یادداشت کی بناء پر آپ کا نام لیا تھا اور کہا تھا۔ اگر مجھے یہاں کچھ مدد مل سکی تو صرف صوفی صاحب سے مل سکے گی۔ الٹ پھیر کی کوئی گفتگو مجھے آپ کے سامنے پسند نہیں آئی چنانچہ جو کچھ میرے دل میں ہے براہِ راست آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"وکیل، مؤکل، میں کچھ سمجھا نہیں بیٹے؟"

"بات بہت پرانی ہے صوفی صاحب! لیکن آپ بزرگ ذہنی طور پر ہم لوگوں سے کہیں طاقتور ہیں اور یقیناً آپ کی یادداشت اس قدر متاثر نہیں ہوئی ہوگی کہ آپ کو تیرہ چودہ سال پرانی بات یاد نہ ہو۔ ایک شخص رہتا تھا آپ کی اس بستی میں۔ اس کا نام حفیظ الدین تھا۔ نواب نیاز احمد کے ہاں خزانچی تھا اور۔۔۔"

"میں سمجھ گیا حفیظ الدین میرے دل سے نکلا کب ہے کہ میں اس کے بارے میں اتنی تفصیل معلوم کر کے اسے یاد کروں۔ بڑا اچھا بڑا مخلص دوست تھا میرا۔ بہت ہی اچھی طبیعت کا انسان۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ خدا کے بھید خدا ہی جانتا ہے۔ جس طرح مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اسی طرح وہ بدنصیب بھی ایک حادثے کا شکار ہوا تھا۔ وقت اور حالات کچھ بھی کہیں بعض لوگ دل سے دل تک راستہ رکھتے ہیں۔ دل کی گواہی اگر عدالتوں میں تسلیم کی جاتی تو میں واحد شخص ہوتا جو اس جج کے سامنے کھڑے ہو کر یہ بات کہتا کہ حفیظ الدین کا قتل سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ جن دلوں میں خدا رہتا ہے ان میں محبتوں کا گزر تو ہو سکتا ہے سنگینی نہیں۔ حفیظ الدین ایسا ہی انسان تھا جن کے دلوں میں خدا ہوتا ہے۔ خدا کی دی ہوئی زندگی وہ کیسے لے سکتا تھا مگر نجانے کیا ہوا۔ خدا ہی جانے۔"

"صوفی صاحب میں تھوڑی سی تفصیل اور عرض کر دوں آپ کے سامنے۔ حفیظ الدین کو چودہ سال قید بامشقت ہوئی تھی اب صرف چند ماہ باقی رہ گئے ہیں اس کی رہائی میں۔ میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا۔ وہ قاتل نہیں ہے۔ اپنے آقا کو کیسے قتل کر سکتا تھا وہ۔ قاتل کوئی اور تھا لیکن کیونکہ اُس کا بے گناہ بھائی قتل کے الزام میں پھنس رہا تھا اس لیے اس نے یہ قتل اپنی گردن پر لیا کیونکہ اس کی سوتیلی ماں مرتے ہوئے اپنے بیٹے کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے گئی تھی۔ حفیظ الدین نے یہ قبول نہ کیا کہ اس ماں کی روح سے شرمندہ ہو اور اس کے لیے اس نے اپنی زندگی کی قربانی دے دی۔ وہ اتنے وسائل نہیں رکھتا تھا کہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر سکے چنانچہ اس نے خود کو گناہ گار بنا کر اپنے بھائی کی جان بچالی۔ وہ مجھ سے ملا تو کہنے لگا کہ یہ آزادی اُسے سب سے زیادہ ناگوار گزر رہی ہے کیونکہ ایک قاتل کی حیثیت سے وہ دُنیا کے سامنے نہیں جانا چاہتا جو سزا اُس نے بھگتی ہے وہ ایک جذبے کے تحت تھی لیکن اب جو سزا اُسے ملنے والی ہے وہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔ وہ اپنے بچوں اور بیوی کو دیکھنا چاہتا ہے، اپنے بھائی سے ملنا چاہتا ہے، اپنے عزیز و اقارب کے سامنے آنا چاہتا ہے لیکن ایک سزا یافتہ قاتل کی طرح نہیں بلکہ ایک بے گناہ انسان کی مانند جس نے درحقیقت گناہ نہیں کیا۔ اُس نے یہ شرط عائد کر دی ہے صوفی صاحب کہ اگر رہا ہوگا تو ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے ورنہ یا تو خودکشی کر لے گا یا اپنے آپ کو اس دُنیا میں کہیں گم کر دے گا چونکہ قتل اُس نے نہیں کیا صوفی صاحب اس لیے میں نے اُس کا یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور میں اصل قاتل کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔"

صوفی صاحب کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے چند لمحے وہ خاموش آواز میں روتے رہے پھر آنسو خشک کر کے بولے "خداوندِ عالم میرے وجود کو اس سے زیادہ اذیت دے دے اور اس کے عوض حفیظ الدین کے سر سے گناہ کا یہ الزام ہٹا لے۔ میں کلمہ پڑھ کر کہتا ہوں بیٹے کہ میرا دل حفیظ الدین کو گناہ گار نہیں مانتا جب کہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ اس نے قتل کا اعتراف کیا ہے۔ یہ اعتراف کن حالات میں ہوا کاش کسی کو معلوم ہو سکتا۔ کاش کوئی صاحبِ دل اس کی چھان بین کرتا۔"

"صوفی صاحب اُس کی بڑائی کا اندازہ اسی بات سے لگا لیجئے کہ وہ گناہ گار کی حیثیت سے اپنا چہرہ دُنیا کے سامنے نہیں لانا چاہتا اور بے گناہ ہونے کے باوجود اپنی سزا بھگت چکا ہے اور سزا کے دوران اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں، میں سمجھ رہا ہوں، بہرطور میاں یہ عاجز جس کام آ سکتا ہے حاضر ہے۔ کاش میں تمہارے قدم بہ قدم چل کر تمہاری کاوشوں میں مدد کر سکتا۔"

"میرے ان پیروں کو اپنے پیروں کی مانند سمجھ لیجئے صوفی صاحب۔ اپنے ذہن کو چودہ سال پیچھے لے جائیے اور اگر ممکن ہو سکے تو میری رہنمائی کیجئے۔ آپ کا اپنا ذہن کیا کہتا ہے؟ نواب نیاز احمد کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟"

صوفی صاحب نے آنکھیں بند کر لیں چند لمحے سوچتے رہے پھر بولے۔

"گناہ گار کون ہے یہ تو گناہ گار جانتا ہے یا خدا لیکن جو حقائق میرے علم میں ہیں وہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ مرحوم نیاز احمد بُرے انسان نہیں تھے بس بے پروا تھے۔ یہ بات دل میں نہیں اُترتی کہ اُنھوں نے حفیظ الدین کو تھوڑی سی رقم کے خورد بُرد کے نتیجے میں اتنا سخت سُست کہا ہوگا کہ وہ اُن کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ نوابی شان تھی۔ ہر چند کہ دوسروں کے لیے بُرے نہیں تھے لیکن رقابتیں چلتی ہیں۔ ان کا کوئی ایسا دُشمن بھی ہو سکتا ہے جس نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور معاف کرنا ایک ایسی بات کہہ رہا ہوں جو بُری ہے۔ کسی کو مشکوک بنانا بھی گناہِ عظیم ہے لیکن یہ کاوشیں تمہاری ہوں گی کہ حقیقتوں کو ثبوت کی روشنی میں تلاش کرو اور صرف میری بات پر بھروسہ نہ کرو۔ بیگم نواب ایک قبائلی خاتون ہیں۔ ایک قبائلی سردار کی بیٹی۔ نواب نیاز احمد سے اُن کی شناسائی کیسے ہوئی یہ تو خدا ہی جانے۔ شادی البتہ بڑے قاعدے اور بڑی دُھوم دھام سے ہوئی تھی۔ بعد میں جو حالات حویلی کے ملازموں کی زبانی باہر آئے وہ یہ تھے کہ بیگم نواب بہت ہی سخت گیر اور تند خُو خاتون تھیں۔ نیاز احمد کی موت کے بعد بلاشبہ بیگم نیاز نے بڑے اصلاحی کام کیے لیکن وہ خود کو لیے دیے رکھنے کی عادی ہیں اور عام لوگوں سے ربط نہیں رکھتیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سخت گیر اور تند خُو مشہور ہونے کے باوجود ان کے نام سے کوئی ایسا واقعہ منسوب نہیں ہے جو اُن کی سخت گیری کی نشاندہی کرتا ہو۔ بس یہ ایک روایت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ میرا مطلب یہی ہے کہ اگر تم تفتیش کر رہے ہو تو بیگم نواب کو بھی ذہن میں رکھنا۔"

"کوئی ایسی شخصیت جو حفیظ الدین سے پرخاش رکھتی ہو؟"

"افسوس میں اس کی نشاندہی نہیں کر سکوں گا۔"

"حفیظ الدین کا سوتیلا بھائی شرف الدین کس قسم کا آدمی ہے؟" میں نے سوال کیا تو وہ چند لمحوں کے لیے دوبارہ خاموش ہو گئے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"میرا خدا مجھے معاف کرے۔ آج مجھے وہ کچھ کہنا پڑ رہا ہے جس سے میں نے زندگی بھر اجتناب کیا ہے۔ بہرطور شرف الدین کے بارے میں میری رائے اچھی نہیں ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ حفیظ الدین کا سوتیلا بھائی ہے بلکہ اس لیے کہ حفیظ الدین حقیقت قبول کرنے کے بعد بے شک مجرم بن گیا تھا لیکن انسانی فرائض بھی کچھ ہوتے ہیں۔ حفیظ الدین کی بیوی اپنے بچوں کے ساتھ کافی دن یہاں رہی لیکن شرف الدین نے اُسے وہ مقام نہ دیا جو اُس کا فرض بنتا تھا۔ جب لوگ حفیظ الدین کی بیوی پر طعنہ زنی کرتے تھے تو شرف الدین کو بھی ناگوار گزرتا تھا اور بعض اوقات وہ ان کا ہمنوا بن جاتا تھا یہاں تک کہ اُس کے والدین اُسے اپنے ساتھ لے گئے۔ شرف الدین کا فرض بنتا تھا کہ بھائی کی خبرگیری کرتا۔ بھاوج اور بچوں کا خیال رکھتا لیکن اُس نے سب کو اپنے ذہن کے خانوں سے نکال پھینکا۔ بارہا میں نے اُس سے کہا کہ شہر جا کر جیل میں حفیظ الدین سے ملاقات کرے لیکن اُس نے میری باتوں پر توجہ نہیں دی بلکہ ایک بار کہنے لگا کہ فرحت پور میں رہنے کے لیے ان باتوں کو بھلانا ضروری ہے۔ بیگم نواب اگر انتقام لینے پر تل جائیں تو نجانے کیا کر سکتی ہیں۔ میں خاموش ہو گیا پھر شرف الدین عالم پور کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی کو نکاح کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ جہیز میں اُسے اتنا کچھ ملا کہ وہ مالا مال ہو گیا۔ زمینیں خرید لیں، باغ خرید لیے۔ حالات کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور اب وہ فرحت پور کے معزز لوگوں میں شمار ہوتا ہے کم از کم ان حالات میں اور کچھ نہ کرتا اپنے بھائی کے بیوی بچوں کی تو نگرانی کر سکتا تھا لیکن اس کے ذہن کے خانوں سے وہ سب لوگ نکل گئے ہیں یہ خلاف والے کوئی اچھا آدمی تو نہیں کہہ سکتا۔"

"وہ کہاں رہتا ہے؟"

"سب جانتے ہیں اُسے اب تو وہ ایک معزز آدمی ہے جس سے پوچھو گے وہ تمہیں اُس کے گھر پر لے جا کر کھڑا کر دے گا۔"

"بات ابھی ہی رہ گئی صوفی صاحب یعنی کوئی ایسی شخصیت سامنے نہیں آئی جس پر نواب صاحب کے قتل کا شُبہ کیا جا سکے۔"

"افسوس اس سلسلے میں میری معلومات کچھ نہیں ہیں۔"

"بے حد شکریہ صوفی صاحب کیا میں اس بات پر اطمینان رکھوں کہ میرے یہ الفاظ۔۔۔؟"

"تمہاری امانت ہیں میرے سینے میں اور میں خدا کے سامنے امین کی حیثیت سے جانا چاہتا ہوں۔" صوفی صاحب نے جواب دیا اور میں انھیں سلام کر کے باہر نکل آیا۔

صوفی صاحب اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کر سکے تھے اب دوسرا کردار شرف الدین رہ جاتا تھا جس سے میں یہ معلومات

حاصل کر سکتا تھا۔ شرف الدین سے ملاقات کرنے کے لیے میں نے دوسرے دن کا انتخاب کیا۔ اب میری خواہش تھی کہ کسی بھی طرح الماس سے ملوں تاکہ بیگم نواب پر اپنی گفتگو کا ردِ عمل معلوم کیا جا سکے اس کے لیے ضروری تھا کہ میں الماس کو اپنا رازدار بنا لیتا۔ میں سرائے میں پہنچا۔ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ الماس سے تنہا ملاقات کے لیے کیا کیا جائے کہ الماس کا وہی ملازم مجھے نظر آیا جس کا نام کچے یا پکے تھا۔ میں نے اُسے لپک کر خوش آمدید کہا تھا۔ وہ چور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا: "صاحب پُرانی حویلی میں شام سات بجے چھوٹی سرکار آپ کا انتظار کریں گی۔"

"ٹھیک ہے، اُن سے کہنا کہ میں پہنچ جاؤں گا۔" میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور پکے خدا حافظ کہے بغیر ہی فرار ہو گیا۔

شام کو مقررہ وقت پر میں حویلی کی جانب چل پڑا۔ وہاں کچے اور پکے دونوں ہی موجود تھے۔ اُنھوں نے مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا جہاں الماس مطمئن انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"آؤ پارٹنر کہو کیسے حال ہیں؟"

"ٹھیک ہوں لیکن ذہنی سطح کچھ ناہموار ہو گئی ہے۔"

"بھول کر بھی یہ بات مت کہنا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کس آدمی کو بے وقوف بنانے جا رہی ہوں۔ وہاں ڈاک بنگلے میں واقعی مجھے شدید حیرت ہوئی تھی۔ تم میری کہانی میں گرفتار تو ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد تم نے جس طرح کچے اور پکے کی مرمت کی اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ کچھ لمبا گھپلا ہو گیا ہے سو میں نے وہاں سے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی۔ بعد میں تمھیں یہاں دیکھا تو دل چاہا کہ تھوڑی سی تفریح کی جائے لیکن اب یہ اعتراف کر رہی ہوں کہ پہلی بار اُونٹ پہاڑ تلے آیا ہے۔"

"اس کے باوجود میں تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا مس الماس [illegible] جان کرنا بے تکلفی کا اظہار پہلے تم نے کیا ہے۔"

"چھوڑو یار! [illegible] تکلف جیسے الفاظ کے پیچھے پڑ گئے۔ اس تکلف سے تو [illegible] جان جاتی ہے۔ کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں، چلو چھوڑو میں [illegible] احمقانہ باتیں سوچتی رہتی ہوں لیکن اس سے کیا حاصل؟ [illegible] میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ ہم دونوں نہایت بے تکلفی سے گفتگو کریں۔ اپنی حد تک تو میں نے یہ بات مان لی تھی کہ تم [illegible] چکر دے سکتے ہو لیکن جو شخص بیگم حکمت آرا کی حکمتِ عملی فیل کر دے اُسے تسلیم نہ کرنا بڑی ناسپاسی ہے۔ تم پہلے آدمی ہو جو بیگم حکمت آرا کے ذہن پر اپنے اثرات چھوڑ آئے ہو۔ جانتے ہو تمہارے جانے کے بعد اُنھوں نے کیا کہا؟"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"کہنے لگیں بہت ہی شارپ نوجوان لگتا ہے اور ان کی یہ پیشگوئی نوٹ کر لی جائے کہ یہ شخص کبھی نہ کبھی وقت بہت بڑا آدمی بنے گا۔ میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ اُنھوں نے آج تک کسی سے متاثر ہونا نہیں سیکھا اور پہلی بار کسی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں گفتگو کی ہے ورنہ بڑے بڑے تیس مار خان اُن کے سامنے آئے اور بعد میں اُنھوں نے اُن کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ میری طرف سے اپنی اس پہلی کامیابی پر دلی مبارک باد قبول کرو۔"

"خیر کم تو تم بھی نہیں ہو اُستاد تم نے لنگڑی بن کر جس طرح اُنھیں چکر میں ڈالا ہوا ہے وہ میری کوشش کے سامنے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے ان ڈاکٹروں کو کیسے بیوقوف بنایا جنھوں نے تمہارا معائنہ کیا ہو گا؟"

"ارے یہ کون سا مشکل کام ہے میں کہتی ہوں کہ میری اُنگلی میں درد ہے تم ثابت کر دو کہ نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی مائی کا لال ایسا نہیں نکل سکا جو سارے جائزوں کے بعد میرا پاؤں زمین پر رکھوا سکتا جب میں پاؤں زمین پر جما ہی نہیں سکتی تو ڈاکٹر کیا کریں گے؟"

"خدا کی پناہ۔ شاندار شخصیت ہو الماس۔"

"شکریہ، شکریہ ایک شاندار شخصیت ہی دوسری شاندار شخصیت کا اندازہ لگا سکتی ہے۔ بولو کیا پیو گے ویسے میں نے کھانے کا انتظام بھی کیا ہے تمہارے لیے۔ ذرا لمبی نشست رہے گی کیوں کہ بیگم صاحبہ آج اُس میٹنگ میں شریک ہیں جو اُنھوں نے اپنے کاروباری نمائندوں کے ساتھ کی ہے اور یہ میٹنگ بارہ ایک بجے تک جاری رہے گی۔ اس دوران میں میٹنگ رُوم کے سامنے سُرخ روشنی جلتی رہے گی اور کسی کے انتقال کی خبر بھی بیگم حکمت آرا کو نہیں دی جا سکتی۔"

"گڈ۔ بہر طور میں اس دعوت کو رد نہیں کروں گا، چائے یا کافی میں سے اگر کچھ مل سکتا ہے تو یقیناً دورانِ گفتگو لطف دے جائے گا۔"

"کافی بلواتی ہوں۔" اُس نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی

گھنٹی بجا دی۔ ایک ملازم اندر داخل ہو گیا جو کچے یا پکے نہیں تھا الماس نے اُس سے کافی لانے کے لیے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی: "میں اس شرط کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین ہوں جو تمہارے اور بیگم صاحبہ کے درمیان لگی ہے۔"

"بیگم صاحبہ نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟" میں نے سوال کیا۔

"رونا تو یہی ہے کہ اپنی باتیں وہ اپنے سائے کو بھی نہیں بتاتیں اور میرا ذہن تجسّس سے پھٹتا رہا۔ ویسے اُستاد! بڑے شاندار داؤ آزمائے ہیں تم نے اُن پر۔ قائل ہو گئی ہوں۔"

"بات ہی کچھ ایسی نکل آئی تھی۔ میں نے اُن سے اپنی کتاب کا تذکرہ کیا تھا۔ دلچسپی تو اُنھوں نے لی مگر وہی احسان کرنے والے انداز میں، میں نے کچھ انٹرویو لیا اور بس کام بن گیا۔ ایک ایسا موضوع نکل آیا جو شاید ان کی دُکھتی رگ تھا یعنی تمہارے والد نیاز احمد کا قتل۔"

"اوہ" الماس آہستہ سے بولی۔

"الماس یا تو پہلے میں تمہیں بیگم صاحبہ سے ہونے والی گفتگو سنا دوں اور اس کے بعد مدد کی درخواست کروں یا اگر تم اجازت دو تو پہلے میں تم سے کچھ سوالات کر لوں؟"

"نہیں پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں امی سے کیا گفتگو ہوئی؟" الماس نے سنجیدگی سے کہا۔ میں چند لمحے خاموش ہو کر تمہیدی الفاظ تلاش کرتا رہا پھر میں نے کہا۔

"نواب نیاز احمد کے قتل کا سلسلہ اتفاقیہ طور پر ہی شروع ہو گیا تھا۔ میں نے اس بات۔۔۔" اور اُس کے بعد میں نے بیگم صاحبہ سے ہونے والی گفتگو پوری تفصیل سے اُسے کہہ سنائی۔

"کیا واقعی شارق ایسا ہو سکتا ہے کہ حفیظ الدین میرے باپ کا قاتل نہ ہو اور میرے باپ کے قاتل آرام سے زندگی گزار رہے ہوں؟" میرا لمبا چوڑا بیان ختم ہونے کے بعد الماس نے بے قراری سے پوچھا۔

"دعویٰ تو نہیں کر سکتا لیکن یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ قاتل حفیظ الدین نہیں ہے۔"

"تب شارق ایک بیٹی کی حیثیت سے یہ ذمّے داری مجھ پر بھی عائد ہوتی ہے کہ اپنے باپ کے اصل قاتلوں کی تلاش کروں۔"

"یہی تو مجھے بیگم حکمت آرا سے اختلاف تھا اور شاید اس سلسلے میں تم سے بھی ہو جائے۔ گناہ گار کو سزا ضرور ملنی چاہیے۔ حفیظ الدین اگر واقعی نواب نیاز احمد کا اصل قاتل ہے تو یہ سزا بھگتنے کے باوجود نئے سرے سے اُسے موت کی سزا بھگتنی چاہیے۔ میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ چودہ سال کی قید پوری کرنے کے بعد وہ اپنی زندگی سکون سے گزار دے۔"

الماس جذباتی ہو گئی۔ اس کی پلکوں پر آنسوؤں کے قطرے لرزنے لگے تھے۔ "اس سلسلے میں میں تمہارے شانہ بشانہ ہوں، اگر تم واقعی اَبّو کے اصل قاتلوں کی نشاندہی کر دو تو یوں سمجھ لو کہ ایک بیٹی کا فرض بھی پورا ہو جائے گا۔ میں تمہاری دستِ راست ہوں۔ میں تمہیں اپنے خفیہ گروہ کے بارے میں بھی بتا چکی ہوں۔ یہ کام ایک مشغلے یا دلچسپی کے طور پر نہیں ہو گا بلکہ ایک فرض کی حیثیت سے انجام دیا جائے گا۔ مجھ سے جو کچھ چاہتے ہو صاف صاف بتا دینا۔ میرا تعاون تمہارے لیے ہے۔"

میں نے اپنے دل میں مسرت کی لہریں اُٹھتی ہوئی محسوس کی تھیں۔ یہ ساری کارروائی امدادِ غیبی کا نتیجہ تھی ورنہ فرحت پور آنے کے بعد بھلا میرے کیا وسائل تھے صوفی بدلا تو بالکل بیکار ثابت ہوئے تھے۔ الماس آرا کی آمادگی اور بیگم نواب کا قائل ہو جانا اس بات کی نشاندہی کرتا تھا کہ حقیقتیں سامنے آنے والی ہیں چنانچہ میں نے الماس سے کہا۔

"میں اس سلسلے میں کام کا آغاز کر رہا ہوں اور ممکن ہے اس سلسلے میں مجھے یہ پُرانی حویلی بھی استعمال کرنی پڑے۔ کیا تمہاری طرف سے اجازت ہے؟"

"میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ مجھ سے جو بن پڑے گا میں ضرور کروں گی۔"

"کیا تمہیں نیاز احمد کے اُن دوستوں کا علم ہے جو اُن کے بہت ہی قریب رہے ہوں یا مشکوک ہوں؟"

"میں اُس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ اِن باتوں پر توجہ ہی نہیں دیتی تھی ہاں ریاض احمد ہیں جو اَبّو کے بہت پُرانے دوست ہیں اور اسی حوالے سے کبھی کبھی ہمارے ہاں آ جاتے ہیں۔ وہ شاید کچھ بتا سکیں۔"

"یہ کہاں رہتے ہیں؟"

"عالم پور میں۔ وہاں ان کا کافی بڑا کاروبار ہے۔ گنّے کے کھیت ہیں اور وہ گڑ اور شکر کے بیوپاری ہیں۔ سنا ہے بچپن سے ابو کے ساتھی تھے۔"

"خیر میں ریاض احمد صاحب کا جائزہ لوں گا۔ ویسے الماس اب جو سوالات کیے جا رہے ہیں وہ مس الماس آرا سے نہیں بلکہ اپنے اُس پارٹنر سے کر رہا ہوں جو اِس کام میں میرا ساتھی ہے چنانچہ میرا کوئی بھی چبھتا ہوا سوال تمہیں ناگوار

نہیں گزرنا چاہیے۔"

"نہیں گزرے گا۔"

"مجھے بغیر کسی تردد کے بیگم حکمت آرا کے بارے میں بتاؤ۔ وہ غصہ ور خاتون ہیں اور سخت گیر طبیعت کی مالک ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب کے قتل میں اُن کا ہاتھ بھی ہو۔"

الماس کا منہ حیرت سے کھلا پھر بند ہو گیا۔ اس نے اس شدید ذہنی جھٹکے کو برداشت کر لیا تھا البتہ وہ دیر تک کچھ بول نہیں سکی تھی پھر وہ پیشانی مسلنے لگی۔ میں گہری نگاہوں سے اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولی "میں تمہارے الفاظ کی گہرائیاں محسوس کر رہی ہوں شارق! بے شک وہ میری ماں ہیں اور اس کائنات میں سچے رشتوں میں ان کے علاوہ اب میرا کوئی نہیں ہے۔ نہ میں ان کی وکالت کروں گی نہ مخالفت۔ وہ اپنے اصولوں کی سخت ہیں لیکن انھوں نے کبھی کسی کو جسمانی نقصان نہیں پہنچایا۔ وہ سزائیں دیتی ہیں لیکن نفسیاتی قسم کی۔ مالی نقصانات پہنچا ہیں اور ان لوگوں کو برداشت نہیں کرتیں جو کسی طور اُن سے انحراف کریں لیکن ان کے طریقۂ کار ایسے ہوتے ہیں کہ انسان اذیت سے تڑپتا رہ جائے بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"اگر کبھی نیاز احمد صاحب کے بارے میں کوئی تذکرہ نکل آئے تو ان کے تاثرات کیا ہوتے ہیں؟"

"غمزدہ ہو جاتی ہیں اور ان کی یہ حالت بعض اوقات کئی کئی دن برقرار رہتی ہے۔"

"جس قبیلے سے ان کا تعلق ہے کیا اُس کے افراد بیگم صاحبہ سے ملاقات کرتے ہیں؟"

"نہیں میرے نانی اور نانا انتقال کر چکے ہیں۔ ہمارے ننھیالی رشتے داروں میں کوئی نہیں ہے۔"

"ایک اور سوال جو میں بیگم صاحبہ سے نہیں کر سکتا۔ کیا نواب نیاز احمد کی یہ شادی محبت کی شادی تھی؟"

"ہاں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔"

"کیا قبیلے والوں نے شادی کی مخالفت کی تھی؟"

"ہاں۔ ابو نے امی کو کہیں دیکھا۔ دونوں ایک دوسرے سے متاثر ہوئے اور اس کے بعد شادی کا یہ سلسلہ شروع ہوا اور مخالفتوں کے باوجود امی ابو نے شادی کر لی۔"

"اور اُس کے بعد تمہارے نانی نانا تمہاری امی سے نہیں ملے؟"

"شادی کے چند سال بعد ہی دونوں کا انتقال ہو گیا تھا [illegible] بعد امی کبھی ننھیالی لوگوں سے نہیں ملیں البتہ جب کبھی بھی تذکرہ ہوا اُنھوں نے یہی کہا کہ وہ ماں باپ کی اکلوتی تھیں اور قریبی رشتے داروں میں سے کوئی نہیں تھا۔"

"گویا اس امکان کو ذہن میں رکھا جا سکتا ہے کہ اس قبیلے کا کوئی فرد بھی نواب نیاز احمد کا قاتل ہو سکتا ہے۔ قبیلوں کی داستانیں عجیب ہیں، تم نے سن رکھی ہوں گی؟"

"گویا کوئی انتقامی کارروائی؟" الماس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"اگر یہ بات ہوتی تو یوں سوچو کہ ایک طویل عرصے بعد یہ کارروائی عمل میں لائی گئی۔ اس سے پہلے کیوں نہ ایسا ہوا اور پھر وہی بات سامنے آ جاتی ہے کہ اس قدر شدید نفرت کوئی بہت ہی قریبی شخص رکھ سکتا ہے جو کوئی نہیں تھا۔"

"خود بیگم نیاز احمد کو اس کا احساس نہیں ہوا کہ نواب صاحب کی وجہ سے اُن کا گھر چھوٹ گیا؟"

"نہیں اگر احساس ہوا بھی ہو تو کم از کم وہ ابو کی موت کا سبب نہیں بن سکتا۔"

"گڈ۔ یہ ساری معلومات میرے لیے بے حد کارآمد ہیں اور میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ براہ کرم ریاض احمد صاحب کا پتا مجھے بتا دو۔" میں نے کہا اور الماس نے مجھے عالم پور کا پتا بتا دیا۔ میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ ایک بار پھر اُس نے مجھے اپنے بھرپور تعاون کی پیشکش کی اور میں اُس سے یہ وعدہ کر کے وہاں سے اُٹھ گیا کہ اب وہ میری ساتھی ہے۔

اپنی قیام گاہ پر آنے کے بعد میں الماس سے کی ہوئی گفتگو پر غور کرنے لگا۔ بہت سے خاکے میرے ذہن میں ترتیب پا رہے تھے ہو سکتا ہے ریاض احمد کسی ایسی شخصیت کی نشاندہی کر سکیں۔ اب یہ نہیں معلوم کہ خود اُن کی اپنی شخصیت کیا تھی۔ بہر طور یہ ساری باتیں ابھی بالکل بے مقصد تھیں کوئی ایسا نکتہ نہیں مل سکا تھا جو کسی ٹھوس راستے کی جانب رہنمائی کرتا۔ میں نے شرف الدین سے مل لینا بھی مناسب سمجھا۔ شرف الدین کا پتا معلوم کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی چنانچہ میں اُس کے گھر کی جانب چل پڑا۔ وہ اچھا خاصا عمر رسیدہ شخص تھا۔ شخصیت بھی کافی عمدہ تھی۔ چہرے سے بُردبار معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اس سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میں ایک کرائم رپورٹر ہوں اور مختلف اخبارات کے لیے طرح طرح کے فیچرز اور آرٹیکل تیار کرتا ہوں۔ آپ کے پاس میں ایک اہم کام سے حاضر ہوا ہوں۔"

"جی فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں نے پچھلے دنوں جیل کا دورہ کیا تھا اور کچھ ایسے کرداروں کی تلاش میں تھا جو کہانیاں بن جائیں چنانچہ میری ملاقات شرف الدین سے ہوئی تھی۔"

شرف الدین چونک کر مجھے دیکھنے لگا لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ تب میں نے کہا "حفیظ الدین آپ کے ذہن سے اوجھل نہ ہوئے ہوں گے شرف الدین صاحب!"

"وہ میرے بھائی تھے میں انھیں کیسے بھول سکتا ہوں؟"

"وہ اپنے جرم کی سزا بھگت چکا ہے اور اب دو تین مہینوں بعد آزاد ہونے والا ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ کے جذبات جاننا چاہتا ہوں۔"

"میں اپنی ذاتی باتیں آپ کو کیسے بتاؤں؟"

"تعاون کے لیے۔ آپ ایک شریف انسان ہیں اور ہر شریف آدمی کو اس سلسلے میں ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ حفیظ الدین نے میرے سوالات کی زد میں آ کر ایک انوکھا انکشاف کیا ہے اور وہ انکشاف یہ ہے کہ جس جرم کی انھوں نے سزا پائی ہے وہ انھوں نے کیا نہیں۔"

شرف الدین کے چہرے پر کس قدر کبیدگی کے آثار نظر آنے لگے پھر اُس نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سزا پانے سے پہلے اگر مجرم مجبور ہو، بولے تو وہ اپنے دفاع کے لیے ہوتا ہے لیکن سزا پانے کے بعد اس کا جھوٹ کیا بے مقصد نہیں ہو جاتا؟"

"سو فیصد۔ وہ آج بھی جرم سے انحراف کر رہے ہیں... کیوں آخر کیوں؟"

"اس کی وجہ میں جانتا ہوں۔" شرف الدین نے کہا۔

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں آپ سے شرف الدین صاحب؟"

"بھائی جان اپنے بیوی اور بچوں کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ حالانکہ احمق کوئی بھی نہیں ہوتا۔ کیا حکومت اتنی ہی نااہل ہے کہ اس نے ایک بے گناہ کو سزا دی؟ اگر آج وہ بے گناہ یہ کہتا ہے کہ اس نے گناہ نہیں کیا تھا تو کون تسلیم کرے گا؟"

"آپ مجھے بے حد ذہین انسان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی شخصیت نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے تو معاف کیجیے۔ میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ براہ کرم مجھے مجبور نہ کریں۔"

"نہیں صاحب! اخبارات میں یہ کہانی منظرِ عام پر آئے گی اور اگر آپ نے مجھ سے تعاون نہ کیا تو پھر یہ الفاظ بھی اس میں درج ہوں گے کہ ایک مجرم کے اہلِ خاندان بھی مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں اور حقیقتوں کو افشا کرنے سے کتراتے ہیں۔"

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں؟"

"جی نہیں۔ میں سچائیوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور سچائیاں ہی درکار ہیں۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ میری یہ کارروائی پولیس کو دوبارہ آپ کی طرف متوجہ کر سکتی ہے کیونکہ حفیظ الدین کیس فائل پڑھ کر مجھے معلوم ہوا ہے کہ قتل کا الزام پہلے آپ کے سر پر تھا۔"

شرف الدین کا چہرہ ایک لمحے کے لیے سرخ ہو گیا۔ اُس کی آنکھوں میں خون سا اُتر آیا تھا۔ "مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے آپ کوئی سازشی انسان ہیں اور میرے خلاف کوئی جال بُن رہے ہیں۔"

"آپ یہ خیال ذہن سے جھٹک دیں لیکن میری باتوں کا جواب بے حد ضروری ہے۔"

"کوئی سوال بھی تو آپ کا ہو؟ جتنی باتیں ہیں بے تکی ہیں۔"

"آپ ان بے تکی باتوں کے جوابات دے دیجیے۔ میں مطمئن ہو جاؤں گا۔"

شرف الدین چند لمحے غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا اور پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میں زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں لیکن تم اخباری رپورٹرز کے بارے میں میری معلومات اچھی خاصی ہیں جس کی جان کو آ جاؤ اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ چلو ٹھیک ہے میں تم سے تعاون کرتا ہوں۔ یہ بتاؤ کیا پیو گے چائے یا ٹھنڈا...؟"

"شکریہ! میں آپ سے اسی تعاون کی توقع رکھتا تھا۔ براہ کرم چائے پلوا دیجیے۔"

شرف الدین نے ملازم کو آواز دے کر چائے لانے کے لیے کہا اور پھر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ سلگا لی۔

"چودہ سال پہلے جب یہ واقعہ ہوا تھا تو کیا آپ کے حالات اُس وقت بھی اتنے ہی اچھے تھے؟" میں نے پہلا سوال کیا۔

"نہیں بھائی نواب صاحب کے ہاں کیشئر تھے۔ میں بھی ملازم تھا۔"

"آپ حفیظ الدین کے سوتیلے بھائی ہیں؟"

"اگر یہ سنا ہے تو یہ بھی ضرور سنا ہوگا کہ میری ماں نے

بھائی جان کو کبھی سوتیلا بیٹا تصور نہیں کیا؟"

"کسی اور نے نہیں خود حفیظ الدین نے یہ بات مجھے بتائی تھی۔"

"اور یہ بھی بتایا ہو گا کہ مرتے وقت میری ماں نے میرا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیا تھا؟"

"ہاں... کیا اس کے بعد اُنھوں نے آپ کے ساتھ بہتر سلوک نہیں کیا؟"

"نہیں، یہ بات میں نہیں کہوں گا۔ بھائی جان کا سلوک میرے ساتھ بُرا نہیں تھا لیکن بھابی یعنی قدسیہ بیگم ذرا مختلف طبیعت کی مالک تھیں۔ اُنھوں نے مجھے وہ مقام نہیں دیا جو بھائی جان کے ذہن میں میرے لیے تھا۔"

"گویا آپ کو ان سے اختلاف رہا؟"

"نہیں میں دُکھی رہا اس سلسلے میں۔ اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"قتل کا الزام ابتدا میں آپ پر عائد کیا گیا تھا؟"

"اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس وقت اتفاق سے میں کسی حادثے سے لاعلم نواب صاحب کے کمرے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ بعد میں یہی نشاندہی کی گئی اور پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا۔"

"تب آپ کے بھائی حفیظ الدین نے اس قتل کا اعتراف کیا؟"

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بھائی جان نے نواب صاحب کو ایک معمولی سی رقم کے عوض قتل کر دیا لیکن اُنھوں نے اپنے پیچھے کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا۔ پولیس کا ذہن بھی اس طرف نہیں گیا۔ اگر بھائی جان اُس وقت میری محبت سے مجبور ہو کر اعتراف نہ کر لیتے تو شاید یہ سزا میرا مقدر بن جاتی۔"

"یہ تو بہت بڑا جذبہ ہے۔ چاہے ایک بُرے آدمی ہی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"اس کے دُوسرے پہلو کو آپ ذہن سے اوجھل نہ کریں۔"

"دُوسرا پہلو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں خون پھر خون ہوتا ہے۔ بھائی صاحب نے نواب نیاز احمد جیسے شخص کو قتل کر دیا لیکن شاید اپنے ضمیر کو قتل نہیں کر سکے اور اس اعتراف پر مجبور ہو گئے۔"

"چلو، یہ بات بھی میں مان لیتا ہوں لیکن بہرطور اس سے یہ پہلو تو نمایاں ہوتا ہے کہ حفیظ الدین پُورے طور پر سیاہ دل کے مالک نہیں تھے۔ بہرطور اُنھیں سزا ہو گئی۔ اس کے بعد تمھاری زندگی کیسے گزری؟"

"ایک قاتل کے بھائی کو کبھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ وہ تو نہ جانے کیوں بیگم نواب کے دل میں خدا نے نیکی ڈال دی اور اُنھوں نے اس قتل کا بدلہ لینے کی مجھ سے کوشش نہیں کی ورنہ وہ قبائلی خاتون ہیں اور قبیلوں میں دشمنی روایتی حیثیت رکھتی ہے۔ ابتدا میں تو میرے دن اور رات خوف کی نذر ہو گئے لیکن تقدیر میری زندگی چاہتی تھی۔ بہرطور اس کے بعد میرے حالات میں تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔ ایک کرم فرما نے میری شادی ایک اچھے خاندان میں کرا دی اور میری تقدیر بدل گئی۔"

"اور اس بدلی ہوئی تقدیر کے ساتھ ساتھ تم نے اپنے آپ کو بھی بدل لیا۔ کیا تم حفیظ الدین سے ملتے رہے ہو؟"

"کون سے نیک کام کیے تھے اُنھوں نے، کون سا ایسا کارنامہ انجام دیا تھا کہ میں اُن کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا۔ مجھے جس طرح لوگوں کی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا، میں ہی جانتا ہوں۔"

"اپنی بھاوج اور بھتیجوں کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا؟"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ بھاوج نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جس کے جواب میں، میں اُن کی خدمت کرتا۔"

"میں تو صرف اس کہانی میں تمھارا کردار جاننا چاہتا ہوں۔ باقی تمھارے ذاتی معاملات ہیں۔"

"مسٹر کرائم رپورٹر بہتر یہ ہو گا کہ میرے کردار کو بڑھا چڑھا کر پیش نہ کیا جائے۔ آپ لوگوں کو بھولی بسری کہانیاں یاد دلا دیں گے۔ کیا یہ ہمارے حق میں بہتر ہو گا؟ اب تو میں بیوی بچوں والا ہوں۔ میرا اپنا ایک کردار اور ایک شخصیت ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ کچھ لے دے کر اس کہانی کی اشاعت سے دست بردار ہو جاؤ؟"

"اس سلسلے میں غور کیا جا سکتا ہے؟"

"یہی بہتر رہے گا۔ میں بالکل نہیں چاہوں گا کہ اس کہانی کو تحریری شکل میں دوبارہ دُہرایا جائے۔ بھائی صاحب جب سزا کاٹ کر واپس آئیں گے تو میرے حالات اتنے بُرے نہیں کہ میں اُن کی کفالت نہ کر سکوں۔ وہ چاہیں تو یہاں آ کر میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔ اس کا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری بیوی اُن کے ساتھ کم از کم وہ سلوک نہیں کرے گی جو اُن کی بیوی نے میرے ساتھ کیا۔ باقی رہا اُن کے بیوی بچوں کا معاملہ تو وہ سو فیصد اُن کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس سلسلے میں وہ خود ہی جو اقدام چاہیں

کریں گے۔ نہ اُس میں کوئی مداخلت کروں گا اور نہ پیش کش...!"

"اس تعاون کے لیے میں ہمیشہ تمھارا شکر گزار رہوں گا۔"

"تم کہاں مقیم ہو مسٹر کرائم رپورٹر۔ میں اگر دوبارہ تم سے ملاقات کرنا چاہوں تو؟"

"میں یہاں ایک معمولی سی سرائے میں رہتا ہوں۔ ابھی چند روز یہیں گزاروں گا۔ اگر موقع ملا تو حفیظ الدین کی بیگم سے بھی ملاقات کروں گا اور بس اس کے بعد...!"

"لیکن اب اس کی ضرورت کیا ہے؟ اس کہانی کی اشاعت سے جو مالی فائدہ تمھیں حاصل ہو، وہ مجھ سے لینا اور کسی نئی کہانی کی تلاش میں نکل جانا۔" شرف الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا، اس سلسلے میں تم سے گفتگو ہو گی۔ ہم یہ سودے بازی بھی کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں جلد ہی تم سے ملاقات کروں گا۔"... شرف الدین نے جواب دیا۔

واپسی پر میرا ذہن عجیب عجیب خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ شرف الدین غیر تعلیم یافتہ آدمی تھا لیکن خاصا شاطر معلوم ہوتا تھا۔ یا پھر ہو سکتا ہے یہ میرا احساس ہو۔ بیگم نواب سے مزید کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ ہی اُنھوں نے میری جانب کوئی توجہ دی۔ اپنی مصروفیات میں کھوئی ہوں گی یا پھر میرے دعوے کو دیوانے کی بڑ سمجھا ہو گا۔ اب تک چونکہ امن رہا تھا اس لیے یہ خیال بھی ذہن میں کچھ ہلکا پڑتا جا رہا تھا کہ بیگم نواب ممکن ہے میرے سلسلے میں کوئی سخت قدم اُٹھائیں۔ بہرطور یہ تمام حالات مجھے عالم پور سے باہر جانے سے پہلے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ریاض احمد کا حوالہ الماس نے دیا تھا۔ بیگم حفیظ الدین کا خیال خود میرے ذہن میں آیا تھا۔ یہ دونوں معاملات نمٹا لینا ضروری تھا۔ ممکن ہے کچھ کام کی باتیں معلوم ہو جائیں چنانچہ اب الماس سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ میں نے حویلی پہنچ کر ملازموں سے فرمائش کی کہ چھوٹی سرکار سے میری ملاقات کرا دی جائے۔ کچے اور پکے تو ملے نہیں۔ ایک اور ملازم نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میرا پیغام الماس تک پہنچا دے گا۔ میں یہیں حویلی میں انتظار کروں۔ تھوڑی دیر بعد الماس خود اُس ملازم کے ساتھ آ گئی۔ مجھے دیکھ کر بڑے دوستانہ انداز میں اُس نے مجھ سے مصافحہ کیا تھا۔ بے باک لڑکی تھی اور شاید صاف ذہن کی مالک تھی کیونکہ اُس کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی تھی جو قابلِ اعتراض ہو۔

"کہو پارٹنر کیسی گزر رہی ہے؟" وہ بولی۔

"عمدہ... دس لاکھ کمانے کی فکر میں سرگرداں ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھ سے ابھی تم نے کوئی کام نہیں لیا۔"

"کام ہو گا تو یقیناً لیا جائے گا الماس۔ میں عالم پور جا رہا ہوں، تمھیں رپورٹ دینا ضروری تھا۔"

"ریاض احمد کے پاس؟"

"ہاں... ریاض احمد اور حفیظ الدین کی بیوی کے پاس...!"

"اوہ... یہ نیا کردار تم نے فوراً ہی منتخب کر لیا؟"

"ہاں۔ اس سے بھی حالات کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔" "سُنا ہے اُس کے گھر والے بہت تیکھے ہیں۔ کوشش کرو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"بیگم صاحبہ کے حالات سُناؤ۔"

"حسبِ معمول کوئی خاص بات نہیں ہے۔ تمھارا ذکر بھی نہیں ہوا۔ لیکن اگر میرے سامنے کوئی ہوا بھی تو میں سنبھال لوں گی۔ تمھاری واپسی کب تک ہو جائے گی؟"

"ہو سکتا ہے کل ہی واپس آ جاؤں۔ کرائے کے بارے میں بتاؤ؟"

"جیب موجود ہے، چاہو تو کسی کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"نہیں... میں کسی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں۔ بس جاتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ پھر عالم پور سے واپسی تک کے لیے اللہ حافظ۔"

میں نے کہا اور الماس گردن ہلا کر [illegible] اُس سے باتیں کرنے کے بعد وہاں سے واپس چلا آیا۔

دُوسرے دن صبح میں بس کے [illegible] عالم پور روانہ ہو گیا۔ عالم پور، فرحت پور کی نسبت [illegible] اور تھانہ بھی تھا۔ مکانات اچھے [illegible] پُررونق تھیں۔ ریاض احمد کا پتا پوچھا [illegible] کے جواب میں [illegible]

"ریاض احمد صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا نام بتا دُوں ابا کو؟" لڑکے نے سوال کیا۔

"شارق حسین..."

ریاض احمد نے ایک چھوٹی سی بیٹھک میں میرا استقبال کیا۔ وہ ڈرائنگ رُوم نہیں، بس ایک درویش صفت آدمی کا حجرہ تھا۔ چارپائی کی دُوسری طرف سرکنڈوں کے بنے ہُوئے مونڈھے رکھے ہُوئے تھے۔ وہ باریش آدمی تھے اور پیشانی پر نماز کا نشان تھا۔ ایک نگاہ دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ عبادت گزار آدمی ہیں۔

"ہمیں وہ خدمت بتاؤ جس کے لیے تم نے ہمارے پاس آنے کی زحمت کی ہے؟" میں نے تمہید باندھنا چاہی تو اُنھوں نے شفقت سے میری بات کاٹ دی۔

"میں ایڈووکیٹ ہُوں اور دارالحکومت سے آیا ہُوں۔ ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں مجھے آپ کی ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"فرمائیے..."

"آپ کو حفیظ الدین یاد ہوں گے۔ نواب فرحت پُور کے خزانچی...؟"

"وہ بھی کوئی بھُولنے والی چیز ہے، بدنصیب بے چارہ۔ نجانے کون سے گناہ کی پاداش میں اُسے یہ سزا ملی۔"

"کیا آپ کو اُس گناہ کے بارے میں کچھ علم نہیں؟"

"نواب نیاز احمد کے قتل کی بات کرتے ہو تو خدا کے لیے نہ کرو۔ حفیظ الدین ... اور قاتل، دُنیا کچھ بھی کہہ لے، میں مرتے دم تک یہ نہیں مانوں گا کہ اُس جیسا شخص کسی کو قتل بھی کر سکتا ہے اور پھر وہ بھی اپنے مالک کو جس پر وہ جان دیتا تھا۔ میری باتیں جذباتی ہیں اور میرے پاس اس کی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں، ہوتا تو اُسی وقت استعمال کرتا مگر کیا کرُوں وہ بدنصیب خُود ہی اقرارِ جرم کر رہا تھا۔ کسی کی مدد سے اُسے کیا حاصل ہوتا۔ یقیناً کوئی ایسا گناہ سرزد ہُوا تھا اُس سے کہ خدا نے یہ سزا دی۔ وہ قاتل نہیں تھا۔ نواب نیاز احمد کئی بار اس کی وجہ سے مصیبتوں سے بچے۔ وہ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ خزانے کے ذاتی معاملات جو شاید بیگم نواب کو بھی نہیں معلوم، حفیظ الدین کے علم میں رہتے تھے۔ بہرحال یہ تقدیر کے کھیل ہیں، تم حفیظ الدین کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ابتدا آپ نے خُود ہی کر دی۔ میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا کہ وہ قاتل نہیں ہے اور اُس کی تصدیق آپ سے چاہتا تھا۔"

"مقدمے کے دَوران ہم تو گواہی دینے پہنچ گئے تھے بھائی مگر ایک ایسے گواہ کا مذاق اُڑنے کے سوا کیا ہو سکتا تھا جو ایک قتلی مجرم کو بے گناہ ثابت کرنا چاہتا ہو اور وہ بھی بغیر کسی ثبوت کے، چنانچہ کمرۂ عدالت سے باہر نکال دیا گیا۔ بعد میں جب پتا چلا کہ اُس نے خُود ہی اقرارِ جرم کیا ہے تو بڑا دُکھ ہُوا۔"

"اقرارِ جرم کی کوئی وجہ آپ کے ذہن میں ہے؟"

"ہاں، جس نیک باپ کی وہ اولاد تھا، وہ خُود کسی کو تکلیف میں دیکھنے کا عادی نہیں تھا۔ حفیظ الدین کی سوتیلی ماں بھی بڑی اچھی عورت تھیں۔ اُنھوں نے دونوں کو یکساں توجہ دی۔ مرتے وقت وہ شرف الدین کا ہاتھ حفیظ الدین کے ہاتھ میں دے گئیں اور حفیظ الدین نے ماں کو دیا ہُوا قول نبھایا۔ شرف الدین کو قاتل قرار دیا جا رہا تھا لیکن اُس نے یہ قتل اپنے سر لے لیا۔ ہم تو دعوے سے کہتے ہیں کہ حفیظ الدین قاتل نہیں تھا۔ اُس نے یقیناً اپنے بھائی کو بچانے کے لیے یہ جُرم اپنے سر لیا تھا۔"

"لیکن خورد بُرد کا جُرم تو ثابت ہو گیا تھا؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو بیٹے۔ پرانا فائل تو اُٹھا کر پڑھو۔ اگر اُس نے کوئی رقم خورد بُرد کی تھی تو اُس کا مصرف کیا رہا؟ خُود اُس کے یا بیوی بچّوں کے بدن پر تو کبھی نئے کپڑے بھی نظر نہ آئے تھے۔ جو کچھ نیاز احمد سے مِل جاتا وہی غریب کا اثاثہ تھا۔ بلکہ اس میں سے بھی زیادہ رقم شرف الدین پر خرچ ہو جاتی تھی۔ اپنے بچّوں کا پیٹ کاٹ کر وہ بھائی کا پیٹ بھرتا تھا۔ ایسا شخص قاتل نہیں ہو سکتا۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں شرف الدین قاتل تھا؟"

"نہیں بھائی، ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اُس کے بارے میں ہماری معلومات زیادہ نہیں ہیں۔ وہ گھر سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ بس رات گزارنے کے لیے آ جایا کرتا تھا۔ اُس کی وجہ قدسیہ بیگم سے اُس کے اختلافات تھے جو قدسیہ بیگم کی طرف سے نہیں بلکہ شرف الدین ہی اُنھیں ناپسند کرتا تھا۔"

"بہت بہت شکریہ صاحب! آپ نے شاید اپنے دوست کی قید کا حساب نہیں رکھا۔ اُس کی رہائی میں اب صرف چند ماہ باقی ہیں۔ ویسے آپ کبھی اُس سے جیل میں مُلاقات کرنے گئے؟"

"دو تین دفعہ گئے تھے۔ اُس کے بعد جوڑوں کے درد کا شکار ہو گئے۔ زندگی ہی سے بیزار ہو گئے، دُنیا داری کیا رکھتے۔ پھر کبھی جانا نہیں ہُوا لیکن یہ تو خوش خبری کی بات ہے کہ حفیظ الدین کی رہائی کا وقت آ گیا۔ اُس کی سزا پُوری ہو گئی؟"

"جی ہاں۔ کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ اُس کے بیوی اور بچّے یہیں عالم پُور میں اپنے والدین کے گھر آ گئے ہیں؟"

"نہ آتے تو کیا کرتے۔ کیا شرف الدین اُن کی کفالت کرتا۔ وہ جو خُود کچھ کرنے کا عادی نہیں تھا، بھلا اُن کا پیٹ کیا بھرتا۔ اُلٹا بھابی سے لیتا رہا اور جمع پُونجی ختم کر ڈالی۔ جب کھانے کے لالے پڑ گئے تو پھر بچاری قدسیہ کیا کرتیں؟"

"مگر میں نے تو سُنا ہے کہ قدسیہ بیگم کے والدین اور بھائی اُنھیں زبردستی فرحت پُور سے لے آئے تھے اور حفیظ الدین کے سلسلے میں اُنھوں نے بڑی نفرت کا اظہار کیا تھا؟"

"یہ قُدرتی بات تھی میاں، وہ لوگ اچھے اور نیک نام ہیں۔ حفیظ الدین خورد بُرد کے سلسلے میں قتل کا مرتکب ہُوا تھا چنانچہ وہ اس دُہری بدنامی کو قبول نہیں کر سکے اور پھر بہن بھی ... بے یار و مددگار رہ گئی تھی، اس لیے قدسیہ کا بھائی فخر الدین اپنے ساتھ لے آیا۔ دونوں بچّے اب تو بڑے ہو گئے ہیں۔ اکثر مجھ سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ قدسیہ بھی ہمارے گھر آتی ہیں۔ بے چاری اب تو صبر کر چکی ہیں لیکن حفیظ آ جائے تو اس کا گھر پھر بس جائے۔"

"کیا حفیظ الدین ایک مجرم کی حیثیت سے اپنے بیوی اور بچّوں کے سامنے آنا پسند کرے گا؟"

"کیا مطلب؟" ریاض صاحب نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"میری مُلاقات جیل میں اُس سے ہُوئی تھی۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ ایک مجرم کی حیثیت سے اپنے بیوی بچّوں کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ ہاں اگر یہ جُرم اُس پر سے ہٹ جائے اور دُنیا یہ تسلیم کر لے کہ وہ قاتل نہیں تھا تو وہ خوشی سے اپنی سزا کے یہ دن بھُولنے کے لیے تیار ہے۔ وہ سرخرُو ہو کر اپنی بیوی اور بچّوں کے سامنے آنا چاہتا ہے، اُسی کے لیے اُس نے مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ میں اُس کے چہرے سے جُرم کی سیاہی دھو ڈالوں اور اصل قاتل کو دُنیا کے سامنے پیش کر دُوں۔"

اُن کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"لیکن یہ کام وہ اس وقت کرنا چاہتا ہے جب اس کی سزا ختم ہونے میں چند ماہ رہ گئے ہیں۔"

"اس سے پہلے اُس کے پاس یہ وسائل نہیں تھے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔ کیا وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اگر ہو بھی جائے تو کیا اُسے زندگی کے چودہ سال واپس مِل سکتے ہیں؟"

"ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے۔ قدسیہ کو یہ بات پتا چلے گی تو کیا وہ خاموش رہ سکتی ہے؟"

"اُسے خاموش رہنا پڑے گا، اپنے بیٹوں کے لیے۔ اگر میں بڑھ گیا تو آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ براہِ کرم شارق صاحب میں آپ سے معذرت خواہ ہُوں۔ مہمانوں کے ساتھ واقعی یہ سلوک نہیں کیا جا سکتا لیکن آپ جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں، اس کے بعد میں آپ کو مہمان نہیں اپنا دُشمن سمجھنے پر مجبور ہُوں اور دُشمنوں کو اپنی چھت کے نیچے جگہ نہیں دیتا۔"

میں نے فخر الدین کی طرف دیکھا۔ واقعی بہت سخت آدمی تھا۔ اگر میں اس سلسلے میں ضد کرتا تو بات تلخی میں تبدیل ہو جاتی۔

چنانچہ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "اگر یہ بات ثابت کی جا سکتی جو میں کر رہا ہُوں تو آپ اور محبت کرنے والے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ اس کا کوئی نشان نہیں ہے۔ تم کہاں ڈھونڈو گے؟"

"اس بات کو چھوڑ دیجیے۔ میں آپ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہُوں۔ آپ کسی ایسے واقعے یا خاص بات کی نشاندہی کر سکتے ہیں جس سے مجھے میرے کام میں مدد ملے؟"

"میاں اوّل تو میں فرحت پُور کا رہنے والا ہی نہیں ہُوں۔ دُوسری بات یہ کہ بھلا کیا علم ہو سکتا ہے مجھے کہ قاتل کون ہے۔"

"ظاہر ہے یہ علم آپ کو نہیں ہو گا لیکن آپ کو نواب نیاز احمد کے بارے میں تفصیلات تو معلوم ہوں گی، وہ کس قسم کے آدمی تھے؟"

"نیاز احمد مجموعی طور پر بُرے انسان نہیں تھے۔ اپنی پسند کی شادی کی۔ بیگم صاحبہ سخت گیر ضرور ہیں لیکن شاید شوہر سے منحرف نہیں تھیں۔ اُنھوں نے بڑی اچھی زندگی گزاری۔ شوہر کے قتل کے بعد اُن پر کچھ عجیب سا سوگ طاری ہُوا لیکن پھر وہ ایک نئی ہمت کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہُوئیں۔ میں اُن سے صرف دو بار مِلا ہُوں، وہ بھی براہِ راست نہیں لیکن اچھی خاتون ہیں اور حکمرانی کرنا جانتی ہیں۔ بڑی ترقی دی ہے اُنھوں نے فرحت پُور کو۔ لوگ اُن کی سخت گیری کے تذکرے ضرور کرتے ہیں لیکن اُن سے نفرت نہیں کرتے اور کوئی ایسا کردار بھی نہیں ہے جسے مشکوک قرار دیا جائے۔ چنانچہ میں بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہُوں؟"

"حفیظ الدین کی کوئی ایسی بات یاد کریں جس سے قاتل کی طرف نشاندہی ہو سکے۔"

"اوّل تو میری یادداشت کافی خراب ہو چکی ہے اور پھر میں پہلے ہی کہہ چکا ہُوں کہ مجھے اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم..."

"کیا نام بتاؤں ابا کو؟" لڑکے نے سوال کیا۔
"شارق حسین...!"

ریاض احمد نے ایک چھوٹی سی بیٹھک میں میرا استقبال کیا۔ وہ ڈرائنگ رُوم نہیں بس ایک درویش صفت آدمی کا حجرہ تھا۔ چارپائی کی دُوسری طرف سرکنڈوں کے بنے ہُوئے مونڈھے رکھے ہُوئے تھے۔ وہ باریش آدمی تھے اور پیشانی پر نماز کا نشان تھا۔ ایک نگاہ دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ عبادت گزار آدمی ہیں۔

"ہمیں وہ [illegible] بتاؤ جس کے لیے تم نے ہمارے پاس [illegible] ہو تو فرحت پُور کا رخ [illegible] ہے؟" میں نے تمہید باندھنا چاہی تو اُنھوں نے [illegible] کاٹ دی۔ [illegible] نیچے کمارہے ہیں۔ اُسے کوئی [illegible] ہو تو مجھے اُس کے پاس لے چلو۔"

"ابھی نہیں۔ جو ضد وہ کر رہا ہے اس کے تحت میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہُوں کہ وہ خودکشی کر لے گا لیکن ایک مُجرم کی حیثیت سے اپنے بچوں کے سامنے نہیں آئے گا۔ ویسے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کی بیوی اور بچے اس سے ملنے جیل کیوں نہیں گئے؟"

"دراصل فخرالدین بہت سخت گیر آدمی ہے۔ ویسے تو قدسیہ بیگم کے اور بھی بہت سے بھائی ہیں ماں اور باپ بھی خُدا کے فضل سے حیات ہیں لیکن فخرالدین بہت تیکھے مزاج کا آدمی ہے۔ اسے بہنوئی سے سخت شکایت ہے کہ تھوڑی سی رقم کے عوض قتل جیسا بھیانک جُرم کر کے اُس نے اُس کی بہن اور بھانجوں کا مستقبل خراب کر دیا اور پھر شرف الدین کا سلوک بھی قدسیہ بیگم کے ساتھ اچھا نہیں تھا اس لیے وہ اور بھی بددل ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے اس سلسلے میں وہ خاصے سخت ثابت ہُوئے اور اُنھوں نے ہی اپنی بہن کو جیل میں حفیظ الدین سے ملنے سے منع کر دیا۔"

"اچھا ایک بات بتائیے۔ حفیظ نے اپنی بیوی کو طلاق کیوں نہیں دی؟ اُس وقت تو قدسیہ بیگم نوجوان ہوں گی جب اُس کا کیس ہُوا تھا۔ دُوسری شادی کے لیے کوشش کیوں نہیں کی گئی؟"

"یہ بات مجھے نہیں معلوم۔ میرا خیال ہے خود قدسیہ ہی تیار نہ ہُوئی ہو گی۔ ویسے بھی وہ بہت محبت کرنے والی عورت ہے۔"

"مجھے براہِ کرم اُن کے گھر کا پتا بتا دیجیے۔"

جواب میں اُنھوں نے پُوری تفصیل سے پتا لکھ دیا اور میں اُن سے رخصت ہو کر فخرالدین کے گھر کی جانب چل پڑا۔

دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ ایک بھاری بھرکم بڑی بڑی مُونچھوں والا شخص باہر نکل آیا۔ غالباً کہیں جا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر چونک گیا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کوئی کام ہے جناب؟"

"جی ہاں۔ مجھے فخرالدین صاحب سے ملنا ہے۔"

"میں ہی فخرالدین ہُوں۔ اندر آ جائیے۔"

"آپ شاید کسی کام سے جا رہے تھے۔"

"کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ آپ آئے ہیں تو کام بعد میں ہو جائے گا۔" وہ مجھے اندر کمرے میں لے گیا۔ مکان ریاض احمد کے مکان سے کافی اچھا تھا۔ باہر سے بھی کافی بڑا نظر آتا تھا۔ ڈرائنگ رُوم قرینے سے سجا ہُوا تھا۔ اُنھوں نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ فوراً ہی ایک بزرگ صُورت آدمی اندر داخل ہُوئے۔ فخرالدین نے اُن کا تعارف کرایا۔

"یہ میرے والد ہیں۔"

"میرا نام خیرالدین ہے بیٹے۔ آپ کون ہیں؟"

"میں شارق حسین ہُوں۔ شارق حسین ایڈووکیٹ۔"

"خیریت ہمارے پاس کیسے آنا ہُوا؟" فخرالدین نے پُوچھا۔

"دراصل میں حفیظ الدین کی بیوی قدسیہ بیگم سے ملنا چاہتا ہُوں۔"

"وجہ؟" فخرالدین نے پُوچھا۔

"حفیظ الدین کا ایک پیغام لے کر آیا ہُوں۔" میں نے جواب دیا اور خیرالدین بیٹے کی طرف دیکھنے لگے جس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔

"نہیں۔ حفیظ الدین کا کوئی پیغام اب اس گھر تک نہیں پہنچنا چاہیے۔ ہم نے اپنی بہن کا رابطہ اس سے توڑ لیا ہے۔"

"اوہ کیا آپ نے طلاق لے لی ہے؟"

"طلاق نہیں لی لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ طلاق ہی سمجھو کیونکہ اب اُس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔"

"کیسی عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ کیا آپ اپنی بہن کو طلاق کے لیے مجبور نہیں کر سکے؟"

"یہ ذاتی باتیں ہیں۔ آپ کو نہیں بتائی جا سکتیں۔"

"میں حفیظ الدین کا کیس لڑ رہا ہُوں۔ اس لیے ضروری ہے کہ میں اپنے مؤکل کی بیوی سے مل کر تفصیلات معلُوم کر سکوں۔"

"دیکھیے! میں ذرا بگڑے دماغ کا آدمی ہُوں جس کام کی میں آپ کو اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ اس کا حق کیسے رکھ سکتے ہیں؟"

"فخرالدین ہر وقت دماغ کو گرم مت رکھا کرو۔ پہلے پُوری بات سُن لو وکیل صاحب کہنا کیا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد بات کرنا۔" خیرالدین صاحب نے بیٹے کو ڈانٹا اور فخرالدین خاموش ہو گیا لیکن اُس کی آنکھوں سے غصّے کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہُوا۔ "ہاں بیٹے! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں لیکن حفیظ الدین کی سزا تو ختم ہونے والی ہوگی۔ اب آپ اس کا کیس کس سلسلے میں لڑ رہے ہیں؟"

"حفیظ الدین بے گناہ ہے۔ اُس نے قتل نہیں کیا۔ جو سزا اُسے ملی وہ اس کی تقدیر میں تھی لیکن اب وہ چاہتا ہے کہ اب سزا کو پُوری کر کے بے گناہ کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے آئے۔"

"واہ، حفیظ الدین ڈرامے کرنا بھی جانتا ہے۔ اگر بے گناہ تھا تو اپنی بے گناہی چودہ سال پہلے کیوں نہ ثابت کی۔ اب کیوں اسے بے گناہی ثابت کرنے کی سُوجھی ہے۔ یہ کوئی نیا کھیل ہے ابا میاں۔ میں قدسیہ کو کوئی اجازت نہیں دے سکتا اور پھر ہمارے ہاں غیر مردوں کے سامنے آنے کا رواج نہیں ہے۔ معاف کیجیے گا وکیل صاحب آپ کو اس سلسلے میں کوئی کامیابی نہیں ہو گی۔ جہاں تک حفیظ الدین کا معاملہ ہے ہم اس سے رابطہ توڑ چکے ہیں۔ اگر آپ کی اُس سے ملاقات ہو تو اس سے کہہ دیجیے کہ اب ہماری اس پُرسکون دُنیا میں خلل ڈالنے یہاں نہ آئے۔ اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہو گا۔"

"یہ ایک نیا سلسلہ ہے۔ آپ اپنی بہن کو مجبور کر کے طلاق حاصل کر لیجیے۔ اس کے بعد اس کا کوئی واسطہ نہیں رہے گا لیکن جب تک وہ اس کا شوہر ہے آپ کیا ساری دُنیا مل کر بھی اسے نہیں روک سکتی؟"

"اُس کا یہ حق اگر اس نے یہاں آنے کی کوشش کی تو ختم کر دیا جائے گا۔ خدا حافظ، ہم کسی ایسے شخص کو مہمان کی حیثیت سے بھی برداشت نہیں کر سکتے جو اس مسئلے میں ٹانگ اڑانے آیا ہو۔" فخرالدین نے کہا۔

"فخرالدین میں کہتا ہُوں...!"

"نہیں ابا میاں! میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے اس سلسلے میں آپ مجھے مجبُور نہیں کریں گے۔ جواب دیجیے کیا چودہ سال تک میں نے ان بچوں کی پرورش اسی لیے کی ہے اور اپنی مظلوم بہن کو اسی لیے سہارا دیا ہے کہ ایک قاتل نکما اور گندہ خون دوبارہ ہم پر مسلط ہو جائے اور ہم سے ہماری تمام محنت چھین لے۔" فخرالدین نے کہا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یہ معاملہ بہت عجیب ہو گیا ہے اور پھر تم جانتے ہو کہ قدسیہ اس کے لیے تیار نہیں ہے۔ تم اسے مجبُور نہیں کر سکتے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس گھر میں بدنامی کا کوئی نیا سلسلہ شروع ہو جائے۔ قدسیہ کو یہ بات پتا چلے گی تو کیا وہ خاموش رہ سکتی ہے؟"

"اسے خاموش رہنا پڑے گا، اپنے بیٹوں کے لیے۔ اگر میں بگڑ گیا تو آپ کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ براہِ کرم شارق صاحب میں آپ سے معذرت خواہ ہُوں۔ مہمانوں کے ساتھ واقعی یہ سلوک نہیں کیا جا سکتا لیکن آپ جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں اس کے بعد میں آپ کو مہمان نہیں اپنا دشمن سمجھنے پر مجبُور ہُوں اور دشمنوں کو اپنی چھت کے نیچے جگہ نہیں دیتا۔"

میں نے فخرالدین کی طرف دیکھا۔ واقعی بہت سخت آدمی تھا۔ اگر میں اس سلسلے میں ضد کرتا تو بات تلخی میں تبدیل ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر اُٹھ گیا۔

"بہرحال جو کام میں کر رہا ہُوں، وہ تو میں کر ہی لُوں گا لیکن ایک بے گناہ شخص کی بیگناہی ثابت کرنے کے لیے آپ کی یہ مجرمانہ ضد مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔"

"بہتر ہے آپ اسے یاد رکھیے گا خدا حافظ۔"

اس کے بعد رُکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ میں باہر نکل آیا لیکن خود مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔ بھلا اس کی یہ جُرأت کہ مجھے میرے کسی کام سے روک دے۔ نقصان اُٹھائے گا میرے ہاتھوں۔ بہرطور اس کے جذبے بھی سوچنے کے قابل تھے چنانچہ میں اس سلسلے میں کچھ اور سوچنے پر مجبُور ہو گیا۔ پھر میرے ذہن میں ریاض احمد ہی آئے تھے۔ اُن کا ایک جملہ میرے کانوں میں گونجا تھا کہ قدسیہ ہمارے گھر آتی رہتی ہیں۔ کیوں نہ ریاض احمد کے گھر قدسیہ سے ملاقات کا بندوبست کیا جائے۔ یہ بات کچھ ایسی دل کو لگی کہ میں واپس ریاض احمد کے ہاں پہنچ گیا۔ وہ میرے دوبارہ آنے سے بھی ناخوش نہیں ہُوئے تھے بلکہ اُنھوں نے مسکراتے ہُوئے میرا استقبال کیا تھا۔

"ہاں میاں کیا کوئی بات رہ گئی یا یہ پُوچھنے آئے ہو کہ مجھے کچھ یاد آیا کہ نہیں؟"

"دونوں ہی باتیں سمجھ لیجیے۔"

"میری یادداشت میرا ساتھ نہیں دے رہی۔ ویسے غور کر رہا ہُوں۔"

"فی الحال تو آپ میری مدد کریں۔"

"ہاں ہاں پُورے اعتماد سے کہو جو کچھ مجھ سے بن پڑے گا، ضرور کروں گا۔"

"میں ابھی تھوڑی دیر پہلے فخرالدین کے گھر گیا تھا۔ بڑی

تلخی سے پیش آئے مجھ سے۔ اُنھوں نے مجھے قدسیہ بیگم سے ملنے بھی نہیں دیا جبکہ اُن سے میری ملاقات ضروری ہے۔"

"ہُم... مَیں سمجھ گیا۔ کوئی خاص بات نہیں مگر انتظار کرنا پڑے گا۔ فوراً ہی قدسیہ کو بُلا بھیجنا کچھ مشکوک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"قدسیہ سے مُلاقات کرنا میرے لیے اتنا ضروری ہے کہ مَیں انتظار کر سکتا ہُوں۔"

"تو پھر فکر مت کرو۔ اُوپر کا کمرہ خالی کرائے دیتا ہُوں... آرام کرو۔"

"نہیں نہیں، قیام کے لیے مَیں کوئی بھی جگہ منتخب کر لُوں گا۔ آپ جس وقت مجھے حکم دیں، مَیں حاضر ہو جاؤں گا۔ اُسی وقت اُن سے ملاقات کر لی جائے گی۔"

"میاں اب اتنا ذلیل بھی مت کرو ہمیں کہ کسی مہمان کو ایک دن جگہ دینے کے قابل بھی نہ ہوں۔ تم کہیں بھی نہ جاؤ۔ بس یہاں آرام کرو۔ مَیں قدسیہ کو بُلانے کے انتظامات کرتا ہُوں۔"

ریاض احمد صاحب نے اس طرح مجبُور کیا کہ پھر مَیں انکار نہیں کر سکا۔ مجھے اُوپری منزل کے ایک کمرے میں بھجوا دیا گیا۔ شام تقریباً چار بجے ریاض احمد نے خُود ہی اُوپر آ کر بتایا کہ قدسیہ آ گئی ہے۔

"کیا آپ نے کچھ بتا دیا ہے اُنھیں میرے بارے میں؟"

"ہاں۔ وہ خُود بھی تُم سے ملنا چاہتی تھی مگر مجبُور ہو گئی۔"

"اوہ۔ اُنھیں کیسے معلوم ہُوا کہ مَیں...؟"

"دراصل باپ بیٹے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ خیرالدین کہہ رہے تھے کہ قدسیہ اگر اس ایڈووکیٹ سے مُلاقات کر لیتی تو کوئی حرج نہیں تھا۔ وہ بہر طور ابھی حفیظ الدین کی بیوی ہے... وقت گزر گیا تو کیا ہُوا۔ فخرالدین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی عنایات کے صلے میں شوہر اور بیوی کو جُدا کر دے۔ خاصی تلخ کلامی ہُوئی ہے گھر میں۔ قدسیہ بتا رہی تھی۔ وہ خُود بھی تم سے ملنا چاہتی تھی لیکن ظاہر ہے، مجبُور تھی۔"

مَیں ریاض احمد کے ساتھ نیچے پہنچ گیا۔ ڈرائنگ رُوم میں ایک خُوش شکل لیکن پُر وقار خاتون بیٹھی تھیں۔ عمر بھی خاصی تھی۔ ظاہر ہے حفیظ الدین بھی جوان نہیں تھا۔ اُنھوں نے خُود ہی مجھے سلام کیا اور خاموشی سے مونڈھے پر بیٹھ گئیں۔

"خاتون میرا تعارف تو آپ سے ہو ہی چکا ہے اور یہ بھی آپ کو علم ہو گیا ہو گا کہ مَیں کیوں آپ سے ملنا چاہتا تھا؟"

قدسیہ بیگم کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، آہستہ سے پُوچھنے لگیں۔

"وہ کیسے ہیں؟"

"جیل میں ایک قیدی جیسا ہو سکتا ہے، ویسے ہی ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اُن کی رہائی میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟"

"ہاں۔ دو مہینے تیرہ دن۔" قدسیہ بیگم نے جواب دیا اور مَیں ششدر رہ گیا۔ بالکل صحیح اندازہ تھا۔

"آپ نے ایک ایک دن کا حساب رکھا ہو گا؟"

"ہاں..." وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا آپ نے اس دوران یہ سوچا کہ آپ کے بھائی کا رویہ بہت خراب ہے اور رہائی کے بعد اگر وہ آپ کے پاس آئے تو یہ لوگ آپ کو اُس سے ملنے نہیں دیں گے۔"

قدسیہ نے آنکھوں سے چھلکتے آنسو صاف کیے، پھر آہستہ سے بولیں: "والدین اپنی رضا سے خُدا کے نام کے ساتھ بیٹی کو گھر سے رُخصت کر دیتے ہیں، اُن کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ بیٹی جس حال میں ہو، اُسی گھر میں زندگی گزار دے۔ اُس کے بعد اُنھیں حق نہیں پہنچتا کہ وہ شوہر اور بیوی کے معاملات میں کوئی مداخلت کریں۔ اگر مجھے فرحت پُور ہی میں پناہ مِل جاتی تو مَیں زندگی بھر یہاں نہ آتی لیکن میرے لیے وہاں کوئی جائے پناہ نہیں تھی۔ بچے چھوٹے تھے۔ اِن چودہ سالوں میں میرے بھائیوں نے اور والد نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے، اُس کا لمحہ لمحہ حساب رکھا ہے۔ مَیں اُن کی مقروض ضرور ہُوں لیکن اُنھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجھے میرے شوہر سے جُدا کر دیں۔ مَیں اُن کا انتظار کر رہی ہُوں۔ وہ آ جائیں تو اس کے بعد کسی کی یہ مجال ہے کہ مجھے اُن سے جُدا رکھ سکے۔"

"سُبحان اللہ۔ واقعی آپ قابلِ احترام خاتون ہیں لیکن آپ کے بچے کیا وہ اپنے ننھیال والوں کے ہم نوا نہیں ہیں؟"

"نہیں... میرے دونوں بچے میرے زیرِ تربیت رہے ہیں اور اُنھیں یہ بات معلوم ہے کہ اُن کا باپ حالات کا شکار ہُوا ہے، جُرم کا نہیں..."

"گویا حفیظ الدین کا یہ اندازہ غلط تھا کہ اُس کی بیوی اور بچے بھی اُسے مُجرم سمجھتے ہوں گے؟"

"سو فیصد غلط۔ ہماری رفاقت چند روزہ نہیں تھی۔ مَیں اپنے شوہر کو جانتی ہُوں۔ اُنھوں نے قربانی دی تھی جو اُن کی عظمت کی دلیل ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو صرف بات کی خاطر جان کی بازی لگا دیں۔ وہ تو میرے لیے فرشتہ ہیں۔ بھلا یہ بات مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے کہ وہ زندگی لینے والوں میں سے نہیں، زندگی دینے والوں میں سے ہیں۔ شرف الدین کی مدد

اگر اس طرح نہ کی جاتی تو دُنیا کی کوئی طاقت اُسے نہیں بچا سکتی تھی۔ اُنھوں نے صرف اپنے بھائی کے لیے بلکہ اپنے سوتیلے بھائی کے لیے جان کی قربانی دی تھی۔ مَیں دُنیا کو یہ بات نہیں بتا سکتی لیکن مَیں اور میرے بیٹے جانتے ہیں۔"

"آپ نے تو اتنا بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ یوں لگتا ہے جیسے اب کچھ رہا ہی نہ ہو۔ اُسے اگر یہ بات معلوم ہو جائے تو یقیناً وہ اپنی ضد چھوڑ دے گا۔"

"ضد...؟" قدسیہ بیگم نے کہا اور مَیں نے تفصیل سُنا دی:

"قدسیہ بہن! آپ براہِ کرم خاموش ہو جائیں۔ رونے کی ضرورت نہیں۔ خُدا نے اُسے سُرخرو کرنے کے انتظامات کر دیے ہیں۔ بے شک آپ اور آپ کے بچے اُسے بے گناہ مانتے ہیں لیکن کل یہ دُنیا بھی وہی سب کچھ کہے گی جو آپ کہتی رہی ہیں۔ مَیں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن انشاء اللہ اس کام میں مَیں آپ کا مددگار رہُوں۔ براہِ کرم ضبط کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑیے۔ جو کچھ مَیں پُوچھ رہا ہُوں، اُس کے بارے میں بتائیے۔"

"جی..."

"کیا حفیظ الدین کے واقعی نواب صاحب سے کچھ اختلافات تھے...؟"

"خُدا کی قسم جو کچھ کہہ رہی ہُوں، سچ کہہ رہی ہُوں۔ اُن کی زبان تو نواب صاحب کی تعریفیں کرتے نہ تھکتی تھی۔ اختلاف کا کوئی تصور بھی نہیں تھا اُن کے ذہن میں۔"

"نواب صاحب کے قتل کے بعد اُس وقت جب اُس نے اعترافِ جُرم کیا تھا، کیا آپ سے کوئی گفتگو ہُوئی؟"

"نہیں۔ اُن کے چہرے پر ایک سنگین خاموشی طاری تھی... اُنھوں نے مجھ سے نگاہیں بھی نہیں ملائی تھیں۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا، یہ تم نے کیا کیا؟ تو اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تو بعد میں مجھے صورتِ حال معلوم ہوئی اور پتا چلا کہ وہ اگر اس قتل کا الزام اپنے سر نہ لیتے تو شرف الدین کو سزائے موت ہو جاتی لیکن مَیں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ میرا شوہر بے گناہ ہے۔"

"اچھا اب یہ بتائیے کہ آپ کے خیال میں نواب نیاز احمد کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟"

"خُدا ہی بہتر جانتا ہے۔ مَیں اس سلسلے میں بالکل لاعلم ہُوں۔"

"کوئی ایسا نکتہ، کوئی ایسی بات جو آپ کے ذہن میں چبھتی ہو، کوئی بھی ایسی بات جو اس چیز کی نشاندہی کر سکے؟"

"نہیں، کاش کہ مَیں کچھ جانتی۔"

"حفیظ الدین کی گرفتاری کے بعد شرف الدین کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا رہا؟"

"شرف الدین شروع ہی سے مجھے ناپسند کرتے تھے، حالانکہ مَیں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی لیکن ہو سکتا ہے مجھ سے کچھ غلطی ہُوئی ہو۔ بعد میں اُنھوں نے میرے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا بلکہ طعنہ زنی ہی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مَیں اپنے بچوں کے ساتھ بھُوکوں مرنے لگی۔ تب میرے والدین مجھے اپنے ساتھ لے آئے اور اس کے بعد وہ اُن سے برگشتہ ہو گئے تھے۔"

"شرف الدین کی شادی کا علم تو ہو گا آپ کو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ عالم پُور ہی کی لڑکی ہے جس سے اُن کی شادی ہُوئی تھی، بہت دولت مِلی ہے اُنھیں۔ اب بڑے خوش ہیں۔"

"آپ نے کبھی دونوں میاں بیوی کو نہیں دیکھا؟"

"نہیں، مجھے اس کی اجازت نہیں مِلی۔ حالانکہ میرے ذہن میں کوئی بُرائی نہیں تھی شرف الدین کے لیے۔"

"کیا شرف الدین نواب نیاز احمد کے قاتل ہو سکتے ہیں؟"

"خُدا کی قسم مَیں نہیں جانتی۔ مَیں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ کسی بھی قیمت پر جھُوٹ نہیں بولُوں گی۔"

"بہر طور اطمینان رکھیے۔ حفیظ الدین رہا ہو کر واپس آئیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک بے گناہ کی حیثیت سے رہا ہو کر آئیں گے۔"

"کاش ایسا ہو جائے۔ دُشمنوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔ میرے والدین اور بھائی بھی اس سلسلے میں پھر کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"یقیناً ایسا ہی ہو گا۔ آپ کو اعتماد رکھنا چاہیے۔"

قدسیہ بیگم کافی دیر بیٹھی مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ پھر مَیں نے اُنھیں رُخصت کر دیا تھا۔ اب عالم پُور میں رُکنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ مَیں نے ریاض احمد سے اجازت لی اور شام کی بس سے واپس فرحت پُور پہنچ گیا۔ تھکن کے باعث الماس سے ملنے کا پروگرام بھی نہیں بنایا تھا۔

دُوسری صُبح کچھے میرے کمرے میں جھانکتا ہُوا نظر آ گیا۔ مجھ سے نگاہیں ملیں تو جھینپتا ہُوا اندر آ گیا۔ "وہ جی، بی بی جی... نے بھیجا ہے۔"

"کوئی خاص بات ہے؟"

"یہ تو ہمیں نہیں معلوم جی۔ بس انھوں نے کہا تھا کہ دیکھ کر آئیں کہ آپ آ گئے یا نہیں۔"

"اُن سے کہہ دینا کہ جب فرصت ہو تو مجھے اطلاع کرا دیں۔"

"اچھا جی۔" بچے نے کہا اور واپس چلا گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ دوبارہ واپس آ گیا اور کہنے لگا۔

"شام سات بجے کا وقت دیا ہے جی آپ پُرانی حویلی پہنچ جائیں۔"

مَیں نے گردن ہلا دی۔ دن بے مصرف تھا۔ شام سات بجے الماس سے ملاقات کرنی تھی۔ قبرستان کے قریب دفعتہً پانچ چھ گھڑ سوار میرے پاس پہنچ گئے۔ مَیں ایک لمحے میں صُورتِ حال کی نزاکت کو سمجھ گیا تھا۔ اُن کے ہاتھ میں تیل پلائی ہُوئی لمبی لمبی لاٹھیاں تھیں اور چہرے ڈھاٹوں سے ڈھکے ہُوئے تھے۔ وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر کر گھوڑوں سے اُتر آئے۔ لاٹھیاں اُن کے ہاتھ میں تھیں۔ ایک لمحے کے لیے تو پریشان ہُوا لیکن اُس کے بعد اُستاد جھوتے زندہ باد کا نعرہ لگا کر تیار ہو گیا۔ سامنے والے نے لاٹھی کا بھرپُور وار میرے سر پر کیا تھا۔ یہ دُوسری بات ہے کہ مَیں نے پینترا خالی دے کر اُس کی لاٹھی پر ایک ہاتھ ملا اور لاٹھی تیز آواز کے ساتھ نیچے آ رہی۔ دُوسرے دو آدمیوں نے بیک وقت مجھ پر حملہ کیا لیکن مَیں نے پھُرتی سے لاٹھی اُٹھا کر دونوں ہاتھوں سے وار روکے اور اس کے بعد لاٹھی کو پُوری قوت سے ایک شخص کی لاٹھی پر دے مارا۔ وہ بھی جانباز آدمی تھا اور لاٹھی کے کھیل سے واقف تھا۔ چنانچہ میرا وار تو اُس نے بچا لیا لیکن جس قوت سے یہ وار اُس کی لاٹھی پر پڑا تھا، اُسے وہ برداشت نہ کر سکا اور لاٹھی اُس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ ایک اور آدمی نے مجھ پر وار کیا۔ اس بار مَیں اُس کے شانے پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ ضرب اتنی زور دار تھی کہ وہ ایک کراہ کے ساتھ پیچھے پلٹ کر جا گرا۔ باقی افراد بھی مجھ پر پل پڑے۔ مَیں بنوٹ کے ہاتھ دکھانے لگا۔ وہ لٹھ بارضرور تھے لیکن اُستاد جیسا فن بھلا کسی کے پاس کہاں؟ چنانچہ مَیں نے لاٹھی کا ایسا کھیل دکھایا کہ اُنھیں دانتوں پسینے آ گئے۔ اُن میں سے ایک کا ڈھاٹا کھل گیا تھا جسے اُس نے فوراً ہی مُنہ پر لپیٹ لیا لیکن اُس کی صُورت میری نگاہوں کے سامنے آ چکی تھی۔ دُبلے پتلے چہرے اور دھنسی ہُوئی سی شکل کا آدمی تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی اور ناک لمبی تھی۔ وہ کافی دیر تک مجھ سے مقابلہ کرتے رہے۔ ان میں سے ایک میرا پھر شکار ہو گیا۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ نیچے گرا جس سے باقی لوگوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ واپس پلٹ کر گھوڑوں کی پُشت پر جا بیٹھے۔ غالباً اُنہیں اس طرح کے جوابی حملے کی اُمید نہیں تھی۔ جاتے ہُوئے اُنھوں نے اپنے زخمی ساتھی کو بھی اُٹھا لیا اور اُس کے بعد گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ صرف ایک گھوڑا باقی رہ گیا تھا جو وہیں کھڑا ہُوا تھا لیکن اس کے سلسلے میں بھی اُنھوں نے چالاکی سے کام لیا۔ ایک گھڑ سوار واپس پلٹا اور پُوری قوت سے گھوڑے کی کمر پر لاٹھی ماری۔ گھوڑا سرپٹ ہو گیا۔ چند لمحوں بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

وہ تو چلے گئے لیکن میرے ذہن پر شدید سنسنی چھائی ہُوئی تھی۔ مَیں سوچ رہا تھا کہ حملہ آور کون تھے۔ سو فیصد نواب نیاز احمد کے قاتل جو یہ بات جانتے ہیں کہ مَیں قتل کی ازسرِنو تحقیقات کر رہا ہُوں۔ یہ باتیں جاننے والوں میں کون کون شامل ہے۔ الماس آراء نیاز، بیگم حکمت آراء نیاز، ریاض احمد اور شرف الدین یا اس کے علاوہ بیگم حفیظ الدین کے اہلِ خاندان۔ یہ چند افراد تھے جو میری ان کاوشوں کے بارے میں جانتے تھے۔ ان میں سے کون یہ کوشش کر سکتا ہے؟ جو وسائل حملہ آوروں کو مہیا تھے وہ ظاہر کرتے تھے کہ کام کسی بڑے آدمی کا ہے اور لے دے کر ایک ہی شخصیت ذہن میں اُبھرتی تھی۔ بیگم حکمت آراء نیاز... یعنی وہی جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ آخری فیصلہ کرنا تو حماقت تھی لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا تھا کہ اب وہ لوگ جارحیت پر اُتر آئے ہیں۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی تھی کہ حفیظ الدین کا دعویٰ غلط نہیں ہے اور قاتل زندہ ہے۔ میرے دل میں خوشی کی لہریں بیدار ہو گئیں۔ کم از کم یہ ثبوت مِل گیا تھا کہ حفیظ الدین قاتل نہیں ہے اور قاتل جو کوئی بھی ہے اب بوکھلا گیا ہے۔ وہ زندہ ہے اور اپنا دفاع کرنا چاہتا ہے۔ اُسے احساس ہو گیا ہے کہ مَیں اُس کے خلاف خطرناک کارروائیاں کر رہا ہُوں۔ بہر طور مَیں سرائے میں واپس آ گیا اور اپنے بستر پر پڑا دیر تک اس سلسلے میں سوچتا رہا۔

کاش ان لوگوں کی کوئی شناخت ہو سکتی۔ جو ایک چہرہ مَیں نے دیکھا تھا۔ وہ میری نگاہوں میں محفوظ ہو گیا تھا۔ دوبارہ کہیں بھی نظر آتا، مَیں اُسے پہچان سکتا تھا لیکن اُس کی کوئی تصویر تو میرے پاس نہیں تھی جس سے اُس کے بارے میں تصدیق کی جا سکتی۔ دفعتہً ایک خیال ذہن میں آیا اور مَیں بے چین ہو گیا۔ بمشکل تمام باہر جا کر ایک پنسل اور سادہ کاغذ تلاش کر سکا تھا۔ پھر مَیں نے اپنی یادداشت کے سہارے پنسل سے خاکہ بنانا شروع کر دیا اور کافی

حد تک اُس شخص کی شکل لکیروں میں سمونے میں کامیاب ہو گیا جسے مَیں نے دیکھا تھا۔ مَیں نے پُوری طرح مطمئن ہونے کے بعد یہ کاغذ جیب میں رکھ لیا اور اُس کے بعد سات بجنے کا انتظار کرنے لگا۔

ٹھیک سات بجے ذرا محتاط انداز میں حویلی کی جانب چل پڑا۔ شام گہری ہو گئی تھی۔ راستے سنسان تھے۔ حویلی میں داخل ہُوا تو اچھی خاصی رات جھک آئی تھی۔ الماس آراء وہاں موجود تھی اور اپنے مخصُوص انداز میں مُسکرا رہی تھی۔

"ہیلو...!"

"ہیلو... عالم پُور ہو آئے۔ مصرُوف تھی ورنہ دن میں ملاقات کر لیتی۔ آج خاص طور سے بیگم صاحبہ مجھ پر مُسلّط تھیں۔"

"کیوں خیریت...؟"

"کچھ نہیں، کچھ کاروباری امُور تھے۔ چند لوگ ملنے آئے تھے، مجھ پر ذمّہ داری عائد کر دی گئی تھی کہ مَیں ذرا باورچی خانے کی نگرانی کروں۔ آنے والے معزز لوگ تھے۔"

"چلے گئے؟"

"ہاں...!"

"شکر ہے۔"

"اچھا تم یہ بتاؤ، عالم پُور میں کیا رہا؟"

"ریاض الدین سے ملاقات ہُوئی۔ وہ بے چارے کوئی نشان دہی کرنے میں ناکام رہے۔ قدسیہ کے اہلِ خاندان نے یہ بات قبول نہیں کی کہ مَیں اُس سلسلے میں قدسیہ سے کوئی رابطہ قائم کروں۔ تاہم ریاض الدین کے ذریعے اس سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ عورت اور اُس کے بچّے اپنے شوہر کو بے گناہ سمجھتے ہیں اور شدّت سے اس بات کی مخالفت کرتے ہیں کہ قتل کا یہ الزام درُست ہے۔"

"خُوب... کوئی کام کی بات بھی معلوم ہُوئی؟"

"ابھی تک نہیں۔"

"چارٹر بنانے تم کیسے جاسُوس ہو ہم سے کوئی کام ہی نہیں لے رہے حالانکہ ہمیں جاسُوسی کرنے کا بہت شوق ہے۔"

"واقعی، اگر یہ بات ہے تو مَیں تمھارے اس شوق کو پُورا کیے دیتا ہُوں۔"

"کیسے...؟" الماس نے پُوچھا اور مَیں نے جیب سے وہ تصویر نکال کر اُس کے سامنے رکھ دی جو مَیں نے خُود بنائی تھی۔

الماس اُسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"یہ کیا ہے؟"

"ایک خطرناک شخص کی تصویر جس نے آج میری جان لینے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا...؟" الماس آراء اُچھل پڑی۔

"ہاں... یہ تنہا نہیں تھا بلکہ پانچ آدمی اُس کے ساتھ اور تھے، اُن کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہُوئے تھے اور وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔"

مَیں نے پُوری تفصیل الماس کو بتائی تو وہ خوفزدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ "اوہو... اوہو، کون ہو سکتے ہیں وہ لوگ؟ اس کا مقصد ہے کہ... کہ۔" پھر وہ ایک دم اُچھل پڑی۔ "کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی شارق کہ درحقیقت میرے ابّو کا قاتل کوئی اور ہے اور اُسے خدشہ ہو گیا ہے کہ کہیں تم واقعی اُس کی کھوج نہ لگا لو۔"

"سو فیصد الماس، تمھاری اس ذہانت کو مَیں نے دل سے پسند کیا ہے۔"

"اس کا مقصد ہے کہ حفیظ الدین بے چارہ بے گناہ ہی مصیبت کا شکار ہُوا ہے، نہیں یہ مناسب نہیں ہے... خُدا کے لیے مجھے اس سلسلے میں کچھ اور تفصیلات بتاؤ۔ مجھے بتاؤ مَیں کیا کروں۔ مَیں صرف تقریباً ہی ان معاملات میں دلچسپی نہیں لے رہی بلکہ یہ میرے باپ کے قتل کا سوال ہے۔"

"الماس! یہ حملہ مجھ پر کس نے کرایا؟"

"یہی مَیں بھی سوچ رہی ہُوں، کون ہو سکتا ہے وہ۔"

"تمھارا ذہن خُود کسی طرف نہیں جاتا؟"

"نہیں، مَیں اتنی ذہین نہیں ہُوں، اعتراف کرتی ہُوں۔"

"بہر طور کھوج نکال لیا جائے گا۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"مگر تم... اب مَیں تمھاری طرف سے فکرمند ہو گئی ہُوں۔ کیا تم اس حویلی میں نہیں آ سکتے۔ تمام ذمّہ داریاں مَیں قبُول کرتی ہُوں۔ یہاں کم از کم اطمینان تو رہے گا۔ میرے آدمی تمھارے گرد پھیلے رہیں گے۔ تم نے بلاوجہ اپنے لیے یہ خطرات مول لے لیے ہیں۔" مَیں نے ان الفاظ پر چونک کر الماس کو دیکھا تو وہ خجل ہو گئی۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ جو کام تم کر رہے ہو اُس سے میرا مفاد بھی وابستہ ہے لیکن مَیں تمھارے لیے کوئی خطرہ بھی

نہیں چاہتی۔ اب تو مَیں اُلجھتی ہی رہُوں گی۔ تم پلیز یہاں آجاؤ۔"

"تمھاری یہ پیش کش میرے لیے بہت اچھی ہے الماس لیکن ابھی کچھ وقت گزر جانے دو۔ مجھے ذرا یہ اندازہ ہو جانے دو کہ یہ لوگ کون ہیں؟ مَیں اُنھیں مزید قریب لانا چاہتا ہُوں تاکہ ان میں سے کوئی میرے ہاتھ لگ جائے اور مَیں اُس سے صُورتِ حال معلوم کر سکوں۔"

"ویسے لڑائی بھڑائی میں تمھاری مہارت تو مَیں دیکھ چُکی ہُوں۔ کیا مارشل آرٹ سیکھا ہے۔ بظاہر تو یہی لگتا ہے۔"

"مَیں نے زندگی گزارنے کا ہر فن سیکھا ہے جو اس دَور کے لیے ضرُوری ہے۔ بہر طور ان معاملات سے آگاہ کرنا میرا فرض تھا، سو مَیں نے کر دیا۔"

"حویلی میں آنے سے کیوں کترا رہے ہو؟"

"بالکل نہیں کترا رہا۔ یقیناً یہ میری آخری پناہ گاہ ہوگی۔ مَیں تمھیں بتا چکا ہُوں کہ ممکن ہے حویلی میں آنے کے بعد وہ لوگ دُوسرے انداز سے سوچنے لگیں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ ابھی مجھ پر کچھ اور حملے ہوں اور اُن میں سے کوئی میرے ہاتھ لگ جائے۔"

الماس گہری سوچ میں ڈُوب گئی تھی۔ پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا: "اب تو تمھاری صحت یابی اور زندگی کے لیے دُعا ہی کرنا پڑے گی۔"

"اگر کر سکتی ہو تو ضرُور کرنا۔"

"مَیں... مَیں شادی... مَیں تمھیں اپنی ذہنی کیفیت نہیں بتا سکتی۔ یُوں سمجھ لو، مجھے زندگی میں ایک دوست کی تلاش تھی، صرف دوست کی اور اُس دوستی کے لیے میرا ایک معیار تھا۔ یقین کرو، اس میں عورت یا مرد کی تخصیص نہیں تھی۔ بس ایک اچھا ساتھی ذہن میں تھا، سو تم مجھے مِل گئے ہو۔ مَیں نہیں جانتی تم کب تک میرا ساتھ دے سکو گے لیکن ایک دوست کی حیثیت سے مَیں تمھیں اپنے ذہن میں زندہ تو رکھوں گی۔"

کافی دیر تک مَیں اُس سے گفتگو کرتا رہا۔ چونکہ اُس امتزاج پر ایسی خاص تلذذ زیرِ بحث نہیں تھا اس لیے مَیں الماس پر براہِ راست یہ اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ہو سکتا ہے اِس حملے میں اس کی ماں بھی ملوث ہو۔ اُسے یہ سُن کر ایک شدید ذہنی جھٹکا لگتا۔ مَیں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی ایسی کیفیت کا شکار ہو۔

مَیں حویلی سے واپس چل پڑا۔ راستے کافی سنسان ہو چکے تھے۔ مَیں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہُوا چلتا رہا۔ راستے جانے پہچانے تھے کیونکہ کئی بار اِدھر سے گزر چکا تھا۔ ایک سنسان جگہ سے گزر رہا تھا کہ فائر کی آواز سُنائی دی اور گولی میرے سر سے کوئی دو انچ اُوپر سے گزر گئی۔ وہ بھی اس لیے کہ اچانک ہی میرے قدموں تلے ایک ڈھلان آ گئی تھی اور مَیں نیچے اُتر گیا تھا ورنہ میرا صحیح نشانہ لیا گیا تھا۔ مَیں فوراً زمین پر بیٹھ گیا۔ اِس کے بعد جب فائر ہُوا تو لیٹنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ گولیاں مسلسل چلتی رہیں۔ جس سمت سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں، وہ میرے علم میں آ چکی تھی لیکن یہ جگہ بالکل ہموار تھی اور یہاں سے مَیں اُٹھ کر کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ کھڑا ہوتا تو گولیوں کا شکار ہو جاتا۔ چند لمحوں کے لیے وقفہ ہُوا تو مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ گولیاں چلانے والا ایک ہی شخص ہے۔

اگر زیادہ تعداد میں لوگ ہوتے تو شاید میرے لیے بچنا مشکل ہو جاتا۔ اب وہ شخص یقیناً اپنا ریوالور لوڈ کر رہا ہوگا۔ مَیں نے یہ اندازہ لگاتے ہی اپنی جگہ سے چھلانگ لگا دی۔ دُوسری چھلانگ مجھے اُس پتھر کی آڑ میں لے گئی تھی جو اُس راستے سے تھوڑے فاصلے پر پڑا ہُوا تھا۔ مَیں نے نگاہیں اُٹھا کر اُس طرف دیکھا جہاں ایسے ہی ایک پتھر کی آڑ سے فائرنگ ہُوئی تھی لیکن مجھے کچھ نظر نہیں آیا۔ مَیں انتظار کرتا رہا۔ یقیناً میرا دشمن بھی انتظار کر رہا تھا کہ مَیں اپنی جگہ سے جُنبش کروں تو وہ اپنا کام دکھلائے لیکن کافی دیر گزر گئی اور کوئی کارروائی نہیں ہُوئی۔ نہ کسی قسم کی کوئی آہٹ سُنائی دی۔ چنانچہ مَیں آہستہ آہستہ اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ہمت کر کے اُس طرف بڑھا جہاں پتھر پڑا ہُوا تھا لیکن اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ حملہ آور فرار ہو چکا تھا۔ یہ بات تو ظاہر تھی کہ اُسے اپنی ناکامی کا علم ہو گیا ہوگا لیکن اُس کے اِس طرح فرار ہو جانے سے یہی کہا جا سکتا تھا کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہے اور میرے سامنے نہیں آنا چاہتا۔ غالباً دن کے تجربے نے ان لوگوں کو ہوشیار کر دیا ہے کہ مَیں صرف وکیل ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہُوں۔

اب اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا کہ واپس سرائے میں آجاؤں۔ یہ دُوسرا حملہ تھا مجھ پر۔ شاید بیگم عصمت آرا کی طرف سے۔ جن وسائل کے ساتھ حملے کیے گئے تھے، اُن کے تحت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔ سرائے میں آنے کے بعد کافی دیر تک غور کرتا رہا تھا۔ اپنے کمرے کا بھی جائزہ لیا... اور

حتی الامکان حفاظت کا بندوبست کر لیا۔ حملہ سرائے میں بھی کیا جا سکتا تھا۔

رات پُرسکون گزر گئی۔ دُوسرا دن آ گیا۔ ابھی تک کوئی ایسی ٹھوس کارروائی نہیں ہُوئی تھی کہ مَیں آگے بڑھ سکتا۔ شواہد ثابت کر رہے تھے کہ حفیظ الدین کا کہنا دُرست ہے۔ وہ قاتل نہیں ہو سکتا لیکن یہ ثابت کرنے کے لیے ٹھوس ثبوت درکار تھے۔ اصل قاتل کی تلاش ضرُوری تھی۔ اصل قاتل کون ہے؟

دن کے تقریباً گیارہ بجے تھے اور مَیں سوچ رہا تھا کہ اب کہیں باہر نکلوں۔ اپنے دشمنوں کی تلاش کروں کہ اچانک ایسی ایک شکل نظر آئی جسے دیکھ کر مَیں چونک پڑا۔ یہ ریاض الدین تھے جو میرا پتا پُوچھتے میرے کمرے کی جانب آ رہے تھے۔ مَیں نے باہر نکل کر اُن کا استقبال کیا تو اُن کے چہرے پر اطمینان کی لہریں پھیل گئیں۔

"شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ بڑی پریشانی کی کیفیت میں تھا اور سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں تمھیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو بھی سکوں گا یا نہیں..."

"تشریف لائیے، خیریت تو ہے، سب ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں... ہاں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو قابلِ تشویش ہو۔ تم نے ایک ذمہ داری شانوں پر ڈال دی تھی۔ بس یُوں سمجھو کہ مَیں خود بھی اُس میں پُوری طرح ملوث ہُوں اور نجانے کیوں دل میں یہ حسرت پیدا ہو گئی کہ کاش تم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤ۔ اسی سلسلے میں آیا تھا۔"

مَیں اُنھیں احترام سے اندر لے آیا، بٹھایا، چائے منگوائی اور پھر اُن سے اُن کی آمد کی وجہ پُوچھنے لگا۔

"قدسیہ آئی تھی میرے پاس... کچھ کاغذات لائی ہے تمھارے لیے... اور تو کوئی ذریعہ نہیں تھا اُس کے پاس، مجھ سے درخواست کی کہ تمھیں فرحت پُور جا کر تلاش کروں اور یہ کاغذات تم تک پہنچا دوں۔"

ریاض الدین نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اُسے میری طرف بڑھا دیا۔ سربمہر لفافہ تھا اور اس پر نواب نیاز احمد کا نام لکھا ہُوا تھا۔

"کیا ہے اس لفافے میں...؟"

"یہ بات قدسیہ بھی نہیں جانتی۔ اُس نے ایسے ہی لفافہ تمھارے پاس بھیج دیا ہے۔ کہہ رہی تھی کہ بہت پُرانی بات ہے۔ حفیظ الدین نے یہ لفافہ اُس کے پاس رکھوایا تھا اور کہا تھا کہ اسے احتیاط سے رکھے۔ یہ نیاز احمد صاحب کی امانت ہے جو اُنھوں نے دشمنوں کے خوف سے اُس کے پاس محفوظ کرا دی ہے کیونکہ اُنھیں خطرہ تھا کہ وہ امانت اُن کے پاس سے اُن کے دشمن غائب کر دیں گے۔ قدسیہ کو یہ بات یاد آ گئی۔ اُس نے اپنے سامان میں وہ لفافہ تلاش کیا اور یہ اُسے مِل گیا۔ دراصل تم نے اُس سے کہا تھا ناکہ کوئی ایسی بات یاد کرے جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہو کہ نیاز صاحب کا کوئی دشمن بھی تھا اور چونکہ حفیظ الدین نے یہ لفافہ دیتے ہُوئے اُس سے یہ الفاظ کہے تھے چنانچہ دشمن کے لفظ کے ساتھ اُس کے ذہن میں اس لفافے کا تصوّر اُبھر آیا تھا۔"

مَیں نے دلچسپی سے ریاض الدین کا چہرہ دیکھا۔ اُمید کی ایک شمع میری آنکھوں میں روشن ہو گئی تھی۔ ہو سکتا ہے اُس لفافے میں کوئی ایسی چیز پوشیدہ ہو جو کسی پُراسرار چہرے کی نقاب کشائی کرتی ہو۔ مَیں نے دھڑکتے دل کے ساتھ لفافہ کھولا، ایک پرونوٹ تھا جو بہت قیمتی سرکاری کاغذ پر لکھا گیا تھا۔

ریاض الدین نے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے میرے چہرے کا جائزہ لیتے رہے۔ مَیں پرونوٹ پڑھنے میں مصرُوف ہو گیا۔ یہ پرونوٹ عالم نُور کے نواب جہانگیر مرزا کی طرف سے تھا جس کی تحریر یُوں تھی۔

"مَیں جہانگیر مرزا ولد سکندر مرزا بہ ہوش و حواس یہ تحریر لکھ رہا ہُوں اور اس کے لکھنے میں کسی کا کوئی دباؤ نہیں ہے۔ میرے مالی حالات کافی خراب ہو گئے ہیں۔ جائداد کا نظام سنبھالنے کے لیے مجھے دو کروڑ روپے کی ضرُورت ہے اور اس ضرُورت کو پُورا کرنے کا معاہدہ نواب نیاز احمد سے طے پایا ہے۔ نواب نیاز احمد مجھے دو کروڑ روپے کی یہ خطیر رقم ادا کر رہے ہیں اور اس کے عوض میں... جہان آباد کی وہ زمینیں جو میری بیوی کو اس کے سُسرال کی طرف سے جہیز میں ملی ہیں رہن رکھ رہا ہُوں۔ مَیں اس رقم کے عوض کوئی سُود یا منافع نہیں ادا کر رہا اور نواب نیاز احمد نے صرف دوستانہ بنیادوں پر میری مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن قانُونی اُمور پُورے کرتے ہُوئے مَیں یہ پرونوٹ لکھ رہا ہُوں تاکہ قرض کی سند رہے۔ یہ زمینیں بے شک میری ملکیت نہیں ہیں لیکن چونکہ میری بیوی کو جہیز میں ملی ہیں اور اُن کے تمام کاغذات اُس نے میرے

پاس محفوظ کر دیے ہیں چنانچہ ایک شوہر کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اپنی بیوی کے جہیز کی یہ زمینیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دو کروڑ روپے کی واجب الادا یہ رقم میں چھ ماہ کے اندر نواب نیاز احمد کو واپس کر دوں گا۔ میں نیاز احمد کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس بُرے وقت میں میری مدد کی۔ اگر چھ ماہ کے اندر اندر یہ رقم ادا نہ ہو سکی تو پھر نواب نیاز احمد کو یہ حق حاصل ہے کہ قانونی طور پر ان زمینوں کا قبضہ لے لیں اور انھیں اپنے تصرف میں لائیں۔ یہ ان کی ملکیت ہوں گی۔"

میں نے پرونوٹ پڑھنے کے بعد ریاض الدین کی طرف بڑھا دیا اور ریاض الدین اس کا جائزہ لینے لگے۔ ان کی آنکھوں میں بھی ایک چمک پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے منہ سے آہستہ آہستہ نکلا۔

"میرے خدا... میرے خدا... یہ... یہ ہو سکتا ہے... شارق حسین یہ ہو سکتا ہے۔ ذرا سا غور کیجیے اس بات پر جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ نواب جہانگیر مرزا بہت لاابالی آدمی ہیں اور کسی قدر مجرمانہ ذہنیت کے حامل بھی، کئی چھوٹے چھوٹے واقعات ایسے ہو چکے ہیں جن میں نواب جہانگیر مرزا کی مجرمانہ فطرت کا پتا چلتا ہے۔ وہ شکار کے شوقین ہیں اور ان کی زیادہ تر عمر شکار ہی میں گزری ہے چنانچہ اس بات کے امکانات ہیں کہ نیاز احمد کا یہ قرض ادا نہ ہو سکا ہو اور اس کے خوف سے کہ کہیں زمینیں نیاز احمد کے قبضے میں نہ چلی جائیں انہوں نے نیاز احمد کو قتل کرا دیا ہو؟"

"فکر نہ کریں ریاض الدین صاحب میرا خیال ہے یہ ایک بہترین نکتہ ملا ہے۔ ہم اس پر کام کر سکتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بیٹے تم وکیل ہو جو کچھ تم سوچ سکتے ہو، وہ میں نہیں سوچ سکتا۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو جس طرح ہم سوچ رہے ہیں لیکن اس کا پتا چلانا تو آسان نہ ہو گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں لیکن کیا یہ ہماری خوش بختی نہیں ہے کہ ہمیں یہ اہم معلومات حاصل ہوئیں۔"

"خدا ہماری مدد کرے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

"آپ تشریف رکھیے۔ مجھے آپ سے جہانگیر مرزا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کرنا ہیں۔" میں نے پُرمسرت انداز میں کہا۔ نہ جانے کیوں دل کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ دستاویز اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے اور ضرور کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے گی۔ ریاض الدین بھی خیالات میں گم ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ریاض الدین نے گردن اٹھائی اور بولے۔ "جہانگیر مرزا کے بارے میں مجھے بھی زیادہ معلومات نہیں کیونکہ میری ان سے قربت نہیں رہی۔ جو باتیں میں نے تمہیں بتائی ہیں وہ عالم پور کا کوئی بھی شخص تمہیں بتا سکتا ہے۔ نواب جہانگیر مرزا بے اولاد ہیں ان کی تمام زندگی لاابالی انداز میں گزری ہے۔ ریاست ورثے میں منتقل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ بیگم ارجمند بھی خود ایک بڑے زمیندار کی بیٹی ہیں چنانچہ ان کی طرف سے بھی نواب جہانگیر کو بہت کچھ ملا۔ لوگ انھیں زیادہ پسند نہیں کرتے اور کچھ حالات میرے علم میں نہیں ہیں۔"

"انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"کچھ اندازہ تو یہی ہے بیٹے۔ ہو سکتا ہے قدرت ہماری رہنمائی پر آمادہ ہو۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" انھوں نے کہا۔

"آپ اطمینان سے تشریف لے جائیے۔ یہ پرونوٹ میرے پاس ہی چھوڑ دیجیے۔ میں اس کے سلسلے میں تحقیقات کروں گا۔ قدسیہ بہن سے کہہ دیجیے کہ شارق حسین نے ان سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دے گا۔ باقی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

انھوں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ میں انھیں رخصت کرنے بسوں کے اڈے تک آیا تھا۔ اس دوران میں نے اطراف میں نگاہ رکھی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی کی نگاہ میں مشکوک ہوں۔ جب وہ بس میں بیٹھ کر چلے گئے تو میں تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر گشت کرتا رہا پھر سرائے واپس آ گیا۔

سرائے میں آ کر میں پرونوٹ پڑھنے لگا جہانگیر مرزا کے بارے میں بہت سے خیالات ذہن میں آئے تھے جن میں ایک اہم خیال بھی شامل تھا کہ کیا بیگم نیاز احمد کا جہانگیر مرزا سے کوئی تعلق ہے۔ یہ بات بہت الجھی ہوئی بلکہ خطرناک تھی اگر ایسی کوئی بات ہے تو اس تعلق کی نوعیت پر بھی غور کرنا تھا۔ اور حقیقت حال کی تہہ تک پہنچنا تھا اس سلسلے میں اگر کوئی ہستی میری معاون ہو سکتی تھی تو صرف اور صرف الماس تھی۔

دوسرے بہت سے کیسوں کی طرح یہ کیس بھی دلچسپ مراحل میں داخل ہو چکا تھا۔ بعض معمولی نظر آنے والے جرائم کے پس پردہ کیا کچھ ہوتا ہے اس کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایک ملزم پکڑا جاتا ہے۔ سوچے سمجھے منصوبے اسے مجرم بنا دیتے ہیں اسے سزا ہو جاتی ہے اور بس۔ حقیقتیں قبر کی گہرائیوں میں

جا سوتی ہیں۔ اس مسئلے کا کیا حل ہو۔ کیا بے گناہوں کی... بے گناہی ثابت کرنے کا کوئی مؤثر انتظام ہو سکتا ہے؟

الماس سے پرانی حویلی میں رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ پرانی حویلی کی طرف چل پڑا لیکن اب بے احتیاطی مضر ہو سکتی تھی۔ ناگ کی دم پر پاؤں رکھا جا چکا تھا اور کسی بھی وقت اس کے وار کا اندیشہ تھا لیکن اب میں محتاط ہو چکا تھا۔ اگر کوئی ایسی کوشش ہوئی تو اس کے سنگین نتائج ہوں گے۔

پرانی حویلی میں پہلی ملاقات پکے اور پکّے سے ہوئی تھی "الماس کو میرا ایک پیغام دینا ہے پکے.... کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جو حکم سرکار" پکے نے کہا۔

"تم جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" حویلی کے کمرے میں بیٹھا تو ایک ملازم نے فوراً ہی کافی بنا کر میرے سامنے رکھ دی۔ پکے پکّے واپس آئے تو الماس بھی ان کے ساتھ تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا۔

"ہیلو چیف کیسے مزاج ہیں؟" اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہوں۔"

"اس وقت طلبی یقیناً کسی خاص اہمیت کی حامل ہے؟"

"ہاں الماس، تمہاری ذاتی معلومات کے خزانے سے کچھ درکار ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حاضر ہے جہاں پناہ حکم فرمائیے۔" الماس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"یہ فرمائیے مس الماس جہاں آرا نیاز، کہ کیا آپ عالم پور کے نواب جہانگیر مرزا کو جانتی ہیں؟"

"اللہ کی پناہ انھیں کون نہیں جانتا۔ بابائے شکار ہیں۔ کبھی چھوٹے سے یہ اطلاع بھجوا دیجیے انھیں کہ کسی جنگل میں کوئی شیر آدم خور آ گیا ہے، بابا صاحب چل پڑتے ہیں اور اس وقت تک واپس نہیں آتے جب تک شیر یا تو جنگل چھوڑ کر نہ بھاگ جائے یا پھر اس کی کھال ان کے قبضے میں نہ آ جائے۔"

"نواب نیاز احمد سے کیسے تعلقات تھے ان کے؟"

"جس طرح نوابوں کے تعلقات نوابوں سے ہوتے ہیں بس ایسے ہی تھے۔"

"تم لوگ اب بھی کبھی عالم پور جاتے ہو۔"

"ہم لوگ نہیں، ان کی تقاریب میں مجھے ہی شرکت کے لیے بھیجا جاتا ہے۔ امی بہت کم جاتی ہیں، ویسے بہت بور ماحول ہے ان کے گھر کا، بیگم ارجمند قدیم طرز کی خاتون ہیں شوہر پر حاوی۔ اولاد کوئی ہے نہیں، بے شمار لوگ اِدھر اُدھر سے لے کر پال رکھے ہیں جو عیش کرتے ہیں۔"

"تم سے ملاقات ہوتی ہے تو کیسے پیش آتے ہیں۔"

"انھیں پیش آنا ہی نہیں آتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہم لوگ تعلقات کو گھسیٹ رہے ہیں، مگر یہ اتنی تحقیق کیوں؟" دفعتاً الماس کو جیسے خیال آ گیا۔

"یہی جاسوسی ہو رہی ہے۔ ہر شخص کو ہی چیک کرنا ہوتا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ الماس۔ نواب جہانگیر مرزا کے حالات کیسے ہیں؟"

"بظاہر ٹھیک ہیں لیکن میرا خیال ہے بہت زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔ ریاست تو ختم ہو گئی تمہیں علم ہی ہے۔ کچھ وظیفے ملتے ہیں۔ کچھ زمینیں ہیں۔ خاص طور سے انہیں سسرال کی طرف سے بڑی مدد ملتی رہتی تھی اب تو ساس سسر کا انتقال ہو چکا ہے۔ سالے وغیرہ ہیں ان میں سے کچھ یورپ چلے گئے ہیں کچھ شہروں میں جا کر کاروبار کر رہے ہیں لیکن بہرطور بیگم ارجمند کے ذریعے نواب صاحب کے حالات کافی بہتر رہے۔ یار تم کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہے؟"

"نہیں تجھ سے کیا چھپا سکتا ہوں دوست، ہر اس شخصیت کو ذہن میں رکھتا ہوں جو نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ میں نے یہ بات سنی تھی کہ نواب جہانگیر مرزا نے کچھ رقم قرض لی تھی... نواب نیاز احمد سے... کیا تمہیں اس بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں؟"

"بھلا میں ان معاملات کو کیا جانوں۔"

"ہوں پھر کیا کیا جائے اس سلسلے میں؟"

"سیدھی بات ہے امی سے پوچھ لو۔" الماس نے کہا اور میں سوچ میں ڈوب گیا۔

یہی تو خوف کا گھر تھا۔ بیگم نیاز احمد کے سلسلے میں ذہن ابھی پوری طرح صاف نہیں ہوا تھا۔ رہ رہ کر ان حملوں کا تصور ذہن میں ابھر آتا تھا اور نجانے کیوں ذہن انھی کی طرف جاتا تھا۔ کیونکہ اور کوئی شخصیت بظاہر منظر عام پر نہیں تھی، کون ایسا تھا۔ اگر نواب جہانگیر مرزا اس سلسلے میں ملوث بھی ہیں تو میری ہوا انھیں کہاں سے لگ گئی، یا پھر کوئی ایسا مخبر جس نے انھیں خبر دی ہو کہ ایک شخص اس سلسلے میں چودہ سال کے بعد تفتیش کرنے نکلا ہے، مجرم کبھی اپنے جرم کا انکشاف

نہیں چاہتا۔ کافی دیر تک الماس سے باتیں ہوتی رہیں، وہ بضد تھی کہ میں اس سلسلے میں بیگم نیاز احمد سے بات کروں۔

ہمت کی جا سکتی تھی لیکن اگر بیگم نیاز اور نواب جہانگیر مرزا کا کوئی گٹھ جوڑ نکلا تو صورت حال اور بھی خطرناک ہو جائے گی۔ پھر دفعتہً ہی ذہن میں وہ گرمی پیدا ہو گئی جو مجھے خطرناک ترین کام کرنے پر مجبور کر دیتی تھی۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی مجرم ہے اور وہ ایک بے گناہ کو چودہ سال قید بامشقت دلوا سکتا ہے تو پھر اس کا مقابلہ کرنا ضروری ہو گا۔ کیا میں اتنا ہی بزدل ہوں کہ اس خوف سے گھبرا جاؤں کہ مجھ پر مزید حملے ہوں گے اور میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ میں نے الماس سے وعدہ کیا کہ دوسرے دن میں بیگم نیاز سے بات کروں گا اس نے مجھے تحفظ کی ضمانت دی تھی اور میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا تھا وہ کیا جانے کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ لاکھ تیز طرار تھی لیکن اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ تصور نہیں ابھرا تھا کہ میں بیگم نیاز کے بارے میں بھی غلط انداز میں سوچ سکتا ہوں جہانگیر مرزا کے بارے میں البتہ اس نے مجھ سے سوالات کیے تھے اور پوچھا تھا کہ کیا میں ان کی طرف سے کوئی شک محسوس کر رہا ہوں میں نے مناسب الفاظ میں الماس کو مطمئن کر دیا تھا۔

■

دوسرے دن جب میں نے حویلی پہنچ کر پیغام اندر بھجوایا تو فوراً ہی میری طلبی ہو گئی۔ بیگم نیاز آج خوشگوار موڈ میں نظر آ رہی تھیں مجھے دیکھ کر مسکرائیں۔

"کیا میں دس لاکھ کا چیک لکھ دوں؟"

"نہیں بیگم صاحبہ اتنا خوش نصیب نہیں ہوں اور اتنا کم ظرف بھی نہیں کہ آپ کی ہمدردی کا صلہ دس لاکھ سمجھوں۔ میں بھی صاحب دل ہوں جو کچھ کر رہا ہوں اس میں دس لاکھ کا تصور نہیں ہے بلکہ صرف ایک احساس ہے کہ حقیقت کو سامنے لے آؤں۔"

"شاید تمہیں کوئی کامیابی ہو جائے۔ مگر میں نہیں سمجھتی کہ اس میں کوئی اور حقیقت بھی پوشیدہ ہے۔ تھوڑی سی رقم کے لیے لوگ نجانے کیا کچھ کر ڈالتے ہیں کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں؟"

"بے شک لیکن میں کیا کروں کہ میرا دل اس بات کو نہیں مانتا۔"

"دل؟" وہ طنزیہ انداز میں ہنس دیں "خیر چھوڑو میرے لائق کوئی خدمت، تم تو اس دن کے بعد پلٹے ہی نہیں۔ کہاں رہ رہے ہو؟"

"پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ایک سرائے میں رہتا ہوں۔"

"دیوانے اور سر پھرے ہو۔ سرائے میں کیوں رہ رہے ہو۔ اب ایسا بھی نہیں کہ کسی ایک مہمان کے لیے ہمارے مہمان خانے تنگ ہو جائیں۔"

"میں وہ عزت حاصل کرنے کا خواہاں ہوں بیگم صاحبہ جو میرے کام کی تکمیل کے بعد مجھے ملے گی۔ اس وقت تک مجھے مہمان نہ بنائیے۔ چند سوالات کرنے حاضر ہوا ہوں، آپ کے اس وعدے کی روشنی میں، جو آپ نے مجھ سے کیا تھا۔"

"ہاں ہاں پوچھو..."

"نواب جہانگیر مرزا سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں؟"

"عالم پور کے نواب جہانگیر مرزا؟" بیگم صاحبہ نے سوال کیا۔ میں اپنے ذہن کی تمام تر قوتوں اور اپنے تجربے کی پوری پوری روشنی کے ساتھ بیگم نیاز کا چہرہ دیکھ رہا تھا لیکن نواب جہانگیر مرزا کے نام پر ان کے اندر کوئی ایسی بات نظر نہ آئی جو کسی شک کا باعث ہوتی۔

"جی ہاں۔ انھی کی بات کر رہا ہوں۔"

"مرحوم نواب صاحب سے اچھے تعلقات تھے اور نواب جہانگیر مرزا آج تک یہ تعلقات نبھا رہے ہیں کبھی کبھی ہماری خبر گیری کر لیتے ہیں لیکن کوئی گہرے تعلقات نہیں ہیں مگر ان کا نام تمہارے ذہن میں کیوں آیا؟"

"بیگم ارجمند کی ان زمینوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو انھیں جہیز میں ملی تھیں۔"

"کمال کی بات ہے، جہیز میں انھیں ملی تھیں اور معلومات تم مجھ سے حاصل کر رہے ہو۔"

"کیا یہ زمینیں کبھی نواب نیاز احمد کو بھی پسند تھیں، یا نواب نیاز احمد نے ان زمینوں کی خریداری کی کوئی بات نواب جہانگیر مرزا سے کی تھی؟"

"میرے علم میں نہیں۔"

"کیا نواب نیاز احمد نے کسی وقت کسی قسم کے حالات میں نواب جہانگیر مرزا کی کوئی مالی مدد کی تھی؟"

"اگر انھوں نے ایسا کیا بھی ہو گا تو میرے علم میں نہیں ہے۔ مگر تمہارے اس سوال نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔"

"میں تحقیق کر رہا ہوں بیگم صاحبہ ہر کردار اور ہر اس شخصیت کو ذہن میں رکھتا ہوں، جسے نواب صاحب کا ذرا بھی قرب

حفیظ الدین پہنچ گیا۔

"حفیظ الدین تم نے ایک ذمہ داری میرے سپرد کی تھی میں کوشش کر رہا ہوں کہ تمہاری اس ذمہ داری کو پورا کر دوں۔ ایک اہم بات پوچھنے کے لیے میں نے تمہیں تکلیف دی ہے۔"

"جی فرمائیے؟" اس نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"ویسے تو بہت سی باتیں مجھے معلوم ہو چکی ہیں، ممکن ہے اللہ فضل کرے اور میری کوششوں کے بہتر نتائج نکل آئیں۔ میں خاص طور سے تم سے عالم پور کے نواب جہانگیر مرزا کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

حفیظ الدین نے چونک کر میری صورت دیکھی چند لمحات خاموش رہا پھر بولا "آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟"

"تمہارے ہی سلسلے میں ان کا نام میرے علم میں آیا ہے۔ نواب جہانگیر مرزا اور نواب نیاز احمد کے درمیانی تعلقات کی تفصیل تمہیں جس حد تک بھی معلوم ہے مجھے بتا دو۔"

"میں ایک ملازم قسم کا آدمی تھا۔ مالکان کے مزاج اور ان کی شناسائی کے بارے میں بھلا مجھے کیا تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں جہاں تک اپنا تجربہ ہے تو یہ عرض کر دوں کہ نیاز صاحب مختلف آدمی تھے اور نواب جہانگیر الگ طبیعت کے مالک ہیں جہانگیر مرزا کی فطرت میں نوابی شامل تھی۔ سیر و شکار کے رسیا ہیں بے اولاد تھے اس لیے طبیعت میں کوئی ٹھہراؤ نہیں پیدا ہو سکا۔ نیاز احمد کے بہت گہرے تعلقات نہیں تھے لیکن چونکہ ایک ہی حیثیت کے مالک تھے۔ اس لیے ملاقاتیں بھی رہتی تھیں اور رواداری بھی۔"

"میں قدسیہ بیگم سے بھی ملا ہوں اور تمہیں یہ سن کر یقیناً خوشی ہو گی کہ وہ سو فیصد تمہیں بے قصور سمجھتی ہیں اور یہی بات انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو سمجھائی ہے یہ دوسری بات ہے کہ وہ ابھی اپنے والدین اور بھائیوں کے زیر اثر ہیں اور چونکہ وہی ان کے کفیل ہیں اس لیے وہ ان کی مرضی کے خلاف تمہارے پاس نہیں پہنچ سکتیں لیکن ان کے دل میں ایک ہی تصور ہے اور وہ یہ کہ ان کا شوہر بے قصور اور بے گناہ ہے۔ بہرطور انھوں نے تمہارے رکھوائے ہوئے کاغذات میں سے ایک فائل مجھے دیا جس میں کچھ دستاویزات تھیں۔ یہ دستاویزات پرونوٹ کی شکل میں تھیں اور یہ پرونوٹ جہانگیر مرزا کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ میں زیادہ تفصیلات تو نہیں جانتا تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دستاویز کا فائل تمہارے پاس کیسے پہنچا؟"

حفیظ الدین کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا تھا اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ اس نے آہستہ سے کہا "قدسیہ کو یقین ہے کہ میں قاتل نہیں ہوں؟"

"نہ صرف اسے بلکہ اس کے بیٹوں کو بھی۔"

"آہ میرے معبود تیرا انصاف کبھی داغ دار نہیں ہو سکتا۔ میرا ایمان ہے۔"

"جذباتی ہونے کی کوشش مت کرو میں تمہارے پاس ان دستاویزات کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے آیا ہوں۔"

"معافی چاہتا ہوں شارق۔ خدا میں نہیں جانتا کہ لفافے میں کیسے کاغذات تھے۔ آپ کے یاد دلانے پر مجھے یاد آیا کہ ایک بار نواب صاحب نے نہایت رازدارانہ انداز میں یہ فائل اور لفافہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اسے اپنے پاس محفوظ کر لوں اور اس کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دوں۔ وجہ انھوں نے یہ بتائی تھی کہ یہ کاغذات اور لفافہ چوری کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس میں کچھ نہایت قیمتی کاغذات ہیں نواب صاحب نہیں چاہتے تھے کہ یہ کاغذات چوری ہو جائیں۔ انھوں نے کہا کہ کسی بینک کے لاکر میں انھیں محفوظ کرانے کے لیے وقت درکار ہو گا۔ میں انھیں اپنے پاس رکھ لوں۔ نواب صاحب نے وہ کاغذات مجھ سے طلب نہیں کیے اور میں بھی انھیں اپنی بیوی کے پاس رکھوا کر بھول گیا۔ یہ تفصیل تو مجھے آپ ہی سے معلوم ہوئی ہے کہ اس میں دو کروڑ روپے کے قرض کا کوئی پرونوٹ تھا۔"

"گویا وہ تم پر اس قدر اعتماد کرتے تھے کہ انھوں نے اپنی ایک خفیہ چیز تمہارے پاس پوشیدہ کی؟"

"جی ہاں۔ نواب صاحب مرحوم مجھ پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔"

"انھوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ کاغذات کس کی طرف سے چوری کرائے جانے کے خدشات ہیں؟"

"جی نہیں ظاہر ہے میں ان سے یہ سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔"

"کیا نواب جہانگیر مرزا اس سلسلے میں ملوث ہو سکتے ہیں میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ دو کروڑ روپے کا قرض انھوں نے نیاز احمد صاحب سے لیا تھا جس کی واپسی کا عرصہ چھ ماہ مقرر تھا اگر یہ رقم واپس کی جاتی تو یہ پرونوٹ بھی نواب جہانگیر مرزا کے پاس واپس چلا جاتا۔ اس کی تمہارے پاس موجودگی کا مقصد

یہی ہے کہ وہ رقم واپس نہیں کی گئی۔"

"میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ باقی رہا نواب جہانگیر مرزا کا معاملہ تو میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا نواب جہانگیر مرزا کے گہرے تعلقات فرحت پور کے اور کسی شخص سے بھی تھے؟ میرا مطلب ہے کوئی ایسی شخصیت جو فرحت پور میں رہ کر نواب جہانگیر کے مفادات کی نگرانی کر سکے؟"

حفیظ الدین میرے اس سوال پر دیر تک سوچتا رہا تھا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں بخدا میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"ٹھیک ہے میں نے صرف اسی مقصد کے لیے تم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا تم آرام کرو۔ میں تمہیں ایک بار پھر اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ انتہائی کوشش کروں گا کہ تمہاری بیگناہی ثابت ہو جائے۔"

میں نے اس سے اجازت چاہی تو وہ ملتجی انداز میں بولا۔ "قدسیہ کے حالات بتلائیے مجھے، میرے بیٹے تو بڑے ہو گئے ہوں گے۔ کیا کر رہے ہیں وہ؟"

"وہ بالکل ٹھیک تھیں تمہارے سلسلے میں نہایت پُراعتماد ایں بیٹوں سے تو میری ملاقات نہیں ہوئی لیکن وہ یقیناً بہتر حالت میں ہیں کیونکہ اپنے نانا، نانی کے زیر سایہ پل رہے ہیں۔"

"شرف الدین سے بھی ملاقات ہوئی تمہاری؟"

"ہاں! وہ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اس نے شادی کر لی ہے؟"

"ہاں! یہ خبر ایک بار میرے کانوں تک پہنچی تھی۔"

"تمہیں اس کا احساس نہیں ہوا کہ شرف الدین اس شادی کے سلسلے میں تم سے ملاقات کرنے بھی نہیں آیا۔ کم از کم بڑے بھائی کی حیثیت سے اُسے تم سے اجازت تو لینی چاہیے تھی؟"

"وہ پگلا بھی انھی جذبات کا شکار ہو گا جس کا شکار دوسرے لوگ ہیں۔ ایک مجرم، ایک قاتل سے اپنی شناسائی کون ظاہر کرتا ہے؟"

"کیا قدسیہ بیگم سے شرف الدین کے بہتر تعلقات نہیں تھے؟"

میرے سوال پر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر تک گردن جھکائے رہا پھر بولا۔ "قدسیہ میری بیوی ہے اور شرف الدین بھائی لیکن میں انصاف کی بات کہوں گا۔ شرف الدین قدسیہ کو پسند نہیں کرتا۔ جب کہ قدسیہ اُسے ایک ماں ہی کی مانند چاہتی تھی۔ یہ سوال تم نے کیوں کیا؟"

"کچھ نہیں، بر سبیلِ تذکرہ کوئی خاص بات ذہن میں نہیں ہے۔" میں نے اُسے رخصت کر دیا اور وقار صاحب کے پاس پہنچ گیا۔

"آپ کے اس تعاون کا بے حد شکریہ۔ اجازت چاہتا ہوں۔"

وقار صاحب مجھے باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔ یہاں سے اب دوسرے مقصد کے لیے روانہ ہونا تھا۔ پہلے تو کچھ سوچتا رہا پھر فاروقی صاحب کے دفتر کا رُخ کیا تھا۔ اُستاد چھونے اور جاوید قریشی دفتر میں موجود تھے۔ فاروقی صاحب کورٹ گئے ہوئے تھے۔

جاوید سے ملاقات ہوئی تو وہ اچانک مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ "ہاں بھئی جاسوسِ اعظم آپ کی اچانک واپسی کسی خاص واقعے کا نتیجہ ہے یا پھر ایسے ہی یہ شرلاک ہومز برآمد ہوا ہے؟"

"نہیں جاوید میری اچانک واپسی تو ایک مقصد کے تحت ہی ہے۔ اچھا ہوا جو آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

"فاروقی صاحب آ جائیں ان کی موجودگی میں زیادہ لطف آئے گا اس گفتگو میں۔ حالانکہ مجھے خود بھی تجسّس ہے۔"

"جاوید کوئی ایسا شخص آپ کی نگاہ میں ہے جو چہروں پر میک اَپ کر لیتا ہو۔"

"گُڈ! بھئی اصولاً تو اب تمہیں بھی یہ کام سیکھ لینا چاہیے ویسے میں تمہیں ایک ایسا آدمی دے سکتا ہوں جو میرا دوست ہے۔ نقوی کے نام سے مشہور ہے بہت سی فلم کمپنیوں سے تعلق رہا ہے۔ میک اَپ میں واقعی کمال رکھتا ہے۔ وہ باہر سے تربیت لے کر آیا ہے۔"

"کیا قابلِ اعتبار ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی کام اس سے لیا جائے تو اُسے راز رکھ سکے گا؟"

"سو فیصد اگر اُسے ہدایت کر دی جائے تو سمجھ لو کہ یہ راز اُس کے سینے میں رہے گا۔ میرا اچھا دوست ہے۔"

"مجھے اُس کی ضرورت پیش آئے گی جاوید!"

"کیا شہزادہ چارلس بننے کا ارادہ ہے؟" جاوید نے مذاق سے پوچھا۔

"نہیں کچھ اور ہی مسئلہ ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا اور ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر بدر شاہ کے اڈّے کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ فون خود بدر نے ہی اٹھایا تھا۔

"بھئی بدر کیا کر رہے ہو؟"

"لو جی ہم کیا کریں گے۔ شارق جی وہی رفتارِ بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔"

"اس بے ڈھنگی رفتار میں کبھی کبھی تبدیلیاں بھی ہو جانی چاہئیں۔"

"لو جی کمال ہے ہم نے تو پیش کش کی تھی مگر ہم جیسے گناہ گاروں کی کون سُنتا ہے۔ بھائی آپ ہی کسی دھندے سے لگاؤ۔ کبھی کبھی اس دُنیا سے اُکتا کر کچھ اور کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"واقعی؟"

"لو جی پہلے بھی آپ سے کہا تھا مگر کون یاد رکھتا ہے بڑے لوگوں کو؟"

"نہیں بدر! ایسی کیا بات ہے۔ اب ہم تمہیں بُرا آدمی تو نہیں کہہ سکتے جو شخص ایک بار نیکیوں کے راستے پر چل پڑا بُرائیاں اُس کے پیچھے تو لگی رہتی ہیں لیکن اُسے خالصتاً بُرا آدمی تو نہیں کہا جا سکتا۔ کیا تم ابھی دفتر آ سکتے ہو؟"

"آپ چائے تیار کرا لیجیے۔" بدر نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ جاوید دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"باقاعدہ ٹیم بناؤ ایسے کام نہیں چلے گا۔"

"وہ بھی بن جائے گی جاوید! فی الحال ایسے کام چلا رہا ہوں۔"

"نہیں میں سنجیدہ ہوں شارق تم نے وکالت کی دُنیا میں جو طریقۂ کار اپنایا ہے۔ کم از کم برصغیر میں یہ اجنبی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آٹے دال کا مسئلہ اس وقت دُنیا کا سب سے اہم مسئلہ ہے ہر شخص اسی فکر میں سرگرداں ہے کہ اپنے حالات بہتر بنائے اپنا مستقبل بہتر بنائے اور اُسے فرصت ہی نہیں ملتی۔ وکالت کے پیشے میں جو کچھ تم کر رہے ہو میں سمجھتا ہوں۔ اُس کا ایک حصہ ہونا چاہیے لیکن یہاں یہ تصوّر ہی نہیں ہے۔ مؤکل کیس لاتے ہیں اُن کی رپورٹ ہوتی ہے اور انھی کی دی ہوئی روشنی کی صورت میں سب کچھ کیا جاتا ہے۔ ٹھوس ثبوت مل گئے تو بات بن گئی۔ نہیں ملے تو مقدمہ ہار گئے مؤکل سے فیس تو بہرحال وصول کر ہی لی جاتی ہے اور اپنے طور پر دیانت داری سے کام کیا جاتا ہے لیکن اب یہ نہیں ہو سکتا کہ حقیقتوں کو کھوج کر انھیں سامنے لایا جا سکے۔ حالانکہ وکالت کے پیشے میں ایک شق یہ بھی ہونی چاہیے بھئی کوئی شخص اپنی زندگی کا کوئی اہم راز آپ کے حوالے کرتا ہے تو آپ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ حقیقتوں کی پرکھ کریں اور ثبوتوں کی روشنی میں دلائل پیش کریں۔ تم جو کچھ کر رہے ہو۔ وہ بہت عمدہ ہے ممکن ہے بعد میں کچھ لوگ تمہاری پیروی کریں۔ اس کے لیے تمہیں باقاعدہ انتظامات ضرور کرنے چاہئیں، ہم سب حسبِ توفیق تمہارا ساتھ بھی دیں گے۔"

"بے حد شکریہ جاوید۔ آپ لوگوں کی ہمت افزائی ہی سے تو مجھے یہ سب کچھ کرنے پر اُکسایا ہے۔"

ہم ابھی گفتگو کر رہے تھے کہ فاروقی صاحب اور بدر شاہ ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔

فاروقی صاحب ہنس کر کہنے لگے۔ "بھئی بدر کو میں نہیں لایا اور نہ ہی یہ مجھے لایا چنانچہ تم لوگ کسی غلط فہمی کا شکار مت ہونا اور شارق میاں تمہارے بارے میں بدر ہی نے مجھے راستے میں بتایا تھا تم کب آئے بھئی سب خیریت تو تھا؟"

"بالکل آپ کے سوالات اور ان کے جوابات بڑے اُلجھ گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا پہلے کیا کرنا چاہیے؟"

"پہلے چائے پینی چاہیے۔" بدر نے لقمہ دیا اور میں ہنس پڑا۔ اُستاد چھونے چائے تیار کر کے بڑی نفاست سے لے آئے تھے۔

"بدر کو کس لیے تکلیف دی تھی شارق؟" فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"یہ بھی اب ہمارے گروہ میں شامل ہے اور چونکہ ان حضرت نے خود ہی درخواست کی تھی کہ کبھی کبھی انھیں بھی نیک کاموں میں شریک کر لیا جائے چنانچہ اب یہ درخواست کر کے پھنس گئے ہیں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو شارق جی بُرائی میں تو پوری زندگی گزاری، چور دروازے سے جنت کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس لیے تو تمہیں بلایا ہے، جس کے بعد میں نے تمہیں حفیظ الدین کے بارے میں تمام تفصیلات بتائیں۔

"میں تو اُسے جانتا ہوں جی۔ بڑا شریف آدمی تھا۔" بدر نے اُچھل کر کہا۔

"اور اب وہ شریف آدمی رہا ہے [illegible] لیکن اتنی سی آرزو ہے کہ جب اپنی بیوی [illegible] جائے تو مجرم کی حیثیت سے نہ جائے۔"

"اگر اس سلسلے میں [illegible]

ہو گی۔"

"سوچا تھا کہ کام چلا لیا جائے لیکن تمہاری ضرورت پیش آگئی ہے۔" چھوٹے فاروقی صاحب سے مخاطب ہوا۔ "میں نے جو معلومات حاصل کی ہیں ان سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حفیظ الدین قاتل نہیں ہے بلکہ قتل کے معاملات نہایت گہرے ہیں ایک بڑے آدمی پر ہاتھ ڈالنے جیسا ہے۔ اب آپ اس کیس کے دوبارہ شروع کرنے کی تیاریاں کر ڈالیے۔ میرا خیال ہے بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

"جیسے کہو۔"

"ہم اس سلسلے کو دوبارہ اس کی درخواست پر شروع کریں گے۔ میں بہت جلد آپ کو تفصیلات سے آگاہ کروں گا فی الحال مجھے بدر کی ضرورت تھی سو میں اس کے لیے یہاں آگیا۔"

"تو پھر بدر شاہ حاضر ہے حکم کیجئے؟"

"ابھی نہیں حکم تو ذرا کچھ دیر کے بعد کرنا ہو گا میرا خیال ہے مجھے تمہارے دو آدمیوں کی ضرورت بھی ہے۔"

"مل جائیں گے جی کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔"

"کسی ایسی مصروفیت کا شکار تو نہیں ہو جس کی وجہ سے باہر جانے میں دقت ہو۔"

"بالکل نہیں جی اللہ کے فضل سے بڑے عیش کی چھن رہی ہے۔" بدر شاہ نے جواب دیا۔

"تو جاوید اب ذمہ داری صرف آپ پر آپڑتی ہے آپ کتنی دیر میں اپنا یہ کام کر لیں گے؟"

"بھئی پہلے کہہ دیا ہوتا تو میں کام شروع کر دیتا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم فوراً ہی یہ تقاضا کر ڈالو گے۔"

"میرا خیال ہے ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیئے۔"

"تو پھر میں نقوی سے ٹیلی فون پر رابطہ کیے لیتا ہوں۔"

بدر شاہ کو میں نے کہہ دیا کہ وہ تیار ہو کر یہیں پہنچ جائے۔ شام کو تین، چار یا پانچ بجے تک ہم لوگ یہاں سے نکل جائیں گے۔ چائے کی پیالی ختم کر کے بدر شاہ چلا گیا۔

مجھے ان لوگوں پر فخر تھا اور یہ تعاون بھی میرے ارادوں کو مضبوط کرتا تھا اور یہ احساس دلاتا تھا کہ جو راستے میں نے اختیار کیے ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔ جاوید قریشی نے نقوی سے بات کی اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان کے درمیان کافی بے تکلفی ہے نقوی نے تھوڑی دیر میں یہاں پہنچ جانے کے لیے کہا تھا۔

وہ ایک ہنس مکھ اور خوش طبع انسان تھا۔ میں نے اس سے پُرتپاک انداز میں ملاقات کی۔

"بھئی نقوی صاحب ایک شاگرد دینا چاہتا ہوں آپ کو۔ اس دعوے کے ساتھ کہ یہ شاگرد آپ کے لیے انتہائی ذہین ثابت ہو گا۔ کیا خیال ہے اپنا فن کسی اور کے سینے میں منتقل کرنے کے قائل ہیں یا نہیں؟" جاوید نے ہنستے ہوئے اس سے کہا۔

"بڑی پُرتکلف گفتگو کر رہے ہو جاوید۔ نقوی کو کیسا پایا ہے تم نے؟"

"بس اسی امید پر تو وعدہ کر بیٹھا ہوں کسی سے۔"

"کون صاحب ہیں، فاروقی صاحب کو تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ البتہ بس ذرا یہ صاحب نئے ہیں۔"

"شارق حسین ہے اُن کا نام۔"

"ارے اوہ اوہ کمال ہے صاحب آپ نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ معاف کیجئے گا غلق صاحب نام تو بہت سُن لیا تصویر نہیں دیکھی آپ کی۔ جاوید ذرا تنگ دل آدمی ہیں اچھے دوستوں سے ملاقات کراتے ہوئے گھبراتے ہیں کہ کہیں میں ڈاکا نہ مار جاؤں۔ اچھے آدمیوں کی تلاش کیسے نہیں ہوتی آپ کے کارنامے تو اخبارات کی شہ سرخیاں بنتے رہتے ہیں۔"

"نقوی صاحب شرمندہ کر رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"شرمندہ کر نہیں رہے، ہو رہے ہیں بھائی کہ آپ سے اس معمولی انداز میں کیوں ملے؟ بڑی مسرت ہوئی ہے آپ سے مل کر۔"

"تعجب ہے مجھے تو یہ علم ہی نہیں تھا کہ میرا نام دوسروں کے لیے شناسا ہو گیا ہے۔"

"بھئی جو کچھ آپ نے کیا ہے یا کر رہے ہیں وہ قابلِ فخر ہے ہمارے لیے، اس قوم کے لیے اور خاص طور سے اس پیشے کے لیے۔ تو جاوید صاحب کون سا شاگرد دے رہے تھے مجھے؟"

"اب تو میں خود پریشان ہو گیا ہوں کہ کیا کہوں وہ شاگرد یہی حضرت ہیں۔"

"میں فخر محسوس کروں گا ان کے کچھ کام آ کر۔" اُس نے پُرخلوص انداز میں کہا۔

"نقوی صاحب فی الحال میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتا ہوں ابھی نہیں دو تین دن کے بعد۔ یا اگر بہت ہی زیادہ عنایت کرنے کے موڈ میں ہیں تو پھر دو تین دن

ہمارے ساتھ ضائع کر ڈالیے۔"

"کر ڈالے۔ زیادہ ہی عنایت کرنے کے موڈ میں ہیں ہم۔" نقوی صاحب نے کہا۔

"تو آپ کو میک اپ کے سامان کے ساتھ میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ ایک شکل کسی دوسری شکل کے مطابق بنانی ہو گی اور بعد میں آپ واپس تشریف لے آئیں گے ہماری استادی شاگردی کا مسئلہ بعد میں ہو گا۔"

"ہمیں کب چلنا ہے؟"

"ویسے تو آپ پسند کریں تو آج ہی چلیں ورنہ کل یا پرسوں آپ کو ایک جگہ آنا پڑے گا اور ایک لمبا سفر بھی کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔ آج نہ لے جاؤ کیونکہ اچانک پروگرام بنایا ہے تم نے اور میں کچھ مصروف بھی ہوں اگر کل پرسوں تک بات ٹل جائے تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ جاتا جہاں تم کہو گے وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"بے حد شکریہ۔ میں آپ کا فرحت پور میں استقبال کروں گا وہاں میری کچھ رشتہ داریاں بھی ہیں گو زندگی میں ایک یا دو ہی بار وہاں گیا ہوں لیکن ان رشتہ داروں سے تھوڑا بہت رابطہ رہتا ہے۔"

"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے تو پھر آپ اگر مناسب سمجھیں تو پرسوں تک فرحت پور تشریف لے آئیے۔ میں پہنچ جاؤں گا تم کس جگہ ہو گے؟" نقوی صاحب نے کہا۔

"میں وہاں آپ کو ایک سرائے میں ملوں گا۔" میں نے اس کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ ہم لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ بدر شاہ اپنے دو آدمیوں کے ساتھ پہنچ گیا "لو شارق جی یہ دو بندے آگئے ہیں کام چل جائے گا؟"

"کام چل جائے گا، تم تیار ہو؟"

"سوٹ کیس نہیں دیکھ رہے جی" اور یہ دونوں کے ساتھ بھی کچھ تیاری ہے فکر ہی مت کرو۔" حسن پور تک کے سفر کے دوران میں نے بدر کو تمام حقیقتوں سے آگاہ کر دیا تھا اور اس نے انہیں ذہن نشین کر لیا تھا۔

"ہمیں کہاں رہنا ہو گا؟" اس نے دریافت کیا۔

"اگر ممکن ہو سکا تو میں تمہارے لیے الماس کی حویلی میں بندوبست کر دوں گا۔ وہ جگہ محفوظ ہے۔"

"ہم تو کسی جنگل میں بھی رہ سکتے ہیں مگر کام بڑا شاندار ہے البتہ ایک بات ہے، جن صاحب کا بھوت بننا ہے ہمیں اُن کے انداز کیسے پتا چلیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ چودہ سال پرانی بات ہے لوگ کسی کے انداز کہاں یاد رکھتے ہیں چہرہ ہی کافی ہے اور پھر جوڑ ڈائیلاگ میں تمہیں بتاؤں گا۔ تمہیں وہی بولنا ہوں گے اور مخصوص انداز میں مرنے کے بعد تو ذرا کیفیت بدل جاتی ہے نا۔"

"ہاں جی آپ کی جاگیر میں مر کے بھی دیکھ لیں گے۔ واہ بھئی واہ۔ مزے دار کام دیا ہے ہمیں۔"

فرحت پور پہنچے تو سرائے کے مالک نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "وہ صاحب جی کچھ لوگ آپ کو پوچھتے ہوئے آئے تھے۔ شاید بیگم صاحبہ کے بھیجے ہوئے تھے۔ آپ کو بیگم نواب نے یاد کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے شکریہ۔" میں نے جواب دیا۔ یہ تصور بہت عجیب تھا میرے لیے کہ بیگم نیاز احمد نے مجھے تلاش کرایا ہے۔ کافی غور کیا میں نے اس پر۔ دشمنوں کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے جو لوگ مجھ پر حملہ کر سکتے ہیں اُن کی نگاہوں سے یہ بات بھی پوشیدہ نہیں ہو گی کہ میں بیگم نیاز سے ملا تھا۔ الماس کے بارے میں تو خیر یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ انہیں میرے اور الماس کے گٹھ جوڑ کے بارے میں معلوم ہو گا کیونکہ ہماری ملاقاتیں ذرا پوشیدہ ہی رہی تھیں لیکن بیگم نیاز۔ دوسرا ایک خیال بھی میرے ذہن میں آیا تھا۔ کہیں بیگم نیاز خود ہی تو میری ٹوہ میں نہیں ہیں۔ یہ اُن کا براہ راست پیغام تھا چنانچہ اُن سے ملنا بے حد ضروری تھا۔ میں نے بدر شاہ کو اس سلسلے میں لاعلم رکھنا مناسب نہیں سمجھا اور اسے تفصیل سے آگاہ کر دیا۔

"دس منٹ دے دو جی۔ ہم بھی تیار ہو کر آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ ہماری بات؟"

"ہاں سمجھ رہا ہوں۔ یہ بتاؤ تمہارے پاس کچھ ہتھیار وغیرہ بھی ہیں؟"

"لو جی وہ کیوں نہیں ہوں گے ہتھیار تو مرد کا زیور ہوتے ہیں۔ تم اس کی تو فکر ہی نہ کرو۔ بس اس وقت ہم تمہارے باڈی گارڈ ہیں۔"

میں باہر نکلا تو وہ اپنے دونوں آدمیوں کے ساتھ مجھ سے پہلے ہی باہر موجود تھا۔ پھر کافی فاصلہ دے کر اُس نے میرا تعاقب

شروع کر دیا۔ میں مطمئن تھا۔ نئی حویلی پہنچ کر میں نے بیگم نیاز کے لیے پیغام بھجوایا۔ انھوں نے فوراً طلب کر لیا۔ بیگم نیاز اپنی مخصوص نشست گاہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا اور کہنے لگیں۔

"کہاں غائب ہو گئے تھے شارق؟"

"کہیں نہیں، یہیں آپ کے زیرِ سایہ تھا۔"

"نہیں تم میرے سائے سے تو باہر تھے۔ بہت تلاش کرایا میں نے تمہیں کل رات بھی تم دو بجے تک سرائے نہیں پہنچے اور پھر پتا یہ چلا کر رات واپس نہیں آئے اور آج دن میں بھی۔ کیا عالم پور گئے تھے؟"

"بس یہی سمجھ لیجیے۔ ویسے آپ کی یہ طلبی کوئی خاص حیثیت رکھتی ہے؟"

"دماغ خراب کر دیا ہے تم نے میرا، اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ ہر وقت تمہارے لیے پریشان رہنے لگی ہوں۔ جب سے تم نے تفصیلات بتائی ہیں میرا ذہن اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ شارق کے میں بہت زیادہ اُلجھنیں پالنے کی عادی نہیں ہوں جن تعمیری کاموں میں مصروف ہوں ان کی تکمیل کرنے کی خواہشمند ہوں۔ میں نے تمہارے کہنے کے بعد گہری نگاہوں سے ان لمحات کا جائزہ لیا ہے جب نیاز احمد زندہ تھے۔ دو کروڑ روپے کی وہ رقم جو جہاں آباد کی زمین پر قرض دی گئی تھی۔ ہر چند کہ اس وقت میرے علم میں نہیں تھی لیکن بعد کے کاغذات سے تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔ وہ دستاویز ہمارے پاس محفوظ ہے جس پر رقم لی گئی تھی اگر رقم واپس کر دی جاتی تو وہ دستاویز بھی اصول کے مطابق جہانگیر مرزا کو واپس مل جانی چاہیئے تھی لیکن دستاویز موجود ہے اور جہاں آباد کی زمین جہانگیر مرزا کی تحویل میں ہے۔ ویسے بھی وہ زمین جہانگیر مرزا کی نہیں بلکہ بیگم ارجمند مرزا کی تھی اور جہانگیر مرزا اُسے رہن رکھنے کا حق نہیں رکھتے لیکن انھوں نے ایسا کیا، پتا نہیں نواب صاحب اس بات پر کیوں راضی ہو گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ زمین کس حساب سے جہانگیر مرزا کے تصرف میں ہے اور رقم کی واپسی کے کیا ثبوت موجود ہیں۔ یہ حالات مجھے اُلجھائے ہوئے ہیں۔"

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں بس تم سے مل کر یہ معلومات تمہیں دینا چاہتی تھی نجانے کیوں مجھے ایک خلش سی محسوس ہو رہی ہے یہ احساس ہو رہا ہے کہ ان واقعات کے پس پردہ کچھ ہے میں اس کا کچھ کا سراغ چاہتی ہوں۔"

"میں بھی اسی سراغ کے لیے سرگرداں ہوں۔"

"مجھے بھی ان معاملات میں شریک رکھو تاکہ میں صورتحال سے آگاہ رہوں۔ ورنہ یہ خلش مجھے بے چین کیے رہے گی۔"

"اگر ضرورت پیش آئی تو ظاہر ہے یہاں آپ کے علاوہ مددگار اور کون ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اس سلسلے میں مزید کیا کر سکے ہو؟"

"آپ یقین کیجیے ابھی تک کچھ نہیں تاہم ان لائنوں پر کام ضروری ہے۔"

"نجانے میرا ذہن کیوں عجیب سا ہو رہا ہے۔ کبھی کبھی تو دل میں یہ خوف بیدار ہو جاتا ہے کہ درحقیقت حفیظ الدین کے علاوہ کوئی تو نواب نیاز احمد کا قاتل نہیں ہے اگر ایسا ہوا تو شاید خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں۔ کیونکہ میں نے ہمیشہ نواب نیاز کے متعین کردہ قاتل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔" بیگم کی آنکھیں کسی مرئی نقطے کو گھورنے لگیں۔ وہ تصورات کی میں کہیں اور نکل گئیں کافی دیر تک وہ اسی طرح خاموش انھوں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "شارق کچھ کر دکھاؤ بیٹے کچھ اور یوں سمجھ لو کہ اب میں دل و جان سے تمہارے ساتھ ہوں میں نے کبھی کسی مسئلے میں اتنی سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا سکی تو میری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اگر نواب صاحب قاتل دستیاب نہ ہوتا اور یہ بات کسی طرح صیغۂ راز جاتی تو شاید یہ عرصہ میں سکون سے نہ گزار سکتی۔ آج مجھے سی مجرمانہ کیفیت کا احساس ہو رہا ہے۔ اگر نواب صاحب کا قاتل آزاد ہے اور ایک بے گناہ سزا بھگت رہا ہے اس دوسرے گناہ کا کوئی ازالہ نہیں ہوگا میرے پاس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

میں بغور ان کا جائزہ لے رہا تھا کیا اس کے پس اداکاری ہے؟ لیکن ان کی اس وقت کی کیفیت کسی اداکاری کا شبہ نہیں ملتا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے ذہن سے سوال کیا۔ مجھے یہی جواب ملا کہ کم از کم بیگم نیاز شاندار اداکارہ نہیں ہو سکتیں، آخر میرا بھی کوئی تجربہ ذہن کو ان کے لیے بھٹکانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ پھر طریقے سے دوسری ہی شخصیتوں پر نظر رہنی چاہیے انداز میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی۔

میں نے تھوڑی دیر تک باتیں کیں، انھیں تسلی اور اجازت لے کر پلٹ پڑا۔ حویلی کے دروازے سے

بڑا دور ہی گیا تھا کہ کچے نظر آیا۔ میرا تعاقب کر رہا تھا میرے قریب پہنچ کر بولا۔ "سات بجے پرانی حویلی پہنچ جائیے، چھوٹی بیگم انتظار کریں گی۔" یہ کہہ کر وہ دوسری طرف مڑ گیا، میں بھی رکے بغیر آگے بڑھ آیا تھا۔ سات بجنے میں ابھی بہت وقت تھا۔ وہاں سے سرائے واپس پہنچا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بدرشاہ میرے پاس آ گیا تھا۔ میں جو ابھی بیگم نیاز سے ہونے والی گفتگو کے سحر میں گرفتار تھا۔ چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"معاف کرنا شارق جی، کسی مصروفیت میں تو نہیں تھے؟"

"کیوں کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں جی، سرائے سے دو آدمی تمہارے پیچھے لگے تھے اور ... تک گئے تھے۔ حویلی سے واپس سرائے تک آئے ہیں۔ ... میں ہمیں بہت سے مواقع ملے، اگر چاہتے تو انھیں چھاپ ... مگر آپ کی اجازت نہیں تھی۔"

"اب کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"اب پتا نہیں، ویسے باہر رمضان موجود ہے میرا خیال ہے ... گئے ہیں۔"

"حلیہ بتاؤ ان کا۔" میں نے کہا۔

"بس جی دبلے پتلے دیہاتی تھے۔ عام دیہاتیوں سے ذرا ... محسوس ہوتے تھے، ویسے ہمارے بارے میں اندازہ نہیں ... سکے۔ دوبارہ ہمیں نظر آ جائیں تو کیا سلوک کیا جائے اُن کے ساتھ؟"

"اگر ہو سکے تو انھیں پکڑ لینا لیکن کوئی بڑا نقصان نہ ... پائے۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا۔"

"اس کے علاوہ ساڑھے چھ بجے میں پھر نکلوں گا اور پرانی ... جاؤں گا۔ تمہیں خاص طور سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ کیونکہ پرانی ... سے واپسی میں مجھ پر ایک حملہ ہو چکا ہے۔"

"بڑا اچھا کیا آپ نے ہمیں بتا دیا۔ مگر اب اگر حملہ ہوا تو ... روں کو چھوڑیں گے نہیں۔ میرا خیال ہے سرائے کے علاوہ ... یں کوئی ایسی جگہ تلاش کر لینی چاہیے۔ جہاں ہم اپنا کام ... سکیں۔ بھئی دیکھیں نا کوئی تسکار دکار رہا تھا لگ جائے تو ... کے رکھنے کی جگہ تو چاہیئے نا۔ اس وقت سرائے میں تو ... یں بن سکتا۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے اس کا بندوبست میں کر لوں گا۔"

مقررہ وقت پر میں پرانی حویلی کی جانب چل پڑا، بدرشاہ کی رپورٹ کے بعد مزید چوکنا ہو گیا تھا لیکن پرانی حویلی تک کے راستے میں کوئی اُلجھن پیش نہیں آئی۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی میں نے الماس کو دیکھ لیا، جو میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے ساتھ لے کر اندر چلی گئی اور پھر اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہ کیا پارٹنر، بغیر اطلاع کے غائب ہو گئے۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ ہم لوگ کتنے پریشان ہوں گے۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"بس اپنے کام کے سلسلے میں مصروف تھا۔ کچھ ایسی ضرورت پیش آ گئی تھی جس کی وجہ سے جانا پڑا۔ ویسے کام کافی حد تک آگے بڑھ گیا ہے۔"

"امی نے بلایا تھا آج؟"

"ہاں! اب وہ خود بھی اس سلسلے میں باقاعدہ دلچسپی لے رہی ہیں۔"

"دلچسپی لینے کی بات کر رہے ہو۔ میں تو یقین کرو تین تین بجے تک نہیں سو پاتی جبکہ اس سے پہلے مجھے بستر پر لیٹتے ہی نیند آ جاتی تھی، اب تو اس بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ ویسے پارٹنر تم نے کافی گڑبڑ کر دی ہے، پتا نہیں اس کا انجام کیا ہوگا۔"

"بہتر ہی ہوگا، ہم سچائیاں تلاش کر رہے ہیں اور سچائیاں ہماری مددگار ہیں، جیسے تم، بیگم نیاز احمد اور حالات۔ . ."

"مگر پارٹنر تم نے ابھی تک مجھ سے کوئی کام نہیں لیا۔"

"کمال ہے اس سے زیادہ اور کیا کرو گی۔ ظاہر ہے جنگ و جدل نہیں ہوا۔ قتل و غارت گری نہیں ہوئی، بس ابھی تو صرف ذہنی گھوڑے دوڑ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ ہو تو بات آگے بڑھے۔ تم نجانے کیوں اپنے آپ کو ان سارے حالات اور واقعات سے الگ سمجھ رہی ہو، حالانکہ میں تو ہر مسئلے میں تمہیں ساتھ رکھ رہا ہوں۔"

"کیوں جھوٹ بول رہے ہو، یہ تک تو بتایا نہیں تم نے کہ خود تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں کیا تصور اُبھرا ہے۔"

"یقین کرو ابھی تک کوئی ایسی بات نگاہوں کے سامنے نہیں ہے جس پر کوئی حتمی گفتگو کی جا سکے، میں نے تم سے نواب جہانگیر مرزا کے بارے میں پوچھا تھا نا۔ کچھ ایسے ثبوت ملے ہیں جس سے پتا چلا ہے کہ نواب جہانگیر مرزا اس زمانے میں، جب نواب نیاز احمد صاحب قتل کیے گئے۔ نیاز احمد کے مقروض تھے اور خفیہ طور پر انھوں نے نواب نیاز احمد

سے دو کروڑ روپے وصول کیے تھے جن کی واپسی کے نشانات نہیں ملتے۔ جبکہ ان کے عوض کچھ ایسی زمینیں رہن رکھی گئی تھیں جو آج بھی جہانگیر مرزا کے تصرف میں ہیں، فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی ایسا اشارہ نہیں ملا ہے جسے بنیاد بنا کر میں آگے بڑھوں، چنانچہ چاہتا ہوں کہ نواب جہانگیر مرزا کو ہی ٹٹولا جائے۔"

"نواب جہانگیر مرزا؟" الماس کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ پیدا ہو گئی لیکن میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"نہیں الماس، ہمیں حقیقتوں کے سامنے آنے سے پہلے کسی کے لیے بھی دل میں نفرت کی بنیاد نہیں رکھنی چاہیے حقیقتیں سامنے آئیں گی تو نفرت بھی کر لیں گے، مجھے تم سے ایک اہم کام ہے۔ نواب نیاز احمد کے کچھ کپڑے اور کوئی ایسی تصویر چاہیے جو اُن کے قتل سے کچھ عرصہ پہلے کی ہو۔"

"وجہ نہیں بتاؤ گے؟"

"وجہ؟" میں نے داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔ الماس ویسے تو ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد ثابت ہو چکی تھی پیٹ کی ہلکی بھی نہیں تھی چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا "تم نے مجھے بتایا تھا الماس کہ نواب جہانگیر مرزا توہم پرست آدمی ہیں، جنّوں اور بھوتوں سے دلچسپی رکھتے ہیں درویشوں اور فقیروں کے معتقد ہیں۔ میں نواب نیاز احمد سے ان کی ملاقات کرانا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" الماس نے چونک کر پوچھا اور میں اُسے اپنے منصوبے کے بارے میں بتانے لگا۔ الماس آنکھیں پھاڑے مجھے گھور رہی تھی۔ پھر اُس نے حیرت سے کہا "کیا یہ ممکن ہے؟"

"ہاں ممکن تو ہے۔"

"کاش ان لمحات میں، میں بھی تمہارے ساتھ رہ سکتی۔"

"ظاہر ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ تم نے ابھی چند لمحات قبل جو شکایت مجھ سے کی تھی، یہ اُس کا جواب ہے۔ نواب صاحب کے ایسے مخصوص کپڑے جنہیں وہ شوق سے استعمال کرتے ہوں اور اُن کی ایک تصویر، فی الحال مجھے انھی چیزوں کی ضرورت ہے۔ اور ہاں میں تو جو کچھ کر رہا ہوں کر ہی رہا ہوں۔ لیکن میں نے اپنی مدد کے لیے چند افراد باہر سے بھی بلائے ہیں، ان کی تعداد تین ہے۔ ایک تو جلد ہی میرے ساتھ مصروف ہو جائے گا باقی دو کے لیے تمہاری حویلی میں جگہ درکار ہے۔"

"اس میں مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، کہاں ہیں وہ لوگ؟"

"اس وقت تو نہیں، رات کو میں منتقل کر دُوں گا، تم اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دینا اور اگر ممکن ہوا تو میں پھر رات ہی کو سرائے چھوڑ دُوں گا، اب پُرانی حویلی سے ہی کام کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے اس میں تمہیں کوئی دِقت نہیں ہوگی۔" الماس نے جواب دیا۔

وہ بہت پُرجوش نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر اس کے ساتھ رہنے کے بعد واپس چل پڑا، مجھے یقین تھا کہ بدر شاہ اور اُس کے ساتھی میرے آس پاس ہی ہوں گے لیکن سرائے ... پہنچنے تک کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔

بدر جب مجھ سے ملا تو میں نے اُس سے اس بارے میں پُوچھا۔ "نہیں شارق جی یُوں لگتا ہے جیسے اِن لوگوں کو شبہ ہو گیا ہو۔ ان میں سے کوئی بھی تمہارے پیچھے نہیں تھا۔"

میں نے بدر کو الماس سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل سُنائی اور وہ مُسکرانے لگا، پھر بولا "سچی بات یہ ہے شارق جی ساری زندگی پتا نہیں کیا کیا ہنگامے کیے ہیں، لیکن اِن کارروائیوں میں جو مزہ آ رہا ہے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔"

دس بجے کے قریب ہم چاروں خاموشی سے پُرانی حویلی کی جانب چل پڑے، وہاں پہنچے اور بچّے نے ہمارا استقبال کیا اور حویلی کے اندرونی حصّے میں پہنچا دیا، یہ لوگ الماس کے تنخواہ دار تھے اور اس کے لیے نہایت رازداری سے کام کر رہے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ الماس کی گاڑی چل رہی تھی۔

ہمیں تین کمرے دیے گئے تھے، جو حویلی کے انتہائی اندرونی گوشے میں تھے، اِن میں آسائش کی تمام اشیاء موجود تھیں حویلی کے ملازمین بھی ہماری خدمت کے لیے حاضر تھے۔

الماس نے یہاں سارے انتظامات کر رکھے تھے اور اس کے لیے ضروری نہیں تھا کہ وہ بیگم نیاز کو تفصیل بتائے۔ ویسے اب بیگم نیاز کی طرف سے میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا تھا بلاشبہ وہ سخت گیر تھیں اپنے اصولوں کی سختی سے پابند تھیں لیکن نہ تو وہ بدکردار ہو سکتی تھیں اور نہ ہی اس قدر سنگدل کہ اپنے شوہر کو قتل کر دیں۔ اصول پرستی اور فرض شناسی نے انھیں لوگوں کی نگاہ میں کچھ سے کچھ بنا دیا تھا ورنہ وہ عام حالات میں ایک اچھی خاتون تھیں، میرے ذہن میں ایک بات بھی چُبھ رہی تھی، میں نے بدر شاہ کا انتخاب تو کر لیا تھا جو کردار میں اُسے دینے والا تھا وہ بے حد اہم تھا اور

میں ذرا سی لغزش کھیل بگاڑ سکتی تھی بشرطیکہ صورتِ حال وہی نکلے جو میرے ذہن میں ہے، ویسے تو وہ بے حد اسمارٹ آدمی تھا اور اس پر بھروسا کیا جا سکتا تھا لیکن کوئی قاتل معمولی ذہانت کا آدمی نہیں ہوتا، اسے دھوکا دینا مشکل ... کام ہوتا ہے۔

بہرحال بہت سی باتیں میرے ذہن میں کھٹک رہی تھیں ایک تصوّر یہ بھی تھا کہ اگر نواب جہانگیر مرزا درحقیقت نواب نیاز احمد کا قاتل ہے، تو مجھ پر کیے گئے حملے کیا معنی رکھتے ہیں اِس کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ نواب جہانگیر مرزا کو اطلاع دے دی گئی ہے کہ میں اُس کے بارے میں تفتیش کر رہا ہوں۔ امکانات ہو بھی سکتے تھے، جن انتظامات کے تحت مجھ پر حملے کیے گئے تھے جب سے جہانگیر مرزا کا نام سامنے آیا تھا میرے ذہن میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی تھیں اِس کا مقصد ہے کہ مجھے جہانگیر مرزا کے سامنے نہیں آنا چاہیے ورنہ وہ شُبے کا شکار ہو جائے گا۔

رات کے ساڑھے بارہ بجے ہوں گے میں نیم غنودہ کیفیت میں تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک پڑا۔ نیم خوابی کے عالم میں تھا اس لیے ذہن ساتھ نہ دے سکا، میں اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ الماس سامنے کھڑی تھی میں نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور چونک کر پُوچھا "تم اس وقت؟"

"ہاں سوری، یقیناً سو گئے ہو گے۔ اِس وقت مداخلت کی معافی چاہتی ہوں۔"

"نہیں نہیں آؤ، کوئی خاص بات ہے؟" میں نے اُسے اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری مطلوبہ اشیاء لے آئی ہوں اِس وقت سے زیادہ معقول وقت اور کوئی نہیں تھا۔" اُس نے لباس کے چند جوڑے اور ایک البم میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

الماس کی اِس جلد بازی پر میرے ہونٹ مُسکراہٹ سے پھیل گئے۔ تھی ہی تیز و طرار کیوں نہ بنتی عمر کا تقاضا تھا کہ وہ ایسی جلد بازی کرے۔ بہرحال میں البم لے کر بیٹھ گیا۔ نواب صاحب کی ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر البم کے پہلے صفحے پر لگی ہوئی تھی خاصا رعب دار چہرہ تھا، خوش شکل بھی تھے۔ دوسرے البم میں اِن کی رنگین تصویر تھی۔ جس میں وہ اُس وقت کے جدید ترین لباس میں ملبوس تھے لیکن اِس تصویر کو دیکھ کر ایک اور خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا جو خاصا پریشان کن تھا۔ نواب نیاز احمد اور بدر شاہ کی جسامت میں فرق تھا۔ بدر شاہ ایک لمبا چوڑا اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ جب کہ نواب نیاز احمد بھرے بھرے بدن کے متناسب انسان تھے۔ بدر کے بدن کی بناوٹ پہلوانوں جیسی تھی جب کہ نواب صاحب میں ایک نزاکت کا عنصر پایا جاتا تھا میں نے بے چینی سے سر کھجایا کم از کم اتنی بڑی گڑبڑ نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ جہانگیر مرزا احمق تو نہ ہوگا کہ اتنی آسانی سے دھوکا کھا جائے۔ یہ مسئلہ تو ٹیڑھا ہو گیا۔ پُورا البم دیکھ ڈالا نواب صاحب کے لباس میں نفاست پائی جاتی تھی اور بدر شاہ کسی بھی طرح اِس کردار کے لیے موزوں نہیں تھا۔ سارا کھیل چوپٹ ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اگر ذرا بھی چُوکا تو پھر جہانگیر مرزا کو قابو کرنا کسی بھی طرح ممکن نہ ہوگا دفعتہً مجھے اپنی جسامت کا خیال آیا اور میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ البم بند کر کے میں نے الماس کے لائے ہوئے ان کپڑوں کو دیکھا پھر کسی خیال کے تحت اِن میں سے ایک جوڑی کپڑے خود پہن کر دیکھے۔ لباس میرے بدن پر بالکل فٹ تھا۔ الماس خاموشی سے میری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ میں دیر تک مصروف رہا۔ کردار ہی بدلنا پڑ گیا تھا۔ "کیا بات ہے کچھ بے چین سے ہو گئے ہو؟" الماس نے پُوچھا۔

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ میں نے جو کام کسی اور کے لیے منتخب کیا تھا اِس لباس اور اِن تصویروں کو دیکھ کر یُوں لگتا ہے کہ مجھے خود ہی انجام دینا پڑے گا۔ بہرحال یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔"

"پتا نہیں کیا کرنا چاہتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ نقصان اُٹھا جاؤ؟"

"تم میرے لیے فکرمند ہونا چھوڑ دو یہ سب کچھ میری خواہش کے عین مطابق ہے۔"

"میں چلتی ہُوں۔ زیادہ دیر رُکنا مناسب نہیں ہے۔ کسی بھی لمحے کے لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر امّی کو معلوم ہو گیا تو سارا معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔"

میں نے الماس کو باہر تک رُخصت کیا اور وہ حویلی سے نکل کر رات کی تاریکیوں میں روپوش ہو گئی۔ بڑی سرگرم لڑکی تھی واپس آ کر میں اپنے اِس نئے منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا اور پھر سو گیا۔

دوسری صبح کچھ دیر سے اُٹھا آج میرے اندازے کے مطابق نقوی صاحب کو سرائے پہنچنا تھا۔ بدر کی چونکہ نقوی صاحب سے مُلاقات ہو چکی تھی اِس لیے میں خود تو حویلی میں رہا اور اُسے

سراپے بھیج دیا۔ اب اس کام میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر کو تقریباً ڈھائی بجے بدر نقوی صاحب کے ساتھ حویلی پہنچ گیا۔ اس دوران الماس سے کوئی رابطہ نہیں رہا تھا۔

نقوی صاحب نے مسکراتے ہوئے مجھ سے خیریت دریافت کی "میں وعدے کے مطابق پہنچ گیا ہوں۔ کمال کی شخصیت ہیں آپ بھی۔ فاروقی صاحب اور رجاوید سے آپ کے سلسلے میں کافی لمبی گفتگو رہی۔ بڑے نیک جذبوں کے ساتھ آپ میدانِ عمل میں آئے ہیں۔ ویسے تو آپ کے نام سے شناسائی اخبارات کے ذریعے ہو چکی تھی لیکن فاروقی صاحب نے تفصیلات بتائیں تو میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ خیر چھوڑو یہ بتائیے کہ خادم کے لیے کیا خدمات ہیں؟"

میں نقوی صاحب کو اپنے کمرے میں لے گیا اور پھر میں نے نواب نیاز احمد کے لباس اور اُن کی تصاویر کا البم نقوی صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ نقوی صاحب کافی دیر البم کو دیکھتے رہے۔

"یہ چہرہ آپ کے چہرے سے بالکل سوٹ کرتا ہے لیکن آواز کے لیے کیا کریں گے آپ؟"

"وہ کام میں چلا لوں گا۔ آپ میک اپ اتنا پکا کیجیے کہ پندرہ بیس دن چل جائے۔"

"بھئی بہت بڑا ماہر تو نہیں کہتا اپنے آپ کو لیکن یہ کام چونکہ کاروباری نوعیت نہیں رکھتا اس لیے اپنی صلاحیتیں دکھانے کی کوشش کروں گا۔"

"تو پھر بسم اللہ کیجیے۔"

بدر شاہ وغیرہ باہر چلے گئے تھے نقوی صاحب اپنا پٹارا کھول کر مجھ پر مصروف ہو گئے۔ طرح طرح کے لوشنز، پلاسٹک کے پیسٹ، برش اور نجانے کیا کیا سامان انھوں نے پھیلا لیا۔ پھر آنکھوں پر چشمہ لگا کر دیر تک میرے چہرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر انھوں نے میرے چہرے پر جگہ جگہ لوشن لگانا اور اسپرے مشینوں سے اسپرے کرنا شروع کر دیا اس کے بعد پلاسٹک پیسٹ میرے چہرے پر چپکانے لگے پونے دو گھنٹوں تک وہ میرے ساتھ مصروف رہے اور بالآخر فارغ ہو کر وہ ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے اور پھر اپنے پٹارے سے آئینہ نکال کر میرے سامنے کر دیا میں نے بے صبری سے آئینہ تھاما اور ششدر رہ گیا اس وقت اگر بیگم نیاز مجھے دیکھ لیتیں تو شاید پاگل ہو جاتیں۔

"کیا خیال ہے بھئی کس حد تک کامیاب ہو چکا ہوں؟"

"میرے پاس آپ کے اس فن کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ کمال کیا ہے آپ نے۔"

"اچھا اب اگر اجازت ہو تو میں واپس چلا جاؤں یا مزید ضرورت پیش آئے گی؟"

"آنا اور جانا آپ کے لیے تکلیف دہ نہیں ہوگا؟ آج رات رُک جائیں۔"

"اگر کوئی خاص ہی ضرورت پیش آئی تو یقیناً رُک جاتا لیکن اگر میرے کام سے مطمئن ہو تو پھر مجھے اجازت دو بھائی۔ دال روٹی کا مسئلہ بھی حل کرنا ہوتا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں نہیں روکوں گا۔ میں بہت مطمئن ہوں۔" میں نے بدر کو بلایا تو وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"بھائی یہ میں ہی ہوں۔"

"کمال ہو گیا یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ یہ جادوگری کیسے ہو گئی؟"

"یہ جادوگری تمہارے ساتھ ہونی تھی لیکن وہ کام نہیں ہو سکا جو میں نے سوچا تھا اس کی کچھ وجوہات ہیں جو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ نقوی صاحب جانا چاہتے ہیں۔ انھیں واپس پہنچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ چلیں۔"

بدر انھیں لے کر چلا گیا۔ فنکاری کا یہ اعلیٰ نمونہ واقعی میرے لیے حیران کن تھا۔ اور دل میں تہیہ کر لیا کہ نقوی صاحب کی جوتیاں ضرور [illegible] دوں گا۔ تاکہ یہ فن مجھے مل جائے۔ اب الماس کا مسئلہ تھا۔ آ گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی لیکن کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ لباس درست کر کے میں الماس کا انتظار کرنے لگا میرے ذہن میں منصوبے کی وہ تبدیلیاں گردش کرنے لگیں جو ان حالات میں ہو گئی تھیں ابھی میں انھی خیالات میں غلطاں تھا کہ بدر واپس آ گیا۔

"راستے بھر نجانے کیا کیا کہانیاں سوچتا ہوا آیا ہوں شارق جی۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ اب اگر تم بیگم نواب کے سامنے جاؤ اور وہ تمھیں نیاز احمد سمجھ بیٹھیں تو یوں سمجھ لو کہ تمام ریاست تمہارے ہاتھ آ گئی۔ ایسے واقعے تو جرائم کی دنیا میں اکثر ہو چکے ہیں۔"

"مگر بدقسمتی سے ہم مجرم نہیں ہیں۔ بدر! جرم کو ختم کرنے کے لیے جرم کے راستے اختیار کرنے پڑے ہیں۔ منصوبے میں تبدیلی صرف جسامت اور لباس کی وجہ سے عمل میں آئی۔ میرا خیال ہے اب وہ کام جو میں کرتا تمھیں کرنا پڑے گا۔"

"کام ہی کی تو بات ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

اسی وقت کچھے نے آکر اطلاع دی کہ الماس آ رہی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے چکراتے ہوئے سر کو سنبھالا اور بدر کو مخاطب کیا۔

"اب اِن خاتون سے اوڈ نمٹ لیا جائے بعد میں ہم دوسرا پروگرام بنائیں گے۔"

الماس بے دھڑک اندر آ گئی تھی لیکن پھر ٹھٹک کر رُک گئی اس کی پھٹی پھٹی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا ذہن سو گیا ہو وہ نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑائے ہیں اس سے زیادہ کا تماشا نہیں چاہتا تھا چنانچہ آگے بڑھ کر کہا "الماس یہ میں ہوں شارق۔"

"ایں، اوں" وہ ایک دم چونک پڑی۔ اس نے آنکھیں بھینچ کر زور زور سے گردن جھٹکی اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئی جیسے اس کے پیروں کی جان نکل گئی ہو۔ وہ اب بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا "شارق۔"

"سوری الماس میں جانتا تھا کہ مجھے دیکھ کر تمہارے ذہن کو صدمہ ہوگا اور تمہیں ذہنی جھٹکا بھی لگے گا۔ لیکن یوں سمجھ لو کہ یہ ناگزیر تھا۔"

"میں نے اپنے ابو کو ہوش کے عالم میں ٹھیک سے نہیں دیکھا لیکن اُن کی مٹی مٹی تصویریں میرے ذہن پر نقش ہیں۔ یہ میک اپ کا کمال ہے قیامت ہے یہ۔ تم چاہو تو اس میک اپ میں فرحت پور میں تباہی مچا سکتے ہو۔ امی کا پتا نہیں کیا حشر ہو اگر وہ تمہیں اس صورت میں دیکھ لیں۔ کمال ہے تم نے کمال کیا ہے۔"

"یہ بس ایک ضرورت تھی۔ میں یہ سب کچھ جان بوجھ کر نہیں چاہتا۔"

"خیر ٹھیک ہے۔ میرے دل میں بس دُکھ کی ایک لہر پیدا ہوئی تھی لیکن تم نے یہ فیصلہ تبدیل کر کے شاید عقل مندی ہی کا ثبوت دیا ہے۔ میں اس سلسلے میں تم سے مزید معلومات حاصل کرنے آئی ہوں۔"

"کام شروع ہو رہا ہے الماس کسی بھی وقت میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اطمینان رکھنا مجھے آسانی سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ البتہ ایک ضرورت اور تمہارے ذریعے پوری ہونی چاہیے۔"

"ہاں ہاں بولو کیا کام ہے؟"

"میں عالم پور جاؤں گا۔ میرے ساتھی بھی میرے ہمراہ ہوں گے لیکن اس صورت میں بس سے سفر نہیں کیا جا سکتا میں نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے دیکھیں۔"

"میں نے تمہیں پہلے بھی جیپ کی پیش کش کی تھی۔"

"لیکن یہ جیپ پہچانی جائے گی۔ کوئی اور ایسی گاڑی نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"میرے پاس تو نہیں ہے لیکن انتظام ہو جائے گا فکر مت کرو۔ یہ بتاؤ کب چاہیے؟"

"بہتر ہوگا کہ آج ہی مل جائے۔"

"گاڑی ابھی تھوڑی دیر کے بعد آ جائے گی مستوشی جیپ ہے بڑی شاندار۔ اور جب تک چاہو استعمال کرنا۔ اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔"

ہم لوگ دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ پھر وہ رخصت ہو گئی۔ بدر اور اس کے ساتھیوں کو میں نے نئے پروگرام کے تحت اِن کی تمام ذمہ داریاں سمجھا دیں۔ اب عالم پور کا مسئلہ تھا۔ وہاں ایک مناسب جگہ تلاش کرنی تھی۔ ریاض الدین کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دی جا سکتی تھی اور پھر موجودہ حالات میں انھیں خطرہ بھی پیش آ سکتا تھا چنانچہ اپنے طور پر ہی جگہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد بچے نے آ کر مجھے چابیاں تھمائیں اور کہا الماس بی بی نے گاڑی بھجوا دی ہے۔

اگلے دن صبح ساڑھے سات بجے میں بدر شاہ اور دونوں آدمیوں کے ساتھ باہر نکل آیا اور جیپ میں ہم تینوں چل پڑے۔ ہماری اس مہم کا آغاز ہو چکا تھا۔ عالم پور پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ یہاں قیام کا مسئلہ ذرا مشکل تھا لیکن اس کے لیے بدر شاہ وغیرہ موجود تھے۔ میرے ذہن میں منصوبہ تھا کہ کسی قیام گاہ کو منتخب کر کے حویلی کا رُخ کروں گا اور نیاز احمد کی حیثیت سے جہانگیر مرزا سے ملاقات کروں گا۔ عالم پور کے ایک نواحی علاقے میں جیپ کھڑی کر دی گئی میں نے بدر شاہ سے کہا کہ وہ کسی قیام گاہ کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور جس قیمت پر بھی دستیاب ہو اسے حاصل کر لے۔ وہ چلا گیا۔ جیپ میں ضروری انتظامات موجود تھے چنانچہ میں اُس کے ساتھیوں کے ساتھ چائے پینے لگا۔

بدر تقریباً دو گھنٹے کے بعد واپس آیا۔ اس نے ایک قیام گاہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ اُس نے بتایا یہاں باقاعدہ پراپرٹی ڈیلر

موجود ہیں۔ اپنے آپ کو شکاری بتایا ہے صرف ایک ماہ کے لیے وہ قیام گاہ حاصل کی ہے۔ ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ جو صرف قیام گاہ ہی کہا جا سکتا ہے چنانچہ وہاں چلا جائے۔ بستروں وغیرہ کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ جیپ مکان کے عقب میں کھڑی کر کے ڈھک دی گئی تاکہ لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بن سکے۔

اب چونکہ نواب جہانگیر مرزا کی حویلی کا جائزہ لینا تھا۔ میں چونکہ نواب نیاز احمد کی صورت میں تھا اس لیے خود زیادہ سرگرم نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے رات ہونے کا انتظار کیا گیا اور سرِ شام ہم پوری طرح تیار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ نواب جہانگیر مرزا کی حویلی بھی عالم پور کی طرح خوشحال تھی۔ حویلی کا طواف کرنے کے بعد بالآخر ایک ایسی جگہ مل گئی۔ جہاں سے خفیہ طور پر حویلی میں داخل ہوا جا سکتا تھا۔

اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد ہم وہاں سے واپس پلٹ آئے طے پایا کہ رات بارہ بجے دوبارہ ادھر کا رُخ کیا جائے گا۔ اس دوران بدر نے اپنی خدمات پیش کیں اور کہا کہ وہ حویلی کے اطراف میں آنے جانے والوں کی صورتِ حال کا جائزہ لے گا۔ میں نے اس سے اتفاق کیا۔

تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹے کے بعد بدر شاہ اچانک واپس آ گیا۔

" نواب جہانگیر مرزا تو آج کل جہان آباد کے علاقے میں شکار کھیلنے گئے ہوئے ہیں۔"

" کیا مطلب؟" میں نے تعجب سے کہا۔

" ہاں۔ ایک ایسا شخص مل گیا تھا جو زبردستی باتیں کرنے کا عادی تھا۔ میں نے نواب جہانگیر مرزا کی شان میں قلابے ملانے شروع کیے تو اس نے ان کے شکار کی داستان چھیڑ دی اور بتایا کہ آج کل جہان آباد کے علاقے میں جو سوٹیا کہلاتا ہے جنگلی درندوں کا شکار کیا جا رہا ہے نواب صاحب وہیں گئے ہیں۔"

" یہ خبر تو تم نے عجیب سُنائی سارے کیے دھرے پر پانی پھر گیا۔"

میں سوچ میں ڈوب گیا۔ پتا نہیں نواب صاحب کی شکار سے واپسی کب تک ہو اس دوران یہاں بیکار بیٹھے رہنا تو بے مقصد ہی تھا۔ افسوس ہونے لگا کہ جس کام کو میں تیز رفتاری سے آگے بڑھا رہا تھا وہ اس طرح رُک گیا لیکن پھر ذہن میں ایک اور خیال آیا جہان آباد کے اس مشرقی علاقے کے بارے میں معلومات تو حاصل کی جا سکتی ہیں اور اگر یہ کام وہیں جنگلوں میں شروع ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ بدر سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو وہ بھی تیار ہو گیا۔

" تو پھر جہان آباد کب روانہ ہوا جائے؟"

" جب آپ مناسب سمجھیں۔ بدر شاہ تو مشین ہے جب بھی آپ اس کا سوئچ دبائیں گے وہ چل پڑے گا۔"

تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

" لیکن مجھے جہان آباد کے بارے میں بھی تو معلومات نہیں ہیں۔"

" کسی مسافر کو بے شمار لوگ راستہ بتا دیتے ہیں اس میں بھلا ہمیں کیا دقت ہو گی۔"

" تو تمہارا مطلب ہے آج ہی ابھی؟"

" یہ تو بزرگوں کی کہاوت ہے کہ کل کیا جانے والا کام آج کرنا چاہیئے۔ دیر کیوں کی جائے؟"

" تو پھر باندھو بوریا بستر۔ اس رہائش گاہ کو ابھی ایسے ہی رہنے دو ممکن ہے عالم پور واپسی میں اس کی ضرورت پیش آ جائے۔"

ہنگامی طور پر روانگی کی تیاریاں کی گئیں اور ہم عالم پور کی سڑکوں پر نکل آئے ایک جگہ رُک کر ایک آدمی سے جہان آباد کے راستے دریافت کیے تو اُس نے بڑی تفصیل سے اِن راستوں کی نشاندہی کر دی۔ ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئے۔

رات ہو چکی تھی اور جیپ کی روشنیاں سڑک کے تھوڑے سے حصّے کو منور کر رہی تھیں تھوڑی ہی دُور سفر کیا تھا کہ احساس ہوا کہ کُہر گہری ہو گئی ہے جس کی وجہ سے روشنیاں بھی آہستہ آہستہ اپنی افادیت کھو گئیں اور اب صورتِ حال یہ تھی کہ چند گز سے زیادہ سڑک نظر نہیں آتی تھی۔ نشیب و فراز کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی جیپ کسی بڑے پتھر پر چڑھتی اور ایک جانب جُھک جاتی اور کبھی تھوڑی بہت ہموار جگہ مل جاتی۔ چڑھائی شروع ہوئی تو یُوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا رہے ہیں۔ بہرطور میں نہایت احتیاط سے جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا کُہر پر نگاہیں جمائے جیپ ڈرائیو کرتا رہا یہ چڑھائی تقریباً دو میل لمبی تھی پھر نشیب شروع ہو گیا تھا۔ ایک جگہ ایک برساتی ندی بہتی ہوئی نظر آئی جو بڑے اہتمام سے سڑک پر سے گزر رہی تھی پانی پُر شور نہیں تھا جس کی وجہ سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی گہرائی زیادہ نہیں لیکن یہاں رُک

کر سوچنا پڑا۔ اجنبی راستے تھے۔ اگر سڑک کے بجائے کوئی جھیل ہوئی تو لُطف ہی آ جائے گا۔ بدر شاہ بھی ہمّت ہار بیٹھا۔

" شارق صاحب میرا خیال ہے صبح ہونے کا انتظار کر لیا جائے کیا اِس جھیل میں داخل ہونے کا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے؟"

" جیسا تم پسند کرو۔ ویسے یہاں رات گزارنا بھی کافی خطرناک ہو گا۔"

وہ پُرخیال انداز میں گردن کھجانے لگا۔۔۔ پھر بولا۔

" ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہ واحد راستہ جہان آباد کو جاتا ہے تو پھر یہ جھیل زیادہ گہری تو نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ لوگ کسی نہ کسی طرح یہاں سے گزرتے ہی ہوں گے۔"

" اندھا قدم اُٹھانے سے بہتر یہی ہے کہ رات یہیں گزار لی جائے۔"

چنانچہ ہم لوگ بحالتِ مجبوری وہاں رُک گئے۔ کوئی اس طرح کا فیصلہ جہالت کے مترادف تھا۔ رات کی تاریکی میں کبھی کبھی کچھ سائے دوڑتے ہوئے نظر آ جاتے تھے۔ یقیناً جنگلی جانوروں کے سائے تھے لیکن خُدا کا شکر ہے کسی نے جیپ کی جانب رُخ نہیں کیا۔

جب صبح کا اُجالا نمودار ہوا تو بدر شاہ نے جیپ سے نیچے اُتر کر جھیل کا جائزہ لیا اور قہقہہ لگاتا ہوا واپس آ گیا۔

" بڑی خوفناک جھیل ہے پانی صرف چار اِنچ کے قریب سڑک پر جمع ہے اور حیرت ناک بات ہے کہ یہاں سڑک بھی اچھی خاصی پختہ ہے۔" اُس نے بدستور ہنستے ہوئے بتایا۔

" چار اِنچ؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پُوچھا۔

" اِس سے بھی کچھ کم ہی ہو گا۔"

" لاحول ولا قوۃ۔ مگر رات کا وقت تھا بھائی کیا کیا جاتا۔"

" اب میرا خیال ہے یہاں سے ناشتا کرنے کے بعد ہی چلیں گے۔"

" ان ناشتے میں کیا درندے کھاؤ گے؟"

" ارے واہ کیا خُوب یاد دلایا۔ اب جب رات کافی ہو ہی گئی ہے تو کیوں نہ تھوڑا بہت شکار ہم بھی۔۔۔ کر لیں نواب جہانگیر مرزا کے ساتھیوں میں شامل ہو جائیں گے۔"

" دیکھو اگر پکنک منانے کا موڈ بن رہا ہے تو ظاہر ہے ایسے مواقع بار بار نہیں ملتے۔"

بدر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نیچے اُتر گیا اور پھر وہ دائیں سمت کے جنگلوں میں گُھس گیا۔ میں روکنا چاہتا تھا لیکن بہرطور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بھی معمولی آدمی نہیں ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد گولی چلنے کی آواز سُنائی دی اور میں اُدھر دیکھنے لگا۔ تقریباً پندرہ بیس منٹ کے بعد بدر ایک ہرن لٹکائے ہوئے واپس پہنچ گیا بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔

" بڑا خاندانی ہرن ہے۔ قلانچیں بھرتا ہوا ہماری ہی طرف آ گیا تھا۔ دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ تھپڑ مار کر گرا لیں لیکن ہم نے سوچا کہ خاندانی گولی چلا ہی دی جائے۔ ورنہ اسے اپنی توہین کا احساس ہو گا۔ میں اس کی کھال اُتار رہا ہوں چلو تم۔۔۔ دونوں لکڑیاں جمع کرو۔ ہم وائی کنگز تیار ہے ہیں۔ وائی کنگز ہی کے انداز میں اس ہرن کو بھون کر کھائیں گے۔"

ماحول خاصا آفریدی ہو گیا تھا۔ بُھنا ہوا ہرن واقعی صبح کے ناشتے کا لُطف دے گیا۔ چائے بھی تیار کر لی گئی کیونکہ اس کے لوازمات ساتھ تھے۔ بُھنے ہوئے ہرن کا گوشت اور چائے ایسا ناشتا برسوں سے نہیں کھایا تھا بہرحال ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد راستہ پھر ویسا ہی ناہموار ہو گیا تھا حالانکہ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے لیکن کسی قسم کی تھکن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ سفر جاری رہا اور خدا خدا کر کے ساڑھے بارہ بجے کے قریب ہم جہان آباد میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ رُک کر بدر شاہ درخت پر چڑھ کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ ہمیں نواب جہانگیر کے کیمپ کی تلاش تھی۔ پھر اُوپر سے ہی اس کی دہاڑ سُنائی دی۔

" بن گیا کام۔"

میں بھی جوتے اُتار کر درخت کے تنے کی جانب لپکا چوٹی سے میں نے بدر کے اشارے کی سمت نظر دوڑائی کوئی سو گز جانے کے بعد درختوں کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور یہاں سے ایک پہاڑی ڈھلان نظر آ رہا تھا۔ جس پر خالی درخت اُگے ہوئے تھے۔ اِسی ڈھلان کے ایک حصّے میں چند خیمے لگے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یہ بات دعوے سے تو نہیں کہی جا سکتی تھی کہ یہی نواب جہانگیر مرزا کا کیمپ ہے لیکن جہاں تک امکانات تھے ان سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اِس علاقے میں نواب جہانگیر مرزا ہی شکار کھیلنے آئے ہیں۔ ہم درخت کی چوٹی سے کیمپ کا جائزہ لیتے رہے۔ کیمپ کے عقبی حصّے میں کچھ فاصلے پر ایک جھیل نظر آ رہی تھی۔ بلندیوں پر گھنے درختوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ یہ چھوٹی سی وادی اس علاقے میں

کسی پیالے کی مانند نظر آتی تھی ۔ بہر طور خوب صورت جگہ تھی جنگل ایسے نہیں تھے کہ اِن میں کیمپ لگا لیا جائے ۔ جب کہ یہاں رُک کر جنگلوں میں شکار بآسانی کھیلا جا سکتا تھا ۔

" میرا خیال ہے کہ ہم چکّر کاٹ کر اِس کیمپ کے پچھلے حصّے میں پہنچ جائیں اُدھر سے اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کیمپ جہانگیر مرزا کا ہے یا نہیں " بدر نے تجویز پیش کی ۔

" تجویز اچھی ہے لیکن اتنا لمبا چکّر گاڑی کے ذریعہ ہی لگایا جا سکتا ہے " میں نے کہا ۔

" بس یہ خطرہ ہے کہ وہ انجن کی آواز نہ سُن لیں "

" یہ خطرہ مول لینا پڑے گا " میں نے کہا اور جیپ آگے بڑھا دی ۔ مطلوبہ جگہ پہنچ کر ہم رُک گئے ۔ یہاں گھنے درختوں کی بہتات تھی ۔ جیپ اُن درختوں کے درمیان چھُپا دی گئی اور نیچے اُتر کر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے ڈھلانوں میں جھانکا جا سکتا تھا ۔

" تو جہانگیر مرزا کو پہچانتے ہو شارق جی "

" ہاں ۔ صرف تصویر دیکھی ہے " میں نے جواب دیا ۔

" اس وقت تو وہ شاید شکار کھیلنے گیا ہو "

" ہو سکتا ہے " میں نے کیمپ میں اِدھر اُدھر آتے جاتے لوگوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا لیکن بعد میں سنبھل گیا جہانگیر مرزا موجود ہے ہم صحیح جگہ پہنچے ہیں ۔

شام کو بوندا باندی شروع ہو گئی ۔ موسم بے حد خوشگوار تھا اور فضا کسی قدر خُنک ہو گئی تھی ۔ ہم رات کے لیے پروگرام ترتیب دے چکے تھے ۔ بوندا باندی اسی حد تک رہی پھر رات ہو گئی ۔ بادلوں کی وجہ سے تاریکی کافی گہری ہو گئی تھی ۔

وقتِ مقررہ پر میں اور بدر احتیاط سے اس ڈھلان میں اُترنے لگے ۔ چند لمحات کے بعد ہم جھیل کے کنارے پہنچ گئے ۔ کیمپ میں کیروسین لیمپ روشن تھے اور کافی گہما گہمی نظر آ رہی تھی تب مجھے یاد آیا کہ درندوں کا شکار تو رات میں ہی کھیلا جاتا ہے ۔ اِس وقت غالباً وہ لوگ شکار کی تیاریوں میں مصروف تھے ۔ دن میں یقیناً ... آرام کرتے ہوں گے یہ لوگ میں نے ایسی ہی تیاریاں ہوتی ہوئی دیکھی تھیں ۔ اب مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں کس طرح جہانگیر مرزا کے سامنے جاؤں ، میں نے اس وقت اپنے بدن پر نواب نیاز احمد کا لباس پہنا ہوا تھا ، بدر شاہ گو میرے ساتھ ہی تھا لیکن میرے باڈی گارڈ کے فرائض انجام دے رہا تھا اور میں نے اُسے ہدایت کر دی تھی کہ مجھ سے کچھ فاصلہ رکھے ،

بس مجھے کسی ایسے موقع کی تلاش تھی ، کہ نواب جہانگیر مرزا میری جانب متوجہ ہو جائے ، میں جھیل کے کنارے چہل قدمی کرنے لگا دو تین چکّر لگائے تھے میں نے کہ اُدھر کیمپ میں مجھے دیکھ لیا گیا خطرہ یہ بھی تھا کہ کہیں وہ مجھے کوئی جنگلی درندہ سمجھ کر گولی مارنے کی کوشش نہ کریں ، اِسی لیے میں اپنی جگہ ساکت نہیں ہوا تھا ، بلکہ ٹہلتا رہا تھا ، پھر تیز ٹارچ کی روشنی مجھ پہ ڈالی گئی اور مجھے ایک گونہ سکون ہوا کہ کم از کم اِن لوگوں کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں کوئی جانور نہیں انسان ہوں ، بدر شاہ اِس روشنی کے فوراً بعد ایک پتھر کی آڑ میں ہو گیا تھا ، میں نے اُسے ہدایت کر دی تھی کہ اگر کوئی خطرناک موقع آئے تو وہ فائرنگ سے دریغ نہ کرے ، مقصد ان لوگوں کو خوف زدہ کر کے بھگانا ہی تھا ۔

کیمپ میں چہ میگوئیاں شروع ہو چکی تھیں اور یقینا لبّا جہانگیر مرزا کو کسی اجنبی شخص کی جھیل کے کنارے اِس چہل قدمی کی اطلاع دے دی گئی تھی اور اُس کے بعد دلچسپ مناظر دیکھنے میں آئے ، غالباً کیمپ میں اِن لوگوں کی گنتی کی جا رہی تھی جو جہانگیر مرزا کے ساتھ آئے تھے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ یہ اجنبی آدمی کون ہو سکتا ہے ، جہانگیر مرزا کی توہم پرستی کے بارے میں مجھے معلوم تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ اِس اجنبی شخص کو کیا سمجھا جا رہا ہو گا ، اِن لوگوں میں سے کسی نے میرے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی ، لیکن پھر شاید اُنھوں نے ہمّت کی ، جہانگیر مرزا دو آدمیوں کے پیچھے تھا آنے والوں کی تعداد دس بارہ کے قریب تھی ۔

میں اِن سے بے نیاز چہل قدمی کرتا رہا یہ خطرہ مول لینا آسان کام نہیں تھا اگر وہ بھُوت سمجھ کر ہی مجھ پہ گولی چلانے کی کوشش کرتے تو بھی میرا مصیبت میں پڑ جانا لازمی تھا لیکن ایسے خطرات تو لُطف دیتے ہیں ، بظاہر میں اُن کی طرف سے بے پروا اور اُن کی آمد سے بے نیاز اپنی چہل قدمی میں مصروف تھا لیکن میری دزدیدہ نگاہیں یہ جائزہ بھی لے رہی تھیں کہ کسی طرف سے کوئی کارروائی نہ ہو رہی ہو ۔

وہ مجھ سے تقریباً بیس گز کے فاصلے پر رُک گئے اور ایک بار پھر میں ٹارچوں کی روشنی میں نہا گیا ، تیز روشنی میں آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں لیکن یہی تو موقع تھا جب جہانگیر مرزا کے اوسان خطا کرنے تھے ، میں نے اس روشنی کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور چہل قدمی میں مصروف رہا پھر اِن سے بے نیاز ہو کر میں جھیل کے کنارے بیٹھ گیا اور پتھر کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر میں نے جھیل کے

سامنے پھیلی ہوئی نرم ریت پہ ایک جُملہ لکھا ۔

" جہانگیر مرزا تم قاتل ہو ، تم قاتل ہو میں تم سے اپنی بے گناہی کا انتقام ضرور لوں گا ۔ میں تم سے انتقام لوں گا "

میں نے پتھر جھیل میں اُچھال دیا اپنی جگہ سے اُٹھا اور پھر اِس طرح اپنا چہرہ اُن کے سامنے کر دیا کہ وہ لوگ مجھے بخوبی دیکھ لیں ، میں نے جہانگیر مرزا کی چیخ سُنی تھی اور اُس کے ساتھ ہی بھگدڑ مچ گئی ۔ وہ لوگ سر پر پاؤں رکھ کر کیمپ کی طرف دوڑے ، جہانگیر مرزا شاید سب سے پیچھے رہ گیا تھا وہ گالیاں بک رہا تھا اور خود بھی اُن کی رفتار کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا ، میرا کام بس اتنا ہی تھا ، جیسے ہی اُن کی پُشت میری طرف ہوئی میں نے پھُرتی سے اس پتھر کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور جہاں بدر شاہ چھُپا بیٹھا تھا ۔ وہ ناک کے دونوں نتھنے دبائے اور مُنہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا تھا ۔

" بھاگو اب یہاں رُکنا مناسب نہیں ہے " میں نے کہا اور ہم نے جو جگہ نیچے اُترنے کے لیے منتخب کی تھی اُسی کے راستے اُوپر چڑھ گئے ، یہاں پہنچنے کے بعد ہم نے کیمپ کی طرف دیکھا ۔ کیمپ شدید افراتفری کا شکار نظر آ رہا تھا ، وہ کام انتہائی خوش اسلوبی اور غیر متوقع انداز میں ہو گیا تھا جو مجھے بہت مُشکل معلوم ہو رہا تھا اب دیکھنا یہ تھا کہ اِن درشنوں کے بعد کیا کیفیت رہتی ہے ، ہم نے ایک جگہ منتخب کر لی اور وہیں سے کیمپ کا جائزہ لیتے رہے ۔

تقریباً آدھ پون گھنٹے تک کیمپ میں ہنگامہ جاری رہا اُس کے بعد کچھ سُورمے ٹارچیں اور رائفلیں سنبھالے جھیل کی طرف بڑھتے نظر آئے ، پتا نہیں جہانگیر مرزا اِن میں تھا یا نہیں وہ چاروں طرف روشنیاں ڈال رہے تھے اور جاسوسی فرما رہے تھے ۔ بالآخر وہ جھیل کے بالکل قریب پہنچ گئے ۔ عین اس جگہ جہاں میں موجود تھا میں تو خود بھی یہی چاہتا تھا کہ میری تحریر دیکھ لی جائے ، وہ زمین پر روشنیاں ڈال رہے تھے زمین پر میرے لکھے ہوئے الفاظ کو دیکھنے لگے ، اُن کے بارے میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں اُن کی ہلکی ہلکی بھنبھناتی ہوئی آوازیں یہاں تک سُنائی دے رہی تھیں لیکن اِن آوازوں کا مفہوم کیا تھا اِس کا اندازہ یہاں سے لگانا مُشکل تھا ۔ بالآخر وہ واپس چلے گئے اور میں اور بدر شاہ اِن کیفیتوں پر اظہارِ خیال کرتے رہے ، پھر کافی رات گزر گئی تو بدر شاہ نے کہا کہ

اُسے نیند آ رہی ہے میں بھی اِس مسلسل محنت سے تھک گیا تھا ، چنانچہ باقی معاملات دوسرے دن پر چھوڑ کر ہم جیپ میں داخل ہو گئے ، اور خاموشی سے اُس میں پڑ رہے ، بدن کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا ، چنانچہ نیند نے فوراً ہی آ دبایا ۔

دوسری صبح اس وقت آنکھ کھلی جب بندروں کے غول کے غول جیپ پر دھینگا مُشتی کر رہے تھے اِن کے خیخیانے کی آوازیں پہلے تو سمجھ میں نہیں آئیں ، لیکن جب سمجھ میں آئیں تو ہم ہوشیار ہو گئے یہ بندر اُن لوگوں کی راہنمائی ہماری طرف بھی کر سکتے تھے ، چنانچہ محتاط ہو جانا ضروری تھا بمُشکل تمام باہر نکل کر اُنھیں بھگایا لیکن فائر کرنے کی ہمّت نہیں کی ، جنگل کی زندگی بہت دیر پہلے شروع ہو چکی تھی اور آج آسمان بھی شفّاف تھا ، تھوڑی دیر تک تو حالات کا جائزہ لیتا رہا پھر بدر شاہ کو ساتھ لے کر اپنے اُس مخصوص ٹھکانے کی جانب چل پڑا جہاں سے کیمپ کا نظارہ کیا جا سکتا تھا ، لیکن جب نے نیچے وادی میں نگاہ دوڑائی تو ہمارے مُنہ حیرت سے کھُلے کے کھُلے رہ گئے ، اب وہاں ایک بھی خیمہ نہیں تھا بس جگہ جگہ جلی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر اور خیمہ گاڑنے کے گڑھے نظر آ رہے تھے ۔

بدر شاہ نے قہقہہ لگایا اور بولا " نواب جہانگیر مرزا بھاگ گئے "

" یہی لگتا ہے "

" تو پھر اب ہمارا رُکنا کیا معنیٰ رکھتا ہے "

" کچھ نہیں ہم بھی بھاگ جاتے ہیں " میں نے کہا ۔

میری یہ تدبیر سو فی صد کامیاب رہی تھی اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جہانگیر مرزا نے کیمپ بدل لیا ہو گا ، سارے کام حالات کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے ، اگر کیمپ کی جگہ تبدیل کر لی گئی ہے تو پھر واقعی مشکل ہو جائے گی اور اگر جہانگیر مرزا نے واپسی کا سفر کیا ہے تو یہ میری خواہش کے عین مطابق تھا ۔ حالات یہی بتاتے تھے کہ راتوں رات یہاں سے بھاگ جانا بے معنی نہیں ہو سکتا ، اِس کے پیچھے جہانگیر مرزا کا خوف ہی کارفرما ہے ۔ اُس نے بخوبی مجھے دیکھا تھا اور پھر اُسے اِس تحریر کا مفہوم بھی بتا دیا گیا ہو گا ۔ اِس کے بعد کسی اور جگہ کیمپ منتقل کرنا غیر فطری سی بات تھی لیکن اب کیا بھی کیا جا سکتا تھا ، چنانچہ ضروری تیاریوں کے بعد ہم نے جیپ اسٹارٹ کر کے واپسی کے راستے کی طرف موڑ دی اور عالم پور

کا رُخ کیا۔

عالم پور میں ہمارا ٹھکانہ موجود ہی تھا۔ جیپ محفوظ کر کے مکان میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد آرام کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔ دن بھر تھکن دُور کی اور پھر رات کو چاق و چوبند ہو گئے آج حویلی پر حملہ کرنا تھا۔ میرے پروگرام پر بدرشاہ نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

" شارق جی تم حویلی کے اندرونی نقشے سے ناواقف ہو، ہو سکتا ہے ان حالات سے خوف زدہ ہو کر نواب نے کچھ انتظامات کیے ہوں۔ کیا اندر خطرہ نہ ہو گا ؟"

" اس سے کیا فرق پڑتا ہے ؟"

" او پڑتا ہے نا شارق جی تم بہت قیمتی شے ہو ہمارے لیے۔ ہم تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں لے سکتے "

" فکر نہ کرو بدرشاہ اب میں اتنا نرم چارا بھی نہیں ہوں" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

" او نہیں وکیل صاحب تم قانون کی موٹی موٹی کتابوں میں دبے رہے ہو لڑائی بھڑائی والے آدمی کہاں ہو گے یہ فیلڈ دوسری ہے " بدرشاہ بولا۔ میرا دل چاہا کہ قہقہہ لگاؤں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بدرشاہ شکر کرو تم میرے دوست بن کر سامنے آئے ورنہ تمہارے خیالات مختلف ہوتے۔ بہرحال میں نے اظہار نہیں کیا تھا۔ میرے خیال میں آج کی رات پچھلی رات سے زیادہ کارآمد تھی میں احتیاط سے کام کرتا تھا۔ بدرشاہ کو سمجھا لیا اور وہ مجھے حویلی میں داخل ہونے کی اجازت دینے پر مجبور ہو گیا بہرحال وہ اور اس کے ساتھی حویلی تک میرے ساتھ آئے تھے۔ حویلی میں داخل ہونے کا راستہ ہم پہلے ہی دریافت کر چکے تھے۔ بدرشاہ نے کہا۔

" ہم یہاں موجود رہیں شارق جی "

" نہیں بدرشاہ میں اپنا پروگرام تمہیں بتا چکا ہوں اس کے بعد بھی تم ....."

" کیا کہیں جی دل نہیں مانتا "

" دل کو مناؤ جانِ من۔ میں کچھ کر کے ہی واپس جانا چاہتا ہوں ورنہ یہ کوشش بیکار ہو گی "

" ٹھیک ہے جی حکم ماننا بھی تو فرض ہے "

" یہ حکم نہیں دوست۔ مجبوری ہے " میں نے کہا۔ اس کے بعد میں نے کارروائی کا آغاز کر دیا۔ پہلے تو یہ اندازہ لگانا تھا کہ نواب جہانگیر شکار سے واپس بھی آئے ہیں یا نہیں۔

حویلی میں داخل ہونا مشکل نہ ثابت ہوا جتنا میں نے سوچا تھا۔ باہر سے حویلی کی وسعت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن اندر داخل ہونے کے بعد پتا چلا کہ وہ شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھی۔ بے شمار ملازم مصروف تھے اور اِدھر سے اُدھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ میں چونکہ حویلی کے اندرونی نقشے سے بالکل ناواقف تھا اس لیے بے حد محتاط تھا اور اس وقت چونکہ میں چھت کے راستے اندر داخل ہوا تھا اس لیے چھتوں پر ہی رہنا چاہتا تھا۔ حویلی کی مسافت میرے مقصد کے عین مطابق تھی یعنی اگر میں ہوشیاری کے ساتھ چھتوں کا سفر کرتا رہتا تو چھتوں چھتوں نواب صاحب کے کمرے کا سراغ لگا سکتا تھا۔ کہیں کہیں یہ راستے خطرناک ضرور تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ میرا راستہ روک دیتے۔ چنانچہ میں اندازے لگا لگا کر آگے بڑھتا رہا۔ غلام گردشیں دالان اور نہ جانے کیا کیا۔ بہرحال میں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اور پھر اس وقت میں خوشی سے اچھل پڑا جب روشنی کے ایک دائرے سے بچ کر گزرتے ہوئے میں نے چند آوازیں سنیں۔ کوئی کہہ رہا تھا

" حضور نواب صاحب واللہ خود کو سنبھالیے۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو ؟"

روشنی کا یہ دائرہ ایک گول روشن دان سے خارج ہو رہا تھا اور آواز روشن دان کے دوسری طرف سے ہی آئی تھی۔ میں رُک گیا۔ جگہ انتہائی محفوظ تھی روشن دان کے ساتھ ایک بارجہ بنا ہوا تھا۔ جہاں رُک کر میں اندر جھانک سکتا تھا۔ اندر بہت سے لوگ موجود تھے۔ روشن دان کے عین سامنے مسہری بچھی ہوئی تھی اور اس پر نواب جہانگیر مرزا نڈھال پڑے نظر آ رہے تھے۔

" آپ یہ بات دل پہ لے رہے ہیں۔ نہ جانے کیوں آپ بھول گئے کہ آپ شیروں کے شکاری ہیں "

" اماں بھوتوں کے شکاری تو نہیں ہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ اچھن مرزا " نواب صاحب جھلّائے ہوئے لہجے میں بولے۔

" آخر کس کا بھوت دیکھا ہے آپ نے " اچھن مرزا نے کہا جو نواب صاحب کی پائنتی بیٹھے ہوئے تھے۔ بوڑھے آدمی تھے اور شاید نواب صاحب کے کوئی رشتے دار تھے۔

" اپنی ممانی کے پھوپھا زاد بھائی کا۔ اچھن بچا کیا بے کار باتیں کر رہے ہیں آپ۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ کوئی ہماری

تیمارداری کو نہ آئے ہم تنہائی چاہتے ہیں "

" تنہائی میں بہت سے بھوت گھیر لیں گے آپ کو " اچھن مرزا نے کہا اور نواب صاحب اُچھل کر بیٹھ گئے۔

" کیا فضول باتیں کر رہے ہیں آپ نہیں۔ میرے دل کی حرکت بند کرنا چاہتے ہیں یہ دوستی ہے یا دشمنی واللہ آپ چلے جائیے اچھن چچا۔ خانو میاں ہمیں تنہائی درکار ہے ہم نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا "

" چلیے اچھن مرزا۔ براہ کرم نواب صاحب کو پریشان نہ کیجئے " کسی نے کہا اور اچھن میاں اُٹھ گئے۔

" ٹھیک ہے جہانگیر مرزا۔ تمہارا شوق ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بھوتوں کی انجمن سجا لو خود بھی بھوت بن کر ان کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ ہم کیا کریں "

" تو کس نے کہا ہے آپ سے کہ کچھ کریں۔ کسی فقیر درویش کو تو بُلاتے نہیں اور اُلٹا ہمیں خوفزدہ کر رہے ہیں۔ جائیے آپ خانو میاں ....." نواب صاحب جھلا کر بولے۔

" چلیے اچھن مرزا ہماری نوکری کیوں گنوا رہے ہیں "

" بس جا رہے ہیں ہاں نہیں تو " اچھن مرزا کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بڑبڑائے۔

" سب لوگ چلے جائیں۔ ہمیں تنہائی درکار ہے " نواب صاحب نے کہا " خانو میاں دروازہ بند کر دیں اب کسی کو اندر نہ آنے دیں شور نہ ہونے پائے کمرے کے آس پاس ہم سونا چاہتے ہیں "

میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ ویسے میرا ذہن بہت سے فیصلے کر رہا تھا۔ نواب صاحب کی یہ کیفیت اس بات کی نشاندہی کرتی تھی کہ وہ دل میں چھپا خوف رکھتے ہیں۔ نیاز احمد کے بھوت کو دیکھ کر نواب کی یہ حالت ہوئی ہے۔ ویسے بھی یہ ساری خواری میں نے بلاوجہ نہیں کی تھی۔ شعیب شاہ سے مل رہے تھے جہاں اُن کی زمین رہن رکھی گئی تھی دو کروڑ روپے کے عوض اور اس زمین کو چھڑایا بھی نہ گیا تھا اور نواب صاحب قتل ہو گئے تھے زمین آج بھی نواب جہانگیر مرزا کی ملکیت تھی اور ان کے تصرف میں تھی۔

میں اطمینان سے لیٹا رہا۔ گھونسلے سے چڑیوں کے بچوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور کئی بار ان کے والدین میرے اوپر سے پھڑ پھڑاتے گزر گئے تھے۔ میں نے ان سے تھوڑی دیر کے لیے معذرت چاہی اور کہا کہ میں ان کے گھونسلے یا بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا بس نواب صاحب سے ایک ملاقات کر لوں اس کے بعد...

نواب صاحب مسہری پر نظر آ رہے تھے۔ وہ کروٹیں بدل بدل کر سونے کی کوششیں کر رہے تھے لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ نواب صاحب نیم غنودہ ہو گئے اب ان کا بدن ساکت تھا۔

پھر جب ان کی نیند کچھ گہری ہو گئی تو میں نے وہ خطرہ مول لے لیا جو واقعی خطرناک تھا لیکن اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔ ورنہ یہاں آنا بے معنی ہو کر رہ جاتا۔ میں نے بہ آہستگی روشن دان سے اپنے بدن کو اندر اُتارا اور پھر بلی کی طرح نیچے کود گیا۔ موٹے قالین نے آواز نہ پیدا ہونے دی تھی اس کے باوجود نواب صاحب نے کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر وہ کسی اسپرنگ کے گڈے کی مانند اُچھل کر مسہری پر بیٹھ گئے۔ ان کا منہ چیخ کے لیے کھلا لیکن آواز نہ نکل سکی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

میں نے چہرے پر موت کا سکوت طاری کر لیا اور نواب کو دیکھتا رہا ان کے بدن پر غشہ طاری ہو گیا تھا۔

" جہانگیر مرزا۔ " میں نے کھر کھراتی آواز میں کہا۔

" کون ... کون ہو بھائی ... کیا بات ہے "

" مجھے نہیں پہچانتے ؟" میں نے کہا۔

" تن ... نیاز احمد ... تم ... تم مر چکے ہو "

" کیسے مرا ہوں ... تم جانتے ہو ... تم نواب جہانگیر ... تم میرے قاتل ہو۔ تم نے مجھے قتل کیا ہے "

" ارے توبہ ... توبہ ... میں نے کبھی زندگی میں کسی کو قتل کیا ہے۔ میں تو۔ میں تو ہرن کے بچے کو بھی نہیں مار سکتا۔ میرے شکاری ہی یہ کام کرتے ہیں اور نام میرا ہوتا ہے " نواب صاحب روتی والی آواز میں بولے۔

" روحوں کے سامنے جھوٹ بولتے ہو نواب میرے دو کروڑ روپے کہاں ہیں ؟"

" نواب ... اب کیا کرو گے روپوں کا مرنے کے بعد بھی۔ ارے بھائی معاف کر دو۔ معاف کر دو "

" تم نے جہان آباد کی زمین پر بھی قبضہ کر رکھا ہے "

" وہ۔ وہ میری کہاں ہیں۔ بیگم ارجمند کی زمین میں وہ تو۔ ارے میں تو پھنس کر رہ گیا میں اس چڑیل کے جال میں معاف کر دو بھائی نیاز۔ تمہیں اللہ کا واسطہ معاف کر دو۔

" جہانگیر مرزا حقیقت دُنیا کے سامنے لے لاؤ میں تمہیں

معاف کر دوں گا ورنہ تمہاری موت بھی ضروری ہے۔ حقیقتیں خود سامنے لاؤ جہانگیر مرزا ورنہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔"

"اور حقیقتیں جیسے مجھے چھوڑ دیں گی، اسے معاف کر دو نیاز بھائی، تم تو مر ہی چکے ہو یار۔ مجھے، مجھے کیوں مار رہے ہو؟"

"جہانگیر مرزا سوچ لو اچھی طرح سوچ لو، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر اچھی طرح غور کر لو۔ اس میں تمہاری نجات ہے۔" میں نے کہا۔ جہانگیر مرزا کا ہاتھ آہستہ آہستہ مسہری کے سرہانے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"گھنٹی مت بجاؤ، تم جانتے ہو میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ کر ڈالو، اسی میں تمہاری نجات ہے، صرف اس میں تمہاری نجات ہے۔" میں دروازے کی جانب بڑھ گیا اس سے زیادہ رُکنا خطرات کو دعوت دینا تھا، ظاہر ہے جہانگیر مرزا نے اگر اپنے ساتھیوں کو بُلا لیا تو پھر صورتِ حال میرے لیے بھی خوفناک ہو جائے گی۔ روشن دان کے ذریعے اُوپر چڑھ کر واپس جانا ممکن نہیں تھا، چنانچہ میں دروازے کی طرف بڑھ گیا دروازہ کھول کر دیکھا تو باہر خاموشی اور سناٹے کا راج تھا غالباً خانو میاں کو جو ہدایت کی گئی تھی اِس پر انھوں نے پُورا پورا عمل کیا تھا۔ جیسے ہی میں نے دروازے کے باہر قدم رکھا اندر سے جہانگیر مرزا کی دہاڑ سُنائی دی۔ وہ چیختے ہوئے باہر کی سمت بھاگے تھے چنانچہ اب یہ ضروری تھا کہ میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاؤں، چنانچہ میں راہداری میں دوڑتا چلا گیا، جہانگیر مرزا دوڑتے ہوئے دروازے تک آئے تھے، وہ خانو میاں، خانو میاں چلا رہے تھے اور پھر میں نے سامنے کسی کے قدموں کی آہٹ سُنی، چنانچہ اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں خود کو پوشیدہ کر لوں چنانچہ مجھے جو دروازہ نظر آیا میں اسے کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر تاریکی پھیلی ہوئی تھی، کسی چیز سے ٹکرایا اور خود کو گرنے سے بچانے کے ساتھ ساتھ اس چیز کو بھی گرنے سے روکا غالباً کوئی ڈیکوریشن پیس تھا۔ باہر اچھی خاصی دھما چوکڑی مچ گئی تھی۔ خانو میاں دوڑتے ہوئے جہانگیر مرزا کے پاس پہنچ گئے تھے اور نجانے کیا ہو رہا تھا۔

میں کسی سہمی ہوئی چڑیا کی مانند اپنے آپ کو سنبھالے بیٹھا ہوا تھا۔ پتا نہیں اب کیا ہوگا۔ میں تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کیے اپنے آپ کو تاریکی سے مانوس کرنے کی کوششیں کرتا رہا اور پھر جب میری آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو گئیں تو میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ یہ بھی کوئی خواب گاہ ہی تھی اور اس میں مسہری پڑی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں اس مسہری کے نیچے پناہ لوں۔ باہر بھاگ دوڑ کی آوازیں مسلسل جاری تھیں۔ بہت سے لوگ چیخ چلا رہے تھے۔ چاروں طرف بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ میں آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لینے لگا، بہرحال، فی الحال تو یہاں پھنس گیا تھا، اب دیکھنا یہ تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

کمرے میں روشنی نہیں کر سکتا تھا، لیکن مسہری کے نیچے اتنی کشادہ جگہ تھی کہ میں آرام سے لیٹ سکتا تھا۔ اور محفوظ رہ سکتا تھا۔ اپنے آپ کو تقدیر کے سہارے پر چھوڑ دیا تھا اب جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا لیکن جو کچھ ہوا وہ تقدیر کی مہربانی سے ہوا تھا، کوئی آدھا گھنٹہ گزر گیا اور اس کے بعد اس کمرے کے دروازے کے سامنے آہٹیں سُنائی دیں مسہری کے نیچے سے جھانک کر دیکھنے کی ہمت تو نہیں کر سکتا تھا صرف آوازیں سُننے پر ہی اکتفا کی۔ روشنی ہو گئی اور بہت سے پیر اندر آتے ہوئے نظر آئے، جو طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے، ان میں کچھ نسوانی آوازیں بھی شامل تھیں۔

"خدا رحم کرے، نجانے کیا ہو گیا ہے آپ کو۔"

"ہائے بیگم ارجمند جو کچھ ہوا ہے تمہاری وجہ سے ہوا ہے صرف تمہاری وجہ سے۔"

"یہ تو خیر آپ کی پُرانی عادت ہے، کوئی الزام لادنا ہوتا ہے تو بیگم ارجمند کے علاوہ آپ کو اور کون ملتا ہے۔ اب یہ بھوت بھی میں نے تخلیق کیے ہیں کیوں۔"

"ہائے لڑو مت، مجھے پانی پلاؤ، پانی، ہائے ایک گلاس پانی اور پلاؤ۔" نواب صاحب کی اندھی آواز اُبھری اور میں آنکھیں بند کر کے دِل ہی دِل میں ہنسنے لگا۔ یہ مصیبت یہیں پر نازل ہونی تھی اسی کمرے میں آنا تھا ان لوگوں کو بھی لیکن اب تو مزید ہوشیاری کی ضرورت تھی، نواب صاحب کو پانی پلایا گیا انھیں شاید مسہری پر بٹھا دیا گیا تھا اور بیگم ارجمند بھی شاید انھی کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔

"کیا مصیبت نازل ہوئی اسی لیے کہتی ہوں کہ جمعرات کو شکار مت کھیلا کرو، جنگلوں میں رُوحوں کا بسیرا ہوتا ہے۔"

"ارے اِس سے پہلے تو کبھی رُوحیں میرے پاس نہیں آئیں میں کیا کروں، ہائے میں کیا کروں۔"

"کوئی بات نہیں اچھن چچا کو روانہ کر دوں گی صبح، پیر

مکوڑے شاہ کو بُلا کر لے آئیں گے، پیر صاحب آ گئے تو سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔"

"چلا کر دو میرے لیے، میرے ہمدردو! وظیفہ کرو میرے لیے، میں مصیبت کا شکار ہو گیا ہوں ایک ایسی مصیبت میں جس سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔"

"کچھ بتاؤ گے تو کوئی سمجھے گا بھی، آخر کس کا بھوت تھا۔ کہاں سے آمرا، ان بھوتوں کو بھی تمہارے ہی گرد بسیرا کرنا تھا ویسے ہی کمزور دل کے مالک ہو، نجانے شیروں کا شکار کیسے کر لیتے ہو۔"

"طنز کیے جاؤ گی مجھ پر، طنز کیے جاؤ گی۔ میری جان خطرے میں ہے تم اس بارے میں نہیں سوچ رہیں۔"

"خیر اب وہ بھوت تمہیں کیا ماریں گے، سدا کے وہمی ہو۔"

"مار ڈالو مجھے ارجمند، مار ڈالو، پاگل قرار دے کر مجھے پاگل خانے بھجوا دو، تمہاری تو دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔"

"اے میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر۔ تم تو ویسے ہی نیم پاگل ہو، اور کیا پاگل کروں گی تمہیں، خوامخواہ میرا دماغ خراب کرتے ہو، میں کہتی ہوں انسان کے بچے کب بنو گے۔"

"افوہ سب کے سامنے، سب کے سامنے بھی نہیں چھوڑتیں ٹھیک ہے میں ہی چُپ ہو جاتا ہوں، مجھے ہی چُپ رہنا پڑے گا۔"

"افیون کھا لو تھوڑی سی اور چُسکی لگا کر سو جاؤ۔ ورنہ یہ بھوت ساری رات تمہارے سرہانے جگالی کرتے رہیں گے۔" بیگم ارجمند کی آواز اُبھری۔

"زہر کھلا دو تھوڑا سا۔ ہمیشہ کے لیے چُسکی لگا جاؤں گا۔ دلی آرزو پوری ہو جائے گی تمہاری۔" نواب صاحب بولے۔

"اے میں کیوں کھلاؤں ایسا ہی شوق ہے تو خود کھا لو زہر۔ سب کو پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔" بیگم ارجمند نے کہا۔

"بیوی ہو تم میری بیوی ہو۔ میری جان خطرے میں ہے اور تم۔ جاؤ خدا کے واسطے چلی جاؤ۔ ارے تمہیں بلایا کس نے تھا۔ میری زندگی کی گاہک ہو تم تو ہمیشہ سے۔"

"اور تمہاری زندگی کو کچھ نہیں ہوا۔ اب تک کچھ نہیں ہوا۔ اب شور نہ مچاتا چپکے سو جاؤ اسی کمرے میں۔ خانو خیال رکھنا۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"میں خود خیال رکھ لوں گا اپنا۔ کسی کی ضرورت نہیں ہے مجھے ہاں سب دفعان ہو جاؤ۔ باہر نکل جاؤ ورنہ ایک ایک کو گولی مار دوں گا۔ جاؤ سب دفعان ہو جاؤ نکلو یہاں سے۔" نواب صاحب بُری طرح دہاڑنے لگے اور سب کان دبا کر کمرے سے باہر نکل گئے۔ نواب صاحب ایک بار پھر تنہا رہ گئے تھے۔ اور میں۔ میں کمرے میں موجود تھا۔ ایک موقع اور ملا تھا۔ اور اس موقع سے بھی فائدہ تو اُٹھانا ہی تھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ میں نواب صاحب سے ایک اور ملاقات نہ کروں۔ جب کہ نواب صاحب خود میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے تھے۔ نواب صاحب نے خود ہی اندر سے دروازہ بند کیا تھا۔ اور جب وہ دروازہ بند کر کے واپس پلٹے تو میں مسہری پر نہیں اُن کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

شدید غصّے کے عالم میں پلٹے اُن کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا لیکن مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس طرح اُچھل کر پیچھے ہٹے جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ ان کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں اور بدن میں کپکپی دوڑ گئی تھی کچھ کہنے کے لیے ہونٹ چلا رہے تھے لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر میری طرف دیکھتے رہے پھر ان کی مدھم سی آواز سنائی دی۔

"آ گئے ۔ ۔ ۔ تم یہاں بھی آ گئے"

میں نے پُرسکون لہجے میں کہا "جہانگیر مرزا میرا تمہارا کھاتہ اتنا مختصر نہیں ہے کہ میں آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں۔ اب جبکہ میں نے اپنی رُوحانی زندگی سے کچھ وقت نکال لیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ یہ حساب صاف ہو جائے اور حساب صاف کیے بغیر میں تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

میری آواز سُن کر نواب صاحب کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اب ان کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی اور وہ اس سے زیادہ دہشت برداشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ وہ چکرائے اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔

میں نے ایک لمحے تک صورت حال کی نزاکت کا احساس کیا پھر دروازے سے کان لگا دیئے باہر مکمل خاموشی طاری تھی۔ اس کا مقصد تھا کہ بیگم ارجمند سب لوگوں کو لے گئی ہیں۔ بیگم ارجمند کا نواب صاحب کے ساتھ رویّہ بھی میں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا وہ ان پر حاوی معلوم ہوتی تھیں۔ بہرحال اب میرا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ اس سے زیادہ اگر یہاں رہتا تو پھر صورت حال خراب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ بڑی احتیاط سے میں نے دروازہ کھولا۔ بیرونی حصّہ سنسان پڑا تھا۔ لوگ جاگ ضرور رہے تھے لیکن اپنے کمروں میں تھے۔ میں حویلی کے عقبی حصّے تک پہنچ گیا۔ بیرونی حصّے سے باہر نکلنا کسی طور پر ممکن نہیں تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ چنانچہ میں عقبی حصّے سے حویلی سے باہر نکل آیا۔ میں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ بدرشاہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"شارق جی سب خیریت ہے نا؟" اس نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں اپنا کام کر کے خیریت کے ساتھ نکل آؤں گا۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم لوگ حویلی سے کافی دُور آ گئے تھے پھر میں نے بدرشاہ سے کہا۔

"اب اس میک اپ کی ضرورت باقی نہیں جو کچھ مجھے کرنا تھا وہ کر آیا ہوں مزید کچھ کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ہمیں نواب صاحب زندہ ہی درکار ہیں۔"

"واپس چلیں اپنے ٹھکانے پر یا یہیں رُکو گے؟" بدرشاہ نے اپنے مخصوص انداز میں پوچھا۔

"نہیں ابھی تو کافی کام ہے یہاں سے جانا مناسب نہیں ہوگا۔ تکلیف تو ہو رہی ہے لیکن جس بڑے مقصد کے لیے ہم یہ تکلیف اُٹھا رہے ہیں وہ ہماری اس تکلیف سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔"

"بالکل جی بالکل۔ نیکیوں کا یہ عجیب و غریب سلسلہ جو تم نے شروع کیا ہے ہم تو اس کے بڑے قائل ہیں جہاں تک اس چھوٹی موٹی تکلیف کا معاملہ ہے تو یہ حیثیت کیا رکھتی ہے جی۔"

میں اس کے ساتھ حویلی سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اندر کے حالات معلوم کرنا چاہتا ہے۔ بے لوث معاون تھا اور ہر سلسلے میں میرے کام آتا تھا اسی لیے میں اُسے بڑی اہمیت دیتا تھا۔ میں نے اندر کی تمام تفصیلات بدرشاہ کو بتا دیں اور وہ ہنسنے لگا۔

"ایک بات کہیں شارق بھائی یہ دولت جو ہے نا بظاہر انسان کو مضبوط کر دیتی ہے لیکن میرا خیال ہے اگر ڈاکٹری معائنہ کیا جائے تو دولتمندوں کے دل غریبوں سے کہیں زیادہ کمزور نکلیں گے۔"

"اس میں ڈاکٹری معائنہ کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تو ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ ابھی نواب جہانگیر مرزا نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ تو مکھی کو بھی نہیں مار سکتے۔ شیروں کے شکاری وہ نہیں بلکہ اُن کے یار دوست ہیں جنھوں نے اُنھیں ایک بہادر شکاری بنا دیا ہے۔"

بدرشاہ ہنس دیا اور پھر کہنے لگا "یہ دولت مند زندگی کے ہر شعبے میں دولت ہی کے ذریعے شہرت حاصل کرتے ہیں۔ بہرحال چھوڑو اس مسئلے کو شارق جی یہ بتائیں کہ آپ جس مقصد کے لیے یہ جدوجہد کر رہے ہیں اس میں آپ کو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی؟"

"کافی حد تک یقین ہونے لگا ہے کہ نیاز احمد کے قتل میں جہانگیر مرزا کا ہاتھ ہے اور یقیناً اس کی وجہ جہان آباد کی وہی زمینیں ہیں جنھیں جہانگیر مرزا نے دو کروڑ روپے کے عوض نواب نیاز احمد کے سپرد کر دیا تھا اور پھر اُنھیں واپس حاصل

کرنے کے لیے اس نے نیاز احمد کو قتل کرا دیا لیکن ہمیں یہ بات ثابت کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑیں گے جہانگیر مرزا خوف زدہ ضرور ہو گیا ہے لیکن اس خوف سے ہمیں صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا ہے کہ ہمارے اس شبے کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اب اس سلسلے میں ہم مزید کیا کر سکتے ہیں یہ سوچنا پڑے گا۔"

"شارق بھائی جیسا آپ مناسب سمجھو ہمارا ذہن دوسرے راستوں پر چلتا ہے تمہارے جو معاملات ہیں ان میں بدرشاہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"نہیں نہیں بدرشاہ جو مدد تم کر رہے ہو وہ میرے لیے تمام چیزوں سے زیادہ ضروری ہے میرا خیال ہے ہم جہانگیر مرزا کی اس حویلی کا محاصرہ کیے رہتے ہیں اس کی نگرانی کریں گے اور یہ دیکھیں گے کہ فوری اقدامات کیا ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جی جیسا آپ مناسب سمجھو۔" اس نے جواب دیا۔

نواب نیاز احمد کے میک اپ کی اب کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے اپنا وہ میک اپ صاف کر دیا۔ ہم حویلی کی نگرانی کرتے رہے۔ رات کو بدرشاہ نے مجھے سونے کی اجازت دے دی اور میں نے ایک صاف ستھری جگہ منتخب کر کے وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ بیچارے نے صبح تک مجھے نہ جگایا خود بخود میری آنکھ کھل گئی میں نے اس سے کہا کہ اب وہ اپنے ٹھکانے پر جا کر سو جائے میں یہاں انتظار کر لوں گا۔ وہ چلا گیا اور میں حویلی کے پاس ایک مستقل ٹھکانہ بنا کر بیٹھ گیا۔

کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ملازمین آتے جاتے رہے لیکن دن کو تقریباً ساڑھے دس بجے میں نے اچھن مرزا کو کار میں بیٹھ کر باہر نکلتے دیکھا۔ ڈرائیور کار چلا رہا تھا ایک لمحے کے لیے میرا ذہن خیالات میں ڈوب گیا اور پھر مجھے بیگم ارجمند کی وہ بات یاد آ گئی کہ اچھن مرزا کو کسی پیر فقیر کو بلانے کے لیے بھیج دیا جائے گا تاکہ وہ نواب صاحب کا بھوت اُتار دے۔ ہو سکتا ہے اچھن مرزا اسی سلسلے میں گئے ہوں دوپہر تک مزید کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔

تقریباً ساڑھے بارہ بجے بدرشاہ واپس آ گیا میرے لیے کھانا اور چائے لایا تھا۔ میں نے مسکرا کر اس کا خیر مقدم کیا اور پھر پیٹ کا دوزخ بھرنے لگا۔ صبح سے ناشتا یا چائے بھی نہیں ملی تھی اس لیے کچھ حالت خراب ہو رہی تھی۔ کھانے نے طبیعت سیر کر دی اور پھر بدرشاہ کے ساتھ بیٹھ کر گفتگو کرنے لگا۔ میں نے اچھن مرزا کے بارے میں اُسے بتایا تو وہ مسکرا کر گردن ہلانے لگا ابھی ہمیں گفتگو کرتے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اچانک میں نے وہی کار دیکھی جو اچھن مرزا کو لے کر گئی تھی۔ کار میں اس وقت ڈرائیور کے علاوہ دو افراد اور بھی موجود تھے۔ میں نے جب بغور اُنھیں دیکھا تو ایک لمحے کے لیے میرا ذہن جھنجھنا کر رہ گیا۔ یہ میری توقع کے بالکل خلاف بات تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شرف الدین کا جہانگیر مرزا سے کوئی براہ راست تعلق ہو سکتا ہے کار میں شرف الدین موجود تھا اور ایک اور چہرہ جسے شاید اتنا سرسری انداز میں دیکھنے والا کبھی بھی نہ پہچان سکتا لیکن میری تیز نگاہوں سے وہ خد و خال محو نہیں ہو سکے خاص طور سے میں اس کی تلاش میں تھا یہ وہی شخص تھا جو مجھ پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ تھا اور میری کوشش سے اس کے چہرے سے ڈھاٹا کھل گیا۔ کار نواب جہانگیر مرزا کی حویلی میں داخل ہو گئی۔ بدرشاہ میری کیفیات نوٹ کر رہا تھا۔ اس نے چند لمحوں کے بعد پوچھا۔

"یوں لگتا ہے شارق جی جیسے ان لوگوں کو دیکھ کر تم حیران ہوئے ہو؟"

"ہاں بدرشاہ! ایک عجیب بات ہوئی ہے۔ یوں لگتا ہے تقدیر مسلسل ہماری رہنمائی کر رہی ہے حالات کھلتے جا رہے ہیں اور یہ کہانی ایک تلخ سچائی بنتی جا رہی ہے میرا خیال ہے ہمارا مقصد پورا ہو گیا اور اب ہمارا یہاں رُکنا مناسب نہیں ہے۔"

"ان میں سے ایک حفیظ الدین کا سوتیلا بھائی شرف الدین اور دوسرا ایک ایسا آدمی ہے جس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔"

"کار میں ڈرائیور کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے یقیناً وہ کوئی خاص حیثیت رکھتے ہیں۔"

"ان میں سے ایک حفیظ الدین کا سوتیلا بھائی شرف الدین اور دوسرا ایک ایسا آدمی ہے جس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔"

اس نے شانے ہلائے اور ہم دونوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ضروری کارروائیاں کی گئیں اور ہم عالم پور سے فرحت پور پہنچ گئے۔

پُرانی حویلی میں ہمارا مستقل ٹھکانہ بن چکا تھا اب مارے مارے پھرنا ضروری نہیں تھا۔ حویلی میں کچے اور پکے مل گئے۔ اس کی وجہ سے ہماری حیثیت کافی مستحکم تھی۔

"کیا چھوٹی سرکار کو اطلاع دے دوں آپ کے بارے میں ۔ ۔ ۔ ؟" بچے نے دریافت کیا۔

"اگر یہ ہو تو دے دو کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

رات کو الماس آ موجود ہوئی اس کے چہرے پر تجسس کے آثار تھے۔ مجھے بغور دیکھتے ہوئے اس نے کہا "کہیے جاسوسِ اعظم کیا کارنامے انجام دے رہے ہیں آپ؟ بڑی سرگرمیاں ہو رہی ہیں مگر مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ مجھے کبھی اپنے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔"

"محترمہ آپ کو اپنے ساتھ شریک تو کر لوں لیکن اس کی کوئی ضرورت تو پیش آئے۔"

"خیر آپ اپنا کام جاری رکھیے۔ میں خود بھی اس مسئلے میں پوری پوری دلچسپی لے رہی ہوں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد کیجیے گا۔"

"جو خدمات آپ نے اپنے ذمے لے رکھی ہیں وہی مجھے شرمندہ کرتی رہتی ہیں مزید کیا ارشاد کروں؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بھی مسکرانے لگی۔

"کامیابی کی کوئی امید ہے یا نہیں؟"

"کوشش تو کر رہا ہوں آگے کیا ہوتا ہے یہ تقدیر کا معاملہ ہے۔"

وہ کافی دیر مجھ سے باتیں کرتی رہی پھر اس نے ملازموں کو مزید ہدایات دیں اور چلی گئی۔

رات کو ہم لوگ پرسکون نیند سوئے دوسری صبح میں اپنے ذہن میں پروگرام ترتیب دینے لگا کہ اب شرف الدین کے سلسلے میں معلومات کہاں سے حاصل کی جائیں۔ کوئی ایسا نام علم میں آنا چاہیے تھا جو شرف الدین کے بارے میں مزید تفصیلات بتا سکے۔ کئی نام میرے ذہن میں آئے لیکن پھر میں نے ان کا ارادہ ترک کر دیا کیونکہ یہ وہ نہیں تھے جو شرف الدین سے پوری طرح واقف ہوتے۔ کچھے کسی کام سے میرے سامنے آیا تو میں نے بغور اس کی صورت دیکھی یہ دونوں عجیب و غریب تھے۔ مجھ سے خاص طور سے خوف زدہ رہتے تھے لیکن اس وقت بڑی محبت سے میں نے اسے قریب بلایا اور وہ اس طرح میرے قریب آگیا جیسے میری طرف سے کوئی حرکت ہوتے ہی واپس ہو جائے گا۔

"سنو کچھے تمہارے بارے میں میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ تم اپنی چھوٹی سرکار کے بے حد وفادار ہو میں ایسے لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔" کچھے کے دانت نکل آئے۔ وہ خاموشی سے میری صورت دیکھ رہا تھا۔ "فرحت پور میں تم کتنے عرصے سے ہو؟"

"پیدا ہی یہیں ہوئے تھے جی۔" اس نے جواب دیا۔

"تب تو فرحت پور کے ایک ایک آدمی کو جانتے ہو گے؟"

"ہاں جی۔ فرحت پور والے تو سبھی ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ کسی سے کسی کے بارے میں پوچھ لو۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ شرف الدین کیسا آدمی ہے؟"

"کون شرف الدین؟"

"وہ جو حفیظ الدین کا بھائی ہے۔"

"اچھا اچھا آپ شرفو کی بات کر رہے ہو۔ ہمارا تو اس سے زیادہ واسطہ نہیں رہا جی بڑا آدمی ہے۔ غریب آدمیوں کو کیا منہ لگائے گا مگر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں تو خادم حسین سے مل لیں پہلے شرف الدین سے اس کی بڑی لاگ ڈاٹ تھی۔ آہستہ آہستہ جب شرف الدین کے پاس دولت آئی تو وہ اس سے بھی ہٹ گیا۔ اب اس کی دوستی بڑے لوگوں سے ہے مگر خادم حسین اس کے بچپن کا دوست ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اب شرف الدین کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔"

"یار کچھے تم تو بڑے کام کے آدمی نکلے یہ خادم حسین کہاں ملے گا؟"

"کارخانے میں کام کرتا ہے جی کھاد بنانے کے۔ شام کو چھٹی ہوتی ہے پانچ بجے۔ میں آپ کو اس کا گھر دکھا دوں گا۔"

"واہ زندہ باد کچھے مگر کسی سے اس بات کا تذکرہ نہیں کرو گے۔ یوں سمجھو یہ تمہاری چھوٹی سرکار ہی کا کام ہے۔"

"آپ جانتے ہیں صاحب جی ہم زبان کے پکے ہیں۔ بس نام ہی کے کچے ہیں اور وہ جو کہتے ہیں نا وہ زبان کا پکا ہے نام کا پکا۔"

شام پانچ بجنے کا انتظار کرنا ہی مناسب تھا۔ اس وقت تک میں بدر شاہ کے ساتھ حویلی ہی میں رہا۔ پانچ بجے میں حویلی سے باہر نکل آیا۔ بدر شاہ کو ساتھ لینا مناسب نہیں تھا۔ خادم حسین کا گھر مجھے کچھے نے بتا دیا تھا اور واپس چلا گیا۔ میں نے دروازے کی زنجیر بجائی تو ایک تیس بتیس سالہ شخص نے دروازہ کھولا۔ شریف صورت اور سیدھا سادا آدمی تھا۔

"مجھے خادم حسین سے ملنا ہے۔"

"میں ہی خادم حسین ہوں کہیے بابو جی کیا بات ہے؟"

"مجھے افسوس ہے خادم حسین تم ابھی ابھی نوکری سے واپس آئے ہو۔ میں نے تمہیں تکلیف دی ہے۔"

"نہیں بابو جی کوئی بات نہیں۔ منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہو چکا ہوں۔ آئیے اندر آ جائیے کوئی کام ہے مجھ سے تو میں حاضر ہوں۔" اس نے پُراخلاق انداز میں کہا

میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ معمولی سی بیٹھک تھی۔ چارپائیوں پر دریاں بچھی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے ایک چارپائی پر بیٹھنے کی پیشکش کی پھر بولا۔

"ایک منٹ کی اجازت دیجیے اندر سے چائے لے آؤں۔" وہ اندر چلا گیا اور میں شہری اور دیہاتی زندگی کا موازنہ کرنے لگا۔ شہری زندگی کے ہنگامی دور میں لوگوں نے اخلاق کو اس طرح بالائے طاق رکھ دیا ہے کہ اب انسان، انسان نہیں لگتے لیکن یہ چھوٹی آبادیاں آج بھی انسانی تاریخ کی امین ہیں اور وہی سب کچھ کرتی ہیں جو انسان انسان کے ساتھ کر سکتے ہیں۔"

خادم حسین چائے کی پیالیاں لیے اندر آگیا ان میں چائے نام کا ایک مشروب بھرا ہوا تھا لیکن اس چائے میں جو خلوص کا مزہ تھا اس کی کوئی تعریف نہیں کی جا سکتی تھی۔

میں نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور اس سے مخاطب ہوا۔ "تم سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنے آیا ہوں جس کا ذریعہ صرف تم ہو سکتے ہو۔"

"معلومات کس سلسلے میں بابو جی؟" اس نے سوال کیا۔

"کچھ عرصہ قبل تمہارا ایک دوست ہوتا تھا غالباً اس کا نام شرف الدین ہے۔ میں نے سنا ہے کہ تم اس کے سب سے گہرے دوست تھے غالباً بچپن کے دوست؟" میں نے اس پر نگاہیں جماتے ہوئے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی تھی اس نے کہا "ہاں بابو جی ہمارا ایک دوست تھا اور اس کا نام شرف الدین تھا۔ آپ نے یہ بڑی سچی بات کہی کہ تمہارا ایک دوست ہوتا تھا اس میں کوئی شک نہیں بابو جی وہ ہمارا دوست تھا مگر اب نہیں ہے۔ دولت انسان کا ذہن بدل دیتی ہے اسے دولت ملی تو وہ بھی بدل گیا۔"

"میں نے سنا ہے کہ شرف الدین نے اپنے قوتِ بازو سے یہ دولت نہیں حاصل کی۔"

"اپنے قوتِ بازو کا کیا سوال ہے جی بس یوں سمجھیں کہ تقدیر ساتھ دے گئی۔ عالم پور میں اس کے ایک رشتے دار رہتے تھے بہت دور کے کبھی کبھی ان کے ہاں آنا جانا تھا وہیں سنا ہے فضل الرحمٰن کی بیٹی کو دیکھا اس پر عاشق ہو گیا جب تک کچھ نہیں ملا تھا ہمیں ساری تفصیلات بتاتا رہا پھر اس کی تقدیر جیت گئی کسی طرح نواب جہانگیر مرزا نے اس پہ ہاتھ رکھ دیا یہ عالم پور کے نواب ہیں بابو جی۔ فضل الرحمٰن کی بیٹی سے شادی بھی ہو گئی اور نواب صاحب نے اپنے کارندے کی بیٹی کو خوب سارا جہیز بھی دیا تھوڑی سی زمین بھی خرید کر دے دی۔ ایک آدھ باغ بھی دیا اس سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا اگر شرف الدین انسان رہتا تو ہم ہمیشہ اس کی خوشی سے خوش رہتے مگر جی اس نے دولت مند بننے کے بعد دوستوں ہی کو کاٹ دیا ہمیں کوئی لالچ تو نہیں ہے اس سے بس دوستی کا معاملہ تھا دوست رہتا تو دعائیں دیتے رہتے ہر انسان کو اپنے بازوؤں کے بھروسے پر ہی جینا پڑتا ہے بابو جی۔"

"بالکل ٹھیک ہے خادم حسین!" میں نے اپنی مسرت دباتے ہوئے کہا۔ اس کے الفاظ میرے لیے بے حد قیمتی تھے کسی فضل الرحمٰن عالم پور والے کی بیٹی سے شرف الدین کو عشق ہوا۔ نواب جہانگیر مرزا کی مداخلت پر یہ شادی ہو گئی اور نواب جہانگیر مرزا نے شرف الدین کو زبردست مالی امداد دی کیوں؟ یہ معلومات کافی تھیں اور یہ سوال بے حد اہمیت رکھتا تھا یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ شرف الدین اور نواب صاحب کے درمیان کوئی ایسا گٹھ جوڑ ہے جو اہمیت رکھتا ہے۔ میں نے اس سے ایک سوال اور کیا۔

"یہ بتاؤ خادم حسین، شرف الدین کے بڑے بھائی حفیظ الدین نے نواب نیاز کو قتل کیا اس پر شرف الدین کے کیا تاثرات تھے؟"

خادم حسین کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "اللہ ہی بہتر جانے جی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی لیکن ایک بات ہم ایک دوست کی حیثیت سے بتا رہے ہیں آپ کو کہ اسے اپنے بھائی کی گرفتاری کا کوئی رنج نہیں تھا اور پھر اس نے بھاوج کے ساتھ

بھی کون سا اچھا سلوک کیا یہاں تک کہ وہ میکے چلی گئی "۔

"اس وقت شرف الدین کو عشق ہو چکا تھا؟"

"ہاں جی بالکل ہو چکا تھا یہ تو اس سے کافی پہلے کی بات ہے"۔

"لیکن کیا یہ بات حفیظ الدین کو معلوم تھی کہ شرف الدین فضل الرحمٰن کی بیٹی سے عشق کرتا ہے"؟

"نہیں صاحب بڑا بھائی تھا اُسے یہ بات کیسے بتائی جاتی"۔

"اسی دوران شرف الدین نواب جہانگیر مرزا سے متاثر رہتا تھا"۔ میرے اس سوال پر خادم حسین کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

"ہاں جی! ایک بار اُس نے بتایا تھا کہ اس کا کام بننے والا ہے اور اگر تقدیر اس کا ساتھ دے گئی تو پھر شادی نسیمہ بیگم ہی سے ہو جائے گی"۔

"اور اس واقعے کے بعد اس کے بھائی حفیظ الدین نے نیاز احمد کو قتل کر دیا؟"

"ہاں جی۔ یہ بعد ہی کی بات ہے"۔ خادم حسین نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے خادم حسین۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے شرف الدین کے بارے میں یہ معلومات مجھے فراہم کیں شرف الدین سے آپ کی آخری ملاقات کب ہوئی تھی؟"

"آخری ملاقات"۔ اُس نے ہنس کر کہا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"ہو گئے جی چھ سات سال"۔ اس نے جواب دیا۔

"اوہ، گویا وہ تم سے ملتا بھی نہیں؟"

"نہیں صاحب اب کیا سوال ہے ملنے کا مگر ایک بات بتایئے آپ یہ معلومات کس سلسلے میں حاصل کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں شرف الدین شہر میں ہماری کمپنی سے کچھ کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ کام ایسا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ اس پر بھروسا کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں ہم معلومات حاصل کر رہے تھے تمہاری اس مدد کا شکریہ"۔

سیدھے سادے انسان نے میری کہی ہوئی بات پر یقین کر لیا تھا۔ چلتے ہوئے میں نے اس سے درخواست کی تھی اگر کسی طرح شرف الدین سے ملاقات ہو بھی جائے تو وہ اس چھان بین کے بارے میں کچھ نہ بتائے۔

"نہیں بتائیں گے بابو جی وعدہ"۔ اُس نے کہا اور میں وہاں سے چلا آیا۔

میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا صورت حال اب کافی واضح ہو گئی تھی۔ یہ شرف الدین تو آستین کا سانپ نکلا کیسی عجیب بات تھی سوتیلے بھائی نے اُسے بچانے کے لیے اپنی زندگی قربان کر دی اور اس پر کوئی اثر نہ ہوا اُس نے اطمینان سے بھائی کی قربانی دے دی اور اس کے بعد یہ بھی نہ ہوا کہ اس کے بیوی بچوں کو سنبھال لیتا۔ اب تو حالات بہت بہتر تھے اگر وہ چاہتا تو قدسیہ بیگم اسی کے پاس رہ سکتی تھیں بھائی کا حق ادا کرتا۔

بیگم نواب کی طرف سے اب شبہ بالکل ہٹ چکا تھا۔ بیگم نواب اتنی بھی بُری نہیں تھیں جتنی مشہور کر دی گئی تھیں۔ بدر شاہ سے اس بارے میں گفتگو ہوئی۔ اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کرنا کیا چاہیے آیا شرف الدین کو براہ راست مخاطب کر لیا جائے یا اس سلسلے میں کوئی اور خفیہ کارروائی کی جائے۔ فرض کریں اگر شرف الدین پر ہاتھ ڈال بھی دیا جاتا ہے تو بھی ثبوت تو مہیا نہیں ہو سکیں گے کہ نواب نیاز احمد کے قتل میں اُس کا یا جہانگیر مرزا کا ہاتھ ہے۔ بدر شاہ سے مل کر میں نے طے کیا کہ شرف الدین کا جائزہ لے لیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ وہ عالم پور سے واپس آ گیا یا نہیں۔

میں بستی سے نکل آیا اور میرا رُخ شرف الدین کے گھر کی جانب ہو گیا۔ صوفی عبداللہ کے گھر کے سامنے سے گزرا تو اچھن مرزا کی صورت نظر آئی۔ باتیں کرتے ہوئے صوفی عبداللہ کے گھر سے نکلے تھے۔ میں چونک کر رُک گیا۔ اچھن مرزا کے بارے میں مجھے یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ نواب صاحب کے خاص لوگوں میں سے ہے۔ صوفی عبداللہ اچھن مرزا کے ساتھ کچھ دور تک گئے میں ان کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں وہاں وہ ایک گھر میں داخل ہوئے تھے اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد واپس نکل آئے۔ اچھن مرزا صوفی عبداللہ کے گھر پر ہی مقیم تھے شاید۔ اب اس وقت صوفی عبداللہ سے ملاقات کرنا ضروری تھی۔ چنانچہ اس کے لیے میں نے [illegible] کو استعمال کیا۔ حویلی پہنچنے کے بعد میں نے بچے کو صوفی عبداللہ کے گھر بھیجا اور اس سے کہا کہ انھیں پرانی حویلی میں بلا لائے یہ کہے کہ بیگم نواب نے انھیں طلب کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ ہانپتے کانپتے پرانی حویلی پہنچ گئے تھے ان کی نگاہیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں مجھے دیکھ کر چونکے اور آہستہ سے بولے "مجھے بیگم نواب نے طلب کیا ہے خیریت تو ہے اللہ خیر کرے"۔

"گھبرانے کی بات نہیں، میں معافی چاہتا ہوں کہ بیگم نواب کے نام پر میں نے آپ کو یہاں بلایا۔ ایک ایسی ہی ضرورت درپیش تھی"۔

"اوہ۔ اللہ کا احسان ہے دراصل بیگم نواب اتنی سخت گیر ہیں کہ ان سے خوف زدہ رہنا ہی پڑتا ہے مگر آپ کو میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"صوفی صاحب اچھن مرزا آپ کے گھر آئے ہوئے ہیں نواب جہانگیر کے آدمی؟"

"ہاں ہاں اچھن مرزا سے میرے بڑے پرانے تعلقات ہیں ایک عجیب مسئلے میں یہاں آئے ہیں مگر آپ کو اُن کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"وہ عجیب مسئلہ کیا ہے صوفی صاحب؟" میں نے سوال کیا۔

صوفی عبداللہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

"بھئی عجیب سی بات ہے میری سمجھ میں تو نہیں آئی لیکن بتائے دیتا ہوں آپ کو۔ وہ کسی عامل کی تلاش میں نکلے ہیں ایک ایسے عامل کی جو نواب جہانگیر مرزا کا بھوت بھگا سکیں"۔ صوفی صاحب مسکرا دیے لیکن میرے چہرے پر سنسنی کے آثار پھیل گئے تھے۔

"جہانگیر مرزا کا بھوت؟"

"ہاں جہانگیر مرزا آج کل بھوتوں کے زیرِ عتاب ہیں۔ بیگم ارجمند نے اچھن مرزا کو بھیجا ہے کہ کسی اچھے سے عامل کو تلاش کر کے لائیں"۔

"آپ نے اس سلسلے میں کیا کیا صوفی صاحب؟" میں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تو کچھ نہیں بھائی، بیگم صاحب کی فرمائش ہے اور انھوں نے خاص طور سے اچھن مرزا کو میرے پاس بھیجا ہے۔ دراصل میری کرم فرما ہیں وہ۔ دو چار لوگوں سے بات کی ہے مگر کسی کی نگاہ میں ایسا کوئی عامل نہیں ہے جو پُراطمینان طور پر بھوتوں کو بھگا سکے"۔

"صوفی صاحب کمال ہے بلکہ حیرت ہے"۔ میں نے کہا۔

"کیوں؟" اُنھوں نے حیرت سے پوچھا۔

"اتفاق کی بات ہے کہ دو بہت ہی پہنچے ہوئے عامل یہاں آئے ہوئے ہیں بھوت بھگانے میں تو ان کا کوئی ثانی نہیں ہے ایسی چلہ کشی اور ایسے کارنامے انجام دیے ہیں انھوں نے کہ آپ حیران رہ جائیں گے کیا بتاؤں آپ کو اُن کی کرامتوں کے بارے میں بس یوں سمجھ لیں کہ اپنے فن میں یکتا ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں مدد کر سکتا ہوں آپ کی اس سلسلے میں"۔

"میاں مدد کی بات کر رہے ہو۔ تم تو یہ سمجھو کہ میری مشکل ہی حل کر دی ہے۔ بڑا پریشان تھا۔ براہ کرم مجھے فوراً اُن کے پاس لے چلو۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں"۔

"تھوڑا توقف فرمایئے صوفی صاحب۔ میں بچے کو اُن کے پاس بھیجتا ہوں۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر ہیں بلانا پڑے گا"۔

"تو پھر مہربانی کریں انھیں بلا لیجیے۔ میرا مسئلہ حل ہو جائے گا"۔

"ٹھیک ہے میں بچے کو ابھی روانہ کر دیتا ہوں آپ اطمینان سے گھر تشریف لے جایئے اور اچھن مرزا سے کہہ دیجیے کہ اُن کا کام ہو گیا"۔

سیدھے سادے صوفی عبداللہ یہ نہ سوچ پائے کہ مجھے اچھن مرزا سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے یا میں نے مزید کوئی گفتگو کیے بغیر صرف عامل کا پتا انھیں کیوں بتا دیا۔ وہ چلے گئے تو میں نے بدر شاہ سے کہا۔

"ایک اور ڈرامے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

"ہم تو ہمیشہ ڈراموں کے لیے تیار رہتے ہیں۔ کہیے اب کیا مسئلہ ہے؟"

میں نے مختصراً بدر شاہ کو تفصیل بتا دی اور وہ ہنس پڑا۔

"واہ جی واہ۔ ارے آپ دیکھیں ہم کیسے بھوت بھگاتے ہیں تو پھر ہو جائے"۔

بدر شاہ لمبا چوڑا آدمی تھا بس لباس وغیرہ کا بندوبست کرنا پڑا۔ لمبی داڑھیاں اور اُلٹی سیدھی چیزیں جن میں ایک تھیلا شامل تھا مل گئی تھیں اور ہم دونوں عجیب و غریب صورتیں بنائے بچے کے ساتھ صوفی عبداللہ کے پاس پہنچ گئے بدر شاہ نے کہا۔

"میرا نام مولوی جلال الدین فریدی ہے اور یہ میرے ساتھی عبدالحکیم ہیں۔ ہم نے سُنا ہے کہ آپ لوگوں کو ہماری ضرورت ہے"۔

جناب ان سے ملیے یہ نواب جہانگیر مرزا کے رشتے دار اچھن مرزا ہیں۔ نواب صاحب عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گئے ہیں اور اُنھیں آپ کی ضرورت ہے"۔

بدر شاہ کو تمام تفصیلات سمجھا دی گئی تھیں۔ اس نے بڑی بڑی سرخ آنکھوں سے اچھن مرزا کو دیکھتے ہوئے کہا "ہم! گویا جنگل میں پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ دوسری ملاقات کمرے میں اور تیسری ملاقات بھی کمرے میں، کیوں یہی بات ہے نا؟"

اچھن مرزا کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا اور پھر وہ جلدی سے جھکا اور بدر شاہ کے پاؤں پکڑ لیے۔ جناب آپ ۔۔۔ آپ نے واقعی پالا مار لیا۔ آپ ہی کی تلاش تو تھی مجھے کمال ہے!"

اچھن مرزا بہت زیادہ معتقد ہو گئے تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ شام تک گاڑی آجائے گی اور وہ دونوں عاملوں کو لے کر عالم پور چل پڑیں گے۔

ہمارے قیام کا بندوبست صوفی عبداللہ ہی کے گھر کیا گیا تھا اور پھر یہ کام ہمارے لیے مشکل نہیں تھا کہ ولیوں اور بزرگوں کے واقعات سُنا سُنا کر صوفی عبداللہ جیسے معصوم انسان کو اپنا گرویدہ بنالیں۔

شام کو گاڑی آگئی اور ہم پھر عالم پور پہنچ گئے۔ ہمیں حویلی کے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔

بدر کی اداکارانہ صلاحیتوں کا مجھے پہلے علم نہیں تھا۔ وہ اداکار بہت اچھا تھا۔ عالم پور کی حویلی میں ہزارا تسبیح گھماتے ہوئے اس نے اتنی ہُو ہا کی کہ ملازمین بار بار مہمان خانے کی کھڑکیوں اور دروازوں سے اندر جھانکنے لگے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی میں نے اُسے ان حرکتوں سے نہیں روکا تھا۔ اس وقت انھی کی ضرورت تھی۔ احمق لوگوں کو احمق بنانے کے لیے یہ کاروبار بھی آج کل زوروں پر جارہا تھا ہمیں انتظار تھا کہ اب بیگم ارجمند کب ہمیں طلب کرتی ہیں۔ اچھن مرزا قدموں میں بچھے جارہے تھے۔ بدر شاہ کی پہلی ہی کوشش نے اُسے متاثر کر دیا تھا اور یہ تاثر مزید گہرا ہوتا جارہا تھا۔

شام کو تقریباً سات بجے بیگم صاحبہ کی طرف سے ہماری طلبی ہوئی۔ اچھن مرزا نے مؤدبانہ درخواست کی کہ ہم اندر تشریف لے چلیں۔ بیگم ارجمند کو تو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ بدر شاہ نے پہلی بار دیکھا۔ بدر شاہ سے اس دوران تمام پروگرام طے ہو چکا تھا منظرِ عام پر اُسے ہی رہنا تھا اور مجھے اس کے معاون کے طور پر ان لوگوں سے روشناس ہونا تھا چونکہ اسے تمام باتیں معلوم تھیں اس لیے وہ بڑی کامیابی سے اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ بیگم ارجمند کو دیکھ کر اس نے آگے بڑھ کر ان کے سر پہ ہاتھ رکھا اور آہستہ سے بولا۔

"تیرا سہاگ سلامت رہے گا، فکر نہ کر۔"

"اے بڑے میاں اپنی جگہ بیٹھو۔ مجھے زیادہ چونچلے بازیاں پسند نہیں ہیں۔ نہ ہی میں تم لوگوں کی قائل ہوں جس کام کے لیے آئے ہو وہ کام کرو اور اپنا راستہ ناپو۔"

"ارے۔۔۔ ارے بہو بیگم کیا کہہ رہی ہیں آپ بزرگوں کے ساتھ یہ رویہ اور وہ بھی روحانی بزرگ۔ معاف کیجیے گا پیر صاحب، بیگم ارجمند ذرا بگڑے مزاج کی مالک ہیں آپ ان کی بات کو محسوس نہ کیجیے گا۔"

"پریشان ہے۔ پریشان ہے۔ حیران ہے لیکن اسے حیران نہیں ہونا چاہیے۔ شوہر نے کب اس سے وفا کی کب اس کا خیال رکھا۔ مٹی کا مادھو بنا رہا لیکن اندر ہی اندر ہم دلوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہیں۔ چہرے نہیں دیکھتے۔" اس نے چھت کی طرف انگلی اٹھا کر کہا اور بیگم ارجمند کسی قدر چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کہاں کی اُڑا رہے ہو پیر جی؟ کس کی بات کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں تُو نے ساری زندگی وفا اپنائی ہے کیسے سُن سکتی ہے اس کے بارے میں جس کے لیے تم نے زندگی ختم کر دی۔ نیک بیبیوں کا یہی کام ہے۔ مطلب کی بات کرو اچھن مرزا ہم ذاتی معاملات کریدنے نہیں آئے۔"

بیگم ارجمند کے چہرے پر حیرت گہری ہو گئی تھی انھوں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "پیر جی کیا تم نواب جہانگیر مرزا کے بارے میں یہ باتیں کہہ رہے ہو؟"

"ہاں۔ اُسی کے بارے میں جس نے وقت سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ حاشیہ برداروں کے جال میں پھنسا رہا تمہیں دھوکے دیتا رہا مگر ہم سے یہ سب کچھ نہ پوچھو۔ ہم تو ایک مقصد کے تحت آئے ہیں آئے نہیں بلکہ لائے گئے ہیں ہم سے وہ کام کراؤ اور ہمیں اجازت دو۔"

بیگم ارجمند خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔ اب ان کے چہرے کا انداز ذرا تبدیل ہو گیا اُنھوں نے کہا۔ "اچھن بھائی بتا دیا ان لوگوں کو؟"

"ہاں بہو بیگم میرا خیال ہے اب میں انھیں اُن کے پاس لیے جاتا ہوں۔"

"میں بھی چلتی ہوں۔"

"آجاؤ۔" نواب جہانگیر مرزا اپنے کمرے میں موجود تھے۔ بے حال نظر آرہے تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں سُرخ تھیں۔ لباس شکن آلود تھا۔ سوچ سوچ کر ہی حالت خراب ہو رہی تھی۔

بدر شاہ کمرے میں داخل ہوا اور پھر ٹھٹک کر دو ایک قدم پیچھے ہٹ آیا۔ "عزیزم۔ کچھ محسوس کر رہے ہو؟" اس نے

بلند آواز میں کہا۔

"ہاں بُو ہے۔ بُو ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کون ہے یہاں کیا چاہتے ہو؟ کیوں آئے ہو؟ کیا مقصد ہے؟ جواب دو۔" اُس کی آواز ویسے ہی گونجدار تھی ان الفاظ نے موجود لوگوں پر سکتہ طاری کر دیا۔ بدر شاہ اس طرح کان پر ہاتھ رکھ کر سُن رہا تھا جیسے کسی کی آواز سُن رہا ہو پھر اُس نے گردن خم کر کے کہا۔

"نہیں، ہو سکتا ہے تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو، ہو سکتا ہے یہ صرف تمہاری غلط فہمی ہو، ناممکن، ناممکن۔"

"محترم۔" میں نے مداخلت کی۔ "کس کی باتیں سُن رہے ہیں؟"

"یہ رمز ہیں سب کے سامنے نہیں بتائے جاسکتے لیکن کوئی فریاد کر رہا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ ہم اس معاملے میں مداخلت نہ کریں۔ یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس پر ظلم ہوا ہے اور وہ اپنے ظلم کا بدلہ لینے کے لیے آیا ہے اس کے ساتھ مزید ظلم نہ کیا جائے۔"

نواب جہانگیر مرزا کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اُنھوں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "پیر صاحب۔ پیر صاحب تنہائی میں گفتگو مناسب ہو گی۔ جاؤ تم لوگ باہر جاؤ۔ جائیے اچھن مرزا باہر جائیے۔ بیگم آپ بھی جائیے۔ میں پیر صاحب سے بات چیت کروں گا۔"

"یہ بات چیت ہمارے سامنے ہی کیوں نہیں ہو رہی؟" بیگم ارجمند نے کہا۔

"نہیں تم خطرے میں پڑ سکتی ہو عزیزہ۔ جاؤ ہمیں جس مقصد کے لیے طلب کیا ہے اس کی تکمیل کرنے دو۔"

بیگم ارجمند بُرا سا منہ بنا کر باہر نکل گئیں ان کے ساتھ ہی اچھن مرزا بھی چلے گئے تھے لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ دونوں۔۔۔ دروازے کے باہر موجود ہیں میں دروازے کے نزدیک آکھڑا ہوا اور بدر شاہ، نواب جہانگیر مرزا کے سامنے پہنچ گیا۔

"تو تم نواب جہانگیر مرزا ہو۔ بُرا مت ماننا جو حالات نظر آرہے ہیں جو آواز میرے کانوں تک پہنچی ہے وہ مناسب نہیں ہے وہ پریشان کن ہے۔"

"کک۔۔۔ کون سی آواز پیر صاحب کون سی آواز؟"

"ایک آواز میرے کانوں میں کہہ رہی ہے کہ وہ مظلوم ہے اس پر ظلم ہوا ہے اس کی جان لی گئی ہے اور اب وہ خون کا بدلہ خون سے لینا چاہتا ہے کون ہے وہ جہانگیر مرزا کون ہے؟ اگر چاہتے ہو کہ میں تمہاری جان بچاؤں تو مجھ سے کوئی چیز مت چھپاؤ۔ چھپائی تو پھر سمجھ لو کہ میرا تعلق ختم ہو جائے گا۔"

جہانگیر مرزا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا اس کی آنکھوں میں سراسیمگی کے آثار صاف نظر آرہے تھے پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بدر شاہ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ "مجھے بچالو پیر جی مجھے بچالو خدا کے واسطے مجھے بچالو۔"

"میں نے کہا نا جہانگیر مرزا مجھ گناہ گار کے پاؤں مت پکڑ۔ حقیقتوں کا اعتراف کر لے۔ حقیقت مان لے میں تیری مدد کر سکتا ہوں۔"

جہانگیر مرزا اٹھا اور بیماروں کے سے انداز میں چلتا ہوا پھر اپنی مسہری پر جا بیٹھا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "پیر صاحب! کوئی ایسی ترکیب نہیں ہے کہ میں اس کے ہاتھوں سے بچ جاؤں؟"

"ہو سکتی ہے ہم حاضرات کر سکتے ہیں۔ اسے تیرے سامنے لا سکتے ہیں لیکن عزیزم تجھے اعتراف کرنا ہو گا معافی مانگنی ہو گی اس روح سے جو تیرے ظلم کا شکار ہوئی ہے تیری ابھی عمر ہی کیا ہے روحوں کے انتقام سے بچ حق اللہ۔"

بدر شاہ کمال کر رہا تھا۔ میں تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نواب جہانگیر مرزا نے کہا۔

"ابھی نہیں میں جانتا ہوں کہ سب کے کان میری طرف لگے ہوں گے۔ رات کو دس بجے کے بعد براہ کرم آپ تکلیف کریں، پیر صاحب میں آپ کی اتنی خدمت کروں گا کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے جو کچھ آپ چاہیں گے میں وہی کروں گا۔"

"ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے عزیزم تمہارا کیا خیال ہے؟"

"حق ہے محترم ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے نواب صاحب جو فیصلہ کریں ہمیں اسی پر عمل کرنا چاہیے۔"

"تو ٹھیک ہے تو اگر چاہے تو رات کو ہم اس روح کو تیرے آمنے سامنے بٹھا کر بات ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔"

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔ میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ میں۔۔۔ میرے دل کی حرکت بند ہو جائے گی میں۔۔۔ براہ کرم پیر صاحب ایسا نہ کریں۔ میں آپ ہی سے بات کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے ہم تو اس کے لیے تیار ہیں کہ اُس کا اور تیرا سامنا کرا کر دونوں کی صلح کرا دی جائے۔"

"نہیں خدا کے لیے نہیں۔ میں اب اس سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ پتا نہیں، کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہیں۔ خدا کے لیے میری مدد کریں۔"

بدر شاہ واپسی کے لیے اُٹھ گیا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے ہمارا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اچھن مرزا اور بیگم ارجمند سامنے ہی موجود تھے۔ انھوں نے چونک کر ہمیں دیکھا۔

بیگم ارجمند آگے بڑھیں اور بولیں "کیا ہوا پیر صاحب کیا بھوت بھاگ گیا؟"

بدر شاہ مضحکہ اُڑانے والے انداز میں ہنسا اور بولا "عزیزہ بھوت ایسے نہیں بھاگتے شاید کبھی کسی بھوت سے تمہارا واسطہ نہیں پڑا خاندان تباہ ہو جاتے ہیں حویلیاں برباد ہو جاتی ہیں بچہ بچہ فنا کر دیا جاتا ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ بھوت بھاگ گیا۔ ارے بھوت بھگانے کے لیے تو ابھی اتنا کچھ کرنا پڑے گا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"مگر یہ آخر ہے کیا؟ کیا ہوا؟ کیا ہوا ہے؟"

"خدا بہتر جانتا ہے ہم عالم الغیب تو نہیں ہیں عالم الغیب تو اللہ کی ذات ہے وہی سب سے بہتر بات جانتا ہے لیکن کوشش کی جائے گی کہ تمہارے اوپر سے یہ نحوست دُور ہو جائے۔"

"پیر صاحب آپ کا بے حد شکریہ۔ میری زبان سے گستاخی کا کلمہ نکل گیا ہو تو معاف کر دیجیے گا میں آپ کی قائل ہو گئی ہوں۔"

"حق اللہ۔ حق اللہ۔" بدر شاہ نعرے لگاتا ہوا اپنے حجرے میں واپس آ گیا تھا پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔

"کہو عزیزم کیسی رہی؟"

"یار میرا تو یہ خیال ہے کہ اس کیس سے نمٹنے کے بعد تم اپنے پُرانے دھندے چھوڑ دو اور کسی تھیٹر میں اداکاری شروع کر دو۔"

"ملے گا کیا عزیزم۔ اداکاری تو یہ ساری دُنیا کرتی ہے۔"

"تم واقعی زبردست آدمی ہو بدر شاہ۔ میں تمہارا قائل ہو تا جا رہا ہوں۔"

"او اسنے دو بھائی جی مت چڑھاؤ بانس پر۔" اس نے اکڑتے ہوئے انداز میں کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

ہمارا پروگرام مکمل تھا میرے پاس چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر موجود تھا جس پر اس رات کی گفتگو بھی ریکارڈ ہو چکی تھی اور اب جو اہم کام ہونا تھا اس کے لیے بھی تمام تیاریاں کر ڈالی تھیں۔ رات دس بجے جہانگیر مرزا کی طرف سے بلاوا آ گیا اس وقت اس نے تنہا اپنے کمرے میں ہم سے گفتگو کرنے کا معقول بندوبست کر لیا۔ کافی فاصلے تک کسی اور کا وجود نہیں تھا اچھن مرزا ہمیں کمرے تک چھوڑ کر چلے گئے اور میں نے واپس جاتے ہوئے اچھن مرزا سے کہا کہ کمرے میں کسی اور کو نہ آنے دیا جائے ورنہ "عمل" خراب بھی ہو سکتا ہے اور اس سے جہانگیر مرزا کو نقصان پہنچ سکتا ہے ہمارے لیے بالکل تنہائی میسر کر دی گئی

جہانگیر مرزا کی کیفیت اب بھی بہتر نہیں تھی وہ بے حال بیٹھا ہوا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اُس نے ادب سے سلام کیا اور پھر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ بدر شاہ دو زانو ہو کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا اور میں بدر شاہ کے پیچھے تاکہ میری کارروائی کا کسی طور جہانگیر مرزا کو اندازہ نہ ہو سکے۔ جہانگیر مرزا، بدر شاہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ بدر شاہ نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"ہاں جہانگیر مرزا کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری جاں بخشی ہو جائے؟ کیا تم چاہتے ہو کہ جو بُرائی تم نے کسی کے ساتھ کی ہے وہ تمہیں اس کے لیے معاف کر دے؟"

"ہاں میں یہی چاہتا ہوں لیکن پیر صاحب معاف کیجیے گا کیا کسی رُوح نے آپ سے گفتگو کی تھی۔ بس میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اُس نے آپ سے کیا کہا؟"

"کہنے کو تو اُس نے ہم سے بہت کچھ کہا لیکن ہم سے نہ پوچھو، بہتر ہے کہ خود اپنی زبان سے اعتراف کرو۔ سُنو جہانگیر مرزا تم غاصب ہو تم قاتل ہو۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔" بدر شاہ نے پُراسرار انداز میں کہا اور جہانگیر مرزا کا ہاتھ خود بخود آگے بڑھ گیا

"دیکھو تمہارا ہاتھ ایک قاتل کا ہاتھ ہے اور قاتل صرف وہی نہیں ہوتا جو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ وہ بھی ہوتا ہے جس کے ایما پر کوئی دوسرا کسی کو قتل کرے۔ کیا سمجھے! بات سمجھ میں آ رہی ہے نا؟"

جہانگیر مرزا نے اپنا ہاتھ جلدی سے پیچھے کر لیا تھا وہ خوفزدہ نگاہوں سے بدر شاہ کو دیکھ رہا تھا پھر اُس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا "لیکن۔۔۔ لیکن اس قتل کے جرم میں مجھے سزائے موت بھی ہو سکتی ہے!"

"ہرگز نہیں۔ وہ اپنا حساب تم سے خود کرنا چاہتا ہے اگر وہ چاہتا تو کسی طرح بھی اپنی موت کا صحیح طور پر اظہار کر سکتا تھا قانون کا حوالہ دے سکتا تھا لیکن اُس نے قانون کی مدد نہیں لی۔ رُوحیں اپنا قانون خود بنا لیتی ہیں اور طویل عرصے کے بعد اُسے اس کا موقع ملا ہے کہ وہ اپنی موت کا انتقام تم سے

لے ہاں جہانگیر مرزا اس کا یہی کہنا ہے کہ اُسے تمہارے ایما پر قتل کیا گیا اور بات۔۔۔ بات دو کروڑ روپے کی تھی کیا سمجھے؟ دو کروڑ روپے کی دولت جس کے لیے تم نے ایک انسانی زندگی تباہ کر دی۔"

جہانگیر مرزا کے اندر اس سے زیادہ سُننے کی تاب نہیں رہی تھی وہ دیوانہ وار اُٹھا اور ایک بار پھر بدر شاہ کے قدموں میں گر پڑا "پیر صاحب میری جاں بخشی کرا دیجیے خدا کے لیے میری جاں بخشی کرا دیجیے۔ آپ تو روشن ضمیر ہیں آپ اتنے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں آپ اگر چاہیں تو مجھے معافی دلا سکتے ہیں۔"

"سیدھے بیٹھو جہانگیر مرزا۔ گو ہم پر لازم نہیں ہے کہ ہم کسی کو اس کا بدلہ لینے سے روکیں لیکن درخواست کریں گے جو طریقۂ کار ہم بتاتے ہیں اُسے اپناؤ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے۔"

جہانگیر مرزا سہمی ہوئی نگاہوں سے بدر شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ بدر شاہ نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور پھر اس کی آواز اُبھری۔

"کون ہو تم اپنا نام بتاؤ؟ کون ہو تم کیا واقعہ پیش آیا ہے تمہارے ساتھ؟ مجھے بتاؤ؟ میں تمہارے اور اس کے درمیان ایک رابطہ ہوں میں انسانی رشتوں کی بنیاد پر انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تم سے معافی کی درخواست کرتا ہوں۔"

وہ خاموش ہو گیا چند لمحے بعد اس نے کہا۔

"نواب نیاز احمد۔ ٹھیک کیا واقعہ ہوا تھا کیا مسئلہ ہوا تھا؟" بدر شاہ پھر خاموش ہو گیا۔ جہانگیر مرزا کو چکر آ رہے تھے وہ دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ بدر شاہ تھوڑی دیر تک ایسی ہی باتیں کرتا رہا پھر اُس نے نواب جہانگیر مرزا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نواب جہانگیر مرزا کیا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ تم نے نواب نیاز احمد کو قتل کرایا، یا کیا؟ جواب دو۔"

"ہاں۔ ہاں۔ جرم مجھ سے سرزد ہوا تھا۔"

"کس طرح اس کی تفصیل بتاؤ؟"

"میں دراصل جوئے کا عادی ہوں بڑے بڑے جوئے کھیلتا رہا ہوں۔ میرے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ میں اس جوئے کو جاری رکھ سکتا۔ میں نے کافی چیزیں فروخت کر دیں زمین، جائیداد لیکن جوا اتنی بُری چیز ہے کہ وہ پیچھا نہیں چھوڑتا ایک بار مجھے بہت بڑی رقم کی ضرورت پیش آئی میں کچھ ایسے لوگوں کا مقروض ہو گیا تھا جن کی رقم کی ادائیگی میرے لیے بے حد ضروری تھی میرے اپنے بھی کچھ مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ میں نے نواب نیاز احمد سے دو کروڑ روپے قرض لیے اور جہان آباد کی زمین رہن رکھ دی۔ یہ زمین ارجمند بیگم کی تھی اس کے علم میں لائے بغیر میں نے کاغذات اور پرونوٹ حاصل کر کے نواب نیاز احمد کے پاس محفوظ کر دیے اور اس کے عوض دو کروڑ روپے حاصل کر لیے لیکن ان کی واپسی میرے لیے ممکن نہیں تھی اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ بیگم ارجمند کی زمینوں کو نیاز احمد کے حوالے کر دیتا۔ میں نے خفیہ طور پر پرونوٹ چُرانے کی کوششیں کیں۔ وہ کاغذات اگر مجھے مل جاتے تو شاید میرے ذریعے نواب نیاز احمد کا قتل نہ ہوتا۔"

"ایک منٹ جہانگیر مرزا ایک منٹ۔ یہ چوری تم نے کس کے ذریعے کرانے کی کوشش کی تھی؟"

"شرف الدین نامی ایک شخص ہے اس کا عجیب و غریب مسئلہ ہے میرے ایک کارندے کی بیٹی سے وہ عشق کرنے لگا تھا اور یہاں عالم پورہ آنا رہتا تھا۔ اتفاق سے کسی کے ذریعے مجھے اس کی کہانی معلوم ہو گئی۔ مجھے یہ بھی علم ہو گیا کہ اس کا بھائی حفیظ الدین، نواب نیاز احمد کے ہاں خزانچی ہے میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اس کی شادی اس کی محبوبہ سے کرا دوں گا اور اسے کافی رقم بھی دوں گا تھوڑی بہت زمین بھی خرید دوں گا اس کے بدلے وہ مجھے نواب نیاز احمد کے ہاں سے زمین کے کاغذات لا دے لیکن جس جگہ یہ پرونوٹ موجود ہو سکتے تھے اسے وہاں نہ ملے اور اس نے اپنے طور پر کئی راتیں اس سلسلے میں بسر کیں لیکن وہ کاغذات اس کے ہاتھ نہیں لگ سکے پتا نہیں وہ کہاں چلے گئے تھے جب اس نے مجھے اطلاع دی تو میں تو اس باختہ ہو گیا۔ جانتا تھا کہ نیاز احمد بھی معمولی آدمی نہیں ہے اور پھر چھ ماہ گزر چکے تھے وہ وقفہ ختم ہو گیا تھا جس میں مجھے یہ رقم واپس کرنی تھی چنانچہ اب وہ اس بات کا مجاز تھا کہ جہان آباد کی زمینوں پر قبضہ کر لے لیکن زمینوں پر قبضہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بیگم ارجمند مجھے قتل کرا دے وہ اتنی سخت گیر عورت ہے۔ چنانچہ مجبوراً مجھے دوسرا اقدام کرنا پڑا۔ میں نے شرف الدین کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ نواب نیاز احمد کو قتل کر دے۔ شرف الدین اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو رہا تھا وہ اس بات پر آمادہ ہو گیا اور اس نے نواب نیاز احمد کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد وہ واپس پلٹ رہا تھا کہ اسے دیکھ لیا گیا اور پھر وہ گرفتار ہو گیا لیکن زبان کا پکا آدمی تھا اور پھر عاشق بھی تھا اس لیے اس نے قتل کا

اعتراف نہیں کیا تاہم ثبوت اس کے خلاف ہی جاتے تھے کیونکہ اُسے وہاں نکلتے دیکھا گیا تھا۔ اس موقع پر حفیظ الدین یعنی شرف الدین کے بڑے بھائی نے اپنے چھوٹے بھائی کی زندگی بچانے کے لیے اپنے آپ کو قاتل کی حیثیت سے پیش کر دیا اور اس قسم کے کاغذات خود تیار کرائے جن سے اس پر فردِ جرم کا الزام عائد ہو سکے۔ میں نے اپنا وعدہ ایفا کیا اور اس لڑکی کی شادی شرف الدین سے کرا دی اور شرف الدین کو بہترین مراعات سے نوازا۔ حفیظ الدین کی گرفتاری پر مجھے افسوس بھی تھا لیکن ظاہر ہے اپنی زندگی بچانا مجھے مقصود تھا۔"

"وہ کاغذات نہیں واپس ملے یا نہیں؟"

"نہیں مل سکے وہ گم ہیں مجھے ان کی زیادہ پروا بھی نہیں کیونکہ اب بات بہت پُرانی ہو گئی ہے لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔"

"بس۔۔۔ بس خاموش ہو جاؤ۔ خاموش ہو جاؤ نواب نیاز احمد یہ بدنصیب شخص اعتراف کرتا ہے کہ اس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ظلم کیا اور تمہیں اس دُنیا سے روانہ کر دیا لیکن معافی بھی ایک چیز ہوتی ہے کیا تم رحمدلی سے کام لے کر اسے معاف نہیں کر سکتے؟" بدر شاہ نے کہا اور پھر خاموش ہو کر کچھ سُننے لگا چند لمحے خاموشی رہی نواب جہانگیر مرزا اُمیدو بیم کی نگاہوں سے بدر شاہ کو دیکھ رہا تھا اور میرا چہرہ مُسرت سے گُلنار ہوا جا رہا تھا۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گیا تھا اور صرف یہی نہیں ٹیپ ریکارڈر نواب جہانگیر مرزا کے یہ اعترافات ریکارڈ کر رہا تھا۔ بدر شاہ نے کہا۔

"نواب جہانگیر مرزا کاغذ اور قلم لو اور یہ تمام اعترافات انتہائی شرمندگی کے ساتھ کاغذ پر تحریر کر دو اور کاغذ کو احتیاط سے نواب نیاز احمد کی قبر میں دفن کرا دو۔ اس طرح نواب نیاز احمد کی روح تمہیں معاف کرنے کے لیے تیار ہے یہ اعتراف نامہ روزِ قیامت استعمال ہو گا اور تمہارا حساب وہاں ہو گا زمین پر اگر قہر سے بچنا چاہتے ہو تو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

"م۔۔۔ میں۔۔۔ میں تیار ہوں۔"

کاغذ اور قلم نواب کے سامنے رکھ دیا گیا اور جہانگیر مرزا اپنا اعتراف نامہ لکھنے لگا اس نے۔۔۔ بغیر کسی ترمیم کے وہ تمام تفصیلات اس اعتراف نامے میں لکھ دیں جن کا تعلق اس قتل سے تھا۔ لکھنے کے بعد اس نے کاغذ بدر شاہ کی طرف بڑھا دیا۔

"محترم اس کاغذ کو اپنے ہاتھوں سے نواب نیاز احمد کی قبر میں دفن کر دیں جہانگیر مرزا کا وہاں جانا مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے مشورہ دیا۔ نواب جہانگیر مرزا نے فوراً اس تجویز کو قبول کر لیا اعتراف نامہ لکھتے ہی اس کی حالت بہتر ہو گئی تھی۔ وہ ہمارے ساتھ باہر نکل آئے۔ بیگم ارجمند اچھن مرزا کے ساتھ موجود تھیں۔

"بیگم معزز بزرگ جانا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اب کوئی بھوت اس حویلی کا رُخ نہیں کر سکے گا۔"

"پیر صاحب اتنی جلدی بھی کیا ہے کچھ دیر ہمارے ساتھ رہیں۔ ہم آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں ارجمند بیگم ہمارا ایک لمحہ رُکنا تمہارے حق میں بُرا ہو سکتا ہے۔"

اچھن مرزا ہمیں چھوڑنے آئے تھے لیکن ہم نے اُنھیں تھوڑی دُور چلنے کے بعد رخصت کر دیا اور اب ہمارا عالم پور میں رُکنا بے معنی تھا۔ چنانچہ دوسرے دن ہم واپس فرحت پور چل پڑے۔ میک اپ ہم نے راستے میں اُتار پھینکا تھا۔ رُخ پُرانی حویلی ہی کی جانب تھا۔

میں نے ایک اور کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ میں نئی حویلی پہنچ گیا اور میں نے بیگم نواب سے ملاقات کی اجازت چاہی جو فوراً ہی مجھے مل گئی۔ الماس اس وقت ان کے پاس موجود اپنی شاطرانہ چالوں میں مصروف تھی یعنی وہیل چیئر پر بیٹھی ہوئی بیگم نواب سے کچھ گفتگو کر رہی تھی۔ بیگم نواب نے پُر اخلاق انداز میں میرا استقبال کیا۔ میرے سلسلے میں اب ان کا رویّہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا تھا۔

"کہو مصنف کیسے آئے؟ کیا ہو رہا ہے؟ بہت کم آتے ہو حالانکہ تم وہ واحد شخصیت ہو جس کے لیے میں نے ہدایت کر دی ہے کہ جب بھی یہاں آؤ مجھ سے اجازت لیے بغیر تمہیں میرے پاس بھیج دیا جائے۔"

"اس عنایت کے لیے بے حد شکر گزار ہوں بیگم صاحبہ دراصل آپ نے ایک ایسی ذمّہ داری میرے سپرد کی تھی جس کی تکمیل میں نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا اور اسی کے سلسلے میں اب تک مصروف رہا۔ ظاہر ہے کوئی کام کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ محنت تو کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"یقیناً۔ یقیناً ویسے تم نے مجھے اس قدر اُلجھن میں ڈال دیا ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ بے شمار مصروفیات ہیں میرے ذمے لیکن نہ جانے کیوں آج کل میرا ذہن کسی کام کی جانب

راغب نہیں ہوتا۔ یہی سوچتی رہتی ہوں کہ جو کچھ تم نے کہا اس میں کہاں تک صداقت ہے۔"

"میری کوششیں اختتام کو پہنچ گئی ہیں بیگم صاحبہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ حفیظ الدین بے گناہ تھا اور اس قتل سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"اس قتل کا محرک وہی زمینیں تھیں جن پر نواب جہانگیر مرزا نے دو کروڑ روپے نواب نیاز احمد سے حاصل کیے تھے یہ رقم وہ اس معاہدے کے مطابق چھ ماہ میں ادا نہیں کر سکا۔ اس نے وہ دستاویزات چوری کرانے کی کوشش کی جو نواب نیاز احمد کے پاس تھیں لیکن نواب نیاز احمد نے وہ کاغذات کسی احتیاط کے پیش نگاہ حفیظ الدین کے سپرد کر دیے تھے چنانچہ وہ کاغذات جہانگیر مرزا کے ہاتھ نہ لگے تو اس نے دوسری کوشش کی اور نواب نیاز احمد ہی کو قتل کرا دیا تاکہ بانس رہے نہ بانسری بجے۔"

"مگر یہ قتل کس نے کیا؟"

"بدقسمت حفیظ الدین کے بھائی شرف الدین نے۔"

"کیسے کہہ سکتے ہو تم؟"

"نواب جہانگیر مرزا نے اس قتل کا اعتراف کر لیا ہے۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو؟" بیگم نواب اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ الماس حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ریکارڈ شدہ اعتراف بیگم صاحبہ کو سُنا دیا۔ بیگم صاحبہ کا چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا پھر میں نے وہ تحریر بھی دکھائی جو نواب جہانگیر مرزا کی اصل تحریر کی نقل تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ سب کچھ تم نے کیسے کیا؟ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

"اس بات کو جانے دیجئے بیگم صاحبہ جو ذمّہ داری آپ نے میرے سپرد کی تھی۔ میں اُسے پوری کر چکا اور اب یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ اپنی ذمّہ داریوں کا آغاز کس طرح کریں گی؟"

"اوہ۔ اوہ۔ اتنے عرصے کے بعد تم نے میرے دل میں ایک زخم پھر لگا دیا۔ نہیں یہ ناممکن ہے۔ کم از کم میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا کاش وہ نہ ہوتا جو ہو چکا ہے۔ آہ۔ میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ ایک بے گناہ شخص میری کوششوں کی وجہ سے اپنی طویل زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزار رہا ہے۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔ سنو یہ ٹیپ مجھے دے سکتے ہو؟"

"آپ ہی کے لیے لایا ہوں بیگم صاحبہ لیکن آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ کیا کریں گی؟"

"ابھی کچھ نہیں بتاؤں گی جو کچھ میں کروں گی وہ میرا فرض ہے اور میں اس بارے میں کسی کو کچھ بتانا پسند نہیں کرتی۔" بیگم صاحبہ مضطربانہ انداز میں بولیں اور میں نے کیسٹ اور تحریر ان کے حوالے کر دی پھر میں نے ان سے واپسی کی اجازت مانگی۔

"نہیں، نہیں تم کہاں جا رہے ہو۔ ایک نیک کام میں میرا ساتھ نہیں دو گے؟"

"یقیناً دوں گا بیگم صاحبہ لیکن اس کے لیے آپ ایک پتا نوٹ فرما لیجئے۔ آپ جب بھی پسند کریں اس پتے پر مجھ سے مل لیجئے گا۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔" میں نے بیگم صاحبہ کو اپنے فلیٹ کا پتا نوٹ کرا دیا۔

بیگم صاحبہ نے پتا دیکھا اور پھر آہستہ سے بولیں "ٹھیک ہے میں تم سے ملوں گی بہت جلد۔"

"بہت بہت شکریہ لیکن میں آپ کی اس کارروائی کا انتظار صرف تین چار دن کروں گا۔ اگر آپ نے اپنے کام میں کوتاہی برتی تو پھر یہ فرض مجھ پر عائد ہوتا ہے کہ میں حقیقتوں کو منظرِ عام پر لاؤں اور وہ کام کر دوں جو آپ نے نہیں کیا۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے میں۔۔۔ میں۔۔۔" بیگم صاحبہ خاموش ہو گئیں۔ میں نے ان سے اجازت چاہی لیکن انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وہ کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا اب یہاں رُکنا بے مقصد تھا پُرانی حویلی پہنچا اور تیاریاں کرنے لگا۔

میرا خیال تھا کہ الماس میرے پاس پہنچے گی لیکن نہ جانے وہ کیوں نہیں آئی۔ بہرطور میں نے اپنا مقصد پورا کر لیا تھا اُسی رات ہم وہاں سے واپس چل دیے۔

شہر آ کر میری پہلی منزل فاروقی صاحب کا گھر ہی ہو سکتی تھی بدر شاہ اپنے اڈے پر چلا گیا۔ فاروقی صاحب سونے کے لیے لیٹ گئے تھے لیکن فوراً جاگ گئے۔

"تمہاری اس وقت واپسی میرے لیے غیر متوقع ہے۔"

"میرے مقصد کی تکمیل ہو گئی ہے۔"

"نتیجہ کیا نکلا؟"

"وہی جو سامنے تھا حفیظ الدین بے گناہ ہے قتل اس نے نہیں بلکہ اس کے چھوٹے بھائی شرف الدین نے کیا ہے

جسے بچانے کے لیے اس نے اپنی زندگی برباد کر دی۔

"شش... شش شرف الدین نے مم... مگر کیوں؟" فاروقی صاحب ہکلا کر بولے۔

میں نے فاروقی صاحب کو آہستہ آہستہ مفصل کارروائی سنائی وہ حیران رہ گئے پھران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "میں جانتا تھا جس کام کے پیچھے لگ گئے ہو اس کی تکمیل کر کے ہی چھوڑو گے مگر حفیظ الدین خوش نہیں ہوگا"۔

"جو کچھ بھی ہے وہ ایک الگ بات ہے میرا خیال ہے میں نے یہ کارروائی کر کے غلط نہیں کیا"۔ میں نے تھوڑی دیر بعد فاروقی صاحب سے اجازت لی اور فلیٹ واپس پہنچ گیا۔ استاد جمو نے مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ کافی دن کے بعد جو واپسی ہوئی تھی۔

دوسرا دن پُرسکون گزرا کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ بدرشاہ بھی فلیٹ پر آیا تھا۔ تیسرے دن میں فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ کام نمٹانے کے بعد جب میں فلیٹ پر پہنچا تو مجھے علم ہوا کہ اندر بیرسٹر نصرت حسین میرا انتظار کر رہے ہیں ان کے ساتھ کوئی خاتون بھی ہیں۔ ایک لمحے کے لیے جی چاہا کہ پلٹ کر بھاگ جاؤں کہیں نیلوفری کو نہ پکڑ لائے ہوں لیکن ظاہر ہے یہ ممکن نہیں تھا چنانچہ ڈرتا جھجکتا فلیٹ میں داخل ہو گیا بیرسٹر نصرت حسین کے ساتھ بیگم نواب کو دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اوہو۔ شارق حسین دیکھ لو۔ میں تمہارے پاس پہنچ گئی"۔

"ہیلو بیگم صاحبہ۔ کیسے مزاج ہیں آپ کے"؟

"بالکل ٹھیک ہوں۔ ان سے ملو بیرسٹر نصرت حسین ہیں۔ اس کیس کے سلسلے میں، میں نے ان کی خدمات حاصل کی ہیں۔ کسی زمانے میں یہ نواب نیاز احمد کے ساتھ رہ چکے ہیں"۔

"خوب۔ ان سے مل کر مجھے ہمیشہ بہت خوشی ہوتی ہے بیگم صاحبہ"۔

"گویا تمہاری ملاقات پہلے بھی ہے"؟

"بیرسٹر صاحب نے آپ کو نہیں بتایا"؟ میں نے سوال کیا۔

"میں فضول باتیں کرنے سے گریز کرتا ہوں"۔ بیرسٹر نصرت حسین نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"اوہو۔ بھئی لگتا ہے تم دونوں کے درمیان کافی گہری شناسائی ہے بہرطور میں اس شناسائی کی تفصیلات نہیں پوچھوں گی کیونکہ یہ میرا شعبہ نہیں ہے۔ ہاں بیرسٹر صاحب یہی وہ شارق حسین ہیں جن کے بارے میں، میں نے آپ کو تفصیلات بتائی تھیں"۔

"جی ہاں جانتا ہوں۔ سمجھ چکا تھا"۔ بیرسٹر صاحب نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کمال ہے آپ نے اظہار بھی نہیں کیا اس کا"۔

"بس کچھ ایسے ہی معاملات ہیں بیگم صاحبہ جن کی وجہ سے میں نے اظہار مناسب نہیں سمجھا تھا لیکن آپ ان سے یہ تو پوچھ لیجئے کہ یہ اس سلسلے میں میرے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہیں یا نہیں"۔

"کیوں نہیں بیرسٹر صاحب ایک مجرم کو سزا مل رہی ہے اور ایک بے گناہ کی بے گناہی منظرِ عام پر آ رہی ہے اس نیک کام میں، میں آپ کا ساتھ کیوں نہیں دوں گا"۔

"لیکن مجھے تعجب ہے کہ تم نے بیگم صاحبہ کو اس کیس کے سلسلے میں اپنی خدمات کیوں نہیں پیش کیں"؟

"کیا مطلب"؟ میری بجائے بیگم صاحبہ نے خود چونک کر کہا۔

"مطلب یہ ہے بیگم صاحبہ کہ شارق حسین خود بھی ایک قابل وکیل ہیں اور باقاعدہ وکالت کرتے ہیں"۔

"ایں"! بیگم صاحبہ حیرت سے اُچھل پڑیں۔

"بیگم صاحبہ میں اگر چاہتا تو آپ کو یہ پیش کش کر سکتا تھا لیکن اس بات کے اعتراف میں، میں ذرا بھی عار نہیں محسوس کرتا کہ میری اور بیرسٹر نصرت حسین صاحب کی شخصیت میں زمین آسمان کا فرق ہے کہاں میں اور کہاں یہ۔ آپ کو یہ کیس اتنے ہی بڑے وکیل کو دینا چاہیے تھا میں اس سلسلے میں نامناسب ثابت ہوتا کیونکہ میں ایک معمولی سا وکیل ہوں ہاں اگر آپ اپنے طور پر یہ جان کر کہ میں بھی وکالت کرتا ہوں یہ کیس میرے سپرد کرتیں تو میں اس کا خیر مقدم کرتا لیکن آپ یقین جانیے اس سلسلے میں، میں آپ سے اس بالکل متفق ہوں کہ یہ کیس بیرسٹر نصرت حسین جیسے قابل بیرسٹر کو لڑنا چاہیے"۔

"بہرحال بھئی میں نہیں جانتی کہ تم لوگوں کے درمیان کیا چپقلش ہے۔ تمہارے لہجے خوش گوار نہیں اس معاملے سے نمٹ لوں تو جاننے کی کوشش کروں گی۔ بہرحال میں نے تمہاری خواہش کے مطابق تم سے ملاقات کرلی ہے ویسے میں ہوٹل مہران کے کمرہ نمبر تین سو بیس میں مقیم ہوں چاہو تو مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو میں تمہارا خیر مقدم کروں گی"۔

شارق حسین کل آپ مجھ سے میرے دفتر میں آکر مل سکتے ہیں"؟ بیرسٹر نصرت حسین نے سوال کیا۔

"کس وقت حاضر ہو جاؤں جناب"؟ میں نے پوچھا۔

"بہتر ہوگا کل دوپہر ڈھائی بجے"۔

"میں حاضر ہو جاؤں گا"۔ میں نے جواب دیا۔

"اگر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو میں آپ کے دفتر پہنچ جاؤں"۔

"جی نہیں۔ اتنی گستاخی کی جرأت زندگی بھر نہیں کر سکتا اور نہ کروں گا"۔ میں نے جواب دیا اور بیرسٹر صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیگم صاحبہ جرأت تو نہیں کر سکتا لیکن خواہش ضرور رکھتا ہوں کہ آپ میرے گھر تشریف لائی ہیں تو چائے کی ایک پیالی..."

"نہیں شارق اطمینان سے بیٹھوں گی تمہارے ساتھ۔ اطمینان سے آؤں گی تمہارے پاس وعدہ کرتی ہوں۔ میرا ضمیر مجھے مسلسل زخمی کیے جا رہا ہے کہ میں نے اس سلسلے میں تساہل کیوں برتا؟ آہ۔ اس شریف آدمی سے میں کیسے آنکھیں ملاؤں گی۔ جو میری وجہ سے چودہ سال قید بامشقت بھگت چکا ہے"۔

"کیا آپ اس سے ملاقات نہیں کریں گی بیگم صاحبہ"؟

"نہیں بیرسٹر صاحب ہرگز نہیں میں یہ جرأت نہیں کر پاؤں گی۔ اب یہ معاملات آپ کے سپرد ہیں آپ جس طرح بھی مناسب سمجھیں کارروائی کریں"۔

"اچھا۔ پھر ہمیں اجازت دیں شارق صاحب"۔ نصرت صاحب نے کہا اور میں نے گردن خم کر دی۔ بیگم نواب نے حیرت سے ہم دونوں کو دیکھا کیونکہ نصرت حسین نے جاتے ہوئے مجھ سے ہاتھ بھی نہیں ملایا تھا۔ بہرطور وہ دونوں باہر نکل گئے اور میں دل ہی دل میں ہنسنے لگا مجھے اس پر ذرہ برابر بھی اعتراض نہیں تھا کہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب، بیگم صاحبہ کا کیس لڑیں میرا مقصد تو کچھ اور ہی تھا جو پورا ہو گیا تھا۔

دوسرے دن میں فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ وہ دفتر میں موجود تھے میرا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کیا اور اس کے بعد مختلف موضوعات پر دو چار باتیں ہوئیں پھر میں نے انھیں بتایا کہ رات کو بیگم نواب میرے پہنچ گئی تھیں۔

"بیگم نواب نے یہ کیس بیرسٹر نصرت حسین کے سپرد کیا ہے۔ اُنھوں نے اس غریب مصنف کا حوالہ بھی دیا جو آن کی زندگی پر ایک کتاب مرتب کرنا چاہتا تھا لیکن دوسرے چکر میں پھنس کر نواب جہانگیر مرزا کو پھنسا بیٹھا۔ بیرسٹر صاحب نے یہ نہیں بتایا تھا کہ شارق حسین سے ان کے تعلقات کیسے ہیں۔ وہ بیگم نواب کے ساتھ میرے پاس پہنچے اور مجھ سے تعاون کی فرمائش کی"۔

"تم نے کیا جواب دیا"؟

"میں نے انکار کر دیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں اس سلسلے میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا"۔

فاروقی کا چہرہ لٹک گیا "یہ بہتر نہیں کیا تم نے۔ معاف کرنا شارق میاں یہاں تم نے بڑے پن کا ثبوت نہیں دیا"۔

"یعنی کمال ہے۔ میں نے اتنی محنت کی اور اس کے بعد میں یہ کیس بیرسٹر نصرت حسین کے حوالے کر دیتا۔ یہ کیسے ممکن تھا فاروقی صاحب"۔

"نہیں بھئی ہمارے تمہارے درمیان تو اس موضوع پر گفتگو ہو چکی تھی اور یہ بات طے پائی تھی کہ اصل مسئلہ حفیظ الدین کی رہائی کا ہے۔ ہمیں اس سے کیا دلچسپی کہ سہرا ہمارے سر بندھے"۔

"ارے آپ فکر نہ کریں میں نے بیرسٹر صاحب کو پورے تعاون کا یقین دلایا ہے اور آج ڈھائی بجے ان کے دفتر پہنچ کر تمام چیزیں ان کے حوالے کر دینی ہیں"۔ فاروقی صاحب کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں فاروقی صاحب کے دفتر سے نکل کر جیل پہنچ گیا جہاں وقار صاحب موجود تھے مجھے دیکھ کر معمول کے مطابق مسکرائے اور بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"حفیظ الدین کا مسئلہ اللہ کے فضل و کرم سے حل ہو گیا"۔

"ویری گڈ" کیا رہا"؟

"وہ بے گناہ ہے اور انشاءاللہ بے گناہ یہاں سے رہا ہوگا"۔

وقار صاحب مجھ سے تفصیلات معلوم کرتے رہے پھر انھوں نے حفیظ الدین کو بلایا اور میں نے اُسے بھی مختصر صورتِ حال بتا دی لیکن تفصیل نہیں بتائی۔ وہاں سے رخصت ہونے کے بعد میں بیرسٹر صاحب کے دفتر کی جانب بڑھا۔ وہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں اندر داخل ہوا تو انھوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب مجھے اس سلسلے میں وہ تمام تفصیلات بتاؤ جو تم نے اپنے ذہن میں رکھی ہیں"۔ بیرسٹر نصرت حسین بولے۔

"تفصیل کوئی خاص نہیں ہے بھائی جان مختصراً واقعات آپ کے علم میں آچکے ہیں"۔ اور میں نے عالم پور اور فرحت پور میں پیش آنے والے واقعات کسی قدر قطع برید سے انھیں کہہ سنائے۔

انھوں نے عجیب سے انداز میں میری صورت دیکھتے ہوئے

کہا۔ "تمہارا بے حد شکریہ کہ تم نے نہایت دیانتداری سے یہ تمام تفصیلات مہیا کر دیں۔ میرا خیال ہے حفیظ الدین کی بے گناہی اور جہانگیر مرزا اور شرف الدین کی اس سلسلے میں ملوث ہونے کی اس سے بڑی نشاندہی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایک سوال اور میرے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔"

"کیا بھائی جان؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہیں اس سے کیا ملا؟ تم اگر چاہتے تو بیگم نواب سے معاملہ طے کر سکتے تھے اور اُن سے بہترین معاوضہ لے سکتے تھے ظاہر ہے اگر تم اُن سے یہ بات کہتے اور اُنھیں یہ بتا دیتے کہ تم وکیل ہو تو وہ تمہارے علاوہ کسی اور کو اس سلسلے میں بہتر نہ سمجھتیں۔ مجھے تو اس سے فائدہ ہوگا لیکن تمہیں ان تمام کوششوں سے کیا حاصل ہوا؟ میں یہ جاننا چاہتا ہوں؟"

"نہیں بھائی جان! آپ یہ نہیں جان سکیں گے اگر آپ جان سکتے تو جان لیتے اور مجھ سے اس بارے میں سوال نہ کرتے۔"

"میں اسے دیوانگی سمجھتا ہوں۔"

"آئی جی صاحب کے کئی بیٹے ہیں اگر اُن میں سے ایک دیوانہ ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے بھائی جان میں اپنی اس دیوانگی میں مست ہوں۔ آپ نہیں سمجھتے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ایک پُر مشقت قید بسر کرنے والا حفیظ الدین جس کے دو بیٹے اور ایک بیوی ہے۔ رہائی کی گھڑیوں کے قریب آ چکا ہے وہ رہا ہو جائے گا لیکن اپنا مجرم چہرہ لے کر اپنے بیٹوں کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔ اس کی آرزو تھی کہ جیل کے بامشقت سال گزارنے کے بعد وہ اپنی بیوی اور بچوں کے درمیان پہنچے لیکن وہ اس بات سے ہراساں تھا کہ وہ لوگ تاحیات اُسے مجرم سمجھتے رہیں گے اور ایک مجرم کا چہرہ ہمیشہ اُن کے سامنے رہے گا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ مجرم چہرہ لے کر اپنی اولاد کے سامنے نہ جائے اور میں نے اُس کی یہ خواہش پوری کی ہے اُس کے عوض مجھے کیا ملا کاش آپ سمجھ سکتے۔"

بیرسٹر صاحب سے نگاہیں ملیں تو اُنھوں نے نظریں جھکا لیں۔ سمجھتے تو سب ہیں عمل کرنا ذرا مشکل ہوتا ہے چند لمحے خاموشی رہی پھر وہ بولے۔

"شارق میں قدر کرتا ہوں تمہارے جذبات کی لیکن مستقبل بھی ہے اور زندگی ایک دیلیت سحر کی مانند جس میں آبیاری کر کے گلکاری نہ کرو تو تمام زندگی ویران ہو جاتی ہے جذبات انسانی زندگی سے گہرا تعلق رکھتے ہیں لیکن صرف جذباتیت سے کام نہیں چلتا بیٹے اپنے لیے بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ تم اپنے مستقبل پر بھی نگاہ رکھو۔"

"ایک منٹ بھائی جان ایک منٹ! کیا یہ الفاظ آپ دوبارہ دہرانا پسند کریں گے؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"آپ نے کہا ہے کہ ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ میں مستقبل پر نگاہ رکھوں گویا آپ اسے نیکی سمجھنے کے لیے تیار ہیں۔"

"بھئی مجھ سے وکیلانہ بحث مت کرو۔ بہرطور یہ اچھا کام ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے بلکہ ہم سب تمہارے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں اپنے لیے بھی تو کچھ کرو۔"

"بہت کچھ کر رہا ہوں بھائی جان، وقت آنے دیجیے آپ دیکھیں گے کہ اس بہت کچھ میں بھی میں پیچھے نہیں رہا۔"

"اس کیس کے سلسلے میں مجھے اسسٹ کر سکتے ہو؟ مجھے حسد ہوتا ہے فاروقی صاحب سے جو کل تک جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے آج بہت بڑے وکیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اُنھیں یہ عزت یہ وقار یہ نام صرف تمہاری وجہ سے ملا ہے۔"

"میری وجہ سے اگر کسی کو کچھ مل جائے بھائی جان تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے سبھی اپنے اپنے لیے کچھ چاہتے ہیں۔ میری سوچ میں اتنا سا فرق ہے کہ میں دوسروں کے لیے بھی کچھ چاہتا ہوں۔"

"بہرحال تمہیں ابا میاں مجبور نہیں کر سکے تو میں کیا کروں گا کوٹھی سے تمہارے چلے آنے کے بعد گھر میں ایک دُکھ کی سی فضا پھیلا ہو گئی ہے ہم سب ہنستے ہنستے خاموش ہو جاتے ہیں کیونکہ اس ہنسی میں تم شریک نہیں ہو۔ تم ہمارے پاس نہیں ہو۔"

"آشیانے کو آشیانہ بنا دیجیے لاء ہاؤس نہ بنائیں، پھانسی گھر نہ بنائیں تو تمام چڑیاں یکجا ہو جائیں گی۔ آشیانے کے نام پر جیل خانہ بنا کر آپ لوگوں نے اس کا نام آشیانہ رکھ دیا ہے مجھے اسی سے اختلاف ہے۔"

بیرسٹر صاحب خاموش ہو گئے۔ کافی دیر تک یہ خاموشی طاری رہی پھر وہ بولے۔ "میں وارنٹ وغیرہ حاصل کر رہا ہوں ان دستاویزات کے حصول کے بعد مجھے اس میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ اس سلسلے میں اگر تمہاری کوئی اور رائے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"رائے نہیں بھائی جان ایک خواہش ہے اگر پوری کر دیں گے تو میری ان محنتوں کا صلہ ہوگی۔"

"ہاں ہاں کہو کیا بات ہے؟"

"عالم پور میں حفیظ الدین کے سسرال والے موجود ہیں ان کا پتا میں آپ کو دیے دیتا ہوں حفیظ الدین کے سسر کا نام خیر الدین ہے

اُس کا سالا فخر الدین اور اُس کی بیوی قدسیہ اور دو بیٹے۔ ان پانچ افراد کو آپ سرکاری طور پر اور اپنے خرچ پر یہاں بلا لیں جتنی پیشیاں ہوں اُن کے سامنے ہوں اگر یہ کیس میں لڑتا تو پہلا کام یہی کرتا اور اب یہ خواہش میں آپ سے کر رہا ہوں۔"

"نہیں نہیں یہ کوئی مسئلہ نہیں میں اُن لوگوں کو سرکاری طور پر طلب کر لوں گا اطمینان رکھو یہ سب کچھ اُن ہی کی موجودگی میں ہوگا۔"

"بس میرا معاوضہ یہی ہوگا بھائی جان۔ میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو آپ فوراً بتا دیجیے۔"

"اگر کسی کیس کے سلسلے میں کبھی مجھے تمہاری ضرورت پیش آئے تو کیا تم میری مدد کرنے پر آمادہ ہو گے؟"

"دل و جان سے یہ کام تو آپ میرا کان پکڑ کر مجھ سے لے سکتے ہیں جگہ تبدیل ہو گئی ہے بھائی جان خون تو نہیں بدلا۔"

"کیا پیو گے؟" بیرسٹر صاحب نرم لہجے میں بولے۔

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی اور بس۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں چائے پی لو میرے ساتھ... کھانا کھا چکے ہو؟"

"دوپہر کا کھانا نہیں کھاتا آج کل غریب آدمی ہوں بس ناشتا کیا اور رات کا کھانا کھا لیا۔"

"بکواس مت کرو۔ اب اتنے غریب بھی نہیں ہو سکتے تم فاروقی صاحب کی دُکان خوب چل گئی ہے اس دُکان داری میں سے کچھ وہ تمہیں بھی دیتے ہوں گے۔"

"اجازت دیجیے۔"

"نہیں چائے پیو۔" اُنھوں نے کہا اور پھر اُنھوں نے مجھے چائے کے بعد ہی رخصت کیا تھا۔

میں اپنے اس کام سے فارغ ہو گیا تھا اور اب اس سلسلے میں مجھے اور کوئی پریشانی لاحق نہیں تھی۔ مجھے اب کسی دوسرے مسئلے کی تلاش تھی فی الحال اور کوئی بات ذہن میں نہیں آئی۔ فاروقی صاحب کے دفتر میں نشستیں ہوتی رہیں ان کے ہاں اُس وقت کافی کام رہتا تھا اُنھیں اچھی خاصی شہرت حاصل ہو گئی تھی بعض لوگ مجھ سے بھی متاثر تھے اور براہ راست میرے ذریعے کوئی کام کرانا چاہتے تھے بہرحال ایسے تمام سلسلے جو صرف مقدمے کی حد تک ہوں اور اُن میں کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوتی ہو میرے لیے ہمیشہ قابلِ قبول رہتے تھے۔ چنانچہ یوں یہ کام جاری رہا اور میں فاروقی صاحب کی معاونت کرتا رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی بیرسٹر صاحب پر بھی توجہ دینا ضروری تھی تاکہ یہ اندازہ ہو کہ وہ اس سلسلے میں کیا کچھ کر رہے ہیں تقریباً چھ یا سات دن کے بعد میں بیرسٹر نصرت حسین سے ملا اور اُنھوں نے میرا پُر جوش خیر مقدم کیا۔

"آؤ شارق کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں۔ کارروائی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"بڑی دلچسپ خبریں ہیں بھئی نواب جہانگیر مرزا کو گرفتار کر کے جیل ریمانڈ حاصل کر لیا گیا ہے۔ تھانے کی حد تک ہم اُنھیں نہیں چھوڑ سکتے تھے کیونکہ صاحب اثر آدمی ہیں دقت تو یہ ہے شارق کہ آج کل کسی بڑی شخصیت کو کسی جرم میں ملوث کرنا انتہائی مشکل ہو گیا ہے بڑے بڑے لوگ مداخلت کرنے لگتے ہیں اگر جہانگیر مرزا کے سلسلے میں ہمارے پاس اتنے ٹھوس ثبوت موجود نہ ہوتے تو اب تک جانے کیا ہو چکا ہوتا۔ کہاں کہاں سے اُن کی سفارشیں آ رہی ہیں اور پولیس کے لیے مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ پہلی پیشی ہی پر کافی کام کرنا پڑے گا ورنہ جہانگیر مرزا پر قبضہ باندھے رکھنا مشکل ہو جائے گا میں نے اس سلسلے میں کافی کارروائیاں کی ہیں تم چاہو تو اُن کی تفصیلات دیکھ لو۔"

"ضرور دیکھنا پسند کروں گا۔" میں نے جواب دیا اور بیرسٹر نصرت حسین نے اپنا تیار کیا ہوا فائل میرے حوالے کر دیا۔ بلاشبہ میرے لیے یہ خاصا دلچسپ تجربہ تھا۔ بیرسٹر صاحب کی قانونی حیثیت بہت مستحکم تھی اور اُنھوں نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا تھا اُس سے مجھے تجربہ ہی حاصل ہوا۔ فائل دیکھنے کے بعد میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی اور اُسے واپس بڑھا دیا۔

"گویا پہلی پیشی کافی اہم رہے گی؟"

"ہاں۔ یوں سمجھ لو پہلی ہی پیشی میں ہمیں یہ ثابت کر دینا ہے کہ ہم نے کسی غلط آدمی پر ہاتھ نہیں ڈالا بلکہ صحیح مجرم کو ٹریس آؤٹ کیا ہے۔ تمہیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ بیگم ارجمند بانو کا ایک نمائندہ میرے پاس پہنچا تھا اور اُس نے مجھے زبردست پیشکش کی کہ... اس کیس کو کمزور کر کے ختم کرنے کی کوشش کی جائے یہ بھی کہا گیا کہ ایک بے گناہ اس جرم کی پاداش میں پوری سزا بھگت چکا ہے اس کے لیے اگر کوئی مراعات درکار ہوں تو ارجمند بانو وہ بھی دینے کے لیے تیار ہیں اُسے اُس کی ساری زندگی کی سزا کا معاوضہ دے دیا جائے گا اس مسئلے کو جوں کا توں ختم کر دیا جائے۔ جانے کیا کیا کچھ کہا گیا مجھ سے لیکن میں نے اُسے قبول نہیں کیا اور یہ مناسب بھی نہیں تھا کیونکہ جس سلسلے میں تم نے اتنی محنت کی ہو اُسے ملیا میٹ بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ "کتنی رقم کی پیشکش

ہوئی تھی بھائی جان؟"

"پانچ لاکھ سے دس لاکھ روپے تک۔" بیرسٹر نصرت حسین نے اس طرح کہا جیسے انھیں یہ رقم ضائع ہونے کا افسوس ہو... میں نے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی کیفیت دیکھی تھی اور خود اپنے آپ سے شرمندہ ہو گیا تھا۔ واقعی بڑے عجیب حالات تھے سوچنے کے انداز میں بڑا فرق تھا میرے اور بھائی جان کے۔ لیکن وہ مجھ سے مزید کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکے تھے۔

"فخر الدین اور خیر الدین وغیرہ آ چکے ہیں؟"

"ہاں۔ ان کے اخراجات کا بل کیا تمہیں دے دیا جائے؟"

"کہاں قیام ہے ان کا؟"

"ہوٹل میں ٹھہرایا ہے میں نے انھیں۔ ملنا چاہو تو بتا دوں؟"

"نہیں، میرا خیال ہے عدالت میں ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ آپ کے کیس میں مجھے ایک تماش بین کی حیثیت سے آنے کی اجازت تو مل ہی جائے گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" بیرسٹر صاحب نے جواب دیا۔ جانے کیوں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن کہہ نہیں پا رہے مگر وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے اس کا اندازہ میں لگا سکتا تھا اگر یہ الفاظ کہہ دیتے تو شاید ہمیشہ کے لیے میری نگاہوں میں گر جاتے شکر تھا کہ انھوں نے اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کی اور تھوڑی دیر تک ان کے ساتھ بیٹھنے کے بعد اور انھیں ہدایت دینے کے بعد میں وہاں سے رخصت ہو گیا۔

بیگم ارجمند بانو نے شہر کے ایک بہت بڑے وکیل کو نواب جہانگیر مرزا کے دفاع کے لیے مقرر کیا تھا یہ ثناء الدین صاحب تھے بیرسٹر صاحب نے بتایا کہ ثناء الدین نے ان سے ملاقات کی اور اس سلسلے میں معلومات حاصل کیں تو بیرسٹر صاحب نے ان سے کہا کہ یہ کیس ان کے لیے مناسب نہیں ہوگا کیونکہ تمام ثبوت انتہائی ٹھوس ہیں اور ان کی تردید ممکن نہیں ہے۔ بہرطور ثناء الدین صاحب کو یہ کیس لڑنا ہی تھا۔ معاملات چلتے رہے اور پھر بیرسٹر صاحب نے بنفسِ نفیس مجھے اطلاع دی کہ عدالت میں پہلی بار جہانگیر مرزا کی پیشی ہو رہی ہے میں کل پہنچ جاؤں۔

کمرۂ عدالت میں فاروقی صاحب، جاوید قریشی اور میں تینوں ہی موجود تھے ہم نے ایک گوشے میں خیرالدین، فخر الدین، قدسیہ اور ان کے دونوں بیٹوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ آج وقار صاحب خود جیل سے یہاں تشریف لائے تھے اور اس کیس میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے۔ حفیظ الدین کو کمرۂ عدالت میں لایا گیا پھر نواب جہانگیر مرزا اور شرف الدین بھی آ گئے لیکن حفیظ الدین، شرف الدین کو دیکھ کر حیرت سے اچھل پڑا۔ اس نے ان لوگوں سے کچھ کہا جو اسے پابہ زنجیر کر کے لائے تھے غالباً وہ شرف الدین سے ملنا چاہتا تھا لیکن اسے اجازت نہیں ملی۔

اس نے کٹہرے میں اپنی بیوی، سسر اور سالے کو بھی دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں ان دونوں بچوں پر جم گئیں جو اس کے اپنے تھے اور جنھیں اس نے جانے کب سے نہیں دیکھا تھا دونوں بیٹے تقریباً جوان ہو گئے تھے اور حفیظ الدین کی صورت سے مشابہ تھے۔ بہرحال یہ جذباتی کیفیت مجھ پر بھی طاری رہی اور پھر بیرسٹر نصرت حسین کی گرج دار آواز جج صاحب کے سامنے ابھری۔ وہ اس کیس کی تفصیلات بتا رہے تھے۔

"معزز عدالت کے سامنے ایک ایسے غلط فیصلے کو لانا چاہتا ہوں جس نے ایک بے گناہ شخص کو چودہ سال قیدِ بامشقت کی سزا بھگتنے پر مجبور کر دیا اس کی کوئی دادرسی نہیں ہو سکی اور غلط شواہد نے عدالت کو غلط فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ یہ بے گناہ شخص چند روز کے بعد اپنی سزا پوری کرنے کے بعد رہا ہونے والا ہے لیکن اس کے دل میں آرزو تھی کہ وہ ایک مجرم کی حیثیت سے اس دنیا کے سامنے نہ جائے بلکہ اگر ہو سکے تو اس کی بے گناہی کو منظرِ عام پر لایا جائے اور وہ ایک بے گناہ کی حیثیت سے رہا ہو۔ جناب والا! اس نے استدعا کی اور اس سلسلے میں خفیہ طور پر تحقیقات کی گئیں تو ثابت ہوا کہ وہ قاتل نہیں تھا جرم کسی اور نے کیا اور سزا اسے بھگتنی پڑی جناب والا۔ میں اصلیت کو منظرِ عام پر لانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد اس عدالت سے اس فیصلے کا منتظر ہوں کہ حفیظ الدین، نواب نیاز احمد کا قاتل نہیں تھا بلکہ اسے بے گناہ پھنسا دیا گیا تھا۔ چنانچہ میں معزز عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ اس سلسلے کی تفصیلات پیش کرنے کی اجازت دے۔"

جہانگیر مرزا کے وکیل نے کھڑے ہو کر کہا: "جناب والا حیرت انگیز بات ہے معزز وکیل نے ایک ایسے کیس کو دوبارہ منظرِ عام پر لانے کی کوشش کی ہے جو پہلے ختم ہو گیا تھا چودہ سال پہلے مجرم کو سزا دے دی گئی تھی۔ کیا میں محرکات معلوم کر سکتا ہوں جس کی بنا پر نواب جہانگیر مرزا کو نواب نیاز احمد کے قتل میں چودہ سال کے بعد ملوث کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ کس کی دشمنی تھی جس نے چودہ سال کی خاموشی کے بعد اصل مجرم کو تلاش کیا اور اسے عدالت کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جناب والا! اس سلسلے میں صرف یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ بیگم نواب احمد مرحوم نے کسی ذاتی پرخاش کی بنا پر اس کیس کو دوبارہ کھلوایا ہے اور نواب جہانگیر مرزا

کو پھانسنے کی کوشش کی ہے چنانچہ میں معزز عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کیس کو مہمل قرار دے کر خارج کر دیا جائے۔"

بیرسٹر نصرت حسین گرجے۔ "جناب والا۔ محرکات پہلے ہی عرض کیے جا چکے ہیں اس کے لیے جیلر صاحب جناب وقار احمد کو بطورِ گواہ پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ انہی کی فرمائش پر اس کیس کا دوبارہ آغاز کیا گیا یہ فریاد ان سے حفیظ الدین نے کی جو اپنی قید بھگتنے کے بعد رہا ہونے والا تھا۔ وہ مجرم کی حیثیت سے اپنے بیٹوں کے سامنے نہیں جانا چاہتا اگر حقیقتاً وہ مجرم نہیں تو عدالت کا فرض ہے کہ وہ اسے ایک معزز شہری قرار دے کر اس دنیا میں جینے کی اجازت دے اگر وہ مجرم ثابت ہو جاتا ہے تو مسئلہ ہی کچھ نہیں رہتا میں اجازت چاہتا ہوں جناب والا کہ ان حقائق کو منظرِ عام پر لاؤں جن کی بناء پر حفیظ الدین کو مجرم قرار دیا گیا تھا۔"

ثناء الدین بولے: "حقائق صرف یہ ہیں کہ حفیظ الدین نے خود اقبالِ جرم کیا یہ اس پرانے کیس کی فائل کی نقل ہے جناب والا۔ اس کے تحت حفیظ الدین کو چودہ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔"

ثناء الدین صاحب نے فائل جج صاحب کے سامنے رکھ دیا۔ جج صاحب اس کی ورق گردانی کرنے لگے پھر انھوں نے کہا

"حفیظ الدین نے اقبالِ جرم کیا تھا جس کی بناء پر عدالت نے اسے سزا دی تو پھر اب اپنی قید کی تکمیل کرنے کے بعد اس کے دل میں یہ خواہش کیوں پیدا ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو بے گناہ کی حیثیت سے سامنے لائے؟"

"اس لیے جناب والا کہ جب یہ کیس چل رہا تھا خود بیگم نیاز احمد نے اپنے شوہر کے قتل سے دل برداشتہ ہو کر شدید غصے کے عالم میں یہ کوششیں کی تھیں کہ مجرم کو قرارِ واقعی سزا دی جائے اور یہ اس دنیا کا دستور ہے کہ غریب کی دادرسی مشکل ہو جاتی ہے۔ امارت کے سامنے وہ اپنے آپ کو بے بس پاتا ہے اور ایسے حقائق منظرِ عام پر نہیں لا سکتا جس کی بناء پر اس کی بے گناہی ثابت ہو سکے کچھ ایسی ہی الجھنیں درپیش تھیں کہ حفیظ الدین نے اپنے آپ کو مجرم تسلیم کر لیا لیکن آج جبکہ صورتِ حال واضح ہو چکی ہے تو کیا عدالت کا فرض نہیں کہ وہ اصل مجرم کی گردن ناپے کیا ایک شخص صرف اس بناء پر آزاد پھرتا رہے کہ اس نے اپنے اردگرد دولت کا مضبوط قلعہ قائم کر لیا ہے۔ میں معزز عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بات کو نظرانداز کر دے کہ حفیظ الدین نے اقرارِ جرم کیا تھا یا نہیں اگر اس کے سامنے ٹھوس حقائق لائے جائیں تو وہ ان حقائق کی روشنی میں فیصلہ دے۔"

یہ کام بیرسٹر نصرت حسین ہی کا ہو سکتا تھا کیونکہ وہ اپنے دور کے مانے ہوئے بیرسٹر تھے اور عدالت کو ایسی حقیقتوں سے روشناس کرا سکتے تھے جنھیں وہ خود نظرانداز کرانے کی کوشش کرے چنانچہ جج صاحب نے سنبھل کر کہا۔

"اجازت دی جاتی ہے تفصیلات پیش کی جائیں۔"

بیرسٹر نصرت حسین بولے۔ "جناب والا یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب نواب جہانگیر مرزا اپنی بُری عادتوں کی بناء پر جن میں جوا کھیلنا شامل ہے مالی بحران کا شکار ہو گئے تھے انھیں شدید مالی مشکلات درپیش تھیں اور اس وقت انھوں نے خفیہ طور پر بیگم ارجمند بانو کی جہاں آباد والی زمینوں کے عوض نواب نیاز احمد سے دو کروڑ روپے قرض لیے اور چھ ماہ میں ان کی واپسی کا وعدہ کیا لیکن یہ واپسی نواب جہانگیر مرزا کے لیے ممکن نہیں تھی چنانچہ انھوں نے اس دوران کوشش کی کہ وہ دستاویزات چرا لی جائیں جو نواب نیاز احمد کے پاس محفوظ ہیں نواب نیاز احمد کو اپنے خزانچی حفیظ الدین پر پورا پورا بھروسا تھا اور انھیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ دستاویزات چرانے کی کوشش کی جا رہی ہے چنانچہ انھوں نے دستاویزات حفیظ الدین کے پاس محفوظ کرا دیں کیونکہ حفیظ الدین کو ان کی حقیقت معلوم نہیں تھی اس لیے اس نے خاموشی سے انھیں اپنی بیوی قدسیہ بانو کے سپرد کر دیا۔ جب نواب جہانگیر مرزا کو یہ علم ہوا کہ دستاویز چرانا ممکن نہیں تو انھوں نے نواب نیاز احمد کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا اور اس کے لیے انھوں نے شرف الدین کا انتخاب کیا جو عالم پور ہی کے ایک شخص کی بیٹی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کا خواہش مند تھا نواب جہانگیر مرزا نے شرف الدین کو عالم پور میں تھوڑی سی زمینیں خرید کر دیں اور اسے اتنی دولت دی کہ وہ آرام سے زندگی بسر کرے ساتھ ہی اس لڑکی سے شرف الدین کی شادی کرا دی جس کے بدلے شرف الدین نے نواب نیاز احمد کو قتل کر دیا۔ قتل کے فوراً بعد شرف الدین کو نواب نیاز احمد کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا گیا اور اسے قاتل کی حیثیت سے گرفتار کر لیا گیا۔ شرف الدین حفیظ الدین کا سوتیلا بھائی ہے ماں نے مرتے وقت حفیظ سے کہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کا خیال رکھے۔ حفیظ الدین نے جب دیکھا کہ شرف الدین کی گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں تو اس نے یہ جرم اپنے سر لے لیا۔ اپنی رہائی سے قبل یہ درخواست کرتے ہوئے کہ اسے بے گناہ کی حیثیت سے منظرِ عام پر لایا جائے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اصل قاتل اس کا بھائی ہی نکلے گا۔ ورنہ شاید اپنی سزا پوری کرنے کے بعد بھی وہ کبھی

اس حقیقت کی نشاندہی نہ چاہتا۔ جنابِ والا! اس سلسلے میں پتا چلایا گیا کہ اصل قاتل کون ہے تو یہ حقیقت منظرِ عام پر آئی کہ نواب نیاز احمد کی موت کے بعد جہان آباد کی زمینیں جوں کی توں بیگم ارجمند یا بہ الفاظِ دیگر نواب جہانگیر مرزا کی تحویل میں۔ کیوں؟ جبکہ اِن کے عوض پرو نوٹ لکھ کر دیے گئے تھے اور ان میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ جہانگیر مرزا دو کروڑ روپے کے عوض یہ زمینیں رہن رکھ رہے ہیں پرو نوٹ ... سامنے جناب والا! یہ جہانگیر مرزا کے دوسری تحریروں کے نمونے ہیں اُن کے دستخط ہیں اور یہ پرو نوٹ ہیں جن میں زمینوں کے بارے میں تفصیلات لکھی گئی ہیں یہ زمینوں کے متعلق وہ کاغذات ہیں جن کے تحت یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ زمینیں بدستور بیگم ارجمند کی تحویل میں ہیں۔"

نصرت حسین نے پرو نوٹ اور دوسری اشیا جج صاحب کے سامنے رکھ دیں جج صاحب نے بغور اُنھیں دیکھا اور کیس جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

"جناب والا تحقیقات کے نتیجے میں جب یہ باتیں سامنے آئیں تو پھر ضرورت اس بات کی ہوئی کہ جہانگیر مرزا سے اس سلسلے میں اقرار کرایا جائے اور سان کا یہ اقرار اُن کی آواز اور تحریر کی شکل میں موجود ہے۔"

ٹیپ ریکارڈ عدالت کے سامنے لایا گیا اور کیسٹ پر جہانگیر مرزا کی آواز اُبھرنے لگی اس کے بعد وہ تحریر بھی جج صاحب کے سامنے رکھ دی گئی جو جہانگیر مرزا نے لکھ کر دی تھی۔

ثناء الدین صاحب کہنے لگے۔ "جناب والا ایک شخص چودہ سال پہلے ایک جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور چودہ سال کے بعد اقرار اور اپنی آواز بھی ریکارڈ کر دیتا ہے اور تحریر بھی لکھ کر دے دیتا ہے۔ کس طرح؟ آخر کس طرح؟"

"ہر شخص کا ایک طریقۂ کار ہوتا ہے، وکیل صاحب۔ پولیس تفتیش کرتی ہے اور اس سلسلے میں اسے مجرم کے گرد جال بُننا پڑتے ہیں۔ کیا پولیس کو اس کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی کارروائی کی تفصیل عدالت کے سامنے پیش کرے۔ یہ اُس کا اپنا طریقۂ کار ہوتا ہے عدالت کو صرف ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ آواز اور تحریر کس طرح حاصل کی گئی صرف یہ سوال کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے میں تمام ماہرین کو چیلنج کرتا ہوں کہ اس آواز کو غلط ثابت کر دیا جائے۔ یہ آواز نشے کے عالم میں ریکارڈ نہیں کرائی گئی نہ ہی یہ تحریر نشے کے عالم میں لکھوائی گئی ہے۔ میری درخواست ہے کہ عدالت اس کی تفتیش کر لے۔"

نصرت حسین شیر کی طرح گرج رہے تھے۔ ثناء صاحب پہلے ہی جانتے تھے کہ اِس کیس میں کوئی جان نہیں ہے اور نواب جہانگیر مرزا کو بچانا ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ اُن کا انداز شروع ہی سے دبا دبا سا تھا۔ سماعت ختم ہو گئی جو حقائق سامنے لائے جا چکے تھے اُن کی بنا پر اب یہ بات ممکن نہیں رہی تھی کہ ثناء الدین صاحب کوئی نیا پہلو نکالیں گے چنانچہ دوسری تاریخ مقرر کر دی گئی اور مجرموں کو جیل بھیج دیا گیا۔ میں اور دیگر تمام افراد اِس کارروائی سے پوری طرح مطمئن تھے میں بے حد خوش تھا لیکن اسی رات وقار صاحب نے مجھے ٹیلیفون کیا۔

"بھئی بڑی مشکل درپیش آ گئی ہے اب بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"کیا بات ہے؟"

"حفیظ الدین زار و قطار رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ کیا ہوا جس بھائی کے لیے اتنی لمبی سزا بُھگت چکا ہے وہ پھر پھنس گیا۔"

"کیا رات میں آپ مجھے حفیظ الدین سے ملاقات کی اجازت دے سکتے ہیں؟"

"بھئی کیسی باتیں کرتے ہو تمہارے لیے چوبیس گھنٹے حاضر ہوں۔ کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"بس تو میں ایک گھنٹے کے اندر اندر حاضر ہو رہا ہوں۔" میں نے کہا اور ٹیلیفون بند کر دیا۔

میں نے ہوٹل جا کر خیر الدین، فخر الدین اور قدسیہ سے درخواست کی کہ وہ میرے ساتھ جیل چل کر حفیظ الدین سے ملاقات کریں۔ حفیظ الدین اِس بات پر پریشان ہے کہ اُس کا بھائی پھر اس قتل کے الزام میں پھنس گیا۔ اب یہ آپ کا کام ہے قدسیہ بہن کہ حفیظ الدین کو سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ اس کی غیر موجودگی میں شرف الدین نے کس طرح اپنے بھائی ہونے کا ثبوت دیا۔ یہ ضروری ہے خیر الدین اور فخر الدین جو اِن حقائق کے سامنے آنے سے بے حد شرمندہ ہو گئے تھے فوراً ہی تیار ہو گئے اور میں اِس قافلے کو لے کر جیل کی جانب چل پڑا۔

وقار صاحب نے ہمارے لیے تمام بندوبست کر دیا تھا۔ ہم اُن کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے جہاں بیگم وقار نے بڑے احترام کے ساتھ ہمیں اپنے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ حفیظ الدین آ چکا تھا وہ اس وقت جیل کے لباس میں نہیں تھا بلکہ ایک اور لباس پہنے ہوئے تھا۔ وقار صاحب اُسے اپنے ساتھ لے کر اندر آئے تو وہ رو پڑا۔ خیر الدین نے اُٹھ کر اُسے گلے سے لپٹا لیا۔ فخر الدین بھی اُس سے چمٹ گیا تھا۔ قدسیہ سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے تمام پردہ وغیرہ ختم ہو گیا تھا حفیظ الدین اُن لوگوں سے فارغ ہوا تو اپنے بیٹوں سے لپٹ گیا اور ایسا بلک بلک کر رویا کہ دیکھنے والوں کے دل پانی پانی ہو گئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں جیلر صاحب، شارق بھائی خدا کے لیے میری مدد کرو۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ کہ میں اب کیا کروں؟" حفیظ الدین بدستور بلکتا رہا تب میں نے اُس سے سرد لہجے میں کہا۔

"جذبات، نیکیاں بے شک اِس دُنیا میں بہت بڑی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ہر چیز کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ میں کچھ نہیں کہتا اپنی بیوی سے پوچھو اپنے سسر اور سالے سے پوچھو کہ تمہاری اِس قربانی کے بعد شرف الدین کا رویّہ تمہاری بیوی اور بچوں کے ساتھ کیسا رہا۔ یہ لوگ بے کس اور لاچار انسانوں کی مانند ایک جگہ پڑے ہوئے تھے۔ فخر الدین اور خیر الدین ان کی کفالت کرتے تھے جب کہ شرف الدین عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا تھا۔ ان سے پوچھو اُس نے کبھی پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔ کچھ سوچا ان کے بارے میں، کچھ کیا۔ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی شرافت اور ایثار پسندی حماقت اور جہالت میں شمار کی جا سکتی ہے۔ تم ایک ایسے شخص کے لیے بلک رہے ہو جس نے تمہاری اِس قربانی کو محسوس بھی نہ کیا۔ تم بلکتے رہو جس نے تمہاری اس قربانی کو محسوس بھی نہ کیا۔ تم بلکتے رہو۔ ... کر مر جاؤ حقیقت منظرِ عام پر آ چکی ہے اور اب کوئی شرف الدین کو نہیں بچا سکتا۔ ہاں اب بھی تم اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ناانصافی کرنا چاہتے ہو تو جاؤ جا کر عدالت سے درخواست کرو کہ وہ شرف الدین کی بجائے تمہیں سزائے موت دے دے۔"

حفیظ الدین حیرت سے میری صورت دیکھ رہا تھا۔ وقار احمد صاحب بھی خاموش تھے پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"قدسیہ، شرف الدین نے کبھی تمہاری جانب توجہ نہیں دی؟"

قدسیہ کی ہچکیاں بندھ گئیں تب حفیظ الدین نے آہستہ سے کہا۔ "خدا کی مرضی میں کسی کا کیا دخل میں صرف اپنی ماں سے کیے ہوئے وعدے پر مجبور تھا لیکن میں ایک بار پھر مجبور ہو گیا ہوں میری ماں اب میں کیا کروں؟ ٹھیک ہے شرف الدین ٹھیک ہے۔ بدبخت تیری تقدیر میں یہی لکھا تھا تو میں کیا کروں مجبوری ہے۔"

ہم سب خوش ہو گئے گویا حفیظ الدین نے ہتھیار ڈال دیے تھے کافی دیر تک وقار صاحب کے ہاں نشست رہی وقار احمد نے ایک فیاضانہ پیش کش کی کہ اگر حفیظ الدین کی بیوی اور بچے مہمان کی حیثیت سے اُن کے پاس رہنا چاہیں تو اُنھیں خوشی ہوگی لیکن ابھی اُن سے معذرت کر لی گئی تھی۔ اُمید تھی کہ آئندہ پیشی میں حفیظ الدین کو باعزت رہا کر دیا جائے گا حالانکہ اس کی سزا میں اب اتنے مختصر دن رہ گئے تھے کہ رہائی کا یہ تصور ہی بے حد عجیب تھا اس سلسلے میں کوششیں بھی کی گئیں اور میری ملاقات بیرسٹر نصرت حسین سے بھی ہوئی بیگم صاحبہ ابھی یہیں مقیم تھیں اور حفیظ الدین کے مسئلے کو حل کرنے کے بعد فرحت پور جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ بہرطور اُن کے بیانات اس دوران حاصل نہیں ہوئے لیکن آئندہ پیشی میں حفیظ الدین کی رہائی کے سارے بندوبست ہو گئے۔

نصرت حسین صاحب نے وہ پوائنٹ تیار کر لیے جن سے وہ جج صاحب کو متاثر کر سکیں۔ جج صاحب کے لیے اب یہ ممکن نہیں تھا کہ تمام ثبوتوں کی روشنی میں حفیظ الدین کو زیادہ عرصے قید رکھ سکیں چنانچہ دوسری پیشی کا وقت آ گیا۔ نصرت حسین نے اس دن بڑے پُر زور دلائل پیش کیے۔ اُن کی تقریر بے حد جاندار تھی۔ اُنھوں نے کہا۔

"جنابِ عالی! عدلیہ کا تعلق کسی ایک فرد سے نہیں ہوتا کرسیِ عدالت پر بیٹھنے والا شخص اس ملک کے قوانین کا پوری طرح احترام کرتا ہے اور اگر ایک فیصلہ غلط حقائق کی روشنی میں غلط طریقے سے دے دیا جائے تو ذمہ داری صرف اسی شخص پر عائد نہیں ہوتی جو یہ فیصلہ سُنانے کا باعث ہو بلکہ پورا قانون اس میں ملوث ہوتا ہے۔ اگر معزز عدالت کو اب بھی اِس بات کا شبہ ہے کہ نواب نیاز احمد کے قتل میں جہانگیر مرزا اور شرف الدین کا ہاتھ نہیں تھا تو پھر مجھے بتایا جائے کہ وہ کون سے آسمانی ثبوت ہوں جن کی روشنی میں جج صاحب یہ فیصلہ کر سکیں میں سمجھتا ہوں جنابِ عالی! کہ حفیظ الدین کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے چودہ سال کی کوئی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی لیکن کیا اِس ظرف یہ گوارا کریں گے کہ اس عجیب مقدمے کے دوران حفیظ الدین جیل کی سلاخوں میں رہے کیا یہ اعلان نہیں کیا جائے گا کہ حفیظ الدین کو باعزت بری کیا جاتا ہے اور اُس کے ساتھ کی جانے والی زیادتی قانون کی زیادتی تصور کی جاتی ہے۔"

جج صاحب نے خاموشی اختیار کر لی اُنھوں نے ثناء الدین صاحب سے اِس سلسلے میں سوال کیا کہ اپنے موکلوں کی صفائی کے لیے کچھ اور کہنا چاہتے ہیں۔ ثناء الدین بے چارے خود مصیبت میں گرفتار تھے۔ ایک ایسا کیس اُن کے پاس تھا جس میں اب کوئی گنجائش نہیں تھی یوں سمجھا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ غلطی بھگت رہے تھے چنانچہ اُنھوں نے چند رسمی کارروائیاں کیں۔ حفیظ الدین کا بیان لیا اور آج اُس کے بیان میں وہ تمام صداقتیں پوشیدہ تھیں جن کا اِس کیس سے تعلق تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین نے شرف الدین سے سوال کیا۔

"شرف الدین تمام حقیقتیں سامنے آ گئی ہیں ایک فرشتہ صفت

انسان تمہارے جرم میں طویل قید بھگت چکا ہے وہ کل رہا ہو جائے گا ہر قیمت پر رہا ہو جائے گا خواہ اُس کے خلاف جرم ثابت ہو یا نہ ہو لیکن تم آنے والے کل کے بارے میں سوچ رہی دہ اب تم پر گزرنے والا ہے جس سے حفیظ الدین گزر چکا ہے کیا اب بھی اپنے ضمیر کو اس پر آمادہ نہیں پاتے کہ اپنی زبان سے حقیقت اُگل دو

" شرف الدین رو پڑا اُس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں " مجرم میں ہوں صرف میں جو اپنی ہوس میں اندھا ہو گیا تھا اپنے احساسات کا شکار ہو گیا تھا یہ حقیقت ہے کہ نواب جہانگیر مرزا نے مجھے لالچ دے کر وہ دستاویزات چرانے کے لیے کہا تھا اور جب میں اُن کے حصول میں ناکام ہو گیا تو نواب جہانگیر مرزا نے مجھے اس کے لیے مجبور کیا کہ میں نواب نیاز احمد کو قتل کر دوں اور میں نے نیاز احمد کو قتل کر دیا اس وقت جب میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو میں حواس باختہ ہو گیا تھا مجھے یقین نہیں تھا کہ میرا عظیم بھائی میرا جرم اپنے سر لے لے گا۔ آہ میں بدبخت اُس کے ایثار کی قدر نہ کر سکا۔ میں نے اپنی ماں جیسی بھابی اور اپنے بھتیجوں کا کوئی خیال نہیں کیا جرم کی سزا تو انسان کو ملنی ہی ہوتی ہے۔ آج میں اسی اسٹیج پر ہوں جس پر کل میرا بھائی تھا میں معافی نہیں مانگوں گا بھائی حفیظ الدین تم سے کیونکہ یہ لفظ اب مضحکہ خیز ہے میرے لیے۔ مجھے معافی نہیں ملنی چاہیے میں سزا چاہتا ہوں جج صاحب۔ ... میں سزا چاہتا ہوں "

شرف الدین پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ نواب جہانگیر مرزا کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ چند لمحوں کی کوششوں کے بعد اُنھوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا پیشی آئندہ تاریخ پر ملتوی کر دی گئی لیکن جج صاحب کے فوری احکامات کے تحت حفیظ الدین کو رہا کر دیا گیا قانون کی طرف سے حفیظ الدین سے معافی مانگی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اُس کی چودہ سال قید کا ایک جرمانہ مقرر کیا گیا جو سرکاری خزانے سے ادا کیا جاتا۔

حفیظ الدین اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ باہر نکل آیا اُس کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ میں بیرسٹر نصرت حسین کے پیچھے تھا۔ باہر نکلنے کے بعد اُس نے مجھے اِدھر اُدھر تلاش کیا اور پھر دوڑ کر میرے نزدیک پہنچا اور میرے پیروں سے لپٹ گیا۔

" ارے، ارے حفیظ الدین یہ کیا ... کیا کرتے ہو "

" اپنا قرض ادا کر رہا ہے شارق میاں۔ وہ فیس ادا کر رہا ہے جو تمہاری اِس محنت کی فیس ہے " برابر سے وقار احمد کی آواز سنائی دی۔ وہ شاید ابھی پہنچے تھے۔

" نہیں میرے بھائی۔ ہو سکے تو میرے حق میں صرف ایک دعا کرنا وہ یہ کہ میری تمام زندگی ایسے بے گناہوں کا انصاف طلب کرتے ہوئے گزرے جن کی دادرسی کہیں نہیں ہوتی "

میں نے کسی قدر بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا اور حفیظ الدین کو اُٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

بیگم صاحبہ آگے بڑھ کر بولیں " بھئی تمام حضرات آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ مجھے مایوس نہیں کرو گے "

" بیگم صاحبہ آج اس کی زحمت نہ کریں " بیرسٹر صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

" نہیں بیرسٹر صاحب میں جانتی ہوں کہ آپ لوگوں کا وقت بے حد قیمتی ہے لیکن اگر میری یہ درخواست قبول کر لی جائے تو مجھے بے حد مسرت ہو گی " وہ خاموش ہو گئے۔ باقی لوگوں نے بیگم صاحبہ کی دعوت قبول کر لی اور اس کے بعد ہم سب منتشر ہو گئے۔

میں نے اور فاروقی صاحب نے مل کر ہوٹل مہران جانے کا فیصلہ کیا اور پھر ساڑھے آٹھ بجے شب میں اور فاروقی صاحب ہوٹل مہران کے اس خصوصی حصے میں پہنچ گئے جس میں بیگم صاحبہ نے ضیافت کا انتظام کیا تھا۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھیں ہمارے علاوہ تقریباً تمام لوگ پہنچ چکے تھے۔ اُنھوں نے آگے بڑھ کر میرے گلے میں پھولوں کا ایک موٹا ہار ڈال دیا اور پھر میرے دونوں بازو پکڑ کر بولیں۔

" لڑکے تم خوش نصیب ہو کہ تم نے مجھ جیسی عورت کو بڑی کامیابی سے بے وقوف بنایا لیکن یقین کرو میں نے بے وقوف بن کر بھی دُنیا کی سب سے بڑی نعمت پائی ہے کہ تم جیسا ذہین نوجوان مجھے مل گیا۔ مجھے یہ بھی علم ہوا ہے کہ تم وکیل ہو اور بیرسٹر نصرت حسین کے بھائی ہو۔ کیسی حیرت انگیز بات ہے کہ میری نظرِ انتخاب بھی ایک ایسے ذہین نوجوان کے بھائی پر پڑی جو اپنے طور پر بھی بہت کچھ ہے۔ بیرسٹر نصرت نے بڑی فراخ دلی سے یہ اعتراف کیا ہے کہ جو کچھ اس کیس میں ہوا وہ صرف شارق کا مرہونِ منت ہے ورنہ اُنھوں نے کچھ نہیں کیا "

" یہ بھائی صاحب کی اعلیٰ ظرفی ہے ورنہ میں بھی تو انہی کا مرہونِ منت ہوں " میں نے بیرسٹر صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

" آؤ بیٹھو دل کی کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں تم لوگوں سے۔ خاص طور پر حفیظ الدین سے۔ اِسے میری کمزوری سمجھ لو یا بیماری کہ میں بالکل صاف دل اور صاف طبیعت کی مالک ہوں نفرت یا محبت کھل کر کرتی ہوں اور اس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ میں حفیظ الدین سے بے پناہ نفرت کرتی رہی ہوں اس لیے کہ میرے خیال میں اُس نے تنہا کیا تھا۔ اُس نے نیاز احمد کو مجھ سے چھین لیا تھا لیکن آج یہ بات

ظاہر ہونے کے بعد کہ حفیظ الدین بے قصور تھا میں اپنے دل میں انتہائی شرمندہ ہوں لیکن خود کو قصوروار نہیں سمجھتی قانون دھوکا کھا گیا۔ عدالت دھوکا کھا گئی تو میں کس گنتی میں شمار ہوں لیکن اب یہ علم ہو جانے کے بعد کہ حفیظ الدین بے گناہ ہے میں مخلصانہ پیش کش کرتی ہوں کہ فرحت پورے جانے کے بعد حفیظ الدین وہ تمام ذمہ داریاں سنبھال لے جو نواب صاحب کی موت سے پہلے اُس کے سپرد تھیں میں ان چودہ سالوں کے ایک ایک لمحے کا قرض ادا کرنے کی ذمہ دار ہوں حفیظ الدین کی تنخواہ اس کی ترقیاں سب کچھ اُس کے سپرد کی جائیں گی۔ میں حفیظ الدین سے درخواست کرتی ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کا اعلان کرے تاکہ مجھے خوشی ہو "

حفیظ الدین کا سر ممنونیت سے جھک گیا تھا اُس نے گلوگیر لہجے میں کہا " بیگم صاحبہ جس گھر سے میں نے زندگی اور عزت پائی اُس گھر کے مالک کو اس دُنیا سے دور کرنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر کیا کرتا اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ چھوٹے شرف الدین کی حفاظت کروں گا چنانچہ مجھے وہ گھناؤنا الزام اپنے سر لینا پڑا جس کا میرے تصور سے بھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر قبول کرتا ہوں میں تو آپ کا خادم ہوں جو آپ پسند کریں اُس کے لیے حاضر "

" شکریہ حفیظ الدین اِس بات سے میں یہ جائزہ لینا چاہتی تھی کہ تم نے مجھے معاف کیا ہے یا نہیں۔ تمہارا تمام حساب کتاب فرحت پور پہنچ کر ہو جائے گا۔ ہم لوگ یہاں سے ساتھ ہی چلیں گے "

حفیظ الدین خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اُس کے بعد بیگم صاحبہ میری جانب متوجہ ہوئیں اور بولیں۔

" تو جناب شارق صاحب دُنیا کی ذمہ دار عورتوں کی بائیوگرافی لکھتے ہوئے آپ نے مجھ پر جو عنایات کیں میں اُن کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور پیش کش کرتی ہوں کہ آپ میرے قانونی مشیر کا فرض بھی قبول کریں اس کے ساتھ ساتھ ہی میری بائیوگرافی مرتب کریں۔ میرے اور آپ کے درمیان ایک شرط لگ بان تھی چنانچہ میں وہ شرط ہار گئی ہوں لہٰذا یہ چیک قبول فرمائیے "

بیگم صاحبہ نے اپنے پرس سے ایک چیک نکالا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دس لاکھ روپے کا چیک تھا میں گھٹنا ٹیڑھی کر کے زمین پر گرنے لگا تو وہ ہنس کر بولیں۔

" مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کیجیے میں جانتی ہوں کہ آپ صرف دس لاکھ روپے کے تصور سے بے ہوش نہیں ہوں گے آپ بہت بڑے باپ کے بیٹے ہیں۔ بہت بڑی شخصیت ہیں آپ " بیرسٹر نصرت حسین منہ پھاڑ کر رہ گئے۔ فاروقی صاحب کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

میں نے کہا " بیگم صاحبہ جو جھوٹ میں نے بولا تھا اُس کا جرمانہ میں دس لاکھ روپے مقرر کرتا ہوں چنانچہ حساب برابر۔ میں نے دس لاکھ روپے شرط جیتنے کے لیے قبول کیے اور اس کے بعد آپ اُس جھوٹ کے جرمانے کے طور پر قبول کر لیجیے بے حد شکریہ "

" اگر تم مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے شارق اتنی بڑی ہوں عمر میں تم سے کہ تمہیں مجھے ذلیل کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ شرط کی جو رقم تم نے جیتی ہے وہ سو فی صد تمہاری ہے۔ براہِ کرم اس سے انکار نہ کرو ورنہ زندگی میں دوسری بار تم سے کبھی ملاقات نہیں کروں گی "

" بیگم صاحبہ یہ رقم بہت زیادہ ہے خواہ مخواہ آپ مجھے لکھ پتی بنائے دے رہی ہیں۔ لکھ پتی بن گیا تو پھر پتی بننا پڑے گا خدا کے واسطے مجھے میری مفلسی میں رہنے دیں "

" یہ تمہارا مسئلہ ہے میں کچھ نہیں جانتی میں نے پُرزور طریقے سے ایک شرط لگائی تھی اور تم نے وہ کر دکھایا چنانچہ یہ رقم مجھ پر واجب ہے۔ براہِ کرم اسے قبول کرو "

میں نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور پھر دس لاکھ روپے کا چیک بیگم صاحبہ کے ہاتھ سے لے کر فاروقی صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔

" فاروقی صاحب سنبھالیے اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہمیں حفیظ الدین کے کیس کے یہ دس لاکھ روپے ملے ہیں "

" نہیں یہ وہ شرط ہے جو میں نے اور تم نے لگائی تھی " بیگم صاحبہ نے دوسرے لوگوں کو شرط کی تفصیلات بتائیں۔

بیرسٹر صاحب عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ بہر طور اُس کے بعد یہ محفل کافی دیر تک جاری رہی اور پھر سب لوگ وہاں سے رخصت ہو لیے۔ فاروقی صاحب کو اُن کے مکان پر چھوڑنے کے بعد میں فلیٹ کی جانب چل پڑا۔ آج واقعی بڑی مسرت کا دن تھا مجھے اس کامیابی پر بے پناہ خوشی تھی۔ میرے جذبے رنگ لا رہے تھے اور لوگ میرا اعتراف کر رہے تھے اُنھوں نے یہ مان لیا تھا کہ میں تجارت کے لیے کام کر رہا ہوں۔ عمارت میں داخل ہوا تو اُستاد چھوٹے فلیٹ کے باہر اسٹول پر بیٹھے نظر آئے میں اُنھیں اس عالم میں دیکھ کر چونک پڑا تھا میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

" خیریت اُستاد یہاں کیسے ؟ "

" اندر بیگم صاحبہ موجود ہیں " اُستاد چھوٹے نے جواب دیا

" کون بیگم صاحبہ ؟ "

"اپنے آپ کو مسز شارق بتلاتی ہیں۔ دو بچے بھی ساتھ ہیں۔"

استاد چھوٹے نے مشتبہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ استاد؟"

"کچھ نہیں میاں ہم کیا کہہ سکتے ہیں ویسے کم از کم ہم سے چھپانا تو ضروری نہیں تھا۔"

"استاد... استاد کیا فضول باتیں کر رہے ہو آپ ہٹیئے ادھر سے" میں نے کہا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر سے ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ میرا دماغ چکرانے لگا۔ یہ کیا قصہ ہے؟ بے اختیار اندر داخل ہوا تو سامنے ہی ایک خاتون نظر آئیں نیلی شلوار اور قمیص میں ملبوس تھیں۔ چہرے پر میک اپ کیا ہوا تھا ایک بچہ کندھے سے لگا ہوا تھا دوسرا سو رہا تھا مجھے دیکھ کر انھوں نے گہری سانس لی اور میں نے انھیں دیکھ کر۔ وہ الماس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔ الماس آرا نیاز احمد

"تم" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں میں۔ مجھے معاف کر دیں سرتاج..... مجھے معاف کر دیں جو غلطی ہو گئی معاف کر دیں۔ میں آپ کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ دونوں بچے آپ کے لیے بلکتے رہتے ہیں۔ قصور میرا ہے آپ کی اولاد کا تو نہیں۔"

"کیا بکواس ہے الماس؟ کیا بک رہی ہو تم؟"

"آئے ہائے۔ کیسا زمانہ آ گیا۔ ارے صرف ماں ہی کا تو حق نہیں ہوتا اولاد پر باپ کا بھی کوئی حق ہوتا ہے۔ آپ نے اس طرح ہمیں چھوڑ دیا کہ خدا کرے کوئی کسی کو نہ چھوڑے اب بتائیں ہم کہاں بھٹکتے پھریں خدا کے لیے میرے لیے نہ سہی تو ان بچوں کے لیے واپس آ جائیے یا پھر مجھے یہاں رہنے کی اجازت دے دیجئے میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی میرے سرتاج" وہ ناک سے شوں شوں کرتی ہوئی بڑبڑائی۔

"الماس تھپڑ مار دوں گا میں۔ سمجھیں اچھا نہیں ہو گا۔ یہ استاد چھوٹے میرے بزرگ ہیں اور میں... میں استاد آپ یقین کریں یہ فراڈ لڑکی ہے۔ ایک بہت بڑی عورت کی بیٹی ہے صرف شرارتاً ایسا کر رہی ہے۔"

"نہیں میاں کیسی باتیں کر رہے ہو؟ عورت کی آنکھ میں اس وقت تک آنسو نہیں آتے جب تک اس کے دل کو چوٹ نہ لگے اور پھر یہ کوئی

بڑی بھی تو نہیں ہے اگر چھپ کر شادی کر لی ہے تو اعلان کر دو اس کا۔ اب تو تم پر ان تیل نہ کا تسلط نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے استاد آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہے۔ آپ آرام کیجئے میں اپنی ان مسز سے خود ہی بات کیے لیتا ہوں" میں نے کہا اور استاد واپس چلے گئے۔

الماس مسکراتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی تھی "سزا تو تمہارے لیے اس سے بڑی بھی سوچی جا سکتی تھی مگر کیا کروں وقت کم ہے بیگم نیاز احمد کے فرحت پور پہنچنے سے پہلے تم سے نمٹ لینا چاہتی تھی لیکن یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔"

"خدا کی بندی یہ بچے کس کے اٹھا لائی ہو؟" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"کرائے کے بچے ہیں ایک دن کے لیے لائی ہوں۔ کل واپس چلے جائیں گے لیکن تم یہ سوچ لو کہ کل یہ بچے یا کل نہ سہی تو پرسوں اور پرسوں نہ سہی تو کسی بھی وقت میرے ساتھ آشیانے پہنچ جائیں گے اور وہاں جا کر میں آئی جی صاحب سے کہوں گی کہ میں مسز شارق ہوں آپ کے بیٹے کی بیوی اور یہ اس کے دو بچے ہیں نتیجہ کچھ بھی ہو شارق میں نے نتیجے کی کبھی پروا نہیں کی ہے لیکن تمہارا کیا ہو گا۔ سوچ لو۔"

"مگر میرا قصور؟" میں نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

"جھوٹ، فریب، دغا، دھوکہ دہی یہ سب تمہارے قصور ہیں۔ مجھے کیوں نہیں بتایا تھا کہ تم کون ہو اور کس مقصد کے لیے کام کر رہے ہو مجھ سے بھی فراڈ کیا مسلسل اور پھر خاموشی سے وہاں سے چلے آئے یہ نہ ہوا کہ تفصیل بتا کر آ جاتے۔ مجھے معلوم نہ ہوتا تو میں اندھیرے میں رہتی نا اور تیسری بات یہ کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ بیگم نیاز کو تیار کر کے مجھے یورپ بھجوا دیں گے شارق صاحب ایک بات کان کھول کر سن لیجئے کتنے ہی بڑے کتنے ہی نیکو کار ہوں آپ میرا نام الماس ہے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پیٹوں گی کہ آپ بھی یاد رکھیں گے"

مجھے ہنسی آ گئی تھی میں نے نرم لہجے میں کہا "الماس میں اس مسئلے میں الجھا ہوا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ میرا قصور ہے کہ میں نے تمہیں بھی تفصیل نہیں بتائی لیکن اگر تفصیل بتا دیتا تو پھر یہ مزا کہاں سے آتا؟ باقی رہی یورپ والی بات تو اب بیگم نیاز احمد سے اتنے تعلقات ہو گئے ہیں کہ میں تمہاری سفارش کر کے ان سے وعدہ کرتا ہوں کہ پہلی فرصت میں تمہارے لیے ان سے بات کروں گا۔"

"صرف بات نہیں کرو گے بلکہ انھیں تیار کرو گے۔"

"انشاء اللہ میں انھیں تیار کر لوں گا۔"

"تم کب مل رہے ہو پھر؟"

"ایک ہفتے کے اندر اندر میں فرحت پور پہنچ جاؤں گا اور بیگم صاحبہ سے تمہارے سلسلے میں بات کروں گا۔"

"تو پھر میں چلتی ہوں خدا حافظ ذرا ایک بچے کو نیچے گاڑی تک پہنچا دو۔"

"گاڑی؟"

"ہاں میری ایک دوست کی گاڑی ہے یہ بچے بھی اسی کے ہیں کرائے پر اتنے خوب صورت بچے مل سکتے ہیں کہیں سے؟ میں نے سوچا بچے ہم دونوں کے شایان شان ہوں ورنہ کوئی بھی شبہ کر سکتا ہے۔"

"خدا تمہیں سمجھے الماس۔"

"خدا تو مجھے سمجھے گا لیکن تم اگر ایک ہفتے کے اندر اندر فرحت پور نہ پہنچے تو پھر میں تمہیں اچھی طرح سمجھ لوں گی۔" الماس نے کہا۔

میں ایک بچے کو کندھے سے لگا کر فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ الماس دوسرے بچے کو شانے سے لگائے میرے ساتھ تھی سیاہ رنگ کی ایک لمبی کار کھڑی ہوئی تھی جس میں ایک ڈرائیور بھی موجود تھا۔ میں نے الماس کو خدا حافظ کہا اور واپس فلیٹ کی جانب چل پڑا۔ جانتا تھا کہ استاد چھوٹے کو یہ یقین دلانے میں سخت مشکل ہو گی کہ وہ بچے میرے نہیں تھے اور نہ وہ میری بیوی تھی لیکن الماس شرارتوں کی انتہا پر پہنچی ہوئی عجیب و غریب لڑکی تھی۔ میں اس کے بارے میں سوچتا ہوا دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ استاد نے سوجے منہ کے ساتھ دروازہ بند کر دیا تھا۔

شاید آپ ان الفاظ کو مبالغہ آرائی تصور کریں یا جذباتی کیفیت سے تشبیہ دیں لیکن میں یہ کہنے میں حیلہ نہیں کروں گا کہ کسی اجڑے گھر کو بسا کر کسی دکھی دل کو سکون دے کر روح جس سکون سے آشنا ہوتی ہے وہ انوکھی ہے۔ کائنات کے سارے خزانے آپ کے سامنے ڈھیر کر دیے جائیں، آپ کو دنیا کا سب سے دولت مند انسان قرار دے دیا جائے لیکن روح بے سکون ہو تو یہ سب کچھ بیکار لگتا ہے۔ اپنے الفاظ کی دلیل کے طور پر میں آپ کو ہزاروں مذہبی اور سماجی حوالے دے سکتا ہوں لیکن کیا فائدہ۔ آپ میں سے جس نے اس دنیا میں رہ کر دنیاوی ضرورتوں کو محسوس کیا ہے وہ میرے ان الفاظ کی حقیقت جانتا ہے۔

حفیظ الدین کا کیس ختم ہو گیا تھا اور مجھے اس سلسلے میں مزید کچھ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ بیگم صاحبہ کی شخصیت واضح ہو گئی تھی اور

میں جانتا تھا کہ وہ حفیظ الدین کے ساتھ ہونے والی چودہ سالہ زیادتیوں کا ازالہ کر دیں گی۔ چنانچہ بات ختم ہو گئی تھی... لیکن یہ کیس دوسری کچھ تفریحات چھوڑ گیا تھا مثلاً استاد چھوٹے کی ناراضگی۔ ان چار دنوں میں انھوں نے ضرورت کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کی تھی مجھ سے... جبکہ اس سے قبل صورت حال مختلف تھی اور میں ان کی ناراضگی کی وجہ جانتا تھا۔ بہرحال انھیں مطمئن کرنا ضروری تھا، چار دن کی ناراضگی کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ اس رات میں نے خود ہی انھیں پکڑ لیا۔

"بیٹھیں، استاد!" رات کے کھانے کے بعد میں نے کہا۔

"بہت سے کام ہیں میاں! برتن گندے پڑے ہیں، فلیٹ کی صفائی بھی ضروری ہے، صبح اتنا وقت نہیں ملتا۔" استاد نے سنجیدگی سے کہا۔

"بیٹھ جائیں، کچھ باتیں کرنا ہیں آپ سے۔" میں نے کہا اور اس بار وہ بیٹھ گئے۔ "آپ کچھ ناراض ہیں استاد؟"

"نہیں میاں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں نے ہمیشہ آپ کو ایک سچا انسان پایا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہوں کہ آپ سنگین سے سنگین حالات میں بھی سچ بولتے ہیں۔"

"کوشش کرتا ہوں۔"

"لیکن اس وقت آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"ممکن ہے، ناراضگی ہی ہو۔"

"وجہ...؟"

"بس میاں! اسے کچھ بھی سمجھ لو بے وقوفی، محبت، اعتماد، حق، میرے سامنے تمہارے علاوہ اب کچھ نہیں ہے۔ مالک بھی تم ہو اور للہ بھی تم اور دوست بھی تم ہو۔ تم نے وہ بات مجھ سے بھی چھپائی۔

اُس کا دکھ ہے۔"

"بیوی بچّوں والی؟"

"ہاں۔"

"آپ میرے ساتھ زیادتی نہیں کر رہے اُستاد! میں بھی تو آپ کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہوں۔"

"پھر مجھ سے کیوں چھپایا؟"

"کوئی سچائی ہوتی تو بتاتا۔"

"مگر وہ..."

"عالم پور کی رئیس زادی ہے۔ عیش و عشرت کی پروردہ، ماڈرن اور بے حجاب۔ شرارت تھی اُس کی۔ اپنی کسی سہیلی کے پیچھے لے آئی اور میری بیوی اور اُن کی ماں بن بیٹھی۔"

"مگر کیوں؟"

"شرارت اُستاد! صرف شرارت۔ بہت شریر فطرت ہے وہ، مجھ سے اپنا ایک کام کرانا چاہتی ہے۔ کہہ رہی تھی، اگر میں نے اُس کا وہ کام نہ کیا تو اس کے بعد میرے گھر یعنی آشیانے پہنچ جائے گی۔"

"کمال ہے... تو وہ جھوٹ تھا؟"

"سو فیصد۔ آپ تصدیق کر سکتے ہیں۔"

"کمال ہے... کیا ہو گیا ہے اس نئی نسل کو؟ اتنی بڑی بات اور اتنی آسانی سے کہہ دی۔ کیا یہ جھوٹ اُس کے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتا؟ تم جیسا آدمی تھا جس نے مذاق کو مذاق ہی سمجھا۔ اگر کوئی غلط آدمی ہوتا تو کیا اُسے نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا؟"

اب اُستاد کو کیا بتاتا کہ وہ خاتون اس سے پہلے کیا کیا کر چکی ہیں۔ بہرطور الماس کا مسئلہ بھی کچھ نہ کچھ حل کرنا ہی تھا۔ اس کے لیے بیگم نیاز احمد سے ملاقات کرنی تھی۔ گھر کی طرف سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابلِ ذکر ہوتی لیکن بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا، بلاوا آ گیا اور میں تیاری کرنے لگا۔ گھر جانے کا مطلب تھا، لعن طعن، طنز اور ڈانٹ پھٹکار... مگر یہ پروگرام بھی جاری رہنا چاہیے، زندگی کے لیے پُرلطف ہوتا ہے۔

آشیانے والے بھی چونکا دینے کے ماہر تھے۔ گھر میں داخل ہوا تو مسکراتی نگاہوں نے استقبال کیا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اُن میں آئی۔ جی صاحب بھی تھے اور اُن کی زیرِ لب مسکراہٹ بتاتی تھی... کہ ماحول خراب نہیں ہے۔ شام کے تقریباً سات بجے تھے۔ ہال میں نشست لگ گئی اور مجرموں کی طرح آشیانے کی عدالت میں حاضر ہو گیا۔ اس ماحول نے مجھے خوف زدہ کر دیا تھا۔ کسی حد تک وحشت سوار ہو گئی تھی اور میں بار بار، ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا... تب بڑے بھائی نصرت حسین بولے۔

"بھئی آج مشترکہ طور پر سوچا گیا ہے کہ آشیانے میں تمہاری دعوت کر دی جائے۔"

"بھ... بھائی جان! معافی کی گنجائش نہیں ہے؟" میں نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، معافی کی گنجائش ہے۔ بس، اس صورت میں کہ تم شرافت سے گھر واپس آ جاؤ۔"

"اور کوئی صورت؟" میں نے سوال کیا تو والد صاحب نے لب کشائی کی۔

"تم جو کچھ کر رہے ہو، ظاہر ہے ہم میں سے کوئی روک نہیں سکتا لیکن یہ سب کچھ یہاں رہ کر بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ نصرت نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں مجبور کروں کہ اب تم اُس کے ساتھ کام کرو۔ وہ تم سے بھی بات کر چکا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ وکیل فاروقی صاحب کو آسمان پر چڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ دونوں بھائی مل کر کام کرو اور میری ان خواہشوں کی تکمیل کرو جن کے درمیان میں نے تمہیں پروان چڑھایا ہے۔"

"ج... جی ڈیڈی!" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا کیا فیصلہ ہے، اس سلسلے میں؟"

"ڈیڈی! سوچنے کا کچھ وقت دیجیے... میں جواب دے دوں گا۔"

"گویا جس گھر میں تم نے پرورش پائی ہے، جہاں پیدا ہوئے، وہاں واپسی کے بارے میں سوچنا بھی ضروری ہے؟ میں کہتا ہوں، تمہاری یہی باتیں میرا دماغ خراب کر دیتی ہیں۔ بس، اپنا سامان وغیرہ اُٹھا لاؤ۔ اب تمہیں اس سے زیادہ باہر رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"اب اُن کا یہاں آنا مشکل ہے ڈیڈی!" محترمہ لالہ رُخ بولیں۔ "دس لاکھ روپے کمائے ہیں ایک معمولی سے کیس میں۔ ظاہر ہے یہاں رہیں گے تو سب لوگوں کی طرح انھیں بھی اپنی کمائی ڈیڈی کو دینی پڑے گی اور اتنی بڑی رقمات اتنی آسانی سے کسی کے حوالے نہیں کر دی جاتیں۔ شارق بھائی بہت تیز ہیں۔ جب تک اس گھر سے کچھ لینا تھا، اس سے رابطہ قائم رکھا اور جب احساس ہوا کہ اب دینے کا وقت آیا ہے تو ایک چھوٹی سی بات کو بہانہ بنا کر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ دس لاکھ میں بہن کا حصہ بھی تو ہو گا نا، بھلا کیسے دیا جا سکتا ہے؟"

"یہ دس لاکھ تو میں تیرے قدموں پر نثار کر سکتا ہوں لالہ رُخ! ان کی حیثیت کیا ہے، مانگ کر دیکھ مجھ سے۔" میں نے کہا۔

"ہُنہہ! آج تک پتا نہیں میرے قدموں میں کیا کیا نثار کرتے رہے ہیں آپ۔"

"خیر بھئی، چھوڑو اس بحث کو۔ ہمیں ان دس لاکھ یا بیس

لاکھ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہیں گھر واپس آنا چاہیے۔" والد صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی! بس کچھ مسئلے ایسے ہیں جن سے نمٹنا ضروری ہے پھر آپ کے قدموں ہی میں آ جاؤں گا۔" میری نرمی نے بات بنا دی تھی اور اس موضوع کو زیادہ طوالت اختیار نہیں کرنے دی تھی۔

رات کا کھانا واقعی کمال کا تھا۔ اگر یہ سب کچھ میرے اہتمام میں کیا گیا تھا تو بڑا عجیب سا احساس ہوتا تھا۔ دس لاکھ کا معاملہ گھر والوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا اور بھائی جان نے ایسے ایسے جانے کتنے دس لاکھ میرے حساب میں جمع کر دیے ہوں گے۔ گویا اب آشیانے والوں کی نگاہوں میں، میں ایک دولت مند آدمی تھا لیکن آشیانے میں واپسی اب میرے لیے ممکن نہیں تھی۔ میں وہ پرندہ تھا جو اس آشیانے سے اب ہمیشہ کے لیے دور ہو چکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنوں کے درمیان کبھی کبھی واپسی ناگوار نہیں لگتی تھی۔ گھر کی دعوت کھائی، دُعائیں لیں اور وہاں سے رُخصت ہو گیا۔

غالباً خصوصی طور پر نیلوفر کو یہاں آنے کی ممانعت کر دی گئی تھی ورنہ اس کی موجودگی میں تو حواس بالکل معطل ہو کر رہ جاتے تھے۔ آشیانے کی طرف سے ملنے والا حکم ناقابلِ عمل تھا چنانچہ اس بارے میں سوچنا ہی بے مقصد تھا اور پھر نصرت بھائی سے تو میری چند منٹ بھی نہیں نبھ سکتی تھی۔ وہ اپنی دُنیا کے انسان اور میں اپنی زمین کا آدمی۔ آگ اور پانی یکجا نہیں ہو سکتے۔ میں تو اپنے ہی طریقۂ کار پر عمل کرنے کا شائق تھا۔

دوسرے دن فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ جاوید قریشی بھی موجود تھے۔ ہم لوگ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ میں نے سوچا کہ عالم پور ہی کا ایک چکر لگا لیا جائے۔ الماس آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے طور پر پھر مجھے کوئی دھمکی دینے کی کوشش کرے، مجھے بیگم نیاز سے مل لینا چاہیے۔ چنانچہ میں فاروقی صاحب سے اجازت لے کر عالم پور روانہ ہو گیا۔

بیگم نیاز نے پُرتپاک استقبال کیا تھا۔ الماس معمول کے مطابق وہیل چیئر پر اُن کے ساتھ موجود تھی۔ پتا نہیں کیوں وہ اپنی ماں کو یہ اذیت دینا چاہتی تھی حالانکہ میرے خیال میں یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ بیگم صاحبہ نے مجھ سے تمام لوگوں کی خیریت دریافت کی اور بہت اچھی طرح میری خاطر مدارات کی۔ رات کے کھانے کے بعد اُن کے ساتھ ایک نشست ہوئی۔

"میں آپ کے پاس ایک خاص اطلاع لے کر حاضر ہوا تھا۔" میں نے کہا اور بیگم نیاز چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔

"کیسی اطلاع؟ خیریت...؟"

"آپ کے پاس خُدا کا دیا سب کچھ موجود ہے لیکن مس الماس پیروں سے معذور ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟"

بیگم صاحبہ چند لمحوں کے لیے اُداس ہو گئیں پھر بولیں۔ "کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ اسے علاج کے لیے باہر بھیجنا ہو گا اور اس سلسلے میں، میں اپنے آپ کو تیار نہیں کر پاتی۔"

انھوں نے بڑی تاویلیں پیش کیں لیکن میں نے انھیں قائل کر کے ہی دم لیا کہ الماس قابلِ علاج ہے اور اُس کا لندن جانا بے حد ضروری ہے۔

دوسرے دن میں نے الماس کو یہ خوش خبری سنائی تو وہ مسرت سے کھل اُٹھی۔ اُس نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا شارق! تم نے یہ کام بغیر کسی تاخیر کے کر ڈالا۔ انسان کو مصیبتوں سے بچنا چاہیے۔ ورنہ تمہارے گھر والے تمہارا ناک میں دم کر دیتے۔"

"دھمکیاں دینے سے باز نہیں آؤ گی نا۔"

"سوری... سوری... اگر آپ اسے دھمکی تصور کر رہے ہیں تو میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ واقعی آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ یہ تجویز تو درجنوں بار مختلف لوگوں نے والدہ صاحبہ کو پیش کی لیکن انھیں تیار کر لینا آپ ہی کا کام ہے۔ ویسے ایک اور کام نہیں ہو سکتا؟ اس میں دھمکی نہیں بلکہ ایک التجا ہے جو پوری ہو جائے تو زندگی بھر احسان مند رہوں گی۔"

"فرمائیے... فرمائیے۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے ساتھ لندن چل سکتے ہیں؟"

اس سوال پر میں سنجیدہ ہو گیا اور آہستہ سے کہا۔ "نہیں، یہ ذمّے داری مجھ پر نہ ڈالو۔ خدانخواستہ اگر تم معذور ہوتیں اور واقعی تمہیں وہاں میری ضرورت ہوتی تو میں یقیناً انکار نہ کرتا لیکن یہاں میرے اس قدر مسائل ہیں کہ اُن سے منہ موڑنا اپنے فرائض سے غداری کے مترادف ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ایک اچھی دوست کی حیثیت سے تم اس بات کو محسوس نہیں کرو گی۔"

الماس خاموش ہو گئی پھر اُس نے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے، میں چلی جاتی ہوں۔ انتظامات کر دیں جلدی سے میرے لیے۔"

"یہ میری ذمّے داری ہے۔ خاص طور سے تمہارے ہی لیے یہاں آیا تھا۔ اب واپس جا کر سارے کام کر لوں گا۔ کچھ چیزیں یہاں سے لے

جانی پڑیں گی۔ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے لیکن ایک بات تم بھی کان کھول کر سُن لو۔ لندن جا کر خوب سیر و سیاحت کرو... لیکن جب واپس آؤ تو تمہاری ٹانگیں ٹھیک ہونی چاہئیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں خود بھی بور ہو گئی ہوں۔ اب ان ڈرامے بازیوں سے تو مجھے خدشہ ہو چلا تھا کہ کہیں تم امی پر یہ ظاہر نہ کر دو کہ میں معذور نہیں ہوں۔"

"نہیں' یہ مناسب نہیں تھا اور تم بھی اُنھیں زندگی کے کسی حصّے میں یہ بات مت بتانا۔"

"اتنی سنجیدگی سے کیوں کہہ رہے ہو؟"

"بعض رشتے' محبّت اور ممتا کے ساتھ بڑی جذباتی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ پتا نہیں' تمہاری اس معذوری پر اُنھوں نے کتنی راتیں روتے اور سسکتے گزاری ہوں گی۔ اب اگر اُنھیں یہ علم ہو جائے کہ وہ سسکتی راتیں بے مقصد تھیں تو اُن کے دل میں نفرت کا جذبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور وہ اس سلسلے میں کسی شدید ردِّعمل کا اظہار کر سکتی ہیں۔ رشتوں کی نوعیت کو ذہن میں رکھ کر بات کرنی چاہیے... اس لیے کبھی اس کا اظہار مت کرنا۔"

الماس نے میری بات سنجیدگی سے سُنی اور پھر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ "پتے کی بات ہے' تسلیم کرتی ہوں۔ بس تو پھر جس قدر جلد ممکن ہو سکے' تیاری کر دیجیے کہیں ایسا نہ ہو کہ والدہ محترمہ کا ارادہ بدل جائے۔"

الماس سے ہر طرح کے وعدے کر کے میں واپس آ گیا... اور پھر اُس کی لندن روانگی میں کوئی دِقت نہیں ہُوئی۔ بیگم نیاز احمد خود اُسے چھوڑنے ائرپورٹ آئی تھیں اور واپسی پر میرے فلیٹ میں قیام کر کے مجھے اعزاز بخشا تھا۔ حالانکہ اُن کے لیے کیا کمی تھی کہ یہاں قیام کرتیں... لیکن وہ جس اپنائیت کا اظہار کرنا چاہتی تھیں' اُس کی بنیاد پر میرے ہی فلیٹ میں ایک رات قیام کر کے مجھے ممنون کر دیا تھا... دوسرے دن وہ چلی گئیں۔

تقریباً پندرہ دن خاموشی سے گزر گئے۔ اس دوران میں بے شمار چھوٹے موٹے واقعات ہُوئے جن میں بیرسٹر نصرت حسین کی میرے فلیٹ میں آمد' دھمکیاں اور آئی جی صاحب کی دعوت کر میں کوٹھی میں آ کر ان سے ملوں' بھی شامل تھے لیکن میں اتنا وقت گزار دینا چاہتا تھا کہ اُن لوگوں کو احساس ہو جائے کہ کم از کم میں آشیانے میں واپسی کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس سلسلے میں' میں نے نصرت بھائی کو بھی یہی جواب دیا تھا۔

"بھائی جان! آپ کو لاتعداد مشکلات سے گزرنا ہو گا میں کتنی ہی بار آپ سے کہہ چکا ہُوں کہ میرا مقصد وکالت کرنا نہیں ہے بلکہ میں خود کو وکیل کہتا بھی نہیں ہوں' میں تو خادمِ قوم ہوں اور بس۔ قانون سے واقفیت کو اُسی حد تک استعمال کرنا چاہتا ہوں جس حد تک اُس کی ضرورت پیش آئے ورنہ میں باقاعدہ وکالت کے پیشے سے منسلک نہیں ہونا چاہتا۔ بالآخر اُن لوگوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

بیٹھے بیٹھے کافی وقت گزر گیا تھا۔ کورٹ کے چکر لگا لیا کرتا تھا... فاروقی صاحب کی مدد کرنا بھی میری ذمّے داریوں میں شامل تھا۔ آمدنی ہو رہی تھی۔ نئے نئے کیس آ رہے تھے۔ فاروقی صاحب کی تو اب حیثیت ہی بدل گئی تھی' وہ اچھے اور قابل وکیلوں میں شمار ہونے لگے تھے

بیس بائیس دن گزر گئے تو بے چینی ہونے لگی۔ یہ تو کوئی بات ہی نہ ہُوئی' میں کب تک انتظار کرتا رہُوں کہ کوئی مظلوم میرے پاس آئے اور میں اُس کے لیے کام کا آغاز کر سکوں۔ وقار صاحب سے ملا اور معمول کے مطابق اُنھوں نے بھی مُسکراتے ہُوئے میرا خیر مقدم کیا۔

"ہاں بھئی! کوئی نیا شوشہ؟"

"جی نہیں' شوشے کی تلاش۔" میں نے بھی ہنستے ہُوئے جواب دیا۔

"ویسے تم چاہو تو ایک دن جیل کے تمام قیدیوں کا جائزہ لے لو۔ چہرہ شناسی میں تو تم اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ منتخب کر لو' اُن میں سے کوئی۔" وقار صاحب کی بات پر میں ہنس کر خاموش ہو گیا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے... اس شام دفتر میں فارغ بیٹھے ہُوئے گپیں لگا رہے تھے کہ ایک خوش شکل آدمی... اجازت لے کر اندر داخل ہُوا۔ عُمر اَڑتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خوش لباس تھا اور حُلیے سے بہتر حالت میں نظر آتا تھا... اندر داخل ہو کر اُس نے سلام کیا اور معذرت کرتے ہُوئے بولا۔

"میں کوئی مؤکّل نہیں ہُوں اور نہ ہی اپنا کوئی کیس لے کر آیا ہُوں دراصل مجھے یہاں ایک صاحب سے ملنا تھا... اُن کا نام شارق حسین ہے۔"

"میں شارق حسین ہُوں۔ تشریف رکھیے' ضروری نہیں ہے کہ کوئی مؤکّل ہی ہمارے دفتر میں آئے' دوست بھی آ سکتے ہیں... فرمائیے' کیا خدمت کی جائے آپ کی؟" میں نے اُس کے بیٹھنے کے بعد کہا۔

"شارق صاحب! آپ سے بہت متاثر ہُوں۔ کچھ واقعات پڑھے تھے آپ کے بارے میں اور بات میری دلچسپی کی تھی اس لیے بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ آپ سے ملاقات کی جائے۔ بس یُوں سمجھیے کہ آپ کے مدّاحوں میں سے ہُوں۔ میرا نام کاشف مسعود ہے اور یہیں کے ایک

علاقے میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہتا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ فرصت کے کچھ لمحات مجھے دیں اور میرے ساتھ رات کا کھانا کھائیں۔ یہ دعوت میں آپ تمام حضرات کو دے رہا ہُوں جو شارق صاحب سے متعلق ہیں۔ غالباً آپ فاروقی صاحب ہیں؟"

"ہاں..." اُنھوں نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا خیال ہے شارق صاحب! آج رات کو یہ... نشست ہو سکتی ہے؟"

"اگر بات صرف مِل بیٹھنے ہی کی ہے تو کھانے پینے کے تکلف سے گریز کیجیے۔ اگر فرصت ہے تو بیٹھیں اور ہمارے ساتھ چائے پئیں۔"

"بات صرف کھانے پینے ہی کی نہیں ہے بلکہ میں آپ سے مزید کچھ باتیں بھی کرنا چاہتا ہُوں جو یقیناً آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں۔"

"اوہ! اچھا' اچھا۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر آپ رات کے کھانے کی بجائے شام کی چائے پر مجھے دعوت کیوں نہیں دے دیتے؟ ابھی تو وقت ہے۔"

"یقیناً یہ میرے لیے باعثِ خوشی ہوگا لیکن ایک تھوڑی سی مجبُوری ہے۔ دراصل میرا اسپیئر پارٹس کا شوروم ہے۔ اسے ہی ذریعۂ معاش سمجھ لیجیے۔ کچھ ملازمین ساتھ کام کرتے ہیں لیکن میں شام سات بجے سے پہلے فارغ نہیں ہو پاتا۔ آپ کے پاس حاضری دینے کے بارے میں بھی کئی بار سوچ چکا تھا لیکن یہی مصروفیت آڑے آئی۔ آج میں نے وقت نکال کر یہ فیصلہ کر ہی لیا۔"

"آپ اپنا پتا بتا دیجیے کاشف صاحب!" میں نے پیڈ سامنے رکھتے ہُوئے کہا۔

"اسٹریٹ لائن' مکان نمبر 19۔ آسان سا پتا ہے۔ یہ مکان لبِ سڑک ہے۔"

"بہتر' آٹھ بجے حاضر ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا اور کاشف نے ممنونیت کا اظہار کیا۔

وہ چلا گیا تو فاروقی صاحب کہنے لگے۔ "بھئی ماشاءاللہ! شہرت خود بخود ہوتی جا رہی ہے' کسی پبلسٹی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔" ہم لوگ ہنس کر خاموش ہو گئے۔

کاشف مسعود کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ جاوید قریشی نے پیش گوئی کر دی کہ پھر کوئی نیا سلسلہ میرے ہاتھ آنے والا ہے۔ بہرطور اس بے کاری سے میں خود بھی بور ہو گیا تھا۔ چنانچہ فلیٹ پہنچنے کے بعد وقت کا انتظار کرنے لگا۔ ساڑھے سات بجے تیار ہو کر اسٹریٹ لائن چل پڑا تھا۔

میں نے کاشف مسعود کو خوبصورت بنگلہ نمبر انیس کے سامنے دروازے ہی پر چہل قدمی کرتے ہُوئے پایا۔ وہ بے چینی سے انتظار کر رہا تھا... میں گاڑی سے اُترا تو اُس نے آگے بڑھ کر میرا خیر مقدم کیا۔ اچھا خوبصورت آدمی تھا' تندرست و توانا بدن کا مالک۔ اُس نے بڑی گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور بڑے احترام سے ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ فوراً ہی ایک بوڑھی ملازمہ نے شربت کے برتن لا کر ہمارے سامنے رکھ دیے اور کاشف نے بڑے احترام سے مجھے شربت کا گلاس پیش کیا۔

"سنائیے کاشف صاحب! کاروبار کیسا چل رہا ہے آپ کا؟"

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت بہتر۔ براہِ راست موٹر اسپیئر پارٹس امپورٹ کرتا ہوں۔ بیوی ساتھ نہ دے سکی اور رُخصت ہو گئی! اس گھر میں ایک بزرگ بابا ہیں اور ایک یہ خاتون جو شربت لائی تھیں... میرے بزرگ ہیں' عزیز ہیں' جو کچھ بھی ہیں' یہی لوگ ہیں۔ ہاں' ایک اور ہستی سے آپ کو ملانا چاہتا ہُوں جس کے لیے میں نے آپ کو خاص طور سے زحمت دی تھی۔" کاشف نے کہا اور میرے ذہن میں تجسّس بیدار ہو گیا۔

یہ اندازہ لگانے میں مجھے کوئی دِقت نہیں ہُوئی کہ وہی ہستی میرے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے۔ کاشف چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔ "اُسے یہاں بُلانے سے پہلے میں آپ کو اُس کے بارے میں مکمل تفصیل بتا دوں' بعد میں آپ اُس سے ملاقات کر لیں' وہ اب سمجھدار ہو چکی ہے' سب کچھ سمجھتی ہے' میں نہیں چاہتا کہ اُس کے ذہن کے زخم تازہ کروں۔ شارق صاحب! اب سے کوئی ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے کہ میں اپنی کار میں ایک پسماندہ علاقے سے گزر رہا تھا۔ غریب لوگوں کی وہ بستی زندگی کی بے شمار سہولتوں سے محرُوم ہے۔ پانی بھرنے کے نلکے سڑک کے کنارے لگے ہُوئے ہیں۔ میں سست رَوی سے کار ڈرائیو کر رہا تھا کہ میں نے ایک نلکے کے پاس تقریباً دس گیارہ سالہ لڑکی کو دیکھا جو بوسیدہ حال تھی۔ اُسی علاقے کی کوئی بچّی معلوم ہوتی تھی۔ اُس نے بیٹھ کر نلکے سے پانی پیا... پھر وہ اُٹھی' لڑکھڑائی اور زمین پر گر پڑی۔ میں نے بچّی کو اُٹھا کر کار کی پچھلی نشست پر لِٹایا اور خطرہ مول لے کر اُسے اسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر نے میرے اس شُبہے کی تصدیق کر دی کہ لڑکی کئی دن کی فاقہ کشی کا شکار ہے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اُس کے پیروں میں چھالے پڑے ہُوئے تھے۔ وہ ننگے پاؤں تھی جس سے یہ احساس ہوتا تھا... کہ اُس نے طویل سفر طے کیا ہے۔ ڈاکٹروں کو میں نے حقیقت بتا دی تھی اور جب ڈاکٹروں نے کہا کہ اُسے مصنوعی طریقے سے غذا دے کر اس کی قوت بحال کر دی گئی ہے اور اب لڑکی کی حالت تسلی بخش ہے تو میں واپس اُسی بستی میں پہنچا۔ بستی کی مسجد سے اعلان کرایا کہ اگر کوئی بچّی گم شدہ

ہو تو فلاں اسپتال سے رجوع کیا جائے۔ تین چار دن تک میں منتظر رہا کہ کوئی اس بچی کو لینے کے لیے آئے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں مسلسل اُس کی تیمارداری کرتا رہا۔ یہاں تک کہ بچی بالکل بہتر حالت میں ہوگئی۔ تب ڈاکٹروں نے مجھ پر ایک اور انکشاف کیا، وہ یہ کہ لڑکی گونگی ہے اور اس کی زبان کا سامنے کا حصہ کٹا ہوا ہے اور زبان کسی تیز دھار آلے سے کاٹی گئی ہے اور اب یہ بچی زندگی بھر نہیں بول سکتی... مگر اس کی زبان کا زخم بالکل ٹھیک ہوچکا تھا اور اس کے لیے کسی طور نقصان دہ نہیں تھا۔ ڈاکٹروں نے اس سلسلے میں تجسّس کا اظہار کیا لیکن ظاہر ہے، میں بھی کیا بتا سکتا تھا۔ چھٹے روز اُسے اسپتال سے چھٹی دے دی گئی اور میں اُس بچی کو لے کر پھر اسی بستی میں پہنچا جہاں وہ بچی مجھے ملی تھی، وہاں میں نے مختلف لوگوں سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کوئی اس سلسلے میں کچھ نہ بتا سکا۔ خود بچی سے میں نے بارہا اُس کے بارے میں دریافت کیا لیکن وہ پُرسکوت نگاہوں سے میری صورت دیکھتی رہتی تھی، کسی بھی سوال کا جواب... وہ ہاں یا نہ میں نہیں دیتی تھی۔ شارق صاحب! مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس کی خوبصورت آنکھوں میں لاکھوں داستانیں پوشیدہ ہوں لیکن کسی نے یہ داستانیں اُس کی آنکھوں میں منجمد کردی ہوں اور کوئی بھی تحریک ان داستانوں کو متحرک نہ کر پاتی ہو۔ کچھ عجیب سی اُنسیت ہوگئی مجھے اُس بچی سے۔ لہٰذا میں اُسے گھر لے آیا اور اپنی تمام دلچسپیاں اس بچی پر مرکوز کردیں۔ میں اُسے تمام تر محبت اور تمام تر آسائشیں دے کر اُس کی ذہنی قوتوں کو بحال کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ میں مصروف آدمی ہوں لیکن فرصت کے تمام اوقات میں نے اُس کے لیے وقف کردیے۔ اُس کو میں نے ایک شفیق باپ کی محبت دی، اُس کو کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا اور اس کے نتیجے میں بچی کی ذہنی کیفیت بحال ہونے لگی۔ اب اُس کی آنکھوں میں وہ ویرانی اور وحشت نہیں پائی جاتی تھی بلکہ اب وہ نارمل ہوتی جارہی تھی اور یہ بزرگ خاتون جو میرے ساتھ رہتی ہیں، اس کی ہر طرح سے دیکھ بھال کرنے لگیں۔ تقریباً تین ماہ اسی طرح گزر گئے۔ بچی کو اب مجھ پر اعتماد ہوگیا تھا۔ میں نے اُسے مختلف ناموں سے پکارا لیکن وہ کسی بات پر ہاں نہ کہہ سکی تو میں نے اُسے صوفیہ کا نام دے دیا اور پیار سے اُسے صوفی پکارنے لگا۔ بچی نے بخوشی اپنا یہ نام قبول کرلیا اور اب وہ صوفی کے نام سے متوجہ ہونے لگی ہے۔ اس کے بعد میں نے اُسے کئی ڈاکٹروں کو دکھایا کہ کسی طرح اُس کی زبان کا علاج ہوسکے تو کرالیا جائے لیکن ڈاکٹروں نے کہا کہ اب دُنیا کی کوئی طاقت اُسے قوتِ گویائی عطا نہیں کرسکتی۔ میں نے اُس سے طرح طرح کے سوالات کرنا شروع کردیے۔ بہت سے سوالوں پر وہ کھو جاتی تھی، میرے ذہن میں ایک اور تجویز آئی۔ میں نے کاغذ اور پنسل اُس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ وہ اُس پر کچھ لکھے۔ وہ اب میرے الفاظ سمجھنے لگی تھی لیکن وہ پنسل ہاتھ میں لے کر خجالت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو کہ وہ لکھنا نہیں جانتی۔ تب میں نے اُس کے لیے ایک ٹیوٹر کا بندوبست کیا اور ٹیوٹر نے انتہائی محنت کرکے اُسے لکھنا پڑھنا سکھا دیا۔ میں ڈیڑھ سال تک انتظار کرتا رہا کہ وہ اپنے بارے میں تمام تفصیلات لکھنے کے قابل ہو جائے۔ اس ڈیڑھ سال میں میرے معاون ٹیوٹر نے بھی بھرپور محنت کی اور بچی نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ میں اُس سے اُس کے بارے میں سوالات کرسکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُس سے پوچھا کہ اُس کا نام کیا ہے؟ جواب میں اُس نے اپنا نام صنوبر لکھا لیکن اب اُسے صوفی ہی کا نام پسند ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اُس کے والدین کہاں ہیں؟ تو اُس نے جواب دیا کہ پتا نہیں، وہ نہیں جانتی کہ اب وہ کہاں ہیں۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ اس سے پہلے کہاں رہتی تھی تو اُس نے جواب لکھا کہ اپنے گھر، جہاں اُس کے ماں باپ رہتے تھے۔ یہ گھر کہاں ہے؟ اس کے بارے میں وہ جواب نہیں لکھ سکی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اُس کے ماں باپ نے اُسے کیوں چھوڑ دیا؟ تو وہ کسی قدر دہشت زدہ ہوگئی اور پھر اُس نے ایک نام لکھا، مرزا توقیر، دوسرا لکھا، ماموں شمشاد... یوں لگتا ہے شارق صاحب! کہ اُسے کافی اذیتوں میں رکھا گیا۔ مرزا توقیر کا نام لکھتے ہوئے وہ خوف زدہ ہوجاتی ہے۔ ان اذیتوں نے اُس کا دماغ ماؤف کردیا ہے، اُسے اپنے ماضی کی بہت سی باتیں یاد نہیں رہیں لیکن وہ اُن لمحات کو یاد کرتے ہوئے دہشت زدہ ہو جاتی ہے۔ میں نے نفسیاتی طریقۂ کار سے کام لیتے ہوئے کچھ اور بھی اُس کے ذہن سے نکالا ہے۔ آپ کہیں تو میں اُن تمام کاغذات کا فائل لے آؤں جن میں اُس نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور میں نے انھیں جمع کرلیا ہے..." کاشف مسعود نے سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ضرور لائیے۔"

داستان کافی دلچسپ اور سنسنی خیز تھی، میرا تجسّس جاگے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ میں اس بات پر بھی غور کر رہا تھا کہ کاشف مسعود کی اس کہانی کے پسِ پردہ کوئی اور واقعہ تو نہیں چھپا ہوا؟ تجربات یہی بتاتے تھے... کہ بعض اوقات عجیب و غریب کہانیاں منظرِ عام پر آتی ہیں۔ بہرحال معاملہ دلچسپ تھا۔ صورتِ حال کچھ بھی ہو، تفصیلات تو معلوم کی جائیں۔

تھوڑی دیر بعد کاشف واپس آگیا۔ اس کے ہاتھ میں کافی موٹا فائل تھا اور اُس میں بے شمار کاغذات لگے ہوئے تھے۔ اُس نے فائل

میرے سامنے رکھ دیا اور میں اُسے کھول کر پڑھنے لگا۔ کچی تحریر میں... بے ربط سے جملے لکھے ہوئے تھے۔ میں نے مرزا توقیر، ماموں شمشاد وغیرہ کے نام دیکھے۔ ایک کاغذ پر لکھا ہوا تھا۔

"ماں کام کرتی ہے۔" دوسرے پر لکھا تھا "باپ جیل میں ہے۔" تیسرے پر لکھا تھا۔ "ماموں شمشاد، وہ پتا نہیں کہاں ہے۔" ایک اور کاغذ پر لکھا تھا۔ "وہ مار دیتا ہے... خون... خون..." ایک اور کاغذ پر تحریر تھا۔ "پستول سے گولی چلتی ہے اور سب مرجاتے ہیں۔"

ایسے ہی بے ربط جملوں اور تحریروں کا ایک پلندہ تھا، جسے دیکھنے کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ ان تمام جملوں کے پس پردہ کوئی نہ کوئی کہانی ضرور پوشیدہ ہے۔

"جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں۔" کاشف مسعود نے کہا۔ "میں نے نفسیاتی طریقوں سے اُس سے معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔ میں نے اُسے پستول کی تصویر دکھائی تو اُس نے یہ جملہ لکھا، جیل کی تصویر دکھائی تو اُس نے یہ لکھا۔ اسی طرح کی بہت سی تصاویر میں اُسے دکھا چکا ہوں اور اُس کے ذہن کی گہرائیوں کو کریدتا رہا ہوں۔ بہرطور، میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ بچی کسی اچھے گھرانے کی ہے اور وہ گھرانہ کسی مصیبت کا شکار ہوا ہے۔ یہ چند نام جو سامنے آئے ہیں، قابلِ توجہ ہیں۔ لڑکی اپنے باپ کا نام عبداللہ بتانے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ معاملہ پولیس کے سپرد کردوں لیکن معاف کیجیے گا، یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ پولیس کسی ایسے بے تُکے کیس میں کبھی دلچسپی نہیں لے گی بلکہ مجھے ہی دیوانہ قرار دے دیا جائے گا۔ آپ کے بارے میں کافی دنوں سے سُن رہا تھا۔ بس یونہی، جانے کیوں دل میں خیال آیا کہ اس بچی کا معاملہ آپ کے سامنے پیش کردوں۔ ممکن ہے، آپ اس میں دلچسپی لے لیں۔" کاشف مسعود خاموش ہوکر مجھے دیکھنے لگا۔

"واقعات واقعی دلچسپ ہیں کاشف صاحب! اور آپ نے اس سلسلے میں جتنی محنت کی ہے، وہ بھی قابلِ داد ہے۔ براہِ کرم! ذرا بچی کو بلوا دیں۔"

وہ ایک بار پھر اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ حسین بچی کو لے کر آیا، اُسے دیکھ کر یہ کہا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ یہ کوئی ایسی بے بس اور بے کس لڑکی ہوگی جو مظالم کے لمحات سے گزر چکی ہے۔ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس، حسین چہرہ اور حسین نقوش۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کاشف نے اُسے بہت اچھی طرح رکھا تھا۔ اُس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے لڑکی سے کہا۔

"صوفی بیٹے! یہ انکل شارق ہیں۔ سلام کرو انھیں۔"

بچی نے ہاتھ پیشانی پر رکھ کر سلام کیا اور میں نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"بھئی، سُنا ہے، آپ تو بہت اچھی بیٹی ہیں۔ آپ نے تھوڑے ہی دنوں میں خوب پڑھ لکھ لیا اور قابل بن گئیں۔ آپ کے یہ کاشف انکل آپ کی بڑی تعریفیں کر رہے تھے تو ہم نے سوچا کہ ہم بھی آپ سے ملاقات کریں۔ کیسی ہیں آپ؟"

بچی نے آنکھیں بند کرکے گردن ہلا دی، گویا اُس نے میرا ایک ایک لفظ سمجھا تھا۔ ویسے بھی اب وہ ذہنی طور پر کُند یا ناکارہ نظر نہیں آرہی تھی۔ میں دیر تک اُس سے باتیں کرتا رہا اور وہ سر ہلا کر یا آنکھوں کی جنبش سے میرے سوالوں کے جواب دیتی رہی تھی۔ بہرطور، اس کے بعد میں نے کاشف سے کہا کہ اسے واپس بھجوا دے اور کاشف اسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گیا... پھر اُس کے واپس آنے کے بعد میں نے اُس سے کہا۔

"مسٹر کاشف! میں یہ فائل اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں، اس پر غور کروں گا اور کوشش کروں گا کہ لڑکی کے بارے میں کچھ حقائق سامنے آجائیں۔"

میں واپس آگیا۔

[illegible] کے بعد میں نے پھر فائل کھول لیا اور ایک ایک کاغذ کی جانچ پڑتال کرنے لگا۔ یہ کام میرے شوق کو پورا کرنے کے لیے تھوڑا سا وقت اس سلسلے میں صرف کرلینا کوئی بُری بات نہیں تھی بشرطیکہ کچھ حقائق آسانی سے سامنے آجائیں... میرے پاس ایسے ذرائع کہاں تھے جنھیں میں باقاعدہ جاسوسی کے لیے استعمال کرسکتا۔ قانون ذرا مختلف چیز ہے اور جاسوسی بالکل الگ شے۔ بس قانونی تقاضے پورے کرنے کے لیے مجھے جاسوسی کے فرائض انجام دینا پڑے تھے لیکن میں نے جاسوسی کی کوئی باقاعدہ تربیت حاصل نہیں کی تھی اور نہ ہی اس سلسلے میں میرے پاس ذرائع تھے۔

دوسرے دن جاوید قریشی نے سوال کرلیا کہ میں نے کاشف سے ملاقات کی تھی تو اس سے کیا خاص بات معلوم ہوئی؟ اور میں نے جاوید قریشی کو تمام تفصیل بتا دی۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھئی! اب لوگ تمہیں آرٹسٹ رائٹر کم اور جاسوس زیادہ سمجھنے لگے ہیں جو باقاعدہ جاسوسی کرکے مجرموں کو گرفتار کرا دیتا ہے اور اس کے بعد قانون کا پیٹ بھی بھرتا ہے لیکن لڑکی کا معاملہ ہے واقعی دلچسپ۔ ان بے نام سی چیزوں سے تم کیا نتیجہ اخذ کرسکتے ہو؟ البتہ ایک مشورہ میں تمہیں دے سکتا ہوں۔"

"ہاں، ضرور... جاوید صاحب! ظاہر ہے، تھوڑا بہت کام تو کرنا ہی ہوگا۔ ہوسکتا ہے اس کے پس پردہ کوئی کہانی نکل آئے۔"

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ لڑکی کا ذہنی تجزیہ کراؤ کسی اچھے ڈاکٹر سے۔ تم بتلاتے ہو کہ اب اس کی عمر بارہ، تیرہ سال کے درمیان ہوگی۔ اس عمر کی بچی اگر چاہے تو واقعات کو مربوط کر کے صحیح کہانی لکھ سکتی ہے... پھر وہ اپنے آپ میں اس قدر الجھی الجھی کیوں ہے؟ اس کی کٹی پھٹی زبان اس بات کی طرف بھی نشاندہی کرتی ہے کہ اُسے کسی خاص مقصد کے تحت کاٹا گیا ہے۔"

"یہ دونوں باتیں میرے ذہن میں ہیں قریشی صاحب! اور اسی لیے مَیں اس میں دلچسپی لے رہا ہُوں۔"

"تم اگر چاہو تو اس سلسلے میں نوید صدیقی سے ملاقات کر لو... تمہاری تو اُن سے شناسائی بھی ہے۔ وہ یقیناً لڑکی کا ذہنی تجزیہ کر کے تمہیں صحیح رپورٹ دے سکیں گے۔ ہو سکتا ہے، وہ لڑکی کا صحیح علاج بھی کر لیں۔"

مجھے نوید صدیقی یاد آ گئے۔ فرخندہ کیس میں انھوں نے ہماری بڑی مدد کی تھی اور جاوید نامی نوجوان کو نئی زندگی دے دی تھی۔ میں نے جاوید قریشی کا شکریہ ادا کرتے ہُوئے کہا کہ انھوں نے بڑی صحیح سمت میری راہنمائی کی ہے۔

لڑکی سے ملاقات کے بعد کچھ عجیب سے تاثرات میرے ذہن پر طاری ہو گئے تھے۔ میں نے اس مسئلے پر بہت سوچا تھا۔ وکالت کی زندگی ایک مختلف چیز تھی اور یہ سب کچھ ایک الگ لائن تھی۔ حالانکہ بعض معاملات میں مجھے اچھی خاصی جاسوسی بھی کرنی پڑی تھی لیکن وہ کم از کم اس حد تک تو تھا کہ حقائق میری نگاہ میں تھے اور مشکوک لوگوں کی جانب میری راہنمائی بھی ہو گئی تھی۔ جبکہ یہ مسئلہ بالکل مختلف نوعیت کا تھا۔ کہیں کوئی نکتہ ذہن میں نہیں آتا تھا۔ لڑکی زبانی طور پر بالکل مفلوج اور تقریباً ذہنی طور پر بھی۔ کاشف کی محنت نے لڑکی کو اس قابل تو بنا دیا تھا کہ عام انسانوں جیسی نظر آ سکے لیکن اُس کا ذہن ابھی پوری طرح صاف نہیں ہُوا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں نوید صدیقی سے ملاقات کر لینا ضروری تھا۔

میں جب نوید صدیقی کے کلینک پہنچا تو وہ مصروف تھے۔ میں نے انتظار کر لینا مناسب سمجھا اور جب میری باری آئی تو میں اُن کے پاس پہنچ گیا۔ نوید صدیقی نے مجھے اپنا کوئی مریض ہی سمجھا تھا لیکن میری صورت دیکھ کر چونک پڑے اور پھر اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

"آہا... شارق میاں! آپ... یہ آپ نے اپنی سلپ کیوں بھجوائی میرے پاس؟ براہِ راست کیوں نہ آ گئے؟ میرے ذہن میں تو یہ بات نہیں آئی تھی کہ یہ آپ ہو سکتے ہیں۔ سوری، معافی چاہتا ہُوں۔ خیریت بتلائیے۔"

"میں آپ کو یاد ہُوں نوید صاحب؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو میاں! ہم لوگ تو اب اکثر آپ کے بارے میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ آپ ایک مقبول ترین شخصیت کے مالک بن چکے ہیں اور بعض اوقات دورانِ گفتگو میں بڑے فخر سے کہتا ہُوں کہ میرا آپ سے براہِ راست واسطہ رہ چکا ہے۔"

"یہ تو محبت ہے آپ کی صدیقی صاحب! بہرطور، میں ایک مسئلے میں ہی حاضر ہُوا تھا۔"

"بھئی! ایک کام کرتے ہیں۔ وقت ہے آپ کے پاس؟"

"جی ہاں، بالکل۔"

"چار مریض اور ہیں۔ اُن سے نمٹ لُوں۔ اس کے بعد اطمینان سے بیٹھیں گے، چائے پئیں گے اور باتیں کریں گے۔"

میں نے نوید صاحب کو اجازت دے دی۔ چنانچہ انھوں نے مجھے اپنے دفتر کے ایک عقبی کمرے میں پہنچا دیا۔ یہ ایک عمدہ نشست گاہ تھی، اعلیٰ پائے کی کتابیں سجی ہُوئی تھیں اور ماحول بے حد دلکش تھا... میں اطمینان سے ایک صوفے پر دراز ہو کر نوید صدیقی صاحب کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ میرے پاس آ گئے۔

بچّی کی تحریروں کا فائل میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ نوید صاحب اطمینان سے آ کر بیٹھ گئے اور بولے۔ "ہاں بھئی، شارق صاحب! اب سنائیے۔ بڑی زبردست کارروائیاں ہو رہی ہیں، خاصی شہرت حاصل ہو گئی ہے آپ کو۔"

"اگر یہ صرف آپ کی محبت نہیں ہے صدیقی صاحب! تو پھر میرے لیے ایک بُری خبر ہے۔ کیونکہ میں جن راستوں کا راہی ہُوں، اُن میں شہرت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ میں تو خاموشی سے اپنا سفر جاری رکھنا چاہتا ہُوں۔ شہرت بعض اوقات انسان کو نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔"

"بہرحال، بڑے نیک کام کر رہے ہیں شارق میاں! خُدا اس کا آپ کو اجر دے گا۔ کہیے، میرے لائق وہ کون سی خدمت کیا ہے؟"

"کچھ تفصیلات بتانی ہیں آپ کو صدیقی صاحب!"

"بے جھجک کہیے۔ چائے آ رہی ہے لیکن آپ گفتگو کا آغاز کر دیں۔"

بچّی کے بارے میں، مَیں نے نوید صاحب کو ایک ایک بات بتا دی اور آخر میں اُن کے سامنے وہ فائل رکھ دیا جو لڑکی کی تحریروں پر مشتمل تھا۔

نوید صاحب دیر تک تحریروں کا تجزیہ کرتے رہے پھر بولے۔ "لڑکی ابھی تک ذہنی طور پر درست نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں خیالات آتے ہیں لیکن وہ اُن کی ترتیب نہیں کر پاتی۔ ہو سکتا ہے، اس کی ذہنی کیفیت بحال کرنے کے لیے اُس کا ایک چھوٹا سا آپریشن کرنا پڑے۔ کیا

میں اُس کا معائنہ کر سکتا ہُوں؟"

"جی ہاں، کوئی وقت دے دیجیے آپ۔ میں اُسے آپ کے کلینک میں لے آؤں گا۔"

"کلینک ہی میں ضروری نہیں ہے۔ اگر آج ہی آپ اس کا تجزیہ کرانا چاہتے ہیں تو گھر پر لے آئیں۔"

"تو پھر رات نو ساڑھے نو بجے...؟"

"موزوں وقت ہے۔" صدیقی صاحب بولے۔ "یہ فائل آپ میرے پاس ہی چھوڑ جائیے۔ ساڑھے نو بجے مَیں اُس لڑکی کے ساتھ آپ کا انتظار کروں گا۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا۔

نوید صدیقی کے ساتھ چائے پی اور پھر میں اُن سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔

کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ فاروقی صاحب کے پاس جانے کی بجائے میں نے فلیٹ کا رُخ کیا... لیکن راستے میں انسپکٹر غالب سے ملاقات ہو گئی۔ غالب ہی نے مجھے دیکھا تھا اور آگے بڑھ کر پولیس جیپ میری گاڑی کے آگے لگا دی۔ میں نے چونک کر بریک لگائے تو انسپکٹر غالب پر نگاہ پڑی۔

"کوئی غلطی ہو گئی حضور؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں جی، شارق جی! بہت بڑے بڑے جرائم کرنے لگے ہیں آپ۔ آجائیے، میرے پیچھے پیچھے۔"

میں نے ہنس کر گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر بعد ہم پولیس اسٹیشن میں بیٹھے ہُوئے تھے۔

"سناؤ جی، کیسے معاملات چل رہے ہیں۔ ہماری کوئی ضرورت پیش نہیں آئی آپ کو؟"

"نہیں، ابھی نہیں... لیکن ہمارا اور آپ کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ضرورتیں پیش آتی ہی رہیں گی۔"

"کئی بار سوچا کہ آپ کے گھر چلا جائے لیکن پولیس کے ساتھ ایک بڑی پریشانی یہ ہے کہ کوئی اُسے اپنے گھر کے دروازے پر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"نہیں، میرا جو گھر ہے نا، انسپکٹر غالب! اُس کے سارے دروازے آپ کے لیے کھلے ہُوئے ہیں۔"

"آئیں گے جی، آئیں گے۔ ویسے سب ٹھیک ہے نا؟"

"ابھی تو ٹھیک ہے لیکن ہو سکتا ہے کوئی ضرورت پیش آ ہی جائے۔"

"سر آنکھوں پر شارق جی! بڑے مدّاح ہیں آپ کے ہم... اور آپ کی کوششوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔"

غالب کے پاس سے اُٹھا تو ذہن کو ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ کتنے دوست مہیا ہو گئے تھے مجھے... حالانکہ میں نے کسی کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ یہ وہ سب لوگ تھے جن کے ذہنوں میں نیکیاں پروان چڑھتی تھیں لیکن اُن کے ذرائع محدود تھے اور وہ اپنی کاوشوں کے لیے کوئی صحیح راستہ نہیں پاتے تھے۔

کاشف مسعود سے میں نے اس کی دکان پر ملاقات کی۔ اچھا خاصا شوروم تھا، کئی ملازم تھے اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُس کی آمدنی نہایت معقول ہے۔ مجھے تپاک سے ملا اور بیٹھنے کی پیشکش کرتا ہُوا بولا۔

"شارق صاحب! بہت کچھ سوچتا رہا ہُوں آپ کے بارے میں۔ یہ خیال بھی دل میں تھا کہ جو ذمّے داری میں نے آپ کو سونپی ہے یا جس سلسلے میں درخواست کی ہے، وہ بالکل ہی مختلف ہے۔ نہ کوئی لینے دینے کی بات ہُوئی، نہ آپ کا کوئی مفاد سامنے آیا۔ پتا نہیں، آپ اس مسئلے کو کتنی اہمیت دیں گے، اخلاقاً ہی آپ نے میری باتوں کو سُننا پسند کر لیا یا اِن باتوں نے آپ کے دل میں بھی کوئی جگہ پائی... معاف کیجیے گا، یہ قدرتی سوچ ہے اور میں اس میں کسی حد تک حق بجانب تھا۔"

"چھوڑیں کاشف صاحب! اِن باتوں کو۔ بہرطور، میں آپ کے پاس ایک مقصد سے حاضر ہُوا ہُوں۔"

"جی، جی... فرمائیے؟"

"صوفی کا ذہنی تجزیہ کرانا ہے مجھے... اور اس کے لیے میں نے ڈاکٹر نوید صدیقی سے آج رات ساڑھے نو بجے کا وقت لے لیا ہے۔ ہم اُن کی رہائش گاہ پر چلیں گے۔"

کاشف نے فوراً حامی بھر لی۔

رات کو کاشف کے گھر کھانا کھایا اور اس کے بعد ہم دونوں، کاشف کی کار میں صوفی کو لے کر نوید صدیقی کی رہائش گاہ کی جانب چل پڑے۔

نوید صدیقی، وعدے کے مطابق ہمارے منتظر تھے۔ "تو یہ ہے وہ بچّی، جس کے بارے میں آپ نے بتایا تھا شارق صاحب! کہ بہت ذہین، سمجھدار اور پیاری بچّی ہے؟"

"ہاں، اس کا نام صوفی ہے اور یہ خوب پڑھنا لکھنا جانتی ہے۔ بہت اچھے کپڑے پہنتی ہے اور اپنے انکل کا بے حد خیال رکھتی ہے۔ کیوں کاشف صاحب! میں نے غلط تو نہیں کہا؟"

"نہیں۔ صوفی واقعی بہت پیاری بچّی ہے اور جو بات اسے بتا دی جائے، وہ فوراً سیکھ لیتی ہے۔"

نوید صدیقی اس دوران میں صوفی کے چہرے کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ میں نے اُن کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ صوفی کے چہرے پر شرم کے آثار نظر آ رہے تھے۔ گویا وہ ہماری باتوں کو بخوبی سمجھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی۔

"اگر یہ بات ہے تو کیوں نہ ہم اپنی صوفی بیٹی کا امتحان لیں۔"

"ضرور... آپ اسے جو کچھ بھی کہیں گے، یہ بہت اچھے طریقے سے کرے گی۔ میں تو حیران رہ گیا، اس کی ذہانت دیکھ کر۔"

"تو پھر آ جائیے۔" نوید صدیقی نے کہا اور ہمیں اپنے گھر کے ایسے کمرے میں لے گئے جو بہت ہی نفیس انداز میں بنا ہوا تھا۔ اس کمرے میں چند مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ میز اور کرسیاں بھی پڑی تھیں۔ نوید صدیقی نے تیز روشنی کر دی۔ صوفی کے چہرے پر کسی قدر گھبراہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس کے لیے یہ سوچنا فطری بات تھی کہ یہ سب کچھ کیوں کیا جا رہا ہے؟

نوید صدیقی نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور اس کے سامنے میز سرکا دی اور اس پر کاغذ اور قلم رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک مشین کا بٹن آن کر دیا۔ تیز روشنیوں میں صوفی کو کسی قدر پسینہ آ رہا تھا جبکہ کمرہ ائرکنڈیشنڈ تھا۔ نوید صدیقی، مجھ سے اور کاشف سے ایسی باتیں کرتے رہے جن میں صوفی کی تعریف تھی پھر انھوں نے صوفی کے قریب پہنچ کر کہا۔

"بیٹے! اگر آپ کو لکھنا آتا ہے تو جو کچھ میں کہوں، لکھ کر دکھائیے۔"

"ہاں، صوفی! نوید صاحب تمہاری بہت تعریفیں سن چکے ہیں جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں، کر دو بیٹے! بولیے نوید صاحب! صوفی فوراً لکھ دے گی۔" کاشف نے کہا۔

"لکھو بیٹے! ریل گاڑی۔"

صوفی نے قلم سنبھالا اور کاغذ پر 'ریل گاڑی' لکھ دیا۔

"ہوائی جہاز۔" نوید صدیقی نے کہا۔ اور صوفی کی جھجک آہستہ آہستہ دور ہونے لگی۔ ریلوے اسٹیشن، ائرپورٹ، سمندر، بحری جہاز، کالا، کالی جیسے الفاظ لکھوانے کے بعد اچانک نوید صدیقی نے کہا۔

"پستول..."

صوفی کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے کپکپایا پھر اس نے 'پستول' لکھ دیا۔

"ہنٹر..." نوید صدیقی بولے اور صوفی نے 'ہنٹر' لکھ دیا... اور پھر چاقو، جیل، ماں، باپ اور ایسے ہی دوسرے الفاظ نوید صدیقی اس سے لکھوانے کے بعد مسکرا کر بولے۔ "بھئی، کمال ہے۔ یہ بچی تو بہت زیادہ ذہین ہے۔" اس کے بعد انھوں نے اچانک صوفی سے سوال کیا۔ "صوفی! تمہاری ماں کہاں ہے؟"

جواب میں صوفی نے وحشت زدہ نظروں سے نوید صدیقی کو دیکھا تو انھوں نے فوراً دوسرا سوال کر دیا۔

"اچھا، یہ بتاؤ، باپ کہاں ہے؟"

صوفی نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تو نوید صدیقی نے پوچھا۔

"تم نے جیل دیکھی ہے؟"

جواب میں دفعتاً ہی صوفی کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور پھر وہ سسک پڑی۔ نوید صدیقی نے اس کے رونے پر کوئی توجہ نہیں دی اور پھر پوچھا۔

"ہاں، بتاؤ۔ جیل میں کون ہوتا ہے؟ کون جیل میں ہے؟ پستول، چاقو... جیل میں کون ہے؟ ماں کہاں ہے؟"

صوفی قلم پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے بعد نوید صدیقی نے تیز روشنیاں بند کر دیں اور مشین کا بٹن آف کر دیا۔ پھر کاغذ اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولے۔ "بھئی کاشف صاحب! کمال ہے۔ یہ بچی تو واقعی بہت ذہین ہے۔ آئیے، باہر بیٹھیں۔ یہاں کچھ گرمی ہو رہی ہے۔"

ہم لوگ باہر لان میں نکل آئے۔ یہاں انھوں نے ہم سب کو مشروبات پیش کیے لیکن صوفی کچھ نروس نظر آ رہی تھی۔ اس کی پیشانی اب بھی پسینے سے تر تھی۔ نوید صدیقی کافی دیر تک ہم سے باتیں کرتے رہے لیکن ان میں صوفی کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ اس کے بعد میں نے نوید صدیقی سے اجازت چاہی تو انھوں نے مسکراتے ہوئے ہمیں اجازت دے دی اور مجھ سے پوچھا۔

"شارق صاحب! کل دن میں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"کس وقت حاضری دوں؟"

"دس بجے کے بعد جو وقت بھی آپ کے لیے مناسب ہو۔"

"بہتر ہے، حاضر ہو جاؤں گا۔" پھر ہم تینوں وہاں سے واپس چلے آئے۔

دوسرے دن وکیل فاروقی صاحب کے دفتر سے میں نے ڈاکٹر نوید صدیقی کو فون کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں، میں پہنچ جاؤں۔

میرے جاتے ہی انھوں نے میز کی دراز سے ایک لفافہ نکال کر میرے سامنے ڈال دیا۔

"اس میں کیا ہے؟"

"تصویریں ہیں، اس بچی کی۔" نوید صدیقی نے لفافے سے ایک تصویر نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔

تصویر کی پشت پر لکھا تھا۔ "خون۔"

میں نے لفافے میں سے سب تصویریں نکال لیں۔ ہر تصویر کی پشت پر ایک ایک لفظ لکھا ہوا تھا۔

"آپ ہر تصویر کا تاثر اس کے چہرے پر دیکھتے چلیے۔"

"اوہ... ڈاکٹر صاحب! یہ تصویریں آپ نے...؟"

"ہاں، اُسی وقت بنائی تھیں، جب میں اس سے سوالات کر رہا تھا۔"

میں نے دلچسپی سے ڈاکٹر نوید صدیقی کے اس طریقۂ کار کو دیکھا اور پھر پستول، ہنٹر، چاقو، ماں، باپ، جیل، ان تمام چیزوں سے متعلق تصاویر کا جائزہ لینے لگا۔ صوفی کے چہرے پر، ڈاکٹر کے الفاظ سے جو تاثرات پیدا ہوئے تھے، وہ ان تصویروں میں نظر آ رہے تھے۔ جب میں نے تمام تصاویر دیکھ لیں تو نوید صدیقی نے کہا۔

"کسی حد تک اندازہ تو آپ کو بھی ہو گیا ہو گا۔ بہرطور بہت زیادہ الجھا ہوا کیس نہیں ہے۔ میرے خیال میں آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ البتہ ٹریٹمنٹ کچھ لمبا ہو سکتا ہے۔ میں دواؤں کے ذریعے اس کی ذہنی حالت بحال کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ شدید اذیت سے گزری ہے اور اس کی زبان کاٹی گئی ہے۔ اس سے اس کا ذہنی نظام معطل ہو گیا ہے لیکن اب وہ خاصی بہتری کی سمت نظر آتی ہے۔ آپ کو اس کی مکمل ذہنی بحالی کے لیے تقریباً تین ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔"

"گڈ... بہرطور آپ نے کوئی نتیجہ تو اخذ کیا۔"

"سو فیصد... میرے خیال میں آپ اُسے ان دواؤں کا استعمال شروع کرا دیجیے۔"

"لکھ دیجیے آپ۔" میں نے کہا اور نوید صدیقی نے ایک پرچے پر مجھے دواؤں کے نام لکھ کر دے دیے۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولے۔ "بھئی! نیکیوں کے ٹھیکے دار آپ ہی نہ بن جائیں۔ کبھی کبھی ہم گناہ گاروں کو بھی اس میں شامل کر لیا کریں۔"

"بہتر ہے ڈاکٹر صاحب! آپ یقین کیجیے، میں آپ ہی جیسے ساتھیوں کے ساتھ، اپنے جذبوں کی تکمیل کرنے نکلا ہوں۔"

"جب بھی میری ضرورت ہو شارق میاں! مجھے یاد رکھیے... شکر گزار رہوں گا۔"

یہ مسئلہ تو یہاں نمٹ گیا تھا لیکن ظاہر ہے، تین ماہ خاموشی سے انتظار کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ دوپہر کو فاروقی صاحب اور جاوید قریشی سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو فاروقی صاحب ایک دور کی کوڑی لائے۔ کہنے لگے۔

"بچی تو کاشف کی تحویل میں ہے ہی۔ اب اگر تم چاہو تو اپنے طور پر کام شروع کر دو۔ اخبار میں ایک تصویر اور اشتہار دے دو اور یہ لکھ دو کہ یہ بچی تمہیں کہیں ملی ہے اور تم اُسے اُس کے وارثوں کے سپرد کرنا چاہتے ہو... ہو سکتا ہے کہ کوئی رجوع کرے اور جو بھی کوئی اس بچی کے سلسلے میں آئے گا، وہ ہمارے کام کا آدمی ہو سکتا ہے۔"

"بچی کے دشمن بھی ہو سکتے ہیں۔"

"یقیناً... لیکن بچی تو کاشف کے پاس ہے اور کاشف نے اس سلسلے میں کوئی خاص پبلسٹی نہیں کی ہے۔ تم اشتہار میں اپنے فلیٹ یا اس دفتر کا پتا دے دو کہ وہ یہاں آ کر ہم سے ملاقات کریں۔ ہم ان سے بچی کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ اس طرح ممکن ہے، تمہاری کسی خاص سمت راہنمائی ہو سکے۔"

"اچھی تجویز ہے فاروقی صاحب! اس میں کچھ کارروائیاں میں بھی کروں گا۔ ویسے دیکھیے، آپ لوگوں کے ذہن بھی اس جانب راغب ہو گئے ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں شارق میاں! تم نے ہمارے بیٹھے کو ایک نئی سوچ دی ہے۔" انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

اشتہار کے لیے مضمون تیار کیا گیا اور پھر شام کو کاشف سے بچی کی تصویر بھی لے لی گئی۔ دواؤں کے بارے میں، میں نے کاشف کو تفصیل سمجھا دی تھی... اور کاشف نے وعدہ کیا تھا کہ وہ صوفی کو ان دواؤں کے استعمال کے لیے تیار کرے گا۔ تجویز جاوید قریشی کی تھی اور ترامیم میری...

چنانچہ کاشف سے ملنے کے بعد میں سیدھا بدر شاہ کے اڈے پر پہنچ گیا۔

وہاں میلہ سا لگا ہوا تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے کسی جھگڑے کا تصفیہ ہو رہا تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو بدر شاہ نے ایک موٹی سی گالی بکتے ہوئے ان لوگوں سے کہا۔

"جاؤ بے، اپنے معاملے خود سنبھالا کرو۔ یہ خواہ مخواہ کے لفڑے لے کر میرے پاس مت آ جایا کرو۔ چلو، پھوٹو۔ اب مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔" وہ لوگ سر جھکا کر جانے لگے تو بدر شاہ کڑک کر بولا۔ "اور دیکھو، بات نرمی سے ہونی چاہیے۔ اگر کسی نے پھنے خان بننے کی کوشش کی تو اُسے پہلے بدر شاہ سے بڑا پھنے خان بننا پڑے گا۔ تم سبھی سے یہ بات کہہ رہا ہوں... جھگڑے سے معاملے طے نہیں ہوں گے، سمجھے۔ چلو، پھٹا کھاؤ۔"

وہ سب خاموشی سے باہر نکل گئے تو بدر شاہ نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "آؤ جی ولی اللہ! بہت دن کے بعد گزر ہوا... پھنس گیا کوئی مرغا؟"

"کیا بات ہے بدر شاہ! آج کل زبان بڑی عمدہ بولنے لگے ہو۔"

"کیا کریں شارق بھائی! کوشش کرتے ہیں کہ شریفوں میں وقت گزاریں اور شرافت کی زبان سیکھیں مگر یہ..." بدر شاہ نے

بھر گالی بکی۔ "شریف بننے ہی نہیں دیتے۔ کوئی نہ کوئی غنڈا لے کر پہنچ جاتے ہیں اور مجھے پھر بدر شاہ بننا پڑ جاتا ہے۔"

"اس دَور کو بدر شاہ ہی کی ضرورت ہے میرے دوست . . . بدر شاہ بنے رہو لیکن اپنے آپ کو ضمیر کی عدالت میں پیش کرتے رہا کرو اور اُس جج سے اپنے افعال کے فیصلے کراتے رہا کرو۔ جہاں وہ تمہیں کسی بُرائی سے روکے، وہاں رُک جانا تمہارا فرض ہے۔"

"ٹھیک ہے جی! یہ لو، گرہ باندھ لی۔" بدر شاہ نے انگلی میں انگلی پھنساتے ہوئے کہا۔ اور پھر بولا۔ "کیا پیو گے؟"

"کوئی ٹھنڈا مشروب منگوالو۔"

سیون اَپ کی بوتلیں پیتے ہوئے میں نے بدر شاہ سے اِدھر اُدھر کی کچھ باتیں کیں اور پھر بولا۔ "ایک مسئلہ پھر آن پڑا ہے بدر شاہ!"

"ہم تو پوچھنے کے لیے بے چین تھے شارق بھائی! کہو، کدھر چلنا ہے۔ ویسے تمہارے ساتھ قسم اللہ کی، آتا مزہ ہے۔ اب کے کس کی گردن پھنسی؟"

"ابھی تک گردن نہیں پھنسی بدر شاہ! پھندا تیار ہے اور گردن کی تلاش ہے۔"

"مل جائے گی، مل جائے گی۔ بھلا تم سے کسی کی گردن کیا بچے گی شارق بھائی! ویسے کمال ہے، میں نے ایسا ہر فن مولا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔ کبھی کبھی تو تمہاری شاگردی کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"چلو، فی الحال اُستادی ہی کرتے رہو۔ بات دراصل اس بار ایک چھوٹی سی بچی کی ہے۔ بارہ تیرہ سال عمر ہے۔ میں تمہیں تفصیل بتاتا ہوں۔" میں نے کہا اور بدر شاہ کو صوفی کی تصویر کے ساتھ تمام تفصیلات بتادیں۔

بدر شاہ پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا رہا تھا پھر اُس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ "کوئی بھتنی کا جنا بے چاری پر ظلم کرتا رہا ہوگا... زبان بھی کاٹ لی۔ مل جائے شارق بھائی! تو پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے ایک دو دن کے لیے بدر شاہ کے ڈیپارٹمنٹ میں بھجوا دینا۔ اُسے یہ تو بتلایا جائے کہ کسی معصوم پر ظلم کرتے ہوئے کیسا لگتا ہے۔"

"یہ سب تو بعد کی باتیں ہیں بدر شاہ! کل یہ تصویر میں اخبار میں دے رہا ہوں اور اس کے نتیجے میں امکان ہے کہ کوئی ہمارے پاس ضرور پہنچے گا۔ ممکن ہے اس میں چند روز لگ جائیں لیکن اسی اُمید پر ہم یہ اشتہار دے رہے ہیں کہ شاید کوئی اُس لڑکی کے سلسلے میں ہم تک آئے اور اگر کوئی آئے تو اُس کا تعاقب کرنا ہے، یہ پتا لگانا ہے کہ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے۔ کیونکہ لڑکی کا دعوے دار کوئی صحیح آدمی نہیں ہو سکتا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو شارق بھائی! تو پھر اپنا جاسوسی کا ڈیپارٹمنٹ چالو؟" بدر شاہ نے کہا۔

"ہاں، مگر سمجھدار آدمیوں کو منتخب کرنا۔ دو آدمی کل صبح فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ جانے چاہئیں۔ اُس شخص کو یا اُن لوگوں کو جن پر شبہ ہوگا، میں خود نیچے تک رُخصت کرنے آؤں گا اور اُن سے ہاتھ ملا کر اُنھیں رُخصت کروں گا۔ یہ اُن کی پہچان ہوگی کہ وہ کام کے آدمی ہیں۔"

"بس جی، بالکل ٹھیک! ہم یہی سوال کرنے والے تھے آپ سے کہ ہم اس بھائی کو پہچانیں گے کیسے؟"

"تمہیں اندازہ ہو گیا؟"

"ہاں جی، بالکل۔ آپ فکر ہی نہ کرو۔ دو آدمی پہنچ جائیں گے... موٹر سائیکلیں ہوں گی اُن کے پاس تاکہ اُنھیں پیچھا کرنے میں دقت نہ ہو"

"بہت بہت شکریہ بدر شاہ! ویسے ایک بات ہے میرے دوست! میں نے تم سے ایسے بہت سے کام لیے ہیں جن میں تمہارے اخراجات بھی ہوئے ہیں اور تم نے خود بھی کافی وقت صرف کیا ہے مگر میں آج تک تمہارے کسی کام نہ آسکا۔ کبھی مجھے بھی اپنے کسی مسئلے میں شریک کر لیا کرو۔"

بدر شاہ ہنسنے لگا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا تھا کہ کبھی کبھی اپنے آپ کو ضمیر کی عدالت میں پیش کر دیا کروں۔ یہ کام ہم کبھی کبھی کر ہی لیتے ہیں۔ بُرائیاں کرتے کرتے تو زندگی گزر گئی۔ ایک آدھ اچھا کام کر کے ذرا ذائقہ تبدیل کر لینے میں کیا حرج ہے اور پھر ضمیر کو بھی تو زندہ رہنا چاہیئے۔ ضمیر سالا مر جائے تو پھر کیا رہ جاتا ہے۔"

میں نے بدر شاہ کا شانہ تھپتھپایا اور آہستہ سے کہا۔ "بدر شاہ! جب میں اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے امن کی دُنیا میں آیا تھا تو بہت سے لوگوں کے مذاق کا نشانہ بنا تھا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد میرا حوصلہ اتنا بڑھ گیا کہ اب میں اُن سب کا مذاق اُڑا سکتا ہوں اور یہ حوصلہ بڑھانے والے میرے دوست ہیں جن میں بدر شاہ کا نام سرِ فہرست ہے۔ چنانچہ بدر شاہ ہم اپنا مشن جاری رکھیں گے، چاہے حالات کچھ بھی ہوں۔"

"بالکل جاری رکھیں گے شارق بھائی! بُرائیوں کے ساتھ کبھی کبھی نیکی کا کام بھی ہوتے رہنا چاہیئے ورنہ انسانیت بالکل مر جائے گی۔ کل یہ دونوں آدمی تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔"

"گڈ! اب مجھے اجازت دو بدر شاہ!" میں نے کہا اور وہاں سے اُٹھ آیا۔

آخری کام اخبار میں بس اشتہار دینا تھا اور اُس کے بعد فرصت۔ چنانچہ اس آخری کام کی تکمیل کے بعد میں مطمئن ہو گیا

ننے لگا دیے تھے۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اس میں کون سی چڑیا آکر پھنستی ہے لیکن اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ کام اتنی برق رفتاری سے ہو جائے گا۔

دوسرے دن صبح اخبار میں اشتہار آیا اور اُسی دن دوپہر کو تقریباً ڈھائی بجے جب فاروقی صاحب کورٹ سے لوٹے تو استاد چھُنّے نے ایک شخص کے آنے کی اطلاع دی۔ ہم نے اُسے اندر بلا لیا... دیہاتی سا آدمی تھا، معمولی سی شلوار قمیص میں ملبوس، کندھے پر رومال پڑا ہوا، سر کے بال چھوٹے چھوٹے لیکن آنکھوں میں مکاری کی چمک لیے ہوئے۔ اُس نے جھجکتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا اور پھر بولا۔

"اندر آسکتا ہوں جی؟"

"آئیے، آئیے... تشریف لائیے۔" فاروقی صاحب نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے کہا اور وہ رومال سے پسینہ پونچھنے لگا۔

میں نے اس دوران اُس کی بغل میں دبا ہوا اخبار دیکھ لیا تھا اور ایک دم سنبھل گیا تھا۔ اسے کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی گئی تو وہ بیٹھ گیا۔

"جی فرمائیے؟" وکیل فاروقی نے پوچھا۔

"وہ صاحب جی یہ اخبار میں تصویر چھپی تھی اور نیچے آپ کا پتا بھی لکھا ہوا تھا جی۔ دو گھنٹے سے پتا تلاش کر رہے ہیں آپ کا۔ صاحب جی یہ پتا صحیح ہے؟" اس نے اخبار سامنے رکھ دیا۔

"ہاں بالکل ٹھیک۔ تو کیا یہ بچی تمہاری ہے؟"

"ہاں جی۔ اس کا حلیہ ضرور بدل گیا ہے مگر یہ اپنی ہی [illegible] ہے۔ کہاں ہے صاحب جی یہ؟ بڑی مصیبتیں اُٹھائی ہیں ہم نے اس کے لیے۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟"

"رحیم خان جی۔ یہ ہماری بھانجی ہے۔ ہماری بیوہ بہن کی بچی۔ شوہر کے مرنے کے بعد وہ بیوہ بہن اپنے ہی پاس رہتی تھی جی اور یہ بچی ہم ہی پروان چڑھا رہے تھے۔ بیچاری چھت سے گر پڑی۔ دانتوں میں آکر زبان کٹ گئی اور سر میں چوٹ لگ گئی۔ اس وقت سے نیم پاگل سی تھی ایک دن گھر سے باہر نکل گئی اور پھر ہمیں نہیں ملی۔ صاحب جی میری بہن روتے روتے پاگل ہو گئی۔ شوہر ہی کا دکھ کیا کم تھا بیٹی کا غم بھی برداشت کرنا پڑا اُسے۔ ہم خود غریب آدمی ہیں جی اور محنت مزدوری کر کے زندگی گزارتا ہوں۔"

"تم نے اپنا نام رحیم خان بتایا نا؟"

"ہاں صاحب جی رحیم خان ولد کریم خان۔"

"رحیم خان کتنے عرصہ پہلے یہ بچی تمہارے پاس سے گم ہوئی تھی؟"

"صحیح تو نہیں بتا سکتے جی پر یہی کوئی ڈیڑھ پونے دو سال ہو گئے جی۔ صاحب جی زندگی عاجز آگئی۔ ہم نے پولیس میں بھی رپورٹ درج کرائی تھی جی مگر پولیس ہم جیسے لوگوں کا کام کہاں کرتی ہے۔ آج یہ تصویر دیکھی جی تو اللہ کا نام لے کر آپ کی تلاش میں چل پڑے۔ کہاں ہے جی وہ؟ دے دو ہمیں ہم آپ کا بڑا احسان مانیں گے۔"

"رحیم خان بچی تمہیں پہچانتی ہے؟"

"کیا کہہ سکتے ہیں جی۔ ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اپنی ماں تک کو نہیں پہچانتی تھی۔ ہو سکتا ہے ہمیں پہچان لے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ پہچان پائے۔ آپ اسے ہمارے سامنے تو لاؤ جی۔"

"نہیں رحیم خان ابھی وہ ہمارے پاس نہیں ہے ایک بہت بڑے آدمی نے ہم سے رجوع کیا تھا اور بتایا تھا کہ ہم اس بچی کے وارثوں کو تلاش کریں۔ ہم ایسے کام بھی کر لیا کرتے ہیں چنانچہ ہم نے اخبار میں اشتہار دیا۔ اب تم آئے ہو تو ہم اس کی اطلاع اُس بڑے آدمی کو دیں گے۔ بچی کل منگوا لی جائے گی اور اُسے تمہارے حوالے کر دیا جائے گا۔ تم اپنا پتا لکھوا دو۔"

"صاحب جی کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ہمیں اس بڑے آدمی کے پاس لے چلو۔ اس کا احسان بھی مانیں گے کہ اس نے بچی کو اتنے دن اپنے ساتھ رکھا۔ شکریہ ادا کر دیں گے اُس کا۔ ہم چاہتے ہیں کہ فوراً اُسے لے کر اپنی بہن کے پاس پہنچ جائیں تاکہ اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو۔"

"ابھی یہ ممکن نہیں ہے رحیم خان کل تک انتظار کرو کل تمہارا یہ کام کر دیا جائے گا۔"

میں اس کے ساتھ ساتھ نیچے اُتر آیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ تو نہیں ہو سکا کہ بدر شاہ کے آدمی کہاں ہیں یا کون سے ہیں لیکن میں نے اس شخص سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور اسے تسلیاں دے کر رُخصت کر دیا۔ اس کے بعد میں واپس وکیل فاروقی کے دفتر میں آگیا۔ جاوید قریشی پُرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں نے کرسی پر بیٹھ کر سوالیہ نگاہوں سے وکیل فاروقی اور جاوید قریشی کو دیکھا

وہ کہنے لگے۔

"چیف کچھ عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ شخص جو کچھ کہہ رہا تھا وہ دُرست ہو؟"

"اگر ایسا ہے تو اس سے فرق کیا پڑتا ہے۔ نوید صدیقی نے اس کا علاج شروع کر دیا ہے بچی اپنی ماں کے پاس پہنچ جائے گی اور بات ختم ہو جائے گی۔ میں صرف اس لیے تو دلچسپی نہیں لے رہا تھا کہ میری اپنی تفریحِ طبع کا سامان ہو جائے۔ بات صرف اس بچی کی تھی بے چارے کاشف مسعود نے ایک نیک کام کیا تھا۔ میرا خیال ہے اگر اسی وقت وہ اشتہار وغیرہ دے دیتا تو شاید یہ لوگ اس وقت ہی پہنچ جاتے۔ بہرحال اب سہی میں اس سے بددل نہیں ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے ہمارا مقصد تو صرف یہ تھا کہ بچی کی صحیح صورتِ حال سامنے آ جائے۔" جاوید قریشی نے گردن ہلائی اور خاموش ہوگئے۔

لیکن تقریباً ساڑھے چار بجے۔ مجھے بدر شاہ کا فون موصول ہوا۔ دفتر ہی میں تھا اور اُٹھنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ "شارق بھائی جی کام بن گیا ہے۔ کچھ انکشافات ہیں آپ کے لیے۔ ٹیلی فون پر کہہ دوں؟"

"ہاں کیا حرج ہے۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"

"جو بندہ آپ کے پاس آیا تھا اُسے ہم آج سے نہیں تین سال پہلے سے جانتے ہیں۔ رحیمو نام ہے اس کا۔ لچّا لفنگا آدمی تھا کئی دفعہ سال چھ مہینے کی جیل کاٹ چکا ہے۔ پچھلے کافی دن سے غائب تھا۔ ڈھائی تین سال سے شاید یہاں نہیں تھا کیونکہ جب یہاں تھا تو مار پیٹ کے کسی نہ کسی چکر میں نظر آتا ہی رہتا تھا۔ اس وقت غلام کالونی کے کوارٹر نمبر ۱۲ میں موجود ہے اور ایک اور خاص بات شارق جی اور وہ یہ کہ دو اور لفنگے اس کے ساتھ ہیں یہ بھی جانے پہچانے آدمی ہیں۔ لوگوں کے لیے کام کرتے رہتے ہیں... مار پیٹ وصول دھندا۔ یہ دونوں اس وقت نیچے موجود تھے جب آپ رحیمو کو ملنے آئے تھے۔ رحیمو کافی دُور تک پیدل چلتا۔ اور اس کے بعد ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر غلام کالونی چلا گیا۔ یہ دونوں آدمی دوسری ٹیکسی میں اس کے پیچھے گئے۔ دونوں یہاں غلام کالونی تک آئے ٹیکسی اور اس کے بعد یہ دونوں [illegible] ہوتے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ ہمارے بندے غلام کالونی کے اس کوارٹر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ کوئی نئی ہدایت ہو تو بتا دیں جی؟"

میرا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا تھا میں نے آہستہ سے کہا۔ "نہیں بدر شاہ لیکن اپنے ان آدمیوں سے اگر دوبارہ رابطہ قائم کر سکتے ہو تو صرف اتنا کہہ دو کہ یہ نگرانی ختم نہیں ہونی چاہیئے۔ اور جو بھی آس پاس نظر آئے اس پہ بھی پوری پوری توجہ دی جائے۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق بھائی بس تم نے کہہ دیا کافی ہے۔ ڈیپارٹمنٹ پورا پورا کام کر رہا ہے۔"

"اس کے علاوہ بدر شاہ میں رات کو تم سے ملاقات کروں گا کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟"

"واہ! شارق بھائی جی کیسی غیریت کی باتیں کرتے ہو۔ بھلا اس سے بڑی اور کوئی مصروفیت ہو سکتی ہے کس وقت آ رہے ہو؟"

"سات بجے کے قریب۔" میں نے جواب دیا اور بدر شاہ نے کہا کہ سات بجے وہ میرا انتظار کرے گا۔

اس سلسلے میں وکیل فاروقی یا جاوید قریشی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں باہر نکل آیا۔ اب یہ معاملات میرے لیے پوری طرح باعثِ دلچسپی ہو گئے تھے چنانچہ یہاں سے سیدھا کاشف مسعود کی دُکان پر پہنچا۔ وہ حساب کتاب میں مصروف تھا۔ مجھ سے کافی مانوس ہو گیا تھا۔

"بس شارق صاحب نجانے کیوں میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ آپ مجھ سے ملاقات کرنے آئیں گے۔"

"کوئی خاص بات ہے کاشف؟"

"نہیں شارق بھائی۔ بعض لوگ اندرونی طور پر ذہن کو بے حد متاثر کرتے ہیں اور دل چاہتا ہے کہ ان سے ملاقاتیں کی جاتی رہیں۔ آپ نے بھی کچھ مجھے اسی طرح متاثر کیا ہے اور پھر سچ بات یہ ہے کہ دل سے میں آپ کے کردار کا معترف ہوں۔ اس دور میں ایسے کردار روایتی ہی کہلاتے ہیں۔ بعض لوگ جانے کیا ہوتے ہیں ان بھیانک حالات میں اور اس پُرآشوب دور میں بھی وہ اپنے کردار کے ایسے نمونے پیش کرتے ہیں کہ انسانیت پر اعتبار کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"چھوڑو یار کہاں کی باتیں لے بیٹھے۔ میں اپنے طور پر یہ سب کچھ نہیں سوچتا۔ بہرطور یوں سمجھ لو کہ صوفی کے سلسلے میں کام کچھ آگے بڑھا ہے ابھی میں تمہیں کوئی تفصیل نہیں بتاؤں گا۔ بس ایک ہدایت دینے کے لیے آیا ہوں تمہیں اس وقت۔ صوفی کی نگرانی اب پہلے سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ میرا خیال ہے بہت سے لوگوں کو اس کے بارے میں نہیں معلوم ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ تمہارے قریبی حلقوں کو اس کا پتا ہوگا کہ وہ بچی تمہارے پاس ہے مزید اور لوگوں کو اس راز میں شامل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اپنے گھر میں خاص طور سے اپنے ملازموں کو ہدایت کر دینا کہ اسے کسی بھی لمحے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے اور اس کی پوری پوری نگرانی رکھی جائے۔"

"ٹھیک ہے شارق بھائی۔ ایسا ہی ہوگا۔" کاشف نے مجھے اطمینان دلایا۔ اس کے ساتھ چائے پی اور کافی دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

تقریباً پونے سات بجے وہاں سے اُٹھا اور سیدھا بدر شاہ کے اڈّے کی جانب چل پڑا۔ چونکہ اب کام کا آغاز ذرا مختلف انداز میں ہو چکا تھا اس لیے احتیاط بھی ضروری تھی۔ مجھ سے ملنے والے یہ جان کر کہ میں ان معاملات میں ملوث ہوں میرا تعاقب بھی کر سکتے تھے چنانچہ محتاط رہنا ضروری تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں بدر شاہ کے اڈّے پہ پہنچ گیا۔ معمول کے مطابق وہ میرا انتظار کر رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"آج میں نے اپنے چند بندوں سے آپ کے لیے بہت عُمدہ کھانا پکوایا ہے شارق بھائی جی۔ کھانا کھا کر جانا ہے گا۔"

"ارے بدر شاہ اس کی کیا ضرورت تھی اور پھر میں تمہارے پاس زیادہ دیر تو نہیں رُک سکوں گا۔ کچھ خاص ذمہ داریاں تمہارے سپرد کرنے کے لیے آیا تھا۔"

"کھانا تو کھانا ہی پڑے گا۔ بڑی عُمدہ مچھلی پکوائی ہے میں نے اور بھی کئی چیزیں ہیں آپ کے آنے کی خبر تھی محمود بن گیا۔"

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا بدر شاہ کے خلوص پہ کوئی شک نہیں تھا۔ بُرے لوگوں میں وہ بہت اچھا انسان تھا پھر میں نے مطلب کی بات شروع کر دی۔

"ان آدمیوں کی طرف سے اور تو کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی؟"

"نہیں جی۔"

"کل خاص طور سے کام کرنا ہے بدر شاہ۔ رحیمو یا رحیم خان کو میں نے کل بُلایا ہے۔ میرے پاس آئے گا اور میں اسے ساتھ لے کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ یہاں اُس کی زبان کھلوانی ہے۔ معقول انتظام رکھنا۔ کچھ اور آدمیوں کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔ جب میں اسے وہاں سے لے کر چلوں تو ظاہری بات ہے کہ وہ دو آدمی پروگرام کے مطابق اس کا تعاقب کریں گے جن کی نشاندہی تمہارے آدمیوں نے کی ہے۔ ان دونوں کو راستے ہی میں روک لینا۔ طریقۂ کار تم خود متعین کر دو گے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ان دونوں کو رحیم خان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک نہیں آنا چاہیئے۔ ویسے انہیں کوئی نقصان پہنچانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کام صرف اتنا ہے کہ وہ یہاں تک پیچھا نہ کر سکیں۔"

"ہو جائے گا جی۔ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔" بدر شاہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"یہاں لانے کے بعد اگر اس نے شرافت سے زبان کھول دی تو ٹھیک ہے ورنہ ہمیں کچھ غیر قانونی حرکتیں بھی کرنا ہوں گی لیکن ہم اپنے آپ کو اس سلسلے میں مجرم نہیں سمجھتے کیونکہ یہ سب کچھ قانون کی مدد کے لیے ہی ہوگا۔"

"ایسی باتیں نہ سوچا کریں شارق بھائی۔ جُرم کرنے والے خود کبھی یہ سوچتے ہیں کہ جن لوگوں کو ان کے ہاتھوں نقصان پہنچ رہا ہے ان کی کیا کیفیت ہو گی؟"

"ایک بات کہوں بدر شاہ؟"

"ہاں شارق بھائی کہیئے۔"

"تم اتنے اچھے انداز میں سوچ لیتے ہو تو پھر اپنے معمولات میں تبدیلی کیوں نہیں پیدا کرتے؟ خود ان راستوں سے کیوں نہیں ہٹ جاتے؟"

میرے ان الفاظ پہ بدر شاہ مُسکرانے لگا۔ "شارق بھائی جی یہ بات ہم سے آئندہ مت کہنا۔ ہماری کہانی اگر سُن لو گے تو ہمیں معاف کر دو گے۔ کبھی کسی مناسب وقت ہم اپنے بارے میں آپ کو تفصیل بتا دیں گے۔ فیصلہ اُس وقت کرنا کہ ہم ان راستوں پہ آنے میں حق بجانب ہیں یا نہیں۔ جہاں تک جُرم اور کسی کو نقصان پہنچانے کا سوال ہے تو اب یہ تم سے کہنے کی بات نہیں ہے جب سے تمہارا ساتھ ہوا بہت سے طریقے بدلنے پڑے ہیں۔ ان کی بھی تفصیل اُدھار رہی۔ مختصر الفاظ میں یہ سمجھ لیں کہ اب ہم کوشش کرتے ہیں کہ کسی عام آدمی کو ہمارے ہاتھوں کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ ہاں وہ لوگ جو دوسروں کو

نقصان پہنچا کر اپنی جھولیاں بھرتے ہیں ہم اُن کی جھولی میں سے کچھ نکال لیتے ہیں تاکہ اپنے ان مسٹنڈوں کا پیٹ بھی بھر سکیں۔ بتائیں گے کبھی آپ کو ان کی تفصیل بھی، براہِ کرم ایک گنجائش اپنے دل میں ضرور پیدا کرلیں وہ یہ کہ بدر شاہ اب اتنا بُرا آدمی نہیں رہا ہے جتنا کچھ عرصہ پہلے تھا۔“

مَیں بدر شاہ کی باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا۔ رات کا کھانا اس کے ساتھ کھایا اور پھر اس سے اجازت لے کر فلیٹ کی جانب چل پڑا۔ یہاں تک کا سفر بھی پُرسکون رہا تھا۔ اُستاد چھُوسے معمول کے مطابق انتظار کر رہے تھے۔ کھانے کے لیے پوچھا تو میں نے معذرت کر لی اور انھیں بتایا کہ بدر شاہ کے ساتھ کھانا کھا لیا تھا۔ اُستاد چھُو سے کہنے لگے۔

”گھر سے ٹیلی فون آیا تھا۔ آئی۔جی صاحب خود بول رہے تھے۔ کہنے لگے کہ کل دن میں کسی وقت آپ کو وہاں بھیج دُوں کوئی خاص ٹائم نہیں بتایا۔“

”اوہ! اور کوئی خاص بات؟“

”نہیں۔ بس یہی کہا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے جواب دیا۔ لیکن ذرا سا اُلجھ گیا تھا۔ ظاہر ہے آئی، جی صاحب اپنا مطالبہ دُہرائیں گے اور یہی کہیں گے کہ میں واپس آشیانے میں آجاؤں۔ جو کسی طور میرے لیے ممکن نہیں تھا بہرصورت اس مسئلے کو بھی کسی نہ کسی طرح حل کرنا ہی تھا۔

صبح میں نے وکیل فاروقی صاحب کو گھر پر ٹیلی فون کیا کہ ذرا دیر سے آفس آؤں گا اگر زیادہ دیر ہو جائے اور رحیم خان وہاں پہنچ جائے تو اسے بٹھا لیا جائے اور اس کی خاطر مدارت کی جائے۔ فاروقی صاحب نے دیر سے آنے کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ میں نے تیاریاں کیں اور آشیانے کی جانب چل پڑا۔ بیرسٹر صاحب کورٹ جا چکے تھے۔ ایس۔ پی صاحب موجود تھے اور جانے کیوں جج صاحب بھی گھر پر ہی نظر آرہے۔ کوئی خاص اہتمام نہیں تھا۔ میں داخل ہوا تو لالہ رُخ پر ہی نگاہ پڑی اور میں نے دونوں آنکھیں بند کرلیں۔ دوبارہ آنکھیں کھولیں تو ایک ناقابلِ یقین منظر نظر آیا۔ لالہ رُخ مسکرا رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”سبحان اللہ اسی بات پر تو حیرت ہو رہی ہے کہ یہ انوکھی بات کیسے ہے؟“

”کیا ہوا؟ کوئی نئی سُوجھی ہو گی۔“ لالہ رُخ نے کہا۔

”لالہ رُخ۔ ذرا اپنے ہونٹوں کو دیکھو تم مسکرا رہی ہو۔“

”کیا آپ مجھے ہمیشہ روتے دیکھنا چاہتے ہیں؟“

”جو شکل ہی روتی ہوئی ہو اس کے بارے میں کیا خواہش کی جا سکتی ہے؟“ میں نے جواب دیا اور لالہ رُخ چڑ گئی۔

”اپنی صورت دیکھی ہے کبھی آئینے میں صبح کو دیکھ لو تو دن بھر کھانا نصیب نہ ہو۔ اور مصیبتوں میں گرفتار رہو۔“

”کم از کم اس شکل کے ساتھ مجھے آشیانے میں رہنے والوں سے تو ہمدردی ہے۔ تم تو اپنی منحوس شکل لے کر صبح سے شام تک ان لوگوں پر مسلط رہتی ہو۔ میں تو اسی لیے کنارہ کشی اختیار کر گیا کہ کم از کم لوگوں کو میری صُورت دیکھ کر کوئی پریشانی نہ ہو۔“

”میں کہتی ہُوں میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کرسکتی۔ کیا سمجھتے ہیں آپ اپنے آپ کو۔ کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے؟“

”ارے جو ہو وہی سمجھ رکھا ہے اور میں کیا سمجھوں گا۔ دُنیا سمجھتی ہے کسی سے بھی پوچھ لو یہی جواب دے گا اب یہ دوسری بات ہے لوگ اخلاقاً خاموش رہتے ہیں۔ تو یہ تو یہ میں تو دعوے سے کہتا ہوں کہ آشیانے پر جب بھی کوئی مصیبت آئی تمہاری ہی وجہ سے آئی۔“

”کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟“

”ہاں ہو گیا ہے تم نے گھر پر جو تسلط جما رکھا ہے اب میں اسے ختم کر کے ہی دم لُوں گا۔ دیکھتا ہُوں تم میرا کیا بگاڑتی ہو۔“ میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

یہ پیش بندی تھی کہ اگر آشیانے میں مجھے قید کرنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہے تو کچھ مخالفین فوراً ہی پیدا کرلوں جو شدت سے میرے یہاں آنے کی مخالفت کریں۔ لالہ رُخ آئی۔جی صاحب کی مُنہ چڑھی تھی اگر وہ شدت سے میری مخالفت کرے تو آئی۔جی صاحب کے مطالبے میں کمی ہو سکتی ہے۔ آج فیصلہ کیا تھا کہ سب سے ہی لڑ جھگڑ لوں چنانچہ قسمت کی ماری شفق بھابی دوسری شخصیت تھیں جو اس سازش کا شکار ہوئیں میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے سرد لہجے میں اس کا جواب دیا اور میں

ان پر اُلٹ پڑا۔

”آپ کے اس رویے کو میں بہت دن سے محسوس کر رہا ہُوں۔ انسان کو اتنا پست بھی نہیں ہونا چاہیئے اسے اگر میں نے آپ کی بہن سے شادی نہیں کی تو کوئی جرم تو نہیں کیا۔ ہر شخص کو اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا حق ہوتا ہے۔ آپ نے بھائی جان کو بیوقوف بنا لیا تو اس کا مقصد ہے کہ میں بھی بیوقوف بن جاؤں۔ کان کھول کر سُن لیجئے بھابی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا چاہے آپ لوگ کتنی ہی کوشش کر لیں۔“

”پاگل ہو گئے ہو شارق۔ یہ تم مجھ سے کہہ رہے ہو۔ یہ سب کچھ... یہ سب کچھ...“ شفق بھابی کی آواز.. لرزنے لگی۔

”بس میں نے کہہ دیا ہے۔ آپ لوگوں کی سازش کو ناکام بنانا میری ذمہ داری ہے جو آپ چاہتی ہیں وہ کبھی نہیں ہونے دُوں گا۔“ میں نے دوسرا محاذ تیار کیا۔

لیکن بدقسمتی سے باقی لوگوں کو اس کے لیے تیار نہیں کرسکا اور آئی۔جی صاحب تک رسائی ہو گئی۔ آئی۔جی صاحب سے البتہ تھوڑا سا محتاط رہنا پڑتا تھا کیونکہ پولیس کے زمانے کی بُری عادتیں آج بھی ان میں جُوں کی تُوں موجود تھیں اور وہ سب کچھ کر لیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مجھے دیکھا اور کسی قدر نرم لہجے میں کہا۔

”آؤ شارق اس وقت آ گئے۔ میرا تو خیال تھا کہ تم شام میں آؤ گے۔ بھئی تم نے کوٹھی واپس آنے کا کیا فیصلہ کیا؟ یہ سوال تم سے کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ لیکن تمہارے ہاں شرم و غیرت کا کوئی تصوّر نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے گھر میں واپس بُلا رہا ہُوں تمہارے اپنے گھر میں۔“

”جی... وہ... ڈیڈی میں بہت جلد حاضر ہو جاؤں گا۔“ میں نے کسی قدر گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

”آؤ تم سے ایک مشورہ کرنا ہے جس کے لیے میں نے تمہیں یہاں بُلایا تھا۔“ آئی۔جی صاحب نے کہا اور مجھے ساتھ لے کر اپنے کمرۂ خاص میں پہنچ گئے۔

”اگر وہ لوگ بھی ہوتے تو اچھا تھا۔ ان کے سامنے تمہاری رائے معلوم ہو جاتی۔ بہرطور ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے دراصل لالہ رُخ کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ شاید تم نے فرحت اللہ کا نام سُنا ہو۔ سیاسی لیڈر رہ چکے ہیں ایک بار حکومت کے عہدے دار بھی بن چکے ہیں لیکن بعد میں نئے انتخابات ہوئے اور وہ اپنے عہدے سے ہٹ گئے۔ ان کے بیٹے کا نام سعد اللہ ہے کاروباری لوگ ہیں اور اچھے کھاتے پیتے اور شہرت والے ہیں۔ لڑکے کو دیکھ لیا گیا ہے۔ شکل وصُورت اور ہاتھ پاؤں کا بھی اچھا ہے۔ اخلاق کا بھی بہتر معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود میں چاہتا ہُوں کہ تم اس کے چال چلن کی تصدیق کرو اور مجھے اس بارے میں رپورٹ دو۔ یہ تجویز طارق حسین نے پیش کی تھی کہنے لگا کہ تم جاسوسی میں بھی اچھے خاصے ماہر ہو۔ بظاہر تو یہ لوگ بُرے نہیں ہیں لیکن میں چاہتا ہُوں کہ تم اپنے طور پر بھی ذرا اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کر کے تصدیق کر لو تاکہ ہم اِن لوگوں کو جواب دے سکیں۔“

”جی ڈیڈی یہ کام واقعی میرے لیے مشکل نہیں ہو گا۔ فرحت اللہ صاحب کو بھی جانتا ہوں اور ان کے بیٹے کو بھی، یہ رپورٹ مجھے کتنے دن میں دینا ہو گی؟“

”یہ تم پر منحصر ہے جب بھی تم پسند کرو۔ ویسے جس قدر جلد ہو جائے بہتر ہے تاکہ ہم کوئی فیصلہ کرلیں۔ میں نے فرحت اللہ سے کہہ دیا ہے کہ جلد ہی انھیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دُوں گا۔“

”اور کوئی حکم ڈیڈی؟“ میں نے سوال کیا۔

”نہیں بس یہی کہنا تھا۔ ویسے جتنی جلدی ہو سکے آشیانے میں واپس آجاؤ۔“

اسی وقت لالہ رُخ لال بھبوکا بنی اندر داخل ہوئی۔ ”ایک بات سُن لیجئے ڈیڈی اگر یہ آشیانے میں واپس آئے تو میں یہاں نہیں رہوں گی۔“

آئی۔جی صاحب نے سرد نگاہوں سے لالہ رُخ کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولے ”کیا بکواس ہے؟“

”جو کچھ بھی ہے ڈیڈی بس میں نے کہہ دیا۔ یہاں میں رہ سکتی ہُوں یا شارق بھائی۔“

”جاؤ میں باتیں کر رہا ہُوں۔“

”میں تو بس یہ بتانے آئی تھی کہ... [illegible]“

”لالہ رُخ جاؤ میں باتیں کر رہا ہوں۔“ آئی۔جی صاحب نے کرخت لہجے میں کہا اور لالہ رُخ [illegible] ہوئی باہر نکل گئی۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ [illegible]

آنے سے گریز کرتا ہوں۔ بہت سی منافقیں ہیں میرے لیے بہتر ہوگا کہ آپ مجھے میرے حال پر رہنے دیں۔ آشیانے سے الگ تو نہیں ہوں۔ میرا دل و دماغ اور وجود یہیں رہتا ہے۔"

"خیر اس موضوع پر پھر بات ہو جائے گی جو کام میں نے تمہارے سپرد کیا ہے اس کی تکمیل کر دو۔"

"بہت بہتر اجازت چاہتا ہوں۔ ابھی اور اسی وقت ہی کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔" میں نے مستعدی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

آئی۔ جی صاحب نے مجھے نہیں روکا تھا باہر نکل کر میں نے سوچا کہ بلاوجہ بے چاری لالہ رُخ کو افسردہ کر دیا۔ اس وقت شدید مسئلہ یہ نہیں تھا کہ میں آشیانے میں واپس آجاؤں بات ذرا دوسری تھی۔ خاص طور سے شفق بھابی کے لیے افسوس تھا کیونکہ ان کا رویہ کبھی میرے ساتھ بُرا نہیں رہا تھا۔ بہرطور یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی سنبھال لوں گا کسی وقت ان لوگوں کو۔ واپس نکل آیا۔ خوش بختی تھی کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں پیش آیا تھا جو باعثِ اُلجھن ہوتا۔

یہاں سے سیدھا وکیل فاروقی صاحب کے دفتر پہنچا وہ موجود نہیں تھے۔ جاوید قریشی بھی گئے ہوئے تھے۔۔۔ اُستاد چمو نے سے گپیں ہوتی رہیں اور پھر مقررہ وقت پر رحیم خان آگیا۔ اپنے اسی مخصوص حُلیے مخصوص لباس میں تھا۔ چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا کہ اس نے یہ حُلیہ بنا رکھا تھا ورنہ بدرشاہ نے جو کچھ اس کے بارے میں بتایا تھا وہ اس وقت اس کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ افسردہ اور ملول سا میرے سامنے آکر بیٹھ گیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"آپ نہیں سمجھتے شارق صاحب کہ ہم ایک ایک لمحہ کیسے گزار رہے ہیں خدا کے لیے اب ہمارے صبر کا امتحان نہ لیں اور ہمیں ہماری بچّی سے ملا دیں۔"

"ہاں۔ ہاں اس سلسلے میں، میں نے پوری پوری بات کر لی ہے۔ چلو تیار ہو جاؤ اور اسے اپنی تحویل میں لے لو۔"

"وہ کہاں ہے جی؟"

"ساتھ لیے چل رہا ہوں تمہیں پریشان کیوں ہوتے ہو۔" میں نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا پھر میں اس کے ساتھ ساتھ نیچے اُتر آیا تھا۔

میں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور دوسری طرف سے اُسے بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"چلنا کہاں ہوگا شارق صاحب؟"

"چلتے رہو یار پریشان کیوں ہو رہے ہو۔" میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گیا۔

میری نگاہیں عقبی نما آئینے میں عقب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لیکن کافی فاصلے تک نکل آنے کے باوجود مجھے ان لوگوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا ویسے بدرشاہ کی طرف سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے کسی معاملے میں غافل ہوگا۔ بدرشاہ نے آج تک کبھی غفلت کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میں نے ایک دو بار محسوس کیا کہ رحیم خان یا رحیمو پلٹ پلٹ کر اپنے آدمیوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بہرطور میں نے اُس پر کسی قسم کا اظہار نہیں کیا تھا۔ گاڑی فاصلے طے کرتی رہی اور اس کے بعد بدرشاہ کے اڈّے پر پہنچ گئی۔ یہاں پہنچ کر رحیمو بُری طرح گھبرا گیا۔

"کک... کہاں جانا ہے شارق صاحب؟"

"وہ سامنے۔"

"وہ... وہ... وہ تو بدرشاہ... بدرشاہ..."

رحیم خان کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا۔ اور میں نے اس کی صورت دیکھی۔

"اسے جانتے ہو؟"

"وہ جی ہاں۔ یہ تو بڑا نامی گرامی بدمعاش ہے۔ آپ میرا مطلب ہے۔ لڑکی...؟"

"لڑکی اُسی کے پاس ہے۔"

"ہیں... ہمیں شارق صاحب ہمیں اندر نہ لے جاؤ آپ خود بچّی کو لے کر آجاؤ۔ دراصل ہم شریف آدمی ہیں ایک بار بدرشاہ سے ہمارا جھگڑا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں اس کے دل میں ہمارے لیے کوئی بُغض نہ ہو۔ نہیں صاحب آپ اندر چلے جاؤ۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

"تم میرے ساتھ آئے ہو رحیم خان فکرمند نہ ہو۔ چلو آجاؤ۔" میں نے دروازہ کھول کر اس کا بازو پکڑا اور اسے نیچے اُتار لیا۔

"وہ... وہ ہم نہیں جائیں گے جی۔ سُنیے تو سہی بات تو سُنیں۔"

"آؤ یار کیا فضول باتیں کر رہے ہو؟ اندر آؤ میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ لڑکی چاہیے تو اندر تو آنا ہی پڑے گا۔"

"وہ صاحب جی بات سُنیئے... ہم... ہم کسی سے مشورہ۔"

اس نے کہا لیکن میں اس کا بازو پکڑ کر اُسے بدرشاہ کے اڈّے کی جانب گھسیٹ رہا تھا اور پھر جب میں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی تمام تر قوت یہاں سے پیچھے ہٹنے میں صرف کر رہا ہے تو میں نے اسے زور سے آگے کی جانب دھکا دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ اندر چلو۔"

"ہم نہیں جائیں گے صاحب۔ ہم نہیں جائیں گے۔ بات تو سُنیئے۔"

لیکن دوسرے لمحے میں نے اُسے دروازے سے اندر دھکیل دیا۔ وہ گرتے گرتے بچا اب اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار نظر آرہے تھے۔ میں نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ دفعتہً ہی اس کا چہرہ تبدیل ہو گیا۔ اور اُس نے نیفے سے چاقو نکال لیا۔ گراری دار چاقو کھول کر اس نے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"صاحب ہم نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ ہم یہاں نہیں آئیں گے آپ زبردستی کر رہے ہو ہمارے ساتھ۔ نہیں آنا چاہتے ہم یہاں ہٹ جاؤ دروازے سے ورنہ چاقو پیٹ میں ڈال دیں گے۔ ہٹ جاؤ۔"

بدرشاہ کے تین چار آدمی اس طرف آگئے تھے۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی رحیمو کے پیروں پر ماری اور رحیمو پلٹ پڑا۔

"انتڑیاں نکال دُوں گا۔ جان سے مار دُوں گا۔" اس نے چاقو والا ہاتھ لہرایا۔

لیکن دوسری لکڑی اس کے اسی ہاتھ پر پڑی جس میں چاقو تھا لکڑی اس زور سے پڑی کہ رحیمو نے بلبلا کر چاقو چھوڑ دیا۔ دوسری لکڑی اس کی کمر پر پڑی اور رحیمو میری جانب پلٹ پڑا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ شارق جی کیا ہو رہا ہے؟ یہ سب... یہ سب...؟"

اسی وقت بدرشاہ سامنے آگیا اور رحیمو اُسے دیکھ کر ساکت ہو گیا۔ بدرشاہ مُسکراتا ہوا قریب آگیا۔

"ارے رحیمو بھیّا۔ کہاں تھے یار اتنے دن سے؟ بہت دن کے بعد نظر آئے۔ کیا کر رہے ہو تم لوگ جانتے نہیں یہ رحیمو ہے۔ اپنا یار۔ ابے آ رحیمو اور تم شارق جی تم بھی آجاؤ۔ بڑی پُرانی یاری ہے ہماری تو رحیمو سے۔ آجا رحیمو اندر آجا۔"

"میں اندر نہیں آؤں گا۔ مجھے یہاں دھوکے سے لایا گیا۔"

"جیسے بھی لایا گیا ہے پیارے اب اندر تو آجا ایسی بھی کیا بے مروّتی بڑے دنوں تک ساتھ رہ چکا ہے ہمارا۔" بدرشاہ نے آگے بڑھ کر رحیمو کا بازو پکڑ لیا اور رحیمو فریادی انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔

"مجبوری ہے رحیمو لڑکی انہی لوگوں کے پاس ہے۔"

"کک... کون سی لڑکی؟ کیسی لڑکی؟ میں... میں کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔ م مجھے تو دھوکے سے... دھوکے سے..."

"ابے آگے بڑھ۔ دھوکے کی اولاد۔" بدرشاہ نے اسے زور سے دھکا دیا اور رحیمو اوندھے مُنہ گرتے۔۔ گرتے بچا۔

"دیکھ بدرشاہ میرا تیرا کوئی جھگڑا نہیں رہا ہے کبھی۔ تو جھگڑا پیدا کر رہا ہے۔"

"پیدا ہونے دے بیٹا جو پیدا ہو رہا ہے اُسے کیوں روک رہا ہے۔ اب اندر چل یا لگاؤں لات۔" بدرشاہ نے کہا اور رحیمو اُٹھ کر چار قدم آگے بڑھ گیا۔

بدرشاہ کے آدمی اس بار اس کے دونوں بازو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے تھے۔ بدرشاہ مُسکراتا ہوا میرے ساتھ چلنے لگا پھر بولا۔

"یہ اچھا ہوا کہ رحیمو نے مجھے پہچان لیا اب ذرا ہمارے درمیان صاف صاف باتیں ہو جائیں گی۔"

جس کمرے میں رحیمو کو لایا گیا وہ کافی کشادہ تھا... بدرشاہ نے بڑے معقول انتظامات کیے تھے۔ ایک انگیٹھی میں سُرخ سُرخ کوئلے دہک رہے تھے اور کمرے کی فضا میں تپش پیدا ہو گئی تھی دیوار پر چمڑے کا ہنٹر نظر آرہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک شکنجی بھی نظر آرہی تھی جس پر انسانی بدن کو کس کر اس سے کوئی بات اگلوائی جا سکتی تھی۔ رحیمو نے یہ ساری چیزیں دیکھیں اور پھر اس کے چہرے پر سخت دہشت کے آثار نظر آنے لگے۔

"پپا... پتا نہیں۔ تت... تم لوگ کک... کیا چاہتے ہو مجھ سے۔ شارق صاحب آپ تو وکیل ہو بھائی جی۔ قانون کی نگرانی میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ مم... میں کہتا ہوں آخر مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ ایک تو میں مظلوم ہوں اور پھر میرے ساتھ یہ ظلم۔"

"نہیں رحیمو اسی جگہ تو لڑکی تمہارے حوالے کی جائے گی بس بدرشاہ تم سے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اے واہ! کیسی تفصیلات؟ لل لڑکی... میری مم... میری..." رحیمو وحشت زدہ انداز میں بولا۔

"کون ہے وہ تمہاری رحیمو؟"

"بھبھ... بھتیجی ہے۔ مم... میرے بھائی کی بیٹی مم... میرا بھائی... میرا مطلب ہے وہ... وہ گم ہو گئی تھی۔ میرا بھائی اس کے لیے کتنا پریشان ہے۔ تم لوگ نہیں جانتے اور بدرشاہ تم... تم یہ سب کیا کر رہے ہو؟ آخر مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"تمہارا بھائی زندہ ہے؟" بدرشاہ نے پوچھا۔

"ہیں... ہاں کیک... کیوں نہ زندہ ہوگا۔ مم... میں نے بُرے دھندے چھوڑ دیے ہیں۔ بس مزدوری کرتا ہوں۔ نوکری کرتا ہوں۔ بُرائی میں کیا رکھا تھا۔"

"بدرشاہ کل رحیمو مجھے بتا رہا تھا کہ یہ لڑکی اس کی بہن کی بیٹی ہے اور اس کی بھانجی ہے۔ آج اس کے بھائی کی بیٹی ہو گئی۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی بہن اپنی بیٹی کے غم میں رو رو کر اندھی ہو گئی ہے۔" میں نے بدرشاہ سے کہا۔

"یہ رحیمو بڑا اُستاد ہے۔ بڑا مسخرہ آدمی ہے ذرا سی دیر میں سارے رشتے بدل دیتا ہے۔ کیوں بھئی رحیمو لڑکی تمہاری بھتیجی ہے؟"

"نن نہیں بھانجی ہے۔ میں نے کب کہا کہ بھتیجی ہے! میں نے شارق صاحب کو یہی بتایا تھا دراصل تم لوگوں نے مجھے اس طرح بوکھلا دیا کہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔" رحیمو نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"رحیمو، بدرشاہ کو تو اچھی طرح جانتا ہے میں اگر کسی کی کھال بدن سے کھینچ لوں تو مجھے ذرا بھی افسوس نہیں ہوتا... کیا فائدہ اپنی ہڈیوں کو تڑوانے سے۔ بتا دے میرے یار بتا دے۔ یہ سب کیا چکر ہے۔ لڑکی کون ہے اور تیرا اس سے کیا واسطہ ہے؟"

"دیکھ بدرشاہ بلاوجہ دشمنی مت مول لے۔ کیڑا میں بھی نہیں ہوں۔ مقابلہ کروں گا تجھ سے۔ کیا سمجھا ہے تو نے رحیمو کو۔"

"میں مقابلہ تو تجھ سے ضرور کرنا پیارے مگر جھگڑا تیرا اور میرا نہیں ہے۔ بات شارق بھائی کی ہے۔ یہ تجھ سے جو پوچھ رہے ہیں بتا دے۔ میں بھلا کیوں تجھ سے دشمنی کروں گا۔ بول تیار ہے یا نہیں؟"

"کہہ چکا ہوں کہ وہ میری بھتیجی ہے۔ مم میرا مطلب ہے کہ بھانجی ہے اور میں اُسے لے جانے آیا ہوں۔ ڈیڑھ سال پہلے کھو گئی تھی۔ تم لوگ سمجھ کیا رہے ہو آخر لڑکی کو میرے سامنے لاؤ پہچان لے گی وہ مجھے مگر صرف ایک خرابی ہے اس کے دماغ میں چوٹ لگی تھی زبان کٹ گئی تھی اس لیے ہو سکتا ہے وہ مجھے پہچاننے سے انکار کر دے مگر..."

"ہوں! شارق بھائی رحیمو ایسے نہیں مانے گا آپ ہمیں اجازت دو۔ ابھی سب کچھ معلوم کر لیں گے۔"

"مجبوری ہے بدرشاہ تم اپنا کام کرو۔ مجھے ایسے کاموں کی مشق نہیں ہے۔"

"آجا بھائی۔" بدرشاہ نے رحیمو کا گریبان پکڑتے ہوئے کہا اور رحیمو نے اُلٹا ہاتھ گھما دیا۔

بدرشاہ نے یہ ہاتھ اپنی کلائی پر روکا اور ایک زوردار تھپیڑ رحیمو کی گردن پر رسید کر دیا۔ بلاشبہ رحیمو، بدرشاہ کی ٹکر کا آدمی نہیں تھا۔ ہاتھ اتنی قوت سے پڑا کہ رحیمو کے پاؤں زمین سے اُکھڑ گئے اور وہ اوندھا ٹکٹکی کے پاس گر پڑا۔ بدرشاہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے رحیمو کو سیدھا کر کے ٹکٹکی پر باندھ دیا اور وہ پھڑپھڑاتا رہا۔ پھر بدرشاہ انگیٹھی کے قریب پہنچا جلتی ہوئی سلاخ ہتھے سے پکڑ کر اُٹھائی اور آہستہ آہستہ رحیمو کی طرف بڑھنے لگا۔

"میں تیرے بدن پر گن گن کر نشان بناؤں گا رحیمو۔ پہلے پیٹ پر پھر سینے پر اور اس کے بعد بازوؤں پر۔ چہرہ کھلا چھوڑ دوں گا۔ چہرہ خراب کرنا بُری بات ہے تو پھر میں شروع ہو جاؤں کیا؟"

رحیمو کے اوسان اب جواب دیتے جا رہے تھے۔ اس نے خوفزدہ نگاہوں سے بدرشاہ کو دیکھا اور پھر بولا۔ "کیا تم شارق کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"جواب دے میری جان جواب دے۔"

"بار کھیلا ہو جائے گا۔ زندہ نہیں چھوڑا جائے گا مجھے اور پھر مجھے ہی اس کام پر بھیجا گیا ہے۔ میرے علاوہ اور

کسی پر شبہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ دو آدمی اور بھی ہیں۔ میرے ساتھ شاید تم انھیں جانتے ہو؟"

"ہاں ہم اُنھیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ مگر پرواہ مت کرو اُنھیں راستے ہی میں روک لیا گیا تھا اور پھر ایک لڑکی کو چھیڑنے کے سلسلے میں اُن کی ٹھیک ٹھاک مرمت کر دی گئی ہے۔ پولیس کے حوالے نہیں کیا گیا انھیں۔ معافی مانگی اور بھاگ گئے تھے۔ چنانچہ ان کی طرف سے تم بالکل بے فکر ہو جاؤ اور جو صورتِ حال ہے وہ صاف صاف بتا دو کیا فائدہ..."

"مم مارا جاؤں گا بدرشاہ۔"

"نہیں مارے جاؤ گے۔ یہاں قید رہو گے۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔"

"وعدہ کرتے ہو کہ مجھے قید رکھو گے؟ اور پھر یہاں سے نکال دو گے دراصل میں خود بھی پھنسا ہوا آدمی ہوں۔ جو کچھ کرنا چاہتا ہوں کر نہیں سکتا۔ وہی کرنا پڑتا ہے جو... جو..."

"ہاں جو...؟"

"جو اس کی مرضی ہو۔"

"ہاں یہیں تک لانا چاہتا تھا تمہیں رحیمو۔ تم جانتے ہو میری تمہاری دشمنی کوئی نہیں ہے اُس وقت تک جب تک ہم اصل آدمی پر ہاتھ نہیں ڈال دیں۔ تم یہاں رہ سکتے ہو چنانچہ اب زبان کھول دو، دیر لگانا اچھی بات نہیں ہے۔"

"مرزا توقیر نے مجھے لڑکی کے حصول کے لیے بھیجا تھا یہ معاملہ سو فیصد مرزا توقیر کا ہے۔ مرزا توقیر کے بارے میں جانتے ہو؟"

بدرشاہ نے میری طرف دیکھا اور میں آگے بڑھ کر بولا۔ "نہیں رحیمو تم ذرا تفصیل سے بتا دو۔" میرا رُواں رُواں مسرّت سے سرشار تھا۔

وہ نام میرے سامنے آ گیا تھا جو لڑکی نے لیا تھا گویا کڑیاں ملتی جا رہی تھیں۔ راستے کھل رہے تھے چنانچہ میں نے رحیمو سے کہا۔ "کون ہیں یہ مرزا توقیر؟"

"توقیر بس سروس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تمہیں؟"

"توقیر بس سروس۔" میں نے داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں چھ بسیں چلتی ہیں اُس کی دس بارہ ٹرک ہیں ٹرانسپورٹر ہے۔ فیروز پور میں رہتا ہے اور وہاں کے بڑے آدمیوں میں شمار ہوتا ہے۔ جنگل کا جانور ہے کمبخت۔ آدمی کی تو اس کی نظروں میں کوئی عزت ہی نہیں ہے۔ بندھوا کر دو فٹ لمبے جوتے سے پٹواتا ہے۔ شاید تمہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ اُس نے علاقے کے بڑے بڑے لوگوں کو اسی طرح باندھ کر جوتے سے پٹوایا ہے۔ یہ جوتا اس نے کچے چمڑے کا خاص طور سے بنوا کر رکھا ہے۔ پانی میں بھگویا جاتا ہے اور اُس کے اشارے پر اچھے خاصے عزت دار آدمی کو دس بیس جوتے لگا دیے جاتے ہیں اور وہ بھی خاصے مجمع کے سامنے۔ چنانچہ کس کی مجال ہے کہ مرزا توقیر کے سامنے آواز بلند کر سکے۔"

"گڈ۔ فیروز پور میں ہے یہ شخص؟"

"ہاں جی وہیں رہتا ہے ویسے یہاں شہر بھی آتا جاتا رہتا ہے۔ اخبار میں اس لڑکی کی تصویر دیکھی تھی اس نے اور فوراً ہی مجھے اور اُن دونوں آدمیوں کو اس کام کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ کہا تھا کہ خرچ کچھ بھی ہو جائے لڑکی کو لے کر آنا ہے۔"

"خوب تم اس کے لیے کیا کیا کرتے ہو رحیمو؟"

"بھائی جی یہ مت پوچھو۔"

"اب کچھ چھپانے سے کیا حاصل ہوگا۔ بتا دو۔"

"بس جی مال آتا ہے جاتا ہے اس کے ٹرکوں میں، لگی بندھی بات ہے اُس کے ٹرک نہیں روکے جاتے۔ وہ جہاں بھی جاتے ہیں وہاں کے لیے مال لاتے ہیں اور لے جاتے ہیں۔ اچھا خاصا دھندا چل رہا ہے اس کا۔ بڑے بڑے غنڈے پال رکھے ہیں اور جو مرضی آتی ہے کرتا ہے۔"

"لڑکی کے بارے میں اور کیا بتایا تھا اُس نے؟"

"خدا کی قسم شارق جی ہمیں بس ہمارا کام بتایا گیا تھا اور نہ کرنے کی صورت میں یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جوتے مار مار کر بھیجا نکال دیا جائے گا۔ اور اتنی ہی معلومات ہیں ہمیں۔ اس سے زیادہ نہیں یہ بھی کہا گیا تھا ہم سے کہ اگر اس سلسلے میں وہ شخص جس کے پاس لڑکی موجود ہے دس بیس ہزار روپے بھی مانگے تو اُسے یہ رقم دے دی جائے اور لڑکی کو ہر قیمت پر حاصل کر کے لایا جائے۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ رحیمو؟" میں نے پوچھا۔

"خدا کی قسم صاحب جی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہمیں۔" رحیمو نے جواب دیا۔

بدر شاہ نے میری طرف دیکھا تو میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ مقصد یہ تھا کہ معلومات تسلی بخش ہیں چنانچہ بدر شاہ نے رحیمو سے کہا۔

"یار رحیمو واقعی تیرا میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے مگر صورتِ حال ہی کچھ ایسی تھی میرے دوست کہ یہ سب کچھ معلوم کرنا ضروری تھا۔ بہر حال تیرے ساتھیوں کو یہ نہیں پتا چل سکا کہ تو کہاں پہنچا ہے۔ بہتر یہی ہے تیرے حق میں کہ تو یہاں رہے اور کسی قسم کا کوئی گھپلا نہ کر۔ اگر تو نے خاموشی سے یہ وقت گزار لیا تو تیرے ہی حق میں بہتر ہوگا ورنہ دوسری صورت میں تیری اس سلسلے میں جان بھی جا سکتی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی۔"

"نہیں بدر شاہ تمہاری مہربانی ہوگی کہ ان حالات میں مجھے اپنے ہاں پناہ دے دو۔ وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے بھاگنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ میں تو بس پھنس گیا ہوں۔ خود بھی دل سے چاہتا تھا کہ کوئی ایسا ہی چکر ہو جائے۔ وہ بڑا کمینہ آدمی ہے بالکل جاہل اور خونخوار۔"

"خیر یہ تو میں تجھ سے بعد میں پوچھ لوں گا کہ تو اس کے چنگل میں کیسے جا پھنسا تھا اور شارق جی اس کے علاوہ؟"

"نہیں مگر ذرا رحیمو کی خاطر مدارت ٹھیک ٹھاک طریقے سے ہو۔ ہمیں ان سے اور بھی بہت سے کام درپیش ہو سکتے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ بدر شاہ نے ضرورت کے لیے بڑی بڑی چیزیں تیار کی ہوئی ہیں۔"

رحیمو کو وہیں چھوڑ کر ہم دونوں باہر نکل آئے۔ میں نے ایک بار پھر بدر شاہ سے اطمینان کا اظہار کیا اور اس کے بعد اس کے اڈے سے باہر نکل آیا۔

مرزا توقیر۔ فیروز پور۔

میرے خیال میں یہ معلومات تسلی بخش تھیں اور اب میں ذرا زیادہ سکون سے اپنے راستے پر سفر کر سکتا تھا۔ بہ طور اس سلسلے میں جاوید قریشی اور وکیل فاروقی سے گفتگو کر لینا ضروری تھا۔ انھیں اندھیرے میں رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ دونوں ہی دفتر میں موجود [illegible] جاوید قریشی ہی کہ کوئی [illegible] کہا۔

"ارے ہاں شارق بھائی وہ رحیم خان کا کیا سلسلہ ہوا؟ کچھ بات آگے بڑھی؟"

"کیوں نہیں جاوید صاحب بات آگے بڑھ گئی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور میری اس مسکراہٹ پر جاوید قریشی کو شاید تعجب ہوا۔

انھوں نے چونک کر کہا۔ "کیا مطلب؟ یعنی کس شکل میں آگے بڑھی؟"

"بس ٹھیک ٹھاک ہے۔ میں نے رحیم خان کی زبان کھلوائی ہے۔ لڑکی کا تعلق مرزا توقیر سے ہے۔ لڑکی نے ان فائلوں پر مرزا توقیر کا نام بھی لکھا تھا۔ کوئی ماموں شمشاد بھی ہیں۔ یہ مرزا توقیر فیروز پور میں رہتا ہے۔"

"یعنی لڑکی... لڑکی... یعنی کمال ہو گیا۔ فاروقی صاحب دیکھا آپ نے میں نے آپ سے اس شبہے کا اظہار کیا تھا۔" جاوید قریشی سنسنی کا شکار ہو گئے تھے۔

"بھئی ذرا تفصیل بتاؤ۔" وکیل فاروقی نے کہا۔

"تفصیل یہی ہے کہ بے چاری لڑکی کی زبان کاٹی گئی ہے اور اس کے پس پردہ کوئی خاص کہانی ہے اور اس کہانی کا تعلق مرزا توقیر سے ہے۔ وہ شخص جو رحیم خان کے نام سے ہمارے پاس آیا تھا، ہے تو رحیم خان ہی لیکن لڑکی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے زبان کھول دی ہے اور بتایا ہے کہ مرزا توقیر نے اسے یہ کام کرنے کے لیے بھیجا تھا اور یہ بھی پیشکش کر دی تھی کہ لڑکی کے حصول کے سلسلے میں اگر دس بیس ہزار بھی خرچ ہو جائیں تو کر دیے جائیں۔ وہ لڑکی کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"مائی گاڈ۔ جاوید نے کسی خاص نظریے کی بنا پر نہیں بلکہ تمہیں مدِ نگاہ رکھتے ہوئے کہا تھا کہ اگر شارق کی چھٹی حس کوئی کام شروع کر دے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کام میں کوئی نہ کوئی اصلیت ضرور ہے۔ بعض اوقات شارق خود کوئی کام نہیں کرتے بلکہ ان کی چھٹی حس کام کرتی ہے۔ میں نے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ لڑکی اسی رحیم خان کی بیٹی ہے یا جو کچھ بھی وہ بتاتا ہے۔ اور اس کے مسئلے میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ لیکن جاوید قریشی نے یہ بات تسلیم نہیں کی تھی اور کہا تھا کہ اگر وہ رحیم خان کی بیٹی یا بھتیجی ہے بھی تب بھی شارق یہ ثابت کر دیں گے کہ یہ سب کچھ نہیں ہے اور [illegible] ایک اور کہانی منظرِ عام پر آ جائے گی۔"

میں ہنسنے لگا تھا پھر میں نے جاوید قریشی سے کہا۔ "کیوں قریشی صاحب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں زبردستی؟"

"ارے نہیں بھئی دوسرا تذکرہ بھی تو کیا میں نے یعنی تمہاری چھٹی حس۔ لیکن کمال ہے بھئی اُس شخص کی زبان کھلوانے کے لیے کیا تم نے کوئی تعویذ کرایا تھا؟" جاوید قریشی نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں میرا ایکشن ڈیپارٹمنٹ حرکت میں آ گیا تھا اور بالآخر اس کے ذریعے میں نے اصل معلومات حاصل کر لیں۔"

"ایکشن ڈیپارٹمنٹ؟"

"اس کے بارے میں پوچھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے یعنی بدر شاہ اینڈ کو۔"

"اوہ! تو کیا بدر شاہ اس بارے میں کچھ جانتا تھا؟"

"نہیں۔" میں نے مختصراً ساری تفصیل وکیل فاروقی کو بتائی۔ جاوید قریشی بھی سن رہے تھے۔ دونوں میری کہانی سن کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"ٹھیک ہے بھئی ٹھیک۔ میرا خیال ہے اب تمہیں باقاعدہ ایک اسٹاف رکھ لینا چاہیے اور اپنے اس کام کے سلسلے میں کچھ آمدنی کا ذریعہ بھی پیدا کر لینا چاہیے کیونکہ اسٹاف کو تنخواہیں بھی دینا ہوں گی۔"

"میرا اسٹاف موجود ہے جاوید صاحب۔ کیا آپ اس سے انکار کریں گے کہ میرا بغیر تنخواہ کا اسٹاف تنخواہ دار اسٹاف سے زیادہ مستعد رہتا ہے اور زیادہ دیانتداری سے کام کرتا ہے۔ میرے اسٹاف میں وقار احمد جیلر شامل ہیں۔ انسپکٹر غالب ہے۔ بدر شاہ موجود ہے اور بھی جانے کون کون موجود ہے جو میری مدد کے لیے ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔ یہ مفت کے لوگ زیادہ خلوص اور زیادہ دیانت سے کام کرتے ہیں تو فی الحال مجھے اور کسی اسٹاف کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ بات بھی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو تم مگر اب پروگرام کیا ہے چیف؟" جاوید قریشی نے مجھ سے پوچھا۔

"فیروز پور اور کیا ہو سکتا ہے؟"

"گویا مرزا توقیر سے ملو گے؟"

"بالکل۔ مرزا توقیر ہی اب اس راز سے پردہ ہٹائے گا۔"

"ٹائپ کا اندازہ تو کسی قدر ہو رہا ہے جیسا کہ تم نے بتایا۔ خطرناک معاملہ رہے گا۔" جاوید قریشی نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

وکیل فاروقی صاحب بولے۔ "یہ کہنا تو تقریباً بیکار ہی ہے کون سا ایسا مسئلہ نہیں تھا جس میں شارق کا تعلق خطرناک لوگوں سے نہیں رہا۔ وہ لوگ تو ایسے ایسے تھے کہ اگر شارق کی گرفت ان کے گرد مضبوط نہ ہوتی تو شاید وہ ان کی ہڈیوں کا بھی... سراغ نہیں لگنے دیتے۔ کب جا رہے ہو شارق؟"

"کل۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کچھ لوگوں کو ساتھ لے جا رہے ہو؟"

"ابھی نہیں ایکشن ڈیپارٹمنٹ کی فی الحال ضرورت نہیں ہے البتہ ایک بات ذرا الجھن کا باعث ہے۔ پتا نہیں کاشف مسعود اس لڑکی کو محفوظ رکھ سکے گا یا نہیں۔ ویسے میں نے اسے ہدایات تو دے دی ہیں۔ میرے خیال میں اس سلسلے میں بھی بدر شاہ ہی سے بات کرنا پڑے گی۔ کم از کم دو آدمیوں کو کاشف مسعود کے گھر پر تعینات کر دے۔"

وکیل فاروقی خاموش ہو گئے۔ اس سلسلے میں مجھے زیادہ تیاریاں نہیں کرنی پڑیں۔ اس سے پہلے کبھی فیروز پور بھی نہیں گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایک چھوٹا موٹا شہر ہی ہے۔ کافی آبادی ہے اور شہر پہلے کی نسبت بہت پھیل گیا ہے۔ کئی چیزوں کے سلسلے میں مشہور ہے چنانچہ وہاں ریلوے اسٹیشن کے علاوہ بہترین سڑک بھی بنائی گئی ہے جو فیروز پور کو دوسرے شہروں سے ملاتی ہے۔ یہ ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد چند جوڑے کپڑے اور دوسری ضروری چیزیں مع صوفی کی تصویر اپنے ساتھ رکھیں اور آخری ملاقات بدر شاہ سے کی جو ہمیشہ کی مانند میرے لیے مستعد نظر آیا۔ ان دنوں چونکہ اُس سے کام لیا جا رہا تھا چنانچہ ذرا زیادہ ہی رابطہ ہو رہا تھا۔

"جی شارق بھائی اور کوئی حکم؟"

"ہاں بدر شاہ ان لوگوں کو تو تم نے وہاں سے ہٹا لیا ہوگا جنھیں اس کوارٹر کی نگرانی کے لیے مامور کیا گیا تھا؟"

"کیا اس کی ضرورت تھی بھائی جی؟" بدر شاہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں نے تم سے اس موضوع پر بات نہیں کی تھی اس لیے پوچھ رہا ہوں۔"

"ہاں چونکہ اب دونوں کا کوئی کام نہیں رہا تھا اس لیے ہم نے انھیں وہاں سے واپس بلا لیا مگر ضرورت ہو تو...؟"

"نہیں بھائی ایک اور جگہ ضرورت ہے دو آدمیوں کی"

"وہی دونوں کام آجائیں گے۔ فالتو پھر رہے ہیں سالے مُفت کی تنخواہ لیتے ہیں۔ تو پھر کوئی کام کیوں نہ لیا جائے اُن سے۔ مگر کہاں بھیجنا ہے انھیں؟"

"کاشف مسعود کے بنگلے پر۔ وہیں رہائش ہوگی اُن کی اور وہیں سارا انتظام۔ لڑکی وہیں موجود ہے۔ ہم اسے وہاں سے ہٹا نہیں سکتے کیونکہ وہ کاشف مسعود سے ہلی ہوئی ہے اور کوئی بھی نئی جگہ اس کے لیے پریشان کن ہوسکتی ہے چنانچہ دو آدمیوں کو صرف اس کام کے لیے لگا دیا جائے کہ وہ لڑکی کی حفاظت کریں"

"ٹھیک ہے جی ہو جائے گا۔ بُلالوں انھیں؟"

"بُلاؤ" میں نے اعتماد سے کہا۔

جانتا تھا کہ کاشف مسعود بھی اس سلسلے میں آتنا ہی سنجیدہ ہے جتنا اب میں ہوگیا تھا چنانچہ وہ ان دونوں آدمیوں کو آسانی سے برداشت کرے گا اور یہی ہوا۔ جب میں نے کاشف مسعود کو صورتِ حال بتا کر ان دونوں کی اس سے مُلاقات کرائی تو اس نے بڑے خلوص سے کہا۔

"یہ کیا بات ہے شارق بھائی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ان دونوں کو بڑے احترام کے ساتھ میرے غریب خانے پر بھجوا دیجئے بلکہ اگر آپ کہیں تو میں خود ہی ساتھ لے جاؤں۔ سارا بندوبست کردوں گا آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ ویسے آپ۔؟"

"ہاں کام پوری رفتار سے جاری ہے ہوسکتا ہے چند روز میری تم سے مُلاقات نہ ہوسکے کاشف"

"ٹھیک ہے آپ اطمینان رکھیں بلکہ جہاں اگر میری ضرورت پیش آئے تو کوئی تکلف نہ کریں"

"ٹھیک ہے اطمینان رکھو" میں نے جواب دیا۔

رات فلیٹ پر گزاری اور دوسرے دن میں فیروز پور روانہ ہوگیا۔

بذریعہ ٹرین سفر کرنا تھا۔ کئی گھنٹے کا سفر تھا مگر پُرسکون گزرا۔ اور راستے میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا جو قابل ذکر ہوتا۔ فیروز پور واقعی اچھا خاصا شہر تھا۔ ریلوے اسٹیشن کے باہر تانگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ آٹو رکشا بھی نظر آرہے تھے البتہ ٹیکسیاں موجود نہیں تھیں۔ سامنے ہی ایک بڑا سا چوک تھا جو سیمنٹ سے بنا ہوا تھا۔ چھوٹی بڑی دکانیں جن میں مٹی کے خوبصورت برتنوں کی صنعت کے نمونے سجے ہوئے تھے۔ میں ایک تانگے کی طرف بڑھ گیا اور تانگے والے نے جلدی سے آگے بڑھ کر میرا سوٹ کیس ہاتھ میں لے لیا۔

"آؤ باؤ جی، جہاں کہوگے پہنچا دوں گا۔ کہاں جانا ہے؟"

"یہ سوٹ کیس میرے ہاتھ میں ہی رہنے دو اور تم اپنا تانگہ سنبھالو۔ چلو چلتے ہیں"

تانگے والے نے جلدی سے سُوٹ کیس چھوڑ دیا اور میں اس کے تانگے پر جا بیٹھا۔ اس نے گھوڑے کو کچھ تفصیلات بتائیں اور گھوڑے نے دونوں کان ہلا کر سمجھنے کا مظاہرہ کیا اور اس کے بعد آگے بڑھ گیا۔ اسٹیشن کے احاطے سے باہر نکل کر ایک بار پھر تانگے والے نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

"ویسے چلنا کہاں ہے باؤ جی؟"

"یار کسی اچھے سے ہوٹل پہنچا دو۔ پہلی بار تمہارے اس شہر میں آیا ہوں"

"تو جی پھر آپ جیسے بڑے آدمیوں کے لیے یہاں ایک ہی بڑھیا سا ہوٹل ہے۔ لیڈی ڈائنا۔ بس اُدھر ہی چلتے ہیں"

میں نے مُسکرا کر گردن ہلا دی اور تھوڑی دیر کے بعد تانگے والے نے مجھے لیڈی ڈائنا کے سامنے لے جاکر کھڑا کر دیا۔ دو منزلہ عمارت تھی جس کا رنگ و روغن اُتر چُکا تھا۔ فیروز پور کا سب سے اچھا ہوٹل یہی تھا۔ کچھ کمرے نچلی منزل میں تھے۔ کچھ اُوپر کی منزل میں۔ مجھے اس سے تو کوئی غرض نہیں تھی کہ ہوٹل کا رنگ روپ کیسا ہے۔ ویسے کم از کم اس کا نام لیڈی ڈائنا رکھ کر لیڈی ڈائنا سے بھرپور انتقام لیا گیا تھا۔ البتہ اس کے کمرے کشادہ تھے غسل خانے بھی کئی تعداد میں تھے گو اٹیچ نہیں تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کمرہ منتخب کر لیا۔ اور وہ مجھے معقول معاوضے کے عوض مل گیا... وہاں قیام کرنے کے بعد میں نے کچھ وقت کمرے میں بیٹھ کر سوچ بچار کرتے ہوئے گزارا ہوٹل کی چائے پی اور اس کے بعد اپنے مقصد کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ کام جتنا مختصر ہوتا۔ وقت جس قدر کم صرف ہو بہتر ہے۔ کام جلد ہونا چاہیئے۔ فیروز پور کی شہری زندگی شہری نوعیت ہی کی حامل تھی۔ اچھا خاصا کاروبار ہو رہا تھا۔ لوگ زندگی کے معمولات میں مصروف تھے۔

مرزا توقیر کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے ایک تانگے ہی کا انتخاب کیا۔ اور خالی تانگہ روک کر اس میں جا بیٹھا۔

"کہاں چلنا ہے باؤ جی؟" تانگے والے نے وہی گھسا پٹا سوال دُہرایا۔

"مرزا توقیر کو جانتے ہو؟" میں نے براہِ راست سوال کر لیا۔

"کون مرزا جی؟ وہ اپنے بس والے؟" تانگے والے نے بھی براہِ راست جواب دیا۔

"بالکل وہی، جانتے ہو انھیں؟"

"لو جی اتنے بڑے آدمی کو کون نہیں جان سکتا۔ پہلوان کے نام سے مشہور ہیں"

"کہاں ملیں گے اس وقت؟"

"ٹرک اڈے پر ہوں گے جی۔ وہیں ان کا دفتر ہے جی"

"بس وہیں چلو" میں مطمئن انداز میں گردن ہلا کر بولا۔

"کم از کم چھوٹے شہروں میں بھی یہ آسانی موجود ہے کہ لوگ بڑے آدمیوں کو تو جانتے ہیں۔ دیہاتوں اور قصبوں میں تو شاید ہر شخص ہی ایک دوسرے کا شناسا ہے۔ یہ بات بڑے شہروں ہی میں نحوست کے طور پر رائج ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے واقفیت کسرِ شان سمجھتے ہیں اور اپنے آپ میں مست رہنے ہی میں انھیں زندگی نظر آتی ہے۔ ٹرک اڈہ شہری آبادی سے کافی فاصلے پر ہٹ کر تھا۔ تانگے والے نے ایک شیشہ نما عمارت کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ ہے جی پہلوان جی کا دفتر"

میں نے اُسے مُنہ مانگا کرایہ ادا کیا اور نیچے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جگہ جگہ ٹرک کھڑے ہوئے تھے کہیں مستری کام کر رہے تھے اور کہیں ٹرکوں پر لوڈنگ ہو رہی تھی۔ میں آگے بڑھا تو مجھے ایک گول دائرے میں توقیر ٹرانسپورٹ سروس لکھا ہوا نظر آگیا اور پھر میں اندر داخل ہوگیا۔ پانچ چھ آدمی بیٹھے تھے۔ ایک طرف ایک گوشے میں درحقیقت ایک پہلوان نما آدمی دو آدمیوں سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ میزوں پر کاغذات کے انبار لگے ہوئے تھے۔ میں نے پہلی میز پر بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے سے آدمی سے مرزا توقیر کے بارے میں پوچھا تو اس نے گردن اُٹھائے بغیر اُنگلی سے مرزا توقیر کی جانب اشارہ کر دیا۔ میرا اندازہ دُرست تھا یہ پہلوان نما آدمی ہی مرزا توقیر تھا۔ وہاں تک پہنچتے ہوئے میں نے اس کی شخصیت کا جائزہ لے لیا۔ لمبی لمبی نوکیلی مونچھیں۔ بڑی بڑی سُرخ آنکھیں سَر کے بال چھوٹے۔ میرے پہنچنے پر اس نے گردن اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ سامنے بیٹھے دونوں آدمی بھی چونک کر مجھے دیکھنے لگے تھے۔ مرزا توقیر نے مسلسل مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہو بابو جی کیا بات ہے؟"

"تم مرزا توقیر ہو؟" میں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں جی ہیں تو سہی" اس نے ایک دم مُسکرا کر کہا۔ اس کے دو دانت سونے کے بنے ہوئے تھے۔

"مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں" میں نے شروع ہی سے سخت لہجہ اختیار کیا۔

وہ دونوں آدمی مرزا کی طرف دیکھنے لگے اور مرزا نے کہا "تو پھر باتیں کرو جی۔ کیا باتیں کرنی ہیں؟"

"تمہیں اگر یہاں فرصت نہیں ہے تو میرے ساتھ اُٹھ کر باہر آجاؤ۔ میں تنہائی میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں"

مرزا توقیر کی پیشانی پر ایک لمحے کے لیے شکنیں نمودار ہوئیں لیکن یہ غصے کی شکنیں نہیں تھیں بلکہ وہ جیسے کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اُس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں پھر اس نے ایک دم چونکتے ہوئے کہا۔

"اوہو... اوہو" لیکن اس کے بعد اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تو پھر بھائی صاحب آپ لوگوں سے دوبارہ ملاقات ہوگی میں ذرا بھیّا سے مل لوں"

"ٹھیک ہے مرزا لیکن ذرا جلدی کرنا۔ بہت وقت گزر چکا ہے"

"جاؤ۔ جاؤ جب میں نے تم سے کہہ دیا کہ دوسری ملاقات ہوگی میں فالتو باتیں پسند نہیں کرتا" مرزا کا لہجہ کسی قدر ناخوشگوار ہوگیا۔

لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ انھیں مزید باتیں کرنے سے روکنا چاہتا ہے۔ اس کی پیشانی کی شکنوں کا راز میرے لیے معمّہ بن گیا تھا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو اس نے کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ اب بولو کیا بات ہے؟"

میں اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے جیب سے صوفی کی تصویر نکال کر مرزا کے سامنے رکھ دی۔ اور مرزا ذرا سی گردن اُچکا کر تصویر دیکھنے لگا۔ میری نگاہیں اُس کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس نے کسی قسم کی شناسائی کا اظہار نہیں کیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

”یہ کیا ہے؟“

”تصویر ہے۔“

”وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں مگر تمہیں مجھ سے بات کیا کرنی ہے؟“

”اسے پہچانتے ہو مرزا؟“

”اسے تو نہیں تمہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں باؤجی۔“ مرزا نے گہری سانس لے کر کرسی کی پُشت سے ٹکتے ہوئے کہا اور پھر زور سے آواز لگائی۔

”اوئے گھیٹے دو ٹھنڈے لے آ۔“

پتا نہیں گھیٹے کون تھا۔ میں نے اعتراض نہیں کیا اور مرزا کی طرف دیکھ کر بولا ”یہ تو اچھی بات ہے مرزا کہ تم مجھے پہچانتے ہو لیکن کیسے پہچانتے ہو یہ مجھے نہیں معلوم اس سے پہلے میری تم سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔“

مرزا پھر مسکرا دیا۔ اس کے دو سونے کے جھانکتے ہوئے دانت اس کی شخصیت کو کافی خوفناک بنا دیتے تھے پھر کہنے لگا ”ہمارے پاس کس پریشانی میں آئے ہو باؤجی یہ بات بتاؤ؟“

”اسی لڑکی کی پریشانی ہے مرزا۔ جس کے لیے تم بڑی مر توڑ کوششیں کر رہے ہو۔“

”پتا نہیں کیا کہہ رہے ہو باؤجی۔ ایسا ہے کہ جب ہم ٹرک اڈے پر ہوتے ہیں تو بس کاروبار کے بارے میں سوچتے ہیں۔ گھر کی باتیں گھر ہی میں چھوڑ آتے ہیں۔ یہ تصویر“ اُس نے چٹکی سے صوفی کی تصویر کا کونا پکڑ کر اسے اپنے چہرے کے قریب کر لیا اور پھر مُنہ بنا کر گردن ہلاتا ہوا بولا ”ہو سکتا ہے کہیں دیکھی بھالی ہو۔ جانی پہچانی ہو پر یہاں یاد نہیں آ سکتا۔ تصویر کے بارے میں بات کرنی ہے تو شام کو گھر آ جاؤ۔ روٹی بھی کھا لو ہمارے ساتھ۔ آرام سے بیٹھ کر باتیں کر لیں گے۔ کیا سمجھے؟“ وہ پھر اپنے مخصوص انداز میں مسکرا دیا۔

اسی وقت ایک بُوڑھے سے آدمی نے جس کی پیشانی پر نماز کا نشان تھا اور کاندھے پر رومال پڑا ہوا تھا۔ دو بوتلیں لا کر سامنے رکھ دیں اور ادب سے پیچھے ہٹ گیا۔

”لو جی ٹھنڈا پیو۔ لو باؤجی بات اس تصویر کی ہو رہی تھی شاید ہم اسے گھر پہ پہچان لیں۔ اِدھر تو بھائی بس ایک ہی کام ہوتا ہے۔ اِدھر کا مال اُدھر اور اُدھر کا مال اِدھر۔ صبح سے شام اسی میں ہو جاتی ہے۔“

میں نے بوتل اُٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی۔ ویسے میں اس شخص کے بارے میں یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ بہت شاطر ہے۔

”تم نے یہ نہیں بتایا مرزا توقیر کہ تم مجھے کیسے جانتے ہو؟“

”وہ یار کچھ یاد آ رہا ہے۔ اپنا ایک بندہ پکڑوا دیا تھا تم نے۔ بڑے کام کا بندہ تھا۔ اس کے جانے کے بعد بڑی پریشانیاں ہو گئیں ہمیں۔ وہ کیا نام تھا اس کا ڈاکٹر جبار نوری۔ ہاں یہی نام تھا۔“

میں سنبھل گیا۔ ڈاکٹر جبار نوری وہ شخص تھا جو ایک جُرم میں ملوّث تھا اور ایک نوجوان کو زہریلے انجکشن دے رہا تھا۔ بعد میں اسے میری کاوشوں کی وجہ سے سزا ہو گئی تھی میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

”اوہ! اس کا مقصد ہے تم واقعی میرے شناسا ہو۔ نام یاد ہے میرا؟“

”ہاں وہ جی وکیل صاحب ہو نا تم۔ بالکل ٹھیک شارق حسین۔“

”بھئی کمال ہے۔ تمہاری یادداشت تو واقعی بہت عُمدہ ہے مرزا توقیر۔ تو پھر یہی بہتر رہے گا کہ رات کو تم سے تمہارے گھر پہ مُلاقات ہو جائے۔ لیکن دوست کھانے پینے کا چکّر مت چلانا۔ دوستوں کے لیے بس باتیں ہی کافی ہوتی ہیں۔“

”کھانے پینے کا فیصلہ وہیں کر لیں گے۔“ اُس نے ایک کارڈ نکال کر مجھے تھما دیا جس کے ایک سمت دفتر کا پتا اور دوسری سمت اس کے گھر کا پتا لکھا ہوا تھا۔ میں نے کارڈ اطمینان سے جیب میں رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ پیچھے کھسک گیا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ اپنے اسی مخصوص انداز میں ہنستا ہوا بولا۔

”نہیں جی ابھی نہیں۔ یہ ہاتھ تو رات کو ملے گا بہت سی باتیں کرنے کے بعد۔“

میں نے طنزیہ انداز میں گردن ہلائی اور واپسی کے لیے مُڑ گیا۔

ہوٹل آنے کے بعد میں نے جُوتے وغیرہ اُتارے اور پھر پلنگ پر دراز ہو کر مرزا توقیر کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس شخص سے کس طرح نمٹا جائے صوفی کا معاملہ سو فیصد اسی سے متعلق تھا۔ وہ بچی کون ہے اور مرزا توقیر سے اس کا کیا تعلق ہے۔ یہ بات سامنے آئے تو پھر فیصلہ کیا جا سکتا تھا۔ بہرطور اس سے دوسری مُلاقات ہو رہی تھی اور اس دوسری ملاقات کے بارے میں بھی خاصا سوچنا پڑا تھا مجھے۔ وقتِ مقررہ پر میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ ایک تانگہ کیا اور تانگے والے کو مرزا توقیر کے گھر کا پتا بتا دیا۔ واقعی وہ فیروز پُور میں کافی مشہور تھا۔ تانگے والے نے دوبارہ اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا اور اس کے بعد اس نے مجھے ایک پُرانے طرز کے حویلی نما مکان کے سامنے اُتار دیا جس کے چوبی دروازے کے دونوں پٹ کُھلے ہوئے تھے اور ایک بُوڑھا سا آدمی وہاں بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس سے مرزا توقیر کے بارے میں پوچھا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”اندر آ جائیے باؤجی۔ مرزا صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

میں اس کے ساتھ اندر گیا تو میں نے دروازے کے دوسری جانب ایک وسیع و عریض صحن دیکھا جو کچا تھا۔ مرزا توقیر وہیں موجود تھا۔ کچی مٹی پر چھڑکاؤ کیا گیا تھا جس کی وجہ سے زمین سے سوندھی سوندھی خوشبو اُٹھ رہی تھی چارپائیاں پڑی ہوئی تھیں اور ان چارپائیوں میں سے ایک پر مرزا توقیر نیم دراز حُقّے کے کش لے رہا تھا۔ خمیرے کی خوشبو بھی زمین کی سوندھی سوندھی خوشبو سے ہم آہنگ ہو کر فضا کو خوشگوار بنا رہی تھی۔ اس نے حُقّے کے دو تین کش لیے اور گردن خم کرتا ہوا بولا۔

”آؤ وکیل صاحب آؤ۔ ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ ٹھیک وقت پر آ گئے۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی ہمارے گھر آنے میں؟“

”نہیں مرزا تم کافی مشہور آدمی ہو۔“

”مرزا کے بجائے اگر تم پہلوان کہہ کر پوچھو تو ہمارا خیال ہے فیروز پور کا بچّہ بچّہ تمہیں ہمارے پاس پہنچا دے گا بہت سوں کی ہڈّیاں توڑ چکے ہیں ہم۔ بچپن سے شوق تھا پہلوانی کا مگر اب... بیٹھو بیٹھ جاؤ لو حُقّہ پیو۔“

”نہیں شکریہ۔“

”شربت منگوائیں تمہارے لیے؟“

”رہنے دو مرزا۔ بہتر ہے کہ کام کی باتیں ہوں۔“

”ارے کام کی باتیں بھی ہو جائیں گی وکیل صاحب شہر سے آئے ہو۔ کچھ دن ساتھ رہو۔ مرزا کی مہمان نوازی کا لُطف اُٹھاؤ۔“

”کاش ایسا ہو سکتا۔ ہاں اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو آئندہ کسی وقت تمہارے ساتھ ایک نشست ہو سکتی ہے۔“

”لو بھئی واہ۔ یہ تعاون کی بھی اچھی بات رہی۔ بھائی اگر تعاون نہ کرتے ہم تم سے تو تم ہمارے گھر میں کیسے آ جاتے؟ ہیں ذرا بولو۔ جواب دو۔“

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے میرا خیال ہے اب دفتر کی باتیں ختم ہو گئیں اور ذاتی باتوں کو کرنا پسند کرو گے۔“

”ہاں تو سناؤ باؤجی کیا کیا ہو رہا ہے؟ یار وہ اپنا ڈاکٹر جبار نوری بڑے کام کا بندہ تھا۔ تم نے ہم سے چھین کر جیل میں ڈال دیا۔ یار تم تو وکیل صاحب ہو۔ بال کی کھال نکال لیتے ہو تو اس بال کی کھال بھی اُتار لو اور اپنے مسئلے کو اندر سے باہر لے آؤ۔ خرچے ورچے کی پروا مت کرنا باجرہ کافی ہے اپنے پاس اور ہم...“

”میرا خیال ہے تم نے غیر متعلق گفتگو شروع کر دی ہے مرزا۔ ڈاکٹر جبار نوری کو عدالت سے سزا ہوئی تھی بھلا میری وکالت کس کام آ سکتی ہے؟“

”ارے چھوڑ دیار کون سا کام کہاں نہیں ہو سکتا؟ ہمیں کوئی کام کا بندہ نہیں مل سکا اب تک تم سامنے آئے تو ہم نے سوچا کہ چلو جس نے کھیل بگاڑا ہے وہی بنا بھی دے گا۔“

میں نے مرزا کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ”کیا میں دوبارہ وہ تصویر نکالوں مرزا توقیر؟“

”یہ چکّر کیا ہے آخر اس تصویر کا۔ کچھ تفصیل بتاؤ؟ ہم نے دفتر میں تو اُسے غور سے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ذرا دکھانا۔“

میں نے تصویر نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دی اور وہ اسے غور سے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر اس نے مجھے تصویر واپس کر دی۔

"تو اس تصویر کا جھگڑا کیا ہے؟"

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"یار وکیل صاحب کچھ کھسک گئے ہو۔ اب ساری دنیا کی لڑکیوں کو تو ہم نہیں جانتے اور پھر یہ تو بچی ہے۔"

"تو تم اسے نہیں جانتے؟"

"ہاں ہم نے اسے پہلی بار دیکھا ہے۔"

"تو تم رحیمو کو بھی نہیں جانتے ہوگے مرزا توقیر؟" میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور مرزا توقیر نے حقے کی نے منہ سے نکال لی۔

ایک لمحے خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا "کون رحیمو؟"

"پھر ٹھیک ہے اگر ایسی بات ہے تو میرا خیال ہے میرا تمہارے پاس آنا بے کار ہی رہا۔"

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے تمہارا یہاں آنا بالکل بے کار نہیں جائے گا جو کچھ کہنا چاہتے ہو ہم سے صاف صاف کہہ دو۔ کوئی اونچ نیچ ہو تو بتا دو۔ باجرہ کافی ہے اپنے پاس۔" مرزا توقیر عجیب سے انداز میں ہنسنے لگا۔

"مرزا توقیر تم جتنی اونچی پرواز کر رہے ہو اسے سنبھال نہیں سکتے۔ مجھے دیکھ لو پہچان لو۔ میرا نام شارق حسین ہے۔ لڑکی کے بارے میں صحیح طور سے گفتگو کر سکتے ہو تو کر لو ورنہ صرف رحیمو ہی بہت کچھ بن جائے گا تمہارے لیے۔"

"ہم تو صرف ایک بات جانتے ہیں وکیل صاحب! زندگی بار بار نہیں ملتی ایک بار ملتی ہے۔ مزے کرو۔ عیش کرو۔ باجرہ کھاؤ۔ نہ اپنے لیے پریشانیاں خریدو۔ نہ دوسروں کے لیے پریشانیاں کھڑی کرو۔ ہم سے کچھ چاہتے ہو تو مطلب کی بات کر لو۔ بے کار باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"نہیں مرزا تم شاید مجھے دھمکی دے رہے ہو لیکن بہتر یہ ہوتا کہ تم مجھ سے تعاون کر لیتے۔ یہ بتاتے کہ اصل معاملہ کیا ہے! اور اس کے بعد کچھ درمیانی بات نکل آتی۔"

"بہتر ہے کہ درمیانی بات سے ہی بات شروع کر لو۔ باقی باتیں بے کار ہیں۔ تمہارے لیے بھی اور میرے لیے بھی۔ رحیمو اور یہ لڑکی میرے لیے شناسا ہی نہیں ہیں۔ پھر بھلا ان کے بارے میں میں تم سے کیا بات کروں۔ ارے ہاں! یہ تو بتاؤ کہ رات کے کھانے میں کیا پسند کرو گے؟"

"گولی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور مرزا توقیر بھی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "یار بڑی ہنسانے والی باتیں کرتے ہو۔ خیر تمہاری پسند کی بات ہے۔ ویسے ہم نے تو بہت سے کھانے منگوائے ہیں۔ گولی سے اچھے ہی ہوں گے اور اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ۔"

"مرزا توقیر، رحیمو نے ساری تفصیل اگل دی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم بھی رحیمو کی تقلید کرو گے۔ تقلید کا مطلب سمجھتے ہو نا؟"

"تو پھر ہماری بھی سن لو یار وکیل صاحب! ہم تم سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔ جاؤ، فیروز پور چھوڑ دو اور اپنی اولادوں کو بھی وصیت کر دینا کہ کبھی ادھر کا رخ نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے مرزا میں جا رہا ہوں لیکن میری بات بھی تم سن لو۔ اس بچی کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس کے نتیجے میں اس کے ذمہ داروں کو قانون کی دی ہوئی سزا بھگتنے سے پہلے میری دی ہوئی سزا بھگتنی پڑے گی۔ یہ میرا عہد ہے۔" میں چارپائی سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ اور مرزا توقیر نے جلدی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ارے... ارے یار وکیل صاحب! تم برا مان گئے میں تو ڈائیلاگ بول رہا تھا۔ فیروز پور تمہارا ہے۔ تمہاری اولادوں کا ہے۔ بیٹھو یار! اتنے سارے کھانے پکوائے ہیں۔ تو کیا ضائع ہی چلے جائیں گے۔"

"نہیں شکریہ۔ یہ سب کچھ اس وقت ہو سکتا تھا جب ہمارے اور تمہارے درمیان کام کی باتیں ہو جاتیں۔"

"اتنی کام کی باتیں کی ہیں اور اتنی بار کی ہیں مگر تم لائن پر آتے ہی نہیں۔ ویسے یہاں سے اس طرح جانا بھی مشکل ہوگا وکیل صاحب! نمونہ دیکھ لو۔" اس نے ایک طرف ہاتھ اٹھا کر کہا اور میں نے چار آدمیوں کو دیکھا جو مجھ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔

چاروں ہی تندرست و توانا اور چہروں سے خونخوار نظر آتے تھے۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "نمونہ تو میں تمہیں بھی بہت اچھا دکھا سکتا ہوں مرزا توقیر۔ ان لوگوں سے کہو کہ مجھے روکنے کی کوشش کریں۔ نمونہ ہی ہو جائے۔ شاید

اس نمونے ہی سے تمہاری سمجھ میں کچھ آ جائے۔" میں نے کہا۔ مرزا توقیر کا چہرہ سکڑ گیا۔

وہ چاروں آدمی یہ الفاظ سن کر کئی قدم آگے بڑھ آئے تھے لیکن مرزا توقیر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ارے نہیں۔ نہیں یہاں تو بھائی بندی کی فضا ہے۔ کیونکہ یہ ہمارا گھر ہے۔ اگر ایسی ضرورت پیش آئی تو پھر نمونہ بھی ہو جائے گا۔ تمہاری مرضی وکیل صاحب! تم نے ہماری دعوت قبول نہیں کی نہ سہی۔ اب تمہارا جو دل چاہے کرتے رہو۔ ویسے ہم تو بڑے معصوم آدمی ہیں۔ کبھی کسی کو کوئی نقصان پہنچانا پسند نہیں کرتے۔ بس اب جاؤ۔" اس نے کہا اور میں مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔

درحقیقت اس وقت نمونہ دکھانے کے موڈ میں آ ہی گیا تھا لیکن مرزا توقیر واقعی بہت چالاک آدمی تھا۔ اس کے مکان سے باہر نکلا تو آس پاس کوئی سواری موجود نہیں تھی۔ ویسے بھی رات کی تاریکیاں پھیلتی جا رہی تھیں۔ میں نے کسی قدر تشویش سے سوچا کہ یہ صورت حال مناسب نہیں ہے۔ کافی فاصلہ پیدل طے کرنا پڑے گا۔ ہاں اگر مرزا توقیر سے کام کی باتیں ہو جاتیں اور میں اس کی دعوت قبول کر لیتا تو شاید وہ خود ہی مجھے ہوٹل بھجوانے کا بندوبست کر دیتا۔ بہرطور یہ سفر پیدل ہی طے کرنا تھا۔ میں اطراف سے ہوشیار ہو کر مرزا توقیر کے مکان سے آگے بڑھ گیا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا اور پتلی سی راہداری سے گزرتا ہوا کمرے کے دروازے پر آ گیا۔ دروازہ کھول کر اندر قدم رکھا ہی تھا کہ سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ غالباً کسی موٹے سے ڈنڈے کی ضرب تھی جو میری گدی کے عقبی حصے میں لگائی گئی تھی اور بلاشبہ میں اس وقت مار کھا گیا تھا۔ میں نے آنکھوں کے سامنے دوڑتے ہوئے ستاروں کو پکڑنے کی کوشش کی۔ اپنے آپ کو سنبھالنا چاہا لیکن دوسری ضرب نے بالکل ہی حواس چھین لیے تھے اور میں اوندھے منہ فرش پر آ رہا پھر اس کے بعد کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔

ہوش آیا تو میں ٹھنڈی سانس لے کر زمین پر دراز ہو گیا۔ یہ اندازہ بھی نہیں ہو پا رہا تھا کہ کہاں ہوں اور کس جگہ پر ہوں۔ اس کی کیا نوعیت ہے۔ چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور اپنے وجود کو صرف محسوس ہی کیا جا سکتا تھا۔ یہ بھی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ وقت کتنا گزر گیا ہے۔ لیکن پھر جب تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھلا تو روشنیوں کا طوفان اندر داخل ہو گیا۔ اس کا مطلب تھا کہ باہر دن نکل آیا ہے اور میری ساری رات بے ہوشی کے عالم میں گزر گئی ہے۔ پتا نہیں سر سے خون کتنا بہ گیا تھا۔ ان باتوں پر توجہ دینے کا وقت نہیں تھا۔ کسی نے ہاتھ بڑھا کر روشنی کا سوئچ آن کیا تو کمرہ تیز روشنی سے بھر گیا۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ آنے والا مرزا توقیر کے علاوہ کوئی نہیں تھا اور اس کے پیچھے دو مسٹنڈے بھی تھے۔ جو خوب پلے ہوئے تھے۔ مرزا توقیر کمر پر ہاتھ ٹکا کر مجھے گھورنے لگا پھر غراتے ہوئے بولا۔

ہنس بولا۔

"کہو وکیل صاحب کیسے مزاج ہیں؟"

"مم... مرزا جی... پپ... پہلوان صاحب!" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" مرزا توقیر غرّایا۔

"میرے پاؤں... چ... چکرا رہے ہیں۔" میں نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تو پہلے کیوں موت آئی تھی۔ پہلے نہیں سوچا تھا کہ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

"سس سوچا تھا اور فف۔ فیصلہ بھی کیا تھا، مم، مگر آپ نے جلد بازی کر ڈالی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا!" مرزا توقیر مجھے گھورنے لگا۔

"ایسے کھڑے کھڑے مطلب نہیں بتا سکتا۔ خدا کے لیے میرا زخم ٹھیک کراؤ۔ میں شدید تکلیف کا شکار ہوں۔" میں نے رُندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لعنت ہے تم پر۔ پہلے تو ایسی اکڑ دکھا رہے تھے۔ جیسے سُپرمین کی اولاد ہو اور اب دو منٹ میں ہوش ٹھکانے آگئے۔"

"اکڑ کہاں دکھا رہا تھا۔ تم نے ایک تجویز پیش کی تھی۔ اس پر غور تو کرنا ہی تھا مجھے، بلا وجہ جلد بازی کر ڈالی مرزا! آہ... میری حالت کافی خراب ہو رہی ہے۔" میں نے نڈھال لہجے میں کہا۔

"اُٹھاؤ اس اُلّو کے چرخے کو لے چلو۔" اور پھر اُن دونوں نے مجھے اُٹھایا اور اس کوٹھری نما کمرے سے باہر نکال لائے۔ ایک لمبی سی راہداری تھی جو آگے جا کر سیڑھیوں پر ختم ہو جاتی تھی۔ ان سیڑھیوں سے مجھے اوپر لایا گیا۔ دن کا وقت تھا۔ ساری رات کی بے ہوشی نے درحقیقت نڈھال کر دیا تھا۔ وہ مجھے لیے ہوئے اوپری منزل کے ایک کمرے میں پہنچ گئے اور پھر اُس نے ان میں سے ایک سے کہا۔ "جاؤ ذرا سالار کو بُلا لاؤ۔" سالار کا نام تو کچھ عجیب تھا۔ لیکن دیکھنے سے خاصی معقول شخصیت معلوم ہوتی تھی۔

"اس کا زخم دیکھو اور ذرا پٹی وغیرہ کس دو صحیح طریقے سے، سلطے نے بلا وجہ وقت برباد کیا۔ پہلے ہی ہوش ٹھکانے آجاتے تو اچھا تھا۔ سر پھڑوا لیا تو اب ٹھیک ہو گیا ہے۔"

سالار نے گردن جُھکائی اور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک فرسٹ ایڈ بکس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ شاید باقاعدہ فرسٹ ایڈ کی ٹریننگ لی تھی اُس نے۔ یا پھر کوئی ڈاکٹر وغیرہ تھا کیونکہ جو دوا اُس نے میرے زخم پر اسپرے کی وہ بڑی سکون آور تھی۔ تکلیف یک لخت ختم ہو گئی۔ اُس کے بعد کچھ مرہم وغیرہ لگائے اور بینڈیج کر دی۔ پھر اُس نے ان دونوں آدمیوں میں سے ایک سے کہا۔

"گرم دودھ کا ایک گلاس اس کے لیے بہتر رہے گا۔ جاؤ لے آؤ۔ سالے نے میرا پورا دن برباد کر دیا۔ ابے بھائی وکیل صاحب وکالت الگ چیز ہے اور یہ مارا ماری الگ چیز، تم بلا وجہ اینٹھ رہے تھے۔ پہلے ہی ٹھیک ہو جاتے نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔"

"تو مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اس پر اُتر آؤ گے۔ میں تو ذرا ریٹ بڑھا رہا تھا۔" میں نے کہا۔

"پہلے ہی تجھ سے کہا تھا میں نے کہ جو مانگے گا دے دُوں گا، چل آرام سے بیٹھ جا۔ بڑے کام کا آدمی ہے تو، اسی لیے میں تیرے اتنے نخرے اُٹھا رہا ہوں۔ ورنہ گردن مروڑ کر کسی نالے میں پھنکوا چکا ہوتا اب تک۔"

تھوڑی ہی دیر کے بعد میرے لیے دُودھ آگیا۔ وہ خود بھی میرے سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے دودھ کا پورا گلاس خالی کر دیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"مرزا ایک کپ چائے مل جائے تو سر کا درد کچھ کم ہو جائے۔ سر میں ابھی تک درد باقی ہے۔"

"ٹھیک ہے چائے پلا دُو اِسے۔" اُس نے پھر اُنھی دونوں میں سے ایک کو حکم دیا اور وہ بُرا سا مُنہ بنا کر باہر نکل گیا... چائے کی پیالی کے ساتھ سالار کی دی ہوئی ایک گولی حلق سے نیچے اُتاری تو واقعی سر کے درد میں بے حد کمی ہو گئی۔ زخم کو چونکہ اسپرے کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ سُن ہو گیا تھا اور اب اُس میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مرزا توقیر نے کہا۔

"ہاں! اب سُناؤ وکیل صاحب! اب ٹھیک ہے طبیعت؟"

"ہاں مرزا اب ٹھیک ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"چلو بے پھوٹو، بات کرنی ہے وکیل صاحب سے مجھے۔" مرزا نے کہا اور وہ سب لوگ باہر نکل گئے۔ مرزا نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ میں سنبھل گیا۔ میں نے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا۔ اب اس کمرے میں ایک بالکل ہی نیا کھیل شروع ہونے والا تھا۔

❊

مرزا توقیر سامنے آبیٹھا۔ میں بدستور نڈھال تھا اور میری اس کیفیت پر مرزا کی آنکھوں میں مُسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"تم نے تو میرا ستیاناس ہی مار دیا مرزا! کچھ تو انتظار کر لیتے۔"

"قصور تمہارا ہے وکیل صاحب! کوئی اشارہ ہی چھوڑ جاتے... میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی کو بلا وجہ میرے ہاتھوں نقصان نہ پہنچے مگر وجہ پیدا ہو جائے تو پھر مجبوری ہوتی ہے۔"

"اب بولو، مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"لڑکی کہاں ہے؟"

"یہ کیسے بتا سکتا ہوں، باجرہ کھائے بغیر۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"کیا مانگتے ہو؟"

"پچاس ہزار۔" میں نے جواب دیا۔

"پچیس ہزار دُوں گا صرف۔ ایک پیسہ کم نہ ایک پیسہ زیادہ۔ یہ کیس اس سے زیادہ کا نہیں ہے۔"

"وہ تمہارے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہر سوال پر دو ہزار روپے کم ہو جائیں گے۔ صرف مطلب کی بات کرو۔" مرزا نے کہا۔

"اوہ، ٹھیک ہے۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے..." میں بے پروائی سے بولا۔

"رحیمو کہاں ہے؟"

"وہ بھی میرے پاس ہے۔"

"دیکھ لوں گا اس کو بھی۔ اُسے بھی تمہیں میرے حوالے کرنا ہوگا۔"

"اس کا کیا ملے گا؟"

"بکواس مت کرو۔" مرزا کرخت لہجے میں بولا پھر قدرے توقف سے کہنے لگا۔ "جبار نوری کو رہا کرا سکتے ہو تو دس ہزار تمہیں دوں گا، اُوپر کا خرچہ میں برداشت کروں گا۔"

"رقم منگوا لو۔"

"اس وقت صرف دس ہزار ایڈوانس ملیں گے۔ باقی کام ہونے کے بعد۔" اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سَو کے نوٹوں کا ایک بنڈل نکالا اور اُسے میرے حوالے کر دیا۔

"بعد میں باقی پیسوں کی کیا ضمانت ہے؟"

"ہاتھ کے ہاتھ۔ پندرہ ہزار اُس وقت دُوں گا جب لڑکی ڈلیور کرو گے۔ مزید دس ہزار اُس وقت، جب تم نوری کے ساتھ میرے ہاں دعوت کھانے آؤ گے۔"

"آئندہ کے لیے بھی مجھ سے کنٹریکٹ کر سکتے ہو مرزا!"

"سوچوں گا۔" اُس نے کہا۔

"ہُوں... اب کیا کرنا ہے مجھے؟"

"پتا بتاؤ، لڑکی کا۔ میرے آدمی اُسے اور رحیمو کو یہاں لے آئیں گے اور تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"میں خود اُسے تمہارے پاس لے آؤں تو؟"

"آج تک باپ پر بھی بھروسا نہیں کیا۔" اُس نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"پستول ہے تمہارے پاس؟" میں نے اچانک سوال کیا۔

"پستول...؟"

"ذرا ایک منٹ کے لیے دو۔"

"اس وقت نہیں ہے۔ کیا کرو گے؟"

"کوئی چاقو وغیرہ؟" میں نے پوچھا۔

"کیا ضرورت پیش آگئی ہے، منگوا دُوں؟" اُس نے پوچھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی نہیں ہے۔"

"ابے وکیل صاحب! میں کوئی قصائی ہُوں جو چھری، چاقو اپنے پاس رکھتا پھروں گا... مگر تمہیں ضرورت کیا پیش آگئی؟"

"کمال ہے یار! اتنے بڑے آدمی ہو، نہ پستول، نہ چاقو... پہلوان کیوں کہلواتے ہو تم؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔ پہلوانی چاقو یا پستول سے کی جاتی ہے؟"

"اس کا مطلب ہے کہ دیسی پہلوانی کرتے رہے ہو۔ آؤ، ذرا دو چار ہاتھ ہو جائیں۔ اُستاد عبدالقدوس کو جانتے ہو؟"

"نہیں..."

"اور اُستاد چھُوٹے کو؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ کھوپڑی پہلے ہی کھُل چکی ہے، لگتا ہے اب ہاتھ پاؤں بھی تڑواؤ گے۔"

"ایک پہلوان میں یہ خوبی ضرور ہونی چاہیئے کہ جب بھی اُسے للکارا جائے، وہ فوراً تیار ہو جائے۔ میں تمہیں چیلنج کر رہا ہُوں، آؤ، ذرا داؤ پیچ کرو۔" میں نے کہا اور وہ مجھے غصیلی نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"دیکھو، میں کسی کو زیادہ مُنہ نہیں لگاتا وکیل صاحب! اور یہ کیا بکواس شروع کر دی تم نے۔ کام کی باتیں کرتے کرتے اچانک پٹڑی سے اُتر گئے۔"

میں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک زوردار تھپڑ اُس کے گال پر لگا دیا اور یہ تھپڑ اُسے پاگل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ دہشت زدہ

انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت وہ عقل و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا... اگر وہ چاہتا تو اپنے آدمیوں کو آواز دے کر بُلا لیتا۔ وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح سب کچھ بھول کر میری طرف لپکا اور مار کھا گیا۔ میں نے اپنا داہنا پاؤں اُٹھا دیا جو سیدھا اُس کے مُنہ پر پڑا، وہ فرش پر جا گرا۔ اُس کے بعد میرے لیے صرف یہی مناسب تھا کہ اُسے دوبارہ فرش سے نہ اُٹھنے دوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تن و توش کا بہت اچھا تھا، غالباً اس بوکھلاہٹ میں وہ میرے ہاتھوں مار کھا گیا تھا کہ میں جو اب تک اُس سے نہایت شرافت سے باتیں کر رہا تھا اور دس ہزار رُوپے بھی وصول کر چکا تھا، اچانک ہی پاگل کیسے ہو گیا اور یہ احمقانہ حرکت کیسے کر ڈالی... وہ سوچتا ہی رہ گیا اور میں نے عمل کر ڈالا۔ چار چھ ٹھوکروں ہی میں، میں نے اُسے اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا۔ جب وہ اَدھ مُوا ہو گیا تو میں نے چلتے ہوئے اُسے مخاطب کیا۔

"پہلوان! میرا نام شارق حسین ہے۔ میرا خیال ہے، تمہاری اس کارروائی کا جواب تو تمہیں مِل چکا ہے۔ تمہارا تحفہ دس ہزار رُوپے میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں۔ اب میں جا رہا ہوں اور یہ بات سُن لو کہ تم لڑکی کی ہوا بھی نہیں پا سکتے۔"

میں نے مطمئن انداز میں اپنے بال سنوارے، دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور باہر نکل آیا۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا لیکن میں نے اپنی چال میں اس قدر اطمینان رکھا تھا کہ اگر کوئی مجھے دیکھ بھی لے تو شک نہ کر سکے۔ ذرا فاصلے پر پہلوان کے گُرگے موجود تھے میں نے مسکرا کر گردن خم کی اور آگے بڑھ آیا لیکن اب دوڑ لگانا ضروری تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ میں نے فوراً ہی مکان کا بغلی راستہ اختیار کیا۔ ابھی میں دیوار کے دوسری طرف پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے ایک شخص نظر آیا۔ یہ وہی بُوڑھا ملازم تھا جس سے میں بس کے اڈے پر مِل چکا تھا۔ وہ میری طرف ہی آ رہا تھا۔

"جا رہے ہو، باؤجی؟" اُس نے قریب آکر پوچھا۔

"ہاں، کہو گھسیٹے! کیا بات ہے؟"

"دو منٹ کا خطرہ مول لے سکتے ہو؟"

"کیسا خطرہ؟"

"اندر چلنا پڑے گا تمہیں۔"

"کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ سے ملنے کے لیے۔" گھسیٹے نے کہا اور میں چونک پڑا۔ بیگم صاحبہ کا نام میرے لیے باعثِ دلکشی تھا۔ میں نے اپنے عقب میں دیکھا جہاں حالات ابھی خاصے پُرسکون نظر آ رہے تھے۔

"کیا بیگم صاحبہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں گھسیٹے؟"

"ہاں جی! بڑی دیر سے انتظار کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ آپ باہر نکلیں اور آپ کے ساتھ کوئی نہ ہو تو آپ سے ملاقات کروں۔"

میں نے اس عجیب و غریب صُورتِ حال کے بارے میں سوچا۔ ابھی چند لمحوں کے بعد میرے لیے بھاگ دوڑ شروع ہو جائے گی... اور مرزا توقیر نہ جانے کیا کچھ کر ڈالے۔ جو سلوک میں نے اُس کے ساتھ کیا تھا، اُس کے تحت وہ میرے ٹکڑے بھی اُڑا سکتا تھا لیکن اگر میں خود اُسی کے گھر میں چلا جاؤں تو...

ایک طرح سے یہ بات بہت دلچسپ اور کارآمد تھی۔ مرزا توقیر اپنے تمام وسائل کو کام میں لاتے ہوئے میرے ہر اُس راستے کو روکنے کی کوشش کرے گا جو شہر سے باہر جاتا تھا لیکن اگر میں اُسی کے گھر میں پوشیدہ ہو جاؤں تو یقیناً اُس کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکتا ہوں۔

"چلو گھسیٹے!" میں نے حتمی فیصلہ کیا اور گھسیٹے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے آگے ہو لیا۔ تقریباً بیس پچیس قدم چلنے کے بعد، وہ مجھے ایک عقبی دروازے سے اندر لے گیا اور پھر ایک راہداری سے گزرنے کے بعد مکان کے زنانہ حصّے میں لے آیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جائیے وکیل صاحب! بیگم صاحبہ سے ابھی تھوڑی دیر بعد آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔"

"سُنو گھسیٹے! مرزا توقیر اس وقت میرا جانی دشمن بنا ہُوا ہے، وہ میرے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہے جس کی اطلاع ابھی کسی کو نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مجھے کسی ایسی جگہ پوشیدہ کر دو، جہاں میں اُس کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکوں ورنہ خود تمہارے لیے بھی مصیبت بن جائے گی۔"

گھسیٹے چونک پڑا۔ اُس نے دہشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا جن میں بے یقینی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ "تم نے پہلوان کو زخمی کر دیا؟"

"باتوں میں وقت ضائع کرو گے تو اپنی زندگی بھی خطرے میں ڈالو گے اور میری بھی۔"

"آؤ، آؤ میرے ساتھ چلے آؤ۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا اور مجھے اس جگہ سے باہر نکال لایا۔ اس بار وہ مجھے ایک کوٹھری میں لے گیا، جس کے دروازے پر تالا پڑا ہُوا تھا۔ اُس نے جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"یہ کوٹھری الگ تھلگ ہے۔ کوئی ڈر تو نہیں ہے مگر پھر بھی احتیاط رکھنا۔ میں پانی وغیرہ پہنچائے دیتا ہوں۔ اب تمہیں ذرا انتظار کرنا پڑے گا۔ باہر کی صُورتِ حال معلوم کر لی جائے، اس کے بعد ہی بیگم صاحبہ سے تمہاری ملاقات کرائی جا سکتی ہے۔ یہ تم نے عجیب

بات بتائی۔ میں چلتا ہوں، ذرا باہر کا جائزہ لے لوں۔"

گھسیٹے باہر نکلا۔ اُس نے باہر سے دروازہ بند کر کے شاید تالا ڈال دیا تھا لیکن میں پُرسکون تھا۔ فی الحال کوئی خطرہ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ شخص جو مجھے یہاں تک لایا تھا، کوئی بڑا چالباز نہیں معلوم ہوتا تھا... یقیناً یہ کوئی ایسی کارروائی نہیں تھی جسے میں شک کی نگاہ سے دیکھتا۔

میں فرش پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ سر کی تکلیف اب بالکل نہیں تھی۔ ویسے بھی محسوس کرنے کی بات تھی۔ بہت زیادہ گہرا زخم نہیں تھا ورنہ شاید میں کھڑا ہونے کے قابل بھی نہ ہوتا۔ چھت پر نظریں جھکا کر میں حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔ رحیمو نے مرزا توقیر کے بارے میں جو انکشافات کیے تھے، وہ اب میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ مرزا توقیر ظاہر ہے، لمبے ہاتھ رکھتا تھا۔ کیس میرے شایانِ شان بنتا جا رہا تھا۔ میں لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ بے چاری کی زبان کیوں کاٹ دی گئی تھی؟ اس کی ایک ہی وجہ بار بار سامنے آتی تھی، وہ کسی ایسے راز سے واقف تھی جس کے لیے مرزا توقیر کو خدشہ ہو گا کہ وہ اُسے اپنی زبان سے نہ نکال دے۔ کیس خاصا پیچیدہ اور اُلجھا ہُوا تھا اور اس بار میرا مدِّمقابل ایک دولت مند لیکن جاہل آدمی تھا اور جاہل آدمی زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اُس کی سوچ محدود ہوتی ہے۔

تقریباً ایک گھنٹہ اسی طرح گزر گیا پھر میں نے دروازے پر آہٹیں سُنیں اور چند لمحوں بعد گھسیٹے اندر آ گیا۔ مدّھم روشنی کی وجہ سے اُس کے خدوخال صاف نظر نہیں آ رہے تھے۔ اُس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور کپکپاتی آواز میں بولا۔

"تم نے تو کمال کر دکھایا بھیّا! کون ہو تم؟ شاید پہلوان کو پوری زندگی میں ایسی مار نہیں پڑی، ہڈیاں، پسلیاں ہی توڑ ڈالیں تم نے تو اُس کی۔ اسپتال لے جایا گیا ہے اُسے... مگر تمہاری تلاش مسلسل کی جا رہی ہے۔ بڑے خطرے میں پڑ گئے ہو تم۔ یہاں سے نکلنا ابھی مشکل ہی ہو گا کیونکہ فیروز آباد سے باہر جانے والے تمام راستوں کی نگرانی کی جا رہی ہے۔"

"اِن باتوں کو چھوڑو، تمہاری بیگم صاحبہ کیا کہتی ہیں؟" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"وہ تو خود حیران رہ گئی ہیں بھیّا! بڑا تعجب کر رہی تھیں... تمہیں اب انتظار کرنا ہو گا۔ ہاں، یہ بتاؤ کہ اس صورتِ حال میں یہاں رُکو گے یا کوئی اور ٹھکانہ بنانا ہے؟"

"بیگم صاحبہ ابھی ملاقات نہیں کر سکتیں؟"

"نہیں جی، لوگ ابھی اُن کے آس پاس موجود ہیں، کیسے آ سکتی ہیں یہاں۔ معاف کرنا، اُس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر یہ چکر چل چکا ہے۔ اب جیسا تم کہو؟"

"میرا خیال ہے، میں یہیں پر انتظار کیے لیتا ہوں۔ بس تم مجھے تھوڑا سا پانی پہنچا دو۔"

گھسیٹے باہر نکل گیا اور میں سوچنے لگا کہ اب صُورتِ حال واقعی کچھ خطرناک ہو گئی ہے۔ فیروز آباد میں مزید رُک کر مرزا توقیر سے کوئی بات معلوم کرنا تو اب ناممکن تھا۔ البتہ یہ معلوم ہو گیا کہ کوئی نہ کوئی چکر ایسا ضرور ہے جس کی وجہ سے مرزا توقیر لڑکی کا حصول چاہتا ہے۔ باقی کام ذرا احتیاط سے کرنے پڑیں گے اور اس کے لیے تھوڑا سا وقت درکار تھا۔ بدر شاہ کی خدمات حاصل کیے بغیر کام ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بُوڑھا گھسیٹے پھر اندر آیا۔ اُس کے پاس پانی کا برتن اور کھانے پینے کا کچھ سامان تھا جو اُس نے میرے سامنے رکھ دیا اور واپس چلا گیا۔ میں حسبِ سابق اپنی سوچوں میں کھو گیا۔

وقت گزرتا رہا اور پھر مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ میں زمین پر لیٹ گیا۔ اُس وقت غالباً ساڑھے بارہ یا تقریباً ایک بجے کا عمل ہو گا، جب ایک بار پھر مجھے باہر آہٹیں سُنائی دیں۔ میں غنودگی کی کیفیت سے نکل آیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر دروازے کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ ضروری نہیں تھا کہ گھسیٹے ہی ہو، کوئی اور بھی ہو سکتا تھا لیکن اندر داخل ہونے والا گھسیٹے ہی تھا۔ اُس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتے ہوئے مجھے آواز دی۔

"وکیل صاحب! سو رہے ہو کیا؟"

"نہیں بابا! جاگ رہا ہوں۔"

"آؤ، میرے ساتھ باہر آ جاؤ۔" اُس نے کہا اور میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ گھسیٹے نے کوٹھری کا دروازہ اُسی طرح مقفل کر دیا تھا... پھر وہ مجھے ساتھ لیے ہُوئے ایک لمبی راہداری میں مُڑ گیا۔

"کیا کیفیت ہے بابا؟"

"حالات ٹھیک نہیں ہیں وکیل صاحب! وہ ابھی اسپتال ہی میں ہے، اُسے اسپتال میں روک لیا گیا ہے، کچھ اندرونی چوٹیں بھی آئی ہیں شاید۔"

"گھر کے حالات کیا ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"یہاں سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ بیگم صاحبہ نے سوچا کہ جو کام نمٹایا جا سکتا ہے، ابھی نمٹا لیا جائے۔"

"ہوں..." میں نے آہستہ سے کہا اور خاموش ہو گیا۔ لمبی راہداری عبور کر کے ہم ایک کمرے میں داخل ہُوئے۔ یہاں سے دوسرے کمرے میں پہنچ کر پھر ایک چھوٹی سی راہداری طے کی، تب کہیں جا کر ہم مطلوبہ کمرے تک پہنچے۔ گھسیٹے نے دروازہ کھولا اور مجھے ساتھ لیے ہُوئے

کمرے میں داخل ہوگیا۔

وہ خواب گاہ تھی جو نہایت عمدگی سے آراستہ تھی۔ گو سامان قدیم طرز ہی کا تھا۔ ایک کرسی پر بیگم صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ سر پر دوپٹہ جما ہوا تھا۔ نوعمر خاتون تھیں، چہرے سے شرافت کا اظہار ہوتا تھا، خدوخال مغلیہ طرز کے تھے۔

"تشریف رکھیے وکیل صاحب!" انھوں نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

"شکریہ بیگم صاحبہ! کیا آپ اپنے آپ کو اس کمرے میں محفوظ سمجھتی ہیں؟ میرا مطلب ہے، آس پاس کسی کی موجودگی کے امکانات تو نہیں ہیں؟"

"نہیں وکیل صاحب! حالات بالکل پُرسکون ہیں۔ آپ نے تو انھیں اچھا خاصا مار پیٹ ڈالا۔ کیا کوئی ایسی ہی بات ہوگئی تھی؟"

"جی ہاں، وہ مجبوری تھی۔"

"خیر، میں اس سلسلے میں کیا تبصرہ کرسکتی ہوں۔ میرا نام مہر افشاں ہے اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہوچکی ہے کہ میں توقیر مرزا کی بیوی ہوں۔"

"جی ہاں، تقریباً..." میں نے جواب دیا۔

"بابا گھسیٹے ہمارے اس وقت کے مہربان ہیں جب ہم کسی قابل بھی نہیں تھے۔ مرزا توقیر نے انھیں ملازموں کی سی حیثیت دے رکھی ہے۔ یہ اُن کی بدنصیبی ہے ورنہ بابا جی تو ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ میں کسی لمبی تمہید میں نہیں جا سکتی۔ جہاں تک بابا گھسیٹے کی زبانی مجھے علم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آپ شاید صنوبر کے سلسلے میں کوئی کارروائی کر رہے ہیں۔ آپ وکیل ہیں۔ میں یہاں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہوں۔ کہنے کو تو یہاں کے لوگ مجھے بیگم صاحب کہتے ہیں لیکن جیسی بیگم صاحبہ ہوں، میں ہی جانتی ہوں۔ میرا دل اتنا پک چکا ہے کہ اب میں وہ شرعی احکام بھی بھول چکی ہوں جو شوہر کے لیے دیے جاتے ہیں... یہ مجبوریوں کی انتہا ہے اور اسی وجہ سے میں اپنے شوہر کے خلاف آپ کا سہارا لینا چاہتی ہوں۔ بہت دنوں سے میں اس کوشش میں تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ ہاتھ آئے کہ میں کسی بیرونی شخص کو اپنا رازدار بنا سکوں۔ اب بابا گھسیٹے نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تو میں نے ان سے کہا کہ اگر ممکن ہوسکے تو مجھے بھی آپ سے ملا دیا جائے۔ آپ کیا ہیں اور کس بنیاد پر کام کر رہے ہیں، یہ تو خدا جانتا ہوگا یا آپ لیکن میں ایک ایسے ڈوبتے انسان کی حیثیت رکھتی ہوں جس کے سامنے اگر تنکے کا سہارا بھی آجائے تو وہ اُسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے میں آپ کو اپنی کہانی سنائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ میری مدد کریں۔ میں اپنی زندگی سے اکتائی ہوئی ہوں۔ خودکشی مذہب میں حرام قرار دی گئی ہے لہٰذا میں اس سے بچنا چاہتی ہوں لیکن اتنا سمجھ لیجیے کہ جب مایوسیوں کے اندھیرے میری ذات پر اس قدر مسلط ہوجائیں گے کہ میں روشنی کی کرن کا تصور بھی کھو بیٹھوں گی تب میں خودکشی کرلوں گی، چاہے یہ گناہ ہی کیوں نہ ہو۔"

میں اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے، ہونٹ کپکپا رہے تھے، بمشکل تمام وہ اپنے آپ کو رونے سے روکے ہوئے تھی۔ میں نے بابا گھسیٹے کو بھی آنسو خشک کرتے دیکھا۔

"بیگم صاحبہ! اگر میں آپ کو بہن مہر افشاں کہہ دوں تو مجھے یقین ہے کہ کم از کم آپ کے دل کو کچھ نہ کچھ سکون ضرور ملے گا۔ میں ایک بھائی کی حیثیت سے آپ کی کہانی سننا چاہتا ہوں۔ یقین رکھیے، جو کچھ میرے بس میں ہوگا، ضرور کروں گا۔" میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

اب تک کی کوششوں سے رُکے ہوئے آنسو، مہر افشاں کی آنکھوں سے بہ نکلے اور وہ آہستہ آہستہ سسکیاں لینے لگی۔ تب میں اُٹھ کر اس کے قریب پہنچا۔ میں جانتا تھا کہ ایک ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا دینا بھی عبادت ہے۔ سو میں نے مہر افشاں کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ایک بھائی کا ہاتھ ہے اور اس کی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔"

مہر افشاں نے میری کلائی پکڑی اور میرا ہاتھ نیچے کرکے چوم لیا۔ بڑا جذباتی سا ماحول ہوگیا تھا لیکن اب وہ خاصی مطمئن نظر آرہی تھی۔ کچھ دیر یونہی گزر گئی پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

"اگر توقیر مرزا اسپتال میں نہ ہوتے تو شاید ہمیں یہاں ایک لمحے کا سکون بھی میسر نہ آتا۔ اب بھی میں موت کی قیمت پر آپ کو اپنا رازدار بنا کر یہ کہانی سنا رہی ہوں۔" دو جملے کہہ کر وہ پھر خاموش ہوگئی۔ میں بھی کچھ نہیں بولا۔ بالآخر خود ہی اس نے خاموشی کے قفل کو توڑا...

"میرے والد ایک اچھے خاصے صاحبِ جائداد تھے۔ ایک بیماری میں اُن کا انتقال ہوگیا۔ ماں بہت پہلے بچپن میں مرچکی تھیں۔ چنانچہ باپ کی موت کے بعد ہم دو بہن بھائی رہ گئے۔ بھائی کا نام شہزاد احمد ہے اور وہ عمر میں مجھ سے صرف دو سال بڑے ہیں لیکن انھوں نے میری پرورش اس طرح کی کہ ماں باپ بھی نہ کرسکتے۔ ہماری جو تھوڑی بہت زمینیں تھیں، وہ انھیں سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ بہت پریشانیاں ہوگئی تھیں، والد صاحب کے انتقال کے بعد... لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ شہزاد بچہ ہے، وہ بھلا کیا اُن سے حساب کتاب طلب کرسکے گا لیکن شہزاد احمد اس قدر بے وقوف نہیں تھے۔ انھوں

نے ایک سمجھ دار کی حیثیت سے اپنے فرائض سنبھالے پھر پٹواریوں اور دوسرے لوگوں کی مدد سے اچانک ہی انھوں نے اپنی زمینیں بیچنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے وہ تمام جائداد بھی بیچ دی جس پر، ہمارے باپ کی موت کے بعد لوگ نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ صرف ایک مکان اپنے لیے رہنے دیا جو ہم دونوں کے سر چھپانے کا ٹھکانہ تھا۔ اس رقم سے، جو زمینیں بیچ کر حاصل ہوئی تھی، انھوں نے دو ٹرک خرید لیے۔ یہ ایک نیا کاروبار تھا لیکن اُن کی ملاقات کچھ ایسے لوگوں سے تھی جو ٹرانسپورٹ کا کام کرتے تھے اور انھوں نے ہی انھیں اس بات پر اُکسایا تھا کہ وہ ٹرانسپورٹ کا کام کریں۔ انھی لوگوں میں میرا شوہر مرزا توقیر بیگ بھی تھا جس نے میرے بھائی سے گہری دوستی گانٹھ رکھی تھی۔ مرزا کا آنا جانا ہمارے گھر میں بھی تھا۔ اس کے تعلقات بھی کافی وسیع تھے اور اچھے بڑے لوگوں سے اس کا میل ملاپ تھا۔ اس نے بھائی کا ایک ٹرک خود سنبھال لیا اور ڈرائیور کی حیثیت سے چلانے لگا۔ دوسرا ٹرک، میرا بھائی خود چلاتا تھا۔ بظاہر مرزا ہمارا ملازم تھا اور بھائی اپنی آمدنی میں سے اچھی خاصی تنخواہ اُسے دیتے تھے لیکن اُس کی حیثیت ہمارے گھر کے ایک فرد جیسی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ مرزا نے ہمارے ساتھ رہنا شروع کردیا اور ہمارے ذاتی معاملات میں اُس کی پوری پوری مداخلت ہوگئی... وہ بھائی کو ہر طرح کے مشورے دیتا تھا، بہت ہی شرافت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس پر ہمارا اعتماد ہوتا گیا اور میں بھی اُسے بھائی کا بہت اچھا دوست اور ساتھی سمجھنے لگی۔ میرے دل میں اس کے لیے بڑا احترام تھا۔ مرزا نے ایک اور قدم اُٹھایا۔ اس نے ایک اچھے گھرانے میں میرے بھائی کی شادی کا بندوبست کیا۔ فوزیہ ایک اسکول ماسٹر کی بیٹی تھی۔ انھوں نے اپنا سب کچھ فوزیہ کو دے دیا جس سے ہمارے کاروبار کو خاصا فائدہ ملا۔ ٹرکوں سے آمدنی شاندار طریقے سے ہونے لگی۔ چنانچہ ہم نے اپنے رہنے سہنے کا طریقہ بدل لیا اور یہ مکان خرید لیا جس میں اس وقت ہم موجود ہیں۔ اس مکان کو خریدنے کے بعد کچھ اور تبدیلیاں ہوئیں اور پھر جانے کس طرح بھائی کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میری شادی مرزا سے کردی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اب تک مرزا نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا تھا، وہ احسانات کے مترادف تھا۔ بھائی پہلے ہی اس سے خاصے متاثر تھے۔ بالآخر میری شادی مرزا سے کردی گئی۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی مرزا کو اپنے شوہر کی حیثیت سے ہر ممکن عزت و احترام دیا لیکن آہستہ آہستہ مرزا کے رنگ ڈھنگ بدلنے لگے۔ پھر اس نے ایسا چولا بدلا کہ ہم لوگ حیران رہ گئے۔ اب اس کا انداز حاکمانہ ہوگیا تھا۔ اسی دوران ماسٹر صاحب کا انتقال ہوگیا اور فوزیہ بھابی بہت افسردہ رہنے لگیں۔ ہم کوشش کرتے تھے کہ انھیں زیادہ دُکھی نہ ہونے دیں لیکن بہرطور باپ کے علاوہ ان کا بھی اس دُنیا میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ جب خدا نے انھیں ایک بیٹی سے نوازا تو اُن کی طبیعت کچھ بہل گئی... پھر ایک اور تبدیلی ہوئی... بھابی کے سگے ماموں زاد بھائی شمشاد احمد دوبئی سے واپس آگئے۔ وہ بہت کم عمری میں گھر سے نکل گئے تھے۔ ان کے والدین کا بھی انتقال ہوچکا تھا اور وہ تنہا تھے۔ بہت عرصے کے بعد وطن کا رُخ کیا تھا۔ اپنے ساتھ کافی دولت لے کر آئے تھے۔ فوزیہ اُن کی چہیتی بہن تھی۔ چنانچہ وہ ہمارے گھر ہی رہنے لگے۔ اس بات پر نہ مرزا کو کوئی اعتراض ہوا، نہ بھائی کو۔ البتہ مرزا کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ شمشاد بھائی کافی دولت لے کر آئے ہیں تو اُس نے شمشاد بھائی کو بھی اپنے راستے پر لگانا شروع کردیا۔ وہ چاہتا تھا کہ شمشاد بھائی بھی ٹرکوں کا کاروبار شروع کردیں... بالآخر شمشاد بھائی، اس کے فریب میں آگئے اور انھوں نے اپنی تمام پونجی مرزا کے حوالے کردی۔ بھائی سے مرزا کے کیا اختلافات تھے، اس کی خبر ہمیں بہت عرصے تک نہیں ہوسکی لیکن رفتہ رفتہ یوں محسوس ہونے لگا جیسے اُن کے درمیان خاصی ناچاقی ہوگئی ہو۔ میں نے مرزا سے اور بھابی نے بھائی سے اس بارے میں پوچھا۔ ہماری خواہش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے دونوں کے اختلافات ختم کرادیں لیکن یہ اختلافات شدید ترین شکل اختیار کرگئے۔ یہاں تک کہ ایک دن دونوں میں تصادم ہوگیا۔ مرزا نے بھائی پر پستول تان لیا تھا۔ میں اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔ اس وقت تو بات ٹل گئی مگر اگلے تین چار سال اسی طرح گزر گئے۔ مرزا اب بھائی کو بالکل منہ نہیں لگاتا تھا۔ ٹرکوں پر اس کی اجارہ داری تھی اور یہ ٹرانسپورٹ کمپنی جو میرے بھائی نے قائم کی تھی، اب اُسی کے نام سے منسوب ہوگئی تھی... بھابی صابر و شاکر عورت تھیں۔ صرف اُن کا نہیں، بھائی اور شمشاد احمد کا سرمایہ بھی اس کمپنی میں لگا ہوا تھا لیکن شمشاد احمد درویش منش تھے، وہ کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ مرزا کے مشاغل اب بڑھتے ہی جارہے تھے۔ غالباً وہ شراب بھی پیتا تھا اور جُوا بھی کھیلتا تھا... پھر ایک دن ایک اور نیا سلسلہ سامنے آیا۔ یہ شمشاد احمد تھے جو غصے میں بھرے ہوئے شہزاد احمد کے پاس پہنچے۔ جو گفتگو ان کے درمیان ہوئی، وہ میرے سامنے ہی ہوئی تھی۔ شمشاد بھائی کہنے لگے۔

"شہزاد! مجھے تم سے یہ اُمید نہیں تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ایک شریف خاندان کا فرد اس طرح گمراہ ہوسکتا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے ٹرکوں کی آمدنی اتنی ہے کہ ہم لوگ باعزت طریقے سے زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت تھی کہ تم اس مذموم کاروبار میں لگ جاؤ۔ مجھے ساری تفصیل معلوم ہوچکی ہے۔ ہمارے ٹرکوں کے

ذریعے اسمگلنگ ہوتی ہے۔"

بھائی خاموشی سے یہ سب کچھ سنتے رہے پھر اُنھوں نے کہا۔ "آپ کا کیا خیال ہے، یہ کاروبار میں کر رہا ہوں ؟"

"مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ تم اتنے چھپے رُستم نکلو گے، مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"یہ تفصیلات کہاں سے معلوم ہوئیں ؟"

"میں بتانا پسند نہیں کرتا۔"

"تو پھر مجھ سے سُنیئے۔ یقیناً توقیر نے آپ کو یہ سب کچھ بتایا ہوگا۔"

"ہاں، بتایا ہے۔ ایک سچے آدمی نے سچائی سے تمام حالات میرے سامنے لا کر رکھ دیے تو اس کا مطلب ہے کہ اُس نے غلطی کی... میں جانتا ہوں، تمہارے اور اُس کے درمیان شدید اختلاف ہے... توقیر نہیں چاہتا کہ اُس کی ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے یہ گندا کاروبار ہو اور اسی لیے تم اُس سے برگشتہ ہو گئے ہو۔"

بھائی شدید طیش میں آ گئے۔ اُنھوں نے کہا۔ "بہتر ہے کہ آپ اس سلسلے میں تحقیقات کر لیں۔ یہ الزام تو مجھ پر لگایا گیا ہے، بے بنیاد ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ طویل عرصے سے توقیر اسمگلنگ کر رہا ہے۔ وہ بہت گھٹیا اور ذلیل انسان ہے۔ اُس نے میری یہ ٹرانسپورٹ کمپنی قائم کرائی تھی پھر رفتہ رفتہ وہ میرے گھر پر چھا گیا۔ یہاں تک کہ اُس نے میری معصوم بہن سے شادی کر لی۔ اب میں اُس کے ہاتھوں میں ایک چڑیا کی طرح بے بس ہوں۔ وہ یہ الزام میرے سر رکھ کر اپنی گردن بچانا چاہتا ہے لیکن اب پانی سر سے اُونچا ہو گیا ہے۔ مجھے مرزا توقیر کے خلاف میدانِ عمل میں آنا ہی پڑے گا۔ بہن کے لیے کب تک اپنے آپ کو، اپنے ضمیر کو بیچتا رہوں، میری بھی اولاد ہے، میرا بھی گھر ہے۔ میں مرزا توقیر کے بارے میں تمام ثبوت لے کر خود شہر جاؤں گا اور پولیس ڈیپارٹمنٹ میں پیش کر دوں گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا"

شمشاد کہنے لگے۔ "اس تمام کارروائی سے توقیر مجھے پہلے ہی آگاہ کر چکا ہے۔ تمہارا یہ منصوبہ میرے سامنے نہیں چل سکے گا۔ یہ فریب کاری مجھ پر کارگر نہیں ہو گی۔ میں ان تمام چیزوں سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"تو پھر نمٹ لیجیے گا۔ آپ پوری طرح اُس کے جال میں پھنس گئے ہیں اور اُس کمینے نے آپ کو میرے خلاف بھڑکا دیا ہے۔"

کافی تلخ کلامی ہوئی تھی اُن دونوں کے درمیان، اور پھر اُس رات ایک ایسا حادثہ ہُوا جس کا ہم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ شمشاد بھائی کو ہلاک کر دیا گیا۔ لاش اُن کے کمرے میں پائی گئی۔ توقیر نے فوراً ہی تمام اطلاعات پولیس کو فراہم کر دیں اور پولیس نے بھائی شہزاد احمد کو شمشاد احمد کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ مرزا نے تمام ثبوت اور تمام شہادتیں پیش کر دیں۔ مجھ سے بھی عدالت میں بیان لیا گیا کہ کیا شہزاد اور شمشاد کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی ؟ مجھے اعتراف کرنا پڑا کیونکہ یہ حقیقت تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ میرے بھائی کو شمشاد احمد کے قتل کا مجرم قرار دے دیا گیا لیکن چونکہ قتل کا کوئی عینی گواہ موجود نہیں تھا، اس لیے اُنھیں سزائے موت نہیں دی گئی بلکہ دس سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور اب میرے بھائی یہ سزا بُھگت رہے ہیں۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہُوئی۔ میری بھابی کو اُن کی بیٹی صنوبر نے اپنی توتلی زبان میں بتایا کہ ماموں شمشاد کو توقیر پھوپھا نے مارا ہے۔ صنوبر نے ایک ایک تفصیل بتائی کہ کس طرح مرزا، شمشاد احمد کے کمرے میں داخل ہُوا اور کس طرح چھُری سے شمشاد احمد کو قتل کیا۔ صنوبر نے بھابی کو جو باتیں بتائیں وہ بڑی خوفناک تھیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وقت مرزا یہ گفتگو سُن رہا ہے۔ مجھے اُس وقت پتا چلا، جب اگلی صبح بھابی اور صنوبر... اچانک غائب ہو گئیں۔ میں نے یہی سوچا کہ شاید بھابی کو یہ احساس ہو گیا ہو کہ قتل کی عینی گواہ ہونے کی وجہ سے مرزا، صنوبر کے پیچھے نہ پڑ جائے چنانچہ وہ اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے نکل گئی ہیں تاکہ اُس کی جان بچ جائے۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ بھائی کا گھر تباہ ہو چکا تھا، بھابی دربدر ہو گئی تھی، بھتیجی کا کوئی پتا نہیں تھا اور میں خود ایک عجیب انداز میں زندگی گزار رہی تھی لیکن بھلا ان سب باتوں کا میرے پاس کیا حل تھا۔ بابا گھسیٹے ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے، ان کے علاوہ اس دنیا میں میرا کوئی ہمدرد نہیں تھا لیکن ظاہر ہے، یہ سب باتیں ان کے جاننے کی نہیں تھیں اور نہ ہی انھیں کبھی اس سلسلے میں کچھ بولنے کا موقع دیا گیا تھا۔ میں نے جب ایک بار غم سے روتے ہوئے انھیں اپنی دُکھ بھری کہانی سُنائی تو بابا گھسیٹے بھی رونے لگے اور پھر یہ انکشاف بھی انھوں نے ہی کیا کہ بھابی اپنی مرضی سے یہاں سے نہیں گئیں بلکہ اُنھیں زبردستی لے جایا گیا ہے اور جانے کہاں رکھا گیا ہے... میں بے چین ہو گئی۔ اب یہ سب کچھ میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ بھائی تو برباد ہُوا ہی تھا، بھابی کو بھی برباد کر دیا گیا تھا... میں نے ایک دن مرزا سے اس سلسلے میں بات کی تو وہ غضبناک ہو گیا، کہنے لگا کہ اگر میں زندگی چاہتی ہوں تو خاموش رہوں... پھر ایک دن ایک اور انکشاف ہُوا کہ فوزیہ بھابی پاگل خانے میں داخل ہیں، وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہیں۔ میں جانے کیا کیا اندازے لگاتی رہی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ مرزا نے بھابی کے سامنے ہی صنوبر کو قتل کر ڈالا ہوگا جس کی وجہ سے اُن کا ذہنی توازن خراب ہو گیا مگر میں کیا

کر سکتی تھی۔ البتہ میرے ذہن میں انتقام کا جوالا مکھی اُبلنے لگا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جب بھی مجھے موقع ملا، میں مرزا توقیر بیگ کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر رہوں گی لیکن میرے پاس ذرائع نہیں ہیں، صرف زبان ہے، واقعات ہیں، حالات ہیں۔ تقدیر نے ابھی تک میرے سر پر ہاتھ نہیں رکھا لیکن میں جانتی ہوں کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب مظلوموں کو اُن کا حق ملے گا اور مرزا جیسے شیطان کو اُس کے گناہوں کی سزا۔ اِس دوران میں جو کچھ بھی مجھ سے بن پڑا، کرتی رہی ہوں۔ میرے پاس ایسے بہت سے کاغذات ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا اسمگلنگ کے کاروبار میں ملوث ہے۔ قتل اور اسمگلنگ کا اصل مجرم مرزا ہے، میرا بھائی نہیں۔ قتل کی عینی گواہ وہ بچی ہے جو میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ اب مجھے معلوم ہُوا ہے کہ وہ زندہ ہے اور کسی طرح کچھ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ گئی ہے تو میرے دل میں یہ آرزو جڑ پکڑ گئی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے، صنوبر کو عدالت میں پیش کر کے اپنے بھائی کی بے گناہی کا ثبوت دوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس وقت بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔ میں انسانیت کے ناتے سے آپ سے کہتی ہوں کہ اگر آپ کا ضمیر اجازت دے تو اس سلسلے میں کام کریں۔ بے شک میں آپ کو کسی معاوضے کا لالچ نہیں دے سکتی لیکن معاوضہ کوئی حیثیت رکھتا ہے تو وہ میں آپ کو آپ کے شایانِ شان دوں گی، اس کے لیے آپ بالکل فکرمند نہ ہوں۔"

میں خاموشی سے یہ ہولناک کہانی سُن رہا تھا۔ ذہن میں جانے کیسے کیسے خیالات آ رہے تھے۔ بھلا اس بے چاری کو کیا معلوم کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔ اس نے تو میری ایک ایسی بڑی مشکل حل کر دی تھی جس کے لیے مجھے اس کا شکر گزار ہی ہونا چاہیے تھا۔ بہرطور، میں نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"اس کے نتیجے میں مرزا توقیر بیگ کو جو سزا ملے گی، کیا آپ کو اس کا اندازہ ہے ؟"

"میں کچھ نہیں کہتی، صرف یہ بتائیے کہ ایک ایسے شخص کو جس نے مظالم کی انتہا کر رکھی ہے، سزا ملنی چاہیے یا نہیں ؟"

"مجھ پر اعتبار کریں گی ؟"

"میں ہر اُس شخص پر اعتبار کر سکتی ہوں جو ایک بار مجھے یقین دلا دے کہ مجھے انصاف مل سکتا ہے۔"

"تو اُمیں، وہ کاغذات میرے حوالے کر دیں جو آپ کے پاس محفوظ ہیں۔" میں نے کہا تو مہرافشاں چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

چند لمحے وہ اسی طرح دیکھتی رہی اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں بادامی رنگ کا ایک لفافہ تھا۔ اس نے لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے کھول کر دیکھا، اُس میں بہت سے کاغذات تھے۔ میں نے روشنی میں کاغذات کا جائزہ لیا تو میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ کاغذات میں مجھے ایسے بے شمار ثبوت ملے تھے جن سے یہ پتا چلتا تھا کہ کب اور کہاں کہاں مرزا نے مال وصول کیا اور کہاں کہاں پہنچایا... ان کاغذات میں کچھ ایسے نام بھی نظر آئے تھے جو میرے لیے سنسنی خیز اور چونکا دینے والے تھے۔

"کیا یہ کاغذات میں اپنے پاس رکھ لوں ؟"

"ہاں، خدا کے حوالے سے۔ میں آپ پر اعتماد کر رہی ہوں اور آپ یہ سوچ لیجیے گا کہ میں اپنی زندگی کی قیمت پر بھی مجرم کو سزا دِلوانا چاہتی ہوں۔"

میں نے کاغذات کا لفافہ اپنے لباس میں رکھ لیا اور گھسیٹے سے بولا۔ "اب میرا یہاں رُکنا مناسب نہیں ہے۔ پہلے حالات کچھ اور تھے۔ مجھے اپنی زندگی کا خطرہ تھا لیکن موجودہ حالات میں میرا یہاں سے نکل جانا ضروری ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مہرافشاں کی جانب شک کی ایک نگاہ بھی اُٹھے۔"

"مگر بھیا! راستے بند ہیں۔ اُس کے بہت سے آدمی تمہاری تلاش میں سرگرداں ہوں گے، نکلو گے کیسے ؟"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو۔ جس طرح بھی بن پڑا، احتیاط سے یہاں سے نکل جانے کی کوشش کروں گا۔ بہرطور یہ مسئلہ ذرا مشکل ہے۔"

مہرافشاں بھی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی پھر اُس نے کہا۔

"بھیا! میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"ٹھیک ہے مہرافشاں! لیکن اس وقت تک اپنے کسی رویّے سے یہ ظاہر نہ ہونے دینا کہ تم کسی کو اپنا رازدار بنا چکی ہو۔"

میں نے جان بُوجھ کر یہ مناسب نہیں سمجھا تھا کہ مہرافشاں کو صنوبر کے بارے میں یہ بات بتاؤں کہ اُس کی زبان کاٹی جا چکی ہے، حالات کافی حد تک میرے علم میں آ گئے تھے، اب سب سے اہم مسئلہ یہاں سے نکل جانے کا تھا۔ بے شک، اس وقت یہ مکان میرے لیے بہترین پناہ گاہ تھا لیکن اس مکان میں، میں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا کیونکہ کچھ دوسرے لوگوں کے پھنس جانے کے امکانات تھے۔

اس وقت مرزا توقیر بیگ اسپتال میں پڑا ہُوا تھا، چنانچہ یہ موقع بہتر تھا۔ تقریباً ساڑھے تین بجے میں، مرزا توقیر کے گھر سے نکل آیا... بابا گھسیٹے مجھے عقبی دروازے سے باہر تک چھوڑنے آئے تھے... اور پھر کافی دور تک میرے ساتھ چلتے رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں

تشویش کے آثار تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ وہ واپس چلے جائیں تو وہ کہنے لگے۔

"دیکھو وکیل صاحب! بس کے اڈّے پر جانا بے حد خطرناک ہوگا، ریل کا سفر بھی مناسب نہیں ہوگا۔ ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے، اگر تم اس پر عمل کرو تو..."

"بتائیے؟"

"سبزی منڈی چلے جاؤ۔ اس وقت سبزیوں کے ٹرک لَد رہے ہوں گے۔ ساڑھے چار بجے تک یہ ٹرک فیروز آباد سے نکل جاتے ہیں۔ اگر تم کسی ٹرک ہی کے ذریعے یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ تو ٹرک چاہے کہیں بھی جائے، کم از کم فیروز آباد سے نجات مل جائے گی۔"

"مگر سبزی کے ٹرک میں...؟"

"چھپ کر جانا پڑے گا۔ کھلے عام تو تمہارے لیے سفر کرنے کو ہر راستہ غیر موزوں ہوگا۔"

میں نے بابا لطیف سے سبزی منڈی کا پتا پوچھا اور چھپتا چھپاتا اُدھر چل پڑا۔ پورے شہر میں غالباً یہی ایک علاقہ ایسا تھا جہاں رات کے اس حصّے میں بھی رونق تھی۔ کئی ٹرک لد چکے تھے اور کئی لادے جا رہے تھے۔ اعلیٰ قسم کی سبزی ٹرکوں میں بار کی جا رہی تھی۔ میں چھپتا چھپاتا ایک ٹرک کے نزدیک پہنچ گیا جو تقریباً لوڈ ہو چکا تھا۔ دو آدمی آگے والے حصّے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں پھرتی سے ٹرک پر چڑھا اور سبزیوں کی گٹھریوں اور ٹوکریوں کے درمیان رینگ گیا... پھر ٹرک کا عقبی حصّہ بند کر دیا گیا اور ٹرک اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گیا۔ تقدیر ساتھ دے رہی تھی کہ کوئی عقبی حصّے میں نہیں چڑھا۔ جب ٹرک سبزی منڈی سے نکل آیا تو میں نے اطمینان کی سانس لی۔

صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو دُور سے ایک آبادی کے آثار نظر آنے لگے اور میں تیار ہو گیا۔ ٹرک یقیناً اسی آبادی میں داخل ہونے والا تھا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ یہاں رُکے گا یا نہیں بہرطور رُکا تو میں پہلی فرصت میں یہ ٹرک چھوڑ دوں گا۔ میرا پہلا اندازہ ہی درست ثابت ہوا۔ ایک بار پھر ٹرک ایسی جگہ پہنچ گیا جو سبزی منڈی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی۔ میں نے ہوشیاری سے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ بہت سے ٹرک اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ جونہی ٹرک رُکا، میں پھرتی سے کود گیا۔ لوگوں نے مجھے کودتے دیکھا تو سہی لیکن کسی نے توجہ نہیں دی۔ چند گز کے فاصلے پر پہنچ کر میں نے ٹرک کو دیکھا تو میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی کیونکہ یہ ٹرک بھی توقیر ٹرانسپورٹ ہی کا تھا۔ بال بال بچا تھا، میں فوراً ہی وہاں سے چل پڑا۔

باہر آنے کے بعد ذہن میں یہ تجسّس پیدا ہوا کہ جگہ کون سی ہے اور یہاں سے میری واپسی کا کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔ معلومات کرنے میں زیادہ دِقّت نہیں ہوئی۔ چھوٹا سا شہر تھا، ریلوے اسٹیشن بھی تھا۔ چنانچہ ایک تانگے میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن پہنچا اور وہاں سے ٹرین کے اوقات معلوم کیے۔ دس بجے مجھے ٹرین مل سکتی تھی۔ کافی وقت تھا جو مجھے یہیں گزارنا تھا۔ چنانچہ اسٹیشن سے باہر نکل آیا۔ یہاں مرزا توقیر کے آدمیوں سے مڈبھیڑ کے امکانات نہیں تھے۔ ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ناشتا کیا اور وہیں وقت گزارتا رہا۔ دس بجے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ٹکٹ خریدا اور بالآخر ٹرین میں بیٹھ کر چل دیا۔

اپنے شہر پہنچ کر ٹیکسی لی اور سیدھا فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب موجود نہیں تھے لیکن جاوید قریشی دفتر میں بیٹھے کام کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر اُنھوں نے حسبِ معمول پُرتپاک استقبال کیا لیکن میرے سر کو دیکھ کر چونک پڑے۔

"ارے... یہ... یہ...؟"

"معمولی سی چوٹ ہے، کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

جاوید قریشی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔ "کیسے لگی؟"

"بس سمجھ لیجیے، لگ گئی لیکن...؟"

"چلو بھئی، اُٹھو... یہ پٹی کب کی بندھی ہوئی ہے؟ بہت میلی ہو رہی ہے۔ پہلے ڈریسنگ کراؤں تمہاری۔"

"چلیے..." میں نے بھی اس سلسلے میں بے پروائی برتنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ مجھے لیے ہوئے ڈاکٹر کے پاس پہنچے۔ بینڈیج کی گئی... دو انجکشن بھی دیے گئے۔

ہم واپس آفس میں آئے۔ عمدہ قسم کی کافی منگوائی گئی۔ ابھی کافی پینے کی ابتدا بھی نہیں کی تھی کہ فاروقی صاحب کو بھی شاید کورٹ میں اس کی خوشبو پہنچ گئی تھی۔ کافی کے پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی آ گئے تھے۔ مجھے دیکھ کر اُنھوں نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا لیکن سر پر بندھی ہوئی پٹّی دیکھ کر اُن کا نعرہ ادھورا ہی رہ گیا۔

"ارے، یہ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ تفصیل بتا چکا ہوں۔"

"گویا تصادم ہو گیا؟" فاروقی صاحب تشویش آمیز انداز میں بولے۔

"ہاں، اس سے تو انکار نہیں کروں گا۔ تصادم ہوا ہے... اور براہِ راست ہوا ہے۔"

"بھئی جاوید! میرے لیے بھی کافی بناؤ۔ ہے یا نہیں؟"

"بہت..." جاوید قریشی نے کہا اور کافی بنا کر فاروقی صاحب کو دی۔

فاروقی صاحب مجھے تشویش زدہ نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر بولے "اب ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

میں نے کافی کے دو تین چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے اور پھر پیالی رکھ کر کہنے لگا۔ "یہاں سے میں فیروز آباد پہنچ گیا۔ وہ کم بخت شیطان کی طرح مشہور ہے۔ بالکل جاہل آدمی ہے لیکن کافی تیز و طرّار ہے۔"... پھر میں نے مرزا توقیر سے ملاقات، گھر پر دعوت، ہوٹل واپسی، اپنے زخمی ہونے اور مرزا کو زخمی کرنے کی کہانی، مہر افشاں سے ملاقات اور اُس کی سنائی ہوئی پوری داستان، دونوں کو سنا دی۔ دونوں ہی کافی پینا بھول کر میری داستان میں گم ہو گئے تھے۔ میرے خاموش ہونے پر بھی وہ تا دیر میرا چہرہ دیکھتے رہے پھر جاوید قریشی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سو فیصد تمہارا کیس ہے شارق! اگر نہیں بھی تھا تو کھینچ کھانچ کر بن گیا ہے۔"

"بالکل، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اب اس سلسلے میں آپ لوگوں کا مشورہ چاہتا ہوں۔"

"پہلی بات تو یہ کہ فوراً اپنے ایکشن ڈپارٹمنٹ کو اطلاع دو... تمہارے وہاں سے نکل آنے کے بعد کیا کچھ نہ ہوا ہوگا۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ توقیر تمہارے بارے میں اچھی خاصی معلومات رکھتا ہے۔"

"میرا خیال ہے فاروقی صاحب! آپ تھوڑی سی بے پروائی سے کام لے رہے ہیں۔ شارق کا فلیٹ مخدوش ہو گیا ہے۔ شارق! تم فلیٹ پر واپس نہیں جاؤ گے۔ اُستاد چھوٹے بھی نہیں جائیں گے۔ کم از کم میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"نہیں جاوید صاحب! اس کی گنجائش کہاں ہے؟"

"بھئی، بعض معاملات میں ہم تمہارے سامنے بے بسی کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں بالکل ہی ناکارہ پُرزہ قرار نہ دو۔ تم سے بڑے ہیں اور کبھی کبھی تم سے ضد بھی کر سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے تمھیں ہماری ضد پوری کرنی چاہیے۔" جاوید قریشی انتہائی سنجیدگی سے بولے۔

"ضرورت تو نہیں ہے اس کی... لیکن آپ نے جس انداز میں یہ سب کچھ کہا ہے، اس کے بعد بھلا کہاں مجال ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا جائے۔ بہرطور، یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ہم کہاں سے آغاز کریں۔"

"یہ بات طے ہے کہ شہزاد احمد بے گناہ ہے اور اس کم بخت توقیر مرزا نے اُسے سالے کے قتل کے الزام میں دس سال کی سزا کرا دی ہے۔ وہی پرانی باتیں ہیں جو ایسے لوگ کرتے چلے آ رہے ہیں اور ہمیں بہرحال اُس بے گناہ کو جیل سے نجات دلانی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی جیل میں ہے۔"

"بالکل یہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ دوسرا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں صوفی یا صنوبر کی نگہداشت سخت کرنا ہوگی، کہیں بھی چوک ہو سکتی ہے۔ خدانخواستہ بچّی کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں رہے گا۔ میں تو اب اس خوف کا شکار ہوں کہ کہیں کاشف مسعود، اُن لوگوں کے انتقام کا نشانہ نہ بن جائے۔ میرا دعویٰ ہے کہ مرزا توقیر کے کتّے گلی گلی صنوبر کی بُو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ اُسے محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں کافی محنت کرنی پڑے گی۔"

"میرا خیال ہے، اس بار کام تقسیم کر لیے جائیں۔ فاروقی صاحب! آپ بچّی کی حفاظت کا بندوبست کیجیے۔"

"میرے سپرد کیا ذمّے داری ہے؟" جاوید قریشی نے پوچھا۔

"آپ مظلوم فوزیہ کا پتا لگائیے کہ وہ کون سے پاگل خانے میں ہے۔ جہاں بھی ہو، جس طرح بھی ممکن ہو سکے، اُسے وہاں سے نکال لانا چاہیے۔ فوزیہ کی ذہنی قوّت بھی بحال ہونا ضروری ہے... میں شہزاد احمد کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ہوں کہ وہ کون سی جیل میں ہے... پھر ہم ان تمام کرداروں کو یکجا کر دیں گے۔" میں نے کہا... اور جاوید قریشی نے بخوشی یہ ذمّے داری قبول کر لی۔ اس طرح اس اجلاس میں ہم لوگوں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ ہمارے آئندہ اقدامات کیا ہونے چاہئیں۔

واقعات کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ مجھے ایک لمحے کی فرصت نصیب نہیں ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ فیروزہ آباد میں، مرزا توقیر کے سلسلے میں کافی محنت کرنا پڑے گی لیکن اس سلسلے میں واقعات نے میرا ساتھ دیا اور بہت مختصر وقت میں میری ابتدائی کارروائی مکمل ہو گئی... مرزا توقیر سے براہِ راست ٹکراؤ بھی ہو گیا تھا اور اب اس سلسلے کے دوسرے اقدامات بھی برق رفتاری سے کیے جا رہے تھے۔

میں نے جاوید قریشی کی یہ پیشکش قبول کر لی تھی کہ چند راتیں اُس کے ہاں گزاری جائیں۔ رات کو جاوید قریشی نے خاصا اہتمام کر ڈالا تھا۔ فریال تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی، مجھ پر نثار ہوئی جا رہی تھی، شکایتیں بھی کی تھیں اس نے بہت ساری کہ اتنی قربت ہونے کے باوجود اتنے فاصلے قائم رکھے جا رہے ہیں۔ میں نے اُس سے معذرت بھی کی اور جاوید قریشی نے کہا تھا کہ اگر شارق حسین یہ سب کچھ نہ کریں تو جانے فریال جیسی کتنی تاریکیوں میں بھٹکتی پھریں۔

دس بجے فاروقی صاحب بھی آ گئے اور ایک بار پھر ہمارے درمیان اسی موضوع پر کانفرنس شروع ہو گئی۔ اُنھوں نے جو ذمّے داری قبول کی تھی، اُس کے سلسلے میں اُنھوں نے کہا کہ میں کم از کم اس طرف سے مطمئن ہو جاؤں۔

جاوید قریشی نے پاگل خانوں سے فوزیہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا لائحہ عمل بتایا تھا۔ میں نے بھی اپنے طور پر اپنی ذمّے داریاں سنبھال لی تھیں پھر میں آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

دوسری صبح جاگا تو غزالہ ناشتا تیار کر کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ میں نے غسل وغیرہ کیا اور تیار ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچ گیا۔ وہ بے حد مسرور نظر آ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کی زندگی کو جاوید قریشی کا اعتماد ملنے کے بعد میں نے اُن کے گھر بطورِ مہمان قیام کیا تھا... پھر جب ناشتے کے بعد میں باہر جانے لگا تو غزالہ کہنے لگی۔

"آپ کی واپسی یہیں ہوگی نا؟ دوپہر کا کھانا تیار کر کے رکھوں گی۔"

"نہیں غزالہ، دوپہر کو میرا انتظار نہ کرنا، ہو سکتا ہے مصروف ہو جاؤں۔ البتہ رات کو ذرا عمدہ قسم کی چیزیں پکا لینا۔ میں نے تو پہلی بار تمہارے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھائے ہیں۔ لطف آ گیا۔ یہ تو پتا ہی نہیں تھا کہ اس شعبے میں تم اتنی ماہر ہو۔"

"ٹھیک ہے رات کو آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔" اُس نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔ میری پہلی منزل جیل تھی۔

وقار صاحب نے معمول کے مطابق میرا استقبال کیا اور بدستور پُرجوش انداز میں ملے۔ چائے وغیرہ پی گئی، اس کے بعد بولے۔ "جب بھی تمہاری آمد ہوتی ہے، فوراً ہی میرے ذہن میں یہ تصوّر پیدا ہوتا ہے کہ اب کسی بے گناہ کی اسیری کی زندگی کی شام ختم ہونے والی ہے اور کوئی نیا سورج اُس کی زندگی میں طلوع ہونے والا ہے۔ اب کون ہے وہ؟"

"میں جذباتی آدمی نہیں ہوں لیکن بعض اوقات آپ لوگوں کے الفاظ مجھے جذباتی کر دیتے ہیں۔ اتنے اعزازات سجا دیے ہیں میرے سینے پر کہ میں اُن کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ بہت بڑا اعتماد ہے میری ذات پر جس کا اظہار آپ نے کیا۔"

"حق تو یہ ہے کہ تم ہو ہی اس قابل۔ تم سے اپنائیت اور قُربت محسوس کر کے ایک فخر کا احساس ہوتا ہے۔ میں پوری سچائی سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ جب کبھی تمہارے بارے میں سوچتے ہیں یا ہم آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ہم کسی بہت بڑے آدمی کے قریبی دوست ہوں۔"

"بے حد شکریہ!"

"اچھا اب یہ بتاؤ، کوئی معاملہ ہے یا یہ ملاقات صرف ملاقات ہے؟"

"نہیں، کبھی بے غرضی سے یقیناً آپ کے پاس آؤں گا... لیکن اس وقت..."

"نہیں، نہیں بھئی! مجھے تمہاری اس طرح آمد بھی بہت پسند ہے۔"

"اس کا نام شہزاد احمد ہے، فیروز آباد کا رہنے والا ہے۔ تقریباً تین سال قبل ایک شخص شمشاد احمد کے قتل کے الزام میں اُسے دس سال قید بامشقت ہوئی ہے۔"

"یہاں ہے؟" وقار احمد نے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔ یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

وقار احمد ذہن پر زور دینے لگے پھر انھوں نے گھنٹی بجا کر اردلی کے ذریعے اپنے ایک ماتحت کو بلوایا اور اُسے شہزاد احمد کا نام اور تفصیلات بتا کر پتا چلانے کو کہا۔

"ویسے فیروز آباد کا علاقہ دوسرے ضلع میں لگتا ہے۔ اگر قیدی کو کسی خاص وجہ سے ہماری جیل میں ٹرانسفر نہیں کیا گیا ہے تو پھر اُسے یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ تین علاقوں کے نام میرے ذہن میں ہیں اُن میں سے کسی نہ کسی جیل میں مل جائے گا۔ بہرحال آنے دو، ابھی پتا لگ جائے گا۔ معاملہ کیا ہے؟" ماتحت کے جانے کے بعد وہ بولے۔

"وہی پرانی بات، وہ بے گناہ ہے۔"

"ویری گڈ! اگر بے گناہ ہے تو اُسے رہائی ملنی چاہیے۔" وقار صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ابھی ہم لوگ اس موضوع پر گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اردلی نے انسپکٹر غالب کی آمد کی اطلاع دی اور میں چونک پڑا۔ میرا دوسرا پروگرام انسپکٹر غالب سے ملنے کا ہی تھا۔ وقار صاحب نے اُسے بلا لیا۔ مجھے دیکھ کر غالب بھی حیران رہ گیا۔

"او جی، کمال ہو گیا شارق بھائی! لگتا ہے پھر کسی بے گناہ کی تقدیر کھل گئی۔" وقار صاحب نے قہقہہ لگایا۔ انسپکٹر غالب چونک کر انھیں دیکھنے لگا۔

"کیوں جی، ہم نے کون سا لطیفہ سنا دیا؟"

"لطیفہ ہی ہے۔ تم نے میرے الفاظ کی نقل کی ہے انسپکٹر! جب شارق یہاں آئے تھے تو میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا۔"

"لو جی، پھر اور کیا کہا جا سکتا ہے شارق بھائی کو۔ معاف کرنا بھائی! ذرا جیلر صاحب سے ایک کام ہے، بات کر لوں۔"

غالب نے انھیں اپنی آمد کی غرض و غایت بتائی اور وقار صاحب اُس سے دو منٹ تک باتیں کرتے رہے پھر جب اُن کے معاملات ختم ہو گئے تو انسپکٹر غالب نے چائے کی خالی پیالیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لو جی، کمال ہو گیا۔ بندہ اگر دو چار منٹ پہلے آ جاتا تو کیا حرج تھا، چائے تو مل ہی جاتی۔"

"نہیں، انسپکٹر! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ تشریف لائیں اور چائے نہ آئے۔"

"ہاں جی، یہ تو نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر غالب نے ہنستے ہوئے کہا۔ اردلی نے فوراً ہی چائے سامنے لا کر رکھ دی تھی پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ "ہاں، شارق بھائی جی! آج اس بار کون بندہ پھنس گیا؟"

"ابھی پھنسا نہیں، پھنسنے والا ہے۔ ویسے آج میں خود تم سے ملاقات کرنے والا تھا۔"

"تو اچھا ہے جی، ملاقات خود آپ کے پاس آ گئی۔" غالب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ وقار صاحب سے گفتگو مکمل ہو گئی تھی۔ اُن کے ماتحت نے آ کر بتایا کہ شہزاد احمد یہاں اس جیل میں نہیں ہے۔

"ٹھیک ہے وقار صاحب!" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ یہاں نہیں ہے تو یقیناً اُن تین جیلوں میں سے کسی ایک میں ہوگا جن کی آپ نے نشاندہی کی ہے۔ میں اُسے تلاش کر لوں گا۔"

"نہیں بھئی! آپ اپنے کام میں مصروف رہیں، یہ کام میں کر لوں گا۔ کل جس وقت بھی فرصت ملے، مجھ سے اس سلسلے میں تفصیل معلوم کر لینا۔ بس، تم اس مسئلے کو بھول جاؤ۔"

میں نے شکر گزار نگاہوں سے وقار صاحب کو دیکھتے ہوئے اُن سے اجازت طلب کی۔

"ٹھیک ہے، کل گیارہ بجے کے بعد کسی وقت بھی۔" انھوں نے مجھ سے اور پھر غالب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا... پھر ہم دونوں باہر نکل آئے۔

"ہاں جی، شارق بھائی جی! کہو کیسی گزر رہی ہے؟ کیا کیا ہو رہا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں انسپکٹر! ایک کیس ہاتھ آیا ہے، اسی سلسلے میں مجھے تم سے ملنا تھا۔"

"اپنا تو ٹرانسفر ہو گیا ہے، آپ کو پتا چلا؟" غالب نے کہا۔

"کہاں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کسی اور شہر میں نہیں بلکہ ہم آج کل ایس۔ پی بابر جان کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ بابر جان بھی اپنی ہی لائن کا آدمی ہے... بڑا سخت اور اچھا بندہ ہے۔"

"ویری گڈ... کوئی خاص مشن ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں جی، پچھلے کافی دنوں سے بڑی گڑبڑ ہو رہی ہے شارق جی! اسمگلنگ ویسے تو پورے مُلک میں زوروں پر ہے۔ لگتا ہے، ہر پانچویں آدمی کا دھندہ یہی بن گیا ہے۔ لوگ مختلف طریقوں سے اسمگلنگ کرتے ہیں۔ اسی کے بارے میں زیادہ تشویش ہے۔ ایس پی بابر جان کو اسپیشل ڈیوٹی پر لگایا گیا ہے اور وہ اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ ہمیں بھی اُن کی تحویل میں دے دیا گیا ہے، بڑا کرم ہے مولا کا۔ آؤ، شارق جی! کسی ہوٹل میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ اب اتنی جلدی تو تمہیں چھوڑنے سے رہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایک ریستوران میں بیٹھے، ٹھنڈے مشروب سے شغل کر رہے تھے۔

"تمہارا کوئی کام ہو تو بتاؤ شارق جی! ہم نہیں کریں گے تو ہمارا کوئی اور ساتھی بندہ کر دے گا۔ تم شہزاد احمد کی بات کر رہے تھے۔"

"ایک بے گناہ قیدی ہے جسے قتل کے الزام میں دس سال قید کی سزا دی گئی ہے۔"

"تو ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ؟"

"نہیں، خدمت دراصل اس قیدی کے سلسلے میں نہیں ہے بلکہ ایک اور چکر ہے۔"

"وہ کیا ہے جی؟"

"میں تمہیں ایک شخص کے پیچھے لگانا چاہتا تھا۔ فیروز آباد کا رہنے والا ہے، مرزا توقیر بیگ نام ہے۔"

میں روا روی میں غالب کو بتا رہا تھا لیکن وہ بُری طرح چونک پڑا اور سنسنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "او، کیا نام بتایا... شارق جی؟"

"مرزا توقیر بیگ۔" میں نے اس کے چونکنے پر قدرے حیرت سے کہا۔

"او، کمال ہو گیا شارق بھائی جی! سچ مچ کمال ہو گیا۔"

"کیوں بھئی، خیریت؟"

"او بھائی! اسی کے پھیر میں تو پڑے ہوئے ہیں ہم آج کل... ایس۔ پی بابر جان نے بڑی مشکل سے یہ بات معلوم کی ہے کہ توقیر ٹرانسپورٹ کے ٹرک بھی اس اسمگلنگ میں ملوّث ہیں۔ کوئی صحیح رپورٹ نہیں مل سکی ابھی تک۔ پر ہماری توجہ آج کل اُسی کی جانب ہے، ناکہ بندی کی جا رہی ہے اور شاید ایک آدھ دن میں ہم ان راستوں پر کام شروع کر دیں۔ بس یہ معلوم کرنا تھا کہ توقیر ٹرانسپورٹ کا مالک کس قسم کا آدمی ہے۔"

میں حیرت سے گُنگ ہو گیا۔ اسی بات کے لیے تو میں غالب سے ملنا چاہتا تھا لیکن میرے کہے بغیر ہی سب کچھ اس انداز میں ہو گیا تھا، جس انداز میں، میں چاہتا تھا۔ وہ اپنے شربت کے گھونٹ لیتے ہوئے کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ تب میں نے کہا۔

"مرزا توقیر بیگ درحقیقت مجرمانہ ذہنیت کا مالک ہے۔

اسمگلنگ کے سلسلے میں بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ اس کے ٹرک اسمگلنگ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی وہ جرائم پیشہ ہے... میرے پاس اس کا سارا کچا چٹھا موجود ہے۔"

"او یار جی! آج تو تم نے واقعی کمال کردیا۔ یہ تو بڑی بات ہے ہم لوگ تو اس سلسلے میں بڑی مشکل محسوس کر رہے تھے۔ فیروزآباد جانے کا ارادہ تھا۔ بلکہ ہوسکتا ہے کہ آج ہی میری ڈیوٹی لگادی جائے کہ میں سادہ لباس میں فیروزآباد چلا جاؤں۔ شارق بھائی! یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی۔ آپ اگر اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو تو ہمیں بھی بتاؤ۔"

"بہت کچھ جان چکا ہوں اس کے بارے میں۔ آج کل وہ زخمی ہے اور اسپتال میں ہے۔ یہ زخم اسے میرے ہاتھوں لگے ہیں۔"

انسپکٹر غالب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تمہارے ہاتھوں شارق جی!"

"ہاں، پہلے ذرا مختصر سی باتیں سن لو۔" میں نے مہرافشاں سے سنی ہوئی کہانی اسے بتادی۔ وہ ایک چھوٹی سی ڈائری میں میرے بتلائے ہوئے پوائنٹس نوٹ کرنے لگا... پھر اس نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوگیا شارق جی! تم نے اس بات کی تصدیق کردی کہ یہ شخص اسمگلنگ میں ملوث ہے۔ میں سمجھتا ہوں، میرا آدھا کام ختم ہوگیا، کیونکہ تمہاری تحقیقات معمولی نہیں ہوسکتیں... اب میں اطمینان سے کام شروع کرسکتا ہوں۔"

"لیکن اس کے ساتھ ساتھ میرے کام کا بھی خیال رکھنا۔"

"او جی! پروا ہی نہ کرو۔ تم اپنا کام جاری رکھو۔ مرزا توقیر کو میں سنبھال لوں گا۔ بس، ذرا صبح تک تبدیلی ہوجائے اور ہم کسی مناسب جگہ اس کا مال پکڑلیں پھر دیکھنا اس کا تماشا۔"

"سنا ہے، اس نے تعلقات بھی کافی پیدا کرلیے ہیں۔"

"ہم نے بھی سنا ہے کہ بڑا بارسوخ ہے... مگر کیا ہوگا؟ انسپکٹر سے پھر ایس۔ آئی بن جائیں گے لیکن اسے نہیں چھوڑیں گے۔ انسپکٹر غالب کا یہی تو کمال ہے۔"

انسپکٹر غالب سے معاملات طے ہوجانے کے بعد کوئی ایسا کام نہیں رہ گیا تھا جس کے لیے مجھے کہیں اور جانا پڑتا۔ چنانچہ سیدھا فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ دفتر میں داخل ہوا تو وہ اچھل پڑے۔ جلدی سے اٹھے اور جلدی کھڑکی سے باہر جھانکنے لگے۔ ان کی اس حرکت نے مجھے حیران کردیا۔

"بیٹھ جاؤ بھئی، بیٹھ جاؤ۔ معاملات خاصی خطرناک صورت اختیار کرچکے ہیں۔"

"خیریت...؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی کوئی تین چار منٹ پہلے دو آدمی یہاں سے گئے ہیں، مشتبہ تھے، تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئے تھے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ مرزا توقیر ہی کے آدمی تھے، شکل و صورت سے بھی غنڈے ہی لگتے تھے۔"

"ویری گڈ... کیا معلومات کر رہے تھے میرے بارے میں؟"

"بس، کہہ رہے تھے، کوئی کیس شارق حسین کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے ایک منٹ ہی میں شبہ ہوگیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ میں نے بڑی معصومیت سے انھیں بتایا کہ آج کل تم کسی کام کے سلسلے میں فیروزآباد گئے ہوئے ہو۔ اس نام پر وہ معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ دوبارہ تم سے ملاقات کرنے کے لیے آئیں گے۔"

"ٹھیک... آپ نے بہت اچھا کیا فاروقی صاحب!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

چند لمحوں کے بعد فاروقی صاحب ایک گہری سانس لے کر بولے

"صوفی کو میں نے صحیح جگہ پہنچادیا ہے۔"

"کہاں...؟"

"کاشف مسعود کی ایک رشتے کی پھوپی ہیں جو ایک دور دراز بستی میں رہتی ہیں، ان کے اپنے بھی بچے ہیں اور بہت اچھی خاتون ہیں۔ بعد شام کے ان دونوں آدمیوں کو بھی وہیں تعینات کردیا گیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ اقدام مناسب ترین ہے۔ کاشف نے کوئی اعتراض تو نہیں کیا؟"

"نہیں، بہت اچھا انسان ہے، وہ صرف اس بچی کی بہتری چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس سلسلے میں بھرپور تعاون کیا ہے۔"

"تمام کام درست ہوتے جارہے ہیں۔ جاوید صاحب کی طرف سے تو کوئی رپورٹ نہیں ملی؟"

"نہیں، ابھی تک واپس نہیں آئے۔" فاروقی صاحب نے بتلایا۔

میں نے کچھ دیر فاروقی صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو کی، اس کے بعد دفتر سے نکل آیا۔ تاہم احتیاط کا دامن میں نے ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ استاد جمن کو ہدایت جاری کردی گئی تھی چنانچہ وہ بھی فلیٹ نہیں جا رہے تھے، ان کا قیام فاروقی صاحب کے گھر میں تھا۔ میں واپس جاوید قریشی کے گھر پہنچ گیا۔

فریال مجھے دیکھ کر معمول کے مطابق کھِل اٹھی اور پھر ہم شام تک باتیں کرتے رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے کے قریب جاوید قریشی

آ گئے اور میں سوالیہ نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔

"فوزیہ کو پاگل خانے سے حاصل کرلیا گیا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ نے انتہائی محنت کی ہے۔" میں نے کہا۔

"میاں! ایسی ویسی محنت... گھن چکر بن گئے۔ جانے کہاں کہاں چالبازیاں کی گئی ہیں، بڑے تعلقات استعمال کیے ہیں، تب کہیں جاکر فوزیہ کو پاگل خانے سے رہائی دلانے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

"واقعی جاوید صاحب! آپ نے کمال کیا ہے۔ کہاں ہے فوزیہ؟"

"دوسرا کمال تو تم نے سنا ہی نہیں۔ فوزیہ کو نوید صدیقی کے کلینک میں پہنچادیا گیا ہے۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ "یوں لگتا ہے جیسے آپ نے کسی مشینی ذریعے سے عمل کیا ہے جاوید صاحب! خدا کی قسم بڑی مسرت ہوئی... کیا کیفیت ہے فوزیہ کی؟"

"بالکل نڈھال ہے بے چاری۔ دبلی پتلی، سوکھ کر کانٹا ہوگئی ہے۔ اسپتال میں اس کی کوئی خاص نگہداشت نہیں۔ عام اور معمولی مریضوں کی حیثیت سے تھی۔"

"مگر وہ تھی کون سے اسپتال میں؟" میں نے پوچھا... اور جاوید قریشی نے ایک معروف پاگل خانے کا نام لے دیا جو شہر سے تقریباً ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر تھا۔ جاوید قریشی نے واقعی کمال دکھایا تھا۔ میں نے فریال سے کہا کہ جاوید قریشی کو بہت عمدہ سی چائے پلائی جائے۔ اس خوشی میں تو میں انھیں اور بھی بہت کچھ دے سکتا ہوں۔" جاوید قریشی ہنسنے لگے تھے۔

❀

رات کا کھانا فریال نے بڑا پرتکلف پکایا تھا چھ سات قسم کی ڈشیں تھیں اور ان میں بڑے اہتمام سے کام لیا گیا تھا۔ جاوید قریشی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ خاصی رات گئے تک ہم لوگ ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے اور پھر سونے کے لیے چلے گئے۔

اگلی صبح میں حسبِ وعدہ وقار صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کسی کام میں مصروف تھے۔ چنانچہ بیس منٹ تک آفس میں انتظار کرنا پڑا۔ وہ داخل ہوئے اور بہت معذرت کرنے لگے۔

"... اور وہ جو کہتے ہیں کہ ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا۔ معذرت تو ہم نے کرلی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خوشخبری بھی ہے۔"

"میں وہ خوشخبری ہی سننا چاہتا ہوں۔"

"سننا نہیں بلکہ دیکھنا چاہیئے تمہیں۔ چلو آؤ چل رہے ہیں۔ مجھے ایک دس منٹ کی اجازت دو۔ لباس تبدیل کرلوں۔"

"کہاں چل رہے ہیں؟"

"ذرا لمبی ڈرائیونگ ہے۔ میں تمہیں شہزاد احمد سے ملا ہی دوں۔"

"ویری گڈ!" میں نے پرمسرت انداز میں کہا۔

وقار صاحب اپنی پرائیویٹ کار میں بیٹھ کر میرے ساتھ چل پڑے اور ہمیں ایک طویل سفر طے کرنا پڑا۔ ان کا خیال درست تھا۔ شہزاد ان ہی تین علاقوں میں سے ایک علاقے کی جیل میں تھا۔ انھوں نے ٹیلی فون پر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرلی تھیں۔ جیل کے جیلر چودھری الیاس احمد نے ہمارا پرتپاک خیرمقدم کیا۔ تھوڑی بہت خاطر مدارت کی گئی اور اس کے بعد ہمیں شہزاد احمد سے ملنے کی اجازت دے دی گئی۔

شہزاد احمد درمیانی جسامت کا مالک شخص تھا جو قیدیوں کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کا نمبر تین سو تیرہ تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی اور آنکھوں میں ایسی یاسیت رچی ہوئی تھی جو اس جیسے آدمی کی آنکھوں میں ہونی ہی چاہیئے تھی۔ وہ کسی قدر حیران سا نظر آرہا تھا۔ میں نے اس سے پرجوش مصافحہ کیا۔ اپنا تعارف کرایا اور نسبتاً نرم لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بغیر کسی الجھن اور حیرانی کے مجھے میری باتوں کے جواب دو۔"

"جی میں حاضر ہوں۔" اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"پہلے تو میں تمہیں بتادوں کہ میں ایک وکیل ہوں اور میرا کام یہی ہے کہ میں ان بے گناہوں کے بارے میں تحقیقات کروں جنھوں نے جرم نہیں کیا لیکن سزا پا رہے ہیں۔ تمہارے بارے میں بھی مجھے یہی معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ جس شخص کے قتل کے الزام میں تمہیں دس سال سزائے قید ہوئی ہے۔ تم نے اسے قتل نہیں کیا؟"

شہزاد عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر اس نے پھیکے سے لہجے میں کہا۔ "وکیل صاحب یہ بات تو میں نے بہت پہلے عدالت کو بتائی تھی۔ اس نے تسلیم نہیں کی۔ ظاہر ہے میں اسے ثابت نہیں کرسکا۔ آج کیسے ثابت کروں کہ میں قاتل نہیں ہوں۔"

"تم نہیں دوست، میں یہ ثابت کروں گا۔ ابھی تو تمہاری قید کے سات سال باقی ہیں۔ تین سال تو تمہیں واپس نہیں لوٹائے جا سکتے لیکن اس کے بعد کی زندگی تمہاری ہوسکتی ہے۔"

شہزاد احمد کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نظر آئی۔ جسے امید کی چمک کہا جاسکتا تھا۔ اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا

"آپ وہ بات کہہ رہے ہیں جس کے لیے میں نے نہ جانے کتنی راتیں اپنے خُدا کے حضور گڑگڑا گڑگڑا کر گزاری ہیں۔ کیا میری دُعا عرش تک پہنچ گئی؟" اس کی آواز بھرا گئی۔

"ہاں شہزاد ایسا ہی لگتا ہے۔ میں تم سے مرزا توقیر کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں اس کا ماضی معلوم ہے؟"

"میں اُسے صرف اس وقت سے جانتا ہوں، جب ٹرکوں کے اڈّے پر میری ملاقات اُس سے ہوئی تھی اور اس نے مجھے اس کاروبار کا مشورہ دیا تھا۔ وہ ٹرک ڈرائیور تھا لیکن اس سے پہلے کہاں رہتا تھا، کیا کرتا تھا مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"اس کے باوجود تم نے اپنی بہن کی شادی اس سے کردی؟"

"یہ بہت بعد کی بات ہے وکیل صاحب۔ اُس وقت جب اس بدبخت نے مجھ پر اپنا اعتماد قائم کرلیا تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک ایسے شناسا آدمی سے اپنی بہن کی شادی کردوں جو میرا کاروباری شریک بھی ہے۔ بظاہر اس نے بہت اچھی ابتدا کی تھی لیکن اس کی حقیقت سے میں بہت دیر میں روشناس ہوا۔"

"ہُوں! کیا تم مجھے اس کے وہ ذرائع بتا سکتے ہو جن سے اس نے اسمگلنگ کا کام شروع کیا؟"

"چند لوگوں کے نام لے سکتا ہوں جو اس سے باقاعدہ کام لیتے رہتے تھے اور جن کے بارے میں، میں نے خفیہ طور پر تحقیقات کی تھیں۔"

"بہت خوب۔ مجھے اُن کے نام نوٹ کراؤ۔" میں نے شہزاد احمد سے کہا اور اُس نے اپنی یادداشت کے سہارے وہ نام مجھے بتادیے۔ میرا اندازہ بالکل دُرست تھا۔ ان میں تقریباً تمام ہی نام وہ تھے جو مجھے ان کاغذات سے دستیاب ہوئے تھے جو مہر افشاں نے فراہم کیے تھے پھر میں نے شمشاد احمد کی موت کے بارے میں تفصیلات پوچھیں۔ تمام باتیں سُننے کے بعد میں نے اُسے تسلّیاں دیں اور کہا کہ وہ وقت دُور نہیں ہے جب وہ بے گناہ کی حیثیت سے جیل سے رہا ہوگا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔

"وکیل صاحب آپ اور جو کام کریں سو کریں۔ ایک کام ضرور کر دیں۔ میری بیوی اور بچّی کے بارے میں ذرا تفصیلات معلوم کر کے مجھے فراہم کردیں۔ میں نے ہر شخص سے فریاد کی ہے کہ کچھ نہ سہی تو کم از کم میری بیوی اور بچّی کے بارے میں مجھے معلومات پہنچا دی جائیں وہ کس حال میں ہیں۔"

"یہ معلومات میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ یوں سمجھو کہ مرزا توقیر نے اپنی کرنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن خُدا نے انھیں بہ‌حفاظت محفوظ ہاتھوں میں پہنچا دیا۔ اب وہ دونوں میرے پاس ہیں۔"

شہزاد احمد خوشی سے رو پڑا تھا۔ اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے پاؤں چھوتے ہوئے کہا کہ اس کی بیوی اور بچّی کا خیال رکھا جائے۔ پھر اس نے اپنی بہن کے بارے میں بھی پوچھا۔ میں نے مہر افشاں کے بارے میں اسے تسلّی بخش الفاظ کہہ کر اسے کسی حد تک مطمئن کردیا اور واپس چل دیا۔

وقار صاحب نے مجھ سے راستے میں کہا کہ اگر میں چاہوں تو اسے اس جیل سے اپنے شہر کی جیل میں منتقل کر دیا جائے لیکن میں نے یہ کہہ کر انھیں منع کردیا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے یہ معاملہ بہت جلد نمٹ جائے گا۔

شام کی چائے پیتے ہوئے جاوید قریشی نے مجھے نوید صدیقی کا پیغام دیا اور کہا کہ نوید صاحب مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ جاوید نے کہا کہ اس نے ساڑھے آٹھ بجے کا وقت دے دیا ہے۔ اُن کے گھر پر ہی چلیں گے۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم لوگ نوید صدیقی صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ انھوں نے بڑے پُرتپاک انداز میں ہمارا خیر مقدم کیا۔

"بھئی شارق آپ کی سُپرد کی ہوئی ذمّہ داری خُدا کے فضل و کرم سے بڑے بہتر انداز میں پوری کی جارہی ہے۔ بہت جلد میں فوزیہ کو صحیح حالت میں آپ کے سامنے پیش کردوں گا لیکن ایک مسئلہ تھا جس کے بارے میں آپ سے مشورہ کرلینا بہتر تھا۔"

"ارشاد!" میں نے گردن خم کرکے کہا۔

"جاوید صاحب مجھے فوزیہ کی پوری کہانی سُنا چکے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ اس کی بیٹی صنوبر یا صفیہ آپ کے پاس موجود ہے اگر صنوبر کو فوزیہ کے پاس پہنچا دیا جائے تو اُس پر بہت اچھا ردِعمل ہوگا بلکہ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ اسے دیکھ کر فوزیہ کو اپنا ماضی مکمل طور پر یاد آجائے۔ جاوید صاحب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ صنوبر کی زندگی کو خطرہ ہے۔ میرا یہ گھر نہایت محفوظ ہے۔ اگر آپ مشورہ دیں تو میں فوزیہ کو بھی یہاں منتقل کردوں۔"

میں کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ نوید صدیقی نے جو کچھ کہا تھا۔ تجربے کی بنیاد پر کہا تھا اور کچھ بات سمجھ میں بھی آتی تھی لیکن میں ان دونوں کا تحفظ چاہتا تھا بہرحال خطرہ تو مول لینا ہی پڑا۔ نوید صدیقی کو میں نے تمام تفصیلات بتائیں اور انھوں نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا کہ ان کا گھر اتنا غیر محفوظ بھی نہیں ہے کہ دو افراد کی نگرانی نہ کی جاسکے۔ چنانچہ میں نے جاوید قریشی سے کہا کہ نوید صاحب کی خواہش کے مطابق صنوبر کو کاشف مسعود کی پھوپی کے یہاں سے منتقل کردیا جائے۔

اگلے روز کاشف مسعود کے ذریعے صنوبر یا صوفی کو نوید صدیقی کے گھر منتقل کر دیا گیا۔ میں خود بھی ان دونوں ماں بیٹیوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا چنانچہ جب کاشف مسعود صنوبر کو لے کر وہاں پہنچے تو میں خود بھی موجود تھا۔ نوید صاحب غالباً فوزیہ کو بھی لے آئے تھے۔ کاشف مسعود نے مجھے پُرعقیدت نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنی روایات کے مطابق وہ سب کچھ کر دکھایا جس کی آپ سے توقع کی جاسکتی تھی۔"

"یہ ساری بے کار باتیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میری پوری ٹیم ہی سرگرم عمل ہے اور ہر شخص اپنا اپنا کردار بخوبی انجام دے رہا ہے۔ بہرطور میں ایک نگاہ اس بچّی کی ماں کو دیکھ سکتا ہوں۔"

کاشف مسعود کے ساتھ ہی ہم بھی فوزیہ کے سامنے پہنچے تھے۔ وہ اچھے لباس میں نظر آرہی تھی اور نوید صدیقی کی ایک بیٹی اس کے بال درست کر رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر اس نے دوپٹہ سر پر سرکالیا صنوبر کو ابھی اس کے سامنے نہیں پیش کیا گیا تھا۔ یہ کام نوید صدیقی صاحب اپنے طریقۂ کار کے مطابق کرنا چاہتے تھے۔ لیکن فوزیہ کی حالت کافی بہتر تھی۔ میں نے اسے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ کسی ذہنی مرض کا شکار نہیں ہے۔ بس بیٹی کے غم، شوہر کی جدائی اور حالات نے اُسے ذہنی طور پر مفلوج کر دیا ہوگا۔ اور یقیناً نوید صدیقی صاحب اپنی ماہرانہ کاوشوں سے اسے دُرست کر لیں گے۔ ہم اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد واپس آگئے۔

کاشف مسعود بہت جذباتی نظر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ اُس نے کہا "خدا کا احسان ہے کہ میں ایک بچّی کو اس کی ماں تک پہنچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس بچّی سے مجھے بھی بہت اُنسیت ہے لیکن آج میں بہت خوش ہوں۔ خُدا آپ کو بھی آپ کی کاوشوں کا اجر دے گا۔" اُس کی آواز رندھ گئی۔ میں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"فرض کی ادائیگی اس کائنات میں سب سے بڑا انعام ہوتی ہے۔ تم نے جو کچھ کیا اب اس کی تکمیل دیکھ رہے ہو۔ یہ تمہاری خوش بختی ہے۔"

کاشف خاموش ہوگیا۔

دو دن سکون سے گزرے پھر تیسرا دن بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ صدیقی صاحب نے اس وقت مجھے جاوید قریشی کے گھر میں پکڑا جب ہم لوگ ناشتا کر رہے تھے۔

"بھئی جلدی سے مجھے ایک پیالی چائے پلاؤ اور شارق تم فوراً پولیس ہیڈ آفس پہنچ جاؤ۔ انسپکٹر غالب تمہاری تلاش میں چھاپے مارتا پھر رہا ہے۔ تمہارے گھر گیا تھا، میرے پاس آیا اور پھر بڑی پریشانی سے کہنے لگا کہ اُسے تمہاری سخت ضرورت ہے۔"

"خیریت؟"

"ہاں میرا خیال ہے اس نے کچھ کام کردکھایا ہے تفصیل مجھے بھی نہیں بتائی۔"

میں نے جلدی سے چائے حلق میں انڈیلی اور گاڑی لے کر پولیس ہیڈ آفس کی طرف دوڑ پڑا۔ وہاں انسپکٹر غالب کو تلاش کرنا زیادہ مشکل ثابت نہ ہوا۔ وہ عقبی حصّے میں بیس پچیس پولیس مینوں کو کچھ تفصیلات سمجھا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اچھل پڑا۔

"او کمال ہوگیا شارق بھائی جی میں تو آج تمہیں پولیس والا بنا رہا ہوں اور تمہارا پتا ہی نہیں چل رہا۔"

"خیریت انسپکٹر کیا بات ہے؟"

"ایک منٹ جی بس ذرا انھیں آخری تفصیل بتادوں۔" انسپکٹر غالب نے کہا اور پھر ایک ایس آئی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ہاں میاں بات سمجھ میں آگئی تمہارے؟"

"یس سر۔" ایس آئی نے جواب دیا۔

"تو بس اب تیاریاں کرو اور خیال رکھنا بات بگڑنی نہیں چاہیئے۔"

"آپ اطمینان رکھیئے سر۔" ایس آئی نے جواب دیا۔

"آؤ شارق بھائی جی!" غالب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور مجھے ساتھ لیے ہوئے اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں آکر اس نے ایک فائل میں لگے ہوئے کاغذات دیکھے اور پھر بولا۔

"وہ بھائی جی ایس پی صاحب نے کام دکھا دیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ اپنے یہ یار جانی بڑے کام کے آدمی ہیں لیکن ہم لوگ اپنی ہی لائن کے ہیں۔ کسی سے متاثر نہیں ہوتے۔ کسی کا دباؤ قبول نہیں کرتے اور پھر ان کا طریقۂ کار بھی بہت اچھا ہے۔"

"کیا؟"

"بس جی جو کام کرتے ہیں اس میں پریس کو خاص طور سے ساتھ رکھتے ہیں اور پولیس کو یہ ہدایت ہوئی ہے کہ جو کچھ بھی ان کے سُپرد کی جائے اُسے سب سے پہلی فرصت میں اخبار میں چھاپ دے بعد میں نتیجے کا انتظار کرے۔ بڑے سیٹ کر رکھے ہیں جی انھوں نے اخبارات۔ پھر اگر کوئی لیپا پوتی کرنا بھی چاہے تو اسے مشکل پیش آتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا جی؟"

"ہاں سمجھ رہا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو بس سمجھ لو کہ کام بن گیا۔"

"یار تفصیل سے تو بتاؤ انسپکٹر۔ تم نے تو میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیے ہیں۔"

"بس جی فیروز آباد چل رہے ہیں اور آپ کو بھی ساتھ چلنا ہے ہمارے۔" انسپکٹر غالب نے کہا۔

"ویری گڈ گویا ۔ ۔ ۔ ۔"

"ہاں جی آٹھ ٹرک پکڑے ہیں جن میں اسمگلنگ کا مال موجود ہے اور یہ سارے کے سارے ٹرک مرزا توقیر ہی کے ہیں۔ ڈرائیور اور ٹرک مال سمیت ایس۔ پی صاحب کے پاس موجود ہیں۔ جنہوں نے انھیں جنگل کے ایک حصے میں جمع کر رکھا ہے۔ وہاں فوری طور پر کوئی سفارش نہیں پہنچ سکتی۔ ایس پی صاحب کے ساتھ دو پریس فوٹو گرافر اور رپورٹر ہیں۔ بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کیا ہے جی اور ابھی اعلیٰ حکام تک اس کی خبر نہیں پہنچنے دی گئی۔ اب یہ ٹرک مال سمیت پولیس ہیڈ کوارٹر لائے جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی مرزا توقیر کو بھی گرفتار کر کے یہاں لے آیا جائے گا تاکہ بعد میں جو سفارشیں وہ لگاتا پھرے بے اثر جائیں۔"

میں نے دلچسپی سے انسپکٹر غالب کو دیکھا۔ بابر جان کی شخصیت میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ کام کا انسان تھا اور ایسے لوگوں کی میں دل سے قدر کرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس سلسلے میں فیروز آباد پولیس کو بھی خبر نہیں کی گئی۔ اس خوف سے کہ کہیں وہاں کی پولیس میں ایسے افراد شامل نہ ہوں جو مرزا توقیر کے گرگے ہوں۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی۔ انسپکٹر غالب کہنے لگا۔

"آپ کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ شاری بھائی جی ہمارے ساتھ چلنے میں؟"

"نہیں اب جب تم نے یہ ذمہ داری میرے سپرد کی ہے تو بھلا میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

"بس جی چل رہے ہیں۔ باہر تین گاڑیاں تیار ہو رہی ہیں۔ چوتھی گاڑی آنے والی ہے۔ اس میں ہم لوگ چلیں گے۔"

انسپکٹر غالب نے آخری تیاریاں مکمل کیں اور پھر ہم لوگ باہر نکل آئے۔ اب اس کی گنجائش بھی نہیں تھی کہ فاروقی یا جاوید قریشی صاحب کو اس بارے میں کوئی اطلاع دی جاتی۔ میں اور انسپکٹر غالب ایک جیپ میں بیٹھ گئے۔ دو ایس۔ آئی ہمارے ساتھ تھے۔ جیپ اسٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ اس کی قیادت مجھے ہی کرنی تھی کیونکہ میں فیروز آباد میں مرزا توقیر کے اڈے اور اس کے گھر وغیرہ کو دیکھ چکا تھا۔ راستے میں انسپکٹر غالب مجھے بابر جان کی کارروائیوں کی تفصیلات بتاتا رہا۔

فیروز آباد تک کا سفر کافی دیر میں طے ہوا لیکن احساس ہی نہ ہو سکا ہم لوگ آپس میں گفتگو کرتے جا رہے تھے۔ پولیس کی گاڑیاں بالآخر فیروز آباد میں داخل ہو گئیں۔ اس کے بعد ہم نے ٹرک اڈے کا رخ کیا۔ پہلے سے یہ بات طے کر لی گئی تھی کہ ٹرک اڈے پر کس طرح ناکہ بندی کرنی ہے۔ تاکہ کوئی نکل کر نہ جانے پائے۔ پولیس کی گاڑیاں اچانک ہی ٹرک اڈے پر پہنچیں اور پولیس کے جوان چاروں طرف سے اتر کر اطراف میں پھیل گئے تھے وہ سب کے سب مسلح تھے۔ ٹرک اڈے پر شدید سنسنی پھیل گئی غالب کی گاڑی میرے اشارے پر سیدھی اس جگہ پہنچ گئی جہاں مرزا توقیر کا دفتر تھا۔ میں نے دور سے ہی دیکھ لیا کہ مرزا توقیر دفتر میں موجود تھا۔ ہم لوگ برق رفتاری سے دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ مرزا توقیر نے گردن اٹھا کر دیکھا اور پھر اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کے سر پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی ابھی تک اس کا زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ پہلے اس کی نگاہ انسپکٹر غالب اور پھر مجھ پر پڑی۔ میں نے صاف طور سے محسوس کیا کہ میری صورت دیکھ کر مرزا توقیر کے چہرے پر خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ پھر اس نے انسپکٹر غالب کی طرف دیکھا اور غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کہو جی انسپکٹر صاحب خیریت؟ کیسے آنا ہوا؟"

"مرزا توقیر آپ ہی ہیں؟"

"ہاں ہم ہی ہیں۔ کہیے کیا بات ہے؟"

"آپ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیجیے مرزا صاحب۔" انسپکٹر غالب نے کہا۔

"اوئے انسپکٹر ذرا ہوش کی دوا کرو۔ تم صرف انسپکٹر ہو اور ہاتھ ڈال رہے ہو مرزا توقیر بیگ پر۔ او بے بال بچے نہیں ہیں کیا گھر میں؟ کوئی آگے پیچھے نہیں ہے؟" مرزا توقیر کا لہجہ بڑا توہین آمیز تھا میں نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ انسپکٹر غالب کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ مرزا توقیر کے سامنے رکھی ہوئی میز الٹ کر اس پر جا پڑی اور مرزا جو اس واقعے کے لیے تیار نہیں تھا کرسی سمیت نیچے جا گرا۔ غالب نے اس کے بال پکڑ کر اسے اٹھایا اور پھر چٹاخ کی ایک آواز کے ساتھ مرزا توقیر کا چہرہ دوسری طرف گھوم گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ انسپکٹر غالب پر حملہ کرنے کے لیے اٹھے۔ آنکھیں خون برسانے لگیں۔ اس نے غالب کو دھکا دے کر پیچھے کر دیا۔

"انسپکٹر صاحب پولیس کی وردی میں نہ ہوتے تو اتنے ٹکڑے کر کے یہاں سے بھیجتا کہ کوئی گن بھی نہیں سکتا تھا۔" مرزا توقیر نے

غراتے ہوئے کہا لیکن انسپکٹر غالب کا الٹا ہاتھ پھر اس کے منہ پر پڑا اور اس نے مرزا توقیر کو گریبان سے پکڑ کر آگے کھینچ لیا۔

"فی الحال تو تم سیدھے سیدھے آگے بڑھ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ہی میں تمہارا حساب کر دوں۔" غالب کی خونخوار آواز ابھری۔ مرزا توقیر سنبھل کر سیدھا ہوا ہی تھا کہ غالب کی لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ اوندھے منہ نیچے گرتے گرتے بچا۔ پولیس کے جوانوں نے مرزا توقیر کو سنبھال لیا۔ توقیر نے ایک بار پھر غالب کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھا اور اس کے بعد میری طرف۔

"وکیل کے بچے ... تُو تو اپنی زندگی کے دن اسی وقت پورے کر چکا تھا جب تُو نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ دیکھ لوں گا تم دونوں کو۔ تم اپنی زندگی کے سب سے بڑے عذاب سے دوچار ہونے جا رہے ہو۔ چلو دیکھتا ہوں میں تمہاری پہنچ کو۔ دیکھتا ہوں کتنی دیر مرزا توقیر کو قید رکھ سکتے ہو۔ اس کے بعد ۔ ۔ ۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے لیے تیار رہنا۔"

انسپکٹر غالب کی ایک لات پھر اس کی کمر پر پڑی اور پولیس والے اسے گھسیٹتے ہوئے آگے لے گئے۔ بس اڈے پر سنسنی پھیل گئی تھی۔ تمام لوگ مرزا کی شخصیت کو جانتے تھے اور اس کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا تھا وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا انسپکٹر غالب کو چونکہ مرزا نے خود ہی غصہ دلایا تھا اس لیے اب وہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی کرتا کم تھا۔ اس کا ٹائپ مرزا نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ گاڑی تک پہنچتے پہنچتے کئی لاتیں اس کی کمر پر پڑیں اور وہ دوبارہ نیچے گرا۔ اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیا گیا وہیں انسپکٹر غالب نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور پولیس کی جیپیں احتیاط سے واپس چل پڑیں۔

توقیر راستے بھر مجھے اور غالب کو گالیاں دیتا رہا اور انسپکٹر سے تھپڑوں اور لاتوں کا خراج وصول کرتا رہا۔ بالآخر ہم پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔ ایس پی بابر جان کا منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ ہمارے پہنچنے سے صرف پندرہ منٹ پہلے وہ آٹھوں ٹرک پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے تھے جو مال سے لدے ہوئے تھے۔ بابر جان نے مجسٹریٹوں کی موجودگی میں اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔ ٹرکوں سے مال اتارا جانے لگا۔ مرزا کو خصوصی لاک اپ میں بند کر دیا تھا اور اب ہم سب ان کارروائیوں میں مصروف تھے۔ ٹرکوں سے اتارے گئے مال کی تصاویر لی گئیں اور ان کے ڈرائیوروں کو بھی بیان دینے کے لیے مجبور کر دیا گیا۔ تمام کارروائیاں بڑے منظم پیمانے پر کی جا رہی

تھیں۔ اخباری فوٹوگرافروں اور رپورٹروں کو پوری پوری آزادی دی گئی تھی کہ وہ اس تمام کیس کی تفصیل چھاپ دیں۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ بابر جان سے تقریباً تین گھنٹے بعد ملاقات ہوسکی جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ اپنی میز کے پیچھے سے اٹھے اور دونوں ہاتھ بڑھا کر مجھ سے لپٹ گئے۔

"اوہ شارق صاحب یہ غلطی میری نہیں انسپکٹر غالب کی تھی کہ انھوں نے مجھ سے آپ کا مکمل تعارف نہیں کرایا۔ بے شک یہ بات درست ہے کہ میں ایک دوسرے شہر سے ٹرانسفر ہوکر یہاں آیا ہوں لیکن آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کی شہرت صرف اسی شہر تک محدود ہے۔ میرے بھائی میں نے بہت پہلے آپ کا نام سُنا تھا اور اس انوکھے وکیل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا متمنی تھا۔ انسپکٹر غالب کو میں نے اس بارے میں بہت بُرا بھلا کہا ہے کہ انھوں نے اس وقت پورا تعارف نہیں کرایا تھا۔ ورنہ میں آپ کو آپ کے شایانِ شان تعظیم دیتا۔"

"ایس پی صاحب آپ نے جو کچھ کیا ہے اس کے لیے میں آپ کو دلی مبارک باد دیتا ہوں۔"

"بھائی اب تو مزا آئے گا کام کرنے کا۔ ہماری آپ کی دوستی جو ہوگئی۔ آپ کے بھائی طارق صاحب سے تو ہم مل چکے ہیں مگر اس وقت یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی اسی خاندان کے ایک فرد ہیں۔ میں نے آپ کے تمام کیسوں کی تفصیلات پڑھی ہیں۔ بھئی مزا آگیا آپ سے ملاقات کر کے۔ غالب صاحب اب آپ پر یہی جرمانہ ہے کہ آپ ہمیں بہت عمدہ قسم کی چائے پلوائیے آپ نے اتنے بڑے آدمی کا تعارف نہیں کرایا تھا ہم سے۔"

انسپکٹر غالب نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی تھی اور پھر بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

"لو جی کمال ہوگئی گویا ہم تو بہت چھوٹے آدمی ہیں۔ ہم بھی تو اس بڑے آدمی کے یار ہیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ ایس۔ پی بابر جان ہنسنے لگے تھے پھر انھوں نے کہا۔

"مرزا کے خلاف ہمارا کیس بہت مضبوط ہے آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ بڑے سے بڑے لاٹ صاحب بھی آجائیں تب بھی مرزا کو اس جرم سے نہیں بچا سکتے۔ وہ اسمگلنگ کرتا ہے ابھی تو مجھے اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کون کون لوگ ہیں جو اس کے ذریعے اپنا کام کراتے ہیں۔ ویسے کیسا آدمی لگتا ہے زبان کھول دے گا آسانی سے یا کچھ مشکل پیش آئے گی؟"

"آسانی سے زبان کھولنے والوں میں سے نہیں ہے ایس پی صاحب۔ ویسے میں اس سلسلے میں آپ سے کچھ اور بھی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اب تو فرصت ہے شارق صاحب اطمینان سے بیٹھ کر اور جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہو کہو۔"

انسپکٹر غالب واپس آگیا تھا۔ ایس پی بابر جان نے اُسے بھی بیٹھنے کی پیش کش کی اور پھر بولے "غالب صاحب آپ بھی ذرا شارق سے مل لیں۔ ویسے تو انھوں نے ہمارا سارا معاملہ ہی حل کر دیا مگر یہ کہہ رہے ہیں کہ کچھ اور بھی بتائیں گے وہ اس سلسلے میں۔ ہاں جی شارق صاحب کہیے اور کیا بات ہے؟"

"یہ تو آپ جانتے ہیں ایس پی صاحب کہ میرا معاملہ ذرا مختلف ہوتا ہے صرف اسمگلنگ کے کسی مسئلے کی وجہ سے میں مرزا توقیر کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس سلسلے میں ایک چھوٹی سی کہانی ہے جو آپ کو سُنانا ضروری ہے۔"

"بڑی خوشی سے کہیں ہم غور سے سُن رہے ہیں۔"

میں نے کاشف مسعود کی ملاقات سے لے کر فیروزآباد کے واقعے اور پھر انسپکٹر غالب کو مرزا کے بارے میں اطلاع دینے تک تمام واقعات سے انھیں آگاہ کر دیا۔ فوزیہ کے بارے میں بھی اُنھیں بتایا اور اُن سے مدد کی درخواست کی۔

"شارق حسین آپ تھوڑی سی مدد کی بات کرتے ہیں میں کہتا ہوں اس کیس کے لیے میں اپنی جان لڑا دوں گا۔" میرے خاموش ہونے پر بابر جان نے پُرجوش انداز میں کہا۔ "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مرزا توقیر کے بچنے کا۔ اسمگلنگ کا معاملہ تو خیر ہے ہی اور اس سلسلے میں اسے تھوڑی بہت سزا ہو سکتی ہے لیکن اس قتل کے لیے میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ وہ تو قانون کا بڑا بھیانک مُجرم ہے ایسے مجرموں کو موت کی سزا کے علاوہ کوئی اور سزا نہیں دلوائی جاسکتی۔ اب اُس کے دن اس دُنیا میں پورے ہو چکے ہیں آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ آپ اپنے کیس کی تیاریاں شروع کریں، فوزیہ اور اس کی بیٹی کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ وہ ہمارے لیے بہترین گواہ ثابت ہوں گی۔ ویسے کیا مرزا توقیر کی بیوی مہرافشاں اس کے خلاف بیان دے سکے گی؟"

"میں اس سلسلے میں مہرافشاں سے بات کروں گا۔ میرا خیال ہے اگر وہ مرزا توقیر کی بُرائیوں کو چھپانا چاہتی تو مجھے یہ تفصیلات نہ بتاتی۔ میرا کیس بالکل مضبوط ہوگا۔ بابر صاحب بس آپ سے یہ کہنا تھا کہ آپ مرزا توقیر کے بارے میں تفصیلات تیار کرتے ہوئے خاص طور سے اس کیس کی جانب توجہ دیں۔"

"یہ میری ڈیوٹی ہے آپ بالکل اطمینان رکھیے۔ کوئی مجرم میرے چنگل میں آنے کے بعد آسانی سے نہیں نکل سکتا۔ میں اس کے لیے اپنی عزت اپنا وقار اور اپنی حیثیت داؤ پر لگا دیتا ہوں۔ انسان سو دن نہ جیئے چند روز جیئے لیکن عزت داروں کی طرح ٹیپو سلطان کا یہ قول میرے لیے مشعلِ راہ ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ اپنے کیے ہوئے کام کو اگر وہ جائز ہے تو کسی کے زیرِ اثر نہ آنے دوں۔"

میں خوش خوش وہاں سے باہر نکل آیا۔ ابھی تک صرف توقیر گرفتار ہوا تھا۔ اس کے کسی ساتھی کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی چنانچہ ابھی مجھے احتیاط کی ضرورت تھی۔ میں نے اب تک کا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔ اس کے بعد اس کیس کے سلسلے میں تیاریاں کرلی تھیں۔ چنانچہ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی میرے ساتھ شامل ہوگئے۔ آج کل زیادہ تر کام جاوید قریشی کے گھر پر ہی ہو رہا تھا۔ ہم نے ایک پوائنٹ تیار کیا اور بالآخر اس کیس کے سلسلے میں ساری کارروائیاں مکمل کرلیں۔

اب مہرافشاں کا معاملہ تھا۔ میں اگر براہ راست فیروزآباد جاکر مہرافشاں سے ملتا تو مہرافشاں کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ سب سے زیادہ خطرہ ہمارے پیشِ نگاہ یہ تھا کہ وہ بڑے بڑے لوگ جو اسمگلر تھے اور جن کا مال مرزا توقیر کے ذریعے اِدھر سے اُدھر ہوتا تھا۔ خاص طور سے ہماری تاک میں ہوں گے کیونکہ اب انھیں یہ بھی خطرہ پیدا ہوگیا ہوگا کہ ان کا نام منظرِ عام پر آسکتا ہے۔ میرے پاس ابھی تک وہ کاغذات محفوظ تھے جو مہرافشاں نے مجھے دیے تھے اور یہ کاغذات ان سب کی نشاندہی کرتے تھے اور اُن کی گردن میں پھندا ڈالنے کے لیے کافی تھے۔ چنانچہ بات صرف مہرافشاں ہی کی نہیں تھی بلکہ ان لوگوں کو بھی سامنے رکھنا تھا اس سلسلے میں، میں نے فاروقی صاحب سے مشورہ کیا تو وہ بولے۔

"بھئی اب ہم تمہیں کسی خطرے کے منہ میں نہیں جانے دیں گے۔ یہ ذمہ داری اگر تم میرے سُپرد کردو تو بہتر ہے۔"

"بھئی میں مہرافشاں کا رشتے دار ہوں۔ میں اور میری بیوی اگر مہرافشاں سے رشتے داروں کی حیثیت سے ملاقات کرنے جائیں تو کیا خیال ہے کام نہیں بن جائے گا؟"

"ہوسکتا ہے فاروقی صاحب وہ لوگ آپ پر بھی نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔"

"اب میاں یوں تو بہت کچھ ہو رہا ہوگا لیکن تھوڑا بہت خطرہ تو مول لینا ہی پڑے گا۔"

"اگر آپ اس کے لیے تیار ہیں تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ فیروزآباد چلے جائیے مہرافشاں سے ملاقات کیجیے اور یہ معلوم کیجیے کہ کیا وہ اپنے شوہر کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ ہوسکتی ہے یا نہیں۔ میں اگر خود اس سے ملاقات کرتا تو یہ کام آسان ہوسکتا تھا۔"

"تو پھر یوں کیوں نہ کرو کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو وہاں کسی ہوٹل میں مقیم ہوجاؤ۔ ہم مہرافشاں کو لے کر تمہارے پاس آجائیں اور اس طرح۔۔۔"

"نہیں فاروقی صاحب وہاں کے ہوٹل بھی اس سلسلے میں مخدوش ہیں اور پھر میں یہ بات بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ مہرافشاں کو وہاں ایک قیدی کی سی حیثیت دی جاتی تھی۔ وہ باہر نکل کر بازار سے گھوم پھر نہیں سکتی تھی۔"

"کوئی خاص بات نہیں ہم خود ہی اس سلسلے میں کام کاروائیاں کرلیں گے۔ بھئی ہمیں بھی تو کچھ جاسوسی کرنے کا موقع دو۔" فاروقی صاحب بولے اور میں ہنسنے لگا۔

"ٹھیک ہے اب تو نہ صرف آپ بلکہ محترمہ چچی جان بھی جاسوس بنتی جارہی ہیں۔ آپ یہ کام کرلیجیے فاروقی صاحب۔ مہرافشاں سے یہ بات معلوم کرلیں میرے حوالے سے اور اس سلسلے میں مجھے جلد ہی اطلاع دیں۔"

"میں کل صبح ہی فیروزآباد روانہ ہوجاتا ہوں۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے مرزا توقیر کو یہ خطرہ نہ ہوگا کہ مہرافشاں کو اُن کے خلاف مہرے کی حیثیت سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔"

"اس بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"میاں اگر مناسب سمجھو تو ایک کام اور کرو مہرافشاں کو وہاں سے ہٹا لو۔ اس سلسلے میں بدرشاہ کا سہارا [illegible] ہم پولیس کی [illegible] لے سکتے ہیں۔ لیکن اگر مہرافشاں کی حفاظت کی ذمہ داریاں [illegible] کے ذریعے پوری ہوجائیں تو ابھی پولیس کو اس [illegible] تکلیف نہ دی جائے۔"

میں گہری سوچ میں ڈوب گیا [illegible]
[illegible] کرلی اور بدرشاہ سے اس سلسلے میں [illegible]
بدرشاہ تو جیسے ہمارے کسی بھی [illegible]
لیے تیار تھا۔ اسے تمام [illegible]
[illegible]

"دراصل [illegible]
کرنا چاہتا ہوں اور [illegible]

تمہاری ذمہ داریاں مسلسل بڑھ رہی ہیں۔"

"او شارق بھائی کسی مائی کے لال کی یہ مجال کہ تمہیں نقصان پہنچانے کے چکر میں رہے۔ بدر شاہ اس کی ہڈیاں نہیں چبا جائے گا؟"

"ابھی ہڈیاں چبانے کے لیے ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ تم فاروقی صاحب کے ساتھ یہ کام کرلو اور مہرافشاں کو جس طرح بھی ممکن ہو سکے احتیاط کے ساتھ یہاں لے آؤ۔ میرا خیال ہے اس کے قیام کے لیے بھی جاوید قریشی کا گھر ہی بہتر رہے گا۔" جاوید قریشی نے خوشی سے اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کر دیا۔ پھر فاروقی صاحب بدر شاہ کی ٹیم کے ساتھ فیروز آباد روانہ ہو گئے۔ ساری کارروائیاں بڑے دلچسپ انداز میں ہو رہی تھیں۔ میں اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

سب سے پہلی ملاقات وقار صاحب سے کی اور پوری تفصیل بتا کر اس کام کے لیے آمادہ کر لیا کہ وہ جس طرح بھی ممکن ہو۔ شہزاد احمد کو اس جیل میں لے آئیں تاکہ یہاں سے اس کے سلسلے میں کارروائی ہو سکے۔

فاروقی صاحب اور اُن کی بیگم کو فیروز آباد گئے ہوئے دوسرا دن تھا۔ شام تک میں اور جاوید قریشی اُن کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔ ویسے میرے ذہن میں خطرات سر اُبھار رہے تھے۔ بات اتنی معمولی نہیں تھی جتنی میں نے تصور کر لی تھی۔ دراصل خطرہ اب ان لوگوں سے تھا جو اپنے آپ کو مرزا توقیر کی گرفتاری کے بعد محفوظ رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہوں گے۔ وہ کوئی بھی کارروائی کر سکتے تھے۔ بدر شاہ بذاتِ خود اپنے آدمیوں کے ساتھ فاروقی صاحب کے ہمراہ گیا تھا اس لیے ذرا سا اطمینان تھا لیکن ان کی اتنی دیر تک غیر موجودگی اب مجھے کھٹک رہی تھی۔ میں نے اور جاوید قریشی نے ایک فیصلہ کیا کہ اگر آج رات تک فاروقی صاحب واپس نہ آئے تو پھر ہمیں خود جا کر صورتِ حال کا جائزہ لینا ہوگا۔

جاوید قریشی نے کہا کہ اگر اس سلسلے میں بھی پولیس سے براہِ راست مدد لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے پولیس کو اہم گواہ کی ضرورت ہوگی اور اس گواہ کے تحفظ کے لیے پولیس اسے اپنی تحویل میں لے سکتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اگر فاروقی صاحب کی واپسی میں مزید تاخیر ہو گئی تو پہلے ہم صورتِ حال کا جائزہ لیں گے اور اس کے بعد پولیس کو اس سلسلے میں استعمال کریں گے لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد ہم آرام کرنے کے لیے لیٹنے ہی والے تھے کہ فاروقی واپس آ گئے۔ ان کے ساتھ اُن کی بیگم، مہرافشاں اور بابا گھسیٹے بھی تھے۔ اُن لوگوں کو دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ مہرافشاں کا چہرہ دُھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید پڑا ہوا تھا۔ بابا گھسیٹے بھی پریشان تھے۔ بہرطور انھیں احترام کے ساتھ اندر لایا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مہرافشاں مجھے دیکھ کر کافی حد تک مطمئن ہو گئی ہے۔ فاروقی صاحب نے کہا کہ باہر بدر شاہ بھی موجود ہے اور میں خود ہی بدر شاہ سے ملاقات کے لیے باہر نکل آیا۔

"اندر نہیں آؤ گے؟"

"ہمارا خیال ہے بھائی جی کہ اس وقت ہمیں جانے ہی دیا جائے ویسے سارے معاملات ٹھیک ہیں، کوئی ایسی بات نہیں جو پریشانی والی ہو۔ اگر آپ کہو تو ہم یہاں کی نگرانی کے لیے کچھ لوگوں کو بھیج دیں؟"

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر تم اپنے اطمینان کے لیے یہ چاہتے ہو تو پھر چند لوگوں کو یہاں تعینات کر دو۔"

"ہمارے خیال میں یہ ضروری ہے ہم چار آدمی یہاں بھیجے دیتے ہیں۔ وہ گھر کی نگرانی کریں گے۔" بدر شاہ کے چلے جانے کے بعد میں واپس آ گیا۔

بیگم فاروقی اور فریال، مہرافشاں کے ساتھ بیٹھی ہوئی اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ بابا گھسیٹے، جاوید قریشی اور فاروقی صاحب سے مصروف تھا۔ میں نے مہرافشاں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے آپ کو یہاں بلا کر تکلیف ضرور دی ہے مہر، لیکن یہ ضروری تھا کیونکہ آپ کی حویلی کے بارے میں مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ وہاں کون کون ایسا ہے جو آپ پر نگاہ رکھتا ہو۔"

"میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی تھی بھیا کہ میری حیثیت تو وہاں ایک قیدی کی سی ہے۔ درحقیقت یہ چند دن مجھ پر جس قدر ہولناک گزرے ہیں کہ خدا ہی جانتا ہے میرا۔ مرزا توقیر کی گرفتاری کے بعد پولیس کے کئی افراد بار بار میرے پاس آئے اور اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں نشان دہی کروں کہ کس نے مرزا توقیر کی مخبری کی ہے۔ یہ پولیس افسر مرزا کے دوست تھے اور یہ سب مجھے بھی شبہے کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چچا جان کچھ اس طرح میرے سامنے آئے کہ میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ یہ بھی پولیس کے بھیجے ہوئے آدمی ہیں مگر انھوں نے جس طرح صورتِ حال کو سنبھالا یہ انھی کا کام تھا۔ میں تو یہ ماننے پر راضی ہی نہیں تھی کہ مجھے آپ نے بلایا ہے۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ اب یہ لوگ چالبازی سے

مجھے کہیں لے جا رہے ہیں اور اس کے بعد میرا حشر جو بھی ہوگا میرا اللہ ہی جانتا ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں چچا جان سے کہ میں نے ان پر شک کیا اور ٹھیک سے ان سے پیش بھی نہیں آ سکی۔" یہ چچا جان فاروقی صاحب تھے ہنس کر کہنے لگے۔ "بھئی ظاہر ہے زبردستی کے رشتہ داروں کو کون خوشی سے قبول کر سکتا ہے۔ ہم ان کے رشتے دار بن کر گئے تھے شارق میاں۔ میری بیگم نے البتہ اس بار ایسی اداکاری کی ہے کہ میں ان کی اداکارانہ صلاحیتوں کا قائل ہو گیا ہوں یہ تو چھپی رستم نکلیں۔ بہرطور ان کی مدد سے بمشکل تمام ہم نے مہرافشاں کو تیار کیا۔ یہ اب معلوم ہوا ہے کہ یہ کیا سوچتی رہی تھیں۔"

"میں معافی چاہتی ہوں۔ اگر میرے حالات آپ کے علم میں ہیں تو آپ مجھے قصوروار نہیں سمجھیں گے۔" مہرافشاں نے کہا۔

"نہیں بیٹے جب تم نے شارق حسین کو بھیا اور مجھے چچا کہہ دیا تو پھر ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں جس کے اتنے عزیز ہوں اسے بھلا کوئی کیا تکلیف پہنچا سکتا ہے؟"

"میرا رشتہ درمیان میں رہ گیا ہے مجھے بھی کوئی نہ کوئی عہدہ دے دیا جائے۔" جاوید قریشی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم سب لوگ ہنسنے لگے۔ فریال نے تھوڑی دیر کے لیے معذرت کی اور مہرافشاں کو لے کر اندر چلی گئی۔ بابا گھسیٹے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"بھئی اب کیا پروگرام ہے؟ ہمیں جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے؟"

"جلدی ہے؟"

"نہیں کوئی خاص جلدی بھی نہیں بس ذرا بھوک لگ رہی تھی۔" فاروقی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور جاوید اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

"کمال ہے فاروقی صاحب آپ بھی تکلف کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابھی کھانے کا بندوبست ہوا جاتا ہے۔" فریال تھوڑی دیر کے بعد مہرافشاں کو بنا سنوار کر باہر لے آئی اور پھر جاوید قریشی کے آواز دینے پر اندر چلی گئی۔ غالباً یہ لوگ کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ میں نے مسز فاروقی سے ہنس کر کہا۔

"باقی سب لوگوں کو تو میں نے گھن چکر بنا ہی دیا ہے چچی جان لیکن اس بار تو آپ بھی ہماری اس مہم میں شریک ہو گئیں۔"

"تمہارے لیے تو ہر شخص خوشی سے تیار ہو جائے گا۔ میں کیا حیثیت رکھتی ہوں۔" مسز فاروقی نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر میں کھانا لگ گیا۔ بابا گھسیٹے کو بھی دسترخوان پر ہی طلب کر لیا گیا وہ بے چارے بے حد جھجک رہے تھے۔ پہلا موقع تھا کہ انھیں بھی صاحبِ عزت سمجھا گیا تھا۔ پتا نہیں کھا بھی سکے یا نہیں۔ بہرطور کھانے سے فراغت ہو گئی اور اس کے بعد پھر سے نشست جم گئی۔ میں نے مہرافشاں سے کہا۔

"ویسے مہر آپ نے اندازہ لگایا کہ مرزا توقیر کی گرفتاری کے بعد کون کون لوگ زیادہ مضطرب ہوئے ہیں؟"

"نہیں بھیا میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکی میں اس سلسلے میں بالکل ہی بیکار ہوں۔"

"ہوں! مرزا گرفتار ہو چکا ہے اور اب انشاءاللہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ ایک بات بار بار میرے ذہن میں کھٹکتی ہے مرزا کو اگر لمبی سزا ہو گئی تو آپ پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟"

مہرافشاں نے گردن جھکا لی دیر تک خاموش رہی "یہاں جو لوگ موجود ہیں انھیں یقیناً میری داستان معلوم ہوگی اور اس ماحول سے میں اندازہ لگا چکی ہوں کہ آپ سب لوگ آپس میں کس طرح بے تکلف ہیں۔ میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہوں کہ اگر شہزاد بھیا میری شادی کے سلسلے میں مجھ سے رائے لے لیتے تو میں قیامت تک اس کے لیے تیار نہ ہوتی۔ مرزا جیسے آدمی سے شادی کر لوں۔ ایک دن بھی میرا ذہن اس سے نہ مل سکا۔ ہاں اگر بعد میں وہ اچھا انسان ثابت ہوتا تو شاید میرے دل میں اس کے لیے کوئی جگہ نکل آتی۔ لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے اور جو کچھ میری نگاہوں کے سامنے آیا اُس نے میری نفرت کو آسمان تک پہنچا دیا۔ میں ایک لاوارث بیوہ کی حیثیت سے زندگی گزارنا پسند کروں گی۔ مرزا جیسے آدمی کی بیوی بن کر نہیں جس نے میرا نیک نفس بھائی مجھ سے چھین لیا اور میرے خاندان کو تتر بتر کروا ڈالا۔"

"آپ کو عدالت میں اپنے شوہر کے خلاف گواہی دینی پڑے گی۔"

"بھیا میں اپنے اندر اتنی ہمت تو نہیں پاتی لیکن اگر مجھے سہارا دے دیا جائے تو میں جو کچھ حقیقتیں ہیں عدالت میں بیان کر سکتی ہوں۔"

"تو پھر آپ کو ایک طویل عرصے تک یہاں قیام کرنا پڑے گا۔ [illegible]

کے لئے مل گوارتین دن قرار دوں گی۔"

"ہماری طرف سے یہ خوشخبری سُن لیجیے کہ بہت جلد شہزاد احمد رہا ہو جائیں گے۔ دوسری خوشخبری یہ ہے کہ آپ کی بھتیجی منوبر ہمارے پاس ہے اور تیسری خوشخبری یہ کہ پاگل خانے سے فوزیہ کو بھی حاصل کر لیا گیا ہے اور اب وہ ایک عمدہ سے دماغی اسپتال میں داخل ہیں اور بہت جلد آپ سے ملاقات کریں گی۔"

مہرافشاں کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے وہ سسک سسک کر رونے لگی اور پھر اس نے بے اختیارانہ اُٹھ کر میرے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا "بھیا میں . . . کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟"

"ارے ارے یہ کیا۔ یہ حماقت نہیں کرو بھئی۔ بہنوں کا بھائیوں پر بہت حق ہوتا ہے اور پھر یہاں تو تمہارا پورا خاندان موجود ہے فریال سنبھالو مہر کو۔ سنبھالو بھئی یہ خوشگوار منظر رقت آمیز منظر میں نہیں تبدیل ہونا چاہیئے۔"

فریال نے دکھ بھرے انداز میں اُسے اٹھایا پھر آہستہ سے بولی "جسے تم نے بھائی بنایا ہے مہر۔ وہ بہتوں کا بھائی ہے۔ بہتوں کا سہارا ہے۔" اُس کو شاید اپنا وقت یاد آگیا۔ بہرطور کافی دیر تک نشست جاری رہی پھر فاروقی صاحب اور ان کی بیگم ہم سے رخصت ہو کر چلے گئے۔ میں انھیں باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ مجھے بدر شاہ کے ساتھی نظر آ گئے تھے جو اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر مستعد تھے میں بدر شاہ کے لیے دل میں محبت کے بے پایاں جذبات لیے واپس آیا تھا۔

دوسرے دن کے معمولات میں سب سے پہلا کام شہزاد احمد کا بیان اور اس کی درخواست حاصل کرنا تھا تاکہ اس کے کیس کو از سرِ نو شروع کیا جائے چنانچہ وقار صاحب کے تعاون سے میں نے شہزاد سے اس کا بیان اور درخواست لی جس میں اس نے حقائق پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا توقیر کے بارے میں بیان دیا تھا۔

واپس آنے کے بعد میں فاروقی صاحب اور جاوید قریشی اس بیان پر غور کرتے رہے۔ فاروقی صاحب کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی کہ وہ یہ کیس عدالت میں پیش کر دیں اور اس طرح مرزا توقیر کے خلاف کام کا آغاز کیا جائے۔ دوسری جانب ایس پی صاحب اپنی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شام چار بجے میں دفتر سے اُٹھنے ہی والا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فون فاروقی صاحب نے ریسیو کیا۔ ان کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آئے اور پھر وہ مودب ہو گئے۔

"جی ہاں موجود ہیں . . . بہتر میں ابھی۔" فاروقی صاحب نے مجھے اشارہ کیا اور پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر بولے "آئی جی صاحب قبلہ۔" میں بھونچکا رہ گیا تھا۔ ڈیڈی نے مجھے فون کیا تھا۔ بہرطور فون تو ریسیو کرنا ہی تھا۔ میری آواز سُننے کے بعد آئی جی صاحب نے کہا "کہاں مر رہے ہو آج کل؟"

"سوری ڈیڈی کیا آپ کو مجھے تلاش کرنے میں زحمت ہوئی؟"

"زحمت کے بچے دو دفعہ تمہارے فلیٹ پر آدمی جا چکا ہے۔ ہر جگہ تمہیں تلاش کیا جا رہا ہے۔ کہاں ہو آخر آج کل؟"

"جی اس وقت تو یہیں ہوں۔"

"فوراً کوٹھی آ جاؤ۔"

"جی بہت بہتر۔" میں نے کہا اور دوسری طرف سے ریسیور پٹخ دیا گیا۔ آئی جی صاحب کی برہمی بتاتی تھی کہ مجھے اس دوران تلاش کیا جاتا رہا ہے۔ بہرطور جانا یقینی تھا۔ جاوید قریشی کو اپنے حق میں دعائے خیر کرنے کی ہدایت دے کر میں آشیانے کی جانب چل پڑا۔

جل تو جلال تو کا وِرد کرتا ہوا آشیانے میں داخل ہوا تو غیر معمولی سی رونق نظر آئی۔ خوش بختی یہ تھی کہ سب سے پہلے جس شخص سے یہاں ملاقات ہوئی تھی وہ محترمہ لالہ رُخ ہوتی تھیں وہ اس وقت بھی ایک انتہائی قیمتی اور خوبصورت غرارے میں ملبوس، بال بال موتی پروئے دروازے سے باہر نکلی تھیں مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئیں اور میں بے ہوش ہو کر گرنے کی اداکاری کرنے لگا

"خدا کرے مر ہی جائیں آپ۔" لالہ رُخ نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے چونک کر آنکھیں پھاڑ دیں۔

"اتنے نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے میری موت کی دعا بھی مانگی جائے تو شاید اللہ میاں اسے مذاق سمجھیں۔ یہ آخر ہو کیا رہا ہے؟"

"فضول آدمی ہیں آپ۔ جائیے منہ جلیئے۔" لالہ رُخ نے مجھے ڈانٹنے والے لہجے میں کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ میں وہیں کھڑے ہو کر کان کھجانے لگا تھا۔ اسی وقت عقب سے ایس۔ پی صاحب کی آواز سُنائی دی۔

"کان میں کیا کوئی خرابی ہو گئی ہے کسی ڈاکٹر سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟" میں نے چونک کر طارق صاحب کو دیکھا اور پھر سلیوٹ مارنے کے انداز میں سیدھا ہو گیا۔

"چلو چلو جوکر بننے کی کوشش مت کیا کرو ہر وقت۔ ڈیڈی تمہاری گوشمالی کے لیے تیار ہیں۔" میں نے دونوں کانوں پر ہاتھ

رکھے اور ایس۔ پی طارق حسین کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ پچھلی بار میں دو افراد کو اپنا دشمن بنا گیا تھا ان میں سے ایک شفیق بھائی تھیں اور دوسری محترمہ لالہ رُخ تھیں لیکن لالہ رُخ تو اس وقت عجیب سے موڈ میں تھیں البتہ شفیق بھائی کا منہ سیدھا نظر نہ آیا۔ مجھے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا جہاں آئی جی صاحب سفید لباس میں ملبوس شاہانہ انداز میں صوفے پر بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھا تو آنکھوں میں خون کا سمندر موجزن ہو گیا۔

"آ گئے۔ آپ؟"

"بحمد للہ ڈیڈی۔ آپ کا حکم موصول ہوا اور حاضر ہو گیا۔"

"سعادت مندی میں بے مثال ہو۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

"نوازش۔ بندہ کس قابل ہے۔"

"بکومت۔ بیٹھو سامنے۔" آئی جی صاحب بولے اور میں جلدی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کوئی ذمہ داری سپرد کی تھی میں نے تمہارے؟"

"جج جی۔"

"کیا جی، کیا کیا تم نے اس سلسلے میں؟"

"وہ . . . وہ ڈیڈی دراصل . . . ."

"ہاں . . . ہاں ظاہر ہے اولاد جب بڑی ہو جاتی ہے تو والدین کا اس پر کوئی حق نہیں رہتا۔ احکامات ماننا ضروری تو نہیں ہے۔ اس وقت جب چھوٹے تھے اور کچھ کہا جاتا تھا تو دوڑ کر کر دیا کرتے تھے۔ کم از کم بڑائی کا کوئی پہلو تو نظر آئے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"معافی چاہتا ہوں ڈیڈی۔"

"ہاں بہترین نسخہ یہی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ فرحت اللہ اور سعد اللہ کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کر کے مجھے اطلاع دو۔ تمہاری بہن کا رشتہ آیا ہے وہاں سے اور مجھے فیصلہ کرنا ہے۔"

"جی وہ ڈیڈی کچھ مصروفیات تھیں۔"

"اس سے زیادہ مصروفیت اور کوئی ہو سکتی ہے۔ میاں سمجھ میں نہیں آتا تمہاری مصروفیات کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ کیا کما رہے ہو ان مصروفیتوں سے۔ بار بار یہ سوال کرنا پڑتا ہے۔ کیا صرف دس بیس لاکھ کمانے کے بعد زندگی کے راستے بند کر لو گے۔ میں کہتا ہوں عزت اور مقام بھی ایک چیز ہے کم از کم کسی بھی حیثیت سے اپنے آپ کو مستحکم تو کرو۔" ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ جج امجد حسین اور بیرسٹر نصرت حسین بھی اندر داخل ہو گئے اور چند لمحوں کے لیے آئی۔ جی صاحب کی نصیحتوں کا سلسلہ رُک گیا۔ جج صاحب نے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ آنے والے ہوں گے۔ کیا ہم لوگ باہر چلیں؟"

"نہیں بیٹھو میں نے انھیں اندر بلانے کا انتظام کر لیا ہے۔" آئی جی صاحب نے کہا اور میں چونک کر تینوں کی صورت دیکھنے لگا تب نصرت حسین بولے۔

"فرحت اللہ کے بارے میں تم نے کچھ معلومات حاصل کیں؟"

"یہی میں ان حضرت سے پوچھ رہا تھا کہ آخر یہ ہمارے کس کام آئیں گے؟ خدا کا شکر ہے ایک بیٹی ہے میری۔ خود ہی اپنے ہاتھوں سے اس کا سب کچھ کر دوں گا۔ اگر چار پانچ ہوتیں تو مجھے یقیناً ان کا دستِ نگر ہونا پڑتا اور یہ اسی طرح مجھے ٹالتے رہتے۔"

"بہرطور ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سعد اللہ سے لالہ رُخ کی منگنی کر دی جائے اور آج وہ لوگ اسی سلسلے میں آ رہے ہیں۔"

میں بُری طرح چونکا۔ انتہا پسند لمحے سوچنے کے بعد میں نے کہا "لیکن نصرت بھائی یہ مناسب نہیں ہے ہمیں ہر شخص کے بارے میں پوری پوری چھان بین کرنی چاہیئے۔ بہنوں کی زندگیاں اس طرح بے پرواہی سے ٹھکانے نہیں لگائی جا سکتیں۔"

"سبحان اللہ بڑی جلدی خیال آگیا بہن کی زندگی کا۔ لیے آپ کو یہ سُن کر خوشی ہونی چاہیئے کہ یہ لوگ ہر طرح سے قابلِ اعتماد ہیں اور ہمارا فیصلہ غلط نہیں ہے۔"

"مجھے اس سے اختلاف ہے بھائی جان۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔"

"میں کوئی ٹھوس بات ابھی نہیں کہہ سکتا لیکن فرحت اللہ جن دنوں سیاست میں رہے تھے اور بذاتِ خود ایک سرکاری عہدے دار تھے۔ ان کا کردار کچھ زیادہ بہتر نہیں تھا۔ بارہا اُن پر نکتہ چینیاں ہوتی رہی ہیں۔ بلکہ شاید آپ کو یہ بات یاد ہو کہ اُن سے سرکاری عہدے کا استعفیٰ زبردستی لیا گیا تھا۔"

"تب پھر؟" آئی جی صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ اگر فرحت اللہ کا کردار کسی طور مشکوک رہا ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا؟"

"بکواس مت کرو۔ کردار مشکوک کس کا نہیں رہا یہاں۔ چاند پر بھی خاک ڈالی جاتی ہے اور پھر ان کا بیٹا سعد اللہ ــــ"

"سعد اللہ کے بارے میں بھی ہمیں چھان بین کرنا پڑے گی کہ اس کا اپنا کردار کیا ہے؟ ہو سکتا ہے ڈیڈی ایک بڑے باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے وہ بھی صحیح راستوں کا راہی نہ ہو۔ میرا خیال

ہے آپ جلد بازی کر رہے ہیں۔"

"بہت جلدی آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار کر دیا بہرطور اس وقت آپ کو خیال آرائی کے لیے نہیں بلایا گیا۔ بلکہ صرف اس لیے طلب کیا گیا ہے کہ فرحت اللہ اپنے دل میں یہ نہ سوچیں کہ ایک بیٹے کو نظر انداز کر دیا گیا۔"

"ڈیڈی میں پُرزور احتجاج کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ رشتہ کسی طور مناسب نہیں رہے گا۔"

"امجد حسین اسے سمجھاؤ۔ یا پھر یہاں سے باہر نکال دو۔ کوئی بہانہ کر دیا جائے گا۔ لیکن میں اس کی فضول باتیں برداشت نہیں کر سکتا۔"

"تم بالکل احمقانہ گفتگو کر رہے ہو شارق ہم لوگ بھی تحقیقات کر چکے ہیں۔ فرحت اللہ خاندانی آدمی ہیں۔ سعد اللہ ایک نیک خوبصورت اور اسمارٹ نوجوان ہے اور ان کا کردار بے داغ ہے۔"

"تحقیقات کیے بغیر آپ یہ بات کہہ رہے ہیں، بھائی جان" میں نے کہا۔

"تحقیقات کرلی گئی ہیں۔ ہم لوگ بیوقوف نہیں ہیں۔"

"معاف کیجیے گا کبھی کبھی ۔۔۔" ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ باہر سے ایس۔ پی طارق حسین اندر داخل ہو گئے۔

"وہ لوگ آ گئے ہیں۔" آئی جی صاحب خود استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ فرحت اللہ بہت ہی اعلیٰ کپڑے کی شیروانی پہنے ہوئے ہاتھ میں چھڑی لیے اندر داخل ہوئے تھے۔ سعد اللہ ایک انتہائی خوبصورت سوٹ میں ملبوس تھا۔ بلاشبہ شکل و صورت کے لحاظ سے سینکڑوں میں ایک کہا جا سکتا تھا۔ بڑی بڑی بلوری آنکھیں، کشادہ پیشانی، ہنس مکھ چہرہ، ترشی ہوئی باریک مونچھیں اپنی اس شخصیت میں وہ بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ خاص طور سے باریک فریم کی عینک نے اس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیے تھے۔ دونوں کا استقبال ان کے شایانِ شان کیا گیا۔ مردوں میں اُن کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ فرحت اللہ نے بتایا کہ بیگمات اندر تشریف لے گئی ہیں۔ وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"دراصل آئی جی صاحب! زمانے نے کروٹیں بدلی ہیں۔ بچے اور خواتین اس بدلے ہوئے دور کو ذہنی طور پر بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن آپ کے جذبات کا ہر جگہ خیال رکھا جا رہا ہے۔ میں نے اپنی بیگم سے کہہ دیا ہے کہ پوری تقریب ذرا مختلف انداز میں ہوگی۔ ہم زمانے کی جدتوں کو نہیں اپنا سکیں گے کیونکہ آئی جی صاحب کے ہاں رواج میں تبدیلیاں نہیں پیدا کی گئیں یہی وجہ ہے کہ اس وقت مرد الگ ہیں اور خواتین الگ۔"

"فرحت اللہ صاحب میرا گھر بھی قدیم روایات کا حامل نہیں ہے۔ لڑکیاں بالیاں پردے نہیں کرتیں۔ لیکن حیا کے پردے میں نے ہمیشہ مدِ نگاہ رکھے ہیں اور انہیں سامنے سے ہٹانے کی اجازت میں کبھی نہیں دے سکتا۔ جو کام مخلوط طور پر ہونا ضروری نہ ہوں ان کے لیے کیا ضروری ہے کہ ہم اپنے ماڈرن ہونے کا اظہار کریں۔ بس یہ رسمیں اسی شکل میں ٹھیک ہیں۔"

فرحت اللہ صاحب مسکرا کر گردن ہلانے لگے۔ "دیکھیے آپ کے گھر آنے کے لیے میں نے خاص طور سے یہ نئی شیروانی سلوائی ہے اور طویل عرصے کے بعد اسے پہنا ہے۔ حالانکہ بہت پہلے میرا پسندیدہ لباس یہی تھا۔ لیکن عرصۂ دراز سے ترک کیا ہوا تھا۔"

"آپ کی شخصیت اس میں کتنی جاذبِ نگاہ لگ رہی ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔" آئی جی صاحب نے کہا اور فرحت اللہ صاحب ہنسنے لگے۔ پھر آئی جی صاحب نے اپنے تمام بیٹوں کا تعارف کرایا۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔ فرحت اللہ نے ہم سب سے شفقت کا اظہار کیا۔ سعد اللہ بھی مسکراہٹوں میں شریک تھا۔ میری نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اور پھر مجھے اس کے ساتھ بیٹھنے کا موقع بھی مل گیا۔ جج امجد حسین ہمارے نزدیک ہی موجود تھے۔

"سعد اللہ صاحب آپ کے اپنے کیا مشاغل ہیں؟" میں نے دھیرے سے دریافت کیا۔

"صرف کاروبار۔ ڈیڈی نے سیاسی زندگی گزاری ہے لیکن میں قطعی غیر سیاسی آدمی ہوں۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ کاروباری ذہن کا مالک ہوں بس ابھی کاروبار سیکھ رہا ہوں۔"

"یہ کاروبار آپ کو فرحت اللہ صاحب کی طرف سے ہی منتقل ہوا ہوگا؟"

"خیر منتقل تو ابھی نہیں ہوئی اور نہ میں اس کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ بس ڈیڈی نے جو کچھ پھیلایا ہوا ہے اسی میں مصروف رہتا ہوں۔"

"سنا ہے کچھ ذاتی کاروبار بھی ہے آپ کا؟"

"یہ سب کچھ میرا ذاتی ہی ہے۔ آپ کون سے ذاتی کاروبار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟"

"نہیں میں اشارے بازی سے کام نہیں لیتا براہِ راست بات کرتا ہوں۔ مجھے آپ کے کچھ ذاتی کاروبار کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔"

"میں نے عرض کیا نا، ڈیڈی کا کاروبار ذاتی ہی ہے۔ اس لحاظ سے آپ کو جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ٹھیک ہیں۔"

"شاید۔" میں نے آہستہ سے گردن ہلائی۔

سعد اللہ کچھ بے چین سا ہو گیا تھا۔ بے چینی جج امجد حسین صاحب کو بھی تھی۔ وہ میرے لہجے میں نہ جانے کیا تلاش کر رہے تھے۔ بہرطور اس کے بعد سعد اللہ سے کافی دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوتی رہی۔ اندر غالباً منگنی کی رسومات ادا کی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد کھانے پینے کا دور چلا جس میں یہی کیفیت برقرار رکھی گئی تھی۔ خواتین مردوں میں شامل نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن اُن لوگوں کے رخصت ہوتے ہوئے تمام خواتین فرحت اللہ کی بیگم کے ساتھ باہر آ گئیں۔ البتہ ان میں لالہ رُخ کو شامل نہیں کیا گیا تھا وہ اندر ہی تھی۔ سعد اللہ نے سب کو سلام کیا اور اس کے بعد ہم سب انہیں باہر تک چھوڑنے کے لیے آئے۔ فرحت اللہ چلے گئے۔ آئی جی صاحب خوش نظر آ رہے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔ باقی لوگ بھی خوش تھے۔ لیکن جج امجد حسین گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہے تھے۔

جب میں نے رخصتی کے لیے اجازت مانگی تو انہوں نے میرے شانے کو انگلی سے کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔ "ادھر آؤ ذرا تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"سعد اللہ سے گفتگو کرتے ہوئے تمہارے لہجے میں ایک چبھن تھی جسے میں نے بھی محسوس کیا اور شاید اس نے بھی۔ کیا تمہیں اس نوجوان پر کوئی شک ہے؟"

"نہیں بھائی جان جب آپ لوگوں نے مکمل تحقیقات کرلی ہیں تو پھر بھلا میرے لیے شک کی گنجائش کہاں نظر آتی ہے۔"

"تم اُس کے کون سے کاروبار کے بارے میں بات کر رہے تھے؟"

"میں جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے؟"

"یہ باتیں ہم نے معلوم کرلی تھیں۔" جج امجد حسین بولے۔

"پوری دیانت داری اور گہرائی کے ساتھ؟"

"دیانت داری میں تمہیں شک کیوں ہوا؟"

"نہیں نہیں اس جملے کے لیے معافی چاہتا ہوں میرا مطلب ہے۔ دراصل مجھے اس سلسلے میں کام کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور جو کام میں اپنے ہاتھ سے نہیں کر لیتا اس پر ذرا مشکل ہی سے یقین کرتا ہوں۔"

"بہت زیادہ ذہین بننے کی کوشش مت کیا کرو میرے سامنے جو فیصلہ ہم سب نے مل کر کر لیا ہے تمہیں اس میں مداخلت کا حق نہیں دیا جا سکتا۔" آئی جی صاحب بھی ہمارے پاس پہنچ گئے تھے۔ "مسئلہ کیا ہے؟"

"ڈیڈی وہی گفتگو کر رہے ہیں یہ شارق کہ یہ خود تحقیقات نہیں کر سکے اس سلسلے میں چنانچہ پورے بھروسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"شارق کیا تم بالکل ہی باغی ہو گئے ہو اس گھر سے؟ جب تمہیں ایک بات بتا دی گئی کہ ہم لوگ اس رشتے سے مطمئن ہیں۔ تو تم درمیان میں کیوں ٹانگ اڑا رہے ہو؟"

"نہیں ڈیڈی میں ٹانگ نہیں اڑا رہا۔ میرا خیال ہے، بھائی جان کو کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"بالکل اب اس مسئلے میں کسی کو مداخلت کا حق نہیں دیا جا سکتا جو فیصلہ میں نے کر لیا ہے وہ آخری ہے۔ تمہیں آج سے چوتھے روز شام پانچ بجے دوبارہ آشیانے میں پہنچ جانا ہے۔ یہاں سے ہم لوگ فرحت صاحب کے گھر چلیں گے دراصل یہ رسم تو خواتین ہی کی تھی۔ لیکن فرحت اللہ نے مجھ سے خاص طور سے درخواست کی ہے کہ میں ان کے گھر آؤں۔ میرے ساتھ تم لوگوں کو بھی چلنا ہوگا۔ ایک ہی بہن ہے تمہاری۔ ہم لوگ پوری دلچسپی سے اس کے اس مسئلے میں کام کریں گے۔"

"حکم کی تعمیل ہوگی ڈیڈی۔ میں آج سے چوتھے دن ٹھیک شام پانچ بجے یہاں حاضر ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا اور آئی جی صاحب مطمئن ہو گئے۔ اس کے بعد جج صاحب نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ میں وہاں سے واپس چل پڑا۔

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے میں جاوید قریشی کے گھر پہنچا تھا۔ وہاں میرے لیے ایک اطلاع موجود تھی۔ فریال نے بتایا کہ انسپکٹر غالب دو بار آ چکے ہیں۔ ایس پی بابر جان آپ سے پولیس ہیڈ کوارٹر میں ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ جس وقت بھی آئیں آپ کو وہاں بھیج دیا جائے۔

"جاوید کہاں ہے؟"

"نوید صدیقی کے پاس گئے ہیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور فوراً پولیس ہیڈ کوارٹر چل پڑا۔ ایس پی بابر جان کی طلبی بے مقصد نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ میں خود بھی تھوڑی سی تشویش کا شکار ہو گیا۔ راستے میں خاص طور سے خیال رکھا تھا کہ کہیں کوئی تعاقب وغیرہ نہ کیا جا رہا ہو۔

ایس پی بابر جان پولیس ہیڈ کوارٹر میں میرے منتظر ملے۔

چہرے پر ایک عجیب سی بے چینی چھائی ہوئی تھی۔ انسپکٹر غالب بھی وہیں موجود تھا۔ بابر جان نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر آہستہ سے بولے۔

"شارق میاں ایک گڑبڑ ہوگئی۔ جسے ہم بہت بڑی گڑبڑ کہہ سکتے ہیں۔"

"خیریت ایس۔پی صاحب؟"

"کمبخت مرزا توقیر فولاد کا بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے اذیتیں برداشت کرنے کی مشق کی ہے۔ میں نے اس کی زبان کھلوانے کے لیے ہر وہ حربہ استعمال کرلیا ہے جو میرے بس میں ہوسکتا تھا۔ ضرورت سے زیادہ تشدد بھی نہیں کرسکتا کیونکہ اسے ابھی عدالت میں پیش کرنا ہے لیکن جس قدر اندرونی طور پر مار لگائی جاسکتی تھی اُسے میں لگا چکا ہوں۔ اس نے اپنی زبان بند کرلی ہے اور کھولنے پر آمادہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ تو خیر ایک الگ نوعیت رکھتا ہے لیکن اصل چیز جو تھی وہ ایسے ثبوت تھے جن سے تمام اسمگلروں کا پتا چل سکتا تھا جو مرزا توقیر سے کام لیتے تھے۔ دراصل بات صرف مرزا توقیر ہی کی نہیں ہے۔ اسمگلنگ کا مال پکڑا گیا ہے جس کی مالیت کروڑوں روپے تک پہنچتی ہے اور اس میں کچھ ایسی اشیاء شامل ہیں جن کی اسمگلنگ انتہائی خوفناک قرار دی جاسکتی ہے۔ ہمیں اگر ان اسمگلروں کی گردن تک بھی ہاتھ پہنچانے کا موقع مل جاتا تو یہ ہمارے حق میں نہایت عمدہ ہوتا۔ مرزا توقیر کو تو خیر ہم پھانس ہی لیں گے بلکہ وہ پھنس چکا ہے زبان کھولے یا نہ کھولے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ دُہری زد میں آتا ہے لیکن وہ سب بچ جائیں گے۔ اس بات کو میں کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ کچھ ایسے کاغذات مرزا توقیر کے پاس موجود تھے جن کے ذریعے ان اسمگلروں کی شناخت ہی نہیں بلکہ ان کے خلاف ثبوت بھی مل سکتے ہیں لیکن اس سے پہلے کہ میں مرزا توقیر کی رہائش گاہ پر ان کاغذات کے حصول کے لیے چھاپہ مارتا اس کی رہائش گاہ میں انتہائی زبردست پیمانے میں آتش زنی ہوئی ہے اور وہاں جو کچھ تھا جل کر راکھ ہوگیا ہے۔ تین آدمی بھی آتش زنی کا شکار ہوئے ہیں اور پوری عمارت راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی ہے۔"

"وہ:" میں بُری طرح چونک پڑا۔ "وہ تین افراد کون تھے جو ہلاک ہوئے ہیں؟"

"ملازمین ہی کہے جاسکتے ہیں۔ ان کی ہلاکت کی بھی مجھے فکر نہیں ہے جو کچھ بھی ہوا وہ ایک الگ نوعیت کا حامل ہے لیکن وہ کاغذات یقیناً اسی عمارت میں جل گئے ہوں گے۔ بلکہ میں تو دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آگ بہت اعلیٰ پیمانے پر لگوائی گئی ہے اور یہ صرف انہی کاغذات کی وجہ سے ہوا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ مرزا توقیر سے رابطہ تو نہیں قائم کرسکتے تھے تاکہ کاغذات اُس سے واپس لے لیں۔ چنانچہ اُنھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ مرزا توقیر کی رہائش گاہ جلوا دی جائے۔ یقیناً اس کے دفتر کی تلاشی بھی لے لی گئی ہوگی اور وہاں اُنھیں وہ کاغذات دستیاب نہیں ہوئے ہوں گے۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انسپکٹر غالب نے میرا چہرہ دیکھا اور بُری طرح چونک پڑا۔ اس نے ایس پی صاحب کی طرف رُخ کرکے کہا۔

"میرا خیال ہے اس سلسلے میں شارق جی کوئی انکشاف کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ کاغذات میں آپ کو پیش کردوں گا ایس پی صاحب۔"

اُن کا منہ کھل گیا تھا چند لمحے وہ میری طرف دیکھتے رہے پھر اُن کے ہاتھ پُرجوش انداز میں ایک دوسرے میں گتھ گئے۔

"میں ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں شارق حسین بہت زیادہ جذباتیت برداشت نہیں کرتا۔ براہِ کرم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کے بارے میں وضاحت کردو۔"

"وہ کاغذات جو آپ کو اس کوٹھی سے درکار تھے اور جس کے لیے ان اسمگلروں نے اس کوٹھی کو آگ لگوائی ہے اب سے بہت پہلے میری تحویل میں آچکے ہیں۔"

"میرے خدا۔ کیا واقعی؟ کیا تم مجھے یہ سُرخروئی بخشو گے شارق حسین؟"

"ہاں ایس پی صاحب میں اپنی ہی نہیں دوسروں کی عزت کا بھی خیال رکھتا ہوں اس مسئلے میں آپ کو پوری طرح ملوث کرنے کے ساتھ ساتھ میں نے آپ کے لیے وہ تمام اشیاء بھی اکٹھی کرلی ہیں جن کی آپ کو ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

بابر جان نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ میز کے پیچھے سے نکلے اور مجھ سے لپٹ گئے۔ "میرے دوست میں۔۔۔ میں تمہارے اس اقدام کو اپنی گردن پر احسان تصور کروں گا میں انتظار نہیں کرسکتا، ایک لمحہ انتظار نہیں کرسکتا، براہِ کرم مجھے وہ کاغذات دے دو۔"

"آپ کو میرے ساتھ زحمت کرنا ہوگی۔" میں نے کہا اور پھر انسپکٹر غالب اور ایس پی صاحب کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ فاروقی صاحب کے دفتر میں، میں نے وہ کاغذات نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ کردیے تھے۔ دفتر اس وقت بند تھا۔

لیکن ہم پہلے فاروقی صاحب کے گھر گئے۔ وہاں سے دفتر کی چابی لی، اُستاد چھوٹے کو ساتھ لیا اور پھر میں نے وہ کاغذات دفتر ہی میں ایس پی بابر کے حوالے کردیے اور بابر جان وہیں بیٹھ کر ان کاغذات کو دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک رہی تھیں۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچنے لگی تھیں۔ تمام کاغذات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اُنھوں نے فخریہ انداز میں گردن اکڑاتے ہوئے کہا۔

"اب دیکھنا شارق حسین ان میں سے ایک ایک کی گردن اپنے ہاتھوں سے نہ دبوچ لی تو بابر جان نام نہیں۔۔۔ میرے دوست تم نے اس وقت میرا سر فخر سے بلند کردیا ہے دراصل میں یہ بھول گیا تھا کہ معاملہ کس سے طے ہوا ہے۔"

میں مسکراتا رہا تھا پھر میں نے آہستہ سے کہا: "ایس پی صاحب ایک رعایت بھی چاہتا ہوں آپ سے۔"

"جان مانگ لے میری جان۔ اس وقت تو تُو نے جو کچھ کیا ہے اس کا کوئی صلہ ہو ہی نہیں سکتا۔" ایس۔پی صاحب نے شدتِ جذبات سے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔

"تو پھر جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اس پر ذرا غور سے توجہ دیں۔"

وہ میرے سامنے کُرسی پر بیٹھ گئے تھے اور میں آہستہ آہستہ انھیں کچھ سمجھانے لگا۔ بابر جان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے بالکل ٹھیک ہے۔ سب کچھ تمہاری خواہش کے مطابق ہی ہوگا۔"

میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ زندگی کے شب و روز یوں ہی جاری رہے۔ فی الحال کوئی خاص کام نہیں تھا شہزاد احمد کا کیس تیار ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر نوید صدیقی کی رپورٹ بھی بہت شاندار تھی۔ فوزیہ نے اپنی بچی کو پہچان کر سینے سے لگا لیا اور اس کی دماغی حالت تیزی سے بہتر ہوتی جارہی تھی۔ بچی بھی خوش تھی۔ بہرطور یہ تین دن بھی گزر گئے اور آج شام ایک انتہائی اہم معرکہ ہونے والا تھا۔

میں آشیانے پہنچ گیا۔ میں نے اپنا شاندار سوٹ زیب تن کیا تھا۔ اور بڑی نفاست سے اپنے آپ کو سنوارا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے دیکھ کر پُرمسرت انداز میں خوش آمدید کہا۔ آج یوں لگتا تھا جیسے تمام رنجشیں بھلا دی گئی ہوں۔ گھر میں کافی چہل پہل تھی تیاریاں ہورہی تھیں اور ان تیاریوں کے بعد ہم لوگ فرحت اللہ کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑے۔ آئی جی صاحب راستے بھر باتیں کرتے آئے تھے۔ بہت خوش نظر آرہے تھے وہ اور میرے دل میں اُداسی کی ایک لہر دوڑتی جارہی تھی۔

فرحت اللہ نے ہمارا پُرتپاک استقبال کیا۔ بیرونی حصے کو آج کی نشست کے لیے آراستہ کیا گیا تھا۔ خواتین کے لیے بھی ایک سمت انتظام تھا۔ باہر کے کچھ لوگ بھی اس سادہ سی تقریب میں شامل ہوئے تھے۔ جبکہ آئی جی صاحب نے ایسا کوئی کام نہیں کیا تھا۔ بہرطور پُرتکلف خیرمقدم کے بعد فرحت اللہ صاحب نے سب کو بیٹھنے کی پیشکش کی اور اس کے بعد اِدھر اُدھر کی گفتگو شروع ہوگئی۔ سعد اللہ بھی موجود تھا۔ رسم کے مطابق سعد اللہ کو انگوٹھی پہنانی تھی اور یہ کام بیرسٹر نصرت حسین کو سرانجام دینا تھا۔

میں کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ رہا تھا۔ فرحت اللہ سعد اللہ اور دوسرے مہمان بڑے پُرتکلف انداز میں گفتگو کر رہے تھے کہ دفعتاً ہی کوٹھی کے صدر دروازے پر پولیس کی جیپیں آکر رکیں اور ایس پی بابر جان۔ انسپکٹر غالب اور دوسرے باوردی افسران کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

فرحت اللہ کا چہرہ ایک لمحے کے لیے زرد پڑ گیا۔ سعد اللہ بھی پریشان نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ باقی تمام لوگوں کی نگاہیں بھی اسی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ ایس۔پی بابر جان بڑے اعتماد سے قدم اٹھاتا ہوا اسی سمت آرہا تھا۔

"کیا ان لوگوں کو بھی مہمانوں کی حیثیت سے بُلایا ہے؟"

آئی جی صاحب نے سوال کیا لیکن فرحت اللہ کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ اُن کے ہونٹ خشک ہوتے جارہے تھے۔

آئی جی صاحب کو دیکھ کر بابر جان نے سلیوٹ کیا۔ طارق حسین گہری نگاہوں سے بابر جان کو دیکھ رہے تھے۔ بابر جان نے قریب آکر کہا۔

"مداخلت اندازی کی معافی چاہتا ہوں سر۔ میں فرحت اللہ اور اُن کے بیٹے سعد اللہ کو گرفتار کر رہا ہوں۔"

"کیا!" آئی جی صاحب اُچھل پڑے۔

"یہ قتل، ڈاکازنی اور اسمگلنگ کے ملزم ہیں اور پولیس کو ان کے خلاف ٹھوس ثبوت حاصل ہوچکے ہیں۔" بابر جان نے کہا۔

آئی جی صاحب کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔ اُنھوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرحت اللہ کو دیکھا۔ فرحت اللہ صاحب کے چہرے پر اُن کے جرائم کی تحریر اُبھر آئی تھی۔ وہ گھبرائے

ہوئے بیٹھے تھے۔

"یقیناً تم وارنٹ کے بغیر نہ آئے ہوگے ایس پی!" بالآخر امجد بھائی نے کہا۔

"جناب کا خیال درست ہے۔" بابر جان نے ادب سے وارنٹ امجد حسین کو پیش کر دیے۔ جج صاحب وارنٹ دیکھ کر آہستہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ دور بیٹھی ہوئی خواتین بھی اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"ہتھکڑی لگانے کی اجازت چاہتا ہوں جناب۔" بابر جان نے امجد بھائی سے کہا اور اسی وقت سعد اللہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ ہمیں بے عزت کرنے کی سازش ہے۔ ایس پی ان اقدامات کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"اس کے لیے عدالت موجود ہے مسٹر!"

"میں ایک فون کر کے آتا ہوں۔" سعد اللہ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن بابر دراصل مختلف قسم کا آفیسر تھا۔ اس نے عقب سے سعد اللہ کے کوٹ کا کالر پکڑ لیا اور اسے ایک جھٹکے سے دوسرے پولیس والے کی طرف دھکیل دیا۔

"ہتھکڑیاں لگاؤ اسے۔" وہ بگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ خواتین کی طرف سے کئی چیخیں ابھریں۔ لیکن میں اور دوسرے لوگ خاموش تماشائی ہی بنے رہے۔ کہ جانے کیوں نصرت بھائی نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں نے فوراً ہی رُخ تبدیل کر لیا۔

"میں آپ لوگوں سے معذرت خواہ ہوں۔ باہر پولیس کی دوسری گاڑیاں موجود ہیں۔ میرے پاس تلاشی کے بھی وارنٹ موجود ہیں۔ چنانچہ صرف اہلِ خانہ کے علاوہ تمام لوگوں کو واپس جانا ہوگا۔ میں کوٹھی خالی چاہتا ہوں۔" بابر جان نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" والد صاحب جلدی سے بولے اور اٹھ کھڑے ہوئے پھر انھوں نے پھولی پھولی سانس کے ساتھ نصرت بھائی سے کہا: "خواتین کو گاڑیوں میں بٹھاؤ۔"

ایک کہرام مچ گیا۔ فرحت اللہ کے گھر کی خواتین چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ ایک صاحب نے آگے بڑھ کر بابر جان سے کہا۔

"آفیسر تمہیں فرحت اللہ کی قومی حیثیت معلوم ہے اس کے علاوہ وہ ایسے اختیارات بھی رکھتے ہیں کہ تمہاری وردی اتروا سکیں۔ انھیں اس طرح گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ آئی جی صاحب اور جج صاحب آپ اس سلسلے میں مداخلت کریں۔"

"قانون ہمارے گھر کی کھیتی نہیں ہے۔" آئی جی صاحب ناخوش گوار لہجے میں بولے۔

"میں ہوم سکریٹری کو فون کرتا ہوں۔" وہ صاحب آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

"آپ اندر جا رہے ہیں؟" بابر جان نے پوچھا۔

"ہاں ہوم سکریٹری میرے دوست ہیں۔"

"انسپکٹر انھیں بھی گاڑی میں رکھو۔" بابر جان شیر کی طرح نڈر تھا۔ انسپکٹر نے آگے بڑھ کر ان صاحب کا شانہ پکڑ لیا۔

"آپ بھی کوئی نکتہ پیش کرنا چاہتے ہیں بیرسٹر صاحب؟" میں نے نصرت بھائی کی طرف جھک کر کہا۔

"شٹ اپ!" وہ دہاڑے اور میں گھبرانے کی اداکاری کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ آئی جی صاحب خود بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے تھے۔ میں یہیں سے کھسک جانا چاہتا تھا لیکن طارق بھائی نے میری کلائی پکڑ لی۔ میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور ڈرے ڈرے لہجے میں بولا۔

"مم، میں سمجھا نہیں ایس پی صاحب۔"

"کھسکنے کی کوشش کر رہے ہو؟" طارق حسین نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ج جی ہاں، مجھے کچھ کام ہے۔" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ کوٹھی واپس چلنا ہے۔"

"و... وارنٹ ہے آپ کے پاس؟" میں نے سوال کیا۔ اور ایس پی طارق حسین دانت پیسنے لگا۔

"اپنے ہاتھ کا تھپڑ منہ پر رسید کروں گا۔ دانت ٹوٹ جائیں گے۔ اس وقت بھی تم مذاق کر سکتے ہو؟"

"کک۔ کمال ہے۔ پپ پولیس والوں میں یہی ایک خرابی ہوتی ہے نہ رشتہ نہ ناتہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ چل تو رہا ہوں۔" میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا اور ایس پی صاحب کے ساتھ ان کی گاڑی میں آ بیٹھا۔ والد صاحب کی کار باہر نکل گئی۔ ان کے پیچھے نصرت بھائی اور امجد بھائی بھی نکل آئے۔ خواتین آئی جی صاحب کی کار میں تھیں۔ چلتے ہوئے انھوں نے فرحت اللہ کے خاندان سے کسی قسم کا رسمی اظہارِ ہمدردی نہیں کیا تھا۔ ان کے سرخ چہرے سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا

بلڈ پریشر بڑھ گیا ہے۔ راستے میں طارق بھائی صاحب نے بھی مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بہرطور شادیانے بجا کر جاتا ہوا یہ قافلہ بڑی پژمردگی سے واپس آشیانے میں داخل ہوا سب کے چہرے فق تھے۔

لالہ رُخ نے برآمدے میں سب کو دیکھا۔ کسی سنگین صورتحال کا اندازہ ہر ایک کے چہرے سے ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے لالہ رُخ اس بارے میں کسی سے کچھ پوچھ نہیں سکتی تھی۔ آئی جی صاحب تمام لوگوں کے ساتھ نیچے اتر آئے۔ اماں بی نے کچھ پوچھنا چاہا تو انتہائی سرد لہجے میں بولے۔

"براہِ کرم آپ سب کو سنبھال لیجیے۔ جو کچھ ہوا ہے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ وہ باپ بیٹے مجرم قرار پائے ہیں۔ میں تمام صورتحال معلوم کیے بغیر آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا اور بیٹے، کوٹھی کی فضا میں کوئی تکدر نہیں پیدا ہونا چاہیے۔" وہ اندر داخل ہو گئے۔

طارق بھائی میرے پیچھے اس طرح کھڑے تھے جیسے میں نے بھاگنے کی کوشش کی تو مجھے پکڑ لیا جائے گا۔ بہرطور میں ان لوگوں کی کارروائی خود بھی دیکھنا چاہتا تھا۔

امجد بھائی نے فوراً ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا اور کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔ ایک سوگوار سی فضا طاری ہو گئی تھی۔ ہم سب ڈرائنگ روم میں ہی آ بیٹھے۔ اب ان حالات میں تو میری بھی مجال نہیں تھی کہ یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتا۔

امجد بھائی کی آواز ابھری۔ "اعتماد علی صاحب موجود ہیں۔" چند لمحے وہ خاموش رہے پھر انھوں نے کہا۔ "اعتماد صاحب میں امجد حسین بول رہا ہوں آشیانے سے۔ پہچان گئے ہوں گے آپ... جی ہاں... تھوڑی سی معلومات درکار ہیں۔ آپ کے دستخط سے کچھ وارنٹ جاری ہوئے ہیں۔ فرحت اللہ صاحب کے جو سابق... جی ہاں... جی ہاں... بالکل انھی کی بات کر رہا ہوں، کیا وہ وارنٹ پورے اعتماد کے ساتھ جاری کیے گئے ہیں؟ میرا مطلب ہے جی جی جی ہاں... جی... بہتر... بہت بہت شکریہ۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ارے نہیں صاحب ہرگز نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم تو خود قانون ہیں۔ اپنی ہی خلاف ورزی کیسے کر سکتے ہیں۔ نہیں اعتماد صاحب آپ کا بے حد شکریہ، بس ذرا معلومات درکار تھیں خدا حافظ...!" جج صاحب نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

آئی جی صاحب سرد نگاہوں سے ایک ایک کی صورت دیکھتے رہے پھر انھوں نے زہریلے لہجے میں کہا: "تم لوگ، تم میں سے کوئی اپنے عہدے کے قابل نہیں؟ نوبت یہاں تک آ جائے گی میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں کہتا ہوں یہی تمہاری کارکردگی ہے اپنے آپ کو قانون کا رکھوالا کہتے ہو۔ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو، تم میں سے کوئی اپنے عہدے کے قابل ہے۔ اتنی سی بات نہیں معلوم کر سکے تم ان لوگوں کے بارے میں۔ میرا بڑھاپا آ گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب مجھے اپنی حفاظت کے لیے اپنی دھندلائی ہوئی آنکھیں کھولے رکھنا پڑیں گی۔ تم میں سے کسی پر اعتماد نہیں کر سکتا میں۔ بتاؤ اگر یہ سب کچھ دھوم دھام سے ہوتا۔ اگر اس منگنی کی رسم کو نہیں عورتوں کے کہنے کے مطابق تمام خاندان کو جمع کر کے کرتا تو اس وقت عزت دو کوڑی کی نہ رہ گئی ہوتی۔ ایک بہن ہے تمہاری اُف ہے تم پر۔ اس کے لیے تم نے آج تک جو کھیل کھیلے ہیں ان میں سے ایک بھی اس قابل ہوا۔ کیا امید رکھوں گا میں تم سے مستقبل میں۔ ناک کٹوا دی تم نے میری۔"

بیرسٹر نصرت حسین نے زبان کھولی۔ "ڈیڈی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ہوا بہت برا ہوا۔ آپ خود بھی جانتے ہیں کہ فرحت اللہ مانی میں کیا رہ چکے ہیں کیا ہم لوگ یہ بات سوچ سکتے ہیں۔"

"بات سوچنے کی نہیں عمل کرنے کی ہے۔ تم سب قانون کے ان محافظوں میں سے ہو، جہاں سے قانون شروع ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ پولیس، عدالت، بیرسٹر اور اس کے باوجود ہم لوگ ایک آدمی کی شناخت نہ کر سکے۔ کیا ہم لوگ اس قابل ہیں کہ اپنے آپ کو عزت دار کہیں۔" ان کا لہجہ بھرایا ہوا تھا۔

بیرسٹر نصرت نے آہستہ سے کہا: "ڈیڈی ہم سب تو اس سلسلے میں کچھ سوچنے میں ناکام رہے ہیں۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں لیکن ہمارے درمیان مجرمانہ کارروائی بھی ہوئی ہے اور سب کچھ جاننے کے باوجود ہمیں صرف اس لیے لاعلم رکھا گیا کہ ہم لوگوں نے تھوڑی سی ضد کر ڈالی تھی..."

"کیا مطلب؟"

"میں دعوے سے کہتا ہوں ڈیڈی کہ شارق کی اس سلسلے میں مخالفت بے معنی نہیں تھی۔ میرا ابھی کوئی تجربہ ہے

میں بھی اس سلسلے میں دُنیا دیکھ چکا ہوں۔ آپ شارق سے پوچھیے کیا یہ فرحت اللہ اور سعد اللہ کی طرف سے مشکوک نہ تھے اور اگر کوئی ایسی بات تھی تو کیا ان پر یہ فرض لازم نہیں ہوتا تھا کہ یہ پہلے سے ہمیں اس سلسلے میں ہوشیار کر دیتے۔"

آئی جی صاحب چونک پڑے۔" شارق کیا یہ سچ ہے؟"

"بالکل سچ ڈیڈی!" میں نے مضبوط لہجے میں کہا اور جج صاحب کا مُنہ حیرت سے کھل گیا۔ والد صاحب کی آنکھوں میں خون کی سُرخی لہرانے لگی۔ انھوں نے شدتِ غضب سے بھنچی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا یہ سچ ہے کہ تمہیں فرحت اللہ اور سعد اللہ کے بارے میں یہ معلومات حاصل تھیں؟"

"جی ڈیڈی، میں ان لوگوں کے بارے میں تحقیقات کا منتظر تھا۔ ابھی چند روز قبل ایک اسمگلر گرفتار ہوا ہے اُس کا نام مرزا توقیر تھا۔ وہ کچھ لوگوں کے ایماء پر کام کرتا تھا' بہت ہی شاطر اور خطرناک آدمی ہے۔ اُس کی گرفتاری کے سلسلے میں میں نے ہی کاوشیں کی تھیں اور اس دوران کچھ شبہات ایسے ملے تھے جن سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ مرزا توقیر فرحت اللہ خاندان کا کارکن ہے لیکن اس سلسلے میں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں مل پایا تھا۔ اِس لیے مُنہ کھول کر کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔"

"اور۔۔۔ اور تو نے یہ بات ہمیں نہیں بتائی؟"

"ڈیڈی معافی چاہتا ہوں۔ میں تو ایک معمولی سا وکیل ہوں لیکن بیرسٹر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور جسٹس لالہ رُخ کے بھائی ہیں' آشیانے میں رہتے ہیں' ہر طرح سے اس خاندان کے نگہبان ہیں۔ کیا یہ اپنی برتری منوانے کے لیے میری بات کو غلط ثابت نہ کر دیتے۔ میں نے کتنی پُرزور مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ جب تک میں اس سلسلے میں اپنا فیصلہ نہ سناؤں آپ لوگ قدم آگے نہ بڑھائیں۔ کیا کہا گیا تھا اس وقت مجھ سے۔ نکما اور ناکارہ قرار دے کر مجھے بالکل نظرانداز کر دیا گیا تھا اور کہا گیا کہ خاموشی سے اس تقریب میں شریک ہو جاؤں۔ اس کے بعد بھی اگر میں اپنی ضد جاری رکھتا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ کوٹھی سے نکال دیا جاتا۔ میری بات مانی جاتی، مجھے کوئی اہمیت دی جاتی تو پھر یہ فرض بھی مجھ پر عائد ہوتا تھا۔ معاف کیجیے گا میں یہ الزام اپنے اوپر قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ لوگ اپنے سحر میں گرفتار ہیں آپ نے جج صاحب کی بات سنی اور ابھی خود کہا کہ آپ لوگ وہ ہیں جہاں سے قانون شروع ہوتا ہے اور جہاں ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد مجھ جیسے معمولی وکیل کے لیے قانون کی اس دیوار میں شگاف کرنا کیسے ممکن ہوتا۔۔۔ لالہ رُخ کے سلسلے میں آپ دو بار جلد بازی کر چکے ہیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جلد بازی نہ کریں۔ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ تمام لوگ صرف اپنی ذات میں کھوئے ہوئے ہیں۔ یہ اپنا فرض بھی احسان کے طور پر ادا کرنا چاہتے ہیں لیکن میں کسی پر کوئی احسان نہیں کرنا چاہتا۔ لالہ رُخ کا معاملہ اگر مجھے سونپ دیا جائے تو اس کا فیصلہ میں کروں گا۔"

"تُو۔۔۔ تُو۔۔۔ تُو اتنا گستاخ ہے۔ اتنا آگے بڑھ گیا ہے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آج تک تیری باتوں کو بچپن اور کھلنڈرے پن سے تعبیر کیا گیا تھا لیکن اب یہ احساس ہوتا ہے کہ تُو اس سے کہیں آگے کی چیز ہے۔ تو نے انتقامی کارروائی کی ہمارے ساتھ اس بات پر کہ ہم نے تیری بات نہیں مانی۔ تُو نے۔۔۔ تُو نے۔۔۔" ڈیڈی غصّے سے کانپنے لگے۔

"ڈیڈی ابھی تو آپ کو یہ نہیں معلوم کہ میں نے ہی وہ تمام معلومات ایس پی بابر جان کو فراہم کی تھیں جن کے تحت فرحت اللہ اور سعد اللہ مجرم قرار پائے تھے۔ اس کے علاوہ میں نے ہی ایس پی بابر جان سے درخواست کی تھی کہ سعد اللہ اور فرحت اللہ پر کون سے دن اور کس وقت ہاتھ ڈالا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کو اپنا اور ان حضرات کا فرق سمجھانا چاہتا تھا۔ آج بھی اگر مجھے تسلیم نہ کیا جائے تو یہ آپ لوگوں کی خوشی ہے، غور کر لیجیے اس بات پر۔ جہاں تک میری خدمات کا تعلق ہے جب بھی مجھے آشیانے میں بلایا جائے گا میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میری محبتیں یہاں سے ختم نہیں ہوں گی۔"

"تُو نے۔۔۔ تُو نے ہمارے مُنہ پر سیاہی ملوائی ہے۔ کیا تُو ہمیں پہلے سے اس بات سے آگاہ نہیں کر سکتا تھا ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے۔"

"میں کوئی الزام تسلیم نہیں کروں گا ڈیڈی۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ جب تک مجھے تسلیم نہیں کیا جائے گا میں آپ لوگوں کی برتری تسلیم نہیں کر سکتا۔" میں نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

"نکل جاؤ یہاں سے اور اس کے بعد آشیانے کے دروازے سے تیرا داخلہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دروازہ میں نے تجھ پر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ اس کے بعد تیرے قدم اگر اس دروازے کے اندر آئے تو میں تجھے گولی مار دوں گا۔ نکل جا مردُود نکل جا۔۔۔" آئی جی صاحب غصّے سے دہاڑنے لگے اور میں کھڑا ہو گیا۔

"میں جانتا تھا ڈیڈی۔ ساری اُلجھنوں کا شکار مجھے ہی قرار دیا جائے گا۔ بہرطور میں تو خود ہی آشیانہ چھوڑ چکا ہوں یہاں اپنے لیے جگہ نہ پا کر۔" میں نے کہا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سب لوگوں پر سکتہ سا طاری تھا۔ مجھے بھی اُس وقت غصّہ ہی آ گیا تھا۔ واقعی یہاں میری زبردست حق تلفی کی جا رہی تھی۔ تینوں بھائی اس سے پہلے تو اتنے سخت نہ تھے۔ اب یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لوگ درحقیقت آشیانے میں میری واپسی نہ چاہتے ہوں۔ باہر کوئی بھی نہ ملا۔ میں خاموشی سے گیٹ سے باہر نکل آیا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

٭

میں نے آشیانے میں ہونے والے ڈرامے کا تصور ہی ذہن سے نکال دیا اور پوری طرح مرزا توقیر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ فرحت اللہ اور سعد اللہ ہی نہیں بلکہ دوسرے کئی۔۔۔ بڑے نام بھی سامنے آ گئے تھے۔ ایس پی صاحب نے بے تکان اور بلاجھجک ہر اُس شخص پر ہاتھ ڈالا جو ان معاملات میں ملوث تھا۔ کافی سنسنی پھیل گئی تھی۔ اخبارات کو ایک بہترین موضوع ملا تھا۔ ہم سب نے مل کر مرزا کو اُس کے سرپرستوں سمیت دَلدل میں غرق کر دیا تھا۔ ناقابلِ تردید ثبوت برآمد ہوئے تھے۔ یہ بات بھی علم میں آ گئی کہ مرزا کی رہائش گاہ کو فرحت اللہ نے آگ لگوائی تھی۔ آگ لگانے والے مجرموں نے عدالت میں اقبالِ جرم کیا اور صاف الفاظ میں سعد اللہ کا نام لیا۔ اس کے علاوہ سعد اللہ پر تین افراد کو قتل کرنے کا جرم بھی ثابت ہوا تھا۔ فرحت اللہ اُس کے معاون کار تھے۔ مرزا ایک جرائم پیشہ شخص ثابت ہوا۔ شہزاد کو شمشاد کے قتل سے بری الذمہ قرار دے دیا گیا۔ جرائم کی ایک طویل فہرست تھی جو اس گروہ سے منسوب کی گئی۔ معصوم بچی صوفی یا صنوبر کی زبان کاٹ کر اُسے قوتِ گویائی سے محروم کیا گیا۔ اس لیے کہ وہ چشم دید تھی۔ یہ الگ جرم تھا۔ فوزیہ کو اغوا کر کے اُس کا دماغی توازن خراب کرنے کی ذمہ داری بھی مرزا توقیر پر عائد ہوتی تھی۔ مہر افشاں نے اِس سلسلے میں کھُل کر اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی اس کے بعد کسی قسم کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہ جاتا تھا۔

وکلاء کا پورا پینل اُن لوگوں کی پیروی کر رہا تھا اور اس کے مقابلے پر میں، وکیل فاروقی اور جاوید قریشی تھے۔ ہم لوگوں نے اپنی کاوشوں کو انتہائی حد تک پہنچا دیا تھا۔ فیصلہ ہوا بات اعلیٰ حکام تک پہنچ گئی اور اس سلسلے میں ہدایات جاری کی گئی تھیں کہ منصفانہ کارروائیوں کو عمل میں لایا جائے۔ ہم نے وہ ناقابلِ تردید ثبوت پیش کیے تھے کہ وکلاء کا وہ پینل عدالت ہی چھوڑ بھاگا اور اس کے بعد مجرموں کو اُن کے جرم کی نوعیت کے مطابق سزائیں سُنا دی گئیں۔ اپیلیں ہوئیں جو مسترد ہو گئیں۔ جو جس جرم کے مرتکب ہوئے تھے اُنھیں پوری پوری سزا ملی۔

کاشف مسعود نے بڑی محبت کے ساتھ صوفی کو اُس کے حوالے کر دیا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ صوفی بھی اُس سے بہت مانوس ہو گئی تھی لیکن اُس نے کہا تھا کہ اُس کی زندگی میں یہ واقعہ ہمیشہ ہمیشہ منوّر رہے گا۔

یوں یہ معاملہ ختم ہو گیا اور اس کے بعد وہی شب و روز تھے۔ ہماری میٹنگیں تھیں۔ اب اس میں بابر جان کا اضافہ ہو چکا تھا۔ ایس پی صاحب مجھ سے بڑا اظہارِ عقیدت کرتے تھے اور میں ہنس کر ان کے الفاظ نظرانداز کر دیا کرتا تھا۔

بدر شاہ، وکیل فاروقی، جاوید قریشی، انسپکٹر غالب، ایس پی بابر جان اور چند دوسرے افراد کا ایک گروہ سا بن گیا تھا اور ہم لوگ ذہنی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے تھے۔ بیرسٹر صاحب سے اکثر عدالتوں میں مڈبھیڑ ہو جاتی لیکن وہ نفرت سے تیوریاں ڈال کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ اب تو سلام دُعا کا سلسلہ بھی ترک ہو گیا تھا۔ لیکن سچی بات ہے میرے دل میں کوئی تردّد پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آشیانے والوں سے ذہنی رابطے ٹوٹتے جا رہے تھے کم از کم میں اُن کے افکار سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔

دو ڈھائی ماہ گزر گئے۔ اس دوران بہت سے کیس ملے تھے اور بہترین کاروبار ہو گیا تھا۔ ہماری شہرت ہمیں فائدہ پہنچا رہی تھی۔ وکیل فاروقی صاحب نے ایک دن مجھ سے کہا

"میاں اب کچھ قدم آگے بڑھاؤ۔" اور میں دو قدم آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ بہت سے پیسے جمع ہو گئے ہیں ہمارے پاس۔ انھیں آشیانے بھجوا دو اور اپنا فرض پورا کرو۔ وہ لوگ بھی تمہاری کمائی پر حق رکھتے ہیں، اور اگر ایسا نہیں کرنا چاہتے تو اس کا کوئی اور مصرف دریافت کرو۔ ایک آدھ کوٹھی خرید لو آخر تمہیں بھی مستقبل میں کچھ کرنا ہے۔ ابتدا ہی میں اگر انسان اپنے آپ کو مضبوط کر لے تو بہتر ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کرو گے۔ بچے ہوں گے۔ بہتر یہ ہے کہ ان پیسوں کو مصرف میں لاؤ۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔" فاروقی صاحب میں آپ سے متفق ہوں۔ ایک خوبصورت سی عمارت میرے لیے بھی خرید لیں میں فی الحال اُسے دوسرے مصرف میں لاؤں گا۔ میری اپنی رہائش کے لیے وہ فلیٹ موزوں ترین ہے۔"

"تم جو بھی کرو اُس کا میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہو جائے۔"

"تو میں نے کب انکار کیا ہے۔ میں ایک سادہ چیک پر دستخط کیے دیتا ہوں آپ جو بھی مناسب سمجھیں کریں۔" میں نے کہا اور درحقیقت ایک چیک پر دستخط کر کے اُسے اُن کے حوالے کر دیا۔

اس کے بعد میں نے فاروقی صاحب سے یہ نہیں پوچھا کہ انھوں نے اس سلسلے میں کیا کیا۔ وہ ایک عام دن تھا ہم کورٹ کے معاملات سے فارغ ہو کر دفتر میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فاروقی صاحب نے فون کا ریسیور اُٹھایا۔ پھر پُرجوش انداز میں سلام دُعا ہونے لگی۔

"ہاں ہیں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور ریسیور میری طرف بڑھایا۔" جیلر صاحب کا فون ہے۔"

دوسری طرف سے وقار صاحب تھے۔" ہاں بھئی حاتم طائی کیا ہو رہا ہے؟"

"کسی سوال کی تلاش میں ہوں۔"

"اس کا کیا سوال ہے کہ سوال تم تک نہ پہنچے۔ میاں ایک مخفیہ بات ہے۔ ذرا دوسرے لوگوں کو اس سے لعد رکھنا۔"

"ارشاد۔۔۔ ارشاد۔۔۔"

"جیل کی روٹی کھانے والے مجرم ہوتے ہیں اور اصطلاح یہی ہے کہ جیل کی روٹی کسی مجرم کے الزام میں کھائی جاتی ہے لیکن آج ہم تمہیں بغیر کسی مجرم کے جیل میں کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ کھانا ہمارے ساتھ ہوگا، لیکن صرف تمہارا۔"

"کوئی خاص بات؟" میں نے۔

"تمہیں بھئی ذرا تفصیل سے بات چیت ہوگی۔ میں بھی کچھ مصروف ہوں اس وقت ورنہ ابھی گفتگو کرتے۔ تم آٹھ بجے تک پہنچ جاؤ۔"

"بہتر ہے حاضر ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا اور انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔

ساڑھے پانچ بجے ہم دفتر سے اُٹھ گئے۔ اُستاد چھوٹے میرے ساتھ ہی آ گئے تھے۔ بڑی مطمئن زندگی گزار رہے تھے وہ۔ کوئی تردّد نہیں تھا اُن کی زندگی میں۔ میں نے ایک دو بار اُن سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں سے ملاقات کر لیں لیکن اُستاد چھوٹے نے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا۔

"جنھیں میری ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی محبت کے ہاتھوں احمق نہیں بننا چاہتا۔ مجھے بھی اُن کی ضرورت نہیں ہے۔" اُستاد اپنے معاملات میں خاصے سخت تھے۔ میں اُنھیں کسی سلسلے میں مجبور نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شام کو ساڑھے سات بجے میں تیار ہو کر جیل کی جانب چل پڑا۔ دونوں میاں بیوی نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا اور مجھے اندر لے گئے۔

"بھئی ہم تمہیں کسی طرح کی رشوت نہیں دینا چاہتا اور نہ ہی تم اس دعوت کو رشوت تصوّر کرو۔ یہ میری بیگم صاحب جو ہیں نا غالباً پیری مُریدی کے چکر میں پڑ گئی ہیں اور انھوں نے تمہیں اپنا پیر تصوّر کر لیا ہے۔ پیر پرستی میں مداخلت بھی مناسب نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم بھی اعتراض نہیں کرتے اور پھر انھوں نے ایک ایسے پیر پر ہاتھ مارا ہے جس سے ہم بھی عقیدت رکھتے ہیں۔"

"آپ لوگ مجھے شرمندگی کی کون سی منزل پر پہنچانا چاہتے ہیں؟"

"فرسٹ فلور پر ہی رہو تو بہتر ہے۔" وقار صاحب پُرمزاح انداز میں بولے۔

"یہ حقیقت ہے شارق بھائی کہ ہم اگر کسی کی مُرید بنی تو وہ آپ ہی ہوتے۔" بیگم وقار نے کہا۔" میرے دل میں آپ کے لیے جو جذبات ہیں اُن کا اظہار نہیں کر سکتی آپ میرے آئیڈیل ہیں۔"

"آپ ہی کی محبتوں کے سہارے جی رہا ہوں بھابی۔ حیرت تو مجھے جیلر صاحب پر ہے۔ اِس سے پہلے تو اتنے نرم دل نہیں تھے۔ بلکہ خالص جیلر تھے قیدیوں کی کھال اُتروا لیتے ہیں لیکن اب یوں لگتا ہے جیسے وقار صاحب ہی تبدیل ہو گئے ہوں۔ ہمدردی اور محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے ان میں، شاید آپ یقین نہ کریں چند قیدیوں کے لیے خصوصی کھانا تیار ہوتا ہے اور جیلر صاحب بڑے اہتمام سے یہ کھانا بھجواتے ہیں اور بھی بہت سے ایسے کام ہیں جن کے اظہار کے لیے انھوں نے مجھے منع کر دیا ہے۔"

"بیوی ایک واقعہ سُناؤں تمھیں۔ مولانا رُومی کسی دِلی بازار جا رہے تھے۔ اُنھوں نے ایک سنگترے والے کی آوازیں سُنیں جو آواز لگا رہا تھا۔ اچھے سنگترے، عمدہ سنگترے بس مولانا رُومی یہ جملے سن کر پھڑک اُٹھے اور والہانہ انداز میں بولے' واہ۔ کیا آواز لگا رہا ہے' اچھے سنگترے یعنی جس کی صحبت اچھی ہو وہ پار لگ گیا۔ رمز کی باتیں ہیں یہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتیں۔ حقیقت یہی ہے کہ کسی مردِ مومن کا سامنا ہو گیا ہے اور اُس کے کچھ اثرات منتقل ہو گئے ہیں۔"

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور بھرّائے ہوئے لہجے میں بولا۔" آپ لوگ مجھے کانٹوں میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں؟"

"یہ اظہارِ عقیدت ہے شارق بھائی۔ حقیقت یہی ہے کہ اس دور میں آپ نے جس کام کا بیڑہ اُٹھایا ہے وہ بڑا مشکل ہے لیکن جس عرق ریزی سے آپ اپنے مقصد کی تکمیل کرتے ہیں اس پر رشک آتا ہے اور یہ احساس کر کے دل فرطِ مسرت سے بھر جاتا ہے کہ ہمیں آپ کا قرب حاصل ہے۔"

"فی الحال مجھے یہ بتایا جائے حاتم طائی کے لیے سوال کون سا ہے؟"

"اس سوال کا نام میمونہ ہے۔" وقار صاحب نے جواب دیا اور میں سوالیہ نگاہوں سے اُنھیں دیکھنے لگا۔ پھر وہ اپنی بیگم کی طرف رُخ کر کے بولے" یوں کرو بھئی پہلے جائے کے لیے ہدایت دے دو اور میمونہ کو یہاں بُلا لاؤ۔"

بیگم وقار اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھیں۔ وہ باہر نکل گئیں تو میں نے وقار احمد سے کچھ کہنا چاہا وہ جلدی سے ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"یہ وعدہ خلافی ہو جائے گی۔ دراصل یہ مسئلہ مجھ سے زیادہ آپ کی بھابی سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر شخص آپ سے اپنا حصّہ وصول کرنے کا خواہش مند ہے چنانچہ بہتر یہ ہوگا انھیں آ جانے دو۔"

میں مُسکرا کر خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد بیگم وقار اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے پیچھے ایک دُبلی پتلی خوبصورت سی خاتون تھیں جن کی گود میں ایک گول مٹول بچہ قلقاریاں مار رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں گہری نیلی، بال سنہرے اور بدن بے حد تندرست تھا۔ میمونہ نے مجھے سلام کیا اور میں نے احترام سے اُس سلام کا جواب دیا۔ بیگم وقار نے میرا تعارف کرایا۔

"میمونہ ڈیئر یہ ہیں میرے بھائی شارق حسین اور شارق یہ میمونہ کفیل ہے۔"

میں نے ایک نگاہ میں اُن خاتون کے چہرے کا جائزہ لے لیا تھا، محرومیاں، ناکامیاں، اُداسیاں جو کچھ کسی انسانی چہرے پر تحریر کر سکتی ہیں وہ اُس چہرے پر نظر آ رہا تھا مجھے۔ یقیناً کوئی پریشان حال عورت تھی۔ عمر ستائیس اٹھائیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی لیکن جسمانی ساخت اور پریشانیوں نے چہرے کو لاغر بنا رکھا تھا۔ ایک نگاہ ہی میں وہ قابلِ ہمدردی نظر آتی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ جو کچھ بھی معاملہ ہے انھی خاتون کا ہے۔

بیگم وقار کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں پھر اُنھوں نے مجھ سے کہا" شارق بھائی۔ میں نے آپ کا تعارف میمونہ سے پوری طرح کرا دیا ہے اور اب میمونہ کا مکمل تعارف باقی رہ جاتا ہے اور یہ سُن کر آپ کو شدید رنج ہوگا کہ میمونہ بہن تین ماہ کی قید بھگت رہی ہیں۔ یہ دُنیا میں تنہا ہیں اس لیے عدالت نے اِس بچّے کو اِن کے ساتھ جیل میں رہنے کی اجازت دے دی ہے۔ اِن کی قید کے سترہ دن گزر چکے ہیں خوش قسمتی سے ہمیں اِن کے بارے میں چھ سات دن کے بعد ہی تفصیلات معلوم ہو گئیں اور وقار صاحب اپنی ذمہ داری پر انھیں یہاں لے آئے۔ اب یہ ہمارے ساتھ ہی

رہتی ہیں؟"

میں بُری طرح اُچھل پڑا۔ یہ بات میرے تصوّر میں بھی نہیں تھی کہ کوئی ایسا مسئلہ ہوسکتا ہے۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے میمونہ کو دیکھنے لگا جس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ تب میں نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ قید انھیں کس سلسلے میں ہوئی ہے؟"

"سڑکوں پہ آوارہ گردی کے الزام میں۔" وقار صاحب نے تلخ لہجے میں کہا اور میرے ذہن میں سناٹے در آئے۔ یہ عورت کسی بھی شکل میں آوارہ نظر نہیں آتی تھی۔ اُس کے چہرے پر پاکیزگی اور معصومیت تھی اور اُس کا حسین بچّہ اُس کی پاکیزگی کی گواہی دیتا تھا۔ چند لمحے میرے مُنہ سے الفاظ نہ نکل سکے۔ میں نے میمونہ کی طرف دیکھا اُس کی آنکھیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں یقیناً اُن آنکھوں میں آنسو لرز رہے ہوں گے۔ بیگم وقار نے پھر کہا۔

"میمونہ کو پولیس نے آوارہ گردی کے الزام میں پکڑا تھا۔ سرسری سی سماعتیں ہوئیں اور انھیں تین ماہ کی سزا سُنادی گئی۔ اس کے پس منظر میں ایک طویل داستان پوشیدہ ہے لیکن ظاہر ہے داستان کو طوالت دے کر ہم اُس میں دلچسپی نہیں پیدا کرسکتے بلکہ جلد از جلد آپ کو حقیقتوں سے روشناس کراتا ہے۔۔۔ میمونہ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تم خود ہی شارق بھائی کو اپنی داستان سُنادو۔"

میمونہ نے دوپٹے کے پلّو سے آنسو خشک کرکے میری طرف دیکھا آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی جس نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ میں اُن آنکھوں کا سوال سمجھتا تھا اور جواب بھی خود بخود میری زبان سے پھسل پڑا۔

"ہاں۔ میمونہ بہن جو کچھ بھی دل میں ہے، ذہن میں ہے بے خوف وخطر کہہ دیجیے۔ بہن کا لفظ ہمارے ہاں بہت مقدّس ہوتا ہے اور بھائیوں پر اُس کی تقدیس قرض ہوجاتی ہے۔ آپ یہ سوچ کر اپنی کہانی سُنائیے کہ آپ کا بھائی آپ کو اس گھناؤنے الزام سے بہت دُور سمجھتا ہے۔"

"میں مختصر الفاظ میں صرف اپنے دُکھ کی داستان سُناؤں گی۔ بہت عرصہ پہلے ہم لوگ اسی مُلک میں رہتے تھے، میری والدہ کا انتقال ہوگیا۔ یہاں ہمارے حالات بہتر نہیں تھے۔ کسی طرح میرے والد کو باہر جانے کا موقع مل گیا اور ہم یہاں سے شارجہ چلے گئے۔ والد نے دو چار ماہ وہاں قیام کرنے کے بعد کوشش کرکے مجھے بھی اپنے پاس بلالیا۔ وہ ایک فرم میں ملازمت کرتے تھے۔ میں جوان ہوگئی تھی، والد صاحب کی صحت آہستہ آہستہ گرتی جارہی تھی اور اب وہ اس تشویش کا شکار تھے کہ روزی کمانے کے ساتھ ساتھ ہی میرا مسئلہ کسی طور حل کردیں۔ تبھی ہماری ملاقات کفیل احمد سے ہوگئی۔ وہ طفیل احمد شیخ کے بیٹے تھے اور وہیں شارجہ کی ایک فرم میں انجینئر کی حیثیت سے کام کررہے تھے۔ میرے والد سے اُن کی ملاقات سرِراہ ہوئی تھی۔ والد صاحب کی طبیعت اچانک بگڑگئی تھی کہ کفیل احمد صاحب نے انھیں دیکھا۔ انھیں اسپتال لے گئے اور پھر ابتدائی طبّی امداد دلانے کے بعد گھر تک چھوڑنے آئے، بہت نیک اور مہربان قسم کے آدمی ظاہر ہوئے تھے۔ والد صاحب کے دل میں جانے کیا کیا تصوّرات بیدار ہوگئے۔ اُنھوں نے کفیل احمد سے راہ و رسم بڑھائی اور اُن کے حالات معلوم کیے تو پتا چلا کہ وہ بھی زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔ اُن کے والد طفیل احمد شیخ نے اُن کی والدہ کی موت کے بعد ایک اور خاتون سے شادی کرلی تھی جو مکمل طور پر سوتیلی ماں ثابت ہوئیں۔ کفیل احمد صاحب بچّے نہیں تھے۔ سوتیلی ماں کا رویّہ اُن سے برداشت نہیں ہوسکا۔ ماں باپ سے تو اُنھوں نے کچھ نہ کہا لیکن اپنے طور پر مُلک سے باہر نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔ اُنھوں نے بعد میں ہمیں بتایا کہ طفیل احمد شیخ ایک بڑے کاروباری آدمی ہیں لیکن سوتیلی ماں کے رویّے کی وجہ سے کفیل احمد اپنا سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہوگئے تھے اور اُن دنوں شارجہ میں ملازمت کررہے تھے۔ ملاقاتیں بڑھتی گئیں اور والد صاحب کے ذہن میں یہ تصوّر پیدا ہوگیا کہ مجھے کفیل احمد کی زندگی میں شامل کردیا جائے۔ اُنھوں نے کفیل احمد صاحب سے میرے سلسلے میں بات چیت کی اور کفیل صاحب نے گردن خم کردی۔ چنانچہ میرا نکاح سادگی کے ساتھ اُن سے کردیا گیا اور ہم اپنے چھوٹے سے گھر میں پُرمسرّت زندگی گزارنے لگے۔ حادثے تقدیر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ میری زندگی میں بھی ایک حادثہ ہُوا۔ والد صاحب کی صحت بہت عرصے سے خراب تھی۔ اپنے قرض سے سبکدوش ہونے کے بعد اُنھوں نے دُنیا چھوڑ دی۔ اُن کی موت میرے لیے ایک عظیم سانحہ تھی لیکن کفیل کی محبّت نے میرے ذہن سے اُس

دُکھ کے اثرات دُور کردیے۔ بلاشبہ اُس وقت وہ بہت اچھے شوہر تھے۔ میں اُس کے بچّے کی ماں بن گئی۔ اس نے ہماری زندگی پر انتہائی خوش گوار اثر ڈالا لیکن چار ماہ بعد ہی یہاں سے کفیل احمد کو اُن کے والد کی علالت کا تار ملا اور انھیں فوراً واپس پہنچنے کی ہدایت کی گئی۔ وہ گو اپنے وطن سے رشتہ توڑ چکے تھے لیکن محبت عجیب چیز ہوتی ہے وہ بے چین ہوگئے اور مجھے دلاسے دے کر وطن واپس آگئے تاکہ والد کی عیادت اور تیمارداری کریں۔ اُنھوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ ایک ڈیڑھ مہینے کے اندر واپس آجائیں گے لیکن دو مہینے تین مہینے اور پھر چھ مہینے گزر گئے۔ اُنھوں نے مجھے ایک خط بھی نہیں لکھا تھا۔ وہ تار بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے تھے جس میں علالت کی اطلاع دی گئی تھی۔ میں حواس باختہ ہونے لگی۔ میں نے مختلف ذرائع سے کفیل احمد کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں لیکن مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ میں سخت پریشان تھی۔ گو مالی طور پر مجھے فی الحال کوئی الجھن نہیں تھی کیونکہ گھر میں خدا کا دیا بہت کچھ تھا لیکن ذہنی طور پر میں معطل ہونے لگی۔ بچّے کی پرورش بھی مجھ پر بار ہوگئی تھی۔ ایک سال گزر گیا اور اب میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں وطن واپس آجاؤں۔ میں اپنے مختصر سے سازوسامان کے ساتھ یہاں آگئی۔ یہاں کی زندگی بے حد کٹھن تھی۔ کوئی سہارا نہیں تھا۔ جانے کس کس طرح میں اِدھر اُدھر گزر کرتی رہی۔ جو کچھ ساتھ لائی تھی وہ بھی ختم ہورہا تھا اور پریشانیاں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ کفیل احمد کو میں مسلسل تلاش کررہی تھی۔ جہاں کوئی ہلکا سا اشارہ ملتا دوڑ پڑتی۔ اِسے آپ بدقسمتی کہہ لیجیے بھائی کہ کفیل احمد کے سامان سے بھی مجھے کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہوئی تھی جو یہاں اُن کی یا اُن کے خاندان کی نشان دہی کردیتی۔ جب میرے پاس بالکل ہی سب کچھ ختم ہونے لگا تو میں نے اپنے بچّے کے بارے میں سوچا۔ اب تک میں اِسے اپنی آگ میں نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ اب میں نے سوچا کہ اس کے لیے کچھ کرنا ہوگا چنانچہ میں ملازمت کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ میں نے رہائش کے لیے ایک گھر پے اِنگ گیسٹ کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ بہت اچھے لوگ تھے بے چارے۔ بڑی معاونت کی اُنھوں نے میری۔ چار پانچ مہینے تک میں ملازمت کی تلاش میں سرگرداں رہی اور پھر مجھے نوکری مل گئی۔ اس نوکری نے میری کفالت کا ذریعہ پیدا کردیا۔ میں تقدیر پر شاکر اپنے بچّے کی پرورش کرتی رہی۔ پھر ایک دن میری فرم میں مجھ کچھ ایسے خط ٹائپ کرنے کے لیے ملے جو طفیل احمد شیخ اینڈ کمپنی کے نام لکھے گئے تھے۔ میں یہ نام پڑھ کر چونک پڑی۔ اس پتے کو دیکھا تو مجھ میں ضبط کا یارا نہ رہا۔ سب کچھ بھول کر میں اپنے بچّے کے ہمراہ اس شہر میں آگئی جہاں طفیل احمد شیخ اینڈ کمپنی تھی۔ وہ آپ کا یہی شہر ہے شارق بھائی۔ یہاں میں نے ہزاروں دقّتوں کے ساتھ وہ کمپنی تلاش کی۔ کمپنی کے صدر گیٹ پر کھڑی یہ سوچ رہی تھی کہ کاش یہی وہ کمپنی ہو جو کفیل احمد کے باپ کی تھی کہ میں نے ایک کار اُس عمارت کے دروازے سے باہر نکلتی ہوئی دیکھی اور اُس کار میں کفیل احمد بیٹھے ہوئے تھے لیکن کار ایک نوجوان لڑکی ڈرائیو کررہی تھی۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے میری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔ میں نے اتنے عرصے بعد کفیل کو دیکھا تھا۔ میرے جذبات بے قابو ہوگئے میں زاروقطار رو پڑی لیکن جب بچّے کے رونے کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں نے خود کو سنبھال لیا۔ کسی قسم کی جذباتیت سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ ظاہر ہے میں اپنے شوہر اور اُس کے خاندان کو بدنام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے دفتر میں داخل ہوکر بڑی عاجزی سے ایک کلرک سے طفیل احمد شیخ کے گھر کا پتا معلوم کیا۔ میں وہاں سے باہر نکل آئی اور پھر اُن کے گھر پہنچ گئی۔ یہاں میری ملاقات کفیل احمد کی سوتیلی ماں سے ہوئی۔ وہ بہت تیز و طرّار خاتون تھیں۔ انہوں نے حقارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میرے بارے میں سوالات شروع کردیے تو میں نے انھیں اپنی کہانی سُنادی۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں کفیل احمد کی بیوی ہوں اور شارجہ میں اُنھوں نے مجھ سے شادی کرلی تھی۔ یہ بچّہ اُنھی کا ہے۔ اُنھوں نے انتہائی کرخت لہجے میں مجھ سے کہا کہ میں صورت ہی سے آوارہ لگتی ہوں اور ایسی عورتوں میں سے ہوں جو کوئی نہ کوئی چکّر چلا کر دولت مند لوگوں کو پھانسنا چاہتی ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ وہ میری ایک بھی نہیں چلنے دیں گی اور میرا دماغ درست کرکے رکھ دیں گی۔ میں نے رو رو کر اُن سے منّت سماجت کی بتایا کہ اب میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے۔ مجھے کفیل احمد کے قدموں میں جگہ دے دیں تو اُنھوں نے غرّاتے ہوئے

کفیل احمد کی شادی ہو چکی ہے اور وہ یہاں آرام سے رہ رہے ہیں۔ وہ کچھ بیمار ہیں اور میں اُن کے لیے ایک اور مصیبت کھڑی کرنا چاہتی ہوں۔ جب میں نے بہت زیادہ رونا پیٹنا شروع کیا تو انھوں نے کہا کہ کفیل اور اُن کے والد آ جائیں تو میرے سلسلے میں کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت تک میں یہیں رہوں۔ میں تقدیر پر شاکر ہو کر وہیں پڑی رہی۔ میری نگاہیں بے چینی سے کفیل احمد کا انتظار کرتی تھیں۔ کفیل آئے یا نہیں آئے اُس کا تو مجھے پتا نہیں چل سکا لیکن طفیل احمد آ گئے۔ رات کے تقریباً ساڑھے نو بجے دونوں میاں بیوی میرے کمرے میں آئے۔ وہ ایک بھاری بھرکم بدن کے سخت چہرے والے آدمی تھے اور کہیں سے بھی بیمار نظر نہیں آتے تھے۔ انھوں نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"تو تم کفیل احمد کی بیوی ہو؟"

"جی ہاں۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"میمونہ فیروز۔" میں نے کہا۔

"شارجہ سے کب آئیں؟"

"کافی عرصہ ہو گیا۔ میں یہاں بھٹک رہی ہوں۔"

"کم از کم کتنا عرصہ؟" انھوں نے سوال کیا اور میں نے جتنا وقت مجھے یہاں آئے ہوئے گزر گیا تھا وہ انھیں بتا دیا تو وہ طنزیہ انداز میں بولے۔ "اور تم کہتی ہو کہ تمہارا یہاں کوئی نہیں ہے پھر اتنا طویل عرصہ کہاں گزارا؟"

"ہوٹلوں میں، شہروں میں، بستیوں میں آپ کا گھر تلاش کرتے ہوئے۔" میں نے جواب دیا۔

"کتنی دلچسپ بات ہے۔ ایک طرف تم یہ کہتی ہو کہ کفیل احمد تمہارا شوہر ہے اور دوسری طرف تمہیں اُس کے گھر کا پتا بھی نہیں معلوم تھا۔ نکاح نامہ ہے تمہارے [illegible]؟" انھوں نے سوال کیا۔

"جی ہاں خوش قسمتی سے میرا نکاح نامہ ہی میرے [illegible] ہے اور کچھ نہیں ہے۔"

"[illegible] ہے نکاح نامہ؟" انھوں نے پوچھا۔ میں یہ [illegible] سے لگائے پھر رہی تھی۔ یہی میرا آخری سہارا تھا۔ [illegible] نے روتے ہوئے نکاح نامہ اُن کے حوالے کر دیا اور وہ [illegible] دیکھ کر غور کرتے رہے پھر بولے۔ "میں اس سلسلے میں کفیل سے معلومات حاصل کروں گا اور اُس کے بعد تمہیں جواب دوں گا لیکن اس دوران میں تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا۔"

"میں کہاں جاؤں گی؟ خدا کے لیے مجھے یہیں پڑا رہنے دیجیے۔ میں نے آج ہی کفیل کو دیکھا ہے۔ ایک بار مجھے اُن سے ملا دیجیے۔ میں اُن سے یہ تو پوچھ لوں کہ میرا جرم کیا ہے۔ مجھے کس جرم کی سزا دی گئی ہے۔ وہ مجھے اگر قبول کرنے سے انکار کر دیں گے تو پھر میں آپ لوگوں کو پریشان نہیں کروں گی۔"

"وہ بیمار ہے۔ ابھی ہم اُس کے ذہن پر کوئی وزن نہیں ڈالنا چاہتے۔ تم یہ نکاح نامہ میرے پاس رہنے دو اور کل دن کو ساڑھے گیارہ بجے یہاں آ جاؤ۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اِس دوران کہاں رہتی ہو۔ میں کفیل احمد سے بات کر کے کل تمہیں جواب دوں گا۔"

میں منت سماجت کرتی رہی لیکن شیخ صاحب اس بات پر تیار نہیں ہوئے تھے کہ مجھے وہ اپنی کوٹھی میں جگہ دیں۔ رات کے وقت مجھے اُس گھر سے نکال دیا گیا اور میں نے بڑی مشکل کے ساتھ ایک ہوٹل میں ایک کمرہ کرائے پر حاصل کیا۔ میرا دل غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ بیگم شیخ نے مجھے بتایا تھا کہ کفیل احمد کی شادی کر دی گئی ہے۔ یقیناً وہ نوجوان لڑکی کفیل احمد کی بیوی ہی ہوگی۔ مجھے اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا اور نہ جانے کیوں میرا دل رو رو کر یہی کہہ رہا تھا کہ اب مجھے اپنی منزل میں قطعی طور پر ناکامی ہوگی۔

وہ رات میں نے بڑی مشکل سے گزاری اور دوسرے دن ٹھیک گیارہ بجے کفیل احمد شیخ کی کوٹھی پہنچ گئی۔ ایک ملازم نے مجھے شیخ صاحب کے پاس پہنچا دیا۔ اُن کی بیگم بھی موجود تھیں۔ دونوں نے مجھے تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھا پھر طفیل صاحب کہنے لگے۔

"عزیزہ تمہیں شکار کرنے کے لیے یہی گھر ملا تھا؟ چہرے سے تو تم بے حد معصوم لگتی ہو لیکن اس کے پیچھے جو چہرہ چھپا ہوا ہے۔ وہ نہایت گھناؤنا ہے۔ پچھلے دنوں کفیل کو ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا جس کے بعد وہ ذہنی طور پر شدید اُلجھن کا شکار ہے۔ اس کے باوجود میں نے اُس سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں تو اُس نے صاف

انکار کر دیا ہے۔"

میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ میں نے اُن کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ جھوٹا نہیں ہے۔ ایک بار میرا کفیل احمد سے سامنا کرا دیں۔ وہ تسلیم کر لیں گے کہ میں اُن کی بیوی ہوں اور یہ اُن کا بچہ ہے۔

شیخ صاحب نے کہا کہ کفیل احمد گھر پر موجود نہیں ہیں اور اگر ہوتے بھی تو مجھے اُن کے سامنے نہیں جانے دیا جاتا کیونکہ وہ بیمار ہیں۔ شیخ صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں شرافت سے یہاں سے نکل جاؤں ورنہ دھکے دے کر مجھے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ اُن کا لہجہ بے حد سرد تھا اور اس میں کہیں بھی نرمی نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے رو رو کر اُن کی منت سماجت کی اور کہا کہ وہ تحقیقات کریں۔ کفیل احمد مجھے قبول نہیں کرتے ہیں تو نہ سہی۔ وہ مجھے اس عمارت کے کسی گوشے میں جگہ دے دیں۔ میں کفیل کی بیوی کی حیثیت سے خاموشی سے زندگی گزار دوں گی۔ میں نے طفیل صاحب سے یہ بھی کہا کہ میں اُن پر کبھی کوئی دعویٰ نہیں کروں گی اور اپنی زندگی بیٹے کی پرورش کر کے گزار دوں گی۔ جس کے جواب میں انھوں نے مجھ پر بہت سے طنزیہ فقرے کسے اور کہا کہ میں شادی کر لوں۔ کوئی بھی گھر مجھے اس طرح سر چھپانے کے لیے مل جائے گا۔ جس قدر میری بے عزتی وہ کر سکتے تھے انھوں نے کی اور بہت سخت سست کہنے کے بعد فوراً نکل جانے اور آئندہ اِدھر کا رُخ نہ کرنے کا حکم دیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بے رحم لوگ میری فریاد نہیں سنیں گے چنانچہ میں نے شیخ صاحب سے اپنا نکاح نامہ واپس مانگا تو انھوں نے اسی بے رحمی سے کہا کہ نکاح نامہ ضائع کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ایک فضول چیز جس کا کوئی وجود نہیں کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ بھلا اب میرے پاس کیا ثبوت تھا کہ میں اپنے آپ کو کفیل احمد کی بیوی ثابت کر سکوں۔ میں نے رو رو کر فریاد کی لیکن شیخ صاحب نے مجھ سے یہی کہا کہ اگر میں دھکے کھا کر نہیں نکلنا چاہتی تو شرافت سے یہاں سے نکل جاؤں وہ مجھے ایک پیسہ بھی نہیں دیں گے۔ اس بلیک میلنگ کے جواب میں بلکہ میں نے اگر کبھی ان کے خلاف کوئی بات کرنے کی کوشش بھی کی تو مجھے بدترین حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بالآخر میں وہاں سے نکل آئی۔ دل چاہ رہا تھا کہ خودکشی کر لوں۔ اب رہ ہی کیا گیا تھا میرے لیے اِس دُنیا میں لیکن میرے معصوم بچے کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ میری کسی لغزش کا نتیجہ نہیں تھا۔ حق تھا میرے بچے کا اس دُنیا میں جینے کا۔ میں خودکشی کر سکتی تھی لیکن اِسے کس کے حوالے کرتی۔ سو میں نے جینے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس طرح میں اُن لوگوں کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی کہ ایک کمزور اور بے سہارا عورت کا اس دُنیا میں کچھ نہیں ہوتا۔

میں پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔ کافی دیر انتظار کے بعد پولیس افسر تک رسائی ہوئی۔ میں نے اُسے تمام تفصیلات بتائیں۔ وہ ہمدردی سے میری باتیں سنتا رہا پھر اُس نے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو میری اس تباہی کے باعث تھے تو میں نے طفیل شیخ کا نام لے لیا۔ پولیس افسر بُری طرح چونک پڑا۔ چند لمحات عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اُس نے مجھ سے کہا کہ میں دوسرے کمرے میں بیٹھوں وہ شیخ صاحب سے بات کر کے مجھے جواب دے گا۔ یہ معلوم کرے گا کہ وہ اب کیا چاہتے ہیں! میں رحم طلب نگاہوں سے اُسے دیکھتی ہوئی دوسرے کمرے میں آ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد پولیس افسر نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا لیکن اب اُس کا انداز ہی بدلا ہوا تھا۔ اُس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"میمونہ فیروز یا میمونہ کفیل۔ فیروز احمد میرے باپ کا نام تھا۔"

"کچھ بھی ہے تمہارا نام لڑکی ایک بات کان کھول کر سن لو شریف آدمیوں پر کیچڑ اُچھالنے والے قانون سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم جن لوگوں کا نام لے رہی ہو وہ بہت بڑے اور نیک نام لوگ ہیں۔ اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھا تو آنکھیں نکال لی جائیں گی۔ جاؤ اس شہر ہی سے چلی جاؤ۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا۔"

"میں قانون کا سہارا چاہتی ہوں۔ مجھے قانون کی مدد درکار ہے۔ تم لوگ کیا سمجھتے ہو؟ اس دُنیا میں کیا شیخ طفیل جیسے لوگ ہی جی سکتے ہیں۔ میں خودکشی کر سکتی ہوں لیکن میرے بچے کا کیا ہوگا؟ مجھے انصاف چاہیے خدا

کے لیے میری مدد کرو۔"

"بی بی کمانے کھانے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں جو طریقہ تم استعمال کر رہی ہو۔ وہ شریف عورتوں کا طریقہ نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب تم فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ کہیں مجھے غصہ نہ آجائے۔"

بے رحموں کی اُس بستی میں ایک بھی انسان نظر نہیں آتا تھا۔ میں اُس کے کمرے سے نکل آئی۔ اب کوئی سہارا نہیں رہا تھا۔ دُنیا میری نگاہوں میں تاریک ہو چکی تھی۔ ابھی میں پولیس اسٹیشن کے احاطے سے باہر بھی نہیں نکلی تھی کہ ایک سپاہی اندر سے دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ انچارج صاحب مجھے بلاتے ہیں۔ میں سمجھی کہ شاید خدا نے اس شخص کے دل میں میرے لیے ہمدردی ڈال دی ہے۔ اُمید و بیم کے انداز میں میں اُس کے دفتر میں داخل ہوئی تو پولیس افسر نے تمسخرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"اب یہاں سے تم کسی وکیل کے پاس ہی جا رہی ہو گی۔" میں اُس کے طنز پر چونک پڑی۔ اُس نے دو پولیس والوں کو بلا کر کہا کہ مجھے لاک اپ میں ڈال دیا جائے۔ میرے پیروں کی جان نکل گئی۔ میں نہیں سمجھ سکی کہ مجھے کس جرم میں لاک اپ کیا جا رہا ہے لیکن فریاد سننے والا بھی کون تھا۔ جو کچھ وہ چاہتے تھے وہی ہوا۔ مجھے لاک اپ کر دیا گیا۔ میں چیخ چلا نہیں سکتی تھی بس رو سکتی تھی اور میں روتی رہی۔

دو دن تک مجھے لاک اپ میں رکھا گیا۔ تیسرے دن مجھے عدالت میں پیش کیا گیا اور مجھ پر الزام لگایا گیا کہ میں آوارگی اور بدچلنی کے الزام میں پکڑی گئی ہوں۔ میں سڑک پر لوگوں کو اشارے کر رہی تھی۔ پولیس آفیسر نے بیان دیا اور دوسری پیشی میں دو جھوٹے گواہ بھی پیش کیے گئے جنھوں نے یہ اعتراف کیا کہ وہ میرے ساتھ وقت گزار چکے ہیں۔ اور یہ کہ میں واقعی بیسوا ہوں۔ اب میرے پاس صفائی کے لیے کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ تیسری پیشی میں مجھے ایک ماہ قید سخت اور پانچ ہزار جرمانہ کی سزا دی گئی۔ عدم ادائگی کی صورت یہ سزا دو ماہ کے لیے اور بڑھا دی گئی اور مجھے جیل بھیج دیا گیا۔

ایک روز جیلر صاحب نے مجھے دیکھا اور آسی شام انھوں نے مجھے قید خانے سے نکال کر یہاں بلوالیا۔ انھوں نے مجھ سے میری کہانی سُنی اور میری اس بہن نے مجھے پیشکش کی کہ میں ان کے ساتھ رہ سکتی ہوں اور اس کے بعد سے میں ان لوگوں کے پاس ہوں۔

میرے دل سے انسانوں کے لیے دُعا نکلنا بند ہو گئی تھی۔ میں کسی شخص کو دُعا نہیں دیتی تھی لیکن اب میں مجبور ہوں کہ اپنے محترم جیلر اور ان کی ان بیگم کو دُعائیں دوں کہ خدا انھیں رہتی دُنیا تک خوش و خرّم رکھے۔ تین ماہ بعد میں پھر اس وحشی دُنیا میں چلی جاؤں گی دوبارہ ٹھوکریں کھانے کے لیے۔ مجھے یقین ہے کہ میری ملازمت بھی ختم ہو چکی ہو گی۔ مایوسی کے اس عالم میں بیگم صاحبہ نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا اور یہ کہا کہ دُنیا ابھی انسانوں سے خالی نہیں ہے۔ ایک ایسا شخص میری نگاہ میں ہے جو مظلوموں کی دادرسی کرتا ہے۔

میں نہیں کہتی کہ مجھ پر اعتبار کیا جائے۔ اس لیے کہ میرے پاس اپنی ذات کے لیے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں ایک ایسی عورت ہوں جو شادی شدہ ہے۔ ایک بچے کی ماں ہے لیکن کسی سے یہ بات دعوے سے نہیں کہہ سکتی کہ دیکھو وہ شخص میرا شوہر ہے۔" میمونہ خاموش ہو کر سسکیاں لینے لگی۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انسان کی کہانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ دُکھ دینے والے دوسروں کا دُکھ بھول جاتے ہیں۔ لیکن وقت انھیں ضرور احساس دلاتا ہے کہ دُکھ کیا ہوتا ہے۔ میرے جذبات بھی اُبھر آئے تھے۔ میں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر میمونہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم مجھے بھائی کہہ رہی ہو تو میں بھی تمھیں خلوص دل سے بہن کہتا ہوں۔ جب بہنوں کو بھائی مل جاتے ہیں تو بہنیں بے سہارا نہیں ہوتیں۔ میں ان سب کو اس طرح ٹھیک کروں گا کہ دُنیا عبرت حاصل کرے گی۔ بس اگر مجھے اس کے صلے میں کچھ دے سکتی ہو تو اپنا مکمل اعتماد دے دو۔ آج کے بعد سے یہ سوچنا چھوڑ دو کہ تم بے سہارا ہو۔ یہاں بے شک تم مذموم الزام کے تحت قیدی ہو لیکن وقار صاحب جیسے لوگ انسانیت کا وقار قائم کیے ہوئے ہیں یہاں رہو اور بھول جاؤ کہ تم ایک قیدی ہو۔ باقی مجھ پر چھوڑ دو۔" بیگم وقار بھی آنکھوں پر دوپٹہ رکھ کر رونے لگی تھیں۔ وقار صاحب نے مجھے فخریہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر میمونہ سے مخاطب ہوئے جو اب بھی سسکیاں لے رہی تھی۔

"میمونہ بیٹے تمھارے لیے کام کا آغاز ہو گیا ہے اب تم بھی آنسو پونچھ ڈالو۔ تم ایک پُروقار شخصیت ہو۔ چاند پر کتنی ہی خاک اُڑائی جائے اُس کا چہرہ جُوں کا تُوں رہتا ہے۔ سب کچھ بھول جاؤ اور بیگم چائے چھوڑو اور کھانا لگواؤ۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

بیگم وقار اُٹھ گئیں۔ میمونہ نے بھی اُن کی تقلید کی تھی۔

کھانے کے کمرے میں میمونہ کو گھر کے ایک فرد کی سی حیثیت ہی حاصل تھی۔ ہم سب کے بیٹھ جانے کے بعد وہ بھی بیٹھ گئی اور کھانا شروع ہو گیا۔ میں کھانے کی مسلسل تعریفیں کرتا رہا۔ چند باتوں سے ہم نے ماحول کو بدلنے کی کوشش کی لیکن بیگم وقار بھی اس داستان کے دُہرانے پر غم زدہ ہو گئی تھیں اور میمونہ بے چاری تو شاید مُسکرانا بھی بھول گئی تھی۔ کھانا ختم ہوا۔ چائے پی گئی اور اس کے بعد میں نے وقار صاحب سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا۔

"خواتین و حضرات! خادم کو اجازت دیجیے۔ کل سے تیاریاں شروع کرنی ہیں اور ان سب کو درست کرنا ہے جنھوں نے میری بہن کو تکلیف پہنچائی ہے۔ میمونہ آپ سے اب کچھ کہنا بالکل بے مقصد ہے۔ جو باتیں ہمارے درمیان ہونا تھیں وہ ہو چکیں۔ البتہ درخواست میں آپ سے پھر دُہراؤں گا کہ آپ زندہ رہیے اور یہ مُردنی اپنی ذات سے اُتار ڈالیے۔ مجھ پر احسان ہو گا۔"

میمونہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی گردن پھر جُھک گئی۔ میں نے اُس کے بچے کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اُس کے گال پر تھپکی دی اور باہر نکل آیا۔

❋

دوسرے دن تمام معمولات سے فارغ ہوا۔ کورٹ میں کچھ کام تھے چنانچہ گھر سے سیدھا اُدھر چلا گیا تھا۔ اُستاد جھوٹے دفتر چلے گئے تھے۔ کورٹ میں جاوید اور وکیل فاروقی سے بھی ملاقات ہوئی۔ دوپہر کو ہم تینوں واپس دفتر میں آگئے اور کھانے کے بعد مصروفیات کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ جاوید نے خود ہی سوال کر ڈالا تھا۔

"ہاں بھئی وہ رات کی دعوت کیسی رہی؟"

"بہت شاندار اور میں نے آپ لوگوں سے یہ معلومات حاصل کرنی ہیں کہ اس وقت آپ لوگ ذہنی طور پر بالکل فارغ ہیں چنانچہ میں اس نئے کیس کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں جو وقار احمد کے ذریعے مجھے ملا ہے۔"

"ویری گڈ۔ اس کا مقصد ہے کہ حاتم طائی اپنے نئے سفر پر روانہ ہو گئے۔"

"ہاں اسی سفر کے نقشے تیار کرنے ہیں۔"

وکیل فاروقی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ میں نے میمونہ کی تمام کہانی اُن دونوں کو سُنا دی۔ وہ بے حد متاثر ہوئے تھے۔

"واقعی بڑا دردناک مسئلہ ہے۔ ہمیں اُس کی مدد کرنی چاہیے۔" وکیل فاروقی نے کہا۔ "لیکن کیا میمونہ کی طرف سے استغاثہ دائر کرو گے؟"

"یہ کارروائی فوری طور پر نہیں کی جا سکتی بلکہ اس سلسلے میں اور بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ہم بہر طور یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ میمونہ شارجہ میں تھی۔ اس کے والد اور کفیل کے وہاں قیام کا بھی پتا چل سکتا ہے۔ پھر کچھ لوگوں کو وہاں سے گواہی کے طور پر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً... نکاح نامے کی نقل بھی فراہم ہو سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جو سب سے اہم مسئلہ ہے وہ کفیل کا ہے یہ معلوم کرنا ازحد ضروری ہے کہ اُس پر کیا بیتی اور اُس کا ذہن میمونہ کی طرف سے کیوں ہٹا؟ جب کہ وہ ایک بچے کا باپ بھی بن چکا ہے۔"

"شاید کفیل کو اپنے بچے کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ وہ بچے کے بارے میں جانتا تھا بلکہ وہاں اُس کی موجودگی ہی میں پیدا ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اور وہ میمونہ پر بے راہ روی کا الزام؟" جاوید نے توجہ دلائی۔ "کیا یہ پتا چل سکتا ہے کہ کون سے علاقے کے تھانہ انچارج نے یہ کارروائی کی تھی؟"

"سو فیصد یہ کام بھی ہو جائے گا۔ یا بر جان یقیناً اُس پولیس افسر کے سلسلے میں ہماری پوری پوری مدد کریں گے جس نے یہ الزام لگا کر اُسے گرفتار کرایا تھا۔"

"ٹھیک ہے ایک شعبہ یہ ہو گیا۔ میرے خیال میں معمول کے مطابق مصروفیات تقسیم کر دو۔ بھئی جاوید مقامی معاملات تم میرے سپرد رہنے دو۔ شارجہ سے جو بھی ذریعہ تمہارے لیے ممکن ہو تم وہ تمام تفصیلات حاصل کر لو جو اس کیس کے لیے اہمیت رکھتی ہیں۔ میرا خیال ہے میمونہ سے ایک اور ملاقات کر کے یہ تفصیلات بھی معلوم کی جانی چاہئیں کہ شارجہ میں اُس کا شوہر کون سی کمپنی میں ملازم تھا، کتنے عرصے ملازم رہا اور جب اُس نے کمپنی سے واپسی کی اجازت مانگی تو کیا تفصیلات بتائی تھیں؟ آیا وہ استعفیٰ دے کر یہاں آیا تھا یا چھٹی لے کر۔ دوسری بات یہ کہ میمونہ کے والد کے بارے میں بھی وہاں سے تفصیلات معلوم ہونی چاہئیں۔"

"بلاشبہ یہ نکتہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ . . . طفیل احمد جب وہاں سے چلا تو اُس نے واپسی کے لیے کیا بہانہ پیش کیا تھا۔" میں فوراً بول پڑا۔ "اگر والد کی علالت کا تذکرہ کر کے اس نے چھٹی مانگی تھی تو یہ ہمارے لیے ایک کارآمد نکتہ کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ گواہوں کا مسئلہ بھی بہت عمدہ ہے۔ کہیئے جاوید آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"

"کمال ہے یعنی ذمہ داریاں تقسیم ہو رہی ہیں پھر یہ سوال کیا معنی رکھتا ہے۔ اطمینان رکھو۔ یہ کام میں انشاءاللہ کر لوں گا۔ اگر یہ ممکن نہیں ہو سکا تو شارجہ جانا کون سا مشکل ہے تھوڑی سی تفریح ہی ہو جائے گی۔"

"اس کا مقصد ہے کہ آپ لوگ بھی پوری طرح فارم میں ہیں۔"

"بلکہ یوں سمجھو کہ یو تیفارم میں ہیں۔" جاوید قریشی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور مقامی مسئلہ . . ." فاروقی صاحب نے کہنا چاہا لیکن میں نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں روک دیا۔

"فی الحال آپ اس مسئلے کو میری حد تک محدود رکھیں۔ پہلے شارجہ سے تفصیلات منگائی جائیں، اگلا قدم پھر اُٹھائیں گے۔"

"مناسب۔" وکیل صاحب نے کہا اور ہمارے درمیان سب کچھ طے ہو گیا۔

میرے ذہن میں ابھی طفیل شیخ کے لیے کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ اس سلسلے میں گہرے انداز میں سوچنا تھا۔ کافی دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے پھر جاوید قریشی نے کہا۔

"ہاں فاروقی صاحب وہ بڑی دعوت کب ہو رہی ہے ہماری؟"

"ہاں بھئی شارق سے دعوت کھانے کا تو حق بنتا ہے۔" وکیل صاحب نے اُس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"دعوت کا کوئی مسئلہ ہے تو میں یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ اس سلسلے میں ہے۔ آپ لوگ صرف یہ بتا دیجئے کہ دعوت فلیٹ پر کھائیں گے یا ہوٹل میں؟"

"ہوٹل پر نہ فلیٹ پر بلکہ اس کے لیے ایک اور ہی جگہ منتخب کی گئی ہے۔" وکیل صاحب نے جواب دیا۔

"ہاں بھئی شام میں کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟ پانچ ساڑھے پانچ بجے چلیں گے۔ میں تمہیں تمہاری کوٹھی دکھا دوں۔ تمام کارروائی مکمل ہو چکی ہے۔"

"کوٹھی دیکھنا ضروری تو نہیں۔"

"نہیں بھئی از حد ضروری ہے۔ تم آج اُسے دیکھ لو۔ میں ایک ڈیکوریشن کمپنی کو اس کی سجاوٹ و زیبائش کا آرڈر دے رہا ہوں۔"

"ارے اس کی کیا ضرورت ہے؟ ایک بے کار سی چیز کو ہم اس طرح آراستہ کریں جب کہ ہمیں اس میں رہنا ہی نہیں ہے۔"

"بس میاں اس سلسلے میں میں تمہاری کوئی مداخلت پسند نہیں کروں گا۔" وکیل فاروقی نے بزرگانہ انداز میں کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"جس سلسلے میں میری کوئی مداخلت پسند نہیں کی جائے گی تو پھر اُس کوٹھی کا دیکھنا میرے لیے کب ضروری ہے؟"

"بس میں نے کہہ دیا ہے وہاں چلنا ہے۔" میں نے مسکرا دیا اور پھر شام کو ہم کوٹھی دیکھنے گئے۔ وکیل صاحب نے واقعی کمال کی عمارت کا انتخاب کیا تھا مجھے وہ بے حد پسند آئی۔

"اب آپ ہی بتائیے جاوید صاحب اس عمارت کو دیکھنے کے بعد فلیٹ میں رہنے کو دل کس کا چاہے گا لیکن اس وسیع و عریض عمارت میں صرف اُستاد چھونے کے ساتھ تنہا رہا بھی نہیں جا سکتا۔"

"خیر اس تنہائی کو دور کرنے کا بندوبست بھی کبھی نہ کبھی ہو جائے گا۔" جاوید قریشی نے کہا۔

"اب آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں کہ میں شرمانا شروع کر دوں لیکن معاف کیجیے گا یہ حس مجھ میں ہے ہی نہیں۔"

ہم لوگ کافی دیر تک پُر لطف گفتگو کرتے رہے اور اس کے بعد وہاں سے چلے آئے لیکن ابھی میرا ذہن الجھن سے خالی نہیں ہوا تھا۔ میں مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ طفیل احمد شیخ تک رسائی کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یہ سمت بھی جاوید قریشی اور وکیل فاروقی نے سنبھال لی تھی بہت مستحکم تھی شارجہ سے یہ معلومات حاصل کرنا بلاشبہ ایک لمبا کام ہو سکتا تھا لیکن میرے ساتھی میری ذمہ داریاں بانٹ رہے تھے اور میرے لیے اب صرف ایک مسئلہ رہ گیا تھا کہ میں اس کام کے آغاز کے لیے کوئی مناسب راستہ منتخب کر لوں۔

ایک خیال میرے ذہن میں کلک ہوا اور نیند ایک دم سے آنکھوں سے رخصت ہو گئی۔ میں اُچھل کر بیٹھ گیا۔ اُستاد چھونے کے خراٹوں کی آواز اُبھر رہی تھی میں بالکونی میں جا کھڑا ہوا۔ باہر دور تک بیکراں اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہیں کہیں مدھم روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا لیکن سوتی آنکھوں سے ہی نیند غائب ہو گئی تھی ایک ایسا ہی خیال میرے ذہن میں آیا تھا اور میں اس خیال کے تانے بانے بننے لگا یقیناً اُن لوگوں تک رسائی کا ایک بہترین ذریعہ یہی ہو سکتا ہے اور اب مجھے اسی پر عمل کرنا چاہیے۔ میں کافی دیر تک بالکونی میں کھڑا رہا۔ اس کے بعد واپس آیا ٹیبل پر بیٹھ کر ٹیبل لیمپ جلایا اور ایک کاغذ پر کل کی خریداری کے لیے اشیاء کی فہرست لکھنے لگا اچھے خاصے اخراجات کا معاملہ تھا لیکن خدا کے فضل و کرم سے اب یہ کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا۔

دوسرے دن اُستاد چھونے کو . . . کیا اور خود بینک پہنچا ایک بڑی رقم نکالی اور پھر دفتر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب دفتر ہی میں تھے جب کہ جاوید کہیں گئے ہوئے تھے۔

"ہاں بھئی کوئی حل نکالا تم نے؟"

"ہاں فاروقی صاحب حل نکل آیا ہے اور یہ میری غیر معینہ مدت کی درخواست قبول فرمائیے۔" میں نے ایک کاغذ پر اپنی درخواست لکھ کر انہیں دے دی اور وہ ہنسنے لگے۔

"مسئلہ کیا ہے؟ کوئی پروگرام ترتیب دے لیا جائے شارجہ جا رہے ہو؟"

"جی نہیں طفیل احمد شیخ کے گھر جا رہا ہوں۔"

"مگر وہاں گھسنے کا ذریعہ کیا ہو گا؟"

"یہی ذریعہ تو دریافت کیا ہے میں اور اسی سے مطمئن ہوں۔" انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اس بارے میں انہیں تفصیل نہیں بتاؤں گا چنانچہ انھوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

میں نے اُستاد چھونے کو ساتھ لیا اور بازار میں خریداری کے لیے نکل گیا۔ ذرا لمبی ہی خریداری کرنی تھی۔ بہت ہی اعلیٰ پائے کی الیکٹرانک کی چیزیں، انتہائی نفیس درجے کے زیورات جنہیں بڑی نفاست سے پیک کرایا گیا تھا پھر میں وہاں پہنچ گیا جہاں غیر ملکی اشیاء کی بھرمار تھی یہاں سے میں نے اعلیٰ درجے کی ساڑھیاں اور دوسرے قیمتی کپڑے خریدے۔ یہ تمام خریداری بہت مہنگی پڑی تھی میرے اپنے پاس کافی سوٹ وغیرہ تھے البتہ غیر ملکی سوٹ کیس بھی یہیں سے حاصل کرنے تھے چنانچہ تین بڑے بڑے سوٹ کیس میں نے خریدے اور انہیں کار کی ڈکی میں رکھ لیا پھر یہ تمام سامان لے کر ہم فلیٹ پر واپس پہنچ گئے۔ یہاں سے میں نے وہ تمام سامان بڑی نفاست سے پیک کیا۔ ایک عمدہ سا سوٹ زیب تن کیا اور مزید کارروائیوں میں مصروف ہو گیا۔

اُستاد چھونے کو میں نے واپس روانہ کر دیا تھا اب اُن کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ دوسری جو کارروائیاں میں نے کیں ان میں ذرا محنت کرنی پڑی لیکن بہر طور میں اپنے آپ کو انتہائی عمدگی سے تیار کر چکا تھا پھر میں فلیٹ سے نیچے آیا۔ تمام سامان نیچے اُتارا ایک ٹیکسی لی اور طفیل احمد شیخ کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔

میرے ذہن میں عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی جو

کارروائی میں کرنے جا رہا تھا وہ بلاشبہ خطرناک تھی لیکن اس کے بغیر اور کوئی حل نکلتا نظر نہیں آتا تھا۔ ٹیکسی طفیل احمد شیخ کی کوٹھی پر پہنچ کر رُک گئی۔ چوکیدار نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور میں نے اُسے بتایا کہ میں شارجہ سے آیا ہوں اور طفیل احمد شیخ کا مہمان ہوں۔ میرے ساتھ کافی سامان موجود تھا اور میں نے ایسی ہی اشیاء کی خریداری کی تھی جس سے یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے کہ میں سیدھا امارات سے آرہا ہوں۔

چوکیدار نے گیٹ کھول دیا اور ٹیکسی اندر داخل ہوگئی۔ ملازم ٹائپ کے ایک دو آدمی مجھے برآمدے ہی میں نظر آگئے تھے۔ وہ ٹیکسی کی جانب متوجہ ہوگئے اور میں نے انھیں اشارے سے بلا کر سامان اُتارنے کے لیے کہا۔ میرا انداز اس قدر رعونت تھا کہ ملازم بے اختیار میرے پاس پہنچ گئے۔ ٹیکسی کی ڈِگی سے اُنھوں نے سامان اُتارا۔ کہیں دُور سے شاید مجھے دیکھ لیا گیا تھا کیونکہ چند ہی لمحوں میں، میں نے طفیل احمد کو دیکھا اور اندازے سے پہچان لیا کہ یہی طفیل احمد ہوسکتے ہیں وہ باہر آگئے تھے۔

اُن کی نگاہوں میں سوالیہ تاثرات تھے۔ میں نے اُن کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر مسکراتا ہوا ان کی طرف بڑھ گیا۔

"اوہ! چچا جان۔ میں شارق ہوں۔ آپ کا شارق" میں آگے بڑھ کر ان کے سینے سے لپٹ گیا۔

وہ ہکا بکا رہ گئے۔ میں کئی سیکنڈ تک اُن کے سینے سے لپٹا رہا پھر میں نے اُن کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اسے اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا "آپ مجھے یقیناً نہیں پہچان سکتے چچا جان لیکن میں آپ کو بھول نہیں سکتا۔ خُدا کا شکر ہے آپ کی صحت پہلے سے بہت بہتر نظر آرہی ہے کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

"ٹھیک ہوں بیٹے۔ لیکن میں آپ کو...."

"نہیں چچا جان میں بالکل نہیں سُنوں گا یہ بات کہ آپ شارق کو نہیں پہچان سکے۔ میں شارق ہوں اب بتائیے آپ مجھے پہچانے یا نہیں؟"

"شش شارق" طفیل احمد شیخ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ میرے سامان کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بولے "اندر چلو بیٹے میری یادداشت کچھ کم ہوگئی ہے۔ اے چلو تم لوگ سامان اندر پہنچاؤ۔"

ملازمین سامان اُٹھا کر اندر داخل ہوگئے وہ مجھے ڈرائنگ رُوم میں لے آئے تھے۔

"بڑھاپے میں یادداشت چھوڑ جاتی ہے بیٹے۔ براہ کرم میری مدد کرو۔ میں تمھیں پہچان نہیں سکا۔"

"جب آپ نے مجھے دیکھا ہی نہیں ہے چچا جان تو پہچان کیسے سکتے ہیں؟ لیکن میں نے ہزار ہا بار آپ کو دیکھا ہے۔ کفیل کی آنکھوں میں اس کی زبان سے آپ کے بارے میں سُنا ہے۔ آپ کی تصویریں دیکھی ہیں۔ اور میں سب کچھ جانتا ہوں۔"

"اوہ! تم...."

"جی ہاں میں کفیل کا دوست ہوں اور شارجہ سے آرہا ہوں۔ میرا نام شارق حسین ہے۔"

"اوہو اچھا۔ اچھا خوب بہت خوب۔ بڑی مسرت ہوئی تم سے مل کر بیٹے۔ ہاں دو تین بار کفیل نے تمہارا تذکرہ تو کیا تھا مگر کیا کروں بس یادداشت کا معاملہ ہے۔ اب اس بڑھاپے میں یادداشت کہاں ساتھ دیتی ہے؟"

"چچا جان آپ یقین کیجیے آپ صرف اپنے الفاظ میں بُوڑھے ہوگئے ہیں ورنہ آپ کے چہرے پر جوانی کی جو سُرخی جھلک رہی ہے میں نے بہت کم لوگوں کے چہروں پر دیکھی ہے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں" میں نے بے تکلفی سے کہا اور طفیل احمد ہنسنے لگے پھر بولے۔

"نہیں بھئی بچے ہو تم اپنی محبت سے جو چاہو سمجھ لو اور کہہ لو لیکن حقیقت یہی ہے۔ ہاں شارجہ میں تم کہاں کام کرتے تھے؟"

میں نے ایک ایسی کمپنی کا نام لے دیا جس کے بارے میں مجھے کافی معلومات حاصل تھیں "بہت خوب مگر بہت دن کے بعد تمہارا یہاں آنا ہوا کفیل تو بہت پہلے شارجہ چھوڑ چکے ہیں۔"

"اس کی ایک وجہ ہے چچا جان خُدا کے فضل و کرم سے کفیل کے لیے آپ جیسا مشفق باپ موجود ہے جو صاحبِ حیثیت بھی ہے اور محبت کرنے والا بھی۔ بدقسمتی سے میں ان نعمتوں سے محروم ہوں۔ یہاں آنے کی ہمت بھی کی تو صرف کفیل کے نام پر مگر بڑا بے مروت ہے یہ شخص ذرا بُلائیے اُسے کتنے عرصے سے اُس نے مجھے خط نہیں لکھا۔

بالکل ہی بھول گیا جب کہ میں نے اُسے ہر سانس میں یاد رکھا ہے۔"

"میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیلات بتاؤں گا ویسے اِس وقت وہ موجود نہیں۔ رات تک آئے گا تم یوں کرو لباس وغیرہ تبدیل کرلو۔ آؤ میں تمہیں غسل خانے پہنچا دوں بلکہ چند منٹ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں" انھوں نے کہا اور باہر نکل گئے۔

میں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے چھت کو آنکھ ماری میرا ذہن نعرے لگا رہا تھا کہ "وہ مارا" میرے طریقۂ کار کی کامیابی مشکوک تھی لیکن طفیل احمد کے بارے میں میرا پہلا اندازہ یہی قائم ہوا کہ وہ سب کچھ ہونے کے باوجود معصوم فطرت کے آدمی ہیں اُنھوں نے اخلاق اور مروت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور زبردستی مجھے پہچان گئے جب کہ اُن کے فرشتوں کو بھی میرے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ کوٹھی کے دوسرے لوگوں پر میرے بارے میں کیا ردِ عمل ہوتا ہے ابھی تو صرف شیخ صاحب ہی سے واسطہ پڑا تھا۔ یہ بھی سوچنے کی بات تھی کہ وہ اگر اِس قدر بامروت تھے تو میمونہ کے مسئلے میں اُنھوں نے اتنی سخت گیری کا مظاہرہ کیوں کیا؟ اس بات کے امکانات بھی مدِ نگاہ رکھے جا سکتے تھے کہ شیخ صاحب یہاں سے اُٹھ کر پولیس کو میرے بارے میں اطلاع دینے گئے ہوں اور تھوڑی دیر کے بعد پولیس آکر میرا چارج سنبھال لے۔

بہر طور معاملہ ابھی گومگو کے عالم میں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد شیخ صاحب ہی واپس آئے اور مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔

"فی الحال میں نے تمہارے لیے یہ کمرہ ٹھیک کرادیا ہے اگر تمہیں یہاں کوئی تکلیف ہو تو کمرہ تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے یہ غسل خانہ ہے جاؤ لباس وغیرہ تبدیل کرلو۔"

"باقی لوگ کہاں گئے چچا جان؟ نہ چچی جان نظر آرہی ہیں اور نہ...."

"گئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا نا رات تک آجائیں گے۔"

میں نے ایک لباس نکالا اور غسل خانے میں داخل ہوگیا۔ ٹھنڈے پانی کے نیچے نہاتے ہوئے میری سماعت باہر کی طرف متوجہ رہی تھی میں ہر لمحے پولیس والوں کی آہٹوں کا منتظر تھا۔ نہا کر نکلا تو ایک ملازمہ نے مجھے باہر پہنچا دیا کوٹھی کے عقبی حصے میں بڑا خوبصورت لان تھا جہاں پر چائے کا بندوبست کیا تھا۔ کُرسی پر صرف طفیل احمد بیٹھے ہوئے تھے سامنے ہی چائے کے برتن تھے۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر وہ مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ اُنھوں نے مجھ سے میرے خاندانی معاملات پوچھے اور میں نے ایک نفیس کہانی انھیں سُنا دی۔ وہ کسی قدر غمزدہ ہوگئے تھے۔ میری داستان ہی ایسی درد بھری تھی۔

میں نے انھیں بتایا تھا کہ میری آدھی زندگی بے یار و مددگار گزر گئی ہے اور اب تو میں رشتوں کا تصور ہی کھو بیٹھا ہوں۔ ہر اس رشتے کے پیچھے بھاگتا ہوں جس میں مجھے ذرا بھی محبت نظر آئے۔ شیخ صاحب نے مجھے کافی تسلیاں دیں ابھی ہمیں چائے پیتے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ایک خاتون کو دیکھا۔ عمر یقینی طور پر اچھی خاصی تھی لیکن رکھ رکھاؤ اور اپنے آپ کو سنبھالے رکھنے کی کوششوں سے بہتر نتائج برآمد ہوئے تھے اور وہ اپنی عمر سے دس سال چھوٹی معلوم ہوتی تھیں۔ بال انتہائی فیشن ایبل انداز میں ترشے ہوئے تھے اور لباس بھی جدید فیشن کے مطابق تھا۔ اس کے چہرے پر جلال کے آثار تھے۔ اُنھوں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور شیخ صاحب جلدی سے کھڑے ہوگئے۔

"بھئی شارق میاں اپنی چچی جان کو نہیں پہچان سکے؟"

"آپ پہچاننے کی بات کر رہے ہیں میں تو چچی جان کو دیکھ کر حیران رہ گیا ہوں یقین کیجیے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ.... کہ چچی جان.... معاف کیجیے گا چچی جان کیا میں پُوچھ سکتا ہوں کہ آپ کی اور چچا جان کی عمر میں کیا فرق ہے؟"

آنے والی محترمہ جو یقینی طور پر میری معلومات کے مطابق ریحانہ شیخ تھیں گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہیں پھر اُنھوں نے کہا "آپ تشریف رکھیے۔ کھڑے کیوں ہوگئے آپ لوگ؟"

"میرا نام شارق ہے چچی جان اور میں کفیل کا دوست ہوں۔ عرصۂ دراز سے شارجہ میں ملازمت کر رہا ہوں۔ آپ لوگوں کے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہوں کہ یہ تصور بھی ذہن میں نہیں پیدا ہوتا کہ آپ میرے لیے اجنبی ہیں یا پہلی

بار آپ کی صورتیں دیکھ رہا ہوں۔"

"ہوں۔" ریحانہ شیخ نے عجیب سے انداز میں یہ "ہوں" کہی تھی اور مجھے ایک لمحے کے اندر اندر یہ احساس ہوگیا تھا کہ طفیل احمد شیخ کی نسبت محترمہ ریحانہ شیخ زیادہ خطرناک چیز ہیں وہ خود بھی سامنے ایک کرسی پر بیٹھ گئیں اور انھوں نے شیخ صاحب سے کہا۔

"طفیل مجھے بھی چائے دو۔"

"ہاں یقیناً بس میں بنا ہی رہا تھا تمہارے لیے۔" طفیل احمد شیخ جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھے، چائے کی ایک اور پیالی بنائی اور ریحانہ کے ہاتھ میں تھما دی تب محترمہ ریحانہ شیخ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا "آپ نے اپنا نام شارق بتایا؟"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔"

"کتنے عرصے سے آپ کی کفیل سے دوستی ہے؟"

"اس کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ سالہا سال گزر گئے اور ہم نے ماہ و سال کا خیال بھی نہیں رکھا۔"

"لیکن کفیل کو تو شارجہ سے آئے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا۔"

"جی ہاں اور یقینی طور پر اُس نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے شیخ صاحب سے یہی باتیں ہو رہی تھیں۔ در اصل چچی جان اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے میں بہت عرصے سے شارجہ میں ہوں کفیل سے بھی پہلے سے۔ لیکن یہاں آنے کی ہمت ہی نہ کر سکا کس کے پاس آتا؟ کفیل وہیں تھا اور یہاں میرا اور کوئی دوست بھی نہیں تھا۔ آپ کے بارے میں گفتگو ہوا کرتی تھی اور میں یہی محسوس کرتا تھا کہ کفیل کا گھر میرا اپنا ہی گھر ہے پھر وہ چلا آیا اور اس کے بعد اس کی خبر ہی نہ ملی میں بہت عرصے تک یہ سوچتا رہا کہ دوستی اتنی پائیدار چیز نہیں ہوتی یہ صرف وقتی جذبے ہوتے ہیں لیکن یہ احساسات صرف کفیل کے بارے میں میرے ذہن میں تھے جب شارجہ سے طبیعت اُکتائی اور کہیں جانے کو جی چاہا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ ادھر ہی کا رُخ کروں اگر آپ لوگوں نے قبول کیا تو ٹھیک ہے ورنہ کسی ہوٹل میں قیام کروں گا اور اس کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے کسی قدر اُداس لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ نہیں بیٹے اب یہ کوٹھی اتنی تنگ بھی نہیں ہے کہ تمہیں چند روز مہمان نہ رکھ سکے۔" شیخ صاحب جلدی سے بولے۔

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" بیگم صاحب نے بھی لب کشائی کی۔

میں اُداسی سے گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم سب لوگ وہاں سے اُٹھ گئے۔ میں نے کوٹھی کی جانب چلتے ہوئے اپنا دوسرا گُر آزمایا۔

"وہ چچی جان کچھ حقیر سے تحائف لایا ہوں آپ کے لیے ممکن ہے آپ کے قابل نہ ہوں لیکن انھیں محبت کا نذرانہ سمجھ کر قبول فرما لیجیے۔"

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی؟" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اب وہ قدرے بے تکلف ہوگئی تھیں لیکن میں نے ان کی آنکھوں میں اُلجھن صاف محسوس کی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آیا۔ بیگم صاحبہ اور طفیل صاحب بھی میرے ساتھ تھے اور پھر میں نے سوٹ کیس کھول لیے اور وہ تحائف جو درجہ بہ درجہ اِن لوگوں کے لیے لایا تھا پیش کر دیے۔ تحائف اپنی زبان آپ بول رہے تھے اور اُن کی قیمتیں اِن لوگوں کو متاثر کر رہی تھیں۔

"بھئی یہ تو تم نے زیادتی کی ہے شارق میاں بھلا اتنی ساری چیزیں لانے کی کیا ضرورت تھی۔" شیخ صاحب نے کہا۔

"آپ اسے میرے جذبات تصور کریں اِن چیزوں کی کوئی قیمت نہیں میری عقیدت کے سامنے۔"

"بھئی تم نے شرمندہ کر دیا ہے شارق۔ دیکھو کوئی تکلیف نہ اُٹھانا۔ باتیں ہوں گی تم سے۔ ہاں شیخ صاحب آپ مسعود الحسن سے ملے؟ ابھی تھوڑی دیر قبل اُن سے ملاقات ہوئی تھی بڑی شکایت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آپ وعدہ کرنے کے بعد بھی ان سے نہیں ملے۔"

"اُفوہ اپنی اس یادداشت کو کیا کہوں آج ہی چلا جاؤں گا۔" شیخ صاحب نے کہا۔

"آج نہیں ابھی۔ میں لوگوں کا یہ انداز برداشت نہیں کر سکتی۔"

"اچھا۔ اچھا ٹھیک ہے تو پھر کفیل کے مہمان کو تم سنبھالو میں ذرا مسعود الحسن سے مل آؤں۔"

"یہ کفیل کے مہمان کیسے ہو گئے؟ ہمارے مہمان ہیں۔" بیگم صاحبہ کا انداز بہت حد تک تبدیل ہو گیا تھا۔ شیخ صاحب چلے گئے۔

"کفیل اور اس کی بیوی تو ذرا دیر سے آئیں گے۔ آؤ میرے کمرے میں چلو بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ تھکے تو نہیں ہو؟"

"شارجہ سے یہاں تک کا سفر اتنا طویل نہیں ہے کہ آدمی تھک جائے۔"

"ہاں واقعی اس میں کوئی شک نہیں۔" بیگم ریحانہ نے کہا اور پھر مجھے ساتھ لیے ہوئے اپنے کمرے میں آگئیں۔ ان کی خوابگاہ بلاشبہ بے حد حسین تھی۔ وہ مجھے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی ایک کرسی پر جا بیٹھیں اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولیں۔

"اگر بزرگی کی حیثیت سے تم سے کچھ سوالات کروں تو بُرا تو نہیں مانو گے؟"

"نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا چچی جان۔"

"جو سوالات میں تم سے پوچھنا چاہ رہی ہوں وہ بہت عجیب نوعیت کے ہیں لیکن اتنی جلدی اتنی بے تکلفی کا مقصد یہی سمجھ لو کہ میرے ذہن میں کچھ تردد ہے۔"

"جی۔ جی فرمائیے۔"

"کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ کفیل نے وہاں شارجہ میں شادی کر لی تھی؟"

"جی ہاں اس کا ایک بچہ بھی تھا۔"

"وہ اپنی بیوی کو کس کے پاس چھوڑ آیا تھا؟"

"کافی عرصے تک میمونہ اس مکان میں رہی جس میں کفیل اُسے چھوڑ آیا تھا۔ میرا کفیل سے رابطہ اس لیے کم رہتا تھا کہ میں ذرا تھوڑے فاصلے پر ملازمت کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار یا کبھی کبھی مہینے میں ایک بار مل لیا کرتے تھے لیکن ہم اچھے دوست تھے۔"

"یقیناً۔ یقیناً میں تم سے اُس عورت کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ بعد میں اُس کا کیا ہوا؟"

"صرف دو بار بھابی نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اس کے بعد میری اُن سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ ایک بار کفیل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے وہاں گیا تو پتا چلا کہ وہ مکان خالی ہو چکا ہے۔"

"اوہ! اس کا مقصد ہے کہ وہ وہاں سے کہیں چلی گئی؟"

"جی ہاں۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہیں آگئی ہوں گی۔"

"نہیں حالات میں اچانک کچھ اتنی تبدیلیاں ہوئیں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیا تمہیں اُس بات کا علم ہے کہ کفیل نے دوسری شادی کر لی ہے؟"

"دوسری شادی؟" میں حیرت سے اُچھل پڑا۔

"ہاں پتا نہیں وہ کیا عوامل تھے جن کے تحت کفیل نے شارجہ میں اس لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ویسے میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ جو کچھ میں کہوں اس کو کوئی غلط معنی مت پہنانا۔ تمہیں یقیناً اس بات کا علم ہوگا کہ میں کفیل کی سوتیلی ماں ہوں۔"

"جی ہاں کفیل نے ایک دو بار اس کا تذکرہ کیا تھا۔" میں نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

ریحانہ بیگم کی نگاہیں میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ "کیا کہتا تھا وہ میرے بارے میں؟"

"بس یہی کہ آپ کا رویّہ اس کے ساتھ اچھا نہیں رہا اور سوتیلی ماں کے وہ سارے کردار آپ نے ادا کیے جو ایک سوتیلی ماں ادا کر سکتی ہے۔"

"تم سچے انسان ہو میرے دل میں تمہاری قدر بڑھ گئی ہے۔ بہر طور انسان کے ساتھ کچھ ایسے رشتے جڑے ہوئے ہیں جن کے تحت وہ کبھی کسی کو اپنی محبت کا یقین نہیں دلا سکتا۔ میں نے کبھی کفیل کے ساتھ کوئی ایسی کارروائی نہیں کی جس سے اُسے یہ اندازہ ہو بس اس نے خود ہی ذہنی طور پر مجھے قبول نہیں کیا تھا۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے چچی جان۔"

"تمہیں یہ معلوم ہے کہ وہ یہاں واپس کس لیے آیا؟"

"شاید شیخ صاحب کی علالت کا تار پڑھ کر۔"

"بالکل درست۔" ریحانہ بیگم کے چہرے پر کافی حد تک اطمینان کے تاثرات نظر آنے لگے۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد انھوں نے کہا۔ "یہاں آ کر اُسے احساس ہوا کہ اس نے اب تک جو کچھ کیا وہ غلط تھا۔ وہ اپنی اس کارروائی پر پشیمان ہونے لگی اور یہاں اس نے مجھ سے کافی معافی تلافی کی۔ وہ ذہنی طور پر بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ میں نے جب اس سے اس کی وجہ معلوم کی تو اس نے میمونہ کا تذکرہ کیا مجھ سے۔ در حقیقت مجھے بھی اس کی یہ خود سری پسند نہیں آئی اور میں نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ

میمونہ کا تصور ذہن سے نکال دے۔ کفیل اپنی خواہش کے مطابق یہاں ایک لڑکی سے رجوع ہو گیا اور بالآخر اُس نے ہماری مرضی کے ساتھ اس لڑکی سے شادی کر لی اور اب وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہے لیکن میں سمجھتی ہوں اس کے دل کی گہرائیوں میں پہلی بیوی بھی موجود ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ اس کا ایک بچہ بھی تو تھا؟"

"ہاں وہ اپنی اس بیوی کی وجہ سے ذہنی طور پر کچھ نڈھال سا ہو گیا ہے ذرا بہکی بہکی سی باتیں کرتا ہے اور بعض اوقات اس کے انداز میں دیوانگی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ میں تم سے ایک اور کام لینا چاہتی ہوں شارق۔"

"جی چچی جان فرمائیے؟ میں درحقیقت یہ سوچ کر یہاں آیا تھا کہ میمونہ بھابی یہاں ہوں گی۔ مجھے علم نہیں تھا کہ کفیل نے دوسری شادی کر لی ہے۔ میں انہیں ہی بھابی جان سمجھ رہا تھا۔"

"نہیں اس عورت کا کوئی پتا نہیں کہ وہ کہاں گئی میں نے اپنے طور پر بھی اُس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرائی تھیں لیکن کوئی صحیح آدمی نہیں مل سکا جو مجھے اس کی خبر دیتا۔ تمہیں میرا جو کام کرنا ہے شارق وہ یقیناً تمہیں عجیب محسوس ہوگا لیکن کیا کروں حالات ہی ایسے ہیں۔"

"جی۔ جی فرمائیے۔"

"تمہیں یہ بتانا ہوگا کہ میمونہ بدچلن تھی اور کچھ دن تک کفیل کا انتظار کرنے کے بعد اس نے وہ گھر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اُسے مختلف لوگوں کے ساتھ دیکھا گیا۔ میں چاہتی ہوں کہ کفیل کی ذہنی حالت بہتر ہو جائے۔ وہ یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لے کہ جس کے لیے وہ نڈھال ہے درحقیقت کوئی اچھی عورت نہیں تھی۔"

میں پُرخیال انداز میں داہنا گال کھجانے لگا۔ بیگم ریحانہ نے چند ہی لمحوں میں جس حد تک قدم آگے بڑھا دیے تھے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا مجھے سمجھے اور پرکھے بغیر اُنھوں نے مجھ سے ایک ایسے کام کا مطالبہ کر دیا تھا جو خود ان کی شخصیت کو بھی مشکوک کر دیتا تھا۔

"کیا سوچنے لگے شارق؟"

"نہیں میں اسی پر غور کر رہا ہوں۔"

"اگر تم واقعی کفیل کے دوست ہو تو پھر یوں سمجھ لو کہ کفیل کی بہتر زندگی کے لیے میمونہ کا خیال اس کے ذہن سے نکال دینا ضروری ہے۔ وہ تم سے اُس کے بارے میں ضرور سوالات کرے گا اور تم ان سوالات کے جواب اسی انداز میں اُسے دو گے۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں اپنا فرض یقیناً پورا کر دوں گا۔"

ہم لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد تقریباً ساڑھے آٹھ بجے اصل مسئلہ شروع ہو گیا یعنی ایک کار اندر داخل ہوئی جس میں سے کفیل مہک نیچے اُترے وہ بلاشبہ بہت پُرکشش اور حسین لڑکی تھی۔ کفیل بھی اچھی شخصیت کا مالک تھا۔ طفیل احمد شیخ ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ ریحانہ بیگم ہی نے میری اور کفیل احمد کی مُلاقات کرائی۔ میں نے کفیل کو دیکھ کر بے اختیار نعرہ لگایا اور پھر آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔ میرا چہرہ انتہائی سنجیدہ ہو گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آئی تھیں۔ میں کفیل سے شکایتیں کر رہا تھا کہ اس نے مجھے بالکل ہی نظرانداز کر دیا اور کفیل بے چارہ گھبرائے ہوئے سے انداز میں مجھ سے لپٹا ہوا تھا پھر میں نے اس کا چہرہ سامنے کیا اُسے دیکھتا رہا میری آنکھوں میں ڈبڈبائے آنسو سبھی نے دیکھے تھے۔ کفیل کچھ پریشان سا نظر آنے لگا۔

"کہہ دو کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ کہہ دو کفیل کہ میرا چہرہ تمہارے لیے اجنبی ہے۔ بھول گئے تم شارق کو۔ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے میرے دوست۔ بعض اوقات دوستیاں یک طرفہ ہوتی ہیں۔ تم نے شارجہ سے آنے کے بعد مجھے ایک بھی خط نہیں لکھا۔ کیا میں اس قابل نہیں تھا کفیل کوئی ایسی غلطی ہوئی تھی مجھ سے جس کی وجہ سے تم نے مجھے اس طرح نظرانداز کر دیا۔"

"اوہ! نہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"ہاں۔ ہاں کہہ دو کہ تم مجبور تھے۔ آتی ذمہ داریاں عائد ہو گئی تھیں تم پر کہ تم نے اپنے جگری دوست کو بھی نظرانداز کر دیا۔ تم تو کہتے تھے کہ انسان کو اگر زندگی میں ایک دوست مل جائے تو یہ سمجھا جائے کہ اُسے بہت کچھ مل گیا۔ میرے دوست کیا یہ صرف الفاظ تھے؟"

"اوہ! نہیں نہیں دراصل بس۔ آئی ایم سوری۔ آئی ایم سوری۔" کفیل بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

مہک بالکل خاموش تھی۔ میں کفیل کو چھوڑ کر اس کی جانب متوجہ ہو گیا اور میں نے کہا۔

"بھابی آپ مجھے اپنا دیور سمجھ لیجیے۔ میں ایک ایسا محبت کا مارا ہوں جس کا اس دُنیا میں اپنا کوئی نہیں ہے۔ جس نے تھوڑی سی اپنائیت دی۔ اُس پر زندگی نچھاور کر دی لیکن دینے والے جس طرح چھین لیا کرتے ہیں اُس کی مثال میرا یہ دوست موجود ہے۔ جس کا نام کفیل ہے۔ میرا نام شارق ہے ہم لوگ شارجہ میں اکٹھے ملازمت کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ہم دونوں کی دوستی عمر کی آخری حد تک جاری رہے گی۔ بہرطور یہ ان کی مرضی ہے۔ آیا ہوں آپ لوگوں نے گوارا کیا تو چند روز رُک جاؤں گا ورنہ یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"اوہ! نہیں شارق صاحب یہ کیسی بات کہی مہمان تو ہر شخص کے لیے باعثِ رحمت ہوتے ہیں۔ کفیل نے واقعی غلطی کی کہ آپ جیسے دوست کو نظرانداز کر دیا۔ کفیل یہ بُری بات ہے۔"

کفیل نے حیران نگاہوں سے مہک کو دیکھا۔ کچھ بہکا بہکا سا نظر آ رہا تھا۔ اُلجھن بھی اُس کے چہرے پر چسپاں تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کی قمیص کا کالر درست کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی تبدیلیاں ہو گئی ہیں تم میں کفیل بہرطور تمہیں دیکھ کر دل کو جس قدر فرحت کا احساس ہوا ہے بتا نہیں سکتا۔"

"آؤ اب اندر چلو تم لوگ مہک میں نے شارق کے لیے تمہارے تیسرے کمرے کا بندوبست کر دیا ہے اگر تم کوئی اور بہتر جگہ ان کے لیے تصور کرو تو جیسا مناسب سمجھو۔"

"نہیں پھوپی جان ٹھیک ہے۔" مہک نے جواب دیا اور میں نے ان الفاظ کو بھی نوٹ کیا تھا۔ پھوپی جان۔ یہ کس رشتے سے کہا گیا بہرطور ابھی تو اس کوٹھی میں داخل ہوئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے۔ بہت سی معلومات حاصل کرنی تھیں مجھے یہاں کے بارے میں ابھی کسی ایک بات پر حیران ہونا بے معنی تھا۔

سب سے بڑا خطرہ کفیل کا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اس خطرے سے گزر جاؤں تو پھر یہ سمجھوں کہ واقعی کوئی بات بنی لیکن کفیل کی کیفیت سے مجھے بڑی تقویت ملی تھی ذہنی طور پر یہ بھٹکا بھٹکا نوجوان یوں لگتا تھا جیسے اپنی ذات کے صحراؤں میں گم ہو گیا ہو۔

مہک بظاہر کافی خوش اخلاق محسوس ہوتی تھی۔ اُس نے اندر داخل ہونے کے بعد پہلے میرا کمرہ دیکھا اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولی۔

"شارق صاحب اگر آپ کو یہاں کوئی تکلیف ہو تو پوری کوٹھی میں جو کمرہ آپ کے لیے مناسب ہو میں درست کرا دوں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں بھابی صاحبہ آپ کے وجود کی خوشبو اتنا معطر کیے ہوئے ہے مجھے کہ زمان و مکاں کا خیال بھی دل سے نکال بیٹھا۔ ویسے بھی چچی جان نے بہت آسائشیں دے دی ہیں میں تو صرف آپ لوگوں سے ایک بار ملنا چاہتا تھا مسرت ہو گی مجھے کہ اگر آپ اس وقت کی مصروفیات ترک کر کے چند لمحے میرے ساتھ گزاریں۔"

"ہم مصروف تو نہیں ہیں۔"

"تو پھر یہ حقیر تحائف میں آپ کے لیے لایا ہوں اسے قبول فرمائیے۔"

"اُف بھئی یوں لگتا ہے جیسے شارجہ سے تم نے بس خریداری ہی کی ہے۔ مہک مجھے بھی بے شمار تحائف دیے ہیں انھوں نے۔ پتا نہیں یہ پیسہ برباد کرنے پر اس طرح کیوں تُلے ہوئے ہیں۔"

"اس طرح پیسہ برباد نہیں ہوتا چچی جان پیسے کا صحیح مصرف یہی ہے اور اب بار بار آپ سے یہ کہتے ہوئے شرمندگی بھی ہونے لگی ہے کہ میرا ہے ہی کون جسے میں کچھ دوں؟"

میں نے قیمتی تحائف نکال کر مہک کے سامنے انبار کر دیے۔

"ان تمام چیزوں کا بے حد شکریہ۔ آپ نے واقعی بڑی تکلیف کی ہم پتا نہیں آپ کو آپ کی اس محبت کا جواب اس معیار پر دے سکیں گے یا نہیں۔"

"یہ سب کچھ آپ کے ہاتھ میں ہے بھابی چاہیں تو مجھے اپنائیت دے دیں ورنہ اجنبیوں کی طرح ٹھکرا دیں۔" میں لفظوں سے کھیل رہا تھا اور یہ کھیل ہی میری کامیابی کا ضامن تھا۔

میں نے بڑی شاندار فتح حاصل کی تھی مہک اور

پھپھی جان بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔ طفیل صاحب بھی پُرمسرت انداز میں گئے تھے کفیل رہ گیا تھا جو اپنے حواس ہی میں نہیں تھا۔ مجھے ایسا ہی بے حواس ایک اور شخص یاد آ رہا تھا لیکن اس بے چارے کو تو ہیروئن کے نشے کا عادی بنا دیا گیا تھا۔ کفیل کے ساتھ کیا ہوا ہے اس کا اندازہ تو بعد میں ہی ہو سکتا تھا۔

ڈنر کے بعد بھی کافی دیر تک نشست رہی۔ وہ لوگ مجھ سے متحدہ عرب امارات کے بارے میں گفتگو کرتے رہے کسی کے چہرے پر تردد کے آثار نہیں تھے جب رات زیادہ ہو گئی تو مجھے سونے کی ہدایت کر دی گئی اور میں اپنی خوابگاہ میں پہنچ گیا۔

بستر پر لیٹ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے واقعی بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی کسی کے گھر میں گھس بیٹھنا آج کل کے دور میں ممکن نہیں تھا لوگ اس قسم کی چالبازیوں سے بہت زیادہ ہوشیار ہو گئے ہیں میں نے یہ جو کچھ کیا تھا وہ بہرطور کافی خطرناک تھا لیکن میرے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔

خوف یہ تھا کہ کہیں ان سب کو ہوش نہ آ جائے لیکن اگر ہوش آ بھی گیا تو میرے بارے میں فوری طور پر تو کوئی اندازہ لگا لینا آسان نہیں ہو گا۔ مجھے ہر کردار کو نگاہ میں رکھنا تھا طفیل صاحب ہو سکتا ہے اتنے معصوم نہ ہوں یا پھر بیگم ریحانہ نے انھیں کسی مسعود الحسن کے پاس بھیجا تھا یہ کہیں میرے ہی سلسلے کی کوئی کارروائی نہ ہو ویسے ایک بات میں نے ضرور محسوس کی تھی کہ ریحانہ بیگم طفیل صاحب پر حاوی ہیں اور طفیل احمد اُن کے سامنے کچھ دبے دبے سے رہتے ہیں۔ اِن تمام چیزوں کا تجربہ کرنے کے بعد ہی بے چاری میمونہ کے لیے راستے ہموار کرنے تھے۔

مہک بلاشبہ میمونہ سے کہیں زیادہ خوبصورت تھی ہو سکتا ہے اِس کا جادو سر چڑھ کر بولا ہو اور کفیل اس کا دیوانہ ہو گیا ہو۔ بظاہر دونوں میاں بیوی میں بھی کافی مفاہمت اور محبت نظر آتی تھی۔ یہ معاملات جتنے ٹیڑھے تھے اس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا لیکن اس ٹیڑھے پن کو سیدھا کرنا اس وقت میرا فرض تھا اور میری تمام کاری گری اسی میں تھی کہ میں اپنے فن سے یہاں کی صورتِ حال کو قابو میں کر لوں۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر سب موجود تھے کفیل بھی تھا۔ اُس نے مجھ سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد اِس طرح سنجیدہ ہو کر بیٹھ گیا جیسے وہ مصافحہ ایک اضطراری حرکت ہو کفیل کی آنکھوں کی دُھندلاہٹ بتاتی تھی کہ وہ میرے راستے کی رکاوٹ نہیں بنے گا۔ ناشتے کی میز پر بہت سی باتیں ہوتی رہیں۔

ناشتے کے بعد ہم کمرے سے باہر نکل آئے بیگم ریحانہ شیخ کہنے لگیں "آؤ شارق تم سے کچھ باتیں کی جائیں۔ مہک تم ذرا حسام احمد کو ٹیلی فون کر دینا اُن سے کہنا کہ میں ساڑھے گیارہ بجے تک اُن کے پاس پہنچوں گی۔ اس کے بعد اس کام کے لیے جایا جا سکتا ہے جس کا میں نے اُن سے وعدہ کیا ہے۔ حسام احمد کا فون نمبر تمہارے پاس ہے؟"

"جی پھوپی جان" مہک نے جواب دیا اور وہاں سے چلی گئی۔ کفیل تو جیسے اس کی دُم سے بندھا ہوا تھا۔ بیگم صاحبہ مجھے ساتھ لیے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ اُنھوں نے خوش اخلاقی سے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولیں۔

"دیکھو شارق یہ نہ سمجھنا کہ میری باتوں کا کوئی اور مفہوم ہے اپنائیت میں وہ سب کچھ سمجھا دیا جاتا ہے جو ضروری ہوتا ہے اِس گھر کی زندگی کچھ عجیب سی ہے ہر شخص اپنی اپنی دُنیا میں مست ہے۔ طفیل اپنے کاروباری معاملات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میں نے ایک سوشل ورکر کی حیثیت سے لاتعداد ذمّہ داریاں سمیٹی ہوئی ہیں دراصل ساکن زندگی مجھے راس نہیں آئی میں متحرک رہنا چاہتی ہوں۔ یہی تحریک میری زندگی کا جزو بن چکی ہے۔ کبھی اگر تم اِس گھر میں تنہا رہ جاؤ تو یہ محسوس نہ کرنا کہ گھر والے تم سے اُکتائے ہوئے ہیں۔"

"نہیں چچی جان ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"مہک بہت اچھی لڑکی ہے اور کفیل کی کیفیت تم دیکھ ہی چکے ہو۔ میں نے جو ذمّہ داری تمہیں سونپی ہے اس کے لیے تم جس طرح چاہو اپنے کام کا آغاز کر دو۔ بس یہی کہنا تھا مجھے تم سے۔ ہاں گیارہ بجے میں یہاں سے چلی جاؤں گی اور پھر واپسی کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا تم اپنی تفریحات جس طرح چاہو ترتیب دے لینا۔ گاڑی

کی چابی میں تمہیں دے جاؤں گی اگر چاہو تو ڈرائیور کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے۔ ویسے مہک بھی موجود ہے ابھی۔ شام کو یہ لوگ اپنی تفریحات کے لیے نکلتے ہیں یا پھر جیسا بھی اِن کا پروگرام ہوتا ہے۔ ہم لوگ ان کے اِس پروگرام میں مداخلت نہیں کرتے۔ تم جس طرح چاہو یہاں کے ماحول میں اپنے آپ کو ضم کر لینا۔"

کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا پھر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ ایک دفعہ دل چاہا کہ فاروقی صاحب کو ٹیلی فون کروں لیکن پھر اسے حماقت تصوّر کیا کافی دیر بعد مہک نے میرے کمرے میں جھانکا۔

"تو اخبار بینی ہو رہی ہے؟" وہ مُسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

"آئیے بھابی آئیے۔ ہاں اخبارات ہی دیکھ رہا تھا۔"

"شارق یہ لفظ بھابی تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

"کچھ بھاری پن نہیں پیدا ہو جاتا اِس لفظ میں۔"

"بھا... بی شاید" میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور مہک مجھے بڑی بڑی بادامی آنکھوں سے دیکھنے لگی اُس کی آنکھیں انتہائی پُرکشش تھیں بڑی بڑی سفید آنکھیں جن کی پُتلیاں عام سائز سے کچھ چھوٹی تھیں اور یہی چھوٹا پن ان آنکھوں کی دلکشی کا باعث تھا اُس کے ہونٹوں کا اُبھار بھی بے حد حسین تھا ویسے تو وہ مجسّم حُسن تھی اور اسے دیکھ کر ذہن بھٹک سکتا تھا لیکن بہرطور میں اس دُنیا کا انسان نہیں تھا اور پھر احترام کے جذبے بھی ایک حیثیت رکھتے ہیں وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کہاں کھو گئے؟"

"اوہ نہیں۔ لفظ بھابی پر ہی غور کر رہا تھا۔"

"میرا نام مہک ہے۔" اس نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"نہیں معلوم۔" اِس نے ضد کرنے والے انداز میں کہا اور میں حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"اگر تمہیں یہ نام معلوم ہوتا تو تم مجھے مہک کہہ کر مخاطب کرتے۔ رشتوں کا احساس دلانا بعض اوقات ذہن کو گراں گزرتا ہے۔ انسان تھوڑی سی لطافتوں کا خواہش مند بھی ہوتا ہے۔ تم دوسروں کے سامنے مجھے بھابی کہہ سکتے ہو لیکن اگر تنہائی میں صرف مہک کہو تو خوشی ہو گی۔"

"اور یہ بے تکلفی آپ کو گراں تو نہیں گزرے گی؟" میں نے سنبھل کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں" اُس نے جواب دیا اور پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گئی۔ پھر کچھ دیر بعد بولی "پھوپی جان جا چکی ہیں اور اب تم تنہا ہو۔"

"کیوں کیا آپ موجود نہیں ہیں؟" میں نے کسی حد تک بوکھلائے ہوئے سے انداز میں کہا۔

مہک کا لہجہ مجھے بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

"بشرطیکہ تم میری موجودگی محسوس کرو۔"

"نہ محسوس کرنے کا کیا سوال ہے۔ آپ کی باتیں ذرا کچھ اُلجھی اُلجھی سی ہیں سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"جو لوگ اُلجھے اُلجھے ہوتے ہیں انھیں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیا خیال ہے تمہارا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو میں تمہیں پسند ہوں۔"

"بہت زیادہ" میں نے جواب دیا اور مہک مسکرانے لگی۔

"تم نے کفیل کے بارے میں نہیں پوچھا؟"

"پوچھنے والا تھا ذرا آپ کی گفتگو کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔"

"بہت زیادہ بولتی ہوں نا میں؟"

"ایسی بھی بات نہیں ہے لیکن تہذیب بھی ایک چیز ہوتی ہے۔"

"مطلب یہ ہے کہ تم مہذب بن رہے ہو میرے سامنے؟"

"اب میں آپ سے یہ سوال کر سکتا ہوں کہ کیا میں آپ کو غیر مہذب نظر آتا ہوں؟"

"نہیں بہت دلکش۔ بہت چارمنگ ایسے کہ دیکھ کر بار بار دیکھنے کو جی چاہے۔"

"اب آپ نے مجھے آسمان پر پہنچانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہرگز نہیں تم جیسے لوگوں کو آسمان پر بھیج کر بڑا دُکھ ہوتا ہو گا۔ میں تمہیں زمین پر لانا چاہتی ہوں۔ اُس زمین پر جہاں انسان بستے ہیں گوشت پوست کے بنے

ہوئے جذبات اور احساسات کے پتلے کچھ جاننے کے خواہش مند" وہ حد سے آگے بڑھ رہی تھی لیکن اس کے چہرے پر جذباتی پن نہیں تھا بس یوں لگتا تھا جیسے وہ میری بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہی ہو۔ مجھ سے کھیل رہی ہو۔ میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ یہ نیا رنگ تھا میرے لیے اور پھر وہ اچانک بولی "آؤ، تمہیں کفیل سے ملاؤں"
میں حیران سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

مہک مجھے ساتھ لیے ہوئے باہر نکل آئی اور پھر اس نے اپنی خوابگاہ کا دروازہ کھولا۔ اندر مدّھم روشنی پھیلی ہوئی تھی، کمرہ نیم تاریکی کی کیفیت کا حامل تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا صوفہ پڑا تھا، جس پر کفیل بیٹھا تھا اور اس کے سامنے شراب کے برتن سجے ہوئے تھے۔

مہک نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا "آپ کے دوست عبادت کر رہے ہیں" اُس کے لہجے میں طنز کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

"لیکن کفیل پہلے تو نہیں پیتا تھا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"مگر اب پیتا ہے" مہک زہریلے لہجے میں بولی۔

"اِس کی وجہ"

مہک کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی "تمہارا دوست ہے، تم خود پوچھ سکتے ہو"

میں نے ایک نگاہ مہک کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر کفیل کے سامنے پہنچ گیا "یہ کیا کر رہے ہو؟"

"پیئو گے؟" اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں تم جانتے ہو، میں نہیں پیتا۔ مگر مجھے حیرت ہے کیونکہ تم بھی تو نہیں پیتے تھے۔ تم نے یہ سب کچھ کیوں شروع کر دیا"

"ایک شعر سُنو گے؟" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے شراب کے گلاس سے ایک چسکی لی اور پھر بولا۔

"قیدِ غم حیات سے گھبرا رہا ہوں میں۔
گھبرا رہا ہوں اور پیئے جا رہا ہوں میں۔"

لو تم بھی پیئو، اِسی میں زندگی ہے، ورنہ موت کی تاریکیاں چاروں طرف سے گھیر چکی ہیں"

میں مہک کی طرف دیکھنے لگا، وہ مسہری پر جا بیٹھی تھی۔ تب میں کفیل کے پاس سے ہٹ آیا اور مہک کے نزدیک پہنچ گیا "بیٹھو، اُسے تمہارا میرے ساتھ بیٹھنا ناگوار نہیں گزرے گا، کیونکہ وہ ناگواری کی منازل سے بہت دُور نکل چکا ہے"

"یہ سب کچھ۔ یہ سب کچھ میرے لیے سخت اُلجھن کا باعث ہے مہک۔ میں تو یہ سوچ کر آیا تھا یہاں کہ میرا دوست ایک پُرمسرت زندگی گزار رہا ہوگا، اپنوں میں آنے کے بعد، اپنے وطن میں پہنچنے کے بعد اس کی شخصیت اور نکھر گئی ہوگی۔ یہاں آکر مجھے سخت مایوسی ہوئی ہے۔ میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کفیل سے اِس حالت میں ملے گا"

مہک نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی "آؤ اسے پینے دو۔ ہم لوگ باہر چلتے ہیں اِس کمرے کی بوجھل فضا نہ تمہیں راس آئے گی نہ مجھے" اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور میرے ساتھ لگی لگی بے تکلفی سے باہر نکل آئی۔ میں اُس کی کیفیت پر غور کر رہا تھا۔ مہک ایک اور جگہ آ بیٹھی، یہ کمرہ بھی نشست کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

"تم نے اپنے دوست کو دیکھ لیا۔ بہرحال تمہیں افسوس ہوا، مجھے اِس کا افسوس ہے"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شیخ طفیل شاید جلد ہی فارغ ہو گئے تھے، وہ واپس آ گئے اور مجھے ان کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔

"ہاں بھئی شارق، اب بتائیے۔ کہ یہاں آپ کے مشاغل کیا کیا رہیں گے؟"

"بس شیخ صاحب۔ دراصل کفیل کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی ہے۔ بے چارہ اپنے آپ کو کھو بیٹھا ہے۔ معاف کیجیے گا میں اِن تمام معاملات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتا، لیکن میں اُس کی اِس کیفیت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں"

"اپنی اِس کیفیت کا وہ خود ہی ذمّہ دار ہے شروع ہی سے ماں سے اختلاف رکھتا تھا، حالانکہ ریحانہ اتنی بُری عورت نہیں ہے۔ اُس نے ہمیشہ کفیل کے بارے میں اپنی اولاد کے سے جذبات رکھے۔ لیکن کفیل نے ان جذبات کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور شارجہ چلا گیا۔ وہاں وقت گزارتا رہا۔ میں واقعی بیمار ہو گیا تھا۔ میں نے تو منع کیا تھا کہ اسے میری بیماری کی اطلاع نہ دی

جائے۔ لیکن ریحانہ نہیں چاہتی تھی کہ ہم دونوں باپ بیٹے جُدا رہیں یہ اُس کی کوشش تھی کہ اُس نے کفیل کو یہاں بلا لیا اور اِس کے بعد یہاں اس کی شادی کر دی"

"کیا آپ کو علم ہے چچا جان کہ کفیل نے وہاں بھی شادی کر لی تھی؟"

ان کا چہرہ بگڑ گیا۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتے رہے۔ پھر بولے "اُسے ہم سے اتنا منحرف نہیں ہونا چاہیئے تھا کہ وہ شادی کر لیتا"

"پھر بھی اُس نے شادی تو کی نا"

"ہم اس شادی کو تسلیم نہیں کرتے" اُنھوں نے قدرے تلخ لہجے میں کہا پھر چونک کر بولے "تمہیں تو اُس کی بیوی کے بارے میں معلوم ہوگا"

"زیادہ نہیں۔ میری میمونہ سے ایک دو بار ہی ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد میں کچھ ایسی مصروفیتوں کا شکار ہو گیا کہ بعد میں حالات کا پتا ہی نہیں چل سکا۔ کفیل کے بارے میں، میں نے بس معلومات حاصل کی تھیں، تو پتا چلا کہ وہ وطن واپس چلا گیا ہے، بہت عرصے تک میں اُس کے خطوط کا انتظار کرتا رہا۔ میں یہی سمجھا تھا کہ وہ میمونہ کو لے کر یہاں آ گیا ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اُس نے میمونہ کو چھوڑ دیا ہے"

"وہ کون تھی کیا تھی اُس کا خاندان کیا تھا اس کے بارے میں تمہیں کچھ معلوم ہے؟"

"نہیں معاف کیجیے گا، میں کبھی اِس سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکا" اُسی وقت مہک ہمارے پاس آ گئی اور گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

شام پانچ بجے مہک میرے کمرے میں داخل ہوئی، بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی، بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اِٹھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اور تم یوں ہی اپنے کمرے میں لگے بیٹھے رہو گے کیا تم بھی کفیل کی طرح قیدِ غم حیات سے گھبرا گئے ہو؟"

"نہیں، میں تو ابھی حیات کی آزادیوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوں"

"میں نہیں مانتی حیات کی آزادیاں اِس کمرے تک تو محدود نہیں ہیں"

"تو پھر کیا کروں۔۔۔ کفیل اگر ہوش میں ہوتا تو یہاں کی سیر و سیاحت کی جاتی"

"میں جو ہوں" مہک نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"تو پھر حکم دیجیے کیا کیا جائے؟"

"ایک خوبصورت سا کوٹ نکالیے آپ، بلکہ اس کا انتخاب میں کرتی ہوں" وہ الماری کی جانب بڑھ گئی، ہلکے نیلے رنگ کا ایک سوٹ اُس نے منتخب کیا۔

"آپ یہ لباس تبدیل کر لیجیے، ہم لوگ باہر چل رہے ہیں۔ میں گرین کلب کی ممبر ہوں اور اکثر میں اور کفیل وہاں جاتے رہتے ہیں، آج آپ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے"

"پابندِ حکم ہیں اس لیے تعمیل کی جائے گی"

"بے حد شکریہ۔ میں انتظار کر رہی ہوں، کفیل تیار ہو گئے ہیں" مہک نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں چند لمحات تھوڑی کھجاتا رہا تھا۔ مہک کا رویّہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ کسی اور منزل کی جانب بڑھ رہی ہے۔

باقی سب تو ٹھیک تھا بس ایک قباحت تھی کہ میں لوگوں میں اتنا غیر معروف نہیں تھا، کہیں نہ کہیں میرے کسی شناسا کے مل جانے کے امکانات تھے، چنانچہ مہک کے ساتھ زیادہ باہر دیکھا جانا مناسب نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اُس کا اور میرا کوئی مشترکہ شناسا نکل آتا اور مہک اگر اس سے یہ کہہ کر میرا تعارف کرائے کہ شارق حسین جو شارجہ سے آئے ہیں، تو اس کے بعد کیا صورت حاصل ہوگی۔ اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے

مہک کا منتخب کردہ سُوٹ پہن کر میں نے اپنے آپ کو سنوارا اور باہر نکل آیا۔ دونوں کمرے میں بیٹھے تھے کفیل معمول کے مطابق بالکل خاموش تھا اس کی کیفیت واقعی کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ میرے سلسلے میں اُس نے کسی تردّد کا اظہار نہیں کیا تھا، حالانکہ ہر وقت وہ شراب کے نشے میں ڈوبا نہیں رہتا تھا۔ اس نے مجھے اِس طرح تسلیم کر لیا تھا جیسے واقعی شارجہ میں میں اس کا دوست رہ چکا ہوں۔

مہک اپنی سحر انگیز آنکھوں سے دیر تک میری طرف دیکھتی رہی۔ میں نے جھینپ جانے کی اداکاری کی تو وہ مسکرا پڑی۔

"آؤ کفیل چلتے ہیں" میں یہ بات بھی محسوس کر رہا

تھا کہ مہک اپنے طور پر کافی حد تک خود مختار ہے اور ہر کام اپنی مرضی کے مطابق کر لیتی ہے۔ غالباً اس وقت بھی طفیل صاحب اور بیگم صاحبہ گھر پر موجود تھے۔ لیکن مہک نے اُن سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ یا پھر ممکن ہے وہ اس سے پہلے ہی اُن سے جانے کے بارے میں کہہ چکی ہو۔

وہ باہر نکل آئی اور کار کا عقبی دروازہ کھول کر کفیل کو بیٹھنے کے لیے کہا پھر میری طرف رُخ کر کے بولی۔

"برابر والی سیٹ پر آ جاؤ، ڈرائیونگ میں کروں گی۔"

میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے کفیل کو دیکھا لیکن اُس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ میں مہک کے ساتھ بیٹھ گیا اور اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا تھوڑی دیر کے بعد ہم گرین کلب پہنچ گئے۔ میں درحقیقت دل ہی دل میں پریشان تھا۔ خوش قسمتی سے گرین کلب میں بہت زیادہ رونق نہیں تھی۔ ہم مختلف تفریحات میں دلچسپی لینے لگے، کفیل بھی ہمارے ہمراہ تھا، لیکن خاموش زندہ لاش کی مانند، اس نے اپنے طور پر کسی تفریح میں حصہ نہیں لیا تھا، رفتہ رفتہ گرین کلب کی رونق بڑھتی گئی۔ مشروب چل رہے تھے قہقہے اُبل رہے تھے چوبی فرش پر رقص کی تیاریاں ہو رہی تھیں آرکسٹرا دھنیں ترتیب دے رہا تھا پھر رقص کا آغاز ہو گیا۔ جوڑے اپنی سیٹوں سے اُٹھنے لگے، مدھم دھنیں اُنھیں دعوت دے رہی تھیں، مہک نے میری طرف دیکھا اور شراب برساتی آنکھوں سے بولی۔

"رقص نہیں کرو گے؟"

"مم... نہیں۔"

"چلو اُسے اس چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کیا ہو رہا ہے، اُس کے سامنے شراب موجود ہے۔ وہ کسی سلسلے میں اعتراض نہیں کرے گا۔ آؤ میرا موڈ خراب مت کرو۔" وہ میرا بازو پکڑ کر اُٹھ گئی۔ مجبوراً مجھے اُس کے ساتھ چوبی فرش پر جانا پڑا۔

رقص سے ناواقف نہیں تھا، آپ خود غور کر لیجیے کہ اُستاد عبدالقدوس کا اکھاڑہ جہاں ایک شخص اچھی خاصی جسمانی ورزش کرتا ہے اُستاد چھُونے کی بنوٹ اور اس کے بعد یہ کولہے مٹکانا۔ متضاد چیزیں تھیں لیکن پیشہ ورانہ طور پر یہ بھی ضروری تھا۔

موسیقی کی دُھنوں پر مہک میرے ساتھ تھرکنے لگی۔ میں بھی بہترین رقص کا مظاہرہ کر رہا تھا دورانِ رقص کئی بار اُس نے اپنی سحر بار نگاہوں سے مجھے دیکھا اس کے ہونٹوں کی ہلکی ہلکی لرزش اور اس لرزش میں چھُپی ہوئی دھیمی دھیمی سی مسکراہٹ بلاشبہ ذہن پر اثر انداز ہو رہی تھی اُس کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا، لیکن میں اپنی زندگی کے ان لمحات کو مکروہ ترین سمجھ رہا تھا اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ میمونہ بہن کہا ہے تجھے۔ تیرے سر پر دوپٹہ تو سجانا ہی ہے چنانچہ اس کے لیے مجھے اپنے ضمیر کے خلاف جو کچھ بھی کرنا پڑے کروں گا۔

ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا راؤنڈ کیا گیا۔ مہک مجھ سے بے انتہا بے تکلف ہو گئی تھی دورانِ رقص اُس نے میرے سینے سے سر ٹکا کر کہا۔

"تمہارے وجود میں کائنات کا ٹھہراؤ ہے شارق، تمہارے لمس میں اتنا سکون ہے کہ انسان کا سو جانے کو دل چاہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دوبارہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر مسکرا کر گردن جھکا لی۔ میں نے اس قسم کی اداکاری کی تھی جیسے میں بھی اس کے قرب سے متاثر ہو گیا ہوں، لیکن زبان کھول پاتا ہوں بہرطور یہ میری چالاکی تھی میں اپنے کردار کو ضرورت کے مطابق برقرار رکھنا چاہتا تھا تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یہ میرا مقصد تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مہک اگر میری طرف متوجہ ہوئی ہے تو پھر کیوں نہ اُسے اپنا آلۂ کار بنایا جائے۔

واپسی میں وہ بوجھل بوجھل سی تھی۔ کفیل واقعی ڈمی بن کر رہ گیا تھا، لیکن اُس کے ڈمی بننے کی وجہ میری سمجھ سے باہر تھی۔ کھانا کلب ہی میں کھا لیا تھا، مہک نے کفیل کو اُس کے کمرے تک پہنچایا پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"اگر لباس تبدیل کرنا چاہو تو کر لو باہر لان میں ٹہلیں گے... یا نیند آ رہی ہے؟"

"نہیں ابھی نیند نہیں آ رہی۔ لیکن کیا ہمارا باہر لان میں ٹہلنا مناسب ہو گا۔"

"اِس کوٹھی میں جو کچھ میں کروں وہ مناسب ہوتا ہے" مہک کے لہجے میں قدرے تلخی آ گئی۔

"تو پھر مجھے لباس تبدیل کرنے کی اجازت دو۔"

"جاؤ میں لان پر تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ بات کچھ بڑھتی ہی جا رہی تھی، لان پر چہل قدمی کے دوران مہک مجھ سے مختلف موضوعات پر باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"شارق شادی نہیں کی تم نے؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بتا چکا ہوں کہ شارجہ میں رہتا تھا، ملازمت کرتا تھا، کھاتا پیتا تھا اور گھر آ کر سو جایا کرتا تھا، میری زندگی دوستوں سے خالی ہے، اور شاید یہی خالی پن مجھے زندگی کے دوسرے لوازمات کی طرف راغب نہیں کر سکا۔"

"تم اس قدر حسین ہو، اس قدر پُرکشش ہو کہ مجھے تعجب ہے لوگوں نے تمہیں کیوں چھوڑ دیا؟"

"شاید کسی کو میری کشش کا احساس ہی نہیں ہُوا؟" میں نے جواب دیا۔

"مجھے ہے۔" مہک آہستہ سے بولی اور میرے بدن میں سناٹے دوڑ گئے میں خاموشی سے اُس کے ساتھ چہل قدمی کرتا رہا وہ خود بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اس کے بعد دیر تک ہم دونوں خاموش رہے تھے۔ پھر اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب غالباً تمہیں نیند آ رہی ہے۔ چلو واپس چلتے ہیں۔" میں اپنے کمرے میں آ گیا اور وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر چلی گئی۔

بستر پر لیٹ کر میں نے گہری گہری سانسیں لیں ابھی تک کوئی ایسا نکتہ ذہن میں نہیں آ سکا تھا جس پر میں کام کر سکتا۔ البتہ اتنا میں نے محسوس کر لیا تھا کہ کفیل کی خاموشی نے میرے مقصد کی تکمیل کر دی ہے۔ اگر وہ مجھے پہچاننے سے انکار کر دیتا تو شاید ان لوگوں کو میرے بارے میں کوئی تردد ہوتا۔ لیکن اب وہ لوگ میری طرف سے مطمئن ہو گئے تھے اور کوئی بھی اِس انداز میں نہیں سوچ رہا تھا کہ میں کوئی غلط آدمی ہوں انھوں نے میری اصل شخصیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب آغاز کہاں سے کیا جائے۔ میں نے اِس کوٹھی کے مکینوں کرداروں پر نگاہ دوڑائی اور اُن کا تجزیہ کرنے لگا۔

مہک کفیل سے بیزار، لیکن اُس کی بیوی تھی اور بیوی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اُس کے لہجے کی تلخی بتاتی تھی کہ وہ کفیل کی کیفیت سے ناخوش ہے، پھر وہ کون سی مجبوری تھی جس نے اُسے کفیل سے شادی کرنے پر آمادہ کر دیا۔ اُس کا خاندان کیا ہے اس کی زندگی کیا ہے یہ تمام باتیں بھی سوچے جانے کے قابل تھیں۔

بیگم ریحانہ شیخ بظاہر اس گھر پر حکمران تھیں بہت بڑی سخت یا چالاک شخصیت کی مالک بھی نظر نہیں آتی تھیں بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے طفیل صاحب پر اُن کی حکمرانی ہے۔ میمونہ کے بیان کے مطابق شیخ صاحب نے خود اُس سے اُس کا نکاح نامہ چھینا تھا اور اس کے بعد ظاہر ہے شیخ صاحب ہی کے ذریعے میمونہ پر بدچلنی کا الزام لگا کر اُسے سزا کرائی گئی تھی اس کا مقصد ہے کہ شیخ صاحب بھی معصوم صفت نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مہک کو کسی وجہ سے کفیل احمد سے شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو وہ وجہ کیا تھی ویسے مہک کی مجھ سے دلچسپی میرے لیے کارآمد بھی ہو سکتی تھی اگر اُسے مکمل طور پر شیشے میں اُتار لیا جائے تو ہو سکتا ہے اس کے ذریعے شیخ طفیل اور بیگم صاحبہ کی کیفیت معلوم ہو جائے، یہی نکتہ مجھے سب سے زیادہ مضبوط محسوس ہوا تھا۔ ویسے مہک کے انداز میں جس قدر بے تکلفی تھی۔ اور جس طرح چند ہی گھنٹوں میں اُس نے مہینوں کی مسافتیں طے کر لی تھیں اس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بے خوف اور نڈر بھی ہے۔ میرا آخری فیصلہ یہی تھا کہ اب اُس سے پینگیں بڑھائی جائیں، چنانچہ دوسری صبح ناشتے پر میرا رویّہ مہک سے ذرا مختلف تھا اور میں اس سے انتہائی بے تکلفی سے پیش آ رہا تھا اس نے ایک ڈش کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ میں نے اُٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی۔ اُس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا، تو میں بھی مسکرا دیا۔

کفیل حسبِ معمول پتھر کے بُت کی مانند ساکت تھا، طفیل صاحب اور بیگم صاحبہ بھی ابھی اس طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔ لیکن میرا کھیل اب ذرا بدل چُکا تھا، آج غالباً بیگم صاحبہ کا بھی کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا، چنانچہ میں نے مہک سے ٹینس کے بارے میں بات کی اور اس نے مُسکراتے ہوئے کہا کہ کسی زمانے میں وہ ٹینس کی بہت اچھی کھلاڑی رہ چُکی ہے میں نے اُسے دعوت دے دی اور اُس نے فوراً ہی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہم دیر تک لان پر ٹینس کھیلتے رہے، اس دوران بے تکلفی کے ایک دو مظاہرے بھی ہوئے اور بہت دُور سے میں نے ایک کھڑکی میں بیگم ریحانہ شیخ کو دیکھا وہ کھڑکی کے پاس کھڑی رہی تھیں، مہک اُن کی موجودگی سے ناواقف تھی. میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے جس کام کا آغاز کیا تھا، اب وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔

شام ہوئی تو مہک نے مجھ سے تیار ہونے کے تقاضے شروع کر دیے میں نے مُسکراتے ہوئے اس سے کہا کہ اب اگر اس نے مجھے لباس کے انتخاب کی عادت ڈال دی ہے تو پھر آج بھی لباس کا انتخاب وہی کرے۔

آج اُس نے میرے لیے ایک ہلکے گہرے رنگ کا سُوٹ منتخب کیا تھا۔ کفیل کے سلسلے میں اُسے کوئی تشویش نہیں ہوئی تھی، وہ جو کچھ بھی پہن لے، بہر حال ہم کوٹھی سے ساتھ نکلے۔ تو ترتیب وہی تھی۔ یعنی کفیل پچھلی سیٹ پر تھا، میں مہک کے ساتھ اگلی سیٹ پر۔

آج رقص کے دوران بھی میرا رویّہ خاصا بہتر رہا تھا اور مہک بھی بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے خود بھی اپنی پسندیدگی اور محبت کے اظہار کے لیے اُسی بے باکی سے کام لیا تھا جس کی ابتدا وہ پہلے ہی کر چکی تھی۔ میں بچتے بچتے آگے کا سفر طے کر رہا تھا۔ ذہن میں یہی تھا کہ بات حد سے آگے نہ بڑھنے پائے ورنہ میرا اپنا ضمیر داغ داغ ہو جاتا۔

دوسرا تیسرا اور چوتھا دن گزر گیا اور میرے اور مہک کے درمیان بے تکلفی بڑھتی گئی، پھر ایک دن ہم نے سمندر کے کنارے جانے کا فیصلہ کیا، وہ گھر سے نکلی تو اس کے چہرے پر ہلکی سی کبیدگی تھی۔ کفیل حسبِ معمول ہمارے ساتھ تھا۔

"کیا بات ہے مہک، کیا تم ساحلِ سمندر پر جاتے ہوئے خوش نہیں ہو؟"

اُس نے فوراً مُوڈ تبدیل کر لیا "تمہارے ساتھ تو جہنم تک جانے میں خوشی ہو گی۔ جانے پہلے تم کہاں تھے؟"

"شارجہ میں" میں نے جواب دیا۔

"اور جب یہ شخص شارجہ سے واپس آیا تو تم کیوں نہ واپس آ گئے؟" اُس نے دانت پیستے ہوئے کفیل کی طرف دیکھا لیکن وہ پچھلی سیٹ سے سر ٹکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ میں بھی خاموش ہی رہا تھا۔

ساحل پر مہک کچھ اور زیادہ کھل گئی، وہ سوئمنگ کاسٹیوم لائی تھی۔ لیکن میں نے اس سے کہا کہ یہاں کا ماحول اِس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ ہم ایسے ہی سمندر گردی کرتے ہیں۔ اس نے میری بات مان لی۔ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ساحل پر ٹہلتے رہے اور کفیل ہم سے بہت دُور ریت کے ٹیلوں پر شراب سجائے بیٹھا رہا۔ اُس نے شاید ایک بار بھی نگاہیں اُٹھا کر ہمیں نہیں دیکھا تھا۔

اُس دن مہک بہت خوش رہی ہم شام ڈھلے گھر واپس پہنچے سامنے ہی لان پر طفیل صاحب اور اُن کی اہلیہ کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب نے میری طرف ہاتھ ہلایا اور میں اُن کی جانب بڑھ گیا۔ جب کہ مہک، کفیل کے ساتھ اندر چلی گئی۔

"کہو بھئی، کیسا پروگرام رہا آج کا؟" طفیل صاحب نے پوچھا۔

"بہت نفیس بہت اعلیٰ"

"ہُوں ٹھیک... تم یہاں خوش ہو؟"

"یقیناً چچا جان آپ لوگوں کی معیّت میں تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے، جیسے پہلی بار گھر نام کی کسی شے سے واقف ہوا ہُوں"

بیگم ریحانہ خاموش ہی رہی تھیں تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھ کر میں اندر واپس آ گیا۔

مہک لباس تبدیل کر چُکی تھی۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگی کہ میں بھی لباس تبدیل کر لوں، اور میں غسل کرنے چلا گیا۔ سمندر کے چپکتے ہوئے پانی سے نجات حاصل کر کے میں نے نیا لباس تبدیل کیا۔ ذرا دیر بعد مہک

میرے کمرے میں ہی آ بیٹھی۔

"جی نہیں بھرتا شارق، دل چاہتا ہے کہ اِس ماحول سے بالکل دُور ہٹ کر کہیں اور چلا جائے، سُنو کیوں نہ ہم کسی دُور دراز کے علاقے کا پروگرام بنائیں ہفتے دو ہفتے کے لیے یہاں سے چلتے ہیں اس ڈمی کو بھی ساتھ لے لیا جائے جس کا نام کفیل ہے۔ اُس کی موجودگی میری شرافت اور پاکیزگی کا سرٹیفکیٹ ہوتی ہے۔ میں کہیں بھی جاؤں کچھ بھی کروں میری شرافت داغدار نہیں ہوتی، شارق یہ دُنیا کتنی کھوکھلی ہے کبھی غور کرتے ہو اس کے کھوکھلے پن پر، انسان اپنی ذات میں کتنا ہلکا ہے ہم اپنے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں کہ ہم کیا ہیں لیکن سوچتے ہیں دُنیا کور چشم ہے اُسے کچھ نہیں نظر آتا وہ وہی سمجھتی ہے جو ہم اسے دکھاتے ہیں حالانکہ وہ ہمارے بارے میں سب کچھ جانتی ہے ہماری ایک ایک جنبش کے راز سے واقف ہوتی ہے وہ اِس سے زیادہ پُر لُطف بات یہ ہے کہ وہ ہمارے اِس دکھاوے کو تسلیم کر لیتی ہے۔ ہمیں مان لیتی ہے ہمارے ساتھ ہنستی ہے روتی ہے وہ سب کچھ کرتی ہے جو ہم چاہتے ہیں کیونکہ۔ کیونکہ شارق کل اُسے ہماری ضرورت ہوتی ہے کل ہمیں اس کے لیے انہیں مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے جن میں اُس نے ہم سے تعاون کیا تھا خالی دُنیا خالی لوگ۔ کتنے مجبور ہیں سب جبھی تو زندگی صرف ایک مجبوری کا نام ہے۔ کچھ حالات کی پیدا کردہ۔ اور کچھ ہماری خواہشات کی۔"

وہ بے حد جذباتی ہو گئی۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ ایک ٹھوس حقیقت تھی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ میرے لیے مناسب وقت ہے۔ اِس وقت میں اُس پر کاری ضرب لگا سکتا ہوں۔ اِس وقت بہت سے حقائق سامنے آ سکتے ہیں۔ چنانچہ میں اس ضرب کے لیے تیاری کرنے لگا۔

میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا پھر میں نے کہا "مہک ایک سوال کروں تم سے؟"

"ضرور"

"تمہیں اس بات کا علم ہے کہ کفیل میرا دوست ہے اور اس دوستی کے ناتے تم میرے لیے قابلِ احترام ہو" میرے ان الفاظ پر وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ چہرے پر کرب اُبھر آیا تھا۔ اس نے کہا۔

"تو پھر احترام سے مجھے حنوط کر کے کسی تابوت میں سجا دو اور جتنا چاہے احترام کرو، بھول جاؤ اس بات کو کہ میں زندہ بھی ہُوں... میں صرف احترام کے سہارے زندہ نہیں رہنا چاہتی زمانے کی محرومیوں سے آشنا دل احترام نہیں چاہتا محبت چاہتا ہے سمجھے تم...؟"

"میں کشمکش کا شکار ہوں مہک، دل تمہاری جانب راغب ہے لیکن زمانے کا خوف کفیل کے حوالے سے تو تمہارے نزدیک آیا ہوں مجھے بتاؤ وہ تمہاری زندگی پر کیسے مسلط ہو گیا تم نے اس سے شادی کیوں کی تم ان مجبوریوں کا شکار کیوں ہو۔ یہ زندگی کیوں گزار رہی ہو؟"

وہ گہری سانس لے کر چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی "اس دُنیا میں سب کو سب کچھ تو نہیں مل جاتا میں اچھی زندگی اور اچھا شوہر بھی چاہتی تھی اچھی زندگی سے مُراد مالی آسودگی تھی اور اچھے شوہر سے مراد تم جیسا کوئی شخص... ایک چیز مل گئی۔ ایک نہیں ملی۔ مالی آسودگی مل گئی تم نہیں ملے۔ تمہاری بجائے کفیل مل گیا۔ اور وہ جو کچھ ہے تم دیکھ چُکے ہو"

میں ہمدردی سے اُسے دیکھتا رہا "کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ کفیل پہلے سے شادی شُدہ اور ایک بچے کا باپ ہے"

"ہاں۔ مجھے یہ بات بتا دی گئی تھی"

"اس کے باوجود تم اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہو گئیں" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"ہاں! میں مالی آسودگی بھی چاہتی تھی۔ میرا خیال تھا کہ دولت زندگی کی ساری خوشیاں دے سکتی ہے۔ دولت کے سہارے انسان سارے کٹھن راستے طے کر لیتا ہے۔ بچپن سے جوانی تک کا عرصہ میں نے ناآسودگی میں گزارا۔ میری زندگی کا نام آرزوؤں کا مقبرہ تھی۔ میں اس مقبرے سے نکلنا چاہتی تھی اور جب مجھے اس کا موقع ملا تو میں سب کچھ بھول گئی میں نے خوشبوؤں کی سمت قدم بڑھائے اور سب کچھ حاصل کر لیا۔ کار، بنگلہ، ملازم، فرنیچر۔ کوئی اور شے بھی تھی جو زندگی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ سچی محبت، سچا پیار، شوہر کی توجہ اس کی اپنائیت جو زندگی کے لیے بہت ضروری ہوتی ہے مجھے وہ نہ مل سکی، مجھے سب کچھ مل گیا لیکن پیار نہ ملا۔ میں اس سے ہمیشہ

محروم رہی اور زندگی سے دُور ہوتی گئی... شارق اب زندگی مجھ سے بہت دُور ہے... بہت دُور اتنی دُور کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

میں خاموشی سے یہ سب کچھ سنتا رہا پھر میں نے کہا "لیکن تم نے اپنی اُلجھنوں کا کوئی حل تو سوچا ہوگا۔"

"بھٹک رہی ہوں، بھٹکتی رہوں گی، کوئی آشیانہ مل گیا تو اُسے اپنا لوں گی۔"

میں نے ہمدردی سے کہا "خود کو سنبھالنا ہوگا مہک تم کفیل کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔"

"اگر اُسے چھوڑ دوں گی تو پھر کہاں جاؤں گی، کیا کروں گی۔ بتاؤ میرے لیے کوئی سہارا ہے؟"

"تم اپنی پسند کی زندگی بھی گزار سکتی ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس زندگی میں مالی آسودگی نہ ہو۔"

"وہ زندگی موت سے بھی بدتر ہوتی ہے اور میں دوبارہ موت کی اُس وادی میں نہیں جانا چاہتی جہاں خواہشوں پر بلڈوزر چلائے جاتے ہیں۔ جہاں انسان اپنی مرضی سے جی بھی نہیں سکتا... آہ... میں یہ سب کچھ نہیں کرسکتی، میں نے کسمپرسی کا وہ زمانہ گزارا ہے جس کا تم تصوّر بھی نہیں کرسکتے، میں... میں اس گھر کو نہیں چھوڑ سکتی، میں کفیل کو نہیں چھوڑ سکتی، وہ میرا بینک ہے سمجھے۔ میں اُس سے کیش حاصل کرتی ہوں اور اپنی ناآسودہ خواہشات پوری کرلیتی ہوں، زندگی میں محبتوں سے دُور رہی، دولت آگئی لیکن اگر اس دولت کے ساتھ مجھے محبت بھی مل جائے تو میں اپنی زندگی اس جہنم میں بھی خوشگوار بنا سکتی ہوں۔"

"یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ کفیل تمہارا شوہر رہے اور تم اپنی ذہنی آسودگی کے لیے...،"

"مجھے گالی مت دو شارق، میں خود ایسی نہیں ہوں، مجھے اس کا کوئی حل بتاؤ جو مجھے میری زندگی کی تمام خوشیاں دے دے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے خوشی تھی کہ میں اپنے جس مقصد کے لیے آگے بڑھا تھا مہک اُسے پورا کرنے کا ذریعہ بن گئی تھی لیکن جلد بازی سے کام لینا حماقت تھی میں نے اُس سے کہا "اب تم اپنے کمرے میں جاؤ اور آرام سے سو جاؤ۔"

"خدا حافظ، وہ تنک کر اپنی جگہ سے اُٹھی اور واپس چلی گئی میں اب اتنا احمق بھی نہیں تھا کہ اُس کے ان الفاظ کے بعد اُس کی ذہنی کیفیت کو نہ سمجھ سکتا، اُس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ شوہر کی حیثیت سے کفیل کو چاہتی ہے تاکہ اُس کی دولت اُس کے تصرّف میں رہے اور محبوب کی حیثیت سے کسی اور کو۔ مجھے اب آئندہ کے بارے میں فیصلہ کرنے میں کوئی اُلجھن نہ تھی میرے سامنے ایک ایسا کردار تھا جو نفسیاتی طور پر اُلجھا ہوا تو تھا لیکن اخلاقی طور پر میں اُسے انسانیت سے دُور قرار دیتا تھا گناہ کی وادیوں میں بھٹکنے کی خواہش مند یہ عورت اپنے جذبات کے ہاتھوں کھیل رہی تھی اور اس قابل نہیں تھی کہ اس پر رحم کیا جائے، مجھے اپنا کام کرنے میں آسانی ہوگئی تھی۔

میں نے رات کو اس سلسلے میں اور بھی بہت کچھ سوچا اور پھر اپنے فیصلوں پر عملدرآمد کرنے کے لیے دوسری صبح خاموشی سے وہاں سے باہر نکل آیا، باہر آتے ہوئے میں نے مہک کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ تھوڑی دیر پیدل چلتا رہا پھر ٹیکسی لے کر فاروقی صاحب کے دفتر کی جانب روانہ ہوگیا وہ آج غالباً فارغ تھے جاوید کے ساتھ بیٹھے گپّیں لگا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر دونوں مسرّت سے اُچھل پڑے۔

"آؤ مہم جُو، ہمالیہ کی بُلندیوں سے آرہے ہو یا۔" جاوید نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"جو بھی سمجھ لیں مشن کی تکمیل کر رہا ہوں آپ بتائیے آپ نے اس سلسلے میں کیا کیا جس میں میں مصروف ہوں۔"

"لمبا غوطہ لگا گئے تھے دوست، کئی دفعہ تو جی چاہا کہ تم تک پہنچنے کی کوشش کی جائے لیکن فاروقی صاحب نے منع کردیا اور کہا، کہ کہیں گڑبڑ نہ ہوجائے۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا، کہ مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی، شارجہ کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

فاروقی صاحب نے ایک فائل نکال لیا پھر وہ شروع ہوگئے۔

"خواجہ عبدالمجید، یہ شارجہ ہی میں ہیں اور اسی فرم میں کام کرتے ہیں جس میں کفیل کام کرتا تھا یہ اُس شادی کے گواہ ہیں جو میمونہ کے ساتھ ہوئی تھی، اس کے علاوہ وہ ایک اور شخص ہے جس کا نام محسن عبداللہ ہے، وہ بھی اس شادی کا گواہ ہے، یہ شخص مقامی ہے اور نکاح نامے کی نقل بھی اُن لوگوں نے حاصل کرکے مجھے پہنچا دی ہے۔ ملاحظہ کیجیے۔"

فاروقی صاحب نے فائل میری جانب بڑھا دیا اور میں پُرمسرّت نگاہوں سے اس فائل کی جانب دیکھنے لگا۔

"جاوید خوشامد مت سمجھنا، جس طرح تم نے پاگل خانوں میں فوزیہ کو تلاش کرکے برآمد کرلیا، اسی طرح تمہارا یہ کارنامہ بھی سنہری لفظوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔"

"بھائی۔ یہ سنہری روشنائی کہاں ملتی ہے ذرا ہمیں بھی بتا دینا، بہت سے کارنامے ہمیں بھی لکھنے ہیں، بہرطور یہ چیز تمہارے لیے تسلّی بخش ہے یا نہیں...؟"

"تسلّی بخش ہی نہیں بلکہ انتہائی کارآمد، ویسے ان دونوں حضرات سے کس طرح رابطہ قائم ہوا؟"

"میرے دوست جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور خدا کے فضل سے اگر کوئی کام اُن کے سپرد کرتے ہیں تو وہ پوری دیانتداری سے اُسے انجام دیتے ہیں۔"

"اگر کبھی عدالت میں ان دونوں کو طلب کرنا پڑا تو کیا یہ شارجہ چھوڑ کر یہاں آنا پسند کریں گے؟"

"اس سلسلے میں بھی بات کرلوں گا میرا خیال ہے اگر ہم انھیں کرایہ وغیرہ ادا کردیں تو کیا دقت ہوگی اور پھر محسن عبداللہ تو ویسے بھی فارغ البال آدمی ہے وہ یقیناً اپنے دوست کا ساتھ دے گا تاہم اس سلسلے میں بھی مکمل بات کرلیں گے۔"

بہت خوب، میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب کچھ انتہائی کارآمد ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے اب تم اپنی سُناؤ۔"

"میں تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہوں۔"

"یقیناً، ہمیں اس کی اُمید ہے۔"

"فاروقی صاحب میری اُس کوٹھی کا حال بتائیے جو آپ نے میرے لیے خریدی ہے۔"

"کیوں خیریت...؟"

"اُس کے استعمال کی ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"جائیے اور ملاحظہ کرلیں۔" انھوں نے چابی نکال کر میرے حوالے کردی۔

"اوہ... اس کا مطلب ہے کہ... کہ...۔"

"ہاں۔ وہ ڈیکوریٹ ہوگئی ہے، اور یہ اُس کے تمام کاغذات ہیں۔"

"ان کی مجھے ضرورت ہے۔" انھوں نے فائل میرے حوالے کردیا اُن لوگوں سے رُخصت ہوکر میں اپنی اُس کوٹھی پہنچا۔ اُنھوں نے واقعی کمال کر دکھایا تھا چوکیدار دروازے پر موجود تھا۔ میں کچھ دیر وہاں رہا اور پھر واپس کفیل کے گھر پہنچ گیا بہت سے سوال میرے منتظر تھے جو ظاہر ہے کہ مہک نے ہی کیے تھے۔

"بس یوں سمجھ لو، رات کو تم سے ہونے والی گفتگو نے مجھے ذہنی طور پر بالکل تبدیل کردیا ہے آج جو کچھ کر رہا ہوں اُس کے بارے میں ہے مگر آج نہیں بتاؤں گا، ہو سکتا ہے اس میں ایک یا دو دن صرف ہوجائیں۔"

"یہ بڑی بات ہے تمہیں بتانا چاہیئے شارق۔"

"میں نے کہا نا۔ ایک دو دن کی مہلت درکار ہے۔"

"آج تو تم نے مجھے بڑی طرح بور کردیا۔ دن بھر پریشان رہی ہوں کہیں چلیں۔"

"اس وقت...؟"

"ہاں۔ بس تمہارے ساتھ جب تک باہر نہیں نکل آتی دل کو سکون نہیں ملتا۔"

"تو پھر آؤ لان میں چلتے ہیں، کہیں اور جانے کو جی نہیں چاہتا۔"

وہ میرے ساتھ لان پر نکل آئی، کافی دیر تک ہم لوگ ٹہلتے اور مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے، پھر رات کا کھانا کھایا گیا جس میں شیخ طفیل اور ان کی بیگم شامل نہیں تھے، وہ گھر پر ہی موجود تھے لیکن ملازم نے آکر بتایا کہ وہ اس وقت کھانا نہیں کھائیں گے، میں نے کوئی غور نہیں کیا، رات کو جب مہک میرے کمرے سے اُٹھ کر گئی تو میں دروازہ بند کرنے کے لیے آگے بڑھا تھا، اُسی وقت مجھے بیگم ریحانہ کی آواز سُنائی دی۔

"مہک میرے کمرے میں آؤ۔"

"کیا بات ہے پھوپی جان۔"

"میں نے کہا میرے کمرے میں آؤ۔" ریحانہ بیگم کا لہجہ تحکمانہ تھا، وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ آگے بڑھ گئی، اب تجسّس کو روکنا میرے لیے ممکن نہ تھا چنانچہ میں نے بہت ہی احتیاط سے اُن لوگوں کا تعاقب کیا۔ مہک ان کے کمرے میں داخل ہوئی تو، بیگم صاحبہ نے دروازہ بند کرلیا لیکن عقبی

کھڑکی کھلی ہوئی تھی یہاں سے دیکھنا اور اندر کی باتیں سُننا میرے لیے ناممکن نہیں تھا۔

"کیا بات ہے پھوپی جان، آج آپ کچھ پُراسرار سی لگ رہی ہیں؟" مجھے مہک کی آواز سُنائی دی۔

"بیٹھ جاؤ۔"

مَیں اُس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔ مہک کے چہرے پر بے پرواہی تھی، یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اُن کے بُلانے کا مقصد سمجھ گئی ہو، ریحانہ بیگم اس سے کچھ فاصلے پر ایک صوفے سے ٹِکی اُسے دیکھ رہی تھیں۔

"مَیں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہُوں۔" ریحانہ بیگم کی آواز سُنائی دی۔

"ظاہر ہے آپ نے اسی لیے مجھے بُلایا ہوگا۔"

"کیا تمہارے انداز میں کچھ گستاخی نہیں پیدا ہو گئی؟" ریحانہ بیگم کا لہجہ کرخت تھا۔

"ہرگز نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تم اب وہ نہیں رہی ہو جو تم تھیں۔"

"یہ البتہ آپ نے بالکل درست کہا کہ اب میں وہ نہیں رہی جو تھی۔"

"یہ شارق کون ہے؟" ریحانہ بیگم نے سوال کیا اور اب میرے چونکنے کی باری تھی۔

"کیا آپ انھیں نہیں جانتیں؟"

"پہلے نہیں سوچا تھا اُس کے بارے میں، اب سوچنا پڑ رہا ہے، وہ یہاں کس مقصد سے آیا ہے؟"

"وہ اپنے دوست سے ملنے آیا تھا، پتھر کے ٹکڑے سے مل کر اُس کی سوچ میں بدل گئی ہے۔"

"تو پھر یہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا؟"

"میری وجہ سے۔" مہک نے جواب دیا اور بیگم ریحانہ شیخ اُسے گھورنے لگیں۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"پھوپی جان آپ عورت ہیں۔ میرا مطلب سمجھ چکی ہیں، گہرائیوں میں کیوں جانا چاہتی ہیں، یا گہرائیوں میں پہنچ گئی ہیں تو میری زبان کیوں کھلوانا چاہتی ہیں؟"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کون سے راستوں پر دوڑ رہی ہو؟"

"مَیں نے احساس کو اپنی لُغت سے خارج کر دیا ہے پھوپی جان، احساسات تو بہت سے ہوتے ہیں لیکن جو احساسات وجود کو کچلنے لگیں اُن سے پیچھا چھڑا لینا ہی بہتر ہے۔"

"مجھ پر اپنی زبان دانی کا رُعب جھاڑ رہی ہو، مَیں تم سے ٹھوس اور حقیقی گفتگو کرنا چاہتی ہُوں۔"

"کیجیے مَیں نے کب منع کیا ہے؟" وہ ترکی بہ ترکی بولی۔

"تمہاری شارق سے اس قدر بے تکلفی کیا معنی رکھتی ہے؟"

"مَیں تشنہ کام ہوں پھوپی جان۔ مَیں اپنے بارے میں بہت کچھ سوچ رہی ہوں آج کل، مَیں یہ سوچ رہی ہُوں کہ کیا میری زندگی اسی طرح گزرنے کے لیے وجود میں آئی تھی۔"

"کیا نہیں ہے تمہارے پاس۔ اور کیا چاہتی ہو، دولت، عزّت، عیش و آرام، سب کچھ ہی تو ہے تمہارے پاس، مَیں نے تمہیں ایک شوہر نما شے دے دی ہے جس سے تم اپنی زندگی انتہائی بہتر انداز میں گزار سکتی ہو۔"

"شوہر نما۔ آپ نے صحیح جملہ استعمال کیا، مگر پھوپی جان کیا آپ بھی کسی شوہر نما ہی کے ساتھ گزارا کر رہی ہیں، مجھے جواب دیجیے، کیا آپ نے کسی شوہر نما پر اکتفا کر لیا تھا، مجھے شوہر چاہیئے پھوپی جان، سمجھیں آپ، مجھے اس دولت اور عزّت کے ساتھ شوہر بھی چاہیئے۔ کیا کفیل کو آپ شوہر کہہ سکتی ہیں۔"

کیا اس طرح غلط راستوں پر قدم اُٹھا کر تم عزّت اور شہرت بھی برقرار رکھ سکو گی، اور۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل بھی کر سکو گی؟"

"جو کچھ مَیں کر رہی ہوں، مجھے کرنے دیں، میرا راستہ نہ روکیں، یہی ہم دونوں کے حق میں بہتر ہے۔"

"تم بھُول رہی ہو کہ تم میری پروردہ ہو، تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جو کچھ مَیں چاہُوں گی تم وہی کرو گی۔"

"اور کیا کرتی رہی آج تک بتائیے؟ جہاں تک آپ کے لہجے اور الفاظ کا تعلق ہے تو معاف کیجیے گا پھوپی جان ہمارے مفادات مشترک ہیں، دولت کی رسیا تو آپ بھی ہیں اور آپ نے اپنے تحفظ کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا ہے، شک آپ نے میری تقدیر بھی بدل دی ہے لیکن جن راستوں پر میں چل رہی ہوں مجھے ان پر چلنے دیں اگر مَیں نے اپنے راستے بدلے تو ہم دونوں ہی کا نقصان ہے۔"

"لیکن یہ تو سوچو مہک کہ دوسرے لوگ تم پر اُنگلیاں اُٹھانے لگیں گے، شیخ صاحب کی ایک عزّت ہے، وقار ہے،

اُن کا خاندان ہے کل اگر کوئی کھُلے مُنہ سے اس بارے میں کچھ کہہ دے تو تمہارا کیا خیال ہے شیخ صاحب برداشت کر لیں گے؟"

"شیخ صاحب آپ کے پنجرے میں قید ہیں اُن کی زبان بند کرنا آپ کا کام ہے اور پھر مَیں بس ذہنی طور پر ناآسودہ ہُوں آپ اطمینان رکھیے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔"

"بہتر یہ ہے کہ تم کسی مناسب طریقے سے شارق سے کہو کہ وہ واپس چلا جائے، تم سے کوئی رابطہ نہ رکھے تم اُسے یہ بتا سکتی ہو کہ ہم دونوں کو اس پر اعتراض ہو رہا ہے۔"

مہک کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی اُس نے کہا: "آپ، یہ سب کچھ کیوں نہیں کہہ دیتیں۔"

"شیخ صاحب تو اب اس بات پر آمادہ ہیں کہ اس سے معذرت کر لیں، مَیں نے خود ہی روکا کیونکہ میں تمہارا رجحان اس کی طرف دیکھ چکی ہُوں۔"

"اُسے اس وقت تک یہاں سے ہٹانے کی کوشش نہ کی جائے جب تک مَیں اس کے لیے آپ سے نہ کہہ دُوں، آپ اور پھوپا جان خیال رکھیے گا، میں کفیل کی بیوی ہُوں۔"

"مہک میں طفیل کی ماں ہوں اور کفیل ابھی ہماری کفالت میں ہے اس بات کو ذہن میں رکھنا۔"

"آپ کی اس دھمکی کو مَیں یاد رکھوں گی اور کچھ فرمانا ہے آپ کو..."

"گستاخ لڑکی۔ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ تم نے میری محبت کی صورت دیکھی ہے میرا غصّہ نہیں دیکھا۔"

"مَیں آپ کا غصّہ نہیں دیکھنا چاہتی لیکن بہتر ہے کہ آپ بھی اپنے آپ پر غور کریں۔ میں تشنہ کام ہوں میری پیاس پر بھی نگاہ دوڑائیں خدا حافظ۔"

وہ تیزی سے اُٹھی اور باہر نکل آئی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی میں لمحہ لمحہ کامیابی کی جانب قدم بڑھاتا جا رہا تھا اور اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ بہت مختصر وقت میں، مَیں اپنے کام کی تکمیل کر ڈالوں گا۔

بستر پر لیٹ کر مَیں ان دونوں کی گفتگو کے ایک ایک لفظ کو ذہن میں دُہرانے لگا، حقیقتِ حال کی وضاحت ہوتی جا رہی تھی، بظاہر یُوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ پھوپی بھتیجی دولت کے حصول کے لیے سرگرداں تھیں، بات بھی کچھ سمجھ میں آ رہی تھی، کفیل، طفیل احمد کا اکلوتا بیٹا تھا، سوتیلی ماں کے رویے

سے تنگ آکر وہ شارجہ چلا گیا، وہاں جاکر زندگی گزارنے لگا، اور وہاں شادی کرلی، سوتیلی ماں اس حد تک تو مطمئن تھی کہ بیٹا اُس کی زندگی سے نکل گیا ہے لیکن یہ احساس بھی اُسے ہوگا کہ طفیل احمد کی موت کے بعد یہ سب کچھ کفیل کا ہے اور وہ جب بھی شارجہ سے واپس آئے گا حاصل کرلے گا، چنانچہ اُس نے چال چلی، کفیل کو شیخ طفیل کی علالت کا تار دے کر بُلالیا اور اُس کے بعد جانے کیا چکر چلایا کہ کفیل نہیں رہ پڑا اور اُسے مہک سے شادی کرنا پڑی۔

ممکن ہے ریحانہ شیخ نے اپنی بھتیجی کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہو، مہک اپنی بے کسی کے دنوں کا تذکرہ بھی کرچکی تھی، ہوسکتا ہے وہ کسی چھوٹے سے گھر سے تعلق رکھتی ہو، کفیل کے ذریعے اس دولت کو قابو میں رکھنے کا یہی طریقہ تھا کہ ریحانہ اپنی بھتیجی کو اُس کے گھر لے آئے ظاہر ہے پھوپی بھتیجی کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف نہیں تھا لیکن میں نے اس کھیل میں رخنہ اندازی کرڈالی، یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مہک کا یہ پہلا کھیل تھا کہ ریحانہ شیخ کو اُس کا راستہ روکنے کی ضرورت پیش آگئی، یا وہ ان راستوں کی راہی تھی خیر وہ کچھ بھی رہی ہو اس وقت پوری طرح میرے چنگل میں تھی اور میں زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دوسرا دن میں نے اسی طرح گزار دیا لیکن تیسرے دن ناشتے کے بعد میں مہک کے پاس پہنچ گیا۔

"آج کی مصروفیات..!؟"

"جو حکم ہوگا۔ اس کے مطابق عمل کریں گے۔"

"تو پھر تیار ہوجائیے آج آپ کو کہیں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"تم ان دنوں کہاں رہتے ہو سارا سارا دن مصروفیت میں گزر جاتا ہے یا پھر مجھ سے اُکتاہٹ ہونے لگی ہے۔"

"اس کا جواب بھی باہر چل کر دوں گا۔" میں نے مُسکرا کر کہا۔

"تیار ہوجاؤں؟"

"بالکل۔ اس میں سوال کی کیا گنجائش ہے۔"

مہک نے مُسکرا کر گردن ہلادی، تھوڑی دیر کے بعد میں اُس کے ساتھ اُس کی کار میں بیٹھا اپنی کوٹھی کی جانب جارہا تھا، میں نے اُسے یہ نہیں بتایا کہ ہم لوگ کہاں جارہے ہیں بس راستہ بتاتا جارہا تھا اور وہ ڈرائیو کررہی تھی تھوڑی دیر کے بعد میں کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا، چوکیدار نے مجھے دیکھ کر دروازہ کھول دیا مہک نے متعجبانہ انداز میں یہ سب کچھ دیکھا اور میرے اشارے پر کار پورچ میں لے جاکر روک دی۔ "یہ کس کا گھر ہے۔ کہاں لائے ہو تم مجھے؟" اُس نے سوال کیا پھر اُس کی نگاہیں بند دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔

"نیچے اُترو۔" میں نے اُس سے کہا اور وہ نیچے آگئی میں اُسے ساتھ لیے ہوئے دروازے کے قریب پہنچا پھر میں نے جیب سے چابی نکال کر اُس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "اب اپنے ہاتھوں سے یہ دروازہ کھول دو۔"

"کک... کیا مطلب... کیا دروازہ مقفّل ہے۔"

"ہاں۔"

"لیکن... لیکن... مجھے کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"دروازہ کھولو تو بتاؤں۔" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا اور اُس نے کانپتے ہاتھوں سے چابی میرے ہاتھوں سے لے لی پھر اُس نے تالے کو غیر مقفّل کرکے دروازے کا پٹ کھولا اور میں نے اندر پہنچ کر روشنیاں جلادیں، کوٹھی روشن ہوگئی اور میں اُسے لے کر آگے بڑھ گیا، وال ٹو وال کارپٹ بچھے ہوئے تھے ہر جگہ اعلیٰ پائے کی ڈیکوریشن کی گئی تھی، مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ فاروقی صاحب میرے کام میں اتنی آسانی پیدا کردیں گے اُنھوں نے ایک دوسرے نظریے سے یہ کوٹھی میرے لیے حاصل کی تھی لیکن آج یہ میرے مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔

میں اُسے کوٹھی کے مختلف کمروں میں گھماتا رہا اور وہ سکتے کے سے عالم میں سب کچھ دیکھتی رہی، پھر اُس نے ایک جگہ رُک کر کہا۔

"بس۔ اب میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی، مجھے بتاؤ کس کی کوٹھی ہے یہ...؟"

"آج تو یہ شارق حسین کے نام سے منسوب ہے لیکن آنے والے کل میں اسے کسی اور کے نام سے منسوب کرنا چاہتا ہوں، ایک منٹ..." میں نے کہا اور ایک الماری سے کوٹھی کے کاغذات نکال کر مہک کے سامنے رکھ دیے، وہ ان فائلوں کو دیکھنے لگی تھی اور اُس کے بعد اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں تھیں۔

"یہ... یہ تمہاری ہے شارق..."

"ہاں مہک۔ تم نے چند روز پہلے مجھ سے کہا تھا نا کہ تم کسمپرسی کی زندگی گزارنے کی عادی نہیں ہو، تم کسی تاریک گھر میں زندگی گزارنا پسند نہیں کروگی، اور اب جب میں نے

تمہارے لیے ایک روشن گھر حاصل کرلیا ہے تو تم سے کچھ دوسری درخواستیں بھی کرسکتا ہوں، دراصل میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا یعنی اس وقت سے جب سے میں تمہارے سامنے آیا کہ تم میری جانب راغب ہو، اُس وقت میں نے تمہیں کفیل کی امانت سمجھا اور بے شک کفیل میرا دوست ہے میں اس امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن، رفتہ رفتہ حالات مجھ پر منکشف ہوئے میں نے محسوس کیا کہ دوستی کے عوض میں ایک زندگی سے کھیل رہا ہوں، تم بھی تو دُکھی ہو، زندگی کی لطافتوں سے محروم ہو سو میرے ذہن میں تبدیلیاں پیدا ہونے لگیں میں نے پاکیزگی کے تمام جذبوں کو برقرار رکھا، تم اس بات کی گواہ ہو کہ میں نے کبھی تمہاری طرف ایسی نگاہ سے نہیں دیکھا جو میلی ہو، میں تمہیں زندگی کی اُن تمام پُر احترام راہوں سے گزارنا چاہتا ہوں جہاں وقار ہوتا ہے، عزت ہوتی ہے کسی سے عزت لے کر محبت دینا ہوس کی بات ہے محبت کی نہیں۔"

اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں وہ پاگلوں کی طرح اپنی جگہ سے اُٹھی اور میرے قریب آگئی بمشکل تمام اُسے میں نے خود سے جُدا کیا، وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم... تم اتنے بڑے ہو شارق، تم اتنے عظیم ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، یہ سب تم نے میرے لیے کیا ہے... میرے لیے..."

"ہاں، حقیقت یہی ہے کہ میں نے یہ سب کچھ تمہارے لیے کیا ہے۔"

"اوہ... شارق اس کا مقصد ہے کہ تمہاری مالی حیثیت بھی بہت اچھی ہے، تم... تم تو شاید... شاید۔"

وہ جُملہ پورا نہ کرسکی، لیکن میں اُس کا مفہوم سمجھ گیا وہ کہنا چاہتی تھی کہ میں طفیل احمد شیخ سے زیادہ مالدار ہوں، میں نے اس سلسلے میں اُس سے کچھ نہ کہا وہ ڈرائنگ روم میں آکر صوفے پر بیٹھ گئی تھی اب اُس کے چہرے پر مسرت کے آثار پھوٹ رہے تھے۔

تو تم نے... تو تم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ... کہ..." اُس نے کہنا شروع کیا۔

"ہاں مہک لیکن ہمارے راستے میں جو اُلجھنیں ہیں تم اُن کے بارے میں بھی بخوبی جانتی ہو اب ان اُلجھنوں کو کس طرح دُور کیا جاسکتا ہے اس کا فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔"

"میں تمہارے لیے... ہر پہاڑ سے ٹکرا جاؤں گی شارق، میں تمہارے لیے وہ سب کچھ کردوں گی جو کسی کے تصوّر میں بھی نہ ہوگا، لوگوں کا میری زندگی پر تسلّط ہے لیکن میں یہ سب تسلّط ختم کردوں گی مجھے کسی ایسے ہی مضبوط سہارے کی تلاش تھی۔"

"اگر مناسب سمجھو تو مجھے اپنی پوری کہانی سُنادو، مجھے خوشی بھی ہوگی اور میں کوئی بہتر راہ بھی دریافت کرسکوں گا۔"

تمہارے سوا اس دُنیا میں میرا ہے کون سُنو، دراصل میرا تعلق ایک مفلس گھرانے سے ہے، ہم لوگ خاندانی طور پر بُرے نہیں تھے لیکن عسرت اور مفلسی بھی ہماری خاندانی روایتوں میں شامل ہے، ریحانہ شیخ میری پھوپی ہیں اور انھوں نے شیخ طفیل کو حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے جتن کیے اپنے پورے خاندان کو ٹھکرا کر اور خاندان کی عزّت کو روند کر انھوں نے شیخ صاحب سے تعلقات بڑھائے اور بالآخر اُن سے شادی کرلی، یہ اُن کا کام تھا اس شادی کے بعد انھوں نے اپنے خاندان کی طرف رُخ کرکے بھی نہ دیکھا۔ بہت عرصہ گزر گیا، اس کے بعد انھیں احساس ہوا کہ کفیل جوان کی حرکتوں سے بددل ہوکر شارجہ چلا گیا ہے واپس آنے کے بعد اس دولت کو ہتھیا لے گا وہ اس کی ملکیت قرار پائے گی یہ دوسری بات ہے کہ ریحانہ شیخ کو بھی ترکہ میں سے کچھ مل جائے لیکن یہ کچھ انھیں ناپسند تھا وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتی تھیں، پھر اتفاقیہ طور پر میری ملاقات اُن سے ہوگئی، میں اُن کی سگی بھتیجی تھی لیکن اُس خاندان کی پروردہ جس سے وہ رابطے توڑ چکی تھیں، انھوں نے مجھے دیکھا اور پھر اپنے ذہن میں ایک فیصلہ کرلیا میں خود بھی اس خاندان کی مفلسی سے نالاں تھی، تم میری شکل وصورت دیکھو میرے بدن پر جھولتے ہوئے چیتھڑے لوگوں کے لیے عبرت کا باعث تھے، وہ میرے حُسن کی مثال دیتے تھے مگر میری تقدیر کا رونا روتے تھے، بیگم ریحانہ نے کہا کہ وہ میری تقدیر بنادیں گی اور میں اُن کے دکھائے ہوئے سنہری راستوں پر دوڑتی ہوئی بالآخر یہاں تک پہنچ گئی انھوں نے کفیل کو شارجہ سے بُلایا پھر جانے کیسے کیسے ذرائع سے کام لے کر اُسے ذہنی طور پر معطل کردیا اور میری اُس سے شادی کرادی۔"

وہ جوش کے عالم میں بول رہی تھی اور میں پُر اطمینان نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا، وہ راز خود بخود منکشف ہو رہے تھے جن کے لیے میں نے اب تک بہت تگ و دو کی تھی۔

لیکن اس بات کے لیے پُرامّید نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو جائے گا میرا خیال تھا کہ میمونہ کی تقدیر کے ستارے گردش سے نکلتے جا رہے تھے۔

مہک نے پوری کہانی سُنا دی۔ اور میں اس کہانی پر غور کرنے لگا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ایک طرح سے وہ بھی بے قصور تھی۔ غربت کے دُکھوں نے اسے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا کہ وہ ایک شادی شدہ مرد سے شادی کرے لیکن اس کے بعد وہ شوہر کی توجہ سے محرومی برداشت نہ کر سکی اور بھٹک گئی۔ قصور دار ریحانہ شیخ اور طفیل احمد شیخ تھے۔

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد مَیں نے اُس سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں بیگم شیخ نے کفیل کو کس طرح مجبور کیا کہ وہ میمونہ کو چھوڑ دے اور تم سے شادی کرے۔"

"بیگم شیخ میری پھوپی ضرور ہیں شارق لیکن... وہ کیا ہیں، مَیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ انھوں نے دولت کے لیے اپنا خاندان چھوڑا اور پھر کبھی اس طرف رُخ کرکے تھوکنا بھی پسند نہ کیا۔ میں پہلے بھی ان کی بھتیجی تھی پہلے کبھی انھیں میرا خیال نہ آیا۔ جب انھوں نے اپنا مستقبل خطرے میں دیکھا تو مجھے سہارے کے طور پر استعمال کیا۔ وہ بانجھ ہیں اگر ان کے ہاں اولاد ہو سکتی تو وہ دوسرا کوئی خطرہ مول نہ لیتیں وہ صرف اسی مجبوری کی وجہ سے میری طرف متوجہ ہوئی تھیں، اُنھوں نے کفیل کو خفیہ طور پر میڈیسن استعمال کرائی ہیں اور اسے ذہنی طور پر معطل کر دیا ہے۔ انھوں نے ہی اسے شراب کا عادی بنایا ہے۔"

"اوہ تو کیا بیگم ریحانہ خود بھی شراب استعمال کرتی ہیں؟"

"بکثرت، لیکن چھُپ کر۔" اُس نے جواب دیا۔

"کیا طفیل احمد شیخ کو بھی اس بارے میں نہیں معلوم؟"

"وہ جانتے ہیں، لیکن اپنی زبان بند رکھتے ہیں مجھے تعجب ہے شارق کہ طفیل صاحب جانے کیوں اس قدر خاموش ہیں اور اپنی بیوی سے ڈرتے ہیں۔" وہ پوری طرح کھُل گئی تھی۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کون کیا کرتا ہے، ہم تو اپنے مستقبل کے لیے سوچیں گے۔ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم بے بسی کی زندگی نہیں گزار سکتیں، مَیں جو کچھ کر سکتا تھا کر دیا اور مستقبل میں بھی تمہاری خدمت کرنے کی کوشش کروں گا، لیکن طفیل اور بیگم ریحانہ طفیل سے نمٹنا ہے، ان کے مسئلے میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"جہنّم میں جائیں وہ دونوں جہاں تک معاملہ کفیل کا تھا۔ پھوپی جان نے خود ہی اُسے ذہنی طور پر معطل کیا اور مجھ سے بھی انھوں نے یہی کہا کہ شوہر نام کی ایک چیز میرے پاس ہے جس سے مجھے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ میرا پورا مستقبل محفوظ ہو گیا ہے۔"

"لیکن مہک اس سے تو ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے۔"

"وہ کیا...؟"

"پھر تو پھوپی جان کو تمہارے مشاغل کے بارے میں بھی فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔"

میرے سوال پر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی "شارق، بیگم ریحانہ کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے، اگر تم کفیل کے دوستوں میں سے نہ ہوتے تو شاید وہ میرے اور تمہارے راستے نہ روکتیں اور ایک حد تک ہمیں آگے جانے کی اجازت دے دیتیں۔ لیکن وہ تم سے خوفزدہ معلوم ہوتی ہیں اور تمہارے سلسلے میں فکر مند بھی ہیں۔"

"کیوں...؟" میں نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

وہ چند لمحات کے لیے خاموش ہو گئی۔ مَیں اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا، میرے سوال میں بڑی گہرائیاں پوشیدہ تھیں جس کا جواب دیتے ہوئے وہ جھجک رہی تھی۔ لیکن پھر اُس نے کوئی فیصلہ کر لیا اور آہستہ سے بولی۔

"اس لیے کہ بیگم ریحانہ شیخ اور طفیل احمد شیخ اس سلسلے میں باقاعدہ جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، براہ کرم یہ بات کسی کو نہ بتانا اس میں بہت سی اُلجھنیں پیش آ سکتی ہیں۔"

"تمہیں اب ان اُلجھنوں کی پرواہ نہیں ہوتی چاہیئے۔"

"ہاں مَیں یہی سوچ رہی ہوں کہ اب ان اُلجھنوں سے میرا کیا واسطہ، جب مَیں ان لوگوں سے رابطہ ہی توڑ رہی ہوں، تو پھر وہ اپنے کیے کی سزا خود ہی بھگتیں۔"

"بات کیا تھی؟"

"میمونہ اپنے بچّے کے ساتھ یہاں آ گئی ہے۔"

"اوہ کفیل کی پہلی بیوی؟"

"ہاں وہی۔"

"کہاں ہے وہ..."

"جیل میں۔" اُس نے جواب دیا اور مَیں اُسے چونک کر دیکھنے لگا، پھر مَیں نے حیرت سے پوچھا "مگر کیوں؟"

مہک نے میمونہ کے ساتھ گزرنے والے واقعات تفصیل سے اُسے بتا دیے وہ خاموش ہوئی تو میں نے عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا یہ ظلم نہیں ہے؟" اُس نے کوئی جواب نہ دیا تو مَیں نے پھر سوال کیا "ایک عورت ہونے کی حیثیت سے تم نے اس بارے میں غور نہیں کیا۔ وہ کفیل کی جائز بیوی ہے اور صرف اس الزام یا جرم میں اسے پوری زندگی کے لیے رسوا کر دیا گیا، کم از کم تمہیں اس سلسلے میں احتجاج کرنا چاہیئے تھا۔ تم یہ کوشش کرتیں کہ طفیل احمد اس حد تک نہ جاتے کیا تمہارے دل میں عورت کے لیے رحم کا جذبہ نہ جاگا۔"

مہک پہلے تو خاموش رہی چند لمحوں بعد اس نے کہا۔ "میں اگر اس کے لیے کچھ کرنا بھی چاہتی تو ان دونوں کی موجودگی میں کیا کر سکتی تھی اس کے علاوہ اُس وقت میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ کوئی مجھے زندگی کے اس عذاب سے چھٹکارہ بھی دلا سکتا ہے۔ اگر میمونہ کے لیے میں آگے بڑھ کر کوئی کام کرتی تو میرا کیا بنتا۔ نہ خدا ملتا نہ وصالِ صنم، تم جانتے ہو کہ بیگم ریحانہ نے ساری منصوبہ بندی اس طرح کی تھی مجبوراً مجھے بھی ان کا شریک کار بننا پڑا اور مَیں نے بھی اپنی زبان بند رکھی۔"

مَیں خاموشی سے اُس کا چہرہ دیکھتا رہا دراصل اُسے دھوکا دیتے ہوئے دل کو ایک دُکھ کا احساس تھا کہ یہ لڑکی جو مصائب کی زندگی سے تنگ آ کر اپنا مستقبل سنوارنے نکلی اور شوہر کے نام پر ایک ڈمی قبول کر لی اپنی اس زندگی سے دُور ہونے کے بعد کیا کرے گی۔ لیکن دُنیا کا دستور عجیب ہے ایک ظالم ہوتا ہے ایک مظلوم۔

دولت کی چمک دمک دیکھ کر وہ اپنا سب کچھ کھونے پر آمادہ ہو گئی تھی اس سے زیادہ بہتر مستقبل کی خواہش میں، لیکن میری نگاہوں کے سامنے ایک ایسی مظلوم لڑکی بھی تھی جسے میں نے بہن کہا تھا اور جس کے لیے میں میدانِ عمل میں آیا تھا۔ مہک اگر جہنّم رسید ہوتی ہے تو ہو جائے اس نے بھی تو کسی کا صبر سمیٹا ہے چنانچہ آہستہ آہستہ میرے دل سے وہ تمام احساسات مٹتے جا رہے تھے۔

"مہک کیا کفیل کبھی ہوش میں نہیں ہوتا؟"

"ہوتا ہے۔" اُس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اور اُس وقت کیا اس کے دل میں تمہارے لیے محبت کے جذبات نہیں پیدا ہوتے؟"

"نہیں۔"

"کیوں، اس کی وجہ جاننا چاہی تم نے کبھی؟"

"وہ اپنی بیوی اور بچّے کے لیے تڑپتا ہے اس نے ذہنی طور پر کبھی مجھے قبول نہیں کیا۔"

"اس کے باوجود تم اس کے ساتھ رہیں؟"

"تم ہی بتاؤ میں کیا کرتی۔ کیا کر سکتی تھی میں، میرے ہاتھ میں تھا ہی کیا۔ خیر چھوڑو بہت سی فضول باتوں میں اُلجھ گئے ہم۔"

"مہک اب اس سلسلے میں ہمیں جو کچھ کرنا ہے اس کے بارے میں سوچو۔"

"مَیں سوچوں، تم نے مجھے ہر طرح سے تو سہارا دیا ہے تم نے کیا فیصلہ کیا میرے بارے میں؟"

"کیا میرا فیصلہ تمہارے سامنے نہیں ہے۔" میں نے محبّت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور وہ فرطِ مسرت سے سرشار ہو گئی۔

"دُنیا کی باتوں کو چھوڑو۔ ہم دونوں زندگی کی راہوں میں اس طرح سفر کریں گے کہ دُنیا ہم پر رشک کرے، میں تمہاری زندگی میں پھُول ہی پھُول کھلا دوں گی۔ بس تم مجھے اپنے وجود کا سہارا دے دو۔"

مَیں چند لمحے سوچتا رہا اور پھر جب بولا تو اُس بات کا مہک کی باتوں سے کوئی تعلّق نہیں تھا۔ "مہک میمونہ جب وہاں آئی تھی تو اُس نے کوئی ثبوت تو پیش کیا ہوگا اپنی شادی کا؟"

"ہاں۔ اس نے نکاح نامہ طفیل احمد کو دکھایا تھا۔"

"کیا وہ نکاح نامہ میمونہ کے پاس موجود نہیں؟"

"نہیں۔"

"پھر وہ کس کے پاس ہے؟"

"وہ نکاح نامہ شیخ صاحب کے پاس ہے۔"

"اگر ہم اپنے طور پر اپنی زندگی کے لیے آزادیاں حاصل کرنے کے خواہاں ہوں تو ہمیں اس نکاح نامے کی ضرورت پیش آئے گی مہک۔"

"وہ کیوں...؟"

"طفیل احمد اور ریحانہ ہمارے سلسلے میں بڑے پاؤں پٹخیں گے اور آسانی سے ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس

سلسلے میں ہمیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ انھوں نے زبردستی تمہاری شادی کفیل سے کرائی تھی، میں اپنے چند وکیل دوستوں سے مشورہ کرکے تمہیں اس بارے میں اطلاع دُوں گا، آخر تمہیں کفیل احمد سے طلاق تو لینا ہو گی۔"

"میں فوراً اس سے طلاق حاصل کر لینا چاہتی ہوں۔" اُس نے کہا۔

"یہ کام اتنا آسان نہ ہوگا، تم جانتی ہو کہ بیگم طفیل سخت مزاج خاتون ہیں اور آسانی سے تمہیں طلاق حاصل نہ کرنے دیں گی۔ وہ اس سلسلے میں ایسی تمام کارروائیاں کر سکتی ہیں جو تمہیں نقصان پہنچا سکیں ہو سکتا ہے کفیل کے سلسلے میں وہ تمہیں ہی موردِ الزام ٹھہرا دیں، تمہیں اپنے تحفظ کے لیے پہلے اپنی تیاریاں کر لینی ہوں گی۔"

"تمہارا کہنا بالکل درست ہے شارق، وہ ایک بپھری ہوئی ناگن بن جائیں گی اور ہمیں اس ناگن سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنی چاروں سمتیں محفوظ رکھنی ہوں گی۔"

"بالکل میں بھی اُن کے بارے میں یہی اندازہ قائم کر سکا ہُوں۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"کیا نکاح نامے کا حصول مشکل ہو گا؟"

"ہے تو مشکل لیکن ناممکن نہیں۔"

"بس تو پھر اس سلسلے میں تمہیں کوشش کرنی ہے جس طرح بھی بن پڑے نکاح نامہ حاصل کر لو۔ باقی کل کا دن ہم اس کے لیے مخصوص رکھتے ہیں کہ میں تمہیں ایسے وکیلوں سے ملوا دُوں گا جو تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔"

"بہتر اب تو میں تمہاری غلام ہُوں تمہاری ہدایات کے مطابق سب کچھ کروں گی۔ میری راہنمائی کرتے رہو میں زندگی کے اُن مسرور کن خوابوں میں کھو گئی ہُوں جن سے جاگنے کو دل نہیں چاہتا، مجھے میرے خوابوں کی تعبیر دے دو شارق، مجھے میرے خوابوں کی تعبیر دے دو۔"

میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ "مہک اس کوٹھی میں تمہیں جس جگہ بھی خامی نظر آئے مجھے اس کے بارے میں بتا دینا۔ تاکہ اُسے میں تمہاری خواہش کے مطابق۔۔۔"

"نہیں شارق یہ میرے خوابوں کی جنت ہے اور جنت میں کوئی کمی نکالنا کفر ہوتا ہے۔ میرے لیے یہ بہت کچھ ہے کیونکہ اس میں تم ہو گئے۔"

وہ مجھ سے اُلفت کا اظہار کرتی رہی اور میں عورت کے اس پہلو پر غور کرتا رہا۔ عورت ہی کیا یہ انسان کا سب سے بڑا المیہ ہے، چند روز زندگی کو وہ جائز اور ناجائز ذرائع سے حسین سے حسین تر بنانے کا خواہش مند رہتا ہے خواہ اس کے لیے وہ اپنے جیسے لاتعداد انسانوں کو موت کی گھاٹی تک ہی کیوں نہ پہنچا دے، بے شمار سسکتے ہوئے انسانوں کے جسموں پر سے گزر کر اگر ایک حسین محل میں داخل ہوا جائے تو وہ محل جہنم زار ہونا چاہیئے۔ بھلا انسان اپنے ضمیر کے خلاف کس طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ لیکن زمانہ حال میں ضمیر کے ساتھ سب سے بڑی دُشمنی کی گئی ہے اور انسان نے ضمیر کو کچلنے کے لیے ایسے نت نئے طریقے ایجاد کر لیے ہیں کہ اس کی انسانیت پر حیرت ہوتی۔

میں مہک کو ساتھ لے کر کوٹھی واپس آگیا کوٹھی کے ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں تھی، طفیل احمد اور بیگم ریحانہ کی گاڑیاں اندر موجود تھیں بے چارے کفیل کے بارے میں تو کچھ سوچنا ہی فضول تھا۔ وہ یا تو مہک کے ساتھ ہوتا تھا۔ یا اپنے کمرے میں شراب پیتا ہوا۔ میری خواہش تھی کہ اُسے ایک بار عالم ہوش میں دیکھوں اور تنہائی میں اس سے باتیں کروں۔ ذرا اس کے دل کا حال بھی تو معلوم ہو۔ لیکن مجھے، محسوس ہو رہا تھا کہ مجھے اس کا موقع ملنا مشکل ہے، اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اگر میں اس سے اس قسم کی گفتگو کرتا تو مہک کے بھڑک جانے کا بھی خدشہ تھا۔ کم از کم ایک مہرے کو بساط پر رکھنا چاہتا تھا تاکہ میرے لیے کارآمد رہے اور اب مجھے فاروقی صاحب اور جاوید وغیرہ سے ملاقات کر کے اس مسئلے کو دوسرے مرحلے میں داخل کرنا تھا اور اس کے لیے میں نے شام ہی کا وقت متعین کیا۔

مہک سے اجازت لے کر میں باہر نکل آیا اور اس کے بعد مختلف سمتوں میں گھومتا ہوا بالآخر فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا، وہ گھر پر ہی موجود تھے فریال جاوید بھی تھے میں نے پُر مسرت انداز میں کہا۔

"شکر ہے جاوید تم سے بھی یہیں ملاقات ہو گئی۔" فریال سے رسمی گفتگو ہونے لگی۔ چچی جان نے کھانے کے لیے کچھ اہتمام کیا تھا وہ کہنے لگیں۔

"بار ہا میں نے تمہیں یاد کیا شارق۔ اس وقت فریال کی وجہ سے میں نے کچھ خاص چیزیں پکائی تھیں، پوچھو اپنے

فاروقی صاحب سے کتنی بار میں نے کہا تھا ان سے، کہ کاش کھانے پر شارق میاں بھی شریک ہوتے۔"

"چچی جان نے دل سے یاد کیا ہم آگئے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہ جاوید صاحب انتہائی پیٹو آدمی ہیں ان کے حصے میں کوئی بچہ نہیں لگے گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو یار، تمہیں تو میں اپنا کلیجہ نکال کر کھلانے کے لیے تیار ہُوں۔"

"دیکھ رہی ہیں آپ فریال میرا خیال ہے کتنی ہی بار یہ الفاظ انھوں نے آپ سے بھی کہے ہوں گے۔"

وہ مسکرا کر رہ گئی۔ پُر لطف گفتگو کے دوران کھانا کھایا گیا اور پھر میں نے آمدم برسرِ مطلب کا اظہار کر دیا۔

"اسی سلسلے میں حاضری دی گئی ہے۔"

"ہاں ہاں بھئی ہمیں بھی کہیں کسی گوشے سے شریک کر لو، کیا صورت حال ہے۔"

میں نے شروع سے لے کر آخر تک فاروقی صاحب کو تفصیل بتائی اور وہ دونوں آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے۔

"اصل پروگرام بھی تو بتاؤ؟"

"میں اُسے وکلاء سے ملاقات کرانے کے لیے آپ کے دفتر لا رہا ہوں، آپ دونوں حضرات کو اندازہ ہے کہ کس انداز میں گفتگو کرنی ہے، میرا خیال ہے اُس سے مکمل بیان لے لیا جائے اور تمام کاغذات وغیرہ پر کل ہی دستخط کرائے جائیں، نکاح نامے کی ہمیں کوئی خاص ضرورت تو نہیں تھی لیکن وہ بھی اگر ہمارے قبضے میں آجائے تو کیا حرج ہے۔ ہاں اگر وہ اسے نہ حاصل کر سکی تو پھر مجبوری ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا، لیکن کام کل مکمل ہو جانا چاہیئے۔"

"کل کس وقت لا رہے ہو؟"

"گیارہ بجے سے لے کر بارہ بجے تک ہمارا انتظار کریں، ہم پہنچ جائیں گے۔"

☫

رات کو کوٹھی واپس آگیا معمولات میں وہی سرد مہری تھی۔ بس مہک میرے پاس آئی تھی خود اس کا اپنا چہرہ بھی بگڑا بگڑا سا تھا۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا میں کھانا کھاؤں گا تو میں نے جواب دیا کہ کھانا کھا کر آیا ہُوں۔

"کیا بات ہے کچھ گڑبڑ ہوئی ہے کیا؟"

"کچھ نہیں بس پھوپی جان دھمکیاں دے رہی تھیں۔"

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر بولی۔ "لیکن کتنے دن؟"

"تم نے کہیں اظہار تو نہیں کر دیا ان پر؟"

"اتنی بیوقوف بھی نہیں ہوں۔ لیکن ہم زیادہ باتیں نہیں کریں گے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

میں نے دیواروں کے کان تسلیم کر لیے اور مہک کو رُخصت کر دیا۔ اپنے اس زبردستی کے مہمان خانے میں یہ رات بھی میں نے پُرسکون گزار لی۔ صبح کے ناشتے پر نہ طفیل صاحب تھے۔ نہ بیگم ریحانہ مہک کے ساتھ ہی میں نے ناشتا کیا لیکن وہ سنجیدہ رہی، میں نے بس اس سے چند جملے کہے۔

"ٹھیک گیارہ بجے تم مجھے ناز چوک پر مل جاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

"وہ کچھ ہوا؟"

"تمام گفتگو وہیں ہو گی۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے۔" میں نے جواب دیا اور ہم دونوں ناشتے کے کمرے سے باہر نکل آئے۔

بیگم ریحانہ اپنے کمرے میں تھیں۔ وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جانے کیوں اور حیرت انگیز طور پر کفیل ٹہلتا ہوا میرے کمرے میں آگیا۔ سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ چہرے پر وہی غم آلود کیفیت طاری تھی۔ مجھے اس کی آمد پر حیرت ہوئی لیکن میں نے مسکراتی نگاہوں سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اور وہ میرے سامنے آکر بیٹھ گیا۔ وہ مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس وقت ہوش میں معلوم ہوتا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" اس کے ان الفاظ پر میں چونک پڑا تھا۔

"میں سمجھا نہیں میرے دوست۔"

"یہ دوستی ہی میرے لیے سب سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ میں نشے میں ضرور رہتا ہُوں لیکن ابھی دیوانہ نہیں ہوا۔ شارجہ کی مکمل زندگی میرے سامنے ہے۔ اور اس زندگی میں شارق نامی کوئی دوست موجود نہیں ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں پاگل ہُوں اور تم نے میرے پاگل پن سے فائدہ اُٹھایا ہے تو یہ تمہاری بھُول ہے میرے دوست۔ درحقیقت میں یہ جانتا ہُوں کہ تم کون ہو؟"

میں نے پھرتی سے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ دروازہ کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا، پھر کھڑکی کو مضبوطی سے بند کیا اور پھر کفیل کے پاس آبیٹھا۔ "کیا جانتے ہو تم میرے

بارے میں ؟"

"وہ تمام حقیقتیں جو بے حد تلخ ہیں لیکن میرے لیے نہیں میں نے ذہنی طور پر مہک کو کبھی قبول نہیں کیا۔ میرے ساتھ جو کچھ بیتی ہے تم بھی تو اُس سے ناواقف نہیں ہوگے۔ کچھ مجبوریاں میری ذات پر مسلط ہیں اور میں شاید اتنا بزدل ہوں یا میرے اندر قوتِ مدافعت کی اس قدر کمی ہوگئی ہے کہ میں ان مجبوریوں سے نکل نہیں سکتا۔ بارہا سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو آزماؤں لیکن جانے کیا ہوگیا ہے مجھے۔ میرے قویٰ مضمحل ہوگئے ہیں۔ میری ذات پس کر رہ گئی ہے۔ صرف شراب۔۔۔ شراب مجھے سکون بخشتی ہے۔"

"وہ حالات کیا ہیں میرے دوست ؟ میں اگر اس سلسلے میں تمہاری مدد کرسکا تو ضرور کروں گا۔ مجھے بتاؤ تو سہی وہ کون سی مجبوریاں ہیں جو تم پر مسلط ہیں۔" میں نے کہا۔

"تم بہروپیے ہو۔ اتنے چالاک آدمی ہو کہ شاید ہی تم جیسا کوئی دوسرا ہو۔ میری تمہاری کبھی شناسائی نہیں ہوئی۔ کبھی دوستی نہیں ہوئی۔ میں جانتا ہوں تم مہک کے دوست ہو۔ اور میرے دوست بن کر صرف اُسی کے لیے اس کوٹھی میں آئے ہو اس کی خواہش کے مطابق۔ مگر سنو میرے بھائی تم جو کوئی بھی ہو خوشی سے مہک کو اپنی زندگی میں شامل کرلو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ میں تو صرف اپنی زندگی کے لیے کچھ راستے چاہتا ہوں۔ مہک کو میری بیوی کی حیثیت سے مجھ سے منسوب ضرور کردیا گیا ہے لیکن اگر تم چاہو تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ کر تمہارے ہاتھ میں دے سکتا ہوں۔ مجھے میری میمونہ واپس دلادو۔ مجھے شارجہ واپس بھجوادو جس طرح بھی ممکن ہوسکے۔ مجھے میمونہ کے پاس بھجوادو۔ یہی میری زندگی کا اوّلین مقصد ہے۔ اس سے زیادہ میں کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا۔" کفیل کی آنکھوں سے آنسو رسنے لگے اور میرے دل میں ایک گولا سا اُمنڈ آیا۔ میں نے ایک بار پھر دروازے کے باہر جھانک کر دیکھا اور پھر اُس کے پاس آیا۔

"بے شک میں تمہارا دوست نہیں اور میرے بارے میں تمہارے ذہن میں بہت سی غلط فہمیاں موجود ہیں لیکن ایک وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری میمونہ تمہیں دلاؤں گا یہ میرا عہد ہے۔"

کفیل نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

"اگر تم یہ کام کردو تو میں ساری زندگی تمہارا شکر گزار رہوں گا۔ دُعائیں ہی دے سکتا ہوں تمہیں کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس دینے کے لیے اور کچھ نہیں بڑا قلاش اور بے مایہ ہوں۔"

"تم اپنے کمرے میں آرام کرو کفیل۔ آخری چند روز اپنے آپ کو شراب سے بہلا لو بہت مختصر وقت جا رہا ہے جب تمہیں تمہاری منزل مل جائے گی۔" میں نے اپنے ہاتھ سے اُسے اُٹھایا اور کمرے تک پہنچا دیا۔

میرے دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ کسی وقت کفیل سے ملاقات کرکے اس کی ذہنی کیفیت معلوم کروں لیکن اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ وہ اس طرح مجھ پر کھل جائے گا۔

وہ اس غلط فہمی کا شکار تھا کہ میرا مہک سے کوئی معاشقہ چل رہا ہے اور وہ مجھے اس طرح یہاں لائی ہے۔ بہرطور زندگی میں کچھ نیکیاں کرنے کے لیے بہت سی بدنامیاں بھی مول لینی پڑتی ہیں۔ بعض بدنامیاں ایسی ہوتی جن سے دل کچلتا ہے لیکن اگر نتیجہ اچھا نکل آئے تو اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں ہر وار سہہ رہا تھا۔

پونے گیارہ بجے کوٹھی سے نکل گیا اور ساڑھے گیارہ بجے شاز چوک پہنچ گیا۔ ٹھیک اُسی وقت مہک مجھے ایک ٹیکسی سے اُترتی نظر آئی اور میں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا احتیاط کے پیشِ نگاہ اُس نے کار استعمال نہیں کی تھی۔ میں بھی ٹیکسی سے ہی یہاں پہنچا تھا چنانچہ ایک اور ٹیکسی ہمیں لے کر چل پڑی اور ہم فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔ راستے میں، میں نے مہک کو تفصیلات بتائی تھیں۔

"میں نے چند ذہین ترین وکیلوں کا سہارا لیا ہے اور انھیں پورا کیس بتادیا ہے۔ وکیلوں کا کہنا ہے کہ وہ باسانی صرف چند دن کے اندر اندر کفیل سے طلاق حاصل کرلیں گے۔"

مہک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد بھی وہ خاموش ہی رہی۔

ہم لوگ فاروقی صاحب کے دفتر پہنچے تو اُن لوگوں نے خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا۔ رسمی گفتگو کے بعد فاروقی صاحب بولے۔

"مسز کفیل احمد کیا درحقیقت آپ اپنے شوہر سے طلاق خواہش مند ہیں ؟"

"جی !"

"اس کے پس منظر میں یقیناً کوئی ایسی تفصیل ہوگی جو آپ کے لیے ناقابلِ برداشت ہو ؟ براہِ کرم بڑی ہمت، سمجھ داری اور ہوشیاری کے ساتھ اپنا وہ بیان لکھوا دیجیے

شارق صاحب نے ہم سے تمام تفصیلات طے کرلی ہیں۔ اور پھر بیٹے! معاوضے وغیرہ کا مسئلہ کوئی بڑی اہمیت نہیں رکھتا۔ زندگیاں بنانے کے لیے جو کچھ بھی کیا جائے وہ اصل اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ کیا تم بھی اپنے سینے میں وہ جذبے باقی ہو جو انسانوں کی زندگی بخشیں۔"

"وکیل صاحب میں فرشتہ صفت نہیں ہوں۔ اسی دُنیا کی ایک لالچی عورت ہوں جو اپنی زندگی سکون سے گزارنے کی خواہش مند ہے۔ میں آپ کو اپنے بارے میں تمام تفصیلات بتانا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔" جاوید نے کاغذ قلم سنبھال لیا۔

مہک نے اپنا تفصیلی بیان دیا جو بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ پھر میمونہ کے بارے میں اس سے سوالات کیے گئے تو اس نے وہ کہانی بھی درج کرادی جس میں میمونہ کی آمد طفیل اور بیگم طفیل احمد کی اس کے خلاف سازش اور سزا کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ بیان مکمل ہونے پر اس کے دستخط لیے گئے۔

وہ میمونہ کا نکاح نامہ نہیں حاصل کرسکی تھی جس کے لیے اس نے مجھ سے معذرت کرلی تھی۔ اس نے کہا کہ طفیل احمد نے اس نکاحے کو اس تجوری میں نہیں رکھا جس میں ان کے دوسرے کاغذات رہتے ہیں۔ اور اب وہ نہیں جانتی کہ وہ نکاح نامہ کہاں ہے ؟ اس سے پوچھا گیا کہ کیا وہ عدالت میں یہ بیان دے دے گی تو اس نے اس پر آمادگی کا اظہار کردیا تھا۔

فاروقی صاحب کہنے لگے۔ "کیا خیال ہے شارق صاحب ابھی کورٹ کا وقت ہے اور مسز کفیل کی یہ درخواست علاقے کی مناسبت سے جناب زاہد رانا کی عدالت میں پیش کی جائے گی تو ہم ابھی یہ کارروائی کیوں نہ کرلیں۔ زاہد رانا صاحب کے سامنے مسز کفیل کا بیان دلوادیں گے۔ یہ کام آسانی سے ہوجائے گا۔"

"میرے خیال میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے فوراً ہی آمادگی کا اظہار کردیا۔ اور بڑی برق رفتاری کے ساتھ تیاریاں کی گئیں۔

جاوید نے ٹیلی فون کرکے یہ معلوم کرلیا کہ مجسٹریٹ زاہد رانا عدالت میں موجود ہیں۔ زاہد رانا صاحب سے فاروقی صاحب کے اچھے تعلقات تھے۔ میں البتہ جان بوجھ کر اُن کے سامنے پیش نہیں ہوا تھا چنانچہ چیمبر میں مہک کا بیان دلواکر اس کی درخواست پیش کردی گئی۔ مجھے اس کام سے بڑی مسرت ہوئی میں چاہتا تھا کہ جس قدر جلد یہ سب کچھ ہوجائے بہتر ہے۔

اس مسئلے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے دونوں سے اجازت طلب کی اور ٹیکسی کرکے گھر واپس چل پڑے مہک بے حد خوش تھی اور راستے میں مسکرا مسکرا کر مجھ سے اپنی زندگی کی باتیں کرتی رہی تھی۔ لیکن کوٹھی میں ایک اور نئی زندگی ہماری منتظر تھی۔ آج غالباً دونوں میاں بیوی نے کوئی فیصلہ کرلیا تھا۔

جیسے ہی ہم کوٹھی میں داخل ہوئے۔ بیگم رعنا شیخ ہمارے سامنے آگئیں۔ ان کا چہرہ آگ بھبوکا ہو رہا تھا۔ تلخ لہجے میں بولیں: "تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔"

"کیا بات ہے پھوپی جان ؟"

"بدتمیز لڑکی تو نے میرے الفاظ نہیں سُنے۔ میں کہہ رہی ہوں۔ تم دونوں میرے کمرے میں آؤ۔"

میں نے مہک کو اشارہ کیا اور وہ طنزیہ انداز میں مسکراتی ہوئی اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں طفیل صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کا چہرہ بھی گہری سنجیدگی کا مظہر تھا۔

"بیٹھو تم دونوں۔" مسز طفیل نے کہا اور ہم دونوں صوفے پر بیٹھ گئے۔

"مسٹر شارق میں آپ سے مخاطب ہوں۔ آپ شارجہ سے آئے ہیں اور کفیل کے مہمان تھے آپ کفیل کی کیفیت آپ خود دیکھ چکے ہیں۔ کیا اس کے بعد آپ کو یہاں طویل عرصے قیام کرنا چاہیے ؟"

"میں سمجھا نہیں محترمہ۔"

"آپ کس بنیاد پر یہاں رہ رہے ہیں؟ آپ کا دوست ذہنی طور پر بہتر نہیں ہے۔ ہم لوگوں کی آپ سے صرف رسمی سی شناسائی ہے۔ ہم اب آپ کو اس کوٹھی میں برداشت نہیں کرسکتے اور اس کی وجہ آپ خود جانتے ہیں۔ ایک بیمار دوست کی بیوی کے ساتھ عیش کرنا کہاں کی شرافت ہے۔ کیا آپ نے ہم لوگوں کو اتنا ہی بے عزت سمجھا ہوا ہے کیا ہم بے غیرت اور بے حیثیت ہیں ؟ میں مہک کی ساس ہوں۔ کفیل میرا بیٹا ہے۔ مہک اس گھر کی عزت ہے۔ آپ کو یہ حق کس نے دیا شارق صاحب کہ آپ اس گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالیں؟ مہک کس حیثیت سے آپ کے ساتھ گھومتی پھرتی ہے ؟ آپ براہِ کرم مجھے اس کا جواب دیجیے گا۔"

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ آپ لوگوں

نے مجھے کفیل کے دوست کی حیثیت سے قبول کیا اور یہاں مجھے وہ عزت اور مقام دیا جس کی وجہ سے میں یہاں کچھ روز گزارنے پر مجبور ہو گیا۔ بس یہ حیثیت ہے میری "، میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

" افسوس شارق صاحب اب ہم آپ کی مہمان نوازی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ آپ نے اس شرافت کا ثبوت نہیں دیا جس کا آپ کو دینا چاہیئے تھا۔ آپ کی توجہ کفیل کی طرف بالکل نہیں ہے جب کہ آپ اس کی بیوی کے ساتھ اس انداز گھومتے پھرتے ہیں جیسے ..."، طفیل احمد جملہ پورا نہ کر سکے۔

" اس سلسلے میں بہتر تو یہ تھا کہ آپ مہک سے بات کرتے۔"

" جو کچھ بھی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ فوری طور پر کوٹھی چھوڑ دیں۔ میں اب آپ کو ایک لمحہ بھی یہاں برداشت نہیں کر سکتا۔"

" ہم تھوکتے ہیں اس کوٹھی پر۔ میں لعنت بھیجتی ہوں اس پر، میں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کر لیا ہے "، میری بجائے مہک بول اٹھی تھی۔

" کیا کہنا چاہتی ہو تم ؟ " طفیل احمد نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

" میں آپ کے بیٹے سے طلاق حاصل کرنا چاہتی ہوں سمجھے آپ، میں اس ذہنی شوہر سے نجات پانا چاہتی ہوں اور ..." میں نے مہک کے شانے پہ ہاتھ رکھ دیا تو وہ سنبھل گئی۔ بیگم طفیل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

" طلاق لینے کی بجائے میں تجھے جہنم رسید کرنا پسند کروں گی، بے حیثیت لڑکی اپنی اوقات یاد نہیں ہے۔ گندی نالی سے اٹھا کر میں نے تجھے محل میں رکھ دیا اور یہ محل تجھے راس نہیں آ رہی۔"

" آپ بھول رہی ہیں پھوپی جان کہ آپ خود بھی اس گندی نالی سے اٹھ کر آئی تھیں۔ میں اگر بے اوقات اور بے حیثیت ہوں تو آپ بھی اسی حیثیت کی مالک ہیں۔"

" ہاں میں تسلیم کرتی ہوں کہ تو میرے ہی گندے خاندان کی ایک فرد ہے لیکن میں نے اس گندگی سے نکلنے کے بعد اپنے لیے ایک عزت، وقار اور ایک مقام تلاش کیا ہے۔"

" ہاں جو مقام آپ نے تلاش کیا ہے وہ مجھے معلوم ہے۔ دولت کے حصول کے لیے آپ نے کفیل کو پاگل کر دیا اور اسی پاگل کو مجھ سے منسوب کر دیا تاکہ میں اس کی دیوانگی کے ساتھ ساتھ پروان چڑھوں اور آپ کی دولت کے حصول کی خواہش پوری ہو جائے کان کھول کر سن لیجیے پھوپی جان دولت آپ کی ہے۔ آپ کو مبارک مجھے کچھ نہیں چاہیئے لیکن اب میں کفیل کی بیوی نہیں رہ سکتی میں اس سے طلاق حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اور یہ طلاق میں حاصل کر کے رہوں گی۔"

" میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گی۔ زندہ دفن کردوں گی تجھے۔"

" یہ الفاظ آپ میرے سامنے کہہ رہی ہیں بیگم صاحبہ۔ کیا میں یہاں سے پولیس اسٹیشن جا کر یہ رپورٹ درج کرا دوں کہ اس گھر میں ایک عورت کی زندگی خطرے میں ہے۔"

" دیکھو شارق میاں۔ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں یہ ہمارے گھریلو معاملات ہیں اور ایک شریف آدمی کی حیثیت سے تمہیں ان معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ تم چند روز کے لیے مہمان آئے۔ ہم میزبان تم سے معذرت چاہتے ہیں چنانچہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم یہ گھر چھوڑ دو۔"

" ٹھیک ہے طفیل صاحب! میں یہاں سے جا رہا ہوں لیکن کفیل میرا دوست ہے۔ اس کے گھر کے معاملات کو دیکھنا میری ذمے داری ہے۔ سنو مہک! میرے لیے اب یہاں سے جانا ضروری ہو گیا ہے۔ میں ٹیلی فون کر کے تمہیں اطلاع دوں گا کہ میں نے کون سے ہوٹل میں قیام کیا ہے تم جب چاہو مجھ سے ملنے میرے ہوٹل آ سکتی ہو۔"

مہک نے کسی قدر پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا " اور اس بات کے لیے تم مطمئن رہو کہ تمہیں اس گھر میں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا۔ اس کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔"

میں وہاں سے اٹھا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ اپنا مختصر سا سامان لے کر باہر نکلا تو مجھے طفیل احمد نظر آئے تھے مہک اور بیگم ریحانہ شاید اپنے کمرے ہی میں تھیں۔ یہ فیصلہ کرنے میں اب مجھے کوئی دقت نہیں تھی۔ ظاہر ہے میرے اپنے مقصد کی ابتداء ہو چکی تھی۔ جہاں تک رہی مہک تو وہ جو کچھ کر رہی تھی اپنے لالچ کی وجہ سے کر رہی تھی چنانچہ مجھے اس سے بھی کوئی خاص ہمدردی نہیں تھی۔ البتہ یہ بات میں جانتا تھا کہ اسے اب کوئی نقصان پہنچانا ان کے لیے ممکن نہیں ہو گا۔ میری کارروائی تو تقریباً مکمل ہو ہی چکی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے ابھی اپنے آپ کو ظاہر

کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کچھ معاملات میں ابھی مجھے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت تھی چنانچہ وہاں سے ٹیکسی کر کے میں سیدھا ایک ہوٹل پہنچا اور اس ہوٹل کی تیسری منزل پر مجھے ایک کمرہ مل گیا۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد میں نے مہک کو فون کیا اسی نے ہی ریسیور اٹھایا تھا۔

" ہیلو! شارق بول رہا ہوں۔"

" کہاں ہو شارق ؟ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ تمہارے ساتھ یہ سلوک ہوا لیکن ہماری کارروائی مکمل ہو جانے دو پھر دیکھ لوں گی ان سب کو ہم بہت کچھ کریں گے ان کے بارے میں۔"

" ٹھیک ہے تم کوشش کرنا مجھ سے ملاقات کرنے کی ویسے اس سلسلے میں تمام کارروائی میں خود کر لوں گا۔ تمہیں اور کوئی خطرہ تو نہیں ہے ؟"

" سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں موم کی بنی ہوئی بھی نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا اور میں نے مطمئن ہو کر ٹیلی فون بند کر دیا۔

شام تک یونہی کمرے میں گھٹے گھٹے طبیعت گھبرا گئی تو میں ہوٹل سے نکل کر چہل قدمی کرتا ہوا آگے بڑھ گیا ایک گوشے میں ایک خوبصورت سی جھیل تھی جس کے کنارے روشنیاں لگا کر ماحول کو حسین بنایا گیا تھا۔ میں ٹہلتا ہوا اسی جانب نکل گیا لیکن درحقیقت میں ان لوگوں سے بے خبر تھا جو جانے کہاں سے میرا تعاقب کر رہے تھے۔ ان کی تعداد پانچ تھی ہاتھوں میں ہاکیاں لیے ہوئے تھے لباس بھی ویسے ہی تھے جیسے مشق کرنے نکلے ہوں۔ لیکن مجھے اس وقت چونکنا پڑا جب جھیل کے بغلی گوشے میں جہاں اس وقت میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا وہ پانچوں میرے گرد چکر لگانے لگے۔ انداز ایسا تھا جیسے میرے گرد گھیرا ڈال رہے ہوں۔

ایک لمحے میں میرے ذہن میں خطرے کا احساس جاگ اٹھا اور پھر میں نے سرد نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ وہ مجھے گھورتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ چہروں سے ہی لفنگے معلوم ہوتے تھے۔ استاد عبدالقدوس نے مجھے جسمانی طور پر کافی ٹھوس بنا دیا تھا اور پھر استاد چھونے، نے سونے کو سہاگے میں بھگو دیا تھا چنانچہ میں بھی تیار ہو گیا۔

وہ پانچوں آہستہ آہستہ اپنا دائرہ تنگ کرنے لگے اور پھر ان میں سے ایک نے غرا کر مجھ پر حملہ کر دیا۔ ہاکی کا وار خالی دے کر میں نے اس کی پنڈلی پر ٹھوکر لگائی لیکن دوسرے بدمعاش نے مجھے عقب سے مجھ پر ہاکی مارنے کی کوشش کی۔ اس ہاکی پر البتہ میں نے ہاتھ ڈال دیا تھا اور جب ہاکی میرے پاس آ جائے تو پھر کسی کی کیا مجال کہ طاقت لگا کر مجھ سے چھین لے۔

ایک جھٹکے سے ہاکی میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں نے فوراً دوسرے آدمی کا وار ہاکی پر روکا اور چوتھے آدمی پر حملہ کر دیا اب صورت حال یہ تھی کہ چار آدمی ہاکیوں سے لیس تھے اور تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے پانچواں آدمی جو ہاکی سے محروم ہو گیا تھا الگ ہو گیا تھا۔ استاد چھونے کی ہنوٹ اگر ان چار لفنگوں کے سامنے ہیچ ہو جاتی تو پھر استاد ہوتے، استاد چھونے کہاں رہتے؟ میں نے ہاکی گھمانی شروع کر دی۔ ان میں سے دو کے سر کھل گئے۔ ایک کا شانہ ٹوٹ گیا اور باقی دو صحیح سالم بھاگ گئے۔ میں اگر چاہتا تو بھاگ کر انھیں پکڑ سکتا تھا لیکن دوسرے بے شمار لوگوں نے اس ہنگامے کو دیکھ لیا تھا۔ اور بہت سے اس طرف دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ان کے درمیان مجھے بھی مصیبت کا شکار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ میں بھی بھاگنے والوں میں شامل ہو گیا اور پارک کی ایک باڑھ کود کر باہر آ گیا۔

میں نے ان پانچوں کو ایک کار کے قریب جاتے ہوئے دیکھا جو دو زخمی ہو گئے تھے۔ وہ نڈھال تھے اور باقی دو انھیں سہارا دیے ہوئے تھے۔ آن کی آن میں کار اسٹارٹ ہو کر ہوا ہو گئی میں نے مسکرا کر ہاکی پھینک دی۔ کچھ لوگ ہماری تقلید کرنے کی کوشش کر رہے تھے چنانچہ مجھے دوڑ لگانی پڑی اور کافی دور پہنچنے کے بعد میں لوگوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔ طفیل احمد اوچھی حرکتوں پہ اتر آئے تھے تو اس کا مطلب تھا کہ مہک بھی محفوظ نہیں ہو گی۔ میں نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے پہنچ کر مہک کے نمبر ڈائل کیے لیکن دوسری طرف لائن بے جان رہی میں کافی دیر تک کوشش کرتا رہا۔ لیکن نمبر ہی نہ مل سکا۔ اس کا مقصد تھا کہ اب وہاں بھی کوئی کارروائی کر دی گئی ہے۔

سوال یہ تھا کہ اب کیا ہونا چاہیئے ؟ ہوٹل جاؤں یا نہ جاؤں ؟ خطرہ تو تھا۔ لیکن مجھ سے ایک غلطی بھی ہوئی تھی جس طرح بھی بن پڑتا حملہ آوروں میں سے کسی ایک کو پکڑنا چاہیئے تھا اور اس سے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی کہ یہ حملہ مجھ پر کس نے کرایا تھا ؟ اس سلسلے میں

بس ایک ہی کوشش کارگر ہو سکتی تھی کہ میں واپس ہوٹل پہنچ جاؤں اور رات کو اپنے اوپر ہونے والے دوسرے حملے کا انتظار کروں۔

چنانچہ میں ایک ٹیکسی کر کے ہوٹل چل پڑا۔ اب میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ اب ایسا بھی نہیں کہ طفیل احمد جیسے معمولی قسم کے لوگ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکیں۔ کمرے میں بڑی آسانی سے داخل ہو گیا۔ اندر پہنچنے کے بعد میں نے دوسری تیاریاں کیں۔ اپنے بستر کو اس طرح سجا دیا جیسے اس پر کوئی چادر اوڑھے سو رہا ہو اور خود میں نے اپنے لیے دروازے کی آڑ میں صوفے کے پیچھے ایک ایسی جگہ بنا لی جہاں لیٹ کر نگرانی کر سکوں۔ کمرے میں مدھم بلب روشن کر دیا گیا تھا۔ میں صوفے کی آڑ میں لیٹا آہٹیں لیتا رہا۔

آدھی رات گزر گئی لیکن ایسی کوئی کارروائی نہیں ہوئی جس سے یہ اظہار ہوتا کہ طفیل احمد نے دوسری کوشش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ باقی رات بھی سوتے جاگتے ہی گزر گئی تھی۔ صبح میں نہا دھو کر تیار ہو گیا۔ رات کی کسلمندی ذہن پر ضرور تھی لیکن اب ایسی بھی نہیں کہ میں نڈھال ہو جاتا۔ ایک بار پھر ہوٹل کے ٹیلی فون سے طفیل احمد کے گھر فون کرنے کی کوشش کی لیکن لائن بےجان ہی تھی۔ غالباً اُس کمرے کا فون کاٹ دیا گیا تھا جو مہک کا تھا اُس کے سلسلے میں مجھے تھوڑی بہت تشویش ضرور تھی لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ میں بےچین ہو جاتا۔

دن کے تقریباً ساڑھے نو بجے اچانک دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھول دیا۔ ایک باوردی پولیس آفیسر کو دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا اُس کے پیچھے ایک اے، ایس، آئی اور ایک کانسٹیبل بھی تھا۔ پولیس آفیسر یقیناً میرا شناسا نہیں تھا اور مجھے یہ اُمید بھی تھی کہ مجھے نہیں جانتا۔ اس کی آنکھوں کا تیکھا پن بتا رہا تھا کہ پوری طرح لیس ہو کر آیا ہے۔

"شارق صاحب آپ ہی ہیں؟"

"جی ہاں فرمائیے" میں نے کہا اور انسپکٹر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی اندر آنے کا اشارہ کر دیا۔

"میں آپ سے قانون کے نام پر کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں"

"میں قانون کا احترام کرتا ہوں" میں نے جواب دیا۔

"شارق صاحب آپ شارجہ سے تشریف لائے ہیں"

"جی ہاں" میں نے بآسانی جواب دیا۔

"اور ایک دن پہلے تک آپ طفیل احمد کے مہمان تھے؟"

"جی ہاں"

"طفیل احمد سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"کچھ نہیں میں ان کے بیٹے کفیل کا دوست ہوں اور شارجہ میں میری اس سے شناسائی ہوئی تھی"

"آپ نے کچھ ایسی کارروائیاں کی ہیں وہاں جن کی شکایت طفیل احمد صاحب نے پولیس کو دی ہے۔ براہِ کرم آپ ہمارے ساتھ چلئے۔ ہم آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں"

"آفیسر کیا یہ مناسب نہیں ہو گا کہ آپ یہ معلومات مجھ سے یہیں حاصل کر لیں"

"دیکھو دوست میں بہت سخت آدمی ہوں اور پولیس کے فرائض کی بجا آوری میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ تمہیں فوراً شرافت کے ساتھ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہے ورنہ ہم دوسرا رویّہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے"

"آفیسر ایک بات کہوں آپ سے؟ کسی بھی شخص کے ساتھ پولیس کو اتنا سخت رویّہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ وہ کسی جرم میں ملوث نہ ہو جائے"

"تم جرم میں ملوث ہو، زیادہ قانون بگھارنے کی کوشش کی تو ڈنڈے مار مار کر ٹھیک کر دوں گا، چلو" پولیس آفیسر کا لہجہ سخت ہو گیا۔

میں نے دونوں ہاتھ سامنے کرتے ہوئے کہا "نہیں... نہیں پولیس آفیسر میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ ڈنڈے مارنے کی ضرورت نہیں بھائی میں چلتا ہوں"

میں نے فوراً ہتھیار ڈال دیے اور اس کے بعد میں لباس وغیرہ تبدیل کر کے پولیس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ہوٹل میں مقیم بہت سے لوگ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں خاموشی سے باہر آ کر پولیس کی جیپ میں بیٹھ گیا۔

یہ دلچسپ صورتِ حال میرے لیے ذرا بھی تکلیف دہ نہیں تھی۔ پولیس آفیسر مجھے تھانے میں لے گیا اور یہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ یہ تھانہ بابر جان کے علاقے ہی میں آتا تھا۔ مجھے دفتر میں بٹھا دیا گیا اور پولیس آفیسر اپنے ماتحتوں سے دوسرے معاملات کے بارے میں باتیں کرنے لگا۔ پھر اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھایا کسی کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان

سے لگا لیا۔ پولیس آفیسر کسی سے کہہ رہا تھا۔

"جی ہاں میں نے گرفتار کر لیا ہے۔ جی ہاں موجود ہے۔ آ رہے ہیں آپ؟ آ جائیے" اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ گفتگو میرے ہی بارے میں ہو رہی ہے۔ لیکن آنے والے کون صاحب تھے اس کے بارے میں کوئی پتا نہیں تھا۔ اب وہ آفیسرانہ شان سے مجھے دیکھ رہا تھا "کیا کرتے تھے شارجہ میں؟"

"نوکری"

"یہاں کیوں آ مرے؟"

"گورنمنٹ نے کوئی پابندی نہیں لگائی تھی اور پھر یہ میرا وطن ہے"

ایک شخص دفتر میں داخل ہوا اور پولیس آفیسر اس سے باتیں کرنے لگا تھوڑی دیر تک اس کی طرف متوجہ رہا۔ اور پھر کسی اور سلسلے میں مصروف ہو گیا۔ مجھ سے اب تک اس نے ہی باتیں کی تھیں۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے دفتر میں طفیل احمد کو داخل ہوتے دیکھا بیگم ریحانہ ان کے ساتھ ہی تھیں۔ دونوں نے مجھ پر نگاہ ڈالی۔ اور ریحانہ بیگم کے چہرے پر نفرت کے آثار پھیل گئے۔

"تو پکڑے گئے تم! جس تھالی میں کھا رہے تھے اس میں سوراخ کر دیا"

"آپ لوگ تشریف رکھیے" پولیس آفیسر نے احترام سے انھیں کرسیوں پر بٹھا دیا۔

"تو یہی ہے وہ شخص!" میں نے سوال کیا۔

"سو فیصد انسپکٹر۔ ہم نے تو بڑی محبت اور چاہ سے کفیل کا دوست سمجھ کر اسے اپنے ہاں رکھا تھا مگر اس نے..." ریحانہ بیگم نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ رپورٹ درج کروا دیجیے۔ ان جیسے شریف لوگوں سے تو ہمیں نمٹنا اچھی طرح آتا ہے" انسپکٹر نے کہا۔

"بس انسپکٹر یہ شخص کفیل کے دوست کی حیثیت سے ہمارے گھر آیا اور ہم نے اسے صرف اس لیے اپنے درمیان جگہ دی کہ یہ شریف آدمی ہے مگر اس نے ہمارے ہی سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ یہ اپنی مذموم کوششوں سے میری بہو کو بہکاتا رہا اور پھر جب ہم نے سختی سے اس کا نوٹس لیا تو یہ ہمارا گھر چھوڑ کر ہوٹل میں مقیم ہو گیا مہک کو لے کر رفوچکر ہو گیا۔ بہت چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ خود ہوٹل میں رہا اور اسے کہیں اور پوشیدہ کر دیا" طفیل احمد نے کہا۔ اور میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔

مہک گم ہو گئی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور ذہن میں بہت سی چرخیاں چلنے لگیں۔ بلاشبہ طفیل احمد نے بڑا خطرناک کام انجام دے ڈالا تھا اور اس کی وجہ شاید یہی ہو گی کہ انھیں مجھ سے اور مہک سے شدید خطرہ لاحق تھا۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ طفیل احمد شیخ اور بیگم شیخ کوئی ایسا کھیل شروع کر دیں گے۔ میں نے خاموشی ہی اختیار کی۔

طفیل احمد اپنا بیان دیتے رہے اور انسپکٹر نے ہیڈ محرر کو بلا کر ان کا بیان لکھوانا شروع کر دیا کافی دیر تک یہ کارروائی جاری رہی اسی دوران مجھ سے کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں کی گئی تھی۔ میں نے خود بھی خاموشی اختیار کر لی۔

جب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو پولیس آفیسر نے شیخ صاحب سے کہا "آپ اطمینان رکھیے طفیل صاحب۔ آپ جیسے معزز لوگوں کی عزت کو قائم رکھنا ہماری ذمے داری ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اپنی ذمے داری سے ہم نے کبھی غفلت نہیں برتی۔ اس شخص کے حلق میں انگلیاں ڈال کر اصل بات اگلوائی جائے گی۔ یہ بتائے گا کہ اس نے مہک کو کہاں رکھا ہے؟ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ شکر ہے یہ نکلنے نہیں پایا اور ہم نے اسے گرفتار کر لیا"

"مجھے تو یہی خدشہ تھا آفیسر کہ اب یہ ہوٹل میں نہیں ملے گا بہت چالاک آدمی ایسی ہی چوٹ کھاتے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے اب معاملہ ہمارے اور اس کے درمیان ہے"

"تو مجھے اجازت دیجیے آفیسر میں بہت سی مصروفیتیں رکھتا ہوں۔ اس شخص نے میری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے"

"میں اس کے دونوں ہاتھ کاٹ کر آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ آپ فکر ہی نہ کریں" پولیس آفیسر نے کہا طفیل احمد اور بیگم ریحانہ شیخ کھڑے ہو گئے تھے۔

میں اب صورتِ حال پر سنجیدگی سے غور کر رہا تھا میرے ذہن میں یہ تصور بھی اُبھر رہا تھا کہ ممکن ہے یہ وہی پولیس آفیسر ہو جس نے میمونہ پر الزام لگا کر اُسے سزا کرائی تھی۔ طفیل احمد سے اس کے خاصے گہرے تعلقات معلوم ہوتے تھے۔ پولیس آفیسر پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔

"تم کس مقصد کے تحت شارجہ سے یہاں آئے تھے؟" اس نے گھورتے ہوئے مجھ سے پوچھا "دیکھو میں پولیس کا روایتی انداز اختیار کرنا نہیں چاہتا۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں الٹا لٹکا کر ایک ایک لفظ قبول کرا لوں۔ لیکن تم شکل سے پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ بہتر ہے کہ اپنی زبان خود ہی کھول دو۔ ویسے بھی تم نے

جو حرکت کی ہے۔ وہ قابلِ معافی نہیں ہے کسی کی عزت پر اس طرح ہاتھ ڈال دینا معمولی بات نہیں ہے۔ کتنے عرصہ کے بعد شارجہ سے یہاں آئے ہو؟"

"تھوڑے عرصے کے بعد آفیسر! اس سے پہلے بھی یہاں آتا رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور شناسا ہے یہاں؟" پولیس آفیسر نے سوال کیا۔

"ہاں بس ایک صاحب ہیں اگر ان سے ملاقات کرادیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔"

"کون ہے وہ؟"

"ایس پی لگے ہوئے ہیں یہاں، بابر جان نام ہے۔" میں نے سادگی سے کہا۔

پولیس آفیسر اُچھل پڑا۔ وہ کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "ایس پی صاحب سے تمہاری شناسائی ہے؟"

"ہاں آفیسر میرا تو یہی خیال ہے۔ اب وہ مجھے پہچانیں گے یا نہیں یہ میں نہیں جانتا۔"

"یہ شناسائی کیسے ہوئی تھی تمہاری؟"

"یہ بھی ایس پی صاحب ہی بتاسکیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے آفیسر کہ تم ایس پی صاحب سے میری بات کرا دو؟"

"وہ ابھی آدھے گھنٹے کے اندر یہاں آنے والے ہیں۔" پولیس آفیسر نے بے اختیارانہ انداز میں کہا اور پھر مجھے گھورنے لگا۔ "لیکن تمہاری ان سے شناسائی نہ ظاہر ہوئی تو میں مار مار کر تمہاری کمر توڑ دوں گا۔"

"واہ! یہ بھی اچھی رہی ارے بھائی اگر وہ مجھے نہ پہچانے تو میں کیا کروں گا۔ تم خود بتاؤ!"

"ان کے علاوہ اور بھی کوئی ہے؟"

"نہیں فی الحال تو بس وہی ہیں۔ تم جو کچھ بھی شروعات کرنا چاہو آفیسر آدھے گھنٹے کے بعد کر لینا۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔"

آفیسر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑایا تھا اور پھر اس نے ایک کانسٹیبل کو بلاکر کہا۔ "ایس پی صاحب نے کتنی دیر کے بعد آنے کے لیے کہا تھا؟"

"آگئے ہیں صاحب۔ باہر ہیں۔"

"او ہو... او ہو۔" پولیس آفیسر نے کیپ بغل میں دبائی اور باہر نکل گیا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بے چارے کو خوش ہونے کے لیے ذرا بھی تو وقت نہیں ملا۔ باہر جاکر اس نے بابر جان سے پتا نہیں کیا کچھ کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایس پی بابر جان اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گئے۔ مجھے دیکھا اور بری طرح ٹھٹک گئے۔ انھوں نے خونخوار نگاہوں سے پولیس آفیسر کو دیکھا اور پھر غرّائے۔ "یہ ہے وہ شخص؟"

"جی سر!" پولیس آفیسر نے مؤدبانہ انداز میں کہا اور ایس پی بابر جان کے ہونٹ بھنچ گئے۔

پولیس آفیسر ان کی یہ کیفیت دیکھ کر متعجب ہو گیا تھا۔

ایس پی بابر جان نے کہا۔ "اب تم اپنی وردی اُتارنے کے انتظامات کر لو۔ میں نے تم سے کتنی بار یہ بات کہی ہے کہ اپنا یہ رویّہ چھوڑ دو اور انسان بن کر کام کرو۔ لیکن اب میں کیا کروں تمہاری شامت ہی تمہیں دھکیل دھکیل کر ایسے مرحلوں کی طرف لے آتی ہے۔"

"مم... میں... میں سمجھا نہیں سر۔" پولیس آفیسر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"انھیں نہیں پہچانتے؟" ایس پی نے آفیسر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"نن... نہیں سر... لگ کون ہے یہ؟"

"میں ہی تعارف کرادوں۔ آئی جی عظمت حسین کا نام بھی شاید تم نے نہ سنا ہو؟"

"سس... سر میں انھیں جانتا ہوں۔"

"یہ عظمت حسین کے بیٹے جج امجد حسین بیرسٹر نصرت حسین اور ایس پی طارق حسین کے بھائی شارق حسین ہیں۔ شارق حسین ایڈووکیٹ۔ میرا خیال ہے کبھی کبھی اخبارات پر نظر تو پڑ جاتی ہوگی۔ شارق حسین ایڈووکیٹ کے بارے میں اخبارات بہت کچھ چھاپتے رہے ہیں۔" ایس پی بابر جان کے ان الفاظ نے پولیس آفیسر کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "سس... سوری سر... مم... مگر... مم میں۔"

"اس کے علاوہ تم اور کیا کہہ سکتے ہو آفیسر اور اگر تم میرے علاقے کے تھانے کے ایس ایچ او رہنا چاہتے ہو تو کم از کم تمہیں ایسے اہم لوگوں کے بارے میں معلومات ہونی چاہئیں جنہوں نے بہت کچھ کیا۔"

"انتہائی معذرت خواہ ہوں سر..." انسپکٹر کے لہجے میں ہکلاہٹ تھی۔

ایس پی بابر جان نے گردن جھٹکی اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولا۔ "کیا خیال ہے شارق صاحب! کیا کرنا ہے ان حضرت کے سلسلے میں؟"

"کچھ نہیں ایس پی صاحب یہ تو ہمارے روزمرّہ کے معمولات ہیں۔ آئیے اب ایک نشست ہو جائے۔ اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

بابر جان نے پولیس آفیسر کو گھور کر دیکھا اس کی گردن جھک گئی تھی۔ ایس پی صاحب کرسی پر بیٹھ گئے اور ایس ایچ او سے کہا کہ دفتر کا دروازہ بند کر دو اور سب سے کہہ دو کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ وہ کان دبائے ہوئے باہر نکل گیا اور چند ہی لمحوں بعد وہ واپس آگیا۔

"بیٹھو۔" بابر جان نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولے۔ "ہاں بھئی! مسئلہ کیا ہے؟ اور ہمارے لائق کیا خدمت ہے؟ ان صاحب نے کچھ مجھے بتایا تو ہے لیکن اب ذرا میں اندر کی تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا قصّہ ہے؟"

"ہمارے آفیسر صاحب بعض لوگوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ میں پولیس کے معاملات میں کوئی مداخلت پسند نہیں کرتا لیکن کم از کم انسانی ہمدردیوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے زندگی میں کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں کہ یہ تصور ہی ختم ہو گیا کیا اچھا ہے اور کیا بُرا؟ لیکن کبھی کبھی اپنے ضمیر کا محاسبہ بھی کر لینا چاہیے اور اس کی آواز پر کان دھر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ میرا خیال ہے آپ کے ان آفیسر نے ایک بہت گھناؤنی حرکت کی ہے۔ معاف کرنا آفیسر میں اس کی نشاندھی کبھی نہ کرتا لیکن اس کا تذکرہ کرنا ایک مجبوری ہے۔ اب آپ ذرا یہ فرمایئے کہ میری یہ گرفتاری آپ نے کس سلسلے میں کی ہے؟"

ایس ایچ او نے کہا۔ "طفیل احمد شیخ کا بیان دُہرایا کہ میری گرفتاری ان کی جانب سے اپنی بہو کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرانے کے سلسلے میں ہوئی ہے۔"

"آپ نے مجھے پہلے گرفتار کیا اور اس کے بعد رپورٹ درج کی، ایسا کیوں؟"

ایس ایچ او بغلیں جھانکنے لگا۔ ایس پی بابر جان خونخوار نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے۔

"سنو یہاں جو ماحول پیدا ہوا ہے۔ اس میں سچ بولنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے دوسری صورت میں جو کچھ ہو گا اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

پولیس آفیسر نے آہستہ سے گردن ہلائی اور پھر آہستہ سے بولا۔ "جی سر میں سمجھ رہا ہوں۔ دراصل طفیل احمد صاحب نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ میں ہوٹل سے فرار ہو جاؤں گا۔ وہ اس سلسلے میں مؤثر کارروائی چاہتے تھے۔ چنانچہ میری ان سے پہلے ہی بات ہو چکی تھی اور پھر میں گرفتاری کی۔ طفیل صاحب نے بعد میں پولیس اسٹیشن آکر اپنا بیان لکھوایا تھا۔"

"اصل معاملہ کیا ہے؟"

"سر آپ یقین کریں میں اس سلسلے میں بہت زیادہ نہیں جانتا البتہ طفیل صاحب نے یہ کہا تھا کہ شارق صاحب کے سلسلے میں پولیس کا یہ اقدام ضروری ہے۔ بہو کے سلسلے میں انھوں نے نرمی اختیار کی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کے سلسلے میں کوئی تشویش نہیں ہے۔"

"یعنی بہو ان کی اپنی تحویل میں تھی؟"

"اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے سر۔" پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

ایس پی بابر جان میری طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "شارق براہِ کرم ہمیں بھی حالات سے محروم نہ رکھیں۔"

"مختصر سی کہانی ہے ایس پی صاحب۔ ایک لڑکی جو اپنے ایک چھوٹے سے گول مٹول بچے کے ساتھ شارجہ سے اپنے شوہر کی تلاش میں آئی تھی۔ بدچلنی کے الزام میں جیل بھجوا دی گئی اور اب تین ماہ کی قید بھگت رہی ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کے اس آفیسر کا ہاتھ ہے کیونکہ یہ مجھے طفیل احمد کے پرانے نمک خوار معلوم ہوتے ہیں۔"

ایس پی بابر جان نے نفرت بھری نگاہوں سے آفیسر کی طرف دیکھا۔ "کیا یہ حقیقت ہے؟"

"جی سر انکار نہیں کروں گا طفیل صاحب نے اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ اس عورت پر الزام لگا کر اس پر کیس بنوا دیا جائے تاکہ اگر وہ کبھی قانونی کارروائی کرے تو اس الزام کا سہارا لے کر اسے ایک آوارہ فطرت عورت قرار دیا جاسکے۔"

"اور آپ نے یہ سب کچھ کر دیا۔ ٹھیک... ویری گڈ۔ ہاں شارق صاحب ذرا تفصیل۔"

اور شارق نے سارے حالات ان کے گوش گزار کر دیے ایس پی نے ایک بار پھر آفیسر کو گھور کر دیکھا وہ بے چارہ نظریں جھکائے بیٹھا تھا۔ چند لمحے مکمل خاموشی رہی پھر ایس، پی

بابر جان نے پولیس آفیسر کو مخاطب کر کے کہا۔

"میرا خیال ہے بگڑی بنانا آپ ہی اچھی طرح جانتے ہیں آفیسر اب یہ بتلایئے اس بگڑی کو کیسے بنایا جائے؟"

"سر آپ کا جو حکم ہو مجھے اپنی اس کوتاہی کا احساس ہے۔"

"آفیسر زندگی میں بہت سی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ انسانوں کے ساتھ اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے جائز اور ناجائز طریقۂ کار بے شمار لوگ مختلف انداز سے اختیار کر رہے ہیں کیا یہ بہتر نہیں ہوتا کہ ہم ان مظلوموں پر نگاہ رکھیں جن کا کوئی اور سہارا نہیں ہوتا کم از کم اس سلسلے میں ہم بڑے لوگوں کے ساتھی نہ بنیں مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے ضمیر کو ٹٹول کر یہ فیصلہ کریں گے کہ برائیوں کو کہاں تک اپنایا جا سکتا ہے؟"

"سر میں معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیوں شارق صاحب؟"

"ہاں جناب بالکل ٹھیک ہے انسان کو جب بھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اسے اس کا موقع دینا چاہیے کہ وہ اس غلطی کا ازالہ کرے۔"

"پولیس آفیسر آپ نے دیکھا یہ شارق حسین ہیں۔ اور میں جانتا ہوں آپ انھیں جس انداز میں لائے ہوں گے اور اب تک ان کے ساتھ جو کچھ بھی سلوک کیا گیا ہوگا۔ اس کے باوجود یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی اصلاح کا موقع دیں۔"

"سر میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"چلیے ٹھیک ہے طفیل احمد کی نمک خواری ختم کر کے اب آپ قانون کی نمک خواری کریں اور اب یہ بتایئے کہ اس سلسلے میں کیا صورتحال ہونی چاہیے۔ مہک کو طفیل احمد کے حلق سے کیسے نکالا جا سکتا ہے؟"

"سر میں اس سلسلے میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہ کام کر لوں گا۔"

"کس طرح؟" بابر جان نے سوال کیا۔

"سر، طفیل احمد سے میری طویل شناسائی ہے۔ وہ جرائم پیشہ نہیں ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اپنی بیگم کے ہاتھوں مجبور ہیں اور انھی کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ میں انھیں اس طرح کی پٹی پڑھاؤں گا کہ وہ خوفزدہ ہو کر مہک کو خود ہی واپس لے آئیں گے لعنی یہ سوچیں گے کہ مہک کا ان کے ساتھ رہنا ہی مناسب ہے۔ شارق صاحب کے سلسلے میں، میں انھیں یہی بتاؤں گا کہ ان کے سلسلے میں مضبوط کارروائی کی جا رہی ہے وہ برآمد ہو جائے تو شارق صاحب کا مسئلہ کسی نہ کسی شکل میں خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں، میں نہیں جانتا کہ ان کی کیا منصوبہ بندی ہے۔ لیکن سر ایک پیشکش کرتا ہوں کہ اب میں خود بھی ان کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ جس طرح بھی بن پڑے اور جس طرح یہ مجھ سے کام لینا پسند کریں۔"

"ٹھیک ہے انسپکٹر آپ ابتدا یہیں سے کیجیے کہ مہک کو برآمد کر لیجیے۔ کچھ ایسی ترکیب سمجھایئے انھیں کہ وہ خود ہی اسے منظرِ عام پر لے آئیں۔ اسے اپنے گھر پر رکھیں۔ اس کے بعد ہمیں مہک کی ضرورت ہوگی۔ آپ اسے اپنی تحویل میں لے کر مجھ تک پہنچا دیں۔ اب ایس، پی صاحب اسی سلسلے میں براہِ راست ملوث ہو ہی گئے ہیں تو پھر ہم انھیں بھی تکلیف دیں گے۔"

"ہاں بھائی کیوں نہیں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتانا۔"

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے "اور شارق میں کچھ مصروف ہوں لیکن میری راہیں آپ کے لیے خالی ہیں۔ جب بھی میری ضرورت ہو مجھے یاد کر لینا۔ ویسے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"فی الحال میں اسی ہوٹل میں مقیم ہوں جس سے انسپکٹر صاحب نے مجھے برآمد کیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ سے دوسری ملاقات کا منتظر رہوں گا۔" بابر جان نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

ان کے جانے کے بعد میں چند لمحات تک انسپکٹر سے بات کرتا رہا اور پھر اس سے ہاتھ ملا کر باہر نکل آیا۔ وہاں سے سیدھا ہوٹل آیا۔ کسی نے میری جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی حالانکہ لوگوں نے مجھے پولیس کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں سکون سے بیٹھ گیا اور کافی دیر تک ان معاملات پر غور کرتا رہا اور ترتیب وار اس پروگرام کو سیٹ کر رہا تھا کہ پہلے کیا ہونا چاہیے اور بعد میں کیا وہ اگر وہ برآمد ہو گئی اور پولیس آفیسر کے کہنے پر طفیل احمد اسے واپس لے آئے تو کیا وہ وہاں رہ سکے گی۔ ظاہر ہے طلاق کے سلسلے میں طفیل احمد کے پاس نوٹس پہنچے گا اور وہ مہک سے اس سلسلے میں سختی کریں گے ہو سکتا ہے۔ بیگم ریحانہ۔ اس سلسلے میں کوئی اور سخت کارروائی بھی کر ڈالیں۔ ایسی صورت میں اس کے لیے کیا کیا جائے؟ میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے لیے بھی کسی ہوٹل میں ایک کمرہ لے لینا مناسب ہوگا۔ ویسے خطرناک خاتون تھیں یہ اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا۔ ورنہ حالات بہت بگڑ جاتے۔ کسی کے پاس رکھنا بھی مناسب نہیں تھا۔ اور نہ ہی انھیں طفیل احمد

کی کوٹھی میں رکھا جا سکتا تھا چنانچہ اس کے علاوہ کوئی اور ترکیب نہیں تھی کہ کسی ہوٹل میں ان کے لیے ایک کمرہ مخصوص کر دیں اور پھر میں نے سوچا کہ یہی ہوٹل کیا برا ہے۔ بس کمرہ الگ رکھا جائے۔ باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ صورت حال تشویشناک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کو بھی ذہن میں رکھنا تھا۔ جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ ابھی تو میں نے اس کا تذکرہ بھی کسی سے نہیں کیا تھا۔ لیکن اس بات کو نظر انداز کر دینا مناسب نہیں تھا کم از کم طفیل احمد کو یہ بات تو معلوم ہو ہی گئی ہوگی اور میں نے حملہ آوروں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

مہک کے سلسلے میں زیادہ تشویش تھی چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ جس کمرے میں مہک کو رکھا جائے گا اس کے برابر ہی بدر شاہ کے دو آدمی بھی ہونے چاہئیں تاکہ اس کی حفاظت کی جا سکے۔ میری آرمی ہمیشہ ہر نے مفادات کے لیے کام کرنے پر تیار رہتی تھی۔ بعد کے معاملات اسی کام میں صرف ہو گئے بدر شاہ سے ملاقات کی، ہوٹل میں اس کے آدمیوں کے لیے بندوبست کر دیا اور مہک کے لیے بھی ایک کمرہ حاصل کیا گیا۔

اب مجھے بے چینی سے انسپکٹر کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ رات کو ساڑھے آٹھ بجے اس نے سادہ لباس میں مجھ سے میرے ہوٹل کے کمرے میں ملاقات کی۔ آج کا دن میں نے ان مصروفیات میں گزارنے کے بعد ہوٹل ہی کا رخ کیا تھا۔ چنانچہ انسپکٹر سیدھا میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا "شارق صاحب میں نے آپ کا کام کر دیا ہے۔"

"کیا رپورٹ ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں نے طفیل احمد کو پٹی پڑھائی اور انھیں کچھ ایسے قانونی نکتے سمجھائے کہ وہ مہک کو واپس کوٹھی سے لے آئے۔"...

"یہ نہیں بتایا انھوں نے کہ اسے کہاں رکھا؟"

"ویسے اپنے سمندر کے کنارے والی ہٹ میں پہنچا دیا تھا دو آدمی اس پر متعین کر دیے گئے تھے۔"

"آپ کی مہک سے بات ہوئی؟"

"جی نہیں۔ لیکن میرا اس کا سامنا ضرور ہوا۔ ہم لوگوں نے ساتھ چائے بھی پی تھی۔"

"ہوں! ٹھیک تو انسپکٹر آپ کے اس تعاون کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں اور ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔ آپ سے، آپ خلوصِ دل سے اس مسئلے میں کام کر رہے ہیں یا صرف مجبوری؟"

"اب یہ سوال کر کے شرمندہ نہ کریں۔ جو کچھ میں کر چکا ہوں اس پر مجھے افسوس ہے۔ مگر ایک تشویش بھی ہے۔ میموریٰ کے سلسلے میں جب کارروائی ہوگی اور میرا نام بھی سامنے آئے گا۔"

"اس کے لیے میں نے سوچ لیا ہے۔ ہم تمام ذمہ داری طفیل احمد پر ڈالیں گے اور اس سلسلے میں کچھ اور کام بھی کر لیں گے۔"

"شارق صاحب! میں آپ سے مدد کی درخواست کرتا ہوں۔ اور ایک وعدہ بھی کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کو بھی میری مدد کی ضرورت پیش آئی تو آپ مجھے پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"اطمینان رکھو۔ تمہیں اس سلسلے میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" میں نے جواب دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ مہک سے کیسے رابطہ قائم کیا جائے؟ اس سلسلے میں مجھے ہمت سے کام لے کر دوسرے دن اس سے ملاقات کرنی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ ٹیلیفون پر اس سے رابطہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے لیے میں پہلے ہی کوشش کر چکا تھا مزید کوشش کرنا طفیل احمد کو ہوشیار کرنے کے مترادف تھا۔ میں نے دل میں فیصلہ کر دیا کہ کل دن میں طفیل احمد کی کوٹھی ضرور جاؤں گا۔

انسپکٹر چند لمحوں بعد چلا گیا تھا اور میں مسلسل اس سلسلے میں پلاننگ کرتا رہا تھا دوسرے دن کافی تیاریوں کے بعد میں طفیل احمد کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ ٹیکسی سے اترا اور اندر داخل ہو گیا بیگم ریحانہ سب سے پہلے نظر آئی تھیں۔ غالباً طفیل احمد موجود نہیں تھے بیگم صاحبہ مجھے دیکھ کر ساکت رہ گئی تھیں۔ میں مسکراتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ہیلو آنٹی کیسی ہیں آپ؟"

لیکن جواب میں بیگم ریحانہ نے کچھ نہیں کہا۔

"مہک کہاں ہے؟"

"کیوں؟ کیا کام ہے اس سے؟" انھوں نے تنک کر سوال کیا۔

"کام تو مجھے آپ سے اور طفیل احمد شیخ سے ہے۔ شیخ صاحب کو میرے آنے کے بارے میں اطلاع دیجیے۔"

"وہ موجود نہیں ہیں۔"

"تب آپ سے ہی کام چل جائے گا بیگم صاحبہ۔ دیکھیے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھ سے تعاون کیجیے ورنہ آپ کو جو نقصان پہنچے گا، اس کی ذمہ دار خود آپ ہوں گی۔"

"اگر تم سمجھتے ہو کہ ہمیں دھمکیاں دے کر تم کوئی فائدہ حاصل

کرلوگے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ بہت جلد تمہاری مصیبتوں کا آغاز ہو جائے گا اس بار تم نے ضمانت کرالی ہے لیکن دوسری بار ایسے جنجال میں پھنسو گے کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

"بیگم صاحبہ میں آپ سے تعاون کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی بھی کام ایسا نہیں کرنا چاہتا جو آپ کی مرضی کے خلاف ہو۔"

"لیکن تم نے چکر تو بڑے اعلیٰ پیمانے پر چلایا تھا۔"

"معافی چاہتا ہوں آپ سے۔ جسے آپ نے چکر تصور کیا تھا درحقیقت وہ چکر نہیں ہے میں مہک کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا لیکن اگر میری ذہنی کیفیت کا آپ جائزہ لیں تو وہ آج بھی میرے لیے محترم ہے کیونکہ وہ میرے دوست کی بیوی ہے۔"

"لیکن اسے تو تم نے بہت بہکا دیا ہے۔"

"میں نہیں۔ کسی بھی سلسلے میں آپ چاہیں تو مہک پر کوئی بھی سختی کرسکتی ہیں میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔"

"اب کیا چاہتے ہو؟"

"میں آپ کو سب سے پہلے تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ان غنڈوں سے یقیناً آپ کی ملاقات ہو گئی ہو گی جنہیں آپ نے میرے لیے متعین کیا تھا آپ کی دوسری کوشش مجھے جیل بھجوانے کی تھی۔ جس میں آپ ناکام رہیں چنانچہ بہتر ہے کہ تیسری کوشش سے گریز کریں اور مجھ سے تعاون کریں۔ البتہ اگر آپ نے اب کوئی کوشش کی تو پھر میرے اور آپ کے درمیان دشمنی کا آغاز ہو جائے گا۔"

"میں کسی دشمنی سے نہیں ڈرتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اگر یہ بات ہے تو پھر یونہی سہی آپ طفیل صاحب کو میرا پیغام پہنچا دیجیے کہ میرے ساتھ جس دشمنی کا آغاز کیا گیا ہے اس کے نتائج بھگتنے کو تیار رہیں۔"

"تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو؟" بیگم صاحبہ نے سوال کیا

"نہیں۔ کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گی کہ جو مہک میرے ذریعے اغوا ہو گئی تھی وہ واپس آپ تک کیسے پہنچ گئی؟"

"تم پولیس اسٹیشن جانے کے بعد ان حالات کو برداشت نہیں کرسکے۔ اور تم نے مہک کو واپس بھجوا دیا۔ کیا سمجھے۔"

"اوہ! اچھا آئیڈیا ہے ذرا مہک سے ملاقات کی اجازت دیں گی؟"

"ہرگز نہیں۔"

"افسوس بیگم صاحبہ وہ ایک بالغ عورت ہے میری دوست ہے اور اسے میری مدد کی ضرورت ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"زبردستی؟"

"جی ہاں اگر آپ اس سلسلے میں راستہ روکیں گی تو میں زبردستی کروں گا۔"

بیگم شیخ کچھ سوچتی رہیں پھر انھوں نے آہستہ سے کہا۔ "جاؤ مل لو اس سے۔ دیکھوں کیا کرسکتے ہو تم! تم نے ابھی ہماری طاقت کا اندازہ نہیں لگایا۔"

میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا مہک اپنے کمرے میں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر مسرت سے اچھل پڑی۔

"تمہیں... تمہیں یہاں اندر آنے کی اجازت کیسے مل گئی؟"

"ہمارا نام بھی شارق ہے محترمہ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ کچھ خوفزدہ سی تھی وہ میرے پیچھے عقب میں دیکھ رہی تھی۔ میں موقع پاتے ہی تمہارے ہوٹل پہنچوں گی۔ کسی بھی وقت۔"

میں اس کے اس طرح دیکھنے سے چوکنا ہو گیا تھا عقب میں کوئی موجود نہیں تھا اس نے پھر سرگوشی کی۔ "اور میں جو کچھ کہوں گی یوں سمجھ لینا مجبوری ہو گی ساری تفصیل تمہیں ہوٹل آکر بتاؤں گی۔"

میں ایک لمحے تک اس کی اس کیفیت پر غور کرتا رہا تھا پھر خود بھی سنبھل گیا۔

"تو آپ مجھ سے نفرت کرتی ہیں لیکن آپ کو خود اندازہ ہے کہ میں نے بھی آپ کی جانب کسی نگاہ سے نہیں دیکھا صرف کفیل کا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے میں آپ کی طرف متوجہ ہوا۔"

"آپ کون ہوتے ہیں مسئلے حل کرنے والے کفیل کے ماں باپ اور میں اس کی بیوی اس کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہیں آپ نے اگر اپنے طور پر کچھ سوچ لیا تو یہ آپ کی غلطی ہے میری تو نہیں۔ میں کفیل کی بیوی ہوں اور کسی بھی طور اس سے منحرف نہیں ہوسکتی اگر آپ میرے رویے سے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے تو یہ آپ کا قصور ہے میرا نہیں میرا شوہر جیسا بھی ہے مجھے پسند ہے اور میں اسی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

"تو میں نے آپ کو اس کے لیے مجبور نہیں کیا میں تو بس حالات سے ذرا سا الجھ گیا تھا۔ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں میں رک گیا میرے ذہن میں یہی خیال تھا کہ شاید آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ شاید آپ بھی کفیل کی سوتیلی والدہ کے

مظالم کا شکار رہیں۔

براہ کرم آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ مجھ سے دوبارہ ملاقات کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"میں بھی اتنا گرا پڑا نہیں ہوں کہ آپ کے لیے ذلت اور رسوائی اٹھاؤں۔ خدا حافظ۔" میں نے کہا اور تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا ایک لمحے میں مجھے یقین ہو گیا کہ دروازے کے باہر کوئی موجود تھا دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں میں نے صاف سنی تھیں۔ چنانچہ میں رکا اور مسکرا کر اس طرف دیکھتا ہوا ابھر آیا۔

"خاتون فرار ہو گئیں۔ جس طرح بھی تم سے ممکن ہوسکے جلد از جلد میرے ہوٹل پہنچ جاؤ۔ میں نے تمہارے لیے انتظامات کرلیے ہیں۔"

"اطمینان رکھو پہلی فرصت میں بلکہ اگر ہوسکا تو آج ہی رات کے کسی حصے میں میرا انتظار کرنا۔" اس نے کہا اور میں دروازے سے باہر نکل آیا۔

بہت دور ایک راہداری سے مسز طفیل احمد شیخ مڑتی ہوئی نظر آئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ میں آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچ گیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"چچی جان آپ کے ذہن میں میرے بارے میں جو غلط فہمیاں تھیں براہ کرم انھیں دور کرلیں۔ بس یوں سمجھیں کہ میں غلط فہمیوں کا شکار ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے میں جلد از جلد شارجہ واپس چلا جاؤں گا چنانچہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔"

انھوں نے کچھ نہ کہا۔ ویسے میں نے ان کے انداز میں سکون کی لہریں دیکھی تھیں۔ چنانچہ میں انھیں سلام کرکے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ باہر نکل کر میں تھوڑی دیر آوارہ گردی کرتا رہا اور ہوٹل واپس چلا آیا۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر میں نے صورتحال پر مزید کچھ دیر غور کیا۔ ایک احساس ہو رہا تھا۔ وہ یہ کہ مہک کے لیے میں نے ہوٹل میں بندوبست کر تو دیا ہے لیکن طفیل احمد اور مسز طفیل احمد ابھی وہ کارروائی دوبارہ بھی دہرا سکتے ہیں جو ایک بار وہ میرے سلسلے میں کرچکے ہیں۔

مہک وہاں سے غائب ہو جائے گی تو ان کی کوششیں کچھ اور بڑھ جائیں گی۔ چنانچہ کیا مہک کا ہوٹل میں رہنا مناسب ہے؟ بہرطور اس سلسلے میں کوئی خاص فیصلہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب اس سے ملاقات ہو جائے۔

رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں اپنے کمرے میں آرام کرسی پر دراز ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور میں نے چونک کر رسالہ رکھ دیا۔ آنے والی مہک ہی تھی اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس تھا اور ہونٹوں پر مسکراہٹ۔

"سوری ڈیئر مگر کیا کیا جائے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔"

"آؤ... آؤ۔ پہلے یہ بتاؤ وہاں سے نکلیں کیسے؟"

"عقبی کھڑکی کود کر۔ میرے کمرے میں مدھم بلب روشن ہے۔ کم از کم رات بھر تو ان لوگوں کو میرے بارے میں تشویش نہیں ہوسکتی البتہ صبح میرے فرار کا راز کھل جائے گا۔"

"ہوں! میں نے تمہارے لیے اس ہوٹل میں ایک کمرے کا بندوبست کیا ہے لیکن تمہارا کیا خیال ہے کیا تم یہاں محفوظ رہ سکو گی؟"

"میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ لوگ کس حد تک شدت اختیار کریں۔ لیکن تمہارے بارے میں وہ ضرور جانتے ہیں کہ تم اس ہوٹل میں مقیم ہو اور اگر میں غائب ہوئی تو وہ تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک ضرور آئیں گے۔ میرے خیال میں یہ جگہ میرے لیے غیر محفوظ رہے گی۔"

"ٹھیک ہے اس کا بھی کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا۔ اب تم اپنی گمشدگی کے بارے میں مجھے بتاؤ۔"

"پھوپی جان مجھے اپنے ساتھ ساحل سمندر لے گئی تھیں اور پھر وہاں مجھے ایک ہٹ میں رکھا گیا جو طفیل صاحب ہی کی ہے چار افراد میری نگرانی پر مامور تھے اور مجھے ہٹ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ چاروں کافی خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہیں اور اسی لیے میں خوفزدہ ہو گئی کہ وہ کوئی بھی کارروائی کرسکتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر تمہیں وہاں سے لایا کس طرح گیا!"

"پھوپی جان ہی مجھے وہاں سے لے کر آئی تھیں لیکن راستے میں انھوں نے جو گفتگو مجھ سے کی وہ کافی خطرناک تھی انھوں نے کہا کہ انھوں نے میرا مستقبل بنانے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے اور میں اپنا مستقبل خود تاریک کرنا چاہتی ہوں انھوں نے کھلے الفاظ میں کہا کہ میرے مستقبل سے ان کا مستقبل وابستہ ہے اور اگر میں نے ان کا مستقبل تباہ کرنے کی کوشش کی تو نہ مجھے زندہ رہیں گی۔ نہ وہ خود زندہ رہیں گی میں خوفزدہ ہونے

کی اداکاری کرنے لگی اور اس کے بعد میں نے ان سے بڑی معافی وغیرہ مانگی تب انھوں نے مجھ سے کہا کہ اول تو شارق کی دوبارہ آنے کی جرأت نہیں ہوگی اس کے لیے انتظامات کر دیے گئے ہیں اور اگر وہ دوبارہ آ بھی جائے تو تم خود اس کے لیے ایسا رویہ اختیار کرو گی کہ وہ تم سے بددل ہو جائے اور پھر ادھر کا رُخ نہ کرے۔ میں جو کچھ کہہ رہی تھی اسی بنیاد پر کہہ رہی تھی لیکن میرے دل میں یہ بات تھی شارق کہ صورتِ حال ذرا بہتر ہوئی تو میں تم سے ملاقات کر کے یہ بات کہوں گی کہ میرے لیے ایک پل بھی اس کوٹھی میں خطرناک ہے۔"

میں گردن ہلاتا رہا۔ چند لمحوں بعد میں نے کہا۔ "فی الحال تو تم اس کمرے میں مقیم رہو۔ دو آدمی تمہاری نگرانی کے لیے موجود ہیں اور تمھیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن میں بھی اس سلسلے میں تم سے متفق ہوں کہ تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"تم اپنی کوٹھی پر منتقل کیوں نہیں کر دیتے۔ اس کے بارے میں تو کسی کو علم نہیں ہے۔"

"اگر وہ لوگ تحقیقات کریں گے تو ہو سکتا ہے انھیں اس کا علم ہو جائے۔ وہ جگہ ابھی مناسب نہیں رہے گی تاہم کچھ نہ کچھ بندوبست میں ضرور کروں گا۔ سنو میرا خیال ہے کل صبح تم سیدھی فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ جاؤ تاکہ وہ تمھیں کل ہی عدالت میں پیش کر دیں اور ابتدائی کارروائی شروع ہو جائے وہ اس سلسلے میں تمہارے تحفظ کا بندوبست بھی کر لیں گے۔"

"جیسا تم کہو شارق میں بھی محسوس کرتی ہوں کہ جو کام ہونا ہے اس میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

کافی دیر تک ہم لوگ باتیں کرتے رہے پھر میں نے مہک کو اس کمرے میں پہنچا دیا۔ بدر شاہ کے آدمیوں کو میں نے خاص طور سے ہدایت کر دی تھی۔ لیکن ظاہر ہے جیسا کہ اس نے کہا رات کو اسے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

دوسرے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے میں اسے لے کر نکل آیا اور فاروقی صاحب کے دفتر میں چل پڑا۔ نو بجے وہ آئے تو میں نے انھیں تمام صورتِ حال بتائی انھوں نے تجویز پیش کی کہ مہک کو اس وقت تک وہ اپنی تحویل میں رکھیں گے جب تک طلاق کا یہ مسئلہ باقاعدگی سے حل نہ ہو جائے میں نے ان کے اس فیصلے پر خوشی کا اظہار کیا اور مہک کے سامنے انھیں یہ پیشکش کی کہ اس کے تمام اخراجات میں برداشت کروں گا۔ فاروقی صاحب نے مسکرا کر گردن ہلا دی تھی بہر طور اس سلسلے کی تمام کارروائیاں انھوں نے کیں اُسے خصوصی طور پر اپنے گھر پہنچا دیا تھا اس کے ساتھ ہی استاد جمو نے کے ہاتھ ایک پرچا بیگم صاحبہ کے لیے بھجوایا گیا تھا جس میں یہ تفصیل درج تھی۔ کہ وہ اس پر یہ نہ ظاہر ہونے دیں کہ شارق سے کوئی واسطہ ہے۔ اس تمام کارروائی کے بعد فاروقی صاحب دوسری کارروائیاں کرنے لگے۔

پتا نہیں طفیل احمد کے ہاں کیا ہو رہا ہے میں اگر چاہتا تو انسپکٹر سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کر سکتا تھا لیکن اس کی ضرورت نہیں تھی البتہ میں نے ہوٹل فوری طور پر چھوڑ دیا تاکہ طفیل احمد میری تلاش میں وہاں نہ پہنچ جائیں، بعد کی کارروائیاں فاروقی صاحب کی تھیں۔ بالآخر انھوں نے تمام معاملات طے کرنے کے بعد مہک کو عدالت میں پیش کر دیا۔ کفیل احمد کو سمن جاری ہو چکے تھے چنانچہ وہ طفیل احمد شیخ اور بیگم شیخ اپنے وکیل فراز بیگ کے ساتھ عدالت میں پہنچ گیا۔ اس کی حالت اس وقت بہتر نہیں تھی۔

فاروقی صاحب سے میری تمام باتیں ہو چکی تھیں۔ اور یہ طے پا چکا تھا کہ فاروقی صاحب کو اس سلسلے میں کیا کارروائی کرنی ہے۔ ظاہر ہے اس دوران میں ان لوگوں کے سامنے نہیں آ سکتا تھا ویسے میں احاطۂ عدالت ہی میں موجود تھا اور دُور سے ان لوگوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ مجھے بڑی بے چینی سے وہاں ہونے والی کارروائیوں کی تفصیل درکار تھی تقریباً دو گھنٹے تک یہ کارروائی جاری رہی اور پھر میں نے ان لوگوں کو کمرۂ عدالت سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ فاروقی صاحب مہک کو لے کر گھر چل پڑے۔ کفیل اور طفیل احمد وغیرہ اپنے راستے لگ گئے تھے اس امکان کو بھی مدِ نگاہ رکھنا تھا کہ فاروقی صاحب سے رجوع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ میں نے ایک ٹیکسی کی اور فاروقی صاحب کے گھر کی جانب چل پڑا ظاہر ہے مہک کو گھر ہی لے جا سکتے تھے۔ میں نے انھیں راستے میں ہی پکڑ لیا۔

"کیا خیال ہے دفتر چلیں؟"

"ہاں چلو لیکن ان دنوں میرا تمہارے ساتھ دیکھا جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"تو پھر چلو تمہارے فلیٹ پر چلتے ہیں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور میں نے اس بات سے اتفاق کر لیا۔

فلیٹ پہنچ کر فاروقی صاحب مجھے اس سلسلے کی تمام تفصیلات بتانے لگے

"فراز بیگ نے تمہارا ہی نام لیا تھا اور یہ کہا تھا کہ مہک کو ورغلایا گیا ہے اور شارق نامی نوجوان نے یہ کارروائی کی ہے ورنہ مہک عام حالات میں بہت اچھی اور نیک طبع لڑکی تھی۔ عدالت نے اُس سے سلسلے میں سوالات کیے تو اس نے صاف کہہ دیا کہ اس کی پھوپی نے دھوکا دے کر اس شادی کے لیے آمادہ کیا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کفیل احمد ایک آوارہ منش اوباش سا آدمی ہے تو اس نے طلاق لینے پر ضد شروع کر دی اور اب اسے اپنی پھوپی اور اپنے سسر سے خطرہ ہے کہ وہ اس پر تشدد کریں گے۔ چنانچہ وہ فاروقی صاحب کے ساتھ رہنا چاہتی ہے اور عدالت سے طلاق کے لیے درخواست کرتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہوئی کہ کفیل اس وقت بھی ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ غالباً طفیل احمد اسے اس طرح ساتھ لا کر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ کفیل کی حالت بہتر نہیں ہے اور وہ ہوش و حواس میں رہ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا لیکن یہ بات اُلٹی ان کے خلاف چلی گئی اور عدالت نے اپنی نگاہ سے دیکھا کہ کفیل احمد کی حالت بہتر نہیں ہے۔ اس سلسلے میں، میں نے یہی کہا کہ کفیل احمد کی موجودہ حالت دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مہک کا کہنا غلط نہیں ہے۔ فراز بیگ ہاتھ ملتے رہ گئے تھے انھیں یہ امید نہیں تھی کہ ان کی یہ اسکیم اس طرح فیل ہو جائے گی۔"

"تو بعد میں کیا صورتِ حال رہی؟"

"بس اگلی پیشی پر حساب کتاب طے ہو جائے گا۔"

"ویری گڈ۔ . . اگلی پیشی کب ہے؟"

"صرف تین دن کے بعد۔ میں نے اس سلسلے میں خاص طور سے جلد بازی کی ہے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا۔" میں نے فاروقی صاحب سے اتفاق کیا اور پھر بولا۔ "میں دفتر نہیں آؤں گا ان دنوں بس آوارہ گردی میں وقت گزار دوں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ طفیل احمد وقت سے پہلے مجھے آپ کے ساتھ دیکھ لیں۔"

فاروقی صاحب نے بھی اس سلسلے میں مجھ سے اتفاق کیا۔ مہک کے لیے طلاق کا مسئلہ یوں ضروری تھا کہ میں میمونہ کا راستہ صاف کرنا چاہتا تھا۔ یہ صرف ابتدائی کارروائی تھی۔ جس میں طفیل احمد کو صرف چھیڑا گیا تھا۔ اصل کارروائی تو میمونہ کے کیس کے سلسلے میں تھی۔ میں نے اسی خیال کو پیشِ نگاہ انھیں مہک کے سلسلے میں پس منظر میں رکھا تھا اور خود پس منظر میں رہا تھا کیونکہ میمونہ کا کیس میں لڑنا چاہتا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں تمام کارروائی فلیٹ پر رہ کر ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہوشیاری شرط تھی ورنہ کہیں بھی دھوکا کھایا جا سکتا تھا۔

دوسرے دن تقریباً دو بجے جب میں دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر آرام کرنے لیٹا مجھے فاروقی صاحب کا فون موصول ہوا۔ رسمی سلام دعا کے بعد انھوں نے بتایا کہ طفیل احمد اور ان کی بیگم دفتر پہنچے تھے اور انھوں نے خاصی تلخ کلامی کی انھوں نے کہا کہ مہک کو ورغلایا گیا ہے اور اس سلسلے میں ایک نوجوان ملوث ہے جس کے بارے میں یقیناً فاروقی صاحب اچھی طرح جانتے ہیں یہ شخص شارق ہے آیا ہے اور یہاں آ کر مہک پر ڈورے ڈالنے میں مصروف رہا ہے۔ اسی کے بہکانے پر وہ اس راستے سے ہٹی ہے ورنہ وہ انھی کے خاندان کی بچی ہے اور ذہنی طور پر بہت معصوم اور سادہ فطرت کی مالک ہے۔ فاروقی صاحب کو سخت طریقے سے مجبور کیا گیا کہ وہ انھیں مہک سے ملوا دیں لیکن فاروقی صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ اس نے انھیں خود ہی منع کر دیا ہے کہ طفیل احمد اور ان کی بیگم کو اس کا پتا نہ بتایا جائے اس پر طفیل احمد نے فاروقی صاحب کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ یہ مسئلہ تو خیر جیسی شکل میں بھی ہونا ہوگا ہو جائے گا لیکن بعد میں فاروقی صاحب کے لیے بہت سی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی اور اس شہر میں وہ مشکل ہی سے رہ سکیں گے۔ فاروقی صاحب نے ان کا یہ چیلنج قبول کر لیا تھا۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ خوفزدہ تو نہیں ہو گئے؟"

"نہیں بھئی اب اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوں کہ ایسے لوگوں سے خوفزدہ ہو جاؤں تمام عمر ہی ایسی دھمکیاں ہی سنتا چلا آیا ہوں بس مہک کے لیے ذرا تشویش ہے کہ کہیں وہ لوگ میرے گھر تک ہی نہ پہنچ جائیں۔"

"اگر آپ محسوس کرتے ہیں تو اس کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"نہیں ایک آدھ دن کی تو بات ہی ہے۔ دیکھ لیں گے ویسے اگر تم چاہو تو بدر شاہ کے آدمیوں کو یہاں متعین کر دو ہماری آرمی کے طور پر تو یہی کام کرتا ہے۔"

"آرمی پہنچ جائے گی۔ آپ بالکل بے فکر رہیں ویسے میں چاہوں تو ایس۔ پی بابر جان سے بھی اس سلسلے میں گفتگو کر سکتا ہوں۔ لیکن ابھی طفیل احمد سے بہت سے کام لینے ہیں۔ اس لیے انھیں وقت سے پہلے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا۔ البتہ

سمجھدار آدمی ہیں اگر وہ نہیں تو ان کی بیگم تو ضرور سمجھدار ہیں چنانچہ میمونہ کا مسئلہ ان کے ذہن میں ضرور ہوگا۔"

"بس تم بدرشاہ سے کہو، باقی اور سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہم نے بھی چوڑیاں نہیں پہنی ہوئیں۔" انھوں نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

بدرشاہ بے چارہ ہر وقت میرے لیے تیار رہتا تھا۔ ہوٹل میں اس نے فوراً اپنے آدمی بھیج دیے اور جب میں نے انھیں وہاں سے ہٹایا تو وہ بغیر پوچھے ہٹ گئے۔ دوبارہ میں نے بدرشاہ سے رابطہ قائم کر کے فاروقی صاحب کے گھر کی نگرانی کے لیے کہا تو اس نے پھر چار مسلح آدمی وہاں بھیج دیے۔ وہ تہ دل سے میرے ہر کام کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔

اسی رات میں ایس۔ پی بابر جان کو اپنے فلیٹ پر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ استاد چھمّن نے آکر بتایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔ بابر جان کو اپنے فلیٹ پر دیکھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور حیرانی بھی۔ بابر جان نے اندر داخل ہونے کے بعد میرا فلیٹ چاروں طرف سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تو یہ ہے درویش کی خانقاہ!"

"جو کچھ بھی ہے آپ کی آمد سے اس کی رونق بڑھ گئی ہے۔"

"کیوں شرمندہ کرتے ہو۔ ہم تو تمہارے سامنے کان پکڑتے ہیں۔ ہم کیا اور ہماری بساط کیا!" بابر جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ ازراہ انکساری کچھ بھی کہہ لیں لیکن میری درویشیت آپ جیسے کرم فرماؤں کے دم سے قائم ہے۔"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ کہ اب کیا ارادہ ہے؟"

"مہک کا مسئلہ حل ہو جائے تو آگے قدم بڑھاؤں ویسے آپ کے ماتحت کے کیا حال ہیں؟"

"میرا خیال ہے ٹھیک جا رہا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابھی تک طفیل احمد نے تمہاری شخصیت نہیں جانی ہے۔"

"دوست ہے آپ کا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"بس انسان خطا کا پتلا ہے لیکن بہت آسان ہے وہ بھی بہک گیا تھا اور کسی بہکے کو سزا دینا آسان ہے۔ اُسے دوسری طرح راہِ راست پر لانا مشکل ہوتا ہے۔"

"بے شک۔" میں نے اعتراف کیا۔

"اس وقت تمہارے پاس آنے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی اس طرف سے گزرا تو تم یاد آ گئے۔ ویسے تمہارے بارے میں اور بھی بہت کچھ سوچا ہے میں نے۔"

"کیا؟"

"اطمینان سے اس مسئلے پر باتیں کریں گے پہلے اس کیس سے فارغ ہو جاؤ۔" ایس پی صاحب بولے۔

"فارغ ہی ہوں جو کام میں نے شروع کر رکھے ہیں وہ جاری ہیں اور مجھے کوئی الجھن نہیں ہے۔ آپ کم از کم یہ تو بتائیں کہ آپ نے کیا سوچا ہے میرے بارے میں؟"

ایس پی صاحب چند لمحات خاموش سے پھر بولے "کسی ایک پیشے سے یہ الجھن منسلک نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے پیشوں میں الجھنیں آڑے آتی ہیں پولیس کا پیشہ اس سلسلے میں سب سے زیادہ الجھنوں کا شکار ہوتی ہے ہمارے سامنے مجرم لائے جاتے ہیں ثبوتوں کی روشنی میں ہم انھیں گرفتار کرتے ہیں کیس بناتے ہیں اور سزائیں دلوانے کے بعد جدوجہد کرتے ہیں لیکن کبھی یوں ہو جاتا ہے۔ کہ ہمارا دل ہم سے بغاوت کرتا ہے۔ اور کہتا ہے جو کچھ ہم نے دیکھا سنا محسوس کیا یوں نہیں تھا بلکہ کچھ اور تھی جو بات ہمارے سامنے تھی اس کی مگر ثبوت چیختے ہیں اور ہم خاموش ہو جاتے ہیں تم نے ایک غلط راہ کی بنیاد ڈالی ہے جو ہمارے لیے تباہی ہے تم ان ثبوتوں کے خلاف کام کرتے ہو اور انھیں غلط ثابت کرتے ہو۔"

"یہی تو میرا مسلک ہے ایس پی صاحب۔ اور یہی میری عبادت۔ میں منتظر رہوں گا آپ کی نشاندہی کا۔"

"اس کام سے فارغ ہو جاؤ۔ میری مدد کی جہاں ضرورت پیش آئے مجھ سے گریز نہ کرنا۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا گریز کا۔ میں یہ کہہ چکا ہوں۔ کہ اس مشن کو میں آپ جیسے محبت کرنے والوں کے سہارے پورا کر رہا ہوں۔"

"مہک کی دوسری پیشی کب ہے؟"

"پرسوں۔"

"گڈ۔ میں نے آفیسر سے طفیل احمد کے بارے میں سوال کیا تھا۔ انھوں نے دوبارہ شاید اس سے رابطہ نہیں قائم کیا اس کا مطلب ہے کہ انھیں اس پر شبہ ہو گیا ہے ویسے میں نے اسے ہدایت کر دی ہے کہ اگر طفیل صاحب اس سے رابطہ قائم کریں تو مجھے فوراً رپورٹ دے گا۔"

"آپ کا شکریہ مجھے ضرور آگاہ کریں۔"

تمام دوست دوستی کے فرض کی ادائیگی میں مصروف تھے اور دلچسپ بات یہ تھی کہ کوئی بھی مجھ پر اپنا احسان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سب کا یہی کہنا تھا کہ وہ بھی اس عبادت میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ گویا میرے مسلک کو تسلیم کر لیا گیا تھا اور اس کامیابی پر میری مسرتوں کا جو عالم ہو سکتا ہے اُسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آشیانے کے باسی اپنی عزت اور وقار کا ڈھول پیٹ رہے تھے۔ لیکن میں اس سے آزادی حاصل کرنے کے بعد آزاد فضاؤں کا پنچھی تھا اور اپنی اس بغاوت کو جہاد سمجھتا تھا۔ معاشرے کے رِستے ہوئے ناسور کرب سے کراہتی ہوئی آوازیں براہِ راست میرے دل تک پہنچتی تھی اور میں بساط بھر ان آوازوں کو سُن کر ان کے دُکھ دُور کرنے کے لیے کمربستہ ہو جاتا تھا اور اسی میں، میں نے اپنے لیے نجات کے راستے تلاش کیے تھے۔ مہک کی طلاق کے سلسلے میں دی ہوئی درخواست کی تاریخ کیونکہ زیادہ دُور نہیں تھی اس لیے میں نے انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بات صرف میمونہ کی رہائی کی نہیں تھی۔ بے چاری قید کے اتنے دن بھگت چکی تھی اور پھر وقار احمد جیسے جیلر کی موجودگی میں قید، قید تصور ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ وقار احمد بھی ان عبادت گزاروں میں سے تھے جو میرے مسلک کے حامی تھے۔ میں میمونہ کو صرف اس قید سے رہائی نہیں دلانا چاہتا تھا بلکہ میں اسے اذیت و کرب کی اس قید سے بھی رہائی دلانے کا خواہشمند تھا جو اپنے شوہر کو کھونے کے بعد بچے کے پورے مستقبل کے لیے اس کے دل و دماغ پر حاوی تھی۔

مقررہ دن مہک کی عدالت میں پیشی ہوئی۔ مرزا مصدق بیگ نے پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ مہک کو ورغلایا گیا ہے لیکن فاضل عدالت نے وکیل صاحب کی کوئی بات نہیں سُنی اور سیدھا سیدھا فیصلہ دیا کہ اگر ایک لڑکی پورے وثوق سے پورے اعتماد سے بالغ ہونے کے بعد اپنے ناکارہ شوہر کے ساتھ وقت نہیں گزارنا چاہتی تو اسے کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ طلاق ہو گئی۔

وکیل فاروقی صاحب، مہک کو ساتھ لیے ہوئے خوشی خوشی اپنے گھر واپس پہنچے اور پھر وہاں سے مجھے اطلاع دینے کے لیے دوڑتے ہوئے میرے فلیٹ پر چلے آئے۔ مجھے انہی کا انتظار تھا اور یہ پروگرام صرف اس وقت تک کے لیے ملتوی تھا جب تک یہ پہلا مرحلہ مکمل نہ ہو جائے۔

میں نے تمام کاغذات اپنی تحویل میں لے لیے۔ طفیل احمد صاحب بُری طرح پاؤں پٹخ رہے تھے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ ان کی باگ دوڑ ریحانہ بیگم کے ہاتھ میں تھی اور وہ اپنی زبان بھول چکے تھے لیکن انہیں پہلی ناکامی سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ مظلوم میمونہ کو اپنی ناپاک سازشوں سے داغدار کر کے جیل تک پہنچا دیا تھا اور یہ سوچ لیا تھا کہ بلی بھاگ گئی لیکن اب شاید انہیں صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔ یقیناً وہ یہ بات جانتے تھے کہ مہک نے بلاوجہ طلاق نہیں لی۔ بیگم ریحانہ شیخ نے اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے اپنی بھتیجی کو آلۂ کار بنایا تھا لیکن یہ آلہ ہی ان کے پیٹ میں چُبھ گیا تھا۔ مہک کی کیفیت تو خیر مجھے معلوم نہیں تھی۔ وکیل فاروقی صاحب نے یہی بتایا کہ وہ مجھ سے فوراً ہی ملنا چاہتی ہے جس پر وکیل فاروقی صاحب نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا کہ فوراً ہی میرا منظرِ عام پر آجانا مناسب نہیں ہے ورنہ کوئی اور اُلجھن بھی پیش آ سکتی ہے اور وہ خاموش ہو گئی تھی۔

میں نے وکیل فاروقی صاحب سے مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ دوسرے دن یہ کیس عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ میری تمام تیاریاں تو تقریباً مکمل ہی تھیں جو باقی رہ گئی تھیں وہ بھی تکمیل تک پہنچ گئیں اور پھر دوسرے دن میں نے فاضل عدالت کے سامنے میمونہ کفیل احمد شیخ کا کیس پیش کر دیا۔ میں نے عدالت کے ذریعے کفیل احمد صاحب، بیگم ریحانہ اور طفیل احمد صاحب کو نوٹس بھجوا کر اور تیسرے دن کی تاریخ طلب کر لی۔ تین دن کے اندر اندر انہیں عدالت میں پیش ہونا تھا۔ نوٹس کی تعمیل کرانے کے انتظام بھی میں نے خصوصی طور پر کیے تھے۔ خدا کے فضل سے اب مجھے اس میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ ہر طرف سے مجھے بھرپور تعاون مل رہا تھا۔ میرے دل میں بار بار یہ خواہش بیدار ہوئی کہ میں کسی طرح طفیل احمد صاحب کے گھر کے حالات معلوم کروں۔ یہ جانوں کہ نوٹس ملنے کے بعد اُن پر کیا بیتی؟ لیکن ظاہر ہے یہ ممکن نہیں تھا البتہ دوسرے ہی دن اُستاد چھمّن نے طفیل احمد صاحب کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ وکیل فاروقی صاحب کے دفتر پہنچے تھے۔ اس وقت طفیل احمد صاحب کا سامنا کرنا میرے لیے مناسب نہیں تھا چنانچہ میں وہاں سے اُٹھ کر ملحقہ کمرے میں چلا گیا۔ طفیل احمد شیخ کے ساتھ بیگم ریحانہ بھی تھیں۔ مجھے ان کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔

طفیل صاحب آتے ہی گرجنے برسنے لگے۔

"آخر آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ اور مجھ سے دشمنی کی بنیاد کیا ہے؟ مجھے بتائیے آپ کا مقصد کیا ہے؟"

"کیا ہوا جناب؟ اب کیا ہوا؟"

"آپ نے میرے گھر کو برباد کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری بہو کو آپ نے طلاق دلوائی۔ میں جانتا ہوں وکیل صاحب کہ یہ سب کیا دھرا اسی مردود کا ہے جس کا نام شارق حسین تھا اور جو میرے بیٹے کا دوست بن کر آیا۔ میرے گھر میں رہا اور مجھے ہی ڈس لیا۔ مہک کبھی ہم سے بغاوت نہ کرتی۔ وہ کبھی طلاق کا مطالبہ نہ کرتی۔ اگر اس شخص نے اسے نہ ورغلایا ہوتا۔ لیکن اب میمونہ کا معاملہ؟ میں کہتا ہوں آپ مجھے اس سے ملاتے کیوں نہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میمونہ کے سلسلے میں جو کارروائی کی گئی ہے۔ اس کے پس پردہ کیا ہے؟ کیا اب وہ ہم سے دولت بٹورنا چاہتا ہے؟ لیکن ایک بات آپ لوگ کان کھول کر سُن لیجیے وکیل صاحب! صرف فیس لے کر کسی شخص کی وکالت کرنا قانون کو دھوکا دینے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ میں اس بدبخت کو ایک پیسہ نہیں دُوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ بلیک میلر ہے اور اب میمونہ کا مسئلہ بھی اسی نے کھڑا کیا ہے۔ آپ مجھے اس سے اور مہک سے ملوائیے۔ مہک نے ہمارے بیٹے سے طلاق لے لی۔ ٹھیک ہے اچھا کیا یا بُرا اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا۔ لیکن اب وہ اور اس کا آشنا کیا چاہتے ہیں ہم سے؟"

وکیل فاروقی صاحب مسکراتی نگاہوں سے طفیل احمد کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے نرم لہجے میں کہا "طفیل احمد صاحب آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں اور آپ کا یہاں آنا تقریباً بے معنی ہے میمونہ کے سلسلے میں اگر کوئی کارروائی کی گئی ہے تو کیا اس کے ذمہ دار ہم لوگ ہیں۔ یا میں ہوں؟ کیا کیس میری طرف سے فائل کیا گیا ہے؟"

"نہیں۔ لیکن آپ اس کا پس منظر اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ آپ کا مؤکل ہے اور میں آپ کے ذریعے ہی تمام حقیقتوں کو معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اب اس کی کیا خواہش ہے؟"

"معاف کیجیے گا طفیل احمد صاحب! میں آپ سے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اب جب آپ نے اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے تو کیا میں آپ سے سوال کر سکتا ہوں کہ میمونہ کفیل احمد جس سے آپ کے بیٹے نے شارجہ میں شادی کی تھی اور جو بے سہارا ہے اور آپ کے پوتے کی ماں ہے کیا اسی قابل تھی کہ آپ اسے پولیس کے ذریعے الزامات لگا کر آوارہ گردی کے الزام میں گرفتار کرا کر اس کا پورا مستقبل تباہ کر دیں۔ آپ یہ جانتے ہیں کہ اس کا اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے اور آپ نے اسی سے فائدہ اُٹھایا۔ بجائے اس کے طفیل احمد صاحب کہ آپ اس کے ساتھ ہمدردی سے پیش آتے اور اس کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے کسی بھی شکل میں آپ نے اس پر اتنا گھناؤنا اور مذموم الزام لگایا جس کے بعد وہ اپنے بچّے کے ساتھ خودکشی بھی کر سکتی تھی۔ کیا آپ نے اپنے ضمیر سے یہ سوال کیا کہ آپ نے یہ اچھا کیا یا بُرا؟ جواب دیجیے کیا آپ اس بات سے منحرف ہیں کہ وہ آپ کے بیٹے کی بیوی نہیں ہے؟ آپ کے پوتے کی ماں نہیں ہے؟ تعجب کی بات ہے طفیل احمد صاحب آپ پر ضرب پڑی تو آپ کس طرح بلبلا رہے ہیں اور ایک بے گناہ لڑکی کو آپ نے جس الزام میں ایک پولیس آفیسر کے ذریعے پھنسا دیا اسے آپ مناسب سمجھتے ہیں؟"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ہم کیوں پھنساتے اسے، پولیس نے اسے آوارہ گردی کے الزام میں پکڑا۔ وہ ایک فاحشہ تھی اور ہمارے پاس صرف دولت بٹورنے کے لیے آئی تھی۔ کون کہتا ہے کہ وہ بچّہ ہمارے کفیل کا ہے؟ کیا ثبوت ہے اس کا آپ کے پاس وکیل صاحب؟"

"معاف کیجیے گا خاتون! یہ عدالت نہیں ہے نہ میں آپ سے کوئی سوال کرنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کو جواب دینا چاہتا ہوں۔ باقی بات رہی اس کیس کی تو اس کیس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کے علاوہ شارق اور مہک کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں بھی آپ پر بہت سے دلچسپ انکشافات ہوں گے ذرا وقت کا انتظار کر لیجیے۔ جہاں تک طلاق کا مسئلہ تھا میری مؤکلہ نے مجھ سے اس کے لیے درخواست کی اور مجھے اس کی فیس ادا کی اور میں نے یہ کیس آگے بڑھا دیا۔ فیصلہ عدالت نے کیا، بات ختم ہو گئی۔ میرا اب اس سے کوئی تعلق ہے اس لیے آپ براہِ کرم مجھ سے اس سلسلے میں بات نہ کریں۔"

"دیکھیے وکیل صاحب میں آپ کو کوئی دھمکی نہیں دینا چاہتا۔ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ مجھ سے تعاون کریں ورنہ اس صورتحال میں آپ بھی ملوث ہو جائیں گے۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر آپ میرے خلاف کوئی کارروائی کریں گے۔ ہم بھی اپنے آپ کو آزما لیں گے کہ ہم اس منصب کے قابل ہیں یا نہیں۔"

"چلیے بیگم" طفیل احمد شیخ صاحب نے بیگم ریحانہ سے کہا ریحانہ شیخ، وکیل فاروقی صاحب کو گھورتی ہوئی باہر چلی گئی تھیں۔ جب وہ باہر نکل گئیں تو میں وکیل صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ وکیل فاروقی صاحب ہنس رہے تھے۔

"بھئی بڑی گرما گرم گفتگو ہوئی آپ لوگوں کے درمیان۔"

"کیا فرق پڑتا ہے میاں۔ ایسے لوگ تو چیختے چلاتے ہی رہتے ہیں۔ ویسے اب جب تم سامنے آؤ گے تو لطف آئے گا۔ ہم بھی اس دن عدالت ہی میں ہوں گے۔ ویسے تم نے تمام تیاریاں کر لی ہیں یا نہیں؟"

"تمام تیاریاں مکمل ہیں۔"

"ویری گڈ" وکیل صاحب نے دلچسپی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

میرے معاملوں میں وہ بہت زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ اور پھر سچی بات ہے کہ ہم لوگ کسی طور ایک دوسرے سے الگ نہیں تھے۔ میں بے چینی سے پیشی کا انتظار کر رہا تھا۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب اس سلسلے کی پہلی پیشی ہونے والی تھی۔ اس دوران مجھے مزید معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ مرزا مصدق بیگ کیونکہ مہک کے سلسلے میں ناکام ہو چکے تھے چنانچہ طفیل احمد نے اسے چھوڑ دیا تھا اور اس بار انہوں نے جن وکیل صاحب کو کیا تھا بلاشبہ وہ بھی اپنی مثال آپ تھے اور ان کا نام خان الیاس تھا۔ ہائی کورٹ کے وکیل تھے اور اپنے فن میں یکتا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے ہم عمروں میں سے تھے۔ میں نے دلچسپی سے یہ نام سُنا تھا اور وکیل فاروقی صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ اس بار مقابلہ ایک سخت پہلوان سے ہے۔ میں مسکرایا اور گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"فاروقی صاحب میری نگاہوں میں سب لوگ قابلِ احترام ہیں۔ لیکن جب مدِمقابل ایک غلط شخص کی وکالت کرنے کے لیے سامنے آتا ہے تو میرے لیے قابلِ احترام نہیں رہتا۔ خواہ وہ بیرسٹر نصرت حسین ہی کیوں نہ ہوں۔"

بار رُوم میں خان الیاس سے بھی ملاقات ہوئی وہ اپنے کیس کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ویسے یہ دلچسپ بات تھی کہ اب تک نہ طفیل احمد نے یہ بات سوچی تھی اور نہ خان الیاس کے ذہن میں یہ سب کچھ آیا تھا کہ کیس شارق حسین ایڈووکیٹ کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ کم از کم انہیں یہ نام سُن کر چونکنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جس شخص کے خلاف وہ مہک کو بھٹکانے کا الزام لگا چکے تھے اس کا نام بھی شارق حسین ہی تھا۔ پتا نہیں انہوں نے اس دلچسپ اتفاق پر غور کیا بھی تھا یا نہیں، خان الیاس سے سلام دُعا بھی ہوئی، اور انہوں نے اپنی خطرناک آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آئیے صاحبزادے آئیے! بڑے چرچے سُنے ہیں آپ کے آج ہم بھی ذرا آپ کی نبض دیکھ لیں۔"

"خان الیاس صاحب میں آپ ہی جیسے معزز بزرگوں سے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں اور اسے تو میں اپنی خوش بختی تصور کرتا ہوں کہ مجھے آپ کے سامنے آنے کی سعادت حاصل ہوئی اور کچھ نہیں تو آپ کی جوتیوں کے طفیل کچھ بن ہی جاؤں گا۔"

"ہاں سُنا ہے تم چرب زبان بھی ہو بہرطور ابھی سے اُستادوں کی اُستادی کو نہ آزماؤ۔" خان الیاس بہت مطمئن نظر آ رہے تھے۔

بہرطور میں ان کی ذہانت کا قائل تھا اور مجھے بھی ان کا سامنا کرنے میں لُطف آ رہا تھا۔ جج صاحب نے کیس کے سلسلے میں کارروائی کی اجازت دے دی۔ بیگم ریحانہ شیخ اور طفیل احمد بھی پہنچ گئے تھے اور پھر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ ابھی اس سلسلے میں کارروائی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ دفعتہً طفیل احمد اپنی جگہ سے اُٹھ کر خان الیاس کے پاس پہنچ گئے۔ وہ متحیّرانہ نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے خان الیاس کو تفصیلات بتا رہے تھے۔ خان الیاس کا چہرہ بھی ایک لمحے کے لیے سُرخ ہو گیا تھا اور ان کی خطرناک آنکھیں کچھ اور خطرناک ہو گئی تھیں۔ پھر اُنہوں نے گردن ہلا کر طفیل احمد شیخ کو اپنی کُرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد جج صاحب کی جانب متوجہ ہو گئے۔ کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ پہلے مجھے حکم دیا گیا کہ اپنی مؤکلہ میمونہ شیخ کے بارے میں کیس بیان کروں۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا۔

"جنابِ عالی! کچھ عرصہ قبل، جیل کے دورے کے درمیان میری مُلاقات ایک ایسی مجرمہ سے ہوئی جسے آوارگی اور بدچلنی کے الزام میں سزا سُنائی گئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا سا بچّہ بھی تھا اور اسے بھی ناکردہ گناہ اس سزا میں شریک رکھا گیا تھا۔ اس لیے کہ اس کا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ میمونہ شیخ سے میں نے صورتِ حال معلوم کی تو اس نے مجھے بتایا کہ کافی

عرصہ قبل کفیل احمد شیخ نامی ایک نوجوان نے شارجہ میں اس سے شادی کی تھی اور دونوں پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے کہ دفعتاً یہاں سے کفیل احمد شیخ کو اس تحریر کے ساتھ طلب کیا گیا کہ ان کے والد طفیل احمد شیخ سخت بیمار ہیں۔ کفیل احمد اپنی سوتیلی والدہ محترمہ بیگم ریحانہ شیخ کے مظالم سے تنگ آکر ملک چھوڑ چکے تھے اور طویل عرصے سے انہوں نے اپنے ملک کا رُخ نہیں کیا تھا۔ وہ شارجہ میں ملازمت کر کے زندگی گزار رہے تھے جبکہ طفیل احمد شیخ یہاں کے سرکردہ اور بڑے کاروباری لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جناب عالی! میں اپنے پہلے بیان کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا ہوں کہ شارجہ میں جس جگہ کفیل احمد ملازمت کرتے تھے وہاں سے ان کی تنخواہ کے بارے میں تفصیلات طلب کر لی گئی ہیں اور میرے پاس ان کا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ ایک درمیانہ تنخواہ حاصل کرتے تھے اور اسی سے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی گزر کرتے تھے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر وہ سوتیلی والدہ کے مظالم سے تنگ آکر کفیل احمد شیخ یہاں سے نہیں گئے تھے تو انہوں نے اتنی معمولی سی ملازمت کیوں اختیار کی؟ یہ میری دلیل ہے لیکن اس کا تعلق موجودہ واقعات سے براہِ راست نہیں ہے۔ ہاں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے اس لیے میں نے یہ پوائنٹ معزز عدالت کے رُوبرو پیش کیا ہے۔ میمونہ شیخ کا بیان ہے کہ اس خط کی وجہ سے کفیل احمد کو بادلِ نخواستہ اپنے وطن واپس آنا پڑا۔ وہ میمونہ شیخ سے کہہ کر آئے تھے کہ بہت جلد واپس آجائیں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ واپس نہ پہنچے اور میمونہ شیخ کو ان کے بارے میں کوئی معلومات نہ حاصل ہو سکیں۔ جب طویل عرصہ گزر گیا تو میمونہ شیخ بہ ہزار دقت اپنے وطن واپس پہنچی اور انہوں نے کفیل احمد صاحب کو تلاش کیا۔ جب وہ طفیل احمد کی کوٹھی پہنچی تو انھوں نے کفیل احمد صاحب کو نیم ذہنی خرابی کی حالت میں پایا۔ وہ شراب کے عادی تھے اور ان کی ذہنی کیفیت بہتر نہیں تھی۔ جناب والا اس عرصے میں یہاں ان کی دوسری شادی کرا دی گئی تھی۔ میمونہ نے طفیل احمد صاحب سے فریاد کی اور کہا کہ وہ بے سہارا ہیں اور ان کی گود میں کفیل احمد کا بیٹا ہے۔ انہیں سہارا دیا جائے تو طفیل احمد نے انہیں دھکے دے کر باہر نکال دیا اور یہی نہیں بلکہ پولیس کو رپورٹ دی کہ وہ ایک آوارہ اور بدچلن خاتون ہیں۔ پولیس نے ان کی رپورٹ پر انہیں گرفتار کر لیا اور میمونہ شیخ اپنی صفائی میں معقول دلائل نہ پیش کر سکیں چنانچہ انہیں سزا دے دی گئی۔"

"آبجیکشن می لارڈ۔" خان الیاس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "میں اس بات پر احتجاج کرتا ہوں کہ ایک مجرمہ کو جو بدچلنی کا الزام ثابت ہونے کے بعد عدالت عالیہ سے سزا پا چکی ہے ایک معزز خاندان کے نام سے منسوب نہ کیا جائے۔ اس وقت تک جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اسی خاندان کی ایک فرد ہے۔"

جج صاحب نے حکم دیا کہ میمونہ کو صرف میمونہ کہا جائے اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن خم کر دی۔

"جناب عالی! میری مؤکلہ میمونہ، سزا پانے کے بعد بے بسی اور لاچارگی سے جیل میں اپنی اس قید کے دن پورے کر رہی تھی۔ میں نے اس سے تفصیلات معلوم کرنے کے بعد اپنی کارروائی کا آغاز کیا اور میں عدالت عالیہ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ میری مؤکلہ کے ساتھ انصاف کرے گی اور اُسے اس کا حق دلوائے گی۔" میں نے گردن خم کی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جناب والا آج کل ہر پیشے میں جدتیں تراشی جا رہی ہیں۔ وکالت کا پیشہ معزز انسانوں کے لیے ایک پُروقار درجہ رکھتا ہے اور اس سلسلے میں ہمارے ملک کا قانون وکیلوں کے لیے بھی ایک قانون تراش چکا ہے۔ ابھی چند لمحات قبل جب کہ مجھے یہ بات معلوم بھی نہیں تھی کہ میرے نوجوان دوست شارق حسین اپنے وکیل کے کردار کے علاوہ بھی اور کوئی کردار رکھتے ہیں کہ میرے مؤکل جناب طفیل احمد نے مجھے بتایا کہ شارق حسین صاحب نہ صرف براہِ راست کچھ روز ان کے گھر میں رہ کر اس کیس کی تیاریاں کر چکے ہیں بلکہ انہوں نے طفیل احمد کے گھر میں انتشار بھی پیدا کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ ایک دھوکا دہی کے جرم کا شکار بھی ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنے آپ کو وہاں یہ کہہ کر متعارف کرایا کہ وہ کفیل احمد کے دوست ہیں اور شارجہ سے آئے ہوئے ہیں۔ اس گھر میں ان کی پذیرائی کفیل احمد کے دوست کی حیثیت سے کی گئی اور انہوں نے بڑی ذہانت سے ان لوگوں کے درمیان رہ کر یہ کیس تیار کیا۔ می لارڈ میں اپنے معزز وکیل پر کوئی الزام نہیں لگانا چاہتا لیکن کیا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کسی کیس کی پیروی کے لیے وکیل صاحب پہلے جاسوسی کریں۔ میں ان کی نیت پر کوئی شک نہیں کرتا لیکن کیا یہ حق انہیں پہنچتا ہے کہ وہ ایک غلط نام سے کسی گھر میں داخل ہو کر وہاں کے حالات کا جائزہ لیں اور ان لوگوں کی کمزوریاں تلاش

کر کے اپنا کیس مضبوط بنائیں۔ عدالت سے میری درخواست ہے کہ وکیل صاحب سے پہلے یہ سوال کر لیا جائے کہ کیا کفیل احمد شیخ کے اس بیان میں سچائی ہے؟"

جج صاحب نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سلسلے میں جواب دوں۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا۔

"بے شک جناب والا! یہ بالکل درست ہے جب میری مؤکلہ نے بے بسی کے عالم میں بے گناہ ہونے کے باوجود یہ سزا قبول کر لی اور طفیل احمد شیخ صاحب کا کچھ نہ بگاڑ سکی تو یہ بہت مشکل تھا کہ میں حقیقتیں تلاش کر کے طفیل احمد صاحب کی اصلیت کھول سکوں اور اس کے لیے مجھے اپنے اصل نام سے لیکن کفیل احمد کے دوست کی حیثیت سے طفیل احمد کے گھر قیام کرنا پڑا تاکہ ہر کردار کا بخوبی جائزہ لے لوں اور اس سلسلے میں جناب والا مجھ پر یہ الزام نہیں عائد کیا گیا کہ میں نے وہاں چوری یا ڈاکا زنی کی ہے۔ مجھے یہ استحقاق ایک اور معزز عدالت سے دیا جا چکا ہے اور یوں بھی یہ سب کچھ قانون کے مطابق ہی ہے۔ پولیس تفتیش کرتی ہے اور اسے اسی طرح بھٹکایا بھی جا سکتا ہے جس طرح میری مؤکلہ میمونہ کو غلط حوالوں کے ساتھ مجرمہ قرار دے دیا گیا۔ قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وکیل کسی کیس کو لڑتے ہوئے اگر حقیقتیں تلاش کر سکتا ہے تو اپنے طور پر اسے اختیار ہے۔ میں اپنے اسی دور کو سچائیوں کے حوالوں کے ساتھ زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس معزز پیشے کو اس کا وہ وقار دینا چاہتا ہوں جو وکیل کے نام سے منسوب ہے۔ جناب والا! وکیل کا مطلب ہے کسی بے گناہ کی وکالت کرنا اس کی سچائیوں کی گواہی دینا اور اس گواہی کے ذریعے اس بے گناہ کو سزا سے بچانا۔ میں اس معزز نام کے وقار کو بلند رکھنے کے لیے اپنے طور پر بھی ایک راہ متعین کر چکا ہوں اور پہلے ایک کیس میں مجھے قانونی طور پر یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر کسی کو ذہنی یا جسمانی نقصان پہنچائے بغیر میں اپنے مؤکل کے کیس کی تکمیل کر لیتا ہوں تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس کے لیے جناب والا میں اس حق کی تفصیل پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

میں نے کچھ کاغذات عدالت کے سامنے پیش کر دیے اور جج صاحب ان کاغذات کا جائزہ لینے لگے پھر انھوں نے کہا۔

"گویا آپ نے اپنی مؤکلہ کی ایما پر اس سلسلے کے مکمل واقعات جاننے کے لیے طفیل احمد شیخ کے گھر رہائش اختیار کی؟"

"جی ہاں جناب والا! ایک بے بس اور بے سہارا معصوم بیوی اور ماں کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں تھا میں نے اس کے لیے سچائیاں تلاش کیں اور مجھے خوشی ہے کہ اس میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی۔"

"لیکن جناب والا! یہ دھوکا دہی ہے۔ اپنے آپ کو غلط نام سے کسی کے سامنے پیش کر کے اس کے گھر کے حالات جاننا کوئی اچھا کام تصور نہیں کیا جا سکتا۔" خان الیاس نے کہا۔

"میں نے معزز اور محترم وکیل صاحب کے سامنے عرض کیا ہے کہ حقیقتوں کو تلاش کرنے کے لیے ہی مجھے یہ کارروائی کرنا پڑی۔"

"شارق حسین ایڈووکیٹ کو اس سلسلے میں یہ حقوق جاری کیے جا چکے ہیں کہ کسی کو ایذا پہنچائے بغیر کیس کی صحیح تفتیش کے لیے وہ تفتیشی کارروائیاں کر سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ نکتہ خارج از بحث کیا جاتا ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

میں نے گردن خم کی اور اپنی جگہ بیٹھ گیا تب خان الیاس نے کھڑے ہو کر کہا۔

"معزز عدالت کے سامنے جذباتی الفاظ اور جذباتی انداز میں ایک غلط بات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ میں اس سلسلے میں عدالت عالیہ کو حقیقتوں سے روشناس کرانا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے نوجوان وکیل دوست نے بہت مضبوط بنیادوں پر اس کیس کا آغاز کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ طفیل احمد شیخ اس شہر کے ایک معزز انسان ہیں اور انہیں ہر طرح سے ایک معزز شہری ہونے کا شرف حاصل ہے۔ پوری زندگی میں انہوں نے کبھی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا۔ اس طرح ان کی حیثیت ایک معزز شہری کی حیثیت تسلیم کی جاتی ہے۔ ایک معزز شہری کے گھر میں کسی وکیل کا کسی غلط نام سے قیام کرنا ہی جرم تصور کیا جا سکتا ہے۔"

"عدالت اس نکتے پر بحث کرنے سے منع کر چکی ہے آپ کو وکیل صاحب۔" جج صاحب نے ترش لہجے میں کہا۔

"نمبر دو یہ بات میرے معزز وکیل کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ میمونہ، کفیل احمد کی بیوی ہے؟"

"اس سلسلے میں بے شمار تفصیلات پیش کی جا سکتی ہیں۔ عدالت عالیہ کے حکم سے میں وہ نکاح نامہ پیش کرنا چاہتا ہوں جو میں نے شارجہ سے منگوایا ہے اور وہاں کی حکومت کا رجسٹرڈ شدہ ہے۔ میری مؤکلہ میمونہ نے بھی یہ نکاح نامہ، طفیل احمد صاحب کو دکھایا تھا لیکن اس کی اصل طفیل احمد

شیخ نے اس سے چھین لی اور اسے دھکے مار کر باہر نکال دیا گیا۔ پتا نہیں کیوں میرے معزز کفیل احمد شیخ صاحب نے یہ کوشش نہیں کی کہ اس نکاح نامے کی نقل بھی غائب کرا دیں اور اسے شارجہ کے قوانین کی کتاب سے بھی خارج کرا دیں۔ بہرطور نکاح نامے کی یہ تصدیق شدہ نقل پیش خدمت ہے۔"

جج صاحب نے اس پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔" عدالت برخاست کی جاتی ہے۔ دوسری پیشی کے لیے مناسب تاریخ لے لی جائے۔"

میں نے اُٹھ کر گردن خم کر دی تھی۔ خان الیاس کے انداز سے بھی یہی نظر آتا تھا کہ وہ اس سلسلے کو ملتوی کرنا چاہتے ہیں۔ بہرطور میں نے اس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ اور اس کے بعد میں کمرۂ عدالت سے باہر نکل آیا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی میرے ساتھ تھے۔ پھر میں نے وہاں رُکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بہرطور آج کی اس پیشی نے ایک بہت بڑے وکیل خان الیاس کے بخیئے اُدھیڑ دیے تھے اور انہیں عدالت کی طرف سے جھڑکیاں کھانی پڑی تھیں۔ ہم لوگ واپس آگئے۔

آج کی کارروائی بہت زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن اب دوسری پیشی تک کے لیے کچھ کام کرنے تھے۔ طفیل احمد نے بھی اس دوران کوئی رابطہ قائم نہیں کیا۔ البتہ اس بات کے امکانات تھے کہ اس بار مہک کو عدالت میں پیش کیا جائے اس لیے میں نے مہک سے ملاقات کر لینا ضروری سمجھا اور یہ ملاقات فاروقی صاحب کے گھر پر ہی ہوئی تھی۔ مہک یہاں مطمئن اور مسرور تھی کیونکہ یہاں اس کے ساتھ بہت ہی اپنائیت کا سلوک کیا جا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگی۔

" شارق اب تو سب کچھ ہو گیا اب تمہیں کیا اُلجھن ہے مجھے اپنی کوٹھی کیوں نہیں لے چلتے؟ یہاں مجھے کوئی تکلیف تو نہیں ہے لیکن بس ذہنی تردد کا شکار رہی ہوں۔"

تمہارے سارے تردد تو میں نے سمیٹ لیے ہیں مہک تمہارا کیا خیال ہے کہ طفیل احمد صاحب مجھے اتنی آسانی سے چھوڑ دیں گے؟ اب میں ایک دوسرے مسئلے میں اُلجھا ہوا ہوں۔"

" میں سمجھی نہیں؟"

" میمونہ کا کیس پھر سے کھڑا کیا گیا ہے۔ میں ایک پائیدار ماحول چاہتا ہوں۔ جس میں میری زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، کیا تم یہ سب کچھ پسند کرو گی کہ طفیل احمد ہم پر وار کرتے رہیں اور ہم ہمیشہ اُن سے خوفزدہ رہیں؟"

" ہم پولیس میں ان کی رپورٹ درج کرا سکتے ہیں۔ اب انہیں کیا حق ہے کہ ہماری زندگی میں مداخلت کریں؟"

" یہ سب کچھ ہو چکا ہے مہک اور میں نے اپنی اصل شخصیت منظرِ عام پر پیش کر دی ہے۔"

" اصل شخصیت؟"

" ہاں مہک میں وکیل بھی ہوں اور باقاعدہ وکالت کرتا رہا ہوں چنانچہ اب میمونہ کا کیس میں خود لڑ رہا ہوں تاکہ حقیقتوں کو سامنے لا کر تمہاری اور اپنی گلوخلاصی کی جائے۔"

" اوہ! تم وکیل بھی ہو؟"

" ہاں اور فاروقی صاحب ہمارے لیے جو کچھ کر رہے ہیں اس میں میرے اور ان کے تعلقات کا دخل بھی ہے۔"

" میرے خدا تم... تم واقعی حیرت انگیز ہو شارق حسین۔"

" ابھی آپ پر بہت سے انکشافات ہوں گے محترمہ مہک، کیونکہ آپ کو بھی اس سلسلے میں اگلی پیشی پر بیان دینا ہے۔"

" تمہارے لیے تو میں اب سب کچھ کرنے پر تیار ہوں۔ تم نے مجھے ایک شدید ذہنی اذیت سے نجات دلائی ہے۔ میں تم کو پہلے بھی حقیقت بتا چکی ہوں شارق کہ اس وقت جب میں ایک بہتر زندگی کی خواہشمند تھی میری نگاہ میں یہی سب کچھ تھا کہ دولت ہو۔ کوٹھیاں ہوں گاڑیاں ہوں اور بس۔ یہ تصور بھی میں نے نہیں کیا تھا کہ ایک اچھا انسان بھی زندگی کا شریک سفر ہو۔ بعد میں مجھے یہ احساس ہوا کہ اچھا انسان ہی زندگی کا شریک سفر ہو سکتا ہے۔ باقی چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں تمام حقیقتیں سامنے لانے میں تمہاری مدد کروں گی۔ تم جب چاہو مجھے اس سلسلے میں عدالت کے سامنے پیش کر سکتے ہو۔"

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکریہ ادا کیا تھا کہ یہ مرحلہ بھی حل ہو گیا۔ بہرطور اب اگلی پیشی کے لیے اور کوئی پریشانی نہیں تھی اور اگلی پیشی تک کوئی قابلِ ذکر واقعہ بھی نہ پیش آیا۔ یہاں تک کہ وہ دن آگیا جب ہمیں کمرۂ عدالت میں پہنچنا پڑا۔ خان الیاس آج بھی مسکرا رہے تھے۔ کیس کا آغاز ہوا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" جنابِ والا۔ ان حقیقتوں کو اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کفیل احمد شیخ نے شارجہ میں کسی حادثاتی نوعیت کے واقعے سے متاثر ہو کر میمونہ نامی لڑکی سے شادی کر لی تب بھی انہیں یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ اپنی اس حماقت سے اُلجھ کر

اپنے وطن کا رُخ کرے اور دوسری شادی کر لیں۔ عموماً ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ایسی کیفیت میں بلاشبہ قانونی طور پر پہلی بیوی بھی حق دار ہوتی ہے لیکن دوسری شادی کوئی براہِ راست جرم نہیں ہے۔ البتہ میں اپنے نوجوان دوست شارق حسین سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ وہ میمونہ کے لیے دل کے گوشے نرم رکھتے ہیں یا مہک کے لیے۔ معاف کیجیے گا جنابِ والا کچھ اور ایسی حقیقتیں سامنے آئی ہیں کہ میں یہ سوال کرنے پر مجبور ہوں اور ان میں ایک انتہائی تکلیف دہ حقیقت یہ ہے کہ شارق حسین نے طفیل احمد کے مکان میں داخل ہونے کے بعد صرف کفیل احمد کے واقعے کی تفتیش ہی نہیں کی ہے بلکہ کچھ اور کارروائیاں بھی کی ہیں۔ کفیل احمد کی نوجوان بیوی مہک کو بہکا کر انہوں نے اسے طلاق لینے کے لیے مجبور کیا اور اب سے چند روز قبل مہک یہ کارنامہ انجام دے چکی ہیں۔ میں اس کے پسِ پردہ حقیقتوں کو نہیں جانتا کہ اچانک ہی مہک نے کفیل احمد کو ناپسند کر کے طلاق کیوں حاصل کر لی ہے مجھے شبہ ہے کہ اس سلسلے میں بھی ہمارے نوجوان وکیل کی کارستانیاں کارفرما ہیں۔ میں معزز عدالت کو متوجہ کرتا ہوں کہ اس اہم نکتے کو نظرانداز نہ کیا جائے اور معزز وکیل سے جواب طلبی کی جائے۔ عدالتِ عالیہ نے یہ کہہ کر کہ وکیل صاحب کو اپنے کیس کی تکمیل کے لیے تفتیشی ذرائع حاصل کرنے کا حق حاصل ہے وکیل صاحب کو یہ حق تو دے دیا ہے لیکن اس کے نتیجے میں میرے مؤکل طفیل احمد کو جو نقصانات اُٹھانے پڑے ہیں اُن کی جواب دہی کس طرح ہو سکے گی؟"

جج صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔" یہ اس کیس کا ایک دلچسپ اور نیا پہلو ہے۔ میں شارق حسین صاحب کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں تفصیلات بتائیں۔"

میں نے اُٹھ کر گردن خم کی اور مسکراتا ہوا بولا۔" جناب خان الیاس ان وکلاء میں سے ہیں جن کے نام سے قانون کا وقار وابستہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ انسان بھی ہیں اور ماضی کے نقوش کبھی انسان کے ذہن سے نہیں ہٹتے یہ دوسری بات ہے کہ حال میں آکر وہ حسرت بن کر طنز کا لہجہ اختیار کر جائیں۔ لیکن میں نے اپنے بزرگ کے ان الفاظ کو طنز پر محمول نہیں کیا بلکہ میں انہیں شگفتگی کا درجہ دیتا ہوں وہ درجہ جس نے عدالت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ یہ مسکراہٹ میرے نام کی وابستگی کے ساتھ ہے۔ معزز وکیل نے فرمایا ہے کہ میں بتاؤں کہ میرے دل کے گوشے کس کے لیے نرم ہیں؟ میمونہ کے لیے یا مہک کے لیے۔ تو بدقسمتی سے میمونہ بھی کفیل احمد کی بیوی ہے اور مہک بھی اُن کی بیوی رہ چکی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ معزز وکیل! میری جیسی عمر کے کسی شخص کو شادی شدہ خواتین سے کیوں منسلک کرنا چاہتے ہیں؟ میں بہرطور اس سلسلے میں انہیں کوئی جواب دینا پسند نہیں کرتا اور اصل نکتے پر آتا ہوں جس وقت میں کیس کی تفتیش کے لیے اس کوٹھی میں داخل ہوا تو مختلف لوگوں نے میری پذیرائی کی۔ ان میں مہک بھی تھیں میں نے اپنی معلومات کے لیے ان سے بھی ان کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے نہایت تلخ لہجے میں مجھ پر بے شمار انکشافات کیے۔ معزز عدالت کی اجازت سے میں مہک کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

اجازت ملنے پر مہک کو کٹہرے میں طلب کر لیا گیا۔ خان الیاس کا چہرہ دُھندلا گیا تھا۔ غالباً انھیں آج مہک کے پیش ہو جانے کی اُمید نہیں تھی۔ بہرطور وہ تیار ہو گئے۔ میں نے عدالت کی اجازت سے مہک سے پوچھا کہ ان کا شجرۂ نسب کیا ہے؟ مہک نے بتایا کہ وہ مسز ریحانہ شیخ کی بھتیجی ہیں۔ میں نے ان سے سوال کیا۔

" محترمہ مہک کیا آپ عدالت کو اپنا خاندانی پس منظر بتانا پسند کریں گی؟"

" جی ہاں ہم غریب لوگ شمار کیے جاتے ہیں۔ میری پھوپی ریحانہ بیگم بھی انتہائی پریشان کن حالات سے گزر رہی تھیں۔ میں نہیں جانتی کہ کب اور کس طرح انہوں نے طفیل احمد صاحب سے شادی کر لی البتہ اس بات کا مجھے علم ہے کہ میرے خاندان نے اس بات پر کافی نکتہ چینی کی تھی اور یہ طعنے دیے تھے کہ ریحانہ بیگم نے دولت کے لیے خاندان کی آبرو گنوا دی۔ ریحانہ بیگم طویل عرصے تک ہم لوگوں سے نہیں ملیں اور اس کے بعد بالکل اتفاقیہ طور پر میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں خود بھی اپنی زندگی سے تنگ تھی۔ کیونکہ غربت نے ہمیں انسانوں کی طرح جینے سے بھی محروم کر دیا تھا انہوں نے مجھے پیشکش کی کہ میں طفیل احمد کے بیٹے کفیل احمد سے شادی کر لوں تو میں اپنی غربت کے پیشِ نگاہ تیار ہو گئی اور بالآخر میں بھی اس خاندان سے کٹ گئی۔ بیگم ریحانہ شیخ مجھ پر مہربان تھیں انہوں نے مجھ سے کہا کہ کفیل احمد سے

شادی کرنے کے بعد یہ دولت ہمیشہ ہمارے درمیان رہے گی جو طفیل احمد شیخ کی ہے اور میں اس کے ذریعے عیش و آرام سے زندگی بسر کروں گی۔ لیکن کفیل احمد سے شادی کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مجھے ایک انسان نما مجسمے کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے جس میں نہ زندگی کی حرارت ہے نہ محبتوں کے جذبے۔ کفیل احمد شیخ نے مجھے کبھی بیوی کی حیثیت سے قبول نہیں کیا اور وہ صرف ایک ڈمی شوہر ثابت ہوئے۔ میں بیگم ریحانہ شیخ کے رحم و کرم پر تھی مگر طویل عرصے سے اس بات کی کوشاں تھی کہ اس عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔ یہاں تک کہ میں نے اس سلسلے میں عملی قدم اُٹھا دیا اور وکیل فاروقی صاحب سے ملنے کے بعد میں نے اپنا کیس انہیں پیش کر دیا اور بالآخر عدالت سے مجھے طلاق ہو گئی۔ یہی بیان میں پہلے بھی دے چکی ہوں۔"

خان الیاس کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔ مہک کے اس انکشاف نے انہیں بدحواس کر دیا تھا اور بیگم ریحانہ بھی پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی تھیں۔ انہیں یہ اُمید نہیں تھی کہ مہک اس طرح ان کا خاندانی پس منظر کھول دے گی۔ طفیل احمد صاحب بھی عجیب سی نگاہوں سے بیگم ریحانہ شیخ کو دیکھ رہے تھے۔ تب خان الیاس نے صورت حال سنبھالی اور جج صاحب کی اجازت سے مہک کے قریب پہنچ گئے۔

"محترمہ مہک جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ کی پھوپی جان نے آپ کو کفیل احمد سے شادی کے لیے مجبور کیا۔ کیا اس وقت آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ کفیل احمد شادی شدہ ہیں؟"

"جی ہاں یہ بات مجھے بتا دی گئی۔"

"اس کے باوجود آپ اس شادی پر تیار ہو گئیں؟"

"جی ہاں! کیونکہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں اپنے پریشان کن حالات سے دل برداشتہ تھی۔"

"شادی کرنے کے بعد آپ نے کبھی کفیل احمد سے اس کی سابقہ بیوی کے بارے میں پوچھا؟"

"جی نہیں وہ میرا مسئلہ نہیں تھی اور پھر چونکہ وہ یہاں موجود بھی نہیں تھی اس لیے میری ذات پر اس کا وجود بار نہیں بنا۔"

"کیا شارق حسین کے آ جانے کے بعد آپ کے ذہن میں یہ تحریک نہیں پیدا ہوئی کہ آپ کفیل احمد سے طلاق لے کر شارق حسین سے رجوع کریں؟"

"اگر ایسی کوئی تحریک میرے ذہن میں پیدا ہوئی تو یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور میں نے بہرحال قانون کے ذریعے طلاق حاصل کی ہے اس لیے اس پر نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔" مہک نے جواب دیا اور عدالت میں تالیاں گونج اُٹھیں۔

یہ تالیاں بے اختیار تھیں۔ جج صاحب نے خاموشی کا حکم دیا اور وکیل صاحب کو جرح جاری رکھنے کی اجازت دی۔

"مہک بیگم آپ مستقبل کے لیے کچھ فیصلے کر چکی ہوں گی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ ان دنوں آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"میں اپنے خاندان میں واپس نہیں جا سکتی اس لیے میں نے اپنے معزز وکیل، وکیل فاروقی صاحب سے اس بات کی التجا کی کہ وہ اس وقت تک کے لیے مجھے اپنے گھر میں جگہ دے دیں جب تک کہ میں اپنے مستقبل کے لیے کوئی صحیح فیصلہ نہ کر لوں۔"

"گویا آپ اپنے وکیل صاحب کے گھر رہتی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ملاحظہ فرمائیے جناب والا یہ ایک مضبوط منصوبہ بندی ہے۔ مہک سے کہا گیا ہے کہ انہیں ایک حسین مستقبل دیا جائے گا اور ان کے لیے تمام سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔"

"جناب والا اگر ہم کسی کو انسانیت کے ناطے پر تسلی دیتے ہیں تو کیا اسے جرم تصور کیا جائے گا؟" میں نے کھڑے ہو کر کہا۔ "ابھی فاصل وکیل نے مجھ سے کہا تھا کہ میرے دل کے گوشے کس کے لیے نرم ہیں۔ میمونہ کے لیے یا مہک کے لیے۔ مہک اگر اپنے غلط فیصلے کے باعث قانونی بنیادوں پر اور قانونی حقوق کے تحت اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتی ہیں تو انہیں عدالت نے اس کا حق دیا۔ اس کے بعد انہیں مجھ سے منسلک کرنا کیس کو اُلجھانے کے مترادف ہے۔ جہاں تک معزز عدالت کو دلچسپ انداز میں یہ بات معلوم ہو گئی کہ مہک اور بیگم ریحانہ شیخ ایک پسماندہ خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری غیبی امداد ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ مسز ریحانہ شیخ نے اسی بنیاد پر یہ تمام کارروائی کی اور اب میں کفیل احمد کے شارجہ چلے جانے کے واقعے پر آتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ کفیل احمد اپنی سوتیلی والدہ کے مظالم سے تنگ آ کر ملک چھوڑ کر شارجہ چلا گیا اور وہاں اس نے اپنی نئی زندگی کا آغاز کر دیا اور ایک معمولی سی ملازمت پر اکتفا کی۔ بیگم ریحانہ شیخ نے سوچا کہ یہ کانٹا نکل گیا ہے

لیکن طویل عرصے کے بعد انہیں مستقبل کا خیال آیا۔ انہوں نے سوچا کہ بالآخر طفیل احمد صاحب کا ترکہ ہر قیمت پر کفیل احمد کو منتقل ہو جائے گا۔ گو انہیں بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا لیکن وہ اتنا نہیں ہوگا جتنا ان کی خواہش تھی چنانچہ انہوں نے طفیل احمد کی علالت کا تار دے کر کفیل احمد کو واپس طلب کیا۔ اور اس سے پہلے وہ مہک کو اس بات کے لیے تیار کر چکی تھیں کہ اس کو ایک بہتر مستقبل ملے گا اور اس طرح ان کی اپنی حیثیت بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گی۔ جناب والا میں آپ کو بیگم ریحانہ شیخ کے ایک اور جرم کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ شارجہ سے یہ مکمل تفصیلات معلوم ہو سکتی ہیں کہ کفیل احمد جس جگہ کام کرتا تھا وہاں وہ ایک مستعد اور محنتی کارکن تھا اور اپنے فرائض بخوبی انجام دیتا تھا جبکہ وہاں سے واپس آنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ ذہنی طور پر معطل ہو گیا۔ وہ شراب کا عادی ہو گیا اور کسی بھی مسئلے سے دلچسپی لینے کے قابل نہ رہا۔ اس کے پس پردہ کیا ہے؟ یہ کفیل احمد کا ذہنی تجزیہ کرنے کے بعد معلوم ہو سکے گا اور اس سلسلے میں میری معزز عدالت سے درخواست ہے کہ وہ کفیل احمد کا طبی معائنہ کرائے اور یہ معلوم کرائے کہ وہ ذہنی طور پر معطل کیونکر ہوا؟ میں اس سلسلے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ نشہ آور ادویات اور ایسی ہی دوسری چیزوں نے کفیل احمد کا ذہنی توازن خراب کیا اور اسی ذہنی عدم توازن نے انہیں مہک سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنی محبوب بیوی اور بچے کو نہ بھلا سکے اور انہوں نے مہک سے کوئی رابطہ نہ رکھا۔ جناب والا یہ صرف ایک کوشش تھی اور دولت کے حصول کی جو طفیل احمد صاحب کی ہے اور محترمہ ریحانہ شیخ کا پس منظر اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ ان کی یہ کشمکش بجا تھی۔ میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ کفیل احمد کے ذہنی تجزیے کے لیے حکم جاری فرمایا جائے اور اس بات کا پتا لگایا جائے کہ اچانک اس کی یہ کیفیت کیونکر ہو گئی۔ اس کے علاوہ میں محترمہ مہک سے کچھ سوالات کرنے کی اجازت اور چاہتا ہوں۔"

اجازت ملنے پر میں نے مہک سے کہا۔ "محترمہ مہک یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ میرے ورغلانے پر آپ نے طلاق حاصل کی اور جیسا کہ آپ نے معزز عدالت کے سامنے فرمایا کہ آپ کی ذہنی طور پر کبھی اور کسی بھی لمحے کفیل احمد سے ہم آہنگی نہیں ہو سکی اب اور ایک اہم بات عدالت کے سامنے فرمائیے جیسا کہ آپ نے اقرار کیا کہ آپ کو میمونہ شیخ کے بارے میں معلومات حاصل تھیں تو کیا میمونہ شیخ... میرا مطلب ہے میمونہ اپنے بچے کے ساتھ طفیل احمد صاحب کی کوٹھی میں آئی تھیں؟"

"جی ہاں۔"

"کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ طفیل احمد صاحب نے ان کی کوئی بات تسلیم نہیں کی اور ان سے ان کا نکاح نامہ چھین لیا؟"

"جی ہاں یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا تھا۔" مہک نے جواب دیا۔

"کیا آپ کو اس بات کا علم بھی ہے کہ طفیل احمد صاحب نے میمونہ پر بدچلنی کا الزام لگا کر انہیں سزا دلوائی؟"

"جی ہاں اس کی منصوبہ بندی میری پھوپی جان اور پھوپا جان نے کی تھی۔"

"محترمہ مہک جب آپ کے سامنے یہ سب کچھ ہوا تو کیا آپ نے انسانی رشتوں کی بنیاد پر میمونہ کے ساتھ ہمدردی کی؟ کیا آپ نے اس سلسلے میں میمونہ کی مدد کے لیے کوئی کوشش کی؟ کیا آپ کو یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ بھی آپ کے شوہر کی بیوی ہے اور اس کی گود میں آپ کے شوہر کا بچہ ہے؟"

"جی نہیں وکیل صاحب! میں نے کبھی اپنے آپ کو فرشتہ نہیں سمجھا۔ میں جانتی تھی کہ اس سلسلے میں میری کوئی بھی کوشش بے اثر ہو گی اور میری ساس اور میرے سسر میرا جینا حرام کر دیں گے۔ میں بھلا اس سلسلے میں آگے بڑھ کر کیا کر سکتی تھی؟"

"اور اس کے بعد جب آپ کو شارق حسین کا سہارا ملا تو آپ نے باقی تمام کارروائی کر ڈالی۔"

"اگر کسی کے سہارے کو ظلم تصور کیا جا سکتا ہے تو عدالت شارق حسین کو سزا دے۔ مجھے سزا دے بہرطور میں نے یہ جرأت اپنے طور پر ہی کی ہے۔ اگر اسے کسی سے منسوب کیا جاتا ہے تو اس کی تحقیقات عدالت کرے گی۔"

مہک بالکل ہی بے وقوف نہیں تھی اور اس نے میری توقع کے خلاف تلخ اور تند جوابات دیے تھے۔ وکیل خان الیاس اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ ہر داؤ اُلٹا پڑ رہا تھا ان پر اور اس کے نمایاں اثرات ان کے چہرے پر دیکھے جا سکتے تھے بہرحال اس سماعت کے بعد عدالت پھر برخاست

ہوگئی۔ آج کی کارروائی پہلے کی کارروائی سے بھی زیادہ دلچسپ رہی تھی اور چاروں طرف سے داد و تحسین کے ڈونگرے برس رہے تھے۔

بار رُوم میں خان الیاس کا سامنا ہوگیا۔ اور انہوں نے مجھے تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "برخوردار بہت بلند پرواز کر رہے ہو۔ مگر کیا بلند پروازی کے نتائج جانتے ہو؟"

"آپ ہی جیسے بزرگوں کے سہارے یہ ہمت کر ڈالی ہے خان صاحب ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بار رُوم میں یہ کیس بڑی ہنگامہ خیزیوں کا حامل تھا اور اتنے بڑے وکیل کے سامنے مجھ جیسے معمولی وکیل کا آجانا بہت ہی دلچسپیاں پیدا کر رہا تھا۔ چاروں طرف اسی سلسلے میں بحث ہو رہی تھی اور لوگ دلچسپی سے اگلی پیشی کا انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیے اب خان الیاس کیا اہم نکتہ لے کر منظرِ عام پر آتے ہیں۔ میرے، فاروقی اور جاوید کے درمیان بھی اس موضوع پر کافی گفتگو ہو چکی تھی۔ میں نے جو دلائل اور جو نکتے پیش کیے تھے۔ ان کے بعد بظاہر تو الیاس کے پاس کوئی ایسا اہم پوائنٹ نہیں رہ جاتا تھا جس کے ذریعے وہ طفیل احمد کو کامیابی سے روشناس کرا سکتے۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ کفیل احمد نے شارجہ میں میمونہ سے شادی کی تھی اور وہ ایک بچے کا باپ تھا یہ بھی ثابت ہو چکا تھا کہ جب میمونہ وطن واپس آئی تو طفیل احمد صاحب نے اس کے خلاف کارروائی کی یہ بھی ثابت ہو چکا تھا کہ بیگم ریحانہ شیخ نے اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے کفیل احمد کے ساتھ یہ سازش کی اب اور کوئی ایسی خاص بات نہیں رہ جاتی تھی چنانچہ ہم لوگ پُرامید تھے اور اسی دوران ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

دوپہر کے وقت ہم لوگ دفتر میں کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ طفیل احمد صاحب مع بیگم کے دفتر آگئے۔ طفیل صاحب کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔ بیگم صاحبہ ان سے زیادہ لال بھبھوکا ہو رہی تھیں مگر طفیل احمد صاحب تو کچھ نہ بولے۔ البتہ بیگم صاحبہ نے کہا۔

"میں پوری معلومات حاصل کر چکی ہوں مسٹر شارق حسین اور یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ میمونہ کے ساتھ مل کر تم نے ہمارے خلاف سازش کی اور بالآخر ہمیں دلدل میں پھنسا دیا۔ میں اس کی وجوہات بھی جانتی ہوں۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے اس کم ذات لڑکی کو تو تم نے صرف احمق بنایا ہے جس کا نام مہک ہے تمہارا اصل معاملہ یقیناً میمونہ سے طے ہوا ہوگا اور یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ میمونہ نے تمہیں بہت بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا ہوگا۔ اپنی حیثیت حاصل کرنے کے بعد کیا چاہیے تمہیں؟ ہم تمہیں اس سے زیادہ ہی دینے کے لیے تیار ہیں۔ اپنی قیمت بتاؤ اور اس کیس سے دست بردار ہو جاؤ۔"

میں نے مسکراتی نگاہوں سے بیگم ریحانہ اور پھر طفیل احمد صاحب کو دیکھا۔ "آپ کیا کہتے ہیں طفیل صاحب؟"

"جو کچھ یہ کہہ رہی ہیں اسی پر غور کرو اور ان سے بات کرلو۔"

"کیا آپ میری قیمت چُکانے کے لیے تیار ہیں اپنی بیگم صاحبہ کے کہنے پر؟"

"لے دے کر اگر معاملہ طے ہو سکتا ہے تو میں اس میں اعتراض نہیں کروں گا۔"

"یہ جاننے کے باوجود کہ محترمہ ریحانہ شیخ آپ سے نہیں آپ کی دولت سے دلچسپی رکھتی ہیں؟ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت آپ کے بیٹے کو اس حد تک مجبور کر دیا کہ وہ وطن چھوڑ کر باہر چلا جائے اور ملازمت کر کے زندگی بسر کر دے۔ میرے خیال میں کفیل احمد اتنا بُرا انسان نہیں تھا اگر وہ اپنی ماں کے خلاف کھڑا ہو جاتا تو غالباً آپ لوگوں کے لیے بھی مشکلات کھڑی کر سکتا تھا لیکن اس نے امن پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ شہر بھی چھوڑ دیا اور اپنی دُنیا الگ بسالی۔ آپ کیسے باپ ہیں طفیل احمد صاحب کہ آپ کو اپنے بیٹے کی پُرسکون زندگی بھی پسند نہ آئی اور اپنی بیوی کے ہاتھوں مجبور ہو کر آپ نے اسے ایک بار پھر سُولی چڑھانے کی کوشش کی۔ آپ باپ کہلانے کے مستحق نہیں ہیں طفیل احمد صاحب جو لوگ اپنی خوشی کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں ان سے کوئی رشتہ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور بیگم ریحانہ شیخ آپ بھی سُن لیجیے آپ کی بھتیجی مہک یہ بات بتا چکی ہے کہ آپ لوگ ایک پسماندہ اور کم ذات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ ہی جیسے لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلاظتیں زیادہ پروان چڑھتی ہیں۔ پست لوگ وہ نہیں ہوتے جو غریب ہوتے ہیں پست وہ ہوتے ہیں جو اپنی غربت سے مجبور ہو کر غیر انسانی حرکتوں پر اُتر آتے ہیں جہاں تک میمونہ کا اور میرا تعلق ہے تو بات صرف اتنی سی ہے کہ اس نے مجھے بھائی اور میں نے اسے بہن کہا ہے اور بعض دیوانے صرف زبان سے نکلی ہوئی باتوں پر جان دے دیتے ہیں اور ہم بھی انہی میں سے ایک ہیں بیگم صاحبہ۔ آپ اپنا مستقبل سنواریے۔ ہو سکتا ہے زندگی میں کبھی

آپ کو اس سے بھی بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

طفیل احمد چونک کر مجھے دیکھنے لگے مگر اس سلسلے میں مزید کچھ نہ بولے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں اُٹھ کر چلے گئے۔ فاروقی صاحب اس سلسلے میں مجھ سے متفق تھے۔

ایک اور پیشی ہوئی لیکن خان الیاس شاید اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام ہو چکے تھے۔ اس پیشی میں وہ کچھ بجھے بجھے سے رہے۔ میری درخواست پر کفیل احمد کا ذہنی تجزیہ سرکاری سطح پر کرایا گیا۔ لیکن اس کی رپورٹ میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ صرف اتنا ہی پتا چل سکا کہ وہ نشہ آور ادویات کا عادی ہو چکا ہے اور اسی کی وجہ سے اس کی ذہنی حالت درست نہیں رہتی۔

خان الیاس نے البتہ مجھ سے سوال کیا کہ میں نے اپنی مؤکلہ میمونہ کی ضمانت کیوں نہیں کروائی؟ اور اسے جیل ہی میں کیوں رہنے دیا ہے؟

اس کے جواب میں، میں نے کہا کہ وہ جیل ہی میں زیادہ محفوظ ہے اس لیے کہ میرے محترم طفیل احمد صاحب ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر سکتے ہیں اور ان کی رسائی دُور تک ہے۔ میں نے عدالت کو بتایا کہ جس وقت میں طفیل احمد صاحب کے گھر سے ہوٹل منتقل ہوا تھا تو طفیل احمد صاحب نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرایا تھا اور اسی کو مدِنگاہ رکھتے ہوئے میں نے اپنی مؤکلہ کو جیل ہی میں رہنے دینا مناسب سمجھا۔

جج صاحب نے سماعت کے بعد آخری بار کفیل احمد کو طلب کیا اور اس کے لیے صرف دو دن کا وقت دیا کہ اس کا نتیجہ تقریباً سامنے آچکا تھا۔ خان الیاس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ میں نے بھی اس سلسلے میں ان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ پیشے کے لحاظ سے یہ مناسب نہیں تھا بہرحال آخری پیشی پر کفیل احمد کو عدالت میں پیش کر کے اس کا بیان لیا جانے لگا۔ میں نے اس سے سوال کیا۔

"مسٹر کفیل احمد کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کب اور کن حالات میں شارجہ گئے تھے؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"کیا آپ یہ بھی نہیں بتائیں گے کہ آپ کے ساتھ آپ کی سوتیلی والدہ محترمہ ریحانہ شیخ کا کیا سلوک تھا؟"

"مجھے یاد نہیں۔" کفیل احمد نے اسی طرح جواب دیا۔

"کیا آپ کو یہ بھی یاد نہیں کہ شارجہ میں آپ نے ایک شادی کی تھی اور اس لڑکی کا نام میمونہ تھا؟ کیا آپ کو یہ بھی یاد نہیں ہے کہ اس کے پاس آپ کا ایک بچّہ بھی موجود ہے۔ گول مٹول خوبصورت سا بچّہ۔ ذرا اِدھر دیکھیے کفیل احمد کیا آپ اس لڑکی کو پہچانتے ہیں؟ کیا آپ اس بچے کو پہچانتے ہیں؟ کیا آپ ان دونوں کو جانتے ہیں؟" میں نے اچانک ہی عقب سے میمونہ کو لا کر کفیل احمد کے سامنے پیش کر دیا اور کفیل احمد کی حالت قابلِ دید ہوگئی۔

وہ کٹہرے سے باہر نکل آیا۔ اس کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور پھر اس کی سسکیاں نکل گئیں۔ اس نے بچے کو گود میں لے لیا اور میمونہ کا سر سینے سے لگا لیا۔

"تم... تم کہاں سے آگئیں؟ تم کب یہاں آگئیں میمونہ؟ تم کب آگئیں؟" وہ بلک بلک کر رونے لگا۔

عدالت میں سکوت چھایا ہوا تھا۔ میں نے آہستہ سے کفیل احمد کے شانے پر تھپکی دی اور بولا "کفیل احمد شاید تم اپنے باپ کی مروت میں اپنی سوتیلی ماں کے سلوک کو نظرانداز کرنا چاہتے ہو اور شاید تم نشے کی دُنیا سے واپس آکر کبھی یہ نہیں سوچتے کہ شارجہ میں تم جسے چھوڑ آئے تھے اس پر کیا گزری؟ شاید تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ جب تمہاری بیوی اپنے بچے کو لے کر طفیل احمد صاحب کی کوٹھی میں پہنچی تو انہوں نے نہ صرف اسے دھکّے دے کر نکال دیا بلکہ اس پر بدچلنی کا الزام لگا کر اسے جیل بھی بھجوا دیا۔ شاید تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اب طفیل احمد صاحب نے تمہاری بیوی اور بچے کو آخری حد تک پہنچانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کس کی مجال ہے کہ میری زندگی میں میمونہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے؟ ہاں یہ سچ ہے کہ میمونہ میری بیوی ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ میری سوتیلی والدہ ریحانہ بیگم نے میرے اوپر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔"

"مسٹر کفیل احمد آپ کو جو کچھ کہنا ہے کٹہرے میں آکر کہیں۔ کمرۂ عدالت کو اسٹیج بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔" جج صاحب کی پُررعب آواز اُبھری اور کفیل احمد نے بچّہ میمونہ کی گود میں دے دیا اور خود کٹہرے میں آکھڑا ہوا۔

"میں حلفیہ بیان دیتا ہوں جج صاحب کہ میری سوتیلی ماں بہت ہی شاطر اور خوفناک عورت ہے۔ اس نے میرے باپ کے ذہن و قلب کو اپنی مٹھی میں کر کے میرے لیے اتنی

شکلات پیدا کر دیں کہ مجھے مجبوراً مشرقِ وسطیٰ جانا پڑا۔ وہاں میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کر کے یہ سب کچھ بھول گیا تھا۔ مجھے طفیل احمد صاحب کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی اور اس وقت میمونہ نے میری بیوی بن کر مجھے سہارا دیا۔ یہ بھی سچ ہے جنابِ عالی کہ بعد میں مجھے طفیل صاحب کی علالت کا تار دے کر یہاں بلایا گیا۔ میں واپس آیا تو مجھے پتا چلا کہ میرے والد ٹھیک ہیں۔ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ میں اب یہیں رہوں لیکن میں میمونہ سے مخلص تھا۔ میں نہیں جانتا جج صاحب کہ مجھے کس طرح اور کن ذرائع سے نشہ آور چیزوں کا عادی بنایا گیا اس کی میں کوئی نشاندہی نہیں کر سکتا یوں ان لوگوں نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔ بس کبھی کبھی میمونہ مجھے یاد آتی تھی لیکن شراب اور دوسری چیزوں نشہ آور اشیاء مجھ سے یہ یادیں بھی چھین لیتی تھیں اسی عالم میں انھوں نے میری شادی کرائی۔ جب کہ میں قطعی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں حلفیہ بیان دیتا ہوں جج صاحب کہ اپنی اس کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے اس سے پہلے زندگی میں کبھی کسی نشہ آور چیز کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ایک سازش کے تحت مجھے نشے کا عادی بنایا گیا ہے۔ میمونہ میری بیوی ہے اور یہ میرا بچّہ ہے۔ میں ان دونوں کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔ میں تھوکتا ہوں طفیل احمد کی دولت پر۔ یہ دولت اگر میری ماں کو چاہیے تو میں اس سے دستبردار ہوتا ہوں۔ مجھے صرف اپنی بیوی اور بچّہ چاہیے جج صاحب۔ میں نہیں جانتا کہ میمونہ پر کیا ستم توڑے گئے۔ لیکن اگر میں کسی بڑے سلسلے میں مجرم نہیں ہوں تو مجھے بس یہ اجازت دی جائے کہ میں اپنی بیوی اور بچّے کے ساتھ بقیہ زندگی اپنی مرضی کے مطابق بسر کر سکوں۔"

اس کے بعد نہ خان الیاس کے پاس کہنے کے لیے کچھ تھا اور نہ طفیل احمد صاحب کچھ کہہ سکتے تھے۔ چنانچہ جج صاحب نے فیصلہ سُنا دیا۔

میمونہ کو باعزّت بری کرتے ہوئے اُسے یہ حق دیا گیا کہ وہ اگر چاہے تو طفیل احمد صاحب پر دعویٰ کر سکتی ہے ہتکِ عزّت کا اور اپنی زندگی کے ان قیمتی لمحات کو ضائع کرنے کا۔

مقدمہ ختم ہو گیا۔ ہم لوگ کمرۂ عدالت سے باہر نکل آئے۔ میمونہ خوشی سے پھولی نہ سما رہی تھی۔ کفیل احمد نے بچّہ اپنی گود میں لے لیا تھا۔ طفیل احمد صاحب اور بیگم صاحب منہ پھیر کر چلے گئے تھے۔ کفیل احمد کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس نے قسمیں کھا کھا کر کہا کہ وہ نہیں جانتا کہ اس نے نشہ آور ادویات کا استعمال کب اور کیسے شروع کر دیا۔ پھر کفیل احمد نے ہم لوگوں سے کہا۔

"میں ایک بے سہارا آدمی ہوں جناب میرے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں کہ میں اپنی بیوی اور بچّے کو لے کر شارجہ واپس جا سکوں۔ یا یہاں کسی ہوٹل ہی میں قیام کر سکوں۔ اگر آپ لوگ اس سلسلے میں میری مدد اور کر دیں تو تا زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ سے لوں گا ایک ایک پائی واپس کر دوں گا۔"

میں نے محبت سے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کفیل احمد تمہاری بیگم صاحبہ میری بہن ہیں اور ایک بہن کے بھائی ہونے کی حیثیت سے یہ الفاظ میرے لیے ایک گالی کا درجہ رکھتے ہیں آئیے۔ عدالت سے تو باہر چلیے اس کے بعد ہم لوگ خود فیصلے کر لیں گے۔"

راستے میں میں نے فاروقی صاحب سے کہا کہ میں ان دونوں کو اپنے گھر لیے جا رہا ہوں۔ فاروقی صاحب خود بھی میرے ساتھ فلیٹ تک آئے تھے بہرطور ہمیں اس کامیابی پر بے پناہ خوشی تھی۔ میمونہ اور کفیل احمد میرے فلیٹ پر مقیم ہو گئے۔ ہم نے ان کے سلسلے میں کچھ اہم باتیں سوچی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ کفیل احمد اپنے باپ سے بہت بددل ہو چکا ہے چنانچہ اس کے حق میں یہی بہتر تھا کہ اسے واپس شارجہ بھجوا دیا جائے۔ اس سے پہلے کچھ عرصہ اسے یہاں رکھ کر اس کا علاج بھی کرانا تھا تاکہ وہ نشہ آور ادویات کے چنگل سے نکل آئے اور اس سلسلے میں ہمیں فوری کارروائی کرنی تھی۔

دو دن گزر گئے۔ کفیل احمد اپنی بیوی اور بچّے کے ساتھ بے حد خوش تھا۔ ہم نے اسے بتا دیا تھا کہ ہم نے اسے شارجہ بھیجنے کے لیے تیاریاں کر لی ہیں لیکن اس سے پہلے اسے اپنے نشے کی عادت ترک کرنا ہو گی۔ اس بات پر وہ مسکرا کر بولا۔

"وکیل صاحب میرا نشہ تو میری بیوی اور میرا بچّہ ہے۔ آپ دیکھ لیجیے دو دن گزر گئے میں بالکل ٹھیک ہوں اور میں اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر ہر قیمت پر اپنی یہ عادت ترک کر سکتا ہوں بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ ترک ہو گئی۔ میں لعنت بھیجتا ہوں کسی بھی نشہ آور شے پر۔ سارے علاج سے بہتر علاج یہ ہے کہ انسان اپنی قوتِ ارادی بروئے کار لائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بدقسمتی کے نشے کے علاوہ اور کوئی نشہ ایسا نہیں ہے جو چھوڑا نہ جا سکے۔"

کفیل احمد کے اس عزم پر ہم نے بے حد مسرت کا اظہار کیا تھا۔ میمونہ تو مجھ پر نثار ہو رہی تھی۔ وقار احمد نے بھی ہمیں مبارکباد پیش کرتے ہوئے خوشی کے عالم میں کہا تھا کہ بالآخر جس کام کا بیڑا انھوں نے اُٹھایا وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

طفیل احمد اور بیگم ریحانہ کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ مہک کا مسئلہ ابھی تک کھٹائی میں پڑا ہوا تھا۔ ویسے اس نے فاروقی صاحب کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہ مسلسل یہ تقاضا کیے جا رہی تھی کہ اسے شارق سے ملنے کا موقع دیا جائے۔ میں نے اس مسئلے کو بھی حل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ظاہر ہے مہک کو فاروقی صاحب پر مسلط نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ میں نے طے کیا کہ آج شام کو مہک سے ملاقات کر کے اسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دوں گا اور ابھی کچھ چھوٹے موٹے مسئلے تھے جو مہک کے سلسلے میں حل کرنے تھے اور اس کے لیے بھی منصوبہ بندی کر لی لیکن دوپہر کو ڈھائی بجے کے قریب ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے صورتِ حال کو مزید دلچسپ بنا دیا۔ طفیل احمد ہمارے دفتر پہنچے تھے اور اس وقت اتفاق سے ہم اسی موضوع پر ہی گفتگو کر رہے تھے۔ اُستاد چھوٹے نے طفیل صاحب کے آنے کی اطلاع دی۔ اس بار طفیل احمد صاحب تنہا ہی آئے تھے۔ ان کا چہرہ اُترا ہوا اور آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔

"شارق صاحب میں اپنا کیس آپ کو دینا چاہتا ہوں کیونکہ آپ جیسا قابل وکیل ہی اس کیس کی پیروی کر سکتا ہے۔"

"جی ضرور فرمائیے اگر ہمارے لائق کوئی خدمت ہوئی اور ممکن ہوئی تو ہم اسے انجام دینے کی کوشش کریں گے۔"

"اس کے جائز اور ناجائز ہونے کا فیصلہ آپ خود ہی کیجیے گا۔ میں کسی بھی سلسلے میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ شارق حسین صاحب بدقسمتی سے یہ کیس کسی عدالت کے لیے نہیں بلکہ میں اسے انسانی عدالت میں حل کرانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں آپ کو اپنا وکیل مقرر کرنے کا خواہشمند ہوں۔"

میں نے معنی خیز نگاہوں سے فاروقی صاحب کو دیکھا۔ جاوید بھی موجود تھے پھر میں نے طفیل احمد صاحب سے کہا۔

"اگر آپ نے مجھے اس قابل سمجھا ہے تو کوشش کروں گا کہ آپ کے معیار پر پورا اُتروں۔"

"مجھے میرا بیٹا، بہو اور بچّہ چاہیے شارق صاحب آپ کو میں نے انسانی عدالت کا وکیل مقرر کیا ہے۔ انسانی کمزوریوں کو مدِّنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ بتائیے کہ کیا انسان سے کبھی غلطی نہیں ہو سکتی؟"

"غلطی نہیں انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں۔"

"تو کیا اس کی غلطیاں انسانی عدالت معاف نہیں کر سکتی؟"

"کیوں نہیں جب ہمارے معبود نے توبہ کے دروازے کھلے رکھے ہیں تو انسانی عدالت اس کے آگے کیا حیثیت رکھتی ہے؟"

"مجھ سے بھی ایک غلطی ہوئی تھی۔ میں جذبات کے ہاتھوں بھٹک گیا تھا اور میں نے اس پست عورت سے شادی کر لی بلاشبہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے شادی کرنے کے بعد میں اس کا غلام بن کر اس کے اشاروں پر رقص کرنے لگا اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ میرے اکلوتے بیٹے کفیل احمد کے ساتھ اس کا رویّہ اچھا نہیں تھا لیکن میں خود ہی کوئی قوتِ فیصلہ نہیں رکھتا تھا اور اس کے ہاتھوں مجبور تھا۔ یہ میری غلطی ہے بے شک ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ میں اس کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتا لیکن ایسا ہو گیا اور کفیل مجھے چھوڑ کر شارجہ چلا گیا اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ آپ کے علم میں ہے۔ اور آج مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں نے کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔ اب میں ان غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں وکیل صاحب! مجھے میرا بیٹا، میری بہو اور بچّہ واپس دلوا دیا جائے کیونکہ میں ان سب کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک اور اطلاع آپ کو دینا چاہتا ہوں وکیل صاحب! میں نے اپنی بیوی ریحانہ کو قانونی طور پر طلاق دے دی ہے۔ اسے اس کا مہر ادا کر کے کوٹھی سے نکال دیا ہے ظاہر ہے وہ میرے خلاف کیا کارروائی کر سکتی ہے؟ یہ تو ایک قانونی حق ہے جسے میں نے استعمال کیا اور بلاوجہ نہیں کیا۔ اس نے اپنی سازش کے جال میں مجھے بھی پھانس کر مجھے میرے بڑھاپے کے سہارے سے محروم کر دیا تھا۔ وکیل صاحب! آپ کو ضرور علم ہو گا کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟ میں اس کے قدموں میں گر کر اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں اس پاک عورت کے قدموں میں بھی اپنا سر جھکانا چاہتا ہوں جس پر میں بدچلنی کا الزام لگایا تھا۔ ہو سکتا ہے میرے دونوں بچّے مجھے معاف کر دیں۔ وکیل صاحب اگر ان کے دِلوں میں میرے لیے کوئی کدورت ہو تو آپ کی وکالت اسی کام آئے گی کہ میری طرف سے ان کا دل صاف کر دیں۔"

میں چند لمحات سوچتا رہا پھر میں نے بھاری لہجے میں کہا۔
"تو آپ نے بیگم ریحانہ شیخ کو طلاق دے دی؟"
"حتمی طور پر اور میں نے اسے گھر سے بھی نکال دیا اور زندگی کے کسی بھی حصے میں اب میں اس عورت کا نام اپنی زبان پر نہیں لانا چاہتا۔"
"آپ اس کا معاوضہ کیا ادا کر سکیں گے طفیل احمد صاحب؟"
"جو آپ پسند کریں وکیل صاحب۔ میں اپنے بیٹے کے حصول کے لیے آپ کو اپنی تمام دولت دے سکتا ہوں۔"
"تو پھر اس کی قیمت دس لاکھ روپے ہوگی طفیل احمد صاحب۔"
"بخوشی میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ کوئی بڑی رقم نہیں ہے۔"
"کیا آپ کے بیٹے نے مہک کا مہر ادا کر دیا؟"
"نہیں اس کا مہر ایک لاکھ اکیس ہزار ہے وہ بھی میں خوشی سے دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ اس کا حق ہے۔"
"گویا گیارہ لاکھ اکیس ہزار روپے آپ کو خرچ کرنا ہوں گے؟"
"میں پچاس لاکھ خرچ کر سکتا ہوں وکیل صاحب آپ میرا یہ کام کرا دیں۔"
"ٹھیک ہے۔ آپ کا یہ کام ہو جائے گا طفیل احمد صاحب۔" میں نے جواب دیا۔
"تو پھر میں کب اور کہاں آپ سے ملاقات کروں؟"
"ظاہر ہے آپ اس سلسلے میں فوری کارروائی چاہتے ہوں گے؟"
"ابھی اور اسی وقت۔"
"ٹھیک ہے میرے ساتھ آئیے۔" میں نے کہا اور وکیل فاروقی صاحب کو بھی اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ جاوید قریشی بھی میرے ساتھ ہی تھے اور اس کے بعد ہم سب فلیٹ پر پہنچ گئے۔ کفیل سے میں نے الگ کمرے میں ملاقات کر کے تمام روداد اسے سنا دی۔ کفیل تو میرا اتنا ممنون تھا کہ میرے لیے اپنی گردن کٹانے پر تیار رہتا تھا۔ میمونہ نے بھی اس تائید کی اور کہا کہ وہ باپ بیٹے کو جدا نہیں کرنا چاہتی۔ فساد کی جڑ ختم ہو گئی چنانچہ کفیل احمد نے اپنے باپ کے گلے سے لگ گیا اور طفیل احمد نے میمونہ کو سینے سے لگا لیا پھر طفیل احمد صاحب نے دس لاکھ کا چیک الگ لکھا اور ایک لاکھ اکیس ہزار کا الگ۔ میں نے یہ دونوں چیک وصول کرتے ہوئے کہا۔
"دراصل طفیل احمد صاحب مہک کو اس کام کے لیے میں نے مجبور کیا تھا کہ وہ کفیل احمد سے طلاق لے لے۔ وہ اچھی زندگی کی خواہش مند ایک لڑکی ہے اور بہر طور اس سلسلے میں اس قدر قصور وار نہیں ہے جس قدر ریحانہ بیگم تھیں یہ گیارہ لاکھ اکیس ہزار روپے میں آپ کی موجودگی میں اس کے حوالے کرنا چاہتا ہوں اور اس سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز جس انداز میں چاہے کرے۔"
طفیل احمد صاحب نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر انہیں چوما اور پھر چھوڑ دیا۔ "آپ جو کچھ بھی کرنا چاہیں وکیل صاحب مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔ کیا میں اپنے بیٹے اور اپنی بہو کو لے جاؤں؟"
"میں اس سلسلے میں کیسے اعتراض کر سکتا ہوں۔ البتہ رات کے کھانے کا بندوبست ضرور کر لیجیے گا کیونکہ ہم تمام لوگ آج رات کا کھانا آپ کے ساتھ ہی کھائیں گے۔"
"یہ میری دلی آرزو ہے۔"
"تو سمجھ لیجیے پوری ہو گئی۔"
طفیل احمد صاحب، کفیل احمد، میمونہ اور اس کے بچے کو لے کر چلے گئے تو وکیل فاروقی صاحب نے مجھے گلے لگا لیا اور کہنے لگے۔ "تمہاری عظمت کے سامنے بار بار سر جھک جاتا ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے مگر اب ان محترمہ مہک سے بھی تو ملاقات کر لی جائے۔"
"میرا خیال ہے تم نے اس کے لیے بھی وہ سب کچھ کر دیا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی ہوگی۔" فاروقی صاحب نے کہا۔
"وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن جو حرکتیں میں نے اس سلسلے میں کی ہیں انہیں بھی تو نبھانا ہے۔ میں واقعی بہت پریشان ہوں اس سلسلے میں۔ بہر طور شام کا کھانا طفیل احمد صاحب کے ساتھ کھانا ہے اس لیے میرا خیال ہے اب ہم پہلے مہک کے مسئلے سے نمٹ لیں۔"
میں فاروقی صاحب کے ساتھ ان کے گھر پہنچ گیا اور وکیل فاروقی نے اپنے ڈرائنگ روم میں مہک کو میرے پاس بھیج دیا۔ مہک غصے سے ناک چڑھائے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔
"شارق کیا کر رہے ہو تم یہ سب کچھ؟ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم بھی میرے ساتھ فریب کر رہے ہو۔ تم وکیل ہو یہیں رہتے ہو۔ لیکن تم نے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟ اگر مجھے فریب دے رہے ہو تو

تفصیل کر بتا دو میں... میں زندگی سے بیزار آ گئی ہوں۔ میں اس انداز میں جینا نہیں چاہتی شارق! تم نے بھی میرے اوپر ظلم کیا ہے۔ کیا اس دنیا میں سب ہی مرد ایک جیسے ہوتے ہیں؟"
"محترمہ مہک آج میں آپ سے وہ تمام گفتگو صاف کر لینا چاہتا ہوں جو میرے ذہن میں ہے۔ آپ کا خیال بالکل درست ہے کہ میں قطعی طور پر آپ سے فریب کر رہا تھا لیکن آپ اسی کی مستحق تھیں۔ کیا آپ کے دل میں کبھی یہ احساس جاگا یا آپ نے کبھی اپنے طور پر سوچا کہ آپ جو کچھ کر رہی ہیں وہ بہتر ہے؟ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ کفیل احمد شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی اور بچہ بھی ہے اور آپ یہ بھی جانتی تھیں کہ جب اس کی بیوی یہاں آئی تو طفیل احمد نے اس پر بدچلنی اور آوارگی کا الزام لگا کر اس کا سارا مستقبل تاریک کر دیا۔ کیا آپ کے دل میں کبھی اس کے لیے رحم کے جذبات جاگے؟ آپ نے اپنے بارے میں سوچا محترمہ مہک آپ نے یہ محسوس کیا کہ آپ بری زنجیروں میں جکڑ دی گئی ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے ایک زندگی گزارنے کی خواہش میں اپنی پھوپی کی آلۂ کار بنیں کیا کبھی یہ بھی احساس ہوا کہ آپ ایک عورت بھی ہیں اور آپ نے عورت ہو کر عورت کے حق پر ڈاکا ڈالا ہے۔ آپ خود سوچیے کیا اس دنیا سے سزا کا وجود مٹ گیا ہے؟ آپ بھی اپنی پھوپی بیگم ریحانہ شیخ کی جرم کی اسی قدر شریک کار ہیں جس قدر ریحانہ بیگم تھیں۔ انہوں نے چند انسانوں سے زندگی چھیننے کی کوشش کی اور انہیں زندہ درگور کر دیا۔ کفیل احمد کو نشے کا عادی بنا کر آپ سے شادی کرنے پر مجبور کیا گیا اور آپ صرف اس لیے تیار ہو گئیں کہ آپ ایک بہتر زندگی گزاریں آپ نے اپنے بارے میں ہی کیوں سوچا؟ کہ آپ مظلوم ہیں اور آپ کو ایک ڈھی عمر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ آپ نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ ایک اور عورت بھی ہے جس سے سب کچھ چھین کر اسے زنداں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ محترمہ مہک آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا اور جس انداز میں ہوا آپ اس کی مستحق تھیں۔ معاف کیجیے گا۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں آپ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے جو سبز باغ میں نے آپ کو دکھائے تھے وہ حقیقتوں کو سامنے لانے کے لیے تھے۔ اور میں اس میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہوں۔ کفیل احمد نے آپ کو طلاق ہو چکی ہے اور آپ کی پھوپی بیگم ریحانہ شیخ کو بھی طفیل احمد سے طلاق ہو چکی ہے۔ جہاں انہوں نے اپنا ٹھکانہ بنایا ہے آپ بھی وہیں اپنا ٹھکانہ بنائیے یہ آپ کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
مہک پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ میرا اندازہ بالکل درست تھا۔"
"جی ہاں آپ کا اندازہ بالکل درست تھا۔"
"لیکن تمہیں مجھ سے کیا دشمنی تھی؟"
"کوئی دشمنی نہیں۔ میں اپنی بہن میمونہ کو اس کا حق دلوانا چاہتا تھا اور آپ کے ارادوں کو ناکام بنانے کا خواہشمند تھا۔"
"تو تم نے مجھ سے فریب کیا؟"
"جی ہاں جس طرح آپ نے میمونہ کے خلاف سازش کی۔"
"لیکن شارق حسین میرے لیے اب خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ میں بھلا تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتی ہوں؟ میں تم سے کیا بدلہ لے سکتی ہوں؟ میں اپنا یہ جرم تسلیم کرتی ہوں کہ میں نے ایک بہتر زندگی کی خواہش میں ایک عورت کے حق پر ڈاکا ڈالا تھا اور اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔ بہر طور تم نے بھی جو کچھ کیا ٹھیک ہی کیا۔ ٹھیک ہے اب میرا یہاں رہنا کیا ضروری ہے؟ دیکھوں گی کہ اپنے مستقبل کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟ خود کو زندہ رکھ سکی تو رکھوں گی اور جب اس زندگی سے تھک جاؤں گی تو موت کو اپنا لوں گی۔"
"مہک انسانیت کی حدوں سے آگے بڑھ کر نہیں سوچنا چاہیئے۔ اپنے آپ کو اپنی خواہشوں کے سامنے اس حد تک نہیں گرانا چاہیئے کہ انسان خود اپنی ہی نظروں میں ذلیل ہو جائے آپ نے جذباتی طور پر بہتر زندگی حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کیا وہ انسانی حدود میں نہیں تھا بہر طور غلطی انسان ہی سے ہوتی ہے۔ کوشش کیجیے گا کہ آئندہ زندگی میں آپ کے ہاتھوں کسی انسان کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ جہاں تک بہتر زندگی کا تصور ہے تو وہ اس قدر مشکل نہیں ہے۔ یہ میری طرف سے ایک حقیر سا تحفہ رکھیے گا۔ جو میں نے آپ کے لیے کسی سے حاصل کیا ہے۔"
میں نے دونوں چیک مہک کے سامنے رکھ دیے اور وہ انہیں دیکھنے لگی۔ پھر اس کے چہرے پر شدید اضطراب پیدا ہو گیا۔
یہ... یہ سوا لاکھ اور یہ دس لاکھ کیا ہے یہ؟
"سوا لاکھ روپے آپ کا حق مہر ہیں جو آپ کو طفیل احمد صاحب نے اپنے بیٹے کی طرف سے ادا کیے ہیں اور یہ دس لاکھ روپے آپ کے بہتر مستقبل کے لیے میری طرف سے نذرانہ ہیں۔ کیونکہ بہر طور میرے ہاتھوں بھی آپ کو تکلیف پہنچی ہے۔ خواہ یہ تکلیف کسی نیک جذبے ہی سے تعلق رکھتی تھی۔ لیکن مجھے

سا ہے کہ اس کا ذمہ دار میں ہی ہوں۔ یہ دونوں رقومات قبول کر لیں۔ میرا خیال ہے یہ آپ کو ایک شاندار مستقبل کے حصول میں مدد دیں گے۔"

مہک کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے تھے۔ اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتی کہ زندگی میں میں نے کتنی غلطیاں کی ہیں؟ مجھے زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے شارق صاحب! میں بہت زیادہ ذہین بھی نہیں ہوں کہ اپنے طور پر کوئی منصوبہ بندی کر سکتی بس جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ بچپن سے ایسے حالات کا شکار رہی جن میں جینا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ایسی زندگی ناممکن ہونے کے باوجود لاکھوں افراد گزارتے ہیں۔ میں ان لاکھوں کی طرح پائیدار نہیں ہوں۔ میں اس زندگی سے تنگ آ چکی تھی اور اس کے لیے میں نے ہر طرح کا زہر پینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ شارق صاحب! آپ نے یہ جو سب کچھ کیا ہے میں نہیں سمجھتی کہ آپ کو کیا مقام دوں؟ بلاشبہ شاید میں اب زندگی سے لڑ نہیں سکتی تھی اگر یہ سب کچھ آپ میرے لیے نہ کر دیتے تو میں نہیں جانتی کہ میرا مقام کیا ہوتا؟ ہو سکتا ہے میں ان گندے راستوں پر نکل جاتی جو معاشرے میں ناسور تصور کیے جاتے ہیں۔ آپ مجھے ان راستوں سے بھی واپس لے آئے ہیں۔ آپ نے میمونہ کو اس مستقبل اس کا شوہر دے دیا۔ سچ جانیے مجھے اس شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور یہ بھی جانیے کہ میں آپ کے عشق میں گرفتار نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک میرے ذہن میں آپ کے لیے کوئی بڑا مقام نہیں تھا جب تک آپ نے مجھے اپنی کوٹھی نہیں دکھائی تھی۔ وہ کوٹھی دیکھنے کے بعد میں نے آپ کے بارے میں اس انداز میں سوچا شارق صاحب! بہت پست ہوں میں۔ بہت گری ہوئی ہوں۔ لیکن آپ نے یہ جو کچھ مجھے دیا ہے اس کے سہارے یوں سمجھ لیجیے کہ نہ صرف ایک انسان کی زندگی سنور جائے گی بلکہ وہ انسان بننے کی کوشش بھی کرے گا۔"

"اور اگر آپ کو میں نے انسانیت کے کسی بہتر مقام پر دیکھا تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کی سب سے زیادہ عزت کرنے والا میں ہی ہوں گا۔"

مہک اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگائے اور آہستہ سے بولی۔ "میں اس فرشتے کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

"اس کے علاوہ مہک اگر مستقبل کے لیے مجھ سے کسی مشورے کی ضرورت ہو تو ایک اچھے دوست کی حیثیت سے میں تمہاری ہر خدمت کے لیے حاضر رہوں گا۔"

"ہو سکتا ہے شارق صاحب! مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت پیش آئے۔"

"میں ایک سچے اور اچھے دوست کی طرح تمہاری ہر مدد کے لیے حاضر ہوں۔"

"کیا میں اب یہاں سے چلی جاؤں؟"

"نہیں اس گھر پر میرا کافی حق ہے۔ فاروقی صاحب ان کے اہل خانہ میرے لیے میرے بزرگوں کی مانند ہیں۔ تم اس وقت تک یہاں رہ سکتی ہو مہک جب تک تم اپنے بہتر مستقبل کے لیے کوئی فیصلہ نہ کر لو۔"

بعد میں، میں نے فاروقی صاحب کو یہ تمام تفصیلات سنائیں اور فاروقی صاحب نے خوش دلی سے کہا۔ "ہاں ہاں بیٹے تم یہاں اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟ تم ہمارے اوپر ذرا بھی بار نہیں ہو۔ ہم بڑی محبت سے اپنے درمیان خوش آمدید کہیں گے۔"

یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔ بہرطور مسرتوں کا وہی لامحدود خزانہ اس بار بھی میرے ہمرکاب تھا۔ جس سے میں بارہا فیض یاب ہو چکا تھا۔

شام کو ہم سب تیار ہو کر طفیل احمد صاحب کی کوٹھی چل پڑے اور طفیل احمد صاحب نے ہمارا بہترین استقبال کیا۔ مہک کو دانستہ ساتھ نہیں لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس کے زخم تازہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ طفیل احمد صاحب کے ساتھ میمونہ اور اس کا بچہ بھی تھا۔ بچے کو طفیل احمد صاحب اپنی گود میں لیے ہوئے تھے اور تھوڑے فاصلے پر کفیل ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا۔ میمونہ نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"بھائی اس محبت کے صلے میں بہن تمہیں کیا دے سکتی ہے؟"

"دعائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"خدا کرے تم اپنی زندگی میں کبھی ناکامی کا منہ نہ دیکھو۔"

"اس سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیے چلو اندر چلو اور دکھاؤ کہ تم نے باورچی خانے میں کیا کمال دکھایا ہے۔"

طفیل احمد صاحب نے بہت ہی پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا تھا اور ہم سب اس دعوت میں خوش گپیاں کرتے رہے۔ بہرطور لاتعداد دعاؤں کے درمیان ہم وہاں سے واپس آ گئے اور اس کے بعد وہی معمول کی زندگی۔ وہی حالات، وہی دوست۔ وہی روزمرہ کی مصروفیات۔

دو تین دن سکون سے گزر گئے۔ طفیل احمد صاحب سے ان تینوں دنوں میں کسی نہ کسی طور بات چیت ہو ہی جاتی تھی اور میں فاروقی صاحب سے تقاضا کر رہا تھا کہ میرے لیے کوئی کیس تلاش کریں۔ پھر اس دن اچانک ہی مجھے بابر جان یاد آئے۔ بابر جان نے مجھ سے کچھ کہا تھا۔ ہر چند کہ بات مکمل نہیں ہو سکی تھی لیکن انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں اس کیس سے فارغ ہو جاؤں تو وہ اس سلسلے میں مجھ سے کچھ بات کریں گے۔ بہرطور ان تمام لوگوں کے مجھ پر بے پناہ احسانات تھے اور میرے محسن ہیں یہ سب میرے دست و بازو تھے میں نہیں چاہتا تھا کہ بابر جان دوبارہ اس سلسلے میں مجھ سے تقاضا کریں بلکہ اس سے پہلے خود ہی ان سے ملاقات کر کے میں ان کا احترام کرنا چاہتا تھا۔ بابر جان کو تلاش کرنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ پولیس ہیڈ کوارٹر ہی میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ پہلے میں نے ٹیلیفون پر ان کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور جب ان سے رابطہ قائم ہو گیا تو میں نے ان سے کہا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ بابر جان نے بصد خلوص مجھے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد میں ان کے سامنے پہنچ گیا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہاں آپ کی مصروفیات بے پناہ ہوں گی۔ کیا کیا جائے آپ کی تلاش بھی اتنی ضروری تھی۔"

"تمہاری ملاقات سے اچھی اور کوئی مصروفیت کیا ہو سکتی ہے؟" بابر جان نے پُرمحبت انداز میں کہا پھر بولے۔ "میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ؟"

"ایک زحمت دینی تھی آپ کو۔"

"ضرور دو۔" بابر جان نے فراخدلی سے کہا۔

"پچھلے دنوں جب میں کیس میں مصروف تھا آپ نے مجھ سے چند الفاظ کہے تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ خود بھی کوئی مسئلہ میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں اور اب آپ کے علم میں ہے یہ بات کہ میں فارغ ہوں چنانچہ درخواست ہے کہ میری ذمہ داری میرے سپرد کر دی جائے۔"

بابر جان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ دیر تک وہ خاموش رہے۔ پھر بولے۔ "تم بھی یار نشے باز آدمی ہو۔"

"یہ حقیقت ہے کہ میں اپنے مقصد کی تکمیل میں مصروف رہ کر ہی زندگی محسوس کرتا ہوں۔"

"ہاں کچھ لوگ آسانوں سے اسی لیے اکتا سے جاتے ہیں کہ دوسروں کے لیے زندگی گزاریں لیکن شارق! ان جذبوں کی تسکین کے لیے تم نے اپنے آپ کو مصروفِ عمل کیا ہے تمہیں علم ہے کہ وہ امتحان کی منزل سے بھی گزرتے ہیں؟"

"ان الفاظ کی گہرائیوں کو نہیں سمجھ سکا۔"

"میرا مطلب ہے جذبوں کا امتحان تو لازم و ملزوم ہے اگر کبھی تمہاری ذات پر کوئی امتحان آ پڑا تو کیا تم اسے کامیابی کے ساتھ سرانجام دو گے؟"

"کیا کسی بھی چیز کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے بابر جان صاحب! کیا انسان اپنی مرضی کا تابع ہے؟ وہ صرف ایک بات کہہ سکتا ہے کہ کوشش کرے گا اور میں سمجھتا ہوں مخلصانہ کوششیں بہرطور کامیابی کے راستے ہی دکھاتی ہیں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں انتہائی دلچسپ کیس تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس میں تمہیں کافی وقت لگ جائے لیکن کیس دلچسپ ہے۔ طویل تفصیلات نہیں بتاؤں گا۔ ایک کردار ہے۔ ایک شخص ہے۔ تمہیں اب تک جن لوگوں کے لیے کام کرنے کا موقع ملا ہے وہ مظلوم اور مرنجان مرنج قسم کے لوگ تھے جن کی بے بسی اور دردناک حالت نے تمہیں مجبور کیا کہ تم ان کی دادرسی کرو۔ لیکن اس بار میں جس شخص کا معاملہ تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں اس سے ملاقات کرنے کے بعد تم پریشانی سے سر کھجانے لگو گے اور یہ سوچو گے کہ کیا یہ شخص بھی مدد کے قابل ہے؟"

میں دلچسپی سے بابر جان کی صورت دیکھنے لگا۔ واقعی ایک نیا تصور تھا ایک انوکھی پیشکش تھی۔ میں نے چند لمحات سوچنے کے بعد گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مظلوم ہی ہو۔"

"اگر مجھ پر تھوڑا سا بھی بھروسا کرتے ہو تو اس میں اس بات کو شامل کر لو کہ جس شخص کا کیس میں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں وہ مظلوم ہے بے گناہ ہے اس نے کوئی جرم نہیں کیا لیکن اسے مجرم بنا دیا گیا۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ اس کے اندر اتنی جھنجلاہٹیں پیدا ہو گئیں کہ وہ وحشی بن گیا۔ اسے اپنی قید کی کوئی پروا نہیں ہے کئی بار فرار کی کوششیں کر چکا ہے۔ ایک بار جیل سے نکل بھاگنے میں کامیاب بھی ہو چکا ہے لیکن بہت جلد گرفتار کر لیا گیا۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات؟ وہ بے گناہ ہے لیکن اب اپنے آپ کو بے گناہ نہیں کہتا بلکہ علی الاعلان وہ خود کو ایک خطرناک مجرم بتاتا ہے لیکن اس خطرناک مجرم کا پس منظر بہت

دلا ورہے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کی زندگی کے خواہاں ہیں لیکن وہ اس سے اتنی دُور ہو چکے ہیں کہ اب وہ اس کا تصوّر بھی نہیں کرتے۔ وہ ان کے لیے ایک حسرت بن گیا ہے۔ یہ ہے تمہارا نیا کردار۔ لیکن شارق تم میرے لیے بے حد قیمتی ہو۔ میرے ذہن میں یہ تصوّر آیا ضرور تھا کیونکہ ایک بات میں تمہیں بتا دُوں کہ میں بھی اس شخص کی بے گناہی منظرِ عام پر لانا چاہتا ہوں۔ یہ میرے دل میں چھپے ہوئے کچھ جذبے ہیں جنہوں نے درپردہ مجھے اس کی طرف ہمدردی پر مائل کر دیا ہے۔ لیکن ایک ذمّہ دار پولیس افسر ہونے کی حیثیت سے میں کسی مجرم سے ہمدردی کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں نے اپنے آپ کو سچائیوں کے راستے پر چلانے کی کوشش نہیں کی لیکن میں ان دیواروں کے پار نہیں دیکھ سکا جہاں اس کی بے گناہی نظر آتی ہے کیونکہ میری زندگی کے دوسرے مشاغل میرا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ ہاں تم نے اپنا منصب ہی یہ بنا لیا ہے۔ تمہارا اپنا کام ہی یہ ہے تو میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کیوں نا اس کی بے گناہی کی جانب بھی نظر کر لی جائے۔"

"بابر جان آپ نے جتنے الفاظ کہہ دیئے یہی کافی ہیں میں خلوصِ دل سے اس کیس پر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کون ہے وہ شخص ہے اور اس سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے آپ کے بیان کے مطابق وہ جیل ہی میں ہے۔"

"ہاں لیکن یہاں کی جیل میں نہیں ہے اس کے لیے تمہیں ایک چھوٹا سا سفر طے کرنا پڑے گا۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اپنے ہی مُلک کی بات ہے نا؟"

"میں نے چھوٹا سا سفر کہا ہے جو بذریعہ کار یا جیپ میں طے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔ یہ کام تمہیں تنہا ہی کرنا ہو گا۔"

"آپ نے مجھے اس شخص کے بارے میں تفصیلات نہیں بتائیں؟"

"تفصیلات میں تمہیں بتاؤں گا بھی نہیں ورنہ تمہارا لُطف ادھورا رہ جائے گا۔ البتہ تم اس سے ملو گے تو ہو سکتا ہے کہ تم پر بھی کچھ انکشافات ہوں شارق! اس کے باوجود کہ تم نے یہ ذمّہ داری اپنے شانوں پر قبول کر لی ہے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ اگر اس مرحلے کی تکمیل کے لیے تمہارے ذہن میں کوئی پیچ پیدا ہو تو تم اس سے دستبردار ہو سکتے ہو۔ میرے لیے بھی یہ معاملہ صرف انسانی بُنیادوں پر ہی ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"

"چلیے چھوڑیے اس تفصیل کو۔ کم از کم اتنا تو بتا دیجیے کہ اس سے کہاں ملنا ہے؟"

"کوٹ حسن جیل جانا پڑے گا تمہیں۔"

"کوٹ حسن؟" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"ہاں وہ اسی جیل میں ہے۔ کوٹ حسن کے جیلر عبدالرّحمٰن میرے دوست ہیں۔ میں تمہیں ان کے نام ایک خط دے دُوں گا۔ تم ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرا سکتے ہو۔"

"تو آپ مجھے وہ خط دیجیے۔" میں نے کہا۔

"ابھی؟"

"میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔" بابر جان نے کہا اور اس کے بعد انہوں نے میرے لیے کافی منگوائی اور خود خط لکھنے بیٹھ گئے۔ خط لکھ کر انھوں نے ایک لفافے میں بند کیا اور پھر لفافے کو اُوپر سے چپکا دیا۔ ان کی یہ بات میرے لیے کسی قدر تعجب خیز تھی لیکن بہرطور ایس۔ پی بابر جان پر مجھے اتنا اعتماد تھا کہ وہ کوئی غلط کارروائی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ میں نے لفافہ لے کر جیب میں رکھ لیا۔

کافی پیتے ہوئے ایس۔ پی بابر جان نے کہا۔ "تم نے اس بند لفافے پر ضرور غور کیا ہو گا بس یوں سمجھ لو یہ میری تفریح ہے۔"

"میں نے اس پر غور ضرور کیا لیکن کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ظاہر ہے آپ نے جو کچھ کیا ہے بہتر ہی کیا ہو گا۔"

"کب روانہ ہو رہے ہو؟"

"کل صبح دس بجے۔" میں نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "لیکن میں اس سے کس حیثیت سے ملاقات کروں؟"

"یہ تم پر منحصر ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اس سلسلے میں عبدالرّحمٰن صاحب ہی میری مدد کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

بابر جان سے کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس سلسلے میں براہِ راست دلچسپی لیتے رہیں گے۔ اور جہاں بھی ان کی مدد کی ضرورت پیش آئی وہ میری بھرپور مدد کریں گے پھر میں مسکراتا ہوا ان سے رُخصت ہو گیا تھا۔

وہ کون سا ایسا کردار ہے جسے بابر جان اس طرح صیغۂ راز میں رکھنا چاہتے ہیں؟ بہرطور دیکھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ دیکھ لیا جائے۔ حالات جو بھی اجازت دیں۔ اب میں نہ تو حاتم طائی تھا اور نہ سُپرمین کہ ہر سوال کو حل کرنے چل پڑتا اور ہر مسئلے کو حل کر لیتا۔ دیکھنا پڑے گا کہ اس شخص کا چکر کیا ہے؟ کس حد تک

وہ مجھ سے تعاون کرتا ہے؟ باقی معاملات کا فیصلہ بعد ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ فاروقی صاحب، جاوید قریشی اور دوسرے تمام لوگ بھلا میرے معاملات میں کس طرح حارج ہو سکتے تھے۔ فرصت کے اوقات تھے۔ فاروقی صاحب جو کیس کر رہے تھے۔ ان میں انہیں جاوید قریشی کا تعاون حاصل تھا۔ میرا مسئلہ کوئی ایسا اُلجھا ہوا نہیں تھا کہ میں کوٹ حسن نہ جا سکتا۔

کوٹ حسن تک جانے کے لیے گاڑی ہی کا استعمال مناسب سمجھا تھا۔ تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کر لی تھیں وہاں کے بارے میں۔ قصبہ ٹائپ کا شہر تھا۔ نہ اسے شہر کہا جا سکتا تھا نہ قصبہ۔ آبادی شاید ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ صنعتی آبادی تھی اور وہاں مختلف قسم کے کارخانے لگے ہوئے تھے۔ وہیں پر مُلک کی بہت بڑی جیل بھی تھی اور اسی جیل میں مجھے عبدالرّحمٰن صاحب سے ملاقات کرنا تھی۔

راستہ دلچسپی سے طے ہوا۔ مناظر بہت اچھے تھے موسم بھی خوشگوار تھا۔ چنانچہ مجھے اس سفر میں کوئی دقّت نہیں پیش آئی۔ کوٹ حسن خوبصورت جگہ تھی۔ چاروں طرف سبزہ لہلہا رہا تھا۔ داخلے کا دروازہ قدیم طرز کا بنا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے یہاں زمانۂ قدیم میں کسی مغل حکمران یا کسی اور بڑی شخصیت نے باقاعدہ یہ دروازہ بنوایا ہو بہرطور داخلہ اسی سے ممکن تھا۔ اطراف میں حصار پھیلے ہوئے تھے اور اس کے بعد آبادیاں شروع ہو گئی تھیں میں بغیر کسی دقّت کے اندر داخل ہو گیا۔ شہر کو شہریوں کی محبّت حاصل تھی۔ جس کا اندازہ اس کی صفائی ستھرائی دیکھ کر ہوتا تھا۔

میں نے ایک جگہ رُک کر جیل کا راستہ معلوم کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میری گاڑی جیل کے عظیم الشان پھاٹک کے پاس رُک گئی۔ باہر ہی دفتر بنا ہوا تھا۔ جہاں سے معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں۔ میں نے جیلر صاحب کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ اندر موجود ہیں۔ اندر پہنچا۔ جیلر صاحب کا آفس جیل کے پھاٹک کے بائیں سمت ایک گوشے میں بنا ہوا تھا۔ اندر بھی اس نفاست کا مظاہرہ کیا گیا تھا جو پورے شہر کی حامل تھی۔ جیلر عبدالرّحمٰن بھاری بھرکم بدن کے تقریباً پینتالیس سالہ شخص تھے۔ مجھے انہوں نے گہری نگاہوں سے دیکھا اور میں نے انہیں سلام کر کے ایس۔ پی بابر جان کا لفافہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔

"کہیں باہر سے آئے ہیں آپ؟"

"جی جیلر صاحب! میں دارالحکومت سے آیا ہوں۔"

"اوہو! اچھا!" انہوں نے لفافہ کھول لیا اور اس کے بعد وہ اس میں سے برآمد ہونے والا پرچا پڑھنے لگے۔ جیلر صاحب کے چہرے کا جائزہ لینے سے پتا چل رہا تھا کہ آہستہ آہستہ ان کی کیفیت بدلتی جا رہی ہے۔ وہ افسرانہ شان جس کا اظہار انہوں نے مجھے دیکھ کر کیا تھا ان کے چہرے سے معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے خط پڑھ کر مُسکراتے ہوئے میری طرف ہاتھ بڑھایا اور بولے۔

"کمال ہے شارق صاحب یعنی آپ جیسی شخصیت اور اس گمنامی کے انداز میں مجھ تک پہنچیے اور مجھے یہ بھی نہ بتائے کہ میں کون ہوں؟ معاف کیجیے گا میں نے آپ کا شایانِ شان استقبال نہیں کیا۔ آپ تو ہمارے ہیرو ہیں۔"

میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ ایس۔ پی بابر جان نے میرے بارے میں آپ کو کیا لکھا ہے؟ آپ یقین کیجیے یہ لفافہ بند کر کے انہوں نے مجھے دیا تھا اور اسی طرح میں نے آپ کے حوالے کر دیا ہے۔ لیکن اگر آپ مجھے کوئی بڑی شخصیت قرار دیتے ہیں تو میں اس سے انکار کرتا ہوں۔ بھلا میں کیا اور میری بساط کیا؟"

"ہر بڑا آدمی انکساری کے الفاظ اسی طرح ادا کرتا ہے۔ لیکن آپ یقین کیجیے آپ کے کچھ واقعات اخبارات کے ذریعے میرے کانوں تک پہنچے ہیں اور میں ان سے بہت متاثر ہوں۔ ابھی تھوڑے دن پہلے وقار احمد صاحب سے ملاقات ہوئی تھی آپ یقیناً ان کے شناسا ہوں گے۔ وقار احمد صاحب نے بطورِ خاص آپ کا تذکرہ کیا تھا اور ہم لوگ دیر تک آپ کے موضوع پر بات کرتے رہے تھے۔"

عبدالرّحمٰن اچھے اخلاق کے انسان تھے۔ حالانکہ تھوڑی دیر پہلے جب میں نے ان کا چہرہ دیکھا تھا تو مجھے یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ انتہائی سخت گیر قسم کے جیلر ہیں اور پولیس کے روایتی کردار سے متاثر ہیں لیکن اب ان کی گفتگو میں جو نرمی اور حلاوت پیدا ہو گئی تھی وہ میرے پہلے خیال کی تردید کرتی تھی۔ عبدالرّحمٰن صاحب نے فوراً ہی میرے لیے مشروب طلب کیا اور پھر بولے۔

"آپ جس مقصد کی تکمیل کے لیے یہاں تک آئے ہیں۔ مجھے اس میں آپ کی مدد کرنے میں کوئی عار نہیں ہو گا۔ لیکن کچھ باتیں میں آپ گوش گزار کر دینا چاہتا ہوں۔"

"میں یہی چاہتا ہوں۔"

"اس سے پہلے یہ فرمائیے کہ قیام کے لیے یہیں جیل میں بندوبست کیا جائے یا یہاں سے باہر۔" عبدالرّحمٰن نے کہا اور خود ہنس پڑے۔ "یہ الفاظ بڑے عجیب ہیں لیکن بہرطور جیل کا ڈر

کے مہمان اُلٹے ہی لٹکتے ہیں۔ آپ اگر یہاں رہنا پسند کریں تو شہر میں میرا ایک مکان موجود ہے جو یقیناً آپ کے شایانِ شان ہوگا۔"

"لیکن عبدالرحمٰن صاحب یہاں طویل قیام ضروری ہے کیا؟"

"بھئی اب آپ آئے ہیں تو ایک دو دن میں بھی آپ کو مہمان رکھوں گا۔ میرے خیال میں آپ یہ بھول جائیے کہ یہ جیل ہے۔ میرا مکان ہی سمجھیے اور میرے ساتھ ہی قیام کیجیے۔ ذرا آسانی رہے گی ورنہ دو حصّوں میں تقسیم ہو جاؤں گا۔"

"فی الحال تو آپ اس سلسلے میں میری مدد کیجیے۔ جن کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔"

"ہاں ایس۔ پی بابر جان نے مجھے لکھا ہے کہ آپ ایک خاص شخص سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ اس کی شخصیت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ میں آپ کو اس کے بارے میں تفصیل بتانا چاہتا ہوں تاکہ آپ کو فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ دراصل وہ شخص انسانوں کی ایک خاص قسم سے تعلق رکھتا ہے اور ایسے لوگوں سے ملاقات کرنا بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے تعاون کرے گا یا نہیں۔ موڈی آدمی ہے۔ موڈ میں ہوا تو ٹھیک ٹھاک باتیں کرے گا اور اگر نہ ہوا تو آپ کو تھوڑی سی ذہنی کوفت برداشت کرنی پڑے گی۔"

"جیلر صاحب یہ تمام مسئلہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ وہ جیسا بھی ہے بہر طور میں اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بلاشبہ یہ آپ کا اپنا مسئلہ ہے۔ میں آپ سے مکمل تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن کچھ تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ تجاویز بھی بابر جان کے اس خط کی روشنی میں ہیں۔"

"میں ان تجاویز کا خیر مقدم کروں گا۔"

"میرے خیال میں آپ اپنا حلیہ تبدیل کر لیں اور ایک اخباری نمائندے کی حیثیت سے اس سے ملاقات کیجیے اور اسے بتائیے کہ آپ جیل کے کچھ مجرموں کے انٹرویو چھاپنا چاہتے ہیں۔ اگر کوئی اور طریقۂ کار آپ کے ذہن میں ہو تو میں اس پر بھی آپ سے مکمل تعاون کروں گا۔ یہ میں صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ابتدائی کوشش میں شاید آپ کامیاب نہ ہو سکیں۔ تو پھر میں آپ کو اس سے ملاقات کا دوسرا طریقہ بھی بتا سکتا ہوں، بشرطیکہ آپ اسے کرنے پر آمادہ ہوں۔ بابر جان نے اس سلسلے میں یہی لکھا ہے۔"

"میں آپ کی پہلی تجویز سے متفق ہوں جیلر صاحب اور واقعی یہ دلچسپ تجربہ میرے لیے بہت پُرکشش ہے۔ لیکن چہرہ بدلنے والی بات۔"

"ہاں یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ اگر آپ اپنی پہلی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں اور آپ کو اس سلسلے میں کوئی دوسری کارروائی کرنی پڑے تو وہ آپ کو پہچان نہ لے۔"

"مگر کیا اس کے انتظامات ہو سکتے ہیں؟"

"میں خود اس کا انتظام کر دوں گا۔ اب ظاہر ہے خالی جیلر ہی نہیں ہوں اور بھی بہت کچھ رہ چکا ہوں۔" عبدالرحمٰن صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد وہ مجھے ساتھ لے کر جیل کے ایک بغلی حصّے میں پہنچ گئے۔ جہاں ان کی رہائش گاہ تھی۔ پردے وغیرہ کے پابند تھے۔ چنانچہ ان کی فیملی دوسرے حصّے میں مقیم تھی۔ بیرونی حصّہ ان کے اپنے استعمال کے لیے تھا۔ وہیں پر انہوں نے مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا اور وہاں سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو ہاتھ میں ایک صندوق سا تھا۔ جسے انہوں نے میرے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ صندوق میں میک اپ کا سامان موجود تھا۔ نقلی مونچھیں، ڈاڑھی، لوشن۔ جن سے چہرے میں تبدیلیاں کی جا سکتی تھیں۔ انہوں نے خود میرے چہرے کو تبدیل کرنے کی پیشکش کی تو میں نے ان سے کہا۔

"آپ ذرا پہلے مجھے کارروائی کر لینے دیجیے۔ اگر آپ ناپسند فرمائیں گے تو پھر آپ کی مدد لوں گا۔"

"ارے ہاں بھئی غلطی ہے میری۔ میں بھول گیا کہ آپ خود بھی تو بہت کچھ کرتے رہے ہیں۔" جیلر صاحب نے کہا اور میں میک اپ کے سامان میں سے سامان نکالنے لگا۔

کچھ بال نکال کر میں نے اپنے ہونٹوں پر چپکائے اور اس کے بعد ایک ڈاڑھی بھی استعمال کی۔ چہرے کی رنگت میں بھی تبدیلی کر لی اور تھوڑی دیر کے بعد میرا حلیہ بالکل بدل چکا تھا۔ جیلر صاحب ایک صوفے پر بیٹھے میری یہ کارگزاری دیکھ رہے تھے اور جب میں فارغ ہوا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تسلیم شارق صاحب! بالکل تسلیم آپ نے بالکل ہی اپنے آپ کو تبدیل کر لیا۔ اب میں یوں کرتا ہوں کہ ایک حوالدار کے ساتھ آپ کو اس کوٹھری تک پہنچا دیتا ہوں جہاں وہ موجود ہے۔ لیکن اس سے قبل آپ کو اس کے بارے میں تھوڑا بہت بتا دینا پسند کرتا ہوں۔ اس کا نام بھادوں ہے۔ جاہل قسم کا وحشی آدمی ہے۔ بہترین قد و قامت رکھتا ہے اور بے حد اکھڑ مزاج ہے۔ گالیاں بکنے میں

ماہر۔ ہاتھ بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کا مزاج برگشتہ ہو تو کچھ فاصلے سے بات کریں۔" میرے ذہن میں ایک دم دھماکا سا ہوا تھا۔ بھادوں... بھادوں... بھادوں۔ یہ نام میری سماعت کو زخمی کر رہا تھا اور اب یادداشت اتنی ناکارہ بھی نہیں ہو چکی تھی کہ یہ نام مجھے یاد نہ آتا۔ ایک رات جج امجد حسین اور ایس۔ پی طارق حسین پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ اُستاد چھوٹے اس وقت کوٹھی کے گیٹ پر موجود تھے اور انھوں نے بھادوں کو پکڑنے کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں چوکیدار زخمی ہو گیا تھا اور امجد حسین نے اس کا الزام اُستاد چھوٹے پر لگا دیا تھا۔ بعد میں ایس۔ پی طارق حسین نے وضاحت کی کہ حملہ آور بھادوں تھا۔ مجھے یہ نام اچھی طرح یاد تھا اور اگر یہ وہی بھادوں ہے تو پھر ایس۔ پی بابر جان کے الفاظ بھی اپنی اہمیت کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک امتحان کا تذکرہ کیا تھا۔ ذہن چند لمحات کے لیے کھو سا گیا کیا ایس۔ پی بابر جان یہ بات جانتے تھے کہ بھادوں، جج صاحب اور ایس۔ پی طارق حسین کا دشمن ہے۔ وہ اسے بے قصور قرار دے رہے تھے۔ بہر طور یہ بات بہت دیر تک میرے ذہن میں ہلچل پیدا کرتی رہی اور پھر میں پُرسکون ہو گیا۔ اگر ایس۔ پی بابر جان کا کہنا درست ہے کہ بھادوں بے گناہ ہے اور اسے کسی مسئلے میں غلط سزا ملی ہے تو پھر وہ میری مدد کا مستحق ہے۔ خواہ اس سلسلے میں ایس۔ پی طارق حسین آتے ہوں یا جج امجد حسین صاحب اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ بھادوں نہ ہو۔ بہر طور جو کچھ بھی ہے۔ مجھے ان تمام احساسات سے بے نیاز ہو کر کام کرنا ہے۔

میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں ایک حوالدار کے ساتھ جیل کے مخصوص حصّے کی جانب جا رہا تھا۔ مختلف قیدی، مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ بعض آرام کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن صاحب بھی ذرا سلیقے کے آدمی معلوم ہوتے تھے کیونکہ یہاں جیل میں وہ وحشت خیزی نظر نہیں آتی تھی۔ وسیع و عریض جیل تھی۔ لاتعداد بیرکیں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں قیدیوں کو رکھا جاتا تھا لیکن صفائی ستھرائی تھی۔ ایک بیرک کے دروازے سے اندر داخل ہو کر میں بیرک میں بنی ہوئی ایک کوٹھری کے سامنے پہنچ گیا جہاں ایک آدمی سینے پر ہاتھ باندھے بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔ مضبوط بدن کا آدمی تھا۔ کاش میں اسے اس وقت بھی دیکھ لیتا یا اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کر لیتا جب اس نے ہماری کوٹھی میں داخل ہو کر فائرنگ کی تھی۔ کم از کم یہ تصدیق ہو جاتی کہ یہ وہی بھادوں ہے یا نہیں۔ حوالدار نے سلاخیں کھٹکھٹائیں اور گردن اُٹھا کر ہماری طرف دیکھنے لگا بڑی بڑی خوبصورت لیکن ڈراؤنی آنکھیں ہماری جانب نگراں تھیں۔ خدوخال بھی اچھے تھے لیکن اس نے اپنا حلیہ بہت بگاڑ رکھا تھا۔ پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہاتھ آزاد تھے۔ وہ چند لمحات اسی طرح دیکھتا رہا۔ تب حوالدار نے کہا۔

"بھادوں ادھر آؤ۔ یہ صاحب تم سے ملنے آئے ہیں۔"

وہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھا ہمیں دیکھتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اُٹھا اور سلاخوں والے دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے مسکرا کر گردن خم کی اور بولا۔

"مسٹر بھادوں میرا تعلق ایک اخبار سے ہے اور میں آپ کا انٹرویو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں بہن کو دکھاؤ گے؟" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

مجھے اس سے ان الفاظ کی توقع نہیں تھی۔ میں نے تحمل سے کہا۔ "نہیں مسٹر بھادوں دراصل میں ایسے لوگوں کے انٹرویو کر رہا ہوں جو کسی وجہ سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں لیکن جیل کی اہم شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔"

"تیرے باپ کا نوکر ہوں کہ تیری باتوں پر عمل کروں اور جو کچھ تو کہے گا وہ تجھے بتاؤں گا؟"

"نہیں۔ یہاں نوکر کا مسئلہ نہیں۔ دوستی اور تعاون کا ہے۔"

"بھادوں کی دوستی حاصل کرنے والے مرد ہوتے ہیں بیٹا۔ تم جیسے زنخوں جیسی شکل والے سے میں بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔ جا دفع ہو جا۔ پہلے شکل ٹھیک کر کے آ۔"

"بھادوں تمہیں ان کے ساتھ تمیز سے پیش آنا چاہیے۔ کیا بدتمیزی کر رہے ہو تم۔" حوالدار نے کہا۔

"اوئے حوالدار! سلاخوں سے تین فٹ دور رہ کر یہ بات کہہ رہا ہے۔ ذرا قریب آ تو میں بتاؤں تجھے کہ تمیز سے بات کیسے کی جاتی ہے؟"

حوالدار نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں نے پھر کہا۔ "میں بڑی اُمیدیں لے کر آیا ہوں بھادوں! یوں سمجھ لو یہ میری روزی کا سوال ہے۔ اگر میں تمہارا انٹرویو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے کچھ پیسے مل جائیں گے میری نوکری پکی ہو جائے گی۔ تمہارا تعاون درکار ہے مجھے۔"

"دیکھ بابو! چھوٹ لے اب یہاں سے۔ میں ٹیڑھے مزاج کا

آدمی ہوں۔ تیری روزی سے مجھے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میرے لیے کچھ لایا ہے؟"

"کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تم کیا پسند کرتے ہو؟"

"میں تیرا خون پسند کرتا ہوں۔ بس اب بھاگ جا یہاں سے۔ میں کسی کو کوئی انٹرویو نہیں دینا چاہتا۔ چوتھی جماعت پاس کر لی اور انٹرویو لینے چل پڑے۔ چلو۔ چلو کام کرو اپنا۔ مجھے کسی کو انٹرویو نہیں دینا" اس نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔

اور میں گہری گہری سانسیں لے کر اسے دیکھنے لگا۔ حوالدار آہستہ سے بولا "یہی خطرہ تھا جناب! بس اب اس نے ایک کام کے لیے منع کر دیا تو نہیں کرے گا۔ تیار ہوتا تو ایک لمحے میں تیار ہو جاتا۔ لیکن اب وہ ہم سے بات بھی نہیں کرے گا اور خواہ مخواہ گالیاں بکتا رہے گا"

"ہوں" میں بھادوں کو دیکھتا رہا وہ خود بھی میرے سامنے سینہ تانے کھڑا ہوا میری آنکھوں سے آنکھیں ملائے مجھے گھور رہا تھا۔ پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بھادوں! تمہیں مجبور کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا۔ میں بڑی اُمید لے کر آیا تھا۔ واپس جا رہا ہوں۔ تمہارا بہت۔ بہت شکریہ" میں واپس مڑ گیا۔ وہ خاموشی سے سلاخیں پکڑے کھڑا ہمیں دیکھتا رہا تھا۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے میں نے ایک بار اس کی صورت دیکھی لیکن اس کے انداز میں کوئی لچک نہیں پائی۔ تب میں حوالدار کے ساتھ باہر نکل آیا۔ حوالدار جھینپے جھینپے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"بڑا ہی جنگلی ہے۔ وحشی۔ جاہل جٹ۔ جتنا مارو اتنا ہی بگڑتا ہے۔ کبھی کوئی کام اپنی مرضی کے خلاف نہیں کرتا۔ اسے ہینڈل کرنے کے لیے ہمیں بڑی مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے جناب۔ جیلر صاحب نرم مزاج آدمی ہیں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتے لیکن درحقیقت یہ اس قابل ہے کہ اس کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دی جائیں"

"کیوں حوالدار! تم اس کا کیا حق رکھتے ہو کہ کسی کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دو؟" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"تو پھر اپنی ہڈی پسلی تڑوا لیں جناب"

"مطلب یہ ہے کہ انسانوں کے ساتھ انسانوں کا سا ہی رویّہ رکھو۔ تم اپنے فرائض انجام دے رہے ہو۔ اس کا تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی کو کوئی جسمانی نقصان پہنچاؤ"

حوالدار بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں عبدالرحمٰن صاحب کے آفس پہنچ گیا۔ انھوں نے دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔ پھر بولے "اتنی جلدی واپسی اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی"

"آپ کا اندازہ درست تھا جیلر صاحب واقعی وہ سخت جاہل قسم کا آدمی ہے"

"اب اس سلسلے میں ایس۔ پی بابر جان صاحب کی دوسری تجویز بھی میں آپ کے سامنے پیش کر دوں اور ان کی ہدایت کے مطابق اگر آپ اس پر تیار ہوں تو عمل کر ڈالا جائے"

"وہ دوسری تجویز کیا ہے جیلر صاحب؟" میں نے دلچسپی سے سوال کیا۔

جیلر عبدالرحمٰن مسکرانے لگے اور پھر بولے "ایس۔ پی بابر جان نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اگر بھادوں کسی شریفانہ ملاقات میں آپ سے تعاون کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو آپ کو یہ تجویز پیش کر دی جائے۔ تجویز یہ ہے کہ آپ ایک قیدی کی حیثیت سے جیل میں داخل ہوں۔ معاف کیجیے گا شارق صاحب میں یہ الفاظ نہایت مجبوری کے عالم میں کہہ رہا ہوں ورنہ انہیں گستاخی تصور کرتا ہوں۔ بہرحال ایس۔ پی صاحب نے کہا ہے کہ آپ ایک قیدی کی حیثیت سے جیل میں داخل ہوں اور میں آپ کو بھادوں سے قربت کا موقع دوں۔ حالانکہ شارق حسین صاحب یہ تجویز خود میرے لیے انتہائی ہولناک ہے اور میں یہ خطرہ مول لینے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوں لیکن ایس۔ پی بابر جان نے چونکہ اپنے خط میں یہ لکھا ہے اس لیے میں آپ کو اس کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ تو تجویز یہی ہے کہ بھادوں کے قریب انتہائی محتاط انداز میں پہنچایا جائے اور پھر آپ بھادوں سے دوستی کریں۔ یہ ایک لمبا کام ہے لیکن میرے لیے صرف اس حد تک باعثِ تشویش ہے کہ کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ دوسری ترکیب یہی ہے اور کوئی ذریعہ ایسا ہمارے پاس نہیں ہے کہ آپ بھادوں کی زبان کھلوا سکیں"

میرے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

چند لمحات میں سوچتا رہا اور پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا "جیلر صاحب میں اس دوسری تجویز سے بالکل متفق ہوں۔ بلاشبہ یہ میری زندگی کے لیے ایک انتہائی دلچسپ تجربہ ہوگا"

جیلر عبدالرحمٰن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی انہوں نے کہا۔

"یہ بات وقار احمد کے ذریعے مجھے معلوم ہو چکی ہے کہ آپ اپنے مؤکلوں کی پیروی کے لیے ہر طریقۂ کار استعمال کرتے ہیں مسٹر شارق۔ بہرطور آپ مطمئن رہیں۔ یہاں کے حالات میرے کنٹرول میں ہیں۔ آپ کو کوئی ایسی دقت نہیں پیش آئے گی جس سے آپ کو پریشانی ہو۔ میرا ہر طرح کا تعاون آپ کے ساتھ رہے گا۔ کیونکہ میں بھی انسان ہوں اور انسانی قدروں سے انحراف نہیں کر سکتا"

"بہت بہت شکریہ جیلر صاحب۔ میں اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہر طرح کا خطرہ مول لے سکتا ہوں" بہرطور عبدالرحمٰن صاحب بھی وقار احمد کا نعم البدل ہی ثابت ہوئے تھے۔ بہت مشفقانہ انداز تھا ان کا اور انہوں نے میرے لیے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کر دی تھیں۔ رات کو بستر پر دراز ہو کر میں اس مسئلے پر غور کرنے لگا۔ بھادوں کی ایک تصویر نگاہ میں آ چکی تھی۔ بلاشبہ ٹیڑھا آدمی تھا۔ لیکن زندگی کا یہ دلچسپ تجربہ بھی کر کے دیکھ لیا جائے۔ کم از کم ریکارڈ میں رہے گا۔

دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے پھر جیلر صاحب سے ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے پوچھا کہ مجھے کب سزا دی جا رہی ہے تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"میری طرف سے کوئی دقت نہیں ہے۔ یہ کام ظاہر ہے میرے لیے مشکل نہیں ہوگا۔ ہاں بیرک میں پہنچانے سے پہلے میں آپ کو چند باتوں سے روشناس کرانا بہتر سمجھتا ہوں اس سے ہو سکتا ہے آپ کو کچھ آسانی ہو جائے"

"مجھے آپ کی راہنمائی کی ضرورت ہے"

"آپ نے جس علاقے میں بھادوں سے ملاقات کی وہ ہمارے ہاں مشرقی علاقہ کہلاتا ہے۔ مشرقی علاقے کی تین بیرکیں ہیں اور ان بیرکوں میں خطرناک قیدی رکھے جاتے ہیں، ڈاکو قاتل وغیرہ وغیرہ۔ بھادوں بھی انہی میں قید ہے۔ ویسے تو سارے ہی قیدی ظاہر ہے بڑے قسم کے جرائم پیشہ ہیں اور ان کی شخصیت یکساں ہی ہوتی ہے لیکن ایک گروپ سے میں آپ کو روشناس کر دینا چاہتا ہوں وہ ہے 'لالو گروپ'۔ لالو ایک خطرناک قیدی ہے تین آدمی اس کے ساتھ ہیں۔ اور یہ چاروں کے چاروں بے شمار قتل اور ڈاکا زنی کی وارداتوں میں ملوّث ہیں۔ بس کچھ ایسے حالات تھے کہ ان میں سے کسی کو سزائے موت نہیں دی گئی۔ بہرطور یہ لوگ مشرقی بیرکوں میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کو یہ بات تو معلوم ہو گئی شارق صاحب کہ طاقت کی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی ہے۔ لالو گروپ بہت بافتور ہے اور اُدھر کی بیرکوں میں بھی قیدی ذرا اس سے دبے دبے رہتے ہیں۔ صرف بھادوں ہے جس کی دو دفعہ ان لوگوں سے لڑائی ہو چکی ہے۔ بھادوں بلاشبہ جاندار آدمی ہے لیکن ظاہر ہے وہ چار ہیں۔ دو دفعہ پیٹ چکا ہے ان چاروں کے ہاتھوں اور ان سے بہت خار کھاتا ہے۔ میں نے انھیں الگ الگ تو کر دیا ہے لیکن بہرطور دن میں کہیں نہ کہیں ان کا ٹکراؤ ہوتا ہی رہتا ہے۔ آپ کو خاص طور سے لالو گروپ سے ہوشیار رہنا ہوگا۔ کیونکہ آپ بھادوں سے مل بیٹھنے کی کوشش کریں گے جب کہ دوسرے قیدی لالو کی وجہ سے بھادوں کے قریب نہیں جاتے۔ ہاں ایسے انتظامات ہم نے ضرور رکھے ہیں کہ لالو گروپ تنہا بھادوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ آپ انہیں خاص طور سے ذہن میں رکھیے۔ ہمارے تین مقدم وہاں موجود رہتے ہیں ان میں سے ایک جس کا نام افضل ہے میرا خاص آدمی ہے۔ میں افضل سے ابھی آپ کا تعارف کرا دیتا ہوں۔ کوئی پیغام ہو تو افضل کے ذریعے مجھ تک پہنچائیے۔ یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ کو ان لوگوں میں گھلنے ملنے کے لیے ایسے حالات سے گزرنا ہوگا جو آپ کو خود ناپسند ہوں گے لیکن بہرطور اسی سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے"

"ویری گڈ۔ آپ افضل سے میری ملاقات کرا دیجیے!"

عبدالرحمٰن صاحب نے پھر ایک سپاہی سے مقدم افضل کو بلوا لیا۔ لمبا تڑنگا اور خطرناک صورت آدمی تھا۔ ظاہر ہے مجرم ہی ہوگا۔ عبدالرحمٰن کو سلام کر کے اس نے میری طرف دیکھا اور پھر انہیں دیکھنے لگا۔ عبدالرحمٰن صاحب نے کہا۔

"افضل یہ میرے آدمی ہیں اور ایک خاص کام کے لیے قیدی کی حیثیت سے بیرکوں میں جا رہے ہیں۔ انہیں نگاہ میں رکھنا ہے اور اگر یہ کوئی پیغام میرے لیے بھیجیں تو مجھ تک پہنچنا چاہیئے"

افضل نے حیرت سے مجھے اور عبدالرحمٰن کو دیکھا پھر گردن ہلا کر بولا "ٹھیک ہے صاحب جو حکم دیا ہے آپ نے اس کی تعمیل ہو گی"

"ایک بات اور افضل! ویسے تو میں نے اپنے دوست کو بتا دیا ہے کہ افضل کس قسم کا آدمی ہے لیکن ان کے سامنے ایک بار پھر میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ ان کا راز۔ راز ہی رہنا چاہیئے"

"صاحب آپ نے جو بات کہہ دی۔ ہم نے لکھ لی۔ بس اب

اس کے علاوہ کہنے کی اور کیا ضرورت ہے؟"

"شکریہ افضل۔ مجھے واقعی تم پر اتنا ہی اعتماد ہے۔"

افضل چلا گیا تو عبدالرحمٰن صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"بڑا عجیب انسان ہے یہ۔ ایسا عجیب شارق کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے بس کیا بتاؤں اس کے بارے میں؟"

"ابھی نہ بتائیے ذرا ایک مسئلہ حل ہو جانے دیجیے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور جیلر عبدالرحمٰن قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

"ہاں بھئی ہاں ضرور۔ میں تمہیں کسی ایسی الجھن میں گرفتار نہیں کروں گا ویسے افضل کا ایسا کوئی معاملہ بھی نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ یہ قیدی رہنا چاہتا ہے باہر کی دنیا سے اسے نفرت ہے۔"

"اس کا کوئی پس منظر بھی ہوگا؟"

"بہت معمولی سی بات ہے چھ سال کی قید ہوئی ہے اسے لیکن وہ ہمیشہ گڑگڑاتا رہتا ہے کہ اسے جیل سے باہر نہ نکالا جائے۔"

میں گردن جھٹک کر رہ گیا تھا۔ یہاں تو ہر شخص کی ایک کہانی تھی۔ دلدوز، کربناک۔ کچھ ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ کچھ ظلم سہنے والے۔ کچھ ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور وسائل کی کمی کی بنا پر ان کی آواز صدائے صحرا ثابت ہوتی ہے اور فضاؤں میں گونج کر معدوم ہو جاتی ہے۔ بہرطور جو کہانی سامنے تھی اسی پر غور کرنا زیادہ مناسب تھا۔

اسی شام ساڑھے پانچ بجے مجھے ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کے زیور سے آراستہ کر کے بیرک کی طرف دھکیل دیا گیا۔ مجھے جس کوٹھری میں بند کیا گیا تھا وہ خاص طور سے خالی کرائی گئی تھی اور اس کے برابر والی کوٹھری میں بھادوں موجود تھا۔ میں نے اپنا چہرہ وغیرہ صاف کر لیا تھا۔ قیدیوں کا لباس پہن کر ذہن کو ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ بہرطور کوٹھری میں داخل کرتے ہوئے میرے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔ قیدی آوازیں کس رہے تھے۔ سامنے کی تقریباً تمام ہی کوٹھریاں
آباد ہوئی تھیں بعض کوٹھریوں میں اچھی خاصی قیدیوں کی
...تھی اور بعض میں ایک ایک یا دو دو افراد تھے۔ جس
مجھے رکھا گیا تھا اس میں صرف میں ہی تھا۔ میرے
کوٹھری میں ایک دُبلے پتلے بدن کا بوڑھا
سلاخوں کے پاس کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا
تو وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔
...نے سوال کیا۔

"بکواس بند کرو جو کر آیا ہوں وہ دوبارہ بھی کر سکتا ہوں۔" میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور بہت سے قہقہوں کی آوازیں، سیٹیاں، دبی دبی ہنسی فضا میں ابھرنے لگی۔ میں قیدیوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ زندگی میں یہ بھی ایک انوکھا اور دلچسپ تجربہ تھا۔ وہ مجھ پر پھبتیاں کستے رہے۔ عجیب عجیب ناموں سے انہوں نے مجھے مخاطب کیا۔ لیکن میں نے خاموشی ہی قائم رکھی۔ معمول کے مطابق دوسرے قیدیوں کے ساتھ ساتھ ہی مجھے بھی رات کا کھانا دیا گیا اور میں نے اطمینان سے وہ کھانا کھا لیا۔ بھادوں برابر کی کوٹھری میں تھا۔ اس کی آواز ایک بار بھی مجھے سنائی نہیں دی تھی۔ آہستہ آہستہ رات گزرنے لگی۔ میں زمین پر بچھے ہوئے کمبل پر لیٹ گیا تھا۔ دل میں میں نے سوچا کہ کل افضل سے کہہ کر عبدالرحمٰن کے ذریعے فاروقی صاحب کو اطلاع بھجوا دوں گا کہ یہاں مجھے اپنے کام میں دیر لگ جائے گی۔ وہ لوگ میرا انتظار نہ کریں۔ ظاہر ہے یہاں کے ماحول میں ابھی اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنے دقت پیش آئے گی۔ بھادوں سے اتنا ربط تو بالکل بعد ہی کی بات ہے۔ دوسرے دن ہمیں بیرکوں سے نکال لیا گیا۔ مجھے کیاریاں درست کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔ ایک کھرپی میرے ہاتھ میں دے دی گئی اور جگہ بتا دی گئی۔ مقدم اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ باقی قیدی بھی مختلف مصروفیات میں لگے ہوئے تھے میں کیاریاں درست کرتا رہا اور نہایت انہماک سے اپنے کام میں مصروف رہا۔ بیڑیوں کی وجہ سے کچھ دقت پیش آ رہی تھی لیکن بہرطور بیڑیاں بھی خاص قسم ہی کی تھیں جو عام قیدیوں کی بیڑیوں سے ذرا ہلکی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے میرے لیے الجھن کا باعث تھیں۔ میں کام کے دوران قیدیوں کا جائزہ بھی لیتا رہا۔ سب کے سب اپنے معمولات میں مصروف تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے رات کو مجھ پر پھبتیاں کسی تھیں لیکن میری طرف سے خاموشی پا کر وہ مجھ پر توجہ ختم کر چکے تھے۔ افضل کو میں نے وہ پیغام دے دیا جو عبدالرحمٰن تک پہنچانا تھا۔ بعد کے معمولات جوں کے توں رہے۔ مجھے واپس بیرک میں بھیج دیا گیا۔

پہلا دن پرسکون گزر گیا۔ دوسرے دن بھی کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ ہم اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ اتفاق سے اس دن بھادوں بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی کام کر رہا تھا لیکن اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر مجھے نہیں دیکھا۔ میں بھی اس کی طرف سے بے پروا رہا تھا۔ فوراً ہی اس سے یگانگت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا البتہ

تیسرے دن میری اور بھادوں کی ڈیوٹی پروگرام کے تحت ایک جگہ ہی لگائی گئی۔ ایک بیرک کا حصہ مرمت کیا جا رہا تھا۔ اینٹوں اور گارے وغیرہ کا کام تھا۔ بھادوں بھی اسی کام میں مصروف تھا۔ وہ اینٹیں کندھے پر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔ اس نے دو تین بار اینٹوں کی ایک لمبی ڈھیری کندھے پر رکھی اور اسے لے کر چلا گیا۔ لیکن چوتھی بار جب اس نے اینٹوں کی ڈھیری اٹھائی تو وہ ڈس بیلنس ہو گئیں ایک اینٹ گری اور بھادوں اس ڈھیری کو سنبھالنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے فوراً ہی لپک کر اس کی ڈھیری کو سنبھالا اور گری ہوئی اینٹ اٹھانے لگا۔ تبھی بھادوں کا پاؤں میری کمر پر پڑا اور میں دو تین فٹ دور جا گرا۔ پاؤں تو خیر اتنا زوردار نہیں پڑا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر دور گرنے کا مظاہرہ کیا تھا۔ تبھی بھادوں نے کندھوں پر چنی ہوئی ساری اینٹیں نیچے پھینک دیں اور مجھے گھورنے لگا۔

"اپنے کام سے کام رکھو بے۔ میری مدد کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھا۔" اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور میں نے آہستہ سے گردن ہلا دی۔

پھر میں وہاں سے اٹھ کر ایک طرف چلا گیا تھا مگر میں نے محسوس کیا کہ بھادوں مجھے گھورتا ہوا دیکھ رہا ہے اب یہ نہیں معلوم کہ اس دیکھنے میں کیا کیفیت تھی۔ بہرطور میں نے اس کے بعد اس سے نگاہیں بھی نہیں ملائیں۔ بھادوں بھی خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا تھا۔ رات ہوئی تو ہم پھر اپنی اپنی بیرک میں پہنچ گئے۔ بھادوں سے یہ ہلکی سی ملاقات بہرطور صورت آشنائی کی حد پار کر چکی تھی۔ رات کو میں دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا کہ وقت بہت ضائع ہو رہا ہے کسی نہ کسی طور کام کا آغاز ہو جانا ہی چاہیے اور پھر میں نے ایک منصوبہ بنا لیا۔

دوسری صبح میں نے خاص طور سے افضل سے لالو گروپ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ان چاروں آدمیوں کو میں نے دو تین بار یکجا دیکھا تھا اور دل میں یہ سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ لالو گروپ ہو۔ افضل نے میرے اس خیال کی تصدیق کر دی۔ اس نے مجھے بتایا کہ لالو کون سا ہے۔ چوڑے چکلے بدن کا پستہ قامت آدمی تھا۔ چہرے ہی سے ہولناک معلوم ہوتا تھا۔ تینوں آدمی بھی لفنگے ہی نظر آ رہے تھے۔ میں نے افضل سے کہا کہ میں آج لالو گروپ سے جھگڑا کروں گا۔ بہتر یہ ہے کہ میری طرف سے بے پروائی برتی جائے اور تھوڑی دیر مجھے ان سے جھگڑا کرنے دیا جائے۔

افضل گھبرا کر بولا۔ "کیا میں صاحب کو اس کی اطلاع دے دوں؟"

"نہیں افضل اس کی ضرورت نہیں ہے بس تمہاری ذمہ داری اتنی ہے کہ تم دوسرے مقدموں کو بھی ذرا الگ رکھنا اور کسی کو چاروں کے قریب نہ آنے دینا۔"

"کس کی بات کر رہے ہو بابو جی۔ وہ چاروں شیطان ہیں۔ مار مار کر بھُس سا بنا دیں گے تمہارا۔"

"میرے دوست تم سے عبدالرحمٰن صاحب نے یہی کہا تھا نا کہ میری جو بھی ضرورت ہو اس کے لیے میری مدد کرنا۔"

"مگر تمہاری ہڈیوں کو کہاں پہنچاؤں گا میں؟" افضل نے پوچھا۔

"کوٹھری ہی میں ڈال دینا۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ بعد میں عبدالرحمٰن صاحب کو جا کر میری ہڈیوں کے بارے میں بتا دینا اور ان سے کہہ دینا کہ یہ میری فرمائش تھی۔"

افضل نے زور سے گردن جھٹکی اور بولا۔ "جیل میں تو جھگڑا ہونا ہی نہیں چاہیے یہ ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔"

"افضل ٹھیک ہے اگر تم اس سلسلے میں ضد کرتے ہو تو میں آج یہ سب نہیں کرتا لیکن یہ بات میں عبدالرحمٰن صاحب سے کہنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ تم نے مجھ سے تعاون نہیں کیا۔"

"ارے تو مرد نہیں کیا؟" افضل نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں اپنے کام کا آغاز کر رہا ہوں اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔"

افضل کوئی جواب دیے بغیر چلا گیا البتہ میں نے یہ محسوس کیا کہ اس نے باقی دو مقدموں کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا اور وہاں سے کہیں دور چلا گیا۔ قیدی آزاد تھے۔ مقدموں کے جانے کے بعد وہ آپس میں ہنسی مذاق اور ٹھٹھے کرنے لگے۔ میں نے صورتحال کا اچھی طرح جائزہ لے لیا تھا۔ بھادوں تھوڑے فاصلے پر کام کر رہا تھا۔ لالو گروپ ایک سمت تھا اور باقی قیدی بھی بکھرے ہوئے تھے۔ میں آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا لالو گروپ کے قریب سے گزرا۔ وہ چاروں کسی موضوع پر گفتگو کرنے بیٹھ گئے تھے۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے میرے پاؤں کی ٹھوکر ان میں سے ایک کے لگی اور وہ اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ میں بے پروائی سے دو قدم آگے بڑھ گیا تھا۔ جسے ٹھوکر لگی تھی اس نے عقب سے میرا گریبان پکڑ لیا۔ پھر وہ ایک گندی سی گالی بک کر بولا۔

"آنکھیں نظر تو آ رہی ہیں تیری۔ پھر دیکھ کر کیوں نہیں چلتا؟"

میں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر مارا اور

میرا گریبان اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ میں نے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں موت آئی ہے؟ جا اپنا کام کر لگ گیا ہوگا پیر۔"

جواب میں اس نے ہاتھ گھما دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ گال پر تھپڑ لگائے میں نے جھکائی دے کر اس کے ہاتھ کو پکڑا اور پھر ایک زوردار جھٹکا دے کر اسے زمین پر اُلٹا کر دیا۔ فوراً ہی اس کے تینوں آدمی جن میں لالو بھی شامل تھا۔ مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے برق رفتاری سے مجھ پر حملے کیے تھے۔ میں نے صورتِ حال کا یہی جائزہ لیا تھا کہ اس وقت وہ کسی ایسے کام میں مصروف تو نہیں ہیں جسے کرنے کے لیے ان کے ہاتھوں میں اوزار وغیرہ ہوں۔ وہ صورتِ حال ذرا خطرناک ہوتی۔ میں بھی خالی ہاتھ تھا اور وہ بھی خالی ہاتھ تھے میں ان کے نرغے سے نکل گیا۔ قیدی ایک دم چونک کر سیدھے ہو گئے تھے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے تھے کہ کہیں مقدم تو آس پاس نہیں ہیں۔ ایسے مناظر میں غالباً انہیں بھی مزا آتا تھا۔ البتہ میں نے بھادوں کو اسی جگہ کھڑے ہوئے دیکھا۔ لالو اور اس کے ساتھیوں نے میرے دونوں بازو پکڑ لیے تھے مگر میں نے فوراً ہی سائڈ کِک لگا کر دونوں سے اپنے بازو چھڑا لیے اور پھر فوراً ہی گھوم کر ان میں سے ایک کے پیٹ میں دوبارہ کِک ماری اور دوسرے کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ لالو اور اس کا ساتھی ابھی تک میری ضرب سے بچے ہوئے تھے لیکن ان کے چہرے خونخوار ہو گئے تھے میں ان چاروں کے بیچ کھڑا ہوا پینترے بدل رہا تھا اور اس وقت اُستاد چھوٹے کا تصور میرے ذہن میں تھا ان کی سکھائی ہوئی چوٹ سے کام لینے کا اس سے بہتر موقع بھلا اور کہاں ملتا؟ جب بھی کبھی اس قسم کی صورتِ حال پیش آجاتی تو اُستاد چھوٹے میرے ذہن سے دُور نہ ہوتے اور ان کے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگتے۔ میں نے ایک ہاتھ سیدھا کیا اور پاؤں اس طرح اُٹھایا جیسے عقب والے پر حملہ کرنا چاہتا ہوں لیکن میرا نشانہ لالو بنا تھا۔ میری کِک لالو کے سینے پر پڑی اور واقعی مجھے اُمید نہیں تھی کہ دیو ہیکل لالو اس طرح اُلٹ کر دُور جا گرے گا۔ لالو کے گرتے ہی تینوں نے بیک وقت غرّا کر مجھ پر حملہ کیا اور پھر میرے ہاتھوں سے مار کھانے لگے۔ میں پھر کسی بنا پر [illegible] تھا۔ یہ بات مجھے معلوم ہو چکی تھی کہ لالو اور اس کے ساتھی کافی خطرناک تصور کیے جاتے ہیں چنانچہ مجھے بھی احتیاط برتنی پڑ رہی تھی۔ میں ابتداء میں ان کے ہلکی ضربیں لگاتا رہا لیکن جب لڑائی شدت اختیار کر گئی تو پھر میں نے ان پر پوری قوت کے ساتھ ضرب لگانا شروع کر دیں کیونکہ بہرطور لڑائی کے لیے زیادہ وقت نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ ان میں سے ایک شخص کی گردن پر خاص جگہ مارا اور اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل گئے۔ وہ لہراتا ہوا زمین پر آ رہا تھا۔ لالو اور اس کے ساتھی مسلسل اس کوشش میں مصروف تھے کہ مجھے قابو کر لیں لیکن اب میں ان کی گرفت میں نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے بعد وہ یقیناً مجھے مار مار کر ادھ موا کر دیتے۔ میرے پاؤں، ہاتھ پھرتی سے ان کے جسموں کے مختلف حصوں پر پڑ رہے تھے اور اب ان کے حلق سے چیخیں نکلنے لگی تھیں پھر میں نے دونوں ہاتھ سیدھے کر کے لالو کی گردن پر مارے اور وہ زمین پر اوندھا گر پڑا چند لمحات کے بعد اس کے دونوں ساتھی بھی ڈھیر ہو گئے تھے۔ وہ بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ ان میں سے دو کے ہونٹ پھٹ گئے تھے ایک کی پیشانی پر زخم آیا تھا اور باقی چوتھا بے ہوش ہی پڑا تھا۔ جب میں نے ان چاروں پر قابو پا لیا تو میں ان کے جسموں پر ٹھوکریں مارتا ہوا اپنی جگہ واپس آ گیا۔ افضل ابھی تک مقدموں کے ساتھ کہیں گم تھا لیکن شاید اس کی نگاہ بھی اسی سمت تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اپنا کام کر چکا ہوں تو وہ کوڑا لہراتا ہوا قریب آ گیا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ؟"

قیدی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے مقدم لالو اور ان کے ساتھیوں کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ کیا ہو گیا ہے؟ کس نے مارا ہے تمہیں؟" لیکن کسی نے بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا غالباً قیدیوں کے درمیان اس قدر اتحاد ضرور موجود تھا کہ اپنے مسائل وہ خود ہی نمٹا لیا کرتے تھے اور مقدم تک بات نہیں جانے دیتے تھے۔ لالو نے بھی شاید یہی فیصلہ کیا تھا کہ پھر کسی مناسب وقت پر مجھ سے اپنا بدلہ لے لے گا۔ بے ہوش آدمی کو ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔ مقدم نے بھی اس پر اصرار نہیں کیا تھا کہ لالو اور اس کے ساتھی پٹائی کرنے والے کا نام بتائیں۔

بے ہوش ساتھی ہوش میں آ گیا۔ مقدم نے انہیں دو تین گالیاں دے کر انہیں اپنے کام پر لگ جانے کے لیے کہا۔ تمام قیدی اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ لیکن میں نے ان کی نگاہوں میں ایک خاص بات محسوس کر لی تھی۔ وہ سبھی چور نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے اور پھر میں نے بہت ہی احتیاط سے بھادوں پر نظر ڈالی۔ بھادوں کو میں نے

مسلسل اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا تھا۔ میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ گویا میری کوشش کارگر رہی تھی اب اس کے بعد مقدم سے ایک اور پیغام جیلر عبدالرحمٰن کو بھجوانا تھا۔ بمشکل تمام اس کا موقع مل سکا اور تقریباً چار بجے عبدالرحمٰن چند مسلح کانسٹیبلوں کے ہمراہ اس جگہ پہنچ گئے۔ وہ مقدموں سے معلومات کر رہے تھے اور پھر وہ میرے پاس پہنچ گئے۔

"اے کھڑا ہو جا" جیلر عبدالرحمٰن نے مجھ سے کہا اور میں سلام کر کے سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"جھگڑا کیا تھا تو نے؟"

"نہیں مائی باپ! نہیں صاحب ہم نے کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ آپ پوچھ لیں کسی سے" میں نے جواب دیا۔

"مگر میں نے سنا ہے کہ تو نے جھگڑا کیا ہے"

"نہیں مائی باپ آپ کسی سے پوچھ لو!" میں نے مخصوص انداز میں کہا اور جیلر صاحب گردن ہلانے لگے پھر انہوں نے دوسرے لوگوں سے معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد غالباً لالو اور اس کے ساتھیوں سے بھی لیکن انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار ہی کیا تھا۔ جیلر صاحب مقدموں کو ہدایات دینے لگے۔

"ان سب کی کوٹھریاں بدلنے کی ہدایات کر دینا سب کو الگ الگ رکھا جائے۔ ایک دوسرے سے مختلف جگہوں پر کر دیا جائے" مقدموں نے سیلوٹ مارے اور جیلر صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ میرا پیغام ان تک پہنچ گیا تھا اور پھر باقی سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہی ہوا۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے اپنی کوٹھری میں دیکھ کر بھادوں کا چہرہ کھل اٹھا ہے۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا مگر میں نے اپنے انداز میں سرد مہری ہی رکھی تھی۔

"اوئے جوان! اوئے شیر، دل ٹھنڈا کر دیا تو نے آج تو۔ بڑا دل چاہ رہا تھا کہ تیری پیٹھ ٹھونکوں کمال کر دیا بھئی۔ کس مٹی کا بنا ہوا ہے؟ کس اُستاد سے یہ فن سیکھا ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

"او یار دل میں کینہ رکھنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تو مجھ سے کیوں ناراض ہے؟ بس یار پاگل ہوں تھوڑا اس دن بدتمیزی ہو گئی تھی۔ چل معاف کر دے۔ تیرے جیسے آدمیوں سے معافی مانگنا بھی کوئی بُری بات نہیں ہے" میں نے اپنے انداز میں کسی قدر تبدیلی پیدا کی اور تھوڑی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ بھادوں اس مسکراہٹ سے اور بے تکلف ہو گیا اور میرے قریب پہنچ کر میرے بازو ٹٹولنے لگا۔

"کمال کر دیا یار تو نے۔ واقعی کمال کر دیا نام کیا ہے تیرا بھائی؟"

"شارو! ماں باپ نے شارق رکھا تھا۔ مگر زمانے نے شارو کر دیا"

اس کے جواب میں بھادوں نے زمانے کو ایک موٹی سی گالی دے ڈالی اور بولا "یہ زمانہ تو سب کے ساتھ ایسے ہی کچھ نہ کچھ کر ڈالتا ہے۔ نجانے کون کیا بن جاتا ہے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بھادوں پھر میرا بازو پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"تو نے اپنے دل سے کینہ نکال دیا ہے نا؟"

"کینہ ہی کیا یار بس تیری مرضی تھی میں نے تو محبت ہی کا سلوک کیا تھا"

"او یار کہہ دیا نا کبھی کبھی پاگل پن کا دورہ پڑتا ہے مگر معافی مانگنے والے کو معاف تو کر دینا چاہیئے"

"نہیں بھادوں کوئی بات نہیں۔ میں نے اپنے دل سے وہ بات نکال دی"

"ایک بات اور بتا دے یار اس دن تو مجھ سے کیوں نہیں بھڑا"

"اس کی وجہ مت پوچھ بھادوں"

"کیوں رے بتانے میں کچھ حرج ہے؟"

"بس یار تجھ سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہا۔ یوں لگا تیری شکل دیکھ کر جیسے تو بھی اپنے ہی قبیلے کا ہے" میں نے کہا اور بھادوں کے چہرے پر ایک عجیب سی غم آمیز سنجیدگی چھا گئی۔ اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا اور اپنے کمبل پر جا بیٹھا اور دیر تک ہم دونوں اسی طرح خاموش بیٹھے رہے۔ دوسری کوٹھریوں میں بھی آج کچھ سناٹا سا تھا۔ بہت دیر اسی طرح گزر گئی یہاں تک کہ جھٹپٹا چھا گیا۔ باہر راہداری میں بلب روشن ہو گیا کوٹھری میں بلب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن راہداری کی ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی [illegible] کسی حد تک کوٹھری میں پہنچ ہی جاتی تھی۔ بھادوں اس دوران مسلسل [illegible] تھا اور اس کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں نظر آتی رہی تھیں۔ ظاہر ہے کوئی کہانی اسے یاد آ گئی ہوگی پھر جب کھانا آیا تو

بھادوں نے مجھ سے کہا۔

"میرے ساتھ بیٹھ کر کھائے گا؟"

"کیوں نہیں بھادوں۔"

"تو اچھا۔ تو تو ناراض سا ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ میری دلی خواہش تھی کہ مجھے تیرے ساتھ بات چیت کرنے کا موقع ملے مگر میں نے جو کچھ کیا تھا اس پر میں اب بھی شرمندہ ہوں۔"

"وہ بات تو ختم ہو گئی بھادوں! اب تو اُسے کیوں یاد کر رہا ہے؟"

"تیرے رویے سے یار۔"

"نہیں تو کچھ سوچنے لگا تھا تو میں نے سوچا کہ تیری سوچوں میں دخل نہیں دینا چاہیے۔"

"او یار جیل کی اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں سوچنے کے سوا انسان کے پاس رکھا ہی کیا ہوتا ہے بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو باتیں یاد آتی ہیں وہی زندہ رکھتی ہیں ورنہ یہ سب کچھ بھی دماغ میں نہ ہو تو آدمی یہاں اکیلا مر جائے۔ تیرے تیرے تو ابھی سزا کے دن شروع ہوئے ہیں۔ ہم سے پوچھ یار کیا بیتی ہے ہم پر۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ بھادوں بھی کھانا کھا رہا تھا پھر اس نے برتن ایک سمت رکھے، میرے برتن بھی اس نے خود ہی اُٹھا لیے تھے۔ وہ بہت زیادہ یگانگت کا مظاہرہ کر رہا تھا اور میں دل ہی دل میں خوش تھا۔ میں نے اس کا کمبل کھینچ کر اپنے کمبل کے پاس کر لیا اور بولا۔

"قریب قریب لیٹیں گے یار۔ باتیں کریں گے۔"

"ہاں آج پہلی بار کسی سے باتیں کرنے کو جی چاہا ہے۔ مرد کے بچوں سے مل کر خوشی ہی ہوتی ہے۔"

"تیرا شکریہ بھادوں۔ وہ چاروں تو یقین کر میرے لیے کچھ بھی نہیں تھے۔ اگر ان جیسے چار اور آ جاتے تو میں مار مار کر ان کا حلیہ بگاڑ دیتا۔"

"میں نے دیکھا تھا۔ فولاد ہے تو۔ پکا فولاد۔" بھادوں نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک یہ خاموشی طاری رہی پھر بھادوں بولا "شارو اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتائے گا؟"

"کیا بتاؤں یار اپنے بارے میں، میں خود بھی سب کچھ بھول گیا ہوں۔"

"پہلی بار جیل آیا ہے؟"

"ہیں ٹرانسفر ہوا ہے۔ پہلے شہر کی جیل میں تھا۔"

"اچھا جب ہی تو۔ مجھے لگتا تھا کہ جیل تیرے لیے نئی جگہ نہیں ہے۔ مگر اس وقت میں نے یہ سوچا تھا کہ ہو سکتا ہے تو عادی کام کرنے والا ہو گا۔ کام کیا کرتا ہے؟"

"میں سمجھا نہیں۔"

بس کیا سمجھاؤں تجھے؟ لمبی کہانی ہے ساری کہانیاں ایک جیسی ہی ہوتی ہیں ہم لوگوں کی۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو کچھ کر کے یہاں آتے ہیں۔ زیادہ تر وہ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں کرتے۔ جو کرنے والے ہوتے ہیں وہ اپنا بچاؤ بھی کرنا جانتے ہیں اور یہاں جو ہوتے ہیں سمجھ لے بے گناہ ہوتے ہیں، کیونکہ انہیں اپنا بچاؤ کرنا نہیں آتا۔ ویسے تو نے کوئی بڑا ہی کام کیا ہو گا یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" بھادوں کی باتوں سے مجھے کسی حد تک اس کے بارے میں اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔ ویسے ایس۔ پی بابر جان نے مجھے اس کا کیس بالکل نہیں بتایا تھا بلکہ انہوں نے ایک امتحان کا تذکرہ کیا تھا یہ تو مجھے بعد ہی میں معلوم ہوا کہ وہ امتحان کیا تھا۔ ہو سکتا ہے ایس۔ پی بابر جان یہ بات جانتے ہوں کہ بھادوں میرے گھرانے کا بھی دشمن ہے اور یہ امتحان کچھ اس بنیاد پر ہو کہ دیکھوں میں اپنے گھر کے دشمنوں کے لیے بھی کچھ کرتا ہوں یا نہیں۔ حقیقت یہی تھی کہ میں اس سلسلے میں سچائی کا متلاشی تھا۔ ویسے یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ میرے گھر کے لوگ جو کچھ بھی تھے کم از کم کسی کو اس طرح نقصان پہنچانے والے نہیں تھے کہ اس کے دل میں شعلۂ انتقام بھڑک اُٹھے۔ وہ بس ذرا خشک مزاج لوگ تھے اپنی دُنیا میں مست رہنے کے عادی لیکن کسی دوسرے کی دُنیا اُجاڑنا ان میں سے کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے بھادوں کی کہانی میں ان کا کردار کسی ایسی نوعیت کا حامل ہو جو غلط فہمی پر مبنی ہو۔ اگر ایسا ہے تو شاید بھادوں کے لیے کچھ کرتے ہوئے میں اس کا دل ان کی طرف سے بھی صاف کر دوں۔ ویسے اندازہ یہی ہوتا تھا بھادوں کے بارے میں کہ اس کی کہانی بھی کچھ ایسی ہی کہانیوں میں سے ہو گی جیسی کہانیاں میری نگاہوں سے گزرتی تھیں۔ بہرطور بھادوں کو صحیح راہ پر لانے کے لیے مجھے زیادہ دقت نہیں پیش آئی تھی۔ ہاں البتہ لالو گروپ سے محتاط رہنا تھا۔ بھادوں سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"کہانی تو بہت لمبی ہے بھادوں۔ کیا کرے گا اسے سن کر؟ مزا نہیں آئے گا۔ ہاں ان پانچوں کے بارے میں میں تجھے ضرور بتاؤں جنہیں میں نے لمبا کیا تھا مسٹنڈے تھے کمبخت۔ بستیوں کو برباد کر کے رکھا ہوا تھا۔ جوان بہو بیٹیوں کی آبرو خطرے میں پڑ گئی تھی۔ جدھر نکل جاتے تباہی پھیلا دیتے لوگ گھروں کے دروازے بند کر لیتے۔ بڑے آدمیوں کے بیٹے تھے پانچوں کے پانچوں اور کھلے بیل کی طرح بستیوں میں دندناتے پھرتے میں نے ایک دفعہ للکارا تو انہوں نے دھوکے سے میری پٹائی کر دی۔ اس وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ ان لوگوں سے بستیوں کو نجات دلاؤں گا اور پھر ایک دن پکڑ لیا میں نے سسروں کو اور کاٹ کر ڈال دیا۔ پانچوں کے پانچوں کو ڈھیر کر دیا تھا میں نے۔ بس پکڑا گیا اور پھر سزا ہو گئی۔ بستی والوں نے ان کے خلاف گواہیاں دیں جن کی وجہ سے سزائے موت سے تو بچ گیا مگر چودہ سال کی قید ہو گئی ہے۔"

"اوئے واہ! اوئے جیو۔ او تیں میرے یار تیری پیشانی بتاتی ہے کہ تو نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ اچھا کیا جنگلی کی اولادوں کو کاٹ کر پھینک دیا مگر کیسے کاٹا تھا؟"

"چھری پھیر دی تھی ان کی گردنوں پر۔ گردنیں آدھی آدھی لٹکی رہنے دی تھیں اور اس کے بعد انہیں بستیوں کے چوک میں چھوڑ دیا تھا۔"

"اوئے واہ! اوئے واہ" بھادوں کے انداز سے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں نے اسے شراب پلا دی ہو۔ اس کیفیت کو میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ بہتا ہوا خون اس کی نگاہوں میں تھا اور یہ تصور اس کے لیے انتہائی دلکشی کا باعث تھا کہ میں نے کس طرح ان کی گردنوں پر چھری پھیری ہو گی۔ اس کی نفسیاتی کیفیت کا جائزہ لیتے ہوئے مجھے ایک ہلکی سی کپکپاہٹ کا احساس ہوا تھا۔ بھادوں واقعی بے حد خطرناک تھا۔ وہ ایک نفسیاتی مریض تھا اور بہتا ہوا خون اس کے لیے بہت ہی دلکش۔ اس کی آنکھیں نشے میں ڈوب گئی تھیں۔

"سنا میرے یار! سنا تو نے انہیں کس طرح پٹخا۔ ایک ایک کو مارا یا الگ الگ کر کے۔ سنا دے میرے دوست سنا دے۔" وہ التجا آمیز لہجے میں بولا۔ اس وقت اس کی کیفیت بہت ہی عجیب ہو گئی تھی۔ میں اسے فرضی کہانیاں سنانے لگا کہ کس طرح میں نے ان میں سے ایک ایک کو پکڑا۔ ان کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر انہیں اس طرح زمین پر ڈالا جیسے قربانی کے وقت گائے گرائی جاتی ہے اور اس کے بعد میں نے ان کی گردنوں پر چھریاں پھیر دیں۔ بھادوں بالکل ہی نشے میں ڈوب گیا تھا۔ میں خاموش ہوا تب بھی وہ دیر تک کچھ نہیں بولا۔ پھر جب میں نے اسے

جھنجوڑا تو وہ چونک پڑا۔

"او یار! او یار تیرے ہاتھ چوم لوں" اس نے میرے ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیے "ان ہاتھوں میں خون کی بو رچی ہوئی ہے۔ واہ کتنا خوش قسمت آدمی ہے تو کہ تو نے اپنا انتقام لے لیا اور میں... میں آج تک تڑپ رہا ہوں۔ میرے یار یہاں سے نکل۔ جیل سے نکل تو میرا بہترین ساتھی بن سکتا ہے۔ بول جیل سے نکلنے کی جدوجہد کرے گا؟ بول نکلے گا یہاں سے؟"

میں گہری نگاہوں سے بھادوں کو دیکھنے لگا پھر بولا۔ "بھادوں اگر جیل سے نکلنا چاہتا ہے تو میں تیرا ساتھ دوں گا۔ لیکن پہلے مجھے یہ بتا کہ جیل سے نکلنا کیوں چاہتا ہے تو؟ کیا کرے گا یہاں سے جا کر؟ کیا کرنا ہے تجھے؟"

"بڑا کام ہے یار! مجھے بھی کچھ لوگوں کو اسی طرح گرا کر ذبح کرنا ہے۔ میرے دل میں بھی یہ آرزو بُری طرح تڑپ رہی ہے۔" بھادوں کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس کا چہرہ آگ کا بنا ہوا نظر آ رہا تھا اور میں غور کر رہا تھا۔ بہت کچھ تھا سوچنے کو میرے سامنے۔ جج امجد حسین تھے ایس پی طارق حسین تھے اور... اور نجانے کون کون؟ لیکن اس سے پہلے بھادوں کی کہانی میرے علم میں آنی چاہیے تھی۔ کافی دیر کے بعد میں نے کہا۔

"بھادوں کیا تو مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا؟ کیا میں تیرا دوست نہیں ہوں؟ کیا تو مجھے اپنا دوست تصور نہیں کرے گا؟"

"اب کیا رہ گیا ہے میرے یار! اب کیا رہ گیا ہے؟ دوست ہے تو میرا پکا۔ یار ہے اور سُن بھادوں بہت بُرا انسان ہے مگر زبان کا پکا ہے۔ دوست کہہ دیا تو گردن کٹوا دے گا تیرے لیے" بھادوں کچھ اداس ہو گیا تھا۔

اس رات میں اس کی زبان کھلوانے میں ناکام رہا۔ دوسرا دن حسبِ معمول تھا معاملہ چونکہ میری مرضی کے مطابق تھا اور عبدالرحمٰن جانتے تھے کہ مجھے بھادوں سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں اس لیے میری اور اس کی ڈیوٹی بھی ایک ہی جگہ لگائی گئی۔ مجھے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے لالو گروپ کو شمالی بیرکوں میں منتقل کر دیا گیا تھا مجھے بھی اس سے اطمینان ہوا تھا ظاہر ہے میں یہ سب کچھ کرنے تو یہاں نہیں آیا تھا۔ جیلر عبدالرحمٰن اچھے انسان تھے اور جس طرح مجھ سے تعاون کر رہے تھے وہ بہت تھا۔ کیسی تعجب کی بات ہے معاشرے میں اخلاقی تنزلی کی آخری منزل کو جیل متعین کر لیا گیا ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ ہر شعبہ ہائے زندگی میں بُروں کے ساتھ اچھے بھی ہیں اور اگر ان کی اچھائیوں کو آواز دی جائے تو وہ جواب ضرور دیتے ہیں۔ ہاں آگے بڑھ کر اچھائیوں کے اظہار کا موقع نہیں ہے کیونکہ چاروں طرف خود پرستی اور خود غرضی کی بیڑیاں لٹکی ہوئی ہیں ہر اچھائی کو پابۂ زنجیر کر دیا گیا ہے۔ کوئی حق کی راہ پر چلنے کی کوشش کرے تو اس کے راستے روکے جاتے ہیں رشوت، تعلقات، سفارشیں سدِ راہ ہوتی ہیں ان رکاوٹوں سے گزرنا بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے اور انسان اس ماحول کو اپنا مزاج بنا لیتا ہے نہ بنائے تو کیا کرے اسے خود بھی جینا ہے۔ میرے شناساؤں میں کون کون نہ تھا جُرم کی دنیا کا کامیاب انسان بدر شاہ جسے مجھ سے کوئی غرض نہیں تھی لیکن جس نے میرے لیے اپنا سینہ کھول دیا تھا۔ انسپکٹر غالب، ایس پی بابر جان جیلر وقار احمد اور نہ جانے کتنے دوسرے۔ یہ اسی معاشرے کے وہ لوگ تھے جن کے ناموں سے نہ جانے کتنی کہانیاں وابستہ ہیں لیکن یہ سب ان کہانیوں سے کتنے مختلف تھے۔

پورا دن سکون سے گزرا۔ رات بھی حسبِ معمول تھی۔ ضروریات سے فارغ ہو کر میں اور بھادوں لیٹ گئے۔ بھادوں مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ میں خاموش تھا۔

"کچھ سوچ رہا ہے شارو؟" اس نے اچانک میری خاموشی محسوس کر لی۔

"ہاں بھادوں"

"کیا بتائے گا نہیں؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ تو نے مجھے اپنے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔ کیا تو مجھے اس قابل نہیں سمجھتا؟"

"کیسی باتیں کرتا ہے یار"

"نہیں یار! کوئی بات نہیں، مجھے تیری یاری پیاری ہے۔ تیرا دل نہیں چاہتا تو میں تجھے مجبور نہیں کروں گا"

"یہ بات نہیں ہے کلیجے۔ بس دل دُکھتا ہے۔ بہت کچھ یاد آتا ہے۔ اپنی بے بسی پر بوٹیاں نوچنے کو جی چاہتا ہے۔ [illegible] تو نے یہ کیا سوچا۔ تجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤں گا تو کسے بتاؤں گا۔ سوچ رہا ہوں کہاں سے شروع کروں اپنی کہانی" اس کی آنکھیں خلاء میں گھورنے لگیں۔ وہ اپنی داستان کا کوئی سرا تلاش کر رہا تھا۔

بھادوں کے چہرے کے بدلتے رنگ بہت عجیب لگ رہے تھے میں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر وہ ماضی کے در پر دستک دے کر اس میں کھو سا گیا۔

"شارو میرے بھائی اب تو یاد کرنا پڑتا ہے کہ ہم کیا تھے۔ کیا [illegible] میں رہے تھے۔ کلیجہ دُکھنے لگتا ہے، بیتے دِنوں کے بارے میں [illegible] سوچتے ہوئے۔ ارے ہم بہت شریف اور بڑے سیدھے تھے۔ لوگ [illegible] کہتے کہ ہم بے وقوف ہیں۔ مگر بے وقوف نہیں تھے ہم۔ بس اپنی [illegible] سادہ سی زندگی کے لیے کچھ اصول بنا رکھے تھے مگر سب توڑ دیے [illegible] سسرداروں نے۔ مُجرم بنا دیا ہمیں۔ بستی کے سب سے تگڑے جوان [illegible] یہ چوڑی چھاتی تھی ہماری۔ جیل کا کھانا کھا کھا کر ڈھل گئے۔ [illegible] کھیت میں گھس جاتے ادھیڑ کر رکھ دیتے سُسرے کو۔ ماں [illegible] بچپن میں مر گئے تھے ایک بہن تھی بس، رضیہ نام تھا مگر پیار [illegible] رجو کہتے تھے سب اسے اتنی خوبصورت تھی کہ سب لوگ اسے [illegible] نی گڑیا کہتے تھے اندھیرے میں چمکتی تھی۔ بڑا پیار تھا ہمیں اس [illegible] جان تھی وہ ہماری۔ ایک بار بگھرے نے حملہ کر دیا تھا اس پہ [illegible] ڈرتے تھے ہم بھاگے سے مگر ہم نے اس کی ٹانگیں چیر کر [illegible] مار دیا اور تھا ہی کون ہمارا اس کے سوا۔ سو شارو ہم اس [illegible] لیے جیتے تھے خوب گزر رہی تھی۔ کام یہ تھا ہمارا کہ زمینداروں [illegible] زمینوں پہ ہل چلاتے بیج ڈالتے فصل رکھاتے اور پھر فصل [illegible] تے تھے۔ کس سُسرے کی مجال تھی کہ ہمارا حق مار سکتا چوتھائی [illegible] لے لیتے تھے گردن پہ ہاتھ رکھ کے۔ لوگ ہمیں سوچ سمجھ کر [illegible] دیتے تھے وہیں اس چھنال زادے کے باپ کی زمینیں بھی تھیں۔ [illegible] جتنا شریف آدمی تھا بیٹا اتنا ہی کُتا نکلا، نام اس کُتے کا [illegible] ت بیدار تھا ہم تو اس کے لیے کبھی کام نہ کرتے مگر اس کے [illegible] پ نے ہمیں زمینیں دیتے ہوئے کہا "تم جانتے ہو بھادوں میری [illegible] ستی یہاں سے سو میل دور ہے یہ زمینیں آج تک میری تھیں [illegible] اب تمہاری ہیں۔ ان میں سے سونا نکالو جتنا چاہو خود رکھو اور [illegible] جو دل چاہے مجھے دے دو مگر شارو بھیا جب کوئی اعتبار کرے تو [illegible] ذمے داری اور بڑھ جاتی ہے پچیس فی صد لیتے تھے ہم اس میں [illegible] ایک دانا ایک پیسہ زیادہ نہ لیا۔ یوں سچ مچ یہ زمینیں [illegible] ری ہی ہو گئی تھیں۔ پھر بڑے بابا مر گئے اور وہ مردود سب [illegible] دوں کا مالک بن گیا ہماری بستی کبھی نہیں آیا وہ اس کا منیم آتا تھا [illegible] بھی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی اور ہم نے سوچا کہ اچھے خون کا اثر بیٹے میں [illegible] آیا ہے مگر بخت بیدار۔" بھادوں کی آنکھیں گہری سُرخ ہو گئیں۔ [illegible] چند لمحات خود پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر بولا۔ "وقت گزرتا رہا، پھر ہماری تقدیر کی خرابی کا دور شروع ہوا۔ بارش ہوتی تھی اور خوب ہوتی تھی مگر اس سال بارش نہیں ہوئی تھی خون برسا تھا آسمان سے۔ ہاں شارو بیس روز پورے بیس روز بارش دن رات ہوتی رہی ساری فصلیں بیٹھ گئیں۔ ایک ایک کر کے سارے گھر گرنے لگے۔ زمینیں کہاں تک پانی پیتیں اور پھر ندی اُبل پڑی۔ بہت سے پہلے ہی نکل گئے تھے باقی جو بچے تھے بھاگنے لگے ہم بھی کیا کرتے رُک کر۔ سولہ سال کی ہو گئی تھی ہماری رجو۔ ہم اسے لے کر پانی کی اس جھیل سے نکل آئے جو کبھی ہماری بستی تھی۔ اب کوئی جگہ نہیں تھی ہمارے لیے۔ کُھلے آسمان کے نیچے سفر کرتے رہے ہم اور پھر ہمیں بخت بیدار کا منیم مل گیا اس نے ہمیں پہچان لیا۔

وارے بھادوں تو خیریت سے ہے۔

"ہاں منیم جی جیسے خیریت سے ہیں تم دیکھ رہے ہو" ہم نے جواب دیا۔

وارے بگلے تو شاداب گڑھی کیوں نہ آ گیا؟"

"شاداب گڑھی" ہم نے سوچا یہ ہمارے مالک کی بستی تھی۔ یہ بخت بیدار کی بستی تھی۔

"شاداب گڑھی، بخت بیدار" میرے منہ سے آہستہ سے نکلا اور بھادوں چونک کر ماضی کے جھروکوں سے نکل کر حال میں آ گیا۔

"کیا جانتا ہے شاداب گڑھی کے بخت بیدار کو؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"نہیں پہلی بار تیرے منہ سے نام سُن رہا ہوں بھادوں"

اور بھادوں، میری اس بات سے مطمئن ہو کر واپس ماضی میں چلا گیا۔

"ہوں! تو سُسرا منیم ہم سے بولا کہ ہم شاداب گڑھی کیوں نہ آ گئے۔ مالک کی بستی تھی۔ ہم نے بھی سوچا کہ یہ تو سچی بات ہے۔ مالک بہت اچھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں سہارا دے۔ منیم بُرا آدمی نہیں تھا اور پھر ہماری بستی کی تباہی کی کہانی تو سب ہی کو معلوم ہو چکی تھی اور سب کو اس کا دُکھ تھا ہم نے منیم سے کہا کہ بھیا ہمیں شاداب گڑھی کا رستہ نہیں معلوم تم لے چلو۔ اور منیم ہمیں اپنے گھر میں لے گیا۔ اس کی بیوی تھی۔ بچے تھے۔ رجو ان کے درمیان خوش ہو گئی اور ہمیں بھی اس سہارے سے سکون ملا ورنہ سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ اپنی بستی کے برباد ہونے کے بعد ہم کہاں جائیں گے؟ کہاں رہیں گے؟ کچھ بھی تو نہیں تھا ہمارے پاس، پر نیک دل منیم نے ہمیں سہارا دیا۔ اس کا گھر بھی بہت بڑا نہیں تھا۔ مگر عورتیں۔ عورتیں ایک جگہ کر دی

ئیں۔ مردوں کا تو سونا ہی باہر ہوتا تھا۔ منیم نے کہا کہ ہم آرام کر لیں اس کے بعد وہ ہمیں مالک کے پاس لے جائے گا۔ تو بھیا ہم وہاں رہ پڑے اور منیم بے چارے نے ہمارے ساتھ بڑا انصاف کیا۔ اس سے ہمیں کوئی شکایت نہیں ہے۔ دو تین دن اسی طرح گزر گئے۔ منیم نے رجّو کو بھی اور ہمیں بھی دوسرے کپڑے دیے تھے اور بڑا احسان کیا تھا اس نے ہم پر۔ پھر وہ ایک دن ہمیں مالک کے پاس لے گیا۔ بخت بیدار لمبے چوڑے بدن کا خوبصورت آدمی تھا۔ ہم نے سوچا کہ جو چہرے اچھے ہوتے ہیں۔ ان کے دل بھی ویسے ہی ہوتے ہوں گے اور اس وقت اس نے ہمارے ساتھ ایسا ہی اچھا سلوک کیا۔ اس نے منیم سے پوچھا۔

"منیم جی یہ کسے لائے ہو؟"

"سرکار بھادوں ہے آپ کا۔ شاید یاد ہو آپ کو۔ آپ کی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ سیلاب سے اس کی بستی تباہ ہو گئی۔ بے چارہ بے خانماں مارا مارا پھر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا پگلے یہاں کیوں پھر رہا ہے۔ مالک کے پاس کیوں نہیں جاتا۔ برسوں سے مالک کے لیے کام کرتا ہے تو نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ مالک تجھے سہارا دیں گے۔ تو ہم اسے یہاں لے آئے۔ اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ آپ کے مہمان آئے ہوئے تھے اس لیے ہم اس وقت آپ کے پاس نہیں لائے اسے۔ مگر اب لے آئے ہیں مالک۔"

"تم نے بڑا اچھا کیا منیم جی! بستی کی تباہی کا دُکھ ہمیں بھی کم نہیں ہے۔ بے شمار جانیں ضائع ہو گئیں۔ ہماری زمینیں بھی زیرِ آب آ گئیں۔ بہرطور کیا نام بتایا تم نے اس کا؟"

"بھادوں۔"

"کسان ہے نا یہ؟"

"ہاں سرکار بہت عرصے سے ہماری زمینوں پر کام کرتا ہے۔ بڑا نیک اور ایماندار آدمی ہے۔"

"منیم جی۔ اسے کہیں لگا دو اور جو مناسب سمجھو اس کی تنخواہ باندھ دو۔ اسے پریشانی نہیں ہونی چاہیئے۔"

"سرکار حکم دیں تو باغ میں اسے لگا دوں؟ باغ کی دیکھ بھال کرنے کا کیوں رہے باغ کا کام کر سکتا ہے؟"

"سرکار ہم سارے کام کر سکتے ہیں۔ اس کی تو فکر ہی مت کرو۔" ہم نے جواب دیا۔

"تو بس ٹھیک ہے تو اُسے کلوا باغ میں لگا دے منیم اور سُن بھادوں کلوا باغ کے آم خاص قسم کے ہوتے ہیں اور یہ زیادہ تر ہمارے اپنے دوستوں کے لیے جاتے ہیں۔ بڑی حفاظت کرنا پڑتی ہے ان آموں کی۔ بلکہ تم یوں کرو منیم جی کہ اس کی ایک کٹیا بھی وہیں باغ میں بنوا دو آرام سے رہے گا۔ اسے ضرورت کی ساری چیزیں مہیا کر دو۔ پیسوں کی فکر مت کرنا۔ اسے آرام کی زندگی ملنی چاہیئے اور بھادوں تم بس اپنا کام ہوشیاری سے کرنا کلوا باغ کے آم ہمارے لیے بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔"

"مجال ہے سرکار! جو چڑیا بھی بیٹھ جائے ان آموں پر ہماری ذمّہ داری۔" ہم نے وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔ بڑی عزت ہو گئی تھی مالک کی ہمارے دل میں بھلا ایسا مالک کہاں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ پیسے کی فکر مت کرنا جو رہنے کو گھر بھی دے نوکری بھی دے۔

منیم جی نے وہاں سے باہر نکل کر کہا۔ "مالک بہت اچھے ہیں۔ وفاداری سے کام کرو گے تو خوش رہو گے۔"

"تم دیکھ لینا منیم جی مالک کو خوش نہ کیا تو بھادوں نام ہی کیا۔" اور پھر منیم جی نے ہم سے کہا کہ سو روپیہ تنخواہ ملے گی ہمیں اور کھانے پینے کا سارا سامان الگ۔ لو بھیا شارو ہمیں اور کیا چاہیئے تھا۔ ہم لگ گئے۔ بخت بیدار کے باغ میں۔ سب سے پہلے ہماری ایک بڑھیا سی کٹیا بنائی گئی ہم نے وہاں آرام کی ساری چیزیں جمع کر لیں۔ چار چھ آدمی ہمارے ساتھ لگے تھے پر زیادہ کام ہم ہی کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ ہم نے خود کٹیا کے پیچھے کا کنواں بھی صاف کیا۔ اس پر نئی ٹیاری لگائی اور پھر رجّو کو اپنے گھر لے گئے منیم جی نے سارا سامان برتن بھانڈے وغیرہ دلوا دیے تھے۔ بستی شاداب گڑھی کافی بڑی تھی۔ بازار بھی تھے اس میں زمانے کی ہر چیز مل جاتی تھی۔ منیم جی نے ہمیں سو روپے پیشگی بھی دے دیے اور کہا کہ اپنی ضرورت کی اور جو چیز چاہیں ہم خرید لیں۔ ہم نے رجّو کے لیے کئی نئے جوڑے خریدے۔ بھلا اپنا خرچ ہی کیا۔ نہ بیڑی نہ سگریٹ نہ پان۔ ایک سادہ سی زندگی تھی ہماری۔ تو یوں مزے سے بسر ہونے لگی۔ رجّو بھی یہاں آ کر بہت خوش تھی۔ منیم جی کی ایک بیٹی سے دوستی ہو گئی تھی اُس کی۔ جو شادی شدہ تھی اور اس کے تین بچے تھے۔ ایک چھوٹی سی بچی رجّو کے پاس آ کر رہنے لگی۔ منیم جی کی بیٹی نے رجّو سے دوستی کی وجہ سے [illegible] دیا تھا تاکہ رجّو اکیلی نہ رہے۔ ویسے بھی باغ بستی سے زیادہ دور نہیں تھا۔ تھوڑے سے فاصلے پر گاؤں کے جھونپڑے شروع ہو جاتے تھے۔ ہم نے چاروں طرف گھوم پھر کر باغ کا جائزہ لیا۔ ویسے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا لیکن مالک نے کہا کہ اس باغ کے آم بڑے قیمتی ہیں اور ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ایک بھی

ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ ہم نے منیم جی سے کہا کہ باغ کے گرد باڑھ لگانی ہے ہمیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر کچھ سوچنا پڑتا۔ ہم نے اپنے ہاتھ سے سیٹھے گاڑے اور تاروں کی اونچی اونچی باڑھ لگا دی تاکہ باہر سے کوئی اندر نہ آ سکے۔ یوں ہم نے حفاظت کا بندوبست کر لیا اور اس کے بعد جو ہم باغ کی صفائی میں لگے تو دن رات ایک کر دیا ہم نے۔ ایک دن مالک ایسے ہی ٹہلتے ہوئے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ باغ میں آ گئے تو جلدی سے ایک آدمی بھیج کر ہمیں بلوایا۔ ہم کام کر رہے تھے۔

جب ہم مالک کے سامنے پہنچے اور ہم نے مالک کو سلام کیا تو مالک نے پچاس کا نوٹ ہمیں دیتے ہوئے کہا۔ "لے بھئی بھادوں یہ تیرا انعام ہے۔ تو نے تو باغ کی صورت ہی بدل دی۔"

"مالک آپ کے یہ الفاظ ہمارا انعام ہیں۔ نوٹ نہ لیں گے ہم۔ آپ اسے رکھ لیں مالک۔ آپ کے الفاظ اتنے قیمتی ہیں ایسے ایسے ہزاروں نوٹ اتنے قیمتی نہیں ہو سکتے۔"

مالک کے دوستوں نے ہماری بڑی تعریف کی۔ مالک نے ہمیں بہت مجبور کیا تو ہم نے نوٹ رکھ لیا۔ یہ کہہ کر کہ مالک اگر یہ آپ کا حکم نہ ہوتا تو ہم یہ نوٹ کبھی نہ لیتے کیونکہ یہ نوٹ لے کر ہمیں وہ خوشی نہیں مل جائے گی جو آپ نے ہماری تعریف کر کے ہمیں دی ہے۔ بہرطور ایسے ہمارا کام جاری رہا۔ شارو بھیا خدا کی قسم نہ ہم نے دن دیکھا اور نہ رات یوں وقت گزرتا رہا۔ ایک مہینہ، چھ مہینے ایک سال، دو سال۔ یہاں تک کہ دو سال ہو گئے۔ فصلیں بھی ایسی آئی تھیں کہ مالک کی طبیعت خوش ہو کر رہ گئی۔ رجّو بھی اب دوسروں کے ہاں جانے آنے لگی تھی۔ بڑی دوستی ہو گئی تھی بستی والوں سے ہماری اور شارو بھیا ہم شمسہ کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے کیونکہ ہماری کہانی میں شمسہ کا کردار سب سے اہم ہے۔ یہ شاداب گڑھی پہنچنے کے کوئی چھ سات مہینے بعد کی بات ہے۔ باغ کے باہر کام کر رہے تھے ہم۔ نیا کنواں بنا تھا اس طرف اور لڑکیاں بالیاں پانی بھرنے آتی تھیں۔ ہم اپنے کام میں لگے ہوئے تھے کہ ہم نے ایک ہلکی سی چیخ سُنی۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک لڑکی نظر آئی۔ زمین پر بیٹھی ہائے ہائے کر رہی تھی۔ ہم دوڑ کر اس کے پاس پہنچے تو لمبا ببول کا کانٹا اس کی ایڑی میں چبھا ہوا تھا اور کچھ ایسا تھا کہ آدھا انچ اندر گھس گیا تھا۔ لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور وہ ہولے ہولے رو رہی تھی۔ ہم بیٹھ گئے اس کے پاس اس کا پیر اُٹھا کر انگوٹھا کانٹے پر دبایا اور کھٹ سے کانٹا کھینچ لیا وہ چیخ مار کر زمین پر لیٹ گئی اور ہم نے اس کے پاؤں سے نکلتا ہوا خون دبا لیا۔ پھر ہم آہستہ آہستہ وہ خون نکالنے لگے تاکہ اگر کانٹے میں کوئی زہریلی چیز ہو تو خون نکل کر صاف ہو جائے۔ وہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔ ہم تو سمجھے کہ بے ہوش ہو گئی۔ مگر ہوش میں تھی۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھا ہم نے کچھ نہ ملا تو اپنے کندھے پر پڑے ہوئے کپڑے سے پٹّی پھاڑی اور اُس کے زخم پر کس دی۔

"بس ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ کانٹا ہی تو چبھا تھا پیر میں۔ تُو تو مری جا رہی ہے ڈر کے مارے۔"

"خون جو نکل رہا ہے۔" اُس نے مظلومیت سے کہا۔

"خون بند ہو جائے گا۔ کانٹا چبھنے پر اتنا شور مچا رہی ہے۔"

"خون نہیں دیکھا جاتا مجھ سے۔"

"تو کون کہہ رہا ہے کہ تُو خون کو دیکھ۔ پٹّی باندھ دی ہم نے۔ جا چل بھاگ جا۔" وہ اُٹھی اور لنگڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

نہ اُس نے ہم سے ہمارے بارے میں پوچھا۔ نہ ہم نے اُس سے اس کے بارے میں اور بات بھی پوچھنے کی نہیں تھی۔ بے چاری کو تکلیف تھی ہم نے دور کر دی اور یوں ہوا دوسرے دن کہ ہم باغ ہی میں کام کر رہے تھے کہ وہ لڑکی نظر آئی۔ آوازیں دے رہی تھی عجیب بے وقوفوں کے انداز میں۔

"ارے او کانٹے والے۔ او کانٹے والے کہاں ہو تم۔"

ہم نے یہ آواز سُنی تو حیران رہ گئے ہم تو باہر نہیں نکلے تھے۔ رجّو باہر آ گئی اور مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کس کانٹے والے کو پکار رہی ہو؟"

"ہیں! تم کون ہو؟" اس نے رجّو کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رجّو ہے میرا نام۔"

"اور ہمارا نام شمسہ ہے۔ وہ کانٹے والا کہاں ہے؟"

"پتا نہیں تم کون سے کانٹے والے کی بات کر رہی ہو۔"

"ارے وہی جس نے ہمارا کانٹا نکالا تھا۔" پھر میں بھی باہر نکل آیا اور وہ مجھے دیکھ کر جلدی سے بولی۔ "حلوہ لائے ہیں ہم تمہارے لیے۔ تم نے ہم پر احسان کیا تھا نا کل۔ ہم نے سوچا تمہیں کیا دیں تو ہم نے دیکھو حلوہ بنایا ہے تمہارے لیے لو یہ لو۔"

رجّو ہنس پڑی پھر بولی۔ "حلوہ دینا ہے تو پھر اندر آ کر دو نا شمسہ۔ آؤ بھئی۔ اچھا ہوا بھیا نے تمہارا کانٹا نکال دیا۔ کم از کم تم آئیں تو یہاں اور اب تم یہاں آتی رہا کرو میری سہیلی بن کر۔"

"بنیں گے کیا؟ بن گئے ہم۔" اس نے معصومیت سے رجّو کی گردن میں بانہیں ڈالیں اور اس کی پیشانی چوم لی پھر بولی۔ "تم بھی ایسا ہی کرو، ہم لوگ پکی سہیلیاں بن جائیں گے۔"

رجّو نے ہنستے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی میں مُسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ میری بہن خوش رہے اس سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیئے تھا اس دُنیا میں۔ بہرطور شمسہ رجّو کی سہیلی بن گئی۔ بڑی ہنس مُکھ لڑکی تھی اور بہت ہی دریا دل۔

میری آنکھیں اس کا انتظار کرتی رہتی تھیں۔ وہ آتی تھی رجّو کے ساتھ ہنستی بولتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی باغ کا چکّر بھی لگا لیا کرتی تھی۔ مجھ سے بے دھڑک باتیں کرتی تھی اور میں نے بھی محسوس کیا کہ اس کی آنکھوں میں میرے لیے اپنائیت ہے۔ ایک دن میں نے شمسہ سے کہا۔ وہ دوپہر کے وقت رجّو کو سوتا ہوا دیکھ کر میری طرف آگئی تھی۔

”شمسہ تیری شادی کب ہو رہی ہے ؟“

”ہیں !“ وہ حیرت سے چونک پڑی۔ ”تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

کچھ دیر تک تو میری زبان لڑکھڑاتی رہی کیونکہ جو کچھ اس سے کہنا چاہتا تھا وہ کہتے ہوئے ڈرتا بھی تھا۔ اوّل تو وہ رجّو کی دوست تھی۔ دوسری بات یہ کہ پہلے میں نے کبھی اُس سے اس قسم کی باتیں نہیں کی تھیں۔ شمسہ سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھتی رہی پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ ”اس لیے شمسہ اس لیے کہ ہم خود تجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں“۔

شمسہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے وہ چند لمحات مجھے دیکھتی رہی اور پھر اُٹھ کر بھاگ گئی لیکن میں نے اس کے چہرے پر غصّے کے تاثرات نہیں دیکھے تھے اس لیے مجھے اطمینان ہو گیا کہ شمسہ نے اس بات کا بُرا نہیں مانا ہے۔ دوسرے دن میں بے چینی سے اس کا انتظار کرتا رہا اور وہ آئی نہیں تو مجھے بڑا خوف محسوس ہوا کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ شمسہ بُرا مان گئی ہو۔ اُس نے اپنے بابا سے میری شکایت کر دی ہو اور اس کے بعد یہ شکایت مالک تک پہنچ جائے پھر مجھے یہاں سے نکال دیں۔ میرا پورا دن بہت بُرا گزرا۔ رجّو بھی شمسہ کا انتظار کر رہی تھی۔ کہنے لگی کہ پتا نہیں شمسہ کیوں نہیں آئی۔ وہ بے چاری بھی شمسہ کے لیے پریشان رہی لیکن دوسرے ہی دن شمسہ صبح ہی صبح آگئی۔ اس کو دیکھتے ہی رجّو نے پُوچھا۔

”تم آئی کیوں نہیں تھیں کل ؟“

”بابا نے بہت سارے کام کرائے تھے گھر میں۔ وقت ہی نہیں ملا“

میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ شمسہ کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ بہت دیر تک وہ رجّو کے ساتھ بیٹھی رہی۔ مگر میں کام کرنے چلا گیا۔ میں اپنے کام میں مگن تھا کہ میں نے قدموں کی چاپ سُنی۔ پلٹ کر دیکھا تو شمسہ تھی۔ میرے چہرے پر سُرخی پھیل گئی۔ میں نے آہستہ سے اُس سے کہا۔ ”شمسہ کل تو نہیں آئی میں تو مر ہی گیا۔ میں نے سوچا کہ کہیں تو نے میری بات کا بُرا نہ مانا ہو“

”بُرا تو مانا تھا ہم نے پر ہم نے سوچا چلو چھوڑو کوئی بات نہیں۔ بھادوں جی تو شکل ہی سے پاگل لگتے ہیں۔ ایسی کوئی بات کہہ دی تو چلو معاف کر دو انہیں“۔

میرے چہرے پر اُداسی پھیل گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ”تو نے مجھے پاگل سمجھ کر معاف کر دیا ہے شمسہ“

”گویا میں تیرا خیال دل سے نکال دُوں ؟“

”یہ کون کہتا ہے ؟“ شمسہ نے کہا۔

”تو میں خاموش ہو جاؤں ؟“

”ارے نہ بابا نہ۔ شور مچاؤ خوب شور مچاؤ۔ جس سے جو دل چاہے کہتے پھرو ہمیں کیا“۔

”شادی تو کرو گی مجھ سے ؟“ میں نے اُس کی اُوٹ پٹانگ باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہو کر لیں گے اگر ایسی ہی خواہش ہے تمہاری تو“۔ اس نے کہا اور پھر ایک دم کھلکھلا کر ہنس پڑی اور دوسرے ہی لمحے میں وہاں نہیں رُکی تھی۔

”نجانے کیا مل گیا تھا مجھے۔ بتا نہیں سکتا۔ اتنی خوشیاں کہ سمیٹے نہ سمیٹی جا رہی تھیں۔ بہت خوش تھا میں۔ رجّو نے میری خوشی کے بارے میں پُوچھا تو میں اُسے کچھ نہ بتا سکا۔ سوائے اس کے کہ باغوں میں اس بار فصل اچھی ہو رہی ہے۔ پتا نہیں رجّو کو میری دلی کیفیت کا کچھ اندازہ ہوا یا نہیں۔

بہرطور وقت کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ شمسہ کی آمدورفت یونہی رہی۔ پھر ایک دن شمسہ نہیں آئی۔ دوسرے دن بھی نہیں آئی اور جب تیسرے دن بھی نہیں آئی تو رجّو نے پریشانی سے کہا۔ ”بھیا ذرا بستی جا کر معلوم تو کرو کمال چچا ہے اس کے ابّا کا نام! کمال چچا کے ہاں جا کر پوچھو کہ شمسہ کو کیا ہوا لیکن ٹھہرو۔“ تم پیدل کرو بھیّا۔ مجھے بھی لے چلو شمسہ کے ہاں“۔

”چل یہ ٹھیک ہے ویسے بھی میرا اس کے بارے میں جا کر پوچھنا کچھ عجیب سا لگتا ہے“۔ چنانچہ اس کے بعد ہم کمال چاچا کا گھر پوچھتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ شمسہ کو سخت بخار آیا ہوا تھا۔ وہ لوہے کے ٹکڑے کی طرح تپ رہی تھی۔ رجّو کو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں کی کوروں سے آنسو بہنے لگے اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”ارے شمسہ بخار ہی تو ہے ری۔ کیا پاگل پن کی بات ہے بخار آیا ہے اُتر جائے گا۔ اتنی پریشان کیوں ہوتی ہے“۔

رجّو نے مجھ سے کہا کہ بھیا اگر تم مجھے اجازت دو تو دو چار دن شمسہ کے پاس رہ جاؤں۔ میں نے خوشی سے رجّو کو اجازت دے دی تھی۔ بات شمسہ کی تھی جو میرے دل کی گہرائیوں میں رہتی تھی۔ مجھے خود بھی اس کے بارے میں بڑی تشویش تھی۔ بخار دو تین دن کے بعد اُتر گیا اور شمسہ ٹھیک ہو گئی۔

رجّو واپس آگئی۔ کچھ اداس سی تھی۔ اِس دوران شمسہ کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ رجّو نے کہا۔ ”بھیا مجھے تو کچھ شُبہ لگتا ہے“۔

”کیسا شُبہ رجّو“۔

”شمسہ پر کوئی اثر ہو گیا ہے۔ وہ تو بالکل ہی بدل گئی ہے۔ بس بات بات پر آنسو نکل آتے ہیں بس ٹکر ٹکر ایک ایک کی صورت دیکھتی رہتی ہے۔ نہ وہ ہنستا نہ بولنا۔ جو باتیں کرتی تھی وہ بھی نہیں کرتی۔ میں دن رات اس کا دل بہلاتی رہی مگر ہنس کر نہ دی ایک بار بھی۔ جب کوئی ہنسی کی بات ہوتی ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ میری مانو بھیا کسی مولوی سے بات کرو اس کے لیے ضرور اس پر کوئی اثر ہو گیا ہے“۔

”تعجب ہے۔ میں کسی مولوی سے بات کروں ؟ میرا تو کسی مولوی سے کوئی یارانہ بھی نہیں ہے۔ دیکھو کوشش کرتا ہوں۔ آئے گی نہیں وہ تیرے پاس ؟“

”وعدہ تو کیا ہے کہ آئے گی۔ مگر پتا نہیں۔ ویسے کمزور بھی ہو گئی ہے“۔

دو تین دن گزر گئے شمسہ، رجّو سے ملنے نہیں آئی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا شاردو کہ آخر بات کیا ہو گئی ہے ؟ چلو بیماری اپنی جگہ لیکن یہاں تو آتی وہ۔ میرا دل اس کے لیے تڑپ رہا تھا۔ بہت پریشان تھا میں۔ لیکن کوئی بات سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی۔ بالآخر میں نے پھر رجّو کو اس کے پاس بھیجا اور اُس سے کہا کہ وہ شمسہ کو بُلا کر لائے۔ رجّو واپس آئی تو اس نے کہا کہ کل شمسہ ضرور آئے گی۔ وہ بتانے لگی کہ بھیا، شمسہ اور دُبلی ہو گئی ہے۔ کوئی بات ہی نہیں کرتی۔ بس خاموش بیٹھی رہتی ہے۔ رجّو نے پھر تقاضا کیا کہ شمسہ کو کسی مولوی کو دکھلایا جائے اور میں نے اس سلسلے میں کمال چاچا سے گفتگو کی مگر میں خود بھی ذرا جھینپا جھینپا سا تھا۔ کسی کی بیٹی میں اتنی زیادہ دلچسپی لینا بھی تو مناسب بات نہیں تھی اور پھر کمال چاچا کو کیا معلوم کہ شمسہ کے لیے میرے دل میں کیا ہے۔

”بھادوں بیٹا مجھے خود نہیں معلوم کہ میری شمسہ کو کیا ہو گیا بس اچانک ہی اسے روگ لگ گیا ہے میں نے حکیم صاحب کو دکھایا تھا۔ حکیم صاحب نے اس کی نبض وغیرہ دیکھی۔ کہنے لگے کہ بُخار کا اثر ہے۔ بعض بُخار ایسے ہی ہوتے ہیں جو بہت دیر تک اُداس رکھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ خود ٹھیک ہو جائے گی“۔ چاچا نے پریشان ہوتے ہوئے مجھے بتایا۔

دوسرے دن شمسہ آئی تو میں نے اس سے ہنستے ہوئے کہا۔ ”ارے شمسہ چار دن بُخار کیا آ گیا تمہیں تم تو بالکل ہی بدل کر رہ گئیں۔ ایسا بخار تو لوگوں کو آتا ہی رہتا ہے آخر اس بُخار نے تمہاری زبان کیوں بند کر دی ؟“

شمسہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کافی دیر تک وہ رجّو کے پاس بیٹھی رہی۔ رجّو اس سے باتیں کرتی تو شمسہ ہوں ہاں میں جواب دے دیتی۔ اس طرح پندرہ بیس دن گزر گئے پھر مہینہ دو مہینے شمسہ کی حالت تبدیل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بہت زیادہ خاموش اور غمزدہ رہنے لگی تھی کئی بار میرے دل میں خیال آیا کہ شمسہ سے اکیلے میں پوچھوں کہ آخر اسے اچانک کیا ہو گیا! اچھی خاص ہنستی بولتی لڑکی تھی۔ ہر وقت شوخیاں اور شرارتیں کرنے والی۔ لیکن اب کوئی اسے پہچان بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی شمسہ ہے۔ وقت کچھ اور آگے بڑھ گیا شمسہ نے رجّو سے ملنا نہیں چھوڑا تھا لیکن میں نے خاص طور سے ایک بات محسوس کی تھی وہ یہ کہ شمسہ اب اس طرح میرے پاس نہیں آتی تھی جیسے پہلے آ جاتی تھی۔ میرے دل میں اس بات سے شدید دُکھ پیدا ہو گیا اور میں سوچنے لگا تھا کہ پتا نہیں شمسہ کے دل سے میری محبت نکل گئی یا نہیں۔ میں اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ وہ کبھی تنہائی میں مجھے ملے تو میں اُس سے اس بارے میں بھی بات کر لوں۔ میں خود بھی اداس رہنے لگا تھا اور اب کسی کام میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔

ایک دن نسیم جی سے میری ملاقات ہو گئی۔ کہنے لگے۔ ”بھادوں کیا بات ہے رے۔ کچھ دُبلا ہو رہا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟“

”ہاں نسیم جی کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے“۔

”تو اتنا اچھا لڑکا ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تیرے لیے کچھ کروں۔ بڑے سرکار سے میں نے بات کی تھی ایک بار۔ تیرے بارے میں کہنے لگے بہت اچھا لڑکا ہے بھادوں جو کام اُسے دیا گیا ہے بہت اچھی طرح کر رہا ہے۔ اسے جس چیز کی بھی ضرورت ہو اسے دے دی جائے“۔

میں نے منیم جی کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ منیم جی اور بخت بیدار کی مہربانیاں میرے دل میں گھر کر چکی تھیں اور میں ان لوگوں کی بے پناہ عزت کرنے لگا تھا۔ میرا بس نہیں چلتا تھا کہ ان کے لیے کیا کروں لیکن اب اداسیاں میرا مقدر بن گئی تھیں۔ شمسہ نے آنا جانا بہت کم کر دیا تھا۔ رجو بھی کچھ بد دل سی ہو گئی تھی اس سے۔ ہر ممکن کوشش کر کے ہار چکی تھی مگر شمسہ کی پہلے والی کیفیت بحال ہی نہیں ہوئی تھی۔

رجو نے مجھ سے کہا "یوں لگتا ہے بھیا جیسے شمسہ کا دل ہم لوگوں سے بھر گیا ہے یا پھر کوئی ایسی بات ہو گئی ہے جو اسے بری لگ گئی ہے۔ وہ بات ہی نہیں اس کے اندر اب تو آتی جاتی بھی بہت کم ہے۔" میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ لینا بھی کیا بس میری تقدیر تھی۔ چار دن کی خوشی لکھی تھی تقدیر میں، اب نہیں تھی میں کیا کرتا۔ پھر یوں ہوا کہ آموں کی پہلی فصل پک گئی۔ بڑی محنت کرنی پڑی تھی ان دنوں۔ ایک ایک آم کی حفاظت کرنا پڑتی تھی۔

پھر ایک دن سرکار باغ کے معائنے کے لیے آئے اور آموں کے درخت دیکھتے پھرے۔ بڑے خوش ہو رہے تھے وہ ان آموں کو دیکھ کر اور ہماری تعریفیں بھی ہو رہی تھیں۔ کہنے لگے "آموں کی فصل تو پہلے بھی ہوتی رہی ہے لیکن بھادوں تو نے جو محنت کی ہے ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے تجھے بھاری انعام دیں گے ہم کیا سمجھا؟"

"سرکار میں نے پہلے بھی کہا تھا آپ سے کہ آپ محبت سے بات کر لیتے ہیں۔ اس سے بڑا انعام ہمارے لیے اور کچھ نہیں ہے۔"

سرکار نے پورے باغ کا چکر لگایا تھا۔ تھک گئے تھے۔ مجھ سے بولے کہ چارپائی بچھواؤ۔ میں نے فوراً ہی چارپائیاں نکلوا دیں۔ تو کہنے لگے کہ پانی منگواؤ۔ میں نے رجو کو آواز دے کر پانی لانے کے لیے کہا۔ بھلا اپنے مالک سے کیسا پردہ؟ اور پھر ویسے بھی رجو پردہ نہیں کرتی تھی چنانچہ وہ پانی لے آئی۔ مالک نے اسے دیکھا تو حیرت سے چونک پڑے۔

"ارے یہ کون ہے بھادوں؟ کیا تیری..."

"یہ کب آ گئی یہاں؟" سرکار نے پانی پینے کے بعد پوچھا۔ رجو اندر چلی گئی تھی۔

"یہ تو شروع ہی سے ہمارے ساتھ تھی سرکار۔"

"منیم جی تم نے ہمیں نہیں بتایا کہ بھادوں کی کوئی بہن بھی ہے۔"

"بس سرکار کبھی تذکرہ ہی نہیں ہوا۔" منیم جی نے جواب دیا۔

"کمال کے آدمی ہیں آپ بھی منیم جی کم از کم یہ تو دیکھنا تھا بھادوں بے چارے کی گزر بسر کیسے ہوتی ہے۔ گدھے ہیں آپ بالکل اب بے وقوف ہیں۔ یہاں اسے تکلیف ہوتی ہو گی۔ کیا وہ آرام سے رہتی ہے؟"

"ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے سرکار۔ آپ کی مہربانیوں سے ہم بڑی اچھی طرح رہتے ہیں۔"

"خیر تو اچھا انسان ہے بھادوں میں تیری تنخواہ پچاس روپے بڑھائے دیتا ہوں تیری بہن کی وجہ سے۔ تاکہ تم دونوں کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور منیم جی یہ آدمی تو پاگل ہے جس کا نام بھادوں ہے۔ تم اس لڑکی سے پوچھ لینا جس چیز کی ضرورت ہو اسے بھجوا دینا۔" اور پھر بخت بیدار جی چلے گئے۔ میرے دل میں ان کے لیے محبت ہی محبت تھی۔ بڑا احترام کرتا تھا میں ان کا۔ ایسے مالک بہت کم لوگوں کو ملتے ہیں۔

وقت کچھ اور گزر گیا۔ پھر ایک دن آم توڑنے جا رہے تھے کہ سرکار اکیلے ہی آ گئے۔ آموں کی نگرانی کرنے لگے اور بولے "بھادوں یہ آم بہیں پیٹیوں میں پیک کرائے جائیں گے۔ میں اپنے دوستوں کو تحفہ بھیج رہا ہوں۔ تم ذرا نگرانی رکھنا۔ کوئی خراب آم پیٹی میں نہ جانے پائے۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔"

میں پوری پوری دیکھ بھال کرنے لگا اور میں نے سرکار کے لیے چارپائی وہیں منگوا دی۔ وہ چارپائی پر بیٹھ گئے اور مجھ سے باتیں کرتے رہے۔

دفعتہً ہی انہوں نے کہا "بھادوں شادی نہیں کی تو نے ابھی تک۔"

"سرکار ہم جیسے لوگ ایسے ہی خوش رہتے ہیں۔"

"مگر تیری ذمہ داری مجھ پر بھی تو ہوتی ہے۔ میرے لیے کام کرتا ہے تو۔ میں تیرے بارے میں خیال نہیں رکھوں گا تو پھر کون رکھے گا۔"

"سرکار ہمیں تو پہلے اپنی بہن کی شادی کرنی ہے۔"

"بالکل! کیا نام بتایا تھا تو نے ان کا؟"

"رجو سرکار۔"

"مگر میری ایک رائے ہے پہلے تو اپنے گھر میں بیوی لے آ۔ اس کے بعد رجو کی شادی کر دینا۔ عورت گھر میں آ جائے گی تا تو بڑی آسانی ہو جائے گی۔ تیری نظر میں کوئی ہے تو نہیں۔"

"نہیں سرکار۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے ہم ہی تیری شادی بھی کرائیں گے۔ خبردار انکار مت کرنا اور پھر تجھے پر وا کس بات کی ہے تیری تنخواہ پچاس روپے اور بڑھا دی جائے گی۔ باقی تیری ضرورتیں تو پوری ہوتی ہی رہتی ہیں۔ تو بہت اچھا لڑکا ہے۔ تیرے لیے کچھ کر کے ہمیں خوشی ہو گی۔" میں خاموش ہو گیا۔ سرکار منہ کھول کر کس طرح بات کرتا مگر انہوں نے ساری باتیں یاد رکھیں۔ منیم جی ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"بھادوں ایک خوش خبری سناؤں تجھے۔ سرکار نے تیرے لیے رشتہ مانگ لیا ہے۔ تجھ سے پوچھے بغیر ہنس رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بھادوں اتنا سیدھا لڑکا ہے کہ اسے کسی بات کا احساس نہیں ہو گا۔ انہوں نے آج ہی کمال چاچا سے بات کی تھی اور کمال چاچا خوشی سے تیار ہو گئے ہیں۔"

میں حیرت سے اچھل پڑا "کمال چاچا!"

"ہاں بھئی کمال چاچا کی بیٹی شمسہ جوان ہے اور کمال چاچا بے چارے اس کے لیے پریشان بھی رہتے ہیں۔ پچھلے دنوں بیمار ہو گئی تھی۔ اب ٹھیک ہے۔ کمال چاچا سوچتے ہیں کہ اس کی شادی کر دیں۔ شاید سرکار سے تذکرہ کیا ہو گا انہوں نے تو سرکار نے فیصلہ کر لیا کہ شمسہ کی شادی تیرے ساتھ کر دی جائے۔ میرا خیال ہے کہ سرکار تجھے بلانے والے ہیں۔"

میرا دل تو خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ شمسہ اچانک مجھے اس طرح مل جائے گی میں نے سوچا بھی نہیں تھا شاردا اور میری تقدیریں ایسے نئے بھنور پڑ جائیں گے یہ بھی میرے ذہن میں کبھی نہیں آیا تھا۔ وہی ہوا جس کے بارے میں منیم جی نے کہا تھا۔ دوسرے ہی دن سرکار نے مجھے بلوا بھیجا۔

میں نیاز مندی سے حویلی پہنچا تو سرکار مسکرانے لگے اور پھر بولے "بھادوں اگلے ہفتے کی جمعرات کو تیری شادی ہے۔" میں نے شرما کر نظریں جھکا لیں تو سرکار ہنسنے لگے پھر بولے "منیم جی نے تمہیں پہلے سے بتا دیا ہو گا۔ بھئی میں تجھ سے اتنا خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتا۔ بس تو بالکل فکر مت کر شادی کا سارا خرچ میں کروں گا۔"

میری نگاہوں میں بخت بیدار فرشتہ صفت تھے۔ کتنے احسانات کر رہے تھے مجھ پر۔ میں ان کے احسانات سے بچھا جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے یوں کیا کہ مجھے سارا سامان بھجوا دیا۔ گھر کی سجاوٹ بھی ہو گئی۔ جھونپڑی میں توسیع کر لی گئی اور اس کے بعد حویلی کے برآمدے میں تیس چالیس آدمی آ گئے۔ شمسہ کو بھی وہیں بلا کر حویلی کی عورتیں نے اسے دلہن بنا دیا تھا۔ قاضی صاحب نے ہمارا نکاح پڑھا دیا اور اس کے بعد بخت بیدار جی نے اپنی گھوڑا گاڑی میں شمسہ کو رخصت کر کے میرے گھر بھجوا دیا۔ میں خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ شمسہ میرے گھر آ گئی اور مجھے جیسے سارے جہان کی دولت مل گئی۔ رجو بھی خوشی سے پاگل ہو رہی تھی۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ شمسہ کو بالآخر اس کی پرانی زندگی میں واپس لے آئیں گے اور رفتہ رفتہ یہ ہونے لگا اب شمسہ کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آنے لگی تھی۔ اس کے اندر کچھ اور تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ اب وہ رجو کے ساتھ خوش رہنے لگی تھی اور رجو بھی بہت خوش تھی۔ شمسہ نے مجھ سے کہا کہ رجو کے لیے جلدی سے کوئی لڑکا تلاش کر کے اس کی شادی کر دی جائے۔ میں نے اس سے کہا کہ اب یہ کام اس کا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہے گی مجھے منظور ہو گا بہر طور یوں ہنسی خوشی زندگی کے دن گزرتے رہے۔ ہماری شادی کو چار مہینے ہو چکے تھے۔ پانچواں مہینہ شروع ہوا تھا کہ ایک دن شمسہ کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی۔ میں نے حکیم صاحب کو بلایا اور شمسہ کو دکھایا تو حکیم صاحب نے نبضیں وغیرہ دیکھیں پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں ہے تم باپ بننے والے ہو۔"

وہ دن شاردا ہمارے پورے گھر کی زندگی میں حسین ترین دن تھا۔ اچانک ہی رجو اور شمسہ وہی پرانی سہیلیاں بن گئی تھیں۔ دونوں کے قہقہے فضا میں گونج رہے اور میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ میرا دل بخت بیدار کو نجانے کتنی دعائیں دے رہا تھا جس نے مجھ جیسے اجاڑ درخت کو پھر سے سرسبز کر دیا تھا اور میری زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں بکھیر دی تھیں۔ کچھ اور وقت گزرا اور پھر اچانک ہی ایک دن شمسہ کی طبیعت بہت بگڑ گئی۔ شمسہ نے مجھ سے کہا کہ میں کچھ بندوبست کروں اور اس سلسلے میں بھی منیم جی ہی ہمارے کام آئے۔ انہوں نے بجائے اس کے کہ حکیم وغیرہ سے بات کرتے ایک دائی سے بات کی اور دائی نے آ کر شمسہ کو دیکھا۔ پھر اس نے کہا کہ بہت جلد شمسہ کے ہاں ولادت ہونے والی ہے۔ ہم لوگ بچے کی آمد کا انتظار کرنے لگے اور ہماری خوشیاں آسمان کو پہنچ گئیں پھر شمسہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا اور ہمارے گھر میں جیسے بہار آ گئی۔ ہم خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ رجو تو بچے کے لیے دیوانی ہو گئی تھی اور شمسہ بھی بہت خوش تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی طبیعت کی تمام اداسی دور ہو گئی ہو۔ یوں ہنسی خوشی دس بارہ بلکہ پندرہ دن گزر گئے۔ ہم سب بچے کے دیوانے تھے اور ہر وقت اس میں مست رہتے تھے کہ ایک دن میری ملاقات

بابو بھائی سے ہوئی۔ بابو بھائی اس باغ کے پرے کھیتوں میں کام کرنے والے تھے۔ اکثر ہماری سلام دُعا ہوتی تھی۔

بابو بھائی نے معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولے "تیرے ہاں بیٹا ہوا ہے"۔

"ہاں بابو بھائی آپ نے تو مجھے مبارکباد بھی نہیں دی"۔

"کیسے؟" بابو بھائی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"ہاں بابو بھائی کیوں کیا یہ بات قابلِ مبارک باد نہیں"۔

"ہے تو سہی"۔ اُن کا لہجہ کچھ عجیب سا تھا۔

میں تعجب سے انہیں دیکھنے لگا۔ پتا نہیں ان کا انداز کیسا تھا۔ پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہونے لگے تو میں نے آہستہ سے کہا۔ "بابو بھائی آپ نے ہمارے دل میں ایک عجیب سی بات پیدا کر دی ہے۔ ہم تو آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں اور ہمیں شکایت تھی کہ آپ نے ہمیں مبارک باد بھی نہیں دی۔ آج آپ ملے بھی تو آپ نے ایسے عجیب سے انداز میں ہم سے یہ بات کہی۔ کوئی ناراضگی ہے ہم سے؟"

"نہیں بھادوں! مجھے تجھ سے کیا ناراضگی ہو سکتی ہے؟ مگر یا تُو تو بہت سیدھا ہے یا بہت بے غیرت۔ دونوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔

"بابو بھائی بڑے ہیں آپ ہم سے۔ گالیاں دے لیں مگر وجہ تو بتا دیں"۔

"پانچ مہینے میں لڑکا پیدا ہو گیا ہے تیرے ہاں۔ اس سے پہلے دکھانہ سُنا۔ ایسے کم از کم بستی والوں کو تو اطمینان دلا دیا ہوتا۔ جس گھر میں دیکھو تیری باتیں ہو رہی ہیں۔ بچّہ پانچ مہینے میں پیدا ہوتے نہ تو دیکھا نہ سُنا۔ اور پھر بستی کی عورتیں بتاتی ہیں کہ بچّہ پورا ہے۔ بھادوں کیا شمسہ سے تیرے پہلے سے تعلقات تھے؟"

میں تڑپ گیا اور میں نے غرّاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بابو بھائی عزت چھوٹے ہی نہیں کرتے۔ بڑوں کو عزت کرانی پڑتی ہے۔ آپ ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اصولاً آپ کی گردن کاٹ دینی چاہئے۔ لیکن بڑے ہیں آپ ہمارے۔ عزت کر رہے ہیں ہم آپ کی۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"تعجب ہے بھادوں میری بات کا تو بُرا مان گیا۔ خود اپنے دماغ سے یہ نہیں سوچا۔ ذرا غور کر لینا اس بات پر اور پھر اگر دل چاہے تو ہمیں بھی بتا دینا جیسے پہلے تیری عزت کرتے ویسے ہی کریں گے بلکہ بستی والوں سے بھی کہیں گے کہ تیرے بارے میں کانا پھوسی نہ کریں"۔

میں نے یہ کانا پھوسی کبھی نہیں سُنی تھی مجھے معلوم بھی نہیں تھا کہ بستی والے میرے بارے میں بھی بات کر سکتے ہیں۔ بڑا عجیب سا خیال دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ اپنے چاروں طرف پھیلا ہیں نظر آنے لگی تھیں۔ یہ کیا کہہ دیا انہوں نے؟ اور ہمیں کیا معلوم کہ بچہ کتنے دن میں ہوتا ہے؟ یہ تو بڑوں کے کام ہیں۔ مگر کیا بابو بھائی سچ کہہ رہے ہیں تو پھر یہ سب کیا ہے؟ شمسہ تو صرف ہمارے دل میں رہتی تھی۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ وہ کبھی ہماری تنہائیوں تک نہیں آئی۔ پھر یہ انہوں نے کیا کہہ دیا؟ پاگل ہو گئے تھے ہم۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کس سے کہیں؟ کیا کہیں؟ شمسہ سے پوچھیں تو کیا پوچھیں؟ پس ہمارے دل میں گرہ پڑ گئی تھی اور پھر ایک دن فضلو چاچا ملے۔ یہ بھی بستی کے ایک بوڑھے آدمی تھے۔ باغ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ ہم نے سلام کیا تو جواب دے کر آگے بڑھنے لگے۔ ہم نے آگے بڑھ کر انہیں روک لیا۔ "فضلو چاچا کیا کچھ ناراض ہیں؟"

"نہیں بھائی کیسے ہو تم؟"

"ٹھیک ہیں ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں ہم آپ سے"۔

"پوچھو"۔

"فضلو چاچا کیا بچّہ نو مہینے کے بعد پیدا ہوتا ہے؟"

فضلو چاچا عجیب سی نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور پھر تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ "ہاں رے آج تک تو یہی ہوتا چلا آیا ہے"۔

"اور اگر فضلو چاچا وقت سے پہلے بچّہ پیدا ہو جائے تو؟"

"تو لوگ تھوکتے ہیں شکلوں پر سمجھا"۔ فضلو چاچا نے غصّے سے کہا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے۔ اب کسی شک کی گنجائش نہیں تھی۔ بابو بھائی کی یہ باتیں ہمیں بالکل دُرست لگنے لگیں کہ بستی والے ہمارے منہ پر تھوکتے ہیں اور ہمارے بارے میں کانا پھوسی کرتے ہیں تو کیا شمسہ نے غدّاری کی ہم سے؟ یہی سوچ سوچ کر ہم پاگل ہوتے رہے بھادو۔ شمسہ کے سامنے جاتے تو ہمت نہ پڑتی کہ اُس سے یہ بات کریں۔ دن کے بعد تو ہمیں پھر سے خوشیاں ملی تھیں مگر جب دل میں گرہ پڑ جائے تو پھر خوشیاں کہاں باقی رہتی ہیں۔ شمسہ کو غور سے دیکھتے تو وہ معصوم نظر آتی۔ اپنے بچّے میں مست مگن۔ لیکن ہمیں اس کی یہ شکل کالی لگنے لگی تھی۔ اس کی اجلی چمڑی کے نیچے کالا پن موجود تھا۔ اس کے دل میں کوئی گہرائی تھی اور وہ گہرائی ہمیں

نہیں معلوم تھی۔ رفتہ رفتہ ہمیں یقین ہو گیا کہ شمسہ بدکار ہے اور ہم نے اس سے شادی کر کے گھاٹے کا سودا کیا۔ سرکار نے تو ہمارا گھر بسا دیا تھا مگر حالات نے ہمارا دل اُجاڑ کر دیا۔ شمسہ سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تنہائی میں ملتی تو ہمیں یُوں محسوس ہوتا کہ جیسے ایک سایہ اس کے قریب موجود ہے۔ یہ سایہ کسی اور کا تھا۔ نہ ہمارا نہ شمسہ کا۔ وہ سایہ کون ہے؟ ہم اُسی کی کھوج میں لگے ہوئے تھے باغ کے قریب کے پہلے گھر میں ایک لڑکی کی شادی تھی۔ ہمارے ہاں بھی بلاوہ آیا تھا۔ اس گھر کی لڑکیاں رجّو کی دوست تھیں ساری کی ساری آ گئیں اور کہنے لگیں کہ رجّو ڈھول میں ان کے ساتھ چلے۔ شمسہ کو بھی بُلایا تھا انہوں نے مگر شمسہ تو بچّے کی پرورش کر رہی تھی۔ رجّو نے میری طرف دیکھا تو میں نے اسے اجازت دے دی۔ کئی دن پہلے سے ڈھول رکھا گیا تھا۔ لڑکیاں بالیاں گیت گا رہی تھیں۔ شمسہ بھی ایک آدھ دن گیتوں میں گئی اور میں رات کی تنہائیوں میں شمسہ کے کردار کے بارے میں سوچتا رہا۔ دل ڈوبتا رہتا تھا میرا۔ پتا نہیں شمسہ نے میری کیفیت کو محسوس کیا یا نہیں۔ بہر طور میں اپنی آگ میں سُلگتا رہا۔

پھر ایک دن سرکار نے ہمیں بُلا بھیجا اور ہم پہنچ گئے ان کے حضور۔ سرکار نے کہا۔ "بھادوں تمہیں چلیا بستی جانا ہے۔ ایک کام ہے میرا وہ کر دے۔ میں نے ایک خاص وجہ سے وہاں جانے کے لیے تیرا انتخاب کیا ہے"۔ اور پھر انہوں نے ہمیں چلیا بستی میں ہمارا کام سمجھا دیا۔

ہم گھر آئے اور شمسہ سے کہہ کر چلے گئے پھر شاید ہم کل تک آئیں۔ چلیا بستی کافی فاصلے پر تھی۔ جانا تو گھوڑے پر ہی تھا۔ لیکن وہ کام ہونے میں دیر لگ سکتی تھی۔ جس کے لیے سرکار ہمیں بھیج رہے تھے چنانچہ ہم احتیاطاً یہ بات کہہ گئے دن گزر گیا۔ ہم چلیا بستی پہنچ گئے اور ہم نے سرکار کا کہا ہوا کام کر دیا۔ لیکن پھر اسی شام ہماری واپسی ہو گئی اور ہم گھوڑا دوڑاتے ہوئے گھر آ گئے۔ گھر والوں کو اکیلا چھوڑنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ گھر پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ شمسہ اکیلی تھی۔ اُس نے بتایا کہ رجّو ڈھول میں گئی ہے۔ ڈھول بجنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ چونکہ رات ہو گئی تھی اس لیے اس وقت سرکار کے پاس جانا مناسب نہ سمجھا اور منہ ہاتھ دھویا۔ شمسہ نے کھانا لا کر سامنے رکھ دیا تھا۔ وہ کچھ اداس سی نظر آ رہی تھی۔ ہم نے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ بچّہ سو گیا تھا اور شمسہ ہمارے سامنے بیٹھی ہمیں دیکھ رہی تھی کھانا کھاتے کھاتے اس پر نگاہ پڑی تو احساس ہوا وہ بہت اداس ہے۔ پھر کھانا نہ کھایا گیا۔ شمسہ کی محبت آج بھی دل میں تھی مگر اس کی طرف دل میں داغ پڑ چکا تھا۔

"کھانا کھاؤ۔ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟"

"کھا لیا"۔ میں نے بھرّائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"بس اتنا سا؟" میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو شمسہ پھر بولی۔ "پیٹ بھر کر کھانا کھاؤ نا۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"

اور نجانے کیوں غصّہ آ گیا۔ ہم نے قہر آلود نگاہوں سے شمسہ کو دیکھا اور غرّاتے ہوئے لہجے میں بولے "کھانا ہٹا لو میرے سامنے سے"۔ شمسہ نے خاموشی سے کھانے کے برتن سمیٹے اور انہیں ایک طرف رکھ دیا پھر میرے سامنے آ گئی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے بھادوں؟ بتاؤ گے نہیں مجھے؟"

میں نے جلتی ہوئی نگاہوں سے شمسہ کو دیکھا اور پھر بھاری لہجے میں بولا۔ "یہ مت پوچھ شمسہ کہ ہمیں کیا ہو گیا ہے؟"

"پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجبور تو نہیں کر سکتی میری اتنی ہمت ہی کہاں ہے لیکن دل چاہتا ہے کہ تم سے ضرور پوچھوں۔ تم خوش نہیں ہو بھادوں۔ تم بچّے سے بھی پیار نہیں کرتے۔ پتا نہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو بتا دو معافی مانگ لوں گی۔ پاؤں پڑ جاؤں گی مگر تمہاری یہ بے رُخی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی"۔

"اپنے دل سے پوچھ شمسہ کیا کچھ کیا ہے تُو نے تو۔ تیرا دل تجھے خود بتا دے گا"۔ میں نے شمسہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

شمسہ کے چہرے پر تاریکیاں اُترنے لگیں۔ اس کا انداز چوروں جیسا ہو گیا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ "ہم نے تو کچھ نہیں کیا بھادوں۔ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا"۔

"تو پھر میری زبان سے سُن شمسہ۔ بچّے نو مہینے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ یہ پانچ مہینے میں مکمل بچّہ کیسے پیدا ہو گیا۔ جواب دے گی اس کا؟"

شمسہ کا چہرہ کچھ اور تاریک ہو گیا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ "خدا کی قسم بھادوں ہمیں معلوم نہیں تھا۔ بس کل ہی رجّو نے یہ بات کی تھی ہم سے کہ پاس پڑوس کے لوگ ہمارے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں اور رجّو سے بھی وہ پوچھ رہے تھے کہ ایسا کیسے ہو گیا؟ ہم تمہیں ایک بات بتا دیں بڑی غلطی ہو گئی ہم سے بھادوں کہ ہم نے آج تک تم سے وہ بات چھپا رکھی کیسے کہتے ہم تم سے؟ بتاؤ کیسے کہتے؟ کہا جا سکتا تھا ہم سے۔ نہیں بھادوں تم ہمارے ساتھ جو دل چاہے کرو ہم اب ضرور بتا دیں گے تمہیں۔ بھادوں بہت پہلے کی بات ہے۔ ہماری شادی تے

کافی دن پہلے کی۔ اس وقت کی جب ہم نے اچانک تمہارے ہاں آنا جانا بند کر دیا تھا اور ہمیں بخار آ گیا تھا۔ بھادوں ہمارے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوا تھا۔ سرکار بخت بیدار نے ہمیں کسی کام سے بُلایا تھا۔ بابا ہمیں وہاں لے گئے تھے۔ گھر میں کچھ کام تھا۔ ہم وہ کام کر رہے تھے۔ بابا کو سرکار نے کسی کام سے بھیج دیا اور ہم وہاں اکیلے رہ گئے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے بھادوں کہ سرکار ہمارے ساتھ یہ سلوک کریں گے۔ وہ ہمارے پاس آئے اور بھادوں وہ ہم سے بہت مضبوط تھے۔ ہم کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے ان کا۔ سرکار کے ساتھ بہت سے غنڈے تھے۔ سرکار نے ہمیں۔۔ ہمیں بھادوں سرکار نے ہمیں بے بس کر دیا اور اس کے بعد ہم رونے لگے تو سرکار نے غرّاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

" دیکھ شمسہ تو جانتی ہے میں کون ہوں؟ اس بستی میں میری کیا حیثیت ہے؟ مالک ہوں میں اس بستی کا اگر تو نے واپس جاکر مجھ پر کیچڑ اُچھالی تو ایک بات غور سے سُن لے تیرا باپ اس دُنیا میں نہیں رہے گا۔ پتا ہے میں کیا کروں گا اس کا۔ اُسے کسی اندھے کنوئیں میں ڈلوا دوں گا اور لوگوں سے میں کہہ دوں گا کہ کمال کہیں چلا گیا اپنی بیٹی کو چھوڑ کر اور اس کے بعد تو اس دُنیا میں تنہا رہ جائے گی۔ پھر یوں ہوگا شمسہ کہ میرے یہ آدمی لے کر تجھے بیچ دیں گے اور تو کوٹھے کی زینت بن جائے گی۔ بہترین طریقہ یہی ہے کہ بالکل خاموش رہنا۔ کسی کو نہیں بتانا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا؟ سمجھی ہم اگر چاہیں تو یہیں تیرے ٹکڑے کر کے پھنکوا دیں کہیں تجھے۔ کوئی کیا بگاڑ لے گا ہمارا؟ لیکن اگر تو زندہ رہنا چاہتی ہے اور اپنے بابا کی زندگی بھی چاہتی ہے تو تجھے صرف زبان بند کرنا ہوگی۔ بول کیا ارادے ہیں تیرے؟" اور ہم نے ڈر کر کہہ دیا کہ ہم زبان بند رکھیں گے۔ بس پھر ہمیں بخار آ گیا اور ہماری حالت خراب ہو گئی۔ سمجھے بھادوں سرکار نے ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کیا تھا۔ ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ پہ ہمارا دل اس دُنیا میں نہیں لگتا تھا۔ بعض اوقات ہم نے سوچا کہ ہم مر جائیں مگر موت سے ہمیں ڈر لگتا تھا بھادوں ہم نے ہمّت کی مگر مر نہ سکے پر ہماری ہنسی ختم ہو گئی تھی۔ ہم لٹ ہو گئے تھے۔ پھر بھادوں ہماری حالت خراب ہونے لگی اور بابا نے ہم سے پوچھا کہ ہمیں کیا ہوا؟ ہم تو زبان بند رکھتے مگر پڑوس کی ایک عورت نے بابا سے کہا کہ۔۔۔ کہ ہم ٹھیک نہیں ہیں اور بابا کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ بابا پاگل ہو گیا۔ وہ ہمیں مار دینے پر تل گیا مگر ہم تو بے قصور تھے اس نے ہم سے پوچھا کہ ہم نے یہ گناہ کیسے کیا؟ تو مجبور ہو کر ہم نے بابا کو سب کچھ بتا دیا اور بابا نے شاید سرکار سے اس بارے میں بات کی۔ سرکار نے بابا سے کیا کہا یہ تو ہمیں نہیں معلوم لیکن بابا نے ہم سے یہ کہا کہ ہماری شادی تم سے کی جا رہی ہے۔ ہم تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتے تھے بھادوں مگر بابا نے بھی ہمیں قسم دلا دی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہماری زبان کُھلی تو وہ خود جان دے دیں گے۔ اتنے مجبور ہو گئے تھے ہم بھادوں۔ پھر ہم تمہارے پاس آ گئے۔ سب کچھ سرکار نے اپنے ہاتھوں سے کیا تھا۔ انہوں نے ہی ہمیں تمہارے گھر بھیج دیا۔ یہاں آنے کے بعد جب ہم نے دیکھا کہ تم نے تو ہم سے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ بُرا مانا تم نے بلکہ تم اس شادی پہ بہت خوش ہو تو پھر ہم بھی خوش ہو گئے۔ جو گزرنی تھی وہ تو گزر ہی گئی تھی۔ کیا کرتے ہم؟ کیا کہتے تم سے؟ بس بھادوں یہ بات ہے۔ ہمارا اس میں جتنا بھی قصور ہے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر تمہیں ہماری بات پہ یقین نہیں تو تم جس طرح بھی چاہو معلومات کر سکتے ہو اگر ہمارا ایک لفظ بھی جھوٹا نکلے تو پھر تم جو سزا بھی ہمیں دو گے ہم اسے قبول کر لیں گے۔ تم ہمیں جان سے بھی مار دو گے تو ہم مر جائیں گے بھادوں مگر ہمارا بس اتنا قصور ہے" شمسہ رونے لگی۔

مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ بہت بڑا مان تھا ہمیں اپنے سرکار پہ شارو۔ کسی دیوتا کی طرح ہم نے ان کی عزّت کی تھی۔ اتنا بڑا سمجھا تھا انہیں جتنا آسمان۔ مگر یہ آسمان تو زمین سے بھی پست نکلا۔ سرکار کے چوڑے چکلے چہرے کے پیچھے ہمیں شیطان کے قہقہے سُنائی دینے لگے۔ ہمارا خون غصّے سے کھول اُٹھا کتنا بے وقوف بنایا تھا ہمیں سرکار نے۔ اس لیے ہماری شادی کرائی تھی اُنہوں نے شمسہ سے۔ ارے اگر ہمارے پاس شمسہ خود بھی اپنی دُکھ بھری کہانی لے کر آ جاتی تو ہم اُسے سینے سے لگا لیتے مگر سرکار نے اپنا گناہ ہمارے سر ڈال دیا تھا۔ ہم غصّے سے پاگل ہو رہے تھے جی چاہ رہا تھا کہ اس شیطان کے نرخرے کو اپنے دانتوں سے اُدھیڑ ڈالیں۔ اُس کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ ایسی اذیتیں دیں۔ اسے کہ اس کے بعد موت بھی اس سے سہم کر واپس چلی جائے ہمارا خُون غصّے سے کھول رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں؟ بہت سے منصوبے بنا رہے تھے دل میں۔ شمسہ ایک طرف بیٹھی رو رہی تھی اور ہم غصّے سے پاگل ہو رہے تھے لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں؟ بہت دیر اسی طرح گزر گئی۔ پڑوس سے ڈھولک کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ ہم اذیّت سے تڑپتے رہے اور شمسہ روتی رہی۔ پھر اچانک ہی ہمیں رجّو کا خیال آیا۔

ابھی تک نہیں آئی تھی۔ بہت رات گزر چکی تھی۔ ٹھیک ہے ہم نے اُسے پڑوس کے ڈھول میں شریک ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن اب ایسا بھی نہیں کہ آدھی آدھی رات وہاں گزار دے اور پھر پڑوس میں ڈھول تو نہیں بج رہا۔ بیٹھ گئی ہوگی سہیلیوں کے ساتھ اور بات چیت کر رہی ہوگی۔ تہیں یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اتنی رات گئے تک اُسے وہاں نہیں رہنا چاہیئے۔ ہم خود اُٹھ کر باہر نکل گئے اور پھر اس گھر پہ پہنچ گئے۔ گھر والے بھی سونے کی تیاریاں کر رہے تھے ہم نے رجو کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ رجو تو آج گیتوں میں آئی ہی نہیں ہے۔ یہ ناقابلِ یقین بات تھی۔ ہمارا دماغ گھوم گیا۔ اچھی طرح معلوم کرنے کے بعد بھی یہی پتا لگا کہ رجو آج گیتوں میں نہیں آئی ہے تو ہم شدّتِ حیرت سے پاگل ہو گئے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رجو کو کہاں تلاش کریں۔ گھر واپس پہنچے شمسہ بچے کو سُلا رہی تھی۔ وہ شاید جاگ گیا تھا ہم نے پریشانی سے کہا "شمسہ، رجو تو آج گیتوں میں نہیں گئی"

"ہیں" شمسہ خوف سے اُچھل پڑی "تت۔۔۔ تو کہاں گئی؟"

"اب تو پتا کہاں تلاش کریں اسے ہم؟ وہ تو کہیں اور جاتی بھی نہیں ہے"

شمسہ بھی پریشان ہو گئی۔ ہمارا دماغ اُس کمبخت شیطان کی طرف نہیں گیا جس کا نام بخت بیدار تھا۔ شمسہ بھی اُس کا حوالہ نہیں دے سکی۔ بس ہم پریشانی سے اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھوٹنے لگی اور پھر جب صبح ہونے والی تھی تو رجو واپس آ گئی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے مُنہ سے ہلکی ہلکی بدبُو آ رہی تھی۔ ہم نے اسے دیکھا اور دوڑ کر اُس کے پاس پہنچ گئے۔ لیکن وہ ہمیں کچھ بتلانے کے قابل نہیں تھی۔ نشے میں تھی بے چاری۔ رجو ہماری سیدھی سادی بہن ہماری معصوم فرشتہ صفت بہن اور ہمیں اس حالت میں نظر آئے کوئی بات سمجھنے کی تھی نہ سمجھانے کی۔ رجو کو ہم نے بستر پہ لٹا کر اسے کمبل اوڑھا دیا۔ شمسہ اور میں بُری طرح پریشان ہو گئے تھے۔ جب خوب دن نکل آیا تو رجو کو ہوش آ گیا اور پھر وہ زار و قطار رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ ہم نے اس سے پوچھا۔

"تو کہاں گئی تھی رجو؟ کیا ہوا تجھے؟ بتائے گی نہیں؟"

"بھیا۔۔۔ بھیا میں گھر سے نکلی تھی گیتوں میں جانے کے لیے۔ سرکار کے آدمی مجھے اُٹھا کر لے گئے اور بھیا۔۔۔ بھیا سرکار نے میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا۔ انہوں نے مجھے زبردستی دارُو پلائی اور بھیا انہوں نے انہوں نے۔۔۔" رجو نے آنکھیں بند کر لیں۔

اِس کی بند آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے اور میں پاگل ہو گیا۔ دیوانہ ہو گیا میں، میری دیوانگی عروج پہ پہنچ گئی۔ میں نے گنڈاسا اُٹھایا اور سرکار کی طرف چل پڑا۔ مجھ پہ خون سوار ہو گیا تھا۔ سرکار کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا میں بہت کمینہ انسان تھا وہ، اُس نے میری محبت، میری عقیدت، میرے اعتماد کا خون کیا تھا۔ اس نے مجھے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تھا جبکہ میں نے ہمیشہ اس کی وفاداری کا دم بھرا تھا۔ ایسے آدمی کو میں روئے زمین پہ زندہ نہیں رہنے دے سکتا تھا۔ نتیجہ کچھ بھی ہو میں حویلی میں داخل ہو گیا۔ لوگ مجھے پکڑنے دوڑ پڑے تھے مگر میرے ہاتھ میں گنڈاسا تھا اور آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا کسی کی ہمّت نہ ہو سکی کہ مجھ تک آتا۔ میں بخت بیدار کے کمرے تک پہنچ گیا دروازے پہ لات ماری تو دروازہ کھُل گیا لیکن بخت بیدار اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ میں اُسے چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگا۔ میں نے اُسے ننگی ننگی گالیاں دیں اور جب باہر نکلا تو منیم جی ایک طرف کھڑے کپکپا رہے تھے۔

"منیم جی کہاں ہے وہ کُتا جسے میں اپنا مالک کہتا رہا۔ کہاں وہ؟ مجھے بتاؤ منیم جی؟ بخت بیدار کہاں ہے؟"

"بھ بھ۔۔۔ بھادوں۔۔۔ بھادوں کک۔۔۔ کیا ہو گیا۔ کچھ مجھے بھی تو بتا پگلے۔ ہوا گیا؟ کک۔۔۔ کس کا نام لے رہا ہے تو؟ کس کی بات کر رہا ہے؟"

"منیم جی! میری بربادی کا باعث تم بھی ہو مجھے اُس کُتے بخت بیدار کے بارے میں بتا دو ورنہ تمہاری گردن بھی اُڑا دُوں گا ایک ہی وار میں" میں نے گنڈاسا سیدھا کر کے کہا۔

"ارے رے۔۔۔ سس سرکار تو رتن باؤلی گئے ہیں، رتن باؤلی کی حویلی میں ہوں گے اس وقت۔ کام سے گئے ہیں وہاں مم۔۔۔ مگر بھادوں بتا تو دے ہوا کیا؟"

"بہت بُرا کیا ہے انہوں نے ہمارے ساتھ۔ ہماری عزّت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی ہے۔ میری بہن رجو میری بیوی شمسہ یہ دونوں منیم جی۔۔۔ یہ دونوں بخت بیدار کی خواہشوں کی بھینٹ چڑھ گئی ہیں۔ اس کے خون سے پیاس بجھائے بغیر نہیں رہوں گا منیم جی۔ جیتا نہیں چھوڑوں گا اسے۔ میں چاہوں تو اس کے بیوی بچوں پہ بھی ہاتھ ڈال سکتا ہوں مگر میں اس جیسا کُتا نہیں ہوں۔ رتن باؤلی۔۔۔ رتن۔ ٹھیک ہے وہ بھی زیادہ دُور نہیں ہے" بستی شاداب گڑھی سے تقریباً چھ میل کے پر رتن باؤلی تھی۔ یہ بخت بیدار کی شکار گاہ تھی اور اُس نے اِس شکار گاہ میں ایک حویلی بنا رکھی تھی۔ میں باہر نکلا۔ بخت بیدار کے اصطبل سے ایک گھوڑا کھولا اور رتن باؤلی کی جانب چل پڑا۔ چھ میل کا فاصلہ پلک جھپکتے طے ہو گیا۔ طیش کے عالم میں، میں گھوڑے کو کس رفتار سے دوڑا رہا تھا۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ رتن باؤلی کی کوٹھی میں خاموشی اور سنّاٹے کا راج تھا۔ برآمدے میں چوکیدار پڑا سو رہا تھا۔ عام طور سے یہاں جب بخت بیدار شکار کھیلنے آتا تھا تب رونق ہوتی تھی ورنہ ایک چوکیدار اِس حویلی کی حفاظت کے لیے اور صفائی ستھرائی کے لیے رہتا تھا۔ حویلی پر سنّاٹا سا چھایا ہوا تھا اور اِس سنّاٹے کو دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ بخت بیدار یہاں موجود نہیں ہے۔ تب میں نے چوکیدار کو جھنجوڑ کر اُٹھایا اور چوکیدار کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔

"کون ہو تم بھائی؟ لک۔۔۔ کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہو؟" وہ دہشت زدہ لہجے میں بولا۔

"بخت بیدار کہاں ہے؟"

"سرکار تو یہاں نہیں آئے۔ یہاں ان کا کیا کام؟ ہو سکتا ہے وہ راجا پور گئے ہوں۔ میں نے سُنا تھا کہ راجا پور جا رہے ہیں"

"بکواس مت کرو۔ وہ اندر چھُپا ہوا ہے"

"نن۔۔۔ نہیں بھائی اگر وہ یہاں ہوتے تو ان کے نوکر بھی ہوتے۔ پھر بھی تم چاہو تو ہم دروازے کھول دیتے ہیں۔ تلاشی لے لو" چوکیدار نے کہا اور لرزتے ہاتھوں سے کوٹھی کا دروازہ کھول دیا۔

پوری حویلی میں سنّاٹا پڑا ہوا تھا اور صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بخت بیدار یہاں موجود نہیں ہے۔ میں شدّتِ غضب سے دانت پیسنے لگا۔ منیم جی نے دھوکا کیا میرے ساتھ ہو سکتا ہے بخت بیدار حویلی ہی میں موجود رہو۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا اور ایک بار پھر گھوڑے پہ بیٹھ کر چل پڑا۔ میں بہت پریشان تھا۔ چھ میل آنے اور چھ میل جانے میں بہت وقت لگ گیا تھا۔ جس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ بخت بیدار کے لیے کیا کرنا چاہیئے۔ حویلی میں داخل ہونا بے کار تھا۔ وہ اگر اس وقت وہاں ہوگا بھی تو اب وہاں سے بھاگ گیا ہوگا۔ اسے بتا دیا گیا ہوگا کہ میں کس عالم میں اس کی تلاش میں آیا تھا۔ لیکن کمبخت منیم اُسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جھوٹ بولا تھا مجھ سے۔ جھوٹ بولا تھا کمینے نے۔ میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ رات کافی ہو گئی تھی اور صبح ہونے میں شاید بہت دیر نہیں تھی۔ بہر طور میں نے فیصلہ کر لیا کہ بخت بیدار سے انتقام ضرور لوں گا۔ رات کی تاریکی میں نہ سہی۔ دن کی روشنی میں۔ کب تک چھپا پھرے گا؟ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں باغ کی جانب چل پڑا۔ رجو اور شمسہ کو سہارا دینا ضروری تھا۔ دونوں ہی بے قصور تھیں۔ دونوں ہی کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ سب اُس شیطان کا کارنامہ تھا۔ شیطان دیکھتا ہوں کب تک جیتا بچے گا؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ باغ میں داخل ہوا تو غیر معمولی سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ کوئی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی۔ گھوڑے کو میں نے ایک درخت سے اور اس کے بعد ٹوٹے ہوئے قدموں سے اپنی اُس کُٹیا میں داخل ہو گیا۔ جو اب میرے لیے جہنّم سے کم نہیں تھی۔ کیونکہ یہ کُٹیا مجھے اسی شیطان نے بنوا کر دی تھی۔ اب اس شیطان سے میرا کیا واسطہ؟ لیکن کُٹیا کے اندر قدم رکھا تو ایک عجیب و غریب گہرے سنّاٹے کا احساس ہوا۔ میں نے روشنی میں اندر کا ماحول دیکھا اور دوسرے لمحے میرا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ آہ! جو کچھ میں نے دیکھا شار و وہ دیکھنے کے بعد میری آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ میں خوف سے پاگل ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں نے پہلی بار ایسی لاشیں دیکھی تھیں ان کی گردنیں بس کھال میں لٹکی رہ گئی تھیں ورنہ گردن ذبح کر دی گئی تھی اِن کی اور یہ دونوں لاشیں میری بہن رجو اور میری بیوی شمسہ کی تھیں۔ ہاں ان دونوں کو بے دردی سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ان دونوں کو بے دردی سے مار ڈالا گیا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پہ وہ بچّہ بھی مُردہ حالت میں موجود تھا جو میرا نہیں تھا۔ میں پتھرائی ہوئی نگاہوں سے یہ منظر دیکھتا رہا اور اس کے بعد میرے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی۔ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ پھر مجھے اس وقت ہوش آیا جب چاروں طرف روشنی پھیل چکی تھی اور میرے چاروں طرف لوگ موجود تھے۔ میرے دونوں ہاتھ پُشت پر کر کے رسیوں سے باندھ دیے گئے تھے اور مجھے ایک جگہ زمین پر لٹا دیا گیا میں نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر ماحول کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ بخت بیدار مجھ سے کچھ فاصلے پہ موجود تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک پولیس افسر بھی تھا اور میرے اطراف میں پولیس کے لباس میں بہت سے لوگ موجود تھے جو مجھے کڑی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ بخت بیدار کو دیکھ کر میری آنکھوں میں

خون اُتر آیا۔

"کُتّے... جانور ایک بات دماغ میں رکھ لے میں تجھے تیرے خاندان سمیت فنا کر دوں گا۔ جیتا نہیں چھوڑوں گا تجھے۔ تُو نے... تُو نے میرے اعتماد کا خون کیا ہے۔ تُو نے میری عقیدت کا خون کیا ہے"

بخت بیدار نے پولیس افسر کی طرف دیکھ کر کہا: "یہی بات کر رہا ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوا ہے؟ ٹھیک ٹھاک آدمی تھا۔ اچانک ہی دیوانہ ہو گیا ہے اور کمبخت نے اپنی بیوی اور بہن کو بھی ختم کر دیا"۔ بخت بیدار کے الفاظ سُن کر میری رگوں میں خون جمنے لگا میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں، میں نے اس کی طرف لپکنا چاہا لیکن ایک طرف لڑھک گیا کیونکہ میرے پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ میں اسے گالیاں دیتا رہا۔

پولیس افسر نے کہا: "شاید دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ لیکن بہرطور قاتل ہے۔ کمبخت نے بچّے کو بھی زندہ نہیں چھوڑا" اور اس کے بعد مجھے وہ لوگ بے دردی سے ایک گاڑی میں ڈال کر چل پڑے۔ بہت منت سماجت کی تھی میں نے بہت رو رو کر کہا تھا ان سے کہ انسپکٹر صاحب یہ سازش ہے۔ میری بیوی اور میری بہن کو اسی کمینے نے قتل کرایا ہے۔ لیکن میری ہر آواز پہ میرے منہ پہ ایک تھپڑ پڑتا تھا اور مجھے خاموش رہنے کو کہا جاتا تھا۔ پولیس افسر نے میری ایک نہیں سنی تھی۔ اور اس کے بعد شارو مجھے پولیس ہسپتال پہنچا دیا گیا جہاں میرے دماغ کا معائنہ کیا گیا اور اس کے بعد پولیس افسر نے بیان دیا کہ میرا ذہنی توازن بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے جان بوجھ کر تین قتل کیے ہیں اور میں قاتل ہوں، میں اپنے آپ کو دماغی مریض ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس الزام کے ساتھ مجھے لاک اپ میں ڈال دیا گیا اور پھر مجھ سے پوچھ گچھ کی جانے لگی کہ میں نے اپنی بہن اور بیوی بچّے کو کیوں قتل کر دیا؟ میں نے ان کو کیوں مار ڈالا؟ میں نے تمام صورت حال پولیس افسر کو بتا دی اور پولیس افسر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا کہ میں جاہل دیہاتی ضرور ہوں لیکن بے حد چالاک آدمی ہوں۔ مسئلہ کچھ اور ہی ہے۔ میں نے پولیس افسر سے کہا کہ دیکھ افسر میں ایک سیدھا سادا دیہاتی کسان ہوں۔ مالک پہ جان دینے والا کُتّا۔ لیکن مجھے کُتّے سے خونخوار درندہ بنایا جا رہا ہے۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے مگر میری بات غور سے سُن لے۔ میں قاتل نہیں ہوں۔ اس نے مجھ پر مظالم کی انتہا کر دی ہے۔ تو شارو پولیس افسر نے میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے مجھے ایک شاطر

مجرم قرار دیا تھا نجانے کس کس سے فریاد کی میں نے۔ جو بھی میرے سامنے آتا میں اس سے رو رو کر کہتا کہ مجھے اپنی موت کی ذرا بھی پروا نہیں ہے بلکہ اب تو میں جینا بھی نہیں چاہتا لیکن مجھے سزا مت دو۔ اصلی مجرم کو پکڑو۔ مگر کون سُنتا ہے؟ ساری دُنیا ایک جیسی ہے۔ کوئی کسی کی نہیں سُنتا۔ پولیس افسر نے میرے اُوپر الزامات عائد کیے اور اس کے بعد قانونی کارروائی کرنے لگا۔ پھر جانتا ہے عدالت میں مجھ پر کیا الزامات لگائے گئے۔ مجھ سے کہا گیا کہ میری بیوی بدچلن تھی اور میرے وقت سے پہلے اس سے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ میری بہن آوارہ تھی اور دونوں نند بھاوجیں مل کر آوارگی کرتی تھیں۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ میں نے اسی آوارگی کے بدلے میں انہیں قتل کیا ہے اور اس بچّے کو بھی ہلاک کر دیا ہے جس پر مجھے شبہ تھا۔ بڑے قانونی نکتے لگائے گئے میرے اُوپر۔ میں نے جج صاحب سے بھی کہا کہ جج صاحب قانون کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہو تو حقیقتوں کو تلاش کرو۔ ایک بے گناہ کو سزا دینے سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ خدا کے سامنے بھی جانا ہے تمہیں۔ تو جج صاحب نے کہا کہ جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کے واضح ثبوت موجود ہیں اور بخت بیدار جیسی عظیم شخصیت میرے خلاف جرم کی گواہی دیتی ہے۔ تاہم چونکہ عینی گواہ نہیں مل سکے اس قتل کے سلسلے میں چنانچہ مجھے سزائے قید دی جاتی ہے ان تین افراد کے قتل کے الزام میں۔ شارو میں نے پولیس افسر سے کہا کہ بیٹا آزاد ہو گیا تو تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے جج صاحب سے کہا کہ جج صاحب غلط فیصلے کر دینا بہت آسان ہیں۔ انسان کے بارے میں انسانیت سے سوچنا بہت مشکل کام ہے۔ تم بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکو گے۔ شارو میرا اصل مجرم تو بخت بیدار ہے لیکن دل میں آرزو ہے کہ ان دونوں کو بھی جیتا نہ چھوڑوں۔ ہاں شارو یہ ہے میری کہانی۔ سمجھا میرے یار یہ ہے بھادوں نکل بھاگا تھا ایک بار جیل سے۔ پہنچ گیا ان سُسروں کے گھر، جنہوں نے مجھے سزا دی تھی۔ ارادہ یہ تھا کہ پہلے ان دونوں کو ختم کر دوں اور اس کے بعد شاداب گڑھی جاؤں لیکن ابھی تقدیر ساتھ نہیں دے رہی۔ مگر اب تو مل گیا ہے۔ نکلیں گے یہاں سے میرے یار بس موقع کی تلاش ہے تجھے۔ تُو بھی شیروں کا شیر ہے اور میں۔ جیل کی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے۔ نکلیں گے ہم یہاں سے۔ میں اپنے دُشمنوں سے انتقام لوں گا"۔ بھادوں اپنے ماضی کا ایک ایک ورق میرے سامنے اُلٹ کر خاموش ہو گیا۔

میرے ذہن میں سناٹے پھیل رہے تھے ظاہر ہے بھادوں نے مجھ سے جھوٹ نہیں کہا تھا۔ لیکن اس کہانی میں ایک اور اُلجھن تھی۔ ایک ایسی اُلجھن جس نے میرے حواس چھین لیے تھے۔ شاداب گڑھی کا بخت بیدار آئی، جی عظرت حسین کے بہت ہی گہرے دوست شاہ بخت کا بیٹا تھا۔ اور شاہ بخت کے خاندان سے ہمارے خاندان کے تعلقات بہت پرانے تھے۔ آئی، جی عظرت حسین صاحب شاہ بخت کی موت کے بعد کافی دن تک اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہے تھے۔ وہ ان کے بچپن کا دوست تھا پھر شاہ بخت کا انتقال ہوا تو ہم سب شاداب گڑھی گئے تھے گو اس وقت میں بہت چھوٹا نہیں تھا لیکن شاداب گڑھی سے مجھے زیادہ رغبت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ بعد میں دو تین بار بخت بیدار اپنی بیوی وغیرہ کے ساتھ ہمارے گھر بھی آیا اس کی بیوی سے بھی ہمارا کوئی دور کا رشتہ تھا۔ بچے بھی تھے اس کمبخت کے، لیکن بعد میں اُس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ اپنی دنیا میں مست رہنے والا آدمی تھا۔ تاہم بخت بیدار سے آئی، جی عظرت حسین صاحب گہری اُلفت کا اظہار کرتے رہتے تھے اور تایا ابا والدہ صاحبہ اور دوسرے حضرات بھی اس گھرانے سے دلچسپی لیتے تھے۔ یہ گویا ایک براہِ راست مسئلہ آ پڑا تھا۔ بھادوں اسی خاندان کا دشمن تھا۔ میں بہت پتھرائی ہوئی نگاہوں سے بھادوں کو دیکھتا رہا اور پھر میری ذہنی رو اپس، پی بابر جان کی طرف مڑ گئی کیا بابر جان نے جان بوجھ کر یہ کیس میرے حوالے کیا ہے؟ کیا بابر جان اس سلسلے میں میرا امتحان لینا چاہتے ہیں؟ کیا میں اس امتحان میں پورا اُتر سکوں گا؟ بھادوں کو اگر آزادی مل گئی تو خطرہ براہِ راست میرے بھائیوں کو ہے۔ ایسی صورت میں کیا بھادوں کے لیے کام کیا جا سکتا ہے؟ ذہن شدید کشمکش کا شکار ہو گیا تھا۔

بھادوں نے مجھے ٹوکا "کیا تو سو گیا شارو؟"

"نہیں بھادوں میری تو شاید ہفتوں کی نیند اُڑ گئی۔ اُم اتنا مظلوم انسان ہے۔ میں نے سوچا بھی نہیں"۔

"ہم کو گالی مت دینا۔ میں مظلوم نہیں ہوں۔ صرف وقت کا انتظار کر رہا ہوں اور وقت ضرور آئے گا۔ جب سب ٹھیک ہو جائے گا رے فکر مت کر"۔

میں خاموشی سے بیٹھا رہا اور اس کے بعد بھادوں شاید سو گیا یا ماضی میں اس طرح گم ہو گیا کہ اس کے بدن میں جنبش تک نہ رہی۔ لیکن میرے لیے یہ رات شدید بے چینی کی رات تھی۔ کوئی فیصلہ کرنا تھا مجھے۔ کیا کروں؟ کیا کرنا چاہیے؟ بالآخر میں نے ایک ہی فیصلہ کیا۔ میں اس سلسلے میں آئی جی عظرت حسین یا بیرسٹر نصرت حسین سے بات کروں گا یا جج امجد حسین صاحب سے۔ ان سے پوچھوں گا کہ بھادوں جیسے شخص کے ساتھ یہ ناانصافی کیوں ہوئی؟ اور اب اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ میں انہیں مجبور کروں گا کہ انہیں بھادوں کی مدد کرنا ہو گی۔ اسے انصاف دلانا ہو گا۔ فیصلہ انہی پر چھوڑ دوں گا اور اگر وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے تو پھر... تو پھر مجھ پر یہ فرض بنتا تھا کہ میں خود عمل کروں۔ بلاشبہ میں نے اپنی زندگی میں ابھی تک جو کچھ کیا تھا ان میں یہ سب سے مشکل مرحلہ تھا میرے لیے... میرا امتحان سخت تھا۔ بھادوں کا نام پہلی بار میں نے اپنی کوٹھی پر ہی سنا تھا۔ جب اس نے جج امجد حسین صاحب پر قاتلانہ حملے کی کوشش کی تھی۔ یہ نام میرے ذہن میں محفوظ رہا تھا۔ لیکن وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی کوئی ایسا مرحلہ آ سکتا ہے جب میں اپنے اہلِ خاندان کے خلاف کوئی کارروائی کروں گا۔ بخت بیدار کے بارے میں یہ بات معلوم تھی کہ اس کے پنجے ہمارے گھرانے میں گہرے گڑے ہوئے ہیں۔ سارا نظامِ کائنات ہی اُلٹا سیدھا چل رہا تھا۔ لوگوں نے اپنی شخصیتیں مسخ کر کے رکھ دی ہر ایک کہیں نہ کہیں کسی مسئلے میں اُلجھا ہوا تھا حالانکہ میں ایک بات دعوے سے کہہ سکتا تھا کہ آئی جی عظرت حسین صاحب کے بیٹے غلط کار نہیں تھے اور اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بھی وہ اپنے پیشوں سے مخلص تھے خود آئی جی صاحب نے پولیس کی زندگی میں وہ سب کچھ نہیں کیا تھا جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن بعض اوقات انسان بلا واسطہ بھی کچھ اُلجھنوں کا شکار ہو جاتا ہے اور کہیں کہیں ایسے نقوش میرے اپنے خاندان میں بھی مل جاتے تھے۔ میں ساری رات ہی سوچتا رہا اور میں نے اپنے ذہن میں منصوبے بنا لیے تھے۔ بھادوں کی کہانی میرے علم میں آ چکی تھی۔ بہرطور دوسری صبح بھادوں پُرسکون تھا البتہ اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی سُرخی نظر آ رہی تھی۔

اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا "شارو تو بھی نہیں سو سکا رات بھر۔ میں نے کہا تھا نا کہ بعض اوقات کہانیاں سننے کا شوق مار دیتا ہے"۔

میں نے جذباتی ہو کر کہا "بھادوں تیری کہانی سن کر میں مرا نہیں بلکہ زندہ ہو گیا ہوں۔ میرے یار تیرے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس کا ازالہ اگر نہ کیا تو شارد نام نہیں۔ سن بھادوں یہی چاہتا ہے نا تو کہ ان لوگوں کو سزا ملے اور تو منظر عام پر صاف ستھرا ہو کر آئے تیری مظلوم اور بے گناہ بیوی اور پھر تیری بہن ہی نہیں میری بہن اب اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتے۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مجرم آزاد پھرتے رہیں۔ اور انہیں کوئی نقصان ہی نہ پہنچے۔"

بھادوں کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آ گئی اور پھر اس نے مسکرا کر کہا "نہیں شارد ایسا نہیں ہو گا۔ دیکھ جب تک سانس تب تک آس۔ میری زندگی میں اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ہی نہیں ہے خدا کی قسم رہے مرجانا چاہتا ہوں مگر ان لوگوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد۔ ہاں شارد یہی میری زندگی کا اصل مقصد ہے۔"

"تو اطمینان رکھ بھادوں یہ مقصد ضرور پورا ہو گا۔ ہم دونوں مل جل کر کوشش کریں گے۔"

"ہاں شارد میں بھی یہی چاہتا ہوں تجھ جیسا جیالا مل گیا ہے مجھے۔ ہمت بندھ گئی ہے۔ قسم کھاؤں اس بات پر بھی کہ کسی مائی کے لعل کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ وہ میرے بارے میں معلومات حاصل کر سکے۔ بڑے بڑوں کی ٹھکائی کر دی ہے میں نے۔ کسی سے بے تکلف ہی نہیں ہوا۔ مگر تو نے دل میں پنجے گاڑ دیے ہیں اور اب تجھ سے کیا پردہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ بھادوں کو اس کا دوسرا ہاتھ مل گیا ہے۔ کوشش کرتے رہیں گے شارد یہ سسرے ہمیں مار نہیں سکتے کیونکہ ہمارا بچانے والا خدا ہے۔ ہاں جب اس کے ہاں سے حساب کتاب پورا ہو جائے گا تو پھر دوسری بات ہے۔ نہ تو بچ سکتا ہے نہ میں۔ کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور اگر اس کے کھاتے میں ابھی ہماری کچھ عمر موجود رہے تو میرا مقصد یہی ہے کہ ہم بخت بیدار کے اپنے ہاتھوں سے ٹکڑے کر دوں سمجھا۔ بہر طور کوئی بات نہیں۔ چل دیکھ وہ مقدم بلا رہے ہیں ہمیں کام پر جانا چاہیے۔ عزت بچانے کا ایک ہی طریقہ ہے اپنا فرض پورا کرتے رہو اور پھر یہ زندگی تو ہے ہی فرض پورا کرنے کے لیے۔" ہم لوگ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر کام پر جت گئے۔

مجھے اس مقدم کی تلاش تھی جو مجھ پر مقرر کیا گیا تھا اور جسے جیلر عبدالرحمٰن صاحب نے میرے بارے میں ہدایت جاری کی تھیں۔ مجھے اس کا موقع مل گیا اور میں نے اس سے کہا کہ وہ جیلر صاحب کو میرا پیغام دے دے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ مجھے اس طرح شام کو کوٹھری سے نکالا جائے جیسے کہیں اور منتقل کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں مجھ پر سختی بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ مقدم نے میرا یہ پیغام جیلر صاحب تک پہنچا دیا اور جیلر صاحب نے میری خواہش کے مطابق ہی سب کچھ کیا۔ ہم لوگ دن بھر کی مصروفیت سے تھک کر اپنی اپنی کوٹھریوں میں آ گئے تھے۔ بھادوں خاموش تھا کہ چار چھ سپاہی آ گئے اور انہوں نے شارد کہہ کر میرا ... میں سلاخوں کے پاس پہنچا تو وہ دروازہ کھولنے لگے۔

تب میں نے ان سے سوال کیا "کیا بات ہے؟"

"جیلر صاحب نے بلایا ہے تجھے۔"

"کیوں بلایا ہے؟"

"یہ جیلر صاحب ہی سے پوچھنا۔"

"یہ جانے کا وقت ہے؟ کل صبح کو بات کرنا۔"

"ارے بکواس مت کر۔ ڈنڈے مار مار کر ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ جیلر صاحب نے ابھی طلب کیا ہے تجھے ... کہیں اور بدلی کی جا رہی ہے تیری۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔"

"کیسے نہیں جائے گا رے۔" ان لوگوں نے ڈنڈے سنبھال لیے اور پھر مجھے زبردستی ہی گھسیٹ کر باہر لے جا...

بھادوں نے کہا تھا "کوئی بات نہیں شارد۔ کوئی ... نہیں میرے یار۔ دوبارہ ملاقات ہو گی۔ زمین بہت بڑی ہے نہ تو کہیں اور جا رہا ہے نہ میں کہیں اور۔ کہیں نہ کہیں تو مل جائیں گے ویسے معلوم تو کر لو کہ تجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں یہ لوگ؟"

میں نے گردن ہلائی اور سینہ تانے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ بہر طور میری اداکاری بھی بہت ... تھی۔ دوسرے تمام قیدی مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں پولیس والوں کے ساتھ باہر آ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے جیلر صاحب کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

عبدالرحمٰن صاحب میرا انتظار کر رہے تھے جب میں وہاں پہنچ گیا تو انہوں نے سب کو باہر نکال دیا اور پھر مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے "شارق صاحب یہ تجربہ کیسا لگ رہا ہے زندگی میں؟"

"میں سمجھتا ہوں جیلر صاحب انسان کو اپنی زندگی میں ... طرح کے تجربات کرنے چاہئیں۔ بلاشبہ یہ تجربہ میری زندگی کا ... ترین تجربہ ہے۔ میں بہت سے ملزموں کے لیے کام کرتا ہوں۔ بڑا درد ہے میرے سینے میں ان کے لیے لیکن ایک ... اندرونی کیفیات کیا ہوتی ہیں یہ جیل کی کوٹھری میں داخل ہونے کے بعد پتا چلتا ہے۔"

"یقیناً تمہیں بہت سے تجربات ہوئے ہوں گے شارق۔"

"ہاں عبدالرحمٰن صاحب لیکن اس سلسلے میں ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔ آپ نے اپنی قانونی زندگی میں ... رِسک پیدا کر کے میرے لیے آسانیاں فراہم کی ہیں میں ان کا دل سے شکر گزار ہوں۔"

"شارق میری وقار احمد صاحب سے بات ہوئی تھی۔ ... گن گاتے ہیں وہ تمہارے اور بلاشبہ تم انسانیت کی بھلائی کے لیے جو کچھ کر رہے ہو وہ قابلِ احترام ہے۔ دراصل پولیس کی زندگی اور خاص طور سے یہ جیل کی زندگی ایسی عجیب و غریب ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات ہم اپنا تجزیہ بھی نہیں کر پاتے ... سرجن بڑے سے بڑے ناسور کا آپریشن کر دیتا ہے ... جسم کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے۔ عام آدمی اس کا ... نہیں کر سکتا لیکن سرجن کے لیے یہ بات کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ اس کے سامنے آتا رہتا ہے وہ اس کے لیے بے اثر ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں بھی یہی سب کچھ ہے۔ روتے بسورتے چہرے خوفناک خطرناک چہرے ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں ایسے کہ دوسرے اگر دیکھیں تو خوفزدہ ہو جائیں لیکن ہمارے لیے وہ بے حقیقت ہوتے ہیں اور ہم ان کو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ بہر حال کہو کیا بات ہے؟ کوئی خاص مسئلہ ہو گیا؟"

"ہاں میں بھادوں کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"اب یہی دیکھو۔ یہ کون سی کم بڑی بات ہے وہ جو ... سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا وہ جو اپنے سے ... فاصلے پر کسی کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تمہیں اپنی کہانی سنا بیٹھا۔ یہ تمہارا ہی فن ہے۔ بہر طور میں تمہیں اس کی مبارکباد دیتا ہوں۔ کہو کیا معلوم ہوا؟"

"جیلر صاحب اس نے اپنی کہانی سنائی ہے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے وہ بے گناہ ہے اور اب مجھ پر یہ فرض عائد ہو گیا ہے کہ میں اس کی بیگناہی ثابت کر دوں۔"

"گویا آپ جس مقصد کے لیے یہاں آئے تھے اس کی تکمیل ہو گئی؟"

"ہاں جیلر صاحب لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کب مجھے دوبارہ یہاں آنا پڑے۔"

"بھائی جب تک میں اس جیل میں ہوں اس کے دروازے ہمیشہ تمہارے لیے کھلے ہوئے ہیں۔" عبدالرحمٰن صاحب نے کہا اور ہنس پڑے پھر بولے "ویسے یہ الفاظ کہنا بڑا عجیب لگتا ہے کہ کوئی کسی سے کہے کہ اس کے لیے جیل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن اب جس کا گھر جہاں پر بھی ہو وہ اپنے گھر پر دعوت دینے کے لیے مجبور رہی ہے۔"

"ہاں۔" میں بھی ہنس پڑا۔

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"مجھے واپس جانا ہو گا۔"

"میں انتظام کیے دیتا ہوں۔"

"بے حد شکریہ۔ ایک بار پھر آپ کے اس تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔"

"بار بار نہیں کہو یار یہ بات۔ تم سے دوستی بھی تو ہوئی ہے شارق۔" رحمٰن صاحب نے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ دوستی میرے لیے قابلِ فخر ہے۔"

"اچھا اب تم ایسا کرو نہا دھو لو۔ لباس وغیرہ تبدیل کر لو۔ میرا خیال ہے رات کا کھانا کھانے کے بعد نکلنا۔ جلدی جانا ہو گا۔ یا پھر کل صبح جانا۔"

"نہیں رات کے کھانے کی ضرورت نہیں ہے میرا خیال ہے میں چلتا ہوں۔ جہاں تک رہا آپ کے ساتھ کھانے کا مسئلہ تو آپ ہی کا کھاتے رہے ہیں۔"

"بھئی معاف کرنا۔ میں تمہارے لیے ایک قیدی کی حیثیت سے کوئی اہتمام نہیں کر سکا۔"

"نہیں کوئی ضرورت بھی نہیں تھی اس کی۔ البتہ نہاؤں گا ضرور چونکہ اتنے دن سے ٹھیک سے نہایا نہیں ہوں۔"

"میں ابھی انتظام کرائے دیتا ہوں۔" جیلر صاحب نے کہا اور اس کے بعد میں نے ان کے باتھ میں شیو وغیرہ کی۔ لباس پہنا اور نہانے دھونے کے بعد واپس کے لیے تیار ہو گیا میں حسن کوٹ سے شہر واپس آنے کے لیے چل پڑا اور برق

رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا۔ رات کے تقریباً پونے گیارہ بجے شہر پہنچ گیا۔ راستے میں کوئی قابلِ ذکر واقعہ نہیں پیش آیا تھا پونے گیارہ بجے تھے۔ اصولاً تو مجھے اپنے فلیٹ پر ہی جانا چاہیئے تھا۔ لیکن نجانے کیوں دل چاہا کہ فاروقی صاحب سے ملاقات کر لی جائے۔

فاروقی صاحب کے گھر پہنچا تو وہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ میری شکل دیکھ کر اچھل پڑے اور پھر وہی پرتپاک مسکراہٹیں ... وہی خیر مقدم۔ مجھ سے انہوں نے پوچھا کہ کیا کر کے آیا ہوں؟ تو میں نے انہیں مختصراً تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "مفصل گفتگو دفتر میں ہوگی۔ بس آپ کو اپنی آمد کی اطلاع دینے آ گیا تھا اور کوئی خاص بات تو نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں اس دوران مکمل سکون رہا ہے۔"

"استاد چھوٹے ٹھیک ہیں؟"

"ہاں بالکل ٹھیک ہیں۔ مسلسل آ رہے ہیں اور بالکل خیریت سے ہیں۔" فاروقی صاحب سے رخصت ہو کر فلیٹ پر پہنچ گیا۔

استاد چھوٹے بھی مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ مجھ سے صورتحال معلوم کرنے لگے تو میں نے مختصراً ان سے بھی تھوڑی دیر تک بات چیت کی اور اس کے بعد آرام کی نیند سو گیا یہاں کے حالات بالکل پُرسکون تھے۔ آشیانے سے بھی کسی خاص بات کی اطلاع نہیں ملی تھی۔

دوسرے دن معمول کے مطابق تیار ہو کر فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا۔ جاوید قریشی بھی موجود تھے۔ ان دونوں کو اپنے سامنے بٹھا کر میں نے انہیں صورتحال بتاتے ہوئے کہا۔

"آپ حضرات غور سے میری دکھ بھری داستان سنیں اور اس کے بعد مجھے مشورہ دیں کہ کیا کرنا چاہیئے؟"

"ہاں بھئی بے چین ہو گئے تھے ہم۔ فاروقی صاحب نے مجھے بتا دیا تھا کہ تم واپس آ گئے ہو۔ کہو کیسا رہا؟"

"حسن کوٹ میں، میں بھادوں سے ملا۔ ایک انتہائی خطرناک کردار ہے۔ لیکن ایسے خطرناک کردار ہمارے معاشرے میں تخلیق کیے جاتے ہیں۔ انسان تو فطرتاً معصوم ہی ہوتا ہے روتا ہوا اس دنیا میں آتا ہے اور روتا ہوا چلا جاتا ہے فاروقی صاحب بھادوں بھی انہی انسانوں میں سے ایک ہے۔ وقت نے، بگڑے ہوئے حالات نے، ستم ظریفوں نے اسے ایک ایسا انسان بنا دیا ہے جسے انسان کہتے ہوئے کچھ عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ بہرطور اس کی کہانی بہت عجیب ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد مفصل کہانی ان دونوں کو سنا دی۔

فاروقی صاحب اور جاوید قریشی اس کہانی میں کھو گئے تھے۔ کہانی کو آخر تک سنانے کے بعد میں نے ان کی طرف دیکھا دونوں ہی متاثر نظر آ رہے تھے۔

جاوید قریشی نے گہری سانس لے کر کہا۔ "یار شارق کچھ عجیب سی بات نہیں ہے یہ؟ سارے مظلوم کردار تم ہی تک پہنچتے ہیں۔ بہرطور یہ بھی تمہاری خوش بختی ہی ہے۔ جنت کما رہے ہو اپنے لیے۔ تو پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

"جنابِ والا اس سلسلے میں جو الجھنیں در پیش ہیں ذرا اُن کی تفصیل بھی سن لیجیئے۔"

"ہاں بھئی بتاؤ؟"

"اوّل چیز تو یہ کہ بھادوں کو جج امجد حسین صاحب نے سزا سنائی تھی اور شاید ایس۔ پی طارق حسین صاحب نے اسے گرفتار کیا تھا۔ چنانچہ استاد چھوٹے اس بات کے گواہ ہیں کہ بھادوں نے ایک بار ہمارے گھر پر قاتلانہ حملہ کیا تھا غالباً جج امجد حسین کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ استاد چھوٹے نے اس سلسلے میں مدافعت کی اور بھادوں کے ہاتھوں سے ہمارے اہلِ خانہ کو بچا لیا لیکن بھادوں انہیں وارننگ دے کر گیا تھا کہ وہ انہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ بہرطور یہ اس کی جہالت ہے۔ بھلا قانون کی روشنی میں اگر جج امجد صاحب نے اسے سزا دی تو اس میں جج صاحب کا تو قصور نہیں ہے۔ لیکن ایک پہلو ایسا نکلتا ہے جس سے میں بُری طرح الجھ گیا ہوں۔"

"وہ کیا؟" جاوید قریشی نے پوچھا۔

"یہ بخت بیدار صاحب جو ہیں۔ آئی، جی صاحب کے ایک بہترین دوست شاہ بخت کے بیٹے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ اصل مسئلہ تو دوستی کا تھا۔ لیکن اسی دوستی کا آگے چل کر رنگ بدل گیا اور بخت بیدار صاحب ہمارے کچھ دور دراز کے رشتے دار بھی بن گئے۔ ہمارے گھر پر ان کا دخل ہے۔ مع خاندان کے آتے جاتے بھی رہے۔ میں نے بھی ایک آدھ بار دیکھا ہے۔ گو ان سے بہت زیادہ سلام دعا یا دوستی نہیں ہوئی لیکن بہرطور وہ ہمیں اپنا اہلِ خاندان ہی سمجھتے ہیں۔ عجیب و غریب بات ہے کہ کہیں نہ کہیں کچھ

ایسے نظر آ جاتے ہیں جو ہم سے متعلق ہو جاتے ہیں اور یہ تعلق بعض اوقات بڑا پریشان کر دیتا ہے۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ آئی، جی صاحب کو اگر یہ بات معلوم ہو کر بھادوں کے لیے میں نے بخت بیدار کے خلاف کام شروع کیا ہے تو ان پر کیا ری ایکشن ہو؟ اس سلسلے میں مشورہ چاہتا ہوں۔"

فاروقی صاحب بھی پریشان ہو گئے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ "شارق ایک بات پر خاص طور سے غور کر لو جو میرے بوڑھے ذہن میں آئی ہے۔"

"جی فرمایئے۔"

"اگر بھادوں کے ساتھ کوئی ایسی کارروائی ہو کہ میرا مقصد ہے کہ تم نے اسے آزاد کرا لیا تو وہ اپنی دشمنی کہیں جج امجد حسین سے بھی نہ نکالے۔"

"اس خطرے کو بھی مدِنگاہ رکھنا ہوگا۔ گو میں کوشش کروں گا کہ بھادوں اس سے باز رہے لیکن فاروقی صاحب آج تک میں نے جو کچھ کیا ہے ہر طرح کے رشتوں سے بے نیاز ہو کر کیا ہے۔

میری نگاہوں میں اپنے دونوں بھائی بے حد قیمتی ہیں اور میں ان کی زندگی کا خواہشمند ہوں لیکن اگر بھادوں کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے تو اسے دور تو کرنا ہی ہوگا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سلسلے میں براہِ راست ایس پی طارق حسین صاحب ملوث نہیں ہوں گے۔ یا جج امجد حسین صاحب نے کوئی غیر مناسب فیصلہ نہیں دیا ہوگا۔ حالات ایسے ہی پیدا کر دیے گئے ہوں گے کہ وہ یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اگر وہ اپنی گلو خلاصی چاہتے ہیں تو انہیں اپنے اِن فیصلوں پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ کم از کم اتنا فرض تو ان پر بھی عائد ہوتا ہے، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ میں ثابت کر دوں گا کہ بخت بیدار غلط آدمی تھا اور بھادوں کو ایک جال میں جکڑا گیا ہے۔ لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے تو شاید میں بھادوں کو نہ روک سکوں۔"

"بڑا سنسنی خیز فیصلہ کیا ہے تم نے۔ کوئی خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں بھادوں انسان نہیں ہے۔ نہیں فاروقی صاحب اگر میں بھادوں کے سلسلے میں یہ سوچ کر خاموش ہو جاؤں کہ اس سے میرے بھائی بھی مصیبت کا شکار ہو سکتے ہیں تو پھر مجھے ... اپنی یہ تمام کارروائی ترک کر دینی چاہیئے۔ جن لوگوں کو میں نے بے نقاب کر کے قانون کے حوالے کیا ہے۔ ان سے میرا براہِ راست کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ کوئی دشمنی نہیں تھی اور اگر میں انہیں کٹہرہ عدالت میں لا کر سزا دلوا سکتا ہوں اور ان کا تمام کیریئر تباہ کر سکتا ہوں تو پھر جج صاحب کو بھی مجھ سے تعاون کرنا ہوگا اور اگر وہ مجھ سے تعاون نہیں کریں گے تو نتیجے کے ذمہ دار خود ہوں گے۔"

"ایسا کیوں نہ کرو شارق کہ اس مسئلے میں غور کر لو ہو سکتا ہے کوئی نئی راہ نکل آئے۔"

"نہیں فاروقی صاحب! صرف یہ سوچ کر کہ اس میں میرے بھائی بھی شامل ہو رہے ہیں اگر میں غور کرنے کا وقت لے لوں تو یہ جائز بات نہیں ہوگی۔

میں اپنے ضمیر کو مطمئن نہیں کر پاؤں گا۔"

"میری ایک تجویز ہے۔" جاوید قریشی نے کہا۔

"کیوں نہ تم آشیانہ جاؤ اور تمام صورتحال ان لوگوں کے سامنے رکھ کر اُن سے مشورہ کر لو۔"

جاوید کی یہ بات دل کو لگتی تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ آشیانے کے لوگ یہ جان کر برافروختہ ہو جائیں گے کہ میں بخت بیدار کے خلاف کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے بدن میں آگ لگ جائے گی کہ بھادوں جیسے دشمن کو میں قانونی سہارا دینا چاہتا ہوں۔ لیکن ان کی یہ سوچ میرے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے جاوید قریشی کی اس بات کو مان لیا اور اُن سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی آشیانہ چلا جاتا ہوں۔"

جاری ہے

اِس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں

بساط
3
ایم اے راحت

بساط

وقت کی رفتار کو زندگی کی بساط کھیل بنا کر جینے والے اس کی زندگی کے نصب العین کو سبوتاژ کر دینا چاہتے تھے مگر وہ ان سے مزاحم ہوئے بغیر اپنا سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ مُردار خوروں کے ستائے ہوئے لوگوں کی داد رسی کر سکے، اُن کو انصاف دلوا سکے اور اخلاقیات کے علمبرداروں کو جامۂ انسانیت پہنا سکے

عدالتی کارروائیوں اور قانونی موشگافیوں سے اٹکھیلیاں کرنے والے ... کے متلاشی ایک شوریدہ سر کی داستان بلال

آشیانہ جانے کے لیے میں نے شام پانچ بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ کیونکہ اس وقت تقریباً تمام ہی لوگ گھر میں موجود ہوا کرتے تھے۔ آشیانہ جانے کے لیے میں نے تلیٹ پہنچ کر تیاریاں کیں اور اس کے بعد وہاں چل پڑا۔ میرے لیے وہاں کے دروازے بند نہیں تھے۔ لیکن یہ بات میں جانتا تھا کہ میرے اس طرح وہاں پہنچنے پر کافی دلچسپ صورتحال پیش آئے گی۔ کیونکہ تھوڑے دن ہی میں آشیانے کے خلاف بہت سے غلط اقدامات کر بیٹھا تھا۔ لیکن وہ میرے اصول کے مطابق تھے۔ ویسے اس دلچسپ اتفاق پر مجھے ہنسی آرہی تھی کہ میرے معاملات میں آشیانہ کہیں نہ کہیں ملوث ہو ہی جاتا تھا۔

بڑی باغ و بہار جگہ تھی یہ۔ گیٹ سے اندر داخل ہو کر میں نے کار روک دی۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ باہر لان میں مجمع ہوا تھا۔ شفق بھابی، نیلوفر صاحبہ، حیات مرح یعنی لالہ رُخ، محمد اکرم ن جی صاحب۔ بیرسٹر صاحب۔ ایس۔ پی صاحب اور جج صاحب بھی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی تقریب ہو رہی ہے۔ لیکن تقریب نہیں تھی بلکہ شام کی چائے اہل خانہ نے غالباً لان پر پینے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے پُرسکوت نگاہوں سے دیکھا گیا مگر کوئی خیر مقدمی جملہ نہ کہا گیا۔ اماں بی بھی بیٹھی ہوئی تھیں جن کی آنکھوں میں ماں تڑپ اٹھی تھی باقی لوگ مجھ سے نالاں تھے۔

طنزیہ جملوں کے ہتھیاروں سے لیس لالہ رُخ نے میرے قریب پہنچتے ہی کہا۔ ”آئیے آئیے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کبھی کبھی آشیانے میں نظر آجاتے ہیں۔ اب کیسے ہم غریبوں کی یاد آگئی؟“

”میں نے سوچا کہیں اس غربت نے تمہیں پریشان نہ کر رکھا ہو۔ بس کچھ پیسے ادھر ادھر دینے تھے۔ میں نے سوچا لالہ رُخ ہی کو دے دوں۔“

”پیسے... بھائی جان سنا ہے بہت کما رہے ہیں آج کل آپ۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیجیے جتنا آپ کما رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ میرا جیب خرچ ہے سمجھے آپ۔ آپ کچھ نہیں دیتے تو کیا میرے دوسرے بھائی بھی مجھے کچھ نہیں دیں گے۔“

”اچھا اس کا مطلب ہے کہ تم تنگ دست نہیں ہو۔“

”تنگ دست ہوں میرے دشمن۔“

”لالہ رُخ کیا فضول بات کرنے بیٹھ گئی تو۔ ادھر تو آنے دے اُسے۔“ اماں بی نے کہا۔

”جائیے... جائیے ماں تڑپ رہی ہے۔“

"بہنا نہیں تڑپی تو ماتا بھی نہیں تڑپے گی لالہ رخ صاحبہ؟" میں نے کہا۔ پھر آئی جی صاحب کو سلام کرتے ہوئے اماں بی کے قدموں میں جا بیٹھا۔

بیرسٹر صاحب کہنے لگے۔ "بھئی اب یہ پکا وکیل بن گیا ہے اور اسے وہ تمام گر آ گئے ہیں جو دوسروں کو رجھانے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔"

میں نے لکھنوی انداز میں آداب کیا اور آئی جی صاحب کے پاس جا بیٹھا۔ وہ خاموش ہی رہے تھے۔ غالباً میرے آنے سے پہلے یہاں کی فضا اچھی خاصی تھی۔ سب کے موڈ خوشگوار تھے۔ لیکن میری وجہ سے کچھ تھوڑا سا تکدر پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرے آ جانے کی وجہ سے آپ لوگ کچھ الجھ سے گئے ہیں لیکن مجبوری ہے کچھ کام تھا۔"

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ایس۔ پی صاحب نے عجیب سے انداز میں کہا۔

شفق بھابھی بولیں۔ "یہ صرف تمہارا خیال ہے شارق ورنہ ہم تو تمہیں دل سے آج تک نہیں نکال سکے۔"

"بھابھی میں دل سے نکلنے والی چیز ہوں بھی نہیں آخر آپ لوگوں کے سائے میں پل کر بڑا ہوا ہوں۔"

"ہاں میاں اور اس کے بعد ہم پر اپنی بڑائی مسلط کر رہے ہو۔"

میں نے آئی جی صاحب کی بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ بس میں مسکراتا رہا اور مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ میرے لیے چائے بھی آ گئی جو میں نے پی لی۔

"کوئی کام تو نہیں تھا؟" بیرسٹر نصرت حسین بولے۔

"جی تھا۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کیا بات ہے خیریت؟"

"کچھ گفتگو کرنی تھی آپ لوگوں سے۔"

"ہمارے خلاف پھر کوئی پروگرام بنا کر آئے ہو؟" بیرسٹر صاحب بولے۔

"جی ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔" میں نے جواب دیا اور جج صاحب چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"شارق میاں کبھی بغیر چھری لیے بھی آ جایا کرو۔"

"بہتر ہے آئندہ آپ کے اس حکم کی تعمیل بھی کروں گا۔"

"بات کیا ہے؟" وہ چونک کر بولے۔

"ڈیڈی کچھ وقت چاہیئے آپ لوگوں سے۔"

"مجھ سے بھی؟"

"جی ڈیڈی۔"

"کہو کیا بات ہے؟ وقت ہی وقت ہے۔ کھل کر کہو کیا بات ہے؟" سب مجھے دیکھنے لگے تھے۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ "بات مردوں ہی کی ہے۔"

"ہوں! کیوں بھئی کیا ارادے ہیں؟" ڈیڈی نے ان لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ڈیڈی دراصل یہ شخص خطرے کی گھنٹی کے طور پر تصور کر لیا گیا ہے اور جب خطرے کی گھنٹی بجتی ہے تو پھر یہ معلوم کرنا ہی پڑتا ہے کہ خطرہ کیا ہے؟ آؤ اندر آ جاؤ یا اگر چاہو تو ہم اپنی نشست ذرا فاصلے پر بنا لیتے ہیں۔"

"آخر ایسی کون سی بات ہے؟ اب یہ کیا تیر چلانے آئے ہیں ہم پر؟" لالہ رخ نے کہا۔

"لالہ رخ مسئلہ کچھ تم ہی سے متعلق ہے۔"

"میرے متعلق مسئلوں پر آپ پریشان نہ ہوا کریں۔ سمجھے آپ۔"

"کیسے نہ پریشان ہوا کروں۔ تم دیکھو تمہارے بیچارے بھائی تو تمہیں کاٹ کر بہا دینے کی فکر میں سرگرداں رہتے ہیں بس میں ہی سوچتا ہوں کہ تم کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔"

"ہنہ۔" لالہ رخ نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

آئی۔ جی صاحب کے حکم پر نشستیں ذرا فاصلے پر لگا دی گئیں۔ لیکن خواتین میں بھی گفتگو رک چکی تھی اور سب ہی میری طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ میں یہ سب کچھ عجیب محسوس کر رہا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ واقعی میں یہاں کی زندگی میں ہلچل مچانے ہی کے لیے آ جایا کرتا تھا۔ بخت بیدار کے مسئلے پر اب دیکھنا تھا کہ ان لوگوں کا رد عمل کیا ہوتا ہے؟ ویسے تھوڑا بہت تو میں نے تعین کر ہی رکھا تھا۔ بہرطور ہم چار حضرات الگ گوشے میں جا بیٹھے۔ پانچویں نشست میری لگا دی گئی تھی۔ میں اجازت لے کر بیٹھ گیا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"بھائی جان۔" میرا مخاطب جج صاحب تھے۔ "میں بھادوں کے بارے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھادوں؟" ایس پی صاحب اور جج صاحب بیک وقت بولے۔

"جی ہاں بھادوں۔"

آئی۔ جی صاحب مجھے گھور رہے تھے۔ جج صاحب نے کہا۔ "کیا بات کرنا چاہتے ہو بھادوں کے بارے میں؟"

"ذرا تفصیل طلب گفتگو ہے۔ آپ لوگ مجھے وقت دینا پسند کریں گے؟"

"اب تکلف کرنا بیکار ہے۔ کیا مسئلہ ہے بھادوں کا؟"

"اس وقت جب میں یہاں تھا تو بھادوں نے ایک مرتبہ قاتلانہ حملے کی کوشش کی تھی۔ کس پر کی تھی یہ قاتلانہ حملے کی کوشش اس نے؟"

"مجھ پر۔" جج صاحب نے جواب دیا۔

"اور بھائی جان پر۔" میں نے ایس پی صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں میں اس سلسلے میں بس اتنا ہی جانتا تھا کہ آ سے پکڑ لینا چاہتا تھا۔"

"جی تو بڑے بھائی جان کیا میں یہ بات معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ آپ کو کیوں قتل کرنا چاہتا تھا؟"

"میں جج ہوں۔ قانون کے مطابق فیصلے دیتا ہوں لیکن اُن جاہل مجرموں کا کیا کیا جائے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جج اپنی مرضی سے کسی کو رہا کر سکتا ہے۔ کس کو مجرم قرار دے سکتا ہے اور کس کو نہیں قرار دے سکتا بھادوں بھی ایک جاہل آدمی ہے اور اس نے سزا سنتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھ سے انتقام لے گا۔ اب ایک جج کا فرض کیا ہوتا ہے یہ اسے کون سمجھاتا۔"

"بھائی جان کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ جن ثبوتوں کی روشنی میں آپ نے بھادوں کو سزا دی وہ مکمل تھے؟"

"سو فیصد مکمل۔"

"میاں تم ایک بات بتاؤ۔ کیا بھادوں کا کیس ہاتھ میں لے لیا ہے؟" بیرسٹر صاحب نے مداخلت کی۔

"جی ہاں بھائی جان میں اپنے جس مقصد کے لیے کام کر رہا ہوں اس کا ایک کردار بھادوں بھی ہے۔ بھادوں نے یہاں جج صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا اور اس کے بعد یہاں سے فرار ہو گیا لیکن شاید آپ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ پھر گرفتار ہو گیا ہے اور اس وقت جیل میں ہے۔"

"ہاں یہ بات معلوم ہے۔" ایس۔ پی صاحب بولے۔

"مجھے علم ہوا ہے کہ بھادوں کو جس کیس کے سلسلے میں سزا دی گئی ہے وہ اس کا مجرم نہیں تھا۔"

"غالباً آپ پر وحی آئی ہو گی۔"

"نعوذ باللہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بھائی جان وحی تو نبیوں پر آئی تھی۔ میں تو ایک بندۂ گناہگار ہوں۔"

"ولی اللہ تو بننے کی کوشش فرماتے رہے ہیں آپ بلکہ ولی بن چکے ہیں بے گناہوں کو جیل کی کوٹھری سے نکال کر باہر لانا آپ نے اپنے سپرد لے لیا ہے۔"

"جی ہاں خدا نے مجھے اس منصب سے نوازا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

آئی جی صاحب بولے۔ "نصرت حسین کم از کم گفتگو کرتے وقت خیال رکھا کرو کہ تم جو الفاظ کہہ رہے ہو وہ اخلاقی طور پر کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر وہ بے گناہوں کو قانون کی صحیح راہنمائی کر کے رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو تمہیں اس سے حسد نہیں کرنا چاہئیے۔ بہرطور یہ ایک نیک کام ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ڈیڈی لیکن......"

"نہیں۔ ہاں تم بھادوں کے سلسلے میں کیا کہہ رہے تھے؟ صاف صاف اور کھل کر کہو۔" آئی۔ جی صاحب بولے۔

"شکریہ ڈیڈی میں جانتا ہوں انسان اپنی زندگی کے بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد تجربات کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ محاسبِ اعلیٰ اب اس کا حساب لینے کے لیے تیار ہے۔ معاف کیجیے گا زندگی کے بعد موت کا تصور ایک یقینی امر کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر میں آپ کی موت کا تذکرہ کر دوں تو خدانخواستہ اس میں میری کسی قسم کی بُری نیت کا مسئلہ نہیں ہو گا بلکہ ایک حقیقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اگر اس بات کو خلوص سے سن رہے ہیں تو مجھے کسی اور کی مداخلت کی پروا نہیں ہے۔ دراصل ڈیڈی بھادوں کو بے گناہ سزا دی گئی ہے۔ اس پر اس کی بیوی اور بہن کے قتل کا الزام عائد کیا گیا جبکہ درحقیقت وہ قاتل نہیں ہے۔"

"یہ بات تم جانتے ہو کہ یہ الزام کس نے عائد کیا اور اُسے گرفتار کر کے سزا دلانے والا کون تھا؟"

"جی ہاں بخت بیدار۔" میں نے جواب دیا۔

"شاہ بخت کا بیٹا بخت بیدار۔" آئی۔ جی صاحب ایک دم چونک پڑے۔

"جی ڈیڈی آپ کو یاد نہیں ہے شاید شاہ بخت کے بیٹے بخت بیدار ہی نے اسے پولیس کے حوالے کیا تھا یہ کیس

میں نے آپ کو بتایا تھا۔ وہ بخت بیدار پر الزام لگا رہا تھا کہ اس کی بہن اور بیوی کے قاتل بخت بیدار ہے اور شاید اس نے یہ بھی کہا تھا کہ بخت بیدار ایک بدکردار آدمی ہے۔ آپ جانتے ہیں ڈیڈی شاہ بخت کا بیٹا بخت بیدار کس قسم کا آدمی ہے اور اگر بھادوں جیسا بدکردار آدمی اس پر کوئی الزام عائد کرتا ہے تو اس کی کیا حیثیت ہے؟"

"بھئی شارق ایک بات بتاؤ بھادوں سے ملاقات ہوئی تھی تمہاری؟"

"جی ڈیڈی۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ یہ کہتا ہے کہ اس کی بیوی اور بہن کو بخت بیدار نے قتل کیا ہے۔"

"جی ڈیڈی وہ یہی کہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ بخت بیدار ایک بدکردار آدمی ہے اور اس نے ان دونوں خواتین کو بے حرمت کیا اور اس کے بعد جب اس کے پھنسنے کے امکانات ہوئے تو اس نے انہیں قتل کرا کے الزام بھادوں پر لگوا دیا اس نے مجھے اپنی جو کہانی سنائی ہے اس کے تحت میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بخت بیدار نے چالاکی سے کام لے کر اس کو اپنا شکار بنایا ہے اور وہ بے قصور سزا بھگت رہا ہے۔ ایک بات تو آپ بھی جانتے ہیں ڈیڈی کہ قصوروار آدمی کا ضمیر بھی مجرم ہوتا ہے کیوں کہ انسان اپنی ذات سے سب کچھ بھلا دے لیکن ضمیر میں اس کی یادداشتیں محفوظ ہوتی ہیں، اور ضمیر اسے کبھی سکون نہیں لینے دیتا اور یہ ضمیر کی آواز اُسے اندرونی طور پر مجرم رکھتی ہے۔ وہ اپنے سزا دینے والوں پر قاتلانہ حملے نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا ضمیر اُسے یہ سمجھا سکتا ہے کہ اس نے گناہ کیا تھا تو اس کی سزا ملی۔ لیکن بے گناہ ضمیر چیخ چیخ کر یہی پکارتا رہتا ہے کہ بے گناہی ثابت ہونی چاہیئے۔"

"واہ خوب دھواں دھار تقریر ہے۔ ڈیڈی آپ جانتے ہیں کہ بخت بیدار ایک نمازی اور پرہیزگار آدمی ہے۔ زمانۂ جوانی میں بہت سے لوگ غلط کاریوں کا شکار رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے بخت بیدار سے بھی کوئی لغزش ہوئی ہو کبھی۔ لیکن آپ کے سامنے اس کا تمام کردار موجود ہے۔ ابھی چھ سات مہینے پہلے ہی کی تو بات ہے کہ وہ یہاں آیا تھا اور پھر آمنہ بھی اس سے خوش ہے۔ کیا آپ نے آمنہ کی زبانی کوئی ایسی بات سنی جس سے آپ کو یہ احساس ہو کہ بخت بیدار ایک بدکردار آدمی ہے؟"

"ڈیڈی ایک بات اور عرض کردوں آپ سے میری مختصر سی زندگی میں مجھے جو مختصر سے تجربات ہوئے ہیں۔ ان میں میں نے ایسے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اپنی پیشانیاں نماز پڑھتے پڑھتے سیاہ کر لی ہیں لیکن بعض اوقات ان میں سے کچھ کردار اتنے گھناؤنے نظر آتے ہیں جو اپنے خالق کو بھی دھوکہ دینے سے نہیں چوکتے۔"

"میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ یہ بات تو بہت پرانی ہے اگر بھادوں نے تمہیں یہ کہانی سنائی ہے تو کیا اب تم اسے از سر نو زندہ کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں ڈیڈی یہی میرا کاروبار ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اور اگر بخت بیدار مجرم نہ ثابت ہوا تو؟"

"تو ڈیڈی بھادوں کو مجرم سمجھا جائے گا اور اس کے گرد حفاظتی پہرے سخت کر دیے جائیں گے۔"

"لیکن بخت بیدار تمہیں بھی جانتا ہے۔ مجھے بھی اور ہمارے پورے خاندان سے اس کے جو تعلقات ہیں وہ بھی تمہیں معلوم ہیں۔ اگر تم اس کے بارے میں تحقیقات کرنا ہی چاہتے ہو تو کسی اور کو اس کام پر متعین کرو اگر وہ بے گناہ نکلا اور اُسے یہ علم ہو گیا کہ تم اس کے خلاف کیا کر رہے ہو تو وہ بُرا مانے گا۔"

"ڈیڈی بات ایک ایسے شخص کی ہے جو اپنے آپ کو بے گناہ کہتا ہے اگر وہ یہ فریاد کرتا ہے کہ اس کی بے گناہی ثابت کی جائے تو بخت بیدار کو اس سلسلے میں تعاون کرنا چاہیئے۔ بہرطور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس بات کی احتیاط رکھوں گا کہ بخت بیدار کو یہ پتا نہ چل سکے کہ میں اس کے خلاف کچھ معلومات حاصل کر رہا ہوں۔ میں شاداب گڑھی جا کر بخت بیدار کے بارے میں تحقیقات کروں گا۔ اچھی طرح اس کا جائزہ لوں گا۔ میں نے یہ کام پہلے ہی کر لیا ہوتا لیکن جب یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ معاملہ بخت بیدار کا ہے تو پھر میں نے آپ لوگوں کو اس سے آگاہ کر دینا ضروری سمجھا۔"

"شارق میں تمہیں کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا میں اس شخص کو جانتا ہوں ذاتی طور پر۔ کل تم مجھ پر بھی بدکرداری کا الزام لگا کر میرے خلاف کسی کی فریاد سن کر میرے خلاف کام شروع کر سکتے ہو۔" جج صاحب نے کہا۔

"جی بھائی صاحب یہ میرا فرض ہے۔"

"اس طرح تو پھر ہم سب کو تم سے محتاط رہنا چاہیئے۔"

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی بے گناہ کو گناہ گار ثابت کرنے کی کوشش کروں گا تو پھر واقع آپ کو مجھ سے محتاط رہنا چاہیئے۔ لیکن دوسری صورت میں اگر میں حق و انصاف کے راستے پر چلتے ہوئے آپ کے خلاف بھی تحقیقات کروں گا تو مجھے ذرہ برابر بھی شرمندگی نہیں ہوگی۔"

"تم صرف گستاخی کرنے کے لیے یہاں آتے ہو یا کبھی کوئی نیک جذبہ لے کر بھی [illegible] طرف کا رخ کر سکتے ہو؟" جج صاحب نے کہا۔

"جی نہیں اگر اس گھر کو کبھی [illegible] کی ضرورت ہوئی تو شاید میں اسے پیش کر سکتا [illegible] باقی جہاں تک مسئلہ اس بات کا ہے تو یہ میرا [illegible] طارق بھائی صاحب سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں [illegible] نے بخت بیدار کے کہنے پر اُسے گرفتار کیا تھا؟"

"نہیں اس کی گرفتاری میرے [illegible] میں ہوئی تھی اس وقت شاید ایس۔ پی بابر جان [illegible] پر تھے اور غالباً اس وقت وہ ڈی۔ ایس۔ پی تھے [illegible] مجھے یاد نہیں" ایس۔ پی صاحب نے بتایا اور میں بری [illegible] اچھل پڑا۔

ایس۔ پی بابر جان! میں نے [illegible] میں دہرایا۔ یہ کیس تو ایس۔ پی بابر جان ہی نے [illegible] لیا تھا تو کیا بخت بیدار کے کہنے پر بھادوں کو گرفتار [illegible] والے ایس پی بابر جان تھے۔ اچانک ہی ایس۔ پی [illegible] کے اس انکشاف سے معاملہ تھوڑا سا الجھ گیا تھا۔ لیکن بہرطور [illegible] کا اظہار کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ اس کا مقصد [illegible] بھادوں صرف امجد حسین صاحب کا دشمن ہے۔ خیر اس مسئلے [illegible] طرح حل کر ہی لوں گا کیوں کہ امجد حسین صاحب [illegible] سلسلے میں قصوروار نہیں سمجھتا تھا۔ انہوں نے اپنا فیصلہ [illegible] کی روشنی میں دیا تھا تاہم میں نے ان سے ایک سوال کر لینا مناسب سمجھا۔

ایک آخری سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں بھائی جان؟"

"جی فرمائیے۔" جج صاحب نفرت بھرے انداز میں بولے۔

"کیا آپ نے مکمل اعتماد کے ساتھ اپنا فیصلہ دیا تھا؟"

"ڈیڈی آپ اسے سمجھا لیجیے یہ براہ راست مجھ پر چوٹ کر رہا ہے۔"

"خدا کی قسم نہیں بھائی جان بڑا اعتماد کرتا ہوں آپ پر اور نہ ہی میرے ذہن میں کوئی بدگمانی ہے۔ معاملہ بخت بیدار کا نہ ہوتا تو میں بے دھڑک آپ سے بہت سے سوالات کر لیتا لیکن آپ میری اس گستاخی کو معاف فرما دیجیے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا مکمل ثبوتوں کی روشنی میں آپ نے یہ فیصلہ دیا تھا؟"

"ہاں۔ میں اپنی ذات سے مجبور ہو کر کوئی کام نہیں کرتا چاہے وہ بخت بیدار ہی کا معاملہ کیوں نہ ہوتا۔"

"شکریہ بھائی جان آپ نے میرے ذہن پر سے اتنا بڑا بوجھ ہٹا دیا ہے کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ بھادوں آپ کا بھی دشمن ہو گیا ہے لیکن میں اس کا ذہن صاف کر دوں گا اور آپ پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

"آپ یہ بد اخلاقی کیوں کر رہے ہیں؟ کیا یہ آپ کے ضمیر کے خلاف نہیں ہو گی؟" جج صاحب بولے۔

"نہیں ہو گی اس لیے کہ آپ نے جانبداری سے کام نہیں لیا تھا۔"

"ہوں لیکن شارق [illegible] بیدار کا [illegible] کرنا تمہارا فرض ہے۔ تم اس کے خلاف [illegible] لیکن اس کے سر پر کوئی زبردستی کا [illegible] نہیں کرو گے۔ کم از کم [illegible] ہوں۔"

"[illegible] ڈیڈی اور ایک بات آپ [illegible] سے غداری کرنے پر [illegible] بخت بیدار میری نگاہوں میں [illegible] جائے گا اس وقت جب [illegible] گا اور زبردستی میں اسے [illegible] نہیں کروں گا اور پھر قانون میرے [illegible] ہے اگر بخت بیدار کے خلاف کچھ ثابت ہوا تو [illegible] ثبوت بھی درکار ہوں گے۔ ان کے بغیر ظاہر ہے میں [illegible] ہوں۔"

"ہوں" آئی جی صاحب پریشانی سے گردن ہلانے لگے پھر بولے۔ "ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے شارق کہ تم ہمارے لیے مصیبتیں ہی لاتے ہو۔ اب بخت بیدار کا مسئلہ ایسا ویسا نہیں ہمارا خاندان بھی اس میں ملوث ہو جاتا ہے کہیں نہ کہیں سے۔ گو رشتے دور ہی کے سہی لیکن آمنہ بہرطور ہماری اپنی ہے۔"

"جی ڈیڈی میں جانتا ہوں اور اس بات کو میں ذہن میں رکھوں گا۔" میں نے کہا اور پھر اجازت لے کر اٹھ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟ دماغ خراب ہے تمہارا کھانا کھا کر جانا۔" آئی۔ جی صاحب نے کہا اور میں خاموشی سے

بیٹھ گیا۔

"یہ نشست ختم ہو گئی ہو تو ہمیں اجازت مل جائے گی۔" بیرسٹر صاحب بولے۔

"بھائی جان کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ خادم ہوں آپ کا۔" میں نے کہا۔

وہ سب مجھے نفرت کی نگاہ سے گھور رہے تھے صرف آئی۔جی صاحب تھے جن کی نگاہوں میں اس وقت میرے لیے نفرت نہیں تھی۔

ہم سب واپس عورتوں کے پاس آ گئے اور نالہ رخ کہنے لگی "تو کیا حکم سنایا جناب شارق حسین ایڈووکیٹ نے؟" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو لالہ رخ خاموش ہو گئی۔

اس کے بعد اماں بی سے باتیں ہوتی رہیں۔ بھابیاں بھی گفتگو کرتی رہیں۔ شفق بھابھی کے چہرے پر کبیدگی کے آثار ضرور تھے۔ لیکن بہرطور تھوڑی سی تبدیلی بھی ہو گئی تھی ان کے اندر اور میں اس خوشگوار تبدیلی کو محسوس کر رہا تھا۔ ویسے مجھے شفق بھابھی سے محبت تھی۔ بلاشبہ میں انہیں بہت پیار کرتا تھا۔ لیکن نیلوفر کو کسی طور قبول کرنا میرے لیے ممکن نہیں تھا اور ویسے بھی ابھی میں اس جھنجھٹ میں پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جب شام کے سائے فضا پر مسلط ہو گئے تو ہم اٹھ کر کوٹھی میں آ گئے اور پھر اتفاق سے شفق بھابی کے ساتھ تنہائی نصیب ہو گئی۔

"نیلوفر سے شادی نہ کرو تم۔ ظاہر ہے میں ہی تمہارے خاندان کے لیے بہت بُری ثابت ہوئی ہوں تو تم میرے خاندان کی کسی اور لڑکی کو اپنے گھر میں دیکھنا قبول نہیں کرو گے۔ لیکن کہیں نہ کہیں تو مرنا ہی ہے تمہیں۔"

"بھابی انتظار کر رہا ہوں کسی پر مرنے کا۔ آپ یقین کیجیے جس دن مرا سب سے پہلے ہائے وائے کرتا ہوا آپ کے پاس آؤں گا۔"

"بنو! تم! تم شاید کبھی متاثر نہ ہو کسی سے زندگی میں۔"

"بھابی یہ تو میری کوالٹی ہوئی۔ اس طرح تو آپ مجھ پر فخر کر سکتی ہیں۔"

"بے کار باتیں نہ کرو شارق۔ میں نے تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ کی تھیں۔ بڑی آس لگائی تھی تم سے۔ تم نے میری پہلی ہی خواہش رد کر دی۔"

"خدا کی قسم بھابی اس خواہش کے بعد جس خواہش کا اظہار کریں گی پوری کر دوں گا۔ بات دراصل ایک اور بھی ہے بھابی نیلوفر میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ میں ابھی اس مسئلے سے الجھنا نہیں چاہتا۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ حالات میرے لیے کتنے نامصائب ہیں۔ ابھی تو اپنوں ہی کی مخالفتیں مول لیے ہوئے ہوں نجانے کتنے غیر میرے دشمن بن چکے ہیں۔ ایسی صورت میں میں کسی لڑکی سے انصاف نہیں کر سکتا۔ بھابی مجھے کسی منزل پر آ جانے دیجیے ایک وعدہ ضرور کرتا ہوں آپ سے اگر میں نے اپنی منزل پالی تو اس کے بعد آپ سڑک پر چلتی ہوئی کسی لڑکی کی طرف اشارہ کر دیں گی تو اس سے شادی کر لوں گا۔ اس دوران قطعی عشق نہیں کروں گا۔ کسی کو اپنے راستے میں نہیں آنے دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

"بڑی بڑی باتیں کرنا کوئی تم سے سیکھے۔ ذرا دیر میں انسان کو بیوقوف بنا دیتے ہو۔"

"اپنی پیاری بھابی کو نہیں۔ ویسے ایک بات کہوں شفق بھابی۔ دل سے کہہ رہا ہوں اور شاید جذباتی بھی ہو رہا ہوں۔ وہ یہ کہ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں آپ کو بہت چاہتا ہوں۔ آپ کی حکم عدولی کر کے خود کو مجرم تصور کرتا ہوں لیکن آپ کی محبت چھین جانے کا مجھے بے حد افسوس ہے۔"

شفق بھابی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ پھر وہ آہستہ سے بولیں "پاگل ہے تو میں بھی تجھے کب دل سے نکال سکی۔" انہوں نے میرا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ بلاشبہ یہ سینہ میری ماں کے سینے کے مترادف تھا۔ شفق بھابی بہت ہی مہربان تھیں مجھ پر۔

میں نے آہستہ سے کہا "شفق بھابی یوں سکون ملا ہے جیسے برسوں سے تپتی زمین پر بارش ہو گئی ہو۔"

"اب مجھے رلائے جائے گا میں خود تجھ سے دور رہ کر نجانے کیسا محسوس کرتی رہی ہوں۔"

"ایک بات کہوں بھابی خدا کی قسم آشیانے میں بہت سے لوگ میرے مخالف ہیں اور میں نے اسی لیے یہاں آنا جانا بھی بند کر دیا ہے لیکن اب آشیانہ آتا رہوں گا۔ اس لیے میری بھابی لوٹ آئی ہیں۔"

شفق بھابی کی آنکھوں سے آنسو ڈھلکتے رہے میں نے انہیں اپنی قمیص سے صاف کیا اور پھر آہستہ سے بولا "میری بھابی، میری بہن، میری ماں۔" شفق بھابی ابھی جذباتی ہو گئی تھیں۔ کافی دیر تک ہم لوگ اسی کیفیت میں رہے اور

اس کے بعد ہم کھانے کے لیے چل پڑے۔ رویہ زیادہ بُرا نہیں تھا کسی کا اور مجھے اس بات پر حیرت تھی۔ میں تو سمجھتا تھا کہ اس واقعہ کے بعد جو گزر چکا تھا جب میں بھی کوٹھی میں جاؤں گا میری ٹانگ گھسیٹی جائے گی۔ لیکن کوٹھی والوں کا رویہ حیرت انگیز طور پر درست تھا۔ خاص طور سے آئی۔جی صاحب بہت نرم ہو گئے تھے۔ کھانے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے کمرے میں آؤں اور میں دست بستہ وہاں پہنچ گیا۔

"دیکھو شارق جو کچھ تم کر رہے ہو مجھے اس سے اختلاف نہیں ہے۔ بہت اچھا ہے وہ مظلوموں کی دادرسی کی جگہ ضرور ملتی ہے۔ لیکن عملی زندگی بھی کوئی چیز [illegible] سب کچھ ضرور کرتے رہو لیکن ایسی زندگی میں آؤ جو [illegible] باعث عزت ہو۔"

"ڈیڈی میں جن لوگوں کے لیے کام کر رہا ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کی کہیں فریاد نہیں سنی جاتی۔ میں نے یہ کام آپ کے نام پر سنبھال رکھا ہے۔ کہیں بھی [illegible] کہلاؤں گا آئی جی عظمت حسین کا بیٹا۔ جہاں تک [illegible] کمانے کا تعلق ہے تو ڈیڈی آپ ایک ہدف مقرر کر دیجیے [illegible] ہر ماہ اتنی رقم آپ کی خدمت میں پیش کیا کروں۔ [illegible] آپ کے لیے نہیں کہہ رہا میں جانتا ہوں خدا نے آپ کو سب کچھ دے رکھا ہے۔ آپ کے تمام بیٹے اچھے منصب پر فائز ہیں۔ لیکن جو ذمہ داری آپ مجھ پر عائد کریں گے اگر میں اسے قبول کرنے سے ذرا بھی کوتاہی برتوں تو جو چور کی سزا وہ میری۔ دولت کمانا کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے میرے لیے ڈیڈی۔ جتنا آپ حکم دیں۔ اتنا کما کر آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں لیکن جو کام میں کر رہا ہوں وہ میری روح کی بالیدگی کے لیے ہے۔ میں اپنی روح کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں میں اسے بُرا نہیں سمجھتا۔ اپنے ہاتھ پاؤں بچا کر کام کیا کرو۔ میرے لائق اگر کبھی کوئی خدمت ہوا کرے تو مجھے بھی اس میں شامل کر لیا کرو۔ بخت بیدار کے مسئلے کو ذرا سلیقے سے ہینڈل کرنا۔ بات رشتہ داری کی ہے اور پھر ہمارے خاندان کی لڑکی اس کے گھر گئی ہے۔ اس چیز کو بھی مدِنظر رکھنا۔"

"میں وعدہ کر چکا ہوں ڈیڈی کہ اگر بخت بیدار اس سلسلے میں ملوث نہیں ہے اور اس کا کوئی قصور نہیں ہے تو میں قیامت تک اس پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ لیکن ڈیڈی اگر اس نے ایک بے گناہ انسان کو پھنسایا ہے تو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دوں گا اس کو سزا دلوانے کے لیے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہر انسان خدا کا بندہ ہے اور خدا کے بندوں کی اگر مدد کی جا سکتی ہے تو اپنی شناسائی اپنی رشتہ داریوں کو ٹھکرایا جا سکتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ بھادوں سے تمہاری کہاں ملاقات ہوئی تھی۔"

"ڈیڈی جب مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا تو میں خود کوٹ حسن جیل گیا تھا اور میں نے وہاں جا کر اس سے تفصیلات معلوم کیں۔ ہو سکتا ہے وہ جھوٹا ہو اور اس نے یہ ساری کہانی من گھڑت سنائی ہو لیکن میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی کیے بغیر نہیں رہوں گا اور اگر بھادوں ہی مجرم ہے اور اس نے فریب کی کوشش کی ہے تو پھر اسے اس سزا سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"وہ امجد کا بھی دشمن ہو گیا ہے۔ یہاں ہماری کوٹھی میں گھس کر اس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اگر وہ کسی طرح آزاد ہو گیا تو کیا امجد سے انتقام لینے کی کوشش نہیں کرے گا؟"

"نہیں ڈیڈی انشاء اللہ اس کی نوبت نہیں آئے گی اگر ایسا ہوا اور وہ بے گناہ ثابت ہوا تو جب حقیقت حال سامنے آئے گی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔"

"ہاں بھئی اس کا بھی خیال رکھنا آخر وہ میری اولاد ہے۔" آئی۔جی صاحب کہنے لگے۔

"وہ میرے بھائی بھی ہیں یہ کیوں بھول جاتے ہیں۔"

"اور کوئی پریشانی تو نہیں ہے۔ یہاں آشیانے ہی میں آ جاؤ تو کیا حرج ہے؟"

"ڈیڈی ایک بات آپ سے کہوں جو کام میں کر رہا ہوں اس میں مجھے بے شمار دشمن بنانے پڑتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی دشمن اس کوٹھی تک پہنچ جائے۔ یہاں سے دور رہ کر میں وہیں ان سے مقابلہ کر سکتا ہوں۔ لیکن یہاں میری بہن رہتی ہے۔ میری بھابیاں رہتی ہیں۔ اسی لیے تو میں نے یہاں سے علیحدگی اختیار کی ہے۔ ورنہ آشیانے سے میرے دل کے تار بندھے ہوئے ہیں۔"

"اگر تمہیں کوئی نقصان ہو گیا تو تمہارا کیا خیال ہے ہم لوگ اسے برداشت کر لیں گے؟"

"ڈیڈی اس لیے مجھے آپ کی دعائیں درکار ہیں۔ آپ تمام حقیقت سمجھ چکے ہیں۔ میں بُرائی کے راستے پر نہیں چل

رہا اور نہ کسی کی پگڑی اچھالنا مقصود ہے مجھے۔ میں بس سچائی کے راستے تلاش کرتا ہوں اور آپ کی دعاؤں کے ساتھ میں ان راستوں پر آگے بڑھتا رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے آج سے تم پر ایک پابندی عائد کی جا رہی ہے۔ ہر جمعرات کی شام کا کھانا تم کوٹھی میں کھایا کرو گے۔"

"بہت بہتر ڈیڈی۔ اگر میں اسی شہر میں ہوا تو ہر جمعرات کو حاضری میرا فرض ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیئے آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔"

"بس ٹھیک ہے میں تم سے یہی کہنا چاہتا تھا۔"

آج کا یہ دورہ انتہائی کامیاب گزرا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے آشیانے میں پھر سے ایک جگہ مل گئی ہو ڈیڈی بذاتِ خود مجھے باہر تک چھوڑنے آئے تھے اور تھوڑی دیر کے بعد میری کار آشیانے سے باہر نکل آئی تھی۔ موڈ بے حد خوشگوار تھا۔ لوگوں سے جس انداز میں گفتگو ہوئی تھی وہ بڑی پُرسرور کیفیت کی حامل تھی اور میں مست ہو رہا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ واپس آتے ہوئے بھی تینوں حضرات یعنی جج صاحب بیرسٹر صاحب اور ایس۔ پی صاحب کے منہ بگڑے ہوئے تھے۔ ظاہر ہے بخت بیدار کے مسئلے میں انہیں میری مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔ لیکن باقی سب ٹھیک ٹھاک تھے۔ لالہ رخ تو انہی کی ساتھی تھی۔ لیکن آج کا یہ دورہ میرے اپنے اندازے کے مطابق نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوا تھا۔ رات ہو چکی تھی اگر آشیانے میں مجھے کھانے کے لیے نہ روکا جاتا تو یہ سننے کے بعد کہ بھادوں کی گرفتاری ایس۔ پی بابر جان کے ہاتھوں ہوئی ہے، میں اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکتا تھا۔ لیکن اس وقت ایس پی بابر جان کا دروازہ کھٹکھٹانا مناسب نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ کل صبح سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ ایس۔ پی بابر جان سے ملاقات کروں۔

فلیٹ پر پہنچ گیا۔ استاد جمو انتظار کر رہے تھے میرے تمام کام انہوں نے کر دیے تھے جو معمولات کے مطابق ہوتے تھے اور اس کے بعد میں انہیں آرام کرنے کی ہدایت کر کے خود بھی اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔ دوسری صبح ناشتا سے فارغ ہوا۔ فاروقی صاحب کے پاس جانے سے پہلے ایس۔ پی بابر جان سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا تھا چنانچہ پولیس ہیڈکوارٹر چل پڑا۔ ایس۔ پی بابر جان موجود نہیں تھے لیکن ان کے اسسٹنٹ نے بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ان کا ٹیلیفون آیا تھا آدھے گھنٹے کے اندر پہنچ جائیں گے۔ میں نے سوچا کہ انتظار کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ چنانچہ میں بابر جان کے کمرے میں بیٹھ گیا ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد ایس۔ پی صاحب اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ مجھے دیکھ کر دلچسپی سے مسکرا اٹھے تھے۔

"ہیلو شارق کیسے مزاج ہیں بھئی تمہارے؟"

"ٹھیک ہوں بابر جان صاحب۔"

"بیٹھو، کوئی کام تو نہیں ہے مجھ سے؟"

"ہے" میں نے جواب دیا۔

"ایک پانچ منٹ کی اجازت دے دو ابھی واپس آتا ہوں۔" بابر جان نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ انہوں نے اپنی میز کی دراز سے ایک فائل نکالا اور باہر چلے گئے۔ میں انتظار کرتا رہا۔ چھ سات منٹ بعد ایس۔ پی بابر جان آئے تو ان کے پیچھے اردلی کافی کے برتن لیے ہوئے اندر داخل ہو گیا پھر اس نے کافی بنا کر احتیاط سے ہمارے سامنے رکھ دی۔

بابر جان نے کہا "کوئی بھی آئے جب تک شارق میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں میں کسی سے ملاقات نہیں کروں گا خیال رکھنا۔" اردلی باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا تھا بابر جان کافی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کافی لو شارق اور اب بتاؤ کیا کام ہے مجھ سے؟"

"وہ ایک ذمہ داری آپ نے میرے سپرد کی تھی، ایس پی صاحب۔"

"ہاں بھئی اور بے چین تھا کہ اس سلسلے میں تم سے کچھ معلومات حاصل ہوں لیکن تقاضہ نہیں کیا تھا۔"

"میں آپ کی ہدایت کے مطابق کام میں مصروف ہوں تھوڑی سی معلومات آپ سے درکار تھیں۔"

"ہاں کہو۔" ایس۔ پی بابر جان نے کہا اور کافی اٹھا کر ہونٹوں سے لگائی۔

"اس وقت آپ کا عہدہ کیا تھا۔ ایس۔ پی صاحب جب آپ نے شاداب گڑھی سے بھادوں کو گرفتار کیا؟"

ایس۔ پی صاحب نے کافی کی پیالی ہونٹوں تک لے جاتے لے جاتے روک دی اور پھر اسے نیچے رکھ کر مجھے دیکھنے لگے پھر مسکرا کر بولے "گڈ... ویری گڈ اس کا مقصد ہے کہ

کام بہت تیز رفتاری سے کیا گیا۔ لیکن یہ دلچسپ بات ہے کہ تم نے اتنی جلدی یہ معلوم کر لیا کہ اس وقت بھادوں کی گرفتاری میرے ذریعے عمل میں آئی تھی۔"

"تمام تفصیلات معلوم کیے بغیر اس کے لیے کام کیسے شروع کیا جا سکتا ہے ایس۔ پی صاحب۔"

"ہاں یقیناً میں جانتا ہوں۔ بہرحال میں اس وقت انسپکٹر تھا اور اس دہرے قتل کے سلسلے میں مجھے اطلاعات دی گئی تھیں۔ میں نے وہاں جا کر تفتیش کی۔ معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد بھادوں کو گرفتار کر لیا۔"

"میں جانتا ہوں ایس۔ پی صاحب کہ آپ کس قسم کے انسان ہیں کیا بھادوں کی گرفتاری کے سلسلے میں آپ پر کوئی دباؤ تھا؟"

ایس۔ پی بابر جان نے کافی اٹھا کر ایک بار پھر ہونٹوں سے لگا لی۔ دو تین گھونٹ لیے اور پھر بولے

"اس وقت کوئی دباؤ نہیں تھا۔"

"اور بعد میں؟"

"بعد میں مجھے ہدایات دی گئیں کہ اس سلسلے میں بہت زیادہ چھان بین نہ کروں۔ کیس سیدھا اور صاف تھا ہے اور میں جو حالات مجھ تک پہنچے ہیں صرف ان کے تحت کارروائی کروں کیونکہ بخت بیدار صاحب ذہنی طور پر [illegible] ہو گئے ہیں۔ کہیں وہ بیمار نہ پڑ جائیں۔"

"بتا سکتے ہیں ایس۔ پی صاحب کہ یہ ہدایات کہاں سے موصول ہوئی تھیں؟"

"اگر تمہارا خیال ہے کہ آئی جی عظمت حسین کی طرف سے تو نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ وہ شاید اس وقت ریٹائر ہو چکے تھے۔ لیکن مجھے اعلیٰ حکام سے اس سلسلے میں ہدایات جاری کی گئی تھیں۔ غالباً اس وقت ڈی آئی جی فاروق رانا صاحب تھے۔"

"آپ نے یہ معلوم کیا کہ فاروق رانا کے بخت بیدار سے کیا تعلقات تھے؟"

"نہیں اتنی جرأت نہیں ہو سکی تھی مجھے۔"

"ایس۔ پی بابر جان صاحب بھادوں کی پوری کہانی میرے علم میں آ چکی ہے۔ کچھ ذاتی سا سوال ہے لیکن کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے خیال میں بھادوں کے علاوہ اس قتل کی ذمہ داری کسی اور پر ڈالی جا سکتی ہے؟"

"دیکھو شارق اگر کوئی مشکوک شخصیت میرے سامنے آ جاتی تو میں یقینی طور پر اس کے بارے میں تفتیش کرتا البتہ صرف بھادوں اس سلسلے میں بخت بیدار کا نام لے رہا تھا لیکن وہ خود بھی یہ نہیں بتا سکا کہ اس نے ان دونوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اس منیم سے بھی معلومات حاصل کی تھیں جو اس وقت بخت بیدار کے منیم کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور یہ پوچھا تھا کہ کیا منیم نے بھادوں کو اس وقت نہیں بھیجا تھا جب بھادوں غصے میں ڈوبا ہوا بخت بیدار کی حویلی پہنچا تھا۔"

"گڈ ویری گڈ تو منیم نے کیا جواب دیا؟"

"کہ بھادوں جھوٹ بولتا ہے۔ وہ ایسی کسی حالت میں حویلی میں آیا ہی نہیں تھا اور جس رات یہ واقعہ پیش آیا اس رات بخت بیدار کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور وہ آرام کر رہے تھے۔ ساڑھے آٹھ بجے خود منیم نے ان سے آخری ملاقات کی تھی۔ مطلب یہ کہ شارق کہ یہ صرف بھادوں کا الزام ہی تصور کیا گیا نہ اس کے پاس کوئی دلیل تھی نہ ثبوت۔ وہ بس یہی کہہ رہا تھا کہ ان دونوں کا قاتل بخت بیدار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا۔ چنانچہ وکلاء کی بحث کے درمیان یہی بات طے پائی کہ بھادوں اپنا الزام دوسرے پر تھوپنا چاہتا ہے اور بخت بیدار کو بدنام کرنا چاہتا ہے حالانکہ دو افراد نے گواہی دی تھی کہ بخت بیدار نے بغیر کسی لالچ کے بھادوں کو اپنی بستی میں پناہ دی تھی اور اسے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کی تھیں۔ بس ایسے ہی واقعات تھے۔ کیونکہ اس قتل کا عینی شاہد بھی نہیں مل سکا تھا لیکن ثبوت بھادوں کے خلاف تھے چنانچہ بھادوں کو موت کی سزا نہیں دی گئی اور ایک حد تک رعایت رکھی گئی اس کے ساتھ۔"

"بھادوں نے جج صاحب کو بھی دھمکیاں دی تھیں اور انہیں قتل کرنے کی قسم کھائی تھی۔"

"ہاں یہ بات میرے علم میں ہے اور شاید بھادوں نے ایک بار جیل سے فرار ہو کر ان پر حملہ بھی کیا تھا۔"

"اب ایک سوال اور بھی کر سکتا ہوں ایس۔ پی صاحب" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضرور کرو ویسے میں سمجھ رہا ہوں کہ وہ کیا سوال ہو گا۔"

"تو پھر اس کا جواب دے دیجیے۔"

"اگر تمہارے ذہن میں یہ بات ہے کہ ایک ایسے شخص کو جس سے نقصان کا خطرہ تھا اور جس سے ایک جج کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ میں کیوں بے گناہ ثابت کرنا چاہتا ہوں تو اس سلسلے میں، میں تم سے بغیر کسی فریب کے یہ بات کہہ سکتا ہوں شارق کہ بھادوں کی گرفتاری کے بعد اور اس کی اسے سزا ملنے کے

بعد میرا ضمیر مطمئن نہیں ہو سکا۔ میں نے کافی وقت بے چینی سے گزارا حالانکہ پولیس کی زندگی میں اس قسم کی جذباتیت کا کوئی دخل نہیں ہے بے شمار لوگ مجرم ہوتے ہیں اور معصوم بن کر سامنے آتے ہیں۔ بعض اوقات ان کے لیے دل کٹتا ہے لیکن بعد میں پتا چلتا ہے کہ وہ درحقیقت مجرم تھے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی اور رعایت ممکن نہیں تھی چنانچہ رفتہ رفتہ ذہن پک جاتا ہے۔ بھادوں کے سلسلے میں بہت دن تک پریشان رہنے کے بعد میں نے بھی اپنے ذہن سے وہ تمام باتیں محو کر دی تھیں اور اب جب کہ تمہارے دو ایک معاملات میرے سامنے آئے تو دفعتاً ہی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ تمہیں بھادوں کی طرف متوجہ کروں۔ جیسی دیکھو تم نے اسی قسم کے ؟ اپنے ہاتھ میں لیے ہیں جن میں لوگوں کو بے گناہ سزا ہو جاتی ہے اور تم ان کی چھان بین کر کے انہیں سزا سے بچاتے ہو۔ بہت کچھ سوچا تھا میں نے اس بارے میں اور یقین کرو شارق ایک طرح سے میرے ذہن میں امتحان کا جذبہ بھی ابھرا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ ایک ایسے آدمی کی طرف تمہیں متوجہ کروں جس سے تمہارے اپنے خاندان کے افراد کو بھی خطرہ ہے تو اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوتی ہے؟ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں شارق کہ میرے ذہن میں یہ تمام خیالات موجود تھے اور سچی بات یہ ہے کہ میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا کہ تم بھادوں کے لیے کیا کرو گے؟"

"ٹھیک ہے ایس۔ پی صاحب بلاشبہ یہ کیس میرے لیے اس حیثیت سے تھوڑا سا الجھا ہوا ہے کہ بھادوں جج صاحب سے بھی نفرت کرتا ہے اور ان سے انتقام لینے کا جذبہ اس کے دل میں موجود ہے۔ لیکن میں کسی قیمت پر یہ نہیں چاہوں گا کہ بھادوں کے ہاتھوں میرے بھائی کو کوئی نقصان پہنچے اور اس کے لیے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ بھادوں کا اصل مسئلہ میرے بھائی سے نہیں بلکہ بخت بیدار سے ہے اور آپ کو یہ سن کر بھی ہنسی آئے گی کہ بخت بیدار آئی۔ جی عظمت حسین صاحب کے بہت گہرے دوست شاہ بخت کا بیٹا ہے اور ہمارے خاندان کی ایک لڑکی اس کی بیوی ہے۔ اس طرح اس سے ہماری تھوڑی بہت رشتہ داری بھی ہوتی ہے اور آئی۔ جی صاحب کا خاندان اس سے الفت بھی رکھتا ہے لیکن بات وہیں آجاتی ہے۔ اگر بھادوں مظلوم ہے اور اس پر لگایا ہوا الزام غلط ہے تو اسے ہر قیمت پر اس الزام سے بری ہونا چاہیئے۔ یہی انسانیت کا تقاضہ ہے اور یہی اصول کی بات۔ اور اس کے لیے میں بھادوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تو آئی۔ جی صاحب اس سلسلے میں جو بھی جذبات رکھتے ہوں میرے جذبات مختلف ہیں۔ جہاں تک رہا بابر جان صاحب میرے امتحان کا مسئلہ تو میں ایک کمزور سا معمولی سا آدمی ہوں ایک جذبہ سینے میں پروان چڑھ رہا ہے اور اس کے تحت جہاں تک میرے وسائل ہیں کام کرتا رہوں گا۔ ہاں کسی اہم مسئلے میں الجھ کر اگر راستے سے بھٹک جاؤں تو اپنے دوستوں سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میری راہنمائی کریں گے۔ میری آواز کسی قدر بھاری ہو گئی تھی۔

ایس۔ پی بابر جان بھی کچھ جذباتی ہو گئے۔ پھر بولے "تم جیسے لوگ بھٹک نہیں سکتے شارق! تم ... ان کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی اور ماحول پر ایک رقت سی طاری ہو گئی تھی۔

ایس پی بابر جان بھی جذباتی انسان تھے۔ ہم دونوں ایک ہی راستے کے راہی تھے۔ چند لمحات ہم اسی کیفیت میں رہے۔ اور پھر بابر جان نے سنبھل کر کہا۔

"بہر حال بھادوں قصوروار ہے یا نہیں۔ لیکن میں بھی بے گناہ تھا۔ اور چونکہ حالات اور شواہد ایسے تھے کہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ مجھے اسے گرفتار کرنا پڑا۔ اس کا چالان پیش کرنا پڑا اور وہ حقائق اپنی رپورٹ میں لکھنے پڑے جو اس سلسلے میں میرے سامنے آئے تھے تھوڑی بہت تفتیش بھی کی تھی اپنے طور پر کسی سے کچھ نہیں معلوم ہو سکا اور اس کے بعد بات ختم کرنا پڑی پھر بھی میں نے اپنے آپ کو کمزور پایا تھا لیکن دل میں ایک خلش باقی رہی اور جب بھی مجھے یہ خلش رفع کرنے کا موقع ملا میں نے اس کے لیے عمل کر ڈالا۔ یوں ایک طرح سے یہ بھی سمجھ سکتے ہو تم کہ یہ مسئلہ میری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔"

"ایس پی صاحب بھادوں پر جو الزام لگایا گیا تھا۔ اس میں اس قتل کی وجہ کیا بتائی گئی تھی؟"

"ان دونوں کی بدچلنی۔ وکلا نے یہ ثابت کیا تھا کہ بھادوں کی بیوی شمسہ بدچلن تھی۔ بعد میں بھادوں کی بیوی بن کر اس نے اس کی بہن کو بھی غلط راہ چلن پر ڈال دیا۔

"یہ نہیں معلوم کیا گیا کہ بھادوں نے یہ الزام اپنے مالک پر کیوں لگایا؟"

"بس اس کی کوئی تفصیل نہیں تھی اس نے اپنے سر سے یہ بوجھ اتارنے کے لیے بخت بیدار کا نام لے دیا تھا۔"

اس شخص کی تلاش کے لیے بھی کوئی کام نہیں کیا گیا جس پر بھادوں کی بیوی کے ساتھ تعلقات کا الزام آیا تھا۔"

"کون اپنا نام لے کر سامنے آتا۔ ظاہر ہے ہمیں کوئی بھی ایسا شخص نہ مل سکا۔"

"تحقیقات کی گئی تھی اس سلسلے میں؟"

"مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔"

"گویا ایک کردار ایسا ہے جس کا ان واقعات سے کوئی تعلق رہا ہے اور یہ کردار وہ شخص ہے جس کے بچے کو بھادوں کی بیوی نے جنم دیا۔"

"ہاں ایسا ایک کردار ہے۔ لیکن اس کی تلاش کے لیے کوئی کاوش نہیں گئی۔"

"گڈ ویری گڈ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور بابر جان بھی مسکرانے لگے پھر بولے۔

"تم نے ایک مضبوط پوائنٹ پکڑا ہے لیکن بات ذرا پرانی ہو گئی ہے۔"

"گڑے مردوں کو اکھاڑنا ہی تو میں نے اپنے ذمہ لیا ہے ایس پی صاحب بس دعا چاہتا ہوں آپ کی۔ خدا مجھے اس مسئلہ میں بھی کامیاب کریں۔"

"ہماری دعاؤں پر تم یقین نہیں کرو گے۔ شارق بلاشبہ ہر صاحب دل تمہارے اس مشن کی کامیابی کا متمنی رہتا ہے اور ان میں، میں بھی ہوں۔"

"اجازت چاہتا ہوں کافی وقت ضائع کیا آپ کا!"

"ایک بات سنو شارق یہاں تک تو جو بھی ہوا ہو گیا لیکن میں بات یہیں ختم نہیں کر دینا چاہتا میری خواہش ہے کہ تم اس سلسلے میں مجھ سے اور بھی مدد لو۔"

"اگر ضرورت پیش آئی بابر صاحب تو آپ جانتے ہیں کہ میں تکلف نہیں کروں گا۔"

"میں جانتا بھی ہوں اور چاہتا بھی یہی ہوں کہ آپ تکلف نہ کریں مسٹر شارق"۔ ایس پی صاحب نے مجھے نیک تمناؤں کے ساتھ رخصت کیا اور میں وہاں سے سیدھا فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا وہ دفتر میں موجود نہیں تھے۔ جاوید قریشی بھی نہیں تھے۔ کہیں جانے کو جی نہ چاہا۔ اور وہیں بیٹھ کر اس سلسلے میں کام کرنے پر غور و خوض کرنے لگا۔ شاداب گڑھی میرے لیے اجنبی جگہ نہیں تھی مگر میں ایک دو بار ہی ادھر گیا تھا کچھ اور عزیز بھی شاید وہاں موجود تھے لیکن میں اپنی دنیا کا مست انسان رشتہ داریوں کے چکر میں زیادہ نہیں پڑتا تھا چنانچہ ان لوگوں سے گہرے تعلقات نہیں تھے۔ ویسے شاداب گڑھی ایسی جگہ تھی جہاں ایک دو چھوٹے موٹے ہوٹل بھی موجود تھے۔ اور قیام کے لیے جگہ مل سکتی تھی۔ وہاں تک جانے کے لیے ٹرین ہی کا سفر اختیار کرنا ضروری تھا کیونکہ بائی روڈ وہاں تک جانے کا کوئی ایسا صحیح راستہ نہیں تھا جسے آسانی سے استعمال کیا جا سکتا۔ دوپہر تک اس بارے میں پروگرام بناتا رہا۔ اور اس کے بعد فاروقی صاحب اور جاوید قریشی آ گئے۔ مجھے دفتر میں بیٹھے دیکھ کر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"بھئی بڑی طویل غیر حاضری ہو گئی ہم لوگ حالات جاننے کے لیے بے چین تھے۔"

"حالات کچھ نہیں ہیں۔ آشیانہ والوں کو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ میں بھادوں کے لیے کام کر رہا ہوں اور اس سلسلہ پر تین افراد کی بے چینی اپنی جگہ ایک اہمیت بھی رکھتی ہے کیوں کہ بخت بیدار جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں ہمارا دور کا رشتہ دار بھی ہے۔"

"فیصلہ کیا کیا؟"

"بس یہی کہ شاداب گڑھی جاؤں گا" میں نے کہا۔

"کب جا رہے ہو؟"

"جلد ہی روانہ ہو جاؤں گا"

"مگر بخت بیدار تمہارا شناسا نہیں ہو گا؟"

"ویسے تو وہ شناسا ہے مگر میرا خیال ہے مجھے پہچان نہیں سکے گا مجھے وہاں گئے ہوئے بھی کافی طویل عرصہ گزر گیا۔ ایک آدھ بار وہ آیا بھی تھا لیکن مجھ سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ لاابالی سا آدمی ہے ہو سکتا ہے مجھے نہ پہچانے۔"

"شارق اگر وہ مجرم ثابت ہو گیا تو یہ بات میں تمہاری سابقہ رپورٹ کی بنا پر کہہ رہا ہوں تم نے جہاں بھی ہاتھ ڈالا ہے۔ مجرم کو گردن سے پکڑ کر گھسیٹ لائے ہو اور تمہارے شکار ہمیشہ بڑے سے بڑے ہوتے ہیں"

"وکیل صاحب اگر بخت بیدار مجرم ہے تو ٹھوکریں مارتا ہوا لے آؤں گا اور قانون کے حوالے کر دوں گا۔" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور وکیل صاحب خاموش ہو گئے۔

بہر طور بعد کے معاملات میں جاوید قریشی نے میری مدد کی مجھے ریلوے ٹائم معلوم ہو گیا تھا۔ دوسرے دن ٹرین پونے نو بجے جاتی تھی جو مین لائن سے ہٹ کر شاداب گڑھی کے اسٹیشن تک جاتی تھی اور وہاں سے کہیں اور نکل جاتی تھی۔ تقریباً ساڑھے چار گھنٹے کا سفر تھا چنانچہ میں نے فلیٹ جانے کے بعد تیاریاں کیں۔ چند جوڑے کپڑے تیار کیے اور بس اس کے علاوہ کیا درکار تھا۔ یہ تیاریاں کرنے کے بعد استاد چھوٹے کے ساتھ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی بھادوں کے سلسلے میں، میں نے انہیں بھی تفصیلات بتا دی تھیں کسی طرح میں

انہیں یہ احساس نہیں دلانا چاہتا تھا کہ وہ کسی طور ہم لوگوں سے کمتر ہیں استاد کافی دیر تک مجھ سے اس موضوع پر بات کرتے رہے پھر ہم سو گئے دوسرے دن صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی منگائی اور ریلوے اسٹیشن چل پڑا۔ اور پھر دوسرے مراحل سے گزر کر میرے سفر کا آغاز ہو گیا۔ دل ہی دل میں اس سلسلے میں بہت سے منصوبے بنا تا رہا تھا شاداب گڑھی میں یہ ساری معلومات حاصل کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔ اسے اچھا خاصہ قصبہ کہا جا سکتا تھا۔ اور اس کی آبادی بھی اتنی کم نہیں تھی کہ تمام لوگ ایک دوسرے کے شناسا ہوں چنانچہ مجھے محنت کرنا تھی۔ شاداب گڑھی کا چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی باہر آیا تو تانگے نظر آ گئے ایک تانگے میں بیٹھ کر میں نے اُسے کسی ہوٹل چلنے کے لیے کہا اور تانگے نے مجھے جس ہوٹل کے سامنے اتارا وہ واقعی ہوٹل تھا نیچے چند دکانیں درمیان میں ہوٹل کا دفتر اور اوپری منزل پر کل سات کمرے تھے۔ میں نے ایک کمرہ حاصل کر لیا اور ادائیگیاں وغیرہ کرنے کے بعد وہاں فروکش ہو گیا۔ اب مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا۔ اور اس کے لیے ابھی تک میرے پاس کوئی صحیح لائحہ عمل نہیں تھا میں سوچتا رہا اور ایسے لوگوں کو نگاہوں میں لانے لگا۔ جو میری مدد کر سکتے تھے۔ کاؤنٹر پر بیٹھا شخص ایک شریف صورت آدمی تھا۔ ویسے یہاں شاداب گڑھی میں اس وقت اس ہوٹل میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دکانوں کا سلسلہ ایک سمت تھا۔ دوسری سمت ہوٹل کا حصہ تھا جہاں کھانا پکتا تھا۔ دلچسپ جگہ تھی کاؤنٹر پر جو صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو وہ ہمہ تن اخلاق بن گئے

"صاحب کوئی تکلیف ہو تو ہمیں بتا دیجیے ہمارے لائق جو بھی خدمت ہو۔"

"نہیں بھائی نام کیا ہے تمہارا؟"

"احمد دین"

"بس احمد دین ایسے ہی سیاحت کی غرض سے شاداب گڑھی آیا تھا کیسی جگہ ہے یہ؟"

"بس صاحب ایک سیدھا سادا قصبہ ہے کسی نے آپ کو غلط مشورہ دیا ہے یہاں کی سیاحت کا کوئی خاص بات نہیں ہے ہماری شاداب گڑھی میں جو سیاحوں کے دیکھنے کی ہو کھیتی باڑی ہوتی ہے باغ لگے ہوئے ہیں اور بس۔"

"سنا ہے یہاں آم وغیرہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اور یہ باہر بھی جاتے ہیں"

"ہاں صاحب جی آم تو واقعی اچھے ہوتے ہیں ہمارے سرکار کے کئی باغ ہیں مگر ایک باغ کے آم تو صرف ان کے دوستوں کے لیے ہوتے ہیں اور وہی یہاں کے سب سے شاندار آم ہوتے ہیں۔"

"ہوں! سرکار کون ہیں؟" میں مطلب پر آ گیا۔

"اس بستی کے مالک سمجھ لیجیے، ویسے مالک تو حکومت ہے۔ لیکن سرکار کی زمینیں اتنی وسیع ہیں کہ بس وہی مالک ہیں ہر ایک کو فیض پہنچتا ہے ان سے۔"

"گویا اس علاقے کے زمیندار ہیں؟"

"پشتوں سے اس علاقے پر ان کی حکومت ہے۔ کسی کی مجال نہیں ہے جو ان کے حکم کے خلاف کچھ کر سکے۔"

"کیا نام ہے ان کا؟"

"بخت بیدار" احمد دین نے جواب دیا۔

"بھئی ملنے والی چیز ہیں یہ تو کیسے آدمی ہیں؟"

"ولی ہیں جی ولی۔ حالانکہ اللہ نے کیا نہیں دیا مگر غریبوں کے کام آتے ہی رہتے ہیں۔ پانچوں وقت کے نمازی اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ تعویذ دعا بھی کرتے ہیں بس کسی پر نظر ہو جائے تو سمجھ لیں کہ بیڑا پار ہے۔ کوئی مالی مشکل میں پھنسا ہو سرکار بتا دیتے ہیں کہ اسے کیا کرنا چاہیئے کوئی بیمار ہو سرکار پانی پڑھ کر دے دیتے ہیں اور فائدہ ہو ہی جاتا ہے۔"

"اچھا یہ سلسلہ کب سے شروع کیا آپ کے سرکار نے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سلسلہ . . . صاحب یہ تو کئی سال سے ہے۔ ویسے کچھ لوگ سرکار کے بارے میں بری باتیں بھی کرتے ہیں۔ لیکن ایسا تو ہوتا ہی ہے کبھی بھی نیک آدمی کو کون بخشتا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی کہتا ہے۔"

"بری باتیں کیسی . . . ؟"

"ارے صاحب بس چھوڑیں ان باتوں کو" بُرے لوگ دوسروں میں بُرائیاں تلاش کرتے ہیں اور جو اچھے ہوتے ہیں وہ کسی کی بُرائی کو ڈھک بھی لیتے ہیں۔ سرکار یوں سمجھ لیں بہت اچھے آدمی ہیں۔ ان پر جو بھی الزام لگاتا ہے وہ خود بُرا ہے۔"

"یہ بات تو تم سچ کہتے ہو بُرے لوگوں کو تو بُرائیاں کرنی ہی ہوتی ہیں۔"

"کیا پوچھتے ہیں آپ سرکار کی انہیں ہر بات وقت سے پہلے معلوم ہو جاتی ہے اور وہ لوگوں کو بلا بلا کر کہتے ہیں کہ میاں تمہارا یہ کام اس طرح ہونے والا ہے اور صاحب ویسا ہی جاتا ہے خود میرا بھی واسطہ پڑ چکا ہے ایک بار سرکار سے۔ میں جی مرید ہو گیا ہوں ان کا۔"

"بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر کہ یہاں ایک ایسی شخصیت بھی رہتی ہے۔ سرکار کا گھر کہاں ہیں؟"

"بس جی یہاں سے سیدھے چلے جاتے ہیں لمبی سڑک ہے جب سڑک ختم ہوتی ہے تو بائیں طرف گھومنا پڑتا ہے۔ وہیں سرکار کی حویلی ہے۔ پرکھوں کی بنوائی ہوئی ہے۔ سرکار نے اس میں کافی تبدیلی کرا دی ہے اب تو بہت خوبصورت جگہ ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ اور پھر دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ یہ دلچسپ خبر تھی میرے لیے کہ بخت بیدار نے یکا[illegible] شروع کر رکھا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک ایسے ہی رنگے سیار سے [illegible] پڑ چکا تھا میرا جس نے اپنے آپ کو ولی بنا رکھا تھا لیکن درحقیقت شیطان تھا میں اس دلچسپ اتفاق پر مسکرا رہا ویسے یہ آسان طریقہ ہے [illegible] برائیوں کو چھپانے کا بہروپ بدل لیا جائے۔ بہت سے سیاہ کار لوگ [illegible] تے ہیں اور انہوں نے نیک اور خدا رسیدہ لوگوں کو بھی بدنام کر [illegible] ہے لیکن دنیا کے رنگ ایسے ہی چلتے ہیں یہ دنیا انہی رنگوں میں رنگی [illegible] ہے اس سے زیادہ اس شخص سے اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا [illegible] کافی پرانی بات تھی کچھ پرانے لوگ نظر آئیں تو ان سے اس موضوع پر [illegible] گفتگو ہو۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب بخت بیدار کی حویلی کے آس پاس [illegible] لوگوں کو بھی دیکھا جائے اور ان سے کچھ معلومات حاصل کی جائیں لیکن اس وقت شام ہو چکی تھی چنانچہ میں نے یہ پروگرام دوسرے دن پر ملتوی کر دیا رات پرسکون گزر گئی یہاں کی آب و ہوا بہت خوشگوار [illegible] صبح کو بہت عمدہ قسم کا ناشتہ کیا گیا اس سے فارغ ہو کر میں باہر نکلنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میرے دروازے پر دستک ہوئی کھولا تو دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا تو ان میں سے ایک نے کہا

"شارق حسین آپ ہی ہیں صاحب؟"

میں اس سوال پر بری طرح چونک پڑا تھا میں نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں ہی ہوں مگر تم کون ہو؟"

"صاحب ہم بخت بیدار کے کارندے ہیں سرکار نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"بخت بیدار صاحب نے؟"

"جی سرکار انہوں نے کہا ہے کہ آپ کو اپنے ساتھ ہی لے آئیں سرکار آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

میں سکتے میں رہ گیا تھا یہ انہونی بات تھی۔ ناقابل یقین کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بخت بیدار کو میری یہاں آمد کا کیسے پتا چل گیا اور یہ بات اُسے کیسے معلوم ہو گئی کہ میں اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ جلد ہوٹل

معلوم کر لینا تو کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر میری آمد کی خبر۔ ۔ ۔ میں چند لمحات سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"اچھا تم لوگ چلو میں پہنچ جاتا ہوں بخت بیدار کے پاس"

"نہیں صاحب حکم ملا ہے نہیں کہ آپکو ساتھ لے کر آئیں۔ آپ اگر چاہیں تو جو کر رہے ہیں کریں ہم باہر بیٹھ کر انتظار کر لیتے ہیں۔"

"اچھا بھئی چلتا ہوں میں تمہارے ساتھ تیاری تو کر لینے دو۔"

"بس صاحب سامان اٹھالیں اپنا' سرکار نے یہ بھی کہا ہے۔"

"نہیں۔ ۔ بس اس کی ضرورت نہیں ہے چلو میں تیار ہوں" نیچے پہنچا تو کاؤنٹر پر وہی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے۔

"کہیئے اب تو آپکو ہماری بات کا یقین آگیا سرکار نے آپ کو بلایا ہے انہیں پتا چل گیا ہے کہ یہاں کوئی مہمان آیا ہوا ہے۔ بڑی سی بات ہے سرکار کی۔"

میں خاموشی سے ان کے ساتھ باہر نکل آیا لیکن میری حیرت عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔ ناقابل یقین سی بات تھی نیچے ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ عمدہ قسم کی نفیس فٹین جس میں مجھے سوار کرایا گیا اور جلد ہی اندر داخل ہوکر حویلی کے ایک گوشے میں رک گئی اور میں نیچے اترآیا پھر خود ہی آگے بڑھا۔ ایک شخص نے میرا استقبال کرتے ہوئے کہا

"سرکار بڑے کمرے میں موجود ہیں۔"

یہ بڑا کمرہ قدیم طرز کا ڈرائنگ روم کہا جاسکتا تھا اور اس ڈرائنگ روم میں میں نے بخت بیدار کو دیکھا' دیکھا تو پہلے بھی تھا لیکن جس رنگ میں دیکھا وہ ذرا مختلف تھا۔ بخت بیدار کی لمبی سیاہ داڑھی سینے تک پھیلی ہوئی تھی گردن شانوں سے مل گئی تھی پہلے سے بہت تندرست ہوگیا تھا وہ۔ آنکھوں میں ایک سرخی سی چھائی ہوئی تھی جو غالباً خون کی سرخی تھی ایک نیم غنودگی سی کیفیت۔ اس کے چہرے پر بال بھی کافی بڑے بڑے تھے۔ بہت عمدہ قسم کے سلک کا لباس پہنے ہوئے تھا تندرست و توانا آدمی تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔

"شارق حسین شاداب گڑھی آتے ہوئے یہ یاد نہ آیا کہ یہاں بخت بیدار رہتا ہے۔؟"

"اوہ نہیں بیدار بھائی دراصل ایک ہلکا پھلکا سا تفریحی پروگرام بنایا تھا سیر و سیاحت کا میں نے سوچا کہ آپ کے پاس آؤں گا تو تکلفات ہوں گے چنانچہ خاموشی سے یہاں آیا۔ ایک دو دن قیام کرکے یہاں سے آگے بڑھ جاتا"

"لیکن بخت بیدار کے یہاں ہوتے ہوئے تمہارا اس کے پاس نہ آنا ایک طرح کی گالی ہے شارق حسین۔ ہمارے رشتے بہت گہرے ہیں گو آمنہ کے رشتے سے تم میرے بہت قریب نہیں ہو لیکن تمہیں یاد ہے کہ آئی۔ جی صاحب کے میرے والد صاحب سے کیسے گہرے تعلقات تھے؟ بچپن کے دوست تھے وہ دونوں۔ تم نے ہمیشہ مجھ سے روگردانی کی لیکن میرے دل میں آج بھی اس گھر کے لیے اتنا ہی پیار موجود ہے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ تم یہاں آؤ اور ہوٹل میں رہو۔"

"میں نے کہا" بیدار بھائی آپ اس چیز کو محسوس نہ کریں۔"

"خیر میاں جو تم نے مناسب سمجھا کیا لیکن ہمارا بھی کچھ فرض ہے سامان لے آئے اپنا؟"

"نہیں، بس آپ سے ملنے چلا آیا۔"

"ویسے تم آگئے کیوں نہیں؟"

"ہاں ہو سکتا ہے کہ آپ سے ملے بغیر چلا جاتا۔ ویسے ایک بات آپ مجھے بتایئے آپ کو میرے آنے کی خبر کیسے ہوئی؟"

"حق اللہ۔ ۔ ۔ حق اللہ خون کے رشتے سنا ہے بہت مضبوط ہوتے ہیں لیکن بعض رشتے خون کے رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لو تمہاری خوشبو آگئی ہمیں خدا کی دین ہے اس نے ہمیں تمہاری آمد سے آگاہ کر دیا۔"

"میں واقعی حیران ہوگیا ہوں۔"

"اچھا اب حیران نہ ہو۔ تمہارے قیام کے لیے میں نے ایک کمرہ درست کرا دیا ہے۔ وہیں ٹھہرایا جائے گا تمہیں۔ سامان نہیں لائے ہو کوئی بات نہیں آجائے گا۔"

"میری درخواست ہے کہ تکلف نہ کریں۔"

"اور ہماری تم سے درخواست ہے کہ در بارہ اس سلسلے کچھ نہ کہو۔ چلو اپنے کمرے میں جاؤ باقی باتیں بعد میں ہوں گی" بخت بیدار نے یہ الفاظ کہے اور ڈرائنگ روم سے نکل کر باہر چلا گیا۔ پھر دو آدمی اندر آگئے تھے لیکن یہ دو تو وہ نہیں تھے جو مجھے ہوٹل بلانے گئے تھے ان میں سے ایک نے کہا۔

"آیئے سرکار آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچا دیا جائے۔"

میں ایک گہری سانس لے کر ان دونوں کے ساتھ چل پڑا تھا جس کمرے میں مجھے پہنچایا گیا وہ بلاشبہ اس حویلی کے شایان شان تھا بڑی نفاست سے آراستہ تھا۔ یہاں پہنچ کر میں اپنے آپ کو قیدی سا محسوس کرنے لگا اس بات پر ابھی تک عقل نے ساتھ نہیں دیا تھا کہ بخت بیدار کو میری آمد کی اطلاع کیسے مل گئی؟ یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ روشن ضمیر ہوگیا ہے۔ ایسے روشن ضمیر میں نے بہت سے دیکھے تھے۔ اگر اس معلومات میں کوئی گہرا راز پوشیدہ ہے تو مجھے ہوشیار رہنا ہوگا۔ بخت بیدار کے انداز میں محبت آمیز شکایت بھی تھی اور اگر میں گہرائی سے جائزہ لیتا

تو ایک حکم بھی تھا خیر کسی بھی طرح اسے میری آمد کا علم ہوا ہو لیکن اب اتنا تو سوچا ہی جا سکتا تھا کہ اگر اسے میرے آنے اور ہوٹل میں قیام کی اطلاع ملی ہے تو یہ بھی پتا چل گیا ہوگا اسے کہ میں کس مقصد کے تحت یہاں تک آیا ہوں ایسی حالت میں، میں ایک طرح سے بخت بیدار کا قیدی بن گیا تھا میں اپنے کمرے میں سوچتا رہا پھر میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اس طرح تو کام کرنے کا لطف آجائے گا ویسے ایک طرح سے یہ بہتر ہی ہوا تھا کیوں کہ بخت بیدار کے آس پاس بھٹکتے ہوئے۔ ۔ مجھے کچھ مشکلات بھی پیش آسکتی تھیں لیکن اب یہ حویلی اس کے اطراف میں پھیلے ہوئے لوگ خود ہی بھائیوں کی کہانی سنائیں گے۔ بخت بیدار شاید یہ نہیں جانتا کہ میرا نام بھی شارق ہے [illegible] اس کے ذرائع پر اسرار ہیں تو میں بھی اپنے ساتھ بہت سی [illegible] لاتا تھا۔

باہر مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی میں [illegible] دیر تک بیٹھا رہا اور پھر یہ سوچ کر اٹھا کہ باہر نکل کر صورت حال کا جائزہ لوں، ابھی دروازہ کھولنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کھٹکھٹ پڑا آمنہ باجی نے دروازہ کھولا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکراتی ہوئی اندر آگئیں میری ان سے بے تکلفی نہیں تھی لیکن بہرحال رشتہ داری تھی چنانچہ میں نے بھی جواب میں مسکرا دیا

"کیسے ہو شارق بھیا؟" آمنہ باجی نے پوچھا

"ٹھیک ہوں باجی۔ لیکن یہ آپ کو کیا ہوگیا؟" میں نے بے تکلف انداز میں کہا۔

آمنہ باجی کو بہت کم دیکھا تھا لیکن کسی زمانے میں بڑی تروتازہ اور شفاف تھیں اور انہیں حسین کہا جاسکتا تھا لیکن اب ان کا چہرہ زرد تھا رخسار پچک گئے تھے اور آنکھوں میں وہ چمک نہیں تھی جو کبھی نظر آتی تھی۔

"کیوں کیا ہوگیا مجھے؟" آمنہ باجی نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا

"بہت کمزور ہوگئی ہیں تمام رنگ و روپ ہی ختم ہوگیا" میرے ان الفاظ پر آمنہ باجی کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے کرب کے آثار ابھرے۔ ۔ ۔ کچھ دھندلاہٹیں سی رونما ہوگئیں لیکن انہوں نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور بولیں۔

"بہت دنوں کے بعد ملے ہو تبدیلیاں تو محسوس ہوتی ہی ہیں اور پھر اب عمر کا ڈھلان ہے جوانی تو آنے سے رہی۔"

"لیکن آمنہ باجی اتنے عیش و عشرت میں زندگی گزارنے کے بعد جوانی جاتی ہی کہاں ہے؟"

"کہنے کی باتیں ہیں سب شارق چھوڑو۔ میں ٹھیک ہوں تم سناؤ گھر والوں کی کہو۔ ماموں میاں کیسے ہیں" (اشارہ آئی۔ جی عطرت حسین کی طرف تھا)؟"

"سب لوگ ٹھیک ہیں عیش کر رہے ہیں آشیانے میں۔"

"تمہاری شادی تو نہیں ہوئی نا ابھی تک؟"

"اب دیکھ لیجیے کیا کر سکتا ہوں مجبوری ہے گھر والے اس بارے میں سوچتے ہی نہیں۔ حالانکہ شادی ہوگئی ہوتی اب تک تو غالباً چار چھ بچوں کا باپ ہوتا۔"

"ارے توبہ توبہ اتنا شوق ہے تمہیں بچوں کا مصیبت ہو جاتے ہیں یہ بچے انسان کی زندگی پر کبھی اگر جینے کو جی نہ چاہے تو مجبوراً ان کی وجہ سے جینا پڑتا ہے۔" آمنہ باجی کا کرب نمایاں ہوگیا لیکن وہ خود کو سنبھالنے میں ماہر تھیں میں نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے کہا

"آپ کو اُن لوگوں کا تجربہ کیسے ہوگیا باجی جو جینا نہیں چاہتے"

"میں نے تو ایک مثال دی تھی" [illegible] جلدی سے بولیں۔

"ہر بات کا ذہن میں آنا ایک راز رکھتا ہے۔"

"تم مجھے کیوں کرید رہے ہو؟ ٹھیک ہوں میں۔"

"آپ کا رشتہ دار ہوں بھائی لگتا ہوں نا۔ بھائیوں کو بہنوں کی فکر ہوتی ہی ہے"

[illegible]

"[illegible] نظر [illegible] کر دی"

"اس وقت میں بہت عجیب ہوئی ہے باجی آپ اگر خوش و خرم اور [illegible] ہوتیں تو میں آپ سے دوسری باتیں کرتا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر نہ جانے کیوں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے دل کی گہرائیوں میں کوئی کرب پوشیدہ ہے"

"یہ سب فسانوی باتیں ہیں ہر انسان کسی نہ کسی کرب کا شکار ہوتا ہے خوشیاں کہاں ملتی ہیں بس جو کچھ مل جائے اسے غنیمت سمجھنا چاہیے میں ٹھیک ہوں تم سناؤ شاداب گڑھی کیسے نکل آئے؟"

"بس باجی کچھ بیزاری سوار تھی ذہن پر یونہی سیر کرتا ہوا اس طرف بھی آگیا۔"

"اور یہاں آنے کا ارادہ نہیں تھا تمہارا؟"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"سرکار نے بتایا تھا۔"

"کون سرکار؟"

"بھئی سب انہیں سرکار ہی کہتے ہیں۔"

"او ہو بخت بیدار کی بات کر رہی ہیں آپ"

"بہنوئی ہیں تمہارے اتنی بے قدری سے نام لے رہے ہو۔"

"بہنوئی ہیں سرکار نہیں ہیں۔"

"اب ایک عادت ہے تو کیا کیا جائے؟"

"تو بخت بیدار نے آپ کو یہ بات بتائی سنا ہے روشن ضمیر ہو گئے ہیں وہ اور ہر بات معلوم کر لیتے ہیں۔" میرے انداز میں طنز تھا آمنہ باجی نے کوئی جواب نہیں دیا پھر بولیں۔

"بس اب چند روز یہاں آرام سے رہو۔ کوئی فکر کرنے کی بات نہیں جہاں جانا چاہو آسانی سے آجا سکتے ہو ہمارے ہاں آتا ہی کون ہے تم آئے ہو تو دلی خوشی ہوئی ہے کوئی تکلف مت کرنا میں چلتی ہوں۔" آمنہ باجی بولیں۔

میں اس دوران ایک خاص بات محسوس کرتا رہا تھا۔ آمنہ باجی کے انداز میں محبت تو تھی لیکن اُن کی یہاں آمد ایک مشینی حیثیت رکھتی تھی۔ جیسے وہ خود نہ آئی ہوں بلکہ انہیں بھیجا گیا ہو۔ بخت بیدار کی یہ معلومات میرے لیے حیران کن تھیں۔ اُس نے یہاں پیری مریدی کا چکر چلا رکھا تھا۔ دولت ہو تو ہر قسم کی مشکلات حل کی جا سکتی ہیں بخت بیدار اپنے ذرائع سے کام لے کر اس چکر کو بآسانی پھیلا سکتا تھا اور اس نے یہی کیا۔ اگر بھادوں کی کہانی بالکل ہی درست ہے تو بخت بیدار کی اس چالاکی کو بلاشبہ تحسین کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے اپنی وحشتوں کی تسکین کے سامان کر لیے تھے اور پر لطف بات یہ تھی کہ لوگ اس سے بددل ہونے کی بجائے عقیدت رکھنے لگے تھے اس سلسلے میں بھی اُس نے جو جال پھیلائے وہ معمولی نہیں ہوں گے۔ لیکن اب بھی مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ آخر اسے میری یہاں آمد کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا۔ آمنہ باجی کے اس طرح ملاقات کرنے سے شبہ بھی ہوتا تھا کہ بخت بیدار کو کسی طرح میرے مقصد کا علم بھی ہے صورت حال ذرا تشویشناک تھی اور اس پر بہت غور کرنا تھا۔ ویسے آمنہ باجی کو میرے سامنے بھیج کر میرے ذہن پر ایک چوکا لگایا گیا۔ مجھے یہ احساس دلایا گیا تھا کہ بخت بیدار کے ساتھ میرے خاندان کی ایک لڑکی کا مستقبل ہے جہاں تک آمنہ باجی کی کیفیت تھی۔ اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بخت بیدار کی اصلیت سے ناواقف نہیں ہیں وہ چلی گئیں اور میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ گویا بخت بیدار نے مجھے اس حویلی میں بلا کر اپنی نگاہوں کے سامنے کر لیا تھا۔ دوپہر کے کھانے پر بخت بیدار آمنہ باجی اور بچے تھے بخت بیدار نے کھانے کی میز پر میرا استقبال کرتے ہوئے کہا

"آیئے سالے صاحب ہم تو یہ تصور بھی ذہن سے نکال بیٹھے ہیں کہ سسرال قسم کی کوئی چیز ہماری کہیں موجود ہے بعض لوگ رشتہ داریوں کے معاملے میں اتنے ہی بدقسمت ہوتے ہیں وہ دوسروں سے ملنا چاہتے ہیں لیکن لوگ ان سے کھنچے رہتے ہیں بہرطور ہمارے دل میں یہ خواہش ضرور ہے کہ اپنوں سے ملاقاتیں ہوں۔ سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟ کیا کر رہے ہو۔"

"وکالت ایک ناکام وکالت" میں نے جواب دیا۔ اور بخت بیدار گہری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کیوں کر رہے ہو؟ انسان اگر کسی شعبے میں کامیاب نہ ہو تو اسے وہ شعبہ چھوڑ دینا چاہیے۔"

"ہاں مالی طور پر کامیابیاں نصیب نہیں ہو رہی لیکن باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے

اگر مالی طور پر آدمی کامیاب نہیں ہے باقی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ ادھر کیسے نکل آئے؟"

"بس کہا نا سیاحت۔۔۔؟"

"انوکھی سیاحت ہے۔ بہرطور یہاں رہو اور کھاؤ پیو، عیش کرو۔ آخر سالے ہو۔" بخت بیدار نے ہنستے ہوئے کہا اور آمنہ باجی کی طرف دیکھنے لگا

آمنہ باجی بھی ہنس پڑی بخت بیدار سے یہ گفتگو کھانے کی میز پر جاری رہی پھر اُس نے کہا۔

"میں ذرا مصروف رہتا ہوں شارق اگر مجھ سے کم ملاقاتیں ہوں تو فکر مت کرنا ویسے جو کچھ بھی چاہو کرتے رہو۔ شاداب گڑھی تمہارے لیے کشادہ ہے۔

ان جملوں پر بھی اگر میں غور کرتا تو ایک اشارہ پوشیدہ تھا لیکن وقت سے پہلے اشارے بازیوں پر توجہ دینا مناسب نہیں تھا۔ رات کے کھانے پر بھی وہ ملا اور اس کے بعد ہماری ملاقات ختم ہو گئی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی دوسری صبح بخت بیدار سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ناشتا آمنہ باجی کے ساتھ کیا انہوں نے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی تھی اور پھر میں حویلی سے باہر نکل آیا اور آوارہ گردی کرنے لگا۔ باہر نکلا تو گھوڑا گاڑی کے کوچوان نے کہا۔

"سرکار نے حکم دیا ہے کہ آپ جہاں بھی جائیں آپ کے لیے گھوڑا گاڑی تیار رکھی جائے چنانچہ میں حاضر ہوں۔"

"نہیں کوچوان میں ذرا پیدل چلنے کا عادی ہوں اور پھر ان چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں پیدل چلنے میں بہت لطف آتا ہے تم سکون سے یہاں رہو میں چلتا ہوں" یہ کہہ کر میں باہر نکل آیا۔

یہاں کے گلی کوچے و بازار کسی حیثیت کے حامل نہیں تھے درمیانے قسم کی بستی تھی۔ اور لوگ اپنی اپنی ذمہ داریوں سے نمٹ رہے تھے میں اس باغ کی جانب چل پڑا جو کالو کا باغ کہلاتا تھا اور جہاں کے آم بڑی حیثیت کے حامل تھے۔ باغ کا رکھوالا بدل چکا تھا۔ اس نے باغ کے احاطے کے باہر مجھے روک دیا۔

"نہیں صاحب اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"میں بخت بیدار کا آدمی ہوں۔"

"صاحب اگر کسی کو یہاں بھیجتے ہیں تو حکم دے دیتے ہیں۔ ہمیں حکم نہیں ملا۔ ہماری مجبوری سمجھیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔ تم یہاں اکیلے باغ کی حفاظت کرتے ہو؟"

"ہاں صاحب باغ کے چاروں طرف احاطہ بنا دیا گیا ہے اور اس احاطے کو عبور کر کے آنا ممکن نہیں ہے۔"

"کٹیا بھی بنا رکھی ہوگی تم نے یہاں پر؟"

"ہاں جی۔"

"اور اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہتے ہو گے؟"

"نہیں اپنے بیوی بچے بستی ہی میں [illegible] ہیں۔ دوسرے بھائی وغیرہ بھی ہیں۔" باغ کے رکھوالے نے جواب دیا۔

"تم سے پہلے یہاں باغ کا رکھوالا کون تھا؟"

"بہت دن سے یہاں ہیں صاحب [illegible] ہم ہی یہ سب کچھ کرتے ہیں۔"

"ٹھیک۔۔۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ تمہاری [illegible]"

"معاف کرنا صاحب۔ ہم آپ کو [illegible] والا فی حق نہیں رکھتے۔ اگر آپ سرکار کے رشتہ دار ہیں اور باغ کی سیر کرنا چاہتے ہیں تو سرکار سے کہہ دیں۔"

"ارے نہیں بھئی۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

بخت بیدار کی زمینیں بڑی وسعت [illegible] میں بیرونی حصے میں نکل آیا لیکن یہاں سنسان [illegible] تھے اور ان سنسان راستوں پر ہی میں نے ان دونوں [illegible] کو دیکھا جنہیں دو تین بار دیکھ چکا تھا۔ بس یونہی [illegible] شکل میں نظر آتے رہے تھے اور اب ان کی اس طرح آمد دیکھ کر میں چونک پڑا۔ گویا وہ میرا تعاقب کر رہے تھے۔ بظاہر دیہاتی سے آدمی تھے اور دیہاتی قسم کا لباس ہی پہنے ہوئے تھے لیکن یہ اندازہ لگانے میں مجھے کوئی دقت نہ ہوئی کہ وہ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بخت بیدار کی ذہانت کی دل ہی دل میں داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اُس نے میری یہاں آمد کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں اور وہ بھی چند گھنٹوں کے اندر اندر مجھے اپنے گھر بلا لیا تھا۔ بڑی بے باکی سے اور میرے ہر اقدام کی نگرانی کر رہا تھا اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو وہ میری یہاں آمد کے سلسلے میں مشکوک ہو چکا تھا اور اب وہ میری ہر کارروائی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر ان دونوں کو نظرانداز کر دیا۔ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ تعاقب کرتے ہیں۔ کرتے رہیں۔ لیکن شاداب گڑھی آ کر یہ احساس ہو رہا تھا کہ جس طرح میں نے امیرالدین کے سلسلے میں بآسانی کام کر لیا تھا۔ شاداب گڑھی میں مجھے وہ آسانیاں فراہم نہیں ہو سکتیں اوّل تو یہ کہ شاداب گڑھی بہت بڑا علاقہ تھا۔ دوئم بخت بیدار کے بارے میں یہاں کے لوگوں کے خیالات بہت اچھے تھے اور کسی سے [illegible] اس کی مخالفت میں کچھ معلوم کر لینا ممکن نہیں تھا۔ میں کافی دیر اسی طرح آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر میں نے [illegible] بات سوچی اگر [illegible] بخت بیدار کے بارے میں معلومات حاصل نہیں [illegible] تو یقینی طور پر اس کی حویلی میں مجھے کچھ ایسے شواہد مل سکیں گے جن سے میں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لوں۔ گویا بخت بیدار نے مجھے [illegible] اپنے خلاف ہی کام کیا تھا۔ بہرطور آج [illegible] حویلی میں [illegible] پہلا [illegible] کھیتوں [illegible] نکل آیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کو میں نے بوقت [illegible] ذمہ داری سونپ دی گئی تھی [illegible] معلومات حاصل [illegible] اس وقت میں حویلی واپسی کے لیے چل پڑا تھا اور [illegible] گڑھی کے ایک دور دراز گوشے سے گزر رہا تھا [illegible] نظر آگیا۔ فیروز ہمارے گھر کا ملازم تھا اور آشیانے میں ہی [illegible] پل بڑھ کر جوان ہوا تھا۔ لمبی لمبی نوکیلی مونچھوں والا فیروز ایک گھر کے دروازے سے باہر نکلا تھا اور اتفاق سے میں اسی دروازے سے گزر رہا تھا۔ فیروز کو دیکھ کر میں بری طرح ٹھٹک گیا۔ اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا چنانچہ سلام کر کے میرے پاس آگیا۔

"فیروز تم یہاں۔۔۔؟"

"ہاں صاحب جی سات دن کی چھٹی ملی تھی ہمیں یہاں ہماری رشتہ دار رہتی ہیں بس ان کے پاس آگئے تھے۔"

"ہوں! کب آئے تھے تم؟"

"پانچ چھ دن ہو گئے۔ بس پرسوں واپس جا رہے ہیں۔ صاحب نے خاص طور سے ہمیں چھٹی دے کر یہاں

بھیجا تھا۔"

"کس صاحب نے...؟"

"بیرسٹر صاحب نے۔" فیروز نے نیاز مندی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب...؟ انہوں نے تمہیں یہاں کسی کام سے بھیجا تھا؟"

"ہاں صاحب جی حویلی میں ایک خط پہنچانا تھا بیرسٹر صاحب نے کہا تھا کہ رازداری سے پہنچادیں اور کسی کو اس بارے میں معلوم نہ ہونے دیں۔ انہوں نے جب ہمیں یہاں بھیجنے کے لیے کہا تو ہم نے ان سے اجازت لے لی کہ ہم ایک ہفتے کی چھٹی چاہتے ہیں۔ صاحب نے ہمیں خوشی سے یہ چھٹی دے دی۔" میرے ذہن میں ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا میں نے فیروز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"حویلی میں وہ خط کس کے پاس بھیجا گیا تھا؟"

"سرکار بخت بیدار کے پاس۔"

"نصرت حسین صاحب نے وہ خط بھیجا تھا؟"

"جی صاحب۔"

"دوسرے لوگوں کو بھی یہ بات معلوم تھی؟"

"ہم سمجھے نہیں صاحب۔"

"میرا مطلب ہے آئی۔ جی صاحب وغیرہ کو۔"

"ہمیں نہیں معلوم صاحب جی بس بیرسٹر صاحب نے ہمیں کہا کہ فیروز تم ایک کام سے شاداب گڑھی چلے جاؤ۔ تو ہم یہاں آگئے صاحب۔ پرسوں جارہے ہیں۔ کچھ کہلوانا تو نہیں ہے ہم سے؟"

"نہیں... نہیں فیروز بالکل نہیں اور سنو" میں نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر میرا منہ بگڑ گیا۔ وہ دونوں کمبخت زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ میں نے بہر طور انہیں نظر انداز کر دیا اور جیب سے پچاس روپے نکال کر فیروز کو دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تم میری طرف سے انعام رکھ لو اور سنو کسی کو یہ پتا نہ چلنے پائے کہ میری تم سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"نہیں بتائیں گے صاحب۔ پیسوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"نہیں یہ تو تم انعام سمجھ کر رکھ لو۔ مگر کسی کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔ اس خط کے جواب میں کیا بخت بیدار نے بھی تمہیں کچھ کہا؟"

بالکل نہیں صاحب۔ بس ہمارا کام اتنا ہی تھا کہ خط سرکار کو دے دیں اور اس کے بعد آرام کریں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے فیروز۔"

"صاحب جی کچھ چائے وغیرہ پی لیں۔ ہمیں خوشی ہوگی۔"

"نہیں فیروز تمہارا بہت بہت شکریہ اور پھر یہ تو تمہارا گھر بھی نہیں ہے اور میں ذرا مصروف بھی ہوں مگر خیال رکھنا اگر یہ بات تم نے کسی کو بتادی کہ میری تم سے ملاقات ہوچکی ہے تو پھر میرے تمہارے درمیان دوستی نہیں رہے گی۔"

"نہیں صاحب جی مالک ہیں آپ ہمارے۔ آپ نے کہہ دیا بس ہم نے سن لیا۔ اب مجال ہے کسی کی جو ہم سے ہماری زبان کھلوا لے۔" فیروز نے کہا اور میں اس کا شانہ تھپکتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

وہ دونوں بدستور میرے پیچھے چل رہے تھے اور میرے ذہن میں سنسناہٹیں ہو رہی تھیں۔ اب پتا چلا تھا بخت بیدار کی روشن ضمیری کا لیکن بیرسٹر صاحب نے جو قدم اُٹھایا تھا وہ میرے خیال کے مطابق ایک مجرمانہ قدم تھا یقینی طور پر انہوں نے بخت بیدار کو یہ اطلاع بھیجی ہوگی کہ میں اس کے خلاف کام کرنے آرہا ہوں اور اُسے محتاط رہنا چاہیے یہ تو ایک مجرم کی مجرمانہ مدد تھی۔ اگر صرف رشتہ داری کی غرض اس بات کا خیال رکھا گیا ہے تو بہر طور یہ بھی ناجائز تھا کیوں کہ کتنا ہی کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اگر کسی جرم میں ملوث ہے تو قانون کے رکھوالوں کو ہر طرح کی رشتہ داری نظر انداز کر دینی چاہیے۔ میں آشیانے سے بے وجہ بددل نہیں تھا آئی۔ جی صاحب اپنی ذات میں صاف ستھرے آدمی تھے اور پھر یہ بات تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں کتنی چشم پوشیاں کی ہوں گی۔ ہر شخص کمزوریوں کا شکار ہوتا ہے۔ شاید آئی۔ جی صاحب بھی کمزوریوں کا شکار رہے ہوں لیکن باقی تمام حضرات زمانہ ساز تھے اور کہیں کہیں لچک بھی پیدا کر لیا کرتے تھے۔ مجھے اس بات پر سخت غصہ آیا تھا کہ بیرسٹر صاحب نے ایک مجرم کی پشت پناہی کرنے کی کوشش کی تھی۔ چاہے وہ کسی بھی نظریے کے تحت ہو۔ ذہن میں جھلاہٹیں پیدا ہو گئی تھیں۔ آئی۔ جی صاحب کو اُن کے سپوت کے کارنامے بتانا ضروری تھا تاکہ وہ حقیقتوں کو شناخت کر لیں۔ اس کے بعد میں واپس حویلی میں پہنچا تھا۔ حویلی میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جو قابل توجہ ہوتی۔ البتہ دوسرے دن صبح کو میں نے حویلی کے ایک مخصوص حصے میں بہت سے لوگوں کا مجمع دیکھا اور خود بھی اس جانب چل پڑا میں نے دیکھا کہ سرکار

یعنی بخت بیدار ایک تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ چہرے پر جلال ہے۔ آنکھیں بند ہیں۔ ہاتھ میں ہزارہ تسبیح اور ان کے نزدیک ہی ایک دوسرا بھاری بھر کم شخص کھڑا ہوا ہے حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہو رہی تھیں۔ دعا تعویز پڑھا ہوا پانی گنڈے۔ یہ تمام چیزیں تقسیم ہو رہی ہیں پتا چلا کہ آج جمعرات کے دن سرکار حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں اور ہر جمعرات کو لوگ ان کے پاس اپنی اپنی پریشانیاں لے کر آتے ہیں۔ میں بخت بیدار کا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ اور دل ہی دل میں مسکراتا رہا۔ انسان کی کمزوری انسان بناتا ہے اور کچھ عقل مند ہوتے ہیں کچھ بے وقوف۔ یہ دولت مند شخص جو شاید پانچ وقت کی نماز بھی نہ پڑھتا ہو۔ ولی بنا بیٹھا تھا اور لوگ اسے پوج رہے تھے۔ بعض لوگ دولت کمانے کے لیے دھندے کرتے ہیں اور بعض اپنی دوسری ناپاک خواہشیں پوری کرنے کے لیے۔ یہ طور بخت بیدار نے اپنے گرد ایک حفاظتی خول بنا کر رکھے تھے۔ ان میں سے کچھ کو فائدے اور بہر فائدے حاصل ہو جاتے ہوں گے اور کچھ کی مشکلات بخت بیدار دوسرے ذرائع سے پوری کر دیتا ہوگا چنانچہ اس کے عقیدت مند شاداب گڑھی میں کافی تعداد میں موجود ہوں گے میں بہت دیر تک یہ تماشا دیکھتا رہا۔ بخت بیدار نے ایک بار بھی نگاہیں اُٹھا کر مجھے نہیں دیکھا تھا اس کا ماتحت لوگوں سے ان کے حالات پوچھتا اور انہیں بخت بیدار کے سامنے پیش کر دیتا وہ اسی شخص کے ذریعے اس تک پہنچا دیتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے بھی چلا آیا۔ آمنہ باجی سے اس کے بعد تنہائی میں ملاقات نہیں ہوئی تھی میں یہ صورت حال چونکہ اچھی طرح دیکھ اور سمجھ رہا تھا۔ آمنہ باجی کو اُس دن خصوصی طور پر میرے پاس اس لیے بھیجا گیا تھا کہ ان سے صورت حال کا اندازہ ہوجائے بخت بیدار کو اس کے بعد انہیں مزید اجازت نہیں دی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے اس مختصر سی ملاقات میں بھی کم از کم اپنی کیفیت بیان کر دی تھی اور میں انہیں چھیڑنا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ کہیں ان کی زندگی تلخ نہ ہو جائے۔ بخت بیدار کو اُس کی حرکتوں میں چھوڑ کر میں پھر شاداب گڑھی کی گلی کوچہ و بازار میں نکل آیا۔ مجھے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو اس سلسلے میں میری راہنمائی کر سکے۔ لیکن کوئی حل بھی نہیں نکل رہا تھا۔ ایک آدھ جگہ کوشش بھی کی تو بے مقصد ہی ثابت ہوئی۔ اندازہ یہ ہوا کہ ہر شخص

بخت بیدار کا نام احترام سے لیتا ہے اور کوئی بھی ایسا موجود نہیں ہے جو اُس کے خلاف کچھ کہنے پر آمادہ ہو۔ شدید ذہنی کوفت کا شکار ہو گیا تھا اور پھر ایک سنسان راستے سے گزر رہا تھا کہ وہی دونوں مجھے نظر آگئے جو میرا تعاقب کرتے تھے۔ ذہن پر کچھ ایسی جنون جیسی کیفیت سوار ہوئی کہ میں نے ان دونوں سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر گنجان درختوں کے سلسلے نظر آرہے تھے۔ میں نے اُدھر کا رُخ کیا تھا اور اس کے بعد میں ایک چوڑے درخت کے عقب میں چھپ گیا۔ یہاں سے میں ان دونوں کو دیکھ سکتا تھا۔ لیکن خود اُن کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو گیا۔ وہ دونوں تیزی سے آگے بڑھتے اور تقریباً دوڑتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں میں پوشیدہ تھا۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر رُک کر وہ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا۔

"ارے کہاں گیا وہ؟ یہاں تو نظر نہیں آرہا؟"

"آگے بڑھو ہو سکتا ہے آگے نکل گیا ہو۔"

"تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے سرکار کا یہی حکم ہے۔"

"میں نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوا ہوں یہاں موجود ہوں۔" میں نے عقب سے کہا اور وہ دونوں اُچھل پڑے۔ اُن کے چہروں پر خوف کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ پھر اُن دونوں نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور اُن میں سے ایک نے جلدی سے مجھے سلام داغ دیا۔ میں آہستہ آہستہ ان کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر بدحواسی کے آثار نمایاں تھے۔

"کیا حکم دیا تھا سرکار نے تمہیں میرے بارے میں؟"

"کک... کچھ نہیں... کچھ بھی تو نہیں۔" اُن میں سے ایک نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"سنو یہاں آس پاس کوئی بھی نہیں ہے۔ میں ہوں اور تم دونوں ہو اور تم میرے پیچھے مسلسل لگے ہوئے ہو بہتر یہی ہے کہ مجھے سچی باتیں بتا دو۔ اس میں تمہاری نجات ہے ورنہ میں تم دونوں کو اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ اپنی ٹانگوں سے چل کر واپس جاؤ۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں صاحب۔ ہم تو اِدھر سے ایسے ہی جا رہے تھے۔ آپ کی بات تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں

آرہی۔ کیوں جگنو تو بتا ؟"
"ہاں اور کیا ہم تو۔۔ ہم تو اِدھر سے جا رہے تھے۔"
"اچھا۔۔ اچھا تم اِدھر سے جا رہے تھے اور کل۔۔۔ ؟"
"کل۔۔ کل کیا ہوا؟ کل تو کچھ بھی نہیں ہوا بھلا کیوں جگنو کل تو ہم کام کر رہے تھے۔" پہلے آدمی نے دوسرے آدمی سے کہا اور دوسرا زور زور سے گردن ہلانے لگا۔

لیکن میرا گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ اُچھل کر چاروں شانے چت جا پڑا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ دوسرے آدمی نے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے پاؤں اڑا کر اسے بھی نیچے گرا دیا۔

"تم دونوں کی لاشیں میں یہیں درختوں کے درمیان چھوڑ دُوں گا اور کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ تمہیں میں نے قتل کیا ہے۔ زندگی بچانا چاہتے ہو تو سب کچھ صاف صاف بتا دو۔"

"ارے واہ بابو جی بلاوجہ ہم سے مارا ماری کر رہے ہو۔ ہم نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟ اور ہم بھی ایسے چوہے نہیں ہیں کہ تمہارے ہاتھوں مار کھا جائیں گے۔ وہ تو بس سرکار کا حکم ہے کہ ہم تم پر ہاتھ نہیں اُٹھا رہے۔" وہ دونوں سنبھل کر کھڑے ہو گئے۔

"سرکار کو تو ان تمام باتوں کا پتا نہیں ہے دوستو! آؤ پھر یہ فیصلہ ہو جائے کہ تم زبان کھولو گے یا میں تمہیں مار دُوں۔" اُن دونوں نے بھی غالباً اسے اپنی ہتک سمجھا تھا چنانچہ میں جب آگے بڑھا۔ تو انہوں نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھو بابو آخری بار کہہ رہے ہیں۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ میں رکھو۔ ہم بھی اتنے کمزور نہیں ہیں۔" یہ جملہ کہنے والے کے جبڑے پر میرا اُلٹا ہاتھ پڑا تو اُس کا ہونٹ پھٹ گیا اور اس کے بعد وہ مجھ سے لپٹ گیا۔ لڑائی بھڑائی کے ماہر نہیں لگتے تھے یہ لوگ۔ سامنے سے حملہ کرنے والے کے پُشت پر میری لات پڑی اور وہ اوندھے مُنہ گر پڑا پھر اُس کے بعد میں اِن دونوں کو اُٹھا اُٹھا کر گھونسے مارتا رہا تھا۔ وہ خود بھی کوششیں کرتے رہے تھے لیکن بے چارے سیدھے سادے لوگ تھے۔ ایک بھی ہاتھ نہ لگا سکے مجھے اور میں نے ان کے حُلیے بگاڑ دیے۔ اُس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔
"اور اب میں تمہاری گردنیں دبا کر تمہیں یہیں پھینک دُوں گا۔ سمجھے" اور اس کے بعد ٹہلتا ہوا یہاں سے آگے بڑھ جاؤں گا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ میں نے تمہیں ہلاک کیا ہے۔"

"ارے ہماری تم سے کیا دُشمنی ہے بھائی؟"
"کچھ نہیں۔ میں تو تم سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ دوستی نہیں کر رہے تو مار کھا رہے ہو اور اسی کوشش میں جان بھی دے دو گے۔"
"ارے ہم تو نمک کے بندے ہیں۔ نمک کھاتے ہیں تو حلال کر رہے ہیں۔ سرکار ہی نے بھیجا تھا ہمیں تمہارے پیچھے اور کہا تھا کہ تم جہاں بھی جاؤ، تم پر نظر رکھیں۔ بس یہ کام تھا ہمارا۔ اب خود سوچو تنخواہ ہمیں سرکار سے ملتی ہے تو جو وہ کہیں گے وہی تو ہم کریں گے۔"
"ہُوں! کل تم نے سرکار کو ہمارے بارے میں کیا خبریں دی تھیں؟"
"کچھ نہیں بھائی۔ تم نے کیا ہی کیا ہے جو ہم خبریں دیتے۔ بس جس آدمی سے تم ملے تھے اس کے بارے میں ہم نے بتا دیا تھا۔"
"کون تھا وہ آدمی؟ جانتے ہو تم اُسے؟"
"ہم نہیں جانتے مگر سرکار جانتے ہیں اُسے۔ اُس کا پتا پوچھ رہے تھے ہم سے۔ ہم نے بتا دیا۔"
"ہُوں! سنو اب اگر تمہیں سرکار کے سامنے جانا پڑے اور تم سرکار کو یہ بات بتاؤ کہ تم نے مجھ سے مار کھائی ہے تو سرکار تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟"
"ہمیں کیا معلوم؟"
"میں بتاتا ہوں تمہیں وہ تمہیں جان سے مار دیں گے۔"
"یہ بات تو ہم بھی جانتے ہیں۔"
"تو اس کی ایک ترکیب ہے بشرطیکہ تم میری دوستی قبول کرو۔"

دونوں پُرخیال نگاہوں سے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھتے رہے۔

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ سرکار کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ وہ جو کچھ نظر آتے ہیں وہ ہیں نہیں۔"
"ارے ہمیں کیا معلوم؟ ہم تو بس حُکم کے بندے ہیں۔"
"نہیں یہ غلط کہہ رہے ہو تم۔ آخر تم سرکار کے لیے کام کرتے اور سرکار جو کچھ ہے تمہارا کیا خیال ہے مجھے نہیں معلوم

بستی کی بہت سی لڑکیاں ان کے ہتھے چڑھ چکی ہیں اور بستی والے یہ بات جانتے ہی نہیں۔"
"ارے بھائی ہمیں کیا معلوم؟ ہم جا رہے ہیں۔"
"سُنو بات سُنو تم میں سے کسی کی شادی نہیں ہوئی؟"
"اور ہوگی بھی نہیں اگر تم سے یہی باتیں کرتے رہیں تو۔"
"لیکن ایک بات سُن لو۔ سرکار جو کچھ کر رہے ہیں اس کا اثر بستی کے ہر شخص پر پڑے گا اگر تم نے اس سلسلے میں سرکار کے خلاف قدم نہ اُٹھائے تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک ہو سکتا ہے آخر تمہاری مائیں بہنیں بھی اسی بستی میں رہتی ہوں گی۔"
"کوئی نہیں ہے ہمارا۔ بس تم ہماری جان بخش دو۔ معاف کر دو ہمیں۔ سرکار کے خلاف ہم ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں۔" وہ دونوں وہاں سے اُٹھے اور تیزی سے دوڑتے ہوئے بھاگ گئے۔

میں گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اِن کو شاید صورت حال معلوم ہو۔ لیکن کم بخت آسانی سے تعاون نہیں کریں گے۔ بہر طور اب اگر یہ جا کر بخت بیدار سے کچھ کہہ بھی دیتے ہیں تو انہی کا نقصان ہوگا۔ جہاں تک میرا مسئلہ تھا۔ میں بخت بیدار سے چوکنا تھا۔ وہ دونوں مجھے پھر نظر نہیں آئے تھے۔ غالباً اپنے اپنے حُلیے دُرست کرنے کے لیے چلے گئے تھے۔ میں نے شام کو چھ سات بجے ہی حویلی میں قدم رکھا تھا۔ حویلی سے حاجت مند اب رُخصت ہو گئے اور بخت بیدار اندر ہی موجود تھا۔ آمنہ باجی سے مُلاقات ہوئی تو کہنے لگیں۔

"کہاں مارے مارے پھرتے ہو۔ فئیٹ تمہارے لیے تیار کر دی گئی ہے۔ اُس میں چلے جایا کرو۔"
"نہیں باجی پیدل گھومنے میں جو لُطف آ رہا ہے وہ کسی گاڑی میں نہیں آ سکتا۔ گاڑیوں میں تو ہم لوگ سفر کرتے ہی رہتے ہیں۔ ویسے آپ سے مجھے شکایت ہے۔"
"کیا۔۔۔ ؟"
"آپ تو بس دوپہر اور رات کے کھانے پر مل جاتی ہیں۔ بس اتنا ہی رشتہ ہے کیا ہمارے درمیان؟"
"نہیں شارق بھیا یہ بات نہیں صرف ایک جملہ کہوں گی صورت حال کا تم خود اندازہ لگا لینا مجھے تنہائی میں تم سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔" آمنہ باجی نے کہا اور میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔
واقعی اس ایک جملے سے تمام وضاحتیں ہو گئی تھیں۔ میں اپنی مطلب براری کے لیے آمنہ باجی کی زندگی کے درپے نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے کہا۔
"تب ٹھیک ہے مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

رات کے کھانے پر معمول کے مطابق بخت بیدار سے مُلاقات ہوئی۔ چہرے پر کوئی کبیدگی نہیں تھی۔ حسب معمول مُسکرا کر مجھ سے ملا تھا۔ ویسے مجھے اِس بات کا تو یقین تھا کہ اُسے اپنے ساتھیوں کی پٹائی کی خبر مل چکی ہو گی تیز آدمی تھا۔ بہت مختصر وقت میں میں نے اس کے بارے میں اندازہ لگا لیا تھا۔

"کہیئے سالے صاحب ہماری شاداب گڑھی کیسی لگی آپ کو؟ بڑی سیر و سیاحت کرتے رہتے ہیں آپ۔ غالباً آپ کا سارا دن ہی شاداب گڑھی کے نواحات میں کچھ تلاش کرتے گزرتا ہے۔ میاں کیا چاہیئے ہم سے کہو۔ آسمان سے تارے توڑ دیں تمہارے لیے؟ کیونکہ تمہارا مسئلہ ذرا مختلف ہے ساری خدائی ایک طرف اور تم ایک طرف؟ کیوں بیگم؟" بخت بیدار نے آمنہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

آمنہ باجی پھیکے سے انداز میں مُسکرا کر رہ گئی تھیں۔
"بھئی کوئی اصلی ملاقات نہیں ہوئی تم سے۔ کھانے سے فارغ ہو کر ذرا بیٹھیں گے تنہائی میں۔ کچھ اپنی سُناؤ یار دل کے قصے بیان کرو۔ ہم تو اس دُنیا سے کٹ کر ہی رہ گئے ہیں۔ بس یہی جی چاہتا ہے کہ اللہ کی یاد میں زندگی بسر کر دیں۔"
"ضرور۔ واقعی آپ سے تنہائی میں مل کر بیٹھنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔"
"میاں ہم سے جو مانگو گے پاؤ گے۔ کبھی مانگ کر دیکھو۔" بخت بیدار نے معنی خیز انداز میں کہا۔
"بہتر ہے دیکھ لیں گے مانگ کر بھی آپ سے۔" میں کسی طرح اس سے مات نہیں کھا رہا تھا۔

بخت بیدار کے کہنے کے مطابق میں نے اسے تنہائی میں پکڑ لیا۔ غالباً وہ بھی میرا انتظار ہی کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ پھر اسی انداز میں مُسکرایا اور بولا۔
"دیکھو اسے کہتے ہیں مروّت اور محبّت۔ جو بات تمہارے دل میں تھی ہم نے کہہ دی۔"
"سمجھا نہیں بیدار بھائی۔" میں نے کہا۔
"بھئی کئی دن ہو گئے تمہیں یہاں آئے ہوئے اور

نجانے کن کن چکروں میں سرگرداں پھرتے ہوئے کوئی کامیابی تو ملی نہیں۔ جھلاہٹ کا شکار ہو گئے ہو اور اب مار پیٹ بھی کرنے لگے ہو۔ ہم نے سوچا کہ چلو رشتہ ہے اپنا خود ہی بُلا لو اپنے پاس۔ اُلجھنیں تو دُور ہوں۔"

"کچھ اور تفصیل چاہتا ہوں بیدار بھائی۔"

"تو بیٹھو تو سہی ساری تفصیلات کھڑے کھڑے ہی معلوم کر لو گے۔" بخت بیدار نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنستا ہنستا بیٹھ گیا۔

بخت بیدار کے ہاتھ میں تسبیح کے دانے چل رہے تھے اور وہ پوری پوری اداکاری کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں پھر آنکھیں کھلیں تو ان میں گہرا سُرخ رنگ نظر آرہا تھا۔ کمبخت نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا بھی سیکھ لیا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا پھر میں نے کہا۔

"بیدار بھائی شاید آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ میں آپ کا مرید نہیں ہوں اور آپ سے کوئی دعا اور تعویز وغیرہ لینے نہیں آیا۔ بلکہ میں کچھ اور ہی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں... ہاں سمجھتے ہیں ہم... سمجھتے ہیں۔" درویش کے پاس سے سب کچھ مل سکتا ہے تمہیں۔ کہو کیا چاہئیے؟"

"بس بخت بیدار بھائی آپ کو علم ہے کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں؟"

"ہاں وکالت کے نام پر ڈرامے کرتے ہو تم۔ ہم نے سُن رکھا ہے تمہارے بارے میں۔ تم پہ اصلاحِ انسانیت کا فالج گرا ہے اور تم ذہنی اور جسمانی طور پر معذور ہو گئے ہو۔"

"بالکل ٹھیک سُنا آپ نے۔ واقعی یہ تو روشن ضمیری ہے۔"

بخت بیدار پھر ہنسنے لگا لیکن اس بار اس کی ہنسی میں غرّاہٹیں چھُپی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔

"ابھی کیا دیکھا ہے۔ وقت تمہیں بہت کچھ بتائے گا۔ یہاں کس چکر میں آئے تھے؟"

"ایک درویش اگر مجھ سے یہ سوال کرے تو مجھے اس کی درویشیت پر شک ہو جائے گا۔" میں نے کہا اور بخت بیدار کا چہرہ سُکڑ گیا۔

"کچھ زیادہ بول رہے ہو برخوردار۔ ہماری درویشیت کو آزمانا چاہتے ہو؟ ٹھیک ہے ایسا ہی سہی۔ کل یوں کرنا کہ پرانی مسجد چلے جانا۔ پُرانی مسجد ذرا فاصلے پر ہے اور لوگ اب وہاں نماز وغیرہ پڑھنے نہیں جاتے لیکن شاداب گڑھی کی گزرگاہ پر ہے اور مسافروں کے لیے بڑی فائدہ مند رہتی ہے۔ پُرانی مسجد سے ایک حجرہ ملحق ہے۔ وہاں جاؤ شاید تمہارا کچھ کام بن جائے۔"

میں نے معنی خیز نگاہوں سے بخت بیدار کو دیکھا اور بولا "یہ درویشانہ اشارہ زندگی سے متعلق ہے یا موت سے؟"

"سالے صاحب موت تو ہر جگہ موجود ہے اور کہیں کسی گوشے میں آسانی سے گردن دبوچ لیتی ہے۔ لیکن زندگی ذرا مشکل مرحلہ ہے اور پھر ہم رشتہ داروں کے ساتھ رشتہ داروں کا سا سلوک ہی کرتے ہیں۔ چلے جانا کل وہاں۔ تمہاری مشکل کا حل مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے آپ کی اس روشن ضمیری کو بھی آزما لیں گے۔ ویسے کوئی غلطی نہ کیجیے گا ہم بھی تھوڑے سے روشن ضمیر ہیں۔"

"اور کیا کیا ہو رہا ہے آج کل چھوڑو موضوع ختم ہو گیا۔ نصرت، امجد اور طارق حسین کے کام دھندے کیسے چل رہے ہیں؟ کبھی کوئی اُلجھن پیش آئے تو ہمیں یاد کر لینا دُعا کر دیں گے۔ کام ہو جائے گا اور تمہیں بھی اپنے کسی مسئلے میں کوئی مشکل پیش آئے سالے صاحب تو ان سارے چکروں کو چھوڑ کر ہمارے پاس آجانا۔ اللہ کی دُعا سے سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ بس اب جاؤ۔ عبادت کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم تو سدا کے عبادت گزار ٹھہرے خدا حافظ۔"

غالباً بخت بیدار مجھ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا لیکن میری کوئی بات اُسے چبھ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کا مُوڈ خراب ہو گیا۔ میرے لیے بھی وہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن اس رات میں نے اس کی باتوں پر کافی سنجیدگی سے غور کیا۔ نصرت صاحب نے تفصیلات تو بھجوا ہی دی تھیں اُسے۔ لیکن یہ شخص کافی خطرناک لگتا تھا اور ظاہر ہے اس سے محتاط رہنا بھی ضروری تھا۔ پُرانی مسجد کے بارے میں دوسرے دن صبح معلومات حاصل کیں اور بخت بیدار کا کہنا درست ثابت ہوا۔ وہ شاداب گڑھی سے کچھ فاصلے پر تھی مگر اس سے ملحق حُجرے میں کیا تھا یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تاہم میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے وہاں ضرور جانا چاہئیے اور بلاآخر میں وہاں بھی پہنچ گیا۔ مسجد سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ملحق حُجرے

میں میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ بوڑھا آدمی تھا مفلوک اور تباہ حالت میں۔ میں اس کے پاس پہنچا تو اُس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"کیا بات ہے بھائی؟ یہاں کیسے آگئے؟ میں بیمار آدمی ہوں۔ تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکوں گا۔ اگر تم مسافر ہو تو تھوڑی سی ہمت اور کرو بستی چلے جاؤ۔ وہاں تمہاری ہر ضرورت پوری ہو جائے گی۔"

میں بوڑھے آدمی کو بغور دیکھ رہا تھا پھر میں نے اس سے کہا۔

"میں آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"میرے پاس؟"

"ہاں۔ معلومات کرنا چاہتا ہوں آپ کے بارے میں۔ کون ہیں آپ؟"

"ہمارے بارے میں معلومات حاصل [illegible] کیا کرو گے بھیا۔ لُٹے پُٹے ہیں۔ زمانے کے ستائے ہوئے ہیں۔ زندگی کی آخری سانسیں پوری کر رہے ہیں۔ کب اور کس وقت موت آجائے۔ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"نام کیا ہے آپ کا؟"

"کمال چاچا کہتے تھے لوگ کبھی۔ اب کوئی کچھ نہیں کہتا کیونکہ کوئی یہاں آتا ہی نہیں ہے۔" بوڑھے [illegible] جواب دیا اور ایک بار پھر میرے ذہن میں ایک شدید دھماکہ ہوا۔ کمال چاچا... کمال چاچا... کمال چاچا۔ بھادوں کی [illegible] میں کمال چاچا کا نام تھا۔ یہ شمسہ کا باپ تھا۔ تو کیا بخت بیدار نے مجھے کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے [illegible] کی بات تھی۔ کمال کیا تھا واقعی اُس نے۔ میں کمال چاچا کو دیکھتا رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"کمال چاچا آپ یہیں رہتے ہیں۔ اصل بات نہیں بتا چکے ہیں مگر تم کون ہو؟"

"میں... یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا کمال چاچا۔ پہلے آپ مجھے میرے سوالات کے جواب دے دیں۔"

"پوچھ لو۔ حالانکہ ہم سب کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ کچھ یاد نہیں ہے ہمیں بھیا۔ کچھ بھی تو یاد نہیں ہے۔"

"کیا آپ کو شمسہ بھی یاد نہیں ہے؟" میں نے کہا اور اچانک ہی کمال چاچا کے بدن میں لرزشیں پیدا ہو گئیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگے تھے پھر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور یہ آنسو ان کی داڑھی کو تر کرنے لگے۔ انہوں نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"کیوں نہیں۔ کوئی اپنی اولاد کو بھول سکتا ہے اور پھر میں ایک مظلوم باپ جس کی بیٹی کو اس سے چھین لیا گیا جسے مار دیا گیا۔ میں اُس شہید کو بھول سکتا ہوں جو کسی کے ظلم کا شکار ہوئی۔" بوڑھے کی آواز بھرّا گئی چلی گئی اور پھر وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگا۔

میں ہمدردانہ نگاہوں سے بوڑھے کمال چاچا کو دیکھتا رہا۔ اُن کے رونے کے انداز نے مجھے بھی گلوگیر کر دیا تھا۔ کافی دیر تک کمال چاچا روتے رہے اور اُس کے بعد انہوں نے اپنے آنسو خشک کر لیے۔ پھر دفعتاً انہوں نے چونک کر کہا۔

"لیکن... لیکن تم شمسہ کو کیسے جانتے ہو؟ تمہیں اس کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"

"کمال چاچا میں بہت [illegible] جانتا ہوں بنیادی طور پر جانتا ہوں [illegible] لیکن میں آپ سے کچھ معلوم کرنا [illegible] بے گناہ کو [illegible] سکتے ہیں؟"

"کون بے گناہ [illegible] عذاب؟ جس عذاب [illegible] کسی کے پاس؟ [illegible] کوئی دُعا ہوتی [illegible] مرف موت [illegible] کوئی [illegible] میری زندگی اس [illegible] کو کیوں نہیں دے دیتا جو اس کی دُنیا میں [illegible] میرے لیے موت [illegible] بھائی اگر مجھ سے ایک لاچار اور لاغر بوڑھے سے ذرا بھی ہمدردی ہے تمہیں تو مجھے موت لا دو۔" کمال چاچا کی [illegible] بندھ گئی۔

میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا "کمال چاچا زندگی خدا کی دی ہوئی چیز ہے اور خدا ہی [illegible] کے بارے میں صحیح فیصلے کر سکتا ہے۔ ہم دُنیا کی [illegible] دوستوں اور اپنے محبّت کرنے والوں کو دے سکتے ہیں لیکن کوئی کسی کو نہ موت دے سکتا ہے نہ زندگی۔ صبر کرنا ہی حکمِ خداوندی ہے۔ کمال چاچا آپ بھی صبر کریں۔"

"آہ! صبر صرف ایک مجبوری کا نام ہے۔ ہم جب کچھ نہیں

کر سکتے تو صبر ہی کرتے ہیں۔ ورنہ جانے والے کہیں دل سے نکلتے ہیں کبھی نہیں نکلتے بیٹا... کبھی نہیں نکلتے۔"

"آپ کا کہنا بالکل درست ہے کمال چاچا۔ کیا آپ اس سلسلے میں میری تھوڑی سی راہنمائی کریں گے؟ واقعہ کیا پیش آیا تھا؟"

"وہی بیٹا جسے دُنیا جانتی ہے لیکن جس کے لیے کہنے والا اس روئے زمین پر دوسرا کوئی نہیں ہے۔ بخت بیدار بھیڑ کی شکل میں بھیڑیا ہے۔ نجانے کتنی زندگیاں تباہ کی ہیں اُس نے۔ لیکن اُس نے اپنے اُوپر درویشیت کا لبادہ ڈال لیا ہے اور دُنیا اُسے اُس کی دولت کے بل پر درویش مانتی ہے۔ لوگ اُس کی بُرائیاں جانتے بھی ہیں لیکن اُسے خوش کرنے کے لیے اس سے اپنی بیماریوں کے تعویز لیتے ہیں۔ دُعائیں حاصل کرتے ہیں اُس سے کیونکہ ان کی یہی خوشامدیں بخت بیدار کو پسند ہیں اور اُس کی پسند لوگوں کی مشکل ٹالتی رہتی ہے۔ میری بیٹی بھی بے گناہ تھی۔ اُس کمبخت نے اسے دیکھا۔ اُسے تباہ و برباد کر دیا وہ لٹ گئی۔ لیکن خودکشی نہ کر سکی۔" پھر اُس نے وہی کہانی مجھے سُنائی جو بھادوں سُنا چکا تھا۔ ان سے مُلاقات بھی بے سُود ثابت ہوئی اور میں وہاں سے واپس چل پڑا۔

لیکن میری حیرتوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ بخت بیدار نے مجھے خود کمال چاچا کے پاس بھیجا تھا۔ یہ عجیب و غریب بات تھی۔ ظاہر ہے وہ جانتا ہوگا کہ اگر میں نے کمال چاچا کو زبان کھولنے پر مجبور کر دیا تو وہ مجھے اس کے علاوہ اور کوئی کہانی نہیں سُنائیں گے جو مجھے بھادوں سے معلوم ہو چکی ہے۔ لیکن اُس نے ایسا کیوں کیا؟ دو ہی باتیں تھیں یا تو حد سے زیادہ خود اعتماد تھا وہ اور میرا مذاق اُڑانا چاہتا تھا یا پھر اس سے بھی اُس کے ذہن میں کوئی منصوبہ پروان چڑھ رہا تھا۔ میرے تن بدن میں آگ لگ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کون سا ایسا ذریعہ استعمال کروں جس سے اُس کے خلاف کوئی ثبوت مل سکے۔ لیکن کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی جو میرے لیے کارآمد ہو۔ وہاں سے واپس چلا آیا اور حویلی ہی میں گیا تھا۔ حویلی کے معاملات معمول کے مطابق تھے۔ میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور اُسی رات بخت بیدار سے پھر ملاقات ہوئی۔ بڑے اخلاق سے پیش آیا تھا۔ آمنہ باجی بھی اُس کی موجودگی میں مجھ سے چند باتیں کر لیا کرتی تھیں۔ اُس نے کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مجھ سے کہا۔

"آؤ بھئی سالے صاحب کچھ گپیں ہو جائیں۔ ویسے تم سے باتیں کر کے بڑا لُطف آتا ہے۔ آؤ اُوپر چلتے ہیں۔" وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے حویلی کے اُوپری حصّے میں لے گیا اور پھر ہم کھلی جگہ ٹہلنے لگے۔ بخت بیدار نے کہا۔

"ویسے خاصے لڑائی بھڑائی کے ماہر معلوم ہوتے ہو میرے دونوں آدمیوں کی خاصی مرمت کر دی تم نے۔ بھئی میں نے تو اس لیے اُنہیں تمہارے پیچھے لگا دیا تھا کہ لُچے لفنگے ہر جگہ ہوتے ہیں۔ کہیں کوئی تمہیں نقصان نہ پہنچا دے۔ میں نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ تمہاری نگرانی کریں اور اگر تم کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤ تو تمہاری مدد بھی کریں۔ مگر تم نے اُن کی اچھی خاصی پٹائی کر دی۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو غلط فہمیوں میں تو بہت کچھ ہو جاتا ہے کہو پُرانی مسجد گئے تھے؟"

"ہاں بیدار صاحب اور وہاں میری مُلاقات کمال چاچا سے بھی ہوئی تھی۔"

"بہت خوب... بہت خوب تمہیں اپنی کاوشوں کے سلسلے میں کوئی مدد ملی؟"

"ہاں ایک کہانی میرے علم میں آئی ہے کیا آپ اس کی تصدیق کریں گے بخت بیدار صاحب؟"

"میں دیکھنا چاہتا تھا کہ ایک پاگل دوسرے پاگل سے ملتا ہے تو اس پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے اس تجربے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بوڑھے کمال چاچا نے جو کہانی تمہیں سُنائی ہے کیا وہ یہ نہیں ہے کہ شمسہ میری ہوس کا نشانہ بنی اور اس کے بعد بھادوں کی بہن رجّو اور پھر دونوں قتل ہو گئیں اور بھادوں گرفتار ہو گیا یہی کہانی سُنائی ہوگی تمہیں کمال چاچا نے؟"

"ہاں لیکن بخت بیدار صاحب اُس کی زبان پر یہ کہانی آئی کیسے؟ اُس کے دل میں یہ شک پیدا کیسے ہوا کہ ان دونوں کو آپ نے قتل کیا ہے؟"

"یہ شک نہیں ایک سچائی ہے۔ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔" بخت بیدار نے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ میں یقین نہ کرنے والے انداز میں بخت بیدار کی صورت دیکھ رہا تھا اور بخت بیدار نے تمسخرانہ انداز میں میرا چہرہ دیکھا دفعتہً

اُس نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ہاں سالے صاحب یہ سچائی ہے۔ میں نے ہی اُن دونوں کو قتل کیا تھا۔ حقیقت یہی ہے دوسرے چند لوگوں کو بھی معلوم ہے۔ لیکن کیسی دلچسپ بات ہے کہ یہ حقیقت کوئی اور نہیں بتا سکتا سوائے میرے۔ بات دراصل یہ ہے سالے صاحب کہ زندگی ایک بار ملتی ہے اور ہمیں زندگی گزارنے کے ڈھنگ بتا دیے گئے ہیں۔ ہماری کوئی بھی طلب فطرت سے الگ تو نہیں ہوتی اور پھر عورت حُسنِ کائنات ہے۔ اس پر اجارہ داری تو مناسب نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ایک خوبصورت پھول آپ اپنے لباس میں سجا لیں اور اس کے بعد اس کے لیے مجبور ہو جائیں کہ اگر وہ سوکھ بھی جائے تو آپ اُسے لباس میں سجائے رہیں۔ چلو اگر کسی طور پر مجبوری بھی پیش آ ہی جاتی ہے تو کیا ضروری ہے کہ آپ اُسی سُوکھے ہوئے پھول پر اکتفا کریں۔ اگر ایسا ہی ضروری ہوتا تو اس زمین پر لاکھوں رنگوں کے پھول کیوں کھلتے۔ بھئی سوچنے کا فرق ہے سالے صاحب۔ زندگی عیش کرنے کے لیے ہے۔ عیش کرو۔ اپنے آپ پر اخلاقیات کے لبادے نہ چڑھائے رکھو اور اگر یہ دُنیا تمہیں تمہارے اصل رُوپ میں دیکھنا پسند نہیں کرتی اور صرف اُن لبادوں ہی سے خوش ہوتی ہے تو لبادے ڈالے رہو کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل رنگ تو تمہاری اپنی ذات میں پوشیدہ ہونا چاہیئے۔ میری مانو سالے صاحب میرے پاس آجایا کرو۔ عیش کیا کرو اور جب فرائض پُکاریں تو واپس چلے جایا کرو۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ سُنا ہے کہ ان دنوں تم پر اخلاقیات کا بھوت سوار ہے اور تم ایسے بے گناہوں کو منظرِ عام پر لانے کے لیے کاوشیں کر رہے ہو جو ناکردہ گناہ سزا پا رہے ہیں۔ لیکن جن جذبوں میں حماقت پوشیدہ ہو اُن کی پذیرائی تو نہیں جا سکتی۔ اسی لیے آئے تھے نا تم یہاں میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا۔ غالباً تم بھادوں کی بے گناہی ثابت کرنے کے چکر میں پڑے ہوئے ہو۔ ایسا ممکن نہیں ہے بیوی کے بھائی۔ اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ایک شخص تمہیں ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہے کہ سرکار قاتل ہیں۔ میں تم سے اعتراف کر رہا ہوں کہ میں قاتل ہوں اور میں تمہیں پیش کش کر رہا ہوں بلکہ میں نے تمہیں ایک ایسے کردار تک پہنچایا جو تمہارے لیے کارآمد ہو سکتا تھا لیکن تم نے اُس کی باتیں بھی سن لی ہوں گی۔ وہ موت مانگ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ مر جائے لیکن میں نے اُسے زندہ رکھا ہے کیونکہ یہ میری اپنی ذات کا امتحان ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میں کب تک طاقتور رہ سکتا ہوں اور اپنی طاقت کے لیے میں نے اپنے دُشمن کو زندہ رکھا ہے، سالے صاحب کن چکّروں میں پڑے ہوئے ہو۔ بے کار باتیں ہیں یہ سب بے کار باتیں ہیں میرا یہ اعتراف بھی تمہیں کچھ نہیں دے گا کون ہے اس وقت جو بھادوں کی مدد کر سکے؟ کوئی نہیں... کوئی نہیں۔"

"کیا آپ یہ بات بتانا پسند کریں گے بخت بیدار صاحب کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا کہ میں آج کل کیا کر رہا ہوں؟"

"بھئی چھوڑو ہم نے تو تمہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ تم یہاں آئے کس سلسلے میں ہو؟ تم اپنے طور پر کوشش کرتے رہے۔ کوئی کامیابی نہیں حاصل ہوئی تمہیں۔ ہم نے تمہیں ایک ایسے کردار کا پتا بھی دے دیا جو تمہیں سچائیاں بتا سکتا تھا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا کرتے تمہارے لیے؟ لیکن نجانے کیوں تم پر رحم آ گیا۔ ہم نے سوچا کہ یار کچھ بھی ہے۔ کہیں نہ کہیں سے ہماری تمہاری تھوڑی بہت رشتہ داری بھی نکل ہی آتی ہے اور پھر جوان اور خوبصورت آدمی ہو چنانچہ ہم نے تمہیں یہ پیش کش کر دی۔ چاہو تو رک جاؤ۔ کوئی مسئلہ نہیں پیدا ہوگا تمہارے لیے۔ ہم تمہیں دکھائیں کہ زندگی کیا چیز ہوتی ہے؟ اور سُنو ہم یہ خطرہ بھی مول لے رہے ہیں شارق میاں کہ تمہیں اپنی زندگی کے پوشیدہ پہلو دکھائیں کم از کم یہ اعتراف تو کرنا کہ ہم جیسا جیالا تم نے کوئی دوسرا نہیں دیکھا جو اپنے دُشمنوں کو اپنے ہاتھ سے ہتھیار دے دیتا ہے کہ لو آؤ اور گردن کاٹ لو مگر اس کی بھی کوئی وجہ ہے سالے صاحب۔ تو ہماری رائے ہے کہ ساری باتیں بے کار ہیں۔ ان بے کار باتوں سے نکل کر حقیقت کی دُنیا میں آؤ اور پھر دیکھو کہ کیا کیا پھول کھلے ہوئے ہیں اِس دُنیا میں۔"

میں بخت بیدار کی ساری باتیں سُن رہا تھا۔ اُس نے اپنی زبان سے شمسہ اور رجّو کے قتل کا اعتراف کر لیا تھا اور اس کے بعد مجھے چیلنج کر رہا تھا کہ اس اعتراف کے باوجود کچھ ثابت کر دکھاؤ۔ بلاشبہ میری اس زندگی کے لیے بہت بڑا تجربہ تھا۔ واقعی مجھے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ شاداب گڑھی میں ایک بھی ایسا شخص تلاش نہیں کر پاؤں گا جو بخت بیدار کے خلاف کچھ کہہ سکے چنانچہ میں

نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واقعی بخت بیدار بے کار ہے۔ مجھے اعتراف ہے اس کا۔ لیکن دوست تمہارے ساتھ رُک نہیں سکوں گا۔ جانا ہے کل میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"ضرور چلے جانا مجھے تو اس بات کی خوشی ہوگی کہ تم اپنے ذہن سے یہ سودا نکال دو اب تو کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ تم کاوشیں کرتے۔ لوگوں سے پوچھ گچھ کرتے پھرتے۔ مجھے یہ بات پتا چل چکی تھی کہ تم میرے خلاف تحقیقات کرنے آئے ہو۔ اس کے باوجود میں تمہیں تمہارے ہوٹل سے یہاں لے آیا۔ اپنے گھر میں رکھا میں نے تمہیں۔ کوئی بھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ لیکن اعتماد ہی تو ایک چیز ہوتی ہے۔ مجھے اپنی ذات پر اعتماد ہے۔ تو بہر حال جانا چاہو تو چلے جاؤ۔ لیکن میری پیش کش ہے کہ جب بھی شہر کی بوجھل زندگی سے تھک جاؤ شاداب گڑھی آجانا اور سیدھے میرے پاس آنا اور میرے خلاف کوئی اسکیم بنا کر مت آنا بلکہ ایک دوست یا پھر سالے کی حیثیت سے آنا۔ میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا اور پھر تم دیکھنا کہ میری دُنیا کیا ہے؟"

میں نے بخت بیدار سے اجازت لی اور حویلی میں اپنے کمرے میں آگیا لیکن میرے دل و دماغ سُلگ رہے تھے۔ ایک مجرم نے ایک قاتل نے اپنے مجرم اور قاتل ہونے کا اقرار کر لیا تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا کہ میں اُسے گنہگار اور بھادوں کو بے گناہ ثابت کر دکھاؤں بہت کچھ سوچ [illegible] اس بارے میں، ہیں۔ دل میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ کیا اس بار میں ناکامی سے دوچار ہوں گا۔ لیکن یہی تو کسوٹی تھی۔ میں نے اپنے اہلِ خاندان کے لیے خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا تھا تو یہ بخت بیدار کیا چیز ہے؟ نجانے کتنی دیر تک میں جاگتا رہا تھا اور میں نے آئندہ کے لیے پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔ دوسری صبح میں تیار ہوا۔ بخت بیدار موجود نہیں تھا۔ آمنہ باجی سے ملاقات [illegible] کہنے لگیں۔

"کیا تم جا رہے ہو شارق بھائی؟"

"ہاں باجی چلتا ہوں۔ کئی دن ہو گئے یہاں۔"

"رُک جاتے کچھ اور دن کیا حرج تھا؟"

"نہیں باجی بس جانا ضروری ہے۔"

"سب لوگوں کو میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ میں تو پنجرے میں ہوں۔ وہ تو آزاد ہیں۔ اُن کے لیے تو فضائیں کھلی ہوئی ہیں۔ کیا وہ بھی کبھی مجھ سے ملنے نہیں آسکتے۔ وہ کیوں یہ احساس دلا رہے ہیں کہ میں اُن کی دُور کی عزیز ہوں۔ میرا تو کوئی عزیز نہیں ہے دُنیا میں۔" آمنہ باجی کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ میں نے ان کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا یہ پیغام اُن لوگوں کو دے دُوں گا۔ ہو سکتا ہے آنے والا وقت آپ کو اس پنجرے سے آزاد کر دے۔" میرے لہجے میں خواہ مخواہ ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ جب کہ میں آمنہ باجی پر اس طرح کا اظہار نہیں چاہتا تھا۔ لیکن بہتر یہ ہوا کہ انھوں نے میرے الفاظ پر توجہ نہیں دی۔ بخت بیدار چونکہ اس وقت حویلی میں موجود نہیں تھا اس لیے میں اس کے لیے سلام دُعا کا پیغام چھوڑ کر حویلی سے باہر نکل آیا۔

رات ہی کو دل میں فیصلہ کیا تھا کہ کمال چاچا کو شاداب گڑھی سے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اوّل تو وہ مظلوم شخص جس طرح کی زندگی گزار رہا تھا وہی بے حد افسوس ناک تھی۔ دوئم یہ کہ ہو سکتا ہے بھادوں کے سلسلے میں کمال چاچا کسی طور کارآمد ثابت ہو جائے اور مجھے اس کی ضرورت پیش آجائے۔ کم از کم ایک شخص تو کچھ کہنے والا موجود تھا چنانچہ میں برق رفتاری سے شاداب گڑھی سے کچھ فاصلے پر بنی ہوئی پُرانی مسجد کی جانب چل پڑا۔ مسجد کے اطراف اب بھی ویران تھے۔ بس آبادی اُسی حجرے میں تھی اور وہ بھی ایک ایسے شخص سے جو موت کا آرزومند تھا۔ میں نے حجرے کے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں اُس کھلی چارپائی پر کمال چاچا لیٹے ہوئے نظر آئے تھے۔ میں اُن کے قریب پہنچ گیا لیکن صرف ایک نگاہ۔ صرف ایک نگاہ دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ کمال چاچا اب اِس جسدِ خاکی میں موجود نہیں ہیں۔ ان کی آنکھیں چھت کو تک رہی تھیں اور مُنہ کھلا ہوا تھا۔ وہ مر چکے تھے۔ کمال چاچا کی لاش دیکھ کر میرے بدن میں جھرجھری پیدا ہو گئی میں چند لمحات کے لیے ساکت رہ گیا۔ میرے ہوش و حواس ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پھر میں نے خود کو سنبھالا اور کمال چاچا پر جھک گیا۔ یہ

اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ ان کی موت کیسے واقع ہوئی؟ لیکن ان کے جسم پر زخم کا کوئی نشان موجود نہیں تھا۔ کچھ پتا نہیں چل سکا۔ ہو سکتا ہے طبعی موت مرے ہوں ہو سکتا ہے قدرت کو ان کی بے چارگی پر رحم آگیا ہو۔ اب کیا کرنا چاہیے اگر ان کے مسئلے میں اُلجھتا ہوں تو بہت وقت صرف ہو جائے گا۔ نجانے کیسے کیسے جواب دہی کرنا پڑے؟ بہتر یہی تھا کہ یہاں سے نکل جاؤں اور بعد میں کچھ سوچوں کوئی فیصلہ کروں۔ اِسی خیال کے تحت حجرے کا دروازہ کھول کر باہر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک بار پھر میرے رونگٹے کھڑے ہو [illegible] بخت بیدار وہاں موجود تھا۔ اس سے تقریباً سو گز [illegible] فاصلے پر پانچ چھ آدمی گھوڑوں پر نظر آرہے تھے۔ وہ غالباً بخت بیدار کے ساتھ ہی آئے تھے۔ بخت بیدار نے مُسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گردن جھٹک کر بولا۔

"سالے صاحب آخر نکلنا وہی جس کا [illegible] تھا۔ شکست خوردہ آدمی اپنی آخری حد تک چلے جانے کی کوشش کرتا ہے اور تمہاری آخری حد پُرانی مسجد کے اس حجرے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ تمہاری کسوٹی [illegible] سالے صاحب میں جاننا چاہتا تھا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے تم اس سے متفق ہو سکے ہو یا نہیں اور اگر متفق نہیں ہوئے تو میں نے یہ بھی سوچا ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے سالے صاحب اگر تم مجھ سے متفق ہوتے تو اِدھر کا رُخ نہ کرتے۔ تم نے یقیناً یہ سوچا ہوگا کہ کمال چاچا کو اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اسے میرے خلاف استعمال کرو گے اور اگر تم یہاں نہ آتے تو میں یہی فیصلہ کرتا کہ تم نے زندگی کی سچائیوں کو قبول کر لیا ہے مگر بات دوسری نکلی۔ خیر کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے موت کے آرزومند اس شخص کو موت کی آغوش تک پہنچا دیا ہے اور ایک نیک کام کیا ہے میں ورنہ یہ موت کی آرزو میں جل رہا تھا سُلگ رہا تھا۔ میں نے یوں کیا کہ ایک رومال اس کے مُنہ میں ٹھونس دیا اور دوسرا رومال اس کی ناک پر رکھ دیا اور پھر اس وقت تک اس کا مُنہ اور ناک دبائے رہا جب تک کہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل نہ گئی۔ مر گیا بے چارہ اور اچھا ہی ہو تنہائی کی زندگی بھی کوئی زندگی ہی ہوتی ہے تو سالے صاحب اپنے اس چوتھے قتل کا اعتراف کر رہا ہوں تین قتل تو وہ کیے تھے میں نے۔ بھئی ظاہر ہے شمسہ کے بدن سے پیدا ہونے والے اپنے بچے کو میں اس دُنیا میں ٹھوکریں کھانے کے لیے تو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ نہ میں دُنیا کے سامنے اُسے اپنی اولاد کہہ سکتا تھا اور نہ دُنیا کا کوئی اور شخص اس سے اپنا کوئی رشتہ ثابت کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے میں یہ بات جانتا تھا کہ بھادوں ان دونوں کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو جائے گا چنانچہ میں نے اس مظلوم کو بھی اِس دُنیا سے نجات دلا دی تھی جو بعد میں اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرنے والی تھی اور اب یہ بوڑھا آدمی جو بے کار زندگی گزار رہا تھا وہ میرے نظریے کے مطابق اب اِس دُنیا میں رہنے کے قابل نہیں تھا سو میں نے اسے بھی اُوپر کی جانب روانہ کر دیا۔ سالے صاحب جاؤ۔ جاؤ ٹھنڈے دل سے سوچو۔ غور کرو۔ یہ بات تو میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ میں اپنے دُشمنوں کو زندہ رکھنے کا عادی ہوں کیونکہ وہی تو مجھے میری طاقت کا اندازہ دلاتے رہتے ہیں اور پھر دُشمنوں کے بغیر زندگی کس کام کی؟ دُشمن نہ ہو تو زندگی بے مزا ہو جاتی ہے دوست تو بے شمار مل جاتے ہیں لیکن ایک مضبوط دُشمن [illegible] تم ایک مضبوط دُشمن ثابت ہو [illegible] ادھر دیکھو وہ سب مسلح ہیں [illegible] ان کی بندوقوں سے نکلی ہوئی گولیاں [illegible] جسم کو داغدار بنا دیں گی مگر نہیں [illegible] کوئی چیز ہوتی ہے اور پھر تم جیسے جوان خوب صورت... آنا... آنا دوبارہ بھی آنا میرے پاس مگر ذہن سے یہ ناس نکال کر آنا کہ تم مجھے کوئی نقصان پہنچا سکتے ہو۔ جاؤ یہاں سے سیدھے ریلوے اسٹیشن چلے جاؤ تھوڑی دیر [illegible] تمہیں ایک ٹرین مل جائے گی جو تمہیں واپس تمہاری منزل پر پہنچا دے گی اور سُنو اِس سودے کو دماغ سے نکال دو۔ صحیح طور پر کوئی کاروبار کرو۔ وکیل ہو وکالت [illegible] پیشے کو اُس انداز میں اختیار کرو جس انداز میں دوسرے لوگ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بڑی دولت کما سکتے ہو اور بعض تعاون سے تو دُنیا چلتی ہے کبھی ہم سے کہنا کام آجائیں گے تمہارے۔ اپنا تو تم جانتے ہی ہو سلسلہ یہی ہے۔ ہزاروں مرید ہیں۔ کہہ دیں گے کہ اپنا ایک وکیل ہے ذرا اس کا دال دلیہ چلواتے رہو۔ اچھا بھئی خدا حافظ چاہو تو اس لاش کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کسی کام آجائے۔" بخت بیدار نے کہا اور واپسی کے لیے مُڑ گیا۔

میں وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا تھا اس کا خالی

گھوڑا اس کے ساتھیوں کے درمیان موجود تھا۔ انہوں نے سہارا دے کر اسے گھوڑے پر سوار کرایا اور بخت بیدار نے پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھا۔ میرا اب یہاں رُکنا مناسب نہیں تھا چنانچہ میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا شاداب گڑھی کے ریلوے اسٹیشن کی جانب چل پڑا اور بخت بیدار کا یہ کہنا بھی درست ہی تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ایک ٹرین گزرے گی گو مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن ٹرین وقت مقررہ پہ آئی اور میں نے اپنا ٹکٹ بھی راستے ہی میں بنوایا تھا لیکن واپسی کا سفر بے حد اذیت ناک تھا۔ اذیت ناک ناقابل بیان میرے پورے بدن میں جیسے ناسور بن گئے تھے۔ یہ ناسور میرے ذہن میں بھی تھے۔ یہ ناسور رِس رہے تھے۔ چیخ رہے تھے اور میرے پورے وجود سے جیسے چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایسی شکست... ایسی شکست اس سے پہلے کبھی میرے مقدر میں نہیں آئی تھی لیکن کیا میں اس شکست کو تسلیم کر لوں۔ کیا ایک ایسے شخص کو آزاد اور زندہ رہنے دوں جس نے اپنی زبان سے تین انسانی زندگیوں کے ختم کرنے کا اقرار کیا تھا اور جس نے چوتھی انسانی زندگی میری موجودگی میں ختم کی تھی۔ اگر یہ ممکن ہو جائے تو پھر میری ساری زندگی کی جدوجہد پہ لعنت ہے۔ نہیں بخت بیدار تیرے ساتھ جتنے لوگ بھی فنا ہوں میں اس کی پروا نہیں کروں گا۔ امجد حسین، نصرت حسین، کوئی بھی ختم ہو جائے ان کی تقدیر۔ لیکن تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ خدا کی قسم تجھے نہیں چھوڑوں گا۔ میں راستے بھر یہی آواز میرے ذہن میں گونجتی رہی تھی اور میرا ذہن اس سلسلے میں مختلف منصوبے بنا رہا تھا۔ اس بار صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ یا تو اپنے شناساؤں کے سامنے میں اپنی شکست کا اعتراف کر لوں یا پھر یا پھر کوئی ایسا اقدام کروں جو میری آج تک کی کارروائیوں سے مختلف ہو۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہی کروں گا جو دل کے اندر ہے اور اب شہر واپس پہنچ کر مجھے اپنے آپ کو روپوش رکھنا تھا۔ شہر پہنچ گیا اور عارضی قیام کے لیے ایک ہوٹل میں بندوبست کر لیا۔ یہ عارضی قیام بھی صرف ایک دن کا ہی تھا اور اس دن مجھے شہر میں اپنی ضرورتوں کے مطابق اشیاء کی خریداری کرنی تھی چنانچہ میں نے انتظامات کیے اور خریداری میں مصروف ہو گیا۔ یہ میری زندگی کا بہت مشکل مرحلہ تھا اور اس میں اپنے ضمیر کی تسکین کے لیے نجانے کیا کیا کچھ کرنا تھا۔ تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے حسن کوٹ کا رُخ کیا اور بالآخر حسن کوٹ پہنچ گیا۔ جیل میں عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات کی وہ دوبارہ مل کر خوش ہوئے۔

"کہو بھائی شارق کیا خدمت کریں اب تمہاری؟ کیا رہا ان تمام معاملات میں؟"

"رحمٰن صاحب میں ابھی انہی کوششوں میں مصروف ہوں۔ کامیابی یا ناکامی تو خدا کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس سلسلے میں خدا کی مرضی کیا ہے؟"

"دوبارہ بھادوں سے ملنے کا ارادہ ہے؟"

"جی اس حیثیت سے میں اُس سے کہوں گا کہ میں دوسری کوٹھری میں منتقل کر دیا گیا تھا اور اپنے مقدمے کے سلسلے میں مجھے شہر یعنی دارالحکومت بھیجا گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے تم جس طرح مناسب سمجھو۔" عبدالرحمٰن مکمل تعاون کر رہے تھے اور یہ بات میرے لیے تعجب خیز تھی یہ ذمہ دار افسران جن کے بارے میں لوگوں کے تاثرات نجانے کیا کیا ہوتے ہیں اپنے طور پر اتنے سخت گیر نہیں ہوتے۔ ہولناک قسم کے مجرموں کو سزا دیتے ہوئے ان کے دلوں پر سختی ضرور چھا جاتی ہے۔ لیکن عام زندگی میں یہ بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں اور اگر کسی بے گناہ کی بے گناہی منظر عام پر آ رہی ہو تو انہیں کوئی ذاتی دُشمنی نہیں ہوتی ان بے گناہوں سے۔ میری پسند کے مطابق انہوں نے مجھے اسی کوٹھری میں بھجوانے کا بندوبست کر دیا جس میں بھادوں قید تھا۔ میں اپنے ساتھ لائے ہوئے سازوسامان کو احتیاط سے اپنے جسم پر پوشیدہ کر چکا تھا اور اس کے لیے میں نے ہر ایک سے رازداری برتی تھی۔ فاروقی صاحب جاوید قریشی حتیٰ کہ اُستاد جمو تک سے ملاقات نہیں کی تھی۔ بھادوں نے مجھے دیکھا تو خوشی سے اُچھل پڑا۔

"ارے شارو میرے یار کہاں چلا گیا تھا رے تو؟ اداس کر گیا مجھے۔ خدا کی قسم شارو زندگی میں اس مرحلے تک آنے کے بعد ہر ایک سے محبت اور یاری ختم کر دی تھی۔ کسی کو دل میں نہیں رہنے دیا تھا سوائے انتقام کی آگ کے۔ مگر تو یاد آتا رہا۔ ہوا کیا تھا؟ جیلر صاحب کو کیا سوجھی تھی؟"

"بس یار ایسے ہی کچھ کام تھے مجھے۔ انہیں پورا کرنے گیا تھا۔"

"کام پورے کرنے گیا تھا؟ اپنی مرضی سے؟"

"یہی سمجھ لے بھادوں۔"

"واہ رے واہ جیل پہ تو حکمرانی ہو گئی تیری۔ یہاں ہم ترس رہے ہیں باہر نکلنے کے لیے اور تو کہتا ہے کہ اپنے کام کرنے گیا تھا۔ کون سے ایسے کام تھے اپنے یار کو نہیں بتائے گا؟"

"بھادوں یار کہہ رہا ہے تو مجھے اپنا یار بن کر دکھا دے گا یا صرف زبانی یہ بات کہی ہے تو نے؟"

بھادوں غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"پہلے تو تو نے مجھ پر اعتبار کر لیا تھا۔ اب مجھ سے کون سی ایسی غلطی ہو گئی شارو کہ تو مجھ سے یہ سوال کر رہا ہے؟"

"غلطی تجھ سے نہیں ہوئی ہے بھادوں مجھ سے ہوئی ہے۔ آج میں تجھے ایک اور کہانی سُنانا چاہتا ہوں۔ سُنے گا؟"

"تیری باتیں بہت عجیب لگ رہی ہیں شارو۔ کیا کر کے آیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے تجھے؟" بھادوں پُرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔

"فرض کرو بھادوں میں تیرا دُشمن نکلتا ہوں تو تو میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"دُنیا میں دو ہی شخصیتیں ہوتی ہیں دوست یا دُشمن۔ دُشمن بھی اگر دوست کا بھیس بدل کر آ جائے اور دل اسے دوست قبول کر لے تو آن بان والے آدمی کو اس دوست کے ہاتھوں مر جانا چاہیے جسے وہ ایک بار دوست کہہ چکا ہے اور بھادوں اتنی چوڑی چھاتی رکھتا ہے کہ اگر شارو اس کا دُشمن بھی نکل آئے تو وہ نہ صرف شارو کو معاف کر دے بلکہ اگر شارو اُسے کوئی نقصان بھی پہنچانا چاہے تو جان دے کر اس کے ہاتھوں نقصان اُٹھا جائے۔"

"بہت بڑی بات کہہ رہا ہے بھادوں۔"

"بڑے آدمی ہی بڑی باتیں کہتے ہیں شارو تو اپنے آپ کو میرے سامنے چھوٹا آدمی ثابت کر رہا ہے جب کہ تو چھوٹا نہیں ہے۔ میرے خیالات خراب مت کر۔ میں تیری دل میں بڑی عزت رکھتا ہوں۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے تو مجھے مت بتا تاکہ میں تیری عزت کرتا رہوں۔"

"میں تجھے بتائے بغیر رہ بھی تو نہیں سکتا بھادوں۔"

"تو بتا دے دل کھول کر جو مرضی آئے کہہ دے بتا دے میرے یار۔ جا بھادوں تجھ سے وعدہ کرتا ہے کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے گا اور پھر آخر ایسی بات ہی کیا ہے؟"

"ہوں! بھادوں ایک کہانی سُنانا چاہتا ہوں تجھے۔"

"تو سُنا یار کھوپڑی کیوں کھا رہا ہے میری۔" بھادوں نے جھلّائے ہوئے لہجے میں کہا۔ دیر تک میں بھادوں کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"بھادوں میں نے تجھے اپنا نام غلط نہیں بتایا میرا نام شارق ہی ہے۔"

"ٹھیک ہے اور آگے بول؟"

"مگر میں قیدی نہیں ہوں۔" میں نے کہا اور بھادوں عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"کیا مطلب ہے تیرا؟ میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"میں قیدی نہیں ہوں بلکہ ایک وکیل ہوں۔" بھادوں خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے کہا۔

"بھادوں میں نے اپنے سر پر ایک ذمہ داری لی ہے وہ یہ کہ جتنے بے گناہ جیلوں میں بند ہیں اور جن کے خلاف مختلف لوگوں کی کارروائیوں کے نتیجے میں فیصلے ہو چکے ہیں اور جو ناکردہ گناہ سزا بھگت رہے ہیں ان کی مدد کروں وکالت کے پیشے کو اختیار کرتے ہوئے یہ تصور میرے ذہن میں موجود تھا۔ [illegible] اس جھول کو نکالنا چاہتا ہوں قانون کی آنکھ دلائل کی روشنی میں دیکھتی ہے اور ثبوت بعض اوقات نامناسب طریقوں سے تبدیل کر دیے جاتے ہیں۔ میں ان فیصلوں کو سامنے لانے کے لیے میدانِ عمل میں آیا ہوں جو پولیس اور عدالت کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہیں اور میں نے اس سلسلے میں اب تک بہت سا ٹھیک کام کیا ہے اور کئی ایسے قیدیوں کو رہائی دلوائی ہے جنہوں نے جرم نہیں کیے تھے لیکن جو ان ناکردہ گناہوں کی سزا بھگت رہے تھے پھر مجھے انہیں میں بابر جان ملے جو کسی زمانے میں انسپکٹر تھے اور انہوں نے بھادوں کو گرفتار کیا تھا۔ بابر جان بھادوں کو گرفتار کر کے قانون کے دروازے تک لے تو گئے تھے لیکن ان کے دل میں ایک خلش تھی اور وہ یہ سوچتے تھے کہ بھادوں بے گناہ ہے لیکن اس کے خلاف اتنے ثبوت مہیا کیے گئے ہیں جو بہت ٹھوس ہیں۔ بھادوں کو سزا دینے والے جج امجد حسین تھے جن کے سامنے جو ثبوت پیش کیے گئے ان کی روشنی میں انہوں نے اپنا فیصلہ دیا۔ اس طرح سے بابر جان جو بھادوں کو گرفتار کر کے قانون کے دروازے تک لائے تھے اور جج امجد حسین جنہوں نے ثبوتوں کی روشنی میں بھادوں کو سزائے قید دی تھی بے گناہ ثابت ہوئے ظاہر ہے ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

اُس نے کچھ کہنا چاہا تو میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا: سُنتے رہو بھادوں۔۔۔ سُنتے رہو۔ ایک بار بھادوں کا نام میرے کانوں تک آیا اور وہ اس طرح سے آیا کہ میرے بھائی امجد حسین پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور وہ حملہ میری کوٹھی میں ہوا تھا اور اس وقت میں بھی اپنی کوٹھی میں موجود تھا۔ ایس پی طارق حسین نے مجھے بتایا کہ حملہ آور تم تھے جو جج امجد حسین کو قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ بعد میں تم پھر گرفتار ہو گئے۔ لیکن میں تمہیں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے؟ ایس پی بابر جان نے مجھ سے کہا کہ میں نے جس مقصد کے لیے قدم اُٹھایا ہے اس کے نتیجے میں تم بھی آتے ہو وہ بھی ایک بے گناہ ہے جو چند افراد کی کوششوں سے بے گناہی کی سزا بھگت رہے ہو اور میں نے اس چیلنج کو قبول کر لیا لیکن تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لیے تمہاری کہانی سُننا بھی ضروری تھی چنانچہ میں تم تک پہنچا۔ اپنی اصل شکل میں لیکن تم نے مجھے بُرا بھلا کہا اور اس کے بعد میں نے تھوڑی سی صورت تبدیل کی اور بدلی ہوئی شکل میں شارو کی حیثیت سے تمہارے پاس آ گیا۔ تاکہ تم سے اس کی اصل کہانی معلوم کر دوں اور تم نے شارو کو اپنا دوست بنا لیا اور تم نے شارو کو اپنی ساری کہانی سُنا دی بھادوں بڑی پیچیدگیاں تھیں اس کہانی میں۔ ایسے ایسے انکشافات ہوئے تھے کہ میرے تو حوصلے پست ہو گئے تھے۔ شاید تجھے یہ بات سُن کر حیرت ہو گی کہ بخت بیدار کے گھر میں اس کی بیوی کی حیثیت سے جو عورت ہے وہ میری بہت قریبی رشتہ دار ہے۔ ایک ایسی عورت جو بخت بیدار کے مظالم کا شکار ہے اور سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔ لیکن ایک شریف باپ کی بیٹی اس کے گھر میں بیوی کی حیثیت سے بحالت مجبوری وقت گزار رہی ہے۔ اس طرح سے وہ کمبخت بخت بیدار [illegible] ہوتی بھی ثابت ہوا۔ یہ سارے مرحلے ایسے تھے کہ میرے تو حوصلے پست ہو رہے تھے۔ لیکن میرا عزم۔۔۔ میرا مشن۔۔۔ میرا مقصد مجھے مجبور کر رہا تھا کہ میں اس سلسلے میں اُسی طرح کام کروں جس طرح دوسرے بے گناہوں کے لیے کرتا ہوں۔ مجھے اپنے خاندان کی مخالفت مول لے کر بھی یہ کام کرنا پڑا اور میں اس کام کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ اور پھر میں اس کو ساری باتیں جو شاداب گڑھی میں میرے ساتھ پیش آئی تھیں، بیان کریں۔

"پھر میں نے اس سلسلے میں نئی منصوبہ بندیاں کیں تو تُو نے سمجھا بھادوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں تجھ سے؟ میں اُس جج کا بھائی ہوں جس نے تجھے سزا دی اور جسے تُو قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں اُس شخص کا بھی رشتہ دار ہوں جس نے تیری بہن اور تیری بیوی کو قتل کر کے تجھے ان کے الزام میں پھنسا دیا۔ میں نے اپنے پورے گھر سے دشمنی مول لے کر تیری مدد کے لیے قدم آگے بڑھائے ہیں اور یہ کہانی جو میں نے تجھے سُنائی اگر تیرے ذہن کو کہیں چبھتی ہے تو مجھے جواب دے اس کا کہ کیا میرا یہ سارا کام غلط تھا؟"

بھادوں کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں خوابیدہ ہو گئی تھیں اور وہ جیسے نیم غنودگی کے عالم میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہو اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کھو بیٹھا ہو۔ میں بغور اس کی ان کیفیات کو نوٹ کر رہا تھا۔ بھادوں تھوڑی دیر تک اسی کیفیت کا شکار رہا اور پھر اس کے منہ سے سانپ کی سی پھنکار نکلی۔

"تو اس نے کمال چاچا کو بھی قتل کر دیا اور یہ پوری کہانی ہی ختم کر ڈالی۔"

"ہاں بھادوں وہ خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا ہے۔ مگر میرے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟"

بھادوں جیسے خواب سے چونک پڑا۔ اس کی خونی آنکھیں مجھ پر گڑ گئیں۔ دیر تک وہ مجھے گھورتا رہا پھر اس کے انداز میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں اور پھر اس کا چہرہ نرم پڑ گیا۔ آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی آ گئی اور اُس نے دو قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"شارو یار بنا ہے تُو میرا۔ تو وکیل ہو۔ جج ہو یا اس ملک کا وزیرِ اعظم میں تجھے شارو ہی کہوں گا اس وقت تک جب تک تُو مجھے اس کی اجازت دے گا۔"

میں خوشی سے کھل گیا تھا اور پھر میں نے ہاتھ پھیلائے اور بھادوں میرے سینے سے آ لپٹا۔

"تیرے سینے کے قابل کہاں ہیں یار ہم۔ غلام ہیں تیرے۔ بے غرض تُو نے ہماری دادرسی کی ہے۔ کون سوچتا ہے کسی کے بارے میں؟ سب اپنے اپنے محلوں میں مست رہتے ہیں۔ مصیبتوں کے شکار، آفتوں کے مارے ہوؤں کو صرف دھتکارا ہی جاتا ہے۔ صرف لعنتیں ہی بھیجی جاتی ہیں اُن پر۔ جیل کی کوٹھریوں میں نظر آنے والے صرف مجرم سمجھے جاتے ہیں۔ کون ان کی دل کی گہرائیوں میں جھانکتا

ہے؟ کون اُن کے لیے سینے کھولتا ہے؟ تُو بہت بڑا آدمی ہے شارق۔ تیری بڑائی کو نہ مانیں گے ہم؟ میرے دوست تُو نے جو کچھ کیا وہ تیرا اپنا کام تھا۔ ہم تو صرف اس لیے تیرا احسان مان رہے ہیں کہ اس دُنیا میں ایک ایسا بھی نکلا جس نے بھادوں کو بے گناہ سمجھ کر اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بہت بڑا تُو کام کر رہا ہے شارق۔ خدا تجھے اس کا صلہ دے گا۔ ہم جیسا کوئی تیرا احسان اُتار سکتا ہے؟ ہاں ایک بات ضرور کہیں گے تجھ سے تیرا دل اگر تجھے اجازت دے تو ایک دفع اپنے بھائی جج سے یہ بات ضرور کہہ دینا کہ عدالتوں کی روشنی میں لوگوں کی زندگیوں کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ انسان بن کر بھی سوچا کریں۔ اپنے طور صرف اپنا فرض ادا کیا کریں بلکہ یہ بھی دیکھ لیں کہ جو ثبوت ان کے سامنے لائے گئے ہیں وہ کتنے [illegible] ہیں یا نہیں، کہیں کوئی گنجائش ہو تو اس کا خیال بھی کر لیا کریں، جس کی زندگی ان کے قلم [illegible] ختم ہونے والی ہوتی ہے۔ یہ اُن کا بھی فرض ہے [illegible] بتا دینا اُن سے ہماری یہ بات۔ بتا دینا انہیں کہ بے شک جو ثبوت ہمارے خلاف ان کے سامنے لائے گئے وہ بہت مضبوط تھے لیکن جو لوگ یہ ثبوت اُن کے سامنے لائے تھے وہ بھی مضبوط تھے اور ایک کمزور آدمی کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ ایسے کمزوروں کو اگر قانون کے فیصلے کرنے والے کوئی سہارا دے دیا کریں تو یہ اُن کا انسانی فرض ہوگا ورنہ کون انہیں [illegible] کر سکتا ہے جو کرتے ہیں کرتے رہیں۔ ایک دفع اُس [illegible] سے جسے اب تم بتاتے ہو کہ اُس کا عہدہ بڑا ہو گیا ہے اُسے بھی یہ بات کہہ دینا کہ بھادوں بے قصور تھا اور اُس نے یہ جرم نہیں کیا تھا جس کے نتیجے میں اُسے سزا دی گئی۔ ہم اپنی یہ آرزو اپنے دل میں لیے ہی مر جائیں گے شارو کہ اپنی [illegible] اور اپنی شمسہ کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر سکیں۔ وقت گزر جائے گا شارو اور ہم جانتے ہیں کہ ہم [illegible] وقت کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ اب تو کمزوریاں ہی کمزوریاں پیدا ہوتی چلی جا رہی ہیں چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس سے بدلہ لینے کی آرزو دل میں لیے لیے ہی اس دُنیا سے چلے جائیں۔ شارو سچ بات یہ ہے کہ باہر کی دُنیا میں اب ہمارا ہے بھی کیا؟ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا اس دُنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ کیسی عجیب بات ہے۔ لوگوں کے خاندان بھرے پڑے ہیں۔ رشتے ہی رشتے ہیں اس کے مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو رشتوں کو ترستے ہیں چاروں طرف نگاہیں دوڑاتے ہیں کہ کوئی انہیں بھی اپنا کہہ کر پکارے۔ سو ہم کہہ رہے تھے کہ باہر کی دُنیا سے ہمارا ایک ہی رشتہ ہے۔ دشمنی کا رشتہ۔ ایک ہی آرزو ہے اس دُنیا سے ہمیں کہ ہمیں موقع مل جائے اُس شیطان سے بدلہ لینے کا جسے ہم نے دیوتا مانا تھا اور جس نے صرف اپنی ہوس کے لیے ہماری رجّو اور ہماری شمسہ کو ہم سے چھین لیا اور ہمیں زندگی کے اتنے گندے گڑھے میں دھکیل دیا کہ اپنی ذات سے بھی نفرت ہو جائے۔ بہت بُرا کیا اُس نے شارو۔ تُو خود بتا اُس نے بہت بُرا کیا نا؟"

"ہاں بھادوں اُس نے بہت بُرا کیا۔ واقعی اُس نے بہت بُرا کیا۔ لیکن بھادوں میں [illegible] اور بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"یار ہے اپنا تُو کتنا ہی بڑا آدمی ہو کیسا ہی پڑھا لکھا ہو مگر ہمارا شارو ہے۔ ہمارا اپنا شارو ہے۔" اُس نے بھرّائے ہوئے لہجے میں کہا اور [illegible] آنکھوں سے آنسو لڑھکنے لگے۔

"[illegible] تجھے۔ میں نے اُسی وقت [illegible] تھا جب تُو نے مجھے یہ کہانی سُنائی تھی اور [illegible] شاداب گڑھی [illegible] بخت بیدار کے خلاف [illegible] جرم ثابت کر کے عدالت [illegible] لیکن اُس نے ہر ثبوت ختم کر دیا ہے۔ ایک بھی ایسا نہیں ملا جو یہ کہہ سکتا کہ بخت بیدار قاتل ہے مجرم ہے اور اُس نے بھادوں کا گھر اُجاڑا ہے۔ مجبور ہو کر میں واپس آ گیا بھادوں۔ لیکن اپنے دل میں ایک منصوبہ لے کر میری یہ آرزو ہے بھادوں کہ تُو اُسے اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ یار کہا ہے نا تُو نے تو پھر یار پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ یار کی آرزو پوری کرے۔"

بھادوں چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ میری بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں نے پھر کہا۔

"ہاں بھادوں میں تجھے اس کا موقع دے سکتا ہوں کہ تُو شاداب گڑھی جائے اور بخت بیدار سے اپنا انتقام لے لے۔"

"کیا کہہ رہا ہے تُو شارو۔۔۔"

"ہاں بھادوں لیکن اس کے لیے تجھے بھی محنت کرنا ہوگی اور [illegible] کرنی ہوگی۔"

"ارے یار پھر سے یہ بات کہہ دے [illegible] قسم کی زندگی میں سب کچھ مل جائے گا۔ ہم سمجھیں گے کہ زندگی [illegible] اس کائنات میں کوئی محرومی نہیں رہی۔ ایک بار اس بات کا یقین دلا دے کہ یہ ممکن ہے۔ ہم سمجھیں گے کہ ساری کائنات مل گئی۔ خدا کی قسم شارو... خدا کی قسم اس کے علاوہ ہماری زندگی کی کوئی آرزو نہیں ہے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں چاہتے کچھ بھی نہیں۔ اگر ہمیں یہ موقع مل جائے زندگی میں ایک بار تو باقی زندگی ہم جیل میں گزارنے کے لیے تیار ہیں ارے باہر کی دُنیا میں ہمارے لیے رکھا ہی کیا ہے؟ صرف ایک دلچسپی ہے ہمیں باہر کی دُنیا سے۔ صرف ایک کہ ہم اُن دونوں کے قاتل سے بدلہ لے لیں۔"

"سُنو پھر، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں بھادوں اُسے غور سے سُنو۔ اس کا ایک ایک لفظ غور سے سُنو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُس کے مطابق ہونا چاہیے۔" میں نے کہا اور بھادوں میرا چہرہ دیکھنے لگا پھر میں آہستہ آہستہ بھادوں کو تفصیلات بتانے لگا۔

وہ خاموشی سے اپنی پوری توجہ کے ساتھ میری باتیں سُن رہا تھا۔ جب میں نے اپنی گفتگو ختم کی تو وہ آہستہ سے بولا۔

"کیا یہ سب کچھ اسی طرح ممکن ہے جیسے تم نے کہا شارو؟ کیا یہ سب کچھ ہو سکتا ہے؟"

"ہاں یہ سب کچھ اسی طرح ہوگا۔ لیکن تجھے اپنا کام پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ میں اپنے آپ کو داؤ پر لگا رہا ہوں۔"

"اور اگر ہم یہ سب کچھ نہ کر سکے اور اس میں ہمیں کوئی ناکامی ہوئی تو...؟"

"نہیں بھادوں تو پورے اعتماد کے ساتھ اپنا یہ کام کرنے کے لیے جائے گا اور اعتماد کے ساتھ کر کے واپس آجائے گا مجھے تم پر بھروسا ہے۔"

"شارو بھیا ابھی تک ہم وحشی درندے ہیں۔ انسان نہیں بنیں گے ہم۔ انسان بن گئے تو کچھ بھی نہیں کر سکیں گے مگر درندہ ہونے کے باوجود تیرے لیے ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ جان دے کر بھی ہم تیری عزت قائم رکھیں گے اور کچھ [illegible] گے۔ وعدہ ہے یہ ہمارا۔ ہم کوئی بڑے آدمی نہیں ہیں ہمارا بہت اعلیٰ خون نہیں ہے ہمارا لیکن زمینوں کا سینہ چیر کر اناج اُگانے والا کسان تجھ سے وعدہ کر رہا ہے اور اس کی بڑی بھی حیثیت ہو تیری نگاہ میں۔"

میں نے بھادوں کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بس ٹھیک ہے بھادوں مجھے تجھ پر اعتبار ہے کل ہم اپنے کام کا آغاز کریں گے اور بھادوں خاموش ہو گیا۔"

اس کے بعد وہ رات بھر خاموش ہی رہا تھا۔ میں نے اپنے لباس میں پوشیدہ سامان بڑی احتیاط سے جیل کی کوٹھری کے ایک حصے میں چھپا دیا تھا۔ ویسے بھی مجھ پر کڑی نگاہ نہیں رکھی جاتی تھی۔ دوسرے دن مقدم کے ذریعے میں عبدالرحمٰن صاحب سے ملا۔ بے چارے بہت ہی پُر اعتماد انسان تھے۔ مجھے حیرت تھی کہ مجھے ایسے لوگ کس طرح مل جاتے ہیں؟ جس کو دیکھو میرے ساتھ تعاون کرتا تھا اور یہ حیرتیں اب رفتہ رفتہ رفع ہوتی جا رہی تھیں۔ انسان اتنے بُرے نہیں ہیں جتنے بُرے سمجھ لیے گئے ہیں۔ بس حالات نجانے کس کس کو کس رنگ میں پیش کرتے ہیں اور ہم ان کے بارے میں غلط فیصلے کر لیتے ہیں۔ وقار احمد کو انفرادی حیثیت دی جا سکتی تھی لیکن عبدالرحمٰن بھی اسی کی طرح مجھ سے تعاون کر رہے تھے اور مجھے میرے کسی کام میں دقت نہیں ہو رہی تھی عبدالرحمٰن نے مُسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا اور میں نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"معافی چاہتا ہوں آپ کی پُرسکون زندگی میں ہلچل پیدا کر دی ہے میں نے، اور بلاوجہ اپنے مسائل میں اُلجھا لیا ہے۔ میں اس سلسلے میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ میں اس سلسلے میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔"

"بھئی شارق میاں اب یہ باتیں کہہ کر تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔ ہمارے تمہارے درمیان جو رشتہ قائم ہوا ہے میں اسے قائم رکھنا چاہتا ہوں اور پھر تم تو بہت بڑے انسان ہو۔ کم از کم ہمیں بھی کسی بڑے انسان کے شانہ بشانہ چل کر اپنے آپ پر فخر کرنے کا موقع دو۔"

"آج رات کو میں ایک اہم کام سے جاؤں گا۔ آپ میرے سلسلے میں ہدایات جاری کر دیجیے۔ جیل سے مجھے نکالا جائے گا اور اس کے بعد خاموشی سے جیل کے دروازے کے باہر چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ کام آٹھ بجے کے قریب ہوگا۔ عبدالرحمٰن صاحب یہ میرا آخری مرحلہ ہے اور اس کے بعد شاید میں آپ کو مزید تکلیف نہ دوں۔"

"نہیں... نہیں کوئی بات نہیں ہے سب کچھ تمہاری مرضی

کے مطابق ہی ہو جائے گا۔ واپسی کب تک ہو گی؟"

"اس سلسلے میں، میں نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے دوسرے دن صبح واپس آجاؤں، تیسرا دن لگ جائے یا چوتھا دن بھی لگ جائے۔ بہرطور میں اپنے اس مسئلے کو آخری شکل دے کر واپس آؤں گا۔"

"اُسی وقت پوچھیں گے تم سے کہ تم نے کیا کیا؟" وہ مُسکرا کر بولے۔

"جی بہتر" میں نے کہا اور تھوڑی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد واپس اپنی کوٹھری میں آگیا۔

یہاں آکر میں نے بھادوں کو تمام صورتِ حال سمجھائی اور اس کے بعد اسی رات میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ میک اپ میں مجھے مہارت نہیں تھی لیکن میں نے یہ رسک لے لیا اور میں نے دو میک اپ کیے۔ اپنی صورت بھادوں کو دے دی اور بھادوں کی شکل میں نے اختیار کر لی۔ بھادوں اس حیرت انگیز کارروائی کو متعجبانہ انداز میں دیکھ رہا تھا لیکن بہرطور میری محنت کا مجھے پورا پورا صلہ مل گیا کیونکہ دوسری صبح ہم دونوں بدلی ہوئی شخصیتوں کے تحت کام کر رہے تھے اور ایک بار بھی کسی کو شبہ نہیں ہوا۔ میک اپ کے لیے جو ماسک میں نے خریدا تھا اور انہیں جس طرح اپنی شکلوں کے مطابق تیار کیا تھا وہ بہترین تھیں اور انہوں نے کسی کو شبے کا موقع نہیں دیا تھا یہ میری بہت بڑی کامیابی تھی۔ اس جدید دور میں یہ تمام چیزیں بے حد ایڈوانس ہو گئی ہیں اور ان کے ایڈوانس ہونے سے واقعی بڑے فائدے حاصل ہو گئے ہیں چنانچہ دن پُرسکون گزر گیا۔ رات کو ہم لوگ اپنی اپنی کوٹھریوں میں سنسنی کا شکار رہے پھر دو سپاہی آئے اور بھادوں کو میری حیثیت سے نکال کر لے گئے۔ میں نے بھادوں کو خدا حافظ کہا تھا اور بھادوں خاموشی سے ان کے ساتھ باہر چلا گیا تھا۔ میری زندگی کا بے حد سنسنی خیز وقت شروع ہو چکا تھا۔ دل میں بہت سے خیالات تھے۔ بہت سے وسوسے تھے۔ رات بھر انہی وسوسوں کے جال بنتا رہا۔ نیند آنے کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہت سے تصورات دل دہلا رہے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ بھادوں شاداب گڑھی تک کا سفر کس انداز میں کرے گا؟ میں نے اُسے اچھی [illegible] رقم بھی دے دی تھی تاکہ وہ اس سلسلے میں استعمال [illegible] سکے۔ شاداب گڑھی پہنچنے کے بعد وہ کس طرح بخت [illegible] تک رسائی حاصل کرے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ بخت بیدار شاداب گڑھی میں موجود نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسے قتل کرنے کی کوشش میں بھادوں گرفتار ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائے اور اگر یہ سب کچھ نہ بھی ہو تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آسنہ باجی اور بچوں کو بھی قتل کر دے اور اس کے بعد میں امجد حسین پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کرے۔ اُسے آزادی ملی تھی اور اُسے حق حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اپنا کام پورا کر لے۔ آج پولیس اُس کے تعاقب میں نہیں تھی اور یہ دُنیا اُس کے لیے کھلی ہوئی تھی۔ بھادوں اگر کسی طرح واپس نہ پہنچ سکا تو اس کے بعد میری پوزیشن کیا ہو گی؟ دو ہی صورتیں تھیں بھادوں کی حیثیت سے جب تک جیل میں محفوظ رہنا محفوظ رہ سکتا تھا اور اگر میرا راز کھل گیا تو اس کے بعد ذلت اور رسوائی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ دل ہی دل میں یہ سوچتا رہا کہ اگر بھادوں واپس نہ پہنچا، حقیقتِ حال منظرِ عام پر آئی تو جیلر عبدالرحمٰن کا رویہ میرے ساتھ کیسا ہو گا؟ یہ بھی سوچتا رہا کہ اگر بھادوں واپس نہ آیا تو مجھے جیل سے نکلنے کا موقع کس طرح مل سکتا ہے؟ اور اس کے لیے میں نے بالآخر ایک فیصلہ کر ہی لیا۔ دو تین چار دن بھادوں کے انتظار میں گزاروں گا۔ ہفتہ بھر بھی ہو سکتا ہے کوئی حرج نہیں ہے کام تو چل ہی رہا ہے اور اگر ہفتہ بھر کے بعد بھی بھادوں یہاں نہ پہنچا تو پھر یوں کروں گا کہ اپنا میک اپ اُتار دوں گا اور اپنی اصلی شکل میں عبدالرحمٰن تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ یہ کام اس وقت کروں گا جب دن کی روشنی ہو گی اور ہم لوگوں کو (یعنی قیدیوں کو ان کے) کاموں میں مصروف کر دیا جائے گا۔ اس وقت بھادوں کی گمشدگی کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو گی۔ بلکہ میں یہی کہہ دوں گا جیلر عبدالرحمٰن سے کہ میں نہیں جانتا بھادوں کہاں ہے؟ میں تو اپنی اصل حیثیت ہی سے یہاں کام کر رہا ہوں۔ لیکن اس میں ایک اور اُلجھن تھی۔ جیلر عبدالرحمٰن صاحب کو یہ تو معلوم ہونا ہی چاہیے کہ میں کب واپس آیا؟ اگر میں جیل میں براہِ راست داخل بھی نہ ہوؤں اور یہاں اپنی اصل شکل میں پایا جاؤں تو اس کا کیا جواز ہو گا کہ جیل ہی میں واپس آگیا ہوں۔ نہیں یہ منصوبہ مناسب نہیں ہے۔ کچھ اور سوچنا ہو گا۔ سوچنے کے لیے بھادوں مجھے کافی وقت دے گیا تھا۔ صبح کو اذان کی آواز اُبھری تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔

اور میں نے صدقِ دل سے نماز پڑھ کے بھادوں کی کامیابی اور اپنی عزت کی بحالی کی دُعائیں مانگیں اور اس کے بعد دن کا آغاز ہو گیا۔ دن جاری رہا۔ میرے ہاتھ پاؤں سنسناہٹ کا شکار تھے۔ اب تک بہت سے مسئلوں میں کام کیا تھا لیکن آج جیسی ذہنی اور جسمانی کیفیت کبھی نہیں ہو سکی تھی۔ بدن اینٹھ رہا تھا اور دل میں انگڑائیاں سی ٹوٹ رہی تھیں۔ ہونٹ خشک ہوئے جا رہے تھے۔ میرا ذہن مسلسل بھادوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ یہ خیال بھی تھا کہ کہیں جیلر عبدالرحمٰن کی طرف سے بلاوا نہ آ جائے اور وہ یہ عجیب و غریب انکشاف کریں کہ ایک بھادوں یہاں موجود ہے اور دوسرا بھادوں کہیں سے گرفتار ہوا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ شام ہو گئی۔ ہم لوگ کوٹھڑیوں میں واپس آ گئے تھے۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہوں گے کہ دفعتہً ہی میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ بھادوں میری شکل میں دو سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا اور پھر اُسے میری کوٹھڑی میں دھکیل دیا گیا اور سپاہی واپس چلے گئے۔ میرے پورے بدن کی جیسے جان نکل گئی تھی۔ نہ زبان ہل رہی تھی نہ ہاتھ پاؤں۔ بھادوں نے چند لمحات انتظار کیا اور اس کے بعد میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"شارو زندگی نے اگر وفا کی، زندگی نے اگر باہر نکلنے کا موقع دیا تو خدا کی قسم اپنی بقیہ زندگی تیرے قدموں میں گزار دیں گے۔ شارو تو نے جو کچھ ہمارے لیے کیا ہے ہم زبان سے نہیں کہہ سکتے جاہل آدمی ہیں۔ کوئی ایسی بات ہم مُنہ سے نہیں نکالنا چاہتے جو خدا کے نزدیک گناہ بن جائے لیکن یہ سمجھ کہ خدا اور اس کے نبی کے بعد تو ہمارے لیے بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ تُو نے ہم پر وہ احسان کیا ہے شارو کہ ہمارے پاس اس کا صلہ ہزار زندگیاں دے کر بھی نہیں نکل سکتا۔"

"بھادوں تُو کامیاب ہو گیا؟"

"ہاں میرے یار۔ دل ٹھنڈا ہو گیا۔ نہ پوچھ ہمارے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہے۔ بس یوں لگ رہا ہے جیسے اس دُنیا ہی میں جنت مل گئی۔"

"مجھے تفصیل بتا بھادوں؟"

"تقدیر نے ہمارا پورا پورا ساتھ دیا ہے اور اس کی تقدیر خراب ہو گئی تھی ہم یہاں سے چلے تو ہمیں ایک ایسی گاڑی مل گئی جو شاداب گڑھی ہی جا رہی تھی۔ ہم نے گاڑی والے سے مدد مانگی اور اس نے ہمیں مدد دے دی۔ بڑی آسانی ہو گئی رہے ہمیں اور ہم رات کو بارہ بجے کے قریب شاداب گڑھی پہنچ گئے۔ ہمارے لیے نئی جگہ نہیں تھی وہ اور پھر اس کی حویلی میں ہم داخل ہوئے تو دو بجے تھے۔ تین بجے ہم اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ مست نیند سو رہا تھا سُسرا۔ ہم نے اُسے جگایا اور وہ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے تیرا نام لے کر پُکارا تھا کیونکہ ہم تیری شکل میں تھے مگر ہم نے اس سے اپنی اصلی آواز میں کہا کہ ہم شارق نہیں بھادوں ہیں۔ وہ ہماری آواز پہچان گیا اور اس کی گھگھی بندھ گئی۔ میک اپ نہیں اُتار سکتے تھے ہم تیرا کیا ہوا ورنہ کمبخت کو مرنے سے پہلے اپنی اصلی شکل ضرور دکھاتے۔ سو ہم نے جاتے وقت یہ کیا تھا کہ ایک چھُری حاصل کر لی تھی شاداب گڑھی کے ایک گھر میں داخل ہو کر۔ بڑا محنت کا کام کرنا پڑا ہمیں ہم نے اسے کھڑا کیا اور اس سے کہلوایا کہ اپنی موت سے پہلے وہ ہم سے اعتراف کرے کہ ہماری رجّو اور شمسہ کا قاتل وہی ہے اور اس نے اعتراف کیا۔ بڑی چالاکیاں کیں سُسرے نے۔ مگر ہم تو اپنی زندگی کا سب سے بڑا کام کرنے گئے تھے۔ اس کی چالاکی کو کیسے کامیاب ہونے دیتے؟ ہم نے اسی کے بستر کی چادر اپنے لباس پر باندھی اور اس کے بعد شارو ہم نے پہلے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں پھر نرخرہ کاٹ دیا۔ پھر دونوں کان اس کے چہرے سے الگ کر دیے۔ اس کی ناک نتھنوں کے پاس سے کاٹ کر ایک طرف ڈال دی۔ اس کے دونوں بازو ہم نے الگ کر دیے رہے اور اس کے بعد پورے بدن پر اس وقت تک چھُریاں مارتے رہے جب تک کہ ایک جگہ بھی ہمیں خالی نظر آئی۔ ہم نے اس کے ہاتھ اور پیروں کی اُنگلیاں بھی کاٹ ڈالیں اور شارو اس طرح ہم نے اپنا انتقام پورا کر لیا پھر ہم اطمینان سے وہاں سے نکل آئے۔ تیرا کوئی نشان نہیں چھوڑا ہم نے شارو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کون آیا؟ کدھر سے آیا اور کیا کر کے چلا گیا؟ ہم دُنیا کو نہیں دکھانا چاہتے تھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں تو اپنا دل ٹھنڈا کرنا تھا شارو اور خدا کی قسم سکون کی لہریں ہی لہریں ہیں ہمارے بدن میں اور آج ہماری بہن اور ہماری شمسہ مسکراتی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہی ہیں یہی ہونا چاہیئے تھا ان کے قاتل کے ساتھ۔ یہی سلوک ہونا چاہیئے تھا اس بدکار شیطان کے ساتھ۔ وہ ہم سے مطمئن ہیں تو انہیں نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن ہماری نگاہیں ان کو دیکھ رہی ہیں شارو اتنا بڑا احسان کسی نے کسی انسان پر نہیں کیا ہو گا جتنا تُو نے ہم پر کیا ہے۔" میں نے بھادوں کا شانہ تھپتھپایا اور پھر اُس سے کہا۔

"بھادوں تُو نے اس کے خاندان والوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ تُو نے اُن جج صاحب کو کیوں قتل نہیں کیا جنہوں نے تیرے خلاف فیصلہ سُنایا تھا؟" میں نے کہا اور بھادوں عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"اس لیے شارق کہ تُو نے ہماری آنکھیں کھول دی تھیں اس لیے میرے یار شارو کہ تُو نے ہماری راہنمائی کی تھی۔ ہم اس وقت جوش کے عالم میں سوچ رہے تھے۔ جنون کے عالم میں سوچ رہے تھے مگر تُو نے ہمیں صحیح راستہ دکھایا۔ سچ بات یہ ہے کہ ہماری بہن اور بیوی کے خون سے تو صرف بخت بیدار کے ہاتھ رنگے ہوئے تھے اور کسی کا تو کسی کا تو اس میں کوئی قصور نہیں تھا تُو نے تو ہمیں یہی بتایا تھا نا شارو کہ جج صاحب نے تو قانون کے مطابق فیصلہ دیا اور قانون پر بخت بیدار کا اثر تھا۔ جج صاحب کو مارنے سے کیا فائدہ؟ نہیں رے۔ ہمیں انسانی زندگیاں لینے سے دلچسپی تھوڑی ہے ہم تو صرف اپنا بدلہ چاہتے تھے۔"

میری ہدایت پر بھادوں نے اپنا میک اپ اُتار دیا اور میں نے اپنا اور پھر ان تمام چیزوں کو میں نے احتیاط سے اپنے قبضے میں لے لیا۔ پوزیشن میری بھی بہت خراب تھی۔ بہت سے مسائل میرے سامنے موجود تھے۔ ظاہر ہے بخت بیدار کے قتل کی اطلاع چھُپی نہیں رہے گی اور اس کے بعد تحقیقات ہوں گی میری وہاں موجودگی کو بھی نظرانداز نہیں کیا جائے گا اور اس کے بعد اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ آئی جی صاحب کے اہلِ خاندان اس قتل کے سلسلے میں مجھ پر ہی غور کرنے لگیں۔ گو اس بات کا اطمینان تھا مجھے کہ وہ میرے خلاف ایسا کوئی جرم ثابت نہیں کر سکیں گے لیکن ان کی سوچ پر تو میں پہرہ نہیں بٹھا سکتا تھا۔ چنانچہ ہر ثبوت کو مٹا دینا ضروری تھا۔ دوسری صبح میں نے بھادوں سے کہا۔

"بھادوں میں جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس دوران تجھ سے دوبارہ بھی ملاقات ہو جائے اور ہو سکتا ہے میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے تجھ سے نہ مل سکوں لیکن کوشش کروں گا کہ تجھ سے کبھی کبھی ملنے آتا رہوں مگر ایک بات ایک دوست کی بات دل میں ضرور رکھنا۔ قدرت تجھے زندگی دے اور تُو زندہ رہے تو اپنی اس قید سے رہائی پانے کے بعد میرے پاس آ جانا۔ شہر میں تجھے شارق کو تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ وعدہ کر بھادوں کہ اپنی بقیہ زندگی تو مجھے دے دے گا۔" بھادوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ رات بھر ہی میں اس میں نمایاں تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے کہا۔

"تو تُو نے ہمیں یہ بھی دے دیا شارو۔ تُو نے ہمیں ایک اپنا دے دیا جس کے پاس جانے کے لیے ہمارے دل میں خواہش زندہ رہے کہ ہم رہا ہو جائیں۔ ٹھیک ہے میرے یار تیرا ہر تحفہ قبول ہمیں۔ ہاں ہم تیرے ہی پاس آئیں گے زندگی کے آخری لمحات گزارنے کے لیے ایک اپنا تو سبھی کو چاہیئے ہوتا ہے۔ تیرے ہی پاس آئیں گے ہم شارو۔ وعدہ کرتے ہیں تجھ سے۔"

صبح کو میں نے مقدم سے کہا کہ میں صاحب سے ملنا چاہتا ہوں اور مقدم مجھے عبدالرحمٰن کے پاس لے گیا۔ چلتے ہوئے میں نے بھادوں سے یہی کہا تھا کہ ہو سکتا ہے اس قتل کے سلسلے میں جب تہاں آئیں تو لوگ تجھ تک بھی پہنچیں اس وقت تجھے یہی کہنا ہے کہ مجھ سے یہ سوال کرنے والوں کا دماغ خراب ہے۔ تو جیل میں بیٹھا ہوا ہے۔ باہر کیسے جا سکتا ہے؟

"میں جانتا ہوں کہ مجھے یہی کہنا ہے۔"

عبدالرحمٰن نے معمول کے مطابق میرا استقبال کیا تھا۔ میں نے اسی [illegible] شائستگی سے کہا۔

"عبدالرحمٰن صاحب آپ کی ان عنایتوں اور نوازشوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ بلاشبہ آپ نے میرے اس مسئلے میں مجھ سے زبردست تعاون کیا ہے۔ لیکن صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بھادوں اپنی بہن رجّو اور اپنی بیوی شمسہ کا قاتل ہے یا نہیں۔ یہ دوسری بات ہے۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت اس روئے زمین پر موجود نہیں ہے جو اسے بے گناہ ثابت کر دے۔ چنانچہ اب مجبوری ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

جیلر عبدالرحمٰن نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"خدا کی مرضی یہی ہے شارق بہرطور تم اطمینان رکھو۔ کم از کم کوٹ حسن جیل میں اس کے ساتھ کوئی سخت سلوک نہیں کیا جائے گا۔"

میں نے اُن سے اجازت لی اور وہاں سے واپس شہر کی جانب چل پڑا۔ راستے میں میں نے احتیاط سے میک اپ

کاسامان مکمل طور سے ضائع کر دیا تھا اور اطمینان سے شہر واپس آگیا تھا۔ فلیٹ میں پورا دن گزارا۔ رات کو اُستاد جمونے آئے تو مجھے دیکھ کر حیران رہ گئے فلیٹ کی ایک چابی ہمیشہ ہی میرے پاس رہتی تھی اس لیے مجھے اندر آنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ اُستاد جمونے نے مجھ سے کہا۔

"شارق میاں آپ کب واپس آگئے؟"

"آج ہی دن میں۔"

"دفتر نہیں آئے؟"

"ہاں کچھ تھکا ہوا تھا" میں نے جواب دیا۔ اُستاد جمونے نے ضرورت سے زیادہ کوئی بات نہیں پوچھتے تھے چنانچہ خاموش ہوگئے۔ دوسرے دن میں معمول کے مطابق دفتر پہنچا تھا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی سے دفتر ہی میں ملاقات ہوگئی۔ دونوں نے مجھے دیکھا اور مسکرانے لگے۔

"ہاں بھئی شارق میاں بات کہاں تک پہنچی؟" میں نے معنی خیز نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میں اس کیس میں ناکام ہوگیا ہوں۔ کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا جس سے میں بخت بیدار کو مجرم ثابت کر سکتا۔ ہوتا ہے ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ کیا کیا جائے؟"

دونوں حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے تھے۔ غالباً ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ میں اس طرح اعترافِ شکست کر سکتا ہوں۔ پھر وکیل صاحب نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیوں بھئی جاوید قریشی کیا خیال ہے شارق ہار گیا؟"

"سمجھ میں نہیں آرہا یہ شارق ہے یا نہیں؟"

"ہے تو شارق۔ لیکن جو کچھ بول رہے ہیں وہ سچ نہیں ہے۔ کیوں شارق اس بوڑھے کو ایک کامیاب وکیل نہ مانو ایک عمر رسیدہ بوڑھا تو مان لو۔"

"نہیں آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ... آپ ایک کامیاب وکیل بھی ہیں ایک تجربہ کار بزرگ بھی۔"

"تو میاں پھر ہماری تسلی بھی کر دو۔ ہوا کیا؟"

"جو کچھ ہوا ہے آپ کے کانوں تک پہنچنے والا ہے" میں نے جواب دیا۔

وہی ہوا جاوید قریشی یا وکیل فاروقی کے کانوں تک تو نہیں پہنچ سکا البتہ ایس۔ پی بابر جان بوکھلائے ہوئے ہمارے دفتر میں آگئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے کہا۔

"اوہ شارق تمہیں معلوم ہوگیا؟ سُنا کچھ تم نے؟"

"کیوں خیریت کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"بھئی بخت بیدار کو قتل کر دیا گیا۔ ایسا وحشیانہ اور درندگی سے بھرپور قتل کہ دیکھنے والوں کے دل لرز جاتے ہیں۔ پولیس ہیڈ کوارٹر اطلاع پہنچی ہے اور یہاں سے ایک ٹیم تحقیقات کے لیے چل پڑی ہے۔ سُنا ہے اس کے عضو عضو کو چھریوں سے گود کر رکھ دیا گیا ہے۔ جسم کے تمام حصّے ایک دوسرے سے جُدا کر دیے گئے ہیں بہت وحشیانہ قتل ہے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ کس نے کیا!"

"بہر طور بابر جان صاحب اُسے کسی نہ کسی طرح تو سزا ملنی ہی تھی۔ ویسے تحقیقاتی ٹیم میں آپ نہیں گئے؟"

"جا رہا ہوں مجھے بھی جانا ہے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ میرا نام بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ابتدائی ٹیم روانہ ہو چکی ہے۔ مجھے دو بجے کے بعد جانا ہے۔ چلو گے میرے ساتھ؟"

"نہیں میرا جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اب تو سارا مسئلہ ہی اُلٹا ہوگیا۔ پتا نہیں کیا ہوا؟ معلوم کرنا پڑے گا۔ ویسے تم بطور رشتہ دار بھی نہیں چلو گے میرے ساتھ؟ تم ہوگے تو ذرا تھوڑی سی..."

"نہیں جناب یہ سو فیصد سرکاری معاملہ ہے اور وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا اور بابر جان نے گردن ہلا دی۔

فاروقی صاحب اور جاوید ساکت رہ گئے تھے اور عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ بابر جان تھوڑی دیر تک تبادلۂ خیال کرتے رہے۔

"میں نے سوچا کہ تمہیں اطلاع دے دوں۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں ہو بھی یا نہیں۔ تمہارے فلیٹ پر ٹیلی فون کیا تھا پہلے مگر کسی نے ریسیور نہیں اُٹھایا تو میں نے سوچا کہ شاید تم دفتر ہو۔ بڑا سنسنی خیز قتل تصوّر کیا جا رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ معاملہ کیا ہوا؟ اچھا مجھے اجازت دو بھئی تیاریاں کرنی ہیں۔ بس تمہیں اطلاع دینے آیا تھا۔" ایس۔ پی صاحب چلے گئے۔ وکیل فاروقی پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں! تو اس بار فیصلہ تم نے خود کر دیا شارق؟"

"توبہ کیجیے کیا مجھے قتل کے الزام میں پھنسانا چاہتے ہیں؟

اور پھر کسی بھی مسئلے میں میری دُشمنی قانونی حد تک تو ہو سکتی ہے۔ کسی کو ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچانا میرے پیشے میں گناہ ہے۔ میں ایسے مجرم کو پھانسی کے تختے تک یا بجلی کی کُرسی تک تو لے جانا پسند کروں گا لیکن اپنے ہاتھوں سے کسی کو سزا نہیں دے سکتا۔"

"بھیجو... پھر میرا مطلب ہے۔"

"اس کے جواب میں صرف ایک بات کہوں گا فاروقی صاحب کہ حق بحق دار رسید جس نے جو کیا وہ پایا۔" میں نے کہا لیکن فاروقی صاحب مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

فاروقی صاحب کے بارے میں تو مجھے یقین تھا کہ میں نے جو کچھ کہا انہوں نے اس پر یقین کر لیا ہوگا لیکن بہادر ان میں اس قدر معصوم نہیں تھے اور پھر یہ بھی جان چکا تھا کہ آشیانے سے بیدار بخت کے لیے پیغام بھی گیا تھا۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک جرم ہی تھا۔

میں نے سوچا کہ اس سے قبل کہ آشیانے سے میرے لیے وارنٹ گرفتاری آئے مجھے خود ہی اس طرف کا رُخ کر لینا چاہیے۔ یوں بھی حاضری کا حکم ملا تھا اور وقت ہو چکا تھا چنانچہ میں آشیانے پہنچ گیا۔

آشیانے میں قدم رکھتے ہی یہاں کی سنسنی خیز فضا کا احساس ہوگیا۔ دن ایسا منتخب کیا تھا جب قانون چھٹی پر ہوتا ہے۔ سبھی تھے۔ پہلی ملاقات شفق جہاں سے ہوئی۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑیں۔ پھر اِدھر اُدھر دیکھ کر بولیں۔

"آگئے؟"

"کوئی بات ہے کیا؟"

"سب تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"سمجھا نہیں۔"

"اوہ۔ وہ آفت کی پرکالہ آرہی ہے۔ سمجھ گئی میں تمہیں کچھ سکھا رہی ہوں" شفق جہاں جھپک سے آگے بڑھ گئیں۔

میں نے لالہ رُخ کو دیکھا اُس نے مجھے اور پھر وہ پلٹ کر تیزی سے بھاگ گئی۔ میری چال توقع کے مطابق ہی تھی۔ اس وقت آشیانے میں میرا استقبال ایک قاتل کی حیثیت سے ہو رہا تھا۔

میں اتاں بی کے کمرے میں پہنچ گیا اور سلام دُعا کی۔ اماں بی کی نظریں بھی مشکوک تھیں۔ "کیا ہوگیا آپ سب لوگوں کو کچھ عجیب سی فضا محسوس ہو رہی ہے۔"

"یہاں کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ ڈیڈی کے کمرے میں چلیے۔" لالہ رُخ نے اندر داخل ہو کر کہا۔

"اوہ۔ اب یہ ذمے داری اُسے دے دی گئی ہے۔" میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" لالہ رُخ تنک کر بولی۔

"ٹھیک ہے گھر کے کاموں میں کوئی بُرائی بھی نہیں ہے مگر یہ سب کچھ کرو گی تو کوئی تمہیں چپراسی تھوڑی کہے گا۔"

"آپ تو ویسے ہی غیر معیاری آدمی ہیں کوئی معیاری مذاق کیسے کر سکتے ہیں۔"

"مذاق۔ امّاں بی! یہ مذاق کیا ہے میں ... بھائی ہونے کی حیثیت سے کوئی بھی کام کی بات کر دیتا ہوں تب بھی یہ بُرا مان جاتی ہے۔ اب دیکھیے نا شادی وادی تو ہوگی نہیں۔ اس کی عمر گزُرتی جارہی ہے۔ گھر کے کچھ کام کاج کر لیا کرے گی تو بھابیوں کے درمیان گزر بسر ہو جائے گی ورنہ روٹی کپڑا کہاں سے ملے گا۔"

"آپ جیسے دس کو بٹھا کر کھلا سکتی ہوں زندگی بھر۔ کیا سمجھا ہے آپ نے۔" لالہ رُخ بولی۔

"دیکھا امّاں بی یہ بُرا مان گئی۔ بھئی جو کچھ اس کے پاس ہے ہمارا ہی تو ہے۔"

"میرے باپ کا ہے۔ سمجھے آپ۔"

"اُفوہ... کیا حماقت ہے بھئی! گھر کی فضا اتنی خراب ہے اور تم لوگ۔" امّاں بی نے کہا۔

"حماقت نہیں امّاں بی! چالاکی ہے یہ۔ اس طرح شارق خود کو ایک معصوم اور کھلنڈرے انسان کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں۔" بیرسٹر نصرت حسین نے اندر داخل ہو کر کہا۔ پھر مجھے بولنے کا موقع دیے بغیر کہا۔ "ڈیڈی کے کمرے میں آؤ۔"

"میں بھی چل رہی ہوں ٹھہرو۔" امّاں بی نے کہا اور ہم لوگ آئی جی صاحب کی عدالت میں پہنچ گئے۔ طارق حسین، امجد حسین بھی یہاں جلوہ افروز تھے۔ آئی جی صاحب کا چہرہ دیکھا اور کسی قدر اطمینان ہوا۔ پچھلے کچھ عرصے سے وہ میرے بارے میں نرم ہو گئے تھے۔ پالیسی وضع کر لی۔ کورم پورا ہو گیا تھا۔ اس لیے آئی جی صاحب نے آغاز کر دیا۔

"تمہیں اطلاع مل گئی تھی کہ میں نے تمہیں طلب کیا ہے؟"

"قطعی نہیں۔ میں تو حکم کے مطابق مدعیوں کے لیے حاضر ہوا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"آمنہ بیوہ ہو گئی معلوم ہے؟"

"جی! اخبار میں پڑھا تھا۔"

"کچھ روشنی ڈالو گے اس قتل پر؟"

"جی ہاں! بخت بیدار اوباش انسان تھا۔ بہت سے دلوں میں اُس کے لیے انتقام کی آگ سُلگ رہی تھی۔ کسی کا وار چل گیا۔"

"کس کا؟" طارق حسین نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پولیس اگر ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کرے تو شاید کچھ پتا چل ہی جائے۔ افسوس یہی ہے کہ پولیس کسی واردات کا سُراغ لگانے کی اہل ہی نہیں ہے۔ اس طرح گناہگار عیش کرتے ہیں اور بے گناہ مجرم بن جاتے ہیں۔" میں نے طنزیہ کہا اور طارق حسین کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"تم شاداب گڑھی گئے تھے؟" نصرت حسین نے کہا۔

"جی ہاں۔" میں نے مسکرا کر دیکھا۔

"بھادروں کی بے گناہی کا سُراغ حاصل کرنے۔"

"جی؟"

"کیسا رہا؟"

"آپ پہلے ہی بخت بیدار کے پاس پیغام بھجوا چکے تھے کہ اگر اُس نے کوئی سُراغ چھوڑا بھی ہے تو اُسے ضائع کر دے، پھر کیا پتا چلتا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" نصرت حسین چلائے۔ آئی جی صاحب اس بات پر چونک پڑے تھے۔

"ثبوت چاہیے۔ ڈیڈی کو پیش کروں، عدالت کو دُوں یا کہ پولیس کو۔" میں نے کہا اور نصرت حسین بغلیں جھانکنے لگے۔

"کیا قصّہ ہے؟" آئی جی صاحب نے کہا۔

"میں نے آپ لوگوں سے بھادروں کے سلسلے میں گفتگو کی تھی۔ بھائی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں میں واقعی اصل مجرم یعنی بخت بیدار کے خلاف کوئی ثبوت حاصل ہی نہ کر لوں چنانچہ اُنہوں نے یہاں سے فیروز کو ایک خط دے کر بیدار بخت کے پاس بھیج دیا جس میں اُنہوں نے بہت کچھ لکھا تھا۔"

"کیا یہ سچ ہے؟" آئی جی صاحب نے نصرت حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈیڈی! لیکن وہ۔ میرا مطلب ہے میں نے بس یہ لکھا تھا بیدار بخت کو کہ شارق سر پھرا ہے کوئی تلخی نہ ہو جائے۔"

"گویا تم نے ایک مجرم کو ہوشیار کیا۔ تم جانتے تھے کہ وہ جُرم بخت بیدار نے ہی کیا جس کی سزا بھادروں کو ہوئی۔ گویا تم اس کے مددگار تھے۔ طارق حسین، امجد حسین یہ کیا ہے سب کچھ۔ ہم اس معاشرے کے بارے میں حتمی طور پر کسی کو کچھ کہہ سکتے ہیں، کسی ایک کی سرزنش کی جا سکتی ہے۔ سب کچھ کُھلم کُھلا ہو رہا ہے۔ ہر شخص حسبِ استطاعت وہ کر رہا ہے جو مناسب سمجھتا ہے۔ کمال ہے صاحب کمال ہے۔"

"مگر ڈیڈی! قتل کے بارے میں کیا کہیں گے آپ...؟" نصرت حسین بولے۔

"سب اپنی اپنی پسند کے کام کر رہے ہیں کسے کیا کہا جائے۔ تم لوگ اسے قاتل ثابت کر دو اور گرفتار کرا دو۔" آئی جی صاحب ہنستے ہوئے اُٹھ گئے تھے۔

"لیکن ڈیڈی؟"

"براہِ کرم یہ موضوع ختم کر دیا جائے۔ بہت سی حقیقتیں عیاں ہو گئی ہیں۔ نصرت حسین! تم نے اسے پہلے خط لکھ کر ہوشیار کیا۔ تمہیں اس کا اعتراف ہے۔ باقی باتیں ختم کر دی جائیں۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

اس کے بعد حیرت انگیز طور پر یہ موضوع ختم ہو گیا۔ تینوں بھائی بھی ہموار ہو گئے اور کسی قسم کی برہمی کا اظہار بھی نہ کیا۔ میرے لیے یہ سب بہت حیرت ناک تھا۔ بہرحال معاملات تقریباً ہموار ہو گئے تھے۔ آشیانے میں حاضری برابر جاری تھی۔ نصرت حسین اور طارق حسین کی نگاہوں کا شک البتّہ ابھی بدستور تھا۔ میں نے بارہا محسوس کیا تھا کہ وہ کبھی کبھی گہری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگتے تھے۔ ایک دن میں نے اس بارے میں سوال کر ہی ڈالا۔ اتفاق سے دونوں ہی مل گئے تھے۔

"طارق بھائی بعض اوقات آپ مجھے نہ جانے کیسی نظروں سے گھورنے لگتے ہیں؟"

"تمہیں اس کا احساس ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"آپ کسی اُلجھن کا شکار ہیں۔"

"بالکل درست۔ بخت بیدار کا وحشیانہ قتل ابھی ہضم نہیں ہو رہا اور آج بھی اپنے تجربے کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس قتل کا تعلق کہیں نہ کہیں بھادروں سے ضرور رہا ہے۔"

"تو پھر میں شک کا مجرم کیوں قرار پایا؟" میں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک درخواست ہے تم سے شارق! ہمیں کسی ایسے امتحان میں مت ڈال دینا کہ آشیانے کا شیرازہ بکھر جائے۔" طارق حسین نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"تھوڑی سی وضاحت بھائی جان!"

"تم جذباتی اور احمق ہو۔ اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہو کہ سب کچھ بھول جاتے ہو، اگر تم کوئی ایسی حماقت کر بیٹھے... جو قابلِ گرفت ہوئی تو میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔"

"صرف ایک عرض کرنا چاہتا ہوں بھائی جان! میں جُرم کو جُرم ہی سمجھتا ہوں اور ہر قیمت پر مجرم کو سزا کا مستحق قرار دیتا ہوں۔ خواہ وہ میں ہی کیوں نہ ہوں۔ بخت بیدار نے جو کچھ کیا کسی نہ کسی نے اُسے سزا دے دی۔ آپ اطمینان رکھیں وہ میں نہیں ہوں اور نہ ہی کسی مُجرم کی اعانت کرتے ہوئے میں کسی کو قتل کر سکتا ہوں۔ اس کے باوجود آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ تحقیقات کرا سکتے ہیں اور اس دن میں خلوصِ دل سے آپ کو مبارک باد دُوں گا جب آپ میرے لیے ہتھکڑی لیے کھڑے ہوں گے۔"

"چیلنج کر رہے ہو مجھے؟" طارق حسین نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ آپ نے کہا تھا نا کہ آپ ایسے کسی مسئلے میں میری مدد نہیں کر سکیں گے۔" میں آہستہ سے بولا۔

"خوب! سُن رہے ہیں بھائی جان!" طارق حسین نے نصرت حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سُن رہا ہوں اور غور بھی کر رہا ہوں۔" نصرت حسین نے کہا۔ "یہ لڑکا خود کو بہت کچھ سمجھنے لگا ہے۔"

"میں نے ایسا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ میری غلطیوں کی نشاندہی کر دیا کریں اور کبھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری ان لن ترانیوں کا ایک بار جواب ضرور دُوں گا کہ قانون کے بھی کچھ اقدار ہوتے ہیں۔"

"عرض کر چکا ہوں کہ مجھے خوشی ہوگی۔" میں نے سرد لہجے میں کہا اور اُٹھ گیا۔ میری نگاہوں میں ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ان لوگوں کی ذہنی کیفیت میں اچھی طرح جانتا تھا۔

فاروقی صاحب، جہاد بدر قریشی اور وہ تمام لوگ جو مجھ سے کسی نہ کسی طرح متعلق ہو گئے تھے، اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ فاروقی صاحب اور جہاد بدر قریشی اب مصروف ترین وکیل تھے لیکن دونوں ہی مجھ سے بہت متاثر تھے اور ایسے کیس لیتے تھے جن میں سچائی کو سامنے لانا ہو اور اپنے کیسوں کے بارے میں پہلے معلومات حاصل کر لیتے تھے۔ تب اُن پر ہاتھ رکھتے تھے۔

پھر وکیل فاروقی صاحب نے مجھے ایک خط دیتے ہوئے کہا۔

"تمہارے نام ہے۔"

"کہاں سے آیا ہے؟"

"شاہ عالم جیل سے۔" فاروقی صاحب نے کہا اور میں خط کھول کر دیکھنے لگا۔ بڑی پختہ اور نفیس تحریر تھی۔ لکھا تھا۔

"میرا صفت تمہیں تعجب ہوگا کہ جیل سے تمہیں خط لکھنے والا کون ہو سکتا ہے۔ میں اپنا تعارف کرا دُوں تقریباً سات ماہ ہو گئے ہیں۔ میں شاہ عالم جیل میں ہوں اور سزائے عمر قید بھگت رہا ہوں۔ ۱۴ سال۔ زندگی کے ۱۴ حسین ترین سال۔ میری عمر اس وقت ستائیس سال ہے اور جب میں دوبارہ اس دُنیا کو دیکھوں گا تو اپنی زندگی کے سُنہرے دَور

سے گزر چکا ہوں گا اور یہ کسی انسان کی جوانی پر
ظلم ہے۔ میں اپنے تمام معاملات کو تقدیر کے
حوالے کر چکا تھا۔ لیکن اتفاق سے جیل میں مجھے
کبھی کبھی اخبارات پڑھنے کو مل جاتے ہیں اور
انہی میں سے ایک دو بار آپ کے بارے میں
تفصیلات پڑھیں۔ یہ جان کر شدید حیرت ہوئی
کہ اس بھیانک دور میں جب نفرتوں کے پہاڑ
بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے ہیں اور محبتیں
مصلحتوں کے نیچے دبی پڑی ہیں۔ ایک ایسا شخص
بھی ہے جو صرف سچائی کے نام پر عمل پیرا ہے۔
یہ اخبارات کی کہانیاں اگر سچ ہیں تو میں بھی تقدیر
آزمانا چاہتا ہوں۔ سنو میرے دوست! میں
بے گناہ ہوں۔ تم سے پہلے یہ بات عدالت میں
کہی تھی لیکن وہاں وکلاء کے دلائل میری آواز
سے زیادہ بھاری تھے۔ چنانچہ میں کچھ نہ کہہ سکا۔
یا کہا بھی تو سُنا نہ جا سکا اور بالآخر مجھے بحالتِ
مجبوری تقدیر کے فیصلے قبول کرنے پڑے۔
وہ کرتا تو کیا کرتا؟ سات ماہ بے کسی اور بے بسی
کے عالم میں گزارے ہیں۔ یہ آس تو ختم ہی ہو چکی
تھی کہ اب کہیں سے کوئی روشنی پھوٹے گی اور
مجھے میری آزاد دنیا واپس مل جائے گی لیکن
چند الفاظ نے اس روشنی کا احساس دلایا ہے
اور میں اپنی فریاد تم تک پہنچانے پر مجبور ہو گیا
ہوں۔ تمہارے اوپر کوئی ذمہ داری عائد نہیں
ہوتی میرے دوست! ظاہر ہے ٹوٹی ہوئی
اور بکھری ہوئی اشیاء کہاں تک سمیٹی جا سکتی ہیں!
بس یہ ایک خواہش ہے کہ کم از کم میری آواز
تم تک پہنچ جائے اور اگر تمہیں کبھی وقت
مل جائے تو اپنی روایات کے مطابق مجھ پر
بھی غور کر لو۔ مجھے معاف کرنا دوست! عجیب سی
کیفیت کا شکار ہوں۔ پہلا خیال تو یہ ذہن میں
آتا ہے کہ ممکن ہے اخبارات والے تمہارے
مداح ہوں اور تمہاری چھوٹی موٹی کہانی بڑھا
چڑھا کر چھاپتے رہے ہوں لیکن پھر اندر سے
اپنے آپ کو دھوکہ دینے کو جی چاہتا ہے اور
پھر یہ سوچتا ہوں کہ ممکن ہے یہ سچ ہی ہو خیر!
خط شاید طویل ہو گیا ہے۔ ہاں اگر کبھی موقع
مل جائے تو شاہ عالم جیل میں قیدی نمبر دو سو سات
منیر حسین مفتی سے مل لینا۔ یاد رکھنا قیدی نمبر دو سو
سات منیر حسین مفتی! ——— خدا حافظ۔"

میں نے یہ خط پڑھا اور اسے فاروقی صاحب کی طرف
بڑھا دیا۔ وکیل صاحب نے بھی خط پڑھا اور پھر معنی خیز نگاہوں
سے مجھے دیکھنے لگا۔

"اس نے کچھ تفصیل نہیں لکھی۔"

"ہاں بس مبہم سے الفاظ میں اپنی بے گناہی کا اظہار کیا ہے
چودہ سال قید کا مطلب ہے کہ قتل یا پھر اسی کے ہم پلہ کسی جرم
کی سزا ہوتی ہے۔"

"بیشک۔ . . بیشک! تو پھر کیا خیال ہے؟"

"شاہ عالم جیل تو بہت اچھی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے
کہا اور جاوید قریشی بھی مسکرانے لگے۔

وکیل صاحب نے کہا "ہاں بھئی ہم جانتے ہیں بھلا یہ کیسے
ہو سکتا ہے کہ حاتم طائی کو کوئی آواز دے اور حاتم طائی اس کی
آواز پر اس کا سوال حل کرنے کے لیے اس کے پاس نہ چل پڑے۔"

"میرے خیال میں آپ لوگ میری ان حرکتوں سے تنگ آ گئے
ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی! خدا نہ کرے۔ تم تو ہمارا وقار ہو کیسی باتیں کرتے
ہو۔" وکیل صاحب نے کہا۔

"تو پھر شاہ عالم کے بارے میں اب کام شروع کرنا چاہیے
ویسے بھی یہ بیکاری مجھے ناگوار گزر رہی تھی۔ مل تو لیتا ہوں۔ دیکھوں
منیر صاحب ہیں کیا چیز!" میں نے کہا اور اس کے بعد یہ
گفتگو ختم ہو گئی۔

خط میں نے احتیاط سے جیب میں رکھا اور پھر شاہ عالم
جیل کے بارے میں سوچنے لگا اور اس سلسلے میں وقار احمد ہی
سے رجوع کرنا مناسب رہا۔ پچھلی مرتبہ بہادروں کے سلسلے میں،
میں حسن کوٹ گیا تھا اور بظاہر جو کچھ بھی ہو گیا تھا لیکن حسن کوٹ
کے جیلر صاحب کو اس سلسلے میں کوئی ایسی الجھن نہیں اٹھانی
پڑی تھی جو ان کے لیے تکلیف دہ ہوتی۔ بہادروں کا مسئلہ بھی
ان کے علم میں نہیں آ سکا تھا اور کام ہو گیا تھا۔ چنانچہ وقار صاحب
کے پاس کوئی ایسی شکایت نہیں پہنچ سکتی تھی جس کی بنا پر وہ
میرے لیے کوئی کام نہ کر سکیں۔ خود ہی ان سے ملنے کا فیصلہ

کیا تھا اور ان کے پاس جیل میں پہنچ گیا تھا۔ وقار صاحب نے
مسکراتے ہوئے خیر مقدم کیا۔

"بھئی شارق کے قیمتی وقت میں سے کچھ لمحات ہمیں
مل جائیں تو اسے ہم اپنی خوش قسمتی ہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن
ابھی ہم جانتے ہیں کہ مسئلہ کچھ اور ہی ہوگا۔ بہرحال ہم ہر خدمت
کے لیے تیار ہیں۔"

"بڑا خود غرض ہوں میں وقار صاحب! بے مقصد کبھی آپ
کے پاس نہیں آتا۔"

"تمہارا مقصد بھی تو بہت مبارک ہوتا ہے شارق! چلو
خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ بتاؤ کیا صورتحال ہے؟"

"شاہ عالم جیل۔"

"ہوں! کوٹ حسن والا مسئلہ حل ہو گیا؟"

"جی ہاں! آپ اگر چاہیں تو وہاں جیلر صاحب سے رابطہ
قائم کریں۔ . ."

"ارے نہیں۔ نہیں بھئی! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے
اب تم سے یہ کہنا بڑا عجیب لگتا ہے کہ تم قانونی معاملات کا خیال
رکھو۔ خیر یہاں تو کوئی مسئلہ بھی نہیں ہے۔ میں دوسروں
کے مسئلے میں ذرا محتاط رہتا ہوں۔ ہاں تو شاہ عالم جیل میں سے
کیا کام ہے؟"

"وہی ایک قیدی سے ملاقات کا مسئلہ۔"

"شاہ عالم۔ ذرا معلوم کرنا پڑے گا کہ کون آج کل وہاں
تعینات ہے۔" وقار صاحب نے کہا اور گھنٹی بجا کر اپنے پرنسپل
اسسٹنٹ کو بلا لیا۔

"یہ شاہ عالم جیل میں اس وقت جیلر کون ہے؟"

"قاسم شاہ صاحب پچھلے دو مہینے پہلے ہی تو ان کا تبادلہ
ہوا ہے شاہ عالم جیل میں۔" وقار صاحب کے پی۔ اے نے بتایا۔

"اوہ! اچھا ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے جاؤ۔" انہوں نے
پی اے سے کہا۔

میں ان کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھ رہا تھا۔ انہوں
نے ہونٹ سکوڑ لیے تھے۔ چند لمحات کے بعد وہ بولے۔

"قاسم شاہ جو ہے نا، یہ تو بڑی سخت چیز ہے۔ میرے براہ راست
تعلقات بھی نہیں ہیں اور ویسے بھی آدمی بہت خود دماغ ہے۔
اصل میں وہ پوری طرح جیلر ہے۔ بات بات پر قیدیوں کی کھال
اتار کر ان کی ٹانگوں میں ڈال دیتا ہے۔ بہت ہی سخت مزاج
ہے بھئی۔ جہاں جس جیل میں ہوتا ہے وہاں قیدی کانپتے ہیں
اس سے۔"

"سب ہی وقار احمد تو نہیں ہوتے۔"

"بھئی بات اصل میں یہ ہے کہ انسانیت کا وقار بھی کوئی چیز
ہے۔ بیشک بُرے لوگ بُرائیاں کرنے کے بعد اُن کی سزا پانے
یہاں آ جاتے ہیں۔ یہ سزا تو انہیں قانون دے چکا ہوتا ہے پھر یہ
کیا ٹھیک ہے کہ ہم بھی ان کے لیے فرشتۂ عذاب بنے رہیں۔۔
ہاں اگر کوئی حرکت ہو تو انسانیت کے دائرے میں ہی رہ کر اس
مسئلے کو حل کر لیا جائے۔ مجبوری پیش آئے تو سختی بھی کر لی جائے
لیکن اب یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ قیدیوں کو زندگی
کے خوف کا شکار کیوں کر دیا جائے۔ یہ قاسم شاہ صاحب جو ہیں نا یہ
دو تین آدمیوں کی چھٹی بھی کر چکے ہیں۔ بہرطور سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ ان سے رابطہ کس طرح کیا جائے؟"

"دو تین آدمیوں کی چھٹی کر چکے ہیں۔ کیا مطلب؟"

"مر چکے ہیں وہ لوگ۔" وقار صاحب نے کسی قدر تلخ لہجے
میں کہا۔

"اور ان کی کوئی داد رسی نہیں ہوئی؟"

"ایسے نہیں تھے کہ ان کی داد رسی کی جاتی۔"

"یہ تو ظلم ہے۔"

"بالکل ہے۔ لیکن قانون تو اس کی مدافعت نہیں کر سکتا کیونکہ
قانون کے لیے تمام معاملات مکمل کر لیے گئے تھے۔"

"ہوں! تو قاسم شاہ سے براہ راست ہی ملنا ہوگا۔"

"نہیں، بھئی اس کی اجازت میں ہرگز نہیں دوں گا۔ ارے
ہاں ایک بات بتاؤ۔ ایس۔ پی بابر جان سے آج کل کیسی چھن
رہی ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔ وہ میرے محب ہیں۔"

"یار کمال کر دیا۔ بھئی وہ ایس۔ پی بابر جان کا بڑا گہرا دوست
ہے اور بابر جان کے مسئلے میں وہ بڑا فراخدل ہے۔ تم بابر جان
سے بات کر لو۔ وہ تمہاری مدد ضرور کر دیں گے۔"

"شکریہ وقار صاحب! میرا خیال ہے بابر جان اس سلسلے
میں میری بھرپور مدد کریں گے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد
وقار صاحب سے رخصت ہو کر بابر جان کے پاس پہنچ گیا۔

ایس۔ پی بابر جان نے معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔
پھر وہ کمرہ بند کر کے بیٹھ گئے۔

"بیٹھو بھئی! بڑی باتیں کرنی ہیں تم سے۔ سمجھ میں نہیں آتا
شارق یہ ہوا کیسے؟"

"کیا ایس۔ پی صاحب؟"

"بخت بیدار بڑی درندگی سے مارا گیا۔ آخر کیسے؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے! بہرطور بھادوں کی گلو خلاصی کے لیے کوئی ایسا پوائنٹ نہیں مل سکا جو اس کے کام آ سکتا۔ تمام زبانیں خاموش تھیں۔ تمام ثبوت دفن کر دیے گئے تھے۔ بخت بیدار آزادی کی زندگی بسر کر رہا تھا اور اسے گرفت میں لینے کا کوئی طریقہ ہی نظر نہیں آ سکا۔ پھر بھادوں بھی آزادی کا زیادہ خواہش مند نہیں تھا۔ بس وہ تو یہ چاہتا تھا کہ اُس کا دُشمن سزا پائے اور وہ اپنے مقصد پورا کر لے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ یہ مقصد۔۔"

"تم نے پورا کر دیا۔" ایس۔ پی بابر جان بولا اور میں نے نگاہیں اُٹھا کر اُنہیں دیکھا۔

"نہیں بابر صاحب! شاید آپ کو اس کا علم ہو کہ بخت بیدار سے میرا تھوڑا بہت رشتہ بھی نکلتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ نیکیوں کے راستے پر چلتے ہوئے میں کسی کی زندگی لینے کی حد تک نہیں جا سکتا۔ میں اس کو گناہِ عظیم سمجھتا ہوں۔ خدا کی دی ہوئی زندگی پر صرف خدا ہی کا حق ہے۔ چنانچہ آپ اس بات کو ہمیشہ کے لیے ذہن سے نکال دیں کہ میں اپنی نظریاتی مہم اس حد تک آگے بڑھا سکتا ہوں کہ کسی کی جان لے لوں۔"

"نہیں۔ نہیں میرا یہ مقصد نہیں تھا بخدا۔ مطلب یہ کہ بھادوں جیل میں تھا اور بخت بیدار کو اس انداز میں قتل کر دیا گیا جس سے نفرت اور درندگی کی بو آتی ہے اور اس کا بدترین دُشمن بھادوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ بہرحال بھادوں تو اپنے طور پر مطمئن ہو گیا تھا۔"

"ہاں وہ مطمئن ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے شارق کہ بخت بیدار کا قاتل کون ہے؟ اور اسے کس نے قتل کیا؟"

میں نے نگاہیں اُٹھا کر بابر جان کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"بھادوں ہے۔"

بابر جان اُچھل پڑے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے، پھر اُنہوں نے کہا

"کک ... کیا مطلب؟"

"اسے بھادوں نے قتل کیا ہے۔"

"مم ... مگر بھادوں تو جیل میں ہے۔"

"ہاں، مگر میں نے دو دن کے لیے اسے جیل سے نکلنے کا موقع فراہم کیا تھا۔"

"کک ... کیا جیلر کو یہ بات معلوم تھی؟"

"نہیں۔"

"مم ... مگر یہ کیسے کیا؟"

"بات اصل میں یہ ہے بابر جان کہ بھادوں کا معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔ حالات کے بارے میں، میں نے اندازہ لگایا تو مجھے علم ہو گیا کہ بخت بیدار قاتل ہے اور بھادوں بے گناہ۔ چنانچہ بھادوں کو موقع دیا اس کا میں نے کہ وہ کم از کم اپنے دُکھے ہوئے دل کا سکون تلاش کر لے اور یہ سکون اسے بخت بیدار کے قتل ہی سے مل سکتا تھا۔ بس یہ میں نے کس طرح کیا یہ اب میں آپ کو نہیں بتا سکتا لیکن کام ہو گیا تھا اور اس کے بعد بھادوں واپس جیل میں پہنچ گیا تھا۔"

"اور یہ بات تم مجھے بتا رہے ہو۔"

"آپ نے پوچھی جو ہے۔"

"لیکن کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ معلوم ہونے کے بعد تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟"

"ایس۔ پی صاحب! میں صرف اتنی بات جانتا ہوں کہ آپ کس قسم کے انسان ہیں، اگر آپ اس تجسس کو دبا سکتے تو کبھی مجھ سے یہ بات نہ پوچھتے اور اگر آپ نے یہ بات پوچھی ہے تو میں جانتا ہوں کہ اس سے میرے یا بھادوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے آپ کی خواہش پوری کر دی۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے بھئی! واقعی بڑی عجیب شخصیت کے مالک ہو۔"

"خیر اب اس بات کو چھوڑیے۔ ایک مسئلے میں حاضر ہوا ہوں۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں پھر کسی فریادی کی دادرسی کے لیے کمربستہ ہو رہے ہو گے۔"

"جی ہاں! یہ ہے وہ فریادی۔" میں نے خط بابر جان کے سامنے رکھ دیا۔

بابر جان خط اُٹھا کر پڑھنے لگا تھا اور اس کے بعد اُس نے لفافے میں پرچا رکھنے کے بعد لفافہ بند کر دیا۔ "شاہ عالم جیل میں قاسم شاہ ہے آج کل اور وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے۔"

"حاضری کا مقصد یہی تھا۔"

"اچھا دوست ہے وہ میرا۔ لیکن بڑا جنگلی آدمی ہے۔ ویسے دوستی تو نبھائے گا لیکن تم بھی ذرا احتیاط رکھنا۔ خالص پولیس والا ہے اور سمجھتا ہے کہ پولیس والوں کو یہی سب کچھ ہونا چاہیے جو وہ ہے

تھوڑا سا کھسکا ہوا بھی ہے اور کسی بھی سلسلے میں لچک کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ویسے تم اس سے کس حیثیت سے ملنا چاہتے ہو؟"

"جیسا آپ پسند کریں ایس پی صاحب! بس یوں سمجھ لیں کہ میں وہاں جا کر اس شخص یعنی منیر سے ملنا چاہتا ہوں اور بس۔"

"ہوں، تو بہتر یہ ہے کہ تم اپنی اصل حیثیت ہی میں قاسم شاہ سے ملو اور اسے بتاؤ کہ وکیل کی حیثیت سے ایک کیس کے سلسلے میں تمہیں منیر سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔ میں ایک خط بھی دے دُوں گا تمہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قاسم شاہ تم سے تعاون کرے گا۔"

"اس سے زیادہ کسی اُلجھن کی ضرورت ہی نہیں ہے، اتنا ہی چاہتا ہوں ایس۔ پی صاحب! اور کوئی مقصد ہی نہیں ہے میرا۔"

"کب جا رہے ہو شاہ عالم؟"

"بس آپ خط دے دیجیے مجھے۔ ایک آدھ دن میں روانہ ہُوا جاتا ہوں۔"

"اوکے، میں اس کا انتظام کیے دیتا ہوں۔" بابر جان نے کہا اور اس کے بعد وہ شاہ عالم کے جیلر قاسم شاہ کے نام ایک خط لکھنے بیٹھ گئے اور اس میں خاصا وقت صرف کیا اُنہوں نے، پھر خط میری جانب بڑھا دیا۔ مطمئن کن تحریر تھی۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ ظاہر ہے قاسم شاہ سے وہ تعاون تو نہیں مل سکتا جو بھادوں کے کیس میں حسن کوٹ کے جیلر صاحب نے میرے ساتھ کیا تھا لیکن اتنا ہی کافی تھا۔ چنانچہ اس کے بعد میں تیاریاں کرنے لگا اور پھر شاہ عالم روانہ ہو گیا۔

یہ ایک اچھا خاصا شہر تھا اور چھوٹے موٹے چند ہوٹل بھی یہاں موجود تھے۔ بذریعہ ٹرین شاہ عالم تک کا سفر تقریباً سولہ گھنٹے کا تھا۔ میں نے ٹرین ہی کے ذریعے یہ سفر طے کیا اور شاہ عالم کے اسٹیشن پر اُتر گیا پھر ایک ہوٹل میں قیام کرنے میں بھی مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی مجھے کمرہ حاصل ہو گیا اور میں وہاں قیام پذیر ہونے کے بعد اپنے دوسرے پروگرام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ جیل کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور یہاں آنے کے دوسرے دن جیل کے لیے روانہ ہو گیا۔

شاہ عالم جیل شہر کے مغربی حصے میں آبادی سے ذرا ہٹ کر تھا۔ وہاں تک جانے کے لیے تانگے کا بندوبست کرنا پڑا تھا۔ بالآخر تانگے نے مجھے جیل کے سامنے اُتار دیا اور اس کے بعد ابتدائی کارروائیاں ہوئیں۔ تب میں جیلر کے دفتر پہنچا دیا گیا۔ دو سنتریوں نے میری وہاں تک راہنمائی کی تھی۔ قاسم شاہ سُرخ و سپید رنگت کے مالک دراز قامت آدمی تھے۔ چہرے ہی سے لگ رہا تھا کہ مزاج کیسا ہے۔ مسکراہٹ یا شگفتگی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ لہجے میں بھی اکھڑ پن تھا۔ اُنہوں نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"ہاں جی، کیا بات ہے؟ کیسے آنا ہُوا؟"

میں نے اپنا کارڈ نکال کر اُن کے سامنے رکھا تو اُنہوں نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر کارڈ دیکھنے لگے۔

"وکیل ہو جی۔ بیٹھو ... بیٹھو۔" یہ بیٹھنے کے لیے کہنا بھی ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ مرو سامنے کرسی پر۔

"ہاں جی! کیا خدمت کر سکتے ہیں آپ کی ہم؟ کیسے آنا ہُوا؟"

"وہ ایک خط بھی لایا تھا آپ کے نام شاہ صاحب۔"

"تو لاؤ نا بھئی ایک۔ ایک ایک کر کے ایسے چیزیں دکھا رہے ہو جیسے مداری اپنے کھیل دکھاتا ہے ... لاؤ کہاں ہے خط؟ پھر کس کا خط؟" قاسم شاہ صاحب نے جھلائے ہوئے سے انداز میں کہا اور میں نے خط نکال کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔

قاسم صاحب نے خط کھولا لیکن چہرے پر وہی خشک کیفیت رہی۔ پورا خط پڑھنے کے بعد اس نے کہا۔

"کیا کام ہے تمہیں اس قیدی سے؟"

"بس شاہ صاحب کام ہے اس سے، ایک کیس کے سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"کتنی دیر ہوگی یہ ملاقات؟" شاہ صاحب نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے تقریباً آدھ گھنٹے۔"

"کیوں بھئی آدھے گھنٹے میں کیا کرنا ہے تمہیں؟"

"اس سے معلومات حاصل کرنی ہیں۔" میں نے صبر اور سکون سے کہا۔

"ہوں! ٹھیک ہے۔" شاہ صاحب نے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور پھر بولے۔

"فضل خان کے پاس لے جاؤ اُنہیں۔ کہو قیدی نمبر ۲۷ سے اِن کی ملاقات کرا دی جائے۔ خیال رکھنا۔ ویسے گفتگو پولیس کے سامنے ہی ہونی چاہیے۔"

"نہیں شاہ صاحب! اس کے لیے آپ کو مجھے الگ موقع دینا پڑے گا۔"

"کیوں بھئی! اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"یہ میں جانتا ہوں۔"

"مگر۔"

"نہیں شاہ صاحب! یہ ضروری ہے۔ آپ مجھے اس کام کے لیے منع کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا اور شاہ صاحب چند لمحات کے لیے مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم دور ہٹ جاتا ذرا۔" انہوں نے کہا اور میں اس سنتری کے ساتھ باہر نکل آیا۔

فضل خان شاید اسسٹنٹ جیلر تھا۔ اس نے شاہ صاحب کی ہدایت سنی اور اس کے بعد مجھے لیے ہوئے ایک ایسے حصے میں پہنچ گیا جہاں قیدیوں سے ملاقات کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ درمیان میں جنگلا دیا گیا تھا جس پر ایسی جالی لگی ہوئی تھی جس کے ذریعے کوئی لین دین نہ ہو سکے۔ یہ انتظام خاص طور پر شاہ صاحب نے کیا تھا۔ ورنہ پہلے قیدیوں سے بالمشافہ اور آمنے سامنے بیٹھ کر بغیر کسی روک ٹوک کے ملاقات ہو جاتی تھی۔ بہر طور کسی نے اپنے ہاں اگر ڈسپلن پیدا کیا ہے تو اس پر اعتراض کرنا تو کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ شاہ صاحب کی اس حد تک سختی ناجائز نہیں تھی بشرطیکہ صرف اسی حد تک ہو۔ جس شخص کو میرے سامنے لایا گیا تھا۔ وہ قبول صورت نہیں بلکہ خوبصورت آدمی تھا۔ گہرے سیاہ گھنگریالے بال بڑی بڑی آنکھیں۔ مناسب قدوقامت۔ اچھا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

"مسٹر منیر حسین مفتی!"

"جی! لیکن آپ؟"

"میرا نام شارق حسین ہے۔"

میرے اس انکشاف پر اس کا چہرہ حیرت اور مسرت کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ وہ مضطربانہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ جانے کیسے کیسے تاثرات اس کے چہرے پر آ کر گزر گئے تھے پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"مجھے یقین نہیں تھا خدا کی قسم! میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا لیکن آپ یہاں آ گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ واقعی خلوص اور سچائی سے کام کر رہے ہیں اور آپ کے اس کام میں کوئی ذاتی مقصد نہیں چھپا ہوا۔ یہ ایک تجربہ بھی تھا میرے لیے۔ آئی ایم سوری شارق صاحب! اتنا جذباتی ہو گیا ہوں کہ بے اختیارانہ طور پر اگر میرے منہ سے ایسی ویسی بات نکل جائے تو محسوس نہ کریں۔ مجھے آپ کے آنے کا یقین نہیں تھا۔"

"ہوں! چلو ٹھیک ہے۔ بہر طور میں آ گیا اور بمشکل تمام میں نے تم سے ملنے کے راستے نکالے ہیں۔ شاہ صاحب بہت سخت آدمی ہے اور انہوں نے بڑی مشکل سے مجھے یہ اجازت دی ہے اب مجھے یہ بات بتاؤ منیر کہ تم سزائے عمر قید کس سلسلے میں بھگت رہے ہو؟"

"ایک قتل کے سلسلے میں۔"

"ہوں! قتل کس کا تھا؟"

"ایک لڑکی کا۔ ایک نوجوان لڑکی کا۔"

"اور یہ قتل تم سے منسوب کیا گیا ہے۔"

"جی ہاں! اگر آپ اجازت دیں تو مختصر الفاظ میں آپ کو پوری کہانی سنا دوں؟"

"ہاں... ہاں سناؤ... سناؤ۔"

"مسٹر شارق! آپ سے ایک درخواست ہے کہ اگر اس کہانی کے بیان میں میری زبان سے کہیں ایسے نازیبا الفاظ نکل جائیں جن میں نفرتوں کا اظہار ہو تو براہ کرم اسے کسی بھی پس منظر سے جوڑ دیجیے گا ورنہ یہ سمجھ لیجیے گا کہ میں فطرتاً برا ہوں۔ میرا نام منیر حسین مفتی ہے اور میرا بڑا بھائی ساجد حسین مفتی! ساجد حسین مجھ سے صرف سوا سال بڑا ہے۔ ہم دونوں کے قدوقامت۔ جسامت اور چہرہ اتنا ملتا جلتا ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں صحیح اندازہ لگانے میں ہمیشہ دھوکا کھاتے رہے ہیں۔ بچپن سے لے کر اب تک اس سلسلے میں بیشمار نتائج بھی ہو چکے ہیں۔ شرارت میں نے کی۔ پٹائی ساجد بھائی کی ہو گئی۔ کھانا ساجد بھائی نے کھایا اور چھٹی میری ہو گئی کہ کھانا کھا چکے ہو۔ ان باتوں سے مقصد یہ ہے کہ ہم دونوں اس حد تک ہم شکل ہیں کہ ہماری والدہ تک کو بعض اوقات دھوکا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہم جڑواں بھائی نہیں ہیں لیکن بہر حال یہ عجیب و غریب واقعہ ہے اور اسی واقعہ نے میری تقدیر پر سیاہی کی مہر لگا دی۔ ساجد حسین کے بارے میں بتانے کے بعد میں آپ کو اپنا تھوڑا سا خاندانی پس منظر بھی بتا دوں۔ ہمارا تعلق ایک سرحدی علاقے سے ہے لیکن ہمارا علاقہ پسماندہ نہیں ہے اور ہم جدید ترین زمینداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ والد صاحب اور والدہ کا مسئلہ ذرا کچھ ایسا تھا جس میں اختلاف مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور یہ اختلاف اس وقت تک جاری رہا جب تک والد صاحب کا انتقال نہ ہو گیا تھا۔ والدہ صاحبہ کو ہمیشہ والد صاحب کے ہاتھوں زک اٹھانا پڑی تھی۔ لیکن وہ بھی ایک کھرے خاندان

کی خاتون تھیں۔ انہوں نے بھی زندگی میں کبھی والد صاحب سے محبت کا اظہار نہ کیا بلکہ دونوں ہی کی زندگی نفرت کی بنیادوں پر چلتی رہی اور والدہ صاحبہ کی سخت مزاجی کا شکار ہم دونوں بھائی بھی تھے۔ وہ ہمیں ہمارے باپ کے بیٹے سمجھتی تھیں اور ان کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ آخر ہم اسی باپ کا خون ہیں جس نے زندگی بھر انہیں تنگ کیا ہے۔ چنانچہ ہم ماں کی وہ محبت کبھی نہ پا سکے جو اولاد کی خواہش ہوتی ہے۔ یہاں میری ماں کا کردار واضح ہو جاتا ہے۔ یہ بات میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ کچھ عرصے قبل میرے والد کا انتقال ہو گیا اور ان کی تمام زمین اور جائیداد وغیرہ میری ماں ہی کی تحویل میں آ گئی۔ ماں نے یہ تمام انتظامات پوری طرح سنبھال لیے۔ وہ بہت منتظم قسم کی خاتون ہیں۔ ہم لوگوں کے ساتھ ان کے رویے میں والد صاحب کی موت کے بعد بھی کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ہمارے ساتھ سخت گیری برتنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ میں بچپن ہی سے ذرا تیز مزاج تھا اور میری طبیعت میں تخریب پسندی شامل تھی اور چونکہ والدہ صاحبہ کی طرف سے سختی تھی اس لیے بغاوت کا یہ جذبہ بھی ذہن میں پیدا ہو گیا تھا۔ وہ جس کام کے لیے مجھے منع کرتی تھیں میں اسے انجام دینے کی فکر میں سرگرداں رہتا تھا۔ بعض اوقات میرا راز کھل بھی جاتا تھا۔ اور مجھے سزائیں دی جاتی تھیں، جو قابل برداشت ہوتی تھیں لیکن ایک طرح سے یہ ذہنی سزائیں تصور کی جا سکتی ہیں۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ والدہ صاحبہ نے جو رویہ بچپن سے میرے ساتھ رکھا تھا وہ اب جوان ہو گیا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ ان کا نظریہ غلط ہے۔ والد صاحب سے اگر ان کا کوئی ٹکراؤ تھا تو اس کا اثر اولادوں تک نہیں پہنچنا چاہیے تھا۔ ہم دونوں ان کی توجہ کے طالب تھے اور پھر والد صاحب تو مر چکے تھے لیکن وہ ماں کے نام پر ایک پتھر کی چٹان تھیں۔ جن سے ہمارے سر ہی پھوٹتے تھے اور ہمیں کچھ ملتا نہیں تھا۔ بہر طور تخریب پسندی کچھ ناجائز حدود میں داخل ہو گئی۔ معاف کیجیے گا شارق صاحب! میں نے شراب بھی پی اور دوسرے غلط کام بھی کیے۔ والدہ صاحبہ کو مختلف لوگوں سے اس کا علم ہوتا رہا۔ میرے برعکس ساجد بھائی تھے۔ نمازی اور پرہیزگار۔ ہر طرح سے ان کے حالات سنبھالے ہوئے۔ والدہ صاحبہ کا رویہ ان کے سلسلے میں بھی بہت نرم نہیں تھا لیکن انہوں نے دونوں کا ایک ایک مقام مقرر کیا ہوا تھا۔ ساجد بھائی پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی تھیں اور کاروباری معاملات اور زمینی امور میں بھی ان کو ہی فوقیت دیتی تھیں۔ میرے سلسلے میں کبھی کوئی بات چیت ہوئی تو والدہ صاحبہ نے ہمیشہ نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں زمین کا بوجھ ہوں۔ اور برائیاں پھیلانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ بہر طور ان کا نظریہ میرے بارے میں بس یہی تھا لیکن میں بھی اس کی پروا نہیں کرتا تھا۔ مجھے اپنے مشاغل میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ ذہن میں بغاوت کا ایک عنصر تھا اور میں ہر وہ کام کرتا تھا جو بیگم صاحبہ کو ناپسند ہو۔ یوں یہ معاملات جاری رہے پھر ہمارے درمیان تسنیم آ گئی۔ بیگم صاحبہ کی کوئی دور کی رشتے دار تھی۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد یتیم اور بے سہارا رہ گئی تھی۔ چنانچہ بیگم صاحبہ نے اسے اپنے پاس بلا لیا اور میں نے تسنیم کو دیکھا تو دل پکڑ کر رہ گیا۔ نسوانی حسن کا ایک ایسا شاہکار میرے سامنے تھا جسے ایک بار دیکھنے کے بعد بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کے نقوش کا الفاظ میں نقشہ کھینچنا ممکن نہیں۔ انسان دیکھتا ہی رہ جائے۔ بہر حال مجھے تسنیم بے حد پسند آئی تھی اور میں نے دل میں آرزو کی تھی کہ کاش اس سے میری دوستی ہو جائے لیکن بیگم صاحبہ کے زیر سایہ تھی، اس لیے اس کی طرف بڑھنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ وقت کا انتظار کر لیا جائے اور اس کے بعد باقاعدگی سے کوشش کی جائے۔ بہر حال وقت گزرتا رہا۔ تسنیم اب کافی گھل مل گئی تھی اور کبھی کبھی ہم دونوں سے بھی اس کی گفتگو ہو جاتی تھی۔ بہت ہی ریزرو قسم کی لڑکی تھی اور کم گو بھی تھی۔ حالانکہ اس کے ہونٹ مسکراتے رہتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ ابھی بہت سی باتیں کرنے لگے گی۔ دو تین بار میں نے اسے اپنی کوٹھی کے مختلف حصوں میں نظر میں رکھا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ باتیں بھی ہوئیں اس سے لیکن وہ سہم سی جاتی تھی اور ٹھیک سے باتیں نہ کر پاتی تھی اور پھر ایک دن بیگم صاحبہ نے شدید طیش کے عالم میں مجھے طلب کیا۔ ملازم نے مجھے اطلاع دی تھی کہ بیگم صاحبہ کا حکم ہے کہ جس حالت میں ہو فوراً آ جاؤ۔ میں حیران و پریشان والدہ صاحبہ کے سامنے پہنچا تو ان کا چہرہ غصے سے لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ ایک گوشے میں تسنیم بھی بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو نظر آ رہے تھے والدہ صاحبہ مجھے گھورنے لگیں پھر انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

"حالانکہ میرے لیے یہ بات باعث تعجب نہیں ہے تمہاری ہوشیاری اور تمہاری فطرت کے بے شمار تجربے میں کر چکی ہوں لیکن کیا مجھے اس کی توقع کرنی چاہیے تھی کہ تم اس طرح میرے وقار کی دھجیاں اڑا دو گے؟"

"میں سمجھا نہیں امی!" میں نے کہا۔

"تم جس قدر مکار اور شاطر ہو یہ بھی میں اچھی طرح جانتی ہوں لیکن کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تسنیم لاوارث ہے، یتیم ہے۔ بے سہارا ہے اور میں اس کی وارث ماں باپ اور سہارا سب کچھ بن چکی ہوں۔ جب کسی کو یہ سب کچھ دے دیا جاتا ہے تو اس کا تحفظ زندگی سے بڑی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ تم نے یہ نہیں سوچا منیر کہ اگر مجھے یہ بات معلوم ہوگی تو میں کیا سوچوں گی!"

"امی! میں حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے تسنیم کو گھورتے ہوئے کہا۔

تسنیم نے ایک بار نگاہ اُٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے گردن جھکا لی۔

"تم نے تسنیم کو دھمکیاں دی تھیں۔ کچھ کہا تھا اس سے؟"

"میں نے!" میں نے سرد لہجے میں کہا اور پھر تسنیم سے بولا۔ "کیوں تسنیم! کیا آپ نے میری یہ شکایت امی سے کی ہے؟"

"سوال میں نے کیا تھا۔ تسنیم سے براہِ راست مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں۔ مجھے جواب درکار ہے۔"

"امی! تھوڑی سی تفصیل اور ہو جائے تو میرے حق میں بہتر ہوگا اور شاید آپ کے حق میں بھی۔"

"کیا بکواس کرتا ہے۔ مجھے جانتا ہے۔ میں کون ہوں؟"

"تھوڑی سی تفصیل اور ہو جائے تو میرے بھی حق میں بہتر ہے اور آپ کے حق میں بھی۔" میں نے بدستور تلخ لہجے میں کہا اور وہ مجھے خونخوار نظروں سے گھورنے لگیں۔

"تُو نے تسنیم سے اظہارِ عشق کیا تھا منیر! یہ کہا تھا کہ اس سے اس کی دوستی کے بغیر اس کا گزارا ممکن نہیں ہے! بالفاظِ دیگر یہ کہا تھا اس سے تُو نے کہ وہ تیری ناپاک تمناؤں کی تکمیل کرے ورنہ اس کے لیے یہاں شدید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ بول یہ کہا تھا تُو نے؟"

میں نے نفرت بھری نگاہوں سے تسنیم کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔ "میں نہیں جانتا تسنیم کہ آپ کو میرے خلاف یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی لیکن ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے اگر آپ نے واقعی امی سے ایسا کچھ کہا ہے تو اس کی وجہ بھی بتا دیں؟"

"میں تیرے ساتھ وہ سلوک کروں گی منیر کہ تو سوچ بھی نہیں سکتا۔ جب میں تجھ کو منع کر چکی ہوں کہ براہِ راست اس سے کوئی سوال نہیں کر بلکہ مجھے جواب دے۔ تو میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کر رہا ہے؟"

"میں جاننا چاہتا ہوں امی کہ تسنیم صاحبہ نے یہ بے ہودہ اور جھوٹا الزام کیوں لگایا ہے۔ اس کے پسِ پردہ کیا ہے۔ آپ ان سے معلوم کر کے مجھے بتا دیں۔ جہاں تک میری ذات کا سوال ہے تو میں بے شک بُرا انسان ہوں لیکن بُرائیوں کے لیے امی بُرے لوگ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ میں اچھوں کو بُرا بنانے کا عادی نہیں ہوں اگر میرے اتنے الفاظ آپ کی سمجھ میں آ سکتے ہیں تو ٹھیک ہے اس سے زیادہ نہ میں آپ کو سمجھانا پسند کروں گا اور نہ ہی سمجھا سکوں گا۔"

"تو تیرا یہ مطلب ہے کہ تسنیم سے تو نے یہ الفاظ نہیں کہے؟"

"نہیں امی! ایک لفظ بھی نہیں کہا میں نے اس میں سے۔ یہ غلط ہے بالکل جھوٹ ہے۔"

تسنیم نے بے چین نگاہوں سے مجھے اور پھر بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

"نہیں بیگم صاحبہ یہ سچ ہے۔ براہِ کرم آپ میری بات کا یقین کریں یہ بالکل سچ ہے۔ میں خوفزدہ ہوں بیگم صاحبہ! میں ڈرتی ہوں۔"

"نہیں تسنیم! پہلے بھی تم سے کہہ چکی ہوں کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں اور جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے تو اس کی پہنچ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم اطمینان رکھو۔ تم مکمل طور سے محفوظ ہو اور تمہارا یہاں بال بیکا نہیں کیا جا سکتا۔ باقی اگر یہ شخص یہ الزام اپنے بھائی کی جانب منتقل کرنا چاہتا ہے تو میں جانتی ہوں کہ ساجد کے مشاغل کیا ہیں۔ وہ کسی طور اس سے کم نہیں ہے۔ وسائل بھی اس کے اس سے کم نہیں ہیں جو چاہے کر سکتا ہے مگر وہ اس نظریے کا انسان نہیں ہے یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں چنانچہ اس پر شک نہیں کر سکتی۔ بہرطور منیر تمہیں ایک بات سمجھائے دے رہی ہوں۔ تسنیم میری عزیز ہے اور مجھے عزیز ہے۔ سمجھ میں آگیا ہو تو خیال رکھنا۔ اب جا سکتے ہو۔"

"اور شارق صاحب! میں اپنی ماں کے کمرے سے باہر نکل آیا لیکن حقیقت یہی تھی کہ میں نے تسنیم سے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ ان معاملات میں میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بالکل نہیں تھا۔ میں نے یہ سب کچھ نہ کیا اب اس طرح سے اس سے ملا بھی نہیں تھا۔ کوئی غلط فہمی تھی تسنیم کو یا پھر میرے خلاف کوئی سازش کی گئی تھی اور رفتہ رفتہ یہ سازش میرے ذہن کے دریچے کھولتی رہی کہ اگر تسنیم نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تو پھر یقیناً اس سلسلے میں [illegible] معصوم صفت بھائی ساجد کا ہاتھ ہوگا۔ ہم دونوں اکثر [illegible] بیٹھے رہتے تھے کبھی میں ان کی شخصیت اختیار کر لیتا کبھی

کبھی وہ میری اور بسا اوقات ہم نے مختلف آدمیوں کو بیوقوف بنایا تھا۔ ساجد بھائی میرا لباس پہن کر جب بھی چاہتے میری شخصیت میں کسی کو بھی بہکا سکتے تھے۔ ذہن اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں ساجد بھائی ہی نے کوشش کی ہے لیکن کیوں؟ آخر کیوں؟ بہت دُور تک سوچنے لگا تھا میں ان دنوں۔ بہت عجیب عجیب راستوں پر میرا ذہن سفر کر رہا تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ میں خود ہی اعتدال پر آتا چلا گیا۔ ساجد بہرطور میرا بھائی ہے اور کم از کم وہ کوئی ایسی بات نہیں کر سکتا البتہ میں تسنیم سے محتاط ہو گیا تھا۔ اور اب تو اس کا سایا بھی نظر آتا تو میں وہاں سے ہٹ جاتا تھا۔ پھر ایک دن اس انداز میں ساجد بھائی میرے سامنے آگئے کہ میں اُن سے اس موضوع پر بات کیے بغیر نہ رہ سکا۔"

"ساجد بھائی! ایک سوال کرنا چاہتا ہوں!"

"ہاں کہو!"

"کیا آپ تسنیم کو چاہتے ہیں؟" میں نے سوال کیا اور ساجد بھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"کوئی بُری بات نہیں کہہ رہا۔ وہ بے حد خوبصورت ہے۔"

"ہاں! لیکن امی کی عزیز ہے اور ہمارے لیے قابلِ احترام۔"

"احترام اپنی جگہ۔ آپ مجھے میرے سوال کا جواب دیجیے کیا آپ تسنیم کو چاہتے ہیں؟"

"اس انداز میں نہیں جس انداز میں تم سوال کر رہے ہو۔ امی کی عزیز سمجھتے ہوئے میں بس اس کا خیال رکھتا ہوں۔"

"تو پھر آپ نے اُسے میری حیثیت سے [illegible] کر کے اسے دھمکیاں کیوں دیں؟"

"کیا بکواس کر رہے ہو منیر! دماغ صحیح ہے تمہارا کوئی ڈراما کرنا چاہتے ہو؟" ساجد بھائی نے بگڑتے ہوئے کہا اور میں اُن کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"ساجد بھائی! بات اصل میں یہ ہے کہ دوسروں کے شانوں پر بندوق چلانا بہتر نہیں ہوتا۔ میں تو ویسے ہی کوٹھی میں بدنام ہوں۔ آپ نے اگر یہ کوشش کی ہے تو براہِ کرم امی کا ذہن صاف کر دیں اور اگر تسنیم نے ایسا کیا ہے تو ساجد بھائی آپ کو میری مدد کرنی چاہیے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو امی کے عتاب سے میں نہیں بچ سکوں گا۔"

"کیا مطلب ہے؟ کچھ تفصیل تو بتاؤ ہوا کیا؟" اور جواب میں میں نے ساجد بھائی کو ساری تفصیل بتا دی۔ وہ حیران ہو گئے تھے۔ پھر اُنہوں نے آہستہ سے کہا۔

"امی نے مجھ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔"

"آپ کی پوزیشن بہت محفوظ ہے نا۔ بُرائیوں کا کوئی تصور اُبھرتا ہے تو میرا نام ذہن میں آتا ہے اور نیکیوں کے حوالے سے آپ جانے جاتے ہیں۔ اسی لیے آپ سے تذکرہ بھی نہیں کیا گیا ہوگا۔ میرا خیال ہے آپ اس بارے میں ضرور کارروائی کریں۔"

ساجد بھائی نے اس بات کا وعدہ کر لیا تھا کہ وہ امی سے ملیں گے پھر وہ والدہ سے ملے اور اُنہوں نے غالباً اس موضوع پر خاصی گفتگو کی۔ اُنہوں نے کہا کہ امی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تسنیم نے منیر پر الزام لگایا ہو۔ صرف الزام۔ وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہوں۔"

امی اس بات پر بگڑ گئیں۔

"ارے میں جانتی ہوں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم لوگ اگر اسے یہاں کوئی تکلیف پہنچانا چاہتے ہو یا اسے یہاں برداشت نہیں کرنا چاہتے تو دوسری بات ہے [illegible] وہ بہت نفیس لڑکی ہے۔ بہت ہی نفیس اور [illegible] یہاں آ [illegible] بہت خوش ہوں لیکن ایک بات کان کھول کر [illegible] یہاں کسی سے کوئی تکلیف پہنچی تو بس یوں سمجھ لو [illegible] ہمدردی کا مستحق نہیں ہوگا۔ جو [illegible] سزا [illegible] دی جائے گی۔"

"مطلب [illegible] ساجد بھائی! آپ اس نظریے کو بھی ذہن میں رکھیے کہ ممکن ہے تسنیم کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔"

"یہ غلط ہے۔ تم ذہن میں رکھو اور اب تم جا سکتے ہو۔" میں نے یہ گفتگو [illegible] شارق صاحب! اور بالآخر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ تسنیم نے امی سے غلط نہیں کہا اور [illegible] دھمکیاں [illegible] دے رہی۔ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے اور اگر ہے تو اس کے ذمہ دار ساجد بھائی ہی ہو سکتے ہیں۔ میں نے دل میں یہ فیصلہ کیا کہ تسنیم کے مسئلے پر ساجد حسین پر نظر رکھی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی عذاب کا شکار ہو جاؤں۔ بس یہ [illegible] میری ہی سوچ تھی جس نے مجھے یہ احساس دلاتی تھی کہ ساجد بھائی کی ذہنی کیفیت درست نہیں ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا کرنا چاہتے ہیں، یہ میں نہیں بتا سکتا تھا۔ یوں یہ سلسلہ جاری رہا اور یوں کافی دن گزر گئے۔ پھر وہ ہو گیا جس کی توقع خواب میں بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ ایک صبح۔ ایک منحوس صبح اچانک ہی انکشاف ہوا کہ تسنیم اپنے کمرے میں مُردہ پائی گئی ہے۔ اسے دم گھونٹ کر مار دیا گیا ہے۔ یعنی چہرے پر کوئی ایسی وزنی چیز رکھ کر جس نے اُسے سانس لینے کے مواقع فراہم نہ ہونے دیے اور یوں وہ مر گئی۔ وہ کچھ ایسی

بے ترتیب حالت میں پائی گئی تھی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اسے جسمانی طور پر بھی نقصان پہنچایا گیا تھا۔ حویلی میں کہرام مچ جانا چاہیئے تھا اور ایسا ہی ہُوا۔ مجھے اور ساجد بھائی کو جب اطلاع ملی تو میں پاگلوں کی طرح وہاں دوڑا چلا گیا تھا۔ امی بھی آچکی تھیں۔ ساجد بھائی میرے ساتھ ساتھ ہی وہاں پہنچے تھے۔ اُنہوں نے یہ منظر دیکھا اور آبدیدہ ہوگئے اور پھر کچھ جذباتی۔ اُنہوں نے طرائے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔

"یہ تو نے اچھا نہیں کیا... یہ تو نے اچھا نہیں کیا منیر! اپنی وحشت کے ہاتھوں تو نے میری محبت کا خون کر دیا۔ میرا جی چاہتا ہے تیری گردن دبا دوں۔ جی چاہتا ہے کہ تجھے فنا کر دوں۔ ناپاک کتے تو نے میری آنکھوں میں اس محبت کو نہیں پڑھا جو میں نے زندگی میں پہلی بار کی تھی۔ پہلی اور آخری بار۔" وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری جانب بڑھے۔

میں گہری نگاہوں سے اُن کا جائزہ لے رہا تھا۔ امی نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ساجد! انسان بنو۔ یہ سب کچھ میرے سامنے ہو رہا ہے۔"

ساجد بھائی بلک بلک کر رونے لگے تھے اور میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے تسنیم کی لاش دیکھ رہا تھا۔ میں نے غور بھی نہیں کیا تھا کہ ساجد بھائی نے تسنیم کے قتل کا الزام سیدھے سیدھے مجھ پر رکھ دیا ہے۔ میں گنگ ہوگیا تھا۔ کچھ بھی نہیں بول سکا تھا میں۔ مجھے تو اس وقت ان تمام باتوں کا احساس ہُوا جب پولیس بُلائی گئی اور اُس نے مجھے گرفتار کر لیا۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی کہ اپنی بے گناہی ثابت کر سکوں لیکن مخالفت پر بیگم ددجانہ تھیں اور ساجد حسین مفتی تھے۔ وہ اس بات کے گواہ تھے کہ قتل کے تمام شبہات مجھ تک ہی جاتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے طور پر بہت سے ایسے ثبوت فراہم کیے تھے، جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ تسنیم کا قاتل میں ہی ہوں۔ تسنیم کے قتل کے سلسلے میں جب میری ماں اور میرا سگا بھائی میرے خلاف گواہ تھے تو پھر بھلا اور کون گواہ ہو سکتا تھا جو میری زندگی بچا لیتا۔ ہاں چونکہ اس قتل کا عینی گواہ موجود نہیں تھا کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جس نے مجھے قتل کرتے دیکھا ہو۔ اس لیے غالباً میری سزائے موت عمر قید میں تبدیل ہوگئی لیکن میری ماں اور میرے بھائی نے مجھے قاتل ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میرا بھائی تسنیم سے محبت کا دعویٰ کرتا تھا۔ وہ بہت نیک فطرت ظاہر کرتا تھا خود کو۔ لیکن یہ بات صرف میں جانتا ہوں کسی کو باور نہیں کرا سکتا کہ اصلیت کیا ہے! یہ سب۔ یہ سب دولت کا کھیل ہے شارق صاحب!

ساجد مفتی یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس دولت میں جو بیگم ددجانہ کی ہے کسی اور کا حصہ بھی ہو۔ اُنہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے مجھے اپنے راستے سے ہٹا دیا اور اب ظاہر ہے سب کچھ اُن کی ملکیت ہے۔ چودہ سال کے بعد اگر میں رہا ہو کر واپس جاؤں گا بھی تو کیا تبدیلیاں ہو چکی ہوں گی! کون جانتا ہے؟ ابھی تو چھ سات ماہ ہی ہوئے ہیں۔ اس دوران نجانے کیا کچھ ہوگیا ہے! یہ کون جانتا ہے اور اس قید کے دوران نجانے کیا کچھ ہو جائے گا؟ شارق صاحب! میں آپ سے مختصر الفاظ میں اپنی یہ کہانی بیان کر چکا ہوں اگر اس قابل سمجھیں کہ میری مدد کریں تو خدا کے لیے میری مدد کریں۔ میں قاتل نہیں ہوں شارق صاحب! میں بے گناہ ہوں للہ میری بے گناہی ثابت کر دیں۔ مجھے بھی اس دُنیا میں جینے کا حق دلوا دیں۔ دیکھیے میری عمر زیادہ نہیں ہے اگر آپ مجھ پر سے یہ الزام اُتار دیں گے تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جس طرح آپ حکم دیں گے اسی طرح کروں گا۔ مجھے دولت نہیں چاہیئے۔ مجھے منصب نہیں چاہیئے۔ میں بس ایک آزاد زندگی کا خواہاں ہوں میں جوانی کی نعمتوں کو سمیٹنا چاہتا ہوں۔ بیشک میں نے کچھ بُرائیاں کی ہیں اور یہی بُرائیاں میری زندگی کی قاتل بن گئیں لیکن اب میں ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ بُرائیوں سے بچ کر زندگی کے سچے اور سیدھے راستوں پر چلنے کا خواہش مند ہوں۔ ستائیس سال کی عمر ہے میری کیا آپ مجھ پر ترس کھائیں گے؟"

میں خاموشی سے اس شخص کی صورت دیکھتا رہا۔ خوبصورت خدوخال والا یہ نوجوان ملتجی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ بلاشبہ زندگی اس لیے تو نہیں ہوتی کہ سلاخوں کے پیچھے بسر ہو جائے اگر میری ذات سے اسے زندگی کی نئی منزل مل سکتی ہے تو میں اُس سے روگردانی نہیں کروں گا۔ میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنی بستی وغیرہ کے بارے میں تفصیلات بتا دو اور اس کے بعد انتظار کرو۔ کچھ ایسے نام وغیرہ بھی درکار ہوں گے جو میری مدد کر سکیں۔ سمجھے اگر میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوگیا تو یقیناً کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ میری دلی آرزو ہے کہ حقیقت سامنے آجائے۔"

"شارق صاحب! بہت کچھ پڑھا ہے میں نے آپ کے بارے میں اور نجانے کیوں میرے دل میں یہ آرزو بیدار ہوگئی تھی کہ میں بھی اپنے دُکھ کی داستان آپ کو سناؤں۔ شاید میرے غم کا مداوا ہو جائے۔ میری بستی کا نام بستی تراب جاہ ہے

اور میری والدہ بیگم ددجانہ کہلاتی ہیں۔ آپ سرحدی علاقے میں یہ بستی بآسانی تلاش کر سکتے ہیں۔ میرے بچپن اور میری نوجوانی کا مرکز جو مجھے بہت عزیز ہے لیکن جو مجھ سے چھین لیا گیا ہے" منیر نے آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "تم فکر نہ کرو منیر! میں انتہائی کوشش کروں گا اور بہت جلد تم سے دوبارہ مُلاقات کر کے اس سلسلے میں تفصیلات تمہیں بتاؤں گا۔"

"بے حد شکریہ شارق صاحب! آپ کا اس طرح آجانا ہی یہ بات بتاتا ہے کہ آپ یقیناً وہی ہیں جو آپ کے بارے میں مشہور ہے۔"

"اچھا مجھے اجازت دو۔ ویسے بھی قاسم شاہ بہت سخت گیر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پولیس والا برابر بے چینی کی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

منیر نے گردن خم کی اور اس کے بعد مجھے خدا حافظ کہہ دیا۔ میں وہاں سے واپس چل پڑا۔ قاسم شاہ اس وقت مصروف تھا۔ چنانچہ واپسی پر اس سے ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ ڈیوٹی افسر نے مجھ سے کسی اور خدمت کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں شکریہ ادا کر کے وہاں سے واپس پلٹ آیا اور اس کے بعد اپنی اس قیام گاہ پر پلٹ آیا جو یہاں میں نے اپنے لیے حاصل کی تھی۔ قیام گاہ پہنچ کر میں منیر کے کیس پر غور کرنے لگا۔ اب تک میں نے جتنے کام کیے تھے ان میں یہی تین چیزیں ہمیشہ کارفرما نظر آئی تھیں زن، زر، زمین یوں لگتا تھا جیسے دُنیا انہی تین چیزوں کے گرد گھوم رہی ہو۔ اس کے علاوہ واقعی دُنیا کا مسئلہ اور کچھ نہیں تھا۔ جن لوگوں نے تلاش کر کے یہ تین نام نکالے تھے۔ اُن کی ذہانت اور فراست واقعی بے مثال تھی۔ کمال کے لوگ تھے وہ۔ یہاں بھی انداز میرے دوسرے کیسوں سے مختلف نہیں تھا۔ وہی مشکل بھائی، ایک شیطان اور ایک فرشتہ۔ لیکن فرشتے کے رُوپ میں چھپی ہوئی شخصیت دُنیا کی نگاہوں سے اوجھل اور برا اچھا بدنام بُرا۔ بے چارے منیر کو اس کی بُرائیوں نے مار ڈالا۔ عینی شاہد پیدا نہیں کیا جا سکا ہوگا۔ ورنہ اسے سزائے موت بھی ہو جاتی۔ بیگم ددجانہ بھی میرے پچھلے آدھ کیس کی شخصیت سے مطابقت رکھتی تھیں۔ بہرطور کیا فرق پڑتا ہے؟ اتنے سارے معاملات پر کام کیا ہے ایک یہ بھی سہی۔ معاملہ اب بستی تراب جاہ کا تھا اور اس سرحدی بستی کے بارے میں منیر نے مجھے جو کچھ بتا دیا تھا اس کے بعد وہ میرے لیے اجنبی نہیں رہی تھی۔ میں جانتا تھا، شاہ عالم سے اگر میں براہ راست بستی تراب جاہ جانا چاہوں تو مجھے اس کے لیے کون سے راستے اختیار کرنا ہوں گے۔ ذرا دیکھوں جا کر کہ بستی تراب جاہ میں کون کون سی کہانیاں میرا انتظار کر رہی ہیں منیر کا کام اگر ہو جائے تو اچھی ہی بات ہے۔

اس سلسلے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ یہاں سے براہ راست بستی تراب جاہ جانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مجھے پہلے ایک سرحدی شہر پہنچنا ہوگا جہاں کے لیے دن میں تین بار بسیں ملتی ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ صبح والی بس سے اس سرحدی شہر روانہ ہو جایا جائے اور اس کے بعد وہاں سے بستی تراب جاہ جانے کے لیے طریقۂ سفر دریافت کیا جائے اور اس پروگرام کے تحت بالآخر دوسرے دن میں بس کے اڈے پر جا پہنچا اور یہاں سے ٹکٹ وغیرہ خرید کر بستی تراب جاہ جانے کے لیے سفر کا آغاز کر دیا۔

میرے مطلوبہ سرحدی شہر کا درمیانی راستہ بہت خوبصورت اور پُرپیچ تھا۔ میں نے وہاں پہنچ کر بستی تراب جاہ جانے کے لیے معلومات حاصل کیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے لیے بھی مجھے وقت ضائع کرنا پڑے۔ چند لوگوں سے میں بستی جانے کے بارے میں معلوم کیا تو مجھے ان بسوں کے بارے میں بتا دیا گیا جو بستی تراب جاہ سے گزرتی تھیں اور مسافروں کو وہاں چھوڑتی آگے بڑھ جاتی تھیں۔ چنانچہ میں بسوں کی جانب چل پڑا اور پھر میرے سفر کا آغاز ہوگیا۔ کرائے کی شرح سے میں نے اندازہ لگایا کہ بستی تراب جاہ زیادہ دور نہیں ہے۔ کوئی اسّی منٹ کا سفر طے کرنا پڑا تھا اور اس کے بعد ایک عجیب سی بستی میں بس نے مجھے اُتار دیا۔ یہی بستی تراب جاہ تھی۔ اسے چھوٹا موٹا قصبہ کہا جا سکتا تھا لیکن ایک ایسی جگہ جہاں ترقی کا فقدان تھا۔ سڑکیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ مکانات بھی کسی قدر بوسیدہ ہی تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس بستی کے رہنے والوں کو زندگی سے کوئی خاص دل چسپی نہ ہو۔ ایک نگاہ دیکھنے ہی سے اس بستی سے نفرت کا احساس ہوتا تھا۔ بہرطور مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے ایک جگہ رُک کر یہاں کسی قیام گاہ کے بارے میں پوچھا تو اس شخص نے کہا۔

"ہاں جی! کئی ہوٹل ہیں یہاں۔ آپ جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔ ایک ہوٹل وہ سامنے ہی نظر آ رہا ہے۔"

میں نے اس سامنے نظر آنے والے ہوٹل کا جائزہ لیا۔ عمارت دو منزلہ تھی اور اتنی ہیبت ناک نظر آ رہی تھی کہ دیکھنے سے تعلق

رکھتی تھی۔ میں مسکراتا ہوا اس عالیشان ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ نچلے حصے میں ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ چند میزیں اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن پر دو آدمی کام کر رہے تھے۔ کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا شخص انتہائی غلیظ نظر آتا تھا۔

"مجھے تمہارے ہوٹل میں رہائش گاہ چاہیئے۔"

"مل جائے گی جی! بیس روپے روز ہوتے ہیں۔ کھانے کے پیسے الگ۔" اس نے مشینی انداز میں کہا اور میں نے سو روپے کا نوٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"یہ ایڈوانس کرایہ اور اگر کچھ اور بھی چاہیئے تو وہ بھی بتا دو۔"

"کافی ہے۔" اس نے نوٹ لے کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور پھر خود ہی کاؤنٹر سے نکل آیا۔ کوئی انٹری نہیں کی اور پھر لوازمات نہیں تھے۔ اوپر کی منزل میں صرف چار کمرے بنے ہوئے تھے جن میں سے چاروں میں تالے پڑے تھے۔ بس جو کمرہ میں نے حاصل کیا تھا وہی آباد ہوا تھا۔ کمرے میں قدم رکھا تو لطف ہی آ گیا۔ میلے کچیلے فرنیچر پر میلا کچیلا ہی بستر بچھا ہوا تھا۔ ہر چیز میں گندگی۔ شاید بستی تراب جاہ اس سلسلے میں بھی اپنا کوئی ریکارڈ قائم کرنا چاہتی تھی۔ البتہ کھانے پینے کے سلسلے میں احتیاط رکھنا چاہتا تھا۔ اتنے صاف ستھرے ہوٹل کا کھانا بھی اتنا ہی صاف ستھرا ہوگا۔ کوشش کروں گا کہ ایسی چیزوں سے کام چلاؤں جن میں انسانی مصروفیات عمل میں نہ لائی گئی ہوں اور اس کے لیے کچی سبزی ترکاریاں اور گائے کا دودھ ہی بہتر ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یہاں اسی قدرتی غذا سے کام چلایا جائے گا۔ بستر کا مسئلہ البتہ ذرا پریشان کن تھا۔ ہوٹل کے مالک سے دس روپے کا ایک نوٹ دے کر نیا بستر تبدیل کرا لیا جسے وہ بڑی احتیاط سے کسی ایسے صندوق سے نکال کر لایا تھا جس میں فنائل کی گولیاں پڑی ہوئی تھیں اور بستر ان گولیوں کی بُو سے خوب مہک رہا تھا۔ اوڑھنے کے لیے ایک چادر بھی دستیاب ہو گئی تھی۔ فرض لوکل عیش ہو گئے۔ ورنہ اس بستر پر تو شاید نیند بھی نہ آتی۔ بستر پر لیٹنے کے بعد میں نے چادر اوڑھ لی اور روشنی گُل کر کے حالات پر غور کرنے لگا۔ گو ابھی رات زیادہ نہیں ہوئی تھی لیکن اس بستی تراب جاہ میں اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ باہر ویرانی پھیل گئی تھی اور زندگی کی کوئی امنگ باقی نہیں رہی تھی۔ کافی دیر تک اُلٹے سیدھے خیالات ذہن میں آتے رہے۔ بستی تو خیر جیسی تھی۔ وہ جانے اور اس میں رہنے والے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب بیگم دوجانہ تک پہنچنے کا بندوبست کیسے کیا جائے۔ بہتر طریقہ یہی تھا کہ براہ راست ایک وکیل کی حیثیت سے اُن سے مل لیا جائے اور اُنہیں بتایا جائے کہ کچھ قانونی پوائنٹ ایسے رہ گئے ہیں جن کی تفصیل کے لیے مجھے یہاں آنا پڑا ہے اگر وہ تعاون کریں تو بہتر ہوگا۔ وہاں سے کچھ ہو سکا بہتر ہے ورنہ اس کے بعد اپنے طور پر کارروائیاں کی جائیں گی۔ البتہ اس میں ایک خیال تھا کہ اس طرح براہ راست مل لینے سے ساجد حسین منشی کو یہ احساس ہو جائے گا کہ اس کے خلاف کسی کام کا آغاز ہوا ہے لیکن اس کے لیے میں اپنے نام کا استعمال نہیں کروں گا۔ ہو سکتا ہے کسی طرح میرا نام بھی یہاں تک پہنچ گیا ہو۔ خیر ایسے معاملات میرے لیے ہمیشہ فائدہ مند ہی رہے تھے اگر میں نگاہوں میں بھی آ گیا تھا تو لوگوں نے محتاط ہونے کی کوششیں شروع کر دی تھیں اور ان کوششوں سے مجھے ہی فائدہ پہنچا تھا اگر ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا تو میرے لیے کارآمد ہی ہوگا اور پھر میں تو یوں بھی تن بہ تقدیر ہو کر کام کرنے کا عادی تھا۔ انہی خیالات میں گم تھا کہ کوئی چیز چادر پر آ گری۔ اچھا خاصا وزن تھا۔ میں نے چونک کر گردن اُٹھائی لیکن جو کچھ نظر آیا تھا اُسے دیکھ کر حلق سے دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ چہرے سے کچھ ہی فاصلے پر ایک سیاہ ناگ کا پھن سیدھا ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔ میں نے دہاڑتے ہی پوری قوت سے چادر سمیت اُچھال دی اور ناگ زمین پر گر پڑا۔ میں مسہری پر کھڑے ہو کر زور زور سے شور مچانے لگا۔ اور چند ہی لمحات کے بعد باہر سے آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ شکر تھا کہ اس عالیشان ہوٹل کے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کرنے کا کوئی مؤثر ذریعہ نہیں تھا۔ ایک چھوٹی سی چٹخنی تھی جسے اخلاقاً لگا دیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں تھا لیکن باہر سے دروازے کو کھینچا جائے تو چٹخنی احتراماً جگہ چھوڑ دیتی تھی۔ چنانچہ باہر سے کئی آوازوں نے دروازہ کھولا اور اس کے بعد یہ آوازیں ہولناک چیخوں میں تبدیل ہو گئیں کیونکہ اتفاق سے سانپ دروازے کے قریب ہی گیا تھا اور بھاگ جانے کے چکر میں تھا اور پھر یہ بھی اتفاق تھا کہ اُسے دیکھ لیا تھا چنانچہ باہر بھگدڑ مچ گئی تھی۔ سانپ کم از کم کمرے سے تو باہر نکل گیا۔ یہاں سے نکل کر کہاں گیا کسی کو کوئی نقصان پہنچایا یا نہیں اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بہرطور میں بستر پر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ البتہ صورتِ حال پر غور میں نے ضرور کیا۔ عقب میں ایک کھڑکی بھی تھی اور کافی اوپر روشندان بھی۔ کھڑکی پر شیشے چڑھے ہوئے تھے جبکہ روشن دان خالی تھا۔ سانپ یقیناً روشن دان سے اندر

پھینکا گیا تھا۔ میں زیادہ غور نہیں کر پایا تھا کہ ہوٹل کا مالک اپنے دو تین ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا اور اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"سس... سانپ... سانپ۔"

"جی سانپ۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کک... کہاں سے آیا؟"

"میرے ہاں پیدا ہوا تھا۔" میں نے چڑچڑے لہجے میں کہا۔

"اوہ! کک... کیا واقعی؟" ہوٹل کے مالک نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ میں پوچھتا ہوں یہ سب کیا ہے؟ سانپ مجھے کاٹ بھی سکتا تھا۔"

"مجھے کیا معلوم کیا ہے؟ میں تو آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ سانپ کہاں سے آیا؟"

"اور میں تم سے۔" میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یقین کرو صاحب! ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہم تو آپ کے چیخنے چلانے کی آوازیں سُن کر اندر آ گئے تھے اور پھر رمضان نے سانپ دیکھ لیا تھا اگر ہم راستے سے ہٹ نہ جاتے تو مزید اسکا نشانہ بن جاتے۔ وہ راہداری سے کھڑکی پر چڑھا اور وہاں سے نیچے اُتر گیا۔ ہم لوگ اسے مار بھی نہیں سکے مگر تعجب ہے سانپ آ کہاں سے گیا؟"

"میرا خیال ہے پولیس اس کے بارے میں تم سے زیادہ اچھی طرح معلوم کر سکے گی۔"

"ارے صاحب! ہمارا کیا قصور ہے اس میں۔ آپ اِدھر اُدھر دیکھ لیجیے کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں سانپ کی موجودگی کا اندازہ ہو۔ ہمارا تو اس میں کوئی قصور نہیں ہے آپ کے سامان میں سے اگر کوئی آ گیا ہو۔"

"سامان۔" میں نے اُسے پھر سے گھور کر دیکھا اور وہ بوکھلا کر رہ گیا کیونکہ میرے ساتھ کوئی سامان نہیں تھا۔

"پھر... پھر کہاں سے آ گیا؟"

"یہ تم بتاؤ گے دوست! اور اگر مجھے نہیں بتاؤ گے تو پھر پولیس کو بتاؤ گے۔"

"معاف کر دیں صاحب! ہم تو بے گناہ ہیں۔ پولیس پریشان کرے گی۔ حال خراب کر دے گی ہمارا اور بتائیں گے کیا ہم اسے؟ پھر تو وہی ہوگا کہ جو جو وہ کہیں گے قبول دیں گے۔ کیوں ہماری جان مصیبت میں پھنسا رہے ہیں۔ قسم لے لیں ہم سے ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"ہوں! اس روشندان کے اوپر کیا ہے؟"

"جی چھت ہے صاحب۔"

"اس چھت پر چڑھ کر کوئی آ سکتا ہے؟"

"چھت پر؟" ہوٹل کا مالک کچھ سوچنے لگا پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ "کھپریل کی چھت ہے صاحب مشکل ہی ہے۔ ویسے روشندان کے پیچھے پائپ ضرور لگا ہوا ہے۔ لوہے کا مضبوط پائپ ہے۔ آپ کے خیال میں یہ سانپ روشندان سے آیا ہے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر ضرور کسی نے پھینکا ہے صاحب! ضرور کسی نے آپ پر سانپ ڈالا ہے۔" ہوٹل کے مالک نے کہا۔

"وہ تمہارا ہی کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔"

"ارے کیوں صاحب! ہم پر شک کر رہے ہیں۔ ہمیں بھلا آپ سے کیا دُشمنی ہے۔ معاف کر دیں صاحب! غریب آدمی ہیں۔ جینا ویسے ہی بہت مشکل ہے۔ پولیس کے چکر میں پھنس گئے تو زندگی عذاب ہو جائے گی۔" ہوٹل کا مالک خوشامد کرتا رہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

"اچھا ٹھیک ہے جاؤ... جاؤ! اور ہاں یہ روشندان کسی چیز سے بند کرا دینا۔"

"صاحب! ابھی کرا دیتے ہیں۔ بڑے شرمندہ ہیں ہم تو۔ کیا بتائیں اور کیا نہ بتائیں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ... جاؤ!" میں نے کہا اور وہ لوگ گردن جھکائے چلے گئے۔

لیکن میرے لیے فکر کے لمحات پیدا ہو گئے تھے۔ سانپ یقینی طور پر روشندان سے پھینکا گیا تھا لیکن کیوں؟ اور وہ کون ہو سکتے ہیں جنہوں نے ان چند گھنٹوں میں میرے بارے میں معلومات حاصل کر کے مجھ پر حملہ کرا دیا۔ بڑی دلچسپ اور قابلِ غور بات تھی اور اس حملے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ تصور بھی ذہن میں تھا کہ حملہ آور ایک کوشش ناکام ہوتی دیکھ کر دوسری کوشش بھی کر سکتے ہیں اور رات کے کسی حصے میں کہیں کوئی گڑبڑ ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کا بندوبست بھی ضروری تھا لیکن کیا...؟ دروازہ بالکل ناقابلِ بھروسا تھا اور اس کے کوشش کے باوجود کوئی ایسی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ اندر سے بند ہی ہو جائے۔ بہت دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا پھر فیصلہ کیا کہ یہ رات جاگ کر گزاری جائے اور دوسرے دن قیام

ے لیے کوئی اور مناسب جگہ تلاش کی جائے۔ ذہن پھر انہی حملہ آوروں کی طرف چلا گیا۔ کون ہو سکتے ہیں وہ؟ لیکن اس سوال کا کوئی مؤثر جواب موجود نہیں تھا۔ رات کے کسی حصے میں خود بخود آنکھ جھپک گئی۔

اور پھر صبح کو جاگا تو آرام سے بستر پر چادر اوڑھے ہوئے لیٹا تھا اور حالات پُرسکون تھے۔ ایک تصور ذہن میں اُبھرا۔ خود جاگ کر اپنی حفاظت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بھول کر کہ بڑا محافظ اُوپر موجود ہے۔ اُس نے نیند بھی دی اور تحفظ بھی۔ توبہ کی کہ آئندہ خود پر تکیہ نہیں کروں گا۔ دل کو کچھ ایسا اعتماد ملا کہ طبیعت سرشار ہو گئی۔ ہر چیز ہیچ نظر آنے لگی اور اندر سے ایک اطمینان سا پھوٹنے لگا۔ ناشتے کے لیے بھی وہی تگ و دو کرنی پڑی۔ ہوٹل والے سے پوچھا تھا کہ صاحب! ناشتا کیا کریں گے؟ اور میں نے ذہانت سے کام لے کر اس کی تدبیر بھی نکال لی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ چار انڈے اُبال کر لے آئے اور اُن کا چھلکا نہ اُتارا جائے۔ ہوٹل والے نے چائے وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اس سے انکار کر دیا۔ اُبلے ہوئے انڈے کھائے۔ نل سے آنے والا پانی پیا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ بہرطور مقصد کسی حد تک حل ہو گیا۔ اس کے بعد مجھے تراب جاہ میں آوارہ گردی کرنی تھی۔ سو میں اس کے لیے پیدل نکل گیا۔ واقعی کمال کی جگہ تھی یہ لگتا تھا جیسے سڑکوں پر کبھی جھاڑو نہ دی جاتی ہو۔ پھر آبادی کے گوشے میں جا نکلا یہاں بھی کیفیت تقریباً ویسی ہی تھی۔ بس بعض علاقے ذرا کچھ صاف ستھرے تھے۔ غالباً یہ ذرا متموّل لوگوں کا علاقہ تھا۔ یہاں سے بھی آگے بڑھ گیا اور پھر ایک پگڈنڈی نظر آئی جو ان کھیتوں کی جانب جاتی تھی جو یہاں سے کافی فاصلے پر نظر آ رہے تھے۔ ایک سمت غالباً امرود کا باغ تھا۔ کھیتوں کی طرف کافی دُور تک نکل گیا اور اس کے بعد اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ ابھی تک کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کام کا آغاز کس طرح کروں؟ بیگم ردجانہ کے بارے میں بھی معلومات نہیں حاصل ہو سکی تھیں۔ وہ جگہ بھی نہیں دیکھ سکا تھا جہاں اُن کی قیام گاہ تھی۔ دیر تک یونہی سیر گشت کرتا رہا پھر وہاں سے واپسی کے لیے قدم اُٹھا دیے۔ تھوڑی ہی دُور چلا تھا کہ میں نے ایک جیپ کو آندھی، طوفان کی سی رفتار کے ساتھ اس پگڈنڈی پر آتے دیکھا جس سے گزر کر میں یہاں تک آیا تھا۔ جیپ کے انداز سے ایک عجیب سا احساس ہوا یُوں لگا جیسے وہ میری ہی جانب آ رہی ہو۔ گزری ہوئی رات کا واقعہ مجھے یاد آ گیا اور میں ایک لمحے میں سنبھل گیا۔ پگڈنڈی سے تقریباً سات آٹھ فٹ دُور ہٹ گیا تھا اور ایک ایسی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا تھا جہاں اگر جیپ کو لانے کی کوشش کی جائے تو میں پوزیشن تبدیل کر سکوں اور جیپ غلط جگہ پھنس جائے۔ اس طرح وہ جیپ کے ذریعے مجھے نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ پگڈنڈی پر اس جگہ پہنچنے کے بعد جہاں سے کچھ فاصلے پر میں موجود تھا جیپ پوری قوت سے رُکی اور اس میں سے پانچ آدمی کود گئے اُن کے چہروں پر ڈھاٹے بندھے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں رائفلیں دبی تھیں۔ میں سنسنی کا شکار ہو گیا۔ رائفلوں کی موجودگی میں بھلا کیا کیا جا سکتا ہے! میں نے ایک نگاہ چاروں طرف دیکھا۔ اگر وہ مجھ پر گولی چلا دیں تو بچنے کے کیا امکانات ہو سکتے ہیں جس جگہ میں کھڑا ہوا تھا۔ وہاں سے چند گز کے فاصلے پر نشیب تھا لیکن زیادہ کارآمد نہیں کیونکہ اس کے بعد کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مجھے سہارا مل سکے۔ پانچ رائفلوں میں سے کسی نہ کسی کا نشانہ تو بن ہی سکتا تھا۔ وہ لوگ کافی قدآور تھے اور اُنہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، پھر اُن میں سے ایک رائفل سے میری پیشانی کا نشانہ لیتے ہوئے بولا۔

"شہری چوہے یہاں کیوں آیا ہے؟" آواز کچھ عجیب سی تھی جیسے بنا کر بولی جا رہی ہو۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"بھائی! کام سے آیا ہوں یہاں۔ کسی کو نقصان تو نہیں پہنچایا میں نے۔ آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی تو نہیں ہو گئی میرے بارے میں؟"

"تو جس کام سے آیا ہے ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک بات کان کھول کر سُن لو۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر تراب جاہ چھوڑ کر یہاں سے چلا جا۔ ورنہ ان رائفلوں سے چلنے والی گولیاں تیرے پورے بدن میں سوراخ ہی سوراخ بنا دیں گی اور کوئی نہیں جان سکے گا کہ تو کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔"

"مم... مگر میرا قصور تو بتا دو مجھے۔"

"تیرا قصور یہی ہے کہ تو نے بستی تراب جاہ میں قدم رکھا اور ہم زیادہ باتیں کرنا نہیں چاہتے۔ بس تیرے لیے یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ فوراً بستی تراب جاہ چھوڑ دے اور یہاں سے چلا جا۔ یہ پہلا اور آخری حکم ہے تیرے لیے۔" میں نے بیچارگی سے گردن ہلائی اور بولا۔

"آیا تو میں یہاں بڑے ضروری کام سے تھا۔ یہاں کی بیگم صاحبہ سے ملنا تھا مجھے، مگر تم لوگ کہتے ہو تو ٹھیک ہے نہیں ملوں گا اور واپس چلا جاؤں گا۔"

"چوبیس گھنٹے کے اندر اندر، پچیسواں گھنٹہ تیرے لیے موت کا گھنٹہ بن جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔ آج ہی بستی تراب جاہ چھوڑ دوں گا۔" میں نے کہا اور وہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، پھر آگے بڑھنے والے نے اپنے ساتھیوں سے جیپ میں بیٹھنے کے لیے کہا اور چند لمحات کے بعد جیپ اسٹارٹ ہو کر واپس پلٹ گئی۔

میں نے بخوبی اس کا نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔ جیپ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو میں نے تیکھے انداز میں مُسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور میرا ذہن خیالات کے تانے بانے بُننے لگا۔ میں جانتا تھا کہ یہ دوسری کوشش کس کی ہے۔ سانپ کے ذریعے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی اور بچ گیا تو اس وقت وارننگ دی گئی لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اسے اتنی جلدی یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میں یہاں کس مقصد سے آیا ہوں؟ اس کے لیے ایک ہی بات کہی جا سکتی تھی کہ ساجد حسین مفتی بہت عظیم شاطر تھا۔ اور اپنے حالات سے ہر لمحہ باخبر رہتا تھا۔ غالباً وہ میرے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوگا اور جب میں جیل میں منیر سے ملا تو ساجد کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا مگر کمال کیا واقعی اُس نے مجھے فوری طور پر بوکھلانے کی کوشش کی اور اب اُس نے مجھے چوبیس گھنٹے دیے تھے۔ دل ہی دل میں میں نے سوچا ساجد حسین مفتی تم جیسے بہت سے شاطر میرے راستے میں آئے ہیں۔ میرا کھیل دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے ٹھیک ہے تم نے وقت ضائع کیے بغیر کھیل کا آغاز کر دیا اب مجھے بھی کھیل کھیلنے میں آسانی ہوگی۔ ویسے تو شاید مجھے بہت سی دقتوں سے گزرنا پڑتا۔ اطراف کے لوگ تلاش کرنے پڑتے۔ صرف اس خیال کے تحت کہ میری حقیقت کسی کو معلوم نہ ہو جائے لیکن اب جبکہ مجھ پر اس بات کا اظہار ہو گیا تھا کہ ساجد حسین مفتی میری یہاں آمد کے مقصد سے باخبر ہو چکا ہے تو کم از کم اس پہلو پر احتیاط کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اپنی رہائش گاہ پر آنے کے بعد میں نے اور بھی بہت سے فیصلے کیے۔ یہاں سے جانے کا تو خیر تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ساجد حسین ہے کیا شے! اس کے گدھوں سے تو میں خود نمٹ لیتا اور اگر اس سے زیادہ کی کچھ بات ہوتی تو بدر شاہ زندہ باد! میری آرمی بھی میدانِ عمل میں آنے میں دیر نہ لگاتی لیکن فی الحال سیدھے سادے راستوں پر کام کر کے حقیقتوں تک پہنچنا چاہتا تھا اور اب اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کرنے کے بجائے بہتر یہی تھا کہ ساجد حسین سے مُلاقات کر لوں۔ چنانچہ دوسرے دن تیاریاں کرنے کے بعد میں اس طرف چل پڑا جہاں ان لوگوں کی رہائش گاہ تھی۔ تراب جاہ کی حویلی میں داخل ہو گیا جو یہاں بڑی خاندانی حیثیت رکھتی تھی۔ بیگم ردجانہ اور ساجد حسین مفتی سے ملاقات کے لیے میں نے کوششیں کیں اور ساجد حسین مفتی سے فوراً ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ میں نے ساجد حسین کو دیکھا اور ششدر رہ گیا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو بھونچکا ہی ہو کر رہ جاتا۔ سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا کہ اس مشابہت کو کیا نام دیا جائے۔ جسامت، چہرہ، بالوں کا رنگ، آنکھوں کا رنگ، چہرے کی بناوٹ، الغرض ہر وہ چیز دونوں میں اتنی یکساں تھی کہ جس سے کوئی بھی دھوکا کھا سکے اور پھر سب سے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں جڑواں بھی نہیں تھے۔ سال ڈیڑھ سال کا فرق تھا دونوں میں لیکن اس قدر مشابہت کسی بھی عجیب و غریب واقعے کو جنم دے سکتی تھی۔ ساجد حسین نے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا تھا۔ خوش رُو شخص نے بڑی خوش اخلاقی سے میرا استقبال کیا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔ انداز میں بڑی ملیس پائی جاتی تھی۔ اس نے مجھے صوفے پر بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

"جی فرمائیے! آپ دارالحکومت سے آئے ہیں؟"

"جی ہاں" میں نے جواب دیا۔

"میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی!"

"میرا کاروبار... اللہ فرمائے! پیشے کے لحاظ سے میں وکیل ہوں اور اس وقت اپنے ایک مؤکل کی وکالت ہی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یقیناً... یقیناً میرے سلسلے میں کوئی خدمت ہو تو بلا تعرض فرما دیجیے۔ مجھے آپ کی خدمت کر کے خوشی ہوگی۔"

"میں آپ سے منیر کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے ساجد کو دیکھتے ہوئے کہا اور میرے اس سوال پر اس کے چونکنے کا انداز قطعی طور پر فطری تھا لیکن اس چونکنے میں کیا کیفیت تھی۔ محسوس نہیں کر سکا تھا۔ چند لمحات وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا اور اس کے چہرے پر کسی قدر دُکھ کے آثار پھیل گئے۔

"اس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ اور اس سے پہلے میں ایک سوال اور آپ سے کروں گا۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ اپنے ایک مؤکل کے سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتے ہیں کیا وہ مؤکل منیر حسین مفتی ہے؟"

"جی ہاں یہی سمجھ لیجیے!"

"ذرا سی وضاحت کرنا ہوگی آپ کو منیر کو سزا ہو چکی ہے اور

وہ زندگی کے بہت بڑے عذاب سے گزر رہا ہے۔ تمام فیصلے ہو جانے کے بعد آپ کی وکالت کیا حیثیت رکھتی ہے؟"

میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا: "بات صرف اتنی نہیں ہوتی مسٹر ساجد! عدالتیں ثبوت کی بنا پر فیصلے سناتی ہیں. اور اس کی تمام تر کارروائی اسی بنیاد پر ہوتی ہے اور بعض... اوقات ثبوت کو اس طرح غلط رنگ میں نہایت سازشی انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ حقائق عدالت کے سامنے نہیں آپاتے اور کبھی کبھی بے گناہ بھی ان ثبوتوں کی روشنی میں غلط فیصلوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ کیا منیر کے سلسلے میں کوئی اس قسم کی کوشش ہو رہی ہے کہ اسے بے گناہ ثابت کیا جا سکے!"

"یہ کوشش غیر قانونی نہیں ہے اگر ہمیں کچھ ایسے ثبوت حاصل ہو گئے تو منیر کو بے گناہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے۔" ساجد حسین کچھ لمحات سوچتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"خدا کرے۔ خدا کرے میرا بھائی بے گناہ ثابت ہو جائے. خدا کرے وہ آزادی کی زندگی گزار سکے۔ مجھ سے زیادہ اور کون خوش ہو سکتا ہے اس کے لیے۔ وہ میرا داہنا بازو ہے اور آپ یقین کریں وکیل صاحب! کہ داہنا بازو اگر جدا ہو جائے تو انسان بے حد کمزور ہو جاتا ہے۔ میں آپ کی ہر مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔ براہ کرم آپ اس سلسلے میں جس طرح بھی پسند کریں مجھ سے کام لیں۔ میں دل و جان سے حاضر رہوں۔" ساجد نے دیگر لہجے میں کہا اور میں بغور اس کا جائزہ لیتا رہا۔

اس شخص پر جو کیفیات گزر رہی تھیں، اُن کا مجھے اندازہ تھا۔ میں نے بھی جارحانہ انداز ہی اختیار کیا تھا۔ حالانکہ ساجد نے کسی طرح سے اس بات سے باخبر ہونے کے بعد کہ میں اس مقصد کے تحت یہاں آیا ہوں! میرے خلاف فوری عمل کا آغاز کر دیا تھا لیکن شاید اسے اس بات کا گمان بھی نہیں ہوگا کہ اس عمل سے گزرنے کے بعد میں براہِ راست اس تک ہی آ پہنچوں گا لیکن اداکار قسم کا آدمی تھا۔ اپنے انداز میں اُس نے جو کیفیت پیدا کی تھی۔ وہ معمول بات نہیں تھی اور اس وقت ایک ایسا بھائی نظر آ رہا تھا جو اپنے مظلوم بھائی کے لیے بے حد پریشان ہو۔ میں نے چند لمحات مکمل خاموشی اختیار کی اور پھر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ساجد صاحب! جیسا کہ میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ میرے تمام تر راستے منیر کے مفادات کی جانب جاتے ہیں چنانچہ جو سوال بھی کروں گا۔ اسی کی روشنی میں کروں گا۔ آپ سے میں آپ کی ذاتی رائے معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تمام واقعات میرے علم میں ہیں۔ تسنیم نامی لڑکی جسے قتل کر دیا گیا کتنے عرصے قبل بیگم دوجانہ کے پاس آئی تھی؟"

"صحیح وقت تو میں نہیں بتا سکتا لیکن اسے آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔"

"آپ بتا سکتے کہ بیگم دوجانہ سے اس کا کیا تعلق تھا؟"

"یہ بات امی ہی بہتر طور سے بتا سکتی ہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں ہمیں بھی مفصل معلومات حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔"

"کیا بیگم دوجانہ بہت سخت خاتون ہیں؟"

"امی کے سلسلے میں، میں زیادہ تفصیلات آپ کو نہیں بتا سکتا۔ ہاں، آپ کا یہ اندازہ درست ہے۔ وہ بہت سخت مزاج ہیں اور اس سخت مزاجی کا پس منظر کیا ہے؟ یہ بات ہم لوگ نہیں جانتے۔"

"جی ایک سوال اور آپ سے مسٹر ساجد۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ تسنیم سے محبت کرنے لگے تھے؟"

ساجد حسین چند لمحات میری صورت دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"حالانکہ یہ ساری باتیں اب فضول ہیں لیکن بہر طور آپ کی راہنمائی کے لیے میں یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکوں گا۔ ہاں میں اسے چاہنے لگا تھا۔"

"اور کیا مسٹر منیر بھی اُسے پیار کرتے تھے؟"

"خدا جانے... خدا ہی جانے۔"

"نہیں ساجد! یہ بات آپ کو کھلے الفاظ میں بتانا ہوگی۔ کیا منیر بھی اُسے چاہتے تھے اور آپ دونوں کے درمیان کوئی رقابت کا رشتہ جاگ اُٹھا تھا؟"

"ارے نہیں۔ قطعی ایسی بات نہیں ہے۔ رقابت کا کیا تصور پیدا ہو سکتا ہے! لیکن منیر ذرا لاابالی مزاج کا انسان تھا۔ کسی بھی چیز پر جمتا نہیں تھا۔ بیشک اِس کے اندر کچھ خرابیاں تھیں اور وہ... وہ کس زبان سے کہوں میں۔ بس یُوں سمجھ لیجیے کہ وہ تسنیم کے سلسلے میں سنجیدہ نہیں تھا۔ ہر چیز اس کے لیے کھلونے کی مانند ہوتی تھی اور جو کھلونا اسے پسند آ جائے۔ وہ اس کے حصول

کے لیے سرگرداں ہو جاتا تھا اور تسنیم کو بھی اس نے اسی انداز میں حاصل کرنا چاہا تھا لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ ہو سکتا ہے تسنیم نے کبھی اس کی بے عزتی وغیرہ کر دی ہو لیکن اس کے باوجود میں نہیں سمجھتا کہ وہ قتل جیسے بھیانک جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے۔" میں چبھتی ہوئی نگاہوں سے ساجد حسین کو دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

"لیکن ساجد صاحب! اس کے باوجود کسی نہ کسی نے تو اس لڑکی کو قتل کیا ہوگا، اگر آپ کے خیال میں منیر اس کا قاتل نہیں ہو سکتا تو کیا کوئی اور بھی ایسا کردار موجود ہے۔ جس پر ہم اس کے قتل کا شبہ کر سکیں۔ دیکھیے! بات دراصل یہ ہے کہ میں اسے بے گناہ ثابت کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے آپ کی اس برادرانہ محبت کو آواز دے رہا ہوں جو اس کی مدد کر سکتی ہے۔"

"کاش! میری زندگی بھی اس کے کام آ جاتی مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا وکیل صاحب! لیکن اس سلسلے میں، میں کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ کس کا نام لوں کس کے بارے میں کہوں کہ وہ تسنیم کا دشمن ہو سکتا ہے۔ براہِ کرم مجھے کسی ایسی ذہنی کشمکش کا شکار نہ کریں۔ میں اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں بتا سکتا۔ ساجد کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

میں دل ہی میں مسکرا رہا تھا۔ ایسا بھی کم ہی ہوا ہوگا اس کے ساتھ۔ بہر طور اس سے کسی خوش فہمی کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"ساجد صاحب! کیا آپ بیگم دوجانہ سے میری ملاقات کرا سکتے ہیں؟"

"آپ کے بارے میں تو اطلاع اُن تک پہنچ گئی ہے۔ شاید وہ خود ہی آپ کو طلب کر لیں۔ ویسے میں کیا خدمت کروں آپ کی! کیا پئیں گے آپ؟"

"نہیں بے حد شکریہ! بس میں یہ چاہتا تھا کہ کچھ ایسی حقیقتیں معلوم ہو جائیں جو میرے مؤکل کے لیے کارآمد ثابت ہوں۔"

"کاش اس سلسلے میں آپ کی مدد کی جا سکتی۔ ویسے آپ کا قیام کہاں ہے؟" میں نے اپنی قیام گاہ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

"آپ نے یہ سوال کیوں کیا ساجد صاحب؟ آپ جانتے ہیں میرا قیام کہاں ہے"

"مم... میں کیسے جان سکتا ہوں؟"

"مم... میرا مطلب ہے میں نے آپ کو بتایا تھا؟"

"نہیں۔ اس موضوع پر بات نہیں ہوئی۔ بہر طور مسٹر ایڈووکیٹ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کر سکا تو ضرور کروں گا۔ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات میرے ذہن میں آ جائے جو آپ کے لیے کارآمد ہو۔"

"بہت۔ بہت شکریہ۔ براہِ کرم اب میری مُلاقات بیگم صاحبہ سے کرا دیجیے۔" لیکن ابھی میں نے یہ الفاظ ادا ہی کیے تھے کہ ایک ملازم اندر آ گیا اور اس نے آہستہ سے کہا "مہمان کو بیگم صاحبہ طلب کرتی ہیں۔" ساجد نے گردن خم کرتے ہوئے کہا: "آپ اس کے ساتھ چلے جائیے۔"

"بہتر۔ آپ کا بہت بہت شکریہ مفتی صاحب! آپ نے میرے ساتھ بہترین تعاون کیا ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد ساجد کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

ساجد حسین سے جو گفتگو ہوئی تھی میں اسے کارآمد تو نہیں کہہ سکتا تھا اپنے لیے کیونکہ اس سے مجھے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی لیکن اس کے ساتھ [illegible] کا کھیل دلچسپ رہا تھا۔ وہ بھی کیا یاد کرتا ہوگا کہ [illegible] کے بعد اُس نے وارننگ بھجوائی تھی وہ خود ہی اس کی [illegible] کے قریب پہنچ گیا۔ بہر طور اس نے ساجد حسین کو کم از کم اس بات کا احساس ضرور ہو جائے گا کہ اس نے غلط آدمی کو دھمکی دینے کی کوشش کی تھی۔ میں ملازم کے ساتھ آگے بڑھتا رہا اور ایک طویل راہداری طے کرنے کے بعد ایک ایسے بڑے دروازے پر پہنچ گیا جس کے سامنے کے حصے میں پیتل کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں اور دروازہ بہت عظیم الشان تھا۔ ملازم نے دروازہ کھولا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ اندر رکھا فرنیچر ذرا عام سطح سے ہٹ کر تھا۔ بہت قیمتی اور بھاری بھاری فرنیچر جیسے قدیم زمانے میں استعمال ہوتا تھا۔ بیگم دوجانہ بھی ذرا قدیم ہی قسم کی خاتون معلوم ہوتی تھیں۔ لمبا چوڑا قد اچھا خوبصورت جسم اور نہایت پُر وقار شخصیت ایک تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور انداز میں وہی شاہانہ تمکنت تھی جو کسی بیگم کے انداز میں ہو سکتی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُنہوں نے سرسری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا اور پھر ایک طرف اشارہ کر دیا۔ میں بیٹھ گیا۔

"ہوں! کون ہیں آپ اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟"

"یہ فدوی کا کارڈ ہے۔ ایک خاص مسئلے میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا۔" میں نے اپنا کارڈ ادب سے بیگم دوجانہ کے سامنے پیش کر دیا۔

اُنہوں نے میرے ہی ہاتھ میں کارڈ پر سرسری سی نگاہ ڈالی اور پھر اور بے پروائی سے گردن ہلاتی ہوئی بولیں۔

"ایڈووکیٹ ہو؟"

"جی۔"

"کیا بات ہے؟"

"منیر کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔"

"کیا؟" بیگم دوجانہ ایکدم سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ اُن کی آنکھوں میں عجیب سے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"جی ہاں! شاید وہ آپ کے بیٹے ہیں۔"

"مقصد بتاؤ ایڈووکیٹ! میں سمجھی تھی کہ تم زمینوں کے سلسلے میں آئے ہو یا سرکاری طور پر اپنی کوئی ذمہ داری پوری کر رہے ہو لیکن تم نے ایک عجیب بات کہی ہے منیر کے سلسلے میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"بیگم صاحبہ! آپ سے اس سلسلے میں کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"کس حیثیت سے؟"

"منیر کے وکیل کی حیثیت سے۔"

"مطلب؟ اب اس کے وکیل کو اس کے بارے میں تفتیش کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے؟" بیگم دوجانہ نے کرخت لہجے میں کہا۔

"دراصل اس کا خیال ہے کہ اُسے غلط سزا دی گئی ہے۔ وہ اس لڑکی کے قتل میں ملوث نہیں تھا اور اُسے پھنسانے کی کوشش کی گئی۔"

"کس نے کی یہ کوشش؟" بیگم دوجانہ نے سوال کیا۔

"اسی سلسلے میں تحقیقات کر رہا ہوں۔"

"تو تمہیں یہ تحقیقات حویلی سے باہر رہ کر کرنی چاہیے تھیں اگر تم یہ اطلاع بھی مجھ تک پہنچا دیتے کہ تم منیر کے لیے کام کر رہے ہو تو میں حویلی کے دروازے سے اندر قدم رکھنے کی اجازت نہ دیتی۔ ایسے بدکار اور نافرمان لڑکے کے لیے اس حویلی میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"معاف کیجیے گا بیگم صاحبہ! میں منیر نہیں اُس کا وکیل ہوں۔"

"اس سے بھی زیادہ قابلِ نفرت۔ تم وکالت کر رہے ہو ایک ایسے شخص کی جو اوباش، بدکار اور انتہائی کمینہ صفت ہے جس کی گندگی یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہتی ہے کہ اُس کا اپنا گھر کون سا ہے اور وہ ہر جگہ کو انہی غلیظ نظروں سے دیکھتا ہے اور تم اس کی وکالت کر رہے ہو۔ کاش منیر کو موت کی سزا ہوئی ہوتی۔ میں تو اس کے لیے موت کی سزا ہی چاہتی تھی لیکن بدقسمتی سے کوئی عینی شاہد نہیں مل سکا جو اس کے گناہ کی تفصیلات فراہم کر سکتا۔ اس لیے وہ بچ گیا۔ سنو مسٹر ایڈووکیٹ! مجھے منیر حسین سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور چونکہ تم اس کے نام سے وابستہ ہو اس لیے تم سے بھی نہیں۔"

"بیگم صاحبہ! کچھ حقائق سامنے لانا بے حد ضروری ہیں۔ اور اس سلسلے میں، میں آپ سے مدد کی درخواست کرتا ہوں۔"

"حقیقت صرف ایک ہے منیر نے اس لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا۔ وہ اُس کے جال میں نہ پھنسی تو اس نے دیوانگی کے جوش سے مغلوب ہو کر اُسے قتل کر دیا اور بس۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ تم اپنا وقت بھی خراب کر رہے ہو اور دماغ بھی، میں تمہیں مشورہ دیتی ہوں کہ اب اس سلسلے میں میرا دماغ خراب کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا بیگم صاحبہ! آپ کیسی ماں ہیں آپ کو... آپ کو اپنے بیٹے کی زندگی سے ذرا سی بھی ہمدردی نہیں ہے۔"

"مسٹر ایڈووکیٹ! میں تمہاری نہیں قانون کی عزت کر رہی ہوں۔ اس قانون کی جو تمہارے نام کے ساتھ وابستہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید تمہیں اپنے ان احمقانہ الفاظ کی سزا بھگتنا ہوتی۔ میں چاہتی ہوں کہ تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ مجھ تک پہنچنے کی کوشش مت کرو۔ جہاں تک منیر کا تعلق ہے تو میں صرف اس بات کی حمایت کر سکتی ہوں کہ اسے سزائے موت دی جائے، جو اسے نہیں دی گئی۔ وہ اسی قابل ہے اور اب تم جا سکتے ہو۔" بیگم دوجانہ نے اپنے قریب رکھا ہوا ہتھوڑا اُٹھایا اور اسے گھنٹے پر مارتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ فوراً ہی دو ملازم اندر آ گئے تھے۔

"ان صاحب کو باعزت طریقے سے باہر چھوڑ آؤ اور سب کو ہدایت کر دو کہ اگر یہ دوبارہ حویلی میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو انہیں اندر نہ آنے دیا جائے۔"

ملازموں نے گردن خم کی اور میں مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تھا۔

"دلچسپ بات ہے بیگم صاحبہ! ایک ایسا کردار میرے سامنے آیا جو منیر حسین کا اس حد تک دشمن ہے۔"

بیگم دوجانہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن میں تیزی سے پلٹ کر باہر نکل آیا۔ دونوں ملازم میرے ساتھ تھے۔ راہداری طے کرنے کے بعد میں بیرونی حصے میں آیا اور پھر برآمدے میں اُتر گیا اور اسی وقت میں نے ایک قوی ہیکل آدمی کو دیکھا جو ایک جیپ میں سوار ہو رہا تھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ساجد بھی کھڑا ہوا تھا۔ قوی ہیکل جس جیپ میں بیٹھا، اُسے دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا اگر میری یادداشت دھوکہ نہیں کھا رہی تھی تو یہ وہی جیپ تھی جس سے اُتر کر پانچ آدمیوں نے مجھے گھیرا تھا اور مجھے وارننگ دی تھی۔ ساجد نے شاید مجھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ پلٹ کر واپس چلا گیا لیکن میں دل چسپ نگاہوں سے اس جیپ کو دیکھ رہا تھا اور اس میں بیٹھے ہوئے اس شخص کو بھی جس کا چہرہ بے حد جاندار تھا اور بدن کافی لمبا چوڑا۔ اس نے جیپ اسٹارٹ کی اور باہر نکل گیا۔ اس وقت میں نے خود بھی ساجد کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کی تھی لیکن جیپ... یہ شخص... ساجد... سارے معاملات روزِ روشن کی طرح عیاں تھے۔ بیگم دوجانہ کے بارے میں البتہ صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہا تھا۔ بہرطور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس جیپ اور اس میں بیٹھے ہوئے شخص کے بارے میں کیسے معلومات حاصل کی جائیں؟ ساجد اندر جا چکا تھا۔ میں نے بیرونی دروازے کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ دروازے پر دربان کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے مجھے سلام کیا۔ آتے ہوئے بھی اُس نے مجھے دیکھا تھا میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"تمہارا بے حد شکریہ دوست! تم نے میری بہت بڑی مشکل حل کر دی۔ شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ میں اس خاندان کا بہت پرانا وفادار ہوں اور بڑی ذمہ داری سے اس کی نگرانی اور حفاظت کر رہا ہوں۔"

دربان نے دانت نکال دیے تھے۔ غالباً میرے پورے الفاظ بھی اُس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ میں نے چونک کر کہا۔

"ارے ہاں، یہ کون تھا جو ابھی جیپ میں باہر گیا ہے؟"

دربان نے چونک کر میری طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"کس کی بات کر رہے ہیں صاحب؟"

"ارے بھئی ابھی جو جیپ باہر نکلی ہے اس میں کون بیٹھا ہوا تھا؟"

"وہ خیر اللہ ٹھیکیدار۔" دربان نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا۔ اچھا ہاں بہت عرصہ پہلے میں نے خیر اللہ ٹھیکیدار کو دیکھا تھا مگر اس وقت تو یہ اتنا تندرست و توانا نہیں تھا۔ دُبلا پتلا تھا ان دنوں۔"

"جی صاحب! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ تھوڑے دنوں پہلے تو یہ بڑا دُبلا پتلا تھا بیمار بھی ہو گیا تھا۔"

"مگر یہ... یہ اب کرتا کیا ہے؟"

"وہی صاحب! جنگلوں کی کٹائی کرتا ہے اور لکڑیاں باہر بھجواتا ہے۔"

"ہوں... ہوں! جنگل تو بیگم دوجانہ ہی کے ہیں۔"

"اور کیا صاحب! صدیوں کا ملازم ہے۔ باپ دادا تک اُس کے ہمارے مالک کے ہاں نوکری کرتے تھے۔"

"یہ آج کل رہتا کہاں ہے؟"

"پچھلے محلے میں رہتا ہے صاحب!"

"کون سا پچھلا محلہ؟"

"پچھلا محلہ ہی کہلاتا ہے جہاں یہ رہتا ہے۔"

"اچھا۔ اچھا ٹھیک ہے۔ بس میرا تو یہاں کم ہی آنا جانا ہوتا ہے۔ کیا نام بتایا تم نے اُس کا خیر اللہ ناں؟"

"ہاں صاحب، خیر اللہ۔" دربان نے تعجب سے کہا۔ وہ شاید مجھے سنکی سمجھ رہا تھا۔

"اچھا... اچھا چلتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اور آہستہ سے آگے بڑھ گیا۔

دربان دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ خیر اللہ ٹھیکیدار... پچھلے محلے میں رہتا ہے۔ بہت خوب اور وہ جیپ استعمال کرتا ہے جس سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی گئی اور جس کے ذریعے مجھے وارننگ دی گئی اور ساجد سے بھی ملتا ہے۔ بھئی واہ اس طرح تو معاملات تقریباً سامنے آ گئے تھے۔ بس ذرا بیگم دوجانہ کی شخصیت اُلجھ گئی تھی۔ خود بیگم دوجانہ کا نظریہ اس سلسلے میں کیا ہے؟ منیر کے بارے میں بیگم دوجانہ نے جس بیزاری اور نفرت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کی وجہ بھی کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی ظاہر ہے دونوں ہی اس کے سگے بیٹے تھے لیکن ایک بیٹے کے سلسلے میں اس نفرت کا مقصد کیا تھا؟ کیا منیر حسین کی اوباش فطرت؟ ہو سکتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ یہ بات کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ ساجد بظاہر نیک سیرت اور شریف نوجوان بنا رہتا تھا منیر نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اُس نے کبھی اپنے کردار کے ساتھ کوئی ایسا داغ سامنے نہیں آنے دیا تھا جس سے بیگم دوجانہ متاثر ہوتیں۔ وہ

اسے ایک نیک سیرت اور شریف نوجوان سمجھتی تھیں جبکہ حقیقت یہ تھی کہ ساجد رنگا سیار تھا اور اپنی شرافت کی آڑ میں کام دکھا جاتا تھا۔ منیر چونکہ بدنام نوجوان تھا۔ اس لیے وہ ہر سلسلے میں ملعون قرار پایا جاتا تھا اور اسی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ساجد نے یہ سارا چکر چلا دیا تھا۔ اس نے اُسے دو فائدے حاصل ہوئے تھے۔ اوّل تو یہ کہ اس کی شخصیت محفوظ رہی تھی اور دوسرے یہ کہ منیر ہمیشہ کے لیے اس کے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ ساجد کی گہری چالوں کے بارے میں سوچتا ہوا میں بالآخر اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ یہاں کوئی ایسی اہم بات نہ تھی جس پر مجھے بہت زیادہ سوچنا اور سمجھنا پڑتا لیکن یہ صرف دل کا مسئلہ تھا۔ اس کے بعد میں کہیں اور نہیں گیا تھا۔ دن بھر وہیں اپنی رہائش گاہ پر رہا تھا۔ کوئی ایسا خاص واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔ میرا ذہن صرف اُلجھنوں کا شکار رہا تھا اور میں یہ سوچتا رہا تھا کہ اب کون سا ایسا طریقۂ کار اختیار کیا جائے۔ کون سے ایسے کردار تلاش کیے جائیں جو ساجد کے بارے میں صحیح صورتِ حال کی وضاحت کر سکیں۔ اُن کی پوزیشن تقریباً محفوظ تھی اور کوئی ایسی شکل... سامنے نہیں آئی تھی جس سے میں کوئی ایسا ثبوت حاصل کر سکتا جسے منیر کے حق میں استعمال کیا جا سکتا۔ نجانے کتنا وقت اسی سوچ بچار میں گزر گیا۔ اس کے بعد رات ہو گئی تھی۔ کھانا وغیرہ کھا کر میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ یہ تصور ذہن میں کئی بار آیا تھا کہ یہاں میری اس رہائش گاہ میں کوئی ایسی گڑبڑ کی جا سکتی ہے۔ جو میرے حق میں نقصان دہ ہو اور اسی سوچ میں نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ نیند کا ابھی دُور دُور تک کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ ذہن اُلجھا ہو تو نیند ویسے بھی ذرا مشکل ہی سے آتی ہے۔ البتہ جب کافی وقت گزر گیا تو قدرے غنودگی سی طاری ہو گئی۔ اور میں نیم خوابیدگی کی سی کیفیت میں بستر پر دراز رہا پھر وہ آہٹ اتنی ہی زوردار تھی کہ میری آنکھیں خود بخود کھل گئیں اور دوسرے لمحے میں اُچھل پڑا۔ میں نے تڑپ کر اُٹھنے کی کوشش کی لیکن رائفل کی نال میرے حلق پر آ ٹکی۔ وہی پانچوں تھے جنہیں ایک بار پہلے بھی میں دیکھ چکا تھا۔ اس وقت بھی اُن کے چہرے کپڑے سے چھپے ہوئے تھے اور روشنی میں، میں اُن کے حلیے نمایاں دیکھ سکتا تھا۔ ان میں سے ایک نے غرّاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"حلق سے آواز نکلی تو بندوق کی نال گردن ہی میں گھس جائے گی۔ کیا سمجھے!"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پانچوں کے انداز سے وحشت اور درندگی ٹپک رہی تھی اور اس وقت میری پوزیشن واقعی خراب تھی اگر کوئی حرکت کرتا تو اس بات کے امکانات بھی تھے کہ چھٹانک بھر سیسہ بدن کے کسی حصے میں اُتر جاتا۔ ویسے بھی ان لوگوں سے تعرض مناسب نہیں تھا۔ میں تو ان کی توقع کر رہا تھا چند لمحات اسی طرح گزر گئے پھر جب اُنہوں نے دیکھا کہ میرے سارے کس بل نکل گئے ہیں تو ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے دونوں بازو قبضے میں کر کے پشت پر موڑ دیے اور اس کے بعد ہاتھوں میں رسیاں کس دیں۔ ہاتھوں کو مضبوطی سے پُشت پر کسنے کے بعد اُن میں سے ایک نے جیب میں سے رُومال نکال کر میرے منہ میں ٹھونسا اور پھر دوسرا رُومال نکال کر پٹی باندھتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے حلق سے ذرا بھی آواز نکالنے کی کوشش کی تو ہم تم سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ تمہیں قتل کرتے ہوئے ہمیں کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

میں نے محسوس کیا کہ قاتلانہ دھمکی خاصے مہارت آمیز لہجے میں دی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ جرم کرنا جانتے ہیں۔ میں خاموشی سے اُن کی صورت دیکھتا رہا۔ ویسے بھی بولنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چونکہ میری قوتِ گویائی ان کے قبضے میں جا چکی تھی۔ بڑی بے دردی کا سلوک کر رہے تھے۔ میرے ساتھ انہوں نے مجھے کھڑا کر کے آگے دھکیلا اور پھر دروازے سے باہر نکال لائے۔ میری رہائش گاہ میں گہرا سناٹا طاری تھا۔ ویسے بھی مجھے یقین تھا کہ اس وقت کسی کو میرے اوپر پڑنے والی اس اُفتاد کی کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ میں ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر اُن کے گھوڑے کھڑے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی ایک فالتو گھوڑا بھی موجود تھا جو یقیناً میرے لیے لایا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اُنہیں اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا۔ مجھے سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھا دیا گیا اور اس کے بعد اُنہوں نے ایک اور ترکیب کی۔ یعنی ایک رسّہ میری کمر میں باندھ کر اس کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں تھام لیا اگر میں کوئی کوشش کروں تو بآسانی مجھے گھوڑے کی پشت سے کھینچا جا سکے پھر یہ گھوڑے سُست رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔ پوری بستی سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ رات کافی گزر گئی ہے اور اُنہوں نے اپنے کام کے لیے انتہائی مناسب وقت کا انتخاب کیا ہے۔ میں اُن کے ساتھ بے چوں و چرا آگے بڑھتا رہا۔ ذہن

اب بھی سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اب یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے اب اس سلسلے میں باز پُرس کی جائے گی اور کہا جائے گا کہ جب مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ میں یہ جگہ چھوڑ کر چلا جاؤں تو پھر میں تراب جاہ میں موجود کیوں رہا۔ ہو سکتا ہے تھوڑی بہت مار پیٹ بھی کی جائے۔ ویسے یہ اندازہ بھی لگانا تھا مجھے کہ ساجد میرے سلسلے میں کیا خیالات رکھتا تھا اور دیکھنا یہ تھا کہ اس وقت بھی وہ سامنے آنے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں۔ رات کی تاریکی میں یہ سفر تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ گھوڑوں کو انہوں نے زیادہ تیز رفتاری سے نہیں دوڑایا تھا کیونکہ میرے گر جانے یا بھاگ جانے کا خطرہ بدستور ان کے دل میں موجود ہو گا۔ ویسے وہ بڑی احتیاط سے مجھے لے جا رہے تھے۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد تقریباً ایک ایسے گھنے جنگل میں داخل ہوئے جسے ہم خاصا گھنا جنگل کہہ سکتے ہیں۔ مکمل تاریکی کی وجہ سے میں صحیح صورتِ حال کا اندازہ تو نہیں لگا سکتا تھا کہ مجھے بستی تراب جاہ سے کتنی دُور اور کون کون سے راستوں سے گزار کر لایا گیا ہے۔ تاہم جس قدر ممکن ہو سکتا تھا میں اپنے طور پر راستوں کا اندازہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا گھنے جنگل میں داخل ہونے کے بعد گھوڑوں کی رفتار سُست کر دی گئی۔ اور اس کے بعد بالآخر ایک جگہ یہ تمام گھوڑے رُک گئے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے لیکن میں نے ایک مدھم سی روشنی دیکھی تھی جو اس جگہ سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے سے آ رہی تھی۔ جہاں مجھے اُتارا گیا تھا۔ البتہ مجھے اس روشنی کی جانب نہیں لے جایا گیا بلکہ اُنہوں نے مجھے آگے دھکیلتے ہوئے ایک بڑے سے تنے کے قریب کھڑا کر دیا اور یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا کہ وسیع و عریض درخت کے تنے میں ایک دروازہ بنا ہوا ہے۔ بڑی کامیابی سے انہوں نے یہ کوشش کی تھی اور بلاشبہ گھنے جنگل میں چھپنے کے لیے ایک نفیس ترین جگہ بنائی گئی تھی۔ درخت کے چوڑے تنے میں کھلنے والے دروازے سے اندر دھکیل کر وہ خود بھی میرے ساتھ ایک ایک کر کے اندر آئے اور نیچے جانے والی سیڑھیوں کو طے کرتے ہوئے ہم ایک عجیب و غریب غار میں پہنچ گئے۔ غار تو قدرتی ہی تھا لیکن اس کا راستہ جس طرح سے بنایا گیا تھا وہ قطعی غیر قدرتی تھا۔ مجھے تعجب تھا کہ درخت کے تنے میں اتنا بڑا سوراخ کرنے کے باوجود درخت کی اصل حیثیت کیسے قائم ہے لیکن اس وقت اس کے بارے میں اندازہ لگانا مشکل تھا البتہ یہ جگہ میرے نقطۂ نگاہ سے کافی محفوظ تھی۔ مجھے

وسیع و عریض تہ خانے میں بند کر دیا گیا اور پھر وہ لوگ وہاں سے واپس پلٹ گئے۔ اندر ایک شمعدان روشن کر دیا گیا تھا۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔ شمعدان کی روشنی میں، میں نے اپنے اس قید خانے کو دیکھا۔ غار کو اس انداز میں استعمال کرنا واقعی ایک ذہانت کا کارنامہ تھا لیکن گھنے جنگل میں یہ جگہ بنانے کا مقصد تو یہی ہے کہ جو کوئی بھی یہاں رہتا ہے مجرمانہ کارروائیاں کرتا رہتا ہے یا پھر اُس نے تفریحِ طبع کے لیے یا عیاشی کے لیے یہ جگہ بنائی ہے۔ بلاشبہ یہ بہترین جگہ تھی۔ وقت گزرتا رہا۔ میں ایک جگہ زمین پر لیٹ کر آنے والے لمحات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ میرے کان اور میری آنکھیں ساجد کے منتظر تھے۔ ہو سکتا ہے وہ میرے سامنے نمایاں ہو جائے اور اگر وہ میرے سامنے نمایاں ہو گیا تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ اب وہ میری زندگی کے درپے ہے۔ یہاں ان حالات میں، میں بالکل چوہوں کی طرح ان کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔ حالانکہ مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن بس نجانے کیوں طبیعت پر ایک [illegible] سی طاری تھی اور میں نے اس سلسلے میں کوئی ٹھوس قدم نہیں اُٹھایا تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزرتی گئی اور ساری رات کسی نے مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن دوسرے دن صبح جب میرے لیے ناشتا لایا گیا تو اس کے ساتھ ہی میں نے عبداللہ ٹھیکیدار کو دیکھا جسے میں ایک نگاہ دیکھتے ہی پہچان گیا۔ تاہم ظاہر ہے میں اس سے شناسائی کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میرے سامنے آ کر مجھے گھورنے لگا اور پھر آہستہ سے گردن ہلا کر بولا۔

"تم کو منع کیا گیا تھا وکیل صاحب کہ یہاں نہ رُکو اور واپس چلے جاؤ۔ تم نے ہماری بات پر توجہ نہیں دی۔"

"تم کون ہو اور مجھے یہاں سے کیوں بھگانا چاہتے ہو۔ کم از کم یہ بات تو مجھے بتا دینی چاہیے تھی۔"

"ضروری تو نہیں تھا وکیل صاحب! بس اتنا کافی نہیں تھا کہ ہم نے آپ کو یہاں سے جانے کے لیے کہہ دیا تھا؟"

"نہیں، اتنا تو کافی نہیں ہے۔ کیا میں تمہارا نام جان سکتا ہوں؟" میں نے کہا۔

"ہمارا نام جاننے کی کوشش کرو گے وکیل صاحب! تو بہت نقصان اُٹھاؤ گے۔ ہم اپنا نام بتانے کے بعد آدمی کے ساتھ ذرا دوسرے قسم کا سلوک کرتے ہیں۔"

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میرے اور تمہارے درمیان ایسی کیا دُشمنی ہے۔ میں نے تو پہلے تمہیں کبھی دیکھا بھی

نہیں ہے۔ میں یہاں اپنے ایک مقصد کے تحت آیا تھا اور اپنا کام کر کے یہاں سے واپس چلا جاتا لیکن تم نے نجانے کیوں مجھ سے بیر باندھ رکھا ہے۔"

"ارے ہمیں کیا ضرورت تھی بیر باندھنے کی اور پھر ہم جس سے بیر باندھتے ہیں اس کے بارے میں مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ دو ہی باتیں ہیں۔ ریل میں یا جیل میں تمہاری چھٹی کر دیتے بآسانی۔ بات ہماری نہیں ہے بابو جی! بات کسی اور ہی کی ہے۔"

"مگر ایسا کون ہے جو مجھ سے دشمنی رکھتا ہے؟"

"اب یہ سب کچھ ہم تو نہیں بتا سکتے تمہیں، یوں سمجھ لو بہت بڑا آدمی ہے یہاں کا۔ تم اپنی زندگی بھر کوشش کر لو تب بھی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیا سمجھے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"اب ہم کیا چاہیں گے۔ ہم نے جو چاہا تھا۔ وہ تو تم نے کیا ہی نہیں۔ اب جو دوسرا چاہے گا وہ ہوگا۔"

"دوسرا کون؟"

"اُسی کی بات کر رہے ہیں جس کے حکم پر تم یہاں لائے گئے ہو اور جس کے حکم پر پہلے تم سے کہا گیا تھا کہ تراب جاہ چھوڑ کر یہاں سے واپس چلے جاؤ۔ مان لیتے تو تمہارے حق میں ہی بہتر ہوتا۔ اب یہ فیصلہ تو وہی کرے گا کہ تمہارا کیا ہونا چاہیے ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ تمہیں عقل سکھائیں خاموشی سے یہاں پڑے رہو۔ یہاں سے بھاگنے کی کوشش مت کرنا۔ جب بھی اس کی طرف سے تمہارے بارے میں کوئی حکم ملے گا ہم اس پر عمل کریں گے۔ ہمارے آدمی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے اگر تم نے انہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو پھر ہم انہیں بھی نہیں روکیں گے کیا سمجھے۔ اب ناشتا کرو۔ تمہارے لیے اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا۔"

"ایک بات اور سنو دوست! بیشک ایسا ہوا ہے کہ تم نے یہاں سے جانے کے لیے مجھ سے کہا تھا اور میں نہیں گیا، لیکن اس کے علاوہ تو میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"ہاں کہہ دیا نا تم سے کہ اس کے علاوہ کوئی دشمنی ہوتی تو تم زندہ نہ ہوتے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تم مجھے شکل وصورت سے اتنے ہی شاندار آدمی لگتے ہو کہ تمہارے دشمن تمہارے سامنے زندہ نہ رہتے ہوں گے لیکن کم از کم مجھے اتنا تو بتا دو نا کہ آخر جو کوئی بھی ہے میرا دشمن کیوں بن گیا ہے؟"

"جس کام سے آئے ہو بابو! وہ کام تمہارے بس کی بات نہیں ہے اور ہونا بھی نہیں چاہیے تھا۔ بعض باتیں ڈھکی چھپی ہی اچھی لگتی ہیں۔ کوئی اگر انہیں کھولنے کے چکر میں پڑ جائے تو پھر اس کا پیٹ کھل جاتا ہے۔ دماغ کھل جاتا ہے اور پھر ان دونوں کھلی ہوئی چیزوں کو لے کر وہ قبر کی گہرائیوں میں چلا جاتا ہے۔ کیا سمجھے۔" خیر اللہ ٹھیکیدار واپس مڑا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس سے زیادہ کھلے الفاظ میں وہ اور کیا کہتا کہ میں ساجد کا مجرم ہوں۔ اُس نے ساجد کا نام نہیں لیا تھا لیکن ڈھکے چھپے الفاظ میں ساجد کے بارے میں تفصیلات بتا دی تھیں۔ ظاہر ہے بستی تراب جاہ میں اس سے بڑا آدمی اور کون ہو سکتا تھا! میں تھوڑی دیر تک ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ساری باتیں اپنی جگہ، پیٹ بھرنا بھی ضروری تھا۔ ساجد نے بالآخر مجھے پکڑ کر قید کر لیا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اگر اسے اس بات کا خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ میں اس کے خلاف ثبوت حاصل کر کے کوئی کارروائی کروں گا تو وہ میرے اس خطرے کو کبھی برقرار نہیں رہنے دے گا اور نتیجہ میری موت کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے لیکن آج بھی میں اس شخص کے اس قدم کے بارے میں حیران تھا۔ آخر اسے یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میں منیر سے ملا ہوں۔ اور اس نے مجھے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔ ساجد کی یہ معلومات انتہائی حیرت انگیز تھیں۔ جیل سے اس کا کیا رابطہ ہے؟ کس طرح اُس نے یہ سب کچھ آسانی سے معلوم کر لیا ہے؟ بہر طور یہ تمام باتیں تو ثانوی حیثیت رکھتی تھیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اب مجھے کیا قدم اٹھانا چاہیے؟ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں ان لوگوں سے جنگ کروں اور یہاں سے نکل جانے کی کوشش کروں۔ ساجد کے خلاف ثبوت حاصل کرنا تقریباً ناممکن سا لگ رہا تھا۔ مضبوط آدمی تھا اور اُس نے اپنے اردگرد خاصے حفاظتی خول قائم کر لیے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے برتن ایک جانب سرکا دیے تھے لیکن کوئی بھی یہ برتن لینے کے لیے نہیں آیا۔ جب اندازے کے مطابق میں نے محسوس کیا کہ تقریباً آدھا دن گزر گیا ہے تو پھر میں نے سوچا کہ اب کچھ عمل کرنا چاہیے۔ یہ دن اور رات کم از کم اس قید خانے میں نہیں گزرنی چاہیے۔ یا پھر جد وجہد کا رنگ کچھ تبدیل ہو جائے

تو اچھا ہے اور اس خیال کے تحت میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور دروازے کی جانب چل پڑا۔ مجھے یقین تھا کہ دروازہ باہر سے بند ہوگا۔ میں نے اس دروازے کو آزمایا اور میرا یقین صحیح نکلا۔ دروازہ باہر سے بند تھا لیکن جب میں نے دروازے پر تھوڑا سا زور لگایا تو مجھے اس میں ایک رخنہ سا پیدا ہوتا محسوس ہوا۔ دل ہی دل میں میں نے سوچا کہ اگر میں اس پر کچھ زور آزمائی کروں تو شاید دروازہ کھولا جا سکے اور اگر کچھ نہیں تو باہر سے کچھ آوازیں ضرور سنائی دیں گی اور لوگ مجھ سے صورت حال معلوم کرنے کے لیے اندر داخل ہوں گے اور اس وقت کے لیے میں نے خود کو تیار کر لیا تھا۔ جنگ... سو فیصد جنگ۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے دروازے پر قوت آزمائی شروع کر دی۔ بڑی احتیاط اور آواز پیدا کیے بغیر میں اس انداز میں دروازے کو آگے پیچھے کر رہا تھا کہ وہ رخنہ بڑا ہو جائے اور مجھے حیرت انگیز طور پر اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ دروازے کو باہر سے جس کنڈی سے بند کیا گیا تھا وہ غالباً پہلے ہی سے ڈھیلی تھی اور کمزور ہو چکی تھی۔ میرے طاقت استعمال کرنے سے وہ آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑ بیٹھی اور اس وقت میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب ایک مضبوط دھکے نے دروازے کو کھول دیا۔ مجھے اتنی آسانی سے آزادی حاصل ہو جائے گی۔ اس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا لیکن اب اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے سوچا تھا کہ میرے پاس کوئی ہتھیار بھی ہونا ضروری ہے۔ میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا اور ہتھیار کی شکل میں ایک لمبا سا ڈنڈا مجھے حاصل ہو گیا جو درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ کا تھا اور ہموار تھا۔ یعنی میں اسے ڈنڈے کی حیثیت سے استعمال کر سکتا تھا۔ ظاہر ہے اس وقت اس کے علاوہ اور کیا ہتھیار مجھے حاصل ہو سکتا تھا۔ میں نے اُسے ہی غنیمت سمجھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اطراف میں کوئی موجود نہیں تھا۔ درخت کے خول سے باہر نکلنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو اس کی آڑ میں پوشیدہ کر لیا اور دُور دُور تک نگاہیں دوڑانے لگا۔ درحقیقت مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ دھوکا کھا گئے ہیں۔ ظاہر ہے مجھے بند کرنے کے بعد اُنہوں نے سوچا ہوگا کہ میرے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے میرے اُوپر باقاعدہ پہرے کا بندوبست نہیں کیا تھا۔ اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ اس وقت خیر اللہ ٹھیکیدار بھی اُن کے درمیان موجود نہیں ہے۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ درحقیقت یہ تائید غیبی ہی تھی کہ مجھے اس طرح باہر نکلنے کا موقع مل گیا تھا اور وہ لوگ میرے سلسلے میں محتاط نہ رہ سکے۔ اب میرے لیے اس کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا کہ میں یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کروں اور بستی پہنچ جاؤں۔ بستی پہنچنے کے بعد آگے کے اقدامات کے بارے میں سوچنا میرا اپنا کام تھا۔ میں نے درختوں کی آڑ لیتے ہوئے واپسی کا راستہ اختیار کیا اور درخت کی آڑ میں رُک کر آہٹیں لینے لگا۔ اطراف میں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ حیرت انگیز بات تھی اگر جانا بھی تھا تو سب کے سب ہی چلے گئے پھر دفعتاً ہی مجھے رات کے واقعات یاد آ گئے۔ درخت کے اس تنے پر لانے سے پہلے میں نے ایک روشنی دیکھی تھی جو درختوں ہی میں سے کسی جگہ سے آ رہی تھی۔ روشنی کا راز کیا تھا۔ وہ کیسی روشنی تھی! مجھے اس روشنی سے دُور رکھا گیا تھا۔ بہر طور میں اپنی جگہ اس روشنی کے بارے میں سوچتا رہا پھر میں نے سمت کا اندازہ لگایا اور پھر اس سمت نگاہیں دوڑائیں جہاں میں نے رات کو روشنی دیکھی تھی اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں ایک چھوٹی سی پختہ عمارت موجود تھی۔ فاصلہ اس جگہ سے زیادہ نہیں تھا بلکہ اس درخت کے پاس سے عمارت کا فاصلہ زیادہ تھا جہاں مجھے قیدی کی حیثیت سے رکھا گیا تھا لیکن یہاں اس وقت جہاں میں موجود تھا۔ یہاں سے اس عمارت کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اس عمارت کے بارے میں اندازہ تو لگایا جائے۔ ہو سکتا ہے ساجد کے بارے میں یہیں سے کوئی ثبوت حاصل ہو جائے۔ چنانچہ میرے قدم عمارت کی طرف اُٹھ گئے۔ درختوں کی آڑ لیتا ہوا میں عمارت کے بالکل قریب پہنچ گیا اور ایک چوڑے درخت کے عقب سے میں اس عمارت کا جائزہ لینے لگا۔ بظاہر یہاں اس عمارت کی موجودگی سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن خیر اللہ کے بارے میں مجھے یہ معلومات حاصل ہو چکی تھیں کہ وہ جنگلوں کا ٹھیکیدار ہے اور یہاں کٹائی وغیرہ کراتا ہے۔ ایسا کوئی آدمی اگر اپنے لیے جنگل ہی میں کوئی رہائش گاہ بنا لے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ویسے درخت کے تنے میں اُس نے وہ غار بھی خوب دریافت کیا تھا اور یقینی طور پر اس کی پوشیدہ جگہ کے بارے میں شاید ہی کسی کو علم ہو۔ سوائے اس کے چند ساتھیوں کے لیکن اس عمارت میں ایک باقاعدہ رہائش اختیار کی جا سکتی تھی۔ میں نے عمارت کے واحد دروازے کو دیکھا۔ جو بند تھا اور یہاں بھی کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ عمارت

کے سامنے ایک احاطہ بنا لیا گیا تھا جس میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں تھی۔ میں نے اس کے بغلی حصے کو تاڑا۔ یہاں سے تقریباً ایک چھ فٹ اونچی دیوار کو عبور کر کے اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔ چنانچہ سامنے والے کی طرف رُخ کرنے کی بجائے میں نے اسی بغلی دیوار کی جانب رُخ کر کے آہٹیں لیتا ہوا دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ پھر میں نے اُچھل کر دیوار کی کگر پکڑ لی اور اس کے بعد میرا بدن اُوپر اُٹھتا چلا گیا۔ ایک لمحے کے لیے میں دیوار کے اوپری حصے پر رُکا اور دوسرے لمحے نیچے کود گیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ عمارت کی اندرونی کیفیت کیا ہے اور اس کی ساخت کیا ہے؟ لیکن بہرطور یہ خطرہ مول لیے بغیر چارۂ کار نہیں تھا۔ میرا ڈنڈا اب بھی میرے پاس موجود تھا اور میں نے اسے ہتھیار کے طور پر اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ تب میں نے یہاں سے نگاہ دوڑائی۔ سامنے والے حصے میں ایک آدمی نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک بانوں سی بنی ہوئی چارپائی پر دراز تھا اور اُس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ انداز یوں ہوتا تھا جیسے سو رہا ہے۔ میں نے آہستہ سے گردن ہلائی اور پیچھے ہی پیچھے سرکتا ہوا عمارت کے عقبی حصے میں آ گیا۔ یہاں آ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ یہاں میں نے ایک دروازہ دیکھا تھا۔ دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ البتہ اس کے اوپر عین اُوپر ایک روشندان تھا جو آدھا کھلا ہوا تھا اگر تھوڑی سی محنت کی جاتی تو اس روشندان سے اندر داخل ہونے میں دقت پیش نہ آتی۔ چنانچہ میں نے یہی فیصلہ کیا اور اس کے بعد اس روشندان میں داخل ہو گیا۔ بدن کو سکوڑ کر اندر پہنچانے میں کافی دقت ہوئی تھی اور اس سلسلے میں کچھ تھوڑی سی خراشیں وغیرہ بھی آئی تھیں لیکن بہرطور اندر داخل ہو گیا اور سب سے پہلا کام میں نے یہی کیا تھا کہ دروازہ اندر سے کھول دیا تھا اگر فرار کی فوری ضرورت پیش آئے تو دقت نہ ہو۔ دروازہ کھول کر میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر دونوں سمت کا جائزہ لینے لگا۔ یہ ایک پتلی سی راہداری تھی جو اتنی پتلی تھی کہ بس زیادہ سے زیادہ دو آدمی برابر سے گزر سکیں۔ ویسے بھی اس چھوٹی سی عمارت میں اس سے زیادہ گنجائش نکالنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے ایک سمت منتخب کی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا راہداری کے دوسرے حصے پر پہنچ گیا۔ یہاں ایک چھوٹا سا برآمدہ نظر آ رہا تھا اور اس برآمدے سے باہر کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ دروازے کے پاس وہی شخص سو رہا تھا اور ابھی تک اُسے کسی کے اندر موجود ہونے کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ غالباً اس عمارت میں اس شخص کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ بھی سکون کی بات تھی۔ میں نے عمارت کا اچھی طرح جائزہ لیا اور پھر اس واحد دروازے کی جانب متوجہ ہو گیا جو باہر سے بند تھا لیکن اس دروازے میں بھی تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ میں چند لمحات آہٹیں لیتا رہا پھر میں نے دروازے کی چٹخنی آہستہ سے کھولی اور اندر داخل ہو گیا۔ چونکہ دن کا وقت تھا اور قدرتی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لیے میں کرسی پر دراز اس لڑکی کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا جس کے ہاتھوں میں ایک کھلی ہوئی موٹی سی کتاب تھی۔ لڑکی نے بھی مجھے دیکھا اور دفعتاً اُس کے چہرے پر تجسس کے آثار پھیل گئے۔ اُس نے آہستہ آہستہ کتاب بند کی اور کھڑے ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ اگر یہ لڑکی شور مچا دے تو ظاہر ہے کہ کم از کم سونے والا آدمی تو اندر آ سکتا ہے اور اس کے لیے مجھے اپنے آپ کو تیار کرنا تھا۔ خود لڑکی کے بارے میں میں ابھی کوئی اندازہ لگانے کے بارے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے چند لمحات اس پر غور کیا۔ ایک پڑھی لکھی تعلیم یافتہ لڑکی تھی لیکن لباس اور چہرے سے یہ اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو۔ میں اسے جانچنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہی تھی پھر دفعتاً ہی اُسے اپنے لباس کی بوسیدگی کا احساس ہوا۔ اور وہ بدن چُرانے لگی اور اس کے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

”کون ہو تم؟ کوئی اجنبی۔ کیسے یہاں پہنچے؟ براہِ کرم فوراً بتا دو۔ اسی میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔“ اس کا لہجہ شُستہ اور شگفتہ تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے ہونٹوں پر اُنگلی رکھتے ہوئے کہا۔

”خاموش رہو۔ میں یہاں چوری چھپے داخل ہوا ہوں اگر تم بھی یہاں قیدی ہی کی حیثیت رکھتی ہو تو پھر یوں سمجھو کہ میں تمہارے لیے کارآمد ہو سکتا ہوں۔“

لڑکی نے کتاب ایک سمت رکھی اور تیزی سے چلتی ہوئی میرے قریب پہنچ گئی۔

”مگر تم ہو کون؟“

”کیا میں تمہارے بارے میں کچھ معلوم کر سکتا ہوں؟“

”میں یہاں قیدی ہوں۔“ لڑکی نے جواب دیا اور پھر بولی ”کیا دروازہ باہر سے بند نہیں تھا؟“

”تھا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تب تمہیں میری بات پر یقین کرنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔“

”کس کی قیدی ہو تم؟“ میں نے سوال کیا اور لڑکی دانت پیستی ہوئی مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

”کیا تمہاری شامت ہی آئی ہے! یا پھر تم خیر اللہ کے کوئی نمائندے ہو جو میرے ساتھ کسی قسم کی کمینگی کرنا چاہتے ہو۔“ میں نے چند لمحات گہری نگاہوں سے لڑکی کو دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

”خیر تم جو کچھ بھی کہو تمہارا حق ہے۔ میں دراصل یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے! ظاہر ہے صرف تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے تو اس عمارت میں داخل نہیں ہوا تھا۔“

”تو پھر کیا چوری کرنے آئے تھے؟“ اس نے دانت نکوستے ہوئے کہا۔ اور پھر مجھے ہنسی آ گئی۔ وہ تنک کر بولی۔

”اگر تم مجھے یہاں سے نکال سکتے ہو تو نکالو اور میرے اُوپر احسان کرو۔ مجھے یہاں قید ہوئے طویل عرصہ گزر گیا۔ میری بوسیدہ حالت دیکھ رہے ہو پہلے یہاں سے نکل چلو۔ اس کے بعد اگر ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ویسے اگر یہاں چوری کی نیت سے آئے ہو تو یقین کرو اس چھوٹی سی عمارت میں کچھ نہیں ہے۔ سوائے ایک قیدی کے اور وہ میں ہوں۔“

میں پُرخیال انداز میں ٹھوڑی کھجاتا رہا۔ ہو سکتا ہے یہ لڑکی میرے لیے کسی طور کارآمد ثابت ہو۔ میں نے اُس کے بوسیدہ لباس کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

”ٹھیک ہے آؤ۔ یہاں سے نکل چلتے ہیں۔“

لڑکی نے تیزی سے میرے ساتھ قدم اُٹھا دیے تھے وہ بہت پھرتیلی اور چاق و چوبند نظر آتی تھی۔ گو اس کا حلیہ بُری طرح بگڑا ہوا تھا لیکن اس کے انداز میں کسی قسم کی کمزوری نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں اسے ساتھ لیے ہوئے کھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔ ویسے بھی اس بات کے لیے کیا دعویٰ کیا جا سکتا تھا کہ یہاں ساجد کے خلاف کوئی ثبوت موجود ہو۔ کم از کم یہ لڑکی ہی اس کے بارے میں کچھ بتا سکے گی۔ چنانچہ میں اسے لیے ہوئے احاطے کی دیوار کے پاس پہنچ گیا اور پھر اسے سہارا دے کر اوپر چڑھانا پڑا تھا۔ لڑکی کی برق رفتاری خود بھی میری معاونت کر رہی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد میں دوسری طرف کود گیا اور پھر ہم درختوں کی آڑ لیتے ہوئے جنگل کے اس سرے کی جانب جانے لگے۔ جہاں سے باہر نکل جانے کا راستہ تھا لیکن ہم نہایت احتیاط سے کام لے رہے تھے۔ لڑکی ضرورت سے زیادہ نڈر معلوم ہوتی تھی اور بڑے احتیاط سے قدم آگے بڑھا رہی تھی۔ ایک جگہ ہمیں ایک دو افراد نظر بھی آئے لیکن ہم اُنہیں کامیابی سے ڈاج دیتے ہوئے بالآخر جنگلوں کے اس سلسلے سے باہر نکل آئے۔ لڑکی نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

”اگر ہم ان کھیتوں کی آڑ لے کر سفر کریں تو ہمارے حق میں زیادہ بہتر ہو گا۔ کھلی جگہ ہمیں دیکھا جا سکتا ہے۔“

میں نے اس سے اتفاق کیا۔ دائیں سمت کھیتوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً گنے کے کھیت تھے اور گنے بھی پورے ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کی آڑ میں سفر کرنے میں ہمیں کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ ہم کھیت کی آڑ لیتے ہوئے کافی لمبا سفر طے کر کے دور تک نکل آنے میں کامیاب ہو گئے۔ بستی تراب جاہ کی آبادی زیادہ دور نہیں تھی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ تراب جاہ میں داخل ہو کر ہمارے لیے کون سا ٹھکانہ موزوں ہو گا اور میں نے لڑکی سے اس سلسلے میں سوال کر ہی لیا۔

”اگر ہم بستی تراب جاہ پہنچ بھی گئے تو تم کیا اس محلے میں لوگوں کے درمیان جانا پسند کرو گی!“

لڑکی کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے کشمکش کے آثار نظر آئے پھر وہ دفعتاً تنک کر بولی۔

”تو پھر یوں کرتے ہیں کہ یہاں سے بائیں سمت کا راستہ اختیار کرو۔ ہمیں ذرا لمبا سفر طے کرنا پڑے گا لیکن کافی فاصلے پر جا کر ایک کھنڈر نما عمارت ہے جو غالباً کسی زمانے میں پرانا مندر رہی ہو گی۔ اب بالکل ٹوٹی پھوٹی پڑی ہے اور وہاں کبھی کوئی موجود نہیں ہوتا ہمارے لیے عارضی طور پر وہ ایک عمدہ رہائش گاہ ثابت ہو گی۔“

میں نے اس سلسلے میں لڑکی سے اتفاق کر لیا اور ہم آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ واقعی کافی فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ لیکن پھر دُور سے ہمیں وہ ٹوٹا ہوا مندر نظر آ گیا اور مندر میں داخل ہونے کے بعد میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ عارضی طور پر پوشیدہ رہنے کے لیے اس سے بہتر جگہ کوئی اور نہیں ہو سکتی تھی۔ لڑکی زمین پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر اُس نے اپنے سراپا پر ایک نگاہ ڈالی اور ٹانگیں سکوڑ لیں۔ غالباً اسے اپنی نیم برہنگی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس وقت میں بھی ایسے لباس میں تھا کہ اپنے لباس کا کوئی حصہ اُسے نہیں دے سکتا تھا تاکہ وہ اپنے بدن کو کسی نہ کسی طور

ٹھیک ہے۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم اس بات سے بے نیاز ہو جاؤ کہ تمہارا لباس بوسیدہ ہے۔ میں تمہارے وجود کا مکمل طور سے احترام کرتا ہوں اور رات کی تاریکی میں کوشش کروں گا کہ تمہارے لیے بستی سے کوئی لباس مہیا کر لوں۔"

"بے حد شکریہ! ویسے تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟"

"میرا نام شارق حسین ہے! شارق حسین ایڈووکیٹ۔" میں نے کہا اور لڑکی بری طرح اچھل پڑی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی کیفیت نظر آئی اور پھر وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ مائی گاڈ۔ شارق حسین ایڈووکیٹ! گویا تم وہی ہو۔ وہی ہو۔"

میں گہری نگاہوں سے لڑکی کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اس سلسلے میں میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ تب اس نے کہا۔

"وہ لوگ تمہارے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ میں نے یہ گفتگو چھپ کر ہی سنی تھی۔ خیر اللہ ٹھیکیدار خاص طور سے تمہارا تذکرہ کرتا رہا ہے۔"

"کس انداز میں؟"

"میں... میں تم پر عجیب و غریب انکشاف کروں گی میرے بارے میں جان لو پہلے۔ میرا نام نکہت شیراز ہے۔ شاید ایک اخباری رپورٹر کی حیثیت سے تم نے میرا نام سنا ہو گا۔"

اب میرے چونکنے کی باری تھی۔ بلاشبہ نکہت شیراز کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جس پر بہت غور کیا جا سکتا لیکن اخباری خبروں میں اور خاص طور سے جرائم کی خبروں میں اس کا نام نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ میں نے حیرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"تب تو پھر یوں سمجھ لو کہ میں تمہیں جانتا ہوں۔"

"ہاں اور یہ اندازہ بھی ہو گا تمہیں کہ پچھلے طویل عرصے سے میں اخباری دنیا سے غیر حاضر ہوں۔"

"سوری! میں نے اس پر غور نہیں کیا۔"

"کمال ہے شارق حسین! کمال ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ تقدیر نے ہمیں اتفاق سے یکجا کر دیا ہے۔ میں اب بہت خوش ہوں واقعی یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ کم بخت بڑا عجیب و غریب قسم کا جانور ہے جس کا نام خیر اللہ ٹھیکیدار ہے۔ میں نے بارہا کوشش کی اس کے چنگل سے نکلنے کی لیکن نہیں نکل سکی اور اس وقت... اس وقت وہ لوگ اپنے ہی جال میں پھنس گئے۔"

میں خاموشی سے لڑکی کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولی۔

"کتنا دلچسپ اور کیسا عجیب و غریب اتفاق ہے۔ واقعی اس اتفاق کو ہم کوئی صحیح نام نہیں دے سکتے۔"

"اگر تمہاری باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہوتیں تو میں بھی ان پر کچھ تبصرہ کرتا۔"

"اوہ ڈیئر شارق حسین! یوں سمجھ لو کہ ہم تم ایک ہی منزل کے راہی ہیں۔"

میں نے گہری سانس لی۔ یہ الفاظ بڑی معنویت رکھتے تھے اور کم از کم میں ان کی حقیقت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لڑکی چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

"جیسا کہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میرا نام نکہت شیراز ہے۔ اور شارق حسین یہاں میں اپنا ایک فیچر تیار کرنے کے لیے آئی تھی لیکن یہ بات اتنی پرانی ہے کہ اب تو مجھے اس کے صحیح دن بھی یاد نہیں رہے۔ میں نے اپنی زندگی کا بیش قیمت عرصہ ان کم بختوں کی قید میں گزارا ہے۔ خدا کا بہت بڑا احسان ہے کہ مجھے کسی قسم کا جسمانی نقصان نہیں پہنچایا گیا لیکن ظاہر ہے طویل عرصہ کسی ایسی قید میں رہنے کے بعد انسان کا جو ذہنی نقصان ہوتا ہے وہ ناقابل تلافی ہے۔"

"شاید!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ویسے شارق حسین ایڈووکیٹ! آپ مجھ سے اپنا مکمل تعارف نہیں کرائیں گے۔"

"میرا مکمل تعارف اس سے زیادہ نہیں ہے نکہت کہ میں ایڈووکیٹ ہوں اور اپنے مؤکلوں کی پیروی ذرا مختلف انداز میں کرتا ہوں۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی کیس میرے پاس آتا ہے تو صرف قانونی پوائنٹس ہی نہیں دیکھتا بلکہ اس کی گہرائی میں اترنے کی کوشش بھی کرتا ہوں۔ اس طرح مجھے قانونی جواز پیش کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ ثبوت جو میرے مؤکل یا کسی اور کے خلاف مہیا کیے گئے ہوتے ہیں ان کی صحیح طور پر تصدیق ہو جاتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ میرے خدا! تو یہ بات تھی... تو یہ بات تھی۔ اس وقت میں نہیں سمجھ سکی تھی لیکن اب تمام صورتحال میرے علم میں آگئی ہے۔ یوں سمجھ لو شارق! اگر تم میرا مطلب ہے آپ معاف کرنا ذہنی طور پر منتشر ہوں اس لیے الفاظ کی ترتیب نہیں کر پا رہی۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ الفاظ کی ترتیب کے چکر میں مت پڑو۔ آگے کہو کیا بات ہے؟"

"تو میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اگر یہ سارا مسئلہ ہے تو یوں سمجھ لو کہ مجھ سے بہتر انسان تمہیں اور کوئی نہیں مل سکے گا۔"

"مطلب؟"

"اگر تم تسنیم کے کیس پر کام کر رہے ہو تو میں اس میں قتل کی عینی گواہ ہوں۔"

"کیا...؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں۔ اب تو تم مجھ سے میری پوری کہانی سننا پسند کرو گے۔ معاف کرنا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے ہاتھوں میں کافی کی گرم گرم پیالیاں ہوتیں اور ہم ان کی چسکیاں لیتے ہوئے مزے مزے سے باتیں کرتے۔" میں آہستہ سے مسکرایا۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"فرض کر لیا جائے کہ ہم کافی پی رہے ہیں۔"

"ہاں... ہاں فرض کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس نے شرارت بھرے انداز میں ہاتھوں کو اس پوزیشن میں کیا جیسے کافی کی پیالی اس کے ہاتھ میں ہو اور دوسرے ہاتھ سے اس کے سپ لے رہی ہو۔ پھر اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اس طرح کم از کم ذہنی تسلی تو ہو ہی جاتی ہے۔"

"بہت کم وقت مس نکہت! جب آپ سچ مچ کی کافی پئیں گی۔"

"آہ! خدا وہ دن کب لائے گا؟" نکہت نے کہا اور ہنس پڑی۔ پھر بولی۔

"دراصل مسٹر شارق! خیر اللہ اپنے ساتھیوں سے آپ کے بارے میں گفتگو کرتا رہا ہے۔ دو تین بار میں نے ان کی گفتگو سنی ہے۔ جس کمرے میں میں قید تھی اس سے ملحق ایک اور کمرہ ہے جو ان کی خصوصی نشست گاہ ہے۔ درمیان میں ایک روشن دان ہے اور اس روشن دان سے دوسری طرف کی آوازیں صاف آتی ہیں۔ میں عموماً ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ان کی گفتگو سنتی رہی ہوں۔ پچھلے چند روز سے خاص طور سے آپ کا تذکرہ ان کے درمیان رہا ہے۔"

"خوب!"

"ان تمام چیزوں سے پہلے میں آپ کو تھوڑی سی تفصیل مزید بتا دوں۔ میں اپنے اخبار کے لیے مختلف قسم کے فیچر تیار کر رہی تھی اور اپنی تیاریوں کے سلسلے میں میں نے تراب جاہ کا رخ بھی کیا تھا۔ یہاں میں بیگم تراب جاہ کا انٹرویو کرنے کے لیے یہاں پہنچی۔ وہ بے چاری بہت مخلصانہ طور پر میرے ساتھ پیش آئیں اور انہوں نے اخباری رپورٹر کی حیثیت سے میری کافی پذیرائی کی اور مجھے اپنے ہاں قیام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک دو دن مصروف ہیں۔ اب جب میں اتنا طویل سفر طے کر کے آئی ہوں تو ان کا انٹرویو کر کے ہی جاؤں۔ ذرا اس مصروفیت سے فراغت حاصل کر کے پھر میرے ساتھ ایک طویل نشست رکھیں گی۔ انہوں نے میری رہائش کے لیے کمرے کا بندوبست بھی کر دیا تھا اور یہاں میں نے ان دونوں بھائیوں کو دیکھا جن کی عمروں میں فرق تھا۔ لیکن صورت میں فرق نہیں تھا۔ مجھے یہ دونوں بھائی دلچسپ محسوس ہوئے۔ یہ میری عادت ہے کہ کوئی چیز اگر ذرا بھی مجھے پسند آ جائے تو پھر میں [illegible] مصروف ہو جاتی ہوں۔ میں چھپ چھپ کر ان دونوں کے کردار کا جائزہ لیتی تھی۔ چھوٹا بھائی جس کا نام ناصر حسین مفتی تھا۔ بہت ہی معصوم و شستہ فطرت کا مالک تھا۔ لیکن اس کی فطرت میں طول اور طراوت ہی نہیں بلکہ تھوڑا سا گھناؤنا پن بھی تھا۔ یعنی وہ متلون طبع تھا جب کہ اس کی نسبت بڑا بھائی ساجد حسین مفتی نیک فطرت اور شریف انسان تھا ایک عورت کی حیثیت سے میں نے ان دونوں کا بخوبی تجزیہ کیا تھا اور پھر وہ ہولناک واردات میرے سامنے ہی ہوئی تھی۔ وہ بڑی دل دوز تھی۔ تسنیم نامی اس لڑکی کو میں نے وہیں دیکھا تھا۔ دکھوں کی ماری سیدھی سادی شریف لڑکی تھی جہاں تک میرا اندازہ ہے ساجد تسنیم سے محبت کرتا ہے لیکن اپنی دبی دبی فطرت کی بنا پر وہ اس سے اظہارِ محبت نہیں کر سکا تھا جبکہ ناصر براہ راست اس سے چھیڑ چھاڑ کر لیا کرتا تھا اور اس رات وہ سب کچھ میرے سامنے ہی ہوا۔ ہاں مسٹر شارق! وہ سب کچھ میرے سامنے ہی ہوا۔ ناصر نے تسنیم کو دھوکے سے اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اس سے پہلے میں نے خیر اللہ ٹھیکیدار سے اس کے منصوبے کی تفصیلات سن لی تھیں۔ نہ صرف سن لی تھیں بلکہ میں نے انہیں ریکارڈ بھی کر لیا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر میرے پاس انٹرویو کے لیے موجود تھا اور میرا کیمرہ بھی۔ جو فلیش گن کے بغیر بہترین تصاویر بنا سکتا ہے۔ میں نے یہ سب کچھ سنا لیکن اس کا کوئی سدِباب نہ کر سکی کیونکہ اس سلسلے میں زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ تسنیم تقدیر کی ماری خود ہی ناصر کے جال میں پھنس گئی اور اس کے بعد میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں ان کی تصاویر بنا لوں۔

چنانچہ مسٹر شارق! میں نے تمام تصویریں بنائیں اور ان لوگوں کی آوازیں بھی سنیں۔ میں، بے چاری تسنیم کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ اس وقت خود میری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ البتہ میں نے وہ تصاویر وغیرہ ضرور بنا لیں لیکن اس کے بعد کی صورتِ حال کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ تسنیم نے منیر کو دھمکیاں دیں اور کہا کہ وہ بیگم دوجانہ کو ساری تفصیلات بتا دے گی۔ منیر نے پہلے تو اُسے اپنے الفاظ سے باز رکھنے کی کوشش کی اور جب اُس نے محسوس کیا کہ تسنیم بپھری ہوئی شیرنی بنی ہوئی ہے تو اس نے... اُس نے تسنیم کو قتل کر دیا اور اس کے بعد...

اس کے بعد وہ سب کچھ ہوا جو شاید آپ کے علم میں بھی آ چکا ہو۔ میں جس جگہ پوشیدہ تھی۔ وہاں سے نکلنا چاہتی تو نکل نہیں سکتی تھی۔ کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی لیکن جب مجھے یہ احساس ہوا کہ تسنیم قتل ہو گئی ہے تو خوف سے میری چیخ نکل گئی اور وہی لمحہ میرے لیے عذاب کا لمحہ رہا۔ وہ لوگ میری موجودگی سے واقف ہو گئے اور اس کے بعد میں وہاں سے نکل بھاگی۔ اُنہوں نے میرا تعاقب کیا۔ کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر بالکل اتفاقیہ طور پر میں نے ایسی جگہ چھپا دیا۔ جہاں شاید کسی کی نگاہ نہ پہنچ سکے۔ یہ ایک عجیب و غریب قسم کا مجسمہ ہے جو وہیں ایک گوشے میں استادہ ہے۔ اس کی گردن مڑ جاتی ہے اور مڑی ہوئی گردن کے نیچے خلاء پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے وہ دونوں چیزیں اسی خلاء میں ڈال دیں اور گردن برابر کر کے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرنے لگی لیکن خیر اللہ کے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا اور اس کے بعد انتہائی خاموشی سے مجھے وہاں سے نکال لائے۔ بس یوں سمجھ لیں۔ شارق! کہ اس وقت سے میں ان لوگوں کی قید میں ہوں۔ یہاں کیا ہوا! کس انداز میں ہوا! میرے علم میں نہیں ہے۔ بس کبھی کبھی خیر اللہ کی باتوں سے یہ سمجھ لیا کرتی تھی کہ صورتِ حال کیا ہوئی؟ یہ بات میرے علم میں آ چکی تھی کہ منیر ہی کو اس قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔ میں جانتی تھی کہ منیر نے کیا کچھ کوشش کی ہو گی اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی لیکن میں خوش تھی کہ تقدیر نے سزا اُسے ہی دی جو سزا کا مستحق تھا۔

نگہت شیراز یہ کہانی سُنا رہی تھی اور میرے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ میں متحیرانہ انداز میں ان تمام واقعات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ اس بار مجھے بھی فریب دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ منیر مجرم تھا۔ قاتل تھا اور اس نے میری شہرت سے فائدہ اُٹھا کر وہ ترکیب آزمائی تھی جو بہت گھناؤنی تھی۔ اُس نے میری زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیرنے کی کوشش کی تھی۔ اُس نے میری عبادت داغ دار کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ شاطرانہ چالوں سے میری حمایت حاصل کرنا اور پھر میرے ذریعے بے چارے ساجد کو بے گناہ پھانسنا چاہتا تھا منیر... میرے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی اور میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس نے میری صحیح وقت پر راہنمائی کی اور اب... اور اب...

اب تک میں نے جن کیسوں پر کام کیا تھا وہ بالکل مختلف تھے یہ تجربہ میری اس زندگی کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس بار ایک حقیقی مجرم نے میرے ذریعہ اپنی بے گناہی کے ثبوت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن قدرت نے مجھے اس بار بھی مایوس نہیں کیا۔ تمام حقیقتیں زبانِ حال سے چیختی ہوئی میرے سامنے آ گئیں اور مجھے روشنی نظر آ گئی۔ کچھ دیر کے بعد میں نے کہا۔

”تمہیں ان واقعات کے بارے میں کیسے معلوم ہوا نگہت؟“

”خیر اللہ ٹھیکیدار برابر والے کمرے میں اپنے ساتھیوں سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ وہی باتیں میں نے سنی تھیں۔ جیل سے اس کو یہ اطلاعات ملی تھیں کہ شارق حسین نامی ایڈووکیٹ یہاں آ رہا ہے اور وہ ساجد حسین مفتی کے خلاف کام کرے گا چنانچہ جس طرح بھی ہو سکے ساجد حسین کو اس شخص کی نظروں میں مشکوک کر دو اور یہ باور کرا دو کہ اصل مجرم ساجد حسین ہے۔ چنانچہ خیر اللہ تمہارا ذہن ساجد حسین کی طرف سے خراب کرنے میں مصروف ہے۔ میں نے بغور ساری گفتگو سنی تو میں تمہارا نام پہچان گئی۔“

”ہوں!“ میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور پھر کہا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے۔ نگہت کہ وہ ٹیپ ریکارڈر اور کیمرہ جہاں تم نے محفوظ کیا ہے وہیں ہو گا؟“

”میرا خیال ہے ایسا ہی ہے۔“

”صرف خیال؟“ میں نے سوال کیا۔

”ایک طرح سے یقین کہہ لو کیونکہ وہ لوگ مجھ سے اس بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں۔“

”تم نے انہیں کیا جواب دیا؟“

”میں نے سرے سے اس بات سے انکار کر دیا کہ میں نے اس واقعے کو دیکھا ہے لیکن کیمرے وغیرہ سے میں نے لاعلمی ظاہر کی مگر وہ یہ چیزیں دیکھ چکے تھے اس لیے یقین نہیں کرتے ویسے ان کی تلاش میرے سامان تک محدود رہی ہے۔“

”گڈ۔ ویسے خیر اللہ کا منیر حسین سے رابطہ ہے؟“

”لمحہ لمحہ... وہ لوگ بے حد خطرناک ہیں یوں سمجھ لو منیر حسین جیل سے فرار بھی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن وہ قانونی طور پر رہائی حاصل کر کے اپنی بستی میں آنا چاہتا ہے۔ خیر اللہ کا کہنا ہے کہ وہ جب چاہے اُس کو جیل سے نکال کر لا سکتا ہے۔ ان کے پاس ایسے وسائل ہیں۔“

میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”یہ خیال تمہارا بہت بہت شکریہ۔ یہ جیل اب اتنی کمزور بھی نہیں ہے ... یہ حق ہے نگہت کہ انہیں لاشوں پہ کام کر کے منیر حسین کی بے گناہی تلاش کر رہا تھا لیکن قدرت نے میری رہنمائی کی اور ہمیں اصلیت معلوم ہو گئی۔ اب ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔“

”کیا یہ آسان ہو گا؟“ نگہت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میں ان سے بہت خوفزدہ ہوں۔ وہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔“ نگہت نے کہا۔

”میں تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے نکلوں گا اور بستی میں پہلے تمہارے لیے لباس تلاش کروں گا۔“

”اوہ! نہیں شارق میں اتنے کچے ذہن کی مالک نہیں ہوں۔ میرے بدن کے کھلے ہوئے چند حصوں پر صرف تمہاری نگاہیں ہی تو پڑ رہی ہیں اور تم اپنی نگاہوں سے مجھے شریف النفس انسان معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گی اور مل جل کر ہی کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔ دراصل بہتر یہ ہے کہ ٹیپ ریکارڈ اور کیمرہ حاصل کرنے کے بعد ہم فوراً یہاں سے نکل جائیں اور اس کم بخت کے خلاف کوئی کارروائی کریں ویسے شاید اسے وقتی طور پر ہوا...“

”ہاں ثبوت تو اس کے خلاف بہت سے مل گئے تھے۔ لیکن عینی گواہ نہ ہونے کی وجہ سے تھوڑے سے شبہات باقی رہے۔“

”عینی گواہ میں ہوں۔“ نگہت شیراز نے جواب دیا۔

”تمہاری اس گواہی اور ثبوتوں سے کیس کی نوعیت بدل جائے گی۔“

”میں اس بدبخت کو پھانسی کی سزا دلوانے کی متمنی ہوں۔“ نگہت شیراز نے کہا۔

”اطمینان رکھو تمہاری مدد سے ایسا ہو جائے گا۔ ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اس نے اپنے لیے اتنا خراب ماحول کیسے پیدا کر لیا؟ بیگم دوجانہ بھی اس کے لیے موت کی سزا کی خواہش مند ہیں۔ مجھے تعجب بھی ہوا تھا۔ کچھ بھی ہے وہ ماں بھی ہیں اور ماں اپنے بیٹے کو اتنی شدت سے سزا دلوانے کی حمایت کیسے کر سکتی ہے؟“

نگہت شیراز مسکرانے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

”دراصل بیگم دوجانہ کی بھی ایک کہانی ہے مسٹر احتشام حسین مفتی خود بھی عیش و عشرت پسند انسان رہے اور ساری زندگی بیگم دوجانہ کو انگاروں کے بستر پر لوٹنے پر مجبور کرتے رہے۔ ان کے اندر نفرت کا ایک پہاڑ پیدا ہو چکا ہے۔ ساجد حسین مفتی سے بھی انہیں کوئی رغبت نہیں ہے جب کہ اپنے دوسرے بیٹے منیر حسین مفتی کی صورت میں احتشام حسین مفتی کو دیکھتی رہی ہیں۔ گو احتشام حسین مفتی اب اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن بیگم دوجانہ کے زخم بدستور ہرے ہیں اور وہ اپنے دونوں بیٹوں سے بھی نفرت ہی کرتی ہیں۔ ساجد تو اپنی خصوصی غلطی کی وجہ سے ان کی نگاہوں میں اپنی اس نفرت کو کم کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے لیکن منیر سے وہ اب بھی بے پناہ نفرت کرتی ہیں اور خاص طور سے تسنیم کے قتل کے سلسلے میں تو وہ اس کی موت کی خواہاں ہیں۔“

”عجیب بات ہے۔“ میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد ہم اس بات پر اظہار خیال کرتے رہے۔

نگہت بہت ہی بے تکلف اور تعلیم یافتہ لڑکی تھی چنانچہ اس نے مجھے لمحے کے لیے بھی احساس نہ ہونے دیا کہ وہ عورت ہے۔ رات کی تاریکیوں میں ہم نے اپنی کمین گاہ چھوڑ دی۔ یہ خوف بھی تھا کہ خیر اللہ ہماری تلاش میں سرگرداں ہو گا۔ چنانچہ اس کے لیے نہایت احتیاط سے کام لیا گیا تھا۔ طویل فاصلہ طے کر کے دوبارہ بستی تک آئے، وہاں میں داخل ہوئے اور چھپتے چھپاتے اس طرف کا رخ کیا جہاں بیگم دوجانہ کی رہائش گاہ تھی۔ نگہت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ہم لوگ کسی نہ کسی طرح اس عمارت میں داخل ہو گئے۔ عمارت میں مکمل طور پر خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ہم دبے قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ نگہت نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

”کیوں نہ ایک لباس چوری کر لیں۔“

”بہت ضروری ہے۔“ میں نے کہا اور پہلی بار اس کے چہرے پر ہلکی سی جھینپ کے آثار پیدا ہو گئے۔

”ہاں واقعی ضروری ہے۔“ اس نے شرمائی ہوئی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

یہ لباس ہم نے بیگم دوجانہ کے کمرے سے حاصل کیا اور وہیں اس نے وہ لباس تبدیل کر لیا تھا۔ بہت قیمتی لباس تھا اور خوش قسمتی سے نکہت کے جسم پر مناسب اور موزوں بھی تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ زیادہ پر اعتماد ہو گئی اور پھر ہم اس مجسمے کے نزدیک پہنچ گئے جو فن تعمیر کا ایک اعلیٰ شاہکار تھا۔ اس کی گردن جھکانے سے جھک جاتی تھی اور نیچے سے خلا نمودار ہو جاتا تھا۔ مجسمے کے خلا میں ہاتھ ڈال کر کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈ نکال لیا۔ دونوں محفوظ تھے اور ان دونوں چیزوں کو محفوظ دیکھ کر نکہت شیراز کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک اٹھیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"شارق یہ۔۔۔ یوں سمجھو کہ منیر حسین مفتی کے لیے بلیک وارنٹ ہے اور ہماری کاوشوں کا ثمر۔ اس کے ذریعے ہم سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں۔ آؤ واپس چلیں۔" میں نے کہا۔

اب اس عمارت میں میرے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ عمارت سے باہر نکل کر ہم نے ایک جانب پیدل سفر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر میں نے کہا۔

"گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو وہ شہر کی جانب بھاگتا ہے۔ کچھ ایسی مثال ہمارے منیر حسین مفتی نے پیش کی ہے۔ شاہ عالم جیل سے خط لکھ کر اس نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنی بے گناہی کا رونا روتے ہوئے یہ بات کہی کہ میں اس کی بے گناہی ثابت کروں۔ لیکن کتنی بڑی حماقت کی تھی اس نے سزائے عمر قید بھگت رہا تھا لیکن تقدیر اسی طرح انسان کو موت کی جانب دھکیلتی ہے۔"

"مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ میری ملاقات شارق حسین ایڈووکیٹ سے ہو گئی جو وکالت کی دنیا میں ایک نئی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔ میں تمہاری ان کاوشوں کو اپنے اخبارات میں ضرور لکھوں گی۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بیچاری نکہت شیراز کا بھی قصور نہیں تھا۔ اخبارات میرے بارے میں بہت کچھ لکھ رہے تھے لیکن یہ وہ دور نہیں تھا جب نکہت برسرِ عمل تھی۔ وہ تو قیدو بند کی زندگی گزار رہی تھی اور اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ شارق حسین ایڈووکیٹ درحقیقت کیا چیز ہے؟ بہرحال خوشی اس بات کی تھی کہ ہم نے کوشش کی وہ کارآمد رہی تھی اور اب ہمارے لیے سب سے پہلا مرحلہ یہاں سے نکل جانے کا تھا۔ ہم لوگ اسی رات اس بستی سے نکل آئے اور اپنے ذرائع سے کام لے کر دارالحکومت کا رخ کیا۔ نکہت میرے ساتھ بہت مطمئن تھی۔ بڑی بے تکلف قسم کی لڑکی تھی۔ راستے میں اپنے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ اس نے بتایا کہ وہ کافی عرصے سے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔ اپنے خاندان کی کفیل ہے۔ اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"میرے لیے شاید ہی کسی نے بہت زیادہ کوششیں کی ہوں۔ ماں ہے۔ چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ صحافت کی زندگی میں نے اپنے شوق کے مطابق اپنائی لیکن اس میں آمدنی کا مسئلہ بھی زیرِ نگاہ تھا۔ نہ جانے میرے گھر والے کس حالت میں بسر کر رہے ہوں گے۔ اگر کوئی سرپرست ہوتا تو پوری شدت کے ساتھ میری بازیابی کے لیے عمل کرتا۔ ہو سکتا ہے اخبارات والوں نے اس سلسلے میں کچھ چھان بین کی ہو اور اس کے بعد یہ سوچ کر خاموش بیٹھ گئے ہوں کہ میں کہیں مر کھپ گئی ہوں گی۔" اس نے کہا کہ اسے یہ زندگی بہت پسند ہے۔ خطرات اور مہم جوئی اس کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن وسائل ساتھ نہیں دیتے۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا تو میں نے مختصراً اپنے بارے میں اسے تفصیل بتا دی کہ کس طرح میں نے یہ زندگی اپنائی ہے۔ وہ مجھ سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ راستے ہی میں ہم نے آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کر لیا۔ نکہت شیراز نے کہا۔

"میں اس کمینے کو چھوڑوں گی نہیں۔ اس نے بڑی بے دردی سے ایک معصوم لڑکی کو قتل کیا۔ نہ صرف اس کی زندگی بلکہ اپنے بھائی کو پھنسانے کی کوشش بھی کی اور اب مزید ان کوششوں میں مصروف ہے۔ کیسی عجیب بات ہوئی شارق کہ اس نے آپ سے اپنی جان بچانے کے لیے درخواست کی لیکن ہم لوگ اس کی موت کا پروانہ لے کر جا رہے ہیں۔"

"یقیناً اور یہ میری زندگی میں ایک نیا باب ہوگا۔" میں نے کہا۔

بالآخر ہم شہر واپس پہنچ گئے۔ میں نے نکہت شیراز سے کہا۔

"یہ میرا پتا رکھ لو نکہت۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لو اور اس کے بعد کل ہم لوگ خاموشی سے اپنے دفتر میں ملاقات کریں گے اور آئندہ پروگرام طے کریں گے۔ کیا تم اس سلسلے میں میرا سہارا لینا پسند کرو گی؟"

"کمال کرتے ہو شارق صرف سہارے کی بات کرتے ہو میرا خیال ہے کہ میں تمہاری گردن میں ایک مستقل پھندا بن گئی ہوں۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی دیکھیے آپ ایڈووکیٹ ہیں اور آپ نے اپنے عمل کے

لیے ایک نئے راستے کا انتخاب کیا ہے۔ میں جرنلسٹ ہوں اور میرے اخبارات یا اخبار خاص طور سے آپ کے تعاون کا حق رکھتے ہیں۔ کیا میں اس حق پر یقین کروں؟"

"کیوں نہیں۔۔۔"

"بس یوں سمجھ لیں کہ آپ کا عمل اور میری تحریر؟"

"ہاں بالکل۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

واپسی میں، میں خود نکہت شیراز کے گھر گیا اور اس کے گھر کے چھوٹے سے ماحول کو دیکھا۔ بڑی کسمپرسی کا عالم تھا۔ سب لوگ اس بات سے مایوس ہو چکے تھے کہ اب انہیں نکہت زندہ واپس ملے گی۔ چنانچہ اس کی واپسی کے سلسلے میں جو رقت آمیز مناظر نگاہوں کے سامنے آ سکتے تھے وہی آئے اس کی موت پر یقین کر بیٹھنے والے اسے زندہ دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ پائے اور میں احمقوں کی طرح ان کے درمیان موجود رہا۔ [illegible] نے نکہت سے واپسی کی اجازت چاہی اور راستے دوسری صبح [illegible] اپنے پاس طلب کر لیا۔

فاروقی سب سے ملا اور انہیں تمام صورتحال بتائی تو وہ ششدر رہ گئے اور اسی وقت جاوید قریشی [illegible] بلا لیا گیا تھا۔ جاوید قریشی وغیرہ میرے مسئلے میں بہت زیادہ متجسس رہتے تھے اور میری ہر نئی کاوش کو جاننے کے خواہاں [illegible] تھے۔ فریال کے ساتھ فوراً ہی وارد ہو گئے اور رات کو تین بجے تک نشست رہی۔ یہ کارنامہ میری زندگی کا سب [illegible] انگیز کارنامہ قرار دیا گیا کیوں کہ اس میں ایک ندرت تھی۔ ہمارے درمیان دوسری گفتگو بھی ہوتی رہی تھی۔ مثلاً میں نے جاوید [illegible] سے کہا کہ اس مسئلے میں اس کے خلاف کارروائی کا آغاز کس طرح کیا جائے؟ تو جاوید قریشی نے جواب دیا۔

"ہم اس کیس کو ری اوپن کریں گے اور اس [illegible] نکہت کا اسٹیٹمنٹ ضروری ہوگا۔ نکہت اس پر جس [illegible] الزام لگائے گی اور اس کے ساتھ ہی اپنی تمام کارروائیوں کی تفصیل بھی پیش کرے گی۔ کیس خود بخود آگے بڑھ جائے گا۔ میرے خیال [illegible] سزائے موت دلوانا ضروری ہے۔ کیوں کہ شارق تمہاری آئندہ زندگی میں اس قسم کے اور واقعات بھی پیش آئیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ شارق حسین کی شرافت اور نیکیوں کو ایک تماشا بنانے کی کوشش نہ کریں۔"

میں نے ان لوگوں سے اتفاق کیا اور اس سلسلے کی تمام کارروائی کی تفصیلات جاوید قریشی اور فاروقی صاحب کو پیش کر دیں۔ دوسرے دن تقریباً ساڑھے دس بجے نکہت شیراز ہمارے دفتر پہنچ گئی۔ اس نے کہا۔

"آپ لوگوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی فاروقی صاحب اور جاوید قریشی۔ شارق حسین مجھے تمام تفصیل بتا چکے ہیں۔ میں اس سلسلے میں فوری کارروائی کرنا چاہتی ہوں۔ اپنے اخبار کے ایڈیٹر سے میں نے ابھی تک ملاقات نہیں کی اور یہ اتنی ضروری بھی نہیں ہے جن لوگوں نے میرے لیے کچھ نہیں کیا میں ان کے لیے کچھ کیوں کروں؟"

"اس دوران کیا آپ کے اخبار نے آپ کے اہلِ خاندان کا خیال رکھا ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نہ رکھنے کی برابر بس ایک تھوڑی سی رقم ان لوگوں کو ملتی رہی ہے جو ان لوگوں کے لیے قطعی ناکافی ثابت ہوئی۔ ابتدائی اخبارات میں میری گم شدگی کی خبریں [illegible] شاید کسی تھانے میں میری گمشدگی

کی رپورٹ بھی درج کرلوی گئی ہے لیکن اس کے بعد تھانے والوں کو پیچھے سے دھکیلنے کے لیے کوئی نہیں تھا۔ دنیا بڑی عجیب جگہ ہے آپ خودکشی کے لیے کچھ بھی کر دیں وہ آپ کا احسان مانے گا لیکن اگر آپ کی اپنی عزت کہیں بیچ آجائے تو پھر لوگوں کو آپ اتنا دور پائیں گے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

میں نے اس کی تائید میں گردن ہلا دی تھی۔ پھر ہم نے اپنی تجویز اس کے سامنے پیش کی۔ وہ اپنے ساتھ کیمرہ اور فوٹوگراف لے کر آئی تھی۔

"ہر چند کہ بہت عرصے بعد میں اپنی والدہ اور بہن بھائیوں سے ملی تھی اور وہ لوگ رات بھر میرے ساتھ جاگتے رہے لیکن میں نے فوراً ہی یہ فوٹوگراف تیار کیے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہیں کیمرے میں پڑے پڑے ریل خراب تو نہیں ہو گئی ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ میرے تمام فوٹوگراف محفوظ ہیں۔ اب ذرا آپ انہیں ملاحظ فرمائیے۔"

اس نے اپنے پرس سے ایک لفافہ نکال کر ہمارے سامنے ڈال دیا اور اس میں سے برآمد ہونے والے فوٹوگراف ہم دیکھنے لگے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید ثبوت تھا۔ اس میں منیر حسین کو تسنیم کا قتل کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا اور اس سلسلے میں خیر اللہ ٹھیکیدار بھی پیش پیش تھا۔ پھر ٹیپ ریکارڈر پر وہ گفتگو سنوائی گئی جو ان کے درمیان ہوئی اور میں نے یہ اندازہ لگایا کہ نگہت شیراز کچھ بھی ہے ایک انتہائی نڈر اور بے باک صحافی ہے۔ وہ خطرات میں پڑ کر اپنا کام کر سکتی ہے۔ چنانچہ ایک اور خیال میرے ذہن میں آیا اور میں نے اسے اپنے دل میں رکھنا مناسب نہ سمجھا۔

"نگہت تم اخبارات کے لیے تو کام کرتی ہی رہتی ہو اور اس دوران تم چونکہ اخباری دنیا سے الگ رہی ہو اس لیے یہ اندازہ تمہیں نہیں ہو سکا کہ میں اس سلسلے میں کیا کیا کر سکا ہوں۔ اس کی تفصیلات بعد میں بتاؤں گا لیکن ایک پیش کش تمہیں فوری طور پر کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا...؟"

"تم میرے لیے بھی کام کرتی رہو۔ میں تمہیں اس کا بہترین معاوضہ پیش کروں گا۔"

"میں آنے والی روزی کو کبھی نہیں ٹھکراتی۔ چنانچہ آپ کی یہ پیش کش دل و جان سے قبول کی جاتی ہے۔" نگہت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گڈ ویری گڈ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اس طوفانی اسٹاف میں ایک اور شخصیت کا اضافہ ہو گیا ہے۔ بہتر ہے کہ اب اس سلسلے میں کارروائی کی جائے کیوں بھئی شارق حسین کیوں نہ ہم ایس۔ پی بابر جان سے رابطہ قائم کریں؟"

"کرنا ہی ہوگا کیوں کہ ایس۔ پی بابر جان نے اس سلسلے میں میری مدد بھی کی ہے اور شاہ عالم جیل پہنچانے کے لیے انہوں نے ایک خط بھی دیا تھا مجھے۔"

"بھئی بابر جان کو ٹرائی کرتے ہیں یہیں بیٹھ کر ساری باتیں ہو جائیں گی۔"

ہم نے بابر جان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ نگہت کو فرصت تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کارروائی کے بعد ہی وہ اپنی ڈیوٹی پر واپس جا سکتی ہے۔ بابر کو تلاش کرنے کے سلسلے میں تھوڑی سی مشکل ضرور پیش آئی لیکن بہرحال ان سے ملاقات ہو گئی اور فاروقی صاحب نے انہیں اپنے دفتر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ ایس۔ پی بابر کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں خود بھی اس دفتر میں موجود ہوں تو انہوں نے فوراً ہی آنے کا وعدہ کیا اور پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گئے۔ یہ ان لوگوں کی محبت تھی کہ وہ اس طرح مجھ سے دلچسپی کا اظہار کرتے تھے۔ نگہت شیراز بھی اب کچھ اس ماحول سے متاثر ہوتی جا رہی تھی۔ ایس۔ پی بابر جان وردی ہی میں تھے۔ اندر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا۔

"کہو بھئی شاہ عالم کے سلسلے میں کیا رہا؟"

"اسی کے سلسلے میں آپ کو زحمت دی جا رہی ہے بابر صاحب۔" میں نے کہا۔

"ہاں بھئی وہ تمہارے لیے تو زحمت کرنا رحمت ہی ہوتا ہے۔ سوچتے ہیں کہ ہم بھی کسی چور دروازے سے جنّت کی جانب نکل جائیں گے بشرطیکہ تمہارا ساتھ رہا۔"

"آپ لوگ تو مجھے ولی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"خیر اب ان باتوں کو جانے دو۔ تمہارے لیے ہمارے دل میں کیا ہے یہ ہم ہی جانتے ہیں۔" ایس۔ پی بابر نے عقیدت اور محبت سے کہا۔

ہم نے یہ دلچسپ مسئلہ ان کے سامنے پیش کر دیا اور ایس۔ پی بابر ششدر رہ گئے۔

"یہ نگہت شیراز ہیں اب ان کے مسئلے میں آپ کو تمام تفصیل بتائی جا رہی ہیں۔"

ایس۔ پی بابر نے تمام کیس سنا اور پھر فوراً ہی بولے۔

"فکر ہی مت کرو نگہت تم فوری طور پر میرے ساتھ دفتر چلو۔ ایف۔ آئی۔ آر کٹواؤ۔ میں خیر اللہ اور اس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کرائے لیتا ہوں۔"

ٹیپ ریکارڈر اور فوٹوگراف بھی ایس۔ پی بابر کے سامنے پیش کر دیے گئے تھے۔ اتنا مضبوط کیس تھا کہ اس کی تردید ہی نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ ہم نے اپنی کارروائیوں کا آغاز کر دیا اور نگہت نے ایک رپورٹ ہماری موجودگی میں تیار کر کے اپنے اخبار کو دے دی۔ اخبار نے اس کا کس طرح استقبال کیا اس کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم تھا لیکن دوسرے دن اس کے اخبار کا آدھا صفحہ اس رپورٹ سے بھرا ہوا تھا۔ ایس۔ پی بابر نے الگ اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا اور فوری طور پر خیر اللہ ٹھیکیدار اور اس کے تمام ساتھیوں کو گرفتار کر کے شہر لے آئے۔ یہ تمام کارروائی بہت ہی مؤثر اور دلچسپ انداز میں ہو رہی تھی اور ہم سب ہی اس میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے پھر سب سے زیادہ لطف اس وقت آیا جب منیر حسین مفتی کو اس کیس کے سلسلے میں دوبارہ عدالت میں پیش کیا گیا۔ منیر حسین نے مجھے دیکھا تو اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی پھیل گئی اور اس نے مجھ سے کہا۔

"شارق صاحب کیا... کیا یہ سب کچھ میرے لیے ہو رہا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ نے میری بے گناہی کے سلسلے میں ثبوت تلاش کر لیے ہیں؟"

"ہاں منیر حسین ہم نے تمہارے سلسلے میں ساری چھان بین مکمل کر لی اور تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ تمہارا دوست [illegible] خیر اللہ ٹھیکیدار بھی گرفتار ہو گیا ہے اور وہ رقم بھی برآمد ہو گئی ہے جسے تم نے خیر اللہ کے ذریعے جیل بیجا میں رکھا ہوا تھا۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"یاد ہوگا تمہیں... تمہیں ضرور یاد ہوگا۔"

منیر حسین کہ ایک فوٹوگرافر اور پریس رپورٹر لڑکی اس وقت تمہارے پاس موجود تھی جب کہ تم نے تسنیم کو قتل کیا ہو [illegible] تمہارے ذہن میں اس لڑکی کے لیے بھی کچھ تاثرات جاگے ہوں لیکن اس وقت تم تسنیم میں الجھے ہوئے تھے۔ اس لڑکی نے تسنیم کا قتل کرتے ہوئے تمہاری تصویریں بھی بنائیں اور تمہاری آوازوں کے ٹیپ بھی اس کے پاس موجود ہیں۔"

"کک... کیا بک رہے ہو تم؟"

"کچھ نہیں منیر حسین تم نے مجھے خط لکھ کر طلب کیا غالباً تم چاہتے تھے کہ تمہاری سزا کی تکمیل ہو جائے۔ سو اطمینان رکھو اب تمہیں پھانسی کے پھندے تک پہنچانا میرا کام ہے۔" میں نے کہا اور منیر حسین کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ ابتدا میں تو میرے الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے اور وہ انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور پھر جب اُسے یہ یقین ہو گیا کہ اُس نے وہی سُنا ہے جو اُس نے سمجھا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون کی سُرخی لہرانے لگی۔

"گویا... تم نے میرے حق میں تحقیقات کرنے کی بجائے میری مخالفت میں تحقیقات کروائی ہے؟"

"منیر حسین مفتی ہماری ملاقات میں یہ بات تو طے نہیں ہوئی تھی کہ میں تمہارے حق میں تحقیقات کروں گا یا تمہاری مخالفت میں۔ تم نے تو یہی کہا تھا مجھ سے کہ تمہارے بڑے بھائی ساجد حسین مفتی نے تمہیں جال میں پھانس لیا ہے جب کہ تم بے گناہ ہو اور مجھے تم اس سلسلے میں استعمال کرنا چاہتے ہو کہ میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دوں۔ بہرطور میں نے یہی کیا۔ حقیقتیں سامنے آگئیں اور جو حقیقتیں سامنے آئیں اُن سے یہ اندازہ ہو کہ اصل مجرم تم تھے تم منیر حسین مفتی کسی عینی شاہد کی عدم موجودگی کی وجہ سے سزائے موت سے بچ گئے لیکن میرے دوست اسی پر اکتفا کرتے تو بہتر تھا اب جو حقیقتیں سامنے آئی ہیں وہ تمہیں سزائے موت سے نہیں بچا سکیں گی۔"

"اور تمہارا کیا خیال [illegible] میری [illegible] لامحدود ہے۔ میں تو درحقیقت [illegible] سے اپنی بستی میں داخل ہونا چاہتا تھا [illegible] رہا ہے کہ میں... بس اب وہ ذرائع استعمال [illegible] نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"[illegible] افسوس اب تمہارا [illegible] بھی باقی نہیں رہا [illegible] لوگ بھی ابھی تک [illegible] ہے تو تم اپنے بارے میں [illegible] خیر اللہ [illegible] تمہارا دوست راست تھا اور وہی تمہارے [illegible] رہا تھا۔ اُسے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ان تمام ثبوتوں [illegible] ظاہر کرتے ہیں کہ تسنیم کے قاتل تم تھے ویسے تم یہ اطمینان رکھو [illegible] موت میں تو خیر اللہ تمہارا ساتھ نہیں دے سکے گا لیکن تمہاری جگہ اب عمر قید کی سزا ضرور کاٹے گا۔"

"اوہ! تم... تم... تمہیں اس دنیا سے رخصت کرنا میری زندگی کا اوّلین مقصد ہو گیا ہے۔" منیر نے خونخوار لہجے میں کہا اور میں ہنس پڑا۔

"فی الحال تو تم اپنی روانگی کی تیاریاں کرو منیر حسین مفتی۔" میں نے ہنستے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

بہرطور کیس کا از سرِ نو آغاز ہوا اور اس کی ابتدا نگہت شیراز کے اُس الزام سے ہوئی جو اس نے جیل بیجا کے سلسلے میں منیر حسین پر لگایا تھا۔ خیر اللہ ٹھیکیدار ویسے تو خطرناک آدمی تھا لیکن ایس پی بابر کی تفتیش کے نتیجے میں وہ زبان بند نہیں رکھ سکا اور اس نے سارے اعترافات کر لیے۔ اس کے علاوہ ناقابلِ تردید ثبوت موجود

تھے۔ قتل کی عینی گواہ کی حیثیت سے نگہت شیراز نے اپنا نام پیش کیا اور تمام ثبوت اور صورتِ حال عدالت کے سامنے پیش کر دی اور اب اس کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا کہ منیر حسین کو سزائے موت دی جائے۔ اس دوران صرف ایک بار بیگم دوجانہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کیس کے سلسلے میں عدالت میں انہیں طلب کیا تھا۔ کمرۂ عدالت میں بیگم دوجانہ کا بیان ہوا۔ میرا خیال تھا کہ اس نئی صورتِ حال سے شاید بیگم دوجانہ بھی کچھ متاثر ہو گئی ہوں۔ بالآخر منیر حسین اُن کا بیٹا تھا لیکن نگہت شیراز نے جو کچھ بیگم دوجانہ کے بارے میں بتایا تھا مجھے اُس سے کچھ زیادہ ہی نظر آیا۔ بیگم دوجانہ نے گرج دار آواز میں اپنا بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ مجرم ہر حال میں مجرم ہوتا ہے۔ وہ جرم کرتا ہے تو اُس کے لیے مناسب سزا لازمی ہے اور اس سزا میں اگر کوئی رعایت ہو جائے تو یہ قانون کے ساتھ اور مظلوم کے ساتھ ناانصافی ہے۔ منیر حسین نے تسنیم کو قتل کیا تھا اور اس قتل کے ساتھ ہی اس نے کچھ جرائم بھی کیے تھے مثلاً یہ کہ اُس نے اپنے نیک صفت بھائی کو اس جرم میں سزا دلوانے کی کوشش کی اور اُس کی کردارکشی کی جا رہی تھی۔ میں عدالت سے پُرزور اپیل کرتی ہوں کہ مجرم کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے اور اُسے صرف سزائے موت دی جائے۔

بیگم دوجانہ کے برعکس ساجد حسین مغنی کی حالت خراب تھی اور اس پیشی کے دوسرے دن ہی اُس نے ہمارے دفتر میں ہم سے ملاقات کی تھی۔ اُس کا چہرہ اُترا ہوا تھا [illegible] میں سُرخ تھیں۔ اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں شارق صاحب کہ آپ نے حق و انصاف کا ساتھ دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ میں فرشتہ نہیں انسان ہوں اور میرے چھوٹے بھائی نے میری ذات کو ملوث کرنے کی کوشش کی۔ اگر وہ اپنے پستول کی گولی سے مجھے قتل کر دیتا تو شاید یہ قتل اس قدر اہمیت کا حامل نہیں ہوتا جتنی مذموم کوشش اُس نے میرے کردار پہ یہ داغ لگا کر کی تھی لیکن اس کے باوجود۔۔۔ اس کے باوجود شارق آپ نہیں جانتے کہ میں کن حالات کا شکار ہوں۔ میں یہ جملے کہتے ہوئے انتہائی شرمسار ہوں کیوں کہ ان کا تعلق میری ذات سے ہے میرے گھریلو ماحول سے ہے۔ مجھے شارق صاحب مجھے ماں کی محبت کبھی نہیں ملی۔ میں باپ کے سائے سے بھی محروم رہا۔ ایک بھائی ہی میرا واحد سہارا تھا اگر اس جرم کی نوعیت وہی رہتی جو تھی تو کم از کم اس آس پہ جی سکتا تھا کہ چودہ سال کے بعد اگر زندہ رہا تو ایک بار پھر بھائی کو سینے سے لگا لوں گا۔ ہو سکتا ہے جیل کی صعوبتیں اُسے اُس کے گناہوں کا احساس دلا دیں اور اس کے بعد وہ ایک بھائی کی محبت بھی اپنے سینے میں پیدا کر لے۔ آپ یہ آس توڑ رہے ہیں شارق صاحب۔ خدارا رحم کیجیے۔ مجھے میرے بھائی سے محروم نہ کیجیے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔"

"سوری ساجد مجھے تمہارے احساسات سے ہمدردی ہے بے شک تم اپنے بھائی کی نسبت ایک مختلف انسان ہو۔ لیکن افسوس اب اس سلسلے میں کچھ کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے ویسے بھی منیر حسین بہت مختلف قسم کا انسان ہے اور شاید تمہاری یہ توقعات اُن سے کبھی پوری نہ ہوتیں۔ معاف کرنا ساجد کسی کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے لیکن ایک پڑھے لکھے اور سمجھ دار نوجوان کی حیثیت سے تم اس بات سے واقف ہو کہ بیگم دوجانہ کی زندگی میں ان غیر انسانی صفات کی کیا حیثیت ہے؟ اس سے زیادہ تم سے کچھ کہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے تم اُن سے تعاون کرو اور اُن کے سینے سے وہ داغ دھو دو۔ جنہوں نے انہیں ساری دُنیا سے بیگانہ کر دیا ہے اور اُن کے اندر صرف نفرت پروان چڑھ رہی ہے۔ تم اُن سے تعاون کرو اس سلسلے میں میں مجبور ہوں۔ بہرطور یہ سچائی بھی تھی۔ بات اگر معمولی نوعیت کی ہوتی تو انسانی نکتۂ نگاہ سے کچھ سوچا بھی جا سکتا تھا۔ لیکن منیر حسین اُسی سزا کے قابل تھا جو اُسے دی گئی اور بالآخر اس کیس کی تکمیل ہو گئی۔ میں کئی دن تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ ایک اندازہ یہ بھی تھا لیکن اس سے یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ میری شہرت اب کافی آگے بڑھ گئی ہے۔ اس حد تک کہ جرائم پیشہ لوگ بھی مجھ سے فائدہ اُٹھانے کے خواہاں ہوتے ہیں اور یہ تصور کرتے ہیں کہ میں اُن کی بے گناہی تلاش کر لوں گا۔ یہ اُن کی حماقت تھی میری نہیں۔

لیکن اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔ ہاں اس میں مجھے نگہت شیراز جیسی بے باک صحافی کی دوستی حاصل ہو گئی تھی۔ نگہت بھی اس سلسلے میں پوری طرح سرگرم رہی تھی اور اُس نے نہایت ذہانت سے بیانات دیے جن سے مجھے یہ احساس ہوا کہ بہرطور وہ ایک غیر معمولی لڑکی ہے اپنے گھر کے حالات سے کافی الجھی ہوئی رہتی تھی لیکن میں نے اُسے کوئی ایسی پیش کش نہیں کی جس سے اُسے یہ احساس ہو کہ میں اُس کے ساتھ دوستی نہیں بلکہ ہمدردی کر رہا ہوں البتہ چند ہی روز کے بعد وہ اچانک ہی ایک صبح ہمارے دفتر میں نازل ہو گئی تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے پُرمسرت انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"غلط وقت پہ آئی ہوں لیکن جس وجہ سے آئی ہوں اُس نے غلط اور صحیح وقت کا تعین نہیں کرنے دیا۔"

"خیریت نگہت پھر کوئی ڈراما شروع ہو گیا کیا؟"

"ڈراما تو بہت پہلے شروع ہوا ہے شارق صاحب۔ بس میں ذرا بے وقوف بن گئی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ کیسے بھئی؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بہت سی ایسی باتیں کی ہیں میں نے کہ اب مجھے شرمندگی ہو رہی ہے اُن پر۔"

"آخر کیا۔۔۔؟"

"میں نے آپ سے کہا تھا شارق کہ آپ ایڈووکیٹ ہیں اور میں ایک بے باک صحافی۔ میں نے آپ کو پیش کش کی تھی کہ میرا اخبار یا میرا قلم ہوگا اور آپ کی کاوشیں۔ ہم دونوں ایک نیا سنگِ بنیاد رکھیں گے لیکن اب ذرا فرصت ملی اور میں نے اپنی اس غیر موجودگی کے درمیان ہونے والے واقعات پہ ایک نگاہ ڈالی تو مجھے ایک حیرت انگیز چیز نظر آئی بلکہ ایک حیرت انگیز شخصیت۔۔۔ جو شارق حسین کی ہے۔ شارق صاحب میں نے تمام ہی اخبارات پڑھ ڈالے ہیں اور آپ کے بارے میں مکمل رپورٹ حاصل کر لی [illegible] نہیں آتا معافی مانگوں یا شرمندگی کا اظہار کروں یا پھر آپ سے جھگڑا کہ آپ نے اتنے صبر و سکون سے میرے وہ الفاظ کیوں سُن لیے گویا آپ نے مجھے بے وقوف بنایا۔ آپ تو خود اتنی بڑی شخصیت ہیں کہ میں۔۔۔ حیران ہوں اور خوش بھی ہوں کہ کم از کم یہ حیثیت مجھے حاصل ہے کہ آپ تک روک ٹوک کے بغیر پہنچ جاؤں۔"

"اوہ! نگہت کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہے بس اس دوران جو کچھ کرتا رہا ہوں اُس کو سراہا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کی محبت ہے باقی جو کچھ کیا ہے میں نے وہ یوں سمجھ لو کہ میری فطرت تھی۔ میری دلی کیفیات تھیں جن کے تحت میں نے یہ عمل کیا۔"

"ایک انٹرویو لینا چاہتی ہوں آپ سے شارق صاحب۔"

"شرط یہ ہے کہ وہ کسی اخبار میں نہیں چھپے گا۔ تم اپنے طور پر جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو ضرور پوچھ لو۔"

"ٹھیک ہے اخبارات تو پہلے ہی بہت کچھ چھاپ چکے ہیں۔ میں صرف اُن کی تصدیق چاہتی ہوں اور اس سلسلے میں جو سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں اُن کی پذیرائی بھی کرنے کی خواہش مند ہوں۔"

"ہاں۔۔۔ تو پوچھو۔۔۔ اطمینان سے پوچھو۔"

"کورٹ جانا ہے آج؟"

"یہ سوال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور نگہت ہنس پڑی۔

"ہاں اسے سوال ہی سمجھ لیجیے۔ پہلا سوال۔"

"تو جواب یہ ہے کہ کورٹ نہیں جانا۔ وکیل فاروقی صاحب گئے ہوئے ہیں اور میں ان دنوں آرام کر رہا ہوں۔"

"گڈ اس کا مقصد ہے کہ میں جو وقت لوں گی۔ وہ آپ کی کسی مصروفیت میں مداخلت نہیں ہوگا۔"

"ہرگز نہیں ورنہ میں تم سے پہلے ہی معذرت کر لیتا۔" میں نے کہا۔

"گڈ۔۔۔ دوسرا سوال کیا یہاں آپ کے دفتر میں چائے وغیرہ کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"ہوں! اس کا جواب یہ ہے کہ بندوبست بآسانی ہو سکتا ہے۔" میں نے استاد چھوٹے کو آواز دی اور استاد فوراً ہی اندر آ گئے۔

"استاد یہ نگہت ہیں اور چائے مانگ رہی ہیں۔"

"ابھی لاتا ہوں شارق میاں!" استاد چھوٹے بولے اور باہر نکل گئے۔ نگہت مسکرا رہی تھی۔

"اگر آپ چاہیں تو اسے تیسرا سوال تصور کر لیں لیکن درحقیقت یہ پہلا سوال ہے کہ کیا آپ کا تعلق آئی جی طارق حسین سے ہے۔"

"جی بڑا خطرناک تعلق۔۔۔ یعنی وہ میرے ظالم باپ ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھیے انٹرویو ہو رہا ہے بہرحال یہ اخبارات میں شائع نہیں ہوگا لیکن اس کی اصل حیثیت سے بھی آپ انکار نہیں کر سکتے۔"

"تو پھر۔۔۔ ارے باپ رے!" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور نگہت نے ایک قہقہہ لگایا۔

"وہ واقعی ارے باپ رے ہیں؟" نگہت نے سوال کیا۔

"ضرورت سے زیادہ۔"

"یعنی آپ کے اُن کے درمیان۔۔۔؟"

"ہاں نگہت میرے اور اُن کے درمیان نظریاتی اختلاف ہے۔ ہم لوگ آشیانے کے باسی ہیں۔ اس آشیانے میں ایک ریٹائرڈ آئی جی، ایک جج، ایک بیرسٹر اور ایک ایس پی صاحب رہتے ہیں۔ اُن کی بیگمات یعنی میری بھابیاں ہیں۔ ایک بہن ہے میری۔ اب میں نے سوچا کہ سارا قانون ہمارے گھر میں موجود ہے تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟ پہلے تو یہ سوچا کہ رسلر بن جاؤں لیکن یہ جسامت اس کے لیے موزوں نہیں تھی اور پہیلیوں سے دلچسپی تھی چنانچہ یہ فیصلہ ترک کر دیا اور قانون ہی کی ایک شاخ نکال لی یعنی بنا تو وکیل ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے یہ

سوچا کہ میں ایک باقاعدہ پیشہ ور وکیل نہ بنوں بلکہ کوئی ملی جلی قسم اختیار کروں یعنی وکالت کو یہاں تک محدود نہ رکھا جائے کہ مؤکل آئے کیس ملا اور پھر اس میں آنے والے کے بچاؤ کے لیے نکات نکالے جانے لگے۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ کوئی بھی میرے پاس آئے۔ کوئی مجھ تک پہنچے جو کیس میرے سامنے آئے اُس میں سچائی کا ساتھ دوں۔ خواہ یہ سچ میرے مؤکل کا ہو یا اُس کے مخالف کا۔ ظاہر ہے اِس سلسلے میں آمدنی کا مسئلہ ذرا کھٹائی میں پڑ جاتا ہے لیکن ہم وہ ہیں جو کام کرنے کے بعد مزدوری مانگتے ہیں۔ مل جائے تو ٹھیک ہے نہ ملے تو سب کی خیر سب کا بھلا۔ عام طور سے ایسے لوگ جو قانون سے سزا پا جاتے ہیں اور بے گناہ ہوتے ہیں۔ مزدوری ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے لیکن صاحب، چنانچہ یہ مسئلہ بھی چل رہا ہے۔ آشیانے سے نکال دیے گئے ہیں۔ اِس بنیاد پر کہ خاندان کے نام کو ڈبو رہے ہیں چنانچہ ایک فلیٹ میں رہتے ہیں لیکن آشیانے سے مسلسل رابطہ قائم ہے اور کبھی نرمی اور کبھی گرمی ہوتی رہتی ہے لیکن وہ میرا خاندان ہے۔ میرا گھر ہے میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔ چند ایسے لوگوں کے لیے کام کر چکا ہوں جو اپنی پیروی خود کرنے کے قابل نہیں تھے۔ بے گناہ تھے۔ خدا کے فضل سے انہیں سچا انصاف مل گیا۔ وہ رہا ہو گئے میرے دوست ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے لوگوں کی محبتیں بھی حاصل ہو گئی ہیں جو بڑی بڑی حیثیتوں کے مالک ہیں، ہر طرح کے عمل پر قدرت رکھتے ہیں لیکن سچے دل سے میرا ساتھ دیتے ہیں اور اُن کی دانست میں یہ وہ لمحات ہوتے ہیں۔ اُن کے لیے جب وہ نیکیوں کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ یہ فخر مجھے حاصل ہے کہ میرا ساتھ دے کر لوگ ایک طرح سے اپنے لیے نیکیاں کماتے ہیں۔ ہاں تو آپ کا جو تھا سوال مس نگہت شیراز۔"

"گڑبڑ کر دی آپ نے۔ میں تو ایک ایک کر کے بہت سے سوالات کرتی لیکن آپ نے تیسرے یا شاید پہلے ہی سوال پر مجھے تمام سوالات سے آؤٹ کر دیا۔ اب کیا سوال کروں آپ کے بارے میں؟"

"تو پھر یہ انٹرویو ختم . . . چائے بھی آنے والی ہو گی۔"

"نہیں . . . نہیں ابھی ایک سوال باقی رہ گیا۔" نگہت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی . . . فرمائیے۔"

"شادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"ہوں! واقعی آپ نے ذہانت سے سوال پیدا کر ہی لیا حالاں کہ میں نے تو اپنی ذات سے یہ سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ مس نگہت شیراز شادی شادمانی کا نام ہے۔ میں الفاظ سے کھیلنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ درحقیقت شاد ہونے کا لغوی مطلب یہی ہے اور میں یقین کیجیے بے حد خوش ہوں اب ایک مظلوم عورت کو اپنی زندگی میں شامل کر لینا یا چند چھوٹے چھوٹے بچوں کو گود میں کھلانا فی الحال میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں نے اس عورت کو مظلوم اس لیے کہا کہ میری زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ ظاہر ہے بے گناہوں کو بے گناہی سے بچانے کے سلسلے میں وہ جو گناہگار ہوتے ہیں میری دشمنی پر کمربستہ رہتے ہیں۔ پتا نہیں کب، کہاں اور کس وقت کوئی گولی یا کوئی خنجر میرے پہلو میں اتر جائے اور اس طرح میری مظلوم بیوی، بیوہ ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک اچھی خاصی لڑکی کو جو کسی جگہ شادی کر کے اپنی زندگی بہتر طور سے گزار سکتی ہے اپنی مصیبت میں گرفتار کروں چنانچہ جو کچھ کر رہا ہوں صرف اُسی سے شاد ہوں اور شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔"

"گڈ . . . ویری گڈ۔ بہرحال آپ ایک آئیڈیل شخصیت ہیں شارق صاحب۔ ایک سوال اور کرنا چاہتی ہوں۔"

"بخدا . . . کیا واقعی؟ پھر تو یہ آپ کی ذہانت کی انتہا ہو گی کیوں کہ میں نے اس دوسرے سوال میں بھی یہی کوشش کی ہے کہ اس میں سے کوئی تیسرا سوال نہ پیدا ہونے دوں۔"

"لیکن سوال ہے۔" نگہت شیراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پوچھیے . . . پوچھیے۔"

"مجھے آپ نے ایک پیش کش کی تھی۔ میری آمدنی بڑھانے کے سلسلے میں۔ کیا وہ جذباتی جملے تھے؟ غلطی سے مُنہ سے نکل گئے تھے یا اُن میں سچائی تھی۔"

"نہ وہ جذباتی تھے . . . نہ وہ غلطی سے نکل گئے تھے بلکہ وہ سچے جملے تھے اِس لیے کہ آپ کی شخصیت نے مجھے متاثر کیا ہے اور پھر آپ کی لائن بھی مجھ سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ میرے پاس ایک ایس۔ پی صاحب ہیں جو میری پُشت پر ہاتھ رکھے رہتے ہیں۔ ایک انسپکٹر جو میرا ہر طرح ساتھ دینے پر تیار رہے ایک وکیل صاحب ہیں جو میرے بزرگ ہیں۔ ایک دوسرے وکیل صاحب ہیں جو میرے دوست ہیں۔ ایک بدر شاہ ہے جو میرا بہت اچھا دوست ہے میرے لیے جان کی بازی لگا دینے والا۔ ان سب سے میں تمہارا تعارف کراؤں گا نگہت شیراز کسی مناسب وقت پر، بہرطور یہ سب میرے ساتھی ہیں۔ رہ گئی تھی ایک صحافی کی کسر تو وہ تم نے پوری کر دی۔ اب جہاں تک ان لوگوں کے معاملات کا تعلق ہے تو بدر شاہ بھی کبھی نہ

کبھی مجھ سے اپنا کام لیتا رہتا ہے، ایس۔ پی صاحب بھی جب چاہیں مجھے اپنے لیے مصروف کر سکتے ہیں۔ انسپکٹر غالب کو بھی یہی مراعات حاصل ہیں۔ میرے وکیل ساتھی بھی جب چاہیں اپنے کسی کیس کے سلسلے میں میری مدد حاصل کر سکتے ہیں تو میری صحافی دوست کیوں نہ میری امداد سے فائدہ اُٹھائے۔ اس کا مسئلہ ایک چھوٹے سے گھر کی پرورش ہے۔ بہن بھائیوں کی تعلیم ہے تو میں اُس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک دوست کی حیثیت سے ہی تیار ہوں چنانچہ یوں سمجھو کہ وہ بات بالکل سچی تھی اور برقرار ہے جہاں تک رہا معاملہ کسی ایسے مسئلے کا جس کے لیے تمہیں اس کا معاوضہ ادا کیا جائے تو وہ مسئلہ ادھار میں بھی چل سکتا ہے یعنی تمہیں جس قدر رقم کی ضرورت ہو مجھ سے لے سکتی ہو اور کسی مناسب موقع پر اس کا ایڈجسٹمنٹ ہو جائے گا۔"

"واہ! لاکھ روپے کی بات کہی ہے۔" نگہت شیراز نے بے تکلفی سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے کسی قدر تکلف سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"وہ ایک دس ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ حساب کتاب جس طرح بھی چاہیں کر لیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ اتنے دنوں تک میں غائب رہی ناتو اماں نے کچھ قرض وغیرہ لے لیے تھے اور بہت سی ضرورتیں ابھی رکی پڑی ہیں۔ تنخواہ تو مل گئی ہے مجھے لیکن آج کل ذرا کچھ آرٹیکلز وغیرہ نہیں لکھے جا رہے۔ مصروف تھی اس لیے۔"

"اتنی تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ بات ہو گئی ہے ہمارے درمیان۔ پیسوں کی جتنی ضرورت ہو لے لینا اور جب کام شروع ہو حساب کتاب ہو جائے۔ نہ تمہارے اوپر احسان نہ میرے اوپر کوئی بوجھ۔" میں نے کہا اور نگہت شیراز کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یعنی . . . یعنی پورے دس ہزار مل جائیں گے؟"

"مطلب کیا . . . ؟"

"کمال ہے۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ کچھ سودے بازی ہو گی۔ یعنی آپ کہیں گے کہ کچھ کم کر دو تو میں آٹھ ہزار پر آ جاؤں گی۔ کچھ اور کم کہیں گے تو چھ ہزار پر اور اس کے بعد بھی آپ نے کچھ کہا تو بس پانچ ہزار پر آ کر رک جاؤں گی کیوں کہ اس سے کم میں میرا کام نہیں چل سکتا لیکن اگر دس ہزار مل جائیں تو یوں سمجھ لیجیے کہ سارے معاملے حل ہو جائیں گے۔"

میں ہنستا رہا تھا، پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"بات یہ ہے نگہت کہ ان تمام کاموں کے ساتھ ساتھ میری ایک بہتر آمدنی بھی ہو رہی ہے اور کیا ان تمام باتوں کو جاننے کے بعد تم مجھ سے یہ توقع رکھتی ہو کہ میں اپنے دوستوں کے کسی کام سے انحراف کروں گا؟ پلیز جو کچھ میں تمہیں دوں اُسے قبول کر لینا اور یہ مت سوچنا اس بارے میں کہ یہ تم پر کوئی بوجھ ہے یہ ساری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم جس مقصد کے لیے کام کریں گے، ہمارے لیے وہ سب سے زیادہ اہم ہو گا۔"

"یس باس . . ." نگہت نے اب بھی شرارت آمیز انداز میں کہا۔

اتنی دیر میں استاد چائے لے آئے تھے۔ نگہت بڑی پھرتی سے اُٹھی اور اُس نے بڑی نفاست سے چائے بنا کر پہلے ایک پیالی میرے سامنے پیش کی اور پھر دوسری خود رکھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بعد اس نے مسخرے پن سے پوچھا۔

"اجازت ہے چیف؟"

"یہ حرکت کیا ہو رہی ہے؟"

"نہیں جناب حرکت کا مسئلہ نہیں۔ بات پورے دس ہزار کی ہے۔ کون اس زمانے میں کسی کو اتنی بڑی رقم دیتا ہے؟ میں تو ہر طرح سے آپ کو مکھن لگانے کی کوشش کروں گی۔ کیا سمجھے ہیں آپ مجھے اس سلسلے میں کوئی صلاحیت نہیں رکھتی۔"

"نہیں . . . اب تو تمہاری صلاحیتیں کافی واضح ہوتی جا رہی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور نگہت چائے پیتی رہی پھر بولی۔

"ملاقات کے لیے کوئی وقت متعین کیا جائے یا پھر . . . ؟"

"ظاہر ہے تمہیں گھر پر تو ٹیلیفون کی کوئی سہولت نہیں ہو گی۔"

"گھر میں . . ." اس نے مسکرا کر کہا اور بولی "گھر دیکھا نہیں تھا آپ نے ہمارا۔"

"ہاں دیکھا تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اور اس کے باوجود یہ سوال کر رہے ہیں۔ تعجب ہے۔"

"نہیں ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ ویسے دفتر . . . ؟"

"ہاں دفتر میں آپ میرے لیے میسج چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ عموماً آؤٹ ڈور رہتی ہوں اور جو کماتی ہوں اُس سے کہیں زیادہ ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ ویسے دفتر سے میں آپ کو دوسرے تیسرے دن فون کر لیا کروں گی اگر کوئی اہم ضرورت ہو تو یقیناً آپ مجھے میسج دے سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا پھر چائے ختم ہو گئی۔ میں نے دراز سے چیک بک نکالی اور پچاس ہزار روپے کا ایک چیک

تکہ کر اُسے درمیان سے موڑا اور نگہت کو پیش کر دیا۔

"تھینک یو... تھینک یو ویری مچ باس۔" اُس نے چیک قبول کیا۔

اُسے کھول کر پڑھا اور پھر پچاس ہزار کی رقم پڑھ کر اس کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔

"پپ... پپ... پچاس ہزار۔" وہ ہکلاتے ہوئے انداز میں بولی۔

"اس سلسلے میں، میں پہلے ہی تم سے درخواست کر چکا ہوں نگہت جو کچھ میں دوں اُسے خاموشی سے قبول کر لینا اور کسی حساب میں تنقید نہ کرنا اگر تم ذہنی طور پر خوشحال ہو جاؤ گی تو میرے لیے بڑی کارآمد ثابت ہو سکتی ہو۔ یوں سمجھ لو یہ بزنس ہے اور میں اس بزنس سے ایک ذہن کو تر و تازہ رکھ کر اپنے لیے کارآمد بنانا چاہتا ہوں۔"

نگہت انگوٹھے سے رخسار کھجاتی رہی تھی۔ پھر اُس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ میں انہیں خرچ کیسے کروں گی؟ پورے خرچ کر دوں یا کچھ بینک میں ڈال دوں۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ ویسے میں جب بھی ضرورت ہو میں اتنی ہی رقم تمہیں پھر پیش کر سکتا ہوں۔"

نگہت نے بھوچکی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر پریشانی سے گردن ہلاتی ہوئی بولی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ ایک بات اور بتا دیجیے خدارا۔" اُس نے عجیب سا منہ بنا کر کہا۔

"ہاں... ہاں پوچھو۔"

"کہیں کوئی عشق وشق کا مسئلہ تو نہیں شروع ہو جائے گا؟"

"یعنی میرے اور تمہارے درمیان؟" میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ابتدا ایسے ہی ہوتی ہے۔ اتنے بڑے احسان بس ذرا کچھ گڑبڑ کر دیتے ہیں سمجھ میں نہیں آتے۔"

"پہلے بھی کبھی ایسا ہو چکا ہے؟"

"جی ہاں۔ اب سارے راز تو آپ کو نہیں بتائے جا سکتے۔ چیف ہیں۔ کوئی... کوئی..." وہ رک گئی۔

"تو پھر اطمینان رکھو ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے۔"

"یعنی کوئی خطرہ نہیں ہے مجھے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تب پھر ڈبل تھینک یو۔ شکریہ شارق صاحب۔ خدا حافظ۔"

اور اس کے بعد وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئی۔

میں مسکراتی نگاہوں سے دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔ ایک عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لڑکی کو اپنے ساتھ شامل کر کے مجھے اپنے ساتھیوں کی اشد ضرورت تھی۔ دوپہر کو فاروقی صاحب اور جاوید قریشی آ گئے اور اُن سے گپیں شپیں رہیں۔ میدانِ رزم سے واپسی کے بعد تصورِ بزم آیا اور اس کے لیے آشیانے میں واپسی ضروری تھی۔ ویسے بھی ان دنوں کی مصروفیات کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کر سکا تھا لیکن اس کے لیے تو میں نے پہلے ہی معذرت کر لی تھی کہ کام کے دوران ہفتہ وار حاضری ممکن نہیں ہو گی۔ اس مسئلے میں اہلِ خانہ کو پتا نہیں تفصیلات معلوم ہو سکی تھیں یا نہیں۔ بہرطور فاروقی صاحب سے رخصت ہو کر فلیٹ پہ پہنچا، استاد بھی میرے ساتھ ہی آ گئے تھے۔ اس دوران معلوم ہو گیا تھا کہ کوٹھی سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ یہ اتنی اہم بات بھی نہیں تھی۔ کیونکہ میں اُن لوگوں کے لیے اتنا اہم انسان نہیں تھا لیکن اب اس انداز میں سوچنا قطعی طور پر چھوڑ دیا تھا۔ اچھے تعلقات چلتے رہیں اُن سے بس یہی کافی تھا۔ تیاریاں کیں اور کوٹھی روانہ ہو گیا۔ کوٹھی کے گیٹ سے اندر داخل ہی ہوا تھا کہ ایک عجیب سی افراتفری نظر آئی۔ ملازمین بھاگ دوڑ کر رہے تھے اور باہر کچھ ہنگامہ سا نظر آ رہا تھا۔ انتہائی تیز رفتاری سے کیاریوں اور گھاس وغیرہ کی صفائی ہو رہی تھی ہر تنکے کو تراشا جا رہا تھا۔ بیرونی برآمدے میں دو ملازمین صفائی میں مصروف تھے۔ ان سے تو خیر کیا پوچھنا بس حیران نگاہوں سے سب کو دیکھتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس صفائی کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ویسے یہ افراتفری کسی ایسی نوعیت کی حامل نہیں تھی کہ تشویش ہوتی۔ میں اندر داخل ہوا اور سب سے پہلی ملاقات اُنہی خاتون سے ہوئی جن سے میں ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا۔ یعنی لالہ رخ صاحبہ۔ میں نے انہیں دیکھ کر زور سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔ لالہ رخ سامنے سے گزر رہی تھی۔ غالباً ایسے ہی گزر جاتی اگر میں یہ حرکت نہ کرتا لیکن میری اس حرکت پہ وہ ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

"اس کی وجہ...؟" اس نے سوال کیا۔

"انسان ہمیشہ اس کا خواہش مند رہتا ہے کہ صبح کو جب سو کر اُٹھے تو کوئی ایسی صورت نظر میں آئے جو کسی خوش گوار کیفیت کی حامل ہو اور کسی نئی جگہ جائے تو بھی وہ ایسی ہی صورت دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن اگر مار دھاڑ سے بھرپور کوئی شخصیت سامنے آ جائے تو پھر اس بات کا خوف رہتا ہے کہ ابتدا غلط ہوئی ہے انتہا کیا ہو گی؟"

"دیکھیے بھائی جان میں آپ سے چھوٹی ہوں آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتی لیکن اگر کوئی تلخ بات منہ سے نکل گئی تو اس میں میرا قصور نہیں ہو گا۔"

"سبحان اللہ... سبحان اللہ گویا آج تک آپ کے منہ سے وہ تلخ بات نکلی نہیں ہے۔ یعنی اُس تلخی کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے جو ایک سوچے سمجھے پروگرام کے تحت آپ کے ذہن مبارک سے برآمد ہو۔ حالانکہ آپ کی ذات سے تو تلخیاں اچھلتی ہیں اور انسان کو اُن سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر پھر آپ یہاں آتے کیوں ہیں؟"

"بدقسمتی یہ ہے کہ آپ یہاں اس قدر حیثیت کی حامل نہیں ہیں یعنی اگر اس کوٹھی میں صرف آپ کا وجود ہوتا تو شاید برسوں اس طرف رُخ کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی لیکن یہاں کچھ ایسے لوگ رہتے ہیں جن سے مجھے واقعی محبت ہے۔"

"تو میں بھی آپ کی محبت کی بھوکی نہیں ہوں۔ خدا کے فضل سے میرے تین تین بھائی اور موجود ہیں۔ بھابیاں ہیں میری ماں۔ باپ ہیں۔ آپ کی اوقات کیا ہے؟"

"بالکل درست فرمایا آپ نے لیکن اس کوٹھی کے بارے میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس پر صرف آپ کی اجارہ داری نہیں ہے یعنی وہ والدین میں جو آپ کے ہی نہیں میرے بھی ہیں تو پھر کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ جب کبھی میں اس کوٹھی میں داخل ہوں تو آپ کی یہ صورت مبارک مجھے نظر نہ آیا کرے۔"

"آپ آنکھیں بند کر کے گزر جایا کریں۔"

"یہی تو کیا تھا اس وقت جس پر آپ ٹھٹک کر کھڑی ہو گئیں۔ ویسے قصہ کیا ہے کوئی ہنگامی صورتِ حال نظر آ رہی ہے۔"

"میں آپ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔" لالہ رخ نے نفرت سے کہا۔

"بات کرنا پسند کریں یا نہ کریں۔ بات بنانا تو پسند کریں گی۔"

"سمجھ گیا... سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے؟" وہ رک کر بولی۔

"اب جو سمجھ گیا ہوں اُسے تمہیں سمجھانا تو ضروری نہیں ہے یا میری زبان سے بار بار اپنی شادی کا تذکرہ سننا چاہتی ہو۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟"

"ظاہر ہے کوئی منگنی وگنی کرنے آ رہا ہو گا۔ آتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن آج تک میں نے بڑی کامیابی سے ایک ایک کو آؤٹ کر دیا ہے۔ کیا خیال ہے میری اس سازش کے بارے میں؟"

"مجھے چھچھوری باتیں پسند نہیں سمجھے آپ۔"

"ہاں... ہاں ظاہر ہے میں ہر معاملے میں ٹانگ جو اڑا دیتا ہوں نا۔ بہرحال ایک بات ذہن نشین کر لو لالہ رخ جب تک مجھ سے تعاون نہیں کرو گی تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گا۔"

"آپ... آپ حد سے آگے گزر رہے ہیں دیکھیے اچھا نہیں ہو گا۔ میں ایک فیصلہ کرا لوں گی ڈیڈی سے اور وہ فیصلہ یہ ہو گا کہ یا تو آپ اس گھر میں رہیں گے یا میں۔"

"خیر یہ خواہش تو ڈیڈی کی بھی ہے کہ آپ اس گھر سے جلد ہی دفع ہو جائیں اور اس کے لیے وہ اپنے سبھی لوگوں کو پکڑ کر بلواتے رہتے ہیں۔ یہ میں ہی تھا جو آج تک آپ کو مہمانوں سے بچاتا رہا ہوں۔ میرے اس احسان کا یہی صلہ دے سکتی ہیں آپ بہرحال دیکھتا ہوں یہ نئے آنے والے کیسے کامیاب جاتے ہیں۔"

لالہ رخ خونخوار نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی اور بلبلا کر بولی۔

"میں... میں آپ کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"سبحان اللہ... سبحان اللہ آپ بار بار رک کیوں جاتی ہیں جہاں جا رہی ہیں وہاں جائیے۔ میرا خاندان یہاں موجود ہے۔" میں نے کہا اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔

میں مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا۔ دوسری ملاقات شفیق بھابی سے ہوئی۔ یہ خاتون شروع کے دن سے پہلے مجھ سے بگڑ گئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر حیران رہ گئیں اور پھر مسکراتی ہوئی بولیں۔

"بس اللہ کا شکر ہے کہا ہوا مقولہ کس قدر درست ثابت ہوتا ہے۔ شیطان کے بارے میں سوچو اور شیطان آموجود۔"

"آپ نے میرے بارے میں سوچا تھا؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سوچا ہی نہیں تھا بلکہ کچھ کارروائی بھی کرنے والی تھی۔ اس سلسلے میں۔"

"[illegible] بہت..."

"تمہیں نہیں معلوم۔" شفیق بھابی نے کہا۔

"کیا...؟"

"شوکت جاہ آ رہے ہیں۔"

"کون جاہ...؟"

"شوکت جاہ۔"

"یہ کیا چیز ہوتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"ارے تم شوکت جاہ کو نہیں جانتے؟"

"بدقسمتی سے نہیں جانتا۔ آپ مجھے اُن کے بارے میں بتا دیجیے۔"

"میں جانتی ہوتی تو بتاتی نا۔ بس وہ شوکت جاہ ہیں اور ہالینڈ سے آ رہے ہیں۔"

"اللہ اکبر۔" میں نے لمبی آواز میں کہا۔ "ہیں کون؟"

"آئی۔ جی صاحب کے بہت ہی گہرے بلکہ ایک طرح سے لنگوٹیا دوست۔ ویسے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ پرانے دور کے لوگ خاص طور سے لنگوٹی کیوں باندھتے تھے جب کہ کھاتے پیتے گھرانوں کے ہوتے تھے اور انہیں ہر طرح کے کپڑے میسر ہوتے تھے لیکن پرانے لوگوں کا کوئی نہ کوئی لنگوٹیا دوست ضرور ہوتا ہے۔ یعنی وہ خود بھی لنگوٹی باندھتے تھے اور ان کے دوست بھی لنگوٹی باندھتے تھے۔"

"واہ شفق بھابی میرا خیال ہے کچھ پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاریاں کی جا رہی ہیں آج کل۔ آپ یقیناً قدیم لوگوں پر ریسرچ کر رہی ہیں۔" شفق بھابی ہنسنے لگی تھیں پھر بولیں۔

"آئی۔ جی صاحب بنفسِ نفیس انہیں وصول کرنے کے لیے ائرپورٹ گئے ہیں۔"

"اور ڈی۔ ایس۔ پی صاحب۔۔۔ میرا مطلب ہے باقی صاحبان؟"

"تینوں بیٹے گئے ہیں۔"

"اوہو شفق بھابی شاید مجھے افسوس ہو رہا ہے میری ضرورت کیوں نہیں محسوس کی گئی۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں اس وقت کوئی بات نہیں ہے دراصل ان کا تار ہی کوئی ایک گھنٹے پہلے ملا ہے۔ بڑے عجیب آدمی ہیں۔ عین وقت پر تار دیا۔ آئی۔ جی صاحب نے تو ہنگامہ کر دیا کیوں کہ جہاز پہنچنے میں بھی زیادہ وقت باقی نہیں تھا۔ ساری ہدایتیں دینے کے بعد گئے ہیں اور حکم یہ ملا ہے کہ ان کی واپسی سے پہلے تمام تیاریاں مکمل ہو جانی چاہئیں۔ مغربی حصے کے تین کمرے درست کرا دیے گئے ہیں اور اب بیرونی صفائی ہو رہی ہے۔ باورچی خانے میں الگ طوفان آیا ہوا ہے۔ غرض ہر شخص مصروف ہے۔ تم بھی آ گئے۔ اگر اس وقت تمہارے مل جانے کے امکانات ہوتے تو غالباً ڈیڈی تمہیں بھی اپنے ساتھ ضرور لے جاتے۔"

"چلیے ٹھیک ہے یہاں بھی تو کسی کو ہونا چاہیے۔ لیکن شوکت جاہ۔۔۔ میں نے کبھی ڈیڈی کی زبانی ان کا نام نہیں سنا۔"

"لیکن ہیں کوئی اہم شخصیت کیونکہ ڈیڈی اُن کے لیے جس قدر بے قرار ہو گئے تھے۔ اُس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اُن دونوں کے بہت گہرے مراسم ہیں۔ بہر طور ذرا ٹھیک ٹھاک ہی رہنا۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔ میں بھلا اس سے انحراف کیسے کر سکتا ہوں؟ ویسے بھی کوٹھی سے جب اچھے تعلقات ہو جاتے ہیں، میری مصروفیات کچھ بڑھ جاتی ہیں۔"

"اچھا بابا تم سے باتیں کرنے کھڑے ہو جاؤ تو پھر شام ہی گزر جائے۔ مجھے ابھی کچھ اور کام کرنے ہیں اندر جاؤ۔"

تیسری ملاقات والدہ صاحبہ سے ہوئی تھی جن کی مخلصانہ رائے میرے بارے میں یہ تھی کہ اگر انہیں پتا ہوتا کہ میں ایسا نکلوں گا تو وہ پیدا ہوتے ہی میری گردن دبا دیتیں۔ اب یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس مجرمانہ ذہنیت کی حامل تھیں یا نہیں۔ بہر طور تھوڑے کہے کو بہت جانا تھا چنانچہ جب بھی اُن کے سامنے پہنچتا تھا اپنی گردن پر ہاتھ رکھ لیتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ بعض اوقات ان کا موڈ بالکل ہی مختلف ہوتا تھا اس وقت میں اُن کے سامنے پہنچا تو وہ ذرا محبت کی کیفیت میں تھیں مسکرا کر بولیں۔

"چلو تم خود ہی آ گئے یہ بہت اچھا ہوا۔"

"کک۔۔۔ کیوں؟ خیریت ہے؟" میں نے شرارت سے گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اس بات کو وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں ایک دفعہ دورانِ گفتگو میں نے اُن سے یہ بات کہہ دی تھی کہ آپ کے ان الفاظ کے بعد میں ہمیشہ اپنی گردن کی فکر میں رہتا ہوں اور بارہا جب بھی کبھی اُن سے ملاقات ہوتی تو میں گردن پر ہاتھ رکھ لیتا تھا اور اس بات سے وہ چڑ جاتی تھیں لیکن اس وقت ان کے خوش گوار موڈ کا احساس اس بات سے ہوا تھا کہ وہ مجھے گردن پر ہاتھ رکھے دیکھ کر چڑی نہیں تھیں بلکہ انہوں نے ایک پُر محبت مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"تمہاری بڑی کمی محسوس ہو رہی تھی اچھا ہوا تم خود آ گئے۔ کسی نے اطلاع پہنچائی تھی کیا؟"

"نہیں مجھے بھلا اہم کاموں میں اطلاع کہاں دی جاتی ہے۔"

"خیر اب یہ تمہاری شکایت بے کار ہے۔ خود ہی گھر سے بھاگ گئے ہو۔ کسی نے نکالا ہے تمہیں؟"

"اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی چلا گیا تھا۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ ہوتی ہے۔"

"بکواس مت کرو اور نہ میرے پاس ان فضول باتوں کے لیے وقت ہے۔" انہوں نے ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا پھر بولیں۔

"جانتے ہو شوکت جاہ آ رہے ہیں۔"

"ابھی ابھی جانا ہے لیکن صرف یہ جانا ہے کہ شوکت جاہ آ رہے ہیں۔ یہ شوکت جاہ کون ہیں اس بارے میں کچھ نہیں جانا ابھی تک۔"

میں نے جواب دیا۔

"تمہارے ڈیڈی کے بہت پرانے دوست ہیں۔ سُنا ہے ہائی اسکول ساتھ ہی کیا تھا انہوں نے اور اُس کے بعد اِس ملک سے چلے گئے تھے۔"

"ہائی اسکول کے بعد ہی چلے گئے تھے؟"

"ہاں دولت مند لوگ تھے۔ والدین شروع سے ہی ہالینڈ میں سیٹل تھے۔ چنانچہ انہوں نے انہیں بھی وہیں بلا لیا۔ دراصل شوکت جاہ کے والد صاحب کا کاروبار ہالینڈ ہی میں تھا لیکن بیوی بچے انہوں نے یہیں چھوڑ رکھے تھے۔ اُس کے بعد وقت تبدیل ہوتا رہا پھر انہوں نے بیوی بچوں کو بھی وہیں بلا لیا۔ کافی دن تک سے رابطہ رہا اور اس کے بعد کچھ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تمہارے ڈیڈی بھی مصروف ہو گئے اور وہ بھی اپنے کاموں میں لگے رہے سنا ہے کبھی کبھی خط و کتابت ہوتی رہتی تھی لیکن اب اچانک ہی محبتیں پھوٹ پڑی ہیں۔ شوکت جاہ اِس بار کافی طویل عرصے کے لیے آ رہے ہیں۔"

"اس سے پہلے بھی وہ کبھی یہاں آئے ہیں؟"

"کبھی نہیں۔"

"اور ڈیڈی ان کے پاس گئے؟"

"ہاں سنا ہے ایک بار گئے تھے اور اس کے بعد برسوں یاد کرتے رہے تھے شوکت جاہ کو۔"

"اب ہم بھی انہیں یاد کریں گے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ذرا سلیقے سے رہنا گھر کے معاملات باہر تک نہیں جانے چاہئیں بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ تم کچھ عرصے کے لیے کوٹھی ہی میں آ جاؤ۔ دوسرے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے گھر میں آپس میں بھی کوئی اختلاف ہے۔"

"نہیں خیر اختلاف تو بالکل نہیں ہے۔ بہر طور شوکت جاہ تھوڑے بہت عرصے کے لیے تو نہیں آ رہے کہ میں کوٹھی میں رہ جاؤں۔ بعد میں جانا پڑا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ اس سلسلے میں بعد میں بات کر لیں گے۔ لیکن ایک ہدایت میں تمہیں دے رہی ہوں کہ کم از کم بزرگوں کے سامنے ذرا سلیقے سے رہنا۔ پتا نہیں اُن کی کیا سوچ ہے کس قسم کے انسان ہیں۔ ذرا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد کھلنا کہیں اپنی اوقات میں نہ آ جاؤ۔"

"افسوس تو یہی ہے کہ یہاں سب لوگوں نے میری کچھ نہ کچھ اوقات مقرر کر دی ہے۔"

"میں بالکل نہیں مانتی ان باتوں کو۔ یہ سب تمہاری حرکتیں ہیں۔" والدہ صاحبہ نے کہا اور میں خاموش ہو گیا اپنی حرکتوں کے بارے میں، میں بہر طور خود بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

باقی بھابیاں بھی اپنی اپنی مصروفیات میں تھیں۔ جو حصہ منتخب کیا گیا تھا شوکت جاہ کے لیے اسے واقعی اتنا جاذبِ نگاہ بنا دیا گیا تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ یہ حصہ بھی آشیانہ ہی میں واقع ہے۔ ویسے آئی۔ جی صاحب خود بھی نفاست پسند آدمی تھے۔ پورا گھر بہت نفیس تھا لیکن ان کمروں کا تو کوئی جواب ہی نہیں تھا جو اس وقت افراتفری میں آراستہ کیے گئے تھے کچھ ایسا نیا فرنیچر جو اوپری منزل میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ ان کمروں میں منتقل کیا گیا تھا اور یہ سارا کام تھوڑی دیر کے اندر اندر ہوا تھا لیکن کمرے منہ سے بول رہے تھے۔ یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ آنے والے کتنے افراد ہیں لیکن تین کمرے آراستہ کیے گئے تھے۔ غالباً شوکت جاہ نے یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ اپنا کوئی اور ڈیپارٹمنٹ بھی لا رہے ہیں یا نہیں۔ بہر طور سب لوگ بھی ان کا انتظار کر رہے تھے اور چونکہ ان دنوں فرصت تھی۔ اس لیے سوچا تھا کہ ذرا سی تبدیلی ہی سہی گھر کے تمام لوگ کپڑے وغیرہ پہن کر تیار ہو گئے تھے اور شوکت جاہ کے استقبال کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ کوٹھی کے صدر گیٹ سے دو کاریں اندر داخل ہوئیں۔ ایک کار امجد حسین صاحب کی تھی دوسری آئی۔ جی طارق حسین صاحب کی۔ باقی گاڑیاں گھر ہی میں کھڑی ہوئی تھیں غالباً یہیں دو گاڑیاں لے جائی گئی تھیں۔ ہم سب لوگ برآمدے میں آ گئے تھے۔ بھابیاں قریب سے کھڑی تھیں۔ لالہ رُخ نے مجھ سے دس گز کا فاصلہ برقرار رکھا تھا اور صرف میرے قریب نہ ہونے کے لیے وہاں کھڑی ہوئی تھی جب کہ والدہ صاحبہ بھی بھابیوں کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ گاڑیاں صدر گیٹ کے پاس آ کر رک گئیں اور سب سے پہلے ڈرائیور نے دروازہ کھول کر آئی۔ جی طارق حسین کو اتارا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے بزرگ بھی اتر آئے تھے۔ گٹھے ہوئے بدن کے مضبوط اور سُرخ و سفید آدمی تھے چہرے پر ہلکی ہلکی ڈاڑھی بھی تھی اور بہت ہی خوش نما نظر آ رہے تھے۔ لباس بہر طور ہالینڈ کی مخصوص تراش کا تھا اور کافی ماڈرن آدمی نظر آتے تھے۔ ڈیڈی کے ساتھ وہ بھی نیچے اتر آئے اسی کار میں نصرت صاحب بھی تشریف فرما تھے اور ایس۔ پی طارق حسین بھی جج صاحب اپنی کار سے اترے تھے اور انہی کی کار کے عقبی حصے میں دو خواتین موجود تھیں۔ ایک معمر خاتون جو ہر قیمت پر

شوکت جاہ کی بیگم تھیں اور دوسری ایک نوعمر لڑکی... جس کی عمر انیس یا بیس کے درمیان ہوگی۔ بہت نفیس قسم کا کرتا شلوار پہنے ہوئے تھے۔ بالوں کی تراش بے حد حسین تھی اور جسمانی تناسب قابلِ فخر چہرہ بھی ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک تھا۔ بے حد خوب صورت نقوش کی مالک آنکھوں کی بناوٹ بے مثال تھی، بہر طور اُسے ایک نگاہ دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ کیا جاسکتا تھا کہ ایک حسنِ بے مثال نگاہوں کے سامنے ہے۔ چال میں کسی قدر رعونت پائی جاتی تھی اور انداز میں بے حد رکھ رکھاؤ تھا۔ دونوں خواتین بھی آگے آگئیں اور والدہ صاحبہ نے آگے بڑھ کر بیگم شوکت جاہ سے معانقہ کیا۔ ماجزادی کے سنورے ہوئے بال بگاڑے اور انہیں بھی سینے میں ٹھونکا۔ ساتھ ہی تمام بھابیاں اتر آئی تھیں... لالہ رُخ نے خصوصی طور پر ان نوجوان محترمہ سے ملاقات کی تھی، غالباً پہلے ہی مرحلے پر اثر انداز ہوجانا چاہتی تھیں چنانچہ ہاتھ پکڑ کر آگے لے آئیں۔ تعارفی کلمات ادا کیے جانے لگے۔ آئی۔جی صاحب نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اشارہ کیا اور میں نیاز مندی سے ان کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ شارق ہیں سب سے چھوٹے۔"

"ہاں۔ ہاں بھئی تعارف کرانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں۔" شوکت جاہ صاحب نے کہا۔

میں نے معانقے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے زبردستی ہاتھ گھسیٹ کر مجھے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ بہت ہی مضبوط اور کسرتی بدن کے مالک معلوم ہوتے تھے۔ کہنے لگے۔

"جب ان تینوں کو سینے سے لگالیا ہے تو تمہیں صرف ہاتھ تک محدود کیوں رکھوں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر دی تھی چنانچہ یوں یہ تعارف کا مرحلہ طے ہوا اور اس کے بعد آگے قدم بڑھا دیے گئے، کسی نئے مہمان کی آمد کو سبھی نے خوش گوار انداز میں محسوس کیا تھا، لالہ رُخ صاحبہ نے اُن محترمہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا جن کا نام مجھے ابھی تک معلوم نہ ہوسکا تھا۔ بہر طور سب لوگ سب سے پہلے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ آئی۔جی صاحب نے غالباً راستے ہی میں گفتگو کر لی تھی کہ کوٹھی میں پہنچنے کے بعد ابتدائی مراحل کیا ہوں گے اور یقینی طور پر شوکت جاہ صاحب نے بتا دیا ہوگا کہ ظاہر ہے کہ وہ بذریعہ اُونٹ نہیں آئے۔ اس لیے تھکن کا کوئی تصور نہیں ہے چنانچہ پہلے گفتگو ہوگی۔ سب لوگوں سے تعارف ہوگا اور اس کے بعد اپنے اپنے کمرے دیکھے جائیں گے۔ ملازموں نے سامان احتیاط کے ساتھ اُن کمروں میں پہنچا دیا تھا جو ان کے لیے منتخب کیے گئے تھے۔ بہر طور ڈرائینگ روم آباد ہوگیا۔ آشیانے کا یہ ڈرائینگ روم نفاست میں اپنی مثال آپ تھا اور یہاں انتہائی اعلیٰ پیمانے کی ڈیکوریشن کی گئی تھی جسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور شوکت جاہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی عظمت حسین تمہارے انتخاب کی تو ہم نے ہمیشہ ہی داد دی ہے لیکن پہلی بار یہ اندازہ ہوا ہے کہ تم انسانوں کے انتخاب کے علاوہ ڈیکوریشن سے بھی دلچسپی رکھتے ہو۔"

"تو تمہارا کیا خیال تھا غیر ملکیوں کی صحبت میں رہ کر تم نے ہی نفاست سیکھی ہے۔ یہاں اپنا وطن دیکھو۔ اچھی طرح دیکھو اور سوچو کہ یہ کیا ہے؟ پتا نہیں تم لوگ کیا الٹی سیدھی سوچ کر بیٹھ جاتے ہو۔"

"دیکھا... لڑنا شروع کر دیا۔ ہمیشہ کی عادت ہے۔ ایک بات میرے منہ سے کیا نکلی بس ہو گئے یہ لڑائی پر آمادہ، یہاں بچے بیٹھے ہوئے ہیں کیوں میرا منہ کھلوا رہے ہو؟" شوکت جاہ نے کہا اور آئی جی ہنسنے لگے۔ پھر بولے۔

"خیر لڑائی جھگڑے تو بعد میں ہوتے رہیں گے اب ذرا ان لوگوں کا تعارف کرادوں تم سے اور تمہارا ان سے نامعقولیت کا ثبوت دیتے ہوئے تم نے اس بار بھی اتنے مختصر وقت میں تار بھیجا کہ ہم لوگ تو بوکھلا گئے۔ میں ان لوگوں کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ شوکت جاہ ہے کون؟"

"خیر کوئی بات نہیں۔ ہم خود بتا دیں گے۔"

"سمجھ تو یہ سب گئے ہوں گے تمہیں چلو پہلے یہاں سے تعارف شروع کراؤں۔ یہ میری سب سے بڑی بہو ہیں یعنی امجد حسین کی بیگم، یہ نصرت حسین کی بیوی اور یہ طارق حسین کی وہ لالہ رُخ ہے۔ شارق کا تعارف تو کرا ہی چکا ہوں۔ باقی رہ گئیں ہماری بیگم تو میرا خیال ہے ان کا تعارف تم سے بخوبی ہے۔"

"ہاں یقیناً کیوں نہیں۔" شوکت جاہ نے کہا۔

"اور آپ لوگ شوکت جاہ کے بارے میں جان ہی گئے ہوں گے۔ بچپن کے دوست ہیں ہم لوگ بہت بڑے خاندان سے ہیں۔ ان کا تعلق۔ جاہ جو لگا ہوا ہے نام کے ساتھ۔ چنانچہ غیر ملک میں بھی انہوں نے۔ کیوں شوکت جان بچوں کو نہیں بتاؤ گے۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

"ضرورت سے زیادہ بول رہے ہو عزیزم۔" شوکت جاہ نے کسی قدر چڑھتے ہوئے انداز میں کہا۔

"بہرحال انہوں نے دوسرے ملک میں بھی اپنی شان رکھی

ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ کیا جاہ و جلال ہے ان کا۔ البتہ ہماری بھابی بہت نفیس خاتون ہیں اور مجھے ہمیشہ اس بات کا دکھ رہا ہے کہ شوکت جاہ جیسے شخص کی قسمت میں کیوں آگئیں، انہیں تو کسی قاعدے کے آدمی کی بیگم ہونا چاہیے تھا، بہر طور مجبوریاں تو ہر انسان کے ساتھ ہوتی ہیں اور یہ خوب صورت سی بچی جاودان ہے ان دونوں کی اکلوتی بیٹی۔ جاودان بعد میں اپنا تعارف خود ہی تفصیل سے کرادیں گی۔ کیوں کہ اس شخص نے مجھے اپنے گھر سے زیادہ قریب نہیں ہونے دیا اور بچپن ہی میں گھر سے بھاگ گیا۔ آئی جی صاحب بہت مسرور نظر آرہے تھے ورنہ ان کی گفتگو میں اتنا کھلنڈرا پن اور بے تکلفی کبھی نہیں دیکھی جاسکی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازموں نے نفیس قسم کی ٹرالیوں میں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سجا دیے تھے۔ لالہ رُخ اور شفق بھابی مہمانوں کی مدارات میں مصروف ہوگئیں اور اس دوران خوش گپیاں چلتی رہیں۔

میں شوکت جاہ کی شخصیت کا تجزیہ کر رہا تھا۔ بلاشبہ اس عمر میں بھی زندہ دل انسان تھے اور ان سے خاص انسیت محسوس ہونے لگی تھی، جب چائے وغیرہ کا دور ختم ہوا تو شوکت جاہ نے کہا۔

"بھئی انتہائی خاطر مدارات خوب ہوئی اب ہمیں ہمارے گھونسلے دکھادو۔"

"ہاں ہاں، چلو بھئی چلتے ہیں۔" آئی۔جی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے بعد سب لوگ قطار در قطار کمرے سے باہر نکل آئے اور شوکت جاہ صاحب کو ان تین کمروں میں لے جایا گیا جو اُن کے لیے مخصوص کر دیے گئے تھے۔ شوکت جاہ بولے۔

"ایک کمرہ تو ہمارے اور ہماری بیگم کے لیے ہوگیا۔ دوسرا کمرہ جاودان کے لیے، لیکن اس تیسرے کمرے کا کیا کیا جائے۔"

"اسے بھی اپنے استعمال میں ہی رہنے دو۔ کبھی میاں بیوی میں جھگڑا ہوجائے تو دونوں الگ الگ ہو سکتے ہو۔ الگ الگ رہ سکتے ہو۔"

"عزیزم پوری زندگی ان کے ساتھ گزار دی کبھی جھگڑا نہ ہوا تو سرزمین مشرق کی مٹی ایسی بھی نہیں ہے کہ یہاں قدم رکھتے ہی ہم سے جھگڑا کرنا شروع کر دیں گی۔ کیوں بھئی زہرہ آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے؟"

"آپ نے میری ترجمانی کر دی۔ بس کافی ہے۔" بیگم شوکت جاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جاودان کی آواز بھی تک نہیں سُنی گئی تھی۔ بہر صورت سنجیدہ صورت لڑکی تھی، غالباً زیادہ شوخ و شنگ نہیں تھی۔ حالاں کہ لالہ رُخ نے اس سے کئی باتیں کی تھیں، لیکن اس نے اتنے مدھم لہجے میں ان باتوں کا جواب دیا تھا کہ کسی کے کانوں تک اس کی آواز نہیں آئی تھی۔

شوکت جاہ نے ان کمروں کی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا اور اس کے بعد سب لوگ انہیں ان کے کمروں میں چھوڑ کر واپس آگئے، ایک ملازم کو وہاں تعینات کر دیا گیا اور اسے ہدایت کی گئی کہ شوکت جہاں کی ہر خواہش پوری کی جائے، بہر طور تھوڑے ہی فاصلے پر چلے تھے کہ آئی۔جی صاحب کی نظرِ عنایت مجھ پر ہوگئی آواز دی گئی۔

"شارق ادھر آؤ۔" میں لرز گیا اور آئی۔جی صاحب کے نزدیک پہنچ گیا۔

"مصروفیات کیا ہیں آج کل؟"

"جی کچھ نہیں، بس ٹھیک ہوں۔"

"ٹھیک تو ہو، میں پوچھ رہا ہوں کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہیں؟"

"نن نہیں بالکل نہیں۔ حکم دیجیے۔"

"حکم یہ ہے کہ شوکت جاہ ابھی یہاں نئے نئے ہیں خیر یہ بات تو نہیں بتائی جاسکے گی کہ تم یہاں نہیں رہتے، لیکن دو چار دن مسلسل ان کے ساتھ رہو اور یہاں گزارو، باقی باتیں بعد کی ہیں... آیا سمجھ؟"

"جی سمجھ گیا، سمجھ گیا۔" آئی جی صاحب مزید کچھ کہے بغیر اپنے کمرے کی جانب چلے گئے۔ شفق بھابی مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں اور پھر باقی لوگ بھی منتشر ہوگئے۔ البتہ شفق بھابی میرے ساتھ ہی رہی تھیں۔

"آپ تشریف لائیے۔" انہوں نے کہا۔ اور میں گھسٹتا ہوا ان کے ساتھ چل پڑا۔

"کیوں یہ چہرہ کیوں اتر گیا؟" انہوں نے سوال کیا۔

"قید بامشقت ہے، ظاہر ہے یہاں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے تو نہیں بیٹھ سکتا۔"

"تعجب ہے شارق، ساری عمر تم نے یہیں گزار دی اور اب چار چھ دن کی بات کو قید بامشقت کہہ رہے ہو۔"

"آپ شفق بھابی آپ نہیں جانتیں باہر کی دنیا کتنی حسین ہے کبھی گھر سے بھاگ کر دیکھیے۔"

"بکواس بند کرو میں ہر حالت میں ادب چاہتی ہوں۔"

"میں بڑے ادب سے کہہ رہا ہوں کہ بھی اس گھر کی دنیا سے باہر

قدم نکال کر دیکھیئے۔"

"تو تمہارا کیا خیال ہے، کیا میں دن رات گھر میں ہی گھسی.. رہتی ہوں۔"

"نہیں ایک آزاد پنچھی کی حیثیت سے۔"

"بہت بگڑتے جا رہے ہو۔ تمہارے پیروں میں مضبوط قسم کی زنجیریں ڈالنے کے لیے کوئی باقاعدہ سازش کرنی ہی پڑے گی۔"

"خیر میرے سلسلے میں کوئی سازش کبھی کامیاب تو نہیں ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ اس بارے میں آپ لوگ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔"

"ارے دیکھو مجھ پر طنز کیا تو آجکل میں بہت خطرناک ہو گئی ہوں۔" شفق بھابی نے کہا۔

"اچھا اچھا اب ذرا کمرہ دکھا دیں۔

"تمہارا کمرہ جوں کا توں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ ایسا کیوں ہے۔" شفق بھابی بولیں

"نہیں بھابی میں نے غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔"

"کیوں شارق؟"

"اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟"

"وجہ"

"وجہ صرف یہ ہے کہ آشیانے میں میری جگہ ہر وقت موجود ہے۔ میں نے کب یہ کہا کہ آشیانہ مجھ سے چھین لیا گیا ہے۔ میں خود اپنی مرضی سے یہاں سے گیا تھا میرے کمرے کو اسی انداز میں رہنے دینے کا مطلب یہ ہے کہ میرے گھر والے اس بات کی توقع کرتے ہیں کہ میں کسی بھی لمحے یہاں بسیرا کر سکتا ہوں۔"

"حرفوں کے بنے ہوئے ہو خدا کی قسم، چٹکیوں میں اڑا دیتے ہو ہر شخص کو۔"

"نہیں بھابی سچائیاں، ہمیشہ انسان کے ذہن میں رہتی ہیں یہ دوسری بات ہے کہ وہ کبھی ان سے روگردانی کرنے کی کوشش کرے"

"اچھا اچھا اب اپنے کمرے میں جاؤ، تمہارے کچھ لباس وغیرہ بھی موجود ہیں یہاں پر۔ میرا خیال ہے تمہیں کہیں سے منگوانے کی.. ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

"ایک ٹیلی فون کر دوں استاد چھونے کو، بے چارے پریشان ہوں گے۔"

"ہاں پتا نہیں تم نے کیا کیا چیزیں پال رکھی ہیں۔" شفق بھابی نے کہا اور میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

میرے کمرے میں بھی ایک ٹیلی فون موجود تھا۔ بلکہ ایک ایکسٹینشن تھا۔ میں نے فلیٹ پر ٹیلی فون کیا اور استاد چھونے نے ٹیلی فون ریسیو کیا۔

"استاد دو چار دن کوٹھی پر رہنا پڑے گا، ویسے تو میں فاروقی صاحب وغیرہ سے بھی ابھی بات کر دوں گا لیکن آپ بھی تذکرہ کر دیجیے گا، چند... مہمان آ گئے ہیں، جن کی وجہ سے یہاں چند دن میرا قیام ضروری ہے میرے ملاقاتیوں سے فاروقی صاحب خود ہی نمٹ لیں اگر کوئی بہت ہی اہم بات ہو تو ان سے کہیں کہ مجھے ٹیلی فون پر اطلاع دے دیں، بلکہ میں خود کہہ دوں گا، آپ اپنے طور پر اطمینان رکھیے گا۔"

"جی بہتر ہے شارق میاں۔ استاد چھونے نے جواب دیا اور اس کے بعد میں نے فوراً ہی فاروقی صاحب کو ٹیلی کر کے انہیں صورت حال بتا دی۔ فاروقی صاحب نے بڑے خلوص سے کہا۔

"بھئی بڑی اچھی بات ہے کہ تم کچھ دن وہاں بھی رہو اور یہاں کے مسئلے میں بالکل فکر نہ کرو۔ اگر کوئی اہم ضرورت ہوئی تو پھر تمہیں ضرور اطلاع دے دی جائے گی۔ ورنہ آرام سے گزارو۔"

میں نے گہری سانس لے کر ٹیلی فون بند کر دیا تھا۔ مہمانوں کے سلسلے میں تو اتنا تعاون کرنا ہی چاہیے تھا اور پھر ویسے بھی آجکل کوٹھی کی فضا میرے حق میں زیادہ بری نہیں تھی۔ آئی جی صاحب کا موڈ بھی درست تھا، بھائی صاحبان بھی بس خیریت سے ہی تھے دلوں میں...

میرے لیے کیا کیا رکھتے تھے، یہ میں نہیں جانتا تھا۔ خاص طور سے بیرسٹر نصرت حسین صاحب سے میرا معاملہ کافی ٹیڑھا چل رہا تھا، کیونکہ ایک دو معاملات میں ان کا سامنا ہو گیا تھا۔ اور وہ دل سے یہ کدورتیں نکال نہیں پائے تھے۔

بہرطور بھائی تھے ان کی عزت اور ان کا احترام مجھ پر واجب تھا چنانچہ میں نے اپنی جانب سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی اور کوشش کرتا رہا تھا کہ آئندہ بھی کبھی ایسا نہ ہو۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کبھی وہ میرے سامنے آ جائیں تو اس وقت میں اپنے پیشے سے مکمل طور پر انصاف برتنے کی حیثیت رکھتا تھا۔

ٹیلی فون وغیرہ سے فارغ ہو کر میں نے اپنے کمرے کا جائزہ لیا۔ بہت سی باتیں یاد آئیں مجھے، ویسے بھی اس کمرے سے میری بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ ایک بات پر ہمیشہ مجھے کچھ تھوڑا سا دکھ ہوتا تھا وہ یہ کہ میرے کمرے میں کبھی کسی نے کوئی ردوبدل نہیں کی تھی بلکہ... شاید اجازت نہیں تھی کسی کو اور اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ میرے لیے ان لوگوں کے دلوں میں اب بھی وہی پیار موجود تھا بعض اوقات کبھی کبھی ذہن بھٹکنے لگتا تھا لیکن میں نے خود ہی اپنے طور پر تجزیہ کر کے دماغ درست کر لیا تھا وہ میرا گھر تھا جہاں میں نے جنم لیا تھا، وہاں میں

نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس سے رابطے کیسے ٹوٹ سکتے تھے۔

شام کو غسل کر کے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر کوٹھی کے لان میں آ کر وہ تیاریاں دیکھنے لگا جو رات کے ڈنر کے لیے کی جا رہی تھیں آج کا ڈنر موسم کی مناسبت سے باہر ہی رکھا گیا تھا تینوں بھابیاں باہر کے انتظامات کا جائزہ لے رہی تھیں، ملازم بھاگ دوڑ میں مصروف تھے، میں بھی ٹہلتا ہوا انہی کے پاس جا پہنچا۔ بیرسٹر صاحب کی گاڑی نظر نہیں آ رہی تھی غالباً کہیں گئے ہوئے تھے ایس پی صاحب بھی موجود نہیں تھے، البتہ جج صاحب اپنے کمرے میں غالباً استراحت فرما رہے تھے۔ ویسے بھی امجد حسین صاحب کو دن میں سونے کی عادت تھی اور وہ کورٹ سے واپسی کے بعد سوتے ضرور تھے، میں لان پر جا کھڑا ہوا اور میں نے یہ رنگارنگ تیاریاں دیکھیں اس کے ساتھ ساتھ بھابیوں کا ہنسی مذاق جاری رہا۔ لالہ رخ نظر نہیں آ رہی تھی، ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک گاڑی اندر... داخل ہوئی اور اس سے نیلوفر صاحبہ اتر کر اندر داخل ہو گئیں انہیں دیکھ کر میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی تھی۔

شفق بھابی محبت بھرے انداز میں بہن کی جانب بڑھ گئیں اور ان دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ نیلوفر اتفاقیہ طور پر آ گئی تھی، ورنہ کوئی جانا بوجھا پروگرام نہیں تھا، میں اس سے بے پروا اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ شفق بھابی اپنے کسی کام سے چلی گئیں تو نیلوفر ایک درخت کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ دوسری دونوں بھابیاں بھی یہاں سے چلی گئی تھیں میں ہی رہ گیا تھا یا پھر ملازم تھے۔ میرے سپرد کچھ ذمہ داریاں کی گئی تھیں اور میں ان میں مصروف تھا۔ پھر میری نگاہ نیلوفر کی جانب اٹھ گئی نیلوفر کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نظر نہ آئی تھی میں نے جب اسے دیکھا تو مخاطب کر لیا۔

"ہیلو نیلوفر۔ کیا تنہائی کی عادت ہو گئی ہے۔ اس طرف آ جاؤ۔"

نیلوفر نے نخوت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے نزدیک پہنچ گئی۔

"کیا فرمایا آپ نے؟"

"میرا مطلب ہے وہاں تنہا کھڑی تھیں یہاں آ جاؤ نا، اب ہم لوگ اتنے اجنبی بھی نہیں ہیں۔

"اس سے پہلے آپ نے کچھ اور بھی فرمایا تھا؟"

"ہاں میں نے کہا تھا، کہ کیا تنہائی کی عادت ہو گئی ہے۔"

"جی اس جملے پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ آپ سے... تفصیلات معلوم کرنا چاہتی تھی۔"

"ارے ارے بھائی، تمہارا لہجہ تو بڑا خطرناک ہے خیریت؟"

"آپ نے بات ہی ایسی کہی ہے، تنہائی کی عادت سے آپ کی کیا مراد ہے، کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ نے میری قربت قبول نہ کر کے مجھے ہمیشہ کے لیے اس دنیا میں تنہا کر دیا ہے۔"

"توبہ توبہ، یہ عورتوں کی بال کی کھال نکالنے کی صرف روایت ہی سنی تھی۔ لیکن اب اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا۔"

"جی ہاں۔ غالباً آپ نے بہت سی برائیاں دیکھی ہوں گی.. میرے اندر، اور اسی لیے آپ نے مجھے ذلیل کر دیا۔"

"نہیں نیلوفر، یہ آپ نے کیسے محسوس کر لیا کہ میں نے آپ کو ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"خیر بہت سے لوگ اپنے الفاظ میں کچھ ہوتے ہیں اور افعال میں کچھ.. میں آپ کو ایک بات بتا دوں جناب شارق صاحب اور وہ یہ کہ آپ کے مسئلے میں میری کوئی ذاتی دلچسپی نہیں تھی، بس باجی کی خواہش تھی اور میں نے اس میں اپنی رائے کا... اظہار نہیں کیا تھا، آپ نے اس سلسلے میں معذرت کر لی تو مجھے خوشی ہی ہوئی تھی، کیونکہ میں خود ان الجھنوں میں پڑنا نہیں چاہتی تھی، آپ اپنے ذہن سے یہ تصور نکال دیں کہ میں اپنے دل میں کسی دکھ کا شکار ہوں۔"

"یہ بہت اچھا ہوا اگر ایسی بات ہے تو پھر تو ہم گہرے... دوست بن سکتے ہیں میں تو خواہ مخواہ ہی آپ سے الجھتا رہا۔ اور یہ سوچتا رہا کہ شاید آپ مجھ سے ناراض ہوں کیوں کہ میری جانب سے آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔"

"جی نہیں۔ نہ میں آپ سے ناراض ہوں اور نہ میں نے کبھی یہ سوچا کہ آپ نے میرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے، ایسی تو جیسا کہ آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کی شکر گزار رہی ہوں کہ آپ نے خود ہی انکار کر کے مجھے انکار کی اذیت سے بچا لیا۔"

"اور وہ دوست والی بات۔" میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا میں ایک مشرقی لڑکی ہوں اور مشرقی لڑکیاں صرف سہیلیاں بناتی ہیں۔ دوست نہیں۔"

"واہ یہ تو آپ کی عظمت کی دلیل ہے واقعی لڑکیوں کو گھوڑوں کی طرح مردوں کے ساتھ کدکڑے لگاتے دیکھ کر مجھے بھی وحشت ہوتی ہے، ویسے آپ کی کتنی سہیلیاں ہیں؟"

"میں آپ کو ان کے بارے میں بتانا پسند نہیں کرتی۔" نیلوفر نے کہا۔

"آپ یقین کیجیے میں ان میں سے کسی سے بھی ملاقات

کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ حلف اٹھا سکتا ہوں اس سلسلے میں۔"

"بے تکلف ہونے کی کوشش فرما رہے ہیں آپ، لیکن معاف کیجئے گا معذرت خواہ ہوں۔" نیلوفر نے کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور باہر ہونے والے انتظامات کا جائزہ لیتا رہا۔ بہر طور بھی سہی ان دلوں خالص گھر والے ہونے کی مشق کرلی جائے۔ یہ مشق جاری بھی رہنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں گھریلو ماحول سے بالکل ہی ناواقف رہ جاؤں۔

پتا نہیں شوکت جاہ صاحب جاگے تھے یا ابھی تک سو رہے تھے۔ ویسے یہ سونے کا وقت تو نہیں تھا کیونکہ شام تیزی سے جھک آئی تھی۔ باہر کے انتظامات تقریباً مکمل ہو چکے تھے... تھوڑی دیر کے بعد بیرسٹر نصرت حسین بھی واپس آگئے کسی کام سے گئے ہوئے تھے اپنے ساتھ وہ کافی چیزیں لائے تھے جو ملازم اٹھا اٹھا کر اندر رکھنے لگے، میں نے بھی اس سلسلے میں ملازموں کا ہاتھ بٹایا تھا۔ بیرسٹر صاحب نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے بڑے سعادت مند نظر آ رہے ہو۔ کوئی تبدیلی ہوئی ہے اچانک...؟"

"جی ہاں۔"

"خوب خوب۔ ہمیں بھی اس کا علم ہو جائے تو بہتر ہے۔"

"نہیں بھائی جان آپ کو اس کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہاں بھئی دشمنوں سے بہت سی باتیں چھپانا ضروری ہیں کم از کم اس سلسلے میں، میں تمہاری فراست کا قائل ہوں۔"

"جی بے حد شکریہ، ورنہ بندہ کس قابل ہے۔" میں نے شرماتے ہوئے کہا۔ اور اس کے بعد وہاں سے ہٹ آنا ہی مناسب تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ اس کے بعد بیرسٹر صاحب کا پارہ بھی چڑھنے لگے گا۔

رات ہو گئی اور معزز مہمان لان پر پہنچ گئے میں بھی تھوڑی دیر کے بعد لان پر آ گیا تھا۔ لان پر خوش گپیاں جاری تھیں۔ تینوں بھائی اور ڈیڈی شوکت جاہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، مسز شوکت جاہ والدہ کے ساتھ اپنی الگ نشست جمائے ہوئے تھیں، رعنا بھابی ان کے ساتھ تھیں شفق بھابی انتظامات میں مصروف تھیں۔ نیلوفر، لالہ رخ، جاوداں کے ساتھ تھیں، جاوداں اس وقت واقعی قیامت نظر آ رہی تھی۔ بہت ہی نفیس قسم کا کرتا، چوڑی دار پاجامہ اور سلیم شاہی زیب تن کی ہوئی تھی اس نے۔ لگتا ہی نہ تھا کہ ہالینڈ سے آئی ہوئی ہے، دور مغلیہ کی یاد تازہ کر دی تھی اس نے۔ اور اسی زمانے کی کوئی مغل شہزادی نظر آ رہی تھی وہ، بلاشبہ لالہ رخ اور نیلوفر اس کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہوں گی دوسرے حضرات بھی اپنے اپنے طور پر ڈیرے جمائے ہوئے تھے میں نے اپنی جگہ شوکت جاہ کے قریب ہی بنائی اور وہیں آ بیٹھا شوکت جاہ میری طرف متوجہ ہو گئے۔

"تو آپ بھی ایڈووکیٹ ہیں۔ کیسی چل رہی ہے آپ کی پریکٹس"

"جی بس پریکٹس کر رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا

"ونڈرفل۔ ونڈرفل، یقیناً ذہین ہو گے۔ شوکت جاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔" اس جملے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ اس وقت شفق بھابی نے مجھے آواز دی اور میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

"بھئی کچھ عجیب مسئلہ ہو گیا ہے۔" شفق بھابی معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولیں۔

"کیا... میں نے پوچھا...؟"

"نوجوانوں کی تعداد ہمارے ہاں بہت کم ہے اتفاق کی بات ہے کہ نیلوفر آ گئی۔ ورنہ جاوداں کے سلسلے میں تو صرف... لالہ رخ ہی رہ جاتی تھی۔ اور لالہ رخ کو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اپنی پسند کی چیزوں سے دلچسپی رکھتی ہے باقی کوئی چیز کسی بھی حیثیت کی حامل ہو وہ اس پر توجہ نہیں دیتی۔ اب پتا نہیں جاوداں اسے پسند آئی ہے یا نہیں۔ چنانچہ مسئلہ گڑبڑ ہو گیا۔ کچھ اور نوجوان... امپورٹ کرنے پڑیں گے تاکہ جاوداں کو کمپنی مل جائے۔ ظاہر ہے آئی جی صاحب یہ ہدایت جاری کرنے ہی والے ہیں۔ تم اپنے آپ کو کیوں نہ اس سلسلے میں پیش کر دو۔"

"شفق بھابی ویسے تو آپ بھی ماشاءاللہ ابھی نوجوان ہیں آپ اسے کمپنی دیجیے، جہاں تک میرا مسئلہ ہے تو میں پہلے ہی اس قید کو بامشقت قرار دے چکا ہوں، آپ میری مشقت میں کیوں اضافہ کیوں کرنا چاہتی ہیں۔"

"کیوں کیا تم وہاں بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔"

"قطعی نہیں پسند کرتا بھابی، اس کی وجہ ہے اور آپ سمجھتی ہیں۔"

"کیا...؟"

"دو دشمن جاں وہاں موجود ہیں۔"

"نیلوفر کو بھی تم نے دشمنوں میں شمار کر لیا۔" شفق بھابی بولیں۔

"سو فیصد۔ آپ کو نہیں معلوم، نیلوفر صاحبہ نے آتے ہی مجھ پر میرسنا شروع کر دیا تھا۔"

"ارے کیوں۔ کیا واقعی۔" شفق بھابی تعجب سے بولیں۔

"جی ہاں۔ آپ کی بہن ہیں اگر آپ اُس کی ناجائز طرفداری کریں گی تو مجھے دکھ ہوگا۔ لیکن آپ دیکھیے نا انہوں نے آتے ہی مجھ پر حملے شروع کر دیے حالانکہ میں نے مخلصانہ طور پر انہیں ہیلو کہا تھا۔"

"خیر یہ غلط ہے، میں اسے سمجھا دوں گی۔"

"خدا کے لیے آپ انہیں سمجھائیں گی تو وہ بھی مجھے اچھی طرح جا دیں گی۔"

"چھوڑو چھوڑو۔ ان باتوں کو۔ آؤ ذرا دیکھیں۔ ویسے لڑکی بہت پیاری ہے تم نے ایک بات نہیں محسوس کی شارق۔"

"کیا بھابی...؟"

"وہ جس وقت آئی تھی اس وقت بھی شلوار کرتے میں ملبوس تھی۔ اور اس وقت بھی اس نے نہایت نفیس قسم کا چوڑی دار کرتا اور پاجامہ پہن رکھا ہے۔ ساتھ میں سلیم شاہی بھی ہے اپنے حد حسین لگ رہی ہے لیکن ہالینڈ میں رہ کر یہ لباس تعجب خیز نہیں...؟"

"واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آؤ ذرا ان کے پاس بیٹھیں۔ اس کے بارے میں معلوم تو کچھ مجھے تو اب تک موقع ہی نہ مل سکا۔ کافی دیر تک تو یہ لوگ سوتے رہے جاگنے کے بعد تیار ہوئے میں ابھی تک جاوداں سے ٹھیک سے ملی بھی نہیں ہوں۔ ویسے پہلا دن ہے آہستہ آہستہ گھل مل جائیں گے ہم لوگ، تم واقعی شارق کچھ دن یہاں قیام کرو گا لو بہت اچھا لگ رہا ہے یہ سب تھوڑی سی تفریح رہے گی کم از کم کچھ تو... تبدیلی پیدا ہوئی تمہارے آشیانے میں شفق بھابی نے کہا اور پھر وہ مجھے ساتھ لیے ہوئے اس جگہ پہنچ گئیں جہاں تینوں لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں تاثرات کسی کے زیادہ اچھے نہیں تھے۔ جاوداں خاموش خاموش سی تھی لالہ رخ بیگم کے بارے میں تو بھلا مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا تھا رہ گئیں نیلوفر صاحبہ تو وہ بھی کسی سے کم نہیں تھیں شفق... بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا

"واہ۔ سنا تو یہ ہے بھئی کہ جہاں چار خواتین مل جائیں وہاں سے خاموشی رخصت ہو جاتی ہے۔ لیکن یہاں حیرت انگیز خاموشی نظر آ رہی ہے کیا بات ہے۔"

"جاوداں بہت کم گو ہیں بھابی" لالہ رخ نے کہا۔

"یا پھر انہیں یہاں اپنے معیار کے لوگ نہیں ملے۔" نیلوفر نے کہا۔

میں نے بوکھلا کر جاوداں کو دیکھا۔ نیلوفر کے الفاظ بہت سخت تھے لیکن جاوداں پرسکون تھی اس کے چہرے پر کوئی شکن یا... اضطراب نظر نہیں آیا تھا میں نے فوراً صورت حال سنبھالنے کی کوشش کی "کیوں جاوداں آپ یہاں کچھ الجھن محسوس کر رہی ہیں آپ کو اردو بولنے اور سمجھنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوتی ظاہر ہے وہاں اردو اسپیکنگ کا... "

"قطعی نہیں۔ میں منزل سماعت میں ہوں کیونکہ پہلی بار اپنے وطن آئی ہوں بقول کارڈو ویلیتا کے کہ تحقیق کی قطعیت ہی بولنے کا حق دیتی ہے تاتحقیق کو جامعیت کا درجہ دے دیا جائے تو حماقت کا آغاز ہو جاتا ہے۔" جاوداں کی سنجیدہ مگر بے حد خوبصورت آواز ابھری۔ اور مجھے پھندا لگ گیا۔ میں نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا تھا... ان خاتون سے میں کہہ رہا تھا کہ انہیں اردو بولنے اور سمجھنے میں دقت ہوتی ہوگی۔

نیلوفر نے ہونٹ سکیڑ لیے۔ شفق بھابی نے بمشکل تمام مسکراہٹ روکی لالہ رخ بولی "ہمیں لغات کی ضرورت بھی پیش آئے گی اس کے بغیر گزارہ مشکل ہے۔" میں نے پھر جاوداں کی طرف دیکھا۔ جاوداں کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے کہا۔

"یہ دونوں میری ذہنی سطح سے میل نہیں کھاتیں تاہم میں ان کے درمیان گزارنا سیکھ رہی ہوں۔"

"مشکل ہو جائے گا شفق بھابی، آپ کا کیا خیال ہے۔"

"ہاں بھئی، گڑبڑ تو لگ رہی ہے۔" وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولیں، جاوداں نے پھر کہا۔

"نہیں آپ لوگ اگر اس تصور سے خوفزدہ ہیں کہ میں ان دونوں بچیوں کی باتوں سے بددل ہو جاؤں گی تو یہ خوف بے جا ہے اسے دل سے نکال پھینکیے، بات صرف اتنی سی ہے کہ میں انہیں سمجھنے میں کوشاں ہوں، بہرطور عمر کا تعین مجھے یہ احساس دلاتا ہے کہ جو کچھ حاصل ہو چکا ہے اس کا صَرف بے جا نہ کروں بلکہ تحفظ علم بھی عمر کے معیار کی قیمت کو برقرار رکھنا ہے چنانچہ میں ان بلندیوں سے نیچے کی جانب سفر کر رہی ہوں اور اسی سطح پر پہنچنا چاہتی ہوں جہاں میں ان کے اذہان سے مطابقت پاسکوں، ایک تھوڑا سا وقت تو صرف ہوتا ہی ہے۔"

"جی ہاں۔ دراصل جاوداں صاحبہ یہ بچیاں، ہم... میرا مطلب ہے لڑکیاں، گھریلو قسم کی ہیں اور انہوں نے علم ضرورت سے کام چلایا ہے اس لیے یہ ذرا بس یوں ہی ہیں۔" لالہ رخ ایکدم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تھوڑی دیر کے لیے اجازت دیں، ذرا ایک کام یاد آگیا۔" نیلوفر

نے فوراً ہی اس کا ساتھ دیا تھا اور بولی تھی۔

"میں بھی ابھی آتی ہوں، بس چند لمحات کے بعد" دونوں غالباً ان باتوں کو برداشت نہیں کر پائیں۔ میں خواہ مخواہ ہی بوکھلا گیا تھا بہرطور جاوداں کی ایک شخصیت تھی اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا کچھ کھسکی ہوئی لگتی تھی۔ وہ بھی لیکن حیرتناک بات یہ تھی کہ غیر ملک میں رہ کر اس نے اتنی اچھی اردو پر عبور حاصل کر لیا۔ اب یہاں بھی اسے سمجھنے کے لیے واقعی لغت کی ضرورت پیش آسکتی تھی، شفق بھابی جو بڑی اپنائیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے آئی تھیں، اس اچانک صورت حال سے خود بھی بوکھلا گئی تھیں، انہوں نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہرطور جاوداں تم اب ہمارے درمیان ہو اور ہم تمہیں بے حد چاہتے ہیں۔ اگر کوئی بات خلاف مزاج ہو جائے تو اسے محسوس نہ کرنا" اس کے نازک گلاب کی پتیوں جیسے ہونٹوں پر پھر ایک دلکش مسکراہٹ آئی اور اس نے ہنس کر کہا۔

"آپ کا نام مجھے شفق بتایا گیا ہے اور میں نے اس نام کے حسن کا اعتراف کیا۔ میں آپ سے مخاطب ہوں۔ شفق بھابی۔ بات دراصل یہ ہے کہ گھر سے دور رہ کر انسان گھر سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے اور محبت کے جذبے اس کے سینے میں شدت اختیار کر جاتے ہیں، میں نے اپنی ثقافت کو ہمیشہ درجہ اولیت دی ہے اور اس کے بارے میں تحقیق کرتی رہی ہوں۔ ہوش سنبھالنے کے بعد جب مجھے یہ علم ہوا کہ میرا تعلق وطن پاک سے ہے تو میں نے اپنے وطن کے بارے میں . . . معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ دیارِ غیر میں ہر شخص اپنی ثقافت کا سفیر ہوتا ہے اگر وہ آداب سفارت کو ذہن سے نکال پھینکے تو یہ اپنے وطن کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ مجھے فرصت تھی چنانچہ جہاں سے بھی ممکن ہوسکا میں نے اپنے وطن کی ثقافت کا مطالعہ کیا۔ اور اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھالا، آپ کو یہ بتانے کی جسارت کر رہی ہوں کہ ہالینڈ کی لاتعداد ثقافتی محفلوں میں، میں نے شرکت کی ہے اور وہاں سفیر وطن کے نام سے جانی جاتی ہوں۔ میں نے آج تک وہاں کا لباس استعمال نہیں کیا اور اپنے وطن کے لباس کو ہی ترجیح دی ہے میں نے اس کی افادیت پر مضامین لکھے ہیں اور موجودہ کے صحیح مقام کی تشریحات کی ہیں بیشک زمانہ جدید، جدیدیت کی مطابقت سے توازن رکھنے کا قائل ہے۔ اگر انسان اپنی ذات کی نمائندگی سے اپنی شخصیت کا خاصا پیش کر دے تو میں سمجھتی ہوں کہ بیشمار ذہنوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ وہاں مجھے میرے وطن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ اس ملک یا قومیت سے غداری نہیں ہے بلکہ یہ اظہار ہے کہ ہم اپنی قوم کے نمائندہ ہیں، کوئی بھی عمل بے مقصد نہیں ہوتا اور اگر مقصد کی مکمل وضاحت کر دی جائے تو قائل کرنے میں آسانی ہوتی ہے ان بچیوں نے ابتداء میں تو مجھ سے اسی معصوم ذہنیت کے ساتھ متعارف ہونے کی کوشش کی تھی جو ان کی عمر کی سطح کے مطابق ہے لیکن اس کے بعد یہ مجھ سے بددل ہو گئیں اور گفتگو میں تھوڑا سا تکلف آگیا، غالباً مجھے ناپسند کرنے لگی ہیں، لیکن آپ لوگ اطمینان رکھیں میں انہیں تھوڑا سا اوپر لاؤں گا اور خود تھوڑی نیچی جاؤں گی تاکہ توازن حقیقی قائم ہو جائے اور اس کے بعد ان کی بددلی دور ہو جائے گی لیکن ہر کام میں تھوڑا سا وقت دَرکار ہوتا ہے۔"

"شفق بھابی ایک گلاس پانی مل جائے گا" میں نے کہا۔

"میں لاتی ہوں . . . شفق وہ مجھ سے زیادہ تیز نکلیں اور پھر سے اُٹھ آگے بڑھ گئیں میں پھنس گیا تھا۔ اب تو آ ہی پھنسا چنانچہ بوکھلائی نگاہوں سے جاوداں کو دیکھتا رہا۔ تسکین نظر کے لیے واقعی جاوداں کی قربت حیات جاوداں کے مترادف تھی لیکن اس سے آگے کی بات بڑی سخت تھی اور گفتگو کرنے کے لیے اگر سطحیت قائم نہ کی جائے تو غیر سطحی قرار دے کر مسترد کر دیا جاتا، دل چاہا کھوپڑی پر رسید کر دوں چند ہی لمحات میں میری سوچ بھی ثقیل ہوگئی تھی۔ اور ثقیل الفاظ میں سوچ رہا تھا۔ شفق بھابی نے میرے نظریے کے مطابق کمینہ پن کیا کہ پانی کا گلاس ملازم کے ہاتھ بھیج دیا بہرطور میں نے پانی پیا اور اس کے بعد فوراً ہی جاوداں کو پیش کش کر دی تھی کہ میرے ساتھ آکر دوسرے لوگوں کے درمیان بیٹھے، . . . جاوداں مسکرا دی تھی، اس نے کہا۔

"آپ کا نام شارق بتایا گیا ہے مجھے"

"جج . . . جی ہاں" میں نے رُندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شارق صاحب انسان کو ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے تاہم آپ سے تعاون اس لیے ضروری ہے کہ آپ میزبان ہیں۔ آیئے پھر کبھی آپ سے تفصیلی گفتگو ہوگی اور میں آپ کو اپنا مؤقف سمجھاؤں گی"

"ضرور . . . ضرور، میں نے گھگھیائے لہجے میں کہا۔ اور جاوداں میرے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی، بہت دور کھڑی نیلوفر اور لالہ رخ کڑی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ رخ ایسا تھا کہ جاوداں کی نگاہ ان پر نہ پڑ سکی اس ٹھوس چیز کو میں نے بزرگوں کے درمیان لا رکھا۔ کہ تمہاری دین ہے تم ہی بھگتو اور اس کے بعد خود وہاں سے کھسک آیا لیکن سوچ رہا تھا کہ بے حد خطرناک

ہے یوں لگتا ہے جیسے اس پر انسانی چہرے کی شکنوں کی پردا منح ہو جاتی ہو، کھوپڑی پر ایک چپت رسید کر ہی ڈالی گیا . . . احمقانہ باتیں سوچ رہا تھا یہ دور تو بہت آسانی سے سفر کرنے کا ہے ٹیڑھے میڑھے اور ثقیل الفاظ کے ناہموار راستوں سے گزرنا عقل مندی نہیں، جتنے آسان الفاظ میں اپنا مقصد ظاہر کر سکو وہی بہتر ہے بہرحال پتا نہیں اب کیا ہوگا، ظاہر ہے لالہ رُخ آسانی سے جاوداں کو ہضم نہیں کر پائے گی، نیلوفر تو خیر عارضی چیز تھی لیکن جب تک یہ لوگ یہاں رہیں گے، لالہ رُخ کا ساتھ تو ہوگا ہی کیونکہ وہ جاوداں کی ہم عمر ہے، لیکن یہ بات لالہ رخ کے لیے کس قدر ذہنی سطح کو ایک بچے کی ذہنی سطح سے تعبیر کرے، مزا آجائے گا۔ ایک طرح سے لالہ رخ کا مزاج بھی برکرے، مزا آجائے گا۔ ایک طرح سے لالہ رخ کا مزاج بھی . . درست ہو جائے گا کیونکہ جانتا تھا کہ شوکت جاہ ڈیڈی کے دوست ہیں اور ڈیڈی کے احکامات جاری ہوں گے۔ مارشل لاء کی شکل میں کہ لالہ رخ جاوداں کی پذیرائی کرے۔ کہیں یہ گھنٹی میرے گلے میں نہ بندھ جائے اس کا کوئی حل تلاش کرنا ضروری تھا بہرحال میرے لیے مشکل نہیں تھا کہ آئی جی صاحب کو مشتعل کر دوں اور وہ ہاتھ پکڑ کر مجھے گھر سے باہر نکال دیں لیکن ابھی اس کا آغاز ضروری نہیں تھا۔ انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں، دیکھیں وقت کیا کہانی سناتا ہے۔ بہرحال رات کے کھانے کا وقت ہو گیا اور مہمانوں کی آمد کے سلسلے میں زبردست قسم کی ضیافت کے مظاہرے کیے گئے کھانوں کی لاتعداد اقسام تیار کی گئی تھیں اور شوکت جاہ انہیں دیکھ کر مسکراتے رہے تھے، کھانے کے بعد بھی نشست جمی سب ہی لوگ جمع تھے میں نے البتہ یہ کوشش کی تھی کہ بزرگوں کے درمیان رہوں تاکہ کہیں جاوداں کی دلجوئی کا ذمہ دار نہ قرار دے دیا جاؤں۔ شوکت جاہ کہنے لگے۔

"بھئی اس میں کوئی شک نہیں ہے عظمت حسین کہ تم نے میری پذیرائی میں کسر نہیں چھوڑی لیکن میاں ایک بات بتا دوں تمہیں کافی دن قیام کرنے کا ارادہ ہے اور اگر تم نے یہ دشمنی شروع کر دی تو مجھے دکھ ہوگا"

"کون سی دشمنی"

"یہی، اتنی عمدہ عمدہ چیزیں پکا کر میرے سامنے پہنچا دیں اب انسان تو ہے ہی لالچ پرست ہر چیز میں سے کچھ نہ کچھ تو چکھے گا اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو بالآخر میں بیمار پڑ جاؤں گا، بہتر یہ ہوگا کہ سادہ سادہ کھانے پکائے جاتے رہیں تاکہ میں تمہارے درمیان خوش و خرم رہ سکوں"

"ہاں۔ ایسا بھی ہو جائے گا جب تم بیمار پڑنے لگو گے نا تو ہم کھانوں کا انداز بدل دیں گے" آئی جی صاحب نے کہا۔

"بدبختی یہی ہے کہ میں نے اپنے وطن کی روایات میں یہ بات خاص طور سے محسوس کی ہے کہ مہمانوں کی ضیافت کے لیے ان طبی اصولوں کا خیال نہیں رکھا جاتا جو صحتِ انسانی کے لیے جزو لازم ہے میں سمجھتی ہوں کہ اگر ان میں روایتی انداز سے انحراف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا" جاوداں نے اپنی رائے پیش کی۔

"اس میں کوئی شک نہیں بیٹے کہ ہمارے ہاں تکلفات . . . حیثیت سے بڑھا دیے جاتے ہیں۔ بھئی تم لوگ اسے مسئلہ نہ بناؤ چند ایسی ہی چیزیں میں ضرور کھلاؤں گا اس شوکت جاہ کو جو وطن سے دور رہ کر اس نے نہ کھائی ہوں گی اور اس کے بعد تم لوگ جیسا چاہو گے ویسا ہی ہو جائے گا یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

وقت مقررہ پر یہ غیر ملکی تربیت یافتگان اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلے گئے ہم لوگ بھی بے اصول نے چنانچہ ہماری محفل الگ جم گئی شفق بھابی سلے یہ محفل جمائی تھی اور نیلوفر اور لالہ رخ اس میں آکر شریک ہوگئیں میں شفق بھابی کے ساتھ تھا اور اس وقت صرف ہم چار افراد وہ گئے تھے شفق بھابی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے کہا۔

"معاف کرنا شارق اس وقت میں تمہیں تنہا چھوڑ بھاگی تھی مگر تم دیکھو نا یہ دونوں بھی مجھے جان چھڑا کر بھاگ گئی تھیں تم بھی چالاک ہو کر اسے اپنے ساتھ ابو کے پاس لے آئے، واقعی بڑی سخت لڑکی ہے لیکن اردو غلط تو نہیں ہے بڑی زبردست زبان بولتی ہے"

"میں اس کا نام سمجھ رہا ہوں بھابی جان، اس نے اس کی وضاحت بھی صحیح الفاظ میں کی ہے، ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے پھر سارے معاملات فرصت کے ہیں وہ وہاں فراغت رکھتی ہے۔ پتا نہیں کتنی تعلیم وغیرہ حاصل کی ہوگی لیکن میرا خیال ہے ان بچیوں کی ذہنی سطح تک کبھی نہیں پہنچ پائے گی، کیونکہ وہ ان سے سینکڑوں سال آگے ہے" میں نے لالہ رُخ اور نیلوفر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ لالہ رُخ تنک کر بولی۔

"ہم ہزار سالہ بوڑھے بننا بھی نہیں چاہتے۔ جتنی عمر ہے اتنی ذہنی سطح، پتا نہیں کس بدبخت کا مقدر پھوٹے گا" پھر دفعتاً ہی لالہ رخ چونک کر بولی۔

"شفق بھابی، ایک تجویز آئی ہے میرے ذہن میں اچانک"

"کیا؟" شفق بھابی نے مسکرا کر پوچھا۔

"میرے پیارے پیارے شارق بھیا کے لیے یہ حسین لڑکی کیسی رہے گی؟"

"کک ا.. کیا؟" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہائے بھابی، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ اندھیری رات میں چمکتی ہے، خدا کی قسم اس سلسلے میں مذاق نہیں کر رہی کہ اس کا ایک ایک نقش اتنا پیارا ہے کہ دیکھ کر آنکھیں اس پر جم کر رہ جاتی ہیں، ہمارے یہاں شارق بھیا ہی ایک ایسی چیز ہیں جن کے لیے ہم اس طرح سے سوچ سکتے ہیں۔ اگر یہ حسین زہر شارق بھیا کو دے دیا جائے تو خدا کی قسم سارے بدلے نکل جائیں گے۔" لالہ رخ نے دانت پیس کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"لالہ رخ میرے لیے زہروں کا ہی انتخاب کرتی رہتی ہے بھابی۔"

ایک بات کہوں۔ شارق بھیا۔ لالہ رخ نے شاید زندگی میں پہلی بار ایسی بات کہی ہے جس پر سوچنا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔

"آپ لوگوں کا خیال ہے کہ میں آپ کی ان باتوں سے بدحواس ہو جاؤں گا۔ حماقت ہے آپ کی، اس فیصلے کا حق میں نے اپنے پاس محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ لوگ اگر اپنا مذاق اڑوانا چاہتی ہیں تو بسم اللہ کیجیے مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"پوری جان لڑا دوں گی، فیصلہ کر چکی ہوں، اگر ایسا ہو جائے تو مزا آجائے گا کیوں نیلو۔ شارق بھیا ایک عجوبے کی حیثیت سے دیکھے... جائیں گے۔ واہ لطف آجائے گا۔" لالہ رخ اس وقت بہت موڈ میں تھی، لیکن میں اس کی دلی کیفیات جانتا تھا۔ یہ سب مجھ سے نفرت کے اظہار کے طور پر تھا۔ میں ہنستا رہا اور شفق بھابی اس کی باتیں یاد کر کر کے قہقہے لگاتی رہیں، لالہ رخ اور نیلوفر نے بھی کچھ ایسے واقعات سنائے جو اس دوران پیش آچکے تھے اور لالہ رخ کہنے لگی۔

"خیر یہ لوگ کافی دن کے لیے یہاں آگئے ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی میرے لیے قدرت کا ایک امتحان ہے لیکن ضروری ہے کہ میں کسی ماہر ڈاکٹر سے پہلے سے رابطہ قائم کر لوں تاکہ میرے مرض کے بارے میں وہ ابتدا ہی سے جان لے۔" ہم لوگ دیر تک ہنستے رہے، موضوع گفتگو جاوداں ہی رہی تھی۔ اور اس کے بعد ہم لوگ بھی اپنے اپنے کمروں سونے چلے گئے، دوسری صبح ناشتے کی میز بھی رات کے کھانے کی میز سے کم نہیں تھی۔ لیکن اس وقت ان سب لوگوں نے نہایت سادگی کے ساتھ ناشتا کیا اور شوکت جاہ نے ناشتے کے بعد کرخت لہجے میں کہا۔

"بھائی، طریقہ اچھا دریافت کیا ہے تم نے، چند روز تو مہمان رہنے دو اس کے بعد کوئی ہوٹل تلاش کریں گے تمہاری محبت یہاں کھینچ لائی ہے، لیکن محبت کے لیے خرچ بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"تم یقیناً کھانے پینے پر اعتراض کر رہے ہو گے ہم میں سے کسی نے تمہیں مجبور کیا کہ تم یہ بھی ٹھونسو، وہ بھی ٹھونسو"... آئی جی صاحب بولے۔

"بھیا۔ مقصد ٹھونسنے سے نہیں ہے اب تم ہی بتاؤ جو سلیقے آجائے اسے کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور پھر وہ جس سے بہت سی یادیں وابستہ ہوں، بہتر یہ ہے کہ اسے سامنے ہی نہ لایا جائے دوسری ایک درخواست اور پیش کرنا چاہتا ہوں اگر منظوری کا شرف حاصل کر لے۔"

"بسم اللہ، بسم اللہ" آئی جی صاحب بولے۔

"تم میں سے ہر شخص میاں میں تم چاروں سے کہہ رہا ہوں یعنی امجد، طارق، نصرت اور شارق کیا سمجھے، اپنے اپنے معمولات جس طرح رکھتے ہو اسی طرح جاری رکھو، شامیں میرے نام لکھ دو، اگر کچھ دوست ہیں تو ان سے طویل عرصے کے لیے معذرت کر لو میں اتنی رعایت بھی دے سکتا ہوں کہ شام کی بجائے رات کے وقت کا تعین کر لیا جائے۔ رات کا کھانا ہر حالت میں ساتھ ہی کھایا جائے گا اور باقی معمولات روزمرہ کی طرح جاری رکھے جائیں گے اگر اس سے اختلاف ہوا تو آخری بار کہے دے رہا ہوں کہ کسی ہوٹل میں شفٹ ہو جاؤں گا۔" جج صاحب کہنے لگے۔

"چچا جان اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ کا یہ خیال بے حد موزونیت رکھتا ہے لیکن اگر ابتدا میں ہم آپ کی آمد کی خوشی میں کچھ وقت اس طرح گزاریں تو کیا حرج ہے۔"

"اگر میری خوشیوں کا خیال ہے تمہیں تو ایسا نہ کرو، باقی تمہارا اپنا معاملہ ہے، مجبور تو نہیں کر سکتا۔" شوکت جاہ بولے، بڑے مناسب آدمی تھے اور میں نے ان کی اسی بات پر دل سے قدر کی تھی۔ یہ طے پا گیا کہ کوئی بھی اپنے مشاغل ترک نہیں کرے گا۔ باقی جو وقت ملے وہ تو خیر منافع میں ہوگا۔ لیکن رات کو سب یکجا ہو کر رات کا کھانا کھائیں گے اور خوش گپیاں کریں گے۔ مجھے اس فیصلے سے خوشی ہوئی تھی اس کے بعد اس پر عملدرآمد شروع ہو گیا میں بھی چپکے سے باہر نکل آیا اور دفتر کا رخ کیا۔ دفتر میں استاد چھوٹے کے علاوہ کوئی... نہیں تھا۔

"فاروقی صاحب کورٹ گئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی شارق میاں!"

"اور کوئی خاص بات؟"

"جی نہیں!" استاد نے کہا پھر بولے۔ "کتنے دن کوٹھی میں رہ گئے۔"

"لمبا چکر چل گیا ہے۔ کچھ مہمان آگئے ہیں ان کی وجہ سے مجبوری ہے۔"

"نہیں میاں بہرحال وہ تمہارا گھر ہے۔ گھر بہت بڑی چیز ہوتا ہے اپنے مشاغل کچھ بھی ہوں ماں باپ کی آرزوؤں کو بھی پامال نہیں کرنا چاہیے۔ استاد نے کہا اور میں انہیں دیکھنے لگا استاد کے لہجے میں ایک حسرت تھی اور میں اس کی وجہ جانتا تھا۔ بہرحال میں نے ان کے زخموں کو کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ استاد کن حسرتوں کا شکار ہیں۔ افسوس ضرور ہوتا تھا ان پر کئی بار میں نے کوشش کی تھی کہ استاد سے ان کے بیٹوں کا پتا پوچھوں اور اس بارے میں کچھ کروں لیکن استاد اس سلسلے میں ٹس سے مس نہ ہوئے تھے اور انہوں نے زبان بند رکھی تھی۔

استاد چلے گئے اور میں بہت سی باتیں سوچتا رہا پھر ذہن نکہت شیرازی کی طرف گیا۔ دل چاہا کہ اسے فون کروں۔ لیکن یہ نامناسب محسوس ہوا پچاس ہزار روپے دیے تھے اسے کہیں کچھ نہ کر جائے خود ہی رابطہ کرے گی تو ٹھیک ہے ورنہ خاموشی مناسب رہے گی۔ کورٹ کا وقت ختم ہو گیا لیکن فاروقی صاحب کہیں اور مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ دیر انتظار کیا پھر بھی وہ نہ آئے تو مجبور ہو کر اٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور چل پڑا آسمان ابر آلود تھا اور ماحول خوش گوار محسوس ہو رہا تھا میں سست رفتاری سے ڈرائیونگ کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ دفعتاً ایک سمت نگاہ اٹھ گئی انسپکٹر غالب ہی تھا جو ایک اسٹور سے باہر نکل رہا تھا۔ فٹ پاتھ کے ساتھ اس کی موٹر بائیک نظر آرہی تھی میں نے جلدی سے گاڑی روک کر سائیڈ کر دی۔ غالب نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر جوش کے آثار پھیل گئے۔

"آخا۔ شارق بھائی جان۔ کمال ہو گئی جی۔ کہاں غائب ہو گئے ایک دم؟"

"کہیے غالب صاحب کیا عیش ہو رہے ہیں؟"

"بس جی عیش ہی عیش ہیں۔" غالب نے مجھ سے پرجوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اور اچانک میری نگاہ اس کی وردی کے شانوں پر لگے بیج پر پڑی۔ ایس آئی کا بیج لگا ہوا تھا میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ لیکن میں نے فوراً ہی کوئی اظہار نہیں کیا اور بولا۔

"اب ہاتھ لگ ہی گئے ہو غالب تو ایک کپ چائے ہی پلا دو۔"

"او جی کمال ہو گئی۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ آؤ جی میٹرو چلتے ہیں تھوڑی دور ہے۔" غالب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا

"ٹھیک ہے چلو۔" میں نے کہا۔ غالب نے موٹر بائیک آگے بڑھا دی اور میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم میٹرو کافی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"اور جی شارق بھائی جی خوب سیڑھیاں چڑھ رہے ہو ہم تو جی اخبار میں پڑھ کر خوش ہوتے رہتے ہیں کہ ایک بندہ اپنی لائن پر دوڑ رہا ہے۔ بڑی بات ہے شارق بھائی جی پر ایک شکایت بھی ہے۔"

"کیا؟"

"ہمیں خدمت کا موقع نہیں ملتا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے غالب میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے تم تو میری آرمی ہو تمہارے جیسے دوستوں کے بل پر تو کھیل رہا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو ضرورت ہی نہیں آئی۔"

"بس بھائی جی بھول مت جانا۔" غالب نے کہا۔

"دوستوں کو بھول جانے والے زندگی میں بدترین ٹھوکریں کھاتے ہیں غالب میں یہ بات جانتا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر بولا۔ "اب یہ کہانی بھی سنا دو۔"

"کون سی کہانی؟" غالب چونک کر بولا اور پھر میرا اشارہ اپنے شانے کی طرف پاکر ہنس کر بولا۔ "ایس آئی چل رہے ہیں جی آج کل ولایت شاہ کی مہربانی ہے۔"

"کیوں؟"

"اپنا پرانا عمل ہے کارکردگی کا۔"

"وجہ؟"

"وہ کسی دن ہم بتائیں گے تمہیں ضرور بتائیں گے شارق بھائی جی" غالب نے چائے کا آرڈر دیتے ہوئے کہا۔ "ایک افسر کے بیٹے کو پکڑ لیا تھا۔"

"کون افسر؟"

"بس جی بڑا سرکاری افسر ہے بلکہ خاندانی افسر ہے بات ایک افسر کی ہوتی تو نمٹ لیتے مگر مقابلے پر افسروں کا پورا خاندان آگیا مار کھا گئے۔"

"قصہ کیا تھا؟"

"بچی اٹھا لی تھی جی ایک کتے نے اسکول میں پڑھاتی تھی۔ غریب گھر کی شریف بچی تھی ہم نے دیکھ لیا۔ تین تھے دو پکڑے گئے.. ایک بھاگ گیا۔ ہم دونوں کو لے آئے ایف آئی آر لکھی اور دونوں کو بند کر لیا تیسرے کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ہم نے

دونوں کو پھینٹی لگا دی تھی مگر بھاگنے والے نے کھیل بدل دیا۔ شام کو افسر صاحب آگئے اور افسری جھاڑنے لگے ہمیں بھی گرمی آگئی اور ہم نے انہیں بھی کھینچ لیا مگر بتا چکے ہیں کہ بات ایک افسر کی نہیں تھی اس لیے قصہ لمبا ہو گیا۔ دوسرے دن ہیڈ آفس بلائے گئے ڈانٹ پھٹکار پڑی اور حکم ملا کہ معافی مانگے پر ہم غالب ہیں مغلوب ہونا تو سیکھا ہی نہیں ہے۔ ایس آئی بن گئے۔ غالب نے ہنس کر کہا میں خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتا رہا دل دکھ کر رہ گیا تھا یہ ہر شخص کا کرب ہے کسی پر برائی کی چھاپ لگا دینا سب سے آسان کام ہے پولیس کو مطعون کرنا اب فیشن بن گیا ہے لیکن تمام بُرے انسان صرف پولیس میں تو جمع نہیں ہو گئے فرض کے لیے جان دینے والے بھی تو یہی ہوتے ہیں۔ لیکن فرض کی راہ میں آنے والوں کی تعداد کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ قانون اگر جھنجھلاہٹ میں قانون شکنی کا مرتکب ہو جائے تو چاروں طرف شور مچ جاتا ہے لیکن قانون شکن ہر طرف دندناتے پھر رہے ہیں اور ان کے گرد طاقت کا ایک حصار موجود ہے۔"

"ایف آئی آر کیا ہوئی؟"

"رجسٹر کھو گیا۔" غالب پھر ہنس پڑا۔

"لڑکی کا کیا ہوا۔"

"ماں نے نوکری چھڑوا دی ہے فلتے ہو رہے ہیں۔"

"دوبارہ ان لوگوں سے ملے؟"

"چھوڑو شارق جی کوئی اور بات کرو۔" غالب تلخ لہجے میں بولا۔

"[illegible]؟"

"[illegible] کی وجہ سے نوکری [illegible] اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"منکر ہو گئی؟"

"نا تو ہم ایسے ہی ترقی پا گئے۔" غالب نے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی۔

"کون لوگ ہیں وہ؟"

"بتائیں گے شارق جی آرام سے بتائیں گے۔"

"اور کام کر رہے ہو؟"

"وہ تو ضروری ہے شارق جی اتنی ہی بڑی مجبوری ہو گی تو ... نوکری چھوڑ دیں گے۔ یہ پھولوں کا کھیل تو کچھ نہیں کبھی ایک کبھی دو کبھی نہیں۔"

"اور مجھ سے نہیں ملے اس سلسلے میں؟" میں نے شکایتی لہجے میں کہا۔

انسپکٹر غالب چونک کر مجھے دیکھنے لگا، پھر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں بھائی جی، آپ کے اسٹینڈرڈ کا معاملہ نہیں تھا، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ہم ضرور آپ کے پاس آتے، لو جی کمال ہو گیا، یہ بھی کوئی بات ہوئی۔"

"ہوں ... غالب بات اگر صرف یہاں تک محدود رہی تو جب مجھے تمہاری ضرورت پڑی میں نے تمہیں استعمال کر لیا تو یہ ون وے ٹریفک تو نہیں چل سکتا، صورت حال ایسی ہونی چاہیے کہ اگر کسی مسئلے میں تم میری ضرورت محسوس کرو تو مجھ سے بھی تکلف کرو۔"

"لو جی پہلے کبھی کیا ہے بھائی جی۔ پہنچے نہیں تھے آپ کے پاس۔" انسپکٹر غالب نے کہا۔

"اس سلسلے میں جو کارروائی کرو اور اگر کوئی ایسی صورت حال درپیش ہو جس میں، میں کام آسکوں تو تم تکلف نہ کرو گے۔"

"نہیں کریں گے جی ... وعدہ ...۔" غالب نے جواب دیا۔ باظرف انسان تھا۔ اور جس انداز میں اس نے ان حالات کا تذکرہ کیا تھا وہ میرے لیے واقعی تکلیف کا باعث ہوئے تھے۔ بہرحال اس سے زیادہ میں انسپکٹر غالب کو مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ اور اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے بل غالب نے ہی ادا کیا تھا۔ اور اس سلسلے میں ... میں نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ باہر آنے کے بعد وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر اپنی موٹر بائیک کی جانب بڑھ گیا اور میں گاڑی میں آبیٹھا۔ غالب کو میں نے اپنے بارے میں تفصیل بتانے پر مجبور نہیں کیا تھا لیکن یہ بات میرے ذہن میں چبھ گئی تھی کہ صاحب اقتدار کسی بھی مرحلے پر اپنوں سے کمزور قوتوں کو ابھرنے نہیں دیتے۔ وہ جو کچھ کریں، کوئی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ یہ تو ایک ناقابلِ برداشت عمل تھا۔ اور جگہ جگہ ایسے .. لاتعداد واقعات بکھرے پڑے تھے۔ بعض اوقات وہ لوگ مظلوم بن جاتے تھے جنہیں ظالموں کی صف میں رکھا جاتا ہے لیکن میں اس سے اختلاف رکھتا ہوں۔ انسان یکساں نہیں ہوتے، نیکیاں کسی ایک کی فطرت میں نہیں ہوتیں، ہر شخص موقع ملنے پر انسان ضرور بنتا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ ایک جگہ اس کے ذہن میں جھنجھلاہٹ پیدا کر دو تو دوسری جگہ وہ غیر انسانی فطرت کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کیونکہ یہ مظاہرہ خود اس کے اپنے ساتھ کیا گیا ہوتا ہے۔

انسپکٹر غالب اگر کسی مسئلے میں سختی دکھائے تو کیا اس بات کو

نظر انداز کیا جا سکتا ہے کہ کسی صاحب حیثیت نے اس کی تنزلی کرا دی تھی اور بہرطور یہ بے عزتی کے مترادف تھا۔ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ غالب کو اس سلسلے میں مجبور کیے بغیر یہ معلوم کروں گا کہ وہ کون تھا جس نے کسی اسکول ٹیچر لڑکی کو اغوا کیا اور بات کھل جانے پر اس کی طرفداری کی گئی اور اسے باعزت بری کرا لیا گیا۔ نا صرف باعزت بری کرا لیا گیا بلکہ اس جرم کو رد کرنے والا سرکاری عتاب کا شکار ہوا اس سلسلے میں، میں نے ایس پی بابر سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔

فاروقی صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی اور کوئی ایسا معاملہ ذہن میں نہیں تھا جو باعث توجہ ہوتا تو پھر کیوں نہ اس سلسلے میں ہی ٹانگ پھنسائی جائے۔ ویسے بھی ابھی کوٹھی واپس جانا بے کار تھا... وہاں کے ماحول میں کوئی خاص تبدیلی تو نہیں ہوگی شام کو البتہ وہاں جانا ہی تھا چنانچہ میں ایس پی بابر کی تلاش میں چل پڑا اور ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ پہلی ہی کوشش کامیاب رہی تھی یعنی ایس پی بابر اپنے آفس میں موجود تھے، میں بے دھڑک اندر داخل ہو گیا۔ بابر کچھ لوگوں سے محو گفتگو تھے مجھے دیکھ کر چونکے اور پھر ان کے چہرے پر تپاک کے آثار پھیل گئے۔

"آئیے آئیے بھئی شارق صاحب آئیے۔ بھئی واہ خوب آئے آپ بھئی آپ لوگوں سے ان کا تعارف کراؤں انہوں نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا اور پھر فخریہ انداز میں انہیں میرے بارے میں بتانے لگے۔ یہ سب بابر جان کے شناساؤں یا دوستوں میں سے تھے۔ بہرطور میں ان میں کسی کو نہیں جانتا تھا۔ بابر نے بڑے اچھے انداز میں میرا خیر مقدم کیا اور پھر بولے۔

شارق بھائی یہ پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کوئی ایسی اہم اور فوری بات تو نہیں ہے جو آپ کو مجھ سے کرنی ہو میرا مطلب ہے چائے ان لوگوں کے ساتھ ہی پی لی جائے۔

"ہاں ضرور بالکل کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔ ان لوگوں میں سے ایک نے پیش کش کی کہ اگر میں اور بابر کسی مسئلے میں مصروف ہوں تو وہ ہمیں ڈسٹرب نہیں کریں گے لیکن میں نے ان سے انتہائی خوش اخلاقی سے کہا کہ ان کے ساتھ چائے پینا میرے لیے باعث خوشی ہوگا۔ چنانچہ ایس پی بابر نے چائے منگوالی۔ اور پھر ہم لوگ دیر تک چائے پر خوش گپیاں کرتے رہے تھے۔ بابر جان کہنے لگے۔

"شارق جی آپ کا آنا یقیناً اس بات کا مظہر ہوتا ہے کہ پھر کسی مظلوم کی تقدیر نے زور مارا ہے اور اس کی مصیبتوں کا وقت ختم ہونے والا ہے۔"

"یہ سب آپ کی محبت ہے بابر صاحب کہ آپ نے میرے تصور کے ساتھ ایسی باتیں وابستہ کر لیں۔"

"نہیں بھائی اگر ہماری محبت سے کام چل سکتا تو ہمیں سب سے زیادہ محبت اپنے آپ سے ہے، اپنے لیے وہ مرتبہ ضرور حاصل کرتے جو خدا نے تمہیں دے دیا ہے ہم تو تمہیں اپنے آپ سے الگ نہیں سمجھتے" بابر جان کہنے لگے۔ کافی دیر تک یہ رسمی گفتگو جاری رہی۔ اور اس کے بعد ان لوگوں نے کہا۔

بس بابر جان اب ہم آپ کے اور ان کے درمیان مداخلت نہیں کرتے، ہمیں اجازت دیجیے۔ بابر صاحب نے ان سے ہاتھ .. ملائے تھے اور اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ تب بابر نے .. مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولے۔

"ہاں شارق اب بتائیے ویسے اتنا تو ہم ضرور جانتے ہیں کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہے ضرور؟"

"ظاہر ہے صاحب آپ اتنا جانیں گے تو اور کون جانے گا۔"

"گڈ گڈ، گویا ہمارا اندازہ بالکل درست ہے۔" وہ ہنس کر بولے

"جی بالکل درست۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ بھائی، برداشت کرنا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔"

"اس بار کوئی اور مظلوم نہیں بلکہ آپ کا ایک شناسا انسپکٹر غالب ہے۔"

"غالب، کیوں کیا ہوا غالب کو؟" بابر جان چونک کر بولے۔

"جانتے ہیں نا انسپکٹر غالب کو؟"

"ارے بھئی مشہور انسپکٹر ہے دھن کا پکا بات کا سچا اور اچھے کردار کا مالک۔ کہنا تو نہیں چاہیے یہ بات لیکن پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اتنے اچھے لوگ کم ہی ہوتے ہیں میرا مطلب ہے ..."

"جی جی میں سمجھ رہا ہوں ...۔"

"مگر اسے ہوا کیا بھئی، جلدی بتاؤ؟"

"کچھ نہیں۔ خیریت سے ہے، آج مل گیا تھا اتفاق سے اور شانے پر ایس آئی کے پھول نظر آرہے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"انسپکٹر سے سب انسپکٹر۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا اچھا۔ ویسے ایک بات کہوں شارق، غالب کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جس نہج کا وہ ہے۔ اس نہج کے لوگ اس وقت ایس پی کے عہدوں پر پہنچ گئے ہیں، بس سخت گیر

ہے، انتہاپسند ہے، لچک نہیں رکھتا اپنے اندر، بس اسی وجہ سے اس کی ترقی و تنزلی ہوتی رہتی ہے۔ کئی بار انسپکٹر سے سب انسپکٹر بنا۔ ایک بار سب انسپکٹر سے اسسٹنٹ سب انسپکٹر بن گیا تھا کئی بار سمجھایا ہے اسے، لیکن اس کا نظریہ بھی بالکل درست ہے وہ کہتا ہے جب سچائی کی خدمت کرنی ہے تو عہدے کی کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر اسے کانسٹیبل کے عہدے پر بھی تعینات کر دیا جائے تو کانسٹیبل کی حیثیت سے وہ اپنا فرض انجام دے گا اور اگر اس کے بعد بھی کوئی تنزلی ہے تو اپنے کام کی تکمیل کے سلسلے میں وہ اس تنزلی کو بھی قبول کرنے پر تیار ہے۔"

میں نے ایس پی بابر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" بابر جان اپنے کسی کردار کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

"بھئی بات دراصل یہ ہے کہ وقت اس کی اجازت نہیں دیتا"

"نہیں بابر صاحب، مجھے آپ سے اختلاف ہے اس سلسلے میں؟"

"نہیں نہیں یہ میری اپنی سوچ نہیں ہے میں تو خود ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہوں جو اپنے کسی معاملے میں مضبوطی سے جما رہے اور اس کے لیے ہر تکلیف اٹھانے کو تیار رہے میں یہ نہیں کہہ رہا کہ غالب اس سلسلے میں انتہاپسند ہے بس کہیں کہیں، مصلحتاً لچک اختیار کرنا پڑتی ہے، کم از کم الفاظ کے طور پر ہی سہی لیکن وہ ایسا انسان ہے کہ مصلحتاً بھی غلط بات نہیں کرتا۔

"آپ یقین کیجیے ایس پی صاحب کہ اس سے پہلے مجھے غالب کے بارے میں اس قدر معلومات نہیں تھیں، کیونکہ کسی سے اس کا تذکرہ ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج آپ نے جو الفاظ اس کے بارے میں کہے ہیں ان الفاظ سے اس کی وقعت میرے دل میں ہزار گنا بڑھا دی ہے، ایک ایسا آدمی جو مصلحتاً بھی اپنے اصولوں کو ترک نہیں کرتا اس دور میں قابلِ احترام ہے اور ایسے شخص کے لیے سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔"

"یقیناً میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں تم سے اختلاف نہیں رکھتا۔ بس بعض معاملات میں تھوڑا سا لچک دکھا جایا کرے لیکن.. اپنے اصولوں پر سخت رہے تو کوئی حرج نہیں ہے خیر چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ اب کیا قصہ ہے؟"

میں نے سارا قصہ ان کو تفصیل سے بتایا۔ ساری بات سننے کے بعد وہ بولے۔

"لڑکی بازیاب ہو گئی؟"

"اسی وقت۔ غالب نے اسے اغوا نہیں ہونے دیا تھا۔

"مگر ایف آئی آر وغیرہ تو کٹوائی گئی ہوگی؟"

"ہاں لیکن وہ ایف آئی آر وغیرہ سب غائب کر دی گئیں اور لڑکی اپنے بیان سے منحرف ہو گئی، آپ سمجھ رہے ہیں، ایک ماں، ایک بیٹی اور وہ بھی غریب بھلا کسی سے کیسے لڑ سکتی ہیں... نتیجے میں اس نے ملازمت بھی چھوڑ دی اور اب اس کے گھر فاقہ کشی ہو رہی ہے۔"

"اوہ مائی گاڈ" ایس پی بابر جان دکھ بھرے لہجے میں بولے "ایسے اگر کسی مسئلے میں غالب کو انسپکٹر سے سب انسپکٹر بنا دیا جائے تو ایس پی صاحب کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"ہوں" وہ پُرخیال انداز سے سر ہلانے لگے پھر انہوں نے کہا "شارق یہ واقعی نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"اسی لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں کہ یہ واقعی.. نہیں ہونا چاہیے۔ اور اگر ہو جاتا ہے تو بعض اوقات اس کے نتائج بہت برے نکل آتے ہیں" انہوں نے چونک کر مجھے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

جذباتی ہو گئے شارق، یہ تو اس معاشرے کا کرب ہے تم کیا سمجھتے ہو ہمارے سینوں میں دل نہیں ہوتے۔ ان دلوں میں انسانیت نہیں ہوتی۔ یہ سب کچھ ہمارے پاس بھی ہے بھائی لیکن ہمیں قانون کی آنکھ دیکھنی پڑتی ہے ہم ہر شے کو قانون کی روشنی میں دیکھنے کی تربیت پاتے ہیں اور پھر اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں بارہا ایسے مواقع آتے ہیں جب دل اندر سے کچھ کہتا ہے حالات کچھ کہتے ہیں، ثبوت کچھ کہتے ہیں، واقعات کچھ کہتے ہیں اور یہ تمام چیزیں ہمارے ذہن میں الجھ جاتی ہیں۔ مگر ہم ان سب کو قانون کے سپرد کر دیتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ قانون اس سلسلے میں کیا کہتا ہے بے شک چند افراد ہیں جنہیں... صرف برائیوں میں چلنے کا شوق ہے تمہیں تمام تر تعداد ایسے لوگوں کی ملے گی جو معاشرے میں امن و سلامتی اور اپنے گھر میں خوشحالی کے خواہاں ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ گنے چنے چند افراد کی برائی پورے معاشرے پر مسلط ہو گئی ہے اور معاشرہ ان برائیوں کے سامنے سرنگوں ہو گیا ہے۔ برائیاں ان امن پسندوں سے اپنا لوہا منواتی ہیں جو ان تمام چیزوں کے خواہاں نہیں ہوتے پھر جب وہ اپنے گھر میں بے بس بیٹھے ہوتے ہیں تو ان کے ذہنوں میں بغاوت جنم لیتی ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر معاشرہ اسی انداز میں چل رہا ہے تو وہ اس معاشرے سے پیچھے رہ کر کیوں مر جائیں چنانچہ رفتہ رفتہ یہ بے بسی اور بے کسی انہیں جھنجھلاہٹ کا شکار کرتی ہے

اور پھر وہ اس برائی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ میں تمہیں ایسے لاتعداد انسان دکھا سکتا ہوں جنہیں اگر آج بھی ہم زندگی کی وہ خواہشات مہیا کر دیں جو جائز ہیں تو وہ برائیوں کی دنیا سے لوٹ آئیں گے۔"

میں بابر جان کی باتیں سن رہا تھا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی تھا اس میں کوئی شک نہیں، معاشرہ اس وقت بدترین بدحالی سے دوچار تھا، انسان کی تنزلی آخری حدوں کو چھو رہی تھی کون کس کا کیا کر سکتا ہے تاہم میں نے کہا۔

"بابر صاحب، بیشک ہم انفرادی طور پر اصلاحِ معاشرہ نہیں کر سکتے تمام لوگوں کو درست نہیں کر سکتے لیکن دیکھیے نا ہر شخص اگر یہ سوچ کر بیٹھ جائے کہ اس طاقتور معاشرے سے لڑنا اس کے بس کی بات نہیں ہے تو پھر ایک دن ایسا آئے گا جب اس معاشرے میں بہتر سوچنے والا کوئی نہ ہوگا، ہم اپنی پوری زندگی میں اگر دو... انسانوں کو معاشرے کا بہتر کردار بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں یا دو ایسے مظلوموں کو ان کی زندگی کا انصاف دلا سکتے ہیں تو پھر یوں سمجھیے کہ ہمارا فرض پورا ہو گیا ہم میں سے ہر شخص اگر دو دو.. نیکیاں کرنے پر تل جائے اپنی تمام زندگی میں تمام تر زندگی میں تو آپ یقین کیجیے کہ ہم ایک ہیں دو نہیں.... اور اگر ہر شخص نا ہو تو پھر کم از کم وہ جو یہ کام کر سکتا ہے اگر اپنا کام کر لیں تو کم از کم اسے یہ خوشی تو حاصل ہوگی کہ اس نے دو انسانوں کو بہتر زندگی سے ہمکنار کیا۔"

"بھئی میں ان تمام چیزوں کا دل سے قائل ہوں، بیشک.. اس میں کوئی شک نہیں، یہی تو وجہ ہے شارق کہ جب تم نے ایک کام کا بیڑہ اٹھایا تو ہم نے اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنے آپ کو... تمہارے سپرد کر دیا۔"

"اس کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں جناب"

"جہاں تک غالب کا معاملہ ہے تم اطمینان رکھو میں اس سلسلے میں ذاتی طور پر تفتیش کروں گا۔ سرکاری طور پر نہیں اور جہاں بھی کہیں غالب کی سربلندی کا موقع مل سکا مجھے، میں اسے اپنی ذمہ داری کے طور پر قبول کرتا ہوں کہ اس عمل کو انجام دوں گا۔"

"ویری گڈ، اس کا مقصد ہے کہ آپ نے کم از کم معاشرے کے ایک کردار کی ذمہ داری فی الحال سنبھال لی ہے۔"

اس ایک کردار کے ساتھ کتنے کردار منسلک ہیں یہ بھی تو سوچو شارق" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں انہی بنیادوں پر سوچتا ہوں۔"

"بھئی ہم تو تم پر ایمان لے آئے ہیں شارق اور اپنے اس ایمان کو برقرار رکھیں گے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کے پاس اسی لیے حاضر ہوا تھا"

"غالب نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا کہ وہ کون لوگ تھے کیا سلسلہ تھا؟"

"میں نے پوچھا بھی مگر اس نے نہیں بتایا البتہ وہ ضدی قسم کا انسان ہے۔"

"میں جانتا ہوں، وہ انہیں چھوڑے گا نہیں" بابر جان نے کہا پھر بولے۔

"بہرطور میں ذرا خفیہ طور پر اپنے اس مشن کا آغاز کر دیتا ہوں یہ معلوم کروں گا کہ غالب کو کس سلسلے میں سزا دی گئی ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ بھی سامنے آ جائیں میں تمہیں اپنی رپورٹ جلد پیش کر دوں گا"

"بے حد شکریہ بابر صاحب، آپ نے ہمیشہ میری پذیرائی کی"

"اب شرمندہ کرنے پر تلے ہوئے ہو تو دوسری بات ہے ورنہ ہم تو اپنے دل کے تمام راز تم پر کھول چکے ہیں" اس کے بعد بابر جان صاحب کے پاس بیٹھنا بیکار تھا چنانچہ میں ان سے اجازت لے کر اٹھ آیا اور اس کے بعد اب اور کوئی مشغلہ ایسا نہیں تھا جس میں مصروف ہو جاتا، فاروقی صاحب کے یہاں پیغام چھوڑ ہی آیا تھا: بابا کو کوٹھی کا رُخ کرنا تھا ویسے بھی کافی وقت نکل گیا تھا اور اب شام کی چائے کے لمحات قریب آ رہے تھے اور کچھ نہیں تو کم از کم ان لوگوں کے ساتھ شام کی چائے ہی میں شریک ہو جاؤں۔

غالب کے انکشاف اور اس کے بعد بابر جان کے ساتھ ہونے والی گفتگو نے ذہن کو کسی قدر تلخ گفتاری کر دیا تھا لیکن کوٹھی کے خوبصورت ماحول کے بارے میں سوچ کر طبیعت میں ایک خوشگوار کیفیت پیدا ہو گئی کم از کم وہاں ان نئے کرداروں کے آنے کی وجہ سے میرے لیے کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی تھی بریا کے لیے یہ دلچسپی صرف اس صورت میں تھی کہ جاوداں، لالہ رخ اور نیلوفر کے لیے ٹھیک ٹھاک ثابت ہو سکتی تھی انہیں بچیاں کہہ کر اس نے ان کی دشمنی تو مول لے لی تھی لیکن اس کا پلڑا اس شکل میں بھاری تھا کہ وہ مہمان تھے اور آئی جی صاحب ان سے بہت محبت رکھتے تھے میں کوٹھی میں داخل ہو گیا خیال تھا کہ شام کی چائے کا بندوبست لان پر کیا جا رہا ہوگا لیکن لان سنسان پڑا تھا۔ البتہ سامنے ہی عصمت بھابی نظر آ گئیں۔ وہ سنجیدہ طبیعت کی تھیں اور میں ان سے زیادہ سلسلہ نہیں تھا۔ احترام کرتا تھا۔ ویسے بھی فطرتاً میں ان کی طبیعت سے میل نہیں کھاتا تھا۔ وہ بیچاری نرم سنجیدہ فطرت کی خاتون تھیں۔ اور یہاں کم از کم

بھابیوں کی حد تک سنجیدگی سے بیر تھا انہیں سلام کیا تو مسکرا کر کھڑی ہوگئیں:

"کیا بات ہے بھابی آج شام کی چائے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟"

"ہاں کیوں نہیں . . . لیکن چائے غالباً اندر ہی پی جائے گی، آئی جی صاحب کی طرف سے کچھ احکامات نہیں ملے۔" عصمت بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا، میں ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گیا، وہ بہت اس انداز میں مسکراتی تھیں۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیریت؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے کوئی خاص بات نہیں بلا وجہ بھاگے بھاگے پھرتے ہو گھر میں۔ آجکل واقعی لطف آرہا ہے۔"

"اگر آپ کو بھی لطف آرہا ہے تو یقیناً کوئی دلچسپ بات ہو لی۔" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑیں۔

"دلچسپ بات تو خیر کوئی خاص نہیں ہے بس نجانے کیوں مجھے لطف آرہا ہے"

"ہمیں بھی اس لطف میں شریک کرلیں۔" میں نے ٹھنکتے ہوئے کہا۔ اور عصمت بھابی کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ واقعی میں نے انہیں اتنے کھلنڈرے موڈ میں بہت کم دیکھا۔ وہ چند لمحات سوچتی رہیں پھر ہنس کر بولیں۔

"باقی معاملات تو خیر ٹھیک ٹھاک ہیں، شوکت جاہ بہت نفیس انسان ہیں اور زہرہ آنٹی ان سے بھی اچھی طبیعت کی مالک ہیں بری تو خیر جادوداں بھی نہیں ہے لیکن . . ." عصمت بھابی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی . . . لیکن آگے بھی کہیے عصمت بھابی" میں نے کہا اور وہ پھر ہنس پڑیں:

"بھئی سادہ سے الفاظ میں ایک بات کہوں کہ وہ احساس برتری کی مریضہ ہے، نجانے کس طرح ہالینڈ میں اس کی تربیت ہوئی ہے اور نہ جانے وہ وہاں کیا کرتی رہی ہے مشرقیت کی دلدادہ ہے اور ہر بات میں زیادہ سے زیادہ مشرقی ہونے کی خواہاں، اس کے پاس جتنے لباس ہیں سارے کے سارے مشرقی ہیں، کہنے لگی کہ میں نے کبھی زندگی میں کوئی مغربی لباس نہیں پہنا"

"خیر تو یہ اچھی بات ہے، دیارِ غیر میں اپنے وطن کی نمائندگی بہر طور ایک فریضہ بھی ہے۔"

"مانتی ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے میں تو بس اس کی شخصیت کے بارے میں کہہ رہی تھی، آج ذرا گڑبڑ ہوگئی"

"کیا خیریت؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بیچاری لالہ رخ کی شامت آگئی۔"

"وہ کیوں؟"

"بھئی اس کی ہم عمر دل میں وہی تو ہے لیکن وہ اسے بچہ سمجھتی ہے۔ لالہ رُخ بھی کچھ بگڑی ہوئی تھی اتفاق کی بات یہ ہے کہ ڈیڈی نے اس سے اس بارے میں سوال کرلیا۔"

"لالہ رُخ سے؟"

"ہاں"

"سوال کیا تھا؟"

"خیر اس وقت تو میں موجود نہیں تھی لیکن میں بعد میں پہنچ گئی تھی۔"

"ہوا کیا تھا؟"

"بس لالہ رخ پر جھاڑ پڑ رہی تھی اور ڈیڈی نے نہایت سختی سے کہا تھا کہ وہ نہایت خود سر ہوتی جارہی ہے، بات کچھ بھی نہیں تھی اس نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اس سر پھری لڑکی کو وقت نہیں دے سکتی خوامخواہ کوئی الٹی سیدھی بات کر بیٹھے گی، بس ڈیڈی ناراض ہوگئے، کہنے لگے کہ مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاتا۔ اس نے کوئی جواب دے دیا تو ڈیڈی کو زیادہ غصہ آگیا۔ شدید غصے کا اظہار کرتے رہے وہ اور اس کے بعد لالہ رُخ کو ہدایات ملیں کہ وہ اپنی خود سری چھوڑ کر جادوداں کو کمپنی دے، ظاہر ہے وہ انکار تو کیسے کرسکتی تھی۔ ویسے اس نے نیلوفر کو بھی ساتھ روک لیا ہے اور شفق سے درخواست کی ہے کہ نیلوفر کو اس وقت تک نہ جانے دیا جائے جبتک جادوداں یہاں موجود ہے، واقعی بڑا مشکل وقت آن پڑا ہے بیچاری پر"

"سبحان اللہ۔ یہ اُونٹ پہاڑ کے نیچے پہلی بار آیا ہے . . . لطف آگیا عصمت بھابی واقعی لطف آگیا۔"

"بات صرف اونٹ کی نہیں ہے تھوڑی تھوڑی سی ناک شفق اور تنویر کی بھی چڑھی ہوئی ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"بھئی اس نے تو ہم سب کو ہی بچہ قرار دے دیا اور ہماری معصومیت پر مسکراتی رہی ہے، نہ جانے کیا کیا کہہ ڈالا ہے اس نے ہم تینوں کو بھی میں تو ان باتوں کو خاطر میں نہیں لاتی لیکن تنویر اور شفق نے اسے محسوس کیا ہے اب دیکھیں بات کہاں جاکر ٹھہرتی ہے۔"

"باقی رہ گئیں امی اور قبلہ ڈیڈی۔ ویسے مردوں کی طرف توجہ نہیں ہے اس کی۔"

"ابھی تک نہیں ہوئی لیکن میرا خیال ہے وہ ان کا ذہنی تجزیہ بھی کرنے کی کوشش کرے گی، ہوسکتا ہے امجد حسین کو وہ ان کی ذمہ داریوں کے ناقابل قرار دے دے کیونکہ وہ ابھی ذہنی طور پر بالغ نہیں ہوئے پھر طارق حسین سے حیرت سے پوچھے کہ وہ محکمۂ پولیس جیسے اہم محکمے کو کیسے چلا رہے ہیں نصرت حسین سے ان کے پیشے کے بارے میں سوالات کر ڈالے اب دیکھو کیا کیا ہوتا ہے۔"

"ارے واہ، اب تو واقعی لطف آئے گا۔ یعنی واقعی . . . صورت حال یہ ہے کہ ہم بیابان میں ہیں گھر میں بہار آئی ہے کیوں؟"

"تمہیں تو بس موقع ملنا چاہیے لیکن ذرا الگ ہی جاؤ جادوداں بی بی سے تمہاری عاقبت روشن ہو جائے گی۔" انہوں نے کہا اور میرے حلق سے قہقہہ آزاد ہوگیا۔ جادوداں بی بی معلوم ہوتا ہے بہت سے شگوفے کھلائیں گی آثار یہی بتا رہے تھے۔

دیکھیے، آئندہ کیا شگوفے کھلتے ہیں۔

عصمت بھابی کی جادوداں کے بارے میں فراہم کردہ اطلاعات میرے لیے باعث دلچسپی تھیں۔ کم از کم آشیانے میں کچھ رونق تو بڑھی۔ لالہ رُخ آج تک والدہ کو میرے خلاف استعمال کرتی رہی تھی اب خود چکر میں پڑی تھی۔

وہاں سے میں سیدھا اپنے کمرے میں پہنچ گیا اور غسل کرتے ہوئے میں بہت سے منصوبے سوچتا رہا۔ میں نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل تیار کیا اور لباس وغیرہ تبدیل کرکے باہر نکل گیا۔ خصوصاً کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا چنانچہ یونہی ٹہلتا ہوا ٹہلیاں مارنے لگا شفق بھابی سے ملاقات ہوگئی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائیں۔

"ہیلو بھابی!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ سعادت مندی تمہارے اندر کب سے پیدا ہوگئی، وقت پر نظر آرہے ہو۔"

"انسان اپنی فطرت میں تبدیلی نہیں پیدا کرسکتا البتہ اس کی فطرت کو محسوس کرنے کی بات ہے۔"

"سمجھی نہیں۔" شفق بھابی نے کہا۔

"سعادت مند تو ہمیشہ سے تھا۔ آپ نے آج محسوس کیا، یہ دوسری بات ہے۔"

"ارے میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ مجھے کہانیاں سنا رہے ہو۔" شفق بھابی نے کہتے ہوئے کہا۔

"اور سنا ہے کوٹھی میں تو سنا ہے بہاریں آگئی ہیں۔"

"وہ بہار جس کا تم تذکرہ کر رہے ہو اپنے کمرے میں ہے۔" شفق بھابی نے کہا۔

"صرف ایک درخواست ہے اپنی احمقانہ سوچ دوسروں پر مسلط کرنے سے پہلے دوسروں سے مشورہ کرلینا مناسب ہوتا ہے۔ آپ بھی ایسا کریں۔"

"حرج کیا ہے آخر؟ وہ بے حد خوبصورت ہے۔ ہر لحاظ

خوبی ہے اس میں بنے ضروری سمجھا جاتا تھا۔

"میں اس مذاق کا برا نہیں مانوں گا کیونکہ آپ میری بھابی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ابھی میں اور شفق بھابی بات ہی کر رہے تھے کہ دور سے محترمہ لالہ رُخ نظر آئیں اور میں ایک دم سیدھا ہو کر بولا۔

"باادب، باملاحظہ ہوشیار۔"

لالہ رُخ نے ہم دونوں کو دیکھا خاص طور سے مجھے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر ہمیشہ ہی شکنیں پڑ جاتی تھیں لیکن شاید بھابی کو دیکھ کر ادھر آگئی۔

"جی بھابی تو رات کا کھانا لان پر ہی کھایا جائے گا؟ سنا ہے کچھ اور لوگ بھی آ رہے ہیں۔"

"ہاں شوکت جاہ کے شناسا ہیں انہوں نے مدعو کیا ہے اور خواتین بھی ہوں گی۔"

"تو دو پورشن رکھے جائیں یا...!"

"میرا خیال ہے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر میزیں لگوا دو۔ کوئی پردہ نشین خاتون تو ہو نہیں سکتیں۔" شفق بھابی نے کہا۔

"جی...!"

"وہ لالہ رُخ صاحبہ خادم کی خدمات کی ضرورت ہو، تو کچھ مصروفیت سونپی جائے۔"

"خوب! تو کیا خادم بھی اپنے آپ کو اس گھر کا ایک فرد سمجھتا ہے؟" لالہ رُخ نے کہا۔

"خیر آپ کی موجودگی تو یہ کبھی نہ ہونے دے گی۔" میں نے کہا۔ "آپ مجھ سے فضول باتیں نہ کیا کیجیے۔"

"وہ دراصل لالہ رُخ ایک کام تھا تم سے میری پیاری بہن... تم تو ہر وقت ناراض ہی رہتی ہو مگر میں جانتا ہوں کہ یہ کام تمہارے سوائے کوئی نہیں کر سکے گا۔" میں نے کہا۔

"اچھا بھئی میں تو چل رہی ہوں۔" شفق بھابی بولیں۔

لالہ رُخ میرے اس انداز پر چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھی۔ اُس کی طبیعت سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ ذرا سی دیر میں وہ موم بھی ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ اُس کے انداز میں اُس سے گفتگو کر لی جائے۔ میں اس کے ساتھ ٹہلتا ہوا باہر آ گیا۔ پھر میں نے کہا۔

"غالباً رات کے کھانے کا انتظام تمہارے سپرد ہے۔"

"تو کیا کیا جائے؟"

"ویسے لالہ رخ اب تمہیں یا[illegible] کے انتظام کا بہترین تجربہ ہو گیا ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ ڈالیے؟ اس لہجے میں آپ نے مجھ سے کبھی بات نہیں کی۔"

"ارے نہیں لالہ ایسی کیا بات ہے۔ تم نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کام کیا ہے آپ کو مجھ سے...؟" لالہ رُخ بولی۔

"وہ جاوداں کیسی ہیں؟" میں نے کہا اور لالہ رخ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ خوش تو ہیں ناں وہ یہاں؟"

"ہوں! خوش تو ہیں۔ ظاہر ہے کیوں نہ خوش ہوں گی۔ آپ جو یہاں مسلسل براجمان ہیں۔"

"میں کہاں براجمان ہوں بھئی؟ صبح سے اب تو آیا ہوں۔"

"ویسے تو آپ مہینوں شکل نہیں دکھاتے تھے۔"

"وہ لالہ رُخ، جاوداں کا دل ٹٹولو۔ اس کے دل میں میرے لیے گداز پیدا کرو۔ میں دراصل... میں...!"

لالہ رُخ ایک بار پھر اچھل پڑی اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ونڈر فل...! اس کا مقصد ہے کہ میں ایک بہترین پیش گو ہوں۔"

"کیوں...!"

"یہ پیش گوئی تو میں نے پہلے ہی کر دی تھی۔"

"بس یوں سمجھ لو، تمہارے کہنے کے بعد میں نے اس بارے میں سوچا اور یہ فیصلہ کیا کہ واقعی جاوداں کو زندگی کا ساتھی بنایا جا سکتا ہے۔"

"ہوں! تو خادمہ کی اس سلسلے میں کیا خدمات ہیں...؟" لالہ رُخ نے پوچھا۔

"بھئی فی الحال جاوداں تک ہی محدود رہو اور اس کے دل کو ٹٹولو۔"

"جی بہتر... بہت بہتر۔" لالہ رُخ نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اور کوئی خدمت...؟"

"نہیں بس شکریہ! اگر تم نے یہ کام کر دیا تو یوں سمجھو کہ میرے لیے خوشیوں کے خزانے تلاش کر دیے۔" میں نے کہا اور لالہ رُخ نے دوسری جانب رُخ کر لیا۔

پھر وہ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ مجھے کسی قدر اطمینان ہوا تھا۔ جاوداں کے سلسلے میں شفق بھابی نے جس انداز میں کہا۔ وہ بات بڑی خطرناک لگی تھی۔ اگر اہلِ خاندان اس مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو ہو سکتا ہے ایک بار پھر لمبے عرصے کے لیے ان سے جدا ہونا پڑے۔ دل بھی نہیں چاہتا تھا۔ آخر اپنے تھے لیکن کوئی ایسی فضول بات بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا جو میری زندگی کے سارے پلان فیل کر دے۔ لالہ رخ سے جاوداں کے بارے میں دلچسپی کا اظہار کر کے میں نے اپنی دانست میں ایک مضبوط کیل گاڑ دی تھی، اپنے اور جاوداں کے درمیان۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میری سازش کس حد تک کامیاب ہو سکتی ہے۔ رات ہو گئی تھی۔ تمام انتظامات لان پر کر دیے گئے۔ کچھ مہمان آ گئے تھے۔ اچھی خاصی تعداد تھی۔ ان کا استقبال شوکت جاہ، اور باقی حضرات نے کیا تھا۔ جاوداں ابھی نہیں آئی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اندرونی حصے سے برآمد ہوئی تو نیلوفر نے ہنسی روکنے کے لیے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ لالہ رخ کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ تمام ہی لوگ ادھر دیکھنے لگے تھے۔ جن میں، میں بھی شامل تھا۔ جاوداں ایک نہایت خوبصورت غرارے میں ملبوس تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے قدیم دور تازہ ہو گیا ہو اور کسی نوابی محل سے کوئی نازک اندام دوشیزہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ لباسِ قدیم میں جلوہ افروز ہو رہی ہو۔ جاوداں آگے آ گئی آنے والے تمام لوگوں نے اُسے حیران نگاہوں سے دیکھا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ جاوداں اُس لباس میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی قدیم روح اٹھ کر چلی آئی ہو۔ انداز اور تمکنت اور حسن و جمال میں کوئی کمی نہیں تھی۔ اُسے اس لباس میں بھی اتنے ہی تپاک سے خوش آمدید کہا گیا۔ شوکت جاہ مسکرا رہے تھے۔

"یہ میری بیٹی جاوداں ہے۔ آپ لوگوں نے اسے اس لباس میں دیکھ کر یہ سوچا ہو گا کہ شاید کسی فیشن شو میں یا زمانہ قدیم کے کسی لباس کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ جاوداں کو اپنے کلچر سے عشق ہے۔ وہ قدیم ماحول کو بے حد پُرسحر نگاہوں سے دیکھتی ہے اور یہ ماحول اس پر طاری ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کے لباس کچھ اسی قسم کے ہوا کرتے ہیں۔"

"نہیں جاوداں تو واقعی ہمیں زمانہ قدیم کی اپنی تہذیب کی یاد دلا رہی ہے۔" کسی نے کہا۔

کچھ نوجوان بھی اس میں شامل تھے اور میں دلچسپ نگاہوں سے اُن کی نظروں کا مرکز دیکھ رہا تھا۔ جاوداں ہی تھی۔ سو فیصد، جاوداں۔ ماحول کچھ اس قسم کا ہو گیا تھا کہ کسی قسم کی ذاتی شرارت بے مقصد ہو جاتی۔ بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی تھے۔ ان آنے والوں میں، بزرگوں کا بھی اچھا خاصا اجتماع تھا چنانچہ معاملہ کسی قدر سنجیدہ ہی ہو گیا لیکن یہ سنجیدگی صرف اس وقت تک قائم رہی جب تک کھانے سے فارغت نہ حاصل ہو گئی۔ کھانے کے بعد نوجوان کو اس کے مواقع مل گئے کہ وہ اپنے طور پر کھل کھیلیں۔ ان آنے والوں میں سے ایک دو سہیلیاں لالہ رُخ کی بھی تھیں اور لالہ رُخ نے اپنی ٹولی بنا لی۔ شاید اُن کا ہدف جاوداں ہی تھی لیکن ایک بات کو میں نے بھی خلوصِ دل سے تسلیم کیا کہ جاوداں میں اور جو کمی ہو سو ہو لیکن ایک خوبی بے مثال تھی، وہ یہ کہ وہ کسی بھی حالت میں کسی سے مرعوب ہونا نہیں جانتی تھی اور اپنی شخصیت کی انفرادیت کو ہمیشہ برقرار رکھتی تھی۔ اُس نے [illegible] انداز میں مسکرانے سے کوئی شکن نہیں پیدا ہوتی تھی۔ ہاں اگر براہِ راست اُس سے کوئی سوال کیا جاتا تو وہ اس کا جواب بہت ہی عجیب انداز میں دیا کرتی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت میں بھی نوجوان کے درمیان ہی آ بیٹھا تھا لیکن ذرا دبا دبا بیٹھا تھا۔ چند نوجوان خصوصیت سے جاوداں کی جانب متوجہ اور اس پر اپنے اثرات ڈالنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔

"آپ نے تو ہالینڈ ہی میں ہوش سنبھالا ہے۔ اپنے ملک کے حالات آپ پر کس طرح اثر انداز ہوئی؟"

"مجھے اپنے لوگوں سے ہدایات ملتی رہیں۔" جاوداں نے جواب دیا۔

"بہت خوب! آپ کی تو اُردو بھی بہت عمدہ ہے۔ ویسے ہالینڈ اور انگلینڈ میں آپ نے کیا فرق پایا؟"

"ہر جگہ کی اپنی ثقافت ہوتی ہے۔ ہالینڈ بھی بہت خوبصورت جگہ ہے۔ دریائے رائن کے ساتھ ساتھ بادبانی کشتیاں اور جہاز ہر سمت بہت خوب صورت نظر آتے ہیں۔ سر سبز پہاڑیوں کے دامن میں ننھے منے گاؤں آباد ہیں۔ چوٹیوں پر خوب صورت پریوں کے قلعے نظر آتے ہیں۔ ہالینڈ کے لوگ انگریزوں کی مانند اپنے گھروں کو قلعہ بنا کر نہیں رکھتے بلکہ سرے سے چہار دیواری بنانے کا رواج ہی نہیں ہے وہاں۔ سرِ شام ہی لوگ کرسیاں باغیچے میں ڈال کر پڑوسیوں کے ساتھ خوش گپیاں کرتے ہیں اور بہر طور یہ اُن کی ثقافت کا ایک حصہ ہے۔"

ہالینڈ کی ثقافت میں کوئی ایسی خاص بات نظر آئی جس نے آپ کو متاثر کیا ہو؟"

"ہاں! کیوں نہیں۔ میں نے کہا نا کہ ہر جگہ کے رہنے والے کچھ نہ کچھ خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ میں ہالینڈ کی تعمیر سے بہت متاثر ہوں۔ وہاں بہت محنت سے کام کیا جاتا ہے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ کھیتوں اور چھوٹی چھوٹی نہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ نہروں کے کنارے دیوزاد تتلیوں کی مانند اپنے چوڑے پر پھیلائے نظر آنے والی ہوائی چکیاں اتنی حسین معلوم ہوتی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ذرا سی آہٹ سے جھٹ فضا میں پرواز کر جائیں گی اور آپ کو یہ بات معلوم ہو کہ پچیس ہزار مربع میل کے کل رقبے سے ہالینڈ کا سوا چار ہزار مربع میل رقبہ زیر آب ہے۔ تقریباً پورا ملک سمندر کی سطح سے دس فٹ نیچے ہے۔ دنیا کی اور کوئی قوم ایسا کوئی مظاہرہ نہیں کرتی کہ اس نے اپنا ملک خود اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا ہو۔ پورے ہالینڈ کا آدھا حصہ سمندر کو خشک کر کے حاصل کیا گیا ہے اور آج سے ایک ہزار سال قبل ہالینڈ یعنی نشیبی علاقوں کے باشندوں نے اپنے دلدل اور پانی سے گھرے ہوئے مکانوں اور زمینوں کو وسعت دینے کے خواب دیکھے تھے۔ اس کی تکمیل کے لیے انہوں نے بند باندھے۔ نہریں کھودیں اور اپنے ہاتھوں سے پانی کا نکاس کیا۔ زمانہ کچھ بدلا تو انسانی ذہن نے ہوائی چکیوں کو جنم دیا جو زمین کو خشک کرنے میں بہت معاون ثابت ہوئیں۔ بجلی کی ایجاد اور جدید مشینوں نے بے شک ہوائی چکیوں کی افادیت کو ختم کر دیا ہے لیکن آپ کو یہ علم ہے کہ ہالینڈ کا نقشہ انہی چکیوں کی بدولت دنیا کے نقشے پر ابھرا ہے۔"

"بہت خوب! یوں لگتا ہے جیسے آپ نے ہالینڈ کی ثقافت کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیا ہے۔"

"اپنے اور دوسرے میں تعین کرنے کے لیے دوسرے کو بغور دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" جاوداں نے جواب دیا۔

میں خاموشی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس وقت اس نے اپنے الفاظ میں بہت زیادہ گاڑھی اردو نہیں استعمال کی تھی ویسے میں اس کی شخصیت کی گہرائیوں میں بھی جھانک رہا تھا۔ یہ لڑکی یا تو بہت زیادہ چالاک ہے یا پھر انتہائی سادہ اور بیوقوف۔ دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں۔ اپنے آپ کو مقامی ثقافت کا اس طرح سے مظاہرہ کرانے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے لیکن اس نے کسی بھی موقع پر جھجک کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ یوں یہ سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا اور پھر چند نوجوانوں نے جاوداں کو اپنے ہاں مدعو کرنے کی پیش کش بھی کی جسے اس نے خوشی سے قبول کر لیا تھا البتہ اس نے کہا۔

"اس سلسلے کو میں اپنے ابو کے سامنے پیش کروں گی اگر انہوں نے اجازت دی تو ٹھیک ہے۔ میں حاضری دوں گی۔ آپ لوگ باقاعدہ مجھے مدعو کیجیے۔" غالباً وہ یہاں اپنے رسوخ بڑھانے میں کوشاں تھی۔

"میں لالہ رخ، نیلوفر اور ہمارے باقی ساتھی اس وقت ذرا پیچھے ہی رہے۔ وہ جاوداں کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ اسے اپنی حقیقتیں معلوم ہو جائیں لیکن جاوداں کی پرسحر شخصیت نے کسی کو اس سے مذاق کرنے کی جرأت نہ دلائی اور وہ لوگ زیادہ تر اس کے بارے میں اس سے گفتگو کرتے رہے۔ بہرحال یہ محفل بخیر و خوبی ختم ہو گئی۔ میں نے لالہ رخ اور نیلوفر کی شخصیتیں دبی دبی محسوس کی تھیں۔ ویسے عموماً میرا جائزہ بھی لیا جاتا رہا تھا لیکن آج کی اس کمپنی میں میری کوئی ایسی موومنٹ سامنے نہیں آئی جو کسی کے لیے باعث دلچسپی ہوتی۔ بہر طور دن کا مسئلہ تو شوکت جاہ صاحب نے ختم ہی کر دیا تھا اور ہم لوگوں کو یہ آسانی ہو گئی تھی کہ یہ تفریح ایک مخصوص وقت میں کی جاتی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اس بات سے بھی خوف زدہ رہتا تھا کہ کہیں کوئی ایسی ذمہ داری میرے سپرد نہ کر دی جائے جو میرے لیے باعث الجھن بن جائے۔ فی الحال کوئی ایسا مسئلہ سامنے نہیں تھا جس میں، میں مصروف ہوتا اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت میں کوٹھی کے معاملات میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن انسپکٹر غالب نے جو کچھ بتایا تھا۔ اس کے تحت میں خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ دفتر پہنچا تو فاروقی صاحب وغیرہ موجود نہیں تھے۔ میرا چونکہ کورٹ میں کوئی کام نہیں تھا اس لیے میں کافی دیر تک دفتر ہی میں بیٹھا رہا پھر تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ایک ٹیلی فون موصول ہوا۔ ریسیور اٹھا کر بات کی تو ایس، پی بابر جان تھے۔

"شارق حسین تشریف رکھتے ہیں؟ میں بابر جان بول رہا ہوں۔"

"وہی بول رہے ہیں۔ فرمائیے بابر صاحب خیریت...!"

"اوہو شارق بھئی میں نے تمہارے کام میں کاہلی کا ثبوت نہیں دیا ہے اور اس وقت میرے پاس وہ تمام تفصیلات موجود ہیں جس کی فرمائش تم نے کی تھی۔"

"مصروفیت ہے... میرا مطلب ہے ٹیلی فون پر تفصیل بتانے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟"

"حرج تو ہے۔ اب یہ بتاؤ چائے تم میرے ساتھ پی رہے ہو یا میں تمہارے ساتھ پیوں؟"

"آپ ہیڈ کوارٹر میں ہیں؟"

"نہیں! تمہارے دفتر سے بہت قریب ایک جگہ کام سے آیا تھا۔ یہیں سے فون کر لیا۔"

"تو پھر میں آپ کو چائے کی دعوت دیتا ہوں۔ بصد خلوص و نیاز۔"

"تو ہم بصد عجز و انکسار یہ دعوت قبول کرتے ہیں۔ پہنچ رہے ہیں۔" بابر صاحب نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرا دیا۔

فون بند کرنے کے بعد میں نے استاد جمونے کو چائے کے لیے کہا اور وہ گردن خم کر کے باہر نکل گیا۔ میں بابر جان کا انتظار کرتا رہا۔ انہوں نے آنے میں بہت زیادہ دیر نہیں لگائی۔ میں نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور پھر نہایت نیاز مندی سے کہا کہ انہوں نے مجھ پر جس قدر توجہ دی ہے۔ اس کے لیے میں بے حد شکر گزار ہوں۔

"میاں مذاق مت اڑاؤ ہمارا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارا کام تم سے زیادہ پڑتا رہے گا اور اس لیے بہت زیادہ مستعد ہو جاتے ہیں تمہارے کسی حکم پر۔"

"میں آپ کا خادم ہوں، کبھی حکم دے کر تو دیکھیے۔ آپ نے مجھ سے کام ہی کیا لیا ہے۔"

"بس یوں سمجھ لو کہ تمہاری گلوخلاصی بھی آسانی سے نہیں ہو گی۔ تم نے جو چکر چلایا ہے وہ ہم لوگوں کے لیے بھی باعث دلچسپی ہے۔ بھئی اس میں کوئی شک نہیں کہ جرائم کی تفتیش پولیس کا کام ہے لیکن بعض اوقات ہم بھی چکرا جاتے ہیں۔ البتہ ایک بات اس سلسلے میں ضرور کہی جا سکتی ہے۔"

"وہ کیا...؟"

"جب تم کسی کیس کے سلسلے میں تفتیش کرتے ہو تو تمہارے اندر پولیس کی وہ صلاحیتیں بھی موجود ہوتی ہیں جو پولیس والوں کو مجرم تک پہنچا دیتی ہیں اور ایک وکیل کے قانونی لائسنس بھی ان دونوں چیزوں کے ساتھ ساتھ ایک چیز جو تمہارے پاس ہوتی ہے شارق حسین، وہ ہے تمہارا وقت اور فرصت، یعنی تم ایک ہی کام میں مصروف ہو جاتے ہو جبکہ پولیس کی ذمہ داریاں تم جانتے ہو کہ اس کے سپرد نہ جانے کتنے کتنے کام ہوتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"تو ایسی کسی صورت میں اگر ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئے تو کیا تم ایک پولیس افسر کی حیثیت بھی اختیار کر سکتے ہو۔"

"آپ کے حکم پر...!" میں نے جواب دیا۔

"ہاں... پورے اختیارات کے ساتھ ہم تمہیں اس کا موقع فراہم کریں گے۔"

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"نہیں یہ پیش بندی ہے۔ یعنی ایسی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔"

"مجھے خوشی ہو گی۔" میں نے جواب دیا اور وہ مسکرانے لگے پھر بولے۔

"ہاں بھئی تو ہم نے ہی تمہارا کام کر دیا۔ ویسے یار معاملہ بہت سخت ہے۔ دیکھو میں تم جیسے کسی دلیر آدمی کو ڈرانے کی جرأت تو نہیں کر سکتا لیکن شارق ایک بڑے کی حیثیت سے میرا یہ فرض بھی ہے کہ [illegible] کو سمجھاؤں۔ صورت حال کچھ عجیب سی ہو گئی ہے اور باعث [illegible] تشویش بھی ہے لیکن اس کی حقیقتوں سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ دنیا کس رنگ میں جا رہی ہے لیکن [illegible] اور پھر لو دیکھتا ہوں تو اس بات کا احساس [illegible] ہو جاتا ہے جرم بلاشبہ دنیا کی سب سے گھناؤنی چیز ہے اور اس کے سلسلے میں کوئی بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو کسی بھی جرم کو [illegible] پسندیدہ بات قرار دے لیکن افسوس کی بات یہ ہے جرم کرنے والوں نے اپنے لیے اتنی مضبوط پناہ گاہیں تلاش کر لی ہیں کہ ان پناہ گاہوں کے دوسری طرف پہنچنا ناممکن ہی ہو گیا ہے۔ اب تم دیکھو [illegible] چھوٹے واقعات ہوتے ہیں کوئی بھی [illegible] کر کے آ جاتا ہے اور اطمینان سے واپس چلا جاتا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ اس کی تمام تر ذمہ دار پولیس ہے؟ نہیں میاں یہ تصور ذہن سے نکال دو۔ بے شک بعض پولیس کا کردار بھی معیوب رہا ہے بلکہ ہوتا ہے... لیکن اس کے پس پردہ کچھ اور عوامل بھی ہوتے ہیں۔ پولیس اپنے طور پر صرف دیانتداری کا ثبوت دے تو اسے یہ دیانت بھی تو نہیں کرنے دی جاتی۔ اس کے بھی تو اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ نوکری کا معاملہ ہے عزت کا معاملہ ہے۔ بہت سے ایسے معاملات ہوتے ہیں۔ اب غالب ہی کو دیکھ لو۔ اس نے قانون کے مطابق عمل کرنا چاہا تھا لیکن جس شخص کے خلاف اس نے عمل کیا۔ وہ اس سے زیادہ طاقتور تھا چنانچہ اس نے اسے کس دیا۔ اب اگر غالب کسی ایسے مسئلے پر

اپنے اندر لچک پیدا کر لیتا ہے اور جرم کی پشت پناہی کر دیتا ہے تو وہ لوگ پتا نہیں اسے کیا کیا کہنے لگیں گے۔ میرا مطلب یہی ہے کہ اس وقت معاملہ کچھ الجھا الجھا ہوا سا چل رہا ہے چنانچہ تم بھی جو کچھ کرو، اس میں تھوڑا سا اپنا تحفظ برقرار رکھنا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں اور واقعی آج تک یہ بات میرے لیے باعث اذیت رہی ہے بلکہ ہر صاحب دل کے لیے باعث اذیت ہو گی۔ انسان بستیوں میں آباد ہوتے ہیں۔ ان کے لیے قوانین بنتے ہیں۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے قائم ہوتے ہیں۔ عدالتیں قائم ہوتی ہیں۔ مقصد یہی ہوتا ہے ان تمام چیزوں کا کہ اخلاق و تمدن کے وہ پہلو داغ دار نہ ہوں جو انسانوں کے لیے ازحد ضروری ہوتے ہیں لیکن انہیں داغ دار کیا جاتا ہے۔ خیر چھوڑیے! اب آپ یہ بتائیے کہ معاملہ کیا ہے؟"

"وہ صاحب جن کے بیٹے کا معاملہ ہے۔ بہت ہی عجیب و غریب شخصیت کے مالک ہیں۔ نام ہے قیصر پرویز، عہدہ اچھا خاصا ہے لیکن یہ عہدہ ان کی شخصیت کا مظہر نہیں ہے۔ اصل شخصیت ان کی یہ ہے کہ وہ ہر مشکل کا حل ہیں۔ کہیں بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو، اگر ان کا ساتھ پکڑ لیا جائے تو یوں سمجھ لو لوگوں کی مشکلات حل ہوتے دیر نہیں لگتی۔ وہ تقریباً ہر محکمے میں مداخلت رکھتے ہیں۔ پتا نہیں کون سے ذرائع اختیار کیے ہیں انہوں نے کہ ان کے تعلقات بے پناہ ہو گئے ہیں۔ قیصر پرویز کا بیٹا مسعود پرویز ہی وہ لڑکا ہے جس نے اس ٹیچر لڑکی کو اٹھایا تھا اور اس کے دونوں ساتھی بھی اچھے خاصے صنعت کاروں کے بیٹے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دولت کی فراوانی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مضبوط پشت پناہی بھی ہے۔ قیصر پرویز بہت سخت گیر آدمی بھی ہے۔ لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بڑے بڑے لوگوں کو اس نے کس کر رکھ دیا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں سوچتے ہوئے ہر شخص کو کچھ سوچنا پڑتا ہے۔"

"ہوں! گویا یہ بات ثابت ہو گئی کہ واقعہ اصل میں ضرور ہے۔"

"نہیں یہ بات اس انداز میں ثابت نہیں ہوئی جس انداز میں تم سوچ رہے ہو۔ انسپکٹر غالب نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا تھا اور جس طرح اس نے ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا۔ وہ بالکل الگ چیز تھی لیکن اس کے بعد ان کے خلاف کسی کو کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ میں نے تو صرف اپنے ذرائع سے کام لے کر یہ بات معلوم کی تھی کہ وہ تینوں لڑکے ہیں کون؟ ان میں سے ایک کا نام طارق ہے۔ دوسرے کا جاوید اور تیسرا مسعود۔ تینوں گہرے دوست ہیں اور ہر جگہ ساتھ دیکھے جاتے ہیں اور مسعود کا باپ قیصر پرویز ہے۔ بس اتنا ہی معلوم کر سکا ہوں میں۔"

"اور لڑکی اور اس کی ماں ...؟"

"ہاں! اس کیس کے بارے میں تفصیلات معلوم کرتے ہوئے ان کا پتا بھی میرے علم میں آ چکا ہے۔"

"یاد ہے ...؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ تو انہوں نے مجھے ان کا پتا نوٹ کرا دیا اور میں نے اسے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

لڑکی کا نام نوشابہ سلیم تھا اور اس کی ماں کا نام بابر جان کو معلوم نہیں تھا بس اتنا ہی کافی تھا کہ ان کا پتا میرے پاس آ گیا۔ پھر میں نے قیصر پرویز کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور مجھے ان کا پتا بھی دے کر کہنے لگے۔

"یہ شخص ہر بڑی محفل کی جان ہے۔ ہر جگہ بلایا جاتا ہے اور اس کا ایک الگ مقام ہوتا ہے۔"

"میں بھی اسے ایک الگ مقام دوں گا۔"

"بھئی تم بہتر جانتے ہو لیکن ہم تمہیں سمجھا چکے ہیں بے شک یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہیں وہی کرنا چاہیے جو تم کر رہے ہو لیکن ایک دوست کی حیثیت سے بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا۔"

"بہت بہت شکریہ! ایک سوال اور کر لوں اگر آپ جواب دینا پسند کریں۔"

"ہاں ... ہاں ضرور!"

"انسپکٹر غالب کی تنزلی کس کے ہاتھوں عمل میں آئی؟"

میں نے سوال کیا اور وہ پُرخیال انداز میں تھوڑی کھجانے لگے۔ پھر نرم لہجے میں بولے۔

"دیکھو! میں کسی کی طرف داری نہیں کر رہا۔ یہ نہیں کہوں گا کہ جس نے اسے معزول کیا۔ وہ بہت ہی باکردار آدمی ہے لیکن اس بات کو ذہن میں ضرور رکھنا کہ بعض اوقات باکردار آدمی بھی معزول کر دیے جاتے ہیں۔ میری مخلصانہ رائے ہے کہ اپنا دائرہ کار اوپر کی سطح پر رکھو اور اس طرف متوجہ نہ ہو جس طرف تمہارا ذہن جا رہا ہے۔"

میں پُرخیال نگاہوں سے ان کو دیکھتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"صرف اس نظریے کی بنا پر آپ کا یہ حکم مان رہا ہوں

ایس، پی صاحب کہ آپ بھی ایس، پی بابر جان ہیں، یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کے صدقے میں اپنا یہ ارادہ ترک کرتا ہوں۔"

"میں اس عزت افزائی کے لیے تمہارا دلی شکر گزار ہوں۔ اچھا چائے کہاں ہے ہماری؟" انہوں نے کہا اور اسی وقت استاد چراغ کے جن کی مانند اندر داخل ہو گئے۔

"بھئی کمال ہے۔ یعنی یہاں کام اس انداز میں ہوتا ہے۔ استاد چائے بنا کر بھی آپ ہی دیجیے۔ آپ کے ہاتھ کی چائے پئیں گے۔" بابر جان نے ان سے کہا۔

"ابھی لیجیے صاحب!" استاد خوشی سے بولے اور پھر انہوں نے چائے بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔

چائے پی کر وہ تو چلے گئے۔ میں کاغذ پر بال پوائنٹ سے وہ پتا نوٹ کرنے لگا جو نوشابہ سلیم کا تھا۔ واقعہ میرے لیے نیا نہیں تھا، بس انداز بدلا ہوا تھا۔ معاشرے میں جرائم کا انداز تقریباً یکساں ہی ہوتا ہے بس تھوڑی سی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں اس میں۔ نوشابہ سلیم بھی بے چاری انہی لڑکیوں میں سے تھی جو اپنے لیے مضبوط سہارے نہیں رکھتیں۔ لیکن کیا کریں اس دنیا میں جی رہی ہیں۔ جینا پڑتا ہے۔ کتنے لوگ خودکشی کریں گے؟ کتنے لوگ بے سہارا ہونے کی وجہ سے اس دنیا کو ترک کر دیں گے اور جبکہ خودکشی گناہ بھی ہے۔ زندگی کا یہ بوجھ جس انداز میں بھی گھسیٹا جا سکے، دنیا گھسیٹ ہی رہی ہے۔ فاروقی صاحب یا جاوید قریشی کا انتظار بے معنی ہی تھا چنانچہ میں وہاں سے نکل آیا اور اپنی کار اسٹارٹ کر کے اسے آگے بڑھا دیا۔ اس علاقے میں پہنچنے کے لیے میں نے کار کا سہارا نہیں لیا بلکہ کار ایک معروف شاہراہ میں ایک پارکنگ لاٹ پر کھڑی کر کے میں باہر نکل آیا اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ کر اس جانب چل پڑا۔ جہاں نوشابہ سلیم رہتی تھی۔

گندہ سا معمولی سے لوگوں کا علاقہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے بے ترتیب مکانات بنے ہوئے تھے جن پر کوئی نمبر وغیرہ نہیں تھا۔ وہ گھر تلاش کرنے میں بے حد مشکل پیش آئی جو نوشابہ سلیم کا تھا۔ ایک عسرت زدہ بوسیدہ سا گھر جو ذرا الگ تھلگ کر بنا ہوا تھا۔ گھر کے دروازے پر پہنچ کر میں نے چند لمحات کو کچھ سوچا اور پھر آہستہ سے دستک دی۔ ایک بار، دو بار، تین بار دروازہ اندر سے بند تھا لیکن جواب سنائی نہیں دیا تھا البتہ دروازے کے عقب میں کچھ آہٹیں ابھری تھیں، میں نے ایک بار پھر دروازہ بجایا اور آہستہ سے بولا۔

"دروازہ کھولیے ...!"

"کک ... کون ہو ... کون ہو تم؟" اندر سے ایک ڈری اور سہمی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

"براہ کرم دروازہ کھولیے۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"ہم ... ہم ... ہم کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ تم کون ہو آخر؟ اپنا نام بتاؤ۔"

"میرا نام شارق ہے اور میرا تعلق اخبار سے ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہمیں کسی اخبار والے سے نہیں ملنا۔ چلے جاؤ۔ خدا کے لیے یہاں سے چلے جاؤ۔" سہمی ہوئی آواز نے کہا۔

"آپ دروازہ تو کھولیے۔ میں بہت فاصلہ طے کر کے آپ تک پہنچا ہوں۔"

"دروازہ نہیں کھلے گا۔ بھاگ جاؤ۔ میں نے تم سے کہہ دیا کہ یہاں کوئی تم سے نہیں ملے گا۔ ہمیں کسی اخبار والے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"آپ براہ کرم دروازہ کھولیے!" میں نے کسی قدر سخت لہجے میں کہا اور دوسری طرف مکمل خاموشی چھا گئی۔

"آپ دروازہ کھولتی ہیں یا نہیں؟" میں نے پھر کہا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

میں نے پھر زور زور سے دروازے پر دستک دی لیکن جواب میں دوسری طرف مکمل خاموشی چھائی رہی۔ میرا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ وہ لوگ بے حد خوفزدہ تھے۔ لیکن یہ غصہ ان پر نہیں تھا بلکہ میں ان کے حالات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ اب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بزرگ صورت آدمی گزر رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ بزرگ صورت آدمی شاید مجھے یہ دروازہ بجاتے دیکھ چکے تھے۔ کھڑے ہو کر میرا انتظار کرنے لگے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے بڑی محبت سے جواب دیا تھا۔

"کہیے کیا بات ہے؟"

"میں اس گھر میں موجود لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں مگر دستک دے دے کر تھک گیا۔ کوئی دروازہ ہی نہیں کھولتا۔"

"بیٹے وہ دروازہ اب مستقل طور پر بند ہو گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں جناب!"

"میاں میری عمر ہی کتنی ہے جس وقت خدا نے حکم دیا۔ اس کے حضور پہنچ جاؤں گا۔ اس لیے میں دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ڈرتا۔ اس گھر میں دو ماں بیٹیاں رہتی ہیں۔ بے چاریوں کے ساتھ ایک حادثہ پیش آگیا ہے اور اس کے بعد وہ گھر میں محصور ہو کر رہ گئی ہیں۔ نہ ماں باہر نکلتی ہے، نہ بیٹی۔ بس کوئی مجبوری ہی انہیں باہر نکال لائے۔ کسی سے بات تک نہیں کرتیں اور پھر محلے والے بھی اُن کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ سب کو اپنی اپنی عزت پیاری ہوتی ہے میاں۔"

"لیکن کیوں آخر... ایسا کیوں ہوا ہے؟"

بزرگ نے میری صورت دیکھی اور پھر بولے۔ "مگر تم کون ہو بیٹے؟ اُن سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"جناب میرا تعلق اخبار سے ہے اور یہ بات میرے علم میں آئی ہے کہ ان لوگوں کو کوئی مشکل پیش آئی ہے۔ میں اس کی تفصیلات جاننا چاہتا ہوں۔"

"تاکہ اخبار میں اس کی خبر دے دو؟ میاں مار ڈالی جائیں گی دونوں، کیوں بیچاریوں کے جان کے پیچھے پڑے ہو۔ جان ہی بچ جائے تو بڑی بات ہے۔"

"بزرگ ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ آپ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تو اس وقت آپ کیوں خوف زدہ ہیں؟"

"اللہ نہ کرے کہ میں خوفزدہ ہوں۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے؟"

"پہلا یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ان دونوں کو کسی نے خوف زدہ کیا ہے؟"

"نہ صرف ان دونوں کو بلکہ سارے محلے والوں کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ ایک خطرناک آدمی جو بدمعاش معلوم ہوتا تھا جیپ میں بیٹھ کر آیا، اپنے دس بارہ مسٹنڈوں کے ساتھ یہاں سب کو گالیاں دیں اور کہا کہ اس گھر کی طرف اگر کسی نے نظر بھر کر بھی دیکھا تو آنکھیں نکال لی جائیں گی۔ فائرنگ بھی کی اس نے دندناتا ہوا چلا گیا تھا۔"

"ہوں! اور جب سے محلے والے خوف زدہ ہیں۔"

"ظاہر ہے تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ بیچارے محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنے والے کیا غنڈہ گردی کریں گے۔ سب اپنے اپنے کان دبا کر بیٹھ گئے ہیں۔ کیا کیا جا سکتا ہے، پیٹ بھرنا مشکل ہے۔ اس مشکل دور میں، انسان دوسرے جھگڑوں میں کہاں پڑے؟"

"کل کوئی بدمعاش آپ کے گھر بھی آسکتا ہے بزرگ۔"

"ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے؟"

"نہیں آپ فرمایئے...!"

"اگر میرے گھر میں کوئی آیا تو میں دونوں ہاتھ جوڑ کر اس سے ہر طرح سے معافی مانگوں گا اور کہوں گا کہ مجھ سے جو غلطی ہو گئی ہے۔ مجھے معاف کر دے اس لیے میاں کہ بدمعاشوں کے خلاف ہمارے پاس کوئی سہارا نہیں ہے۔ ہماری کوئی آواز کوئی زبان نہیں ہے۔ ہم زندہ ہی نہیں ہیں۔ مُردوں کی مانند زندگی گھسیٹ رہے ہیں بس اس کی تفصیلات میں نہ جاؤ کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ دنیا جانتی ہے۔ تم بھی جانتے ہو گے اور پھر تم تو اخبار والے ہو، تم سے زیادہ اس معاملے میں اور کون بہتر جان سکتا ہے۔ میرے لائق اور کوئی خدمت...؟"

"بزرگ اگر یہ دونوں ماں بیٹیاں باہر نہیں نکلتیں تو پھر ان کا ذریعۂ آمدنی کیا ہے؟"

"ذریعۂ آمدنی... ابھی دو تین دن قبل انہوں نے لحاف بیچے ہیں۔ نئے نئے اور اچھے بنے ہوئے لحاف جو میں جانتا ہوں صرف اس لیے بیچے ہیں کہ کھانے کے لیے کچھ ہو جائے۔ اس سے پہلے برتن بیچے گئے تھے۔ اس سے پہلے ٹین کا سامان، مقصد یہ ہے کہ آہستہ آہستہ وہ اپنا سامان بیچ بیچ کر اپنا پیٹ بھر رہے ہیں خدا جانے ان کے ذہن میں کیا منصوبہ ہوگا۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ سارا سامان بیچنے کے بعد ماں بیٹی کسی رات خاموشی سے یہاں سے نکلیں گی اور کہیں چلی جائیں گی۔ اب کہاں جائیں گی۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

میری آنکھوں میں آنسو آگئے میں نے آہستہ سے کہا۔

"بزرگ مجھے اس دروازے کو کھلوانے میں آپ کی مدد درکار ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں بیٹے کچھ نہ کر سکوں گا۔" بزرگ نے کہا اور سلام کر کے آگے بڑھ گئے۔

میں خاموشی سے کھڑا انہیں آگے جاتے دیکھتا رہا تھا۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ بہر طور پھر میں واپس پلٹا اور دوبارہ اس دروازے پر پہنچ گیا۔

"دروازہ کھولو!" میں نے ازحد سخت لہجے میں کہا۔

کچھ سرگوشیاں سی بھی ابھریں اور بعد کچھ چھینا جھپٹی بھی ہوئی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ میں نے ایک عجیب منظر دیکھا تھا۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ دبلے پتلے قد و قامت کی مالک خشک ہونٹوں اور پچکے ہوئے گالوں کی مالک۔ آنکھوں میں

حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے عقب میں ایک بوڑھی عورت تھی جو دہشت زدہ انداز میں اسے پیچھے گھسیٹ رہی تھی۔

"کھولنے دو، قتل کر دینے دو ہمیں۔ مر ہی جائیں گے۔ کیوں جینا چاہتی ہو تم۔ لعنت ہے اس زندگی پر جو خوف کے عالم میں گزرے۔ میں مرنا چاہتی ہوں۔ میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔ تم بھی مر جاؤ اماں... تم بھی مر جاؤ۔" لڑکی نے دل برداشتہ لہجے میں کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر آنکھیں نکال کر بولی۔ "ہاں کہو... کہو۔ کیا چاہتے ہو؟ قتل کرنے آئے ہو یار ہم نے تو تمہارے خلاف کسی سے کچھ نہیں کہا۔ ہم تو اپنی اس قبر میں زندہ دفن ہیں۔ اب کیا شکایت ہو گئی تمہیں ہم سے؟ بتاؤ اب کیا چاہتے ہو ہم سے؟ مارنے آئے ہو تو مار دو ہمیں ختم کر دو۔ تمہارے لیے یہ کام مشکل نہیں ہے۔"

"میرا تعلق ایک اخبار سے ہے اور میں آپ سے گفتگو کرنے آیا ہوں۔"

"انٹرویو چھاپو گے، کہانی لکھو گے ہماری کسمپرسی کی، ہماری بے عزتی کی۔ اخبار والے ہو نا تم... تم، دیکھو میں کوئی بری بات کہہ دوں گی۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ تم نے دروازہ کھلوایا۔ میں نے کھول دیا اگر تم ان میں سے نہیں ہو جو ہمیں زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں تو واپس چلے جاؤ۔ ہم اس دنیا میں کسی سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ ہمیں کسی اخبار سے دلچسپی نہیں ہے۔ تم تو اپنی روزی کمانے کے لیے چند الفاظ لکھ دو گے اور پھر ہمارا جو کچھ ہوگا تم نہیں جانتے۔ پلیز چلے جاؤ... ہمارے یہاں سے۔" لڑکی نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"تمہیں اس دنیا میں کسی پر اعتبار ہے؟"

"نہیں...!" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تب بھی میں تمہارے پاس بیٹھ کر تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھیا تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں خدا کا واسطہ معاف کر دو ہمیں۔ ہم کسی سے نہیں ملنا چاہتے۔ اس دنیا میں، اس کم بخت دنیا میں ہمارا کوئی نہیں ہے۔ کوئی رشتہ ناتے دار ہوتا تو وہاں چلے جاتے۔ اب تک یہاں کیوں مرتے؟ معاف کر دو ہمیں ہم کسی سے نہیں ملنا چاہتے۔" اس بار بوڑھی عورت نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"ماں جی آپ نے اپنے اوپر جو بے کسی سوار کر لی ہے اس میں معاف کیجیے گا زمانے کا نہیں آپ کا قصور ہے۔"

"ہاں بھیا ہم قصوروار ہیں۔ اللہ کے لیے ہمیں معاف کر دو۔ مسلمان ہو تم۔ اللہ کا نام لیتے ہو۔ ہمیں اس خدا ہی کے نام پر معاف کر دو۔"

"کچھ بھی ہو جائے میں آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

معمر عورت نے کچھ بولنا چاہا لیکن لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

"آؤ.... اندر آؤ۔"

اور میں اندر داخل ہو گیا۔ لڑکی نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ وہ مجھے لیے ہوئے برآمدے میں پہنچی اور پھر زمین کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"بیٹھ جاؤ ہمارے پاس اس سے زیادہ تمہاری عزت افزائی کے لیے اب کچھ نہیں ہے۔ ہم نے اپنا سارا سامان بیچ دیا ہے۔ پلنگ تک فروخت کر دیے ہیں۔ انہیں بیچ دیا ہے۔ کھانے کے برتن بیچ دیے ہیں۔ اپنے بستر بیچ دیے ہیں اور اب شاید ہمارے پاس پہننے کے لیے صرف وہ کپڑے باقی رہ گئے ہیں جنہیں ہم نے محفوظ رکھا ہے تاکہ کچھ دن اور جی لیں۔"

میں اطمینان سے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ لڑکی ایک دیوار سے ٹیک لگا کر مجھے گھورنے لگی۔

"ہاں تو اخباری رپورٹر انٹرویو لینے آئے ہو ہمارا؟ کیا تم چاہتے ہو کہ کچھ دن کے بعد اس گھر سے ہماری تعفن زدہ لاشیں برآمد ہوں۔ ٹھیک ہے ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ ہاں میرا نام نوشابہ سلیم ہے۔ میں ہی وہ لڑکی ہوں جو ایک اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اس لیے کہ اپنی ماں کی کفالت کر سکوں۔ ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے پھر اس دن تین غنڈوں نے مجھے اغواء کرنے کی کوشش کی لیکن ایک پولیس آفیسر نے میری مدد کی اور شاید ان میں سے دو غنڈوں کو پکڑ لیا۔ تیسرا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ پولیس آفیسر نے مجھے تھانے لے جا کر میری

رپورٹ درج کی اور اس کے بعد عزت سے مجھے میرے گھر پہنچا دیا۔ لیکن اس کے بعد میری کوئی خبر نہیں لی گئی۔ ہاں چند روز کے بعد پولیس کے چند افراد میرے گھر میں آئے اور مجھے دھمکیاں دیں کہ اگر میں نے اب اس سلسلے میں کسی کو یہ بتایا کہ میرے ساتھ ایسا کوئی سلوک ہوا ہے تو مجھے دیکھ لیا جائے گا۔ میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی کوئی کارروائی کرتی چنانچہ میں صبر کرکے خاموش ہوگئی۔ لیکن اس کے بعد بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا گیا۔ ہمیں وقفے وقفے سے دھمکیاں ملتی رہیں اور ایک دن ایک بہت ہی خوفناک صورت آدمی ہمارے گھر کے دروازے کو لات مار کر اندر داخل ہوگیا۔ اس کا چہرہ بہت چوڑا تھا اور اس کے داہنے گال پر گہرے زخم کا نشان تھا۔ اُس نے ایک لمبا سا چاقو نکال کر میری اور میری ماں کی طرف تانتے ہوئے کہا کہ اگر اس سلسلے میں، میں نے کبھی بھی زبان کھولی کسی کے سامنے تو میرے ٹکڑے بھی دستیاب نہیں ہوں گے۔ ہاں پریس رپورٹر ہمیں ایسی ہی دھمکیاں مسلسل ملتی رہتی ہیں۔ کبھی کسی خط کی شکل میں اور کبھی کسی صورت میں۔ اُن میں سے کوئی نہیں آیا لیکن ہماری زندگی مشکل ہوگئی ہے۔ ہم خوف اور کسمپرسی کے عالم میں جی رہے ہیں لیکن اب۔۔۔ اب میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں، ہاں اب میں خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔"

"نوشابہ۔۔۔ نوشابہ خاموش ہو جا بیوقوف۔ پریس رپورٹر بھیا تمہیں اللہ کا واسطہ ہماری یہ بات کبھی مت چھاپنا۔ دیکھو تم تو اپنی روزی کما لوگے مگر ہمارا کیا ہوگا؟ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ یہ۔۔۔ یہ ماری جائے گی۔" معمر عورت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تو اب کون سی جی رہی ہوں میں؟ تم جی رہی ہو۔۔۔ میں جی رہی ہوں۔ اِسے ہی زندگی کہتے ہیں؟ کب تک جئیں گے ہم اس گھر میں؟ ان کے ہاتھوں قتل ہوکر مر جائیں یا بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ اب بھی ہم اس گھر میں خاموشی سے زبان بند کیے دروازہ بند کیے بیٹھیں رہیں اماں تم خاموش ہو جاؤ۔ میں۔۔۔ میں اب ایک لمحے بھی نہیں جینا چاہتی۔ ہاں پریس رپورٹر میں ایک لمحے بھی نہیں جینا چاہتی میں مر جانا چاہتی ہوں۔ تم۔۔۔ تم براہِ کرم اتنا اور کردو کہ ہمیں موت کا راستہ دکھا دو۔ ہم۔۔۔ ہم خود شاید مر بھی نہیں سکتے؟

میں نے گہری نگاہوں سے اُن دونوں کو دیکھا اور پھر لڑکی سے بولا۔

"تو تم مرنا چاہتی ہو؟"

"ہاں میں مرنا چاہتی ہوں۔"

"دلیری کا مظاہرہ کر رہی ہو صرف یا دلیر بھی ہو؟"

"میں دلیر ہوں۔ تم دیکھ لوگے کہ میں موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراؤں گی۔ میں خوشی سے موت کو گلے لگا لوں گی۔"

"اور تمہاری ماں۔۔۔؟"

"اگر یہ نہیں بھی مرنا چاہتی تو میں انہیں مرنے پر مجبور کردوں گی۔ کیونکہ میرے بعد جو موت ہوگی وہ اِن کے لیے بہت زیادہ کسمپرسی کی موت ہوگی۔ اس لیے میں انہیں بھی اپنے ساتھ ہی ماردوں گی کچھ بھی ہو جائے۔۔۔" لڑکی پر دیوانگی طاری تھی۔

"اگر تم واقعی اتنی دلیر ہو تو آؤ میں تمہیں موت تک پہنچا دوں۔" میں نے کھڑے ہوکر اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلو تم مجھے بزدل نہیں پاؤگے۔ میں۔۔۔ میں یہ ثابت کرکے دکھا دوں گی کہ میں بزدل نہیں ہوں۔"

"تو پھر آؤ نا۔ رک کیوں گئیں۔" میں نے کہا اور لڑکی سچ مچ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگئی۔۔۔

"نوشابہ پاگل ہوگئی ہے۔۔۔ پاگل ہوگئی ہے۔۔۔"

"چلو ماں۔۔۔ چلو ہم مرنا چاہتے ہیں۔ چلو تمہیں خدا کا واسطہ، تمہیں میری قسم ماں ہمارا مر جانا ہی بہتر ہے۔" لڑکی نے معمر عورت کو آگے دھکیلتے ہوئے کہا۔

میں آگے آگے چل رہا تھا۔ پھر میں نے بند دروازہ کھولا اور وہ دونوں سچ مچ ہی میرے ساتھ باہر نکل آئیں۔ معمر عورت بہت پریشان نظر آرہی تھی لیکن لڑکی کے چہرے پر ایک عجیب سی خوفناک سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ کچھ لوگوں نے دور سے ہمیں دیکھا۔ لیکن کوئی کچھ نہیں بولا تھا۔ لڑکی مجھ سے ایک قدم آگے چلنے کی کوشش کر رہی تھی شاید وہ بہت جلد موت کو گلے لگانے کی خواہش مند تھی۔ میں انہیں لیے ہوئے سڑک پر آگیا اور پھر میں نے ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ٹیکسی ہمارے قریب آکر رک گئی۔ معمر عورت نے

ایک بار پھر لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس پر مکمل جنون طاری تھا۔ وہ مجھ سے پہلے ٹیکسی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی اور اس نے معمر عورت کو بھی اندر گھسیٹ لیا۔ میں بھی جلدی سے بیٹھ گیا تھا تاکہ سڑک پر تماشا نہ بن جاؤں اور پھر میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے فاروقی صاحب کے گھر چلنے کے لیے کہا۔ اب اِس وقت کار اس پارکنگ لاٹ سے لینا مناسب نہیں تھا۔ ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ لڑکی نے مجھ سے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ میں نے اس کے لیے کون سی موت تجویز کی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد میں فاروقی صاحب کے گھر کے دروازے پر رک گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو رقم دینے کے بعد میں نے ان دونوں سے اترنے کے لیے کہا تو لڑکی نے پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے؟"

"تمہاری قتل گاہ۔۔۔ جہاں تمہیں آسانی موت کے حوالے کر دیا جائے گا۔" میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"چلو۔۔۔ چلو تم مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے۔" لڑکی نے کہا اور میں نے فاروقی صاحب کے گھر کی بیل بجا دی۔

چند ہی لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا اور میں اُن دونوں کو لیے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ مسز فاروقی سامنے ہی موجود تھیں۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے پھر نوشابہ اور اس کی ماں کو دیکھا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ مہمان لایا ہوں چچی جان آپ کے پاس اور انوکھے مہمان ہیں یہ۔ لیکن اس وقت میں آپ پر ایک ایسی ذمہ داری ڈال رہا ہوں جسے صرف آپ ہی انجام دے سکتی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ آؤ بیٹی۔ آئیں بہن۔۔۔ آپ اندر آجائیں۔" مسز فاروقی نے بہت محبت بھرے انداز میں کہا پھر مجھ سے بولیں۔

"مگر یہ ہیں کون؟ کیا ان سے میرا تعارف نہیں کراؤگے؟"

"ہاں چچی جان تعارف کراؤں گا۔ یہ لڑکی جو آپ کو آگ بگولہ نظر آرہی ہیں میری بہن نوشابہ اور یہ میری چچی ہیں۔ نوشابہ کی والدہ۔"

"دیکھو پریس رپورٹر فرشتے بننے کی کوشش مت کرو جو

کچھ کہہ کر لائے ہو وہی کرو۔"

"وہی کروں گا بے وقوف لڑکی۔ اب بزدلی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ تجھے مرنا ہے نا تو سمجھ لے تو مر چکی اور مرنے کے بعد میں نے تیرے لیے اس قبر کا انتخاب کیا ہے۔ کیا یہ قبر تجھے ناپسند ہے؟"

"بکواس مت کرو۔۔۔"

"چچی جان آپ اس بے وقوف کو سمجھائیے۔ میں نے اسے بہن کہا ہے اور آپ کو چچی، اگر ان رشتوں کی کوئی وقعت ہے آپ کے دل اور دماغ میں تو اس وقت خدا کو حاضر ناظر جان کر انہیں مہمان رکھیے۔"

"میں نہیں مانتی۔۔۔ میں کچھ نہیں مانتی فضول بکواس مت کرو تم۔۔۔ تم ہمیں یہاں قتل کرنے کے لیے لائے ہو قتل کردو ہمیں۔ ہم مرنا چاہتے ہیں۔ سنو قتل کردو ہمیں۔ قتل کردو۔" وہ آگے بڑھی اور اس نے میرا گریبان پکڑ لیا۔ تبھی میں نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا اور وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے۔ معمر عورت احمقوں کی طرح ہمیں دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے اُس کی طرف رخ کرکے کہا۔

"کیا آپ میری کوئی مدد نہیں کریں گی؟" معمر عورت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خود اُس بے چاری کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ وہ میری کیا مدد کرے۔ مسز فاروقی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے ابھی تک اِس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ نوشابہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔ اور معمر عورت نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیے تھے۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر رفتہ رفتہ نوشابہ کی آواز کسی حد تک سست ہوگئی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ خاموش ہوگئی۔ اُس

نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ میں نے چند لمحات خاموشی اختیار کی پھر اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم نے دیکھا نوشابہ بڑے بھائیوں سے بدتمیزی کرنے کا نتیجہ۔۔۔"

"ڈراما کر رہے ہو تم۔ تمہارے دل میں نجانے کیا چھپا ہوا ہے۔ بھائی کہہ کر بیوقوف بنانا چاہتے ہو۔ آہ! اس دنیا نے کیسے کیسے رنگ و روپ اختیار کر لیے ہیں۔ لوگ اپنی مطلب براری کے لیے نجانے کیا کچھ بن گئے ہیں۔ مجھے بہن کہو۔۔۔ ماں کہو، بیٹی کہو یا جو کچھ بھی کہو لیکن خدا کے لیے اپنے دل میں چھپا ہوا مقصد بتا دو جس کے لیے تم مجھے یہاں لائے ہو۔ تم۔۔۔ تم نے مجھے۔۔۔ تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔"

"نوشابہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی برائی نہیں ہے۔ اگر تم تھوڑی دیر کے لیے سنجیدگی سے میری سنو تو میں تمہیں کچھ بتاؤں بھی۔ تم پر جنون اور دیوانگی طاری ہے۔"

"ہاں اِس دُنیا پر سے ہمارا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ اب ہم خود کو اس دنیا کا باشندہ نہیں سمجھتے۔ اس جہاں کے رہنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ تم میری ماں کے پیٹ سے نہیں پیدا ہوئے۔ بدقسمتی نے ہمیں اس کا موقع نہیں دیا کہ ہمارا بھی کوئی تحفظ ہوتا۔ کوئی ہمارا ساتھی ہوتا۔ ہم دونوں تنہا ہیں۔۔۔۔ پھر تم کیوں زبردستی میرے بھائی بننے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں اِن الفاظ کے پیچھے کوئی اور جذبہ چھپا ہوا ہوگا۔ میں۔۔۔ میں اب کسی۔۔۔ کسی جذبے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میں ہار گئی ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو مردہ تسلیم کر لیا ہے۔ جانتے ہو ہمارے ساتھ کیا ہوا۔۔۔؟ جانتے ہو ہم کون ہیں؟ ہم کیا لمحات گزار چکے ہیں؟ نہیں جانتے تو سنو۔ ماں۔۔۔ ماں بہت عرصے سے بیمار ہے۔ ہمارے ساتھ بہت عرصے سے ظلم ہو رہا ہے۔ میں ایک پرائیویٹ اسکول میں ملازمت کرتی ہوں۔ بلکہ کرتی تھی۔ بڑی مشکل سے مجھے یہ ملازمت ملی تھی۔ تنخواہ کیا ملتی تھی سنو گے چار سو روپے۔۔۔ صرف چار سو روپے اور ان چار سو روپے میں مجھے تین کلاسیں لینا ہوتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی دفتر میں کلرک کا کام بھی کرنا ہوتا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے اسکول کی چھٹی ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن مجھے چار بجے تک بیٹھنا پڑتا تھا۔ میں اس پر بھی خدا کا شکر ادا کرتی تھی۔ ہم ان چار سو روپے میں اپنے طور پر گزارا کر رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ماں کو صحیح طور پر دوا نہیں مل پاتی تھی۔ کھانے کے لیے ہم بہت معمولی سی چیزیں استعمال کرتے تھے لیکن میں اللہ کا شکر ادا کرتی تھی کہ اُس نے ہمیں بے سہارا نہیں رکھا ہے۔" نوشابہ کی آواز آنسوؤں میں رندھ گئی۔ چند لمحات وہ رکی اور پھر کہنے لگی۔

ہم جیسے دو افراد کی زندگی کس انداز میں گزر سکتی ہے۔ تم جانتے ہو اور اس کے بعد اگر تم یہ تصور کرو کہ ہم دنیا میں کسی پر اعتبار کریں تو یہ کیسے ممکن ہے۔ آہ! نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ اب ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ تم مجھے جذبات سے دیوانہ کر کے یہاں تک لے آئے ہو لیکن۔۔۔ تمہارے دل میں بھی کچھ چھپا ہوگا۔ بتاؤ۔۔۔ مجھے یہ بتا دو۔ دیکھو میری ماں چاہتی ہے کہ پہلے وہ مر جائے لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں اپنی ماں سے پہلے مر جاؤں۔ میں اب اس دنیا میں غم نہیں دیکھ سکتی۔ بہت دکھ اٹھائے میں نے۔ ایک لڑکی کی حیثیت سے میں تمہیں بتاؤں کہ میں۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔ نوشابہ شاید اپنا جملہ منہ سے نہ ادا کر سکی اور ایک بار پھر اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

مسز فاروقی کے لیے مجھے اب کچھ بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تفصیلات سن سمجھ چکی تھیں کہ میں ان لوگوں کو یہاں کیوں لایا ہوں؟ اُن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ پھر انہوں نے معمر عورت سے کہا۔

"سنو میں تمہارا نام نہیں جانتی بہن۔ میں تمہیں صورت سے کیسی نظر آتی ہوں؟ ایک فاحشہ۔۔۔ ایک آوارہ، ایک بدمعاش عورت۔

میں نے مسز فاروقی کے ان الفاظ پر چونک کر انہیں دیکھا تھا۔ بہت ہی سنجیدہ اور متین خاتون تھیں۔ لیکن اس وقت جو الفاظ انہوں نے ادا کیے وہ میرے لیے بھی تعجب خیز تھے۔ معمر عورت چونک کر انہیں دیکھنے لگی دیکھتی رہی اور اس کے بعد بولی۔

"نہیں بہن اللہ نہ کرے جو میں اس انداز میں سوچوں۔"

اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ میں ایک شریف عورت ہوں تو میں صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جو شخص تمہیں یہاں لایا ہے وہ ایک بے حد نیک نفس انسان ہے۔ اس کے دل میں کوئی بُرا جذبہ کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اگر نوشابہ کو بہن کہہ رہا ہے

تو یہ سمجھ لو کہ وہ تمہارا بیٹا ہے۔ بس اتنا سا فرق ہے کہ وہ تمہارے بطن سے نہیں پیدا ہوا۔ لیکن وہ اپنے قول کا اتنا ہی سچا انسان ہے۔ اپنی اس بیٹی کو سمجھاؤ کہ وہ اس کی مزید توہین نہ کرے۔ مجھے خود برا لگ رہا ہے۔ مسز فاروقی کا لہجہ جذبات سے لرزنے لگا۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا" نہیں چچی جان یہ بیچارے اتنے دکھوں کا شکار ہوئے ہیں کہ دنیا پر سے ان کا اعتبار اٹھ جانا ایک فطری چیز ہے۔ لیکن میں نوشابہ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری پیاری صرف تو اس دنیا میں ان غموں کا شکار نہیں ہے شاید اللہ اپنی رحمتوں کو سمیٹ رہا ہے۔ یہ انسان اب اس قابل نہیں رہا کہ اس کی رحمتوں سے بہرہ ور ہو۔ آدمی برائی۔۔۔ گندگی میں لپٹ گیا ہے یہ کہ اس کے بعد گندگی کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بھی انہی میں سے ایک ہیں لیکن ہمارے دل ابھی تاریکیوں کی ان حدوں تک نہیں پہنچے۔ ہمارا اعتبار ہم پر سے مت اٹھاؤ نوشابہ ہو سکتا ہے ہم اتنے بُرے لوگ نہ ہوں ہم پر اعتبار کرو۔۔۔ ہم پر اعتماد کرو۔"

معمر عورت بہت متاثر ہوگئی۔ نوشابہ بھی آنکھیں خشک کر کے مجھے دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

"تم نے مجھے کئی بار بہن کہا ہے۔ اس رشتے پر یقین نہیں آتا۔ آہ! رشتوں کو کتنا پامال کر دیا گیا ہے ورنہ یہ زبان ہی تو ہے جو مذہب کا یقین کرتی ہے جو کلمہ پڑھ کر اللہ کی وحدت کا فیصلہ کرتی ہے اور ہم ایک مذہب سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ یہ زبان ہی تو ہے جو اپنی ایک جنبش سے رشتوں کا تعین کر کے زندگی کی آخری سانس تک کے لیے ہمیں قید کر دیتی ہے۔ لیکن ہم نے اس زبان کو بھی کتنا جھوٹا قرار دے دیا ہے۔ ایک شخص فقیر کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ کلمہ پڑھتا ہے۔ قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تین دن سے بھوکا ہے۔ ہم اپنے دل کے گداز کو برداشت نہیں کر پاتے اور اپنی حیثیت سے زیادہ اسے دے دیتے ہیں لیکن ہم سے چند قدم کے فاصلے پر پہنچ کر وہ دوسرے شخص کے دل میں بھی یہ ہی الفاظ کہہ کر گداز کو جگانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر وہاں سے تیسرے شخص کو، بیشک وہ تین دن سے بھوکا ہوگا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتی لیکن ایک جگہ سے جب اس کی بھوک کا مرحلہ طے ہو جاتا ہے تو دوسرے کے سامنے جا کر وہ یہ بات کیوں کہتا ہے؟ زبان کو کس قدر غلیظ کر دیا گیا ہے اس لیے۔۔۔ اس لیے تم۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔"

"ہاں نوشابہ میں تم سے انحراف نہیں کرتا۔ بیشک ایسا ہی ہوا ہے لیکن تجربے کرتے رہنا ہی زندگی ہے میری بہن۔ تم یہاں آگئی ہو۔ میں ان تمام حالات سے واقف ہوں۔ میں صرف تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں جب تک تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ہم پر اعتبار کرنا۔ ہم تمہارا قرض ادا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قرض جو انسان کا انسان پر ہے۔ جب تم کلمہ پڑھ کر اللہ کی وحدت کا یقین کر لیتی ہو تو پھر اُس کے احکامات پر بھی یقین کرو۔ اُس نے مایوسی کو کفر قرار دیا ہے۔ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی کو وہ کسی نہ کسی کا ذریعہ ضرور بنا دیتا ہے اور اِس وقت اس نے تمہاری ذمہ داری میرے شانوں پر ڈالی ہے۔ تم اس سے انحراف نہ کرو۔"

نوشابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

"تو پھر اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"یہ میری چچی جان ہیں مسز فاروقی۔ اور یہ گھر میرا ہی ہے۔ میں تمہیں اور تمہاری والدہ کو یہاں اپنی بہن اور ماں کی حیثیت دیتا ہوں۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے لیے بہتر زندگی تلاش کروں اور اس کے بدلے میں تم سے کچھ نہیں طلب کروں گا۔ تمہیں ایک اچھی زندگی مل گئی تو میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں گا کیونکہ بھائیوں کے سر پر بہنوں کی یہی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ جہاں تک رہا نوشابہ باقی معاملات کا تعلق تو ایک اطمینان تمہیں ضرور دلاؤں گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ شخص جس نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی ہے اور تمہیں زندگی سے اس قدر بیزار کر دیا ہے سزا پائے گا۔ ان دو عدد پر اس وقت تک اعتبار کرو جب تک یہ مکمل طور سے جھوٹے ثابت نہ ہو جائیں۔"

نوشابہ نے سر جھکا لیا تھا اور پھر وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"جو بدتمیزی میں نے کی ہے اُس کے لیے معافی چاہتی ہوں۔"

"گویا میری بہن اب ٹھیک ہوگئی؟" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور پھر چچی جان سے بولا۔

"چچی جان میں معذرت خواہ ہوں کہ آپ پر مسلسل ذمہ داریاں ڈالتا رہتا ہوں۔"

"ایسی طبیعت کی باتیں کرو گے شارق؟ ہم تو اپنی زندگی کے بہترین لمحات سے گزر رہے ہیں" مسز فاروقی نے کہا۔

"تو پھر اب یہ میری بہن اور میری بچی آپ کے حوالے، آپ مجھے ان دونوں کے ذہنوں کو صاف کر کے دکھایئے۔ [illegible] کروں گا آپ کو"

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا" مسز فاروقی نے کہا اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو اب مجھے اجازت"

وہاں سے باہر نکل آیا۔ دل و دماغ کی جو کیفیت ہو سکتی تھی وہی بہت سی سوچیں دامن گیر تھیں اور میں اپنے طور پر کچھ باتوں پر حیرت زدہ بھی تھا۔ مثلاً یہ کہ انسپکٹر غالب نے ان تمام باتوں سے واقف ہونے کے باوجود کوئی ایسا طریقۂ کار اختیار کیوں نہیں کیا جس سے کم از کم ان ماں بیٹیوں کو تحفظ ہی ملتا۔ جس غنڈے کا حوالہ انہوں نے دیا اس کے بارے میں بھی مجھے کچھ نہیں معلوم لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ اُسے بھی انہی لوگوں کی طرف سے متعین کیا گیا ہوگا۔ پڑوسیوں سے بھی میری ملاقات ہو چکی تھی اور وہ مجھے یہ تفصیلات بتا چکے تھے۔ ظاہر ہے زمانہ ہی ایسا آگیا ہے ہر شخص اپنی اپنی عزت بچانے کی فکر میں سرگرداں ہے اور ہر شخص صرف اپنے بارے میں سوچنے لگا ہے۔ اجتماعی طور پر قربانیاں دینے کا سلسلہ تو اب ختم ہی ہوگیا ہے۔ خیر اب اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہے، کم از کم ان دونوں کو میں نے مسز فاروقی تک پہنچا دیا تھا اور یہ بات بمشکل ہی کسی کو معلوم ہو سکے گی کہ لڑکی اور اُس کی ماں کو کون لے گیا؟ میں ویسے بھی انہیں ٹیکسی ہی سے لایا تھا اور یہ اتفاقیہ طور پر ہی ہوا تھا اگر میری کار وہاں دیکھ لی جاتی تو شاید وہ لوگ پتا لگانے کی کوشش کرتے کہ لڑکی اور اس کی ماں کہاں چلی گئیں۔ یہاں سے ٹیکسی کر کے اس پارکنگ لاٹ تک پہنچا جہاں میری گاڑی موجود تھی۔ آج کا کام اس سلسلے میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شام کی ڈیوٹی بھی سرانجام دینی تھی اور شام ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ چنانچہ واپس دفتر کی جانب چل دیا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی کہیں چلے گئے تھے۔ صرف استاد تھے جو اپنے معمولات سے فارغ ہو کر دفتر بند کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ فلیٹ پر آیا اور دیر تک اُن سے باتیں کرتا رہا۔

پھر وہاں سے تیار ہو کر کوٹھی کی جانب روانہ ہوگیا۔

کوٹھی میں داخل ہوا تو حالات کچھ خوشگوار نظر آئے۔ لالہ رخ نیلوفر، شفق بھابی اور دو اجنبی لڑکیوں کے چہرے نظر آئے۔ پہلے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ کار سے اترا تو شفق بھابی نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا اور میں آہستہ آہستہ اُس جانب چل دیا تھوڑی دیر کے بعد اُن کے قریب پہنچ گیا تھا۔

"ہیلو شارق صاحب، کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" جاوداں نے سب سے پہلے میری پذیرائی کی تھی۔

"بفضل تعالیٰ خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے" میں نے جواب دیا اور جاوداں مسکرانے لگی۔

"شکریہ۔ تشریف رکھیے"

"بہتر" میں نے کہا اور بیٹھ گیا۔

میرے اس جواب پر لالہ رخ بھی مسکرا اٹھی تھی۔ وہ دونوں خواتین سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ تب شفق بھابی نے کہا۔

"بھئی یہ میرے سب سے چھوٹے دیور ہیں شارق حسین۔ اور شارق یہ دونوں چچا جان کے ایک دوست کی بیٹیاں ہیں۔ ہمارے پاس ملنے کے لیے آئی ہیں۔ چچا جان سے میری مراد شوکت جاہ صاحب ہیں"

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر"

جاوداں ہلکی سی ہنسی ہنس پڑی تھی۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ کہنے لگی۔

"نہیں براہِ کرم محسوس نہ کریں۔ بس کیا کروں مزاج میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی ہے بعض جملوں پر مجھے شدید اعتراض ہے۔ کسی سے مل کر مسرت اس وقت ہوتی ہے جب اُسے جانا جائے پہچانا جائے اور اسے اپنی طبیعت کے مطابق پایا جائے۔ ناواقفیت پر بھی یہ کہہ دینا کہ آپ سے مل کر بہت مسرت ہوئی سراسر جھوٹ پر مبنی ہے۔ ہم رسمی طور پر بھی صرف جھوٹ ہی بولتے ہیں۔ کیوں نہ ان الفاظ میں اختراع کی جائے اور انہیں تبدیل کیا جائے۔ میں بعض اوقات یہ سوچتی ہوں کہ انکساری کے الفاظ میں تقریباً پچانوے فیصد جھوٹ شامل ہوتا ہے اور ہم سب جان بوجھ کر یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ میں آپ لوگوں سے معذرت خواہ ہوں بس کوئی بات ذہن میں آتی ہے تو کہے بغیر نہیں رہا جاتا"

"آپ کا فرمانا بجا ہے مس جاوداں لیکن معارض الجدید

ھوالنفایہ کے منافی ہے اور رعایتِ اصطلاحات الرعاتیہ دیتی ہے۔ ہم مجبور ہیں انہی تمام ادائیگیوں کے لیے جو اخلاقی بندشوں میں آتی ہیں اور یہ اپنے کسی شناسا کو ابتدائی توجہ دینے کے مترادف ہے" میں نے کہا اور جاوداں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی تھی اور شفق بھابی اپنے بے اختیار قہقہے کو روکنے کے لیے کھانسنے لگی تھیں۔ نیلوفر ہنس دی تھی اور لالہ رخ بھی مسکرا رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں متعجبانہ انداز میں میری صورت دیکھ رہی تھیں میں نے پھر کہا۔

"چنانچہ مس جاوداں آپ ایسی باتوں کو نظر انداز فرما دیا کریں تاکہ ہمیں بھی سکون رہے"

شفق بھابی ایک دم اٹھ گئی تھیں۔

"چائے تو پیو گے تم؟"

"جی ہاں۔ اگر ان خواتین نے نہ پی ہو تو" میں نے ان کے ساتھ رعایت کرتے ہوئے کہا اور وہ ناک دبائے ہوئے وہاں سے چلی گئیں تاکہ ان کا قہقہہ نہ نکل جائے۔ اس کے بعد ایک دم خاموشی سی چھا گئی تھی، پھر لالہ رخ نے کہا۔

"کیا خیال ہے بھائی جان ہم پکنک کا ایک پروگرام کریں؟"

"ہاں مجھے اعتراض نہیں ہے" میں نے حیرت سے لالہ رخ کو دیکھتے ہوئے کہا لیکن اس کی مسکراہٹ بھی میری سمجھ میں آگئی تھی۔

میں نے جو ٹیڑھے میڑھے جملے بولے تھے انہوں نے جاوداں کو ایک دم نروس سا کر دیا تھا اور لالہ رخ تو اس کے نروس ہونے سے خوشی ہوئی تھی۔ غالباً اس طرح اس کی کسی حس کو تسکین پہنچی تھی۔

"تو پھر طے کر لیں کہاں چلنا ہے؟"

"میں کچھ بولوں گی تو مداخلتِ بے جا تصور کی جائے گی"

جاوداں بھی ایک ہی ڈھیٹ تھی۔ سب لوگ اس کی جانب دیکھنے لگے۔

"پکنک۔۔ پکنک کے نام کے ساتھ کچھ عجیب سے تصورات ابھر آتے ہیں۔ کوئی ویران سی جگہ۔ کوئی دریا کا کنارہ جنگل، باغ، پہاڑ یا پھر کوئی اور تفریح گاہ ہم اپنے آپ کو بھولنے کے لیے اپنے بہتر معمولات ترک کر کے وہاں چلے جاتے ہیں، کیا یہ بات خود کو دھوکہ دینے کے مترادف نہیں ہے؟ میں سمجھتی ہوں کہ انسان کو کبھی حقیقتوں سے آنکھ نہیں چرانی چاہیئے۔ سچائی یہ ہے کہ ہمارے اپنے معمولات صبح سے لے کر شام تک کے لیے اتنے ہوتے ہیں کہ ہم اُن سے فراغت نہیں حاصل کر سکتے۔ اگر اپنے ان معمولات کو جاہلانہ انداز میں ترک کر کے ہم خود کو کسی ایسی مقام پر لے جا کر کھو دیتے ہیں تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ وقت کا زیاں ہے اور میرے اپنے خیال میں یہ زیاں مناسب نہیں ہوگا تاہم میں آپ لوگوں کے کسی مشغلے میں مداخلت کی قدرت نہیں رکھتی"

"کیوں جاوداں کیا ہالینڈ میں لوگ پکنک نہیں مناتے؟"

"بہت مناتے ہیں بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ ممالکِ غیر کے کھونے والے تو اپنے آپ کو مکمل طور سے کھو چکے ہیں۔ تفریحات کے رسیا اپنے معمولات کو ترک کر کے نجانے کن کن احمقانہ مشاغل میں مصروف ہو جاتے ہیں اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ اُن کی کج روی ہے۔ اصولاً ان کو اپنے معمولات ہی کو اپنے لیے ذریعۂ تفریح بنانا چاہیے۔ اب آپ دیکھیے نا وقت کو ضائع کرنے کے لیے اِدھر اُدھر جا کر فضول حرکتیں کرنا تو کوئی ذہانت کی بات نہیں ہے بلکہ اسے خلافِ آدمیت قرار دیا جا سکتا ہے اور ہم ایسے لوگوں سے جن کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کھونے والوں میں ہیں تعاون کیوں کریں؟ وہ لوگ ہم سے مختلف ہیں۔ ہمارے مشاغل متعین کر دیے گئے ہیں۔ مذہباً بھی اخلاقاً بھی اور جب یہ سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے تو پھر ہم وقت کو اس انداز میں ضائع کیوں کریں؟"

"خدا کی پناہ جاوداں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کی لاٹون ہو۔ اب یہاں ہم اس جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آخر کس لیے!" لالہ رخ نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا۔ جاوداں مسکرا کر بولی

"یہ یک جہتی ہے اور یک جہتی کا تصور ابتدائے انسانیت سے موجود ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے کے درمیان بیٹھ کر تبادلۂ خیال کر لینا بہت بڑی نعمت ہے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ میں اختلاف صرف اس بات سے کرتی ہوں کہ ہم جو سب کچھ یہاں کر سکتے ہیں وہ کہیں اور جا کر کیوں کریں؟"

"بھئی اب تمہاری مرضی ہے یہ پروگرام [illegible] وجہ سے رکھا تھا" لالہ رخ کو شاید آگئی [illegible] یاد تھیں۔ اس لیے وہ بھڑکنے کی کوشش [illegible] اور جاوداں [illegible] وقت وہ اپنے آپ پر بہت ظلم کر رہی تھی۔ مجھے اس سے ہمدردی

محسوس ہونے لگی۔ میں نے کہا۔

"خیر اس مسئلے پر بعد میں گفتگو کریں گے۔"

شفق بھابی کو یہاں آنا ہی پڑا۔ چائے لائی تھیں اپنے ساتھ۔ لیکن ان کا چہرہ اب بھی سرخ ہو رہا تھا۔ غالباً اندر جا کر خوب ہنستی رہی تھیں۔

"خواتین اگر اجازت دیں تو میں لباس تبدیل کر آؤں؟"

"چائے پینے کے بعد" شفق بھابی نے سخت لہجے میں کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

اس کے بعد ہم لوگوں کے درمیان چائے سرو ہو گئی۔ میں نے آنے والی دونوں لڑکیوں کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اُن سے ان کے بارے میں بات چیت کرنے لگا۔ دونوں خاصی تہذیب یافتہ لڑکیاں تھیں اور جاوداں کو عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ لیکن جاوداں کی ایک خوبی کا میں دل سے قائل ہو گیا تھا کہ کم از کم وہ کسی مسئلے میں احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوتی تھی۔ کچھ بھی کہہ جائے اور اس کے جواب میں کچھ بھی سننا پڑ جائے وہ خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا کرتی۔ بظاہر یہ اندازہ بھی نہیں ہو پاتا کہ وہ ذہنی طور پر پسماندہ ہے۔ ہر ایک مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں میں چھپے ہوئے انداز کو بخوبی سمجھتی تھی لیکن اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ اوّل تو آشیانے کے رہنے والے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھے اور پھر خاص طور سے لالہ رخ۔ اس کے ساتھ جاوداں کی اپنی شخصیت۔ بہر طور میں اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ رات کا کھانا پرسکون طور پر کھایا گیا اور کوئی خاص نشست نہ جمی۔ بس اپنے اپنے طور پر چہل قدمی کی جاتی رہی۔ جس میں، میں شریک نہیں تھا۔ شوکت جاہ سے تھوڑی دیر تک بات چیت رہی میری اور وہ مجھ سے مقامی معاملات کے بارے میں پوچھتے رہے تھے بہت نفیس انسان تھے۔ گفتگو میں بڑی اپنائیت اور کھرا پن تھا جو مجھے بہت پسند آیا۔ اس کے بعد ہم سب لوگ آرام کرنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ میں اپنے کمرے میں آ کر دن کے معاملات کے بارے میں سوچنے لگا۔ فیصلہ کرنا تھا کہ اب کیا کیا جائے؟ قمر پرویز بھی ذہن میں آیا۔ لیکن میں اس تمام صورت حال کو سنجیدگی سے محسوس کر رہا تھا اور اس سلسلے میں کوئی بھی کچا قدم نہیں اٹھانا تھا۔ اب تو کم از کم اتنا تجربہ ضرور ہو گیا تھا کہ جس قسم کے کردار ہمارے معاشرے میں با اختیار ہیں اور اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں انہیں ہینڈل کرنے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ سب کچھ ناقابلِ عمل نہیں تھا لیکن اس سلسلے میں محنت کرنا پڑتی اور جہاں تک دوسرے معاملات کا تعلق تھا تو اب مجھے اتنا تجربہ ضرور ہو گیا تھا کہ اصل معاملے کو کس طرح اپنے کنٹرول میں لایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں کوئی ایسی تدبیر کرنا چاہتا تھا جس سے کامیابی قریب ہو جائے۔ بلاشبہ میں قمر پرویز کے بیٹے مسعود پرویز یا اس کے دوستوں کا جانی دشمن نہیں بن گیا تھا۔ لیکن اس واقعے کے ساتھ ساتھ کچھ اور ایسے واقعات منسلک ہو گئے تھے جن کی وجہ سے میں اس صورتِ حال کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ان تین اوباش لڑکوں نے ایک لڑکی کی آبرو پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ ہم اس جرم کو معمولی جرم قرار نہیں دے سکتے۔ معاشرے میں ایسے لاکھوں جرائم روزانہ ہوتے ہیں اور اس کے بعد جو المیے جنم لیتے ہیں ان کی مثال ممکن نہیں۔ بہت سی زندگیاں تباہ ہو جاتی ہیں۔ بہت سے گھرانے برباد ہو جاتے ہیں اور لوگ سرسری طور پر ان واقعات کو اخبارات میں پڑھ کر نظر انداز کر دیا کرتے ہیں بلکہ دوسرے دن بھول بھی جاتے ہیں لیکن جس پر گزری ہوتی ہے وہی جانتا ہے۔ معاشرے کے اس جرم کو میں قتل کے جرم سے کسی طرح کم قرار نہیں دے سکتا جو اخلاقی قدریں بنا دی گئی ہیں۔ انہیں پامال کرنا کوئی کم جرم نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے ہم جس معاشرے میں جی رہے ہیں وہاں جرم کا بھی تعین کر لیا گیا ہے اور کسی ایسے جرم کو بھیانک قرار نہیں دیا جاتا جو ایک بھیانک جرم ہوتا ہے۔ اگر ہم غصے میں آ کر کسی کے تھپڑ مار دیں تو اس سے معافی مانگی جا سکتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تھپڑ مارنا ایک جرم تھا۔ اس جرم کو ہم چھوٹا جرم کہہ سکتے ہیں لیکن معاشرے کے کسی زندہ کردار کو زندگی سے دور کر دیا جائے۔ اسے ایک ایسے کرب کا شکار کر دیا جائے جو اس کی روح میں زخم ڈال دے تو ہم اُسے قتل سے کم جرم قرار نہیں دے سکتے اور اس کی سزا واقعی موت ہی ہونی چاہیے۔ ان تینوں نے بھی ایسا ہی کرنے کی کوشش کی تھی یہ دوسری بات ہے کہ نوشابہ کی تقدیر نے یاوری کی اور انسپکٹر غالب اس وقت موجود تھا۔ جرم نہیں ہوا لیکن جرم کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کوشش کی مذمت۔ سرزنش بھرپور انداز میں کی جانی چاہیے اور ان تینوں لڑکوں کو ہلکی پھلکی سزا ضرور دی جاتی تاکہ اُن کے دلوں میں اس سزا کا خوف بیٹھ جاتا۔ اس کے برعکس صرف اس لیے کہ قمر پرویز ایک با اختیار انسان تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو اس جرم سے صاف بری کرا لیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک دوسری مجرمانہ کارروائی کی گئی یعنی نوشابہ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش

کی گئی۔ کم از کم معاشرے میں اس جرم کو بے نقاب کرنا میرا فرض تھا۔ بہت دیر تک میں ان خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر دفعتاً ہی دروازے پر دستک سن کر چونک پڑا۔ میں جلدی سے جوتے پہن کر آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ لیکن کمرے کے سامنے جاوداں کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ بہت ہی خوبصورت شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھی اور عجیب سے انداز میں میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔

"مداخلت بے جا کے لیے معافی کی خواستگار ہوں۔ کچھ وقت درکار ہے آپ سے۔ اندر آنے کی اجازت چاہتی ہوں۔" اس نے کہا اور میں بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔

"تشریف لائیے" میں نے کہا اور وہ شکریہ ادا کر کے اندر داخل ہو گئی۔

اس نے اطمینان سے دروازہ بند کر دیا تھا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کیا اس لڑکی پر دیوانگی کا کوئی دورہ پڑا ہے؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور تیز روشنیاں جلا کر اسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

"شکریہ" وہ بیٹھ گئی۔

"کہیے آپ نے کیسے زحمت فرمائی؟ مجھے بلا لیا ہوتا میں آ جاتا۔"

"کام میرا تھا اس لیے میں آپ کے پاس حاضر ہوئی۔"

"خیر کوئی حرج نہیں ہے۔ فرمایئے میرے لائق کوئی خدمت؟"

"آپ نے میرے سامنے کچھ الفاظ ادا کیے تھے۔ بس اُن کے لیے پریشان ہو گئی ہوں۔"

"کک کون سے الفاظ۔۔۔؟" میں نے حیرت سے کہا اور جاوداں نے اپنے لباس کی جیب سے ایک کاغذ نکال لیا۔ اس کاغذ پر نگاہیں دوڑاتے ہوئے وہ بولی۔

"معارض الجدید، نہو النقافیہ، اصطلاحات الرمائیہ۔ یہ تین الفاظ میرے لیے باعثِ پریشانی بن گئے۔ میرے پاس یہاں لغات کا زیادہ ذخیرہ تو نہیں ہے لیکن چونکہ میرا محبوب مشغلہ لغات سے الفاظ پڑھنا انہیں یاد کرنا اور ان کے معنی ذہن نشین کرنا ہے۔ میں نے بہتر یہی تصور کیا کہ میں آپ کے پاس پہنچوں اور اپنی اس مشکل کا حل دریافت کروں۔"

میرا قہقہہ ضبط نہیں ہو سکا تھا اور میں زور سے ہنس پڑا لیکن اس کے اثرات جاوداں کے چہرے پر نمودار نہیں ہوئے۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں کہ بعض اوقات میری حرکات کچھ ایسی ہو جاتی ہیں کہ لوگ مجھے صحیح الدماغ تصور نہیں کرتے۔ لیکن میں اس چیز کو زیادہ محسوس نہیں کرتی۔ براہِ کرم آپ میری اس سلسلے میں مدد فرما دیجیے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں گی اور آپ کو ایک طرح سے اپنا استاد تسلیم کر لوں گی۔"

میں نے دل ہی دل میں ارے باپ رے کا نعرہ لگایا تھا۔ جو الفاظ میں نے ادا کیے تھے ان کے مفہوم تو میرے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھے۔ بس اس وقت ذہن میں شرارت کلبلائی تھی اور میں نے اس کے ٹیڑھے میڑھے الفاظ کے جواب میں کچھ الٹے سیدھے الفاظ کہہ دیے تھے۔ لیکن اب یہ پھندہ گلے میں پھنستا ہوا نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے سوچا اور پھر آہستہ سے بولا۔

"میں آپ کے آنے سے بہت خوش ہوں جاوداں صاحبہ۔ ظاہر ہے آپ ہماری معزز مہمان ہیں۔ جہاں تک رہا معاملہ ان الفاظ کا تو اس کے لیے میں کچھ انکشافات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی۔ جی فرمایئے۔"

"لغت فرہنگیہ ابھی تیار ہو رہی ہے اور لغت فرہنگیہ کی تیاری کا تصور اس لیے وجود میں آیا کہ زمانۂ جدید میں آبادی کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے۔"

"یہ کب تک تیار ہو جائے گی؟"

"اس کے بارے میں آپ سے کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ جب یہ لغت تیار ہو جائے گی تو اسی وقت ان تینوں الفاظ کے معنی کے جواب دے سکتا ہوں۔"

"اوہو! لیکن آپ نے ان کا استعمال قبل از وقت کیسے شروع کر دیا؟"

"بس اس وقت اُن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ لغت فرہنگیہ تیار کرنے والوں سے میری شناسائی ہے اور اس سلسلے میں اُن سے گفتگو ہوئی۔ چنانچہ یہ تینوں الفاظ سامنے آ گئے۔"

"میں سمجھتی ہوں آپ نے ظلم کیا ہم سب پر۔"

"خدانخواستہ کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ آپ نے وہ الفاظ ادا کر دیے جن کا مفہوم ابھی واضح نہیں ہے۔ اب نجانے کب تک میں تڑپتی رہوں گی۔"

"آپ اطمینان رکھیں بہت جلد لغت فرہنگیہ کے پروف میں آپ کے سامنے پیش کر دوں گا بشرطیکہ مجھ تک پہنچ سکے۔"

"میں آپ کی انتہائی شکر گزار رہوں گی۔" جاوداں

سنے کہا اور مسکرانے لگی۔

میری اپنی جو کیفیت تھی۔ وہ تو میں ہی جانتا تھا۔ بہر طور اتفاق تھا کہ اس وقت میں تنہا تھا اگر اور لوگ ہوتے تو زیادہ پر لطف ماحول ہوتا۔ جاوداں چند لمحات مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔

" ویسے میں آپ کو پسند کرنے لگی ہوں۔"

میں اچھل پڑا۔ لیکن جاوداں کے چہرے پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے کہا۔

" ہاں آپ مجھے خاصے بالغ نگاہ محسوس ہوتے ہیں جبکہ یہاں موجود دوسرے لوگوں کی باتوں میں معصومیت ہوتی ہے۔ البتہ آپ کی جانب دل زیادہ کھنچتا ہے۔ کیونکہ آپ سے جب بھی گفتگو ہوئی مجھے کچھ حاصل ہی ہوا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ میں اور کیا خدمت کر سکتا ہوں ؟"

"آپ کے بارے میں مزید کچھ گفتگو کرنے کی خواہش مند ہوں۔"

"جی فرمایئے۔" میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"کچھ عجیب باتیں سنی ہیں آپ کے بارے میں۔ مثلاً یہ کہ آپ یہاں اس آشیانے میں نہیں رہتے۔"

"سن لیں آپ نے یہ باتیں . . . ؟"

" ہاں . . . کیوں نہیں۔ اس گھر میں مجھے ایک گھر کے فرد کا سا ہی درجہ دیا گیا ہے چنانچہ ہر شخص سے ہی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے ؟"

"نہیں سچ ہے۔"

"آپ نے آشیانہ کیوں چھوڑ دیا ؟"

" حصولِ علم کے لیے۔" میں نے جواب دیا۔

"واہ، اچھی بات ہے۔ بلاشبہ محدود رہ کر علم حصول ممکن نہیں ہے۔ لیکن گھر چھوڑ دینا کیا معنی رکھتا ہے ؟ آپ رہتے تو اسی شہر میں ہیں نا ؟"

"جی ہاں۔"

"کہاں ؟"

" ایک فلیٹ ہے میرا۔"

" ہوں ! کیا آشیانہ جیسی حسین کوٹھی کے بعد فلیٹ میں زندگی پرسکون گزرتی ہے ؟"

"جی۔"

"تو پھر میں آپ کی وہ سکون گاہ کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا۔

"جی۔ ضرور۔ جب آپ پسند فرمائیں۔"

" وعدہ کرتے ہیں دکھائیں گے ؟"

" یقیناً مجھے اس میں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

" تو پھر کب ؟"

" عرض کیا نا جب آپ حکم دیں گی۔ میں اپنے فلیٹ پر لے جاؤں گا۔"

" بے حد شکریہ۔ ویسے غالباً آپ سونا چاہتے ہیں۔ میں نے آپ کی باتوں میں اکتاہٹ محسوس کی ہے۔"

" ارے نہیں . . . آپ کو غلط فہمی ہوئی مس جاوداں۔"

"یہاں میں نے شاید اکتاہٹ کا لفظ غلط استعمال کیا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ آپ جس انداز میں جواب دے رہے ہیں وہ طویل نہیں ہے۔ اور طویل گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ انسان مزید گفتگو کرتے رہنا چاہتا ہے۔ مختصر گفتگو اگر کر دی جائے تو پھر آدمی کی اکتاہٹ کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ میں آپ کی زیادہ سمع خراشی نہ کروں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور میں اسے دروازے تک رخصت کرنے آیا۔ دروازہ بند کر کے میں نے گہری گہری سانسیں لی تھیں۔

دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتے کی میز پر سب موجود تھے اور ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی پھر سب اپنے اپنے مشاغل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی اپنے کمرے میں چلا گیا اور تیار ہونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں باہر نکلا۔ ایک ملازم میری گاڑی صاف کر چکا تھا۔ میں نے چابی سے دروازہ کھولا تو دوسرے لمحے حیرت سے چونک پڑا۔ جس جگہ میری گاڑی کھڑی تھی وہاں ایک درخت موجود تھا اور درخت کے عقب سے دفعتاً ہی جاوداں نکل آئی۔ وہ ایک خوبصورت شلوار قمیص میں ملبوس تھی۔ اور بالکل تر و تازہ نظر آ رہی تھی۔ میرے قریب پہنچ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں بھی آپ کے ساتھ چل رہی ہوں۔"

" ایں . . ." میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

" جی آپ کی اجازت کے ساتھ۔ آپ نے کہا تھا کہ میں جب بھی چاہوں آپ مجھے اپنا فلیٹ دکھانے لے جائیں گے۔"

" جج . . . جی ہاں وہ . . . وہ۔"

"تو میں اس وقت یہی چاہتی ہوں۔ براہ کرم دروازہ کھولیے۔"

میں نے بادلِ نخواستہ دروازہ کھول دیا اور وہ اندر آ بیٹھی۔ میں اس کی اس بے تکلفی پر ششدر رہ گیا تھا۔ چند لمحات تو کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا۔ پھر میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

" آپ نے۔ آپ نے چچا جان سے اجازت لے لی ہے ؟"

" میرے جو فرائض تھے وہ میں نے پورے کر لیے ہیں۔ براہِ کرم چلیے۔" اس نے کہا اور میں نے کار اسٹارٹ کر دی۔

میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ اس صورت حال کو اگر لالہ رخ، شفق بھابی یا نیلوفر دیکھ لیتیں تو کیا ہوتا۔ لیکن یہ بھی بلی دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے کے مترادف تھا کیونکہ بہر طور ان لوگوں کو یہ علم ہو ہی جائے گا کہ جاوداں تنہا میرے ساتھ کہیں گئی ہے۔ گاڑی کو انتہائی تیز رفتاری سے گیٹ سے باہر لایا اور اس کے بعد سڑک پر آ گیا۔ گاڑی کی رفتار بے حد سست تھی۔ جاوداں نے کہا۔

"آپ بہت سست رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔"

" نن . . . نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بس میں اچانک ہی کچھ بوکھلا سا گیا ہوں۔"

" وجوہات دریافت کر سکتی ہوں ؟" اس نے کہا۔

"جج . . . جی ہاں۔ مم . . . میرا مطلب ہے کہ یہ لمحات میری مصروفیت کے لمحات ہوتے ہیں۔" میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

" جی ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ لیکن تعاون انسانی فطرت کا ایک جزو ہوتا ہے اور میں اس جزو سے مالا مال ہوں۔ آپ بالکل مطمئن رہیں آپ کی مصروفیت میں ذرا بھی دخل اندازی نہ ہوگی۔ مصروفیت کے عالم میں آپ مجھے بالکل نظر انداز کر دیں۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہوگی اور جب آپ فراغت حاصل کر لیں گے تو پھر میں آپ سے آپ کا وہ وقت مانگ لوں گی۔"

"مم . . . میرا مطلب ہے کیا آپ دن بھر میرے ساتھ رہیں گی ؟"

" جی ہاں میں تو یہی فیصلہ کر کے گھر سے چلی ہوں۔"

" اور کسی کو . . . کسی کو اعتراض نہیں ہوگا ؟"

" کیسا اعتراض . . . ؟" اس نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

" میرا مطلب ہے آپ نے . . . آپ کو . . ." میں جملہ پورا نہ کر سکا۔

" آپ براہِ کرم پوری توجہ گاڑی ڈرائیو کرنے پر صرف کیجیے۔ آپ جہاں بھی جا رہے ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلیے۔ آپ کہیں میرے وجود کی گرانی محسوس نہیں کریں گے۔"

" بہتر . . ." میں نے گہری سانس لے کر کہا اور کار کا رخ فلیٹ کی جانب ہی کر دیا۔

ظاہر ہے کوئی ایسی مصروفیت تو تھی نہیں جسے فوری طور پر انجام دینا ضروری ہو۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ میں مس جاوداں کو اپنا یہ فلیٹ دکھا ہی دوں تاکہ ان کا مسئلہ حل ہو جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں فلیٹ پر پہنچ گیا۔ استاد چھونے کے بارے میں میرا اندازہ تھا کہ وہ دفتر جا چکے ہوں گے اور جب فلیٹ پر پہنچا تو یہ اندازہ درست نکلا۔ فلیٹ کی چابی میری کار کی چابی میں شامل تھی۔ میں نے فلیٹ کا دروازہ کھولا تو جاوداں آہستہ سے بولی۔

" اوہو! آپ نے اپنے فرائض انجام نہیں دیے اور مجھے یہاں لے آئے۔"

" نہیں کوئی ایسا خاص کام فوری طور پر نہیں تھا۔ آیئے میں آپ کو اپنا فلیٹ دکھا دوں۔"

پھر وہ فلیٹ کا ایک ایک گوشہ دیکھتی پھری تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جاوداں نے پورا فلیٹ دیکھنے کے بعد کہا۔

" جہاں تک میرا خیال ہے یہ آپ کے لیے ایک ذاتی سکون گاہ ہے۔"

"جی ہاں بالکل صحیح اندازہ ہے آپ کا۔"

" مجھے پسند آیا۔ کسی اور کو پسند آئے یا نہ آئے۔ ویسے آپ کی جو شخصیت ہے یہ اس سے مطابقت نہیں رکھتا لیکن معاف کیجیے میں خود اپنے ان جملوں سے مطمئن نہیں ہوں۔ ہر وہ جگہ جہاں انسان کو سکون ملے ایک بڑی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔"

" جی۔ بس یہی میرا ملجا ہے ماوا ہے۔"

" یہاں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا ؟"

" جی ہاں میرے ایک دوست، ساتھی یا بزرگ۔ جو بھی آپ سمجھ لیں استاد چھونے ہیں۔"

" کلاسیکل۔ کیا نام بتایا آپ نے اُن کا ؟"

" استاد چھونے۔"

" واہ . . . کہاں ہیں وہ ؟"

" دن میں دفتر چلے جاتے ہیں اور رات کو یہیں قیام کرتے ہیں۔"

" میں ان سے ملنا چاہوں گی۔" جاوداں نے کہا اور میرے دیوتا کوچ کر گئے۔

" وہ . . . وہ تو اس وقت دفتر میں ہیں۔"

" تو کیا دفتر آپ کا نہیں ہے ؟"

" ہے تو میرا ہی۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

" تو میں اس دفتر میں چلوں گی آپ کے ساتھ عرض کر چکی ہوں

کر دن بھر کی اجازت لے کر آئی ہوں اور آپ کی گلوخلاصی آسانی سے نہ ہو سکے گی۔"

"یہی لگتا ہے۔" میں نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اب اس کے بعد تو فلیٹ پر رکنا بھی بے کار تھا میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اسے فلیٹ دکھانے کے بعد گھر پہنچا دوں گا لیکن محترمہ دن بھر کے لیے نازل ہوئی تھیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ بہرطور انہیں لے کر دفتر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب، جاوید قریشی اور استاد جمونے موجود تھے تینوں سے ان کا تعارف کرایا فاروقی صاحب بہت محبت سے پیش آئے تھے۔ جاوید قریشی کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی اور استاد جمونے تو تھے ہی محبت کا مرکز جاودان خاص طور سے ان سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی فاروقی صاحب نے کہا۔

"بھئی میں تو کورٹ چلتا ہوں۔ دوپہر کو دو بجے کے بعد تمہارے ساتھ ایک نشست رکھنا چاہتا ہوں، قریشی تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"مجھے بھی ایک کیس کے سلسلے میں جانا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے شارق میاں تم لوگ بیٹھو یہاں اور ہمیں اجازت دو۔ اچھا جاودان بیٹے تم سے دوبارہ ملاقات ضرور ہوگی۔"

"یقیناً اگر آپ یاد فرمائیں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔" جاودان نے کہا۔

قریشی صاحب بھی چلے گئے اور اس کے بعد جاودان استاد جمونے سے کہنے لگی۔

"آپ کے یہاں کیا کیا مشاغل ہیں؟"

"بس بی بی وقت گزارتے ہیں۔ چائے پئیں گی آپ؟"

"یہاں انتظام ہو سکتا ہے اِس کا؟"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔" استاد جمونے بولے۔

"تو پھر بہت دل چسپ لگے گا۔ بنا لائیے۔" جاودان نے کہا اور پھر مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"میں جانتی ہوں کہ آج میں نے جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ لیکن کبھی کبھی دل یہ بھی چاہتا ہے کہ معمولات میں کوئی ایسی تبدیلی ہو جو پُرلطف ہو۔"

"حالانکہ آپ نے پکنک سے انکار کر دیا تھا۔"

"ہاں بھئی بس ان بچیوں کے ساتھ بہت زیادہ جی نہیں لگتا۔" جاودان نے جواب دیا۔

میں ہنستا رہا تھا۔ پھر جاودان مجھ سے میرے مشاغل کے بارے میں پوچھنے لگی اور میں نے اُسے مختصر سی تفصیلات بتا دیں لیکن اپنے صحیح کام کا میں نے اس پر کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔ جاودان تھوڑی دیر تک بیٹھی رہی استاد نے چائے پیش کر دی تھی اس کے بعد جیسے اُسے مجھ پر رحم آ گیا اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب آپ مجھے واپس کوٹھی بھجوانے کا بندوبست کر دیجیے گا۔"

"جی . . ." میں حیرت سے اچھل پڑا۔

"جی ہاں کبھی کبھی ایسی دلچسپ شرارتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آج بس یونہی جی چاہا تھا کہ آپ کو تھوڑا بہت پریشان کیا جائے۔ لیکن اب میں سمجھتی ہوں کہ یہ پریشانی حد سے تجاوز کر چکی ہے۔ کیا استاد جمونے مجھے گھر تک پہنچا سکیں گے؟"

"کیوں نہیں لیکن آپ یہ نہ محسوس کریں کہ میں نے آپ سے جان چھڑانے کے بارے میں سوچا ہے۔"

"نہیں میں یہ بالکل نہیں محسوس نہیں کروں گی۔ اچھا پھر شام کو ملاقات ہوگی۔ آیئے استاد آپ کو زحمت دے رہی ہوں لیکن کیا کیا جائے مہمان تو زحمت دینے کے لیے ہی آیا کرتے ہیں۔"

"نہیں بی بی آپ حکم دے کر دیکھیں۔ میں ہر طرح حاضر ہوں۔"

"تو پھر آیئے۔"

"مم . . . میں گاڑی سے چھوڑ دوں؟" میں نے پیش کش کی۔

"نہیں استاد کے ساتھ ٹیکسی سے جاؤں گی۔" اس سرپھری لڑکی نے کہا اور اس کے بعد وہ استاد کے ساتھ نیچے اُتر گئی۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا اور دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا مجھے۔ جاودان کہیں کوئی گہری شرارت تو نہیں کر رہی ہے۔ کچھ کچھ جھلکیاں نظر آتی تھیں ایسی یعنی وہ اپنے آپ کو جس انداز میں پوز کر رہی ہے درحقیقت ہو سکتا ہے ایسی نہ ہو لیکن اس کا پتا کیسے لگایا جائے؟

دیر تک چکراتے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ استاد جمونے کی واپسی سے پہلے دفتر سے نکلنا بھی ممکن نہیں تھا خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ جاودان کا کردار بار بار سامنے آ جاتا اور سوچ مسلسل یہی تھی کہ وہ صرف شرارت کر رہی ہے یا درحقیقت ایسی ہی فطرت کی مالک ہے؟ اگر شرارت بھی ہے تو اُس نے

نہایت کامیابی سے سب کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ لیکن فرصت ملی تو اسے بھی اس کی اوقات بتا دوں گا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور پھر کسی نے دروازہ کھولا۔ آنے والے نے ذرا سا اندر جھانکا اور پھر پورا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ میں بھی اُسے دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ نگہت شیراز تھی۔

"ہیلو چیف آ سکتی ہوں؟" اُس نے اپنی مخصوص بے تکلفی سے کہا۔

"تشریف لائیے۔"

"مفرور ملزم حاضر ہے۔ بیٹھ جاؤں؟" اس نے سوال کیا۔

"جی تشریف رکھیے۔"

"اور اب میں جانتی ہوں کہ مجھ سے کیا سوالات کیے جائیں گے چنانچہ جوابات پہلے ہی دے دیتی ہوں بات دراصل یہ ہے کہ سو فیصد انسان ہوں اور شاید ہر شخص ذہنی طور پر کاریگر ہوتا ہے۔ کاری گری کی یہ شان ہے کہ اگر مزدوری سے اگر کچھ زیادہ مل جائے تو پھر اس وقت تک مصروف ہو جاتا ہے جب تک ملی ہوئی رقم خرچ نہ کر ڈالے۔ چنانچہ میں بھی وہ پانچ ہزار روپے مختلف انداز سے ہضم کر رہی تھی۔ اپنے سارے معاملات نمٹائے پھر کچھ خریداریاں کیں اور اس کے بعد خود کو چند روز کے لیے انتہائی پرسکون محسوس کیا۔ بار بار دل میں یہ خیال آتا رہا کہ چیف اس بارے میں ضرور سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لیکن کچھ اور اندازے بھی لگانے تھے مثلاً یہ کہ چیف نے ہمیں کس خانے میں فٹ کیا ہے؟ لیکن پتا چلا کہ ابھی وہ خانہ ہی نہیں بنایا گیا جہاں ہمیں فٹ کیا جا سکے۔ اپنی توہین محسوس کی اور پھر ممنونیت کے جذبات ابھرے بالآخر فیصلہ کیا کہ خود ہی چلا جائے بھائی۔ پیاسا خود چل کر کنوئیں کے پاس پہنچتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ ایسی ایجادات بھی کیں جس سے چیف کو خوش کر دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ چیف کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کی گئیں اور یہ معلومات انتہائی تعریف و توصیف کے بے شمار جملے تراشے گئے۔ سوچا کہ ایک مضمون بھی لکھ لیا جائے لیکن اس حد تک مہلت نہیں مل سکی۔ اس کے لیے معذرت خواہوں۔ چیف سے ہدایات لینے آئی ہوں۔ اب میری ڈیوٹی چالو کر دی جائے اور ہاں تعریف و توصیف کے جو جملے میں نے تراشے ہیں اگر سب کے سب اسی وقت سنا دوں تو ذرا قبل از وقت رہے گا۔ موقع موقع سے انہیں استعمال کرتی رہوں گی۔"

میں خاموشی سے نگہت شیراز کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یہاں تم نے دہرا فائدہ اٹھایا ہے مس نگہت شیراز۔ یعنی ایک جرنلسٹ اور اس کے ساتھ ساتھ عورت۔ اب مجھے بتاؤ کہ میرے پاس تم سے کرنے کے لیے کیا سوال رہ گیا سب کچھ تو تم نے کہہ ہی ڈالا۔"

"اِسی لیے چیف کہ آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ پھر اُس سوال کی چبھن مجھ سے برداشت نہ ہوگی۔"

"اچھا خیر چھوڑو یہ بتاؤ اخبارات کے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔ ایک لگا بندھا طریقہ کار ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اتنا عرصہ چونکہ اخبار سے دور رہی ہوں چنانچہ اپنی جگہ سنبھالنے کے سلسلے میں کچھ دقتیں بھی پیش آئیں۔ ویسے چیف بڑے عیش کیے ہیں اِن دنوں صحیح معنوں میں اپنے آپ کو ایک دولت مند شخصیت محسوس کیا ہے۔"

"بے کار باتیں نہیں تم ایک فضول چیز کا تذکرہ کر کے مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔"

"اللہ کی قسم یقین والا [illegible] چیف کہ آپ نے میری اس طویل گمشدگی کو کسی غلط انداز میں محسوس نہیں کیا ہے۔"

"نہیں، بات [illegible] سوچا بھی نہیں اس بات کو۔"

"[illegible] چیف واقعی دل سے ممنون ہوں۔ بڑی شرمندہ [illegible] تھی [illegible] والی دن سے اس شرمندگی کا شکار تھی لیکن آپ کا [illegible] نہیں ہے۔"

"[illegible] پرویز نامی کسی شخص کو جانتی ہو؟"

"میرا خیال ہے اس نام کے چھ آدمیوں سے واقف ہوں۔" نگہت نے [illegible] جواب دیا۔

"چالبازی تو نہیں کر رہیں؟"

"کہو تو نام گنوا دوں ان کے۔ ایک جرنلسٹ ہے لیکن [illegible] ہو گا ہے اور کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ ایک اور قیصر پرویز اداکاری کی کوششوں میں مصروف ہے اور چھوٹے موٹے رول میں آتا رہتا ہے۔ ایک سرکاری افسر ہے جو عموماً بڑی بڑی تقریبات میں شریک ہوتا رہتا ہے اور ایک . . ."

"بس . . . بس میرا خیال ہے تم صحیح آدمی تک پہنچ گئیں۔"

"جرنلسٹ . . . ؟"

"نہیں وہ بھی نہیں۔"

"گڈ . . . گڈ اس کا مقصد ہے کہ وہ سرکاری افسر . . ."

"ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔"

بہت بڑی شخصیت ہے۔ بڑا مقبول آدمی ہے۔ بے حد مغرور اور ناک چڑھا۔ معمولی لوگوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ کئی بار مختلف مواقعوں پر اخباری نمائندوں کو اپنی کوٹھی سے نکال چکا ہے۔ سرکاری تقریبات میں زیادہ سے زیادہ شرکت کرتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں سے اس کے تعلقات ہیں۔"

"اور کچھ۔۔۔ ؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ضرورت نہیں محسوس کی۔ کیونکہ براہِ راست کبھی میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں پڑا۔ لیکن اگر چیف کی ہدایت ہو تو پھر کام چالو۔۔۔" نگہت شیراز نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"ہاں نگہت اچھا ہے کہ تم اس سے واقف ہو۔ میں اسی کے بارے میں تمہیں مصروف کرنا چاہتا ہوں۔"

"چیف اس کا مکمل بائیوڈیٹا آپ کو پیش کر دیا جائے گا۔"

"صرف بائیوڈیٹا نہیں بلکہ اس کے اطراف میں بھی جو کچھ ہے نگہت شیراز ہمیں اس کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔"

"حاضر چیف۔ چراغ کا جن یہ خدمت انجام دے دے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ اس کے اثاثے، اس کے تعلقات، اس کے مشاغل سب کچھ آپ کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔" نگہت نے جواب دیا۔

"گڈ، اس سلسلے میں کوئی ایڈوانس وغیرہ ؟"

"ارے جانے دیں چیف اب حالات ذرا ہموار ہو گئے ہیں۔ کبھی ضرورت پڑی تو دیکھا جائے گا۔ ویسے وہ رقم کس خانے میں فٹ کرنی ہے مجھے بتا دیجیے۔"

"دوستی کے خانے میں۔" میں نے جواب دیا۔

"کمال ہے اللہ جب دوست دیتا ہے تو ایسے ایسے بھی دے دیتا ہے۔ خدا آپ کو سلامت رکھے جناب شارق حسین صاحب۔" نگہت شیراز نے بے تکلفی سے کہا اور پھر بولی۔

"ویسے دفتر میں چائے وغیرہ کا بندوبست کیا ہوا ہے آپ نے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور اسی وقت استاد چھوٹے چراغ کے جن کی طرح نازل ہو گئے۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"جی استاد آپ گھر ہو آئے ؟"

"ہاں شارق میاں۔"

یہ نگہت شیراز ہیں اور پوچھ رہی ہیں کہ دفتر میں چائے وغیرہ کا بندوبست ہے یا نہیں۔"

"بی بی بس پانچ منٹ میں پیش کرتا ہوں۔"

"جیتے رہیں۔ بلکہ بہت عرصے تک جیتے رہیں کیونکہ اب تو میں یہاں آتی ہی رہوں گی۔" نگہت شیراز نے کہا اور استاد خاموشی سے باہر نکل گئے۔

"چائے پینے کے بعد چلی جاؤں گی چیف اور اس سلسلے میں کوئی ہدایت ہو تو حکم فرما دیجیے۔"

"ذرا محنت کے ساتھ قیصر پرویز کا مسئلہ حل کر دو۔"

"کیا یہ پوچھ سکتی ہوں چیف کہ یہ تحقیقات کس سلسلے میں ہے؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"او کے۔۔۔ او کے۔ میں بھی وقت سے پہلے کوئی کام کرنا مناسب نہیں سمجھتی اور پھر ہو سکتا ہے کہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ پیش آئے۔"

تھوڑی دیر کے بعد استاد چائے لے آئے اور میں نے بڑے احترام سے وہ نگہت کو پیش کی۔ بڑی دلچسپ لڑکی تھی اور بہرطور میں اُس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا لیکن میں اُسے اس احساس کا شکار نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں نے اس پر کوئی احسان کیا ہے۔ چائے پینے کے بعد وہ اٹھ گئی۔

"چلتی ہوں چیف۔"

"مصروفیت نہ ہو تو بیٹھو۔"

"نہیں چیف مصروفیت تو واقعی نہیں ہے اس وقت لیکن جو کام آپ نے مجھے سونپا ہے اس کا آغاز کر دینا چاہتی ہوں۔"

"ایک بات سنتی جاؤ۔" میں نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا۔

"یس چیف۔"

"یہ چیف۔۔۔ چیف جو لگا رکھی ہے نا تم نے یہ مجھے پسند نہیں ہے۔ میں نے تمہیں ایک دوست کا درجہ دیا ہے اور دوست ہی رکھنا چاہتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی شخصیت کو ختم مت کرو اور وہ انداز اختیار نہ کرو میرے ساتھ جو مجھے شرمندہ کرتا رہے۔ میں نے تمہیں کبھی شرمندہ نہیں کیا۔"

نگہت ایک لمحے کے لیے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

"ٹھیک ہے چیف۔۔۔ ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ۔"

اور اس کے بعد وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

میں مسکراتی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتا رہا۔ اچھی طرح سمجھ رہا تھا نگہت کو۔ اچھی لڑکی تھی۔ پھر اس کے بعد کافی دیر تک کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ اس وقت کوئی خاص پروگرام ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ قیصر پرویز کے بارے میں معلومات

حاصل کرنے کے بعد ہی اس کے سلسلے میں کام شروع کیا جا سکتا تھا۔ ویسے نوشابہ اور اس کی ماں فاروقی صاحب کے گھر میں تھے۔ جاوداں اگر ساتھ نہ ہوتی اس وقت تو فاروقی صاحب سے بھی اس سلسلے میں گفتگو ہوتی۔ وہ بھی بے چارے جانے کے لیے تیار تھے چنانچہ اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔ نہ ہی فاروقی صاحب نے کوئی تذکرہ نکالا تھا۔ پھر میں ان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ تقریباً ڈھائی بجے فاروقی صاحب اور جاوید قریشی ساتھ ساتھ ہی دفتر آئے تھے۔

"اوہ! تم یہیں موجود ہو شارق ؟"

"جی فاروقی صاحب۔ بہت دن سے آپ سے کوئی تفصیلی بات چیت نہیں ہو سکی۔" میں نے کہا۔

"ہاں بھئی۔ ہاں ٹھیک ہے۔ ذرا ابھی آیا۔ ایک منٹ منہ ہاتھ دھو لوں۔" فاروقی صاحب نے کہا اور دفتر سے ملحق باتھ روم میں چلے گئے۔

جاوید قریشی اپنی جگہ جا بیٹھے تھے۔ فراغت حاصل کرنے کے بعد فاروقی صاحب اپنی جگہ آ بیٹھے اور پھر بولے۔

"ہاں بھئی تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں بلکہ آج میں اور جاوید اس موضوع پر دیر تک گفتگو کرتے رہے تم نے بالآخر ایک سلسلہ تلاش کر ہی لیا۔"

"جی اور یہ سلسلہ آپ سے الگ نہیں ہوتا۔"

"تو بھئی ہم تم سے کب الگ ہیں؟ ویسے ایک دو کیس ایسے بھی ہیں ان دنوں جن میں تمہارے مشورے درکار ہیں اور میں تم سے اس پر ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔"

"بسم اللہ کیجیے۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں اتنی جلدی بھی نہیں ہے ایک آدھ دن کے بعد یہ کام کریں گے ابھی تو کافی دن ہیں ان کے سلسلے میں۔"

"جب بھی آپ مناسب سمجھیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا چھوڑو تم اُس بچی کے بارے میں بتاؤ عجیب لڑکی ہے اتنی سہمی ہوئی، اتنی خوفزدہ کہ دل کٹنے لگتا ہے ہر ایک کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے یہ یقین کرنا چاہتی ہے کہ جو کچھ اُسے حاصل ہوا ہے وہ سچ ہے یا اس کے پس پردہ کچھ اور، مجھے تو خیر علم ہی نہیں تھا۔ تمہاری چچی نے تفصیلات بتائیں اور پھر میں نے اسے ٹٹولا بہرطور اللہ تمہیں اس کا اجر دے کہ تم ایسے بے کس چہروں کو سامنے لاتے ہو جنہیں دیکھ کر دل کی نجانے کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔"

میں خاموشی سے فاروقی صاحب کی طرف دیکھتا رہا، جاوید قریشی کہنے لگا۔

"مسئلہ کیا ہے یار ہمیں بھی تو بتاؤ ہم تو تمہاری لکھی ہوئی کہانیاں سننے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔"

میں آہستہ سے مسکرا دیا۔ "سنا آپ نے فاروقی صاحب! جاوید قریشی میری لکھی ہوئی کہانیاں سننا چاہتے ہیں۔"

فاروقی صاحب میرا مفہوم سمجھ کر مسکرانے لگے پھر بولے۔

"جہاں تک تمہاری چچی نے مجھے بتایا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ لڑکی کو کسی نے خوفزدہ کر دیا تھا اور شاید اسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی اس سے زیادہ انہیں معلوم ہے اور نہ انہوں نے مجھے بتایا میں نے نوشابہ سے گفتگو کی وہ بس عجیب سی کیفیت کا شکار ہے کچھ نہ بتا سکی۔"

"میں بتلائے دیتا ہوں فاروقی صاحب اور پھر بتانا ہی تھا آپ کو آج تک ایسا کون سا کام کیا ہے میں نے جو آپ سے چھپایا ہو۔"

"ضرورت بھی نہیں ہے اس کی ہاں تو کون ہیں وہ ؟"

اُن کو ساری کہانی تفصیل سے سنانے لگا جب اُن کی کہانی بتائی تو فاروقی صاحب کا چہرہ غم کی تصویر بن گیا تھا۔ جاوید قریشی بھی پرخیال انداز میں ٹھوڑی کھجا رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"لیکن وہ لوگ کون ہیں جو اتنے تعلقات والے ہیں؟"

"کسی قیصر پرویز کا نام سنا گیا ہے۔"

"قیصر پرویز!" فاروقی صاحب چونک پڑے۔

"کیا وہ کوئی سرکاری افسر ہے ؟"

"جی بڑا مشہور آدمی ہے اور جس قدر با اختیار ہے اس کے اسے میاں بھی میں جانتا ہوں یوں سمجھ لو کہ وہ بہت سے لوگوں کے لیے ہر مرض کی دوا ہے اس لیے تعلقات بڑھا رہے ہیں اس سے کہ بڑے بڑے لوگ اُس کے ذریعے اپنی خارجی کراتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔"

"تو پھر آپ خود سوچ لیجیے کہ اس کے سامنے انسپکٹر غالب یا یہ دو بے کس ماں بیٹیاں کیا کر سکتی تھیں۔"

انہوں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"خدا جانے کیا ہوگا اس دنیا کا۔"

"کچھ نہیں یہ تو دنیا کی تاریخ ہے، فرعون آتے رہے جاتے رہے، شداد، نمرود اور نجانے کون کون سب نے اپنے

اپنے کھیل دکھائے اور اس کے بعد سامان سمیٹ کر رفو چکر ہو گئے۔ جانا ہر شخص کو ہوتا ہے یہ دوسری بات ہے کہ اپنے دور میں وہ بہت کچھ کر لیتا ہے۔ ہم مایوس نہیں ہیں اور مایوس ہونا بھی نہیں چاہیئے کیونکہ اگر ہمارے سامنے وہ تمام بُرا کرنے والے موجود ہوتے اور دنیا اُن کے آگے لرز رہی ہوتی تو پھر ہماری مایوسیوں کا آغاز ہوتا۔"

"ٹھیک کہتے ہو شارق۔" انھوں نے کہا۔

"اور ہر دور میں ان برے لوگوں کے خلاف کچھ نہ کچھ ہوتا رہا ہے۔ میں اس دور کے بُرے آدمی کے خلاف اپنی بساط پر جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔"

"اور ہم دونوں بڑے خلوص سے ایک بار پھر تمہیں پیش کش کریں گے کہ ہمارے لائق جو بھی خدمت ہو بتا دینا۔"

"میں آپ ہی پر تو نازاں ہوں فاروقی صاحب خیر چھوڑیئے ان جذباتی باتوں کو یہ تو ہم ہمیشہ ہی کرتے رہتے ہیں۔ قیصر پرویز کے بارے میں آپ کی معلومات کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔"

"ہاں بھئی میں نے کہا نا اتفاق ہے کہ تم اسے نہیں جانتے ایک بہت بڑا سرکاری افسر ہے اور عام طور سے گرانڈ کلب میں پایا جاتا ہے۔"

"کہاں ... ؟"

"گرانڈ کلب میں ... میز نمبر سات اس کے لیے مخصوص ہے۔"

"اوہو! اس قدر جانتے ہیں آپ؟"

"ہاں ایک بار گرانڈ کلب جانا ہوا تھا کسی سلسلے میں۔ ہم ایک خالی میز کی جانب بڑھے تو ہمیں اس پر قیصر پرویز کے نام کی چٹ نظر آئی میرے ساتھ جو شخص تھا اس نے مجھے قیصر پرویز کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور میں نے وہاں قیصر پرویز کو دیکھا تھا۔ میرے ساتھی کی شاید اُس سے کچھ شناسائی بھی تھی کیونکہ دونوں کے درمیان سلام دعا ہوئی تھی ویسے ایک منٹ میں تمہیں اُس کی تصویر بھی دکھا سکتا ہوں۔" فاروقی صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

ایک کیبنٹ کی جانب بڑھے میں دلچسپی سے انہیں دیکھ رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کیبنٹ میں سے ایک اخبار نکالا اور اسے دیکھنے لگے پھر انہوں نے ایک صفحہ میرے سامنے کھول کر رکھ دیا۔ اس میں اس کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ غالباً کسی بیان کے سلسلے میں تھی میں گہری نگاہوں سے اس تصویر کو دیکھنے لگا اور اس کا بیان پڑھنے لگا صورت ہی سے مغرور آدمی نظر آتا تھا میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے ہوئی نا کام کی بات آپ نے مجھے اُس کی صورت بھی دکھا دی اور ٹھکانہ بھی بتا دیا اور میرا خیال ہے اب مجھے اس سے مل لینا چاہیئے۔"

"ہوں! ٹھیک ہے تمہارے پیچھے ہم اپنے طور پر کارروائی کریں گے اور تمہارے لیے ایک مضبوط حصار قائم کریں گے۔"

"فکر نہ کریں فاروقی صاحب میں جن راستوں پر قدم بڑھا چکا ہوں اُن میں ہر رکاوٹ کو توڑنے کی قوت بھی رکھتا ہوں۔" نجانے میرے لہجے میں کیا بات پیدا ہو گئی تھی کہ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بہت بُرا وقت ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم اب کرو گے کیا؟ کم از کم یہ بات ہمارے علم میں آ گئی کہ ان لڑکوں نے نوشابہ کو اٹھانے کی کوشش کی تھی اور اس میں ناکام رہے۔ انسپکٹر غالب کی تنزلی ہو گئی لڑکی کو دھمکی دی گئی کسی غنڈے کا سہارا بھی لیا گیا ان تمام چیزوں کو بنیاد بنا کر اگر کوئی کارروائی کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان پر مقدمہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ تھوڑی بہت سرزنش ہو جائے گی ویسے قیصر پرویز اپنے تعلقات سے کام لے کر شاید بات کو یہاں تک بھی پہنچنے دے۔ فرض کرو اگر وہ اس بات کا اعتراف کر لیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یا بیٹے ایسی حرکت نہیں کریں گے تو کیا بات ختم کر دو گے تم؟"

"ہاں ظاہر ہے مجھے قیصر پرویز سے براہِ راست کوئی دشمنی نہیں ہے نہ ہی اس کے بیٹے سے جس کا نام مسعود پرویز ہے۔ باقی دو اس کے دوست ہیں لیکن قیصر پرویز کو اپنا کیا ہوا ہر کام اپنے ہاتھوں سے ختم کرنا ہو گا یعنی وہ انسپکٹر غالب کو اس کا عہدہ واپس دلوائے گا لڑکی اور اس کی ماں سے معافی مانگے گا اور اپنے بیٹے سے بھی یہی کام کرائے گا اور اس کے علاوہ ان لوگوں کو جن مصیبتوں سے گزرنا پڑا ہے ان کا تاوان ادا کرے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ اس کی توقع کے بالکل خلاف ہو گا، میری لڑائی اُس سے اسی حد تک ہے، ہاں اگر وہ اس لڑائی کو بڑھانا چاہے، تو دوسری بات ہے۔"

جاوید قریشی اپنے مخصوص انداز میں داہنا گال کھجانے لگا تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ذرا ہوشیار رہنا یہ بات تم سے کہنا تو نہیں چاہیئے شارق لیکن اس کے باوجود ہم تمہاری بہتری کے خواہاں ہیں۔"

"آپ لوگ انشاءاللہ بالکل اطمینان رکھیے۔" میں نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا پھر کافی دیر تک ہم قیصر پرویز کے موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

میرے اصرار پر فاروقی صاحب نے وہ کیسز نکال لیے جن پر وہ مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے تھے اور ان میں الجھ کر ہم قیصر پرویز کے مسئلے کو بالکل بھول ہی گئے جاوید قریشی نے اب چونکہ باقاعدہ فاروقی صاحب کے ساتھ ہی پریکٹس شروع کر دی تھی اس لیے وہ بھی ان معاملات میں براہِ راست شریک رہتے تھے چنانچہ میں ان کیسوں کے سلسلے میں ان دونوں سے بحث کرتا رہا پھر ہم لوگ ان کے لیے باقاعدہ لائحہ عمل ترتیب دینے لگے فاروقی صاحب مجھ سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی اِس دوران استاد دو بار چائے پلا چکے تھے جب بہت وقت گزر گیا تو فاروقی صاحب نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی ذرا گھڑی تو دیکھو ساڑھے پانچ بجنے والے ہیں وقت گزرنے کا تو پتا ہی نہ چل سکا میرا خیال ہے اب یہ سلسلہ ختم کر دینا چاہیئے۔"

ہم سب نے تھکی تھکی سانسیں لے کر گردنیں اٹھائیں اور تمام فائل باندھ کر رکھ دیئے گئے فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"جاوید تم نے ایک بات دیکھی شارق صرف ایک ہی راستے کا مسافر نہیں ہے وہ جب اور جس مسئلے میں ہاتھ ڈالتا ہے اس کی گہرائیوں کو کس طرح کھنگال لیتا ہے ہم کتنے دن سے اس میں الجھے ہوئے تھے لیکن اس نے جو پوائنٹس بتائے ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"بس میں تو اسے خدا کی دین ہی سمجھتا ہوں۔" جاوید قریشی نے متاثر لہجے میں کہا۔

"حضرات ساڑھے پانچ بج چکے ہیں یہاں سے روانہ ہوتے ہوئے چھ بج جائیں گے اور ادھر کوٹھی میں میرے سلسلے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دی جائیں گی۔"

"ہاں بھئی تم چلو ہم تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے اٹھیں گے فاروقی صاحب نے کہا اور میں ان سے رسمی گفتگو کرنے کے بعد باہر آ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میری کار کوٹھی کی جانب جا رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے دل چاہا کہ نوشابہ سے ملاقات کروں لیکن میں زیادہ ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا۔ فاروقی صاحب سمجھدار تھے اور اب تمام تر صورت حال معلوم ہونے کے بعد مجھے یقین تھا کہ وہ نوشابہ اور اس کی ماں کو بہتر حالت میں لے آئیں گے۔ بالآخر کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ شام کی خوشگوار ہوائیں کوٹھی کے لان پر تیر رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی لوگ چہل قدمی پر نکلے ہوئے تھے۔ غالباً چائے وغیرہ کا بندوبست آج لان پر نہیں کیا گیا اور ویسے بھی وقت اتنا ہو گیا تھا کہ چائے پی لی گئی ہو گی۔ مجھے ان چہل قدمی کرنے والوں میں جاوداں نظر نہیں آئی تھی البتہ نیلوفر اور لالہ رخ تھی اور وہ دونوں خواتین بھی تھیں یعنی لڑکیاں جو آج کل ہمارے ہاں مہمان تھیں۔ ان بچاریوں سے میرا باقاعدہ تعارف نہیں ہو سکا تھا بس رسمی سی سلام دعا تھی لیکن شوکت جاہ کے دوست کی بیٹیاں ہونے کے باوجود وہ جاوداں سے زیادہ لالہ رخ اور نیلوفر سے گھل مل گئی تھیں چنانچہ اس وقت چاروں ہی یہاں موجود تھیں۔ بہت دور تو نہ بھابی ایک ملازم کو کسی سلسلے میں کچھ ہدایات جاری کر رہی تھیں۔ میں پورچ میں کار روکنے کے بعد انہی خواتین کی جانب بڑھ گیا معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جاوداں کہاں ہے؟ چاروں ہی چونک کر مجھے دیکھنے لگیں نیلوفر کے چہرے پر طنزیہ آثار پھیل گئے۔ لالہ رخ کا چہرہ ستا رہا۔ دونوں لڑکیاں بھی مسکرا دی تھیں غالباً کوئی ایسی بات تھی جس کا مرکز میں تھا نیلوفر نے کہا۔

"ہیلو شارق صاحب کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟"

"سبحان اللہ لڑکیاں اگر اس انداز میں نرم و نازک لہجے میں کسی کے مزاج پوچھیں تو مزاج ناساز بھی ہوں تو درست ہو جاتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"پچھے دار گفتگو کرنے کی مشق کر رہے ہیں ان دنوں آپ۔ ٹھیک ہے انسان محنت کرتا ہے تبھی اسے پھل بھی ملتا ہے۔"

"جی ہاں اب آپ دیکھیے نا اتنے دن سے آپ نے چکر چلا رکھا ہے محنت نہیں کی دراصل آپ نے۔"

"میری جوتی محنت کرتی ہے آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟"

"کیا مطلب ... کیا مطلب؟ یہ آپ اچانک نستعلیق گفتگو سے زنانہ گفتگو پر آ گئیں میرا مطلب ہے جوتی وغیرہ بھئی آپ لوگ ذرا وضاحت کر دیجیے قصہ کیا ہے۔" میں نے ان لڑکیوں سے کہا اور دونوں ہنس پڑیں۔

"کچھ نہیں . . . قصہ کچھ نہیں ہے لیکن جو کھیل آپ کھیل رہے ہیں اِس گھر میں وہ شریفوں کا کھیل نہیں ہے۔" اِس بار لالہ رخ نے گل افشانی فرمائی تھی۔

"شریف . . ." میں نے متحیرانہ انداز میں پھر لڑکیوں کی طرف دیکھا اور وہ پھر ہنس پڑیں۔

"آپ بہت شاطر انسان ہیں شارق صاحب، جاوداں واقعی بڑے پائے کی چیز ہے اور اب تو وہ کھلم کھلا کہتی ہے کہ اِس گھر میں اگر کوئی شخص قابلِ اعتماد ہے تو صرف شارق بڑی محنت کی ہوگی آپ نے اس کو اس منزل تک پہنچانے کے سلسلے میں۔ سنا ہے صبح خاتون آپ کے ساتھ مٹر گشت کے لیے بھی گئی تھیں۔"

"بھئی آپ لوگوں کی گفتگو شاید میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ ویسے بھی ذرا زنانہ ماحول کی عادت نہیں ہے اس لیے معذرت خواں ہوں۔" میں نے حالات سازگار نہیں دیکھے تھے۔

جاوداں تو تھی ہی کھلی زبان کی ہو سکتا ہے اُس نے یہ الفاظ کہہ دیے ہوں اور اِس وقت یہ دونوں خواتین میری بدترین دشمن بنی ہوئی تھیں چنانچہ میں نے وہاں سے بھاگ جانے ہی میں عافیت سمجھی اور پھر تنویر بھابی سے گفتگو کرنے لگا انہوں نے کوئی خاص بات نہیں بتائی تھی۔

شوکت جاہ آئی جی صاحب کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے۔ گھر کے معاملات پرسکون تھے۔ رات کے کھانے سے پہلے جاوداں سے ملاقات نہ ہو سکی لیکن اُس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ وہ سپاٹ سپاٹ سی نظر آ رہی تھی جیسے دن کے معاملات اس کے ذہن سے نکل گئے ہوں۔ آج اُس نے کھانے کے بعد بھی مجھ سے ملاقات کی کوشش نہیں کی اور میں نے سکون کی گہری سانس لی تھی خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ رات کو کمرے میں گھس نہ آئے چنانچہ بستر پر جاتے ہوئے میں نے بالکل ہی اندھیرا کر دیا تھا اور طے کر لیا کہ اگر دروازے پر توپ کے گولے بھی چھوڑے جائیں تو کم از کم دروازہ نہیں کھولوں گا لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ دوسرے دن ناشتے کے بعد اس انداز میں گھر سے بھاگا جیسے چور فرار ہوتے ہیں۔ خطرہ تھا کہ جاوداں صاحبہ آج بھی کوئی فرمائش نہ کر دیں لیکن ایسا بھی کچھ نہ ہوا تھا چنانچہ اطمینان سے دفتر پہنچ گیا۔ دفتر میں فاروقی صاحب اور جاوید قریشی موجود تھے۔ اُن کے ساتھ ہی کورٹ چلا گیا صرف اس خوف سے کہ کہیں پیچھے ایسا کوئی سلسلہ نہ ہو جائے۔ کورٹ کے معاملات میں دو ڈھائی بجے تک مصروف رہا۔ بیرسٹر صاحب سے بھی کورٹ ہی میں ملاقات ہوئی لیکن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ جاوید قریشی ایک کیس کے سلسلے میں پیروی کر رہے تھے۔ میں ان کے معاون کی حیثیت سے اُن کے ساتھ رہا ویسے اب بار روم میں اکثر موضوعِ گفتگو بنا رہتا تھا۔ بہت سے وکلاء سے شناسائی ہو گئی تھی اور اس وقت بھی کافی دن کے بعد جب بار روم میں تھوڑی دیر کے لیے بیٹھا تو انہوں نے مجھے گھیر لیا اور مجھ سے میرے معمولات کے بارے میں سوالات کرنے لگے میں نے خندہ پیشانی سے انہیں جواب دیئے۔ بہت سے لوگوں نے کچھ طنزیہ جملے بھی استعمال کیے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر برا مانا جا سکتا میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کے ذہنوں میں میرے لیے کدورت ہے لیکن بہرطور میں اپنے مقصد میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں چاہتا تھا۔ پھر میں ان دونوں کے ساتھ ہی واپس دفتر آ گیا۔ استاد سے معلومات حاصل کیں تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے نگہت شیراز وغیرہ کی طرف سے بھی کوئی رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی پھر فاروقی صاحب سے گرانڈ کلب کے بارے میں معلومات حاصل کیں کہ وہاں پہنچنے میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ مگر ایسی کوئی بات نہیں تھی گرانڈ کلب میں ہر شخص بآسانی جا سکتا ہے چنانچہ آج شام میں نے گرانڈ کلب جانے کا فیصلہ کر لیا اس فیصلے کے تحت شام کو فلیٹ پر ہی واپس آیا تھا یہاں میری ضروریات کا ہر سامان موجود تھا چنانچہ لباس وغیرہ تبدیل کیا، آج ذرا گھر پر وقت سے نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی اس سلسلے میں معذرت کر لیں گے۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے میں اپنے فلیٹ سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر گرانڈ کلب کی جانب چل پڑا۔ داخلے کی کارروائی کوئی خاص نہیں تھی۔ بہرطور میں اندر پہنچ گیا اور کبھی کبھی آنے والوں کی میزوں کی جانب بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھ کر ٹیبل نمبر سات کی جانب دیکھنے لگا جس کا نمبر نمایاں تھا اور جس پر باقاعدہ ریزرویشن چٹ لگی ہوئی تھی۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آج قیصر پرویز یہاں آئے گا یا نہیں لیکن تقریباً ساڑھے آٹھ بجے میں نے ایک شخص کو ٹیبل نمبر سات کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے دیکھا اور پھر مجھے وہ تصویر یاد آ گئی جو فاروقی صاحب نے مجھے دکھائی تھی۔ یقیناً یہ ہی شخص تھا اور خوش بختی سے اس وقت تنہا تھا، بیٹھنے کے بعد البتہ اس نے ایک ویٹر کو بلا کر کچھ معلومات حاصل کی اور کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اس کے پاس

پہنچ جائے میں خود اس سے ملاقات کر لینا چاہتا تھا چنانچہ دو تین منٹ انتظار کرنے کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کی جانب بڑھ گیا۔ قریب پہنچ کر میں نے اُسے بڑے مؤدبانہ انداز میں سلام کیا تھا قریب سے دیکھنے پر قیصر پرویز کے چہرے پر چھائی ہوئی ایک درشتگی صاف نظر آ جاتی تھی۔ سلام کے جواب میں اُس نے آہستہ سے بھوئیں اٹھائیں اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"سر کیا میں آپ کا کچھ وقت لے سکتا ہوں؟"

"کون ہو . . . ؟ کیا بات ہے؟" قیصر پرویز نے رعونت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"آپ کے قیمتی لمحات کا کچھ حصہ ضائع کرنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی ذاتی کام ہے مجھ سے؟" اس نے سوال کیا۔

"جی سر۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھو بھئی یہ کلب ہے اور میں یہاں ذہنی شگفتگی کے لیے آتا ہوں چنانچہ کوئی کام میں یہاں نہیں کر سکتا۔ معذرت خواہ ہوں تم سے ویسے بھی میرے کچھ ساتھی آنے والے ہیں اور میں ان کا انتظار کر رہا ہوں۔"

"وہ آ جائیں گے تو میں فوراً اٹھ جاؤں گا۔"

"مگر تم ہو کون؟"

"خادم سمجھ لیجیے بس . . ."

"کیا چاہتے ہو؟" اُس شخص نے مجھے ابھی تک بیٹھنے کی پیش کش نہیں کی تھی۔

"تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"اس وقت میں تم سے معذرت کر چکا ہوں بہتر یہ ہے کہ میرا وقت مت ضائع کرو تم نے مجھے اپنا نام بھی نہیں بتایا کرتے کیا ہو؟"

"جی بس یونہی تھوڑا بہت روزی کمانے کا ذریعہ دریافت کر لیا ہے ویسے میری گفتگو سن لیتے آپ تو بہتر تھا یہ صرف میرے ہی حق میں نہیں آپ کے بھی حق میں بہتر ہو گا۔" میرے اس جملے پر قیصر پرویز نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر چند لمحات سوچنے کے بعد بولا۔

"بیٹھو۔"

میں شکریہ ادا کر کے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"ہوں! میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرے کچھ آدمی آنے والے ہیں اُن سے بات کرنی ہے مجھے جونہی وہ

آ گئے تمہیں اُٹھ جانا ہوگا چاہے ہماری گفتگو پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔"

"میں اس حکم کی تعمیل کروں گا۔" میں نے کہا۔

"ہوں! وہ کون سی بات تھی جو تم میرے فائدے کے لیے مجھ سے کرنا چاہتے تھے؟"

"آپ صاحب اولاد ہیں اور یقیناً آپ کو اپنے بیٹے مسعود پرویز سے بہت محبت ہوگی۔" میرے یہ الفاظ بھی اسے چونکانے کے لیے کافی تھے۔ وہ تیکھی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔

"ہوں! مسعود پرویز کا کیا معاملہ ہے؟"

"ایک ہی خواہ کی حیثیت سے آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا غلط راستوں کا راہی ہے۔ وہ غلط صحبتوں میں پڑ کر اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے اور ممکن ہے خدانخواستہ کوئی ایسا وقت نہ آ جائے جب اُسے کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

"دیکھو میں صاف گفتگو کرنے کا عادی ہوں تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو واضح الفاظ میں کہو۔"

میں صرف یہ درخواست کرنا چاہتا تھا کہ اس کے معمولات پر نگاہ ڈالیے اور یہ جائزہ لیجیے کہ وہ اس وقت کن کارروائیوں میں مصروف ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ کر آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے۔"

"میں کہتا ہوں کہ تم اُسے کیسے جانتے ہو؟" قیصر پرویز کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

"ابھی چند روز قبل کی بات ہے کہ اس نے اپنے دو دوستوں طارق اور جاوید کے ساتھ مل کر ایک اسکول ٹیچر لڑکی

کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایک انسپکٹر نے اسے گرفتار کیا اور آپ کو اطلاع دی۔ لیکن آپ نے اس سلسلے میں اُس کی مذمت کرنے کی بجائے انسپکٹر کے خلاف کارروائی شروع کر دی اور اسے معطل کرا دیا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ بات چونکہ معاملہ تھی اس کو دوسری نگاہ سے دیکھنا چاہیئے تھا اگر آپ کے بیٹے کی غلطی تھی تو آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ اُسے سمجھاتے۔"

"میں کہتا ہوں تم ہو کون؟ اور یہ بکواس کرنے کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں۔" قیصر پرویز کرخت لہجے میں بولا۔

"کہہ چکا ہوں کہ آپ کا ہمدرد ہوں اور آپ کی بہتری چاہتا ہوں۔ کیا فائدہ بات کسی اور سمت نکل جائے۔"

"غنڈہ گردی کرتے ہو؟" قیصر پرویز نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

"جی ہاں۔ کچھ ایسا ہی کاروبار ہے میرا۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت کچے ہو اس کام میں ابھی جاؤ تربیت لو مجھے ان لوگوں پر بہت رحم آتا ہے جن کی ابتدا ہی انتہا بن جاتی ہے۔" قیصر پرویز نے غرور سے کہا۔

"آپ جیسے لوگوں سے ہی ابتدا کر کے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں اور اسی لیے آپ کے پاس آنے کی جرأت کر لی ہے۔"

"خیر اب آ ہی گئے ہو تو تم پر ترس کھاتے ہوئے میں تمہیں سمجھا رہا ہوں بلیک میلنگ سب سے خطرناک کھیل ہوتا ہے دوسرے کاموں میں آدمی بچ بھی جاتا ہے لیکن بلیک میلر کا ہاتھ کچا پڑے تو اسے موت کا مزا ہی چکھنا پڑتا ہے۔ کیا سمجھے۔"

"عزت کی اس دھمکی کا شکریہ۔ ویسے کافی گُر آتے ہیں آپ کو، میں نے تو آپ کو ایک سرکاری افسر سمجھا تھا۔"

"ہاں تم جیسے لوگوں کے لیے بہت سے گُر سیکھے ہیں میں نے ویسے تم میرا کافی وقت لے چکے ہو۔"

"اب جہاں اتنا وقت لیا ہے تو چند لمحات اور سہی ابھی تو بس میرے کام کی باتیں ہوئی ہیں کچھ آپ کے کام کی باتیں بھی ہو جائیں قیصر پرویز صاحب۔"

"تم میری قوت برداشت کو انتہا تک پہنچا رہے ہو کچھ کرنا ہی پڑے گا تمہارے لیے اس نے ادھر ادھر دیکھا اور میں ہوشیار ہو گیا قیصر پرویز کے ہاتھ بہت لمبے معلوم ہوتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے یہاں بھی اس کے پاس کوئی ذریعہ موجود تھا۔

قیصر پرویز نے ادھر ادھر اس انداز میں دیکھا تھا جیسے فوراً کسی کو بلائے گا اور مجھے اُٹھا کر باہر پھینکنے کی ہدایت کرے گا لیکن پھر میں نے اُسے کسی خیال کے تحت سنبھلتے دیکھا... چند لمحات وہ مضطرب رہا۔ پھر سرد لہجے میں بولا۔

"ویسے میں نے اس سے پہلے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"غرض کیا نا نئی نئی غنڈہ گردی شروع کی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب تو اس سلسلے میں غنڈہ گردی کرنے سے پہلے میرے بارے میں معلومات حاصل کر لینا۔ تمہاری اپنی بہتری ہو گی اس میں۔" قیصر پرویز کا لہجہ رعونت سے بھرپور تھا۔

"میں اپنی بہتری کی بجائے آپ کی بہتری چاہتا ہوں قیصر صاحب آپ میری بات کو غلط انداز میں کیوں لے رہے ہیں۔ ایک واقعہ ہوا تھا اور آپ کو اس کی تصدیق بھی ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی بجائے کہ آپ اپنے بیٹے کو سرزنش کرتے اس کے ڈیفنس میں مصروف ہو گئے اور یہ بات کم از کم آگے چل کر اس کے حق میں نہیں ہو گی۔"

"اس لڑکی سے تمہارا کوئی رشتہ ہے؟" قیصر پرویز نے پوچھا۔

"جی ہاں وہ انسانی رشتے سے میری بہن ہے۔" میرا جواب سُن کر قیصر پرویز کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"صرف انسانی رشتے سے؟ انسانی رشتوں میں بڑی وسعت ہوتی ہے۔"

اب میرے گرم ہونے کی باری تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا "اس کا مقصد ہے کہ بات صرف بیٹے تک ہی محدود نہیں ہے بہرحال قیصر صاحب میں نے اپنا فرض پورا کر دیا اور آپ اس سلسلے میں اپنے آپ کو تیار رکھیے کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔"

"میں اگر چاہوں صاحبزادے تو تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتے۔"

"اس معلومات کا شکریہ کہ اس کلب میں آپ کے اپنے ایسے آدمی موجود ہیں جو کسی کو زندہ واپس جانے سے روکیں۔ میں بہت نیک جذبے لے کر آپ کے پاس آیا تھا اور اس بات کی توقع رکھتا تھا کہ اگر آپ ایک اچھے انسان ہیں تو اس سلسلے میں غور کریں گے۔ مجھ سے گفتگو کریں گے لیکن آپ کی گفتگو بتاتی ہے کہ قصور صرف آپ کے بیٹے کا نہیں ہے۔"

"اُٹھ جاؤ۔" قیصر پرویز غرایا اور میں کرسی کھسکا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اجازت چاہتا ہوں۔"

"دفع ہو جاؤ اور اس کے بعد کبھی میرے سامنے آنے کی جرأت مت کرنا۔ اِس وقت میں ذہنی طور پر مصروف ہوں ورنہ تمہاری ان باتوں کا ابھی جواب دے دیا جاتا تمہاری پسند کے مطابق۔"

"آپ نے میری پسند کے مطابق جوابات تو دے دیے ہیں قیصر پرویز صاحب کم از کم اب مجھے یہ افسوس تو نہیں ہو گا کہ کچھ کرتے ہوئے میں نے آپ سے مشورہ نہ کیا۔" میں واپسی کے لیے مڑا تو قیصر پرویز نے گرج کر کہا۔

"رکو۔ اپنے بارے میں تفصیل بتا کر جاؤ تاکہ میں تمہارے لیے معقول انتظامات کر دوں۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے قیصر صاحب بہت جلد دوبارہ آپ سے ملاقات ہو گی۔ اُس وقت ذرا تفصیل بھی سامنے آ جائے گی۔" میں نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

اب کلب میں رکنا مناسب نہیں تھا چنانچہ میں باہر نکل آیا۔ البتہ کار میں بیٹھ کر میں نے عقب کا اچھی طرح جائزہ لیا تھا۔ اس تصور کو اب میں ذہن سے نہیں نکال سکتا تھا کہ قیصر پرویز صرف ایک سرکاری افسر ہی نہیں ہے بلکہ کچھ اور معاملات بھی ہیں جن کا باقاعدہ جائزہ لینا ہو گا۔ ہو سکتا ہے گرانڈ کلب میں بھی اس کے پاؤں پھیلے ہوئے ہوں۔ بہرطور میں اب مطمئن ہو گیا تھا کہ کم از کم مجھے اپنا کام کرتے ہوئے کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ کافی دیر ہو گئی تھی اور جانتا تھا کہ کوٹھی میں میرا انتظار کیا جا رہا ہو گا۔ ویسے ڈنر کا وقت نکل چکا تھا۔ بہرطور یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ کوٹھی پہنچا اور دروازہ کھلوانے کے لیے ہارن بجایا ہی تھا کہ کسی طرف سے انسپکٹر غالب کی موٹر سائیکل نکل آئی اور میرے قریب آ کر رک گئی۔ چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا تھا۔ غالب کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

"اوہ! انسپکٹر غالب آؤ بھئی خیریت؟"

"سوری شارق جی تھوڑا سا وقت دینا ہو گا آپ کو مجھے۔" غالب کا لہجہ بڑا عجیب سا تھا۔

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ آؤ اندر آؤ۔"

"اندر؟" غالب نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

"آؤ بھئی یہ میرا گھر ہے۔ کیا بات ہے؟ اندر آؤ۔"

"وہ ہی کوئی خاص بات تو نہیں شارق جی۔ بہتر یہ نہیں ہو گا کہ ہم کہیں باہر چل کر ہی بات چیت کریں۔"

"نہیں یہاں تک آئے ہو تو اندر آؤ پلیز۔" میں نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔

غالب بھی اپنی موٹر سائیکل پر اندر آ گیا تھا۔ میں نے کار روکی اور نیچے اُتر آیا۔ غالب نے بھی اپنی موٹر سائیکل میری کار کے برابر ہی کھڑی کر دی تھی۔ وہ ابھی تک جھجک رہا تھا۔ میں نے دوستانہ انداز میں اُس کا ہاتھ پکڑا اور اندر داخل ہو گیا۔ پھر میں اُسے لیے ہوئے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ شکر ہے کہ راستے میں کوئی نہیں ملا تھا سوائے ملازموں وغیرہ کے۔ غالب کو اپنے کمرے میں لانے کے بعد میں نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور بولا۔

"یہ بتاؤ کھانا کھایا یا نہیں؟"

"نہیں جی ابھی تک نہیں۔"

"تو پھر آؤ کھانا کھا لیں۔"

"شارق جی کوئی تکلیف نہیں۔ میں نے اس وقت آپ کو پریشان کیا ہے لیکن میں تو بس بہت پریشان ہوں۔"

"پہلے یہ بتاؤ تمہاری پریشانی کیا ہے غالب میں بے چین ہو گیا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہتے ہوئے کہا۔

"وہ دونوں ماں بیٹیاں اپنے گھر سے غائب ہیں۔ کوئی انہیں زبردستی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ محلے والے کچھ بتانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کرتا۔ دیکھو شارق جی میں بہت غریب آدمی ہوں بہت معمولی آدمی ہوں میں۔ لیکن خدا کی قسم اگر ان دونوں کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو پھر... تو پھر شاید..." غالب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"تو تم شاہدہ اور اس کی ماں کی بات کر رہے ہو انسپکٹر؟"

"صاحب انسپکٹر نہیں جی۔ انسپکٹر نہیں ہیں ہم اب۔" غالب بولا۔

"ان دونوں ہی کی بات کر رہے ہو نا؟"

"ہاں۔"

"اور کوئی خاص بات؟"

"یہ خاص بات نہیں ہے شارق جی؟"

"نہیں بات تو خاص ہی ہے لیکن تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ انہیں میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔" میرا جواب سُن کر غالب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ جی... شارق جی... آپ؟"

"ہاں بھئی تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی بھلا میں اُسے نظر انداز کر سکتا تھا؟"

غالب عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر صوفے پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ "آپ نے بڑی مشکل حل

کردی جی ہماری ورنہ ہم تو گئے تھے۔ نجانے کہاں پہنچتے۔ اللہ ہی جانے۔"

"جذباتی نہیں ہونا چاہیئے انسپکٹر ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے جلد بازی صرف نقصان پہنچاتی ہے۔"

"مگر آپ نے۔ آپ نے تو بہت بڑا احسان کیا۔ اُن پر نہیں بلکہ ہم پر۔ ہم تو اُن بیچاریوں کے لیے کوششوں ہی میں مصروف رہے اور پھر شارق جی اور بھی بہت سے معاملات تھے ہمارے ساتھ۔ کیا کیا بتائیں آپ کو؟"

"خیر یہ کوئی بات نہیں ہے غالب جو کام تم کرنا چاہتے تھے وہ میں نے کر ڈالا بات ایک ہی ہے لیکن ابھی ہمیں آگے بھی بہت کچھ کرنا ہے اور اس سلسلے میں جگہ جگہ تمہاری مدد کی ضرورت پیش آئے گی۔"

انسپکٹر غالب چند لمحات خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ جانتے ہیں کہ غالب کیا ہے؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں لیکن میرا خیال ہے پہلے میں غالب کے ساتھ کھانا کھا لوں۔ اس کے بعد تفصیلی گفتگو ہوگی۔"

غالب مسکرانے لگا تھا پھر اُس نے کہا۔ "آپ نے ہماری رگوں میں نئی زندگی دوڑا دی جی ورنہ ہم تو بڑے اُداس ہو گئے تھے۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔"

"پہلے کھانا کھا لیتے ہیں یار بعد میں دوسری باتیں کریں گے۔" میں نے باہر نکل کر ایک ملازم کو بلایا اور اُس سے اپنے لیے کھانا طلب کر لیا۔

پتا چلا گھر کے لوگ کھا چکے تھے۔ بہرحال دوسری صبح مجھے اس کی جوابدہی تو کرنی ہی تھی لیکن شکر ہے اس وقت کسی کا نزول نہ ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد میں غالب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا غالب سے گفتگو کے لیے میں مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ غالب کو اس سلسلے میں کہاں تک شریک کیا جا سکتا ہے؟ بہرطور وہ جذباتی آدمی تھا اور قیصر پرویز کے بارے میں، میں اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا چنانچہ فیصلہ یہی کیا کہ غالب کو صورتِ حال نہ بتائی جائے اور کچھ کرنے سے روک لیا جائے ورنہ وہ بے چارہ محدود وسائل کی بنا پر نقصان بھی اُٹھا سکتا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے غالب سے کہا۔ "تم نے اپنی تنزلی کے بارے میں کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی؟"

"اس کی ضرورت تھی نہیں؟" غالب نے اُلٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"نہیں۔ میں نے ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا شارق جی اور پھر غالب کو ہتھیاروں سے پیار نہیں ہے۔ چھوڑو جی ان باتوں کو یہ بتاؤ ان دونوں کی کیا کیفیت ہے؟"

"بہت ڈری سہمی ہیں لیکن اطمینان رکھو ٹھیک ہو جائیں گی ملو گے ان سے؟"

"نہیں۔" ہم مل کر کیا کریں گے۔ کہاں رکھا ہے آپ نے انہیں؟"

"فاروقی صاحب کے گھر ہیں۔ قیصر پرویز سے نمٹ لیں اس کے بعد ان کے لیے کوئی عمدہ ٹھکانہ دیکھیں گے۔"

"اس سے نمٹ لو گے شارق جی؟" غالب نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کوشش کروں گا غالب۔" اور غالب ایک دم سنبھل گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"ہمارا یہ مطلب نہیں تھا بھائی۔ بس ایسے ہی قسم مولیٰ کی جان پڑ گئی ہے ہاتھ پاؤں میں اب ضرور کچھ ہو جائے گا مگر کیسے ہوگا یہ ابھی ہماری سمجھ سے باہر ہے اصل میں حالات کچھ ایسے ہیں کسی کو گولی سے مارا جا سکتا ہے مگر قانون سے مارنا مشکل ہو گیا ہے کیا زمانہ آگیا شارق بھائی۔"

"ہاں غالب، میں تمہاری باتیں سمجھ رہا ہوں۔ بہرحال میں کسی کام کا آغاز کرنے کے بعد اپنا کیس آسمان کی عدالت میں پہنچا دیتا ہوں اور منصفِ حقیقی سے کہہ دیتا ہوں کہ فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے میری سچائیاں داغ دار ہیں۔ اگر راستہ درست ہے تو میری راہنمائی کر غلط جا رہا ہوں تو روک دے بس سمجھو بات بن جاتی ہے غالب۔ ورنہ یہ مگر مچھ میرے بس کے کہاں۔"

غالب نے کوئی جواب نہیں دیا جذباتی ہو گیا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ "ہماری ڈیوٹی بتاؤ شارق جی۔"

"ابھی آرام کرو، کام ہو رہا ہے ضرورت پیش آئی تو بتا دوں گا۔"

"اب اجازت مانگتے ہیں!"

"شکریہ غالب اطمینان رکھو کام جاری ہے اور یقیناً کوئی بہتر نتیجہ برآمد ہوگا۔"

"انشاء اللہ جی انشاء اللہ۔" غالب نے کہا اور پھر اُٹھ گیا۔ میں اسے باہر تک چھوڑنے آیا اور اس کی بائیک اسٹارٹ ہو کر باہر نکل گئی۔ میں اس کی عقبی روشنی دیکھتا رہا تھا۔ پھر واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ صدر گیٹ پر کوئی نظر آیا۔ جاوداں کو دیکھ کر جان نکل

گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آگئی۔

"ہیلو!"

"ہیلو جاوداں؟"

"وعدہ خلافی باعثِ بیزاری ہوتی ہے لیکن ہم ابھی مہمانوں کے قیام کی گنتی میں آتے ہیں کیا یہ اظہار قبل از وقت نہیں ہے۔" جاوداں نے کہا۔

"کوئی غلطی ہو گئی؟"

"شام کی چائے پر بھی نہ تھے اور رات کے کھانے پر بھی۔ شدتِ انتظار باعثِ گرانی ہو گئی شکایت کرنے آئے ہیں۔"

"اوہ۔ جاوداں۔ ایک غیر متوقع کام میں پھنس گیا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"کسی کی توجہ کا مرکز بننا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ہم ان کوششوں میں شاید کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں؟"

"آئیے ہمیں کچھ وقت نہ دیں گے۔" جاوداں نے پارک کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا اور میں کسی قدر بدحواس ہو گیا اور میں نے ایک دم خود کو سنبھالا جاوداں معصوم صفت تھی اسے دھوکے میں رکھنا اچھا نہ ہوگا۔ اس کے الفاظ صاف بتاتے تھے کہ اس کے راستے اُلجھ گئے ہیں بہت اچھی تھی وہ صاحبِ حیثیت بھی تھی اور حسین بھی لیکن کسی فقیر کی گدڑی میں ایسے لعل کہاں سما سکتے تھے بہتر ہے تھوڑی سی ہمت کر کے اس کے راستے سنوار دیے جائیں ورنہ ان کومل کومل سادہ دلوں کا ذہنی قتل بھی معمولی گناہ نہیں ہوتا۔

"ضرور جاوداں۔ آؤ۔" میں نے کہا اور پارک میں داخل ہو گیا۔ جاوداں نے ایک جگہ پسند کی اور بیٹھ گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور بولا۔ "کیا کرتی رہی دن بھر؟"

"بس کچھ نہیں، کوئی کام ہی نہیں۔"

"کتابیں وغیرہ پڑھتیں۔"

"ہاں۔ کل کچھ خریداری کروں گی۔ ایک اور مشغلہ بھی دریافت کیا ہے میں نے۔"

"کیا؟"

"کل سے کچن میں کھانا پکاؤں گی۔"

"او ہو۔ وہ کیوں؟"

"دراصل میں اپنے کلچر سے پوری طرح واقف ہونا چاہتی ہوں آپ یقین کریں شارق صاحب مجھے اپنے وطن کی ہر چیز سے بے پناہ پیار ہے میں اس کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتی ہوں۔" جاوداں نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خیر جاوداں! تمہارے اس جذبے کو سلام کیا جانا چاہیے بلاشبہ اپنا وطن اپنا ہی ہوتا ہے۔"

"ہاں شارق صاحب اس میں کوئی شک نہیں کہ میری زندگی دوسرے ملک میں گزری ہے لیکن میں نے ہر لمحہ وہاں خود کو ایک مہمان سمجھا اس کی نسبت مجھے یہاں کی زندگی بہت پسند ہے میری خواہش تھی کہ میں یہاں کی دیہی زندگی بھی دیکھوں ان مغرب زدہ بے وقوفوں کی زندگی سے ہٹ کر جو اپنی اس ٹھنڈی ٹھنڈی اور پرسکون زندگی کو ترک کر کے اس تیز زندگی کی طرف جانا چاہتے ہیں جس میں سب کچھ بھول جاتے ہیں اور لاتعداد بیماریوں کا آغاز ہو جاتا ہے۔" جاوداں کے الفاظ بلاشبہ قابلِ قدر تھے میں نے اس کی ایک اور صفت کو اپنے دل میں سراہا پھر میں نے مسکرا کر جاوداں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے جاوداں کہ تم نے اگر شادی کی تو کسی اپنے ہی وطن کے آدمی سے کرو گی؟"

جاوداں کے گلابی چہرے کی گلابی رنگت تھوڑی سی تبدیل ہوئی اور شرمیلوں کی جانب گامزن ہو گئی لیکن اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا اور بولی۔

"ہاں میں کسی مقامی شخص سے ہی شادی کروں گی اور چاہوں گی کہ وہ مکمل طور پر مقامی ہو۔"

"کوئی دیہاتی نوجوان؟"

"اوہ شاید۔" جاوداں نے کہا اور ہنس پڑی لیکن میں نے سکون کی گہری سانس لی تھی۔

"اور اس شادی سے پہلے تم اس سے محبت کرنا بھی پسند کرو گی جاوداں؟" جاوداں نے سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

"محبت ایک عجیب جذبہ ہے شارق صاحب محبتوں کے تو بہت سے رُخ ہوتے ہیں اپنی پسند کا مرد یا اپنا شوہر قابلِ محبت ہوتا ہے کیونکہ اس کے ساتھ زندگی گزر جاتی ہے لیکن شادی سے پہلے جس محبت کا تصور کیا جاتا ہے آپ یقین کیجیے یہ مجھے پسند نہیں وقت سے پہلے زبان کے دھاگے توڑ دیے جائیں تو میرے خیال میں ان الفاظ کی دلکشی ختم ہو جاتی ہے جو ایک امانت ہوتے ہیں کسی کے پاس کسی کے لیے۔"

"ونڈرفل جاوداں۔ ونڈرفل تم تو ایک آئیڈیل لڑکی ہو بھئی ایک بات سن لو اگر کبھی شوہر کا انتخاب کرنے لگو نا تو مجھ سے

مشورہ ضرور کر لینا میں تمہارے لیے ایک ایسا دیہاتی پکڑ کر لاؤں گا جو تمہیں کلچر کی تمام چیزوں سے روشناس کروائے۔"

جاوداں ہنسنے لگی ان الفاظ میں، میں اس کا جائزہ بھی لے رہا تھا پھر اُس نے کہا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا شارق صاحب کہ میں کسی ایسے آدمی سے شادی کروں جو کلچر کی ایک ایک شے سے واقف ہو اور کلچر پسند ہو وہ مجھے اپنے کلچر کی باریکیوں سے زیادہ بہتر طریقے سے روشناس کرا سکے گا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ممکن ہے۔" میں نے جاوداں کے بھرپور وار کو محسوس کرتے ہوئے کہا پھر چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد بولا۔" لیکن ایسے آدمی کا انتخاب تمہارے لیے بڑا مشکل ہو گا جاوداں۔"

"کیوں؟"

"بھئی براہ راست تو ایسا آدمی تم تک نہیں پہنچ پائے گا۔ تمہیں کسی دوست کا سہارا لینے کی ضرورت ہو گی، ایک ایسا دوست جو پوری سچائی کے ساتھ تمہاری مدد کرے اور تمہارے لیے ایسے آدمی کا انتخاب کرے۔"

جاوداں نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا شاید کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی پھر وہ کافی دیر تک خاموش رہی تھی۔ میں بھی خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا جاوداں کہنے لگی۔

"ایک سوال کروں شارق صاحب۔"

"ہاں ضرور۔ اس میں تکلف کی کیا ضرورت ہے۔"

"آپ نے اپنے لیے کسی لڑکی کا انتخاب کیا؟"

"عمدہ سوال ہے جاوداں اور تمہیں یہ سوال کرنا بھی چاہیے تھا میں اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔" میں نے انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا اور جاوداں چونک پڑی۔

"میں انتظار کر رہی ہوں اپنے جواب کا۔"

اس وقت میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ عادت کے مطابق گاڑھے گاڑھے الفاظ بولنے کی کوشش نہیں کر رہی اور میرے ان الفاظ پر سنجیدہ بھی ہو گئی چند لمحات کے بعد میں نے کہا۔

"جاوداں یہ آشیانہ ہے یا تم اسے قانون گھر کہہ سکتی ہو ایک ریٹائرڈ آئی جی ایک آن ڈیوٹی جج۔ ایک آن ڈیوٹی پولیس آفیسر، ایک بیرسٹر سب موجود ہیں یہاں اور سب نے اس قانون گھر کو بہت سی روایات کا حامل بنا دیا ہے میں اس گھر میں چھوٹا ہوں سب کا لاڈلا سب کے پیار اور محبتوں کے سائے میں پروان چڑھا ہوں میں، میری بھابیاں مجھے بہت چاہتی ہیں میرے ماں اور باپ بے شک اصول پسند ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان کے دلوں میں میری نافرمانی کے باوجود میرے لیے محبت کی کمی نہیں ہے بہن بھی ہے ایک میری جو مجھے چاہتی ہو گی فطرتاً تنک مزاج ہے لیکن میں نے کبھی اس کی چاہتوں کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی میرا مقصد یہ ہے کہ ان سب لوگوں کو پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں ایک نظریہ جاگا جاوداں جہاں ہمارے اس کلچر میں ٹھنڈک اور دھیمی روشنی ہے وہیں دُنیا کے دوسرے تمام ممالک کی طرح کچھ ایسی خرابیاں بھی ہیں جو انتہائی تکلیف دہ ہیں میں نے قانون گھر میں قانون کو دیکھا، پرکھا اور سیکھا اور مجھے یہ احساس ہوا کہ اس قانون گھر میں نہیں بلکہ اس گھر سے باہر کی دُنیا میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قانون کی غلط فہمیوں کا شکار ہو کر زندگی کی صعوبتوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں جو انہیں موت کے دیرانوں تک نہیں چھوڑتیں وہ ایسے کرب کا شکار ہو کر مرتے ہیں کہ انسانیت اس کرب پر تڑپ تڑپ اٹھے میں ان بے گناہ لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو قانون نہیں حاصل کر سکتے یہ اپنی کم مائیگی یا ناسمجھی کی وجہ سے قانون کو صحیح راستے نہیں دکھا سکتے اور ان کے مدمقابل اپنی پہنچ سے کام لے کر انہیں مجرم قرار دے دیتے ہیں۔ میں نے قانون کی کتابیں پڑھی ہیں قانون کی ایک بھی کتاب لاقانونیت کا درس نہیں دیتی ہاں اس کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر لاقانونیت کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے۔ حقائق کو دوسری شکلیں دے کر انسانی زندگی کو کرب کا شکار کر دیا جاتا ہے میں بس اسی کے خلاف ہو گیا اور میں نے اپنی زندگی میں ایک نئی جدوجہد کی داغ بیل ڈالی۔ میں نے یہ سوچا جاوداں کہ آشیانے میں مالی فراغت موجود ہے یہاں بہت دولت آتی ہے اور آشیانے کے مکینوں کو شارق حسین کی محنت سے کمائی ہوئی دولت کی ضرورت نہیں ہے جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میری ذمے داریاں کوئی ایسی حیثیت نہیں رکھتیں جس کے پورے نہ ہونے سے دوسرے تکلیف کا شکار ہو جائیں تو میں نے اپنے آپ کو ان لوگوں کے لیے وقف کر دیا جو اپنی بے مائیگی کی وجہ سے صحیح وسائل نہیں حاصل کر پاتے اور زندگی کے عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں ان کے پاس دولت نہیں ہوتی کہ وہ اچھے اچھے وکیلوں کو حاصل کر کے اپنے مدمقابل کے خلاف اپنا کیس مضبوط کر سکیں یوں جاوداں سچائیاں قتل ہو جاتی ہیں۔ میں بس انہی سچائیوں کی زندگی

کا خواہاں بن گیا ہوں اور اس طرح میں آشیانے میں ایک ایسا پرندہ بن گیا ہوں جس کا رنگ دوسرے پرندوں سے مختلف اور بدنما ہے۔ یہ بدنما رنگ دوسروں کے لیے ناقابلِ قبول ہے وہ میرے بارے میں بہت سی داستانیں رکھتے ہیں لیکن میں اس رنگ میں زندہ رہ سکتا ہوں میری زندگی کا ایک مقصد ہے اور میں نے اس مقصد میں اپنے آپ کو پا لیا ہے، جاوداں میرا مقصد، میرا مسلک، میری دُلہن ہے میری محبوب ہے اور میں ایک سچے انسان کی حیثیت سے اپنی اُس محبوبہ اپنی اُس دُلہن کے لیے کوئی سوکن نہیں لا سکتا کہ میں اُس سے مخلص ہوں، میری زندگی میں کسی اور شخصیت کی گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ میں اُس سے سارے رشتے جوڑ چکا ہوں میں اپنے مسلک کے ساتھ موت کی نیند سو جاؤں گا۔ مجال ہے کسی کی کہ کوئی مجھے میری پسند کے خلاف جھکا سکے، میری زندگی میں بہت سے رشتے ہیں لیکن اُن رشتوں کی نوعیت بالکل الگ ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مل لیتے ہیں نا ملیں تو مجھے اُن سے کوئی شکایت نہیں ہو گی لیکن میں نے اپنی ذات کے لیے جو محل تعمیر کیا ہے اس میں میرے لیے تمام آسائشیں موجود ہیں، میں وقف ہوں جاوداں اور مجھے اپنے اس وقف ہونے پر زندگی کا ہر سکون حاصل ہے، تم اپنے سوال کا جواب پا چکی ہو گی۔" میں نے جاوداں کا چہرہ دیکھا، اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی اُس کی آنکھوں میں ایک گہرا سکون تھا اور اُس کے بعد وہ آہستہ سے آگے بڑھی اُس نے اپنے دونوں خوب صورت ہاتھوں میں میرا چہرہ لیا اور میری پیشانی چوم لی۔ میں اُس سے اس بیباکی کی توقع نہیں رکھتا تھا لیکن اُس نے یہ سب کچھ کر ڈالا تھا۔ جاوداں آہستہ سے پیچھے ہٹ گئی پھر وہ مسکرا کر بولی۔

"اور شارق صاحب میں ہمیشہ فخر کرتی رہوں گی کہ میں نے اُس دیوتا کی پیشانی چوم لی جو میری نگاہوں میں بہت عظیم ہے، میں آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی آپ کا کہنا بالکل حق ہے یہاں کے لوگ آپ کی گہرائیوں میں جھانکنے کی اہلیت نہیں رکھتے، یا ہو سکتا ہے انہوں نے ان گہرائیوں کے بارے میں جانا ہی نہ ہو اور آپ کو بُرا کہنے میں مصروف ہو گئے ہوں لیکن سچائیوں کا جو پیشہ آپ نے اپنایا ہے میں اُس کے لیے اپنے تمام عقیدت کے جذبات آپ کو پیش کرتی ہوں اور مزید بھی آپ سے کچھ کہوں گی۔ میں اپنے دل کی گہرائیاں ایک ایسے دیوتا کے سامنے کھول رہی ہوں جس کے لیے اچانک میرے دل میں بے حد عقیدت پیدا ہو گئی ہے۔ آپ مجھے بہت اچھے لگتے ہیں میں نے مشرقی کلچر کو اپنانے کے لیے یہی سوچا تھا کہ کسی ایسی ذہین شخصیت کے ساتھ اپنی زندگی منسلک کر دوں جو مجھے سب کچھ سمجھا سکے، سب کچھ بتا سکے اور سچی بات یہ ہے کہ آپ میں، میں نے مردانہ حُسن، مزاجی کیفیت کچھ ایسی پائی کہ میرا دل آپ کی جانب راغب ہو گیا اور میں آپ کی خلوتوں کے خواب دیکھنے لگی، لیکن دیوتاؤں کو خلوتوں میں نہیں دیکھا جاتا وہ تو دل کی گہرائیوں میں رہتے ہیں، میرے ان جذبات کو تسکین مل گئی ہے آپ کی محبت اب بھی میرے دل میں ہے لیکن عقیدت کے رنگ کے ساتھ اور یہ اعتراف خود کو ذلیل کرنے کے مترادف نہیں بلکہ سچائیوں کے جواب میں کچھ سچے الفاظ کا اظہار ہے۔"

میں چونک کر جاوداں کو دیکھنے لگا اُس کے ان الفاظ کی حقیقتوں پر غور کرنے لگا وہ اگر چاہتی تو اعتراف محبت نہ کرتی اپنے جذبوں کا اظہار نہ کرتی لیکن یہ عقیدت کی حد تھی کہ اُس نے دل کی باتیں کہہ کر یہ بھی کہا تھا کہ اب محبت کے وہ جذبے دوسرے رنگ اختیار کر گئے ہیں، جاوداں درحقیقت بڑی نفیس تھی اور اُس نے اپنی گہرائیاں میرے سامنے کھول دی تھیں

"جاوداں یوں تو بے شمار لوگ میرے قریب آئے میں تمہیں یقیناً تفصیل بتاؤں گا، نہ صرف تفصیل بلکہ اُن لوگوں سے تمہیں ملاؤں گا بھی جو میرے ان ارادوں کی تکمیل کا باعث بنے ہیں لیکن جاوداں تم نے مجھے جو کچھ دیا ہے وہ میرے لیے اتنا قیمتی ہے کہ میں مالا مال ہو گیا ہوں تم نے مجھے سمجھا ہے اور سمجھ کر تم نے مجھے جو خراج عقیدت پیش کیا ہے اُس نے مجھے کتنا اونچا کر دیا ہے کاش میں تمہیں بتا سکتا۔"

"نہیں شارق صاحب میں نے آپ کو کچھ نہیں دیا آپ کو جو ملنا چاہیے شاید وہ کبھی نہ ملے لیکن ایک بات ذہن میں رکھیے، عقیدت کا ایک بھی بت تعمیر ہو جائے تو قیامت تک کے لیے کافی ہوتا ہے آپ اپنے آپ کو کم مایہ کبھی نا سمجھیں، میرے دل میں آپ کی عقیدت آپ کی محبت ایک ایسے بت کی مانند زندہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکے گا، میرے خیال میں بس اتنے جذبات کا اظہار کافی ہے آئیے ہم موضوع بدل دیں۔" میں نے مسکرا کر گردن ہلائی اب میں بالکل پُرسکون ہو گیا تھا۔

جاوداں چند لمحات خاموش رہی اُس کے چہرے پر کسی بھی دُکھ کی پرچھائیاں نہیں تھیں، اُس نے سچائیوں سے میرا مقصد سمجھ لیا تھا اور اُسے قبول کر لیا تھا پھر تھوڑی دیر کے بعد

اُس نے کہا: "تو اس طرح آپ نے بہت سے کارنامے سرانجام دیے ہوں گے۔"

"ہاں جاوداں میں تمہیں چند لوگوں سے ملاؤں گا اُن کی کہانیاں بھی سناؤں گا تمہیں یقین کرو وہ اپنے آپ کو زندہ درگور کر چکے تھے اور کتنی خوشی ہوتی ہے اُن کے بارے میں سوچ کر اُنہیں دیکھ کر کہ اب وہ حقیقی معنوں میں زندہ ہیں اور پُرمسرت زندگی گزار رہے ہیں میں اُن سے کبھی مالی فائدے کی بات نہیں کرتا لیکن بہت سے ایسے معاملات بھی ہیں جن کی تکمیل کے بعد میں متلاشی بھی نہیں ہوں، سب کچھ بتا دوں گا تمہیں اپنے بارے میں اور تم بھی مجھے اپنی ذہنی وارداتوں سے آگاہ رکھنا۔"

"وعدہ" جاوداں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا اور میں نے نہایت بے تکلفی سے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ جانے کیوں اب مجھے یہ کسی اجنبی لڑکی کا ہاتھ، کسی حسین لڑکی کا ہاتھ نہیں محسوس ہوا تھا بلکہ یوں لگا تھا جیسے میں نے اپنے ہی جسم کے کسی حصے کو چھو لیا ہو، انسانی جذبے ایسے بے تُکے ہوتے ہیں لیکن اُس وقت تالیوں کی آواز سنائی دی میں اور جاوداں چونک کر ادھر دیکھنے لگے، پھولوں کے اس کُنج کے عقب میں ہمیں لالہ رُخ اور نیلوفر نظر آئیں تالیاں نیلوفر نے بجائی تھیں پھر وہ دونوں آگے بڑھ آئیں میں نے اس دلچسپ صورتِ حال کا جائزہ لیا تھا۔

نیلوفر کہنے لگی: "بھئی لالہ رُخ لُطف آگیا، فلموں میں تو ایسے مناظر اکثر دیکھے تھے لیکن عملی زندگی میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے یقین کرو اس سے پہلے معلوم نہیں تھا۔ ہاتھ میں ہاتھ دے دیے گئے اور اب، اب کہانی آگے بڑھے گی لُطف آگیا۔" نیلوفر کے جلے کٹے لہجے کو میں نے بخوبی محسوس کیا تھا کوئی تشویش کی بات نہیں تھی نیلوفر بھلا حیثیت ہی کیا رکھتی تھی، تاہم میں نے مسکرا کر جاوداں کو دیکھا اور پھر بولا۔

"جاوداں فلموں میں کامیڈین کے کردار بھی ہوتے ہیں۔ فلمیں تو دیکھی ہوں گی نا تم نے؟"

"ہاں کیوں نہیں، آؤ لالہ رُخ نیلو بیٹھو دیکھو موسم کتنا پُرلطف ہے۔"

"کس دل سے کہا جا رہا ہے ہم تو اس وقت کباب میں ہڈی بنے ہیں۔" نیلوفر بولی۔

"نہایت ڈھیٹ ہڈی ہو، محسوس کر [illegible] یا تو ابھی تک یہاں موجود ہو" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"شکل خراب ہے تو کم از کم الفاظ تو اچھے بول لیا کریں بھائی جان" لالہ رُخ بولی اور میں ہنس پڑا۔

"تو بات فلموں کے کامیڈین کی ہو رہی تھی اب ہیرو اور ہیروئن تو ہم لوگ ہو گئے، خواتین کامیڈین پہلی بار روشناس ہوئی ہیں۔ جاوداں آؤ تمہارا اُن سے تعارف کرا دیں، یہ مس لالہ رُخ ہیں، چار بھائیوں کی اکلوتی بہن لیکن نہایت زمانہ شناس، یہ جانتی ہیں کہ تین بھائی برسرِ روزگار ہیں، دولت مند ہیں اور اُن کے بڑے کام نکل سکتے ہیں چنانچہ یہ اُن تینوں کو بڑا پیار کرتی ہیں اور اس پیار کا اظہار کرتی رہتی ہیں، چوتھے بھائی کے بارے میں اُن کا خیال ہے کہ وہ نہایت نکما ناکارہ اور خاندان کی پیشانی کا داغ ہے، بہرطور اُن کے مزاحیہ پروگرام چلتے رہتے ہیں، ان خاتون کا نام نیلوفر ہے جن کے لہجے میں تم نے ایک ایک عجیب سی آگ سُلگتی ہوئی محسوس کی ہو گی۔"

"میرے لہجے میں کیوں آگ سُلگتی" نیلوفر نے لڑنے والے انداز میں کہا۔

"میں ذرا جاوداں سے بات کر رہا ہوں براہِ کرم آپ درمیان میں مداخلت نہ کیجیے۔"

"یہ مداخلت تو آپ کو سخت ناگوار گزری ہے لیکن کم از کم اس کا حق تو ہمیں بھی پہنچتا ہے کہ ذرا صورتِ حال کا تجزیہ کریں دیکھیں کوئی بدیسی لڑکی کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کرتی ہے ذرا سا تجزیہ ہی سہی۔"

"ہاں بے شک تمہیں اس بدیسی لڑکی سے بہت سے تجربات حاصل ہو سکتے ہیں نیلوفر تم یہ جان سکتی ہو کہ انسانی اقدار کیا ہوتی ہیں اور اخلاق و آداب کی کیا حیثیت ہوتی ہے، دُنیا کے ساتھ کس طرح ڈیل کیا جاتا ہے۔ اب یہ تو مناسب نہیں ہوتا کہ جذبات کا ٹوکرا سر پر رکھے آدمی پھیری لگاتا رہے کہ جس بھاؤ بھی بک جائے، ہمارے دیس کی لڑکیوں کو بھی دیکھ لو جاوداں تمہارے کام آئیں گی یہ لڑکیاں بہت انوکھی ہوتی ہیں، اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھ کر ان کے دل میں یہ تصور اُبھرتا ہے کہ جب وہ کہیں جاتی ہیں تو زخمیوں اور مرنے والوں کے انبار کیوں نہیں لگ جاتے، آئینہ انہیں ہمیشہ دھوکا دیتا ہے اور یہ آئینے سے دھوکا کھانے کے بعد سڑکوں اور بازاروں میں نکل آتی ہیں اور اس کے بعد انہیں اپنا مرکزِ نگاہ درکار ہوتا ہے اگر بدقسمتی سے کوئی ان سے ان کی حیثیت کا اقرار نہ کرے تو پھر یہ اُس کی دشمن بن جاتی ہیں، جلی

کٹی باتیں کرتی ہیں اُس سے اور اس تاک میں رہتی ہیں کہ کب اور کہاں اُسے نقصان پہنچایا جائے یہ اپنے طور پر اُس سے ملاقات کر کے اس بات کا اظہار بھی کرتی ہیں کہ یہ بہت فراخ دل ہیں اور ان کے ذہن میں وہ جذبے قطعی نہیں تھے جو سمجھے گئے، بہرطور جاوداں یہ ایک رُخ ہے تمام لڑکیوں کو ایسا مت سمجھ لینا۔"

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں بھائی جان" لالہ رُخ نے غُراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بھئی جاوداں کو اپنے وطن کی باتیں سمجھا رہا ہوں۔"

"اپنا کردار بھی دیکھا ہے آپ نے۔"

"میں تو ہوں ہی ہیرو، ہیرو کا کردار کیسا ہی ہو وہ ہیرو ہوتا ہے، کیا سمجھیں آپ مس لالہ رُخ۔ آؤ جاوداں چلیں موسم میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں ظاہر ہے ہم اپنی گفتگو میں اس وقت کسی کی مداخلت نہیں چاہتے ۔۔ بہتر یہی ہے کہ شریف آدمیوں کی طرح ہم ہی یہاں سے واپس چلے جائیں لوگ تو جائیں گے نہیں" میں نے کہا اور جاوداں کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے اُٹھ گیا، لالہ رُخ اور نیلوفر غُصّے سے آگ بگولا ہو گئی تھیں اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں، کیا کہیں بہرطور ہم دونوں انہیں چھوڑ کر اندر آ گئے تھے جاوداں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اب یہاں کا ماحول کافی خراب ہو جائے گا۔"

"دوستی ہمیشہ امتحانوں سے گزرتی ہے جاوداں۔"

"اطمینان رکھو میں کچی نہیں ہوں۔" جاوداں نے کہا اور پھر مجھے خدا حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جاوداں کی سلجھی ہوئی باتوں نے مجھے بہت متاثر کر دیا تھا۔ درحقیقت لڑکی اتنی ہی فراخ دل ہونی چاہیے۔ اُس نے اپنے رویے کا اظہار کرتے ہوئے میرے مؤقف کو تسلیم کیا تھا اور اُسے سراہا تھا۔ انسانی فطرت میں یہ بات بڑی حد تک موجود ہوتی ہے کہ وہ بعض اوقات سچائیاں طلب کرتی ہے اور یہ سچائیاں اگر اُسے اس کی منشا کے مطابق مل جائیں تو اُس کی نگاہ میں بڑی قدر و منزلت حاصل کر لیتی ہیں۔ جاوداں نے یہی سچائیاں مجھے پیش کر کے میرے دل کو چھو لیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت نیلوفر نے اُس پر گھٹیا طنز کرنے کی کوشش کی تو میں اپنی فطرت کے خلاف اِس طنز کو برداشت نہیں کر سکا اور میں نے نیلوفر کے اُس پہلو کو چھیڑ کر اُسے تکلیف پہنچائی جو اُس کی زندگی کا ایک تکلیف دہ پہلو تھا۔ مجھے بعد میں اس کا افسوس بھی ہوا لیکن نیلوفر نے مجھے مشتعل کر دیا تھا۔ کم از کم اُسے یہ بات اس طرح نہیں کہنی چاہیئے تھی۔ جاوداں کے جانے کے بعد میں بھی اپنی آرام گاہ میں آ گیا۔ بہت سے خیالات ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ انسپکٹر غالب کی ملاقات دوسرے معاملات یہ سب ذہن میں آتے رہتے اور ان سے چھٹکارا پانے کے لیے میں نے سو جانا ہی مناسب سمجھا تاکہ ذرا تر و تازہ ہو کر دوسری صبح کے لیے تیار ہو جاؤں جو خاصی گرم اور ہنگامہ خیز بھی ہو سکتی تھی۔ صبح کو معمول کے مطابق جاگا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ چاروں طرف سے ماحول کا جائزہ لیتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا اور یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ رات کے اثرات کیا مرتب ہوئے ہیں؛ لیکن حالات معمول کے مطابق نظر آئے ایک لمحے کے لیے یہ خیال بھی دل میں آیا تھا کہ ہو سکتا ہے نیلوفر اپنی بے عزتی برداشت نہ کر پائی ہو اور یہاں سے چلی گئی ہو لیکن ناشتے کے کمرے میں سبھی موجود تھے۔ پتا نہیں کسی منصوبے کے تحت نیلوفر اور لالہ رُخ رات کے واقعات کو پی گئی تھیں۔ کوئی ایسی غیر معمولی بات نظر نہیں آئی جو باعثِ توجہ ہوتی اور میں نے سکون کی گہری سانس لی کہ یہ مسئلہ خیر و خوبی ٹل گیا۔ بہرطور خوف تو کسی سے نہیں تھا۔ نیلوفر نے جو کہا تھا سُن لیا تھا۔ اِس میں تکلیف کی کیا بات تھی، شفیق بھابی اگر بُرا مانتی تو مان جاتیں ویسے بھی میں جانتا تھا کہ اگر معاملہ کسی طرح سنگین ہو گیا تو آئی جی صاحب سے رجوع کرنا پڑتا۔ بہرطور آئی جی صاحب اپنے اتنے گہرے دوست کی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جاوداں بھی بالکل مطمئن نظر آئی تھی۔ یہ اُس کی خوبی تھی کہ اُس نے کسی بات کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا۔ میں وہاں سے نکل آیا اور اُس کے بعد دفتر کا رُخ ہی کیا تھا۔ فاروقی صاحب آج بھی کورٹ جا رہے تھے۔ اُن کے اپنے کچھ معاملات تھے جن میں میری ضرورت نہیں تھی۔ جاوید قریشی بھی چلے گئے تھے چنانچہ میں اُستاد جمونے سے گپیں لگاتا رہا اور بہت سی باتیں ہوئیں اُن سے جو مختلف موضوعات پر تھیں، کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی اُس سلسلے میں ابھی کوئی مؤثر قدم ذہن میں نہیں آ سکا تھا نگہت شیراز بھی یاد آئی لیکن میں نے اُس سے رابطہ نہیں قائم کیا تھا جو کچھ بھی کر رہی ہو گی بہرطور اُس میں وقت تو لگے گا۔ ویسے اب وہی اس وقت اہمیت رکھتی تھی۔ کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ اُس کے بعد کوئی پروگرام بنایا جائے۔

تقریباً ڈیڑھ بجے کوئی آفس پہنچا۔ میرا اُس سے تعارف تو نہیں تھا لیکن ایک وکیل کی حیثیت سے میں اُسے کورٹ میں دیکھ چکا تھا۔ نام تھا اعجاز مفتی۔ اعجاز مفتی نے مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر اجازت لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے پُرخلاق انداز میں اُس سے گفتگو کی تھی۔

"کہیئے اعجاز صاحب۔ ویسے تو ہمارا اور آپ کا پیشہ ایک ہے اور ہمیں ایک دوسرے سے ملاقات پر حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے لیکن بعض باتیں غیر معمولی ہوتی ہیں میرے لائق کوئی خدمت ہے؟"

"ہاں بھئی شارق میاں کچھ معلوم کرنا تھا آپ سے؟" اعجاز مفتی نے کہا۔

"حاضر فرمایئے؟"

"یہ تو جانتے ہو تم کہ میں باسط رانا ایڈوکیٹ کے ساتھ پریکٹس کرتا ہوں؟"

"ہاں ہاں جانتا ہوں۔ رانا صاحب تو بہت بڑی شخصیت ہیں اور اُن کے ساتھ پریکٹس کرنے والے خوش نصیب ہوتے ہیں۔"

"شکریہ۔ ویسے رانا صاحب مجھے اپنے بہترین ساتھیوں میں گردانتے ہیں۔"

"میں آپ کی مزید ترقی کی دعائیں کر سکتا ہوں اعجاز صاحب مگر سوال پھر وہی ہوتا ہے کہ آپ کو مجھ سے کیا کام پیش آ گیا۔"

"شارق میاں ایک بات معلوم کرنی تھی آپ سے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ رانا صاحب نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"آپ قیصر پرویز نامی کسی شخص کو جانتے ہیں؟" اعجاز مفتی نے سوال کیا اور میں چونک پڑا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں قیصر صاحب ایک بڑے سرکاری افسر ہیں۔"

"بالکل۔ بالکل۔ اُنہی کی بات کر رہا تھا۔ رانا صاحب سے قیصر صاحب کے انتہائی دوستانہ مراسم ہیں بلکہ یوں سمجھ لو کہ گھریلو تعلقات ہیں۔ شاید آپ گرانٹ کلب میں قیصر صاحب سے ملے تھے۔"

"ہاں یہ درست ہے میں ملا تھا۔"

"اصل میں قیصر پرویز نے رانا صاحب سے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جو اُن سے گرانٹ کلب میں ملا تھا اور اُس نے اُن سے خاصی سخت باتیں کی تھیں۔ رانا صاحب کو کچھ شبہ ہوا کہ وہ تم ہو سکتے ہو چنانچہ انہوں نے مجھے اس کام کے لیے مامور کیا کہ تم سے پوچھ لوں کہ کیا واقعی تم سے قیصر پرویز کی ملاقات ہوئی تھی؟"

"آپ کے آنے کا بہت بہت شکریہ اعجاز صاحب باتیں واقعی کافی تیز و تند ہوئی تھیں لیکن قیصر پرویز کو یہ شبہ کیسے ہوا کہ وہ میں ہو سکتا ہوں؟"

"شاید اُن کے بیٹے مسعود پرویز کا کوئی معاملہ تھا۔ بہرطور بھئی میں تمہارا دوست ہوں۔ ذاتی طور پر تمہیں قیصر پرویز کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ بہت ہی تعلقات والے آدمی ہیں۔ لوگوں کی بگڑی بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے حکومت کے کسی بھی شعبے میں کوئی اُلجھن درپیش ہو بس قیصر پرویز کا سہارا حاصل ہو جائے تو یوں سمجھ لو اُلجھن رفع ہو گئی جس موضوع پر تم نے اُن سے ملاقات کی تھی اُس کی تہ کو تلاش کرتے ہوئے یہ تصور اُن کے ذہن میں آیا کہ کہیں وہ تم تو نہیں ہو۔ رانا صاحب سے تذکرہ کیا تو انہوں نے میری یہ ڈیوٹی لگا دی کہ میں تم سے یہ دریافت کر لوں کہ کیا واقعی تم ہی قیصر پرویز سے ملے تھے؟"

"ہاں اعجاز صاحب دراصل قیصر پرویز کے بیٹے مسعود پرویز نے ایک ایسی معصوم اور غریب لڑکی پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی جس کا کوئی سہارا نہیں تھا اور اس لڑکی کا رابطہ کسی طرح مجھ سے ہو گیا۔ میں نے قیصر پرویز سے ملاقات کر کے اُن سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو اس طرح کی حرکتوں سے روکیں کہیں مستقبل میں اُس کے لیے نقصان دہ نہ ہوں۔ یہ کوئی تیز و تند بات نہیں تھی ایک اصولی مسئلہ تھا۔ بہرطور اُس لڑکی کی دادرسی کرنا میرا فرض بھی تھا۔ انسانی بھی اور قانونی بھی۔ میں نے تو ایک شریفانہ طریقہ اختیار کیا ورنہ چاہتا تو اُس لڑکی کی طرف سے مسعود پرویز پر دعویٰ بھی دائر کر سکتا تھا۔"

"خدا کے لیے۔ خدا کے لیے کبھی بھول کر بھی یہ نہ کرنا۔ بُری طرح مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔" اعجاز مفتی نے کہا اور میرے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے ملامت آمیز نگاہوں سے اعجاز مفتی کو دیکھا اور پھر بولا۔ "مفتی صاحب کیا آپ اپنے موکلوں سے فیس لیتے ہوئے یہ بات سوچتے ہیں کہ یہ کیس کس کے خلاف ہے؟"

"آپ کے ان الفاظ کے بعد یہ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ جسے آپ عزت اور وقار کہتے ہیں میں اُسے دُنیا کا سب سے گھٹیا پن سمجھتا ہوں کیونکہ جس پیشے سے انسان منسلک ہو

اگر اُس کی روایات اور اُس کے معیار پر پورا نہ اُترے تو اُسے چاہیے کہ وہ کوئی اور کام شروع کر دے۔ کیا سمجھے آپ؟ اگر قانون کسی کی ذات کے آگے اتنا ہی بے بس ہے تو نہ پھر عدالتوں کی ضرورت ہے نہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کی۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ ظاہر ہے آپ نے مجھے یہ مشورہ دوستانہ بنیادوں پر ہی دیا ہے۔ بہرطور آپ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا وہ میں تھا جس نے قیصر پرویز سے گفتگو کی تو میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ وہ میں ہی تھا۔ اس کے بعد میرے لائق اور کیا خدمت ہے؟"

"بھئی تم بہت جذباتی آدمی ہو میں نے سن رکھا ہے۔ دراصل بیشک قانون ایک ایسی حیثیت رکھتا ہے جس کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں لیکن ہم اس دُنیا میں جینا چاہتے ہیں۔ جینے کے طریقے دریافت کر لیے ہیں تم نے۔ یہ معلوم ہے تمہیں کہ جینے کے لیے انسان کو کہاں کہاں سے گزرنا پڑتا ہے؟"

"جی اعجاز صاحب میں نے یہ معلوم کر لیا ہے اور میں نے جینے کا معیار بھی مقرر کر رکھا ہے۔ لڑکوں پر پھرتے ہوئے یہ خارش زدہ کتے اگر زندگی سے چمٹے رہنا چاہیں تو ظاہر ہے یہ ان کی اپنی سوچ ہے۔ میں ایک صاف ستھرے انسان کی حیثیت سے اپنے فرائض پورے کرتے ہوئے مر جانا پسند کرتا ہوں۔"

"اجازت ہو تو ایک فون کر لوں؟"

"اجازت کی کیا ضرورت ہے آپ میرے مہمان ہیں۔ چائے پلاؤں آپ کو؟"

"نہیں بھئی۔ چائے وائے کچھ نہیں۔ بس ذرا فون کر لوں۔" اعجاز مفتی نے کہا اور پھر وہ فون اپنے نزدیک کر کے ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

میں بے تعلق ہو گیا تھا۔ اعجاز مفتی نے باسط رانا ہی کا نمبر ڈائل کیا تھا اور پھر اُس نے کہا۔ "جی رانا صاحب۔ جی ہاں میں ہی بول رہا ہوں۔ وہ شارق حسین ہی تھے جنہوں نے گرانٹ کلب میں قیصر صاحب سے ملاقات کی تھی۔ جی ہاں۔ جی ہاں میرے سامنے موجود ہیں۔" اعجاز مفتی نے ٹیلیفون کا ریسیور میری طرف بڑھا اور میں نے ریسیور اُس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو رانا صاحب۔" میں نے کہا اور دوسری طرف سے باسط رانا کی آواز سنائی دی۔

"مجھے پہچانتے ہو برخوردار؟"

"آپ کو نہیں جانوں گا رانا صاحب۔ آپ ہماری فیلڈ کے سینئر ترین ایڈوکیٹ ہیں فرمایئے میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"بھئی وہ قیصر پرویز مجھ سے معلوم کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے اعجاز نے تمہیں ساری باتیں بتا دی ہوں گی۔ قیصر صاحب ذرا سخت مزاج آدمی ہیں۔ وہ تمہارے خلاف کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے یہ اُن سے وعدہ کیا کہ میں ذرا معلومات کر لوں کہ وہ کہیں شارق حسین تو نہیں ہیں۔ سو میں نے تم سے پوچھ لیا۔ میرا خیال ہے شارق میاں تم شام کو میرے دفتر میں مجھے مل لو۔"

"رانا صاحب کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟ کیا قیصر صاحب اس کے لیے تیار ہیں کہ وہ مجھ سے گفتگو کریں؟"

"بھئی بڑی ضدی فطرت کے مالک ہو سنا ہے تم۔ ایسا کرو ٹیلیفون پر تو بات کرنا مناسب نہیں ہے یہاں آ جاؤ۔ کس وقت آ رہے ہو؟"

"آج مصروف ہوں رانا صاحب پھر کوئی مناسب وقت دیکھوں گا۔ ویسے میرا خیال ہے اس سلسلے میں آپ اپنا وقت ضائع نہ کریں جو کچھ ہو گا معاملات کے مطابق حل کر لیں گے۔"

"بھئی صد فیصد [illegible] تم سے تو تعلقات نہیں ہیں لیکن تمہارے گھر والوں سے اچھے خاصے تعلقات ہیں۔ خاص طور سے امی حسین صاحب [illegible] بہت عزت کرتے ہیں۔"

"میں بھی آپ کی بہت عزت کرتا ہوں رانا صاحب لیکن اس مسئلے کو جانے دیں تو بہتر ہے!"

"اچھا تم مجھ سے کب مل رہے ہو؟"

"جب بھی فرصت ہوئی۔ ہاں اگر موضوع کے علاوہ آپ کوئی اور گفتگو کرنا چاہیں تو جب حکم دیں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"میں شام کو چھ بجے تمہارا انتظار کروں گا اور کوئی تاویل سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" رانا صاحب نے فون بند کر دیا اور میرے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

بہرطور اعجاز مفتی میرا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔

"کچھ بات ہو گئی؟"

"ہاں اعجاز صاحب ہو گئی۔"

"تو پھر مجھے اجازت دو۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ کی آمد کا لیکن آپ نے چلیئے وغیرہ نہیں پی ہمارے ساتھ۔"

"پھر پیئیں گے یار کسی وقت۔ بڑی تیزی سے تم ترقی کے مدارج طے کر رہے ہو۔ کم از کم نام کی حد تک ہی۔"

"جی۔۔۔ جی۔" میں نے کہا اور اعجاز مفتی مجھ سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔

میرا ذہن بُری طرح جلنے لگا تھا لیکن میں نے خود کو سنبھالا باسط رانا سے ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا پھر فاروقی صاحب اور جاوید قریشی آ گئے اور میں نے انہیں اس سلسلے میں پوری تفصیل بتا دی۔

فاروقی صاحب پُرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے تھے پھر وہ بولے "باسط رانا سے مل لو تو کیا حرج ہے، دیکھ تو لو۔ کیا کہنا چاہتا ہے؟"

"فاروقی صاحب پلیز میں آپ کی زبان سے صرف اچھی باتیں سننا چاہتا ہوں" میں نے کہا اور فاروقی صاحب خاموش ہو گئے پھر ہم اس موضوع پر دیر تک گفتگو کرتے رہے تھے تقریباً چار بجے میں باہر نکل آیا۔ بازار پہنچا اور کچھ کتابیں تلاش کرنے لگا تقریباً ڈھائی گھنٹے میں نے مختلف اسٹالوں پر صرف کیے تھے اور اس کے بعد نادر و نایاب کتابیں خریدیں جو مقامی ثقافت سے متعلق تھیں اور ان میں بہت سی مقامی رسومات یہاں کے طرزِ زندگی . . . یہاں کی ثقافت کے بارے میں تفصیلات موجود تھیں۔ ان کتابوں کا خوب صورت پیکٹ بنوا کر میں نے ساتھ لیا اور کوٹھی پہنچ گیا۔ نیلوفر اور لالہ رُخ تو شاید اپنے کمرے میں تھیں۔ شفق بھابی سے بھی ملاقات ہوئی لیکن کوئی خاص بات سامنے نہیں آئی اس کا مقصد ہے کہ معاملہ بالکل ہی گول کر دیا گیا ہے لیکن ایک بات میں جانتا تھا۔ دونوں خواتین میں سے ایک بھی ایسی نہیں تھی جو انتقامی مزاج نہ رکھتی ہو۔ نجانے انہوں نے اس سلسلے میں کیا سوچا تھا؟ مجھے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ میں جاوداں کو تلاش کرتا ہوا اُس کے کمرے تک گیا پتا چلا کہ وہ کچن میں ہے تو میں وہاں پہنچ گیا اور یہاں پہنچ کر میں نے ایک دلچسپ منظر دیکھا جاوداں ایپرن پہنے ہوئے سبزی کاٹ رہی تھی۔ ملازمین بھی مؤدبانہ انداز میں کام کر رہے تھے اور شاید جاوداں کی وجہ سے عصمت بھابی کو بھی کچن ہی میں رہنا پڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ ہنس پڑیں۔

"لو بھئی آج تم جاوداں کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے کھاؤ گے اور شرط یہ ہے کہ کھانے پڑیں گے۔"

"جاوداں اگر زہر بھی کھلائیں گی تو وہ میرے لیے امرت ہوگا۔" عصمت بھابی معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر انہوں نے میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیکٹ کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ کیا ہے؟"

"جاوداں کے لیے تحفہ۔" میں نے جواب دیا اور جاوداں جلدی سے چھری پھینک کر میرے پاس آ گئی۔

"تحفہ؟ کیا ہے اس میں؟"

"یہ تو دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"میں کھول لوں اِسے؟"

"ضرور۔"

"ہاتھ تو دھو لو اللہ کی بندی۔" عصمت بھابی نے کہا جاوداں بیسن کی جانب دوڑ گئی۔ پھر اُس نے ہاتھ دھوئے، ایپرن سے خشک کیے اور تحفہ میرے ہاتھ سے لے لیا۔ کتابیں کافی وزنی تھیں۔ اُس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچیں اور اُس نے کہا۔

"اتنی بھاری شے۔ کیا تحفہ ہے یہ؟" پھر اُس نے ریپر پھاڑ لیا اور اندر سے برآمد ہونے والی کتابوں کو دیکھ کر مسرت سے جھوم جھوم گئی "اوہ! شکریہ . . . بے حد شکریہ، اوہ مائی گاڈ دیکھیے کیا نایاب چیزیں ہیں عصمت بھابی۔ یہ مجھے اور کہیں سے نہیں مل سکتی تھیں۔ اوہ! شارق صاحب شکریہ . . . بے حد شکریہ۔ انتہائی شکریہ۔ بھئی عصمت بھابی آج کی تربیت رہنے دیں جتنا پک گیا اتنا کافی ہے۔ تھوڑے بچے کو بہت جانیں، میں چلی۔" جاوداں نے ایپرن اُتار پھینکا اور کتابیں سمیٹتے ہوئے کچن سے باہر نکل آئی۔

عصمت بھابی غصیلے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ "اے! جاوداں بھئی یہ کیا ہوا؟ مجھے تو مصروف کر ڈالا۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

لیکن جاوداں نے کچھ نہیں سُنا تھا۔ میں نے اُس کا تعاقب کرنا مناسب نہیں سمجھا البتہ عصمت بھابی میرے تعاقب میں آ گئی تھیں "حضرت کچھ اُونچی پرواز کر رہے ہو۔ زیادہ اونچی تو نہیں ہو گی۔"

"کیا بات ہے عصمت بھابی؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ جو سلسلہ اتنی دلیری سے شروع کیا گیا ہے یہ دلیری کہیں نقصان دہ نہ ہو جائے۔"

"نہیں عصمت بھابی آپ اطمینان رکھیے۔ میں ہر نقصان کو برداشت کر لوں گا۔"

"چلو بھئی ہمارا کیا ہے، ہم تو خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔ ایک کمی محسوس کی جا رہی تھی بُری طرح وہ پوری کر رہے ہو تم۔ ہمیں خوشی ہے۔"

"شکریہ . . . بھابی بے حد شکریہ۔" میں نے کہا اور مسکراتا ہوا

اپنے کمرے کی جانب آ گیا۔

رات کے کھانے پر دلچسپ باتیں ہوتی رہیں۔ مجھے لالہ رُخ اور نیلوفر پر حیرت تھی۔ دونوں کی دونوں اس طرح خاموش ہو گئی تھیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ بہرطور میں نے بھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا تھا البتہ کھانے کے بعد جاوداں میرے پاس آ گئی۔

"آیئے مسٹر شارق پارک میں ٹہلیں گے۔" اُس نے یہ بات سب کے سامنے کہی تھی۔

نیلوفر نے معنی خیز نگاہوں سے لالہ رُخ کو دیکھا تھا باقی لوگوں نے اس پر کوئی اعتراض یا نکتہ چینی نہیں کی تھی۔

میں جاوداں کے ساتھ باہر آ گیا۔ اُس نے کہا "شارق صاحب یقین کریں اس عمدہ تحفے کا جواب اس روئے زمین پر نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہیں کہیں سے اُن کتابوں کو پڑھا ہے۔ بہت ہی نفیس کتابیں ہیں یہاں کے کلچر سے متعلق۔ میں تو اُن کے عنوانات دیکھ کر دنگ رہ گئی۔"

"تمہیں پسند آئیں جاوداں میں خوش ہوں۔"

"شکریہ۔ میں تحفے میں آپ کو کیا دوں؟"

"اپنی محبت۔"

"وہ تو دے چکی ہوں۔" جاوداں ہنس کر بولی۔

"کہو رقیبوں کا کیا حال ہے؟"

"بابا بڑا ڈر لگتا ہے مجھے اُن سے۔ بس مجھ سے بات نہیں کی کسی نے۔"

"خیر اُن پر لعنت بھیجو۔ ایک بات بتاؤ جاوداں اچانک تمہارے وہ گاڑھے گاڑھے الفاظ کہاں گئے؟"

"بھئی میں ہر طرح کے الفاظ بول سکتی ہوں۔ میں تو یہ سوچ کر یہ ساری باتیں کرتی تھی کہ تم لوگوں کو بہت اچھی اُردو آتی ہوگی۔ کہیں مجھے تمہارے سامنے احساسِ کمتری کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اب جبکہ میں نے دیکھا کہ سب ایک ہی انداز میں بولتے ہیں تو میں نے بھی اپنی اُردو بدل دی۔ ویسے یقین کرو مجھے بڑے بڑے الفاظ بول کر بڑی خوشی ہوتی ہے لیکن ایک مرتبہ تم نے مجھ سے کچھ الفاظ کہے تھے مجھے آج تک کسی لغت میں اُن کے معنی نہیں مل سکے۔"

"معنی ہوتے تو ملتے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ بے معنی الفاظ تھے۔"

"اوہ! میرے خدا۔ مگر کیوں؟"

"بس تمہیں یہ احساس دلانے کے لیے کہ یہ گاڑھی اردو حلق میں اٹک رہی ہے۔"

جاوداں قہقہہ مار کر ہنس پڑی تھی اور بہت دیر تک ہنستی رہی تھی "اس کا مقصد ہے جناب شارق صاحب آپ شرارتیں بھی کر لیا کرتے ہیں؟"

"کیوں نہیں؟" میں نے آداب کرتے ہوئے کہا جاوداں کافی دیر تک میرے ساتھ چہل قدمی کرتی رہی تھی اور اُس کے بعد ہم لوگ خاموشی سے اپنے اپنے کمروں کی جانب آ گئے تھے۔

پھر وہی معمول۔ دفتر آنے کے بعد میں نے دفتر میں بیٹھ کر بور ہونا مناسب نہ سمجھا اور فاروقی صاحب کے ساتھ کورٹ چلا گیا [illegible] ساڑھے بارہ بجے میں اور فاروقی صاحب [illegible] بار روم کی جانب جا رہے تھے کہ سامنے سے باسط رانا آتا ہوا نظر آیا۔ باسط رانا نے ہم دونوں کو دیکھ لیا اور [illegible] ہمارے پاس پہنچ گیا۔ [illegible]

باسط رانا نے [illegible] فاروقی صاحب کو سلام کیا اور [illegible] بولا "بیٹے شارق صاحب کیسے مزاج ہیں [illegible] ہم جانتے ہیں لیکن دوستوں کی دعوتیں تو قبول کر لینی چاہئیں۔"

"رانا صاحب [illegible] معافی چاہتا ہوں مصروفیت کے باعث پہنچ نہیں پایا۔"

"بالا بالا تمہیں آنا چاہیے تھا۔"

"کیوں رانا صاحب کوئی ایسا اہم مسئلہ تو نہیں تھا۔ بات مجھے معلوم ہو گئی تھی اور مجھے لگا کہ میرے لیے قابلِ توجہ نہیں تھی اس لیے میں نے اُسے آگے بڑھانا مناسب نہیں سمجھا۔ آپ اپنی کس کمزوری کو میرے شانوں پر کیوں ڈالنا چاہتے ہیں؟"

"فاروقی صاحب کیسے آدمی ہیں یہ شارق۔ آپ بھی انہیں نہیں سمجھاتے آپ تو سینئر آدمی ہیں۔ زمانے کے سرد و گرم دیکھے ہوئے ہیں جوان خون جوانی کے جوش میں نقصان بھی اُٹھا جاتا ہے شارق میاں تم قیصر پرویز کو نہیں جانتے لیکن فاروقی صاحب تو جانتے ہیں۔ کیوں فاروقی صاحب؟"

"جی ہاں باسط صاحب جانتا ہوں۔"

"تو پھر آپ اس بچے کو سمجھاتے کیوں نہیں خوامخواہ اپنے سر عذاب مول لے رہا ہے۔ وہ منتقم مزاج آدمی ہے پیچھے

لگ گیا تو بہت سے مسائل کھڑے ہو جائیں گے فاروقی صاحب معاف کیجیے اس وقت شاید میں بھی کچھ نہ کر سکوں۔"

"بھئی میں کیا کر سکتا ہوں۔" فاروقی صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"شارق میاں ایک دوست کی حیثیت سے میں آپ کو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ آپ قیصر پرویز سے مل کر معافی مانگ لیں۔"

"دوستوں کے مشورے مان لینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے باسط صاحب۔ آپ دوست کی حیثیت سے بزرگ کی حیثیت سے حکم دیں تو میں آپ کے حکم سے انحراف نہیں کروں گا۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ میں بھائی یہی تو چاہتا تھا بس۔ ایک ملاقات کر لو۔ میرے خیال میں سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔"

"آپ حکم دیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا فاروقی صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"تو پھر آج شام کو میرے پاس آ جاؤ۔ سات ساڑھے سات بجے۔ میں انتظار کروں گا۔"

"کیا قیصر پرویز بھی آ رہے ہیں؟"

"اسی وقت بات کر لیں گے اُن سے تم آؤ تو سہی۔"

"فاروقی صاحب آپ کے پاس وقت ہو گا ساڑھے سات بجے؟" میں نے فاروقی صاحب سے کہا اور فاروقی صاحب چونک پڑے۔

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ لیکن کیا میرا آنا بھی ضروری ہے؟"

"آ جائیں فاروقی صاحب آ جائیں۔ قیصر پرویز سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔ بھئی بڑے کام کے آدمی ہیں دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے لیے بڑے کام کرنے والے۔ اسی لیے تو میں نے کہا تھا اُن سے کہ میں اُن کے بہی خواہوں میں سے ہوں ابھی تو اِن کی ابتدا ہے اور ماشاءاللہ خوب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ترقی کریں اور قیصر صاحب کی نظر جس پر ہو جائے اُس کی ترقی بھلا کیسے رُک سکتی ہے؟ تو پھر ساڑھے سات بجے میں آپ کا انتظار کروں گا؟"

"میں حاضر ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

فاروقی صاحب پاگلوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے میں نے اُن کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "ساڑھے سات بجے چلیں گے فاروقی صاحب آپ پریشان کیوں ہو گئے؟"

"شارق بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی؟"

"ساڑھے سات بجے سمجھ میں آ جائے گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ غالباً یہ ساڑھے سات بجے تک کا وقت فاروقی صاحب پر بھی بہت کٹھن گزرا تھا۔

مجھ سے بس یہی پوچھتے رہے تھے کہ میں نے کیا سوچا ہے اور میں نے ہنستے ہوئے یہی کہا تھا کہ اگر آپ سب کی یہی رائے ہے تو پھر میں قیصر پرویز سے معافی مانگے لیتا ہوں میرا کیا نقصان ہے؟ فاروقی صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے تھے میں نے گھر ٹیلیفون کر دیا کہ آج ہو سکتا ہے دیر میں واپس آؤں اور اس کے بعد میں اور فاروقی صاحب ٹھیک ساڑھے سات بجے باسط رانا کی خوب صورت کوٹھی پر پہنچ گئے۔ باسط رانا صاحب ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ ہمارا خیر مقدم کرتے ہوئے بولے۔

"آؤ اب رُکیں گے نہیں۔ سیدھے چلتے ہیں میں نے قیصر صاحب سے وقت لے لیا ہے۔"

"وہاں چلنا ہو گا؟" میں نے سوال کیا۔

"میاں تم آ جاؤ۔ مجھ سے بھی جرح شروع کر دی تم نے تو مانا کہ بہت بڑے وکیل ہو، لیکن بھائی یہ کمرہ عدالت نہیں ہے۔" باسط رانا اپنی کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

"جب میں نے اپنی کار کا رُخ کیا تو وہ پھر کہنے لگے۔ "نہیں بھئی میرے ساتھ ہی آ جاؤ۔ ایک ہی گاڑی میں چلتے ہیں۔ واپس تو یہیں آنا ہو گا۔ یہاں سے اپنی گاڑی لے لینا۔"

"نہیں باسط رانا صاحب وہاں سے مجھے کہیں اور نکل جانا ہے۔ کوئی بات نہیں آپ چلیے۔ میں آپ کی گاڑی کا تعاقب کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور باسط رانا اپنی کار میں جا بیٹھے۔

ہماری گاڑی اُن کی کار کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی فاروقی صاحب پر ایک عجیب سی خاموشی طاری تھی۔ میں نے صرف ایک بار اُن کا چہرہ دیکھا تھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ کار ایک خوب صورت علاقے میں داخل ہو کر بالآخر ایک شاندار عمارت کے سامنے رُک گئی اور میں نے بھی اپنی کار باسط صاحب کے پیچھے ہی پارک کر دی۔ ہم دروازے سے اندر داخل ہوئے تو ایک ملازم نے ہمیں لان پر پہنچا دیا جہاں خوب صورت کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہم لوگ ان کرسیوں پر بیٹھ کر قیصر پرویز کا انتظار کرنے لگے اور یہ انتظار پچیس منٹ طویل تھا۔ اس دوران ہمارے درمیان بس رسمی سی دو چار باتیں ہوئی تھیں۔ پچیس منٹ بعد قیصر پرویز دو اور آدمیوں کے ساتھ

رہائشی عمارت کے صدر گیٹ سے نکلا اور لان کی طرف چل پڑا۔ پچیس منٹ کا یہ وقفہ انتہائی ناخوشگوار تھا قیصر پرویز پھر رعونت بھرے انداز میں لان پر پہنچا اور باسط رانا کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ فاروقی صاحب نے بھی پہلو بدلا تو میں نے گھور کر انہیں دیکھا اور فاروقی صاحب اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔ باسط رانا نے البتہ عجیب سے انداز میں ہم دونوں کو دیکھا تھا۔

قیصر پرویز نے میری طرف دیکھا اور پھر کسی قدر نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "تو آپ پکڑ لائے اِسے باسط صاحب۔"

"جی سر یہ شارق حسین ایڈووکیٹ ہیں۔"

"ہوں! ایڈووکیٹ ہونے کے بعد بھی یہ قانون نہیں جانتے۔ گرانٹ کلب میں انہوں نے میرے پاس آ کر مجھ سے جو بدتمیزی کی تھی وہ کس بنیاد پر کی تھی؟"

"سر آپ خود ان سے بات کر لیں۔ میں نے انہیں آپ تک پہنچا دیا ہے۔ ویسے سر ایک بات کہوں شارق نوجوان ہیں۔ جذباتی ہیں۔ کلب میں آپ سے جو گفتگو ہوئی تھی اُس پر شرمندہ ہیں۔ بس شاید جذبات میں آ کر آپ تک پہنچ گئے مجھے بہرحال اب یہ حاضر ہیں۔"

"لڑکی اور اُس کی ماں سے تمہارا رابطہ کیسے قائم ہوا؟" قیصر پرویز نے براہِ راست مجھ سے پوچھا تھا۔

"ابھی میرے دوست باسط رانا نے آپ سے کہا قیصر صاحب کہ میں نوجوان ہوں۔ جذباتی ہوں۔ اس دور میں نوجوانوں کو جذباتی ہونا ہی چاہیے تاکہ آپ جیسے مردار خوروں کے جنازے بغیر کسی دقت کے اُٹھا سکیں۔ سنیے آپ۔ باسط رانا نے دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا وہ میں ہی تھا جس نے آپ سے ملاقات کی تھی گرانٹ کلب میں، میں نے ان سے کہا کہ ہاں میں ہی تھا۔ اُس پر انہوں نے مجھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور جب میری ملاقات تین دن کے بعد ان سے کورٹ میں ہوئی تو انہوں نے پھر اسی خواہش کا اظہار کیا۔ میں جانتا ہوں کیونکہ یہ نمک وہ جائز طریقے سے نہیں کھاتے اگر انسان محنت کر کے روزی کمائے تو اسے دوسروں کے سامنے کتوں کی طرح دُم نہیں ہلانا پڑتی۔ بہرطور بعض اوقات کسی کے پیچھے پیچھے بھی کہیں پہنچا جا سکتا ہے تو یوں سمجھ لیجیے کہ دم ہلانے والے ان باسط رانا کے ساتھ میں یہاں تک اس لیے آیا ہوں کہ آپ کا یہ گھر بھی دیکھ لوں اور باسط صاحب نے جو بھی کہا وہ اُن کے اپنے الفاظ ہیں غالباً کچھ اور چاہتے ہوں گے آپ سے قیصر صاحب کلب میں میں نے آپ سے صرف اتنا ہی عرض کیا تھا کہ اپنی ناجائز کمائی سے پروان کیے ہوئے اپنے بیٹے کو ان حرکتوں سے روکیے ورنہ اُس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور یہ بات میں نے ایک اچھے انسان کی حیثیت سے آپ کو ایک اچھا انسان تصور کرتے ہوئے کہی تھی اُس کے جواب میں آپ نے جو کچھ کہا اُسے میں نے آپ کا جواب تصور کر لیا لیکن شاید آپ کے معدے میں گڑبڑ ہو گئی تھی چنانچہ آپ اس چھان بین میں لگ گئے کہ میں کون ہوں؟ میں کوئی بھی تھا ایک جائز بات میں نے آپ سے کہی تھی آپ کو اس کا تدارک کرنا چاہیے تھا۔ اس کی بجائے آپ نے اپنی غلط سوچوں میں گرفتار ہو کر میرے بارے میں چھان بین شروع کر دی۔ میں تو خود آپ سے دوبارہ ملتا یہ کہنے کے لیے کہ آپ کی اور آپ کے بیٹے کی خلاصی اس میں ہے کہ آپ برسرِ عام اس بات کا اعتراف کریں کہ آپ نے اپنے بیٹے کی ناجائز پشت پناہی کی۔ وہ ایک لڑکی کے اغوا میں ملوث تھا۔ آپ نے اپنے اختیارات سے کام لے کر اُسے اس الزام سے بچایا اور اس کے بعد اُن دونوں ماں بیٹیوں کو خوفزدہ کیا اس کے علاوہ قیصر صاحب آپ کو اُن دونوں ماں بیٹیوں سے معافی مانگنا ہو گی اور ہرجانہ ادا کرنا ہو گا اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ کی اِس کوٹھی میں پولیس کے معمول دستے کے لوگ داخل ہوں گے اور آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر آپ کو ٹھوکریں مارتے ہوئے یہاں سے لے جائیں گے۔ میں آپ کو یہ رعایت دے رہا ہوں کہ یہ سب کچھ ہونے سے قبل آپ وہ کر لیں جو میں نے آپ سے کہا ہے۔ اسی میں آپ کی عزت ہے اور اس وقت یہاں تک آنے کی زحمت میں نے صرف انہی انسانی اصولوں کی بنا پر کی ہے جو مجھے گرانٹ کلب تک لے گئے تھے۔ دو بار ایسا ہو چکا ہے اور میں تیسری بار کچھ کرنے کا قائل نہیں ہوں تیسری بار میں صرف وہ اقدام کرتا ہوں جو میرے لیے پسندیدہ ہو۔ آپ نے سمجھ لیا ہو گا قیصر پرویز صاحب پتا نہیں آپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ اور آپ ہو سکتا ہے اس انداز میں سوچتے ہوں کہ اگر ایک آدھ بیٹا نہ رہا تو کوئی بات نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا رہے اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے میں واقعی شرمندہ ہوں بقول باسط رانا کے۔ لیکن اس بات پر کہ اپنی انسان دوستی سے مجبور ہو کر مجھے دوسری بار آپ سے یہ الفاظ کہنے پڑ رہے ہیں، ورنہ ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ آپ کو اپنے بیٹے کی پشت پناہی کے الزام میں گرفتار کرا

دیتا اور آپ کے بیٹے کو اغوا کے الزام میں بدترین سزا دلواتا۔ میں آپ کو مہلت دے رہا ہوں کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُس پہ عمل کر لیں ورنہ نتیجے کے ذمّے دار آپ خود ہوں گے۔" میں نے خونی نگاہوں سے قیصر پرویز کو دیکھ کر کہا۔

غالباً حیرت اور غصّے کی وجہ سے اس کے اعصاب بری طرح شل ہو گئے تھے۔ وہ پتھر کے کسی بت کی مانند ساکت بیٹھا ہوا تھا اُس کے دونوں ساتھیوں کے چہروں پہ بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔ باسط رانا بھی بالکل اُسی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا فاروقی صاحب بھی پتھرا گئے تھے۔

میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "اور اب میں چلتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میری باتوں پہ غور کر کے آپ مجھے اس بارے میں اطلاع دیں گے کہ آپ میری خواہش کے مطابق یہ سب کچھ کرنے پر تیار ہیں۔ مہلت کا وقت گزارنے کے بعد میں جو کچھ کروں گا وہ میرا حق ہو گا۔"

"آئیے فاروقی صاحب!" میں نے فاروقی صاحب کا بازو پکڑا اور وہ بڑبڑا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد میں پُر اعتماد قدموں سے چلتا ہوا قیصر پرویز کی کوٹھی کے صدر دروازے کی جانب بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد میری کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی۔ فاروقی صاحب کے بدن سے تو جیسے سارا خون نچوڑ لیا گیا تھا میں پُر اطمینان انداز میں ڈرائیو کر رہا تھا اور پھر میرا یہ سفر فاروقی صاحب کی کوٹھی پہ ختم ہوا۔

فاروقی صاحب نیچے اُتر آئے اور بھاری لہجے میں مجھ سے بولے۔ "آؤ اندر آؤ۔"

میں نے گاڑی لاک کی اور فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ فاروقی صاحب مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے تھے اور اُس کے بعد انہوں نے ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کر لیا تھا کہنے لگے۔

"ویسے تو یقین کرو شارق کہ میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ تصور نہیں تھا کہ تم اُس ملعون سے معافی مانگو گے بس سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ تمہارا منصوبہ کیا ہے؟ لیکن اس حد تک بھی نہیں سوچا تھا میں نے۔ تم نے میرے خیال میں وہ آخری الفاظ بھی ادا کر دیے جن کے بعد کچھ اور کہنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی لیکن اب۔ اب کیا ارادہ ہے؟"

"کام جاری رکھیں گے فاروقی صاحب!" میں نے کہا۔

"دیکھو شارق میں بار بار یہ کہتے ہوئے اپنی پوزیشن بھی کچھ عجیب محسوس کرتا ہوں کہ اپنا خیال رکھا کرو۔ دُنیا بہت عجیب ہے بیٹے اور تمہاری زندگی ہزاروں مظلوموں کی امانت ہے۔ اس کا تحفظ تم پر فرض ہے۔ میں اس سلسلے میں بھلا کیا ساتھ دے سکتا ہوں۔ بوڑھا آدمی ہوں لیکن میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں اور بس کیا کہوں اِس سلسلے میں۔ اس کے بعد دل نجانے کیوں ڈر رہا ہے۔"

"آپ اطمینان رکھیے فاروقی صاحب کیا ہم بارہا ایسے مسائل سے نہیں گزر چکے۔"

"ہاں اس میں شک نہیں ہے۔ خدا تمہارا مددگار ہو۔ لیکن میری اس درخواست پر ضرور توجّہ دینا اپنا تحفّظ ضروری سمجھو۔"

"آپ اطمینان رکھیے۔"

"میں بڑی تشویش کا شکار ہو گیا ہوں جس سانپ کی دم پر تم نے پاؤں رکھا ہے مجھے اس کے بارے میں پہلے سے بھی بہت سے اندیشے ہیں اور باسط رانا کو تم نے بہت ہی ذلیل کر کے رکھ دیا۔"

"فاروقی صاحب آپ نے اُس شخص کی کیفیت نہیں دیکھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ بت پرستی کیوں کرنے لگتے ہیں؟ خدائے واحد کا سہارا کافی کیوں نہیں سمجھتے یہ کیوں سوچتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ بھی دینے والا کوئی اور ہے۔ ارے یہ تو ذریعے ہوتے ہیں۔ کسے کہاں سے ملے گا وہ نہیں جانتا۔ لوگ ان زرکدوں کے چکر کیوں لگاتے ہیں؟ اور اہلِ زر کے سامنے اپنے آپ کو اس قدر گرا کیوں دیتے ہیں؟ باسط رانا بہت اچھا ایڈووکیٹ ہے کیا ضرورت ہے اُسے ایسے لوگوں کی خوشامدیں کرنے کی؟ کام کرے دولت کمائے اور وقت گزارے۔ بہت چڑ گیا تھا میں اُس سے۔ بہر طور بات جتنی آگے جا سکتی ہے مجھے خود بھی اُس کا اندازہ ہے۔ آپ اطمینان رکھیے میں اُسی سطح پہ کام کروں گا۔"

"ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ آپ کی دعاؤں کے ساتھ تو میں اتنا طویل سفر طے کر کے یہاں تک آیا ہوں اور انشاء اللہ آگے بھی اسی طرح دوڑتا رہوں گا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب مجھے باہر تک چھوڑنے آئے۔

"اس وقت تو میں نے بچی جان وغیرہ سے ملنا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ باہر نکل کر اپنی کار میں بیٹھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ جاہلانہ انداز میں اپنے آپ کو وقت کے

دھارے پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ بہر طور قیصر پرویز با اختیار آدمی تھا ہر طرح سے۔ اُس شخص کو بھی ذہن میں رکھنا تھا۔ جس نے نوشابہ کی بستی میں فائرنگ کی تھی ایسے لوگوں سے کام لے لینا کوئی مشکل بات نہیں ہوتی چنانچہ مجھے واقعی بہت سے معاملات میں کام کرنا تھا۔ نوشابہ اور اس کی ماں کا تحفّظ اب پہلے سے زیادہ ضروری تھا۔ ہو سکتا ہے فاروقی صاحب کی طرف بھی اُس کا شبہ چلا جائے اور اس سلسلے میں وہ کوئی کارروائی کرنا چاہے۔ نہیں۔ قیصر پرویز کو کسی بھی طور نظر انداز کرنا مناسب نہیں تھا اور میں نے اپنی کار کا رُخ اپنے آرمی ہیڈ کوارٹر کی جانب کر دیا۔ یعنی بدرشاہ کا اڈّہ ضرورت پیش آ گئی تھی کہ بدرشاہ کو بھی اب اس سلسلے میں ملوث کر لیا جائے بڑا قابلِ اعتماد آدمی تھا اور اب اُس کے ساتھ کوئی تکلف روا نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ بدرشاہ کے اڈّے پہ پہنچا تو وہ موجود تھا۔

مجھے دیکھ کر وہ حسبِ معمول پرتپاک انداز میں اُٹھا اور مجھ سے لپٹ گیا۔ "آئیے شارق بھائی۔ کیسے کیسے مزاج ہیں؟"

"مزاج جب ٹھیک ہوتے ہیں تو تمہاری طرف کب آتا ہوں بدرشاہ؟"

"اوہ نہیں شارق بھائی ایسی کیا بات ہے؟ میں جانتا ہوں آپ مصروف آدمی ہیں۔ میں نے اس کی شکایت کب کی؟ بات آپ کی ہی کیا ہے میں خود بھی آ سکتا ہوں جب میرا دل چاہے۔ میں بھی آپ کو مصروف چھوڑ دیتا ہوں۔ کہیے کوئی خاص بات ہے؟"

"بہت خاص بات بدرشاہ۔"

"تو پھر بیٹھیے جی۔ یہ بتائیے چائے پئیں گے یا ٹھنڈا؟"

"چائے ہی منگوا لو۔"

"ٹھیک ہے جی میں ابھی کہہ کر آتا ہوں۔" بدرشاہ نے کہا اُٹھ کر باہر نکلا اور پھر اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر میرے پاس آ بیٹھا۔

"ہوں! بدرشاہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ اس بار ہمیں شہر میں ہی کچھ غنڈوں سے نمٹنا ہے۔ اس بار مجھ پہ ہو سکتا ہے قاتلانہ حملے بھی کیے۔"

"شارق بھائی پہ؟" بدرشاہ کے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی۔

"ہاں بدرشاہ۔"

"تو پھر اجازت دیجیے شارق بھائی کہ بہت دن کے بعد اپنے ہاتھ بھی خون سے رنگتے ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ ہمارے شارق بھائی کی طرف آنکھ اُٹھائے اور ہم اُسے زندہ چھوڑ دیں۔"

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں بدرشاہ معاملہ بہت سنجیدہ ہے پہلے تم اس کی تفصیل سن لو اس کے بعد تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گی۔"

"بسم اللہ جی۔" اور میں نے بدرشاہ کو انسپکٹر غالب سے لے کر قیصر پرویز تک کے سارے واقعات سنا دیے۔ بدرشاہ بہت گہرے انداز میں میری سنائی ہوئی اس کہانی پہ غور کر رہا تھا اس بات کا اندازہ اس بات سے ہوتا تھا کہ میرے خاموش ہونے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک کچھ نہیں بولا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

"ہمیں اجازت دو شارق بھائی کہ اپنی سیکنڈ ہینڈ کھوپڑی سے بھی کچھ سوچ کر لو لیں۔"

"کہو یار تمہاری کھوپڑی سیکنڈ ہینڈ کب ہے؟ جب بھی تم نے اس کھوپڑی سے کام لیا کچھ گل ہی کھلائے ہیں۔"

"یہ تو آپ کی دعائیں ہیں۔ ویسے شارق بھائی اس سے پہلے ایک بات اور بتا دوں آپ کو خوشی ہو گی۔"

"ہاں بتاؤ میں خوشی کی باتیں سننا چاہتا ہوں۔"

"ہم نے ایک کاروبار شروع کیا ہے شریفوں والا ایک فرم ہوتی ہے چند لوگوں کی شراکت سے بات یہ ہے شارق بھائی کہ اب یہ کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ مگر یہ سارے جو اپنے پاس پل رہے ہیں نا اپنے پہ جان دیتے ہیں اور ہم بھی خود سے انہیں جدا نہیں کرنا چاہتے۔ کوشش کر رہے ہیں کہ آمدنی کا کوئی ذریعہ ہو جائے تو یہ کالا دھندہ بند کر دیں۔ غنڈے تو نہیں کہلائیں گے کم از کم۔ ہاں غنڈوں کے لیے ہم ہمیشہ غنڈے رہیں گے۔ ہم نے فرم کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا کام کریں گے مگر جائز طریقے سے۔ آپ ہمیں مبارک باد دیں۔"

"بدرشاہ نہ صرف مبارکباد بلکہ تم سے تفصیلات معلوم کرنے کے بعد میں اپنی خدمات بھی تمہیں پیش کروں گا۔"

"او جیو شارق بھائی۔ بس ٹھیک ہے اور کیا چاہیے۔" بدرشاہ نے کہا پھر بولا۔ "ہاں تو شارق بھائی پہلی بات تو یہ کہ میرے چار باڈی گارڈ ڈے اینڈ نائٹ آپ کی رکھوالی کریں گے اور ہمیں اجازت دیجیے کہ وہ خفیہ طور پر ہی ایسے آدمی کو ٹھیک کر دیں جو آپ کی طرف رُخ کرے۔"

"ہاں بدرشاہ یہ تو کرنا ہو گا۔"

"اوہو شارق بھائی تم نے خوش کر دیا۔ اس کے علاوہ شارق بھائی ایک بات اور ہے اگر مان لو تو؟"

"ہاں بولو۔"

"لڑکی اور اُس کی ماں کو فاروقی صاحب کے ہاں رکھنا مناسب نہیں ہے۔ تم بتا چکے ہو کہ تم فاروقی صاحب کے ساتھ اُن کے گھر گئے تھے۔ فاروقی صاحب کو بھی وہ آپ کے ساتھ شامل سمجھ سکتے ہیں۔"

"ہاں اِس بات کے امکانات تو ہیں۔"

"تو بیچارے فاروقی صاحب بوڑھے آدمی ہیں۔ ٹھیک ہے ہم چھ چار آدمی اُن کے پاس بھی چھوڑ دیں گے۔ مگر پھر بھی وہ خطرے میں پڑ جائیں گے کیا فائدہ؟ ماں بیٹی کو کہیں اور پہنچا دو۔"

"ہوں! اچھا مشورہ ہے بدرشاہ ٹھیک ہے میں ایسا کر لوں گا۔"

"کیا کرو گے بھائی۔ ہم انتظام کر دیں؟"

"نہیں بدرشاہ تمہیں بس دو آدمیوں کا انتظام کرنا ہوگا۔"

"ہو گیا جی اور بتاؤ۔"

"بس یہی چاہتا ہوں۔"

"لو جی یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ کوئی بڑا کام بتاؤ شارق بھائی۔"

"بس بدرشاہ یہ بہت بڑا کام ہے اور اِس بار ذرا سنجیدگی سے کرنا ہے کیونکہ میں اپنی ذمہ داریاں پوری کیے بغیر مرنا بھی نہیں چاہتا۔"

"مر گئے شارق بھائی کو مارنے والے۔ شارق بھائی تک پہنچنے سے پہلے انہیں بہت سی لاشوں سے گزرنا ہوگا۔ ٹھیک ہے شارق بھائی۔ یہ مسئلہ تو تم چھوڑ ہی دو۔ ہم خود اس بارے میں فیصلہ کر لیں گے۔"

"میں تمہارے اُس مشورے پر فوری عمل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"فوری عمل کرنا بھی ہے۔ اب وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا۔" بدرشاہ نے کہا اور میں مسکرا دیا۔

"تو [illegible] ہو جاؤ۔"

"[illegible] جائے پی لیں۔ اٹھتے ہیں ابھی مگر یہ کہاں جاؤ گے اُن دونوں [illegible]؟"

"ایک ہی ٹھکانہ ہے اپنا جو فاروقی صاحب نے کر دیا تھا۔ بہت سے لوگوں کے کام آچکا ہے اور آتا رہے گا۔ اُس کا یہ مصرف مجھے بہت زیادہ پسند آیا ہے۔"

"اوہو آپ کی کوٹھی؟" میں الفاظ چبا چبا کر بولا۔

"نہیں جی بہت اچھی جگہ ہے اور یہ بہت اچھی بات ہے کہ کسی کو اس کے بارے میں پتا بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے شارق بھائی اسے اس طرح کے کاموں کے لیے پڑا رہنے دو۔ ویسے ابھی کونسی شادی کر رہے ہو کہ بیوی بچوں کے لیے ٹھکانہ چاہیے۔" بدرشاہ نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد چائے آ گئی تھی۔ چائے پینے کے بعد بدرشاہ مجھ سے اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لیے باہر چلا گیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ میرے لیے باڈی گارڈز کا انتظام کرنے گیا ہے۔ اُس نے زیادہ دیر نہ لگائی اور دروازے پر واپس آکر بولا۔

"آئیے شارق بھائی۔"

اور میں باہر نکل آیا۔ احاطے کے باہر نکلنے کے بعد اُس نے کہا۔

"آپ اپنی گاڑی میں چلو۔ میں اِن لوگوں کے ساتھ آتا ہوں۔"

میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی اور پھر میں نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ رُخ فاروقی صاحب کے مکان ہی کا تھا۔ فاروقی صاحب حیران تو ہوں گے لیکن اس کے ساتھ نوشابہ اُس کی ماں بھی بیچاری پریشان ہو جائیں گی۔ کوٹھی میں رہنا اُن کے لیے بڑا عجیب ہوگا لیکن اس کے علاوہ چارۂ کار بھی نہیں تھا۔ بدرشاہ کا کہنا بالکل درست تھا۔ فاروقی صاحب کے ہاں کوئی کارروائی بھی ہو سکتی تھی۔ گاڑیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں اور پھر وہ اُس جگہ پہنچ گئیں جہاں فاروقی صاحب کا مکان تھا۔ بدرشاہ نے مجھ سے کافی فاصلے پر اپنی گاڑی روک دی تھی۔ بہرطور میں کار سے اترا اور فاروقی صاحب کے دروازے پر جا کر بیل بجانے لگا۔ دروازہ فاروقی صاحب نے ہی کھولا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ چونک پڑے

"آؤ شارق... خیریت؟"

"ہاں فاروقی صاحب خیریت ہے۔"

"آؤ اندر آجاؤ۔" انہوں نے کہا اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔ میں فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہو گیا تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد چچی جان بھی آگئیں۔ مجھے دیکھ کر بولیں "خیریت بیٹے۔ کیا بات ہے؟"

"بس چچی جان فاروقی صاحب سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔"

"کچھ پیو گے؟"

"نہیں بالکل نہیں۔ آپ بھی بیٹھ جائیے کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آپ سے چھپانے کی ہو۔"

"دو منٹ میں واپس آتی ہوں۔" چچی جان نے کہا اور باہر نکل گئیں۔ فاروقی صاحب سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے

"بات یہ ہے فاروقی صاحب کہ جن لوگوں کے بزرگ ہوتے ہیں وہ بزدل ہو جاتے ہیں۔"

"سبحان اللہ یہ تحقیق کر کے واپس آئے ہو" فاروقی صاحب کسی قدر تمسخرانہ انداز میں بولے۔

"جی ہاں۔ بالکل۔ تھوڑی دیر پہلے یعنی اُس وقت جب میں آپ کے پاس سے جا رہا تھا میرے ذہن کے کسی گوشے میں خوف کا کوئی تصور نہیں تھا۔ آپ نے کچھ اس طرح ڈرا دیا کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں واقعی قیصر پرویز میرے خلاف کوئی کارروائی ہی نہ کر ڈالے۔"

"خیر یہ تو اچھا کیا تم نے۔ میں احمقانہ دلیری کا قائل ہی نہیں ہوں۔" فاروقی صاحب نے کہا۔

"اور جب یہ خیال دل میں آیا تو پھر ایک اور خیال بھی ذہن میں آگیا۔"

"وہ کیا؟" فاروقی صاحب نے سوال کیا۔

"میں نے سوچا کہ میں تو کسی نہ کسی طرح بھاگ دوڑ کر کے جان بچا لوں گا لیکن فاروقی صاحب کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ قیصر پرویز کو اس بات کا شبہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ آپ بھی میرے ساتھ اِس مسئلے میں شریک ہیں چنانچہ اگر اُسے لڑکی اور اُس کی ماں کی تلاش ہوئی تو وہ سیدھا آپ کی جانب ہی رُخ کرے گا۔ دیکھیے نا چالاک آدمی ہے پہلے وہ نشان مٹانے کی کوشش کرے گا جو اُس کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں اور اس وقت اُس کے خلاف استعمال ہونے والے دو مہرے نوشابہ اور اُس کی ماں ہے۔ میں نے فوراً ہی سوچا فاروقی صاحب کہ اس سلسلے میں بھی کوئی کارروائی کرنی چاہیے اور پھر بدرشاہ نے میرے اس شبہے کی تصدیق کر دی۔ اُس نے کہا کہ بلاشبہ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے چنانچہ فاروقی صاحب اِس وقت جو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اُس کا مقصد یہ ہے کہ نوشابہ اور اُس کی ماں کو یہاں سے لے جاؤں۔"

"ہوں! میں بہت سی باتیں کہہ سکتا ہوں اِس بات کے جواب میں لیکن بات چونکہ اتنی ٹھوس ہے کہ کچھ کہنے سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔ ویسے ہم بھی یہاں بڑے دلیر آدمی ہیں ڈرتے نہیں ہیں کسی سے لیکن اس وقت تمہارے اس فیصلے سے میں متفق ہوں پوری طرح متفق۔ بیشک انہیں یہاں سے لے جانا مناسب ہوگا۔ کہاں لے جاؤ گے؟"

"وہیں جہاں کا انتظام آپ نے کیا ہے۔"

"سمجھ گیا کوٹھی؟"

"ہاں۔"

"بہت بہتر رہے گا۔ میں خدا کی قسم کسی غلط نظریے سے نہیں کہہ رہا ظاہر ہے یہ بات تم سے کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تم مجھے سمجھتے ہو لیکن میں کہتا ہوں یہ انتہائی ضروری ہے بلکہ اس سلسلے میں اگر میری ایک اور تجویز مان لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔"

"جی فرمائیے۔"

"تم اپنی چچی جان کو بھی ساتھ ہی لے جاؤ۔ وہ بھی اس جہاد میں تھوڑا بہت حصہ لے لیں تو اچھا ہے۔ وہاں دونوں ماں بیٹیاں تنہائی محسوس کریں گی اگر تمہاری چچی جان ساتھ ہوں گی تو انہیں کوئی احساس نہیں ہوگا اور ایک بات اور کہوں؟"

"جی فرمائیے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"آج کل تو تم [illegible] ہو رات کو؟"

"جی ہاں آپ کو بتایا [illegible] تفصیل آپ کو بتا دی تھی۔"

"بالکل بالکل تو تم استاد چھوٹے کو فلیٹ پر رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہو سکے تو انہیں بھی وہیں متعین کر دو۔ مسئلہ ہی حل ہو جائے گا۔"

"فاروقی صاحب آپ تو کمال کر رہے ہیں۔ ایسی عمدہ باتیں کہہ رہے ہیں کہ میں حیران ہوا جا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے فلیٹ کچھ عرصے کے لیے چھوڑ دینا ہی مناسب ہے کیونکہ قیصر پرویز ہر وہ کوشش کرے گا جو اُس کے لیے ممکن ہو سکتی ہے میں تو آشیانے میں رہ رہا ہوں۔ استاد چھوٹے کو مستقل کوٹھی پر منتقل کر دیا جانا ہے بلکہ میرا خیال ہے چند روز کے لیے استاد کو دفتر آنے سے بھی روک دیا جائے۔"

"بہت مناسب فیصلہ ہے بھئی دیکھو نا دشمن سے ہوشیار رہنا ہی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے ہم کسی بھی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑ سکتے۔"

"تو پھر چچی جان سے بات آپ کر لیجیے۔"

"میاں ہماری بیگم ہیں کسی بھی کام کے لیے تمہیں منع تھوڑی

کریں گی۔" اُسی دوران بیگم صاحبہ اندر آگئیں اور فاروقی صاحب مسکرا کر انہیں دیکھنے لگے "آپ نے دروازے سے ہمارے الفاظ سُن لیے ہوں گے۔"

"ہاں تعجب ہے آپ میرے پیچھے بھی میری کچھ تعریفیں کر دیتے ہیں۔ یہ بات آج ہی مجھے معلوم ہوئی۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں" فاروقی صاحب ہنسنے لگے پھر بولے۔ "ایک سنجیدہ مسئلہ ہے۔"

"کیا ہے؟"

اور بیگم صاحبہ کو فاروقی صاحب نے تمام تفصیلات بتا دیں۔ بیگم صاحبہ فوراً ہی تیار ہو گئی تھیں۔

"اچھا ہے کچھ تبدیلی آب و ہوا بھی ہو جائے گی۔ یہاں رہ کر دم گھٹنے لگا ہے۔"

"خوب سُن لیا میاں آپ نے۔ بڑے اچھے ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کے یہ الفاظ نہیں سنتے۔ پھر جائیے آپ تیاریاں کیجیے اور میرا خیال ہے تم انہیں ابھی ساتھ لے جاؤ۔"

"ہاں نوشابہ اور اُس کی ماں سے کیا کہا جائے؟" میں نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے صاف صاف بات کر لو۔ اس میں کیا حرج ہے بلواؤں؟"

"بلوا لیجیے۔" میں نے جواب دیا اور فاروقی صاحب نے اپنی بیگم سے کہا کہ اُن دونوں کو یہاں بھیج دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نوشابہ اُس کی ماں اندر آگئیں۔

مجھے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکیں اور پھر نوشابہ کی ماں نے آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچتے ہوئے کہا "شارق میاں سامنے دعائیں دینا چاپلوسی ہو جاتی ہے۔ دعائیں تو بیٹے دل سے نکلتی ہیں اور بے سہارا جو دُنیا سے مایوس ہو چکے ہوں۔ اگر کسی سہارے کو پالیں تو وہ سہارا اُن کے لیے بچانے کیا ہو جاتا ہے۔"

"آپ بالکل فکر مت کریں چچی جان۔ یہ نوشابہ جو میری بہن بن گئی ہے نا۔ مجھے بہت عزیز ہے اور بھلا میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں کوئی اس سے بدتمیزی کر کے اپنے ہاتھ پاؤں سلامت رکھ سکے۔ میں اُن لوگوں کے خلاف مسلسل جدوجہد میں مصروف ہوں اور میں نے ان پر کئی کاری ضربیں لگا دی ہیں لیکن آپ سے میں کچھ اور چاہتا ہوں۔ میرے پاس ایک گھر ہے جو خالی پڑا ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو اور نوشابہ کو وہاں منتقل کر دوں چچی جان میرا مطلب ہے مسز فاروقی بھی آپ کے ساتھ ہی رہیں گی۔ اس کے علاوہ وہاں آپ کی سہولت کے لیے تمام بندوبست کر دیا جائے گا۔ میرے ایک بزرگ اُستاد چھوٹے ہیں۔ وہ بھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔ آپ یوں سمجھ لیجیے کہ وہ جگہ دُنیا کی نگاہوں سے بالکل محفوظ ہو گی اور اس وقت تک جب تک قیصر پرویز اور اُس کا بیٹا مسعود پرویز قانون کی گرفت میں نہیں آجاتے۔ آپ لوگوں کو وہیں رہنا پڑے گا۔ بہت اچھی جگہ ہے آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔"

"بیٹے ہم تو اللہ کے بعد تمہارے سہارے پر ہیں جو فیصلہ کرو ہمیں منظور ہے۔ حکم دو کیا کرنا ہے؟"

"میں آپ کو حکم دوں گا چچی جان۔ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ یہ دیکھیے یہ کر رہی ہیں نا آپ غیریت کی باتیں۔"

"معاف کرنا بیٹا بس جذبات میں مُنہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔"

"آپ تیاری کر لیں چچی جان کے ساتھ اور ہاں بھئی نوشابہ یہ تمہارے چہرے پر ابھی بارہ کیوں بج رہے ہیں؟ چلو میرے ساتھ چلو جہاں میں تمہیں لے جا رہا ہوں۔ وہاں پہنچ کر تمہیں خوشی ہو گی۔ اپنے بھیا کا گھر دیکھو گی نا؟ لطف آئے گا۔" نوشابہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے چہرے پر جذبات کے سائے لرز رہے تھے۔ میں نے اُس کے رُخسار کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "چلو [illegible] کرو۔ [illegible] جذباتی نہیں ہوتے۔"

وہ خاموشی سے اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ پھر تھوڑی سی دیر کے بعد میں اپنی کار میں چچی جان نوشابہ اور اُس کی ماں کو لیے ہوئے اپنی کوٹھی کی جانب جا رہا تھا۔ عقب نما آئینے میں، میں نے بدر شاہ کو دیکھ لیا تھا جو ایک جیپ میں سوار تھا۔ دو تین موٹر سائیکلیں بھی ساتھ تھیں۔ باقاعدہ انتظامات کر لیے گئے تھے۔ ویسے بدر شاہ میرے لیے بہت محنت کر رہا تھا جس پر میں اُس کا تہہ دل سے شکر گزار تھا کس کس کا شکر گزار ہوتا۔ میرے ساتھ تو جو لوگ تھے انہوں نے حقِ دوستی ادا کر دیا تھا۔ کوٹھی میں داخل ہو کر نوشابہ اور اُس کی ماں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ چچی جان اور بیگم فاروقی، تو پہلے بھی اس کوٹھی کو دیکھ چکی تھیں۔ فاروقی صاحب نے ہی اسے خریدا تھا اور ویسے بھی ایک بار یہاں آ چکی تھیں لیکن نوشابہ اور اُس کی ماں کی آنکھیں بڑی حیران نظر آ رہی تھیں۔ نوشابہ کی ماں نے کچھ سرگوشی کے انداز میں بیگم فاروقی سے کہا۔

بیگم فاروقی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں شارق

کا گھر ہے۔"

میں اُن لوگوں کو اندر لے آیا اور پھر میں نے چچی جان سے کہا۔ "چچی جان آپ یہاں کے تقریباً تمام معاملات سے واقف ہیں۔ کچن موجود ہے اور یہ نوشابہ کھانے وغیرہ سُنا ہے بہت اچھے پکا لیتی ہے۔ کسی دن چکھیں گے اس کے ہاتھ کا کھانا بشرطیکہ فرصت ملی لیکن آپ لوگ یہاں بہت خوش رہیں گی۔ میرا خیال ہے اپنے پسند کے کمروں کا انتخاب کر لیں اور کوئی تکلف اگر یہ لوگ کریں تو آپ مجھے فوراً بتا دیجیے۔"

"میری موجودگی میں یہ تکلف کریں گی کیسے؟" مسز فاروقی نے کہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد اُستاد چھوٹے یہاں پہنچ جائیں گے اور یہیں قیام کریں گے۔ آپ لوگ بالکل اطمینان سے یہاں رہیں۔ کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" بیگم فاروقی نے کہا اور میں اُن دونوں ماں بیٹیوں کی طرف دیکھنے لگا جو مطمئن نظر آ رہی تھیں نوشابہ کی آنکھوں میں اب بھی عجیب سے آثار تھے۔ بہر طور میں انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔ باہر پہنچا اور تھوڑی دور تک پیدل ہی چلتا رہا۔

بدر شاہ جیپ سے اُتر کر میرے پاس آ گیا تھا۔ "جی شارق بھائی جی۔"

"بدر شاہ! بالکل ٹھیک ہے۔ میں تھوڑی دیر کے بعد اُستاد چھوٹے کو یہاں بھیج دوں گا۔"

"اس کے علاوہ میں نے دو آدمیوں کی ڈیوٹی یہاں مستقل لگا دی ہے۔" بدر شاہ نے جواب دیا اور میں پُرخیالی انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے بدر شاہ! اُستاد چھوٹے سے اُن کے بارے میں کہہ دوں۔ ورنہ کوٹھی کے دروازے تک پہنچنے والے ہر شخص کو وہ آڑے ہاتھوں لیں گے۔"

"ہاں انہیں بتا دو۔ ویسے بھی اُستاد چھوٹے کو تو وہ پہچانتے ہوں گے۔"

"جن لوگوں کو میں نے یہاں تعینات کیا ہے وہ صرف تمہیں پہچانتے ہیں اور مجھے۔" بدر شاہ اپنے آدمیوں کی جانب بڑھ گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آ گیا۔

"اب کیا ارادہ ہے شارق بھائی؟"

"بس کوٹھی جاؤں گا۔"

"تو پھر یہاں سے اللہ حافظ۔" بدر شاہ نے کہا اور میں نے اُس سے مصافحہ کر کے اُسے رخصت کر دیا۔

میں جانتا تھا کہ یہاں سے بدر شاہ کے آدمی میرا تعاقب کریں گے اور اس کا اندازہ بھی میں نے تھوڑی دیر کے بعد ہی لگا لیا۔ وہ لوگ کوٹھی تک میرے ساتھ ساتھ ہی آئے تھے۔ لیکن بڑی احتیاط سے۔ ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا اگر مجھے معلوم نہ ہوتا تو میں بھی شاید ان پر توجہ نہ دے پاتا۔ رات کافی گزر گئی تھی اور کوٹھی میں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ میں ان دنوں مسلسل غیر حاضریاں کر رہا تھا گو ابھی تک سرکاری طور پر مجھ سے کوئی بازپرس نہیں ہوئی تھی لیکن کسی بھی وقت ہو سکتی تھی بہر طور میں اندر پہنچ گیا۔ کسی سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ سب کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے کمروں میں پہنچ گئے تھے چنانچہ میں بھی اپنے کمرے میں آگیا۔ یہاں پہنچ کر دروازہ بند کر کے میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اُستاد چھوٹے کو فلیٹ پر رِنگ کر دیا۔ دوسری طرف سے فون موصول ہونے کے بعد میں نے اُستاد چھوٹے کو مفصل طور پر ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ وہ کوٹھی پہنچ جائیں اور اُن لوگوں کے ساتھ ہی قیام کریں۔ اُستاد چھوٹے بیچارے بے غبار انسان تھے۔ انہوں نے مستعدی سے کہا کہ وہ پہنچ رہے ہیں۔ میں نے بدر شاہ کے اُن دونوں آدمیوں کے بارے میں بھی اُستاد چھوٹے کو بتا دیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا۔ آج کے معمولات خاصے سنسنی خیز رہے تھے۔ اس لیے بستر پر لیٹ کر سوچنے کے لیے میرے پاس کافی مواد موجود تھا۔ طبیعت اندر سے بہت خوش تھی۔ قیصر پرویز سے میں نے اُس کے دو ساتھیوں کی موجودگی میں جو کچھ کہا تھا۔ قیصر پرویز کے لیے وہ ڈوب مرنے کا مقام تھا اور اب دیکھنا یہ تھا کہ قیصر پرویز اس سلسلے میں کیا اقدامات کر رہے ہیں۔ میں ابھی اس وقت تک کی کارروائیوں سے بے حد مطمئن تھا اور بہت پُرسکون تھا چنانچہ مجھے نیند آگئی۔ صبح معمول کے مطابق جاگا ہشاش بشاش آج ذرا تفریحی موڈ بن گیا تھا چنانچہ لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد باہر نکل آیا اور سب سے پہلی ملاقات عصمت بھابی سے ہو گئی۔ سلام وغیرہ سے فارغ ہو کر اُن کے مزاج پوچھے۔

عصمت بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کچن میں ہیں۔"

"کون؟" میں نے متعجبانہ انداز میں سوال کیا۔

"جاؤ۔ جاؤ تجاہلِ عارفانہ سے کام نہ لو۔ جن کی تلاش میں

تمہاری نگاہیں بھٹک رہی ہیں میں اُس کے بارے میں تمہیں بتا رہی ہوں"

میں عصمت بھابی کی بات سمجھا تو میرے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا۔ "واہ عصمت بھابی زندہ باد۔ زندہ باد۔ دُنیا آپ کے دم سے قائم ہے۔" میں یہ کہتا ہوا باورچی خانے کی جانب چلا گیا اور اندر پہنچ کر صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔

جاوداں نے باورچیوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا ناشتا بھی وہی تیار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر کھل اُٹھی۔

"ہیلو آئیے۔" اُس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"حاضر ہوں۔"

"چائے پلواؤں؟"

"آپ پلوائیں گی تو ظاہر ہے انکار کون کر سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ آج کل غیر حاضریاں بہت زیادہ ہو رہی ہیں؟"

"ہاں کچھ مصروف ہو گیا ہوں۔"

"خیر میں کام کو ہر چیز پہ مقدم قرار دیتی ہوں۔"

"مجھے تعجب ہے مس جاوداں آپ کی زبان تو بالکل صاف ہو گئی۔"

"مذاق اُڑانے کی نہیں ہو رہی میں آپ کا مذاق نہیں اُڑا رہی۔"

"نہیں۔ نہیں میں واقعی خوش ہوں۔"

"چلو پھر ناشتے کے کمرے میں پہنچ جاؤ۔ ناشتا پہنچنے والا ہے۔"

"لیکن جاوداں یہ سب کچھ۔"

"بھئی مجھے میرا کام کرنے دو۔ میں اس سلسلے میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتی۔"

میں نے شانے ہلائے۔ جاوداں نے اس دوران چائے بنا کر مجھے دے دی تھی چنانچہ میں چائے کی پیالی لے کر بولا۔ "مجھے حکم ملا ہے کہ میں ناشتے کے کمرے میں جاؤں۔ اِس چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یہاں نہیں پی لو۔" جاوداں نے کہا اور آہستہ سے ہنس پڑی۔ میں یہاں نے پیتا رہا تھا جاوداں واقعی بڑی سنجیدگی سے کھانے پینے کی اشیا کی دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ میری چائے کی پیالی ختم ہوئی تو اُس نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔

"تشریف لے جائیے۔ باورچی خانے میں آپ کی موجودگی مشکوک نگاہوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ ویسے آپ کے لیے چند خوبصورت اطلاعات بھی ہیں۔"

"خوبصورت؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں میرے خیال میں خوبصورت ہی ہیں۔"

"کب معلومات حاصل ہو سکیں گی اُن کے بارے میں؟"

"ناشتے کے بعد بشرطیکہ ناشتے کے فوراً ہی بعد بھاگ جانے کا ارادہ نہ ہو۔" جاوداں نے جواب دیا اور میں شانے ہلا کر باہر نکل آیا۔

بڑی حیرت کی بات تھی جاوداں پتا نہیں کیوں گاڑھے گاڑھے الفاظ استعمال کیا کرتی تھی لیکن اب وہ بالکل معتدل تھی۔ پتا نہیں دوسرے لوگوں پہ اُس کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ویسے لالہ رُخ کے بارے میں، میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جس سے ایک بار چڑ جائے بس ہمیشہ ہی چڑی رہتی ہے اور پھر کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ وہ دوست ہو جائے اوپر سے نیلوفر تھی جو بہت کچھ سننے کے بعد ہمت نہیں ہاری تھی۔ بہرطور اِن کی موجودگی سے تو تصویرِ کائنات میں رنگ تھا ورنہ اور تھا ہی کیا اِس کوٹھی میں؟ شفیق بھابی کے چہرے سے بھی یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ نیلوفر نے انہیں میری بد کلامی کے بارے میں تفصیلات بتا دی ہیں معمولات جوں کے توں تھے۔

ناشتے کی میز پر شوکت چاہ بہت چہک رہے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے۔ "میاں خوب فائدہ اُٹھا رہے ہیں آپ ہماری دی ہوئی اس رعایت کا۔ یہ دو دن سے شام کے کھانے پر میرا مطلب ہے رات کے کھانے پر آپ سے ملاقات ہی نہیں ہو رہی۔"

میں نے اندازہ لگا لیا تھا چچا جان کہ آپ ایک با اصول آدمی ہیں اور اصولوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ پسند نہیں کرتے۔ آپ یقین کیجیے میں مصروف تھا۔"

"ویری گڈ بھئی بہت بڑا درجہ مل گیا ہمیں تو ٹھیک ہے مصروفیت میں ہم کبھی دخل اندازی کرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن آج کے پروگرام میں تمہاری شرکت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ پروگرام ہمارے اعزاز میں ترتیب دیا گیا ہے۔"

"خوب کیا پروگرام ہے چچا جان؟" میں نے سوال کیا۔

"بھئی ان تمام لوگوں کو تو بتا دیا ہے ہم نے بلکہ احمد کمال میاں یہاں خود آئے تھے اور آپ سب لوگوں کو دعوت دے گئے ہیں۔ احمد کمال ہمارے قدیم دوستوں میں سے ہیں۔ تمہارے والد صاحب سے بھی اُن کے اچھے مراسم تھے۔ نوابزدہ احمد کمال اِس وقت تمہارے شہر کے بڑے صنعت کاروں میں سے ہیں اور انہوں نے ہی آج شام کو ہمیں اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا ہے چنانچہ ہم سب کو چلنا چاہیے۔"

"جو حکم چچا جان۔ کس وقت جائیں گے؟"

"ساڑھے سات بجے کا وقت دیا ہے ہم نے اُنہیں۔ سات بجے یہاں سے نکل جانا ہوگا۔ اب عین کھانے کے وقت پہ پہنچنا بلاشبہ بڑے لوگوں کا کام ہے لیکن کبھی کبھی بڑائی سے ہٹ بھی جانا چاہیے۔ کیا خیال ہے؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو آپ سمجھ لیجیے کہ سات بجے نکلنے کے لیے کس وقت یہاں پہنچنا ضروری ہوگا۔"

"آپ اطمینان رکھیے۔ بس آپ کا حکم کافی ہے۔" میں نے سعادت مندی سے کہا اور یونہی میری نگاہیں عصمت بھابی کی جانب اُٹھ گئیں۔ وہ ایک دم سے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئی تھیں بیچاری عصمت بھابی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر شرارتاً ہی نیلوفر اور لالہ رُخ کی جانب دیکھا دونوں خاموشی سے ناشتے میں مصروف تھیں۔ آج کی مصروفیات کا بھی کوئی تعین نہیں تھا لیکن معمولات میں کوئی رخنہ اندازی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بہرطور تمام تر تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور میں ناشتا کر کے باہر نکل آیا تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ سُرخ رنگ کی ایک کار کو اپنے عقب میں دیکھا۔ عقب نما آئینے سے اُس کا جائزہ لیا تو گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بدرشاہ کے آدمی تھے۔ بیچارہ بدرشاہ میرے لیے اس قدر مستعد رہتا تھا کہ بعض اوقات تو مجھے شرمندگی ہونے لگتی تھی۔ بہرطور اِس وقت اُن کی ضرورت بھی تھی۔ انہوں نے یقیناً میرے لیے کوئی منصوبہ بندی کی ہو گی۔ بدرشاہ ان معاملات میں کافی تیز آدمی تھا۔ میں وہاں سے سیدھا دفتر ہی پہنچا تھا۔ معمول کے مطابق جاوید قریشی اور فاروقی صاحب فائلیں ترتیب دے رہے تھے انہیں ساڑھے دس بجے کورٹ پہنچنا تھا۔ جاوید قریشی نے پوچھا۔ "کیوں کیا پروگرام ہے؟ کیا کورٹ چلنا ہے؟"

"میں کیا کروں گا جا کر؟ میں تو دفتری قسم کا وکیل ہوں۔" میں نے جواب دیا اور جاوید قریشی ہنسنے لگے۔

"سنا ہے آپ نے فاروقی صاحب یہ دفتری قسم کے وکیل صاحب کیا فرما رہے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں بھئی۔ خیر کوئی بات نہیں ہم چلتے ہیں۔ تم کب تک یہاں رہو گے شارق؟" فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"کوئی کام ہے؟"

"نہیں ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔"

"ابھی تو کوئی پروگرام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کی واپسی پہ یہیں مل جاؤں۔"

"ٹھیک ہے خاص بات نہیں تھی بس یونہی سوچا واپس آنے کے بعد کچھ گپیں لڑائیں گے۔" فاروقی صاحب اور جاوید قریشی ایک ساتھ باہر نکل گئے۔

استاد چپڑتے دفتر میں موجود نہیں تھے لیکن دفتر میں اب دو چپراسیوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ باہر ہی بیٹھے ہوئے تھے ویسے بھی مجھے اُن سے کوئی خاص کام نہیں تھا تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ایک فون موصول ہوا دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی "شارق حسین صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"رکھتے ہیں۔ کون صاحبہ بول رہی ہیں؟"

"نگہت شیراز۔"

"جی شارق صاحب ہی بول رہے ہیں اِدھر بھی۔" میں نے جواب دیا۔

"فارغ ہیں؟"

"خدا کے فضل سے۔" میں نے جواب دیا۔

"میں آ رہی ہوں۔"

"آ جائیے تشریف لے آئیے۔" میں نے کہا اور فون بند ہو گیا۔

نگہت شیراز نے دو تین دن کے بعد رابطہ قائم کیا تھا۔ مجھے یاد تھا کہ میں نے اُس کے سپرد کیا ذمہ داریاں کی ہیں۔ بہرطور میں بے چینی سے اُس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً پچیس منٹ کے بعد نگہت نے دروازے پہ دستک دی اور میری اجازت ملنے پر اندر آ گئی۔ خوبصورت سادہ سے لباس میں ملبوس تھی اور بہت دلکش نظر آ رہی تھی۔ ہاتھ میں ایک خاص قسم کا فائل کور دبا ہوا تھا جس میں کچھ کاغذات لگے تھے۔ اندر آ کر مجھے سلام کیا اور مجھ سے اجازت لے کر کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"کیسے کیسی ہیں آپ؟"

"کیسی لگ رہی ہوں؟" اُس نے سوال کیا۔

"بہت عمدہ اور میں اسی بات پہ اعتراض کرنے والا تھا۔"

"کیسا اعتراض؟" اُس نے سوال کیا۔

"اتنے خوبصورت لباس پہن کر اِس دفتر میں نہ آیا کریں۔ خواہ مخواہ ذہن خراب ہوتا ہے۔"

"توبہ۔ توبہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ میں نے آپ کو چیف

کہنا چھوڑ دیا ہے تو آپ کچھ حد سے زیادہ بے تکلفی پر آمادہ ہو رہے ہیں۔" نگہت نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اسے حد سے زیادہ بے تکلفی نہیں کہا جا سکتا۔"

"نہیں کہا جا سکتا؟" نگہت جیسے خوش ہو کر بولی۔

"ہاں بالکل۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"سوری چیف۔"

"کیا؟ کیا مطلب؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔

"میرا مطلب ہے سوری شارق صاحب۔"

"بہت اچھے موڈ میں ہو۔" میں نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا

"ہاں۔"

"وجہ بھی ہو گی؟"

"ہاں۔ بلا وجہ کسی کا موڈ اچھا ہوتا ہے؟" نگہت نے کہا۔

"تو پھر یہ غنچہ لب کھلیں گے؟"

"کھلنا ہی چاہتے ہیں۔" نگہت مسکرا کر بولی اور اس نے اپنی بغل میں دبا ہوا خاص قسم کا فائل کھول لیا۔ اس میں زپ لگی ہوئی تھی۔ زپ کھولنے کے بعد اس نے ایک سفید کاغذ نکال کر اپنے سامنے کھول لیا۔ "جو ذمہ داری میرے سپرد کی گئی تھی اس دوران میں اسی پہ کام کرتی رہی ہوں۔"

"مجھے یقین تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی بے چینی وغیرہ نہیں ہے؟"

"بہت بہت زیادہ ہے۔"

"گڈ۔ گڈ اس کا مقصد ہے کہ ہمارے کام کی کوئی اہمیت ہے۔"

"کیوں نہیں بشرطیکہ تم نے عقلمندی سے کیا ہو۔"

"مطلب کیا ہے؟ کیا ہماری عقلمندی میں کوئی شبہ تصور کیا جاتا ہے؟"

ویسے تو کوئی بات نہیں ہے بس وہی ذرا خاتون والا معاملہ ہے یعنی وہ کیا ہے کچھ تخمون وغیرہ کا تذکرہ آتا ہے اس میں:

"بھول جایئے ساری مثالیں آپ ہی حضرات کی تراشی ہوئی ہیں۔ پتا نہیں کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو۔ خیر چھوڑیئے۔ تفصیلی رپورٹ پیش خدمت ہے۔ اس رپورٹ کے سلسلے میں مبلغ بارہ سو ساٹھ روپے خرچ ہوئے ہیں اور تین دن کی شدید مصروفیات جن کی بنا پر احتری صاحب سے جھاڑ بھی کھانی پڑی ہے لیکن بہر طور تمام باتوں کا حساب کتاب کر کے بل آپ کو پیش کر دیا جائے گا۔"

"کام سے پہلے بل کا تذکرہ کرنا گھٹیا پن کی دلیل ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کاروبار ایسے ہی ہوتا ہے جناب۔ معافی چاہتی ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے کام کی تفصیلات عرض کی جائیں۔" میں نے کہا اور نگہت نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی پھر اس نے اپنی نگاہیں کاغذ پر جما دی تھیں۔

"قیصر پرویز ولد شیر خان ولد فقیر خان۔ فقیر خان مشہور شاہی دہی بڑے بیچتے تھے اور شہر کے ایک قدیم گوشے میں انہیں آج تک شاہی دہی بڑوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مرحوم تعویذ گنڈوں کا کاروبار بھی کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے چند عقیدت مند ان کا نام بڑے احترام سے لیا کرتے ہیں۔ پھر شیر خان نے عنانِ حکومت سنبھالی اور دہی بڑوں کے کاروبار میں کچھ اضافہ کر دیا گیا۔ خاندانی جھگڑے چل رہے تھے شیر خان کی شادی زبردستی ایک خاتون سے کر دی گئی جس کے نتیجے میں شیر خان دہی بڑوں کا سارا سامان بیچ کر فرار ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے کبھی اپنے گھر یا شاید اپنے وطن کا رخ نہیں کیا۔ آج تک لاپتا ہیں۔ شیر خان کے فرار سے فقیر خان صاحب فراش ہو گئے اور اس کے بعد یہ خاندان پریشان حالی کا شکار ہو گیا اور ایسی پریشان حالی کے عالم میں جناب قیصر پرویز صاحب تولد ہوئے۔ قیصر پرویز صاحب کے تولد ہونے کے بعد فقیر خان شاید بہو اور پوتے کی خوشی میں بہتر ہو گئے اور اس کے بعد انہوں نے اپنا کاروبار تبدیل کر لیا۔ کچھ عرصے تک ابلے ہوئے انڈے بیچتے رہے اور اس کے بعد کاروبار میں نجانے کس طرح اضافہ ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے کپڑے کی ایک بڑی دکان کھول لی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور ایک دن کپڑے کی اسی دکان پر ان کا انتقال ہو گیا۔ قیصر پرویز کی پرورش کسی ایسے شخص نے کی جو صاحبِ اولاد نہیں تھا اور پھر اس کے بعد قیصر پرویز کا شجرہ ذرا تاریکی میں چلا جاتا ہے۔ طویل عرصے کے بعد قیصر پرویز ایک بار پھر منظرِ عام پر نمودار ہوئے تو ان کی شخصیت بدل چکی تھی۔ تعلیم حاصل کر چکے تھے اور نجانے کون کون سے ذرائع سے انہوں نے بالآخر سرکاری محکمے میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ پھر ان کے ایک عشق کی داستان منظرِ عام پر آئی لیکن اس کا انجام ٹریجک نہیں ہوا بلکہ طربیہ ہوا یعنی وہ خاتون ان کی بیگم بن گئیں۔ خاتون بہت بڑے گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کے اطراف بہت مضبوط تھے جس کی بنا پر قیصر پرویز کے اطراف بھی مضبوط ہوتے چلے گئے اور اس کے بعد قیصر پرویز

کی شخصیت بالکل ہی تبدیل ہو گئی۔ فقیر خان اور شیر خان کے بارے میں صرف اس محلے میں جانا جاتا ہے اور قیصر پرویز کے حوالے سے ان دونوں کو تلاش کرنا انتہائی مشکل کام ہوا لیکن بہر طور اس طرح قیصر پرویز کا ماضی سامنے آ گیا۔ قیصر پرویز ترقی کے منازل طے کرتے رہے۔ ایک بار حکومت کی جانب سے جاپان بھی بھیجے گئے جہاں وہ تین سال تک قیام کر کے واپس آئے۔ مسئلہ کیا تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ تاہم ان کے آنے کے بعد ان کے عہدے میں اور بھی ترقی ہو گئی اور اس کے بعد قیصر پرویز ایک روشن نام بن کر ابھرے۔ اس روشنی میں انہوں نے کیا کیا، اس کی تفصیل بھی مکمل طور پر میرے پاس محفوظ ہے۔ ایک بار رشوت کے الزام میں گرفتار ہوئے اور تقریباً چھ مہینے تک زیرِ عتاب رہے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے بعد منظرِ عام پر دوبارہ آئے تو ان کی شخصیت پہلے سے بھی زیادہ مستحکم ہو چکی تھی یہ چھ مہینے انہوں نے بڑے تجربات کے مہینے گزارے تھے اور اس میں نجانے کیا کیا سیکھ آئے تھے۔ معاملات چلتے رہے اور پھر قیصر صاحب نے سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو سرکاری ٹھیکے دلوانا بھی شروع کر دیے۔ ان ٹھیکیداروں کے کام کی تفصیلات یہ الگ کاغذ میں ہیں۔ براہِ کرم نوٹ فرما لیجیے کا ممکن ہے ضرورت پیش آئے تو ان کاغذات کو دیکھ لیجیے گا۔ ان پر نمبر تین پڑا ہوا ہے تو پھر میں نمبر ایک کی جانب آتی ہوں کہ قیصر صاحب کی شہرت میں چار ضرب چالیس چاند لگ گئے اور اس کے بعد ان کی یہ کوٹھی تعمیر ہوئی جس میں وہ ان دنوں قیام پذیر ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ان کے اثاثوں کی تفصیل یہ ہے۔ براہِ کرم اس کے لیے کاغذ نمبر چار ملاحظہ فرما لیجیے۔ اس میں کچھ ایسے اثاثے ہیں جو قیصر پرویز نے جعلی ناموں سے حاصل کیے ہوئے ہیں۔ ان جعلی ناموں میں سے دو نام تو زندگی رکھتے ہیں۔ باقی کا کوئی نام و نشان نہیں ہے یہ کون تھے؟ کہاں تھے؟ کچھ معلوم نہیں ہے جو زندہ افراد ہیں ان کے پتے وغیرہ اس کاغذ نمبر [illegible] میں موجود ہیں تو یہ ہے اثاثوں کا فائل۔ اب آیئے فائل نمبر چھ کی جانب۔ یہ فائل ایک لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں وہ تفصیلات ہیں جس میں جناب قیصر پرویز کے تعلقات کچھ ایسے بدنام اور مشکوک لوگوں سے ہیں جو گورنمنٹ کی نگاہوں میں اچھے لوگ نہیں سمجھے جاتے۔ گو ان کے تعلقات بھی قیصر پرویز کی وساطت سے یا براہِ راست ایسے اہم لوگوں سے ہیں جو بگڑی بنانے میں بڑے کام آتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کا ریکارڈ اچھا نہیں ہے۔ ان میں کچھ بدنام منشیات فروش بھی ہیں اور کچھ ایسے سیٹھ حضرات بھی جو بڑے اونچے کام دکھا دیتے ہیں تو ان سیٹھ حضرات سے قیصر پرویز کے تعلقات کے بہت سے ثبوت اس فائل میں موجود ہیں چند تصاویر کے ساتھ۔ یہ تصاویر انتہائی پرائیویٹ ہیں اور اخبارات کو جاری نہیں کی گئیں۔ اب آپ یہ سوال کریں گے کہ یہ میں نے کہاں سے حاصل کیں؟ تو آپ یہ سوال بھی کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں سے میں نے قیصر پرویز کا تعلق ظاہر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اثاثے دراصل قیصر پرویز کے ہیں اور ان کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ اثاثے براہِ راست قیصر پرویز کی ایک فرم سے کنٹرول کیے جاتے ہیں اور یہ آمدنی قیصر پرویز کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے یہ چھ اکاؤنٹ نمبر ہیں جو قیصر پرویز کے ہی ہیں اور ان کی بینک سلپ بھی ہے تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ یہ سوال کریں گے کہ پتا نہیں کیا سوال کریں گے۔ خیر چھوڑیئے میں آپ سے یہ عرض کر رہی تھی کہ ان لوگوں سے قیصر پرویز کا تعلق۔ ہاں تصویروں کی بات کی جا رہی تھی تو سر یہ تصاویر میں نے اپنے وسائل سے مختلف اخباری رپورٹروں سے حاصل کی ہیں جنہوں نے تصویریں تو بنا لی تھیں لیکن انہیں اجازت نہیں ملی تھی کہ انہیں شائع کیا جائے۔ قیصر پرویز کی طرف سے انہیں ہدایات ملتی رہتی ہیں اور ہدایات کے ساتھ شاید کچھ ضروریات بھی پوری کر دی جاتی ہیں یہ فائل نمبر چھ بھی آپ کے بہت کام آئے گی۔ ان میں جن مشکوک لوگوں کے بارے میں تفصیلات بتائی گئی ہیں ان کی کچھ ایسی خفیہ پناہ گاہیں بھی درج ہیں جو بظاہر ان لوگوں سے منسوب نہیں لیکن اگر آپ ان پناہ گاہوں کی تلاشی لیں گے تو ان سے متعلق بے شمار چیزیں آپ کو مل جائیں گی۔ ان میں کچھ گودام وغیرہ بھی ہیں۔ اب آ جایئے فائل نمبر سات کی طرف۔ میں نے فائل نمبر پانچ اس لیے خاص طور سے گول رکھا ہے کہ وہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ تو فائل نمبر سات دراصل قیصر پرویز کا فائل نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عزت مآب جناب مسعود پرویز سے ہے۔ مسعود پرویز بھی معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں۔ میں اگر اس کی ایک ایک تفصیل بتاؤں گی تو ذرا طویل ہو جائے گی آپ خود دیکھیں گے تو آپ کو لطف آئے گا۔ ویسے ہر سوال کے لیے میرا فون نمبر نوٹ فرما لیجیے جس پہ آپ مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں تو بات مسعود صاحب کی ہو رہی تھی۔ مسعود پرویز بچپن سے ہی لاڈلے ہیں۔ لاڈ پیار میں پرورش پائی۔ کالج کے زمانے میں کسی خطرناک آدمی سے دشمنی چل گئی تھی جس نے انہیں

زخمی کردیا۔ اسپتال میں داخل ہوئے اور بی۔ اے کا آخری سال مکمل نہ کرسکے کیونکہ اُس نے وارننگ دے دی تھی کہ اگر قیصر پرویز کے لاڈلے دوبارہ کالج میں نظر آئے تو زندہ واپس نہیں جاسکیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تھوڑے ہی دن بعد وہ خطرناک آدمی زندہ نہ رہ سکا۔ اُس کی موت بھی قتل کے نتیجے میں واقع ہوئی۔ یہ قتل کس نے کیا یہ بات اب بھی صیغۂ راز میں ہے، نہ ہی پولیس نے اس کی کوئی چھان بین کی اور نہ اس کے بارے میں تفصیلات منظرِ عام پر آسکیں۔ اس کے بعد ایک اور نیا نام آتا ہے جو آپ کے لیے باعثِ دلکشی ہوسکتا ہے یہ ہے رجب سیٹھ۔ رجب سیٹھ بہت بڑا نام ہے جرائم پیشہ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے لیکن بس عجیب و غریب شخصیت ہے باعزت لوگ اسے باعزت سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ بے عزت ویسے عزت دار آدمی ہے اس لیے کہ بہت بڑا اڈا ہے اس کا اور وہاں سب کچھ مل جاتا ہے۔ یہ اڈا کئی حکومتوں کی نگاہوں میں آیا۔ لیکن کسی نے اُسے چھونے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ خصوصی مراعات ہیں اس اڈے کو اور اپنے مسعود پرویز کافی عرصے سے رجب سیٹھ کی آنکھوں کا تارا تھے لیکن اب ان کے اور سیٹھ رجب کے درمیان کچھ اختلافات ہوچکے ہیں جس کی تھوڑی سی تفصیل تو پتا چل گئی لیکن مکمل نہیں پتا چل سکی۔ مسعود پرویز نے اپنے طور پر کوئی ایسی کارکردگی دکھائی جو رجب سیٹھ کو پسند نہیں آئی اور رجب سیٹھ نے انہیں اپنے اڈے سے نکال دیا۔ یہ ایک وقتی غصہ تھا بعد میں انہیں رجب سیٹھ نے بلایا لیکن مسعود پرویز نے یہ کہہ کر اُس کے بلاوے کو مسترد کردیا کہ رجب سیٹھ سے ذرا دوسری ہی زبان میں بات چیت ہوگی۔ اِن الفاظ سے مشتعل ہوکر رجب سیٹھ نے مسعود پرویز کو کسی جگہ سے اٹھوالیا لیکن قیصر پرویز کو فوراً ہی اس کی اطلاع مل گئی اور قیصر پرویز فوراً ہی رجب سیٹھ کے اڈے پر پہنچ گئے جہاں انہوں نے گفتگو کرنے کے بعد مسعود پرویز کو وہاں سے حاصل کرلیا اور ان دونوں کے درمیان تعلقات کو بحال کرا دیا لیکن یہ تعلقات اب بہت دور دور سے زیرِ عمل ہیں یعنی اب مسعود پرویز کو رجب سیٹھ کے اڈے پر نہیں دیکھا جاتا تو اس وقت تک کی رپورٹیں تو یہ ہیں باقی کام جاری ہے۔ آپ خصوصی طور پر کچھ ہدایات جاری فرما دیجیے کہ اب کون سے پہلو کو ٹٹولا جائے؟ ویسے فائل نمبر پانچ جو میں مرتب کررہی ہوں وہ بھی آپ کے لیے انتہائی کارآمد ہوگی۔ اب تک کی کارکردگی کی رپورٹ پیشِ خدمت ہے۔" نگہت خاموش ہوگئی۔

اُس نے ترتیب کے ساتھ کور میں لگے ہوئے کاغذات میرے سامنے رکھ دیے اور میں خاموشی سے انگلیوں میں انگلیاں پھنسائے اُس کی صورت دیکھتا رہا۔ یہ سب کچھ جو نگہت نے کیا تھا ناقابلِ یقین تھا۔ بیشک میں نے اسے جن حالات میں پایا تھا اُن کے تحت یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب تھا کہ نگہت ایک زبردست قسم کی رپورٹر ہے لیکن وہ اتنی اعلیٰ پائے کی جاسوس بھی ہوگی اس کا مجھے اب اندازہ ہوا تھا۔ تین چار دن میں اُس نے جو معلومات اکٹھا کرلی تھیں میں کسی پر الزام تو نہیں لگاتا لیکن بڑے بڑے ذہین لوگ اِن معلومات کو اتنی جلد اکٹھا نہیں کرسکتے تھے۔

نگہت میرا چہرہ دیکھتی رہی پھر اُس نے مایوسی سے کہا۔ "غالباً میری کارکردگی نے آپ کو مطمئن نہیں کیا جناب شارق صاحب؟"

میری ہونٹوں پر تحسین آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے آہستہ سے کہا۔ "اس کے جواب میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں نگہت کہ خدا تمہاری عمر دراز کرے۔"

"لیجیے کیا بوڑھوں والی دُعا دی ہے کوئی جوان دُعا دیتے تو اچھا بھی لگتا۔ چلیے شکریہ۔ گویا آپ مطمئن ہیں؟"

"تم نے واقعی کمال کیا ہے نگہت ویسے میں تمہیں پہلے بھی یہ پیش کش کرچکا ہوں کہ اگر کبھی اخباری زندگی چھوڑنے کو جی چاہے تو یہ نہ سوچنا کہ تمہیں کچھ اور تلاش کرنا پڑے گا۔"

"ذرا وضاحت پلیز۔ وضاحت فرمائیے۔"

"مطلب یہ کہ میں تمہیں اپنے ساتھ کام کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

"آپ کے ساتھ کام کررہی ہوں۔ بس ذرا معاوضہ وغیرہ طے نہیں ہوا تھا۔"

"تو پھر سنو ایک بات سُن لو۔ میں فی الحال تمہیں پانچ ہزار روپے ماہوار پیش کروں گا۔"

"سر سوچ لیجیے۔ جذباتی ہو رہے ہیں آپ۔"

"دس ہزار کردیتا ہوں اِس رقم کو۔"

"ارے نن۔ نہیں سر۔ بخدا پانچ ہزار روپے ماہوار ہی کافی ہے مگر صورتِ حال کیا ہوگی؟ میرا مطلب ہے کہ باقاعدہ ماہانہ ملیں گے یا کام کی نوعیت پر منحصر ہوگا۔ میرا مطلب ہے کہ جب کوئی کام لیا جائے تب؟" نگہت عجیب سے انداز میں بولی اور میں ہنس پڑا۔

"شرارت بھری باتیں مت کرو۔ اس وقت میں بہت سنجیدہ ہوں۔"

"سر آپ یقین کیجیے پانچ ہزار روپے کی بات سن کر میں بھی بہت سنجیدہ ہوگئی ہوں۔ میں تو آپ کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار

ہوگئی ہوں۔ آپ حکم دیں تو کل سے آپ کے آفس میں آکر بیٹھ جاؤں ویسے ایک تجویز ہے۔"

"جی کیا تجویز ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر اخبار سے بھی منسلک رہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کا کام ذرا آسانی سے جاری رہے گا۔"

"تمہیں اخبار سے تو منسلک رہنا ہے نگہت۔ ہاں اگر کبھی اخبار سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہو تو دوسری بات ہے۔"

"بہت سے مسئلے حل ہوجاتے ہیں، ان کے ذریعے ویسے پانچ ہزار والی بات پر آپ سنجیدہ ہیں نا؟"

"یہ ایک ماہ کا ایڈوانس رکھ لو۔" میں نے جیب سے کچھ نوٹ نکالے اور اُن میں سے پانچ ہزار روپے نکال کر نگہت کو دیے جو اُس نے فوراً ہی کرسی سے اٹھ کر قبول کرلیے اور انہیں بڑے احترام سے پرس میں رکھ لیا۔

"سر اِس ایڈوانس تنخواہ کے لیے بے حد شکریہ لیکن ایک وضاحت اور ہوجاتی تو اچھا تھا۔"

"کیا؟"

"وہ پرانا حساب جو ہے اُس میں سے کچھ ماہانہ کٹوانا پڑے گا؟"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر آپ نے مجھ سے چائے کے لیے نہیں پوچھا؟"

"پوچھتا ہوں۔ چائے پیو گی؟"

"جی سر بے حد شکریہ۔" نگہت نے کہا اور میں نے دوسرے ملازم کو بلوا کر چائے لانے کے لیے کہہ دیا۔

نگہت شیراز خاموش بیٹھی انگلی سے میز کی سطح بجا رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ "سر پانچ نمبر فائل کے لیے کچھ تفصیلات ضروری تو نہیں ہیں؟"

"تم جو کچھ کررہی ہو کرتی رہو۔ میرا خیال ہے میرے لیے یہ تفصیلات کافی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

نگہت مطمئن انداز میں سر ہلانے لگی پھر وہ بولی۔ "سر ویسے یہ رجب سیٹھ کام کی چیز ثابت ہوسکتا ہے۔ جہاں تک میری ذاتی رائے ہے مسعود پرویز اور رجب سیٹھ کے درمیان دلوں کی صفائی نہیں ہوسکی ہے قیصر پرویز کے رجب سیٹھ پر شاید کچھ احسانات ہوں جن کی بناء پر اُس نے معاملہ ہموار کردیا تھا۔ ویسے وہ آدمی بڑا خطرناک ہے اور مسعود پرویز جوان۔ کیا سمجھے؟"

میں پُرخیال انداز میں نگہت کو دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔ "ضرورت پڑنے پر پھر تم سے اِس سلسلے میں گفتگو کروں گا نگہت۔"

"او کے سر۔ او کے۔ پانچ ہزار ایک اچھا اماؤنٹ ہوتا ہے۔"

"دیکھو ابھی میں تم سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوں لیکن ہو جاؤں گا۔ اُس وقت سے ڈرو۔"

"کمال ہے سر آپ جیسے لوگوں کی بے تکلفی تو بہت اچھی لگتی ہوگی۔ کبھی ہو جائیے کسی وقت۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور اُسی وقت ملازم چائے لے آیا۔ نگہت نے اپنے ہاتھوں سے ایک پیالی بنا کر مجھے پیش کی۔ دوسری خود پی اور پھر اُٹھ گئی۔ "تو پھر سر اجازت ہے؟ دوبارہ ملاقات کرنے کے لیے ٹیلیفون کرلوں گی۔"

"او کے نگہت۔" میں نے جواب دیا۔

اِس وقت میں یہی چاہتا تھا کہ وہ چلی جائے تاکہ میں یہ تمام فائل دیکھ لوں اور پھر میں ان فائلوں میں ایسا کھویا کہ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی کے آنے کا بھی پتا نہ چلا۔ دونوں نجانے کس وقت آکر کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ میں چونکا تو میں نے اُن دونوں کو دیکھا۔

جاوید قریشی نے کہا۔ "کیا چکر ہے؟ کیا چیز ہے یہ؟"

"جاوید صاحب یہ قیصر پرویز کا شجرہ نسب ہے۔ میرا خیال ہے وہ اپنے شجرے سے خود بھی اتنا واقف نہیں ہوگا جتنی معلومات اس وقت میرے پاس موجود ہیں۔"

"یہیں بیٹھے بیٹھے؟ میں پہلے ہی کہتا تھا فاروقی صاحب۔ آپ تسلیم ہی نہیں کرتے تھے۔" جاوید قریشی نے کہا۔

"کیا کہتے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"یہی کہ معاملہ کچھ روحانی معاملہ ہے۔ بغیر کسی مؤکل کے میرا مطلب ہے دوسرے والے مؤکل کے کچھ ہو نہیں سکتا جو آپ فرما رہے ہیں شارق حسین صاحب۔"

میں ہنسنے لگا تھا۔ یہ فائل دیکھ کر واقعی یہی محسوس ہوتا تھا جیسے کسی انسان نہیں بلکہ جن نے یہ کام کیا ہو ایسی تفصیلی معلومات تھیں اور پھر اُن لوگوں کی تصاویر۔ میں نے یہ تصاویر جاوید قریشی اور وکیل فاروقی کو دکھائیں اور انہوں نے ان میں سے کچھ تصویریں پہچان لیں۔

"خدا کی پناہ یہ تو ایسے لوگ ہیں جو ایک ساتھ دس دس بارہ بارہ مقدمات میں ملوث رہے ہیں۔ بڑے خطرناک لوگوں میں شمار ہوتا ہے اِن کا اور قیصر پرویز ان کا ساتھی۔ لیکن یہ تصویریں۔ یہ تصویریں تو بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان سے قیصر پرویز کا براہِ راست کوئی تعلق کبھی ثابت نہیں ہوا لیکن اِن تصویروں سے ثابت ہو سکتا ہے اوہ! میرے خدا۔ تم اِن تصویروں کو قیصر پرویز کے خلاف

باآسانی استعمال کر سکتے ہو اور بظاہر کر سکتے ہو کہ اس کا تعلق ایسے ایسے لوگوں سے ہے۔ دیکھا جاوید قریشی آخر اس نے چت کر لیا تیمور پرویز کو بھی۔" وکیل فاروقی صاحب کہنے لگے۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "نہیں فاروقی صاحب ابھی کہاں۔ ابھی تو نجانے کیا کیا کرنا ہے۔"

"یہ تصویریں تمہیں کہاں سے حاصل ہوئیں؟"

"بس ان باتوں کو جانے دیجیے۔ بقول جاوید قریشی کے میرا مؤکل کام کر رہا ہے۔" میں نے کہا اور تمام فائل بند کر کے وکیل فاروقی صاحب کے حوالے کرتے ہوئے کہا "آپ جانتے ہیں ان فائلوں کی اہمیت کیا ہے اور انہیں کس طرح محفوظ رکھنا ہے۔"

"ٹھیک ہے اطمینان رکھو میں انہیں زمین کی گہرائیوں میں دفن کر دوں گا۔"

"ارے نہیں۔ نہیں۔ مجھے ان کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"تو زمین کی گہرائیاں کھودی بھی تو جا سکتی ہیں۔" وکیل صاحب ہنس کر کہنے لگے اور ہم نجانے کب تک گپیں لڑاتے رہے تھے۔

فاروقی صاحب نے اپنے کچھ کیسوں کے بارے میں بتایا اور جاوید قریشی اُن کے سلسلے میں وکیل فاروقی سے گفتگو کرنے لگے۔ میں بھی اُن کی گفتگو میں حصہ لیتا رہا تھا۔ ویسے کسی نے مجھ سے اس بات پر اصرار نہیں کیا کہ یہ فائل کہاں سے آئے؟ پانچ بجے تک میں اُن لوگوں کے ساتھ رہا۔ وکیل فاروقی بھی اب اٹھنے والے تھے۔ جاوید قریشی تھوڑی دیر پہلے چلے گئے تھے۔ چنانچہ ہم دونوں ساتھ ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ میں وکیل فاروقی کو ان کے گھر چھوڑنے گیا۔ راستے میں، میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ آج میرا کچھ پروگرام ہے ویسے تجی جان کے چلے جانے سے یقینی طور پر وکیل صاحب کو کچھ دقتیں پیش آ رہی ہوں گی لیکن ہر طور وہ مسئلہ بھی اہم تھا۔ وکیل صاحب کو گھر چھوڑنے کے بعد میں کوٹھی کی جانب چل پڑا۔ اب ذہن کو تمام الجھنوں سے آزاد کر دینا چاہتا تھا۔ ویسے اپنی مسلح گارڈ کو میں نے دیکھ لیا تھا۔ بدر شاہ کے آدمی مسلسل میرا تعاقب کر رہے تھے اور شاید اُن کی ڈیوٹیاں بھی بدل رہی تھیں۔ اب اس مسئلے میں تو کچھ کہنا ہی بیکار تھا۔ بدر شاہ میرا انتہائی قابلِ اعتماد ساتھی تھا اور اس وقت مجھے واقعی اُس کی اس مدد کی ضرورت تھی۔ کوٹھی پہنچا اور اپنی کار اندر لیتا چلا گیا پورچ میں کار روکنے کے بعد میں نیچے اترا اور اُن ڈرائیوروں کو دیکھنے لگا جو امجد حسین، نصرت حسین اور طارق حسین صاحب کے تھے۔ گاڑیاں تیار تھیں۔ اندازہ ہوا کہ تمام ہی گاڑیاں جانے والی ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آشیانے کے سارے مکین آج کسی سمت پرواز کر رہے ہیں۔ اندر پہنچا تو پتا چلا کہ تیاریاں تو بڑے زور و شور سے جاری ہیں۔ شوکت صاحب مل گئے تھے۔ اپنے مخصوص انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے انہوں نے میرا شانہ تھپتھپایا۔

"تھینک یو ڈیئر۔ تھینک یو۔ تم نے میری بات کا اتنا خیال رکھا۔ اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں چچا جان۔"

"دیکھو بھئی عمدہ لباس کی ہو رہی ہے۔ اپنا سب سے خوبصورت لباس۔ یہ میری خواہش ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد میں نے درحقیقت بہت ہی قیمتی اور نفیس سوٹ کا انتخاب کیا تھا۔ ساڑھے سات بجے یہاں پہنچ جانا تھا اور سات بجے شاید یہاں سے نکل جانے کی ٹھہری تھی چنانچہ میں وقت مقررہ پر تیار ہو گیا۔ سبھی لوگ تیار ہو رہے تھے اور باہر نکل آئے تھے۔ میں خود بھی باہر نکل کر لان پر پہنچ گیا۔ آئی۔ جی صاحب بھی موجود تھے اور تینوں بھائی مع بھابیوں کے۔ نیلوفر وغیرہ بھی تھیں لالہ رخ ابھی نہیں آئی تھی لیکن پھر جاوداں اور لالہ رخ ساتھ ہی نکلیں اور بلاشبہ اس وقت جاوداں کو دیکھ کر نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ حسین ترین مشرقی لباس میں وہ قدیم مغلیہ دور کی کوئی شہزادی نظر آ رہی تھی اور لالہ رخ نے ایک بہت ہی خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا لیکن اس کی بدقسمتی ہی تھی کہ وہ جاوداں کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اُس کے چہرے پر احساسِ کمتری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ جاوداں بھی پہنچ گئی اور اس کے بعد ہم سب روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔

تنویر بھابی سے میں نے آہستہ سے کہا "بھابی اس قافلے کو دیکھ کر کہیں احمد کمال صاحب اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے باہر ہی نہ نکل جائیں۔"

"نہیں بھئی۔ کئی بار ان کے فون آ چکے ہیں اور بار بار سخت تقاضا کیا گیا ہے کہ گھر کے ایک ایک فرد کو لایا جائے۔ چچا شوکت سے اُن کے بہت گہرے مراسم ہیں۔" تنویر بھابی نے جواب دیا اور میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

اس کے بعد میں نے اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی باقی تین کاروں میں دوسرے لوگ سوار ہو گئے تھے۔ شوکت جاہ اور آئی جی عطرت حسین میری کار میں آ بیٹھے تھے۔ جاوداں اور دوسری لڑکیاں ایک کار میں تھیں اور پھر کاروں کا یہ قافلہ چل پڑا۔ میں اس ہوا سے شگفتگی محسوس کر رہا تھا اور تمام ذہنی الجھنیں

کہیں جا سوئی تھیں۔ راستے میں آئی جی صاحب اور شوکت جاہ کے درمیان احمد کمال کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی جس سے میں نے احمد کمال صاحب کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل کیں مجھے احمد کمال کی رہائش گاہ کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم تھا اور میں صرف دوسری کاروں کا تعاقب کر رہا تھا لیکن اس وقت لطف آ گیا جب میں نے کار اس علاقے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھی جہاں میری کوٹھی تھی۔ مزید لطف اس وقت آیا جب احمد کمال کی کوٹھی میری کوٹھی سے صرف تین کوٹھیاں چھوڑ کر نکلی۔ بہر حال کاریں کوٹھی میں داخل ہو گئیں۔

احمد کمال واقعی نوابزادہ تھے بلند و بالا قد بڑی بڑی نوابی اسٹائل کی مونچھیں روشن چہرہ روشن آنکھیں انہوں نے اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ استقبال کیا تھا اور پُرمحبت انداز میں ایک ایک سے معانقہ کیا تھا یہاں کی خواتین بھی بہت خوبصورت تھیں خاص طور سے احمد کمال صاحب کی بیٹی انیلا کمال بہت حسین نقوش کی مالک تھی۔ استقبال کے بعد ہمیں وسیع و عریض لان پر لے جایا گیا اور پھر خوش گپیاں ہونے لگیں۔ جاوداں سب کی نظروں کا مرکز تھی۔

مجھے ظاہر ہے مردوں کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ سب بزرگ تھے چنانچہ احترام بھی ضروری تھا بہر حال گپیں جاری رہیں اور کافی دیر گزر گئی۔ پھر دوسرے مہمانوں کی آمد پر تمام لوگ اٹھ گئے ہم لوگ چونکہ خصوصی طور پر پہلے بلائے گئے تھے اس لیے جس وقت ہم پہنچے اور کوئی نہیں آیا تھا۔ آنے والے سب لوگ اس پائے کے تھے جس کے احمد کمال تھے۔ ایک سے ایک شاندار کار پارک ہو رہی تھی۔

اس وقت ایک لڑکی میرے پاس رکی "شارق صاحب" میں نے چونک کر اُسے دیکھا تھا۔ "اس طرف آ جائیے آپ کو انیلا بلا رہی ہیں۔"

"انیلا؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"آئیے۔ آپ کی حفاظت کی ذمہ داری لی جاتی ہے۔" لڑکی نے شرارت سے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ انیلا احمد کمال کی بیٹی تھی میں اس کے پاس پہنچ گیا دو تین لڑکیاں یہاں موجود تھیں انہیں کے ساتھ انیلا بھی تھی۔

"ہیلو شارق صاحب۔" انیلا بولی۔

"ہیلو۔" میں نے با اخلاق انداز میں کہا۔

"ڈیڈی نے ہمارا تعارف تو کرا دیا ہے نا۔"

"جی ہاں کیوں نہیں۔"

"لیکن اس سے پہلے بھی میرا آپ سے تعارف ہے۔"

"خوب! کیسے؟"

"غائبانہ طور پر۔ آپ تو بڑے زبردست آدمی ہیں خاص طور سے اخبار والوں سے آپ کی بڑی دوستی ہے وہ آپ کی شان میں بڑے مضمون لکھتے رہتے ہیں۔"

"جی!"

"لیکن میں اخبارات کے ذریعے سے آپ کو نہیں جانتی۔ بتائیے اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے۔"

"ہار گیا!" میں نے ہنس کر کہا۔

"الماس یاد ہے آپ کو۔ نواب کی بیٹی بیگم رعنا عالم پور!"

"اوہ الماس آرا!"

"جی بالکل! وہ میری گہری دوست ہے اور آپ کی زبردست مداح اتنی کہ اس نے مجھے بھی آپ کا مداح بنا دیا اور میں اکثر اخبار میں آپ سے متعلق خبریں تلاش کرتی رہتی ہوں لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ آپ اس شکل و صورت اور حلیے کے مالک ہوں گے۔ ایسے لوگ تو بڑے خرانٹ اور خطرناک ہوتے ہیں ویسے ایک بات بتائیے یہ سارے ہیرو خوبصورت کیوں ہوتے ہیں۔"

"فلمی ہیروز کی بات کر رہی ہیں آپ!"

"ہر طرح کے ہیرو۔ ویسے یہ وبا فلموں میں زیادہ ہے فلمی ہیرو جب تک خوبصورت نہیں ہوں گے عشق نہیں کر سکیں گے قسمت کے دھنی ہوتے ہیں مگر میں فلمی ہیرو کی بات نہیں کر رہی اوہ میرے خدا۔ الماس!" انیلا نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"پھر کیا ہوا الماس کو؟"

"خلاصہ یہ ہو گیا تھا اس وقت میں نے غور نہیں کیا ورنہ الماس آپ سے محبت کرنے لگی تھی وہ آپ کے تذکرے اس محبت اور پیار سے کیا کرتی تھی کہ مگر اس وقت مجھے شبہ نہیں ہوا تھا۔"

"میرے لیے کیا خدمت ہے انیلا صاحبہ؟" میں نے پوچھا۔

"بیٹھیے آپ ہمارے پاس وہاں کہاں بوڑھوں میں بیٹھے ہوئے ہیں چہرہ جھلس جائے گا ویسے میں سب سے مل چکی ہوں۔ لالہ رخ سے نیلوفر سے اور جاوداں سے مگر اب ان سے دوستی پکی کرنی پڑے گی۔"

"الماس آج کل کہاں ہے؟"

"ٹورنٹو میں۔ خوب عیش کر رہی ہے مگر سچ بتائیے کیا وہ آپ سے محبت کرنے لگی تھی؟"

"آپ مجھ سے محبت کرنے لگی ہیں؟" میں نے سادگی سے سوال کیا اور انیلا صاحبہ چپ ہو گئیں ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا پھر ان کے چہرے پر جھلاہٹ پھیل گئی اور انہوں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نن نہیں تو!"

"میں نے ان سے پوچھا تھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا تھا۔"

"جھوٹ بولا ہوگا۔"

"آپ بھی جھوٹ بول رہی ہیں نا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ انیلا کی ساتھی لڑکیاں ہنس پڑی تھیں۔

انیلا نے خود کو سنبھالا پھر بولی "آپ واقعی بے حد خطرناک ہیں۔"

"جاؤں؟" میں نے پوچھا۔

"چلے ہی جائیے ورنہ ان لوگوں کو میرا مذاق اڑانے کا موقع ملتا رہے گا۔" انیلا نے کہا اور میں وہاں سے اٹھ گیا لیکن کچھ اور نگاہیں میری طرف نگراں تھیں یہ لالہ رخ اور نیلوفر وغیرہ تھیں ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے بہرحال میں وہاں سے آگے بڑھ کر شوکت جاہ کے پاس آگیا جو اس وقت تنہا کھڑے نظر آ رہے تھے مجھے دیکھ کر مسکرا دیے۔

"بھئی شارق میاں میری نگاہ میں بیشک تم ایک آئیڈیل نوجوان ہو، پتا نہیں دوسرے لوگوں کو تم سے اختلافات کیوں ہیں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے چچا جان؟"

"نا... بھی ہے ان کی۔ میرے خیال میں تو تم بہت بڑا کام کر رہے ہو عام شکایت یہ ہے کہ تم بہترین ذہانت اور اعلیٰ کارکردگی کے باوجود اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہو یہ الفاظ دیگر دولت کے انبار نہیں لگا رہے ہو۔"

"نہیں چچا جان یہ بات نہیں ہے دولت کے انبار مجھ سے زیادہ دور نہیں ہیں بس میں نے ابھی اُن کی طرف توجہ نہیں دی ہے۔"

"بخدا یہی الفاظ میں نے عظمت حسین سے کہے تھے میں نے اُن سے کہا تھا کہ جائز آمدنی بس اتنی ہونی چاہیے کہ انسانی ضروریات پوری ہو جائیں سوائے تجارت اور کاروبار کے اور تمہارا خاندان کاروباری نہیں بلکہ۔ یہ سب ملازمت پیشہ ہیں اور دولت جن راستوں سے بے تحاشا آتی ہے۔ وہ شارق کے چاروں طرف کھل سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان پر توجہ دے۔"

"ہاں چچا جان یہ مشکل نہیں ہے۔"

"ویسے کتنے تاج محل بناؤ گے کوئی تخمینہ ہے؟"

"اگر آپ مجھے معمار تصور کرتے ہیں چچا جان تو پھر یوں سمجھ لیں کہ آخری کونک یہ صناعی کرتا رہوں گا ہاں اگر آشیانے کو دولت کی ضرورت پیش آئی تو ایک کروٹ بدل لوں گا اور دس آشیانے تعمیر ہو جائیں گے۔"

"مجھے یقین ہے۔" شوکت جاہ نے کہا اور ہم دونوں ایک شاندار کار کی طرف دیکھنے لگے جو بہت اعلیٰ درجے کی تھی۔ "دولت کی تمہارے ہاں بھی کمی نہیں ہے میں تو حیران رہ گیا ہوں۔ یقین کرو اس شہر کی سڑکوں پر جو شان و شوکت نظر آتی ہے وہ اسے دنیا کے امیر ترین شہروں میں شامل کرتی ہے۔ یہ وسیع و عریض عمارتیں ہالینڈ کے امیر ترین لوگوں کے پاس نہیں ہیں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی ترقی پذیر ملک ہے۔"

"ہاں چچا جان لیکن یہاں کی زندگی کے دوسرے رُخ بہت ہولناک ہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"یہ کون صاحب ہیں بڑے کروفر کے مالک ہیں۔" خوبصورت قیمتی کار سے اترنے والے کو دیکھ کر شوکت جاہ نے کہا اور میری نگاہ بھی اس طرف اٹھ گئی لیکن دوسرے لمحے میں سنبھل گیا۔ یہ قیصر پرویز تھا جو اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ آیا تھا اور احمد کمال صاحب نے اس کا بڑا پرتپاک استقبال کیا تھا اس کے ساتھ چند خواتین بھی تھیں اور ایک شاندار سوٹ میں ملبوس نوجوان بھی جس کے خدوخال قیصر پرویز سے ملتے جلتے تھے یہ مسعود پرویز کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اب صحیح معنوں میں اس پارٹی میں شرکت کا وقت آیا تھا۔ اب تک تو میں صرف اہلِ خاندان کے لیے یہاں دلچسپی لے رہا تھا لیکن اب میری ذاتی دلچسپی کا سامان بھی پیدا ہو گیا تھا۔

میں نے ایک لمحے کے اندر اندر صورت حال کا تجزیہ کیا۔ احمد کمال صاحب بہت نفیس انسان معلوم ہوتے تھے لیکن جس طبقے سے تعلق رکھتے تھے اس میں بس وہی شخص نفیس ہوتا ہے جو صاحب ثروت، صاحب اختیار ہو۔ ہو سکتا ہے قیصر پرویز سے احمد کمال کی ملاقات اسی طور ہو۔ میں نے فوراً ہی سامنے آ کر حالات خراب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ اس طرح رُخ تبدیل کر لیا کہ اس کی نگاہ مجھ پر نہ پڑ سکے۔ قیصر پرویز کے ساتھ جو خواتین آئی تھیں وہ انتہائی فیشن ایبل تھیں۔ ایک معمر خاتون، دو نوجوان لڑکیاں، ایک قدرے درمیانی عمر کی خاتون تھیں۔ وہ سب ان کی جانب بڑھ گئے جن حضرت کے بارے میں میں نے اندازہ لگایا تھا کہ یہ مسعود پرویز ہو سکتے ہیں وہ شکل ہی سے اوباش طبع نظر آ رہے تھے گو بہت ہی اعلیٰ درجے کا سوٹ بڑی نفاست سے پہنا تھا اور خوشبوؤں کی لپٹیں دور دور تک اڑ رہی تھیں لیکن چہرے اور آنکھوں کا انداز تبدیل نہیں کر پائے تھے۔ احمد کمال صاحب سے مصافحہ ہوا اور اس کے بعد انہوں نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ نگاہیں خواتین کی جانب تھیں۔ دوسری طرف جناب احمد کمال شاید دوسروں سے ان کا تعارف کرانے کے لیے بے چین تھے۔ میں بدستور اپنی چالاکی سے اپنے آپ کو اس طرح پیچھے رکھے رہا کہ قیصر پرویز اور احمد کمال کی نگاہ فوراً ہی مجھ پر نہ پڑ پائے لیکن ظاہر ہے لان سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔ پہلا تعارف شوکت جاہ سے ہوا اور احمد کمال صاحب نے بہت اچھے انداز میں قیصر پرویز سے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ایک ایسی شخصیت جو میرے لیے بہت ہی قابل احترام ہے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اب یہ ہم میں شامل ہوئی ہے اور شوکت جاہ یہ قیصر پرویز ہیں۔ اپنی مثال آپ۔ تمہیں ان سے مل کر یقیناً بے حد خوشی ہوگی۔ بہت ہی بااختیار آدمی ہیں اور یوں سمجھو کہ اس ملک پر بس انہی کی حکومت ہے۔"

"واہ... اس ملک کے حکمران سے مل کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے۔" شوکت جاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور قیصر پرویز نے ایک قہقہہ لگایا پھر بولا۔

"بھئی کیا بتایا جائے میرے دوستوں نے مجھے بدنام کر رکھا ہے۔ دراصل تعلقات بنائے رکھنا بڑی بات ہے اور میں نے اپنی زندگی کا بہترین وقت ہر دور میں حکام بالا سے تعلقات بنانے میں صرف کیا ہے۔ معمولی بات نہیں ہوتی لیکن اس کے بغیر چارہ کار بھی تو نہیں ہے۔"

دفعتاً ہی مسعود پرویز نے قیصر پرویز کو مخاطب کیا تھا اور قیصر پرویز اس طرح گھوما تھا کہ میں اس کے سامنے آگیا۔ مسعود پرویز کہہ رہا تھا۔

"پاپا میں ذرا اس طرف جا رہا ہوں۔ وہاں میری تمام فرینڈز ہیں۔"

قیصر پرویز نے اس کی طرف تو دیکھا بھی نہیں تھا اس کی نگاہیں میری جانب اٹھ گئیں اس دوران آئی جی صاحب اپنے فرزندگان کے ساتھ قریب پہنچ چکے تھے قیصر پرویز نے میرا چہرہ دیکھا اور اس کی نگاہیں کسی سانپ کی مانند مجھ پر جم گئیں میرے ہونٹوں پر بھی ایک حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی میں نے اس کا چہرہ سرخ ہوتے ہوئے دیکھا۔ احمد کمال صاحب شاید آئی جی صاحب سے گفتگو کرنے میں مصروف ہو گئے تھے اور اس کے بارے میں بتا رہے تھے کہ قیصر پرویز نے احمد کمال کو مخاطب کیا۔

"بھئی کمال صاحب، ذرا یہ سنیے!"

"ہاں قیصر، میں کچھ لوگوں سے تمہارا تعارف..."

"وہ تو بعد میں ہو جائے گا لیکن ایک بات پر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔" قیصر پرویز نے کہا۔

"کیا...؟"

"تم نے یہاں بلانے والوں کے معیار کا خیال نہیں رکھا۔ کیا ہم لوگوں کی اس محفل میں گھٹیا قسم کے ایڈووکیٹ وغیرہ بھی بلائے گئے ہیں؟ فضول کا معیار تمام مہمانوں کا لطف خراب ہو جائے گا۔"

"میں سمجھا نہیں۔" احمد کمال نے حیرانہ انداز میں کہا۔

"سمجھا دیں گے تمہیں۔ تمہارا معیار بھی درست کرنا پڑے گا۔"

شوکت جاہ صاحب ایڈووکیٹ کے لفظ پر حیران ہوئے تھے۔ دوسری جانب آئی جی بیٹے نصرت حسین اور طارق حسین صاحب اور امجد حسین صاحب بھی حیران تھے چونکہ یہ چیز وہ دیکھ چکے تھے کہ قیصر پرویز اس وقت میری جانب ہی متوجہ تھے۔ احمد کمال نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ان سے ملاقات کیجئے آئی جی عظمت حسین صاحب اور یہ ان کے صاحبزادے۔ امجد حسین یہ ہیں نصرت حسین یہ ایس پی طارق حسین اور ادھر دیکھو یہ شارق حسین ہیں۔"

"واہ آپ نے تو ہر جگہ کی شخصیتوں کو جمع کر لیا۔ شارق حسین غالباً یہ صاحبزادے ہیں۔"

"ہاں آئی جی عظمت حسین کے سب سے چھوٹے صاحبزادے۔"

"آئی جی صاحب کے بارے میں تو خیر مجھے معلومات حاصل ہیں اور ان کے دوسرے صاحبزادگان وغیرہ کے بارے میں بھی سنتا رہا ہوں لیکن یہ شارق حسین ایڈووکیٹ جو ہیں کیا چیز ہیں؟"

"وہ ان کے صاحبزادے ہیں اور عالمی شہرت پا چکے ہیں۔"

"اوہو میں نے بھی ان کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے شہرہ تو خیر ان کا مستحق ہے لیکن شاید آئی جی صاحب ان کی تربیت نہیں کر سکے اور [illegible] ہو کر اولاد سے غافل ہو گئے" قیصر پرویز نے کہا۔

احمد کمال شدید حیران ہو گئے تھے اور شوکت جاہ پریشان۔ لیکن آئی جی صاحب کے چہرے پر میں ذرا غصے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"قیصر پرویز صاحب میں براہ راست آپ سے مخاطب ہونا چاہتا ہوں کچھ معیار کی بات کی تھی آپ نے، معاف کیجیے گا سرکاری محکمے میں آپ کا کیا عہدہ ہے؟" آئی جی صاحب نے بڑا چبھتا ہوا سا سوال کیا اور قیصر پرویز مسکرانے لگا۔

احمد کمال جلدی سے بولے "آئیے آپ لوگ بیٹھیں ذرا بیٹھ کر گفتگو ہوگی۔"

"ایک منٹ، احمد کمال ایک منٹ میں قیصر پرویز کا عہدہ معلوم کر رہا ہوں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ ایک محکمے میں غالباً ایک دوسرے درجے کے افسر ہیں۔ انہوں نے معیار کی کیا بات کہی؟"

"وہ دراصل قیصر پرویز کی عادت کچھ اسی قسم کی ہے بے سنجیدگی سے مذاق کرتے ہیں یہ۔"

"آئیے۔۔۔ آئیے آئی جی صاحب بیٹھ کر ہی باتیں ہوں گی، ویسے میں بڑی سنجیدگی سے مذاق کرتا ہوں غالباً آپ برا مان گئے۔"

آئی جی صاحب خاموش ہو گئے۔ قیصر پرویز ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ مجھے لطف آ رہا تھا۔ بڑی دلچسپ صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ آج آئی جی صاحب کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا اور میرے برادران بھی یہ اندازہ لگا لیں گے کہ وہ اپنے فرائض کی بجا آوری میں کس قدر پیچھے رہے ہیں اور کس کس درجے کے لوگ اپنے آپ کو کیا سے کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ اشارہ چونکہ براہ راست میری جانب تھا اس لیے احمد کمال صاحب بھی پریشان تھے اور شوکت جاہ بھی لیکن میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مسعود پرویز [illegible] میزبان پہنچ چکا تھا اور وہاں چہک رہا تھا۔ بہر طور ہم سب ہی ایک ساتھ ایک ہی نشست گاہ پر پہنچ گئے اور احمد کمال نے [illegible] شوکت جاہ صاحب کسی قدر مضطرب نظر آ رہے تھے [illegible] قیصر پرویز نے اس کے بعد میری طرف نہیں دیکھا تھا۔ آئی جی صاحب کہنے لگے۔

"ہاں قیصر پرویز صاحب آپ نے میری تربیت کے بارے میں کچھ بات کی تھی۔"

"جی ہاں دراصل آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے شارق حسین کی گھٹیا شہرت کے بارے میں میں نے کچھ بہتر انداز میں نہیں سنا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کا تعلق آپ جیسی معزز شخصیت سے ہو سکتا ہے۔"

"شارق حسین سے کوئی شکایت ہے آپ کو؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"ارے نہیں بھئی، جس سے ہمیں شکایت ہوتی ہے اسی سے گفتگو کر لیتے ہیں۔ یہ بچے ہیں، دراصل دنیا کو ابھی صحیح طور پر دیکھ نہیں پائے۔ جوانی کے بل پر بہت اونچے اونچے اچھلتے ہیں ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ زندہ رہیں، تندرست رہیں اور کم از کم اپنا نہیں تو اپنے خاندان ہی کا خیال کریں۔ ہاں تو شوکت صاحب آپ سنائیے۔ آپ ہالینڈ سے تشریف لائے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کیا مستقل یہیں قیام کا ارادہ ہے؟"

"جی ہاں اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔" شوکت جاہ صاحب نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں؟"

"مجھے سمجھایا گیا ہے کہ یہاں آپ جیسے لوگوں ہی کی حکومت ہے تو پھر آپ کی اجازت تو میرے قیام کے لیے ضروری ہو گئی؟"

"ارے نہیں بھئی۔ یہ تو بس احمد کمال کی محبت ہے کہ یہ ہمیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دیتے ہیں۔"

آئی جی صاحب بدستور قیصر پرویز کو گھور رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی شوکت جاہ اب کیا پروگرام ہے؟"

ان کی بجائے احمد کمال صاحب بول اٹھے "ابھی پروگرام کا آغاز کہاں ہوا ہے؟ مہمان آ رہے ہیں۔ آئیے کچھ اور لوگوں کا استقبال کریں۔ قیصر صاحب آپ براہ کرم دوسروں کا خیال رکھیے گا۔"

"آپ مہمانوں کا استقبال کریں ہم یہاں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں۔" آئی جی صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا اور احمد کمال پریشانی کے عالم میں اٹھ گئے۔ کچھ اور لوگ آئے تھے۔

وہ ان کی جانب بڑھ گئے تو آئی جی صاحب قیصر پرویز سے بولے "تو آپ صرف سرکاری ملازمت کرتے ہیں یا کچھ اور ذرائع آمدنی بھی ہیں آپ کے؟"

"بس آپ کی دعاؤں کے سہارے جی رہے ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ اپنی دعائیں محدود نہ کیجیے گا۔"

"شارق میاں سے کوئی شکایت ہے آپ کو؟"

"صرف ایک شکایت ہے کہ یہ آپ جیسے اچھے لوگوں میں کیوں پیدا ہوئے۔" قیصر پرویز نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شارق کیا معاملہ ہے؟"

"کچھ نہیں ڈیڈی دراصل آپ کو اندازہ ہے کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے اس میں تمام جرائم پیشہ افراد میرے خلاف ہو گئے ہیں اور وہ دلوں کا بخار نکالتے پھرتے ہیں، ویسے بھی آپ کے ان احمد کمال صاحب سے مجھے یہ سوال کرنا ہے ذرا دیر بعد ہی کہ انہوں نے کس قسم کے دوست پال رکھے ہیں۔ معیار کی جہاں تک بات ہوتی ہے تو ایک دفتر کا، میرا مطلب ہے سرکاری دفتر کا گھٹیا سا چپڑاسی بھی رشوتیں لے کر کوٹھیاں بنا لیتا ہے تو کیا کوٹھیاں بنانے سے کوئی شخص معیاری ہو جاتا ہے۔ بہر طور آپ لوگوں کی محفل میں میری شرکت مناسب نہیں ہے۔ میں ذرا دوسری طرف دیکھتا ہوں۔"

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ قیصر پرویز کا منہ حیرت سے کھلا پھر بند ہو گیا لیکن ایس پی طارق حسین بے اختیار مسکرا پڑے تھے۔ یا میرے اس انداز نے ان لوگوں کے جذبات کو تسکین پہنچائی تھی۔ وہ جملے میں کہہ سکتا تھا وہ کبھی بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ میں یہ دیکھنے کے لیے نہیں رکا کہ اس پر میرے الفاظ کا کیا ردعمل ہوتا ہے بلکہ میں اس جانب بڑھ گیا جدھر مسعود پرویز موجود تھا۔ انیلا نے دور سے مجھے دیکھا اور مسکراتی ہوئی بولی۔

"خطرہ۔۔۔ سائرن بجا دیجیے۔"

میں مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ "افسوس تو یہی ہے انیلا صاحبہ کہ آپ خواتین خطرے کا صحیح طور پر تعین نہیں کر پاتیں۔"

مسعود پرویز نے جاوداں کی طرف رخ کر کے کہا "یہ کون صاحب ہیں؟"

"یہ وہ صاحب ہیں مسعود پرویز صاحب جن سے اچھے اچھے لوگ کانپتے ہیں۔"

"آپ بھی؟" مسعود پرویز نے پرمزاح انداز میں کہا۔

"بھئی جاوداں مسعود پرویز سے آپ کی شناسائی بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں میری شناسائی تو بالکل نہیں ہے لیکن یہ خود کو باکمال ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ غالباً انیلا سے ان کا کوئی رشتہ ہے۔"

انیلا نے مسکراتے ہوئے کہا "ہاں کیا کیا جائے والدین بھی بس عجیب و غریب لوگ ہوتے ہیں، ویسے مسعود صاحب بہت دلچسپ آدمی ہیں لیکن مجھے حیرت ہے کہ یہ ہماری مہمان جاوداں سے کیوں چسپاں ہوئے جا رہے ہیں۔"

انیلا بھی قیامت [illegible] الفاظ ہی میں اس نے مجھ پر حملے کرنے کی کوشش کی لیکن میں بڑی سمجھداری سے ان حملوں کو بچا گیا اور وہ بوکھلا گئی تھی لیکن اب اس نے مسعود پرویز کے بارے میں بھی کچھ ایسے جملے کہہ دیے تھے جن سے مسعود پرویز کی شخصیت کچھ عجیب سی ہو کر رہ گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جاوداں واقعی بہت دلکش خاتون ہیں اور ہر ایک کو اپنی جانب مقناطیسی انداز میں کھینچتی ہیں۔ بعض اوقات جاوداں مقناطیس میں لوہے کی زنگ آلود کیلیں [illegible] باقی [illegible] اور اس میں ریشے لگ جاتے ہیں۔"

"نہیں شارق صاحب میں ایسی کوئی مقناطیس نہیں ہوں۔ میں کیلوں وغیرہ کو خود ہی [illegible] ہوں۔"

"[illegible] گفتگو میں شامل [illegible]" جاوداں نے کہا۔

"آپ کا ذکر [illegible] آپ کے بہت ہی دلکش [illegible] کے مالک ہیں۔ بہت ہی جیالے اور [illegible] بلکہ شاید [illegible] ایک واقعہ سنا تھا۔"

میرے اس [illegible] انیلا کا چہرہ [illegible] اس نے گھور کر مجھے دیکھا اور پھر بولا۔

"اور کیا یہ غیر اخلاقی گفتگو نہیں ہے؟"

"انسان کا تجزیہ کرنے کے بعد ہی گفتگو کی جاتی ہے۔"

"یہ لڑکیوں کو سڑکوں سے اٹھا [illegible] کیا معاملہ ہے؟" انیلا نے سوال کیا۔

"انیلا بہت بدتمیز لڑکوں کو لایا ہے تم نے اپنے گھر مجھے تعجب ہے۔"

"کیسے بدتمیز کہہ رہے ہیں آپ؟" اس نے براہ راست مسعود پرویز سے سوال کیا۔

"اس کا اندازہ کرنے میں تمہیں دشواری کیوں ہو رہی ہے؟"

"آپ کی عقل ناقص پر تو ہمیشہ ہی مشکوک رہی ہوں اس لیے آپ کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر توجہ ہی نہیں دیتی لیکن اگر جواب دینے والی بات ہو تو جواب دیا جا سکتا ہے۔ ذرا یہ تو فرمائیے آپ اس طرف آ کیسے گئے؟ آپ کو مردوں میں بیٹھنا چاہیے تھا۔"

"انیلا نے مسعود پرویز کو دکو مردوں میں تصور ہی نہیں کرتے"
میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دیکھیے، ہاں تم... کوئی بھی ہو میں ذرا ٹیڑھا آدمی ہوں اور موقع
محل کا لحاظ نہیں کرتا۔"

"اسے یہ کیا شروع ہو گیا؟ آئیے شارق صاحب ہم لوگ اس
طرف چلتے ہیں مسعود براہِ کرم آپ اپنے ڈیڈی کے پاس واپس جائیے"
انیلا نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا اور مسعود مجھے خونی نگاہوں
سے گھورتا چلا گیا اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

کیا بات ہے شارق صاحب مسعود سے کوئی رنجش چل رہی ہے
آپ کی؟

"بخدا پہلی بار دیکھا ہے انہیں اس محفل میں نجانے کیوں
برگشتہ ہو گئے" میں نے کہا۔

"کچھ اجڈ قسم کا آدمی ہے۔ اچھا ہوا آج کچھ باتیں اور سامنے
آگئیں۔ مجھے اپنے دفاع میں آسانی ہو گی۔"

"دفاع...؟"

"ہاں بھئی بیٹھے یہ والدین پتا نہیں اپنی اولادوں پر اس قدر
مسلط کیوں ہو جاتے ہیں۔ آپ یقین کیجیے یہ شخص کبھی مجھے ایک آنکھ
نہیں بھایا تھا لیکن ڈیڈی ہیں کہ قیصر پرویز کے گن ہی گائے جاتے
ہیں ایسا صاحب اقتدار ہے ایسا دولت مند ہے، خاندانی آدمی ہے
میری منگنی کرنے پر تل گئے ہیں ڈیڈی ان حضرت سے۔"

"اوہ، گڈ ویری گڈ۔"

"لیکن آپ نے ایک بات براہِ راست کہی اس کا مطلب براہِ کرم
مجھے سمجھا دیجیے۔"

"ابھی نہیں... پلیز ابھی نہیں۔"

"آپ جانتے ہیں کہ میں کون سی براہِ راست بات کے بارے
میں کہہ رہی ہوں؟"

"ہاں غالباً وہ لڑکیوں کو بیٹا کون سے...؟ ... کا معاملہ"

"جی... جی بالکل۔ کیا مسعود پرویز کے ساتھ ایسی کوئی بات
[illegible]"

"انیلا... آپ بہت اچھی خاتون ہیں چند لمحات میں میں
نے [illegible] کا لیا اس لیے میرا فرض ہے کہ آپ کو اس شخص سے بچا لوں
یہ بات [illegible] ہے کہ اس شخص نے ایک لڑکی کو سڑک سے اغوا
کیا پولیس [illegible] وقوع واردات پر پکڑ لیا اور تھانے میں بند
کر دیا [illegible] ان کے والد قیصر پرویز صاحب آئے اور ان سب
کو چھڑا لے [illegible] انسپکٹر کو انہوں نے معطل کرا دیا اور اس کا

عہدہ کم کرا دیا۔ یہ لوگ بہت زیادہ آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"ہوں! آپ یہ بات ڈیڈی کے سامنے کہہ دیں گے؟"

"کیا ابھی میدان کارزار تیار ہو جائے گا؟"

"نہیں شارق صاحب میں بعد میں آپ کو تکلیف دوں گی۔
براہِ کرم میرے مستقبل کے لیے آپ یہ ضرور کیجیے۔"

"یہ میرا فرض ہے انیلا اور پھر ابھی آپ کا نمک بھی کھانے
والا ہوں چنانچہ نمک حلالی ضرور کروں گا۔"

"یہ مسئلہ اتنا غیر سنجیدہ نہیں ہے خدا کے لیے آپ میری اس
سلسلے میں مدد کیجیے۔" اس نے لجاجت سے کہا۔

"بہتر ہے آپ مطمئن رہیں جو آپ چاہ رہی ہیں وہی ہو گا لیکن
براہِ کرم یہ نہ سمجھ لیجیے کہ میں نے کوئی معاملہ ہموار کرنے کی کوشش
کی ہے اور آپ کو آپ کے منگیتر سے بھڑکا دیا ہے۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں کافی دیر تک ان کے درمیان
رہا مسعود پرویز نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا وہ مردوں میں بھی نظر نہیں آ
رہا تھا لیکن جب پھر کھانے کی میز پر پہنچے تو وہ بھی ساتھ ہی نظر آیا
قیصر پرویز کے نزدیک ہی موجود تھا۔ کھانے کا دور چلا، احمد کمال کے
چہرے پر شدید بوکھلاہٹ پائی جاتی تھی۔ ویسے تھا بھی درست یہاں
یہ سب ہو جانا مناسب نہیں تھا لیکن بات قیصر پرویز ہی کی تھی وہ
کم بخت برداشت نہیں کر سکا تھا۔ عادت کے مطابق اس نے مجھے
دیکھتے ہی طنز شروع کر دیا تھا۔ یقینی طور پر بوکھلا گیا ہو گا۔ ویسے
صورتِ حال بڑی کشیدہ ہو گئی تھی۔ خاص طور سے یہ معلوم کرنے کے بعد
کہ احمد کمال صاحب کے ہاں قیصر پرویز کی کیا حیثیت تھی؟ مجھے بھی
کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ احمد کمال کے بارے میں ابھی پورے
طور پر تو نہیں کہہ سکتا تھا جتنا نظر آیا تھا اس سے یہ اندازہ ہوتا
تھا کہ شریف آدمی ہیں۔ اب ذرا اور دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور اس
سلسلے میں شوکت جاہ صاحب سے مفصل معلومات ہو سکتی تھیں
آئی۔ جی صاحب کی طبیعت کچھ اکھڑی اکھڑی سی تھی چنانچہ کھانے
سے فراغت پاتے ہی انہوں نے شوکت جاہ سے کہا۔

"بھئی شوکت جاہ تم اگر اپنے دوست کے ساتھ رکنا چاہو
تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں اجازت چاہتا ہوں کچھ
مصروفیات ہیں۔"

"نہیں میں بھی اب چلتا ہوں احمد کمال بہت جلد بلکہ شاید
کل دن ہی میں تمہارے پاس آؤں گا۔ ذرا تفصیلی بات چیت ہو گی۔"

"بہت بہتر" احمد کمال نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر کسی قسم
کا اصرار نہیں کیا۔

بہر طور ہماری خواتین بھی سمٹ کر گاڑیوں میں آ بیٹھیں
احمد کمال ہمیں چھوڑنے گاڑیوں تک آئے تھے اور انہوں نے کہا۔

"جو کچھ ہوا وہ میرے لیے ناقابلِ یقین سا ہے لیکن تم لوگوں
سے مجھے بہت سی معلومات حاصل کرنی ہیں شوکت جاہ ایک بڑی
الجھن پیش آگئی ہے بخدا میں بڑا بے سکون رہوں گا۔ کل
صبح کو کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟"

"نہیں..."

"میرا انتظار کرنا۔ مجھ سے گفتگو کیے بغیر کہیں مصروف مت ہو جانا
آئی۔ جی صاحب آپ سے بھی یہ درخواست ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب کوئی بات نہیں ہے آپ [illegible] خود کو
سنبھالیے۔ بات خود کبھی کبھی ایسی ہو جاتی ہے جو کسی کے [illegible] میں نہیں
رہتی لیکن آپ بالکل تردد نہ کریں میں آپ کی بے پناہ [illegible] کرتا ہوں۔"

اس کے بعد ہم لوگ گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ مجھے خوشی تھی
کہ کم از کم آئی۔ جی صاحب کے دل کو چوٹ لگی تھی بقیہ صاحبزادگان
بھی کچھ متاثر نظر آ رہے تھے اور اب میرے لیے ایک عمدہ موقع تھا
کہ ان سے تفصیلی گفتگو کر لوں ہم لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر
چل پڑے۔ میرا ذہن خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور میرے ساتھ جو
لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی بالکل خاموش تھے ہم کئی سڑکوں سے
گزرتے ہوئے ایک چوڑی شاہراہ پر آ گئے جو وقت کے لحاظ سے
سنسان نظر آ رہی تھی۔ ویسے بھی یہاں کوئی آبادی وغیرہ نہیں تھی
بس ایک گزرگاہ تھی جہاں سے گزرنے کے بعد ہم اپنے علاقے میں
پہنچ سکتے تھے ہماری گاڑیاں آہستگی سے چل رہی تھیں کہ دفعتاً ہی کچھ
ہوا۔ یہ کلاشنکوفیں چلنے کی آوازیں تھیں جو بڑی تیزی سے چل رہی تھیں
لیکن ابھی ہماری گاڑیاں ان کی پہنچ میں نہیں آئی تھیں ہمارے
آگے کوئی اور گاڑی بھی نہیں تھی پھر میں نے دفعتاً ہی دوبارہ
کلاشنکوفوں کی آوازیں سنیں تمام گاڑیاں بریکوں کی چرچراہٹوں کے
ساتھ رک گئی تھیں آئی جی صاحب جو میرے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے
گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"غالباً کوئی فساد ہو گیا ہے۔"

میں چند لمحات کلاشنکوفوں کی آوازیں سنتا رہا اور اس کے
بعد یہ آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ ایس۔ پی صاحب نے گاڑی سے
اترنے کی کوشش کی تو آئی جی صاحب نے سختی سے انہیں
ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہو اس لیے رک جاؤ۔"

"مگر یہ ہنگامہ... یہ ہو کس طرف سے؟ گولیاں کدھر چلائی
گئی ہیں؟"

"میرا خیال ہے ہمیں چلنا چاہیے" میں نے کہا اور کار آگے
بڑھا دی۔

اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی تھی لیکن میرا ذہن تردد
کا شکار تھا یہاں اگر کچھ اور گاڑیاں وغیرہ ہوتیں یا آس پاس
میں کوئی آبادی وغیرہ ہوتی تو کوئی اندازہ لگایا جا سکتا تھا لیکن
اس وقت ہم ہی یہاں سے گزر رہے تھے۔ میرا ذہن وسوسوں کا
شکار تھا لیکن بہر طور میں نے خود کو قابو میں رکھا ہماری گاڑیاں
تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی بالآخر کوٹھی میں پہنچ گئیں سب ہی
حیران و پریشان تھے خاص طور پر خواتین میں خوف و ہراس پایا
جاتا تھا سب کے سب اندر چلے گئے میں نیچے اتر کر اپنے کمرے
جانب گیا تھا۔ میرا ذہن کافی الجھا ہوا تھا کمرے میں پہنچ کر میں
غسل خانے میں داخل ہو گیا اور [illegible] اس کے بعد
ٹیلی فون کے نزدیک پہنچ گیا میں نے [illegible] کے نمبر
ڈائل کیے تھے اور ریسیور کان سے لگایا تھا دوسری طرف سے آواز
سنائی دی۔

"ہیلو...!"

"بدر شاہ؟"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"شارق حسین۔"

"اوہ شارق بھائی۔ بدر شاہ تو اس وقت موجود نہیں ہیں۔"

"تم کون بول رہے ہو؟"

"رفیق ہے میرا نام۔ آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ
کو پہچانتا ہوں۔"

"رفیق بتا سکتے ہو بدر شاہ کہاں گئے ہیں؟"

"نہیں معلوم صاحب کسی کام سے گئے ہیں۔ کچھ لوگ بھی
ساتھ ہیں۔"

"ہوں! دیکھو میں شارق حسین بول رہا ہوں بدر شاہ کو بتا
دینا اور یہ بھی کہہ دینا جس وقت بھی وہ واپس
آئیں مجھے تشانے میں رنگ کر لیں۔ یاد رہے گا؟"

"کیوں نہیں صاحب بالکل یاد رہے گا۔ اطمینان رکھیے" رفیق
نے جواب دیا۔ بعد میں نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

اس کے بعد میں دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا تھا پھر تقریباً آدھا
گھنٹہ گزر گیا اور اس کے بعد میرے کمرے کے دروازے پر دستک
ہوئی میں جلدی سے سنبھل کر اس کی سمت بڑھا دروازے پر طارق حسین

[illegible] میں چونک پڑا۔

”ڈیڈی بلا رہے ہیں“ طارق حسین نے سرد لہجے میں کہا۔

”اچھا چلیے“ میں نے جواب دیا۔

آئی جی صاحب اپنے کمرے میں اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ موجود تھے چہرہ بہت [illegible] نظر آ رہا تھا۔ غالباً کافی غصے میں تھے میں سلام کر کے ان کے سامنے پہنچ گیا تو انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

”بیٹھو“

میں بیٹھ گیا اور میرے ساتھ ہی طارق حسین بھی۔ آئی جی صاحب مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔

”قیصر پرویز کا کیا معاملہ ہے؟“

”ڈیڈی میرے معاملات سے متعلق ہے“

”تفصیل بتاؤ“ آئی جی صاحب نے کہا۔

تینوں حضرات یعنی میرے بھائی صاحبان بھی میری جانب متوجہ تھے۔ میں نے غالب اور اس لڑکی کے بارے ساری باتیں تفصیل سے ان کے گوش گزار کر دیں۔

عظمت صاحب بڑے غور سے یہ سب کچھ سن رہے تھے انہوں نے اپنے تینوں بیٹوں کی طرف دیکھا اور پھر سرد لہجے میں بولے۔

”تم نے قیصر پرویز کے بارے میں معلومات حاصل کیں؟ اس کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا؟“

”جی ڈیڈی میں نے اپنا کام شروع کر دیا ہے اس قسم کے لوگ بے داغ ماضی نہیں رکھتے بہت سے معاملات سے گزر کر ہی اس درجے تک پہنچتے ہیں قیصر پرویز کو بے تاج بادشاہ کہا جاتا ہے اور وہ بہتوں کی بگڑی بنانے میں کام آتا ہے ہر شخص جو کسی عذاب میں گرفتار ہو جائے اگر قیصر پرویز کے قدموں کی خاک حاصل کر لے تو اسے شفا ہو جاتی ہے یہ ہے ان قیصر پرویز کا شجرۂ نسب“

”اس کے وسائل کیا ہیں؟“ آئی جی صاحب نے پوچھا۔

”اعلیٰ درجے کے لوگوں سے تعلقات اور دولت کا خرچ“

”اس کی مالی حیثیت کیا ہے؟“

”بڑا اچھا سوال کیا آپ نے ڈیڈی میرا خیال ہے کہ کسی بڑے سے بڑے صنعتکار سے زیادہ دولت مند ہے“

”کیا یہ دولت اسے ورثے میں منتقل ہوئی ہے؟“

”جی نہیں اس کا ابا ہی بس بیچتا تھا اور مشہور دہی بڑے فروش تھا۔ اس کا باپ بھی اسی قسم کے کام کرتا تھا لیکن پھر اچانک ہی وہ اربوں روپوں کی دولت کا مالک بن گیا اس کے ماضی میں اس کے پاس کچھ نہیں تھا جس کے لیے میں آپ کو مکمل اور ٹھوس ثبوت پیش کر سکتا ہوں“

میرے ان الفاظ پر تمام ہی لوگوں کے چہرے حیرت کا آئینہ بن گئے تھے۔ آئی جی صاحب کے تمام خدوخال نرم پڑ چکے تھے۔ انہوں نے تینوں بیٹوں کی طرف دیکھا اور پھر مجھ سے بولے۔

”بڑے وثوق سے کہہ رہے ہو کہ تمہارے پاس اس کے خلاف یہ سب کچھ ثبوت موجود ہیں“

”جی ڈیڈی یہ تو معمولی سی بات ہے اور بھی ایسی بہت سی باتیں سامنے لائی جا سکتی ہیں جو اس شخص کو ننگا کرنے میں مدد کریں۔ لیکن میرا کھیل ذرا مختلف ہے ابھی تو میں اس سے چوہے بلی کا کھیل کھیلوں گا“

”جب اتنے ٹھوس ثبوت موجود ہیں تو کیوں نہ ہم اس کے خلاف قانونی کارروائی کا آغاز کریں“ بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔

”بھائی جان یہیں سے میرا اور آپ کا اختلافات شروع ہو جاتا ہے۔ بیشک اس وقت آپ کے یہ الفاظ میرے لیے باعث فخر ہیں لیکن میرا منصوبہ ادھورا رہ جائے گا ایسے لوگوں کو میں آسانی سے فنا کر سکتا ہوں لیکن میں زمانے کے لیے ایک مثال چھوڑنا چاہتا ہوں اور میں اپنے طور پر کام کروں گا آپ اگر اپنا شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے بسم اللہ کیجیے میں آپ کو کچھ ایسے ثبوت مہیا کر دوں گا جن سے آپ اس کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔“

”کیسے نہیں ہوگا؟ کیا بات کرتے ہو تم“ اس بار جج امجد حسین نے کہا۔

میں نے ایس پی طارق حسین کی جانب دیکھا ”بھائی جان آپ کیا کہتے ہیں؟“ ایس پی طارق حسین خاموش رہے تھے۔ بیرسٹر نصرت حسین پھر بولے۔

”پہلے تو مجھے ذرا وہ ثبوت فراہم کر دو۔ ذرا وہ معلومات مجھے دے دو جو اس شخص کے بارے میں ہیں اس کے بعد پھر ہمیں بھی دیکھ لو ہم اتنے بچے بھی نہیں ہیں اس بدبخت نے اپنی موت کو خود آواز دی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں“

”بھائی جان اور معاف کیجیے گا ڈیڈی بدقسمتی یہی ہے کہ ہمارے ہاں سوچنے کا انداز مختلف رہا ہے میں آپ کو اپنا ماضی کا سارا ریکارڈ پیش کر سکتا ہوں کچھ واقعات خود آپ کے علم میں ہیں میں نے کبھی کسی ایسے شخص سے کوئی پرخاش نہیں رکھی جس کا مجھ سے ذاتی عناد ہو۔ ڈیڈی میں نے ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کے خلاف

کام کیا ہے جو اپنے آپ ایک طاقتور اژدہا سمجھتے تھے انہوں نے اپنے گرد اتنے مضبوط خول بنا رکھے تھے کہ کوئی اس خول میں داخل نہیں ہو سکتا تھا میں نے آج تک یہی خول توڑے ہیں ڈیڈی اور یہی میرا مسلک ہے اور اسی سلسلے میں میرا ان حضرات سے اختلاف رہا ہے میں کبھی کسی آدمی کو نقصان پہنچانا پسند نہیں کرتا جو خود ظالم نہ ہو۔ ڈیڈی اگر آپ آزمائش کرنا چاہتے ہیں تو میں اپنی تمام معلومات آپ کے حضور پیش کیے دیتا ہوں کوشش کیجیے میں خاموش ہو جاؤں گا آپ کو پورا پورا موقع دوں گا کہ آپ اپنی تمام تر کارروائیاں کریں اور اور اگر آپ ناکام ہو جائیں تو پھر براہ کرم میرا اصولی موقف خلوص دل سے تسلیم کر لیں۔

”کیا کہتے ہو نصرت حسین؟“

”بات ٹھیک ہے۔ ویسے میرا خیال ہے شارق کا یہ نظریہ غلط ہے اگر کوئی شخص مجرم ہے تو اسے کم از کم قانون کی پشت پناہی تو نہیں حاصل ہو سکتی۔ بیشک وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر اپنے لیے کچھ سہولت تلاش کر لیتا ہے لیکن اب ایسا بھی نہیں تو پھر حکومت ہی ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہے“

”نہیں بھائی جان حکومت ناکارہ نہیں ہوتی قانون کے ساتھ ساتھ قانون شکنی کا تصور بھی ہمیشہ سے موجود رہا ہے اور قانون شکن بلاشبہ قانون کی برابری کر لیتے ہیں کیونکہ وہ پوری طرح اپنے آپ کو مسلح کرنے کے بعد میدان عمل میں آتے ہیں جبکہ قانون تو بعد میں ان کی کھوج لگاتا ہے۔ میں قانون کو کسی طور ناکارہ نہیں کہہ سکتا چونکہ آج تک جتنے مجرم کیفر کردار تک پہنچے ہیں قانون کے دائرے میں آ کر پہنچے ہیں لیکن قانون کو دھوکہ دینے والے بے شمار افراد ہیں اس کا غلط استعمال کرنے والے لاتعداد افراد موجود ہیں اور میری جنگ انہی کے خلاف ہے“

”تم ان سے جنگ کرتے رہو ہم تمہیں منع نہیں کرتے لیکن ہمیں بھی آزما کر دیکھو اگر تم نے واقعی کچھ ایسے شواہد جمع کر لیے ہیں تو ہم تینوں اس سلسلے میں تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہیں“

”ہوں! ٹھیک ہے اس بار میں یہ کھیل بھی کھیلنا چاہتا ہوں“ میں نے کہا اور آئی جی صاحب گردن ہلا کر بولے۔

”تم اطمینان رکھو شارق کام تمہارے مشورے کے بغیر نہیں ہوگا۔ نصرت حسین یا امجد حسین وغیرہ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو بیشک وہ قانونی لوگ ہیں ضرور کریں لیکن جس معاملے میں تم یہ چاہو گے کہ اس کی چھان بین اس طرح نہ ہو تو یہ لوگ تم سے تعاون کریں گے“

”کیوں بھائی جان؟“

”ہاں۔ لیکن تم ہمیں موقع تو دو“

”بہت بہتر ہے ڈیڈی کی ہدایت کے مطابق آپ کو وہ تمام تفصیلات فراہم کر دوں گا اور پھر آپ سے ہدایت لوں گا میری طرف سے آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میرا کھیل اپنی جگہ مضبوط ہوتا ہے جب آپ لوگ اس سلسلے میں ناکام ہو جائیں گے تو میں آپ سے اجازت لے کر اپنی کارروائی کا آغاز کروں گا“

”بہت بڑی بات کر رہے ہو میں کسی صورت یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ قانون کسی ایک شخص کے سامنے بے بس ہو جائے گا“

”اللہ کرے ایسا کبھی نہ ہو۔ قانون کسی کے سامنے بے بس نہ ہو یہ میری دعا رہی ہے اور اس وقت جب میں نے محسوس کیا بھائی جان کہ قانون اپنے طور پر اتنی مضبوط حیثیت اختیار کر چکا ہے جتنی اسے ہونی چاہیے اور اس کی راہ سے روڑے اٹکانے والا کوئی باقی نہیں رہا ہے تو میں بڑے خلوص دل سے بیرسٹر نصرت کا ماتحت بن کر کام کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔ یہ میری طرف سے پیشکش ہے اور ایسا کر کے مجھے فخر ہوگا“

آئی جی صاحب پر خیال انداز گردن ہلانے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حالات بہت حد تک تبدیل ہوئے ہیں اور کچھ لوگ ناجائز طریقوں سے اختیارات حاصل کر کے اپنے لیے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کر لیتے ہیں لیکن ہمیں قانون کی برتری کے لیے جینا ہے۔ ہم کسی ایک شخص کے ساتھ یہ ظلم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ لڑکی اور اس کی ماں کہاں ہے؟ کیا تم نے اس کے تحفظ کا کوئی بندوبست کیا؟“

”جی ایسے لوگوں کے لیے میرے پاس مضبوط پناہ گاہیں موجود ہیں“ اسی وقت ایک ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ میرے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے میں نے فون سننے کی اجازت چاہی تو آئی جی صاحب نے کہا۔

”نہیں ابھی تم سے باتیں کرنی ہیں فون یہیں منگوا لو“ میں نے ملازم کو اشارہ کیا اور ملازم واپس چلا گیا وائر کافی لمبا تھا چنانچہ فون ڈیڈی کے کمرے میں آ گیا اور میں نے ریسیور کان سے لگا لیا۔

”ہیلو“ میں نے کہا تو دوسری طرف سے بدر شاہ کی آواز سنائی دی۔

”شارق بھائی جی ہم بدر شاہ بول رہے ہیں“

”ہوں! شاہ صاحب کہیے خیریت؟“

”وہ جی آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہوگا؟“

”تفصیل بتاؤ“

”وہ ہم کوٹھی سے آپ کا پیچھا کر رہے تھے پھر ہم سب کے

ساتھ اس جگہ پہنچے جہاں آپ دعوت میں شریک تھے۔ دو آدمی ہم نے وہاں چھوڑے تھے تاکہ وہ آپ کی نگرانی رکھیں۔ انہوں نے کوئی دو گھنٹے کے بعد ہمیں اطلاع دی کہ چار آدمی ایک گاڑی میں وہاں پہنچے ہیں اور ہم نے ان چاروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم نے بھی انتظام کر لیا اور ہم تیار ہو کر چل پڑے پھر شارق بھائی جب آپ کی گاڑیاں وہاں سے نکلیں تو ان لوگوں نے آپ سے پہلے ہی آگے کا سفر شروع کر دیا ہم ان کو تاک میں رکھے ہوئے تھے۔ ہم نے کچا راستہ استعمال کیا اور سڑک کے نیچے نیچے چلتے رہے۔ پھر جب اس سنسان سڑک پر پہنچے تو ہم نے انہیں ایک جگہ گاڑی روک کر پوزیشن لیتے ہوئے دیکھا۔ آپ کی گاڑیاں دور رہ گئی تھیں اب ہم نے یہ انتظار کرنا تو مناسب نہیں سمجھا کہ جب آپ کی گاڑیاں پہنچیں اور وہ کچھ کریں تو ہم ان کے خلاف کارروائی کریں۔ یہ اندازہ لگا لیا تھا ہم نے کہ وہ آپ پر حملہ کرنے والے ہیں چنانچہ ہم نے احتیاطاً ان چاروں کو ہلاک کر دیا۔“

”اوہ! کیا تم لوگوں نے کلاشنکوفیں استعمال کی تھیں؟“

”ہاں شارق بھائی ان کے پاس بھی کلاشنکوفیں ہی تھیں اور ان میں سے دو کے پاس دستی بم بھی تھے جو ہم نے صاف دیکھ لیے تھے۔“

”گڈ ویری گڈ۔ کیا تو وہ چاروں مارے گئے؟“

”ہاں۔“

”تم کہاں سے بول رہے ہو شاہ صاحب؟“

”ابھی تو واپس لوٹے ہیں۔ آپ کا پیغام ملا۔“

”کیا ان چاروں کی لاشیں وہیں پڑی ہوئی ہیں؟“

”جی۔“

”اور وہ گاڑی؟“

”گاڑی بھی وہیں موجود ہے۔ سڑک کے نشیب میں ہے۔“

”بہرحال شاہ صاحب بے حد شکریہ۔ واقعی تم نے بہت احتیاط سے کام کیا۔“

”اور کیا حکم ہے شارق بھائی جی؟“

”نہیں بس کچھ نہیں۔ آرام کرو۔ انہیں ہم دیکھ لیں گے۔“ میرے ان الفاظ پر تمام لوگ مضطرب ہو گئے تھے بالآخر میں نے ٹیلی فون بند کر دیا اور آئی جی صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا چکر ہے بھئی یہ کلاشنکوفیں۔۔۔ کیسی لاشیں؟“ آئی جی صاحب نے پوچھا۔

”ڈیڈی ہم جب وہاں سے واپس آ رہے تھے تو ہم نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنی تھیں اور سڑک سنسان تھی کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ دراصل ہم پر ایک منظم حملہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ چار آدمی ہتھیاروں اور شاید دستی بموں سے لیس ہماری تاک میں تھے اور ہم سے آگے سفر طے کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے تھے جہاں فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ میری آرمی نے صورتحال کو محسوس کر کے ان چاروں کو ختم کر دیا اور یوں ہم محفوظ رہے۔ خاص طور سے ایسی حالت میں جبکہ ہمارے ساتھ خواتین بھی تھیں ان چاروں کی لاشیں وہیں پڑی ہوئی ہیں اور جس گاڑی پر وہ آئے تھے۔ وہ گاڑی بھی وہیں موجود ہے۔“

”کیا۔۔۔؟“ آئی جی صاحب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

”جی بھائی جان میرا خیال ہے آپ کے کام ابتدا تو ہو گئی۔ اب بہتر یہ ہے کہ فوری طور پر ان لاشوں کو اپنی تحویل میں لے لیجیے آپ کو کم از کم یہ پتا چل جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ گاڑی بھی قابو میں آ گئی تو آپ کو آسانی ہو جائے گی۔“

”میں دیکھتا ہوں ان مردودوں کو کون ہیں وہ؟ کیا سمجھ رکھا ہے انہوں نے ہمیں۔“ ایس پی طارق حسین غراتے ہوئے لہجے میں بولے اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ پھر انہوں نے ٹیلی فون اٹھا کر اپنے سامنے رکھا اور کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگے وہ محکمے کے افراد کو غالباً ان لاشوں کے بارے میں اطلاع دے رہے تھے پھر انہوں نے انہیں اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں لاشیں ہو سکتی تھیں اور اس کے بعد ڈیڈی کی طرف رخ کر کے بولے۔

”میں جاتا ہوں ذرا صورتحال کا جائزہ لے لوں۔“

”مجھے فوراً رپورٹ درکار ہے۔“ آئی جی صاحب بولے۔

”جی بہت بہتر، کارروائی کے بعد فوراً اطلاع دوں گا۔“ ایس پی طارق حسین نے کہا اور پھر پھرتی سے اٹھ کر باہر نکل گئے کیونکہ انہیں وردی وغیرہ بھی تبدیل کرنی تھی۔

نصرت حسین اور امجد حسین صاحب سکتے کے سے عالم میں بیٹھے رہے تھے پھر امجد حسین نے آہستہ سے کہا۔

”تمہاری آرمی؟“

”جی بھائی جان میری آرمی۔“

”کون لوگ ہیں؟“

”نہیں بتا سکتا۔“

”لیکن یہ چار قتل؟“

”فضول باتیں مت کرو میاں۔ ہر وقت قانون نہ بگھارا کرو میرے سامنے۔“ آئی جی صاحب نے امجد حسین کو ڈانٹ دیا۔

”لیکن ڈیڈی۔“

”میں نے کہا ناں فضول باتوں سے گریز کرو پہلے یہ تو دیکھ لو کہ ان کی اطلاع درست بھی ہے یا نہیں۔“

میں خاموشی سے بیٹھا مسکراتی نگاہوں سے آئی جی صاحب کو دیکھتا رہا تھا پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”تم آرام کرو شارق میں تمہارے موقف سے اتفاق کرتا ہوں اور قانون کی بالادستی کے لیے ایک بار پھر میدان عمل میں آنے کے لیے تیار ہوں۔ دیکھتا ہوں قانون زیادہ طاقتور ہے یا قانون شکن۔“

میں ادب سے اٹھ کھڑا ہوا تھا پھر میں باہر نکل آیا تھا۔۔۔ امجد حسین اور نصرت حسین ڈیڈی کے کمرے ہی میں بیٹھے رہے تھے میں باہر نکلا تو نجانے کیوں میرے رگ و پے میں ایک خوشی کا احساس سرایت کر رہا تھا غالباً یہ احساس اس وجہ سے تھا کہ آج اصولی طور پر میرا موقف تسلیم کر لیا گیا تھا اور میں اس سلسلے میں جدوجہد کر کے جو سرخروئی حاصل کر چکا تھا وہ آج میرے گھر میں داخل ہو گئی تھی آشیانے میں بلاشبہ بڑے بڑے لوگ رہتے تھے بس ان بڑے لوگوں کو ذرا ان کی سطح سے نیچے لا کر حقائق کی روشنی میں دیکھنے کے لیے مجبور کرنا چاہتا تھا میں۔ سو اب اس کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ دوسری صبح جاگا تو ذہن پر ایک خوشگوار سی کیفیت طاری تھی۔ معمول کے مطابق ہی جاگا تھا۔ غسل سے فارغ ہو کر باہر نکلا لباس تبدیل کیا اور اسی وقت ایک ملازم میرے پاس پہنچ گیا۔

”بڑے صاحب نے اپنے کمرے میں بلایا ہے کہا ہے کہ آپ ناشتا وہیں کریں۔“

”ٹھیک ہے۔ کیا اور بھی لوگ وہاں موجود ہیں؟“

”جی صاحب۔“ ملازم نے جواب دیا اور میں ملازم کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

آئی جی صاحب معمول سے کچھ پہلے ہی جاگ گئے تھے۔ اس کا مقصد ہے کافی کھلبلی مچی ہوئی ہے ویسے ایس پی صاحب کی کارروائی معلوم کرنے کے لیے میں بھی بے چین تھا چنانچہ ڈیڈی کے کمرے میں داخل ہو گیا جو میرے کمرے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ مجلس مشاورت جمی ہوئی تھی اور اس میں ایک شخص کا اور اضافہ تھا۔ یہ تھے شوکت جاہ صاحب جن کے چہرے پر کافی سنسنی نظر آ رہی تھی۔ مجھے استقبالیہ نگاہوں سے دیکھا گیا اور میں نے محسوس کیا کہ ماحول خوشگوار ہے یعنی میرے لیے کوئی عتاب نہیں ہے۔ بلکہ کچھ محبت بھری نگاہیں میرا طواف کر رہی ہیں سلام کر کے ادب سے بیٹھ گیا۔ ایس پی طارق حسین کی آنکھوں میں شب بیداری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ آئی جی صاحب نے مجھے بتایا۔

”شارق صاحب وہاں چاروں لاشیں مل گئی ہیں اور تمہارے بیان کے مطابق ان کے پاس خودکار ہتھیار اور چار دستی بم بھی موجود تھے جن کے سیفٹی پیچ ہٹائے نہیں گئے تھے اس کے علاوہ وہاں ایک کار بھی ملی ہے جس پر لگی ہوئی نمبر پلیٹ جعلی ہے اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ وہ نمبر پلیٹ ایک پولیس افسر ہی کی ہے۔ کار کے اندر کوئی کاغذ وغیرہ بھی نہیں ملا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے منظم پیمانے پر کارروائی کی گئی ہے ان چاروں کی لاشوں سے بھی ایک کاغذ کا پرزہ تک نہیں ملا جن سے ان کی شناخت ہو سکتی۔ اس حملے کے لیے خاصی ذہانت استعمال کی گئی اور ہر طرح کی احتیاط مدنظر رکھی گئی۔ بہرطور چاروں لاشیں سرد خانے میں محفوظ ہیں اور ان کے بارے میں قانونی کارروائی ہو رہی ہے۔“

”شکر ہے میرا خیال درست ثابت ہوا اور یہ ملنے والی اطلاع بھی۔“

”ان لوگوں کے بارے میں بتانا پسند کرو گے جو تمہارے لیے کام کر رہے ہیں اور جنہوں نے انہیں ہلاک کیا؟“

”نہیں ڈیڈی کبھی نہیں۔“ میں نے ملائم لہجے میں جواب دیا لیکن ان کے چہرے پر ناگواری کی کوئی لکیر نمودار نہیں ہوئی تھی۔ شوکت جاہ صاحب پتھر کے بت کی مانند ساکت و جامد بیٹھے ہوئے تھے غالباً انہیں بھی صورتحال سے آگاہ کر دیا گیا تھا میں نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھا تو انہوں نے گڑبڑا کر آنکھیں جھکا لیں۔

”کیسے چچا جان کچھ لطف آ رہا ہے؟“

”لاحول ولاقوۃ بھئی میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لاقانونیت اس حد تک بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”چھوڑو میاں یہاں سے آ رہے ہو؟ ہاں یہ سب کچھ کیا کم ہے؟“ ڈیڈی کو شاید یہ بات بری لگی تھی۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر وہ کہنے لگے۔

”احمد کمال کے سلسلے میں کیا رائے ہے کیا اسے بلا لیں۔ بات دراصل کچھ اور صورت اختیار کر گئی ہے میرا خیال ہے ہمیں اسے لاعلم نہیں رکھنا چاہیے۔“

”ہاں بھئی جو کچھ تم نے بتایا ہے وہ تو واقعی قابل گرفت ہے کیوں بھئی شارق اب تم یہ بتاؤ کہ جن حقائق سے ہمیں آگاہ کرنے والے تھے اس کے لیے تم کتنا وقت لو گے؟“

”پورا دن پڑا ہے ڈیڈی۔ کوئی بھی وقت ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے چچا جان کی بات مان لی جائے چچا جان آپ احمد کمال صاحب کو فون کر دیجیے ناشتا ہم ان کے ساتھ ہی کر لیں گے۔“

”ہاں میں [illegible] ضروری سمجھتا ہوں۔“

"آپ ٹھیک ہے میں فون کرکے احمد کمال کو یہیں بلا دو" آئی۔ جی صاحب نے کہا اور شوکت جاہ صاحب نے ٹیلی فون اپنے آگے رکھ لیا وہ تو احمد کمال کو فون کرنے لگے طارق حسین نے جھک کر مجھ سے کہا۔

"حملہ آوروں کی کوئی نشاندہی کر سکتے ہو؟"

"بالکل نہیں جانتا بھائی جان مجھے یقین ہے کہ وہ کرائے کے لوگ ہوں گے۔ آپ کام شروع کریں گے تو علم ہو جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔

"میں ذرا احتیاط سے کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں روزنامچے میں ان لاشوں کی دریافت میں، میں نے اپنا نام نہیں لکھوایا بلکہ ڈی۔ ایس۔ پی احتشام درانی کے نام سے ان لاشوں کی دریافت منسوب کر دی ہے۔"

میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور طارق حسین مجھے دیکھنے لگے۔

"کیوں اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے؟"

"نہیں بھائی جان پولیس کے ہتھکنڈوں پر مسکرا رہا تھا۔ یہ ہوئی ناپولیس والی بات۔"

"پولیس والی بات نہیں ہے۔ تمہاری عقل میں نہیں آ رہی حملہ ہم پر ہوا تھا ہمیں خود کو براہ راست ان معاملات سے متعلق نہیں ظاہر کرنا چاہیے۔"

"میں آپ سے متفق ہوں یہ آپ نے بہت اچھا کیا" میں نے طارق حسین سے کہا۔

"ایک سوال کر سکتا ہوں۔ جانتا ہوں جواب نہیں دو گے" طارق حسین آہستہ سے بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ہمارا ڈیفنس کیا؟"

"میں نے عرض کیا تھا نا میری آرمی۔"

"کون ہیں آخر وہ لوگ؟"

"کمال ہے بھائی جان بھلا یہ بات کیسے بتا سکتا ہوں میں بس یوں سمجھ لیں وہ لوگ میرے دشمنوں سے میرا دفاع کرتے ہیں۔"

"اس کا مقصد ہے کہ تم نے بہت لمبے جال پھیلا رکھے ہیں؟"

"آپ سے اس موضوع پر کبھی تفصیل گفتگو ہو گی بھائی جان اب آپ خود ہی مختصر الفاظ میں مجھے بتا دیجیے کہ اگر واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ جائے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ خاموشی سے گولیاں کھا کر مر جایا جائے؟"

"نہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کچھ لوگوں نے قانون کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا سمجھ لیا ہے۔"

"معافی چاہتا ہوں بھائی جان ان لوگوں کی پذیرائی کی گئی ہے۔ انہیں اس کا موقع دیا گیا ہے کہ وہ قانون کو اپنا غلام سمجھیں یہ قانون کی بدترین توہین ہے میری لڑائی ہی اور کیا ہے۔ آپ تمام حضرات کی خدمت کر کے مجھے فخر محسوس ہوتا۔ میں ان کے دفتر پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ جو بھی کیس ان کے پاس ہے۔ اس پر آنکھیں بند کر کے کام شروع کر دیا جائے۔ بس بھائی جان بدقسمتی یہی ہے کہ میں آنکھیں بند کر کے کام شروع نہیں کر سکتا۔ ہر چیز کی حقیقت میں سچائیاں تلاش کرنے کے بعد ہی آگے بڑھا جا سکتا ہے ورنہ صورت حال مشکل ہو جاتی ہے۔ ہر پیشے کی کچھ طلب ہوتی ہے بھائی جان۔ ضرورتیں انسان کو بہت پیشوں میں لے جاتی ہیں لیکن آپ مجھے بتائیے ضرورتیں پوری کرنے کے بعد اندر کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ کیا کسی کو بہت زیادہ دکھ پہنچا کر ہمیں کچھ ملے تو وہ ملنے والی شے سکون دے سکتی ہے؟ میں ڈاکٹروں کی مثال پیش کرتا ہوں۔ وہ کاروباری طور پر ہی اپنی زندگی کا آغاز کرتے ہیں دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کا جذبہ بیشک ان کے سینوں میں ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ اپنی زندگی کے لیے کام کرتے ہوئے اگر ان کے دل میں جذبہ پیدا ہو جائے کہ یہ مریض زیادہ دولت دے سکتا ہے تو کیا یہ ان کے اپنے پیشے سے غداری نہیں ہوتی۔ وکالت کا بھی یہی مسئلہ ہے۔ پولیس کا بھی یہی مسئلہ ہے ہم ایسے لوگوں کی امیدوں کا مرکز بن جاتے ہیں جو بے گناہ ہوتے ہیں اور اپنے لیے دادرسی چاہتے ہیں اگر ان کے مدمقابل کے گناہ کو تسلیم کرانے کے لیے دولت کے انبار لگا دے تو کیا ہم صرف اس دولت کو دیکھ کر ایک بیگناہ گنہگار قرار دینے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا سکتے ہیں؟ یہ اختلافات ہے مجھے آپ لوگوں نے مجھے وکالت پڑھائی اور وکیل کا نام اگر آپ مذہبی طور پر دیکھیں تو اتنے تقدس کا حامل ہے کہ آپ حیران رہ جائیں۔ بھائی جان کسی کو وکیل بنا کر یہی تصور دیا جا سکتا ہے کہ وہ آپ کی سچائیوں کی وکالت کرے اور آپ کو سچا قرار دینے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر دے۔ میں اس لفظ کی گہرائیوں میں پہنچنے کے بعد اپنے آپ کو اس لفظ کا حامل ثابت کرنے میں کوشاں رہا ہوں۔ معاملہ اس زمانے کا تو ہر دور کو اپنی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ ہم سے پہلے یہ سب کچھ مختلف تھا۔ ہمارے دور میں اس کا انداز تبدیل ہو گیا ہے چنانچہ ہمیں ہر مقصد کی تکمیل کے لیے وقت کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے آپ یقین کیجیے میں آپ سب سے

بہت محبت کرتا ہوں آپ میرے بھائی ہیں یہ میرا گھر ہے لیکن جہاں تک مسلک اور مقصد کا تعلق ہے مجھے اختلاف ہے اور میں ان اختلافات میں کوئی سمجھوتہ کبھی نہیں کر سکتا خیر میں کچھ جذباتی ہو گیا بات ان لوگوں کی ہو رہی تھی جس کے بارے میں آپ نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ وہ کون ہیں؟ بس یوں سمجھ لیجیے کہ میرے مقصد کے حامی ہیں۔ خدا کی قسم بھائی جان ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے میرے لیے کچھ کرنے کا کوئی معاوضہ لیتا ہو۔ بس وہ میرے اس مسلک کے پیروکار ہیں اور اپنے طور پر یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔"

طارق حسین صاحب گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے ان کے چہرے پر تاثرات تھے۔ غالباً وہ میری باتوں سے متاثر ہو گئے تھے۔ انہوں نے گردن جھٹک کر کہا۔

"اگر تم یہ الفاظ کہتے ہو کہ تم ہمیں اپنا بھائی سمجھتے ہو اور تمام تر محبتیں ہم سے رکھتے ہو تو یہ کیوں سمجھتے ہو کہ ہمیں تم سے محبت نہیں ہم بھی اسی لیے تشویش کا شکار رہتے ہیں کہ کہیں تمہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔"

"میں نے اپنی زندگی اپنے مقصد کے لیے وقف کر دی ہے اور ہمیشہ اچھے برے وقت کا انتظار کرتا رہتا ہوں آپ لوگوں کی دعائیں میرے راستے کی راہبر بن سکتی ہیں بس اس سے زیادہ اور کیا کہوں؟"

ہم لوگوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر شوکت جاہ صاحب آئی۔ جی صاحب سے گفتگو کر رہے تھے۔ نصرت حسین اور منجھ امجد حسین صاحب اپنے طور پر مصروف گفتگو تھے بڑی گہما گہمی ہو گئی تھی۔ گھر میں اور مجھے بڑا لطف آ رہا تھا پھر احمد کمال صاحب کی آمد کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر بعد وہ اندر داخل ہو گئے ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اندر آنے کے بعد انہوں نے تمام لوگوں کو دیکھا اور پھر زیر لب مسکرا کر بولے۔

"باقاعدہ کانفرنس ہو رہی ہے یہاں تو۔"

"جی کمال صاحب اور اس میں آپ ایک اہم شخصیت کی حیثیت اختیار کر رہے ہیں۔" آئی جی صاحب بولے۔

"یقیناً۔ ویسے میں نے کہا تھا کہ میں کل پہنچوں گا اور یوں سمجھ لیجیے آپ لوگ کہ میں بھی بے چین تھا اگر آپ کا ٹیلی فون نہ آتا تب بھی میں آپ کو ٹیلی فون کر کے آپ لوگوں سے وقت لیتا؟"

"جی۔۔۔ جی۔"

"بھئی یہ قیصر پرویز کا کیا معاملہ ہے۔ یہ تو کل دیوانہ ہو گیا تھا بہت ہی عجیب انداز اختیار کیا تھا اس نے اور شارق میاں اس کے اور آپ کے درمیان کوئی خاص مسئلہ چل رہا ہے؟"

"جی۔۔۔" میں نے مختصراً کہا۔ آئی۔ جی صاحب کہنے لگے۔

"ہم لوگوں کے چلے آنے کے بعد کیا طرز عمل رہا؟"

"بس مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ میرے اور آپ لوگوں کے تعلقات کیسے ہیں۔ بہتر ہے کہ میں آپ لوگوں سے تعلقات نہ رکھوں یہ میرے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔ میں نے خیر اسے تو ایسی کوئی خاص بات نہیں کہی لیکن اپنے طور پر بہت سے فیصلے کیے۔"

"مثلاً؟" شوکت جاہ نے پوچھا۔

"بتا دوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے اس طرح فوراً پہنچنے کی ہدایت کر کے خوفزدہ کیوں کیا ہے؟"

"بھئی کل کچھ باتیں سامنے آئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ تم قیصر پرویز کے بیٹے مسعود پرویز سے اپنی بیٹی انیلا کی شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں اس سلسلے میں چند لوگوں نے مجھ سے اس بات کا اظہار کیا تھا اور اس کے بعد قیصر پرویز نے مجھ سے ملاقات کر کے یہ پیشکش کی۔ میں نے تقریباً نیم رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔"

"ہوں! لیکن احمد کمال صاحب قیصر پرویز کے بارے میں آپ کو تھوڑی بہت معلومات تو حاصل کر لینی چاہیے تھیں۔"

"معافی چاہتا ہوں شیخ! دراصل زندگی میں بہت بڑا خلا ہے یوں تو بے شمار دوست اور شناسا موجود ہیں لیکن کوئی ایسا قریبی نہیں ہے جو شانے پر ہاتھ رکھ کر ساتھ چل سکے۔ ایک طرح سے تنہائی محسوس کرتا ہوں۔ انیلا میری اکلوتی بیٹی ہے ماں بھی نہیں ہے اس کی۔ یوں سمجھ لو کہ میری ساری زندگی اس کے لیے وقف رہی ہے۔ بہت چھوٹی سی تھی وہ جب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا اور میں نے اس کی پرورش کے لیے اپنے آپ کو بالکل ہی تبدیل کر دیا۔ لوگوں کے بارے میں بہت زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ قیصر پرویز کی ظاہری شخصیت بہت بہتر تھی۔ میں اس کے ہاں ایک بار دعوت پر بھی جا چکا ہوں اس نے مجھے اپنے بارے میں تفصیلات بھی بتائیں۔ کہتا ہے کہ بہت اعلیٰ نسل کا آدمی ہے بس اور کوئی معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہے چنانچہ اپنے طور پر تیار ہو گیا۔ دل چاہتا ہے کہ بیٹی کو صحیح انداز میں اس کے گھر پہنچا دوں تاکہ زندگی کے مسائل سے سبکدوش ہو جاؤں۔"

"ہوں! خیر یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ آپ اپنی فطری شرافت اور سادگی کی وجہ سے اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں حاصل کر سکے لیکن یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ آپ کے شانے پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔" شوکت جاہ نے اعتراض کیا۔

"بھئی تم اپنی بات مت کرو۔ البتہ میں رہتے ہو وہ یہاں رہ کر لوگوں کی شناخت کی بات کرتے ہو۔ اس سے پہلے اگر ان لوگوں سے تعارف کرا دیا ہوتا تو شاید انہی کی خدمت میں حاضری دے کر اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔"

"بہر حال ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا۔ ہمارے لیے یہ ضروری ہو گیا تھا کہ یہ معلوم ہونے کے بعد آپ سے فوری رابطہ کریں۔ شارق حسین سے تو آپ مل ہی چکے ہیں۔ یہ ایک نٹھ کھٹ نوجوان ہے اور پچھلے کچھ دنوں سے اس کا نام کچھ اُبھرتا جا رہا ہے یہ ایسے لوگوں کے کیسز اپنے ہاتھ میں لیتا ہے جو بے گناہ ہو کر بھی سزا کاٹ رہے ہوتے ہیں۔ یعنی اُن کی کوئی ایسی پہنچ نہ ہو جس کے تحت وہ کام کر سکیں اور اپنی بے گناہی ثابت کر سکیں چنانچہ یہ چھانٹ چھانٹ کر اور تلاش کر کے ایسے لوگوں کے کیس ہاتھ میں لیتا ہے اور خدا کا فضل ہے کہ بہت سے ایسے بے گناہ لوگوں کو جیل کی زندگی سے نجات دلا چکا ہے اور گناہ گاروں کو کیفرِ کردار تک پہنچا چکا ہے۔"

"بخدا یہ تو بہت نیک کام ہے۔ میری نگاہوں سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں گزری۔" احمد کمال صاحب نے کہا۔

"آپ کاروباری آدمی ہیں کمال صاحب آپ ایسی باتوں پر توجہ کب دیتے ہوں گے؟" جج امجد حسین صاحب بولے۔

"ہاں! حالانکہ یہ ایک کوتاہی ہے لیکن شارق حسین کے بارے میں سن کر واقعی دلی مسرت ہوئی۔ لیکن میاں! ایسے لوگوں کی داد رسی کر کے آپ کو ملتا کیا ہو گا؟"

"یہ تو ایک مسئلہ ہے کہ شارق حسین اس مسئلے میں "نن" ہیں۔ جن لوگوں کو انہوں نے موت کے شکنجے سے نکالا ہے وہ بالکل بے حیثیت لوگ تھے اور مالی طور پر ان کی ایک روپے کی امداد نہ کر سکتے تھے۔ لیکن یہ ان کا مسلک ہے کہ ایسے لوگوں کی داد رسی کریں اور انہیں قانون سے ہر قسم کے فائدے حاصل کرنے کے مواقع فراہم کریں۔ خواہ ان کی آمدنی ہو یا نہ ہو۔"

"تب تو یہ درویش صفت ہیں۔ میں ان کے بارے میں تفصیلات ضرور جاننا چاہوں گا۔"

"یہ فرصت کے وقت کی باتیں ہیں۔" جج صاحب نے کہا۔

"ہاں یقیناً۔ اچھا بھئی شوکت جاہ مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ہاں یہ بات بھی مجھے بتائی جائے کہ یہ قیصر پرویز کی تم لوگوں سے برگشتگی کی وجہ کیا ہے؟" احمد کمال بولے۔

"اس کے سلسلے میں، میں آپ کو تفصیلات عرض کروں گا چچا جان!" میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یقیناً!"

"مسعود پرویز، قیصر پرویز کا تنہا بیٹا ہے؟"

"ہاں بیٹا ایک ہی ہے۔ بیٹیاں کئی ہیں۔" احمد کمال نے جواب دیا۔

"چنانچہ ایک اوباش نوجوان کی حیثیت سے وہ منظرِ عام پر ہے۔ جہاں تک قیصر پرویز کا معاملہ ہے وہ اپنے آپ کو ایک اعلیٰ نسل کا انسان کہتا ہے جب کہ اُس کا دادا ایک دہی بڑے بیچنے والا آدمی تھا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں احمد کمال صاحب آپ کی توہین کے مترادف ہے میں وہ تمام ثبوت طلب کر سکتے ہیں جو آپ کے سامنے میں کہہ رہا ہوں۔ چنانچہ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ جو کچھ میں آپ سے کہوں آپ کو اُس پر ناراض ہونے کا پورا پورا حق ہے لیکن اس کے بعد میں آپ کو ان کے ثبوت بھی پیش کروں گا۔"

"کہتے رہو بیٹے جو کچھ تم سوچ رہے ہو وہ نہیں ہے۔" کمال صاحب نے کسی قدر لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دادا سے باپ تک کا سفر بہت تکلیف دہ رہا اور اُس کے بعد بات قیصر پرویز تک آگئی۔ اُس کو ایک اور شخص نے پرورش کیا اور اس کے بعد قیصر پرویز ایک نئی حیثیت سے اُبھرا۔ اُس نے اپنے باپ یا دادا کی مدد سے کوئی تعلیم نہیں حاصل کی بلکہ اس کا مددگار ایک تیسرا آدمی تھا وہ کون تھا؟ کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ اس کی تفصیلات آپ کو ضرور پیش کر دوں گا۔ قیصر پرویز منظرِ عام پر آیا اور اُسے ایک سرکاری ملازمت مل گئی اس سرکاری ملازمت کے حصول کے بعد ایک بار رشوت ستانی کے الزام اُسے چھ ماہ کی سزا ہوئی۔ اس سزا کو کاٹنے کے بعد جب وہ واپس آیا تو اپنے ساتھ چراغ الٰہ دین لے کر آیا اور اس الٰہ دین کے چراغ نے اُس کی شخصیت مکمل طور پر تبدیل کر دی۔ اُس نے کس کس طرح اپنے آپ کو سرکاری حکام میں مقبول کرایا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اب ایک با اختیار آدمی ہے اور ہر محکمے میں اپنی مداخلت رکھتا ہے۔ کمال صاحب اُس کے ماضی کے بارے میں تفصیلات جاننے کے بعد آپ جان گئے ہوں گے کہ جو دولت اُس کے پاس نظر آتی ہے وہ نہ تو کوئی ورثہ ہے اور نہ اُس کی محنت کا کوئی پھل بلکہ اس کی آمد کا ذریعہ ناجائز ہے۔ اگر آپ تفصیلات طلب کریں گے تو آپ کو کچھ اور تفصیلات بھی فراہم کر دوں گا میں نہ صرف یہ ثابت کر دوں گا کہ قیصر پرویز اسمگلنگ، چور بازاری اور شاید ڈاکہ زنی میں بھی ملوث ہے۔ لیکن ہم ان باتوں کو اُس کی ذات تک محدود کرتے ہیں اور آتے ہیں مسعود پرویز تک جس سے ہمارا اصل معاملہ ہے۔ کچھ عرصہ قبل مسعود پرویز کسی لڑکی کو

اغوا کرنے کے الزام میں پولیس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ لیکن اُس کے بعد اُس کے باپ نے اُس کی تمام تر معاونت کی۔ اُسے نہ صرف پولیس کے ہاتھوں سے چھڑوا لیا بلکہ اُس کی ماں اور لڑکی کو بھی دھمکیاں دی گئیں کہ اگر وہ زندگی چاہتی ہیں تو اپنی زبان بند رکھیں۔ بس یہیں سے میری اور قیصر پرویز کی دشمنی کا آغاز ہوا۔ لڑکی اور اُس کی ماں مجھ تک پہنچیں اور میں نے قیصر پرویز سے کہا کہ وہ اپنے بیٹے سے کہے کہ وہ لڑکی اور اُس کی ماں سے معافی مانگے اور انہیں اس کا ہرجانہ دیا جائے۔ قیصر پرویز مجھے بہت ہی حقارت کے ساتھ ہینڈل کرتا رہا ہے۔ لیکن اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے اس کے لیے کہ وہ اپنے آپ پر نظرِ ثانی کرے اور میں اُس کی شخصیت کو منظرِ عام پر لاؤں۔"

"میاں کہاں کی بات کرتے ہو۔ اب نظرِ ثانی اور منظرِ عام پر لانے کی بات تھوڑی رہی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں آپ لوگوں سے میں یہ بات احمد کمال سے چھپا نہیں سکتا۔" شوکت جاہ صاحب اچانک ہی بول پڑے اور احمد کمال اُنہیں دیکھنے لگے تب شوکت جاہ نے کہا۔

"مسلح حملہ کیا گیا ہے ہم پر رات کو کلاشنکوفوں سے گولیاں برسائی گئی ہیں۔ بال بال بچ گئے ورنہ اس وقت تم ہم سب کی لاشوں کے سرہانے بیٹھے ہوئے ہوتے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب ہم تمہارے گھر سے واپس چلے تھے۔"

"ہیں!" احمد کمال کا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

ہم سب عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے شوکت جاہ غالباً بہت زیادہ متاثر تھے رات کے واقعے سے۔ لیکن احمد کمال سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بات یہاں تک پہنچ سکتی ہے۔ وہ چند لمحات بالکل ہی ساکت و جامد رہے اور کچھ بول بھی نہ سکے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"تو تم نے... تم نے میرا مطلب ہے... میرا مطلب ہے پولیس کی... میرا مطلب ہے پولیس... پولیس۔" احمد کمال صاحب بدحواسی میں جملہ پورا نہیں کر پا رہے تھے۔

"نہیں کمال صاحب ابھی ہم نے پولیس سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا۔ لیکن یہ کام بھی ہو جائے گا۔ یہ کوئی آسان معاملہ نہیں ہے ذرا مشکلات پیش آئیں گی اس سلسلے میں۔ لیکن ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ آپ کو صورتِ حال سے فوراً آگاہ کر دیا جائے۔ بچی کو تنازعہ میں ڈالنا مناسب نہیں ہو گا اور پھر اُس لڑکے کا کردار بھی آپ کے سامنے آ چکا ہے۔ یہ بالکل غیر مناسب ہو گا۔ باقی مجھے یقین ہے کہ آپ بہتر فیصلہ کریں گے۔"

"یہ کیوں فیصلہ کریں گے؟ جب ہم نے فیصلہ کر دیا تو پھر مزید فیصلے کی کیا گنجائش ہے؟" شوکت جاہ صاحب غصیلے انداز میں بولے۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مم... میں... میں تو صحیح بات یہ ہے کہ بالکل ہی ہمت کھو بیٹھا ہوں۔ میں کیا کروں اور مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میرا کیا ہو گا؟" احمد کمال پریشان لہجے میں بولے۔

"کیوں... ؟ آپ کا کیا ہو گا؟" امجد حسین صاحب نے کہا۔

"میاں میں نے کبھی زندگی میں ایسے کھیل نہیں کھیلے اور وہ شخص

ظاہر ہے اگر میں مُنہ کھول کر منع کرتا ہوں تو وہ اسے اپنی توہین سمجھے گا۔ میرا کیا ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ وہ انتقامی کارروائی کرے گا اور میں بھلا اُس کی انتقامی کارروائی کی تاب کہاں لاسکوں گا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرے پاس تو کوئی وسائل بھی نہیں ہیں۔ تم لوگوں نے... تم لوگوں نے تو ماشاء اللہ قابو پالیا حالات پر۔ مم۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی الگ نہیں رہو گے لیکن میرے بھائی میری تو ہمت پست ہوگئی ہے۔ خدا کے لیے مجھے بتاؤ میں کیا کروں ؟"

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ قیصر پرویز کے تمام منصوبوں کو ناکام بنانا میری ذمہ داری ہے۔ وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ آپ کو علم ہے کہ میں نے اُس کی دُشمن لڑکی اور ماں کو اپنی حفاظت میں رکھا ہوا ہے۔ آپ بالکل بے فکر رہیں وہ آپ کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" میں نے احمد کمال کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

"بیٹے میری ایک ہی بچّی ہے اور اِس قسم کے لوگوں کی داستانیں کم از کم میں بہت پڑھ چکا ہوں اور دیکھ چکا ہوں۔ بُرے آدمی بُرائیاں کرنے میں بڑی جلد بازی کرتے ہیں۔ ہم تیاریاں بھی نہ کر پائیں اور وہ اپنا کام مکمل کرلے۔ مجھے کوئی ترکیب بتاؤ خدا کے لیے میں تو سخت پریشان ہوگیا ہوں۔"

"خیر اتنے زیادہ اُلجھنے کی ضرورت نہیں ابھی تم نے کون سا اُس سے انکار کردیا ہے جب اس بات کا اظہار کروگے اُس پر تو اس کے بعد کچھ سوچ لیا جائے گا۔" شوکت جاہ صاحب نے کہا۔

"نہیں بھئی شوکت تمہیں اس بارے میرے سلسلے میں کچھ سوچنا ہوگا بلکہ میں خود ہی کچھ کرلوں گا۔ میں... میں بھائی اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں کچھ عرصے کے لیے ملک سے باہر چلا جاتا ہوں کسی گمنام گوشے میں کسی کو کچھ بتائے بغیر۔ تم لوگ مجھ سے رابطہ رکھنا۔ حالات درست ہوجائیں گے تو میں واپس آجاؤں گا۔ مجھے معاف کردینا بزدل آدمی ہوں۔ یہ... یہ سب کچھ میں برداشت نہیں کرپا رہا۔ میرے تو اعصاب خراب ہوئے جارہے ہیں۔"

آئی جی صاحب نے شوکت جاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے شوکت جاہ، احمد کمال درست کہہ رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ باہر خاموشی سے چلے جائیں۔ جہاں تک میرا ان سے رابطے کا تعلق ہے تو بہرطور وہ تو رہے گا ہی جب ہم اس اژدہے کو مار لیں گے تو انہیں واپس بلالیں گے۔"

"ہاں عظمت بھائی صاحب آپ لوگ مجھے بالکل معاف کردیں گے۔ دراصل میری فیلڈ یہ نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی سے کوئی ہنگامہ آرائی مول نہیں لی۔" کمال صاحب واقعی بُری طرح حواس باختہ ہو رہے تھے۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے آپ ایسا ہی کیجیے۔ بلکہ ایک ہفتے کے اندر اندر کر ڈالیے۔"

"میاں تم ایک ہفتے کی بات کرتے ہو میں دو دن کے اندر یہ کر ڈالوں گا۔" احمد کمال نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا اور میں گہری سانس لے کر شوکت جاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بہرحال احمد کمال کو اِن تمام حالات سے آگاہ کرنا ہمارا فرض تھا اور احمد کمال اب تم جانا چاہو تو جاؤ۔ تیاریاں کرو اور اُس کے بعد نکل جاؤ۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں آج ہی سے اس کارروائی کا آغاز کردُوں گا۔ ایک درخواست کروں ؟" احمد کمال بولے۔

"جی... جی فرمائیے۔" امجد حسین صاحب نے فوراً ہی کہا۔

"وہ انیلا کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ یہیں موجود ہے۔ چھوڑ جاؤں ؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہو احمد کمال بچّوں کی سی انیلا کے بارے میں ایسی کوئی بات کہنا یا پوچھنا ضروری ہے ؟" شوکت جاہ نے کہا۔

"ہاں وہ یہیں ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" آئی۔ جی صاحب بھی اُٹھ گئے اور پھر ہم سب ہی احمد کمال کو باہر چھوڑنے آئے تھے۔

لان پر دھماچوکڑی مچی ہوئی تھی۔ قہقہے اُڑ رہے تھے۔ سب کی سب جمع تھیں۔ احمد کمال نے اشارے سے انیلا کو قریب بلایا اور وہ تیزی سے اُن کے پاس آگئی۔

"چلیں ڈیڈی ؟"

"وہ۔ نہیں بیٹے کچھ کام ہے مجھے۔ یہ شوکت جاہ اور دوسرے تمام بچّے کہہ رہے ہیں کہ تم ابھی یہیں رہو۔"

"آہ! کتنے اچھے بچّے ہیں۔" انیلا نے خاص طور سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میں مسکرا دیا۔

"کیا مطلب ؟" احمد کمال صاحب بولے۔

"سوری ڈیڈی میں بھی کچھ دیر رُکنا چاہتی تھی۔ ان سب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ آپ سے میرے لیے درخواست کریں گی لیکن اندر شاید پہلے ہی میرے لیے درخواست ہوچکی ہے شخصیت شخصیت کی بات ہے۔ کیوں شارق صاحب ؟" اُس نے شرارت سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی شخصیت بہت

عمدہ ہے۔"

"گڈ ویری گڈ۔ چلو خیر ٹھیک ہے تم یہاں گھل مل جاؤ۔ بہت دن سے مجھ سے شکایت کررہی تھیں کہ کوئی ایسی کمپنی نہیں رہی ہے تمہارے پاس جہاں تم خوش رہ سکو۔"

"تھینک یو ڈیڈی۔ ویسے آپ شام کو واپس آئیں گے ؟"

"اگر میں بھی آؤں تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی یہاں۔"

"قطعی نہیں ہوگی لیکن بس آپ اکیلے رہیں گے اس کا خیال ہے۔"

"نہیں بیٹے ہوسکتا ہے کہ شام کو بھی آؤں۔ کیوں بھئی اجازت ہے ؟"

"آپ رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھائیں کمال صاحب۔" آئی جی صاحب نے فوراً پیشکش کردی۔

"بے حد شکریہ ضرور کھاؤں گا۔"

احمد کمال کو رخصت کردیا گیا۔ آئی۔ جی صاحب اندر چلے گئے۔ میرے برادران بھی آئی۔ جی صاحب کے ساتھ ہی چلے گئے تھے۔ میں جان بوجھ کر پیچھے رُک گیا تھا۔ ذرا اس دھماچوکڑی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ سب کے چہروں پر شرارت کے آثار تھے۔ ان ہنگاموں میں مسرت الالہ رُخ، نیلوفر صاحبہ بھی شامل تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی شفق بھابی بھی سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہوئی تھیں البتہ عصمت اور تنویر بھابی اندر ہی تھیں۔ میں رُکا تو شفق بھابی نے کہا۔

"ذرا اِدھر تشریف لے آئیے ہیرو صاحب۔"

"خوب... خوب دیکھا آپ نے خواتین یہ وقعت ہے ہماری اب شادی شدہ خواتین بھی ہمیں اپنا ہیرو تسلیم کرنے لگیں۔ ویسے بھابی تو بہت دنوں سے مجھے ایسی ہی نگاہوں سے دیکھتی رہی ہیں۔"

"آؤ... ذرا اس طرف آجاؤ۔ تم سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ یہ چکّر کیا چلا رکھے ہیں تم نے۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم ایک معصوم اور سیدھے سادے آدمی ہو ہمارے ہی سامنے ناک صاف کرنا سیکھی اور یہ لچھن نکل آئے۔"

"جی میں جانتا ہوں کہ اب آپ ایسی ہی باتیں کریں گی۔ ان لڑکیوں کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے۔" میں نے کہا اور بھابی ہنسنے لگیں۔

"ہوں! ذرا اب بتاؤ انیلا کیا بتا یا تھا تم نے ؟"

"کک... کیا بھابی ؟ میں نے کیا بتا یا تھا ؟" وہ مُنہ سکوڑ کر بولی۔

"وہ الماس آرا کون ہے ؟"

"اُف... بھابی بھئی میں نے تو تذکرہ کیا تھا الماس آرا کا۔ اب یہ تھوڑی کہا تھا کہ یہ سب کچھ سچ ہے۔"

"خیر ڈرو نہیں یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہاں تو آپ ہی فرما دیجیے کہ الماس آرا کا کیا چکر ہے ؟" شفق بھابی نے کہا اور میرے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں گہری نگاہوں سے شفق بھابی کو دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"آپ سے اس کی توقع نہیں رکھتا بھابی۔"

"کس کی ؟"

"جو آپ کررہی ہیں۔"

"کیا کررہی ہوں میں ؟ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہی تو ہے۔"

"تو پھر آئیے ذرا جمع ہوجائیے کسی مناسب جگہ۔" میں نے کہا اور شفق بھابی میرے ساتھ چل پڑیں۔ سب ساتھ تھیں۔ ہم سب ایک گوشے میں جا بیٹھے۔

"جی انیلا صاحبہ، الماس آرا کے بارے میں آپ نے کیا فرمایا تھا ؟"

"دیکھیے شارق صاحب صرف اتنا کہا تھا میں نے کہ الماس آرا میری بہترین دوست ہے اور اُس نے آپ کی تعریفیں کچھ اس طرح کیں کہ میں خود بھی آپ سے ملنے کی مشتاق ہوگئی تھی پھر میں نے ان لوگوں سے کہا کہ اس سے پہلے میرے ذہن میں شارق کے لیے کوئی ایسا تصوّر نہیں تھا لیکن یہ تو بہت خوبرو نوجوان ہیں اور اب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ الماس آرا کے لہجے میں جو ایک محبت بھرا انداز تھا کہیں وہ اُس کی دل کی گہرائیوں سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ میں نے تو صرف ایک خدشے کا اظہار کیا تھا شفق بھابی نے اسے دوسرا ہی رنگ دے دیا ہے۔"

"ارے تمہیں پتا نہیں ہے انیلا یہ حضرت کس قدر پہنچے ہوئے ہیں۔ اِن کی بہت ساری کہانیاں منظرِ عام پر ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ سب لوگ اِن سے واقف ہوجائیں تاکہ ہوشیار رہیں۔"

"اب شفق بھابی اپنی ہی پول کھول رہی ہیں تو خواتین میں کیا کرسکتا ہوں ؟ دراصل ابتداً شفق بھابی نے فرمائی تھی ہمارے بھیا سے شادی کرنے سے پہلے ان کا خیال تھا کہ ان کی شادی میرے ساتھ ہورہی ہے لیکن مجھے جب اِس بات کا علم ہوا تو میں نے انکار کردیا بلکہ گھر سے بھاگ جانے کی دھمکی دی اور شفق بھابی بحالتِ مجبوری بھیا سے شادی کرنے پر راضی ہوگئیں یہ آج تک اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہتی ہیں۔"

"چپل اُتاروں گی اور چار لگاؤں گی تمہارے سر پر فضول باتیں کرنے بیٹھ گئے۔" شفق بھابی بُری طرح جھینپ گئی تھیں۔

"آہا ... آپ [illegible] گیا ہے۔ میں تو [illegible] سامنے کا عادی ہوں"
اسی [illegible] عصمت بھابی کی آواز سنائی دی۔
"شفق بھئی بات سنو، ادھر آؤ۔ کیا کر رہی ہو وہاں بچوں میں [illegible] کرو"
"غم کم کرنے کی کوشش کر رہی ہیں" میں نے زیرِ لب کہا اور شفق بھابی مجھے گھورنے لگیں پھر خاموشی سے اٹھ کر عصمت بھابی کی جانب چلی گئیں۔
"اللہ کا شکر ہے ایک بزرگ ہم میں سے کم ہو گیا"
"ہاں اور آپ کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا" نیلوفر نے لقمہ دیا اور میں شرارت بھری نگاہوں سے نیلوفر کو دیکھنے لگا۔
"ویسے شفق بھابی ابھی جو محنت کر رہی تھیں تم نے اُس پر غور کیا مس نیلوفر"
"کیسی محنت؟ آپ بلا وجہ اُن پر الزامات لگا رہے تھے۔ باجی ایسی تو نہیں ہیں"
"اُن پر یہ الزام نہیں لگا رہا تھا جو آپ سوچ رہی ہیں"
"تو پھر...؟"
"دراصل شفق بھابی کو ان دنوں اندازہ ہو رہا ہے کہ میں جاوداں کی طرف مائل ہوں۔ وہ یہ تذکرہ کر کے جاوداں کو کچھ بتانا چاہتی ہیں غالباً اُسے ہوشیار کرنا چاہتی ہیں کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں اور یہ نیلوفر تمہارا انتقام لیا جا رہا ہے"
"ارے... ارے کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ بڑی گھٹیا سوچ ہے آپ کی"
"سمجھیں جاوداں صورتِ حال یہی ہے۔ لیکن جاوداں اس بارے میں مجھ سے بدظن ہوئی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اب تو انیلا موجود ہیں۔ بھئی انیلا آئیے آپ سے کچھ گفتگو علیحدہ گوشے میں بیٹھ کر کی جائے" میں نے اس سے کہا اور وہ ہنس پڑی۔
"خدا کے لیے نہیں۔ میں... میں آج ہی نکال دی جاؤں گی یہاں سے"
"کیسے نکال دی جائیں گی؟ میں جو وعدہ کر رہا ہوں آپ سے" نیلوفر اور لالہ رُخ نے حیران نگاہوں سے جاوداں کی طرف دیکھا تھا۔ میں نے بڑی بے تکلفی سے انیلا کی کلائی پر ہاتھ ڈالا اور اُسے لے کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ جاوداں کے ہونٹوں پر ایک پُر وقار مسکراہٹ تھی اور اُس کی نگاہوں میں حقارت غالباً ان دونوں لڑکیوں کے لیے جو صرف بے تکی باتیں ہی سوچ سکتی تھیں جاوداں کو مجھ پر مکمل اعتبار ہو گیا تھا۔ انیلا گھسٹتی ہوئی سی میرے ساتھ آگے بڑھی تھی اور لالہ رُخ اور نیلوفر کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ اُسے اُمید نہیں تھی۔ بلکہ اُن دونوں کو اُمید نہیں تھی کہ میں اس کے ساتھ اتنی بے تکلفی کا رویّہ اختیار کر سکتا ہوں۔ انیلا بھی حیران سی تھی۔ میں اُسے ایک دُور دراز گوشے میں لے گیا۔ باقی کسی نے میرے ساتھ آنے کی کوشش نہیں کی۔
"تشریف رکھیے انیلا میں آپ سے اظہارِ محبت کرنا چاہتا ہوں"
"خ... خدا کے لیے... خدا کے لیے کک... کیا کر رہے ہیں آپ؟ بے تکلفی کی بھی ایک حد ہوتی ہے"
"بھئی ایک بات آپ سمجھ لیجیے جس کا ہاتھ مجمعِ عام میں پکڑا جاتا ہے اُس کے لیے دل میں کوئی چور نہیں ہوتا۔ یہ بات تو آپ سمجھتی ہیں نا؟"
"ہاں... ہاں کیوں نہیں۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔ ایک نگاہ ہی میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا مگر یہ ساری کی ساری آپ کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہیں؟"
"لمبی کہانی ہے۔ فی الحال اس کہانی کو جانے دیجیے۔ آپ کو کچھ خوشخبریاں دینا چاہتا ہوں اس لیے اِس الگ گوشے میں لے آیا ہوں"
"کیسی خوشخبری؟"
"آپ کچھ بھی انعام دے دیں ہمیں۔ یہ آپ پر منحصر ہے بس یوں سمجھ لیں کہ مسعود پرویز سے آپ کی جان چھڑا دی ہے"
"کک... کیسے۔ خ خدا کی قسم سچ بتائیے شارق صاحب"
"ہاں، آپ یہ سمجھ لیجیے کہ یہ مسئلہ فائنل ہو گیا۔ صبح خاص طور سے ٹیلی فون کرایا تھا میں نے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیجیے کہ مسعود پرویز کے بعد میں اپنی درخواست پیش کرنا چاہتا ہوں"
"پلیز آپ مذاق نہ کریں۔ میں واقعی اُس شخص کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ کیا ایسا ہو گیا ہے؟"
"ہاں اور اُس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت بُرا انسان ہے اور پولیس ریکارڈ میں آ چکا ہے"
"اوہ! میرے خدا اگر یہ احسان کیا ہے آپ نے مجھ پر تو آپ یقین کیجیے کہ خرید لیا مجھے"
"نہیں... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ دوسری خوشخبری بھی دے دی جائے آپ کو؟"
"اور بھی کوئی خوشخبری ہے اس سے بڑی؟"
"بڑی چھوٹی کے بارے میں تو نہیں کہہ سکتا لیکن آپ کو میں بیرونِ ملک بھجوا رہا ہوں"

"کک... کہاں؟"
"بہتر یہ ہے کہ اِس سلسلے میں کمال صاحب سے گفتگو کر لیجیے جہاں الماس آرا ہو وہیں چلی جائیے"
"وہ تو سوئٹزرلینڈ میں ہے"
"تو اس سے اچھی جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ آپ بھی کچھ عرصہ آرام کر آئیے"
"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟ میں تو بہت عرصے سے [illegible] سے کہہ رہی ہوں کہ کچھ دن کے لیے باہر کی سیر کر لیں"
"بس یوں سمجھ لیجیے کہ دو تین دن میں [illegible] ہو جائے گا لیکن افسوس ہماری کمپنی ختم ہو جائے گی"
"تو ہم لوگ جائیں گے کتنے دن کے لیے [illegible] تو نہیں لگے گا لیکن میں آپ کے لیے دل میں ممنونیت کے [illegible] لے کر جاؤں گی۔ وہ بہت زیادہ ہوں گے اور پھر جب [illegible] واپس آؤں گی تو سچ مچ آپ سے محبت کرنے لگوں گی"
"شکریہ... شکریہ"
"ویسے یہ لوگ جاوداں کے سلسلے میں بھی [illegible] بہت سوئٹ لڑکی ہے۔ میں نے اس سے حسین لڑکی [illegible] نہیں دیکھی"
"یہ جاہل لوگ ہیں۔ جاوداں بہت عظیم ہے [illegible] کی مانند یہ تنگ نظر لوگ کسی سے کوئی رشتہ بھی قائم [illegible] ان کی کم نظری ہی کہہ سکتے ہیں اور انیلا ایک بات کا [illegible] یقین دلا دوں تمہارے لیے بھی میرے دل میں بھائیوں کی [illegible] محبت ہے۔ اس محبت کو کبھی کوئی برا رنگ مت دینا۔ [illegible] آدمی ہوں جو منہ میں آتا ہے بک دیتا ہوں"
"گریٹ شارق... گریٹ اللہ کی قسم بہت اچھا [illegible] دل سے تمہاری عزت کرنے لگی ہوں اور افسوس ہے [illegible] تم لوگوں سے ملاقات کیوں نہیں ہوئی"
"الماس مل جائیں تو اُن سے بھی میرا سلام کہہ دیں"
"ایک بات اور بتا دو"
"کیا...؟"
"الماس کے لیے کچھ دل میں ہے؟"
"ہاں دوستی، محبت اور وہ سارے جذبات جن میں پاکیزگی ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ زندگی کے اس شعبے کی جانب ابھی رُخ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی ہے۔ ابھی تو تعمیر کی منزل میں ہوں راستے روکنا نہیں چاہتا۔ بس دوستی اور محبت کا قائل ہوں اس سے آگے ذرا مشکلات پیش آتی ہیں"
"ہاں ٹھیک ہے ظاہر ہے انسان کو یہ سب کچھ ذہن پر مسلط نہیں کر لینا چاہیے۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے۔ پہلے ایک مقصد کا حل دریافت ہو جائے آپ کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتی شارق لیکن جو کچھ اخبارات میں پڑھا ہے اور جو کچھ الماس سے سُنا ہے اور آپ کے بارے میں جو معلومات مجھے حاصل ہیں اُن کی وجہ سے آپ یقین کیجیے کہ میں آپ کو ایک عظیم انسان سمجھتی ہوں اور سمجھتی رہوں گی۔ اب جب کہ آپ تک پہنچنے کا موقع مل گیا ہے تو ایک درخواست ہے کہ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو کبھی گریز مت کرنا"
"کسی بھی شکل میں انیلا اگر مجھے تمہاری ضرورت پیش آئی تو ظاہر ہے میں تکلف نہیں کروں گا۔ [illegible] بے تکلفی سے اپنے جذبات کا اظہار تمہارے سامنے بھی کر دیا ہے اب ان بے وقوف لڑکیوں کو چھوڑ دو جو اپنے طور پر ایک [illegible] پہنچی ہیں"
"ہاں یہ قابلِ توجہ بات نہیں ہے" اُس نے کہا۔
"آؤ چلیں کھانے [illegible] ہو گی" میں نے مسکرا کر کہا۔
"ویسے [illegible] ان [illegible] باتوں پر یقین کر لوں نا؟ ویسے تم بہت [illegible] آدمی ہو شارق [illegible] کوئی عیب ہے"
"بھئی [illegible] بات ہے کوئی نقصان پہنچے میرے ہاتھوں تو آپ [illegible] ابھی انہیں فائدہ ہی ہوا ہے"
"[illegible] مراد نہیں تھی بس یہ لفظ میں نے محبت [illegible] انداز میں کہا ہے"
"[illegible] سی کھڑکی [illegible] میں اور وہ اسی انداز میں ہاتھوں میں ہاتھ دیے چلتے ہوئے وہاں تک آ گئے۔
جاوداں اب بھی مسکرا رہی تھی اور اس کا چہرہ بتاتا تھا کہ اُسے [illegible] مکمل اعتماد ہے۔ میں نے محبت بھری نگاہوں سے [illegible] انیلا البتہ لالہ رُخ اور نیلوفر بے وقوفوں کی طرح خاموش بیٹھی ہوئی تھیں۔
"بھئی کمال ہے شارق بہت نفیس انسان ہیں آپ بھی اُٹھیں یہاں سے۔ جاوداں مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔ آئیے آپ لوگ بھی آئیے"
"میرے بارے میں کیا حکم ہے؟" میں نے معصومیت سے پوچھا۔
"آپ سے دوسری ملاقات بہت جلد ہو گی" انیلا مسکراتی ہوئی بولی اور جاوداں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر اُس نے لالہ رُخ اور نیلوفر سے کہا۔
"آؤ بھئی اندر چلتے ہیں۔ اب ذرا کچھ دھوپ کی تپش محسوس

ہو رہی ہے۔"

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہم سب خاموشی سے اندر چل پڑے۔ میرا خیال تھا کہ اب سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جائیں گے۔ میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر سوچنے لگا کہ اب میرا طریقۂ کار کیا ہونا چاہیئے؟ آج ذرا دیر ہی سے گھر سے نکلنا ہوگا۔ بہرطور یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جس پر میں غور کرتا لیکن کافی دیر کے بعد جب میں باہر نکلا تو میں نے امجد حسین صاحب کو دیکھا تیزی سے ایک سمت جا رہے تھے۔ شاید وہ آفس نہیں گئے تھے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر تنویر بھابی نظر آگئیں اور میں اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ تنویر بھابی ٹہلتی ہوئی میرے پاس آگئی تھیں کہنے لگیں۔

"خیریت بھئی۔ آج کیا ہنگامہ خیزیاں ہو رہی ہیں؟ کوئی اہم فیصلہ نہیں ہو گیا؟"

"آپ کے خیال میں کیا اہم فیصلہ ہو سکتا ہے بھابی؟"

"اب تو ایک ہی اہم فیصلہ ہے اور وہ ہے تمہاری شادی۔"

"اوہ! یہ کوئی ایسا اہم فیصلہ تو نہیں ہو سکتا۔"

"خیر ہمارے لیے تو ہے۔" بھابی نے کہا۔

"واہ تنویر بھابی آپ نے جی خوش کر دیا تو پھر کہاں کر رہی ہیں میری شادی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اندھے ہیں ہم لوگ؟"

"ارے... ارے خدا نہ کرے۔ میری تو دعا ہے کہ آپ کی آنکھیں اتنی روشن ہوں... اتنی روشن ہوں کہ... کہ۔"

"شادی کے نام سے خوشامد پر اُتر آئے۔"

"ذرا بتا دیجیے میری شادی کہاں ہو رہی ہے؟"

"جاؤ دال مجھے بھی پسند ہے۔ یقین کرو بہت پسند ہے۔" بھابی نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی پھر مسکرا کر بولا۔

"تنویر بھابی زندہ باد۔"

"کچھ ہو رہا ہے۔ ابھی تک ہمیں تو کچھ نہیں بتایا گیا۔ بلکہ شاید امی کو بھی کچھ نہیں معلوم۔" تنویر بھابی نے کہا۔

"اللہ بہتر جانتا ہے۔ ڈیڈی ہی کچھ زبردست موڈ میں نظر آ رہے ہیں۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟"

"مگر اچانک ہی یہ فیصلہ کیسے ہو گیا؟ آج کوئی بھی دفتر نہیں گیا نہ جج صاحب، نہ ایس۔ پی صاحب، نہ بیرسٹر صاحب۔"

"ہیں۔ کوئی دفتر نہیں گیا؟"

"کوئی بھی نہیں گیا اور نہ جانے کا پروگرام ہے۔"

"ارے۔" میں عجیب سے انداز میں بولا اور پھر ہنس پڑا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"نہیں کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔" میں نے کہا۔ تنویر بھابی تھوڑی دیر کے بعد چلی گئی تھیں۔

لیکن مجھے واقعی ہنسی آ رہی تھی۔ آج تو سارا قانون گھر متحرک ہو گیا تھا۔ ایک ذرا سی بات، ایک چھوٹی سی بات میں ٹہلتا ہوا بیرسٹر نصرت حسین کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ وہ کمرے میں تنہا ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ کاغذات اُن کے سامنے رکھے ہوئے تھے جنہیں دیکھ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر دھیمے سے مسکرائے۔

"بھائی جان آج آفس نہیں گئے آپ؟ کورٹ میں کوئی کام نہیں تھا؟"

"بھئی آج تو ایمرجنسی ڈکلیئرڈ ہو گئی ہے۔"

"کیوں؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"تو اب یہ سوال کر رہے ہو۔ کیا حالات ایسے ہی نہیں ہو گئے۔" انہوں نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

"کیسی دلچسپ بات ہے ایک بہت چھوٹا سا مسئلہ آپ لوگوں کے سامنے آیا ہے اور آپ سب لوگ کس قدر مستعد ہو گئے جب کہ یہ مسئلے میری زندگی میں اُس دن سے شروع ہو گئے ہیں جس دن سے میں نے اپنے مسلک کے لیے قدم اُٹھایا ہے۔"

"کیا اتنے خطرناک حالات اس سے پہلے بھی پیدا ہوئے ہیں؟" بیرسٹر نصرت حسین نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

"بھائی جان خدا کی قسم اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک۔" میں نے کہا اور بیرسٹر صاحب مجھے دیکھنے لگے۔ آخر بھائی تھے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کر لیتے بھائی کی محبت دل میں جاگتی ہی تھی۔ غصیلے لہجے میں بولے۔

"اور تم اس طرح خطرات سے کھیلتے رہتے ہو۔"

"بھائی جان کسی کے لیے کچھ کرنے میں یہ سب کچھ تو سامنے آتا ہی ہے۔"

"اور کوئی نقصان پہنچ جائے تو؟"

"نہیں میں بڑا گناہ گار آدمی ہوں برائیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے میری زندگی میں لیکن اس مسئلے میں بہت مضبوط ایمان رکھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اگر سچائیوں کے راستے پر چل رہا ہوں تو بہت سی قوتیں میری حفاظت کرتی ہیں۔ مجھے ذرا بھی ڈر نہیں لگتا۔"

"اچھا جن معاملات میں آج تک کام کرتے رہتے ہو اُن میں ایسی سچوئشن پیدا ہوئی ہے۔"

"میں نے عرض کیا نا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے چاروں طرف دُشمنوں میں گھرا رہا ہوں اور خدا نے مجھے اُن کے درمیان سے سرخرو کر کے نکالا ہے۔"

"یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اس طرح زندگی کو خطرات میں ڈالنا اچھا تو نہیں ہے۔"

"آپ جو کچھ بھی کہیں بھائی جان اب اس کے بغیر کچھ ہو بھی تو نہیں سکتا۔"

"وہ مردود بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ تم نے اُس کے وسائل کیا ہیں۔ ارے ہاں تم نے کہا تھا کہ تم ہمیں وہ ساری چیزیں مہیا کر دو گے جو اُس کی ذات سے وابستہ ہیں مگر دیکھو میں یا ہم میں سے کوئی بھی تمہارے معاملے میں مداخلت نہیں کر رہا۔ کام تم جس طرح بھی چاہو کرو۔ لیکن کم از کم اب جب ہم بھی اس طرف متوجہ ہوئے ہیں تو ہمیں بھی ذرا حالات سے واقف رکھو تو بہتر ہے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے طور پر بھی کچھ کر سکیں۔"

"یقیناً بھائی جان میں آپ کو اس کے بارے میں مفصل معلومات مہیا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ڈیڈی کا بھی یہی کہنا ہے بلکہ شاید ابھی تھوڑی دیر کے بعد وہ یہ بات تم سے کہیں گے کہ ذرا قیصر پرویز کے بارے میں تفصیلات فراہم کرو۔ انہیں بھی بڑا ذہنی دھچکا پہنچا ہے اور وہ اس بات سے سخت اُلجھے ہوئے ہیں کہ اب جرائم پیشہ لوگ بھی اس طرح با اختیار ہونے لگے۔"

"تعجب ہے ڈیڈی محکمۂ پولیس کے انسپکٹر جنرل رہ چکے ہیں اور اتنی چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر اُلجھ جاتے ہیں۔"

"بس شارق یہی کہا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ماحول پھر بھی اتنا ہولناک نہیں تھا۔ جرم بے شک ہوا کرتے تھے قتل و غارت گری بھی ہوا کرتی تھی۔ ڈاکہ زنی بھی ہوتی تھی لیکن کم از کم مجرم کو مجرم ہی کہا جاتا تھا اب تو مجرم ہیرو بن کر رہ گیا ہے۔"

"بالکل... بالکل بھائی جان آج آپ بڑی جی خوش کرنے والی باتیں کر رہے ہیں۔ میں ایسے ہی مجرموں کے خلاف ہوں جو اپنے آپ کو ہیرو بنا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ اس قدر صاحبِ اختیار ہوتے ہیں کہ جس شخص کی جان کے پیچھے پڑ جائیں اُس کے لیے جان بچانا مشکل ہو جاتا ہے آپ یقین کیجیے میں نے آج تک جتنے معاملات میں کام کیا ہے اُن میں یہ بات سرفہرست رہی ہے کہ اصل مجرم اپنے اختیارات سے فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکا۔ بہت سے معاملات تو خود آپ کے علم میں ہیں آپ نے اندازہ لگا لیا کہ جو کچھ میں نے کیا وہ بالکل درست کیا تھا اور جو کچھ ہوا وہ غلط تھا۔"

بیرسٹر نصرت حسین صاحب کچھ سوچنے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "تمہارا کہنا درست ہے۔ واقعی اس انداز میں یہ سب کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔ میں بھی انسان ہی ہوں۔ دولت بے شک ضرورت ہے لیکن اس انداز میں، میں دولت حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو بس بعض اوقات یہ سوچتا ہوں کہ کیا یہ پیشہ ہمارے لیے مناسب ہے؟ کیا ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں؟"

"بالکل کر سکتے ہیں بھائی جان۔ کوئی مشکل نہیں پیش آتی بس طریقۂ کار ذرا تبدیل ہونا چاہیئے۔ ہر کام ہو جاتا ہے۔"

بیرسٹر صاحب خیالات میں ڈوب گئے تھے پھر انہوں نے کہا۔ "بہرحال اپنا خیال رکھا کرو شارق۔ یہ ساری باتیں بے شک حقیقت سے بالکل قریب ہیں لیکن ایک ٹھوس حقیقت یہ بھی ہے کہ ہم سب کو تمہاری ضرورت ہے۔ ہم تمہاری ضرورت ہیں اور ہم تمہاری زندگی اور سلامتی کے خواہاں ہیں۔"

"آپ کی محبتوں کے سائے میں مجھے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں جانتا ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کیا واقعی قیصر پرویز کے بارے میں ٹھوس حقائق معلوم کر لیے ہیں؟ کیا تمہارے پاس اس سلسلے میں ثبوت بھی موجود ہیں؟"

"نہیں بھائی جان ابھی تو صرف تمہیں تک پہنچ سکا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ کام ابھی میرے لیے مشکل نہیں ہوگا۔ میں نے ابھی تفصیلات مہیا کی ہیں اور ان تفصیلات کو آپ دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

"کہاں ہیں یہ تمام تفصیلات؟ کیا یہاں تمہارے پاس موجود ہیں؟"

"نہیں، لیکن میں آپ کو وہ تمام کاغذات پیش کر سکتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر رُک جاؤ۔ دیکھیں ڈیڈی کیا فیصلہ کرتے ہیں اس سلسلے میں۔ بہت اُلجھے ہوئے ہیں بلکہ سبھی اُلجھے ہوئے ہیں۔ آج کوئی بھی نہیں گیا۔"

"ایسا کیوں کیا آپ لوگوں نے؟"

"بس بھئی یوں سمجھو یہ سب ہمارے لیے اجنبی ہیں۔"

"تعجب ہے بھائی جان آپ جانتے ہیں کہ ماحول کیا سے کیا ہو چکا ہے اور آپ ان تمام چیزوں کو اجنبی کہہ رہے ہیں۔"

"دراصل کبھی اس دشت کی جانب قدم نہیں بڑھایا تھا۔ لیے

یہ سب کچھ عجیب لگ رہا ہے۔"

اسی وقت ایک ملازم پہنچ گیا ڈیڈی کی طرف سے بلاوا آیا تھا اور ہم دونوں ہی کو بلایا گیا تھا۔ میں اور بیرسٹر نصرت جس وقت ان کے کمرے میں پہنچے تو جج صاحب اور ایس پی صاحب بیٹھے ہوئے تھے ان کا چہرہ متفکر نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور اس کے بعد مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شارق ڈیڈی بہت پریشان ہیں رات کے واقعے کے بعد۔" امجد حسین صاحب نے کہا۔

"نہیں ڈیڈی دست بستہ گزارش ہے کہ اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بھائی جان سے میری یہی گفتگو ہو رہی تھی۔ بھائی جان نے سوال کیا کہ کیا اس سے پہلے میرا اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑا ہے تو میں نے بھائی جان کو بتایا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ میں نے تو ایسے ایسے لمحات میں اپنے اس مشن کی تکمیل کی ہے جب چاروں طرف سے میں اپنے دشمنوں کی گولیوں کی باڑھ پر تھا اور بے شمار افراد میرے قتل کے خواہاں ہوتے تھے لیکن خدا نے مجھے سرخرو کیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن جان بوجھ کر زندگی کو خطرے میں ڈالنا تو مناسب نہیں ہے۔" انہوں نے کہا۔

"ڈیڈی آپ جو ڈیوٹی انجام دے چکے ہیں اس میں کیا آپ کی زندگی ہر لمحہ خطرات سے دوچار نہیں رہی ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں لیکن کیا کہوں تم سے جُرم کا بھی ایک وقار ہوتا تھا اور مجرم بھی پُر وقار ہوتا تھا۔ کم از کم وہ اپنے آپ کو مجرم تو تسلیم کرتا تھا لیکن... لیکن۔"

"ڈیڈی افسوس یہی تو ہے کہ اس وقت زندگی کا جو انداز تبدیل ہوا ہے وہ بہت بھیانک اور تکلیف دہ ہے۔ لاتعداد انسان طاقت کے بوجھ تلے دبے ہوئے سسک رہے ہیں اور میں ان ہی سسکیوں کو سُن کر دیوانہ ہو جاتا ہوں۔ آپ یقین کیجیے کہ اب تک میں نے جتنے معاملات میں کام کیا ہے اُن میں زیادہ تر تعداد قیصر پرویز جیسے لوگوں کی ہی سامنے آئی ہے اور میں نے ہمیشہ انہی کے خلاف کام کیا ہے۔ اپنے اقتدار، اپنی دولت اور اپنے تعلقات، اپنے اختیارات سے کام لے کر وہ اپنے دشمنوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں۔ قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے ان کے پاس منصوبہ بندیاں ہوتی ہیں بے شمار افراد ان کے لیے کام کرتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اپنی دولت اور اختیارات کے بل پر کرتے ہیں اور سچ بات یہ ہے کہ اختیارات صرف صاحب دولت افراد ہی کو حاصل ہوتے ہیں۔ میرا مشن تو انہی کے خلاف ہے اتفاق کی بات ہے کہ پچھلی رات قیصر پرویز آپ لوگوں کے سامنے آ گیا اور یہ تمام صورتِ حال آپ کے علم میں آ گئی ورنہ اگر یہ نہ ہوتا تو تھوڑے دن کے بعد آپ یہی سُنتے کہ میں نے ایک اور اژدہے کی گردن مروڑ کر پھینک دی ہے۔"

انہوں نے میرا چہرہ دیکھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُن کی آنکھوں میں فخر کے تاثرات پیدا ہوئے ہوں۔ وہ کافی دیر خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔

"شارق شاید تمہارے مسئلے میں ہم لوگوں سے غلطی ہوئی ہے اور اب ہم ان غلطیوں کا ازالہ کریں گے بات کچھ سمجھ میں نہیں آ ئی تھی۔ لیکن... لیکن اب ہم تمہارے موقوف سے متفق ہیں۔ خیر یہ ایک جذباتی بات ہے لیکن فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم سب اپنے تمام تر اختیارات سے کام لے کر قیصر پرویز کے خلاف ایک محاذ بنائیں میں بھی بے شک گوشہ نشین ہو گیا ہوں لیکن ایک بار پھر میدانِ عمل میں نکل آؤں تو بہت سوں کی گردنیں نیچی کرنے کی قوت رکھتا ہوں۔ قیصر پرویز اپنی قوت پر نازاں ہے ہم لوگ اپنے اپنے طور پر اپنے آپ کو آزماتے ہیں۔"

"اور اگر میں آپ سے یہ عرض کروں ڈیڈی کہ یہ سارا مسئلہ مجھ پر چھوڑ دیجیے تو کیا آپ میری یہ درخواست قبول کر لیں گے؟"

"بے وقوف ہو تم۔ ایک باپ سے یہ سوال کر رہے ہو کہ وہ تمہیں خطرات میں تنہا چھوڑ دے۔" انہوں نے کہا اور میرے رگ و پے میں مسرت کی لہریں دوڑنے لگیں۔ دفعتاً مجھے محسوس ہوا تھا کہ بعض اوقات میں نے اپنے آپ کو آشیانے سے جس قدر دُور محسوس کیا ہے درحقیقت اتنا دُور نہیں ہوں میں۔ کچھ نظریات ٹکرا گئے تھے ورنہ محبتوں میں کوئی کمی کبھی نہیں رہی اور اس سلسلے میں بعض اوقات میرے فیصلے یقینی طور پر غلط رہے ہیں۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

"تاہم ڈیڈی آپ ذرا زمانے کو آزمائیے۔ میں آپ کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں بلکہ اس معاملے میں اگر آپ اپنے احکامات دینا چاہتے ہیں تو میں فخریہ طور پر اُن احکامات پر عمل کروں گا۔ لیکن آپ دیکھ لیجیے کہ ماحول کتنا ہولناک ہو چکا ہے اور ایسے لوگ کیا کیا حرکتیں کر رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہم سب مل کر اس مسئلے میں کام کریں۔ سب نے وقت دینے کا فیصلہ کیا ہے اور ہر شخص اپنے اپنے اختیارات سے کام لے گا۔ تم وعدہ کر رہے تھے کہ قیصر پرویز کے بارے میں کچھ تفصیلات فراہم کرو گے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟"

"جی ڈیڈی بالکل میں نے کچھ معلومات مہیا کی ہیں اُس کے بارے میں کچھ فائل ہیں میرے پاس جو میں آپ کے سامنے پیش کر دوں گا جب بھی آپ حکم دیں۔"

"بھئی میں تو ذرا جذباتی ہو گیا ہوں اس مسئلے میں۔ تم ایسا کرو وہ فائل لے آؤ۔ کہاں ہیں وہ؟"

"ڈیڈی میں نے محفوظ کیے ہوئے ہیں۔"

"تو پھر تم چلے جاؤ۔ طارق حسین تمہارے ساتھ چلے جائیں گے۔"

"نہیں ڈیڈی اس کی ضرورت نہیں ہے آپ حکم دیجیے دوپہر کو لنچ کے بعد آپ کے سامنے وہ فائل پیش کر دوں گا۔"

"بھئی ذرا احتیاط ضروری ہے۔" آئی جی صاحب نے کہا اور میں نے گردن خم کر دی۔

"میں پوری پوری احتیاط رکھوں گا۔" اور اُس کے بعد وہاں سے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔

میں خاموشی سے گھر سے باہر نکل آیا تھا۔ خواتین اندر مصروف تھیں۔ بہر طور وہ الگ دُنیا تھی جو ذہن و دل کو شگفتگی بخشتی تھی لیکن آشیانے میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں اور اس سلسلے میں قیصر پرویز کو دُعا دی جا سکتی تھی کہ اُس نے محبتوں کی یہ تحریک بیدار کر دی تھی۔ ویسے مجھے واقعی ہنسی آ رہی تھی۔ بلاشبہ قیصر پرویز نے ایک عمل کیا تھا۔ دفتر پہنچا تو فاروقی صاحب اور جاوید قریشی میں سے کوئی نہیں ملا۔ کورٹ میں تھے سب لوگ۔ بہر طور اس کے بعد وہ فائل لانے تھے جو میں نے محفوظ کر دیے تھے اور یہ فائل میرے فلیٹ ہی میں موجود تھے چنانچہ دفتر سے فلیٹ کی جانب چل پڑا اور پھر فلیٹ سے فائل لے کر ایک بار پھر دفتر آ گیا۔ تقریباً ایک بجے فاروقی صاحب اور جاوید قریشی پہنچ گئے تھے۔ میں اُن فائلوں میں مصروف تھا اور اب اُن کا گہری نگاہ سے مطالعہ کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے آ جانے پر میں نے یہ مطالعہ ترک کیا اور فائل باندھ کر رکھ دیے۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی میرے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں شہزادے کیا ہو رہا ہے؟" فاروقی صاحب نے سلسلۂ گفتگو شروع کیا۔

"بس مزدوری ہو رہی ہے جاوید صاحب۔" میں ہنس کر بولا۔ فاروقی صاحب میری طرف دیکھ رہے تھے پھر بولے۔

"وہ اکرام احمد والا کیس آج نمٹ گیا۔ خدا کا شکر ہے کامیابی حاصل ہوئی۔"

"خوب فاروقی صاحب وہ مسئلہ بالکل درست تھا میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

"شکریہ تم یہ سُناؤ کہ کیا صورتِ حال چل رہی ہے۔ آج کل آشیانے میں کچھ زیادہ ہی وقت گزر رہا ہے۔"

"جی ہاں۔ آشیانے والے پہلی بار باہر کی دُنیا میں نکلے ہیں اور اب انہیں اس دُنیا کا نظارہ بہت دلکش محسوس ہو رہا ہے۔"

"آشیانے والے...؟" فاروقی صاحب کسی قدر مسکرا کر بولے۔

"جی ہاں بڑے دلچسپ واقعات ہیں آپ کو سنانے کے لیے اور اسی لیے میں یہاں بیٹھا ہوا ہوں لیکن زیادہ وقت نہیں دے سکوں گا کیونکہ لنچ پر گھر پہنچنا ہے۔"

"خوب بہت خوب، کیا دلچسپ واقعات ہیں بھئی ہم تو بے چین ہیں۔" جاوید قریشی نے کہا اور پھر کلائی میں بندھی ہوئی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہمیں بھی ویسے لنچ پر گھر پہنچنا ہے۔ فاروقی صاحب کی بیگم تو میکے گئی ہوئی ہیں۔ فاروقی صاحب یہیں کہہ رہے ہیں آج کل سب سے۔"

میں جاوید قریشی کی اس بات پر ہنس پڑا۔ بھابھی جان میری کوٹھی میں موجود تھیں اور آج کل وہیں رہ رہی تھیں۔ فاروقی صاحب ہنس کر بولے۔

"بھئی کسی بُرے انداز میں نہیں کہہ رہا۔ درحقیقت طویل عرصہ ہو گیا بیگم صاحب کو کہیں گئے ہوئے۔ ہماری زندگی تو بہت عرصے سے محدود ہو گئی ہے نہ کہیں آنا نہ کہیں جانا۔ کم از کم اب تبدیلی محسوس ہو رہی ہے۔ یہ جاوید قریشی ذرا کچھ تکلف پر آمادہ ہو گئے ہیں بے چاری فریال کو میرے لیے بھی کھانا پکانا پڑتا ہے لیکن کھانا بہت عمدہ پکاتی ہے۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو۔ تم سُناؤ کیا دلچسپ واقعہ ہے۔"

پھر میں نے اِن کو احمد کمال کی تقریب سے لے کر حملے تک کے واقعات سُنا دیے۔

"تب تو معاملہ بہت سنگین ہو گیا ہو گا۔"

"کیونکہ بدر شاہ کے آدمی اُن کے کچھ کرنے سے پہلے ہی اُن پر حاوی ہو گئے تھے اس لیے ہم نے گولیاں چلنے کی آوازیں ضرور سُنیں لیکن کسی کو اس وقت یہ اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ فائرنگ ہم پر کی جانے والی تھی لیکن بعد میں اس کی تصدیق ہو گئی اور جب یہ بات سامنے آئی۔ جی صاحب کو یہ بتایا تو وہ ششدر رہ گئے اور اُس کے بعد تو ایسی مستعدی آئی ہے آشیانے میں کہ رہے نام اللہ کا۔"

"مطلب۔ مطلب؟"

"اس وقت چار عظیم آدمی قیصر پرویز کے سلسلے میں مصروف ہو گئے ہیں۔ یعنی آئی۔جی عظمت حسین صاحب، بیرسٹر نصرت حسین صاحب، جج امجد حسین صاحب اور ایس۔پی طارق حسین سارے کے سارے بڑی مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور بڑی سرگرمی دکھائی جا رہی ہے۔ انہیں اس بات پر حیرت ہے کہ کوئی معمولی سا سرکاری افسر اس قدر صاحب اختیار ہو سکتا ہے۔ آئی۔جی صاحب کو اپنی زندگی میں جن لوگوں سے واسطہ پڑا وہ شریف دُنیا کے شریف لوگ تھے لیکن موجودہ دور میں انہیں یہ سب کچھ تسلیم کرتے ہوئے سخت حیرت ہو رہی ہے۔ باقی حضرات کے بارے میں، میں نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے اپنے تاثرات کیا ہیں؟ لیکن ڈیڈی سب سے زیادہ پُرجوش نظر آتے ہیں اور اب مجھے قیصر پرویز کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ حضرات اجازت چاہتا ہوں۔ یہ ہے اب تک کی داستان۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی ششدر رہ گئے تھے۔ میں اپنی میز سے فائل سمیٹ کر اُٹھ گیا تو فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"دوسری کوشش بھی ہو سکتی ہے شارق میاں۔ کیا بدر شاہ کے آدمی مسلسل تمہارے ساتھ ہیں؟"

"نہ صرف بدر شاہ کے آدمی فاروقی صاحب بلکہ آپ کی دعائیں بھی" اور فاروقی صاحب تھکے تھکے انداز میں گردن ہلانے لگے۔

"اس کے باوجود بیٹے! خیال رکھنا اپنا۔"

"ہاں بالکل۔ بالکل" جاوید قریشی نے بھی سنجیدگی سے کہا اور میں ان دونوں کو سلام کر کے باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد میری کار 'آشیانے' کی طرف جا رہی تھی۔ آشیانے میں شاید ہی کبھی اتنی شدت سے میرا انتظار کیا گیا ہو۔ جتنا اس وقت کیا جا رہا تھا۔ ویسے بھی کچھ لیٹ ہو گیا تھا۔ فوراً ہی اطلاع دی گئی کہ میں سیدھا لنچ کے کمرے میں پہنچ جاؤں اور میں سیدھا کمرے ہی میں پہنچ گیا تقریباً تمام افراد موجود تھے۔ شوکت جاہ صاحب بھی تھے۔ انیلا اور جادداں بھی تھیں۔ پورا گھر میرا انتظار کر رہا تھا۔ ڈیڈی نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی باز پرس نہیں کی اور میں فوراً ہی ہاتھ دھو کر کھانے کی میز پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد نہایت خاموشی سے کھانا کھایا گیا ویسے تقریباً تمام ہی افراد میرا مطلب ہے آئی۔جی صاحب گروپ چور نگاہوں سے ان فائلوں کو دیکھ رہے تھے۔ جو میں نے ایک سمت ریک پر رکھ دی تھیں۔ کھانا ختم ہو گیا اور اس کے بعد مجھے مہلت نہیں دی گئی ڈیڈی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"شارق! میرے کمرے میں آ جاؤ اور تم لوگ بھی" خواتین نے بڑی گہری نگاہوں سے اس تمام صورتِ حال کا جائزہ لیا تھا تھوڑی بہت تفصیلات شاید اُن کے علم میں آ گئی ہو گئی ہوں گی۔ لیکن ظاہر ہے آشیانے میں کوئی بھی مرد ایسا نہیں تھا جو عورتوں کو دل کی باتیں بتانے کا قائل ہو۔ ہاں تینوں حضرات نے یعنی میرے بھائی صاحبان نے اگر بھابی صاحبان کو اس معاملے میں کچھ بتا دیا ہو تو دوسری بات ہے ویسے بھی خواتین مردوں سے سب کچھ پوچھنے کا حق رکھتی ہیں۔ چاہے وہ دفتری معاملات ہی کیوں نہ ہوں۔ شوکت جاہ نے لنچ کے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"میری شمولیت کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"آؤ آؤ بھئی کیسی باتیں کر رہے ہو؟" انہوں نے دوستانہ انداز میں شوکت جاہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور اُس کے بعد نشست گاہ آئی جی صاحب کا کمرہ ہی تھی۔

"یہ بتاؤ کافی وغیرہ پیو گے تم لوگ؟"

"اس گرما گرم گفتگو کے لیے کافی عمدہ رہے گی" شوکت جاہ نے تجویز پیش کی۔

"ٹھیک ہے۔ طارق کافی کے لیے کہہ دو"

"جی بہتر"

ایس پی صاحب اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔ باہر نکلے اور پھر کافی کا کہہ کر واپس آ گئے۔

"دروازہ بند کر دو۔ جو بھی آئے گا دستک دے دے گا"

انہوں نے دوسرا حکم نافذ کیا اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد توجہ کا مرکز میرے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ آئی جی صاحب نے کہا۔

"طارق حسین ان چاروں مقتولوں کے لیے معلومات حاصل کرنے گئے تھے۔ تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں یہ چاروں رانگا نامی ایک بدمعاش کے ساتھی تھے اور رانگا کچھ عرصے قبل پولیس مقابلے میں مارا جا چکا ہے۔ رانگا کی موت کے بعد اس کا گروپ ٹوٹ گیا تھا اور پھر یہ پتا نہیں چل سکا کہ اس کے آدمی کیا کر رہے ہیں؟ بہرطور یہ چاروں رانگا کے ساتھیوں ہی میں تھے اور اب یہ بات نہیں معلوم کہ یہ کون سے گروپ میں کام کر رہے تھے؟ چاروں بہرطور جرائم پیشہ ہیں۔ میرا مطلب ہے تھے۔ اُن کی سرکاری طور پر تدفین کر دی گئی ہے"

"اس سے زیادہ کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟"

"قطعی نہیں" انہوں نے جواب دیا۔

"بہرطور وہ تو راستے سے ہٹ ہی گئے اور یہ بات ہمیں

معلوم ہو چکی ہے کہ یہ کارروائی قیصر پرویز کی جانب سے ہی ہوئی ہے۔ اُس نے ذرا بھی تکلف نہ کیا اور یہ تک سوچا کہ اس وقت آپ لوگ بھی ساتھ ہیں"

"سوچے گا... اچھی طرح سوچے گا۔ میں دیکھوں گا اس کا سفر کہاں تک ہے؟" ڈیڈی غراتے ہوئے لہجے میں بولے اور پھر مجھ سے کہنے لگے۔

"تم نے کہا تھا کہ تم اُس کے بارے میں تفصیلات فراہم کرو گے"

"جی۔ یہی تفصیلات لے کر حاضر ہوا ہوں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ ابتدا سے اس کی ترتیب آپ کو بتا دوں؟ ویسے مختصر ہی بتاؤں گا اور آپ کو زیادہ پریشان نہیں کروں گا"

"ہاں۔ ہاں شروع کرو"

"قیصر پرویز ولد شیر خان ولد فقیر خان اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ فقیر خان دہی بڑے بیچتا تھا اور شہر کے ایک قدیم علاقے میں اُسے آج تک جانا جاتا ہے۔ دوسرے پسند کام بھی تھے۔ بہرطور اُس کے بعد شیر خان کا دور شروع ہوا اور شیر خان اپنی پسند کی شادی نہ ہونے کی بنا پر فرار ہو گیا اور اُس کے بعد کبھی واپس نہیں آیا۔ یعنی قیصر پرویز کا باپ۔ اُس کے بعد قیصر پرویز کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے اور یہاں سے یہ خاندان پس منظر میں چلا جاتا ہے کیونکہ فقیر خان کے انتقال کے بعد قیصر پرویز کی پرورش جس نے کی اُس کی تفصیلات نہیں ملتیں تاہم قیصر پرویز بہت عرصے کے بعد ایک سرکاری عہدیدار کی حیثیت سے منظرِ عام پر آیا اور یہ بھی ایک سچ ہے کہ وہ رشوت کے الزام میں گرفتار ہوا اور چھ ماہ تک جیل میں رہا لیکن اس کے بعد اُسے پھر ایک سرکاری افسر کی حیثیت سے قبول کر لیا گیا اور اس کے بعد اُس کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ یہ تو ہے قیصر پرویز کی ایک حیثیت، اس کے بعد اُس کے اثاثوں کی تفصیلات آتی ہیں اور یہ تفصیلات یوں ہے" میں نے نگہت فراز کے فراہم کیے ہوئے تمام نام تفصیل کے ساتھ آئی۔جی صاحب کے سامنے دُہرا دیے اور اُس کے بعد قیصر پرویز کے تعلقات اُن لوگوں کے ساتھ ظاہر کیے جو جرائم پیشہ افراد تھے اور اُن میں سے سب ہی کسی نہ کسی جُرم میں ملوث تھے۔ آخر میں، میں نے وہ تصاویر ان حضرات کو پیش کیں جن میں قیصر پرویز اُن کے ساتھ دکھایا گیا تھا۔

اثاثوں کی تفصیل، قیصر پرویز کے اڈے اُس کے بارے میں جو کچھ بھی معلومات مجھے حاصل ہو سکی تھیں میں نے وہ سب ان کے سامنے پیش کر دیں اور تمام حضرات شدید حیرت کے عالم میں اُن کا جائزہ لیتے رہے۔ سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے پھر بیرسٹر صاحب نے پوچھا۔

"لیکن یہ تفصیلات تو تمہاری فراہم کردہ ہیں اِن کے بارے میں ثبوت درکار ہوں گے"

"ظاہر ہے بھائی میں تو ابھی کام کا آغاز کیا ہے اب اس کے بعد ثبوتوں ہی کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے اور اگر آپ یہ ذمہ داری مجھ پر عائد کرنا چاہیں تو میں آپ کو ان کے تفصیلی ثبوت بھی پیش کر دوں گا۔ لیکن وقت لگ جائے گا کچھ"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ کام تو کرنا ہی ہے" آئی۔جی صاحب نے کہا۔

شوکت جاہ صاحب اس دوران بالکل خاموش بیٹھے رہے تھے البتہ تفصیلات انہوں نے بھی بڑے غور سے سنی تھیں پھر تمام فائل بند کر دیے گئے کمرے میں مکمل خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ اُس کے بعد شوکت جاہ نے کہا۔

"میری تو عقل حیران ہوئی جاتی ہے یہاں یہ سب کچھ بھی اس اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے۔ بہرطور یہ تو دنیا کی کہانی ہے اور دنیا میں ہر جگہ ایسا کچھ ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے بیٹے کہ تم نے یہ معلومات کہاں سے حاصل کیں"

"میں نے عرض کیا نا کہ اس سلسلے میں مجھے کاوش کرنا پڑی ہے"

"یہ سوال میں بھی تم سے کرنے والا تھا کیا یہ تمام معلومات پائیدار بنیادوں پر ہیں؟"

"سو فیصد ڈیڈی آپ اطمینان رکھیے ان میں سے کسی چیز کے بارے میں چاہیں اپنے طور پر تحقیقات کر لیں آپ کو یہ سب کچھ درست ہی ملے گا"

"مگر تمہیں یہ کہاں سے حاصل ہوئیں؟" انہوں نے سوال کیا۔

"اپنی انٹیلی جنس سے" میں نے جواب دیا اور آئی۔جی صاحب چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"انٹیلی جنس؟"

"جی ہاں"

"واہ بہت عمدہ بات ہے۔ یوں لگتا ہے میاں جیسے اس مُلک پر ایک خفیہ حکومت تمہاری بھی ہو۔ تمہاری آرمی نے چار آدمی ہلاک کر دیے۔ اُن کی کسی غلط کوشش سے پہلے اور تمہاری انٹیلی جنس نے قیصر پرویز کے بارے میں تمہیں یہ معلومات فراہم کر دیں اور کون کون سے محکمے بنا رکھے ہیں؟"

"بالکل وہ تمام محکمے جن کی ضرورت ہمیں پیش آسکتی ہے"۔

"بہت حیران کن بات ہے۔ یہ تفصیلات حاصل کر لینا درحقیقت معمولی بات نہیں ہے اور پھر وہ بھی قیصر پرویز جیسے شاطر سے۔ بہر حال شارق یہ ساری تفصیلات اگر تم مناسب سمجھو تو میرے سپرد کر دو۔ ہاں ان کی نقول تم اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ ویسے نہیں میں اس کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔ دراصل میں بہت حیران ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں بے شمار لوگوں سے ٹکر لی ہے اور ایسا بھی نہیں کہ وہ بالکل ہی بے وقوف تھے لیکن یہ شخص جس طرح منظرِ عام پر آیا ہے مجھے حیرانی ہوتی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام سرکاری محکمے معطل ہو کر رہ جائیں اور ایک شخص اس طرح اُن پر اپنی اجارہ داری قائم کر لے۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ چند افراد بک جاتے ہیں اور نجانے کس کس طرح اپنے آپ کو فرائض سے دُور کر لیتے ہیں لیکن اُن کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ قیصر پرویز بھی اسی طرح اپنا کام چلا رہا ہوگا۔ وہ لوگ دوسروں کو انجان رکھ کر اس کی معاونت کر رہے ہوں گے۔ میں اس سلسلے میں ذرا ہوم سکریٹری صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں اُن سے مل کر تفصیلات معلوم کروں گا کہ ایک سرکاری افسر کو کس حد تک سرکاری مراعات دی جا سکتی ہیں؟"

میں نے دلچسپ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی آپ مجھے ان کی نقول فراہم کر دیں"۔

"اس کا انتظام بھی تم خود ہی کر لینا۔ بعد میں یہ فائل مجھے دے دینا"۔

"جی۔ جی"۔

"اچھا اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم میں سے کون کون اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں قبول کرتا ہے"۔

"یہ کام ویسے تو ہم بھی کا ہے ڈیڈی میں اپنے وسائل سے کام لوں گا۔ نصرت حسین اپنے وسائل سے اور میں سمجھتا ہوں ہم میں سے زیادہ بااختیار طارق ہیں۔ طارق تم بھی اس سلسلے میں اپنا کام شروع کر دو۔ میں سمجھتا ہوں ابھی یہ تفتیش غیر سرکاری ہو گی لیکن بہرطور ابھی تم نے اس دیو داس کو پچھاڑ لیا تو یوں سمجھ لو کہ تمہارے حق میں بھی بہتر ہی ہوگا"۔ چچا امجد حسین صاحب نے کہا۔

"بھائی جان یہ تو اب ہم سب کا فرض ہے۔ آپ اطمینان رکھیے میں اپنی زندگی کی بازی لگا کر یہ تمام تفصیلات معلوم کروں گا"۔

"زندگی کی بازی لگانے کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دیجیے بھائی جان آپ جس حد تک کام کر سکتے ہیں ضرور کیجیے گا"۔

"اطمینان رکھو میں نے بھی محکمہ پولیس میں گھاس نہیں کھودی ہے"۔ طارق حسین نے جواب دیا۔

"اور اب اپنے لیے احکامات چاہتا ہوں۔ میں خاموشی اختیار کر لوں یا اپنا کام جاری رکھوں؟"

"نہیں بھئی تعطل کا شکار تو کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر کام کرتا ہی رہے تو بہت ہے"۔ انہوں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ تو پھر یوں کیا جاتا ہے کہ ہم لوگ اپنی اپنی کارکردگی کی رپورٹ آپ کو پیش کر دیں گے۔ کیونکہ یہ کام ابھی خالص سرکاری نوعیت نہیں اختیار کر چکا ہے اس لیے ہم ابھی آپ کو اپنا چیف بنا لیتے ہیں اور تمام رپورٹیں آپ کو پہنچائی جائیں گی"۔ میں نے کہا اور وہ مسکرا دیے۔

"میں تم سے تمہاری آرمی اور انٹیلی جنس اور دوسرے محکموں کے بارے میں بھی تفصیلات معلوم کروں گا۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا"۔

میں نے پھر سعادت مندی سے گردن ہلا دی تھی۔ اُس کے بعد یہ نشست برخاست ہو گئی۔ شوکت جاہ بہت حیران تھے وہ میرے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ باقی افراد غالباً ڈیڈی سے محوِ گفتگو تھے۔ شوکت جاہ نے کہا۔

"بیٹے تم اِس بات کو خوشامد مت سمجھنا جب میں یہاں آیا تھا اور میں نے تمہیں یہاں دیکھا تھا تو میں نے تمام تفصیلات معلوم کرنے کے بعد ایک بات کہی تھی وہ یہ کہ شارق حسین اس گھر میں سب سے ذہین نوجوان ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اُس کی نوعیت ہی جداگانہ ہے۔ بہرطور تمہاری ذہانت کا میں دل سے قائل ہو گیا ہوں۔ میں تمہیں اس ذہانت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں"۔

"آپ کے غلاموں میں ہوں چچا جان کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ"۔ میں نے کہا۔

"خدا تمہیں ہمیشہ کامیابی اور کامرانی نصیب کرے"۔ شوکت جاہ نے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد آزادی تھی۔ اپنے کمرے میں جا کر اُستاد ہمو نے کو ٹیلی فون کیا اور اُن سے تینوں خواتین کی خیریت دریافت کی تو انہوں نے کہا۔

"سب ٹھیک ہے میاں۔ بہت خوش ہیں تینوں کی تینوں۔

خاص طور سے بیگم فاروقی تو بہت ہی خوش ہیں۔ پوری کوٹھی میں دندناتی پھرتی ہیں اور انداز ایسا ہے جیسے آپ کی والدہ وہی ہوں"۔

"وہ ہیں بھی میری والدہ اُستاد"۔ میں نے کہا۔

"بات کریں گے میاں کسی سے؟"

"نہیں بس آپ نہیں میرا سلام کہہ دیں اور اُن سے کہیں کہ معزز مہمانوں کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے"۔

"جی بہتر"۔ اُستاد ہمو نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اب اس آزادی سے کوئی فائدہ اُٹھانا تھا۔ کوئی تفریحی مشغلہ، کیونکہ ذہن تھک گیا تھا۔ چنانچہ میں تفریحی مشغلے کی تلاش میں چل پڑا۔ کھانے کے بعد سب ہی تھوڑی دیر آرام کرتے تھے۔ باہر بادل چھائے ہوئے تھے اور لان کی فضا خاصی خوشگوار ہو رہی تھی۔ گہرے بادلوں کی چھاؤں میں یہ تنہائی کچھ پسند نہ آئی ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ دُور سے انیلا کو دیکھا جس نے شاید مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ میری ہی طرف بڑھتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گئی۔

"ہاں تو یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اُس نے سوال کیا۔

"انیلا کا انتظار"۔

"انیلا آ گئی"۔ اس نے جواب دیا۔

"آؤ پھر کسی تنہا گوشے میں بیٹھ کر رومانس کریں گے"۔ میں نے کہا۔

"ضرور... ضرور۔ آؤ"۔ اُس نے جواب دیا اور ہم لوگ پھولوں کے ایک کنج کے پیچھے جا بیٹھے۔

وہ بے تکلفی سے میرے بالکل قریب بیٹھ گئی تھی وہ مسکرا رہی تھی پھر اُس نے کہا۔

"ایک سوال کر دوں بُرا تو نہیں مانو گے"۔

"اگر یہ خدشہ ہے کہ بُرا مان جاؤں گا تو پھر سوال کیوں کر رہی ہو"۔

"سوال تو کرنا ہی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بُرا نہیں مانو گے"۔

"اگر یقین ہے تو پھر یہ الفاظ بے کار ضائع کیے"۔

"یہ نیلوفر کیا چیز ہے؟"

"میرا خیال ہے لڑکی ہی ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"لالہ رُخ کے بارے میں تو تھوڑا بہت اندازہ لگا چکی ہوں متلون مزاج ہے اور تھوڑی بہت باتیں جو مجھے معلوم ہوئی ہیں اُن کے تحت پتا چلا ہے کہ تم سے اس کی نہیں بنتی لیکن یہ نیلوفر ذرا کچھ عجیب و غریب کردار کی لڑکی معلوم ہوتی ہے"۔

"خیریت کیا ہوا؟"

"بس کچھ ایسی ہی باتیں کرتی ہے۔ اُس کی کسی بات میں صفائی نہیں ہوتی۔ ہر ایک کے لیے طنز"۔

"ہاں بے چاری بدنصیبی کا شکار ہے"۔

"کیسی بدنصیبی؟"

"اُس پتھر سے سر پھوڑنے چلی تھی جس میں کوئی گداز ہی نہیں ہے"۔

"یعنی تم؟"

"جی ہاں اور اس سلسلے میں قصوروار بھی ہمارے شفیق بھائی ہیں جنہوں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اُس کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ میں اُس کی زندگی بھر کی غلامی کے لیے پیدا ہوا ہوں"۔

"اوہ! بات کچھ آگے بڑھی تھی؟"

"بڑھائی گئی تھی لیکن میں نے درمیان ہی میں روک دی۔ اُس کے بعد یہ ذمہ داری نیلوفر صاحب کو سونپ دی گئی کہ وہ مجھ جیسے مُنہ زور گھوڑے کو رام کریں لیکن وہ بے چاری شاید کسی ٹٹو پر بھی سوار نہیں ہوئیں۔ گھوڑے کی سواری کیا کر سکتی تھیں!"

انیلا ہنس پڑی پھر چند لمحات وہ میری طرف دیکھتی رہی اور پھر اُس کے بعد مسکرا کر بولی۔

"ویسے شارق ایک سوال کروں۔ کیا تم اس بارے میں کبھی نہیں سوچو گے؟"

"کیوں نہیں سوچوں گا لیکن ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا ہے"۔

"جاوداں بہت پیاری لڑکی ہے بلاشبہ میں زندگی میں آج تک متاثر کسی سے نہیں ہوئی۔ اُس کے اندر بڑی نفاست ہے بڑی پاکیزگی ہے اور بے حد خوبصورت ہے وہ۔ سچ اگر مجھے یہ حق دے دیا جاتا کہ میں تمہارے لیے کسی لڑکی کا انتخاب کروں تو وہ جاوداں ہوتی"۔

"جاوداں واقعی اتنی نفیس لڑکی ہے انیلا کہ میں اُس کی طرف کسی میلی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا"۔

"تمہارا یہ نظریہ مجھے ناپسند ہے"۔ وہ صاف گوئی سے بولی۔

"کیوں...؟"

"اگر تم جاوداں کو واقعی اتنا پسند کرتے ہو تو پھر اُسے کسی اور کے لیے کیوں چھوڑتے ہو؟ اتنی نفیس لڑکی کی تو حفاظت کرنی چاہیے غلط ہاتھوں میں پڑ گئی تو بے چاری خراب ہو جائے گی"۔

"میں اُسے غلط ہاتھوں میں نہیں پڑنے دوں گا۔ یہ ذمہ داری میں نے قبول کر لی"۔

"لیکن ہرج ہی کیا ہے؟"

"ہرج ہے انیلا بات دراصل یہ ہے کہ میں نے تم سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جو کچھ میں نے شروع کیا ہے اُس میں اس بات کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ کوئی بے چاری لڑکی میری بھینٹ چڑھ جائے۔ وہ مجھ سے شادی کرلے گی اور کسی بھی لمحے بیوہ ہو جائے گی"

"خدا نہ کرے۔ ایسا کیوں کہتے ہو؟"

"بے شک میری بھی دعا ہے کہ خدا ایسا نہ کرے۔ کون مرنا چاہتا ہے؟ لیکن یہ خطرہ کم از کم کسی دوسرے کے لیے تو نہیں خریدنا چاہیے۔ میرا معاملہ ہے۔ میں ہی نمٹتا رہوں"

"عجیب منطق ہے۔ کب تک یہ سب کچھ کرتے رہو گے؟"

"جب تک زندہ ہوں۔ یہی تو نظریۂ حیات ہے باقی اور کیا ہے؟"

"بہت عجیب افکار ہیں تمہارے۔ اپنی حفاظت ویسے بھی کرتے ہو۔ دوسری شکل میں بھی کر لینا"

"کچھ ذمہ داریاں آپڑیں گی جو میرے راستے کی رکاوٹیں بن سکتی ہیں اور پھر یہ تو ایک عارضی نظریہ ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ عرصے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے"

"ہاں۔ بات یہ ہونی چاہیئے۔ آخر زندگی انسانوں کی مانند بسر کرنی چاہیئے۔ انسانوں سے الگ ہٹ کر تو بات درست نہیں ہوتی۔ اُس میں تو پھر درویشیت آ جاتی ہے"

"تو یوں سمجھیے کہ میں اس دُنیا کا درویش ہوں"

"نہیں بھئی بے کار باتیں ہیں۔ میں الماس سے بھی اس سلسلے میں گفتگو کروں گی۔ ویسے کیا تمہیں یقین ہے کہ ڈیڈی ملک سے باہر چلے جائیں گے؟"

"سو فی صد۔ وہ اپنی تیاریوں کی وجہ سے آپ کو یہاں چھوڑ گئے ہیں"

"تم نے میرا اتنا بڑا کام کیا ہے کہ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتی"

"بھلانا بھی نہیں چاہیئے۔ ظاہر ہے اتنے اچھے دوست بھلانے کے لیے تو نہیں ہوتے"

"مجھے تو افسوس ہے شارق کہ اس سے پہلے میں تم سے کیوں نہ ملی اب دیکھو یہ معاملہ کب تک چلتا ہے؟ ہم سوئٹزرلینڈ سے واپس آئیں گے تو پھر کافی عرصہ ساتھ رہیں گے۔ میں تمہیں آسانی سے چھوڑ دوں گی نہیں"

"مجھے بھی یقین ہے کہ مجھے آسانی سے نہیں چھوڑیں گی"
میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیر اس قسم کا تو کوئی چانس ہی نہیں ہے۔ جن نگاہوں سے تم مجھے دیکھ رہے ہو"

"میں ہمیشہ تمہیں محبت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہوں گا انیلا لیکن اپنے نظریات بتا چکا ہوں"

اس کے انداز میں وارفتگی پیدا ہو گئی۔ اُس نے آگے بڑھ کر میرا چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان لیا اور اپنے اپنے ہونٹ میری پیشانی پر رکھ دیے۔

"یہ تمہارے لیے اظہارِ عقیدت ہے شارق۔ جیتے رہو۔ اور اس وقت جیو جب تک کہ تمہاری زندگی کی تمام خواہشیں پوری نہ ہو جائیں۔ ابھی انیلا نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے سے دُور بھی نہیں کیا تھا کہ دفعتاً کسی کے گرنے کی آواز سُنائی دی اور اس کے ساتھ ہی ایک سسکی نما چیخ۔

ہم دونوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ چند ہی گز کے فاصلے پر ایک کیاری سے نیلوفر اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی اُٹھ رہی تھی۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُٹھی اور اُس نے سرپٹ دوڑ لگا دی دُور سے بھی ہم نے دیکھ لیا تھا کہ کیاری میں گرنے کی وجہ سے اُس کا پورا لباس گندا ہو گیا تھا کیونکہ کیاری کو شاید تھوڑی دیر پہلے ہی پانی دیا گیا تھا۔ میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ انیلا ہکا بکا کھڑی نیلوفر کو دیکھتی رہی پھر اُس نے میری طرف دیکھا اور حیرت سے بولی۔

"یہ... یہ کہاں سے آ گئی؟"

"یہ ایسے ہی آ جاتی ہے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ اس کا مقصد ہے کہ وہ چھُپ کر ہماری گفتگو سن رہی تھی"

"ہاں اور کیاری میں اُس کا پاؤں پھسل گیا" میں نے کہا اور انیلا بے اختیار ہنس پڑی۔

"اس کا مقصد ہے کہ اُسے اُس کی بُری حرکت کی فوراً ہی سزا مل گئی"

"کہاں... ابھی کہاں؟ سزا تو اُس کے لیے مستقل ہو چکی ہے۔ آؤ اندر چلیں۔ کیا خیال ہے؟"

"ہاں بھئی چلو۔ اس نے موسم کا سارا مزا کرکرا کر دیا" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ پُر اعتماد قدموں سے میرے

ساتھ چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ نیلوفر کا کہیں پتا نہیں تھا باقی لوگ اپنے اپنے کمروں میں گھسے ہوئے تھے۔ انیلا مُسکرا کر بولی۔

"اچھا اب شام کی چائے پر ملاقات ہوگی"

"یقیناً"

"اور بہت سی افواہوں کے ساتھ"

"سو فی صد لیکن کیا تم ان افواہوں سے خوفزدہ ہو؟"

"ہونہہ خوفزدہ ہوں۔ میں کیوں خوفزدہ ہوں گی۔ بس یوں سمجھو کہ معاف کر دیا ہے میں نے کسی وجہ سے ورنہ تھوڑی بہت تفریح کرنا تو میں بھی جانتی ہوں"

میں ہنستا ہوا واپس پلٹ گیا اور واقعی اس مسئلے میں بڑا کافی لُطف آنے لگا۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر میں نے نیلوفر کے بارے میں سوچا۔ یہ لڑکی واقعی اس قابل نہیں تھی کہ اسے ذرا برابر گھاس ڈالی جائے۔ لالہ رُخ کا مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی تھا نیلوفر اور لالہ رُخ کی خوب گھُٹتی تھی اور انہوں نے گٹھ جوڑ کر کے سب کے خلاف محاذ قائم کر لیا تھا۔ میں اگر کوٹھی میں یہ مُدت مستقل رہ گیا تو اچھی خاصی ہنگامہ آرائی کے امکانات تھے اور یہ کوٹھی میں رہنے کے امکانات بھی نظر آ رہے تھے کیونکہ والد صاحب اپنی ٹیم کے ساتھ پوری طرح قیصر پرویز کے خلاف ہو گئے تھے اور ظاہر ہے جب تک قیصر پرویز کا مسئلہ نمٹ نہیں جاتا اُس وقت تک تو مجھے یہاں رہنا ہی پڑے گا۔ یوں بھی چونکہ معاملہ براہِ راست گھر تک پہنچ گیا تھا اس لیے میں نہیں رہ کر مطمئن رہ سکتا تھا یہی وجہ تھی کہ میں کوٹھی سے باہر نکل گیا تھا ورنہ خطرات کو میں گھر تک نہیں لانا چاہتا تھا لیکن اس خطرے کو گھر تک لانے میں میری کوششوں کو دخل نہیں تھا۔ اس کی ابتدا انہی لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی میں قیصر پرویز کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں سوچ رہا تھا۔ جہاں تک مجھے اُمید تھی نوشابہ سلیم اور اس کی ماں اُستاد چھونے کے ساتھ محفوظ تھیں۔ کو بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ وہ کہاں ہو سکتی ہیں؟ میرا اُس کوٹھی سے فی الحال لاتعلق رہنا ہی مناسب تھا اور چونکہ اُستاد چھونے بذاتِ خود بہت بڑی چیز تھے اس لیے مجھے وہاں کی فکر بھی نہیں تھی۔ باقی رہا قیصر پرویز کا مسئلہ تو بالآخر وہ کسی نہ کسی دن میرے جال میں پھنس ہی جائے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ والد صاحب اپنی کوششوں سے کیا کچھ کر لیتے ہیں؟ شام کی چائے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سوائے اس کے کہ نیلوفر اور لالہ رُخ عجیب سی نگاہوں سے مجھے تک رہی تھیں اور مونقوں کی طرح کبھی جاوداں کو دیکھتیں اور کبھی انیلا کو۔ پتا نہیں نیلوفر نے اس سلسلے میں لالہ رُخ سے کیا کچھ کہا تھا۔ لالہ رُخ مجھ سے برگشتہ تھی اور میں بہتر ہی سمجھتا تھا کہ وہ مجھ سے دُور رہے ورنہ ظاہر ہے میری فطرت کو چھیڑا جا سکتا تھا؟ چائے کے دوران مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ والد صاحب اور ان کا اسٹاف (یعنی ان کے تینوں صاحبزادے) یکجا تھے اور نجانے کس کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ لوگ بے چارے خوب مصیبت میں پھنسے تھے۔ ویسے اس بار مجھے بھی لُطف آ رہا تھا کہ کم از کم مجھے کچھ بولنے کا موقع تو ملے گا۔ پھر چائے کا دور ختم ہو گیا اور ذمہ دار افراد اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہو گئے۔ میں گشت کرنے لگا۔ جاوداں اور انیلا ٹہلنے کے لیے دُور نکل گئیں۔ میری طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی لیکن چند ہی لمحات بعد عصمت بھابی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"حضرت کہاں کھو گئے عمل جانے گا؟"

"ہماری زندگی آپ کو سوچ رہا بھابی لیکن کیا کیا جائے [illegible] پہلے جناب والا صاحب آپ کہاں کھو گئے؟"

"[illegible] والا ہوں؟"

"نہیں... [illegible] کیا مصیبت ہے کہا نہیں کچھ [illegible]" میں نے کہا اور عصمت بھابی ہنس پڑیں۔

"[illegible] ہو گئے ہو تم۔ یہاں کوٹھی میں تھے [illegible] کوٹھی سے باہر نکل کر نجانے کیسی کیسی آوارہ [illegible] ہوا اب تو تمہاری زبان کے آگے لگام نہیں ہے"

"[illegible] کر سکتا ہوں"

"آؤ... اس طرف آؤ۔ تمہاری خبرگیری کرنی ہے کیا چکر چلا رکھا ہے تم نے"

"خیریت کیا ہوا؟"

"آؤ اس طرف آؤ"

"آپ کو میرے ساتھ بیٹھے دیکھ کر لوگ نجانے کیا سوچیں [illegible]"

"بیچ بیچ تھپڑ ماروں گی سب کے سامنے کیا فائدہ...؟"

والد صاحب اپنی ٹیم اور شوکت جاہ کے ساتھ اندر چلے گئے۔ عصمت بھابی مجھے لیے ہوئے لان کے ایک گوشے کی جانب پہنچ گئیں اور پھر انہوں نے مجھے بینچ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں

اُن کی ہدایت کے مطابق بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک مختلف نگاہیں مجھے
گھورتی رہیں۔ عصمت بھابی ۔۔ باتیں نہیں تھیں۔ وہ بھابی البتہ
جانے کے بعد لوگوں کو سمجھا رہی تھیں، مصروف تھیں اور ملازموں
کو ہدایت دیتی جا رہی تھیں۔

"ہوں! تو یہ آخر تم نے چکر کیا چلا رکھا ہے۔" عصمت بھابی
میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"خدارا تھوڑا سا فاصلہ رکھیے عصمت بھابی آج کل میں
بہت اوباش طبع ہو گیا ہوں۔"

عصمت بھابی نے میرے گریبان کی جانب ہاتھ بڑھایا
اور میں تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا۔

"سچ مچ نار ہی بیٹھوں گی۔ تم یہ بتاؤ کہ آخر تم نے سوچا
کیا ہے؟"

"آہ! انسان کا سوچا پورا کہاں ہوتا ہے بھابی آپ بتائیے
کیا ایسا نہیں ہے۔"

"اگر انسان اپنے کسی فیصلے پر اٹل ہو تو قدرت بھی اس کا
ساتھ دیتی ہے۔" بھابی نے کہا۔

"لیکن عصمت بھابی یکطرفہ فیصلے بھی تو بے مقصد ہوتے ہیں۔"

"مطلب۔۔۔؟"

"ایک سوال کروں بھابی۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہوں۔"

"یہ آپ اپنے والدین کی اکلوتی کیوں تھیں۔"

"کیا مطلب۔"

"مجھے آپ کے والدین سے شکوہ ہے کاش ایک ہی بہن
اور ہوتی۔ بخدا آج تک آپ جیسی خاتون میں نے نہیں دیکھی
ویسے بھابی کوئی کزن بھی نہیں ہے آپ کی۔"

"خدا تمہیں سمجھے، بدمعاشی کی حد کر دی ہے لیکن ایک
بات سمجھ لو آج اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گی تمہیں، خواہ کچھ
بھی ہو جائے۔" عصمت بھابی نے کہا اور میں نے کچھ ایسی نظروں
سے انہیں دیکھا کہ وہ جھینپ گئیں اور بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھنے
لگیں۔ میرے حلق سے قہقہہ آزاد ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ لطف
آیا تھا ان دنوں آشیانے میں اور میں نے اتنا لطف
کبھی محسوس نہیں کیا تھا دیکھنا تھا کہ آشیانے کی یہ رونق کب
تک برقرار رہتی ہے۔

میں نے عصمت بھابی کو بہت سے چکر دیے لیکن آج
شاید وہ بھی تہیہ کر کے آئی تھیں کہ مجھے آسانی سے نہیں چھوڑیں
گی۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کچھ اور لوگ بھی ان کی اس
کاوش میں شریک ہیں اور دوسرے ہمیں دیکھا جا رہا ہے۔

"تم کتنی ہی بکواس کر دو مجھے تمہارا جواب درکار ہے۔"
انہوں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"آخر کس سلسلے میں؟"

"آج میں تمہارا دوٹوک جواب سننا چاہتی ہوں۔ آخر
تمہارے ذہن میں ہے کیا؟"

"کوئی بُری بات نہیں ہے اب تو آپ میری بھابی ہیں
اور سنا ہے بھابیوں کو ماں کا درجہ دینا پڑتا ہے۔ اب آپ
خود ہی غور کر لیجیے کہ میرے ذہن میں زیادہ سے زیادہ کیا
ہو سکتا ہے۔"

"شارق پلیز بی سیریس۔"

"ٹھیک ہے میڈم۔ ہم سیریس ہو گئے۔"

"جاوداں کے سلسلے میں بات کچھ آگے بڑھ رہی ہے۔
غالباً شوکت صاحب کے کانوں تک بھی یہ الفاظ پہنچ گئے
ہیں کہ جاوداں اور شارق کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔"

"اوہ! میری اجازت کے بغیر؟"

"تمہاری اجازت۔۔۔" وہ دانت پیس کر بولیں۔

"ارے۔۔۔ ارے یہ کیا آپ نے ظالم سماج جیسی
شکل بنا رکھی ہے۔"

"تمہاری ہر ادا سے جاوداں سے دلچسپی ٹپکتی ہے۔
اور اب تم نے جو چکر چلایا ہے، آخر کیا سوچ رکھا ہے تم
نے؟ بھئی آشیانے کی ایک عزت ہے، کہیں اس راستے
سے بھی اُسے مٹی میں نہ ملا دینا۔"

"کک۔۔۔ کیا ہوا بھابی؟"

"بُرا مت ماننا اور نہ ہی اس سلسلے میں، میں کوئی
ایسی بات سننا پسند کروں گی۔ کیا اب تم انیلا کی طرف راغب
ہو رہے ہو؟"

میرے حلق سے قہقہہ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ میں نے بمشکل
تمام خود کو سنبھالا اور پھر حیرت سے بولا۔

"مطلب۔۔۔؟"

"سنا ہے کہ ان دنوں تمہارے جذبات کے دھارے
انیلا کی جانب بہہ رہے ہیں۔"

"پہلے یہ بتائیے کس سے سنا ہے؟"

"آج ہی دوپہر کو تم غالباً باغ کے کسی گوشے میں
راز و نیاز کر رہے تھے اور بات شاید قابلِ اعتراض حد
میں داخل ہو گئی تھی۔"

"اوہو! آپ کا محکمہ جاسوسی تو خاصا فعال ورنہ معلوم
ہوتا ہے بھابی لیکن ایک بات تو بتائیے، آپ میرے
خلاف یہ جاسوسی کیوں کر رہی ہیں؟"

"اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ بات کسی اور زبان
سے مجھ تک پہنچی ہے اور دیکھو شارق ساری باتیں اپنی جگہ
لیکن انسان کی ذات میں ایک ہی تو چیز ہوتی ہے اور وہ ہے
اس کا کردار۔ اگر تمہارا کردار داغ دار ہو گیا تو یقین کرو مجھے
بے حد دکھ ہو گا۔ تم مجھ سے چاہے کتنا ہی مذاق کر لو لیکن میرے
لیے اولاد ہی کی مانند ہو۔ بالکل بیٹوں کی نگاہ سے دیکھتی ہوں
میں تمہیں۔"

"مجھے یقین ہے عصمت بھابی لیکن آپ اپنی اولاد کو اتنا
بدکردار کیوں سمجھتی ہیں؟"

"بالکل نہیں سمجھتی، اور جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے
مجھے اس پر بھی یقین نہیں ہے۔ میں نے بجائے اس کے کہ کہیں
اور سے تصدیق کرتی، تم سے ہی پوچھ لینا مناسب سمجھا اور اس
یقین کے ساتھ کہ جو کچھ تم مجھے بتاؤ گے وہ بالکل درست ہو گا۔"

"بھابی لطف لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جہاں تک
بات بدکرداری کی ہے تو مجھے اپنی ذات پر ہر ضرب برداشت
ہے۔ میرا کچھ نہیں بگڑتا لیکن انیلا یا جاوداں بیچاری کو اس
میں ملوث نہ کریں۔ ویسے یقین کریں کہ آپ اُن دونوں سے
کچھ بھی کہہ دیں تو وہ بھی برداشت کریں گی۔ وہ دونوں بہت
نفیس قسم کی لڑکیاں ہیں اور جاہلانہ حرکتوں سے بہت دور
رہتی ہیں۔ اگر آپ میرے دل کی کیفیت کا جائزہ لینا چاہیں
تو ایک شرط ہے کہ آپ یہ بات صرف خود تک محدود
رکھیں گی اور کبھی کسی سے نہ کہیں گی اور اس کے لیے آپ
کو قسم کھانا پڑے گی۔"

"لیکن کس سلسلے میں؟ یہ تو بتاؤ۔" عصمت بھابی نے
سوال کیا۔

"اسی میں جس میں آپ نے یہ سوال کیا ہے۔"

"یعنی جاوداں اور انیلا میں سے کسی کا انتخاب؟"

"جی بھابی۔"

"اگر میں کسی سے نہیں کہوں گی تو... کوئی گڑبڑ نہیں ہو جائے گی؟"

"مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے تو کیا مجھے تمہارے دل کی بات کسی کو نہیں بتانی چاہیے!"

"نہیں بھابی آپ کسی کو نہیں بتائیں گی کم ازکم ان دونوں خواتین کے بارے میں، میں جو کچھ ہوں، وہ بات آپ کسی کو نہ بتائیں، ورنہ سارا مزہ کرکرا ہو جائے گا۔"

"عجیب سی بات ہے۔"

"آپ اگر معلوم کرنا چاہتی ہیں تو قسم کھائیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے تمہاری قسم میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔"

"تو آپ ایک بات سن لیجیے کہ جاوداں بہت پیاری لڑکی ہے اتنی پیاری، اتنی سچی، اتنی معصوم کہ مجھے بے اختیار اس پہ پیار آگیا اور میں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا اور سر پر ہاتھ رکھنے کا مطلب آپ جانتی ہیں نا؟"

"مطلب؟" بھابی حیرت سے بولیں۔

"مطلب یہ کہ ایک بھائی ہی اپنی بہنوں کے سر پہ ہاتھ رکھتا ہے۔"

"اللہ کی پناہ یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ اب۔ اب تک جو یگانگت کا اظہار کیا جاتا رہا ہے وہ؟"

"جاوداں سمجھتی ہے کہ میرے دل میں اس کے لیے کیا جذبے ہیں۔ میری اس سے کھل کر بات ہو چکی ہے، میں نے اس سے کہا تھا کہ جاوداں یہ ممکن نہیں ہے کہ میں تمہاری جانب ایک مرد کی نگاہ سے دیکھوں، میرا مقصد، میرا مشن کچھ اور ہے اور اس نے بھابی بڑی سچائی سے میری محبت کا یہ بدلا ہوا رخ قبول کر لیا۔"

"یعنی وہ بھی تمہیں بھائیوں کی مانند سمجھتی ہے؟"

"سو فیصد۔"

"اللہ کی قسم میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اچھا تو پھر نیلا یہ کیا سلسلہ شروع کر دیا ہے تم نے؟"

"ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے جو اطلاع آپ تک پہنچی ہو گی وہ یہ ہو گی کہ اس نے میرا چہرا اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر میری پیشانی چومی تھی۔ جانتی ہیں کیوں؟"

"کیا یہ سچ ہے؟"

"جی..."

"لیکن مجھے پیشانی چومنے کی اطلاع نہیں ملی تھی۔"

"اب یہ اس شخص کی آنکھوں کا قصور ہے جس نے یہ اطلاع آپ تک پہنچائی۔"

"تت... تو تمہارے خیال میں..."

"جی بھابی میرے خیال میں بلکہ میرے علم میں حقیقت یہی ہے۔"

"تو تمہارا تصور کیا ہے؟"

"سو فیصد... بلکہ ہزار فیصد، ایک بہن کی ہی مانند..."

"اللہ یہ میں کیا سن رہی ہوں۔"

"ایک بات کا وعدہ آپ کر چکی ہیں کہ میری سچائی پر شبہ نہیں کریں گی اور کسی کو یہ بات بتائیں گی نہیں۔"

"بھئی یہ بات تو بتانے کی ہے ظاہر ہے لوگ تمہارے کردار پہ کیچڑ اچھالیں تو میں کیسے خاموش رہ پاؤں گی۔"

"آپ قسم کھا چکی ہیں، زندگی بھر کے لیے آپ پر سے اعتبار ختم ہو جائے گا۔"

"لیکن کیوں ایک سچائی کو تم کیوں چھپانا چاہتے ہو؟"

"اس میں لطف آ رہا ہے بھابی، بہت سے لوگوں کو پریشانی ہو رہی ہے۔"

"اچھا شارق ایک بات تو بتا دو۔"

"جی پوچھیے۔"

"آخر تمہارے دل میں کسی کا کوئی تصور تو ہو گا۔ زندگی کو کسی انداز میں تو گزارو گے، شادی تو کرو گے آخر۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

"مگر کس کے ساتھ، کوئی اور منظورِ نظر ہے؟"

"جی بالکل۔" میں نے دفعتاً ہی ایک خیال کے تحت کہا۔ نیلوفر کو تھوڑی سی سزا ملنا ضروری تھی۔

"مجھے نہیں بتاؤ گے کون ہے وہ؟"

"بتا دیتا ہوں لیکن ابھی اس سلسلے میں زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کریں گی۔"

"کیا اس کے سلسلے میں بھی مجھے زبان بند رکھنے کی ہدایت ہے؟"

"نہیں وہ تو میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ البتہ میں نے اس میں ایک دلچسپ سچویشن پیدا کر دی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"بھابی میں نیلوفر سے شادی کروں گا۔"

"ہیں؟" بھابی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں بھابی نیلوفر مجھے دل و جان سے پسند ہے۔"

"ارے تمہارا دماغ خراب ہے کیا۔ اس کے ساتھ جو سلوک کرتے ہو کیا وہ پسندیدگی کا ثبوت ہے؟"

"یہی تو لطف ہے۔ میں نیلوفر کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اس پر زندگی نچھاور کرتا ہوں لیکن اسے چھیڑنے میں لطف آتا ہے۔ میں اسے مایوسیوں کی حد تک پہنچانا چاہتا ہوں اور اس کے بعد جب میں اس کی محبت کا اقرار کروں گا تو آپ دیکھیں کیا صورت حال بنتی ہے۔"

"خدا کی پناہ تم نے تو میرا دماغ چکرا کے رکھ دیا۔ ارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ جانتے ہو یہ اطلاع کس نے دی؟"

"نیلوفر نے نا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ شاید تمہاری کھوج میں رہتی ہے۔ شفق کو بتایا تھا۔ اس نے مجھے براہ راست نہیں اور شفق نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا۔ ویسے شفق کی نیت بھی خراب نہیں ہے اس کی طرف سے بدظن مت ہو جانا۔ بس وہ کہہ رہی تھی کہ پتا نہیں شارق کے ذہن میں کیا ہے کچھ پتا چل جائے تو صورت حال بہتر ہو جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کسی بدنامی کا شکار ہو جائیں۔"

"نہیں آپ خود جو چاہیں کریں۔ میں نیلوفر کے علاوہ اپنی زندگی کا ساتھی کسی اور کو نہیں بنا سکتا۔" انہوں نے سر پکڑ لیا تھا پھر وہ کہنے لگیں۔

"سنا تھا کہ عورت اپنے دل کی بات کبھی کسی کو نہیں بتاتی لیکن بھائی تم مرد ہو کر بھی ان عورتوں کو مات کر گئے ہو۔"

"اور میرے لائق کوئی حکم؟"

"نہیں پہلے تو مجھے اس بات پہ یقین کرنا پڑے گا کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو سچ کہہ رہے ہو۔"

میں مسکراتا رہا اور وہ وہاں سے اٹھ گئیں۔ میں نے دور چہل قدمی کرتی ہوئی نیلوفر اور لالہ رخ کو دیکھا اور دل ہی دل میں کہا۔

"مس نیلوفر آپ کو چھوٹی موٹی سزائیں ملتے رہنا ضروری ہیں۔" اور اس کے بعد میں اندرونی کوٹھی کی جانب بڑھ گیا تھا ظاہر ہے عصمت بھابی بھی عورت تھیں اور بہر طور اپنے آپ پر بہت زیادہ قابو نہیں پا سکتی تھیں۔ اب میری اس دلچسپی کا اظہار شفق بھابی سے ہو گا۔ ان کے ذریعے نیلوفر تک یہ بات پہنچے گی اور نیلوفر کے سوکھے دھانوں پہ پھر سے پانی پڑ جائے گا۔ ایک سمت سے قیصر پرویز کی ہنگامہ آرائیاں اور دوسری سمت یہ تمام تفریحات زندگی واقعی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دلچسپ ہو گئی اور ان دنوں میں بڑی فرحت محسوس کر رہا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ یہ دونوں اونٹ بلکہ اونٹوں کی جوڑی کس کروٹ بیٹھتی ہے ڈیڈی کیا تیر اندازی فرماتے ہیں اور تینوں صاحبزادگان کس حد تک کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔

وقت گزرتا رہا اور میں انتظار کرتا رہا پتا نہیں عصمت بھابی کس کیفیت سے گزر رہی تھیں اگر وہ میرا انکشاف پی گئی تھیں تو حیرت ناک بات تھی۔ امید تو نہیں تھی۔ پھر ایک اہم کام پایۂ تکمیل کو پہنچا احمد کمال بے چارے واقعی شریف انسان تھے اور اس انکشاف کے بعد سخت خوفزدہ ہو گئے تھے۔ چچا پرویز انہوں نے روانگی کے لیے زبردست کوششیں کیں اور سارے کام برق رفتاری سے کرائے۔ دوسرے ہی دن وہ دوپہر کو آ پہنچے اور انہوں نے بتایا کہ آج رات ان کی فلائیٹ ہے۔ یہ سارے کام انہوں نے بہت خفیہ کیے تھے۔ میں ان سے متفق تھا کیونکہ قیصر پرویز ہو میں لے جان لیتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ احمد کمال اس سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اسی رات ہم انتہائی خاموشی سے احمد کمال کو ائیرپورٹ چھوڑنے گئے تھے۔ شیلا نے کہا۔

"شارق، میرا تم سے ایک ایسا رشتہ قائم ہو گیا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ مجھے اپنے ذہن میں رکھنا۔"

"تم مجھے اس کی ہدایت نہ کرو۔" میں نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

بہرحال وہ لوگ چلے گئے۔ اس کے بعد دوسرا دن کسی خاص اہمیت کا حامل نہ ہوا معمولات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ البتہ میرا ذہن قیصر پرویز کے ذہن کا تعاقب کرتا رہا تھا۔ اب وہ کس انداز میں سوچ رہا ہو گا، اور کیا کر رہا ہو گا۔ اس کے کردار کو سامنے رکھ کر میں نے اس کا ذہنی تجزیہ کیا تو چند نتیجے ہوئے۔ پہلا اس کا ذہن ابھی احمد کمال کی طرف نہیں جائے گا۔ دوسرے وہ یہ جاننے کے لیے کوشاں ہو گا کہ اس کے ان چار ساتھیوں کو ہلاک کرنے والے کون ہیں۔ اس بات پر بھی کافی زور دے گا۔ تیسرے وہ کسی ایسی حرکت کا ارتکاب ضرور کرے گا جس سے ہم لوگ اس کے جال میں پھنس جائیں۔ وہ حرکت کیا ہو سکتی ہے حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے آئی جی صاحب سے بات کرنے کا فیصلہ کیا لیکن پھر خود ہی اسے ملتوی کر دیا۔ صرف آئی جی صاحب کے کانوں تک بات پہنچانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس کے لیے زاویے کو ذرا درست کرنا ہو گا۔ اس طرح بات کچھ موثر

کرجائے گی اور اس طرح میں نے اپنے پروگرام کی تکمیل کے لیے میں نے بادشاہ سے رابطہ قائم کیا اور اس کو مکمل ہدایات دینے کے بعد مطمئن ہو گیا۔ حالانکہ یہ چھوٹی بات تھی لیکن اس بار میرا خیال تھا کہ آشیانے میں رہنے والوں کی آنکھیں کھول دوں اور ان معصوم انسانوں کو موجودہ دور کے حقائق سے آگاہ کر دوں۔ ویسے تو مجھے اس بات کی مکمل امید تھی کہ اس بار آشیانے والوں کا نظریہ تبدیل ہو جائے گا اور وہ بہت کچھ سمجھ لیں گے لیکن اس کے لیے اپنی طرف سے بھی تھوڑی بہت محنت ضروری تھی اور احتیاطی اقدام کے طور پر ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ان کے حق میں تھا۔ چنانچہ رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے چند افراد نے آشیانے کے مختلف حصوں میں زبردست فائرنگ کی۔ آشیانے کے لوگ اپنی آرام گاہوں میں جا چکے تھے اور اس فائرنگ سے عمارت کی صرف چند کھڑکیوں اور دروازوں کو نقصان پہنچا تھا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار نے فوراً ہی اندر سے رابطہ قائم کیا ظاہر ہے اجازت کے بغیر وہ فائرنگ نہیں کر سکتا تھا لیکن آشیانے والے سبھی جاگ گئے تھے اور تھوڑی ہی دیر میں تمام شریف لوگ اسلحے سے لیس ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ البتہ میں بہت شریف انسان تھا، کیونکہ میرے پاس اسلحہ موجود نہیں تھا۔ آشیانہ عمارت نور بن گیا چاروں طرف تیز روشنیاں ہو گئیں لیکن حملہ آور فرار ہو چکے تھے اور پھر ان کے بارے میں کوئی تجسس نہیں تھا۔ تب سب سے پہلا نام جو ان حملہ آوروں کے سلسلے میں لیا گیا وہ قیصر پرویز کا تھا اور پھر جناب آئی جی صاحب کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تھے وہ سخت غصے میں نظر آ رہے تھے۔ تینوں صاحبزادگان بھی سخت برافروختہ تھے۔ ماجد بھائی نے تجویز پیش کی کہ اسی وقت پولیس کو ان معاملات سے آگاہ کر کے قیصر پرویز کو اس کے گھر سے گرفتار کر کے لاک اپ میں بند کرا دیا جائے۔ میں نے اس تجویز کی بالکل مخالفت نہیں کی اور خاموشی سے تمام حضرات کی گفتگو سنتا رہا تھا۔ بےچارے شوکت صاحب بھی پریشان ہو گئے، ویسے یہ اتنے نفیس انسان تھے کہ میں ان کی پریشانی پسند نہیں کرتا تھا۔ قابلِ اعتماد بھی تھے چنانچہ میں نے سوچا تھا کہ ان کی پریشانی دور کرنے کے لیے کم از کم انہیں اپنے اعتماد میں لے لوں گا۔ ویسے انہوں نے کسی چیز کا اظہار نہیں کیا تھا۔ آئی جی صاحب جج صاحب کی بات سے اختلاف پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے کہا۔

"ثبوت نہیں دے سکتے ہم لوگ کہ یہ فائرنگ اُس نے کرائی ہے اور نہ ہی پچھلے واقعے کا حوالہ دے سکتے ہیں لیکن اطمینان رکھو اس کا بندوبست بھی کر لیا جائے گا۔ میں دیکھتا ہوں قیصر پرویز کتنے پانی میں ہے۔ اگر کتے کی موت نہ مروا دیا سڑکوں پر تو میرا نام عظمت حسین نہیں ہے۔" بہرطور تمام افراد برافروختگی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ بعد میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس سلسلے میں پولیس رپورٹ بھی نہ لکھوائی جائے بلکہ قیصر پرویز کے سلسلے میں کارروائی تیز کر دی جائے۔ وہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے۔

میں مطمئن تھا۔ میں نے صرف ایک تجویز پیش کی "باقی معاملات آپ لوگ بہتر سمجھتے ہیں۔ آپ نے خود ہی اس مسئلے کو اپنے طور پر چھیڑ دیا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کوٹھی کی حفاظت کے لیے چند افراد مقرر کر دیں اور خاص طور سے ڈیڈی میں ایک اور تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

انہوں نے انتہائی نرمی سے میری تجویز سننے کا اظہار کیا تب میں نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ان دنوں تمام کارروائیاں تمام تفریحی مشغلے کوٹھی تک ہی محدود رکھے جائیں خاص طور سے خواتین کا مسئلہ ہے ہمارے ہاں کی کسی خاتون کو باہر نہیں جانا چاہیے۔ البتہ کوٹھی کے اطراف میں چونکہ محافظ موجود رہیں گے اس لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کوٹھی کے اندر ہر طرح کی تفریح اور مشغلے جاری رکھے جا سکتے ہیں۔"

نہ صرف انہوں نے بلکہ تمام ہی افراد نے میری اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ ڈیڈی نے فوراً ہی اس سلسلے میں انتظامات کیے اور ٹیلی فون پر مختلف لوگوں سے گفتگو کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ پانچ افراد کوٹھی کے گرد پھیل جائیں گے اور اس کی دن رات حفاظت کریں گے۔ ان پانچ افراد کا تعلق محکمہ پولیس ہی سے تھا اور اس میں شاید ان کے تعلقات کام آئے تھے کہ انہوں نے اس کی وجہ بتائے بغیر کوٹھی کے گرد محافظ متعین کر دیے تھے لیکن اس رات شاید کوئی بھی نہیں سو سکا تھا۔ سب کے سب بری طرح کھول رہے تھے اور اس بات پر سخت تردد کا شکار تھے کہ ان کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہ رہ گئی تھی۔ سبھی سرکاری افسر تھے۔ ایک کا تعلق محکمہ پولیس سے، دوسرے کا عدلیہ سے اور تیسرے کا بھی عدلیہ ہی سے تھا لیکن سب کے سب ایک ادنیٰ درجے

کے سرکاری افسر کے سامنے بےبس ہو گئے تھے۔ بہرطور سب نے فیصلے کیے کہ وہ اپنی اپنی قوتیں آزمائیں گے۔ ایک میں ہی بےچارہ تھا جس کے پاس کوئی قوت نہیں تھی اور جسے ہدایت دی گئی تھی کہ وہ ان تمام لوگوں کی معاونت کرتا رہے اور خود کوئی عمل نہ کرے۔ چنانچہ میں صرف ایک معاون کے طور پر تھا۔ بہرطور یہ رات تقریباً جاگتے ہوئے ہی گزر گئی تھی۔ تمام لوگ اپنے اپنے طور پر آئندہ پروگرام کے لیے فیصلے کرتے رہے تھے اور دوسری صبح تمام تیس مار خان اپنے اپنے فیصلوں پر عملدرآمد کرنے نکل گئے۔ مجھے ہدایت کی گئی تھی کہ میں گھر پر ہی رہوں، چنانچہ بس میں تھا اور شوکت صاحب تھے۔ وہ بےچارے ہمارے ان معاملات میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے اور انھوں نے ایک بار بھی کسی تردد کا اظہار نہیں کیا لیکن وہ مہمان تھے اور اپنی بیٹی کے ساتھ یہاں مقیم تھے۔ میں نے بہت غور و خوض کے بعد ان سے گفتگو کا فیصلہ کیا اور بالآخر ایک جگہ انہیں جا لیا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا کر بولے۔

"کسی کو احساس ہو یا نہ ہو لیکن مجھے احساس ہے کہ شیر کو پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔"

میں نے ہنس کر کہا۔ "جی چچا جان اس شیر کے لیے یہ لوگ بہت عرصہ جال لے کر پھرتے رہے ہیں لیکن وہ ان کے قابو میں نہیں آ سکا اور شیر اس وقت بھی شیر ہی ہے لیکن ان معصوم لوگوں کو حقائق سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ یہ بھی دُنیا میں رہنے کے ڈھنگ سیکھ لیں۔ اسی لیے میں نے انہیں آزادی دی ہے اور خود اس جال میں آ بیٹھا ہوں۔" اب ان کے ہنسنے کی باری تھی، چنانچہ وہ ہنس کر بولے۔

"بھئی قسم کھا سکتا ہوں اس سلسلے میں جو بھی تمہارے لیے قابلِ اعتبار ہو کہ خود میرا اپنا بھی یہی خیال تھا اور میں نے اس سلسلے میں جاوداں سے بھی بات چیت کی تھی۔ تم اگر چاہو تو اُس سے تصدیق کر سکتے ہو۔"

"کیا...!" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بس جاوداں سے تو میں نے سرسری انداز ہی میں کہا تھا کہ شارق ان لوگوں میں بالکل ایک مختلف انسان ہے اور شاید اس دور کے حقائق کو ان سے زیادہ سمجھتا ہے، میرا اپنا خیال تھا کہ تم جان بوجھ کر انھیں موقع دے رہے ہو۔"

"جی چچا جان یہ حقیقت ہے۔ حالات کافی حد تک آپ کے علم میں آ چکے ہیں۔ آشیانے میں رہنے والوں میں ایک بھی فرد فطرتاً برا نہیں ہے اور یہ حیرت کی بات ہے کہ تمام ہی لوگ ایسے شعبوں سے منسلک ہیں اور رہے ہیں جن کا تعلق دُنیا کے دوسرے رُخ سے ہے یعنی وہ رُخ جو بدتر کہلاتا ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ اتنا تجربہ حاصل کرنے کے باوجود انہوں نے دُنیا کے اس رُخ کو دوسرے انداز میں نہیں دیکھا۔"

شوکت صاحب سنجیدہ ہو گئے پھر کہنے لگے "شارق تم اسے ان کی خوش بختی کہہ سکتے ہو بعض لوگ بہت اچھے لوگوں سے منسلک ہو جاتے ہیں اور انہی کے درمیان زندہ رہتے ہیں چنانچہ برائیاں ان کی سمجھ میں نہیں آتیں میں ایسے لوگوں کو خوش نصیب کہتا ہوں جن کا واسطہ کبھی بُرے لوگوں سے نہیں پڑتا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے چچا جان لیکن آپ ان لوگوں کے بارے میں کیا کہیں گے جن کا واسطہ ان اچھے لوگوں سے پڑتا ہے اور یہ اچھے لوگ بُرے لوگوں کو بھی انہی ان معصوم لوگوں کے بارے میں یہ فیصلے کر دیتے ہیں جو درحقیقت معصوم ہوتے ہیں اور بُرے کی بُرائی کا شکار۔ ان کی ذمے داری تو ذرا مختلف ہے اگر یہ کاروباری لوگ ہوتے اور ان کے ہاتھوں میں دوسروں کی تقدیریں نہ ہوتیں تو کوئی حرج نہیں تھا لیکن ان جیسے لوگوں کا تو بُروں کے بارے میں جاننا زیادہ ضروری ہے، تاکہ وہ اچھائی اور برائی کا فیصلہ کر سکیں۔ مجھے اس سلسلے میں ان سے شدید اختلاف ہے۔ ڈیڈی تو اپنی زندگی بقول آپ کے اچھے لوگوں میں گزار کر ختم کر چکے اور اب ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن یہ تمام حضرات، آپ ذرا غور کیجیے جج صاحب فیصلہ کرتے ہیں، بُروں کو اس شکل میں دیکھتے ہیں جس شکل میں انہیں دکھایا جاتا ہے اور فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ بیرسٹر صاحب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص اپنی فریاد لے کر ان کے پاس پہنچ گیا وہی سچا ہے۔ آپ بتائیے کیا یہ رسمِ انصاف کی جانب جاتا ہے؟"

"ہرگز نہیں..."

"تو پھر ان لوگوں کو حقائق سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ یہ لوگ اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کر سکیں۔"

"بہت مشکل کام ہے بیٹے لیکن اس کی حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم تم خود اس سلسلے میں کیا کر رہے ہو؟"

"کس حد تک محفوظ ہو جان؟"

"میرا مطلب ہے وہ کمبخت تو حد سے آگے ہی بڑھ گیا۔ یہاں تک آ پہنچا۔ کیا یہ صورت حال خوفناک نہیں ہے؟"

"چچا جان! ایک بات پر بھروسا رکھتا ہوں کہ آپ بہت اچھے انسان ہیں اور یقینی طور پر قابل اعتماد بھی چنانچہ اپنے کچھ راز آپ کو سونپنے میں کوئی الجھن نہیں محسوس کرتا۔"

"اطمینان رکھو شارق میاں میں بھی قابل اعتماد ہی ثابت ہوں گا۔"

"یقیناً مجھے اس بات کا اطمینان ہے۔ رات کا واقعہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ قیصر پرویز جیسا شاطر اور مکار شخص ہمارے لیے اور بھی کوئی کارروائی کر سکتا ہے ہو سکتا ہے کچھ لمحات ہماری نگاہوں سے اوجھل رہ جائیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا جائے۔

اگر میں ڈیڈی سے اس انداز میں بات کرتا تو وہ اسے اپنی انا پر ضرب سمجھتے اور شاید آشیانے کی نگرانی کے لیے باہر کے لوگوں کا بندوبست کرنے میں تساہل سے کام لیتے چنانچہ رات کی یہ کارروائی میں نے خود کرائی تھی۔"

"کیا۔۔۔؟" شوکت جاہ صاحب اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

"جی چچا جان! وہ فائرنگ میں نے اپنے آدمیوں سے کروائی تھی، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس وقت ان چار آدمیوں کو ہلاک کر دیا جب وہ ہم پر فائرنگ کرنے والے تھے۔"

ان کا چہرہ شدت حیرت سے سرخ ہو گیا۔ وہ دیر تک کچھ نہ بول سکے۔ پھر بولے تو ان کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"تت۔۔۔ تو وہ۔۔۔ وہ"

"جی ہاں اس سے پہلے کہ یہ بات قیصر پرویز کے ذہن میں آتی میں نے اس کی تکمیل کر ڈالی اور اپنے آدمیوں سے فائرنگ کرا کے ڈیڈی کو یہ احساس دلا دیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے ورنہ اس بات کے امکانات تھے کہ میری یہ کوشش قابل عتاب سمجھی جاتی۔"

"خدا کی پناہ۔ شارق میاں اب میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تم ذہنی طور پر اس عمارت کے رہنے والوں سے کہیں زیادہ ذہین ہو۔ یہ بات میرے تصور میں بھی نہیں تھی اور بلاشبہ تم نے جس انداز میں یہ کام کیا وہ حیرت انگیز ہے کیونکہ اس کا ردعمل فوری طور پر ہوا تھا۔"

"کیا کہوں چچا جان صورت حال ایسی ہی ہے۔ بیشتر ایسے مواقع آئے جب میں نے ان تمام لوگوں کو موجودہ دور کے تقاضوں سے آگاہ کرنا چاہا۔ بیرسٹر صاحب اور جج صاحب قانون کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یا ایس پی صاحب یہ جرأت نہیں کر پاتے کہ ان سے اختلاف کر سکیں۔ اب آپ بتائیے اس کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے قیصر پرویز کے سلسلے میں۔ میں نے ان تمام لوگوں کو پوری طرح محتاط کر دیا ہے اور چچا جان ایک پیش گوئی کر رہا ہوں۔ قبل از وقت ہے لیکن بڑی ہمت کر کے یہ الفاظ آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اس بار شاید میرا مقصد پورا ہو جائے۔"

"کیسا مقصد؟"

"یہ سب ہر بار میری مخالفت کرتے ہیں کئی ایسے واقعات اتفاقیہ طور پر پیش آ چکے ہیں جن میں، میں نے کچھ لوگوں کی گردنوں پر ہاتھ ڈالے اور ان کے تعلقات کسی طور ڈیڈی یا آشیانے کے کسی اور فرد سے نکلے۔ نتیجے میں میرے کان پکڑ لیے گئے اور مجھے ہر طرح مجبور کیا گیا کہ میں اس معاملے میں ہاتھ نہ ڈالوں لیکن سچائیوں کو سامنے لانا میرا ایمان ہے اور میں ایمان کو ختم کرنا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ عموماً ان لوگوں کے عتاب کا شکار ہی رہتا ہوں۔ یہ تو ان دنوں آپ کے قدموں کی برکت ہے کہ آشیانے میں میرا بسیرا ہے ورنہ میں تو راندۂ درگاہ ہوں اور مارا مارا ہی پھرتا ہوں لیکن اس کا یہ مقصد بھی نہیں ہے چچا جان کہ آشیانے والے میرے حقوق سلب کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایسی کوئی بات بالکل نہیں ہے۔ میں خود بھی یہاں سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ آپ دیکھ لیجیے کہ صرف میری وجہ سے اس دن فائرنگ کی گئی۔ خدانخواستہ اگر میں مستعد نہ ہوتا تو ان لوگوں کو نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔ چنانچہ میں ایسے لوگوں کو آشیانے سے دور ہی رکھنا چاہتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میں آشیانے والوں کو بھڑکا کر دور چلا گیا تھا۔ رات کے واقعے سے آپ ذرا بھی بددل نہ ہوں کوٹھی کے گرد ان لوگوں کا پھیل جانا بہتر ہوا ہے کیونکہ قیصر پرویز جیسا کمینہ شخص ہر کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ اب ہم وقت سے پہلے محتاط ہو گئے چنانچہ اس کا خدشہ ختم ہو گیا۔ قیصر پرویز کے جسم پر جب ہمارے ہاتھوں زخم لگیں گے تو وہ اس کے نتیجے میں کچھ بھی کر سکتا ہے چنانچہ اس

کے ہر کام سے پہلے سے ہوشیار ہو جانا ضروری ہے۔"

"بہت ہی ذہانت کی بات ہے لیکن مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا یہ لوگ اس کے خلاف کچھ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے؟ ابھی تم نے ایک اشارہ دیا تھا کہ ان کے لیے یہ سب کچھ کرنا مشکل ہوگا۔"

"میں اس کی تفصیل صرف اتنی ہی عرض کر سکتا ہوں کہ ہو سکتا ہے ڈیڈی کسی تیسرے ذریعے سے کچھ کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن میری نگاہ میں اس کے امکانات صرف پانچ فیصد ہیں۔ پچانوے فیصد یہ بات میرے ذہن میں ہے کہ وہ لوگ ناکام رہیں گے اور اس وقت جب وہ اپنی ناکامیوں کا اعتراف کر لیں گے میں میدان عمل میں آ جاؤں گا۔"

"تو کیا تم قیصر پرویز کے خلاف کوئی ٹھوس کارروائی کر سکتے ہو؟"

"چچا جان جس وقت ڈیڈی اپنی ناکامی کا اعتراف کر کے اپنے بیٹوں کو سرزنش کریں گے اور کہیں گے کہ شارق کا کام درست ہے تو میں قیصر پرویز کو کتے کی موت ماروں گا اور اسی شہر کی سڑکوں پر اسے کسی خارش زدہ کتے کی طرح گھسیٹتا پھروں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے اور آرزو ہے میری کہ آپ ان لمحات کو دیکھنے کے لیے ہمارے درمیان موجود رہیں۔"

شوکت صاحب میری باتوں سے متاثر ہو گئے۔ کوشش کے باوجود ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا اور وہ دیر تک خاموش بیٹھے میری صورت دیکھتے رہے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"خداوند عالم تمہیں ہمیشہ کامرانی عطا فرماتا رہے۔"

"مجھے آپ ہی جیسے سچے بزرگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ وہ اس گفتگو کے بعد خاصے مطمئن نظر آنے لگے تھے۔ چونکہ اس سلسلے میں، میں نے ان لوگوں کو پورے طور پر کام کرنے کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ اور اس میں میرا ایک مقصد بھی پوشیدہ تھا چنانچہ مجھے فرصت ہی فرصت تھی۔ میرا بہر طور ٹیلیفون پر باقی لوگوں سے رابطہ قائم تھا۔ بدر شاہ کے آدمی پورے طور سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے۔ استاد جمو نے کوٹھی میں مطمئن تھے اور مجھے اس بات کا یقین تھا کہ قیصر پرویز بہر طور اس کوٹھی تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اس کے علاوہ فاروقی صاحب سے بھی میں نے ٹیلیفون کر کے کہہ دیا تھا کہ صورت حال کچھ ایسی ہے کہ چند روز غیر حاضر رہوں گا اور ان تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں کوٹھی ہی میں مقیم تھا اور میں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ جب تک مجھے خود ہی ان معاملات میں شرکت کی دعوت نہیں دی جائے گی اپنی طرف سے کوئی کارروائی نہیں کروں گا چنانچہ فرصت کے لمحات میں صرف کسی کمرے میں تنہا بیٹھ کر مکھیاں مارنا تو ممکن نہیں تھا چنانچہ تینوں بھابیاں مس نیلوفر، مس لالہ رخ اور مس جاوداں میری تفریحات کا مرکز تھیں جاوداں تو خیر چیز ہی دوسری تھی اور میں اس کے لیے دل میں بڑا احترام رکھتا تھا لیکن نیلوفر صاحبہ کی چند حرکات سے اندازہ ہو گیا کہ عصمت بھابی کا پیٹ خالی ہو گیا ہے اور بات شفق بھابی کے کانوں سے ہوتی ہوئی نیلوفر تک پہنچ گئی ہے۔ نیلوفر کے انداز میں تبدیلی سے یہ احساس ہو گیا تھا۔ اچانک ہی اس کے میک اپ میں ذرا گہرائی آ گئی تھی۔ لالہ رخ سے اس کی دوستی شاید اسی بنیاد پر ہوئی تھی کہ وہ میری مخالف بن گئی تھی چنانچہ ان دنوں لالہ رخ کی اور اس کی [illegible] صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ البتہ نیلوفر نے اس بار ضبط سے کام لیا تھا اور صرف شرارت بھری مسکراہٹیں اور التفات بھری نگاہوں سے کام چلا رہی تھیں۔ ابھی تک انہوں نے مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ بعض اوقات شام کی چائے پر یا رات کے کھانے پر میں نے نیلوفر صاحبہ کی تمکنت دیکھی تھی۔ خاص طور سے جب بھی ان کی نگاہیں جاوداں کی طرف اٹھتیں تو ان نگاہوں میں ایک انوکھا غرور پوشیدہ ہوتا اور ایسی غرور کی کہانی ان کے چہرے پر تحریر ہوتی جیسے کہہ رہی ہوں کہ دیکھ لو جاوداں تم اپنی تمام مغربی کوششوں میں ناکام رہیں مشرقیت رنگ لائی اور میدان میں نے ہی مارا۔ تم لاکھ مشرقی بننے کی کوششیں کرتی رہیں لیکن تمہاری اس مشرقیت میں ایک مغربیت پوشیدہ تھی۔

جاوداں البتہ اتنی فراخ دل اور کشادہ ذہن کی مالک تھی کہ اس نے شاید کبھی ان مسکراہٹوں پر غور ہی نہ کیا ہو۔ اس شام بھی چائے کے بعد اس سے ایک ملاقات ہو گئی۔ پھولوں کے کنج میں آ بیٹھی تھی اور بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

"آؤ شارق بیٹھو۔ ویسے ان دنوں تمہاری کوٹھی میں موجودگی مجھے بڑی ہی خوشگوار کیفیات کا احساس دلا رہی ہے"

"مگر جاوداں مجھے البتہ یہ احساس ہے کہ تم ضرور بور ہو رہی ہو" میں نے کہا۔

"کیوں بھئی یہ غلط احساس تم جیسے سمجھدار آدمی نے کیوں کیا؟ میں تو ذرّہ برابر بور نہیں ہو رہی۔ تم غور ہی نہیں کر رہے، کہ میں ان دنوں کیا کر رہی ہوں۔ بہت لطف آ رہا ہے۔ میں نے یہاں کے تمام کھانے پکانے سیکھ لیے ہیں۔ خاص طور سے وہ کلاسیکی کھانے جن کا ہم لوگ تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً کڑھی، ارہر کی دال اور اسی ٹائپ کی دوسری چیزیں جنہیں ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میں مشرقی آداب پر خاص طور سے غور کر رہی ہوں اور اس سلسلے میں تمہاری امّی جان سے بڑی مدد مل رہی ہے۔"

"گڈ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم بے اطمینانی کی کیفیت میں نہیں ہو۔"

"قطعی نہیں ویسے ذرا مجھے نیلوفر کا بدلا ہوا انداز بتاؤ۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

"اوہ! مطلب۔۔۔"

"آج کل محترمہ مجھ پر کچھ مہربان ہیں اور اکثر ہمدردی کا اظہار کرتی رہتی ہیں۔ گو کھلے الفاظ میں تو انہوں نے کچھ نہیں کہا لیکن دو چار جملے پھینک چکی ہیں مثلاً یہ کہ تقدیر ایک الگ چیز ہوتی ہے اور تقدیر انسان کو کیا دینا چاہتی ہے اس کا اندازہ انسان نہیں لگا سکتا۔ بعض اوقات انتہائی کوششیں بھی ناکام رہ جاتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں مجھ سے کرتی رہتی ہیں۔ تفصیل پوچھتی ہوں تو کچھ نہیں بتاتیں۔ ارے ہاں ایک بات محسوس کی تم نے نیلوفر اور لالہ رُخ میں آج کل کچھ کھنچاؤ ہے۔"

"جاوداں اس کی ایک وجہ ہے۔ تم اسے میری ہی حماقت کہہ سکتی ہو۔"

"کچھ نہ کچھ ضرور تھی۔ بس مجھے پوچھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کیا وجہ ہے؟"

"انیلا کے آجانے سے ایک نیا کھیل شروع ہو گیا تھا۔ ان کی توجہ اس کی جانب ہو گئی اور اس نے فوراً ہی مجھ سے رجوع کیا۔ اب یہ لوگ چکّر میں پڑ گئی تھیں کہ میرا اصل معاملہ تم سے ہے یا انیلا سے۔ حالانکہ وہ بھی تمہاری طرح یہ بات جانتی ہے کہ میرا ذہن کیا ہے لیکن پھر بھی میں نے نیلوفر کو ایک سزا دی اور جب عصمت بھابی نے پوچھا کہ میں انیلا یا جاوداں دونوں میں سے کس کے بارے میں دل میں گنجائش رکھتا ہوں تو میں نے عصمت بھابی کے کان میں کہہ دیا کہ میرا اصل محوّر نیلوفر ہے۔ بس اس دن سے نیلوفر صاحبہ میں یہ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔"

جاوداں بے تحاشہ قہقہے لگانے لگی تھی پھر اس نے کہا۔ "ویسے معاف کرنا شارق اس سلسلے میں تمہارا ذہن انتہائی شیطانی سوچ رکھتا ہے۔ ارے کیوں بیچاری کو پریشان کر رہے ہو۔ دل ٹوٹے گا تو کہیں اسے کوئی نقصان ہی نہ پہنچ جائے۔"

"مجھے بھی تو اس کا حق دو جاوداں کہ میں اپنے ان دشمنوں سے نمٹتا رہوں۔ آخر انہوں نے کیا سمجھا ہے مجھے؟ لوٹ کا مال ہوں کہ مجھے اپنی تحویل میں لے لینے کے لیے دوڑے پڑ رہے ہیں میری طرف۔"

"بیوقوف لڑکی ہے سمجھا بجھا کر کام چلا لو۔ کہیں اپنی حماقت میں کوئی نقصان نہ اٹھا بیٹھے۔"

"خیر جب نقصان اٹھائے گی تو میں سنبھال لوں گا۔ اب اتنا بھی سنگدل نہیں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

جاوداں ہنستی رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"بھئی کمال کی ہوتی ہیں یہ لڑکیاں۔ ان کے پاس اس موضوع کے علاوہ اور کوئی موضوع ہی نہیں ہے۔"

"ویسے جاوداں ہمیں ایک خطرناک صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس سلسلے میں ذرا تمہاری رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" جاوداں نے پُر تجسس انداز میں سوال کیا۔

"بھئی یہاں رہ کر تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہاں کے لوگوں کی سوچیں کس قدر راسخ ہیں۔ فوراً ہی کوئی نہ کوئی چکّر چلا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب تم یہاں پہنچیں تو ان کے سوچنے کے انداز میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں تم نے ان کا اندازہ لگایا ہوگا۔ میری تم سے ذرا سی بے تکلفی ہوئی تو لالہ رُخ اور نیلوفر کی نگاہوں میں تجسّس پیدا ہو گیا اور ان کی زبانی یہ بات آگے بھی بڑھ گئی ہوگی۔ کہیں یوں نہ ہو کہ چچا جان تک تمام معاملات پہنچیں اور وہ بھی اس مسئلے میں سنجیدگی سے کچھ سوچنے لگیں۔ اگر انہوں نے میرے اور تمہارے مسئلے میں غور کرنا شروع کر دیا، اور اس سلسلے میں بزرگوں کے درمیان بات چیت ہو گئی تو کیا ہمارے لیے مشکلات نہ پیدا ہو جائیں گی؟" میرے اس سوال پر جاوداں کے ہونٹوں پر ایک پُرسکون مسکراہٹ پھیل گئی اور میں اسے محسوس کر کے متعجب نگاہوں سے جاوداں کو دیکھنے لگا۔

"کیوں کیا تم اس بات کو اہمیت نہیں دیتیں؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یہ تصوّر تو بہت پہلے بزرگوں کے ذہن میں پہنچ چکا تھا اور سچ بات یہ ہے کہ جب بزرگوں کی زبانی یہ بات میرے کانوں تک آئی تو خود میں نے بھی ذرا اسی انداز میں سوچنا شروع کر دیا تھا لیکن تم سے گفتگو ہونے کے بعد معاملات ہموار ہو گئے۔ ویسے میں تمہیں یہ بتاؤں شارق کہ میرے ڈیڈی انتہائی کشادہ ذہن کے مالک ہیں اور بہت ہی نفیس طبیعت کے انسان ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان ایک زبردست انڈراسٹینڈنگ ہے۔ انہوں نے یہ بات مجھ سے کی تھی اور میری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت تک میرے اور تمہارے درمیان گفتگو ہو چکی تھی۔ انہوں نے بڑی صاف گوئی سے مجھ سے کہا کہ جاوداں اگر اس سلسلے میں غور کیا جائے تو کیسا رہے گا؟ میں نے نہایت صفائی سے انہیں یہ تفصیلات بتا دیں اور وہ تعجب سے مجھے دیکھنے لگے۔"

"کیا تفصیلات۔۔۔؟" میں نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ پوچھا۔

"میرا مطلب ہے اپنے اور تمہارے درمیان ہونے والی گفتگو اور تمہارے مشن کے بارے میں میں نے ڈیڈی کو تفصیل بتا دی تھی۔ اس مشن میں اس کے لیے ان باتوں کی گنجائش نہیں نکلتی اور اس نے مجھ سے اس سلسلے میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے ڈیڈی بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اس لڑکے کے بارے میں ان کے نظریات پہلے ہی بہت اچھے تھے بلاشبہ وہ ایک صاف ذہن اور صاف طبیعت کا نوجوان ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ جس مقصد کے لیے اس نے اپنی زندگی وقف کی ہے وہ بہت قیمتی ہے اور اس کے راستے روکنا بہت سے بے گناہ افراد کے راستے روک لینے کے مترادف ہے بس اس دن کے بعد سے انہوں نے تمام تصوّرات اپنے ذہن سے نکال دیے۔ اب اگر ڈیڈی سے کوئی اس سلسلے میں گفتگو بھی کرے گا تو معاملہ وہ خود ہی نمٹا لیں گے۔"

میں سکتے میں رہ گیا۔ شوکت صاحب واقعی عظیم انسان تھے۔ میرے دل میں ان کے لیے عزت بے پناہ بڑھ گئی اور میں اس سلسلے میں مطمئن ہو گیا۔

کوٹھی کے شب و روز معمول کے مطابق تھے۔ نیلوفر نے تیسرے یا چوتھے ہی روز ایک اور حرکت کی۔ میں اپنے کمرے میں موجود تھا کہ وہ ہاتھ میں ناپ لینے والا فیتہ لیے ہوئے اندر تشریف لے آئیں۔ انہیں اس طرح آتے دیکھ کر میں ہکّا بکّا رہ گیا تھا لیکن ان کے ہونٹوں پر ایک پُرسکون مسکراہٹ تھی۔ میں سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا تو بڑے اعتماد سے وہ میرے قریب پہنچ گئیں۔

"ذرا کھڑے ہو جائیے۔"

"جی۔۔۔ جی؟"

"مجھے آپ کا ناپ لینا ہے۔"

"ارے باپ رے۔۔۔ خیریت؟"

"بس کھڑے ہو جائیے آپ۔" میں بادلِ نخواستہ کھڑا ہو گیا تو نیلوفر نے پہلے گلے کا ناپ پھر بانہوں کا، پھر کمر کا اور سینے کا ناپ لینا شروع کر دیا۔ میں ہتھر کے بت کی مانند ساکت تھا۔ تمام ناپ لینے کے بعد انہوں نے پنسل سے کاغذ پر لکھے اور پھر گردن خم کرتی ہوئی بولیں۔

"آپ کو رنگ کون سا پسند ہے؟"

"گہرا جامنی" میں نے جواب دیا اور نیلوفر ہنس پڑیں۔

"یہ بھی کوئی رنگ ہے۔"

"مگر آپ کس سلسلے میں سوالات کر رہی ہیں؟ کیا آپ میرا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہتی ہیں؟"

"جی نہیں! میں آپ کے لیے سوئٹر بُننا چاہتی ہوں۔"

"خ۔۔۔ خدا کی پناہ لیکن۔۔۔ کیوں میں نے کیا گناہ کیا ہے؟"

"سردیاں آ رہی ہیں اور میں آپ کو اپنی پسند کے چند سوئٹر بُن کر دینا چاہتی ہوں۔"

"الله کی بندی! بازار میں لاکھوں سوئٹر بکتے ہیں اور پھر میں تو سوئٹر پہنتا ہی نہیں۔ یہاں سردی ہی کون سی پڑتی ہے؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس میں آپ کے لیے سوئٹر بُننا چاہتی ہوں۔"

"یعنی زبردستی ہے؟"

"جی ہاں زبردستی ہے۔ میں نے اپنی پسند کے چند سوٹ بھی خریدے ہیں۔ آپ نے اپنی الماری میں ایک سوٹ غائب دیکھا ہوگا۔"

"ک۔۔۔ کیا؟" میں اُچھل پڑا۔

"میں لے گئی تھی۔ وہ آپ کے بدن پر بالکل فٹ ہے اور اس کی تراش مجھے بے حد پسند ہے۔ بس میں نے اپنی پسند کے تین سوٹ کے کپڑے خرید دیے ہیں۔

اور آپ کے اُس سوٹ کے ناپ کے ساتھ سلنے کے لیے دے دیے ہیں"

میں دھم سے مسہری پر گر پڑا تھا۔ میں نے بھرّائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"مرضی کیا نا میری مرضی۔ اب آپ کسی کو اُس کی مرضی سے کچھ کرنے سے روک تو نہیں سکتے۔ یہ دوسری بات کہ کچھ لوگوں کے پاس کسی کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ ہمیں تو آپ نے کبھی ایک چھلّا تک تحفے میں نہیں دیا۔"

"خدا کے واسطے آپ ذرا یہ فرما دیجیے کہ آپ نے دوپہر کو کھانے میں کیا کھا لیا تھا۔"

"آپ کی فضول باتوں پر توجہ دینا چھوڑ دیا ہے میں نے۔"

"یہ تو خیر آپ نے بہت اچھا کیا لیکن یہ سوئیٹر اور سوٹ... میں ان کا متحمل نہ ہو سکوں گا۔"

"میں بیکار باتوں پر کوئی توجہ نہیں دیتی۔" نیلوفر صاحبہ اٹھلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

تین بار رُک کر مجھے دیکھا تھا کہ اب میں اپنی آنکھوں میں محبت پیدا کر کے انہیں آواز دوں گا اور وہ رُک جائیں گی لیکن میری تو تمام محبت گم ہو گئی تھی۔ اپنی اس چھوٹی سی بات کا اتنا بڑا خمیازہ بھگتنے کی توقع نہیں تھی۔ نیلوفر جارحیت پر اُتر آئی تھیں اور سچ بات ہے قصور ان کا بھی نہیں تھا۔ میں نے عصمت بھابی سے یہی کہا تھا کہ شرارت دیگر چیز ہے لیکن میرے دل میں وہی جاگزیں ہیں اور انہوں نے اِس بات پر یقین کر لیا تھا کہ میں اُن سے جو کچھ بھی کہوں گا بہرطور وہ تو میرے دل میں رہتی ہی ہیں لیکن یہ معاملہ ذرا سنجیدہ ہو گیا کیونکہ ہو سکتا ہے نیلوفر نے سوٹوں کی رقم شفق بھابی سے ہی وصول کی ہو اگر شفق بھابی بھی اسی انداز میں سوچنے لگیں تو بعد میں اُن کے ناراض ہو جانے کا خدشہ تھا۔ میں کافی دیر تک گومگو کے عالم میں بیٹھا رہا۔ شفق بھابی کی سنجیدگی سے ناراضگی مجھے ناپسند تھی۔ بہرطور میں نے اُن سے کچھ بھی نہیں کہا تھا اور پھر یہ بھی لازمی تھا کہ مجھے کسی بھی وجہ سے آشیانے سے نکال دیا جائے۔ آشیانے میں رہ کر میرا کام چلنا مشکل تھا۔ یہ عارضی مسئلہ ذرا مختلف نوعیت کا تھا۔ لیکن مستقل قیام یہاں ناممکن تھا کیونکہ ابھی تو قیصر پرویز جیسے لاتعداد لوگوں سے واسطہ پڑے گا اور میں آشیانے کو سی خزاں کی زد میں نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس بار جی بھر کر آشیانے میں رہ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ خاص سرگرمیاں ہیں خاص طور سے ایس پی طارق حسین صاحب تو بعض اوقات رات رات بھر گھر واپس نہیں آتے تھے لیکن چونکہ اِن حضرت نے مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا تھا اِس لیے میں نے بھی ان معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ البتہ اب بڑی باقاعدگی سے ڈیڈی کے ساتھ رات کا کھانا کھایا جاتا تھا۔ صبح کے ناشتے میں بھی اکثر شرکت ہو جاتی تھی۔ بس دوپہر کے کھانے کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان کو بھی میں نے خود کئی بار اپنی گاڑی میں بیٹھ کر باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا جبکہ انہوں نے یہ مشغلے بہت عرصے سے ترک کر رکھے تھے۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا اور اس چین کے دس دن گزر گئے تھے۔ ان دس دنوں میں باہر کی دُنیا سے رابطہ بالکل تو منقطع نہیں ہوا تھا لیکن کوئی خاص سرگرمی بھی نہیں تھی بس اِس سلسلے میں مستعد رہنا چاہتا تھا اور گیارہویں دن تقریباً ساڑھے دس بجے مجھے ڈیڈی کے کمرے میں طلب کر لیا گیا۔ صبح ہی محسوس کیا تھا کہ جج اور بیرسٹر صاحب بھی شاید آج کا دن گھر پر ہی گزارنے کے موڈ میں ہیں کیونکہ ناشتے کے بعد میں نے انہیں تیار ہو کر باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ ایس پی صاحب رات کو گھر واپس ہی نہیں آئے تھے اور صبح کے ناشتے پر موجود نہیں تھے۔ ساڑھے نو بجے اُن کی سرکاری گاڑی اندر داخل ہوئی تو وہ باقاعدہ وردی میں تھے اور بہت مطمئن نظر آ رہے تھے۔ میں نے بس ایک نگاہ انہیں دُور ہی سے دیکھا تھا۔ البتہ ساڑھے دس بجے جب ڈیڈی کے کمرے میں طلبی ہوئی تو میں نے اس بات پر ذرا سنجیدگی سے غور کیا۔ ان کے کمرے میں داخل ہوا تو سب کے چہرے خوشی سے گلنار نظر آ رہے تھے۔ ڈیڈی مجھ دیکھ کر ایک مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔

"آئیے شارق حسین صاحب آپ کو کچھ خوشخبریاں سُنانی ہیں اور یقیناً آپ کو اس بات سے سکون ملے گا کہ بالآخر آپ کے اُس دشمنِ خاص کو گرفت میں لے ہی لیا گیا۔" میں نے سنبھل کر اُن کو دیکھا اور اُن کے اشارے پر ایک طرف بیٹھ گیا۔

"بھئی شارق تمہاری فراہم کردہ اطلاعات واقعی بالکل درست ثابت ہوئیں۔ اٹھارہ ایسے گوداموں پر چھاپے مارے گئے

ہیں جن میں اسمگل شدہ سامان بھرا ہوا تھا اور ان میں سے چھ کے بارے میں یہ شواہد مل گئے ہیں کہ وہ قیصر پرویز ہی کے تھے اس سلسلے میں تقریباً بتیس آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح ان گوداموں سے ثابت ہوا ہے اور یہ ساری کارروائی میں نے رات بھر میں مکمل کی ہے۔ مزید خوشخبری یہ کہ قیصر پرویز کے لیے وارنٹ بھی حاصل کر دیے گئے ہیں لیکن وہ شاطر آدمی راتوں رات گم ہو گیا ہے اور اس کا بیٹا مسعود پرویز بھی موجود نہیں ہے۔ معلومات حاصل کرنے سے پتا چلا ہے کہ تین دن پہلے وہ کسی پہاڑی مقام پر گیا تھا۔ کہاں؟ یہ کوئی نہیں بتا سکا۔ تاہم اس کی کوٹھی کے گرد پہرا لگا دیا گیا ہے اور ہدایت کر دی گئی ہے کہ جس وقت بھی وہ واپس آئے اسے گرفتار کر لیا جائے یا مجھے اطلاع دی جائے۔"

میں نے ایک شدید سنسنی محسوس کی۔ نجانے کیوں دل کو ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا۔ یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایس پی طارق حسین نے اتنی زبردست کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ تاہم میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ذرا سی تفصیل معلوم ہو سکے گی بھائی صاحب؟"

"ہاں... ہاں کیوں نہیں۔ دراصل تمہاری اطلاع کے بعد میں نے اپنے اوپر آرام حرام کر لیا تھا۔ شارق حسین ہم اپنے وطن کے قانون سے اتنے بھی بددل اور مایوس نہیں ہیں کہ کسی ایک انسان کو اتنی بڑی پاور تسلیم کر لیں۔ یہ لوگ قانون شکنی کر کے اپنے گرد مضبوط حصار قائم کر لیتے ہیں لیکن قانون قانون ہی ہے۔ حکومتیں تبدیل ہو جاتی ہیں قانون نہیں تبدیل ہوتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ کہاں تک جا سکتے ہیں بالآخر کہیں نہ کہیں تو اُن کا راستہ رکنا ہی ہے۔ تاہم اِس سلسلے میں، میں یہ اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکوں گا کہ تم نے جو تفصیلات بتائی تھیں۔ حرف بحرف درست تھیں بلاشبہ اس شخص کا شجرۂ نسب تاریکی میں ہے اور اس کے بارے میں یہ تفصیلات بھی معلوم ہو چکی ہیں کہ وہ رشوت کے الزام میں جیل جا چکا ہے لیکن یہ نہیں پتا چل سکا کہ اس کے بعد اُس نے اپنی پوزیشن اِس قدر بہتر کیسے بنالی؟ بہرطور یہ ساری باتیں رفتہ رفتہ کھل کر سامنے آ ہی جائیں گی۔ البتہ جن گوداموں کی تم نے نشاندہی کی تھی۔ میں نے بڑی باقاعدگی سے اُن کی نگرانی کرائی اور ان لوگوں کو نگاہوں میں لایا جو ان گوداموں کے کرتا دھرتا تھے۔ میرے آدمیوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ اُن کی رہائش گاہوں کا پتا لگایا اور پھر میں نے ایک جنرل آپریشن کیا۔ اس آپریشن کے لیے میں نے زبردست پولیس فورس استعمال کی اور بیک وقت اُن اٹھارہ گوداموں پر چھاپا مارا جن کی تفصیلات تمہارے ذریعے مجھے معلوم ہوئی تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان گوداموں میں کروڑوں روپے کی مالیت کا سامان بھرا ہوا ہے اور اس سامان کی کوئی سرکاری حیثیت نہیں ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ کب آیا؟ کس نے منگوایا؟ اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ بلکہ کاغذات اُن لوگوں کی گرفتاری کے بعد ہمارے ہاتھ آئے ہیں جو ان گوداموں کے نگران تھے اور کاغذات میں سے بہت سے کاغذات پر قیصر پرویز کے دستخط ملے ہیں اور اس سلسلے میں خاصی زبردست پیش رفت ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم یہ وارنٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ وارنٹ تو ہیں مل گئے لیکن بہت ہی خاص کوششوں کے نتیجے میں، لیکن وہ کم بخت ہاتھ نہیں لگ سکا البتہ جائے گا کہاں۔ اصل کارروائی دھری رہ جائے گی۔ پولیس کے ہاتھوں سے بچ نکلنا ممکن نہیں ہے۔"

"وری گڈ بھائی جان۔ خدا کرے آپ اس سلسلے میں مکمل کامیابی حاصل کر لیں۔"

"کیوں تمہارا کیا خیال ہے کیا طارق حسین کی یہ کامیابی مشکوک ہے؟" ڈیڈی نے پوچھا۔

"نہیں ڈیڈی بس ذرا وہ ہاتھ آ جاتے اس کے بعد ساری کارروائی کو کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے۔"

"فرض کرو اگر وہ ہاتھ نہیں آیا تو ایک روپوش مجرم قرار پائے گا۔ اُس کی حیثیت تو بالآخر ختم ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اپنی حیثیت کی بحالی کے لیے کیا کرے گا!"

"ہو سکتا ہے وہ روپوش رہ کر اپنے لیے تحفظ پیدا کرے آپ اُس کے اختیارات کا اندازہ لگا ہی چکے ہیں۔"

"اس سلسلے میں بھی کارروائی کر لی گئی ہے۔ برخوردار اب ہمیں اتنا نکمّا بھی مت سمجھو۔ اخبارات کو تفصیلات مہیا کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ آج صبح کے اخبارات میں تو یہ سب کچھ نہیں آ سکا لیکن دوپہر کے ایک اخبار کو خاص طور سے ہدایات دی گئی ہیں کہ وہ تفصیلی رپورٹ چھاپے اور کل صبح کے تمام اخبارات میں اس کی تشہیر ہو جائے گی۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ ہو گا کہ اگر اس کے کرم فرما اس پر کرم فرمائی کرنا بھی چاہیں

تو پتہ نہیں ہو جائیں اور یہ تمام باتیں منظرِ عام پر آنے کے بعد زیادہ آگے بڑھ کر کچھ کرنا اُن کے لیے ممکن نہیں ہوگا۔"

"یہ ایک اچھا قدم ہے" میں نے دبے دبے انداز میں کہا اور نصرت حسین صاحب ہنس پڑے۔

"ڈیڈی آپ دیکھ رہے ہیں اپنے اس لاڈلے نے ذرا بھی دلی کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب پکھ اس کی اپنی پسند کے مطابق نہیں ہوا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" انہوں نے نصرت حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ ہماری طرح شارق حسین صاحب نے ایس پی صاحب کو مبارک باد نہیں دی۔"

"خیر اس کو میں اہمیت نہیں دیتا۔ یہ فضول بات ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں یہ سب کچھ نہیں کہنا چاہیے" انہوں نے خود ہی بیرسٹر صاحب کو خاموش کر دیا۔ میں نے البتہ شرارت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اب بیرسٹر صاحب آپ ظاہر ہے اس بار پولیس کو اپنی خدمات پیش کریں گے۔"

"سو فیصد اور ہم اپنے تعلقات سے کام لے کر یہ مقدمہ امجد حسین کی عدالت میں لائیں گے۔ تم کیا سمجھتے ہو ہم اتنے بے بس ہیں کہ اتنی کارروائی بھی نہیں کر سکتے؟ اگر یہ سب کچھ ہے تو پھر ہمیں کم از کم قانون سے تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔"

"ارے نہیں... نہیں میں نے کسی قسم کا طنز نہیں کیا بس میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ جس شخص نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی ہے اُسے بھرپور سزا ملے لیکن بیرسٹر صاحب ذرا یہ فرمائیے کہ اس لڑکی کا کیا مسئلہ ہوگا؟"

"اطمینان رکھو ہر بات کو ذہن میں رکھا گیا ہے جب قیصر پرویز کو عدالت میں لایا جائے گا تو تم ایک مقدمہ اس لڑکی کی جانب سے بھی درج کراؤ گے اور اس کے بعد اس مقدمے کو دوسرے مقدمے میں شامل کر لیا جائے گا۔ اس کام کو میری ذہانت پر چھوڑ دو۔"

"یقیناً بھائی جان آپ یہ کر سکتے ہیں اور اسی وقت ہی میرا خیال ہے اس لڑکی کی دادرسی بھی ہو جائے گی۔"

"میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح تمہیں اُس کی طرف سے یہ کیس فائل کرانا ہے۔ مسعود پرویز کو اگر براہ راست ہم اس مسئلے میں نہ گھسیٹ سکے تو اس لڑکی کے مسئلے میں لے آئیں گے

اس طرح وہ دونوں باپ بیٹوں کی زندگی تلخ کر کے نہ رکھ دی تو نصرت حسین نام نہیں ہے۔ ابھی تم نے ہمارے گُر کہاں دیکھے ہیں؟"

"اب میں حقیقی معنوں میں خوش ہوا ہوں کیونکہ میرا اصل مسئلہ تو وہی لڑکی تھی جس کے سامنے میں نے قسم اٹھائی تھی کہ ایک دن قیصر پرویز کو اس کے قدموں میں لاکر ڈال دوں گا اور اسے ناک رگڑ کر معافی مانگنے پر مجبور کر دوں گا۔"

"اطمینان رکھو تمہاری یہ قسم ہم پوری کرائیں گے" امجد حسین جو کافی سنجیدہ انسان تھے گردن ہلا کر بولے۔

ڈیڈی فخریہ انداز میں اپنے ان چاروں سپوتوں کو دیکھ رہے تھے جن میں اتفاق سے میں بھی شامل تھا۔ حالانکہ اس سلسلے میں مجھے الگ تھلگ رکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ جس انداز میں میں کام کرتا ہوں، وہی ضروری نہیں ہے۔ قانون کہیں بھی بے بس نہیں ہے اور اس دن دوپہر کے اخبار میں یہ تفصیل بھی آگئی اور بلاشبہ اچھی تفصیل آئی تھی۔ جس میں قیصر پرویز کا تمام کچا چٹھا لکھ دیا گیا تھا اور ان گوداموں کی تصاویر بھی دی گئی تھیں۔ کہیں سے قیصر پرویز کی تصویر بھی حاصل کر لی گئی تھی اور اخبار نے وہ تصویر چھاپ دی تھی۔ بہرطور آج کا دن خوشیوں کا دن تھا۔ رات کے کھانے پر قہقہے اُڑ رہے تھے۔ کھانے میں آئی جی صاحب کی فرمائش کے مطابق خصوصی اہتمام کیا گیا تھا اور شوکت جاہ بھی اس مسئلے میں خاصے سرگرم نظر آتے تھے۔ گھر میں کچھ دلچسپیاں بڑھ گئی تھیں۔ میرا ذہن بند بند سا تھا۔ نجانے کیوں وقت مجھے کسی خطرے کا احساس دلا رہا تھا۔ کیا قیصر پرویز کو واقعی اتنی آسانی سے زیر کر لیا گیا؟ رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے جب کچھ کھلبلی سی مچ گئی۔ مجھے صحیح صورت حال تو پتا نہیں چل سکی لیکن میں نے ایس پی صاحب کو وردی میں ملبوس ہو کر باہر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ نصرت حسین صاحب انہیں چھوڑنے آئے تھے غالباً جج صاحب اور آئی جی صاحب سونے کے لیے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ میں نے ایک لمحے میں یہ سوچا کہ بیرسٹر صاحب سے معلومات حاصل کروں لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد بیرسٹر صاحب کو بھی میں نے ایک کار میں بیٹھ کر باہر نکلتے ہوئے دیکھا اور میرے ذہن میں کھلبلی مچ گئی لیکن ان دو حضرات کے علاوہ اور کون ایسا تھا جس سے میں صورت حال کے بارے میں معلوم کر سکتا۔ میں

کافی الجھنوں کا شکار رہا تقریباً ایک بجے تک جاگ کر ان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا لیکن دونوں واپس نہیں آئے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ میں خود بھی یہاں سے باہر نکل جاؤں اور صورت حال کے بارے میں معلومات حاصل کروں لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ ابھی کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا جو ان لوگوں کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔ دو اور ڈھائی کے درمیان کسی وقت نیند آگئی اور وہ بھی نجانے کیسے؟ حالانکہ ذہن انہی لوگوں میں الجھا ہوا تھا۔ دوسری صبح کچھ دیر سے جاگا تھا۔ غسل سے فارغ ہوا تھا کہ ایک ملازم ناشتے کے لیے بلا لے آگئی، کچھ دیر ہو گئی تھی۔ ناشتے کی میز پر کچھ لوگوں کی کمی تھی۔ آئی جی صاحب ایس پی صاحب اور نصرت حسین نظر نہیں آ رہے تھے۔

"کسی اہم کام سے گئے ہیں عطرت حسین اور نصرت حسین" شوکت جاہ نے بتایا۔

"طارق بھائی؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ شاید قیصر پرویز کے سلسلے میں مصروف ہیں۔ رات سے واپس نہیں آئے صبح کو غالباً انہوں نے فون کیا تھا کیوں شفق؟" شوکت جاہ نے شفق بھابی سے پوچھا۔

"جی؟" وہ بولیں۔

"آپ سے بات ہوئی تھی بھابی؟"

"نہیں۔ ابا میاں سے..."

"اوہ..." میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد خاموشی سے ناشتا جاری رہا۔ گھر والوں کو کسی بھی سلسلے میں کوئی خاص تردد نہیں تھا لیکن میرا ماتھا ٹھنک گیا تھا۔ آئی جی صاحب اور بیرسٹر نصرت حسین کا اس طرح صبح ہی صبح چلے جانا باعث تشویش تھا اور ایس پی صاحب کی رات بھر گمشدگی بھی پریشانی کا باعث... فون کی وجہ سے ذرا سا اطمینان ہو گیا تھا کہ معاملہ کسی اور نوعیت کا حامل نہیں ہے۔ ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا اور صورت حال پر غور کرنے لگا۔ میرا ذہن اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ایس پی طارق حسین نے جو کارروائی کی ہے۔ وہ موثر ثابت ہوگی۔ پچھلے دن بھی میں بس اُن لوگوں کی خوشیاں دیکھتا رہا تھا اور بظاہر ان خوشیوں میں شریک بھی تھا لیکن نجانے کیوں میرے ذہن کے گوشوں میں یہ بات پوشیدہ تھی کہ معاملہ اتنی آسانی

سے نہیں نمٹ جائے گا اور قیصر پرویز جیسا انسان اتنے اطمینان سے قابو میں نہیں آجائے گا البتہ یہ دیکھنا تھا کہ اُس کی کارروائی اب کس انداز میں شروع ہوتی ہے! بہت دیر تک اپنے طور پر فیصلے کرتا رہا اور اس کے بعد کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ میرا اپنا کام تعطل میں پڑ گیا تھا لیکن ختم نہیں ہوا تھا اور اس معاملے پر میں نے اچھی طرح غور کیا تھا۔ شوکت جاہ کیونکہ براہ راست ان معاملات میں ملوث تھے اور خود بھی پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے چنانچہ وہ صبر نہ کر سکے اور میرے پاس میرے کمرے میں پہنچ گئے۔ میں نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور وہ بھی مسکراتے ہوئے میرے پاس آ بیٹھے پھر کہنے لگے۔

"دوسروں کو ظاہر ہے صورت حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس لیے وہ کسی تردد کا شکار بھی نہیں لیکن میں معاملے سے واقفیت رکھتا ہوں۔"

"جج صاحب آفس چلے گئے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں وہ جا چکے ہیں۔ ویسے تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

"نہیں... نہیں چچا جان۔ معافی چاہتا ہوں بس یونہی منہ سے یہ بات نکل گئی تھی۔"

شوکت جاہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگے اور پھر مسکرا کر بولے۔

"بھئی اب تو میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ تمہارے والدین اور بھائیوں سے زیادہ تم سے واقف ہو چکا ہوں اور اس دعوے کو کسی موقع پر سچ بھی ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ اس وقت صرف اتنا ہی کہتا ہوں کہ تم حیرت انگیز طور پر پُراطمینان ہو۔"

"جی چچا جان کوئی ایسی بات نہیں ہے جو باعث تشویش ہو۔ ایس پی صاحب کی خیریت درکار تھی تو صبح کو اُن کے ٹیلیفون سے پتا چل گیا کہ وہ جسمانی طور پر خیریت سے ہیں۔"

"دیکھو... دیکھو ہو گئی ناں بات جسمانی طور پر تمہاری خیریت سے کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب ہے انہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی" میں نے کہا۔

"کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو؟"

"یہ سوال میرا خیال ہے بے معنی ہے چچا جان کیونکہ قیصر پرویز اس سلسلے میں ایک بار کوشش کر ہی چکا ہے۔"

"ہوں! اور تم نے دوسری بار اس طرف سے کوشش

کر لئے ان لوگوں کو سرگرم کر دیا۔"

"ہاں ظاہر تھا کہ یہ قانون دان قانون دانی میں مصروف رہتے اور معاملہ خواہ مخواہ طویل ہی ہوتا چلا جاتا چنانچہ انہیں نوٹس دینا ضروری تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ کچھ گڑبڑ ہوئی ہے ورنہ خود عظمت حسین اتنی بدحواسی کے عالم میں باہر نہ جاتے۔"

"اس کی امید تھی مجھے چچا جان کیونکہ جس اژدھے پر ان لوگوں نے پاؤں رکھا ہے وہ اتنا کمزور نہیں کہ اس چھوٹی سی کارروائی سے بے بس ہو جائے اس نے یقینی طور پر تھوڑا سا وقت لے کر کوئی اونچا کام دکھا دیا ہوگا۔"

"اور تم اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہو؟"

"جی کم از کم اس کا حق مجھے حاصل ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کریں۔ ان قانون والوں کو قانون کی جنگ لڑنے دیجیے جسمانی جنگ کا موقع آیا تو ظاہر ہے میں پیچھے نہیں ہٹوں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس بار میرا یہ موقف تسلیم کر ہی لوا لیں۔"

"کوئی نقصان نہیں پہنچ جائے۔" شوکت جاہ بولے۔

"پھر عرض کر چکا ہوں کہ جہاں تک جسمانی جنگ کا مسئلہ ہے میں انشاء اللہ انہیں کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچنے دوں گا اور جہاں تک ان کی قانون دانی ہے تو اس بار اس کا امتحان ہو ہی جائے۔ کل آپ نے دیکھا کیسی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ دراصل میں ان لوگوں کو قصوروار قرار نہیں دیتا ڈیڈی جس دور میں آئی جی تھے۔ اس میں بلاشبہ کچھ انسانی اقدار بھی تھیں معمولی معمولی باتیں ہیں۔ یہ لوگ ذہنی طور پر موجودہ دور کے چوروں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جج صاحب حقیقتیں سامنے آنے کے بعد صرف اپنے فیصلے سناتے ہیں سیر سر مسما اللہ کے فضل و کرم سے ہر اس کیس کے لیے کارروائی کرتے ہیں جس میں ان کا موکل پہلے ان کے پاس پہنچ جائے اور پہلے ان کی فیس ادا کر دے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس قسم کے کیس لڑ رہے ہیں ظاہر ہے زمانہ قدیم سے لے کر آج تک وکلا کا یہی طریقہ کار ہے بس انہی تبدیلیوں کو یہ لوگ تسلیم نہیں کرتے جو میں اس دور کے مطابق کرنا چاہتا ہوں۔ باقی رہی ایس پی صاحب کی بات تو بلاشبہ پولیس کو بڑے اختیارات ہیں بلکہ صحیح معنوں میں یہ کہ چوروں کے بعد سب سے زیادہ اختیارات پولیس ہی کے پاس ہیں۔"

"کیا مطلب...؟ چوروں کے اختیارات زیادہ ہیں؟"

"جی چچا جان بالکل زیادہ ہیں۔ چور اور ڈاکو پولیس پر فوقیت رکھتے ہیں اور پولیس بعض اوقات ان کے احکامات کے تابع ہو جاتی ہے اور اگر آپ کو اس بات پر یقین نہیں تو اس بار سامنے آنے والے نتائج دیکھ لیجیے گا یہ پہلی کوشش کی گئی ہے اور وہ بھی نجانے کس کس طرح یہ تمام لوگ گھیرے میں آ گئے ہیں چنانچہ سب کی چال ڈھال دیکھ لیجیے۔ آپ کو بھی لطف آئے گا۔"

"بہت سخت لہجے میں بات کر رہے ہو شارق۔"

"جی... جی مجھے تشویش نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کا کیا بگاڑا جا سکتا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں اور مجھے اس کی پروا نہیں۔ بعد میں سارے حالات سنبھال لوں گا۔" میں نے جواب دیا اور شوکت جاہ گردن ہلانے لگے۔

تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھنے کے بعد وہ چلے گئے۔ انہیں بھی کسی کام سے باہر جانا تھا اور پھر گھریلو تفریحات تھیں ذہن میں تشویش کی لہریں تو دوڑ رہی تھیں اور کئی بار سوچا تھا کہ گھر سے باہر جا کر کچھ حالات معلوم کر دوں لیکن پھر مناسب نہیں سمجھا۔ گھر میں رہنا بھی ضروری تھا کیونکہ تمام لوگ جا چکے تھے اور ان دونوں صورت حال ذرا مختلف تھی۔ تمام لوگوں کو گھیر گھار کر جمع کر لینا میرے لیے مشکل کام نہیں تھا۔ مس لالہ رخ ہی ہاتھ لگ گئیں اور مجھے دیکھ کر انہوں نے ہمیشہ کی مانند ناک سکوڑی لیکن میں ذرا تبدیل شدہ کیفیت کے ساتھ ان کے پاس پہنچ گیا۔

"لالہ رخ..."

"سبحان اللہ۔ آج تو آپ کے لہجے میں غالباً شیرینی گھل گئی ہے۔"

"تلخ باتوں کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے تمہیں؟" میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"خیر یہ آپ کا اپنا احساس ہے۔ میری صورت دیکھ کر ہی آپ کو تلخی نظر آ جاتی ہے۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔"

"آؤ میرے ساتھ آؤ۔" میں نے کہا اور لالہ رخ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"یہ آپ نے مجھ پر احکامات چلانا کب سے شروع کر دیے۔"

"بھئی یہ حکم نہیں ہے التجا ہے۔ آؤ تھوڑی دیر تو بیٹھو میرے پاس۔" میں نے کہا۔

اندازہ یہ تھا کہ لالہ رخ پاؤں پٹختی ہوئی چلی جائے گی۔

لیکن اس پر بھی غالباً کوئی غلط کیفیت طاری ہو گئی تھی کیونکہ میرے ساتھ ساتھ چلی آئی۔ میں اسے لے کر ایک گوشے میں پہنچ گیا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو لالہ رخ۔"

"کوئی کام ہو تو بتا دیجیے۔ میں جانتی ہوں کہ لہجے کی یہ نرمی بے معنی نہیں ہے۔"

"بیٹھو گی نہیں؟"

"بیٹھ جاتی ہوں فرمائیے۔" لالہ رخ بولی۔

"بھئی کبھی کبھی بہت پیار آتا ہے تم پر۔ بالآخر بہن ہو میری۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے درمیان چوٹیں چلتی رہتی ہیں۔"

"کام بتائیے جناب میں بہت زیادہ فضول باتوں کی قائل نہیں ہوں۔"

"کوئی کام نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں آج کل تم سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہے۔"

"مجھ سے ہمدردی...؟ یہ لفظ ہمدردی کا کیا مطلب ہے؟" لالہ رخ نے بھڑک کر کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم دنیا سے کٹ کر رہ گئی ہو۔"

"مطلب کیا ہے آپ کا؟"

"دیکھ رہا ہوں کہ نیلوفر تمہیں تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ غالباً تمہارے اور اس کے درمیان کوئی کھچاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔"

"نیلوفر اور مجھے تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھنے والوں کی شکل بگاڑ دیتی ہوں۔"

"ہاں... ہاں میں جانتا ہوں یہ بات اور حیرت کی بات ہے کہ تم نے نیلوفر کی شکل کیوں نہیں بگاڑی ابھی تک۔" میں نے کہا اور لالہ رخ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"اللہ، بھائی جان حرفوں کے بنے ہوئے ہیں آپ۔ آپ کے اندر کیا ہے۔ یہ کوئی کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ آپ... آپ شیطان صفت ہیں۔"

"شکریہ لالہ رخ۔"

"سوری بھائی جان میں ذرا بدتمیزی کر گئی، معافی چاہتی ہوں دراصل آپ... آپ مجھے ہمیشہ غصہ دلا دیتے ہیں۔"

"نہیں بھئی جب لوگ تمہاری جانب متوجہ ہوتے ہیں تم سے محبت آمیز سلوک کرتے ہیں تو مجھے مسرت ہوتی ہے کہ میری بہن کو اتنی اہمیت حاصل ہے جب کوئی میری بہن کی جانب میلی نگاہوں سے دیکھتا ہے تو جی چاہتا ہے کہ اس کی آنکھیں نکال کر ہاتھ پر رکھ دوں۔" میں نے کہا اور لالہ رخ مشتبہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی لیکن کچھ بولی نہیں۔

"نیلوفر کا دماغ کیوں بگڑا ہوا ہے؟"

"اس کی وجہ بھی آپ ہی ہیں۔"

"مجھے میری غلطیوں کا احساس دلا دیا کرو لالہ رخ۔ میں مذاق ہی مذاق میں تم سے بیکار باتیں کر جاتا ہوں۔ ان کی گہرائی کچھ نہیں ہوتی بھلا میں اس کا کیسے محرک ہوں۔"

"نیلوفر کو اچانک یہ خیال ہوا ہے کہ درپردہ آپ انہی کے خواہاں ہیں اور ان کی حیثیت اس گھر میں بہت بڑی ہے کیونکہ آپ سب کو ٹھکرا کر ان سے شادی کریں گے۔"

"یہ بات نیلوفر نے کہی تم سے؟"

"نہیں کہی تو نہیں ہے لیکن آج کل وہ مور کی طرح سینہ تان کر چلنے لگی ہیں۔ ویسے آپ نے جو چکر چلایا ہے اس گھر میں اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔"

"بھئی ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی بجائے مجھ سے سوال کر لیا کرو نا کہ معاملہ کیا ہے؟ تم نے تو مجھے کبھی اپنے اعتماد میں لیا ہی نہیں، آخر میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔"

"عجیب قسم کے بھائی ہیں وہ میرا دل اچھی طرح جانتا ہے۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ماضی کی غلطیاں بھلا کر دوستی کر لیں۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ آپ کے اندر دوستی کے جراثیم ہی نہیں ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے جب یہ سوال اٹھا کہ شارق حسین بھی تمہارا بھائی ہے تو میرے قریب چلی آنا میں محبت سے تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔"

لالہ رخ غالباً ان الفاظ سے کچھ متاثر ہوئی تھی پھر اس نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو آپ مجھے ایک بات بتائیے لیکن ایک بات آپ سے کہہ دیتی ہوں بھائی جان اگر اس میں بھی کوئی جھوٹ ہوا تو قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ سے آئندہ کبھی بات نہیں کروں گی اور... اور..." لالہ رخ خاموش ہو گئی۔

"پوچھو... پوچھو بھئی۔ سوال تو پوچھو۔"

"انیلا یہاں سے چلی گئی۔ رجاد دان، جو یہاں موجود ہے۔

نیلوفر جو جاتے جاتے پھر رُک گئی ہے۔ آخر اِن تینوں میں سے آپ کی منظورِ نظر کون ہے؟"

جہاں تک منظورِ نظر کا تعلق ہے لالہ رُخ تو تم یہ دیکھو ناکہ صبا وداں ڈیڈی کے دوست کی بیٹی ہے اور ڈیڈی شوکت جاہ کو بہت چاہتے ہیں۔ جاوداں خود بھی ایک اچھی لڑکی ہے۔ انیلا کا معاملہ تھا تو اُس سے ملاقات ہوئے ہی چند روز ہوئے تھے اور اُس کے بعد وہ یہاں نہیں رہی، نیلوفر کا معاملہ تو کیا تم سمجھتی کہ ایک انسان جسے پہلی بار ٹھکرا دے۔ اُسے دوبارہ ذہن پر سوار کر سکتا ہے۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بس اگر تم میرا جواب چاہتی ہو تو یہ سن لو کہ نہ انیلا، نہ جاوداں، نہ نیلوفر۔ ابھی تک کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جسے میں اپنی زندگی میں شامل کرنے کا فیصلہ کروں۔"

"نن... نیلوفر کو بھی نہیں؟"

"نہیں۔ کیسی باتیں کرتی ہو لالہ رُخ۔"

"ارے تو پھر یہ بات بلا وجہ ہی گردش کر رہی ہے۔"

"اب اس میں میرا کیا قصور ہے تم ہی بتاؤ۔" میں نے کہا اور لالہ رُخ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

اس کے چہرے پر نرمی پھیل گئی اور اس وقت واقعی مجھے اُس سے محبت محسوس ہو رہی تھی۔ ہمیشہ ہی چڑاتا رہتا تھا بیچاری کو۔ تنگ کرتا رہتا تھا لیکن اس وقت اُس کے چہرے کی یہ نرمی مجھے بھلی لگی تھی۔ میں نے اُس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

"اور کوئی سوال لالہ رُخ؟"

"نہیں، لیکن آپ نے وعدہ کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ کہا ہے سچ ہوگا۔"

"ہاں بالکل۔ اگر اس میں کوئی کھوٹ پاؤ تو جو چور کی سزا سو میری۔"

لالہ رُخ دفعتاً ہنس پڑی تھی پھر اُس نے کہا "آپ جانتے ہیں نیلوفر آج کل دھڑا دھڑ خریداری کر رہی ہے آپ کے لیے۔"

"تو اس میں کی بات ہے نقصان کیا ہے؟" میں نے کہا اور لالہ رُخ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

"میں سمجھتی ہوں اُسے یہ نقصان اٹھانا ہی چاہیئے۔ اب دیکھیے نا ذرا سی دیر میں اکڑ گئی اور مجھ سے اونگی بونگی باتیں کرنے لگی۔ میں بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھی۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کوئی اونگی بونگی باتیں تم سے کرے تو میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

"ہوں! لیکن ایک بات سنیئے ابھی آپ نرم ہی رہیں اُسے آپ غلط فہمی کا شکار رہنے دیں۔ ذرا مزہ چکھنا چاہیئے بی بی صاحبہ کو۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"

"میں چلتی ہوں۔"

"اوکے خدا حافظ۔ تو ان دنوں ہماری دوستی چلے گی؟"

"دشمنی تھی کب؟ بس آپ مجھے غصہ دلا دیتے تھے اور میں جلتی رہتی تھی۔"

"اب تو نہیں جلو گی؟" میں نے کہا اور لالہ رُخ ایک بار پھر ہنس پڑی۔ وہ تیز قدموں سے واپس چلی گئی۔

میں مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد شانے ہلا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب جاوداں کو بور کرنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ جاوداں کی تلاش میں چل پڑا وہ اپنے کمرے میں نہیں ملی تو میں نے کچن کی جانب رُخ کیا تھا۔ جاوداں کا حلیہ بڑا دلچسپ ہو رہا تھا ایپرن بندھا ہوا پیشانی پر ایک جگہ پیلی ہلدی کے نشانات لگے ہوئے تھے۔ ناک پر ایک کالا دھبہ تھا اور وہ بڑی دلکش نظر آ رہی تھی۔ میں اندر داخل ہوا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرا پڑی۔

"ارے... ارے خیریت آپ نے اِدھر کا رُخ کیسے کیا؟"

"میں کدو کا حلوہ پکانا سیکھنا چاہتا ہوں۔ آتا ہے تمہیں؟"

"کدو کا حلوہ...؟" جاوداں ہنس پڑی۔

"ہاں۔"

"میں آپ کے لیے پکا دوں گی۔ آپ کیوں سیکھنا چاہتے ہیں؟"

"بس سوچ رہا ہوں اب میں بھی کچن میں داخلہ لے لوں۔"

"کچن میں داخلہ... آپ یقین کیجیئے کہ بڑا دل کش کام ہے انسان کو وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا۔"

"ہوں! کہیں باہر نکلنے کا ارادہ ہے؟"

"ہرگز نہیں آج میں نے کچھ خصوصی ڈشیں تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ بھی دیکھیں گے دوپہر کا کھانا کتنا مزے کا ہوگا۔" جاوداں نے کہا۔

"گویا آپ ابھی یہیں مصروف ہیں؟"

"جی... جی... جی۔ کہیئے تو آپ کو چائے پلاؤں۔"

"ہوں! ضرور پئیں گے۔" میں نے کہا اور وہیں کچن میں ایک اسٹول گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

جاوداں نے خود ہی میرے لیے چائے بنائی۔ اور اُسی نے مجھے چائے پلائی اور دیر تک بیٹھی مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ باورچی اس دوران چولہے سنبھالتے رہے تھے پھر میں وہاں سے بھی نکل آیا۔ کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ اُن لوگوں کی واپسی کا انتظار بھی ضروری تھا۔ لنچ پر بھی ڈیڈی واپس نہیں آئے تو کچھ تشویش ہونے لگی اور پھر میں نے فیصلہ کیا کہ اب باہر نکل جاؤں لیکن تھوڑی ہی دیر بعد بیرسٹر نصرت حسین اور ایس۔ پی طارق حسین واپس آ گئے تھے۔ دُور ہی سے میں نے دونوں کے چہرے دیکھے اور کسی خاص کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا لیا، لیکن فوراً ہی اُن تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ انہیں میری موجودگی کا علم ہو جائے اور وہ اپنے پروگرام خود ہی مجھے بتائیں۔ تقریباً ساڑھے تین بجے تک بھی دونوں نے مجھ سے رابطہ نہیں قائم کیا۔ میں نے صبر کیا تھا اور اس دوران ڈیڈی کی واپسی کا منتظر رہا تھا۔ نجانے کیا چکر ہوا تھا ویسے معاملہ بہتر نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ دونوں حضرات غالباً مجھ سے گفتگو کرنے سے گریز کر رہے تھے کیوں کہ یہ تو ناممکن تھا کہ انہیں میری یہاں موجودگی کا علم نہ ہو۔ پھر شام کی چائے کا اہتمام ہونے لگا۔ اہلِ خانہ بیچارے ان تمام حالات سے نابلد تھے۔ شوکت جاہ بھی محتاط رہتے تھے اور غیر ضروری معاملات میں ٹانگ اڑانا پسند نہیں کرتے تھے۔ شام کی چائے کا اہتمام مکمل ہوا اور عین اُسی وقت ڈیڈی بھی اپنی کار میں واپس پہنچ گئے۔ چائے کے لیے لوگ لان پر جمع ہونے لگے تھے سبھی آ گئے تھے۔ ڈیڈی سب سے آخر میں پہنچے۔ کچھ خاص قسم کی خاموشی مسلط تھی۔ جج صاحب بھی اس وقت یہاں موجود تھے۔ پتا نہیں اُنہیں صورتِ حال کا علم ہوا تھا یا نہیں۔ بہر طور میں نے بھی کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا اور شام کی چائے میں معمول کے مطابق شرکت کی۔ بہت خاموشی طاری تھی۔ بس خواتین ہی آپس میں محوِ گفتگو تھیں اور کوئی ایسی خاص بات نہیں ہوئی جو قابلِ ذکر ہوتی۔ ڈیڈی جب چائے کی میز سے اُٹھے تو انہوں نے خاص طور سے اُنگلی سے مجھے اشارہ کیا اور اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ میں سعادت مندی سے اُن کے پیچھے چل پڑا تھا اور پھر میرے پیچھے باقی تینوں حضرات اور سب سے پیچھے شوکت جاہ بھی چل پڑے۔ خواتین نے اس کیفیت کو ابھی تک محسوس نہیں کیا تھا۔ بہر طور ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا میں ان کے کمرے تک پہنچا۔ اُن کو شاید اس بات کا علم تھا کہ باقی لوگ بھی آ رہے ہیں۔ شوکت جاہ نے البتہ دروازے پر رُک کر کہا۔

"حضرات میرے بارے میں کیا حکم ہے؟"

"آؤ بھئی آؤ۔" ڈیڈی نے کہا اور شوکت جاہ بھی اندر داخل ہو گئے۔

ڈیڈی کے حکم پر بیرسٹر صاحب نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر ہم سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ بیرسٹر صاحب کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ ایس۔ پی طارق حسین گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جج صاحب نارمل تھے اور آئی جی صاحب اِن سب سے زیادہ اُلجھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں نے چائے کی میز پر بھی ان کے چہرے پر ہیجان سا محسوس کیا تھا، لیکن اسوقت یہ ہیجان کچھ اور شدت اختیار کر گیا تھا۔ آئی۔ جی صاحب کے انداز میں کسی قدر جھنجلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

"میں کچھ بھی نہیں کر سکا ہوم سیکریٹری صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ اُنہوں نے بھی اِس سلسلے میں معذوری کا اظہار کیا ہے اور کچھ مزید باتیں بھی ہو گئی ہیں جن کی اطلاع مجھے وہیں سے مل سکی۔"

"وہ کیا ڈیڈی...؟" جج صاحب نے سوال کیا۔

"کیا تم نے شارق کو تمام تفصیلات بتا دیں؟" انہوں نے بیرسٹر نصرت کی جانب دیکھ کر کہا۔

"جی نہیں، میں آپ کا منتظر تھا اور اِس سلسلے میں مجھے کوئی ہدایت بھی نہیں دی گئی تھی۔" بیرسٹر صاحب بھاری لہجے میں بولے۔

"اِس وقت بھی تم اپنی اُس سنافت کو برقرار رکھے ہوئے ہو؟"

"نن... نہیں ڈیڈی، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ آپ یقین کریں آپ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی اِس لیے میں نے شارق سے اِس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔" نصرت حسین نے گھبرا کر کہا اور آئی۔ جی صاحب میری طرف متوجہ ہو گئے پھر بولے۔

"بہر حال شارق میں تمہیں تمام باتیں بتا رہا ہوں جیسا کہ ہمارے درمیان طے ہو گیا تھا۔ وہ کمبخت قیصر یزدانی بے حد چالاک ہے۔ طارق نے جو کچھ بھی اُس کے خلاف کیا اُس نے وہ سب کچھ اُلٹ کر رکھ دیا۔ اُس نے اُن گوداموں سے قطعی طور پر لاتعلقی کا اظہار کیا ہے اور موجودہ انسپکٹر جنرل سے ملاقات کر کے ہمارے خلاف شکایت کی ہے کہ ہم کسی ذاتی بُغض کی بنا پر اُس کی تحقیر کرنا چاہتے ہیں اور ہم نے اپنے اختیارات

سے کام لے کر اخبارات میں اُس کے خلاف کارروائی کی ہے۔ غالباً شارق تم نے صبح کے اخبارات کا جائزہ نہیں لیا ہوگا۔ کسی ایک اخبار میں بھی پہلے دن کے اخبار کی تفصیلات یا کوئی چھوٹی موٹی خبر بھی نہیں ہے۔ اِس سلسلے میں انسپکٹر جنرل نے اخبارات کو خصوصی ہدایات جاری کی تھیں اور اُس اخبار کے عملے کو پولیس ہیڈ آفس میں طلب کر لیا گیا تھا۔ رپورٹرز وغیرہ نے یہ کہہ کر اپنی جان بچالی کہ انہیں یہ تمام تفصیلات محکمہ پولیس کے افسرِ اعلیٰ ایس۔پی طارق حسین کی معرفت فراہم کی گئی تھیں۔ اِس لیے انہوں نے ایس۔پی طارق حسین کی رپورٹ تفصیلی طور پر چھاپ دی۔ یہ تمام ذمّہ داری اب طارق حسین پر عائد ہوتی ہے کہ اخبارات کے بیان کردہ کیا شکل دیتے ہیں اس سلسلے میں آئی۔جی صاحب کی طرف سے انہیں نوٹس موصول ہو چکا ہے جس میں اُن سے جواب طلبی کی گئی ہے جو کاغذات طارق حسین کو دستیاب ہوئے تھے اور اُن پر قیصر پرویز کے جو دستخط تھے وہ جعلی قرار دیے گئے ہیں اور اِس سلسلے میں قیصر پرویز نے اپنے وہ تمام کاغذات آئی۔جی کو پیش کر دیے ہیں جن میں اُس کے اصل دستخط موجود ہیں اور یہ دستخط اُن کاغذات کے دستخطوں سے قطعاً نہیں ملتے اور اِس سلسلے میں کوئی بھی عذر نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اُن گوداموں میں جو کچھ موجود ہے قیصر پرویز نے اُس سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سارے معاملات کسی دشمنی کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ اُس نے بہت ہی نرم انداز میں یہ کہا ہے کہ اگر اُسے اِس دشمنی کی وجہ بتا دی جاتی تو شاید وہ اِس وجہ کو ختم کرنے کی کوشش کرتا اور اِس کے ساتھ ساتھ ہی اُس نے آئی۔جی صاحب سے کہا ہے کہ وہ خود ہی اِس معاملے کی چھان بین کریں وہ اپنے آپ کو ہر احتساب کے لیے پیش کرنے پر تیار ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ اُس کے خاندانی پس منظر کو اُجاگر کر کے شاید اُسے ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ اپنے اِس پس منظر کو تسلیم کرتا ہے کیوں کہ یہ حقیقت ہے اور یہ سوال بھی کرتا ہے کہ وہ کون سی دشمنی تھی جس کی بنا پر اِس انداز میں اُس کے پس منظر کو سامنے لا کر اُسے ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ اُس کا یہ حق محفوظ ہے کہ وہ اِس کارروائی کے خلاف کارروائی کر سکتا اُس نے آئی۔جی صاحب کے مشورے کے باوجود اپنا یہ بیان اخبار کو دینے سے انکار کر دیا ہے اور اپنے آپ کو اعلیٰ ظرف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ کوئی تردیدی بیان دینا نہیں چاہتا اگر قانون چھان بین کرنے کے بعد یہ بات جان لیتا ہے کہ یہ سب کچھ اُس کے خلاف ایک سازش ہے تو پھر سرکاری طور پر خود ہی اِس بیان کی تردید ہونی چاہیے اور ایس۔پی طارق حسین خود ہی اِس بیان کی تردید شائع کرائیں گے وہ قانونی طور پر اِس بات کا حق رکھتا ہے۔ اِس کے علاوہ جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں اُنہیں بھی آئی۔جی صاحب نے طلب کر کے ان سے قیصر پرویز کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ ان میں سے ایک بھی قیصر پرویز کو نہیں پہچانتا اور اُنہوں نے کہا ہے کہ یہ معاملہ کسی اور کا ہے اِن صاحب سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِس طرح قیصر پرویز کی گرفتاری کا مسئلہ کسی شکل میں حل نہیں ہو سکتا۔ سب سے بڑی بات تو اُن کاغذات اور اُن پر موجود دستخطوں کی ہے جو قیصر پرویز کے ہیں ہی نہیں اور گوداموں سے جو کچھ برآمد ہوا ہے اُس کے بارے میں کسی طور بھی اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس کی ملکیت ہے؟"

"ڈیڈی میں اُن کتّوں کی کھال اُتار لوں گا جنھیں گرفتار کیا ہے اور اُن سے حقیقت اُگلوا لوں گا۔" ایس۔پی طارق حسین نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو طارق حسین۔ یہ ایک الگ مسئلہ بن جائے گا کیوں کہ قیصر پرویز اُن کی پشت پناہی کرے گا۔" آئی۔جی صاحب نے جواب دیا۔

میں صبر و سکون سے یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ ڈیڈی نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور اُس کے بعد نصرت حسین سے بولے۔

"ہاں، باسط رانا سے ملاقات ہوئی تمہاری؟"

"جی، بہت خوش تھا۔ کہہ رہا تھا کہ بیرسٹر صاحب آپ سے اِس بات کی اُمید نہیں تھی کہ آپ اُس بچّے کی باتوں میں شریک ہو جائیں گے اور اب یہ ناگزیر ہو گیا ہے کہ میں اِس سلسلے میں اپنی ذمّہ داریاں پوری کروں۔ ظاہر ہے میں قیصر پرویز کا وکیل ہوں اور اُن کی شخصیت سے یہ داغ مٹانا میری ذمہ داری ہے چنانچہ مجھے معاف کر دیں کیوں کہ اِس معاملے میں ہو سکتا ہے آپ کے خاندان پر ضرب آئے دراصل خاندان کو چھیڑا گیا ہے اس لیے بات خاندانی طور پر ہی ہوگی۔"

"تو کیا کہنا چاہتا ہے وہ؟ ہمارا خاندان کسی جولاہے یا تیلی کا خاندان نہیں ہے۔ خاندانی طور پر بھی بات کر لے کیا بگاڑ لے گا ہمارا؟" آئی۔جی صاحب غرّاتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"وہ کہہ رہا تھا ڈیڈی کہ اگر قیصر پرویز کا خاندانی پس منظر کچھ تھا ہے تو آئی جی صاحب اِس بات کا اظہار کر کے کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"میرا نام کیوں لیا اُس نے؟"

"بس وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ ہم لوگوں کی مشترکہ کارروائی تھا"

"اگر اِس سلسلے میں اُس نے میرا نام ایک بار بھی لے لیا تو میں اُسے قبر میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" آئی۔جی صاحب شدید غصّے کے عالم میں بولے۔ پھر نصرت حسین صاحب نے کہا۔

"دراصل ڈیڈی قصور ہمارا ہی ہے کیا صرف اِس عام سی نشاندہی پر ہمیں یہ سب کچھ کر ڈالنا چاہیے تھا؟" بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"یعنی جو کچھ ہم نے کیا پہلے اُس کے سلسلے میں ہمیں ٹھوس کارروائیاں کرنی چاہیے تھیں۔ شارق کی فراہم کردہ تفصیلات اِس قدر مکمل تو نہیں تھیں کہ ہم اِس پر کارروائی کر ڈالتے۔"

"نہیں بھائی جان میں سمجھتا ہوں کہ شارق اِس سلسلے میں بے قصور ہیں اگر آپ قصوروار قرار دے سکتے ہیں تو وہ میں ہوں جس نے گہرائیوں میں جانا پسند نہیں کیا اور گوداموں پر فوراً ہی چھاپے مار کر یہ سمجھ لیا کہ قیصر پرویز میری مٹھی میں آ گیا ہے۔" ایس۔پی طارق حسین نے فوراً ہی کہا اور بیرسٹر صاحب خاموش ہو گئے آئی جی صاحب غصیلی نگاہوں سے بیرسٹر کو گھور رہے تھے۔

"جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں وہ اِس وقت نہیں کہہ رہا نصرت حسین لیکن کچھ باتیں بہت تلخ ہیں میرے ذہن میں تمہارے لیے اگر تم شارق کو اپنا کاروباری حریف سمجھتے ہو تو میرے خیال میں اِس سے بدتر کوئی اور تصوّر نہیں ہو سکتا؟"

نصرت حسین صاحب نے گھبرا کر آئی۔جی صاحب کا چہرہ دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔ میں مکمل طور سے خاموش تھا۔ اُس کے بعد کمرے میں خاموشی طاری ہو گئی اور کافی دیر تک کسی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ اُس کے بعد آئی۔جی صاحب نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"میں نے خصوصی طور پر ہوم سیکریٹری صاحب سے وقت لیا اور اُن کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے انہیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ قیصر پرویز درحقیقت جرائم پیشہ آدمی ہے اور اُس نے اِس سلسلے میں جو کارروائی کی ہے وہ جھوٹ پر مبنی ہے لیکن میں بھی جانتا تھا کہ ہوم سیکریٹری صاحب کو مطمئن کرنا ممکن نہیں ہے انہوں نے مجھ سے ثبوت مانگے ہیں اور کہا ہے کہ میں اگر قیصر پرویز کے خلاف مکمل طور پر شواہد اور ثبوت پیش کر سکتا ہوں تو پھر اِس مسئلے کو میری خواہش کے مطابق آگے بڑھا دیا جائے گا۔ ویسے ہوم سیکریٹری صاحب خود بھی کچھ اُلجھے ہوئے نظر آ رہے تھے اور انہوں نے دبے الفاظ میں مجھ سے کہا ہے کہ یہ سب کچھ بہتر نہیں ہوا۔ تاہم انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ وہ مخلصانہ طور پر اِس مسئلے کو اپنی نگاہ میں رکھیں گے۔ ظاہر ہے اِس سے زیادہ میں اُن سے اور کیا کہہ سکتا تھا؟" آئی۔جی صاحب بُری طرح جھلّائے ہوئے تھے اور میں اِن سب کی کیفیات کو بخوبی سمجھ رہا تھا لیکن میں نے مکمل خاموشی اختیار کی۔ سبھی میرے بولنے کے منتظر تھے پھر جب میں کچھ نہ بولا تو آئی جی صاحب نے ہی کہا۔

"تم منہ کیوں بند کیے ہوئے ہو۔ کیا خیال ہے تمہارا اِس کارروائی کے بارے میں؟"

"ڈیڈی جو کچھ ہوا ہے ظاہر ہے ہماری توقع کے برعکس ہوا۔ میرا اِس میں جس حد تک قصور ہے آپ جانتے ہیں۔ جو نشاندہی میں نے کی وہ غلط نہیں تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون اُن گوداموں کا مالک قرار پاتا ہے اور میرے خیال میں بھائی جان آپ اِس سلسلے میں اپنی تفتیش جاری رکھیں اور گوداموں کے اصل مالک کا پتا چلائیں یا میں سمجھ کر جو تا ہے ان سے لڑا اور وہ طارق حسین کر جھٹکنے لگے پھر بولے۔

"میرا خیال ہے مجھے معطل کر دیا جائے گا کیوں کہ آئی جی صاحب کی نظرِ عنایت قیصر پرویز پر معلوم ہوتی ہے۔" اِس کے جواب میں عظمت حسین صاحب نے فوراً ہی کہا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو طارق کوئی بھی ہوتا میں بھی ہوتا آئی۔جی کی جگہ تو تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سے اِس سلسلے میں جواب طلبی نہ کی جاتی۔ کم از کم اخبارات کو یہ بیان دے کر ہم نے غلطی کی ہے اگر صرف پولیس تک ہی کارروائی ہوتی تو بات اِس قدر آگے نہ بڑھتی۔ اخبار کو یہ تفصیل بتا کر شاید بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ ہم لمحاتی طور پر سرخرو ہو گئے یعنی ہم نے یہ سوچا کہ اعلیٰ حکام اِس سلسلے میں قیصر پرویز کی پشت پناہی نہیں کر سکیں گے لیکن دوسرے پہلو کو ہم نے نظر انداز کر دیا تھا۔"

اِس بار پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ ظاہر ہے ایس پی صاحب کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ آئی۔جی صاحب خود گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے پھر انہوں نے گردن گھما کر مجھے دیکھا اور کہنے لگے۔

"اب تم بتاؤ شارق اِس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"ڈیڈی مجھے سوچنے کے لیے وقت درکار ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا اور آئی۔ جی صاحب گردن ہلانے لگے پھر بولے
"خیر ٹھیک ہے اب جو کچھ ہوگا اُس کا مقابلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔" سب لوگ اُٹھنے لگے تو آئی جی صاحب نے شوکت جاہ کو اپنے پاس روک لیا۔
بیرسٹر نصرت حسین اور ایس۔ پی طارق حسین چلے گئے تھے۔ جج صاحب نے البتہ میرے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"میرے ساتھ آؤ۔"
میں نے سر ہلا دیا اور اُن کے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئے تھے پھر اُنہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا
"معاملہ کافی بگڑ گیا ہے۔ تم اپنے آپ کو غیر متعلق نہیں رکھ سکے۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں غیر متعلق رہوں۔ ظاہر ہے اس گھر کی طرفداری مجھے بھی عزیز ہے اور پھر میں تو پہلے ہی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ قیصر پرویز کے سلسلے میں آپ لوگ جو کوشش اپنے طور پر کرنا چاہیں ضرور کرلیں میں بھی اپنی کوششیں ہی کر سکتا ہوں جیسا کہ کرتا رہا ہوں۔"
"بھئی غلط تو کسی نے بھی نہیں کیا لیکن اب صورتِ حال یہ پیش آگئی ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے؟"
میرے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے کہا۔ "دست بستہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس صورتِ حال کے خلاف تو کمر باندھی ہے میں نے، آپ دیکھ لیجیے ایسے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو قانون کو اس طرح بے بس کر دیتے ہیں حالانکہ ہمارے تمام کام سچائی پر مبنی ہیں اور ہم نے خلوصِ نیت سے ان کاموں کا آغاز کیا ہے آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اِس میں کوئی ذاتی دُشمنی کارفرما نہیں تھی۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے اور میں انہی لوگوں کو منظرِ عام پر لانے کا خواہشمند ہوں اگر آپ نے میرے نظریے کو تسلیم کر لیا ہے تو آئندہ آپ سے مدد کا خواہاں ہوں۔"
"میں نے تو کبھی تمہارے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائی۔"
"ہاں بھائی جان بے شک لیکن آپ بھی میرے مخالفوں میں تو شامل تھے۔"
"کیا کہا جا سکتا ہے۔" جج امجد حسین نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اُلجھے ہوئے انداز میں کہا اور میں آہستہ سے بولا۔
"آپ بالکل فکر نہ کریں بھائی جان معاملہ جس حد تک بھی آگے بڑھے گا بہر طور میں اُسے کنٹرول کرلوں گا لیکن آپ کم از کم اِس بار ساری حقیقتوں سے آشنا ہو جائیں تاکہ میں اِس آشیانے میں اِتنا اجنبی نہ رہوں۔"
جج صاحب نے ایک بار گردن اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ کچھ بولنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر خاموش ہو گئے اور گردن جھٹک کر بولے۔
"بس اگر کوئی کارروائی کرو تو ذرا اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا وہ بہت تیز آدمی ہے اور اُس نے اپنے ہاتھ پاؤں چاروں طرف پھیلا رکھے ہیں۔"
"آپ کی دُعائیں شاملِ حال رہنی چاہئیں مجھے یقیناً ہر معاملے میں کامیابی حاصل ہوتی رہے گی۔" میں نے کہا۔
اِس وقت کسی سے کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا اور پھر اُن سے اجازت لے کر میں باہر نکل آیا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ میں اِس دلچسپ معاملے پر غور کر رہا تھا بلاشبہ قیصر پرویز نے جوابی کارروائی کی تھی اور اتنی بھرپور کی تھی کہ آشیانے کی ساری چڑیاں پھڑپھڑاتی پھر رہی تھیں۔ شوکت جاہ بھلا کہاں باز آنے والے تھے تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس پہنچ گئے۔ ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور عجیب سا انداز تھا۔ کہنے لگے۔
"بھئی مجھے تمہارے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے لیکن معاملہ اتنا دلچسپ ہو گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو باز بھی نہیں رکھ سکتا۔ اب بتاؤ اِن معاملات کی روشنی میں کیا کروگے؟"
"کچھ نہیں چچا جان آپ سے عرض کیا ہے مانا کہ جب آشیانے کے سارے پنچھی تھک کر بیٹھ جائیں گے تو میں آگے بڑھوں گا اور قیصر پرویز کی گردن مروڑ کر ایک جانب پھینک دوں گا۔"
شوکت جاہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا پھر وہ بولے۔
"تمہارا لہجہ اب بھی اتنا ہی مضبوط ہے۔"
"جی چچا جان کیوں کہ کسی بھی طرح اب تک میں نے جن لوگوں کو قانون کے شکنجے میں کسا ہے وہ قیصر پرویز سے کم نہیں تھے۔"
"خُدا کی پناہ تب پھر تمہیں سُپرمین کہے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔"
میں مُسکراتا رہا تھا۔ شوکت جاہ کہنے لگے۔ "آئی۔ جی صاحب بہت سخت پریشان ہیں۔ کہنے لگے کہ شوکت جاہ ساری زندگی کی کمائی خاک میں مل گئی ہے اور میں اپنے آپ کو ایک بالکل ہی بے

وقوف انسان سمجھ رہا ہوں۔ دُنیا کا یہ رنگ میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے بھی ان سے یہی کہا کہ درحقیقت بدلے ہوئے دَور کے ساتھ اقدار بھی بدل جاتی ہیں اور طریقۂ کار بھی بہت آسان ہو گیا ہے اور قانون اِس سلسلے میں بھرپور دفاع بھی نہیں کرتا۔ ویسے اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کر رہے ہو؟"
"ابھی دو تین دن مزید آرام کرا دوں گا۔ جہاں تک میری پیش گوئیوں کا تعلق ہے تو آپ یوں سمجھ لیجیے کہ ایس۔ پی صاحب خود بھی اِس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ اُنہیں معطل کر دیا جائے گا کیوں کہ اُن کے پاس اِس سلسلے میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ گو دام میرے علم میں بھی تھے اور میں نے ہی ان کی تفصیل پیش کی تھی۔ شکر ہے کہ میری دی ہوئی اطلاع غلط نہیں ثابت ہوئی لیکن اُن پر اِس انداز میں چھاپا مارا جانا کچھ مناسب نہیں تھا آپ کو کل کا دِن یاد ہوگا کل کتنی خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ میرے خیال میں یہ نادانی تھی کیوں کہ صرف ایک چھوٹی سی کارروائی سب کچھ نہیں تھی۔ اِس میں گنجائش رکھنی چاہیئے تھی۔ پھر اخبار کے مسئلے کو دیکھ لیجیے اِس میں کوئی شک نہیں کہ صبح کے اخبارات دیکھنے کا خیال مجھے بھی نہیں آیا حالانکہ یہ بہت اہم بات تھی۔"
"بھئی اب یہ سب کچھ ہے لیکن معاملہ کچھ خاندانی عزت کا بھی آپڑا ہے تمہیں اب کوئی ذاتی مسئلہ درمیان میں نہیں رکھنا چاہیئے۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا چچا جان۔" میں نے جواب دیا۔ اور شوکت جاہ خاموش ہو گئے۔
بعد کا وقت کچھ بھاری بھاری ہی سا گُزرا۔ گھر والوں کو صورتِ حال کا علم نہیں ہوتا لیکن کوٹھی کی فضا کچھ بوجھل سی رہی۔ آئی۔ جی صاحب تو رات کے کھانے پر موجود نہیں تھے اور تینوں بھائی صاحبان پریشانیوں کا شکار نظر آرہے تھے لیکن میں نے کسی سے بھی کچھ نہ کہا البتہ یہ بات میں سمجھتا تھا کہ اب معاملہ کچھ مختلف ہو جائے گا اور میری طرف رُخ کیا جائے گا چنانچہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ خاموشی سے کھسک لیا جائے اس لیے میں رات کے کھانے کے بعد ٹہلنے کے سے انداز میں باہر آیا اور اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑا۔ رُخ فلیٹ کی طرف ہی تھا۔ یہ رات میں نے فلیٹ میں گزاری۔ دوسرے دن فاروقی صاحب کے دفتر پہنچ گیا دونوں حضرات سے ملاقات ہوئی وہ بے چینی سے میرے منتظر تھے۔
کیوں کہ اخبار میں قیصر پرویز کے بارے میں تفصیلات پڑھ چکے تھے اور بہت صحیح تبصرے کیے انہوں نے۔ یعنی یہ کہ اُس دن شام کے اخبارات میں تو تفصیل آگئی تھی لیکن دوسرے دن صبح کے اخبارات سب خاموش تھے اور اُس کے بعد یہ خاموشی مسلسل ہے۔ میں مسکرا کر گردن ہلانے لگا اور پھر میں نے اُن لوگوں کو تمام تفصیلات بتا دیں۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی ششدر رہ گئے تھے۔ جاوید قریشی نے کہا۔
"اس کا مقصد ہے کہ بات بہت زیادہ بگڑ گئی؟"
"ہاں جاوید، بات بہت زیادہ بگڑ گئی ہے اور اب میری محنت میں اضافہ ہو جائے گا۔"
"لیکن بھائی اِس بار تو یوں سمجھو کہ جھگڑا خود تمہارے گھر میں کھڑا ہو گیا ہے اب کیا کروگے؟"
"گھر کے جھگڑوں کو نمٹانا تو ضروری ہوتا ہے قریشی صاحب۔ ابھی تھوڑا سا انتظار کر رہا ہوں اُس کے بعد کارروائی کروں گا۔ ویسے اِس دوران کوئی اور خاص بات تو نہیں ہوئی؟"
"اگر کوئی خاص بات ہوتی تو تمہیں اطلاع کر دیتے۔" جاوید قریشی نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔
فاروقی صاحب بہت زیادہ مضطرب تھے۔ کہنے لگے۔
"تو پھر اب تم کیا ارادہ رکھتے ہو شارق؟"
"دراصل فاروقی صاحب ابھی چند روز خاموشی اختیار کرنی پڑے گی۔ اِس میں دو وجوہات ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ڈیڈی اور ان کے اہلِ خاندان ظاہر ہے ان معاملات میں اپنی جیسی کارروائی کریں گے اور کوشش کریں گے اُنہیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کہاں تک جا سکتے ہیں دوسری بات یہ کہ قیصر پرویز پوری طرح مستعد ہوگا۔ ایس۔ پی صاحب نے اُس کے وارنٹ بھی حاصل کر لیے تھے اور اس کے [illegible] انہیں نہ جانے کیا کیا کاوشیں کرنا پڑی ہوں گی۔ وارنٹ تو اس بات کے ساتھ منسوخ ہو گئے کہ قیصر پرویز کا ان معاملات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور کاغذات پر اُس کے دستخط بھی نہیں نکلے لیکن کاغذات کو قیصر پرویز کے نام سے ہی تیار کیا گیا ہے۔ اِس میں یقینی طور پر کوئی خاص گہرائی ہے ابھی اِن تمام معاملات کا جائزہ بھی لینا ہے اور قیصر پرویز کی مستعدی کو ذرا مدھم کرنا ہے تاکہ پھر کارروائی از سر نو شروع کی جا سکے۔"
[illegible] سمجھانے کیوں مجھے آئی۔ جی۔ [illegible] صاحب کے سلسلے میں افسوس ہو رہا ہے۔ [illegible]
"نہیں اب ایسی بات بھی [illegible] ہے کیوں کہ معاملہ خالص

ہمارا گھریلو نہیں ہے تاہم وہ بھی صورتِ حال سے اچھی طرح واقف ہو جائیں تو بہتر ہے۔" میرے اِن الفاظ پر دونوں حضرات خاموش ہو گئے۔

میں نے اُن سے کہا کہ چند روز مکمل خاموشی اختیار کر کے میں اُن کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ اِس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ قیصر پرویز کے آدمی میری نگرانی کر رہے ہیں اور ظاہر ہے وہ معاملے سے آگاہ ہونا چاہتے ہوں گے۔ فی الحال یہ خطرہ تو ٹل گیا ہے کہ وہ مجھ پر یا میرے اہلِ خاندان پر کوئی حملہ وغیرہ کریں گے۔ اس لیے ذرا بدر شاہ کو اطلاع دے دینا بھی ضروری ہے۔

"ارے نہیں نہیں اگر بدر شاہ کے آدمی اپنے کام میں مصروف ہیں تو تم اُنہیں کیوں ڈسٹرب کر رہے ہو۔ وہ مسئلہ جاری رہنے دو۔ بدر شاہ کون سا ایسا معروف آدمی ہے اور پھر خلوص سے کام کرتا ہے۔ نہیں بھئی میں اِس کی مخالفت کروں گا۔" فاروقی صاحب کہنے لگے۔

"بہتر ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بہر طور آپ کے پاس کون کون سے کیسز ہیں اور کب کب اُن کی تاریخیں ہیں، میں آج کل ذرا کورٹ میں حاضر رہنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے یہ معاملات سنبھالو۔" فاروقی صاحب نے کہا اور واقعی میں نے سنجیدگی سے اُن کے سپرد کیسز کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔

شام کو کوٹھی میں واپس آیا اور کوئی خاص بات نہ ہوئی۔ جاوداں وغیرہ سے ملاقات رہی۔ آئی۔ جی صاحب بھی کچھ نارمل ہی سے تھے۔ ایس۔ پی صاحب اور بیرسٹر صاحب البتہ چہروں ہی سے مظلوم نظر آ رہے تھے جبکہ جج امجد حسین صاحب کا چہرہ بھی کچھ اُترا اُترا سا تھا۔ پتا نہیں اِن لوگوں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہو لیکن جو کچھ بھی ہوئی مجھے اس سے لاعلم رکھا گیا تھا یا پھر کوئی ایسی خاص بات ہی نہیں ہوئی تھی کہ مجھے کہنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہو البتہ تیسرے روز ایک اور بڑی اطلاع سننے کو ملی اور یہ اطلاع بھی خود آئی۔ جی صاحب نے مجھے اپنے کمرے میں بلا کر دی تھی۔

"قیصر پرویز کی طرف سے مسلسل کارروائی جاری ہے، وہ بہت ہی نرم انداز میں کام کر رہا ہے لیکن باسط رانا بہت سرگرم ہے چنانچہ آئی۔ جی صاحب نے آج دوپہر کو ایس۔ پی طارق حسین کو معطل کر دیا ہے اور اُن سے جواب طلب کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے مسئلے میں سرگرمی کیوں دکھائی جو مشتبہ تھا، دوسری بات یہ کہ قیصر پرویز نامی شخص متعلقہ حکام کے سامنے پیش ہو گیا ہے اور اُس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ کاغذات پر دستخط اُس کے ہیں اور وہ اسمگلنگ کا کام کرتا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ جو گودام پولیس نے اپنی تحویل میں لیے ہیں اُن میں اَسّی فیصد مال قانونی ہے اور اِس کے لیے اُس کے پاس تمام کاغذات موجود ہیں ہاں بیس فیصد کے بارے میں اعتراف کیا ہے اُس نے کہ وہ اسمگلنگ کا سامان ہے لیکن اُس نے اسمگلروں سے خریدا ہے براہِ راست ان کی اسمگلنگ نہیں کی۔ وہ اِس سلسلے میں تمام کاغذات پیش کرنے کے لیے تیار ہے اور اسمگلنگ کے اِس سامان کا حساب دینے کے لیے بھی۔ اِس کے علاوہ اُس نے کہا کہ اِس سلسلے میں تمام تر قانونی کارروائیوں کو قبول کرے گا اور جو بھی سزا ہو گی وہ بھگتے گا۔"

"ویری گڈ یہ ایک غلطی کر بیٹھا قیصر پرویز۔" میں نے بے اختیار کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

"غلطی...؟"

"جی ڈیڈی بہت بڑی غلطی... اُسے یہ حماقت نہیں کرنی چاہیے تھی بھلا اِس کی کیا ضرورت تھی؟"

"بہت زیادہ پُر اسرار بننے کی کوشش مت کرو میرے سامنے، میں تفصیل چاہتا ہوں۔"

"عام سی بات ہے ڈیڈی۔ قیصر پرویز نے یہ سوچا ہو گا کہ اس طرح اُس کی شخصیت بالکل صاف ہو جاتی ہے لیکن میرے خیال میں اُس نے حماقت کی ہے کیوں کہ جو شخص بھی اِس حیثیت سے منظرِ عام پر آیا ہے اس کا ماضی تو بہر طور معلوم ہو ہی جائے گا اور یہ اندازہ ہو جائے گا کہ کیا وہ اِس حیثیت کا مالک ہے کہ اُس کے پاس اٹھارہ گودام ہوں۔"

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے اور پھر اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوب سوچا... واقعی خوب سوچا۔ بہت عمدہ پوائنٹ ہے۔ اُس شخص کی تو ہمیں حفاظت کرنی پڑے گی کیوں کہ صحیح صورتِ حال وہی بتائے گا۔ ظاہر ہے جس شخص کے اٹھارہ گودام ہوں وہ اِس ملک میں کوئی نہ کوئی حیثیت تو رکھتا ہی ہو گا۔ بھئی بہت عمدہ؟" اُن کا موڈ ایک دم خوش گوار ہو گیا۔

میں خاموش بیٹھا رہا تھا۔ آئی۔ جی صاحب مجھے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"آؤ اب ذرا اُن لوگوں کے ساتھ بھی تھوڑی سی نشست ہو جائے۔ طارق بہت پریشان ہے اور نصرت شاہ شرمندہ۔"

"نہیں ڈیڈی ایسی کوئی بات نہیں ہے اُن لوگوں سے کہیں

کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ذرہ برابر فکر نہ کریں۔"

"آؤ... آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

ہماری یہ نشست امجد بھائی کے کمرے میں جمی اور چونکہ اِن دنوں بے چارے شوکت جاہ نے براہِ راست ہمارے معاملات میں مداخلت کرنا چھوڑ دی تھی اس لیے اِس بات کو محسوس کر کے اُنہیں بھی طلب کر لیا گیا۔ میں ڈیڈی کے ساتھ امجد حسین کے کمرے میں داخل ہوا تو بیرسٹر صاحب اور ایس۔ پی صاحب وہیں موجود تھے۔ تینوں نے کھڑے ہو کر آئی۔ جی صاحب کا استقبال کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شوکت جاہ بھی پہنچ گئے اور کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

"میٹنگ...؟" شوکت جاہ نے سوال کیا۔

"ہاں..." آئی۔ جی صاحب نے اُنہیں خوش گوار موڈ میں بیٹھنے کی پیشکش کی اور وہ اُنہیں دیکھنے لگے کیوں کہ اِس دوران وہ ان کو اُلجھے ہوئے ہی دیکھ سکے تھے۔ آئی۔ جی صاحب کہنے لگے

"بھئی تم لوگوں نے کیا صورتیں بگاڑ رکھی ہیں، اتنے چھوٹے سے معاملے میں پریشان ہو گئے۔ شارق کا کہنا ہے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" آئی۔ جی کے لہجے کا غرور کسی سے چھپا نہ رہ سکا۔ ایس۔ پی طارق حسین نے گردن اُٹھا کر مجھے دیکھا اور بولے۔

"میرے بارے میں تمہیں اطلاع مل گئی ہو گی۔"

"آپ فکر کیوں کرتے ہیں بھائی جان جن لوگوں نے آپ کو معطل کیا ہے وہ معذرت نامے پیش کریں گے اور آپ کو آپ کی جگہ بحال کریں گے۔ یہ میری ڈیوٹی ہے۔"

"بہر حال ٹھیک ہے میں نے کوئی جرم نہیں کیا اور بس تردد کا شکار ہوں کہ اپنی صفائی کیسے پیش کر سکوں گا؟"

"بھئی ابھی شارق نے ایک بات کہی جو میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں ایک دم سے فکروں سے آزاد ہو گیا۔ شارق کا کہنا ہے کہ قیصر پرویز ایک بہت بڑی غلطی کر بیٹھا۔"

"کیا...؟" بیک وقت کئی آوازیں اُبھریں۔

"ایک دوسرے قیصر پرویز کو منظرِ عام پر لا کر ظاہر ہے وہ اسی ملک کا شہری ہے اُس کا ایک پس منظر ہو گا۔ اُس کا ایک خاندان ہو گا۔ کوئی نہ کوئی ماضی تو ہو گا اُس کا اور اگر اٹھارہ گوداموں کا مالک اور کروڑوں روپے کی مالیت کا مالک یہ ثابت نہ کر سکا کہ یہ سب کچھ اُس نے کہاں سے کیا اگر اسمگلنگ بھی کی ہے تو کب سے اِس کا آغاز کیا اور اِس سلسلے میں اُس نے کیا کیا کچھ کیا ہے تو ہم یہ پوائنٹ اٹھا سکتے ہیں کہ وہ صرف قیصر پرویز کا پیدا کردہ ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ ہمارا اچھا خاصا مضبوط پوائنٹ ہو گا۔"

بیرسٹر نصرت اُچھل پڑے۔ اُنہوں نے پُر جوش انداز میں کہا۔ "یقیناً... ڈیڈی یقیناً۔" اور پھر دفعتاً ہی اُنہیں خیال آیا کہ یہ نکتہ میں نے آئی۔ جی صاحب تک پہنچایا ہے تو وہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے اور ان کا سارا جوش ہوا ہو گیا۔ آئی۔ جی صاحب نے یہ بات محسوس کر لی تھی۔ اور اُن کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پیدا ہو گئی تھیں۔ تھوڑی دیر کے لیے مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔

شوکت جاہ اِس دوران مکمل طور سے خاموش رہے تھے لیکن پھر وہ زیادہ دیر تک خاموش نہ رہ سکے اور اُنہوں نے کہا۔

"یہ اعتراف کر لینے میں عار نہیں ہونی چاہیے کہ آپ تمام لوگ اُس شخص کے خلاف اپنی کارروائی میں ناکام رہے ہیں چنانچہ اب کوئی ایسا حل ضروری ہے جو ہمیں اُلجھنوں سے بچائے۔ معاف کیجیے گا آپ لوگ، سوچیں گے کہ میں آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت کر رہا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ صرف آپ کا ذاتی نہیں ہے میری ذات کا تعلق بھی آپ ہی لوگوں سے ہے۔"

"کیوں نہیں چچا جان۔" جج صاحب نے فوراً کہا۔ آئی۔ جی صاحب گہری سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگے پھر بولے۔

"شارق اب اِس سلسلے میں تم کیا کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"مجھے اجازت ہے ڈیڈی؟"

"بے کار باتوں سے گریز کرو۔ ظاہر ہے بات غلط راستوں پر جا نکلی ہے اور اِسے سنبھالنا ضروری ہے۔"

"تو پھر میں چاہتا ہوں کہ چند روز کے لیے مکمل خاموشی اختیار کر لی جائے اگر کچھ باتیں براہِ راست ہم تک پہنچتی ہیں تو اُن کے سلسلے میں ہم انتظامات کر لیں گے لیکن اپنی طرف سے کوئی کارروائی فی الحال مناسب نہیں ہے۔"

"آئی۔ جی صاحب پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے پھر اُنہوں نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھا اور بولے۔

"کیوں بھئی کیا خیال ہے تمہارا؟"

"ظاہر ہے ڈیڈی اب اِس سلسلے میں خیال پوچھنے کا کیا سوال ہے۔" طارق بھائی نے کہا اور وہ گردن ہلانے لگے پھر بولے

"ظاہر ہے خاموشی کے علاوہ اب ہمارے پاس کوئی چارۂ کار بھی نہیں ہے۔ لوگوں نے اس طرح اِس بات سے معذوری

کا اظہار کیا ہے کہ حیرت ہوئی ہے لیکن اب اِس حیرت کا تذکرہ بھی بے مقصد ہے۔ سنو طارق میں تمہاری ڈیوٹی لگاتا ہوں کہ قیصر پرویز کے سلسلے میں اپنے طور پر کارروائی شروع کر دو اور جس طرح بھی ممکن ہو اُس کے خلاف مکمل طور سے ثبوت حاصل کرو۔ اگر وہ کیفرِ کردار تک نہ پہنچ سکا تو بہت سے مسئلے اُلجھ جائیں گے میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہو جائے۔" آئی۔جی صاحب خاموش ہو گئے۔

میں اُن کی کیفیت سمجھ رہا تھا لیکن میں نے اِس وقت کوئی لفظ منہ سے نکالنا پسند نہیں کیا جو کچھ میں چاہتا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا اس وقت آشیانے کی تمام چڑیاں بے بسی سے بیٹھی ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ آئی۔جی صاحب نے کیا کیا کوششیں نہ کر ڈالی تھیں۔ وہ ہوم سکریٹری سے بھی مل چکے تھے اور اُنہوں نے صاف انداز میں آئی۔جی صاحب کو ٹرخا دیا تھا۔ ایس پی طارق حسین نے پولیس کی طاقت سے کام لیا تھا۔ بیرسٹر صاحب اپنی قانون دانی کا مظاہرہ کرنے کے لیے ہر پینترہ بدل چکے تھے البتہ بے چارے جج صاحب نے اِس سلسلے میں کوئی عملی کارروائی نہیں کی تھی۔ وہ بعد کے مہرے تھے جسے مقررہ وقت پر استعمال کیا جانا تھا لیکن اس وقت تو چاروں مہرے پٹے ہوئے رکھے تھے۔ میں نے تھوڑا وقت وہاں گزارا اور پھر وہاں سے چلا آیا۔ اب سنجیدگی سے یہ سوچا تھا کہ ان حالات کے بعد میرا کیا ردِ عمل ہو؟ شوکت جاہ سے دوسری ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے یہ سوال مجھ سے کر ہی ڈالا۔ براہ راست دلچپی لے رہے تھے! میں نے کہا۔

"چچا جان آپ نے دیکھ لیا کہ آشیانے والے ایک چھوٹے سے شخص کے مقابلے میں بے بسی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ایسے اژدہوں کو مارنا آسان کام نہیں ہے اور اب میرے لیے ایک مشکل اور پیش آگئی ہے وہ یہ کہ قیصر پرویز ہم میں سے ہر شخص سے ہی نہیں بلکہ ہم سے متعلق ہر شخص سے ہوشیار ہو گیا ہے اور وہ اپنچاروں طرف مضبوط حصار قائم کرنے میں مصروف ہوگا ظاہر ہے وہ بھی تو بیوقوف نہیں ہے۔ ایسی صورت میں میرا کام کس قدر مشکل ہو گیا ہے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں اسی لیے میں نے ایک طویل خاموشی کا فیصلہ کیا ہے تاکہ قیصر پرویز یہ اندازہ لگا لے کہ ہم اپنی کوششوں میں ناکام ہو چکے ہیں۔"

"یہ طارق حسین کا معاملہ ...؟"

"عارضی ہے اچھا ہے وہ بھی کچھ دن آرام کر لیں گے ورنہ پولیس کی ملازمت آرام کہاں کرنے دیتی ہے۔"

شوکت جاہ خاموش ہو گئے تھے۔ تمام کارروائیاں جاری رہیں۔ میں بھی اِن دنوں کوٹھی ہی میں مقید ہو کر رہ گیا تھا لیکن اب اِس صورتِ حال کے بعد یہاں قید رہنا مناسب نہیں تھا۔ بہت سے اندازے لگانے تھے۔ یہ جاننا تھا کہ قیصر پرویز اب کیا کارروائی کر رہا ہے یا اِس کارروائی کے بعد اُس کی ذہنی کیفیت کیا ہے۔ اس کے علاوہ سب سے اہم پوائنٹ اُس شخص کے بارے میں معلوم کرنے کا تھا جو قیصر پرویز کی حیثیت سے پولیس کی تحویل میں تھا چنانچہ اس تمام کارروائی کے لیے گھر سے باہر نکل جانا ضروری تھا۔ دوسرے دن ایس۔پی صاحب کو ہیڈکوارٹر بھیج دیا گیا اور نئے احکامات کے تحت اُنہیں ہیڈکوارٹر ہی میں اپنی ڈیوٹی انجام دینا تھی۔ ایک طرح کی سزا کے طور پر کیا گیا تھا اور انہوں نے خاموشی سے ہیڈکوارٹر میں اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ ڈیڈی کے چہرے پر کبھی کبھی مایوسی کے آثار دیکھے جاتے تھے وہ بہت دِل برداشتہ ہو گئے تھے اور کھانے یا صبح کے ناشتے پر اُن سے ملاقات ہوتی تو ضرورت سے زیادہ ہی سنجیدہ نظر آتے۔ بہر حال مزید دو دن میں نے انتظار کیا اور اُس کے بعد میں معمول کے مطابق کوٹھی سے نکل آیا اور دفتر پہنچ گیا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی کو تمام تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں۔ خاص طور سے یہ تفصیل کہ دوسرے دن کے شام کے اخبار کی خبر کی تردید کی گئی تھی اور تفصیل بتلاتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ قیصر پرویز ایک نیک نام اور معزز شہری ہیں صرف نام کی غلط فہمی کی بنا پر اُنہیں اس سلسلے میں ملوث تصور کر لیا گیا ورنہ اصل قیصر پرویز کوئی اور شخص ہے جس نے بہر طور اپنے آپ کو پولیس کی تحویل میں دے دیا ہے۔ فاروقی صاحب نے کہا۔

"میں کوٹھی رِنگ کر کے تم سے اِس بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا لیکن سوچا کہ یہ مناسب نہیں ہوگا۔ کیا خیال ہے۔ اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

"تمام معاملہ تو آپ کے علم میں ہے نا فاروقی صاحب؟"

"ہاں بھئی میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ یہ شخص بے حد خطرناک ہے اور اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ذرا سوچنا سمجھنا پڑے گا۔"

"تو آپ کا کیا خیال ہے فاروقی صاحب کیا میں نے اِس پر غلط ہاتھ ڈالا ہے؟"

"نہیں ہم... میرا مطلب یہ تھا کہ اس سلسلے میں کوئی موثر کارروائی نہیں ہو سکی۔"

"اُس کی وجہ یہ تھی کہ اِس بار آشیانے کے مکیں اپنے آپ کو آزما رہے تھے۔ تینوں کو سبق مِل گیا میرے خیال میں کافی ہے۔"

"لیکن اِس سے یہ نہ ہوا کہ قیصر پرویز نے اپنے گرد مضبوط خول تیار کر لیا؟"

"آپ نے وہی الفاظ کہے جو میرے ذہن میں ہیں۔ بے شک ذرا مشکل ہو جائے گا اب قیصر پرویز کو اپنے قابو میں لانا تاہم کوششیں کی جاتی رہیں گی۔ بس اِن لوگوں کی کارروائی نے میرے کام میں کچھ دیر کر دی ہے۔"

"گویا تم پُراُمید ہو کہ قیصر پرویز کو کسی نہ کسی طرح اپنے جال میں پھانس لو گے؟"

"فاروقی صاحب... شارق کا ایک ہی مقصد ہے ہر اُس شخص کو کیفرِ کردار تک پہنچانا جو مجرم ہے اور اپنے کو نمود اور شداد سمجھتا ہے۔ کیا سمجھے آپ اور اگر کسی کے مسئلے میں میری کوششیں کارگر نہ ثابت ہوئیں تو پھر میں اپنا یہ کام چھوڑ دوں گا اور اُس کے بعد ایسے دس آشیانے تعمیر کرا دوں گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔"

"خُدا کرے ایسا کبھی نہ ہو۔" فاروقی صاحب نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

میں صبح کو ساڑھے دس بجے فاروقی صاحب کے ساتھ کورٹ پہنچ گیا اب یہ خیال تھا کہ ان کے پاس جو مقدمات ہیں اُن میں خود بھی عمل کروں اور کافی سرگرمی کا مظاہرہ کروں تاکہ میرا جائزہ لینے والے یہ اندازہ لگا لیں کہ میں نے شکست قبول کر لی ہے اور حالات سے مایوس ہو گیا ہوں۔ پہلے دن کورٹ میں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا لیکن دوسرے دِن بار روم میں باسط رانا سے ملاقات ہو گئی۔ اعجاز مفتی بھی ساتھ تھا۔ اُس نے اپنا چہرہ سپاٹ رکھا لیکن اعجاز مفتی کی آنکھوں میں تمسخر کے آثار نظر آئے تاہم باسط رانا خود ہی میرے پاس پہنچ گیا۔

"کہو شارق کیا ہو رہا ہے؟"

"وہی جو ہوتا رہتا ہے رانا صاحب۔"

"تم سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

"کہیئے... کہیئے۔" میں نے مسکرا کر فاروقی صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اعجاز مفتی تھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا تھا۔

وہ مجھے لیے ہوئے ایک گوشے میں آگئے۔ فاروقی صاحب اور اعجاز مفتی بھی ساتھ تھے۔ جاوید قریشی البتہ آج کورٹ نہیں آئے تھے چنانچہ وہ دفتر ہی میں تھے۔ باسط رانا نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے سارے حالات کا علم ہے۔ کیا شارق کچھ غلطیاں نہیں کی ہیں تم نے؟"

"مثلاً رانا صاحب آپ نشاندہی کیجیے۔"

"میرا خیال ہے ایس۔پی طارق حسین نے اُن گوداموں کو اپنی تحویل میں لے کر یہ سوچا تھا کہ قیصر پرویز کو ختم کر دیا جائے گا لیکن میں نے یہ بات تم سے پہلے کہی تھی اور یقین کرو قیصر پرویز کے وکیل کے ناتے سے نہیں بلکہ قانون کے نکتے سے میں نے تمہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ بعض لوگ بہت طاقتور ہوتے ہیں اور اُن کی طاقت کو تسلیم کر لینا ہی دانش مندی ہے۔"

"ہاں رانا صاحب اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض لوگ کمال کے اختیار رکھتے ہیں۔"

"خاص طور سے قیصر پرویز۔ اب تم دیکھو اصل قیصر پرویز سامنے آگیا اور ایس۔پی طارق حسین صاحب بلاوجہ عتاب کا شکار ہو گئے۔ بہتر تو یہی ہوتا کہ تم پہلے ہی قیصر پرویز کی بات مان لیتے۔ قانون جن معاملات میں خود بے بس ہو جائے اُن میں ہم جیسے کرایے کے لوگ کیا مداخلت کر سکتے ہیں؟"

"آپ کی شاگردی کرنا پڑے گی۔ رانا صاحب ظاہر ہے جو تجربہ آپ کے پاس ہے وہ ابھی پندرہ سال میں بھی مجھے نہیں حاصل ہو سکتا اگر آپ جیسا کوئی راہنما مل جائے تو پھر صورتِ حال کو سمجھنے میں کچھ آسانی ہو جائے گی۔"

"طنز کر رہے ہو ہم پر؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک نقصان اُٹھایا ہے میں نے اب طنز کی کیا گنجائش ہے؟"

"لیکن وقت گزرنے کے بعد بات تمہاری سمجھ میں آئی ہے بلاوجہ اپنے اہلِ خاندان کو بھی ملوث کر لیا۔ خود ہی اگر کوشش کرتے رہتے تو بات شاید اس حد تک آگے نہ بڑھ جاتی۔"

"اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔ اب آپ یہ بتایئے کہ آگے مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

"میاں بس خاموشی سے کان دبا کر وقت گزارو مہینہ پندرہ دن میں قیصر پرویز کا غصہ خود ہی ٹھنڈا پڑ جائے گا۔ اُس وقت کچھ کہا بھی جا سکتا ہے۔ اب تم جو کچھ کر چکے ہو اُس کے نتیجے میں تھوڑی بہت پریشانی تو بھگتنی ہی پڑے گی۔ حالانکہ میں نے پہلے کہا تھا لیکن اُس وقت تو تم جوش میں دیوانے ہو رہے تھے۔ میری بات مان لیتے تو کتنے فائدے میں رہتے مگر ایسی ایسی باتیں کر ڈالیں تم نے کہ میں بھی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ تم نے میری کون سی

• یہ سب کچھ ہی ہے۔

"یہ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ آپ کے دل میں میرے لیے اگر اب بھی برائی ہے تو میں ہر بار آپ سے معافی کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں اور اگر آپ ذہن صاف کر سکیں تو پھر مجھے مشورہ دیں کہ اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے؟" میں نے کہا لیکن رانا کی آنکھوں میں شبہ نا چنا رہا۔ ایک بار چوٹ کھا چکا تھا۔ دوبارہ بھروسا کرنا بے وقوفی کی علامت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا لیکن شاید وہ بھی مجھے اندر سے ٹٹولنے کا خواہش مند تھا اس لیے اُس نے یہ راستہ اختیار کیا تھا۔ کافی دیر تک ہم بیٹھے رہے۔ بالآخر رانا نے طرح طرح سے مجھے ٹٹولنے کی کوشش کی۔ بہت سے ایسے وار بھی کیے ہیں جن پر میں چراغ پا ہو جاتا لیکن میں خاموشی سے اُس کے یہ وار سہہ گیا تھا البتہ فاروقی صاحب بُری طرح برافروختہ تھے لیکن بے چارے کچھ بولنے کے عادی نہیں تھے۔ اس لیے خاموش رہے پھر واپسی میں بھی اُنہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ معاملات اسی طرح چلتے رہے۔ میں نے درحقیقت مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی اور صرف منصوبہ بندیوں پر ہی اکتفا کی تھی۔ ویسے اب یہ
تھی اور صرف منصوبہ بندیوں پر ہی اکتفا کی تھی۔ ویسے اب یہ انداز ہو گیا تھا کہ ان حالات میں شاید قیصر پرویز ہم پر کوئی وار کرنے کی کوشش نہیں کرے گا چنانچہ بے چارے بدر شاہ کو بھی آرام کرنے کی ہدایت کر دی گئی تھی اور اُس کے آدمیوں کو ہٹا دیا تھا البتہ میری کوٹھی پر بدر شاہ کے چار آدمی ضرور متعین تھے اور یہاں اُن کا متعین رہنا بے حد ضروری تھا کیوں کہ میں اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ چند روز کے بعد چچی جان یعنی بیگم فاروقی بھی گھر واپس آگئیں ویسے وہ وہاں بہت خوش تھیں لیکن فاروقی صاحب کی تکلیفوں کا مجھے احساس تھا اور اب وہاں اُن کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں رہی تھی کیوں کہ نوشابہ اور اُس کی ماں وہاں مطمئن تھیں۔ میں اُن سے ٹیلیفون پر ایک دو بار گفتگو کر چکا تھا۔ کوٹھی میں نیلوفر کی شوخیاں جاری تھیں وہ نہ جانے کا عہد کر کے آئی تھیں۔ جاوداں بھی اپنے طور پر مطمئن زندگی گزار رہی ہیں۔ باقی حضرات اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے ایس۔ پی طارق حسین صاحب کے دل پر جو کچھ بیت رہی ہو گی میں جانتا تھا لیکن میں نے اُنہیں اس موضوع پر چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ آئی۔ جی صاحب کی خاموشی بھی بدستور چل رہی تھی اور میرے معمولات بھی بکھر ایک دوپہر کو جب میں فاروقی صاحب کے ساتھ کورٹ سے واپس دفتر پہنچا تو ایس۔ پی بابر جان ہمارا انتظار

کر رہے تھے۔ بابر جان نے ہم دونوں کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا سب سے مصافحہ کیا اور کہنے لگے۔

"چائے میں یہاں سے منگا کر پی چکا ہوں۔ اس لیے آپ لوگ تکلف نہ کریں۔ ہاں بھئی شارق حسین آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ تنہائی ملے گی؟"

"اگر آپ ضروری سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ فاروقی صاحب ....."

"نہیں۔ نہیں میں جانتا ہوں کہ فاروقی صاحب کیا چیز ہیں پھر بھی تھوڑی سی کچھ تنہائی۔"

فاروقی صاحب بے چارے خود ہی آفس سے اُٹھ گئے تھے اور باہر جا کر دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔ بابر جان شکایتی انداز میں بولے۔

"اس کے بعد تو شارق صاحب آپ نے ہمیں اس قابل ہی نہ سمجھا۔"

"نہیں بابر صاحب آپ یہ جانتے ہیں کہ اگر مجھے آپ کی ضرورت پیش آتی تو کبھی گریز نہ کرتا۔"

"بہت ہنگامے ہو چکے ہیں اس دوران۔ بہت سی باتیں ہو چکی ہیں۔ غافل تو ہم بھی نہیں تھے لیکن بس انتظار کر رہے تھے کہ تم خود رابطہ قائم کر کے کچھ بتاؤ۔ اب جب یہ دیکھا کہ تمہاری طرف سے کوئی سلسلہ ہی نہیں شروع ہو رہا تو خود آگئے۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ میرے لیے کس قدر پریشان ہوں گے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ صورتِ حال آپ کے علم میں آچکی ہو گی۔"

"ہاں تھوڑا سا کچھ سمجھا یا بھی تھا تمہیں کہ کام کرنے کے انداز میں ذرا سی تبدیلی پیدا کر لینا اُس شخص کے بارے میں سبھی تقریباً جانتے ہیں اور کوئی اُس کا راستہ کاٹنے کی کوشش نہیں کرتا بہرطور میں نے تمام تفصیلات معلوم کی ہیں۔ یہ بڑے دُکھ کی بات ہے کہ طارق حسین عتاب میں آگئے لیکن خیر یہ سب کچھ تو ہوتا ہی ہے۔ اب یہ بتاؤ تم کیا کر رہے ہو؟"

"ابھی تو عیش کر رہا ہوں۔ ذرا تھوڑی طاقت پیدا کر رہا ہوں بدن میں تاکہ اُس دیو کے مقابلے میں پوری طرح خم ٹھونک کر آجاؤں۔"

"ہوں! تفصیلات تو معلوم کی ہی ہوں گی تم نے؟"

"کوئی خاص تفصیل...؟"

"ہاں کچھ ہیں جو شاید کسی اور ذریعے سے تم تک نہ پہنچ پائی ہوں

ہاں چونکہ اِن دنوں میرا تعلق ایک ایسے شخص سے ہے جو اس معاملے کی کافی معلومات رکھتا ہے اُس نے مجھے تفصیلات بتائی ہیں میں اس لیے تمہارے پاس پہنچا ہوں کہ اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو بتا دوں۔"

"ضرور... ضرور واقعی اِن دنوں مجھے کوئی خاص بات نہیں معلوم ہو سکی۔"

"قیصر پرویز نے تقریباً ہر طرف سے ناکہ بندی کر رکھی ہے اس شخص کے بارے میں پولیس کو تفتیش کی اجازت نہیں دی گئی جو بسر ملزم کی حیثیت سے گرفتار ہوا ہے اور جس نے اُن گوداموں کو اپنے گودام بتایا ہے حالانکہ اصولی طور پر اُس کے بارے میں تحقیقات کی اجازت دی جانی چاہیئے تھی جس کی ہدایت وزارت داخلہ کی طرف سے بھی موصول ہوئی تھیں لیکن بالآخر یہ طے کیا گیا کہ اُسے اس پولیس کی تحویل میں محفوظ رکھا جائے کیوں کہ کچھ لوگ اُس کی زندگی کے خواہاں ہیں۔ باقی اُس کے بارے میں ابھی کسی تفتیش کے لیے منع کر دیا گیا ہے"

"یعنی یہ بھی نہیں معلوم کیا جا سکتا کہ وہ شخص قیصر پرویز کیوں ہے اور اُس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟"

"کچھ بھی نہیں... کوئی اجازت نہیں ہے ہر شخص کو خاموشی اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور وہ آرام سے لاک اپ سے جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے اور جیل میں اُسے ہر طرح کی مراعات حاصل ہیں۔"

"جیل میں...؟" میرے ذہن میں اچانک ایک روشنی سی پیدا ہوئی۔ "جیل میں تو وقار احمد صاحب بھی تھے۔" میں نے اس تجسس کو ذہن میں محفوظ رکھا اور ایس۔ پی صاحب کو خاص طور سے اس جانب متوجہ ہونے نہ دیا۔

"اُس کے علاوہ گودام کھلوا دیے گئے ہیں یعنی جو سرکاری سیل لگی تھی ان پر وہ توڑ دی گئی ہے اور شاید تمہیں یہ سُن کر خوشی ہو کہ اب اگر پولیس اُن گوداموں کی تلاشی لے گی تو اُسے وہاں کچھ بھی نہیں ملے گا سوائے اُس سامان کے جو قانونی حیثیت رکھتا ہے۔"

میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ مُنہ کا مزہ بالکل تلخ ہو گیا۔ میں نے ایس۔ پی بابر جان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"آپ لوگ اس کارروائی سے ذہنی طور پر مطمئن ہیں ایس۔ پی صاحب۔"

"خیر اب یہ گالی مت دو۔ تم بھی یہ گالیاں دو گے تو تم میں اور دوسروں میں فرق کیا رہ جائیگا۔"

میں بابر جان کے اِن الفاظ سے اُن کی ذہنی کیفیت سمجھ گیا تھا چنانچہ میں نے اِس کے بعد اُن سے اِس بارے میں کچھ نہ کہا۔

"تو پھر اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ؟"

"نہیں ایس۔ پی صاحب میں اِس وقت اپنے تمام متعلقین کو محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اگر چاہوں تو قانونی طور پر بہت سے ایسے پوائنٹ نکال سکتا ہوں جن سے کھلبلی مچ جائے گی لیکن اِس میں دوسرے لوگ جو شکار ہوں گے ان کا شکار بننا مجھے ناپسند ہے۔"

بابر جان گردن ہلاتے رہے پھر اُنہوں نے کہا۔

"اِس کے باوجود اگر تم خفیہ طور پر کوئی ذمہ داری میرے سپرد کرنا چاہو تو میں حاضر ہوں۔"

"اگر ضرورت پیش آئی تو آپ کو زحمت دوں گا۔" میں نے کہا۔ بابر جان تھوڑی دیر تک بیٹھے اور اُس کے بعد واپس چلے گئے۔

لیکن جو دو خبریں اُنہوں نے مجھے سنائی تھیں وہ میرے لیے انتہائی تکلیف دہ تھیں۔ یعنی اُس شخص کے بارے میں تفتیش کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اور دوسرا یہ کہ گودام کھلوا دیے گئے تھے اور اب ہمارے لیے کوئی ثبوت نہیں رہ گیا تھا ایک اور خبر بھی ایس۔ پی بابر جان نے مجھے دی تھی وہ تھی قیصر پرویز کے بارے میں تھی کہ وہ جیل پہنچ گیا ہے اور وہ وہاں آرام سے بسر کر رہا ہے۔ میں نے اُس لمحے سوچا تھا کہ وقار احمد صاحب کے ذریعے اُسے لاک اپ سے نکلوا کر اُس کی زبان کھلوائی جائے لیکن یہ بات بھی جانتا تھا کہ قیصر پرویز نے وہ پہلو کمزور نہیں چھوڑا ہو گا۔ بے چارے وقار احمد صاحب بھی خطرے میں نہ پڑ جائیں میرے لیے تو بڑے کارآمد ثابت ہوئے تھے۔ میں اُنہیں اپنی ذات سے کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ سلسلہ ذہن سے نکال دیا اور اُس کے بعد میرے پاس کرنے کے لیے فی الحال کچھ بھی نہیں تھا۔ ہاں اُسی دن میں نے البتہ نگہت شیراز کو اُس کے دفتر ٹیلیفون کیا تھا۔ اُس وقت تو وہ نہ ملی لیکن تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مجھے فاروقی صاحب کے دفتر ہی میں اُس کا ٹیلی فون موصول ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔

"چیف آپ کا ٹیلی فون آیا تھا؟"

"ہاں تم غائب ہوتی ہو تو ایسے غائب ہو جاتی ہو کہ جیسے سر سے سینگ..."

"جی... جی چیف میں سمجھ رہی ہوں۔ فرمایئے کوئی خدمت ہے میرے لائق؟"

"کچھ وہ سے کہہ گئی تھیں تم؟"

"جی پوری کر رہی ہوں۔ کچھ ہاتھ آجائے تو آپ کے پاس پہنچوں نا۔"

"کچھ ہاتھ نہیں آیا؟"

"آنے والا ہے۔ بس یوں سمجھیے دو ایک دن اور لگ جائیں گے۔"

"کوئی اہم بات؟"

"ہو سکتا ہے چیف اہم ہی ہو۔"

"ہوں! بس ذرا خیال رکھنا میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"یس چیف۔" نگہت شیراز نے مستعدی سے کہا۔

اِس سے زیادہ ٹیلی فون پر اُس سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔ تقریباً تین دِن کے بعد نگہت شیراز نے مجھ سے ملاقات کی اور چند اہم اطلاعات مجھے فراہم کیں جو ایک طرح سے غیر متعلق ہی تھیں لیکن بہرطور میرے کام آسکتی تھیں۔ میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور اُس سے کہا کہ وہ کسی مسئلے میں تکلف سے کام نہ لے۔ نگہت شیراز کہنے لگی۔

"نہیں چیف ابھی تو تکلف ہی چلنے دیں۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کو زحمت دوں گی۔"

بہرحال اُسے رخصت کرنے کے بعد میں اُس کی فراہم کردہ اطلاعات پر غور کرنے لگا۔ میں اِن سے اپنے مطلب کی چیزیں نکال رہا تھا۔ پھر میں نے اُن اطلاعات کو محفوظ کر دیا اور اُس کے بعد وہی معمول۔ تقریباً چودہ دن گزر چکے تھے۔ اِن ساری ہنگامہ خیزیوں کو اور اِن چودہ دِنوں میں، میں بالکل صبر سے کام لے رہا تھا۔ کوٹھی کے معمولات میں بدستور وہی کیفیت تھی اور کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ڈیڈی نے بھی مجھ سے اس دوران کوئی رپورٹ طلب نہیں کی۔ جانتے تھے کہ میرے پاس کوئی جادو کا چراغ نہیں ہے کہ میں سب کچھ کر لوں گا لیکن کبھی کبھی اُن کی متجسس نگاہیں، مجھے ٹٹولتی محسوس ہوتی تھیں۔ میں نے البتہ گوداموں کی اور قیصر پرویز کی اطلاع اُنہیں پہنچا دی تھی جس پر وہ دِل مسوس کر رہ گئے تھے بہرطور میں اُن کی بے بسی کو بھی محسوس کر رہا تھا اور جانتا تھا کہ قیصر پرویز کا مسئلہ ختم ہو جائیگا تو شاید اِس کوٹھی میں آئی۔ جی صاحب میرے سب سے بڑے ممنون ہوں گے۔ تقریباً پندرھواں دِن تھا کہ اچانک ہی شوکت جاہ ہانپتے کانپتے میرے پاس پہنچ گئے۔ کہنے لگے۔

"میاں شارق حسین اس وقت آئی۔ جی صاحب تو موجود نہیں ہیں۔ نہ ہی اور کوئی ہے۔ ایک عجیب و غریب ٹیلی فون موصول ہوا ہے۔ میں کیا کہتا؟ کچھ ایسی باتیں کر بیٹھا ہوں جو شاید تم لوگوں کو پسند نہ آئیں لیکن اب کر بیٹھا کیا کروں؟"

"کیا ہوا چچا جان؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے مجھے قیصر پرویز کا ٹیلی فون موصول ہوا تھا۔" شوکت جاہ نے کہا اور میں بھی اچھل پڑا۔

"قق... قیصر پرویز کا؟"

"ہاں خاص طور سے مجھ سے بات کرنا چاہی تھی انہوں نے ایک ملازم نے مجھے اطلاع دی تو میں ٹیلی فون پر پہنچ گیا۔"

"ہوں! کیا کہہ رہے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"ملنا چاہتے ہیں۔ کہنے لگے کہ شام کی چائے ہمارے ہاں پیئیں گے۔ اِسکے علاوہ احمد کمال کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ احمد کمال سے ابھی تین چار دِن قبل مجھ سے ملاقات کی تھی اُس کے بعد اُن سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے اس بات سے لاعلمی کا اظہار کیا کہ وہ گھر پر موجود ہیں یا نہیں۔ تب انہوں نے کہا کہ وہ مجھ سے ہی نہیں۔ آئی۔ جی صاحب سے بھی ملنا چاہتے ہیں اور اگر ہمیں ناگوارِ خاطر نہ ہو تو شام کی چائے ہمارے ساتھ پئیں۔ میں نے بادلِ نخواستہ انہیں چائے کی دعوت دے ڈالی۔ بتاؤ کیا کرتا؟"

"نہیں... نہیں میرے خیال میں آپ نے ٹھیک کیا.... وہ شام چائے پر آرہا ہے۔"

"ہاں اُس نے کہا ہے کہ وہ چھ بجے پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے اُسے آنے دیں۔"

"مگر کہیں ایسا نہ ہو کہ عطرت حسین...."

"نہیں میرا خیال ہے ایسی کوئی بات نہیں ہوگی یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ ہمارے ہاں آرہا ہے۔ کچھ نہ کچھ تو بات آگے بڑھے گی۔"

شوکت جاہ گہری گہری سانسیں لینے لگے پھر آئی، جی صاحب آگئے اور پانچ بجے تک باقی حضرات بھی، میں نے اور شوکت جاہ نے ساری تفصیل اُنہیں بتا دی۔ آئی، جی صاحب نے بھی اِس سلسلے میں کوئی خاص مخالفت نہیں کی تھی۔ بیرسٹر امجد حسین، طارق حسین اور نصرت حسین سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ قیصر پرویز کی یہاں آمد کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اُس کے بعد اہتمام کیا گیا اور شام کی چائے کا بندوبست لان پر ہی کر لیا گیا۔ ٹھیک چھ بجے قیصر پرویز کی شاندار

کار آشیانے میں داخل ہو گئی۔ ہم سبھی اُس کے منتظر تھے۔ خواتین کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ باہر نہ آئیں۔ قیصر پرویز کے ساتھ مسعود پرویز بھی نیچے اُترا تھا۔ دونوں بہت اعلیٰ درجوں کے سوٹوں میں ملبوس تھے۔ آئی۔ جی صاحب نے اور شوکت جاہ نے دونوں کا استقبال کیا۔ ہم لوگ وہیں میزوں کے قریب کھڑے رہے تھے چنانچہ قیصر پرویز نے آگے بڑھ کر ہم سے مصافحہ کیا تھا۔ خاص طور سے میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے دباتے ہوئے اُس نے کہا۔

"صاحب زادے تم سے مل کر واقعی دلی خوشی ہوتی ہے لیکن افسوس تم نے ملنے کا انداز بہتر نہ رکھا۔ بہرطور آج ہاتھ مل گیا ہے تو اب دل بھی مل جائیں گے۔"

مسعود پرویز نے بھی بڑے بھونڈے انداز میں ہم سب سے مصافحہ کیا تھا۔ اُس کے جسم سے خوشبو کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں اور وہ اپنے آپ کو بڑا دلکش بنا کر یہاں پہنچا تھا۔ انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کی پیش کش کی گئی اور قیصر پرویز کرسی پر بیٹھ گیا۔

"دراصل نام ہی کے سہی، مسلمان تو ہیں۔ سوچا کہ کب تک دِلوں میں یہ رنجشیں برقرار رکھی جائیں۔ چنانچہ اپنے مذہبی ہونے کا ثبوت دینے کے لیے ہم خود ہی چھوٹے بن کر یہاں پہنچ گئے کیا خیال ہے آپ حضرات کا؟"

"آپ کی آمد کا شکریہ قیصر پرویز صاحب۔" شوکت جاہ نے کہا۔

"بھئی ایک بار پھر کمال احمد کا تذکرہ سامنے آیا ہے آخر یہ کمال اپنی فیملی کے ساتھ کہاں غائب ہو گئے؟"

"تعجب کی بات ہے آپ کا ٹیلی فون موصول ہونے کے بعد میں نے بھی اُن کی کوٹھی سے رابطہ قائم کیا تو جانتے ہیں کیا علم ہوا؟"

"کیا...؟"

"پتا چلا کہ وہ تو کافی عرصے سے غائب ہیں۔"

"ہاں مجھے بھی یہی اطلاع ملی ہے مگر آپ کہہ رہے تھے شوکت جاہ کہ آپ کی اور اُن کی ملاقات چار پانچ دِن پہلے ہوئی تھی۔"

"دونوں باپ بیٹی تھے اور کافی دیر میرے ساتھ رہے لیکن انہوں نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ اپنی کوٹھی سے غائب ہیں میں خود حیران ہوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہوئی۔ کوئی ایسا تذکرہ تو ہونا چاہیئے تھا جس سے ہمیں یہ پتا چل جاتا کہ وہ اِن دِنوں اپنی کوٹھی میں نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے شہر کے کسی دوسرے حصے میں منتقل ہو گئے ہوں یا کسی پہاڑی مقام پر جانے کا ارادہ کر لیا ہو لیکن طریقہ کار عجیب ہے کیوں عطرت حسین صاحب؟ آپ سے تو اِس بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی؟"

"بالکل نہیں میری تو ملاقات بھی آپ کے ذریعے ہی ہوئی تھی بھائی۔" آئی۔ جی صاحب نے جواب دیا۔

"بہرحال پتا چل جائے گا جائیں گے کہاں لیکن وہ عجیب سے انداز میں غائب ہو گئے ہیں۔ خیر اچھے آدمی ہیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے ہر شخص کے اپنے اپنے مشاغل ہیں۔ کوئی پابندی تو نہیں لگائی جا سکتی کسی پر۔" قیصر پرویز نے کہا۔ بڑی مکاری جھلکتی تھی اُس کے الفاظ سے۔

مسعود پرویز بالکل خاموش اور شرمائے شرمائے سے بیٹھے تھے۔ قیصر پرویز چند لمحات کے بعد بولا۔

"ارے بھئی باقی لوگ کہاں چلے گئے؟ کیا ہم سے خواتین کا پردہ کرایا جا رہا ہے؟ آپ کے ہاں کی خواتین پردہ تو نہیں کرتیں آئی۔ جی صاحب۔" اِس بار قیصر پرویز نے آئی۔ جی صاحب کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"جی ہاں پردہ تو نہیں کرتیں لیکن ہر ایرے غیرے کے سامنے بھی نہیں آتیں۔" آئی۔ جی صاحب سرد لہجے میں بولے اور قیصر پرویز ہنس پڑا۔

"ٹھیک کہا آپ نے ابھی تو ہم ایرے غیرے ہی ہیں لیکن اِسی چکر میں آئے ہیں کہ اب ایرے غیرے نہ رہیں۔"

آئی۔ جی صاحب بھویں اُٹھا کر قیصر پرویز کو دیکھنے لگے۔ میں خاموشی سے اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ کمبخت نے اِس طرح آنکھوں پر ٹھیکرے رکھ لیے تھے کہ یقین نہیں آتا تھا پھر اُس نے شوکت جاہ کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"شوکت جاہ آپ سے براہِ راست تعارف نہیں ہے لیکن دوستی کا قدم بڑھانے سے ہی بڑھتا ہے اتفاق کی بات یہ ہے کہ اِس آشیانے میں جس کا بورڈ ہم نے باہر دیکھ لیا ہے ہمارے لیے نہ جانے کیوں نفرتیں پھیل گئی ہیں ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی انسان خطاؤں سے دُور ہے۔ کہیں نہ کہیں غلطی ہو جاتی ہے اب کیا بتائیں آپ سے شوکت جاہ سختیاں بھی ہمارے ساتھ ہوئی ہیں اور اِس طرح ہوئی ہیں کہ لوگوں کے دِل جانتے ہوں گے لیکن ہم صاحبِ ظرف ہیں اور بالآخر جیسا کہ بُرائیاں دُور کرنے کے لیے ہم نے یہ قدم آگے بڑھا دیا اور اِس سلسلے میں سچ جانیں کہ ہم سے زیادہ مسعود پرویز کی کوششوں کو دخل ہے۔ کئی دن سے پیچھے

پڑا ہو ا تھا کر ڈیڈی کیا چکر چلا رہا ہے آپ لوگوں نے میں تو اُس خاندان سے دوستی کرنا چاہتا تھا اور آپ نے بلاوجہ دشمنی کی بُنیاد ڈال دی میں نے انہیں بتا دیا کہ بھئی میری طرف سے کچھ نہیں ہوا جو کچھ کیا گیا ہے دوسری طرف سے غلط فہمی کی بنا پر کیا گیا ہے اب تم ہی بتاؤ کہ میں اِس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں تو کہنے لگا کہ اُن لوگوں کی جانب دوستی کا قدم بھی آپ ہی کو بڑھانا ہے۔"

"ہوں! بہرطور یہ دُشمنی اور دوستی کے معاملات میری ذات سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ آپ کی مجھ سے کوئی دشمنی ہے قیصر پرویز صاحب؟" شوکت جاہ نے سوال کیا۔

"نہیں۔ آپ سے بالکل نہیں ہے لیکن دوستی کا ذریعہ آپ ہی کو بنانا چاہتے ہیں۔ ذرا تم اُس طرف چلے جاؤ مسعود پرویز بچوں کو بڑوں کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیئے" مسعود پرویز ہنستا ہوا دُور جا نکلا تھا اور میں دفعتاً ہی چونک کر سنبھل گیا تھا۔ مجھے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ قیصر پرویز کیا کہنا چاہتا ہے۔ قیصر پرویز نے شوکت جاہ صاحب سے کہا۔

"اُس دن کمال احمد کے ہاں آپ کی فیملی سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ میرے ہاں کی بھی کچھ بچیاں شامل تھیں اور میری بیگم بھی تھیں۔ دراصل آپ کی بچی کے بارے میں کچھ عجیب سے تصورات لے کر گئے تھے ہم لوگ۔ بہت ہی پیاری بچی ہے ہم تو اِس توقع میں تھے کہ اِس بار بھی وہ نظر آئے گی کیوں کہ میں نے اُس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن آئی۔ جی صاحب کی کوٹھی میں بہرطور کچھ اصول اور کچھ قواعد ہیں میں کسی اُصول کو توڑنا نہیں چاہتا تو شوکت جاہ، مسعود پرویز آپ کی بچی کی جانب مائل ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہمارے تمام غلط تصورات ختم ہو جائیں اور ہم اِن راستوں پر چلتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آجائیں اور ظاہر ہے اِس سلسلے میں آئی۔ جی کے بغیر کوئی قدم اُٹھایا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔"

شوکت جاہ کا چہرہ ایک لمحے کے لیے تاریک ہو گیا تھا اُنہوں نے آئی۔ جی کی طرف دیکھا اور آئی۔ جی صاحب جلدی سے بولے۔

"لیکن قیصر پرویز صاحب ہم نے تو سنا تھا کہ آپ کے بیٹے کا رشتہ کمال احمد کی بیٹی انیلا سے طے ہے۔"

"ہاں بھئی طے تو تھا لیکن اوّل تو آپ یہ دیکھیئے کہ کمال احمد کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہے۔ کم از کم اِن تمام معاملات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کچھ بتانا تو چاہیئے تھا ہمیں اور پھر اچھا ہی ہوا کہ کمال احمد نے خود ہی کنارہ کشی اختیار کی کیونکہ ... انیلا کی بجائے اُس بچی کیا نام ہے اُس کا شاید جاوداں، ہاں تو اُس کی جانب متوجہ ہے اور میں آپ سے یہ عرض کر دوں شوکت جاہ کہ میرا بیٹا میرے لیے بہت ہی پیارا ہے یوں سمجھ لیجیے کہ میں اُس کی صورت دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگوں نے مجھ سے اُس کے بارے میں کچھ اُلٹی سیدھی باتیں کیں تو میں برداشت نہ کر سکا یہ باقاعدہ رشتہ نہیں ہے بلکہ میں نے یوں سمجھ لیجیے کہ آپ کا جائزہ لینے کے لیے یہ قدم اُٹھایا ہے اور اگر آپ کی طرف سے اجازت پاؤں گا تو اِس کے بعد خواتین کے ساتھ باقاعدہ آؤں گا۔ میں نے صرف یہ سوچا کہ کہیں خواتین کو اِس معاملے میں ملوث کر کے اگر مُنہ کی کھانی پڑی تو اُن کے سامنے بھی بے عزّتی ہو جائے گی۔"

"نہیں قیصر پرویز صاحب اِس میں بے عزّتی کی بات نہیں ہے آپ نے شریفانہ طور پر ایک قدم اُٹھایا ظاہر ہے اس کے بعد ہمیں بھی سوچنے کا موقع دیا جائے گا۔" شوکت جاہ کی بجائے آئی۔ جی صاحب بولے اور میں سرد نگاہوں سے آئی۔ جی صاحب کو دیکھنے لگا۔

"بالکل ... بالکل بہت اچھی بات ہے یہ کم از کم لہجے کی نرمی اِس بات کا اظہار کرتی ہے کہ یہاں لچک موجود ہے۔"

"معاملہ شوکت جاہ کی بیٹی کا ہے اور اِس سلسلے میں فیصلہ کرنے کا حق شوکت جاہ ہی کو ہے لیکن چوں کہ وہ میرے دوست ہیں اور میرے ہاں مقیم ہیں اس لیے کسی معاملے میں اُن کی مدد کرنا میرا فرض بھی ہے۔" آئی۔ جی صاحب نے کہا۔

"بھئی بہت خوب شوکت جاہ ہمیں یقین ہے کہ آپ اِس نئے رشتے کے بارے میں غور کریں گے اور ہمیں اپنا شکر گزار ہونے کا موقع دیں گے" شوکت جاہ کی تو زبان ہی بند ہو گئی تھی۔

میں سب کے چہروں پر تلملاہٹ دیکھ رہا تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اِن لوگوں کا بس چلے تو قیصر پرویز کو اسی جگہ ہلاک کر دیں، لیکن قیصر پرویز کے انداز میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی بہرطور اُس کے بعد چائے کا دور چلا۔ قیصر پرویز نے کئی بار اِس بات کا اظہار کیا تھا کہ خواتین کو اُس کے سامنے لے آیا جائے لیکن آئی۔ جی صاحب نے اِس بات پر کوئی توجہ نہیں دی۔ آخر میں قیصر پرویز نے کہا۔

"بھئی ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو آپ لوگ ضرور ہمیں بتا دیں۔ ویسے شوکت جاہ ہم نے جو درخواست آپ سے کی ہے اُس کا جواب بھی ہمیں جلد از جلد درکار ہو گا۔ اِس وقت نہ سہی دوسری ملاقات میں سہی اور ہاں کچھ ایسے معاملات بھی ہو چکے

ہیں جو یقیناً آپ کو ناگوار گزرے ہوں گے خاص طور سے یہ صاحب زادے جن کا نام طارق حسین ہے کچھ زیادہ ہی مجھ سے بدظن ہو گئے تھے۔ میاں دُنیا میں رہنا سیکھو۔ دُنیا میں رہنے کے ڈھنگ ذرا مختلف ہیں ہر جگہ جوش اور جذبات سے کام نہیں چلتا۔ نیکیاں کرنے کو کس کا جی نہیں چاہتا لیکن وقت اِس کی اجازت تو دے؟"

"آپ نے ٹھیک کہا قیصر صاحب۔" میں نے کہا اور آئی۔ جی صاحب چونک کر میرا چہرہ دیکھنے لگے لیکن کوئی کچھ نہ بولا تھا۔ تب قیصر پرویز نے طارق حسین کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"سُنا ہے طارق حسین تم اپنے عہدے سے معطل ہو گئے ہو یا شاید تمہیں ہیڈ کوارٹر طلب کر لیا گیا ہے؟"

"جی ایسا ہی ہوا ہے۔"

"بھئی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ سارا مسئلہ حل ہو جائے گا لوگوں کا خیال ہے کہ ہماری دُعائیں تیر بہدف ہوتی ہیں اور بہت سوں کا بھلا ہو جاتا ہے ہماری دُعاؤں سے۔ دُعا کریں گے تمہارے لیے بھی، بہت اثر ہے ہماری دُعاؤں میں بھی۔"

"بہت بہت شکریہ۔" ایس۔ پی طارق حسین نے زہریلے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر اجازت ...، تو شوکت جاہ دوسری ملاقات آپ سے کم از کم کب کر لی جائے؟"

"مجھے کچھ وقت دیجیے" شوکت جاہ بھرّائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"ٹھیک ہے آپ ہمیں مطلع کر دیجیے ویسے اب آپ لوگوں سے رابطہ رہے گا۔" قیصر پرویز نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ رخصت ہو کر چل پڑا اور جب اُس کی کار کوٹھی کے کمپاؤنڈ سے باہر نکل گئی تو سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ بیرسٹر نصرت حسین نے کہا۔

"ڈیڈی اِس سے زیادہ ذلیل کیا جا سکتا ہے کسی کو؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"کیا وہ ہمیں گالیاں دے کر نہیں گیا ہے؟"

"ہاں اُس نے ہمیں گالیاں دی ہیں۔"

"اور آپ نے اُس کے ساتھ ..."

"اوہ بھئی یہ ضروری تھا تمہارا کیا خیال تھا لڑنا شروع کر دیا جاتا اُس سے یہاں پر!"

[illegible] دیا گیا کیا بہتر ہے۔"

"اب [illegible] نہیں جانتا ظاہر ہے ایک

[illegible] بات کی تھی اُس نے اور اُس کا فوری جواب ممکن نہیں تھا۔ ویسے شوکت جاہ مجھے معاف کرنا یہاں آکر اور اِس کوٹھی میں رہ کر تمہیں بھی بہت بے عزتی برداشت کرنا پڑی ہے۔"

"نہیں عظمت حسین ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر میرا خیال ہے یہ شخص لاعلاج ہے اور اس کے علاج کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی۔"

"ہوں! بہرطور دیکھیں گے کیا کیا جا سکتا ہے۔" آئی۔جی صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

بیرسٹر نصرت حسین اور دوسرے تمام لوگ خاموش تھے۔ تب آئی۔جی صاحب میری طرف دیکھ کر بولے۔

"تم کیا کر رہے ہو ابھی تک تم نے اس بارے میں کوئی رپورٹ نہیں دی مجھے؟"

"کیا رپورٹ دے سکتا ہوں ڈیڈی فرمائیے۔ آپ نے خود اندازہ لگا لیا کہ اُس نے اپنے تمام راستوں پر دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں، کہیں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہ رپورٹ تو آپ کو پیش کر چکا ہوں کہ تمام گودام کھول لیے گئے اور اُن سے وہ سامان غائب کر دیا گیا جو قابلِ گرفت تھا۔ اِس کے علاوہ اُس شخص کے خلاف تحقیقات کے راستے بند کر دیے گئے اب آپ مجھے بتلایئے کہ مجھے کون سے راستوں سے آگے بڑھنا چاہیئے۔"

"تو کیا تم اِس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔"

"ڈیڈی اب صرف ایک آپریشن کرنا ضروری ہے۔ آپریشن کے بغیر اِس مرض کا علاج نہیں ہو سکتا۔"

"کیسا آپریشن؟"

"ناسور اگر ناقابلِ برداشت ہو جائے تو پھر اُس کا کٹ جانا بہتر ہوتا ہے۔"

"یعنی اُسے قتل کر دو گے؟"

"نہیں ڈیڈی میں قتل نہیں کروں گا اُسے لیکن اگر وہ کہیں مارا جائے تو آپ مجھے الزام نہیں دیں گے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن اِس کا الزام ہم پر آئے گا اِس بات کو ذہن میں رکھنا۔ وہ بے وقوف نہیں ہے اُس نے اپنے یہ راستے بھی بقول تمہارے چوکس رکھے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے ڈیڈی اب میں دیکھتا ہوں کیا کیا جا سکتا ہے؟"

میں نے کہا اور اُس کے بعد شوکت جاہ سے بولا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں آپ کو جو ذہنی صدمہ پہنچایا گیا ہے وہ صرف آپ کے لیے نہیں ہم سب کے لیے ہے اور اس کا حساب قیصر پرویز کو بھرپور طریقے سے دینا ہوگا۔ میں آج یہ کہتے ہوئے عار نہیں محسوس کرتا جناب آئی۔جی۔ جناب بیرسٹر صاحب جناب جج صاحب اور جناب ایس۔پی صاحب کہ میں نے یہ سارا مسئلہ آپ کے سپرد اس لیے کر دیا تھا کہ آپ اپنے کو آپ آزمانا چاہتے تھے۔ معاف کیجیے گا محترم ڈیڈی آپ نے ہمیشہ مجھے تلخ نگاہوں سے دیکھا ہے اور یہ سوچا ہے کہ میں جن راستوں پر آگے بڑھ رہا ہوں وہ نامناسب ہیں۔ جج صاحب، بیرسٹر صاحب اور ایس۔پی صاحب نے بھی اِسی انداز میں سوچا ہے لیکن میں نے اپنے لیے ایک الگ طریقۂ کار منتخب کیا ہے وہ طریقۂ کار جس میں بخت بیدار کے لیے مناسب سزا تجویز کی گئی۔ اُس نے بیوادوں کو بے گناہ ستایا تھا اور آپ تمام حضرات نے بخت بیدار کی مدد کی تھی اس سلسلے میں نصرت حسین صاحب اپنی آنکھیں میرے سامنے نہ اٹھا پائیں گے جنھوں نے بخت بیدار کو وقت سے پہلے ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی اور اپنا ایک خط اُس تک پہنچایا تھا کہ وہ مجھ سے ہوشیار رہے ایک مجرم کی مدد کرنے کی کوشش کی گئی تھی، ایک بے گناہ کی آہ کے مقابلے میں، اور ڈیڈی میں نے ہمیشہ یہ عرض کیا کہ میرا طریقۂ کار ذرا مختلف ہے لیکن مجھے آشیانے سے باہر نکال دیا گیا بہرطور ضرب براہِ راست ہم تک پہنچی ہے اور آپ سب اپنی کاوشیں کر کے یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ آپ کے طریقۂ کار غلط ہیں چنانچہ اب فیصلہ میری عدالت میں پہنچ گیا ہے اور اب جو بھی فیصلہ ہوگا وہ میری عدالت میں ہوگا۔ معافی چاہتا ہوں چچا جان چند روز آپ سے نہ مل سکوں گا اُس وقت تک جب تک میری عدالت اپنا صحیح فیصلہ نہ سُنا دے گی۔" میں جذباتی ہو گیا تھا، چنانچہ میں فوراً واپس پلٹا شوکت جاہ نے ہاتھ اُٹھایا۔ آئی۔جی صاحب نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن میں نے کسی کی نہ سُنی اس وقت اچانک ہی طبیعت پر ہیجان سوار ہو گیا تھا اور یہ ہیجان کچھ کرنے کے بعد ہی ختم ہو سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میری کار وہاں سے باہر نکل آئی اور اب میں فاروقی صاحب کی رہائش گاہ کی جانب جا رہا تھا۔ ذہن عجیب و غریب خیالات میں ڈوبا ہوا تھا جو کچھ کرنا تھا اب اُس کا صحیح وقت آگیا تھا اور اب مصلحتوں کو سامنے نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

فاروقی صاحب کا گھر میرے لیے ایک ایسی جائے پناہ تھا جہاں تمام ذہنی اُلجھنیں رفع کرنے کے لیے آیا جاتا تھا۔ ان کے دل میں میرے لیے بزرگانہ شفقت بھی تھی ان کے اندر اور وہ تمام تعاون بھی جسے پیشہ ورانہ کہا جا سکتا ہے۔ بہرطور ان جذباتی لمحات میں فاروقی صاحب کے گھر کا رُخ کرنے کا مطلب بھی یہی تھا کہ میں خود کو ذہنی سکون دینا چاہتا تھا۔ انہوں نے معمول کے مطابق میرا خیر مقدم کیا تھا۔ میں فاروقی صاحب کے سامنے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ وہ اب میرے مزاج شناس بھی بن گئے تھے اور اندازہ لگا لیتے تھے کہ کس وقت کس حیثیت میں ہوں چنانچہ اس وقت بھی وہ خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے اور میرے بولنے کا انتظار کرتے رہے تھوڑی دیر بعد جب میں جذباتی کشمکش سے نکلا تو میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی، فاروقی صاحب بھی مسکرا دیے۔

"بھئی کیا خدمت کریں؟" انہوں نے کہا۔

"اتنی دیر سے آپ خدمت ہی تو کر رہے ہیں اور میں شرمندہ ہوں کہ دُنیا سے کوئی جھگڑا ہوتا ہے میرا۔ تو غصے میں ڈوبا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔"

"پتا نہیں زندگی میں کون سا نیک کام کر ڈالا تھا جس کے نتیجے میں یہ سرفرازی نصیب ہوئی مجھے۔" میں مسکرا کر فاروقی صاحب کو دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"معلوم ہے کہ وہ کمینے انسان ہمارے گھر پہنچ گئے تھے۔"

"کون وہ قیصر اور مسعود پرویز؟" تمہارے گھر وہ بھی ان حالات کے باوجود؟

"جی ہاں۔ ہمیں یہ احساس دلانے کے لیے کہ ہم ہار گئے ہیں اور اب وہ اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دے کر ہم سڑک پر پڑے ہوئے انسانوں کو اٹھا کر اپنے بستر پر رکھنا چاہتا ہے۔"

"مطلب...؟ جلدی سے بتاؤ بڑی دلچسپ اور پُرتجسس بات کہی ہے تم نے۔"

"جی بے چارے کمال صاحب صرف اس لیے ملک چھوڑ کر چلے گئے کہ ان سے غلطی ہو گئی تھی اور وہ نادانستگی میں اس کے بیٹے سے اپنی بیٹی کا رشتہ طے کر چکے تھے اور جب اس کی اصلیت سامنے آئی تو انہوں نے ہمت ہار دی اور یہاں سے نکل بھاگے اور کسی گمنام گوشے میں جا کر فروکش ہوئے۔ تاکہ وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ ایک شریف آدمی اپنی عزت بچانے کے لیے اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے فاروقی صاحب! اور اب وہ شخص ہمارے ہاں پہنچا ہے ایک اور شریف آدمی کی عزت اُچھالنے کے لیے۔"

"کس کی؟" فاروقی صاحب متحیرانہ لہجے میں بولے۔

"میرے عزیز محترم شوکت جاہ صاحب کی۔ اپنے بیٹے مسعود کے لیے ان کی بیٹی جاودان کا رشتہ چاہتا ہے اور جاودان ایک ایسی لڑکی ہے جس نے اپنی شخصیت کی بناء پر مجھے متاثر کیا اور میں نے اسے بہن بنا لیا ہے۔" فاروقی صاحب سنسنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"یہ واقعہ کب پیش آیا؟"

"آج ہی ان حالات سے نمٹنے کے بعد واپس آ رہا ہوں آشیانے میں رہنے والوں کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ کتنا اُچھلتے تھے وہ۔ کتنی اُونچی اُونچی باتیں کرتے تھے لیکن ایک معمولی سے انسان کی طاقت کا جھٹکا برداشت نہیں کر سکے اور اب بیٹھے ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ رہے ہیں۔ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کیا اب کوئی ذریعہ باقی رہ گیا ہے جس سے قیصر پرویز کی قوت کو ختم کیا جا سکے۔" فاروقی صاحب گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ چند لمحات کے لیے مکمل خاموشی چھا گئی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"گویا آئی۔جی صاحب نے...؟" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"جی۔ شکست مان لی ہے ان لوگوں نے...!"

"ہوں! تو اب کیا ارادہ ہے شارق میاں؟" انہوں نے پوچھا۔ میں پُرخیال انداز میں ان کی صورت دیکھتا رہا پھر ان سے کہا۔

"مجھے اب اپنا کھیل شروع کرنا ہے اور یہ بات میں نے ان سے کہہ دی ہے۔"

"یعنی آئی۔جی صاحب سے؟"

"جی ہاں۔"

"لیکن میرے ذہن میں کچھ الٹے خیالات آ رہے ہیں شارق۔"

"تو یہاں پہنچنے کی اور وجہ کیا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ آپ سے گفتگو کرنے کے بعد میرے ذہن میں ہمیشہ روشن راستے پیدا ہو جاتے ہیں۔"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ کیا اب وہ قانون کی گرفت میں لایا جا سکتا ہے۔ اس کے سامنے تمام لوگ موجود ہیں اور وہ جانتا ہے کہ اس کے مدِمقابل ایسے افراد ہیں جن کا تعلق ہر محکمے سے ہے اور وہ ان سب سے لڑ رہا ہے اس لڑائی میں وہ بے شک اپنے آپ کو کامیاب تصور کرتا ہے لیکن جس قسم کا وہ انسان ہے شارق میاں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کسی بھی لمحے غیر محتاط نہ ہوگا اور اس چکر میں رہے گا کہ کسی سمت سے اس پر وار کیا جائے تو وہ سمت

محفوظ ہونی چاہیے۔ میرا مطلب ہے اسے قانون کے جال میں لانا مشکل ہو جائے گا کیونکہ وہ قانون سے پوری طرح کھیل رہا ہے اور بقول شخصے اس نے قانون کو فٹبال بنا رکھا ہے۔ ان حالات میں تم کیا کرو گے؟" نجانے کیوں میرے اندر ایک نفرت کی لہر بیدار ہو گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت میرا حلیہ کیسا ہو رہا تھا، لیکن میں نے فاروقی صاحب کو چونک کر خود کو دیکھتے ہوئے دیکھا البتہ میرے حلق سے غراہٹ میں یہ آواز نکلی تھی۔

بخت بیدار نے بھی تو اپنے اردگرد مضبوط خول بنا لیے تھے۔ لیکن وہ بھادوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔"

"کک۔۔ کیا؟" فاروقی صاحب چونک پڑے۔

"جی، بھادوں کے ہاتھ بیرسٹر نصرت حسین نے بخت بیدار کو پہلے سے ہوشیار کر دیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ اس کے گرد جال بچھایا جا رہا ہے لیکن بھادوں۔ بخت بیدار کا قاتل ثابت ہوا اور وہ آج بھی جیل میں سکون کی زندگی گزار رہا ہے۔"

"بھادوں۔۔ بھادوں۔۔ مگر۔۔ یہ کیسے ممکن ہوا؟"

"بالکل اس طرح جس طرح اب قیصر پرویز کے لیے ایک نیا جال تیار ہو گا۔" فاروقی صاحب تھکی تھکی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد انہوں نے پھر مجھ سے سوال کیا۔

"مگر کیسے؟ کیسے؟ شارق مجھے بتاؤ تو سہی!"

"معافی چاہتا ہوں فاروقی صاحب۔ میں ذہنی طور پر شاید صرف ایک وکیل یا ایڈووکیٹ نہیں۔ میں شاید قانون کا کھیل کھیلنے کو بھی اپنی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز نہیں بناتا۔ میرے ذہن میں جب کسی مجرم کا تصور آتا ہے اور مجھے یہ علم ہوتا ہے کہ وہ اصل مجرم ہے اور کوئی بے گناہ جیل کی کوٹھری میں سڑ رہا ہے تو اس مجرم سے میری ذاتی دشمنی ہو جاتی ہے اور اس ذاتی دشمنی کو پہلے میں قانون کے راستے پر لے جاتا ہوں تاکہ قانون شکن ز کھلائی اور جب میں دیکھتا ہوں کہ قانون اپنے کچھ لگے بندھے اصولوں کی بنا پر اس کے لیے بے ضرر ہو جاتا ہے تو میرے دل میں ایک نفرت کا پودا پروان چڑھنے لگتا ہے اور۔۔۔ اور پھر میں ہر اس انداز کو اختیار کر لیتا ہوں جو قانونی ہو یا غیر قانونی لیکن اس بڑے شخص کے لیے موت کا پھندا بن جائے۔ چنانچہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ میں ذہنی طور پر صرف وکیل نہیں ہوں بلکہ میں ایک جلاد بھی ہوں۔ ایک فیصلہ کرنے والا بھی ہوں اور۔۔۔ اور میں اپنے اللہ سے معافی چاہتا ہوں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ مجھے غیبی امداد حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ میرے راستے بنتے چلے جاتے ہیں۔ میں قانون بن جاتا ہوں فاروقی صاحب۔ میں سزا بن جاتا ہوں۔ فیصلے مجھے کرنا ہوتے ہیں۔ اور اس وقت بھی اس کا فیصلہ مجھے ہی کرنا ہے۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ فاروقی صاحب سحر زدہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے تھے۔ پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ فاروقی صاحب خاموش رہے تھے۔

"شاید میں کچھ زیادہ بول گیا ہوں اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔"

"بولتے رہو۔۔۔ بولتے رہو۔ تمہارے دل کی بھڑاس نکل جائے گی۔"

"نہیں میرے دل کی بھڑاس اس طرح کبھی نہیں نکلتی، میرے دل کی بھڑاس نکلنے کا ذریعہ کچھ مختلف ہی ہے۔"

"خیر کچھ پلواؤں؟"

"کافی پلوا دیجیے۔ اگر ممکن ہو سکے تو۔"

"بالکل ممکن ہو سکتا ہے۔" فاروقی صاحب اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ان سے اپنے دل کی بھڑاس نکال دینے سے واقعی ذہن کچھ پرسکون ہو گیا تھا اور جب ذہن پرسکون ہو جاتا ہے تو سوچنے کے لیے وقت مل جاتا ہے اور ان کے مکان میں آج رات گزار کر میں صرف مستقبل کے لیے فیصلے ہی کرنا چاہتا تھا۔ کافی پیتے ہوئے میں ان سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا رہا اور پھر میں نے ان سے کہا کہ یہ رات میں یہیں گزاروں گا۔

"تو اس میں کہنے کی کیا بات ہے؟"

ادھر فاروقی صاحب نے مجھے بیڈ روم میں پہنچا دیا اور میں بستر پر دراز ہو گیا۔ میرا ذہن مختلف منصوبوں کے جال بن رہا تھا۔ اب اس میں وہ تیزی اور تندی نہیں تھی بلکہ ذہانت اور فراست پیدا ہو گئی تھی۔ میں ایسے راستے نکال لینا چاہتا تھا جن کے ذریعے قیصر پرویز کی گردن دبوچ سکوں اور میرے ذہن کی رسائی دور دور تک ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی کچھ منصوبے ذہن میں تھے اور میں نے سوچا تھا کہ بہتر ہے ان منصوبوں کی تکمیل نہ کرنی پڑے اس لیے ابھی تک مختلف طریقوں سے کوششیں بھی کر رہا تھا اور آشیانے والوں کو مہلت بھی دے رکھی تھی لیکن اب وہ سب لٹکے ہوئے چہرے میرے سامنے موجود تھے چنانچہ مجھے وہی عمل کرنا تھا جس کا فیصلہ میں نے پہلے کیا تھا۔ نجانے رات کے کون سے پہر تک جاگتا رہا اور نجانے کیسے کیسے فیصلے کیے میں نے اور ان فیصلوں کے تحت بہرحال دوسری صبح کا آغاز ہوا تھا۔ فاروقی صاحب نے تو تمام ہی انتظامات کر ڈالے تھے۔ انہوں نے

ناشتا بھی تیار کیا۔ چچی جان ان لوگوں کے ساتھ تھیں۔ ایک دفعہ واپس آنے کے بعد وہ میری کوٹھی میں چلی گئی تھیں کیونکہ نوشابہ اور اس کی ماں انہیں بہت پسند آئی تھیں اور چچی جان ان کے ساتھ رہ کر خوش رہتی تھیں۔ چنانچہ فاروقی صاحب نے اجازت دے دی تھی۔ ہم دونوں نے مل کر ناشتا کیا۔ ناشتے کی میز پر وہ مجھ سے کہنے لگے۔

"یقینی طور پر تم نے اس سلسلے میں کچھ انتظامات کر لیے ہوں گے؟"

"جی فاروقی صاحب لیکن ابھی ان کے بارے میں کچھ بتاؤں گا نہیں آپ کو۔"

"اچھا۔۔ اچھا۔ میں جانتا ہوں بعض معاملات ایسے ہوتے جنہیں وقت سے پہلے بتانا مناسب نہیں ہوتا۔ میں نے صرف ایسے ہی پوچھا تھا۔ آج کیا کرو گے؟"

"دفتر نہیں جاؤں گا بلکہ کچھ اور لوگوں سے ملاقات کرنی ہے بلکہ مجھے ناشتے کے فوراً بعد چلے جانا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ میں جس کے پاس جا رہا ہوں ناشتے کے بعد وہ میرے ہاتھ نہ لگے۔"

تھوڑی دیر بعد میری کار فاروقی صاحب کے گھر سے چل پڑی اور اب میں نگہت شیراز کے پاس جا رہا تھا جس کے فلیٹ کے بارے میں مجھے تفصیلات معلوم تھیں لیکن میں پہلی بار ہی اس کے فلیٹ کی جانب جا رہا تھا۔ یہ احساس بھی تھا ذہن میں کہ نگہت شیراز گھر پر مل ہی جائے ورنہ آج کا دن ضائع ہو جائے گا۔ امکانات تو نہیں تھے اس بات کے کہ وہ اس وقت گھر پر نہ ہو گی۔ تھوڑی دیر بعد میں اس کے فلیٹ کی بیل بجا رہا تھا اور چند لمحات بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی نگہت شیراز ہی تھی۔ اس نے مجھے دیکھا اور پیچھے ہٹ گئی پھر آنکھیں ملتی ہوئی دوبارہ آگے آئی اور پیچھے ہٹ گئی میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یہ کیا ڈراما بازی ہو رہی ہے؟"

"آواز بھی وہی۔۔۔ انداز بھی وہی کک۔۔۔ کیا آپ شارق حسین صاحب ہیں؟"

"جی۔۔ ہاں" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔" وہ اس طرح بولی کہ مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"اب یہ ڈراما بازی ختم کرو گی یا نہیں۔ میں چلا جاؤں؟"

"نہیں۔۔ نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آئیے۔ تشریف لائیے مگر سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کس انداز سے آپ کا استقبال کروں۔"

"دروازہ بند کر دو۔"

"ارے بپ۔۔۔ باپ رے۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی اور میں نے جھلائے ہوئے انداز میں اس کی طرف دیکھا لیکن نگہت نے رخ بدل لیا اور دروازہ بند کر دیا پھر وہ ڈرائنگ روم کی طرف میری راہنمائی کرتی ہوئی بولی۔

"تشریف لائیے۔" لیکن اس طرح تھوک نگل رہی تھی کہ مجھے ہنسی آتے جا رہی تھی۔ بڑی تیز لڑکی تھی۔ میں اس کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

"امی کہاں ہیں؟ کم از کم انہیں تو سلام کرنے کی مہلت دو۔"

"اتفاق کی بات ہے کہ امی آج گھر پر موجود نہیں ہیں کسی عزیز کے ہاں گئی ہوئی ہیں۔ میں۔۔۔ میں بالکل تنہا ہوں۔"

"اوہ! تب کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

"اللہ جانے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا اور میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"دفتر کب جانا ہے؟"

"اب دیکھو تقدیر میں کیا لکھا ہے؟"

"نیت۔۔؟"

"سبحان اللہ کیا اپنائیت ہے اس پکار میں۔"

"تم کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو؟"

"کک۔۔۔ کیا واقعی یہ ساری باتیں فضول ہیں؟" اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں۔ اب میں بالکل مطمئن ہوں۔" اس نے کہا۔

"بیٹھو۔"

"ایک بات بتاؤ ناشتا کر لیا؟"

"ہاں۔"

"کیوں اتنی صبح کیوں کر لیا؟"

"کر تو میں بھی چکی ہوں مگر کچھ چائے وغیرہ۔ میرا مطلب ہے۔"

"ہاں۔۔ ہاں جو دل چاہے پلا دو۔ دیر تک بیٹھوں گا۔ یہ بتاؤ کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں تھا؟"

"قطعی نہیں۔ آج تو کوئی پروگرام ہی نہیں ہے بس شام کو جانا ہو گا ایک آدھ گھنٹے کے لیے۔"

"یہ بھی اچھی بات ہے۔ چلو چائے بنا کر لاؤ۔" میں نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اس کے اس انداز سے طبیعت ذرا خوشگوار سی ہو گئی تھی۔ اس کا انتظار کرتا رہا اور اپنے ذہن میں نجانے کیا کیا منصوبے بناتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد نگہت چائے

اور ڈسال فروٹ لے کر اندر آگئی اس نے بڑے اہتمام سے یہ چیزیں میرے سامنے رکھ دیں اور ایک پیالی خود لے کر میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"ویسے ایمان داری سے بتاؤں آج بجانے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ میں بھی کسی قابل ہوں۔"

"کیا مطلب... ؟"

"آپ جیسی عظیم المرتبت شخصیت یہاں آئی ہے۔"

"سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم مجھ پر طنز کیوں کیے جا رہی ہو۔ کیا کہیں مجھ سے کوئی اظہار ہوا ہے جس میں میں نے تمہاری توہین کی ہو۔"

"ارے نہیں ... خدا کی قسم بس یوں سمجھ لیجیے کہ خوشی میں بعض اوقات انسان بے تکی باتیں کرنے لگتا ہے میری بھی اس وقت کچھ ایسی ہی حالت ہے۔" میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ نگہت نے چائے کے دو تین گھونٹ لیے اور پھر میری طرف متوجہ ہو گئی۔"

اب میں ذرا چہرہ شناسی سے کام لیتی ہوں۔ میرا مطلب ہے یہ جاننے کی کوشش کرتی ہوں کہ آپ کی آمد کی وجہ کیا ہے ؟"

"جی نہیں آپ اپنی اِس چھوٹی سی کھوپڑی پر زور نہ ڈالیں۔ خوامخواہ پھٹ جائے گی۔ ہے ہی کتنی سی۔ میں خود ہی آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

"اوہ! شکریہ چیف... اپنے ہی اپنوں کا خیال رکھتے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ اپنائیت دی اس کے لیے بے حد شکریہ۔" نگہت شیراز نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور میں ہنستا رہا پھر میں نے کہا۔

"نگہت میں اس وقت سخت بیزار ہوں۔"

"جی" وہ کان پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں نکالتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ تم جس انداز میں بھی سنو اب میں تم سے جو گفتگو کر رہا ہوں وہ بالکل سنجیدہ ہے۔"

"اوہ! یہ بات ہے چیف تو پھر ہم سنجیدہ۔" نگہت نے گردن خم کر کے کہا۔

"نگہت مجھے رجب سیٹھ کے بارے میں تفصیلات درکار ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ تم کام کر رہی ہو اور یہ بھی کہا تھا...!"

"بس سمجھ گئی چیف آگے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔" میں نے آپ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد میں آپ کو اس مسئلے کی تفصیلی رپورٹ پیش کروں گی چنانچہ تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے لیکن جو کچھ میں کر چکی ہوں سے ابھی آپ کے سامنے پیش کرتی ہوں۔ دو منٹ مجھے دیں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔" نگہت نے کہا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک باقاعدہ فائل لیے ہوئے اندر آئی۔ اس کی یہ خوبی مجھے بے حد پسند تھی جو کام بھی کرتی ترتیب سے کرتی تھی۔ فائل میرے سامنے رکھنے سے پہلے اس نے چائے کے خالی برتن ہٹا کر ڈسٹر سے سینٹر ٹیبل صاف کی تھی۔ پھر اُس نے فائل کھولی اور ایک پینسل لے کر بیٹھ گئی۔

"میں ذرا تفصیلات سمجھانا چاہتی ہوں۔"

"میں تفصیلات ہی سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"جیسا کہ میں نے پہلی رپورٹوں میں عرض کیا تھا کہ رجب سیٹھ اور مسعود پرویز کے درمیان کچھ کھٹ پٹ چل رہی ہیں حالانکہ قیصر پرویز براہِ راست رجب سیٹھ کے کاروبار میں ملوث نہیں ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ مسعود پرویز کا تعلق باقاعدہ رجب سیٹھ سے ہے اور رجب سیٹھ مسعود پرویز کے ساتھ ساتھ کچھ کام کرتا ہے۔ جو کچھ اُدھر پیدا ہو گیا تھا۔ قیصر پرویز کی مداخلت سے وہ ختم تو ہو گیا لیکن مسعود پرویز چونکہ نوجوان ہے چنانچہ اُس نے کچھ کوششیں بھی کی ہیں جو رجب سیٹھ کو ناپسند آئی ہیں مثلاً یہ کہ مسعود پرویز نے ایک غیر ملکی اسمگلر کے ذریعے کچھ مال منگوایا ہے اور اپنی دانست میں رجب سیٹھ کو چوٹ دی ہے چنانچہ رجب سیٹھ کی ڈائری میں یہ چوٹ درج ہے۔ فی الحال اِن دونوں کے درمیان بہتر رابطے نہیں ہیں۔ حالانکہ قیصر پرویز کی ہدایت ہے کہ رجب سیٹھ کے ساتھ مل کر رہا جائے لیکن مسعود پرویز اپنی راہیں الگ نکالنے کا عادی ہے اور پچھلے ہی دنوں ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آ چکا ہے۔ یہ ملاحظہ فرمائیے اُس کی تفصیل..." نگہت شیراز نے ایک کاغذ جو ٹائپ کیا ہوا تھا میرے سامنے رکھ دیا اور میں دلچسپی سے اُس کاغذ کو پڑھنے لگا بڑی تفصیل تھی اُس میں۔ میں نے حیران نگاہوں سے نگہت شیراز کو دیکھتے ہوئے وہ کاغذ پڑھتا رہا اور پھر میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ کس نے ٹائپ کیا ہے ؟"

"میں نے سر۔ باقاعدہ رپورٹ تیار کی ہے۔"

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے اُس کو دیکھا اور بولا۔ "تمہیں تو محکمہ سراغرسانی میں ہونا چاہیے تھا۔"

"سر اگر کوئی چانس ملے تو آپ مجھے وہاں ضرور بھجوا دیجیے۔ یقین کریں مجھے بہت ہی شوق ہے اور شاید اخباری زندگی اور خاص طور سے یہ لائن میں نے اس لیے اختیار کی ہے کہ میرے خمیر میں یہ چیز کہیں نہ کہیں موجود ہے ذرا ذہن میں رکھیے گا۔" نگہت شیراز نے کہا اور میں ہنستے ہوئے اُس کو دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے نگہت یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ پیش آنے والا ہے۔

"جی میں سمجھی نہیں۔"

"سمجھا دوں گا۔ ہاں کاغذات دیکھ لوں ذرا۔"

"جی... جی پلیز۔" نگہت نے کہا اور اُس کے بعد وہ رجب سیٹھ اور مسعود پرویز کی مشترکہ کاروباری صورتحال کے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی۔ جس کی مختصر تفصیلات کاغذات میں موجود تھی۔ اُس نے مجھے ایسے ایسے نکتے سمجھائے کہ میں عش عش کر اٹھا۔ بلاشبہ نگہت کی ذہنی وسعتیں بے شمار تھیں اور میں ان کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ بہت ذہین لڑکی تھی اور اُس کا یہ کہنا غلط نہیں تھا کہ وہ حقیقتاً محکمہ سراغرسانی کے قابل ہے اور اخباری زندگی میں تو بس وقت گزار رہی ہے۔ اتنی مکمل تفصیلات تھیں کہ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ سب کچھ میں نے ہی مہیا کیا ہو لیکن میرے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹ رہی تھیں۔ مجھے اتنی اُمید نہیں تھی کہ اتنی بڑی کامیابی مجھے نگہت شیراز کے ذریعے حاصل ہو جائے گی کو میں ابھی اسے کامیابی نہیں کہہ سکتا تھا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ یہ ایک راستہ تھا جو میرے ذہن میں آیا اور یہاں بھی قدرت شاید مجھے سرفراز کرنا چاہتی تھی۔ میں نے جو منصوبہ اپنے ذہن میں بنایا اُس کی مکمل تفسیر میرے سامنے ان کاغذات میں موجود تھی اور اب مجھے کام کرنے میں کوئی دقت نہیں تھی۔ نگہت خاموشی سے میرا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اُس سے کہا۔

"نگہت میں تمہاری قربانی چاہتا ہوں۔"

"کیا واقعی... ؟" نگہت نے پھر مسخرے پن سے پوچھا۔

"ہاں نگہت۔"

"ہم تو ہو چکے ہیں۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ قربان ہو چکے ہیں ہم تو آپ پر۔"

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔"

"اور آپ کے خیال میں ہم غیر سنجیدہ ہیں ؟" نگہت نے کہا۔

"پلیز یہ معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں تم اُسے سن لو اُس کے بعد فیصلہ کرنا کہ اس سلسلے میں تم میرے لیے کیا کر سکتی ہو۔"

"جان دے سکتے ہیں آپ کے لیے ہر سلسلے میں بس آپ یہ بتائیے کرنا کیا ہے ؟"

"ابھی جو کچھ میں بتا رہا ہوں اُس کی تفصیل سنو گی تو شاید جان دینے کا ارادہ ملتوی کر دو گی۔"

"ارے چھوڑیئے شارق حسین صاحب۔ ابھی آپ نے دل جلے دیکھے کہاں ہیں ؟ فرمائیے کیا مسئلہ ہے ؟" اُس نے کہا اور میں سنجیدگی سے اُسے اپنا پروگرام بتانے لگا۔ وہ اب بالکل سنجیدہ ہو گئی اور بہت غور سے اس سلسلے میں تفصیلات سُن رہی تھی۔ کافی دیر تک میں اُس سے گفتگو کرتا رہا اور وہ بالکل خاموش رہی پھر جب میں اُسے اپنا مقصد سمجھا چکا تو میں نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا وہ پُرخیال نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"کیوں کیا خیال ہے ؟"

"نہیں کوئی خیال نہیں، میں ٹھیک آپ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا اتنا پختہ ٹھیک آپ..."

"ہاں بھئی اب میں یہاں اظہارِ انکساری نہیں کروں گا۔ یہ کام کر سکتا ہوں بلکہ کر چکا ہوں۔"

"تو پھر بھلا نگہت کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ حکم دینے والا کون ہے ؟ اور جس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے اُس کے حکم سے انکار تو... تو... ہمارے لیے کفر کے مترادف ہے۔"

"اگر تم سنجیدگی سے اس بات پر آمادہ ہو نگہت تو یقین کرو میں دلی طور پر تمہارا شکر گزار ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے چیف میں یہ کام اپنی ڈیوٹی سمجھتی ہوں چاہے اس کے لیے کتنی ہی دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں پوری طرح حاضر ہوں۔"

"تو پھر میرا منصوبہ تمہارے علم میں آ چکا ہو گا۔ تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ میں کیا چاہتا ہوں ؟"

"ہاں چیف جس قدر آپ نے سمجھایا ہے تاہم میں اسے ایک بار پھر آپ سے سمجھنا چاہتی ہوں۔" نگہت کافی دیر تک مجھ سے سوالات کرتی رہی اور میں اُسے اپنا مقصد سمجھاتا رہا۔ اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوکے چیف آپ یہ سمجھیے کہ یہ کام اس انداز میں ہو جائے گا لیکن ذرا سی تشویش بھی ہے میرے ذہن میں۔"

"کیا... ؟"

"اِس کا دوسرا پورشن کون سنبھالے گا ؟"

"اس کی تم فکر مت کرو نگہت یہ سب کچھ ہو جائے گا۔"

"اوکے چیف... اوکے۔" نگہت نے جواب دیا۔ کافی دیر تک میں اُس کے ساتھ رہا اور اُس کے بعد اُس سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔ نگہت نے میرا ذہن بہت ہلکا کر دیا تھا اور میں اپنے آپ کو بہت پُرسکون محسوس کر رہا تھا لیکن اب دوسرے کام کرنے کے لیے مجھے خاصی جدوجہد کرنی تھی چنانچہ نگہت کے پاس سے نکلنے کے بعد

لے ہدی ہمدردی کے ساتھ میری تمام باتیں سنیں اور آہستہ سے بولا۔
"آپ بالکل اطمینان رکھو بس ذرا ایک بات اور بتا دو۔"
"ہوں پوچھو۔"
"وہ مال جو ہم حاصل کریں گے وہ کہاں پہنچانا ہے؟"
"جو جگہ تم لوگوں کے پاس مناسب ترین ہو۔ اس کے مالک تم خود ہو گے بدر شاہ۔"
"اِیں۔۔۔!"
"ہاں اگر اس سلسلے میں تم نے کوئی تعرض کیا تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔"
"شارق بھائی کا حکم سمجھ کر ہم یہ بات قبول کر لیں گے مگر مال کیا ہو گا اس لانچ میں؟"
کچھ نہیں کہا جا سکتا بدر شاہ ہو سکتا ہے اس کی تفصیلات بھی میں تمہیں فراہم کر دوں اور جو چیزیں میں نے تمہیں فراہم کرنے کے لیے کہی ہیں وہ بھی تمہیں مل جائیں گی اطمینان رکھنا۔"
"ٹھیک ہے جی آپ کی کہی ہوئی ہر بات پر ہمیں اطمینان ہے۔"
"تو پھر میں مطمئن ہو جاؤں؟"
"ایسے ویسے مطمئن بس یوں سمجھ لیجیے جی ہمیں آپ کے احکامات کا انتظار رہے گا باقی ذمہ داریاں آرام سے پوری ہو جائیں گی آپ بالکل پرواہ نہ کریں۔"
"او کے چلتا ہوں۔"
"بیٹھیں ناں شارق بھائی جی۔ یہ مسئلہ قیصر پرویز کا ہی ہے ناں؟"
"ہاں اور اس کی پوری کہانی میں تمہیں سنا چکا ہوں۔"
"وہ لڑکی اور اس کی ماں۔۔۔؟"
"بالکل ٹھیک ہیں اور خوش ہیں۔"
"خدا آپ کو بھی خوش رکھے کتنے مظلوم اور غریب لوگوں کا ہاتھ پکڑا ہے آپ نے شارق بھائی اس کام کو تو نیکی کا کام سمجھ کر کرنا ہی چاہیے۔"
میں اس کے پاس سے بھی رخصت ہوا تمام کارروائیوں سے بالکل مطمئن تھا۔ باہر نکلتے ہوئے میں نے ناک میں اسپرنگ اور بالائی لب پر مونچھوں کا اضافہ کر لیا تھا ٹیکسی سے اس جگہ پہنچا جہاں اپنی کار پارک کی تھی اور پھر اپنا وہ عارضی میک اپ اتار کر کار میں محفوظ کر دیا۔ پھر کوٹھی ہی کا رخ کیا۔ رات کو جن حالات میں وہاں سے واپس آیا تھا انہوں نے یقیناً سنسنی پیدا کر دی ہو گی ویسے کہیں سے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ آشیانے سے مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد کار آشیانے میں داخل ہو گئی۔ لنچ کا وقت گزر چکا تھا اور اس وقت کچھ کھانے پینے کی خواہش بھی نہیں تھی۔ کوٹھی کا ماحول معمول کے مطابق سنسان نظر آ رہا تھا۔ آشیانے کے ضوابط کے مطابق اس وقت قیلولہ کیا جا رہا ہو گا۔ چنانچہ میں اپنے اس کمرے کی جانب بڑھ گیا جو ان دنوں میرے استعمال میں تھا اور میں نے بھی لباس وغیرہ تبدیل کیا اور بستر پر دراز ہو گیا۔ شام کو نگہت شیراز کے لیے جو ہدایت چھوڑ آیا تھا اس کے لیے عمل کرنا تھا۔ تقریباً ساڑھے چار بجے تک اپنے کمرے میں رہا اور اپنے اس پروگرام کے تانے بانوں میں الجھا رہا۔ ساڑھے چار بجے غسل کیا۔ نیا لباس پہنا اور باہر نکل آیا۔ خوش بختی سے یا بد بختی سے پہلی ملاقات محترمہ نیلوفر سے ہوئی تھی۔ گزر رہی تھیں مجھے کمرے سے باہر نکلتے دیکھ کر ٹھٹھک گئیں۔ ہوائے کافرانہ سے مجھے دیکھا اور کھڑی ہو کر مسکرانے لگیں میں بھی اس وقت کوئی ذہنی انتشار نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں نے بڑے دلکش انداز میں "ہیلو" کہا تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب آ گئیں۔
"ہمیں تو یہ جرأت ہی نہ ہو سکی کبھی کہ آپ کے کمرے کا نظارہ کر سکیں۔"
"ارے کیوں۔۔۔ کس نے منع کیا آپ کو مس نیلوفر؟"
"آپ کے رویّے نے۔"
"بس آپ سے شرارتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی بات اگر شرارت میں غلط ہو گئی ہو تو براہ کرم اسے محسوس نہ کریں۔"
"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔ میں بھلا آپ کی کسی بات کا برا مانوں گی؟"
"مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا کبھی نہیں کریں گی۔ آئیے اگر میرے کمرے میں تشریف لانا چاہتی ہیں۔"
"پھر سہی۔" نیلوفر نے ادائے دلربائی سے کہا اور میں نے شانے ہلا دیے پھر میں نے پوچھا۔
"کہیے آج شام کے کیا پروگرام ہو رہے ہیں؟"
"کیوں کیا کوئی کام ہے؟"
"جی ابھی نہیں۔ ویسے شام کی چائے کہاں پی جا رہی ہے؟" میں نے محترمہ کو زیادہ جذباتی ہونے سے روک دیا۔ ویسے بھی مخدوش جگہ تھی۔ خواہ مخواہ لوگوں کی تفریح کا نشانہ بن جاتا۔
"مجھے تو پتا نہیں۔ معلوم کروں؟"
"میرا خیال ہے لان پر ہی چائے لگوائی جائے آج ایک پریس رپورٹر آ رہی ہیں۔ میری ان سے شناسائی ہے۔ آشیانے کو

دیکھنے کی بہت شائق ہیں۔ سب لوگوں سے ملاقات کی خواہش مند ہیں ذرا اہتمام کرا دیجیے گا۔"
"میں جاتی ہوں۔" نیلوفر نے مستعدی سے کہا اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ "بے وقوف لڑکی۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔
میں کسی کے جذبات سے کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ نیلوفر کی حرکتوں نے دل میں بغض ضرور پیدا کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ لڑکی ہے بے وقوف۔۔۔ کہیں کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تو کوئی نقصان نہ اٹھا بیٹھے چنانچہ کسی مناسب وقت اس کے لیے بھی سمجھا دینا ضروری ہے شاید نیلوفر کی کوششیں تھیں پھر پہلے ہی سے آشیانے کا پروگرام تھا لان پہ چائے کا بندوبست ہو گیا۔ ویسے آشیانے کی روایات میں یہ بات شامل تھی کہ شام کی چائے کافی پرتکلف ہوتی تھی اور اگر اتفاق سے کچھ مہمان آ جائیں تو انہیں مایوسی نہیں اٹھانی پڑتی تھی یا آشیانے والوں کو ان کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ میں دور سے لان پر ہونے والی تیاریوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ویسے اس وقت گھر میں تمام ہی افراد موجود تھے اور آشیانے کا کوئی بھی پنچھی باہر پرواز نہیں کر رہا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ اس وقت لان پر کون کون پہنچتا ہے۔ وقت ہوتا جا رہا تھا۔ میں بھی تیار تھا۔ آشیانے کے لان پر اچھی خاصی ہنگامہ خیزیاں ہونے لگی تھیں۔ تینوں برادران وہاں پہنچ گئے لیکن طارق حسین صاحب ذہنی طور پر بہت مضمحل تھے۔ میرے اندر ایک جذبہ جاگا اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ انسان کسی بھی طور محبت کے جذبوں سے خالی نہیں ہوتا۔ ایس پی طارق حسین معطل ہو گئے تھے اور انہیں شدید افسوس تھا۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ انہیں سمجھا بجھا دوں گا۔ بشرطیکہ وہ مجھے کوئی اہمیت دیں۔ لان پر تقریباً تمام ہی افراد پہنچ گئے۔ نگہت شیراز اور بدر شاہ کے ساتھ جو پروگرام طے ہوئے تھے ان کی تفصیل میں نے بیان نہیں کی لیکن ان میں بہت سے ایسے مرحلے وار پروگرام تھے جنہیں اپنے اپنے وقت پر تکمیل پانا تھا چنانچہ نگہت کی آمد کا بھی میں نے بالکل درست تعین کیا تھا اور اس وقت تقریباً تمام ہی افراد لان پر پہنچ چکے تھے جب میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور میرے وہاں پہنچنے کے دو یا تین منٹ کے بعد ہی نگہت شیراز بھی ایک ٹیکسی میں کوٹھی پہنچ گئی۔ سب کی نظریں دروازے کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ اس وقت میں شفیق بھابی کے ساتھ تھا انہوں نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"یہ کون ہے؟"
"او وہ بھابی ایک پریس رپورٹر۔۔۔ ایک بہت اچھی صحافی۔ بہت دن سے کہہ رہی تھی کہ آشیانے کو دیکھنا چاہتی ہے۔ میں نے چائے پر دعوت دے ڈالی۔"
"ارے ہمیں بتا تو دیا ہوتا۔ کچھ اہتمام کر لیتے۔"
"وہ آشیانے کو آشیانے کے صحیح رنگ میں دیکھنا چاہتی ہے اور میں نے اس سے تعاون کیا ہے۔" تقریباً تمام ہی لوگ نگہت شیراز کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ اس کے بعد اسے سب سے پہلے بیرسٹر نصرت حسین اور جج امجد حسین سے ملوایا۔ دونوں ہی نے نہایت انداز میں اس کا خیر مقدم کیا تھا۔ میں نے اس کا تعارف کراتے ہوئے وہی الفاظ اس سے کہے اور دونوں ہی مصنوعی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن ہلا کر خاموش ہو گئے۔ البتہ جج صاحب نے چند لمحات کے بعد کہا۔
"بھئی نگہت صاحبہ آشیانے کی کہانیاں تو آشیانے ہی تک رہنی چاہئیں۔ ویسے یہاں کوئی کہانی نہیں ہے۔ ایک سادہ سی کہانی ہے جہاں یہ سب لوگ مل بیٹھے ہیں اور یوں وقت گزر رہا ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری کہانیاں اخبارات کی زینت بنیں۔" نگہت شیراز نے نہایت شائستہ لہجے میں کہا۔
"نہیں جناب اپنوں کے لیے ایسے مضامین نہیں لکھے جاتے میں تو ذاتی طور پر شارق صاحب کی وجہ سے یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آپ لوگ کیسے زندگی گزارتے ہیں۔ آپ لوگ اطمینان رکھیے میں اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہوں بلکہ آپ کی ایک مداح کی حیثیت سے یہاں آئی ہوں۔"
"کیوں۔۔۔ آخر ایسی کیا خاص بات ہے جس سے تمہارے دل میں یہ تحریک پیدا ہوئی؟" بیرسٹر صاحب عدالت میں داخل ہو گئے اور انہوں نے جرح شروع کر دی۔
"بات دراصل یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے لیے آشیانہ باعث کشش ہے۔ اب یہ لوگوں کے محسوسات ہیں کہ وہ اس کی اس ندرت پر غور نہیں کرتے۔ اب دیکھیے نا ہم اسے آشیانہ نہیں قانون گھر کہہ سکتے ہیں۔ آئی جی صاحب جنہوں نے اپنی زندگی انتہائی نفاست اور باوقار روایات کے ساتھ گزاری ہے اب اس آشیانے میں ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قانون کے اہم ترین ستون یعنی عدلیہ سے ایک جج، ایک مایہ ناز ایڈووکیٹ، ایک پولیس آفیسر۔ یہ تمام لوگ یہاں جمع ہو گئے ہیں تو پھر یہ جگہ حیرت انگیز کیوں نہ ہو۔ دراصل جناب میں نے بہت سے مشاہدات کیے ہیں۔

220

میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں ان مشاہدات سے متاثر نہیں ہوتی اور میری تحریروں میں یہ تاثر نہیں جھلکتا لیکن بہرطور اگر میں کبھی آشیانے کا تذکرہ کروں گی تو ایک ایسے آئیڈیل گھر کی حیثیت سے کروں گی جسے دیکھ کر میں بہت متاثر ہوئی ہوں۔ شارق صاحب خواتین سے میرا تعارف نہیں کرائیں گے؟"

"ہاں۔۔۔ ہاں کیوں نہیں؟" میں نے جواب دیا۔ نگہت شیراز اور جج صاحبان کی تمام گفتگو خواتین بھی سُن رہی تھیں اور انہیں شاید نگہت شیراز کی گفتگو کا انداز پسند آیا تھا کیوں کہ کسی کے چہرے پر کوئی ناخوشگواری نہیں تھی۔ ہاں اگر کڑی نگاہوں سے نگہت شیراز کو کوئی دیکھ رہا تھا تو وہ محترمہ نیلوفر تھیں۔ اپنا سہاگ بچانے کا خوف اُن پر ہر وقت سوار رہتا تھا اور اُن کی نگاہیں ہر ایک کے لیے مشکوک ہوا کرتی تھیں۔ دوسری خاتون لالہ رخ بیگم تھیں جن کا کوئی اُلٹا سیدھا کبھی سمجھ میں نہیں آیا تھا اور وہ بجانے کس فطرت کی مالک تھیں۔ میری ہمشیرہ تھیں لیکن اس شہر میں لیموں کے قطرے کہاں سے پڑ گئے تھے۔ یہ بات سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی۔ ہمیشہ ہی ترش رہتی تھیں اور بہت عرصہ کے بعد پتا چلتا تھا کہ وہ کس سے کس حد تک متاثر ہیں۔ بہرطور ہر فرد سے اُن کا یعنی نگہت شیراز کا تعارف کرایا گیا۔ تنویر بھابی، شفق بھابی، عصمت بھابی پھر جاوداں، نیلوفر، اماں بی باقی تمام ہی افراد ایک ایک کر کے نگہت شیراز سے ان کا تعارف کرایا گیا اور نگہت شیراز نے یہاں اپنے لیے ایک مقام بنا لیا پھر انہیں چائے میں شرکت کی دعوت دی گئی اور پُرتکلف اہتمام کے ساتھ چائے کا دور شروع ہوا۔ نجانے کیوں لالہ رُخ صاحبہ کو کچھ سوجھ گئی اور انہوں نے نگہت شیراز کا انٹرویو لینا شروع کر دیا۔

"آپ صحافت میں کب سے ہیں؟"

"جی تقریباً سات سال ہو گئے۔"

"آپ نے جرنلزم میں ایم۔ اے کیا ہو گا؟"

"جی۔" نگہت شیراز نے جواب دیا۔

"ایک خاتون کے لیے صحافت میں کیا کیا اُلجھنیں ہیں؟"

"کوئی اُلجھن نہیں۔"

"آپ ہنگامی مقامات کی فوٹوگرافی بھی کرتی ہوں گی؟"

"جی ہاں۔"

"ڈر نہیں لگتا؟"

"نہیں مرد بھی تو یہی سب کچھ کرتے ہیں۔"

"آپ اپنے آپ کو مردوں کا ہم پلہ سمجھتی ہیں؟"

"نہیں میں اپنے آپ کو اُن کا ہم پلہ نہیں سمجھتی لیکن یہ جانتی ہوں کہ جو کچھ وہ کر سکتے ہیں اُن میں سے کچھ نہ کچھ ہم بھی کر سکتے ہیں۔ جہاں تک ہنگاموں کی فوٹوگرافی کا تعلق ہے تو کوئی بھی صحافی ہاتھ میں لاٹھی لے کر ہنگامہ کرنے والوں کے ساتھ ہنگامہ آرائی نہیں کرتا اور اس ہنگامہ آرائی کی فوٹوگرافی کرتا ہے۔ وہ بھی دُور ہی دُور رہتا ہے اور ہم بھی جس حد تک ممکن ہوتا ہے دور رہتے ہیں۔"

"اس کا مقصد ہے کہ صحافت کی زندگی میں کوئی خاص اُلجھن نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔"

"ہوں! آپ کا سابقہ بڑے بڑے لوگوں سے رہتا ہو گا۔"

"ظاہر ہے اگر نہ رہتا ہوتا تو آج میں اتنی بڑی جگہ کیسے آجاتی جہاں آپ جیسی معزز خواتین موجود ہیں۔" ان جملوں نے لالہ رخ کو نرم کر دیا اور وہ مسکرائیں۔ اُن کا مسکرانا اس بات کی دلالت کرتا تھا کہ اب نگہت شیراز کے لیے زیادہ بہتر ماحول میسر ہو گیا ہے۔

"ہمارے بارے میں کیا لکھیں گی آپ؟"

"جی۔۔۔ کچھ نہیں لکھوں گی۔ اس لیے کہ معزز لوگوں پر قلم اٹھاتے ہوئے بہت کچھ سوچنا سمجھنا پڑتا ہے۔ معمولی لوگوں کے بارے میں ہم سب کچھ لکھ دیا کرتے ہیں اور آشیانے پر لکھنے کے لیے میں یہاں نہیں آئی بلکہ یہ میرا ذاتی شوق تھا کہ میں آپ سب لوگوں سے ملاقات کروں۔ دیکھوں تو سہی کہ اتنے بڑے لوگ زندگی کیسے گزارتے ہیں؟"

"وہی بات ہوئی ہماری زندگی بھی عام لوگوں سے مختلف نہیں جیسا کہ آپ نے کہا کہ آپ ہنگاموں کی فوٹوگرافی کرتی ہیں اور ایک عام آدمی بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس طرح آپ یہ سمجھ لیجیے کہ آشیانے کی زندگی میں بھی کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے جو دوسروں کے لیے بہت زیادہ حیرت کا باعث ہو۔"

"جی میں محسوس کر رہی ہوں مجھے تو حیرت ہے کہ آپ لوگ اتنے سادہ مزاج ہیں۔ کمال کی بات ہے حالانکہ آپ کو تو بہت مغرور ہونا چاہیے۔"

"ارے نہیں بھئی۔ غرور تو بہت بُری چیز ہے۔" لالہ رُخ نے کہا اور میرا قہقہہ نکلتے نکلتے رہ گیا۔ بہرطور اس وقت نگہت شیراز کو اپنی زبان بند رکھنی تھی ورنہ ماحول کے خراب ہونے میں بھلا کیا دیر لگ سکتی تھی۔ نگہت بہت چالاک لڑکی تھی۔ صورتحال کا اُس نے چند ہی لمحات میں جائزہ لے لیا چنانچہ محتاط رہی حالانکہ خاص طور سے اُسے جاوداں پر نگاہ رکھنی تھی کیونکہ اس سلسلے میں اُسے یہی ہدایت دی گئی تھی کہ جاوداں سے زیادہ سے زیادہ ربط قائم کر کے جاوداں کی نقل کرنے کی کوشش کرنی ہے اُسے۔ لیکن نگہت شیراز نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس گھر میں چابیاں کون کون سی ہیں اور اس وقت وہ چابیوں پر ہی توجہ دے رہی تھی چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں لالہ رُخ، عصمت بھابی، شفق بھابی اور تنویر بھابی پر اُس نے اپنا اثر جما لیا اور اس کے بعد ظاہر ہے آسانیاں ہی آسانیاں تھیں۔ تب آخر میں وہ جاوداں تک پہنچی اور جاوداں سے اُس کی کافی طویل گفتگو رہی۔ میں اس دوران لوگوں سے الگ ہی الگ رہا تھا اور بیرسٹر نصرت حسین اور جج امجد حسین کے پاس پہنچ گیا تھا۔ شوکت صاحب اس وقت چائے کی تقریب میں موجود نہیں تھے اور آئی۔ جی صاحب کے پاس اندر ہی تھے۔ ایس پی صاحب کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا کہ ان کے سر میں درد ہے اور وہ اپنے کمرے ہی میں موجود ہیں۔ بہرطور نگہت شیراز نے اپنا کام کر لیا اور اُس کے بعد تمام لوگوں کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد ظاہر ہے کوئی مسئلہ نہیں تھا البتہ شفق بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی اچھی لڑکی تھی۔ مجھے کسی خاتون صحافی سے ملنے کا پہلا موقع ملا ہے۔"

"میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ ہمارے شارق بھائی کے ہاتھ کتنی دُور دُور تک پھیلے ہوئے ہیں اور کوئی بھی ان کے بارے میں وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس کا ذہن کہاں اُلجھ جائے۔" لالہ رُخ نے گوہر افشانی فرمائی لیکن اس گوہر افشانی کو کسی نے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کوٹھی کی یہ پُرفضا محفل دیر تک جاری رہی لیکن اب میرا یہاں رُکنا ضروری نہیں تھا چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا اور طارق بھائی کے کمرے کی جانب چل دیا۔ باقی لوگ وہیں موجود تھے اور کسی کو علم بھی نہ ہو سکا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو ان کی بھاری آواز سنائی دی۔

"آجاؤ۔۔۔ کون ہے؟"

میں اندر داخل ہوا تو وہ ایک آرام کرسی میں دراز کسی کتاب کا مطالعہ کرتے نظر آئے۔ مجھے دیکھ کر ایک دم چونک پڑے تھے۔ پھر انہوں نے کتاب بند کر کے رکھ دی اور کسی قدر متعجبانہ انداز میں بولے۔

"آؤ بھئی۔۔۔ بیٹھو۔ خیریت؟"

"جی بالکل خیریت۔ آپ کے کمرے میں آنا کسی ایسی کیفیت کا مظہر ہو سکتا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں میں نے پوچھ لیا تھا۔"

"آپ لان پر کیوں نظر نہیں آئے؟" میں نے سوال کیا۔

"سر میں درد ہے بھئی۔"

"اور آپ کا یہ چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ سر میں درد ہے اور کیا بات ہو سکتی ہے؟"

"نہیں بھائی جان سر میں درد ہی کی بات نہیں ہے آپ بہت مضمحل ہیں۔" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگے چند لمحات کھوئے رہے۔ پھر بولے۔

"ہاں ہوں۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"تم نہیں جانتے؟"

"بھائی جان کیا یہ اتنی بڑی بات ہے؟"

"ہے۔ کیونکہ یہ ایک داغ ہے میرے کیریئر پر۔"

"جی نہیں جب یہ داغ دُھلے گا تو آپ کی حیثیت بہت مستحکم ہو جائے گی۔ آپ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ صرف ایک الزام ہے یا ایک غلط کوشش ہے اور جب یہ کوشش کرنے والے اپنی غفلت کا احساس کر کے آپ سے معذرت کر رہے ہوں گے تو کیا آپ کے کیریئر پر کوئی داغ رہ جائے گا؟" ان کے چہرے پر نمایاں تبدیلی نظر آئی اور انہوں نے کہا۔

"ہاں اس وقت تو یہ نہیں ہو گا لیکن کیا میرا خوف بجا نہیں ہے؟"

"جی آپ کا خوف بجا نہیں ہے۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"آپ کو مجھ پر اعتماد کیوں نہیں آخر؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بے اعتمادی کا کیا مسئلہ ہے اور ظاہر ہے اس میں تمہاری تو کوئی بات نہیں۔ نہ ہی تمہاری وجہ سے ہمیں یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میں اُس بے اعتمادی کی بات نہیں کر رہا۔ کیا آپ کو اس بات کا یقین نہیں ہے کہ میں بالآخر قیصر پرویز کی گردن دبوچ لوں گا۔" انہوں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولے۔

"کچھ ذاتی سوالات کر سکتا ہوں؟"

"بھائی جان آپ حکم دے کر مجھ سے سوالات کریں۔ آپ کا احترام میں نے کبھی پسِ پشت نہیں ڈالا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں آشیانے میں تھوڑی سی مسکراہٹیں پیدا کر دیا کرتا ہوں۔ اِن میں خدانخواستہ اختلاف کا کہیں کوئی تصور نہیں ہے۔ کسی وقت

آپ ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے حکم دیجیے کہ میں یہ کام کروں تو میں اپنے تمام مفادات پسِ پشت ڈال کر آپ کے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ آپ یقین کیجیے اس سے زیادہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ نہ ہی میں آشیانے کا منحرف ہوں۔" یوں لگتا تھا جیسے ان کی رگوں میں زندگی دوڑتی جا رہی ہے۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"تب شاید ہم سے ہی غلطی ہوئی ہے۔"

"کیسی غلطی بھائی جان؟"

"تمہارے ساتھ بہتر سلوک نہیں ہوا۔"

"ارے چھوڑیئے کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ مجھ سے جو بھی چاہے قسم لے لیں کبھی مجھے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا کہ میرے ساتھ کوئی برا یا اچھا سلوک کیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے میں نے اسی گھر میں آنکھ کھولی۔ یہیں پلا بڑھا۔ آپ ہی لوگوں کی گود میں پروان چڑھا پھر بھلا یہ تصور بھی ہو سکتا ہے میرے ذہن میں کہ میرے ساتھ اچھا سلوک کیا جا رہا ہے یا برا۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں میں تفریحی رنگ میں لیتا ہوں۔ یہاں سے چلے جانے کا مقصد بھی صرف اتنا ہی ہے بھائی جان آج بھی آپ یہ بات ذہن میں رکھ لیں اور ہمیشہ رکھیں کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ... قیصر پرویز جیسے کتے آشیانے کی طرف رخ کر کے بھونکنا شروع کر دیں۔ میں ان کتوں کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے جہاں بھی ان میں سے کوئی نظر آیا۔ میں اس کی سرکوبی کے لیے مصروف ہو جاؤں گا۔ اب آپ دیکھیے ناں یہ تو ایک تجرباتی مسئلہ تھا۔ میں بھی آپ لوگوں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں جس مقصد کے لیے کام کر رہا ہوں وہ غلط نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہی ہے کہ قانون کے خاص قسم کے دائروں میں رہ کر بعض اوقات وہ مقاصد حاصل نہیں ہو پاتے جن کا حصول انتہائی ضروری ہے بس اتنا سا اختلاف ہے۔ اس سے آگے آپ مجھ سے جو دل چاہے قسم لے لیجیے کہ آشیانے کی ایک ایک اینٹ سے مجھے محبت ہے۔"

"تم بڑے ہو... شارق تم بڑے ہو۔ میں کم از کم ذاتی طور پر آج اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ میرے ذہن میں تمہارے لیے جو بھی اختلافات تھے اب وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس کا علم بھی ہو گیا کہ آپ کے دل میں میرے لیے کوئی اختلاف ہے۔ بخدا میں تو آپ کو صرف اپنے بڑوں میں سمجھتا ہوں۔"

"شارق تم... تم۔" وہ جملہ نہ پورا کر سکے۔

"خیر چھوڑیئے ان جذباتی باتوں میں کیا رکھا ہے؟ میرے احساسات کا آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ میں کبھی بھی آپ لوگوں سے منحرف نہیں ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے شارق کہ تم قیصر پرویز کو زیر کر لو گے؟"

"آپ میرا یہ کھلا ہوا ہاتھ دیکھ رہے ہیں؟" میں نے اپنا پنجہ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"اور اب میں نے مٹھی بند کر لی۔" میں نے مٹھی بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں! کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"آپ نے دیکھ لیا کہ یہ مٹھی بند ہے؟"

"بھئی دیکھ لیا۔ اب آگے بولو ناں۔"

"تو یوں سمجھ لیجیے کہ اس مٹھی میں قیصر پرویز موجود ہے اور جب میں اس مٹھی کو کھولوں گا تو اس مٹھی سے قیصر پرویز نکل کر آپ کے قدموں میں گر پڑے گا۔" وہ کسی قدر متاثر ہو گئے تھے۔ وہ مجھے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"تب تو کمال ہے، واقعی کمال ہے۔"

"ایسے کمالات میں بہت سے پیش کر چکا ہوں اور وہ کمالات قیصر پرویز کے مسئلے سے بالکل مختلف نہیں تھے۔"

"خوب۔ اچھا یہ بتاؤ میری اس سلسلے میں کچھ خدمات کام آ سکتی ہیں؟"

"نہیں آپ کو ملوث نہیں کرنا چاہتا ورنہ لوگ یہی کہیں گے کہ آپ اپنی معطلی بحال کرانے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اگر کوئی اور مسئلہ ہوتا تو میں ضرور آپ کو استعمال کرتا لیکن یہ مسئلہ چونکہ آپ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اس لیے میں آپ کو اس معاملے میں بالکل الجھنے نہیں دوں گا۔"

"تمہارا شکریہ شارق..."

"میں موجود ہوں۔ ہاں ایک بات کا وعدہ آپ کر لیجیے ذرا تھوڑا سا موقعے سے فائدہ اٹھا لینا بھی تو مناسب ہوگا۔"

"ہاں... ہاں کہو۔"

"کسی اور کے مسئلے میں اگر مجھے پولیس کے تعاون کی ضرورت پیش آئی تو ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس کی حیثیت سے میں آپ کے پاس آؤں گا۔ میرے سلسلے میں چند لوگ کام کرتے ہیں۔ مثلاً انسپکٹر بابر جان، انسپکٹر غالب جو بے چارہ معطل ہو گیا ہے اس قیصر پرویز کے چکر میں۔ یہ دو افراد میرا پورا پورا ساتھ دیتے ہیں۔ میں ان دو میں تیسرے فرد کا اضافہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مسکرا دیے پھر بولے۔

"ہاں تمہارا اشتیاق بجا ہے کہ پہلے میں تمہارے لیے شاید کچھ نہ کر سکتا اور یہ ممکن تھا کہ اس طرف میں توجہ نہ دیتا لیکن اب کوئی مسئلہ جو قانون کے خلاف نہ ہو اور میرے ذریعے حل ہو سکتا ہو تو اس میں مجھ سے تکلف نہ کرنا بشرطیکہ میں بحال ہو جاؤں۔" ایس۔ پی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا بشرطیکہ میں بحال ہو جاؤں سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"کچھ نہیں بھئی بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔"

"بھائی جان آپ اسے بڑی بات کہیں گے آپ صرف چند گھنٹے کے اندر اندر بحال ہو سکتے ہیں لیکن بہتر ہے یہ سب کچھ نہ ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں سمجھانا بھی نہیں چاہتا۔ صرف ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"کیا... ؟"

"آپ کے سر کا درد بند ہو جانا چاہیئے۔ بالکل بند ہو جانا چاہیئے ورنہ یہ میری توہین ہے اور اس توہین سے مشتعل ہو کر میں اگر کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھا تو پھر آپ کہیں گے کہ میں ایک ناتجربہ کار انسان تھا۔" ایس۔ پی طارق حسین میری بات سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں... نہیں شارق ہر طرف سے محتاط ہو کر کام کرنا۔ ویسے بتا سکتے ہو کہ اب اس سلسلے میں تم کیا کر رہے ہو؟"

"نہیں بتا سکتا۔" میں نے جواب دیا اور ایس۔ پی صاحب اپنی عادت کے خلاف ہنس پڑے۔

"بہت ضدی ہو۔"

"جی ہاں اور اس ضد کو کرتے ہوئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ہشاش بشاش رات کے کھانے پر ہشاش بشاش نظر آئیں۔ ویسے کیا ڈیڈی بھی مضمحل ہیں؟"

"ہاں سب بہت محسوس کر رہے ہیں ان حالات کو۔"

"اب میں فرداً فرداً سب کو کیا سمجھاتا پھروں؟ آپ لوگ وقت کا انتظار ہی کر لیجیے۔ چلتا ہوں۔"

"بیٹھو۔ کچھ اور باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

"بھائی جان اس وقت زیادہ نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ کا حکم پھر کسی وقت مان لوں گا۔" میں نے کہا اور ان کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب آج کے لیے اور کوئی کام نہیں تھا۔ ویسے اس مسئلے میں مجھے کافی تگ و دو کرنی پڑ رہی تھی اور شاید یہ پہلا کیس تھا جس میں مجھے کافی طویل وقت لگا تھا اور ابھی تک اس سلسلے میں میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کامیابی مجھ سے کتنی دور ہے؟ ویسے جو میرے میں نے اپنی اپنی جگہ متعین کیے تھے ان پر مجھے مکمل اعتماد تھا۔ مثلاً بدر شاہ کا ایک آدمی فرقان جو بدر شاہ کے کہنے کے مطابق بہت ذہین تھا مسلسل مسعود پرویز کے تعاقب میں لگ گیا تھا اور اس کی رپورٹیں مجھے روزانہ موصول ہوتی تھیں۔ نگہت شیرازی کو میں نے ایک اور ذمہ داری سونپ دی تھی اور آج شام کے اس انٹرویو کے بعد اسے دوسرے دن سے اپنے کام میں مصروف ہو جانا تھا۔ میرے کام کی ابتداء کے لیے ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ میں اپنے طور پر مستعدی سے سارے کام کر رہا تھا۔ آج کی شام مصروف نہیں تھی لیکن کل صبح سے میری مصروفیت کا خاص طور سے آغاز ہو جانا تھا اور اب یہاں بھی آشیانے میں میرا رکنا ممکن نہیں تھا۔ شوکت جاہ اور ڈیڈی یقیناً متجسس ہوں گے اس سلسلے میں کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ ان کی ہر بات کا جواب دینا بھی میرے بس کی بات نہیں تھی کیونکہ کوئی جواب ہی نہیں تھا میرے پاس جب تک کہ میرے اپنے پروگرام کے مطابق تمام مرحلے طے نہ ہو جائیں۔ البتہ رات کے کھانے پر میں نے طارق بھائی کو دیکھا میرے الفاظ نے ان پر جادو کر دیا تھا اور وہ پہلے کی نسبت بالکل مطمئن نظر آ رہے تھے۔ رات کے کھانے پر ڈیڈی اور شوکت جاہ بھی موجود تھے لیکن حیرت انگیز طور پر انہوں نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا نہ ہی کھانے کے بعد کسی قسم کی اس موضوع پر گفتگو ہوئی تھی۔ رات ... دوسری صبح ... کے مطابق سب لوگ ... اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے اور میں تھوڑی دیر تک ان کے ساتھ رہنے کے بعد باہر نکل آیا۔ آشیانے میں، میں نے یہ اطلاع نہیں دی تھی کہ ممکن ہے میں ایک دو دن کے لیے غائب ہو جاؤں۔ کہیں سے ٹیلیفون بھی کر سکتا تھا لیکن یہ اتنا اہم مسئلہ نہیں تھا۔ میں نے سب سے پہلے فاروقی صاحب کے دفتر کا رخ کیا اور وہاں صورتحال معلوم کرنے کے بعد وہاں سے بھی نکل آیا۔ ایک پبلک کال بوتھ سے میں نے استاد جمو نے کو فون کیا اور ان سے ساری خیریت لی۔ کوٹھی کا معاملہ بالکل ہی پرسکون تھا اور کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو قابلِ ذکر ہوتی۔ قیصر پرویز جیسے ناگ سے ہر لمحے ہوشیار رہنا ضروری تھا۔ بے شک اس نے یہ رخ بدلا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ احساس برتری کا شکار ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے درپردہ وہ بھی ہماری تاک میں لگا ہوا ہو اور چونکہ ذہین آدمی تھا اس لیے میں بھی سمجھتا تھا کہ وہ اپنے طور پر مطمئن نہ ہوگا اور یہ جاننے کی کوششوں میں مصروف ہوگا کہ ہم پر اس کی اس پیش کش کا کیا ردِ عمل ہوا یا جو کچھ ہمارے ساتھ کیا جا

ہوتا ہے اُس کے سلسلے میں ہم لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ویسے وہ ایس۔ پی طارق حسین وہ دھمکی دینے کے لیے کہہ کر گیا تھا کہ میں صاف صاف بتا دوں کہ اگر اُس کی پیش کش منظور کر لی جائے تو اُس کے بعد ایس۔ پی طارق حسین کی بحالی بھی لازمی ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اُس شخص کو نظر انداز کیا تھا جو جیل میں قیصر پرویز کی حیثیت سے بند تھا حالانکہ وہ ایک مہرہ ثابت ہو سکتا تھا میرے لیے۔ لیکن میں وقار احمد کے لیے کوئی مشکل نہیں چاہتا تھا کیونکہ معاملہ قیصر پرویز [illegible] آدمی کا تھا اور مجھے مستقبل کے لیے وقار احمد کو محفوظ رکھنا تھا۔ بہرطور میں دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔ پوری احتیاط کے ساتھ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ قیصر پرویز کی طرف سے میرا تعاقب تو نہیں ہو رہا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر میں نے کار اپنے فلیٹ کے سامنے چھوڑ دی اور اُسے لاک کر کے پیدل وہاں سے ایک سمت چل پڑا۔ کافی دور تک پیدل چلنے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی روکی اور اب اس کے بعد میرا رُخ اپنے ہوٹل کی جانب تھا۔ اس کیس کے سلسلے میں یہ ہوٹل ہی میرا ہیڈ کوارٹر تھا۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد دیر تک آرام کرتا رہا۔ مجھے علم تھا کہ نگہت شیراز جس کام میں مصروف ہے اُس میں ابھی اُسے وقت لگے گا۔ بہت اہم ذمہ داریاں سونپ دی تھیں اس بار میں نے نگہت شیراز اور بدر شاہ کو مفت میں میری پریشانیاں بھگتنی پڑ رہی تھیں۔

فی الحال میرے پاس اور کوئی کام نہیں تھا۔ چاروں طرف جو خاردار تاروں کی باڑ لگائی تھی میں نے وہ ابھی تک بالکل محفوظ تھی اور کوئی ایسی بات نہیں تھی جو میرے لیے باعث تشویش ہو۔ نجانے کب تک خیالات میں ڈوبا رہا پھر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ باسط رانا اور دوسرے لوگ کہیں میری اس پراسرار گمشدگی کو محسوس نہ کر لیں ہوشیار رہنا ضروری تھا۔ فاروقی صاحب کے بارے میں علم نہیں تھا کہ اس وقت وہ کہاں ہیں؟ لیکن میں اپنے اس خیال کے تحت ہوٹل سے باہر نکل آیا اور اس کے بعد میرا رُخ کورٹ کی جانب تھا۔ کورٹ میں فاروقی صاحب اور جاوید قریشی مل گئے کئی معاملات انہیں نمٹانے تھے۔ میں بھی اُن کے ساتھ مصروف ہو گیا اور سہ پہر کو کورٹ سے فارغ ہونے کے بعد بار روم کی جانب چل پڑا اور میرے اندازے کے مطابق یہاں باسط رانا اور اعجاز مفتی مل گئے۔ خاص طور سے میری جانب متوجہ ہوئے۔ باسط رانا مسکراتا ہوا میرے پاس آ گیا۔ مجھے تحمل کا ثبوت دینا تھا اور اُس سے ہر گفتگو متوقع کی جا سکتی تھی۔

"ہیلو شارق حسین کیا ہو رہا ہے؟ بھئی آج کل کوئی ہنگامہ خیزیاں نہیں کر رہے؟"

"ابتدا تو کی تھی ہنگامہ خیزیوں کی لیکن بات کچھ بنی نہیں رانا صاحب آپ فرمائیے آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ کس بے گناہ کو پھانسی دلوا رہے ہیں؟"

"نہیں بھئی ہم سے جو نظریہ تم نے قائم کر لیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بے گناہوں سے دلی ہمدردی ہوتی ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ واقعی۔" میں نے کہا اور باسط رانا مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"مجھ پر طنز کرنے سے کیا حاصل ہوگا شارق حسین بہتر ہے کہ تعمیری کام کرو۔ پتا نہیں کیوں تم ہم لوگوں میں ایک تخریب کار کی حیثیت سے داخل ہو گئے ہو۔"

"آپ لوگوں کی برائیوں کو ختم کرنا میرا مشغلہ ہے۔"

"ہوں ضرور... ضرور اپنے اس مشغلے کو جاری رکھو گے تو بڑے فائدے میں رہو گے۔ ویسے یہ بات مجھے پسند نہیں آئی کہ بڑھتا ہوا آدمی راستے سے پلٹ جائے۔"

ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ بہرطور یہ مسئلہ نہ سہی کوئی اور مسئلہ سہی۔ لیکن جو راستہ اپنایا ہے اُس پر تو قدم آگے بڑھتے ہی رہنے چاہئیں۔ کچھ تجربات بھی زندگی میں ضروری ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ تجربات آئندہ کام آئیں۔"

"ہم لوگوں کے تجربات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاؤ گے۔"

"خدانخواستہ میرا ذہن جب اس طرف راغب ہوا تو میں یہ دھندہ چھوڑ دوں گا۔" میں نے کہا اور باسط رانا ہنسنے لگا۔

تھوڑی دیر تک وہ میرے ساتھ رہا کیونکہ میں نے گفتگو کا آغاز اُس کی مرضی کے مطابق نہیں کیا تھا اس لیے وہ زیادہ دیر میرے ساتھ نہ جم سکا۔ کورٹ سے واپسی جاوید قریشی اور فاروقی صاحب کے ساتھ دفتر ہوئی تھی۔ دفتر میں شام ہو گئی اور پھر بالکل ہی غیر متوقع طور پر میں گھر پہنچ گیا۔ کوٹھی میں مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ دلچسپیاں اپنی جگہ تھیں۔ جاوداں سے بھی ملاقات رہی رات وہیں گزاری سوچ رہا تھا کہ جب تک کام کا باقاعدگی سے آغاز نہ ہو کوئی ایسی تبدیلی عمل میں نہیں آنی چاہیے جو ان لوگوں کے لیے باعث تشویش ہو جائے۔ یوں دوسرا پھر تیسرا دن گزار لیا۔ چوتھے دن کے سلسلے میں بہت سے پروگرام تھے۔ چنانچہ میں نے صبح کو گھر سے نکلنے کے بعد سیدھا نگہت شیراز کے گھر کا رُخ کیا تھا۔ پروگرام میں یہی شامل تھا۔ میں بہت محتاط انداز میں نگہت شیراز کے گھر تک

پہنچ گیا۔ نگہت شیراز میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھلتے ہی اُس کے چہرے کا جائزہ لیا اور اُس نے دونوں آنکھیں بند کر کے گردن خم کر دی۔ گویا یہ اظہار کر رہی تھی کہ جو ذمہ داری اُس کے سپرد کی گئی ہے۔ وہ اُسے پورا کر چکی ہے۔ نگہت شیراز کی والدہ وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ سلام دعا ہوئی۔ چائے پی گئی اور اُس کے بعد نگہت شیراز نے اپنی رپورٹ بہت ہی مؤثر انداز میں میرے سامنے پیش کر دی۔ اُس نے کہا۔

رجب سیٹھ سے ملاقات کرنے میں بے شک بڑی دقتیں پیش آئیں لیکن میں اُس کا انٹرویو لینے میں کامیاب ہو گئی۔ تصاویر پرنٹ کرا لی گئی ہیں۔ جو آپ کے سامنے پیش کر رہی ہوں۔" اُس نے رجب سیٹھ کی چند مختلف انداز کی تصاویر میرے سامنے رکھ دیں اور میں انہیں غور سے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"آدمی خطرناک معلوم ہوتا ہے۔"

"بے حد... معمولی چیز نہیں ہے۔ ویسے اس کا یہ انٹرویو بھی مزیدار ہے۔ کل کے اخبار میں دے رہی ہوں۔"

"اخبار کو تو کوئی اعتراض نہ ہوگا؟"

"نگہت شیراز کے کیے ہوئے انٹرویو پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا ویسے رجب سیٹھ بہت خوش ہو گیا ہے مجھ سے۔"

"کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟"

"کائیاں آدمی ہے۔ بالکل ہوا بھی نہیں لگنے دی اُس نے لیکن اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ اُس کا واسطہ کس سے پڑا ہے؟ میں نے بہت ہی احتیاط سے اُس کے بہت سے مشاغل معلوم کر لیے ہیں۔ اور اب اگر آپ رجب سیٹھ سے ملنا چاہیں گے تو میں آپ کو وہ جگہ فراہم کر سکتی ہوں جہاں وہ اس وقت موجود ہوگا جب آپ کے پاس وقت ہوگا۔"

"ویری گڈ... ویری گڈ۔" میں نے کہا اور نگہت شیراز مجھے مزید تفصیلات بتاتی رہی پھر اُس نے کہا۔

"اُس کے ساتھ ساتھ ہی جناب عالی میں نے مسعود پرویز کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی ہیں۔"

"خوب۔ اُن کی تفصیل کیا ہے؟"

"مسعود پرویز باقاعدہ کام کر رہا ہے اور یقینی طور پر قیصر پرویز کے علم میں یہ بات ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان دنوں اسے محتاط رہنے کے لیے کہہ دیا گیا ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ ناخدا اس وقت گیری ورکشاپ میں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اُسے اوور ہالنگ کے لیے دیا گیا ہے اور اس کی اوور ہالنگ مکمل ہو چکی ہے۔ شاید ایک یا دو دن میں اُسے مسعود پرویز کے حوالے کر دیا جائے گا۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے ناخدا کو کسی اوور ہالنگ کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اُسے ہنگامہ خیزیوں سے روک دیا گیا ہے۔ تین آدمی اُس جگہ متعین رہتے ہیں جہاں ناخدا لنگر انداز ہوتی ہے۔ ان تینوں کے نام وغیرہ موجود ہیں۔" میں تحسین آمیز نگاہوں سے نگہت شیراز کو دیکھتا رہا۔ اُس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا پھر میں نے اُس سے کہا۔

"تمہاری چھٹی کا کیا ہوا؟"

"بس یہ انٹرویو اخبار کو دے دوں اُس کے بعد چھٹی ہی چھٹی ہے۔"

"خوب تو پھر تیار رہنا۔"

"بالکل۔" نگہت شیراز نے کہا اور اس کے بعد میں نگہت شیراز سے رخصت ہو کر بدر شاہ کی طرف چل پڑا۔ یہی اپنا پروگرام تھا۔ بدر شاہ اپنے ٹھکانے پر موجود ملا اور اُس نے بھی سب سے پہلی اطلاع ناخدا کے بارے میں یہی دی تھی جو نگہت شیراز سے مجھے مل چکی تھی۔ اُس نے کہا۔

میں نے کین ایم کریک پر تین آدمیوں کو بھیج دیا ہے ساحل پر کافی فاصلے پر ایک ٹیلے کی آڑ میں انہوں نے کیمپ لگایا ہے اور سروے کر رہے ہیں۔ ایک گاڑی ان کے پاس آتی جاتی رہتی ہے اور یہ گاڑی دوسروں کی نگاہوں میں لے آئی گئی ہے۔ کین ایم کریک پر صرف ایک طرف رجب سیٹھ کا قبضہ ہے اور اُس کے عام طور سے وہاں آٹھ آدمی موجود رہتے ہیں۔ اس دوران [illegible] کسی ملک سے آئی اور اُس سے سامان اتارا گیا ہے جس کی نگرانی کر لی گئی ہے۔"

"اوہ! یہ سامان دن کے وقت اتارا گیا تھا یا رات میں؟"

"دن میں دوپہر بارہ بجے۔"

"کیا رجب سیٹھ بھی وہاں موجود تھا؟"

"قطعی نہیں۔ وہ ایسے معاملات میں براہ راست مداخلت نہیں کرتا۔"

"گڈ اور دوسرے مسئلے کا کیا ہوا؟"

"ضرورت کی چیزیں؟"

"ہاں۔"

"بس آپ کا حکم کافی تھا۔ بدر شاہ اب اتنا بے وسیلہ بھی نہیں ہے کہ ضرورت کے وقت چیزیں نہ حاصل کر سکے۔ یہاں بہت سے گروپ ہیں جو ضرورت کی ہر چیز سپلائی کر دیتے ہیں۔ گو میں نے ان ہنگاموں میں کبھی دلچسپی نہیں لی لیکن واقفیت تو سبھی سے ہے وہ کام بھی ہو گیا ہے۔"

"وزرا مشکل مرحلہ تھی۔"

"ہاں تھی تو مشکل مگر مل گئی۔"

"گڈ اچھا اب یہ بتاؤ فرقان کی کیا رپورٹ ہے؟"

"مسعود پرویز اپنی تفریحات میں مشغول ہے۔ ان دنوں زیادہ تر ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں دیکھا جاتا ہے کسی اور قسم کی ایکٹیویٹی نہیں کر رہا۔ میرا خیال ہے احتیاط کی زندگی گزار رہا ہے ویسے یہ آدمی فقیر پرویز بہت چالاک ہے۔ کوئی پہلو کمزور نہیں چھوڑتا۔"

"تو پھر جنرل آپریشن کیا جا سکتا ہے؟"

"بالکل کیا جا سکتا ہے میرا خیال ہے سارے کام تیار ہیں۔"

"تو کل کا دن متعین کر لیتے ہیں۔"

"او کے چیف اب میرے لیے کوئی اور حکم ہو تو بتا دیجئے۔"

"نہیں بدر شاہ بس تمہارے چار آدمی وہاں درکار ہوں گے۔ باقی لوگ جیسا کہ تم نے کہا کام میں مصروف ہیں ہی۔ ان چار آدمیوں کو ہمارے ساتھ رہنا چاہیے۔"

"وہ تو سب پروگرام طے ہو چکا ہے شارق بھائی۔ اس میں کسی قسم کی ترمیم ہو تو بتا دو۔"

"نہیں بدر شاہ اور کوئی ترمیم نہیں ہے۔ یہ وائرلیس تم رکھ لو مجھے اطلاع دینے کے کام آئے گا۔"

"اس کا بندوبست بھی ہم نے کر لیا ہے شارق بھائی جی آپ اسے اپنے پاس رکھیں۔ یہ الگ سیٹ آپ لے لیجیے۔ ضرورت کے تمام آدمیوں کو وائرلیس دے دیے گئے ہیں۔"

"زندہ باد۔" میں نے پُرمسرت انداز میں کہا اور اس کے بعد دیر تک بدر شاہ سے اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ میرے بدن میں خون کی روانی تیز ہو چکی تھی جس لمحے کے لیے میں نے اتنا انتظام کیا تھا اب وہ قریب آ گیا تھا بس کچھ گھنٹے اور گزارنے تھے اور اس کے بعد کام مکمل... یہ وقت میں کسی کے ساتھ نہیں بسر کرنا چاہتا تھا کیونکہ میرے ذہنی ہیجان کا اندازہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ رات کو ہوٹل ہی میں وقت گزارا۔ دوسرے دن صبح ساڑھے سات بجے نگہت شیراز میرے پاس پہنچ گئی وہ اپنے چند جوڑے کپڑوں کے ساتھ لائی تھی۔ ساتھ ہی وہ . . . وہ تصویریں بھی ساتھ لائی تھی جو اُس نے جاوداں کی اتاری تھیں۔ ہماری کوٹھی کے لان پر یہ تصویریں نہایت واضح تھیں۔ ویسے بھی جاوداں کا چہرہ میرے سامنے تھا اور اب مجھے اپنے اُس عمل کا آغاز کرنا تھا جو آج کا اصل کام تھا۔ میک اپ کے سلسلے میں، میں اتنا ماہر تو نہیں تھا کہ اپنی پسند کے مطابق ہر کام کر لیتا لیکن تائید غیبی کا میں ہمیشہ سے قائل تھا۔

اس سلسلے میں بھی میری مہارت بھاردوں کے کیس میں کام آئی تھی اور کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ بھاردوں میں بن گیا تھا اور میں بھاردوں۔ چنانچہ میں نگہت شیراز کے چہرے پر مصروف ہو گیا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ وہ خود بھی تھوڑا بہت میک اپ کر لیا کرتی تھی لیکن اس وقت میری مہارت ہی ضروری تھی۔ میں نے ایک ایک پوائنٹ کا خاص طور سے خیال رکھا اور نگہت کے چہرے کو پینٹ کرنے لگا ایک خاص قسم کا لوشن اُس کے چہرے پر لگانے کے بعد میں نے اُس کے چہرے پر مصوری شروع کر دی بلاشبہ نگہت شیراز اور جاوداں کے حُسن میں کوئی مماثلت ہی نہیں تھی۔ جاوداں تو ایک آفاقی شکل رکھتی تھی جسے دیکھ کر نگاہیں ہٹانے کو جی نہ چاہے جبکہ نگہت شیراز بھی اچھی شکل و صورت کی مالک تھی لیکن جاوداں جیسی بات کہاں؟ میں نے اپنی تمام تر مہارت اس کے چہرے پر صرف کر دی۔ رنگوں اور ہر چیز کا میں نے خاص خیال رکھا تھا اور جو چہرہ نکلتا آ رہا تھا وہ میری مسرتوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ تقریباً سوا گھنٹے کی شدید محنت کے بعد جبکہ ہمارے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ میں نے نگہت شیراز کا چہرہ دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ میں اپنی کوششوں میں سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ میں نے آئینہ نگہت شیراز کے سامنے کیا تو اُس کی آنکھوں میں بھی تحسین کے آثار ابھر آئے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شارق صاحب کون کون سے فن کی تعریف کروں میں آپ کے۔"

"نہیں نگہت یہ مسئلہ میری زندگی سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور اس سلسلے میں، میں اپنے تمام تر جذبات کے ساتھ کام کر رہا ہوں۔ بالوں کے اسٹائل کو تبدیل کرنے میں کافی دقت پیش آئی تھی لیکن میری کوششوں سے وہ مشکل بھی حل ہو گئی۔ البتہ آنکھوں کے سلسلے میں، میں کچھ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ طے کیا گیا تھا کہ ایک خوبصورت چشمہ لگایا جائے جس کا بندوبست نگہت نے خود کر لیا تھا۔ بہت ہی ہلکے رنگ کا چشمہ نگہت شیراز کے چہرے پر لگا تو اُس کے حسن میں اضافہ ہی ہو گیا اور وہ کافی خوبصورت نظر آنے لگی۔ گردن اور اس کے بعد ہاتھوں کے کھلے ہوئے حصوں کا رنگ تبدیل کرنے کے بعد میں نے نگہت سے کہا کہ اب وہ لباس تبدیل کرے اور نگہت لباس لے کر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی پھر جب وہ باتھ روم سے برآمد ہوئی تو میں فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھا سو فیصد جاوداں لگ رہی تھی۔ ہمیں بہت سی آسانیاں بھی حاصل تھیں مثلاً یہ کہ مسعود پرویز جاوداں کی آواز نہیں پہچانتا تھا اور نگہت کو آواز کے سلسلے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا چنانچہ وہ مسئلہ بھی حل ہو گیا اور اب میرا کام مکمل تھا نگہت کو اس وقت کے بعد میرے ساتھ ہی رہنا تھا کیونکہ شام کو ہمیں اپنے کام کا آغاز کرنا تھا

اس دوران بدر شاہ سے بھی وائرلیس پر دو بار بات ہو چکی تھی اور سارا کام میری مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔ ساڑھے چھ بجے شام کو فرقان نے براہِ راست مجھے اطلاع دی کہ مسعود پرویز اپنی کوٹھی سے نکل آیا ہے۔ وہ گہرے عنابی رنگ کی ایک خوبصورت کار میں ہے اور اُس کے رُخ کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں نے فرقان کو ہدایت دی کہ جونہی مسعود پرویز کسی جگہ پہنچے مجھے اطلاع دی جائے۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد فرقان نے مجھے بتایا کہ مسعود پرویز بلو اسٹار نامی کلب میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کلب میں اُسے پہلے بھی دیکھا جاتا رہا ہے۔ میں نے شکریہ ادا کرنے کے بعد ٹرانسمیٹر بند کیا اور پھر بدر شاہ کو اس بارے میں اطلاع دینے کے بعد نگہت شیراز کے ساتھ باہر نکل آیا اور اب میری کار بلو اسٹارز کی جانب جا رہی تھی۔ نگہت شیراز کے پاس ایک ٹرانسمیٹر موجود تھا جس کا میرے ٹرانسمیٹر سے براہِ راست رابطہ رہنا تھا۔ میں نے اُسے بلو اسٹارز کے قریب اتار دیا اور نگہت مجھے اللہ حافظ کہہ کر اندر کی جانب چل پڑی۔ پارکنگ میں، میں نے عنابی رنگ کی وہ کار دیکھ لی تھی جس کے بارے میں فرقان نے مجھے اطلاع دی تھی پھر میں اپنی کار کو ریورس کر کے کافی فاصلے پر لے آیا اور بدر شاہ کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد گہرے سبز رنگ کی ایک بڑی سی وین بلو اسٹارز کی سامنے آ کر رُک گئی۔ اس کے اسٹیئرنگ پر بدر شاہ موجود تھا۔ میں نے بدر شاہ کو صورتِ حال بتا دی اور پھر ٹرانسمیٹر نگہت کے ٹرانسمیٹر سے کنکٹ کر لیا۔ تقریباً پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا پھر ایک آواز سنائی دی۔

"ہیلو مس جاوداں۔" میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ کام شروع ہو چکا تھا۔

"ہیلو!" یہ آواز نگہت شیراز کی تھی۔

"یقیناً آپ نے مجھے نہیں پہچانا ہو گا۔"

"آپ نے یہ کیوں سوچا؟"

"ارے اوہ۔ اوہ تو کیا آپ؟"

"میری یادداشت کے بارے میں لوگوں کا خیال ہے کہ حیرت انگیز ہے۔"

"امتحان لینا پڑے گا۔"

"ضرور لیجیے۔"

"تو بتائیے میں کون ہوں؟"

"جناب مسعود پرویز۔" نگہت کی آواز سنائی دی۔

"بیٹھ سکتا ہوں؟"

"اوہ ضرور۔ بدحواسی میں خیال ہی نہ رہا۔"

"شکریہ ویسے آپ نے مجھے سخت حیران کر دیا ہے۔"

"کیوں؟"

"میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ آپ مجھے پہچان سکیں گی۔" مسعود پرویز نے کہا۔

"کچھ لوگ اپنی پہلی جھلک میں ہی ذہن میں اتر جاتے ہیں اور مسعود صاحب میں ان لوگوں میں آپ کو سرِ فہرست رکھتی ہوں۔"

"میرے خدا۔ مجھے احساس نہ تھا۔ حالانکہ ہماری ملاقات نہ ہونے کے برابر تھی۔"

"مگر آپ اس ایک جھلک کا کیا کہیں گے۔" نگہت شیراز کی ہنسی سنائی دی تھی۔

میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا ایسی لڑکی ہاتھ لگی تھی میرے جس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے چند ہی الفاظ میں مسعود پرویز کو اُلّو کا چرخہ بنا دیا تھا۔

"اس وقت آپ نے کہا سوچا تھا میرے بارے میں؟" اس نے پوچھا۔

"یہی ایک شاندار شخصیت لیکن۔" نگہت خاموش ہو گئی۔

"لیکن کیا۔" مسعود پرویز نے پوچھا۔

"چھوڑیئے مسعود پرویز صاحب بس تھوڑی سی مشرقیت بھی ضروری ہے حالانکہ میں نے جس ماحول میں پرورش پائی ہے وہاں یہ سب کچھ نہیں ہوتا، وہاں کہہ دینے کی آزادی ہے۔"

"تو یہاں بس نے پابندی لگا دی آپ پر...؟"

"جانے دیجیے پلیز...؟"

"نہیں بھئی اب تو میں معلوم کر کے ہی رہوں گا۔"

"میں نے سنا تھا کہ آپ انیلا سے منسوب ہیں۔" نگہت نے کہا۔

"اوہ تو آپ کے دل میں رقابت پیدا ہو گئی ہو گی۔" مسعود پرویز نے قہقہہ لگایا پھر بولا۔

"نہیں شاید ہالینڈ میں رقیبوں کا تصور نہیں ہوتا۔"

"آپ اپنی بات کیجیے، آپ کا خون تو مشرقی ہے۔"

"رقابت نہیں بس تھوڑا سا افسوس کہہ سکتے ہیں آپ۔"

"تھوڑا سا۔"

"ہاں۔"

"پھر۔"

"پھر کچھ نہیں۔ صبر کر لیا۔" نگہت ہنس پڑی۔ ان حالات میں مسعود پرویز کیا کوئی بھی ایسا شخص ہوتا تو با آسانی بیوقوف بن سکتا تھا۔ مسعود پرویز کی تو لاٹری نکل آئی تھی اُس نے کہا۔

"جاوداں آپ یقین کیجیے اس وقت میں نے آپ کو دیکھا تو میرے

دل میں دبا لیے کیسے کیسے خیالات بیدار ہو گئے اور یہی وجہ تھی کہ
میں نے اپنے طور پر انیلا سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا وہ تو یوں کہیے کہ
اتفاق سازگار تھا کہ احمد کمال خود ہی یہاں سے کہیں چلے گئے اور وہ
بھی کچھ بتائے بغیر میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اپنے ڈیڈی
نے انیلا کا تصور میرے ذہن سے نکل چکا ہے اور میں جاودان
کو چاہتا ہوں۔"

"پھر کیا ہوا...؟"

"دراصل اُس گھرانے سے ہماری کچھ چپقلش چل رہی ہے
جہاں آپ رہتی ہیں، لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ آپ لوگ
صرف مہمان ہیں، میں نے ڈیڈی سے کہا کہ وہ ہر قیمت پر یہ بات
کریں اور ڈیڈی کو زبردستی وہاں لے گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا
کہ یہ معاملہ دوطرفہ ہے۔

"اب معلوم ہو گیا؟"

"ہاں... لیکن اسے کیا کہا جائے۔ میں تو اسے جذبۂ دل
کہتا ہوں کہ آپ یہاں آ گئیں۔ آپ کو کیسے خیال آیا بلواسٹار نہ
میں آنے کا؟"

"آپ کو شاید یہ اندازہ نہیں کہ جہاں میرا قیام ہے وہاں
ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں کا تصور بھی نہیں ہے جب کہ میں نے
باہر کی زندگی میں یہ سب کچھ بہت دیکھا ہے۔ اور یہی زندگی گھٹی گھٹی سی ہے"

"بالکل... اس میں کیا شک ہے آپ یقیناً قدامت پسند ہے؟"

"جی بالکل بلکہ بہت زیادہ..."

"تو پھر آپ وہاں سے کیسے نکلیں...؟"

"میں پابند نہیں ہوں کسی کی۔ مہمان ہوں کچھ عرصے سے ہم
لوگ وہاں ہیں۔ اس کے بعد ہمارا کہیں نا کہیں اپنا گھر ہو گا۔"

"اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں میری بہت سی کوٹھیاں
ہیں یہاں کوئی بھی آپ کو دے سکتا ہوں آپ اشارہ کر کے دیکھیں"

"ابھی میں کوئی اشارہ نہیں کروں گی"، نگہت شیراز ہنس کر
بولی اور مسعود پرویز بھی ہنسنے لگا پھر بولا۔"

"جب بھی آپ اشارہ کریں گی ہم آپ کی خدمت کر کے
فخر محسوس کریں گے۔"

"بس میں نکل آتی ہوں کہیں نہ کہیں اور سچ بات یہ ہے
مسعود پرویز صاحب کہ میں آپ سے ملنا بھی چاہتی تھی۔"

"اوہ... تو مجھے ٹیلی فون کر لیا ہوتا۔"

"بس اس کی ہمت نہیں کر پائی تھی یہ نہیں پتا تھا کہ آپ
کس مزاج کے آدمی ہیں۔"

"ہاں ظاہر ہے ہمیں تو اُس دن بھی آپ سے ملاقات کا
موقع نہیں دیا گیا جس دن میں ڈیڈی کے ساتھ آپ کے گھر گیا تھا۔"
مجھے معلوم تھا کہ اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگ کس
مقصد کے تحت آئے تھے۔"

"کیا تصور قائم کیا آپ نے اپنے ذہن میں؟"

"بس خوش ہوئی تھی۔ دراصل میں زندگی کو ذرا دوسرے
انداز سے دیکھنے کی عادی ہوں میں چاہتی ہوں کہ میرے اور آپ
کے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ہو۔"

"واہ... یوں سمجھ لیجیے کہ آپ نے میری جیسی طبیعت
پائی ہے۔"

"ہر سمجھدار آدمی کی یہی طبیعت اور یہی مزاج ہونا چاہیے۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے، میں آج کا دن خوشی سے پھولا
نہیں سما رہا۔ پہلے میرا بلواسٹار نہ آنے کا پروگرام نہیں تھا لیکن
مجھے کیا معلوم تھا کہ اچانک اس طرف کا رُخ آپ کی وجہ سے
ہوا ہے۔"

"اگر آپ اسے کوئی ایسا حادثہ کہنا چاہتے ہیں تو یہ حادثہ
تو میرے ساتھ بھی ہوا ہے، میں بلواسٹار نہ پہلی بار آئی ہوں یا
اس سے پہلے یہاں کبھی نہیں آئی۔"

"خوبصورت جگہ ہے لیکن میں آپ کو یہاں سے کہیں اور
چلنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

"میں نے کہا نا کہ میں ایسے معاملات میں تکلفات سے
کام نہیں لیتی۔"

"تو پھر آیئے اُٹھیں یہاں بیٹھ کر وقت ضائع کرنا مناسب
نہیں ہے۔"

"کہاں چلیں؟"

"ساحل سمندر پر حالانکہ وقت بہت ہو چکا ہے لیکن سمندر
کا ایک علاقہ ہے۔ یہاں جسے ہم حسین ترین کہہ سکتے ہیں اور
جہاں آپ کو لُطف آ جائے گا میں نے اپنے اس شہر کو اپنے لیے
جنّت بنا لیا ہے۔"

"واہ وہ کیسے...؟"

"یہ میں آپ کو وہاں چل کر ہی بتاؤں گا آپ کو تو کوئی
اعتراض نہیں ہے۔"

"آپ کے ساتھ کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" نگہت شیراز
نے جاودان کی حیثیت سے جواب دیا۔

"کچھ پیا آپ نے...؟"

"نہیں ابھی نہیں لیکن کہیں اور چل کر ہی پئیں گے۔" نگہت
شیراز مسعود پرویز سے زیادہ ایڈوانس ہو گئی تھی اس کے بعد
ان دونوں کے کرسیاں کھسکانے کی آوازیں سُنائی دیں اور
میں نے فوراً ہی ٹرانسمیٹر آف کر کے بدرشاہ سے رابطہ قائم کیا۔

"بدرشاہ کام ہو گیا ہے وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

"ہم بھی مستعد ہیں چیف آپ فکر نہ کریں۔" بدرشاہ نے
جواب دیا اور میں ٹرانسمیٹر بند کر کے باہر کے دروازے کو دیکھنے
لگا زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ نگہت شیراز مسعود پرویز کے
ساتھ برآمد ہوئی اور اس کے بعد دونوں چلتے ہوئے اس کار
تک پہنچ گئے جس میں مسعود پرویز یہاں تک آیا تھا مسعود پرویز
نے بڑے اہتمام سے کار کے برابر کا دروازہ کھولا تھا میں نے
ایک بار پھر ٹرانسمیٹر آن کر کے بدرشاہ سے کہا۔

"وہ لوگ ساحل سمندر پر جا رہے ہیں میرا خیال ہے ہمیں
بہترین علاقہ مل جائے گا ہمیں اس جگہ مسعود پرویز کو چھاپنا ہے
جہاں وہ کار پارک کر کے صورتِ حال کا جائزہ لے لیتا۔

"اوکے چیف۔" بدرشاہ نے جواب دیا اور میں نے پھر
ٹرانسمیٹر کا نمبر نگہت شیراز کے ٹرانسمیٹر سے سیٹ کر دیا۔

"آپ کی کار بہت خوبصورت ہے۔"

"اب اسے صرف میری کار نہ کہیں اپنی بھی کہیں۔"

"اوہ آتنی جلد باز نہیں ہوں میں۔"

"آپ کے جواب کا انتظار تھا مس جاودان ورنہ میں تو
تُلا ہوا بیٹھا ہوں۔"

"تو پھر میرا جواب بھی آپ کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔"

"کیا معلوم نہیں ہوا...؟" مسعود پرویز نے پوچھا۔

"اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔" جاودان یا نگہت
شیراز نے کہا اور ایک بار پھر دونوں کی ہنسی میرے کانوں میں
گونج اُٹھی میں نگہت شیراز کی اداکاری پر عش عش کر رہا تھا اس
کے بہت سے کمالات میرے علم میں آ چکے تھے لیکن وہ اتنی عمدگی
سے کوئی کام سرانجام دے سکتی ہے اس کا اندازہ مجھے پہلی بار
ہوا تھا اور اس سے میں نے مستقبل کے بہت سے راستے کھلتے
ہوئے محسوس کیے تھے کار دوڑنے لگی میں نے ویگن کو اس کے
پیچھے جاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے بعد ان دونوں کے پیچھے
میری گاڑی چل پڑی بڑا شاندار تعاقب ہو رہا تھا بدرشاہ
بڑی احتیاط سے یہ تعاقب کر رہا تھا اور سارے کام میری پسند
کے مطابق ہو رہے تھے ان لوگوں نے جس ساحل کا رُخ کیا تھا

اس کے بارے میں تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے اندازہ لگا لیا
یہ ایک تفریحی ساحل تھا اور یہاں خوبصورت ہٹس بنے ہوئے
تھے گو شہر سے اس کا فاصلہ کافی تھا لیکن بہرطور اس سے کوئی
فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ نگہت شیراز کسی طور
خطرے میں نہیں ہے اس نے پہلی ہی کوشش میں وہ مرحلے طے
کر لیے ہیں جو دوسروں کے لیے بہت مشکل ہو سکتے تھے اور
ان مرحلوں کو طے کر کے اس نے میرے لیے جو آسانیاں فراہم کر
دیں ان کا بھی کوئی جواب نہیں تھا یہ تعاقب جاری رہا اور تھوڑی
دیر کے بعد ختم ہو گیا ایک خوبصورت سے ہٹ کے سامنے
مسعود پرویز نے اپنی کار روک دی تھی ہٹ تاریکی میں ڈوبا ہوا
تھا جس کا مقصد تھا کہ وہاں کوئی چوکیدار وغیرہ نہیں ہے۔ بدرشاہ
نے بھی اپنی ویگن ایک دوسرے ہٹ کے عقب میں روک دی تھی۔
میں نے بھی اپنی کار بدرشاہ کی ویگن کے پاس ہی روک دی
بدرشاہ اور اس کے ساتھی مستعد تھے ایک آدمی اس ہٹ کی
نگرانی کر رہا تھا جس میں مسعود پرویز دروازہ کھول کر اندر داخل
ہوا تھا ہم نے صرف تین منٹ انتظار کیا اور اس کے بعد بدرشاہ
اپنے آدمیوں کو لے کر اس جانب چل پڑا میں نے یہی انتظار کرنا
مناسب سمجھا تھا ویسے میرا ٹرانسمیٹر بدستور کام کر رہا تھا اور مجھے
اندر کی آوازیں صاف سُنائی دے رہی تھیں۔ چند لمحات کے بعد
مجھے بدرشاہ کے اندر پہنچنے کا علم ہو گیا مسعود پرویز کی کراہ
سُنائی دی اور میرے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
قیصر پرویز پر پہلی کاری ضرب۔ کم از کم مسعود پرویز میرے قبضے
میں آ گیا تھا اور اس کے بعد باقی کام بھی انشاءاللہ ہو جانے
ہی تھے۔ ہرچند کہ یہ سب میرے نزدیک قانونی نہیں تھا۔
زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بدرشاہ اور اس کے آدمی
واپس آتے ہوئے نظر آئے ان کے ساتھ نگہت شیراز بھی جاودان
کے میک اپ میں موجود تھی۔ وہ میرے پاس پہنچی تو میں نے اُس
سے پُرجوش مصافحہ کیا۔ نگہت شیراز نے نیازمندی سے گردن
جُھکا دی تھی۔ بدرشاہ کے آدمیوں نے بے ہوش مسعود پرویز
کو ویگن میں ڈالا۔ میں نے بدرشاہ سے پوچھا۔

"ہٹ کو بند کر دیا ہے؟"

"بالکل اس طرح جیسے وہ پہلے بند تھی۔ بدرشاہ نے
جواب دیا۔

"گڈ، چلو... میں نے کہا اور خود آگے بڑھ کر مسعود
پرویز کی کار سنبھال لی۔ میری گاڑی نگہت شیراز ڈرائیو

لیکن ہوئی تھی اور بدر شاہ بھی یہیں اپنے آدمیوں کے ساتھ تھا۔ ہم ساحلی علاقے سے نکل آئے اور سڑک پر گاڑیاں دوڑتی رہیں۔ پھر ہم اس علاقے میں داخل ہو گئے، جہاں میری کوٹھی تھی۔ اس کوٹھی کی افادیت کا اندازہ اب ہو رہا تھا فاروقی صاحب نے یہ کام اتنا شاندار کیا تھا کہ انہیں جس قدر بھی داد دی جاتی کم تھی۔ ویسے ایک بات میں نے سفر کرتے ہوئے سوچی تھی وہ یہ کہ اس کوٹھی میں ایک شاندار تہ خانہ بھی ہونا چاہیئے جو ان جیسے لوگوں کے کام آ سکے۔ جو قانون کی دھجیاں بکھیر کر دیتے ہیں اور اس کی تعمیر کے سلسلے میں نے باقاعدہ فیصلہ کر لیا تھا۔

گاڑیاں کوٹھی میں داخل ہو گئیں۔ استاد چھوٹے مستعد تھے میں نے ان سے ملاقات کی اور اس کے بعد بدر شاہ کے ساتھ اس کمرے کی جانب چل پڑا جسے میں نے قید خانے کے طور پر منتخب کیا تھا۔ میں نے استاد چھوٹے سے کہہ دیا تھا کہ نوشابہ اور اس کی ماں کو دور ہی رکھا جائے اور اس طرف نہ آنے دیا جائے۔ استاد چھوٹے گردن ہلا کر چلے گئے تھے۔ ویسے اس نفیس انسان نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے

جس کمرے کو ہم نے قید خانے کے طور پر منتخب کیا تھا اس کے بارے میں، میں نے اچھی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کس قدر محفوظ ہو سکتا ہے اس کے علاوہ ہم کوئی رسک بھی لینا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ بے ہوش مسعود پرویز کو اس کمرے میں پہنچایا گیا اور اس کے بعد نہایت نفاست سے اُسے ایک کرسی سے باندھ دیا گیا۔ اب اس بے چارے کو ایک طویل وقت یہیں گزارنا تھا اور اس کے لیے بدر شاہ نے اپنے آدمیوں کو تمام ہدایات جاری کر دی تھیں۔ چار آدمیوں کو مسعود پرویز کی نگرانی کے لیے یہیں رہنا تھا اور یہ ہدایت جاری کر دی تھی کہ مسعود پرویز کو صرف خوراک کے وقت تھوڑی سی آزادی دی جائے اور وہ بھی اس حد تک کہ اس کے ہاتھ کھول دیے جائیں۔ اس کے علاوہ اسے بندھا ہی رہنے دیا جائے۔ چاہے اس کی کچھ بھی کیفیت ہو جائے اس جیسے شخص کے لیے یہی سب کچھ ضروری بھی تھا۔ مسعود پرویز کو یہاں منتقل کرنے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ بدر شاہ کے آدمیوں نے اپنی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ بدر شاہ نے مجھ سے پوچھا۔

"اب چیف کیا حکم ہے؟"

"تم اپنے ٹھکانے پر واپس جاؤ، میں تم سے ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کروں گا۔

"او کے۔" بدر شاہ نے جواب دیا اور اپنی ویگن کی جانب بڑھ گیا۔ چلتے ہوئے بھی اس نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی تھی کہ ایک لمحے کی غفلت سب کے لیے موت کا باعث بن سکتی ہے۔ چنانچہ کسی بھی طرح کی غفلت کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ جس وقت مسعود پرویز کو کھانا دیا جائے۔ اُس وقت اس کے ہاتھ کھول کر اُس کے سر پر سواری کی جائے۔ تاکہ وہ کوئی حرکت نہ کر سکے۔ مسعود پرویز کے لباس کی تلاشی بھی لے لی گئی تھی اور اس میں سے جو کچھ بھی برآمد ہوا تھا اپنے قبضے میں کر لیا گیا تھا۔ تاکہ کسی قسم کا کوئی خطرہ بھی نہ رہے۔ اس کے علاوہ اس کا یہ لباس بھی اُتار لیا گیا تھا۔ کیونکہ مجھے اس کا یہی لباس استعمال کرنا تھا۔ میں باہر نکل آیا۔ استاد چھوٹے میرے منتظر تھے نگہت شیراز بھی یہیں موجود تھی اور میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ اُسے میرے ساتھ ہی واپس چلنا ہے۔ نگہت شیراز بالکل مطمئن تھی۔ ویسے اُس نے اپنا کام جس انداز میں انجام دیا تھا۔ میں اُسے بے مثال ہی کہہ سکتا تھا۔ واقعی یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ استاد چھوٹے کے ساتھ ہی میں نے نوشابہ اور اُس کی ماں سے بھی ملاقات کی۔ نگہت میرے ساتھ تھی۔ نوشابہ کو اس نے دیکھا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی۔

"ہیلو نوشابہ کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں آپ کا تعارف۔" نوشابہ نے مجھ سے پوچھا۔

"نگہت شیراز، میری دوست اور تمہاری معاون نوشابہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی تو میں نے کہا۔

"یہ اُن لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ذمہ داریاں انجام دے رہی ہیں۔" نوشابہ نے گردن جھکا لی۔ کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن نوشابہ کی ماں نے دُعائیں دیتے ہوئے کہا۔ کہ جس طرح میں ان کی دادرسی کر رہا ہوں، خدا مجھے اس کا اجر دے گا۔ میں نے ان لوگوں کو تسلیاں دیں اور اُن سے کہا کہ میرا ایک مجرم یہاں قید ہے۔ اُس طرف جانے کی کوشش نہ کی جائے میں نے مسعود پرویز کے بارے میں اُنہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہو سکتا ہے نوشابہ کے ذہن میں انتقام کا کوئی جذبہ اُبھر آئے اور وہ کوئی ایسی حرکت کر ڈالے جو ہمارے لیے نقصان دہ ہو ابھی تو ایک ایک لمحہ احتیاط کا تھا میں نے آگ میں ہاتھ ڈال دیا تھا اور قیصر پرویز کو بے وقوف بنانا آسان کام نہیں تھا۔ اس کے لیے ذرا سی لغزش

بھی بہت خطرناک ہو سکتی تھی۔ استاد چھوٹے کو بھی اس سلسلے میں خاص ہدایت جاری کر دی گئی تھی اور انہیں بتا دیا گیا تھا کہ نئے مہمانوں کا کس طرح انتظام کرنا ہے اور اس سلسلے میں احتیاط کتنی ضروری ہے۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے بدر شاہ کے آدمیوں سے ملاقات کی اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ واپسی کے لیے میں نے مسعود پرویز کی کار ہی استعمال کی اور اب میرا رُخ ہوٹل کی جانب تھا۔ کافی وقت ہو چکا تھا۔ ہوٹل پہنچنے کے بعد میں نے نگہت شیراز سے کہا کہ کھانا منگوا لیا جائے اس کے بعد ہم اپنے دوسرے کام کا آغاز کریں گے اور نگہت شیراز نے میرے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ کھانا ہم دونوں نے ہوٹل کے کمرے میں ساتھ ہی کھایا۔ نگہت کو گھر جانے کی جلدی نہیں تھی۔ اس لیے میں نے اطمینان سے کھانا کھانے کے بعد اس سے گپیں لگائیں اور پھر اپنا کام کرنے بیٹھ گیا مسعود پرویز کی تصاویر اپنے پاس رکھ لی تھیں اور اب مجھے اپنے چہرے پر مسعود پرویز کا میک اَپ کرنا تھا۔ میک اَپ کرنے میں کافی وقت صرف کیا اس سلسلے میں نگہت شیراز میری معاون رہی تھی۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے نگہت شیراز سے اپنے اس میک اَپ کے بارے میں پوچھا اور اُس نے بہت ہی تعریفی انداز میں کہا۔

"میں آپ کو ایک ماہر میک اَپ مین کہہ سکتی ہوں۔ بلاشبہ یہ کمال عام لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔

"کہیں کوئی کسر رہ گئی ہو تو بتا دو تم نے مسعود پرویز کو بھی اچھی طرح دیکھ لیا ہے"

"دیکھنے کے بعد ہی یہ بات کہہ رہی ہوں کہ میک اَپ لاجواب ہے۔" نگہت شیراز نے کہا اور میں مطمئن ہو گیا پھر میں نے وہ لباس تبدیل کیا اور اس دوران میں نے نگہت شیراز کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ جاوداں کا میک اَپ اُتار دے۔ نگہت شیراز اس میں بھرپور طریقے سے کامیاب نہیں ہو سکی تھی چنانچہ بعد میں لباس وغیرہ تبدیل کرنے کے بعد میں نے اس کی مدد کی اور نگہت شیراز کو اُس کا اصل چہرہ دے دیا۔ پھر میں نے کہا۔

"نگہت جس طرح تم نے اس وقت میری مدد کی ہے میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا۔"

"چیف ایسی باتیں اب ہم دونوں کو زیب نہیں دیتیں آپ جب بھی میرے کسی کام سے خوش ہوا کریں مجھے تھوڑا بہت انعام دے دیا کریں۔

"اب اگر تم مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کرو گی تو میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

"نہیں چیف ایسی کیا بات ہے، کیا کوئی غلطی ہو گئی مجھ سے۔" نگہت شیراز نے مسخرے پن سے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔

"نگہت میں ایک کام کر دوں گا اور اس پر تمہیں بالکل بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔"

"کیا چیف؟"

"بس جو کر دوں گا تمہیں بعد میں بتا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے چیف۔" نگہت نے کسی قدر مایوسی سے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"نہیں نگہت تمہیں اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ایسے مجھے یہ سب کچھ بہت بُرا لگتا ہے۔ میں نے پانچ ہزار روپے نگہت کے بیگ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ نہیں چیف پیسے لینا دُنیا کے کسی شخص کو بُرا نہیں لگتا آپ ایسے لمحات میں بالکل شرمندہ نہ ہوا کریں۔"

"او کے او کے خدا حافظ۔"

"تھینک یو چیف تھینک یو۔" نگہت نے کہا اور ہنستی ہوئی باہر گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں تنہا ہو گیا۔ میں نے اپنا سامان محفوظ کیا غیر ضروری چیزیں ضائع کر دیں اور پھر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ مسعود پرویز کی کار یہاں موجود تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ کر دی مسعود پرویز کی قیمتی کار بہت شاندار تھی سب سے عمدہ بات یہ تھی کہ اس کی کار کے ایک پوشیدہ خانے میں مجھے اعلیٰ درجے کی شراب کی چند شیشیاں بھی دستیاب ہوئی تھیں یہ تو گویا نہلے پہ دہلا تھا اور ان شیشیوں کو دیکھ کر میں نے اپنا پروگرام تھوڑا سا بدل دیا تھا۔ نیا پروگرام پہلے سے زیادہ مؤثر تھا۔ میں کار ڈرائیو کرتا رہا۔ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے جب میں قیصر پرویز کی کوٹھی پہنچ گیا۔ گیٹ پر پہنچ کر میں نے ہارن بجایا اور ایک لمحے میں آہنی گیٹ کھل گیا۔ میں نے چوکیدار کو دیکھا اور پھر ایک زناٹے سے کار آگے بڑھا دی لیکن اس نئے پروگرام کے مطابق۔ کار آہنی گیٹ سے بُری طرح ٹکرائی اور میں نے اسے دائیں سمت موڑ دیا بائیں سمت کے دونوں دروازے کافی زوردار آواز کے ساتھ گیٹ سے رگڑ کھاتے ہوئے نکلے تھے اور کار تباہ ہو گئی تھی۔ دائیں سمت کے لان کے کنارے کوئی چھ انچ اُونچے تھے کار ان پہ

پرشاہ کرلان پر آگئی تھی جیسے میں نے اسے ایک درخت سے ٹکرا لینے سے بچا لیا تھا ورنہ حادثہ خطرناک ہو جاتا۔

پہلی کوشش میں بیدار کی تمام بقیہ آوازیں اندر سنائی دی تھیں اس دو دنوں میں دوسری کارروائی کر چکا تھا۔ یعنی شربتی شراب میرے لباس کے کچھ حصوں پر گری تھی اور اس کی بدبو اٹھنے لگی تھی۔ میں نے اسٹیئرنگ سے سر ٹکا دیا اور اطمینان سے انتظار کرتا رہا۔ مختلف آوازیں اُبھری تھیں جن میں نسوانی اور مردانہ آوازیں شامل تھیں۔ ایک آواز "ہائے ہے میرا بچّہ" کی بھی تھی۔ یہ یقیناً مسعود پرویز کی ماں کی آواز ہو گی۔ لیکن اس ماں سے مجھے شدید اختلاف تھا۔ یہ وہ ماں تھی جس نے اپنی اولاد کو دوسروں کے لیے عذاب بنایا تھا اور اپنے فرائض سے غفلت برتی تھی۔

بہرحال یہاں کے معاملات میری توقع کے مطابق تھے چیخ و پکار کی آوازوں کے ساتھ مجھے باہر نکالا گیا اسی طرح اُٹھائے اُٹھائے اندر لایا گیا اور میں با سانی مسعود پرویز کے کمرے میں پہنچ گیا۔ بستر انتہائی آرام دہ تھا اور بقیہ رات پُرسکون۔ بس میرا جوتا وغیرہ اُتارنے کی زحمت کی گئی تھی اس کے علاوہ کوئی اور مسئلہ نہیں تھا دوسری صبح کے لیے البتہ ذہن میں تجسّس تھا لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ قیصر پرویز اور جو کچھ بھی تھا لیکن ایک بے پناہ محبت کرنے والا باپ ضرور تھا۔ صبح کو مجھے ناشتے پر بُلایا گیا لیکن میں نے کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور چند ہی منٹ کے بعد قیصر پرویز میرے کمرے میں تھا۔ آنکھوں میں محبت چہرے پر مُسکراہٹ۔

"ہیلو ہنی۔"

"ہیلو ڈیڈی۔"

"کیا بات ہے آواز بھاری ہو رہی ہے۔"

"کل سے طبیعت خراب ہے۔"

"ڈاکٹر لودھی کو فون کروں؟"

"اوہ نہیں ڈیڈی۔ معمولی نزلہ ہے ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تب آؤ ناشتا کرو۔"

"موڈ نہیں ہے ڈیڈی۔"

"موڈ بناؤ تم جانتے ہو میں تمہارے بغیر ناشتا نہیں کرتا۔"

"اوکے ڈیڈی۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا کسی کے چہرے پر کوئی شکن نہیں تھی بلکہ اُلٹا میرا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ بیماری کی آڑ اسی مرحلے سے نمٹنے کے لیے لی گئی تھی اور یہ میرا پہلا امتحان تھا۔ اس امتحان سے گزرنے کے بعد میرے اندر کافی خود اعتمادی پیدا ہو گئی۔ ناشتے کے بعد میں آرام کرنے اپنے کمرے میں آ گیا تھا کار کی تباہی کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا تھا۔

قیصر پرویز چلا گیا تھا اور میں اپنے کمرے میں آرام کرتا رہا تھا دوپہر کے کھانے پر دوسرا امتحان ہوا جس میں قیصر پرویز شریک نہیں تھا۔ باقی سب لوگ تھے۔ مسعود پرویز کی ماں نے میری خیریت پوچھی۔

"اب ٹھیک ہوں۔" میں نے کہا۔

"کہاں ٹھیک ہو۔ آواز خراب ہے آواز بھرائی ہوئی ہے۔ لودھی سے مل لو۔ دوا لے لو۔"

"مل لوں گا۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔ یہ سب کچھ میں اندازے سے کر رہا تھا ایک سرچڑھے لاڈلے بیٹے کے جو کرتوت ہو سکتے تھے میں نے وہی کرتوت اپنائے تھے شام ہو گئی اور تقریباً ساڑھے پانچ بجے میں تیار ہو کر باہر نکل آیا کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی میں نے باہر نکلا اور اپنی کار کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تو فوراً ہی ایک شخص دوڑتا ہوا میرے قریب پہنچ گیا پورچ میں سفید رنگ کی ایک شاندار کار کھڑی ہوئی تھی اس نے کار کی چابی مجھے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"گاڑی گیراج بھجوا دی گئی ہے یہ گاڑی آپ استعمال کریں" اس نے کہا اور میں نے نخوت سے چابی اس کے ہاتھ سے لے لی اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا پھر میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی گیٹ کھل گیا اور میں باہر نکل آیا کھلی فضا میں آنے کے بعد میں نے گہری گہری سانسیں لی تھیں اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس نے مجھے پہلی کامیابی سے ہمکنار کیا بہت ہی سنسنی خیز مراحل تھے میں وہاں سے نکل کر ایک چھوٹے سے ریستوران میں آیا جو بہت ہی خوبصورت تھا وہاں بیٹھ کر کافی کی ایک پیالی پی اور اس کے بعد کاؤنٹر پر پہنچ کر میں نے بدر شاہ کے نمبر ڈائل کیے دوسری طرف بدر شاہ مستعد تھا میں نے اسے اپنے بارے میں بتایا تو وہ سنسنی خیز لہجے میں بولا۔

"کہو شارق بھائی جی کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے مجھے وہ آلہ چاہیے تم سمجھ گئے ہو گے۔"

"بالکل شارق بھائی جی کہاں پہنچاؤں۔"

"بہتر ہے سلو مون پہنچ جاؤ وہاں تم سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"کتنی دیر کے بعد جی۔"

"آدھے گھنٹے کے اندر اندر میں پہنچ رہا ہوں۔"

"تو ہم بھی وہاں پہنچ رہے ہیں آپ اطمینان رکھیں۔" بدر شاہ نے کہا اور میں نے ٹیلی فون بند کر دیا اس کے بعد میں ریستوران سے باہر نکل آیا سلو مون بہت خوبصورت ہوٹل تھا اس کے پارکنگ لاٹ سے تھوڑے فاصلے پر میں نے گاڑی روکی اور بدر شاہ کا انتظار کرنے لگا بدر شاہ موٹر سائیکل پر پہنچا تھا میں نے ہی اسے دیکھ لیا تھا چنانچہ میں نے ہارن بجا کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا اب تک یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ کوئی خاص طور سے میری طرف متوجہ تو نہیں ہے لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی بدر شاہ میرے پاس آ گیا اس نے مجھے ٹرانسمیٹر دیا جو ہم لوگوں نے اس کام کے لیے متعین کیا تھا اور یہاں آتے ہوئے یعنی قیصر پرویز کی کوٹھی میں آتے ہوئے میں نے اسے اپنے ساتھ نہیں رکھا تھا صرف اس تصوّر کے ساتھ کہ کہیں وہ برآمد نہ ہو جائے لیکن اب حالات پُرسکون تھے اس ٹرانسمیٹر پر مجھے تمام لوگوں سے رابطے رکھنا تھے بدر شاہ سے سرسری گفتگو ہوئی اور اس کے بعد وہ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر واپس چلا گیا اور میں بلاوجہ آوارہ گردی کرتا رہا رات کا پروگرام میں نے ترتیب دے لیا تھا اور پھر اس شام ذرا جلد ہی واپس آ گیا ہو سکتا ہے یہ بات قیصر پرویز کے گھر والوں کے لیے تعجب خیز ہو کیونکہ جب میں پہنچا تو رات کا کھانا کھایا جا چکا تھا قیصر پرویز بھی موجود تھا اس نے صرف خیریت پوچھی اور کھانے کے بارے میں سوال کیا لیکن میں نے انکار کر دیا تھا قیصر پرویز نے پوچھا۔

"ڈاکٹر لودھی سے ملے تھے؟"

"نہیں ڈیڈی اس کی ضرورت نہیں محسوس کی اب میں ٹھیک ہوں بس نزلے کی تحریک ہے اور اکثر مجھے رہتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اوکے اچھا ہوا جلد ہی واپس آ گئے ریسٹ کرنا بہت ضروری ہے جاؤ آرام کرو۔" قیصر پرویز نے کہا اور میں اپنے کمرے کی جانب چل پڑا کمرے کا تعیّن بھی خوب ہوا تھا اگر رات کو وہ کوشش نہ کرتا تو کم از کم اس سلسلے میں اُلجھن پیش آ سکتی تھی بہرطور میں کمرے میں پہنچ گیا اس وقت ساڑھے دس بجے ہوں گے جب دروازے پر ہلکی سی دستک سُنائی دی اور میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا ایک قتالہ عالم تھیں جنہیں میں پہلے بھی کھانے اور ناشتے کے دوران دیکھ چکا تھا مختصر بہت سنجیدہ سنجیدہ سی نظر آتی تھیں لیکن اس وقت ان کے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں بڑی بے تکلفی سے اندر آ گئیں اور دروازہ بند کر دیا میرے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔

"کیا بات ہے یہ طبیعت کیوں خراب ہو گئی؟" انہوں نے ایک آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس سوال کا کوئی جواب ہو سکتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کچھ زیادہ ہی طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔

"ہاں بدن میں درد ہے۔"

"تو پھر مجھے کیوں نہیں پکارا بدن کا درد دور کرنے کا سب سے اچھا نسخہ میرے پاس ہے۔" انہوں نے کہا۔

"سوری۔ میں صرف آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"مسعود کیا بات ہے کچھ پریشان بھی لگتے ہو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر۔" وہ کرسی سے اُٹھ کر [illegible] قریب آ گئیں۔

"کہا نا بس طبیعت مضمحل ہے نزلے کے بارے میں تم جانتی ہو کہ کیسی عجیب چیز ہوتی ہے۔"

"تمہیں دوا لینی چاہیے تھی۔"

"میں دوا سے نفرت کرتا ہوں۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں لیکن پھر بھی یہ ضرورت سے زیادہ بے تکلّف ہونے کی کوشش کرنے لگیں میں نے بہرطور مداخلت نہیں کی تھی انداز ایسا ہی لگتا تھا جیسے یہ سب کچھ جاری رہتا ہو۔

"لیٹ جاؤ میں تمہارا بدن دبا دوں۔"

"نہیں پلیز اگر تم بُرا نہ مانو تو اس وقت صرف مجھے آرام کرنے دو۔"

"گویا جاؤں۔" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں مائنڈ مت کرنا بس کچھ ایسی ہی طبیعت ہو رہی ہے۔"

"ایسی حالت میں تو میرے فرائض بڑھ جاتے ہیں۔"

"کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اس وقت میں صرف تنہائی چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر شانے ہلا کر بولی۔

"تم نے ایسا تلخ سلوک کبھی نہیں کیا تھا میرے ساتھ۔"

"میں نے تم سے معذرت بھی کر لی ہے مائنڈ مت کرو اس بات کو بس انسان کی طبیعت ہی تو ہے۔" وہ ناراض ہو گئی اور باہر نکل گئی میں نے گہری سانسیں لے کر دروازہ بند کر دیا تھا صورتِ حال مکمل طور پر میری سمجھ میں آ گئی تھی لیکن خاتون کون

ایسا ہی ہوا ہے پرویز سے ان کا کیا رشتہ ہے یہ مجھے بالکل نہیں معلوم تھا نام تک نہیں جانتا تھا ان کا لیکن کام چل گیا تھا اس کے بعد ساڑھے گیارہ بجے تک انتظار کرتا رہا کوٹھی میں سناٹا چھا گیا تو میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا یہاں میں ایسی بہت سی چیزیں دیکھ چکا تھا جن کی تلاشی لینا میرے لیے انتہائی ضروری تھا دروازے کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی البتہ کھڑکیاں وغیرہ بند کر کے ان پر پردے ڈال دیے تھے اور اچھی طرح یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ باہر سے اب کوئی اندر نہیں دیکھ سکتا اس کے بعد میں نے ان الماریوں اور کیبنٹ وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کر دیا بڑی احتیاط سے میں نے ان میں سے کاغذات اور دوسری چیزیں نکالیں بھرا ہوا پستول بھی مل گیا تھا یہ کاغذات میرے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث تھے خاص طور سے ایک کیبنٹ سے تو اتنا مواد برآمد ہو گیا تھا کہ بس مزا ہی آ گیا تھا ان کاغذات میں مسعود پرویز کے سارے کالے کرتوتوں کا کچا چٹھا موجود تھا اور یہ کاغذات میرے لیے اتنے قیمتی تھے کہ ناقابل بیان ایک تازہ ترین فائل کو دیکھ کر میری آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک اٹھیں یہ فائل رجب سیٹھ اور مسعود پرویز کے درمیان ایک معاہدے کا فائل تھا اور اس پر جو تاریخیں درج تھیں وہ میرے لیے اس قدر دلکش تھیں کہ میں خوشی سے اچھل اچھل پڑا تھا ان کاغذات سے معلوم ہوا کہ لانگ مین نامی لانچ کہیں سے آ رہی ہے اور اس پر انتہائی قیمتی سامان لدا ہوا ہے جس کی مالیت کئی کروڑ تک پہنچتی ہے اس میں سے دس پرسنٹ قیصر پرویز کا ہے اور پچیس پرسنٹ مسعود پرویز کا باقی پینسٹھ پرسنٹ رجب سیٹھ کا تھا یہ ان تینوں کا مشترکہ معاہدہ تھا اور اس کے تحت یہ قرارداد طے پائی تھی کہ آئندہ جو کام کیا جائے گا اس میں نئے سرے سے معاہدہ ہو گا پھر کچھ اور کاغذات دستیاب ہوئے جن سے یہ پتا چلا تھا کہ قیصر پرویز اور رجب سیٹھ کے درمیان اس سلسلے میں کچھ اختلافات بھی ہوئے تھے جنہیں عارضی طور پر دور کر لیا گیا ہے لیکن ان کے درمیان چپقلش باقی ہے میں ان تمام چیزوں کو بغور دیکھ رہا تھا اور اتنا محو ہو گیا تھا اس میں کہ وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو سکا تمام کاغذات نکال لیے ایسی بے شمار چیزیں ملی تھیں جن سے کام لیا جا سکتا تھا اور یہ میرے پاس ایک انتہائی قیمتی سرمائے کی حیثیت رکھتی تھیں اور اس سرمائے کو یہاں سے منتقل کر دینا میرے لیے انتہائی ضروری ہو گیا چنانچہ میں نے ایک خوبصورت بریف کیس تلاش کیا جو ایک الماری کے اوپری حصے پر رکھا ہوا تھا اور تمام اہم فائل اس میں ٹھونس دیے بریف کیس کو منہ تک بھرنے کے بعد میں نے اسے لاک کر دیا ضرورت کی تمام ہی چیزیں میں نے اپنے قبضے میں کر لی تھیں اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی مجھے جس کی میں توقع نہیں کر سکتا تھا کاش ایک بار قیصر پرویز کے کمرے کا جائزہ لینے کی مہلت بھی مل جائے وہاں سے بھی یقیناً مجھے بہت سی کارآمد چیزیں دستیاب ہو سکتی تھیں لیکن اس میں ایک خطرہ بھی تھا وہ یہ کہ قیصر پرویز وقت سے پہلے ہوشیار ہو جائے گا بہت غور و خوض کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اسی پر قناعت کی جائے اور جس پروگرام کے تحت چل رہا ہوں اسی پر عمل کرتا رہوں زیادہ تیز رفتاری غیر مناسب ہو گی بریف کیس کو احتیاط سے رکھنے کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا پچھلی رات بھی پرسکون نیند نہیں آئی تھی اس لیے اب سونا چاہتا تھا تاکہ طبیعت واقعی خراب نہ ہو جائے اور پھر صبح کو میں دیر تک سوتا رہا تھا کسی نے مجھے جگانے کی کوشش نہیں کی تھی یہ بے اعتدالی بھی مسعود پرویز کی فطرت کا ایک حصہ معلوم ہوئی تھی اور میرے لیے منافع بخش رہی تھی دس بجے میں جاگا غسل کیا اور فوراً ہی ایک ملازم میرے لیے کمرے میں ناشتا لے آیا۔

"ڈیڈی کہاں ہیں...؟"

"صاحب جا چکے ہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔

"ہوں ٹھیک ہے جاؤ۔" میں نے کہا اور پھر ناشتا کرنے لگا ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ معمر خاتون اندر آ گئیں اور انہوں نے پرمحبت لہجے میں کہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے بیٹے؟"

"ٹھیک ہوں۔" میں نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"دوا لے لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا خواہ مخواہ بیماری بھگت رہے ہو۔"

"ٹھیک ہوں بلاوجہ دوا لینے کی کیا ضرورت ہے۔"

"کبھی کوئی بات مانی ہو تم نے تو آج مانو گے آرام کرو کہیں جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"کمال ہے آپ تو مجھ پر اس طرح پابندیاں لگا رہی ہیں جیسے میں بچہ ہوں۔"

"میرے لیے تو بچے ہی ہو کہیں جاؤ گے؟"

"ہاں کچھ کام ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد میں خاموش

ہو گیا معمر خاتون تھوڑی دیر بیٹھ کر چلی گئی تھیں باہر معاملہ پرسکون تھا چنانچہ میں بریف کیس ہاتھ میں لیے ہوئے باہر نکل آیا دھڑکتے دل کے ساتھ اس سفید رنگ کی کار میں بیٹھا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اس کامیابی پر میں خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا چنانچہ ہر قسم کی احتیاط بالائے طاق رکھ کر میں نے سیدھے بدر شاہ کے اڈے کا رخ کیا تھا بدر شاہ اس وقت موجود نہیں تھا لیکن مجھے پتا چلا کہ وہ آدھے گھنٹے کے اندر اندر واپس آ جائے گا اور میں اس کا انتظار کرنے لگا باہر میں نے دو آدمیوں کو متعین کر دیا کہ کار کی نگرانی کریں اور یہ اندازہ لگائیں کہ کوئی ایسا مشکوک آدمی تو آس پاس موجود نہیں ہے جس نے یہ کار یہاں دیکھ لی ہو تقریباً چالیس منٹ کے بعد بدر شاہ اندر داخل ہوا اور مسکراتا ہوا میری طرف دیکھنے لگا۔

"اگر مجھے یہ بات معلوم نہ ہوتی چیف کہ یہ تم ہو تو میں واقعی شدید حیران ہو جاتا اس سلسلے میں تم نے کمال کیا ہے۔"

"تم میری آواز تو پہچان سکتے ہو نا بدر شاہ۔"

"چیف کی خوشبو پہچان لیتا ہوں آپ آواز کی بات کر رہے ہیں۔"

"شکریہ بدر شاہ۔"

"کینن کریک پر ہی گیا تھا سب ٹھیک ٹھاک ہے کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہو باقی ادھر ادھر بھی معاملات ٹھیک ہیں۔" بدر شاہ نے بتایا۔

"گڈ بدر شاہ یہ بریف کیس تمہارے پاس بطور امانت رکھ رہا ہوں اس کی حفاظت اتنی ضروری ہے کہ یہ سمجھ لو کہ اس میں ہماری کامیابی چھپی ہوئی ہے۔"

"اوہ کر ڈالا کام۔" بدر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسا ویسا کام یوں سمجھ لو اس میں قیصر پرویز اور اس کی آن بان بند ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتا تھا اور یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ اب قیصر پرویز کی شامت آ گئی۔" بدر شاہ نے بریف کیس لیتے ہوئے کہا اور پھر میں بدر شاہ کو تفصیلات بتانے لگا۔

"بدر شاہ ستائیس تاریخ کو لانگ مین آ رہی ہے اور اسی رات ساڑھے گیارہ بجے وہ کینن کریک سے لگ جائے گی ہمیں اس کے لیے زبردست تیاریاں کرنی ہیں یوں سمجھ لو وہ مسئلہ ہماری ذات سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔"

"چیف اس سلسلے میں کوئی پلان بتانا ہے۔"

"ہاں میں براہ راست تمہارے ساتھ اس میں شریک رہوں گا۔"

"بس تو پھر پروا نہیں ہے کتنے آدمی درکار ہوں گے۔"

"تقریباً بارہ تیرہ آدمی ہوں گے اسلحہ اور وہ چیز جو میں نے تمہیں بتائی تھی۔"

"اس کا تو بندوبست میں نے کر لیا ہے چیف آپ اس کی بالکل فکر نہ کریں۔"

"ویری گڈ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا بدر شاہ سے کافی دیر گفتگو رہی اور اس کے بعد بدر شاہ ہی کے اڈے سے میں نے نگہت شیراز کو فون کیا نگہت شیراز اپنے دفتر میں مل گئی تھی میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے چھٹی نہیں کی۔

"چیف کوئی کام تو تھا نہیں آپ کو میں نے سوچا بلاوجہ دوسروں کا کمنٹ کیوں بننے دیا جائے چنانچہ ڈیوٹی پر آ گئی آپ کے حکم کی منتظر ہوں۔"

"نہیں نگہت باقی سب ٹھیک ٹھاک ہے تم بہت زیادہ سرگرمی کا اظہار نہ کرنا مجھے تمہارا تحفظ بھی مقصود ہے۔"

"شکریہ چیف۔" نگہت شیراز نے جواب دیا اور پھر میں نے فون بند کر دیا بدر شاہ نے فوراً ہی چائے کا بندوبست کر لیا تھا میں نے اس کے ساتھ چائے پیتے ہوئے مسعود پرویز کے بارے میں پوچھا تو بدر شاہ ہنس کر کہنے لگا۔

"وہ تو پگلا سا ہے یوں سمجھ لیں کہ ایک بگولا بنا ہوا ہے بس نہیں چلتا ورنہ ایک ایک کو کچا کھا جائے بہت سی دھمکیاں دے چکا ہے اور یوں سمجھ لیں کہ اس نے اپنی دانست میں کئی خاندان تباہ کر ڈالے ہیں لیکن اس پر کڑی نگرانی جاری ہے اور میرے آدمی اس کے ساتھ بہت سخت سلوک کر رہے ہیں۔"

"انتہائی ہوشیاری کی ضرورت ہے بدر شاہ وہ ایک ایسا مہرہ ہے۔"

"میں جانتا ہوں شارق بھائی جی آپ اس کی فکر کیوں کرتے ہیں آپ نے جو کام بدر شاہ کے سپرد کر دیا وہ بس سمجھ لیجیے اس کا ایمان بن گیا ویسے آپ کے یہ استاد چھوٹے کمال کی چیز ہیں میں اس چھوٹے سے آدمی کی صلاحیتوں کا دل سے قائل ہو گیا ہوں پہلے بھی میں اسے اچھی طرح جانتا تھا لیکن اب تو یوں لگتا ہے جیسے ان کی صلاحیتیں کچھ اور نکھر گئی ہوں شارق بھائی جی آپ نے اسے سہارا دے کر دنیا کا سب سے بڑا کام کیا ہے۔"

"ارے نہیں تم نہیں سمجھتے اُستاد میرے لیے کتنی قیمتی ہیں"۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں اندازہ ہو رہا ہے"۔

"نوشابہ اور اس کی ماں کا کیا حال ہے؟"

"پُرسکون ہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو قابلِ توجہ ہو"۔ اسی جگہ سے میں نے فاروقی صاحب کو بھی فون پر ٹرائی کیا اور ان سے بھی ملاقات ہو گئی میں نے ان سے آشیانے کے حالات پوچھے تو انہوں نے کہا کہ آشیانے میں بالکل خاموشی ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو قابلِ تذکرہ ہو مجھے چاروں طرف سے اطمینان کی یہ خبریں مل رہی تھیں اور یہ خوش بختی ہمیشہ میرا ساتھ دیتی تھی میرے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ تھا کہ میں پُرسکون رہ کر کام کروں اور کامیابی کی منازل طے کرتا چلا جاؤں ان لوگوں کے ساتھ میں نے کافی وقت گزارا اور کوئی خاص کام تو تھا نہیں اس کے بعد اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے واپس چل پڑا میں نہیں جانتا تھا کہ مسعود پرویز کے اور کون کون سے ٹھکانے ہیں لیکن بس یونہی سڑکوں پہ آوارہ گردی کرنے سے مجھے کون روک سکتا تھا وہ ہٹ بھی یاد تھا مجھے جو ساحل سمندر پہ تھا اور جہاں سے میں نے اپنی زندگی کا سب سے قیمتی کام کیا تھا چنانچہ وقت گزاری کے لیے میں اس ہٹ پہ پہنچ گیا اور پھر شام وہیں رہا رات کو میری واپسی ہوئی تھی اور میں پُرسکون انداز میں قیصر پرویز کی کوٹھی میں داخل ہو گیا تھا کوٹھی میں ایک اور کار بھی نظر آ رہی تھی جو بہت ہی قیمتی اور بے حد شاندار تھی دوسری کار قیصر پرویز کی تھی جو وہ ان دنوں استعمال کر رہا تھا میری کار تو شاید ابھی گیراج ہی میں تھی میں اندر داخل ہوا تو ایک ملازم نے میرے سامنے آ کر کہا۔

"بڑے صاحب آپ کو اپنے کمرے میں بُلاتے ہیں"۔ میں دھڑکتے دل کے ساتھ قیصر پرویز کے کمرے کی جانب چل پڑا اور جب میں اندر داخل ہوا تو میں نے اس شخص کو پہچان لیا جو ایک صوفے پہ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات اچھے نہ تھے یہ رجب سیٹھ ہی تھا میں نے مُسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ہیلو رجب سیٹھ"۔

"ہیلو"۔ رجب سیٹھ کی بھاری آواز اُبھری اور میں ایک صوفے پہ بیٹھ گیا قیصر پرویز کے چہرے پر بھی بہتر تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔

"خیریت پھر کوئی بات ہو گئی۔ میں نے مُسکراتے ہوئے کہا اور رجب سیٹھ نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"معصوم بننے کی کوشش مت کرو مسعود پرویز میں کتنی بار تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ اگر تم میرا ساتھ نہیں دے سکتے تو اپنا راستہ الگ کر لو کیا ضروری ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو بیوقوف بناتے رہیں"۔

"میں سمجھا نہیں رجب سیٹھ..." میں نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

"اتنے معصوم نہیں ہو مسعود پرویز تمہاری حرکتیں اب حد سے آگے بڑھ گئی ہیں تم نے گورڈن اینڈ گورڈن کو خط لکھا تھا؟" رجب سیٹھ نے کہا۔

"کیسا خط؟" میں نے بدستور ترش لہجے میں سوال کیا۔

"یہ موجود ہے میرے پاس آ چکا ہے تم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ رجب سیٹھ نے ایک لفافہ جیب سے نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کچھ جھجکنے کا سا اظہار کیا تھا یہ اداکاری اس وقت ضروری تھی میں نے لفافہ کھول لیا رجب سیٹھ میری طرف گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا میں نے خط پر ایک نگاہ دوڑائی اور دوسرے ہی لمحے مجھ پر تمام حقیقتِ حال واضح ہو گئی اس خط کا تعلق ایک فائل کے کچھ کاغذات سے تھا میں نے اسے بند کر کے ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے یہ خط لکھا تھا۔ اسی وقت قیصر پرویز کہنے لگا"۔

"اگر ہم اپنے طور پر کوئی کاروبار کرتے ہیں رجب سیٹھ تو تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیئے"۔

"یہ کسی اور کاروبار کی بات نہیں ہے اس کی ہے جس میں پچیس پرسنٹ شیئر مسعود پرویز کا ہے اور دس پرسنٹ تمہارا۔ تم نے اپنے طور پہ کوشش کی تھی کہ ساری کارروائی خود ہی کر لوں اور اس کوشش میں تمہیں بدترین ناکامی کا سامنا کرنا پڑا میں کہتا ہوں قیصر پرویز ہم لوگ بہت سے کام کرتے ہیں کروڑوں روپے کا نفع نقصان ہوتا ہے ہمیں۔ لیکن ہر کام میں شراکت داری کا کچھ اصول ہوتا ہے تم نے ہمیشہ ان اصولوں کو توڑا ہے اور میں نظر انداز کرتا رہا لیکن اب بات حد سے آگے بڑھ گئی ہے اور میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔

"تو پھر کیا چاہتے ہو رجب سیٹھ؟" میں نے کڑک دار لہجے میں کہا۔

"میں جو چاہتا ہوں کر ڈالتا ہوں میں تمہیں اس شراکت داری سے خارج کرتا ہوں تم دونوں باپ بیٹے کو۔ تمہاری لگائی ہوئی رقم تمہیں واپس مل جائے گی لیکن جو مال آ رہا ہے اس میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا"۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔ میں دہاڑا"۔

"مجھے کون روکے گا؟"

"میں... میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور جیب میں رکھا ہوا پستول نکال لیا یہ پستول وہی تھا جو مجھے مسعود پرویز کی الماری سے ملا تھا۔ قیصر پرویز نے فوراً ہی میرے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں مسعود نہیں۔ گھر آئے ہوئے مہمان پر کوئی وار نہیں کیا جاتا رجب سیٹھ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اس معاہدے پر عمل درآمد کرو اور اس کے بعد کوئی نیا کاروبار کرتے ہوئے ہم اپنے کاروبار پر غور کر لیں گے"۔

"تُو نے مجھ پہ پستول اُٹھایا ہے لڑکے اگر تو سمجھتا ہے کہ تُو بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے تو میں بھی کوئی فقیر نہیں ہوں رجب ہے میرا نام رجب..."

"جاؤ رجب سیٹھ۔ تمہاری تقدیر اچھی ہے کہ میرے ہاتھوں بچ گئے ورنہ۔ آئندہ کبھی ایسی جرأت نہ کرنا۔ میں نے کہا اور رجب سیٹھ غصیلے انداز میں باہر نکل گیا۔ قیصر پرویز خاموشی سے دروازے کو دیکھتا رہا تھا چند لمحات کے بعد اس نے خاموشی کو توڑا اور آہستہ سے بولا۔

"اس حد تک جانا مناسب نہیں تھا مسعود"۔

"نہیں ڈیڈی۔ میں دیکھ لوں گا اُسے۔ اچھی طرح دیکھ لوں گا"۔

"نہیں وہ بھی اپنے ہاتھ رکھتا ہے بہت لمبے ہاتھ ہیں اس لیے کتنی بار تم سے منع کیا ہے کہ اس کے راستے مت کاٹا کرو ہمیں اپنی ساکھ بھی برقرار رکھنی ہے"۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا قیصر پرویز کسی قدر متفکر نظر آ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"جاؤ آرام کرو۔ دماغ ٹھنڈا رکھنا کوئی غلط کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔ میں اُٹھا اور تیز رفتاری سے چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔ لیکن اپنی تقدیر کی اس بلندی پر میں پھولا نہیں سما رہا تھا قدرت خود میرے مسائل کے راستے لپیٹ رہی تھی خوشی اس بات کی تھی کہ میں ان لوگوں میں بآسانی گھل مل گیا تھا اب وہ وقت قریب آ رہا تھا جب مجھے اس پروگرام کو فائنل ٹچ دینا تھا چنانچہ میں تیاریاں کرتا رہا بدر شاہ وغیرہ سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں اور اس کے بعد بالآخر وہ وقت آ گیا جب ہمیں اپنا کام کر لینا تھا۔

قیصر پرویز سے اس دوران مسلسل ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں اور اس نے کسی قسم کی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار تھا یہ شخص اور میں جانتا تھا کہ حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کے نتائج بالآخر کیا ہوتے ہیں چنانچہ میرا یہ پہلو بالکل مضبوط تھا دوسرے دن ستائیس تاریخ تھی اور آج مجھے اس عمارت کو خیر باد کہہ دینا تھا یہاں سے جو کچھ مجھے لینا تھا وہ تو میں لے ہی چکا تھا اور اب کوئی ایسی شے باقی نہیں رہ گئی تھی جو میری ضرورت ہوتی چنانچہ آخری تیاریاں کرنے کے بعد میں صبح صبح عمارت سے نکل آیا اور تھوڑی دیر تک سڑکوں پہ چکرا کر یہ جائزہ لینے کے بعد کہ میرا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا بدر شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

رات کو ٹرانسمیٹر پر میری بدر شاہ سے گفتگو ہوئی تھی اور وہ ہر بات کا اطمینان دلا رہا تھا تاہم اس سے ملاقات ضروری تھی چنانچہ میں اس کے اڈے پر پہنچ گیا اور بدر شاہ نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔

"کہو ہمارے دوست کے کیا حال ہیں؟"

"بڑی کمینی شے ہے وہ شخص ابھی تک اس کا غرور ٹوٹا نہیں ہے حالانکہ کم بخت کو چلنے پھرنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا ہاتھ رُوم تک لے جایا جاتا ہے اور اس کی جانب دو پستول اُٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ مسلسل یہی دھمکیاں دیے جا رہا ہے کہ ہمیں دیکھ لے گا۔

"ضرور دیکھ لے گا بس اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ ایک لمحہ بھی غیر مستعد رہے تو ہمارے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔

"شارق بھائی میں نے جن لوگوں کو وہاں متعین کیا ہے وہ انسان نہیں روبوٹ ہیں آپ سے بس میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ اس طرف سے بالکل اطمینان رکھیں۔

"شکریہ بدر شاہ۔ اب میرا خیال ہے ہمیں بالکل وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے آؤ چلتے ہیں۔ میں نے اپنی کار وہیں چھوڑ دی اور بدر شاہ کی گاڑی میں بیٹھ کر ساحل سمندر کی جانب چل پڑا جہاں ورکشاپ میں ناخدا موجود تھی۔

بدر شاہ نے اپنے تین آدمی اور ساتھ لے لیے میں مسعود پرویز کی حیثیت سے ورکشاپ پہنچنے کے بعد ناخدا حاصل

کرنے میں کامیاب ہوگیا اسے دیکھ بھال کے بعد ہم کھلے سمندر میں نکل گئے۔ ناخدا کی کارکردگی کا جائزہ لیا جا رہا تھا اور اسے ہم نے ہر طرح سے بہتر پایا۔ یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی کہ ناخدا پر مسعود پرویز کے کون کون سے لوگ کام کرتے ہیں اس کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن بہر طور ہمیں اس سے کوئی غرض بھی نہیں تھی ناخدا کو کھلے سمندر میں بیس بائیس میل لے جانے کے بعد ہم اس کی کارکردگی سے پوری طرح مطمئن ہوگئے اور پھر اس ساحل کی جانب چل پڑے جو بدر شاہ نے اپنے لیے منتخب کیا تھا۔

یہ بہت بڑا آپریشن تھا اور بدر شاہ نے اپنے تمام ہی ساتھیوں کو اس میں مصروف کر لیا تھا چنانچہ اس ویران ساحل کی بھی بھرپور نگہداشت کی جا رہی تھی جہاں ہمیں اپنی کارکردگی کی تکمیل کرنی تھی۔ یہیں سے ناخدا کو لانگ مین کے سامنے لے جانا تھا چنانچہ ہمیں اسے لنگر انداز کر دیا گیا اور ہم لوگ دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ بدر شاہ نے ایک ایسے گودام کا بندوبست کر لیا تھا جو درحقیقت گودام نہیں تھا بلکہ ایک گھر تھا اور ایک سنسان سے علاقے میں واقع تھا یہاں لانگ مین سے حاصل کیا جانے والا سامان منتقل کرنا تھا ویسے میں نے بدر شاہ کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی دیکھی تھی ظاہر ہے اسے ملی فائدہ حاصل ہونے والا تھا لیکن میں اسے اس فائدے کا حقدار سمجھتا تھا کیونکہ اس سلسلے میں اس نے نہ صرف وقت برباد کیا تھا اور میری مدد کی تھی بلکہ اپنا کافی پیسہ بھی خرچ کر ڈالا تھا۔

باقی دن ہم لوگ دوسری کارروائیوں میں مصروف رہے ناخدا کو اسلحے سے لوڈ کر دیا گیا تھا گیارہ افراد منتخب کیے گئے جنہیں رات کے آپریشن میں حصہ لینا تھا یہ گیارہ آدمی بہترین لڑاکے تھے اور بدر شاہ کو ان پر مکمل اعتماد تھا میں نے بدر شاہ کے کسی معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی سارا پروگرام اس کے پاس تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ کیپٹن ایم کریک پر ان لوگوں سے بھی رابطہ قائم رکھ رہا تھا جو وہاں کی نگرانی پر مامور تھے رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ بجے ہم لوگ ناخدا پر پہنچ گئے اور اسے اسٹارٹ کر کے سمندر میں لے گئے ایک بار پھر اس کا آخری جائزہ لیا تھا اور ہلکی سی مشق بھی کی گئی تھی۔

پونے نو بجے ہمیں کیپٹن ایم کریک سے اطلاع ملی کہ تقریباً بیس افراد چار ٹرکوں کے ساتھ کیپٹن ایم کریک پہنچ گئے تھے یہ رجب سیٹھ کے آدمی تھے جو لانگ مین کا سامان وصول کرنے آئے تھے اس روٹ کا ہم نے خود اندازہ کر لیا تھا جس روٹ سے لانگ مین کو اس طرف آنا تھا ہم اسے ساحل سے کافی دور گھیرنا چاہتے تھے پھر چاند نکل آیا تھا جب ہم نے لانگ مین کو دور سے آتے دیکھا بدر شاہ اور اس کے آدمی پوری طرح مستعد تھے ویسے ہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ناخدا لانگ مین والوں کے لیے اجنبی نہ ہوں گی اور اس کا اندازہ ہمیں تھوڑی ہی دیر کے بعد ہوگیا غالباً لانگ مین سے بھی ناخدا کو دیکھ لیا گیا تھا اور وہاں سے بھی روشنی کے سگنل دیے جا رہے تھے۔ ہم نے اُلٹے سیدھے جوابی سگنل دینا شروع کر دیے اور لانگ مین کی رفتار سست ہوگئی پتا نہیں ان لوگوں نے کیا سمجھا تھا۔

ناخدا آہستہ آہستہ لانگ مین کے قریب ہوتی گئی ہمارے آدمی مستعد تھے میں خود لانگ مین پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا اور پھر جب لانگ مین کا فاصلہ کم ہوا تو اچانک ہی ہم نے اس پر گیس بم پھینکنا شروع کر دیے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ انسانی زندگیاں ضائع نہ ہوں اگر فائرنگ کا تبادلہ ہوتا تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون کون اس میں کام آ جاتا چنانچہ خواب آور گیس کے یہ بم انتہائی مشکل سے حاصل کیے گئے تھے لانگ مین والے شاید گھبرا گئے انہوں نے شدید گھبراہٹ کے عالم میں فائرنگ شروع کر دی تھی لیکن یہاں ہم پہلے ہی محتاط تھے البتہ ہم نے اپنے گیس کے بموں کا آخری ذخیرہ بھی ختم کر دیا اور اس کے بعد لانگ مین سے ذرا سا فاصلہ کر لیا تاکہ ادھر کی صورت کا جائزہ لیا جا سکے۔

تقریباً آدھا گھنٹہ اسی انداز سے گزر گیا اب لانگ مین کی جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہو رہی تھی اس کا انجن اسٹارٹ تھا لیکن اسے آگے نہیں بڑھایا جا رہا تھا اور لانگ مین سمندر میں ہچکولے کھا رہی تھی اس صورت حال سے اچھی طرح واقف ہونے کے بعد ہم نے ناخدا کو تیز رفتاری سے لانگ مین کے قریب کیا اور پھرتی سے اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

ہر طرح کا خطرہ مول لیا جا رہا تھا چنانچہ میں اور بدر شاہ سب سے پہلے لانگ مین پر کود گئے تھے اور پستول ہاتھ میں لیے پوری لانچ کا جائزہ لینے لگے خواب آور گیس نے اپنا کام دکھا دیا تھا پوری لانچ میں جگہ جگہ لوگ اوندھے پڑے ہوئے تھے لانگ مین پر اس وقت کل بارہ آدمی تھے انجن بند کر دیا گیا اور لانگ مین کا لنگر نیچے ڈال دیا گیا جس سے لانچ کسی قدر پرسکون ہوئی اور اس کے بعد بدر شاہ کے تمام آدمی لانگ مین میں اُتر

آئے برق رفتاری سے لانگ مین کا سارا سامان ناخدا پر منتقل کیا جانے لگا ابھی کیپٹن کریک یہاں سے بہت دور تھا لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس طرف سے ہو سکتا ہے کسی کارروائی کا آغاز ہو جائے چنانچہ کام اس قدر برق رفتاری سے کیا جا رہا تھا کہ خود بدر شاہ بھی تحسین آمیز نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کو دیکھتا رہا لانگ مین تیزی سے خالی ہوتی رہی اور اس کا تمام سامان ناخدا پر منتقل کر دیا گیا۔

اس کارروائی کی تکمیل میں بھی تقریباً ڈھائی گھنٹہ صرف ہوگیا تھا اور پھر ہم نے آخری بار لانگ مین کا جائزہ لیا اور ناخدا پر پہنچ گئے پھر ناخدا واپس پلٹ پڑی تھی۔ ہم تیز رفتاری سے اس ساحل کی جانب جا رہے تھے جہاں ہمارے آدمی موجود تھے بدر شاہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا میری بھی مسرت کی انتہا نہ تھی اس طرح ہم نے اہم کام انجام دیا تھا ناخدا کو ساحل تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی تھی اور اس کے بعد بدر شاہ کے سارے آدمی جو ساحل پر مستعد تھے ناخدا کی جانب دوڑ پڑے اور کام پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے ہونے لگا۔

بدر شاہ بھی چار ٹرک لے آیا تھا جنہیں پوری طرح لوڈ کر دیا گیا تھا اور اس کے بعد بدر شاہ کی نگرانی میں یہ ٹرک اس گودام کی جانب روانہ ہوگئے جہاں اس سامان کو منتقل ہونا تھا میرے لیے بدر شاہ نے یہ انتظام کیا تھا کہ مجھے اس کے اڈے پر پہنچا دیا جائے چنانچہ میں وہاں سے اڈے کی جانب پلٹ پڑا اس وقت صبح کے تقریباً پونے چھ بجے تھے جب بدر شاہ میرے پاس پہنچ گیا شب بیداری کی وجہ سے ہمارے چہروں پر تھکن ضرور تھی لیکن خوشی کا عنصر زیادہ تھا بدر شاہ قریب آکر میرے گلے لگ گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔

"شارق بھائی جی میں نے اس مال کی قیمت کا اندازہ لگایا ہے یہ تو چھ ساڑھے چھ کروڑ سے کم کا مال نہیں ہے۔"

"مبارک ہو بدر شاہ اب تم کروڑپتی ہوگئے۔"

"مگر شارق بھائی جی۔"

"اگر مگر کچھ نہیں یہ معاہدہ پہلے ہمارے درمیان ہو چکا ہے بدر شاہ کہ اس مال کے حقدار صرف تم ہوگے پر تم تو اس کی نکاسی کر سکتے ہو۔"

"یہ کون سا مشکل کام ہے بس ذرا احتیاط کرنا ہوگی۔" بدر شاہ نے کہا۔

"تو پھر عیش کرو میری جان میرے دل میں یہ خواہش تھی بدر شاہ کہ تمہیں تمہاری اس محنت کا کوئی بدل بھی دے سکوں مجھے مسرت ہے کہ آج میری یہ خواہش پوری ہوگئی۔" بدر شاہ نے گردن جھکا دی تھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا وقت گزرتا رہا بدر شاہ نے بہترین ناشتے کا بندوبست کیا تھا اور ہم ناشتا کرنے لگے میں بدر شاہ سے اسی موضوع پر بات کرتا رہا تھا پھر یہیں سے میں نے نگہت شیراز کو ٹیلی فون کیا اور چند لمحات کے بعد فون ریسیو کر لیا گیا۔

"ہیلو نگہت۔"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"سو رہی تھیں شاید۔"

"اوہ... چیف آپ..."

"ہاں۔ ظاہر ہے اتنی صبح تمہیں جگانے کی جرأت کون کر سکتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ کہیے خیریت۔"

"نگہت وہ کام ہوگیا ہے جس کی داغ بیل تم نے ڈالی تھی اور جس کی تکمیل بدر شاہ نے کر ڈالی۔"

"زندہ باد چیف... زندہ باد... کیا میں خوشی سے اچھلوں۔"

"نہیں نیند میں ہوگی گر پڑو گی۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ کیا کر رہے ہیں؟"

"عیش کر رہا ہوں خوش ہو رہا ہوں۔"

"میں بھی خوش ہوں اور کوئی خاص بات۔"

"نہیں۔"

"چیف ملاقات؟"

"ابھی نہیں وقت آنے پر۔" میں نے جواب دیا۔

"اوکے چیف اوکے۔" نگہت نے جواب دیا اور میں نے فون بند کر دیا میری خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا بدر شاہ بھی میرے ساتھ ساتھ ہی خوش تھا میں نے اس سے کہا۔

"اچھا بدر شاہ۔ اب میں اجازت چاہتا ہوں لیکن آخری بار یہ بات تم سے کہتے ہوئے شرمندہ ہوں کہ مسعود پرویز کی نگرانی اور بھی سخت کر دی جائے۔"

"چیف آپ بالکل اطمینان رکھیں یہ سمجھ لیجیے کہ یہ ذمہ داری میری ہے۔"

"اوکے بدر شاہ اب میں آرام کروں گا۔ بوقت ضرورت پھر تم سے ملاقات کروں گا تم بھی اپنے ساتھیوں کو کم از کم تین دن کی چھٹی دے دو۔"

"جو حکم چیف کا" بدر شاہ نے جواب دیا اور اس کے بعد میں وہاں سے چل پڑا۔

خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی مجھے اور اب اس کامیابی کے نتائج بھی یقیناً جلد ہی سامنے آجائیں گے اس کے لیے مجھے آخری کارروائی کرنا تھی چنانچہ میں مسعود پرویز کی وہ کار لے کر چل پڑا جس میں یہاں تک آیا تھا اور پھر کار ایک سنسان جگہ کھڑی کر کے میں نے پستول کی گولی سے پہلے اس کا ٹائر برسٹ کیا اور اس کے بعد اس میں ایسی افراتفری پیدا کر دی جس سے یہ اظہار ہو سکے کہ کار میں کافی جدوجہد کی گئی ہے یہاں سے مجھے ایک لمبا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑا تھا اور پھر ایک ٹیکسی لے کر میں اپنے فلیٹ پہنچ گیا اس وقت آرام کرنے کے لیے فلیٹ سے زیادہ پُرسکون جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی فلیٹ پر پہنچنے کے بعد میں نے سب سے پہلے اپنا میک اپ اتارا اور ان تمام چیزوں کو ضائع کر کے غسل خانے میں داخل ہو گیا۔

ٹھنڈے پانی کے غسل نے آدھی تھکن تو ویسے ہی دور کر دی تھی لیکن نیند شدت سے آنے لگی تھی ناشتا چونکہ کر چکا تھا اور پیٹ بھرا ہوا تھا اس لیے بستر پر لیٹ گیا اور ایسا سویا کہ شام کو چار بجے آنکھ کھلی۔

چار بجے جاگنے کے بعد میں پہلے صورتِ حال کا اندازہ لگاتا رہا اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی چنانچہ سب سے پہلے میں نے منہ ہاتھ دھویا پھر کچن کی جانب رُخ کیا چائے بنائی اور کچن میں جو کچھ مل سکا اسے زہر مار کیا چونکہ پیٹ خالی ہو چکا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ٹرانسمیٹر پر بدر شاہ سے رابطہ قائم کیا اور یہ رابطہ قائم ہونے میں دیر نہ لگی۔

"ہیلو بدر شاہ"

"ہیلو شارق بھائی جی۔ خیریت"

"کہو بھائی کیا حال ہیں"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے سو کر اٹھا ہوں"

"یہی کیفیت میری ہے۔ صورتِ حال بتاؤ"

"صورت بھی ٹھیک ہے اور حال بھی"

"کوئی خاص بات تو نہیں"

"نہیں شارق بھائی۔ نیند بہت اچھی آئی کوئی خواب بھی نہیں دیکھا سب ٹھیک ہے۔ بدر شاہ نے کہا اور ہنس پڑا"

"اوکے" میں نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔ پھر فلیٹ سے ہی اُستاد چھوٹے کو فون کیا۔ نوشابہ نے فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو نوشابہ، شارق بول رہا ہوں"

"جی بھائی جان"

"سب ٹھیک ہے نا؟"

"جی بالکل"

"اُستاد کو بلا دو"

"جی" نوشابہ نے کہا اور تھوڑی دیر بعد فون پر اُستاد چھوٹے کی آواز سنائی دی۔

"جی شارق میاں بول رہا ہوں"

"سب ٹھیک ہے نا اُستاد؟"

"بالکل۔ کوئی خاص بات ہے؟"

"نہیں بس یہ کہنا ہے کہ وہ جو میرا مہمان ہے نا اسے ہر قیمت پر مہمان رہنا چاہیئے اس کے محافظ ویسے تو مستعد ہیں لیکن کچھ ذمہ داری آپ کو بھی دی جا رہی ہے"

"میں نے قبول کر لی شارق میاں آپ اطمینان رکھیں وہ مر کر بھی یہاں سے نہ نکل سکے گا۔"

"بے حد شکریہ بس یہی کہنا تھا"

"بالکل اطمینان رکھیں شارق میاں۔ اُستاد نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس کے بعد میں نے تیاریاں کیں اور پھر بہت عمدہ لباس پہن کر کوٹھی چل پڑا۔ اپنا کام میں نے تقریباً ختم کر لیا تھا۔

کوٹھی میں داخل ہوا تو لان بھرا ہوا تھا۔ آشیانے میں ایسے مناظر دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ میرا حیرت انگیز استقبال کیا گیا تھا ایک ایک فرد موجود تھا۔

"خدا کی قسم سخت یاد کیا جا رہا تھا تمہیں" عصمت بھابی نے کہا۔

"خیریت... ؟" میں نے میز پر سجے ہوئے مخصوص ساز و سامان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یاد نہیں ہے؟" شفق بھابی نے کہا۔

"کیا... ؟" میں حیرت سے بولا۔

"کس سے کہہ رہی ہیں آپ شفق بھابی۔ شارق بھیا کو تو یہ بھی یاد نہیں کہ ان کی کوئی بہن بھی ہے" لالہ رُخ نے کہا۔

"یہ تو بُری بات ہے۔ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن اور شارق میاں کو یہ بھی یاد نہیں کہ آج اس کی سالگرہ ہے" تنویر

بھابی بھی اپنا حصّہ لینا نہ بھولیں۔

"اوہ۔ آپ لوگوں نے اس سے قبل کبھی مجھے یاد کیا ہے۔ پچھلی سالگرہ میں مجھے خبر دی گئی تھی؟"

"اس وقت آپ کو خود اپنی خبر کہاں تھی" لالہ رُخ نے کہا۔

"یہ کیا شروع کر دیا تم لوگوں نے۔ چلو وقت ہو رہا ہے کیک لگاؤ" آئی جی صاحب نے کہا۔

"ہاں بھئی شروع کرو" شوکت جاہ بولے اور میں اندر چل پڑا۔

"ارے تم کہاں جا رہے ہو" امّی جان نے کہا۔

"ابھی واپس آیا" میں نے کہا اور وہاں سے سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔ ایک چیک لکھا اور اسے لفافے میں بند کر کے باہر نکل آیا۔ لالہ رُخ نے کیک کاٹا اور میں تالیوں میں شریک ہو گیا تقریب بالکل سادہ اور گھریلو تھی لیکن سب نے انتظامات کیے تھے جاوداں نے ایک خوبصورت نکلس تحفے میں دیا کسی نے لاکٹ کسی نے سوٹ پیس غرض گھر کے ہر فرد نے کوئی نہ کوئی تحفہ دیا تھا لالہ رُخ عادت سے باز نہ آئی اور بولی۔

"آپ ایسی تقاریب میں صرف تالیاں بجاتے ہیں شارق بھائی"

"کیا کروں بن بُلایا شریک ہوتا ہوں۔ اس کے علاوہ کیا بھی کیا سکتا ہوں۔ تاہم یہ حقیر تحفہ میری طرف سے بھی۔ میں نے لفافہ لالہ رُخ کو دیتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے اس میں؟" لالہ رُخ نے کہا۔

"ایک نکمّے سے بھائی کی دعاؤں کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"یہ دُعا کا نہیں مدد کا دور ہے شارق بھائی کھولنا نیلو اس میں کیا ہے" لالہ رُخ نے کہا۔

"کہتی رہتی ہے یہ بھائی کی عزت اس طرح لٹا رہی ہے کیا زمانہ آگیا شفق بھابی" میں نے کہا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا نیلوفر نے لفافہ کھول لیا۔ پھر کسی قدر رگھٹی ہوئی آواز میں بولی۔

"چیک ہے"

"کتنے کا... ؟" لالہ رُخ نے پوچھا۔

"ایک۔ ایک لاکھ کا" نیلوفر اٹک کر بولی۔

"ہیں" لالہ رُخ حیران لہجے میں بولی اور لپک کر چیک نیلوفر کے ہاتھ سے لے لیا "ہے تو... ایک لاکھ کا... مگر... مگ... کیا... کیا... کیا یہ کیش ہو جائے گا... ؟"

"کیا بکواس کرتی ہو... ؟" آئی جی صاحب نے کہا پھر مجھ سے بولے "اتنے پیسوں کی کیا ضرورت ہے"

"وہ بس ڈیڈی کئی بار کے ڈیو ہیں" میں نے کہا اور آئی جی صاحب خاموش ہو گئے لیکن لالہ رُخ ہونق ہی رہی میں جانتا تھا کہ وہ اس وقت تک یقین نہیں کرے گی جب تک چیک کیش نہ ہو جائے گا لیکن اس نے انتظار نہ کیا ایک بار ذرا سا موقع ملا تو میرے کان میں سرگوشی کر ڈالی۔

"بھائی جان صرف ایک بار صدقِ دل سے بتا دیں کہ یہ کیش ہو جائے گا؟"

"بلاؤں ڈیڈی کو... ؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا اتفاق سے ڈیڈی میری طرف دیکھتے ہوئے شوکت جاہ سے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ لالہ رُخ جلدی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اس وقت انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور میں ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ وہ بولے۔

"بیٹھو کہاں گھوم رہے ہو"

"جی ڈیڈی" میں بیٹھ گیا۔

"تمہاری اس دوران کی گمشدگی سے ہم نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ تم اس سلسلے میں مصروف ہو"

"آپ کا خیال درست ہے ڈیڈی" میں نے جواب دیا۔

"پھر کیا کیا... ؟"

"اسے ایک گہری خندق کے پاس کھڑا کر کے ایک زوردار لات رسید کر دی ہے اور اس وقت وہ گہرائیوں میں گر رہا ہے بہت جلد آپ اس کے گرنے کا دھماکہ سنیں گے"

"مطلب... ؟"

"وضاحت نہیں کروں گا ڈیڈی انتظار فرمائیے۔ صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے اسے پاش پاش کر دیا ہے" میں نے جواب دیا اور میرے ان الفاظ کی سنسنی دونوں بزرگوں کے چہروں پر نظر آنے لگی لیکن اس سے زیادہ میں کسی قیمت پر کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔

شوکت جاہ بولے۔ ان کے لہجے سے یہ اندازہ ہوتا تھا۔ جیسے وہ مجھ پر عاشق ہو گئے ہوں۔ اس وقت بھی وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے لیکن ڈیڈی کا چہرہ انتہائی سنجیدہ تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"گویا یہ اندازہ درست تھا کہ تم ان دنوں قیصر پرویز کے مسئلے پر ہی مصروف ہو؟"

"جی ڈیڈی اس نے ہماری عزت پر حملہ کیا تھا خاموشی تو ممکن نہیں تھی اسی سلسلے میں مصروف تھا۔"

"اور تم کہتے ہو کہ تم نے اُسے کسی خندق میں دھکیل دیا ہے؟"

"جی میں نے کہا تھا کہ آپ لوگ اپنی اپنی کوششیں کرلیں۔ مجھے خوشی ہوگی کہ اگر آپ کامیابی کی کوئی خبر مجھے سنائیں لیکن آپ نے اندازہ لگا لیا کہ بعض لوگ قانون کو کس طرح ہاتھ میں لے کر اس سے کھیلتے ہیں آپ نے ایک قیصر پرویز کو دیکھا ہے لیکن آپ یقین کریں میں کئی دیکھ چکا ہوں۔ ان سب نے بھی یہی سب کیا تھا بھاری اور ہلکے۔۔ پیمانے پر اور میں انہی کے خلاف نبرد آزما رہا ہوں مجھے مسرت ہے ڈیڈی کہ اس گھر میں میرے موقف کو تسلیم کیا گیا ہے میں خود قانون کا خادم ہوں اور ہر حالت میں قانون کی برتری چاہتا ہوں، میرے سلسلے میں جو غلط فہمیاں آشیانے میں پائی جاتی ہیں، مجھے خوشی ہوگی وہ سب کی سب دور ہو جائیں۔ آج تک یہی سمجھا گیا کہ میں نے اپنے پیشے سے انحراف کرکے ایک نئی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنے پیشے کو ایک نئی راہ دی لیکن اس میں قانون شکنی کا کوئی تصور نہیں ہے میں تو صرف اس جگہ قانون کی مدد کرتا ہوں جہاں وہ دھوکا کھا جاتا ہے میں اس غلط فہمی کو دور کرکے سچائی پیش کرتا ہوں کسی بے گناہ کو سزا دلوانا میرے مسلک میں کفر ہے اور کسی بے گناہ کو سزا ملنا بھی میرے لیے ناقابل برداشت ہے میں اصلیت کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہوں۔"

"میں نے پہلے بھی تمہارے موقف کی مخالفت نہیں کی۔ یہ ایک نیک کام ہے اور میں اسے تسلیم کرتا ہوں لیکن بات دوسری جانب مڑ گئی۔ مجھے بتاؤ کہ اس شیطان کو منع کرنے کے لیے تم نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے؟ اس وقت اس کی کیا حالت ہے؟"

"ابھی کچھ دیر تک تو وہ بہتر رہے گا ڈیڈی لیکن نے اس کے لیے جو بیج بو یا ہے اس کا نتیجہ چند ہی دنوں کے اندر اندر دیکھ لیں گے ممکن ہے کل۔۔۔ پرسوں یا اس کے بعد۔۔"

"تمہارے الفاظ بے حد سنسنی خیز ہیں اور جس طرح تم نے بات کو گول مول کر دیا ہے اس سے مجھے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید تم مجھے ابھی حقیقت نہیں بتانا چاہتے؟"

"ہاں جی لطف جاتا رہے گا آپ جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اس میں آپ کو زیادہ مزا آئے گا۔"

"بھئی کچھ اشارے تو دے دو۔" شوکت جاہ بولے بغیر نہ رہ سکے۔

"اشارے صرف اتنے دے سکتا ہوں کہ قیصر پرویز کا بت پاش پاش ہو گیا ہے اور اب اس کی بے کسی کے دنوں کا آغاز ہوا ہے۔ آپ بہت جلد دیکھ لیں گے، جلد بازی نہ کریں ورنہ سارا پروگرام خراب ہو جائے گا؟"

"میں سمجھتا ہوں عظمت حسین شارق میاں کی بات مان لی جائے۔ چلو دیکھیں گے کیا ہوتا ہے؟"

یوں اس طرح دونوں سے پیچھا چھڑایا اور پھر دوسری تفریحات میں گم ہو گیا البتہ اسی رات مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا جو کارروائی میں نے کی تھی اب اس کے نتائج سامنے آگئے ہوں گے یا اس میں کچھ وقت بھی لگے گا۔ کم از کم میرے اپنے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی کیپن۔ ایم کریگ کے ساحل پر رجب سیٹھ کے آدمی لانگ مین کا انتظار کر رہے ہوں گے، لانگ مین کو جس جگہ پایا تھا وہاں سے کیپن ایم کریگ تک پہنچتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوگا جب لانگ مین وقت پر کیپن ایم کریگ تک نہیں پہنچی ہوگی تو یقینی امر تھا کہ رجب سیٹھ کے آدمیوں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دی ہوں گی جب انہیں لانگ مین سے جواب نہ وصول ہوا ہوگا تو انہوں نے سمندر میں لانگ مین کی تلاش شروع کر دی ہوگی لانگ مین انہیں جس حالت میں ملی ہو گی اس کے بعد رجب سیٹھ تک اس کے بارے میں اطلاع نہ پہنچنا ایک غیر یقینی سی بات تھی اور چونکہ میں نے رجب سیٹھ اور مسعود پرویز کے درمیان ایک دشمنی پیدا کر دی تھی اس لیے اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا تھا مسعود پرویز نے لانگ مین پر حملہ کرایا اس کا سامان لوٹ لیا۔ واہ! کتنا عمدہ منصوبہ تھا اور کس خوب صورتی سے تکمیل تک پہنچا تھا اس میں میری تقدیر اور تھوڑی بہت تدبیر بھی شامل تھی۔ لانگ مین پر جو لوگ بے ہوش ملیں گے۔ وہ اس کے بعد ناخدا کی کہانی سنائیں گے۔ ناخدا کو ہم نے اس طرح ان کے سامنے رکھا تھا کہ انہیں اُسے دیکھ لینے میں دقت نہ ہو بہر حال یہ سارے کام مکمل ہو گئے تھے اور ابھی تک ان میں کوئی ایسا جھول نہیں تھا جس کے لیے مجھے پریشانی ہوتی رات کو ساڑھے دس بجے میں کوٹھی سے نکل آیا اور تھوڑے فاصلے پر ایک پبلک بوتھ میں داخل ہو گیا میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ حالانکہ پبلک بوتھ بھی کوٹھی سے زیادہ فاصلے

پر نہیں تھا لیکن اتنا کام تو کیا جا سکتا تھا میں نے قیصر پرویز کے گھر کے نمبر ڈائل کیے اور وہاں سے کسی نے فون اٹھا لیا میں نے قیصر پرویز کے بارے میں پوچھا تو پتا چلا وہ موجود نہیں ہے، میں تھوڑی دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا گاڑی لے کر کافی دور نکل گیا ایک چھوٹے سے ریستوران میں ایک آدھ گھنٹہ گزارا اور پھر ریستوران کے قریبی پبلک کال آفس سے دوبارہ میں نے قیصر پرویز کو ٹرائی کیا اس بار قیصر پرویز سے ملاقات ہو گئی تھی میں نے ریسیور میں اسے پکارا تو اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"کون ہے۔۔۔؟"

"قیصر پرویز صاحب بول رہے ہیں؟"

"ہاں میں بول رہا ہوں کہو کیا بات ہے؟"

"سر میں آپ کو ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔"

"کیسی اطلاع اور کس سلسلے میں؟"

"تین ناموں سے آپ حقیقت حال سے واقف ہو جائیں گے رجب سیٹھ، لانگ مین، مسعود پرویز۔"

"کون ہو تم۔۔ کیا اور کیا بکواس کرنا چاہتے ہو؟" قیصر پرویز بدستور اسی انداز میں بولا۔

"سر میرا تعلق رجب سیٹھ سے ہے اس کا نمک خوار ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے مسعود پرویز صاحب کا بھی نمک کھایا ہے بلکہ مسعود صاحب نے بہت سے نازک موقعوں پر مدد کی ہے میری چنانچہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ جو کچھ مجھے معلوم ہے اس پر خاموش ہو جاؤں۔"

"کہو۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" قیصر پرویز کا لہجہ کسی قدر نرم ہو گیا۔

"سر آپ کو علم ہے کہ لانگ مین لوٹ لی گئی ہے۔"

"کیا۔۔۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"لانگ مین نامی لانچ جو رجب سیٹھ کا مال لے کر آ رہی تھی مسعود پرویز صاحب نے لانچ کو لوٹ لیا ہے اور اس کا مال غائب کر دیا گیا ہے لیکن رجب سیٹھ نے فوراً ہی مسعود پرویز صاحب کو تلاش کرکے انہیں اغوا کر لیا ہے اور اب مسعود پرویز، رجب سیٹھ کے قبضے میں ہیں سر مجھے خطرہ ہے کہ رجب سیٹھ ان کے ساتھ بہت برا سلوک کرے گا اس نے انہیں نہ جانے کہاں رکھا ہے میں ابھی تک یہ بات نہیں معلوم کر سکا۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟ کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"سر بکواس نہیں کر رہا۔ مسعود صاحب کا نمک خوار ہونے کی وجہ سے یہ اطلاع دینا ضروری سمجھتا ہوں ورنہ مجھے کیا پڑی تھی۔ کہ اپنی زندگی کے لیے خطرہ مول لیتا۔"

"سنو۔۔۔ بات سنو، کیا نام ہے تمہارا؟"

"سر نام نہیں بتاؤں گا۔"

"بتا دو جب تم نے میرے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا ہے تو تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا؟"

"سر بہت بزدل آدمی ہوں اس سلسلے میں کوئی بہادری نہیں دکھا سکتا۔"

"بے وقوف آدمی میں تمہیں ہر طرح کی مدد فراہم کروں گا۔"

"سر مجھے اپنی مدد بھی کرنی ہے جو ہر انسان کے لیے اولین حیثیت رکھتی ہے چنانچہ اللہ حافظ۔" میں نے کہا اور فون بند کر دیا اس کے بعد میں نے ریسیور پر سے اپنے ہاتھوں کے نشانات صاف کیے اور وہاں سے باہر نکل آیا اس کا مطلب تھا کہ قیصر پرویز کو ابھی تک مسعود پرویز کے بارے میں تشویش نہیں ہوئی ہے۔ دراصل اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسعود خود کئی کئی دن تک غائب رہتا تھا اور یہ چونکہ اس کے معمولات میں شامل تھا اس لیے قیصر پرویز کو اس کی گمشدگی پر تشویش نہ ہوئی ہوگی البتہ اب اس اطلاع کے بعد صورت حال مختلف ہو جائے گی اور کھیل اسی انداز میں شروع ہو جائے گا جس انداز میں میں چاہتا تھا چنانچہ یہ کام تسلی بخش ہو گیا تھا اور میں بالکل مطمئن کافی دیر تک گاڑی میں بیٹھا سوچتا رہا اور پھر کوٹھی ہی واپس آ گیا یہاں سے میں نے نگہت شیراز کو ٹیلیفون کیا اور دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

"ہیلو نگہت!"

"سر کیسے مزاج ہیں؟" نگہت نے میری آواز پہچان کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہوں تمہیں پھر سے مصروف ہونا ہے۔"

"سر میں سر سے پاؤں تک حاضر ہوں۔"

"میرا خیال ہے پیروں سے ابتدا کر دو۔"

"جی۔۔۔" نگہت شیراز نے کہا۔

"تمہیں رجب سیٹھ کا خاص طور سے جائزہ لینا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی قیصر پرویز پر بھی نگاہ رکھنی ہے یہ کام تمہیں نہایت ہوشیاری سے کرنا ہے۔"

"سر آپ کا حکم سر آنکھوں پر کب سے شروع کر دوں یہ کام؟"

"میرا خیال ہے آج رات گزر جانے دو جو کچھ ہوگا کل صبح ہی سے ہوگا۔ دیکھیں گے کیا ہوتا ہے!"

"اوکے چیف۔ نگہت شیراز مستعد ہے۔" نگہت نے کہا اور میں نے فون بند کر دیا پھر راوی چین ہی چین لکھتا تھا دوسرے دن

وہ ٹھیک ہو تا۔ بار بار ناشتہ دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوا تھا لیکن مجھے بہ سہولت دے دی گئی تھی۔ جاگا تو وقت گزرنے کا احساس ہوا۔ جلدی جلدی تیار ہو کر باہر نکلا تو سب سے پہلے شفیق بھائی سے ملاقات ہو گئی معمول کے مطابق ان سے تھوڑی بہت چھیڑ چھاڑ کی۔ ڈیڈی اور شوکت جاہ حسبِ معمول اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ باقی لوگ بھی اپنی اپنی ذمے داریاں پوری کر رہے تھے۔ البتہ ایس پی صاحب نے مجھے دیکھ کر اُچک لیا۔

”کیا بات ہے رات کو کہیں دیر تک مصروف رہے؟“

”کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی بس ایسے ہی آوارہ گردی کرنے نکل گیا تھا۔“

”ڈیڈی کہہ رہے ہیں کہ تم نے کوئی کارروائی کر ڈالی ہے۔ اُن لوگوں کے خلاف۔“

”کن لوگوں کے خلاف!“

”میرا مطلب ہے قیصر پرویز کے خلاف!“

”جی لیکن ابھی اس بات کو عام نہ کریں تو بہتر ہے۔“

”آؤ میرے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھو!“

”وہ ناشتا نہیں کیا میں نے۔“

”یہیں منگوا لیتا ہوں“ انہوں نے کہا اور ایک ملازم کو ناشتے کے لیے کہہ دیا اور ایس پی صاحب کہنے لگے۔

”ہاں ذرا تفصیل بتاؤ کیا کارروائی کی ہے تم نے اُن کے لیے!“

”بھائی جان یہ تفصیل تو میں نے ڈیڈی کو بھی نہیں بتائی۔“

”بھئی میں تمہارے بدخواہوں میں سے تو نہیں ہوں، مجھے بتاؤ تم جانتے ہو اب میرا معاملہ براہِ راست ہے!“

”ایک بات بتائیے یہ قیصر پرویز کی پہنچ کہاں کہاں تک ہے؟“

”کم بخت نے ہر جگہ پنجے گاڑ رکھے ہیں ویسے شارق ہم اس کی اس بات کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ اس نے درمیانے درجے کا آدمی ہونے کے باوجود جو کچھ تعلقات پیدا کیے ہیں وہ واقعی باعثِ حیرت ہیں میں نہیں سمجھتا کہ لوگ کس طرح ایسے لوگوں تک پہنچ جاتے ہیں جن سے ان کا کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

”دراصل بعض لوگ فطرتاً جرائم پیشہ ہوتے ہیں میں کسی بھی سرکاری افسر کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے اختیارات کو ناجائز حد تک بڑھانے کی کوشش کرتا ہے بعض لوگوں کے تعلقات کسی بڑے آدمی سے بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے اُسے محنت کرنی پڑتی ہے زیادہ سے زیادہ اس حد تک بات بن جاتی ہے کہ اسے اپنے کچھ مفادات حاصل ہو جاتے ہیں لیکن قیصر پرویز نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف کی ہیں کہ وہ اعلیٰ پائے کے لوگوں سے تعلقات پیدا کر کے جرم کی دنیا میں اپنے لیے حفاظت کا بندوبست کر سکے۔“

”ہوں! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

”تو بھائی جان میرا مطلب یہ تھا آپ کی بحالی میں قیصر پرویز کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟“

”کمینہ اگر چاہے تو میری جگہ مجھے واپس پہنچا سکتا ہے۔“

”ویسے تو بھائی جان دوسرے ذرائع بھی ہو سکتے ہیں آپ کے اپنی جگہ پہنچنے کے لیے لیکن قیصر پرویز آپ کے لیے خود ہی کوشش کرے تو کیا حرج ہے!“

اس کا انداز تو ایسا ہی تھا کہہ رہا تھا ناں کہ ہماری دُعائیں لو حالانکہ اس وقت میں اتنا طیش میں آگیا تھا کہ ناقابلِ بیان ہے لیکن بھئی ظاہر ہے حالات کو مدِنگاہ رکھنا ہی پڑتا ہے۔“

”تو پیشین گوئی سن لیجیے میری بلکہ ایک طرح سے یہ میرا عہد ہے کہ خود قیصر پرویز آپ کی بحالی کے لیے کوششیں کرے گا اور آپ پر کوئی احسان بھی نہیں لادے گا۔“

”تم بہت بڑی باتیں کرتے ہو میں مانتا ہوں شارق کہ تم نے بہت سے ایسے کام کیے ہیں جو واقعی باعثِ حیرت ہیں لیکن اب اتنے دن سے تم قیصر پرویز کو دیکھ رہے ہو۔ کم بخت کہیں سے گرفت میں ہی نہیں آتا۔“

”میں نے ڈیڈی سے یہی کہا تھا بلکہ انہوں نے خود مجھ سے اس بارے میں سوال کیا کہ اس دوران میری گمشدگی کی وجہ یہی تو نہیں ہے کہ میں قیصر پرویز کے خلاف جال بنتا رہا ہوں میں نے کہا ہاں یہی بات ہے۔“

”تو پھر کیا ہوا تمہارے اس جال کا؟“

”وہ اب اس جال میں پھنسا ہوا پھڑپھڑا رہا ہے اور آپ دیکھ لیجیے کہ ایک دو دن میں یہ صورتِ حال آپ کے سامنے آجائے گی!“

”تم پہلے سے یہ پیش گوئی کر رہے ہو!“

”جی ہاں۔ آج صبح کے اخبارات میں نے ابھی تک نہیں دیکھے ذرا ایک نگاہ ڈال لیجیے۔“

”کیوں کوئی خاص بات!“

”بس میرا کچھ اندازہ ہے، ہو سکتا ہے مجھے اس میں کوئی کامیابی نہ ہو سکے۔“

”تو میں اخبارات ابھی منگواتا ہوں۔“ انہوں نے کہا اور ہم دیر تک اخبارات کھنگالتے رہے لیکن ان میں کوئی ایسی خبر نہیں تھی

جو باعثِ توجہ ہوتی۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔

”بھائی جان کل کا اخبار یقینی طور پر کسی اہمیت کا حامل ہوگا۔“

”ہوں دیکھیں گے بھائی کیا صورتِ حال رہتی ہے۔“ ایس پی طارق حسین مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ بیچارے معطل تھے۔ بڑی شرمندگی محسوس کر رہے تھے مجھے بھی ان سے ہمدردی تھی اور میں نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا تھا جو ان کی شان میں گستاخی کے مترادف ہو۔ ناشتا انہیں کے کمرے میں کیا اور وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل آیا۔ دوسری ملاقات محترمہ لالہ رُخ سے ہوئی تھی۔ ہانپتی کانپتی میرے کمرے کی طرف سے چلی آ رہی تھیں کہنے لگیں۔

”میں آپ ہی کے کمرے میں گئی تھی بھائی جان!“

”ہوں کوئی خاص بات۔“

”وہ چیک کیش ہو گیا ہے۔“ میں نے بُرا ماننے والے انداز میں لالہ رُخ کو دیکھا تو وہ ہنس پڑی۔

”یہ آپ کو کیا سوجھی بھائی جان!“

”بھئی کمال ہے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم نے زندگی میں ایک لاکھ روپے کبھی نہیں دیکھے ہوں۔“

”دیکھے ہیں! قسم خدا کی دیکھے ہیں لیکن یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ آپ مجھ پر اتنی بڑی عنایت کر ڈالیں گے!“

”اور اس کے لیے تم میری شکر گزار ہو گی؟“

”میرا ٹھینگا شکر گزار ہو گا۔ یہ تو میرا حق تھا۔“

”تو میں نے کب کہا میری بہن کہ تم نے اپنا حق نہیں وصول کیا؟“

”تھینک یو بھائی جان... تھینک یو ویری مچ!“

”کمال ہے آج تمہارے لہجے کی یہ مٹھاس مجھے بتا رہی ہے کہ دولت کی قیمت کیا ہوتی ہے!“

”اب مجھے غصہ نہ دلایے میں... میں بہت خوش ہوں!“

”تو پھر مجھے آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے لالہ رُخ صاحبہ کہ میری زندگی کی بہت بڑی آرزو پوری ہوئی!“

”کیا آرزو تھی آپ کی زندگی کی؟“

”یہی کہ آپ کو خوش دلی سے نرم انداز میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھوں۔“

”میں تو کرتی ہوں آپ ہی مجھے چڑا دیتے ہیں!“

”وعدہ کیجیے کہ اب آپ نہیں چڑیں گی!“

”ایک شرط پر۔“

”جی! جی فرمائیے... فرمائیے۔“

”آپ اکثر مجھے ایسے تحائف سے نوازتے رہیں گے!“

”کم از کم کتنے عرصے بعد، سالگرہ تو آپ کی سال میں ایک بار ہوتی ہے۔“

”بھئی دینے لینے کے لیے کوئی وقت تو مقرر نہیں ہوتا۔ بہنوں کو تحائف دیے جاتے ہیں۔“ لالہ رُخ نے کہا۔

”بہتر ہے میری پیاری بہن میں آپ کو یہ تحائف بطورِ رشوت پیش کرتا رہوں گا۔“

”شکریہ... شکریہ ویسے آشیانے میں رشوت کی ضرورت نہیں ہے لیکن آپ تحفوں کو کہہ کر دے سکتے ہیں۔“ لالہ رُخ نے کہا اور پھر بولی۔ ”اچھا آپ سے کچھ اور گفتگو بھی کرنی ہے۔“

”جی... جی فرمائیے میں فرصت میں ہوں۔“

”آئیے... میرے کمرے میں آ جائیے۔“ لالہ رُخ نے کہا اور میں بھونچکا سا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ لالہ رُخ کا مزاج ایک دم سے تبدیل ہو گیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ عارضی کیفیت ہے ایک لمحے میں وہ سب کچھ بھول کر ایک لاکھ روپے میرے منہ پر مار سکتی ہے اس کے بعد مجھے جو کچھ بُرا بھلا کہنا چاہے کہہ سکتی ہے چنانچہ اس سے تعاون کرنا ضروری تھا۔ لالہ رُخ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی اور پھر ایک صوفے پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولی۔

”بھائی جان بات دراصل یہ ہے کہ اب ہم اپنی اس کوٹھی کی تکمیل کر دینا چاہتے ہیں۔“

”مجھے تو نظر نہیں آتی!“

”یہاں تمام بھابیاں موجود ہیں صرف ایک بھابی کی کمی ہے۔“

”بھئی کمال ہے ایک لاکھ روپے نے جو کھیل دکھایا ہے وہ تو لاکھوں روپے بھی نہیں دکھا سکتے تھے!“

”بے کار باتیں مت کیجیے اگر آپ بھی میرے بھائی ہیں اور یہ کام ہونا ہی ہے۔“

”میری پیاری بہن اس سے پہلے تو ایک کام اور ہونا ہے!“

”وہ کیا...؟“

”اس کوٹھی کو ایک بہنوئی کی بھی ضرورت ہے بہت سے بھائیوں کے لیے ایک بہنوئی۔ کیا سمجھیں گے!“

”بے کار باتیں نہ کریں۔ جو کہہ رہی ہوں اس کا جواب دیں!“

”میرے خیال میں یہ بات بے کار نہیں ہے!“

”بھائی جان پلیز...“ یہ لالہ رُخ نے کہا اور میں سنجیدگی سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

”جی... جی فرمائیے... جی فرمائیے!“

”بس آپ اتنا سا بتا دیجیے کہ نیلوفر، جاوداں یا کوئی اور!“

”اگر آپ سے عرض کروں کہ ان سب میں سے کوئی نہیں تو...“

"تو پھر میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"کیا تم بھی اتنی چھوٹی سی بات کے لیے پاگل بھی ہو سکتی ہو۔"

"ہاں آپ نے جو چکر چلا رکھا ہے وہ بہت عجیب ہے تھوڑے دن پہلے آپ نیلوفر کو لفٹ کرا رہے تھے اس کے بعد جاودان کی طرف مائل نظر آنے پھر انیلا کی بات ابھری اور اس کے بعد ایک اور لڑکی نگاہوں میں آئی۔"

"کون...؟"

"نگہت شیراز۔"

"ارے توبہ... توبہ۔ تم لوگوں کی نظریں کتنی میلی ہوتی ہیں۔"

"جی نہیں ہم لڑکیاں آپ کو اچھی طرح پہچانتی ہیں آپ کی ایک ایک جنبش سے واقف ہیں ہم لوگ۔"

"تو پھر تم نے میری حرکات سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میرے اپنے ذہن میں کیا ہے۔"

"مجھے یہی تو اندازہ نہیں ہو پایا۔ آج کل نیلوفر بڑی اترائی اترائی پھر رہی ہے۔ مجھ پر بھی ایسے رعب گانٹھنے لگی ہے جیسے سچ مچ مستقبل میں میری بھابی بننے والی ہو۔"

"تم ڈانٹ دینا اسے۔"

"میرا مطلب ہے کہ اگر وہ تمہارے ساتھ کوئی بدتمیزی کرے تو اس کا دماغ درست کر دینا۔"

"آپ کو تو برا نہیں لگے گا؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نیلوفر احمق ہے اگر میری کسی نرم بات سے وہ یہ اندازہ کرلے کہ میں دل میں اس کے لیے ایسے جذبات رکھتا ہوں تو یہ اس کی غلطی ہے میری تو نہیں۔ میں تو ظاہر ہے شفق بھابی کے رشتے سے اس کی بھی عزت کرتا ہوں۔"

"تو پھر آخر وہ کون ہے؟"

"کوئی نہیں بھائی... اگر ہوئی تو وعدہ کرتا ہوں تمہیں بتلاؤں گا۔"

"یعنی آپ نے ابھی تک اس بارے میں نہیں سوچا؟"

"جی نہیں، آپ لوگوں نے مجھے اس بارے میں سوچنے کی مہلت ہی کہاں دی؟"

"تو یہ ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کو ایسی ایسی حسین لڑکیوں سے ملواؤں گی کہ آپ بھی بس دیکھتے ہی رہ جائیں گے۔ میری دوست ہیں بہت سی آپ ان میں سے کسی کو پسند کر لیجیے باقی کام مجھ پر چھوڑ دیجیے۔"

"واقعی... تو پھر ٹھیک ہے نا بھئی اس بات سے ہم نے آپ کو منع کب کیا ہے لالہ رخ صاحبہ لیکن آپ ہمیں لفٹ ہی نہیں دیتیں۔"

"اب دوں گی... اب دوں گی۔"

"بہت بہت شکریہ۔" میں نے کہا اور اس کے بعد لالہ رخ سے پیچھا چھڑا لیا۔

کوئی خاص کام نہیں تھا۔ جانتا تھا کہ کوٹھی میں یہی سب کچھ ہوتا رہے گا چنانچہ وہاں سے باہر نکل آیا اور سیدھا دفتر کا رخ کیا فاروقی صاحب سے ملاقات کرنا چاہتا تھا اور خوش قسمتی سے وہ دفتر ہی میں مل گئے میرا حسب معمول استقبال کیا اور کہنے لگے۔

"غیر حاضریاں طویل ہوتی جا رہی ہیں۔"

"مصروفیت بھی طویل ہی ہے۔"

"کہو بات کہاں تک پہنچی؟"

"آخری حد تک آ گئی ہے بس اب نتائج ظاہر ہونے لگے ہیں اور بہت جلد آپ سب کے سامنے بھی آ جائیں گے۔"

"خیر وقت سے پہلے تو ہم کچھ پوچھتے ہی نہیں ہیں جانتے ہیں کہ جو کچھ بھی ہوگا وقت پر ہی ہوگا۔" میں مسکراتا رہا پھر میں نے جاوید قریشی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ آج کسی کیس میں مصروف ہے پھر ان سے ادھر ادھر کی گپیں ہوتی رہی تھیں ان کے اپنے بھی کئی کیس تھے جن کے سلسلے میں وہ کام کر رہے تھے میں نے معمول کے مطابق ان کے کیسوں پر توجہ دینی شروع کر دی دن کو ایک بجے دفعتاً ہی نگہت شیراز میرے پاس پہنچ گئی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ یہاں کیسے آ گئی؟ کہنے لگی۔

"دراصل ہر ممکنہ جگہ آپ کو تلاش کر لیا اور آپ وہاں پر نہ ملے تو پھر میں سیدھی یہاں آ گئی مجھے یقین تھا کہ آپ یہیں موجود ہوں گے۔"

"کہو کیا صورت حال ہے؟"

"بہت بہتر اور انتہائی شاندار۔" نگہت نے کہا اور عجیب سی نگاہوں سے فاروقی صاحب کو دیکھنے لگی پھر خود بولی۔

"سر ایک تحفہ لائی ہوں آپ کے لیے۔ سوچا کہ کچھ دھندا پانی ہو جائے مگر تھوڑی تنہائی درکار ہوگی۔"

فاروقی صاحب جلدی سے بولے "میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔"

میں نے شرارت بھری نگاہوں سے نگہت کو دیکھتے ہوئے کہا "تنہائی کی طلب بہر طور ایک اچھا تاثر نہیں چھوڑتی۔"

"چھوڑیئے چیف کس چکر میں پڑ رہے ہیں میں ذرا مختلف قسم کی لڑکی ہوں۔ اپنے معاملات ہر طرح حل کر لیتی ہوں۔"

"خیر کیا تیر مارا ہے تم نے؟"

"سر ایسا مارا ہے تیر کہ بس خون ہی خون بکھرا ہوا ہے چاروں طرف۔"

"ہاہا... بہت معقول نظر آ رہی ہو"

"آپ بھی معقول ہو جائیں گے اور میری خوشی تو آپ ہی کی خوشی میں ہے سر" نگہت نے ایسے انداز میں کہا کہ مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

"بہر طور بعض اوقات تم سے بے تکلفی کے جملے کہتے ہوئے ذرا خوف بھی محسوس ہونے لگتا ہے کہ کہیں بُرا نہ مان جاؤ۔"

"ویسے کچھ چاہیے؟" میں نے سوال کیا۔

"جی سر... جی!" جو کچھ میں آپ کو پیش کر رہی ہوں اس کی قیمت کا تعین کر لیں اور مجھ ناچیز کو ادا کر دیں۔"

"بہت زیادہ باتیں بنانی آ گئی ہیں۔ اب کام کی باتیں کرو۔"

"اوہ سر... سوری۔ سوری" نگہت نے کہا اور اپنا بڑا سا پرس کھولا اس سے ایک ٹیپ ریکارڈر نکالا اسے میرے سامنے رکھ کر ایک چھوٹا سا اسپول نکالنے لگی۔ اسپول ٹیپ ریکارڈر پر چڑھا کر اس نے ٹیپ آن کر دیا۔ جدید ساخت کا ٹیپ ریکارڈر تھا جس پر اسپول کام کرتا تھا اور کیسٹ نہیں لگتا تھا۔ اس نے سپول ریوائنڈ کیا ...

اور اس کے بعد اُسے آن کر دیا۔ اس میں سے ہلکی ہلکی آوازیں اُبھرتی رہیں۔ چند لمحات تک ہواؤں کا شور اور سرسراہٹیں۔ اس کے بعد ایک آواز اُبھری۔

"ہیلو کون بول رہا ہے؟"

"رجیب" دوسری آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔

"رجیب میں قیصر پرویز بول رہا ہوں"

"کہو قیصر پرویز کوئی نئی سوجھی ہے کیا؟" رجیب سیٹھ کا لہجہ خاصا خوشگوار تھا۔

"میں تم سے بہت سنجیدگی سے بات کرنا چاہتا ہوں"

"تم قیصر پرویز... تم سانپ ہو، بچھو کی نسل سے تعلق رکھتے ہو جس کا کام صرف ڈنک مارنا ہے تم نے مجھ پر بھرپور وار کیا ہے لیکن مجھے نہیں جانتے میرا نام بھی رجیب ہے سمجھے... قیصر پرویز آج تک میں تمہیں صرف اس لیے نظر انداز کرتا رہا کہ بہر طور میرے اور تمہارے تعلقات کافی عرصے سے ہیں لیکن تم اتنی کمینگی پر اتر آؤ گے مجھے اس کا شبہ بھی نہیں تھا تم کیا سمجھتے ہو میری یہ خاموشی بے معنی ہے۔ ایسی جگہ لے جا کر ماروں گا تمہیں جہاں پانی بھی نہیں ملے گا"

"کیا فضول باتیں کرنے بیٹھ گئے رجیب سیٹھ۔ میں تم سے کام کی باتیں کرنا چاہتا ہوں"

"ہوں! کہو کوئی بلیک میلنگ کا مواد مل گیا ہے تمہیں میرے خلاف یا اور کوئی نیا منصوبہ سوچا ہے"

"میں تم سے بہت سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں رجیب سیٹھ"

"تو میں بھی تمہاری بکواس سُن رہا ہوں کہ اب کیا کہنا ہے؟"

"تم اس قدر بگڑے ہوئے کیوں ہو؟"

"تم نے لانگ مین پر حملہ کر کے مجھے چھیڑ دیا ہے قیصر پرویز اس کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو گا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"سنو رجیب سیٹھ میں تمہاری یہ غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں لانگ مین کے معاملے سے میرا تعلق نہیں ہے اگر مسعود پرویز نے کوئی ایسی حرکت کی ہے تو اطمینان رکھو اس کا پورا پورا جرمانہ ادا کیا جائے گا تمہیں۔ میں یہ بات کسی بھی قیمت پر پسند نہیں کرتا کہ ایسی کوئی حرکت کی جائے۔ ہم تم دونوں بڑے کاروباری ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہمیں زیب نہیں دیتیں لیکن ایک نوجوان لڑکا جو احمق بھی ہے اگر یہ حرکت کر ڈالتا ہے تو کم از کم میں زندہ ہوں میں اسے اس کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا تم بالکل اطمینان رکھو اگر مسعود پرویز نے لانگ مین سے کچھ حاصل کیا ہے تو وہ صرف تمہاری ملکیت ہے"

"کوئی نئی اسکیم سوچی ہے! کوئی نیا منصوبہ آیا ہے تمہارے ذہن میں؟ لیکن تم اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہو سکو گے"

"دیکھو رجیب سیٹھ ہمارا تمہارا معاملہ اتنا سطحی نہیں ہے کہ ایک چھوٹی سی بات اتنا تلخ کر دے۔ کم از کم تم یہ بات جانتے ہو کہ یہ حرکت میں نے براہِ راست نہیں کی"

"کیا تم مسعود پرویز کو اپنی اولاد تسلیم نہیں کرتے اگر یہ بات ہے تو کم از کم تمہیں کھل کر یہ بات کر دینی چاہیے تھی کہ وہ تمہارا نطفہ نہیں ہے"

"رجیب میری قوتِ برداشت جواب دیتی جا رہی ہے"

"اور میری قوتِ برداشت جواب دے چکی ہے۔ سنو تم کسی طرح اپنے بیٹے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ سمندر میں تم لوگوں نے جو کارروائی کی ہے اس میں صرف مسعود پرویز کا ہاتھ نہیں ہے تم اس میں برابر کے شریک ہو"

"یہ بکواس ہے تم جاہل آدمی ہو جہالت کی باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے"

"اور تم... قیصر پرویز چند جماعتیں پڑھ لینے سے آدمی عقلمند نہیں ہو جاتا تم جس غلط فہمی کا شکار ہو اسے دل سے نکال دو"

"سنو میں تم سے مسعود پرویز کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں اسے رہا کر دو"

"کیا مطلب...؟"

"مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو رجیب سیٹھ مجھے معلوم ہے کہ وہ تمہارے قبضے میں ہے"

"ہوں! تو یہ منصوبہ تھا تمہارا۔ اب کوئی نئی چال چلنا چاہتے ہو؟ مسعود کو رہا کر دو رجیب سیٹھ اس کا اغوا میں کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ میں تمہیں تباہ و برباد کر دوں گا"

"قیصر تم اپنے آپ کو جو کچھ سمجھتے ہو سمجھنا چھوڑ دو بے شک تم اپنے تعلقات سے کام لے کر صرف چند چھوٹی چھوٹی حرکتیں کر چکے ہو لیکن مجھے نہیں جانتے میں کون ہوں؟ تم اپنے اختیارات کو بہت وسیع سمجھتے ہو تو میرے بھی ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے نہیں ہیں"

"تو پھر تو اعلانِ جنگ کرتا ہے؟"

"اعلانِ جنگ تو تُو نے کیا ہے قیصر۔ اب تو مجھے صرف تیری مٹی پلید کرنی ہے"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ آ جاؤ میدان میں۔ دیکھتے ہیں کس کی پہنچ کہاں تک ہے؟" قیصر پرویز نے کہا پھر ہلکی سی آواز سنائی دی اور فون بند ہو گیا۔

میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ نگہت شیراز کے ہونٹوں پر ایک کامیاب مسکراہٹ تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

"چیف یہ بڑے لوگ بڑی دلچسپ گفتگو کرتے ہیں" میں چونکا اور پھر میں نے نگہت شیراز کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔

"نگہت... نگہت یہ سب تم نے کہاں سے حاصل کر لیا؟"

"سر آپ کچھ زیادہ ہی قریب ہو گئے! تھوڑا سا فاصلہ پسند کریں گے"

نگہت نے کہا اور میں نے جلدی سے اس کا بازو چھوڑ دیا۔

"آپ چاہیں تو یہ کلائی پکڑ سکتے ہیں" نگہت نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ خدا کی قسم کمال کر دکھایا تم نے۔ یہ بات میرے ذہن میں مسلسل چکرا رہی تھی اور میں اس بے بسی کا شکار تھا کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی بات چیت میں کیسے سن سکوں۔ نگہت خدا کی قسم یو آر ونڈر فل"

"تھینک یو سر... تھینک یو سر۔ یہ آپ چاہیں تو۔ یہ ٹیپ ریکارڈر سمیت خرید سکتے ہیں"

"بکواس بند کرو۔ تم نے یہ ٹیپ ریکارڈ کہاں سے حاصل کر لیا!"

"آپ نے مجھے ہدایت کی کہ اب آپ ان معاملات کا ردِعمل دیکھنا چاہتے ہیں تو میں فوراً عمل میں آ گئی اور میں نے یہی مناسب سمجھا کہ قیصر پرویز کا فون ٹیپ کر لوں۔ سر اس کے لیے ذرا سی محنت کرنا پڑی تھی مجھے اور وہ کام کرنا پڑے تھے جو عورتیں نہیں کرتیں لیکن سر پیٹ کے لیے انسان کیا نہیں کرتا" نگہت سوکھے سے منہ سے بولی اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم... تم کمال کی شخصیت ہو۔ درحقیقت مجھے تو اب یوں محسوس ہونے لگا ہے۔ جیسے... جیسے مجھے تم سے محبت ہو جائے گی" میں نے کہا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"س... سر... سر آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میں کہتا ہوں تم نے واقعی کمال کیا ہے"

"وہ تو صحیح ہے سر لیکن اس چھوٹی سی کوشش کی اتنی بڑی سزا کیوں؟"

"اوہ! بکواس مت کرو۔ واقعی... خدا کی قسم بہت عمدہ... بہت خوب میں تمہاری جس قدر تعریف کروں کم ہے"

"سر تعریف کریں۔ دھمکیاں تو نہ دیں" نگہت نے پھر اسی انداز میں بولی۔

"اچھا بابا معافی چاہتا ہوں۔ غلطی اور جذبات میں جو الفاظ نکل گئے ان کی تکمیل کبھی نہ ہو سکے گی"

"تھینک یو... تھینک یو ویری مچ سر بات دراصل یہ ہے کہ ان جذبوں کے درمیان میں آنے کے بعد کاروبار ختم ہو جاتا ہے۔ لوگوں کا یہی کہنا ہے"

"اوہ! میں تمہیں اس ٹیپ کی قیمت پچیس ہزار روپے دے سکتا ہوں" میں نے کہا اور نگہت شیراز کرسی سے نیم لڑھک گئی اور میں اسے دیکھ کر ہنسنے لگا تھا بہت ہی شریر طبیعت کی مالک تھی۔ بمشکل تمام اس نے میز کا کونہ پکڑ کر خود کو اٹھایا اور نڈھال سے لہجے میں بولی۔

"س... سر آپ مذاق تو نہیں کر رہے؟"

"نہیں مذاق نہیں کر رہا۔ چاہو تو ابھی چیک لے لو"

"چیک دے دیجیے مجھے آپ پر اعتبار ہے" نگہت شیراز نے کہا اور میں نے جھنجلاہٹ کے عالم میں فوراً ہی چیک بک نکال کر اسے پچیس ہزار روپے کا چیک لکھ دیا۔ درحقیقت یہ چیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا نگہت نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا تھا کہ سب ناقابلِ بیان تھا میرے لیے۔ اس کی تو جو قیمت ہوتی کم تھی لیکن وہ اسی قسم کی ڈراماٹک تھی چنانچہ میں نے پچیس ہزار کا چیک لکھ کر اس کے حوالے کر دیا میرا خیال تھا کہ وہ اس سلسلے میں کچھ نخرے کرے گی لیکن اس نے انتہائی شکریے کے ساتھ یہ چیک اپنے پرس میں رکھ لیا تھا ٹیپ اور اسپول اس نے مجھے... سے کہا۔

"... اور ذمے داری میرے سپرد کیجیے"

"نگہت کام جاری رکھو۔ جو کچھ بھی کر سکتی ہو ضرور کرو اور تم صرف یہ اسپول مجھے دے دو۔ ٹیپ اپنے پاس رکھ لو"

"ٹھیک ہے سر! اب تو [illegible] میں آپ کے پاس ہی ملازمت کرنا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ملازمت ہو جائے گی۔"

"جی سر آپ کو بہت جلد دوسرا ثبوت بھی پیش کر دوں گی۔"

"تم میرے لیے کس قدر کارآمد ثابت ہوتی ہو۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"بس سر بیان کریں نہ کریں۔ میرا خیال رکھا کریں۔" نگہت نے کہا اور میں ہنستا رہا۔ کافی دیر تک وہ میرے ساتھ رہی پھر اجازت لے کر اٹھ گئی۔ میں دوبارہ ٹیپ ریکارڈر پر دونوں کی گفتگو سننے لگا تھا نگہت چلی گئی میں نے فاروقی صاحب کو بلا لیا تھا اور پھر یہ گفتگو انہیں بھی سنائی۔ فاروقی صاحب ششدر رہ گئے تھے پھر انہوں نے ایک ہی جملہ کہا۔

"بھئی میں جانتا ہوں تم نے اپنے گرد جن لوگوں کو جمع کیا ہے وہ معمولی صلاحیت کے حامل نہیں ہیں۔ مگر یہ سارا سلسلہ کیا ہے؟ کچھ تھوڑی سی تفصیل اور بھی تو بتاؤ۔"

"فاروقی صاحب، قیصر پرویز بہت بڑا اژدھا ہے کسی نیولے کے بس کی بات نہیں تھی چنانچہ میں نے اس اژدھے کے مقابلے میں ایک اژدھا لا کھڑا کیا ہے اور آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دوسرا اژدھا کون ہے؟"

"ہاں سمجھ گیا۔"

فاروقی صاحب سے کچھ دیر بات چیت ہوتی رہی۔ اس کے بعد میں آفس میں نہ رکا اور وہاں سے نکل آیا۔ کافی دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا اور پھر کوٹھی ہی کا رخ کیا تھا۔ یہ سارا معاملہ میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث تھا۔ شام کو کوٹھی کا ماحول جوں کا توں تھا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ سارے ہی لوگ اپنی اپنی تفریحات میں مشغول تھے۔ رات بھی گزر گئی دوسری صبح میں نے سب سے پہلے اخبار دیکھا تھا اور اخبار میں ایک دلچسپ خبر میرے لیے باعث توجہ بن گئی یہ خبر ابھی اور باقی لوگوں کو متاثر نہیں کر سکتی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ آغاز ہو گیا۔ خبر تین کالمی سرخی کے ساتھ تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ رات کو ایک معزز شخصیت رجب سیٹھ کی کوٹھی پر زبردست فائرنگ کی گئی فائرنگ خودکار ہتھیاروں سے کی گئی اور کوٹھی کے تمام کھڑکی دروازے فائرنگ سے چھلنی ہو گئے لیکن کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا اس سلسلے میں پولیس نے رجب سیٹھ کا بیان لیا تو اس نے کہا کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فائرنگ کرنے والے کون ہیں اور اس سلسلے میں بہت جلد اخبارات کو اپنا بیان دیں گے۔ رجب سیٹھ نے دن کو دو بجے ایک پریس کانفرنس طلب کی تھی۔ اس سلسلے میں رجب سیٹھ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ فائرنگ کا ذمہ دار ایک اسمگلر ہے جو رجب سیٹھ کو بہت دن سے مجبور کر رہا تھا کہ وہ ان کے ساتھ شراکت داری کر لیں اور اپنی لانچیں ان کے استعمال میں دے دیں۔ اس نے بیان دیا تھا کیونکہ وہ معزز شہری ہیں اور کسی بھی طور ناجائز دھندوں میں اپنے ہاتھ نہیں ڈال سکتے چنانچہ وہ اس اسمگلر سے معذرت کرتے رہے اور اسمگلر انہیں دھمکیاں دیتا رہا نتیجے میں یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔ بہرطور دن کو دو بجے وہ اس اسمگلر کے بارے میں پریس کانفرنس میں تفصیلی گفتگو کریں گے میں یہ خبر پڑھ کر اچھل پڑا تھا۔ یہ بات سمجھنے میں مجھے ذرا بھی دقت نہ ہوئی کہ فائرنگ کا ذمہ دار قیصر پرویز تھا اور یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا چنانچہ اب اس کے بعد فوراً ہی نگہت شیراز کو تلاش کرنا ضروری تھا میں نے نگہت شیراز کو گھر اور دفتر دونوں جگہ فون کیا مگر وہ کسی کام میں مصروف تھی میں دن کے معمولات میں مصروف رہا میں نے خاص طور سے کسی کی توجہ اس خبر کی جانب نہیں دلائی تھی اور نہ ہی کسی نے اس پر غور کیا تھا کوشش کر رہا تھا کہ کوئی ایسی مؤثر کارروائی کروں جس سے مجھے صورت حال کا اندازہ ہو جائے لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا اور اس کے بعد میں کوٹھی سے نکل آیا۔ دفتر پہنچا فاروقی صاحب کورٹ جا چکے تھے۔ پہلے ہی مجھے معلوم تھا کہ آج وہ دفتر میں نہیں رہیں گے لیکن میں پھر دفتر سے باہر نکلا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں نے ایک بار پھر نگہت شیراز کو ٹرائی کیا لیکن وہ نہ ملی۔ اس کی مصروفیات پتا نہیں چل سکی تھیں بہرطور کافی دیر تک میں انتظار کرتا رہا دل میں ایک بار یہ خیال آیا تھا کہ کسی پریس کا نمائندہ بن کر رجب سیٹھ کی کوٹھی پہنچ جاؤں لیکن یہ خطرناک بات ہوتی میں جانتا تھا کہ قیصر پرویز غافل نہیں ہو گا اور رجب سیٹھ کے خلاف کارروائیاں کر رہا ہو گا مجھے یہ اندازہ بھی تھا کہ نگہت نے اس خبر کو نظرانداز نہیں کیا ہو گا خود اس کے اخبار میں بھی یہ خبر موجود تھی البتہ رپورٹر کوئی اور تھا لیکن نگہت اس کے علاوہ کسی اور کام میں مصروف نہ ہو گی مجھے انتہائی بے چینی سے اس کا انتظار تھا۔ دن کو دو بجے سے پہلے دفتر سے بھی نکل آیا دراصل فاروقی صاحب سے اس سلسلے میں دماغ نہیں کھپانا چاہتا تھا ذہنی کیفیت اس وقت کچھ بہتر نہیں تھی بس یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ رجب سیٹھ نے اخبارات کو کیا بیان دیا؟ بہرطور صبر کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ اس ذہنی کیفیت کے پیش نگاہ کوٹھی کی جانب بھی رخ نہ کیا کیونکہ وہاں بہت سے کردار سامنے آ جاتے تھے اور تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے فلیٹ میں داخل ہو گیا فلیٹ میں خاموشی اور سناٹے کا راج تھا اس سناٹے میں ایک آرام کرسی میں دراز ہو کر بڑا سکون محسوس ہوا تقریباً تین ساڑھے تین اسی طرح

بج گئے۔ آج دوپہر کا کھانا بھی گول ہو گیا تھا بھوک لگ رہی تھی۔ چنانچہ اٹھا اور کچن کی جانب بڑھ گیا۔ کچن میں جو کچھ تھا اٹھا لایا اور کافی بنائی پھر اس کے گھونٹ لیتا۔ جانے کتنی دیر اسی طرح گزر گئی پھر دروازے کی بیل بج اٹھی۔ میں چونک پڑا اس وقت کون آ سکتا ہے؟ یہی سوچتا ہوا دروازے تک گیا۔ دروازہ کھولا تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ نگہت شیراز ہی تھی۔ تھکی تھکی سی لگ رہی تھی بے جھکائے اندر داخل ہو گئی۔ میں اگر پیچھے نہ ہٹ جاتا تو اس کا [illegible] میرے سینے سے ٹکرا جاتا۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے دروازہ بند کر دیا۔ نگہت شیراز ناک کی سیدھ میں چلی گئی تھی پھر وہ اطمینان سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے ہی آ گیا تھا میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اس کے بارے میں جانتا تھا کہ رجب سیٹھ کی کانفرنس میں گئی ہو گی اور اس کے لیے میں بے چینی سے انتظار میں بھی تھا کہ کسی طرح اس سے رابطہ قائم ہو سکے وہ صوفے پر بیٹھ گئی پھر اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کافی۔"

میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ اتفاق سے اس وقت کافی تیار تھی۔

میں نے ایک پیالی بنائی اور اسے لیے ہوئے اس کے سامنے پہنچ گیا۔ کافی کی پیالی میں نے میز پر رکھی تو وہ چونک کر مجھے گھورنے لگی۔

"یہ سچ مچ کافی ہے؟"

"پی کر دیکھو۔"

"اوہ چیف تھینک یو۔۔۔ آپ کا ملازم کافی مستعد معلوم ہوتا ہے۔" میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے سامنے بیٹھ گیا وہ ایک بڑا سا بیگ شانے سے لٹکائے ہوئے تھی جسے اس نے اتار کر سنٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور پھر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ جب تک کافی ختم نہ ہو گئی اور اس نے کوئی بات نہ کی پھر دفعتاً اس نے زور سے آنکھیں بھینچ کر سر جھٹکا اور میری طرف دیکھنے لگی پھر چونک کر بولی۔

"اوہ سر آپ۔۔۔ آپ یہاں۔ آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟"

"ایکٹنگ ختم ہو گئی یا نہیں؟"

"ایکٹنگ۔۔" نگہت شیراز نے چاروں طرف دیکھا اور پھر سنبھل کر بولی۔

"معافی چاہتی ہوں سر دراصل سو گئی تھی۔" میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"جانتا ہوں کہاں سے آ رہی ہو؟"

"جی سر وہیں سے آ رہی ہوں۔"

"یہ پریس کانفرنس میرا خیال ہے بہت اہمیت کی حامل ہو گی۔"

"سر تیر ٹھیک نشانے پر لگا۔ تھپکی کی ضرورت تھی کہ تیر کمان سے کھنچ گیا ہے اور اس کا تناؤ کافی مضبوط ہے۔"

"گڈ مجھے اس کی امید تھی۔"

اس نے اپنے پرس سے ایک ٹیپ ریکارڈر نکال کر سامنے رکھ دیا جس میں چھوٹا کیسٹ لگا ہوا تھا۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے ایک [illegible] نکال کر سامنے رکھ دی جس میں شارٹ ہینڈ میں ایک تحریر لکھی ہوئی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ شارٹ ہینڈ سمجھتے ہوں گے لیکن یہ بہتر نہیں ہو گا کہ میں ساری گفتگو آپ کو [illegible] پیش کر دوں یہ رجب سیٹھ نے اخباری رپورٹروں سے کی ہے۔"

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔" نگہت شیراز نے کیسٹ ری وائنڈ کرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر بعد [illegible] آوازیں گونجنے لگیں۔ اخباری رپورٹر ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔ اس کے بعد رجب سیٹھ کی آواز ابھری۔

"ہاں دوستو [illegible] آپ لوگوں کو زحمت دی ہے وہ بات اب میں آپ کے سامنے بتا دینا چاہتا ہوں۔" آپ نے دیکھ لیا کہ زبردست پیمانے پر یہ فائرنگ کی گئی ہے۔ ان لوگوں کا مقصد اس کوٹھی میں موجود ہر شخص کو ہلاک کر دینا تھا لیکن اندر داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکے کیونکہ جس شخص نے یہ حرکت کی ہے وہ جانتا تھا کہ اس کے آدمی اگر اندر داخل ہو گئے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا! وہ ایک عادی مجرم ہے اور بہت سے معاملات میں بہت سے لوگوں کو مجبور کر کے انہیں اپنے جرم میں شریک کرتا ہے لیکن اللہ کے فضل سے میرے پاس اتنی دولت ہے کہ مجھے کوئی غلط کام کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ میں نے اسی لیے اسے ٹھکرا دیا تھا نہ صرف ٹھکرا دیا تھا بلکہ ایک بار میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ یہ حرکتیں [illegible] دن میری زبان کھل گئی وہ قانون کی گرفت میں ہو گا۔" تو اس نے کہا کہ قانون میرے بدن کا لباس ہے میں اس سے کھیلتا ہوں [illegible] اسے پہنتا ہوں۔ قانون میری مٹھی میں ہے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"یہ تو بہت افسوس ناک الفاظ ہیں۔"

"ہاں۔"

"کیا سمجھتے ہیں کہ قانون اس کے ساتھ ہے؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ [illegible] اس کا نام بتا دینا چاہتا ہوں۔ اس سے تم لوگوں کو [illegible] معلوم ہو جائے گی کہ دراصل وہ کون ہے؟ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ہمارے اسی شہر میں ایک عجیب سا آدمی رہتا تھا جو مختلف قسم کے کاروبار کرتا تھا جو چھاپڑیاں لگاتا تھا۔

اپنا ہاتھ صاف کرتا تھا اور اپنا کام کرتا تھا اس نے اپنی اولاد کو بھی پالا اور اس کی اولاد نے اپنی اولاد کو۔ وہ دو خاندان تو اسی طرح رہے لیکن تیسری نسل پڑھ لکھ کر ایک سرکاری افسر کی حیثیت اختیار کر گئی اور اس طرح اس شخص نے اپنے آپ کو بدلنا شروع کر دیا۔ نام ہے اس کا قیصر پرویز اور اس وقت وہ ایک سرکاری عہدے پر فائز ہے۔ بیشتر سرکاری عہدیدار دیانتداری سے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیتے ہیں لیکن ان میں کالی بھیڑیں بھی چھپی ہوئی ہیں اور ایسی ہی ایک کالی بھیڑ قیصر پرویز بھی ہے اس کالی بھیڑ نے اپنی چالاکیوں اور چاپلوسیوں سے کچھ سرکاری افسروں پر قابو پایا ہوا ہے اور وہ اس کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں اور یہ شخص سمجھتا ہے کہ قانون صرف ان چند سرکاری افسروں تک محدود ہے چنانچہ وہ یہ الفاظ کہتا ہے۔"

"مسٹر قیصر پرویز کے بارے میں کچھ اور وضاحت کریں گے آپ؟" یہ آواز نگہت شیراز کی تھی۔

"وضاحتیں تو میں بہت سی کروں گا لیکن آہستہ آہستہ۔ میں بتاؤں گا کہ اس شخص نے کیا کیا چکر چلا رکھے ہیں اور ثبوتوں کے ساتھ بتاؤں گا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ شخصیت بہت عرصے سے میری نگاہوں میں ہے اور چونکہ یہ مجھے بھی ناجائز کاموں کے لیے مجبور کرتا رہا ہے چنانچہ میں جانتا ہوں کہ کون سے ناجائز کام اس نے کیے ہیں اور کس کس انداز میں کیے ہیں؟ میں تمام ثبوتوں کے ساتھ یہ تفصیلات آپ کے سامنے لاؤں گا۔ اس وقت تک مجھے زبان بند رکھنے دیجیے جب تک میں یہ تمام ثبوت آپ تک نہ پہنچا سکوں۔"

"مسٹر جب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قیصر پرویز نے آپ کی رہائش گاہ پر یہ فائرنگ کرائی ہے تو آپ نے اس سلسلے میں ایف آئی آر کیوں درج نہیں کروائی ہے؟"

"میں نے ایف آئی آر درج کروا دی ہے تبھی تھانوں نے قیصر پرویز کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کر دیا لیکن وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اگر ایک شخص کے ہاتھ لمبے ہیں تو دوسرا بھی ٹوٹے ہوئے ہاتھوں کا مالک نہیں ہے۔ ایف آئی آر درج ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں قانونی کارروائی ہو گی اور ضرور ہو گی اور اگر نہیں ہو گی تو بات بہت آگے تک چلی جائے گی۔" رجب سیٹھ نے جواب دیا۔

"بہت آگے سے آپ کی کیا مراد ہے مسٹر؟"

"بس جی جی یہ باتیں رہنے دیں۔ میں جو کچھ آپ لوگوں کو بتانا چاہتا تھا بتا چکا ہوں اور اس کے بعد جو کچھ مزید بتانا ہو گا وہ بھی بتا دوں گا میں نے آپ لوگوں سے بس اتنا کہا ہے کہ میں اس کے بارے میں ابھی دوسری کارروائیاں بھی کروں گا۔ وہ سمجھتا کیا ہے خود کو۔"

"ٹھیک ہے سر۔ آپ ہمیں اپنا خادم پائیں گے۔"

"دوستو بھائی اخبار کی رپورٹنگ! میرا یہ بیان جس طرح میں نے دیا ہے اسی انداز میں آنا چاہیے کسی دباؤ کو قبول کیا تم نے تو پھر دوسرا دباؤ میری طرف سے ہو گا۔"

"ٹھیک ہے سر آپ اطمینان رکھیے آپ کا بیان آپ کے دیے ہوئے بیان کے مطابق دیا جائے گا ویسے سر کیا آپ اس سے خوفزدہ ہیں؟"

"یہ سوال پہلے بھی مجھ سے کیا جا چکا ہے میں تمہیں یہ بتائے دے رہا ہوں کہ میرے بھی ہاتھ چھوٹے نہیں ہیں۔ اب یہ فیصلہ تو آگے چل کر ہو گا کہ کون کس سے خوف زدہ ہے؟" پھر اسی قسم کے اور بھی بہت سے سوالات ہوتے رہے اور میں فرطِ مسرت سے جھوم جھوم کر یہ تمام کارروائی سنتا رہا۔ اس کے بعد یہ کارروائی ختم ہو گئی۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے نگہت شیراز کو دیکھا اور نگہت شیراز نے آہستہ سے کہا۔

"سر آپ مطمئن ہیں!"

"بہت زیادہ مطمئن۔"

"اس کا مقصد یہ ہے کہ میرا مستقبل تابناک ہے۔"

"لیکن تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا اخبارات پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالا جائے گا؟"

"یہی تو خوبی ہو گی سر دوسرے۔ ... چاہے یہ دباؤ کسی بھی شکل میں قبول کریں لیکن میں نہیں قبول کروں گی اور اس کے لیے میں نے حکمتِ عملی تیار کر لی ہے۔ بات اگر اسی شکل میں اخبارات تک نہ پہنچی تو پھر فائدہ ہی کیا؟"

"کیا حکمتِ عملی ہے؟"

"بتاؤں گی نہیں چیف کیونکہ جو حکمتِ عملی میں اختیار کروں گی اس کا معاوضہ بھی وصول کروں گی۔"

"معاوضہ... معاوضہ... معاوضہ۔ میں کہتا ہوں دس بیس لاکھ روپے لے لو۔ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا لو اور ضرورت پڑنے پر جو دل چاہے نکال لیا کرو۔ بار بار مجھ سے معاوضے کی بات مت کیا کرو۔"

"سر... سر۔" دفعتاً نگہت شیراز نے دونوں ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیے۔ "سر مجھے کیا ہو رہا ہے؟ پلیز مجھے کیا ہو رہا ہے؟ ذرا... ذرا... ایک گلاس پانی۔ آہ! یہ مجھے کیا ہو رہا ہے! دس لاکھ... بیس لاکھ... دس بیس لاکھ۔" وہ اداکاری کرتی رہی اور میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے دونوں ہاتھ سینے سے ہٹا کر کہا۔

"سر آپ ایک گلاس پانی تو مجھے پلا نہیں سکتے۔ دس بیس لاکھ روپے کیسے دیں گے؟"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے تمہیں اس وقت یہ حق حاصل

ہے کہ جتنا چاہو تماشا کر لو۔"

"نہیں سر معافی چاہتی ہوں۔ اس وقت مجھے رقم وغیرہ کچھ نہیں درکار۔ اب کیا حکم ہے میرے لیے؟"

"ظاہر ہے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنا کام جاری رکھو اور اپنے آپ کو محفوظ بھی۔"

"جی سر تھینک یو ویری مچ۔ اب جاؤں؟"

"بہت بہت شکریہ نگہت لیکن خیال رکھنا کسی بھی سمت سے تم پر کوئی حملہ ہو سکتا ہے۔"

"چیف خوف زدہ کر رہے ہیں مجھے۔" نگہت نے مضحکہ خیز لہجے میں کہا۔

"نہیں بھئی تم سمجھتی نہیں ہو کہ صورتحال کیا ہے! میں تمہارا یہ مضمون پورے اعتماد کے ساتھ اخبار میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ایسا ہی ہو گا کبھی کبھی دل چاہا کرے تو دعائیں ہی دے دیا کریں حالانکہ یہ دعائیں آپ کے اوپر قرض نہیں ہیں کیونکہ آپ میری محنت کا معاوضہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی ادا کر دیا کرتے ہیں۔ ویسے سر مجھے پسینہ بالکل نہیں آتا۔ اچھا اللہ حافظ۔" اس نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئی میں اسے دروازے تک چھوڑنے گیا تھا جب وہ چلی گئی تھی تو میں مسکراتا ہوا واپس آ گیا ہر کام میری توقع کے مطابق ہو رہا تھا اور اس وقت ذہن پر ایک خوشگوار کیفیت طاری تھی بہرحال اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا کہ چنانچہ اب ذہن صاف ہو گیا تھا اور اب فلیٹ میں گھسے رہنا بے معنی ہی تھا میں تیار ہوا اور اس کے بعد باہر نکل آیا کوٹھی پر جس وقت پہنچا تو شام کی چائے کا اہتمام ہو رہا تھا آج اہلِ آشیانہ پھر سٹنگ میں تھے اور لان پر چائے کا انتظام کیا گیا تھا۔ خوش گپیاں ہو رہی تھیں چہلیں ہو رہی تھیں۔ نیلوفر کا منہ کچھ لٹکا لٹکا سا تھا انہوں نے میری طرف ناز بھرے انداز میں دیکھا اور میں نے دونوں آنکھیں بھینچ کر لیں اور اس کے بعد جاوداں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہیلو جاوداں کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ آپ سنائیے۔ آج کل آپ کی مصروفیات حد سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ بیمار ہونے کا ارادہ ہے کیا؟"

"ہم تو بیمار ہیں جاوداں۔ کون کہتا ہے کہ ہم بیمار نہیں ہیں" میں نے مسکراتے ہوئے نیلوفر کی طرف دیکھ کر کہا اور نیلوفر نے منہ پھیر لیا۔ جاوداں ہنسنے لگی تھی۔

"شارق صاحب ویسے لڑکیوں سے اس قسم کا مذاق نہیں کرنا چاہیے۔"

"یہ لڑکیاں بڑی بے وقوف ہوتی ہیں۔ مذاق ہی مذاق میں نجانے کیا کچھ کر ڈالتی ہیں۔"

"جی بہت بہتر آپ کے تجربات سے فائدہ اٹھاؤں گا۔"

"نہیں مجھے تو ایک ناخدا مل گیا تھا جس نے میرا سفینہ کنارے لگا دیا۔"

"واہ... واہ آپ نے پھر شاعری شروع کر دی!"

"ہوں! آپ سے اتنی گہری اور سنجیدہ باتوں کی توقع نہیں تھی۔ ہنسیے، بولیے، خوش گپیاں کیجیے۔ ماحول بہت خوش گوار محسوس ہو رہا ہے۔" میں سب کے ساتھ رنگینیوں میں کھو گیا نیلوفر کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید لالہ رخ نے اسے اس کی اصلیت سے آگاہ کر دیا ہے اور اس طرح یہ بات اس کے کانوں تک پہنچ گئی ہے کہ میں نے ایک بار پھر اس سے انحراف کیا ہے۔ بہرحال اس وقت کوئی ایسی بات چھیڑ کر ذہن کو کشیدہ کار نہیں کرنا چاہتا تھا جو خوشگوار کیفیت ذہن پر طاری تھی اس کے زیرِ اثر خلوص ہی بہت دلچسپیوں میں شامل ہو کر رات کو ایک پرسکون نیند سونے کا خواہش مند تھا معاملات جوں کے توں جاری رہے۔ لڑکیاں ایک دوسرے پر جملے کستی رہیں جاوداں کے بارے میں تو اب یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ وہ کچن کی ماسٹر بن گئی ہے اور کسی کو کچن میں داخل نہیں ہونے دیتی۔ ہر چیز کھاتی پکاتی ہے۔ اس سلسلے میں کسی نے اس پر طنز بھی کیا تھا کہ وہ شاید حلق کے راستے دل میں اترنا چاہتی ہے۔ یہ تمام چیزیں دلچسپی سے تعلق رکھتی تھیں۔ رات کو کھانے تک یہ ہنگامہ خیزیاں جاری رہیں اور اس کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ آئی جی صاحب یا دوسرے کسی حضرت نے اس سلسلے میں ابھی تک مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی البتہ میں جانتا تھا کہ کل صبح سے اس تمام کارروائی کا آغاز ہو جائے گا اور وہ لوگ یقینی طور پر میرا گھیراؤ کر لیں گے اور میرا یہ اندازہ درست نکلا کہ بس اس کے بعد درمیانی کا عرصہ ہی ختم ہو جاتا تھا یعنی اس وقت صبح کے سات بجے تھے اور میں خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا کہ دفعتاً دروازے پر دھڑ دھڑاہٹ ہونے لگی اور دروازہ بجانے والا اتنا جارحانہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا کہ بالآخر مجھے اٹھنا ہی پڑا حالانکہ اتنی جلدی اٹھنے کا ارادہ نہیں تھا جھلائے ہوئے انداز میں دروازے تک پہنچا۔ دروازہ کھولا تو ساری جھلاہٹ غائب ہو گئی۔ رات کے واقعات ذہن سے محو تھے بس یہ غصہ آ رہا تھا کہ پتا نہیں کون ہے جس نے اتنی صبح صبح مجھے جگا دیا لیکن دروازے پر ڈیڈی اور شوکت جاہ کو دیکھ کر سارا غصہ ہرن ہو گیا دونوں سلیپنگ گاؤن میں ملبوس تھے اور آئی جی صاحب کے ہاتھ میں اخبار دبا ہوا تھا۔ شوکت جاہ صاحب

کے ہونٹوں پر ہلکا سا مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا:
"کیا کہا جا سکتا ہے۔ بدلتی کے یہی فائدے ہوتے ہیں کہ بچوں کو اس طرح جگا دیا جاتا ہے۔ آئیے عظمت حسین صاحب تشریف رکھیے آپ سے مطلب جب اس بے چارے کے ساتھ یہ زیادتی ہو ہی گئی ہے۔ معذرت کیا معنی رکھتی ہے؟"

"میں نے اپنے آپ کو فوراً سنبھال لیا۔ شوکت جاہ کہنے لگے "میاں بس چہرے پر پانی کے دو چار چھینٹے مار لو اس سے زیادہ کی مہلت تمہیں نہیں دے سکتے۔"

میں جلدی سے باتھ روم میں داخل ہو گیا اور پھر منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آیا۔ اس اثنا میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ صورت حال کیا ہے؟ بہرحال بات چونکہ براہ راست میری دلچسپی سے بھی تعلق رکھتی تھی۔ اس لیے کوئی کوفت نہ ہوئی۔ ویسے بھی تھوڑی بہت دیر کے بعد جاگنا تھا چنانچہ میں سعادت مندی سے آ کر بیٹھ گیا۔ شوکت جاہ کہنے لگے۔

"آج ہم کچھ بیگانہ کھیل کھیل رہے ہیں اور اس کھیل میں تم بھی برابر کے شریک ہو۔ ذرا صورت حال کا اندازہ کر کے بتاؤ کہ اس وقت ہماری آمد کس وجہ سے ہوئی ہے؟ اشارے کے لیے یہ اخبار سامنے کیا جا سکتا ہے تعلق اخبار کا ہے۔ کہو کہ کون سی خبر ہیں تمہارے پاس لے آئی ہے؟"

"رجب سیٹھ کا بیان۔" میں نے ایک جماہی لیتے ہوئے کہا اور شوکت جاہ اور آئی جی صاحب اچھل پڑے۔

"کک... کیا مطلب؟" آئی جی صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"رجب سیٹھ نے قیصر پرویز کے خلاف بیان دیا ہے۔"

"تت... تمہیں کیسے معلوم؟" آئی جی صاحب نے کہا اور شوکت جاہ بولے۔

"بھئی یہ سوال نہیں کیا جا سکتا۔"

"نہیں شارق بتاؤ تمہیں کیسے معلوم؟"

"رجب سیٹھ نے جو بیان دیا ہے۔ وہ بھی بتا دوں آپ کو؟"

"تو کیا تم اس کانفرنس میں شریک تھے؟"

"نہیں لیکن وہ سب کچھ میرے ہی ایما پر ہوا ہے۔"

"اوہ میرے خدا... میرے خدا، رجب سیٹھ کو جانتے ہو نا اچھی طرح۔"

"یہ بھی کوئی سوال ہے آئی جی صاحب یار کیسے پولیس افسر رہ چکے آپ یعنی وہ شخص کہہ رہا ہے کہ یہ سب کچھ اس کے ایما پر ہوا اور تم اس سے سوال کر رہے ہو کہ رجب سیٹھ کو جانتے ہو؟"

"ہاں یہ بھی درست ہے۔ شارق خود کو سنبھالو مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

"نہیں ڈیڈی تفصیل نہیں بتاؤں گا بس اتنا عرض کروں گا کہ میں نے آپ کو اس بات کا حوالہ دیا تھا۔ آپ نے آج کے اخبار پر توجہ دی کل کے اخبار کی ایک خبر آپ کی نظر سے نہیں گزری؟"

"کون سی خبر...؟"

"رجب سیٹھ پر قاتلانہ حملہ... کل کا اخبار یہ خبر تین کالمی سرخی میں لگا چکا ہے۔"

"ہاں میں نے دیکھی تھی، لیکن اس وقت میرے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں تھا۔"

"یہ تو سمجھ لیجیے کہ وہ آغاز تھا اور اب یہ دوسرا قدم ہے ابھی تو بہت سے قدم آگے بڑھیں گے اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا وہ آپ خود دیکھ لیں گے۔"

"شارق... شارق کیا اس میں تمہارا کوئی ہاتھ ہے؟"

"غیر قانونی ہاتھ نہیں ہے۔ دراصل ڈیڈی اور شوکت انکل آپ کو صورت حال کا اندازہ ہے۔ وہ شخص قانون کو اپنی مٹھی میں سمجھتا ہے۔ اپنا اوڑھنا بچھونا سمجھتا ہے اور اسے درحقیقت اس کے مواقع حاصل ہیں اس کے لیے ایس پی صاحب اور میر سر صاحب وغیرہ نے کوششیں کر لی ہیں اور اس کے بعد میں نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا میں نے آپ لوگوں سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے طور پر تمام کارروائیاں کر لیں پھر میں اس سلسلے میں اپنا قدم آگے بڑھاؤں گا میں نے ایک دو دن پہلے ڈیڈی سے کہا تھا کہ میں نے اسے ایک گہری خندق کے کنارے کھڑا کر کے ایک لات مار دی اور وہ نیچے گر رہا ہے اور اس کے بعد جب وہ گہرائیوں میں پہنچے گا تو آپ لوگوں کو بھی دھماکہ سنائی دے گا۔ ابھی آپ نے کوئی دھماکہ نہیں سنا لیکن آج بھی وہی عرض کر رہا ہوں کہ انتظار فرمائیے۔"

"لیکن... لیکن شارق کمال کیا ہے تم نے... واقعی یہ تو کمال کیا ہے۔ یہ سب کچھ ہوا کیسے؟"

"ڈیڈی ایک بار پھر معذرت خواہ ہوں یہ نہیں بتا سکتا۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"تم نے رجب سیٹھ کا انتخاب کیسے کیا؟ جانتے ہو یہ شخص کون ہے؟" آئی جی صاحب نے کہا۔

"پھر وہی بات... یعنی شارق نے اس شخص کا انتخاب کیا ہے اور تم پوچھ رہے ہو کہ جانتے ہو یہ شخص کون ہے؟"

"بھئی تم چپ رہو۔ بار بار بولے جا رہے ہو۔ یہ بڑا طاقتور آدمی ہے۔ قیصر پرویز اگر سیر ہے تو یہ سوا سیر ہے ایک انتہائی خطرناک آدمی

کا کارکن۔ جو آج کل اپوزیشن لیڈر رہا اور اب اسی اپوزیشن کے لیڈر نے حکومت کو ہلا کر رکھا ہوا ہے۔ بہت دبنگ آدمی سمجھا جاتا ہے اور شاید یہ بات تم لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ الیکشن میں رجب سیٹھ نے اس اپوزیشن لیڈر کی بھرپور مالی مدد کی تھی اور بہت بڑا فائدہ پہنچایا تھا اسے۔ اگر قیصر پرویز اپنے لیے کچھ دوسرے ہاتھ رکھتا ہے تو رجب سیٹھ یوں سمجھ لو ہر طرح سے اس کا ہم پلہ ہی نہیں بلکہ اس سے کچھ آگے ہی ہے۔ گویا دو اژدھے آپس میں لڑ پڑے ہیں اور اب اس لڑائی کا انجام ہونے والا ہے۔"

"اور ان دونوں اژدھوں کو لڑانے والا کون ہے؟" شوکت جاہ نے تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ آئی جی صاحب کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ سیر اس سے پہلے ہمارے علم میں نہیں تھا۔" آئی جی صاحب کا لہجہ محبت سے بھرپور تھا اور درحقیقت مجھے ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا گویا آج میرے موقف کو، میری اس شخصیت کو تسلیم کیا گیا تھا جس کے لیے میں نے شدید محنت کی تھی۔ آئی۔ جی۔ صاحب کہنے لگے۔

"لیکن یہ بات بُری ہے کہ شارق ہم سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتا ہے۔ کم از کم مجھے تو اس بارے میں بتانا چاہیے تھا میں جتنی خوشی محسوس کر رہا ہوں اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ بلاشبہ اس وقت ان دونوں کا لڑ جانا اس قدر کارآمد ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ میں تو سوچ سوچ کر ہی حیران ہو رہا ہوں کہ آخر یہ بات شارق کے دماغ میں آئی کہاں سے؟"

"بس میاں بزرگوں کی صحبت ہے۔ ہم آخر اتنی دور سے آئے کس لیے ہیں؟" شوکت جاہ نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور آئی جی صاحب ہنسنے لگے۔ اپنی فطرت کے خلاف اس وقت وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"بھئی کچھ چائے وغیرہ کا بندوبست ہونا چاہیے میں کہتا ہوں۔"

"ابھی ڈیڈی میں جا رہا ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا اور باہر نکل آیا۔ دوڑتا ہوا کچن میں پہنچا۔ جاوداں کچن میں ایپرن باندھے ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھی میں چونک کر ٹھٹک گیا۔ اس وقت جاوداں اس قدر خوبصورت معلوم ہوئی کہ میں اسے دیکھتا رہ گیا جب اسے میری آمد کا علم ہوا تو وہ بھی چونک پڑی۔

"ارے باہر کیوں کھڑے ہیں آپ مسٹر شارق۔"

"یہ کیا کر رہی ہو جاوداں؟"

"ناشتا تیار کر رہی ہوں۔"

"اتنا ہمیں شرمندہ نہ کرو۔"

"ہم سے کیا مراد ہے؟"

"اپنے آپ کو کہہ رہا ہوں۔"

"جی نہیں میں مشرق کے حسن سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔ آج تک تو خواہ مخواہ مغرب میں بھٹکتی رہی۔ کتنی بے ربط اور ناہموار زندگی ہے مغرب کی۔ یہاں زندگی کا جو حسن ہے وہ بے مثال ہے۔ وقت کا پتا نہیں لگتا جبکہ لوگ وہاں بھٹکتے رہتے ہیں۔"

"جاوداں تم ایک تناور درخت کی مانند ہو جس کی چھاؤں میں نجانے کتنے افراد کو پناہ ملے گی۔ میں تمہاری عظمت کا قائل ہو گیا ہوں۔"

"بے کار باتیں ہیں۔ میں اپنے آپ کو پہچان رہی ہوں عورت کا مقام تلاش کر رہی ہوں۔ مل جائے گا تو سوچو مجھے کیا ملے گا؟" جاوداں نے کہا اور میں تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"ڈیڈی اور شوکت انکل میرے کمرے میں ہیں اور چائے مانگ رہے ہیں۔"

"ارے خلاف توقع اتنی صبح...؟" جاوداں نے کہا۔

"ہاں آج کل مجھ پر عنایتوں کی بارش ہو رہی ہے اور یہ صرف تمہارے قدموں کی برکت ہے کہ آشیانے میں مجھ کو پناہ مل گئی ہے۔" جاوداں مسکرانے لگی پھر اس نے بڑے اہتمام سے چائے تیار کی۔ میں ٹرے اپنے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ آئی جی صاحب اور شوکت جاہ بڑے اطمینان سے بیٹھے اخبار کی خبر پر تبصرہ آرائی کر رہے تھے۔ میں نے چائے بنا کر بڑے احترام سے ان دونوں کے سامنے پیش کی اور تیسری پیالی خود لے کر بیٹھ گیا۔ چائے کے دوران یہ تبصرہ آرائی ہوتی رہی۔ میں نے بھی اخبار کی وہ خبر دیکھی۔ میں نے دوسرے اخبارات کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ بھی آ گئے ہوں گے۔ یہ پہلا ہی اخبار ان کے ہاتھ میں لگا تھا اور وہ یونہی سرسری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے کہ یہ خبر نظروں کے سامنے آئی۔ میں نے دوسرے اخبار طلب کیے۔ دراصل مجھے نکہت شیراز کے اخبار کی فکر تھی اور پھر اخبارات میرے سامنے آ گئے۔ خود وہ دونوں بھی دوسرے اخبارات دیکھتے رہے تھے۔ تقریباً تمام ہی اخبارات میں یہ خبریں لگائی گئی تھیں، لیکن کئی اخبار دبے دبے نظر آ رہے تھے اور انہوں نے اپنے طور پر بھی حاشیہ آرائی کی تھی۔ میں نے نکہت شیراز کی لگائی ہوئی خبر دیکھی اور ایک بار پھر اس کو داد تحسین دیے بغیر

جا سکا۔ اس سنجیدگی کلاس سے یہ خبر چھاپی تھی۔ بڑی دلچسپ اور سنسنی خیز تھی نگہت نے۔ میں جانتا ہوں کہ رجب سیٹھ نے اپنے بیان میں سب کچھ غلط ہی کہا ہوگا لیکن ان تفصیلات کی اشاعت کے بعد خود رجب سیٹھ بھی ان سے انحراف نہیں کرے گا اور اس سلسلے میں اس اخبار کو خصوصی اہمیت دی جائے گی۔ بہرطور وہ اپنا کام دکھا گئی تھی دوسری جانب ڈیڈی اور شوکت جاہ الگ میری کارروائیوں سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہے تھے جس کا اظہار دیر تک ہوتا رہا۔ بالآخر ناشتا کیا گیا۔ دوسرے لوگوں کو اس سلسلے میں ملوث نہیں کیا گیا تھا لیکن میری گرفتاری عمل میں آگئی۔ تینوں برادران موجود تھے جنہوں نے اخبارات پڑھے تھے اور انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔ اس کے بعد ایک پریس کانفرنس میرے ساتھ بھی شروع ہوگئی۔ تمام ہی لوگوں نے ڈیڈی کے کمرے میں میرا گھیراؤ کر لیا اور انٹرویو کیا جانے لگا۔

جج صاحب نے پوچھا۔

”میں کہتا ہوں آخر تمہارے پاس وہ ذرائع کیا ہیں جن کے تحت تم نے ان دونوں کو آپس میں لڑا دیا۔“

”عدالت میں پیش کر دوں گا جج صاحب تمام تفصیلات گوش گزار کر دوں گا۔ اس وقت رحم فرمایئے۔“

”دیکھو بھئی اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم تم سے اختلاف کرتے رہے ہیں لیکن آج جب یہ موقع ہاتھ آیا ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان اختلاف دور ہو جائیں تو تم ہم سے انحراف کر رہے ہو۔“ یہ بیرسٹر نصرت حسین کی آواز تھی۔ میں نے انہیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

”بھائی جان آپ اپنے جھوٹے مؤکلوں کے لیے مضبوط کیس تیار کرتے ہیں اور کبھی کسی کو اس کی خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح آپ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ میرے سیکریٹس ہیں جنہیں میں سامنے نہیں لانا چاہتا۔“

”اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے تعلقات جرائم پیشہ افراد سے بھی ہیں؟“

”جی آپ مجھے کسی جرم میں ملوث کر لیجیے گا اور چھان بین کر لیں۔ ان کو پتا چل جائے گا۔“

”ڈیڈی آپ دیکھ رہے ہیں۔ ہم تو انہیں مبارک باد دے رہے ہیں کہ انہوں نے بلاشبہ ایک اعلیٰ کارنامہ انجام دیا ہے لیکن ان کا انداز گفتگو دیکھ لیجیے آپ۔“ نصرت حسین نے ان سے شکایت کی۔ شوکت جاہ نے معاملہ سنبھالا اور بولے۔

”بھئی ہر شخص کے اپنے اپنے طریقۂ کار ہوتے ہیں لیکن آج آپ لوگ میرے سامنے یہ اعتراف کر لیجیے گا کہ سند رہے اور کام آ جائے کہ شارق نے آپ سب کو مات دے دی ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے عہدے اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھا چکا ہے لیکن کوئی قیصر پرویز کو چت نہیں کر سکا اور اب وہ بری حالت میں نظر آ رہا ہے۔ ذرا اخبارات اٹھا کر دیکھ لو۔ اس کے بعد اس کے پاس کیا کہنے کی گنجائش رہ جاتی ہے۔ میں تو بخدا اس لیے خوش ہوا کہ اس شخص نے میری جو توہین کی تھی اس کا بدلہ اسے مل گیا۔ وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ تم خود سوچو ایک ایسا آدمی اگر زیر ہو جائے تو کم از کم اسے زیر کرنے والے کو تم ایک بڑا پہلوان نہیں کہو گے۔“

”مگر یہ پہلوان جی ہمیں بھی تو کچھ بتائیں آخر ہمارے حق میں۔“ نصرت حسین صاحب نے کہا۔

”بتا دیں گے... بتا دیں گے۔ جلدی کیا ہے؟ کام مکمل تو ہو جانے دو۔“ شوکت جاہ نے کہا۔

”ڈیڈی نے اس مسئلے میں کوئی دخل نہیں دیا۔ یہ پریس کانفرنس بے مقصد ہی رہی اور میں نے کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ میں نے کیا طریقۂ کار اختیار کیا ہے۔ جب ان لوگوں سے فرصت ملی تو میں تیار ہو کر نکل بھاگا۔ یہ سب تو فرصت سے تھے لیکن مجھے مستعد رہنا تھا۔ اتنا اندازہ مجھے تھا کہ قیصر پرویز کی حالت بری ہوگی۔ سب سے بڑا مسئلہ مسعود پرویز کی گمشدگی پر تھا کہ اگر وہ قیصر پرویز کے قبضے میں ہوتا تو اس وقت شاید پورے شہر میں ہنگامہ کر چکا ہوتا۔ اسی قسم کا آدمی تھا لیکن اس کی گمشدگی نے قیصر پرویز کی کمر توڑ دی ہوگی دل میں بار بار یہ خواہش ابھر رہی ہوگی کہ کسی طرح قیصر پرویز کا قریب سے جائزہ لیا جائے لیکن اس وقت جہنم کے دہانے میں چھلانگ لگانا خودکشی ہی ہو سکتا تھا چنانچہ اس سلسلے میں صبر کیا البتہ فاروقی صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں ہی موجود تھے اور یہ بات دلچسپ تھی کہ تمام ہی اخبارات ان کے سامنے کھلے رکھے ہوئے تھے۔ دونوں نے اپنے آج کے کام ملتوی کر دیے تھے اور میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ میں پہنچا تو ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ فاروقی صاحب کہنے لگے۔

”بھئی میں ہار گیا۔ میں نے پیش گوئی کی تھی کہ آج تم دفتر نہیں آ سکو گے۔“

”کیوں؟“

”اب اتنا بے وقوف تو میں بھی نہیں ہوں۔“

”اب ہمیں تو اتنا بے وقوف نہ بناؤ۔ ظاہر ہے آج کے اخبارات کی کارروائی تمہاری مرہونِ منت پر ہے۔ میں جاوید قریشی سے یہی

کہہ رہا تھا کہ بالآخر شارق حسین نے آشیانے والوں کو بھی چت کر دیا۔“ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ چند لمحات بات کی اور اس کے بعد ریسیور میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے سنسنی خیز انداز میں ہاتھ بڑھا کر ریسیور لے لیا تھا۔ دوسری طرف بدرشاہ بول رہا تھا۔

”شارق بھائی جی فرصت سے ہو؟“

”ہاں بدرشاہ کیوں... کہو کیا بات ہے؟“

”وہ جی آنا چاہتا ہوں آپ کے پاس۔“

”تو آ جاؤ۔“

”اسی لیے فون کیا تھا میں نے کہ ذرا آپ سے معلوم کر لوں کہ آپ موجود ہیں یا نہیں۔“

”کتنی دیر میں پہنچ رہے ہو؟“

”بس جی دس پندرہ منٹ میں۔“ بدرشاہ نے جواب دیا۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔ اس کے بعد میں بدرشاہ کا انتظار کرتا رہا تھا۔ بدرشاہ کے انتظار کے دوران فاروقی صاحب اور جاوید قریشی سے اسی موضوع پر بات ہوتی رہی لیکن میں نے انہیں بھی کسی بات کی ہوا نہیں لگنے دی۔ خاص طور سے نگہت شیرازی کی لگائی ہوئی خبر زیر بحث تھی۔ اس نے بہت کچے چٹھے کھول دیے تھے اور فاروقی صاحب کا خیال تھا کہ شاید رجب سیٹھ کو خود اس بارے میں اتنی معلومات حاصل نہ ہوں جتنی اس خبر میں چھاپ دی تھیں۔ یہ سوال بھی پیدا ہوتا تھا کہ نگہت شیرازی کی ان معلومات کو اگر چیلنج کر دیا گیا تو کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے رجب سیٹھ اس بیان سے انحراف کرے اور کہہ دے کہ یہ بیانات اس نے نہیں دیے۔ اس لیے نگہت کو کچھ نقصانات پہنچ سکتے ہیں لیکن میرا خیال ان لوگوں سے مختلف تھا۔ میں نے کہا کہ اس وقت رجب سیٹھ آگ بگولہ بنا ہوا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ ان انکشافات پر وہ اس کو شاباش ہی دے گا اور یہ کہے گا کہ اس نے کمال کر دکھایا ہے۔ اس نے بلاشبہ رجب سیٹھ کی تمام تر حمایت حاصل کر لی تھی۔ پھر بدرشاہ پہنچ گیا اور ہم سب نے اس کا استقبال کیا۔ وہ ہمارے درمیان کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

”ایک بات کا پتا چلا ہے شارق بھائی جی۔ ہم نے سوچا کہ فوراً آپ کو بتا دی جائے۔ آج کے اخبارات ہم بھی پڑھ چکے ہیں اور یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان دونوں ریچھوں کو لڑانے والے آپ ہی ہیں۔ خبر یہ ہے کہ جن لوگوں نے رجب سیٹھ کی کوٹھی پر فائرنگ کی تھی ہم نے انہیں ٹریس کر لیا ہے۔“

”کیا...؟“ میں اچھل پڑا۔ میرے ساتھ وہ دونوں بھی حیران رہ گئے تھے۔ میں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

”بدرشاہ کیا واقعی تم نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے؟“

”ہم نے نہیں دیا جی بلکہ اتفاق سے ہمارے ایک آدمی نے یہ انکشاف کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارا ایک آدمی اس کارروائی میں شامل ہو گیا تھا لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل قصہ کیا ہے۔“

”ویری گڈ۔ کون لوگ ہیں وہ؟“

”چمن ہے جی اس کا نام اور ٹنڈا کہلاتا ہے۔ چمن ٹنڈا۔ وہ اس گروہ کا سربراہ تھا جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا۔ انہیں اسلحہ قیصر پرویز نے سپلائی کیا اور ایک لاکھ روپے اسے اس فائرنگ کے لیے دیا گیا تھا چمن ٹنڈے کا اڈا ہمارے علم میں ہے اور اس وقت اس کے سارے آدمی اس کے پاس موجود ہیں کیونکہ اس کی ہدایت بھی قیصر پرویز ہی نے کی ہے۔ یہ ایک آدمی کرائے پر حاصل کیا گیا تھا کیونکہ چمن ٹنڈے کا آدمی میرے آدمی کا دوست ہے لیکن میرے آدمی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے کرنا کیا ہے۔ بہرطور صرف وہی واپس آ گیا ہے۔ ان لوگوں کے لیے قیصر پرویز نے کہہ دیا ہے کہ وہ چند روز تک اپنی جگہ قیام کریں اور باہر نہ نکلیں تاکہ انہیں پہچان نہ لیا جائے۔“

”بہت خوب یہ تم نے کمال کر دکھایا بدرشاہ، واقعی کمال کر دکھایا تم نے۔“

”کوئی ضرورت ہو تو بتا دیجیے شارق بھائی جی۔“

”ابھی نہیں بس تمہاری یہ اطلاع ہی زبردست ہے میں پورے اعتماد سے یہ بات سامنے لا سکتا ہوں۔“

”کوئی شبہے کی بات نہیں شارق بھائی۔ آپ جو چاہو کرو۔ اس کے تمام ثبوت فراہم کر دوں گا۔“ بدرشاہ نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ رخصت ہو گیا۔ ہم لوگ اس کی اس اطلاع پر تبصرہ آرائی کرتے رہے تھے۔ فاروقی صاحب کہنے لگے کہ اگر رجب سیٹھ کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کی کوٹھی پر حملہ آور کون تھے تو وہ یقیناً اس سلسلے میں کوئی کارروائی کرے گا۔“

”ایک بات میرے ذہن میں بھی آئی ہے وہ یہ کہ کیا قیصر پرویز بات اس پتا چلنے پر آنے کے بعد بھی رجب سیٹھ کے خلاف کچھ کرے گا؟ کیونکہ اس طرح اس کے بہت سے معاملات ثبوتوں کے ساتھ سامنے آ جائیں گے۔“

”ایک مسئلہ اور بھی ہے رجب سیٹھ خود بھی تو ان معاملات میں ملوث ہے۔ اپنے اپنے راز کون کھولنے کی کوشش کرے گا؟ بات جذباتی طور پر اس حد تک آگے بڑھ چکی ہے ورنہ شاید یہ سب کچھ

ہوتا! ہم پروا نہ ... درحقیقت اپنے بیٹے کی گمشدگی سے دیوانہ ہو کر یہ کارروائی کی تھی ورنہ وہ ہوش سے کام لیتا تو اس حد تک نہ جاتا۔"

"لیکن اب دونوں پھنس چکے ہیں اور اپنی اپنی گلوخلاصی کے لیے وہ ہر ممکن کارروائی کریں گے۔ میرے خیال میں یہ اطلاع رجب سیٹھ تک پہنچا دینا ضروری ہے۔ کم ازکم اس طرح رجب سیٹھ کے پاس ایک اور کارڈ آ جائے گا۔ آدمی وہ بھی ٹھیک ٹھاک ہی معلوم ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔ دیر تک ہم لوگ یہ گفتگو کرتے رہے اور پھر اسی دوران نگہت کا فون آ گیا۔ یہ فون میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔ اس نے کہا۔

"چیف آپ کو کئی جگہ تلاش کرنے کے بعد یہاں فون کیا ہے۔"

"ہاں کیا بات ہے؟"

"فون پر بات کی جا سکتی ہے؟ دراصل یہ خدشہ ہمیشہ میرے ذہن کو لاحق رہا ہے کہ جب ہم ایک کارروائی کر سکتے ہیں تو دوسرا بھی ہماری طرف سے غافل نہیں ہو گا اور دشمن کو کمزور سمجھنا مناسب نہیں ہوتا۔"

"تو پھر؟"

"چیف آج کھانے پر میں نے جھینگے پکائے ہیں۔ گھر پر ہی ہوں۔ اور سنا ہے کہ میرے پکائے ہوئے جھینگے بہت لذیذ ہوتے ہیں۔"

"اوہ! اکیلا...؟"

"ہاں جھینگے بہت مہنگے ہیں۔" نگہت شیراز نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"بھئی ٹھیک ہے اب تم مجبور کر رہی ہو تو آ جاتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" میں نے فاروقی صاحب کو نگہت کے فون کے بارے میں بتایا اور انہوں نے گردن ہلا دی پھر بولے۔

"تو پھر چلے جاؤ۔ ہم لوگوں کو تو دعوت ہی نہیں دی گئی۔"

"ہاں وہ کہتی ہے جھینگے بہت مہنگے ہیں۔"

"بہت تیز لڑکی ہے... بہت ہی تیز۔" فاروقی صاحب کے دفتر سے اٹھ کر میں نگہت شیراز کے گھر کی جانب چل پڑا اور راستے بھر نجانے کن کن خیالات کا شکار رہا۔ نگہت شیراز نے بڑی خوشدلی سے میرا استقبال کیا تھا اور پھر وہ مجھے اپنے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ باقی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کچن سے بہت عمدہ خوشبو اٹھ رہی تھی۔ نگہت شیراز نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "چائے پئیں گے یا کافی؟"

"چائے۔" میں نے جواب دیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گئی پھر شاید کسی سے چائے کے لیے کہہ کر اندر آ گئی۔

"آپ نے میری لگائی ہوئی خبر پڑھ لی؟"

"ہاں نگہت تم نے واقعی کمال کیا ہے۔ بہت ہی ذہانت کا ثبوت دیا ہے۔ بڑی عمدگی سے خبر لگائی ہے اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تم مکمل طور سے رجب سیٹھ کے فیور میں ہو۔"

"ہونا ہی تھا۔ ہمارا محاذ تو ہے ہی قیصر پرویز کے خلاف۔ باقی لوگوں کو اس نے شاید کسی طور دبا لیا ہے یا ہو سکتا ہے کچھ اخبارات اس کی اصل شخصیت سے بھی واقف ہوں۔ خبر لگانا تو ضروری تھا لیکن انہوں نے دب دب کر بات کی ہے لیکن میں نے چیف کھل کر یہ کام کیا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ میرے ایڈیٹر صاحب مست قسم کے آدمی ہیں اور انہوں نے ساری ذمے داری مجھ پر چھوڑ رکھی ہیں۔"

"یہی تو سب سے بہترین کام ہے میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔"

"ابھی نہیں سر ابھی تو مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ مثلاً یہ کہ رجب سیٹھ نے میرے دفتر فون کر کے ہمیں زبردست مبارکباد دی ہے اور اس رپورٹر کو شام پانچ بجے اپنی کوٹھی پہ طلب کیا ہے۔ جس نے اس خبر کی رپورٹنگ کی ہے چنانچہ ایڈیٹر صاحب کا حکم ہے کہ میں شام کی چائے رجب سیٹھ کے ساتھ پیوں۔"

"ونڈرفل!" میں نے چونک کر کہا اور نگہت شیراز مسکرانے لگی۔

"یوں لگتا ہے کہ دن کچھ پھرنے والے ہیں۔ بہت بڑی شخصیت ہے یہ رجب سیٹھ۔ بڑے کام آ سکتا ہے اور پھر سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قیصر پرویز کے گلے میں پھانسی کا پھندہ یہی شخص بنے گا۔"

"خاص طور سے چند باتوں کا خیال رکھنا ہے نگہت۔ مثلاً یہ کہ رجب سیٹھ یقینی طور پر تم سے یہ سوال کرے گا کہ قیصر پرویز کے بارے میں جو بیانات اس نے نہیں دیے وہ تمہیں کیسے معلوم ہوئے؟ ہمیں یہاں اس کا رویہ دیکھنا ہے۔ بات یوں ہے کہ دونوں ہی اپنے اپنے طور پر مجرم ہیں اور اگر قیصر پرویز کی بہت سی باتیں سامنے آئیں گی تو پھر رجب سیٹھ کی بھی بہت سی باتیں منظر عام پر آئیں گی۔ وہ تو باز نہیں آئے گا۔ رجب سیٹھ سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرے گا اس وقت تک جب تک کہ مسعود اس کے حوالے نہیں کر دیا جائے گا۔ اس کے سلسلے میں رجب سیٹھ یہی کہے گا کہ وہ اس کے پاس نہیں ہے جس پہ قیصر یقین نہیں کرے گا چنانچہ بحالت مجبوری ان دونوں کو لڑنا پڑے گا اور یہ دونوں آپس میں کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے لیکن ہمیں محتاط رہنا ہو گا۔"

"ہاں چیف! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"اس کے علاوہ ایک اور اہم اطلاع ہمارے لیے ہے یعنی یہ کہ جن لوگوں نے رجب سیٹھ کی کوٹھی پر فائرنگ کی تھی، وہ ہماری نگاہوں میں آ گئے ہیں اور ان کی نشاندہی کی جا سکتی ہے۔ یہ اطلاع اگر رجب سیٹھ تک پہنچے گی تو رجب سیٹھ تمہارا کچھ اور ممنون ہو جائے گا بلکہ ہو سکتا ہے، وہ ان لوگوں پہ ہاتھ ڈالے اور انہیں قیصر پرویز کے خلاف ثبوت کے طور پہ استعمال کرے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ رجب سیٹھ نے جو الزامات قیصر پرویز پر عائد کیے ہیں ان کے سلسلے میں کچھ پریشان بھی ہو۔ بے شک اس کے پاس کچھ ثبوت ضرور موجود ہوں گے لیکن اگر فائرنگ کرنے والے اس کے ہاتھ لگ جائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ زیادہ مضبوط ہو جائے گا۔" "ویری گڈ! بہت عمدہ بات رہے گی۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا نگہت شیراز کہ شام کی چائے پر تم کسی طرح مجھے بھی رجب سیٹھ کے پاس لے چلو؟"

"بالکل ہو سکتا چیف! اس میں نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔"

"کیسے...؟"

"اپنے معاون کی حیثیت سے... معاف کیجیے گا چیف آپ گلے میں ایک کیمرہ ڈال لیں میں آپ کو ایک جعلی کارڈ مہیا کر دوں گی اور پھر اتنی تحقیقات کون کرتا ہے؟ اگر وہ دوسرے لوگوں کو بھی بلاتا تو پھر شاید ہمیں کوئی دقت ہوتی لیکن اب اگر آپ چلیں گے تو کوئی دقت نہیں ہو گی ہمیں۔"

"تو پھر یہ بات طے ہے نگہت کہ آج میں بھی تمہارے ساتھ پریس رپورٹر کی حیثیت سے اس سے ملاقات کروں گا اور اس کے سامنے ہی یہ انکشاف کریں گے۔"

"ہاں..." نگہت نے اس بات سے اتفاق کر لیا۔ دوپہر کا کھانا میں نے اس کے ساتھ کھایا اور بلاشبہ لذیذ کھانا تھا۔ اس کے بعد طے یہ ہوا کہ ساڑھے پانچ بجے میں ایک بدلے ہوئے روپ میں اسے رجب کی کوٹھی سے ایک میل کے فاصلے پر ایک چوراہے پر مل جاؤں گا اور وہاں سے ہم دونوں ساتھ چلیں گے۔ ہم نے طے کیا تھا کہ سفر کے لیے آٹو رکشا استعمال کیا جائے گا تاکہ ہماری اوقات سامنے رہے۔ میں نے اس کی اس بات سے اتفاق کر لیا تھا، پھر میں وہاں سے چلا آیا، پھر میں نے فلیٹ ہی کا رخ کیا۔ قیصر پرویز اب ہمیں بھول گیا تھا اور یقینی طور پر رجب سیٹھ کے چکر میں ہو گا۔ اس کی طرف سے جوابی کارروائی کیا ہوتی ہے؟ اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ ویسے بھی بہت زیادہ ہاتھ پاؤں نہیں پھیلائے جا سکتے تھے اور ایک دائرے میں رہ کر ہی کام کیا جا سکتا تھا۔ میں نے ایک فوٹوگرافر کے سلسلے میں جو روپ دھارا، وہ واقعی دلچسپ تھا۔ تھوڑا سا میک اپ کیا، ایک ایسا لباس نکالا جو بہت کم میرے استعمال میں نہیں آیا تھا۔ بے انتہا صاف نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ اس حلیے سے پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد میں مقررہ وقت پر باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر بعد اس علاقے میں داخل ہو گیا جہاں مجھے نگہت سے ملنا تھا۔ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ایک آٹو رکشا میرے قریب رکا اور میں اس میں بیٹھ گیا۔ اس نے ایک کیمرا میری جانب بڑھا دیا تھا۔ ساتھ ہی ایک شناختی کارڈ بھی اور ہم دونوں رجب سیٹھ کی کوٹھی کی جانب چل پڑے۔ میں نے نگہت شیراز سے پوچھا کہ کیا اس نے مجھے اس حلیے میں پہچان لیا؟ تو وہ مسکرا کر بولی یہ رمز کی باتیں ہیں اور جانے ہی دیں تو بہتر ہے۔ میں مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ نگہت شیراز کبھی کبھی چوٹیں کر جایا کرتی تھی لیکن بہرطور بہت ہی شگفتہ مزاج لڑکی تھی۔ ہم کوٹھی کے سامنے اتر گئے۔ سامنے ہی برآمدے میں رجب سیٹھ آ رہا تھا۔ دو آدمی اس کے ساتھ تھے جو یقیناً باڈی گارڈز کی حیثیت رکھتے تھے۔ ہم دونوں مفلوک الحال انسانوں کی حیثیت سے آگے بڑھے اور رجب سیٹھ نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا۔

"مس نگہت شیراز؟"

"جی سر آپ کی خادم!" اس نے گردن خم کر کے کہا۔

"نعمان علی بخاری۔" میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

وہاں لے جا کر بھی ہوٹل مسافر ایا ہے ... وہ ہم دونوں کو ساتھ لے آیا ... داخل ہوگیا۔ دونوں باڈی گارڈز وہیں رہ گئے تھے۔
رجب سیٹھ ہمیں ڈرائنگ روم کی بجائے اپنی پرائیویٹ نشست گاہ میں لایا جہاں چاروں طرف کیبنٹ اور الماریاں وغیرہ نظر آ رہی تھیں۔ رجب سیٹھ نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر تھوڑی دیر بعد ایک ملازم اندر آیا، جس نے کافی برتن اور انتہائی نفیس قسم کی بہت سی اشیاء ہمارے سامنے میز پر سجا دیں۔

" اس تکلف کی کیا ضرورت تھی سیٹھ صاحب ؟" نگہت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" نہیں بھئی! تم میری مہمان ہو اور پھر میں تو تمہارا احسان مند بھی ہوں۔ تم نے اپنے اخبار میں جو رپورٹنگ کی ہے، اُس نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا ہے اور یقینی طور پر میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنے اُوپر احسان کرنے والوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

" نہیں سیٹھ صاحب ! بات دراصل یہ ہے کہ آپ بہت بڑی شخصیت ہیں اور لاتعداد ایسے لوگوں کو نہیں جانتے ہوں گے، جو آپ کے مداح ہیں اور آپ کی بے پناہ عزت کرتے ہیں۔ نہ صرف عزت بلکہ آپ سے محبت بھی کرتے ہیں لیکن وہ لوگ آپ کو نہ جانے کس انداز میں دیکھتے ہیں، میں بھی اُنہی میں سے ایک ہوں۔"

" ارے نہیں بھئی! میرا تو کوئی کیریئر ہی نہیں ہے۔ میں نے کیا کیا ہے؟ یہ صرف تمہاری محبت ہے کہ تم مجھے اتنا بڑا درجہ دیتی ہو۔ کیوں بخاری صاحب ؟" رجب سیٹھ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" سر! آپ بلاشبہ بہت بڑے آدمی ہیں۔"

" خیر... خیر بھئی یہ لو اور دل کھول کر کھاؤ، مجھے خوشی ہوگی۔" رجب سیٹھ نے میز کی طرف اشارہ کیا اور ہم وہاں رکھی ہوئی اشیاء پر ہاتھ صاف کرنے لگے۔ نگہت شیراز تو آفت کی پرکالہ تھی۔ حلق تک ٹھونسا اُس نے، حالانکہ دوپہر کا کھانا بھی کھایا تھا اُس نے پھر کافی پی گئی۔ رجب سیٹھ بڑے صبر و سکون سے ہمارا جائزہ لے رہا تھا اور ہم اپنے طور پر یہی اظہار کر رہے تھے کہ باقاعدہ ہیں۔ ہمارے اندر کوئی کمی نہیں ہے۔ ایسے موقعے کم ہی ملتے ہیں ہمیں اور جب ملتے ہیں تو ہم نہیں چوکتے، پھر اس کے بعد کافی سے فراغت ہوگئی تو... رجب سیٹھ نے کہا۔

" ہاں بھئی! اب کچھ کام کی باتیں ہو جائیں۔"

" جی سیٹھ صاحب !"

" نگہت میں نے تمام اخبارات دیکھے۔ تم کل کی پریس کانفرنس میں شریک تھیں نا ؟"

" جی سر!"

" مجھے بھی یاد ہے۔ میں نے بھی دیکھا تھا تمہیں، لیکن تم نے جو رپورٹنگ کی ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے اور بعض جگہ تو میں شدتِ حیرت سے پریشان ہو کر رہ گیا۔ تم نے تو وہ، وہ انکشافات کیے ہیں جن کا میں نے کوئی حوالہ ہی نہیں دیا۔"

" سر! میں اس کی وضاحت کرنا چاہتی ہوں۔" اُس نے کہا۔

" ضرور... ضرور ویسے یہ سمجھ لو کہ میں تمہارے دیے ہوئے اُن تمام حوالوں سے بے حد خوش ہوں۔ تم نے میرے مقصد کی تکمیل کی ہے۔"

" سر کچھ عرصہ پہلے کچھ واقعات پیش آئے تھے، جس میں قیصر پرویز پوری طرح ملوث تھے لیکن انہوں نے اخبارات کی گردن دبا دی تھی۔ ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی تھیں، جو رپورٹنگ کی تھی ہم نے اُس کے سلسلے میں ہمیں دھمکی دی گئی کہ اگر ہم نے اُسے من و عن شائع کیا تو ہماری پشتوں تک کو خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اُس وقت تو ہم خاموش ہوگئے تھے۔ مجبوری تھی لیکن اب جب آپ کا سہارا ملا تو ہم نے آپ کے حوالے سے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی۔ بات یہ ہے کہ ہم پریس کے نمائندے بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور سچائیوں کو منظرِ عام پر لانا چاہتے ہیں۔ اگر ہم خبروں کو توڑ مروڑ دیتے ہیں تو ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم کالی صحافت کے علمبردار ہیں اور حقائق کو سامنے نہیں لاتے اور جب ہم حقائق کو سامنے لانا چاہتے ہیں تو ہماری گردنوں پر انگوٹھا رکھ دیا جاتا ہے۔ ہم بھی سہاروں کی تلاش میں رہتے ہیں سر... اور سچائیوں کو منظرِ عام پر لانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ ذرا سا موقع ملا تو ہم نے بھی یہ سب کر ڈالا۔"

" ونڈرفل... ونڈرفل! میں تمہاری اس جرأت کی داد دیتا ہوں اور پھر اس وقت تم نے خاص طور سے میری مدد کی ہے۔ میں کچھ اور بھی بیانات اخبارات کو دینا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میں نے تمام اخباروں کا انتخاب نہیں کیا۔ تمہارا اخبار بہت اچھا ہے۔ اطمینان رکھو کہ اُسے ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ تم لوگوں کو جو بھی تکلیف ہو، پورے اسٹاف کی بات کر رہا ہوں۔ مجھ سے رجوع کرو، ساری تکلیفیں دُور کر دُوں گا۔ تو یہ نیا بیان جو میں اخبار کو دے رہا ہوں، اسے بڑی تفصیل سے شائع کرنا ہے اور تم سے بھی کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں مجھے، تاکہ میرے لیے معاون ثابت ہوں اور دیکھو ایک بات میں جانتا ہوں کہ قیصر پرویز خود بھی میرے خلاف جوابی کارروائی کرے گا۔ اس بات کے لیے میں پہلے سے بھی تیار تھا لیکن کم از کم تمہارے اخبار میں وہ بیان ضرور

آنا چاہیے جو میں اب دے رہا ہوں۔"

" ضرور سر! اخبار آپ کا ہے اور آپ کے یہ تاثرات ہم اخبار کے مالک کو بھی پہنچا دیں گے۔"

" ضرور... ضرور میں خود اُسے فون کر دُوں گا، مجھے اُس کے بارے میں تفصیلات بتا دو۔"

" جی سر!" نگہت شیراز نے مستعدی سے کہا اور اس کے بعد کہنے لگی۔ " سر آپ کو یہی خدشہ ہے نا کہ قیصر پرویز آپ کے خلاف جو کارروائی کرے گا۔ اُس میں سب سے بڑی چیز یہی ہوگی کہ آپ اُس کے خلاف ثبوت کہاں سے پیش کریں گے ؟"

" ہاں یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ بہت سے ثبوت میں نے تیار کر لیے ہیں، اطمینان رکھو میری گردن بھی اتنی پتلی نہیں ہے۔ میں بھی قوت رکھتا ہوں، وہ جو کچھ کہے گا اُس کا جواب میرے پاس تیار ہے۔"

" سر، میں آپ کی ایک ایسی مدد کرنا چاہتی ہوں کہ آپ داد دیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔"

" گڈ... گڈ، مجھے اندازہ ہوگیا ہے کہ تم انتہائی ذہین لڑکی ہو، کیوں بخاری صاحب ؟ آپ کا کیا خیال ہے ؟"

" جی سر۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

" سر، میں نے اُن لوگوں کا پتہ لگا لیا ہے، جنہوں نے آپ کی کوٹھی پر حملہ کیا تھا۔"

" کیا... ؟" رجب سیٹھ بُری طرح چونک اُٹھا۔

" جی سر، جن لوگوں نے آپ کی کوٹھی پر خودکار ہتھیاروں سے حملہ کیا تھا، میں نے اُن سب کے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں اور میری معلومات اتنی ٹھوس اور مکمل ہیں سر! کہ اگر غلط ثابت ہو جائیں تو آپ مجھے گولی مار دیں۔"

" خُدا کی پناہ... خُدا کی پناہ! کیا واقعی... کیا واقعی ؟ نگہت پلیز، مجھے بتاؤ کون لوگ ہیں وہ ؟"

" سر، ایک غنڈہ گروہ ہے جس کا مکمل پتہ نوٹ فرما لیے۔ وہ شخص چمن ٹنڈے کے نام سے مشہور ہے۔"

" اوہ، مائی گاڈ چمن ٹنڈا، وہ کمبخت، غدار، وہ مردود جو میرے ٹکڑوں پر پلا۔ تم دُرست کہتی ہو، بالکل پچھلے دنوں اُس کا جھکاؤ قیصر پرویز کی طرف رہا ہے۔ کمال کیا ہے تم نے لڑکی... واقعی کمال کیا ہے۔ چمن ٹنڈے کے بارے میں تمہیں اور کیا معلوم ہے ؟"

" کچھ نہیں سر، وہ اپنے اڈے میں محصور ہو کر رہ گیا ہے اور اُسے قیصر پرویز کی ہدایت ہے کہ وہ باہر نہ نکلے۔"

" میں جانتا ہوں وہ چوہے ہی کر سکتا ہے لیکن اب... اب یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اب سے دو گھنٹے بعد چمن ٹنڈا میرے قبضے میں ہوگا۔ ارے واہ بھئی! کمال کیا تم نے لڑکی... واقعی کمال کر دیا۔ اس شخص کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ کافی عرصہ پہلے یہ میرے ساتھ تھا اور میرے لیے کام کرتا تھا لیکن پھر اچانک ہی غائب ہوگیا اور میں نے ایک دو باتیں اُس کے بارے میں سُنیں، مجھے معلوم ہوا کہ وہ قیصر پرویز سے ملتا جلتا ہے۔ میں نے اُس کی تلاش بھی کی، مجھے اُس کا بالکل مکمل پتا بتاؤ۔" رجب سیٹھ نے کہا اور نگہت نے میرا دیا ہوا مکمل پتا دُہرا دیا۔

" ابھی انتظام ہو جاتا ہے تھوڑی دیر کے بعد یہ سب میرے قبضے میں ہوں گے اور اس کے بعد یہ عدالت میں گواہی دیں گے کہ ان کے ذریعے قیصر پرویز نے مجھ پر حملہ کرایا۔ یہ اطلاع تو میں اخبار کو بھی دے سکتا ہوں مگر آج نہیں، ذرا وہ لوگ میری مٹھی میں آ جائیں۔ قیصر پرویز کو کم از کم یہ اندازہ ہو جائے گا کہ میں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھا ہوا۔" یہ اطلاع واقعی رجب سیٹھ کے لیے کافی دلکش ثابت ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔

" دیکھو لڑکی! میں اس قسم کا آدمی ہوں، تم سے دل مل گیا ہے تو یوں سمجھ لو کہ تمہاری ساری مشکلیں حل ہو گئیں، جو تفصیلات اب میں تمہیں بتا رہا ہوں اُنہیں ذرا غور سے نوٹ کرو اور اُن کے بارے میں بڑی تفصیل سے چھاپو۔ میں تمہیں باقاعدہ اس کے ثبوت دُوں گا اور یہ ثبوت بھی تم چھاپو گی میرا نام لے سکتی ہو۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" رجب سیٹھ نے کہا اور پھر وہ قیصر کی کارروائیوں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے کچھ کاغذات بھی ہمیں پیش کیے تھے۔ میرے پاس جو قیصر پرویز کے خلاف ثبوت موجود تھا، اُس میں بھی بہت کچھ تھا لیکن یہ کاغذات بھی بہت اہمیت کے حامل تھے۔ نگہت شیراز نے پوری اخباری خبریں بنائی۔ رجب سیٹھ کو دکھائی اور سیٹھ نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

" بالکل ٹھیک!" اس کے بعد اُس نے اپنی جیب سے پرس نکالا اور ہزار ہزار کے دس نوٹ میری طرف اور دس نگہت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ " یہ تمہارا انعام ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ یہ کچھ ہے، جو کچھ میں تمہیں دُوں گا، اُس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے رکھ لو... رکھ لو۔" نگہت شیراز نے بڑے خلوص سے یہ دس ہزار روپے اپنے پرس میں رکھ لیے تھے۔ مجبوراً مجھے بھی یہ روپے اپنی جیب میں ڈالنے پڑے تھے اور رجب سیٹھ نے ہمیں

[illegible] جائے گا۔ [illegible] دعوت قبول کر لی اور نگہت شیراز کے دفتر کے سامنے ہم لوگ رجب سیٹھ کی کار سے اُتر گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد اُس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولی۔

"آئیے چیف! اب تھوڑا سا کام اور ہو جائے۔ یہ معاملہ پایۂ تکمیل تک پہنچا ناہی ہے۔ چنانچہ اسی وقت یہ خبر کتابت کر کے اپنے سامنے ہی کاپی میں پیسٹ کرا دوں گی تاکہ کسی قسم کا خدشہ باقی نہ رہے۔"

"ٹھیک ہے، مگر میرا چلنا کیا ضروری ہے تمہارے ساتھ؟"

"تو پھر...؟"

"کچھ نہیں، یہ لو اپنا انعام رکھو۔" میں نے دس ہزار کے نوٹ نگہت شیراز کو دیتے ہوئے کہا اور نگہت شیراز نے گردن خم کر کے یہ نوٹ بھی قبول کر لیے پھر بولی۔

"میں جانتی تھی سر! یہ آپ کے لیے بیکار ہوں گے۔ بہت بہت شکریہ، بہت نوازش۔" میں ہنستا ہوا وہاں سے واپس پلٹ گیا۔

ساری کارروائی میرے لیے خوشیوں کا باعث تھی اور ان خوشیوں کو سمیٹتے ہوئے میں کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ آشیا نے میں ان دنوں میری وقعت کافی بڑھ گئی تھی اور سبھی مجھ پر توجہ دیتے تھے۔ آج بھی مجھ سے بہت سے سوالات کیے گئے لیکن میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ باقی کل کے اخبارات میں دیکھیے۔ لالہ رُخ پر تو ایک لاکھ روپے کا بھوت ایسا سوار ہوا تھا کہ وقت میں ایک دم تبدیلی ہو گئی تھی۔ جاوداں سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو وہ ہنسنے لگی تھی، پھر اُس نے ایک بار کہا کہ سب کچے لوگ ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہو جانے والے دُنیا کا رنگ کچھ ایسا ہی تبدیل ہو چکا ہے۔

دوسرے دن صبح کے اخبارات بڑی باقاعدگی سے دیکھے گئے۔ قیصر پرویز کا بیان ایک اخبار میں دیکھ کر میں چونک پڑا۔ یہ اخبار قیصر پرویز کے زیرِ اثر معلوم ہوتا تھا لیکن اس کا بیان انتہائی محتاط تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ رجب سیٹھ اس کا دیرینہ دوست ہے۔ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر اُس سے خار کھا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بے بنیاد الزامات لگا رہا ہے، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اُس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں رجب سیٹھ سے بھی کہا تھا کہ وہ اپنے ان بیانات کے ثبوت تیار رکھے کیونکہ مستقبل میں اُسے یہ تمام چیزیں عدالت میں ثابت کرنا ہوں گی۔ ایک چھوٹی سی خبر اور بھی پڑھی میں نے، جس میں یہ تفصیل تھی کہ قیصر پرویز نے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی ہے اور اس کا جواز یہ پیش کیا ہے کہ رجب سیٹھ دُشمنی کی بنا پر ہر وہ کارروائی کرے گا، جو اُس کے اختیار میں ہے۔ قیصر پرویز نے قطعاً اس بات سے اختلاف کیا تھا کہ اُس نے رجب سیٹھ پر کوئی حملہ کرایا ہے۔ اُس نے مکمل طور سے رجب سیٹھ کے بیان کو غلط کہا۔ اُس کا وکیل جواب تیار کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نگہت شیراز کے اخبار میں رجب سیٹھ کا وہ نیا بیان شائع ہوا تھا جس میں اُس نے کہا تھا کہ قیصر پرویز کے بارے میں وہ اور بھی بہت سے انکشافات کرے گا اور اس کے لیے ثبوتوں کی فراہمی میں سرگرداں ہے۔ اُس نے مطالبہ کیا تھا کہ اُس کو اُس پر حملے کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے اور اگر حکومت اس سلسلے میں کاہلی برتے گی تو پھر باقاعدگی سے اُس کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ تمام ہی اخبارات میں خاصے دلچسپ بیانات تھے اور اس وقت یہ موضوع شہر کا ایک دلچسپ موضوع بن گیا تھا لیکن یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ قیصر پرویز دبا دبا سا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی تھیں۔ ایک تو یہ کہ رجب سیٹھ کے ہاتھ میں اُس کے کارڈ موجود تھے۔ رجب سیٹھ خود تو ایک کاروباری آدمی تھا۔ چنانچہ اگر اُس کے کچھ کاروبار غلط بھی سامنے آجائیں تو وہ ان کا دفاع کر سکتا تھا لیکن ایک سرکاری آدمی کی حیثیت سے قیصر پرویز کی حیثیت خاصی مشکوک تھی اور اُسے زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، پھر سب سے اہم وجہ اُس کے بیٹے مسعود کی گمشدگی تھی۔ رجب سیٹھ نے کل کسی ایسی بات کا اظہار نہیں کیا تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ قیصر پرویز نے مسعود پرویز کے سلسلے میں رجب سیٹھ سے کوئی اور رابطہ قائم کیا ہے۔ یقینی طور پر وہ بھی شدت سے سرگرمِ عمل ہو گا اور اگر مسعود کسی طرح اُس کے ہاتھ لگ جائے تو قیصر پرویز کی کارکردگی کا انداز بدل جائے گا۔ اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ ان حالات میں رجب سیٹھ پر حاوی ہو سکے گا یا نہیں لیکن اُس کی دُکھتی رگ دبی ہوئی تھی اور وہ لوگ بے چارے رجب سیٹھ کے نہیں بلکہ میرے انگوٹھے کے نیچے تھے۔ میں اپنے طور پر چاروں طرف سے مستعد تھا اور یہ بھرتان مجھ پر ہی آکر ٹوٹتی تھی اور یہ سوالات کیے جاتے تھے کہ اب کیا ہو گا؟ اور میں اُنہیں مسلسل یہ جواب دے رہا تھا کہ وہی ہو گا جو منظورِ خدا ہو گا۔ میں نے اپنے طور پر اپنے ذہن میں ایک فہرست تیار کر لی تھی کہ کس طرح مجھے قدم بہ قدم عمل کرنا ہے اور اسی کے لیے میں کام کر رہا تھا۔ پورا دن پُرسکون گزرا، آج کے لیے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ نگہت

کو فون کر کے اُس کی خیریت معلوم کی اور اُس نے ہر چیز دُرست ہونے کا اعلان کیا گویا آج کا دن کسی خاص ہنگامے کا باعث نہیں بنا تھا۔

شام کو بیرسٹر نصرت حسین نے بڑے دلچسپ انکشافات کیے اور یہ انکشافات شام کی چائے پر بہترین موضوع بنے رہے۔ نصرت حسین نے بتایا کہ قیصر پرویز کا وکیل ان کے پاس پہنچا حالانکہ اُن کی ملاقات کورٹ میں بھی ہوئی تھی لیکن وہاں باسط رانا نے بیرسٹر صاحب سے رجوع نہیں کیا تھا۔ البتہ جوں ہی وہ دفتر پہنچے تھوڑی دیر کے بعد باسط رانا بھی پہنچ گیا اور اُس نے بیرسٹر صاحب کو پیشکش کی کہ وہ قیصر پرویز کے کیس اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ باسط رانا نے کہا کہ یہ فرمائش قیصر پرویز کی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ بیرسٹر نصرت حسین یہ کیس لڑیں اور اپنے ساتھ شارق حسین کو بھی شامل کر لیں۔ باسط رانا نے پیشکش کی کہ بیرسٹر صاحب اس سلسلے میں جو بھی رقم طلب کریں گے اُنہیں دی جائے گی اور بہتر یہ ہے کہ قیصر پرویز سے ملاقات کا وقت طے کر لیا جائے۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا بیرسٹر صاحب یہ کیس اپنے ہاتھ میں لینا قبول کریں گے؟ نصرت حسین صاحب نے بتایا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے گھر میں مشورہ کریں گے کیونکہ قیصر پرویز کا مسئلہ ذرا کچھ غلط رُخ اختیار کر چکا ہے اور اُن کے اہلِ خاندان بعض جگہ قیصر پرویز سے متفق نہیں ہیں۔ بہر طور اس سلسلے میں طے یہ ہوا تھا کہ رات کو ساڑھے نو بجے باسط رانا، بیرسٹر صاحب کو فون کرے گا اور اُن سے صورتِ حال معلوم کرے گا۔ یہ اطلاع کافی دلچسپ اور چونکا دینے والی تھی۔ آئی جی صاحب نے فوراً ہی یہ خیال ظاہر کیا کہ شاید قیصر پرویز کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ ہم لوگ کہیں رجب علی کو مدد تو نہیں دے رہے اور اس سلسلے میں وہ نصرت حسین کو اپنے ساتھ شامل کرنے کا خواہش مند ہے۔ شوکت جاہ کہنے لگے۔

"اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر پریشان ہے۔"

"پریشانی تو ہونی چاہیئے اُسے کیونکہ اُس کا مدِمقابل کمزور نہیں ہے۔ باسط رانا کے فون کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُس کے جواب میں اُس سے کہا جائے کہ ابھی وہ توقف کرے۔ اس سلسلے میں ابھی غور کیا جا رہا ہے لیکن صورتِ حال اُس وقت مختلف ہو گئی جب رات کو ساڑھے نو بجے قیصر پرویز کی کار آشیانے میں داخل ہوئی۔ کھانے سے فراغت حاصل ہو چکی تھی اور سب لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ یہ اطلاع ملی اور سبھی چونک پڑے۔ بہر حال قیصر پرویز کو ڈرائنگ روم میں خوش آمدید کہا گیا۔ باسط رانا کے ساتھ ساتھ اعجاز مفتی بھی موجود تھا۔ قیصر پرویز نے ایک ایک سے گرمجوشی سے مصافحہ کیا تھا۔ میری گہری نگاہیں قیصر پرویز کا جائزہ لے رہی تھیں اور مجھے کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ پریشان ہے۔ تاہم اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا۔ مسکراتی نگاہوں سے شوکت جاہ کو دیکھ کر بولا۔

"بھئی شوکت جاہ صاحب یہ ہمارا شہر بھی عجیب ہے۔ نت نئے ہنگامے جنم لیتے رہتے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے یہ پروگرام بنایا جا رہا تھا گھر میں کہ آپ سب لوگوں کی دعوت کی جائے اور ہم اس سلسلے میں گفتگو کو آگے بڑھائیں لیکن بعض کم بخت لوگ نہ خود چین سے جیتے ہیں اور نہ کسی کو جینے دیتے ہیں۔ آپ نے اخبارات میں وہ تمام واقعات پڑھ لیے ہوں گے۔ یہ رجب علی سیٹھ میرے سامنے ایک بے حیثیت انسان ہے۔ دولت مند ہونا دوسری بات ہے اور صاحبِ اختیار ہونا بالکل مختلف چیز۔ اچھا خاصا تعلقات تھا، میرا دوست بھی تھا لیکن کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ اُس کی اس غلط فہمی کے بارے میں مجھے معلومات حاصل ہو جائیں لیکن جو کچھ وہ کر چکا ہے اُس کے جواب میں [illegible] بھی ضروری ہے۔ باسط رانا بے شک بیرسٹر نصرت حسین کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب یہ معاملہ نصرت حسین کے سپرد کر دیا جائے اور میں [illegible] نصرت حسین کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ بھئی معاف کیجیے بیرسٹر صاحب! آپ سے یہ بات کرتے ہوئے تھوڑی سی شرمندگی بھی ہوتی ہے لیکن [illegible]... [illegible] ہے آپ میرے کیس کے سلسلے میں جو کچھ بھی طلب کریں گے [illegible] دوں گا۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے قیصر صاحب کہ ابھی یہ کیس ہے کہاں؟ آپ نے ضمانت قبل از گرفتاری کرالی ہے اور رجب سیٹھ نے باقاعدہ آپ پر کوئی الزام عائد نہیں کیا۔ کچھ انکشافات کیے ہیں اُس نے، آپ اُس کے ان الزامات کا جواب دے دیجیے۔ ابھی کیس کہاں بنتا ہے؟"

"میں جانتا ہوں وہ مسلسل کوششوں میں مصروف ہے اور میرے کچھ مخالفین اُس کی مدد کر رہے ہیں۔ بات آگے بڑھے گی اور اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ میرا ڈیفنس مضبوط ہو جائے۔"

"اس کے لیے باسط رانا ہی کافی ہیں قیصر صاحب! ظاہر ہے یہ سب کچھ ہمارے لیے مشکل ہو گا۔"

"کمال ہے۔ یعنی ایک طرف آپ لوگوں کو اپنا عزیز بنانے پر تُلا ہوا ہوں اور آپ اتنی نفرت سے مجھے ٹھکرا رہے ہیں۔ اس کی اگر کچھ وجوہات ہیں، کچھ غلط فہمیاں ہیں تو دُور ہو جائیں گی بھئی۔ وارے ہاں طارق حسین بھئی پلیز آپ کل صبح ستار نور سے مل لیں۔ میری بات ہوئی تھی آپ کے سلسلے میں وہ آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔" قیصر پرویز نے فوراً ہی داؤ لگایا اور میں نے مسکینی سی شکل بنا کر کہا۔

"لیکن قیصر صاحب! میرے مسئلے کا کیا ہو گا؟" قیصر پرویز نے

جانی ہوئی لگا ہوں سے مجھے دیکھا تھا لیکن دوسرے لمحے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"تمہارا کیا مسئلہ ہے بھئی؟"

"یہی وہ نوشابہ سلیم اور اُس کی ماں کا معاملہ۔"

"اس وقت بھلا اس تذکرے کی کیا ضرورت ہے؟"

"نہیں یہ تذکرہ تو ہمارے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے قیصر پرویز صاحب! بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ہمارے آپ کے تعلقات میں یہی مسئلہ راستہ روکے ہوئے ہے۔"

"کیا چاہتے ہو اس سلسلے میں؟"

"مسعود پرویز کا معافی نامہ... انسپکٹر غالب کی بحالی اور اس کے ساتھ ہی اُن لوگوں کو کچھ رقم بھی ادا کرنی ہوگی آپ کو تاکہ وہ اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزاریں۔"

"انسپکٹر غالب کو بحال کرا دیا جائے گا۔ اُن دونوں کو وہ رقم دی جاسکتی ہے جو تم طے کرو گے لیکن مسعود پرویز کے معافی نامے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس معافی نامے کو داخل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسعود پرویز اپنا جرم تسلیم کرے اور پھر اس جرم کے الزام میں اُسے گرفتار ہونا پڑے۔"

"اُس کی گرفتاری کے بعد آپ اگر چاہیں تو اس کا کیس میرے حوالے کر دیں، میں اُسے بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا بکواس ہے؟" قیصر پرویز اپنی جھنجلاہٹ پر قابو نہ پا سکا اور پھر شوکت جاہ صاحب کی طرف رُخ کرکے بولا۔

"آپ بھی میری اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کریں گے شوکت صاحب؟ یہ نوجوان لڑکے اپنے مستقبل کو خود ہی قتل کر دیتے ہیں۔ میں نے شارق کے خلاف ابھی تک کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھایا جو اسے نقصان پہنچا سکتا ہو لیکن یہ شاید ان باتوں کو میری کمزوری سمجھ رہا ہے اور یہ محسوس کر رہا ہے کہ رجب علی سیٹھ کی وجہ سے میں شاید اُلجھ گیا ہوں۔ اور اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر یہ مجھے بلیک میل کر سکے گا۔ آئی۔ جی صاحب! آپ سمجھ دار آدمی ہیں، شارق کو سمجھائیے۔" آئی جی عظمت حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھئی قیصر صاحب! میں تو اپنی زندگی کے تمام ہنگامے ترک کر چکا ہوں۔ اب یہ انہی نوجوانوں کا دور ہے۔ اگر آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے بیٹے نے اُن دو مظلوم اور بے کس خواتین پر ظلم کیا ہے تو آپ اُس سے معافی کی ایک تحریر دلوا دیجیے، کیا فرق پڑتا ہے زیادہ سے زیادہ اس جرم کے الزام میں اُسے ایک آدھ ماہ کی سزا ہو جائے گی، تھوڑا سا جرمانہ ہو جائے گا۔ ایک اتنی سی بات کو آپ مسئلہ بنائے ہوئے ہیں؟" قیصر پرویز کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا اُس نے کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے آپ لوگ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ میرا بیٹا اور سزا پائے، میں خودکشی کر لوں گا اُس دن اگر ایسا ہو گیا۔ جہاں تک رجب سیٹھ کا مسئلہ ہے تو میں اُسے لمحوں میں مٹی میں سلا سکتا ہوں۔ بس یہ نہیں چاہتا کہ کوئی ایسا کام اپنے ہاتھوں سے کروں۔ بہر طور بیرسٹر نصرت حسین اس وقت میں صرف آپ کے پاس آیا تھا اور انتہائی نیک جذبے لے کر آیا تھا لیکن آپ کی اس رہائش گاہ میں غالباً اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کیا میں اس بات کی توقع رکھوں کہ آپ اس روایت کو بدل لیں گے؟"

"نہیں قیصر صاحب! آپ جرائم پیشہ لوگ ہیں۔ ہم یہ بات کبھی نہیں بھول سکیں گے کہ آپ نے احمد کمال صاحب کی کوٹھی سے واپسی پر ہمارے اُوپر فائرنگ کروائی تھی اور اس کے علاوہ آپ نے جو جرم کیے ہیں اُن کے تحت کم از کم آپ کو منظرِ عام پر آنا ہی چاہیے۔ اس لیے میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔" قیصر غصے سے کھڑا ہو گیا پھر اُس نے کہا۔

"دراصل میں اسی بات کی تصدیق چاہتا تھا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ رجب سیٹھ کی زبان اچانک ہی کیسے کھُل گئی اور وہ اس قدر مضبوطی سے کیوں بول رہا ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ لوگ اُس کے پُشت پناہ ہیں۔"

"ارے ہم کیا اور ہماری اوقات کیا؟ قیصر صاحب! اتنے بڑے آدمی کی پُشت پناہی تو بہت سے بڑے لوگ کر رہے ہوں گے۔ تاہم اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو آپ کی مرضی! ٹھیک ہے۔"

"ٹھیک ہے تو اس کا مقصد ہے کہ اب مجھے دو محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ بہتر ہے آئی۔ جی صاحب! آپ نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں کھل کر سامنے آجاؤں۔ اب ہمارے اور آپ کے درمیان معرکے ہوں گے۔ آپ بھی یاد کریں گے قیصر پرویز کو۔" وہ اعجاز مفتی اور باسط رانا کے ساتھ باہر نکل گیا اور ہم لوگ سنسنی خیز نگاہوں سے اُسے دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد اطلاع ملی کہ اُس کی گاڑی چلی گئی ہے۔ آئی۔ جی صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے پھر نہ جانے کیوں اُنہوں نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولے۔

"شارق! اصول بے شک اصول ہوتے ہیں اور انہیں توڑنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے لیکن بعض اوقات اپنے اختیارات اتنے وسیع محسوس ہوتے ہیں کہ انسان غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہوں کہ ابھی میں زندہ ہوں اور تم سب میری

اولاد ہو، جو کچھ اب تک ہوا ہے شارق! تم چاہو گے تو میں تم سے معافی بھی مانگ لوں گا لیکن اس وقت ذہن اتنا اُلجھ گیا ہے کہ تم سے ایک سوال کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آئی۔ جی صاحب کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا تھا۔

"ڈیڈی! آپ حکم دیجیے، میں آپ کے لیے زندگی دے سکتا ہوں، اصول کیا حیثیت رکھتے ہیں۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے قیصر پر کیا جال ڈالا ہے؟ کیا چکر چلایا ہے تم نے؟" انہوں نے سوال کیا اور سب کے چہروں پر سنسنی نظر آنے لگی، میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"ڈیڈی! میں آپ سے بس چند الفاظ دہراؤں گا اور اس کے بعد یہ جملے کبھی نہیں کہوں گا۔ میں وکالت کے پیشے کو ایک مقدس پیشہ سمجھتا ہوں، اُس ڈاکٹر کی طرح جو مریضوں کا علاج کرکے ان کی مسیحائی کرتا ہے۔ ڈیڈی! ہم صرف تھوڑی سی رقم کے عوض جھوٹے اور سچے مقدمات لے کر جھوٹے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔ اس گناہ کو آپ تصور کر لیجیے گا کہ کہاں تک پہنچتا ہے۔ بس مجھے اتنا سا اختلاف تھا اپنے پیشے کے اصولوں سے کہ میں جھوٹے کیس لینا نہیں چاہتا تھا بلکہ میں سچائیوں کی پیروی کرنے کا خواہش مند تھا خواہ اس میں میری آمدنی کچھ بھی نہ ہوتی اور یہی میرا ذریعہ ہے۔ میں نے دیکھا ڈیڈی کہ اس وقت دولت کا کھیل کتنے اعلیٰ پیمانے پر جاری ہے۔ ہر انسان دوسرے کو اپنے سامنے جھکانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ میرا مسلک غلط نہیں ہے۔ آپ لوگوں نے اپنی کوششیں کریں اور پہلے مرحلے پر آپ کو علم ہو گیا۔ میں نے اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دیا کیونکہ قانونی طور پر آپ وہ ہر کوشش کر چکے تھے، جو قیصر پرویز کے خلاف کی جاسکتی تھی اور اب وہ ان تمام باتوں سے واقف ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے رُخ تبدیل کر لیا اور اس کا دوسرا رُخ تلاش کرنا شروع کر دیا، اور میں نے رجب سیٹھ سے لے کر کشتی لوٹنے اور مسعود پرویز کے بارے میں ان کو بتا دیا۔"

"کیا قید؟" سبھی اُچھل پڑے۔

"ہاں ڈیڈی! وہ میری قید میں ہے۔" میں نے جواب دیا اور سب کے چہرے بھونچکے ہو گئے۔

"مگر کہاں؟"

"یہ ابھی نہ معلوم کریں ڈیڈی! کم از کم یہ وہ بات نہیں ہے جس سے آپ کے وقار پر ضرب پڑی ہو۔ اس کارروائی کے پس پردہ کچھ ایسے حالات بھی پیدا کر دیے گئے تھے جس سے قیصر پرویز کا ذہن اور رجب سیٹھ کا ذہن ایک دوسرے کے خلاف نفرتوں کا شکار ہو جائے۔ رجب سیٹھ کی لانچ لُٹ گئی اور قیصر پرویز کا بیٹا مسعود پرویز غائب ہو گیا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے لانے کے لیے بس اتنا کافی تھا اور اس کے نتائج آپ دیکھ رہے ہیں۔ بہت جلد بہت سے انکشافات ہوں گے ڈیڈی اور آپ دیکھیں گے کہ یہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے پھانسی کا پھندا بن جائیں گے۔ رجب سیٹھ کا معاملہ بھی صرف ایک جرائم پیشہ شخص کی حیثیت سے ہی سامنے آیا ہے۔ میں اُس کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا کیونکہ قانون خود اُسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا لیکن قیصر پرویز کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک وہ اس بے بس لڑکی نوشابہ سلیم اور اُس کی ماں کے سامنے گڑگڑا کر معافی نہ مانگے اور بھری عدالت میں اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے میں نے [illegible] میں پہلی بار اپنے اصولوں کے بالکل خلاف اور اس بات کو [illegible] برداشت نہیں کروں گا، میرے ان معاملات میں کسی کی طرف سے کوئی مداخلت ہو۔" سب لوگ سکتے کے سے عالم میں رہ گئے تھے اور اس طرح مجھے دیکھ رہے تھے جیسے کوئی عجوبہ اُن کے سامنے ہو۔ اس کے بعد میں وہاں نہیں بیٹھا تھا اور دوسری صبح جلد ہی کوٹھی سے نکل گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے پیچھے کیا ہوا لیکن خاص طور سے اُنہی کے ہاں میں وہاں [illegible] گیا تھا ماحول پر سکون تھا اور ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جو میرے لیے باعثِ تشویش ہوتی۔ شیخ پر بھی موجود تھے۔ ایس پی طارق حسین نے ایک دلچسپ انکشاف کیا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"بھئی شارق! میں اپنی نوکری پر بحال ہو گیا ہوں۔"

"جی...؟" میں چونک پڑا۔

"ہاں وہ ہمارے کرم فرما قیصر صاحب رات کو کہہ گئے تھے کہ ہم ستار نور صاحب سے مل لیں۔ میرا خیال ہے کہ جس مقصد کے لیے وہ یہ بات کہہ کر آئے تھے، اُس کی تکمیل تو یہاں نہ ہو سکی لیکن وہ ستار نور صاحب کو دوبارہ ہدایت دینا بھول گئے۔ ظاہر ہے ذہنی انتشار کے عالم میں تھے۔ چنانچہ ان کی پہلی ہدایت ہی کارگر ہوئی، وہ الزام ہٹا لیا گیا اور مستقل طور پر ہمیں بحال کر دیا گیا۔ قیصر صاحب کو یقینی طور پر اس بات پر بڑا دُکھ ہوگا لیکن اب تو ان کے دُکھوں کا دور شروع ہو گیا ہے۔" ڈیڈی ہنس پڑے، پھر بیرسٹر صاحب کی طرف دیکھ کر بولے۔

"اور تم کیا تیر مار کر آئے ہو بھئی! یہ بھی تو بتاؤ شارق کو؟" میں نے چونک کر بیرسٹر صاحب کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر کہنے لگے۔

"دراصل شارق! میں نے قیصر پرویز کا وکیل بننا منظور کر لیا ہے۔"

"ہوں...؟"

"ملی قالات نانت کے ساتھ نہیں ان باسطر رانا کو میں نے یہ لہہ دیا ہے اور وہ ان معاملات میں درپردہ میری خدمات حاصل کر سکتا ہے اور اس کے لیے میں نے ایک بھاری معاوضہ بھی طلب کر لیا ہے۔ باسطر رانا کو کچھ ہدایات دی ہیں اور ان ہدایات پر عمل شروع ہو جائے گا۔"

"ویری گڈ... اب ذرا جلدی سے بتایئے کہ وہ ہدایات کیا ہیں؟"

"ہدایات یہ ہیں کہ قیصر پرویز رجب سیٹھ کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے اُس کی اطلاع اخبارات کو دے دے۔ ویسے اُس نے ابھی تک اپنے بیٹے کی گمشدگی کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا ہے۔ شاید وہ ایک گھر خالی رکھنا چاہتا ہے۔"

"لیکن کیا اس بات پر قیصر پرویز تیار ہو گیا ہے کہ وہ رجب سیٹھ کے خلاف بیانات دے گا؟"

"اُس نے تو پہلے بھی کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں تیاریاں کر رہا ہے۔ غالباً رجب سیٹھ سے کچھ سودے بازی کرنا چاہتا ہو گا جس کے لیے رجب سیٹھ تیار نہ ہوا ہو گا۔ دراصل اُس کی بھی گوٹ دبی ہوئی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ مسعود پرویز رجب سیٹھ کے قبضے میں ہے لیکن اب وہ اچھی طرح مشتعل ہو گیا ہے۔ یہ سر نصرت حسین کی اس کارروائی پر میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا تھا لیکن بات میرے مطلب کی تھی اور دوسرے دن ہی یہ بات ثابت ہو گئی کہ باسطر رانا بہ سر نصرت حسین کے زیرِ ہدایت کام کر رہا ہے۔ اخبارات میں رجب سیٹھ کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات کیے گئے تھے کہ رجب سیٹھ کی مصیبت ہی آ گئی ہو گی۔ اب پتا نہیں اس سلسلے میں قانونی کارروائی کیا ہوئی لیکن بہر طور قیصر صاحب اور رجب کے درمیان کچھ اور صورتِ حال خراب ہو گئی تھی اور اب انتظار کے سوا چارۂ کار نہیں تھا۔ البتہ رات کو کوٹھی میں نگہت شیراز کا فون موصول ہوا۔ اُس نے کہا۔

"چیف کہاں غائب ہیں آپ؟ بڑی اہم اطلاعات دینی ہیں آپ کو۔"

"کہاں سے بول رہی ہو؟"

"آپ کی کوٹھی سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہوں۔"

"تو پھر میں آجاتا ہوں جگہ بتا دو۔"

نگہت نے تھوڑے ہی فاصلے پر اُس پبلک فون بوتھ کے بارے میں بتایا۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گیا اور نگہت کو بھی اپنی کار میں بٹھا لیا پھر ہم ایک چھوٹے سے ریستوران میں آ گئے۔ نگہت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔

"چیف! آج کل میں نے رجب سیٹھ کے لیے پرائیویٹ جاسوسی کا کام کر لیا ہے۔ اچھا خاصا منافع بخش ثابت ہو گا، مجھے یقین ہے۔"

"ہوں! شروع ہو جاؤ۔"

"یہ رجب سیٹھ بھی خاصا عقل آدمی ہے۔ آپ کی فراہم کردہ اطلاع کے تحت اُس نے چمن منڈے کو گرفتار کرا لیا اور اب وہ باقاعدہ پولیس کی تحویل میں ہے اور اُس کے بارے میں یہ ہدایات جاری کر دی گئی ہیں کہ اگر اس کا تحفظ نہ کیا گیا تو اُس کی اور اُس کے ساتھیوں کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے اور پھر اس سلسلے میں رجب سیٹھ نے اپنے اوپری اختیارات سے بھی کام لیا ہے چنانچہ اب اس کے امکانات نہیں ہیں کہ چمن منڈے کو ہلاک کر دیا جائے۔ چمن منڈے کا بیان میرا خیال ہے کل تک اخباروں میں آجائے گا اور اس کے بعد قیصر پرویز کی گرفتاری لازمی ہو جائے گی کیونکہ یہ صورتِ حال سنبھالے نہیں سنبھالی جا سکے گی۔ اس کے علاوہ چیف! ایک اور کام کیا ہے میں نے۔ رجب سیٹھ کو یہ نکتہ ذہن نشین کرایا ہے کہ کچھ عرصہ قبل جو گودام پکڑے گئے تھے اور ایس پی طارق حسین نے چھاپہ مار کر وہاں سے اسمگلنگ کا بہت سا سامان برآمد کیا جاتا تھا اور بعد میں وہ سامان وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک نقلی قیصر پرویز کو بھی پیش کیا تھا جس نے اُن تمام کو اپنی ملکیت ہونے کا اعتراف کیا۔ چنانچہ میں نے رجب سیٹھ سے کہا کہ اگر وہ اُس نقلی قیصر پرویز کو کسی طرح جیل سے نکلوا کر اپنی تحویل میں لے لیں تو قیصر پرویز کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک جائے گی۔" میں اُچھل پڑا تھا۔ یہ بات تو میں نے بھی سوچی تھی لیکن پھر وقار احمد کو خیال کر کے خاموش ہو گیا تھا۔ میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"تو اس سلسلے میں رجب سیٹھ نے کیا کیا؟"

"اُس شخص کو جیل سے نکال کر پولیس کے ایک خاص محکمے نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے اور اُس سے بھی معلومات حاصل کی جا رہی ہیں۔" میرے چہرے پر سنسنی پھیل گئی تھی۔ میں نے نگہت کو شاباش دیتے ہوئے کہا کہ اُس نے واقعی ایک کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

"سر! آپ تو اس بات سے ناراض نہیں ہیں؟"

"بالکل نہیں۔ میں تمہیں اس ذہانت پر مبارکباد دیتا ہوں۔"

"سر! فی الحال مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے اس مبارکباد سے ہی کام چلاؤں گی۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے نگہت کو دیکھا تو وہ جلدی سے بولی۔

"نہیں سر! ابھی نہیں لیکن وعدہ کیا ہے رجب سیٹھ نے اور بہر طور وہ ایماندار آدمی ہے سر! آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔" نگہت

کے انداز پر میں ہنس پڑا تھا پھر میں نے اُس سے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

"جانے دیجیے سر! اپنے ارادوں کا اظہار بعض اوقات نقصان دہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اب اجازت ہی دے دیجیے۔"

"اوکے، اپنا بھی خیال رکھا کرو۔ اِن سرگرمیوں کی اطلاع قیصر پرویز کے کانوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔"

"تھینک یو ویری مچ سر!" میں نے اُسے رخصت کر دیا اور کافی دیر تک وہیں بیٹھا سوچ میں گم رہا، پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ ویسے مجھے خوشی تھی کہ وہ بھی بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کر رہی تھی اور قیصر پرویز کے گرد جال مضبوط ہوتے جا رہے تھے۔ جو کام میں نے نہیں کیا تھا، وہ اُس نے کر دکھایا تھا کوٹھی کے معاملات میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ رات کو تقریباً گیارہ بجے اپنے بستر پر پہنچ گیا اور انہی تمام باتوں کے بارے میں سوچتا ہوا سو گیا۔ پھر اُس وقت جاگا جب دروازے پر ہلکی ہلکی دستک سنائی دے رہی تھی۔ میں چونک کر اُٹھ گیا۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے دو بج رہے تھے۔ میں حیران سا دروازے کی جانب بڑھ گیا اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے چوکیدار کھڑا ہوا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں صاحب! وہ ایس پی صاحب آئے ہیں اور انہوں نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ آپ کو اسی وقت جگا دوں۔"

"کون ایس پی؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ایس پی بابر جان۔"

"او ہو اچھا... اچھا تم نے بہت اچھا کیا مجھے جگا دیا۔ کہاں ہیں وہ؟"

"گیٹ پر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"میں ایک منٹ میں ابھی آ رہا ہوں۔ کسی اور کو تو کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں صاحب! میں نے تو دستک بھی آہستہ آہستہ دی تھی کہ کوئی اور نہ جاگ جائے۔ انہوں نے مجھ سے یہی کہا تھا۔"

میں نے انتہائی برق رفتاری سے منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے پہنے اور پھر باہر نکل آیا۔ گیٹ پر بابر جان کی جیپ کھڑی ہوئی تھی اور ان کے ساتھ دو تین افراد اور بھی تھے، جن کا تعلق محکمہ پولیس ہی سے تھا۔

"شارق! تمہاری ضرورت ہے۔ کپڑے پہن کر آؤ۔"

"ابھی آیا بس دو تین منٹ۔" میں نے کہا اور دوڑتا ہوا واپس اپنے کمرے کی طرف پلٹا تھا۔ پھر میں نے دو تین منٹ سے زیادہ صرف نہیں کیے۔ ایس پی بابر جان کی اس طرح آمد یقیناً کسی خاص بات کا مظہر تھی۔ بہر طور اُنہیں سیدھے بال سنوار کر اُن کے پاس جیپ میں جا بیٹھا۔ انہوں نے ہاتھ سے ایک اشارہ کیا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو ایک اور جیپ اُن کے پیچھے چلی آ رہی تھی۔

"خیریت ایس پی صاحب!"

"ہاں ابھی ذرا تم سے کچھ تفصیلی بات کرنی ہے۔ یہاں سے ایک جگہ چل رہے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر بات کریں گے۔ ہمارے پاس ابھی آدھا پونا گھنٹہ موجود ہے۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیپ خاموشی سے آگے بڑھتی رہی۔ میرے ذہن میں شاید سنسنی ہو رہی تھی پھر ایک شیش محل ہوٹل پر پہنچ کر انہوں نے گاڑی رکوائی اور مجھے لے کر چل پڑے۔ یہاں کے ایک گوشے میں بیٹھ کر انہوں نے کافی طلب کی اور کچھ مجھ سے کہنے لگے۔

"معاف کرنا شارق! بات کچھ ایسی ہی تھی کہ تمہیں خاص طور سے تکلیف دینا پڑی۔"

"تکلف سے کام نہ لیں اور فوراً کہیں کیا کام ہے؟"

"بھئی میں مختصر الفاظ میں بات بتا رہا ہوں۔ دراصل قیصر پرویز کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے ہیں اور اسے آج رات گرفتار کر لینا ہے کل صبح تک ہو سکتا ہے بات اُس کے کانوں تک پڑ جائے۔ ہم اُسے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے۔"

"اوہ...!" میں نے سنسنی خیز نگاہوں سے اُن کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور اُس کی وہ ضمانت قبل از گرفتاری؟"

"خصوصی طور پر منسوخ کرائی گئی ہے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ معمولی کام نہیں تھا۔ بس اس سلسلے میں جس پیمانے پر کارروائی ہوئی ہے، اس کا تم اندازہ لگا لو۔ میں کسی کا نام نہیں لوں گا۔"

"بڑی حیرت انگیز بات ہے!"

"ہاں! ایک غلطی کر بیٹھا وہ بے وقوف شخص۔ اُس نے اپنے سرپرست کا نام لے دیا اور سرپرست نے جب یہ دیکھا کہ... براہِ راست ضرب اُس پر پڑ رہی ہے تو اُسی نے اس کارروائی کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد یوں سمجھ لو کوئی چانس نہیں تھا لیکن ہمیں ہدایت ملی ہے کہ انتہائی مضبوط طریقوں پر کام کریں۔ اگر کوئی پہلو کمزور چھوڑ گیا تو یہ تمہاری ذمے داری ہو گی۔ تمہیں صورتِ حال کا مکمل اندازہ ہو گیا ہو گا۔ رجب سیٹھ اپنے اختیارات سے کام لے رہا ہے اور اس وقت وہ قیصر پرویز پر بازی لے گیا۔ اُس نے کچھ ایسے شواہد مہیا کیے ہیں جنہیں کوشش کے باوجود نظر انداز نہیں کیا جا سکا۔ مثلاً وہ جو شخص جو گوداموں پر چھاپے کے بعد گرفتار ہوا اور اپنے آپ کو قیصر پرویز کہہ کر قیصر پرویز کا ڈیفنس کیا تھا، اصل بات پر تیار ہو گیا ہے۔ حالانکہ وہ جیل میں قید بھگت رہا تھا۔ اُس

[illegible] انہوں نے بتایا ہے کہ قیصر پرویز نے اسے اس [illegible] سانحہ ظلم عام پر لانے کے لیے مجبور کیا تھا اور اس سلسلے میں اس نے اس کی بیٹی کو بھی اپنی قید میں رکھا ہوا ہے۔ حاجی عیسیٰ نے [illegible] کو کھول دی لیکن اس نے رو رو کر یہی کہا کہ اگر قیصر پرویز کو یہ بات معلوم ہو گئی تو پھر اُس کی بیٹی کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"اوہ مائی گاڈ! گویا یہ تو قیصر پرویز کے خلاف سنسنی خیز کیس ہے؟"

"بالکل... بالکل اُسے برآمد کرنا ہے۔ اس کے علاوہ شارق وہ لوگ بھی پکڑے گئے ہیں جنہوں نے رجب سیٹھ کی کوٹھی پر حملہ کیا تھا اور انہوں نے اس بات کا تحریری اعتراف کیا ہے کہ اس کے لیے قیصر نے اُنہیں مجبور کیا تھا گویا یہ تمام معاملات قیصر پرویز کی گردن میں پھندا ڈالنے کے لیے کافی ہیں لیکن اُس کی اصل شخصیت کو ثابت کرنے کے لیے ہمیں ٹھوس ثبوت بھی درکار ہوں گے۔ رجب سیٹھ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اِس سلسلے میں مدد کرے گا لیکن فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی اِس سلسلے میں کام کر رہے ہو اور ایک تجربہ مجھے یاد ہے۔ تمہیں یاد آ گیا ہو گا، جب تم نے کچھ کاغذات میرے حوالے کیے تھے اور ان کاغذات کی بنیاد پر میری گردن بھی بچ گئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بات صرف یہ نہیں تھی بلکہ اس سلسلے میں مجھے تمہاری مزید مدد درکار تھی۔ تمہیں میری پوری پوری مدد کرنا ہو گی شارق!"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں ایس پی صاحب! میں اگر اس مسئلے میں ذرہ برابر ملوث نہ ہوتا، تب بھی آپ کے لیے کچھ کرنے سے کہاں انکار کیا جا سکتا تھا۔"

"خیر، یہ بات تو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ مگر اب یہ بتاؤ کہ ہمیں اُس کے لیے ٹھوس ثبوت کہاں سے حاصل کرنے ہوں گے؟"

"بالکل اطمینان رکھیے، جس طرح میں نے پہلی بار آپ کو کچھ کاغذات فراہم کیے تھے اِسی طرح اس وقت بھی آپ کے لیے بہت کچھ تیار ہے۔"

"کیا مطلب...؟" وہ اُچھل پڑے۔

"قیصر پرویز کو دلدل میں غرق کرنے کے لیے آپ کو جو، جو چیزیں درکار ہوں گی، وہ یوں سمجھ لیں کہ اس وقت میری مٹھی میں ہیں اور میں بطور تحفہ وہ چیزیں آپ کو ضرور پیش کر دوں گا۔"

"میرے خدا... میرا یقین اتنا پختہ ہو گا، مجھے اس کا گمان بھی نہیں تھا۔"

"چھوڑیے اور کچھ باتیں کریں۔"

"ہاں بالکل تو قیصر پرویز کی گرفتاری ابھی تھوڑی دیر بعد عمل میں آئے گی۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اُس کی گرفتاری کی ایک بھرپور خبر اخبار کو دی جائے۔"

"گرفتار ہونے سے پہلے یا بعد میں؟"

"بھئی گرفتاری میں تو کچھ وقت لگے گا لیکن خبر چھپ جانی چاہیے۔"

"اگر وہ اپنی جگہ نہ ملا تو...؟"

"معلومات حاصل کی جا چکی ہیں بلکہ یوں سمجھ لو اس کی کوٹھی کی نگرانی شروع ہو گئی ہے۔ وہ اپنی کوٹھی ہی میں ہے۔"

"پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہے ہیں آپ؟"

"ہاں بالکل..."

"ایک اخبار کی زندگی کا سوال ہے۔"

"مجھ پر اعتماد رکھو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہمیں کافی پینے میں زیادہ وقت صرف نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے یہ کام کر لیتے ہیں۔" اور اس کام کے لیے نگہت سے بہتر اور کون ہو سکتا تھا۔ اُسی بے چاری کو جا کر اُس کے فلیٹ پر جگایا اور ساتھ لیے ہوئے اُس کے دفتر پہنچ گئے۔ اُس اخبار کی آخری کاپی پیسٹ ہو رہی تھی۔ فوراً ہی خبر بنائی گئی اور اُس خبر کی کتابت وغیرہ کرا کے فلمیں نکلوائی گئیں۔ یہ سارے کام انتہائی تیز رفتاری سے کیے گئے تھے۔ تقریباً تین بج کر تیس منٹ پر ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے۔ نگہت خیرا نے خود ہی وہ کاپی پیسٹ کرائی تھی اور اس کے بعد صرف ایک ہی مرحلہ باقی رہ گیا تھا۔ یعنی قیصر پرویز پر چھاپا اور اس سلسلے میں، میں نے ایس پی بابر جان سے درخواست کی۔

"ایس پی صاحب! آپ کا یہ کام آپ کی مرضی کے مطابق ہو گیا۔ اب ایک کام میں اپنی مرضی کے مطابق چاہتا ہوں۔"

"کہو، کیا...؟"

"قیصر پرویز کو گرفتار کرنے والا انسپکٹر غالب ہو گا۔" ایس پی بابر جان نے چونک کر دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ گردن ہلانے لگے، پھر بولے۔

"ٹھیک ہے یہ میری ذمے داری ہے میں ابھی اُسے بُلائے لیتا ہوں۔" انسپکٹر بلکہ موجودہ سب انسپکٹر غالب کو بھی اُس کے گھر ہی سے اُٹھایا گیا تھا اور وہ بے چارہ جلدی جلدی تیار ہو کر آ گیا تھا۔ ایس پی بابر جان کے ساتھ مجھے دیکھ کر وہ حیرت سے اُچھل پڑا۔ بہرطور ہم نے اُسے مختصر تفصیلات بتائیں اور اُس کا چہرہ شدّتِ جوش سے سُرخ ہو گیا۔

"کمال ہو گئی شارق بھائی جی... کمال ہو گئی۔" اُس نے اپنے

مخصوص انداز میں اتنا ہی کہا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُس کا شانہ تھپتھپایا اور کہا۔

"تمہاری دیرینہ خواہش کی تکمیل میرا فرض تھا انسپکٹر غالب!"

انسپکٹر غالب نے ممنونیت سے گردن ہلا دی تھی۔ ٹھیک سوا چار بجے ہم لوگ قیصر پرویز کی کوٹھی پر پہنچ گئے اور اس کے بعد انسپکٹر غالب اپنی زندگی کا سب سے قیمتی فرض پورا کرنے کے لیے چل پڑا۔ بابر جان بھی اُس کے ساتھ تھے۔ دو اور انسپکٹر موجود تھے۔ بابر جان کی دعوت پر میں بھی اُن کے ساتھ چل پڑا تھا۔ قیصر پرویز کو اُس کی خواب گاہ میں جگایا گیا اور وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ ہم لوگوں کو اپنے سامنے دیکھ کر اُس کی آنکھیں شدّتِ حیرت سے پھیل گئی تھیں اور پھر وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ انسپکٹر غالب نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"قیصر صاحب! اپنے ہاتھ سامنے کرو، پولیس تمہیں گرفتار کرتی ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تم لوگوں کا؟ پاگل ہو گئے ہو تم یہ؟... یہ آنے کا وقت ہے؟ کیا بکواس ہے... کیا بدتمیزی ہے؟"

"ہاتھ آگے کر دو جی، ورنہ ہم تمہارے ساتھ بُرا سلوک کریں گے۔"

"بکواس مت کرو... میں ٹیلی فون کرنا چاہتا ہوں۔"

انسپکٹر غالب نے بابر جان کی طرف دیکھا اور اُنہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا فرض پورا کرو انسپکٹر!" اور غالب نے آگے بڑھ کر قیصر پرویز کا گریبان پکڑ لیا۔ اُسے دھکا دے کر ایک دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

"تم... تم لوگوں کو اگر پھانسی کے تختے تک نہ پہنچا دوں تو... قیصر پرویز نام نہیں ہے۔" وہ غرا کر بولا اور اُسی وقت اُس کی نگاہ میری جانب اُٹھ گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ سکتے کی سی کیفیت میں رہ گیا تھا اور اُس کی آنکھوں میں خون کی سُرخی لہرانے لگی۔

"تم... تم ان لوگوں کے ساتھ؟"

"ہاں قیصر پرویز صاحب! میں آپ سے کچھ اور نئے رشتے قائم کرنے آیا ہوں۔ میں نے آپ سے عرض کیا تھا، ایک بار نہیں کئی بار... ایک بار کلب میں، میں نے آپ سے کہا تھا قیصر صاحب کہ آپ کا بیٹا آپ کی گردن کا پھندا بن جائے گا لیکن آپ نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ میں نے دوسری بار بھی آپ سے یہی درخواست کی تھی کہ اُسے سمجھا لیجئے اور خود کو سنبھالیے لیکن آپ کا غرور آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ بالآخر غرور کا سر نیچا ہو جاتا ہے اور آج آپ اپنی کیفیت دیکھ رہے ہیں۔ بات بہت آگے بڑھ گئی ہے... قیصر صاحب...!"

"میں اس سازش کو پہلے ہی سمجھ چکا تھا لیکن تم لوگ شاید قیصر پرویز کو نہیں جانتے۔ اس وقت تم لوگ خوشیاں منا لو لیکن آنے والا وقت تمہارے لیے... تمہارے لیے جہنم ثابت ہو گا۔"

"لے چلو!" ایس پی بابر جان نے انسپکٹر غالب کو حکم دیا لیکن میں نے اشارے سے ایس پی بابر جان کو وہیں روک لیا تھا اور اس کے بعد میں نے قیصر پرویز کے کمرے کی تلاشی لے ڈالی لیکن میری توقع پوری نہ ہوئی۔ ایسی کوئی چیز وہاں نہیں مل سکی تھی، جو قیصر پرویز کے لیے ثبوت کے طور پر استعمال کی جا سکتی۔ ایس پی بابر جان میرا ساتھ دیتے رہے تھے لیکن بہرطور ہمیں مایوسی ہوئی تھی۔ ہم نے وہاں زیادہ وقت صرف نہیں کیا لیکن قیصر پرویز کے کمرے کے دروازے پر دو جوان چھوڑ دیے گئے تھے، پھر ہم وہاں سے واپس چل پڑے تھے اور قیصر پرویز کو پولیس ہیڈ آفس لے آیا گیا یہاں اُسے لاک اپ میں دھکیل دیا گیا تھا۔ اُس کی بکواس پر کسی نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ باہر نکل کر بابر جان نے کہا۔

"اب بتاؤ شارق کیا کرنا ہے؟"

"آئیے ایس پی صاحب چلتے ہیں۔ میرے ساتھ چلیے!"

"ضرور... ضرور..." اس کے بعد میں اُن کو اپنے فلیٹ پر لایا تھا اور مسعود پرویز کے کمرے سے جو انتہائی قیمتی کاغذات مجھے ملے تھے۔ میں نے انہیں اُن کے سامنے پھیلا دیا، پھر میں تفصیلات بتانے لگا۔ ایس پی بابر جان نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔

"میرے خدا... میرے خدا اب تو یوں لگتا ہے، جیسے شہر کے ہر جرائم پیشہ شخص کے بارے میں ثبوت حاصل کرنے کے لیے صرف تم سے رجوع کرنا چاہیے۔"

"کیا آپ اِن کاغذات اور ثبوتوں کو کافی سمجھتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے اب مزید کسی ثبوت کی تو ضرورت بھی نہیں رہی لیکن اُس کا بیٹا مسعود پرویز کہاں ہے؟ رجب سیٹھ کہتا ہے کہ اُس لڑکے کو اُس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔"

"میں نے اُسے ہاتھ لگایا تھا۔ وہ میری قید میں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایس پی بابر جان پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگے تھے۔

"لیکن ہم اسے اُس کے ہٹ سے برآمد کریں گے میرا مطلب ہے، اُس جگہ سے جہاں وہ عموماً پوشیدہ ہو جایا کرتا تھا۔"

"لیکن وہ تمہارے قبضے میں کہاں سے آ گیا؟"

"کہانی لمبی ہے۔ پہلے اپنی ذمے داریاں پوری کر لیجیے، اس کے

ہو صورتِ حال کا اندازہ لگایا جائے تاکہ اس طرح رجب سیٹھ کا
[illegible] جانے کا۔ وہ ابھی خاصی پوزیشن میں آجائے گا۔"

"ابھی رجب سیٹھ کو نہ چھیڑو۔ جب کبھی اُس کے خلاف کچھ کرنے
کی ضرورت پیش آئی تو پھر اس کے لیے کام کریں گے لیکن میں سمجھتا ہوں
کہ مسعود پرویز کے لیے شدید گرفت کرنا ضروری ہے۔"

"تو پھر یہ کام بھی ابھی تھوڑی دیر کے اندر اندر کیے لیتے ہیں۔"

ایس پی بابر جان سائے کی طرح میرے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ جب ہم
بدر شاہ کے پاس پہنچے تو صبح کا اُجالا پھوٹ رہا تھا۔ حالانکہ مسعود پرویز
میری کوٹھی میں تھا لیکن بدر شاہ کو اس معاملے میں نہ شریک کرنا کچھ
عجیب سا لگتا تھا۔ کیونکہ وہ بے چارہ براہِ راست ان معاملات میں
ملوث رہا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں بدر شاہ ہی سے کہا کہ مسعود پرویز
کو احتیاط کے ساتھ نکال لائے۔ بدر شاہ نے ایس پی بابر جان کو دیکھ
کر صورتِ حال کا اندازہ لگا لیا تھا اور اس کے بعد وہ خاموشی سے
چلا گیا۔ پھر مسعود پرویز کو بدر شاہ کے اڈے پر ہی لے آیا گیا اور
بہانے سے اُس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر اُسے ایس پی کے
حوالے کر دیا گیا۔ واپسی میں ایس پی بابر جان کو اُس ہٹ پر بھی لے
گیا تھا، جہاں مسعود پرویز، جاوداں کے دھوکے میں نگہت شیرازی کو
لے گیا تھا۔ ایس پی بابر جان نے وہاں کا نقشہ بنایا اور وہاں سے
مسعود پرویز کی گرفتاری دکھائی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام لوگ
دوبارہ ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے تھے۔ ایس پی بابر جان نے میرا انتہائی شکریہ
ادا کیا اور پھر باہر آتے ہوئے بولے۔

"تمہاری بھی ساری رات ہی بیکار گئی ہے لیکن میرا فیصلہ کس
قدر درست تھا۔ میں اس پر بہت خوش ہوں۔ تمہارے ذریعے تو
اب واقعی ہر مشکل کا حل نکل آتا ہے۔ اس سلسلے میں اب تم بھی اپنی
تیاریاں کر لو میں سمجھتا ہوں تمہیں بھی اپنا کام کرنا پڑے گا۔"

"کیوں نہیں، میرا اصل معاملہ تو اب شروع ہوگا۔ یعنی نوشابہ سلیم
کیس بھی دائر کیا جائے گا۔"

"یقیناً... یقیناً۔" اُنھوں نے کہا۔

پھر میں کوٹھی واپس پلٹ پڑا۔ کوٹھی والوں کو شاید صبح، صبح
ہی چوکیدار سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ میں رات کو وہاں سے چلا
گیا ہوں۔ چنانچہ میرا انتظار ہی کیا جا رہا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تو
ڈیڈی کے کمرے میں طلب کر لیا گیا اور میں نے مسکراتے ہوئے اُن
کو مبارک باد دی اور اُن سے کہا کہ اُن کا شکار بالآخر اپنے جال میں
پھنس کر پولیس کی تحویل میں پہنچ چکا ہے۔ یہ سنسنی خیز اطلاع سب
کے لیے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اخبارات ٹٹولے جانے لگے لیکن میں
نے اُن سے کہا کہ آخری اخبار آجائے، اُس میں یہ خبر دیکھی جاسکے گی۔
چونکہ کاپی پیسٹنگ میں رات کو کافی وقت ہو گیا تھا۔ اس لیے نگہت
کا اخبار لیٹ ہو گیا تھا تاہم اُس کا بے چینی سے انتظار کیا گیا اور اس
کے بعد جب اخبار پہنچا تو سبھی اُس پر جھک پڑے۔ اُس میں وہ خبر
کافی تفصیل کے ساتھ موجود تھی۔ ڈیڈی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو بالآخر تم نے اس شیطان کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔"

میں نے خاموشی سے گردن جھکا دی تھی۔ قیصر پرویز کا ستارہ
مکمل طور پر گردش میں آگیا تھا۔ نوشابہ سلیم کی طرف سے کیس دائر
کیا گیا اور تمام صورتِ حال اخبارات کے سپرد کر دی گئی۔ چنانچہ
قیصر پرویز پر مقدمہ چلا۔ اس مقدمے کے سلسلے میں کئی وکیل کارروائی
کر رہے تھے۔ ایک وکیل حاجی عیسیٰ کا تھا، جس نے قیصر پرویز پر
دعویٰ دائر کیا تھا۔ حاجی عیسیٰ کی بیٹی اُسے مل گئی تھی اور یہ کارنامہ بھی
انسپکٹر غالب ہی نے انجام دیا تھا۔ حاجی عیسیٰ نے تمام تفصیلات بتانے
کے بعد قیصر پرویز پر مقدمہ قائم کیا تھا۔ رجب سیٹھ نے دوسرا مقدمہ
قائم کیا تھا جس میں ہتکِ عزت کا دعویٰ اور اپنی کوٹھی پر [illegible] کا
کیس تھا۔ اس کے علاوہ نوشابہ سلیم کا اور پھر سب سے بڑا مسئلہ
اسمگلنگ کا تھا اور اس سلسلے میں اور بھی بہت سے انکشافات ہوئے
تھے۔ جن کے تحت قیصر پرویز کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔

نہ صرف وہ بلکہ مسعود پرویز بھی اُس کے ساتھ اس کے جرائم میں پورا
پورا ملوث دکھایا گیا تھا۔ لاک اپ میں اُس کا ریمانڈ لیا جاتا رہا اور
پھر بالآخر اُسے جیل ریمانڈ پر بھیج دیا گیا۔ جیل پہنچنے کے بعد پہلی بار
میں نے اُس سے ملاقات کی۔ آئی جی صاحب، شوکت جاہ صاحب
میرے ساتھ تھے۔ لاک اپ میں اُنھیں ایک الگ کوٹھری میں رکھا
گیا تھا۔ دونوں باپ بیٹے کی حالت خراب نظر آرہی تھی۔ ہمیں دیکھ
کر اُن کے چہروں پر دہشت برسنے لگی۔ قیصر پرویز خونخوار انداز میں
سلاخوں کے پاس پہنچ گیا۔

"تم لوگ سمجھتے ہو کہ اپنی اس چال میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ لکھ
لو اس بات کو... اپنے دلوں پر لکھ لو میں باعزت طریقے سے بری ہو
کر سامنے آؤں گا اور اس کے بعد... اس کے بعد تم سب کو دیکھ لوں
گا۔" میں نے نرم لہجے میں اُس سے کہا۔

"نہیں قیصر پرویز انسان کو شکست کھانے کے بعد یہ احساس
ہو جانا چاہیے کہ اُس نے غلطیاں کی ہیں۔ آپ کے غرور نے آپ کو ڈبو
دیا۔ میں نے پہلے دن بھی آپ سے یہ بات عرض کی تھی قیصر صاحب
کہ خدا کے لیے اپنے بیٹے کو سنبھالیے۔ نوشابہ سلیم سے معافی مانگ لیجیے،
جو کچھ آپ لوگوں نے کیا ہے اس کا ازالہ کر دیجیے لیکن آپ [illegible]

کا شکار ہو کر خدا کی قوت کو بھول گئے اور اب بھی آپ کا غرور اُسی طرح
زندہ ہے۔ ہمارا دوستانہ مشورہ ہے کہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی
مانگیے، ہو سکتا ہے آپ کی بچت کے لیے وہ کوئی سبیل نکال لے۔"

"میں نے زندگی کا ایک سیٹ اپ بنایا ہے صاحبزادے اور
اسی کے تحت جینا چاہتا ہوں۔ کچھ غلطیاں ہوئی ہیں مجھ سے، جن کی سزا
بھگتنا ضروری ہے تاکہ میں آئندہ وہ غلطی نہ کروں۔" قیصر پرویز
نے نخوت سے کہا۔

"مثلاً..."

"مثلاً یہ کہ احمد کمال کے ہاں سے واپسی پر میں نے جن لوگوں کو
تمہاری ہلاکت پر مامور کیا تھا، وہ ناکارہ تھے۔ اُن کی جگہ مجھے زیادہ
تجربہ کار لوگوں کا انتخاب کرنا چاہیے تھا تاکہ ایک [illegible] صاف
ہو جاتا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ رجب سیٹھ [illegible] بھی میرے
خلاف کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اگر انھیں تمہارا سہارا حاصل نہ ہوتا۔
مجھے علم ہو گیا ہے کہ مسعود پرویز کو رجب سیٹھ نے نہیں تم نے اغوا
کیا تھا۔"

"تمام باتیں درست ہیں لیکن بات بہت چھوٹی سی تھی۔ آپ کے
بیٹے نے ایک نادار لڑکی کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا۔ آپ چاہتے تو
بات وہیں ختم کر سکتے تھے لیکن آپ نے غرور کا شکار [illegible]..."

"[illegible]
آنے والے وقت میں دیکھو گے۔"

"یہ ناقابلِ اصلاح ہے شارق! اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔"
آئی جی صاحب نے کہا اور اس کے بعد ہم خاموشی سے یہاں سے چلے
آئے۔ آشیانے میں میری توقیر بڑھ گئی تھی۔ ایک ایک بات کرید کرید
کر پوچھی گئی تھی اور سبھی حیران تھے۔

"تو یہ ہے تمہارا طریقہ کار۔" ڈیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سب کے لیے نہیں ڈیڈی! صرف اُن کے لیے جو خود کو اپنے
اختیارات، اپنی دولت کے خول میں محفوظ سمجھتے ہیں۔ میں تو آپ کے
مشن کو آگے بڑھا رہا ہوں۔ ڈیڈی! آپ نے تمام عمر محکمہ پولیس میں
گزاری۔ ایک نیک نام ریکارڈ قائم کیا۔ قانون کو برتری دلوائی اور اپنے
فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ امجد بھائی انصاف کی کرسی پر بیٹھنے سے
قبل خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اُن کے قلم سے انصاف نکلے۔ وہ کسی
بے گناہ کو سزا نہ دیں۔ بیرسٹر نصرت حسین بے گناہوں کے لیے انصاف
کا حصول چاہتے ہیں۔ طارق حسین صاحب مجرموں کی سرکوبی کے
فرائض انجام دیتے ہیں۔ میں نے آپ کے مشن میں شرکت کی ہے۔
یہی سب کچھ میں چاہتا ہوں۔"

"خدا تمہاری ہمیشہ مدد کرے۔" ڈیڈی نے کہا۔

بعد کے معاملات کافی دلچسپ اور ہنگامہ خیز رہے تھے...
احمد کمال اور مانیلا کو خصوصی تار دے کر بُلا لیا گیا تھا۔ بدر شاہ کروڑپتی
بن گیا تھا۔ اُس نے لاکھ چاہا کہ اس دولت سے مجھے بھی کچھ دے، جو
اُسے لانچ کے مال کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی لیکن میں نے اسے
قبول نہ کیا۔ البتہ اُس نے کہا۔

"ٹھیک ہے شارق بھائی جی لیکن ہم آپ کے لیے ایک ایکشن
سیل قائم کریں گے، جہاں آپ کے لیے تمام آسانیاں فراہم کی جائیں گی
اور ضرورت کی ساری چیزیں [illegible]۔ البتہ ایک کام کرنے سے
ہمیں نہ روکو۔"

"کیا کام...؟"

"وعدہ کرو ہمیں نہ روکو گے [illegible]" [illegible] بدر شاہ
نے نوشابہ سلیم کے لیے ایک عمدہ [illegible] تھی اور اُسے بہن بنا
لیا تھا۔ اب وہ ان کوششوں میں [illegible] تھا۔ نوشابہ کے لیے
کوئی اچھا [illegible]

انہیں لے کر دن اور رات بہت خوبصورت ہو گئے تھے۔ ہر طرف سے میری پکار اُبھرنے لگی تھی اور ڈیڈی کی مجھ سے اُلفت کو گہری نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ باقی بھائی تو کوئی احساس نہ کرتے تھے، لیکن بیرسٹر نصرت حسین کبھی کبھی بے چین نظر آتے تھے۔ اُن کی بے چینی کو میں نے ایک نشست میں کم کر دی تھی۔ جب آئی جی صاحب نے مطالبہ دُہرایا تھا۔

"تمہیں گھر واپس آنے میں کیا قباحت ہے؟"

"میں گھر سے الگ کب ہوں ڈیڈی!... اور اس کے بارے میں عرض کر چکا ہوں کہ میری نسل زیادہ تر جرائم پیشہ افراد سے رہتی ہے، اُن میں سے بیشتر کو میری تلاش بھی رہتی ہے۔ وہ لوگ آسانی سے آشیانے کا رُخ کر سکتے ہیں، میں اُنہیں آشیانے سے دُور رکھنا چاہتا ہوں، پھر یہاں خواتین بھی ہیں ڈیڈی! اور کوئی بھی اپنے گھر پر ہنگامہ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"عجیب منطق ہے۔ یہ خطرہ تو آشیانے کو ہمیشہ رہتا ہے۔ جج امجد حسین بھی یہاں رہتے ہیں جن کے کسی بھی فیصلے سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے۔ بیرسٹر نصرت حسین بھی ہیں یہاں اور ایس پی طارق حسین بھی۔ یہ خطرات تو سب کی وجہ سے پیش آ سکتے ہیں۔"

"ان لوگوں کو قانون کا تحفظ حاصل ہوتا ہے، میرا مسئلہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔" شوکت جاہ نے میری طرف داری کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی عطرت حسین! میرے خیال میں اس شیر کو کھلا رہنے دو، پنجرے میں اس کی صلاحیتیں بند ہو جائیں گی۔"

پتا نہیں کیوں ڈیڈی کے خاموش ہو جانے سے میں نے نصرت حسین کو پُرسکون محسوس کیا تھا۔

قیصر پرویز سے متعلق خبریں اخبار سے مل جاتی تھیں اور میں نے خاص طور سے نگہت شیراز کو اس سلسلے میں مصروف کر دیا تھا۔ اُس کا اخبار بڑی تفصیل سے یہ خبریں چھاپتا تھا۔ اُس کے کیس کی نوعیت بگڑتی ہی جا رہی تھی اور اس صورتِ حال کے بعد اُس کے طرف داروں نے بھی اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ کون کسی کے لیے اپنی پوزیشن داؤ پر لگاتا ہے۔ بہرحال آشیانے کی فضا ایک دم بدل گئی تھی اور مجھے بھی لطف آ رہا تھا۔ میری دلچسپی کا کوئی کیس ابھی تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔ میں چھوٹے موٹے معاملات میں فاروقی صاحب ہی کا ساتھ دے رہا تھا۔ اس دوران بہت سے تفریحی پروگرام بھی ترتیب دیے گئے، جن میں انیلا اور جاوداں پیش پیش تھیں۔ ڈیڈی اور شوکت جاہ اُن کے دستِ راست تھے۔ کئی نشستوں میں مجھ سے میرے کیسز کی... تفصیلات پوچھی گئیں اور میں نے اُن لوگوں کو چند کہانیاں سُنا دی تھیں۔

اُس شام جب کوٹھی میں داخل ہوا تو کچھ زیادہ ہنگامہ خیزیاں نظر آئیں۔ شاید کوئی تقریب رکھی گئی تھی اور جو لوگ تقریب میں شریک ہوئے تھے، اُنہیں دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی بھی مجھے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ فریال، نوشابہ سلیم، بیگم فاروقی، جوں جوں مہمانوں کا جائزہ لے رہا تھا میری آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ اُن میں روزی بھی تھی اور امینہ بھی تھی۔ یہ تمام کردار وہ تھے، جن سے میرا رابطہ رہ چکا تھا، پھر ایک سمت سے نگہت شیراز بھی برآمد ہو گئی۔ جاوید قریشی اور فاروقی صاحب سے تو دن میں ہی میری ملاقات ہوئی تھی، لیکن انہوں نے ہلکا سا اشارہ بھی نہیں دیا تھا۔ میں نے جاوید قریشی سے کہا۔

"بھائی ذرا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کرسی پر بٹھا دیں۔ میری ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔" جاوید قریشی نے مجھے ہنستے ہوئے کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ عجیب تماشا ہو رہا تھا۔ وہ لوگ نظر آ رہے تھے جن کا تعلق صرف اور صرف مجھ سے تھا، لیکن سارے کے سارے مجھ سے باغی نظر آ رہے تھے۔ میں اسے بغاوت ہی تصور کرتا تھا کہ مجھے اس بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی گئی تھی اور یہ سب یہاں یکجا ہو گئے تھے اور تو اور تھوڑی دیر کے بعد اُستاد جُمّو تے بھی نظر آئے، جب کہ میں اس وقت فلیٹ سے ہی تیار ہو کر یہاں آیا تھا اور اُستاد جُمّو نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کوٹھی پہنچنے والے ہیں۔ حیرتیں یہیں محدود نہ رہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جیلر وقار احمد صاحب، ایس پی بابر جان، انسپکٹر غالب اور خصوصاً بدر شاہ بھی پہنچ گئے۔ میں چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ ان سب کو دیکھ رہا تھا، مہمانوں کی کافی بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی اور ان کے لیے بڑی خوبصورتی سے نشستیں لگا کر اُنہیں ترتیب سے بٹھا دیا گیا تھا۔ کچھ کچھ صورتِ حال سمجھ میں آ رہی تھی، لیکن اتنا بڑا کام اتنی رازداری سے ہو جائے گا۔ اس کی مجھے کم از کم آشیانے والوں سے اُمید نہیں تھی اور ان تمام لوگوں نے آشیانے والوں کی اس سازش میں برابر کا حصہ لیا تھا، جو اس وقت یہاں موجود تھے، پھر شاید مہمانوں کی تعداد پوری ہو گئی اور شوکت جاہ صاحب میرے نزدیک آئے۔

"آیئے مہمانِ خصوصی صاحب! براہِ کرم اپنی کرسی پر تشریف رکھیے۔" اُنہوں نے میرا بازو پکڑ لیا اور میں نے کہا۔

"انکل کسی کو اگر کسی تقریب میں مہمانِ خصوصی بنایا جاتا ہے تو اُس کی اجازت بھی ضروری ہوتی ہے، مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زبردستی یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے۔"

"اپنے محسوسات آپ اپنی سیٹ پر تشریف رکھنے کے بعد بتایئے گا۔ ہمارے پروگرام کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس میں دیر ہو جائے گی۔" اُنہوں نے کہا۔ میں خود کو سنبھال کر کرسی پر جا بیٹھا۔ اچھا خاصا ڈراما رچا لیا گیا تھا۔ مزے دار بات یہ تھی کہ ڈیڈی بھی اس میں برابر کے شریک لگ رہے تھے اور اس انوکھی محفل کا آغاز انکل شوکت ہی نے کیا۔ اُنہوں نے کہا۔

"خواتین و حضرات! آپ لوگوں کو جس رازداری کے ساتھ آج کی اس تقریب میں مدعو کیا گیا تھا، اُس کی لاج رکھنے پر عزت افزائی کے لیے شکرگزار ہوں۔ آپ نے نہایت خاموشی اور رازداری سے ہماری اس درخواست کو قبول کیا۔ میں اور آئی جی عطرت حسین ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آج کی یہ تقریب ایک ایسی شخصیت کے اعتراف کے طور پر ہے، جسے کم از کم اس کوٹھی میں متنازعہ سمجھا گیا۔ اس کوٹھی کے مکین یہ اعتراف کرنے میں عار محسوس نہیں کرتے کہ اُنہوں نے شارق حسین سے شدید اختلاف کیا اور ان کی تمام تر کارکردگی کو سوچوں کو سرکشی تصور کیا۔ دوسرے اپنے اپنے خیالات کا... اظہار اپنے طور پر کریں گے۔ میں اس کی ابتدا کیے دیتا ہوں، کیونکہ مجھے اس کی اجازت عطرت حسین کی طرف سے ملی ہے۔

خواتین و حضرات! میں ایک پردیسی ہوں، عمر کا زیادہ حصہ وطن سے باہر گزارا۔ وطن واپس آیا تو مجھے میری بیٹی جاوداں کو احساس ہوا کہ ہم نے وطن سے دُور رہ کر بہت کچھ کھویا ہے۔ اُلجھنیں، دقتیں... اپنی جگہ ہوتی ہیں جو ترکِ وطن کے لیے مجبور کر دیتی ہیں، لیکن دیارِ غیر میں جا کر وطن کو فراموش کر دینا خود فراموشی ہے کیونکہ مٹی وہیں لاتی ہے جہاں سے اُس کا خمیر اُٹھتا ہے۔ میں اپنے اس فیصلے پر بہت خوش ہوں کہ میں اپنی بیٹی کے ساتھ وطن واپس آ گیا اور اب میرا یہاں سے واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مختصر الفاظ کے بعد میں تھوڑا سا اپنے جذبات کا اظہار شارق حسین کے بارے میں کروں گا۔ اس نوجوان کی روشن اور کشادہ پیشانی چمکتی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر میرے تجربے نے یہی کہا تھا کہ یہ ایک غیر معمولی لڑکا ہے اور حالات نے یہ بات ثابت کر دی۔ اُس نے اپنے پیشے کی مطابقت سے جو نئے اسلوب تراشے ہیں، وہ باعثِ فخر ہیں۔ وہ صرف ایک وکیل بن کر فیس وصول کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اُس سے زیادہ اپنے پیشے کی مطابقت سے ایک انسان بن کر جُرم کی گہرائیوں میں اُترتا ہے اور بالآخر اصل مجرم تلاش کر لاتا ہے۔ اس سلسلے میں میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اُسے غیبی امداد حاصل ہے۔ یہ امدادِ غیب سے متعین کردہ افراد کی شکل میں ہو یا اُس کے ذہن و بدن میں ہو۔ اس کے بغیر وہ حیرت ناک کارکردگی ممکن نہیں ہے۔ میں نے بہت سے پہلے واقعات میرے علم میں آ چکے ہیں اور آپ لوگ ان واقعات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ میں شارق حسین کو اس بہترین دور میں اتنی نیک نفسی مل جانے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ایک چھوٹا سا تحفہ اس کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔" شوکت صاحب نے ایک بکس میرے سامنے رکھ دیا۔ میں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ پھر ڈیڈی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آشیانے کا ایک پرندہ آوارہ قرار دے دیا گیا تھا، لیکن پتا چلا کہ وہ آشیانے کا وقار ہے۔" امجد حسین صاحب نے فخر کا اظہار کیا کہ وہ میرے بھائی ہیں۔ نصرت حسین صاحب نے بھی اعتراف کیا کہ وکالت کی دُنیا میں شارق حسین کی کارکردگی ایک انوکھی روایت کی حامل ہے۔ ایس پی طارق حسین کے الفاظ بھی بہت خوبصورت تھے۔ وقار صاحب نے بڑی عقیدت سے کہا کہ شارق حسین کے کسی کام آ کر اُنہیں روحانی خوشی نصیب ہوتی ہے۔ فاروقی صاحب کو جب اظہارِ خیال کے لیے بلایا گیا تو کافی تالیاں گونجی تھیں، جس کی ابتدا ڈیڈی نے کی اور کھڑے ہو کر کہا کہ شارق کی شخصیت کی تکمیل میں فاروقی صاحب کا ہاتھ ہے۔ اُنہوں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا کہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ اپنی طویل ترین پیشہ ورانہ زندگی میں وہ اپنا مقام حاصل نہیں کر سکے تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اس اعلیٰ ترین ذہنیت کے مالک نہیں تھے، جو اس پیشے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ میں نے ایک ایسی زندگی اپنائی، جس میں ایک درمیانہ وقت گزر رہا تھا، لیکن میری دلی آرزو یہی رہی تھی کہ کسی طور مجھے بھی کوئی مقام حاصل ہو سکے اور یہ آرزو تشنۂ تکمیل تھی کہ امدادِ غیبی ہوئی اور شارق حسین سے میری ملاقات ہو گئی۔ سچائی تو یہ ہے کہ میں نے بھلا شارق حسین کو کیا سہارا دیا۔ شارق حسین نے میری وکالت کو سہارا دیا اور اُس کے گواہ امجد حسین... اور

[illegible] تھا [illegible] ایک
[illegible] کو تلاش کر لیا جاتی ہو [illegible]
[illegible] فارق [illegible] اور مجھے بھی [illegible] کی
[illegible] اٹھا لیا۔ یہ ان کی نہیں میری خوش نصیبی ہے . . .
جاوید قریشی وغیرہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ فریال نے آنسو بھری آنکھوں سے اپنی مختصر داستان سُنائی۔ پھر [illegible] نے اپنے مخصوص لہجے میں اپنی زندگی کے بارے میں بتایا۔ شدّت جذبات میں پھُوٹ پھُوٹ کر رو دی تھی اور تمام ہی لوگ بے حد متاثر ہُوئے تھے۔ آنسو بھری آوازمیں نوشابہ سلیم نے بھی چند الفاظ کہے اور کہا کہ وہ آبروؤں کا محافظ ہی نہیں بلکہ روشن مستقبل بھی دیتا ہے۔ پتا نہیں خدا اس شخص کو اُن نیکیوں کے صلے میں کیا کیا دے گا۔ نگہت شیراز سے جب یہ کہا گیا کہ وہ بھی کچھ کہے تو اُس نے کہا۔
" میں شارق حسین کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔" پھر ایس پی بابر جان، انسپکٹر غالب اور بدر شاد کو بھی اظہار خیال کے لیے کہا گیا۔ ایس پی بابر جان نے بڑی تعریف و توصیف کی میری اور انسپکٹر غالب نے کہا۔
" او جی دُنیا میں دو ہی غالب ہیں، ایک انسپکٹر غالب اور ایک شارق حسین، جو ہر اُس شخص پر غالب ہے، جو بُرائیوں کی جانب قدم اُٹھاتا ہے اور کسی طرح اُس کی نگاہوں میں آ جاتا ہے" تحفے تحائف کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ یہ تقریب پونے نبجے تک جاری رہا اور اس کے بعد شوکت صاحب نے پُر تکلف ڈنر کے لیے سب کو دعوت دی مجھے حیرت تھی اس پروگرام کی ترتیب میں واقعی کمال کر دیا گیا تھا۔ کوئی بھی تو ایسا نہیں تھا جس نے مجھے ان دعوت ناموں کی ہَوا لگنے دی ہو۔ غالباً سب سے یہ کہا گیا تھا کہ شارق کو اس بارے میں کچھ نہ معلوم ہونے پائے اور سب نے ڈیڈی سے تعاون کیا تھا۔ یہ ایک دلچسپ تقریب تھی۔ لوگوں کے جذبات خیالات مجھ تک پہنچے اور مجھے رُوحانی خوشی نصیب ہُوئی تھی۔
بہت دیر تک یہ تقریب جاری رہی۔ ڈنر کے بعد میں لوگ کافی دیر تک ٹھہرے اور اس کے بعد ایک ایک کر کے رُخصت ہو گئے۔ ڈیڈی، شوکت انکل اور تمام بڑے سب اپنی اپنی نشست گاہوں میں چلے گئے۔
دوسری صبح ناشتے کی میز پر ڈیڈی نے مجھ سے کہا کہ کوئی بھی ایسا مسئلہ ہو، جس میں مَیں پاؤں پھنساؤں تو اُنہیں اُس سے ضرور آگاہ کیا جائے۔ میں نے بھی وعدہ کر لیا کہ اس وقت جب اس راز کو منظرِ عام پر لایا جا سکتا ہو، میں اُن ہی سے اس موضوع پر گفتگو کروں گا۔ یوں آج کا دن شروع ہُوا تھا اور خاصا خوش گوار تھا کیونکہ کوئی ایسی مصروفیت بھی نہیں تھی۔ پھر کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ اس دوران جاوید قریشی فاروقی صاحب، اُستاد جُمّن اور دوسرے تمام لوگوں سے میری ملاقاتیں ہُوئیں اور اس تقریب کے دعوت ناموں کے بارے میں اُنہوں نے بتایا کہ ان سے رازداری کا حلف لیا گیا تھا اور بات چونکہ ایسی نہیں تھی بلکہ ایک گھر کا معاملہ تھا۔ اس لیے اُنہوں نے یہ رازداری برتی ہے، مجھے اس پر کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ معمولاتِ زندگی پھر سے معمول کے مطابق چلنے لگے۔ فاروقی صاحب کے کیسز میں اُن کا ساتھ دے رہا تھا۔ جاوید قریشی بھی ساتھ تھے، لیکن کوئی ایسا معاملہ نگاہوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ جو میری توجہ کا باعث ہوتا۔
ایک دن باسط رانا اور اعجاز مفتی مل گئے۔ کورٹ میں ہی ملاقات ہو گئی تھی۔
" ہیلو شارق صاحب!" باسط رانا نے آگے بڑھ کر کہا۔ اور میں ٹھٹک گیا۔
" کیسے مزاج ہیں باسط صاحب؟"
" بھئی کئی دن سے تمہارے ساتھ ایک پیالی چائے پینے کے بارے میں سوچ رہا ہُوں۔"
" ایک پیالی چائے کے لیے آپ نے اتنے دن کیوں سوچا رانا صاحب؟" میں نے ہنستے ہُوئے کہا۔
" تم اکیلے ہاتھ ہی نہیں آتے بھی۔ فاروقی صاحب تو اب تمہارا سایہ بن چکے ہیں۔"
" وہ میرے اُستاد ہیں۔" مَیں نے کہا۔
" اُستاد؟" باسط رانا نے طنزیہ انداز میں مُسکراتے ہُوئے کہا۔ اور میں اُسے دیکھنے لگا۔ رانا پھر بولا۔ "اُن کی اُستادی کے تو ہم قائل ہو گئے کہ اُنہوں نے بڑی ذہانت سے تمہارا سہارا لے کر اپنی دُکان چمکائی۔"
" رانا صاحب! وہ میرے بزرگ بھی ہیں۔"
" اوہ، ہاں بھئی موضوع وہ نہیں ہے آؤ بار رُوم میں بیٹھیں گے۔" بار رُوم میں پہنچ کر رانا نے کہا۔ "ہمارا پیشہ وکالت ہے۔ مؤکل ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم اُن کی وکالت کرتے ہُوئے ایک دوسرے کے مخالف بھی جاتے ہیں، مگر صرف اس وقت

جب عدالت میں اپنے دلائل پیش کر رہے ہوں۔ کیا اس کے بعد بھی ہمارے درمیان کسی اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے؟"
" میرے خیال میں نہیں۔"
" پھر تمہارا رویّہ کشیدہ کیوں ہے؟"
" قطعی نہیں، یہ صرف آپ کا احساس ہے۔"
" ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو، خیر چھوڑو، یہ بتاؤ قیصر پرویز سے تمہارا انتقام ختم ہو گیا؟"
" انتقام . . .؟"
" وہ اپنی زندگی کے بدترین دَور سے گزر رہا ہے میرے خیال میں اب وہ قابلِ رحم ہے۔"
" ہو سکتا ہے . . ."
" تم اگر اس کی کچھ مدد کر سکو تو بڑے فائدے ہو سکتے ہیں۔ تمہارا مقصد تمہارے معیار کے مطابق پورا ہو چکا ہے، اب اُس کے ساتھ تھوڑی سی رعایت کر دو تو اُس کے عوض . . ."
" اوہ، تو یہ ہے آپ کی چائے کی ایک پیالی۔ سوری رانا صاحب! میں بس یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس چائے کی نوعیت کیا ہے۔ ویری سوری مَیں یہ چائے نہ پی سکوں گا۔" رانا ہکا بکا رہ گیا۔ مَیں وہاں سے اُٹھ گیا۔ بہرحال، اس کے بعد رانا کی جرأت نہ ہو سکی اور وقت گزرتا رہا۔ پھر اس دن فاروقی صاحب کا بھی کوئی کیس نہیں تھا۔ ہم دفتر میں بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے کہ انسپکٹر غالب اچانک دفتر پہنچ گیا۔ ہم نے ہنستے مُسکراتے ہوئے اُس کا استقبال کیا تھا۔
" خیریت، بتاؤ انسپکٹر غالب . . .!"
" خیریت نہیں ہے شارق بھائی جی!"
" اوہو، کیا ہو گیا؟"
" کمال ہو گئی ہے جی! ٹریفک والے ایک بندے کو اسپتال میں لائے ہیں۔ کوئی گاڑی مار کر بھاگ گئی تھی بےچارہ بے ہوش ہے اور ابھی تک ہوش میں نہیں آیا ہے۔"
" سر میں چوٹ ہے؟" فاروقی صاحب نے پوچھا۔
" ہم نے اسپتال جا کر معلومات حاصل کی ہیں۔ سر میں کوئی خاص چوٹ نہیں ہے، لیکن حد سے زیادہ کمزوری ہے، کوئی بڑی چوٹ بھی نہیں ہے مگر بےچارہ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہے۔ اُس کے پاس کالے رنگ کے کپڑے کا ایک بٹوا ملا ہے جی! وہ بڑا والا۔ اس بٹوے میں کئی پرانے اخبار ہیں، جو بڑی احتیاط سے رکھے ہُوئے ہیں۔ جیب میں سے ایک سو دس روپے نکلے ہیں اور ایک سب سے خاص چیز بھی ایک پتا ہے جو اُس کی جیب میں موجود ہے۔"
" واقعی کمال ہو گئی غالب جی! اُس کا نام اور پتا کیا ہے؟" مَیں نے کہا۔
" یہی تو کمال ہُوئی ہے شارق بھائی جی! کوئی نام پتا نہیں ہے، بس ایک لانڈری کی رسید برآمد ہُوئی ہے، جس پر کُرتے چار عدد پاجامے دو، بڑے دو چھوٹے، دو بنیان اور دو زنانہ قمیص درج ہیں۔ پچھلے مہینے کی بائیس تاریخ کو کپڑے لانڈری میں ڈالے گئے ہیں۔" انسپکٹر غالب نے مسخرے پن سے کہا۔
" گڈ، رسید پر نام تو لکھا ہو گا؟"
" ہاں جی لکھا ہے۔"
" کیا . . .؟"
" زیب النسا لانڈری، اُجلی دُھلائی کے ماہر، راتب روڈ روشن آباد بستی۔"
" کیا بات ہے غالب! بہت پُر مذاق ہو رہے ہو؟ . . . رسید پر اُس کا نام بھی ہوتا ہے، جس کے کپڑے ہوتے ہیں۔"
" ہاں جی، وہاں لکھا ہے بڑے صاحب۔"
" بس . . .؟"
" ہاں جی۔"
" رسید روشن آباد کی ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہ وہاں سے آیا ہے مگر میرا پتا! اس کا کیا مطلب ہے۔ بہرحال اس رسید سے تو پتا چل سکتا ہے، عمر کیا ہو گی؟"
" بس جی یہی کوئی پینتالیس، پچاس کے بیچ۔ ٹریفک انسپکٹر خُداداد نے اُسے اسپتال پہنچایا ہے۔ مَیں اس وقت علاقے کے تھانے میں تھا۔ آپ کا پتا دیکھ کر اُنہوں نے مجھے خبر کی۔ ایک اور بھی اطلاع ہے شارق بھائی جی۔"
" وہ بھی سُنا دو۔"
" بیگ میں جو پُرانے اخبار ہیں نا شارق بھائی جی! یہ وہ ہیں، جن میں آپ کے کارنامے چھپے ہیں۔"
" انسپکٹر غالب . . .!"
" کمال ہو گئی جی! رفتہ رفتہ خبریں سُنا رہے ہیں۔ اس سے کوئی نتیجہ اخذ ہوتا ہے شارق بھائی جی۔"
" کون سے اسپتال میں ہے وہ . . .؟"
" پولیس اسپتال میں، چوٹ کوئی اہم نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے دیکھ لیا ہے۔ اس لیے کسی دوسرے اسپتال میں نہیں پہنچایا۔"

"[illegible] پھولوں کا [illegible] فاضل صاحب جانتا ہوں" میں نے

[illegible] "چلو غالب!"

غالب میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ اُس کے پاس پولیس جیپ موجود تھی۔ میں اُس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور غالب نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ چند لمحات مکمل خاموشی رہی، پھر میں نے کہا۔

"غالب! تم نے اُس کے پرس میں موجود کاغذات، میرا مطلب ہے اخبارات خود دیکھے ہیں؟"

"ہاں جی... وہ دراصل کچھ عجیب سے معاملات ہو گئے ہیں۔ دو پارٹیاں بن گئی ہیں۔ ایک پارٹی وہ ہے، جو آپ کے خلاف ہے اور دوسری پارٹی ہماری ہے۔ آپ کے خلاف والی پارٹی ان لوگوں کی ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ شہر کے بڑے آدمیوں کو جرم کی سزا نہیں ملنی چاہیے کیونکہ اُن سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور پولیس والوں کو انہیں نظر انداز کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرے ہم ہیں، جو آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں۔ بڑے طعنے ملتے ہیں ہمیں مگر گردن بھی ہماری ہی اونچی ہے۔ خُداداد ہماری پارٹی کا آدمی ہے اور آپ کا پرستار ہے۔ آپ کے کارنامے بڑے شوق سے سُنتا ہے۔ کئی بار کہہ چکا ہے کہ اُسے آپ سے ملواؤں۔ ٹریفک میں ہے اس لیے ابھی تک جُرم کے کسی مسئلے میں آپ تک نہیں پہنچا۔"

"ہوں... تو یہاں سے اسپتال ہی چلیں گے پہلے، اُس کے بعد خُداداد سے ملاقات کریں گے۔"

"ہو سکتا ہے، وہ بھی اسپتال ہی میں مل جائے جی!"... انسپکٹر غالب نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پولیس اسپتال پہنچ گئے۔

میرے ذہن میں عجیب سی خلش ہو رہی تھی۔ وہ اخبار، جن میں میرے بارے میں تفصیلات لکھی تھیں اور وہ چٹ، مجھے یوں لگ رہا تھا، جیسے کوئی مظلوم آواز مجھے میرا نام لے کر پکار رہی ہو۔ بس یہ اندرونی کیفیت تھی، جسے عجیب کہا جا سکتا تھا۔ انسپکٹر غالب کی رہنمائی میں میں اُس وارڈ میں پہنچ گیا، جہاں وہ بے ہوش شخص لیٹا ہُوا تھا۔ اُس پر مسلسل بے ہوشی طاری تھی اور نرس اُس کا چارٹ دیکھ رہی تھی۔ پولیس کا ایک آدمی وہاں موجود تھا۔ انسپکٹر غالب نے اُس سے خُداداد کے بارے میں پوچھا تو اُس نے کہا کہ انسپکٹر صاحب ابھی تھوڑی دیر پہلے واپس گئے ہیں اور اس وقت فلاں جگہ ملیں گے۔

میں انسپکٹر غالب پر کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔ میری نگاہیں اس بے ہوش شخص کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لمبے چوڑے بدن کا مالک تھا، لیکن چہرہ زبوں حالی کی تصویر، آنکھوں کے گرد حلقے، ہونٹ خشک، اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی مُردنی چھائی ہُوئی تھی۔ ایک ہی نگاہ میں وہ انتہائی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لباس اور وضع قطع سے بھی لگتا تھا کہ تعلق کسی بہتر خاندان سے ہے، لیکن مالی حالت بہتر نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ڈاکٹر نے ابھی اُسے اسپتال کا لباس نہیں پہنایا تھا۔ ہو سکتا ہے اُسے یہاں زیادہ دیر نہ رکھا جائے۔ میں نے اُس کی کیفیت دیکھنے کے بعد ایک ڈاکٹر سے رجوع کیا اور اُس سے نہایت عاجزانہ انداز میں اس مریض کے بارے میں پوچھا۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"دیکھیے طارق صاحب! کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بڑے ڈاکٹر صاحب آنے والے ہیں۔ پورا کیس اُن کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر فیصلہ ہوگا کہ کیا کیا جائے۔ ویسے اصولی طور پر اسے ہوش میں آ جانا چاہیے تھا کیونکہ کوئی اوپری چوٹ ایسی نہیں ہے، جو باعثِ تشویش ہو، جسم پر معمولی سی چوٹیں آئی ہیں، جن پر مرہم وغیرہ لگا دیا گیا ہے۔ دماغ کے بارے میں دو ہی صورتیں ہیں یا تو کوئی اندرونی چوٹ لگی ہے یا پھر کوئی ایسا ہی صدمہ ہے، جس نے بے ہوشی طویل کر دی ہے۔" اتفاق کی بات ہے کہ آر ایم او صاحب اُسی وقت آ گئے اور انسپکٹر غالب نے اُن سے اس شخص کے بارے میں پوچھا۔

وارڈ کے انچارج نے تمام چارٹ دیکھے اور پھر کسی قدر تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

"بہتر ہے کہ انہیں کسی اور اسپتال میں منتقل کر دیا جائے کیونکہ عام بے ہوشی اتنی طویل نہیں ہونی چاہیے۔"

"ڈاکٹر صاحب! میں انہیں اپنے طور پر کسی اچھے اسپتال میں داخل کرانا چاہتا ہوں۔"

"بھئی پولیس آپ کے ساتھ ہے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر غالب نے وہیں سے فون کر کے انسپکٹر خُداداد کو طلب کر لیا، جس کا یہ کیس تھا اور انسپکٹر خُداداد تھوڑی ہی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ مجھ سے وہ بڑی گرم جوشی سے ملا تھا اور میرے بارے میں اس نے بہت سے تعریفی کلمات کہے تھے۔ میری خواہش پر اُس نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا منع کرنے کا، جہاں آپ چاہیں۔"

پھر میں اس مظلوم شخص کو ان دونوں کی مدد سے ایک اور اسپتال لے گیا اور وہاں میں نے اُسے اپنے اخراجات پر ایک پرائیویٹ کمرہ دلوا دیا۔ پولیس کے معاملات اپنی جگہ تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے اُس کی بہتر نگہداشت کے لیے کافی بھاگ دوڑ کی تھی اور کافی اعلیٰ قسم کے بورن سرجن سے رابطہ قائم کر کے اپنی نگرانی میں اس شخص کا معائنہ کرایا تھا۔ اس معائنے کی رپورٹ ذرا دیر بعد ہی ملی تھی۔ اس کے لیے مجھ سے کچھ وقت طلب کر لیا گیا تھا۔ خُداداد مکمل طور پر میرے ساتھ تھا۔ اس نے وہ کاغذ مجھے دکھایا، جو اس شخص کی جیب سے برآمد ہُوا تھا۔ لانڈری کی رسید بھی دکھائی اور اس کے بعد وہ اخبارات بھی جو اُس کے بیگ میں ملے تھے۔ یہ مُڑے تُڑے اخبارات کافی پرانے تھے اور انہیں کافی احتیاط سے رکھا گیا تھا۔ بلاشبہ انسپکٹر غالب کا کہنا درست تھا۔ یہ سارے اخبارات وہ تھے، جن میں میرے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا اور مجھ سے عقیدت کا اظہار بھی۔

حالات کا ایک خاکہ سا ذہن میں ضرور بن رہا تھا۔ یہ شخص یقینی طور پر کسی مصیبت کا شکار ہے اور ان اخبارات میں میرے بارے میں پڑھتا رہا ہے۔ اخبارات کو اُس نے خصوصی طور پر جمع کیا ہے اور پھر کسی بھی طرح میرا پتا حاصل کرنے کے بعد مجھ سے ملنے یہاں آیا کہ حادثے کا شکار ہو گیا۔ میرے خیال کے مطابق یہی صورتِ حال تھی اور اب مجھے آگے کے اقدامات کرنے تھے۔ لانڈری کی رسید سے میں نے وہ پتا حاصل کر لیا اور اس کے بعد ڈاکٹروں کو، انسپکٹر خداداد کو اور انسپکٹر غالب کو اس شخص کی بہتر نگہداشت کے لیے ہدایات دے کر باہر نکل آیا۔ انسپکٹر غالب نے مجھے پیش کش کی کہ وہ مجھے اپنی گاڑی میں ہی چھوڑ دے گا اور میں نے اُس سے معذرت کرتے ہُوئے کہا۔

"نہیں انسپکٹر! تمہاری ذمّے داریاں مختلف ہیں۔ میں چلا جاؤں گا، لیکن ایک بات اور سُن لو...!"

"بولو جی! مسئلہ ہی نہیں ہے کوئی۔"

"اس شخص پر میں تمہاری خصوصی توجہ چاہتا ہُوں۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔"

"نہیں انسپکٹر غالب! ایک اور شبہ بھی ہو سکتا ہے اس بات کے امکانات ہیں کہ کسی نے اُسے میرے پاس پہنچنے سے روکنے کی کوشش کی ہو اور اُس کی جان لینے کے چکر میں ہو، لیکن بدحواسی میں بھرپور وار نہ کر سکا ہو اور یہ صرف زخمی ہی ہو گیا ہو۔"

انسپکٹر غالب چونک کر مجھے دیکھنے لگا، پھر بولا "کمال ہو گئی جی! یہ بات بھی صرف آپ کا دماغ ہی سوچ سکتا ہے۔ بات سمجھ میں آتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی جان کو بھی خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں غالب! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"تو پھر پروا ہی نہ کریں جی، چھ آدمی لگا دیں گے ہم، اس کے اسپیشل کمرے کے آس پاس۔ اتنا تو ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"اس کی زندگی کی حفاظت تمہیں کرنی ہے۔ حالانکہ یہ صرف ایک شبہ ہے، لیکن ہم کسی بھی شبہے کو نظر انداز نہیں کر سکتے غالب!" میں اُسے تمام ہدایات دے کر وہاں سے نکل آیا۔ راستے ہی میں مجھے کوئی خیال آیا اور میں نے سیدھا نگہت شیراز کے دفتر کا رُخ کیا۔ وہ اس وقت اپنے دفتر میں ہی مل سکتی تھی اور یہ اندازہ درست نکلا۔ وہ ایڈیٹر صاحب سے کسی مسئلے پر بحث کر رہی تھی۔ میری اطلاع ملی تو وہ فوراً ہی وہاں سے نکلی اور حیرانی سے بولی۔

"باس! اب آپ کا دائرہ عمل بہت وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں تک چھاپے مارنے لگے آپ..."

"ناگوار گزرا نگہت...؟"

"نہیں باس... یہ تو میری خوش بختی ہے۔ ایڈیٹر صاحب کو چکّر دے رہی تھی لیکن پتا نہیں آج کل کیا کھا رہے ہیں، چالاک ہو گئے ہیں۔ پتا چلا کہ بیگم صاحبہ آج کل میکے گئی ہُوئی ہیں اور تقریباً دو ماہ بعد واپس آئیں گی۔ ایڈیٹر صاحب کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں ہے، ویسے بھی ذرا کچھ بہتر صحت ہو رہی ہے۔"

"اچھا آؤ آؤ... بحث کس سلسلے میں ہو رہی تھی ایڈیٹر صاحب سے؟" میں نے اس کے آفس میں بیٹھتے ہُوئے کہا۔

"اوہ، باس! بس یہ معمولی سا دفتر ہے، کچھ چائے یا ٹھنڈا؟"

"پلاؤ...!" میں نے کہا اور نگہت نے اپنے چپراسی سے چائے لانے کے لیے کہا، پھر بیٹھتی ہُوئی بولی۔

"مگر باس! اِدھر نکل کیسے آئے آپ...؟"

"تم سے کام تھا؟"
"ہاں بھائی صاحب سے بس ایک خبر کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ آج کل وہ نہا رہا ہے اس لیے عموماً لڑکیوں سے بحث کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"
"وہ بھی تم جیسی لڑکی سے۔"
"کیوں باس! مجھ میں کوئی کمی ہے؟"
"بھئی میں اس سلسلے میں کوئی تبصرہ کرنے نہیں آیا ہوں تمہیں چھٹی کرنی ہوگی تمہیں دو تین دن کی۔"
"تو یہ کوئی کہنے کی بات ہے چیف! چھٹی کر لی جائے گی۔ ویسے بھی ایڈیٹر صاحب کی شکل دیکھ دیکھ کر کمزور ہو رہی ہوں آج کل۔ کچھ زیادہ ہی طلب کرنے لگے ہیں اپنے آفس میں۔"
"ہوں، خیر چھٹی کرنے کے لیے کوئی دقت تو نہیں ہوگی؟"
"ارے پروا کون کرتا ہے اُن کی... آپ کام بتائیں۔"
"تمہیں روشن آباد جانا ہے اور وہاں سے ایک لانڈری کا پتا معلوم کرکے ایک بوڑھے آدمی کا پتا معلوم کرنا ہے۔ تھوڑی سی تفصیل اور سُن لو کہ مجھے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔" میں نے نگہت شیراز کو اس سلسلے میں مکمل تفصیلات بتائیں اور نگہت شیراز سنجیدہ ہوگئی۔ چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد اُس نے کہا۔
"یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے ساری تفصیلات بتا دیں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے دیر نہیں کرنا چاہیے، پتا نہیں... بے چارہ کون ہے، کس مصیبت کا شکار ہے اور اُس کے لواحقین میں جانے کون کون شامل ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اُس کے لواحقین سے بھی ملاقات کر لوں؟"
"ضرور، لیکن صورتِ حال تم خود بہتر سمجھتی ہو، جیسی بھی پوزیشن دیکھو اُس انداز میں بات کرنا کوئی پریشان نہ ہو جائے۔"
"ٹھیک ہے، آپ اطمینان رکھیں۔"
"چلنے کا شکریہ نگہت! میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔"
"اوکے چیف!" نگہت نے کہا اور میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ اس سلسلے میں نگہت سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کس طرح کام کرے گی۔ چنانچہ اس سمت سے میں بالکل مطمئن ہوگیا تھا۔
نامعلوم شخص ابھی تک ہوش میں نہیں تھا اور ڈاکٹر اس سلسلے میں تشویش کا شکار تھے۔ اب اُس کے ذہن کا باقاعدہ جائزہ لے کر اس خدشے کا اظہار کیا جا رہا تھا کہ اتنے طویل عرصے تک کی بے ہوشی، ہو سکتا ہے دماغ کی گہرائیوں میں کسی چوٹ کا نتیجہ ہو۔ اس سلسلے میں بھی جو کارروائیاں کی جا سکتی تھیں، وہ کی جا رہی تھیں۔ مجھے ان کارروائیوں کی رپورٹوں کا انتظار تھا، لیکن اس سے پہلے نگہت شیراز واپس آگئی۔ اُس نے مجھے فاروقی صاحب کے دفتر میں ہی تلاش کیا تھا۔
"ہیلو چیف!"
"ہیلو نگہت! میرا خیال ہے تم براہِ راست روشن آباد سے آ رہی ہو؟"
"ہاں چیف! آپ کا باتھ روم استعمال کروں گی۔"
"ضرور..." میں نے کہا اور اس کے بعد میں نے اُستاد چھُوٹے کو عمدہ قسم کی چائے اور اس کے ساتھ کھانے کے لوازمات لانے کے لیے کہا۔
نگہت اپنا حُلیہ مکمل طور سے دُرست کرکے باتھ رُوم سے برآمد ہُوئی اور میرے سامنے بیٹھ گئی۔
"چیف آپ کی ہدایت کے مطابق میں کام کر کے آئی ہُوں۔"
"مجھے یقین تھا۔" میں نے مُسکرا کر کہا۔
"اُس شخص کا نام اظہار طاہر ہے۔ روشن آباد میں ایک اچھی شخصیت میں شمار ہوتا ہے۔ مکان بہت خوبصورت ہے لیکن مکینوں کے چہروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عُسرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ معلومات کا آغاز لانڈری سے ہی کیا تھا اور لانڈری مین نے بڑے آرام سے گھر کا پتا بتا دیا تھا۔ خیر میں نے اُس سے تو کوئی بات نہیں کی۔ سیدھے اُس شخص کے گھر پہنچ گئی اور اب آپ اسے میری کوششیں کہہ لیں کہ میں نے فوراً ہی اُس گھر میں رسائی حاصل کر لی۔ اظہار طاہر کی بیگم ہیں، تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹیاں بھی تعلیم یافتہ ہیں اور چہرے سے پُروقار لگتی ہیں۔ بیگم صاحبہ بھی اچھی خاصی شخصیت کی مالک ہیں، لیکن گھر کے حالات کے بارے میں جیسا کہ میں نے کہا کہ زیادہ بہتر نظر نہیں آتے۔ پتا یہ چلا ہے کہ اُن کا بیٹا، جو اکلوتا بیٹا ہے، مُلک سے باہر گیا ہُوا ہے۔ اُس نے اِن لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور طویل عرصے سے اُن سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا۔"
"مُلک سے باہر...؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں غالباً ملازمت کے سلسلے میں کہیں گیا ہے، یہ بات بیگم صاحبہ کو بھی نہیں معلوم، لیکن میرا خیال ہے اُنہیں یہ بات معلوم ہے۔"
"کیا مطلب...؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"لڑکا جہاں بھی گیا ہے، بیگم صاحبہ یا لڑکیاں بتانا نہیں چاہتی ہیں۔"
"اوہ، ایک پُراسرار پہلو۔" میں نے کہا۔
"ہاں چیف! وہ مجھ سے بہت اخلاق سے پیش آئیں۔ مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہُوں اور کیوں یہ معلومات حاصل کر رہی ہُوں۔ چیف میں نے اُنہیں خُوب صورتی سے ٹال دیا اور صحیح صُورتِ حال نہیں بتائی۔ ویسے ان صاحب کے بارے میں میرا مطلب ہے، اظہار طاہر کے بارے میں بیگم صاحبہ کا خیال ہے کہ وہ کسی اہم مصروفیت میں ہیں۔ کوئی چھوٹی موٹی جائیداد ہے اُن کی، جس کا کرایہ وغیرہ آ جاتا ہے۔ جائیداد کا چکر چل رہا ہے اور اظہار طاہر اس کے لیے مصروف ہیں۔ میرے اس سوال پر کہ وہ ان دنوں کہاں گئے ہُوئے ہیں، بیگم صاحبہ نے کہا کہ اظہار طاہر صاحب اپنے معمولات گھر پر نہیں بتاتے۔ وہ ابھی بظاہر مطمئن ہیں لیکن یوں محسوس ہوتا ہے اندر سے مطمئن نہیں ہیں یا یہ کہ پریشانیوں کا شکار ہیں۔"
"گڈ... اور کوئی خاص بات...؟"
"نہیں چیف!"
"اظہار طاہر کرتے کیا تھے؟"
"میرا خیال ہے کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ بس یہی کچھ جائیداد وغیرہ کا مسئلہ تھا اور اُس کی آمدنی تھی۔"
"ٹھیک، بہت بہت شکریہ نگہت اور ظاہر ہے اس سے زیادہ اور کیا معلوم کیا جا سکتا تھا۔" میں نے کہا۔
"چیف! میں سفر سے آ رہی ہُوں اور سوچا تھا کہ چائے آپ کے پاس پی لوں گی۔ دراصل ٹرینوں میں جو چائے وغیرہ ملتی ہے..." ابھی نگہت کی بات پوری بھی نہیں ہُوئی تھی کہ اُستاد چھُوٹے بڑی سی ٹرے سنبھالے ہُوئے اندر آ گئے اور نگہت کی آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔
"شکریہ چیف! اس کے لیے بے حد شکریہ۔" نگہت بیٹھے اطمینان سے ان پلیٹوں پر مصروف ہوگئی۔
"آپ بھی لیں چیف!"
"ہاں ہاں شکریہ!" میں نے کہا اور چائے کی پیالی اُٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی۔ نگہت کھاتی رہی پھر بولی۔
"اور کوئی حکم...؟"
"فی الحال نہیں، ہاں ضرورت پیش آئی تو بتا دُوں گا۔ ویسے تمہاری کوئی ضرورت...؟"
"اوہ نہیں چیف شکریہ! ویسے آج کل حالات بہت اچھے چل رہے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ضرورت پیش آئی تو پھر آپ کے علاوہ اس دُنیا میں میرا کون ہے؟" نگہت نے کہا اور میں نے مُسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔
"اوکے! اب میں گھر جاؤں گی اور خوب آرام کروں گی۔ ٹرین کے سفر میں بھلا نیند کہاں آتی ہے۔"
"میں پہنچا دُوں؟"
"نہیں، یہ تاب، یہ مجال، یہ جرأت کہاں مجھے۔ ویسے بھی بس، ہو سکے تو اُستاد چھُوٹے سے ٹیکسی منگوا دیجیے۔" نگہت نے کہا اور میں نے اُستاد کو ہدایت کر دی اور وہ مجھ سے رُخصت ہوگئی۔
میں اظہار طاہر کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ یہ کوئی اہم معلومات نہیں تھیں۔ ایک بیوی، تین بیٹیاں، ایک بیٹا، جو باہر ہے اور بقول نگہت کے لاپتا ہے، جائیدادوں کا چکر بہرحال کوئی نہ کوئی چکر ہے ضرور، بہرحال ان معلومات سے میری دلچسپی میں کوئی کمی نہیں ہُوئی تھی۔ اظہار طاہر بے مقصد ہی مجھے تلاش کرتے ہُوئے یہاں نہ آئے ہوں گے۔ ان اخبارات سے انہوں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہوگا، اُس کی روشنی میں اُنہیں میری تلاش ہُوئی ہوگی۔ خوش قسمتی یہ ہُوئی کہ ابھی نگہت کو گئے ہُوئے ایک گھنٹا بھی نہیں گزرا تھا کہ اسپتال سے مجھے ٹیلی فون موصول ہُوا۔ ایک ڈاکٹر سے میں نے اچھی خاصی شناسائی حاصل کر لی تھی اور اُسی ڈاکٹر نے مجھے فون کیا تھا۔
"مبارک ہو جناب! ان صاحب کو ہوش آ گیا ہے۔"
"اوہ گڈ... ڈاکٹر! اس کا مطلب ہے کہ وہ تشویش جو آپ کے ذہن میں تھی؟"
"جی ہاں ٹل گئی۔ دراصل بے پناہ کمزوری خاص طور سے دماغی کمزوری نے اس بے ہوشی کو اتنا طویل کر دیا تھا... لیکن اب وہ ہوش و حواس میں ہیں اور اپنا نام اظہار طاہر بتاتے ہیں اور دلچسپ بات یہ کہ انہوں نے آپ کا نام بھی لیا ہے۔ کہہ رہے تھے کہ شارق حسین ایڈووکیٹ نامی ایک شخص سے ملاقات کے لیے یہاں آئے تھے کہ ایکسیڈنٹ

[illegible]
ان کو ابھی یہاں سے [illegible] اجازت دی جا سکتی ہے۔
[illegible] طور پر وہ مکمل تندرست ہیں اور اب ذہنی طور پر بھی...۔
شکریہ ڈاکٹر! میں آ رہا ہوں۔ میں نے کہا۔ اس کے بعد
[illegible] کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، چنانچہ میں تیزی
سے نیچے اترا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اسپتال چل دیا۔
اسپتال میں اظہار طاہر کے کمرے میں داخل ہو کر میں
نے بستر پر نگاہ ڈالی۔ اظہار طاہر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا
ہوا خلا میں گھور رہا تھا۔ کمرے میں اس وقت کوئی موجود نہیں
تھا۔ اس نے میری آہٹ پر چونک کر مجھے دیکھا۔ ایک لمحے کے
لیے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے اور میں
آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔
"میرا نام شارق حسین ہے!" اظہار طاہر کے بدن میں ایک
عجیب سی اینٹھن پیدا ہو گئی۔ اس نے شکر گزار نگاہوں سے مجھے
دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہر دور میں آپ جیسا ایک شخص ضرور پیدا ہوتا ہے
شارق حسین صاحب! میں بہت زیادہ الفاظ استعمال نہیں
کروں گا۔ میرے دل میں آپ کے لیے جو جذبات ہیں، وہ
اس وقت داغ دار ہو چکے ہیں کیونکہ میں اپنی ایک غرض
رکھتا ہوں۔" میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ
اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔
"یہ بتائیے آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"
"اب بالکل ٹھیک ہوں، مجھے علم ہو چکا ہے کہ میری
نگہداشت آپ کر رہے ہیں اور آپ نے مجھے پولیس
اسپتال سے منتقل کر کے یہاں پہنچایا ہے اور یہاں کے
اخراجات بھی آپ ہی برداشت کر رہے ہیں۔ یہ ساری
باتیں مجھے معلوم ہو چکی ہیں۔"
"یہ ساری باتیں قابلِ ذکر نہیں ہیں اظہار صاحب!"
"ہیں یا نہیں ہیں، میرا نظریہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی ہے
میں آپ سے انحراف نہیں کروں گا۔" اظہار طاہر نے کہا۔
"آپ کی جیب میں میرا پتا موجود تھا اور آپ کے
پاس موجود ایک پرس میں کچھ ایسے اخبارات، جن میں میرے
تذکرے کیے گئے تھے۔"
"ہاں، میں آپ ہی سے ملنے روشن آباد سے یہاں آیا تھا،
لیکن تقدیر میں جب حادثے ہوتے ہیں تو پے در پے ہوتے

[illegible] ہو گیا ہوں شارق صاحب!..."
اظہار طاہر نے کہا
"خیر آپ اطمینان رکھیے۔ میرے لائق جو بھی خدمت
ہوگی اس کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ ڈاکٹروں
کا خیال ہے کہ ابھی وہ چند گھنٹے آپ کو اپنی کڑی نگرانی میں رکھیں
گے اور اس کے بعد اجازت دے دیں گے۔"
"ایک عرض کروں تو اس پر غور فرمالیجیے گا۔ میں اب
بالکل ٹھیک ہوں۔ بس ذہنی طور پر شدید پریشان تھا، چھوٹا
سا حادثہ اتنی طویل بے ہوشی کا باعث بن گیا، لیکن آپ
مل گئے تو مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے، جیسے میری تمام
توانائیاں لوٹ آئی ہوں۔ ہو سکے تو مجھے یہاں سے آزاد کرا
دیجیے۔ اس کے بعد آپ کا بہت تھوڑا سا وقت لوں گا۔"
"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ میں ابھی ڈاکٹر
سے بات کیے لیتا ہوں اور میرا خیال ہے ڈاکٹر کو بھی اعتراض
نہیں ہوگا۔" میں نے کہا اور اٹھ کر باہر نکل آیا۔ باہر ڈیوٹی
ڈاکٹر سے گفتگو کی اور اس کے بعد ضروری کارروائیاں کرا کے
اظہار طاہر کو اپنے ساتھ باہر لے آیا۔
اپنی کار میں بٹھا کر میں نے فلیٹ ہی کا رُخ کیا۔ تھوڑی
دیر کے بعد ہم فلیٹ میں پہنچ گئے۔ میں نے یہاں سے فون
کر کے استاد چھوٹے سے صورتِ حال معلوم کی۔ فاروقی صاحب
واپس آ گئے تھے۔ میں نے استاد چھوٹے سے کہا کہ فاروقی
صاحب سے اجازت لے کر گھر واپس آ جائیں، مجھے کچھ کام
ہے ان سے... اور اس کے بعد اظہار طاہر کی طرف دیکھ کر بولا۔
"یہ بتائیں، میں آپ کو چائے پلاؤں؟"
"نہیں... یہاں اس فلیٹ میں اور کوئی نہیں معلوم ہوتا۔"
"ہاں، خالی میں ہی رہتا ہوں۔"
"ٹھیک، چائے کا تکلف نہ کریں، مجھے ضرورت نہیں محسوس
ہو رہی۔ ویسے ظاہر ہے بن بُلایا مہمان بن چکا ہوں تو کچھ نہ
کچھ کھاؤں گا، پیوں گا بھی... فی الحال آپ کے سامنے دل
کی بھڑاس نکالنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کا موقع دیں تو عنایت
ہوگی۔"
"آپ مجھے بتانے کہ کیا واقعہ ہوا ہے اور اس میں کوئی
تردد نہ کیجیے۔"
اظہار طاہر چند لمحات گردن جھکائے سوچتا رہا، پھر اس
نے کہا۔ "آپ کو علم ہو چکا ہے کہ میں روشن آباد کا رہنے والا

ہوں۔ وہاں میرے پاس چھوٹے موٹے دو مکانات اور ایک
دکان تھی۔ اسے آپ میری جائداد یا ذریعہ آمدنی سمجھ لیجیے۔ بیوی
ہے، تین بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا۔"
"جی مجھے معلوم ہو چکا ہے۔"
"کیا مطلب؟" اظہار طاہر نے چونک کر پوچھا۔
"یہ بات مجھے معلوم ہو چکی ہے۔" اور میں نے نگہت کی
رپورٹ مختصر الفاظ میں بتا دی۔
"اوہ خداوند عالم! آپ کو ترقی کی آخری منزل تک پہنچانے
یقیناً آپ کی یہی کارکردگی آپ کی روشن پیشانی کی زینت ہے،
خیر شارق صاحب! تو یوں سمجھ لیجیے کہ جائداد سے جو آمدنی
ہوتی تھی، وہ اس قابل نہیں تھی کہ میں اپنی تینوں بیٹیوں کو ٹھکانے
لگا سکتا اور اپنے بیٹے کو کوئی بہتر مستقبل دے سکتا۔ میرا بیٹا
ظفر اظہار تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ لڑکیوں نے بھی تعلیم حاصل کی
ہے۔ ظفر نے موجودہ صورتِ حال پر غور کرتے ہوئے اپنے لیے
کامرس کا شعبہ منتخب کیا اور یہی کام کرنے کے بعد وہ ملازمت
کی تلاش میں مصروف ہو گیا۔ گھر کے حالات کا ہم باپ
بیٹوں کے علاوہ کسی اور کو علم نہیں تھا، میرا مطلب ہے کہ
وہ معاملات کی سنگین نوعیت کو محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہم
نے ان معاملات کو اپنے تک ہی محدود رکھا تھا، ورنہ میری
بیگم بہت ہی متعاون خاتون ہیں، بیٹیاں بھی بہت ہی
نیک سیرت اور نیک فطرت ہیں، لیکن میرا مطلب آپ
سمجھ رہے ہوں گے شارق صاحب!"
"بے تکلفی سے کہتے رہیے، میں سب کچھ سن رہا ہوں۔
اور ان پر غور کر رہا ہوں۔"
"بہت عرصے تک ظفر نے ملازمت تلاش کی، لیکن
اس میں مکمل طور پر ناکام رہا۔ تمام سفارشیں اور تمام کوششیں
بے اثر رہیں۔ وہ بے حد ذہنی کوفت کا شکار تھا بے در پے...
ناکامیوں نے اسے ذہنی طور پر نڈھال کر رکھا تھا۔ مجھے اپنے
بیٹے کی اس پریشانی کا افسوس تھا، لیکن زمانہ بہت عجیب
ہے، جانے انسان کو کیا کیا برداشت کرنا پڑتا ہے۔
بہرطور، ہم لوگ اس سلسلے میں بھی کوششیں کرتے رہے،
ظفر نے اپنے تمام ذرائع استعمال کیے اور پھر ایک دن اس
نے مجھے ایک خوش خبری سنائی۔ اس نے کہا کہ مسقط میں جادا
آرگنائزرز کے نام سے ایک فرم نے اسے اپنے ہاں ملازمت
کے لیے منتخب کر لیا ہے اور ایک دو دن میں اسے اس

فرم کی طرف سے اپائنٹمنٹ لیٹر مل جائے گا۔ یہ خوش خبری واقعی
زندگی بخش تھی، لیکن زمانے کا تجربہ مجھے بتا چکا تھا کہ کام جس
وقت تک مکمل نہ ہو جائے اس کے بارے میں یقین کر لینا
حماقت ہے۔
بہرطور ہم انتظار کرتے رہے اور چند روز کے بعد جادا
آرگنائزیشن کی جانب سے ظفر کو نہ صرف اپائنٹمنٹ لیٹر موصول
ہوا بلکہ ایک فضائی ٹکٹ بھی۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ
فوری طور پر مسقط پہنچ کر اپنی ذمے داریاں سنبھال لے۔ اس
اپائنٹمنٹ لیٹر کی آمد کے بعد ہماری خوشیوں کی انتہا نہ رہی،
اور پھر تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں، پھر میں نے ظفر کو جہاز پر بٹھا
دیا۔ اس کے جانے کے بعد ہماری امیدوں کے چراغ روشن
ہو گئے تھے۔ وہ مسقط پہنچ گیا اور ہم لوگ اس کے سنہرے
مستقبل کے بارے میں تصورات قائم کرتے رہے۔ میں نے
ظفر کو ہدایت کر دی تھی کہ مسقط پہنچنے کے بعد فوری طور پر
اپنی خیریت اور اپنی ملازمت کی تفصیلات سے ہمیں آگاہ
کرے۔ چنانچہ اب ہم اس کے خط کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک
ایک ہفتہ، پندرہ دن اور اس کے بعد ایک مہینہ گزر گیا،
لیکن ظفر کی طرف سے کوئی خط موصول نہ ہوا شارق صاحب!
ایک ایک لمحہ تردد کا لمحہ تھا، ذہن کی اذیت بڑھتی جا رہی
تھی۔ وہ نوجوان تھا، ناتجربہ کار تھا، زندگی میں پہلی بار زندگی
سے لڑنے کے لیے نکلا تھا، ہزاروں وسوسے ہمارے دل میں
آتے رہے۔ وہ خط بھی موجود نہیں تھا، جو اپائنٹمنٹ لیٹر کی
شکل میں آیا تھا، ظاہر ہے وہ ظفر کے ساتھ تھا۔ کوئی ایسا
نشان نہیں تھا ہمارے پاس، جس کے ذریعے معلومات حاصل
کی جائیں۔ گھر والے بھی شدید ذہنی پریشانی کا شکار تھے۔ یوں
سمجھیں کہ ہمارے ہاں تباہی کا دور دورہ شروع ہو گیا تھا۔
میں ظفر کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا، جانتا تھا کہ وہ
انتہائی ذمے دار ہے اور کسی بھی طرح یہ نہیں کرے گا کہ وہاں
بیٹھ کر ہمیں نظر انداز کر دے۔ دو ہی چیزیں ہو سکتی تھیں یا
تو یہ محکمہ ڈاک کی غفلت یا پھر کوئی اور وجہ، جس کی بنا پر
ہمیں ظفر کا خیریت نامہ موصول نہیں ہوا۔ میں نے اپنے طور
پر ہر اس جگہ کھوج شروع کر دی، جہاں سے مجھے وہاں کے
بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ سرکاری طور پر بھی
میں نے معلومات حاصل کیں، لیکن ایک بنیادی نکتہ یہ رہا اس
دوران کہ مجھے جادا آرگنائزیشن نامی کسی فرم کا کوئی پتا نہیں معلوم

ہو گا۔ ہمیشہ ہی ایسے لوگوں سے بھی ملاقات کی جو مسقط میں ملازمت کرتے تھے یا ان کے لواحقین بھی یہاں موجود تھے۔ ان بے چاروں نے وہاں معلومات کیں، لیکن سب سے بڑی بات یہی باعثِ تشویش تھی کہ کوئی بھی جاوا آرگنائزیشن کے بارے میں تفصیلات نہیں بتا سکا۔ پھر جب دو مہینے گزر گئے تو میری قوتِ برداشت جواب دے گئی۔ اس دوران پتا نہیں کیسی کیسی پریشانیاں لاحق ہو گئی تھیں۔ یُوں سمجھ لیجیے کہ پاس پیسے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ نتیجے میں اپنی تھوڑی سی جائداد فروخت کرنا پڑی۔ پھر مَیں نے بہت سے پیسے خرچ کر کے مسقط کے لیے ٹرانزٹ ویزا حاصل کیا اور مسقط روانہ ہو گیا۔ مَیں نے خود بھی زندگی میں پہلی بار مُلک سے باہر قدم رکھا تھا۔ مسقط پہنچنے کے بعد مَیں جاوا آرگنائزیشن تلاش کرنے لگا۔ ہر وہ ذریعہ استعمال کیا، جو ممکن ہو سکتا تھا اور پھر مجھے یہ پتا چل گیا کہ کم از کم مسقط میں جاوا آرگنائزیشن نامی کوئی فرم نہ کبھی قائم ہُوئی اور نہ ہونے والی ہے۔ اس کے بعد مَیں نے اپنے دل کی تسکین کے لیے آس پاس کی ریاستوں میں بھی جاوا آرگنائزیشن کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ان پندرہ دنوں میں مَیں نے بہت کچھ خرچ کر ڈالا، لیکن مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آیا۔ میرے دل و دماغ کی جو کیفیت ہو سکتی ہے شاید بیٹے تم اس کا اندازہ نہ کر سکو کیونکہ تم تو ابھی خود نوجوان ہو۔ ایک باپ کا بیٹا گُم ہو جائے اور ایک ایسا بیٹا، جو اُس کا واحد سہارا ہو تو اُس پہ کیا بیتتی ہے۔ یہ وہی جان سکتا ہے۔ مسقط سے واپس آیا تو ہوش و حواس رُخصت ہو چکے تھے۔ اب میرے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا، جس سے مَیں اپنے بیٹے کو تلاش کرتا۔ حیرت تھی تو صرف اس بات پر کہ وہ اپائنٹمنٹ لیٹر کیسا تھا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ اس دوران یہ بات نہ معلوم کر سکا تھا کہ مسقط میں اُسے ملازمت دلانے کا ذریعہ کیا تھا۔ کوئی شخص نگاہوں کے سامنے نہیں تھا۔ تنہا ہی دل پر یہ سارے غم جھیلتا رہا۔ گھر والوں کو یہ بتا دیا تھا کہ وہ پُراسرار طور پر گُم ہو گیا ہے۔ اس صورتِ حال سے انہیں لاعلم رکھنا میرے خیال میں مناسب نہیں تھا۔

ہزاروں وسوسے ہزاروں خیالات دل میں آتے تھے کئی بار اس بے ایمان دل نے اور بھی بہت سے بُت تراشے ہم نے سوچا کہ کہیں ظفر ہمارے حالات سے بددل تو نہیں ہو گیا اور اُس نے کہیں ہم سے کنارہ کشی اختیار نہ کر لی ہو۔ یہ تصوّر بھی کافی دن تک ذہن میں برقرار رہا، لیکن دل قبول نہ کرتا تھا کیونکہ ظفر اس قسم کا نوجوان نہیں تھا۔

تین چار ماہ گزر گئے۔ ہماری جو حالت تھی ہم ہی جانتے تھے یا ہمارا خُدا۔۔ پیسے ختم ہو چکے تھے، ذریعہ آمدنی کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ جائداد کا ایک اور حصّہ بیچنا پڑا۔ گھر کی ساکھ تو برقرار رکھنی تھی۔ یُوں وقت گزرتا رہا۔ تقریباً چھ ماہ گزرنے کے بعد زندگی نے ایک اور غم کا پہلو نگاہوں کے سامنے پیش کیا۔ ایک خط آیا تھا میرے پاس ظفر کا۔۔ اور اُس نے اس خط میں بڑی دلدوز کہانی لکھی تھی۔"

"خط کہاں سے آیا تھا؟" مَیں نے بے اختیار پوچھا۔

"استنبول سے۔۔۔ ترکی سے۔۔۔!" اظہار طاہر نے جواب دیا۔

"اوہ! اچھا، پھر۔۔۔؟"

"خط میں بڑی دلدوز کہانی تحریر تھی۔ ظفر نے مجھے بتایا تھا کہ وہ استنبول کی جیل میں ہے اور اُس پر ایک سنگین مقدمہ قائم ہو چکا ہے، جو ابھی زیرِ عمل ہے اور اس کا کوئی مناسب فیصلہ نہیں ہو پایا۔ اُس نے لکھا تھا کہ داستان طویل ہے اور چند الفاظ سے زیادہ لکھنے کی اُسے اجازت نہیں ملی ہے۔ جیل کے کچھ کرم فرماؤں کی مدد سے وہ یہ خط بھیجنے میں کامیاب ہُوا تھا۔ مَیں نے یہ خط پڑھا تو میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ میرا بیٹا ترکی کی جیل میں قید ہے لیکن کس الزام میں یہ سب کچھ معلوم کرنے کے لیے ترکی پہنچنا ضروری تھا۔ چنانچہ ایک بار پھر ستم رسیدہ سفر کے لیے تیار ہوا، جو کوششیں کرنا پڑیں اس کے بارے میں شارق حسین! آپ اندازہ لگا سکتے ہوں گے کہ ایک ایسا شخص جس کی کوئی پُشت نہ ہو، جس کے ہاتھ پاؤں اپنے بیٹے کی جُدائی سے مفلوج ہو چکے ہوں، وہ ایسی کوششیں کرے۔ کتنی مصیبتیں جھیلنا پڑیں مجھے، پیسہ پانی کی طرح بہایا اور بالآخر کوششیں کرنے کے بعد مَیں ترکی روانہ ہو گیا۔

استنبول پہنچ کر مَیں نے اپنے سفارت خانے سے بھی امداد طلب کی۔۔۔ اور بس کیا بتاؤں تمہیں۔۔۔ کہ کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا! میرے لیے کوئی بھی ہمدردی سے غور کرنے پر تیار نہیں تھا۔ بس رسمی کارروائیاں کی گئیں اور بالآخر مَیں ظفر تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ظفر کو منشیات کی اسمگلنگ کے کیس میں گرفتار کیا گیا تھا اور اُس پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ ترکی میں منشیات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں جو سخت سزائیں مقرر ہیں اُن کا شاید ایک وکیل ہونے کی حیثیت سے آپ کو بھی اندازہ ہوگا شارق! میرے تو اوسان خطا ہو

گئے تھے۔ ہزاروں دقتوں کے بعد مَیں نے ظفر تک رسائی حاصل کی تھی۔ مَیں نے اُس سے معلومات حاصل کیں تو ایسی اُلجھی ہُوئی باتیں سامنے آئیں، جو ناقابلِ یقین ہیں۔ ظفر جب مسقط پہنچا تو اُسے جاوا آرگنائزیشن کا کوئی نشان نہ مِلا۔ وہ مسقط میں جگہ جگہ جاوا آرگنائزیشن کو تلاش کرتا رہا، لیکن جب اس فرم کا کوئی وجود ہی نہ مِلا تو اُس کے ہوش و حواس رُخصت ہو گئے۔ وہ انتہائی پریشان حال تھا کہ اُسے ایک ہم وطن مِلا، جس نے انسانیت کے نام پر اُسے سہارا دیا اور اپنے ہاں قیام کا کہا۔ ظفر کو۔۔۔ ڈُوبتے کو تنکے کا سہارا مِلا۔ وہ اُس شخص سے جس کا نام اعجاز تھا، بہت متاثر ہو گیا۔ اعجاز نے اُسے بتایا کہ وہ بہت عرصے سے یہاں کام کر رہا ہے اور اب کچھ دنوں کے بعد وہ ترکی جا رہا ہے، جہاں ایک فرم میں اُسے ملازمت مل جائے گی۔ اعجاز نے کہا کہ وہ ظفر کے لیے بھی یہ کام کر سکتا ہے اور ظفر اُس کے پاؤں پڑ گیا۔ اُس نے کہا کہ اگر اعجاز اُس کے ساتھ یہ مہربانی کر سکتا ہے تو وہ زندگی بھر اُس کا احسان مند رہے گا۔ اعجاز نے اُن سے کافی پیسے ٹھگ لیے اور اُس کے کاغذات بھی ترکی کے لیے تیار کرا دیے۔ ظفر کی خوشیوں کی انتہا نہ تھی کیونکہ اُسے مایوسیوں کی انتہا کے بعد روشنی کی ایک کرن نظر آئی تھی نہ سہی مسقط ترکی ہی سہی، چنانچہ وہ ترکی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اعجاز اُسے مکمل ہدایات دے کر خود کسی طرح سے پہلے ترکی چلا گیا تھا۔ ظفر نے تیاریاں مکمل کیں اور پھر خود بھی ترکی پہنچ گیا، لیکن جب وہ ترکی پہنچا تو اُسے جانچ پڑتال کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ اُسے بتایا گیا کہ اُس کے یہ کاغذات جعلی ہیں جن کی بنیاد پر وہ یہاں ہے۔

ظفر شدّتِ حیرت سے دیوانہ ہو گیا۔ اعجاز نے تو تمام کاغذات بڑے اعتماد سے تیار کرائے تھے! یہ کیا ہو گیا۔ بہرحال اُس نے کچھ حوالے بھی دیے لیکن اس سلسلے میں اُس کی ایک نہ سُنی گئی اور جیل پہنچا دیا گیا۔ مظلوم ظفر یہاں بھی بے دست و پا تھا۔ کس سے اپنے بارے میں کہتا کون اُس کی مدد کرتا۔ کاغذات کے جعلی ہونے کی تفتیش جاری تھی اور دورانِ تفتیش اُسے جیل بھیج دیا گیا کیونکہ وہاں اُس کی ضمانت دینے والا کوئی نہ تھا۔"

اظہار صاحب ایک بار پھر بے اختیار ہو گئے۔۔۔ اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے تھے۔

"خود کو سنبھالیے اظہار صاحب! براہِ کرم خود کو سنبھالیے مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔"

"ظفر ایسا نہیں ہے شارق حسین! ایک باپ اپنی اولاد سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ آہ۔۔۔ مَیں نے۔۔۔ مَیں نے، مگر تم سوچو گے کہ مَیں صرف ایک باپ کے انداز میں سوچ رہا ہُوں۔"

"نہیں اظہار صاحب! باپ کے انداز میں سوچنا بُرا تو نہیں ہے۔ ظاہر ہے ظفر کی عادات سے واقف ہوں گے۔ مَیں بھی یہی چاہتا ہُوں کہ آپ پوری سچائی سے حقائق مجھے بتائیں، یہ ضروری ہے۔"

"شارق حسین! مَیں اندر سے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہُوں اتنا ٹُوٹا ہُوا ہُوں مَیں کہ۔۔۔ کہ۔۔۔"

"خود کو سنبھالیے اظہار صاحب! ہمت سے کام لیجیے۔ آپ کو ہمت سے کام لینا ضروری ہے۔"

"آہ کوشش کرتا ہُوں، لیکن ظفر کا تصوّر کر کے۔۔۔ ظفر کا تصوّر کر کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ظفر۔۔۔ میرا ظفر۔۔۔ شارق حسین! میرا بچّہ بے کسی کے عالم میں استنبول کی جیل میں دن گزارتا رہا اور پھر چند روز کے بعد اُسے عدالت میں پیش کیا گیا۔ لیکن عدالت میں جو فردِ جُرم عائد کی گئی، اُسے سُن کر اُس کے ہوش و حواس رُخصت ہو گئے۔ اُس کے مخالف وکیل نے اُس پر الزام لگایا کہ وہ منشیات کا بین الاقوامی اسمگلر ہے اور منشیات کے ایک بڑے ذخیرے کے ساتھ اُسے گرفتار کیا گیا ہے۔ ظفر یہ سُن کر شدّتِ حیرت سے نیم دیوانہ ہو گیا۔ اُسے اپنے اُوپر لگائے ہُوئے اس جُرم کی تفصیلات معلوم ہُوئیں تو اُس کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اُس کو بتایا گیا کہ وہ ڈھائی ماہ سے اس کیس کے سلسلے میں جیل میں وقت گزار رہا ہے اور یہ الزام اُس پر صرف الزام نہیں ہے بلکہ اُسے منشیات کے ساتھ گرفتار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عدالت کے تعاون سے ظفر کو اُس کے وہ تمام کاغذات بھی دکھائے گئے تھے جو اس جُرم کے سلسلے میں تیار کیے گئے تھے۔ ظفر نے لاکھ کہا کہ اُسے تو کاغذات جعلی ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا منشیات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے یہ بات سُنی نہیں جا سکتی تھی اور اس کے بعد اُسے پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔ ظفر کا دماغ اُس کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ کس سے فریاد کرتا۔ بس خاموشی سے جیل میں پڑا اپنی تقدیر کو روتا رہا اور پھر طویل عرصہ گزر

جانتے ہیں اسے یہاں آیا تو مجھے معلوم ہوا اس سلسلے میں اُس نے تو نتا ہیں وا مدیں کیں اور بلا شُبہ تمام خطر بھیجنے میں کامیاب ہو سکا۔ ظفر سے یہ کہانی سُن کر دُکھ لوگوں کے آنسو رونے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ ترکی میں قونصلیٹ سے رابطہ قائم کرتے ہیں نے اپنی فریاد ان تک پہنچائی اور قونصلیٹ کے چند افراد نے اس سلسلے میں میری دادرسی بھی کی، لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ ظفر کو رنگے ہاتھوں منشیات کے ذخیرے کے ساتھ پکڑا گیا ہے۔ انہوں نے بھی مجھ سے نہ صرف معذرت کی بلکہ میرے ساتھ کافی خشک سلوک کیا گیا اور مجھے ہر قسم کی مراعات سے محروم کر دیا گیا۔ نتیجے میں میں روتا پیٹتا واپس آگیا۔ اب میرے پاس اپنے بچے کے تحفظ کے لیے کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میری زندگی سُولی پر لٹک گئی تھی، خودکشی کر لیتا میں لیکن اپنے پیچھے سب کو برباد کر کے کیسے چھوڑ جاتا، جن کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ چنانچہ میں...
میں یُوں سمجھ لو شارق حسین کہ اس دُنیا سے بیزار ہو گیا تھا۔ بہت دنوں تک میں شدید پریشانی کے عالم میں رہا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ یہاں تک کہ میری آخری جائداد بھی بک گئی اور اب میرے پاس صرف ایک گھر ہے جس میں میری بیوی اور بیٹیاں سر چھپائے بیٹھی ہیں۔ ہمارے جو حالات ہیں ہم جانتے ہیں یا ہمارا خُدا جانتا ہے۔ میں ہر اس نکتے کو تلاش کر رہا تھا، جو میرے لیے روشن ہو سکے اور اسی دوران کچھ اخبارات میں آپ کے بارے میں ... تفصیلات پڑھیں۔ دل نے ایک اور دھوکا دیا۔ یہ چاہا کہ میں اپنی فریاد آپ تک پہنچا دوں، ہو سکتا ہے خُدا کوئی سبیل پیدا کر دے۔ چنانچہ بیٹے! آپ کے بارے میں پتا وغیرہ حاصل کر کے میں یہاں پہنچ گیا۔ مسٹر شارق حسین! میں بڑی اُمیدیں لے کر روشن آباد سے یہاں تک آیا ہوں اور میرے پاس کوئی وسیلہ نہیں کہ میں کچھ کر سکوں، مجھے امداد چاہیے، میری مدد کیجیے، بیٹے کچھ بھی کرو میرے لیے، میں تمہارے لیے دعاؤں کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکوں گا۔ شارق یُوں سمجھ لو میری زندگی میں ایک ہی چراغ ہے اگر وہ بجھ گیا تو ہم سب مر جائیں گے۔ اس کے علاوہ ہمارا کوئی اور نہیں ہے۔"

اظہار طاہر زار و قطار رونے لگے۔ میں بہت متاثر ہُوا تھا۔ بلاشُبہ یہ شخص میری اس کسوٹی پر پورا اُترتا تھا، جو میں نے اپنے لیے مقرر کر رکھی تھی، لیکن اس بار صورتِ حال .... بہت دلچسپ اور انتہائی سنسنی خیز تھی۔ اب تک تو میں اپنے وطن میں وہ اپنے لوگوں کی دادرسی کرتا رہا تھا اور اس وقت معاملہ کچھ بالکل مختلف تھا، مجھے ترکی میں ایک ایسے شخص کا ڈیفنس کرنا تھا، جو بے گناہ ترکی کی جیل میں قید تھا۔ اس سلسلے میں مجھے منشیات کے بارے میں ترکی کے سخت قوانین کا بھی علم تھا اور میں جانتا تھا کہ منشیات کے کسی اسمگلر کے لیے وہاں کیا کیا... قوانین موجود ہیں۔ معاملہ بلاشُبہ بے حد سنگین نوعیت کا تھا۔ لیکن بہرحال کسی سنگین واقعے سے مُنہ موڑ لینا میری سرشت میں نہیں تھا اور میں نے اس کیس کو اپنے لیے ایک چیلنج تصور کیا۔ میں خود کو اس فیلڈ میں آزمانا چاہتا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے اظہار صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہُوئے کہا۔

"دیکھیے اظہار صاحب! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا ایک مشن بنایا۔ میرا تعلق ایک اچھے خاصے خاندان سے ہے اور میں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا ہے، لیکن اس پیشے میں آنے کے بعد میرے دل نے مجھ سے ایک بات چاہی، وہ یہ کہ ہمیشہ سچ کی مدد کروں اور جھوٹ کو نقصان پہنچاؤں۔ اگر آپ کا بیٹا واقعی اسمگلنگ کے جرم میں ملوّث نہیں ہے تو میں آپ کو صرف ایک بات کا اطمینان دلا سکتا ہُوں کہ میں اپنی بساط بھر ہر وہ کوشش کروں گا، جو اُس کی رہائی کے لیے کی جا سکتی ہے۔ آپ کو مطمئن رہنا چاہیے... اگر ظفر حالات کے ہاتھوں بھٹک کر اس لعنت کا شکار نہیں ہُوا تو انشاء اللہ تعالیٰ میں اپنی زندگی کی آخری جدوجہد اس کی رہائی کے لیے صرف کر دُوں گا اور اگر وہ اس سلسلے میں واقعی ملوّث ہُوا ہے اور اُس نے حالات سے شکست تسلیم کر کے اپنی ذات پر یہ گناہ قبول کیا ہے تو شاید میں اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکوں۔"

"بیٹے! انسان کے دل کا حال تو خُدا ہی جانتا ہے لیکن ایک باپ کی حیثیت سے میں یہ جانتا ہُوں کہ ظفر کسی بھی طور اس لعنت کو قبول نہیں کر سکتا۔ بہرحال تمہارا کہنا بھی درست ہے۔ اگر تم واقعی میری مدد کرنا چاہتے ہو تو اس سلسلے میں کم از کم مجھے یہ یقین تو دلا دو کہ میرے ظفر نے یہ غلط قدم اُٹھایا ہے یا نہیں، اگر وہ حالات سے مغلوب ہو کر اس حد تک پہنچ چکا ہے تو میں اُس کے حق میں دُعائیں کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہُوں۔ میں ایک باپ کا دل اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا تم اگر اس سے ملے تو شاید تمہیں بھی کوئی صحیح اندازہ ہو سکے، لیکن شارق حسین! تمہیں باہر جانا پڑے گا، جانے کتنا وقت لگ جائے گا تمہارا اس سلسلے میں، میرے بیٹے! میرے لیے کیا تم اس حد تک جا سکتے ہو؟"

"میں آپ سے وعدہ کر چکا ہُوں اظہار صاحب! میں اپنی آخری جدوجہد صرف کروں گا، آپ مطمئن رہیں!"
اظہار صاحب گردن خم کر کے خاموش ہو گئے۔ غالباً وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے، لیکن جرأت نہیں کر پا رہے تھے۔ اُستاد آگئے، میں نے اُنہیں کھانا تیار کرنے کی ہدایت کر دی اور وہ مصروف ہو گئے۔ اظہار صاحب کو میں نے آرام کرنے کے لیے کہہ دیا تھا اور اس کے بعد میں اپنے دوسرے کمرے میں آگیا۔

یہ کہانی واقعی دلچسپ اور سنسنی خیز تھی اور میں اس کے تانے بانوں میں اُلجھا رہا تھا، پھر اس وقت چونکا جب اُستاد نے کھانا تیار ہو جانے کی اطلاع دی اور میں نے اس سلسلے میں اُن سے کہا کہ وہ کھانا لگا دیں اور اظہار صاحب کو میں نے بڑا اصرار کر کے کھانا کھلایا۔ اس کے بعد میں نے اُن سے کہا کہ شام کو میں اُنہیں اپنے اہلِ خاندان سے بھی ملاؤں گا۔ دراصل یہ فیصلہ میں نے ایک خاص نقطۂ نگاہ سے کیا تھا۔ اس لیے چند روز قبل ڈیڈی نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر ان معاملات میں اُن کی کوئی مدد کام آ سکے تو وہ کبھی اس سے گریز نہ کریں گے اور پھر یہ بات بھی تھی کہ مجھے یقینی طور پر اس مسئلے کے حل کے لیے ترکی جانا پڑے گا۔ چنانچہ گھر والوں کو صورتِ حال سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا۔ شام کو ساڑھے پانچ بجے میں اُن کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اظہار صاحب بے چارے بڑے نروس ہو رہے تھے۔ میں کوٹھی میں داخل ہُوا تو میں نے سب کچھ معمولات کے مطابق پایا۔ ان دنوں کوٹھی کی فضا میں کچھ خوش گوار کیفیت طاری تھی۔ شام کی چائے کا بندوبست لان پر ہی کیا گیا تھا اور تمام پھول لان پر بکھرے ہُوئے نظر آ رہے تھے۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ احمد کمال صاحب مع نیلا کے یہاں موجود تھے۔

انہدگول کی محفل الگ تھی، نوجوان الگ تھے لڑکیوں نے وہی دھماچوکڑی مچا رکھی تھی، جو اُن کی فطرت کا خاصا ہوتی ہے اور لوا اور جاوداں بھی اب ہنسی مذاق میں مصروف ہوگئی اور اُنہوں نے اپنی شخصیت کا چولا بالکل بدل لیا تھا۔ سب ہی میرے پہنچنے پر ذرا مستعد ہو گئے تھے۔ اظہار صاحب کی طرف لوگوں کی توجہ تھی۔ یہاں تک کہ امجد حسین صاحب اور نصرت حسین صاحب بھی اظہار صاحب کو ہی دیکھ رہے تھے۔ اظہار صاحب نے قریب پہنچ کر سلام کیا اور سب نے اُن سے معانقہ کیا۔ ویسے بھی اظہار صاحب کے چہرے سے شرافت عیاں تھی اور شاید اُن کی شخصیت نے بھی سبھی کو متاثر کیا تھا۔ میں نے باری باری سب سے اظہار صاحب کا تعارف کرایا اور پھر ان لوگوں کو اُن کے بارے میں صرف اتنا کہا کہ ان کا نام اظہار طاہر ہے اور یہ میرے ایک معزز مہمان ہیں۔ اُن کو بیٹھنے کی پیش کش کی گئی اور وہ بیٹھ گئے۔ ڈیڈی کہنے لگے۔

”بھئی شارق میاں! یقیناً اظہار صاحب تمہارے مہمان ہیں تو ہمارے مہمان ہوئے، لیکن ان مہمان کا قیام کہاں ہے؟“

”ڈیڈی! پچھلے دنوں یہ اسپتال میں تھے۔ آج ہی انہیں لے کر اپنے فلیٹ پر پہنچا ہوں اور اب یہاں لے آیا ہوں۔“

”اسپتال میں خیریت؟“

”ہاں اس سلسلے میں، میں اظہار صاحب کی اجازت سے آپ کو پورا واقعہ سنانا چاہتا ہوں اور اظہار صاحب! آئی جی صاحب کو یہ واقعہ بتانے سے کچھ اور مُراد بھی ہے میری، بشرطیکہ آپ کی اجازت ہو۔“ اظہار صاحب نے چونک کر مجھے دیکھا، پھر بولے۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں شارق میاں! آپ جیسا مناسب سمجھیں۔“ ڈیڈی، ہی نہیں، دوسرے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

”پچھلے دنوں اظہار صاحب یہاں تشریف لائے تھے۔ روشن آباد کے رہنے والے ہیں۔ ایک چھوٹا سا حادثہ ہوا اور یہ اسپتال پہنچ گئے۔ یہاں ... یہ مجھ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے تھے اور یہ بے چارے ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں اور میں ان کا کیس اپنے ہاتھ میں لے چکا ہوں۔ آپ نے ایک بار فرمایا تھا کہ اگر ایسے کسی کیس کے سلسلے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئی تو آپ میری مدد کریں گے۔“ ڈیڈی چونک اُٹھے۔ اُنہوں نے اظہار صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس شریف صورت انسان کے لیے میں اپنی بساط بھر امداد کے لیے تیار ہوں، مگر اظہار صاحب! کیا ہوا ہے آپ کو، خیریت تو ہے؟“

”میں بتاتا ہوں ڈیڈی!“ میں نے کہا اور پھر میں نے مختصر ترین الفاظ میں پوری روداد اُن سب لوگوں کو سنا دی۔ وہ سب سکتے میں رہ گئے تھے۔ اظہار صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ڈیڈی نے جیب سے رومال نکالا اور اُن کے قریب پہنچ گئے۔

”نہیں اظہار صاحب! حوصلے سے کام لو دوست!... زندگی میں بڑے بڑے مراحل آتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص تمہارے اس دُکھ میں برابر کا شریک ہے اور بالکل اطمینان رکھو، ہم میں سے ہر شخص تمہارا دست راست ہے۔ اب تم تنہا نہیں ہو اس دُنیا میں، ہم سب ہیں تمہارے بیٹے کے سلسلے میں جیسا کہ شارق نے کہا کہ اگر وہ بے گناہ ہے تو یوں سمجھ لو ہماری تمام کوششیں اس سلسلے میں صرف ہو جائیں گی اور ہم اُسے رہا کرا کر لائیں گے۔ نہیں دوست! مرد کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں تو اُس کی جدوجہد ختم ہو جانے کا اعلان ہوتا ہے۔ جب کہ تمہیں ابھی اپنے بیٹے کے لیے بہت کچھ کرنا ہے۔ صبر اور حوصلے سے کام لو۔ بہت ضروری ہے۔“ ڈیڈی کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔ اظہار صاحب سسکیاں لینے لگے۔ خواتین بھی اس جانب متوجہ ہو گئی تھیں، لیکن کسی کی یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ تماشا دیکھنے کے لیے آگے بڑھے۔ البتہ دُور ہی سے سب اُن کو دیکھ رہے تھے۔ ڈیڈی اُن کے آنسو خشک کرتے رہے اور اُنہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”بالکل اطمینان رکھو، خاموش ہو جاؤ، پلیز خاموش ہو جاؤ۔ بھئی ہم لوگوں کی چائے یہیں منگوا لو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ ہمارا بچہ ہے، ہمارا بیٹا ہے ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔“ اظہار صاحب ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے ایک ایک کی صورت دیکھتے رہے، پھر ڈیڈی نے اعلان کیا۔

”اظہار صاحب اس وقت تک یہیں رہیں گے، جب تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ ہو جائے اور اس کے بعد اگر ضروری سمجھا گیا تو روشن آباد سے بہن اور بچیوں کو بھی یہاں لے آیا جائے گا۔ ہم اپنے ان عزیزوں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔“ اظہار صاحب ایک بار پھر رو پڑے تھے۔ اُنہوں نے روتے ہوئے کہا۔

”آپ لوگ کون ہیں؟ کون سی دُنیا سے آئے ہیں آپ؟ میں تو تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایک بے کس و بے سہارا انسان کو یہ سب کچھ بھی مل سکتا ہے!“ آئی جی صاحب اُن کا شانہ تھپکتے رہے تھے، پھر اُنہوں نے کہا۔

”سب کو یہی کرنا چاہیے جو نہیں کر پاتا وہ گنہگار ہے انسان تو انسان ہی کے لیے پیدا ہوا ہے، باقی اور کیا رہ جاتا ہے اس دُنیا میں۔“

اظہار صاحب بہت دیر تک اظہار ممنونیت کرتے رہے تھے، لیکن اب ان باتوں کی بجائے کوئی ٹھوس اقدام کرنا تھا اور اس سلسلے میں سب ہی اپنی اپنی خدمات پیش کر چکے تھے۔ البتہ لائحہ عمل میرے سپرد کر دیا گیا تھا کہ میں اس سلسلے میں کیا فیصلہ کرنا چاہتا ہوں اور ڈیڈی نے صاف لہجے میں کہا۔

”دیکھو بھئی مشورے تو اپنے طور پر ہم بھی کریں گے آپس میں، لیکن تم اس سلسلے میں الگ حیثیت کے حامل ہو۔ چنانچہ تم جو کچھ بھی طے کرو، ہمیں اس سے آگاہ کر دو اور ہماری ذمّے داریاں ہم میں تقسیم کر دو۔ اظہار صاحب کی طرف سے تم مطمئن ہو جاؤ۔ اب یہ ہماری تحویل میں ہیں۔“

”بہت بہتر ڈیڈی! میں جانتا ہوں کہ میرے مہمان کو آپ کے پاس کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ پُرمسرّت بات تھی میں تنہا اس سفر پر نکلا تھا لیکن اب بیشمار افراد میرے ہمسفر تھے، اظہار صاحب کی جس طرح پذیرائی کی گئی تھی وہ قابلِ ستائش تھی، بہرطور ان جذباتی باتوں سے کچھ حاصل نہیں تھا میں تمام پہلوؤں پہ غور کرتا رہا اور دل میں فیصلہ کیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ترکی کا سفر کیا جائے، ابتدا ہی میں اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ وہاں جائے بغیر کام نہیں بن سکتا لیکن وہاں بھی کچھ مراعات حاصل ہونی چاہئیں تاکہ میں اپنا یہ کام بخیر و خوبی انجام دے سکوں، اظہار صاحب تو ایک باپ کی حیثیت سے ظفر سے مل لیے تھے لیکن میری اس سے ملاقات ذرا مشکل ہی سے ہو سکے گی۔ کیا اظہار صاحب کو اپنے ساتھ ترکی لے جاؤں، لیکن اس طرح کام میں مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔ بہرحال ڈیڈی سے یہ درخواست کروں گا کہ وہ ترکی میں میرے لیے آسانیاں [illegible] اس دوران یہ بھی ضروری تھا کہ کسی سازش کے امکانات کا جائزہ لے لوں۔ کون ہو سکتا ہے جو اظہار صاحب کا دشمن ہو یا ظفر کے سلسلے میں کوئی بُرا تصوّر ذہن میں رکھتا ہو؟ دوسرے دن صبح کو ناشتے پر اس موضوع پر خاصی تفصیلی گفتگو ہوئی، اظہار صاحب بھی اس گفتگو میں شریک تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کوئی ان کے ساتھ بھی دشمنی کر سکتا ہے ظفر کے سلسلے میں بھی اُنہوں نے بتایا کہ وہ ہمیشہ ہی تعمیری سوچ کا شکار... ایسے اس کے لیے دشمن بنانا مشکل ہے بہرحال یہ فیصلہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ سازش کوئی بنیادی حیثیت رکھتی ہے پھر ہم دوسرے معاملات پر گفتگو کرنے لگے ساڑھے دس بجے ہوں گے کہ احمد کمال آ گئے۔

جاری ہے Turkey

~~Bloomin...~~

Part Four

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات حصّہ چہارم (آخری) میں ملاحظہ فرمائیں

ایم اے راحت

معاشرہ نام ہے انسانی رابطوں کا، ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے کا۔ ربط وضبط اور جذبۂ ہمدردی نہ ہو تو دُنیا جنگل بن جائے جس میں انسانوں کی جگہ خوفناک درندے دندناتے پھریں۔ عدالتی کارروائیوں اور قانونی موشگافیوں سے کھیلنے والے سچ کے متلاشی ایک شوریدہ سر کی داستانِ عمل جس نے وقت کو بیساکھیاں بنا کر چلنے والوں کی دادرسی اخلاقیات کے علمبرداروں کو جامۂ انسانیت پہنانے اور معاشرے کو انسان نما درندوں سے پاک کرنے کا عہد کر رکھا تھا!

ابتدا ان کے ساتھ ہی کمال صاحب نے مجھے پوچھا اور مجھے ڈیڈی کے کمرے میں طلب کر لیا گیا، احمد کمال صاحب نے کہا۔

”تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے بیٹے۔ اس مظلوم شخص کی دادرسی کے لیے کیا تم ترکی جانے کے لیے تیار ہو؟“

”یقیناً چچا جان میرا ابھی تو یہی خیال ہے کہ پہلے وہاں جا کر یہ معلومات حاصل کروں کہ اس انوکھے واقعے کا پس منظر کیا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اگر ظفر کا کہنا درست ہے تو یقینی طور پر اسے منشیات کا اسمگلر بنانے میں کسی نہ کسی کا ہاتھ تو ضرور ہو گا وہ کون ہے یا پھر اگر ظفر ہی نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو شاید ہم اظہار صاحب کی مدد نہ کر سکیں۔ چنانچہ ابتداء میں یہ معلوم کرنا ہے کہ ظفر کا مسئلہ کیا ہے اس کے بعد ہی کوئی صحیح فیصلہ ہو سکے گا۔“

”تو پھر تمہارے لیے ایک خوشخبری میں لے آیا ہوں اور اسی لیے اس وقت نازل ہوا ہوں۔“ کمال صاحب نے کہا۔

”کیا چچا جان؟“ میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

”انقرہ میں میرا ایک دوست احتشام ارزل کے نام سے مقیم ہے، قابلِ اعتماد آدمی ہے، انقرہ کی ایک فوڈ انڈسٹری کا سیلز منیجر ہے میں تمہیں اس کا مکمل پتا اپنے خط کے ساتھ دے دوں گا چنانچہ تمہیں پہلے انقرہ جانا پڑے گا مجھے یقین ہے کہ احتشام ارزل تمہاری بھرپور مدد کرے گا اس کے اہلِ خاندان بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں اور سب کے سب اچھے اور نیک انسان ہیں میرا ان سے کافی واسطہ رہ چکا ہے کم از کم یہ تو ہو گا کہ وہاں تمہیں تھوڑی سی افرادی مدد مل جائے گی۔“

”یہ تو بہت بڑی بات ہو گی اگر وہ واقعی اچھا انسان ہے تو پھر میرے سلسلے میں بڑا معاون ثابت ہو گا۔“

”تم نے تو ترکی جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ ڈیڈی نے کہا۔

”آپ کا حکم بھی چاہتا ہوں ڈیڈی۔“

”نہیں بھئی، تمہیں روکنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے یہ کیس تمہارے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔“

”ہاں ڈیڈی، دیارِ غیر میں رہ کر وہ آسانیاں حاصل نہیں ہو سکتیں جو مجھے یہاں حاصل ہیں۔“

”ایک باپ کی حیثیت سے میں بھی تمہارے لیے تھوڑا تشویش کا شکار رہوں گا۔ ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا ضروری ہے۔“

”اطمینان رکھیں۔“

”تو پھر کب روانہ ہو رہے ہو؟“

”تھوڑی سی معلومات اظہار صاحب کے سلسلے میں مزید

درکار رہوں گی، میرا خیال ہے روشن آباد کا ایک چکر لگا نے لیتا ہوں۔"

"ویسے اس شخص پر مجھے بہت ترس آرہا ہے اگر یہ اس وقت تک کے لیے یہاں آجائے تو بڑا اچھا ہوگا جب تک تم ظفر کے سلسلے میں کوئی صحیح قدم نہ اٹھا لو۔"

"آپ چاہیں تو بات کرلیں ڈیڈی ویسے کوئی حرج بھی نہیں ہے، ظاہر ہے اظہار صاحب کو کسی سے کوئی خطرہ نہیں ہے" دوپہر کو اظہار صاحب سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"بہتر ہوگا عظمت صاحب کہ آپ مجھے وہیں رہنے دیں۔ گھر کا پورا نظام بگڑ جائے گا اور خواتین زیادہ تشویش کا شکار ہو جائیں گی، میں تو آپ کی عنایتوں سے ویسے ہی دب چکا ہوں۔ مزید اور کچھ نہ کریں لیکن ہماری خبر گیری ضرور رکھیں۔"

"بھئی میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر تم یہاں آجاؤ گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"کچھ تھوڑی مہلت دے دیں، پھر کسی وقت آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔" اظہار صاحب کو اس سلسلے میں مجبور نہیں کیا گیا تھا البتہ میں نے ان سے شام کو تنہائی میں کہا۔

"اظہار صاحب مجھے ظفر کی ایک تصویر درکار ہوگی اس کے علاوہ وہ تمام اوقات کار جب وہ یہاں سے گیا تھا اور جب آپ اس سے ملے تھے اس کی ذرا تفصیل چاہیے، کیا وہ تصویر مجھے مل سکے گی۔"

"ہاں... ہاں... ظفر کی بہت سی تصویریں موجود ہیں، یہ تصویریں مجھے روشن آباد جا کر لانی ہوں گی۔"

"بس ایک تصویر کافی ہوگی اگر آپ چاہیں تو میں اپنا ایک آدمی آپ کے ساتھ روشن آباد روانہ کیے دیتا ہوں۔"

"نہیں شارق ایک آدھ دن میں تمہارے پاس پہنچ جاتا ہوں، میرا مقصد ہے کل پرسوں تک اب مجھے اجازت دے دو۔ میرے لیے اتنا بڑا سہارا کافی ہے کہ تم سب میرے ہمنوا ہوگئے۔" اظہار صاحب نے کہا۔

میں نے اس پر بھی اعتراض نہیں کیا تھا اسی شام اظہار صاحب کو بذریعہ ٹرین روشن آباد روانہ کردیا گیا، دوسرے دن دوپہر کو فاروقی صاحب وغیرہ سے بھی اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو ہوئی اور میں نے انہیں یہ نئی صورت حال بتا دی۔ جاوید قریشی اور فاروقی صاحب حیران رہ گئے تھے۔

"میاں وہاں جا کر تم وہاں کے قانون سے کیسے نمٹو گے میرا مطلب ہے وہ وہاں کی جیل میں ہے۔"

"یہاں مسئلہ قانون کا نہیں رہا فاروقی صاحب، پہلے تو یہ معلوم کرنا ہے کہ ظفر واقعی حالات کا شکار ہوکر ان راستوں کا راہی بن گیا تھا یا نہیں میں نے اظہار صاحب سے تو یہ بات صاف الفاظ میں کہہ دی ہے کہ ظفر کسی مشکل میں نہیں اگر منشیات لے کر ترکی پہنچا تھا پھر شاید میں اس کی مدد نہ کرسکوں گا۔"

"ہاں ظاہر ہے کسی مجرم کی مدد کرنا تو بڑا ہی غلط ہوگا۔"

"بے شک۔ کیپسر کسی اور ملک کے قانون میں ٹانگ اڑانا بھی تو ہمارے لیے ممکن نہیں ہے، بس ابتدائی تفصیل یہی معلوم ہو جائے کہ اس نے یہ عمل کیا ہے یا نہیں، اس نے جب اپنے باپ سے اس بات کا اقرار نہیں کیا تو ممکن ہے مجھ سے بھی نہ کرے میں ذرا قریب سے اس سے یہ معلومات حاصل کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر تمہارا یہ دورہ کتنے دن کا رہے گا؟"

فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا فاروقی صاحب البتہ آپ ایک کام کردیں، ذرا سی بھاگ دوڑ جاوید قریشی کو بھی کرنی پڑے گی۔"

"ہاں... ہاں بولو..."

"پاسپورٹ تو میرے پاس موجود ہے ترکی کے لیے ویزے وغیرہ کا بندوبست کرنا ہے اس سلسلے میں میرا خیال ہے آپ یہ کام بآسانی کرا سکیں گے۔"

"بالکل اطمینان رکھو میں یہ کام کرا دوں گا۔" اور ضروری چیزیں میں نے ان کے حوالے کردیں، اس کے بعد کوئی خاص بات نہیں تھی بس اظہار صاحب کا انتظار کرنا تھا۔ نگہت سے بھی ملاقات ہوگئی، اسے بھی صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری تھا نگہت اس سلسلے میں مجھ سے بڑی تفصیل باتیں کرتی رہی تھی اور اس کی باتیں بڑی ذہانت آمیز تھیں۔ اس نے مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ بلاوجہ ہی نہیں ہوسکتا، اس بات کے امکانات ہیں کہ وہاں پہنچنے کے بعد کوئی ایسا شخص ظفر کو مل گیا ہو، جو منشیات کا کاروبار کرتا ہو اور اس نے ظفر کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہو کہ وہ ترکی چلا جائے۔ بات نہیں بن سکی اور ظفر چکر میں آگیا لیکن یہاں سب سے بڑا مسئلہ جاوا آرگنائزیشن کا ہے۔ آپ کہتے ہیں چیف کہ اظہار صاحب نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ جاوا آرگنائزیشن کا وہ اپوائنٹمنٹ لیٹر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس کا مقصد ہے کہ اپوائنٹمنٹ لیٹر بھیجا گیا اور ظفر کو وہاں بلوایا گیا، لیکن وہاں ایسی کوئی فرم موجود نہ ملی اپوائنٹمنٹ لیٹر ظفر کو بھیجنے کا مقصد کیا تھا؟"

"تمہاری سوچ بالکل درست ہے اور یہی چیز تمہیں اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ ظفر کے خلاف کوئی باقاعدہ سازش ہوئی ہے۔"

"ہاں چیف اور سازش کرنے والوں کا تعلق ترکی یا مسقط سے نہیں بلکہ یہاں سے ہوسکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے اظہار صاحب کا کوئی دشمن؟"

"اب دوستی دشمنی کی بات تو میں نہیں کرتی جانے ظفر کے تعلقات کس کس سے ہوں گے اور کسے اس کی اس گرفتاری سے فائدہ ہوا ہوگا، بہت سی باتیں سوچی جاسکتی ہیں، آپ کا کہنا ہے کہ اس کی تین بہنیں بھی ہیں... چیف تمہیں یہ بھی کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔"

"یہ تو انقرہ سے واپسی پر ہی ہوسکتا ہے، پہلے میں ذرا وہاں کے حالات کا جائزہ لے لوں۔"

"واپسی کب ہوگی چیف..."

"کوشش تو یہی کروں گا کہ جلد از جلد آجاؤں۔"

"ہاں جلدی آجائیے آپ بہت یاد آئیں گے خاص طور سے اس وقت تک جب تھوڑے بہت پیسوں کی ضرورت پیش آئی۔" میں ہنسنے لگا پھر میں نے اپنائیت سے کہا۔

"پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے نگہت جو کچھ بھی چاہیے، میں تمہیں بلینک چیک لکھ کر دیے جاتا ہوں، جب دل چاہے نکال لینا۔"

"اوہ... تھینک یو باس ویسے رہنے دیں، ابھی میرے حالات کافی بہتر چل رہے ہیں، ضرورت پڑی تو آپ واپس آ ہی جائیں گے۔"

"ہاں تم اطمینان رکھو میں وہاں کسی حادثے کا شکار نہیں ہو جاؤں گا۔" نگہت کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا تھا بہرطور اس موضوع پر اس نے کچھ نہ کہا پھر تیسرے دن اظہار صاحب آگئے اور وہ فاروقی صاحب کے پاس آئے نجانے کیوں انہوں نے کوٹھی جانے کی ہمت نہیں کی تھی۔ فاروقی صاحب کے دفتر میں بھی اس وقت ہم موجود نہ تھے جب اظہار صاحب آئے۔ میں فاروقی کے ساتھ کورٹ گیا تھا جب ہم واپس آئے تو اظہار صاحب استاد کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے میں نے انہیں دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا اور ہم سب ان سے خیریت معلوم کرنے لگے۔

"بھئی میری اب کی خیریت اور اس وقت کی خیریت میں زمین آسمان کا فرق ہے پہلے میں اپنے آپ کو ایک ایسے ... میں سمجھتا تھا جہاں نہ کوئی چھت تھا نہ دیوار تھی نہ در ... لیکن اب میں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے گھر کی دیوار ... محفوظ ہوگئی ہو۔ میں بار بار آپ کا شکریہ ادا کر کے آپ کو ... ہلکا محسوس کرتا ہوں، لیکن کاش میں اپنے دل کو دکھا سکتا۔"

"آپ فی الحال مجھے ظفر کی تصویر دکھائیے۔" میں نے ... ہوئے کہا اور اظہار صاحب نے ایک لفافہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا میں نے تصویر دیکھی، ایک خوش رو نوجوان کی تصویر تھی اچھا خاصا لگ رہا تھا بے چارہ اور اظہار صاحب کے نقوش اس میں نمایاں تھے۔ میں نے ان کی اجازت سے تصویر اپنی جیب میں رکھ لی، اظہار صاحب نجانے کس بات پر ہچکچا رہے تھے پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"وہ شارق میاں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"جی... فرمایئے۔" اظہار صاحب نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا چمڑے کا پرس میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ چالیس ہزار ہیں۔"

"جی..."

"ہاں... میرے پاس یہی ہیں اس وقت یقینی طور پر ترکی کے اخراجات بہت زیادہ ہوں گے لیکن بیٹے انہیں قبول کرو۔ جو کچھ بھی اس سلسلے میں مزید ہوگا میں مہیا کرنے کی کوشش کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے پرس پر ہاتھ رکھا پھر آہستہ سے لہرایا۔

"یوں سمجھیے اظہار صاحب کہ میں نے آپ سے لے لیا لیکن آپ انہیں میری طرف سے اپنے پاس رکھیے گھر کی ضرورتیں پوری کیجیے، ہمارے پاس دراصل اس سلسلے میں باقاعدہ فنڈ ہے جس سے ہم اپنا یہ کام کرتے ہیں، اور یہ فنڈ ابھی ہمارے پاس کافی مقدار میں موجود ہے اگر اس میں کوئی کمی واقع ہوئی تو پھر میں آپ کو ضرور تکلیف دوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن!"

"نہیں اظہار صاحب یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر آپ یا ہم بحث کریں، فاروقی صاحب آپ بتائیے اظہار صاحب کو کہ کیا اس کی گنجائش ہے؟"

"نہیں اظہار صاحب آج تک شارق نے کوئی کام"

سے کچھ لے کر نہیں کیا، دینے والے بہت ہیں اور بڑی بڑی پیشکش کرتے رہتے ہیں۔"

فاروقی صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، غالباً انہیں قیصر پرویز یاد آگیا تھا۔ اظہار صاحب خلوص دل سے یہ چاہتے تھے کہ میں یہ رقم قبول کر لوں، لیکن میں نے کسی طور پر اس پر آمادگی ظاہر نہ کی اور ان سے مودبانہ درخواست کی کہ یہ رقم وہ اپنے اہل خاندان پر خرچ کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بے چارے خاموش ہو گئے، آج شام کو پھر کوٹھی پر اظہار صاحب کے ساتھ نشست رہی اور دوسرے دن صبح وہ رخصت ہو گئے ہیں میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اب ان سے ملاقات ترکی سے واپسی پر ہی ہو سکے گی۔ وہ پُرسکون رہیں اور صرف دعا کرتے رہیں کہ مجھے کامیابی ہو۔

اظہار صاحب چلے گئے، فاروقی صاحب میرے کامیاب دورے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے، سب ہی اس وقت میرا ساتھ دینے پر آمادہ تھے، لیکن کوئی ایسا اہم مسئلہ نہیں تھا احمد کمال نے اپنے دوست احتشام ارزل کے بارے میں مکمل تفصیلات مجھے بتا دی تھیں اور اس کے گھر کا پتا بھی دے دیا تھا جو انقرہ میں کسی گلاس اسکوائر میں تھا اور فلیٹ نمبر آٹھ سو اسی تھا بہر طور یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میں مختصر تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ تمام ہی دوستوں کو یہ صورت حال بتا دی تھی تیاریاں مکمل ہونے میں زیادہ وقت نہ لگا اور بالآخر ایک دن میں انقرہ جانے کے لیے ائرپورٹ چل پڑا۔ مجھے چھوڑنے کے لیے جاوداں شوکت جاہ اور ڈیڈی سبھی آئے تھے اور کچھ لوگوں نے بھی خواہش ظاہر کی تھی لیکن ظاہر ہے بہت زیادہ رش نہیں لگایا جا سکتا تھا ڈیڈی نے البتہ میرے اندر جانے سے پہلے مجھ سے پُرجوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تمہاری کامیابی کے لیے دعائیں بھی کروں گا اور تمہاری واپسی کا انتظار بھی۔" میں مسکراتا ہوا ایمیگریشن ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا، ان تمام دعاؤں سے مجھے بے حد مسرت حاصل ہوئی تھی۔

کسٹمز وغیرہ کے معاملات سے فراغت میں زیادہ وقت نہ لگا۔ پاسپورٹ اور دیگر کاغذات چیک کروا کے مہریں لگوائیں اور پھر دوسرے مسافروں کے ساتھ میں اس دیوہیکل طیارے کی جانب بڑھ گیا جو میرا منتظر تھا۔ خوبصورت ائرہوسٹسوں نے میری سیٹ کی طرف میری راہنمائی کی اور میں نے اپنی سیٹ سنبھال لی۔ میرا ہمسفر ایک موٹا بھدا اور نیم غنودگی کی سی کیفیت کا شکار کوئی کاروباری تھا۔ میں اس وقت سکون چاہتا تھا۔ اس لیے ایسا ہمسفر ہی بہتر تھا جو بلاوجہ کان کھائے۔

بالآخر تمام مسافر طیارے میں آگئے اور ضمنی کارروائیوں کے بعد بالآخر طیارہ فضا میں بلند ہو گیا بیلٹ کھول کر میں نیم دراز ہو گیا تھا۔

دل میں گدگدیاں ہو رہی تھیں یہ تجربہ واقعی میرے لیے سنسنی خیز تھا۔ دوران سفر میں نجانے کیا کیا منصوبے بناتا رہا تھا پھر ذہن ظفر اظہار کی طرف منتقل ہو گیا کیا وہ واقعی بے قصور ہے دل سے یہی دعا نکلی کہ ایسا ہی ہو۔ اظہار صاحب اتنے نیک انسان تھے کہ انہیں یہ دکھ نہیں ملنا چاہئے تھا۔ حالانکہ حالات اسی حقیقت کا اظہار کرتے تھے کہ ممکن ہے ظفر بھٹک گیا ہو۔ یہ سب کچھ ایک کہانی ہو۔ وہ اپوائنٹمنٹ لیٹر اسی کی تخلیق ہو اور اس نے اظہار صاحب کو دھوکا دیا ہو۔ حالات سے مجبور ہو کر وہ کسی گروہ میں شامل ہو گیا ہو اور منشیات لے کر ترکی گیا ہو پھر گرفتار ہونے کے بعد اس نے اس طرح خود کو بے قصور ثابت کرنا چاہا ہو بہر حال اگر یہ سچائی نکلی تو ... اظہار صاحب کو بیٹے کی جدائی کے یہ کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔

سفر بہت پُرسکون گزرا۔ کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو باعث تردد بنتی۔ یہاں تک کہ انقرہ ائرپورٹ آگیا۔ راستے کے دلکش نقوش ذہن پر خوشگوار تاثر چھوڑ گئے تھے اور ضروری امور سے فراغت حاصل کر کے میں نے ایک ہوٹل کے نمائندے کو منتخب کر لیا۔ اس نے مجھے ہوٹل کا بروشر پیش کیا تھا اور اسے دیکھ کر میں نے اس ہوٹل کو منتخب کر لیا تھا۔ جب مونوگرام والی لمبی سیڈان مجھے لے کر چل پڑی تو راستے میں ہوٹل کے نمائندے نے پوچھا۔

"آپ سیاحت کے لیے آئے ہیں؟"

"ہاں یہی سمجھو۔"

"کوئی کاروباری دورہ ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔"

"پہلی بار آئے ہیں۔"

"ان سوالات کی وجہ بتاؤ۔"

"اگر بغرض سیاحت آئے ہیں تو میں آپ کو بہترین گائیڈ مہیا کر سکتا ہوں۔"

"نہیں ابھی ضرورت نہیں۔"

"میں نے فرض سمجھ کر پوچھا ہے جناب۔"

"شکریہ!" میں نے جواب دیا۔ اور نمائندہ خاموش ہو گیا پھر اس نے مجھے ہوٹل پہنچا دیا جہاں رسمی ضروری کارروائی کے بعد مجھے ایک خوبصورت کمرہ مل گیا۔ اس کمرے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر میں نے خود کو ترکی میں محسوس کیا۔ ترکی جس کی قدیم و جدید تاریخ میرے ذہن میں تھی۔ ایک عجیب سا احساس دل میں پیدا ہو گیا تھا۔ انقرہ آمد صرف احتشام ارزل کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ ورنہ میرا اصلی کام استنبول میں تھا لیکن یہ بے حد ضروری تھا۔ کسی مقامی آدمی کی مدد حاصل ہو جائے تو کام میں بے حد آسانی ہو جائے گی اور پھر جیسا کہ احمد کمال صاحب نے بتایا تھا احتشام بہت بااختیار آدمی تھا۔ دل میں سوچا کہ بار بار تو کسی دوسرے ملک آنا نصیب نہیں ہوتا اس بہانے ترکی بھی دیکھ لیا جائے اور پھر فوری طور پر ظفر سے ملنا بھی ضروری نہیں تھا کون سا میں اُسے آزاد کرا کے لے جا رہا تھا۔ چنانچہ پہلے انقرہ دیکھ لوں اس کے بعد احتشام سے ملاقات کروں گا۔

شام تک اپنے کمرے میں رہا۔ رات کو ہوٹل کے نچلے حصّے میں آگیا۔ رنگا رنگ تفریحات جاری تھیں اور ان کے بارے میں اشتہارات بھی موجود تھے میں ان پر نگاہ ڈالتا ہوا اسٹال کاؤنٹر کی طرف چل پڑا۔ ملکی و غیر ملکی مصنوعات کی اشیا موجود تھیں ایک جگہ سے انقرہ کا نقشہ حاصل کیا اور وہاں کی مشہور جگہوں کو ذہن نشین کر لیا کھانا ڈائننگ ہال میں کھایا اور پھر شب بسری کے لیے کمرے میں آگیا۔ دوسری صبح ناشتے کے بعد میں سیر و سیاحت کے لیے نکل آیا منتخب مقامات زبانی یاد کر لیے اور ٹیکسی ڈرائیوروں کو اس طرح ان کے بارے میں بتاتا رہا جیسے ہر جگہ کی تفصیل جانتا ہوں انقرہ اپنی روایتوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے تھا۔

دن یوں گزر گیا جیسے ابھی ابھی اس کا آغاز ہوا ہو۔ اس وقت شام جھک رہی تھی اور میں ایک مشہور پارک کے حسین گوشوں کی سیر کر رہا تھا کہ اپنا وطن یاد آگیا۔ تین نوجوان تھے اور ایک لڑکی۔۔۔ انداز سے ظاہر ہو گیا کہ غنڈہ گردی ہو رہی ہے تینوں لفنگے لڑکی کو گھیرے کھڑے تھے اور آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ مجھے ہنسی آگئی۔ ان مناظر سے دُنیا کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں تھا ہر جگہ ایک ہی انداز۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا تینوں غنڈے ہنس رہے تھے اس پر آوازے کس رہے تھے لڑکی بلند و بالا قد کی مالک تھی اس کے بال اخروٹی رنگ کے تھے۔ آنکھیں چمکدار نیلی تھیں بدن پر سیاہ پتلون اور سرخ شرٹ تھی جس میں وہ بہت خوبصورت نظر آ رہی تھی پھر اس نے اپنے دونوں سفید ہاتھ سامنے کیے اور ان غنڈوں سے کچھ کہا پھر ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ [illegible] اختیار آگے جھکا لیکن لڑکی پھرکنی کی طرح گھوم گئی اور اس [illegible] دوسرے غنڈے کے چہرے پر پڑا۔ مارشل آرٹس جانتی [illegible] بھرپور وار کیا تھا لیکن باقی دونوں غنڈوں نے انتہائی [illegible] رفتاری سے اس کی کمر پکڑ لی تھی، لڑکی سیدھی پیچھے آگری [illegible] وہ دو اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے۔ وہ بھی گرے تو لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی لیکن وہ دونوں اس پھرتی سے نہ اٹھ سکے اور لڑکی نے انہیں بھی ٹھوکریں رسید کر دیں مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ ان تینوں کے لیے کافی ہے پہلے غنڈے کے منہ پر ٹھوکر پڑی تھی چاقو نکال لیا تھا۔ وہ لڑکی کی طرف بڑھا تو اس نے چاقو سے بچتے ہوئے اس پر دوسرا وار کیا۔ یہ وار بھی کامیاب تھا اور غنڈہ اوندھے منہ جا گرا لیکن گرنے والے اب خطرناک ہو گئے تھے ان میں سے ایک نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر سیٹی بجائی۔ اور سیدھے کھڑے ہو گئے۔ لڑکی چوکنّی ہو گئی تھی۔ اس نے مور کی طرح گردن گھمائی اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی دوسرے لمحے وہ چھلانگ لگا کر میرے پاس آگئی اور دلآویز انداز میں مسکرا کر بولی۔

"ہیلو۔۔!"

"ہیلو۔۔!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ اسی وقت تین اور لڑکے وہاں پہنچ گئے ان کے ہاتھوں میں دو مخصوص طرز کے چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا اور بقیہ لوگوں نے لڑکی کی طرف اشارہ کر دیا۔

"کیا قصّہ ہے میڈم؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ایکٹوٹی کر رہے ہیں تمہیں کچھ دلچسپی ہے؟" لڑکی نے بے خوفی سے کہا میرے جواب دینے سے پہلے وہ سب وہاں پہنچ گئے انہوں نے ترکی زبان میں لڑکی سے کچھ کہا جو میں نہ سمجھ سکا۔ جواب میں لڑکی نے بھی کچھ کہا اور وہ سب اس پر جھپٹ پڑے۔ دو نے دونوں طرف سے آ کر میری کلائیاں پکڑیں باقی لڑکی پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن لڑکی نے انہیں جھکائی دی اور ان کے نرغے سے نکل گئی۔

میرے لیے بھی خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ ابھی تک میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی لیکن اچانک میں نے ان دونوں کو جھٹکا دیا اور وہ ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ ان میں سے ایک ڈنڈا بردار تھا میں نے اس کے ڈنڈے پر ہاتھ مار دیا اور ڈنڈا اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں آگیا۔ لیکن انہوں نے مجھے [illegible] دیے بغیر کارروائی شروع کر دی نتیجے میں اس چھونے کو [illegible]

انہوں نے مجھے کچھ ہاتھ سکھانے تھے، چنانچہ پہلے ڈنڈے کی نوک ان میں سے ایک کے پیٹ میں چبھی پھر یہ ڈنڈا اس کی کمر میں پڑا۔ اور وہ اوندھا ہو گیا۔ لیکن دوسرے نے پھر آواز نکالی تھی بقیہ چار لفنگے جو لڑکی کے پیچھے اچھل کود کر رہے تھے میری طرف متوجہ ہو گئے اور اپنے ایک ساتھی کو تکلیف میں دیکھ کر وہ لڑکی کو بھول گئے۔ جب وہ بڑے خطرناک انداز میں میرے چاروں طرف چکر چکر کر پینترے بدل رہے تھے اور میں بھی ڈنڈے کو ہاتھ میں سنبھالے تیار کھڑا تھا انہوں نے نئی تکنیک کے انداز میں ڈنڈے گھمائے اور پھر بیک وقت مجھ پر حملہ کر دیا لیکن میں نے سوئپ لگائی اور میرے ہاتھ کا ڈنڈا گھوم گیا۔ باقی تو بچ کر خود کو بچا گئے لیکن ایک زد کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی اور وہ ایک ٹانگ پر اچھلنے لگا میں نے فوراً آگے بڑھ کر دوسرے اور پھر تیسرے کو ایک ٹانگ رسید کر دی۔ دوسرے بھی مجھ پر وار کر رہے تھے لیکن میں نمٹنا جانتا تھا۔ البتہ جن کی پنڈلی کی ہڈیوں پر ضرب پڑی تھی، وہ ناکارہ ہو گئے تھے۔ میں نے جان بوجھ کر ان کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا تھا کیونکہ میں ان میں سے کسی کو بھی باقاعدہ زخمی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میری یہ کوشش کامیاب رہی اور میں نے ایک بھی ضرب کھائے بغیر ان سب کو ناکارہ بنا کر رکھ دیا۔ اب وہ بھاگ جانے کی فکر میں نظر آنے لگے تھے۔ پھر ایک کے قدم اکھڑے اور اس کے بعد سب دوڑ گئے۔ تکلیف کی وجہ سے وہ زیادہ تیز نہیں بھاگ رہے تھے اور مڑ مڑ کر خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھتے جا رہے تھے میں بآسانی ان لوگوں کو پکڑ سکتا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا وہ خاطر خواہ لطف حاصل کر چکے تھے اور شاید ان کی تعداد بھی اتنی ہی تھی اس لیے اب ان کی واپسی کی امید نہیں تھی۔ میں نے ڈنڈا ایک طرف اچھال دیا اور پھر گھوم کر لڑکی کو دیکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے تالیاں بجائیں اور بڑے عامیانہ سے انداز میں مجھے اشارہ کر کے بولی۔

"ویری گڈ... آؤ اب یہاں سے چلیں۔ ہو سکتا ہے اس بار وہ اپنا گروہ لے آئیں۔" وہ بھی ترکی نژاد تھی لیکن انگریزی بہت عمدہ بول رہی تھی۔

میں نے نگاہ اس سمت ڈالی۔ غنڈوں کا پتا نہیں تھا تب میں گردن گھما کر دوسری طرف چل پڑا۔

"ارے ارے۔ ادھر نہیں اس طرف۔ باہر نکلنے کا راستہ اس طرف ہے۔" وہ تیزی سے آگے بڑھ کر میرے پاس آ گئی۔

"سوری میڈم۔ میں ابھی پارک کی سیر کروں گا۔"

"اوہ۔ وہ ابھی یہاں سے گئے نہیں ہیں۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"میرا ان سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اگر وہ دوبارہ میرے سامنے آئے تو انہیں درست کر دوں گا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم پٹ گئے تو تم نے انہیں ہی پیٹ دیا۔ آؤ پلیز ضد نہ کرو۔"

"اوکے آپ چل جائیے۔ میں بھی چلا جاؤں گا۔"

"او مائی گاڈ... یعنی تم نے میری مدد کی ہے اور تمہیں کوئی لالچ بھی نہیں ہے۔"

"جی نہیں۔"

"کہاں کے باشندے ہو ترکی تو نہیں معلوم ہوتے؟"

"جی ہاں۔ آپ کا خیال درست ہے۔"

"آؤ تمہیں کسی عمدہ ریستوران میں کافی پلاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ۔ معافی چاہتا ہوں۔"

"جہنم میں جاؤ۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولی اور پھر پاؤں پٹختی ہوئی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا تھا پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئی تو مجھے بھی صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا۔ ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ مجھے گھیر کر دھوکے سے وار کرنے کی کوشش کریں ایسی صورت میں خواہ مخواہ ہی مصیبت مول لینا پڑے گی۔ اس لیے میں بھی پارک سے نکاسی کے دروازے کی طرف چل پڑا۔

میں ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا۔ کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت لیموزین کھڑی ہوئی تھی اور اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ نظر آئی تھی۔ میری ہی طرف دیکھ رہی تھی لیکن اسی وقت ایک ٹیکسی نظر آ گئی اور میں اس کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل پڑی تھی۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ میرا تعاقب نہ کرے لیکن ہوٹل جاتے ہوئے راستے میں مجھے کہیں وہ لیموزین نہیں نظر آئی تھی۔ ہوٹل پہنچ گیا انقرہ کی سیر بہت خوشگوار رہی تھی اور واقعہ بھی کافی دلچسپ تھا۔ بہرحال ان حماقتوں سے محتاط ہی رہنا تھا ویسے بھی انقرہ میں میرا قیام مختصر تھا۔ دوسرے دن احتشام ارزل کا پتا نکالا اور شام [illegible] اس سے ملاقات کا فیصلہ کر لیا۔ پانچ بجے میں تیار ہو کر نیچے آیا۔ ٹیکسی کی اور ڈرائیور کو گلاس اسکوائر پتا بتا کر آرام سے بیٹھ گیا۔ ٹیکسی کا سفر خاصا طویل تھا بل بھی کافی بنا۔ "گلاس اسکوائر" ایک خوبصورت عمارت تھی فلیٹ نمبر آٹھ [illegible] کے دروازے پر پہنچ کر میں نے بیل دبائی اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا لیکن دروازے میں مجھے جو صورت نظر آئی اسے دیکھ کر میں بوکھلا گیا۔ یہ وہی لڑکی تھی۔ وہ

بھی چونک پڑی تھی۔

"ہیلو۔" اس نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم۔" میں متحیرانہ انداز میں بولا۔

"کیا ان میں سے کوئی مر گیا ہے؟" وہ آہستہ سے بولی اور میں اس کے الفاظ سمیٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر مجھے ہنسی آ گئی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تھینکس گاڈ... پھر... اوہ..." وہ دفعتاً مسکرائی "مجھے تلاش کرتے ہوئے آئے ہو۔ مگر میرا پتا تمہیں کیسے مل گیا۔ سمجھی لیموزین کی رجسٹریشن نمبر سے پتا لگایا ہو گا لیکن تم عجیب انسان ہو اتنی بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت تھی اس وقت جب میں نے تمہیں اپنی دوستی کی پیشکش کی تھی اس وقت تم نے مجھے بری طرح نظر انداز کر دیا تھا۔ حریصوں! اس کے بعد تمہیں میری ضرورت کیوں پیش آ گئی۔" لڑکی مسلسل بولے جا رہی تھی پھر اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

"تم صورت ہی سے مجھے عجیب آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن میں تمہیں ناپسند نہیں کر سکتی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کی لڑائی کے ماہر ہوتے ہیں مجھے ان سے بہت دلچسپی ہے مجموعی طور پر تم مجھے کوئی بری لڑکی نہیں کہہ سکتے اور اگر تم مجھ سے دوستی کے خواہاں ہو تو ایک بات ذہن سے ہمیشہ کے لیے نکال دینا وہ یہ کہ میں صرف تمہاری دوست بن سکتی ہوں محبوبہ نہیں۔" میں پریشان نگاہوں سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا اس بکواس کرنے والی لڑکی کو کیا پتا تھا اس کا یہاں مل جانا ہی میرے لیے باعث حیرت تھا لیکن اس سے پہلے کہ مزید گفتگو ہوتی لڑکی کے عقب میں ایک بلند و بالا قد و قامت کا مالک شخص خوب صورت گھریلو لباس میں ملبوس نظر آیا بڑی عمدہ شخصیت تھی اس کی عقب سے اس نے لڑکی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے نور۔ کون صاحب ہیں؟"

"اوہ دراصل..." لڑکی کچھ گھبرا سی گئی۔ بعد اس وقت میں نے بولنا ضروری سمجھا۔

"معاف کیجیے گا جناب مجھے احتشام ارزل سے ملنا ہے۔" لڑکی نے پلٹ کر ترکی میں اس شخص سے کچھ کہا جو میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا لیکن وہ شخص آگے بڑھ کر بولا۔

"میرا نام احتشام ارزل ہے آئیے اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو تشریف لائیے۔" اس نے لڑکی کو پیچھے ہٹا دیا اور مجھے اندر آنے کا راستہ دیا فلیٹ کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا لڑکی البتہ ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں نہیں آئی میں اس کے اشارے پر ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے اپنا کارڈ نکال کر اسے پیش کیا وہ گہری نگاہوں سے کارڈ دیکھتا رہا اور اس کے چہرے پر تبدیلیاں نمایاں ہو گئیں لڑکی نے ترکی زبان میں کچھ کہہ کر غالباً اس کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب کر دی تھی لیکن میرا کارڈ دیکھ کر وہ سنبھلا اور اس کے بعد اس نے کسی قدر پُر اخلاق لہجے میں کہا۔

"میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں میرے لائق کوئی خدمت؟"

"جی یوں سمجھ لیجیے کہ میں آپ سے ملاقات کرنے کے لیے ہی یہ سفر کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ براہ کرم یہ ایک خط ملاحظہ فرمائیے۔" میں نے جیب سے احمد کمال کا دیا ہوا لفافہ نکال کر اس کے حوالے کر دیا اور وہ لفافہ لے کر میرے سامنے ہی صوفے پر بیٹھ گیا لفافے پر اس کا نام اوپر ہی لکھا ہوا تھا اس نے لفافہ چاک کیا اور خط نکال کر پڑھنے لگا جوں جوں وہ خط پڑھتا جا رہا تھا اس کے چہرے کے تاثرات بالکل ہی تبدیل ہوتے جا رہے تھے پورا خط ختم کرنے کے بعد وہ مسکراتا ہوا اٹھا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے میں بھی اخلاقاً اٹھ گیا تھا اس نے مجھے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا مسٹر شارق وہ لڑکی جو شاید اتفاقیہ طور پر آپ سے متعارف ہو گئی تھی شیطان کی خالہ ہے ہمیشہ ہی شرارتیں کرتی رہتی ہے میرا خیال ہے آپ کی طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو گئی ہے میرا دوست احمد کمال میرے دل میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اور میں اس کے دوستوں سے بھی پیار کرتا ہوں میں آپ کو ایک بار پھر خوش آمدید کہتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں اگر اس لڑکی کی وجہ سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو دراصل وہ میری بہن ہے اس کا نام ماہ نور ہے یوں سمجھ لیجیے میں نے باپ بن کر اس کی پرورش کی ہے انتہائی خود سر ضدی اور سرکش ہے لیکن بے حد صفات کی مالک ذہین پھرتیلی شریر سی ہے وہ بالکل [illegible] آدمیں کیا ذکر لے بیٹھا میرا دوست احمد کمال کیسا ہے بہت عرصے کے بعد اس کا تذکرہ زبان پر آیا ہے لیکن وہ میرے دل سے کبھی دور نہیں ہوا میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں شارق حسین بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر لیکن آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"سامان۔"

"ہاں کیا آپ میرا مطلب ہے۔۔۔؟"

"اوہ میں ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوں"

"کیوں، کیا احمد کمال نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ احتشام ارزل یہ جاننے کے بعد کہ احمد کمال کا کوئی دوست انقرہ آیا ہے اسے کسی ہوٹل میں قیام کرنے دے گا نہیں میرے دوست باقی تمام گفتگو سے پہلے میں تمہارا سارا سامان یہاں منتقل کر دینا چاہتا ہوں۔ ہوٹل کا نام بتاؤ۔"

"مسٹر احتشام ارزل براہ کرم ان تکلفات میں نہ پڑیں میں آپ کے ساتھ خاصا طویل قیام کروں گا لیکن میرا سامان ہوٹل ہی میں رہنے دیں"

"آخر کیوں۔۔۔؟"

"اس لیے کہ میرا قیام زیادہ عرصے انقرہ میں نہیں ہوگا۔"

"پھر بھی آپ جتنا یہاں گزاریں گے میں آپ کو دور نہیں رہنے دوں گا۔ ٹھہریے میں آپ کو اپنی بیگم سے ملاتا ہوں باقی باتیں تو بعد میں بھی ہو جائیں گی۔" احتشام ارزل بے حد خوش اخلاق اور ملنسار تھا اس نے ایک بیل بجائی اور ایک بوڑھی دبلے پتلے بدن کی خادمہ اندر آ گئی احتشام نے یقیناً ترکی زبان میں اس خادمہ سے اپنی بیوی کے لیے کہا ہوگا خادمہ باہر چلی گئی اور احتشام ارزل کہنے لگا۔

"احمد کمال کے ساتھ میرے جو لمحات گزرے ہیں وہ جاودان ہیں اور میں انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ بے حد نفیس انسان ہے اور یوں بھی اس کے ہم وطن میرے لیے باعث عزت ہیں یقیناً احمد کمال نے میرا مکمل تعارف کرا دیا ہوگا آپ سے مسٹر شارق حسین؟"

"جی۔ ترکی میں جب مجھے ایک کام درپیش ہوا تو احمد کمال صاحب نے بڑے وثوق سے کہہ دیا کہ میرے دوست احتشام ارزل سے مل لینا وہ تمہاری بہت سی مشکلات کا حل بن جائیں گے"

"آہ کاش میں اپنے دوست کی توقعات پر پورا اتر سکوں بہرحال کام کی تفصیلات بعد میں پوچھوں گا آپ نے بہت اچھا کیا اس وقت یہاں پہنچے میری ملازمت کے اوقات پانچ بجے ختم ہوتے ہیں اور میں سیدھا گھر واپس آجاتا ہوں۔" اسی وقت ایک اور خوبصورت خاتون اندر داخل ہوئیں رکھ رکھاؤ سے بہت ہی پروقار لگ رہی تھیں مجھے سلام کیا اور احتشام ارزل نے ترکی زبان میں میرے بارے میں بتانے لگا خاتون نے آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے انہیں بوسہ دیا

اور پھر انگریزی زبان میں بولی۔

"ہم آپ کو انقرہ میں خوش آمدید کہتے ہیں شارق صاحب انیلا کیسی ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے آپ لوگوں کی اس محبت سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں"

"اور اب تم ہمارے دوست کے لیے عمدہ ڈنر کا بندوبست کرو گی ارے ہاں وہ بے وقوف لڑکی کہاں گئی؟"

"کون ماہ نور۔۔۔؟"

"ہاں پتا نہیں کیا الٹی سیدھی بکواس کر رہی تھی مجھ سے شارق صاحب کے بارے میں گئی کہاں۔۔۔؟"

"فرار ہوگئی اسے صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوگیا ہوگا" مسٹر ارزل نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ ہنسنے لگا پھر اس نے مجھ سے کہا۔

"سوری مسٹر شارق ویسے اس کے ہاتھوں آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی"

"قطعی نہیں"

"رفیقہ اب تم جاؤ اور ہمارے لیے عمدہ قسم کی کافی بھیجو اور مجھے مسرت ہے کہ میں اپنے دوست کے ساتھ کافی پیوں گا" رفیقہ چلی گئی تو احتشام ارزل ہنستا ہوا بولا۔

"میں دفتر سے آنے کے بعد کافی پینے کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ بہرحال اصولی طور پر تو مجھے ابھی آپ سے اس کام کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیے بلکہ آپ کے دوست احباب اور وطن کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیئے لیکن جیسا کہ احمد کمال نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ آپ کو ہر وہ مدد فراہم کروں جو ترکی میں ممکن ہو سکتی ہو تو میرے ذہن میں بھی یہ تجسس پیدا ہو گیا ہے کہ کم از کم مجھے آپ کی ضرورت کی نوعیت معلوم ہو جائے کیا آپ اس موضوع پر بات کرنا پسند کریں گے"

"جس مقصد کے لیے میں یہ طویل سفر کر کے یہاں پہنچا ہوں مسٹر احتشام ارزل اس کے بارے میں گفتگو کرنا سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں"

"تو پھر بہت خوب تو فرمایئے"

میں نے ظفر تمہارے بارے میں ساری کہانی سنا دی۔

پھر وہ بولے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ شخص اس جرم میں ملوث ہوا جس کے نتیجے میں اسے پکڑ لیا گیا ہے تو پھر اس کے ساتھ کوئی

رعایت مانگنا پسند نہیں کریں گے"

"بالکل۔ آپ یوں سمجھ لیجیے کہ یہ ابتدائی بات ہے اور اس لیے کچھ الگ نہ ہوگا"

"تو پھر آپ مطمئن رہیں کہ اگر وہ مجرم نہیں ہے تو میں آپ کی اس سلسلے میں پوری پوری مدد کروں گا فی الحال آپ کو استنبول جانا ہوگا اور وہاں ایک سے ملاقات کرنا ہوگی اس کا نام عاقل جودت ہے۔ وہ استنبول میں محکمۂ پولیس کا بہت بڑا آدمی ہے وہ یقیناً مخلصانہ طور پر آپ کی مدد کرے گا لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ خفیہ طور پر اس سے ملاقات کریں اور صورت حال اس کے علم میں لے آئیں تاکہ وہ آپ کو بہتر مشورہ دے سکے"

"یقیناً میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں کوئی ذمہ دار شخص باقاعدہ ملوث نہ ہو اور اپنے اختیارات اس وقت تک استعمال نہ کرے جب تک کہ میری تحقیق یہ ثابت نہ کر دے کہ جو شخص اس جرم کے الزام میں پکڑا گیا ہے وہ بے گناہ ہے اگر اس کی بے گناہی ثابت ہو جائے تو پھر مجھے صحیح معنوں میں امداد درکار ہوگی میں اس سلسلے میں تمام ثبوت فراہم کر دوں گا"

"پھر تو آپ کو یقین دلانا چاہیئے کہ عاقل اس سلسلے میں آپ کا بہترین معاون ثابت ہوگا، چلیے چھوڑیے اپنے وطن کے بارے میں اور تفصیلات بتایئے، جیسا کہ آپ کا کام میری نگاہوں کے سامنے آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایڈووکیٹ ہیں اور یقینی طور پر یہ پیشہ بہت سی دلچسپیوں کا حامل ہوتا ہے" میں نے احتشام کو بہت زیادہ تفصیلات تو نہیں بتائیں۔ بس گفتگو کے طور پر اس سے باتیں کرتا رہا اور ہم کافی پینے کے بعد ڈرائنگ روم سے اٹھ گئے احتشام ارزل نے کہا۔

"میری خواہش تو یہ تھی کہ احمد کمال کے کسی دوست کو میرے پاس طویل قیام کرنا چاہیئے لیکن آپ کی مصروفیات میں حارج نہیں ہوں گا، ویسے اس شخص سے آپ کا کوئی خاص تعلق ہے جس کے لیے آپ یہ تگ و دو کر رہے ہیں؟"

"ہاں بہت ہی خاص۔۔۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"معلوم کر سکتا ہوں۔۔۔؟"

"میرا اس سے تعلق صرف اتنا ہے کہ میرے علم کے مطابق وہ ایک بے گناہ نوجوان ہے اور میرا ہم وطن ہے" احتشام ارزل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور اصولی طور پر یہ تعلق بہت زیادہ ہے" میں خاموش ہو گیا احتشام ارزل سے بہت سی باتیں ہوئیں اس نے اپنے

کاروبار کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ احمد کمال میں باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اس کی بیوی دو بار ہماری گفتگو میں شرکت کی تھی لیکن زیادہ تر وہ مصروف رہی میں اس بات پر خوش تھا کہ یہاں میری بہت پذیرائی ہوئی تھی، اور اس بات کے امکانات پیدا ہو گئے کہ مجھے اپنے معاملات میں کامیابی حاصل ہو جائے۔

پھر ڈنر کا وقت ہو گیا اور احتشام کی بیوی نے ہمیں ڈنر روم میں چلنے کے لیے کہا۔ میں احتشام ارزل کے ساتھ ڈنر روم میں داخل ہوا تو وہاں مجھے ماہ نور بھی نظر آئی جو خاموش کھڑی ہوئی تھی۔

"تو تم واپس آگئیں۔۔"

"ہاں بھائی، بس ذرا ایک کام سے چلی گئی تھی جو اچانک ہی یاد آگیا تھا"

"اور ان صاحب کے بارے میں تم نے مجھ سے جو کچھ کہا تھا کیا وہ درست تھا"

"میں بھولی ہوئی باتوں کو کبھی یاد نہیں کرتی آپ کو معلوم ہے ڈاکٹر نے مجھے اس کے لیے منع کیا ہے" ماہ نور نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"ہاں مسٹر احتشام ارزل یہ مناسب نہیں ہوتا کہ گزری ہوئی باتوں کو دہرایا جائے"

"آپ پلیز بیٹھیے، میں نے آپ کے لیے چند چیزیں اپنے ہاتھوں سے تیار کی ہیں" ماہ نور نے کہا اور احتشام ارزل کی بیوی رفیقہ منہ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے۔۔۔ تم تو ابھی تھوڑی دیر قبل واپس آئی ہو اور میرے خیال میں آج تم نے کچن کا رخ بھی نہیں کیا؟"

"اوہ بھابی کیا یہ ضروری ہے کہ مہمانوں کے سامنے کسی بات کی گرفت کی جائے آپ مجھ سے الگ تو نہیں ہیں" ماہ نور بولی اور احتشام نے ایک گھن گرج قہقہہ لگایا۔

"بیٹھو بیٹھو ڈیئر شارق ابھی تو تم اس لڑکی کی قلابازیاں دیکھو گے، ہر لمحہ یہ ایک قلابازی کھاتی ہے"

ماہ نور خود بھی میرے سامنے ہی بیٹھ گئی تھی اور اس نے کھانے کی میز پر میرے سامنے کافی خاطر مدارت کی، پھر اس نے احتشام کے سامنے ہی کہا۔

"ہر چند کہ میں نے ان صاحب کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ اچھی خاصی دوستانہ فضا میں بات چیت کی ہے، تاہم عزیز

...ہی ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو مجھے اس کا افسوس ہے۔"

"نہیں میرا خیال ہے، میں نے احتشام صاحب سے ایسی کوئی بات جھوٹ بولتے ہوئے بھی نہیں کہی کہ آپ سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔" اس نے کہا۔

احتشام ارزل کھانے کے بعد ہمارے ساتھ بیٹھا رہا اور پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

"تم شارق صاحب کے لیے آرام کا بندوبست کرو، ہوٹل واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں شارق صاحب اب آپ کب استنبول روانہ ہونا پسند کریں گے؟"

"میرے خیال میں پہلے تو میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ رات میں ہوٹل ہی میں گزار لوں گا اور اس میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ میری خواہش ہے کہ کل ہی آپ کی سفارشات کے ساتھ استنبول روانہ ہو جاؤں، میرے کام میں جس قدر دیر ہوگی وہ اس قدر میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔"

"آپ استنبول جا رہے ہیں؟" ماہ نور نے سوال کیا۔۔۔

"جی مس نور، کچھ ضرورتوں کے تحت میں یہاں آیا ہوں۔"

احتشام ارزل کہنے لگا۔

"ہوٹل جانے کا مسئلہ اہمیت نہیں رکھتا، میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ چند دنوں کے لیے چھٹی لے لوں حالانکہ ان دنوں بے حد مصروفیت ہے لیکن کہیں احمد کمال یہ نہ سوچیں کہ میں نے ان کے دوست کو ٹالنے والے انداز میں استنبول روانہ کر دیا، میں اگر ساتھ چلا جاتا تو آپ کو اپنے کام میں کافی آسانیاں ہو سکتی تھیں۔"

"بھائی میرا ارادہ بھی تو استنبول جانے کا تھا اور آپ مجھے اجازت دے چکے تھے۔ اگر مسٹر شارق حسین کو استنبول [illegible] ہے تو میں ان کی مدد کر سکتی ہوں۔"

"[illegible] کیا تم فوری طور پر تیاری کر سکتی ہو؟"

"[illegible] کیا ہے اور [illegible] تو ویسے بھی ایک آدھ دن میں [illegible] رہی تھی، کیا آپ کو یاد نہیں کہ آپ اجازت [illegible]" احتشام ارزل نے کہا۔

"[illegible] ذریعہ ہے، ماہ نور تمہیں [illegible] ثابت ہوگی۔"

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا، یہاں سوچنے کا انداز کچھ مختلف تھا اور اس بات میں کوئی دقت محسوس نہیں کی جا رہی تھی کہ وہ میرے ساتھ چلی جائے، مجھے بھی بہت زیادہ حماقتوں کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے تھا چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

"ماہ نور صاحبہ اگر استنبول جا رہی ہیں تو بہتر ہے اچھا ہے ان کے ذریعے میری شناسائی مسٹر عاقل جودت تک ہو جائے گی۔"

"ویری گڈ، مسئلہ حل ہو گیا۔ ماہ نور کل تم کسی اچھے سے وقت مسٹر شارق حسین کو استنبول لے جاؤ، عاقل جودت کے بارے میں، میں تمہیں ہدایات دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے بھائی، میں اپنی گاڑی درست کیے لیتی ہوں۔" ماہ نور بولی۔

"گاڑی لے جاؤ گی؟" احتشام ارزل بولا۔

"کیوں، کیا آپ کو میری ڈرائیونگ پر کوئی شبہ ہے؟"

"نہیں۔"

"مسٹر شارق حسین آپ دیکھیں گے کہ میں کتنے مختصر سے وقت میں آپ کو استنبول پہنچا دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا ایک اور تصور میرے ذہن میں ابھرا تھا۔ اصولی طور پر تو مجھے یہاں کافی تیز رفتاری سے کام کرنا تھا لیکن ترکی آنے اور انقرہ کی سیاحت کے بعد یہ تصور ابھرا تھا کہ ترکی کے مشہور مقامات دیکھتا چلوں۔ بذریعہ کار اس کام میں آسانی ہو سکتی تھی اور پھر یہ لڑکی کسی بھی شکل میں بہت زیادہ تکلیف دہ نہیں تھی۔ چنانچہ یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ ماہ نور کا چہرہ مسرت سے گلنار ہو رہا تھا پھر اس نے خود ہی مجھے میرے ہوٹل چھوڑنے کی پیشکش کی اور احتشام ارزل نے مجھے خدا حافظ کہتے ہوئے کہا۔

"روانگی کے لیے ساڑھے گیارہ بجے کا وقت بہت مناسب ہے اس وقت میں بھی آ جاؤں گا۔ تمہیں خدا حافظ کہوں گا۔"

یہ معاملات یہیں طے ہو گئے اور میں ماہ نور کے ساتھ باہر نکل آیا۔ نیچے پہنچ کر اس نے اپنی لیموزین اسٹارٹ کی اور سست روی سے اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"میں نے آپ کے بارے میں اپنے بھائی سے کوئی غلط جملہ نہیں کہا تھا، بس یہی کہا تھا کہ یہ شخص میرا شناسا نہیں ہے لیکن شناسائی کی کوششیں کر رہا ہے۔ میں ان جملوں کے لیے معافی چاہتی ہوں اس وقت مجھے کوئی اور لفظ نہیں سوجھا تھا کیونکہ میرا

بھائی اچانک ہی وہاں آ گیا تھا۔"

"میں نے اس کا برا نہیں مانا، کیونکہ آپ بے حد دلچسپ خاتون ہیں۔"

"شکریہ۔ میں آپ کو ہوٹل چھوڑے دیتی ہوں اور اس کے بعد کل ہم ایک حسین سفر کا آغاز کریں گے بلاشبہ اگر آپ بدذوقی کا ثبوت دیتے تو مجھے بے حد افسوس ہوتا بذریعہ کار یہ سفر نہایت حسین ہوتا ہے ویسے ایک بات بتائیے آپ ترکی پہلی بار آئے ہیں مسٹر شارق۔۔۔؟"

"جی۔۔" میں نے جواب دیا۔

"بس پھر آپ یوں سمجھ لیجیے کہ آپ ایک حسین سفر کی یادیں لے کر یہاں سے جائیں گے۔"

وہ مجھے میرے ہوٹل چھوڑنے کے بعد واپس چلی گئی اور میں سنجیدگی سے آج کے واقعات پر غور کرنے لگا۔

ساڑھے نو بجے مجھے ماہ نور کا ٹیلیفون موصول ہوا اور اس نے مجھ سے میری خیریت دریافت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک لمبے سفر کی ساری تیاریاں مکمل کر چکی ہے اور ٹھیک پونے گیارہ بجے مجھے لینے کے لیے آ جائے گی تاکہ فلیٹ ہی سے سفر کا آغاز کیا جا سکے۔ پونے گیارہ بجے وہ پہنچ گئی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ میں نے اسے خوش آمدید کہا اور پھر ہوٹل کے معمولات سے فارغ کر کے میں اپنے مختصر سامان سمیت اس کے ساتھ چل پڑا۔

مضبوط، طویل اور کشادہ لیموزین، احتشام ارزل کے فلیٹ پر پہنچ گئی۔ جہاں احتشام ارزل نے میرا استقبال کیا، ہم لوگ سفر کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ اس نے کچھ ضروری کاغذات میرے حوالے کیے جن کا تعلق عاقل جودت سے تھا، اور اس کے بعد مصافحہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ میں بہر طور اس سے رابطہ رکھوں۔ اس نے سفر کا آغاز کرتے ہوئے ماہ نور کو بھی کچھ احکامات دیے اور ماہ نور نے گردن خم کرتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ وہ بے حد مسرور نظر آ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔

کار پہلے بھری پڑی سڑکوں پر دوڑتی رہی اور اس کے بعد کلین اور خوبصورت سڑک پر پھسلنے لگی۔ اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

"سفر کا تمام حصہ سست روی سے ہونا چاہیے جہاں کے مناظر ہمارے لیے ناخوش گوار ہوں گے وہاں ہم کار کی رفتار تیز کر دیں گے۔"

"جی۔"

"یہاں آنے کا کوئی خاص مقصد تھا؟"

"ہاں میرے وطن کا ایک شخص یہاں منشیات کی سمگلنگ کے الزام میں قید ہوا ہے میں اس کی رہائی کے لیے کوششیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ یہ منشیات کی تجارت کرنے والے مجھے سخت ناپسند ہیں، گھناؤنے اور غلیظ لوگ۔۔"

"اس میں کوئی شک نہیں، لیکن یہاں جو شخص منشیات کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے اس کے بارے میں اس کے لواحقین کا کہنا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہوگا؟"

"نہیں۔ لیکن اس کے بارے میں تحقیقات کرنے ہی میں یہاں آیا ہوں اگر وہ بے گناہ ثابت ہوا تو پھر مجھے اس کی رہائی کے لیے کوششیں کرنا پڑیں گی۔" دوران سفر لڑکی کا انداز کسی بھی طور برا نہیں رہا تھا۔ میں مضافاتی علاقوں کو دیکھ رہا تھا بلاشبہ ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ ترکی کے خوبصورت مضافات میرے لیے باعث کشش تھے، سرو کے لمبے درختوں اور سبزوں سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں۔ بعض جگہ لکڑی کے بنے ہوئے خوشنما کاٹیج جن کے باغیچے سرخ اور نیلے رنگ کے جنگلی پھولوں سے آراستہ تھے انگور کی بیلوں سے لدے ہوئے دور دور تک پھیلے ہوئے باغات، سرو کے سبز جھنڈ، ہر لمحہ خوب صورتی کا ایک نیا پہلو سامنے آ رہا تھا بعض سبزہ زاروں میں چھوٹے چھوٹے برف کی مانند سفید گھر بنے ہوئے تھے جن میں پرانی وضع کے سنگ مرمر کے فوارے کھلے آہنی دروازے اور اس کے پیچھے درختوں اور بیلوں کے سبز قطاریں لیکن بالکل سنسان جیسے آسیب زدہ ہوں اور ان میں کوئی انسان نہ رہتا ہو ماحول کی یہ تبدیلی میرے ذہن پر بڑے خوش گوار تاثرات چھوڑ رہی تھی اور بعض اوقات میری نگاہیں ماہ نور کی جانب اٹھ جاتی تھیں جو ایک بڑا سا چشمہ لگائے سامنے نگاہیں جمائے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے قصبے [illegible] دیہات آ رہے تھے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے بھی ماہ نور رفتار سست نہیں کرتی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"یہ سفر کتنا طویل ہے؟"

"مسلسل چلا جائے تو نو گھنٹے لگ جائیں گے لیکن [illegible]

ہوگا کہ ہم "نصاح" میں قیام کریں اور دوسری صبح باقی تین گھنٹے کا سفر کر کے استنبول پہنچ جائیں۔"

"نصاح کیا ہے؟"

"ایک شہری قصبہ۔ اسی کے کنارے جھیل نور ہے۔ میرے ہم نام۔" وہ ہنس پڑی پھر بولی "مجھ سے کہیں زیادہ حسین ہے وہ اور سیاح ترکی سے واپسی پر اسے ضرور یاد رکھتے ہیں۔"

"خوب" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ یہاں سے واپسی پر تم بھی اسے یاد رکھو گے۔"

"اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ یہاں سے واپسی پر میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔" ماہ نور نے گردن گھما کر ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر آہستہ سے بولی۔

"کیا اس گفتگو کو میں رومانی سمجھوں؟"

"ہرگز نہیں، تم میں صرف ایک ہی خوبی نظر آئی ہے مجھے وہ یہ کہ تم عام بے وقوف لڑکیوں کی طرح رومانی نہیں ہو جاتیں۔"

"اوہ بے حد شکریہ، اگر تم اسے خوبی سمجھتے ہو تو پھر خود بھی باکمال ہو۔" اس نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑی پھر بولی۔

"مجھے نفرت ہے اس تصور سے کہ جہاں کہیں ایک مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں وہاں ذہنوں میں فتور شروع ہو جاتا ہے۔"

"بے شک۔۔۔ بے شک۔۔۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ مجھے اپنے بارے میں کچھ دلچسپ فقرے یاد آ گئے تھے جن میں کہا جاتا تھا کہ میں خواتین کو صرف بہنیں بنانے پر اکتفا کرتا ہوں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کون لوگ ہوتے ہیں جو ایک ہی اندازِ فکر کے قائل ہوتے ہیں بہنیں یا دوسرا کوئی رشتہ صرف تقدس کا اظہار کرتا ہے اور ہمارے لیے ضروری تو نہیں ہے کہ ہم صرف جسموں کو پامال ہی کرتے رہیں اور اس سے حظ اٹھائیں صنفِ نازک کی قربت بہت ہی دلکشیوں کی حامل ہوتی ہے، اسے اپنی تحویل میں لے لینا کہاں کی دانش مندی ہے اور جب اس کے مواقع آتے ہیں تو کسی بھی ایک شخصیت کو اس کے مکمل حقوق ادا کر دیے جائیں تو اس میں کیا برائی ہے کہ یہی تہذیب کا جز قرار پاتی ہے۔ مجھے اس طرح سے سوچنے والوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ماہ نور ہر طرح سے ایک بہتر شخصیت ثابت ہو رہی تھی ہمارا سفر انتہائی دلکش تھا۔ راستے میں ایک بار پھر ماہ نور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے تمہاری جو ذمہ داریاں ہیں تم صرف انہیں پورا کرنے آئے ہو یا ترکی کی مزید سیاحت کا پروگرام ہے؟"

"نہیں ماہ نور! دراصل مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ یہاں مجھے احتشام ارذل اور ماہ نور جیسے دوست مل جائیں گے جنہیں میں کبھی نہیں بھول سکوں گا، اگر یہ بات میرے علم میں ہوتی تو پھر ایک باقاعدہ پروگرام بنا کر یہاں آتا اور اپنے کام کی تکمیل کے بعد یہاں قیام کرتا تاکہ پورا ترکی دیکھ سکتا۔"

"استنبول دیکھ لو، سمجھ لو پورا ترکی دیکھ لیا۔"

"اچھا۔۔۔" میں نے تعجب سے کہا۔

"ہاں، مجھے انقرہ سے زیادہ استنبول پسند ہے اور مجھے ہی نہیں بے شمار افراد کا یہی کہنا ہے۔"

"ٹھیک ہے اس دوران استنبول ضرور دیکھیں گے۔"

"اس دوران نہیں، اس دوران سے پہلے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"جس شخص کے پاس تم جا رہے ہو اور جس کا نام عاقل جودت ہے۔ وہ صرف ایک پولیس آفیسر ہے وہ ہمیشہ پولیس آفیسر رہتا ہے، خشک، بے رنگ بو، اور دنیا کی لطافتوں سے بے نیاز، تمہارے سامنے مصروف ہوگا تو پھر اس طرح ہو جائے گا کہ باقی دنیا کو بھول جائے گا، اخلاق اور آداب اسے چھو کر نہیں گزرے یہ نہیں جانتا کہ انسانوں کے ساتھ سلوک کیسے کیا جاتا ہے۔"

"تم نے تو مجھے خوف زدہ کر دیا۔"

"نہیں یہ بات نہیں ہے، ویسے میں نے جو کچھ کہا وہ سچ ہی کہا، چنانچہ بہتر یہ ہے کہ پہلے استنبول کے مضافات دیکھ لو اس سے لطف اندوز ہو جاؤ۔ میں تمہارے لیے ایک بہترین گائیڈ ثابت ہوں گی۔"

"مختصر وقت میں ہم یہ بھی کر لیں گے۔"

"ہاں۔۔۔ اس کے بعد میں تمہیں عاقل جودت کے حوالے کروں گی۔" اس نے اس انداز میں کہا جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے سپرد پولیس کر دیا جائے گا اور پھر خود ہی ہنس پڑی۔

"کیا اس دوران تمہارا قیام عاقل جودت کے ساتھ نہیں رہے گا؟"

"میں سمندر کی گہرائیوں میں رہنا پسند کروں گی لیکن اس شخص کے ساتھ نہیں۔۔۔"

"تو پھر۔۔۔؟"

"وہاں میری کچھ عزیز دوست ہیں جنہوں نے مجھے بہت

دلوں سے مدعو کیا ہوا ہے میں تم سے رخصت ہو جاؤں گی اور اس کے بعد کی ذمہ داریاں خود تمہارے سپرد ہوں گی۔"

اس نے جواب دیا اور میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی، سفر جاری رہا رفتار کہیں بھی قابو سے باہر نہیں ہوئی تھی اور پھر یہ طویل ترین جھیل نور پہ ختم ہوا یعنی قصبہ نصاح کے پاس یہی ترکی طرزِ تعمیر کے نمونوں کا منظر تھا لیکن وہ جھیل کے پس منظر میں نظر آ رہا تھا، جھیل کا پیش منظر ہی اتنا خوبصورت تھا کہ دیکھ کر آنکھوں کو فرحت کا احساس ہوتا تھا، پانی کی نیلاہٹوں میں سرسبز و شاداب درختوں کا ایک جھنڈ خوبصورت سفید مکانات اور سرخ مٹی کی ایک لکیر جو پانی کو چھو رہی تھی، کنارے کے ساتھ ساتھ سڑک پر ریستوران اور قہوہ خانوں کے ویٹر سفید ڈنر جیکٹوں میں ملبوس ہاتھ میں مینو کارڈ تھامے گاہکوں کا انتظار کر رہے تھے۔ ساحل سے پرے خوبصورت پہاڑیوں پر نگاہ ڈالے بغیر فٹ پاتھ پر لگی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ جاؤ تو یوں محسوس ہو جیسے سوئٹزر لینڈ کا کوئی روایتی قصبہ نگاہوں کے سامنے ہو، اکارڈین بجانے والے لڑکے اور اس کے ساتھ ہی انتہائی پُرسکون اور خوبصورت ماحول، یہاں ایک جگہ کار پارک کر دی گئی اور ہم لوگ ایک ڈھلان سڑک پر چلتے ہوئے جھیل کے مغربی گوشے تک پہنچ گئے۔ یہاں مختلف قسم کی دکانیں سجی ہوئی تھیں، ایک دکان کے باہر سوکھا گوشت، پنیر اور مچھلیاں لوہے کے کنڈوں سے ٹنگی ہوئی جھول رہی تھیں، ہم پہنچے تو دکان دار نے پُر اخلاق انداز میں گردن خم کی اور اس کے بعد ہماری مطلوبہ اشیاء تیار کرنے لگا۔ گوشت کے بڑے ٹکڑے کنڈے سے اتار کر اس نے ایک آری ہاتھ میں لے کر ہم سے ان کی مقدار پوچھی اور ماہ نور نے ترکی زبان میں اسے اپنی مطلوبہ اشیاء کا آرڈر دیا۔ یوں پنیر مچھلی، ڈبل روٹی اور ابلے ہوئے انڈوں کا قیمہ ایک خاص انداز سے بنا ہوا پیک کر کے ہمارے حوالے کر دیا گیا پھر ہم نے بائیں ہاتھ مڑ کر پہاڑی کی چوٹی تک کا سفر کیا، اس چوٹی پر چیڑ کے درختوں کے جھنڈ حسین ترین نظر آ رہے تھے اطراف میں درختوں قدیم وقت کی بگھیاں کھڑی تھیں۔ رنگین جھالروں اور گول پھندنوں سے سجی ہوئی گھوڑوں کے ساز نہایت نفیس تھے اور ان کے گلے میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں بج رہی ہوئی تھیں، ہم نے ایک پُرسکون گوشہ منتخب کیا اور وہاں پہنچ گئے، چوٹی کے دونوں طرف سڑک پر سفید رنگ کے خوشنما گھر بنے ہوئے تھے جن کے گرد چھوٹے چھوٹے باغیچے سرخ، نیلے اور کاسنی پھولوں سے اٹے تھے دھندلاتے ہوئے سنگ پرانے فواروں کے گرد جنگلی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں، سر کے گہرے سبز درخت مکانوں کی چھت تک چلے گئے تھے اور خوشنما پھولوں نے ان مکانوں کا مکمل گھیراؤ کیا ہوا تھا جھیل کی نم ہوا کے جھونکے آتے تو جنگلی گلاب کی بیلیں دیواروں سے چھوٹ کر سفید اور کھلی کھڑکیوں میں جھانکنے لگتیں ہر طرف ایک مکمل اور سحر انگیز سکون پھیلا ہوا تھا۔ ماہ نور کا کہنا درست تھا درحقیقت جھیل نور بہت خوبصورت تھی اور اس کے اطراف قدرتی حسن سے مالا مال یہاں ہم نے کافی وقت گزارا اور جھیل قدمی کرتے ہوئے جھیل کے مختلف گوشے دیکھتے رہے، رقص اور موسیقی کے مظاہرے جگہ جگہ ہو رہے تھے لوگ زندگی کی لطافتوں سے سرشار اپنا خوبصورت وقت گزار رہے تھے اور ان تفریحات میں گم ہو کر میں بھی بلاشبہ کچھ دیر کے لیے اپنے ماحول کو بھول گیا تھا، یہ سب کچھ ایک طویل خواب کی مانند تھا۔ ایک ایسا خواب جو ناخوش گوار نہ ہو اور جی چاہے کہ کچھ دیر آنکھ نہ کھلے۔ مجھ سے دور میرے ساتھی میری راہ تک رہے ہوں گے میری کامیاب واپسی کے منتظر ہوں گے لیکن کامیاب واپسی کے لیے ابھی ایک طویل جدوجہد کی ضرورت تھی۔ نہ جانے کتنی طویل ہوگی یہ جدوجہد۔۔۔

رات جھک آئی تھی اور چاروں طرف روشنیاں جگمگانے لگی تھیں۔ روشنیوں کے نیچے کچھ ایسی تفریحات ہو رہی تھیں جن میں حصہ لینا ہمارے لیے ممکن نہیں تھا۔ ماہ نور نے بھی ان تفریحات میں حصہ لینا پسند نہ کیا اور بولی۔

"کل صبح ہی صبح آگے کے سفر کا آغاز کر دیں گے اس لیے ہمیں کوئی عمدہ آرام گاہ تلاش کرنی چاہیے۔ میرے خیال میں کوئی بھی پُرسکون گوشہ ہماری آرام گاہ بن سکتا ہے۔ لیموزین کھڑی کر کے اس کے ساتھ بستر لگا لیں گے۔"

"بہت مناسب خیال ہے۔" میں نے تائید کر دی چنانچہ لیموزین اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی گئی۔ پھر ایک ٹیلے کے دامن کو قیام گاہ کے طور پر منتخب کر کے ہم نے سرسبز گھاس پر اپنے بستر لگا دیے۔ جھیل یہاں سے کافی فاصلے پر تھی لیکن وہاں کی ہاؤ ہو کی آوازیں یہاں تک آ رہی تھیں۔ آسمان پر مدھم روشنی پھیلتی جا رہی تھی اور ہم دونوں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دراز آسمان دیکھ رہے تھے۔ کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور ذہن کی پرواز نہ جانے کہاں پہنچ گئی تھی۔

اچانک ماہ نور نے کہا "مسٹر شارق۔ اپنے وطن میں آپ کی تفریحات کیا ہیں؟"

"میری تفریحات ذرا مختلف ہیں۔"

"کاروباری۔۔۔ یا کچھ اور بھی۔۔۔"

"زیادہ تر کاروباری۔"

"اپنے اہلِ خاندان کے بارے میں کچھ بتائیے۔" وہ بولی۔

میں اسے اپنے گھر کے بارے میں بتانے لگا۔ ماہ نور دل چسپی سے میری باتیں سن رہی تھی۔ مجموعی طور پر یہ لڑکی مجھے بہت پسند تھی۔ میں اس سے دیر تک باتیں کرتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں سے نیند جھانکنے لگی اور اس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے نیند آرہی ہے، اس لیے شب بخیر!" اس نے کروٹ بدل لی۔ میں بھی خاموشی سے سونے کی کوشش کرتا رہا۔ ماہ نور کے ہلکے ہلکے خرّاٹے ابھر رہے تھے اور میں خود بھی سونے کی کوششوں میں مصروف تھا کہ دفعتاً کسی گاڑی کی تیز روشنیاں ٹیلے پر پڑیں اور رک گئیں۔ گاڑی کا رک جانا میرے لیے تعجب خیز تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ گاڑی ہم سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر رکی تھی، پھر اس کی روشنیاں بجھ گئیں اور میں نے مدّھم روشنی میں دو انسانی سائے دیکھے، جو اس جانب آرہے تھے ایک لمحے میں نجانے کیوں میرے ذہن میں ایک عجیب سا تصور ابھرا۔ ماہ نور بھی شاید میری آہٹ سے جاگ گئی تھی۔ وہ خود بھی کمبل پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور ہم دونوں آنے والوں کو دیکھنے لگے۔

دونوں آدمی سیاہ رنگ کے سوٹوں میں ملبوس اور سروں پر فیلٹ ہیٹ لگائے ہوئے تھے، جن کے گوشے پیشانی پر جھکے ہونے کی وجہ سے ان کے چہرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہمارے قریب پہنچ کر ان میں سے ایک نے چھوٹا سا بریف کیس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آجاتا ہے۔" میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے بریف کیس اس طرح میری طرف بڑھایا تھا کہ میں نے خاموشی سے اسے تھام لیا تھا۔ دونوں آدمی واپس چلے گئے۔ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا لیکن وہ دونوں کار میں جا بیٹھے اور آن کی آن میں کار ہوا ہو گئی۔ میں حیرت سے یہ بریف کیس ہاتھ میں پکڑے ماہ نور کو دیکھ رہا تھا۔ پھر نجانے کیوں میرے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آجاتا ہے، میں نے زیرِ لب یہ جملہ دُہرایا۔ ماہ نور بھی متعجبانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، پھر اس نے کہا۔

"یہ کیا ہے۔۔۔؟"

"بب، بریف کیس۔ ہے۔۔" میں نے کہا۔

"مگر اس میں کیا ہے؟"

"پتا نہیں۔۔"

"کھول کر دیکھو۔۔" اس نے کہا اور میں بریف کیس کھولنے لگا۔ نمبروں سے کھلنے والا تالا اس میں لگا ہوا تھا، اس لیے میری کوشش کے باوجود بریف کیس نہ کھل سکا اور میں کافی دیر تک یہ کوشش کرنے کے بعد اس سلسلے میں مایوس ہو گیا۔ میں نے ماہ نور سے کہا "اس میں جو کچھ بھی ہے ہمارے لیے بہتر نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جائے، پھینک دو اسے۔"

"پتا نہیں وہ لوگ کس غلط فہمی میں یہ بریف کیس ہمیں دے گئے ہیں؟"

"او مائی گاڈ، میرا خیال ہے یہ جگہ ہمارے لیے مناسب نہیں ہے، کہیں کوئی خطرہ درپیش نہ ہو۔" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا کروں، لیکن پھر وہاں سے ہٹنا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ بریف کیس واپس لینے کے لیے آئیں تو میں نہایت آسانی سے یہ بریف کیس ان کے حوالے کر دوں گا اس وقت تجسس میں ڈوبنا مناسب نہیں ہے چونکہ غیر جگہ ہے اور یہاں ہمارے لیے کوئی بہتری نہیں ہو سکتی۔ یہی بات ماہ نور سے کہی اور اس نے مجھ سے اتفاق کیا لیکن رات گزرتی گئی اور کوئی بھی بریف کیس لینے کے لیے یہاں نہ پہنچا۔ مجبور ہو کر ہم لوگ لیٹ گئے، لیکن بریف کیس ہماری جان کا عذاب بنا ہوا تھا۔ رات کو نجانے کون سے حصے میں ہم لوگوں کو نیند آگئی اور پھر علی الصباح اس وقت جب صبح کی کرنیں زمین تک نہ پہنچ پائی تھیں ہم دونوں جاگ گئے، بریف کیس یاد آیا جو اپنی جگہ موجود تھا۔ ماہ نور نے گردن جھٹکی اور آہستہ سے بولی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ یہ کوئی مجرمانہ سلسلہ ہے، لیکن میں تمہاری بات سے متفق ہوں شارق، بریف کیس ہمیں اپنے پاس رکھنا

چاہیے اور اگر کوئی ہم سے یہ طلب کرے تو خاموشی سے اس کے حوالے کر دینا چاہیے بلاوجہ دشمنی مول لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

دل تو چاہ رہا تھا کہ اس اسرار کا پتا لگاؤں لیکن یہ صرف حماقت ہوتی، کچھ لوگوں کی دشمنیاں مول لینی پڑتیں اور اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ بریف کیس احتیاط سے رکھ لیا اور طے یہ کیا کہ استنبول پہنچنے کے بعد بھی اگر کوئی اسے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے تو خاموشی سے اسے عاقل جودت کے حوالے کر دیا جائے اور صورت حال بتا دی جائے ماہ نور بھی اس بات پر متفق ہو گئی تھی، چنانچہ ضروری تیاریوں کے بعد ہم نے ہلکا پھلکا ناشتا کیا اور اس کے بعد ماہ نور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ بریف کیس والے واقعے نے ہمیں خوامخواہ سنجیدہ کر دیا تھا۔ جھیل نور سے کافی فاصلے پر نکلنے کے بعد ماہ نور نے کار کی رفتار تیز کر دی اور ہم معمول کے مطابق اطراف کے مناظر دیکھتے ہوئے استنبول جانے والی سڑک پر سفر کرتے رہے۔ یہ سفر تقریباً پینتالیس منٹ تک پُرسکون رہا لیکن اس کے بعد ہی بے سکونی کا آغاز ہو گیا اور اس آغاز کی وجہ ایک وزنی ٹرک تھا، جو انتہائی شاندار تھا اور بے آواز ہمارے پیچھے چلا آرہا تھا۔ ٹرک کی رفتار بے پناہ تیز تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر قیمت پر ہم سے آگے نکل جانا چاہتا ہو۔ اس میں ایک ٹرالر بھی لگا ہوا تھا، ہم نے ٹرک کو آگے جانے کا راستہ دے دیا لیکن آگے جانے کے بعد ٹرک سڑک پر اس طرح مڑ گیا کہ اگر ماہ نور گاڑی کو نہ سنبھال لیتی تو یقینی طور پر اس کا ٹرک سے ٹکرا جانا لازمی تھا۔ میرا اندازہ اگر غلط نہیں تھا تو یہ بریف کیس ہی کے سلسلے کی کوئی کڑی تھی اور بریف کیس ہمارے پاس محفوظ تھا۔ ٹرک سے فوراً ہی تین چار آدمی نیچے اتر آئے اور کار کے قریب پہنچ گئے۔

"بریف کیس کہاں ہے؟" ان میں سے ایک نے غراتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"کار کی پچھلی سیٹ پر۔" ماہ نور نے جواب دیا اور وہ شخص تیزی سے لیموزین کی پچھلی سیٹ کی جانب لپکا۔ اس نے بریف کیس اٹھا لیا اور اس کے وزن کا اندازہ کرنے لگا۔ تالے کو بھی اس نے چیک کیا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی طرف مڑ کر ترکی زبان میں کچھ کہا۔ جس کے جواب میں ماہ نور نے بھی کچھ کہا۔ میں ان دونوں کے الفاظ نہیں سمجھ سکا تھا لیکن ٹرک والے نے ایک سخت اشارہ کر کے پھر کچھ کہا اور ماہ نور نے شانے ہلا دیے۔

"وہ کہتا ہے کہ ہمیں اس طرح نہیں جانے دیا جائے گا۔ ہمیں ان کی تسلی کرنا ہوگی۔"

"کوئی حرج نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا اور ماہ نور ان کے اشارے پر ایک جانب چل پڑی۔ ٹرک ہمارے ساتھ ساتھ ہماری لیموزین کور کیے ہوئے چل رہا تھا۔ تقریباً ایک میل چلنے کے بعد ہمیں ایک ذیلی سڑک پر مڑنا پڑا جو اچانک سڑک سے نیچے اتر کر کہیں دور تک چلی گئی تھی۔ لیموزین آگے تھی اور ٹرک ہمارے پیچھے، اور یقینی طور پر ٹرک میں ایسے انتظامات تھے کہ اگر ہم کوئی کوشش کرنے کی ہمت کر بھی لیتے تو وہ ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ ماہ نور نے کہا۔

"میں جانتی تھی کہ یہ بریف کیس ہمارے لیے کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور لائے گا۔ بہرحال ہوشیاری سے اس مصیبت سے نکلنا ہے اور اس کے لیے تعاون کا رویہ ہی بہتر رہے گا۔" میں نے ماہ نور سے اتفاق کیا تھا۔

یہ ذیلی سڑک ایک چھوٹی سی عمارت پر جا کر ختم ہوئی تھی، جو لکڑی کی بنی ہوئی تھی لیکن اس کا احاطہ کافی وسیع تھا اس عمارت کے بارے میں نہ ماہ نور کوئی اندازہ لگا سکی اور نہ ہی میں، لیکن ٹرک ہمارے عقب میں رک گیا اور ہمیں لیموزین سے نیچے اتار لیا گیا۔

ہم ان لوگوں کے ہاتھوں میں پستول دیکھ رہے تھے جو ہمیں کور کیے چل رہے تھے سورج اب پوری طرح نکل آیا تھا اور چاروں طرف تیز روشنی پھیل گئی تھی۔ ہمیں لکڑی کی عمارت کے ایک کمرے میں لایا گیا اور دروازہ کھول کر اندر دھکیل دیا گیا ایک بار پھر پستول بردار نے ماہ نور سے کچھ کہا تھا اور ماہ نور نے اسے جواب دیا تھا پھر وہ مجھے بتانے لگی کہ وہ کہہ رہا تھا کہ ہم لوگ یہاں قیام کریں، ہمیں تھوڑی دیر کے بعد ان کے سربراہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا اور ماہ نور پریشان سی ہو کر اس کمرے میں بیٹھ گئی۔ پریشان تو میں بھی تھا لیکن [illegible] سے اعصاب کی مضبوطی میرے وجود میں شامل تھی۔ اس کی پریشان صورت دیکھی اور مسکرا کر بولا۔

"خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو یہ بھی اک" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تقریباً اک

انتظار کرنا پڑا، تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور دو آدمی ہمیں لیے باہر نکل آئے۔ وہ ایک کمرے میں پہنچے۔ یہاں ایک پستہ قامت شخص بیٹھا ہوا تھا جو یقیناً ترکی نژاد نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اس کا تعلق افریقہ کے کسی علاقے سے ہو۔ رنگ گہرا سیاہ نہیں تھا لیکن سیاہی مائل تھا اس کی سفید سفید آنکھیں بے حد ڈراؤنی لگ رہی تھیں۔

اس نے ہم دونوں کو اوپر سے نیچے تک گھورا اور پھر شستہ انگریزی میں بولا۔ "تمہارے نام۔ ۔"

ماہ نور نے اپنا اور میرا نام بتا دیا تھا۔

وہ شخص مجھ سے مخاطب ہوا۔ "تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟" جواب میں، میں نے اس شخص کو اپنے وطن کا نام بھی بتایا تھا۔

"اور تم۔ ۔"

"میں ترک ہوں۔" ماہ نور نے جواب دیا۔

"وہاں کیا کر رہے تھے تم لوگ۔ ۔ ۔"

"آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ وہاں ہمارے بستر بھی موجود تھے۔"

"تو پھر تم نے وہ بریف کیس کیوں قبول کیا۔ ۔"

"جن لوگوں نے ہمیں یہ بریف کیس دیا ان سے سوال کریں۔ وہ نیچے اترے، انہوں نے ایک جملہ کہا کہ صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آجاتا ہے۔ بریف کیس ہمارے حوالے کیا اور چلے گئے۔ اگر وہ ہم سے ہمارے بارے میں کچھ پوچھتے تو ہم انہیں بتا دیتے کہ ہم صرف سیاحت کی غرض سے نکلے ہیں استنبول جا رہے ہیں اور ہمارا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ان معاملات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کیا تم نے یہ بریف کیس کھول کر دیکھا؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم اس سے بالکل بے تعلق تھے۔" ماہ نور نے کہا۔

"ہوں، تمہیں یہ بریف کیس غلط فہمی کی بنا پر دے دیا گیا تھا۔ وہاں کسی اور کو پہنچنا تھا جو نہیں پہنچا، لیکن اب ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ تم اس واقعہ کی پبلسٹی کرتے پھرو گے۔"

"نہیں سر، ہمیں اپنی زندگی عزیز ہے، آپ کو یہ شک نہیں کرنا چاہیے ہم پر۔ ۔ ۔"

"ان لوگوں کی تلاشی لی تم نے؟" پستہ قامت نے کہا، مخاطب وہ دو افراد تھے جو ہمارے ساتھ آئے تھے۔

"نہیں جناب۔ ۔"

"ان کی تلاشی لو، ان کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرو اور اس کے بعد ان لوگوں کو جانے کی اجازت دے دو۔ ہمیں ان سے کوئی پرخاش نہیں۔" ہماری تلاشی لی گئی، ماہ نور کا پرس بھی کھول کر دیکھا گیا اور یہ تمام چیزیں اس شخص کے سامنے پیش کر دی گئیں وہ خود بھی جائزہ لے رہا تھا پھر اس نے ایک لفافہ کھولا اور اس میں سے وہ تصویر نکال لی جو در حقیقت میرے پاس بڑی احتیاط سے محفوظ رکھی ہوئی تھی۔ یہ تصویر ظفر اظہار کی تھی اور وہی تھی جو مجھے اظہار صاحب نے فراہم کی تھی، کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی لیکن دفعتاً ہی پستہ قامت کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"اوہ مائی گاڈ، یہ۔ ۔ ۔ یہ۔ ۔ ۔" اشارہ تصویر کی جانب ہی تھا، وہ حیرت اور دلچسپی سے اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

پھر اس نے میری طرف رُخ کر کے کہا: "اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

ایک لمحے کے لیے میرے ذہن میں سینکڑوں وسوسے ابھر آئے ظفر اظہار سے تعلق کیا ظاہر کروں، یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ بالآخر فوری طور پر کہنا پڑا۔

"یہ میرا دوست ہے۔"

"تمہارا دوست! اوہ تمہارے درمیان، میرا مطلب ہے مگر نہیں، یہ واقعی تمہارا دوست ہے؟" پستہ قامت نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" میں اب تن بہ تقدیر ہو گیا تھا۔ اس دوستی کے نتائج جو کچھ بھی نکلیں، سیاہ فام چند لمحات کچھ سوچتا رہا پھر اس کا انداز ایک دم تبدیل ہو گیا۔

"اگر تم اس کے دوست ہو، تو پھر ہمارے بھی دوست ہوئے تم نہیں جانتے کہ اس شخص سے میرا کتنا گہرا تعلق ہے؟"

میں نے ایک طویل سانس لی لیکن اس کے ساتھ ہی دل میں کچھ عجیب سی کیفیات نمودار ہو گئی تھیں۔ اس اتفاق کو حیران کن کہا جا سکتا ہے، لیکن بہرحال اس وقت مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

"اس شخص سے میری بچپن کی دوستی ہے اور تمہیں یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہم دونوں ہم وطن ہیں۔"

"ہاں بالکل بالکل۔ کیوں نہیں لیکن میرے دوست کاش تم پہلے اس کے بارے میں بتا دیتے تو تمہیں اس تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ مجھے بہت افسوس ہے تم نہیں جانتے کہ یہ شخص میرا کتنا بڑا محسن ہے، خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ ۔ ۔ تم اس کے ہم وطن اور دوست ضرور ہو لیکن ہم پیشہ نہیں معلوم ہوتے۔"

"ہم پیشہ!" میں نے سوالیہ انداز میں سیاہ فام کو دیکھا اور وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"ہاں ہم پیشہ، ورنہ یہ بریف کیس اتنی آسانی سے میرے حوالے نہ کر دیتے۔ اوہ میں بے وقوفی کی گفتگو کرنے لگا ہوں۔ تم لوگ کیا دیکھ رہے ہو، میرے دوست کے لیے خاطر مدارات کا انتظام کرو، تم اطمینان رکھو ڈیئر میں تمہیں بڑے احترام سے اس مین روڈ پر پہنچا دوں گا جہاں سے تمہیں اپنا یہ راستہ ترک کرنا پڑا ہے۔ تم سے بس تھوڑی دیر چاہتا ہوں در اصل میں انتہائی معروف آدمی ہوں اور دنیا کے بیشتر ملک میں میرا کاروبار پھیلا ہوا ہے، اس لیے خیر چھوڑو، پتا نہیں مجھے فضول باتیں کرنے کی عادت کیوں پڑ گئی ہے۔" میں سنجیدہ نگاہوں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا۔ رویہ ہی تبدیل ہو گیا تھا اس کا میں نے کوئی تعرض نہ کیا، تھوڑی بہت دیر اور گزاری جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ماہ نور کافی الجھی الجھی نظر آ رہی تھی۔ ہمیں ایک بار پھر ایک دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا اور اس کے بعد انہوں نے اپنی اس ضیافت کا مظاہرہ کیا جو دوستانہ انداز میں تھیں۔ کافی کھانے پینے کی اشیا ہمارے سامنے لگائی گئیں اور اصرار کر کر کے ہمیں یہ تمام چیزیں کھلائی گئیں لیکن وہ سیاہ فام اس ضیافت میں موجود نہیں تھا۔ ہاں جب ہم اس سے فارغ ہوئے تو وہ اندر آ گیا اس نے ایک لفافہ میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"اس میں کچھ نہیں ہے۔ ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کسی طرح تمہارے لیے پریشان کن ثابت ہو۔ بس ۔ ۔ برادر ہے کچھ تصویریں ہیں۔ انہیں احتیاط سے اپنے پاس رکھ لو ہاں وطن واپسی کب ہو گی؟"

"استنبول کی سیر کے بعد، چند دن کے اندر اندر۔ ۔"

"بس ٹھیک ہے تم ایک مہینے کے اندر اندر یہ لفافہ میرے دوست تک پہنچا دو اس سے کہنا کہ اس بار جب وہ مجھ سے ملاقات کرے تو میرے لیے چند اشیا خرید لائے جن کی تفصیل اس لفافے میں درج ہے۔"

میں نے لفافہ احتیاط سے جیب میں رکھ لیا، ظفر اظہار کی تصویر بھی میرے حوالے کر دی گئی اور وہ تمام چیزیں بھی جو انہوں نے اپنی تحویل میں لی تھیں۔ چلتے وقت اس شخص نے مجھ سے بڑا پُرجوش مصافحہ کیا اور ایک بار پھر معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس کے دوست کو یہ نہ بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے۔ میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا کہ اچھا ہے اس بہانے اس سے ملاقات ہو گئی۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس دوران نہ ہی اس نے ظفر اظہار کا نام لیا اور نہ ہی اپنا نام بتایا لو یہ حالات کی جو پُراسرار نوعیت تھی اُس کا مجھے بھی اندازہ تھا۔ بے وقوف نہیں تھا کہ ان باتوں کو نہ سمجھ سکتا، مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ منشیات ہی کا سلسلہ ہے۔ ذیلی سڑک سے بڑی سڑک پر پہنچنے کے بعد ہمارے ساتھ آئے ہوئے دونوں آدمیوں نے ہمیں الوداع کہا اور ہیوزن استنبول کی جانب رُخ کر کے دوڑنے لگی۔

کافی دُور نکلنے کے بعد ماہ نور نے ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولی۔

"یہ کچھ الف لیلوی معاملات معلوم ہوتے ہیں بالکل طلسمی نوعیت کے حامل، فدا وہ تصویر مجھے بھی دکھاؤ جس نے ہماری تقدیر ہی بدل دی، ورنہ ان کم بختوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔" میں نے خاموشی سے ظفر اظہار کی تصویر ماہ نور کو دے دی تھی اور وہ سادہ سی نگاہوں سے اس تصویر کو دیکھنے لگی اور اس کے بعد اس نے لفافے میں وہ تصویر رکھ کر مجھے واپس کر دی۔

"ایک تصویر اتنا بڑا کارنامہ دکھا سکتی ہے یہ پہلی بار دیکھا ہے۔ ویسے وہ شخص ہم لوگوں سے مطمئن تھا اور اس نے ہمیں واپسی کی اجازت پہلی ہی بار دے دی تھی ہاں ضیافت اس میں درج نہ تھی۔" ماہ نور نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں نے بھی اس کی ہنسی میں ساتھ دیا تھا لیکن میرا ذہن شدید الجھن کا شکار تھا۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ وہ لوگ منشیات کے اسمگلر تھے اور وہ سیاہ فام بقول اس کے لوگوں کے ان کا سربراہ اور ظفر اظہار کو اس نے اپنا دوست بتایا تھا اس کا مقصد ہے کہ وہ جس سلسلے میں پکڑا گیا ہے وہ درست ہے۔ یہاں سے میرا دل کچھ کھٹا ہو گیا تھا۔ اگر وہ منشیات کا کر

ہے تو اس بدبخت نے اپنے باپ کی پوری زندگی کو داغ لگا لیا ہے اور اظہار طاہر صاحب کتنے ہی شریف آدمی کیوں نہ ہوں یہ بات تو میں نے صاف صاف کہہ دی تھی کہ اگر ظفر اظہار سچ مچ منشیات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں ملوث پایا گیا تو میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔ حالانکہ ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں تھا، ظاہر ہے ظفر اظہار اپنے حالات سے مجبور ہو کر ملازمت کے لیے مسقط گیا تھا اسے دھوکے ہی سے بلایا گیا، یہ اپنی جگہ الگ بات ہے لیکن اس کے بعد کم از کم اُسے یہ علم تو ہو ہی گیا ہوگا کہ اُسے کس سلسلے میں پھانسا جا رہا ہے، یا پھر اس بات کے امکانات بھی تھے کہ وہ ان معاملات سے لاعلم ہی ہے اور جو سازش اس کے خلاف کی گئی ہو، وہ اتنی گہری ہو کہ وہ سمجھ ہی نہ پایا ہو اور منشیات فروشوں میں پھنس کر رہ گیا ہو لیکن اس سیاہ فام کے یہ الفاظ کہ اس شخص سے اُس کی گہری دوستی ہے اس بات کو غلط ثابت کر رہے تھے اس کا مطلب ہے کہ ظفر اظہار جان بوجھ کر منشیات کے گروہ میں شامل ہو گیا تھا اور اس نے کچھ کام بھی کر ڈالے تھے۔ کم از کم ایسے کام جس سے یہ ایک شخص اسے اپنا محسن گردانتا تھا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی نظر میں آئی تھی وہ یہ کہ اگر ظفر اظہار منشیات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں اس حد تک ملوث ہو گیا تھا تو اس نے اپنے والدین کو کچھ رقم وغیرہ کیوں نہیں بھیجی، جب کہ اس کے والدین بے چارے کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے بے شمار الجھاوے تھے، جو میرے ذہن میں جاگزیں تھے، ماہ نور اس طلسم کو توڑ کر بولی۔

"تم پر شاید ان حالات کا بہت زیادہ اثر ہے بالکل ہی خاموشی اختیار کر لی ہے تم نے۔۔؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہاں اس بارے میں سوچ ضرور رہا تھا۔"

"تمہارا یہ دوست ان لوگوں سے کیا تعلق رکھتا ہوگا؟" ماہ نور نے پوچھا۔

"خدا ہی جانے۔۔" میں نے جواب دیا۔ ماہ نور خاموشی سے سوچ میں ڈوبی رہی تھی، سفر جاری رہا اور ہم لوگ اطراف کے مناظر دیکھتے رہے۔ ماہ نور نے بھی بہت زیادہ گفتگو نہیں کی تھی، بس ایک بار اس نے کہا تھا۔

"جھیل نور کے کنارے یہ سفر ایک سنسنی خیز واقعہ کا مظہر ہے، یقیناً اس بریف کیس میں منشیات ہوں گی اگر وہ لوگ دھوکا کھا گئے تھے، او مائی گاڈ، ہم لوگ خود بھی تو منشیات کے سلسلے میں گرفتار ہو سکتے تھے۔"

"بہت سی باتیں ہو سکتی تھیں ماہ نور، بہرطور اللہ کا شکر ہے کہ ہم بچ گئے۔" ماہ نور نے کوئی جواب نہ دیا۔ مناظر حسین سے حسین تر ہوتے جا رہے تھے، ہوا میں سمندر کی سیلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے گنبدوں اور میناروں کا ایک شہر نظر آ رہا تھا۔

صدیوں کی داستانیں اپنے اندر سمیٹے ہوئے، لاکھوں انوکھی کہانیوں کا امین، یہ سڑک آبنائے باسفورس کے نزدیک سے گزرتی تھی اور سمندر کے کنارے بجانے کہاں تک چلی جاتی تھی۔ ایشیا اور یورپ کے درمیان درجنوں مسافر بردار کشتیاں رواں دواں، سامان کے لدے ہوئے بیڑے، مچھیروں کی لاتعداد کشتیاں، دُنیا کے ہر گوشے سے آئے ہوئے تجارتی جہاز اور پھر ان کے ہارن کی متواتر آوازیں۔ دُنیا بھر میں کسی بھی شہر نے اپنے گرد پھیلے ہوئے سمندر کو اتنی خوبصورتی نہیں بخشی جو باسفورس کے حصے میں آئی ہے، میں سمندر کے سحر میں گم ہو گیا۔ پورا شہر ہی طلسمی حیثیت کا حامل تھا۔ ایا صوفیہ کا عظیم الشان گنبد، احمد مسجد کے چھ نازک اور باریک مینار ترک سلطانوں کا محل سرا، شاخ زریں پر بنا ہوا پل اور اس گھنے جنگل میں سینکڑوں سے اور پتلے مینار، چاروں طرف بکھرے ہوئے جیسے نیلے آسمان کے سینے میں تیز چمکتے ہوئے برچھے گڑے ہوں۔ میرے لیے استنبول کی پہلی ہی جھلک دل فریبیوں اور ایک عجیب سے پُرسکون احساس کی حامل تھی اور میں درحقیقت ذہنی طور پر [illegible] وقت ایک سیاح ہی بن گیا تھا۔ استنبول کی بہت سی کہانیاں جو نصابی کتابوں اور تاریخ میں پڑھی تھیں وہ نگاہوں کے سامنے گردش کر رہی تھیں اور ماہ نور بڑی احتیاط سے کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

ٹریفک بہت زیادہ تھا۔ میں نے ماہ نور سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ استنبول میں داخل ہونے کے بعد فوراً کہاں کا رُخ کرے گی ذہن میں یہی خیال تھا کہ عاقل جودت کا گھر پہلی منزل ہوگا، لیکن جب ایک خوب صورت ہوٹل کے سامنے اُس نے کار کی رفتار سست کی اور اُسے ہوٹل کے پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھایا تو میں نے متحیرانہ نگاہوں سے ماہ نور کو دیکھا۔

"یہاں کہاں؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"یہ بہت خوب صورت ہوٹل ہے اور یہاں کچھ وقت ہمارا قیام بہت سی دلچسپیوں کا حامل ہوگا۔" ایک لمحے کے لیے میں نے اپنے ذہن میں اُلجھن محسوس کی، لیکن ماہ نور جس شخصیت کی حامل تھی اُسے نگاہوں میں رکھتے ہوئے فوراً ہی اس کے اس قدم پر کوئی اعتراض مناسب نہیں تھا۔ اُس نے جس اعتماد سے یہ فیصلہ کیا تھا، مجھے اس اعتماد میں اس کا ساتھ دینا تھا چنانچہ میں اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ ایک ویٹر نے ہمیں نویں منزل کے ایک خوب صورت کمرے میں نہ پہنچا دیا۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد ماہ نور نے مسکراتی نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولی۔

"کیا میرا یہ قدم تمہارے لیے غیر متوقع ہے؟"

"سو فیصد۔"

"ہو سکتا ہے لیکن یہ تو سوچو کہ تم ہمارے مہمان ہو میں نے تمہارے ساتھ کوئی مہمان نوازی نہیں کی۔"

"تمہاری میزبانی کا شکریہ ماہ نور لیکن کچھ ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں اور یہ کام میرے لیے اولیت رکھتا ہے۔"

"میں مانتی ہوں لیکن عاقل جودت سے ملاقات کرنے کے بعد تم اس قابل نہ رہ سکو گے کہ پھر استنبول دیکھ سکو۔"

"جودت تمہارا عزیز ہے ماہ نور۔"

"آہ لیکن وہ مجھے بالکل عزیز نہیں ہے۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ؟"

"ہو سکتا ہے تم اس سے متفق نہ ہو۔ اس لیے وجہ میں نہیں بتاؤں گی۔"

میں مسکراتے ہوئے اُسے دیکھتا رہا اور اس سے کہا۔

"تاریخ سے دلچسپی رکھتی ہو؟"

"صرف استنبول کی تاریخ سے بہت مختصر وقت میں تمہیں استنبول کے اہم مقامات کی سیر کراؤں گی اور پھر واصل بہ جودت کر دوں گی۔"

میں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور دوسرے دن ماہ نور میرے ساتھ استنبول کی سیر کے لیے نکل پڑی۔ اس کے چہرے پر فخر نظر آ رہا تھا۔

استنبول کی ایک جھلک ہی نے دل موہ لیا تھا نیلگوں سمندر کی آغوش میں سمٹا ہوا یہ واقعی ایک جادوئی شہر لگتا تھا میرے اور ماہ نور کے درمیان یہ بات اصولی طور پر طے پا گئی کہ استنبول کی سیاحت کے لیے صرف دو دن خرچ کیے جا سکتے ہیں اور اس کے بعد ماہ نور اپنی دوستوں کے درمیان چلی جائے گی اور مجھے عاقل جودت کے حوالے کر دے گی۔

دوسرے دن سے ہم نے استنبول کی اصل شکل دیکھنے کا پروگرام بنا لیا اور بالآخر ہم باسفورس کے کنارے گئے۔ جہاں سارا شہر تفریح کے لیے اُمڈ آیا تھا۔ بچوں کا شور، کباب بیچنے والے، اخبار والے، بوٹ پالش والے غرض ایک انوکھی دُنیا نگاہوں کے سامنے آ گئی تھی۔ پل پر آئے تو بسیں اور کاریں گزرتے ہوئے دیکھیں جن کے بوجھ سے پل کے تختے دھم دھم بجتے، نیچے انسانوں کا ہجوم تھا ہم اپنے طور پر طے کر چکے تھے کہ ہمیں کہاں کہاں کا سفر کرنا ہے تقسیم چوک اور اس کے بعد دوسرے اور حسین علاقے چونکہ وقت مختصر تھا اس لیے طے کیا گیا تھا کہ تھوڑا تھوڑا وقت ہر جگہ گزار کر سیر و سیاحت کرتے رہے لیکن ماہ نور نے یہ معمولی انداز بھی معمولی نہ رکھا۔ سات پہاڑیوں پر روم کی عظیم ترین عمارتیں اور وسیع تر باغات بجانے کیا کیا کچھ نہ دکھا ڈالا اس نے صوفیہ کا عظیم گنبد اور آبی محل غرض استنبول کا ایک ایک لمحہ قدیم ترین داستانوں کا امین تھا۔ مینارِ سوزیدہ کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی تھی اور خاص طور سے آبی محل تو درحقیقت ایک طلسمی جگہ معلوم ہوتی تھی۔ مسجدوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا اور ایک سے ایک حسین مسجد نظر آتی تھی۔ وہ عجائب گھر بھی دیکھا جو دُنیا کے عظیم عجائب گھروں میں شمار ہوتا ہے۔ استنبول کی ایک زندگی نگاہوں کے سامنے تھی اور سچ تو یہ تھا کہ اس ایک دن کی سیاحت میں جی نہیں بھرا تھا لیکن یہاں معاملہ جی کا نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت بار بار نگاہوں کے سامنے آ جاتی تھی جس کی پیاس بھری آنکھیں میری واپسی پر لگی ہوئی تھیں اور اپنے طور پر میں یہاں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا اور پھر دوسرا دن بھی گزر گیا۔ ماہ نور میرے ساتھ بہت مطمئن رہی تھی اور ویسے بھی اس کے بارے میں میرا نظریہ بہت بہتر تھا وہ ایک اچھی اور سچی دوست کی طرح تھی۔ تیسرے دن جب صبح کا آغاز ہوا تو ماہ نور کسی

افسردہ سی نظر آئی اس نے کہا۔

"تمہارے ساتھ گزرے ہوئے لمحات بہت ہی پُرمسرت رہے مجھے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ اس کے بعد تم انوکھی مشکلات کا شکار ہو جاؤ گے پتا نہیں عاقل جودت سے تمہاری یہ ملاقات کیا نوعیت رکھتی ہے لیکن وہ تمہارے لیے ایک پسندیدہ انسان نہ ہوگا تاہم میں تمہیں ٹیلی فون کرتی رہوں گی مصروف ہو تو مجھ پر بالکل توجہ نہ دینا کیونکہ کام بہت قیمتی چیز ہوتی ہے فرصت ہو اور جی چاہے تو مجھے بلا لینا" میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی اور اس کے بعد ماہ نور نے عاقل جودت کی جانب جانے کا فیصلہ کر لیا اس نے کہا

"کیا تم اس سے پولیس ہیڈ آفس میں ملنا پسند کرو گے یا گھر پہ..."

"اس وقت وہ کہاں ہوگا؟"

"پہلے تو ہمیں اس کے گھر ہی جانا پڑے گا اس کے بعد ہی پتا چل سکتا ہے کہ وہ کہاں ہے" عاقل جودت کا خوب صورت مکان قابلِ دید تھا اور اس کے رکھ رکھاؤ سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ عاقل جودت کے بارے میں ماہ نور نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے عاقل جودت کے بارے میں معلوم کیا تو وہ ابھی گھر پر ہی موجود تھا اور اس کا سامنا کر کے ماہ نور کی بات درست نظر آنے لگی۔ اس کا قد پانچ فٹ چار انچ سے زیادہ نہیں ہوگا پھیلاؤ بھی بہت زیادہ نہیں تھا یہ قد یقیناً کچھ اور بڑھ جاتا اگر جسم کے ساتھ گردن بھی لگی ہوئی ہوتی اس کا سر حقیقی معنوں میں شانوں پر رکھا ہوا تھا اور گردن ناپید تھی کوتاہ پیشانی چھوٹے چھوٹے بال انتہائی تیز اور دماغ میں سوراخ کر دینے والی آنکھیں شانے ابھرے ہونے کی وجہ سے ہاتھ بھی چھوٹے محسوس ہوتے تھے اور اس کی چال پہ کسی گوریلے ہی کا شبہ ہوتا تھا مقامی پولیس کی وردی میں تھا اور وردی ہی میں ہم سے ڈرائنگ روم میں ملاقات کی ماہ نور کو دیکھ کر اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"اوہ تم نے ملازم کو بتایا تھا کہ ایک خاتون اور ایک شخص مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں؟"

"کیوں آپ کا کیا خیال ہے آپ مجھے خاتون تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں؟" جواب میں عاقل جودت کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی تھی جسے اخلاقاً میں کتے کے بھونکنے کی آواز سے تشبیہ نہیں دے سکتا جبکہ سرِ مو فرق نہیں تھا یہ گویا عاقل جودت کے غصے کا اظہار تھا۔

"تمہیں اس بدتمیزی کی سزا ملے گی۔"

"تو پھر ہتھکڑی کے لیے ہاتھ پیش کر دوں" ماہ نور نے مسکراتے ہوئے کہا اور عاقل جودت گھوم کر میری صورت دیکھنے لگا ایک بار پھر اس کے منہ سے وہی بھوں کی آواز نکلی تھی اور وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے دیکھ کر بھونکا ہو پھر اس نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"آپ کا تعارف نہیں ہو سکا۔"

"آپ کی بہن کے شوہر نے مسٹر شارق حسین کو آپ کے پاس بھیجا ہے مع خط کے یہ پڑھ لیجیے اور مجھے اجازت دیجیے۔" جواب میں عاقل جودت پھر بھونکا تھا لیکن اس بار وہ ماہ نور پر بھونکا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے کہاں جا رہی ہو؟"

"میری دوست ہیں یہاں پہ ان سے پروگرام طے ہے دوبارہ واپس آجاؤں گی فی الحال شارق حسین آپ کے حوالے مسٹر جودت۔" اس بار بھونکنے کی کوشش نہیں کی اور ماہ نور کو گھورتا رہا تھا اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں اور پیشانی پر رکھ لیے اور پھر رُخ بدلتی ہوئی بولی۔

"میرے خدا میں نہیں چاہتی کہ میری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے۔ اس لیے شارق حسین صاحب خدا حافظ..." وہ عاقل جودت کی بات کا انتظار کیے بغیر باہر نکل گئی اور عاقل جودت ایک بار پھر غصے سے بھونک پڑا پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ تشریف رکھیے۔ یہ لڑکی انتہائی بے وقوف ہے۔ عقل تو چھو کر نہیں گئی اسے بھلا یہ انقرہ سے استنبول کے سفر کے بعد رکنے کا وقت تھا خیر بات کروں گا اختشام ارسلان سے ارے ہاں ذرا وہ خط دکھائیے آپ کا نام تو معلوم ہو چکا ہے۔ تفصیل خط ہی سے معلوم ہوگی۔" وہ خود بھی صوفے پہ بیٹھ گیا پھر اس نے خط کھول لیا اور اس وقت تک نگاہیں جمائے اسے پڑھتا رہا جب تک کہ آخری لفظ تک نہ پہنچ گیا پھر ایک ٹھنڈی سانس لی اور خط تہ کر کے جیب میں رکھ لیا پھر بولا۔

"آپ کا تعلق؟"

"مسٹر اختشام لکھ چکے ہیں۔"

"جی ہاں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی میں آپ کی ہر خدمت کے لیے تیار ہوں اب براہِ کرم مجھے بتا دیجیے کہ آپ کا مسئلہ کیا ہے مگر ایک منٹ کیا آپ کا قیام کہیں اور ہے میرا مطلب ہے آپ کا سامان آپ کے ساتھ نہیں ہے۔"

"ہاں میں ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔"

"بہت عمدہ" اس نے جواب دیا اور میں دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ شاید ہم لوگوں کی مانند یہ شخص اس بات پہ اصرار کرے گا کہ اپنا سامان اس کے گھر منتقل کر لوں مگر عاقل جودت ایک کامیاب پولیس افسر تھا۔ اس نے ایسی کوئی بات نہ کی اور پھر مجھ سے بولا۔

"آپ نے بتایا نہیں آپ کا مسئلہ کیا ہے؟"

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے عاقل جودت جیسے آپ بہت زیادہ مصروف ہوں۔ اگر یہ وقت آپ کی مصروفیت کا ہے تو مجھے کوئی دوسرا وقت دے دیجیے میں آجاؤں گا۔"

"ھوں۔" عاقل جودت نے پھر اس انداز میں کہا اس کی یہ کھوں ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی پھر وہ آہستہ سے بولا۔ "پولیس کی تو ملازمت زندگی بھر کی ہوتی ہے اور زندگی بھر میں دن اور رات گنے جاتے ہیں۔ فرصت کا کوئی لمحہ مل جائے تو یوں سمجھ لو غنیمت ہے خیر مصروفیت تو چلتی ہی رہتی ہے۔ اب تم ذرا اپنے آنے کا مقصد بتا دو۔" اس نے کہا اور میں بڑا اطمینان محسوس کرنے لگا اسے دیکھنے لگا آدمی ٹھیک تھا خاطر مدارات کے چکر میں نہیں پڑتا تھا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ بات ٹو دی پوائنٹ ہو۔ میں نے کہا۔

"میں ایک ایسے شخص کے لیے یہاں آیا ہوں جس کا تعلق میرے وطن سے ہے اور وہ ناکردہ گناہ کے سلسلے میں آپ کے ہاں کی جیل میں بند ہے" جواب میں پھر ایک بھونک سننا پڑی تھی اور جودت کی آنکھوں میں سرخیاں لہراتی ہوئی نظر آئی تھیں۔

"تمہارا خیال ہے ہم بے وقوف ہیں مقامی انتظامیہ احمق ہے کہ ایک بے گناہ انسان کو جیل میں بند کر دیا ہے مگر تفصیل بتاؤ کہ قصہ کیا ہے کیوں بند کیا گیا ہے اسے؟"

"اس پر منشیات کی اسمگلنگ کا الزام ہے۔"

"منشیات کی اسمگلنگ دنیا کا سب سے بدترین کام ہے اور ہم منشیات فروخت کرنے والوں کا نام و نشان مٹا دینا چاہتے ہیں اور ہماری آخری کوشش یہی ہے کہ ایسے کسی شخص کو ایک قاتل کی حیثیت دی جائے بلکہ اس سے بھی زیادہ قاتل بعض اوقات کسی ہیجانی جذبے کے تحت قتل کر دیتا ہے اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن منشیات پھیلانے والے ایسے قاتل ہوتے ہیں جو بہت تھوڑے سے منافع کے لیے انسانیت کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔"

"لیکن جو شخص بے گناہ ہے کیا اسے صرف اس لیے گرفتار کر کے سزائے قید دی جا سکتی ہے کہ اس پر منشیات کی اسمگلنگ کا الزام ہے کیا اس کے بارے میں صحیح طور پر تحقیقات نہیں کی جا سکتیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کیوں نہیں لیکن عموماً ایسا نہیں ہوتا ہر کیس کا فیصلہ پوری چھان بین کے بعد ہوتا ہے کیا اس کا مقدمہ عدالت میں ہے یا عدالت اپنا فیصلہ دے چکی ہے اس کے بارے میں؟"

"عدالت فیصلہ دے چکی ہے۔"

"ہوں تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"کیس ذرا گہری نوعیت کا ہے اور اس کے بارے میں کافی محنت کرنا ہوگی مسٹر عاقل اگر آپ اس سلسلے میں مخلصانہ طور پر وقت دے سکتے ہیں تو آپ کو زحمت دی جائے اور اگر آپ صرف یہ سوچ کر برگشتہ ہو گئے ہیں کہ ملزم منشیات کی اسمگلنگ کا ملزم ہے تو پھر آپ سے مزید کچھ کہنا بے کار ہے۔"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بے گناہوں سے کیسے دشمنی ہو سکتی ہے اگر وہ شخص بے گناہ ہے اور عدالت سے اسے غلط سزا ملی ہے تو تم یقین کرو میرے دوست کہ یہ ہماری انتظامیہ کا ایک بہترین کارنامہ شمار کیا جائے گا اور اس کے سلسلے میں کافی لے دے ہوگی لیکن ایک انسان کی عزت ان تمام چیزوں سے زیادہ اہم ہے۔ وہ بے گناہ ہے تو اس کی دادرسی کی جائے گی تم ذرا مجھے پورا کیس سنا دو۔" اس کے لہجے میں نرمی آگئی تھی۔

"اس کی روداد طویل نہیں، ایک مفلس تعلیم یافتہ آدمی ہے جسے دھوکے سے مسقط بلایا گیا۔ وہاں جس فرم کی معرفت اسے ملازمت ملی تھی۔ اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ایک اور شخص نے اسے ترکی پہنچایا جہاں جعلی کاغذات کے الزام میں اسے جیل پہنچا دیا گیا۔ اس کی سزا مختصر تھی اور اس کے بعد اسے واپس کر دیا جاتا تھا مگر اسے رہائی نہ ملی بعد میں اسے پتا چلا کہ وہ تو منشیات کی اسمگلنگ کی سزا بھگت رہا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیس یہی ہے۔"

"تمہیں یقین ہے کہ وہ اسمگلر نہیں ہے۔"

"مسٹر عاقل۔ میں یہ معاملہ اپنی حکومت کی وساطت سے بھی اٹھا سکتا تھا اور مقامی سفارت خانہ میری مدد کر سکتا تھا لیکن کچھ اصول میرے بھی ہیں جس خاندان کا وہ فرد ہے وہ بالکل مفلوک الحال ہے منشیات کا اسمگلر بہترین حالات رکھتا ہے جو اس شخص کے ہاں کہیں نظر نہیں آتے تاہم آپ سے رجوع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ میں اصلیت جاننا چاہتا ہوں۔ اگر وہ شخص غلط ثابت ہوتا ہے۔ تو پھر میں اس کی سزا میں کچھ اضافہ پسند کروں گا اور میری طرف سے یہ کیس ختم ہو جائے گا لیکن۔۔۔" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"دیکھوں۔۔۔" اس بار عاقل جودت کی بھویں کچھ ڈھیلی تھیں۔ پھر وہ دیر تک خاموش رہا۔ بہر طور "کیس دلچسپ ہے۔ اطمینان رکھو کچھ ضرور کریں گے۔"

"میں جیل میں اس نوجوان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھوں۔۔۔ نام ولدیت وغیرہ۔۔۔"

"ظفر اظہار، ولدیت اظہار طاہر، پتا۔" میں نے مکمل تفصیلات نوٹ کرا دیں۔

"کل، ٹھیک گیارہ بجے میں یہیں اپنے گھر پر تمہارا انتظار کروں گا۔" عاقل جودت نے کہا اور اس کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے [illegible] مجھ سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد میں وہاں سے [illegible] سے رابطہ قائم کرنا بالکل بیکار تھا اور حقیقت [illegible] معمول کے مطابق مجھے داخل ہر جودت کرکے فراہم ہو گئی تھی اور اب اس سے رجوع کرنا بیکار تھا۔ بہر حال وہاں سے اپنے ہوٹل واپس آ گیا یہ زیادہ پرسکون مرحلہ تھا اور میرے پاس سوچنے کے لیے تنہائی موجود تھی بلاشبہ استنبول کی سیاحت بہت دل کش تھی لیکن اس سے زیادہ ضروری بے گناہ کا مسئلہ تھا، اظہار صاحب کا چہرہ جب بھی ذہن میں آتا مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے دو منتظر آنکھیں مجھے احساس دلا رہی ہیں کہ زندگی صرف اپنے لیے نہیں ہوتی۔ اپنے کمرے میں بیٹھ کر میں نے ان واقعات پر غور کرنا شروع کر دیا حالانکہ سب کچھ سوچا سمجھا تھا لیکن میں کسی ایسے باریک پہلو کی تلاش میں تھا جس سے حقیقت کا انکشاف ہو جائے۔

وہی تمام سچائیاں میرے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ مجھے بس ایک بات کا شبہ بار بار ہو رہا تھا وہ یہ کہ اگر یہ سب کچھ اتفاق ہوتا تو پھر فرضی ملازمت کا لیٹر کیا معنی رکھتا تھا جو اس لڑکے کو بھیجا گیا تھا ظفر اس کے تحت مسقط پہنچا تھا لیکن فرم کا وجود نہیں ملا تھا اور پھر اسے جعلی کاغذات پر ترکی پہنچایا گیا اور وہاں جیل منتقل کر دیا گیا، ذہنی رو اس سیاہ فام کی جانب مڑ گئی جس نے ظفر کی تصویر دیکھ کر مجھ سے بہت زیادہ عقیدت کا اظہار کیا تھا اور اس کا دیا ہوا لفافہ میرے پاس محفوظ تھا خیر اس کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی میری نگاہ میں، میں نے البتہ اس لفافے کو کھول لیا اور اس میں رکھے ہوئے کاغذات کا پھر سے جائزہ لینے لگا۔ پورے پرچے پر کھلونوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور جو تحریریں تھیں وہ نہ تو شارٹ ہینڈ میں تھیں اور نہ کسی ایسی مانوس زبان میں جو عام فہم ہوتی، ٹیڑھے میڑھے خطوط نقوش تحریروں کی شکل میں تھے اور یقیناً یہ کسی خاص سلسلے ہی میں تھے۔ بہت سوچ سمجھنے کے بعد میں نے یہ لفافہ دوبارہ اپنے پاس محفوظ کر لیا بقیہ وقت ماضی کے سفر میں گزر رہا تھا کیونکہ ایک دل کش تنہائی حاصل کرنے کے لیے ماضی کی سوچیں ہی ساتھ دیتی ہیں، عاقل جودت بھی میرے ذہن میں آیا۔ بڑے مزے کا آدمی تھا، تقریباً ایب نارمل لیکن پولیس کا ایک اعلیٰ افسر تھا اس نے اخلاقاً مجھے چائے تک کے لیے نہیں پوچھا تھا۔ ایک منفرد آدمی تھا۔

دوسرے دن اس کے پاس پہنچنے کے لیے مجھے بہت مستعدی کا ثبوت دینا پڑا۔ گیارہ بجنے میں تیس سیکنڈ تھے۔ جب میں اس کی رہائش گاہ کے دروازے پر پہنچا تھا اور بیل پر انگلی رکھتے ہی عاقل جودت باہر نکل آیا تھا۔ اس نے بڑے اخلاق سے مجھ سے مصافحہ کیا وہ ایک عمدہ سوٹ میں ملبوس تھا لیکن شخصیت

کا انوکھا پن نمایاں، میرے ساتھ ہی باہر آ گیا جہاں اس کی کار تیار کھڑی ہوئی تھی، اس نے مجھے اپنے ساتھ بیٹھنے کی پیشکش کی اور اس کے بعد کار ہوا ہو گئی۔ اس کا اختتام جیل کے دروازے پر ہوا اور اس دوران عاقل جودت نے مجھ سے ایک بھی لفظ نہیں کہا تھا۔ جیل میں وہ سیدھا جیلر کے آفس میں داخل ہو گیا، جیلر طفیل باغا ایک طویل القامت آدمی تھا اور اس کا حلیہ قدیم فرانسیسیوں جیسا تھا، عاقل جودت نے اس پر بھی ایک بھوں پھینک ماری، طفیل باغا نے مجھ سے بھی مصافحہ کیا اور بیٹھنے کی پیشکش کر دی، پھر وہ عاقل جودت سے بولا۔

"تمہارا فون موصول ہوا تھا لیکن تفصیل ناپید تھی۔۔۔"

عاقل جودت نے ایک سفید کاغذ نکال کر طفیل باغا کے سامنے رکھ دیا اور بولا۔

"یہ آدمی درکار ہے۔" طفیل باغا یہ تفصیلات پڑھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"انہیں بلا لیا جائے یا۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ کمرۂ ملاقات میں پہنچا دو مسٹر شارق حسین اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور شارق صاحب جب آپ اس سے ملاقات کر لیں تو پھر مجھے بھی اس کی ایک جھلک دکھا دیجیے، مسئلہ چونکہ آپ کا ذاتی ہے اس لیے میں براہ راست کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا اور طفیل باغا صاحب مجھے آپ سے مزید تفصیلات درکار ہیں۔"

"دونوں میں سے کون سا کام پہلے کرنا ہے؟" طفیل باغا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔۔۔ ہوں۔" عاقل جودت دوبارہ چونکا پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "میرا خیال ہے پہلے ہم کاغذات کی تفصیلات پر بات کر لیں۔ ہو سکتا ہے ان کے حصول میں ہمیں کچھ وقت لگ جائے۔" میں نے شانے ہلا کر آمادگی کا اظہار کر دیا تھا، عاقل جودت نے کہا۔

اور اس نے مختصر الفاظ میں طفیل باغا کو ظفر اظہار کے کیس کے بارے میں تمام تر تفصیل سے آگاہ کر دیا اور عاقل جودت نے کہا۔ "مسٹر طفیل باغا آپ کو ایک ایسے شخص کا ریکارڈ نکلوانا ہے جو منشیات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں سزا پا رہا ہے اور ایک ایسے شخص کا ریکارڈ بھی نکالنا ہے آپ کو

کی بھرپور مدد کروں گا۔ یہ مسئلہ میرے لیے بھی باعث الجھن ہے آپ کا کیا خیال ہے اس سلسلے میں کیا کارروائی کی گئی ہے؟"

"حضرت قیاس کی حد تک میں آپ سے عرض کرسکتا ہوں یا عاصا" یہ کہ ایک گہری سازش ہوئی ہے۔ ایک شخص جو کچھ عرصے قبل منشیات کی اسمگلنگ کے الزام میں بلکہ جرم میں سزا پاکر یہاں پہنچا اس نے اپنے ایک ایسے ہم شکل کو تلاش کرلیا جو سو فی صد اس سے مطابقت رکھتا تھا اسے باقاعدہ سازش کے تحت پھانسا گیا اور بس یہاں اتنا ہوا کہ اس کی جگہ دوسرے شخص نے لی اور اس کی حیثیت سے نکل گیا۔"

"اس کی کافی ذمے داری مجھ پر بھی عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ سازش جیل کے اندر تکمیل پائی اور اس کے شواہد ان دونوں قاتلوں سے ملتے ہیں بہرطور جو کچھ بھی ہوا ہے اگر اس میں واقعی سچائیاں ہیں تو میں اپنی ذمے داریاں پوری کروں گا میرا آپ سے وعدہ ہے" میں نے طفیل باعا سے ہاتھ ملایا۔ وقار احمد صاحب یاد آگئے تھے جنہوں نے اپنی جیل کو میرے لیے گھر بنا دیا تھا اور جو کچھ بھی چاہتا تھا ان سے کرلیا کرتا تھا میں طفیل باعا کا شکریہ ادا کرکے وہاں سے چلا آیا اور اس کے بعد میرا ذہن الجھنوں کا شکار ہوگیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے ظاہر ہے یہ صورت حال بڑی عجیب ہے۔ وہ سیاہ فام شخص کسی طرح میرے ذہن سے نہیں اوجھل ہو رہا تھا جس نے مجھے صرف اس تصویر کی بنا پر نہ صرف آزاد کیا تھا بلکہ مراعات بھی دی تھیں، اور وہ اسمگلر تھا۔ بریف کیس کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے ممکن ہے اس میں منشیات ہی بھری ہوئی ہوں، گویا منشیات کے ایک اسمگلر کا تعلق اس شخص سے تھا جس کا نام ٹی اے خان ہے۔ مگر وہ کون ہے اسے کہاں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ مستقل جہاں ملک اعجاز نامی ایک شخص موجود ہے لیکن یہ کام آسان نہیں تھا۔

اسی رات ٹھیک آٹھ بجے میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میں اس یقین کے ساتھ کہ عاقل جودت آگیا ہے۔ دروازے کی جانب بڑھ گیا اور میرا اندازہ غلط نہیں تھا عاقل جودت ہی تھا لیکن عاقل جودت کے ساتھ ایک اور شخصیت کو دیکھ کر میں حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا تھا آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ جو کچھ دیکھ رہا ہوں وہ درست ہے لیکن بلاشبہ وہ نکہت شیراز تھی جو عاقل جودت کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی عاقل جودت نے منہ سے اپنی مخصوص آواز نکالی اور اندر داخل ہوگیا پھر بولا۔

"تمہاری یہ مہمان بمشکل تمام تم تک پہنچ پائی ہیں۔"

"شکریہ مسٹر جودت ہیلو نکہت۔"

"ہیلو چیف۔" نکہت نے پرسکون لہجے میں کہا اور اندر آگئی اس کے پاس ایک چھوٹا سا بیگ تھا اور بس نکہت کی یہاں آمد میرے لیے انتہائی حیران کن تھی لیکن میں جانتا تھا کہ اس کا یہاں آنا یقیناً کسی خاص اہمیت کا حامل ہوگا عاقل جودت کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"چونکہ میرا یہاں آنا متعین تھا اس لیے مجھے تو آنا ہی تھا شام کو چھ بجے یہ خاتون ماہ نور کے حوالے سے میرے گھر پہنچی تھیں اور انہوں نے آپ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا مسٹر شارق حسین میں نے کہا کہ آٹھ بجے ان سے ملاقات ہوسکے گی چنانچہ میں انہیں ساتھ لے کر آگیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی موجودگی میں میں تم سے اپنی باتیں کرسکتا ہوں یا نہیں۔"

"یقیناً مسٹر عاقل۔" میں نے نکہت شیراز کا تعارف مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"معذرت خواہ ہوں کہ اس وقت تمہیں اطلاع دیے بغیر وہاں سے چلا آیا لیکن یوں سمجھ لو کہ پولیس کے فرائض ایسے ہی ہوتے ہیں میرے پاس ایک منٹ نہیں تھا۔"

"کوئی بات نہیں میری ظفر اظہار سے ملاقات ہوئی اور اس نے وہی کہانی دہرائی جو میں آپ کو بتا چکا ہوں اس میں کوئی فرق نہیں تھا۔"

"ہوں خیر ٹھیک ہے میں نے بھی اس بارے میں کافی سوچا تھا کچھ شبہات تو ملتے ہیں ان پر تحقیق کرنا ہوگی۔ میں نے اس سلسلے میں ابھی کوئی پروگرام نہیں بنایا تاہم تم خود سوچ لو جہاں میری ضرورت پیش آئے وہاں ہر ممکن مدد کرنے پر تیار رہوں گا اور خود جو کچھ میں کروں گا اس کی اطلاع بھی تمہیں ضرور دوں گا۔"

"بہت بہت شکریہ مسٹر جودت آپ کیا پینا پسند کریں گے؟" جودت نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں صرف جانا پسند کروں گا بھوں۔" وہ مصافحے کے لیے میری جانب ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا اور پھر نکہت کی جانب گردن خم کرکے باہر نکل گیا۔ وہ مضحکہ خیز نگاہوں سے اسے

دیکھ رہی تھی۔

نکہت شیراز کو دیکھ کر میرے ذہن میں بھی اسی قدر ہلچل مچی ہوئی تھی کہ میں فوراً ہی اس کی آمد کا راز معلوم کرلینا چاہتا تھا اور اس بات کا خواہش مند تھا کہ عاقل جودت سے زیادہ دیر واسطہ نہ رہے بہرطور اس کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور نکہت شیراز کی طرف دیکھنے لگا جو اپنے مخصوص شرارت آمیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میرے دماغ کی شریانیں پھٹ نہ جائیں تو فوراً ہی اپنی آمد کی وجہ بتا دو۔"

"چیف مجھے آپ سے عشق ہوگیا ہے۔" اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ پھر ٹیلی فون کے قریب پہنچ کر روم سروس کو ٹیلی فون کیا کافی اور کچھ ڈرائی فروٹس طلب کرکے میں نے ریسیور رکھا اور نکہت کی جانب متوجہ ہوگیا۔

"کیا یہ عشق کے مرض کو دفع کرنے کا کوئی نسخہ ہے چیف میں نے تو پہلی بار سنا ہے۔"

"عاقل جودت کے ساتھ کتنا وقت گزار چکی ہو؟"

"ایک گھنٹہ چھیالیس منٹ ویسے بھونکنے والا آدمی میں نے پہلی بار دیکھا ہے چیف سنا ہے بڑا ڈی آئی جی پولیس آفیسر ہے۔"

"ہاں یہی بات ہے لیکن اب تم اپنی آمد کی تفصیلات بتا دو ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"بتاتی ہوں بتاتی ہوں چیف پاسپورٹ تو میرے پاس تھا ہی صحافی بن کر نہیں آئی بلکہ ایک عام حیثیت سے آئی ہوں ورنہ این۔ او۔ سی وغیرہ کے جھگڑوں میں پڑنا پڑتا مقصد صرف آپ سے ملاقات تھی۔ اس احساس کا شکار تھی کہ آپ مجھ سے دور ہوگئے ہیں اور اس احساس نے مجھے یہ بتایا کہ دراصل معاملات گہرائیوں تک پہنچ گئے ہیں خیر تو میں بتا رہی تھی کہ کاغذات وغیرہ تیار کرانے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی ویزا مل گیا اور یہاں پہنچ گئی۔ میرا مطلب ہے اتہ پتہ وغیرہ احمد کمال صاحب سے لے لیا تھا۔ احتشام ارزل کا احتشام ارزل سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ آپ استنبول آئے ہوئے ہیں ان کی کسی بہن کے ساتھ بہرطور بہن کے ساتھ تو ملاقات نہیں ہوسکی لیکن عاقل جودت کے گھر پہنچ گئی اور ان حضرت نے مجھے بتایا کہ آپ ایک ہوٹل میں مقیم ہیں ذرا اصول پرست قسم کے بن مانس ہیں چنانچہ مجبوراً ایک گھنٹہ چھیالیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ انہیں ٹھیک آٹھ بجے آپ کے پاس آنا تھا اس طرح میں یہاں تک پہنچ گئی۔ ویسے چیف میرا مطلب ہے ان کی کیا نوعیت ہے؟"

"آنے کی وجہ بتاؤ نکہت۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"آہ۔ کیا آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا چیف۔ میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر آئی ہوں۔"

"نکہت۔" میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

"ہاں کچھ اور بھی معاملات ہیں چیف لیکن اخلاقی طور پر آپ کو مجھے کچھ وقت دینا چاہیے۔ کافی منگوا کر آپ نے جس خوش ذوقی کا ثبوت دیا ہے مگر چیف یہ بھونکنے والا کافی پیے بغیر کیوں بھاگ گیا؟"

"وہ کسی قدیم مخلوق سے تعلق رکھتا ہے جس کی ماہیت ابھی دریافت نہیں ہوئی۔ میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں اس پر ریسرچ کرتا۔ وہ نہ خود کسی کو کھانے پلانے کا قائل ہے اور شاید ایسی کوئی پیشکش اسے عجیب لگتی ہے اس لیے حیرت سے بھونکتا ہوا چلا گیا۔" نکہت شیراز بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

"تو یہ عشق ہو رہے ہیں چیف۔ خیر، خیر کافی آنے میں دیر ہوگئی، کیا یہاں کی سروس اچھی نہیں ہے۔"

"انتظار کرلو۔"

"ویسے چیف آپ کے اس کمرے میں میں قیام کرسکتی ہوں، کوئی پابندی تو نہیں ہوگی۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔"

"میرا مطلب ہے انتظامیہ کی طرف سے نہیں، آپ کی طرف سے۔"

"تم میرے ساتھ پہلی بار تو نہیں رہوگی۔" میں نے کہا۔

"اوہ ہاں یہ بھی درست ہے، خیر کوئی بات نہیں چیف میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گی۔ البتہ یہ ذرا استنبول کافی دل کش لگا ہے۔ چیف میں سوچ رہی ہوں کہ اگر ابھی سے آپ کو حالات بتا دوں تو آپ فوراً ہی پرواز کے لیے سیٹ بک کرا لیں گے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ استنبول میں تھوڑی سی آوارہ گردی ہو جائے اور اس کے بعد ہم دوسرا پروگرام بنائیں۔"

"نکہت جیسا تم کہوگی، مجھے اعتراض نہ ہوگا، لیکن میرے خیال میں تمہیں اپنی آمد کی وجہ ضرور بتا دینی چاہیے اس سلسلے میں کچھ جذباتی معاملات بھی ہیں، مجھے یقین ہے کہ تم انہیں مدنظر رکھوگی۔"

"ہاں ہاں بے شک کیوں نہیں بتائے دیتے ہیں ہم تو...

بھی چیف کام کے آدمی، آپ کو پتا ہے آپ تمام لوگوں سے کتنا کٹنی کر کے حاتم طائی کی شکل میں ایک سوال حل کرنے چل پڑے لیکن کم از کم نگہت شیراز کو یہ احساس تھا کہ رزق حلال عبادت ہے اور وہ عبادت میں مصروف ہو گئی، یعنی میں نے صرف یہ نہ سوچا کہ آپ وہاں سے سارے مسئلے حل کر کے لوٹ آئیں گے بلکہ میں نے اپنے طور پر بھی کام جاری رکھا اور چیف آپ کو یہ تو پتا ہے کہ ہمارے پاس فرصت بہت ہے اور بس یہی فرصت کام دے گئی اور ہم ایک ایسی دور کی کوڑی لائے کہ آپ بھی سنیں گے تو اچھل پڑیں گے۔"

"ویری گڈ، ویسے نگہت مجھے تم پر بہت اعتماد ہے۔" میں نے کہا۔

"ہے نا چیف، آہستہ آہستہ یہ اعتماد محبت میں تبدیل ہو جائے گا اور اس کے بعد چیف ہمارا مستقبل بڑا شاندار ہو گا۔" نگہت شیراز نے کہا اور میں بے اختیار مسکرا پڑا پھر میں نے کہا۔

"ترکی کی فضاؤں میں آ کر مجھ پر تو کوئی ایسا اثر نہیں ہوا لیکن یوں لگتا ہے جیسے تم کسی حادثے کا شکار ہو گئی ہو۔"

"کبھی نہیں چیف؟"

"اس سے پہلے عشق و محبت کے معاملات تمہاری زبان سے دور رہے تھے بلکہ شاید تم نے مجھ سے درخواست بھی کی تھی کہ یہ ملاقاتیں دوستی تک محدود رہنی چاہئیں اور ان میں کسی اور چیز کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ پھر یہ بار بار عشق و محبت درمیان میں کیوں آ رہی ہے؟"

"وقت وقت کی بات ہے چیف، بعض معاملات ذرا دیر میں آشکار ہوتے ہیں۔" نگہت شیراز نے کہا اور میں بے ساختہ مسکرا اٹھا، پھر میں نے کہا۔

"خیر اگر ایسا ہو گیا ہے تو برا بھی نہیں ہے، اس موضوع پر پھر گفتگو کر لیں گے۔"

"ہیں...!" نگہت شیراز آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "اب آپ چیف، آپ اس مذاق پر کچھ سنجیدہ سے ہو گئے ہیں" اس نے بوکھلاہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے کہا اور اسی وقت ویٹر نے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملنے پر ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آ گیا۔ نگہت ٹرالی پر رکھے ہوئے کافی کے برتنوں پر مصروف ہو گئی تھی اس نے ایک پیالی مجھے دی اور پھر پلیٹ اٹھا کر ڈرائی فروٹس کھانے میں مصروف ہو گئی۔ ساتھ ہی وہ کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ بھی لیتی جا رہی تھی، میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ تب نگہت نے کہا۔

"دماغ کو تر و تازہ رکھنے کے لیے یہ چیزیں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ہاں تو چیف اب میں آپ کو اس حقیقت حال سے آگاہ کرتی ہوں جس کے لیے اچانک ہی مجھے ترکی کا سفر اختیار کرنا پڑا، لیکن میرے خیال میں یہ ایک رسک ہے کیونکہ یہاں تک آنے کے لیے اچھے خاصے اخراجات ہو گئے ہیں۔ اگر معاملہ آپ کے شایان شان نہ نکلا تو پھر ان اخراجات کے سلسلے میں آپ ناک بھوں چڑھا سکتے ہیں لیکن دیکھیے نا چیف صورت حال ایسی تھی کہ میں آپ سے ملاقات کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ خیر بات آگے یوں ہوتی ہے کہ آپ کے آنے کے بعد تو میں اپنے طور پر اخبار کے لیے تو مصروف رہی ہی تھی، لیکن یہ بھی سوچتی رہی کہ مقامی طور پر بھی تو اس سلسلے میں کام جاری رہنا چاہیے بھلا پھر آپ کی ماتحتی کس کام کی، ظاہر ہے آپ کی ٹیم کے دوسرے افراد تو اس تندہی سے کچھ نہیں کر سکتے تھے، میری اپنی افادیت بھی تو کوئی چیز ہے، اس کے لیے میں نے روشن آباد جا کر اظہار طاہر کے اہل خاندان سے ملاقاتیں کیں۔ اظہار صاحب خود روشن آباد ہی میں ہیں، بہت اچھے انسان ہیں بے چارے بظاہر میرا آنا جانا دوستانہ حد تک تھا میں نے اظہار صاحب کی بیٹیوں سے دوستی کر لی اور اس چکر میں تھی کہ کسی طرح اس بات کا علم ہو جائے کہ ظفر اظہار درحقیقت کبھی کسی ایسے چکر میں ملوث رہا ہے یا وہ بالکل ہی بے گناہ ہے۔ دیکھیں چیف موجودہ صورتِ حال کے تحت یہ بات سوچی جا سکتی ہے کہ حالات کے ہاتھوں پسا ہوا کوئی بھی شریف النفس نوجوان غلط راستوں پر نکل جائے، ظفر اظہار بھی اسی نوجوان نسل کا نمائندہ ہے۔ ہو سکتا ہے مسقط میں اپنی کارروائیوں کو ناکام پا کر اس کے ذہن میں جھنجھلاہٹ آ گئی ہو اور اس نے سوچا ہو کہ دولت کمانے کے لیے کوئی بھی راستہ نظر آ جائے اس پر چل دینا چاہیے، چنانچہ میں ان لڑکیوں سے ظفر اظہار کی گفتگو اکثر چھیڑ دیتی تھی اور پھر یونہی ایک دن میں نے صفیہ سے کہا کہ مجھے ظفر کی کوئی تصویر دکھائے اور صفیہ اپنا خاندانی البم لے کر بیٹھ گئی، بہت سے لوگوں کی تصاویر تھیں لیکن ایک تصویر نے مجھے چونکا دیا۔ اس تصویر میں مجھے اظہار طاہر دو جیسی میں نظر آئے تھے یعنی اظہار طاہر کا ایک اور ہمشکل بھی تھا اس میں اور دونوں کی

عمروں میں بہت معمولی سا فرق نظر آ رہا تھا۔ صفیہ نے مجھے بتایا کہ یہ اس کے تایا جمشید طاہر ہیں۔ اظہار صاحب کی زبانی کبھی ہم نے جمشید طاہر کے بارے میں نہیں سنا تھا، جب میں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ دونوں کی شکلیں کس قدر یکساں ہیں تو پھر کچھ اور انکشافات ہوئے، مگر میں ذرا ترتیب سے بتاؤں گی۔"

جمشید طاہر صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ روشن آباد یا ہمارے شہر میں نہیں رہتے بلکہ ہمارے ہی ملک کے ایک اور بڑے شہر میں ان کا قیام ہے اور وہ اس بڑے شہر میں ایک بڑے آدمی گردانے جاتے ہیں۔ صفیہ کے انداز میں کچھ خوش گوار کیفیت نہیں تھی، چنانچہ میں نے اسے کریدا تو پتا چلا کہ کچھ خاندانی جھگڑے ہیں، وراثت کے معاملے میں جمشید طاہر نے اظہار طاہر کی شرافت سے فائدہ اٹھایا اور ساری وراثت مار گئے۔ بہت معمولی سی رقم انہوں نے اظہار طاہر کے حوالے کی تھی بس اسی وقت سے دونوں بھائیوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے اور یہ کشیدگی اس حد تک پہنچ گئی کہ دونوں بھائیوں میں قطعی طور پر قطع تعلق ہو گیا۔ کوئی کسی سے نہیں ملتا تھا یہاں تک کہ ایک چھوٹی موٹی جھڑپ کے بعد اظہار طاہر نے گھر والوں سے کہا کہ اب وہ تنہا ہیں، بھائی کا تصور بھی ان کے ذہن سے نکل چکا ہے، چنانچہ اب جمشید طاہر کا نام ان کے گھر میں نہ لیا جائے۔ البم میں یہ تصویر رہ گئی تھی اور اس سے کچھ جذباتی باتیں وابستہ تھیں، ہم تصویر کا سفر طے کرتے ہوئے آگے بڑھے اور بالآخر میں نے ظفر اظہار کی تصویریں بھی دیکھیں۔ ان میں ایک تصویر شاید آپ کے پاس بھی موجود ہے چیف، لیکن ایک تصویر میں آپ کو بھی دکھانا چاہتی ہوں۔" نگہت شیراز نے کہا اور اپنے بیگ میں سے ایک چھوٹا سا لفافہ نکال کر اس میں سے ایک تصویر نکالی اور میرے سامنے کر دی، میں نے وہ تصویر دیکھی اور دیکھتا رہ گیا۔ میرے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا تھا۔

"صفیہ کہنے لگی۔"

"اگر آپ اسے ظفر طاہر کی تصویر سمجھ رہی ہیں تو یہ آپ کی غلطی ہے یہ تصویر توفیق جمشید کی ہے ظفر اظہار کے تایا زاد بھائی توفیق جمشید کی، ظفر اظہار اور اس کی عمر میں ایک سال کا فرق ہے، توفیق جمشید ظفر اظہار سے ایک سال بڑا ہے۔ بدقسمتی سے یہ اپنا مل ہے پانچ چھ سال قبل یا شاید اس سے کچھ زیادہ ہوا اس کا ایک حادثہ ہو گیا تھا جس سے اس کے سر میں چوٹ آئی اور یہ ذہنی طور پر ناکارہ ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے کافی کوششیں کیں لیکن ان کی ذہنی حالت مکمل طور پر اعتدال پر نہ آ سکی اب یہ بے چارہ ایک مفلوج زندگی گزار رہا ہے۔ بقول صفیہ کے جمشید طاہر صاحب اس کے سلسلے میں بہت مغموم رہتے ہیں لیکن یہ بات بھی پانچ چھ سال پرانی ہے، اس کے بعد کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔"

مجھے چکر آ رہے تھے اور میرے ذہن میں ایک نام ابھر رہا تھا۔ ٹی، جے، خان۔ توفیق جمشید خان تصویر کو بغور دیکھنے سے کچھ اور اندازے بھی ہوتے تھے، استنبول کی جیل میں جو ریکارڈ دستیاب ہوا تھا۔ اس میں لگی ہوئی دونوں تصویروں کے فائلوں میں جو دوسری تصویر نظر آئی تھی، یہ تصویر ہو بہو اس جیسی تھی۔ آنکھوں کی بناوٹ اور بالوں کا اسٹائل اس تصویر سے مطابقت رکھتا تھا اور ذرا سا دماغ پر زور دینے سے یہ فرق ظاہر ہو جاتا تھا اور اس فرق کے ظاہر ہونے کے بعد بہت سے مرحلے خود بخود طے ہو جاتے تھے، میں شدتِ حیرت کے عالم میں تصویر دیکھتا رہا۔ میں نے وہ تصویر بھی نکال لی جو ظفر اظہار کی تھی اور یہ دونوں تصویریں اس بات کی مظہر تھیں کہ جیل کے فائلوں میں انہی دو افراد کی تصویریں ہیں۔

میرا ذہن شدید انتشار کا شکار رہا۔ بدقت تمام میں معتدل ہو سکا اور اس وقت چونکا جب نگہت نے مجھے میری کافی کی جانب متوجہ کیا۔ میں نے ٹھنڈی کافی حلق میں انڈیل لی تھی اور اس کے بعد میرے ذہن میں نگہت کا خیال آیا، جس نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ میں نگہت کو پُرخیال نگاہوں سے دیکھتا رہا اور وہ طرح طرح کے منہ بنا کر شرمانے کی کوشش کرتی رہی۔ اس کی ان کوششوں پر مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

"شریر لڑکی جو کارنامہ تم نے انجام دیا ہے وہ سنہرے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے، میں تمہیں اس اعلیٰ ذہانت پر مبارکباد دیتا ہوں۔"

"چیف ایک درخواست کروں، جن سنہری حرفوں سے آپ میرا یہ کارنامہ لکھیں گے، وہ یقیناً سونے کے پانی کے ہوں گے۔ سونا پانی بنانے سے کیا حاصل، میرا کارنامہ سیاہی سے بھی لکھا جا سکتا ہے، البتہ سونے کے پانی پر جتنی لاگت آئے، وہ آپ مجھے عنایت فرما دیجیے گا۔ میرے کچھ مسئلے حل ہو جائیں گے۔"

"تم مجھے بہت زیادہ بے تکلفی پر مائل کر رہی ہو۔" میں

نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں سمجھی نہیں چیف؟"

"میں تمہیں گھونسا رسید کردوں گا۔"

"تو کر دیجیے نا۔ یہ بے تکلفی تو بڑھنی چاہیئے، ہم اتنی ملاقاتوں کے باوجود ابھی تک تکلف سے کام لے رہے ہیں" نگہت نے کہا۔

میں ہنسنے لگا، پھر سنجیدہ ہو کر بولا "نگہت تمہاری ذہنی پہنچ بے پناہ ہے، اس وقت تم نے جو کچھ کہا ہے اس کی تعریف نہیں کی جاسکتی۔"

"شکریہ چیف، گویا ترکی تک کے اخراجات اور یہ سیروسیاحت وغیرہ، میرا مطلب ہے یہ سب جائز رہی نا۔۔" نگہت نے مسکرا کر پوچھا۔

"بالکل جائز، ویسے تم تو مذاق کرتی ہو نا میں اس کی گہرائیاں سمجھتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ یہ پیسوں کا چکر چلا کر تم میرے اور اپنے درمیان فرق رکھنا چاہتی ہو ورنہ اس مسئلے میں۔۔"

"بس بس چیف، آپ تو ذرا سی دیر میں جذباتی ہو جاتے ہیں، خیر چھوڑیے ان معاملات کو آیئے اب ذرا سنجیدہ سی گفتگو کرلیں۔ میں آپ سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہوں کہ آپ نے یہاں آکے کیا کیا۔۔"

"میں بھی تمہیں بتانا چاہتا ہوں نگہت۔" میں نے کہا اور پھر استنبول میں خود پر گزرنے والی رام کہانی کہہ سنائی تفصیلات بیان کرکے میں نے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا "تم اس کہانی سے کیا نتیجہ اخذ کرتی ہو نگہت؟"

"اس سلسلے میں ایک اہم سوال ہے چیف" نگہت نے مکمل سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں ضرور پوچھو۔۔"

"خاتون ماہ نور کی عمر کیا ہے۔۔" نگہت نے اتنی سنجیدگی سے یہ سوال کیا کہ میں چکرا کر رہ گیا۔

"میں سمجھا نہیں نگہت ان معاملات کا ماہ نور کی عمر سے کیا تعلق ہے۔۔؟"

"اوہ نہیں سر ان معاملات سے تعلق نہیں ہے لیکن ذرا کچھ ذاتی مسائل ہیں" نگہت نے اس انداز میں کہا کہ بے اختیار میرے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"جوانی کی کسی عمر کا تعین کرلو" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ مائی گاڈ! اور جھیل ماہ نور کے ایک الگ تھلگ اور پُرسکون گوشے کا انتخاب کیا گیا تھا؟"

"ہاں بالکل۔۔"

"یہاں آکر مسئلہ ذرا پیچیدہ ہو جاتا ہے چیف۔" نگہت شیراز نے پُرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس پیچیدگی کی وضاحت کرو" میں نے کہا۔

"بعض پیچیدگیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی وضاحت مشکل ہو جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے ماضی سے اس کی کڑیاں ملائی جاسکتی ہیں۔ ماہ نور جھیل کے اس پُرسکون گوشے میں ضرور گئی تھی لیکن ایک ایسے شخص کے ساتھ جس کا ماضی بے داغ ہے، میرا خیال ہے اس سلسلے میں اگر ذرا سا غور کرلیا جائے اور کچھ واقعات یاد کر لیے جائیں تو سارے وسوسے دُور ہو سکتے ہیں" میں نے کہا اور نگہت شیراز خوشی سے اُچھل پڑی۔

اُس نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "گویا ان وسوسوں کو تسلیم کرلیا گیا ہے بس چیف محنت وصول ہو گئی ترکی تک آنے کی۔" میں ہنستا رہا۔ نگہت شیراز کی اس گفتگو نے ذہن کو خوشگوار تاثرات دیے تھے۔ کم از کم اس پر تناؤ کم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔

"چیف ہرچند کہ حالات ہماری تشکیل دی ہوئی اس کہانی کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن اس میں کہیں جھول ضرور تلاش کرنا ہوگا، اس بات کے امکانات ہو سکتے ہیں چیف کہ ہماری تیار کی ہوئی یہ عمارت درست نہ ہو، یعنی مسئلہ کو [illegible] رہی ہو۔"

"تمہارا کہنا درست ہے نگہت لیکن [illegible] حالات سامنے آئے ہیں اور جو تفصیلات معلوم ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں یہ کہانی کافی حد تک مضبوط معلوم ہوتی ہے اور جب ہمارے سامنے کوئی دوسری کہانی نہیں ہے تو ہم اسے بھی یہ سوچ کر نظرانداز کیوں کر دیں کہ کہیں یہ غلط نہ ہو۔"

"ہاں چیف نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا لیکن اس سلسلے میں آگے کی کارروائی بہت ہی سوچ سمجھ کر کرنا ہوگی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی اس کہانی کے جال میں گرفتار ہو کر غلط راستوں پر بھٹکتے ہوئے بہت دور نکل جائیں۔ چنانچہ میں چاہتی ہوں کہ اس سلسلے میں مزید غور کرلیا جائے اور یہ طے کرلیا جائے کہ انہی لائنوں پر کام کرنا ہے تو اس کے لیے ایک مضبوط منصوبہ بندی بھی کی جائے۔۔ فرض کیجیے کہ اگر ہماری سوچی

ہوئی یہ تمام باتیں درست ہیں اور اس کے پیچھے جمشید طاہر اور اس کے بیٹے توفیق جمشید ہی کا ہاتھ ہے تو پھر میرے خیال میں ہمیں وہاں جانا ہوگا کیونکہ اس کی مزید کڑیاں وہیں سے مل پائیں گی۔"

"یہ تم بالکل درست کہہ رہی ہو نگہت، میرا خیال ہے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ میں ظفر اظہار سے ملاقات کرچکا ہوں، وہ اپنے آپ کو بے گناہ بتاتا ہے۔ عاقل جودت دونوں فائل دیکھ چکا ہے، کچھ شبہات ضرور ہیں لیکن یقینی امر نہیں ہے۔ یہ پہلا مسئلہ ہے جو ہمارے سامنے آیا ہے، یعنی ہم مشکل ہونے کا ورنہ کسی اور مشکل کی تلاش میں آکر کافی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ ویسے ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ ایک خودغرض بھائی نے اپنے بیٹے کی گلوخلاصی کے لیے سہارا لیا تو اپنے ہی بھائی کا۔ اور ہمارے ہاں اس قسم کے واقعات عام ہوتے ہیں، ہم اگر تکلیف بھی دینا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنوں کو تلاش کرتے ہیں تاکہ غیروں تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ اپنوں کی گردن کاٹ دینا دُنیا کا آسان ترین کام ہوتا ہے کیونکہ ان کی پہنچ کے بارے میں ہمیں معلومات حاصل ہوتی ہیں، جمشید طاہر نے بھی یہی سوچا اور اس کے بعد۔۔"

"اس بات کے امکانات بھی تو ہیں چیف کہ خود جمشید طاہر ان معاملات میں ملوث نہ ہو اور صرف اس کا بیٹا توفیق جمشید ہی ان چکروں میں پڑا ہوا ہو۔۔"

"ہاں ہوسکتا ہے، بدقسمتی سے مجھے آج تک جو واقعات پیش آئے ہیں، ان میں میرا تجزیہ یہی رہا ہے کہ اگر بیٹا غلط ہوتا ہے تو باپ کی پشت پناہی میں، حالانکہ یہ ضروری نہیں ہوتا بعض جگہ اس کی نفی بھی ہوئی ہے لیکن زیادہ تر معاملات ایسے ہی ہوتے ہیں ہمارے ہاں، دولت کے حصول کے بعد یہ تصور کرلیا جاتا ہے کہ اولاد کا سکون سب سے ضروری ہے، چاہے اولاد غلط راستوں کی راہی ہی کیوں نہ بن جائے۔"

"چیف کا کہنا درست ہے، تو پھر باقی تمام معاملات کو ذہن سے نکال پھینکا جائے اور اسی موضوع پر ہم لوگ آگے کے لیے لائحۂ عمل مرتب کرلیں۔"

"میرے خیال میں یہی مناسب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں اب تک جو واقعات پیش آئے ہیں، وہ کافی مستحکم ہیں۔"

"تو پھر چیف کیا آپ واپس چلیں گے۔۔"

"ظاہر ہے۔ جمشید طاہر اور توفیق طاہر کو وہیں سے ٹریس کیا جاسکتا ہے۔" نگہت شیراز پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگی اور میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ حقیقت یہ تھی کہ نگہت شیراز نے ہی میرے ذہن میں یہ گرہیں کھولی تھیں۔ ورنہ شاید کافی مشکلات درپیش ہوتیں۔ وہ میری غیرموجودگی میں بھی اس سلسلے میں کام کرتی رہی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا "چیف تو پھر اس سلسلے میں مزید پروگرام کیا رہے گا۔۔؟"

"تم استنبول کی سیر کرنا چاہتی ہو۔۔"

"ضروری نہیں ہے چیف اگر وعدہ کرلیں کہ دوبارہ بھی یہاں لے آئیں گے مجھے تو پھر میں اس سلسلے میں ضد نہ کروں گی۔"

"نہیں میرا خیال ہے کل کا دن نکال لیتے ہیں۔ ویسے بھی فوری طور پر تو کچھ کیا بھی نہیں جاسکتا۔ میں تمہیں یہاں کے مشہور ترین مقامات دکھائے دیتا ہوں اور اس کے بعد ہم لوگ یہاں سے چلتے ہیں۔"

"سمجھوتے والے کے سلسلے میں کیا طے کیا؟" نگہت نے پوچھا اور میں ہنس پڑا۔

"اس سے ملاقات تو کرنی پڑے گی۔ کام کا آدمی ہے ایک اور کام کا آدمی مجھے یہاں مل گیا۔ اس کا نام ہے طفیل باغا یہ شخص مقامی جیلر ہے لیکن بہت اچھا انسان نظر آتا ہے اور ظاہر ہے مجھے اس سے دوبارہ بھی ملاقات کرنی ہوگی۔"

"ضرور چیف ضرور۔۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے بارے میں میں آپ کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتی" نگہت شیراز کی آمد سے ذہن کو جو فرحت کا احساس ہوا تھا وہ برقرار رہا۔

دوسرے دن ہم تمام اُلجھنوں کو بھول کر استنبول کی سیر کو نکل پڑے۔ درحقیقت میں نے دو دن ماہ نور کے ساتھ بھی استنبول کی سیر کی تھی لیکن وہ لطف نہ آیا جو نگہت شیراز کے ساتھ آیا۔ ہم دونوں ایک ایک چیز کے بارے میں تبصرے کرتے رہے تھے۔ غرض یہ دن بڑا ہی عمدہ گزرا۔ رات کو جب ہم ہوٹل واپس آئے تو ہمیں عاقل جودت کا پیغام ملا۔ یہ پیغام کاؤنٹر سے ملا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ساڑھے دس بجے ہمارے ہوٹل پہنچے گا، اگر ہم لوگ واپس آجائیں تو اُسے ٹیلی فون کرلیں۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے اُسے ٹیلی فون کیا اور عاقل جودت نے ہی ریسیو کیا تھا، کیونکہ کانوں میں [illegible] کی

آواز ابھری تھی۔

"کہاں سیر و سیاحت کرتے رہے تم لوگ۔۔؟"

"تمہارا استنبول اتنا خوبصورت ہے کہ یہاں کی سیاحت سے جی ہی نہیں بھرتا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر تمہاری اچانک خاموشی نے مجھے حیران کر دیا۔ کیا اس سلسلے میں مزید کیا آ رہے ہیں؟"

"یہاں جتنی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، عاقل ان کے بعد میرا یہاں رکنا بے سود ہے۔"

"میں آ رہا ہوں۔"

"ضرور تشریف لائیے۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو میں خود حاضر ہو جاؤں۔"

"نہیں آ رہا ہوں۔" عاقل جودت نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

ہم اس خطرناک پولیس آفیسر کا انتظار کرنے لگے۔ اور جب وہ آیا تو اس کا بہترین استقبال کیا۔ عاقل جودت اتنا ہی سنجیدہ اور اتنا ہی بے احساس نظر آ رہا تھا۔ ہمارے سامنے بیٹھ کر بولا۔

"تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا۔۔۔؟"

"کچھ اس قسم کے شواہد ملے ہیں مسٹر عاقل جودت جن کی بنا پر ہم اس مسئلے میں کچھ اندازے لگا سکتے ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے ہمیں اپنے وطن واپس جانا ہوگا لیکن آپ سے ایک وعدہ لینے کے ساتھ ساتھ۔۔"

"ہاں ہاں، وعدہ لو، ضرور لو۔" عاقل جودت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بھی عجیب تھی، بس یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اچانک کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔

"مجھے ایک بار پھر ترکی آنا پڑے گا اور آپ کو اس سلسلے میں زحمت دینا ہوگی۔"

"کیا زحمت ہوگی وہ۔۔؟" عاقل جودت نے پوچھا۔

"اس شخص کی رہائی کے لیے مجھے آپ کی مدد درکار ہوگی۔"

"دیکھو اگر تم یہ ثابت کر سکے کہ یہ شخص بے گناہ ہے اور گناہگار کوئی اور تھا تو مجھ سے زیادہ تمہارا مددگار پورے ترکی میں اور کوئی نہیں ہوگا۔ میرے کچھ اصول ہیں اور میں انہی اصولوں پر زندہ ہوں۔ اگر اس شخص کی بے گناہی کا مکمل یقین ہو جائے تو میں ہر قیمت پر اسے رہا کرانے کی کوشش کروں گا اور اس کے لیے اپنا عہدہ اپنی حیثیت تک داؤ پر لگا دوں گا۔ یہ

میرا وعدہ ہے تم سے۔۔"

عاقل جودت کی اس بات نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تب پھر ٹھیک ہے مسٹر عاقل۔ میں بھی اس وقت آپ کو تکلیف دوں گا، جب مجھے اس بات کا یقین ہو جائے۔"

عاقل جودت پُرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا "تو پھر یہاں سے واپسی کا ارادہ کب تک ہے؟"

"میں اب یہاں بالکل وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے کل میں انقرہ روانہ ہو جاؤں گا۔ وہاں تھوڑی بہت تیاریوں میں وقت لگے گا اور اس کے بعد فوراً ہی وہاں چلا جاؤں گا۔"

"احتشام ارزل تمہاری اس سلسلے میں بھرپور مدد کر سکتا ہے کل میں تمہارے لیے روانگی کا بندوبست کر دوں گا۔"

کچھ لمحات سوچنے کی کوشش کی پھر میں نے اس سے کہا "کیا آپ میرے ساتھ ایک بیان کافی بہتر پسند نہیں کریں گے مسٹر عاقل جودت۔۔؟"

"نہیں، شکریہ۔۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور باہر نکل گیا۔ نگہت شیراز بڑی شرارت آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو نگہت شیراز کہنے لگی "اس شخص کی تعمیر میں کچھ خرابی ضرور ہے، میں ہنس پڑا تھا۔

بہر طور عاقل جودت انتہائی فرض شناس ثابت ہوا تھا۔ دوسرے دن اس نے صبح کو ہماری روانگی اور میری واپسی کا بندوبست کر دیا۔ میں یہاں سے واپس جاتے ہوئے ماہ نور سے بھی نہیں مل سکا تھا۔ ویسے میں ملنا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ مجھے عاقل جودت سے ملنے کے بعد ماہ نور نے پلٹ کر ٹیلی فون تک نہیں کیا تھا حالانکہ میرے بارے میں اس کے خیالات بہت اچھے تھے۔ میرا مزاج دو مقابل کرنے نہیں آیا تھا بلکہ مجھے ایک عمل کرنا تھا اور نگہت شیراز کے اس انکشاف نے تو میرا یہ عمل اور تیز کر دیا تھا۔ انقرہ تک کا سفر بڑے حسین مناظر کا حامل تھا جن سے گزر کر میں یہاں آیا تھا۔ اس وقت ماہ نور ساتھ تھی اور اس وقت نگہت شیراز جس سے میرے ذہنی روابط گہرے تھے۔ انقرہ پہنچنے کے بعد احتشام ارزل کا ہی سہارا لینا پڑا لیکن عارضی قیام ہوٹل ہی میں کیا گیا تھا۔ احتشام ارزل سے ملاقات ہوئی تو وہ معمول کے مطابق خندہ پیشانی سے پیش آیا

اور جب میں نے اس سے یہاں سے واپسی کے لیے تھوڑی سی مدد چاہی تو وہ خلوص دل سے تیار ہو گیا۔ ماہ نور کے بارے میں اس نے مجھ سے سوالات کیے اور ماہ نور سے آخری ملاقات کے بارے میں پوچھا۔ میرا جواب نفی میں پا کر وہ بولا۔

"ہاں، ماہ نور عاقل جودت سے بہت متنفر ہے۔ ویسے تم بھی اس سے مل کر زیادہ خوش نہیں ہوئے ہو گے۔ لیکن تم نے یقیناً یہ بات محسوس کی ہوگی۔ وہ بے حد صاحب اختیار ہے۔ دراصل اس کی فطرت میں فرض شناسی اس طرح کوٹ کوٹ کر بھر گئی ہے کہ وہ دوسرے تمام اخلاقی ضوابط سے بے نیاز ہو گئی ہے۔ ویسے تمہیں تو صرف ایک کام کا آدمی درکار تھا، کچھ کامیابی ہوئی؟"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے بڑی آسانیاں فراہم ہو گئی ہیں۔ اور بہت جلد ہی مجھے دوبارہ یہاں کا سفر کرنا ہوگا۔"

"میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔ احمد کمال کو میری طرف سے چند تحائف پہنچا دینا اور میرا سلام کہہ دینا۔"

"ضرور۔۔" میں نے جواب دیا تھا۔

غرض یہ کہ احتشام ارزل کی کوششوں سے گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو گیا اور دوسرے ہی دن ہم دونوں اپنے وطن واپس روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہم لوگوں نے آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کیا۔

"یہاں سے واپس جانے کے بعد مجھے کسی ہوٹل میں قیام کرنا پڑے گا۔ اپنے آپ کو دوسروں سے الگ تھلگ ہی رکھنا مناسب ہوگا ورنہ کام میں رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ لاتعداد سوالات ہوں گے اور بہت سے مشورے پیش کیے جائیں گے اور میں ان میں سے کوئی مشورہ بھی سننا نہیں چاہتا۔ اپنی مرضی سے اس کیس کو حل کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے نگہت سے کہا۔

"بہتر یہی ہے چیف، لیکن آپ نے کوئی لائحہ عمل تو مرتب کیا ہی ہوگا۔۔"

"بھئی اب یہ سب کچھ وہاں پہنچ کر ہی کریں گے تمہارے مشوروں کے ساتھ۔۔"

"تو کیا چیف اس ہوٹل میں، میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی؟" نگہت شیراز نے شرارت سے پوچھا۔۔

"کیا حرج ہے۔ تم کتنے دن کی چھٹی لے کر آئی ہو؟"

"چیف سوچا تو یہ تھا کہ ترکی جانے کا موقع مل رہا ہے ایک ڈیڑھ ہفتہ تو گزاروں گی وہاں اور خوب سیر و سیاحت کروں گی،

لیکن مسئلہ کچھ اتنا ہی گمبھیر ہو گیا ہے کہ میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ یہ دن آپ کے ساتھ گزار سکتی ہوں۔"

"خیر ایک ڈیڑھ ہفتہ تو تمہیں زحمت نہیں دوں گا لیکن چند روز تمہیں ضرور میرے ساتھ کام کرنا ہوگا اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی طے پائے گا اس کے تحت تمہارا یہ عمل سود مند ہوگا۔"

"چیف کا یہ کہہ دینا میرا دل بڑھا دیتا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں ہم لوگ جو بھی فیصلہ کریں گے، وہ یقینی طور پر کارآمد ثابت ہوگا۔"

دوران سفر کافی باتیں ہوتی رہیں۔ نگہت کی شوخ فطرت مجھے بار بار ہنساتی رہی اور بالآخر ہم اپنے وطن واپس پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم مسافروں کی طرح باہر نکلے اور ائرپورٹ سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ایک عمدہ سے ہوٹل کی جانب چل پڑے جو ہمارا اچھا خاصا جانا پہچانا تھا۔ اس سے پہلے بھی میں نے ایک اور سلسلے میں کام کرتے ہوئے اسی ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ اس بار بھی وہی کمرہ حاصل ہو گیا اور میں نے مسکراتے ہوئے نگہت کو اس بارے میں تفصیلات بتائیں۔

"تب تو یہ کامیابی کا کمرہ ہوا چیف۔۔"

"خدا کرے ہمیں کامیابی ہی حاصل ہو لیکن ظاہر ہے ہمارا کام یہاں سے شروع نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے آج رات یہاں قیام کرنے کے بعد ہمیں کل صبح جمشید طاہر کے شہر روانہ ہونا چاہیے۔"

"مجھے گھر جانے کی اجازت تو نہیں ملے گی چیف۔۔؟"

"تمہاری مرضی ہے نگہت، میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ کسی کو ہماری آمد کے بارے میں علم نہ ہو۔"

"ارے چیف او کے۔۔۔ ایسا ضروری بھی نہیں ہے میرا جانا۔۔"

رات کو ہم بہت دیر تک اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے تھے اور اپنا پروگرام طے کرتے رہے تھے۔ دوسرے دن ہم نے معلومات حاصل کیں اور ہم لوگ اس شہر کے لیے روانہ ہو گئے، جہاں جمشید طاہر رہتا تھا۔

اظہار طاہر کا خیال بھی ذہن میں آیا تھا لیکن سب کچھ چوپٹ ہو جاتا اگر میں کسی ایک سے بھی ملاقات کر لیتا۔ ہم نے ٹرین کا سفر اختیار کیا جو خاصا لمبا تھا، لیکن نگہت کی سنگت میں یہ سفر کافی پُرلطف ثابت ہوا تھا۔ بالآخر ہم اس شہر میں داخل ہو گئے اور اس کے بعد ایک ہوٹل منتخب کر کے وہاں چل پڑے لیکن ہوٹل میں ہم نے اپنے پروگرام کے مطابق الگ الگ

کرے حاصل کیے تھے، یہ دوسری بات تھی کہ یہ دونوں کمرے برابر برابر تھے۔ نگہت اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آکر ضروریات سے فارغ ہونے لگا۔ فریش ہونے کے بعد میں نے چائے منگوائی اور نگہت میرے ساتھ چائے میں شریک رہی پھر ہم پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق جمشید طاہر کی کوٹھی دیکھنے نکل گئے۔ کوٹھی انتہائی خوبصورت علاقے میں واقع تھی اور اپنی طرز کی منفرد تھی، اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کسی صاحبِ حیثیت انسان کی ہے۔ اسے دیکھ کر ہی صاحبِ خانہ کے صاحبِ حیثیت ہونے کا پتا چل جاتا تھا۔

نگہت شیراز کہنے لگی "کتنی عجیب دنیا ہوگئی ہے چیف۔ ایک بھائی اتنے عیش و عشرت میں زندگی گزار رہا ہے اور دوسرا سولی پر لٹکا ہوا ہے۔"

"اور اسے سولی پر لٹکانے والا اس کا بھائی ہی ہے۔"

"ہاں چیف ابھی تک تو یہی کہا جا سکتا ہے۔" جمشید طاہر کی کوٹھی کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس کوشش میں مصروف رہے کہ کسی طرح توفیق جمشید سے ملاقات ہوسکے، لیکن ظاہر ہے یہ ملاقات سڑکوں پر تو نہیں ہوسکتی تھی۔ میں اور نگہت یہ بات طے کر چکے تھے کہ ہم لوگ الگ الگ اس سلسلے میں کوششیں کرتے رہیں گے۔ توفیق جمشید کی ایک جھلک دیکھنا بہت ضروری تھا۔ ہم نے سارا دن یہ کوششیں جاری رکھیں۔ شام کو تقریباً ساڑھے سات بجے ہم نے ایک خوبصورت کار اس کوٹھی سے برآمد ہوتے ہوئے دیکھی۔ یوں تو یہاں بہت سے لوگوں کا آنا جانا رہا تھا، لیکن پہلی بار ہم نے توفیق جمشید کو دیکھا اور اسے پہچاننے میں ہمیں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اس کا چہرہ تصویر سے ہوبہو مطابقت رکھتا تھا۔ ایک اعلیٰ درجے کا سوٹ اُس کے جسم پر تھا۔ کار کو ایک شخص ڈرائیو کر رہا تھا اور دو آدمی اُس کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے جبکہ توفیق جمشید پچھلی سیٹ پر تھا۔ کار سفر طے کرتی رہی۔ ہم ایک ٹیکسی میں اُس کا تعاقب کر رہے تھے جو ہم نے دن بھر کے لیے انگیج کرلی تھی۔ بالآخر کار ایک خوبصورت سے کلب کے سامنے رک گئی، ڈرائیور نے کار پارکنگ لاٹ پر کھڑی کر دی اور توفیق جمشید نیچے اتر کر کلب کی جانب بڑھ گیا، وہ دونوں آدمی اُس کے ساتھ باادب چل رہے تھے۔ جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اُس کے باڈی گارڈ ہیں، توفیق جمشید اندر داخل ہوگیا۔ ہم نے ٹیکسی کو روکے ہی رکھا۔ پتا نہیں کہاں اس کی ضرورت پیش آجائے۔ ڈرائیور کو ایک اچھی خاصی رقم دے کر ہم نے خوش کر دیا اور کلب میں داخلہ بھی مشکل ثابت نہ ہوا یہاں شاید ممبرشپ کا کوئی چکر نہیں تھا۔ تمام لوگ آجا سکتے تھے، مختلف میزوں پر تفریحات جاری تھیں، توفیق جمشید ایک میز پر خاموش بیٹھ گیا۔ اُس کے دونوں باڈی گارڈ اُس سے کچھ فاصلے پر دوسری میز پر تھے میں نے اور نگہت شیراز نے بھی ایک میز سنبھال لی اور اُس کے بعد ہم نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ وہاں گزارا، اس دوران توفیق جمشید کو کسی سے ملاقات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ اُس کے انداز کا بھی جائزہ لیا جا رہا تھا۔ وہ ساکت و جامد بیٹھا ہوا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ دونوں باڈی گارڈ اُس کے ساتھ آگے بڑھ گئے تھے، کار واپس کوٹھی میں پہنچی تو ہم نے اُن کا پیچھا چھوڑ دیا۔ نگہت شیراز نے راستے میں مجھ سے اس بارے میں سوال کیا تھا۔

"مسئلہ خاصا مشکل رہے گا، توفیق جمشید کے معمولات کا اندازہ لگانے کے بعد ہی ہم یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اُس سے کہاں ملاقات کی جائے اور جلد بازی خطرناک ہوسکتی ہے کیونکہ اب یہ خیال ہمارے ذہن میں جڑ پکڑ گیا تھا کہ توفیق کسی نہ کسی طور منشیات کی اسمگلنگ میں ملوث ہے اور اس کی یقینی طور پر نگرانی زبردست کی جاتی ہوگی۔ ویسے اُس کے انداز سے یہی پتا چلتا ہے کہ وہ خالی الذہن ہونے کی اداکاری کرتا ہے ورنہ ذہنی طور پر بالکل پُرسکون ہے، دوسرا دن بھی انہی کوششوں میں گزر گیا اور کوئی ایسا ذریعہ نہ بن سکا جس سے ہم اُس سے ملاقات کر سکتے تب میں نے فیصلہ کیا کہ اب براہ راست توفیق جمشید سے ملاقات کر لینی چاہیے۔ اس دن میں نے اپنے چہرے میں ہلکی سی تبدیلیاں کیں لیکن یہ تبدیلیاں ایسی نہیں تھیں جو بہت زیادہ نمایاں ہوتیں، باریک مونچھوں کا اضافہ کیا اور داہنے رخسار پر ایک کالا مسّا اور بالوں کے اسٹائل کو بھی ذرا سا چینج کیا جس سے کام بن گیا اور نگہت نے تعریفی انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چیف یہ میک اپ بے حد شاندار ہے۔ تبدیلیاں بہت معمولی لیکن شخصیت میں نمایاں فرق آچکا ہے۔"

"تمہیں اندازہ ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟"

"آپ اطمینان رکھیں چیف جو ذمہ داریاں آپ نے میرے سپرد کی ہیں۔ ان میں انشاء اللہ کوتاہی نہ ہوگی۔" دن کے تقریباً

ساڑھے دس بجے تھے، میں جمشید طاہر کی کوٹھی پر پہنچ گیا اور پھر میں نے ملازم سے کہا۔ "توفیق جمشید سے ملنا چاہتا ہوں" ملازم نے اس انداز میں مجھے دیکھا جیسے میری اس بات پر اسے حیرت ہوئی ہو۔

"صاحب آپ کو اُن سے کیا کام ہے؟"

"وہ میرا دوست ہے، میں بیرونِ ملک سے آیا ہوں اس سے ملاقات کرنا بے حد ضروری ہے کسی کا پیغام لایا ہوں اُس کے لیے۔۔۔"

"کتنے عرصے سے آپ ان سے نہیں ملے؟"

"تم ملازم ہو یا اس گھر کے مالک، فضول سوالات سے گریز کرو اور جاؤ میرے بارے میں کسی کو اطلاع دو۔"

"ضرور اطلاع دے دیتے ہیں صاحب، بیگم صاحبہ کو بتانا پڑے گا۔" ملازم چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا، مجھے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا اور تقریباً دس منٹ کے بعد ایک معمر اور بھاری بھرکم عورت میرے سامنے پہنچ گئی، عورت چہرے سے کافی شریف نظر آتی تھی میں نے کھڑے ہوکر اُسے سلام کیا اور اُس نے مغموم سے انداز میں مجھے دعائیں دے کر بیٹھنے کے لیے کہا پھر بولی۔

"بیٹے کون ہیں آپ، کہاں سے آئے ہیں؟"

"آنٹی میرا نام شارق حسین ہے اور میں ایک دوسرے شہر میں رہتا ہوں لیکن طویل عرصے سے ملک سے باہر تھا۔ توفیق جمشید میرے دوست ہیں کیا وہ موجود نہیں ہیں۔" عورت نے مغموم انداز میں نگاہیں اٹھائیں اور بولی۔

"میں اس کی ماں ہوں، اُس کی ذہنی حالت درست نہیں ہے۔ کافی عرصے سے وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوگیا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" میں نے حیرت سے منہ کھول دیا۔

"ہاں۔۔۔ کیا اس دوران تمہارا اس سے کوئی رابطہ رہا ہے۔"

"نہیں۔۔۔ یہ اب سے چار ساڑھے چار سال قبل کی بات ہے جب ہم دونوں اچھے دوست تھے، میں بھی اسی شہر میں رہتا تھا لیکن اُس کے بعد ہم یہاں سے شفٹ ہوگئے۔ پھر میں ملک سے باہر ملازمت کے سلسلے میں چلا گیا اور اس دوران توفیق سے میری کوئی خط و کتابت بھی نہیں ہوئی لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے سب سے پہلے وہی یاد آیا، آپ یقین کیجیے۔ میں اسی کے لیے یہ سفر طے کرکے یہاں پہنچا ہوں۔۔۔"

"تو مجھے بہت دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ تمہارا وہ دوست اب ذہنی طور پر درست نہیں ہے، خدا جانے اُسے کیا ہوگیا ہے؟"

"آنٹی۔۔۔ آپ نے یہ غم ناک خبر سنا کر مجھے افسردہ کر دیا ہے۔ کیا وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔ میں اس کی صورت بھی نہیں دیکھ سکتا؟"

"آؤ میرے ساتھ۔" عورت نے کہا اور میں فوراً ہی اٹھ گیا۔ میں نے چہرے پر اضمحلال کے آثار پیدا کر لیے تھے، عورت مجھے اپنے ساتھ لیے ہوئے ایک خوابگاہ کے دروازے پر پہنچ گئی پھر اُس نے خوابگاہ کا دروازہ کھولا، باہر وہی دونوں باڈی گارڈ موجود تھے، خوابگاہ کی ایک آرام کرسی پر توفیق ایک گون میں ملبوس بیٹھا کوئی رسالہ دیکھ رہا تھا۔ ہماری قدموں کی آہٹ پر بھی اُس نے گردن نہ اٹھائی اور بدستور رسالے کی ورق گردانی میں مصروف رہا۔ اُس کے چہرے پر کھوئے کھوئے پن کے آثار تھے۔

"ہیلو توفیق۔۔۔" میں نے پُراشتیاق انداز میں آگے بڑھ کر کہا اور رسالہ اُس کے ہاتھ سے لے لیا تب اُس نے آہستہ آہستہ نگاہیں اُٹھائیں کم بخت اچھی خاصی اداکاری کر رہا تھا۔ "توفیق میں شارق ہوں، شارق حسین" میں نے کہا۔ معمر عورت خاموش کھڑی ہوئی تھی۔ توفیق جمشید میری صورت دیکھتا رہا میں نے اُس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے کہا "مجھے نہیں پہچانتے اپنے دوست کو اپنے دیرینہ دوست کو توفیق میں ہوں شارق سمجھے۔۔۔"

معمر عورت نے آہستہ سے کہا "یہ کچھ نہیں بولے گا، میں جانتی ہوں۔۔۔"

"آنٹی آپ مجھے اس کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کی اجازت دے سکتی ہیں؟"

"ضرور۔۔۔ لیکن براہِ کرم اُسے ذہنی طور پر زیادہ پریشان نہ کرنا یہ کبھی کبھی بہت زیادہ مضطرب ہوجاتا ہے۔"

"آہ۔۔۔ میرا یہ دوست تو قابلِ فخر تھا۔ آخر اسے ہوا کیا؟" میں نے کہا۔ معمر عورت نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔ اُس کے جانے کے بعد توفیق نے ایک بار نگاہیں اُٹھائیں۔ یہ نگاہیں پہلے سے بالکل مختلف تھیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"مسٹر توفیق جمشید، آپ یقیناً مجھے نہیں پہچانتے ہوں گے نہ میں بھی آپ کو نہیں پہچانتا لیکن کچھ حوالے دینا چاہتا ہوں۔ پچھلے دنوں ترکی جانا ہوا، انقرہ سے استنبول جاتے ہوئے جمیل نور کے

کنارے قیام کیا۔ پھر وہاں سے کچھ آگے بائیں ہاتھ پر ایک ذیلی سڑک ایک مکان تک جاتی ہے۔ اس مکان میں میری ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی جو تمہارا گہرا دوست ہے۔ وہ سیاہ رنگ سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور پستہ قامت ہے۔ اس نے میرے ذریعے ایک پیغام تمہیں بھیجا ہے کیا اسی وقت وہ پیغام موصول کرو گے یا اس کے لیے کوئی دوسرا وقت درکار ہوگا؟" توفیق کی کیفیت ایک دم بدل گئی۔ وہ کچھ دیر سے اپنی جگہ سے اٹھا دروازے کے قریب آیا۔ چند لمحات دروازے سے کان لگائے کھڑا رہا پھر میرے قریب پہنچ گیا۔

"یہاں میری اور تمہاری ملاقات بالکل مناسب نہیں ہے۔ کیا تم اسی شہر میں رہتے ہو؟" اس نے کہا۔

"نہیں، نہیں اور سے آیا ہوں۔"

"یہاں کہاں قیام ہے تمہارا۔۔۔؟" میں نے اپنے ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بتا دیا۔

توفیق نے ہدایات کو ساڑھے گیارہ بجے میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میرا انتظار کرنا۔"

"بہت بہتر" میں نے کہا۔

"افسوس یہاں میں تمہاری کوئی خاطر مدارات نہیں کر سکتا جو کچھ میرے بارے میں تم نے سنا ہوگا وہ ضروری تھا لیکن ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے میں تمہارے پاس آرہا ہوں گا" میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور توفیق جمشید مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا پھر بولا۔ "بہت اسمارٹ ہو، خیر باقی باتیں تم سے وہیں ہوٹل میں ہوں گی، تھوڑی دیر یہاں بیٹھو اور اس کے بعد باہر نکل جاؤ، میری ماں کو میرے بارے میں کچھ علم نہیں ہے اس لیے اس سے افسردگی کا اظہار ہی کرتے رہنا۔"

"او کے ڈیئر" اوکے" میں نے بے تکلفی سے کہا۔ دل ہی دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ مجھے اپنی کوشش میں زبردست کامیابی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک اس کے ساتھ بیٹھا اور پھر باہر نکل آیا معمر عورت کا کہیں پتا نہیں تھا۔ میں نے باڈی گارڈ سے کہا کہ میں جا رہا ہوں، توفیق جمشید کی والدہ سے میرا سلام کہہ دیا جائے۔

ایک باڈی گارڈ نے کہا "نہیں جناب، بیگم صاحبہ ہدایات دے گئی ہیں کہ آپ جب توفیق صاحب کے کمرے سے نکلیں تو ان سے ملاقات کر کے واپس جائیں۔"

"کہاں ہیں وہ" مجھے ان کے پاس پہنچا دو" باڈی گارڈ مجھے ایک اور خواب گاہ میں لے گیا وہاں میں دوبارہ بیگم صاحبہ سے ملا۔

"مل لیے اس سے۔۔۔"

"ہاں، افسوس میں نہیں بتا سکتا آپ کو کہ میری ذہنی کیفیت کیا ہے، میرے دل میں شدید خواہش ہے کہ مجھے اس کے بارے میں کچھ تفصیلات معلوم ہوں۔"

"اللہ ہی جانتا ہے بیٹے، ہم نہیں جانتے۔ وہ ہمیشہ سے خودسر تھا، کبھی کسی کی بات نہ مانی جو جی چاہا کیا، جہاں جی چاہا گھومتا رہا پتا نہیں کس عذاب میں گرفتار ہو گیا میرا بچہ اب اس کی یہی کیفیت ہے، خاموش رہتا ہے اور کسی سے کوئی گفتگو نہیں کرتا جانے کیا مصیبت نازل ہوئی ہے اس پر۔۔۔"

"اس کا علاج۔۔۔"

"جمشید صاحب نے ہر کوشش کر لی، کئی بار ملک سے باہر بھی لے گئے ہیں۔ کئی ملکوں میں اس کا علاج کرایا گیا ہے لیکن ابھی تک کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ابھی تھوڑے ہی دن پہلے اسے شاید لندن لے جایا گیا تھا کافی دن وہاں رہا اور اس کے بعد واپس آ گیا کسی جگہ اس کا دل بھی نہیں لگتا کسی سے کوئی بات نہیں کرتا اپنے بارے میں۔" بیگم صاحبہ نے مغموم لہجے میں کہا۔

"کاش میں اس سلسلے میں کچھ کر سکتا جمشید صاحب سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔۔۔"

"بیچارے بہت مصروف رہتے ہیں کاروباری سلسلوں میں آج کل بھی ملک سے باہر ہی گئے ہوئے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ بہت افسوس ہوا بہرطور میں آتا جاتا رہوں گا میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو آپ ضرور فرما دیجیے آپ نہیں جانتی میرے اس سے کتنے گہرے تعلقات تھے۔" چند لمحات بیگم صاحبہ کے ساتھ گزارے اور اس کے بعد انہیں سلام کر کے باہر نکل آیا۔ اندازہ لگایا تھا میں نے کہ جمشید ظاہر اپنے بیٹے کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف ہے ہو سکتا ہے خود بھی اس کے ساتھ شامل ہو جبکہ بیچاری معمر خاتون اس سلسلے میں قطعی معصوم ہیں۔ وہ اپنے بیٹے اور شوہر کے کرتوتوں سے ناواقف۔ وہاں سے واپسی پر نگہت سے کافی طویل گفتگو رہی اور اس نے میری پہلی کامیابی پر مجھے خلوص دل سے مبارکباد دی تھی۔

"اس کا مطلب ہے حیت کہ بات ہماری توقع کے عین مطابق ہے۔"

"سو فیصد۔ اب مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں رہا کہ جو کچھ ہم نے سوچا ہے وہی درست ہے" نگہت بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی اور میں اس سلسلے میں آئندہ کے پروگرام طے کرتا رہا۔ مجھے خود بھی یقین ہو گیا تھا کہ سارا کھیل وہی ہے جو ہم نے سوچا تھا۔ بیچارے ظفر اظہار کو اسی چکر میں پھنسایا گیا تھا لندن جانے کی بات اس بات کی تصدیق کرتی تھی بہرطور۔ اب مجھے توفیق جمشید کا بے چینی سے انتظار تھا۔ وقت گزارے نہیں گزر رہا تھا۔ میں اس سلسلے میں تمام پروگرام طے کر چکا تھا، ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو توفیق جمشید اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس وقت بالکل چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور مجھ سے مصافحہ کیا۔ پھر بے تکلفی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہاں دوست، اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ ویسے تمہارا تعلق بھی اسی شہر سے ہے؟"

"میرا تعلق اس شہر سے تو نہیں ہے بلکہ دوسرے شہر میں رہتا ہوں لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ میرا تعلق اس شہر سے بھی ہو جائے گا۔"

"اپنے بارے میں کچھ اور تفصیلات بتاؤ دوست۔"

"بس ایک لاابالی آدمی ہوں، زندگی کو سیدھے رنگوں میں دیکھنے کا خواہشمند، چھوٹے موٹے کام کر لیا کرتا ہوں اور گزارے کے لائق پیسے مل جاتے ہیں، ہر قسم کا کام کر چکا ہوں۔ میں اس بار الفرح گیا۔ وہاں سے استنبول پہنچا، ایک دوست میرے ساتھ تھا بالکل اتفاقیہ طور پر تمہارے اس دوست سے ملاقات ہو گئی یہ اندازہ ہونے کے بعد کہ ہم دونوں ایک ہی راستے کے راہی ہیں میرے اور اس کے درمیان یگانگت کا آغاز ہوا اور جب اسے یہ پتا چلا کہ میں واپس یہاں آرہا ہوں تو اس نے تمہارے لیے ایک پیغام دیا، میرا تم سے کوئی تعارف تو نہیں تھا لیکن اس نے مجھے تفصیل بتا دی تھی البتہ تم تک پہنچنے میں تھوڑی دقتیں پیش آئیں۔"

"پیغام کیا ہے؟" میں نے اطمینان سے وہ لفافہ نکال کر توفیق جمشید کے حوالے کر دیا اور اس نے بے چینی سے لفافہ کھولا پھر وہ لفافے میں رکھے ہوئے کاغذات، تصویریں اور تحریریں دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے مسرور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے ان تفصیلات کا بے چینی سے انتظار تھا اور چونکہ تم اس کا ذریعہ بنے ہو اس لیے میں تم سے بہت خوش ہوں۔ مجھے بتاؤ میرے دوست میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں۔"

"دوستی میں اگر کوئی کام سونپ دیا جائے تو پھر دوستی کے دعوے نہیں کیے جا سکتے۔ تم مجھے بتاؤ توفیق میں تمہارے لیے کوئی اور خدمت انجام دے سکتا ہوں۔"

"بہت۔۔۔ بہت شکریہ مجھے بھی اچھے دوستوں کی تلاش رہتی ہے، اچھے دوستوں کا خواہش مند کون نہیں ہوتا چنانچہ میں تمہیں صرف اپنے دوستوں میں خوش آمدید کہتا ہوں، باقی رہا تمہارا کام کرنے کا طریقہ کار تو اس سلسلے میں تم بالکل آزادی سے اپنے لیے منتخب کر سکتے ہو۔ میں دوستانہ طور پر تمہیں ایک پیشکش کرتا ہوں اگر ان دنوں کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو کچھ کام میرے ہیں جو تمہارے ذریعے انجام پا سکتے ہیں۔"

"اگر میں کر سکا تو اس سے دریغ نہیں کروں گا؟"

"فی الحال کوئی کام ہے تمہارے ہاتھ میں۔۔۔؟"

"بالکل نہیں۔۔۔"

"تب تم میرا ساتھ دو۔ میں تمہیں بہترین منافع دوں گا۔ تمہاری توقع سے کہیں زیادہ۔۔۔"

"کرنا کیا ہے؟"

"فی الحال عیش کرنا ہے اور اس کے بعد دوبارہ الفترہ تک کا سفر۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ مجھے اعتراض نہیں ہے لیکن یہ نہ سمجھنا کہ اس چھوٹے سے کام کا معاوضہ وصول کرنے پر تل گیا ہوں تم سے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو میری جان، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بالکل اطمینان رکھو۔ میں بھی یاروں کا یار ہوں۔"

"مگر یہ گھر والوں کو کیوں پریشان کر رکھا ہے؟"

"بس ضروری سمجھا، کچھ ایسے ہی معاملات درپیش تھے کہ مجھے اس کیفیت کا مظاہرہ کرنا پڑا لیکن یہ ایک عارضی پروگرام ہے اس کے بعد میں ٹھیک ہو جاؤں گا" توفیق نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی اس کے ساتھ مسکرانے لگا۔

"ویسے بہت تیز معلوم ہوتے ہو توفیق جمشید کیا کیا کر لیتے ہو؟"

"سب کچھ، وہ سب کچھ جس سے دولت ہاتھ آئے۔۔۔"

"میرے خیال میں تمہارے ڈیڈی کافی دولت مند ہیں۔"

"باپ کی دولت باپ ہی کی ہوتی ہے اور پھر دولت بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں ہلاتے رہنا تو ضروری ہوتا ہے تا اس بھی ہاتھ پاؤں ہلا رہا ہوں اور اپنے آپ کو اس قابل اتنا

معنبوط کر لینا چاہتا ہوں کہ بعد کی عمر آسانی سے گزاری جا سکے۔" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

پھر میں نے کہا "بہت دُور کی سوجھی ہے واقعی اس میں کوئی شک نہیں اس عمر تک جو کچھ کر لیا جائے وہی کام آتا ہے۔"

"میرے ذہن میں تو ایک پلان ہے پورا، میں اس ملک میں نہیں رہنا چاہتا، پیرس کے ایک خوب صورت علاقے میں میں نے اپنے لیے ایک عمدہ رہائش گاہ کا بندوبست کیا ہے اور اس کی توسیع کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہو گا وہیں سے ہو گا۔"

"واہ... پیرس" میں نے مسرت بھرے انداز میں کہا

"ہاں۔ خوابوں کی جنت پیرس، اگر تم چاہو تو اس ہوٹل کا قیام ترک کر کے کسی اور عمدہ سے ہوٹل میں قیام کر سکتے ہو، اخراجات میرے ذمے..."

"ارے نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے یہ ہوٹل بھی میرے قیام کے لیے بُرا نہیں لیکن مجھے کتنے دن یہاں رُکنا ہو گا؟"

"کم از کم ایک ہفتے، ہو سکتا ہے اس سے کچھ زیادہ وقت بھی گزر جائے، لیکن اس دوران میری اور تمہاری ملاقاتیں ہوتی رہیں گی ورنہ پھر ہمارا رابطہ ٹیلی فون پر رہے گا لیکن ویسے بھی میں تم سے ملاقات کرتا رہوں گا۔ رات کو عام طور سے میں کلب جاتا ہوں، زیادہ ملاقاتیں وہیں ہوں گی۔"

"او کے ڈیئر توفیق تم سے مل کر واقعی خوشی ہوئی، مگر وہ شخص جس سے ملاقات ہوئی تھی بڑی عجیب کیفیت کا مالک ہے، غالباً اس کا تعلق افریقہ سے ہے؟"

"نہیں... وہ اسپینش ہے بلکہ یوں کہو دوغلا اسپینش، ماں افریقی تھی باپ اسپینش۔"

"شاندار آدمی ہے۔"

"تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ کتنا بڑا کلا کار ہے، دُنیا کے کئی ملکوں میں اس کا کاروبار ہے اور بہت اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے، کیا تم نے اس کے لیے کوئی کام کیا تھا؟"

"ہاں ایک چھوٹا سا کام لیکن وہ مجھ سے بہت خوش ہوا تھا، نام کیا ہے اس کا...؟" میں نے سوال کیا۔

"تمہیں بتایا تھا اس نے نام..؟"

"نہیں۔"

"اس کا نام کارلوس ہے۔" توفیق جمشید نے جواب دیا۔ "خیر ٹھیک ہے تو ہوٹل یہاں تمہارے ایما پر کام کر رہا ہوں ورنہ میرا پروگرام یہ تھا کہ تمہیں یہ پیغام دینے کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"نہیں اب تمہارا جانا مناسب نہیں مجھے تم سے بہت سے کام ہیں۔"

"تمہارا شکریہ توفیق لیکن اس کی ضرورت نہیں، ایک معمولی سے کام کے عوض میں تم سے..."

"کسی کام کے عوض نہیں۔ تم اس شہر میں میرے مہمان ہو اور اب دولت بھی کام ہی کی بات ہے۔ اگر تم چاہو تو میں ایک عارضی کام تمہارے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"کیا کام؟"

"یوں سمجھ لو ہماری لائن کا کام ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں خوشی سے تیار ہوں۔"

"دیکھو ڈیئر شارق۔ اب دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے تو ہمارے مفادات بھی مشترک ہو گئے ہیں تم اپنا نیشن ٹارگٹ مجھے بتا دینا میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا ورنہ اس کے بعد ہم بہت دُور تک آگے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے میں بہت جلد تمہیں اپنے ساتھ ترکی تک چلنے کی دعوت دوں۔"

"ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جو شاید تمہیں پسند نہ آئے توفیق؟"

"کہہ ڈالو" وہ مسکرا کر بولا۔

"میں آج تک کسی گروہ میں شامل نہیں ہوا حالانکہ میرے پاس بہت سی پیشکشیں ہیں جانتے ہو کیوں؟"

"بتاؤ..."

"اس لیے کہ مجھے محکومیت ناپسند ہے، میں دوست بن سکتا ہوں ملازم نہیں..."

"میں نے تمہیں دوست بنایا ہے ملازم نہیں" توفیق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے اس کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا جسے اس نے خوش دلی سے تھام لیا تھا۔

توفیق جمشید کافی دیر تک میرے ساتھ رہا اور ہمارے درمیان گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد اس نے مجھ سے اجازت طلب کی اور میں اُسے نیچے تک چھوڑنے آیا جب وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو میں مسکراتا ہوا واپس پلٹ آیا۔ کمرے کا دروازہ لاک کر کے نہیں گیا تھا، اندر داخل ہوا تو نگہت کو بیٹھے ہوئے پایا میں ہنس پڑا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ تمہارے پیٹ میں کھلبلی مچی ہوئی ہو گی۔"

"غیر فطری تو نہیں ہے چیف..."

"ہاں یقیناً اُس سے میری گفتگو ہوئی اور یہاں ایک بار پھر مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا ہے کہ تمہاری اس بہترین معلومات نے مجھے صحیح راستے پر پہنچا دیا۔ ہمارا وہی تصور بالکل درست ہے یعنی توفیق جمشید ترکی میں گرفتار ہو گیا اور پھر ایک منصوبے کے تحت ظفر اظہار کو وہاں بلایا گیا اور توفیق اس کی شکل میں نکل آیا، ظاہر ہے۔ اتنے بڑے جرائم پیشہ افراد یہ کام آسانی سے کر سکتے تھے جس شخص کا میں نے تم سے تذکرہ کیا تھا اس کا نام کارلوس [illegible] ہے اور وہ منشیات کے اسمگلروں ہی سے تعلق رکھتا ہے غرضیکہ اب تک کی صورتِ حال انتہائی تسلی بخش ہے میری اُس سے دوستی ہو گئی ہے اور اب میں اس کے کاروبار میں براہِ راست شریک ہو گیا ہوں۔"

"گڈ۔ پھر اب کیا پروگرام ہے چیف۔"

"دراصل جو منصوبہ میرے ذہن میں ہے نگہت اس کی تکمیل کے لیے ابھی یوں سمجھ لو کہ مجھے بہت کچھ کرنا ہے، یہ تو ایک کام ہوا ہے یعنی حقیقت کی تلاش، اب اس سلسلے میں دوسرا قدم اٹھا کر اس کیس کا اختتام کرنا ہے۔" نگہت دفعتاً مسکرا پڑی پھر بولی۔

"چیف اس صورت میں آپ ایک وکیل تو نہ رہے بلکہ ایجنٹ زیرو زیرو سیون ہو گئے جو جاسوسی کے لیے شاندار طریقہ کار اختیار کرتا ہے۔"

"نہیں نگہت عدالت میں دلائل کے ذریعے اور ثبوت فراہم کر کے مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا اور بے گناہوں کی گلو خلاصی کرانا ہی میرا کام ہے، یہ اس سلسلے کی ثانوی چیزیں ہیں اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے اس پہلو پر بھی عبور حاصل کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے چیف مانتی ہوں اب یہ بتائیے میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"تم یوں سمجھ لو نگہت کہ اپنا فرض پورا کر چکی ہو، باقی کام میرا ہی ہے۔"

"گویا میری چھٹی..."

"ہاں... تمہارا اب واپس چلے جانا بہتر ہے۔"

"او کے چیف آپ کی واپسی کب تک ہو گی؟"

"اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"آپ سے رابطے کا ذریعہ...؟"

"فی الحال کچھ نہیں، ہاں اگر کچھ مناسب ہوا تو تمہیں آگاہ کر دوں گا۔"

"گویا یہ ہماری اس سلسلے میں آخری ملاقات ہے"

"یقیناً لیکن صرف اس سلسلے میں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ نگہت شیرازی بھی مسکرانے لگی تھی۔

دوسرے دن وہ روانہ ہو گئی۔ میرا ذہن منصوبہ بندیوں میں مصروف رہا۔ اس شام توفیق سے ملاقات ہوئی اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس دبا ہوا تھا اور یہ سو فیصد اُسی بریف کیس جیسا تھا جیسا مجھے جھیل نور کے کنارے دیا گیا تھا توفیق نے کہا۔

"تمہیں شاداب پور جانا ہو گا، شاداب پور میں ہوٹل پیراگون کی چوتھی منزل کا کمرہ نمبر چار سو دس تمہارے لیے مخصوص ہے اس کمرے میں قیام کرو گے، پھر تم سے سنبل نامی ایک لڑکی ملاقات کرے گی جس کی تصویر یہ ہے۔" توفیق نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میرے حوالے کر دی اور میں اس لڑکی کی تصویر دیکھنے لگا، اچھے خدوخال کے مالک تیز طرار چہرے والی یہ لڑکی زیادہ سے زیادہ چوبیس پچیس سال کی ہو گی۔

"تصویر تم اپنے پاس رکھ سکتے ہو، یہ لڑکی تم سے ملاقات کر کے تمہیں وہ مقام بتائے گی جہاں تمہیں یہ بریف کیس کچھ لوگوں کے حوالے کرنا ہے، یوں سمجھ لو کہ یہ لڑکی تمہیں وہاں گائیڈ کرے گی، بریف کیس اُن لوگوں کے حوالے کر کے اُن سے رقم وصول کرنی ہے بس اس کے بعد تمہیں واپس چلے آنا ہے لیکن اس سلسلے میں یہ سمجھ لو کہ تمہارا واسطہ ایسے خطرناک لوگوں سے بھی پڑ سکتا ہے جو تم سے یہ مال خریدنے یا چھیننے کی کوشش کر سکتے ہیں، اصل لوگوں کے بارے میں تفصیلات سنبل تمہیں بتائے گی اور تمہیں یہ مال اصل لوگوں تک ہی پہنچانا ہے جو کچھ وہ دیں گے وہ بالکل اطمینان بخش ہو گا تفصیلات اسی لڑکی سے موصول ہوں گی، اس دوران اپنے طور پر کچھ تیاریاں کیے لیتا ہوں اگر تم مجھے نہ مل جاتے تو پھر یہ ذمہ داری مجھے خود پوری کرنا پڑ جاتی۔ باقی تفصیلات بعد میں ہوں گی۔" میں نے سنسنی خیز نگاہوں سے بریف کیس کو دیکھا لیکن خود کو سنبھال لیا اور مطمئن انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے مسٹر توفیق، یہ کام آپ کی خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔"

"رقم وصول کر کے تم اسے مجھ تک پہنچاؤ گے کیا سمجھے؟" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

توفیق جمشید نے جلدی سے کہا۔ "اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہارے سلسلے میں کسی غلط فہمی کا شکار رہوں تو یہ غلط فہمی میری نہیں تمہاری ہے۔ بڑے اعتماد کے بعد ہی میں نے یہ ذمہ داری تمہارے سپرد کی ہے۔" میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔

توفیق جمشید نے کہا۔ "میں چلتا ہوں کل تم اپنے وسائل کے ذریعے شاداب پور روانہ ہو جاؤ گے۔" ایک بار پھر میں نے اسے خدا حافظ کہا تھا اور اس کے بعد جب اس کے جانے کا یقین ہو گیا تو میں سنسنی خیز نگاہوں سے اس بریف کیس کو دیکھنے لگا۔

اس وقت میری حیثیت منشیات کے ایک اسمگلر کی سی تھی اور وقت نے یہ ذمہ داری بھی میرے شانوں پر ڈال دی تھی، توفیق کو جس انداز میں سنڈل کرنا چاہتا تھا، اس تک پہنچنے کے لیے جانے مجھے کتنے مراحل سے گزرنا پڑے، تھوڑی سی بد دلی بھی پیدا ہوئی تھی یقیناً یہ سب کچھ میرے لیے ناقابلِ قبول تھا لیکن دو چہرے نگاہوں کے سامنے تھے، ایک غم زدہ باپ اور ایک مظلوم نوجوان جس نے زندگی کا آغاز ہی کیا تھا کہ انجام کی جانب چل پڑا اور میری تمام ذہنی کوفت دور ہو گئی، یہ دو چہرے میرے لیے باعثِ تحریک تھے اور انہیں میری ضرورت تھی، میں تو اپنے آپ کو ان سب کے لیے وقف کر ہی چکا تھا، چنانچہ میں نے خود کو سنبھال لیا۔ یہ کام توفیق جمشید کی مرضی کے مطابق ہی ہونا چاہیے اور ہر قیمت پر اسے صحیح انداز میں تکمیل تک پہنچنا چاہیے، ورنہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔

اس بریف کیس پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی جو مجھے تحفے کے طور پر ملا تھا لیکن اب مجھے اس بریف کیس کا پوسٹ مارٹم کرنا تھا۔ بریف کیس کے کھولنے کا صحیح طریقہ دریافت کرنے میں مجھے تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا جب بریف کیس کھولا۔ اس کے اندر سیاہ رنگ کے مخصوص ساخت کے چوکور چوکور ٹکڑے بہت خوبصورتی سے پیک کر کے رکھے گئے تھے، کوئی نقد آور شے تھی جس کے بارے میں میری معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ بریف کیس بھرا ہوا تھا میں نے تھوڑی دیر تک کچھ سوچا اور اس کے بعد وہ تمام پیکٹ بریف کیس سے نکال کر ایک سمت رکھ دیے بریف کیس کا وزن درست کرنے کے لیے مجھے کسی شے کی ضرورت تھی اور

اس کا انتظام دوسرے دن صبح ہی ہو سکا چوکور چوکور پتھروں کے ٹکڑے جنہیں ان منشیات کے پیکٹوں کے وزن کے مطابق بنانا تھا اور اس طرح بریف کیس کے اندر جمانا تھا کہ وہ ہل جل نہ سکیں۔ اس کام میں دن کے دس بج گئے تھے منشیات کے جو پیکٹ میں نے بریف کیس سے نکالے تھے وہ میں نے کینوس کے ایک بیگ میں اس طرح محفوظ کر لیے کہ کسی کو احساس بھی نہ ہو سکے کہ بیگ میں کوئی ایسی چیز موجود ہے۔ بیگ کو میں نے نئے خریدے ہوئے کپڑوں سے بھر لیا اور بریف کیس کو اسی طرح بند کر دیا۔ اس کے بعد شاداب پور جانے کے ذرائع تلاش کیے ٹرین بھی جاتی تھی اور بس سے سفر بھی کیا جا سکتا تھا میں نے بس کے سفر ہی کو ترجیح دی۔ بریف کیس سنبھال کر رکھا اور اپنا بیگ بے پروائی سے بس کے دوسرے سامان کے حصے میں ڈال دیا۔ یوں میں نے شاداب پور تک کا سفر کیا۔ وہاں پہنچ کر ہوٹل پیراگون تلاش کرنا مشکل نہیں تھا ویسے بھی اس شہر کو کئی بار دیکھ چکا تھا چنانچہ پیراگون کی چوتھی منزل کے کمرہ نمبر چار سو دس میں مقیم ہو کر میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ ایک مرحلہ طے ہوا تھا اور اب مجھے اس لڑکی کی تلاش تھی، اسی رات تقریباً ساڑھے آٹھ بجے کسی نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور میں نے دروازہ کھول دیا تصویر والی لڑکی میرے سامنے تھی۔

"ہیلو۔۔۔!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مس سنبل۔۔۔!"

"یقیناً الحمد آسکتی ہوں؟"

"تشریف لائیے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لڑکی مجھے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی صورت سے بہت اچھی تھی لیکن فطرتاً بے باک معلوم ہوتی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"باس کے رفیقوں میں سے ایک حسین شخصیت کا اضافہ۔۔۔!"

"کیسی ہیں آپ مس سنبل؟"

"جیسی بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں کس نام سے پکاروں؟"

"شارق۔۔۔"

"نام بھی خوب صورت ہے ایک مردانگی جھلکتی ہے اس میں۔"

"شکریہ۔۔۔"

"اور سنائیے کیسے مزاج ہیں؟"

"مزاج وغیرہ بالکل ٹھیک ہیں، آپ سے جو کام مجھے لینا

ہے اس کے لیے کسی تمہید کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تھوڑی سی بے تکلفی ہو جانے دیں مسٹر شارق کام کا آغاز تو صبح ہی ہو گا۔"

"جیسا آپ پسند کریں مجھے اعتراض نہیں ہے کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ یہاں میری راہبر آپ ہی ہیں۔"

وہ ہنس دی پھر بولی۔ "کون کون سے مرحلوں میں آپ کی راہبری کرنا ہو گی۔"

"مرحلہ صرف ایک ہی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔" سنبل کے بارے میں تفصیلات ذرا کچھ نامناسب ہیں اس لیے میں آپ کو تفصیلات نہیں بتاؤں گا بس یوں سمجھ لیجیے کہ یہ میرے لیے ایک ناخوشگوار رات تھی جس میں مجھے سنبل کو برداشت کرنا پڑا اور اس کے تاثرات میرے بارے میں خوشگوار رہے۔

دوسری صبح ناشتے کے بعد اس نے سرد مہری سے کہا۔

"آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا مسٹر شارق یہاں ایک جگہ نیلم پوائنٹ کے نام سے مشہور ہے، ہمیں نیلم پوائنٹ پر پہنچ کر ان لوگوں کا انتظار کرنا پڑے گا جو یہ سب کچھ وصول کرنے کے لیے آئیں گے۔"

"بہتر تو پھر وہاں تک پہنچنے کے ذرائع۔۔۔!"

"ایک مخصوص حصے تک میں آپ کو کار میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی بعد میں کار آپ چلائے گا اور میں نیلم پوائنٹ کا راستہ بتا دوں گی۔" میں نے اس کی بات مان لی اور بالآخر میں تیار ہو گیا، سنبل کی کار کے عقبی حصے میں، میں نے اپنا سامان کا بیگ بھی رکھ دیا تھا، بریف کیس میں اچھی طرح سنبھالے ہوئے تھا یہاں سے ڈرائیونگ سیٹ اس نے سنبھالی تھی اور اس کے بعد ہم شاداب پور کے ایک نواحی علاقے میں جا نکلے تھے جہاں سے ایک کشادہ سڑک دور تک چلی گئی تھی کشادہ سڑک پر سفر کرتے ہوئے ہم نے تقریباً کوئی ایک سو میل کا فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد ایک ذیلی سڑک کے قریب پہنچ کر اس نے کار روک دی، فوراً ہی ایک دوسری پیلے رنگ کی کار عقب میں آکر رک گئی۔ یہ کار بہت دیر سے ہمارا تعاقب کر رہی تھی اور میں نے اسے خاص طور سے نوٹ کیا تھا۔ سنبل سے کہا تو اس نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے یہ وہ کار ہے جو مجھے واپس لے کر جائے گی۔ پھر سنبل نے کار سے اتر کر اس پیلی کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"یہ ذیلی سڑک نیلم پوائنٹ پر جا کر ختم ہوتی ہے وہاں آپ کو چھوٹے چھوٹے ہٹس نظر آئیں گے جن لوگوں سے آپ کو ملاقات کرنا ہے وہ آپ کو سفید گلاب پیش کریں گے اور جواب میں آپ کو ان کے سامنے کارڈ پیش کرنا ہو گا۔ بس یہی آپ کے درمیان شناخت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرنا، بعد کے معاملات کے لیے باس نے آپ کو ہدایات دے دی ہوں گی۔" اس کا خشک انداز مجھے ہنسا رہا تھا۔ اس پیشے میں ایسی ہی لڑکیاں بھی ہو سکتی ہیں چنانچہ میں نے یہاں سے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اس کے بعد کار کو ذیلی سڑک پر اتار دیا۔ سڑک نشیب میں چلی گئی تھی اور میں بڑے اطمینان سے کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اتر آئے تھے اور اندھیرا تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا، میں نے ابھی روشنیاں جلائی تھیں اچانک مجھے سڑک کے وسط میں ایک بڑا سا لکڑی کا تنا پڑا ہوا نظر آیا اور میں چونک پڑا کسی ناخوشگوار صورتِ حال کی آمد آمد تھی کار کو مجبوراً بریک لگانا پڑا اور میں چونکی نگاہوں سے اطراف میں دیکھنے لگا لیکن دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا لیکن اس تنے کی یہاں موجودگی کو بے مقصد نہیں سمجھتا تھا چند لمحات انتظار کرنے کے بعد میں نیچے اتر آیا اور اس تنے کے قریب پہنچ گیا، کافی قوت صرف کر کے میں نے تنا اس کی جگہ سے ہٹا دیا اور راستہ بنانے کے بعد کار تک آ بیٹھا چند لمحات کے بعد کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی تھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا یہاں مجھے روکنے کا مقصد کیا تھا بڑی عجیب سی صورتِ حال تھی میں آگے بڑھتا رہا اور پھر وہ جگہ آ گئی جسے نیلم پوائنٹ کا نام دیا جاتا تھا، چاروں طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا حالانکہ ہٹس بنے ہوئے تھے لیکن شاید وہاں کوئی بھی نہیں تھا میں ایک مخصوص جگہ جا کھڑا ہوا اور انتظار کرنے لگا۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ دفعتاً ہی مجھے ایک کار کی روشنیاں نظر آئیں اور میں مستعد ہو گیا، کار میرے قریب ہی آکر رکی تھی۔ اس سے دو آدمی نیچے اترے۔ خاصے قد آور تھے اور ان کے جسموں پر اعلیٰ درجے کے سوٹ تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھے گلاب کے دو سفید پھول پیش کیے اور میں نے ننھا سا وہ کارڈ ان کے سامنے کر دیا جو مجھے سنبل نے دیا تھا۔ کارڈ دیکھنے کے بعد ان دونوں نے گردنیں ہلائیں اور کہنے لگے۔

"مال۔۔۔!"

"وہاں۔۔۔" میں نے کار کی عقبی سیٹ کی طرف [illegible] کہا اور

دوسرے لمحے میرے قدموں تلے زمین نکل گئی۔ بریف کیس غائب تھا۔ میں نے سیٹ کے نیچے بریف کیس تلاش کیا اور اس کے بعد خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا، دونوں کڑی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے ان کے چہرے پر سجانے کیسے تاثرات تھے۔ رات کی تاریکی میں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن اندازہ بتاتا تھا کہ وہ خوشگوار موڈ میں نہیں ہیں۔

"مال... "ان میں سے ایک نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ... بج جناب، بریف کیس کار کی پچھلی نشست پر رکھا ہوا تھا، پپ... پتا نہیں... گگ... کہاں... "میں درحقیقت بوکھلا گیا تھا وہ دونوں چند لمحات خاموش رہے۔

"قصور ہمارا نہیں ہے مسٹر توفیق کو صحیح آدمی کا انتخاب کرنا چاہیے تھا ابھی تھوڑی دیر قبل ہمیں اطلاع ملی ہے کہ مال تمہارے پاس سے غائب کر دیا گیا ہے اور وہ ہمارے مخالفوں کی تحویل میں پہنچ چکا ہے، اصولاً تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ہم تمہیں قتل کر دیتے کیونکہ ہمارا زبردست نقصان ہوا ہے لیکن توفیق سے ہم دوستی ختم نہیں کرنا چاہتے۔ ذمہ داری صرف تم پر ہے اور خود توفیق پر بھی کہ اس نے ایسے آدمی کا انتخاب نہ کیا جو حفاظت کے ساتھ مال پہنچا دیتا، کیا اس ذیلی سڑک پر تمہیں کہیں روکنے کی کوشش کی گئی تھی؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں... ہاں... لکڑی کا ایک تنا سڑک کے درمیان حائل تھا اور مجھے اسے ہٹانے کے لیے رکنا پڑا تھا۔"

"اور اسی دوران تمہاری کار کی پچھلی سیٹ سے بریف کیس غائب کر دیا گیا اور اب وہ ہمارے مخالفوں کی تحویل میں ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں ہمیں یہ اطلاع ابھی تھوڑی دیر پہلے ملی ہے، پھر تو ہماری کار میں، لیکن تم انتہائی احمق آدمی ہو کس نے تمہیں اس کام کے لیے منتخب کر لیا تم نہیں جانتے کہ وہ مال کتنا قیمتی تھا ہمارے لیے اور کتنا ضروری، توفیق کو اطلاع دے دینا کہ تم اپنی حماقت سے مال کی سپلائی کرنے میں ناکام رہے ہو۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھ سے بڑی حماقت ہوئی اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"

"سیدھے یہاں سے جہنم میں چلے جانا چاہیئے۔ توفیق کا معاملہ ہے ورنہ تمہارے لیے فیصلہ تو ہم ہی کرتے۔" وہ ناخوشگوار لہجے میں بولے اور واپسی کے لیے مڑے تب میں نے انہیں آواز دی۔

"مسٹر... ایک منٹ، ذرا ایک منٹ انتظار فرمائیے۔" وہ رک گئے اور میں کار کی ڈکی جانب بڑھ گیا۔ چابی سے ڈکی کھول کر میں نے اپنا تھیلا نکالا اور پھر اس میں سے کپڑے نکال کر ڈکی کے اوپری حصے پر ڈالنے لگا۔ وہ متعجبانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے بالآخر بیگ کے نچلے حصے سے میں نے وہ پیکٹ نکال کر ڈکی پر سجانا شروع کر دیے، دونوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ایک ننھی سی ٹارچ نکالی اور پیکٹوں کا جائزہ لینے لگا پھر اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اوہ... مائی گاڈ... اوہ مائی گاڈ... تم... تم... "

"ہاں، یہ وہ پیکٹ ہیں جو بریف کیس میں بھرے ہوئے تھے اور بریف کیس میں صرف پتھروں کے ٹکڑوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

"ونڈر فل... ونڈر فل، تم نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ... کہ... اوہ، واقعی واقعی کہاں ہے۔" ان میں سے ایک بے اختیار ہنس پڑا۔

"ڈیڈ کو کس طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، پاگل ہو جائے گا وہ، لیکن اس سے پہلے انہیں یہاں سے نکال دینا ضروری ہے۔"

"تم نے وہ زبردست کارنامہ انجام دیا ہے مسٹر کہ ہم تمہاری تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے، تم یہ رقم وصول کرو اور ہمارے ساتھ ہی واپس چلو کیونکہ جس شخص کو تم نے چوٹ دی ہے وہ پاگل کتے کی طرح تم سے بدلہ لینے کے لیے دوڑ پڑے گا۔ اس مال کو ہم تک پہنچانے کا بے حد شکریہ درحقیقت یہ ہماری عزت کا مسئلہ بھی تھا۔"

جو بریف کیس انہوں نے مجھے دیا اسے میں نے سنبھال کر کار کی پچھلی سیٹ کے نیچے رکھ دیا۔ بڑا خطرناک معاملہ تھا لیکن مجھے یہ سارا کام انجام دینا تھا۔ میری کار واپس مڑی تو اُن لوگوں کی کار بھی میرے پیچھے پیچھے چل پڑی، کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ صورت حال کیا ہو چنانچہ میں بہت محتاط انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا یہاں تک کہ ہم اس چوڑی سڑک پر پہنچ گئے جس سے گزر کر اس ذیلی سڑک تک آئے تھے یہاں سے ہمارے راستے تبدیل ہو گئے۔ وہ لوگ دوسری سمت چل پڑے تھے اور جاتے ہوئے انہوں نے مجھے خدا حافظ کہا تھا اور میں نے واپسی کے لیے کار کا رخ اس جانب موڑ دیا تھا۔ اس کے بعد ڈرائیونگ کی تمام تر مہارتوں کے ساتھ میں نے تیز رفتاری کے ریکارڈ قائم کیے اور کار دوڑاتا رہا راستے میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جو پریشان کن ہوتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میں نے ایک اور بات بھی سوچی تھی پیراگون میں ملنے والی لڑکی سنبل جو مجھے یہاں تک چھوڑ گئی تھی یقینی طور پر کسی بھی صورت میں مشتبہ تھی۔ اس بات کے امکانات تھے کہ اگر میں پیراگون واپس پہنچوں تو اس بار مجھ سے یہ رقم حاصل کرنے کی کوشش کی جائے جو درحقیقت توفیق کی ملکیت تھی چنانچہ میں نے پیراگون کا رخ نہیں کیا اور سیدھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے مجھے واپسی کے لیے بس مل سکتی تھی۔ میں نے کار ایک جگہ کھڑی کی اور بس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ آخری بس ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوتی تھی اور میں نے اس بس سے سفر کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ میں احتیاط سے بریف کیس کو اپنے بیگ میں رکھے ہوئے بس میں سوار ہو گیا اور اس کے بعد جب بس وہاں سے چل پڑی تو میں نے سکون کا گہرا سانس لیا گویا یہ مرحلہ میں نے باآسانی طے کر لیا تھا۔

بس نے صبح پونے چھ بجے مطلوبہ جگہ پہنچایا اور یہاں سے میں نے اپنے ہوٹل ہی کا رخ کیا جس کا کمرہ چھوڑا نہیں تھا ہوٹل میں پہنچ کر مجھے خوشی کا احساس ہوا کم از کم ایک مرحلہ میں نے توفیق کی خواہش کے مطابق پورا کر دیا تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ ابھی نجانے اس سلسلے میں آئندہ کتنے مراحل سے گزرنا ہو گا توفیق جمشید کو یقینی طور پر میری اس قدر جلد آمد کی توقع نہیں ہوگی، بہرطور میں نے جلد بازی نہیں کی۔ رقم کا بریف کیس سنبھال کر میں نے محفوظ کر دیا۔ اس رقم سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں تھی، ہو سکتا ہے بریف کیس میں کوئی بہت بڑی رقم پوشیدہ ہو لیکن یہ سب کچھ ظرف اظہار سے زیادہ نہیں تھا اس کے بعد سونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا غسل کر کے لباس تبدیل کیا اور وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا پھر ناشتا کرنے کے بعد میں پرتپاک انداز میں تیار ہو کر باہر نکلا بریف کیس ساتھ لے کر طاہر جمشید کی کوٹھی ہی کا رخ کیا تھا حالانکہ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن کوٹھی میں سب لوگ تقریباً جاگے ہوئے ملے مجھے توفیق جمشید تک پہنچنے میں دقت نہیں ہوئی تھی وہ اپنے بیڈ روم ہی میں تھا لیکن شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس سے ملاقات کے لیے میں آیا ہوں۔ میری صورت دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔

"تم... ؟" اس کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی۔

"ہاں توفیق تمہاری اس امانت کی حفاظت میرے لیے مشکل تھی۔ اس لیے میں انتظار نہیں کر سکا۔" میں نے بریف کیس اس کے حوالے کر دیا۔

"اس میں... ؟"

"جو کچھ ہے میرے سامنے کھول لو تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔"

"وہ سب کچھ ہو گیا جو... ؟"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔ توفیق نے جلدی سے بریف کیس کھولا۔ اوپر تک نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے نیچے تک گڈیاں دیکھیں اور پھر انہیں واپس بریف کیس میں رکھتا ہوا بولا۔

"کوئی دقت پیش آئی... ؟"

"دقت معمولی سی۔" میں نے کہا اور توفیق کو پوری کہانی سنا دی۔ توفیق نے گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا پھر بولا۔

"تمہاری اس دوستی پر مجھے فخر ہے میرے دوست۔ مجھے معاف کرنا یہ سب کچھ میری پلاننگ سے ہو رہا تھا۔ سب میرے ہی آدمی تھے۔ میں تمہارا امتحان لینا چاہتا تھا اور تم اس امتحان میں پورے اترے ہو اور اب مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔ یہ پہلا اور آخری امتحان تھا۔" توفیق کے الفاظ پر میرا ذہن صاف ہو گیا۔ اب تک کچھ شبہ سا تھا۔ بہرحال میں تو اس کے امتحان پر پورا اترا تھا لیکن شاید وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اب خود کتنے بڑے امتحان میں پڑنے والا ہے۔

توفیق جمشید

باکمال تھا۔ اس کے
بعد اس نے کوئی

کام میرے سپرد نہ کیا اور میں صبر و سکون سے وقت گزارتا رہا۔ توفیق سے جلد بازی بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اُس نے منتقل کر کے مجھے ایک دُوسرے ہوٹل میں منتقل کر دیا تھا۔ بہتر ہی ہوا تھا کہ میں اس کی توقع پر پُورا اُترا تھا۔ اگر وہاں مار کھا جاتا تو اس کو تو کوئی نقصان نہ ہوتا لیکن میرا منصوبہ ہی خاک میں مِل جاتا۔ ایسے معاملات میں مَیں نے ہمیشہ اس غیبی امداد کو اپنے ساتھ دیکھا جو میری مدد کرتی تھی اور اُس نے کسی بھی مرحلے پر مجھے ناکامی کی آغوش میں نہیں پہنچنے دیا۔ الغرض یہاں وقت گزرتا رہا۔ وہ خود ہی مجھ سے ملاقات کرنے آ جاتا تھا۔ ویسے اس بات پر مجھے آج بھی پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ معزز اور محترم خاتون جو اس کی ماں تھی اس بارے میں نہیں جانتی تھیں کہ درپردہ اس کی شخصیت کیا ہے؟ مَیں نے اس کی آنکھوں میں ایک ماں کی مامتا اور پریشانی مچلتے ہوئے دیکھی تھی۔ باقی رہ گئے مسٹر جمشید تو ان کے بارے میں یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا تھا کہ جو شخص اتنا دولت مند ہو کر اپنے سگے بھائی کو صرف اس لیے نظرانداز کر دے کہ وہ غریب ہے۔ وہ اچھا انسان نہیں ہو سکتا اور اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ خود مسٹر توفیق جمشید اس کی کارروائیوں میں ملوث ہوں اور اگر نہ بھی ہوں تو کم از کم بیٹے کے کرتوت ان کی نگاہوں سے چھپے نہ رہے ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے طرزِ اظہار کے سلسلے میں خود ان کے نیک مشورے بھی کارفرما رہے ہوں۔ مجھے یہ صبر آزما لمحات بہت شاق گزر رہے تھے۔ بہت سے مسائل تھے نجانے کہاں سارا قدم میرا منتظر تھا لیکن ابھی تو اس سلسلے میں ہی نجانے کتنا وقت صرف ہو جائے۔ خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور گھڑی کا آخری حصہ ... تھا۔ اس وقت جب وہی آفت کی پرکالہ جس کا نام شنبل تھا ... دے کر میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک شرارت لہرا رہی تھی۔

"ہیلو مسٹر شارق آپ مجھے دیکھ کر یقیناً حیران ہوئے ہوں گے"

"آیئے مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ آپ کا تعلق براہِ راست کسی اور سے ہے"

"کسی اور سے کہہ کر آپ نے اپنی اچھی شخصیت کا ثبوت دیا ہے۔ ہاں میں مسٹر توفیق جمشید کی ایک کارکن ہوں"

"تشریف رکھیے"

"اس وقت پروگرام کے تحت آپ سے دُور ہو جانا بہت ضروری تھا ورنہ آپ جیسی شخصیتوں کے لوگ ملتے کہاں ہیں؟" وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔ پھر کہنے لگی "میں کافی پیئوں گی"

میں نے رُوم سروس کو فون کر کے کافی طلب کر لی تھی۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر کہنے لگی "مسٹر توفیق نے مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے اور یہ اتفاق کی بات ہے کہ مجھے ہی آپ کے ساتھ کام کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے"

ویٹر کافی لایا تو وہ خاموش ہو گئی اور اُس نے اپنے اور میرے لیے کافی کی پیالیاں بنائیں اور پھر ایک مجھے دیتے ہوئے کہا۔ "ہمیں غالباً کل یا زیادہ سے زیادہ پرسوں تک یہاں سے روانہ ہو جانا ہے اور مجھے ہدایت دی گئی ہے کہ مَیں اس سلسلے میں آپ سے بات چیت کر لوں"

"مَیں تیار ہوں مس شنبل"

"کوئی خاص بات چیت نہیں ہے۔ ایک چھوٹا سا پروگرام ہے جس کی تفصیل میں کافی کے بعد آپ کو سمجھائے دیتی ہوں۔ ہمیں پروگرام کے مطابق استنبول تک ہی کا سفر کرنا ہے کیونکہ وہاں ایک بہت ہی عظیم شخصیت ہمارا انتظار کر رہی ہوگی مسٹر ڈیفی لوسڑ کو آپ کے آنے کے بارے میں اطلاع دے دی گئی ہے۔ آپ ان سے تو واقف ہیں ہی ناں؟"

"جی جی کہتی رہیے"

"کہنے کی نہیں کر کے دکھانے کی بات ہے وہ کافی کے بعد ہو جائے گا" کافی پینے کے بعد اُس نے ایک کاغذ نکالا اور پنسل سے اس پر نشانات بنا بنا کر مجھے تفصیلات بتانے لگی پھر بولی۔ "آپ ان تفصیلات کو ذہن نشین کر لیں دراصل ترکی ہمارے لیے مشکل ترین ملک ہے لیکن کیا کیا جائے؟ ڈیفی لوسڑ وہاں کنگ کی حیثیت رکھتا ہے اور وہیں سے کام کر رہا ہے جب کہ ہمارا سب سے بڑا کام اسی سے ہے"

"کیا توفیق نے یہ بھی کہا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں مزید تفصیلات بتائی جائیں میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کوئی ذمّے داری میرے سپرد کرنا چاہتا ہے" شنبل نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

"آپ کی یہ بات مجھے پسند نہیں آئی مسٹر شارق آگے بڑھنے کے لیے ہر کام کی تفصیلات جان لینا ضروری ہوتا ہے۔ میرے خیال میں آپ کو اس سلسلے میں تجسس ہونا چاہیے"

"بات یہ ہے شنبل کہ جب میں تنہا کوئی کام کرتا ہوں تو اسے اپنی ذمّے داری سمجھ لیتا ہوں اور جب کوئی کام مجھے کسی اور سمت سے دیا جاتا ہے تو پھر میں دُوسروں پر انحصار کرتا ہوں"

"یعنی اس مسئلے کو جس میں آپ نے زبردست ذہانت کا ثبوت دیا تھا مسٹر شارق آپ تنہا اپنا کام سمجھتے تھے یا توفیق کو اس میں ملوث تصور کرتے تھے"

"توفیق نے وہ ذمّے داری میرے سپرد کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے کچھ دشمنوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا۔ اس لیے میں نے خود کو محتاط رکھا اور میں جانتا تھا کہ اس وقت میں تنہا ہوں"

"اور اس وقت بھی میں آپ کی تحویل میں ہوں۔ عملی طور پر بھی اور باقی سب کچھ بھی کیا سمجھے؟" اس نے اوباش انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"عجیب سی بات ہے کہ جب مجھ پر کوئی کام سوار ہو جاتا ہے تو میں ذہنی طور پر صرف کام ہی کے بارے میں سوچتا ہوں۔ دُوسری باتیں میری سماعت سے ٹکرا کر گم ہو جاتی ہیں"

"یہ ایک ناپسندیدہ کیفیت ہے لیکن بہرحال" شنبل نے کہا جو کچھ وہ مجھے بتا چکی تھی میں اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ مس شنبل اس کے بعد سے مجھ پر ہر وقت مسلط رہیں گی خیر کسی اجنبی لڑکی کی معیت مجھے ہمیشہ سے ناپسند تھی لیکن اب کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا چنانچہ برداشت کرنا پڑا۔ ان کی تمام فضول حرکتیں میں نے بے چارے طرزِ اظہار کے حساب میں لکھ دیں۔ اس کی مستقل آنکھیں مجھ سے سوال کر رہی تھیں اور میں ان آنکھوں کی تسکین کے لیے ... دیئے کو تیار رہتا تھا۔ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ میرے لیے کا... انتظام بھی توفیق ہی نے کیا تھا اور آخری رات وہ مجھ سے ... لیے معمول کے مطابق ہوٹل پہنچ گیا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور پھر کہنے لگا۔

"چار دن کے بعد میری اور تمہاری ملاقات استنبول میں ہوگی۔ شنبل سب کچھ جانتی ہے۔ تمہیں کہاں قیام کرنا ہے؟ کس کس انداز میں کام شروع کرنا ہے! میرا خیال ہے تم بخوبی یہ سب کچھ کر سکو گے ویسے وہ مکمل طور پر قابلِ بھروسہ لڑکی ہے اگر اس کی کوئی بات تمہیں مشکوک نظر آئے تو اس پر شک نہ کرنا بس یوں سمجھ لینا کہ یہ ہمارے گروہ کی ایک مایہ ناز کارکن ہے"

"مس شنبل سے میرا پورا پورا ذہنی تعاون ہے مسٹر توفیق آپ سے چار دن کے بعد استنبول میں کس جگہ ملاقات ہوگی؟"

"اس کی اطلاع بھی وہیں مل جائے گی۔ تم فکر نہ کرو اور اس کے بعد ہم ایک بہترین وقت استنبول میں ... استنبول یقینی طور پر تمہارے لیے دلکش ہوگا" توفیق ... کر کہا اور میں بھی اوباشی سے مسکرانے لگا تاہم ... لوگ فرشتے نہیں ہوتے میرے لیے تو شنبل کو سنبھالنا ... رہا تھا لیکن مرتا کیا نہ کرتا سب کچھ داؤ پر لگا چکا تھا اور ... کو تسلیم کرنے کے لیے ابھی نجانے کون کون سی اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا بالآخر ہم لوگ روانہ ہو گئے۔ میرے ذہن ... سے سوالات آ گئے اس شخص کا نام تو مجھے معلوم ہو چکا تھا ... بالکل اتفاقیہ طور پر مجھ سے ٹکرا گیا تھا اور انتہائی حیرتناک طریقے سے اُس نے ایک ذمّے داری میرے سپرد کر دی تھی لیکن یہ ذمّے داری میرے لیے جس قدر کارآمد ثابت ہُوئی تھی ناقابلِ بیان ہے۔ ڈیفی لوسڑ کے بارے میں یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ وہ استنبول میں منشیات کی دُنیا کا کنگ ہے۔ اب دیکھنا ہے یہ شہنشاہِ اعظم آگے میرے لیے کس طرح کارآمد ثابت ہوتے ہیں؟ سفر خوش اسلوبی سے کٹ گیا۔ کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا جو قابلِ ذکر ہوتا۔ وہاں پہنچنے کے بعد مجھے کیا کرنا ہے! اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ شنبل کو تمام ضروری امور سمجھا دیے گئے تھے اور توفیق نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ مکمل طور پر قابلِ اعتماد ہے چنانچہ مجھے اُلجھن میں پھنسنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم استنبول کے ہلٹن ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئے۔ دُنیا کے کسی بڑے شہر میں چلے جایئے ان پرشکوہ ہوٹلوں کا اندرونی ماحول امریکی ہی ہوگا سوائے ملازموں کے رنگ و رُوپ کے۔ ہوٹل ہلٹن کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اس کے اوپن ایئر برآمدے میں نیلگوں سمندر کی آغوش میں سمٹا ہُوا استنبول پُرلیل کا شہر معلوم ہوتا تھا۔ انتہائی مہنگا ہوٹل تھا جس کا اندازہ بہت مختصر وقت میں ہو گیا کمبخت شنبل نے میرے اور اپنے لیے ایک ہی کمرہ حاصل کیا تھا۔ میں اس بات سے خاصا اُلجھ گیا تھا۔ اوّل تو یہ کہ مجھے اپنے طور پر کچھ کرنے کا موقع مشکل ہی سے مِل سکتا تھا کیونکہ وہ لمحہ لمحہ میرے ساتھ تھی اور دُوسری بات یہ کہ اس کی شخصیت بھی میرے لیے ناپسندیدہ تھی۔ استنبول کے بارے میں اس کے تصورات بہت حسین تھے اور وہ اس سے خصوصی طور پر دلچسپی رکھتی تھی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ ابھی کچھ وقت یہاں آزادی سے گزرے گا اور کوئی ایسا اہم کام نہیں ہے جو کرنے کے لیے ہو۔ رات کو تقسیم چوک کے پارک جادۂ استقلال میں سیر و سیاحت کا فیصلہ کیا گیا اور یہ جگہ واقعی قابلِ دید تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے لوگوں نے اب باسفورس

کے کنارے سے اُکتا کر یہاں ہلٹن بول دیا ہو۔ ہزاروں سجے سجائے چہرے بے مقصد گھوم رہے تھے۔ یہ استنبول کی سب سے مشہور اور معروف ترین شاہراہ ہے جہاں بیشمار ریسٹوران، ہوٹلز اور روشنیوں کی بہتات ہے اور پھر اس کے پہلو میں درجنوں تاریک گلیوں میں استنبول کی رنگینیاں۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی کہ ترکی میں منشیات کے لیے سخت ترین قوانین ہیں لیکن یہاں کی زندگی یورپ کے کسی بھی جدید ترین شہر سے کم نہیں ہے۔ بنیادی وجہ تو میں خود بھی سمجھتا تھا لیکن اس کے باوجود کچھ روایات بھی ہوتی ہیں۔ خیر اس کا تذکرہ بے سُود ہے۔

وہاں وہ سب کچھ موجود تھا جو کسی سیاح کے لیے باعثِ دلکشی ہو۔ نجانے کب تک ہم استقلال کی سڑکوں پہ چہل قدمی کرتے رہے اور اس کے بعد واپس ہوٹل ہلٹن آ گئے جہاں منحوس ترین رات میرا انتظار کر رہی تھی کیونکہ سنبل یہاں آ کر بہت زیادہ کھل گئی اور اس کی آنکھوں کے سرخ ڈورے بتاتے تھے کہ وہ زندگی کو کس انداز میں گزارنے کی عادی ہے؟

دوسری صبح سنبل کے لیے کیسی ہی رہی ہو لیکن میرے لیے بڑی ناخوشگوار تھی۔ میں بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد سارا کام ہو جائے تاکہ میں اس مصیبت سے نجات حاصل کر لوں۔ اُس نے البتہ دُوسرے دن کا پروگرام بڑی تفصیل سے مجھے بتایا اور میں نے بادلِ نخواستہ اس پروگرام پر خوشی کا اظہار بھی کیا۔ باقی چار دن کی تفصیل بے سُود ہے۔ بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ مجھے بھی استنبول کی جیل میں قید کر دیا گیا تھا جہاں میرے لیے جلاد کی حیثیت سے وہ موجود تھی۔ بس دِل کو یہ اطمینان تھا کہ ایک مقصد کے لیے کام کر رہا ہوں اور نیکیوں کے لیے کام کرتے ہوئے بہت سے مشکل مرحلے طے کرنے ہوتے ہیں۔ اس دوران سنبل مجھے استنبول کے بہت سے مقامات پر لیے لیے پھرتی رہی۔ زندگی سے بھرپور عورت تھی اور جو کچھ کر رہی تھی اس پہ اس کا ضمیر داغدار نہیں ہوتا تھا۔ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو برائیوں کے راستوں پر نکل جانے کے بعد اپنے آپ کو گم کر دیتے ہیں اور انہیں کبھی اِن بُرائیوں کے بُرا ہونے کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ مجھ سے بہت بے تکلف ہو گئی تھی اور اس کا خیال تھا کہ میں اس کی زندگی میں ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتا ہوں اور میری شخصیت سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو گئی تھی۔

بہرحال چار دن میرے علم میں لائے گئے تھے اور یہ چار دن گزر چکے تھے۔ خدا کا احسان ہے کہ اس دوپہر ہمیں توفیق کا ٹیلی فون موصول ہوا اور میں نے ہی ریسیو کیا تھا۔

"ہائی ڈیئر۔ شارق کہو کیسے ہو؟ مجھے یقین ہے کہ استنبول میں تمہارے یہ دن بہت خوش گوار گزر رہے ہوں گے۔"

"کیوں نہیں توفیق، ظاہر ہے تم جیسے دوست کسی کو مل جائیں اور اس کے دن رات ناخوشگوار ہوں۔" میرے اس جواب پہ توفیق نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا۔ پھر اُس نے کہا۔

"تو پھر اب کام کے لیے تیار ہو جاؤ اور اپنی بھرپور ذہانت کا ثبوت دو۔ مجھے تم پہ نہایت اعتماد ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں میری فی الحال تم سے ملاقات ممکن نہیں ہے۔ میں سارا پروگرام سنبل کو سمجھائے دیتا ہوں۔ کیا وہ تمہارے قریب موجود ہے؟"

"ہاں۔" اس کو اشارہ کیا اور وہ مسکراتی ہوئی ٹیلی فون تک آ گئی۔ اس کے بعد وہ ریسیور کان سے لگائے دُوسری طرف سے صرف توفیق کی ہدایات سُنتی رہی تھی۔ کافی دیر تک تو وہ اُسے فون پہ ہدایات دیتا رہا پھر سنبل نے کہا۔

"اوکے چیف۔ مسٹر شارق سارا کام آپ کی پسند کے مطابق ہی کریں گے۔ مجھے یقین ہے یہ بہت ہی مستعد آدمی ہیں۔" اس کے بعد اُس نے فون بند کر دیا تھا۔ میں خاموشی سے تھوڑے فاصلے پہ ایک آرام کرسی پہ دراز تھا۔ وہ سنجیدہ سا چہرہ بنائے میرے سامنے آ گئی۔

"کام کا آغاز ہو گیا ہے لیکن کچھ مشکل حالات ہیں جو مال یہاں پہنچ رہا ہے اس پہ سُنا ہے مقامی انتظامیہ کی نگاہ ہے اور صُورتِ حال ذرا مشکل ہو جائے گی۔ یہ حماقت ڈینی بوسٹر سے ہوئی ہے۔ وہ کسی طرح پولیس کی نگاہوں میں آ گیا ہے اور اسے انڈر گراؤنڈ ہونا پڑا ہے۔ فی الحال وہ سامنے نہیں آ سکتا بلکہ اُس نے اپنا پورا اسٹاف انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔ اب یہ ذمے داری ہم ہی لوگوں کو سنبھالنی ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سنبل پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگی اور پھر اُس نے اپنے سامان سے استنبول کا ایک نقشہ نکالا اور اُسے میز پہ پھیلا کر بیٹھ گئی۔

"آؤ شارق۔ لیکن ایک منٹ۔ کیا تمہیں چہرے بدلنے میں کوئی مہارت حاصل ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمہیں اپنا چہرہ بدلنا ہوگا۔ میں بھی تھوڑا سا میک اَپ کروں گی۔ میرے پاس سامان موجود ہے۔"

"مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی اس میں۔ بس تھوڑا بہت

کام چلانے والا میک اَپ کر لیتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں تھوڑی سی چہروں کی تبدیلیوں کے ساتھ اس عمل کا آغاز کرنا ہے تاکہ ہم اپنے طور پہ محفوظ رہ سکیں۔" میں خاموشی سے گردن ہلا کر رہ گیا تھا۔ اس دوران ایک تصور میرے ذہن میں مستقل خلش بنا ہوا تھا جس کا تذکرہ میں نے ابھی تک نہیں کیا۔ ڈینی بوسٹر کے حوالے سے میں توفیق سے ملا تھا اور اس بات کے قوی امکانات تھے کہ ڈینی بوسٹر سے استنبول میں ملاقات ہو جائے۔ توفیق سے ملتے ہوئے نگہت کی موجودگی میں میں نے اپنے چہرے پہ ہلکا سا میک اَپ کیا تھا اور مجھے اس بات کی تشویش تھی کہ جب ڈینی بوسٹر دوبارہ مجھ سے ملے گا تو وہ میرے اِس چہرے پہ حیرت کا اظہار کرے گا کیونکہ اس وقت تو میں اپنی اصل شکل میں تھا۔ یہ چیز بہت دِنوں سے میرے ذہن میں کھٹک رہی تھی لیکن سنبل کے ان الفاظ نے مجھے کافی سکون بخشا تھا کہ اوّل تو ڈینی بوسٹر انڈر گراؤنڈ ہے اور پھر اُس نے مجھ سے ہلکا سا میک اَپ کرنے کے لیے کہا تھا۔

مجھے بعض اوقات یہ خطرہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ اخبارات کی پبلسٹی سے میری شخصیت اچھی خاصی نمایاں ہو گئی تھی۔ گو میں نے تصاویر وغیرہ کا سلسلہ کبھی نہیں کیا تھا حالانکہ نگہت شیراز نے ایک دو بار یہ کوشش کی تھی لیکن میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ میری رُونمائی مُناسب نہیں ہے۔ اخبارات اگر میرے کارناموں کے بارے میں لکھ دیتے ہیں تو یہ ان کی اپنی خبروں کا معاملہ ہوتا ہے لیکن اگر میری صُورت کی تشہیر کی گئی تو پھر بہت سے معاملات میں مجھے مشکل درپیش ہوگی۔ اس کے باوجود یہ خطرہ رہتا کہ وہ لوگ جو جرم کی دُنیا سے تعلق رکھتے ہیں ہو سکتا ہے میری جانب بھی متوجہ ہوں اور اس بات کے امکانات میں نے نظر انداز نہیں کیے تھے کہ توفیق بھی انہی میں شامل ہو۔ اس لیے میں نے ہلکے سے میک اَپ میں اس سے ملاقات کی تھی مگر اَب یہ سلسلہ ذرا اُلجھ گیا تھا۔ البتہ اس وقت کے الفاظ نے اس مسئلے کو بھی سُلجھا دیا تھا۔ بس یہی خطرہ تھا کہ کہیں اصل شکل میں آ کر میں توفیق کے لیے توجہ کا نشانہ نہ بن جاؤں۔ ویسے میک اَپ تھوڑا سا تبدیل بھی کیا جا سکتا تھا۔ پہلے میں نے یہی سوچا تھا کہ اپنی اصلی شکل سامنے لے آؤں لیکن اب اس کی ضرورت نہیں تھی چنانچہ سنبل کے فراہم کردہ سامان کے ذریعے میں نے اپنے اس میک اَپ میں کچھ اور اضافہ کر لیا اور یہ اضافہ سنبل کو پسند نہیں آیا تھا کیونکہ میرا چہرہ تھوڑا سا بدنما ہو گیا تھا۔

سنبل نے اپنا چہرہ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ کم بخت میک اَپ میں اچھی خاصی ماہر تھی لیکن اُس نے یہ خیال رکھا تھا کہ اس کی دلکشی میں کوئی فرق نہ پڑنے پائے۔ سنہرے براؤن مائل بالوں کی وگ لگا کر اس کا چہرہ بالکل ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ میں نے مُسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

"جب ہوٹل کے اس کمرے سے برآمد ہوں گے تو دیکھنے والوں کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نہ ہوں گے کیا؟"

"کیا ضروری ہے کہ ہم کسی کے سامنے ہی اس کمرے سے برآمد ہوں، اس کام کی تکمیل کے بعد ہم اپنا چہرہ واپس تبدیل کر سکتے ہیں۔"

"خیر تم بہت خوب صُورت لگ رہی ہو۔ یہ بتاؤ پروگرام کیا ہے اور ہاں سُنو مجھ سے کہا گیا تھا کہ تم مجھے صُورتِ حال سے آگاہ کرو گی۔ بات یہ ہے کہ میں صرف غلامی کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے یہ بات توفیق سے بھی کہہ دی تھی کہ میں محکومیت پسند نہیں کرتا بلکہ برابری کی بنیاد پہ کام کرنے کا شوقین ہوں۔ ابھی تک مجھے صُورتِ حال کا علم نہیں ہو سکا اور میں اُلجھن میں ہوں اگر میں صرف ایک پُرزے کی مانند کام کرتا رہا تو میرا خیال ہے یہ میرے لیے مشکل ہوگا۔"

"اوہ۔ نہیں تم نے کیوں سوچ لیا ڈیئر کہ تمہیں ایک پُرزے کی حیثیت سے استعمال کیا جائے گا اور ویسے بھی مسٹر توفیق نے مجھے ہدایات دے دی ہیں کہ میں تمہیں سب کچھ بتا دُوں اور اس کے بعد تمہاری ذہانت کا درست استعمال کیا جائے۔ دراصل تم نے اس سلسلے میں جس ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا اس کے بعد اس بات کی قطعی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی چیز تم سے چھپائی جائے۔" میں ایک گہری سانس لے کر سنبل کو دیکھتا رہا پھر اُس نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ بہت سا مال ایک مخصوص شکل میں وہاں سے ترکی منتقل کیا گیا ہے اور یہ توفیق کا مال ہے۔ ڈینی بوسٹر اس میں برابر کا حصے دار ہے اور توفیق کے تقریباً دس فیصد معاملات ڈینی بوسٹر ہی کے ذریعے طے پاتے ہیں۔ یُوں سمجھ لو کہ ترکی میں ڈینی بوسٹر واحد آدمی ہے جو اس مال کی سپلائی کا کنگ ہے۔ دُوسرے لوگوں نے یہاں کوششیں کیں تو مصیبت کا شکار ہو گئے اور اپنا اپنا مال بھی کھو بیٹھے لیکن اس

بارڈنی یوسٹر بھی پولیس کی نگاہوں میں ہے چنانچہ ہم لوگوں کو یہ کام خود ہی سرانجام دینا ہے۔ اب تم صورتِ حال کو سمجھ لو ڈیئر شارق۔"

"سمجھا ڈ۔۔۔"

"یہاں سے تقریباً سات میل کے فاصلے پر ہمیں ایک اسٹیمر لے کر پہنچنا ہے خلیج باس فورس میں اسٹیمر موجود ہے جو ہمارے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ میں اور تم یہ اسٹیمر لے کر مقررہ پوائنٹ پر جائیں گے وہاں ایک دُوسرے اسٹیمر سے ہمارا مال پہلی قسط کی شکل میں پہنچ جائے گا۔ یہ پہلی قسط ہمیں اپنے اپنے اسٹیمر پر لینے کے بعد ایک اور جگہ پہنچنا ہے وہ جگہ قاصی محفوظ ہے اور مال وہاں منتقل کرنا ہے۔ خطرہ صرف یہ ہے کہ خلیج باس فورس میں پیرے پر متعین آبکاری کے افراد موجود ہوں گے اور ہمیں انہیں جُل دے کر مال اصل جگہ تک پہنچا دینا ہے۔ یہ پہلی کھیپ فوری طور پر وصول کرنا ضروری ہے کیونکہ دُوسری کھیپ کا مسئلہ ذرا لیٹ بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس وقت مال بالکل موجود نہیں ہے چنانچہ ہمیں پہلی کھیپ وصول کر کے کم از کم وہ مانگ پُوری کرنی ہے جو مال کے سلسلے میں ہے۔ یہ ہے آج کی کارروائی جو ہمیں رات کو ساڑھے گیارہ بجے انجام دینی ہے۔"

"اسٹیمر میں ہمارے ساتھ کتنے افراد ہوں گے؟"

"ہمارے ساتھ ایک بھی فرد نہیں ہوگا وہاں جس اسٹیمر سے مال منتقل کیا جائے گا اس پر کئی آدمی موجود ہوں گے جو یہ کام نہایت پھرتی سے سرانجام دے دیں گے۔" میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر میں نے ایک آخری سوال کیا۔

"یہ مال کس شکل میں ہوگا؟"

"کارٹن ہوں گے جس میں پلاسٹک کے خوب صورت کھلونے بھرے ہوں گے۔" مجھے وہ نقشے یاد آ گئے جو ڈینی بوسٹر نے مجھے دیے تھے اور جن کے ذریعے میں ترنیق سے رُوشناس ہُوا تھا۔ سُنبل نے مُسکراتے ہُوئے مجھ سے کہا۔

"تم نے جس انداز میں برین کیس کا مسئلہ حل کیا اس ذہانت کی یہاں بھی ضرورت ہے امکانات اس بات کے ہیں کہ ہم اس مسئلے کو آسانی سے حل کر لیں گے لیکن بہر طور مستعد رہنا بھی ضروری ہے۔"

"اسلحہ؟" میں نے سوال کیا۔

"اسٹیمر میں موجود ہوگا۔"

"ہُوں۔" میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ صُورتِ حال واقعی سنسنی خیز تھی۔ خاص طور سے اس شکل

میں کہ بقول سُنبل کے مقامی پولیس اور محکمۂ آبکاری اس سلسلے میں ہوشیار تھے اگر رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تو یہ اپنا وطن نہیں تھا کہ اپنے تعلقات سے کام لے کر حالات کو سنبھال سکتا یہاں تو زندگی کے لالے پڑ سکتے تھے۔ عاقل جودت یا دُوسرا کوئی بھی میری مدد نہ کر پاتا۔ یہ ایک ایسی شکل تھی جس نے واقعی مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اب اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جو کام کرنا تھا وہ تو انتہائی ضروری تھا۔ بات یہاں تک پہنچ گئی تھی تو اب پشت نہیں دکھا سکتا تھا چنانچہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ مسائل بڑھ بھی گئے تھے اور کچھ حل بھی ہو گئے تھے اب باقی سب کچھ تقدیر کے ہاتھوں میں تھا۔

رات تک ہم لوگ بڑی مستعدی سے اپنے پروگرام کے مختلف حصّوں پر گفتگو کرتے رہے اور ہم نے یہ وقت ہوٹل ہی میں گزارا۔ وہ بھی سنجیدہ ہو گئی تھی پھر مقررہ وقت پر ہم دونوں خاص قسم کے بھڑکیلے لباسوں میں باہر نکل آئے اور اپنی منزل کی جانب چل پڑے اس کے لیے ایک ٹیکسی بھی استعمال کی گئی تھی سُنبل کے پاس وہ نقشہ محفوظ تھا جس کے سہارے اُسے کام کرنا تھا۔

ٹیکسی نے ہمیں باس فورس کے کنارے اُتار دیا باس فورس کا کنارا اب کافی حد تک سنسان ہو گیا تھا۔ ساحل پر لنگر انداز کشتیوں اور اسٹیمروں پر رنگ برنگ قمقمے روشن تھے۔ فٹ پاتھ کے ساتھ سمندر میں بے شمار چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں تیل کے لیمپ جل رہے تھے۔ لہروں کی وجہ سے کشتیاں جھُولتی تھیں تو لیمپ کے بُلند شُعلے پھڑپھڑانے لگتے۔ اکثر کشتیوں میں الاؤ جل رہے تھے جن کے اُوپر بڑے بڑے تھالوں میں مچھلی تلی جا رہی تھی۔ غرض یہ کہ یہاں کا ماحول بہت ہی دِلچسپ اور دلکش تھا لیکن اس وقت اس کی دِلکشی سے محظوظ ہونے کے لمحات نہیں تھے۔

سُنبل مجھے ساتھ لیے ہُوئے کسی خاص اسٹیمر کی تلاش میں آگے بڑھ رہی تھی اور پھر ایک جگہ شاید اُسے وہ اسٹیمر نظر آ گیا سیڑھیاں اُتر کر وہ اسٹیمر میں داخل ہُوئی۔ چھوٹا سا اسٹیمر تھا لیکن بہت خُوب صُورتی سے بنا ہُوا تھا اس قسم کے مقاصد کے لیے یقیناً نفیس ترین تھا۔

نیچے اُترے تو دو افراد نے ہمارا استقبال کیا۔ سُنبل نے ایک کارڈ کا تبادلہ کیا تھا ان سے جس کے بعد وہ مطمئن ہو گئے تھے اور اس کے بعد اُنہوں نے اسلحہ دکھایا جو اسٹیمر ہی کے ایک حصّے میں بہت ہی خفیہ خانے کی شکل میں تھا۔ اس میں اعلیٰ درجے

کا اسلحہ موجود تھا۔ اس سے مطمئن ہونے کے بعد دونوں آدمی اسٹیمر کا کنٹرول اس کے ہاتھ میں دے کر وہاں سے باہر چلے گئے گویا اب ہم دونوں ہی اس اسٹیمر پر تھے۔

سُنبل بہت آگے کی چیز معلوم ہوتی تھی اب تک اُس نے واقعی بڑی پامردی سے تمام کام کیے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے اسٹیمر اسٹارٹ کر دیا اور سُست روی سے اُسے دُوسری کشتیوں کے درمیان سے نکالتی ہُوئی آگے لے چلی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ساحل سے کافی دُور نکل آئے اب تفریحی کشتیاں پیچھے رہ گئی تھیں اور صرف انتظامیہ کی لانچیں گردش کر رہی تھیں۔ تھوڑی دُور ہی پہنچے تھے کہ سامنے سے آتی ہُوئی ایک لانچ سے روشنی کا سگنل دیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ اسٹیمر روک دیا جائے۔ سُنبل نے فوراً ہی اسٹیمر کا انجن بند کر دیا اور ایک دُوسری ٹارچ سے جوابی سگنل دیا۔ سامنے والی لانچ ہمارے نزدیک آ کر رُک گئی۔ اس سے ہماری لانچ پر تیز روشنی ڈالی گئی یہ روشنی اسٹیمر پر لگے ہُوئے بڑے بڑے ٹاوروں سے ڈالی جا رہی تھی۔ وہ لوگ ہمارے اسٹیمر کا جائزہ لیتے رہے اور اس کے بعد ان میں سے ایک شخص نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور لوہے کا ایک بڑا سا کڑا ہمارے اسٹیمر پر پھینک دیا۔ اسٹیمر دوسرے اسٹیمر سے جا لگا تھا تب دو تین افراد ہمارے اسٹیمر پر کُود آئے۔ پہلے انہوں نے ہمارا جائزہ لیا اور اس کے بعد ہمارے اسٹیمر کی تلاشی لینے لگے پھر اُنہوں نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور ہمیں گھورتے ہُوئے واپس اپنے اسٹیمر پر چلے گئے کڑا ہٹا دیا گیا اور سُنبل نے اپنا اسٹیمر اسٹارٹ کر لیا۔

"یہ بہت اچھا ہُوا ہے شارق۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اُنہوں نے ہماری کشتی کو دیکھ لیا اب واپسی میں کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ تفریح پسند جوڑے اکثر کھُلے سمندر میں نکل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔" میں خاموش ہو گیا تھا۔ ہمارا اسٹیمر سفر کرتا رہا اور وہ صورتحال کا جائزہ لیتی رہی پھر بہت فاصلے پر ہمیں دو سبز لکیریں پہلے سیدھی اور پھر ترچھی شکل میں نظر آئیں گویا یہ ایک مخصوص قسم کا سگنل تھا جواب میں سُنبل نے بھی ویسا ہی سگنل دیا تھا اور اس کے بعد دونوں اسٹیمر ایک دُوسرے سے قریب ہونے لگے گویا وہ لمحات آ گئے تھے جب ہمیں ایک مجرمانہ کام سرانجام دینا تھا۔ بالکل سرکاری اسٹیمر کے سے انداز میں وہ اسٹیمر بھی ہمارے پاس

پہنچا۔ ہماری کشتی کو کھینچ کر اس سے لگا لیا گیا اور اس کے بعد جو کچھ ہُوا انتہائی برق رفتاری سے ہُوا۔ بارہ کارٹن ہمارے اسٹیمر پر منتقل کر دیے گئے تھے اور اس کے فوراً بعد وہ اسٹیمر وہاں سے واپس چلا گیا تھا۔

سُنبل نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں میں بھی مستعد تھا پھر اُس نے آہستہ سے مجھ سے کہا "یہ سب مشین گنیں نکال لو ہمیں کسی بھی لمحے ان کی ضرورت پیش آ سکتی ہے کسی بھی قیمت پر ہمیں یہ اسٹیمر اپنی منزل تک لے جانا ہے۔" میں نے گردن ہلائی اور اس کے بعد میں نے سب مشین گنیں نکال لیں۔ سُنبل نے اس دوران اسٹیمر اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا تھا۔

بڑی دِلچسپ صُورتِ حال تھی میرے پاس اپنی گلوخلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ یُوں بھی دیارِ غیر میں تھا اور کوئی بھی عُذر کارگر نہیں ہو سکتا تھا دیکھنا یہ تھا کہ اس وقت کیا ہوتا ہے؟ ہم لوگ وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ سب مشین گنیں سنبھالی ہُوئی تھیں اور ہماری نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں وہ تیز رفتاری سے اسٹیمر کو لیے ہُوئے آ رہی تھیں۔ پھر دُور سے ایک اور اسٹیمر نظر آیا تو سُنبل نے اپنے اسٹیمر کی رفتار سُست کر لی۔ اور پھر سرد لہجے میں بولی۔

"شارق ہوشیار۔" میرے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگی تھیں وہ اسٹیمر جو دُور سے نظر آیا تھا یقینی طور پر سرکاری اسٹیمر ہی تھا اور اس وقت صُورتِ حال بہت ہی مختلف ہو گئی تھی اگر ہمیں دیکھ لیا جاتا تو اس وقت ان کارٹنوں کو چھپانا ممکن نہ ہوتا۔ سُنبل سنسنی خیز نگاہوں سے قریب آنے والے اسٹیمر کو دیکھتی رہی اور پھر اس سے اشارہ کیا گیا۔ سُنبل نے اسٹیمر کا انجن بند کر دیا اور خون جما دینے والے لہجے میں بولی "اس وقت تک سب مشین گن استعمال نہ کرنا۔ شارق جب تک صورتحال ناگزیر نہ ہو جائے۔" میں خاموشی سے اس کے قریب کھڑا رہا۔ سُنبل اسٹیمر کا انجن بند کیے قریب آنے والوں کا انتظار کر رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پر پہلے ہی والے انداز میں سرچ لائٹ ڈالی گئی۔

دُوسرے لمحے وہ مُسکرا دی کیونکہ سرچ لائٹ بند کر دی گئی اور ٹرک کی زبان میں ہمیں آگے جانے کا اشارہ کر دیا گیا تھا۔ سُنبل نے اسٹیمر اسٹارٹ کیا اور آگے بڑھ گئی تھی۔ تھوڑی دُور نکلنے کے بعد وہ گہری گہری سانسیں لیتی ہُوئی بولی۔ "اوہ۔۔۔" اس وقت واقعی میرا خون تو رگوں میں جم ہی گیا تھا۔ لیکن تقدیر

نے ہمارا ساتھ دیا جانتے ہو کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اتفاق سے وہی اسٹیمر تھا جس نے پہلے ہمیں چیک کیا تھا۔ اگر نئے لوگ ہوتے تو سو فیصد ہمارے اسٹیمر پر اتر کر اسٹیمر کی تلاشی لیتے اور اس وقت نہ جانے کیا ہوتا؟" میں نے آنکھیں بند کر کے گہری گہری سانسیں لیں اور دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرنے لگا۔ میں اس کے حضور شرمندہ بھی تھا کہ ایک غلط کام میں معاونت کر رہا ہوں لیکن میری نیت واضح تھی۔ واقعی اگر یہ وہ اسٹیمر نہ ہوتا تو یقینی طور پر تلاشی لی جاتی لیکن ان لوگوں نے ہمیں پہچان لیا اور جھلائے ہوئے انداز میں آگے بڑھ گئے تھے۔

ہمارا اسٹیمر اپنی منزل کی جانب رواں دواں رہا ایک ایسی سمت اختیار کی گئی جہاں ساحل بائی پاس فورس کے ساتھ ساتھ مکانات بنے ہوئے تھے پکی اینٹوں کی زمین دور تک چلی گئی تھی اور پانی کی لہریں ان اینٹوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ یہاں پہنچ کر اس نے ایک خاص قسم کا سگنل دیا اور فوراً ہی ایک دیو ہیکل گاڑی کی روشنیاں جل اٹھیں جو خاصی تیز آواز کے ساتھ ساحل کے پاس پہنچ گئی تھی اور پکی اینٹوں کی زمین پر رک گئی تھی یہ ایک بہت بڑا ٹرک تھا جو مخصوص انداز کا تھا اس سے آٹھ دس افراد نیچے اتر آئے اور اس کے بعد وہ اسٹیمر کی جانب جھپٹے۔ اس دوران سنبل میرے ساتھ نیچے اتر آئی تھی۔ باقی کام ان لوگوں ہی نے کیا۔ آن کی آن میں بارہ کارٹن اسٹیمر سے اس دیو ہیکل گاڑی میں منتقل کر دیے گئے اور ان میں سے ایک شخص نے سنبل سے کہا۔

"آئیے میڈم آپ ہمارے ساتھ ہی آ جائیے۔ اسٹیمر اس کی جگہ پہنچا دیا جائے گا۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

سنبل اور میں ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھے اور گاڑی ہی میں کارٹنوں کے ساتھ بیٹھ گئے چند ہی لمحات کے بعد گاڑی آگے بڑھ گئی۔ سمندر میں ہمارا یہ کام بخیر و خوبی سرانجام پا گیا تھا اور سنبل مسکرا رہی تھی۔ اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے ان معاملات میں تمہاری [illegible] بہت بہتر ہے شارق حسین۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

دیو ہیکل گاڑی کا یہ سفر بھی زیادہ طویل نہ رہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک وسیع و عریض عمارت کے بوسیدہ پھاٹک کے اندر داخل ہو گئی۔ ہم لوگ نیچے اتر آئے باقی تمام معاملات ان لوگوں نے سنبھال لیے تھے اور اس وقت کی کوئی خاص ذمے داری نہیں تھی۔ ہم لوگ اتر کر اندر پہنچ گئے اور سنبل مجھے لے کر ایک بڑے کمرے میں آ گئی مخصوص قسم کی طرز تعمیر کا یہ کمرہ درمیانہ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اطمینان سے بیٹھ جاؤں۔

"یہاں کیا کرنا ہوگا؟"

"کچھ نہیں ابھی تمہاری ملاقات میرا خیال ہے مسٹر ڈی جے خان سے ہو گی۔" سنبل نے خود بھی ایک صوفے پر دراز ہوتے ہوئے کہا۔

ہمیں بیٹھے ہوئے چند لمحات بھی نہ گزرے تھے کہ سیاہ لباس میں ملبوس ایک شخص اندر آیا وہ ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر لا رہا تھا جس پر برتن سجے ہوئے تھے۔ ڈرائی فروٹس اور کافی کا انتظام تھا۔ سنبل نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولی۔

"مسٹر ڈی جے خان بہت باسلیقہ آدمی ہیں۔ بتاؤ شارق کیا اس سے زیادہ اس وقت ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت تھی؟"

"اس میں کوئی شک نہیں۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ اب میں گردن گردن تک ان حالات میں پھنسا ہی ہوا تھا تو بے زاری کا مظاہرہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میرا پروگرام طویل تھا اور اس طویل ترین پروگرام میں اپنے آپ کو ہراساں کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوتا بہتر یہی تھا کہ ان معاملات میں پوری طرح اترا جائے اور اس کے بعد اپنے مقصد کی تکمیل کی جائے۔ چنانچہ کافی پر ہاتھ صاف کرنے میں میں نے بھی بڑی جواں مردی کا ثبوت دیا اور کافی کی دو تین پیالیاں پی ڈالیں۔

ابھی ہم کافی سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ اس وسیع و عریض کمرے کے ایک دروازے سے ہلکی سی آہٹیں ابھریں اور پھر توفیق کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اوہ۔۔۔ شارق حسین۔۔۔ میری جان۔" وہ دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور مجھے بھی اخلاقاً اٹھنا پڑا۔ وہ ایک شاندار سوٹ میں ملبوس تھا اور بے حد اسمارٹ نظر آ رہا تھا میرے قریب پہنچ کر اس نے مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ پھر بولا۔ "اپنے گروہ میں ایک مایۂ ناز انسان کی شمولیت نے مجھے اتنا خوش کیا ہے کہ بتا نہیں سکتا۔ اس وقت جب تم لوگ بائی پاس فورس میں ایک اہم مشن سرانجام دے رہے تھے میں بذات خود تمہاری نگرانی کر رہا تھا اور یہ تم دونوں کی ذہانت بھی ہے کہ اس وقت ہم ایک خوفناک مرحلے سے بچ نکلے ورنہ ڈینی پورٹر نے تو ہمیں ڈبو ہی دیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں توفیق۔" میں نے جواب دیا۔

"آرام سے بیٹھو، کافی پی یا ابھی اور ارادہ ہے۔"

"نہیں ہم اپنی کافی ختم کر چکے ہیں۔"

"سنبل اب تم آرام کرو ہوٹل واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے اس عمارت میں قیام کرو۔ میں شارق کو اپنے ساتھ لیے جا رہا ہوں۔" اس نے کسی قدر ناخوشگوار انداز میں گردن ہلائی غالباً اسے میری یہ فوقیت پسند نہیں آئی تھی۔ توفیق مجھے لیے اسی دروازے سے اندر داخل ہو گیا جس سے گزر کر وہ اس کی سمت آیا تھا۔ ایک کمرہ تھا اور اس کمرے سے ایک اور دروازہ نکلتا تھا۔ عمارت بے حد وسیع و عریض معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس راہداری سے گزرنے کے بعد بہت ہی شاندار طریقے سے آراستہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہاں قدیم ترکی انداز کا فرنیچر پڑا تھا۔

میں نے ایک گوشے میں [illegible] کارٹن پڑے ہوئے دیکھے جو ابھی یہاں لائے [illegible] اس کا خاص کمرہ تھا۔ توفیق نے مجھے صوفے پر بیٹھنے [illegible] اور پھر [illegible] بھی میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"[illegible] تعریف کرتا میرا خیال ہے بے سود ہے بس یوں سمجھ لو میں [illegible] تمہیں اپنے مستقل [illegible] میں شمار کر لیا ہے اور تمہاری وہ بات بھی میرے ذہن میں موجود ہے یعنی تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تم محکومیت پسند نہیں کرتے [illegible] مائی ڈیئر شارق حسین مجھے گروہ میں موجود افراد کو کڑی نگاہوں سے دیکھنا پڑتا ہے اس کے بغیر چارۂ کار نہیں ورنہ ہر شخص [illegible] طور پر دولت مند بننے کے خواب دیکھنے لگتا ہے۔ بہت دن سے میرے ذہن میں ایک منصوبہ تھا اور میں اس کے لیے کسی بہت ہی مناسب آدمی کی تلاش میں تھا [illegible] اپنی ہی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ تم سے ملاقات ہو گئی اور تم نے یہ ثابت کر دیا کہ تم صحیح طور پر میرے قائم مقام بننے کی اہلیت رکھتے ہو۔"

"ذرا اور تفصیل توفیق۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرے ساتھ کچھ مشکلات ہیں تم نے میرے گھر کی مختصر شکل تو دیکھ ہی لی ہے وہ گھر بڑی نیک نامیوں کا حامل ہے۔ ڈیڈی اپنے طور پر جو کچھ بھی کرتے ہیں میں اس میں مداخلت نہیں کرتا اور میں نے بھی ان سے یہی درخواست کی تھی کہ جو کچھ میں کروں اس میں مداخلت نہ کی جائے۔ ڈیڈی نے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا ہے بلکہ بعض اوقات انہوں نے مجھے اپنے بیش بہا مشوروں سے بھی نوازا ہے۔ دراصل [illegible] لوگ ذرا مختلف سوچ کے حامل ہیں۔ ہمارے وسائل [illegible] نہیں شارق کہ ہم دنیا میں سربلند لوگوں کی طرح جی سکیں جو وسائل اس وقت لوگوں کو مہیا ہیں اگر ان سے ہٹ کر کوشش کی جائے تو وہ کوششیں صرف کوششیں ہی رہ جاتی ہیں ان میں کامیابی نہیں ہوتی۔ کامیاب لوگ وہی ہیں جو موقع سے فائدہ اٹھائیں خاندانی پس منظر کے تحت میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں پس پردہ رہوں اور اپنے ہی وطن میں رہوں۔ چنانچہ تم نے دیکھا کہ میں نے اپنی ذہنی خرابی کا ناٹک رچایا اور اس کا دوسروں کو یقین بھی دلا دیا لیکن یقین کرنے والوں میں میرے ڈیڈی شامل نہیں ہیں جہاں تک ماں کا مسئلہ ہے تو وہ بے چاری یہی سمجھتی ہیں کہ میں ذہنی طور پر معذور ہو گیا اور مجھے بہرحال اپنی یہ حیثیت قائم رکھنی ہے کیونکہ یہی میری بچت کا ذریعہ ہے۔

تو ڈیئر شارق مجھے اپنے ہی وطن کے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو میری کمی پوری کر سکے اور مجھے تم میں وہ تمام خوبیاں نظر آتی ہیں چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں اپنے قائم مقام کی حیثیت دے دوں میں ہمیشہ تمہاری پشت پر رہوں گا اور ہم تم دونوں مل کر کام کریں گے۔ زندگی کے لوازمات کے بارے میں گفتگو کرنا ہی بے کار ہے یوں سمجھ لو کہ تم شہنشاہوں کی سی زندگی گزارو گے۔ دنیا کے جس ملک میں بھی تم جانا چاہو [illegible] تمہارے لیے ایک رہائش گاہ اور تمہیں ایک حیثیت دے سکتا ہوں۔ میری مراد یہ ہے کہ تم مالی طور پر ہمیشہ مجھ سے مطمئن رہو گے اور تمہیں کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آئے گی جس کے [illegible] تم میرے خلاف کام کرنا پسند کرو۔ میں تمہیں خود بھی اپنا مقام [illegible] بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے زندگی کے بارے میں کیا فیصلے کیے ہیں تم یہ نہ سمجھنا شارق کہ میں نے تمہاری صرف دو باتوں سے خوش ہو کر تمہیں یہ مقام دیا ہے بلکہ یوں سمجھ لو کہ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ سوچتا رہا ہوں اب میں تم سے یہ سننا چاہتا ہوں کہ تمہیں میری یہ پیش کش منظور ہے یا نہیں۔"

"ڈیئر توفیق۔ اصولی طور پر اگر تم خود بھی سوچو تو مجھ جیسا ایک آدمی اس پیش کش کو قبول کرنے میں کیوں اعتراض کر سکتا ہے میرے خیال میں اس سے بہترین ذریعہ مجھے اور کوئی نہیں حاصل ہو سکتا جہاں تک میری کارکردگی کا تعلق ہے تو درحقیقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو چھوٹا سا کام میں نے کیا ہے یہ کچھ بھی نہیں اگر تم اتنا بڑا مقام مجھے دینا چاہتے ہو تو پھر مجھے بہت زیادہ

محنت اور احتیاط سے کام کرنا ہوگا۔ باقی فیصلے تم خود کر سکو گے کہ میں تمہارے معیار کا انسان ہوں یا نہیں صرف ایک بات میں ضرور کہوں گا تم سے وہ یہ کہ مجھ پر ہمیشہ اعتبار کرنا کہیں کوئی غلطی ہو جائے تو یہ مت تصور کرنا کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ میں اپنے طور پر یہی کوشش کروں گا کہ مجھ سے کوئی غلطی نہ ہونے پائے۔"

"اس کی طرف سے تم بالکل مطمئن رہو۔ میرے اور تمہارے درمیان کسی اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہمارے درمیان یہ خوشگوار معاہدہ بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ میں تمہیں ایک ایک چیز سے روشناس کر دوں گا ہاں خود تمہارے ذہن میں اگر کوئی سوال ہو تو مجھے بتاؤ؟"

"میرا خیال ہے کہ کوئی ایسا اہم سوال نہیں ہے جو میں تم سے اس بارے میں کرنا ضروری سمجھوں تم نے مجھے وہ مقام دیا ہے جو میں چاہتا تھا۔ زندگی میں میرا طریق کار یہی رہا ہے کہ تھوڑا بہت کما لو اور اس کے بعد وقت گزارتے رہو۔ دوسرا کام کرنے میں مجھے کبھی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔"

"میں جانتا ہوں تمہاری صلاحیتوں پر مجھے اتنا ہی اعتماد ہے جتنا خود پر۔"

"بس تو پھر ہمارے درمیان یہ مسئلہ طے ہے۔ ہاں اب ذرا مجھے ڈینی لوسٹر کے بارے میں بتاؤ۔۔۔ وہ کیا شئے ہے؟"

"انتہائی موزوں سوال ہے۔ ڈینی لوسٹر منشیات کی دنیا کے ان بڑوں میں سے ہے جو کامیابی سے طویل عرصے سے اپنا منصب سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہ بہت ذہین آدمی ہے اور ایک لمحے میں فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ منشیات کو کس طرح پھیلایا جا سکتا ہے کس طرح انہیں سپلائی کیا جا سکتا ہے۔ میرے اور اس کے درمیان آدھے آدھے کا معاہدہ ہے یعنی مال اسے فراہم کرتا ہوں وہ سپلائی کرتا ہے اور منافع میں سے ہم آدھا آدھا تقسیم کر لیتے ہیں۔ میرے اور اس کے درمیان اس معاہدے کو ابھی بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اس کے سپرد یہ ذمے داری ہے کہ وہ دنیا کے مختلف حصوں میں کس کس طرح مال پہنچا سکتا ہے! میرے سپرد یہ ذمے داری ہے کہ میں مال کی فراہمی کروں اور اسے ایک پوائنٹ تک پہنچا دوں وہ پوائنٹ وہ خود ہی منتخب کرتا ہے اور ان دنوں ہم ترکی میں کام کر رہے ہیں کیونکہ منشیات کی منڈی میں جو نئی تبدیلیاں آئی ہیں ان کے تحت وہ پرانے پوائنٹ جہاں ۔۔۔ ہیں مشہور تھے بہت ہی زیادہ مشکوک ہو گئے ہیں اور ان پر گہری نگاہ رکھی جا رہی

ہے چنانچہ ایسی چند جگہوں کا انتخاب کیا ہے جہاں ابھی تک کڑی نگاہوں سے کام نہیں لیا جا رہا اور اس وقت ترکی اس سلسلے میں ایک اہم حیثیت کا حامل ہے اور مقامی حکومت منشیات کے سلسلے میں بہت زیادہ سختیاں کرتی ہے اور یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہاں کام کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس لیے ڈینی لوسٹر نے یہاں کام کا آغاز کیا تاکہ ابھی اس جگہ سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ دوسرے لوگ ابھی اس طرف آنے کی ہمت نہیں کر پا رہے اس لیے یہاں کی منڈیوں پر ڈینی لوسٹر کی ہی اجارہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس ایسے ٹیکنیشن ہیں جو نئے نئے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ تمہیں یقینی طور پر یاد ہوگا کہ اس نے تمہیں چند نمونے دیے تھے اور ان کے بارے میں تفصیلات بھی اس میں درج تھیں۔"

"ہاں ظاہر ہے۔ میرا رابطہ بھی اسی طرح قائم ہوا ہے تم سے مجھے یہ کیوں نہ یاد ہوگا؟"

"یہ سب کچھ اس کی اپنی ایجاد ہے ٹھہرو۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ اس نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے! عالمی منڈی میں منشیات کی ترسیل کے لیے طرح طرح کے طریقۂ کار اختیار کیے گئے ہیں اور کیے جا رہے ہیں لیکن ان سب سے لاتعداد طریقے دوسرے لوگوں کی نگاہوں میں آ چکے ہیں اور پولیس اور محکمۂ آبکاری والے ان پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔" توفیق اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے بعد اس نے ایک کارٹن کا حصہ کھول کر اس میں سے پلاسٹک کا ایک کھلونا نکال لیا۔ یہ کھلونا نکال کر اس نے میرے سامنے رکھ دیا اور اس کے بعد مسکراتا ہوا بولا۔ "ذرا بتاؤ اس کھلونے کے ذریعے منشیات کی ترسیل کس طرح کی جا سکتی ہے؟" میں نے کھلونا ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ ہلکی ربر کا کھلونا تھا اور اندر سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ توفیق نے اپنی جیب سے ایک چاقو نکالا اور مجھے دیتے ہوئے کہا۔ "اب تم اس میں سے منشیات نکال لو۔" میں نے چاقو کھولا اور کھلونے کو درمیان سے چیر ڈالا اندر سے ایک معمولی سی سیٹی نکلی۔ اس کے علاوہ کھلونے میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ میں سیٹی کو بغور دیکھتا رہا لیکن بظاہر اس میں کوئی خاص بات نہیں دکھائی دی تھی۔

"جانتے ہو اس کھلونے کی قیمت کیا ہے؟"

"نہیں۔۔۔"

"تقریباً ایک ہزار ڈالر۔"

"ایک ہزار ڈالر۔" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔" توفیق نے گردن ہلائی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ

کر ایک سمت بڑھ گیا۔ ایک الماری سے اس نے ایک الیکٹرک اسٹوو نکالا اور اسٹیل کا ایک برتن۔ اس برتن میں اس نے باتھ روم میں جا کر تھوڑا سا پانی بھرا اور باہر آ کر اسٹوو کا پلگ ساکٹ میں لگا دیا۔ پانی کے برتن کو اس نے اسٹوو پر رکھ دیا اور پھر کٹا ہوا کھلونا اس میں ڈال دیا۔ میں دلچسپ نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ توفیق آرام سے صوفے پر بیٹھ گیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ چند لمحات کے بعد پانی کھولنے لگا اور ہم لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں پانی کھولتا رہا برتن سے دھواں اٹھ رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ہلکی سی خوشبو۔ میں نے حیرت سے دیکھا کہ کھلونا پانی میں حل ہوتا جا رہا ہے اور پانی کا رنگ گلابی گلابی ہونے لگا ہے۔ دیر تک وہ کھلونا پانی میں کھولتا رہا۔ یہاں تک کہ بالکل ہی پانی میں تحلیل ہو گیا۔ کسی بھی قسم کی پلاسٹک یا ربر اس طرح صرف گرم پانی میں تحلیل نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد توفیق نے اسٹوو بند کر دیا اور اس نے برتن کو اتار لیا اور نیچے رکھ دیا اب وہ اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

میرے لیے یہ تجربہ انتہائی حیرت انگیز اور بہت ہی دلچسپی کا باعث تھا اس وقت تک ہم دونوں خاموش رہے جب تک کہ پانی ٹھنڈا نہ ہو گیا پھر توفیق اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے برتن کا پانی ایک دوسرے برتن میں الٹ دیا۔ برتن کی تہ میں ایک گاڑھا گاڑھا بھورے رنگ کا مادہ سا رہ گیا تھا۔ توفیق نے یہ مادہ میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے اصل چیز۔۔۔"

"مگر۔۔۔ مگر یہ کیا ہے؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ایک ہزار ڈالر۔" توفیق قہقہہ لگا کر بولا اور میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ توفیق نے کہا۔ "جدید ترین نشہ آور چیز جو اس وقت ولن کے نام سے متعارف ہے ہیروئن سے کہیں زیادہ قیمتی اور اس سے کہیں زیادہ نشہ آور۔"

"ولن۔۔۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اس نشہ آور شئے کے بارے میں۔ میں سن چکا تھا اور اخبارات میں اس کے بارے میں پڑھ بھی چکا تھا۔ "یہ ایک مہلک ترین شئے تھی میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تو گویا اس کا کاروبار بھی شروع ہو گیا۔"

"کوئی نئی چیز مارکیٹ میں آئے تو اس کی ڈیمانڈ زبردست ہوتی ہے اور پھر اس کا تجربہ بھی کیا جا چکا ہو۔ نشے کے عادی

افراد اس کے دیوانے ہیں اور اس کا استعمال بھی بہ۔۔۔ سگریٹ پر سلائی سے ایک لکیر بنا دو اور بس۔ اس کے بعد۔۔۔ سگریٹ اتنا قیمتی ہوتا ہے کہ بیان سے باہر۔"

"اور اس نشے کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟"

"اس کا تو مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے لیکن کسی شئے کی مقبولیت بتاتی ہے کہ وہ اپنے اندر کیا حیثیت رکھتی ہوگی؟"

میں نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

"یہ تمام منصوبہ ڈینی لوسٹر کا ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اس کے ٹیکنیشن دن رات تجربات کرتے رہتے ہیں یہ کھلونے جس کیمیکل سے بنائے گئے ہیں وہ بہت سستا ہے اور چند چیزوں کی آمیزش سے بنتا ہے لچکدار ربر کی مانند ہوتا ہے ٹوٹتا بھی نہیں۔ تم نے چاقو سے اسے کاٹ کر دیکھا ہوگا۔ بڑی خاصی سختی ہے اس میں لیکن گرم پانی میں وہ اس طرح تحلیل ہو جاتا ہے ہاں اگر اسے کسی اور چیز میں ملایا جائے تو پھر یہ سب کچھ حل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ اس کیمیکل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اپنے اندر ہر قسم کی بو جذب کر لیتا ہے اور اس میں سے صرف ربر کی ہلکی ہلکی بو اٹھتی ہے لیکن اس میں ولن کا سیال حل کر دیا جائے تو یہ کوئی اثر قبول نہیں کرتا۔ اب محکمۂ آبکاری والے اندازہ لگا لیں کہ ان کھلونوں میں کیا ہے؟ ڈینی لوسٹر ایسے ہی کارنامے انجام دینے کا ماہر ہے اور فی الحال اس نے جو ڈیزائن مجھے بھیجا تھا میں نے اس کے مطابق یہ مال منگوایا ہے۔"

"یہ مال تم ۔۔۔ سے بنواتے ہو گے؟" میں نے توفیق سے پوچھا۔

"ہاں۔ اس سلسلے میں میرے پاس بہترین آدمی موجود ہیں۔"

"ویری گڈ۔ گویا اب یہ کھلونے ہر جگہ سپلائی ہوں گے۔"

"بالکل بڑے بڑے شہروں میں یہ کھلونے چلے جائیں گے لیکن ان کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو عام دکانوں پر سیل ہوگی۔"

"مطلب۔۔۔"

"مطلب یوں سمجھو کہ ڈینی لوسٹر نے کچھ پوائنٹس بنائے ہوئے ہیں جن کے بارے میں منشیات کی دنیا کے لوگ جانتے ہیں یہاں استنبول میں ایسے سترہ پوائنٹ ہیں جہاں ہمارا یہ مال تقسیم ہوگا۔ اسی ڈیزائن کے دوسرے کھلونے جو اصلی ربر سے بنے ہوئے تھے ان دکانوں پر پہنچ جائیں گے جہاں عام قسم کے کھلونے فروخت ہوتے ہیں لیکن جو سترہ پوائنٹ ہیں ان

دُکانوں پر یہ کھلونے رکھے جائیں گے اور ضرورت مندوں کو یہ اسی جگہ سے حاصل ہوسکیں گے۔"

"ونڈر فل آئیڈیا۔" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈینی بوسٹر ہمارے لیے بہت ضروری ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے شارق کہ ففٹی پرسنٹ کا بھی جو معاملہ ہے وہ ہمارے حساب سے بہت بن جاتا ہے۔ ہماری تمام محنتیں تمام کارروائی سارے خسارے اس ففٹی پرسنٹ میں کور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں کیا پڑی ہے کہ اپنے سر پر مزید خطرات مول لیں۔ ڈینی بوسٹر اس سلسلے میں ماہر آدمی ہے وہ جاگتے رہنے کا عادی ہے اور اسی لیے وہ ہمارے لیے اہمیت رکھتا ہے۔"

"لیکن ڈینی بوسٹر مجھے کیسے قبول کرے گا؟" میں نے کہا۔

"مطلب؟" توفیق حیرت سے بولا۔

"کیا وہ ایک اجنبی آدمی کو۔۔۔؟"

"تم اس کے لیے اجنبی ہو میرے لیے تو نہیں اور جب میں اس سے تمہارا تعارف کراؤں گا تو ظاہر ہے اس کے اعتراض کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟"

"ہاں یہ تو درست ہے۔ ڈینی بوسٹر ہے کہاں؟"

"ان دنوں جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا اس کے بارے میں کچھ نشاندہی ہو گئی ہے اور وہ انڈر گراؤنڈ ہو گیا ہے لیکن وہ بالکل ہی ہاتھ پہ ہاتھ رکھنے کا عادی نہیں ہے حالات سے باخبر بھی رہتا ہے اور اپنے طور پر منظر عام پر بھی تاکہ اس کے ساتھی اس سے رابطہ قائم کرنے میں کوئی مشکل نہ محسوس کریں۔ ان دنوں وہ ایک درمیانے درجے کے ہوٹل کا کاؤنٹر مین ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے وہ ہوٹل چلا رہا ہے۔ ہوٹل ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہے وہاں نشے کا نام پر کانوں پہ ہاتھ لگائے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو وہاں سے نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے جو ذرا بھی نشے میں محسوس ہو۔" توفیق نے قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔

"بہر طور پر میں ڈینی بوسٹر سے تمہاری ملاقات کراؤں گا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے مسٹر توفیق۔ میں آپ سے آخری الفاظ کہنے کے بعد یہ موضوع ختم کر رہا ہوں کہ میں ہمیشہ آپ کے وفاداروں میں رہوں گا۔"

"وفاداروں ہی میں نہیں۔ خاص دوستوں میں بھی۔" توفیق نے کہا۔ "اب اصل مسئلہ باقی مال کی آمد کا ہے ہم ایک بار یہ کوشش کر کے دیکھ چکے ہیں بار بار ہماری کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اس سلسلے میں ہمیں مزید کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"باقی مال کہاں ہے؟"

"ابھی آ رہا ہے اور پہنچنے میں وقت لگے گا۔ کم از کم ستائیس دن کا وقفہ ضروری ہے۔ یہ طے ہو چکا ہے میرے اور ان لوگوں کے درمیان جو میرے وطن میں میرے لیے کام کر رہے ہیں۔ ایک ایک شخص سے بار التعارف کرا دوں گا تمہیں آتے جاتے رہنا ہوگا۔ میرا خیال ہے تمہاری شمولیت مجھے بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے توفیق میں تمہاری ہر خواہش پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔"

"چنانچہ جانِ من۔ آپ آرام کرو جہاں دل چاہے۔"

مجھے اس کمرے تک پہنچا دیا جو میرے لیے آرام گاہ کے طور پر منتخب کیا گیا تھا مجھے بستر پہ لیٹ کر ایک عجیب سی سنسنی کا احساس ہوا پورا بدن سنسنا رہا تھا جس جہنم میں پھنس گیا تھا اس میں ذرا سی بھی لغزش میرے لیے عذاب بن سکتی تھی۔ یہ تو سب بعد کی باتیں تھیں کہ میں اپنی گلو خلاصی کے لیے کیا کیا کر سکتا ہوں۔ فی الحال تو یہ مسئلہ تھا کہ یہاں میں کس انداز میں کام کر کے اپنے راستے ہموار کر سکتا ہوں۔ اس بارے میں جو کچھ معلوم ہو چکا تھا وہ یقیناً اتنا تھا کہ اگر میں فوراً ہی کام شروع کر دیتا تو نمایاں کامیابی حاصل کر سکتا تھا لیکن اصل مسئلہ کچھ اور تھا۔ میں توفیق کو استنبول جیل تک پہنچانا چاہتا تھا اور ظفر انظار کو رہا کرانا چاہتا تھا اور اس کے لیے مجھے بھرپور طریقے سے اپنا کام سرانجام دینا تھا۔ رات کو نجانے کتنی دیر تک میں اس بارے میں سوچتا رہا بہت سے احساسات دل میں موجود تھے۔ یہ خوف بھی تھا کہ کہیں توفیق اپنے پروگرام کے مطابق تمام ذمے داریاں مجھے سونپ کر یہاں سے چلا نہ جائے۔

بہرحال وقت کے فیصلوں کا انتظار نہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ توفیق بھی کہیں چلا گیا تھا۔ میں نے اسی عمارت میں قیام کیا ویسے میرے اوپر کوئی پابندی نہیں تھی اور اس سلسلے میں توفیق سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے الیتران کارکنوں کو وہاں موجود نہ پایا جو پچھلی رات دیکھے گئے تھے وہ یقینی طور پر تقسیم کے لیے آگے بڑھا دیے گئے ہوں گے۔

پورا دن گزر گیا۔ رات کو توفیق سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھ سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یوں لگتا ہے جیسے تم نے پورا دن یہیں گزارا ہے۔"

"ہاں۔ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیا کروں!"

"نہیں ڈیئر۔ استنبول بہت رنگین ہے۔ باہر تمہارے لیے گاڑی موجود ہے ڈرائیور چاہو تو اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا۔ کوئی فکر کرنے کی بات نہیں ہم یہاں بہت مضبوط ہیں بس ذرا احتیاط رکھنی ہے لیکن تمہیں اس کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ تم یہاں اپنے طور پر بالکل بے داغ ہو۔"

"ہاں۔ میں نے کچھ سوچا بھی نہیں بس آج ذرا طبیعت پر کسلمندی سی طاری ہے۔ کل سے کچھ پروگرام بناؤں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ ذمے داریاں میرے سپرد کر دو۔"

"ابھی نہیں، کچھ انتظار کرو۔ ہمیں ذرا کچھ کام مکمل کرنے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب سارا مال یہاں منتقل ہو جائے تو پھر ہم نئے سرے سے اپنے کام کا آغاز کریں اور اسی وقت ہم دونوں واپس چلیں گے۔"

"ہاں۔ مجھے اس کی کوئی جلدی نہیں ہے۔ ظاہر ہے میرا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں ہے ویسے نبیل نظر نہیں آئی۔"

"چلی گئی۔ میں نے اسے بھیج دیا ہے۔ وہاں پر کچھ اہم ذمے داریاں سرانجام دینی تھیں۔ کچھ ایسی ذمے داریاں تھیں جس کے لیے اس جیسی ذمے دار لڑکی ہی کی ضرورت تھی۔ ویسے وہ بہت آگے کی چیز ہے تم اسے اپنا بہترین معاون پاؤ گے۔" کچھ دیر بیٹھ کر وہ چلا گیا۔

پچھلی رات جس تشویش کا اظہار تھا اب وہ ذہن میں نہیں تھی۔ توفیق نے اپنا پروگرام بتا دیا تھا اور اب اس بات کا خطرہ بھی نہیں رہا تھا کہ وہ یہاں سے رفوچکر ہو جائے گا لیکن میں اب بھی محتاط رہنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن جب میں کار لے کر استنبول کی سڑکوں پر نکلا تو میں نے اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا کہ کوئی میرا تعاقب نہ کر رہا ہو۔ بظاہر اس کا کوئی شبہ نہیں نہیں ہوا تھا لیکن میں پھر بھی محتاط رہا۔ استنبول دیکھنے کے لحاظ سے نایاب جگہ ہے یہاں اتنی تواریخ ہیں کہ ناقابلِ بیان اور میں آج کا دن انہی تواریخ کے درمیان گزارتا رہا۔ شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے واپس پہنچا تو توفیق کو عمارت ہی میں موجود پایا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔

"ہیلو۔ کہاں کہاں گھوم آئے؟"

"استنبول بہت خوب صورت ہے۔ واقعی بہت خوب صورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن ابھی یہاں کچھ ایسی جگہیں بھی ہیں جو تمہارے لیے دیکھنا بے حد ضروری ہیں۔ یہ تمہارے لیے انتہائی کارآمد ہوں گی۔ اگر رات کا کوئی پروگرام نہ بنا کر نہ آئے ہو تو آؤ میرے ساتھ چلو۔"

"نہیں رات کا کوئی خصوصی پروگرام نہیں ہے۔"

"پھر بھی میں تمہیں دو گھنٹے کے بعد چھوڑ دوں گا۔ اس کے بعد تم آزاد ہو گے۔" میں نے توفیق سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ مجھے کہاں لے جا رہا ہے! تھوڑی دیر بعد ہم لوگ تیار ہو کر باہر نکل آئے۔

سڑکوں پر رنگین روشنیاں بکھری ہوئی تھیں۔ چاروں طرف ایک حسین سماں تھا۔۔۔ آوارہ گرد اور دنیا کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے سیاح سڑکوں پر سرگشت کر رہے تھے۔ کافی چہل پہل تھی۔ ہماری کار اس چہل پہل کے درمیان سے گزرتی ہوئی قدیم استنبول کے علاقے میں پہنچ گئی اور یہاں ہم ایک چھوٹے سے قہوہ خانے کے سامنے رک گئے۔

میں اندازہ بھی نہ لگا سکا تھا کہ یہ قہوہ خانہ کس قسم کا ہے؟ اور یہاں تک آنا کیوں ضروری سمجھا گیا ہے؟ لیکن قہوہ خانہ کے اندرونی ہال سے گزرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک ہلکی سی آواز آئی اور میں نے اس کاؤنٹر مین کو دیکھ لیا جو کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھولے ہوئے چہرے والا ایک شخص تھا جو یقینی طور پر ڈینی بوسٹر نہیں لگتا تھا لیکن میک اپ بھی ہو سکتا ہے۔ توفیق وہاں نہیں رکا تھا بلکہ وہ لکڑی کی بنی ہوئی ایک سیڑھی کی جانب بڑھ گیا تھا جو اس قہوہ خانے کے اوپری حصے تک لے جاتی تھی اوپر پہنچنے کے بعد ایک بہت ہی خوشنما ہال میں پہنچ کر اس نے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی اور پھر بولا۔

"سمجھتے ہو کون سی جگہ ہے؟"

"ڈینی بوسٹر کا ٹھکانہ۔"

"وہ، گڈ۔ تمہیں سمجھنا ہی چاہیے تھا۔" وہ [illegible] بولا۔ [illegible] دیر نہیں گزری تھی کہ پھولے ہوئے چہرے والا شخص اوپر آ گیا [illegible] سے میں [illegible] ہو کر اس نے ہم دونوں کو دیکھا اور پھر ایک لمحے کے [illegible] سا گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آؤ بوسٹر۔ کیا بات ہے تم چونک سے گئے ہو؟"

"یہ شخص۔۔۔ یہ شخص۔۔۔ وہ تو نہیں ہے جس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔" جواب میں توفیق نے پھر ایک قہقہہ لگایا تھا۔

"اور تم بھی وہ نہیں ہو جس سے شارق حسین کی ملاقات ہوئی تھی۔"

"او وہ۔۔۔ اچھا۔" بوسٹر بھی ہنس پڑا پھر اس نے بڑے پُرجوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کیا اور بولا۔ "تم نے دیکھا دوست

بعض اوقات ایک چھوٹی سی بات کتنی بڑی بن جاتی ہے۔ ہم نے غلط فہمی کی بنیاد پر تمہیں اپنا بریف کیس دے دیا تھا اور پھر اُسے حاصل بھی کر لیا گیا لیکن یہ ساری کہانی صرف اس لیے انجام پائی تھی کہ ہماری تم سے ملاقات ہُوئی تھی۔ واہ ۔۔۔ کیا عمدہ بات ہے؟ ویسے مجھے ایک بات پر اب بھی حیرت ہے۔"

"کیا مسٹر لوسٹر؟" مَیں نے مُسکرا کر سوال کیا۔ مَیں اس خوف کا شکار رہا تھا کہ کہیں لوسٹر اس تصویر کے بارے میں کچھ کہہ بیٹھے جو میرے اور اس کے درمیان شقاوت کا ذریعہ بنی تھی۔

"تم نے اتنی شرافت سے وہ بریف کیس ہمارے حوالے کیوں کر دیا تھا؟ جو نوٹوں سے بھرا ہُوا تھا۔"

"اوّل تو مسٹر لوسٹر میں نے وہ بریف کیس خود آپ کے حوالے نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنی غلط فہمی کا انکشاف ہونے کے بعد مجھے گرفتار کیا تھا۔ دُوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی آپ کو اندازہ ہے کہ اس بریف کیس میں بہت بڑی رقم تھی مَیں اُسے ہضم کر سکتا تھا لیکن مَیں نے بریف کیس اسی احتیاط سے محفوظ کر دیا۔ یہ سوچ کر کہ یقیناً اس کے حصول کی کوشش ضرور کی جائے گی۔ میں اپنی محنت سے کمانے کا عادی ہُوں۔ اس طرح لُوٹ مار میرا پیشہ نہیں ہے۔"

"عمدہ بات ہے پسند آئی۔ ویسے شارق حسین تمہارا انتخاب میری بھی پسند کے عین مطابق ہے اور جب تی جے خان نے مجھ سے اس بارے میں کہا تو میں نے فوراً ہی اس کی منظوری دے دی تھی مسٹر خان مجھے بتا چکے ہیں کہ اُنہیں آگے کیا کرنا ہے؟ اور مَیں اُن سے پوری طرح متفق ہُوں اس لیے کہ تم ایک ذہین اور شاندار نوجوان ہو۔ میرا ہر طرح کا تعاون تمہارے ساتھ ہے مسٹر خان میری تم سے ملاقات کرانا چاہتے تھے ابھی کچھ دن ذرا مُشکل کے ہیں اور مَیں تم سے دُور رہوں گا اس کے بعد میرا تم سے براہِ راست رابطہ ہو جائے گا۔"

"مَیں یہ چاہتا ہُوں مسٹر لوسٹر کہ آپ کوئی خدمت میرے سپرد کر دیں۔"

"ابھی نہیں۔ میرے دوست ہمیں کچھ احتیاط سے کام کرنا پڑ رہا ہے۔ جو مال تم نے ریسیو کیا ہے اسے سپلائی کر دیا گیا ہے اور اب مارکیٹ میں اس کا ری ایکشن دیکھا جا رہا ہے۔ مال بہت شاندار ہے اور ہمارے تمام اسٹورز اس سلسلے میں بعد خوشی کا اظہار کر رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ احتیاط بھی رکھنی ہے کچھ خطرناک لوگ ہمارے راستوں پر ہیں۔"

"یقیناً مسٹر لوسٹر ۔۔۔"

"اور کوئی خاص بات مسٹر خان ۔۔۔؟"

"نہیں۔ تم نے کہا تھا کہ مَیں شارق کی تم سے ملاقات کرا دوں بس اس لیے مَیں اُنہیں یہاں لے آیا تھا۔"

"بہت بہت شکریہ ۔۔۔ اور اب مسٹر شارق کے ساتھ بیٹھ کر کچھ ہو جائے۔"

"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی مصروفیات جاری رکھیے مسٹر لوسٹر۔" مَیں نے کہا۔

"اوہ۔ مصروفیات بھی مسٹر خان۔ تم نے ہمارے نئے دوست کو استنبول کی اصل رنگینیاں دکھائیں یا نہیں؟"

"ابھی وقت ہی کتنا ہُوا ہے اور پھر مجھے تمہارے تحفظ کا بھی خیال ہے۔ مارکیٹ پر پوری پوری نگاہ رکھنی پڑ رہی ہے۔ مَیں نے آج دن بھر اسٹورز کی نگرانی کی ہے اور یہ دیکھا جا رہا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ سیل ہُوئی ہے اور اس کا مجھے اندازہ ہے کہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہُوئی ہے اور ہمیں مال کی بہت جلد ضرورت پیش آئے گی۔ مَیں تو بس یہی منصوبہ بندی کر رہا ہُوں کہ مال کی دُوسری کھیپ جلد پہنچ جانی چاہیے۔"

"اس کی تم فکر مت کرو مال ہر قیمت پر سپلائی ہو جائے گا بلکہ اچھا ہے اس کی ڈیمانڈ رہے تم بتاؤ وہاں کے لیے تم نے کیا بندوبست کیا ہے۔ اب مَیں چاہتا ہُوں کہ اس کامیابی کے بعد ہم اعلیٰ پیمانے پر یہ کام شروع کریں اور اس وقت سے پہلے اتنا مال سپلائی ہو کہ ہماری ساری ضروریات پوری ہو جائیں۔"

"کس وقت سے پہلے ۔۔۔؟"

"میرا مطلب ہے جب تک یہ کھیل منظرِ عام پر نہ آ جائے۔" ڈینی لوسٹر نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے لوسٹر؟ کیا اس سلسلے میں کوئی خدشہ ہے؟"

"تم کبھی کبھی بہت معصومانہ باتیں کرتے ہو ڈیئر خان۔ ہم لوگ جو کام کرتے ہیں وہ بہت شاندار ہوتا ہے لیکن جو لوگ اس کا سُراغ لگاتے ہیں وہ ہم سے بھی زیادہ شاندار ہیں ہمارے اور ان کے درمیان یہ آنکھ مچولی چلتی رہتی ہے اور اگر ہم کسی بھی لمحہ ان کی طرف سے غافل ہو جائیں تو ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے چنانچہ اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ یہ سلسلہ بھی بہت زیادہ طویل نہیں ہو سکتا جس حد تک مال بازاروں میں پھیل جائے اتنا ہی اچھا ہے

اور پھر کش اور رھالک سے ڈیمانڈ ہے میں چاہتا ہُوں کہ تم برق رفتاری سے اپنا کام جاری رکھو اور سپلائی زیادہ سے زیادہ ہونی چاہیے۔"

"لیکن اس کے وصول کرنے کا مسئلہ بھی تو ہے مسٹر ڈینی لوسٹر۔"

"ہاں۔ ابھی یہاں وقت ہے لیکن کچھ اور منصوبے بنائے جا رہے ہیں جس کے سلسلے میں مَیں تمہیں بہت جلد آگاہ کر دوں گا۔"

"تو مال کی تیاری کی طرف سے تم بے فکر رہو۔ مَیں نے تنبل کو واپس بھیج دیا ہے وہ اپنا کام کر رہی ہے۔"

"ویری گڈ۔ وہ بھی بہت کام کی لڑکی ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارا یہ گروہ بہترین لوگوں کا مرکز بنتا جا رہا ہے۔"

"یقیناً یقیناً۔" توفیق نے کہا اور پھر لوسٹر اُٹھتا ہُوا بولا۔

"تو پھر مَیں نیچے چلتا ہُوں۔ تم لوگ ۔۔۔"

"ہاں۔ ہم بھی جا رہے ہیں۔"

"او کے۔ تم سے مل کر بہت خوشی ہُوئی ہے شارق۔" ڈینی نے کہا اور اس کے بعد مَیں توفیق کے ساتھ وہاں سے نکل آیا لیکن واپسی اسی عمارت میں ہُوئی تھی جہاں میرا قیام تھا اُس نے کہا۔

"تم کہیں جانا پسند کرو گے؟"

"آج نہیں ایک دن کے بعد مَیں تمہیں تکلیف دُوں گا۔"

"ہاں۔ ہاں جب تمہارا جی چاہے۔" اُس نے کہا اور اس کے بعد مجھے میری آرام گاہ میں چھوڑ دیا گیا۔ یہ ایک اور مشکل مرحلہ تھا جو بخیر و خوبی طے ہو گیا تھا یعنی مجھے ڈینی لوسٹر کی نئی رہائش گاہ بھی معلوم ہو گئی تھی۔ وہ رہائش گاہ جسے تحریک کی انتظامیہ کے افراد تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔ گویا اب میرے پاس معلومات کا ایک خزانہ تھا اور اس خزانے کو تلاش کرنا ہی میری ذمّے داری تھی۔

دُوسری صبح ناشتا نہیں کیا۔ توفیق کہیں جا چکا تھا۔ عمارت میں موجود ملازم تقریباً تمام مقامی تھے جو انگریزی جانتے تھے۔ سب ہی میرا احترام کرتے تھے۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر مَیں باہر نکل آیا۔ پچھلے دن کی طرح آج بھی میرے لیے کار موجود تھی میرے طلب کرنے پر ڈرائیور نے چابی میرے حوالے کر دی۔ مَیں نے فیول وغیرہ چیک کیا اور کار اسٹارٹ کر کے باہر نکل آیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک مَیں استنبول کے مختلف علاقوں سے گُزرتا رہا۔ سلطانوں کی مسجدیں اور شہنشاہوں کے کلیسا بکھرے ہُوئے تھے اور استنبول کی تاریخ [illegible] کے سامنے تھی۔ میرا ذہن مختلف خیالات میں کھو [illegible] ایک بازار میں پہنچنے کے بعد مَیں نے اپنی جیب [illegible] نوٹ نکالے جو مجھے پچھلے دن دیے گئے تھے اور اس کے بعد ایک بہت بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں داخل ہو گیا۔ ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے میں نے بہت سی اشیاء خرید ڈالیں۔ ان میں میک اَپ کا خصوصی سامان بھی شامل تھا جو مجھے حاصل کرنے میں کوئی خاص دقّت نہ ہُوئی اور ان تمام چیزوں کو پیک کرا کے مَیں باہر نکل آیا۔ ایک بار پھر مختلف سڑکوں سے گُزرتا رہا اور یہ دیکھتا رہا کہ کہیں میرا تعاقب وغیرہ تو نہیں کیا جا رہا لیکن اب یہ یقین ہو گیا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے چنانچہ ایک سنسان سی جگہ پہنچ کر میں نے اپنے چہرے کو اس میک اَپ سے نجات دلائی جو میرے چہرے پر تھا اور اپنی اصل شکل میں واپس آ گیا۔ چہرے سے اُتاری ہُوئی میک اَپ ماسک میں نے اپنے پاس محفوظ کر لی تھی اور اس کے بعد مَیں نے ایک ہوٹل کا رُخ کیا جس کا اندازہ میں نے پہلے ہی لگا لیا تھا۔ ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے میں مجھے کوئی دقّت نہیں ہُوئی تھی۔ پورٹر میرے ساتھ آیا اور میرا سامان لے کر مجھے اس کمرے میں پہنچا دیا جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا یہاں پہنچ کر مَیں نے تھوڑی دیر تک توقف کیا اور اس کے بعد ٹیلی فون کے قریب پہنچ گیا۔ ٹیلی فون پر مَیں نے عاقل حیودت کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ یہ اس کے گھر ہی کا ٹیلی فون نمبر تھا غالباً عاقل حیودت کی بیوی نے فون موصول کیا تھا۔

"میڈم میں مسٹر عاقل حیودت سے بات کرنا چاہتا ہُوں۔"

"کون صاحب ہیں آپ؟"

"ان کا ایک دوست براہِ کرم ٹیلی فون پر میرا ان سے رابطہ قائم کرا دیجیے مَیں بحالتِ مجبوری آپ کو اپنا نام نہیں بتا سکتا۔"

"ہولڈ آن کیجیے۔" جواب ملا اور میں انتظار کرتا رہا تھوڑی دیر کے بعد ہی ٹیلی فون پر بھاری سی آواز سُنائی دی تھی۔ بھڑکنے والا ریسیور پر آ گیا تھا۔

"ہیلو مسٹر عاقل حیودت۔"

"بھوں کون ہے؟" عاقل حیودت نے سوال کیا۔

"شارق حسین اگر تمہارے ذہن سے محو نہ ہُوا ہُوں تو۔"

"مَیں پولیس کا آدمی ہُوں اور میرے ذہن سے کوئی بھی [illegible] نہیں ہوتا لیکن تم تو یہاں سے چلے گئے تھے۔"

"پھر واپس آ گیا ہُوں۔"

"مجھ سے کیا کام ہے؟"

"انتہائی ضروری بے حد اہم۔"

"افسوس مَیں ان دنوں بے حد مصروف ہُوں تم سے ملاقات نہیں کر سکتا۔"

"لیکن احتشام [illegible] کا کہنا ہے کہ تم ہمیشہ ضرورت پڑنے

پہنچا ساتھ دو گے۔"

"ہوں ہوں۔" اس نے پھر اپنے مخصوص انداز میں کہا پھر بولا۔ "شام کو سات بجے سے پہلے نہیں مل سکتا۔"

"سات بجے ہی سہی کہاں مل سکتا ہوں تم سے؟"

"گھر پر آجانا ٹھیک سات بجے دیر نہیں ہونی چاہیے۔"

"ہوں۔" اور اس ہوں کے ساتھ ہی اس نے ریسیور رکھ دیا تھا۔ عجیب و غریب شخصیت تھی۔ میں واقعی اس سے بہت مرعوب ہو گیا تھا پتا نہیں بے چارہ ہونکنے کی عادت کا شکار کیوں ہو گیا تھا؟

بہرطور اس کے بعد ضروری نہیں تھا کہ میں پھر باہر نکلوں باقی وقت میں نے ہوٹل ہی میں گزارا تھا۔ بس ایک خطرہ تھا کہ کہیں میری یہ کار یہاں نہ دیکھ لی جائے اور اس کے نمبر وغیرہ سے یہ شبہ نہ کر لیا جائے کہ کار یہاں کیوں موجود ہے۔ بہرطور اب تھوڑا بہت خطرہ تو مول لینا ہی تھا۔ رات کو مقررہ وقت پر جب میں باہر نکلا تو میں نے یہ کار ساتھ نہ لینے کا فیصلہ کیا اور ٹیکسی پر قناعت کی۔ عاقل جودت کے کہنے کے مطابق سات بجے سے پہلے اس کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا لیکن رہائش گاہ کے دروازے کی بیل ٹھیک سات بجنے میں دو سیکنڈ پہلے ہی بجائی تھی اور دروازہ بھی دو سیکنڈ کے اندر ہی کھل گیا۔ پُرلطف بات یہ تھی کہ دروازہ کھولنے والا عاقل جودت ہی تھا اس نے میرا استقبال نہایت سرد مہری سے کیا اور صرف ہونکنے پر اکتفا کیا اور کوئی جملہ اس نے رسمی طور پر بھی ادا نہیں کیا تھا پھر وہ مجھے اپنے اسی ڈرائنگ روم میں لے گیا جس میں، میں ایک بار پہلے بھی آچکا تھا۔

"بیٹھو۔" وہ پولیس والوں ہی کے سے انداز میں بولا اور میں بیٹھ گیا۔ عاقل جودت بھی میرے سامنے ہی بیٹھ گیا تھا۔

"اب کہو کیا بات ہے؟ مگر پہلے یہ بتاؤ کہ کب واپس آئے؟"

"چند روز پہلے مسٹر عاقل جودت۔"

"تم مجھ سے کہہ گئے تھے کہ اگر تم اس سلسلے میں کوئی اہم بات معلوم کر کے آئے ہو تو میں تمہاری مدد کروں گا؟"

"ہاں میں یہی کہہ گیا تھا۔"

"ہوں۔"

"ہاں بالکل بالکل۔" میں نے جواب دیا اور عاقل جودت چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ میں کچھ معلومات حاصل کر کے ہی آیا ہوں۔" میں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور عاقل جودت کی پیشانی پر ناگواری کی کچھ شکنیں نمودار ہو گئیں لیکن اسی وقت میں بُری طرح اُچھل پڑا۔ میں نے عاقل جودت کے اس ڈرائنگ روم کے ایک ریک پر ویسا ہی ایک کھلونا دیکھا تھا جیسے کھلونے اس وقت میرے لیے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ عاقل جودت ناگوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ان دنوں میں بہت زیادہ مصروف ہوں یوں سمجھ لو میرا کیریئر خطرے میں پڑ چکا ہے۔ میں نے طویل ترین پولیس کی زندگی میں ہمیشہ کامیابیوں کا سامنا کیا ہے لیکن ان دنوں صورتحال بگڑ گئی ہے اور میں اُلجھنوں کا شکار ہوں اگر مجھ سے کوئی بداخلاقی ہو جائے تو محسوس نہ کرنا وقت زیادہ نہیں دے سکوں گا۔ تم یہ بتاؤ کہ تم اس سلسلے میں کیا معلومات حاصل کر کے آئے ہو؟" میں نے عاقل جودت کی بات کو نظرانداز کر دیا اور اس ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"کیا یہ کھلونا میں دیکھ سکتا ہوں؟" عاقل جودت اُچھل پڑا۔ اس بار اس کے حیران ہونے کی باری تھی۔ اس نے نگاہ گھما کر کھلونے کو دیکھا اور پھر مشکوک نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس ریک کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بدستور مشتبہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے کھلونا اُٹھا کر دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سو فیصد وہی کھلونا تھا۔ یعنی وہ کھلونا جو ہم اسٹورز پر سپلائی کر چکے تھے۔ وہ گہری نگاہوں سے میری ان حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے کھلونا دوبارہ رکھا اور پھر عاقل جودت کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔

"بہت خوب صورت چیز ہے۔"

"اس سے تمہارے معاملات کا کیا واسطہ؟"

"میرا خیال ہے مسٹر عاقل۔ اب میں تم سے سودے بازی کی پوزیشن میں ہوں۔"

"ہوں ہوں ہوں۔" عاقل جودت شاید غصے سے بپھر گیا تھا۔

"نہیں مسٹر جودت جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے ٹھنڈے ہو کر سنو۔ پولیس آفیسر کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہو۔ اپنے آپ کو انسان رکھ کر ہی بات کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے ممکن ہے

تمہیں میری ذات سے کوئی فائدہ پہنچ جائے۔"

"ہوں ہوں، کیا کہنا چاہتے ہو تم اس بکواس کا مطلب کیا ہے؟"

"یہ کھلونا۔" میں نے کھلونا اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس کھلونے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے مسٹر عاقل۔ تمہاری مصروفیت ان دنوں یہی کھلونا ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟" میں نے کہا اور دفعتہً ہی میں نے عاقل کے خدوخال میں کچھ ڈھیلا پن محسوس کیا۔ اس کی تنی ہوئی پیشانی سپاٹ ہو گئی تھی اور گہری آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر اس نے کسی قدر ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"دیکھو مسٹر تم میرے مزاج سے واقف ہو چکے ہو گے۔ میں نے تم سے بہت سی معذرتیں بھی کی ہیں اور اس کے بعد کوئی معذرت نہیں کروں گا۔ یہ کھلونے کا چکر کیا چلا رہا ہے تم نے پہلے مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتاؤ؟"

"گڈ۔ میں تمہیں اسی گفتگو پر لانا چاہتا تھا اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ اب شاید میں تم سے صحیح طور پر سودے بازی کی پوزیشن میں ہوں۔"

"کیسی سودے بازی؟"

"کیا تم مجھے اس سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرو گے کہ تم ان دنوں ایسے کھلونوں کے چکر میں ہو۔"

"کھلونوں کا کیا چکر ہو سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے منشیات کی اسمگلنگ۔" میں نے جواب دیا وہ بالکل ہی ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ سرد نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا اس دوران وہ ہونکنا بھی بھول گیا تھا پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"تم اس بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"ہاں دراصل میں تمہاری شخصیت کے بارے میں صحیح اندازے نہیں لگا پایا لیکن میرا یہ اندازہ ہے کہ تم انتہائی سخت گیر انسان ہو اور اپنے اصولوں میں کوئی لچک پیدا نہیں کرتے کسی بھی محکمے سے منسلک ہونا دیگر بات ہے اور انسانیت ایک الگ چیز ہے۔ میں ایک طویل فاصلہ طے کر کے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت پہنچا ہوں جو تمہارے لیے اہمیت بھی رکھتا ہے لیکن تم نے میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو تمہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"ہوں۔" جیسے یہ میرے سوالوں کا جواب دے دیا تھا۔ اس ہوں کے علاوہ کچھ اور نہیں بولا تھا۔ میں نے خود ہی کہا۔

"خیر سودے بازی کی بات میں نے اس لیے کی تھی کہ اگر تمہاری مصروفیت منشیات کی اسمگلنگ کے سلسلے میں ہے تو تمہاری بھرپور مدد کر سکتا ہوں۔ اس کھلونے کی یہاں موجودگی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ تم اسی چکر میں اُلجھے ہوئے ہو مجھے بتاؤ کیا قصہ ہے؟"

"ہوں ہوں تم اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"ہاں عاقل میں حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں تم اس کا جواب دینا پسند کرو گے یا نہیں؟"

"اس کھلونے کا تعلق منشیات کی اسمگلنگ سے ہے۔"

"کیا تم اس کا جائزہ لے چکے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں اور ابھی تک اسے نہیں سمجھ سکا۔"

"یہ کھلونا تمہیں کہاں سے حاصل ہوا؟"

"اوہ تم کس انداز میں سوال کر رہے ہو میں ہر مفاد کو نظرانداز کر دیا کرتا ہوں کیا سمجھے؟"

"مسٹر عاقل اپنے ذہن کو ٹھنڈا رکھو اور ایک دوست ایک انسان کی حیثیت سے گفتگو کرو میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"ایسے بے شمار کھلونے مختلف اسٹورز پر سپلائی ہوئے ہیں۔ یہ کھلونا مجھے ایک ایسے شخص کی معرفت ملا ہے جس کا بیٹا منشیات کی شدید لعنت کا شکار ہے اور قریب المرگ وہ ایک دولت مند آدمی ہے اور ہر قیمت پر اپنے بیٹے کو اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک سرکاری افسر بھی ہے اور اُس نے سرکاری طور پر بھی یہ خدمات محکمے کے سپرد کر دی ہیں چنانچہ محکمے نے اُسے ہدایت دی تھی کہ وہ اپنے بیٹے پر بھرپور نگاہ رکھے۔ اس کے بیٹے نے رقم چوری کر کے یہ کھلونا ایک اسٹور سے خریدا ہے اور اسے اس طرح چھپا کر لایا ہے جیسے اُس میں کوئی بہت ہی قیمتی چیز پوشیدہ ہو۔ اس شخص کی اطلاع پر ہم نے اس کے بیٹے سے یہ کھلونا حاصل کیا تو وہ جان دینے پر تُل گیا۔ بمشکل تمام اسے بے ہوش کر کے یہ کھلونا حاصل کیا گیا ہے اور اب وہ اس کے لیے تڑپ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا کھلونا اسے دے دیا جائے۔ یہ بات دماغی کمزوری کی نہیں ہے بلکہ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کھلونے میں کوئی راز پوشیدہ ہے اس سے بہت پوچھنے کی کوشش کی گئی لیکن اب وہ نیم مُردہ کیفیت میں ہے اور اس نے اپنی زبان بند کر لی ہے۔"

"اس کے بعد مسٹر عاقل تم نے اس کھلونے کے سلسلے

میں معلومات حاصل کی ہوں گی ؟"

"اوہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی آخر اس کھلونے کا منشیات سے کیا تعلق ہے ؟ میں نے ... درمیان سے کاٹ کر بھی دیکھ لیا ہے۔ یہ سالم نہیں ہے" عاقل ... جواب دیا۔

"میں اس راز کا انکشاف کر سکتا ہوں مسٹر عاقل کہ اس کھلونے میں کیا ہے، لیکن میری شرط وہی ہے"۔

"کیا شرط ہے تمہاری بھول ؟" عاقل جودت بولا۔

"تمہیں قانون کے مزاج کے خلاف میرے بے گناہ ساتھی ظفر اظہار کو جیل سے نکالنا پڑے گا"۔

"ناممکن۔ تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے میں ہر نقصان برداشت کر سکتا ہوں لیکن کوئی خلافِ قانون کام نہیں کر سکتا اور اس کے لیے میں نے تمہیں پہلے بھی اجازت دی تھی کہ اگر تم اس بات کا ثبوت فراہم کر دو کہ وہ شخص بے گناہ ہے تو اُسے جیل سے نکالنے کے لیے میں ہر وہ اقدام کروں گا جس سے وہ جیل سے نکل آئے خواہ اس کی نوعیت غیر قانونی ہی کیوں نہ ہو ؟ اور غیر قانونی اس کی نوعیت یوں نہیں ہو سکتی کہ تم اس کی بے گناہی کے ثبوت پیش کر دگے باقی رہا اس معاملے کا تعلق تو یہ بھی کسی نہ کسی طرح ہو ہی جائے گا"۔

"بھول میں اس کی بے گناہی کے اگر واضح ثبوت نہ پیش کر سکا تو"۔

"تو اس کی ساری عمر جیل ہی میں گزر جائے گی بلکہ میں اُسے مزید سزا دلوانے کی کوشش کروں گا"۔ اُس نے بپھرے ہوئے لہجے میں کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔

"نہیں مسٹر عاقل میں اس کے بارے میں بھی آپ کو ثبوت پیش کروں گا جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تکمیل کروں گا اب ذرا مجھے ایک بات اور بتا دیجیے آپ"۔

"بھول"۔ اُس نے جواب دیا۔

"کیا آپ کو منشیات کے اسمگلروں کے بارے میں کچھ معلوم ہے ؟"

"بھول بھول"۔ وہ ایک بار پھر بپھر گیا اور ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بھونکنے لگا میں نے آہستہ سے کہا۔

"اگر میں، اس سلسلے میں تم سے ... کا نام لوں تو ؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا"۔

"اور اگر میں ایک دوسرا نام تمہارے سامنے دہراؤں تو۔ ؟"

"کون سا دوسرا نام --- ؟"

"ڈینی بوسٹر"۔ میں نے کہا اور عاقل جودت کا چہرہ ایک بار پھر لٹک گیا وہ کرسی کی پشت سے ٹیک کر مجھے نیم باز آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

اس نام نے اس کی تمام قوتِ مدافعت ختم کر دی تھی اور اس کا چہرہ کچھ سفید نظر آنے لگا تھا اب میں اس کے انداز میں کسی قدر بے بسی محسوس کر رہا تھا یہ خاموشی کافی طویل رہی اور ایک بار پھر اُس نے خود کو سنبھالا اور میری طرف دیکھنے لگا اس کے چہرے پر اس دوران اتنی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں کہ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے میں نے کہا۔

"سنو ڈیئر عاقل۔ تمہارے ذہن میں اس وقت میرے بارے میں جو جو خیالات گزر رہے ہیں۔ میں انہیں الفاظ کی شکل میں بھی کچھ سکتا ہوں تم یہ بھی سوچ رہے ہو گے کہ کہیں میں کوئی گہرا فراڈ تو نہیں کر رہا کہیں میرا تعلق بھی تو منشیات کے اسمگلروں سے نہیں ہے۔ اس سلسلے میں جو جو سوچیں تمہارے ذہن میں آ سکتی ہیں، وہ فطری حیثیت کی حامل ہیں لیکن میں تمہیں پوری سچائی سے یہ بتا رہا ہوں کہ میں صرف ایک بے گناہ شخص کی رہائی کے لیے کام کر رہا ہوں، اپنے وطن میں، ایک معزز وکیل کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہوں تاہم اس کے بعد تمہیں یہ اختیار حاصل ہے کہ میرے بارے میں مکمل تحقیقات کر لینا لیکن جو وقت اس سلسلے میں گزار و گے وہ ہم دونوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ حالات نہیں رہیں گے جن کے ذریعے تم ان اسمگلروں کو گرفتار کر سکتے ہو اور وقت نکل جانے کے بعد شاید میں بھی اپنی سچائی کے لیے اتنا بھرپور ثبوت نہ پیش کر سکوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے لیے یہ خطرہ مول لے لو کہ میں کون ہوں اور تمہیں کہاں کہاں بھٹکانا چاہتا ہوں۔ اس بات کو ذہن سے نکال دو اور جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں اس پر سنجیدگی سے غور کرو۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے ڈینی بوسٹر کا نام تمہارے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیا تم مجھے اس بارے میں بتانا پسند کرو گے کہ ڈینی بوسٹر کی تمہاری نگاہوں میں کیا حیثیت ہے ؟" عاقل نے خاموشی سے مجھے دیکھا کیہ حیرت انگیز طور پر اس نے بھونکنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میرے پاس تمہارے لیے بہت وقت ہے کیونکہ میں اس وقت کو سرکاری وقت میں شمار کرتا ہوں اور اگر تم کوئی غلط آدمی بھی ثابت ہوئے تو اس کی سزا احتشام کو بھگتنی پڑے گی۔ اس کے علاوہ اگر تمہارے ذریعے

مجھے کچھ حاصل ہو سکا تو میں تمہیں سرکاری مددگار کی حیثیت دوں گا اور سرکاری مددگار ہمارے لیے بہت قابلِ احترام ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں یہ گفتگو ختم ہو گئی۔ ڈینی بوسٹر کے بارے میں تم یوں سمجھ لو کہ وہ محکمۂ پولیس کے سینے پر ایک زخم کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ زخم بڑوں بڑوں کے لیے تکلیف دہ ہے۔ ڈینی بوسٹر نامی شخص منشیات کا اسمگلر ہے اور اس نے ہمیں بری طرح ناکام کر کے رکھ دیا ہے۔ میں تو بہت چھوٹی حیثیت کا مالک ہوں مائی ڈیئر مسٹر شارق۔ جب کہ میرے محکمے کے بڑے بڑے دماغ بوسٹر کے سلسلے میں کوشش کر کے ناکام ہو چکے ہیں یہ معاملہ اب مکمل طور پر میرے سپرد ہے اور اس تصور کے ساتھ اسے میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔ میں ہمیشہ ڈینی بوسٹر کو اپنے سینے پر ایک زخم کی مانند سجا کے رکھتا ہوں میری زندگی کا اہم مقصد اس کی گرفتاری ہے اور منشیات کے کاروبار کو ختم کرنا ہے"۔

"یقیناً ایسا ہی ہو گا مائی ڈیئر عاقل۔ میں تمہارے بارے میں تھوڑے بہت اندازے قائم کر سکا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ اندازے غلط نہیں ہوں گے۔ ہم مرحلے وار آگے بڑھتے ہیں اور پہلے میں تمہیں یہ بتا دوں کہ یہ کھلونا اس شخص کے لیے اتنا قیمتی کیوں تھا جو منشیات کا عادی ہے ہاں یہ کھلونا ایک ہزار ڈالر کی مالیت کا ہے کیونکہ اس میں ایک انتہائی مہلک نشہ آور شئے دلن پوشیدہ ہے"۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے کھلونے کو دیکھا اور پھر مجھے دیکھنے لگا۔

"پہلے میں یہ ثابت کر دوں اس کے لیے مجھے چند اشیاء کی ضرورت ہو گی"۔ میری اس بات کے جواب میں غالباً عاقل نے بھونکنا چاہا تھا لیکن پھر یہ فیصلہ ملتوی کر کے اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا اشیاء درکار ہیں تمہیں ؟" اور میں نے جواب میں اُسے ان اشیاء کی فہرست بتا دی۔

"میں ابھی یہ تمام اشیاء مہیا کیے دیتا ہوں"۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور پھر یہ ارادہ ملتوی کر کے کہ خود باہر جائے ایک گھنٹی بجا کر کسی ملازم کو طلب کر لیا اور میری بتائی ہوئی چیزیں لانے کی ہدایت کر دی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد الیکٹرک اسٹو و برتن اور پانی اندر آ گیا۔ عاقل نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ میں نے پانی اسٹو و پر چڑھا دیا اور عاقل کے ساتھ کھلونا لیے ہوئے اس کے قریب آ بیٹھا۔ اُس کی احتیاط کو میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ کسی چوکنے چیتے کی مانند تھا اور غالباً اس بات کی توقع کر رہا تھا کہ اب یہ گرم کھولتا ہوا پانی اس کے چہرے پر اُنڈیل کر میں کھلونا لے بھاگوں گا۔ وہ اس سلسلے میں مدافعت کے لیے بھی تیار تھا اور میں نے اس کے تنے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس کی بغلی جیب میں پستول موجود ہے۔ ظاہر ہے میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں تھی اس لیے میں محتاط ہونے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا جب پانی اچھی طرح کھول گیا تو میں نے اُس سے کہا۔

"تمہاری اجازت سے میں یہ کھلونا اس پانی میں ڈالنا چاہتا ہوں"۔ اس کے انداز میں ایک لمحے کے لیے اضطراب پیدا ہوا اور پھر اُس نے گردن ہلا دی۔ میں نے کھلونا پانی میں ڈال دیا۔ وہ پانی کو دیکھتا رہا لیکن اُس نے اپنی احتیاط کو اب بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ اس کی نگاہیں پانی پر جمی رہیں اور تھوڑی دیر کے بعد جب کھلونا سیال کی شکل میں بدلنے لگا تو اُس نے متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کا اضطراب شدت پر پہنچا ہوا تھا کھلونا آہستہ آہستہ پانی میں بالکل ہی تحلیل ہو گیا اور میں نے پانی کا برتن اُتار کر نیچے رکھ دیا۔ کھلونا تو اب ضائع ہی ہو چکا تھا۔ اُس نے اس کے لیے صبر کر لیا تھا اور اب اس صبر کا میٹھا پھل دیکھنے کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔

یہ انتظار بھرپور طور پر اچھا خاصا تھا اور اس دوران میں نے بھی اُس سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ پہلے اُس شخص کو مطمئن کر دیا جائے اس کے بعد جہاں تک مجھے اندازہ تھا یہ میرے لیے انتہائی کار آمد ثابت ہو سکتا تھا۔ جب پانی ٹھنڈا ہو گیا تو میں نے ترفیق کے عمل کے مطابق اُسے نتھار دیا۔ پانی کی تہ میں وہ گدلا سا سیال جمع ہوا تھا جو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ یہ پانی کی تہ میں پہنچ کر اتنا گاڑھا ہو جاتا تھا کہ پانی کے ساتھ نہیں بہ سکتا تھا۔ پورا پانی بہانے کے بعد میں نے وہ سیال عاقل کے سامنے کر دیا اور کہا۔

"یہ دلن ہے"۔ عاقل کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اُس نے اُنگلی میں سیال لگایا اور اُسے انگوٹھے کے ناخن پر رکھ کر رگڑنے لگا پھر اُس نے اُسے ناک کے قریب لے جا کر سونگھا اور دوسرے لمحے وہ زور زور سے گردن جھٹکنے لگا۔

"ہاں --- یہ دلن ہے"۔ اُس نے جواب دیا۔

"یہ ہے ان کھلونوں کا راز مسٹر عاقل اور اس طرح ان میں یہ نشہ آور شئے پوشیدہ کی جاتی ہے۔ کوئی بات اور کہنے سے پہلے اس مسئلے کو مکمل طور پر ختم کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ ان

کھلونوں کا تعلق سو فیصد ڈینی بوسٹر سے ہے۔ اسی کے ایما پر یہ بنائے گئے ہیں اور انہیں یہاں تک پہنچانے والا ڈی جے خان ہے۔ وہی شخص جس کے سلسلے میں، میں کام کر رہا ہوں لیکن وہ نہیں جو تمہاری قید میں ہے۔ اصل شخص آزاد ہے اور اپنے ہم شکل کو زندگی کے عذاب میں گرفتار کر کے پُرامن طریقے سے اس نشہ آور شے کی اسمگلنگ کر رہا ہے اور اس پورے گروہ کا سربراہ ڈینی بوسٹر ہے۔ یہ کھلونے اسی شکل اور اسی ڈیزائن میں شہر کے مختلف اسٹورز میں موجود ہیں لیکن اس وقت تمہارے شہر استنبول میں سترہ ایسے اسٹورز ہیں جو ان کھلونوں کو سیل کر رہے ہیں اور ان اسٹورز سے کھلونے خریدنے والے ان کے مستقل ممبرز ہیں جو نشہ استعمال کرتے ہیں اور نشہ آور اشیا فروخت کرتے ہیں۔ میں ان اسٹورز کے نام نہیں جانتا لیکن مائی ڈیئر مسٹر عاقل جودت تم اس اسٹور کا نام ضرور جانتے ہو گے جس سے تم نے یہ کھلونا حاصل کیا ہے یا تمہاری معلومات کے مطابق اس شخص نے یہ کھلونا اس اسٹور سے خریدا ہے جو نشے کا عادی ہے اور جس کے باپ نے تمہاری مدد کی ہے۔"

"ہاں۔ اس اسٹور کے بارے میں مجھے بآسانی علم ہو سکتا ہے۔"

"چنانچہ اپنی کارکردگی کی ابتدا تم اس اسٹور کے مالک سے کر سکتے ہو۔ اس کے بارے میں مکمل تفصیلات فراہم کرو اور پھر اس شخص کو گرفتار کر لو۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم بقیہ اسٹورز کے بارے میں اس سے کس طرح معلومات حاصل کر سکتے ہو۔" عاقل جودت نے ایک گہری سانس لی اور پھر بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ کام میں بآسانی کر لوں گا اور مجھے اس میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔ یہاں جو لوگ ڈینی بوسٹر کے سلسلے میں کام کرتے رہے ہیں انہوں نے اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کر ڈالی ہے۔ میں ان سے رجوع کر سکتا ہوں اور یہ سب میری مدد پر آمادہ ہو جائیں گے۔ یہ کام وسیع پیمانے پر کیا جائے گا اس لیے مجھے ان کی مدد حاصل کرنا ہی ہو گی۔"

"مجھے تم سے شدید اختلاف ہے مسٹر عاقل۔" میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"کیوں۔۔۔؟"

"اگر تم نے ایسا کیا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ تم کو کامیابی حاصل ہو گی یا نہیں، میں کسی پر الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ سب تمہارے لیے معزز اور محترم ہوں گے اور پھر ان کا تعلق میرے وطن سے بھی نہیں بلکہ تمہارے وطن سے ہے لیکن اس قسم کے کاموں میں بات جس حد تک کم ناموں تک رہے بہتر ہے تم دعوے سے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ کون ان میں مفاد پرست ہے اور کون سچائیوں کا شیدائی۔ اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وقت سے پہلے یہ مسئلہ کھل کر سامنے آ جائے اور ڈینی بوسٹر اپنے آپ کو محتاط کر لے۔"

"ڈینی۔ ڈینی بوسٹر کیا تم اس کے بارے میں مجھے کچھ بتا سکتے ہو؟ تمہاری معلومات بہت وسیع ہیں مسٹر شارق حسین۔"

"ہاں۔ میں نہ صرف تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہوں بلکہ اس کی گرفتاری بھی میرے ہی ذریعے عمل میں آئے گی۔ آج اس وقت جب تم انسانوں کی مانند مجھ سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہو۔ میں تمہیں ان تمام تفصیلات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں جو اس سلسلے میں ہیں اور ان تفصیلات سے آگاہ ہونے کے بعد ہی تم اپنی پلاننگ کرو جہاں تک میرے مشورے کا تعلق ہے یہ صرف اس لیے ہے کہ جو کچھ انکشافات میں تم پر کر رہا ہوں۔ بعد میں اُن کی گارنٹی نہیں دے سکوں گا تم کام کا آغاز کہاں سے کرتے ہو؟ یہ تمہیں فیصلہ کرنا ہے اگر میں یہاں صاحبِ اختیار ہوتا تو اپنے طور پر یہ کام کرتا لیکن یہ سب کچھ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں تمہیں ڈینی بوسٹر کے سامنے لے جا کر کھڑا کر سکتا ہوں اسے گرفتار کرنا تمہاری ذمے داری ہے۔"

"ڈینی۔۔۔ ڈینی کیا تم اس کا پتا بھی جانتے ہو؟"

"میں بہت کچھ جانتا ہوں مسٹر عاقل۔"

"ایک منٹ ذرا ایک منٹ۔" عاقل جودت نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ وہ اس کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اپنے آئندہ پروگراموں کے بارے میں غور کرنے لگا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ جس سطح کا افسر ہے کیا اس سطح کا افسر مکمل طور پر صاحبِ اختیار ہو سکتا ہے۔ وہ اس انداز میں کام کر سکتا ہے جس انداز میں کام کر کے اس گروہ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے اگر وہ مار کھا گیا تو پھر ڈینی بوسٹر جیسے شخص کو گرفتار کرنا اس جیسے شخص کے بس کی بات نہیں ہو گی۔

اس سلسلے میں مجھے اس کو نیا پلان دینا چاہیے۔ یہ فیصلہ بھی مجھے فوراً ہی کرنا تھا۔ وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھا۔ فائل کھول کر اس نے ایک لفافہ نکالا جس میں میرے اندازے کے مطابق تصاویر موجود تھیں اور پھر اس نے وہ تصویریں میرے سامنے پھیلا دیں پھر آہستہ سے بولا۔

"ان میں سے ڈینی بوسٹر کون سا ہے؟" میں نے تصویروں

پر نگاہ ڈالی اور ڈینی بوسٹر کی تصویر نکال کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔ عاقل جودت کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"شکریہ۔ بے حد شکریہ۔ ہاں یہی ڈینی بوسٹر ہے کیا تم مجھے اس کا پتا بتا سکتے ہو؟"

"تم جذباتی ہو رہے ہو۔ صرف اس کا پتا بتانے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ پچھلے دنوں غالباً اس کے خلاف تمہاری مہم تیز کر دی گئی ہے اس لیے یہ ان دنوں انڈر گراؤنڈ ہے۔"

"اُف مائی گاڈ۔ یقینی طور پر تمہاری معلومات کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہاں ایسی ہی بات ہے۔"

"چنانچہ اب یہ ایک ایسی ہی جگہ موجود ہے جہاں تمہاری پہنچ ناممکن نہیں ہے لیکن کام مضبوط پیمانے پر کرنا پڑے گا۔ میں جو اطلاعات تمہیں دے رہا ہوں مسٹر عاقل وہ بالکل بھی غلط نہیں ہیں ان کا ایک ایک لفظ سچ ہے لیکن میں نے تم سے اس دوران ایک بات اور بھی کہی تھی وہ یہ کہ ان تمام معاملات کے سلسلے میں، میں تم سے سودے بازی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا تمہاری سودے بازی اس کے علاوہ بھی ہے کہ تم صرف اس شخص کو رہا کرانا چاہتے ہو؟"

"نہیں۔ اس کے علاوہ میرا تم سے کوئی اور سودا نہیں ہو سکتا۔"

"اب میں تمہاری کہانی سننا چاہتا ہوں تم براہِ کرم ایک بار پھر مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ یہ سب کیا قصہ ہے؟"

"ہاں۔ بقول تمہارے۔ تمہارے لیے یہ کام سرکاری ہے ویسے تمہاری مصروفیات۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ ڈیئر شارق حسین۔ میری اس وقت کی تمام مصروفیات بلکہ اس ماہ کی تمام مصروفیات ڈینی بوسٹر ہی کے سلسلے میں تھیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور کام میرے ہاتھ میں نہیں ہے میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان لوگوں پر سبقت حاصل کر لوں جو ڈینی بوسٹر کے سلسلے میں کام کرتے رہے ہیں اور اس جذبے سے کوئی بھی خالی نہیں ہوتا۔"

"بالکل ٹھیک۔ تو میں نے تم سے کہا کہ وہ سترہ اسٹورز ہیں جو اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ یہ کھلونے ابھی حال ہی میں ایجاد کیے گئے ہیں اور ان کی صرف ایک کھیپ یہاں پہنچی ہے۔ باقی بہت بڑی تعداد یہاں پہنچنے والی ہے۔ میں اس تعداد کی بھی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ جب وہ یہاں پہنچے گی تو میں تمہیں اطلاع دے سکتا ہوں کہ کس ذریعے سے وہ یہاں آ رہی ہے اور تمہیں کہاں چھاپا مارنا چاہیے۔" عاقل جودت بے بسی سے ہاتھ ملنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے اب میں تمہارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کروں گا۔"

"تو سنو عاقل جودت، ایک بار پھر میں تمہیں وہی سنائی ہوئی کہانی سنا رہا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب اس کہانی پر تمہاری توجہ زیادہ ہو گی۔"

"یقیناً۔ میں اس کے اعتراف سے گریز نہیں کروں گا۔" اس نے کہا۔

پھر میں نے ظفر اظہار، توفیق جمشید اور اس کے باپ کے بارے میں جو معلومات حاصل کی تھیں عاقل جودت کے گوش گزار کر دی تھیں۔

"یہ ساری معلومات میرے علم میں ہیں اور میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس بے قصور کی رہائی کے لیے اب ہمارا کیا منصوبہ ہو سکتا ہے؟ فرض کرو ڈینی بوسٹر کے ساتھ تم توفیق جمشید کو بھی گرفتار کر لیتے ہو تو پھر اس شخص کی رہائی کیسے ہو گی؟ جو بے گناہ اس شخص کی جگہ قید ہے۔" عاقل جودت کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی وہ گہری سوچ میں گرفتار رہا تھا پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"خود تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں کیا منصوبہ ہے؟"

"ہاں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو اطمینان رکھو۔ میں تمہارے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

وعدہ کرتے ہو عاقل جودت!

ہاں۔ جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو اس پر عمل کرنے کے لیے اپنی جان تک دے سکتا ہوں۔"

"گویا مجھے تمہارے ان الفاظ پر یقین کر لینا چاہیے۔"

"یہ تم پر منحصر ہے۔" اُس نے کہا اور میں پُرخیال انداز میں داہنا کان کھجانے لگا پھر میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم یہ بتاؤ اپنے کام کا آغاز کہاں سے کرو گے، پہلے ان اسٹورز کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہ کھلونے وہاں سے حاصل کرو گے یا ڈینی بوسٹر پر ہاتھ ڈالنا پسند کرو گے؟"

"ڈینی بوسٹر کے ساتھ ساتھ ہمیں اس کے گروہ کے دوسرے افراد کو بھی چیک کرنا ہو گا۔ میں چاہتا ہوں وہ سب ہمارے قبضے میں آ جائیں۔"

"دیکھو ڈیئر شاید یہ کام اتنا آسان نہ ہو سب سے پہلے تم ڈینی بوسٹر کو اپنی تحویل میں لے لو۔ گروہ کے کچھ لوگ اگر نکل بھی جاتے ہیں تو کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جو پریشان کن ہو

ہو۔ بہرطور اصل چیز ڈینی بوسٹر ہے پھر بوسٹر کے ذریعے ہی سے تم دُوسروں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"مجھے ڈینی بوسٹر کا پتا بتاؤ؟" عاقل جودت نے کسی قدر خوشامدانہ انداز میں کہا اور میں گردن ہلانے لگا پھر میں نے اُسے اس قہوہ خانے کے بارے میں تفصیل بتائی اور یہ بھی بتایا کہ ڈینی بوسٹر کہاں مل سکتا ہے اور کس محلے میں ہے! اس کے بعد میں نے اسے اس رہائش گاہ کے بارے میں مکمل تفصیلات بتا دیں جہاں میں خود توفیق کے ساتھ رہ رہا تھا۔ عاقل ایک ایک بات سمجھتا رہا تھا پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اور اب میں خود تم سے اجازت چاہتا ہوں ڈیئر شارق۔ کیونکہ یہ رات میری مصروفیت کی رات ہے۔ میں آج کے کام کو کل پہ چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں اور اس کے بعد میں اس وقت سکون سے بیٹھوں گا جب تک کہ اپنا کام مکمل نہ کر لوں۔"

"خود میری تم سے ملاقات اس عمارت میں ہوگی جہاں توفیق موجود ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ عاقل مجھے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ پھر میں وہاں سے اس ہوٹل کی جانب روانہ ہو گیا جس میں میں نے ایک کمرہ حاصل کیا تھا۔ یہاں اب صرف اتنا کام تھا کہ میں واپس اپنے اس میک اپ میں آ جاؤں جس میں میں توفیق کے ساتھ رہ رہا تھا۔ چنانچہ یہ کارروائی کرنے کے بعد ایک بار پھر میں اپنی کار لے کر چل پڑا۔ حلیہ میں کچھ تبدیلی کی تھی اور یہ تبدیلی توفیق کو اس بات کا یقین دلانے میں معاون ہو سکتی تھی کہ استنبول کی تفریحات میں مشغول ہوں۔ جب میں واپس اس عمارت میں پہنچا تو توفیق موجود تھا۔ اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر ہنس کر بولا۔

"اس کا مقصد ہے کہ اب تم استنبول کی رنگینیوں سے محظوظ ہو رہے ہو۔"

"اوہ۔ کیا ان رنگینیوں کا اشتہار میرے چہرے پر لگا ہوا ہے!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور توفیق ہنسنے لگا۔

"ہاں مائی ڈیئر شارق۔ تمہارے چہرے پر اس کا اشتہار لگا ہوا ہے۔ ڈنر تو نہیں کیا ہوگا تم نے ابھی؟"

"ابھی کہاں؟"

"تو پھر آؤ۔ میں ڈنر ہی کے لیے اُٹھا تھا۔" اس نے کہا اور میں اس سے چند منٹ کی اجازت لے کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے اپنا حلیہ درست کیا اور پھر ڈنر روم میں آ گیا۔ وہاں میرے اور توفیق کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

توفیق جمشید بہت خوشگوار موڈ میں تھا اور مجھ سے سچا نے کیا کیا باتیں کرتا رہا تھا۔ میں نے اپنی کیفیت کو مکمل طور سے قابو میں کیا ہوا تھا پھر ڈنر کے بعد ہم لوگ کچھ دیر چہل قدمی کرتے رہے۔ توفیق مجھے بتا رہا تھا کہ لقیہ عمل کے سلسلے میں کیا کارروائی ہو رہی ہے اور وہ کس طرح یہاں تک پہنچے گا۔ اُسے مجھ پر ذرہ برابر کوئی شک نہیں تھا۔ اس میں میری محنت سے زیادہ میری تقدیر کا دخل تھا۔ کم از کم میں تقدیر کا قائل ہوں۔ کیونکہ لاتعداد مواقع پر اس نے میری بھرپور مدد کی ہے اور یہ میرا ایمان ہے کہ اگر سچائیوں کے راستے پر سفر کرو تو ابتدا میں کچھ وقت ضرور ہوتی ہے لیکن بعد میں یہ راستے اتنے ہموار ہو جاتے ہیں کہ خود بھی یقین نہیں آتا پھر توفیق نے مجھے آرام کرنے کے لیے کہا اور میں اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ سوچنے کے لیے اب کچھ بھی نہیں تھا کیونکہ اب تو مسئلہ صرف عمل کا تھا۔ میں نے اپنی کارروائیاں مکمل کر کے اپنا تمام مسئلہ عاقل جودت کے ہاتھ میں دے دیا تھا اور اب اس کا کام رہ گیا تھا۔

ویسے بھونکنے والا بڑے کام کی چیز تھا اور اس شخص نے مجھے کافی متاثر کیا تھا۔ سچا نے رات کے کون سے حصے میں نیند آ گئی اور میں پُرسکون نیند سوتا رہا پھر میرے انداز سے کے مطابق وہ صبح ساڑھے چار یا پانچ بجے کا وقت ہو گا جب اچانک میری آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلنے کی وجہ بھی ایک لمحے میں سمجھ میں آ گئی۔

فائرنگ بالکل کان کے پاس سے ہو رہی تھی گویا اس عمارت میں کوئی ہنگامہ شروع ہو گیا تھا۔ چند لمحات تو ذہن اس صورتِ حال کو نہ سمجھ پایا لیکن اس کے بعد میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور میں نے تیز روشنی جلا دی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی دروازہ چونکہ میں نے اندر سے بند نہیں کیا تھا اس لیے دستک دینے والے کو بھی اس کا فوراً ہی احساس ہو گیا اور وہ دھکا دے کر اندر داخل ہو گیا۔ توفیق کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا وہ شب خوابی کے لباس میں ملبوس تھا لیکن اس کے ہاتھ میں کچھ دبا ہوا تھا۔ چہرے پر بدحواسی نظر آ رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر اُس نے چند گہری گہری سانسیں لیں پھر ایک انتہائی جدید ساخت کی ملکی سب مشین گن میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ لوڈ ہے۔ سب نے اُسے لوڈ کر دیا ہے۔ یہ فاضل امیونیشن بھی جیبوں میں ٹھونس لو۔" اس نے تین مخصوص قسم کے پیکٹ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا اور میں نے ان پیکٹوں کو جلدی سے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ میں نے اس کے ہاتھ میں

دوسری سب مشین گن دیکھی تھی وہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر بولا۔

"اس کمرے میں رہنا مناسب نہیں ہے میرے ساتھ آؤ۔"

"یہ سب۔۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے توفیق جمشید؟"

"اوہ۔ ریڈ کیا ہے! شاید پولیس نے ریڈ کیا ہے۔ میرے آدمیوں نے بدحواسی کے عالم میں فائر کھول دیا ہے۔ ان کتوں نے یہ سب سے بڑی غلطی کی ہے ورنہ۔ ورنہ ہم اپنا تحفظ کر سکتے تھے۔ ان گدھوں نے پولیس سے مقابلہ شروع کر دیا ہے اور اب اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ جلدی کرو۔"

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا اور توفیق رُک گیا۔

"کیا یہاں سے بھاگنے میں کوئی دقت نہیں ہو گی؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو؟ اگر بھاگنے کا موقع ہوتا تو۔۔۔"

توفیق جمشید نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میں نے اس سے آگے کا جملہ خود ہی پورا کر لیا تھا۔ اگر بھاگنے کا موقع ہوتا تو توفیق بھلا میری پروا کرتا وہ کب کا نکل گیا ہوتا۔

"تو پھر۔۔۔" میں نے سوال کیا۔

"اوہ۔ اب تو مقابلہ ہی کرنا پڑے گا اور کوشش کریں گے کہ ہم لوگ یہاں سے فرار ہو سکیں۔ ابھی ابتدا ہے پولیس کی زیادہ نفری آ گئی تو۔۔۔ تو۔۔۔" وہ پھر دروازے کی جانب مُڑا اور میں نے تمام صورتِ حال سمجھ لی۔ دوسرے لمحے میں بھی دروازے کے قریب پہنچ گیا لیکن میں نے انتہائی برق رفتاری سے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سب مشین گن پوری قوت سے اُس کے ہاتھوں پر ماری اور توفیق کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی۔ سب مشین گن اُس کے ہاتھ سے نیچے گری تو میں نے ایک ٹھوکر سے اُسے مسہری کے نیچے پہنچا دیا۔ توفیق کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے لیکن آنکھیں شدید حیرت کا شکار نظر آ رہی تھیں۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا جب کہ میری مشین گن کا رُخ اب کے سینے کی جانب تھا اور میں نے اُسے دھکیل کر اپنی جگہ تبدیل کر لی تھی۔ یعنی میں اب دروازے کے سامنے تھا۔ توفیق شدید ذہنی ہیجان کے عالم میں مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے شارق۔۔۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ یہ کیا کر رہے ہو تم؟"

"نہیں میرا دماغ بالکل درست ہے تم اس دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ توفیق ورنہ کیا فائدہ کہ تمہارے بدن میں لاتعداد سوراخ بن جائیں۔" میرا لہجہ سفاکانہ تھا۔ توفیق نے اُسے محسوس کیا لیکن بات اس کے لیے ناقابلِ فہم تھی وہ اپنی جگہ سے ہلا تو میں نے سب مشین گن کے ٹرائیگر پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ تم پاگل ہو گئے ہو؟۔۔۔ مم۔۔۔ میں توفیق جمشید ہوں شارق۔"

"ہاں میں جانتا ہوں لیکن تم کیا ایک لمحے کے اندر اندر میری ہدایت پر عمل نہ کرو گے؟"

"مم۔۔۔ مگر کیوں آخر کیوں۔۔۔؟"

میں نے آگے بڑھ کر ایک زوردار لات اُس کے پیٹ پر رسید کی اور توفیق ایک فٹ اُونچا اُچھل گیا۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے تو میں نے ایک بار پھر مشین گن کا دستہ اُس کے شانے پر مارا اور وہ درد سے کراہتا ہوا جلدی سے پیچھے ہٹ گیا پھر وہ دیوار سے جا لگا۔ اب وہ دیوار سے ٹکا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ میں سب مشین گن اس کے سینے کی جانب کیے کیے آگے بڑھا اور اُس کے لباس کی تلاشی لے ڈالی۔ اُس کے لباس میں سب مشین گن کے فالتو میگزین کے دو تین پیکٹ پڑے ہوئے تھے اور کچھ نہیں تھا۔ ویسے اُس کے شب خوابی کے لبادے میں یہ پیکٹ پہلے ہی سے نظر آ رہے تھے کیونکہ جیبیں لٹک گئی تھیں۔ ان پیکٹوں کو بھی میں نے نکال کر ایک جانب اُچھال دیا اور سب مشین گن کا رُخ اُس کی جانب کیے کیے پیچھے ہٹ گیا۔

"تت۔۔۔ تم۔۔۔ شارق تم۔ آخر یہ سب کچھ؟"

"میں تمہیں ضرور بتا دیتا میری جان لیکن ابھی میں نے اس بارے میں مشورہ نہیں کیا ہے۔ اس لیے فی الحال تم بالکل خاموش کھڑے رہو۔"

"یہ۔۔۔ باہر۔۔۔ یہ۔۔۔ پولیس کامیابی حاصل کرتی جا رہی ہے۔ اس کا اندازہ فائرنگ کی آواز سے ہو رہا ہے یوں بھی میرے ساتھی پولیس کا زیادہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے ہم گرفتار ہو جائیں گے شارق۔۔۔ اس کے بعد تم جانتے ہو ترکی میں ہماری گلوخلاصی ممکن نہیں ہے اگر کوئی مسئلہ ہے تو ہم آپس میں بھی نمٹ سکتے ہیں پہلے پولیس کے شکنجے سے تو نکل جایا جائے۔"

"تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی مائی ڈیئر توفیق کہ پولیس میرے ہی طلب کرنے پر یہاں آئی ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" توفیق کا منہ ایک بار پھر حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ہاں مائی ڈیئر نی جے خان۔ کچھ ایسے ہی مسائل ہیں میں اس وقت تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ تفصیل

ہمارے پروگرام کے حق میں نہ ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ میں نے یہ سارا جال تمہارے لیے بچھایا تھا اور اب تم اس جال میں پوری طرح گرفتار ہو گئے ہو۔"

"کیسا جال ۔۔۔؟ آخر کون ہو تم؟ کک ۔ کیا تم وہ نہیں ہو جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے رہے ہو؟" میں توفیق کو باتوں میں لگائے رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے باہر بھاری قدموں کی آواز سُنی۔ توفیق کے چہرے پر مُردنی چھا گئی تھی۔

دروازے پر ایک زوردار لات پڑی اور دروازہ کھُل گیا اس کے بعد چند جوان اندر گھُس آئے جو بھاری اسلحے سے مسلح تھے اُنہوں نے فوراً ہی پوزیشن لے لی۔ میری جانب بھی رائفلیں تان لی گئی تھیں۔ میں نے اپنی سب مشین گن پھینک کر ہاتھ اُٹھا دیے تھے۔ ویسے پولیس کے جوانوں نے خود بھی یہ حیرت انگیز منظر دیکھا تھا یعنی میں توفیق کو کور کیے کھڑا تھا۔

بہر طور اُنہوں نے اس منظر کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی سب مشین گن قبضے میں لے لی گئی اور اس کے بعد نہ صرف میرے بلکہ توفیق کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ پولیس نے ہمیں اپنی تحویل میں لے لیا تھا باہر بھاگ دوڑ کی آوازیں آ رہی تھیں جو دروازہ کھُل جانے کی وجہ سے کافی تیز ہو گئی تھیں۔ اس کے بعد پولیس نے ہمیں باہر نکالا لیبوری عمارت تیز روشنی میں نہائی ہُوئی تھی۔ سرچ لائٹوں سے عمارت کا گوشہ گوشہ منوّر کر دیا گیا تھا اور اس کے احاطے میں گرفتار شدہ لوگ جمع تھے۔ توفیق کو اور مجھے بھی وہاں پہنچا دیا گیا اور پھر ہم لوگوں کو گاڑی میں سوار کرایا گیا لیکن پولیس کے جوان مجھے سہارا دے کر گاڑی میں چڑھا ہی رہے تھے کہ عاقل نے مجھے دیکھ لیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر مجھے پولیس کی گاڑی میں چڑھنے سے روک دیا۔

"انہیں نیچے اُتار دو اور دروازہ بند کر دو۔" اُس نے حکم دیا اور پولیس کی گاڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ پولیس کے جوانوں نے مجھے سہارا دے کر پہلے ہی نیچے اُتار لیا تھا۔

"ہتھکڑی کی چابی کس کے پاس ہے؟" عاقل جودت نے اپنے آدمیوں سے سوال کیا اور ایک شخص آگے بڑھ آیا۔

"ان کی ہتھکڑیاں کھول دو۔" عاقل جودت نے کہا اور دُوسرے لمحے میری ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔ غالباً اب اس کے ساتھیوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی ہو گی کہ میں توفیق پر مشین گن تانے کیوں کھڑا تھا!

عاقل نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنی جانب گھسیٹ لیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ پولیس کے جوان اس گاڑی کی حفاظت کر رہے تھے جس میں اُنہوں نے یہاں سے گرفتار شدہ لوگوں کو جمع کر دیا تھا۔ عاقل نے مجھ سے کہا۔

"اندر کے بارے میں اور کوئی خاص معلومات ۔۔۔؟"

"آؤ میرے ساتھ۔" میں نے کہا اور اُس کو ساتھ لیے ہُوئے اندر داخل ہو گیا۔ اب وہ کارٹن وہاں موجود نہیں تھے جن میں کھلونے لائے گئے تھے لیکن ایک دُوسرے کمرے میں وہ خالی کارٹن مل گئے اور میرے اشارے پر اُس نے انہیں اپنے قبضے میں لے لیا۔ نہ صرف وہ بلکہ بہت سی ایسی چیزیں دستیاب ہو گئیں جو توفیق اور ڈینی بوسٹر کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کی جا سکتی تھیں۔ عمارت پولیس کی تحویل میں لے لی گئی اور اس کے بعد عاقل مجھے ایک شاندار بند کار میں بٹھا کر لے چلا۔ قیدیوں کی گاڑی بھی چل پڑی۔ ۔۔۔ کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں میرے لیے عقیدت کے آثار تھے۔

"یہ میرا آخری کام تھا۔ تم سے جُدا ہونے کے بعد ساری رات مصروف رہا ہُوں۔"

"یہ بتاؤ ڈینی بوسٹر قبضے میں آ گیا یا نہیں؟" جواب میں اُس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھا اور میرا رُخسار چوم لیا۔

"ہاں! تمہاری نشاندہی پر میں نے اُسے قبضے میں کر لیا ہے اور اس کی گرفتاری بھی عمل میں آ گئی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو طویل عرصے سے مجھے مطلوب تھے اور جن کے فائل میرے پاس موجود ہیں۔ بہت ہی قیمتی آدمی میرے ہاتھ آئے ہیں۔ پہلے مرحلے کی تکمیل کے بعد میں نے اسٹورز کی جانب رُخ کیا اور اُس میں بھی مجھے نمایاں کامیابی حاصل ہو گئی۔ چار اسٹورز سے وہ کھلونے برآمد ہو چکے ہیں اور باقی اسٹورز پر میرے آدمی چھاپے مارنے گئے ہُوئے ہیں۔ ان کی رپورٹیں بھی مجھے بہت جلد دستیاب ہو جائیں گی۔ میں نے فوراً ہی یہ ضروری سمجھا کہ اس مرحلے کی بھی تکمیل کر لی جائے کیونکہ مجھے یہ خطرہ تھا کہ جب ڈینی بوسٹر کی گرفتاری کی اطلاع اس شخص تک پہنچے گی جس کا نام ڈی جے خان ہے تو یہ یقینی طور پر فرار ہونے کی کوشش کرے گا اور ممکن ہے تمہیں بھی کوئی نقصان پہنچ جائے چنانچہ میں نے آج ہی رات اس کام کی بھی تکمیل کر ڈالی۔ باقی کام ذرا آہستہ آہستہ کیا جا سکتا ہے۔"

"ویری گڈ ۔۔۔ اس وقت کہاں چل رہے ہو؟"

"پولیس ہیڈ کوارٹر۔" عاقل نے جواب دیا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "لیکن تم فکر مت کرنا۔ میں اس شخص کو درمیان سے نکال دُوں گا۔"

"کیسے؟"

"اس ڈی جے خان کو ہم ذرا ہیڈ کوارٹر چل کر کچھ کارروائیاں مکمل کر لیں۔ میں رپورٹیں موصول کر لُوں۔ اس کے بعد میں تمہیں بقیہ تفصیلات سے آگاہ کروں گا۔" میں خاموش ہو گیا۔ اُس کے ساتھ ساتھ قیدیوں کی گاڑی بھی پولیس ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو گئی اور اس کے بعد بھاری نفری نے ان قیدیوں کو اپنی تحویل میں نیچے اُتارا اور غالباً لاک اپ کی طرف روانہ کر دیا۔

عاقل مجھے ساتھ لیے ہُوئے اپنے آفس میں آیا۔ بڑے شاندار کمرے میں ایک میز کے پیچھے بیٹھ کر اُس نے مسکراتے ہُوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "میں تمہیں کافی پیش کرتا ہُوں۔"

"ارے واہ ۔۔۔ یہ حیرت انگیز تبدیلی کیوں پیدا ہُوئی ہے؟"

"بھوں۔" اُس نے ہلکی سی آواز نکالی اور ایک گھنٹی بجا دی۔ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر میں نے ہنستے ہُوئے کہا۔

"استنبول میں تمہاری طرف سے پیش کی ہُوئی یہ کافی میں زندگی بھر نہیں بھُول سکوں گا کیونکہ ۔۔۔ سے پہلے میں صرف اسی حیرت کا شکار رہا ہُوں کہ تمہارے ہاں اخلاق نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"بھوں بھوں ۔۔۔ بھوں ۔۔۔" عاقل جودت نے کسی قدر جھینپے ہُوئے انداز میں کہا۔ اس بھوں بھوں میں وہ کرختگی نہیں تھی۔ بلیک کافی بہت عمدہ تھی۔ کافی کے دوران عاقل جودت نے اپنی کارروائی کی کچھ اور تفصیل بتائی پھر بولا۔

"بات صرف مقامی ہی نہیں ہے اس انکشاف سے مجھے بین الاقوامی شہرت ملے گی۔ ہاں اب ڈی جے خان کے بارے میں سوچو، میں اسے ڈینی بوسٹر کے ساتھ گرفتار نہیں دکھانا چاہتا۔ نہ ہی پولیس کے روزنامچے میں اس کا تذکرہ ہو گا اس کی ایک خاص وجہ ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

عاقل جودت چند لمحات خاموشی سے کچھ سوچتا رہا، پھر اُس نے کہا۔ "قباحت صرف یہ ہے کہ اگر ہم اس کی دوبارہ گرفتاری دکھاتے ہیں تو وہ مسئلہ کھٹائی میں پڑ جائے گا میرا مطلب ہے ظفر اظہار کی رہائی کا مسئلہ، اس میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں، یہ بات تو خیر ثابت ہو جائے گی کہ ظفر اظہار وہ شخص نہیں ہے جس کی حیثیت سے اُسے قید کیا گیا ہے، لیکن ایک بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا، اور ہم خاصی اُلجھن کا شکار ہو جائیں گے، میں اس سلسلے میں تم سے صاف صاف گفتگو کرنا چاہتا ہُوں ڈیئر شارق۔ طفیل باغا کی پوزیشن خراب ہو جائے گی کیونکہ جیل میں دو قیدیوں کا بدل جانا براہِ راست جیلر پر ضرب ہو سکتا ہے اور اُسے نااہلی کا پروانہ مل سکتا ہے۔ ابھی طفیل باغا کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم لیکن معلوم ہو گا تو سخت پریشان ہو جائے گا، میرا دوست بھی ہے اور ایک اچھا انسان بھی ہے۔ سازش ہوئی ہے اور اس سازش میں کچھ لوگ شریک بھی ہُوئے ہوں گے لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہُوں کہ وہ شریک طفیل باغا نہیں ہو گا۔ تاہم یہ تم پر منحصر ہے مسٹر شارق حسین کہ تم اس سلسلے میں کیا فیصلہ کرتے ہو؟" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"نہیں مائی ڈیئر عاقل، جس وقت میں نے توفیق جمشید کو گرفتار کیا تھا تو وہ بھی شدید حیرت کا شکار ہو گیا تھا، اُس نے مجھ سے اس بارے میں سوالات کیے، تو میں نے اُس سے یہی کہا کہ میں مشورہ کیے بغیر اسے ان سوالات کے جواب نہیں دے سکتا۔"

"کیا مطلب ۔۔۔؟" عاقل جودت متحیّرانہ انداز میں بولا۔

میں نے اپنے اور توفیق جمشید کے درمیان ہونے والی گفتگو اس کو سُنا دی تو اُس کی نگاہوں میں ممنونیت کے آثار اُبھر آئے پھر اُس نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کچھ ہُوا ہے غلط ہُوا ہے، لیکن اس میں جو لوگ ملوث ہوں گے وہ براہِ راست مجرم نہیں تھے، ہاں یہ بے پروائی کے مجرم ضرور ہیں وہ۔ اگر ہم ان سے تھوڑا سا تعاون کریں تو پھر لاتعداد مشکلیں حل ہو جائیں گی، اس شخص کو یعنی ظفر اظہار کو خاموشی سے رہا کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ اس شخص کو دے دی جائے گی، میری مُراد ڈی جے خان سے ہے اور اس کے لیے تم اطمینان رکھو کہ ڈی جے خان کو صرف اتنی ہی سزا تک محدود نہ رکھا جائے گا بلکہ ڈینی بوسٹر کی گرفتاری کے بعد مزید ثبوتوں کی روشنی میں اس کا جرم سخت قرار دے کر اُس کی سزا میں مزید شدّت پیدا کر دی جائے گی اور کچھ اضافہ بھی کر دیا جائے گا۔"

"مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بہت بہت شکریہ ۔۔۔ اب یہ بتاؤ تمہارا مزید پروگرام کیا ہے؟"

"صرف اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ تم کسی پولیس آفیسر کو میرے ساتھ اس عمارت تک بھیج دو جو اب پولیس کی تحویل میں ہے۔ میں وہاں سے اپنا مختصر سا سامان لے لوں گا جس کی مجھے ضرورت ہے، ایک ہوٹل میں میرے پاس ایک کمرہ موجود ہے۔ میں وہاں منتقل ہو جاؤں گا اور تم کارروائی کرتے رہو۔"

عاقل نے مجھ سے فوراً ہی تعاون کیا پھر اُس نے کہا۔

"میں تو تھوڑا دن ہی مصروف رہوں گا، باقی تین اسٹورز کو بھی چیک کرنا ہے اور مزید گرفتاریاں عمل میں لانی ہیں۔ کل کا دن تم ہوٹل میں گزارو، اس کے بعد تم سے ملاقات ہوگی۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔"

"اور۔۔۔" عاقل نے کچھ کہنا چاہا لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا، میں نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں اور کچھ بھی نہیں۔"

"اوہ اوکے۔۔۔ اوکے۔۔۔" عاقل جودت نے ایک پولیس آفیسر کو طلب کیا، اور پھر اُسے ہدایات دے کر میرے ساتھ روانہ کر دیا، پولیس کی گاڑی مجھے لے کر اُس عمارت کی جانب چل پڑی، جو اب پولیس کی تحویل میں تھی۔ پولیس آفیسر کو ہدایات جاری کر دی گئی تھیں، میں نے عمارت سے اپنا مختصر سا سامان لیا اور اس کے بعد اس پولیس آفیسر کے ساتھ واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔

ہوٹل کے کمرے میں پہنچ کر میں نے سکون کی سانس لی، یہ مرحلہ بخیر و خوبی طے ہو گیا تھا۔ عاقل سے میرے اب تک کے معاملات بہت ہی شاندار رہے تھے اور مجھے اندازہ تھا کہ یہ سب کچھ کس شکل میں زیرِ عمل آیا ہے۔ یہ تو دُنیاداری مسئلے ہیں کسی کے لیے کچھ کیے بغیر کچھ نہیں ہوتا، میری اصل مُراد تو صرف ظفر اظہار کی رہائی تھی اور اس کے لیے مجھے دُوسرا دن انتظار کرنا پڑا۔ شام تک ہوٹل ہی میں رہا تھا۔ رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے تھے جب میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور دروازہ کھولا تو ظفر اظہار عاقل جودت کے ساتھ موجود تھا۔ اس کی کیفیت عجیب سی نظر آ رہی تھی۔ جیل سے رہا ہوا تھا جس کے اثرات چہرے سے نمایاں تھے۔ عاقل نے اُس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

"تمہارا مطلوب۔۔۔"

"بے حد شکریہ تمہارا، آؤ بیٹھو، تم نے مجھے کافی پلائی ہے اور آج میں بھی آج تمہارے ساتھ کافی پینا چاہتا ہوں۔"

عاقل کا رویہ اب بالکل ہی تبدیل ہو گیا تھا، وہ مسکراتا ہوا بیٹھ گیا، ظفر کو میں نے اپنے ساتھ ہی بٹھایا تھا وہ بالکل سنجیدہ اور خاموش خاموش نظر آ رہا تھا، میں نے اُس سے کہا۔

"ابھی تمہیں اس سلسلے میں ہماری کچھ اور بھی مدد کرنی ہے عاقل جودت۔۔۔"

"ذکر ہی مت کرو، اس وقت پہلے مرحلے کے طور پر تمہارا آدمی تمہارے حوالے ہے، جہاں تک رہی اس قید کی بات جو مسٹر ظفر اظہار کو اس جیل میں دلائی پڑی ہے تو اس کے لیے میں ذاتی طور پر جو کچھ بھی جرمانہ کیا جائے، ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

میں نے روم سروس کو ٹیلی فون کر کے کافی طلب کی اور اس کے بعد عاقل جودت سے کہا۔ "نہیں ڈیئر، تم جرمانے کی بات کر رہے ہو ہم خود تمہارے احسان مند ہیں۔"

"نہیں، یہ سب کچھ غلط ہوا اور کچھ لوگوں کی نااہلی اور بے پروائی سے ہوا ہے، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تم اب اس پوزیشن میں ہو کہ ہم پر دعویٰ تک کر سکتے ہو، اور ہمیں اس کے لیے ہر وہ کام کرنا پڑے گا جو تم چاہو گے، لیکن اگر دوستانہ طور پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے تو یُوں سمجھ لو کہ یہ دوستی نہیں بلکہ ایک احسان ہے ہم پر، نہ صرف ہم پر بلکہ ہماری حکومت پر۔۔۔"

"ارے نہیں ڈیئر، بہرطور اب جو کچھ ہو چکا ہے۔ ویسے کیا تمام صُورتِ حال مناسب طور پر انجام پا گئی؟"

"ہاں، باقی تین اسٹورز بھی دریافت کر لیے ہیں اور اب ہم بقیہ مال کو وصول کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، اس کے لیے ایک منصوبہ بندی کی گئی ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے عاقل، اب ہمارا کوئی اور رابطہ تو نہیں رہے گا۔۔۔"

"کیوں نہیں رہے گا، ہمارے درمیان رابطے تو زندگی بھر کے پیدا ہو گئے ہیں، ترکی میں اگر تم کوئی کام محسوس کرو اپنے لیے ڈیئر شارق حسین تو مجھ سے ملاقات ضرور کر لینا، میں جس قابل بھی ہُوں حاضر ہُوں۔"

میں نے عاقل جودت کا شکریہ ادا کیا، پھر کافی پینے کے بعد جب وہ اُٹھا تو میں نے اُس سے کہا۔ "بس ایک بات ذہن نشین کر لو عاقل کہ میں جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں اور مجھے ظفر اظہار کے لیے واپسی کے کاغذات کی ضرورت ہو گی۔"

"ابھی دورانِ گفتگو میں نے تم سے یہی کہا تھا کہ، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، جو میری ذمے داریاں ہیں میں پوری کروں گا اور اس کے لیے واقعی تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

عاقل کو میں نے بڑے خلوص سے رُخصت کیا اور اس کے بعد میں نے مسکراتی نگاہوں سے ظفر اظہار کو دیکھا۔ وہ بیچارہ ساکت و جامد پتھرایا پتھرایا سا بیٹھا ہوا تھا، میں نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔

"کیا تمہیں اب بھی اپنی رہائی کا یقین نہیں آیا مائی ڈیئر ظفر۔۔۔" جواب میں ظفر رونے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور اس کی سسکیاں اُبھرتی رہیں۔ اُس نے دونوں ہاتھوں میں مُنہ چھپا لیا تھا، میں نے اُسے رونے دیا تاکہ اس کے دل کی بھڑاس نکل جائے، دیر تک وہ سسکیاں لیتا رہا۔ اس کے بعد وہ اُٹھا اور میرے قدموں کی طرف بڑھا میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور اُسے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں مائی ڈیئر یہ غلط ہے۔ تم ایک باہمت نوجوان ہو اور زندگی میں بڑے بڑے کٹھن مرحلے آتے ہیں اور ہمیں پیدا کرنے والا ان پریشانیوں کا حل بھی ہمیں خود ہی بتا دیتا ہے میرے پاؤں چھونے کی ضرورت نہیں، یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے پورا کیا اور اس فرض کے لیے مجھے متعین کیا گیا تھا۔ بیٹھو آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ سب۔۔۔ یہ سب کچھ کیا ہوا؟"

"بس ظفر یہ ہوس کی کہانی ہے اور یہ دُنیا ہوس پرستوں کا گڑھ ہے، کیا کہا جائے؟ جو کچھ نہ سنو وہ بہتر ہے، ارے تم نے کافی نہیں پی۔۔۔ تمہاری کافی تو بالکل ہی بے کار ہو گئی۔" میں نے ظفر اظہار کی کافی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دل نہیں چاہ رہا شارق صاحب۔ اسی نام سے مخاطب کروں نا آپ کو۔۔۔؟"

"ہاں میرا نام شارق ہی ہے۔"

"شارق، نجانے کیوں مجھے یہ سب کچھ ایک خواب محسوس ہو رہا ہے، ایسے خواب میں جیل کی کوٹھڑیوں میں اکثر دیکھتا رہا ہوں۔ ہمیشہ ہی میں نے یہ دیکھا ہے کہ آسمان سے کچھ فرشتے اُترتے ہیں اور وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دلا کر لے جاتے ہیں۔ میں اس وقت بھی اسی کیفیت کا شکار ہوں۔ کیا یہ بھی ایک خواب ہے؟ مجھے یہ کیسے یقین آئے شارق صاحب کہ میں خواب نہیں دیکھ رہا؟"

"خواب اور حقیقتوں میں فرق ہوتا ہے مائی ڈیئر۔ تم ان کیفیات کو ایک حقیقت سمجھو اب ہم تم دونوں اپنے وطن واپس جائیں گے، جہاں تمہارے والد تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ میں تمہیں ان کے حوالے کر دُوں گا، نہ صرف ان کے حوالے کر دُوں گا ظفر بلکہ زندگی کے آئندہ معاملات میں بھی تمہاری بھرپور مدد کروں گا، تم اطمینان رکھو ظفر مصیبت کا وقت ٹل گیا ہے۔" وہ ایک بار پھر رونے لگا تھا۔ میں نے اُسے بہت سی تسلیاں دیں، پھر نئی کافی منگوا کر پلوائی اور اس سے اس کی تمام ضروریات کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ کل میں اس کے لیے نئے لباس وغیرہ خرید لُوں گا، کاغذات وغیرہ کا بندوبست ہو جائے تو پھر اس کے بعد ہم اپنے وطن روانہ ہو جائیں گے۔ اُس نے لجاجت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا۔

"میری آنکھوں میں تو نیند کا تصوّر بھی نہیں اُبھر سکتا شارق صاحب، کچھ ایسی باتیں ہیں جو میں آپ سے پوچھے بغیر سو بھی نہیں سکتا۔"

"پوچھو۔ پوچھو، میں چاہتا تھا کہ یہ تمام باتیں تمہیں بعد میں بتائی جائیں، لیکن اگر تم پوچھنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ سب کچھ کیا تھا جو میرے ساتھ کیا گیا ہے؟"

میں نے ظفر کو اس کے تایا جمشید طاہر اور توفیق جمشید کی سازش کے بارے میں بتایا کہ کس طرح جمشید نے ظفر کے ہم شکل ہونے کا فائدہ اُٹھایا اور اس کے تایا نے کیا سازش کی؟

ظفر اظہار پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اس کا مُنہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ پھر اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے خُدا۔۔۔ اوہ میرے خُدا۔۔۔ اتنی بڑی سازش اتنا بڑا منصوبہ۔۔۔"

"ہاں ظفر، لوگ اپنے مفاد کے لیے نجانے کیا کیا کچھ کرتے ہیں۔"

"تایا جان سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ توفیق سے شک میرا مشکل تھا، لیکن۔۔۔ لیکن میں نے بہت عرصے تک اُسے دیکھا تھا۔ تایا جان ہم سے نہیں ملتے تھے اور انہوں نے کبھی کسی اچھے وقت میں تو کبھی۔ پھر جب وہ ایک مصیبت کا شکار ہوئے تو تو۔۔۔ میرے خدا۔۔۔ انسان اتنا سنگدل کیوں ہو گیا ہے؟"

"چھوڑو ظفر، جمشید طاہر صاحب کو ان کے کیے کی سزا مل گئی۔ شاید تمہیں اس بات پر افسوس ہو یا خوشی ہو کہ اب اس گروہ کے ایک رُکن کی حیثیت سے گرفتار ہونے کے بعد توفیق جمشید کا مجرم اور سنگین قرار دیا جائے گا اور اس کی سزا اور طوالت اختیار کر جائے گی۔ اسے بڑی مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔" اُس نے کوئی جواب نہ دیا، وہ خاموش رہا تھا اور پھر بقیہ رات میں بھی میں نے محسوس کیا کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سویا۔ دو تین بار میری آنکھ کھلی اور میں نے اُسے سونے کی تلقین کی لیکن وہ میری آواز پر اُٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ اُس نے کئی بار مجھ سے عجیب و غریب سوالات کیے تھے۔

"میں واپس اپنے گھر پہنچ جاؤں گا نا۔ اب تو میرے اُوپر کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ لوگ میرا مطلب ہے مجھے جانے دیں گے؟" میں محبت آمیز لہجے میں اُسے تسلیاں دیتا رہا اور اس کے بعد صبح ہو گئی۔ صبح میں نے اُس سے غسل کرنے کے لیے کہا۔ شیو بنانے کا سامان بھی اُسے فراہم کیا اور ظفر نے میری ہدایات پر عمل کیا۔ وہ فطری طور پر بہت معصوم نظر آتا تھا اور مجھے اس بات کا بہت دُکھ تھا کہ اس جیسے معصوم شخص کے ساتھ یہ زیادتی کی گئی تھی۔

توفیق جمشید نے مجھے کرنسی نوٹوں کی دو بڑی گڈیاں دی تھیں جو میرے لیے بہت کار آمد تھیں چنانچہ میں نے اُس سے ظفر اظہار کے لیے بازار میں کافی خریداری کی اس کے لیے نئے لباس وغیرہ کا بندوبست کیا ظفر کسی معمول کی طرح خاموشی سے میرے ہر حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ بعد میں ہم لوگ ہوٹل ہی واپس آگئے اور پھر اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا سوائے اس کے کہ عاقل جودت کا انتظار کریں۔ میں نے اُس شخص کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا البتہ انگریزی اخبار میں، میں نے اس گروہ کے بارے میں تفصیلات پڑھی تھیں جو ڈیبی بوسٹر کا تھا اور جسے ذہین اور جواں سال پولیس آفیسر عاقل جودت نے گرفتار کیا تھا۔ اُس کی تصاویر بھی چھپ رہی تھیں اور اس کے لیے بڑے تعریف و توصیف کے کلمات تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ توفیق جمشید کا نام اس پوری کہانی میں کہیں نہیں تھا۔ بہ طور چار دن تک اُس نے مجھ سے رابطہ نہیں قائم کیا۔ پانچویں دن صبح ساڑھے سات بجے میری آنکھ ٹیلی فون کی گھنٹی ہی سے کھلی اور ٹیلی فون پر عاقل جودت کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا کیونکہ ریسیور اُٹھاتے ہی مجھے صونگنے کی آواز سُنائی دی تھی۔

"ہیلو مسٹر عاقل جودت" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری شارق حسین، مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ میں نے تمہیں سوتے سے جگایا ہے۔"

"بات تو کچھ ایسی ہی ہے مگر کوئی بات نہیں جاگنا ہی تھا خیریت ۔۔۔؟"

"ہاں بالکل خیریت ہے میں تمہیں یہ اطلاع دینا چاہتا تھا کہ ظفر اظہار کے تمام کاغذات تیار ہو گئے ہیں اور تم کسی بھی وقت یہاں سے روانہ ہو سکتے ہو۔ میں آج ٹھیک بارہ بجے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور تمام چیزیں تمہارے حوالے کروں گا۔"

"اگر صبح صبح جاگنے کے بعد یہ خوشخبری میرے لیے بہت بہتر ہے تم اگر چاہو تو میں خود تم سے وہ کاغذات وصول کر سکتا ہوں۔"

"نہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے بعد میری کیا مصروفیات ہوں گی لیکن ٹھیک بارہ بجے میرا انتظار کرنا مسٹر۔" عاقل جودت نے فون بند کر دیا۔

میں ریسیور رکھ کر خود بھی سکون حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ظفر اظہار گہری نیند سو رہا تھا۔ اب وہ کافی مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت خوش تھا اور اُس نے مجھ سے بہت سی باتیں کی تھیں اور میں اُسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اب اس کی ذات کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے وہ مصیبت کے اس دور سے نکل چکا ہے۔ عاقل جودت وعدے کے مطابق ٹھیک بارہ بجے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر گھس آیا۔ اپنے ساتھ بہت سی چیزیں لایا تھا جو تحائف کی شکل میں تھیں۔ اُس نے یہ تمام چیزیں مجھے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے دوبارہ ملاقات بھی کر سکتے ہو ڈیئر شارق لیکن اگر دوبارہ ملاقات نہ کر سکو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ میری طرف سے یہ تحائف قبول کرو اور یہ مسٹر ظفر کے کاغذات پاسپورٹ اور دیگر چیزیں ہیں جن کی بنیاد پر اُنہیں ترکی سے نکلتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہو گی۔"

"بہت بہت شکریہ ان تحائف کا بھی اور ان سب سے بڑھ کر اس تحفے کا جو تم نے مجھے میرے وطن لے جانے کے لیے دیا ہے" میں نے ظفر اظہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور عاقل جودت مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا

پھر اُس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے معافی چاہتا ہوں۔"

"شکریہ عاقل جودت بہر طور تم سے دوبارہ کبھی نہ کبھی ضرور ملاقات ہو گی۔"

"میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کروں گا اور مجھے اگر تمہارے وطن میں کوئی ضرورت پیش آئی تو صرف تم سے رابطہ قائم کروں گا۔" اُس نے مجھ سے اور ظفر اظہار سے مصافحہ کیا اور باہر نکل گیا۔ میں مسکراتی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھتا رہا تھا۔ پھر میں نے ظفر اظہار کی طرف دیکھا اور اُسے مبارکباد دی۔ ظفر اظہار نے ممنونیت سے گردن جھکا لی تھی۔ اس کے بعد ہمارے لیے ترکی میں رُکنا ممکن نہیں تھا چنانچہ میں نے تمام تیاریاں مکمل کیں اور تین روز کے بعد ہمارا طیارہ ہمارے وطن کی جانب پرواز کر رہا تھا اور ظفر اظہار میرے ساتھ تھا۔ مجھے بے پایاں مسرت کا احساس ہو رہا تھا اس کا اظہار لفظوں میں ممکن نہیں۔ وطن پہنچنے کے بعد میں نے سیدھے اپنی کوٹھی ہی کا رُخ کیا تھا اور جب میں ٹیکسی سے نیچے اُترا تو وقت بھی ایسا تھا کہ تمام ہی لوگ کوٹھی کے لان پر جمع تھے۔ شام کی چائے کا اہتمام ہو رہا تھا۔ ہماری ٹیکسی کو ابتدا میں تو ذرا اجنبی نگاہوں سے دیکھا گیا لیکن میں نیچے اُترا تو سب سے پہلا نعرہ شوکت جاہ ہی نے لگایا تھا اور اس کے بعد میرے ساتھ ظفر اظہار کو انتہائی عجیب سی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ انہوں نے برق رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے ظفر اظہار کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"غالباً میں ظفر اظہار سے مخاطب ہوں۔" اُس نے جوابی طور پر گردن خم کی اور اُن سے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"جی ہاں، میں ظفر اظہار ہوں۔" اور اس کے بعد جو کچھ ہونا تھا وہ تو معمول کے مطابق تھا۔ میری تعریف و توصیف کی گئی۔ ظفر اظہار کو بہت ہی محبت سے اپنے درمیان خوش آمدید کہا گیا۔ آئی جی صاحب اور دوسرے تمام لوگ یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گئے کہ اپنے وطن میں تو خیر میں جو کچھ کر رہا تھا کر ہی رہا تھا۔ ترکی کی جیل سے میں ایک ایسے شخص کو کیونکر نکالنے میں کامیاب ہوا جو وہاں ایک طویل المیعاد سزا پا رہا تھا۔ میرے ساتھیوں کی آنکھوں میں رشک و محبت کے جذبات تھے اور یہ ساری چیزیں میرے لیے بے حد قیمتی تھیں۔ میں محفل کا موضوع بن گیا اور مجھ سے بے شمار سوالات کیے گئے جن کے جوابات میں نے نہایت ذہانت سے دیے۔ تمام کارروائی کے بارے میں معذرت کرتے ہوئے میں نے کہا کہ اس کی مکمل رپورٹ پھر کسی وقت پیش کروں گا۔ آئی جی صاحب بہت خوش تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے تجویز پیش کی کہ فوراً ہی کسی کو بھیج کر لے کر اظہار طاہر کو بلانے کے لیے بھیج دیا جائے۔ شوکت جاہ نے ترمیم پیش کرتے ہوئے کہا کہ بہتر یہ ہو گا کہ ہم خود ظفر اظہار کو لے کر وہاں چلیں لیکن ڈیڈی نے یہ ترمیم قبول نہ کی۔

"نہیں بھئی اظہار طاہر کو فوراً بلوا لیا جائے اور ان سے کہا جائے کہ وہ اپنی فیملی کے ہمراہ آئیں ظفر اظہار یہاں موجود ہے۔" میں نے اس سلسلے میں مداخلت نہیں کی۔ شوکت جاہ صاحب بھی خاموش ہو گئے اور بالآخر ایک ڈرائیور کو ضروری ہدایات دینے کے بعد روانہ کر دیا گیا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اظہار صاحب کے ساتھ واپس آ جائے۔ ان کو خاص طور سے کچھ زیادہ دیر تک جاگا تھا اور ڈیڈی اس سلسلے میں مجھ سے مختلف سوالات کرتے رہے تھے۔ ظفر اظہار سے بھی باتیں پوچھی گئی تھیں اور اس کے بارے میں میں نے اُن لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ مکمل طور پر بے گناہ ہے پھر بھی سونے کی اجازت مل گئی۔ ظفر کو میں نے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا۔ میرے بیڈ رُوم میں آکر اُس نے کہا۔

"شارق بھائی ایک عجیب و غریب زندگی گزارنے کے بعد یہ ماحول مجھے اتنا عجیب محسوس ہو رہا ہے کہ ناقابلِ بیان ہے۔"

"تمہاری اصل زندگی یہی ہے ظفر، میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ زندگی میں اُونچ نیچ آ ہی جاتی ہے۔ کوشش کرنا کہ ان واقعات کو بھلا دو۔" دُوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اظہار طاہر اپنی اہلیہ اور بیٹی وغیرہ کے ساتھ پہنچ گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اُن کی اہلیہ بھی بہت زیادہ دل گیر نظر آتی تھی اور تشنج کی سی کیفیت کا شکار تھیں۔ اظہار صاحب نے آتے ہی پوچھا تھا۔

"کیا کیا یہ اطلاع درست ہے؟" اور جواب میں ظفر اظہار کو ان کے سامنے کر دیا گیا تھا۔ ہم ان تمام مناظر کے منتظر تھے جو اس سلسلے میں پیش آ سکتے تھے۔ اظہار طاہر صاحب بُری طرح بے اختیار ہو گئے تھے۔ شوکت جاہ اور ڈیڈی انہیں سنبھال رہے تھے ان کی اہلیہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی تھیں۔ یہ سب کچھ فطری تھا اور ہونا ہی چاہیے تھا۔ بمشکل تمام ان تمام حضرات کو پُر سکون کیا گیا۔ میں بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔

لیکن جب مجھے اس بارے میں مجبور کیا گیا کہ میں تفصیلات بتاؤں تو میں نے یہ ذمے داری ظفر اظہار کے سپرد ہی کر دی۔

"میں چاہتا تھا کہ آپ تنہائی میں ظفر سے ساری تفصیلات پوچھ لیتے اور یہ آپ کو سب کچھ بتا دیتے لیکن آپ مجبور کر رہے ہیں تو پھر ظفر ہی اس بارے میں کچھ بتا سکیں گے۔"

"ابو جم، ہم اینٹوں کے ڈبے جوڑتے ہیں۔ ہمیں کسی غیر نے یہ یاد نہیں کیا ہم ہم۔۔۔" ظفر اظہار گلوگیر لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟" اور جواب میں ظفر اظہار نے وہ پوری تفصیلات اظہار طاہر صاحب کو بتا دیں جن میں جمشید طاہر کا ذکر تھا اور توفیق جمشید کی کہانی تھی۔ اظہار طاہر پتھر کے بت کی مانند ساکت تھے اور جب وہ خاموش ہو گیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ ڈیڈی بھی حیران اور متاثر نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"دُنیا کس قدر ناقابلِ اعتبار ہو چکی ہے کس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔"

"بھائی صاحب ہمیں اس کے علاوہ اور کیا دے سکتے تھے، سب کچھ لُٹنے کے باوجود انہوں نے ہمیں نہ بخشا۔ میں نے تو جان بوجھ کر ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیا تھا اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ بھائی صاحب کو ہماری یہ زندگی بھی پسند نہ آئی۔"

انہیں سمجھا بجھا دیا گیا اور دو تین دن کے بعد اظہار طاہر اپنے بیٹے ظفر کو لے کر واپس چلے گئے۔ ظفر سے میں نے کہا تھا کہ وہ چند روز کے بعد مجھ سے ملاقات کرے۔ میں اس کے لیے کسی معقول ملازمت کا بندوبست کر دوں گا۔

فاروقی صاحب، جاوید قریشی اور دوسرے تمام دوستوں سے ملاقاتیں رہیں انہیں بھی میں نے اپنی کارکردگی کی پوری تفصیل بتا دی تھی لیکن لطف اس دن آیا جس دن ایک دوپہر ہم اپنے دفتر میں یکجا تھے اور ایک صاحب ہمارے دفتر میں داخل ہوئے انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ان کا نام جمشید طاہر ہے۔ یہ نام سن کر ہم چونک پڑے تھے۔ بہرطور میں نے ان سے ان کی آمد کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ وہ ایک کیس میرے حوالے کرنا چاہتے ہیں یہ کیس توفیق جمشید کا تھا جو ترکی کی جیل میں منشیات کی سمگلنگ کی سزا بھگت رہا تھا۔

"ترکی میں ہونے والے کیس سے میرا کیا تعلق ہے جمشید طاہر صاحب!" میں نے سوال کیا اور جمشید طاہر بیٹھ گئے۔

"اس لیے کہ آپ ہی نے وہ سب کچھ کیا ہے [illegible]

حسین جس کی بنا پر میرا بیٹا آج ترکی کی جیل میں ہے۔"

"آپ لوگ ہمیشہ وقت گزرنے کے بعد جاگتے ہیں جمشید صاحب توفیق ترکی کی جیل میں ہے آپ نے اس کے لیے جو کچھ کیا آپ کو یقینی طور پر اس کا پورا پورا اندازہ ہو گیا ہے۔ آپ ابتداء ہی میں اپنی اولادوں کو کیوں نہیں سنبھالتے ہیں سب کچھ تو ہے آپ کے پاس اور اس کے باوجود آپ مزید دولت اکٹھا کرنے کے چکر میں اپنی اولادوں کو داؤ پر لگا دیتے ہیں۔" میرے ذہن میں اس وقت قیصر پرویز آ گیا تھا۔ جواب میں جمشید صاحب نے وہی کچھ کہا جو وہ کہہ سکتے تھے وہ بھرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تم کیا سمجھتے ہو کیا وہ ترکی کی جیل میں قید رہ سکے گا؟ لیکن اس کے نتیجے میں تمہارے ساتھ جو کچھ ہوگا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"ضرور جمشید صاحب جب آپ کا غرور مکمل طور پر شکست کھا جائے تو میرے پاس تشریف لائیے میں کوشش کروں گا کہ آپ کے بیٹے کے لیے کچھ کر سکوں۔" جمشید طاہر پاؤں پٹختے ہوئے باہر نکل گئے تھے اور میں گہری سانس لے کر فاروقی صاحب کو دیکھنے لگا تھا۔

میں نے جن نامساعد حالات میں اپنے اس مشن کا آغاز کیا تھا ان میں قطعی یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ مجھے ایسی کامیابی حاصل ہو گی۔ اپنے لوگوں کو میں بخوبی جانتا تھا۔ ان حالات سے اجنبی نہیں تھا جن میں اہلِ وطن کی زندگی گزر رہی تھی۔ سب کچھ آنکھوں کے سامنے تھا مجھے علم تھا کہ کیسے کیسے مشکل حالات پیش آئیں گے۔ سماج کا معاشرہ کا ماحول کا ایک مزاج بن چکا تھا۔ اخلاقیات کی روایتیں رہ گئی تھیں وجود ختم ہو چکا تھا۔ لوگوں کے اندازِ فکر میں نمایاں تبدیلی آ چکی تھی دولت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ نسلوں کی شناخت ختم ہو چکی تھی ہر صاحب ثروت صاحب خاندان تھا تعلیم کی اہمیت گھر گھر پہنچ چکی تھی چھوٹے پیشے والے لوگ خوش حال تھے اور اس خوش حالی نے انہیں تعلیمی اداروں تک پہنچنے میں مدد دی اور ان کے بچے تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ حیثیتوں کے حامل بن چکے تھے لیکن جس ماحول کے پروردہ تھے اور جو خون ان کی رگوں میں گردش کر رہا تھا، وہ ان سے کچھ اور طلب کرتا تھا اور وہ اس کی طلب پوری کرتے تھے

چنانچہ معاشرے میں ایک عجیب سی افراتفری پھیل چکی تھی۔ ہر شخص اس کا تمنائی تھا جس کے پاس دولت کی چمک ہو اور جو اس چمک سے محروم تھے وہ پس ماندہ ہو گئے تھے۔ یورپین معاشرے میں کچھ اقدار اب بھی باقی ہیں انسان کی قدر کی جاتی ہے اور شخصیتوں اور نسلوں۔۔ کا تحفظ کیا جاتا ہے اور وہ تمام مراعات نہیں

حاصل ہیں جو انسانوں کو اپنے گروہوں میں ہوتی ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں یہ ساری چیزیں قصے اور کہانیوں کی شکلیں اختیار کر چکی ہیں اور ان کے ہولناک نتائج نگاہوں کے سامنے ہیں میں مصلح قوم نہیں تھا اور نہ ہی قوم سدھار ادارے بنائے ہیں لیکن سوچ میں ایک چیز ہمیشہ شامل رہی جہاں تک ممکن ہو سکے مظلوموں کی دادرسی کی جائے۔

وہ جو بے گناہ ہیں انہیں قانونی تحفظ ملنا چاہیئے اگر میں ڈاکٹر ہوتا اور کوئی کلینک بناتا تو یقینی طور پر میرا مشن میرے پیشے کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ ایک بے مایہ انسان کو طبی سہولتیں اتنی ہی ملنی چاہیئں جتنی کسی دولت مند کو۔ غریب بیماریوں سے تڑپ تڑپ کر کیوں مر جاتے ہیں انہیں وہ سہولتیں کیوں نہیں میسر ہوتیں صرف اس لیے کہ ان کے پاس وہ سب کچھ نہیں ہوتا جس سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے میں نے اس خاندان میں پرورش پائی تھا۔ چونکہ قانون گھر میں پیدا ہوا تھا اس لیے قانون ہی میری منزل بنا۔ ہاں اس منزل کی تکمیل کے لیے انفرادی راستے اختیار کیے اور ان راستوں کو اپنا ایمان بنا لیا اور اس چیز سے میں نے کبھی انحراف نہیں کیا کہ تائید غیبی میرے ساتھ رہی اور مجھے وہ سب کچھ ملتا رہا جو میں نے چاہا۔

ہر اچھے کام کی ابتداء کٹھن ہوتی ہے اور یہ ابتداء اس طرح ہوئی کہ میں آشیانے سے محروم ہو گیا اور مجھے باہر کی دُنیا میں اپنے لیے مقام بنانا پڑا بے شک جس کام کا میں نے آغاز کیا تھا اس میں دولت کا حصول ذرا مشکل ہی رہا تھا لیکن وقت نے مجھے بتایا کہ راستے اگر سچائیوں کی سمت جاتے ہوں تو تھوڑے سے فاصلے دشوار گزار ہوتے ہیں اس کے بعد ہر مشکل رفتہ رفتہ حل ہو جاتی ہے مالی طور پر بھی مجھے کوئی گھاٹا نہیں ہوا اور اس وقت میں اچھی خاصی حیثیت کا حامل تھا لیکن اس حیثیت سے زیادہ مجھے وہ حیثیت پسند تھی جو ایک طویل مشقت کے بعد مجھے حاصل ہو گئی تھی اور میں اسی کا تو خواہش مند تھا۔ آشیانہ میں میرا مقام بحال ہو گیا۔ نہ صرف بحال ہوا تھا بلکہ اب تو مجھے بہت سی مراعات بھی حاصل تھیں۔

ڈیڈی کی نگاہوں میں میرے لیے محبت اور احترام کے جذبات پیدا ہو گئے۔ بے شک وہ بڑے سخت مزاج باپ تھے اور میری ابتدائی کاوشوں کو نالائقی تصور کرتے تھے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ صاحب کردار تھے اور جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ میری سرکشی کے راستے درحقیقت نیکیوں کی جانب جاتے ہیں تو انہوں نے پوری سچائیوں سے مجھے مان لیا۔

تینوں بھائیوں کی کیفیات بھی مختلف تھیں۔ جج امجد اظہر شاہ

نصرت اور ایس پی طارق بلاشبہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ لیکن پیشہ ورانہ طور پر انہیں تھوڑا سا اختلاف بھی تھا۔

لیکن اب یہ اختلاف حالات کی روشنی میں دب گیا تھا اور وہ میرے بارے میں کوئی سخت بات کہتے ہوئے خود بھی سوچ میں ڈوب جاتے تھے اس کے علاوہ میرے ہمدرد اور محبت کرنے والوں کی ایک فوج تھی جو میرے شانوں کے ساتھ لگی رہتی۔

بدر شاہ، ایک غنڈہ جسے معاشرے کا ایک بدنما کردار قرار دیا گیا۔ اب میرا دستِ راست تھا۔

جیلر وقار احمد جو میرے مقاصد سے پوری طرح واقف تھے اور اپنے تمام تر اختیارات کے ساتھ میرا ساتھ دیتے تھے ایس پی نارحان جو میرے لیے ہمیشہ میرے لیے مستعد رہتے تھے میرا بہت ہی اچھا دوست انسپکٹر غالب، میری ہر بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتا تھا۔

نگہت شیراز، ایک ذہین ترین لڑکی اور اس کے علاوہ جاوید قریشی، فاروقی صاحب، اور ایسے بے شمار لوگ جو مجھ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرنے لگے تھے۔

ایک انسان کو اپنی زندگی میں بکھرے ہوئے کرداروں سے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے چنانچہ میں اس دُنیا کا کامیاب ترین انسان تھا اور جب بھی کبھی ان تمام باتوں کو سوچ لیتا تو اندر سے یہ احساس ابھرتا کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے۔ اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے اور یہ ادائیگی اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب میں اپنے فرض سے غافل نہ رہوں اور اس بات کا انتظار نہ کروں کہ مظلوم خود چل کر مجھ تک پہنچتا ہے۔ مجھے خود بھی ایسے لوگوں کی تلاش جاری رکھنی چاہیئے جنہیں میری مدد درکار ہو اور میں کسی بھی شکل میں ان سے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ نہ کر سکوں۔

ظفر اظہار کے واقعے کو اب کافی دن گزر چکے تھے اور میرے معمولات معمول کے مطابق ہو گئے تھے۔ کوموں سے اب کچھ زیادہ ہی رابطہ رہنے لگا تھا۔

۔۔۔ شوکت۔۔۔ جاوید اور دوسرے تمام لوگ اپنے زندگی کے معمولات میں مصروف تھے ہماری کوششوں کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا مسئلہ سامنے نہیں آیا تھا جو میری توجہ اپنی جانب مبذول کر لیتا۔

لیکن پھر کام بن گیا یہ ایک ایسے دن کی بات ہے جب میں فاروقی صاحب کے ایک کیس کے سلسلے میں کورٹ میں موجود تھا وہ پیروی کر رہے تھے اور میں ایک سعادت مند ماتحت کی مانند ان کے

[illegible] تھا حالانکہ وہ میری ایسی کیفیت سے خود ہی شرمندہ ہونے
لگے [illegible] بار بار اس کا اظہار کر چکے تھے لیکن میں نے انہیں ہمیشہ [illegible]
[illegible] کی حیثیت دی تھی اور اسی کی مانند ان کا احترام کرتا تھا چنانچہ
ان کے کیسوں میں ہمیشہ معاون کی حیثیت سے ان کے ساتھ ہوتا یہ
دوسری بات ہے کہ وہ میرے پوائنٹس پر کام کرتے تھے کورٹ کے
معاملات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہم بار روم میں ایک...
[illegible] پیچھے میں بیٹھ گئے جہاں عام طور سے وکلاء بیٹھا کرتے تھے
ہمارے عقب میں ایک چھوٹا سا پارٹیشن تھا جس نے دوسروں کو ہماری
نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا اور اس وقت میں فاروقی صاحب سے اپنے
کسی کیس کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو پارٹیشن کے دوسری جانب
سے مجھے بیرسٹر نصرت حسین کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو رضوی صاحب کیسے کیسے مزاج ہیں آپ کے۔"

"مزاج تو آپ کے پوچھنے چاہئیں بیرسٹر صاحب دیئے معاف
کیجیے گا آپ ایک بڑی حیثیت کے آدمی ہیں آپ کو ایسے کیس نہیں
لینا چاہئیں۔"

"میں نہیں سمجھا رضوی صاحب کہ آپ نے وکیلوں کو مختلف
مشورے دینا کب سے شروع کر دیا ہے۔"

"آپ برا مان گئے میری بات کا بیرسٹر صاحب میں ایک
دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہا ہوں درحقیقت آپ سے
مدمقابل آ کر کام کرنے کا جو مزا ہے اس کی بات ہی کچھ اور ہے لیکن
آپ یقین کیجیے کہ ہم آپ کا اتنا احترام کرتے ہیں کہ اپنے سامنے آپ
کو ناکام دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔"

"تو آپ نے مجھے ناکام تصور کر لیا۔" بیرسٹر صاحب کی آواز ابھری۔

"آپ نے خود بھی اپنے آپ کو ناکام تصور کر لیا ہے نصرت حسین
بات ایک ایسے شخص کی ہے جو خود بھی اپنے جرم سے انحراف نہیں کر
رہا ثبوت اور حالات اس کے خلاف ہیں پھر آپ وہ کون سا جادوئی
عمل کریں گے جس کے ذریعے اسے بے گناہ ثابت کر دیں گے۔"

"اس کا فیصلہ کرنا تو عدالت کا کام ہے آپ اپنا وقت کیوں ضائع
کر رہے ہیں توصیف رضوی صاحب۔"

"نہیں... نہیں... میں بات اپنے پیشے کی نہیں بلکہ اپنے...
تعلقات کی کر رہا ہوں جو میرے اور آپ کے درمیان ہیں بہتر یہ ہو گا
کہ آپ اس سلسلے میں معذرت کر لیں یہ کیس بالکل بے جان ہے اسے
سزائے موت سے کوئی نہ بچا سکے گا۔"

"تعجب ہے آپ ایسی احمقانہ بات میرے سامنے کر رہے
ہیں آپ اپنا کام جاری رکھیے مجھے میرا کام جاری رکھنا چاہیے باقی اگر
آپ کا خیال ہے کہ یہ کیس بالکل بے جان ہے تو میں اس سے انحراف
نہیں کرتا لیکن آپ کا یہ دعویٰ کہ اسے سزائے موت سے کوئی نہیں بچا
سکتا میں اس کو غلط ثابت کرنے کی اہلیت ضرور رکھتا ہوں۔"

"ہاں... ہاں... اس بات کے امکانات ہیں کہ آپ کچھ...
رعایتیں لے کر اسے سزائے موت سے بچا دیں گے لیکن کم از کم عمر قید
میری طرف سے چیلنج کی حیثیت سے قبول کیجیے۔"

بیرسٹر نصرت حسین کی آواز نہ ابھری اور مجھے دفعتاً ہی احساس
ہوا کہ بیرسٹر صاحب بے قرار ہو رہے ہیں اس سلسلے میں پتا نہیں کیا کیس
لے رکھا ہے انہوں نے سزائے موت قتل اور اعتراف جرم والی باتیں
ہو رہی تھیں میرے ساتھ ساتھ فاروقی صاحب بھی خاموش ہو گئے وہ
دوسری طرف ہونے والی گفتگو سن رہے تھے توصیف رضوی چند لمحات خاموش
رہا پھر ایک دم ہنس پڑا۔

"ہاں اگر آپ اس سلسلے میں کسی دوسرے راستے کا انتخاب کرنا
چاہتے ہیں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ صورت حال کیا ہو۔"

"[illegible] تمہاری مراد کیا ہے مسٹر رضوی!"

"[illegible] آپ کے قبضے میں تو چراغ کا [illegible]
[illegible] چراغ [illegible] حاضر اور پھر [illegible] وہ سارے کارنامے سرانجام

"ہاں یقیناً وکالت کی دنیا کا ایک بڑا [illegible] جو واقعی ایک
سپر شخصیت بنتا جا رہا ہے لیکن ایک بات آپ لکھ لیجیے بیرسٹر نصرت
حسین کہ اس پیشے میں یہ سب کچھ نہیں چل سکتا کسی ایسے چکر میں پھنسے
گا وہ کہ آپ لوگوں کو اپنی عزت سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔"

"پتا نہیں تم کیوں اتنی احمقانہ گفتگو کرنے لگے ہو میرا خیال ہے
یہ گفتگو بدتمیزی کی حد [illegible] ہو گئی ہے۔"

"آپ بھلا [illegible] سکتے ہیں جو چاہے کہیں میں برا نہیں مانوں
گا۔" [illegible] دیکھا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

[illegible] پارٹیشن کے عقب سے نکل کر میں ان دونوں کے سامنے پہنچا
اور میں نے گردن خم کر کے کہا۔

"چراغ کا جن حاضر ہے میرے آقا" فاروقی صاحب بھی میرے عقب
میں تھے نصرت حسین اور توصیف رضوی دونوں ہی چونک کر مجھے
دیکھنے لگے تھے اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"بھئی واقعی آج قائل ہو گیا اس بات کا کہ شارق حسین دراصل
چراغ کا جن ہے [illegible] ابھی تو چراغ تک سامنے نہیں آیا تھا لیکن جن
نے اپنے بارے میں خود سن لیا بیٹھے شارق حسین۔" میں نے ایک لمحے

میں محسوس کیا تھا کہ توصیف رضوی مجھ سے متاثر ہے اور میرے مقابلے
میں بڑی سوچ بچار کر گفتگو کر رہا ہے۔

میں بھائی کی طرف رخ کر کے بولا۔ "اجازت ہے بھائی جان۔"

"ہاں بیٹھو۔" بیرسٹر نصرت حسین صاحب گڑبڑائے ہوئے انداز
میں بولے نجانے کیا سوچنے لگے تھے۔

"توصیف رضوی کچھ گوہر افشانی فرما رہے تھے کچھ مجھے بھی اس
کے بارے میں معلوم ہو [illegible]"

"نہیں بھئی۔ کوئی خاص بات نہیں ہے ہم لوگ ایک کیس کے
بارے میں گفتگو کر رہے تھے جس میں توصیف میرے مدمقابل ہے۔"

"خیر یہ تو ایک پیشہ ورانہ بات ہے لیکن میرا ذکر ان کی محفل میں
کہاں سے نکل آیا۔"

"پہلے یہ بتاؤ عزیزم کہ تم نے اپنا ذکر کیسے سن لیا اور تم پہلے سے
[illegible] تھے۔"

"کچھ لوگوں کا یہی خیال ہے کہ میں چراغ کا جن ہوں اور اپنی
جادوئی قوتوں سے مسائل حل کر لیتا ہوں اگر یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے
تو یہ سوال تو بے معنی ہو گیا کہ میں نے یہ سب کچھ کہاں سے سن لیا...
ویسے آپ کی لن ترانیاں کافی دلچسپ لگی ہیں مجھے۔ مسئلہ کیا ہے۔"

"بھئی میرا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے یہ آپ کے بھائی جان ایک
الٹا کیس لڑ رہے ہیں مجھ سے جو بالکل ہی بے جان ہے اور میں سمجھتا
ہوں شارق صاحب۔ آپ کی روایتوں کے بالکل خلاف۔ یعنی ایک
ایسا شخص منظر عام پر ہے جو کسی کو قتل کرنے کا کھلا اعتراف کرتا ہے اور
وہ بھی بڑے جارحانہ طور پر لیکن بیرسٹر صاحب یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے
ہیں کہ وہ بے گناہ ہے اب آپ یہ بتائیے کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا
چاہیے...!"

"وہی جو آپ کا پیشہ کہتا ہے۔ رضوی صاحب!"

"وہی کر رہا ہوں۔ مگر میرے عزیز اپنے بھائی جان کو تو سمجھاؤ۔"

"بھائی جان جو کچھ کر رہے ہیں کچھ سوچ سمجھ کر ہی کر رہے ہوں گے۔
یہ سمجھانے کا کاروبار کب سے شروع کر دیا آپ نے رضوی صاحب
آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بھائی جان آپ کے مدمقابل کوئی کیس...
نہ لڑیں۔"

"لڑیں بھائی ضرور لڑیں اب تو تم دونوں بھائی مل گئے ہو۔
میں تو چلا۔" توصیف نہ جانے کیوں میرے سامنے اکھڑا سا گیا اور اس
کے بعد وہ واقعی کھڑا ہو گیا۔

میں نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب اتنی
زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں اگر یک بے گناہ واقعی کسی

شکل میں بے گناہ ہے تو میں سمجھتا ہوں آپ کو بھی ایماندارانہ طور پر اپنے فرائض انجام دینا چاہئیے۔" توصیف رضوی نے جواب... کیا کہنا یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا بہرطور وہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا تھا۔

میں نے نصرت بھائی کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے بولے۔

"نہیں۔ کوئی ایسا مسئلہ نہ سمجھ لینا جیسے میں نے محض پیسے کے لیے لیا ہے بات واقعی کچھ ایسی ہی ہے بلکہ اچھا ہی ہوا اگر تم بھی ان معاملات کو دیکھ لو تو کیا حرج ہے؟"

"آپ مجھے حکم دیجیے۔ میں جس قابل بھی ہوں حاضر ہوں۔" میں نے مؤدبانہ انداز میں بھائی جان سے کہا اور انہوں نے زندگی میں پہلی بار شاید مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا میں نے محسوس کیا کہ ان نگاہوں میں محبت کے آثار ہیں یہ احساس ہے کہ میں... ان کا بھائی ہوں۔ اس احساس نے انہیں ایک اعتماد بخشا کہنے لگے۔

"اگر بہت زیادہ مصروفیت نہ ہو تو میرے ساتھ دفتر چلو۔"

"حاضر ہوں۔ آپ ٹیلی فون کر کے مجھے بلوا لیتے۔ خیر فاروقی صاحب آپ کا کیا حکم ہے؟"

"بھئی کچھ نہیں، تم جاؤ۔ میں بھی آفس جا رہا ہوں موقع ہو تو آجانا ورنہ جانتے ہو کوئی ضرورت نہیں ہے اب تو ستائیس دن کے بعد کی کوئی تاریخ پڑی ہے بہت وقت ہے۔" فاروقی صاحب جلدی سے بولے۔

"تو پھر میں ذرا بھائی جان کے ساتھ جاؤں گا۔" میں نے کہا اور فاروقی صاحب فوراً ہی ہمارے پاس سے چلے گئے۔ نصرت حسین اپنے فائل دیکھنے لگے اور پھر انہوں نے اسے بند کرتے ہوئے کہا۔

"آؤ چلتے ہیں۔ دفتر میں بیٹھ کر چائے پئیں گے۔" پھر ہم دونوں دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

بیرسٹر صاحب کے ساتھ اس وقت اس طرح آنا مجھے خود بھی عجیب لگ رہا تھا۔ وہ مجھے بڑے عزت و احترام کے ساتھ اپنے دفتر میں لے گئے تھے میں وہ وقت یاد کر رہا تھا جب کچھ عرصے قبل میں یہاں آیا تھا اور انہوں نے بڑی عزت کے ساتھ مجھے نکال دیا تھا۔ وہ خود بھی کچھ جھینپے جھینپے سے نظر آرہے تھے یہ خدا کی دین تھی کہ تھوڑے عرصے میں میں نے اپنی یہ شخصیت منوالی تھی۔

تھوڑی دیر تک پُرتکلف گفتگو جاری رہی پھر انہوں نے کہا۔

"... توصیف کچھ ضرورت سے زیادہ بول رہا تھا مگر تم نے اس کی باتیں کہاں سے سن لیں؟"

"میں ... پارٹیشن کے دوسری جانب تھا... جہاں آپ لوگ باتیں کر رہے تھے"

"اوہو... اچھا اچھا... دراصل آج کل جو کیس میرے پاس ہے اس میں کافی الجھنیں پیش آرہی ہیں مجھے..."

"میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ارشاد فرمائیے۔"

"ہاں اس شخص نے کچھ ایسی باتیں کر دی ہیں کہ مجھے تم سے رجوع کرنا ہی پڑے گا۔" بیرسٹر صاحب نے مجھ سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔

"دراب شاہ ایک بڑا اور کامیاب فلم ڈائریکٹر ہے۔ دولت اس کے گھر کی لونڈی ہے بہت عیش و عشرت سے رہتا ہے اور اپنا کام اسی کامیابی سے جاری رکھے ہوئے ہے اولادوں میں اس کا صرف ایک بیٹا ہے محسن شاہ۔"

"اوہو! یہ نام تو کچھ ذہن میں آرہا ہے۔ کسی سلسلے میں یہ نام... سنا ہے۔"

"اگر کوئی خاص سلسلہ نہیں ہے تو پھر کچھ دن قبل ایک قتل کے سلسلے میں اس کا نام منظر عام پر آیا ہے۔"

"بالکل یاد آگیا۔ محسن شاہ! غالباً کوئی لڑکی قتل ہوئی تھی۔"

"ہاں۔ ہاں بالکل بالکل وہی معاملہ ہے۔ قتل کا الزام محسن شاہ پر ہے لیکن دراب شاہ کا کہنا ہے کہ محسن انتہائی بے ضرر انسان ہے اور وہ قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب کبھی نہیں کر سکتا۔ لڑکی قتل ہوئی اور حالات و شواہد کی بنیاد پر محسن کو گرفتار کر لیا گیا پولیس نے تفتیش کی تھی اس قتل کے سلسلے میں اور شبہ اس پر بھی کیا گیا چنانچہ اسے گرفتار کر کے لاک اپ میں رکھا گیا اور وہاں اس نے قتل کا اعتراف بھی کر لیا۔"

"اعتراف کر لیا؟"

"ہاں۔ اس نے مختصر کہا کہ یہ قتل اس کے لیے انتہائی ضروری تھا اور اس نے اپنے دل کے غبار کی وجہ سے کیا ہے چنانچہ وہ اس جرم سے خود کو الگ نہیں کرنا چاہتا اور اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہے۔"

"دراب شاہ کا کیا کہنا ہے؟"

"وہ کہتا ہے کہ اس کا بیٹا ہمیشہ اس سے بدظن رہا ہے حالانکہ اس کی زندگی میں اس بیٹے کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے اور وہ اپنی اس اکلوتی اولاد کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ دراب شاہ نے کہا کہ محسن اتنا معصوم نوجوان ہے کہ وہ کسی جانور کو پتھر تک نہیں مار سکتا وہ بھلا قتل جیسا جرم کیوں کرے گا لیکن محسن کے اعتراف نے کھیل بگاڑ دیا ہے اور اس سلسلے میں جو عدالتی کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ بھی بے بسی کی حامل ہیں دراب شاہ نے مجھ سے رجوع کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلے میں محسن کی بے گناہی ثابت کر دوں۔"

"رضوی صاحب کا کیا معاملہ ہے؟"

"توصیف رضوی پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور اس کے اخراجات مقتول لڑکی کی ماں نوشاد بائی اٹھا رہی ہے۔"

"لڑکی کسی نوشاد بائی کی تھی یہ نام کس حیثیت کا حامل ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"نوشاد بائی بازارِ حسن کی عورت ہے اور اس کی بیٹی نجمہ فلمی دنیا میں آنا چاہتی تھی اور اس نے دراب شاہ سے روابط بڑھا رکھے تھے۔ پولیس نے جو رپورٹ تیار کی ہے اس کی تفصیلات میں تمہیں فراہم کر دوں گا دراصل اس سلسلے میں خاصی محنت کرنا ہو گی میں خود بھی دراب شاہ کو یہ بات بتا چکا ہوں کہ... محسن شاہ نے اعترافِ جرم کر کے صورتِ حال بالکل خراب کر دی ہے۔ ادھر بیسوا نوشاد بائی جو ایک صاحبِ اختیار عورت ہے اور بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات رکھتی ہے اس بات پر مصر ہے کہ قاتل کو موت کی سزا دلائی جائے اور اس کی معصوم بیٹی کے قتل کی پوری پوری... داد رسی کی جائے اور اس سلسلے میں اس نے اپنے اخراجات پر پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے توصیف رضوی کو وکیل کیا ہے... توصیف رضوی کو تو پکی پکائی ہانڈی ملی ہے اور وہ اسی پر اچھل رہا ہے کیونکہ محسن شاہ کسی قسم کے تعاون کے لیے تیار نہیں ہے وہ صرف یہی جملہ کہتا ہے کہ اس نے یہ قتل کیا ہے اور اگر اسے قاتل تسلیم کیا جاتا ہے تو اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اسے اس قتل کے سلسلے میں سزا دی جائے۔"

"بھائی جان یہ اعتراف اور سزا کا مطالبہ تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس قتل کے پیچھے کوئی گہرا پس منظر ہے۔"

"یقیناً ہے لیکن بھئی اب اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے اس پس منظر پر نہ دراب شاہ کچھ روشنی ڈال سکا ہے اور نہ محسن کچھ بتانے کے لیے تیار ہے۔ تم دیکھو یہ معاملہ سو فیصد تمہارا ہے، یہ بات میں ماضی کی روشنی میں کہہ رہا ہوں تم نے جو ایک نئے طریقہ کار کی بنیاد ڈالی ہے اس کے تحت اگر تم چاہو تو بہت کچھ کر سکتے ہو۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ مجھ سے یہ باتیں کرتے ہوئے ایک بار بھی انہوں نے مجھ سے نگاہیں ملا کر بات نہیں کی اور اس کی وجہ بھی میرے علم میں تھی، ان لوگوں نے خصوصاً میرے اس طریقہ کار کی شدید مخالفت کی تھی، ان کا کہنا تھا کہ وکالت کا پیشہ جاسوسی کے پیشے سے مختلف ہے۔ میرے لیے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا تھی کہ ان سب نے بالآخر میرے موقف کو تسلیم کر لیا تھا اور آج خود مجھ سے یہ کہنے پر مجبور تھے کہ میں اس سلسلے میں اپنے طریقہ کار پر کام کروں لیکن اب مجھ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ میں انہیں ان کی ماضی کی غلطی یاد نہ دلاؤں۔ اعتراف کر لینا ہی بہت بڑی بات ہے۔ چنانچہ میں بیرسٹر صاحب کی کیفیت کو نظرانداز کر کے اپنے طور پر مصروف ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا۔

"بھائی جان مجھے اس سلسلے میں پولیس کی تفتیش کا مکمل... ریکارڈ درکار ہے، محسن شاہ اور فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کے تمام معاملات اس ریکارڈ میں موجود ہوں گے۔ پولیس نے اس سلسلے میں چالان پیش کر دیا ہے؟"

"چالان ہی نہیں بھئی۔ بلکہ یوں سمجھو کہ مقدمے کی آدھی سے زیادہ کارروائی مکمل ہو چکی ہے کئی پیشیاں ہو گئی ہیں۔"

"محسن شاہ عدالت میں بیان دے چکا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا کہنا ہے اس کا؟"

"کچھ ضدی سا نوجوان ہے۔ میں نے اپنے طور پر بھی اسے کافی سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ بس ایک ہی بات کہتا ہے کہ اس نے جرم کیا ہے۔ نجمہ اس کے ہی ہاتھوں قتل ہوئی اور اس نے اسے اپنی کسی ضرورت کے تحت قتل کیا ہے۔ قتل کی جو سزا ہو سکتی ہے وہ اسے دی جائے اور فضول باتوں سے گریز کیا جائے وہ ہر قیمت پر سزا چاہتا ہے۔"

"آپ نے اس نکتے کو بنیاد نہیں بنایا؟"

"بنایا ہے، اور اسی کی بناء پر میں اس کیس کو طول دے رہا ہوں۔ ورنہ اس سلسلے میں کوئی الجھن باقی نہیں رہی ہے۔"

"ہوں، تو۔ رضوی صاحب کی لن ترانیوں کی وجہ یہ تھی۔"

"ہاں۔ تم تو جانتے ہی ہو شارق کہ بہت سے پیشہ ور لوگ اپنے ہم پیشہ لوگوں سے بری طرح جلتے ہیں۔ خدا نے مجھے کچھ معاملات میں کامیابی عطا کی ہے تو بہت سے دلوں میں آگ سلگ اٹھی ہے اور کہیں نہ کہیں سے یہ آگ نمودار ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے اور پھر اب تو مجھے تمہارے حوالے سے طعنے دیے جانے لگے ہیں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے تفتیش کی مشین ہمارے گھر میں لگی ہوئی ہے اور ہم نے وکالت کی دنیا میں نئے اسلوب تراشے ہیں۔ اب میں کیا بتاؤں لوگوں کو کہ اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو شارق نے اپنے طور پر جدت طرازیاں کی ہیں۔" وہ مسکرائے اور مجھے دیکھتے ہوئے بولے "اور آج اس مشین کی ضرورت ہمیں پیش آگئی ہے۔"

"مشین حاضر ہے بھائی جان، آپ ہی کی ملکیت ہے۔ پولیس رپورٹ میرے حوالے کر دیجیے۔"

"یہ تین فائلیں ہیں، انہیں لے جاؤ، اور اطمینان سے ریڈنگ کرو۔ ہمارے پاس اگلی پیشی کے لیے کافی وقت ہے۔ پھر رات ہی کو بھی پر گفتگو ہو جائے گی۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا اور انہوں نے تینوں فائل ایک بڑے سے پیکٹ میں رکھ کر میرے حوالے کر دیے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ان کے دفتر سے باہر نکل آیا۔ ذہن اب اس سلسلے میں کافی... مصروف تھا۔ میں تھوڑی دیر کے بعد فاروقی صاحب کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ وہاں سے یہاں تک ٹیکسی میں سفر کیا تھا۔ جاوید اور فاروقی صاحب آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ استاد جمو بھی موجود تھے اور اپنی اسی پراسرار خاموشی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے فائل دیکھے اور میں اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔

"جلدی چلے آئے۔ کیا گفتگو رہی بیرسٹر صاحب سے؟" انہوں نے اپنائیت سے پوچھا۔

"ایک کیس کی تفتیش . . . میرے حوالے کی ہے۔"

"تفتیش . . .؟" جاوید قریشی نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔ کیس کافی دلچسپ لگتا ہے۔"

"تو پھر ذرا سر جوڑ کر بیٹھیں۔" جاوید قریشی نے پیش کش کی۔

"فی الحال مجھے ان فائلوں کی ریڈنگ کر لینے دیں۔ میں خود کوئی نتیجہ اخذ کروں تو پھر سر جوڑنے کا کوئی فائدہ بھی ہو گا۔"

جاوید قریشی اور فاروقی صاحب دونوں نے ہی گردن ہلا دی۔ تب میں نے استاد جمو سے کہا کہ میرے لیے چائے لے آئے۔ چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے میں نے فائل کھول لیے۔ فائلوں میں پولیس کی پوری رپورٹ درج تھی۔ افسر تفتیش ایک ایسا آدمی تھا جسے میں نہیں جانتا تھا۔ بہرطور اس کا تعلق مستقر تھانے سے تھا اور اس نے کافی تفصیل سے اس سلسلے میں تفتیش درج کی تھی۔

نجمہ اس بازار کی لڑکی تھی بے حد خوبصورت۔ عمر تقریباً سترہ یا اٹھارہ سال، نوشاد بائی کی بیٹی تھی اس کی دو بہنیں اور بھی تھیں لیکن وہ ان بہنوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی اور اسے فلمی دنیا میں جانے کا بہت شوق تھا اور اس کے لیے نوشاد بائی نے اسے خود بھی اجازت دے دی تھی۔ نجمہ نے کسی طرح دراب شاہ سے رسائی حاصل کی اور وہ دراب شاہ سے کئی بار ملی۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ اپنی نئی فلم کی تکمیل کے بعد اس سے اس موضوع پر گفتگو کرے گا۔ اس دوران نجمہ نے اس کے گھر تک رسائی حاصل کر لی اور کسی نہ کسی طرح دراب شاہ کے بیٹے محسن شاہ سے متعارف ہو گئی۔ اس کے بارے میں کبھی نہیں سنا کہ وہ نجمہ کے ساتھ کسی مقام پر دیکھا گیا لیکن وقوعے والے روز نجمہ اس وقت دراب شاہ کے گھر آئی جب جھٹپٹا پھیل چکا تھا اور ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں۔ وہ اس کے گھر پہنچ گئی۔ دراب شاہ آؤٹ ڈور شوٹنگ کر رہا تھا اور گھر پر موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی صوفیہ دراب شاہ اپنی کسی دوست کے گھر گئی ہوئی تھی اور گھر میں نوجوان محسن موجود تھا۔ ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ نجمہ اپنی ماں نوشاد بائی سے گھر پر کہہ کر آئی تھی کہ وہ دراب شاہ کے گھر جا رہی ہے چنانچہ نوشاد بائی اس کا انتظار کرتی رہی۔ نجمہ رات تک واپس نہ آئی تو نوشاد بائی نے اس کے گھر ٹیلی فون کیا جسے دراب شاہ کی بیوی صوفیہ دراب شاہ نے ریسیو کیا۔ وہ نوشاد بائی اور نجمہ کو پسند نہیں کرتی تھی چنانچہ اس نے خشک لہجہ اختیار کیا لیکن جب نوشاد بائی نے اسے بتایا کہ نجمہ اس کے گھر گئی تھی اور ابھی تک واپس نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ تشویش میں مبتلا ہے تو صوفیہ نے کہا کہ نجمہ یہاں موجود نہیں ہے۔ بہرطور پھر صوفیہ کو تشویش ہوئی اور اس نے نجمہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو ملازموں نے بتایا کہ نجمہ بے شک آئی تھی اور اس کے بعد وہ محسن کے کمرے میں چلی گئی، وہ پھر ملازموں نے اسے واپس جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

صوفیہ محسن سے معلومات حاصل کرنے گئی تو اس نے محسن کو شراب کے نشے میں دھت دیکھا اور اسے کچھ ایسے نشانات ملے جو باعث تشویش تھے لیکن وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی۔ رات کو ساڑھے بارہ بجے نوشاد بائی خود دراب شاہ کے گھر پہنچ گئی۔ وہ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا۔ نوشاد بائی سے رابطہ کیا تو صوفیہ نے سخت رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے گھر سے نکال دیا۔ نوشاد بائی سیدھی پولیس سٹیشن پہنچی اور اس نے اس سلسلے میں رپورٹ لکھا دی۔ پولیس افسر نوشاد بائی کی رپورٹ پر دراب شاہ کے گھر پہنچا۔ معلومات حاصل کیں اور پھر اس نے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے محسن شاہ کے کمرے کی تلاشی لی تو کمرے کی ایک بڑی الماری سے نجمہ کی لاش برآمد ہوئی۔ اسے گردن میں... رومال ڈال کر گردن دبا کر ہلاک کر دیا گیا کیونکہ گردن پر انگلیوں کے نشانات نہیں تھے۔ البتہ وہ رومال دستیاب ہو گیا جسے آلۂ قتل کے طور پر استعمال کیا گیا تھا اور یہ رومال محسن ہی کا تھا جو اس وقت بھی اس کے تکیے کے نیچے موجود تھا۔ محسن اس تمام کارروائی کے دوران مسلسل نشے کی وجہ سے بے ہوش رہا تھا۔ لاش برآمد ہونے کے بعد فوراً ہی دراب شاہ کو اطلاع دی گئی اور محسن کو گرفتار کر لیا گیا۔

یہ تھی وہ تمام کارروائی، جو پولیس نے انتہائی برقت کی تھی۔ محسن کے کمرے سے اور بھی بہت سے نشانات تلاش کیے گئے اور ان

کے بعد محسن کو مجرم قرار دے دیا گیا۔ اس سلسلے میں محسن سے جب . . . سوالات کیے گئے تو اس نے نجمہ کی لاش کو شناخت کر لیا اور جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ اس کے کمرے کی الماری سے برآمد ہوئی ہے تو وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اس نے بے اختیارانہ انداز میں کہا کہ وہ نہیں جانتا کہ یہ سب کیا ہے۔ نجمہ کب اس کے کمرے میں آئی، وہ تو عجیب سی کیفیات کا شکار ہو گیا تھا، شاید وہ بیمار ہو گیا تھا۔

اس سلسلے میں تفتیش کی جاتی رہی۔ اس وقت تو محسن نے اس بات کو قبول نہ کیا کہ اس نے نجمہ کو قتل کیا ہے لیکن بعد میں دوسرے ہی دن اس نے اعتراف کر لیا اور کہا کہ نجمہ اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتری ہے۔ اس سے سوالات کیے گئے کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو اس نے انتہائی ترشی سے جواب دیا کہ پولیس کو مجرم درکار ہے اور وہ اقبال جرم کرتا ہے چنانچہ اب اس سلسلے میں باقی تمام باتیں فضول ہیں۔ یہ میرا ذاتی مسئلہ تھا اور میرے لیے نجمہ کو قتل کر دینا بے حد ضروری تھا۔

دراب شاہ بہت پریشان ہو گیا تھا اس نے اپنی تمام کاروباری مصروفیتیں ترک کر دی تھیں اور اس کی نئی فلم بھی بند ہو گئی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں کہتا ہے کہ محسن کبھی کسی کو قتل نہیں کر سکتا، اس کے پس پردہ کوئی ایسی بات ہے جسے وہ بتانا نہیں چاہتا۔ دراب شاہ نے خود بھی اپنے بیٹے کو بہت سمجھایا بجھایا لیکن اس کا کہنا ہے کہ محسن اس سے ناخوش ہے اور وہ ہمیشہ ہی دراب شاہ کے کاروبار سے نفرت کرتا رہا ہے۔ حالانکہ وہ . . . محسن کی . . . پیدائش سے پہلے سے یہ کام کر رہا ہے۔ بہرطور دراب شاہ اس بات پر مصر ہے کہ محسن بے گناہ ہے جبکہ وہ اس کا اعتراف کرتا ہے۔ پولیس نے اپنی تفتیش میں جو تفصیلات لکھی ہیں ان میں اس بات کا شبہ کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے وہ نجمہ سے کچھ چاہتا ہو اور نجمہ کی مدافعت پر مشتعل ہو کر نجمہ کی گردن میں رومال باندھ کر ہلاک کر دیا اور اس کے بعد اسے الماری میں بند کر دیا اور چونکہ وہ شراب کے نشے میں غرق تھا اس لیے اس نے فوراً ہی نجمہ کی لاش کو ٹھکانے لگانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اسے الماری میں بند کرنے کے بعد شاید یہ فیصلہ کیا کہ بعد میں اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دے گا۔ محسن سے پوچھا گیا تو اس نے یہی جواب دیا کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ پولیس کے سامنے ہے، کیسے کیا ہے اور کیوں کیا ہے، اس سے پولیس کو دلچسپی نہیں ہونی چاہیے جبکہ وہ سزا بھگتنے کے لیے تیار ہے۔ عدالت میں بھی محسن نے اپنے تینوں بیانوں میں صرف اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے قتل کیا ہے باقی اس نے وکلاء کے سوالات کے جواب دینے سے انکار کر دیا۔ تینوں فائلوں میں درج شدہ تفصیل تھی لیکن میں نے پہلی ہی نگاہ میں محسوس کر لیا کہ یہ رپورٹ انتہائی حد تک نامکمل ہے۔ افسر تفتیش کو بس اپنا کام انجام دینے کی جلدی تھی۔ محسن نے اعتراف جرم کر لیا تو پھر وہ کسی اور کو تلاش کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کرتا۔ حالانکہ بہت سے ایسے کردار موجود ہوں گے جو اس سلسلے میں رہنمائی کر سکتے تھے لیکن افسر تفتیش نے معمولی سے بیانات لے کر ان سب کو نظر انداز کر دیا تھا۔

مثلاً ان میں محسن دراب کی ماں صوفیہ دراب تھی، ملازم تھے اور ایسے ہی چند دوسرے . . .

نوشاد بائی کا کہنا ہے کہ اس کی بیٹی کی آبرو لوٹنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس نے ایک بنت بیسوا ہوتے ہوئے بھی اپنی آبرو بچانے کے لیے جان دے دی۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق نجمہ کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی نہیں کی گئی تھی اور نہ ہی اس کے جسم پر کوئی ایسے نشانات پائے گئے تھے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زبردستی کرنے کی کوشش کی گئی اور اس نے اپنی جان دے دی۔ غرض یہ کہ پولیس کی رپورٹوں میں یہی تمام تفصیلات موجود تھیں اور اس طرح یہ کیس محسن کے خلاف تیار کیا گیا تھا۔

بیرسٹر نصرت حسین کا کہنا بھی یقینی طور پر درست ہی تھا کہ اس سلسلے میں وہ کوئی امید نہیں رکھتے تھے۔ جب قاتل خود اعتراف جرم کر رہا تھا تو پھر اس کا دفاع کس طرح کیا جاتا۔ یہ بات ان کے بس کی نہیں تھی کہ وہ اس سلسلے میں بڑی دور کی کوڑی لے آتے یقیناً اس لحاظ سے یہ میرا ہی کیس تھا۔ اس میں ایک دولت مند آدمی کا بیٹا تھا جو جرم میں ملوث تھا، لیکن دولت مند آدمی کا کہنا تھا کہ اس کا بیٹا یہ جرم نہیں کر سکتا۔ بنت بیسوا مقتولہ تھی اور ایک بیسوا مدعی۔ ذرا مختلف معاملہ تھا یہ میرے پچھلے کیسوں سے۔ لیکن اگر محسن واقعی بے گناہ ہے تو پھر اصل قاتل کون ہے۔ کیوں بیرسٹر نصرت حسین کی خواہش تھی کہ وہ اس سلسلے میں میری مدد حاصل کریں۔ چنانچہ میں اس سے انحراف نہیں کر سکتا تھا اور پھر توصیف رضوی نے میری موجودگی میں کچھ ایسی باتیں کہی تھیں ان سے جو مجھے بھی بری لگی تھیں۔ اب یہ فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا کہ اس سلسلے میں تمام تر تفصیلات معلوم کروں۔ میں تینوں . . . فائلوں کو پڑھنے کے بعد جاوید قریشی اور فاروقی صاحب سے اس سلسلے میں باتیں کرنے لگا اور وہ لوگ اپنی اپنی رائے دیتے رہے۔ ہم نے ایک لائحہ عمل تیار کیا اور اس میں سے چند کردار منتخب کر لیے۔ خود دراب شاہ، محسن، محسن کی ماں۔ فی الحال یہی تین افراد تھے جو اس کیس کے سلسلے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے ٹیلی فون کر کے

بیرسٹر نصرت حسین سے پوچھا کہ کیا محسن جیل ریمانڈ پر ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہر ہے کیس کی تین پیشیاں ہو چکی ہیں اس لیے سے جیل میں ہی ہونا چاہیئے تھا اور جیل میں محسن سے ملاقات میرے لیے مشکل نہیں تھی لیکن وقت اتنا ہو گیا تھا کہ اس وقت یہ سب کچھ کرلینا ممکن نہیں تھا۔

میں نے فائل تہ کر کے رکھ دیے اور اس کے بعد خود اپنے لیے ایک لائحہ عمل ترتیب دے لیا۔ مجھے ایک دلچسپ کیس مل چکا تھا اور اندھے کو دو آنکھوں کے سوا کیا چاہیئے۔ میرے لیے سب سے دلچسپ مسئلہ یہی ہے۔ فاروقی صاحب کے کیسز سیدھے سادے ہوا کرتے تھے اور وہ بھی انہیں لینے میں انتخاب کیا کرتے تھے چنانچہ ان دنوں مزہ نہیں آرہا تھا۔

شام کو معمول کے مطابق کوٹھی پہنچا، اور تمام الجھنیں پیچھے چھوڑ گیا۔ کوٹھی میں رونقوں کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا، کیونکہ میری پذیرائی ذرا مختلف ہی انداز میں ہوتی تھی۔ بھابیاں تو بھائیوں کی محکوم تھیں ڈیڈی بہت ہی خوش گوار موڈ میں نظر آتے تھے اور لالہ رخ صاحبہ بھی اب کافی سنبھل گئی تھیں اور مجھ پر طنز کے تیر پھینکنے سے گریز ہی کرتی تھیں نیلوفر عموماً شفق بھابی کے پاس ہی رہتی تھی اور جیا دونوں اپنی زندگی کے وہ مراحل طے کر رہی تھیں جن کی تکمیل کے لیے انہوں نے بیرون ملک سے اپنے ملک میں واپس آنا مناسب سمجھا تھا۔

تفریحات ہوتی رہیں، چونچیں چلتی رہیں سب سے بڑی اور بری بات لالہ رخ صاحبہ کی نرم مزاجی تھی کیونکہ انہی کے ذریعے تمام الجھنیں شروع ہوا کرتی تھیں اور مجھے ان میں مزہ آتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کسی طرح لالہ رخ کو اپنا مخالف بناؤں تاکہ تھوڑی سی تفریح کا سامان پیدا ہو سکے، لیکن بجائے لالہ رخ پر کیا اوس پڑ گئی تھی کہ وہ میری تلخ باتوں کو بھی برداشت کر جایا کرتی تھی۔

یہاں تمام تفریحات جاری رہیں شوکت جاہ سے بھی باتیں ہوتی رہیں بیرسٹر نصرت حسین نے کئی بار مجھے دیکھا تھا اور ان کی نگاہوں میں سوالیہ تاثرات ابھر آئے تھے۔ یقینی طور پر انہوں نے ابھی ڈیڈی سے اس سلسلے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ بہرحال تمام معمولات سے فراغتیں حاصل ہو گئیں تو بھائی جان نے مجھے پرچھا پہ مار دیا۔

"بھئی میں بے چینی سے تم سے بات کرنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ہاں۔ یہ بتاؤ فائل پڑھ لیے؟"

"جی ہاں بھائی جان۔"

"کیا خیال ہے تمہارا کیا یہ کوئی سیدھا سادا کیس ہے۔ یعنی کسی اندرونی جذبے کے تحت محسن نے اس لڑکی کو قتل کر دیا اور پھر شراب پی کر آرام سے لیٹ گیا، بات صرف اتنی سی ہے یا تمہارے خیال میں کچھ اور آگے کا معاملہ ہے؟"

"بھائی جان میں نے وہ تینوں فائل پڑھ لیے ہیں اور اب آپ کی اجازت سے میں اپنا کام شروع کرنا چاہتا ہوں، پہلے سے یہ کہہ دینا کہ معاملہ سیدھا سادا سا ہے اور واقعی محسن قاتل ہے، کچھ عجیب سا لگے گا کم از کم اس قتل کے پس پردہ جو جذبے ہیں وہ تو سامنے آئیں۔ محسن کے ماضی کے بارے میں بھی کچھ پتا چلے کس قسم کا نوجوان ہے دراب شاہ تو باپ ہے اسے اپنا بیٹا معصوم نظر آتا ہو گا وہ درحقیقت معصوم ہے یا نہیں؟"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے، تم کہاں سے آغاز کرو گے؟" انہوں نے پوچھا۔

"آپ کو دراب شاہ سے میرا تعارف کرانا ہو گا یقیناً وہ ہم سے تعاون کرے گا۔"

"کیوں نہیں کرے گا اسی کے دل کو لگی ہوئی ہے، اکلوتا بیٹا ہے اس کا، کل ملو اس سے اگر کورٹ میں کوئی مصروفیت نہ ہو تو۔"

"نہیں پہلے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا اس کے بعد دوسرے کام ہوں گے۔" میں نے کہا اور بیرسٹر صاحب کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔

"میں تمہیں تمہارے ضمیر کے خلاف کچھ کرنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ اگر وہ واقعی قاتل ہے تو پھر سزا کا مستحق ہے اور اگر نہیں ہے تو تمہیں محنت کرنا ہو گی۔ ہاں توصیف رضوی اسے سزائے موت دلوانا چاہتا ہے۔ یہ کسی قیمت پر نہیں ہونا چاہیئے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے اس کا فیصلہ تو ابھی کرنا مشکل تھا۔ بہرطور دوسرے دن صبح میں ان کے ساتھ ہی گھر سے نکلا یہی پروگرام طے ہو گیا تھا کہ پہلے ان کے دفتر جاؤں وہاں سے وہ دراب شاہ سے رابطہ قائم کریں گے اور اس کے بعد جو بھی فیصلہ ہو اپنے طور پر مجھے جو کچھ کرنا تھا اس کا پروگرام بعد میں ہی بنانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں بھائی جان کے دفتر میں پہنچ گیا اور انہوں نے ٹیلی فون پر دراب شاہ سے رابطہ قائم کیا پہلے اسے گھر پر ٹرائی کیا لیکن پتا چلا کہ وہ اسٹوڈیو جا چکا ہے، چنانچہ انہوں نے اس سے اسٹوڈیو میں رابطہ قائم کیا اور کہنے لگے۔

"دراب شاہ صاحب بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے جو بھی جواب ملا ہو، بیرسٹر صاحب نے کہا۔ "دراب شاہ میں ایک صاحب کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ وہ کون ہیں کیا ہیں خود ہی آپ سے اپنا تعارف کرا دیں گے بس ایک بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی وہ آپ سے چاہیں آپ اس میں ان کی

بھرپور مدد کریں اور کوئی پہلو ان سے پوشیدہ نہ رکھیں۔ بہت بہت شکریہ، جی ہاں... تھوڑی دیر بعد پہنچ رہے ہیں، کوئی ایسی مصروفیت تو نہیں جس میں آپ کو دقت ہو؟" جواب میں دراب شاہ نے جو کچھ بھی کہا وہ ظاہر ہے وہ میں نہیں سن سکا تھا۔ انہوں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ جو بھی اس کے پاس پہنچے گا اس کے پاس بیرسٹر صاحب کا کارڈ ہو گا جس کے عقب میں ان کی اپنی تحریر بھی ہو گی۔ بہرطور یہ ذہانت کی بات تھی ایسا ہونا چاہیئے تھا، ٹیلی فون بند کرنے کے بعد بیرسٹر صاحب نے اپنے کارڈ پر میرا نام لکھا اور کارڈ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"دراب شاہ اسٹوڈیو میں کمرہ نمبر ایک سو ستائیس میں بیٹھتا ہے۔ ویسے دراب پروڈکشن کا بورڈ تمہیں دور ہی سے نظر آ جائے گا۔"

"جی۔ جی ٹھیک ہے۔ میں چلا جاتا ہوں۔"

"میری گاڑی لے جاؤ۔" بیرسٹر صاحب نے پیش کش کی۔

"آپ کورٹ نہیں جائیں گے؟"

"نہیں آج ذرا یہیں آفس میں مصروف ہوں، تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔"

"میں گاڑی نہیں لے جا رہا آپ کی اور واپسی کے بارے میں بھی کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا، دن میں اگر آپ سے ملاقات نہ ہوئی تو رات کو تفصیلی ملاقات ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے جواب دیا ان کے دیے ہوئے فائل میں نے ان کے حوالے کر دیے تھے اور کہا تھا کہ اگر ان کی ضرورت پیش آئی تو دوبارہ طلب کر لوں گا۔ اس کے بعد ضروری تھا کہ میں اپنی گاڑی حاصل کر لوں۔ میری مصروفیات کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا کہاں جانا پڑے کس کس سے رابطہ قائم کیا جائے یہ تو اب بعد ہی میں معلوم ہو سکتا تھا۔ ایک بار پھر مجھے کوٹھی واپس آنا پڑا یہاں سے اپنی کار لی اور نکل آیا اسٹوڈیو کے بارے میں مجھے معلومات حاصل تھیں اسٹوڈیو کے وسیع و عریض گیٹ سے اندر داخل ہونے کے لیے مجھے دراب شاہ پروڈکشن کا حوالہ دینا پڑا بہرطور میری قیمتی کار اور قیمتی لباس میرا معاون بنا تھا۔ یہ دنیا ذرا مختلف تھی بڑی سی چوڑی روش پر بجری بچھی ہوئی تھی۔ دونوں طرف وسیع و عریض لان تھے سامنے ہی عظیم الشان عمارت نظر آ رہی تھی جس میں داخلے کے بیشمار دروازے تھے، لان پر بھانت بھانت کے جانور نظر آ رہے تھے کوئی نوجوان بڈھا اور کوئی بوڑھی نوجوان، کلیلیں ہو رہی تھیں، ایک جانب بہت ہی خوبصورت سوئمنگ پول بنا ہوا تھا جس کے سامنے شوٹنگ ہو رہی تھی۔ کیمرے کام کر رہے تھے اور اطراف میں بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے دراب پروڈکشن کا دفتر اسٹوڈیو کے بائیں سمت میں موجود دو منزلہ عمارت میں پہلی منزل پر تھا اور اس کا وسیع و عریض و خوبصورت بورڈ صاف نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ کار پارکنگ پر کھڑی کر کے میں اسی جانب بڑھ گیا، چوڑی اور وسیع سیڑھیوں سے گزرنے کے بعد بالآخر میں دراب پروڈکشن کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا ابھی دفتر کے دروازے پر ہی تھا کہ دوسرے دفتر کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک لنگور باہر نکل آیا اس نے دو تین چھلانگیں میرے آس پاس لگائیں اور پھر مجھے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہیرو۔" میں نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ ہنس پڑا۔ "شکل و صورت سے کام نہیں چلتا باس کوئی نفوش ہو تمہارے ساتھ تو سمجھو ہیرو بچے۔" میں نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر دروازے پر آہستہ سے دستک دی لیکن دروازہ فوراً ہی کھل گیا تھا میں نے اپنے سامنے ایک عجیب و غریب عورت کو دیکھا، عمر تیس بتیس سال سے کم نہ ہو گی، چہرے پر میک اپ کیا ہوا تھا، بالوں میں سفیدی لگائی گئی تھی اور آنکھوں میں مصنوعی طور پر گڑھے پیدا کیے گئے تھے، مجھے دیکھ کر اس نے سینے پر... دونوں ہاتھ رکھے اور آہستہ سے بولی۔

"اب آئے ہو پردیسی، میرا رنگ بھی میلا ہو گیا۔ جوانی ڈھل گئی مگر مگر تم... تم تو آئے۔" میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھا عقب سے کسی کی آواز سنائی دی۔

"اری او پردیسی کی جنی، جا رہی ہے یا لات ماروں پیچھے سے۔" پردیسی کی جنی مجھے دھکا دے کر باہر نکل گئی تھی۔ بہر طور اس دنیا میں بھی جو کچھ تھا وہ آج پہلی بار دیکھا تھا۔ اندر پہنچا تو دو آدمی نظر آئے ایک سگریٹ پی رہا تھا اور دوسرا شاید اس کی خوشامدوں میں مصروف تھا۔ سگریٹ پینے والا مجھے دیکھ کر چونک پڑا پھر بولا۔

"جی فرمائیے کس سے ملنا ہے؟"

"دراب شاہ سے۔"

"اوہو... ایک منٹ آپ ذرا تشریف رکھیے ابھی آتے ہیں۔" اس نے کہا اور سنجیدہ ہو گیا میں ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور دراب شاہ کا انتظار کرنے لگا اس نے دوسرے آدمی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"دیکھو ذرا واپسی کتنی دیر میں ہو گی صاحب کی۔" دوسرا آدمی مجھے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ سگریٹ پینے والے نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا اور پھر بولا۔

"معاف کرنا بھائی صاحب، ایک بات تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں، شکل و صورت اور جسم کی بناوٹ کے لحاظ سے تم لاکھوں پر بھاری لگتے ہو اگر سلیکشن ہو گیا تو نام کما لو گے بات صرف اس کی ہے کہ تمہاری سورس کیا ہے؟"

"آپ اپنی تعریف بتانا پسند کریں گے؟"

"اجی کہاں۔ تعریف اس خدا کی جس نے ہمیں بنایا، ہم کیا اور ہماری بساط کیا ویسے رمضان علی نام ہے میرا۔ تم نے رمضان واڑی والا کے بارے میں ضرور سنا ہو گا؟"

"افسوس نہیں سنا۔"

"کمال ہے یار ہیرو بننے آئے ہو اور واڑی والا کے بارے میں کچھ نہیں سنا۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہوں اور بہت سی فلموں میں بڑے بڑے ڈائریکٹروں کو اسسٹ کر چکا ہوں، رمضان واڑی نام یاد رکھنا اس نام کی ضرورت تمہیں قدم قدم پر پیش آئے گی۔" میں رمضان واڑی کی صورت دیکھتا رہا۔ ان لوگوں نے مجھے ہیرو بنا دیا تھا بہر طور قصور ان کا نہیں تھا اس ماحول میں آنے والے یہی سب کے سب ہوتے ہوں گے۔ لیکن اسسٹنٹ ڈائریکٹر صاحب دو منٹ کے اندر سیدھے ہو گئے کیونکہ دروازے سے ایک چوڑی جسامت کا آدمی اندر داخل ہوا تھا اور میں نے ایک نگاہ دیکھتے ہی اسے پہچان لیا تھا کہ یہی دراب شاہ ہو سکتا تھا۔ رنگ گورا چہرہ چوڑا مونچھیں بڑی بڑی اور نوکیلی یقینی طور پر خوب صورت آدمی تھا چہرے پر کچھ افسردگی سی نظر آ رہی تھی مجھے دیکھ کر گردن خم کی اور مسکراتا ہوا بولا "یقیناً آپ کا نام شارق حسین ہے؟"

"جی۔"

"چلو رمضان باہر جاؤ اور سنو کسی کو آنے مت دینا اور ہاں ذرا عمدہ قسم کی کافی بھجواؤ ہم دونوں کے لیے۔" رمضان علی نے مجھے بغور دیکھا اور شاید یہ سوچ کر باہر نکل گیا کہ میری تقدیر بن گئی اور میں یقیناً ہیرو بننے کے لیے کوئی بڑا چیک لے کر آیا ہوں دروازہ بند کر کے وہ باہر نکل گیا تھا اور دراب شاہ اس وسیع و عریض میز کے پیچھے جا بیٹھا تھا جس پر ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ اور شیشے کے نیچے درجنوں وزیٹنگ کارڈ اور اداکاراؤں اور... اداکاروں کی تصویریں موجود تھیں، تین چار ٹیلی فون بھی رکھے ہوئے تھے اور ملحقہ کمرے میں ٹائپ رائٹر کی کھٹ کھٹ سنائی دے رہی تھی۔ یہ ملحقہ کمرہ اس وسیع و عریض کمرے کا ایک حصہ تھا جسے باقاعدہ دیوار ہوا کر الگ کر دیا گیا تھا دراب شاہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا

"ابھی تھوڑی دیر پہلے بیرسٹر نصرت حسین کا فون آیا تھا آپ کے بارے میں۔"

"جی میں آپ کو اس سلسلے میں کچھ زحمت دینے آیا ہوں۔"

"جی فرمائیے..." دراب شاہ نے مضمحل لہجے میں کہا۔

"جو کچھ آپ پر بیتی ہے مجھے اس کا اندازہ ہے اگر بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے میرا آپ سے مکمل تعارف نہیں کرایا تو میں اپنے بارے میں اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ میں محسن شاہ کے بارے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کر رہا ہوں تاکہ اس کیس کے سلسلے میں کچھ مدد مل سکے۔" دراب شاہ نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

"شارق صاحب میرا اکلوتا بچہ ہے۔ میں چل پھر رہا ہوں... تھوڑی بہت اپنے کاموں میں دلچسپی لے رہا ہوں لیکن مجھے یہ دنیا تاریک محسوس ہوتی ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو پھر میری ساری کاوشیں بیکار جائیں گی، کچھ نہیں ملا ہے مجھے اس دنیا میں حالانکہ میں نے اپنا مقام بنانے کے لیے بڑی محنت کی ہے آپ کو بس ایک بات کا یقین میں دلانا چاہتا ہوں کہ باقی کچھ بھی کر لے وہ لیکن قاتل نہیں ہو سکتا بہت ہی نرم مزاج اور نرم طبیعت کا لڑکا ہے وہ اور... اور..." دراب شاہ کے حلق سے ایک سسکی سی نکل گئی۔ لیکن اس کا چہرہ بے تاثر ہی رہا وہ اپنے تاثرات پر قابو پانے کا ماہر معلوم ہوتا تھا میں نے ہمدردانہ انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔

"یقیناً میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ کی پریشانیوں کا مجھے پورا پورا احساس ہے، ذرا سی معلومات اس لڑکی کے بارے میں اور کرنا چاہتا تھا میں جس کا نام نجمہ تھا۔"

"بہت خوب صورت لڑکی تھی اور یقینی طور پر اگر فلم انڈسٹری میں آ جاتی تو اپنا ایک مقام بنا لیتی، میں نے تھوڑے بہت تجربات کیے تھے اس پر لیکن ان دنوں میں اپنی اس فلم میں مصروف تھا اس لیے اسے اہمیت نہیں دے سکا تاہم میں نے اس عورت سے کہہ دیا تھا کہ میں اس کی بیٹی کو چانس ضرور دوں گا۔ میں نہیں جانتا شارق صاحب کہ فلمی دنیا کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں بے شک یہاں کی کہانیاں بڑی عجیب ہوتی ہیں لیکن میں نے بہت سی فلمیں بنائی ہیں اور بہت سی فلمیں بنانے کا مقصد یہ ہے کہ میں اصول پرست آدمی ہوں میں نے کم از کم اپنے اس ادارے کے نام کے ساتھ کوئی اسکینڈل وابستہ نہیں رہنے دیا اور ہمیشہ صاف ستھرا رہا ہوں آپ میرا ریکارڈ دیکھ سکتے ہیں، خیر یہ ایک بالکل الگ بات ہے، معاملہ میرے بچے کا ہے بیرسٹر نصرت حسین... صاحب میرے کرم فرما ہیں بہت کوشش کر رہے ہیں... اس کے لیے لیکن میں کچھ پُرامید نہیں ہوں۔"

"دراب شاہ امید تو انسان کو رکھنا چاہیے ابھی بہت امکانات ہیں، نجمہ کسی بھی شکل میں اور کسی بھی وقت کیا محسن سے متعارف... رہی ہے؟"

"میرے علم میں نہیں ہے، بلکہ براہِ راست تو کبھی وہ محسن تک پہنچی ہی نہیں میں چھوٹے موٹے کام اپنی کوٹھی میں بھی کرتا رہا ہوں لیکن محسن کبھی ان میں دلچسپی نہیں لیتا وہ بہت لاابالی قسم کا لڑکا ہے۔ زیادہ تر وقت تو اس نے اپنی تعلیم پر ہی صرف کیا ہے، اور بی، ایس سی میں اس نے فرسٹ کلاس پوزیشن حاصل کی ہے، کبھی کبھی اس پر اضمحلال کے دورے پڑ جاتے ہیں اور وہ ہفتوں گھر میں گھسا رہتا ہے کبھی سیر و سیاحت کے لیے نکل گیا تو مہینہ مہینہ بھر کے لیے چلا گیا۔ اس کی فطرت میں مجھے کبھی کوئی ایسی خامی نظر نہیں آئی جسے میں تشویش کی نگاہ سے دیکھتا حالانکہ جس پروفیشن سے میں متعلق ہوں اس میں اس کے لیے بہت گنجائش ہے چونکہ اچھی شکل و صورت کا لڑکا ہے لیکن میں نے اس کے رجحان سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اسے فلمی زندگی سے نفرت ہے۔ آپ یقین کریں شارق، آپ اس سے ملیں گے تو حیران رہ جائیں گے کہ ایک اس ماحول کا پروردہ اتنا مختلف انسان ہے۔"

"ہوں۔ تو نجمہ آپ کی غیر موجودگی میں کبھی کبھی آپ کی کوٹھی میں آ جاتی تھی؟"

"نہیں کبھی نہیں، البتہ اس نے دو تین بار مجھ سے اسٹوڈیو کے علاوہ بھی ملنے کی کوشش کی ہے، میں پھر اس فیلڈ کا حوالہ دوں گا تمہیں مسٹر شارق حسین، ایسے معاملات یہاں چلتے رہتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ اس دن وہ میری کوٹھی میں کیوں گئی تھی۔"

"حالات و شواہد جو ریکارڈ پر ہیں آپ کی نگاہ میں سچ ہیں یا ان سے متعلق کوئی ایسی بات جو آپ کو مشکوک لگتی ہے؟"

"کیا بتاؤں بھئی میں درحقیقت اس معمے کو حل کرنے میں ناکام رہا ہوں، بس ایک بات میں تم سے کہہ سکتا ہوں شارق کہ وہ لڑکا قاتل نہیں ہو سکتا۔ میں بہت بڑی بات کر رہا ہوں لیکن یہ کہنے میں عار نہیں محسوس کرتا کہ نجمہ کی طرف وہ انگلی بھی اٹھا دیتا تو نجمہ اس کے تلوے چاٹتی نظر آتی فلمی زندگی میں یہی سب کچھ ہوتا ہے، جو ابتدا میں اس زندگی میں داخل ہوتے ہیں انہیں بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں مگر محسن اس ٹائپ کا تھا ہی نہیں اگر وہ ہوتا تو کم از کم میرے دل میں یہ خیال تو ہوتا کہ ممکن ہے کوئی مجرمانہ حرکت کر بیٹھا ہو۔"

"آپ کو علم ہے کہ پولیس رپورٹ میں انہیں اس وقت شراب کے نشے میں دکھایا گیا ہے جب نجمہ کی لاش ان کے کمرے کی الماری سے برآمد ہوئی۔"

"مجھے اس بات پر... شدید حیرت ہے۔ میں پورے دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ شراب نہیں پیتا تھا لیکن کیا کہا جا سکتا ہے۔" دراب شاہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ میں نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"دراب شاہ اس سے زیادہ آپ سے کچھ اور معلوم نہیں کرنا چاہتا البتہ ایک بات کی اجازت آپ مجھے ضرور دیجیے کسی بھی شکل میں میں آپ کی کوٹھی تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"کوئی دقت نہیں ہو گی تمہیں شارق حسین۔ تم میری کوٹھی میں قیام بھی کر سکتے ہو، بلکہ میرے مہمان کی حیثیت سے چند روز کے لیے آ جاؤ وہاں رہ کر تمہیں تمام صورت حال کا صحیح طور پر اندازہ ہو جائے گا۔" میں... پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے تین چار دن کے لیے یہ ضروری ہے۔"

"بالکل... بالکل میں اپنی بیوی کو بتا دوں گا کہ ایک مہمان آنے والے ہیں کوئی بھی نام بتا دینا تم شارق حسین ہی بتانے میں کیا حرج ہے...؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"بس اس سلسلے میں اتنا ہی کافی ہے کہ تم میرے مہمان ہو۔ باقی

تم اپنی ذمہ داریاں خود دیکھ لینا۔" میں نے تھوڑی دیر تک گفتگو کی کافی پی اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ گیا۔ اس سلسلے میں ابھی تک کوئی اندازہ تو قائم نہیں کر سکا تھا لیکن بہرحال دراب شاہ کے تعاون سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر قیمت پر اپنے بیٹے کو بے گناہ ثابت کرنے کا خواہشمند ہے۔ اس سے پہلے بھی یہی سب کچھ ہوتا رہا تھا دولت کے بعد گھر کو سنبھالنا بے حد ضروری ہوتا ہے اور یہ لوگ جو بار بار میرے سامنے آ رہے تھے وہی تھے۔ کچھ خاندانی دولت مند تھے اور کچھ حالات کے تحت دولت مند بن گئے تھے لیکن اس کے بعد۔ یہ ایک سبق ہے ان کے لیے جو جائز اور ناجائز ذرائع سے دولت حاصل تو کر لیتے ہیں لیکن اس کا صحیح استعمال ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور اس کے بعد یہ کہانیاں جنم لیتی ہیں، وہ خود تو دولت کے انبار لگانے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور ان کی اولادیں اسی کے بل پر جرم کی جانب مائل ہو جاتی ہیں۔

دراب شاہ سے میں نے کہہ دیا تھا کہ کچھ دوسرے امور کے سلسلے میں مجھے کام کرنا ہے۔ اس کے گھر آنے سے قبل ہی اسے اطلاع دے دوں گا تاکہ اسے علم ہو جائے اس کے بعد ہی میں نے ایک لائحہ عمل بنایا۔ واقعات میرے علم میں آ چکے تھے اور ان کے تحت ہی کام کرنا تھا چنانچہ میں نے محسن سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے وقار احمد صاحب کا تعاون کافی تھا۔

وقار احمد مجھے دیکھ کر مسرور ہو گئے اور مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولے۔

" پھر کسی مظلوم کی دعا عرش سے جا ٹکرائی۔ پھر کسی بے گناہ کی بے گناہی ظاہر ہونے کو ہے۔"

" آپ مجھے ولیوں کا مقام دے رہے ہیں وقار احمد صاحب یہ گناہ ہے۔"

" میں تمہیں انسانوں کا مقام دیتا ہوں شارق۔ درویش مجذوب اور ولی تو انسانیت سے آگے کے درجے ہیں۔"

" انسان۔"

" ہاں۔ گوشت و پوست کے چلتے پھرتے وجود اپنے مسائل میں سرگرداں اپنے آپ کو چاہنے والے انسان نہیں ہوتے۔ میں کوئی انوکھی باتیں نہیں کہہ رہا ہوں یہ سچائیاں ہیں۔"

" آپ کی محبت ہے وقار صاحب۔"

" تمہاری کاوشیں ہیں۔ میں اس بارے میں کوئی رعایت نہیں برت رہا۔" جیلر صاحب بولے

" آمدم برسر مطلب۔" میں نے کہا۔

" نہیں لنچ کا وقت ہو چکا ہے پہلے کھانا۔"

" تکلف نہ کریں۔"

" نہیں کروں گا وعدہ آؤ اٹھتے ہیں۔" جیلر صاحب مجھے اپنے گھر لے گئے اور وہاں۔۔۔ ایک پرتکلف لنچ کیا گیا ابھی تک انہوں نے میری آمد کا مطلب نہیں پوچھا تھا لنچ کے بعد کچھ دیر تک ان کے اہل خانہ سے گفتگو رہی اور پھر انہوں نے کہا۔

" ہاں اب بتاؤ وہ کون ہے؟" میں مسکرا دیا اور پھر میں نے کہا۔

" محسن شاہ۔"

" ویری گڈ۔۔۔ میں جانتا تھا کہ انتخاب یقینی طور پر درست ہوگا۔"

" کیا مطلب؟"

" ذاتی رائے بھی قائم کرنے لگا ہوں پچھلے کچھ عرصے سے بس تم نے عادت ڈال دی ہے اور یہ عادت زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے۔ دیکھتا رہتا ہوں ان قیدیوں میں کہ کون کس فطرت کا حامل ہے اور کس جرم کا شکار ہے ویسے وہ ریمانڈ پر ہے۔"

" جی۔۔۔ جی۔۔۔"

" بلوا دوں۔"

" نہیں میرا خیال ہے وہیں ملاقات کر لی جائے جہاں عام ملاقاتی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔"

" کوئی تکلف نہیں ہے بلایا جا سکتا ہے اسے۔"

" ضرورت نہیں ہے ورنہ درخواست کر دیتا۔ ویسے آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

" کچھ حالات کا شکار ہے قاتل نہیں لگتا۔" جیلر صاحب نے جواب دیا اور میں پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ اس کے باوجود وقار صاحب نے خصوصی انتظامات کیے اور اسے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں قیدی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تھے لیکن ہدایات کر دی گئی تھیں کہ وہاں کسی اور کو نہیں ہونا چاہیے۔ معمول کے مطابق محسن شاہ کو ان باریک جالیوں کے عقب میں پہنچا دیا گیا جس کے۔۔۔ دوسری طرف میں موجود تھا۔ میں نے اس کا جائزہ لیا صاف شفاف چہرے اور روشن آنکھوں والا یہ نوجوان مضمحل نظر آ رہا تھا اس کے عنابی ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں اور بال منتشر تھے۔ مجھے دیکھ کر ساکت کھڑا رہا۔ میں نے گردن خم کر کے اسے سلام کیا۔ جس کا اس نے جواب دیا تھا۔

" میرا نام شارق حسین ہے۔ ایڈووکیٹ ہوں اور تمہاری وکالت کر رہا ہوں۔" جواب میں اس کے چہرے پر ناخوشگواری کے کچھ اثرات پیدا ہوئے اور اس نے کہا۔

" دراب شاہ۔ بہت زیادہ محبتوں کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ بھی انسانوں کا ایک انداز ہے اپنی دولت کا اظہار کرنے کے لیے ان کے دل میں طویل عرصے کے بعد یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ وہ ایک بیٹے کے باپ بھی ہیں اور خوب پیدا ہوا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کی خدمت کر کے نام کمایا جا سکتا ہے جو قریب المرگ ہو یہ جذبے عموماً لوگوں میں پائے جاتے ہیں بلکہ میں تو انہیں صرف شوق کا نام دے سکتا ہوں لوگ ایسے شوق پورے کرتے رہتے ہیں۔"

" میں سمجھا نہیں مسٹر محسن۔"

" جو سمجھ میں آ جائے وہ سمجھ لیجیے۔ جو نہ سمجھ میں آئے اسے ایک مجذوب کی بڑ سمجھ لیں۔"

" میں اس یقین کے ساتھ تم سے ملاقات کر رہا ہوں کہ تم مجھ سے تعاون کرو گے اور مجھے میرے مسئلے میں مدد دو گے۔"

" وکیل صاحب۔ میرا باپ ایسے معاملات میں بہت فراخدل ہے آپ اس سے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں مجھے اعتراض نہیں ہے جو کچھ آپ کو ملے گا وہ آپ کی تقدیر ہو گی ظاہر ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ اب رہے گا۔ میں آپ کی روزی میں کوئی رخنہ اندازی نہیں کرنا چاہتا لیکن آپ ایسی کون سی خاص بات مجھ سے معلوم کر لیں گے جو دوسروں کو معلوم نہیں ہے اور ایسی کسی خاص بات کا کوئی وجود بھی نہیں ہے بہتر یہ ہو گا کہ آپ اپنے طور پر ہی کچھ الٹا سیدھا کر لیں میں کیا آپ کو جواب دے سکوں گا۔"

" صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں تم سے محسن۔"

" کیجیے۔۔۔"

" کیوں مرنا چاہتے ہو؟"

" اس لیے کہ جینا نہیں چاہتا۔"

" ہر بات کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

" ہاں۔۔۔ یقیناً۔۔۔ بس اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا سے دل بھر گیا ہے اچھی نہیں لگی آپ کی یہ دنیا شارق حسین صاحب۔"

" کیا برائی ہے اس میں؟"

" یہ سوال مجھ سے نہ کریں۔ کسی بھی راستے سڑک گلی یا بازار میں نکل جائیں ہر چہرہ آپ کو اس سوال کا جواب دے دے گا۔"

" ہوتا ہے۔ بے شک ایسا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ لوگ جی رہے ہیں۔"

" بزدل ہیں موت سے ڈرتے ہیں، میں نہیں ڈرتا۔"

" اچھی بات ہے لیکن موت اپنے اصولوں کے مطابق ہو تو بہتر ہے۔ کیا تم اپنے آپ کو کسی انفرادیت کا حامل ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

" مرنے میں ہی اگر انفرادیت کا کوئی اظہار ہو جائے تو کیا حرج ہے لوگ تو نہ جانے اس کے لیے کیا کیا کرتے ہیں۔"

" سب کچھ کرتے ہیں مرتے نہیں ہیں۔"

" اس کا مقصد ہے کہ یہ خوبی ہوئی مجھ میں۔۔۔"

" تم بہت زیادہ جھلائے ہوئے ہو محسن شاہ۔ مجھے صرف ایک بات بتاؤ۔ کیا تم نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے؟"

" آپ کئی بار صرف ایک بات پوچھ چکے ہیں وکیل صاحب۔ ہاں میں نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے۔"

" اس کی وجہ۔۔۔؟"

" وہ تو میں نے جج صاحب کو بھی نہیں بتائی۔"

" مجھے بھی نہیں بتاؤ گے؟"

" نہیں۔" اس نے سرد اور ٹھوس لہجے میں کہا۔

" تب پھر میں تمہیں کچھ بتا دوں محسن شاہ۔ تم قاتل نہیں ہو۔"

" شکریہ۔ آپ نے کہا میں نے مان لیا۔"

" اور شاید تم اس قتل کو اپنے سر لے کر کسی کو بچانا چاہتے ہو؟"

" آپ میرا خیال ہے بہت زیادہ جاسوسی ناول پڑھتے ہیں یا فلمیں دیکھتے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

" کچھ نہ کچھ تو ضرور ہے جو اس کے پس پردہ ہے۔"

" ہاں ہے۔ میں نے اس سے کب انکار کیا لیکن آپ لوگ اگر اس سلسلے میں کچھ وقت ضائع کر کے نام کمانا چاہتے تو مجھے اعتراض نہیں ہے میں اگر اس بارے میں کوئی مدد کر سکتا مگر افسوس ایسی کوئی بات میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

" ٹھیک ہے۔ مجھے تم سے جو کچھ معلوم کرنا تھا۔ میں نے معلوم کر لیا ہے مجھے یہ بتاؤ کوئی اور ایسی بات تو نہیں جس کی خواہش تمہیں ہو۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں یہ پیشکش کر رہا ہوں۔"

" آپ نے جو کچھ معلوم کرنا تھا مجھ سے معلوم کر لیا۔" محسن شاہ کو میرے ان الفاظ پر تعجب ہوا تھا۔

" ہاں۔ میری جان۔ تم بے گناہ ہو اور میں تمہاری بے گناہی ثابت۔۔۔ کر کے رہوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔"

" کیا آپ کوئی جادوگر ہیں۔ اگر ہیں تب تو شاید میں یہ بات مان لوں گا بشرطیکہ آپ اس بات کا اعتراف کر لیں ورنہ میں تو نہیں سمجھتا کہ آپ کس طرح ایک قاتل کو بے گناہ ثابت کریں گے۔" محسن شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا پھر بولا۔

"تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی اور دوسری ملاقات ہماری اس وقت ہوگی جب تم ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ ؤگے۔" میرے اِن الفاظ کے جواب میں محسن شاہ نے طویل قہقہہ لگایا تھا۔

"ہاں واقعی۔ بہت عمدہ بات کہی تم نے ہماری دوسری... ملاقات اس وقت ہوگی جب میں ایک بے گناہ کی حیثیت سے منظرِ عام پر آؤں گا اور چار آدمیوں کے کاندھوں پر سوار ہوؤں گا تم میرا چہرہ دیکھ کر کہو گے کہ یہ بے گناہ تھا وا! شارق حسین صاحب واہ... ٹھیک ہے آپ اپنی جادوگری دکھائیں ہم بھی دیکھیں گے کہ طلسم کیا ہوتا ہے۔" وہ مسلسل ہنستا رہا اور اس کے بعد میں وہاں سے لوٹ آیا۔

وقار صاحب سے میری ملاقات ہوئی تو وہ پوچھنے لگے۔

"کیا خیال ہے...؟"

"بہت سرکش ہے۔ بہت زیادہ سرکش اور ہر قیمت پر اس قتل کو اپنے نام سے منسوب کرنا چاہتا ہے۔"

"تمہارے خیال میں وہ قاتل نہیں ہے؟"

"آخری بات تو نہیں کہہ سکتا وقار صاحب۔ ابھی گنجائش ہے لیکن وہ قاتل لگتا نہیں ہے قتل کرنے والے ذرا مختلف کردار کے لوگ ہوتے ہیں بعض اوقات حادثاتی طور پر کوئی ایسا شخص... اس جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے جس نے زندگی میں کبھی کسی کو کوئی... نقصان نہ پہنچایا ہو۔ بظاہر ایسی کوئی بات سامنے تو نہیں ہے ہو سکتا ہے ایسی کوئی بات ہو فی الحال میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک میرا تجزیہ ہے اس کے بارے میں وہ قاتل نہیں ہے۔"

"اس دنیا کے کھیل نرالے ہی ہوتے ہیں۔ تم الجھنیں پالنے کے شوقین ہو میرے لیے جو خدمت ہو اس سے گریز نہ کرنا۔"

"[illegible] کرتا ہوں۔ آپ کے یہ الفاظ تو بار بار میرے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔" وقار صاحب نے اسی پُرخلوص انداز میں مجھے رخصت کیا تھا۔

محسن شاہ سے ملاقات کا تھوڑا سا تاثر ذہن پر طاری رہا۔ سوچوں میں ڈوبا رہا تھا۔ ایسی کون سی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ خود کو مجرم ثابت کر کے سزائے موت پانا چاہتا ہے۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے ذہن میں صرف یہی تصور ہو کہ اسے اس جرم کے الزام میں پھانسی ہی کی سزا ہوگی اب یہ دوسری بات ہے کہ وہ قانون سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو صرف سزائے موت کا مجرم تسلیم کر چکا ہے۔ حالانکہ اس بات کے امکان واقعی بہت زیادہ تھے کہ حالات کا صحیح طور پر اندازہ لگا کر اسے سزائے موت سے بچایا جا سکے چونکہ بعض ایسے معاملات میں سزائے موت نہیں دی جاتی تھی اور پھر کوئی عینی شاہد بھی نہیں تھا صرف واقعات و ثبوت کی بناء پر اسے قاتل گردانا گیا تھا۔

اس کیس میں کافی گنجائش تھی اور بھائی جان بلاوجہ اس میں اتنے بد دل ہو رہے تھے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں اسے بے گناہ ثابت کر کے ہر قسم کی سزا سے بچا لوں گا لیکن اس سلسلے میں ابھی راستے کھلے ہوئے تھے اور کوششیں کی جا سکتی تھیں۔

اسی شام اس موضوع پر ڈیڈی کے سامنے بحث چھڑ گئی... شوکت جاہ بھی شریک تھے معمول کے مطابق کوٹھی پہنچا تھا اور وہاں کی مصروفیات میں گم ہو گیا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین کی آج کل مجھ پر توجہ کو محسوس کیا گیا تھا اور اس سلسلے میں شاید ڈیڈی ہی نے ان سے سوالات کر ڈالے تھے اور انہوں نے ڈیڈی کو شاید پوری تفصیل بتا دی تھی شوکت جاہ بھی دلچسپی لے رہے تھے۔

ڈیڈی نے اس وقت خود ہی مجھ سے پوچھا۔

"ہاں بھئی سنا ہے آج کل نصرت حسین کی معاونت میں کام کر رہے ہو۔"

"جی ہاں۔ بھائی جان کو اسسٹ کر کے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔"

"ڈیڈی یہ کسرِ نفسی سے کام لے رہا ہے، دراصل انہوں نے ایک ایسا کیس چیلنج کے طور پر اپنے ہاتھ میں لیا ہے جو میری نگاہ میں بے جان ہو چکا ہے اور ایک ایڈووکیٹ جن کا نام توصیف رضوی ہے اس بات کے لیے مجھے چیلنج کر چکے ہیں کہ میں ان کے سامنے اپنے کلائنٹ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔ شارق نے یہ چیلنج قبول کر لیا ہے اور اس سلسلے میں یہ کوششیں کر رہے ہیں۔"

"بھائی جان میں نے یہ چیلنج قبول نہیں کیا ہے مجرم اگر واقعی مجرم ہے تو پھر اسے سزا سے بچانا بھی ایک جرم ہی کے مترادف ہے لیکن اگر کوئی گنجائش نکل آئی تو آپ یقین رکھیں کہ میں نہ صرف یہ کہ اسے بے گناہ ثابت کر دوں گا بلکہ اصل مجرم کو بھی قانون کے حوالے کر دوں گا اور اسے ہر قسم کی سزا سے بچاؤں گا۔"

"اگر تم اس بات پر آمادہ ہو گئے ہو دوست تو اس کا مقصد ہے کہ پھر ایسا ہی ہوگا۔" شوکت جاہ نے لقمہ دیا اور میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ "میں جانتا ہوں تم یقینی طور پر اگر اس شخص کے بارے میں کوئی ایسی رائے نہ رکھتے تو اس

کیس کے بارے میں اس انداز میں گفتگو نہ کرتے۔"

"آپ میرے بارے میں بہت وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔"

"بھئی اتنا تو حق دے دو چچا ہیں آخر تمہارے تھوڑا بہت تو سمجھ سکتے ہیں تمہیں۔"

"خدا کرے آپ کا کہنا درست ہو اور اس بار مجھے ایک ایسے کیس میں ہاتھ ڈالنا پڑا ہے جو کسی غریب اور مظلوم شخص کا نہیں بلکہ ایک ایسے آدمی کا ہے جو اپنے طور پر اپنے بیٹے کو بچانا چاہتا ہے اور ایک ایسے بیٹے کا ہے جو شاید قاتل نہیں ہے۔"

"کیا تم نے اس سلسلے میں دراب شاہ سے ملاقات کر لی مجھے تفصیلات نہیں بتائیں۔"

"آپ کے اور میرے درمیان یہ بات طے ہو چکی ہے بھائی جان کہ تمام رپورٹیں شام کو..."

"چلو آج ابھی اور اسی وقت بتا دو۔ دراصل ڈیڈی پوچھ رہے تھے مجھ سے کہ شارق آج کل کسی کام میں مصروف ہیں یا... نہیں میں نے انہیں تفصیل بتا دی۔"

"اگر آپ کوئی حرج نہیں سمجھتے تو ٹھیک ہے بھائی جان میں دراب شاہ سے ملا تھا۔" پھر میں نے دراب شاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو اور محسن سے جیل میں ملاقات کا حال سنا دیا۔

"اوہ... گڈ گڈ۔" بھائی جان مضطربانہ انداز میں بولے۔

"میں اس شخص کے بارے میں جہاں تک اندازہ لگا چکا ہوں بھائی جان وہ ایسے نوجوانوں میں سے نہیں ہے جو گھناؤنی فطرت کے مالک ہوتے ہیں اور بے دریغ کسی کو قتل کر دیتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کسی بھی جذبے کے تحت وہ شخص کم از کم قتل کی حد تک نہیں جا سکتا بس ایک چھوٹی سی گنجائش رکھی ہے میں نے وہ یہ کہ کوئی حادثہ اسے اس کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایسے معمولی لوگ بھی بہت بڑا کام کر بیٹھتے ہیں جو زندگی میں ایسی کسی حرکت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے اور اس کے لیے بھائی جان مجھے تھوڑی سی مزید تفتیش کرنا ہوگی۔ آپ لوگ مجھ پر ایجنٹ زیرو زیرو کی چھاپ لگا دیں گے لیکن بتائیے کوئی طریقہ کار ہے ایک ایسے شخص کو مجرم یا بے گناہ ثابت کرنے کا، ہمیں تفتیش تو کرنا ہوگی پولیس بعض اوقات جو تفتیش کرتی ہے وہ ان شواہد کی بنیاد پر کرتی ہے جو اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تمام پولیس آفیسر اس انداز میں کام کرتے ہیں لیکن بعض لوگ شدید ترین مصروفیات کی وجہ سے صرف وہ سطحی کام کرتے ہیں جن کے راستے ان [illegible] نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں ان راستوں کے دوسری طرف [illegible] تک لگانا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔"

"بھئی اب تو تسلیم کیا ہی جا چکا ہے اب ہم لوگوں پر یہ چوٹ کرنے سے کیا فائدہ۔" ایس پی طارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان آپ لوگوں پر تو میں فخر کرتا ہوں آپ سب ہی کی رہنمائی میں تو مجھے یہاں تک پہنچنے کا موقع ملا ہے میری کسی سے براہ کرم آپ یہ نہ سوچا کریں کہ میں کسی پر چوٹ کر رہا ہوں۔"

"ارے نہیں۔ مذاق میں کہہ دیا تھا۔" طارق حسین نے کہا۔

"میرے سامنے ذرا مذاق میں احتیاط کیا کرو۔" ڈیڈی نے... مداخلت کی اور ایس پی صاحب گردن جھکا کر خاموش ہو گئے۔ غالباً انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ بے تکلفی سے یہ جملہ بول گئے ہیں نصرت حسین اور امجد حسین مسکرائے بغیر نہ رہ سکے تھے شوکت جاہ بھی مسکرا رہے تھے پھر نصرت حسین نے اپنا سوال دہرایا۔

"ہاں۔ تو تم بتا رہے تھے کہ اس سلسلے میں کچھ تفتیش کرنا ہوگی۔"

"جی ہاں۔ اور اس کی رپورٹ آپ کو بعد میں پیش کروں گا۔"

"وہ پیچھے لگ گیا ہے اور کچھ نہ کچھ کر کے دکھائے گا۔" شوکت جاہ صاحب نے درمیان میں مداخلت کی۔ یوں کافی دیر تک اس سلسلے میں گفتگو ہوتی رہی ہے بعد میں نصرت حسین صاحب میرے ساتھ ہی نکلے تھے اور انہوں نے کہا تھا۔

"جو کچھ کر رہے ہو اس سے مطمئن تو ہو نا۔"

"یقیناً مطمئن ہوں بھائی جان لیکن ابھی آپ سے کوئی... دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس میں کیا کر کے دکھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے بھئی دعویٰ تو کوئی نہیں کر سکتا تاہم مجھے تم سے تھوڑی سی امیدیں وابستہ ہو گئی ہیں اور خاص طور سے یہ توصیف رضوی بہت اچھل رہا ہے اس مسئلے میں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے شارق حسین اس بات کا خاص خیال رکھنا۔" میں نصرت بھائی کو تسلی دینے کے بعد اپنے کمرے میں چلا آیا تھا۔

جادواں کمرے کے سامنے سے گزری تو میں نے اسے آواز دے کر بلایا اور وہ مسکراتی ہوئی میرے پاس آ گئی۔

"ہیلو۔ تم تک یہاں سے بور نہیں ہوئیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے اس کوٹھی کے ماحول سے تمہیں بوریت... نہیں ہوئی۔"

"بھگانا چاہتے ہو؟"

"اس کا جواب تم خود اپنے آپ تلاش کر لو۔" میں نے کہا۔

"مذاق کر رہی تھی خیر۔ بوریت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

اور یہاں تو میرا دل اس طرح سے لگ گیا ہے کہ اب جانے کے تصور سے خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔"

"تو جانے کی ضرورت ہی کیا ہے آشیانہ میں جگہ کم ہے کیا؟"

"نہیں بھئی۔ اپنا بھی ایک آشیانہ بنانا تو ہوگا۔"

"اس سلسلے میں جب بھی آشیانہ بنانے کے بارے میں سوچو تو میری مدد ضرور حاصل کر لینا۔"

"کیوں نہیں ضرور...." جاوداں نے محبت پاش نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

ویسے آج کل کوٹھی کی فضا میں کچھ بدمزگی سی پیدا ہو گئی ہے مس نیلوفر بھی پرسکون ہیں خیر آپ کا مسئلہ تو اب لوگوں کی نگاہوں میں صاف ہو ہی گیا ہے۔ انیلا صاحبہ بھی جب آتی ہیں بڑی نصیحتوں کی باتیں کرتی ہیں۔ لالہ رخ پر مجھے حیرت ہے یہ شیر پنجرے میں کیسے بند ہو گیا۔"

"جی نہیں یہ آپ کی غلط فہمی ہے دراصل ان دنوں کوٹھی کی فضا آپ کے حق میں سازگار ہے اس لیے لالہ رخ کوئی داؤ پیچ اختیار نہیں کر رہیں البتہ کبھی کبھی کچھ تھوڑی سی جلی کٹی چھوڑ ہی دیتی ہیں۔"

"اس کی یہی فطرت تو مجھے پسند ہے جاوداں۔ جب مجھ سے تعاون کرتی ہے تو بالکل اچھی نہیں لگتی۔"

"آپ بھی ایک نہ سمجھ میں آنے والی شخصیت ہیں شارق.... صاحب۔" جاوداں سے کھڑے کھڑے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اور اس کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔

ذہن پر یوں ہی سب کچھ سوار تھا اور میں جانتا تھا کہ دیر تک نیند نہیں آئے گی۔ ویسے اس مسئلے میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی.... خاص طور سے یہ دلچسپی محسن شاہ سے ملاقات کے بعد بڑھ گئی تھی۔ ایسے کردار میری زندگی میں پہلی بار نہیں آئے تھے اس سے پہلے بھی چند ایسے افراد سے مل چکا ہوں جو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم سمجھتے ہیں اور مجرم بننا بھی چاہتے تھے اور ان کا پس منظر کچھ اور نکلا تھا۔

ویسے مجھے یقین تھا کہ دراب شاہ کی کوٹھی میں قیام کے بعد مجھے بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوں گی جو اس سلسلے میں منظر عام پر نہیں لائی گئی ہیں ایک ایک قدم سنبھل کر اٹھانا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں عجلت بازی کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ ابھی بہت وقت تھا نگہت شیراز ذہن میں آئی لیکن ابھی تک اس کے سلسلے میں کوئی ایسا کام نہیں سوچا تھا جو اسے سونپ دیتا۔ ان سب کی تو بعد میں ضرورت ہوتی۔

لیکن دوسرے دن اس وقت جب آفس میں تھا اور اس بات کے لیے گھر سے تیار ہو کر گیا تھا کہ آج ہی دراب شاہ کی کوٹھی میں منتقل ہو جاؤں گا نگہت دفتر پہنچ گئی جاوید قریشی اور فاروقی صاحب دفتر میں موجود نہیں تھے استاد چھوٹے بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور میں ان سے ان کے حالات زندگی معلوم کر رہا تھا کہ نگہت کی آمد کی اطلاع ملی اور میں نے اسے اندر ہی بلا لیا۔

"ہیلو چیف.... کیسے مزاج ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ہوں نگہت شیراز اور سناؤ بہت دنوں بعد صورت دکھائی دی ہے۔"

"استاد آپ سے تو بس ایک ہی فرمائش کرنے کو دل چاہتا ہے آپ بھی سوچتے ہوں گے کہ لوگ کچھ گھروں کو ہوٹل سمجھ کر آ جاتے ہیں!"

"چائے پئیں گی بی بی؟" استاد نے پوچھا۔

"ارے.... آپ دلوں کا حال بھی جان لیتے ہیں۔" نگہت شیراز ہنس کر بولی اور استاد چھوٹے مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"ہوں۔ کیسی گزر رہی ہے؟"

"بہت ٹھیک چیف آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ آپ سے پیسے وغیرہ مانگنے نہیں آئی ان دنوں میرے پاس خاصے پیسے ہیں۔"

"گڈ.... کہاں سے آئے؟"

"چیف تنخواہ وغیرہ تو ملتی ہی رہتی ہے لیکن جب میں کسی عیاشی کا ذکر کرتی ہوں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ چیف کی دی ہوئی رقم ہی کام میں آتی ہے۔ اصل میں اس کے علاوہ آج کل کچھ اور نہیں کر رہی اور کرنا بھی نہیں چاہیے جب خدا نے ایک ذریعہ آمدنی پیدا کر دیا ہے تو ادھر ادھر بھٹکنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اخبار کیسا چل رہا ہے تمہارا.... آج کل کچھ سنسنی خیز خبریں نہیں ہیں؟"

"ہاں چیف۔ یہ ایک افسوسناک خبر ہے کہ آج کل کوئی سنسنی خیز خبر اخبار کو نہیں مل رہی ایڈیٹر صاحب بھی بے چارے پریشان ہیں۔ اب آپ دیکھیے نا کہ اخبار کا پیٹ بھرنا تو ضروری ہے آپ بھی.... آج کل کچھ خاموش خاموش سے بیٹھے ہیں کیا کوئی پہلوان آپ کے مدمقابل نہیں آیا؟"

"آ رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور نگہت اچھل پڑی۔

"اور یہ اتفاق ہے مجھے اس میں ملوث ہوئے کچھ زیادہ گھنٹے نہیں گزرے ہیں۔"

"رپورٹ پلیز رپورٹ۔" نگہت نے گردن تان کر کہا اور میں اس کو اس سلسلے میں تھوڑی سی تفصیلات بتانے لگا۔ وہ بغور سن رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔ یہ واقعہ میرے علم میں ہے میں نے بھی اخبار میں پڑھا تھا لیکن کوئی زیادہ چھان بین نہیں ہوئی اس سلسلے میں اور نہ ہی کوئی دوسری خبر لگی اس لیے اسے نظر انداز کر دیا۔ مگر چیف اس کا مقصد ہے کہ.... کہ.... مگر وہ پہلوان کہاں ہے اس میں؟"

"ابھی تک نہیں ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ آئے گا۔"

"امکان نہیں لگتا چیف۔"

"کیوں؟"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ براہ راست ہے اور اس سلسلے میں مجرم خود اقبال جرم کر رہا ہے اور جیسا کہ آپ نے مجھے بتایا کہ وہ اس سے خوش بھی ہے اور کوئی دباؤ نہیں ہے اس پر، ویسے چیف کیا خیال ہے یہ کوئی ایثار وغیرہ کا معاملہ تو نہیں ہو سکتا؟"

"تمام چیزوں کا جائزہ لینا ہے نگہت...."

"تو پھر میرے لائق کیا خدمت ہے؟"

"ابھی کوئی خدمت نہیں ہے آرام کرو۔ میں ذرا دراب شاہ کی کوٹھی کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔"

"اچھا.... اچھا آپ کہیں تو [illegible] بنا کر آپ کے حوالے کر دوں۔"

"نہیں نگہت اس انداز سے نہیں۔ ذرا دیکھنا ہے وہاں کے کرداروں کو اور اس صورت حال کو جس کے تحت یہ واقعہ پیش آیا۔ یہ بات لازمی ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہے تم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتیں کہ وہ ایک بنت ہیوا تھی اور اس کا دراب شاہ کے گھر میں آنا جانا تھا۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں تفصیلی طور پر تفتیش کرنا پڑے گی اور اس لیے میں نے ذرا دھیمے انداز میں اپنے کام کا آغاز کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے چیف ٹھیک ہے۔ یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ نگہت شیراز کی جہاں بھی ضرورت پڑے گی چیف اس بات کو نظر انداز نہیں کریں گے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یہ تم نے کیوں سوچا۔" میں نے کہا اور نگہت گردن ہلانے لگی استاد چائے کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آ گئے تھے پھر انہوں نے بڑی نفاست سے دو پیالیاں بنا کر ہم دونوں کے سامنے رکھ دیں چائے کے دوران میں نے نگہت کو اس کے پوچھنے پر بتایا کہ آج ہی میں دراب شاہ سے اس سلسلے میں بات کر کے اس کی کوٹھی میں منتقل ہو جاؤں گا۔ ممکن ہے وہاں کچھ زیادہ وقت صرف کرنا پڑے۔

چائے کے بعد نگہت شیراز رخصت ہو گئی اور میں دراب شاہ سے رابطہ قائم کرنے کے لیے فون کی جانب متوجہ ہو گیا وہ اسٹوڈیو میں ہی تھا۔

"شارق حسین بول رہا ہوں۔"

"جی شارق صاحب۔ میں تو ہر لمحہ آپ کے فون کا انتظار کرتا رہا ہوں۔" دراب شاہ نے کہا۔

"مجھے اندازہ ہے۔"

"زندگی بھی بڑی عجیب شے ہے شارق صاحب، انسان بعض اوقات دوسروں کے لیے بے بس ہو جاتا ہے۔ ان دنوں میرا جی چاہتا ہے کہ ایک تنہا گوشے میں سو جاؤں۔ گہری نیند بدن یہی چاہتا ہے مگر حالات اس کی اجازت نہیں دیتے۔"

"یقیناً بعض مصروفیات سکون نہیں لینے دیتیں۔"

"میری ایک فلم تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ پیچ ورک ہو رہا ہے۔ بےشمار لوگ اس سے متعلق ہیں، اور اس کے ریلیز ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کا مستقبل بھی وابستہ ہے، روزی تو ہر شخص کو درکار ہوتی ہے شارق صاحب، دوسری فلم کا پیپر ورک مکمل ہو چکا ہے اور متعلقہ حضرات اسے شروع کرنے کے لیے بے چین ہیں، میرے دل کی حالت کون سمجھ سکتا ہے ان انسانوں جس طرح مجھ پر بیت رہی ہے ان لوگوں کے لٹکے ہوئے چہرے مجھے بستر سے اٹھا کر اسٹوڈیو لے آتے ہیں، لیکن یقین کریں ذرا بھی کام نہیں ہو رہا۔ آپ سے بہت سی امیدیں وابستہ کر بیٹھا ہوں اور اسی لیے آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں، یہ جانتا ہوں کہ جس طرح میں اپنے معمولات میں مصروف ہوں اسی طرح دوسرے بھی حالات کی رسی سے بندھے ہوں گے لیکن انسان خود غرضی سے اپنے بارے میں ہی سوچتا ہے۔ شارق صاحب میری یہ مشکل حل کر دیجیے زندگی بھر احسان مند رہوں گا، آپ جانتے ہیں کہ ایک باپ کی زندگی میں اولاد کے سوا کیا ہوتا ہے، اور میں تو ایک ہی بیٹے پر قناعت کرتا ہوں۔"

"یقیناً دراب شاہ، مجھے آپ کی تڑپ کا اندازہ ہے، میں فارغ ہو چکا ہوں، اور اب آپ کو زحمت دینا چاہتا ہوں۔"

"زحمت.... آپ اسے زحمت کہہ رہے ہیں جو میری زندگی کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ بتائیے آپ کب پہنچ رہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے آپ کی موجودگی وہاں ضروری نہیں ہے بس اطلاع دے دیجیے گا، ہاں چند باتیں اور کرنا چاہتا ہوں مثلاً یہ کہ وہاں آپ مجھے کیا حیثیت دے رہے ہیں؟"

"ہم اس موضوع پر تھوڑی سی گفتگو تو کر چکے ہیں شارق صاحب

یعنی میں آپ کو...؟"

"ہاں بے شک۔ کچھ اس طرح کا انداز اختیار کیا جانا چاہئے، جیسے آپ اور ہم کسی دوسرے کی معرفت متعارف ہوئے ہیں اور نہ میں آپ کو بہت زیادہ جانتا ہوں اور نہ آپ مجھے۔"

"اچھا اچھا، سمجھ رہا ہوں۔" دراب شاہ نے کہا۔

"لیکن آپ مجھے کسی خاص وجہ سے اہمیت بھی دیتے ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ آپ کی کوٹھی میں مجھے ایک بہتر مقام دیا جائے۔"

"خیر یہ تو میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ ایسا ہی ہوگا آپ اطمینان رکھیں...،"

"کوٹھی میں ہمارے درمیان تنہائی میں گفتگو بھی ہو سکے گی؟"

"ہاں ہاں بالکل ہو سکے گی، وہاں زیادہ مداخلت نہیں کی جاتی ویسے بھی مختصر سے افراد ہیں، قریبی لوگوں میں تو بس میری بیوی ہے، ملازمین وغیرہ ہیں یا پھر کبھی کوئی شناسا آجاتا ہے، آپ کو یقین ہی نہیں آئے گا کہ وہ کوٹھی ایک فلم ڈائریکٹر کی ہے۔ میں نے کوٹھی کے ماحول کو فلمی دُنیا کے ماحول سے بالکل الگ رکھا ہے، بس ایک پورشن ہے جہاں کچھ کاروباری کام ہوتے ہیں، اور وہ حصہ میں نے بالکل الگ تھلگ کر رکھا ہے۔"

"خوب، ویسے آپ کے اس پروفیشن کی گھریلو طور پر مخالفت تو نہیں ہوتی شاہ صاحب؟"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں کام کو کام کے طور پر کرتا رہا ہوں۔ حالانکہ میرے بیٹے کو مجھ سے تھوڑا بہت اختلاف ضرور رہا ہے لیکن تھوڑا بہت... ماور میں نے اس اختلاف کو کبھی اہمیت نہیں دی ایسی ہی کچھ مصیبتوں کا شکار رہا ہوں۔ زندگی میں جب کوئی چیز ہوتی ہو تو اس کی قدر نہیں کی جاتی، جب اس کے کھو جانے کا خدشہ ہو جاتا ہے تو دل اس کے لیے تڑپنے لگتا ہے، بہت سے معاملات میں مجھے محسن سے اختلاف تھا، اور وہ بھی مجھ سے شدت سے اختلاف کرتا تھا لیکن اس وقت میں نے اس کے اختلافات کو کوئی حیثیت نہیں دی اور جہاں وہ میرے مفادات سے ٹکرایا میں نے اس کے ساتھ سختی کا سلوک کیا، لیکن آج یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ آخر ہے کس کے لیے مجھے اس کے ساتھ سختی نہیں برتنی چاہئے تھی، آپ کب تک پہنچ رہے ہیں؟"

"بس ایک آدھ گھنٹے میں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر میں ٹیلی فون پر ہدایات دیتا ہوں وہاں پر الیاس خان آپ کا استقبال کرے گا، یوں سمجھ لیجیے وہ کوٹھی کا منتظم ہے، تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی ہے آپ سے غلط سلط انگریزی بولے گا برداشت کر لیجیے گا۔" مزید کچھ رسمی گفتگو کے بعد دراب شاہ سے بات چیت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا... یہاں سے اب فلیٹ پر جا کر تھوڑا بہت سامان ساتھ لینا تھا تاکہ یہ ظاہر کر سکوں کہ کہیں باہر سے آیا ہوں اور اس سلسلے میں دراب شاہ سے جو گفتگو ہوئی تھی اسی کے... مطابق عمل کرنا تھا فلیٹ سے سامان لیا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر دراب شاہ کی کوٹھی کی جانب چل پڑا۔

ٹیکسی دراب شاہ کی شاندار کوٹھی کے سامنے رک گئی ایک... ٹیکسی کوٹھی کے وسیع وعریض احاطے کے سامنے رک گئی۔ بہت ہی خوب صورت عمارت بنی ہوئی تھی۔ ایک درمیانی جسامت کے آدمی نے میرا استقبال کیا، اور جلدی سے میرے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جھک کر مجھے سلام کیا اور آہستہ سے بولا۔

"الیاس خان آپ کو ویلکم کہتا ہے سر...!"

"اوہ الیاس خان مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ یہاں میری تم سے ملاقات ہو گی۔"

"الیاس خان ہاؤس سیکرٹری ہے اور یہاں کے تمام انتظامات کا نگران...!"

"ویری گڈ۔ میرا خیال ہے دراب شاہ صاحب نے تمہیں میری آمد کے بارے میں تمام تفصیلات بتا دی ہوں گی؟"

"بالکل سر، آیئے تشریف لایئے۔" الیاس خان نے میرا سامان اٹھا لیا، ٹیکسی واپس چل پڑی تھی۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا... دروازہ کھولا اور بڑے اسٹائل سے اندر چلنے کے لیے کہا۔

سجا سجایا بیڈ روم تھا، جس میں ضروریات زندگی کی تقریباً تمام ہی چیزیں موجود تھیں، آرام دہ بستر تھا۔ اس نے باتھ روم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ اٹیچ باتھ ہے سر، اب آپ مجھے یہ بتایئے کہ میں آپ کی پہلی خاطر کیا کروں؟"

"فی الحال کچھ نہیں، تھوڑی دیر آرام کروں گا، ہاں یہ بتاؤ کیا یہ کمرہ تم نے میرے لیے منتخب کیا ہے؟"

"ہاؤس سیکرٹری کی جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں سر انہی کے تحت میں نے یہ خدمت سر انجام دی ہے۔"

"تم تو بہت تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

"اوہ نو سر... سر... بس کام چل جاتا ہے۔ ویسے دراب شاہ مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔"

"تمہارے انداز میں فلمی کیفیت ہے، کیا میرا خیال غلط ہے؟" جواب میں الیاس خان مسکرانے لگا، پھر آہستہ سے بولا۔

"سر چانس پر ہوں، دیکھنا یہ ہے کہ کب تک شاہ صاحب میری طرف توجہ نہیں دیتے...!"

"خواہش مند ہو فلموں میں کام کرنے کے؟"

"کون خواہش مند نہیں ہوتا سر۔ ملازمتیں تو بہت سی جگہ مل جاتی ہیں لیکن اتنے بڑے فلم ڈائریکٹر کی ملازمت اسی لیے اختیار کی جا سکتی ہے کہ ہو سکتا ہے کبھی اسے ہنگامی طور پر ضرورت پیش آجائے اور میری تقدیر کھل جائے۔"

"خوب خوب۔ تمہاری تقدیر یقیناً کھل جائے گی الیاس خان۔"

"تھینکیو سر، تھینکیو ویری مچ، ویسے آپ کو کسی شے کی ضرورت تو ہو گی، چائے، کافی وغیرہ۔"

"نہیں ابھی نہیں۔ جو ضرورت ہو گی طلب کر لوں گا۔"

"سر یہاں آپ کا اٹینڈنٹ یوسف خان ہے آپ اسے آواز دیجیے گا وہ آپ کے کمرے کے آس پاس ہی موجود رہے گا۔ ویسے میں اسے آپ سے ملائے دیتا ہوں۔" الیاس خان نے کہا، کافی باتونی آدمی معلوم ہوتا تھا، عمر تقریباً چالیس بیالیس سال کے لگ بھگ تھی اور چہرہ شاطرانہ کیفیات کا حامل تھا، اسے ایک چرب زبان اور ہوشیار ملازم کہا جا سکتا تھا۔ ویسے خوش مزاج معلوم ہوتا تھا، گفتگو کرنے کا انداز بہت اچھا تھا۔ باہر جا کر وہ ایک اور شخص کو اندر لے آیا، جو ایک دبلا پتلا اور لمبی قامت کا آدمی تھا اور چہرہ نہایت ہی سنجیدہ تھا۔ اس نے مجھے سلام کیا۔

"یوسف خان میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ صاحب، شاہ صاحب کے معزز مہمان ہیں اور شاہ صاحب نے مجھے خصوصی طور پر ہدایت دی ہے کہ صاحب کو یہاں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیئے اور اس کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔" یوسف خان نے کوئی جواب... دیے بغیر خاموشی سے گردن جھکا دی تھی اور اس کے بعد الیاس خان وہاں سے چلا گیا تھا۔

"صاحب کچھ ضرورت ہے؟"

"نہیں۔ جب ضرورت ہو گی تو میں تمہیں آواز دے لوں گا۔" میں نے یوسف خان سے کہا اور وہ چلا گیا۔ میں نے کمرے کے ماحول کا... پوری طرح سے جائزہ لیا اور اس کے بعد آرام سے جوتے وغیرہ اتار کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہاں سے مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا، سب سے پہلے دیکھنا تھا کہ اس کوٹھی میں کون کون سے کردار ہیں، میرے مقصد کا کون ثابت ہو سکتا ہے۔ محسن دراب شاہ کی ماں کے بارے میں میرا یہی اندازہ تھا کہ اکلوتے بیٹے کی ماں ہے۔ بہت غمزدہ ہوگی، اتفاق سے اس کے بارے میں دراب شاہ سے زیادہ تفصیل سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے خود ہی فیصلہ کیا تھا کہ اس سے ملاقات کروں گا اور اس سے اس کے بیٹے کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ رسمی طور پر میں نے لباس بھی تبدیل کیا اور اس کے بعد کافی دیر تک کمرے میں ہی رہا۔ اس کے بعد میں نے یوسف خان کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور وہ میرے پاس پہنچ گیا۔

"یوسف خان اس کوٹھی کے ماحول میں بڑی خاموشی ہے کیا باعث ہے، تم سب لوگ کیا اسی انداز میں رہنے کے عادی ہو، میرا تو یہ خیال تھا کہ ایک فلم ڈائریکٹر کی کوٹھی میں بہت سارے لوگ آتے جاتے رہتے ہوں گے اور وہاں ہر وقت ایک ہنگامہ سا برپا رہتا ہو گا۔"

یوسف خان نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ "نہیں صاحب یہاں ہنگامہ تو کبھی نہیں رہتا۔ ہاں اگر کبھی کبھی میٹنگ ہوتی ہے تو کوٹھی کے دوسرے حصے میں ہوتی ہے اور سارے کام وہیں تک رہتے ہیں۔ اس دوسرے حصے میں آنے کے لیے دوسرا دروازہ بھی ہے اس بڑے دروازے سے تو زیادہ تر لوگ آتے جاتے بھی نہیں ہیں۔ ہاں اگر کوٹھی کے لان پر کوئی تقریب ہوتی ہے تو پھر یہاں ہنگامہ ہو جاتا ہے۔ ویسے آج کل یہاں سوگواری طاری ہے اور اس کی وجہ تو شاید آپ کو معلوم ہی ہو گی۔"

"کیا مطلب...؟"

"محسن میاں کی وجہ سے...۔"

"ہاں ہاں محسن شاہ۔ دراب شاہ صاحب کے بیٹے ہیں۔"

"شاہ صاحب نے آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"نہیں یوسف خان، دراصل میں یہاں نہیں تھا۔ باہر سے آیا ہوں اور ویسے بھی دراب شاہ سے میرا براہِ راست واسطہ نہیں ہے بلکہ دراب شاہ کے اور میرے ہم دونوں کے ایک مشترکہ دوست ہیں، ان کی معرفت میں یہاں آیا ہوں۔ دراب شاہ سے میری صرف ٹیلیفون پر گفتگو ہوئی ہے، بہت اچھے آدمی ہیں، مگر محسن میاں کا کیا چکر ہے...؟"

"محسن میاں جیل میں ہیں صاحب...!"

"کیا؟" میں نے حیران رہ جانے کی اداکاری کی۔

"ہاں صاحب شاید آپ نے اخبار میں بھی نہ پڑھا ہو اس کوٹھی میں ایک قتل ہو گیا ہے۔"

"اوہ کس کا؟"

"صاحب میں ملازم ہوں، گھر کے معاملات دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے لیکن آپ کے بارے میں الیاس خان نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ صاحب کے خاص آدمیوں میں سے ہیں اور

آپ چونکہ خود ہی مجھ سے سوالات کر رہے ہیں اس لیے جواب نہ دینا گستاخی ہے۔"

"نہیں یوسف خان میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور پھر آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اگر کسی مسئلے میں کوئی ایسی بات محسوس کریں جس کا جواب دینا آپ مناسب نہ سمجھیں تو اس کے لیے آپ کو کوئی مجبور نہیں کرے گا۔"

یوسف خان نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ بہت شریف آدمی ہیں صاحب، محسن شاہ پر ایک لڑکی کو قتل کرنے کا الزام ہے جو ہم میں سے تو نہ تھی بس فلمی دنیا میں آنا چاہتی تھی اور نت نئے ہتھکنڈوں کا استعمال کر رہی تھی۔ ایک بنت جیسوا تھی صاحب نہ جانے کیا ہوا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

"قتل کا الزام محسن میاں پر ہے۔" میں نے سخت افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"جی صاحب۔۔۔"

"اوہ یہ تو بڑے دکھ کی بات ہے یوسف خان۔ ان حالات میں تو مجھے کوٹھی میں نہیں آنا چاہیے تھا، آپ یقین کریں اس ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے مجھے یہ واقعہ نہیں معلوم تھا، ورنہ میں دراب شاہ کو تکلیف نہ دیتا، وہ تو بہت ہی پر اخلاق انسان ہیں کیونکہ جب میرے یہاں آنے کی بات ہوئی تو انہوں نے انتہائی اخلاق سے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنی کسی پریشانی کا ذکر نہیں کیا۔"

"ہاں صاحب ہمارے شاہ صاحب فلمی دنیا کے آدمی ہونے کے باوجود بہت اچھی شخصیت کے مالک ہیں اور ان کی فطرت عام انسانوں سے بہت مختلف ہے۔"

"تم یہاں یوسف خان۔۔۔"

"جی صاحب ملازم ہوں اور یوں سمجھ لیجیے کہ آدھی زندگی یہیں گزاری ہے۔ بیس بائیس سال کا تھا جب اس گھر میں آیا تھا اور اس وقت سے یہیں ہوں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ خود شاہ صاحب بھی میرے سامنے بالکل نوجوان تھے اور محسن میاں تو، بس میرے۔۔۔ سامنے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ صاحب ملازم کچھ بھی کرے، کچھ بھی کہو ملازم ہی ہوتا ہے محسن میاں مجھے بھی اپنی اولاد ہی کی طرح عزیز تھے۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔" یوسف خان کی آواز بھرا گئی۔

"یقیناً یوسف خان، انسان کو انسان سے محبت ہوتی ہی ہے اور تم جیسے لوگ جو وفادار بھی ہوں گھر کو اپنا گھر ہی سمجھ کر رہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس حادثے کا کتنا افسوس ہوگا، مجھے تو اب یہ احساس ہو رہا ہے کہ کہیں دراب شاہ مروت میں مجھے برداشت۔۔۔ نہ کر رہے ہوں ورنہ ان حالات میں انسان ذہنی طور پر نارمل۔۔۔ کہاں رہتا ہے؟"

"شاہ صاحب بہت با اخلاق آدمی ہیں، کبھی زندگی بھر آپ سے نہیں کہیں گے کہ وہ کسی مصیبت کا شکار ہیں۔"

"یقیناً آپ اس گھر کے پرانے شناسا ہیں ایک ایک فرد کو جانتے ہوں گے، واقعی مجھے اس بارے میں سن کر بہت افسوس ہوا ہے، اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہو جاتی تو کم از کم ان حالات میں آپ لوگوں کو پریشان نہ کرتا۔"

"ارے نہیں صاحب، معمولات زندگی رکتے کہاں ہیں، اب دیکھیے نا شاہ صاحب بے چارے بھی اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے ہیں،۔۔۔ کوششیں کی جا رہی ہیں کہ محسن میاں کی بے گناہی ثابت ہو جائے گی دیکھیں خدا کو کیا منظور ہے۔" اسی وقت دور سے ایک آواز سنائی دی۔ اور یوسف خان جلدی سے بولا۔ "صاحب بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں، ابھی آیا۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ یہ شخص کافی کام کا ثابت ہو سکتا ہے اور اس سے مجھے بہت سی معلومات حاصل ہو جائیں گی، یوسف خان دیر تک واپس نہ آیا لیکن چند لمحات کے بعد مجھے دروازے پر قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی اور پھر ایک نسوانی آواز نے کمرے میں آنے کی اجازت طلب کی اور میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔

جو شخصیت دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی، وہ ایک دبلی پتلی نازک اندام سی دلکش خاتون کی تھی جس کی عمر بیس بائیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ چہرہ اس انداز کا تھا جیسے وہ تیز میک اپ کرنے کی عادی ہو اور اس وقت بغیر میک اپ کے ہو، بال بہت خوبصورت اور چمکیلے اور گھنے تھے آنکھیں بھوری اور پرکشش تھیں اور ہونٹوں کی تراش انتہائی نمایاں تھی ایک نگاہ دیکھنے سے ہی وہ ایک انتہائی خوبصورت عورت نظر آتی تھی سادہ سے لباس میں ملبوس تھی اور۔۔۔ داخل ہوئی تو میں احتراماً کھڑا ہو گیا میں اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ یہ کون ہو سکتی ہے۔

"ہیلو۔" اس نے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ دانت بھی انتہائی خوبصورت اور کسی ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار معلوم ہوتے تھے۔ میں نے بھی احتراماً ہیلو کہا اور سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں مسز دراب شاہ ہوں۔" اس نے کہا اور میرا دماغ بھک سے اڑ گیا، مسز دراب شاہ میں نے حیرت سے سوچا یہ نوجوان لڑکی دراب شاہ کی بیوی ہے لیکن کیا محسن دراب شاہ کی ماں، اس خیال سے مجھے خود ہی ہنسی آئی تاہم میں نے خود کو سنبھال کر پر اخلاق انداز میں

گردن خم کی اور آہستہ سے بولا۔

"ہیلو! کیسے مزاج ہیں آپ کے۔"

"ٹھیک ہوں آپ کا نام مجھے شارق حسین بتایا گیا ہے۔"

"جی میں ہی شارق حسین ہوں۔"

"میرا نام صوفیہ ہے صوفیہ دراب۔"

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر اور انتہائی حیرت بھی۔" وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ایک صوفے پر جا بیٹھی اور پھر آہستہ سے بولی۔

"حیرت کیوں۔ براہ کرم تشریف رکھیے۔ ارے ہاں یوسف خان نے آپ کو کچھ پلایا نہیں؟"

"نہیں! میں نے خود ہی معذرت کر لی تھی۔" میں نے جواب دیا اور اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"ہاں آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کو حیرت کیوں ہوئی۔"

"دراصل دراصل آپ میرا مطلب ہے صوفیہ صاحبہ واقعی حیرت کی بات ہے مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ۔۔۔ کہ۔۔۔"

"میں جانتی ہوں آپ کیوں الجھ رہے ہیں آپ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ میں دراب شاہ کی دوسری بیوی ہوں۔"

"جی جی یہ بات قطعی میرے علم میں نہیں تھی۔"

"دراب شاہ کی پہلی بیوی انتقال کر چکی ہیں اور میں ان کی دوسری بیوی ہوں۔"

"اوہ اچھا اچھا خیر یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس پر تبصرہ کرنے کا حق ہے۔" اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ویسے کوئی تبصرہ آپ کے ذہن میں موجود ضرور ہے۔" میں نے دھیمی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"صوفیہ صاحبہ انسان بس ایسی صفات کا مالک ہوتا ہے بعض اوقات اسے ان چیزوں میں بھی تجسس ہو جاتا ہے جن کا اس سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"ہاں فطرت انسانی کا خاصا ہے یہ اور میں سمجھتی ہوں کہ اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے ظاہر ہے ہر شے کو جان لینے کی خواہش تو انسانی ذہن میں پیدا ہو ہی جاتی ہے ویسے شارق صاحب، دراب شاہ کے آپ سے کب سے تعلقات ہیں؟" میں نے اس سوال پر خاص طور سے غور کیا تھا تاہم جواب دینے میں دیر نہ کی میں نے کہا۔

"دراصل مسز دراب شاہ، ان سے میرا براہ راست تعلق نہیں ہے بلکہ ایک مشترکہ دوست کی معرفت ہمارے تعلقات قائم ہوئے ہیں کچھ عرصے قبل میرا ان سے رابطہ ہوا تھا اور اس وقت انہوں نے مجھے اپنے کچھ تکنیکی معاملات میں مداخلت کرنے کی دعوت دی تھی۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ کسی مناسب وقت پر فرصت ملتے ہی آؤں گا اور اس سلسلے میں، میں نے ان سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے فوراً ہی مجھے دعوت دے ڈالی دراصل میں ملک سے باہر رہتا ہوں۔"

"اچھا اچھا آپ کہیں دور سے آئے ہیں۔"

"جی ہاں بس اتفاق سے یہی سوچ کر آیا تھا کہ دراب شاہ کے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا ان کی دیرینہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔"

"خیر کوئی بات نہیں ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں دراصل ان دنوں کچھ الجھنیں ہیں یہاں جس کی وجہ سے آپ کی وہ پذیرائی نہ ہو سکے گی جو ہونی چاہیے تھی اور اس کے لیے آپ ہماری الجھنوں کو مد نگاہ رکھتے ہوئے ہمیں معاف فرما دیں گے۔"

"یقیناً یقیناً اور جہاں تک پذیرائی کا مسئلہ ہے تو رسمی طور پر تو بہت کچھ ہوتا ہے لیکن غیر رسمی طور پر جو کچھ ہوتا ہے وہ زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔"

"آپ کی سوچ بہت اچھی ہے ویسے آپ کا شعبہ کیا ہے؟"

میں نے پہلے سے طے شدہ گفتگو کے مطابق صوفیہ دراب کو اس بارے میں بتایا کہ میں کیا کرتا ہوں ظاہر ہے وہ نہیں سمجھ پائی تھی کیونکہ جو کچھ میں کرتا ہوں وہ خود بھی نہیں سمجھتا تھا، تاہم اس نے مجھ سے اتفاق کر لیا تھا۔

"آپ چونکہ باہر سے آئے ہیں اس لیے آپ کو ہمارے ہاں کے معاملات کا بھی پتا نہیں ہوگا۔"

"آپ کے ملازم سے میں نے ایک سوال کیا تھا اور اس نے مجھے مختصر الفاظ میں تفصیل بتائی بڑی دکھ بھری بات ہے کہ دراب شاہ پریشان ہیں بلکہ میں تو انتہائی معذرت خواہ ہوں کہ ایسے حالات میں آپ لوگوں کے ذہنوں پر بار بنا۔"

"نہیں زندگی کے معمولات میں رکاوٹ کہاں پیدا ہوتی ہے۔ زندگی ایک ایسی ہی ریل کا نام ہے جو چلتی ہی چلی جاتی ہے خواہ اس کے راستے میں کوئی بھی دقت کوئی بھی مشکل پیش آ جائے۔"

"معاف کیجیے گا برائے گفتگو اگر میں آپ سے اس بارے میں کچھ سوالات کر لوں تو آپ کو ناگوار تو نہیں گزریں گے دراصل بعض اوقات انسان اپنی متجسس فطرت کی بناء پر وہ سوالات بھی کر لیتا ہے جو اسے نہیں کرنے چاہئیں۔"

"اب آپ یہاں قیام کے لیے تشریف لائے ہیں اور یقینی طور پر جہاں تک مجھے علم ہوا ہے کہ آپ طویل عرصے یہاں قیام فرمائیں گے تو پھر ان تکلفات کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے ارے یوسف۔" مسز دراب نے گفتگو درمیان میں روک کر یوسف کو آواز دی اور وہ فوراً ہی

اندر داخل ہو گیا۔

"جاؤ بھئی کچھ بنا کر لاؤ کیوں شارق صاحب چائے پئیں گے یا کچھ کافی وغیرہ۔"

"اگر کمپنی کی خاطر کچھ منگوا رہی ہیں تو پھر چائے ہی منگوا لیجیے تاکہ گفتگو رہے۔"

"ہاں یوسف خان چائے بنا لاؤ میں بھی چائے پینے کا بہت دیر سے سوچ رہی تھی۔" صوفیہ دراب شاہ نے کہا میں اس کا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا بہت خوبصورت لیکن پختہ کار عورت تھی، عورت تو اسے کہا ہی نہیں جا سکتا کیونکہ ابھی اس میں سو فیصد لڑکی پن باقی تھا۔ ویسے دراب شاہ نے خود بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ محسن دراب شاہ کی ماں سوتیلی ہے اس عورت کی بھوری آنکھوں میں مجھے بہت گہرائیاں نظر آ رہی تھیں اور ایک لمحے کے لیے میرا ذہن بھٹک سا گیا تھا میں ذرا مختلف انداز میں سوچنے لگا تھا ویسے یہ خیال بھی آیا تھا میرے ذہن میں کہ پولیس کتنی سطحی تحقیقات کرتی ہے۔ اگر گہرائیوں کا جائزہ لے لیا جائے تو بہت سے کردار مشکوک ہو سکتے ہیں لیکن پولیس بھی بیچاری کیا کرے یکے بعد دیگرے اس کے اوپر ایک نہ ایک ضرب پڑتی رہتی ہے اور وہ کسی بھی مسئلے کو اتنی تفصیل سے بیٹھ کر نہیں سلجھا سکتی یہ کام ایک مختلف ڈیپارٹمنٹ کا ہونا... چاہیئے اور اس کے لیے میں نے بارہا سوچا تھا بلکہ ایک آدھ بار ایس ایس۔پی طارق حسین صاحب سے اس موضوع پر گفتگو بھی کی تھی اور وہ مسکرا کر رہ گئے تھے کیونکہ اس سے براہِ راست ان کی کارکردگی... متاثر ہوتی تھی ان کے خیال میں پولیس تمام تر تحقیقات کے بعد ہی چالان پیش کرتی ہے لیکن میں اس بات سے آج تک متفق نہیں ہو سکا تھا اسی طرح صوفیہ دراب شاہ بھی ایک ایسا کردار تھی جس پر غور کیا جا سکتا تھا اور یہاں آتے ہی میرے ذہن میں یہ بات... اسٹرائک ہوئی تھی کہ صوفیہ دراب کی شخصیت میں کچھ گہرائیاں پوشیدہ ہو سکتی ہیں لیکن ان گہرائیوں کو فوراً ہی ٹٹولنا مناسب نہیں سمجھا چائے آ گئی اور اس نے بڑی نفاست سے ایک پیالی مجھے دی اور دوسری خود لے کر بیٹھ گئی پھر وہ مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرتی رہی میں نے محسوس کیا تھا کہ اس گفتگو میں اکتاہٹ نہیں ہے بلکہ کچھ اس قسم کا انداز ہے جیسے وہ باتیں کرنے کی عادی ہو اور کسی کی کمپنی کے لیے ترستی رہتی ہو میں نے اس سلسلے میں اس سے سوال کر ہی ڈالا۔

"ویسے داراب شاہ جس قدر مصروف رہتے ہیں محترمہ صوفیہ آپ بھی ان کی مصروفیت میں کچھ ہاتھ بٹاتی ہیں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آپ شاید شاہ صاحب کی طبیعت سے... واقف نہیں ہیں وہ فلمی زندگی کو اسٹوڈیو تک محدود رکھتے ہیں انہوں نے اپنے لیے ایک علیحدہ جگہ بنا رکھی ہے جہاں اگر کبھی کوئی گھریلو کام کرنا پڑے میرا مطلب ہے اسٹوڈیو کا کام گھر پر کرنا پڑے تو وہ وہیں کرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے راستہ بھی مختلف کر دیا ہے وہاں کا۔"

"ہوں آپ کا ذاتی خیال کیا ہے اس بارے میں؟"

"کس بارے میں... ؟"

"میرا مطلب ہے فلمی زندگی کے بارے میں یقینی آپ کے دل میں یہ خواہش نہیں پیدا ہوگی کہ آپ دراب شاہ صاحب کی مصروفیات میں حصہ لیں۔"

"نہیں مجھے اس مصنوعی زندگی سے کوئی لگاؤ نہیں ہے بطور پیشہ میرے شوہر اسے اپنائے ہوئے ہیں مجھے اعتراض بھی نہیں ہے کیونکہ ان کی شناخت اس سے ہے لیکن اس میں میرا ذاتی دخل کچھ نہیں ہے اور نہ ہی شاہ صاحب مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں۔"

"معاف کیجیے گا آپ کی عمر کی نسبت میں نے یہ سوال کیا تھا آپ بالکل نوجوانی کی عمر میں ہیں اور اس عمر میں ہر طرح کی چمک دمک انسان کو پسند ہوتی ہے اس لحاظ سے میں نے یہ سوال کیا تھا کہ آپ نے براہِ راست فلمی زندگی میں داخل ہونے کی کوشش کیوں نہیں کی جب کہ عموماً میں نے دیکھا ہے کہ فلمی زندگی سے متعلق لوگ اپنے اہل خاندان کو بھی اس میں ملوث کر لیتے ہیں اور وہ اہل خاندان جنہیں مضبوط سہارے... حاصل ہوں اس میں عار نہیں سمجھتے۔"

"ہاں آپ کا کہنا درست ہے بس یہ اپنے شوق اور فطرت کی بات ہے مجھے شروع ہی سے مصنوعیت سے نفرت ہے میں حقیقتوں اور سچائیوں کی پرستار ہوں جب کہ فلمی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں ملتا تاہم میں اپنے شوہر کے پیشے سے بدظن بھی نہیں ہوں وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے لیے میں نے انہیں پوری آزادی دے رکھی ہے اور ہمارے ہاں یہ تصور بھی نہیں ہے کہ کون کیا کر رہا ہے اس سلسلے میں جو ضرورتیں ہوتی ہیں ان کا خیال رکھنا ایک لازمی امر ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کے تعلقات دراب شاہ صاحب سے بہت اچھے ہوں گے۔"

"ہاں یقیناً میں ایک بیوی کی حیثیت سے ان کا پورا پورا خیال رکھتی ہوں اور جہاں وہ میری ضرورت محسوس کرتے ہیں وہاں ان کی... معاون بھی رہتی ہوں۔"

"لیکن آپ جیسے پرسکون اور خوش حال لوگوں کے گھر یہ حادثہ بڑی... غمناک کیفیت کا حامل ہے میں کبھی محسن شاہ سے نہیں ملا لیکن اتنا اندازہ میں نے ضرور لگا لیا ہے کہ وہ بھی آپ ہی لوگوں کی تصویر ہوں گے

کس مصیبت میں پڑ گئے بیچارے ویسے خاتون کیا آپ اس بارے میں مجھے تھوڑی بہت تفصیلات بتانا پسند کریں گی معاف کیجیے گا اس کے لیے آپ مجبور نہیں ہیں میں کسی مسئلے کی کھوج نہیں کر رہا بلکہ یہ برسبیلِ تذکرہ ہے اور چونکہ تھوڑا سا تعلق آپ لوگوں سے میرا بھی ہو گیا ہے اس لیے مجھے بھی ان واقعات کا دکھ ہے۔" صوفیہ دراب شاہ چند لمحات کے لیے سوچ میں ڈوب گئی اور چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی رہی پھر اس نے کہا۔

"مصیبتیں اسی طرح آ جاتی ہیں محسن شاہ خود بھی فلمی زندگی سے متفق نہیں تھے حالانکہ شکل و صورت کے اچھے ہیں اور اگر ذرہ برابر خواہش کرتے اس بات کی کہ انہیں خود بھی فلمی زندگی میں کوئی موقع دیا جائے تو یقینی طور پر وہ انتہائی کامیاب رہ سکتے تھے لیکن فطرتاً وہ بھی مجھ سے ہی متفق تھے اور اس زندگی کو صرف ایک پیشے کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کے دل میں اپنے طور پر اس پیشے کو اپنانے کا کوئی خیال نہیں تھا لیکن بعض اوقات کچھ کردار خود بخود ہم تک پہنچ جاتے ہیں فلمی زندگی کی چمک دمک بہت سے انسانوں کو بھاتی ہے اور وہ اس میں دولت کی تلاش اور شہرت کی تلاش کے لیے آ جاتے ہیں جو لڑکی قتل ہوئی وہ ایک بنتِ بسوا تھی اور یقیناً اس قابل تھی کہ اگر فلمی زندگی میں اسے موقع مل جاتا تو کچھ نہ کچھ کر کے دکھا دیتی خاص طور سے جس ماحول میں اس نے پرورش پائی تھی اس میں اسے اس کے لیے کوئی دقت نہ ہوتی وہ کچھ عرصے سے دراب شاہ کے پیچھے پڑی ہوئی تھی اور یہ چاہتی تھی کہ اسے فلموں میں چانس دیا جائے اور اس کے لیے دراب شاہ نے اس سے انکار بھی نہیں کیا تھا بس روابط بڑھا رہی تھی اب دیکھیے وہ مر چکی ہے اور بیچاری حادثاتی مری ہے اس لیے میں اس کے بارے میں کوئی برا لفظ کہتے ہوئے خوف زدہ ہوں لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ جس ماحول کی وہ پروردہ تھی اس میں رہ کر چمک دمک کی خواہش اس کے دل میں آخری حد تک پہنچ گئی تھی اور وہ اس کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تھی، دراب شاہ ذرا مختلف قسم کے آدمی ہیں... لیکن دوسرے لوگ ایسے مواقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں محسن شاہ کے بارے میں، میں یہ دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ صاحب کردار انسان ہیں اور کسی بھی طور کسی غلط سمت نہیں جا سکتے، لیکن جو واقعہ پیش آیا ہے وہ اتنا عجیب ہے کہ کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا، وہ کئی بار یہاں آئی تھی اور اس نے ہر شخص سے روابط بڑھانے کی کوشش کی۔ انہی میں محسن شاہ بھی تھے لیکن انہوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی واقعہ والے روز وہ یہاں پہنچ گئی اور اتفاق سے محسن شاہ بھی اس دن یہاں موجود تھے اس کے بعد وہ انوکھا حادثہ ہوا اس کی لاش محسن کی الماری میں پائی گئی اور وہ بجانے کس طرح نشے میں ڈوب گئے۔"

"نشے میں؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں۔ یہ بھی ایک انہونی بات ہے محسن کے بارے میں یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ شراب کے عادی نہیں تھے آپ کو ان کے کمرے میں شراب کا کوئی نشان نہیں ملے گا لیکن اس دن وہ شراب پیئے ہوئے تھے اب انہیں یہ شراب کس نے پلائی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔"

"آپ بھی اس دن گھر پر موجود نہ تھیں؟"

"ہاں۔ اس وقت میں گھر پر موجود نہیں تھی لیکن کچھ وقت کے بعد آ گئی تھی اور بدقسمتی سے مجھے ان حالات کا مشاہدہ ہوا تھا۔"

"آپ نے میرا مطلب ہے کسی نے وہاں شراب کے برتن... نہیں پائے۔"

"نہیں شراب کے برتن وہاں موجود نہیں تھے۔"

"محسن صاحب کا تجزیہ تو کیا گیا ہوگا کیا واقعی اس وقت شراب ان کے معدے میں موجود تھی۔"

"اس کی مکمل تفصیل تو مجھے نہیں معلوم لیکن بہرطور وہ نشے میں تھے یہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس طرح تھے کہ ان کے ہوش و حواس بھی قائم نہیں تھے۔"

"دراب شاہ کو تو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی ہوگی کہ ان کا بیٹا شراب کا عادی نہ ہونے باوجود اس وقت شراب کے نشے میں غرق تھا۔"

"بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں ہم بدقسمتی سے ہی تعبیر کرتے ہیں شاہ صاحب اس سلسلے میں بہت پریشان ہیں ان کا اکلوتا بیٹا ہے وہ اور اس سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔"

"آپ سوچ رہی ہوں گی کہ یہ شخص کس طرح فضول باتوں میں الجھ گیا ہے۔ میں کیا کروں اور کون سی باتیں کی جائیں آپ اگر اس موضوع کو ناخوش گوار محسوس کر رہی ہوں تو براہِ کرم مجھے بتا دیجیے گا میں اسے ترک کر دوں گا۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"آپ کی ذاتی رائے محسن کے بارے میں کیا ہے؟"

"بہت اچھی... وہ طرح ایک نفیس انسان ہیں اور میں نے ان کی شخصیت میں کبھی کوئی جھول نہیں پایا۔"

"میرا مطلب ہے وہ خود تو کسی طور اس لڑکی سے متاثر تو نہیں ہو گئے تھے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ان کا اپنا... زندگی کا ایک معیار

ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ وہ اس معیار سے کبھی نہیں گر سکتے جب کہ وہ جانتے تھے کہ وہ ایک بنت جیسا ہے اور ویسے بھی محسن بہت ہی مختلف فطرت کے انسان ہیں۔"

"آپ بھی ان کی عزت کرتی ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔۔"

"مسز دراب مجھے انتہائی افسوس ہے اور مزید افسوس یہ ہے کہ ان حالات میں، میں آپ کو زیر بار کرنے کا باعث بنا دراب شاہ سے ملاقات ہو جائے اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ یہاں سے کسی ہوٹل میں شفٹ ہو جاؤں، اس وقت آپ ذہنی طور پر معتدل نہیں ہیں اس لیے میں آپ کو مزید زحمت نہیں دے سکتا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ شارق حسین انسان کبھی انسان سے اکتاتا ہے آپ کی آمد تو تھوڑی سی خوش گوار کیفیت کی حامل ہو گئی ہے ورنہ یہاں ایسی سوگوار زندگی گزر رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ میں کس قدر اکتاہٹوں کا شکار ہوں شاہ صاحب بھی مرے بند ھے اسٹوڈیو چلے جاتے ہیں ورنہ میں جانتی ہوں کہ ان کا دل گھر سے نکلنے کو بھی نہیں چاہتا لیکن بس لوگ مجبور کر دیتے ہیں آپ کی آمد سے کم از کم اتنا ہو گا کہ میں آپ سے باتیں کر سکوں گی بلکہ میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ براہ کرم ہمارا ساتھ دیجیے اس سوگوار ماحول میں آپ کی موجودگی تھوڑی سی فرحت کا باعث بنے گی آپ یہاں سے جانے کے بارے میں بالکل نہ سوچیے گا۔"

"آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ نے مجھے یہ حیثیت دی۔ بہر طور میرے لائق کوئی بھی خدمت ہو ضرور فرما دیجیے۔"

لنچ کافی پر تکلف تھا لیکن دراب شاہ اس پر بھی موجود نہیں تھا کھانے کی میز پر صرف میں تھا اور صوفیہ دراب تھی۔ میں نے اس وقت بھی اس سے چند سوالات کیے اور اس کوٹھی میں رہنے والوں کے بارے میں پوچھا، ان کے اہل خاندان کے بارے میں معلوم کیا تو صوفیہ نے کہا کہ اتفاق سے نہ دراب شاہ کے عزیز و اقارب زیادہ ہیں۔ نہ میرے، بس چند افراد ہیں جو کبھی کبھی مل لیتے ہیں اور کوٹھی میں۔۔۔ ملازمین کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے محسن تھے صوفیہ تھیں اور دراب شاہ تھے بس یہی افراد مرکزی حیثیت رکھتے تھے یا پھر فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے لوگ آتے جاتے رہتے تھے لیکن دراب شاہ کو ذرا کم ہی فرصت ملتی تھی اس لیے بھی یہ آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔

شام تقریباً ساڑھے پانچ بجے دراب شاہ واپس آیا اور اس نے بڑے پرتپاک انداز میں مجھ سے ملاقات کی صوفیہ دراب شاہ بھی اس وقت لان پر موجود تھی دراب شاہ نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"صوفیہ میرے لیے بہت ہی قابل احترام اور میری اہم ترین۔۔۔ فرد ہیں مسٹر شارق حسین۔ میں نے تمہیں اس سلسلے میں جو کچھ کہا تھا تم نے وہی کیا ہے نا۔ شارق صاحب کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"یہ تو سوال بھی کرنا مناسب نہیں ہے شاہ صاحب۔ مسز دراب نے یہاں مجھے بالکل گھر کی سی سہولتیں فراہم کر دی ہیں۔ میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"بھئی صوفیہ چائے کا انتظام کرو۔ میں ذرا نہا لوں۔"

"جی۔" صوفیہ نے کہا اور دراب شاہ نے مجھ سے بھی اجازت لے لی پھر وہ اندر چلا گیا۔ صوفیہ نے مجھ سے کہا

"آئیے اوپر بیٹھیں۔ میں چائے کے لیے کہہ دوں۔"

"ضرور۔۔۔" میں نے کہا اوپر بہت ہی خوب صورت جگہ بنائی گئی تھی جہاں چاروں طرف پودے لگے ہوئے تھے اور گملوں کی بھینی بھینی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ کھلی ہوئی جگہ تھی اور اس کا آدھا حصہ ڈھکا ہوا تھا میں وہاں لان چیئر پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد صوفیہ بھی چائے وغیرہ کے لیے کہہ کر واپس آ گئی۔

"دراب شاہ کی پسندیدہ جگہ ہے یہ یہاں وہ شام کی چائے پیتے ہیں بشرطیکہ اسٹوڈیو سے فرصت ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دراب شاہ بھی لباس تبدیل کر کے وہاں پہنچ گیا۔

"ہاں بھئی شارق آپ اپنے حالات سنائیے۔"

"میرے حالات کوئی خاص نہیں ہیں آپ کا حکم تھا شاہ صاحب میں حاضر ہو گیا لیکن یہاں آنے کے بعد کچھ تکلیف دہ انکشافات ہوئے ہیں مجھ پر۔ جن کے لیے میں افسردہ ہوں۔"

"ہاں! تقدیر نے ہمارے ہنستے بستے گھر کو ایک دھکا دیا ہے اور جو کچھ آپ نے سنا ہے اس سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ ذہنی طور پر میں ان دنوں کتنا پریشان ہوں۔"

"میں نے مسز دراب سے عرض کیا تھا کہ ان حالات میں میرا ایک مہمان کی حیثیت سے یہاں قیام کرنا مناسب نہیں ہے اور آپ سے بھی یہی عرض کر رہا ہوں دراب شاہ صاحب میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے میں اطمینان سے کسی ہوٹل میں ٹھہر جاؤں گا۔ یہاں کچھ دوسرے کام بھی ہیں مجھے جو ان دنوں انجام دے لوں گا۔ ویسے اپنی خدمات بھی پیش کرنا چاہتا ہوں اس سلسلے میں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور فرمایئے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں کہ خدا آپ کو ان مشکلات سے نکالے۔"

"شکریہ شارق لیکن آپ کی یہاں موجودگی میرے لیے ذرا بھی تکلیف دہ نہیں ہے ہاں آپ سے یہ معذرت ضرور کروں گا کہ ان دنوں مصروفیات کی وجہ سے اگر زیادہ توجہ نہ دے سکوں تو آپ اس کا خیال نہ فرمایئے۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آپ اس سلسلے میں بالکل مطمئن رہیے۔" میں نے کہا اور دراب شاہ مغموم انداز میں سر کھجانے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد چائے کا اہتمام ہوا اس کے ساتھ بہت سے لوازمات تھے صوفیہ خاموشی سے اپنی خدمات انجام دیتی رہی پھر اس نے کہا۔

"دراب اگر آپ مجھے اجازت دیں تو کچھ کھانے پینے کے سلسلے میں دیکھ لوں آپ لوگ باتیں کیجیے۔"

"ہاں، ہاں، بالکل۔" دراب شاہ نے کہا اور صوفیہ وہاں سے چلی گئی جس جگہ پر ہم بیٹھے ہوئے تھے وہ کافی وسیع و عریض تھی اور ہماری مدھم گفتگو کہیں سے سنے جانے کا چانس نہیں تھا۔ دراب شاہ نے بھی میری اس کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے بولا۔

"یہاں کوئی نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کوٹھی میں کسی کو یہ جرأت ہو گی کہ جب میں کہیں بیٹھا ہوں تو اس کے قرب و جوار میں بغیر میری اجازت کے کوئی کھڑا ہو جائے چنانچہ آپ جو کچھ بھی کہنا چاہتے ہیں شارق صاحب بے تکلفی سے کہیں۔۔"

"شکریہ یہاں آنے کے بعد میں نے صوفیہ دراب شاہ سے ملاقات کی ہے آپ کے ملازموں کو دیکھا ہے اور چند سرسری۔۔۔ سی باتیں ہوئیں ابھی اس سلسلے میں سرگرمی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے میں نے البتہ ایک بات میرے لیے باعث حیرت ہے۔"

"یقیناً ہو گی۔۔۔ میں جانتا ہوں۔"

"آپ سمجھ گئے میرا مطلب۔۔"

"ہاں اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ صوفیہ کے بارے میں سوچ رہے ہوں گے۔"

"جی اتفاق سے آپ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ آپ کی بیگم دوسری ہیں۔"

"ہاں۔ محسن کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے وہ بے چاری بچپن سے ہی ایک مرض کا شکار تھیں ان کے دل میں سوراخ تھا بہت عرصے نکال گئیں میں ان کا بہترین علاج کراتا رہا لیکن وہ مرض ختم نہ ہو سکا ایک بار میں نے ان کے دل کی پیوند کاری کے بارے میں بھی سوچا تھا لیکن وہ خود اس کے لیے تیار نہ ہوئیں اور آخر کار خود ہی۔۔"

"صوفیہ سے شادی کیے کتنا عرصہ گزر گیا آپ کو؟"

"چار سال ہوئے ہیں۔"

"معاف کیجیے گا دراب شاہ صاحب۔ جو کام آپ نے میرے سپرد کیا ہے اس میں کچھ فضول باتیں معلوم کرنی پڑیں گی کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ صوفیہ صاحبہ کا پس منظر کیا ہے۔"

"درمیانے گھر کی لڑکی ہے تعلیم یافتہ ہے اور بس مجھ تک پہنچ گئی تھی مجھے اس کی کچھ صفات پسند آئیں اور میں نے اسے شادی کی پیش کش کر دی جسے اس نے منظور کر لیا۔"

"خود صوفیہ صاحبہ نے۔۔؟"

"ہاں۔ اس کا کوئی سرپرست ایسا نہیں تھا جس سے براہ راست کوئی ایسی بات چیت کر سکتا۔"

"ہوں۔ صوفیہ صاحبہ آپ تک کس طرح پہنچی تھیں؟"

"بس بھئی۔ اتفاق ہی سمجھ لو ملاقات ہو گئی تھی اور اس کے بعد یہ ملاقاتیں جاری رہیں۔"

"کیا وہ فلمی زندگی میں آنا چاہتی تھیں؟"

"نہیں۔ بس ملازمت کی خواہاں تھی وہ، اور میں نے اسے ملازمت تو نہیں دی البتہ شادی کی پیش کش کر دی۔"

"ہوں۔ اور انہوں نے خوشی سے یہ پیش کش منظور کر لی تھی؟"

"ظاہر ہے ایسے کام خوشی سے ہی کیے جاتے ہیں۔"

"معاف کیجیے گا۔ اس کے بعد جب وہ آپ کی بیگم بن کر آپ کے پاس پہنچ گئیں تو محسن صاحب سے ان کے کیسے تعلقات رہے؟"

"محسن فطرتاً بہت ہی لاابالی اور کسی قدر سرکش طبیعت کا مالک ہے وہ کسی بھی شے پر اعتراض نہیں کرتا لیکن اس نے میری بہت سی پیشکشوں کو قبول نہیں کیا میں چاہتا تھا کہ وہ بھی فلمی زندگی اپنا لے لیکن اس نے اس سلسلے میں مجھ سے ذرا بھی تعاون نہیں کیا اور ایک طرح سے میرے اس کام سے کچھ باغی ہی رہا آپ کو حیرت ہو گی کہ وہ کبھی اسٹوڈیو نہیں آیا اور میری کئی بار کی کوششوں کے باوجود اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔"

"وہ خود کیا کرنا چاہتے تھے اپنی زندگی میں؟"

"کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا اس نے۔ بس عجیب سے مزاج کا لڑکا ہے لیکن بہر طور اولاد ہے میری۔ میں نے اسے اپنے طور پر کوئی شکایت یا تکلیف نہ ہونے دی۔"

"محسن صاحب اس شادی سے خوش تھے؟"

"میرا خیال ہے نہیں۔" دراب شاہ نے جواب دیا۔

"اس کی وجہ؟"

"اس نے کبھی نہیں بتائی۔" دراب شاہ نگاہیں چراتا ہوا بولا اور میں اس کی کیفیت کو خاص طور سے نوٹ کرتا رہا اس دوران ایسے ایسے تلخ تجربات ہو چکے تھے کہ میں اب اس دُنیا میں کسی پر اعتبار کرنے کو تیار نہیں تھا۔ لوگ اُوپر سے کچھ نظر آتے تھے اور اندر سے کچھ نکلتے تھے ہو سکتا ہے دراب شاہ نے خود ہی اپنے بیٹے کو... پھنسایا ہو اور اس کے بعد مسلسل ان کوششوں میں مصروف ہو کہ کسی طرح بات اس تک نہ پہنچنے پائے۔

زندگی کے کھیل بڑے انوکھے ہوتے ہیں اور الفاظ کہتے... ہوئے مجھے دکھ تو ہوتا ہے لیکن ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتا... چونکہ لاتعداد مشاہدات ہو چکے تھے چنانچہ اس بات کو بھی ذہن میں رکھنا تھا کہ ہو سکتا ہے خود دراب شاہ ہی اس قتل کے پس پردہ ہو اور محسن کو راستے سے ہٹانے کا خواہش مند ہو لیکن اس سلسلے میں جلد بازی مناسب نہیں تھی۔ دراب شاہ اپنی ذات کو شبہات سے پاک رکھنے کیلئے مجھے یہاں تک لے تو آیا تھا لیکن اسے شاید خود بھی یہ اندازہ نہ ہو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں اور کہاں تک پہنچ سکتا ہوں۔ بہر طور ابھی اس بات کا اس پر اظہار کرنا بہت بڑی حماقت ہوتی کہ میں اس پر بھی کسی قسم کا شبہ کر رہا ہوں۔ میں نے اپنی گفتگو میں نرمی اور ملاوٹ اور یہ انداز رکھا تھا جیسے یہ سب کچھ میں دراب شاہ ہی کے ایما... پر کر رہا ہوں اور اسے کسی بھی طور مشکوک نہ سمجھتا ہوں میں نے مسٹر دراب کے بارے میں چند اور سوالات بھی کیے اور اس کے بعد اس لڑکی کی جانب آ گیا جو قتل کی گئی تھی۔

"اب میں آپ سے نجمہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لڑکی آپ کے خیال میں کس قسم کی تھی؟"

"یہ بات تو تمہارے علم میں ہے ڈیئر شارق کہ وہ ایک ینت بینوا تھی بہت ہی خوب صورت اور یقینی طور پر فلمی زندگی میں آ کر اسے بہت عروج حاصل ہوتا۔ اس میں اس قسم کی صفات نظر آتی... تھیں مجھے کہ میں اُسے ٹرائی کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن چونکہ میں ہر کام وقت پر کرنے کا عادی ہوں اس لیے ان معاملات سے نمٹنے کے بعد جو ان دنوں زیر تکمیل تھے میں اس کی طرف توجہ دینا چاہتا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اسے نظر انداز نہیں کر رہا لیکن فوری طور پر اس کے لیے کچھ کرنا مشکل ہے۔ تاہم میں نے اسے یہ اجازت بھی دی تھی کہ اگر مجھ سے پہلے کوئی شخص میرا مطلب ہے میری انڈسٹری کا کوئی آدمی اس پر توجہ دے تو وہ یقینی طور پر اس توجہ کو حاصل کرے اس بات پر اس نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے ہی منسلک رہنا چاہتی ہے اور میں نے اسے اس کی اجازت دے دی تھی کہ وہ جب چاہے

اسٹوڈیو آ جائے اور یہاں کی زندگی کا مشاہدہ کرے۔ اس نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعلقات بڑھانے کی کوشش کی اور ایک دو بار میرے گھر تک پہنچ گئی میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا تھا اور اسے بتا دیا تھا کہ میں کاروباری معاملات اسٹوڈیو تک ہی... محدود رکھتا ہوں۔ ایک بار ایک محفل بھی ہوئی چند لوگوں نے مجھے مجبور کیا تھا وہ میری کوٹھی میں کچھ کام کریں گے یہ کام میرے کاروبار سے ہی متعلق تھا کسی سے نجمہ کو پتا چل گیا وہ بن بلائے وہاں پہنچ گئی۔

اخلاقاً اس سے کچھ نہ کہا گیا اور وہ اس محفل میں شریک رہی اس کے بعد مجھے علم ہوا کہ دو بار وہ میری غیر موجودگی میں بھی میرے گھر آئی ہے اور صوفیہ سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی لیکن صوفیہ ذرا مختلف قسم کی عورت ہے اس نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ محسن سے اس کی ملاقات کیسے ہوئی۔ کیونکہ محسن اپنے آپ کو لیے دیے رکھنے کا عادی تھا اس سے پہلے بھی کئی لڑکیوں نے محسن تک پہنچ کر مجھ تک آنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ محسن سے ہی... آگے نہ بڑھ سکی تھیں اور میں نے اس بات پر محسن کو شاباش بھی دی تھی۔ بہر طور یہ بات میرے علم میں نہیں ہے کہ وہ محسن تک کیسے پہنچی۔"

"آپ نے اس سلسلے میں محسن سے کچھ سوالات کیے تھے؟"

"بھئی سب سے بڑا مسئلہ تو محسن ہی کا ہے وہ ہم سے تعاون نہیں کر رہا۔"

"معاف کیجیے گا شاہ صاحب یہ نکتہ تو سب سے اہم ہے کہ محسن صاحب اس قتل کا اعتراف کیوں کر رہے ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو اس سے انحراف بھی کر سکتے ہیں اس بنیاد پر کیس خاصا کمزور ہو سکتا ہے بیرسٹر نصرت حسین کا بھی یہی کہنا ہے کہ اگر محسن اپنے بیانات میں... لچک پیدا کر لے تو بات بہت بہتر ہو سکتی ہے۔"

"یہ بہت بڑا المیہ ہے میرے لیے دراصل شارق صاحب فلمی زندگی جس طرز کی ہوتی ہے آپ کو شاید اس کے بارے میں علم نہ ہو۔ بعض اوقات ہم لوگ اتنے مصنوعی ہو جاتے ہیں کہ ہمیں خود اپنی مصنوعیت پر حیرت ہونے لگتی ہے میں بھی چونکہ طویل عرصے سے اس زندگی سے منسلک ہوں بے شمار معاملات میں بے شمار لوگوں کو نظر انداز کر دیتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ محسن کو کب مجھ سے شکایت پیدا ہوئی لیکن وہ مجھ سے بھی کچھ اکھڑا اکھڑا سا رہتا تھا۔ میں نے بارہا یہ بھی سوچا کہ ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ شادی ہو لیکن کبھی اس نے صوفیہ سے بھی کسی انحراف کا اظہار نہ کیا میں نے اس سے بارہا اس موضوع پر بات کی لیکن وہ خاموشی سے ٹال گیا۔ اب اس کو یہ ضد ہے کہ وہ سزا پانا چاہتا ہے میرے لیے ناقابل فہم ہے لیکن شارق حسین میں کسی بھی طرح اسے

کھونا نہیں چاہتا وہ میری اکلوتی اولاد ہے اکلوتی اولاد..."

"صوفیہ صاحبہ سے آپ کے ہاں..."

"ہاں۔ اللہ کی مرضی ہے۔ مجھے اس کے علاوہ کوئی دوسری اولاد نہ مل سکی۔"

"شاہ صاحب۔ میری دلی خواہش ہے کہ میں آپ کے کسی کام آ سکوں محسن کے بارے میں ذرا سا ذہن الجھا ہوا ہے آخر اس کے ذہن میں وہ کون سی گرہ ہے جو اسے زندگی سے دور جانے پر مجبور کر رہی ہے اگر ہم کسی طرح اسے راہِ راست پر لا سکیں۔"

"شارق صاحب میرے وسائل کہاں تک ہو سکتے ہیں آپ خود اس کا اندازہ لگا لیجیے۔ بیرسٹر نصرت حسین ایک اعلیٰ پائے کے وکیل ہیں اور میں نے اپنے طور پر انہی پر انحصار کیا ہے۔ آپ ان کے معاون کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں میں آپ سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو تیار ہوں براہِ کرم کچھ کیجیے۔ کچھ کیجیے۔ کیا کر سکتے ہیں۔ کیسے کر سکتے ہیں یہ آپ جانتے ہیں ہاں ایک بات ذہن نشین کر لیجیے کہ میرے تعاون کی جہاں بھی ضرورت پیش آئی آپ مجھے پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"میں اس بات کا دلی خواہش مند ہوں کہ محسن کو زندگی کی... جانب لے آؤں باقی دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے ویسے نجمہ کے لواحقین کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں۔ خاص طور سے آپ سے میں نوشادہ بائی کا تذکرہ کر دوں نوشادہ بائی بہت آگے کی چیز ہے چونکہ اس کے طریقۂ کار ذرا مختلف ہیں وہ اچھے لوگوں میں رسائی رکھتی ہے یہ رسائی بے شک اس کے اپنے پیشے کی ہی وجہ سے ہے اس کا اور کوئی کردار نہیں ہے لیکن بہر طور وہ کافی مختلف ہے اس بازار ہی میں رہتی ہے لیکن برقرار رکھا ہوا ہے اس کا تین بیٹیوں کی ماں ہے نجمہ کے علاوہ دلشاد اور نادرہ نامی دو لڑکیاں اور ہیں اس کی جو ناچتی گاتی ہیں نوشادہ بائی نے بڑا واویلا کیا ہے اور یقینی طور پر یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ توصیف رضوی نامی وکیل کو نوشادہ بائی ہی نے پبلک پراسیکیوٹر کی مدد کے لیے مقرر کیا ہے اور یہ مل کر اس کیس کے لیے کام کر رہے ہیں۔"

"آپ نے نوشادہ بائی سے ملاقات کی؟"

"خود ہی دو بار اسٹوڈیو آ چکی ہے اور ایک بار گھر پر بھی۔ گھر پر آنے کے سلسلے میں، میں نے اس کے ساتھ کافی سخت سلوک کیا اور کہا کہ وہ آئندہ میرے گھر کا رُخ نہ کرے۔"

"آپ سے وہ کیا کہتی ہے؟"

"بس وہ یہی کہتی ہے کہ محسن کو سزائے موت دلوائے بغیر نہ رہ سکے گی۔"

"نوشاد بائی کہیں آپ کو بلیک میل تو نہیں کرنا چاہتی؟"

"میں نے اسے ابھی اس انداز میں نہیں ٹٹولا دل میں یہ خواہش ضرور تھی کہ اس سے معلوم کروں لیکن اس لیے یہ نہ کہہ سکا اس سے کہ نجانے اس بات کو وہ کیا رنگ دے دے ہو سکتا ہے وہ اسے منظر عام پر لے آئے اور یہ بیان دے دے کہ میں اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے اسے کچھ دینا چاہتا ہوں میں اس بات کا منتظر ہوں کہ اگر وہ خود ہی کوئی ایسا مطالبہ کرے تو اس سے بات کروں لیکن ابھی کوئی ایسی ہمت نہیں پڑ سکی۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے دراب شاہ۔ میرا خیال ہے آج کی گفتگو میں اتنا ہی کافی ہے ویسے مجھے حیرت ہے کہ اگر محسن نے نجمہ کو قتل نہیں کیا تو پھر وہ کون ہو سکتا ہے جو اس کا قاتل ہو اور محسن کو اس چکر میں... پھنسانا چاہتا ہو ہمیں یہ بھی جائزہ لینا پڑے گا کہ محسن کے اس طرح پھنس جانے سے کسے فائدہ ہو سکتا ہے" دراب شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے بھی اس سلسلے میں اسے کریدنا مناسب نہیں سمجھا البتہ میں یہ بات جانتا تھا کہ دراب شاہ کے دل میں کیا ہے وہ یقینی طور پر اپنی بیوی کے بارے میں سوچ رہا ہو گا کیونکہ بات تو صوفیہ تک بھی پہنچ جاتی تھی صوفیہ کو محسن کو راستے سے ہٹا کر بہت سے فائدے حاصل ہو جاتے تھے اور ایسے واقعات انسانی زندگی سے دور کے واقعات نہیں تھے۔

لیکن ظاہر ہے دراب شاہ خود بھی یہ بات پسند نہ کرتا کہ بات... صوفیہ تک پہنچ جائے اس شخص کی ذہنی کیفیت کے بارے میں صحیح اندازہ لگانا بھی ضروری تھا ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اداکاری ہی ہو لیکن اس سلسلے میں مزید کیا کہا جا سکتا تھا اور چھان بین کرنا ضروری تھا۔

دراب شاہ اگر اس سلسلے میں کچھ گہرائیاں رکھتا ہے تو پھر یہ مستعدی اسے مہنگی پڑے گی کہ اس نے مجھے گھر تک بلا لیا ہے۔ خیر اس بارے میں جو کچھ بھی ہو سکتا تھا ابھی اس کے لیے بڑی گنجائش تھی چنانچہ میں نے بہت زیادہ جلد بازی کا مظاہرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا دراب شاہ سے میں اظہار ہمدردی ہی کرتا رہا اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اس سلسلے میں جس حد تک مجھ سے کوشش ہو سکے گی اس سے گریز نہیں کروں دراب شاہ کہنے لگا۔

"میں اپنے بیٹے کی زندگی چاہتا ہوں شارق صاحب اور اس کے لیے مجھے جو بھی قربانی دینی پڑی اس سے گریز نہیں... کروں گا۔ کاش وہ بدبخت مجھ سے تو تعاون کرے اور مجھے ہی بتا دے کہ اس کے دل میں کیا ہے۔" میں صرف اظہار افسوس کرتا رہا اور اس کے بعد نشست ختم ہو گئی بعد میں ڈنر میں بھی دراب شاہ میرے ساتھ شریک رہا تھا۔

لیکن ساڑھے دس بجے وہ مجھ سے اجازت لے کر چلا گیا اسے کچھ لوگوں سے ملاقات کرنا تھی صوفیہ بھی اس کے بعد اپنی خواب گاہ میں چلی گئی تھی اور میں اپنے بیڈ روم میں آ گیا تھا۔ میرا ذہن مختلف خیالات کے تانے بانوں میں الجھا ہوا تھا اور مجھے اب اس تمام صورت حال کو مدنظر رکھ کر اپنے آئندہ کے پروگرام ترتیب دینے تھے۔ کرداروں کی ایک فہرست میرے ذہن میں تھی جو بہت زیادہ طویل نہیں تھی لیکن ابھی مجھے کچھ اور کرداروں کی تلاش تھی جو اس سلسلے میں میرے معاون ہو سکیں۔

دوسرے دن صبح کے ناشتے پر دراب شاہ، صوفیہ اور میں موجود تھے دراب شاہ کے بارے میں، میں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ میرے سلسلے میں صوفیہ کو بھی بے خبر رکھنا چاہتا ہے۔ بظاہر اس سلسلے میں میری بات ہو چکی تھی کہ وہ میرے بارے میں کسی کو بھی نہ بتائے لیکن دراب شاہ اتنی مستعدی سے یہ ذمہ داری پوری کر رہا تھا کہ میرے ذہن میں ایک لمحے کے لیے خیال پیدا ہوا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے اپنے ذہن کے کسی گوشے میں صوفیہ سے متعلق کوئی خیال ہو کسی کے دل کی گہرائیوں میں جھانکنا تو ممکن نہیں ہوتا دراب شاہ نے ناشتے کے دوران صوفیہ کے سامنے مجھ سے بہت سی باتیں کیں جو خصوصی حیثیت کی حامل تھیں میں بھی اس کے جواب دیتا رہا پھر دراب شاہ نے کہا۔

"صوفیہ ڈیئر، تم جانتی ہو کہ شارق حسین کے سلسلے میں تمہاری ذمہ داریاں کیا کیا ہیں۔ میں چونکہ ابھی دل جمعی سے اسٹوڈیو میں بھی کام نہیں کر پا رہا اس لیے شارق کو مصروف نہیں کرنا چاہتا چند روز آرام کے بعد انہیں ان کا کام سونپا جائے گا لیکن تم سے بار بار یہ کہنا بھی درست نہیں لگتا کہ شارق کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

"شارق صاحب خود بھی اسے اپنا گھر تصور کریں اور کوئی تکلیف نہ اٹھائیں" صوفیہ نے کہا۔

"یقیناً کیوں نہیں" میں نے گردن ہلا دی اور دراب شاہ مطمئن ہو گیا بہرحال معاملات ٹھیک ہی تھے لیکن ابھی کیا کہا جا سکتا تھا کہ کون میرے ہاتھوں مصیبت میں پھنسنے والا ہے، صوفیہ دراب شاہ، یا...؟

دراب شاہ کچھ دیر تک خاموش رہ کر سوچتا رہا، پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا "تمہاری آج کی مصروفیات کیا ہیں شارق حسین؟"

"کچھ نہیں، دراصل باہر نکلنے کے بعد دوستوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا اس لیے میں اپنے آپ کو محدود ہی رکھنا چاہتا ہوں، جب باقاعدہ منظر عام پر آؤں گا تو پھر سب ہی سے ملاقات کر لوں گا، ورنہ آپ کا کام خطرے میں پڑ جائے گا۔"

"یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن تم پر کوئی پابندی بھی نہیں۔ اگر باہر جانا چاہو تو صوفیہ ہر مسئلے میں تمہاری مدد کریں گی۔ ان سے بے تکلفی سے اپنی ضروریات بیان کر دینا۔"

"وہ ویسے بھی ایک نرم مزاج اور پُرخلوص خاتون ہیں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دراب شاہ... ناشتے کے بعد مجھ سے معذرت کر کے چلا گیا صوفیہ پھر میرے پاس آ بیٹھی تھی۔ دیر تک مجھ سے گفتگو کرتی رہی جس کا کوئی مقصد نہیں تھا، پھر اس نے مجھ سے اجازت طلب کی اور جاتے ہوئے پوچھا کہ میں کہیں جانا تو نہیں چاہتا وہ گاڑی وغیرہ کا انتظام کر دے لیکن میں نے اس کا شکریہ ادا کر دیا تھا۔ یوسف خان معمول کے مطابق میرے ساتھ موجود تھا۔ میں نے ایک بار پھر اسے ٹٹولنے کا فیصلہ کیا اور کسی کام سے اندر بلا لیا۔

"تم مصروف آدمی ہو مجھے علم ہے یوسف لیکن میں اکیلا بور ہو رہا ہوں بیگم صاحبہ تو مصروف ہو گئی ہیں، کیا تم مجھ سے کچھ دیر گفتگو کرنا پسند کرو گے؟"

"آپ کی محبت ہے صاحب کہ آپ ہمیں اتنی اہمیت دے رہے ہیں۔"

"دراصل میں نے تمہارے اندر ایک ایسی صفت پائی ہے یوسف خان کہ میرے دل میں تمہارا بڑا مقام پیدا ہو گیا ہے، کل بھی میں بہت دیر تک تمہارے بارے میں سوچتا رہا تھا انسان بہرطور انسان ہی ہے کسی گھر میں اس کی خواہ کوئی بھی حیثیت ہو لیکن وہ اس گھر سے محبت کرنے لگتا ہے۔ دراب شاہ سے محسن دراب کے بارے میں بہت سی باتیں ہوئیں مگر تم تو محسن کے بہت دیرینہ ساتھی ہو بلکہ وہ تمہاری گود میں پلا بڑھا ہے۔"

"ہاں صاحب! اس میں کوئی شک نہیں ہے ہمیں محسن میاں سے اپنی اولاد ہی کی طرح محبت ہے لیکن ہم یہ لفظ زبان سے ادا نہیں کر سکتے۔"

"ہاں!" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "محبتوں کے لیے بھی حدود مقرر کر دی گئی ہیں، ویسے یوسف خان میری دعا ہے کہ دراب شاہ کے گھر کا چراغ روشن رہے۔ محسن اگر اس جرم کی سزا میں موت کی وادیوں تک پہنچ گیا تو میں سمجھتا ہوں، یہ گھر برباد ہو جائے گا۔ دراب شاہ شاید اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے۔"

"صاحب نے بے شک دوسری شادی کر لی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ صاحب کی بے پناہ مصروفیت نے انہیں گھر سے بالکل بے تعلق کر دیا ہے لیکن یہ بات میں جانتا ہوں صاحب کہ شاہ صاحب، محسن میاں سے کتنی محبت کرتے ہیں، وہ عملی آدمی ہیں اور انہوں نے محسن میاں کو عملی طور پر ہر سہولت فراہم کر دی ہے، انہیں یہاں کبھی کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن محسن میاں بس صاحب بعض اوقات کچھ ایسا ہو جاتا ہے کہ انسان غلط فہمیوں کے راستے پر آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے پتا نہیں اس سلسلے میں کون سی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں" میں نے کہا۔

"نہیں صاحب! بس محسن میاں کو فلمی زندگی پسند نہیں ہے اور وہ اس ماحول سے ہمیشہ اکتائے اکتائے رہے ہیں۔ انہیں شاید اپنے باپ سے یہ بھی شکایت ہے کہ وہ ان پر پوری توجہ نہیں دے سکے۔ دراصل بڑی بیگم کے انتقال کے بعد محسن میاں نے اپنے آپ کو بہت زیادہ تنہا محسوس کیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ بجھے بجھے سے رہتے تھے۔"

"محسن نے کچھ دوست نہیں بنائے؟"

"تھے صاحب! یونیورسٹی کے تھے مگر شاید ان کی فطرت نے کوئی گہری دوستی قبول نہیں کی، کبھی کبھی ان کے کچھ دوست آ جایا کرتے تھے لیکن محسن میاں خود اپنے کسی دوست کے گھر کبھی نہیں گئے، بس وہ کچھ تنہائی پسند سے ہو گئے تھے۔"

"ہمیشہ سے اس کی یہ کیفیت تھی؟"

"نہیں، بچپن میں تو بہت شوخ شریر اور چلبلے تھے لیکن ماں کی موت کے بعد وہ بجھ سے گئے اور شاید دراب شاہ بھی وہ سب کچھ نہ دے سکے جس کے وہ خواہش مند تھے مگر صاحب ملازم صرف سوچ سکتے ہیں مالکوں کو بھلا کیا مشورہ دے سکتے ہیں۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے محسن نے کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی؟" میں نے سوال کیا اور یوسف خان کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"یونیورسٹی کی کچھ لڑکیاں تو آتی جاتی تھیں صاحب! مگر ہم نے کوئی ایسی لڑکی نہیں دیکھی جو ان سے بہت زیادہ قریب

رہی ہو۔" یوسف خان سے زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا رہا لیکن ان میں کوئی ایسی بات نہ ملی جو بہت زیادہ کارآمد ہوتی اور اس کے بعد میں نے اُسے اجازت دے دی۔ اس شخص سے جو کچھ پوچھا جاسکتا تھا میں نے پوچھ لیا تھا۔ اب اس کے بعد ذرا دوسرے کرداروں پر نظرثانی کرنی تھی۔ الیاس خان، میں نے دل ہی دل میں سوچا اور پروگرام بنانے لگا کہ کس طرح اُس سے بات کی جاسکتی ہے۔ ویسے یوسف خان کی نسبت وہ چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ الغرض یہ سلسلہ ابھی تک تو کارآمد طریقے سے جاری تھا آگے دیکھنا تھا کہ حالات کیا رُخ اختیار کرتے ہیں۔ ویسے زیادہ جلد بازی بھی مناسب نہیں تھی مجھے محتاط انداز میں ان سب کا جائزہ لینا تھا کیونکہ میں دراب شاہ کا ایک دوست بن کر یہاں آیا تھا اور سوچنے والے یہ سوچ سکتے تھے کہ میں یہ تفتیش کیوں کر رہا ہوں۔ اس لیے الیاس خان کا خیال دل سے نکال دیا۔ اس کے بعد میں نے اس کوٹھی کے مکینوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ملازموں میں چوکیدار گل زمان۔ پینسٹھ سال کا ریٹائرڈ فوجی، دیندار اور اپنے کام سے کام رکھنے والا۔ خانساماں دلارے میاں مع اہل و عیال، نصیب خالد دوسرے گھریلو امور کے لیے، ڈرائیور کریم، دوسرا ڈرائیور شادو، الیاس خان، یوسف خان یہی لوگ تھے یا پھر مسز دراب شاہ اور باقی وہ باپ بیٹے۔ میں اسی تفتیش میں مصروف تھا کہ میری نگاہ بیرونی پورچ کی طرف اُٹھ گئی۔ صوفیہ دراب شاہ کار میں بیٹھ رہی تھی اور الیاس خان پاس موجود تھا، پھر اُس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار اسٹارٹ ہو کر باہر نکل گئی۔

میں چونک پڑا۔ الیاس خان تو ڈرائیور نہیں تھا اور اس کے بارے میں یہ بات معلوم بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس تجسس کو میں دبا نہ سکا اور یوسف خان کو پکڑ لیا۔ میں خود اُس کے پاس پہنچا تھا۔

"مسز دراب کا کمرہ کون سا ہے۔ ذرا اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"بیگم صاحبہ تو ابھی ابھی باہر گئی ہیں۔"

"کہاں؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ بات بھلا ہمیں کیسے معلوم ہو سکتی ہے صاحب! ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ الیاس خان کے ساتھ موٹر میں گئی ہیں۔"

"الیاس خان کے ساتھ...؟" میں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "کیا الیاس خان ڈرائیور بھی ہے، میں نے تو سنا تھا کہ یہاں ڈرائیور..."

"جی ہاں، وہ گاڑی بھی چلا لیتا ہے۔"

"ڈرائیوروں کو چھوڑ کر وہ الیاس خان کے ساتھ کیوں گئی ہیں؟" میں نے سوال کیا اور یوسف مجھے عجیب سے انداز میں دیکھنے لگا، پھر مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"مالکوں کی مرضی۔ یہ بات بھلا میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اُن کے ساتھ کیوں گئی ہیں؟"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا یوسف خان! بس میں نے یہ محسوس کیا کہ الیاس خان بہت تیز آدمی ہے۔"

"جی صاحب! بہت تیز آدمی ہے، بدمزاج ہے... دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کا مزاج بہت زیادہ اچھا نہیں ہے، میرا مطلب ہے ملازموں کے ساتھ، مگر صاحب کچھ لوگ اپنی چرب زبان سے سب کو موم کر لیتے ہیں۔ میرا مطلب ہے مالکان وغیرہ کو... اور اس کے بعد مالک یہ بھول جاتے ہیں کہ کون کتنا پرانا آدمی ہے اور کون کتنا... وفادار ہے۔ میں الیاس خان کی وفاداری پر شک نہیں کرتا جناب بہت اچھا آدمی ہے مالکوں کے لیے مگر دوسرے لوگوں کے ساتھ اُس کا رویہ اچھا نہیں ہے، سب کو اپنی رعایا سمجھتا ہے۔"

"حالانکہ زیادہ پرانا بھی نہیں ہے۔"

"سات آٹھ مہینے سے زیادہ نہیں ہوئے اُسے آئے ہوئے، مگر سب کا منہ چڑھ گیا ہے، سب کا منظورِ نظر ہے۔"

"ہوں اور بیگم صاحبہ بھی اُس پر اتنا اعتماد کرتی ہیں کہ ڈرائیوروں کی بجائے اُس کے ساتھ باہر چلی گئی ہیں... مگر تعجب کی بات ہے، مجھے تو وہ یہ بتا رہی تھیں کہ اُن کا زیادہ تر وقت گھر میں ہی گزرتا ہے۔"

"ہاں صاحب! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بیگم صاحبہ زیادہ تر گھر میں ہی رہتی ہیں، کبھی کبھی کہیں چلی جاتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے شاپنگ وغیرہ کے لیے گئی ہوں گی۔ خیر چھوڑو۔ اگر مجھے بتا دیتیں تو کئی چیزیں مجھے بھی بازار سے منگوانی تھیں، مثلاً شیو کا سامان بالکل ختم ہو گیا ہے، میرے پاس اور کچھ ایسی ہی ضروری چیزیں...؟"

"بڑے صاحب... وہ تو ہم جا کر لا دیں گے۔"

"آپ کہاں جائیں گے یوسف خان صاحب بازار یہاں سے کافی دُور ہے آپ کو دیر لگ جائے گی۔"

"نہیں صاحب! آپ حکم کریں بلکہ ہمیں بتا دیں یہ

تو ہماری ڈیوٹی ہے۔"

"تو پھر تھوڑی سی زحمت کیجیے گا۔" میں نے کہا اور چند چیزیں لکھ کر یوسف خان کو دے دیں۔ میں نے خاص طور سے اُسے ہدایت کر دی تھی کہ جو چیز میں نے لکھی ہے وہی آنی چاہیے اور جو کچھ میں نے لکھا تھا اس میں سے چند چیزیں تو قیمتی تھیں باقی کچھ شیونگ کریم اور لوشن وغیرہ تو ایسے تھے جو کم از کم کسی بازار میں دستیاب نہیں ہو سکتے تھے، اُن کا نام میرے ہی ذہن کی اختراع تھی۔ یہ میں نے اس لیے کیا تھا کہ اُس کو کم از کم بازار میں ہی چیزیں تلاش کرنے میں کچھ دیر لگے۔ اگر صرف ایسی ہی چیزیں منگوا لیتا جو بازار میں آسانی سے دستیاب ہو سکتیں تو وہ جلدی واپس آ سکتے تھے۔ وہ پیسے لے کر چلے گئے اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ ایک خطرہ مول لینا چاہتا تھا۔ دراب شاہ کی طرف سے تو مجھے اجازت تھی کہ جو چاہوں سو کروں، لیکن پھر بھی احتیاط ضروری تھی۔ چند لوگوں سے تو محفوظ رہنا تھا اور اس وقت صورتِ حال کچھ ایسی بن گئی تھی کہ میں اپنا کام کر سکتا تھا۔

چنانچہ میں برق رفتاری سے وہاں سے پلٹا اور اب میرا نشانہ صوفیہ دراب شاہ کا کمرہ تھا۔ یہ بات میں نے خاص طور سے محسوس کی تھی کہ یہاں بہت زیادہ احتیاط نہیں رکھی جاتی۔ ہو سکتا ہے ملازم سب کے سب قابلِ اعتماد ہوں اور اس کوٹھی میں کبھی کوئی ایسا واقعہ نہ پیش آیا ہو۔ دوسری بات یہ کہ بہت زیادہ دولت مند لوگ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا بھی نہیں کرتے تو مجھے صوفیہ کے کمرے میں داخل ہونے میں کسی دِقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور چند لمحات بعد میں کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کا دروازہ میں نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ پہلے ایک نگاہ میں نے اس خوابگاہ کا جائزہ لیا۔ یہی مسٹر دراب شاہ کی خوابگاہ بھی تھی۔ ایسی ہی وہ تمام دوسری اشیاء ہو سکتی تھیں میں نے اپنی مہارت سے کام لیتے ہوئے ہر اُس شے کی تلاشی لے ڈالی جس کی میں تلاشی لے سکتا تھا، حالانکہ نکتہ نگاہ کچھ بھی نہیں تھا، بس کوئی ایسی چیز جو اُن واقعات پر تیز روشنی ڈال سکے لیکن ان تمام چیزوں کی چھان بین کے باوجود مجھے کوئی ایسی شے دستیاب نہ ہو سکی جو میرے لیے کارآمد ہوتی اہم ترین لوگوں کا یہی کمرہ تھا یا پھر دوسرا کمرہ محسن کا رہ جاتا تھا۔ معلومات میں حاصل کر ہی چکا تھا، چنانچہ ان تمام چیزوں کو اُسی انداز میں اُن کی جگہ رکھا کہ کسی کو ذرا برابر شبہ نہ ہو سکے اور اس کے بعد وہاں سے نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد میں محسن کے کمرے میں بھی داخل ہو گیا۔ ابتدائی طور پر یہ کمرہ شاید سیل رہا تھا لیکن بعد میں پولیس کی تفتیش وغیرہ مکمل ہونے کے بعد اس کی سیل کھول دی گئی تھی۔ تمام سامان اب بھی جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ دراب شاہ نے اُسے زندگی کی ہر آسائش فراہم کر دی تھی۔ وہ الماری بھی نظر آئی جس میں نجمہ کی لاش پائی گئی۔ ویسے میں نے بہت گہری نگاہوں سے اس بات کا جائزہ لیا۔ محسن کے بارے میں کچھ اور تفصیلات معلوم ہوں، یقیناً یہ بات اس سلسلے میں بہت حیثیت رکھتی تھی کہ محسن شراب نہیں پیتا تھا لیکن جس دن نجمہ کی لاش پائی گئی اُس دن وہ نشے میں غرق تھا۔

محسن کے بارے میں پتا نہیں رپورٹیں وغیرہ حاصل کی گئی تھیں یا نہیں۔ یہ بات بھی ذرا معلوم کرنی تھی۔ اس وقت خاص طور سے یہ نکتہ ذہن میں آیا تھا کہ اُس کے جسم پر شراب کے اثرات... موجود تھے یا نہیں یا پھر ہو سکتا ہے وہ جس نشے میں ڈوبا ہوا ہو وہ شراب کا نہ ہو بلکہ کسی اور طرح سے اُسے کوئی اور نشہ آور شے دے دی گئی ہو، جس کے بارے میں بعد میں اندازہ لگایا گیا ہو کہ وہ شراب کے نشے میں دُھت ہے، اس سلسلے میں خاص طور سے مجھے تگ و دو کرنی پڑے گی اور میں نے یہ پوائنٹ اپنے ذہن میں نوٹ کر لیا تھا... محسن کے تمام سامان کی تلاشی میں مجھے کوئی ایسی شے دستیاب نہ ہوئی، جو میرے لیے کارآمد ہوتی۔ چنانچہ میں تقریباً اس سلسلے میں مایوس ہو گیا، اُس کے لباس وغیرہ تلاش کیے، کتابوں کی الماری دیکھ ڈالی اور جو جو چیزیں ایسی ہو سکتی تھیں جن سے کسی پوائنٹ کے مل جانے کی اُمید ہو۔ میں نے سب ہی کا سرسری نگاہوں سے جائزہ لے لیا۔ وقت کافی تھا میرے پاس۔ میں کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر طائرانہ نگاہوں سے پورے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ رپورٹ کے مطابق اب اس وقت محسن کے کمرے میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو میرے لیے کوئی اشارہ بن سکتی ایک ریک میں کچھ پرانے رسائل، کتابیں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں۔ ہو سکتا ہے اِن میں کوئی ایسی [illegible] ہی وغیرہ مل جائے جس سے مجھے کوئی [illegible] وغیرہ مل سکے۔

اس خیال کے تحت میں کتابوں کی اس الماری کی جانب بڑھا۔ بہت ہی نفیس قسم کی کتابیں تھیں بڑے بڑے [illegible]

اور نقادوں کی لکھی ہُوئی۔ اس سے محسن دراب شاہ کے علمی رجحان کا پتا بھی چلتا تھا لیکن کتابوں میں کوئی ڈائری وغیرہ نہیں تھی۔

ایک طرف کچھ یونیورسٹی میگزین رکھے ہُوئے تھے۔ مَیں وہ میگزین اُٹھا کر ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔ ہوسکتا ہے کہ ان سے اُس کے مشاغل کا پتا چل سکے۔ کئی میگزین سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد مَیں نے اُنہیں اُن کی جگہ رکھ دیا اور پھر اس سلسلے میں بھی مجھے مایوسی کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ ایک میگزین کے اوراق اُلٹتے ہُوئے مَیں یہ سوچ رہا تھا کہ ظاہر ہے، اتنے عرصے کے بعد ایسا پوائنٹ یہاں محفوظ رہنا ممکن نہیں ہے۔ پولیس نے بھی اس سلسلے میں چھان بین کی ہوگی۔ دوئم یہ کہ اگر اس کے مسئلے میں کوئی گہرائی ہے تو پھر جن لوگوں نے یہ سب کچھ کیا ہوگا اُنھوں نے کوئی پوائنٹ کیوں رہنے دیا ہوگا۔

رسالے کی ورق گردانی کرتے ہُوئے دفعتاً ہی مجھے چونکنا پڑا۔ مجھے ایک جگہ محسن کی تصویر نظر آئی تھی۔ ورق گزر چکا تھا، لیکن مَیں نے اسے جلدی سے واپس پلٹا اور محسن کی تصویر پر نگاہ ٹکا دی۔ مضمون کا عنوان دیکھا ایک خاص مسئلے میں کسی مباحثے کی تصویریں تھیں جو یونیورسٹی کے سالانہ پروگرام میں ہُوا تھا۔ مَیں محسن دراب شاہ کی تصویر دیکھتا رہا اور اس مباحثے کے بارے میں تفصیلات پڑھتا رہا۔

دوسرے صفحے پر محسن کی تصویر کے ساتھ ساتھ ہی ایک اور تصویر مجھے نظر آئی، اُسے دیکھ کر مَیں شدّت حیرت سے چونک پڑا۔ وہ تصویر اُس وقت کی صوفیہ احمد کی تھی، میری آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے دُھندلاہٹیں سی چھا گئیں۔ کچھ ناقابلِ یقین سی بات تھی۔ صوفیہ کسی طرح محسن کی یونیورسٹی کی ساتھی ہے اگر نہ ہوتی تو یونیورسٹی کے مجلے میں اُس کی تصویر کہاں سے نظر آجاتی۔ ایک لمحے کے لیے مَیں ماحول سے بیگانہ ہوگیا۔ مَیں نے اس تصویر پر نگاہیں جما دیں۔ مضمون کے الفاظ دُھندلائے ہُوئے سے تھے۔ بہرطور مَیں نے اس کمرے سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تھا، البتہ میگزین مَیں نے اپنے قبضے میں کر لیا۔ باقی تمام چیزوں کو ان کی جگہ جما کر مَیں وہاں سے باہر نکل آیا۔ یوسف خان کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ وہ بے چارے ابھی میری مطلوبہ اشیاء تلاش کر رہے ہوں گے۔ بہرطور میگزین میں مَیں نے جو کچھ دیکھا تھا، اُس نے نہ جانے کیوں میرے ذہن میں کھلبلی سی پیدا کر دی تھی۔

مَیں باہر نکلا تو معمولات میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی تھوڑی دیر کے بعد مَیں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے مَیں میگزین کھول کر بیٹھ گیا سب سے پہلے مَیں نے اس میگزین کی تاریخ دیکھی۔ کئی سال پہلے کا رسالہ تھا اس کے بعد مَیں ایک ایک صفحہ اُلٹنے لگا۔ بالآخر مَیں اُس صفحے تک آگیا، جہاں سے محسن دراب شاہ کی تصویر کا سلسلہ شروع ہوتا تھا... یہ مباحثہ ایک دلچسپ مباحثہ تھا اور اس میں کوئی گہرائی نہیں تھی۔ محسن اس مباحثے میں شامل تھا اور کوئی ایسی نمایاں بات نہیں تھی جس سے اُس کی شخصیت پر کوئی اثر پڑے۔ مباحثے میں اُسے دوئم انعام ملا تھا اور اوّل انعام ایک اور لڑکے نے لیا تھا اور سوئم انعام اُس وقت کی صوفیہ احمد نے۔ اُس کے بارے میں تفصیلات بھی لکھی گئی تھیں اور محسن دراب شاہ کے بارے میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ صوفیہ کی اپنے باپ سے شادی سے پہلے اُس کا یونیورسٹی کا ساتھی تھا۔ یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل تھی اور مَیں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

میں پورا مضمون پڑھتا چلا گیا۔ اس میں کوئی اہم بات نہیں تھی لیکن میرے نکتۂ نگاہ سے یہ بات بے حد اہم تھی کہ صوفیہ جو محسن کی یونیورسٹی کی ساتھی تھی۔ اب اُس کی سوتیلی ماں کی حیثیت رکھتی ہے۔

میگزین کے اوراق اُلٹتے ہُوئے مَیں اس گہرائی پر غور کر رہا تھا اور نہ جانے کیوں میرے ذہن کے گوشوں میں سرسراہٹ سی پیدا ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ بات اتنی سطحی نہیں ہے، جتنے سطحی انداز میں سوچی گئی ہے، صوفیہ کی ذات میں مکمل گہرائی موجود ہے۔ آخر اس کی یونیورسٹی کی ساتھی اُس کے باپ کی بیوی کیسے بن گئی؟ مَیں یونیورسٹی میگزین کے آخری ورق تک پہنچ گیا۔ آخری صفحے پر ایک گروپ فوٹو تھا جسے مَیں نے یونہی سرسری سی نگاہ سے دیکھا لیکن ایک بار پھر میں چونک گیا، میرے ذہن میں ایک جھنجھلاہٹ پیدا ہُوئی۔ اس گروپ فوٹو میں مجھے ایک اور شناسا نظر آیا تھا۔ یہ چہرہ انیلا احمد کمال کا تھا۔ انیلا کے بارے میں تو آپ جانتے ہی ہُوں گے۔ قیصر پسویر کے سلسلے میں ان لوگوں سے ملاقات ہُوئی تھی مَیں اگر انیلا سے اتنی بار نہ ملا ہوتا تو شاید یہ سرسری سی نگاہ اُس کے چہرے پر مرکوز نہ ہوتی لیکن میری تمام تر صلاحیتیں جواب دے رہی تھیں کہ وہ چہرہ اُسی کا ہے۔ حالانکہ اس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں تھی۔ بس ایک گروپ فوٹو تھا۔ ظاہر ہے اُس نے بھی یہیں تعلیم حاصل کی ہوگی۔ اس کا مقصد ہے کہ بات بن رہی ہے۔

میرے دل میں مسرّت کی لہریں بیدار ہونے لگیں اور مجھے اطمینان ہونے لگا کہ اب کم از کم اس سلسلے میں مَیں کوئی بہتر معلومات حاصل کر سکوں گا۔ مَیں نے میگزین سنبھال کر رکھ لیا اور تھوڑی دیر کے بعد یوسف خان واپس آگئے۔ اُنھوں نے معذرت کرتے ہُوئے کہا کہ جو دو چیزیں مَیں نے لکھی تھیں وہ نہیں مل سکیں مَیں نے اُن سے مسکرا کر کہا کہ کوئی ایسی خاص چیز نہیں تھی جو چیزیں وہ لے آئے ہیں وہی میری ضرورت کی تھیں۔ باقی ان دونوں... چیزوں کے سلسلے میں بعد میں دیکھا جائے گا۔ اس طرح میری اس وقت کی کاوش انتہائی کامیابی سے ہمکنار ہُوئی تھی۔

یوسف خان چلے گئے، صوفیہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی، مَیں اطمینان سے بیٹھ کر میگزین کی ورق گردانی کرتا رہا اچھی طرح دیکھ لیا تھا مَیں نے کہ صوفیہ اور محسن کے درمیان یہ رابطہ ضرور موجود ہے اور پھر انیلا لیکن الیاس خان سے صوفیہ کا کیا سلسلہ ہے، وہ ایک تیز چالاک آدمی معلوم ہوتا تھا اور صوفیہ اپنے ڈرائیور کے بجائے اُس پر اعتماد کرتی تھی اور اُس کے ساتھ باہر جانا پسند کرتی تھی۔ یہ تمام چیزیں قابلِ غور تھیں لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود مَیں اس سلسلے میں کوئی مناسب فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ البتہ اب اس سلسلے میں مَیں نے یہ ضرور سوچا تھا کہ انیلا سے فوری ملاقات کر کے ان دونوں کے درمیان روابط کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا اور وقت بہت تھا میرے لیے، یہیں گھسے رہنا بہت زیادہ ضروری بھی نہیں تھا، چنانچہ تیاریاں کر کے مَیں وہاں سے باہر نکل آیا۔

گھر میں کار موجود تھی، ڈرائیور تھا لیکن میں نے کار یا ڈرائیور لینا مناسب نہیں سمجھا اور کوٹھی سے نکل کر دُور تک پیدل چلتا رہا، پھر ایک ٹیکسی حاصل کی اور احمد کمال کی کوٹھی کا پتا ڈرائیور کو بتا دیا۔

ٹیکسی نے مجھے اُن کی کوٹھی کے پاس اُتار دیا تھا... مَیں یہ رسک لے کر یہاں آیا تھا ہوسکتا ہے کہ اس وقت انیلا سے ملاقات نہ ہو لیکن دروازے پر موجود چوکیدار نے اطمینان دلا دیا کہ وہ اندر موجود ہے اور تھوڑی دیر کے بعد مَیں اُس کے سامنے تھا۔ وہ متحیّرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، بہت ہی دلکش خدوخال کی لڑکی تھی اور شوخ و شنگ طبیعت کی مالک۔ میرے سلسلے میں خاصے نرم تاثرات رکھتی تھی۔ اُس نے متحیّرانہ انداز میں کہا۔

"کمال ہے سُورج کبھی اس طرح زمین پر بھی اُتر آیا ہے۔ اس کے بارے میں تو مَیں نے سوچا بھی نہیں تھا۔"

"اور اب تم یہ ظاہر کرو گی کہ تم انتہائی شاعرانہ طبیعت کی مالک ہو؟" مَیں نے بے تکلفی سے کہا۔ "اگر شاعری حقیقتوں پر مبنی ہو تو اسے شاعری کہہ کر اس کی اہمیتوں کو کم نہیں کیا جاسکتا۔"

"آپ... آپ غالباً دوسری بار یہاں تشریف... لائے ہیں۔"

"ہم ہزاروں بار یہاں تشریف لا سکتے ہیں۔ آپ اس کا موقع بھی تو دیں۔"

"ارے... ارے... یہ آج کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ محترم یہ الفاظ بڑی اہمیّت کے حامل ہیں اور جہاں تک موقع کا معاملہ ہے تو میرا خیال ہے آپ کو درجنوں مواقع ملتے ہیں لیکن آپ ان مواقع کا مذاق اُڑا دیتے ہیں۔"

"انیلا مجھے آپ کے بارے میں اندازہ ہے کہ آپ کون کون سی خوبیوں کی حامل ہیں لیکن ان خوبیوں کو مجھ پر نہ آزمائیں کیونکہ آپ کو میرے بارے میں بھی اندازہ ہے۔"

"ہاں اندازہ ہے۔ بہرطور آپ کا بہت بڑا احسان ہے ہماری گردن پر ہے اس لیے کبھی کوئی ایسی ویسی بات تو آپ سے کہی ہی نہیں جاسکتی۔"

"لڑکیوں کو ایسی ویسی باتیں کرنا بھی نہیں چاہئیں۔"

"تو پھر لڑکے لڑکیاں کون سی باتیں کرتے ہیں آپس میں؟" اُس نے ہنستے ہُوئے کہا اور مَیں بھی ہنس پڑا۔

"کیا بلواؤں آپ کو... واقعی آپ کی آمد سے بہت خوشی ہُوئی ہے شارق صاحب! خاص طور پر یہ جان کر کہ آپ انتہائی مصروف ہونے کے باوجود یہاں تشریف لائے ہیں۔ گویا ہماری بھی عزّت بڑھ گئی ہے۔"

"اب آپ خوبصورت الفاظ کا مظاہرہ کر کے اپنی شخصیت کو منوانا چاہیں تو یہاں پہلے ہی کسی کو اس سے انکار نہیں ہے۔ مَیں جانتا ہُوں کہ آپ انتہائی قابل اور اعلیٰ ذوق کی حامل خاتون ہیں، بلوائیے کچھ بلاوجہ دیر کر رہی ہیں۔"

"جی... جی کیا...؟"

"یہ بھی آپ ہی کے ذوق پر منحصر ہے۔"

"ارے باپ رے یہاں چوٹ دے دی آپ نے یہیں۔ خیر کافی ہی بلوائیں گے، اب آپ بُرا مانیں یا بھلا۔" اُس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ شاید ملازمین کو ہدایت دینے گئی تھی۔

میں مسکراتی نگاہوں سے اُس کے ڈرائنگ رُوم کا جائزہ لیتا رہا۔ احمد کمال کے یہاں میں پہلے بھی آچکا تھا اور مجھے اندازہ تھا کہ وہ کس حیثیت کے انسان ہیں۔ اُسی حیثیت کے مطابق اُن کا ڈرائنگ رُوم بھی سجا ہُوا تھا۔ اس اثنا میں انیلا واپس آگئی اور ہم دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔

اتنی دیر میں ملازم کافی کے برتن لے کر اندر آگیا تھا، جس کے ساتھ اتنی چیزیں تھیں کہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے آپ کے پاس جادُو کا چراغ ہے۔"

"کیوں؟"

"آپ نے اتنا سارا انتظام چند لمحات میں کر ڈالا۔"

"بس یُوں سمجھیے دل سے دل تک راستے ہوتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں پتا نہیں کیوں خود بخود گھر تک پہنچ گئیں۔ شاید آپ کی مہک یہاں تک آرہی تھی اور ہم نے غیر شعوری طور پر سوچا کہ آپ ضرور آئیں گے۔"

"خُوب... خُوب شاعری کر لیتی ہیں آپ۔" میں نے مسکراتے ہُوئے کہا۔

"اگر ہماری شاعری آپ کو پسند ہے تو آپ ان تمام چیزوں کے ساتھ انصاف فرمایئے۔"

"بہتر۔" میں نے کہا اور اُس کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف ہوگیا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد انیلا نے کہا۔

"آپ شادی کب کریں گے؟"

"جب آپ حُکم دیں گی۔" میں نے خُوبانی مُنہ میں رکھتے ہُوئے کہا۔

"کک... کیا مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ جب آپ حُکم دیں گی شادی کی تیاری شروع کر دی جائے گی۔"

"کک... کمال کرتے ہیں آپ؟ یعنی میرے حُکم سے آپ شادی کریں گے۔"

"بھئی آپ آخر خود کو کیا سمجھتی ہیں، بہت بڑی شخصیت ہے آپ کی میری نگاہوں میں۔"

"اوہو... اللہ! مجھے کیا کرنا چاہیئے اس موقع پر۔" اُس اِدھر اُدھر دیکھتے ہُوئے کہا۔

"لیجیے خُوبانیاں کھایئے۔"

"ہاں، خُوبانیاں خوبانوں سے تعلق رکھتی ہیں اور پھر آپ کا حُکم ہے۔" اُس نے خُوبانی اُٹھائی، پھر میری طرف مسکراتی نگاہوں سے دیکھتی ہُوئی بولی۔

"سچ مچ بہت ہی امیدا ہیں آپ، کبھی میں تو بعض اوقات آپ کے بارے میں سوچ کر حیران ہو جاتی ہُوں۔ آخر زندگی میں کسی کو تو آپ اپنا ساتھی منتخب کریں گے ہی۔"

"ایک بات پوچھوں انیلا! لڑکیوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور موضوع نہیں ہوتا۔"

"جی ہاں، اس لیے کہ ہم لوگ نارمل ہوتے ہیں زندگی کے راستے صرف اس حد تک پھیلاتے ہیں جہاں تک ہماری رسائی ممکن ہو آپ لوگ آسمانوں کی باتیں کرتے ہیں ستاروں کی اور خلاؤں کی باتیں کرتے ہیں۔ زمین کے انسانوں کو زمین ہی کی باتوں سے دلچسپی ہونی چاہیئے۔"

"آپ نے تو مجھے ڈانٹ دیا انیلا۔"

"نہیں، ہرگز نہیں۔ میں نے تو آپ کی بات کا جواب دیا ہے۔ ایک بات بتاؤں آپ کو؟"

"جی، جی ضرور ارشاد فرمایئے۔"

"الماس آرا کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"وہ خاتون انتہائی خوفناک اور خطرناک ہیں۔"

"کس لحاظ سے؟"

"آپ کو میری اور اُن کی ملاقات کے بارے میں... اگر تفصیلات معلوم ہوتیں تو آپ مجھ سے یہ سوال نہ کرتیں۔"

"ذرا مختصر تفصیل فرمایئے۔" انیلا نے کہا اور میں الماس سے پہلی ملاقات کے بارے میں بتانے لگا۔ الماس آرا نے میرے ساتھ جو جو تفریحات کی تھیں اُن کی مختصر تفصیل بتائی اور انیلا بُری طرح [illegible] رہی۔

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انتہا پسند لڑکی ہے لیکن شارق صاحب! ایسی انتہا پسند لڑکیاں جب کبھی ٹھوکر کھاتی ہیں تو وہ بھی انتہائی حد تک ہوتی ہیں۔"

"مطلب...؟"

"الماس آرا کے دل میں آپ کا تصوّر موجود ہے۔"

"ظاہر ہے میری اُن سے اچھی خاصی دوستی رہی ہے... بلکہ اُنہیں بیرونِ مُلک بھجوانے میں میرا ہی ہاتھ ہے۔"

"ہاں لیکن یہ صرف دوستی کا معاملہ نہیں ہے آپ کے بارے میں گفتگو کرتے ہُوئے وہ کچھ بھٹک سی جاتی ہے اور میں نے اُس کے دل میں حسرتیں محسوس کی ہیں، اُسے غالباً یہ احساس ہو

گیا ہے کہ آپ قابلِ حصول شے نہیں ہیں، لیکن میں ذرا مختلف انداز میں سوچنے کی عادی ہُوں۔"

"مثلاً وہ مختلف انداز؟" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"جب انسان کسی کو زندگی کا ساتھی بنانے کے لیے مجبور ہے تو پھر کیا یہ بہتر نہیں ہوتا کہ کسی کے دل کی خواہشوں کو قبول کر لیا جائے یا پھر اپنے دل میں اگر کوئی ایسی بات موجود ہو تو اُس کا صاف اظہار کیا جائے تاکہ دوسرے کو یہ صبر تو آئے کہ اگر وہ اس قابل نہ تھا تو کوئی اور اس قابل نکل آیا۔"

"اوّل تو الماس آرا نے کبھی میرے سامنے اس کیفیت کا اظہار نہیں کیا، دوئم یہ کہ میری اور اُن کی حیثیت میں بہت بڑا فرق ہے۔"

"اُفوہ... شارق صاحب! کسرِ نفسی اچھی چیز ہے لیکن بعض جگہ وہ بُری طرح چبھنے لگتی ہے۔ آپ کسی طور اُن سے کم نہیں ہیں۔ اگر بات حیثیت ہی کی ہے تو پھر بہت سے معاملے سامنے آجاتے ہیں، خواہ مخواہ آپ مجھے بھی بھٹکا رہے ہیں۔"

"مطلب... مطلب..."

"اور جاودان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

"نرم، سنجیدہ، محبت کرنے والی اور انتہائی قابلِ احترام لڑکی ہے۔"

"صرف قابلِ احترام! کیا یہ احترام زندگی میں شامل نہیں کیا جا سکتا؟"

"نہیں..."

"کیوں...؟"

"اس لیے کہ اگر کسی شخصیت کو اُس کا جائز مقام نہ دیا جائے تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اُسے اس کے مقام سے بھی نیچے اُتار لائیں۔"

"نرالی منطق... انوکھا فلسفہ... اور وہ نیلوفر...؟"

"وہ میری بھابی کی بہن ہے، بھابی کے دل میں یہ خواہش تھی لیکن اگر آپ اُسے میرے قابل سمجھتی ہیں تو اس موضوع پر گفتگو کیجیے۔"

"چلیں چھوڑو، موضوع تبدیل کر دیتے ہیں۔"

"انیلا! آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لیے آیا ہُوں۔"

"ان ضرورتوں کا شکریہ، جو کم از کم آپ کو ہم تک لے

کر تو آئیں۔" انیلا مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتی ہُوئی بولی اور میں نے وہ میگزین اپنے لباس سے نکال لیا جسے میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔ وہ چونک کر میگزین کو دیکھنے لگی میں نے اُس سے سوال کیا۔

"انیلا! آپ نے یونیورسٹی کون سی سن میں چھوڑی تھی؟" وہ مجھے اپنی یونیورسٹی چھوڑنے کی تفصیل بتانے لگی اور پھر اُس سے پوچھا۔

"آپ کے تعلیمی دور میں ایک لڑکی صوفیہ احمد نامی وہاں تعلیم حاصل کرتی تھی؟"

"صوفیہ احمد؟" انیلا آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتی ہُوئی بولی اور پھر اُس نے یاد کر کے کہا۔ "بالکل کرتی تھی، مجھ سے ایک سال آگے تھی وہ..."

"اور اُسی دور میں ایک نوجوان محسن شاہ نامی بھی وہاں تعلیم حاصل کرتا تھا۔"

"فلم ڈائریکٹر داراب شاہ کا بیٹا۔" اُس نے فوراً ہی کہا۔

"بالکل، بالکل..."

"مجھے یاد ہے وہ بھی وہیں پڑھتا تھا۔"

"آپ کے اُن دونوں سے کیسے تعلقات تھے؟"

"بالکل نہیں تھے۔ میں نے کہا نا کہ اوّل تو یہ دونوں مجھ سے ایک سال سینئر تھے اور پھر مزاجاً بھی ذرا مختلف تھے، اس لیے بھی اُن سے دوستی نہ ہو سکی۔ ہاں صوفیہ احمد کے بارے میں کچھ تفصیلات ضرور معلوم ہُوئی تھیں، مثلاً یہ کہ بہت ہی سرپھری قسم کی لڑکی تھی اور کچھ عجیب و غریب صفات کی حامل، اُس کے افکار و خیالات اشتراکیت کی جانب مائل تھے اور وہ ہمیشہ ہی باغیانہ گفتگو کیا کرتی تھی۔"

"مثلاً تھوڑی سی کچھ تفصیل ذرا ذہن پر زور دے کر بتایئے۔"

"دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ آپ سے سوال کیا جائے کہ آپ کو اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ضرورت کیوں

پیش آگئی، لیکن ذرا بداخلاقی ہے' بعد میں پوچھ لُوں گی۔"

"یقیناً میں آپ کو بتادُوں گا۔" میں نے کہا۔

"صوفیہ احمد زندگی کو کچھ عجیب سے انداز میں دیکھنے کی عادی تھی، اُس کا کہنا تھا کہ زندگی کھِلے ہُوئے کنول کی مانند ہونی چاہیئے، مُرجھائی ہُوئی زندگی بے مقصد اور بے معنی ہوتی ہے اور اُسے ترک کر دینا مناسب ہوتا ہے، اُس کے ان خیالات کا بہت سے لوگوں نے مذاق بھی اُڑایا تھا اور اُسے حقیقتیں سمجھانی چاہی تھیں لیکن وہ بالکل ہی سرپھری لڑکی تھی، کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ یونیورسٹی میں ہونے والے مباحثات میں بھی دلچسپی لیتی رہتی تھی اور کئی بار انعامات بھی حاصل کیے تھے۔"

"تعلق کیسے گھرانے سے تھا؟"

"درمیانے درجے کی تھی اور اپنے آپ کو کبھی چُھپانے کی... کوشش نہیں کی تھی اُس نے بلکہ شاید اُس کے لواحقین میں سے کوئی اُس کا سگا نہیں تھا، بس ایسے ہی رشتے داروں کے ساتھ پرورش پا رہی تھی، اس سے زیادہ مجھے اُس کے بارے میں اور کچھ نہیں معلوم...۔"

"اب محسن شاہ کی طرف آجایئے۔"

"ہاں محسن شاہ بھی یونیورسٹی کے مباحثات میں دلچسپی لیتا تھا اور بڑا زندہ دل انسان تھا، لیکن لڑکیوں کے معاملے میں اُسے مغرور کہا جاتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ بہت سی ایسی لڑکیوں نے اُس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جو اُس کی بجائے اُس کے باپ سے دلچسپی رکھتی تھیں۔ اُن کا فلمی زندگی سے ذوق و شوق تھا اور وہ محسن کے ذریعے اُس کے باپ سے روشناس ہونا چاہتی تھیں لیکن وہ کبھی اُنہیں اہمیّت نہیں دیتا تھا، بلکہ اکثر اُس نے اُنہیں بہت ہی پُرغرور انداز میں مسترد کر دیا تھا جس کی وجہ سے اُس کے خلاف کچھ باتیں بھی بننے لگی تھیں، لیکن بہت ہی ٹھوس کردار کا آدمی تھا اور کسی بھی بات کی پروا نہیں کرتا تھا۔"

"صوفیہ احمد سے اُس کے کیسے تعلقات تھے؟"

"رُومان چل رہا تھا دونوں کا۔ رُومانی جوڑا کہلاتا تھا یہ صوفیہ کو کبھی کبھی اس انداز میں نہیں محسوس کیا گیا کہ وہ محسن کی بجائے دراب شاہ سے کوئی دلچسپی رکھتی ہے۔ دراصل اُس کا اختلاف ہی یہ تھا لڑکیوں سے کہ وہ کہری زندگی کے خواہاں ہیں۔"

"صوفیہ اور محسن کی زندگی کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل ہیں تمہیں؟" میں نے متفکرانہ انداز میں پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ان دونوں کو ایک رُومانی جوڑا کہا جاتا تھا۔ اکثر ساتھ دیکھے جاتے تھے اور بہت زیادہ یگانگت تھی اُن دونوں میں۔"

"بعد میں اُس کے بارے میں کچھ پتا چل سکا کہ ان دونوں کا کیا ہُوا؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں نے کبھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میرا اُن دونوں سے کبھی براہِ راست واسطہ نہیں رہا۔"

"ذرا سی تصدیق کر دو، یہی دونوں ہیں نا؟" میں نے میگزین کا صفحہ کھول کر اُس کے سامنے کرتے ہُوئے کہا۔

"بالکل یہی دونوں ہیں۔ اس میں میری بھی ایک تصویر ہو گی، ایک گروپ فوٹو تھا جو اس میگزین میں چھپا تھا یہ میگزین میرے پاس بھی موجود ہے۔" انیلا نے کہا اور میں نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا۔

"تمہاری تصویر دیکھنے کے بعد ہی تو میں تم تک پہنچا ہُوں۔"

"کوئی چکر چل گیا کیا؟" اُس نے سوال کیا۔

"ہاں کچھ عجیب و غریب چکر ہے۔" میں نے جواب دیا اور اس کے بعد انیلا سے کیے ہُوئے وعدے کے مطابق تھوڑی بہت تفصیلات اُسے بتا دیں۔ اُس نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا۔

"خُدا کی پناہ... یہ واقعی... بڑا خوفناک واقعہ ہے۔ بھئی ان دونوں کے رُومان کے تو بڑے چرچے ہُوا کرتے تھے۔ یونیورسٹی اور لوگوں کا خیال تھا کہ صوفیہ احمد کو صوفیہ محسن بننے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی اور یقینی طور پر کچھ عرصے بعد اُن کی شادی ہو جائے گی۔"

"لیکن شادی محسن کی بجائے اُس کے باپ سے ہو گئی اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہُوں' ویسے واقعی میرے ذہن کو ایک دھچکا سا لگا ہے، ایسا کیسے ہو سکتا ہے، یہ کیسے ممکن ہے؟"

"بہر طور ہے۔"

"اور اب بے چارہ محسن قتل کے الزام میں گرفتار ہو گیا ہے، ایک بات کہوں آپ سے، شارق! یہ لازمی امر ہے کہ محسن کو ذہنی طور پر اتنا ہی بھٹک جانا چاہیئے تھا، وہ ایک

اچھے کردار کا انسان تھا اور بلاشُبہ اس کے بارے میں یہ بات مَیں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہُوں کہ وہ بدکردار نہیں تھا لیکن اس کا مقصد ہے کہ صوفیہ نے اُس سے دغا کی لیکن... یہ کتنا ہولناک واقعہ ہے کہ محبُوبہ، ماں کی حیثیّت اختیار کر جائے۔ خُدا کی پناہ، خُدا کی پناہ بدن میں سنسنی طاری ہو رہی ہے میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں۔ محسن کی ذہنی کیفیّت کا کیا اندازہ ہو گا؟"

"اور اس میں تمہیں کوئی شُبہ نہیں ہے انیلا کہ محسن اور صوفیہ آپس میں ایک دوسرے سے محبّت کرتے تھے۔"

"بھئی اس کے ایک درجن گواہ میں آپ کے سامنے پیش کر سکتی ہُوں مگر وکیل صاحب! یہ تو بڑا المیہ ہو گیا۔ اس المیے پر محسن کی جو بھی کیفیّت ہو جائے کم ہے۔ آپ ذرا تصوّر کریں وہ ذہن میں اُس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا... خیالات رکھتا ہو گا، جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ لوگوں کا اندازہ یہی تھا کہ صوفیہ احمد بالآخر محسن کی بیوی بن جائے گی۔"

"واقعی بے حد تعجب ہے اور زیادہ تعجب اس بات پر ہے کہ یہ بات دراب شاہ کو کیوں نہ معلوم ہُوئی؟" وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہی، پھر اُس نے کہا۔

"خیر یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن میں سمجھتی ہُوں کہ اگر ان جھنجلاہٹوں کا شکار کوئی بھی شخص ہو تو وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتا ہے، ہو سکتا ہے محسن کی ذہنی رَو بھٹک گئی ہو۔"

"ہاں امکانات ہیں اس بات کے بہر طور اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنا پڑیں گی۔ یہ میگزین تم ہی رکھو۔ میں ضرورت پڑنے پر تم سے لے لُوں گا۔"

"ضرور، ضرور آپ کے معاملات اتنے دلچسپ ہوتے ہیں جناب کہ ہر شخص براہِ راست ان میں شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے' مجھے معلومات سے آگاہ کیجیے گا۔"

"جی بہت بہتر...۔" میں نے مُسکراتے ہُوئے کہا اور وہ بھی مُسکرانے لگی۔ اس سے زیادہ اور کچھ معلومات حاصل کرنا ممکن نہیں تھا، جب میں وہاں سے اُٹھا تو ذہن میں عجیب و غریب خیالات کا ہجوم تھا اور میں مسلسل اس بارے میں سوچ رہا تھا۔

دراب شاہ عجیب و غریب انسان تھا مجھ سے اپنے بیٹے کی زندگی کے سلسلے میں مدد بھی مانگ رہا تھا اور بہت سی باتیں چھُپائے ہُوئے بھی تھا۔ یہ بات تو ناممکن ہے کہ اُسے صوفیہ اور محسن کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکی ہوں، آخر یہ شادی کسی نہ کسی ذریعے سے ہُوئی ہو گی... اور دراب شاہ نے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کی ہوں گی۔ میں نے فیصلہ کر لیا... کہ دراب شاہ سے اس بارے میں کھُل کر بات کروں گا اور اس کے لیے کوئی مناسب شکل نکال لُوں گا۔

واپس آیا تو صوفیہ آچکی تھی اور اپنے کمرے میں تھی' مجھ سے خود ہی ملاقات کرنے آگئی۔

"ہیلو سر! کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟" اُس نے سوال کیا۔

"ٹھیک ہُوں، آپ تو کہیں مصروف ہو گئی تھیں' میں نے سوچا میں بھی ذرا آوارہ گردی کر آؤں۔"

"ہاں ضرور... کیوں نہیں۔"

"اور سنایئے کہاں گھوم آئیں آپ...؟"

"بس کچھ ایسے ہی معاملات تھے' جانا تھا۔" صوفیہ نے کہا اور رسمی گفتگو کے بعد چلی گئی۔

شام کو چھ ساڑھے چھ بجے دراب شاہ واپس آگیا مجھے دیکھ کر مسکرایا اور معمول کے مطابق ہم لوگوں نے ساتھ ہی ڈنر کیا جس پر وہ مجھے اپنی فلم کے پیچ ورک کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے کہا کہ بس چند روز ہی باقی ہیں کہ یہ فلم بالکل مکمل ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ کچھ دن آرام کرے گا۔

بعد کی نشست اوپری منزل پر ہُوئی جس میں صوفیہ شریک نہیں تھی۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہُوئے کہا۔

"کہیے شارق صاحب! آپ کا کام جاری ہے؟"

"ہاں میرا کام ہی کیا، شاہ صاحب! بس اپنے طور پر جو کچھ بھی سُراغ رسانی کر رہا ہُوں اُسی میں مصروف ہُوں۔"

"مطلب بھی وہی تھا کوئی خاص سُراغ ملا؟"

"نہیں' دراصل ابھی تو ادھر اُدھر کے لوگوں سے ہی... معلومات کر کے کام چلا رہا ہُوں۔ آپ بھی مصروف ہیں حالانکہ آپ سے بہت سی ایسی معلومات حاصل کرنا تھیں جو اس سلسلے میں ہماری معاون ہو سکتی ہیں، میں نے بھی یہ سوچا کہ چونکہ ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے اس لیے آرام سے آپ کے فراغت حاصل کرنے کا انتظار کر لُوں۔"

"نہیں' یہ بات نہیں ہے، میں نے دراصل کچھ ایسا ماحول

پیدا کیا ہے کہ آپ کو یہاں کام کرنے میں آسانی ہو اور کسی قسم کی کوئی دقت پیش نہ آئے۔ آپ اگر کوئی خاص بات مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میں اس سلسلے میں آپ کے ساتھ ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہُوں ظاہر ہے آپ میری درخواست پر اپنے قیمتی وقت کو برباد کر رہے ہیں "

" ہاں شاہ صاحب! سوالات تو وقفے وقفے سے آپ سے کرنا ہی ہوں گے، جُوں جُوں اس سلسلے میں میری ذہنی رسائی ہوگی مجھے آپ کی مدد درکار ہو گی "

" میرے لیے اس سے بڑا مسئلہ اور کون سا ہو سکتا ہے کہ اپنے بیٹے کی زندگی کا تحفّظ کروں۔ کہیے کوئی خاص نقطہ ذہن میں آیا ہے "

" اہم ترین اور یقینی طور پر ذاتی بھی کیونکہ آپ سمجھتے ہیں کہ میں آپ ہی کی ذات کے لیے کام کر رہا ہُوں چنانچہ آپ کی ذاتیات سے میرا صرف اتنا ہی تعلّق ہے کہ آپ کو میرے ذریعے کوئی بہتر مفاد حاصل ہو جائے "

" بلاشبہ اس میں کیا شک ہے "

" شاہ صاحب! آپ نے جس انداز میں مجھے کوٹھی تک پہنچایا ہے اور یہاں کے ایک ایک فرد سے میری اصل شخصیت کو چھپایا ہے۔ اس میں بیگم دراب شاہ بھی شامل ہیں۔ میں آپ سے پہلا سوال یہی کرنا چاہتا ہُوں کہ آپ میری شخصیت کو بیگم دراب سے بھی چھپانا چاہتے ہیں؟"

" ہاں یقیناً میں کسی کو بھی یہ بتانا نہیں چاہتا کہ آپ محسن کے سلسلے میں کام کر رہے ہیں "

" اس کی وجہ جاننا چاہتا ہُوں، کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے مسز دراب شاہ کو بھی شبہے سے بالاتر نہیں رکھا ہے "

" شبہ ..." دراب شاہ پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا ہُوا بولا، پھر کہنے لگا " اسے شبہ کہہ سکتے ہیں آپ بس انسان کا دل بے ایمان ہوتا ہے، میں بھی انسان ہی ہُوں اور بہت ہی مختلف انداز میں سوچتا رہا ہُوں۔ دراصل جو کچھ میرے ذہن میں ہے اُسے کہتے ہُوئے ایک جھجک محسوس ہوتی ہے شارق صاحب!"

" یہ مناسب نہیں ہے شاہ صاحب کیونکہ میرے لیے ہر بات کو جاننا بے حد ضروری ہے۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ میں ایک ڈاکٹر ہُوں جو آپ لوگوں کے مرض کا علاج کر رہا ہے۔ لوگوں کا یہی کہنا ہے کہ ڈاکٹر سے کبھی کوئی بات چھپانی نہیں چاہیے ویسے میں آپ کا رازدار ہُوں اور آپ ہی کا مفاد مجھے ہر حال میں عزیز ہے "

" شبہ کوئی خاص نہیں ہے، دراصل ایک خیال یہ بھی آیا ذہن میں کہ کہیں صوفیہ ایک سوتیلی ماں کی حیثیت سے محسن کو اپنے راستے سے ہٹانا نہ چاہتی ہوں، حالانکہ یہ ایک سنسنی خیز اور ناقابلِ یقین خیال ہے جو میرے دل میں نہیں آنا چاہیے تھا لیکن دل بے ایمان ہوتا ہے، ہر پہلو پر سوچتا ہے "

" اور اگر ایسا ظاہر ہو شاہ صاحب تو آپ کی اپنی کیفیت کیا ہو گی؟"

" بے موت مر جاؤں گا۔ آپ خود ہی سمجھ لیجیے کہ ... کہ ..."

دراب شاہ لرزتے ہُوئے بولا۔

" تو میرے دوسرے سوال کا جواب دیجیے کہ آپ کی صوفیہ سے شادی کن حالات میں ہُوئی تھی، اُن کا ماضی کیا ہے اور اُن کے لواحقین سے کس طرح آپ کے تعلقات قائم ہوئے یا پھر دوسرے الفاظ میں آپ دونوں کس طرح ایک دوسرے سے متاثر ہُوئے، یقینی طور پر اس کا کوئی پس منظر ضرور ہو گا "

دراب شاہ چند لمحات سوچتا رہا، پھر بولا۔

" ہاں، پس منظر تو ہے، صوفیہ دراصل محسن کے ساتھ تعلیم حاصل کرتی تھی اور محسن کی دوست تھی، ایک دو بار محسن کے ساتھ میری کوٹھی میں بھی آئی اور مجھ سے بہت متاثر ہُوئی۔ بہت تیز طرار قسم کی لڑکی تھی، سُنا ہے کالج کے مباحثات میں بھی دلچسپیاں لیا کرتی تھی۔ ایک دن مجھ سے باقاعدہ فلمی زندگی کے بارے میں بحث کرنے بیٹھ گئی، میرے پاس بھی وقت تھا میں نے کافی گفتگو کی اُس سے اور اُس سے متاثر ہو گیا۔ بات دراصل یہ ہے شارق صاحب اور یہ صرف میں اپنی زبان سے نہیں کہہ رہا آپ اپنے طور پر میرے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں فلمی زندگی کو بھی میں اپنے کاروبار کی حیثیت دیتا ہُوں اور اگر کاروبار میں کچھ جذباتی باتیں کہی جائیں تو میں تو ان جذباتی باتوں کو صرف اس حد تک کہوں گا کہ اپنے مستقبل اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے مجھے یہ لائن زیادہ ... سوزوں معلوم ہُوئی اور میں اس سے پوری طرح مخلص ہُوں میرے نام کے ساتھ فلمی دنیا سے وابستہ اشخاص کی وہ بدنامیاں نہیں ہیں جو عموماً اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں بلکہ لوگ اس لحاظ سے مجھے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں یُوں میں زندگی گزارتا رہا۔ بیوی سے محروم ہونے کے بعد کافی طویل وقت میں نے ایسے ہی گزار دیا اور ان حالات میں بھی میرے نام کے ساتھ کوئی اسکینڈل نہ بنا۔

دوسری شادی کے بارے میں، میں نے بہت عرصے تک نہیں سوچا تھا۔ خیر یہ باتیں تو الگ رہیں، تذکرہ صوفیہ کا تھا وہ مجھ سے ملنے آتی رہی ایک آدھ بار تو اسٹوڈیو بھی پہنچ گئی۔ میرے ذہن میں یہ خیال گزرا کہ ممکن ہے فلمی زندگی سے متاثر ہو، بیٹے کی دوست کی حیثیت سے میں نے اُسے خوش آمدید کہا لیکن اس کے بعد صوفیہ نے مجھ سے کچھ اس قسم کی گفتگو کی کہ میں اس لڑکی میں انفرادیت محسوس کرنے لگا، اُس نے مجھ سے کبھی کسی لگاوٹ کا اظہار نہیں کیا بلکہ زندگی کے بارے میں اتنے ٹھوس حقائق کے بارے میں گفتگو کی کہ میں حیران رہ گیا اور انہی دنوں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ صوفیہ جیسی کوئی شخصیت میری زندگی میں شامل ہونی چاہیے اور اس سلسلے میں میں نے ازراہ مذاق اُس سے تذکرہ بھی کر دیا تو اُس نے نہایت سنجیدگی سے اپنے مؤقف کے بارے میں بتایا کہ وہ خود بھی ایک اچھی زندگی کی خواہاں ہے، آپ کو خود بھی حیرت ہو گی شارق! اُس نے مجھے اپنے ماضی کے بارے میں بھی پوری تفصیل بتا دی، اُس نے کہا کہ وہ ایک طرح سے ٹھوکروں میں پروان چڑھی ہے اور اسے تعلیم کے حصول کے لیے قربانیاں دینی پڑی ہیں کوئی اُس کا مددگار نہیں رہا ہے اور اُس کی ان باتوں میں نہ حسرت تھی، نہ مایوسی نہ اپنی بے بسی کا اظہار بس ایک عجیب سے ٹھوس کردار کی لڑکی تھی، اُس نے کہا کہ زندگی صحیح معنوں میں وہی ہے جو عیش و عشرت کی آغوش میں پروان چڑھے، میں یہ حسرت رکھتی ہوں لیکن میں جانتی ہُوں کہ یہ حسرت پوری ہونا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو میں اُس سے شادی کر سکتا ہُوں اور اُس نے سنجیدگی سے میرے ان الفاظ کو قبول کر لیا اور کہا خود اُس کے اپنے دل میں یہی خیال ہے جن لوگوں سے اُس کا رابطہ تھا اور جنہیں وہ بڑا تصوّر کرتی تھی اُس نے اُن سے میری ملاقات کرائی اور بالآخر یہ سارے معاملات طے پا گئے "

" آپ نے اس وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ محسن کی دوست ہے؟"

" میں نے سوچا تھا اور محسن سے میں نے اس موضوع پر بات بھی کی۔ میں نے اُسے پوری پوری تفصیلات بتا دیں اور کہا کہ صوفیہ مجھ سے کیا کہہ رہی تھی، محسن نے سنجیدگی سے کہا کہ میں اگر اُس سے شادی کر لُوں گا تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ چنانچہ انتہائی سادگی سے صوفیہ سے میں نے نکاح کر لیا اور اسے اپنے گھر میں لانے کے بعد پہلی ہدایت یہی دی کہ محسن میری زندگی کا محور ہے اور اُس پر یہ لازم ہے کہ محسن کو کبھی آزردہ نہ ہونے دے اور خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ محسن کی دوست بھی تھی۔ میں نے دل میں یہی سوچا تھا کہ دونوں کے درمیان رابطہ ہے اور اس طرح زندگی بہتر رُخ اختیار کر جائے گی جبکہ محسن نے اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور صوفیہ کے بارے میں یہی کہا تھا کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے "

" بعد میں شاہ صاحب! بعد میں آپ نے کبھی یہ محسوس تو کیا ہو گا کہ ان دونوں کے درمیان کیسے تعلقات ہیں اور ان کا رویّہ آپس میں کیسا ہے؟" وہ چند لمحات سوچتا رہا، پھر بولا۔

" میں نے ان دونوں کے درمیان کبھی بہت زیادہ ... یگانگت تو نہیں دیکھی، سادہ اور سپاٹ سے رہتے تھے، دونوں ایک دوسرے کے سامنے اور یہ سب کچھ میری توقع کے خلاف تھا، میرا خیال تھا کہ محسن اپنی دوست کو یہاں پا کر خوش ہو گا۔ بعض اوقات میں یہ بھی سوچتا تھا کہ ہو سکتا ہے محسن کو اس بات کا احساس ہو کہ اُس کی اور صوفیہ کی عمروں میں فرق نہیں ہے بلکہ ظاہر ہے صوفیہ عمر میں محسن سے چھوٹی ہے۔ تاہم میں نے اُن کے درمیان کبھی کوئی چپقلش یا ایسی کوئی بات نہیں پائی جسے میں پریشان کُن تصوّر کرتا۔ صوفیہ، محسن کا پورا پورا خیال رکھتی تھی اور محسن نے بھی کبھی اس کی مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی "

" بہت غور و خوض کر کے بتائیے شاہ صاحب کہ محسن کے رویّے میں اس شادی کے بعد کوئی نمایاں تبدیلی محسوس ہُوئی " وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا، پھر بولا۔

" نہیں کوئی خاص نہیں، وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ فطرتاً وہ بہت ہی لاابالی سا ہے۔ اپنی عملی زندگی میں میں نے اُن میں ایسی کوئی انفرادیت نہیں دیکھی جو اُسے دوسروں سے مختلف کرے، اُس کے ذہنی رجحان کا بھی مجھے کوئی پتا نہیں چلا "

" اور اس کے بعد نجمہ آپ لوگوں کے درمیان آئی؟"

" بھئی درمیان آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا نجمہ جیسی بہت سی لڑکیاں فلمی زندگی میں آنا چاہتی ہیں اور اس سلسلے

میں ہمارے اُن سے رابطے رہتے ہیں۔ میں نے محسن اور نجمہ کے درمیان کوئی ذرّہ برابر یگانگت یا قربت نہیں دیکھی اور اس لیے میں سخت حیران تھا کہ آخر نجمہ، ویسے اس بات کے امکانات بھی میں نے بتا دیے ہیں کہ ہو سکتا ہے نجمہ، محسن کے ذریعے مجھ سے کچھ سفارشات چاہتی ہو لیکن بظاہر ایسی کوئی اہم بات میرے علم میں نہیں آئی۔"

"ہوں! اصل میں یہ سوالات کرنا ضروری تھے کیونکہ صوفیہ اور محسن کے درمیانی تعلقات کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر محسن شاہ کے بارے میں اُس کے باپ کو یہ نہ بتایا کہ یونیورسٹی میں ان دونوں کے روابط کیا تھے۔ بظاہر یُوں محسوس ہوتا تھا جیسے دراب شاہ اس بات سے آج تک لاعلم ہو کہ محسن اور صوفیہ کے درمیان رُومان چل رہا تھا۔ صوفیہ نے یہ فیصلہ کیوں کیا یہ بھی ایک بہت اہم بات تھی اور میرے لیے یہ بہت مشکل تھا کہ صوفیہ سے براہِ راست یہ سوال کر ڈالوں لیکن اس کے لیے کوئی نہ کوئی موقع نکالا جا سکتا تھا۔ دفعتاً دراب شاہ کہنے لگا۔

"شارق صاحب! آپ سے ایک اہم مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات پہلے سے میرے ذہن میں نہیں تھی، بلکہ یُوں سمجھ لیجیے کہ تازہ ترین ہے۔"

"جی... جی ضرور..." میں نے دلچسپی لیتے ہُوئے کہا۔

"نوشاد بائی نے مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے اور وہ مجھ سے ایک کروڑ روپے مانگ رہی ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ اگر میں ایک کروڑ روپے ادا کر دوں تو اُس کے وہ آنسو خشک ہو جائیں گے جو نجمہ کے لیے اُس کی آنکھوں میں اُمڈ رہے ہیں۔ نجمہ اُس کے مستقبل کا سہارا تھی اور وہ اُس سے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر بیٹھی تھی۔ ایک کروڑ روپے لے کر وہ نجمہ کو بھول جانے کی کوشش کرے گی۔"

"دلچسپ بات ہے آپ کو اس سے کیا دلچسپی ہے کہ وہ نجمہ کو بھول جائے یا یاد رکھے؟"

"اُس کا کہنا ہے کہ اُس کے پاس کچھ ایسی تصویریں محفوظ ہیں جو محسن شاہ کے خلاف استعمال کی جا سکتی ہیں اور وہ ایک ناقابلِ تردید ثبوت ہوں گے۔"

"تصویریں؟" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں! اُس کا کہنا یہی ہے۔"

"آپ نے اُسے کیا جواب دیا؟"

"میں نے یہی کہا کہ میں سوچ سمجھ کر اُسے بتاؤں گا۔"

"وہ تصویریں کیسی ہو سکتی ہیں؟"

"خدا کی قسم میں ان کے بارے میں نہیں جان سکتا۔" دراب شاہ نے آہستہ سے کہا۔

"خیر شاہ صاحب! اس بات کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ آپ اسے اتنی بڑی رقم ادا کریں ظاہر ہے ہمارا کیس جس انداز میں چل رہا ہے اس میں ہمارے لیے سب سے بڑا المیہ یہی ہے محسن دراب شاہ خود اس قتل کی ذمّے داری قبول کر رہا ہے اور اگر وہ اس بات پر اڑا رہا اور ہم اُس کے خلاف کوئی ناقابلِ تردید ثبوت نہ پیش کر سکے تو پھر بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے لیکن وہ تصویریں کس نوعیت کی حامل ہیں اس بارے میں معلوم ہونا ضروری ہے۔"

"میں یہی سوچ رہا ہُوں کہ آخر وہ ایسی کون سی تصویریں ہو سکتی ہیں میں نوشاد بائی سے مِل لیتا لیکن میں نے سوچا کہ پہلے اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کر لوں۔"

"یہ بات نوشاد بائی نے کب کہی تھی آپ سے؟"

"آج ہی کی بات ہے۔"

"ہوں! آپ نے اس سے وقت لے لیا ہے تو انتظار کیجیے۔ اس دوران میں، میں کوشش کرتا ہُوں کہ ان تصویروں کے بارے میں معلومات حاصل کر لوں۔"

"ہاں! ضروری ہے، دراصل میں یہ رقم خرچ کرنے کو تیار ہُوں، آپ کو بتا چکا ہوں کہ اب مجھے اپنے کاروبار یا کسی اور چیز سے اتنی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے تو میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہُوں۔"

"آپ ابھی کسی جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں، میں دیکھوں گا کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہُوں۔" میں نے کہا اور دراب شاہ نے مغموم انداز میں گردن ہلا دی۔ اس کے بعد ہم دیر تک اسی موضوع پر بات چیت کرتے رہے تھے۔ تصویریں خاص طور سے میرے لیے حیرت کا باعث بن گئی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا کہ کہیں اُن کا تعلق صوفیہ اور محسن سے تو نہیں ہے لیکن نوشاد بائی اس سلسلے میں خود ان تصویروں سے کیا فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے؟

رات بھی میں دیر تک اس موضوع پر سوچتا رہا تھا۔ نوشاد بائی سے رابطہ قائم کرنا اب میرے لیے بہت ضروری ہو گیا تھا لیکن کس طرح اس کا فیصلہ کرنا ضروری تھا اور بالآخر

اس کا ایک حل بھی میرے ذہن میں آ ہی گیا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

دوسرے دن ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دراب شاہ چلا گیا۔ صوفیہ ناشتے کے بعد بھی دیر تک بیٹھی مجھ سے گفتگو کرتی رہی تھی۔ اس کے بعد وہاں سے باہر نکل آیا تھا، پھر کچھ فاصلے سے ایک ٹیکسی لے کر میں چل پڑا اور ایک بھرے پُرے بازار میں اُتر گیا۔ یہ اندازہ بھی لگانا... چاہتا تھا کہ میرا کوئی تعاقب وغیرہ تو نہیں کیا جا رہا۔ ان تمام چیزوں سے ہوشیار رہنا ضروری تھا جو مختصر سا سامان لے کر میں صوفیہ دراب شاہ کی کوٹھی میں داخل ہُوا تھا اس میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں تھی، جو میرے بارے میں کوئی خاص نشاندہی کرتی ہو، مجھے اُمید تھی کہ ایسی کوئی بات نہ ہوگی اور یہی ہُوا بھی۔ تعاقب وغیرہ کسی نے نہیں کیا تھا، پھر ایک اور ٹیکسی لے کر میں اُس تھانے کی طرف چل پڑا جہاں انسپکٹر غالب تعینات تھا۔ انسپکٹر غالب تھانے میں موجود مل گیا تھا۔ بہت سے معاملات اُس کے سامنے بکھرے پڑے تھے اور وہ تھانے کے معاملات نمٹا رہا تھا، مجھے دیکھ کر وہ حسبِ معمول خوش ہو گیا۔

"لو جی کمال ہو گئی شارق بھائی جی! آپ کیسے آ گئے، خیریت تو ہے؟"

"بالکل خیریت ہے لیکن کمال کیا ہو گیا؟"

"بس جی ہو گئی، ہم کیا بتائیں؟" غالب نے ہنستے ہُوئے کہا اور اُس کے بعد وہ چائے وغیرہ کا اہتمام کرنے لگا... پھر بولا "اب جلدی سے یہ بتا دو شارق بھائی جی کہ کسی کام سے آئے ہو ہمارے پاس یا ہماری یاد آ گئی تھی۔"

"خیر یاد تو تمہاری آتی ہی رہتی ہے، بھلا تم کوئی بھولنے والی شخصیت ہو؟"

"آپ بھی ہمیں یاد نہ رکھو گے تو کون رکھے گا، مگر کام کی بات...؟"

"ہاں! کام ہے تم سے انسپکٹر غالب اور اس وقت اسی کام سے تمہارے پاس آیا ہُوں، مگر معاملہ تمہارے علاقے کا نہیں ہے، ذرا الگ ہٹ کر کام کرنا ہے!"

"کمال ہو گئی شارق بھائی جی! یہ علاقہ ویلاقہ کیا ہوتا ہے، محکمہ پولیس ہے ہمارے پاس، یہ وردی ہے، یہ پھول ہیں، سارے علاقے ہی ہمارے ہیں، تم بات بتاؤ... کیا ہے...؟"

"بازارِ حسن کی ایک عورت کو یہاں بلوانا ہے۔"

"آ گئی جی... تم نام پتا بتاؤ؟" غالب نے کاغذ اور قلم ہاتھ میں لیتے ہُوئے کہا۔

میں نے نوشاد بائی کا پتا نوٹ کرا دیا۔

"تو پھر نوشاد بائی کو بلوانا ہے؟"

"ہاں۔"

"ابھی آدمی بھیجتے ہیں، فوراً ہی بلوا لیں۔"

"ظاہر ہے اُسے اس کا موقع نہیں دینا ہے کہ وہ کسی اور سے رابطہ قائم کرے۔" میں نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے جی! ہم ایک آدمی کو بلوا لیتے ہیں۔ ذرا اُس کے آنے میں دیر لگے گی لیکن وہی آدمی ایسا ہے جو پرفیکٹ کام کرتا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد ایک نوجوان سب انسپکٹر اندر داخل ہُوا، شکل ہی سے بُردبار اور اچھی شخصیت کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ انسپکٹر غالب نے اس کا تعارف سب انسپکٹر فیروز کے نام سے کرایا تھا اور پھر اُس نے میرے بارے میں بس اتنا ہی کہا کہ یہ اپنے شارق بھائی جی ہیں۔ سب انسپکٹر فیروز شاید میرے بارے میں تفصیل نہیں جانتا تھا۔ اس نے مسکرا کر گردن خم کی، مجھ سے ہاتھ ملایا اور انسپکٹر غالب اُسے ہدایات دینے لگا۔

"فیروز بھائی جی! تمہیں بازارِ حسن جانا ہے۔ پتا یہ رکھا ہُوا ہے نوٹ کر لو اور نوشاد بائی کو لے کر آنا ہے۔ ساتھ ہی لانا ہے اور کوئی معذرت قبول نہیں کرنی، گھر پر نہ ہو تو جہاں بھی ہو اُسے تلاش کر کے یہیں لے آنا ہے، ہم لوگ یہیں انتظار کر رہے ہیں۔ دو چار آدمی اپنے ساتھ لے جاؤ، کسی قسم کی کوئی مدافعت ہو تو اُسے قبول نہ کرنا۔"

"بہت بہتر جناب!" سب انسپکٹر فیروز نے گردن ہلاتے ہُوئے کہا اور اس کے بعد وہ باہر نکل گیا۔ انسپکٹر غالب نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ نوشاد بائی کی ضرورت مجھے کیوں پیش آ گئی ہے۔ بس وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا اور میں انتظار کرتا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ڈیڑھ یا پونے دو گھنٹے گزر گئے اور اس کے بعد سب انسپکٹر فیروز نوشاد بائی کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ عام بیسوا کی نسبت ذرا سلیقے کی عورت تھی بھاری بھرکم جسم تھا لیکن دراز قامت ہونے کی وجہ سے زیادہ

بُری نہیں محسوس ہوتی تھی۔ ایک سادہ سی ساڑی باندھے ہُوئے تھی اور چہرے پر غصّے کے آثار نظر آ رہے تھے۔

اندر آنے کے بعد اُس نے انسپکٹر غالب کی طرف رُخ کر کے کہا۔ "انچارج صاحب! میں اپنی اس طرح طلبی کی وجہ پوچھ سکتی ہُوں آپ سے؟"

"نوشاد بائی آپ ہی ہیں؟" انسپکٹر غالب نے کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔

"جی ہاں میں ہی ہُوں۔"

"تشریف رکھیے۔"

"بہت بہت شکریہ، لیکن محکمہ پولیس کی اس زیادتی کے بارے میں... میں سمجھی نہیں کہ کون سا جُرم کیا ہے میں نے، کس جُرم کے تحت مجھے یہاں طلب کیا گیا ہے؟"

"او جی ذرا چھُری تلے دَم تو لو، جو جُرم تم نے کیا ہے، اُس کی تفصیل بھی تمہیں بتا دی جائے گی، پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟"

"دیکھیں انسپکٹر صاحب! تھوڑی بہت پڑھی لکھی میں بھی ہُوں، قاعدے قوانین جانتی ہُوں اور یہ بھی جانتی ہُوں کہ ایک شہری ہونے کی حیثیت سے میرے بھی کچھ حقوق ہیں، مجھے اس طرح فوراً ہی تمام معمولات ترک کر کے تھانے بُلوایا گیا ہے۔ اس کے لیے میں عدالت کے دروازے بھی کھٹکھٹا سکتی ہُوں۔"

"اوہ بی بی جو دروازہ کھٹکھٹانا چاہے کھٹکھٹا لینا اس وقت تو اس دروازے کی بات کرو کیوں اپنی شامت بُلوا رہی ہے، آرام سے بیٹھ جا..." انسپکٹر غالب اپنی زبان پر اُتر آیا۔ وہ ذرا دوسرے مزاج کا آدمی تھا اور نوشاد بائی اُسے مرعوب نہیں کر پائی تھی۔

میں خاموشی سے نوشاد بائی کی صُورت دیکھ رہا تھا۔ وہ تمام کیفیتیں اُس کے چہرے پر طاری تھیں جو اس پیشے کی ایک تجربہ کار عورت کے چہرے پر ہو سکتی ہیں۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"نوشاد بائی، انسپکٹر غالب کو یہ تکلیف میں نے دی ہے کہ وہ آپ کو بُلوائیں۔ میں آپ سے صرف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہُوں۔"

"آپ کون ہیں...؟"

"اس بات کو جانے دیں، یُوں سمجھ لیں کہ میں بھی... انتظامیہ کا ایک فرد ہُوں۔"

"اسپیشل پولیس کے آدمی ہیں آپ؟"

"او بی بی! جب ہمارے یار نے تجھ سے کہہ دیا کہ وہ جو کوئی بھی ہے، تجھے بتانا نہیں چاہتا تو تجھے سوال کرنے کا حق نہیں ہے۔"

"اس کا مقصد ہے کہ آپ اپنی روایات دُہرا رہے ہیں۔"

"او بھائی! مجھے اجازت دو کہ میں اپنی روایات دُہراؤں۔" انسپکٹر غالب نے غراتے ہُوئے کہا اور میں نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ وہ گردن جھٹک کر خاموش ہو گیا تھا۔ نوشاد بائی ٹٹولنے والی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، پھر اُس نے کہا۔

"ہاں کہیے صاحب! کیا ظلم ڈھانا چاہتے ہیں آپ مجھ پر، قصّہ کیا ہے؟"

"نوشاد بائی! میں آپ پر کوئی ظلم نہیں ڈھانا چاہتا کچھ سوالات کرنا چاہتا ہُوں جن کا جواب دینا آپ کے لیے ضروری ہے۔"

"سوال کس سلسلے میں ہیں پہلے یہ بتائیے؟" نوشاد بائی نے کہا۔

"آپ کی بیٹی نجمہ کے قتل کے سلسلے میں۔"

"میں جانتی تھی کہ ایسا ہی کوئی چکّر چلایا گیا ہے لیکن میں اس سلسلے میں کسی سوال کا جواب اپنے وکیل کی... غیر موجودگی میں نہیں دُوں گی۔"

"اس وقت وکیل کی موجودگی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی یہ عدالت ہے بلکہ آپ سے جو پوچھا جا رہا ہے، اس کا جواب ضرور دیں کہ یہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔"

"یہ تو دھاندلی ہے، ایک تو میری بچّی کو مجھ سے جُدا کر دیا گیا ہے، آپ نہیں جانتے کہ ہم لوگوں کا مستقبل اپنی بیٹیوں سے ہی وابستہ ہوتا ہے، وہ میرے بڑھاپے کا سہارا تھی اور میں نے اُس سے بہت سی اُمیدیں قائم کر رکھی تھیں، آپ کسی سے بھی پوچھ لیجیے گا، وہ بے حد باصلاحیت لڑکی تھی اور مستقبل میں یقیناً بہت بلندی پر جانے والی تھی۔ کیا آپ کا دل اس ظلم کی گواہی دیتا ہے جو آپ مجھ پر کر رہے ہیں، میں مقتولہ کی ماں ہُوں، میرا دل غم میں ڈُوبا ہُوا ہے اور آپ نے اس طرح مجرموں کی طرح مجھے پکڑ کر پولیس اسٹیشن بُلوا لیا ہے، آپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ میں اس کے خلاف شدید احتجاج کروں گی اور

آپ کو چھوڑوں گی نہیں، آپ جو کوئی بھی ہوں۔"

"دیکھیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مقتولہ کی ماں کی حیثیت سے ہمیں آپ سے ہمدردی ہے اور ہم آپ کے دُکھ میں شریک ہیں لیکن جو کچھ آپ سے پوچھا جا رہا ہے، وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور آپ کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ دراصل آپ اپنے آپ کو بالکل ہی بے نیاز نہیں کہہ سکتیں، آپ نے اُس شخص سے ایک کروڑ روپے طلب کیا جس کے بیٹے پر قتل کا الزام ہے، یہ صریحاً بلیک میلنگ ہے، جب آپ کا کیس عدالت میں چل رہا ہے تو آپ کو اُس سے یہ سب کچھ نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ اگر اس سلسلے میں کوئی باقاعدہ پیش کش ہُوئی آپ کو... تو آپ اپنا مقصد واضح کر سکتی تھیں، آپ نے یہ مطالبہ جس انداز میں کیا ہے وہ آپ کے خلاف بھی جا سکتا ہے، میں آپ سے جو معلومات حاصل کر رہا ہُوں وہ آپ کے حق میں غلط نہیں ہوں گی، مجھے بتائیے کہ وہ کون سے ثبوت ہیں اور کون سی تصویریں ہیں جن کی قیمت آپ ایک کروڑ روپے مانگ رہی ہیں۔"

اُس کا چہرہ ایک لمحے کے لیے فق ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انسپکٹر غالب کو دیکھتی رہی، پھر اُس نے کہا۔ "یہ ساری باتیں میں اپنے وکیل کی موجودگی میں کر سکوں گی۔ اُس کے بغیر میں آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے وکیل تو بعد میں آئے گا ہم پہلے اپنے طور پر کوشش کر لیتے ہیں، اُٹھو جی بائی جی! اس کے ساتھ یہ شریفانہ رویّہ کارگر نہ ہو گا۔ میں اس قسم کی عورتوں کو اچھی طرح جانتا ہُوں۔" انسپکٹر غالب بپھر کر بولا اور پھر میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ اُس کو اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گیا۔ یہ کمرہ خاص قسم کا تھا، میں منع ہی کرتا رہ گیا تھا لیکن پھر مجھے بھی مجبوراً اُس کے ساتھ اُس کمرے میں جانا پڑا تھا۔

نوشاد بائی کی حالت اب غیر ہونے لگی تھی، پھر انسپکٹر غالب نے کہا۔

"ہاں بائی جی! ایک کروڑ روپے چاہیئے آپ کو ہم یہاں دس کروڑ روپے آپ کو نقد ادا کریں گے، کہیے اُس کا انتظام کریں؟"

"میں... میں احتجاج کروں گی، میں دیکھوں گی کہ

آپ لوگ میرے ساتھ یہ سلوک کر کے کس طرح اپنی گردن بچا سکتے ہیں؟"

"فقیرے، او فقیرے...!" انسپکٹر غالب نے ایک زوردار آواز لگائی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک کانسٹیبل اندر آ گیا۔ چہرے ہی سے جلّاد معلوم ہوتا تھا۔ نوشاد بائی اُسے دیکھ کر سہم گئی۔

"یہ بائی جی ذرا اکڑ دکھا رہی ہیں، تجھے کیا کرنا ہے؟ تو جانتا ہے۔"

فقیرے نے کوئی جواب نہ دیا۔ دیوار کے قریب پہنچا اور اس پر کیلوں کے ذریعے لٹکی ہُوئی ایک چھڑی اُتار لی۔ نوشاد بائی بوکھلا کر سیدھی ہو گئی تھی۔

"سُنیے تو سہی، سُنیے تو سہی آفیسر! یہ... یہ کیا... یہ سب کچھ مناسب ہے... کیا یہ قانونی ہے؟"

"اوہ بی بی جی آقا نونوں کی مدد کے لیے بعض اوقات ان چیزوں کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے تو پروا مت کر، تجھ سے جو کچھ کیا جا سکتا ہے بعد میں... کر لینا، کیا سمجھی اور اپنا نام بھی یاد رکھنا، انسپکٹر غالب! کیا سمجھی؟"

"جی، جی... مگر یہ... یہ سب کچھ... ارے، رو کیے اُسے یہ... یہ کیا کرنا چاہتا ہے؟" نوشاد بائی اپنی جگہ سے آگے بڑھتے ہُوئے دیکھ کر بولی۔

"رُک جا فقیرے! ذرا بائی جی کچھ سوچ رہی ہیں، سوچ لینے دے۔ بیٹھو، بیٹھو! آرام سے بیٹھو بائی جی! سوچو، غور کرو۔ ایک کروڑ روپے چاہیئے تمہیں۔ ہم دلوا دیں گے اُس کے ہاتھ میں جو یہ چھڑی ہے نا اس میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکلتی ہیں، ایک ہاتھ میں دس بیس گڈیاں کیا سمجھیں؟" انسپکٹر غالب بولا۔

مجھے یہ سب کچھ بہتر تو نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن جب سب کچھ ہو ہی گیا تھا تو مجبوری تھی۔ بات یہاں تک پہنچے گی اس کا اندازہ نہیں تھا۔ بلکہ اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ شاید میں نے تھوڑا سا غلط طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ باجی جی کے ہوش و حواس رُخصت ہونے لگے تھے۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن پوچھنا کیا چاہتے ہیں آپ۔ ۔ ۔ ؟"

"تصویریں کیسی ہیں اور تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟"

"پچیس ہزار روپے میں خریدی ہیں میں نے ایک فوٹو گرافر سے اور اب اگر میں ایک کروڑ مانگ رہی ہوں تو کون سا بڑا کر رہی ہوں۔ میرے پاس بھی پورے مستقبل کا معاملہ ہے اگر دراب شاہ اپنے بیٹے کو بچانا چاہتے ہیں تو یہ رقم وہ مجھے دیں۔ آخر میری بھی تو بیٹی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے۔"

"تصویریں کیسی ہیں۔۔؟"

"بس جی وہ اس سلسلے میں کام آسکتی ہیں اور قتل کے سلسلے میں ایک مکمل ثبوت ہیں۔ میری بیٹی نجمہ جب دراب شاہ کی کوٹھی میں گئی تھی تو ایک فوٹو گرافر نے یہ تصویریں بنائی تھیں۔ اس میں نجمہ کو محسن سے ملتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور وہ تصویریں اس دن کے لیے ناقابلِ تردید ثبوت ہیں۔"

"فوٹو گرافر کون ہے۔۔۔؟"

"اجمل شیخ نام ہے جی اُس کا۔ فلمی اخباروں کو تصویریں اور آرٹیکل فراہم کرتا ہے۔"

"کہیں ملازم ہے۔۔؟"

"نہیں جی لیکن مشہور آدمی ہے۔ اُس نے یہ تصویریں پچیس ہزار روپے میں مجھے دی ہیں۔ میں نے یہ تصویریں خریدی ہیں اور ان کے نیگیٹو بھی ہیں میرے پاس۔"

"اور یہ تصویریں وکیل صاحب کے پاس ہیں۔۔۔؟"

"جی ہاں۔"

"وکیل صاحب سے آپ نے مشورہ کیا تھا کہ آپ دراب شاہ سے ایک کروڑ روپیہ مانگنا چاہتی ہیں۔۔۔؟"

"یہ بات تو میں کبھی نہیں بتاؤں گی۔" نوشاد بائی نے کہا اور نقیرے چھڑی کو فضا میں گھمانے لگا۔ نوشاد بائی جلدی سے بولی۔

"دیکھو جی وکیل کے مشورے کے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"ہاں ہاں بولتی رہیئے۔ بولتی رہیئے۔" غالب نے کہا۔

"وہ جی میں نے وکیل صاحب سے کہا تھا اور وکیل صاحب نے کہا کہ اس سلسلے میں جیسی میری مرضی ہو۔"

"اور آپ نے تصویریں وکیل صاحب کو دے دیں۔۔؟"

"ہاں جی اپنے پاس نہیں رکھ سکتی تھی میں انہیں۔ وکیل صاحب نے خود ہی مجھ سے مانگ لی تھیں۔"

"بات دراصل یہ ہے نوشاد بائی کہ آپ بہت اچھی خاتون ہیں۔ آپ کے ساتھ ظلم ہوا ہے آپ کی بیٹی کے قاتل کو سزا ملنی چاہیئے لیکن یہ ایک کروڑ روپے کا معاملہ آپ نے کچھ عجیب سا چلا دیا ہے۔ آپ اگر اس کیس کو واپس لینا چاہتی ہیں تو پھر اپنے وکیل سے مشورہ کر کے تحریری طور پر اس سلسلے میں بات چیت کریں ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا اگر آپ کیس بھی چلائے رکھنا چاہتی ہیں اور صرف ان تصویروں کی قیمت مانگ رہی ہیں تو یہ آپ کی ایک مجرمانہ حرکت ہے اور اسی مجرمانہ حرکت کے سلسلے میں آپ کو پولیس اسٹیشن بُلا لیا گیا ہے۔ بولیئے کیا کہتی ہیں آپ۔۔۔؟"

"اب کیا کہیں گے جی۔ آپ نے تو ہمیں پکڑ کر بٹھا ہی لیا ہے۔ اب ہمارے وکیل صاحب ہی صحیح جواب دے سکتے ہیں ویسے اگر یہ بات وکیل صاحب کے مشورے سے طے پائی تو ہم دراب شاہ سے بات کریں گے۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ کسی اور کی زندگی لے لیں۔ اگر ہمیں ایک کروڑ روپیہ مل جائے تو ہم کم از کم اپنے مستقبل کے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔"

"ہاں اس بارے میں بات کی جا سکتی ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو جی اب ہمارے لیے آپ کیا کریں گے۔ بند کر دیں گے کیا۔۔۔؟"

"نہیں اگر آپ ہم سے تعاون کرتیں تو ہم آپ کے ساتھ اتنی سختی کا سلوک بھی نہ کرتے لیکن آپ نے تعاون ہی نہیں کیا۔"

"تو پھر ہمیں جانے دو جی۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔" اُس نے کہا۔

"ہاں انسپکٹر غالب۔ ان کو عزّت و احترام کے ساتھ باہر پہنچا دو۔ ٹیکسی کرا دینا انہیں۔" میں نے کہا اور اُس نے گردن ہلا دی۔ اس کے بعد نوشاد بائی کو جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ میرے چہرے پر سلوٹیں تھیں۔ میں نے انسپکٹر غالب سے کہا۔

"یار کچھ گڑبڑ ہو گئی۔ تم ذرا زیادہ سختی کر گئے؟"

"کام کی بات ہوئی یا نہیں جی۔ بس یہ بتاؤ ہمیں؟"

"کام کی بات تو ہوئی ہے مگر تمہارے سلسلے میں کچھ دقتیں نہ پیش آجائیں۔" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑا۔

"وہ جی کوئی شعر یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم اس موقع کے لیے۔ بس یوں سمجھ لیں کہ دقتیں اٹھانا تو غالب کی پوری تاریخ رہی ہے۔" غالب نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"بہرحال اس وقت تعاون کے لیے بہت شکریہ۔ اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو مجھے ضرور بتا دینا۔"

"تو اور کسے بتائیں گے جی۔ پروا مت کرو۔ پہلے تو ہم خود ہی ان مشکلوں سے نمٹنے کی کوشش کریں گے اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"سُنو غالب۔ تمہارے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں تو تم اپنے زیرِ اثر لا ہی سکتے ہو۔ یوں سمجھ لو۔ نوشاد بائی یہاں کبھی نہیں آئی۔ یہ صرف ایک ڈراما ہے جو وہ کر رہی ہے اور اس سلسلے میں تم سے جو بھی شخص رجوع کرے اُسے یہی بتانا کہ جی یہ عورت بکواس کر رہی ہے۔ اُسے یہاں کبھی نہیں بُلایا گیا۔ خوامخواہ چکّر میں لانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ویسے تم نے اس کے سامنے میرا نام نہیں لیا یہ اچھا کیا۔ سمجھ گئے نا میری بات۔۔۔؟"

"بالکل سمجھ گئے جی۔ کون نوشاد بائی ہم تو کسی کو جانتے ہی نہیں۔" اُس نے کہا اور میں ہنسنے لگا پھر میں اس کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل آیا تھا۔

نوشاد بائی کے سلسلے میں۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ اُسے بُلاؤں گا۔ اس بارے میں معلومات حاصل کروں گا اور اگر اُس نے مجھ سے تعاون کیا تو نہایت عزّت کے ساتھ اُسے واپس کر دوں گا لیکن بہرحال جس طبقے سے وہ تعلق رکھتی تھی اُس میں یہ تمام چیزیں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھیں اور وہ دولت کو تمام چیزوں پر زیادہ ترجیح دیتی تھی اُس نے خود بھی ایک مجرمانہ کارروائی کی تھی لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ توصیف رضوی نے اُسے اس کی اجازت دے دی تھی۔ تعجب کی بات تھی میں اس جیسے قابل آدمی سے اس حماقت کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ خیر اب جو کچھ ہو چکا تھا وہ تو ہو ہی چکا تھا اور اس سلسلے کے تمام نتائج بھی بھگتنے کی تیاریاں کرنی تھیں کیونکہ یہ بات تو لازمی تھی کہ نوشاد بائی، توصیف سے رابطہ قائم کرے گی اور اس سلسلے میں وہ کافی اُچھل کود مچائے گا۔

لیکن غالب کو جو ہدایت میں نے دی تھی وہ بھی کارآمد ہو سکتی تھی۔ ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کریں گے کہ ایسی کوئی حرکت اُس کے ساتھ کی گئی ہے اور پھر ویسے بھی رضوی صاحب کچھ اُلجھنوں کا شکار ہو سکتے تھے۔ یہ ایک کروڑ روپے کا مسئلہ بہرطور ان کے علم میں تھا اور انہوں نے اس میں نوشاد بائی کی معاونت کی تھی لیکن اب مسئلہ اُس فوٹو گرافر کا تھا جس نے نوشاد بائی کے ہاتھ کچھ تصویریں فروخت کی تھیں۔ بلاشبہ ایک لحاظ سے یہ تصویریں بڑی سنسنی خیز کیفیت کی حامل تھیں لیکن کسی فوٹو گرافر کا بھلا اس وقت وہاں کیا کام ہو سکتا تھا جب نجمہ قتل کی جا رہی تھی۔ اجمل شیخ... میں نے دل ہی دل میں سوچا اور اس کے لیے مجھے زیادہ ذہنی کاوشوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے نگہت شیراز کو دفتر ٹیلی فون کیا تو پتا چلا کہ پندرہ بیس منٹ قبل وہ دفتر سے نکل گئی ہے۔

نگہت کی تلاش میں ناکام ہونے کے بعد میں وہاں سے چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ یہاں ایک گوشے میں بیٹھ کر کافی دیر تک وقت گزاری کرتا رہا اور ایک بار پھر یہاں سے باہر نکل کر نگہت کے گھر ٹیلی فون کیا اس وقت وہ گھر پہنچ گئی تھی۔

"ہیلو چیف آپ کا فون آیا تھا مجھے معلوم ہوا۔ اس کے بعد میں نے فاروقی صاحب کو فون کیا لیکن ان کا کہنا ہے کہ آپ مسلسل غائب ہیں اور ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"کوئی مصروفیت ہے نگہت نہیں تو میں آ رہا ہوں۔"

"بہت بہتر میں انتظار کر رہی ہوں۔" نگہت نے کہا یہاں سے ٹیکسی لے کر میں اُس کے گھر کی جانب چل پڑا تھا تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گیا اس نے میرا پرتپاک استقبال کیا تھا۔

"خیریت چیف۔"

"ہاں بالکل خیریت ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں تم سے۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"نام ہے اس کا اجمل شیخ۔ فوٹو گرافر ہے اور شاید اخبارات و رسائل میں کچھ فلم سے متعلق لکھتا رہتا ہے۔"

"معروف شخصیت ہے ہم لوگ اسے جبشی کہتے ہیں۔" نگہت شیراز نے کہا۔

"کسی باقاعدہ اخبار سے منسلک ہے"؟

"نہیں چیف لیکن اپنے فن میں یکتا ہے اور تھوڑا سا کھسکا ہوا ہے"۔

"مطلب... ؟"

"مطلب یہ کہ اسے اچھی خاصی ملازمتوں کی پیشکش کی گئی ہے لیکن وہ ملازمت نہیں کرتا بس فلمی آرٹیکل وغیرہ لکھ کر گزارا کرتا ہے اور اس میں اس کی کوئی خاص آمدنی بھی نہیں ہوتی اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتا رہتا ہے کبھی ماڈلنگ کرتا ہے اور ٹرانسپیرنسی وغیرہ بنا لیتا ہے اور کبھی کچھ آرٹیکل وغیرہ مل جاتے ہیں ہمیشہ لوگوں کی مخالفت ہی میں کام کرتا ہے"۔

"کہاں رہتا ہے... ؟"

"گھر کے بارے میں تو کبھی معلوم نہیں کیا چیف اس سے"۔

"میرا مطلب ہے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے"؟

"ملنا ہے... ؟"

"ہاں"۔

"میں ایک دو رسالوں کے دفاتر ٹیلی فون کر کے ٹرائی کرتی ہوں ویسے اس کا مل جانا ذرا مشکل ہی ہوگا کم از کم آج"۔

"تم سے کیسے تعلقات ہیں ؟"

"اس کے سبھی سے تعلقات ہیں اور یکساں ہیں نہ کسی کے کام آتا ہے اور نہ کسی سے کام لیتا ہے"۔

"ملنے کے لیے کیا کرنا پڑے گا ؟"

"ایک منٹ چیف کوشش کرتی ہوں"۔ نگہت نے کہا اور پھر ایک انڈیکس بک نکال لی جس میں نمبر دیکھ دیکھ کر وہ مختلف جگہوں پر ٹیلی فون کرتی رہی اور پھر ایک جگہ ٹیلی فون کرنے سے اسے اجمل شیخ کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئیں۔

"ابھی پکڑنا ہے اسے چیف تو ہمیں اس کے لیے ذرا بھاگ دوڑ کرنا پڑے گی ابھی اس رسالے کے دفتر سے نکلا ہے اور سُنا ہے کہ ہوٹل کہکشاں کی جانب گیا ہے"۔ میں چند لمحات سوچتا رہا پھر میں نے کہا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا نگہت کہ تم کل دن میں کہیں سے اسے حاصل کر لو اور اس کے بعد فاروقی صاحب کے دفتر لے آؤ"۔

"لا سکتی ہوں چیف کوئی مشکل کام نہیں ہے... کل کس وقت تک... ؟"

"میرا خیال ہے بارہ بجے"۔

"یہ زیادہ بہتر رہے گا"۔

"او کے چیف مگر اس فوٹو گرافر سے کیا ضرورت پیش آگئی"۔

"میرا خیال ہے یہ سب کچھ اسی وقت بتا دوں گا تمہیں"۔ میں نے نگہت سے کہا اور اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے کل بارہ بجے میں کہیں نہ کہیں سے اُسے اغوا کر کے آپ کے پاس پہنچا دوں گی"۔ میں نے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا لیکن اُس نے مجھے اُٹھنے نہیں دیا تھا حالانکہ اس وقت چائے کی حاجت نہیں ہو رہی تھی اور اس کے بعد میں نے دراب شاہ کی کوٹھی کی جانب ہی واپسی مناسب سمجھی تھی۔ شام ہو چکی تھی کوٹھی میں حسبِ معمول سناٹا تھا الیاس خاں مالی کو ہدایات دیتا ہوا نظر آ رہا تھا مجھے دیکھ کر اس نے سلام کیا اور میں نے بھی بڑے اہتمام سے اس سے گفتگو کی۔

"کہو بھئی الیاس خاں تم سے تو سب سے کم ہی ملاقات ہوتی ہے بہت مصروف رہتے ہو شاید..."۔

"ارے نہیں صاحب ہمارے لیے کبھی کوئی خدمت ہو تو آپ حکم دیں آپ تو ہم سے کبھی کوئی کام ہی نہیں لیتے"۔

"بس بھئی میں اصل میں ان معاملات کی وجہ سے ذرا سا اُلجھ گیا ہوں سوچتا ہوں یہاں سے چلا جاؤں لیکن شاہ صاحب اتنے مخلص آدمی ہیں کہ ان کا کام کیے بغیر یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتا"۔

"کن معاملات کی بات کر رہے ہیں صاحب"؟ الیاس خاں نے پوچھا۔

"بھئی یہی شاہ صاحب بے چارے اپنی فلم کی تکمیل میں مصروف ہیں اور نئے کام کا آغاز نہیں کر سکتے میرا معاملہ بھی خاصا مشکل ہے طویل عرصہ یہاں نہیں گزار سکتا بس اُلجھنوں کا شکار رہوں کہ کیا کرنا چاہیے"۔

"ہاں صاحب اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ سب ہی لوگ پریشان ہیں"۔

"اچھا الیاس خاں ویسے تم سے کسی وقت ذرا تفصیلی بات چیت کریں گے"۔

"ضرور صاحب خادم ہیں آپ کے"۔ الیاس خاں نے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا مسز دراب گھر پر ہی موجود تھیں تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور پھر اندر آ گئیں میں مخلصانہ انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"او ہو کہیے کیسے مزاج ہیں آپ کے ؟"

"ٹھیک ہوں، آپ کہاں آوارہ گردی کرتے رہے ؟" وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولی لہجے میں کافی بے تکلفی پائی جاتی تھی۔

"آپ نے دُرست لفظ استعمال کیا آوارہ گردی ہی میرے آج کل کے معمولات کا بہتر نام ہے کچھ بھی نہیں کر رہا اور تقدیر بھی بالکل ساتھ نہیں دے رہی چند اور لوگوں سے ملاقات کا پروگرام بنایا تھا لیکن یہاں پہنچا پتا چلا کہ وہ موجود نہیں ہے بے چارے دراب شاہ اپنی اُلجھنوں میں گرفتار ہیں ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کے ملازم الیاس خاں سے یہی بات ہو رہی تھی کہ میں عجیب مخمصے میں گرفتار ہو گیا ہوں سوچتا ہوں چلا جاؤں اور دوبارہ یہاں آؤں اس وقت جب شاہ صاحب اپنی ان مشکلات سے نکل چکے ہوں لیکن اُن کا اصرار ہے کہ مجھے انتظار کرنا چاہیے وہ بہت جلد فارغ ہو کر میرے مسئلے کا حل دریافت کریں گے بس اسی سوچ میں ڈوبا ہوا ہوں کہ اصل میں کیا کرنا چاہیے"۔

"واقعی آپ کے لیے کافی مشکلات کھڑی ہو گئی ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ دراب شاہ اپنے اس چھوٹے موٹے کام سے فارغ ہونے کے بعد بھی ذہنی طور پر فارغ ہو سکیں گے یا نہیں مشکل ہی ایسی آپڑی ہے صحیح معنوں میں وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں رہے"۔

"ہاں ان حالات کا مجھے بھی بہت دُکھ ہے اور بدقسمتی سے میں اس سلسلے میں ان کے کسی کام نہیں آ سکتا"۔ صوفیہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگی تھی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اور بھی بہت سے لوگ آپ سے متعلق ہوں گے شارق صاحب"۔

"ہاں ظاہر ہے"۔

"شادی شدہ تو نہیں ہیں آپ۔ آپ نے بتایا تھا"۔

"جی ابھی اس نعمت سے محروم ہوں"۔

"نعمت"۔ وہ تلخی سے مُسکرائی اور میں اس کا چہرہ دیکھنے لگا جب وہ کچھ نہ بولی تو میں نے آہستہ سے کہا۔

"آپ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں صوفیہ صاحبہ"۔

"گڈ... آپ نے پہلی بار مجھے ایک اچھے نام سے مخاطب کیا ہے خواہ مخواہ تکلفات گفتگو کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں"۔

"آپ کچھ کہتے کہتے رُک گئی تھیں"۔

"ہاں۔ آپ نے ابھی شادی شدہ زندگی کو ایک نعمت کہا تھا میں سوچنے لگی تھی کہ کیا واقعی یہ درست ہے کا کہنا بھی غلط نہیں ہے اس لفظ کو کبھی کوئی صحیح معنویت نہیں دی جا سکتی بعض اوقات شادی شدہ زندگی کامیاب ہوتی ہے اور بعض اوقات بالکل ناکام ہو جاتی ہے آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اس سلسلے میں اپنے کسی تجربے کا اظہار کر رہی ہوں بس یونہی ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ زندگی آخر ہے کیا شے"۔ میں مسکراتی نگاہوں سے صوفیہ کا چہرہ دیکھنے لگا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"آج آپ پر کچھ بے زاری سوار معلوم ہوتی ہے"۔

شارق۔ درحقیقت میں بے پناہ اُلجھی ہوئی ہوں آپ کو خود بھی اندازہ ہوگا کہ میری زندگی کس قدر محدود ہے آپ نے چند روز یہاں رہ کر اس کوٹھی کی صورتِ حال اچھی طرح دیکھی ہوگی کچھ ایسی زندگی ہے میری کہ ہر قسم کے ہنگاموں سے دُور ہوں میں یہ نہیں کہتی کہ میں ہنگامہ پسند ہوں لیکن انسان کی زندگی میں بہت سی ضرورتیں شامل ہوتی ہیں"۔

"معاف کیجیے گا صوفیہ صاحبہ آپ نے چونکہ خود ہی یہ موضوع چھیڑا ہے اس لیے اس سے متعلق کوئی سوال میری زبان پر آ جائے اور وہ غیر معیاری ہو تو آپ براہِ کرم اسے محسوس نہ کریں"۔

"ارے نہیں۔ ان احمقانہ باتوں کی کہاں گنجائش ہوتی ہے دل میں جو بات آئے وہ کہنی چاہیے اسے دل میں رکھ کر خود پر جبر کرنا مناسب نہیں ہوتا"۔

"اس دوران چونکہ میں یہاں رہا ہوں اور میں نے تھوڑا بہت صورتِ حال کا جائزہ بھی لیا ہے بہت سی باتیں دل میں آئی ہیں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس عمارت کے رہنے والے اپنے آپ سے مطمئن نہ ہوں"۔

"نہیں ایسی بات نہیں تھی تھوڑے دن پہلے یہ احساسات نہیں تھے لیکن اب کچھ ایسی اُلجھنوں کا شکار ہوئے ہیں ہم کہ ان کا کوئی حل ہمارے سامنے نہیں آتا۔ بے چارے محسن کی زندگی کو جو روگ چمٹ گیا ہے اس نے ہم سب کو حواس باختہ کر رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے نکالا کر اپنے پاس لے آئیں وہ اس گھر کی زندگی ہے"۔

"لیکن صوفیہ صاحبہ۔ محسن خود اس قتل کا اعتراف کر رہا ہے کیا آپ کے خیال میں وہ کسی ذہنی فتور کا شکار ہے آخر وہ اپنے بچاؤ کی کوشش کیوں نہیں کرتا یا پھر معاف کیجیے گا اس نے ایسا کیا اور اس کا ضمیر اسے سچ بولنے پر مجبور کر رہا ہے۔"

صوفیہ نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

"بعض اوقات انسان حد سے زیادہ تجربہ کار بننے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہر چیز کی ایک حد ضرور ہوتی ہے میں اپنے تجربے کی بات نہیں کرتی لیکن محسن ایسے ہیں نہیں دو تین چیزیں ان کی شخصیت میں نمایاں ہیں مثلاً یہ کہ وہ کبھی کسی حالت میں اس قدر حواس باختہ نہیں ہو سکتے کہ اپنی کسی حس کی تکمیل کے لیے دوسرے کو نقصان پہنچا دیں ان کا ٹائپ ہی یہ نہیں ہے اور پھر وہ شخص جس نے بے داغ زندگی گزاری ہو اپنی ساری زندگی کو اس طرح داغدار بنانا پسند نہیں کرے گا اور پھر محسن۔"

صوفیہ خاموش ہو گئی اور دیر تک خاموش رہی میں سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"اصل میں انسان بعض اوقات کیا بلکہ میرا خیال ہے زیادہ تر خود اپنے آپ کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے دوسروں کو سمجھنے کی کوششیں کرنے والا اگر اپنی ہی ذات کو سمجھ لے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ اس کا ایک کارنامہ ہوتا ہے اپنے آپ کو نہیں سمجھا جاتا تو پھر دوسروں کو سمجھنے کے دعوے کیسے کیے جا سکتے ہیں اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ خود کو سمجھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے بسا اوقات تھوڑی سی ضد کوئی ایسا احساس جو اچانک ہی ذہن پر مسلّط ہو گیا ہو ایسی ایسی بھیانک غلطیاں کرا دیتا ہے کہ اس کے بعد انسان کے پاس ان کا ازالہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔"

میرے ذہن میں سنسنی سی پیدا ہو گئی صوفیہ کی یہ گفتگو مجھے احساس دلا رہی تھی کہ وہ اسی سمت کا رُخ کر رہی ہے جس کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے میں نے انیلا کا سہارا لیا تھا میں خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا صوفیہ پھر بولی۔

"محسن نہ صرف دراب شاہ کے لیے قیمتی ہیں بلکہ میرے لیے بھی وہ بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں دراصل یونیورسٹی میں ہم دونوں ساتھ ساتھ تعلیم حاصل کیا کرتے تھے ہمارا تعلق دن رات ایک دوسرے سے رہتا تھا اور شارق صاحب سُنیے اور غور سے سُنیے ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔"

میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا صوفیہ کی آنکھیں خواب ناک ہو گئی تھیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اس وقت اپنے آپ کو کسی کے سامنے محسوس نہ کر رہی ہو بلکہ خود کلامی کی سی کیفیت کا شکار ہو۔

"ہاں... ہم چاہتے تھے ایک دوسرے کو اور ہماری محبت میں وہ جنوں خیزی نہ تھی جو نوجوان عمر کے چاہنے والوں میں ہوتی ہے حالانکہ ہماری عمر نوجوانی کی عمر سے دُور نہیں تھی میری محسن سے ملاقات ہوئی اور وہ مجھے اپنی منفرد شخصیت کی بنا پر پسند آگئے میں نے ان کی جانب قدم بڑھائے تو اس نے میری پذیرائی کی اور اس کے بعد ہم نے مستقبل میں ساتھ ساتھ زندگی گزارنے کے فیصلے کیے لیکن محسن عجیب و غریب طبیعت کے مالک تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر انہوں نے مجھ سے شادی کر لی تو وہ اپنے باپ کو چھوڑ دیں گے اور اس شہر کو بھی چھوڑ دیں گے اور کہیں دور دراز کی زندگی اختیار کریں گے۔ یہ بات میرے لیے انتہائی حیرت ناک تھی کیونکہ میں جانتی تھی کہ محسن کے اپنے باپ سے بہت اچھے تعلقات ہیں میں نے محسن سے کہا کہ وہ صرف اپنے بازوؤں پہ انحصار کریں گے کہیں ملازمت کریں گے اور زندگی گزاریں گے۔ شارق صاحب میں اس بات سے معترف ہو گئی میں نے محسن سے کہا کہ میری آنکھوں میں ہمیشہ ایک خوبصورت زندگی کے خواب رقصاں رہے ہیں میں نے شاید آپ کو پہلے بھی بتایا تھا میرا بیک گراؤنڈ بہت زیادہ اچھا نہیں ہے میں تو غیروں میں پروان چڑھی ہوں بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ لوگوں نے مجھے ازراہِ کرم پرورش کیا ہے ورنہ میرا اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے بہت قریب رشتہ دار بھی نہیں تھے جنہوں نے پروان چڑھایا وہ دُور کے عزیز تھے اور انہوں نے صرف اپنی انسانی ہمدردی کی بنا پر مجھے تعلیم بھی دلائی لیکن وہ بھی اتنے صاحب حیثیت نہیں تھے کہ بہت عیش و عشرت سے زندگی گزروا تے بس یوں سمجھ لیجیے کہ تعلیم کے مسئلے میں خود میرا اپنا شوق تھا جو مجھے بالآخر یونیورسٹی تک لے آیا اور میں نے اچھی تعلیم حاصل کی لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ لوگ اس سے زیادہ میرے لیے کچھ نہیں کر پائیں گے چونکہ ان کی مالی حالت بھی بہت بہتر نہیں تھی انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہی میرا خیال ہے

انسانی ہمدردی کی بنا پر بہت کافی تھا میں نے محسن سے کہا کہ محسن ایسا نہ کرو دراب شاہ بُرے آدمی نہیں ہیں اور تم نے مجھے ان کے بارے میں آج تک جو کچھ بتایا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمہیں بے حد چاہتے ہیں۔ محسن نے کہا کہ یہ ان کا خالص ذاتی معاملہ ہے تب میں نے محسن سے صاف صاف کہا کہ میں ایک ایسی زندگی گزارنے کی خواہاں ہوں جس میں کوئی تکلیف نہ ہو میں بچپن ہی سے تکلیف اُٹھاتی ہوئی آئی ہوں اور اس کے بعد میرے اندر اتنی سکت نہیں ہے کہ مزید کسمپرسی کی زندگی گزار سکوں چونکہ تمہارا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ محسن نے یہ بات بے حد خلوص سے سُنی اور اتنے ہی خلوص سے مجھ سے کہا کہ ان کا جو نظریہ ہے وہ اس پر اٹل ہیں اور اس سے ہٹ نہیں سکتے اگر مجھے ان کی یہ بات منظور نہیں ہے تو میں اس خیال کو دل سے نکال دوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی بن جائیں گے۔ شارق صاحب میں بھی اپنے فیصلے پر اٹل تھی میں نے سوچا کہ حالات مجھے اس کا موقع دے سکتے ہیں تو کسی ایسے تصوّر کے لیے اپنے آپ کو قربان کیوں نہ کر دوں جسے عرفِ عام میں محبت کا نام دیا جاتا ہے میں جانتی ہوں کہ محبت ایک ازلی جذبہ ہے جس کے تحت انسان زندگی گزار لیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضروریاتِ زندگی بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں میں نے ایسے بے شمار واقعات پڑھے تھے اور ان کا مشاہدہ کیا تھا جن میں محبتیں عسرتوں کا شکار ہو کر اپنی اصلیت کھو دیتی تھیں چنانچہ میں بھی اپنے موقف پر اٹل تھی میں نے محسن سے یہ بات صاف کہہ دی تھی کہ وہ اگر اپنے باپ کو چھوڑیں گے تو پھر یہ سب کچھ ممکن نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے زیادہ دیوانے محسن تھے کیونکہ انہوں نے خلوص سے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا اور اس کے بعد مجھ سے کنارا کش ہو گئے تھے۔ دراب شاہ سے میں نے محسن کے کسی اختلاف کی وجہ سے ملاقات نہیں کی تھی بلکہ ایک صاحب کے ذریعے ان کی رسائی حاصل ہو گئی میں دراب شاہ سے ملی اور میں نے ان سے ملازمت کے لیے کہا ہماری جو گفتگو ہوئی وہ کچھ ایسی تھی کہ انہوں نے مجھے شادی کی پیشکش کر دی۔ دراب شاہ کے بارے میں میں نے معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ [illegible] نہیں ہیں ان کی بیگم مر چکی ہیں جو محسن کی ماں تھیں حالانکہ یہ تصوّر بے حد خوفناک تھا لیکن میں اپنے ایک نظریے کی تکمیل ہوتے ہوئے پا رہی تھی اور اس کے لیے میں نے محسن کو چھوڑ دیا تھا تو پھر محسن کے لیے میں اپنی اس زندگی کو کیسے چھوڑ دیتی چنانچہ میں نے دراب شاہ کی یہ پیشکش قبول کر لی اور ہماری شادی ہو گئی ہماری شادی میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جسے کوئی افسانوں کی حیثیت دی جا سکے۔ میں جانتی تھی کہ محسن کو یہ بات سخت ناگوار گزرے گی لیکن محسن نے یہاں بھی اپنی روایتی فراخ دلی کا ثبوت دیا اور مجھے اس حیثیت سے قبول کر لیا لیکن یہ قبول کرنا خاموشی کی شکل میں تھا انہوں نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور نہ ہی رنج و غم کا دراب شاہ صاحب نے مجھے ہدایت کی تھی کہ میں محسن کا پورا پورا خیال رکھوں اور شارق صاحب میں نے ان کی اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا ہے۔ محسن سے جو میرا رابطہ تھا میں نے اسے ذہن کی گہرائیوں میں دفن کر لیا تھا اور اب میں صرف ان کی شخصیت کو اپنے لیے ایک فرض سمجھتی تھی میرے ذہن میں وہ تمام خواہشیں موجود تھیں جو میری ذات اور ان کی ذات سے منسوب ہو سکتی تھیں یعنی ان کی ایک ایک چیز کا خیال اور دراب شاہ جس انداز میں بھی کہیں ان کا احترام اور ان کی زندگی کے لیے وہ سب کچھ کرنا میرے فرائض میں داخل ہے اور آپ یقین کریں کہ دراب شاہ کبھی ایک بُرے شوہر ثابت نہیں ہوئے۔ ہم نے یہ بات انہیں بتائی کہ یونیورسٹی میں ہمارے درمیان کیا روابط رہے ہیں اور اس کی درخواست مجھ سے محسن نے ہی کی تھی میں نے خود ان سے کہا کہ یہ سب کچھ بتانا ضروری نہیں ہے چونکہ ہماری زندگی میں کوئی ایسا داغ نہیں ہے جو ہمیں ذہنی طور پر مضطرب کرے۔ ہم دونوں اصولوں کی جنگ لڑ رہے تھے محسن اپنے اصولوں پر مضبوط تھے میں نے اپنے اصولوں کو برقرار رکھا بہرطور آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ دراب شاہ کے ہاں میری زندگی میں کوئی کمی نہیں رہی محسن کا مسئلہ اگر اس انداز میں سامنے نہ آتا تو شاید میں اس بارے میں کبھی نہ سوچتی لیکن اب جب کہ یہ سب کچھ ہو گیا ہے تو نہ جانے کیسے کیسے احساسات مجھے پریشان کر رہے ہیں میں محسن کے لیے دُکھی ہوں میرے دل میں ان کے لیے ماں کا کوئی جذبہ نہیں ہے لیکن ایک محبوبہ کے طور پر بھی میں ان کے بارے میں نہیں سوچ رہی بلکہ مجھے صرف اور صرف یہ احساس ہے کہ شاید ان کو میری وجہ سے ذہنی عذاب کا شکار ہونا پڑا۔ میں نے دن میں بہت کچھ سوچا ہے بہت کچھ غور کیا ہے اور ان تمام

باتوں کی طرف آتی ہوں تو مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ محسن نے مجھ پر تو اظہار نہیں کیا لیکن دل ہی دل میں وہ اس بات پر جھلستے رہتے ہیں اور نجانے کیوں جب میں نے ان کے بارے میں یہ سوچا تو مجھے بھی ایک احساس ہوا مجھے یہ احساس ہوا کہ محبت بہر طور ایک قیمتی شے ہے اور زندگی میں اس کی بڑی اہمیت ہے ضروریات بے شک پوری ہو جاتی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ محبت ایک الگ جذبہ رکھتی ہے۔ دیکھیے میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ دراب شاہ نے بیوی کی حیثیت سے مجھے وہ تمام حقوق دیے ہیں جو میری طلب تھے لیکن۔ لیکن اپنے دل میں ایک خالی خالی پن پاتی ہوں میں۔ کیا یہ خالی پن محسن کے لیے ہے شارق صاحب؟"

میں سکتے کے سے عالم میں مسز دراب کو دیکھ رہا تھا اور میرا سر جھکا گیا تھا کیا سمجھوں ان الفاظ کو کیا حیثیت رکھتے ہیں یہ الفاظ۔ یہ انکشاف اس نے مجھ پر کیوں کیا ہے کیا اسے کوئی شبہ ہو گیا ہے میری شخصیت کے بارے میں یا وہ سب کچھ سادگی ہی سے بتا رہی ہے شبے کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا بات صرف یونیورسٹی میگزین ہی کی تھی تو۔ تو اس سے متاثر ہو کر اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا اس نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ یہ بات اس نے یا محسن نے آج تک دراب شاہ کو نہیں بتائی ہے اور یہ اتنی اہم بات اس نے مجھے بتا دی تھی یا پھر میرا تعاقب کیا جاتا رہا ہے اور انیلا سے میری ملاقات کے بارے میں اسے معلومات حاصل ہو گئی ہیں۔ کیا ہو سکتا ہے یہ سب کچھ اس کا فیصلہ کرنا ابھی میرے لیے مشکل تھا میں خاموش نگاہوں سے صوفیہ کو دیکھتا رہا وہ مسلسل سوچوں میں گم تھی پھر میں نے خود کو سنبھالا اور آہستہ سے بولا۔

"آپ نے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں محترمہ صوفیہ"۔ وہ جیسے چونک سی پڑی اور پھر مجھے حیرت انگیز نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ میں نے آپ پر یہ انکشاف کر دیا ہے لیکن ایک درخواست کرتی ہوں دراب شاہ کو اس بارے میں کچھ نہ بتائیے گا"۔ میں حیرت سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"صوفیہ صاحبہ۔ آپ جانتی ہیں کہ میرے تعلقات دراصل شاہ صاحب سے ہیں آپ کو مجھ پر اعتماد کیوں ہے کہ میں آپ کے کہنے سے اس کو اتنی بڑی حقیقت نہیں بتاؤں گا"۔

"بتا دیجیے میں اب اس کی پروا بھی نہیں کرتی میں خود ذہنی طور پر اتنی مردہ ہو گئی ہوں کہ میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں جواب دے چکی ہیں میں فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور شاید اسی ذہنی بحران میں مبتلا ہو کر میں نے آپ کو یہ سب کچھ بتا دیا ہے اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ دراب شاہ کو یہ بتا دینا بہتر ہے تو بتا دیجیے گا ویسے میں نہیں چاہتی کہ آپ یہ بات انہیں بتائیں، اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آپ میرے کوئی نہیں ہیں آپ کو مجھ سے ہمدردی نہیں ہو سکتی لیکن میری ذات سے آپ کو کوئی نقصان بھی تو نہیں پہنچا پھر آپ مجھے یہ نقصان کیوں پہنچائیں گے"۔

"آپ یہ تصور کرتی ہیں کہ اگر دراب شاہ کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے تو پھر آپ کو نقصان پہنچ سکتا ہے"۔

"ہاں۔ میں نے اکثر اس بارے میں سوچا ہے جو کچھ قدم اٹھانا تھا وہ تو میں اٹھا بیٹھی لیکن پھر میرے دل میں ایک اور خیال بھی آیا کہ ممکن ہے اُن کو جب یہ بات معلوم ہو کہ میں اس کے بیٹے سے دلچسپی رکھ چکی ہوں تو وہ کسی شبہے کا شکار ہو جائے میں نے بہت سوچا خوفزدہ بھی ہوئی لیکن پھر میں نے ہر خوف دل سے نکال دیا میں نے سوچا کہ اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو میں ان کو سب کچھ بتا دوں گی اس کے بعد بھی وہ میری طرف سے شبے کا شکار رہتے ہیں تو پھر انہیں حق حاصل ہے کہ میرے خلاف جو کارروائی چاہیں کریں میں زندگی میں تبدیلی چاہتی ہوں یہ جو ایک بوجھ مجھ پر طاری ہو گیا ہے نا یہ مجھے سکون سے جینے نہیں دے رہا۔ محسن آزاد ہوتے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچتی اور وہ اپنی زندگی میں اپنا کوئی مقصد حاصل کر لیتے تو مجھے کوئی فکر نہ ہوتی آپ یقین کیجیے کہ اگر محسن شادی کرتے تو میں ان کی تمام تر معاونت کرتی اور انہیں یہ بتا دیتی کہ میں ان کے لیے دل میں کیا جذبے رکھتی ہوں مجھے ان کی مسرتوں سے خوشی ہوتی لیکن انہوں نے جو یہ بوجھ خود پر مسلط کیا ہے وہ براہِ راست میری روح پر آ پڑا ہے روح کا یہ بوجھ مجھے کرب میں مبتلا کر رہا ہے آخر محسن کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اس بدنصیب بیسوا کو انہوں نے قتل نہیں کیا"۔

"میں آپ سے براہِ راست ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے اتنی ہی سچائی سے اس کا جواب دیجیے گا کہ کیا

بھی کو واقعی محسن نے قتل نہیں کیا؟"

"میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا محسن تو انتہائی بے ضرر انسان ہیں اگر وہ ضرر پہنچاتے تو مجھے کیونکہ میں نے ان کے ذہن کو داغدار کیا تھا لیکن انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ ضرب برداشت کر لی آپ کو شاید اس بات کا بھی علم نہ ہو کہ محسن صاحب کی والدہ بھی دراب شاہ صاحب سے خوش نہیں تھیں اور ان کے درمیان کچھ اختلافات رہتے تھے ان اختلافات کی وجہ شاید دراب شاہ کی سب سے پہلی بیوی ہوں جو انہیں چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ میں نہیں جانتی نہ ہی میں نے کبھی اس بارے میں کوئی تفصیل سُنی لیکن قصہ میرے علم میں آ چکا تھا کہ محسن صاحب کی والدہ پہلے ایک صحت مند خاتون تھیں بعد میں آہستہ آہستہ بیماری لگ گئی اور بالآخر ان کا انتقال ہو گیا محسن کے دل میں یہ بات موجود ہے کہ دراب شاہ کی وجہ سے ان کی والدہ کا انتقال ہوا ہو سکتا ہے صرف اس وجہ سے وہ دراب شاہ کے ساتھ اپنی زندگی نہ گزارنا چاہتے ہوں"۔

"کیا مطلب...؟ کیا آپ دراب شاہ صاحب کی تیسری بیوی ہیں؟"

"جی... سب سے پہلے دراب شاہ نے شادی اس وقت کی تھی جب وہ دراب شاہ نہیں تھے میرا مطلب ہے فلمی دُنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا میں نے سُنا ہے کہ دراب شاہ صاحب کی ایک بیٹی بھی تھی ان خاتون سے لیکن دراب شاہ نے کبھی زندگی میں اس کا نام نہیں لیا بس یہ بات محسن جانتے تھے اور شاید انہیں بھی کسی دوسرے ذریعے سے معلوم ہوئی تھی"۔

"دراب شاہ کی پہلی بیوی اور بیٹی کے بارے میں آپ کو کچھ معلومات حاصل نہیں ہیں"۔

"قطعی نہیں۔ میں نے عرض کیا نا کہ یہ صرف میں نے سُنا تھا"۔

"لیکن پہلی بیوی کا ہوا کیا تھا میرا مطلب ہے وہ زندہ ہے یا ان کا انتقال ہو گیا تھا"۔

"یہ میں تو بالکل نہیں جانتی لیکن ایک بات مجھے معلوم تھی کہ پہلی بیوی دراب شاہ کو چھوڑ کر چلی گئی تھیں اور اپنی بیٹی کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئی تھیں قصہ کیا تھا یہ مجھے بالکل نہیں معلوم"۔

"اور وہ کہاں ہیں"۔

"میں نے عرض کیا نا، شارق حسین صاحب کہ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم برسبیل تذکرہ میں نے آپ سے یہ بات کہہ دی چونکہ مجھے یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی تھی"۔

"کیسے...؟"

"کچھ ملازمین کے ذریعے اور ایک آدھ بار محسن نے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا ایک آدھ بار دراب شاہ صاحب نے بھی یونہی سرسری طور پر اپنی سب سے پہلی بیوی کا ذکر کیا تھا"۔

"اور بیٹی کا بھی..."۔ میں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"جی... جی..."

"کبھی یہ بات نہیں ہوئی کہ وہ دونوں کہاں ہیں"۔

"نہیں... میں نے اس سلسلے میں پوچھنا بھی چاہا لیکن دراب شاہ صاحب نے کہا کہ انہیں اس تذکرے سے کوفت ہوتی ہے"۔

صوفیہ کی اس وقت کی گفتگو نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں ایک کے بعد ایک انکشاف کر رہی تھی وہ دراب شاہ کی تیسری بیوی ہے وہ۔ محسن کی ماں دراب شاہ سے اختلافات کی بنا پر انتقال کر گئی اور پہلی بیوی کی ایک بیٹی بھی تھی۔ کہاں ہیں وہ دونوں۔ واقعات انتہائی دلچسپ اور سنسنی خیز رُخ اختیار کرتے جا رہے تھے ایک کے بعد ایک کردار نمودار ہو رہا تھا اور اب میرے لیے یہ ضروری تھا کہ... دراب شاہ سے اس کی پہلی بیوی کے بارے میں معلومات حاصل کروں بہر طور صوفیہ کے سامنے بہت خاموشی مناسب نہیں تھی میں نے اس سے کہا کہ ابھی تک دراب شاہ نہیں آئے تو وہ کہنے لگی کہ وہ آج گھر واپس نہیں آئیں گے۔

"کیا مطلب...؟"

"ہاں مجھے فون کیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ آپ کو بتا دوں آج ان کی فلم کا پیچ ورک مکمل ہو رہا ہے آج رات بھر وہ کام کریں گے لیبارٹری میں بھی انہوں نے ٹیلی فون وغیرہ کرنے کو منع کر دیا ہے چنانچہ یہ اطلاع بھی آپ کو دینا ضروری تھی"۔

"اوہ... صوفیہ صاحبہ مجھے آپ سے بے حد ہمدردی ہے اور... اور اگر اس سلسلے میں میرے لائق کوئی خدمت ہو تو آپ مجھے بتا دیجیے گا"۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بس دل پر ایک عجیب سا بوجھ ایک عجیب سی ذہنی کیفیت تھی جسے میں برداشت نہ کر سکی اور

آپ کے سامنے زبان کھول بیٹھی۔"

"آپ اطمینان رکھیں میری ذات سے آپ کو [illegible] نہیں ہو گی۔"

"اس کے لیے میں آپ کا پیشگی شکریہ ادا کروں گی لیکن جو کچھ تھا وہ بھی میں نے آپ کو بتا دیا۔ ہاں ایک بار میں ضرور آپ کو بتاؤں گی کہ بہت سی لڑکیوں نے محسن کے ذریعے اپنا مستقبل روشن کرنے کی کوشش کی یعنی فلمی زندگی میں جانے کی لیکن محسن کی ذات سے انہیں ہمیشہ ہی مایوسی ہوئی محسن پر ذہنی بحران سوار ہے اگر ان کے ذہنی بحران کا حل دریافت ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ ایسی باتوں کا انکشاف کر دیں جن سے ان کی شخصیت پر یہ داغ آنے سے بچ جائے۔"

"اگر آپ حکم دیں تو میں کوشش کروں۔"

"کیا کوشش۔۔" اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔

"میرا مطلب ہے میں ان واقعات کے سلسلے میں کچھ اور چھان بین کروں اور محسن کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کروں۔"

"شارق صاحب آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ کس عذاب میں گرفتار ہو گئے لیکن ایک دل کی بات میں آپ سے ضرور کہوں گی کہ محسن بے گناہ ہیں انہیں بچ جانا چاہیئے انہیں بچ جانا چاہیئے ہر قیمت پر۔ اس سلسلے میں اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو یقین کیجیے میں آپ کو کبھی فراموش نہیں کروں گی اور آپ کے اس احسان کو زندگی بھر یاد رکھوں گی۔" وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی دروازے سے باہر چل دی۔

میں خالی دروازے کو دیکھتا رہ گیا صوفیہ نے یہ سب کچھ کیوں کیا ہے مجھ سے کیوں کہا ہے۔ اتنی حیرانی کی بات تھی کہ میں اپنے دماغ پر قابو نہیں پا سکتا تھا پھر مجھے دراب شاہ کا خیال آیا وہ اپنے بیٹے کو چاہتا ہے کہ اس کی وجہ سے ذہنی طور پر سخت مضطرب ہو گیا ہے لیکن بہت سی باتیں چھپائے ہوئے ہے مثلاً اس نے مجھے اپنی پہلی بیوی کے بارے میں نہیں بتایا محسن کی ماں کے بارے میں نہیں بتایا یہ۔ یہ سب [illegible] نہیں ہے اگر وہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنا [illegible] تو پھر ذرا انداز بدل کر کام کرنا ہو گا وہ اس جنجال [illegible] بیٹا ہے جس کا نام شارق حسین ہے وہ اپنی [illegible] سمجھتا ہے کہ میں بددل ہو جاؤں گا تو یہ اس کی [illegible] تو وہ کنویں میں گر ہی چکا ہے۔

میں [illegible] فیصلہ کیا کہ دراب شاہ سے اس موضوع پر گفتگو کروں گا اس کے بعد میں نے اپنے طور پر تجانے کیا کیا باتیں سوچی تھیں صوفیہ رات کے کھانے پر بھی موجود نہیں تھی کھانا مجھے تنہا ہی کھانا پڑا اور اس کے بعد میں آرام کرنے لیٹ گیا لیکن ذہن خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا بہت سی باتیں ذہن میں آ رہی تھیں ملازموں میں یوسف خان ہی سب سے پرانا ملازم تھا ہو سکتا ہے وہ دراب شاہ کی پہلی بیوی کے بارے میں کچھ تفصیلات بتا سکے باقی اور کوئی ذریعہ تو بظاہر نظر نہیں آتا تھا یا پھر دراب شاہ ہی سے اس بارے میں گفتگو کروں لیکن اس طرح یہ بات سامنے آتی تھی کہ مجھے اس بارے میں کیسے معلوم ہو گیا اور میں ابھی صوفیہ کے بارے میں دراب شاہ کو نہیں بتانا چاہتا تھا ہو سکتا ہے میرا یہ انکشاف اس کی زندگی کو ایک اور روگ لگا دے اور اگر اس انکشاف کے پس پردہ کوئی گہرائی ہے تو۔ تو اور نجانے کب تک میں ان گہرائیوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

دوسرے دن ناشتے کی میز پر صوفیہ موجود نہیں تھی یوسف خاں نے بتایا کہ وہ صبح ہی صبح کہیں چلی گئی ہے غالباً دراب شاہ نے اسے لیبارٹری بلایا تھا۔ میں ناشتا کر کے فارغ ہو گیا یہ اچھا ہی ہوا تھا ورنہ صوفیہ سے کچھ اور گفتگو کرنا پڑتی بہر طور میں اپنے ذہن کو اجمل شیخ سے ملاقات کے لیے صاف رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں بھی کوٹھی سے نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے دفتر کا رُخ کیا۔ دفتر کھلا ہوا تھا لیکن فاروقی صاحب یا جاوید قریشی دفتر میں موجود نہیں تھے اُستاد چھو نے البتہ مل گئے اس دوران دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ہی رہا تھا کیونکہ دراب شاہ کی کوٹھی میں قیام کے مسئلے کو ذرا صیغہ راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ بیرسٹر نصرت حسین بھی میری تلاش میں ہوں گے لیکن اُستاد چھو نے سے ایسی کوئی خبر نہیں ملی کہ ان لوگوں نے میری تلاش کی ہے۔

دن کے گیارہ بجے نگہت شیراز کا فون ملا اس نے کہا کہ وہ ٹھیک بارہ بجے اجمل شیخ کے ساتھ میرے دفتر پہنچ رہی ہے۔

"اجمل شیخ سے تم نے کیا کہا ہے ؟"

"یہی کہ میں اسے شارق حسین ایڈووکیٹ سے ملانے لے جا رہی ہوں۔"

"اس نے پوچھا نہیں کہ کیوں ؟"

"ملیں گے تو احساس ہو گا چیف کہ وہ ہے کیا شے۔"

"کیا مطلب ؟"

"مختصر تو آپ کو اس کے بارے میں بتایا تھا اب تفصیل آپ کو اس سے مل کر معلوم ہو جائے گی۔"

رسمی گفتگو کے بعد میں نے فون بند کر دیا بہر طور اس کے بعد ایک گھنٹہ گزارنا تھا چنانچہ میں دفتر میں موجود فائلیں وغیرہ دیکھتا رہا۔ اُستاد دو بار چائے وغیرہ پلا چکے تھے تیسری بار انہوں نے چائے کے لیے پوچھا تو میں نے ان سے کہا کہ کچھ مہمان آنے والے ہیں ان کے سامنے ہی چائے کا پروگرام رہے گا۔

ٹھیک بارہ بجے نگہت، اجمل شیخ کے ساتھ میرے دفتر میں داخل ہوئی ایک لمبے قد کا دُبلا پتلا آدمی تھا بہت معمولی سے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو اس کے جسم پر بالکل ڈھیلے ڈھالے تھے اور ان میں وہ عجیب و غریب نظر آ رہا تھا اندر آتے ہی اس نے نعرہ لگایا۔

"محسن انسانیت زندہ باد۔۔۔ مظلوموں کے ہمدرد زندہ باد۔۔۔ شارق اعظم زندہ باد۔۔۔ نعرہ تکبیر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔ فدوی کو اجمل شیخ کہتے ہیں۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ نگہت شیراز مسکرا رہی تھی۔ میں نے اس سے مصافحہ کیا تو اس نے جھک کر میرے ہاتھ کو آنکھوں سے لگا لیا تھا۔

"میں اس شخص کا تعارف کرا کر صحافت کی توہین نہیں کرنا چاہتی۔" نگہت نے کہا۔

"فدوی کو بلیک میلر بھی کہتے ہیں۔"

"آپ کرسی پر کتنی دیر کے بعد بیٹھتے ہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ وہ معاف کیجیے گا۔ اس کی نوبت کم ہی آتی ہے۔" اجمل نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"احقر کو عموماً طاقتور چوکیداروں کے ذریعہ باہر نکلوا دیا جاتا ہے حقیر اس کا عادی ہے اس لیے خود کرسی پر کبھی نہیں بیٹھتا۔ ہاں اگر کوئی فرشتہ صفت اس کے باوجود یہ پیشکش کر دیتا ہے تو بیٹھ بھی جایا کرتے ہیں!" اجمل شیخ نے کہا۔

"تشریف رکھیئے۔"

"خدا آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔" اجمل شیخ کرسی پر بیٹھ گیا۔

"معافی چاہتی ہوں جناب۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔" نگہت نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"بیٹھو نگہت۔" میں نے کہا اور وہ بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"نواب اجمل شیخ ہیں!"

"جی! ویسے خادم اس شیخی پر شرمندہ ہے۔ آباؤ اجداد شیخیاں بگھارتے ہوں گے فدوی کے بگھارنے کے لیے وہ کچھ نہیں چھوڑ گئے اس لیے آپ مجھے وہ والا شیخ نہ سمجھیں۔ ویسے آج کل شیخوں سے کم نہیں ہوں۔"

"اجمل صاحب میرا تعارف تو کرا دیا ہو گا نگہت نے۔"

"اجی توبہ۔ آپ کا نام کافی ہے تعارف کی ضرورت کیا ہے۔ ہم نے اسی لیے آپ کو ان القاب سے مخاطب کیا تھا۔"

"کیا پئیں گے آپ۔۔۔؟"

"چائے۔" اجمل دھڑ سے بولا اور میں نے اُستاد کو چائے کے لیے کہہ دیا۔

"اجمل صاحب کچھ کام ہے آپ سے۔"

"حکم فرمائیے۔"

"نوشاد بائی سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں ؟"

"بحمد اللہ بے داغ کردار رکھتا ہوں۔ تصدیق نامے پیش کر سکتا ہوں جن کے ہمراہ کا میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی ہو گا۔"

"کچھ سنجیدہ سوال ہے اگر آپ پسند کریں تو۔"

"جی جی سمجھ رہا ہوں۔"

"اسے جانتے ہیں آپ ؟"

"اور سوچ لینے دیجیے۔ فیصلہ یہ کرنا ہے کہ آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں ؟" اجمل شیخ نے کہا۔

"ضرور سوچ لیجیے اجمل شیخ۔ آپ کو اندازہ ہونا چاہیئے کہ میں نے آپ سے ملاقات بلاوجہ نہیں کی ہو گی۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی اثنا میں اُستاد نے چائے لگا دی تھی اجمل ان کی طرف رُخ کر کے بولا۔

"کوئی نمکین چیز لے آئیے تھوڑی سی۔ چاہے وہ نمک ہی کیوں نہ ہو۔" اُستاد نے میری طرف دیکھا تو میں ہنس کر بولا۔

"ہاں کوئی کھانے پینے کی چیز بھی لائیے۔"

"جی نہیں۔۔۔ صرف نمکین چیز وہ بھی تھوڑی سی مقدار میں۔ دراصل نمک حلالی کا جواز پیدا ہو جائے گا آج نمک کھا لوں گا آپ کا تو کم از کم دل کو یہ کہہ کر سمجھا سکتا ہوں کہ نمک حلالی ضروری تھی۔"

"میں نے آپ سے بھی درخواست کی تھی اجمل شیخ کہ

تھوڑے سے وقت کے لیے سنجیدہ ہو جائیے ویسے آپ کی گفتگو کا انداز مجھے ناپسند نہیں ہے۔"

"جی... جی... آپ کی درخواست حکم کا درجہ رکھتی ہے اس لیے کہ میں ذاتی طور پر مداح ہوں ویسے نوشاد بائی کو، میں جانتا ہوں اور اس سلسلے میں جو معلومات آپ تک پہنچی ہیں وہ درست ہیں۔"

"گویا آپ نے پچیس ہزار روپے کے عیوض اُس کو کچھ تصویریں فراہم کی ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

اس نے اقرار میں گردن ہلائی۔

"تصاویر کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں۔"

"آپ جانتے ہیں..." اجمل نے کہا۔ پھر چونک کر بولا "لیکن یہ کیس آپ کے پاس تو نہیں تھا یہ تو۔ او ہو معاف کیجیے گا بیرسٹر نصرت حسین صاحب آپ کے بھائی ہیں۔"

"جی۔ جی آپ براہِ کرم مجھے صرف میرے سوالات کے جواب دیجیے۔"

"جی ہاں۔ وہ تصاویر میں نے بنائی تھیں اور انہیں نوشاد بائی کے ہاتھوں پچیس ہزار روپے میں فروخت کیا تھا بات دراصل یہ ہے شارق صاحب کہ میرا ذریعہ معاش تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے صحافت میں ایم اے کیا ہے اور اس کے بعد انتہائی ایماندارانہ صحافت کے لیے لاتعداد کوششیں بھی کی ہیں لیکن آج کل کے اخبارات میں ملازمتیں ملتی نہیں ہیں بس چھوٹے موٹے آرٹیکل لکھ کر کام چلا لیتا ہوں ایک آرٹیکل کے پچاس سے لے کر سو یا اگر پھر کوئی بہت ہی اچھا پرچا ہوا تو ڈیڑھ سو مل جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ روزانہ کوئی آرٹیکل نہیں خریدتا ملازمت کے لیے کوششیں بھی کی ہیں لیکن مالکان صحافت کو بھی زنجیروں میں قید رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ قلم کی آواز دل کی آواز سے ہم آہنگ ہوتی ہے اب دو ہی باتیں ہیں یا تو دل کے دھڑکنے کا انداز بدل لیا جائے یا پھر قلم کو آزادی دے دی جائے میں نے قلم کو آزادی دینے کے بارے میں سوچا لیکن جو آرٹیکل میں نے لکھے وہ صرف میرے پاس موجود ہیں اخبارات انہیں چھاپنے کے لیے تیار نہ ہوئے ان کی بھی مجبوری تھی اب تو مجھے بڑی پریشانی ہوئی میں نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیئے چنانچہ سنجیدہ موضوعات پر لکھنا ہی چھوڑ دیا فلم، ٹیلی ویژن اور اسٹیج کے پروگراموں کے بارے میں آرٹیکل لکھنا شروع کر دیے اور تصاویر وغیرہ بنانے لگا اس سے ذرا صورتِ حال بہتر ہو گئی کم از کم پیٹ بھرنے کے کچھ انتظامات ہو گئے حالانکہ بات صرف پیٹ تک نہیں ہوتی ہے بدن بھی ہے اور بدن سے متعلق کچھ اور لوگ بھی۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا۔ چنانچہ پریشانیاں کافی آگے بڑھ گئی ہیں میں نے بلیک میلنگ نہیں شروع کی لیکن جو کام دل کو نہ بھائے اسے مجرمانہ ہی تصور کیا جا سکتا ہے خیر میں بھٹک رہا ہوں آپ نوشاد بائی کے بارے میں پوچھ رہے تھے نوشاد بائی کی بیٹی نجمہ فلمی دُنیا میں آنے کی خواہش مند تھی میں نے بارہا اسے فلم اسٹوڈیو کے چکر لگاتے دیکھا۔ فلم وغیرہ لکھنے والوں سے میں نے پیشگوئی کر دی تھی کہ نجمہ ایک دن کامیاب ہو جائے گی اور فلمی دُنیا میں ایک درخشندہ ستارے کی شکل میں اُبھرے گی اور میرا یہ نظریہ اس کی صلاحیتوں کی بُنیاد پر تھا میں نے اس کا انٹرویو بھی کیا تھا جو ابھی تک اس لیے نہیں چھپ سکا کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں تھی پھر جب میں نے اُسے فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کے نزدیک دیکھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس کی تقدیر کا ستارہ چمکنے ہی والا ہے دراب شاہ کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات عرض کر دوں کہ یہ شخص فلمی زندگی میں ضرور ہے لیکن عام ڈگر سے ہٹ کر ہے یہ صرف صلاحیتوں کا پجاری ہے اور صرف انہیں چانس دیتا ہے جو باصلاحیت ہوتے ہیں اور نجمہ کے بارے میں میرا نظریہ تھا کہ وہ باصلاحیت ہے۔ میں اپنے روزگار کے لیے ہر اس جگہ کی تلاش میں رہتا ہوں جہاں سے مجھے کچھ مواد مل سکے اور اس کے لیے مجھے فلم ڈائریکٹروں کے گھروں کے چکر بھی لگانا پڑتے ہیں دوسرے اداکاروں اور اس زندگی سے متعلق افراد کی ٹوہ میں بھی رہتا ہوں میں۔ یہ صرف اتفاق تھا کہ اس دن میں دراب شاہ کی کوٹھی کی جانب نکل گیا تھا میں نے ٹیکسی سے نجمہ کو اُترتے ہوئے دیکھا وہ دراب شاہ کی کوٹھی میں جا رہی تھی اور اس کے بعد میرا دل مچل اُٹھا کہ کوئی بہتر مواد حاصل کر لوں معافی چاہتا ہوں شارق صاحب کچھ معاملات میں ہمیں بڑے عجیب و غریب طریقے سے کام کرنا ہوتا ہے میں نے نجمہ کی گیٹ سے اندر داخل ہوتے وقت تصاویر بنائیں اور اس کے بعد ایسے چکر میں پڑ گیا جس سے اندر کی تصاویر بھی حاصل کر سکوں اور اس کے لیے میں نے دراب شاہ کی کوٹھی کے عقبی حصے میں ایک درخت کا سہارا لیا تھا جو ایک کھڑکی کے سامنے تھا اور یہ کھڑکی دراب شاہ کے بیٹے محسن شاہ کے کمرے کی تھی۔ تقدیر ساتھ دے رہی تھی

میں نے محسن شاہ کے کمرے میں نجمہ کو دیکھا خود محسن شاہ بھی موجود تھا لیکن یہ چند تصویریں بنانے کے بعد وہ لوگ کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گئے اور میں لاکھ سر پٹختا رہا لیکن اس کے بعد مجھے کوئی اور تصویر نہ حاصل ہو سکی اس کے بعد میں نے آدھا دن اس درخت پر گزارا لیکن بے مقصد رہا وہ دونوں دوبارہ کھڑکی کے سامنے نہیں آئے۔"

"ہوں... اجمل صاحب... کیا میں آپ کے اس پورے بیان کو سچائی پر مبنی سمجھوں؟"

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے آپ یوں سمجھ لیجیے کہ اس کے علاوہ دوسرا بیان میں کبھی نہیں دوں گا۔"

"ان تصویروں میں ایسی کوئی خاص بات تھی جو نجمہ کے قتل پر روشنی ڈال سکے؟"

"نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن چند چیزیں بڑی دلچسپ ہوئیں مثلاً یہ کہ محسن شاہ کے کمرے کے ایک کارنس پر ایک کلینڈر رکھا ہوا ہے جس میں وہی تاریخ تھی جس تاریخ میں نجمہ کا قتل ہوا اور یہ کلینڈر بالکل اتفاقیہ طور پر کیمرے کی آنکھ کی زد میں آ گیا ہے۔ نیز یہ کہ اس کارنس کے عین اُوپر ایک خوبصورت دیوار گیر گھڑی لگی ہوئی ہے جس میں وقت بھی نظر آ گیا تھا حالانکہ تصویر بناتے ہوئے میرے ذہن میں یہ سب کچھ نہیں تھا بلکہ وہاں سے واپسی کے بعد میں کسی عمدہ آرٹیکل کے بارے میں سوچ رہا تھا اور فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیا لکھوں۔

دوسرے دن مجھے نجمہ کے قتل کی اطلاع ملی اور قتل کی مختصر تفصیلات اخبارات میں درج تھیں میں ششدر رہ گیا تب میں نے ان تصویروں کے پرنٹ بنا کر دیکھے اور اس کے بعد مجھے دفعتاً احساس ہوا کہ یہ تصویریں تو انتہائی قیمتی نوعیت کی حامل بن گئی ہیں میں سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے اصولی طور پر تو یہ تصاویر مجھے پولیس کے حوالے کر دینی چاہیئے تھیں لیکن نجانے کیوں دل میں خیال آیا کہ ان کے ذریعے ہو سکتا ہے مجھے کوئی بڑی رقم حاصل ہو جائے اب یہ دیکھیے شارق صاحب کہ میری سوچ نے کس شکل میں کام کیا میں اگر چاہتا تو مجرمانہ طور پر ان تصاویر کا سودا دراب شاہ سے کر سکتا تھا تاکہ یہ محسن شاہ کے خلاف ثبوت کے طور پر عدالت میں نہ پیش کی جا سکیں اور میں جانتا ہوں کہ دراب شاہ ان کی نوعیت سے واقف ہونے کے بعد مجھے ان کی اچھی خاصی رقم دے سکتا تھا لیکن میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر قتل محسن نے کیا ہے تو ان تصویروں کا دراب شاہ کے ہاتھوں فروخت کرنا اس قتل میں اس کی مدد کرنے کے مترادف ہے چنانچہ معاف کیجیے گا میں نے اس سلسلے میں نوشاد بائی سے رابطہ قائم کیا میں اُس کو تمام تفصیلات بتانے کے بعد یہ تصویریں اس کے حوالے کر دینا چاہتا تھا لیکن مجھے احساس ہوا کہ نوشاد بائی ان تصویروں میں غیر معمولی طور پر دلچسپی لے رہی ہے تو میں نے اس سے پچیس ہزار روپے طلب کیے اور تھوڑی رد و قدح کے بعد اس نے یہ رقم میرے حوالے کر دی اور میں نے پوری ایمانداری سے تصاویر مع نیگیٹو اس کے حوالے کر دیں کیونکہ اگر نیگیٹو میرے پاس رہتے تو کوئی دوسرا بھی اس سلسلے میں مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا تھا اور اس کے بعد ممکن تھا کہ میرے دل میں کوئی بے ایمانی آ جاتی چنانچہ میں نے ان تصویروں سے متعلق ہر چیز نوشاد بائی کے حوالے کر دی ہیں" اجمل کے الفاظ میں سچائی محسوس کر رہا تھا اور اس سلسلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہا تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے اس بارے میں سرکاری طور پر بازپرس کی جا سکتی تھی اور اسے تھوڑا بہت نقصان بھی پہنچ سکتا تھا لیکن اس سے زیادہ اس سلسلے میں اور کوئی معاونت نہیں ہو سکتی تھی اس نے چائے ختم کر لی اور اس کے بعد بولا۔

"آپ کا اپنا مُوقف کیا ہے شارق صاحب اس سلسلے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے ان تصویروں میں جو کسی سلسلے میں بہت زیادہ ٹھوس ثبوت کی حیثیت رکھتی ہو ویسے اخبارات کی جو تفصیل ہے وہ تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ محسن نجمہ کا قاتل ہے ایک قاتل کے لیے اگر کوئی ثبوت فراہم کر دیا جائے تو میرے اپنے خیال میں اصولی طور پر یہ ناجائز بھی نہیں ہے۔"

"اجمل شیخ۔ اگر تمہیں اس سلسلے میں گواہی کے لیے عدالت تک جانا پڑے تو تمہارا کیا رویّہ ہو گا؟"

"جانا تو نہیں چاہوں گا لیکن عدالتی حکم ملا تو میں اپنا یہی بیان عدالت کو بھی دے دوں گا۔"

"اس سلسلے میں تم سے کچھ کہا تو نہیں گیا؟"

"نہیں قیمت ملنے کے بعد میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"بہرحال آپ کے اس تعاون کا بے حد شکریہ۔ میں اگر کبھی دوبارہ ضرورت پڑی تو آپ کو تکلیف دوں گا۔"

"ضرور... ضرور... اپنے کسی کام کے سلسلے میں آپ اگر مجھے

تکلیف دیں گے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔" اُس نے کہا اور پھر وہ نگہت کی طرف دیکھ کر بولا۔

"آپ بھی میرے ساتھ ہی چلنا پسند کریں گی یا۔۔"

"نہیں تم جاؤ۔" نگہت نے کہا اور وہ سلام کرکے باہر نکل گیا۔

"یہ کس قسم کا آدمی ہے" میں نے نگہت سے پوچھا۔

"بس چیف۔۔۔ ہر فیلڈ میں کچھ عجوبے ہوتے ہیں اس کے اپنے نظریات ہیں جنہوں نے اسے یہ شکل بخش دی ہے لیکن آپ کا کیا خیال ہے یہ بات اس کے لیے ایک جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"اخلاقی جرم تو ہے۔ کسی کی کوٹھی کے اندرونی مناظر کی تصویریں کسی بھی شکل میں نہیں لی جاسکتیں چاہے اس کا پیشہ کچھ بھی ہو۔ گھر تو گھر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ اس سلسلے میں اسے تھوڑا بہت نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن آپ کا کیا خیال ہے کیا وہ کہیں جھوٹ بول رہا تھا۔"

"گنجائش نہیں تھی اس بات میں۔"

میرا بھی یہی خیال ہے چیف۔ ویسے آپ سُنائیے اس سلسلے میں ابھی تک کارروائی کہاں تک پہنچی۔"

"ابھی کچھ نہیں ہوا نگہت۔ میں اپنے طور پر کوششوں میں معروف ہوں۔"

"اس کی وجہ ہے چیف۔" نگہت شیراز نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا۔۔۔؟"

"ابھی تک آپ نے اپنی آرمی بھی تو استعمال نہیں کی [illegible] شیراز۔"

"[illegible] منتظر ہوں نگہت۔ وقت آنے دو ہو سکتا ہے اس [illegible] تمہاری ضرورت بھی پیش آجائے۔"

[illegible] میں انتظار کر رہی ہوں۔" نگہت تھوڑی دیر [illegible] رہی اور اس کے بعد چلی گئی میں دفتر ہی [illegible] کے بیان پر غور کر رہا تھا اس کے بیان [illegible] اس بات کا ثبوت۔ بیان کرتی تھیں کہ اس دن [illegible] مخصوص وقت نجمہ، دراب شاہ کی کوٹھی [illegible] محسن کے کمرے تک پہنچی تھی۔ محسن [illegible] اس کا مقصد ہے کہ یہ تصویریں [illegible] کی حامل تھیں گو ان میں کوئی [illegible] اجمل شیخ نے جب اس قدر [illegible] کی کوئی بات ہوتی تو وہ ضرور بتا دیتا [illegible] واپس آگئے مجھے دیکھ کر

خوشی کا اظہار کیا تھا۔ فاروقی صاحب کے بارے میں بتایا کہ وہ کورٹ ہی میں مصروف ہیں ابھی جاوید قریشی کو آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اُستاد نے ایک کارڈ میرے سامنے پیش کیا جسے دیکھ کر میں اُچھل پڑا۔ کارڈ توصیف رضوی کا تھا حالانکہ عموماً اُستاد آنے والوں کو مجھ تک پہنچنے سے نہیں روکتے تھے لیکن نجانے کیوں انہوں نے توصیف رضوی سے کارڈ وصول کر لیا تھا لیکن اچانک ہی میرے ذہن میں ایک تجویز آگئی جاوید قریشی آنے والے کے بارے میں شاید مجھ سے کوئی سوال کرنا چاہتے تھے میں نے فوراً ہی پھرتی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اپنی میز کی نچلی دراز میں ہاتھ ڈالا یہاں ایک ایسی شے موجود تھی جو اس وقت میرے لیے نہایت کارگر ہو سکتی تھی میں نے ایک لمحے میں اسے دُرست کیا اُستاد چھوٹے منتظر ہی کھڑے تھے اور اس کے بعد اپنے کام سے فارغ ہو کر میں نے اُستاد چھوٹے کو اجازت دے دی کہ وہ توصیف رضوی کو اندر بھیج دیں۔

جاوید کچھ نہیں سمجھ سکے تھے توصیف رضوی اندر آئے تو انہوں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اوہو۔۔۔ رضوی صاحب۔ آیئے آیئے خیریت؟" لیکن اُس کے چہرے کے تاثرات بہتر نہیں تھے۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ کورٹ میں موجود نہیں تو یہاں ضرور موجود ہوں گے چنانچہ یہاں چلا آیا کیسے مزاج ہیں آپ کے شارق صاحب۔" اُس کو جیسے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا اس کے لہجے میں ایسی ہی کیفیت پائی جاتی تھی۔

"بالکل بہتر۔۔۔ رضوی صاحب تشریف رکھیے کوئی کام تھا مجھ سے مجھے طلب کر لیا ہوتا آپ تو بہر طور کافی سنیئر ہیں۔" اُس نے جاوید قریشی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا قریشی صاحب۔۔۔ میں شارق سے تنہائی میں کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا اگر آپ مجھے اس کا موقع عنایت فرمادیں تو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" جاوید قریشی جلدی سے اُٹھ گئے میں مُنہ کھول کر رہ گیا تھا۔ بہر حال میں نے انہیں جانے سے روکا نہیں اُس کی شعلہ بار آنکھیں میرا جائزہ لے رہی تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"داستانیں تو بہت سُنی تھیں آپ کے بارے میں شارق حسین

اور در حقیقت ہم میں سے کچھ لوگ ان داستانوں سے متفق بھی نہیں ہیں لیکن جو کچھ عمل پذیر ہوا وہ شاید ضرورت سے کچھ زیادہ ہے۔"

"میں سمجھا نہیں رضوی صاحب آپ کیا پئیں گے؟" میں نے سوال کیا۔

"پلیز کسی شے کی حاجت نہیں محسوس ہو رہی۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے شارق صاحب کیا وہ وکالت کے اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے؟ کیا یہ طریقہ کار مناسب کہا جاسکتا ہے ہمارے معزز پیشے کے لیے۔۔۔؟"

"میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا کہ وضاحت چاہتا ہوں کیا بات ہے آپ تشریف لائے ہیں میرے لیے قابلِ احترام ہیں چنانچہ میں آپ کی تشریف آوری کے سلسلے میں ہر طرح کا تعاون کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ نے نوشاد بائی کو مجرمانہ طور پر تھانے طلب کیا تھا۔"

"جی۔۔۔ تھانے میں اور میں نے۔۔۔ تھانے سے میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔"

"یہ بات میں معلوم کر چکا ہوں کہ انسپکٹر غالب آپ کے نیازمندوں میں سے ہے اور اس وقت وہ اس علاقے کے تھانے کا انچارج لگا ہوا ہے جہاں نوشاد بائی کو بے جا یا گیا تھا بلکہ ایک طرح سے اسے زبردستی وہاں تک پہنچایا گیا تھا۔"

"نوشاد بائی۔۔۔ غالباً یہ اس مقتول لڑکی کی ماں ہے جس کا کیس آپ اور نصرت حسین صاحب لڑ رہے ہیں۔"

"اس بے نیازی کا مظاہرہ کرکے آپ میری توہین کر رہے ہیں شارق حسین صاحب۔"

"تعجب ہے میں سمجھ نہیں سکا کہ اس میں آپ کی توہین کیسے ہو گئی۔"

"دیکھیے مسٹر شارق۔ میں ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں میں نے بہت کچھ سُن رکھا ہے آپ کے بارے میں لیکن اس سلسلے میں آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ میرے خیال میں بہتر نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ نوشاد بائی کو ایک غیر متعلق تھانے میں طلب کیا گیا اور وہ بھی آپ کے ایما پر تھانیدار سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے جس کی اُسے عدالت میں جواب دہی کرنا ہوگا۔"

"میں اس علاقے کے تھانے کا انچارج نہیں ہوں رضوی صاحب۔ آپ نے اس سلسلے میں علاقہ انچارج سے رجوع کیوں نہیں کیا۔"

"رجوع کر چکا ہوں۔ انچارج فرماتے ہیں کہ یہ ایک بے بنیاد کہانی ہے جس سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ان کے کسی آدمی نے نوشاد بائی سے کوئی رابطہ نہیں قائم کیا نوشاد بائی کو اس تھانے میں نہیں لایا گیا ایک دفعہ اگر انچارج صاحب یہ فرما دیں تو پھر بھلا کون ہے جو ان کی اس بات کی تردید کر دے۔"

"بالکل دُرست ہے ایک غلط بات کی تصدیق بھی کیسے کی جاسکتی ہے۔"

"آپ جانتے ہیں کہ نوشاد بائی کو وہاں لایا گیا تھا آپ بھی وہاں تشریف فرما تھے اسے دھمکیاں دی گئیں اور دھمکیاں دے کر ان تصاویر کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں جو کسی اجمل شیخ نامی فوٹوگرافر کے ذریعے نوشاد بائی تک پہنچی تھیں اور ان تصاویر سے محسن کے خلاف ثبوت ملتے ہیں۔"

"خوب خوب دلچسپ کہانی ہے تو کیا تھانہ انچارج نے وہ تصاویر نوشاد بائی سے حاصل کر لیں۔۔۔؟"

"ایسا تو نہیں ہو سکا ہے لیکن یہ کوشش بھی جاسکتی ہے۔"

"تو آپ اس کوشش کو ناکام بنا دیجیے گا رضوی صاحب۔"

"نہیں شارق صاحب ذاتی طور پر ہم لوگوں کے اُلجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے عدالت میں ہمارے درمیان ہر قسم کی گفتگو ہو سکتی ہے لیکن یہ تمام کارروائیاں انتہائی غیر اخلاقی حیثیت رکھتی ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں کیا اس طرح اس قتل کا ثبوت مٹایا جاسکتا ہے۔"

"کچھ اور اطلاعات بھی مجھ تک پہنچی ہیں رضوی صاحب براہِ کرم ان کی بھی وضاحت فرمادیں تو بہتر ہوگا ورنہ مجھے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنا پڑیں گی۔"

"کیسی اطلاعات۔۔۔؟"

"میں نے سُنا ہے کہ نوشاد بائی دراب شاہ سے ان تصاویر کی قیمت ایک کروڑ روپے حاصل کرنا چاہتی ہے کیا یہ بات آپ کے علم میں ہے۔" رضوی صاحب چند لمحات کچھ پریشان سے ہو گئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"یہ نوشاد بائی کا ذاتی معاملہ ہے۔"

"نہیں رضوی صاحب۔ یہ ذاتی معاملہ نہیں ہے میرا خیال ہے یہ آپ کے خلاف ایک سازش ہے آپ اس کیس کو مضبوط بنانے میں مصروف ہیں اور اس کے لیے بہتر سے بہتر ثبوت حاصل کرنا چاہتے ہیں جب کہ نجمہ کی ماں نوشاد بائی ایک بہترین ثبوت ایک کروڑ روپے میں ضائع کرنا چاہتی ہے آپ

کو بڑا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس ثبوت سے عدالت میں۔"

"کیا تم مجھے احمق سمجھتے ہو شارق حسین۔ اگر وہ تصاویر اور اس کے نیگٹیو دراب شاہ کے حوالے کر دیے گئے اور نوشاد بائی نے اس سے رقم وصول بھی کر لی تو کیا وہ تصاویر عدالت میں پیش نہیں ہوں گی۔"

"مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ یہ تو خود دراب شاہ کے خلاف ایک اور ثبوت ہو گا کہ اس نے ایک کروڑ روپے میں اپنے بیٹے کے خلاف جرم کے ثبوت خریدے تھے۔" توصیف رضوی نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"رضوی صاحب۔ معاف کیجیے گا اگر اس ایک کروڑ روپے میں سے آپ کا بھی کچھ حصہ ہے تو میں ان تمام کارروائیوں سے دست بردار ہوا جاتا ہوں آخر آپ ہمارے ہم پیشہ ہیں اور ہر شخص دولت کے حصول کا خواہاں ہوتا ہے۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے شارق صاحب۔ یعنی آپ اس میں سے اپنا حصہ بھی چاہتے ہیں۔" رضوی صاحب

"میں نے آپ سے اس کا مطالبہ تو نہیں کیا لیکن کم از کم اتنا تو مجھے علم ہو جائے کہ آپ کو ذاتی طور پر اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا یا نہیں۔"

"عزیزم اگر مجھے کوئی فائدہ حاصل ہو گا بھی اس سے تو ظاہر ہے اس کا تذکرہ میں تم سے کیوں کروں گا۔"

"تو بہتر یہی ہے کہ آپ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کریں یا اگر کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں تو جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"شارق۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم ان تمام معاملات سے دست بردار ہو جاؤ۔ ظاہر ہے نصرت حسین کی یہ فرمائش ہو گی کہ تم اس سلسلے میں کام کرو لیکن تم خود بتاؤ کیا یہ سب کچھ تمہاری روایات سے ہٹ کر نہیں ہے۔"

"کون سی روایات سے رضوی صاحب۔"

"یہی کہ تم ہمیشہ ان لوگوں کے خلاف کام کرتے ہو جو کسی مظلوم کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ یہاں قاتل مظلوم نہیں ہے ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہے اور فلمی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس نے اپنی کسی نفسیاتی خواہش کو ناآسودہ دیکھ کر اس معصوم لڑکی کو قتل کر دیا جو روشن مستقبل کی خواہاں تھی اور اس قتل کی سزا اسے ملنی ہی چاہیے۔"

"یقیناً رضوی صاحب۔ اس قتل کی سزا اسے ملنی ہی چاہیے لیکن اگر وہ قاتل نہ ہو تو...؟"

"کمال ہے۔ قاتل اعتراف کر رہا ہے کہ اس نے قتل کیا ہے اور آپ اسے معصوم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال میں نے اس سلسلے میں آپ کو کسی معجز نمائی سے نہیں روکا ہے آپ ضرور یہ سب کچھ کریں لیکن نوشاد بائی کو ہراساں نہ کریں میرے لیے یہ مشکل نہ ہو گا کہ میں اس سلسلے میں اس سے ایک درخواست حاصل کر لوں اور اسے اعلیٰ افسران تک پہنچا دوں۔"

"اس میں کیا لکھا جائے گا رضوی صاحب یہی نا کہ نوشاد بائی کو ایک کروڑ روپے کے سودے سے روکا جا رہا ہے۔ یعنی ڈبل فراڈ سے ایک کروڑ روپے کا حصول اور اس کے بعد دراب شاہ کے خلاف ایک اور ثبوت فراہم کرنے کی کوشش ایک ایسے باپ کی مظلومیت سے فائدہ اٹھانا جو اپنے بیٹے کی زندگی بچانا چاہتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور رضوی کے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اب انہیں احساس ہوا تھا کہ جوشِ ذہانت میں انہوں نے . . . کس کے سامنے کیا انکشاف کر دیا ہے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں کرسی کھسکا کر کھڑے ہو گئے۔

"تم مجھ سے لفظوں کی بازی گری کر رہے ہو۔ بہتر ہے یہ کام عدالت میں کرنا۔ میں بھی تمہاری شعبدہ گری دیکھوں گا۔ اس سلسلے میں نصرت حسین سے بات کروں گا۔"

"اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں گا بہتر ہے بھائی جان کو بھی بے چارے دراب شاہ کے خلاف ہونے والی سازش کے بارے میں معلوم ہو جائے جس کے ذریعے اس سے ایک کروڑ روپے ہتھیانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔"

"بہت ذہین بننے کی کوشش کر رہے ہو عزیزی۔ ابھی نو عمر ہو مجھ جیسے کسی شخص سے واسطہ نہیں پڑا۔ دیکھ لوں گا۔" رضوی صاحب تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھ گئے ان پر بوکھلاہٹ طاری تھی درحقیقت وہ نوشاد بائی کی حمایت میں ایک لمحے کے لیے بالکل اپ سیٹ ہو گئے تھے اور ایک انتہائی سنسنی خیز انکشاف کر بیٹھے تھے۔ یہ بے حد غضب تھا۔

دروازے میں رک کر انہوں نے کہا۔ "تم کسی طور اس گفتگو کو... اس گفتگو کو... ثابت نہ کر سکو گے۔"

"آپ نے میرے مطلب کی تو ایک بات بھی نہیں کی توصیف صاحب آئیے کچھ کاروبار کریں۔ کچھ لیں۔ کچھ دیں۔ ناراض ہو کر جانا نہ آپ کے لیے سود مند ہو گا اور نہ..."

"لعنت ہے یہاں رکنے والے پر۔" توصیف صاحب نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ آزاد ہو گیا۔

اُستاد چھو نے اندر داخل ہو گئے۔" چائے پیے بغیر چلے گئے..."

"ہاں استاد، قریشی صاحب کو بھیج دیں اور چائے بھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ باہر نکل گئے۔ چند لمحات کے بعد جاوید قریشی مسکراتے ہوئے اندر آئے۔

"کیا راز و نیاز ہوئے بھئی توصیف صاحب۔ کچھ معاشقہ وغیرہ چل رہا ہے ان سے؟"

"طلاق دے کر گئے ہیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چہرے سے لگ رہا تھا۔" جاوید نے کہا۔ "ویسے توصیف صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو کبھی ہضم نہیں ہوتے۔"

"ہاں یہ وہ لوگ ہیں قریشی صاحب جو پیشے کے بارے میں نہیں ہمیشہ پیسے کے بارے میں سوچتے ہیں۔"

"واہ! قافیہ اچھا ہے۔" جاوید قریشی نے کہا۔

"ان کا قافیہ تنگ ہو رہا ہے۔"

"اچھا ہے۔ ایسے لوگوں کو شارق کے بارے میں معلوم ہونا ضروری ہے۔" میں نے میز کے نیچے ہاتھ ڈال کر ٹیپ ریکارڈر نکالا۔ کیسٹ ریوائنڈ کیا اور پھر ٹیپ آن کر لیا۔ جاوید قریشی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دلچسپی سے میری اور رضوی صاحب کی گفتگو سننے لگے۔ پھر جب ٹیپ ختم ہو گیا تو گہری سانس لے کر بولے۔

"خدا کی شان، ظاہر ہے یہ ان کے علم میں نہ ہو گا۔" میں مسکرا دیا۔ قریشی صاحب پھر بولے۔ "مگر یہ ٹیپ تم استعمال کیسے کرو گے۔ میرا مطلب ہے آج کل اسے قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے۔"

"نفسیاتی حیثیت تو حاصل ہے۔ میں اسے توصیف رضوی صاحب ہی کے خلاف نفسیاتی حربے کے طور پر استعمال کروں گا۔"

"شکریہ۔ ویسے شارق حسین ایک بات ضرور کہوں گا اگر تم وکالت کا پیشہ چھوڑ کر سیکرٹ سروس میں چلے جاؤ تو ایک کامیاب جاسوس ایک بہترین سیکرٹ ایجنٹ ثابت ہو سکتے ہو۔ تمہارے اندر ہر وہ خوبی موجود ہے جو ایک سیکرٹ سروس کے ایجنٹ میں ہونی چاہیے۔"

"ہاں قریشی صاحب ایسا بے شک ہے لیکن اہلِ دانش کو اس پر اعتراض ہے۔ بھائی منظر کا انگوٹھا تو ہمیشہ گردن پر رہتا ہے۔ لڑکی والے کیس پر اعتراض فرما رہے تھے کہنے لگے یہاں وہاں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ میرا نقطہ نظر بس اتنا سا ہے کہ روایات ہماری میراث ہیں ہم روایات کی میراث نہیں۔ ضروری نہیں کہ قانون کا پیشہ بھی درزی کا پیشہ بن جائے کپڑا کاٹو اسے سیو اور بس۔ اس بنا دو ادھر نہ ادھر، جرم کئی مختلف مراحل سے گزرتی ہے، جرم، سراغ رسانی، پولیس، عدالت۔ ایک ہی زنجیر ہے۔ کسی بھی کڑی کو پھندے کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مجرم کو قانون کے حوالے کر دیا جائے اور اس سلسلے میں ہر کاوش کی جا سکتی ہے۔ مخلصانہ جد و جہد کے لیے حد بندی غیر مناسب ہے کسی کی نگاہ چوکا جائے اور دوسرا اسی گرہ کو کھول دے تو کیا حرج ہے۔ طریق کار ضرورت کے تحت ہوتا ہے۔"

جاوید قریشی گردن ہلاتے رہے پھر انہوں نے کہا۔ "تو کام ہو رہا ہے۔"

"جی ہاں! جاری ہے۔"

"پھر بیرسٹر صاحب کیسے جا رہے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں وہ بھی۔"

"خوب . . ." قریشی صاحب مسکرانے لگے۔ جانے کے لیے اٹھ گیا اور جاوید قریشی سے اجازت لے کر باہر نکل آیا۔ فی الحال ذہن میں کچھ نہیں تھا اور کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ کیا

کروں۔ کار میں بیٹھا تو بیرسٹر نصرت حسین یاد آ گئے اور نہ جانے کیا سوجھی کہ کار کا رُخ ان کے دفتر کی طرف کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔ کار کا دروازہ لاک کر کے ان کے دفتر میں داخل ہوا تو ایک دلچسپ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ سب سے پہلی نگاہ توصیف رضوی پر پڑی تھی۔ یقیناً وہ میرے پاس سے سیدھے یہاں آئے تھے مجھے دیکھ کر اُچھل پڑے۔

"خوب! تو تم میرا تعاقب کر رہے ہو آج کل. . ." انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"آپ خود میرے آگے آگے دوڑ رہے ہیں رضوی صاحب میں کیا کروں؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"صاحبزادے! ہماری زندگی صرف اسی ایک کیس تک محدود نہیں ہے زندگی میں اور بھی بہت سے معاملات ہیں ہم مشترک ہوں گے لیکن تمہارا اندازِ کارکردگی اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ تم وکالت نہیں کرتے دشمنی کرتے ہو ہر چیز کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور ان اصولوں پر عمل کرنا ہی کسی پیشے کے تقدس کا اظہار ہوتا ہے لیکن تم. . . تم. . ." میں خاموشی سے

توصیف رضوی صاحب کی شکل دیکھتا رہا۔ نصرت بھائی شاید کچھ بھی نہیں سمجھ پائے تھے اور اس بات کا اندازہ مجھے بھی تھا کہ توصیف رضوی ابھی ابھی یہاں پہنچے ہیں۔ ویسے بھی میں نے بہت زیادہ وقت صرف نہیں کیا تھا۔ فاروقی صاحب کے دفتر میں اور یہاں آ گیا تھا۔ میں مسکراتا رہا تب نصرت حسین نے کہا۔

"رضوی صاحب! ہمیں بھی تو پتا چلے کیا قصہ ہے آپ دونوں نے لڑنا شروع کر دیا!"

"میاں. . . یہ جملے میری توہین کے مترادف ہیں۔ بچے ہیں شارق حسین بھلا میری ان سے کیا لڑائی ہو گی۔ سمجھا رہا تھا کہ زندگی اتنی محدود نہیں بلکہ اس میں بڑی وسعت ہے اور ان وسعتوں کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہوتا ہے ورنہ بہت سے نقصانات خود بخود ہو جاتے ہیں۔"

"یہ آگے پیچھے دوڑنے کا کیا مسئلہ ہے؟" نصرت حسین صاحب نے پھر پوچھا۔

"بیرسٹر صاحب! ایک سوال کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے۔ مقدمات مختلف شکلیں رکھتے ہیں اور ہمارے موکل ہم لوگوں پر بھروسہ کر کے اپنے معاملات ہمارے سپرد کر دیتے ہیں کسی

وکیل کو کیا یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے اختیارات اور وسائل سے کام لے کر موکلوں کو اغوا کرائے اور ان پر تشدد کر کے پھر ان سے الٹے سیدھے بیانات لے لے۔ کیا یہ مناسب ہوتا ہے. . . ؟"

"ہونا تو نہیں چاہیے کیونکہ یہ مسئلہ وکیل کا نہیں بلکہ پولیس کا ہے۔"

"معزز توصیف رضوی صاحب! اگر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ میں نے ان کے کسی کلائنٹ کو اغوا کیا تو میرے خیال میں اس کے لیے انہیں فوری طور پر اپنے کلائنٹ سے ایک درخواست لینی چاہیے اور محکمۂ پولیس کو دے دینی چاہیے۔ یہ تو بہت بڑا جرم ہے اور پھر کسی کیس کے سلسلے میں اگر ہمارے معزز توصیف رضوی یہ کارروائی کر سکتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کیس کی نوعیت کافی مضبوط ہو جاتی ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔ بیرسٹر صاحب بھی چونک کر مجھے دیکھنے لگے تھے اور میں نے توصیف رضوی کے چہرے پر بھی ایک لمحے کے لیے ایک رنگ سا آتا دیکھا تھا۔ پھر انہوں نے کہا۔

"میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اغوا آپ نے کیا شارق حسین صاحب میں نے اختیار و سائل کا حوالہ بھی دیا تھا اختیارات و وسائل میں محکمۂ پولیس بھی آ جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے بھائی صاحب پولیس کے ایک اعلیٰ آفیسر ہیں اور ان کے ذریعے آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ چنانچہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب آپ کے بھائی شارق حسین نے میری موکلہ کو پولیس کے ذریعے ہراساں کیا اور اس سے کچھ الٹے سیدھے سوالات کیے۔ بعد میں اس نے مجھے اس کی اطلاع دی تھی اب دیکھیے نا پولیس سے تو اچھے اچھے کانپتے ہیں جو کچھ انہوں نے چاہا اس سے بیان لے لیا لیکن یہ سب کچھ غیر قانونی ہے میں ان کے دفتر پہنچا تو انہوں نے اپنی چرب زبانی سے کام لے کر مجھ سے فریب کرنا چاہا۔ میں اس وقت آپ سے یہی سب کچھ کہنے آیا تھا کہ مقدمات تو بہت سے ہمارے پاس آئیں گے اور ہم ان پر کام کریں گے لیکن یہ سب کچھ غیر مناسب ہے میری خواہش ہے بیرسٹر نصرت حسین صاحب کہ آپ انہیں اس سے روکیں ورنہ قانونی ہتھکنڈے تو سب ہی کے پاس ہوتے ہیں ہماری براہ راست کوئی دشمنی نہیں ہے میں نہیں چاہتا کہ اس کا آغاز کیا جائے ورنہ میرے ہاتھ بھی اتنے تنگ نہیں ہیں۔"

"آپ میرے بھائی کو دھمکیاں دینے آئے ہیں۔" بیرسٹر صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

"جی نہیں. . . میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ چند معاملات میں پاؤں پھنسا کر غیر قانونی طریقوں سے معلومات حاصل کر کے کچھ کام کر لینا اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ پھر اپنے سامنے کسی کو گردانا ہی نہ جائے۔ خواہ مخواہ دو خاندانوں میں دشمنی ہو میں اس سلسلے میں کچھ کر بیٹھوں اور بعد میں مجھ سے شکایت کی جائے ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ آئی جی صاحب کا خاندان قابلِ قدر ہے کہ اس میں تمام لوگ باعزت اور محترم ہیں میں اس خاندان سے دوستی رکھنا چاہتا ہوں کوئی ایسی غلط بات نہیں کرنا چاہتا جس سے ہمارے درمیان ذاتی اختلافات پیدا ہو جائیں۔"

"آپ نے اپنی اس گفتگو میں بہت سی دھمکیاں دے ڈالی ہیں رضوی صاحب واقعی آپ کے ہاتھ تنگ نہیں ہیں لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ میں فطرتاً ہاتھوں کی لمبائی ناپنے کا شوقین ہوں اور یہ مشغلہ میرے لیے دلچسپ ترین ہے چنانچہ میری خواہش ہے کہ آپ اپنے تنگ ہاتھوں کو کشادہ کر دیں اور اپنی انگلیاں میری گردن تک پہنچائیں مسرت ہو گی آپ کے ہاتھوں کی لمبائی ناپ کر مجھے۔"

بیرسٹر صاحب چونک کر مجھے دیکھنے لگے تھے توصیف رضوی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"زمانہ ہی خراب ہے بزرگی کا احترام ختم ہو گیا ہے صاحب زادے مجھے چیلنج کر رہے ہیں۔ بہر طور بچے جب بد زبانی پر اتر آئیں تو بزرگوں کو خاموش ہی ہو جانا پڑتا ہے اور کیا کر سکتے ہیں ہم بہتر ہے بیرسٹر صاحب۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کتنے لمبے جا سکتے ہیں میرا خیال ہے میرا یہاں آنا بے کار ہوا اگر یہ میرے پیچھے پیچھے ہی نہ چلے آتے تو شاید کوئی کام کی بات ہو جاتی۔ چلتا ہوں آپ ان سے معلومات حاصل کر لیجیے اگر کوئی راستہ نکلتا ہے تو مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں ورنہ پھر اللہ مالک ہے ہم بھی دیکھتے ہیں کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔" توصیف رضوی اُٹھ گئے۔ بیرسٹر بھائی جان نے کہا۔

"ارے. . . ارے رضوی صاحب. . . بیٹھیے آپ خود ہی تسلیم کر چکے ہیں کہ بچے بدمزاج اور سخت ہو جاتے ہیں تو پھر ناراضگی کیا معنی؟ بیٹھیے. . . میں آپ کے لیے کچھ منگواتا ہوں۔"

"نہیں بیٹھ سکوں گا۔ یہاں دو بھائیوں کے درمیان گھر کر میں اپنی پوزیشن کمزور نہیں کرنا چاہتا۔ چلتا ہوں خدا حافظ۔"

توصیف صاحب اس کے بعد کسی قیمت پر نہیں رُکے تھے۔ بھائی جان نے بھی بہت زیادہ زور نہیں دیا تھا اس پر، لیکن ان کے جانے کے بعد انہوں نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگے۔

"کیا ہو گیا بھئی. . . کیا چکر ہے؟"

"بے چارے چکرائے ہوئے ہیں غلطی کر بیٹھے تھے اب بتائیے اس دن اتنی شیخیاں مارنے کی کیا ضرورت تھی آپ سے تیز تیزی کر رہے تھے بھائی جان بس میں برداشت نہیں کر سکا اور ان کے راستے میں آ گیا۔ خود ہی بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا ہے تو پھر ڈر کیوں رہے ہیں۔"

"قصہ کیا ہوا تھا؟"

"قصہ تو بہت طویل ہے فی الحال یہ ایک کھلونا لایا ہوں آپ کے لیے دیکھیے کیسا ہے۔" میں نے کہا اور ٹیپ ریکارڈر نکال کر اس کو ریوائنڈ کر کے آن کر دیا۔

وہ دلچسپی سے یہ آواز سننے میں مصروف ہو گئے۔ وہ میری اور توصیف رضوی کی گفتگو سنتے رہے اور ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلتے گئے جب کیسٹ ختم ہو گیا تو انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بولے۔

"تم نے مجھے سسپنس کا شکار کر دیا ہے۔ پورا قصہ بتاؤ بھئی قصہ کیا ہے؟"

"جی. . . جی. . . ویسے بھی آپ کے لیے میں نے تفصیلی رپورٹ مرتب کی ہے رپورٹ میں بعد میں پیش کروں گا پہلے اس کیسٹ کی تفصیل بتا دوں وہ لڑکی جو قتل ہوئی ہے اس کا نام نجمہ تھا اور اس کی ماں نوشاد بائی کے نام سے جانی جاتی ہے اور توصیف رضوی صاحب نوشاد بائی کا کیس لڑ رہے ہیں بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ وہ اس کے وکیل بھی ہیں اور اس سلسلے میں وکیل سرکار کی مدد کر رہے ہیں۔ گویا ہم یہ بات واضح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ نوشاد بائی کے وکیل ہیں۔"

"ہاں. . . ہاں بالکل بالکل ظاہر ہے ورنہ پھر مسئلہ کچھ اور ہوتا۔" نصرت حسین نے کہا۔

پھر میں نے توصیف رضوی کے برہم ہونے کی وجہ بتا دی بھائی جان پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے اور پھر پُرجوش لہجے میں بولے۔ "اس کیسٹ کو ثبوت کے طور پر نہیں لیکن بیانات کا تجزیہ کرانے کے لیے عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے اس طرح تو یہ بڑے کام کی چیز ہو گی۔"

"یقیناً میرا بھی یہی اندازہ ہے۔"

"ویری گڈ، لیکن بھئی اب تو میں مجبور ہو گیا ہوں اس سلسلے میں، میں نے جو کارروائیاں کی ہیں تم سے بالکل نہیں چھپاؤں گا ظاہر ہے میری کاروائیاں ہی کیا ہیں کچھ قانونی نکتے تلاش کیے تھے اور تھوڑی سی معلومات کے تحت اس کیس کو آگے بڑھا رہا ہوں جیسا کہ میں نے تم سے خود کہا کہ محسن شاہ اقبالی مجرم ہے اور عدالت میں کسی طور اپنا بیان بدلنے کو تیار نہیں ہے اس حالت میں ہم کیا کر سکتے ہیں میں نے دراب شاہ سے بھی ڈھکے چھپے الفاظ میں یہ بات کہی تھی کہ وہ کسی طرح اپنے بیٹے کا بیان بدلوا دے اور اسے مجبور کر دے کہ وہ اپنے بیان پر قائم نہ رہے تو بات کچھ بن سکتی ہے لیکن وہ بھی اس سلسلے میں ناکام رہا ہے۔ اب تم نے چونکہ یہ معاملہ براہِ راست اپنے ہاتھ میں لیا ہے تو میری دلچسپیاں بھی قائم ہو گئی ہیں۔ ورنہ میں اس کیس میں ذرا بھی اُمید نہیں رکھتا۔"

"یہاں بھی وہی مسئلہ آجاتا ہے بھائی صاحب اگر کوئی شخص بے گناہ ہے تو پھر اس کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ہمیں یقیناً محنت کرنی چاہیے۔ اگر محسن شاہ واقعی قاتل ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں عدالت میں خود اس بات کا تقاضہ کرنا چاہیے کہ اسے موت کی سزا دی جائے۔ مرنے والا کون ہے کس حیثیت کا انسان ہے یہ سوچنا انتہائی بُری بات ہے۔ ظالم کوئی بھی ہو اور ظلم کسی بھی شکل میں کیا جائے ظلم کرنے والے کو سختی سے سزا ملنی چاہیے لیکن اگر کچھ ایسے عوامل ہیں جن کی بنا پر محسن شاہ موت قبول کر رہا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم اسے کسی ناکردہ گناہ کی سزا نہیں ملنی چاہیے اور پھر ایک باپ اپنے بیٹے کی زندگی چاہتا ہے۔"

"یقیناً... لیکن اب محسن کو کیسے مجبور کیا جائے اور یہ بات کیسے معلوم کی جائے کہ وہ عوامل کیا ہیں جن کی بنا پر وہ موت چاہتا ہے۔"

"تو پھر آپ نے شارق حسین کو اس معاملے میں ملوث ہی کیوں کیا؟ قانونی پوائنٹس تو آپ مجھ سے کہیں بہتر تلاش کر سکتے ہیں پھر وہی کہہ دیں گے کہ میں نے محکمۂ جاسوسی قائم کر لیا ہے بات پھر وہیں آجائے گی جہاں منظر بھائی کا انگوٹھا میری طرف بڑھنے لگتا ہے بات دراصل یہ ہے بھائی صاحب وکالت بہت ہی مقدس پیشہ ہے آپ وکیل کا لغوی مطلب جانتے ہوں گے کتنی بڑی ذمّے داری آپڑتی ہے ہم پر..."

"محترم شارق حسین صاحب! آپ نے آشیانے والوں کو چاروں شانے چت کر دیا ہے اور اپنی یہ بات منوا لی ہے تو بار بار اس کی وکالت کیوں کرنے لگتے ہیں۔" بھائی جان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کچھ پئیں گے؟"

"ہاں تفصیلی رپورٹ پیش کرنی ہے اس لیے چائے یا گرما گرم کافی ہو جائے۔"

"منگواتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور اردلی کو بُلا کر کافی کا آرڈر دے دیا۔

کافی آگئی اور اُن کے اردلی نے اس کی دو پیالیاں بنا کر ایک ان کے اور ایک میرے سامنے رکھ دی میں نے کافی کے دو تین چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیے۔ وہ متجسس نظر آرہے تھے ویسے ٹیپ ریکارڈر سن کر ہی ان کا دل خوش ہو گیا تھا ان کے انداز سے پتا چلتا تھا اور اس کے بعد اب وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہے تھے میں نے چند لمحات کے بعد کہا۔

"ذرا تفصیل میں جاؤں گا بھائی جان۔ جو کچھ آپ کو معلوم ہے وہ بھی دہرانا پڑے گا تاکہ آپ اپنے ذہن میں ایک خاکہ مرتب کر سکیں۔"

"مجھے نوٹس لے لینے چاہئیں۔" انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔

انہوں نے واقعی ایک فائل کور نکالا اس میں ایک پیپر لگایا اور پھر پین لے کر بیٹھ گئے۔ میں نے بھی تکلف نہیں کیا اور اُن کو کیس کے اہم نکات نوٹ کراتا رہا جو اب تک پیش آچکے تھے مگر ان کو صوفیہ کے بارے میں سن کر حیرانی ہوئی۔

"یہ تذکرہ کبھی نہیں آسکا۔ یہاں تک کہ پولیس رپورٹ میں بھی موجود نہیں ہے۔" نصرت حسین نے متحیرانہ انداز میں کہا اور میرے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"طارق بھائی سے بات کیجیے گا بھائی صاحب۔ پولیس رپورٹ بعض اوقات اتنی نامکمل رہ جاتی ہے اصل حقائق سے ہٹ کر رہ جاتے چلے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہر شے کا تجزیہ ہونا چاہیے لیکن اس اتنا ہی کافی سمجھا گیا کہ محسن شاہ نے اقبال جرم کر لیا بات ختم ہو گئی۔ مجرم نے جرم مان لیا سزا مل گئی۔ اب اِدھر اُدھر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ شاید میرا مقصد تنقید کرنا نہیں ہے۔" پھر ان کو صوفیہ اور محسن کے یونیورسٹی کے تعلقات کے بارے میں بتانے لگا۔ ساتھ ہی صوفیہ کے اونچے خیالات ان کے علم میں لایا تھا۔

وہ پریشانی کے شکار ہو گئے تھے اور سامنے رکھی ہوئی کافی پینا بھی بھول گئے وہ متحیرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"خیر ہم اس مسئلے کو نظر انداز کیے دیتے ہیں لیکن اس سے بھی بڑا معاملہ دراب شاہ کی پہلی بیوی کا آجاتا ہے یعنی کہ محسن کی والدہ سے پہلے بھی اس نے ایک شادی کی تھی اور اس کی ایک بیٹی بھی تھی علم یہ ہوا کہ وہ دونوں ماں بیٹی زندہ ہیں اور دراب شاہ سے الگ ہو کر کہیں چلی گئی ہیں یہ کچھ نئے کردار سامنے آئے ہیں اس کے بعد نوشادہ بائی کو لے لیجیے جس نے کچھ ثبوتوں کے عوض دراب شاہ سے ایک کروڑ روپے طلب کیے ہیں دراب شاہ اتنی بڑی رقم دینے کے لیے تیار نہیں ہے لیکن پریشان ضرور ہے۔ تو یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کا تجزیہ کر کے ہم محسن کی ذہنی کیفیت کا تجزیہ بھی کر سکتے ہیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ اس کی ماں کا انتقال کن حالات میں ہوا۔ اس کے بارے میں سُنایہ گیا ہے کہ دراب شاہ نے محسن کی ماں کے ساتھ زیادہ اچھا سلوک نہیں کیا تھا یہ ساری چیزیں ایسی گڈمڈ ہیں اور میں اس سلسلے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں آپ کو تفصیلی رپورٹ اس لیے پیش کر دی ہے کہ اس کی روشنی میں آپ اپنا فائل درک کر سکیں۔"

"یقیناً بھئی... بڑی کارآمد باتیں معلوم کر ڈالی ہیں تم نے واقعی جادوگری کی ہے یہ اس حد تک بھلا کون جا سکتا ہے اور یہ ساری باتیں اگر باقاعدگی سے منظرِ عام پر نہ لائی جائیں تو ان کی کھوج کرنا بھی ایک ناممکن عمل ہے بہر طور شارق... میں بہت زیادہ پُرجوش تو نہیں ہوں اس معاملے میں لیکن بہر حال توصیف نے جو کچھ کہا ہے اور تم نے جس انداز میں اس چیلنج کو قبول کیا ہے اُسے مدِنظر رکھتے ہوئے ہمیں اپنی ساکھ کا سنبھالے رکھنا بھی ضروری ہے اور میں یہ بات کہنے میں کوئی دقت نہیں محسوس کرتا کہ شاید میں اس انداز میں کام نہ کر سکتا چنانچہ تم اپنا کام جاری رکھو۔ تمام نکتے الجھے ہوئے ہیں دراب شاہ کی پہلی بیوی اور بیٹی دوسری بیوی اور محسن، نوشادہ بائی، نجمہ، میں ان نکتوں کو قانونی طور پر تو سوچ سکتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ انہیں اُلجھانے یا سُلجھانے کی سکت نہیں رکھتا تم اس سلسلے میں کام کرو ابھی ہمارے پاس کافی وقت ہے۔"

"یقیناً بھائی جان... کام کر رہا ہوں توصیف رضوی صاحب کا یہ حصّہ آپ سنبھالے رکھیں یہ ٹیپ بھی آپ اپنے پاس محفوظ کر لیں ظاہر ہے اس کی کوئی اہم ضرورت مجھے نہیں ہے۔ البتہ ٹیپ ریکارڈر میں لیے جا رہا ہوں یہ بڑے کام کی شے ہے۔"

"... اور انتہائی سنسنی خیز... کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کے خلاف کیا ہو رہا ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کافی پی کر میں وہاں سے اُٹھ گیا۔ ان کو یہ رپورٹ دے کر میں اپنا ذہن بڑا ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ حالانکہ اس سے کوئی نتیجہ تو اخذ نہیں ہو سکا تھا لیکن کم از کم وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

دن کافی دلچسپ گزرا طویل ترین ہنگامہ خیزیاں ہوئی تھیں اور ایک لحاظ سے یہ بہت کارآمد بھی رہا تھا۔ بہت سے واقعات ایک ساتھ پیش آگئے تھے۔ بہر طور ان ہنگامہ خیزیوں سے نمٹنے کے بعد میں نے دراب شاہ کی کوٹھی کا ہی رُخ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں پہنچ گیا۔

شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اُتر آئے تھے۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ مسز دراب لان میں کرسی ڈالے خاموش بیٹھی فضا میں گھور رہی تھیں آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر چونک پڑیں۔ پھر اُن کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آئے اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میری جانب بڑھ گئیں۔

"ہیلو شارق صاحب۔" اس نے کہا۔

"ہیلو مسز دراب۔" میں نے بھی اس کے انداز میں کہا تو وہ شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"پھر وہی تکلف۔۔۔"

"میں سمجھا نہیں۔۔۔"

"مسز دراب شاہ۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اور مسٹر شارق حسین صاحب۔" میں مسکرا کر بولا تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر اس کے ہونٹوں پر دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"صرف شارق کہہ سکتی ہوں۔"

"اس میں تکلف کیوں حائل ہوا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اجازت ہی کب ملی تھی۔" اس نے دلربائی انداز میں کہا اور میں ایک لمحے کے لیے ٹھٹھک گیا۔ یہ انداز کسی خاص حیثیت کا حامل تو نہیں ہے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا لیکن اس سوال کو کوئی مضبوط حیثیت نہ دے سکا میں نے آہستہ سے کہا۔

"یہاں تنہا کیوں بیٹھی ہوئی ہیں آپ؟"

"جذباتی ڈائیلاگ شروع کر دوں آپ سمجھیں گے کہ اپنے شوہر کی تربیت یافتہ اور چونکہ فلمی زندگی میں یہی سب کچھ ہوتا ہے اس لیے اپنی فلم کا کوئی منظر پیش کر رہی ہوں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر ڈائیلاگ سنیے۔ یہ تنہائی تو میری روح کے ویرانوں میں رچی ہوئی ہے اور میں اپنے آپ کو اس کائنات میں تنہا ہی محسوس کرتی ہوں دل کی دنیا جب اُجڑ جائے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ کہیے کیسا رہا۔" وہ تلخی سے ہنس پڑی۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"صوفیہ! آپ نے یہ ویرانی تو خود خریدی ہے دولت کی چمک بے شک انسانی زندگی کے لیے بے حد ضروری ہوتی ہے بہت بڑی حیثیت رکھتی ہے لیکن تمام ضرورتیں پوری ہونے کے بعد جب دل کی ضرورتوں کا دور شروع ہوتا ہے تو اس میں محبت ہی سب سے بڑی شے ہوتی ہے۔"

"آہ۔۔۔ یہ جانا۔۔۔ مگر دیر سے۔۔۔" اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر ہنس پڑی۔

"میرا خیال ہے یہ سین اوکے ہو گیا اب منظر بدل جانا چاہیے، اندر چلیں۔۔۔"

"دراب شاہ نظر نہیں آ رہے۔۔۔ پھر غائب ہیں۔"

"نہیں، دن میں آ گئے تھے۔ اب انہیں فرصت ہے۔ کچھ کام تھا اب سے کوئی پونے گھنٹے پہلے گئے ہیں۔"

"میرے بارے میں پوچھ رہے ہوں گے۔"

"ہاں۔۔۔ میں نے کہا تھا کہ آپ کہیں نکل گئے ہوں گے۔"

"اور کوئی خاص بات۔۔۔"

"بالکل نہیں۔۔۔ آپ سنائیے کہاں کہاں کی سیر کر ڈالی۔"

"بس کوئی خاص پروگرام نہیں بنا۔ یونہی آوارہ گردی کرتا رہا ہوں آپ بھی موجود نہیں تھیں اور دراب شاہ کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔"

"ہاں، ہاں میرا خیال ہے اب آپ کا کام ہو جائے گا اس لیے کہ دراب اب بالکل فرصت سے ہیں یہ فلم دراصل ان کے حلق میں اٹک گئی تھی سب کام ہو چکا تھا اگر فلم چھوڑتے تو بہت سے قانونی مسائل بھی پیدا ہو جاتے۔ چنانچہ انہوں نے ہمت کر کے یہ فلم مکمل کر ہی ڈالی اب بعد کے کام تو دوسرے لوگ بھی کر لیں گے۔"

"دراب کی کیفیت کا تجزیہ کیا آپ نے۔"

"بہت پریشان ہیں محسن کو وہ بے پناہ چاہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے اور غالباً یہ چاہت اس لیے بھی شدید ہو گئی ہے کہ خدا نے انہیں کوئی دوسری اولاد نہیں دی ہے خیر بیکار باتیں ہیں یہ اور کوئی گفتگو کیجیے آپ، یہ سوچتے سوچتے اور اس موضوع پر گفتگو کرتے کرتے تو اب ذہن اتنا دُکھنے لگا ہے کہ ناقابلِ بیان۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں شارق کہ جو کچھ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ نجانے کیوں بس دل اُبل پڑا اور زبان نہ رک سکی ورنہ یہ باتیں کسی کو بتانے کی نہیں ہوتیں آپ براہِ کرم انہیں اپنے تک محدود رکھیں آپ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور میری زندگی میں کچھ اور زخم اُبھر آئیں گے۔"

میں نے آہستہ سے کہا۔

"صوفیہ آپ اطمینان رکھیں، میری زبان سے یہ جملے کبھی نہ نکل سکیں گے۔"

"مجھے آپ پر بہت اطمینان ہے شارق جانے کیوں۔ شاید آپ کا چہرہ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ آپ کسی کو دُکھ نہیں دے سکتے۔" اس نے کہا۔ ابھی ہم یہی گفتگو کر رہے تھے کہ دراب شاہ کی کار اندر داخل ہو گئی اور ہم اسے دیکھنے لگے۔ وہ کار سے

اُتر کر ہماری طرف بڑھ آیا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے پہلے مجھے پھر صوفیہ کو ہیلو کہا۔

کچھ دیر بعد ہم تینوں نے مل کر دوپہر کا کھانا کھایا۔ کچھ دیر تک صوفیہ ہمارے ساتھ رہی پھر دراب شاہ مجھے ساتھ لے کر اوپری منزل پر پہنچ گیا۔

"باہر کھلی فضا میں بیٹھو گے؟"

"وہی مناسب ہو گی۔" ہم دونوں نشستوں پر بیٹھ گئے مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ماحول پر سناٹا طاری تھا۔

"یقین کرو شارق یہ مصروفیت میری کیفیت سے میل نہ کھاتی بہر حال۔ اب اس جھگڑے سے آزاد ہو چکا ہوں اور اب صرف تمہارے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔ شارق تم نوعمر ہو اور یقینی طور پر دنیا کی تمام چیزوں سے واقف ہو چکے ہو گے لیکن ایک باپ کے اس دُکھ سے واقف نہیں ہو سکتے جو بیٹے کی جدائی کا دُکھ ہوتا ہے اور وہ بھی اس انداز میں کہ بیٹا اُمید کی کڑیوں میں لٹک رہا ہو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آنے والا وقت کیا ہو گا ایک ایک لمحہ مجھ پر بھاری ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو تم سناؤ کیا ہو رہا ہے۔"

"بات ابھی زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔ شاہ صاحب مقدمہ تو تیار ہو ہی گیا ہے اور آپ جا[illegible] ہمارے لیے اس میں کتنی مشکلات ہیں توصیف رضوی کو تو آپ جانتے ہی ہیں وہ اپنے طور پر اس بات سے مطمئن ہیں کہ سارے ثبوت مسترد کر دیے جائیں لیکن محسن کا اعتراف اپنی جگہ ایک مسلّم حیثیت رکھتا ہے اور اگر وہ ہی ہم سے تعاون نہ کرے تو پھر بتائیے کیا ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔ میں سمجھتا ہوں۔ اس سلسلے میں تمہاری ذہانت کا منتظر ہوں کہ کیا کرشمہ دکھاتے ہو۔ تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بیرسٹر نصرت حسین صاحب سے بے حد متاثر تھا اور ان سے شناسائی بھی تھی جس کی وجہ سے میں ان تک پہنچ گیا لیکن تمہارا ان معاملات میں ملوث ہونا میرے لیے بہت ہی باعثِ تقویت بنا ہے اچھا یہ ایک چیز دیکھو یقینی طور پر تمہارے لیے کارآمد ہو گی۔" دراب شاہ نے کہا اور جیب سے ایک لفافہ نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا۔

"کیا ہے یہ۔۔۔؟"

"میرے دفتر کے رائٹنگ پیڈ کا کاغذ۔ اس پر میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر ہے ذرا پڑھیے۔"

میں نے لفافے سے پرچا نکال کر اسے کھول لیا۔ دراب شاہ کی فلم کمپنی کا خوبصورت مونوگرام اوپر نظر آ رہا تھا اور اس کے بعد ایک تحریر تھی جو یوں تھی۔

"دراب شاہ ولد جمعہ شاہ۔ اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حالات میرے بس سے باہر ہو چکے ہیں۔ میرا اکلوتا بیٹا زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہا ہے اور میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ دُنیا میری نگاہوں میں تاریک ہے جو ہنگامے میرے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں ان میں شامل ہونے کی اب میں اپنے اندر سکت نہیں رکھتا اور میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ دُنیا چھوڑ دوں۔ چنانچہ میری اس موت کو کسی کی کاوش نہ سمجھا جائے اور کسی بے گناہ کو اس میں ملوث نہ کیا جائے۔ میں اب اس دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لینا چاہتا ہوں۔ میری وصیت وغیرہ پہلے سے موجود ہے اور میں اس میں کوئی ترمیم نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ میری وصیت کے مطابق سارے کام کیے جائیں اور اس میں کسی کے لیے کوئی مشکل نہ پیدا کی جائے۔

دراب شاہ بقلم خود۔

نیچے دستخط تھے میں نے متحیرانہ انداز میں تحریر کے ایک ایک لفظ کو بغور پڑھا اور اس کے بعد اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"یہ کیا ہے شاہ صاحب؟"

"خودکشی کرنے سے پہلے میرا خط۔۔۔"

"بات سمجھ میں نہیں آ سکی۔ کیا یہ تحریر آپ کی ہے؟"

"سو فیصد میری ہے اور یہ دستخط بھی میرے ہیں۔"

"آپ نے یہ خط لکھا ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں۔۔۔ یہ رائٹنگ پیڈ میرا ہے یہ تحریر میری ہے دستخط میرے ہیں لیکن میں نے یہ سب کچھ نہیں لکھا عالمِ ہوش میں بھی اور بے ہوشی میں بھی کسی بھی قیمت پر میں اس تحریر کے لکھنے کا مرتکب نہیں ہوا ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ میرے خدا۔۔۔" میں نے ہونٹ سکوڑتے

ہوئے کہا۔ دراب شاہ مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"کیا خیال ہے شارق۔ یہ تحریر آپ کے لئے باعثِ دلچسپی ہے یا نہیں؟"

"کیا عرض کر سکتا ہوں جب تک کہ آپ اس کی تشریح نہ کریں گے۔"

"تشریح صرف اتنی سی کر سکتا ہوں کہ میرے دفتر میں میری خاص میز کی ایک ایسی دراز میں جس کی چابی عموماً میرے پاس ہی رہتی ہے یہ لفافہ اتفاق سے مجھے دستیاب ہو گیا ہے آج ہی کی بات ہے میز میں درست کر رہا تھا ایک خاص کاغذ کی تلاش تھی وہ بھی مل گیا اور ساتھ ہی یہ لفافہ بھی ملا لفافہ بھی میرے ہی دفتر کا ہے اور میں یہی پیڈ اور یہی لفافہ عموماً استعمال کرتا ہوں لیکن اس تحریر سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے میں نے خواب میں بھی کبھی اس تحریر کے بارے میں نہیں سوچا۔" میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ کچھ کچھ صورتحال کی وضاحت ہو رہی تھی لیکن اس وضاحت سے ایک سنسنی خیز پہلو بھی نمایاں ہوتا تھا اس کا مقصد ہے کہ دراب شاہ کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ اور یہ قتل اس انداز میں ہوتا کہ خودکشی محسوس ہوتا۔ خودکشی کے بارے میں خط بھی دستیاب ہو جاتا اور کوئی دقت باقی نہ رہتی جب کہ وہ خود اس تحریر کو اپنی تحریر تسلیم کر رہا ہے۔ میں چند لمحات اس بارے میں سوچتا رہا ایک بار پھر صورتحال عجیب رُخ اختیار کر گئی تھی اس خط سے صرف ایک شخصیت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا اور اس خط سے صرف ایک ہی شخصیت کو ہر قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے تھے اور وہ تھی صوفیہ دراب شاہ۔

محسن قتل کے مقدمے میں ملوث تھا اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اسے کیا سزا ہو سکتی ہے سزائے موت بھی ممکن تھی اور اگر ایسا ہو جاتا تو وصیت ہوتی یا نہ ہوتی یہ دولت جو دراب شاہ کی ملکیت تھی صرف صوفیہ ہی کے قبضے میں آنی تھی اور اگر محسن بچ بھی جاتا تب بھی صوفیہ کا فائدہ تھا۔ وہ واقعی اگر محسن سے محبت کرتی تھی تو پھر یقینی طور پر دراب شاہ کی موت کے بعد وہ اُس کے حصول کے لیے۔۔ دھڑ کی بازی لگا دیتی اور اس طرح اسے وہ بھی مل جاتا اور دراب شاہ کی عظیم الشان دولت بھی اور اگر دراب شاہ کی دولت اسے مل جاتی تو پھر۔۔۔ تو پھر لیکن اس سلسلے میں ایک اور پہلو نکلتا تھا جو انتہائی اذیت ناک اور بھیانک تھا کیا صوفیہ دراب شاہ کی موت کے بعد محسن کو کوئی ایسی حیثیت دے سکتی ہے جو۔۔۔ جو۔۔۔ یہاں سے آگے سوچ زخمی ہو جاتی تھی کچھ بھی تھا وہ دراب شاہ کے نکاح میں تھی اور محسن کے لیے سوتیلی ماں کی حیثیت رکھتی تھی اب تو کوئی ایسا پہلو باقی نہ رہا تھا کہ اخلاقی طور پر وہ دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہو جاتے۔ ہاں باقی معاملات جو بھی ہوتے وہ ایک الگ حیثیت اور نوعیت کے حامل تھے تاہم میں اپنے طور پر یہ تذکرہ دراب شاہ سے کسی قیمت پر نہیں کرنا چاہتا تھا حالانکہ سوچیں جانے کہاں سے کہاں نکل چکی تھیں۔ وہ میرا چہرہ دیکھتا رہا پھر خود ہی بولا۔

"کیا اندازہ لگا سکتے ہو اس تحریر سے۔۔۔؟"

"بہت ہی خوفناک بات ہے یہ نہیں کہا جا سکتا یہ تحریر کب لکھ کر آپ کے آفس میں پہنچائی گئی لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے کسی کا مقصد کیا ہو سکتا تھا؟"

"ہاں۔۔۔ صاف ظاہر ہے میری موت اور اس کے بعد خودکشی کی کہانی ظاہر ہے جس نے بھی یہ سب کچھ کیا صرف اس مقصد کے تحت کیا ہے۔"

"لیکن ایسا کون ہے جو آپ کی تحریر ہو بہو نقل کر سکتا ہے۔"

"یقین کرو شارق اس بات نے میرے ہوش اُڑا دیے ہیں بینکوں میں بھی یہی دستخط چلتے ہیں اور۔۔۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ بینکوں کے ذریعے مجھے کیا نقصان پہنچایا جا چکا ہے اس کی تحقیق تو مجھے کرنی ہے۔"

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ اچھا یہ بتائیے وصیت نامہ کہاں ہے آپ کا؟"

"یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے میں نے ابھی تک وصیت کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔"

"ویری گڈ۔۔۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ کے ان دشمنوں نے جنھوں نے یہ سوچ لیا ہوگا کہ آپ کا وصیت نامہ کہیں سے بھی برآمد کرا دیں گے۔ اور ظاہر ہے تحریر کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے دستخطوں کا گواہوں کا بھی کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جاتا اگر آپ اس دنیا میں نہ ہوتے تو پھر بھلا ان گواہوں کی تردید بھی کون کرتا۔۔۔"

"سو فیصد۔" دراب شاہ نے آہستہ سے جواب دیا اس کے چہرے پر مردنی کی جھلک صاف دیکھی جا سکتی تھی وہ گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں پریشانی کے عالم میں سکڑی ہوئی تھیں پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"زندگی موت بہر طور ایک حقیقت ہیں ایک ایسی حقیقت جس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن میں، میرا خیال ہے میں اپنی تمام تر کامیابیوں کے باوجود دنیا کے ناکام ترین انسانوں میں سے ہوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے" دراب شاہ گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ میں نے ہمدردانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس وقت اصل مسئلہ صرف یہ ہے ناکہ محسن پر سے یہ الزام ہٹ جائے حالانکہ وہ خود کو موت کے حوالے کرنا چاہتا تھا دیکھیے بیرسٹر نصرت حسین آپ کے وکیل ہیں اور ان کی بھی دلی خواہش یہی ہے کہ محسن کو زندگی کی جانب لے آئیں لیکن کچھ ایسے حقائق ہیں جو ابھی نگاہوں سے اوجھل ہیں اور انہیں ہماری نگاہوں تک لانے کا ذریعہ صرف آپ ہی بن سکتے ہیں۔ جب دوسرے تمام مسئلے ختم ہو جاتے ہیں اور ہیر پھیر کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں بچتا تو پھر ایسے حقائق کو چھپانا ذہنی کیفیات کا مظہر ہوتا ہے وہ یہ کہ حالات جو کچھ کہہ رہے ہیں آپ انہیں بحالت مجبوری ہی سہی قبول کر لینا چاہتے ہیں یعنی ہم یہ سوچنے پر حق بجانب ہیں کہ آپ نے کچھ باتیں پوشیدہ رکھ کر یہ سوچا ہے کہ آپ کو اپنی عزت اپنی ساکھ بچانا بے حد ضروری ہے خواہ اس کے بدلے محسن کی زندگی ہی کیوں نہ چلی جائے۔" دراب شاہ مجھ سے اس قدر تلخ الفاظ کی توقع نہیں رکھتا تھا وہ چونک پڑا اس کی ذہنی کیفیت چند لمحات کے لیے بدل گئی تھی وہ متعجبانہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"شارق کوئی ایسی بات ہو گئی ہے مجھ سے جو تمہیں ناگوار گزری ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ بس میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کچھ باتیں چھپا کر آپ بہتر نہیں کر رہے ظاہر ہے ہم جادوگر تو نہیں ہیں کہ جادو کے ذریعے حالات کا رُخ بدل دیں ہمیں حقائق کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر آپ ہم سے کچھ چھپائیں گے تو سوچ لیجیے کہ اس کے بعد ہمارے پاس آگے بڑھنے کا کون سا راستہ ہو سکتا ہے۔" دراب شاہ پُرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"میں اس دنیا کی غلط فہمیاں کس کس طرح دور کروں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کس طرح میں خود کو دنیا کے سامنے لاؤں تاکہ لوگ مجھے سچا سمجھیں۔ محسن میری زندگی کا مرکز ہے میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے اُسے اپنی محبت کا بھرپور احساس دلایا ہے میں۔۔۔ میں حالات کے خول میں بند رہا ہوں اپنی ذات کے گرد خود خول نہیں قائم کیا بلکہ بس یوں سمجھ لو کہ وقت نے مجھ سے بہت سی ایسی باتیں مانگیں جو میرے بس سے باہر تھیں اور میں ان سے اُلجھ کر رہ گیا شاید میں اب بھی اپنے الفاظ سے اپنے احساسات کی تشریح نہیں کر پا رہا اگر تم کچھ حقائق کی بات کرتے ہو یا زندگی کی تفصیل چاہتے ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں کچھ لوگ مجھے قتل کر کے غالباً اپنا کوئی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں انہیں بالکل نہیں جانتا میری زندگی کی تفصیل یوں سمجھ لو کہ میں ایک ایسے خاندان کا فرد ہوں جو مالی حیثیت سے بہتر نہیں تھا حالانکہ نسلی اعتبار سے مناسب لوگ تھے وہ اور اچھی زندگی گزارتے چلے گئے تھے میرے والد کا انتقال ہو گیا تو میرے چچا نے مجھے پرورش کیا تھوڑی بہت تعلیم دلائی اور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد کلرکی کرنے لگا۔ کلرکی میری زندگی کی معراج تھی اور اس سے زیادہ سوچنا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ چچا کا انتقال ہو گیا چچی اپنے میکے چلی گئیں اور میں تنہا رہ گیا جس جگہ میں رہتا تھا وہیں پر میرے گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا گھرانہ آباد تھا اس گھرانے میں ایک بوڑھی ماں تھی ایک جوان لڑکی تھی بس دو افراد تھے لڑکی ٹیوشن پڑھا پڑھا کر اپنا اور اپنی ماں کا پیٹ پالتی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ میں اس سے شادی کر لوں اور میں اس بات پر آمادہ ہو گیا۔ زندگی کے لیے بس یہی راستے میری نگاہوں میں تھے اس سے آگے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔

چنانچہ انتہائی سادگی سے اس لڑکی سے میرا نکاح ہو گیا اس کا نام فرزانہ تھا۔ میرے گھر آ گئی لیکن وہ نہ ثابت ہوئی جو اُسے ہونا چاہیے تھا۔ انتہائی کسمپرسی کے عالم میں ٹیوشن پڑھا پڑھا کر زندگی گزارنے والی لڑکی کی آنکھوں میں بڑے بڑے چراغ روشن تھے اس نے دنیا کے دوسرے ہی رنگ دیکھے تھے شکل وصورت کی اچھی تھی اس لیے اس کا کہنا تھا کہ اگر تھوڑا سا وقت اور گزر جاتا تو اس کی زندگی کو ایک بہتر راستہ مل سکتا تھا وہ کسی کلرک کے ساتھ زندگی بسر نہیں کرنا چاہتی تھی اس کی آنکھوں میں رنگینیاں تھیں وہ زندگی کے روشن خواب دیکھتی تھی لیکن ایک کلرک کے پاس ان روشن خوابوں کی تعبیر نہیں تھی

فرزانہ نے میری زندگی دو بھر کر دی وہ مجھے دولت کے خواب دکھاتی تھی اس کا کہنا تھا کہ میں کسی نہ کسی طور دولت کمانے کے راستے تلاش کروں اس کلرکی میں کچھ نہیں رکھا میں تلاش کروں کہ مجھے کوئی جائز اور ناجائز ذریعہ مل جائے دولت ہ

چیز کو چھپالیتی ہے اس کے انداز بہت عجیب سے تھے [illegible] مختلف سوچ رکھتی تھی اور میں نے یہ محسوس کیا کہ میں اسے [illegible] نہ پاؤں گا۔ ۔ ۔ اس کی ان باتوں کی وجہ سے میری ذہنی کیفیت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی بہت چڑچڑا ہو گیا تھا میں ہر وقت ہر شے سے مشتبہ ہو جاتا تھا میں نے فرزانہ کے کردار پر بھی غور کیا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سب کچھ تھی لیکن کردار کی بری نہ تھی اور پھر اس دوران وہ ایک بچی کی ماں بن گئی میں نے دل میں سوچا کہ ماں بننے کے بعد شاید اس کے انداز فکر میں تبدیلی آئے اور وہ شوہر پرستی کی جانب مائل ہو بے شک ضرورتیں تو پوری ہو ہی جاتی تھیں تھوڑی سی دقتوں کے ساتھ سہی لیکن بچی کی پیدائش کے بعد تو اس کا نظریہ اور بھی تبدیل ہو گیا اور اس نے اپنے مطالبے میں شدت پیدا کر دی۔

اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی بچی کے مستقبل کے لیے اب کچھ نہ کچھ خود ہی کرنا چاہتی ہے اس نے مجھ سے مایوسی کا اظہار کر دیا تھا بہرطور میں نے سختی سے اسے منع کیا کہ وہ خود کوئی قدم آگے نہ بڑھائے لیکن وہ نہ مانی اس نے نجانے کیا کیا کوششیں شروع کر دیں۔ ٹیوشن پڑھاتی تھی مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کرتی تھی اور اپنے لیے کسی ملازمت کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ اس کی یہ تمام باتیں مجھے ناپسند تھیں میں بھی سختی پر اتر آیا اور میں نے اس سے کھل کر کہہ دیا کہ اگر وہ یہ سب کچھ کرنا چاہتی ہے تو پھر اسے میرا سہارا حاصل نہ ہوگا اس نے بڑی خوشی سے اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ اس کے یہ الفاظ میرے لیے دُنیا کی سب سے حیرت انگیز بات تھے میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس حد تک جا سکتی ہے لیکن شارق اس کے ان الفاظ کے بعد میرے دل میں اس کے لیے ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا جسے پُر کرنے کا کوئی ذریعہ میرے پاس نہیں تھا۔ تاہم میں نے بچی کے مستقبل کے پیش نظر اسے یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ ایسا ہی سوچتی ہے تو طلاق لینے کی ضرورت نہیں ہے وہ اپنے طور پر زندگی بسر کرے بچی کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھے میں اس کی جو بھی خدمت کر سکتا ہوں کروں گا اس نے مجھ سے کہا کہ آخر میں چاہتا کیا ہوں کیا وہ اس طرح اپنی زندگی میرے [illegible] گا میں بہرطور انسان تھا اور اپنی یہ بے قدری [illegible] برداشت نہیں کر پا رہا تھا کافی دنوں تک میں یہ کوشش کرتا رہا تھا کہ وہ اپنے اس مطالبے سے دست بردار ہو جائے لیکن اس

نے نہ تو اپنے رویے میں کوئی تبدیلی پیدا کی نہ ہی کچھ اور۔ ۔ ۔ اور جب بھی میں اس سے اس سلسلے میں کوئی بات کہتا وہ یہی بات کہتی کہ اسے میری ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے وہ ذہنی طور پر اب میری بیوی نہیں رہی ہے اور اس کے بعد شارق حسین اب میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ میں اسے اپنی زندگی سے باہر نکال پھینکوں چنانچہ میں نے اُسے طلاق دے دی میں بچی کو بھی اس کے حوالے کرنے کو تیار ہو گیا تھا ظاہر ہے یہ سب کرنا میرے بس سے باہر تھا اس نے بخوشی یہ بات قبول کر لی اور اس کے بعد بچی کو لے کر وہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔ میں بہت دنوں تک تو اس کی جانب رجوع نہ کر سکا ظاہر ہے میرا اب اس سے واسطہ بھی کیا تھا لیکن بچی کے لیے دل میں تڑپ پیدا ہوئی تو میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر جا چکی ہے۔ میں نے بالآخر دل کے دروازے بند کر لیے، بچی کی محبت کو بھی اپنے دل کی دُنیا سے نکال پھینکا بہت دنوں تک زخمی زخمی رہا اور اس کے بعد میں نے اپنے ان زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے ایک اور سہارا تلاش کیا ایک شناسا تھے جو اکثر مجھ سے تذکرہ کرتے رہتے تھے کہ وہ میری شادی کرانا چاہتے ہیں۔ بہرطور اس کے بعد محسن کی ماں میری زندگی میں شامل ہو گئی۔ یہ بھی ایک درمیانے درجے کی عورت تھی اور اس کے اندر بھی ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی میں نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا کہ میری زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے کلرکی کے اور اسے ایک کلرک کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنا ہو گی معلوم ہوا کہ وہ خوشی سے اس پر آمادہ ہے چنانچہ میں نے اس سے شادی کر لی اور اس کے بعد ہماری زندگی میں کچھ نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں محسن کی والدہ قناعت پسند تھی۔ اس نے مجھے کبھی اس بات کے لیے مجبور نہ کیا کہ میں اپنی بساط سے آگے بڑھ کر کماؤں لیکن تقدیر مجھے کچھ مواقع دے رہی تھی تو میں انہیں کیوں گنوا دیتا۔ میری ملاقات فلمی دُنیا کے ایک شخص سے ہوئی اس سے میری شناسائی ہو گئی وہ کوئی معمولی انسان نہیں تھا ایک بہت بڑا فلم ڈائریکٹر تھا اس نے نجانے مجھ میں کیا پایا کہ اس نے مجھ سے میری نوکری چھڑا دی اور مجھے اپنے ساتھ فلمی زندگی میں لے آیا۔ میں مالی طور پر آسودہ ہوتا چلا گیا اور اس شخص نے میری صلاحیتوں کو مانتے ہوئے مجھے بہت سے بہتر مواقع فراہم کیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میں آہستہ آہستہ ترقی کی سیڑھیاں چڑھتا رہا لیکن اس سلسلے

میں مجھے مصروف ہو جانا پڑا تھا اور میرا زیادہ تر وقت اسٹوڈیو میں ہی گزرتا تھا۔

اس بات سے محسن کی والدہ ذرا برگشتہ ہو گئی اُس نے مجھ سے کہا کہ اسے اتنی دولت کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ مجھے ہی کھو بیٹھے میں نے اسے ہر طرح اس بات کا احساس دلایا کہ میں اس کے لیے ہوں اور میری زندگی کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ میں اسے ایک بہتر سے بہتر زندگی فراہم کروں لیکن شارق تقدیر کا کھیل جو کچھ ہے وہ اس وقت تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ ایک عورت نے مجھے اس لیے چھوڑا کہ میں کم حیثیت تھا اور ایک عورت مجھ سے اس لیے نالاں ہو گئی کہ میں اب دولت مند بنتا جا رہا تھا۔" دراب شاہ ہنسا پھر بولا۔

"نتیجہ یہ نکلا کہ محسن کی ماں بھی مجھ سے ناراض ہونے لگی وہ میری طرف سے مشتبہ بھی ہو گئی تھی۔ محسن پیدا ہو گیا اور ہماری زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی میری تمام تر توجہ محسن کی جانب تھی ظاہر ہے وہ میری زندگی میں بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا بیٹی کا تصور اب بھی کبھی کبھی ذہن میں آتا تھا تو دل دُکھنے لگتا تھا اس کے بعد میں نے بہت کوشش کی کہیں سے مجھے میری بیٹی مل جائے تو میں اُسے اپنی تحویل میں لے لوں لیکن پتا ہی نہ چل سکا کہ فرزانہ اسے لے کر کہاں روپوش ہو گئی۔

غرض یہ کہ معاملات چلتے رہے محسن کی ماں شدت سے اس بات کا احساس کرتی تھی کہ میں اس سے دور ہوتا جا رہا ہوں حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی جب بھی مجھے موقع ملتا میں اس کی پذیرائی کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا جو میرے لیے ممکن ہو سکتی تھی رفتہ رفتہ حالات نے اتنا ابھار اختیار کیا کہ میں نے خود اپنی ایک فلم شروع کر دی اور اس کے بعد تقدیر نے میرا ساتھ دیا محسن بھی بڑا ہو گیا۔ ۔ ۔ لیکن اس کی ماں ان شکوک و شبہات سے نہ نکل سکی جو اس کے دل میں پیدا ہو گئے تھے میرے ساتھ کسی کو دیکھتی تو اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت آشکار ہو جاتی تھی اس سلسلے میں اس نے کئی ایسے اقدامات بھی کیے جو مجھے ناپسند تھے لیکن میں انہیں برداشت کرتا رہا یہ سوچ کر کہ وہ میری محبت میں ان تمام باتوں کو سوچتی ہے لیکن اب میں اس زندگی کو ختم نہیں کر سکتا تھا جس نے مجھ پر سنہرے مستقبل کے دروازے کھول دیے تھے۔ میں نے یہ خوبصورت مکان بنایا اور دُنیا کی ہر آسائش ان سب لوگوں کے لیے مہیا کر دی۔ ۔ ۔ لیکن محسن کی والدہ ان تمام چیزوں کو برداشت نہ کر سکی اس کے دل میں جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے وہ انہیں نکال نہ سکی اور بالآخر بیمار رہنے لگی۔

محسن بڑا ہو گیا وہ اپنے گھر کے حالات پر گہری نگاہ رکھتا تھا بعض اوقات میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ پر بھی نگاہ رکھتا تھا۔ بہت سمجھدار ہو گیا تھا وہ تعلیم حاصل کر رہا تھا میری پوری زندگی اسی انداز میں گزر گئی میں نے کبھی اس عورت کی توجہ اپنے اوپر نہ پائی وہ مجھ سے نالاں رہنے لگی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اپنی تقدیر کو کوسا اور سوچا کہ ایک عورت دولت نہ ہونے کی وجہ سے مجھ سے دور ہوئی تھی۔ اور ایک عورت اس لیے مجھ سے نالاں ہو رہی ہے کہ اب میں نے دولت جمع کر لی ہے۔ اس کو سمجھانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اب میں اس پر سختی بھی کرنے لگا تھا ظاہر ہے جب میں ایک طرف مائل تھا اور پھر میں ایک سچا انسان تھا جس کے دل میں کھوٹ ہوتی ہے وہ اپنی کھوٹ چھپانے کے لیے ایسی باتیں بھی کرتا ہے جن کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن میری سچائیاں مجھے برہنہ کر دیتی تھیں۔ میں اس وقت اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کھل کر کرتا تھا۔ چنانچہ محسن نے یہ سوچا کہ شاید میں اس کی ماں پر سختی کرتا ہوں میں نے بارہا یہ بات محسوس کی کہ محسن میرے ان اقدامات کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا میں نے اس کو بھی اس بارے میں بتایا سمجھایا۔ پتا نہیں اس نے کیا سوچا لیکن میں نے یہی محسوس کیا کہ اس کی وہ توجہ مجھ پر نہیں ہے جو اکلوتے بیٹے کی حیثیت سے ہونی چاہیے تھی تاہم میں نے اس کی ہر خواہش کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور جہاں تک مجھ سے ممکن ہو سکا میں نے اس کی پذیرائی کی یہاں تک کہ وہ یونیورسٹی پہنچ گیا اور اس دوران اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

ایک بار پھر مجھے ایک عجیب حادثے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھی مجھ سے اختلاف رکھتی تھی لیکن میری زندگی کی ساتھی تھی اور مجھے اس سے بڑی تقویت رہتی تھی لیکن تقدیر نے ایک بار پھر مجھے ایک نئی اُلجھن سے دوچار کر دیا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور میں اپنے آپ کو ان حالات میں ایڈجسٹ کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا میری حالت کسی قدر بہتر ہو گئی تھی لیکن تقدیر میں سکون کہاں تھا اور پھر صوفیہ میرے سامنے آئی یہ ملازمت کی تلاش میں تھی لیکن۔ ۔ ۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ دل کو اس طرح بھائی کہ میں نے اسے شادی کی

پیشکش کر دی اور صوفیہ نے بھی اس پیشکش کو منظور کر لیا۔ صوفیہ سے میری شادی ہو گئی اس شادی پر مجھے محسن کا ردِ عمل معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اپنی ماں کی موت کے بعد وہ مجھ سے بالکل ہی لاتعلق ہو گیا تھا۔ نہ میرے کسی اچھے میں دخل دیتا نہ بُرے میں کوئی ضرورت ہوتی تو مجھ سے بیان کر دیتا یا کبھی نہ کرتا لیکن اس کے لیے میں نے ایسے انتظامات کر دیے تھے کہ اس کی تمام ضرورتیں مجھ سے کہے بغیر خود بخود ہی پوری ہوتی رہیں اپنی دانست میں میں نے اس کے لیے ایک بہتر ماحول فراہم کر دیا تھا اور اس کے بعد اس سے یہ حادثہ پیش آ گیا۔ محسن کے بارے میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں کہ وہ لاابالی تھا اپنی ماں کی موت سے دلبرداشتہ ہو کر مجھ سے تھوڑا بہت متنفر تھا۔ غالباً یہ تصوّر ذہن میں رکھتا تھا کہ اس کی ماں کی موت میں میری ضد کا بھی دخل ہے . . .

اس شادی پر بھی اس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا ورنہ . . . شاید . . . اس کے بعد یہ تمام صورتحال پیش آ گئی اور باقی حالات آپ کے علم میں ہیں شارق حسین سوائے ایک بات کے اور وہ ایک بات میں . . . میں اپنے دل میں ہی چھپائے رکھتا لیکن محسن کی زندگی مجھے دُنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ عزیز ہے۔ میری زندگی کو ایک ایسا المیہ برداشت کرنا پڑا ہے جس کے بارے میں سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے واقعی کسی نے یہ تحریر لکھ کر میرے دل کی ترجمانی کی ہے مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے مر جانے ہی کا خواہش مند ہوں یہ حادثہ یہ واقعہ ایسا ہے کہ میری عقل چکرا کر رہ گئی ہے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔"

"کوئی اور بات بھی ہے . . . مسٹر دراب شاہ۔"

"ہاں شارق حسین ایک ایسی بات ہے جو میں کبھی نہیں کہنا چاہتا تھا۔"

"وہ کیا بات ہے؟ مسٹر دراب شاہ۔"

"آہ کچھ دن پہلے ہی مجھے ایک ایسی بات کا علم ہوا ہے جو میرے لیے انتہائی شرمناک اور دُکھ بھری ہے۔ مجھے علم ہوا ہے کہ صوفیہ [illegible] کی کلاس فیلو تھی یونیورسٹی میں وہ اس کے ساتھ پڑھتی تھی [illegible] ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور دونوں ہی [illegible] سے شادی کا منصوبہ بنایا تھا لیکن صوفیہ [illegible] ہو گئی اور اس نے مجھ سے شادی کر لی مجھے اس وقت [illegible] علم نہیں تھا کہ وہ محسن کی محبت ہے اور اس طرح ایک دوسرے کو جانتے ہیں وہ لوگ، محسن نے بھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ شادی تک میں اس نے کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی لیکن . . . میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ محسن اس واقعہ کے بعد بالکل ہی اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہے اور یہ بات میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس نے یہ قتل نہیں کیا۔ قتل کسی اور نے ہی کیا ہے اور اس نے اپنے آپ پر اس جرم کو صرف اس لیے قبول کر لیا ہے کہ وہ زندگی کھو دینا چاہتا ہے یہ میری زندگی کا بدترین المیہ ہے کہ . . . کہ مجھے بتاؤ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیئے میں جدھر دیکھتا ہوں مجھے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے تم بتاؤ . . . میری پوری زندگی میں کہاں کہاں مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ کہاں کہاں میرا قصور ہے میں نے تو ہر شخص کی بہتری ہی سوچی تھی لیکن . . . لیکن مجھ پر برائیاں مسلّط کر دی گئیں مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں حیرت سے مُنہ کھولے دراب شاہ کو دیکھ رہا تھا۔ بظاہر یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنی زندگی کی تمام کہانی میرے سامنے عریاں کر دی ہے۔ واقعی اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا تھا میں تو پہلے ہی یہ سوچ رہا تھا کہ صوفیہ نے شاید ان حالات سے متاثر ہو کر مجھے اپنا رازدار بنایا ہے اور [illegible] سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتی ہے لیکن یہ بات تو اس نے بھی نہیں چُھپائی تھی اس کا مقصد ہے کہ دراب شاہ کو اس بات کا علم ہو چکا ہے . . . میں دیر تک سوچتا رہا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"دراب شاہ . . . آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ یہ خبر کس نے آپ کے کانوں تک پہنچائی ہے کہ صوفیہ محسن کی محبت رہ چکی ہے۔ کوئی آپ کو راستے سے بھٹکانا بھی چاہتا ہو گا۔"

"نہیں، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں یہ بات کبھی زبان پر نہ لاتا۔ اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔ میں نے خود اس کی تصدیق مختلف جگہوں پر کی ہے۔ یونیورسٹی کے ایک میگزین میں ان دونوں کی تصاویر موجود ہیں اور پھر سارا ریکارڈ ہے۔ کچھ ایسے شناسا بھی مل گئے ہیں جو ان دونوں کی محبت کے رازدار تھے۔ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی یہ لیکن صوفیہ نے میرے ساتھ زیادتی کی اس نے ناانصافی کی ہے مجھ سے اور میرے بیٹے کے ساتھ۔ آہ میں تو کھل کر زبان بھی نہیں کھول سکتا۔ اب اپنی زندگی میں کوئی نیا تجربہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں میں لیکن . . . لیکن محسن کی زندگی بھی میرے لیے ازحد ضروری ہے۔"

"ایک سوال کروں آپ سے دراب شاہ صاحب؟"

"کہو شارق حسین جو دل میں آتا ہے کہو کوئی بات راز نہ رکھو۔"

میں دیر تک دراب شاہ کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

"صوفیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے دیکھیے کچھ حقائق آپ میرے علم میں لائے ہیں ان کے تحت میرا ذہن اس انداز میں سوچ سکتا ہے آپ کے بعد آپ کی دولت کی جائز وارث محترمہ صوفیہ ہی قرار پائیں گی اور اگر محسن نے اس قتل کو اپنے اوپر مسلّط کر لیا تو وہ خود بخود راستے سے ہٹ جائیں گے اس کے علاوہ آپ اس تحریر کو بھی نظر انداز نہ کریں جس میں انتہائی ذہانت سے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ آپ خودکشی کر رہے ہیں اب آپ کی خودکشی کا طریقہ کیا ہوتا یہ دوسرے ہی لوگ جان سکتے ہیں گویا اس طرح سے یہ بات ذہن میں شبہ پیدا کرتی ہے کہ اگر یہ کھیل دولت کے لیے رچایا گیا ہے تو پھر آپ کا راستے سے ہٹ جانا صرف محترمہ صوفیہ کے لیے ہی فائدہ مند ہو سکتا ہے۔" دراب شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"گویا . . . گویا . . . آپ کا مطلب ہے کہ صوفیہ . . . ؟"

"قطعی میرا مطلب یہ نہیں ہے لیکن ہم اپنے ذہن کو شک و شبہات سے بالاتر نہیں کر سکتے۔ آپ خود سوچیے غور کیجیے اور مجھے بتلائیے کہ کیا اس بات کے امکانات ہیں؟"

"اوہ . . . میں . . . میں کیا کہوں اس بات کو۔ ایک بات آپ ضرور سُن لیں شارق حسین تھوڑی سی انسان شناسی میرے اندر بھی موجود ہے میں بھی لوگوں کے ذہنوں کو دیکھ سکتا ہوں۔ پڑھ سکتا ہوں صوفیہ ایسا کر نہیں سکتی وہ اس قسم کی عورت نہیں ہے وہ گہری سازشی نہیں ہے بہت ہی کھرے مزاج کی ہے اور کھرے مزاج کی عورت ہے وہ، میں کیسے یہ بات کہوں لیکن . . ."

"ہاں، ہاں اس لیکن کے آگے ہی میں سُننا چاہتا ہوں۔"

"بس میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس نے، اس نے مجھ سے شادی کیوں کی جبکہ وہ یہ بات جانتی تھی کہ میں محسن کا باپ ہوں پھر اس نے یہ قدم کیوں اٹھایا، محسن نے اسے اس قدم سے کیوں نہ روکا وہ کیا عوامل تھے؟"

"آپ اس سلسلے میں محترمہ صوفیہ سے پوچھ نہیں سکتے۔"

"میں ہمت نہیں کر پا رہا اس بات کی، سوچ رہا ہوں اور ویسے بھی میں تمہیں بتا چکا ہوں شارق کہ یہ مسئلہ زیادہ پرانا نہیں ہے ابھی ابھی بس دو تین روز کی بات ہے جب اس معاملے میں گفتگو کرتے ہوئے یہ بات میرے علم میں لائی گئی اور میں نے اس کی تحقیق کی۔ میں تمہیں اس بارے میں ضرور بتاتا شارق میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تمہیں تفصیلات بتا دوں گا آہ مگر . . . مگر صوفیہ سے پوچھنے کی ہمت نہیں پاتا میں۔ تم غور کرو کچھ بھی تو نہیں رہا ہے میرے پاس۔ میرا بیٹا قتل کے الزام میں جیل میں بند ہے اور صوفیہ میری زندگی کا واحد سہارا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے میرے پاس۔ اگر یہ حقیقت سچ نکل آتی ہے تو پھر میرے لیے کیا ہو گا۔ میں مر جاؤں کوئی حرج نہیں ہے لیکن محسن کو تو زندہ رہنا چاہیئے اس کی کوئی ترکیب بتاؤ شارق حسین۔ صوفیہ اگر ان تمام باتوں کے پس پردہ ہے تو بہر طور میرے پاس کوئی حل نہیں ہے اس کا، محسن . . . محسن کی زندگی کیسے بچ سکے گی . . . ؟"

دراب شاہ جذباتی ہو گیا۔

"آپ محترمہ صوفیہ سے یہ نہیں پوچھ سکتے کہ جب ان کے تعلقات محسن سے اس حد تک تھے تو پھر انہوں نے آپ سے شادی کیوں کی؟"

"میں سب کچھ پوچھ سکتا ہوں لیکن اس کا نتیجہ، کوئی بات کُھل کر منظرِ عام پر آ جائے تو . . . تو پھر . . . اس کے لیے کیا کچھ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ لگا سکتے ہو؟"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ مسئلہ آپ کے لیے بڑا اُلجھا ہوا ہے۔ بہر طور اب دیکھنا یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے البتہ آپ نے مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ کر کے بہت اچھا کیا ہے یہ گرہ میرے ذہن میں تھی کہ جب آپ مکمل طور پر یہ کیس ہمارے سُپرد کر چکے ہیں تو پھر چند باتیں پوشیدہ کیوں رکھے ہوئے ہیں۔" دراب شاہ مغموم انداز میں گردن ہلاتا رہا۔ میں نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔

"ہاں دراب شاہ نوشاد بالی سے تو اس کے بعد کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا میرا مطلب ہے اس مطالبے کے سلسلے میں۔"

"نہیں وہ خاموش ہے میں نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی لیکن اس سلسلے میں کیا کہتے ہو شارق حسین۔"

"آپ ایک کام کریں اگر نوشاد بالی آپ سے دوبارہ رابطہ قائم کرے تو آپ اس سے کہیں کہ آپ ان تصاویر کو دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ ان کی قیمت ایک کروڑ روپے ہو سکتی ہے یا نہیں۔" دراب شاہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا

تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں اس بات کے امکانات ہیں میں یہ کوشش کرسکتا ہوں"۔

"ہوسکتا ہے میں اس وقت موجود نہ ہوں لیکن آپ ان تمام تصاویر کو نوشاد بائی سے طلب کریں اور انہیں ضرور دیکھیں میرے خیال میں اس سلسلے میں آپ اس سے گفتگو خود ہی کریں تو کوئی حرج نہیں ہے کم از کم ہمیں ان تصویروں کی نوعیت تو معلوم ہوجائے"۔ اس نے میرا چہرہ دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں ہے میں اس سلسلے میں کل ہی کوشش کر ڈالوں گا۔ ویسے شارق ان تمام واقعات کی روشنی میں خود تم نے کوئی نتیجہ اخذ کیا"؟

"ابھی تک نہیں ابھی تو معاملات بالکل ہی الجھے ہوئے ہیں کاش محسن ہم سے تعاون کرے"۔

"محسن کی ذہنی کیفیت کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں وہ یقینی طور پر بہت زیادہ بددل ہوگیا ہے"۔

"فکر کرنے کی بات نہیں ابھی تو بہت وقت پڑا ہوا ہے ہم اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی حل تلاش کر ہی لیں گے"۔ میں دراب شاہ کو کچھ دیر تسلیاں دیتا رہا اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے اُٹھ گئے وہ اپنے کمرے میں آرام کرنے چلا گیا اور میں اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ بہت دیر تک میں انہی واقعات پر غور کرتا رہا تھا۔ دراب شاہ کو یہ حقیقت معلوم ہوچکی ہے کہ صوفیہ اور محسن داراب شاہ کے تعلقات تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے لیکن دراب شاہ نے ظرف کا ثبوت دیتے ہوئے اس سلسلے میں صوفیہ سے کوئی بات نہیں کی اس کا کہنا ایک طرح سے درست ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس طرح صورت حال اور بگڑ جائے گی لیکن صوفیہ، میں ایک بار پھر اس کا تجزیہ کرنے لگا۔ کیا صوفیہ اتنی گہری عورت ہوسکتی ہے۔ بظاہر لگ نہیں رہا تھا دراب شاہ بھی اس کے سلسلے میں اتنا زیادہ بدگمان نہیں تھا اور پھر صوفیہ کا جو انداز میں نے محسوس کیا تھا اس میں لاابالی پن تھا وہ ایک بار بھی کچھ ایسی کیفیت کا شکار نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ احساس ہوتا کہ وہ ذہنی طور پر تشنہ ہے۔

دوسرے دن صبح ناشتے پر دراب شاہ سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ سے کہا کہ اب وہ میرے ساتھ باہر جانا چاہتا ہے تاکہ ہمارے کام کا آغاز ہوجائے، یہ بات صوفیہ کے سامنے ہی کہی گئی تھی۔ اس نے بھی آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے میں، اگر اس کی یہ خواہش ہے تو اپنا کام شروع کرنے کے لیے تیار ہوں پھر ہم بلاوجہ کی کاروباری باتیں کرنے لگے تھے اور اس کے بعد دراب شاہ نے مجھ سے تیار ہونے کے لیے کہا۔ صوفیہ نے ہمارے درمیان کوئی مداخلت نہیں کی تھی، وہ معمول کے مطابق ہی رہی تھی پھر میں اور دراب شاہ ساتھ ہی کوٹھی سے باہر نکلے تھے کافی دور آنے کے بعد دراب شاہ نے مجھ سے میرا پروگرام پوچھا تو میں نے اس سے کہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے بس وہ مجھے اگلے چوراہے پر چھوڑ دے شام کو ساڑھے پانچ بجے اس سے کوٹھی میں ملاقات ہوگی۔ دراب شاہ نے اس بات میں گردن ہلائی اس نے وعدہ کیا کہ وہ نوشاد بائی سے پروگرام کے مطابق ضرور گفتگو کرے گا اور مجھے شام کو رپورٹ دے گا دراب شاہ نے مجھے اُتار دیا اور میں ایک ٹیکسی لے کر دفتر کی جانب چل پڑا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی دفتر میں موجود نہیں تھے استاد جمونے سے تھوڑی دیر گپ شپ رہی اس کے بعد گھر یاد آیا اور میں وہاں سے گھر چل پڑا کوٹھی میں تمام حالات معمول کے مطابق تھے، جاودان، نیلوفر اور دوسرے تمام حضرات سے ملاقات ہوئی کافی دیر تک ان کے ساتھ گپ شپ رہی کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جو قابل توجہ ہوتی اس کے بعد باہر نکل آیا فیصلہ یہ کرنا تھا کہ اب مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیئے راستے تقریباً بند ہی تھے ایک بار دل میں وقار احمد صاحب کا خیال آیا سوچا کہ محسن سے پھر ملاقات کروں لیکن ابھی اس ملاقات کی کوئی اہم ضرورت نہیں تھی چنانچہ ارادہ ملتوی کردیا پھر ایک پبلک ٹیلیفون بوتھ نظر آیا تو میں نے بوتھ میں داخل ہونے کے بعد نگہت شیراز سے رابطہ قائم کیا۔ دفتر میں موجود نہیں تھی پتا چلا کہ آج دفتر نہیں آئی ہے۔ گھر سے ٹیلیفون آیا تھا کہ وہ دفتر نہیں آئے گی چنانچہ میں فون بند کرنے کے بعد نگہت شیراز کے گھر کی طرف چل پڑا، چاہتا تو ٹیلیفون کرکے اس سے اس کی موجودگی کو کنفرم کرسکتا تھا لیکن ضروری نہ سمجھا البتہ جب فلیٹ کی بیل بجائی تو دروازہ نگہت شیراز ہی نے کھولا تھا مجھے دیکھ کر آنکھیں پھاڑنے لگی اور پھر ایک خوشی بھرا نعرہ لگایا۔

"ارے چیف... کیا ایسے بھی مرادیں پوری ہوجاتی ہیں آئیے آئیے اندر آئیے"۔ اس نے مجھے راستہ دیتے ہوئے کہا۔ بہت زیادہ بے تکلف نظر آرہی تھی حالانکہ دفتر میں وہ اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کرتی تھی۔

"خیریت آج ماحول کچھ بدلا بدلا سا ہے"۔

"بس چیف آفس نہیں گئی بور ہورہی تھی اور سوچ رہی تھی کیا کرنا چاہیئے۔ آپ کے بارے میں تو یہ اندازہ ہے کہ آپ اپنے معمولات میں مصروف رہتے ہیں فون بھی نہیں کیا میں نے آپ کو لیکن دل میں سوچا تھا کہ آج آپ سے ملاقات ہونی چاہیئے"۔

"ہوں۔ اچھی بات ہے تو باقی اہل خانہ"۔

"یہی تو خوشی کی بات ہے چیف آج گھر میں کوئی بھی نہیں ہے سب نے میری ذمے داری لگادی تھی کہ میں گھر پر رہوں اور میں نے بھی سوچا کہ کبھی کبھی گھروالی بھی بننا چاہیئے"۔ نگہت شیراز نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"گھروالی کی اصطلاح خوب استعمال کی تم نے"۔

"ہاں چیف گھر میں موجود ہونے کا مطلب ہے کہ گھروالی کیا خیال ہے آپ کا ویسے اس لفظ کو بعض اوقات غلط معنوں میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے۔ خیر چھوڑیئے آج تو میرا خیال ہے کہ آپ کو کھانا اپنے ساتھ ہی کھلاؤں آپ ذرا میرا یہ فن بھی دیکھ لیں"۔

"ارے چھوڑو کہاں چکر میں پڑوگی کھانے والے کے کسی ہوٹل میں کھائیں گے"۔

"توبہ توبہ، چیف آپ نے مجھے آخر سمجھا کیا ہے آپ دیکھیے تو سہی کیا کمال دکھاتی ہوں"۔

"تم باورچی خانے میں کمال دکھاؤگی اور میں یہاں بیٹھا بور ہوتا رہوں گا"۔

"یہی تو خوبی ہوگی باس کہ آپ میرے سامنے ہوں گے اور باورچی خانے میں کھانا تیار ہورہا ہوگا ویسے کبھی آپ نے خود بھی باورچی خانے کا رُخ کیا ہے"۔

"بھئی اب تم مجھ سے بہت زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہی ہو یقیناً اس کے بعد تم اس خواہش کا اظہار کروگی کہ تمہارے ساتھ کچن میں چلوں"۔

"نہیں نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا"۔ نگہت شیراز کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا میرے ان الفاظ نے اسے واقعی شرمندہ کردیا تھا پھر وہ بولی۔

"اچھا کافی وغیرہ تو بناکر لاتی ہوں اس کی تو اجازت دیں گے مجھے..."

"بنالاؤ"۔ میں نے کہا اور وہ باہر نکل گئی۔ بہت ہی عجیب لڑکی تھی اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انتہائی ٹھوس کردار کی مالک تھی میں نے اس میں ہمیشہ یہ خوبی پائی تھی۔ وہ کافی بناکر لے آئی مسکرا رہی تھی۔ کافی کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں بھی تھیں رکھنے لگی۔

"بہت خوش ہوں چیف۔ بہت خوش ہوں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس وقت میں نے آپ کی تمنا کی تھی"۔

"اوہ... اوہ جملے پر غور کرو نگہت"۔

"چھوڑیئے چیف آپ اس کی گنجائش ہی کہاں چھوڑتے ہیں ایسی ایسی باتیں کہہ ڈالتے ہیں کہ مجھے سوچنا پڑتا ہے کہ واقعی کہیں میں غلط راستوں کی سمت تو نہیں جارہی"۔

"مطلب؟" میں نے کافی کی پیالی اپنے سامنے سرکاتے ہوئے کہا۔

"یعنی یہ تنہا فلیٹ، آپ کی آمد، میری طلب، اس کے بعد میں نے آپ کو کچن میں چلنے کی پیشکش کی۔ کسی بہت ہی خوبصورت رومانی فلم کا منظر معلوم ہوتا ہے، ہے کہ نہیں"۔

"ہاں لگتا تو ہے"۔

"ویسے ہے نہیں چیف آپ اس بات کو ذہن میں رکھیے اور پریشان ہونے کی کوشش نہ کیجیے گا"۔

"نہیں میں تمہارے سلسلے میں کبھی پریشان نہیں ہوتا"۔

"اچھا خیر چھوڑیئے یہ بتائیے کہ آپ کا یہ معاملہ کتنا عرصہ چلے گا کس گھر میں جاگھسے ہیں کیا خوبصورت جگہ ہے میرا مطلب ہے گھر والوں کی کیا کیفیت ہے یا فلم وِلم میں کام کرنے کا ارادہ تو نہیں کرلیا ہے ویسے ایک بات ضرور ہے آپ فلمی ہیرو نظر آتے ہیں سر سے لے کر پاؤں تک"۔

"اب تم بدلے لے رہی ہو نگہت لیکن میرا خیال ہے کہ تمہیں خود ہی اچھے الفاظ نہیں مل رہے"۔

"ہاں محسوس تو کر رہی ہوں اس بات کو چلیے چھوڑیئے۔ تو اب آپ سنجیدگی سے بتائیے کہ معاملہ کہاں تک پہنچا ہے میرا مطلب ہے آپ اس سلسلے میں کس حد تک کامیابیاں حاصل کرچکے ہیں"۔

"یقین کرو ابھی تک صفر جارہا ہوں معاملات اس طرح اُلجھے ہوئے اور کیس کی نوعیت اس قدر بدلی ہوئی ہے کہ میرا ذہن کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہے"۔

"میں نے یہ بات شاید کل ہی کہی تھی جب تک آپ اپنی آرمی کو باقاعدگی سے استعمال نہیں کریں گے معاملہ طے ہونا مشکل ہے ایک کام جو ہفتوں میں کیا جاسکتا ہے وہ دنوں میں

ہو سکتا ہے اور جو دنوں میں کیا جا سکتا ہے وہ گھنٹوں میں شرط یہ ہے کہ نگہت شیراز سے رابطہ قائم کیا جائے۔"

"تو رابطہ تو قائم ہے تم سے بھئی میں نے کب انکار کیا۔"

"کمال ہے نہ کیس کی نوعیت مجھے معلوم نہ پوری تفصیل بس جو باتیں آپ نے یونہی اُڑتے اُڑتے بتا دی ہیں وہ میرے علم میں ہیں بھلا ان سے کام چل سکتا ہے۔"

"تو میں کیس کی نوعیت تمہیں بتائے دیتا ہوں اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"ویری گڈ ذرا اس میں سے کچھ لیجیے گھر کی تیار کی ہوئی چیزیں ہیں۔" نگہت نے ایک پلیٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے حلوے کا ایک ٹکڑا اس میں سے اُٹھا لیا۔ نگہت اپنے مخصوص پُرمزاح انداز میں میری خاطر مدارات کرتی رہی اور پھر ہم لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو گئے۔ تب وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک رائٹنگ پیڈ اور بال پوائنٹ لے کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"ہاں چیف۔۔۔ آپ اس وقت یوں محسوس کریں جیسے آپ اپنے ایک مخصوص معاون کو مکمل نوٹس دے رہے ہیں۔ ہم لوگ ان نوٹس پر بعد میں بحث کریں گے پہلے میں سارے پوائنٹس لکھتی جاؤں گی۔"

میں نے نگہت سے اختلاف نہ کیا اور پھر میں نے مختصراً اُسے اس کیس کے اہم پوائنٹس بتانے شروع کر دیے۔ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ یہ تمام نوٹس لیتی رہی یہاں تک کہ میں نے مفصل رپورٹ دے دی۔

نگہت نے اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ان تمام پوائنٹس پر نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں اور واقعی کچھ کھوسی گئی۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا اور اس کی اس سنجیدگی پر ہلکی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر آ گئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔

"چیف واقعی۔۔۔ چیرغ چوں ہیں سارا معاملہ اتنا اُلجھا ہوا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا محسن دراب شاہ کا اعتراف جرم تو کسی حد تک سمجھ میں آتا ہے وہ زندگی سے بے زار ہے اور اس کی دو وجوہات ہیں ماں کی موت اور محبوبہ کی بیوفائی یعنی دونوں مسئلے دراب شاہ ہی سے متعلق ہیں لیکن چیف جس تحریر کا تذکرہ آپ نے کیا ہے وہ ذرا صورتِ حال بدل رہی ہے۔ یہ تحریر بے شک صوفیہ کو مشکوک کرتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر اسے منظر عام پر لایا جائے تو پوری پوری توجہ اس پر مبذول ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ دراب شاہ کی موت سے اور محسن کے راستے سے ہٹ جانے کے بعد ایک ہی فرد ہے جسے اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور وہ ہے صوفیہ۔ دراب شاہ کے تمام اثاثے خود بخود صوفیہ کی جانب منتقل ہو جائیں گے لیکن چیف ہم ایک اور انداز میں بھی تو سوچ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ سارا کھیل صوفیہ کے خلاف ہی کھیلا گیا ہو۔"

"مطلب۔۔۔" میں نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی اسے سو فیصد مشکوک کرنا چاہتا ہو اور اس کی گردن پھنسانے کے چکر میں ہو۔ بات تو سیدھی سیدھی ہے نا صوفیہ ہی پر تمام نگاہیں پڑیں گی اور اس بات کے امکانات ہیں کہ اگر دراب شاہ کو قتل کر دیا جاتا تو ایسے ثبوت مہیا کیے جاتے جس کی روشنی میں اس کی ہی گردن پھنستی۔" میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے اس کو دیکھا بلاشبہ ایک اہم نکتہ تھا اور نگہت نے بڑی ذہانت سے اس کی نشاندہی کی تھی میں نے اس سے کہا۔

"مگر پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے نگہت۔۔۔ کہ وہ کون ہے جس نے اس خاندان پر اپنا اثر ڈال رکھا ہے اور کس شکل میں وہ یہ سب کچھ کر رہا ہے۔"

"ایک انتہائی اہم بات اور بھی ہے وہ یہ کہ ہو سکتا ہے خود دراب شاہ اپنے خلاف یہ ڈرامہ کرنا چاہتا ہو بات ذرا مضحکہ خیز سی ہے لیکن آپ غور کریں اپنے بیٹے کو راستے سے ہٹانے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے یہ۔ آپ نے اس قسم کے بہت سے معاملات دیکھے ہوں گے محسن وہ شخص ہے جو دراب شاہ کی بیوی سے عشق کرتا تھا یعنی اپنی سوتیلی ماں سے ہو سکتا ہے دراب شاہ کے ذہن میں کوئی گرہ ہو اور وہ اس بہانے سے محسن کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو۔ باقی ساری باتیں چیف ہو سکتی ہیں اور کہی جا سکتی ہیں۔ وہ جتنا بھی واویلا کرے اس کے حق میں جاتا ہے کوئی اس کی جانب متوجہ بھی نہیں ہو گا کیا خیال ہے آپ کا۔"

"او مائی گاڈ۔۔۔ نگہت تم نے تو میرا دماغ ہی گھما کر رکھ دیا۔"

"اگر چیف سچ بول رہے ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خوشی کا اظہار کس طرح کروں یعنی۔۔۔ یعنی میں اس قابل ہوں

کہ آپ کا دماغ گھما سکوں۔"

"نہیں واقعی۔۔۔ تم نے ایک اتنا اہم نکتہ پیش کیا ہے کہ میں حیران رہ گیا ہوں۔ کیا اس بات کے امکانات ہیں؟"

"صرف آپ کے الفاظ کی روشنی میں یہ بات صحیح ہے آپ نے بتایا ہے صوفیہ تو اعتراف کر ہی چکی تھی آپ کے سامنے لیکن خود دراب شاہ نے بھی یہ اعتراف کیا کہ اسے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ صوفیہ اور محسن ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے ممکن ہے دراب شاہ یہ نہ چاہتا ہو کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی موجود رہے بے شک وہ بے اولاد ہے اور اپنے بیٹے سے محبت کا اظہار بھی کرتا ہے لیکن یہ بات بھی اس کے علم میں ہے کہ محسن اپنی ماں کی موت کو نہیں بھولا ہے اور اس طرح وہ دراب شاہ سے تھوڑی سی نفرت بھی کرتا ہے غالباً یہ بات بھی دراب شاہ کے علم میں آ چکی ہو گی کہ محسن شادی کر کے اس سے الگ ہو جانا چاہتا ہے اس سے محسن کی کیفیت کا اندازہ بھی دراب شاہ کو ہو چکا ہے چیف یہ ایک تجویز ہے ایک خیال ہے جو میں نے آپ کو پیش کیا اب ضروری نہیں ہے کہ بے چارے دراب شاہ کی ہی گردن پھنس جائے ہاں چیف اس سلسلے میں آپ ایک کام اور کریں وہ یہ کہ دراب شاہ سے وہ تحریر لے لیں میرا مطلب ہے وہ خط جو اس نے اپنی خود کشی کے بارے میں لکھا ہے۔ ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ یہ بات بتائے گا کہ اس میں اور دراب شاہ کی اصل تحریر میں کیا مماثلت ہے۔"

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا واقعی اس نے اس وقت مجھے جتنا متاثر کیا تھا زندگی میں کبھی متاثر نہیں کیا وہ ایک پریس رپورٹر تھی ذہین تھی اور مجھے ان حالات میں ملی تھی جس سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے آخری حد تک جا سکتی ہے لیکن ذہانت میں وہ اس قدر بے مثال ہے اور اس کا ذہن اس طرح ان شاندار نکتوں پر دوڑ سکتا ہے یہ بات پہلے میرے ذہن میں نہیں آئی تھی میں تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ نگہت نے پھر کہا۔

"اس کے علاوہ ایک اور اہم کردار ہے چیف اور وہ ہے دراب شاہ کی سب سے پہلی بیوی کا چیف ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے اور غور طلب ہے وہ یہ کہ دراب شاہ اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہے یا وہ اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے اس سے کوئی نمایاں فرق نہیں پڑتا لیکن اگر سارے کردار راستے سے ہٹ جائیں تو دراب شاہ کی اس بیٹی کو کم از کم اس کا ترکہ مل سکتا ہے جس کا اپنے باپ سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے۔ سمجھ رہے ہیں نا چیف۔ اس طرح وہ عورت بھی ہمارے لیے ایک نمایاں اہمیت اختیار کر جاتی ہے جو دراب شاہ کی سب سے پہلی بیوی تھی وہ کہاں گم ہو گئی۔ کیسے گم ہو گئی اس کے بارے میں معلومات تو حاصل کرنا ہوں گی میرا خیال ہے ان دو تین پہلوؤں پر غور کیا جائے تو بہت سے مسئلوں کا حل دریافت ہو جائے گا۔" میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور دیر تک نگہت شیراز کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ پھر میں نے آہستہ سے اور انتہائی سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"نگہت میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" میرا جملہ انتہائی غیر متوقع اور بے تکا تھا لیکن مد مقابل نگہت جیسی لڑکی تھی وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی میں متحیرانہ نگاہوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا ایک لمحے کے لیے دل میں خیال آیا کہ شاید وہ شرما گئی ہے لیکن اس سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

میں اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا پانچ منٹ دس منٹ اور پھر پندرہ منٹ گزر گئے۔ پندرہ منٹ کے بعد جو کوئی کمرے میں داخل ہوا اسے دیکھ کر میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ سُرخ لباس میں ملبوس ایک بیر بہوٹی شرماتی لجاتی اندر آ گئی۔ زیورات پہنے ہوئے میک اپ کیے ہوئے پیروں میں اس قسم کے پازیب پہنے ہوئے جو چھن چھن کر رہی تھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے سٹپٹا کر رہ گیا۔۔۔ نگہت شیراز کے علاوہ بھلا اور کون ہو سکتا تھا وہ میرے سامنے آ کر سر جھکا کر بیٹھ گئی اور میں احمقوں کی طرح اس کی صورت دیکھتا رہا۔

"اب کیا کروں چیف۔" اس کی آواز ابھری اور میرے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"خدا کی پناہ۔ تم ایسی حرکتیں بھی کر لیتی ہو۔"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ مطلب۔۔۔ کوئی غلطی ہو گئی۔" نگہت نے گھونگھٹ اٹھا کر پوچھا اور میرے حلق سے دوسرا قہقہہ آزاد ہو گیا اس نے میک اپ بھی کیا تھا۔ لپ اسٹک ہونٹوں کے بجائے پورے منہ پر پھیلائی گئی تھی اور اس پر غازے کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ کارٹون بنی ہوئی تھی میں

ہنستا رہا اور وہ شرمائی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔

"نگہت . . . نگہت ایسے وقت اگر کوئی تم سے ملاقات کے لیے آگیا تو کیا کرو گی؟"

"کک . . . کیا کر سکتی ہوں چیف۔ کہہ دوں گی کہ کہ . . ."

اس نے شرما کر آنکھیں جھکا لیں اور میں پھر ہنس پڑا۔

"بھئی جاؤ . . . تم بھی انتہا پسند ہو کیا حلیہ بنا لیا تم نے۔"

"کمال ہے چیف . . . خود ہی تو خوابوں کی سرزمین میں پہنچا دیتے ہیں اور ایک لمحہ بھی نہیں گزرنے دیتے آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کر لیجیے۔ میری طرف سے تو کھلی کھلی اجازت ہے۔"

"خدا کی پناہ . . . بھئی آئندہ خیال رکھوں گا کہ ایسی کوئی بات تم سے نہ کہنے پاؤں۔"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" اس نے اُداسی سے پوچھا۔

"تم نے انتہائی سنجیدہ ماحول کو کیا بنا دیا۔"

"چیف غلطی میری ہے؟" اس نے آنکھیں نکال کر پوچھا اور میں بے بسی سے ہنستا رہا پھر وہ بسور کر بولی۔

"عمر دیکھیے میری، کیا میں بوڑھی ہوں کیا میں ارمان بھری نہیں ہوں ایسے خواب دکھا دیتے ہیں چور لفظوں میں جو نجانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتے ہیں اور اس کے بعد . . . اس کے بعد؟" اس نے ایک سسکی سی لی اور میں پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"اب سنجیدہ کتنی دیر میں ہو جاؤ گی؟"

"ہو گئی اب کیا رکھا ہے؟" اس نے کہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

"ذرا اپنی اوقات میں آجاؤں؟" اس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ نگہت کے یہ الفاظ یہ انداز بڑا عجیب تھا ایک لمحے کے لیے میں دل ہی دل میں کانپ کر رہ گیا۔ یہ لڑکی انسان ہے سب کچھ ہونے کے باوجود عورت تو ہے اور اس نے مذاق ہی مذاق میں جو کچھ کہا ہے وہ سنجیدگی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن . . . میں زیادہ دیر نہ سوچ سکا وہ واپس آگئی۔

حیرت انگیز طور پر اس نے چند ہی لمحات میں اپنا چہرہ درست کر لیا تھا ویسے بھی میک اَپ وغیرہ نہیں کرتی تھی اس لیے کوئی تبدیلی نہیں محسوس ہوتی تھی وہ میرے سامنے آکر بیٹھ گئی۔ میں ایک بار پھر ہنس پڑا۔

"کچھ باقی رہ گیا ہے چہرے پر؟" اس نے اپنا چہرہ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"نہیں سنجیدگی سے بیٹھو۔ واقعی تم نے جس ذہانت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے مجھے حیران کر کے رکھ دیا ہے۔"

"چھوڑیے چیف آپ حیرانی میں ایسی ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہیں۔"

"معافی مانگ چکا ہوں نگہت۔ آئندہ خیال رکھونگا۔"

"نہیں . . . نہیں خیر اَب اتنا خیال بھی نہیں رکھنا چاہیے کبھی کبھی ایسی باتیں کہتے رہنا چاہیئے مجھے کوئی بُرا تھوڑا ہی لگا ہے۔"

"تم نے دو خوفناک باتیں کہی ہیں۔"

"ہولناک اور دہشت ناک بھی ہیں چیف۔"

"نہیں واقعی میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ دراب شاہ کا کردار پہلی بار میری نگاہوں میں مشتبہ ہوا ہے اور اس کے علاوہ وہ خاتون جو دراب کی پہلی بیوی تھیں۔"

"چیف کوئی ذریعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ان کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔" نگہت کا لہجہ سنجیدگی سے بھرپور تھا۔

"اب اس سلسلے میں مزید کوششیں کرتا ہوں گی لیکن . . ."

"خیر تھوڑی بہت ذمے داری تو میں بھی قبول کر رہی ہوں ظاہر ہے مستقبل میں کوئی اتنی زیادہ سنجیدہ بات ہو جائے کہ آپ بعد کے لمحات کے بھی گزار لیں۔" نگہت نے کہا۔

"بعد کے لمحات . . ."

"ہاں میرا مطلب ہے شادی کی پیش کش سے آگے کی بات بڑھ جائے۔" نگہت نے کہا اور میں مسکرانے لگا یہ ایک سوال بھی تصور کیا جا سکتا تھا لیکن میرے لیے اس سوال کو نظر انداز کر دینا ہی مناسب تھا میں خاموشی سے گردن ہلاتا رہا پھر میں نے کہا۔

"نگہت ان لائنوں پر کام کرنا پڑے گا . . ."

"بالکل کام کیجیے چیف وہ تحریر آپ لے لیں اور ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ سے اس کی تصدیق کر لیں میرا خیال ہے کہ دراب شاہ سے دوسری تحریر حاصل کرنا بھی آپ کے لیے مشکل نہ ہوگا۔"

"ہاں مگر ذرا اس سلسلے میں سنجیدگی سے کام کرنا ہوگا دراب شاہ کو بھی یہ سب کچھ نہیں بتایا جائے کہ اس سے میرا مقصد کیا ہے۔"

"ہاں . . . ظاہر ہے اور یہ کام آپ آسانی سے کر سکتے ہیں۔"

"او۔ کے نگہت بہت بہت شکریہ ویسے میں جانتا تھا کہ

تمہارے پاس آنے کے بعد کوئی نہ کوئی کارآمد بات ہی ہوگی۔"

"ہاں میرے لیے زیادہ کارآمد نہیں ہے۔"

"کچھ پیسوں وغیرہ کی ضرورت ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"کیے نہیں ہوتی چیف، سترہ ہزار روپے درکار ہیں . . . کب مل جائیں . . . ؟"

"اس وقت چیک بک نہیں ہے میرے پاس لیکن تم جب بھی حکم دو چیک پہنچا دیا جائے۔"

"التجا . . . چیف التجا . . . ایک ضرورت درپیش ہے۔" نگہت نے کہا اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اسے فوراً چیک بھجوا دوں گا۔ اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔ نگہت نے واقعی میری آنکھیں کھول دی تھیں ان دو پہلوؤں پر اس دوران میں نے غور نہیں کیا تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ بے مثال ذہانت کی مالک ہے۔ راستے بھر میں اس کے بارے میں سوچتا آیا تھا جو حرکت اس نے کی تھی وہ بھی قابلِ غور تھی۔

گہری لڑکی تھی ہو سکتا ہے یہ مذاق بھی اس کے دل کی گہرائیوں سے تعلق رکھتا ہو بہر حال اس خیال پر بہت زیادہ توجہ نہیں دی جا سکتی تھی اس نے جو پوائنٹ ذہن نشین کرائے تھے ان پر ہی ذہن مصروف رہا تھا۔ پھر دراب شاہ کے گھر کا ہی رُخ کرنا تھا یہاں کافی وقت صرف ہو گیا تھا اور ابھی تک کوئی ایسا اہم کام نہیں ہو سکا جسے اہمیت دی جا سکتی تھی۔ بہ حال ابھی یہاں سے واپسی مناسب نہیں تھی چنانچہ کچھ دن یہاں قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دراب شاہ اس وقت بھی موجود نہیں تھا اور صوفیہ معمول کے مطابق لان پر چہل قدمی کرتی ہوئی مل گئی تھی مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی اور پھر آہستہ آہستہ میرے قریب آگئی۔

"ہیلو شارق؟" اس نے خوشگوار موڈ میں کہا اور میں بھی مسکرا دیا۔

"ہیلو صوفی؟" میں نے اس سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کیا اور وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"ویری گڈ . . . تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اس اندازِ تخاطب پر مجھے کتنا لُطف آرہا ہے؟" اس نے کہا۔

"بھئی اب تو معافی بھی نہیں مانگوں گا کیونکہ آپ نے خود ہی اس کی بنیاد ڈالی ہے۔"

"کہیے کیا ہو رہا ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا ہو سکتا ہے آپ کے خیال میں . . . کرنے کے لیے ہے ہی کیا؟"

"وہی تصور ذہن میں جاگزیں ہوگا محسن شاہ تصور؟" اس نے آہستہ سے کہا پھر چند لمحات خاموش رہنے کے بعد بولی "بہت کچھ سوچ رہی ہوں ان دنوں۔"

"مثلاً . . ."

"یہی کہ اس کا انجام کیا ہوگا کیا محسن سزا پا جائیں گے کیا میری وجہ سے ایک ایسا المیہ رونما ہوگا جس کے لیے شاید میں جب تک زندہ رہوں خود کو معاف نہ کر سکوں؟" میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"مزید کیا ہو سکتا ہے کوئی بات سمجھ میں تو آئے ویسے ایک بات بتائیے کیا اس دوران آپ محسن سے ملی ہیں۔ میرا مطلب ہے جیل میں . . ."

"نہیں . . . ہمت نہیں کر پائی کئی بار جی چاہا لیکن بالکل ہمت نہ ہو سکی۔"

"میری رائے ہے کہ آپ ایک بار اس سے مل تو لیتیں ہو سکتا ہے آپ کے سمجھانے سے کچھ اس کی سمجھ میں آجاتی کیا خیال ہے؟" صوفیہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"کیا آپ یہ بندوبست کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں مشکل کام تو نہیں ہے۔"

صوفیہ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

"تو پھر میری رائے ہے کہ کل آپ ان سے ضرور مل لیں۔"

"شرط یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ ہوں گے؟" میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا ظاہر ہے محسن سے میں خود بھی مل چکا تھا اور اب صوفیہ کے ساتھ اس سے ملنا مناسب نہیں تھا میں نے کہا۔

"چونکہ آپ کو ایک اہم مشن پر کام کرنا ہے اور محسن سے وہ باتیں کرنی ہیں جو کسی کے سامنے نہیں کی جا سکتیں چنانچہ آپ کا تنہا ملنا ہی مناسب ہوگا . . . ویسے میں جیل تک آپ کے ساتھ چلوں گا اور باہر رک جاؤں گا۔ میری رائے ہے کہ آپ ہوا نہ لگنے دیں محسن کو کہ کوئی آپ کے ساتھ آیا ہے آپ اپنے طور پر اس سے ملاقات کریں اور اسے سمجھانے کی کوشش کریں۔"

"ٹھیک ہے کل آپ یہ انتظام کر لیں گے کہ کس وقت چلنا ہوگا؟"

"میرا خیال ہے ساڑھے گیارہ بجے نکل چلیں گے اور بارہ بجے جیل پہنچ جائیں گے۔"

رات دراب شاہ سے بھی ملاقات ہوئی کوئی خاص بات نہیں ہو سکی صوفیہ ساتھ ساتھ ہی رہی اور ہم آرام کرنے چلے گئے۔

*

دوسرے دن دراب شاہ ساڑھے دس بجے گھر سے نکل گیا۔ چنانچہ ہم دونوں جیل پہنچ گئے میں نے وقار احمد کو اشارہ کیا کہ وہ کسی قسم کی شناسائی کا اظہار نہ کرے اور پھر صوفیہ کے بارے میں انہیں بتایا اور اس خواہش کا اظہار کر دیا . . . جیلر صاحب نے بڑی خوش دلی سے اس بات پر آمادگی کا اظہار کر دیا کہ محسن کو کمرۂ ملاقات میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد میں نے صوفیہ کو اس کے پاس بھیج دیا اور خود وقار صاحب کے دفتر میں بیٹھ کر ان سے گفتگو کرنے لگا۔ پھر تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد صوفیہ واپس آئی۔ اس کے چہرے پر پژمردگی کے آثار تھے اور وہ خوش نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ جس مقصد کے تحت گئی اس میں ناکام رہی۔

میں نے وقار صاحب سے اجازت لی اور ہم وہاں سے نکل آئے۔

"کہیں بیٹھ کر کچھ پئیں گے . . . کوئی ٹھنڈی چیز میں شدید پیاس محسوس کر رہی ہوں۔" صوفیہ نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ صوفیہ اپنی ہی کار میں آئی تھی اور ڈرائیونگ بھی خود ہی کر رہی تھی۔ چنانچہ اس نے ریستوران کا انتخاب بھی خود ہی کیا اور ایک چھوٹے سے خوبصورت ریستوران میں ہم دونوں داخل ہو گئے میز پر بیٹھ کر اس نے ویٹر کو بلایا اور ایک مشروب کا آرڈر دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی راستے میں اس دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ تاہم بیٹھنے کے بعد اس نے میری طرف دیکھا اور پھر غمزدہ لہجے میں بولی۔

"محسن انتہا پسند ہو چکے ہیں وہ کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں ہیں وہ اپنے موقف پر سختی سے ڈٹے ہوئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ جو شخص جینا نہیں چاہتا اس کے لیے جینے کی کوششیں کرنا بیکار ہیں۔ انہیں صرف موت درکار ہے۔"

"میڈم اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کی اور ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور صوفیہ مشروب کے گلاس سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے بولی۔

"محسن کا رویہ مجھ سے زیادہ بہتر نہ رہا اس وقت وہ کافی تلخ ہو [illegible] تھے ان کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے شارق صاحب مجھے [illegible] نہیں وہ اپنا ذہنی توازن نہ کھو بیٹھیں ان کے بارے میں آپ کو ایک بات بتا دوں کہ وہ بہت حساس انسان ہیں بہت غمزدہ۔ آج انہوں نے اپنے دل کی ساری کائنات مجھ پر کھول دی کہنے لگے کہ انہیں دراب شاہ سے اختلاف ہے شدید اختلاف کیونکہ انہوں نے محسن کی ماں کو بہتر زندگی نہ دی اور ان کی ماں ان کی وجہ سے موت کا شکار ہوئی محسن کہنے لگے کہ انہوں نے یہی نہیں ان سے اور بھی بہت کچھ چھین لیا ان کی محبوبہ بھی۔ محسن نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ان کی دولت کو وہ اپنی نہیں سمجھتے . . . جس دولت نے ان کی ماں کی زندگی چھین لی وہ دولت محسن کے لیے ذرا بھی پر کشش نہیں ہے یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مجھ سے وہ بات کہی تھی جسے میں نے قبول نہ کیا آج محسن نے پہلی بار مجھ سے شکایت کی ہے اور کہا کہ میں نے جو فیصلہ کیا وہ مناسب نہیں تھا۔ محسن اپنی ذات کا اظہار چاہتے تھے اور میں نے ان کی ذات کو تحلیل کر دولت کو ان پر ترجیح دی ان کا کہنا درست ہے میں نے واقعی ایسا کیا تھا۔ محسن نے میری کوئی بات نہیں مانی اور انہوں نے کہا کہ اب میں یہ احمقانہ حرکتیں ترک کر دوں ان سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ شدید ذہنی اذیت میں زندگی گزارتے رہے ہیں اور اب ان کے لیے موت ہی ایک واحد سہارا ہے جس سے وہ زندگی کے اس عذاب سے چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ شارق صاحب وہ نہیں مانیں گے وہ سارا کیس بگاڑ دیں گے مجھے یقین ہے مکمل طور پر یقین ہے۔" صوفیہ کی آواز سسکیوں میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے فوراً ہی مشروب اٹھا کر اس کے گھونٹ لینے شروع کر دیے تھے۔ میں نے بھی دلاسے کے لیے کچھ نہ کہا۔ ظاہر ہے اس کے بعد میں کیا کہہ سکتا تھا۔

مشروب سے فارغ ہو کر ہم تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے اور اس کے بعد دونوں اٹھ گئے میں نے صوفیہ کے ساتھ کوٹھی جانا مناسب نہیں سمجھا تھا اس کے انداز میں بھی غالباً یہ ہچکچاہٹ موجود تھی چنانچہ میں نے خود ہی اسے پیش کش کر دی کہ وہ کوٹھی چلی جائے میں کچھ دیر بعد واپس آ جاؤں گا صوفیہ شکر گزار نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی اپنی گاڑی میں جا بیٹھی تھی اور اس کے بعد میں دیر تک یونہی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا اس وقت کوئی خاص کام ذہن میں نہیں تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر فاروقی صاحب کے پاس گزارنے کا فیصلہ کیا۔

فاروقی صاحب اور رجاوید قریشی سے گپیں ہوتی رہیں اس مسئلے پر انہوں نے خود بھی مجھ سے کچھ نہیں پوچھا تھا وہ جانتے

تھے کہ بتانے کی کوئی بات ہوئی تو میں انہیں ضرور بتاؤں گا۔

چنانچہ شام انہی کے ساتھ ہوئی اور اس کے بعد میں کوٹھی چل پڑا۔ دراب شاہ دن کے کسی حصے میں کوٹھی واپس آ گیا تھا۔

دراب شاہ کے ساتھ نشست رہی صوفیہ بھی ساتھ تھی۔ ہم لوگ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ میں نے دراب شاہ کے انداز میں ایک خاص بات دیکھی تھی۔ غالباً وہ مجھے کچھ بتانا چاہتا تھا۔ رات کا انتظار تو کرنا ہی پڑا اور رات وہ میرے ساتھ اس جگہ پہنچ گیا جہاں ہم پرائیویٹ گفتگو کیا کرتے تھے۔

اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ خود دراب شاہ کا دل بھی صوفیہ کی طرف سے صاف نہیں تھا اور وہ اپنی ذاتی باتیں اس سے چھپانا چاہتا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔

"میں نوشاد بائی سے وہ تصاویر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔"

"ویری گڈ۔" میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ "کہاں ہیں وہ . . ."

"بہتر یہ ہوگا کہ کمرے میں چل کر ہی دیکھنا میرے میں نے تمہیں اطلاع دینا مناسب سمجھا۔"

"تصویروں کے حصول کا کیا ذریعہ رہا۔"

"میں خود اس کے پاس گیا تھا کوٹھے پر . . ."

"کیا رویہ رہا اس کا . . . ؟"

"بھئی ایک طوائف کا جو رویہ ہو سکتا ہے اس کا وہی رویہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نجمہ اس کی بیٹی ہی تھی لیکن ظاہر ہے اس کا زیادہ تر مفاد نجمہ کی زندگی سے تھا۔ وہ یہی روتی پیٹتی رہی کہ نجمہ کا سنہرا مستقبل اس کے بڑھاپے کا سہارا بن جاتا اور اب وہ بے سہارا رہ گئی ہے ایسی ہی فضول باتیں کرتی رہی اور ہاں شارق ایک اور عجیب بات بتائی اس نے۔ کیا یہ سچ ہے بھئی کہ تم نے اسے تھانے بلایا تھا؟"

"ہاں شاہ صاحب یہ کام کیا تھا میں نے۔"

"مگر مجھ سے تذکرہ نہیں کیا اس کا . . ."

"مناسب نہیں سمجھا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر پھر کیا ہوا . . . ؟"

"کچھ نہیں . . . کچھ دھمکیاں وغیرہ دیں اور اس کے بعد توصیف رضوی صاحب نے مجھ سے ملاقات کی ہم نے یہ بندوبست کر لیا تھا کہ وہ یہ نہ ثابت کر سکے کہ نوشاد بائی کو تھانے بلایا گیا تھا۔"

"اوہ میرے خدا اس کا مطلب ہے کہ تم کافی تیز رفتاری سے کام کر رہے ہو . . . اور اپنے طور پر بھی بہت کچھ جاری ہے۔"

"تیز رفتاری تو نہیں شاہ صاحب میں کوششوں میں مصروف ہوں۔"

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں نوشاد بائی کی . . ."

"تفصیل بس اتنی سی ہے کہ میں نے اپنے ایک پولیس آفیسر دوست کے ذریعے تھانے بلوا لیا اور وہاں اس سے تصویروں کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ یہ تصویریں اس نے پچیس ہزار روپے کے عوض خریدی ہیں اور یہ تصویریں فروخت کرنے والا ایک فوٹو گرافر ہے۔ ہم نے فوٹو گرافر سے بھی ملاقات کر لی اور اس نے تفصیلات بتا دیں۔" دراب شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا میں نے جان بوجھ کر اس سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن اس وقت یہ ضروری ہو گیا تھا نوشاد بائی نے ظاہر ہے اس کا اظہار دراب شاہ سے کیا ہوگا اور بات ویسے بھی ظاہر ہے اس سے چھپی نہ رہ سکے گی کیونکہ توصیف رضوی جب بھی دراب شاہ سے ملتا اسے یہ بات ضرور بتاتا۔ بہرحال دراب شاہ کو مختصر طور پر تفصیلات بتا دی۔ فوٹو گرافر کے بارے میں وہ تجسس کا شکار تھا اجمل شاہ کا نام میں نے جان بوجھ کر اس لیے نہیں لیا تھا کہ وہ فلمی فوٹو گرافر تھا اور دراب شاہ سے اس کے مفادات ہو سکتے تھے۔ میں نے اس مسئلے کو گول ہی کر دیا تھا وہ مطمئن تو نہیں ہوا ہوگا لیکن خاموش ضرور ہو گیا پھر اس نے کہا۔

"خیر نوشاد بائی مجھ سے روتی پیٹتی رہی مقصد یہی تھا کہ میں یہ رقم اسے فراہم کر دوں تو اس کا مستقبل سدھر جائے اور اس کے بعد وہ تصویروں کا ثبوت عدالت میں نہیں پیش کرے گی میں نے اس سے کہا کہ پہلے میں تصویروں کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں اگر وہ اس قابل ہوئیں کہ ان کی اتنی بھاری قیمت ادا کی جائے تو پھر میں اس پر غور کروں گا۔ وہ پریشانی کے انداز میں سوچتی رہی تھی۔ غالباً یہ سوچ رہی تھی کہ توصیف رضوی سے مشورہ کرنے کے بعد یہ عمل کرے یا براہ راست ہی کر ڈالے لیکن میرے الفاظ نے اسے تقویت پہنچائی میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ اس سلسلے میں وکیل کا سہارا لینا چاہتی ہے تو پھر شاید یہ سودا کبھی نہ ہو سکے کیونکہ مجھے وکیل پر اعتماد

نہیں ہے اور میں اس کے ذریعے یہ سودا کبھی نہیں کروں گا تب نوشادبانی نے مجھے بتایا کہ اس کے نیگیٹو اور تصویریں توصیف رضوی صاحب کے حوالے کردی ہیں لیکن جب اس نے یہ تصویریں بنوائیں تو ان کا ایک سیٹ اپنے پاس محفوظ رکھ لیا جس کا علم توصیف رضوی کو نہیں ہے میں نے بے پروائی سے اس سے کہا کہ میں صرف یہ تصویریں دیکھنا چاہتا ہوں ان کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں ظاہر ہے نیگیٹو نہیں مانگ رہا ہوں اس لیے کہ انہیں ضائع کردیا جائے ایسی حالت میں تصویریں کسی طور اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوسکتیں۔ وہ اگر چاہے تو مجھے وہ تصویریں دکھا سکتی ہے تاکہ میں سودے کے لیے اپنا ذہن تیار کرلوں اور اس کے بعد اس نے مجھے وہ تصاویر دیدیں۔"

"بہت ہی اچھے توبھیا میں بے چینی سے ان تصویروں کا انتظار کررہا ہوں کہاں ہیں وہ؟"

"آؤ" اس نے مجھ سے کہا اور ہم دونوں وہاں سے اٹھ گئے صوفیہ اپنے کمرے میں تھی ویسے میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ جب بھی میں اور دراب شاہ بیٹھے باتیں کررہے ہوتے تھے صوفیہ ہمارے درمیان کبھی مداخلت نہیں کرتی تھی۔ ایک بار بھی ہمیں اس کا شبہ نہیں ہوسکا تھا دراب شاہ نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کرلیا اور اس کے بعد اس نے ایک مخصوص جگہ سے تصویروں کا ایک پیکٹ نکال کر میرے حوالے کردیا۔ یہ تصویریں انتہائی اہم نوعیت کی حامل تھیں اجمل شاہ سے اس بارے میں بات چیت ہوچکی تھی اور مجھے یہ تجزیہ بھی کرنا تھا کہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس میں کہاں تک سچائیاں ہیں۔ چند لمحات میں تصویروں کا جائزہ لیتا رہا پھر میں نے دراب شاہ سے کہا۔

"یہ تصویریں میں اپنے پاس رکھوں گا آپ نے ان کی واپسی کا تو کوئی وعدہ نہیں کیا۔"

"واپس تو کرنا ہیں لیکن یہ بھی ہم پر منحصر ہے اگر ہمیں ان کی ضرورت پیش آئی تو پھر بھلا وہ ہم سے یہ تصویریں کیسے لے سکے گی آپ رکھ لیں انہیں مسٹر شارق آپ ان کا صحیح تجزیہ کرسکیں گے بلکہ بیرسٹر صاحب سے بھی ان کے بارے میں مشورہ کرلیا جائے تو بہتر ہے۔"

"جی ہاں بالکل اور ہاں شاہ صاحب مجھے وہ لفافہ بھی دے دیجئے جس میں آپ کے نام سے ایک تحریر موجود ہے۔"

"بہتر ہے۔" اس نے کہا اور لفافہ نکال کر میرے حوالے کردیا میں نے اس میں رکھا ہوا کاغذ دیکھا اور مطمئن انداز میں گردن ہلا کر یہ دونوں چیزیں اپنی تحویل میں لے لیں اس کے تھوڑی دیر تک دراب شاہ سے گفتگو ہوتی رہی پھر دراب شاہ نے مجھ سے درخواست کی کہ تصویروں کے بارے میں اگر کوئی تجزیہ کرلوں تو اسے ضرور بتادوں اور میں نے اس سے وعدہ کرلیا اس کے بعد میں اپنے کمرے میں آگیا تھا۔

صوفیہ بھی اپنے کمرے میں سونے کے لیے چلی گئی تھی اور اب دراب شاہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ ماحول پر خاموشی اور سناٹا مسلط تھا میں اپنے کمرے میں آگیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے کمرہ اچھی طرح سے بند کیا۔ چاروں طرف سے پردے گرائے اور اس کے بعد بیڈ لیمپ روشن کرکے اس کے نزدیک بیٹھ کر ان تصاویر کا تجزیہ کرنے لگا۔ ایک ایک تصویر میں نے بغور دیکھی تھی یہ تصویریں اجمل شاہ کے بیان کے مطابق دور ہی سے کھینچی گئی تھیں گو ان کے لیے زوم لینس استعمال کیے گئے تھے لیکن فاصلے کا اندازہ درمیان میں آنے والی چیزوں سے ہورہا تھا۔

وہ تمام تفصیلات تصویروں میں موجود تھیں جن کے بارے میں اجمل شاہ کا گھڑی کلینڈر واقعی کمال کی چیز بن گیا تھا اور اس طرح محسن دراب شاہ کے بارے میں ایک عجیب و غریب ثبوت فراہم ہوگیا تھا اور یقینی طور پر یہ تصویریں بھی عدالت میں بہت کارآمد ثابت ہوسکتی تھیں۔ بشرطیکہ محسن اپنے اس جرم سے انکار کرتا اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اس میں ایسی کوئی مدافعتی یا جارحیت کی کارروائی سامنے نہیں آسکی تھی جس سے سو فیصد یہ بات یقینی طور سے کہی جاسکتی کہ محسن بھی ان کارروائیوں کا محرک تھا اور اس نے اس وقت اور انہی لمحات میں نجمہ کو قتل کیا لیکن بہر طور نجمہ کی وہاں موجودگی ثابت ہوجاتی تھی۔ گھڑی کا وقت اور کلینڈر کی تاریخ اس بات کی گواہ تھی اور یہ بے جان گواہی بہت ہی سنسنی خیز تھی۔

میں دیر تک ایک ایک تصویر کا بغور جائزہ لیتا رہا۔ تصاویر کی کل تعداد نو تھی اور ان میں کئی تصویریں ایسی تھیں جو محسن اور نجمہ کا چہرہ دکھاتی تھیں پھر دفعتاً ہی میرے ذہن میں ایک کھٹکا سا ہوا اور میں نے ایک تصویر اپنے سامنے رکھ لی! اس تصویر میں محسن اور نجمہ کا آدھا آدھا چہرہ نمایاں تھا اور ان دونوں کے چہروں کو بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ میری نگاہیں ان چہروں پر جم گئیں۔ میں ان چہروں کے تاثرات کا اندازہ لگا رہا تھا۔ محسن کے چہرے سے قطعی اس بات کا اظہار نہیں ہورہا تھا کہ وہ کسی قسم کے نشے میں ہے نجمہ بھی اس سے بہت ہی سادہ سے

انداز میں گفتگو کررہی تھی اور اس کی توجہ محسن ہی کی جانب تھی لیکن اس کی آنکھوں میں ایسی کوئی کیفیت نہیں تھی جسے کوئی خاص رنگ دیا جاسکے البتہ یہ بات قابل غور تھی کہ محسن کے چہرے پر اس وقت نشے کا کوئی تاثر نہیں تھا میرے ذہن میں سرور کی ایک لہر اٹھی یہ بات انتہائی قابل غور اور قابل توجہ تھی اور اسے بہت خوبصورتی سے پیش کیا جاسکتا تھا۔

میں نے اس تصور کے تحت دوسری تصویروں کا جائزہ بھی لینا شروع کردیا اور بہت ہی باریک بینی سے ان کا جائزہ لینے لگا کہ ایک اور دھماکا ہوا اس تصویر میں جو سامنے کا حصہ نظر آرہا تھا وہ محسن کی خوابگاہ کا سامنے کا حصہ تھا اس میں گلابی رنگ کا ایک پردہ پڑا ہوا تھا جو فرش سے تھوڑا اٹھا ہوا تھا۔ قالین صاف نظر آرہا تھا اور گلابی رنگ کے پردے کے عقب میں دو جوتے جھانک رہے تھے دو مخصوص قسم کے جوتے جو بغور دیکھنے ہی سے نمایاں ہوسکتے تھے۔ . . یہ جوتے . . . یہ جوتے یہاں . . . کیا اس جگہ جوتے رکھے جاسکتے ہیں! محسن جیسا شخص جو بلاشبہ لفاست پسند تھا اور ایک بڑے آدمی کا بیٹا تھا اس طرح دیوار کے سہارے جوتے رکھ سکتا تھا یہ اندازہ محسن کے کمرے میں داخل ہوکر ہوسکتا تھا اور اگر یہ جوتے کسی . کے [illegible] ہیں تو اس کا مقصد ہے کہ کوئی پردے کے پیچھے موجود ہے۔

"آہ . . ." میرے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی اور میں بے چین ہوگیا۔ اس صورتحال کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ جوتے تین تصویروں میں موجود تھے اور اگر انہیں ذرا بھی نمایاں کیا جاتا تو ان کی اصل شکل بھی واضح ہوسکتی تھی۔ یہ کام بے حد ضروری تھا لیکن اس سے پہلے ایک اور کام بھی ضروری تھا وہ یہ کہ میں اسی وقت جاکر محسن کی اس خوابگاہ کا جائزہ لوں جو اب سیل نہیں تھی۔

اس کے لیے مجھے کسی خاص منصوبہ بندی کی ضرورت پیش نہ آئی۔ میں اپنی جگہ سے نکل آیا۔ کوٹھی کے بارے میں مجھے اندازہ ہوچکا تھا کہ اب وہ سنسان ہوچکی ہے۔ چنانچہ چاروں طرف دیکھتا ہوا میں بالآخر اس خواب گاہ کے سامنے پہنچ گیا جو محسن کی تھی اور کوٹھی کے ایک الگ تھلگ حصے میں تھی یہاں کسی کی مداخلت کا بھی امکان نہیں تھا۔ چند لمحات میں ادھر اُدھر کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد اس کی خوابگاہ کھولنے میں مصروف ہوگیا مجھے اس میں کوئی خاص دقت نہ ہوئی تھی اندر داخل ہونے کے بعد میں نے دروازے کھڑکیاں بند کرکے پردے کھینچ دیے۔

خاص طور سے اب میں نے اس کھڑکی کا جائزہ لیا تھا جہاں سے اجمل شاہ نے تصویریں بنائی تھیں کھڑکی کھول کر میں نے دوسری جانب دیکھا اس کے بیان کی تصدیق تو میں پہلے ہی کرچکا تھا۔ وہ بالکل درست تھا اور جس جگہ کی اس نے نشاندہی کی تھی وہاں سے اس کمرے کی اندرونی کیفیت کا جائزہ لیا جاسکتا تھا . . . بس ایک حد تک اور اجمل شاہ نے اس حد سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ ویسے بھی اس کی شخصیت ایسی تھی کہ اس سے کسی جھوٹ کی توقع نہیں تھی جو کچھ تھا اس نے سچ سچ بیان کردیا تھا۔

بہرحال کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے اس کا سرسری جائزہ لیا اور اس کے بعد روشنی کردی۔ روشنی نائٹ بلب کی تھی تیز بلب نہیں جلایا تھا میں نے تاکہ باہر سے اس روشنی کو دیکھا نہ جاسکے تاہم اس میں بھی تھوڑا بہت خطرہ تو تھا ہی ہوسکتا ہے کسی کی آنکھ کھل جائے اور وہ اس کمرے میں روشنی دیکھ کر حیران رہ جائے۔ تاہم میں اپنا کام جلد از جلد کرلینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے گلابی پردے کو تلاش کیا پردہ اپنی جگہ موجود تھا لیکن جوتے . . . وہاں جوتے نہیں تھے میں نے اس جگہ کا اچھی طرح جائزہ لیا بلاشبہ پردے کے پیچھے کوئی بھی پوشیدہ ہوسکتا تھا اور پردہ زمین سے اتنا اونچا تھا کہ وہ جوتے صاف نظر آسکتے تھے گھڑی اور کلینڈر تو میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا یہاں کا جائزہ لیتے ہوئے جوتے وہاں موجود نہیں تھے۔

میں نے ذہن دوڑایا اور یہ سوچنے لگا کہ محسن کو نشے کے عالم میں اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جب نجمہ کی لاش اندر موجود تھی۔ اس کے بعد اس بات کے امکانات تو نہیں ہوسکتے کہ جوتے اس جگہ سے ہٹا دیے جائیں ویسے بھی یہاں جوتے وغیرہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ تاہم میں نے الماریوں میں اور ایسے دوسرے تمام حصوں میں اس ڈیزائن کے جوتے تلاش کیے لیکن وہ جوتے وہاں نہیں ملے تھے اس کا مطلب ہے کہ میرا پہلا اندازہ درست ہے۔

یعنی اُس وقت کوئی اس پردے کے پیچھے پوشیدہ تھا اور اس کے جوتے اس پردے کے نیچے سے نظر آرہے تھے یہ ایک اتنا بہترین پوائنٹ تھا کہ میں اس کی مثال نہیں پاتا تھا اپنے آپ کو پوری طرح مطمئن کرنے کے بعد میں نے روشنی گل کی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

اپنے کمرے میں آرام کرنے کے سوا اور کیا کرسکتا تھا اس وقت۔ لیکن کافی دیر تک وہ جوتے میرے ذہن میں چکرا تے

رہے تھے۔ دوسرے دن بہت سے کام تھے دراب شاہ سے ناشتے کی میز پر ملاقات ہوئی اس سے میں نے اس کے پروگراموں کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ آج وہ بالکل مصروف نہیں ہے بس یونہی ذرا کچھ ڈسٹری بیوٹرز سے ملاقاتیں کرنی ہیں لیکن یہ بھی اس پر منحصر ہے وہ اگر نہ جانا چاہے تو کوئی ایسی بات نہیں ہے البتہ میں ذرا اپنے کام سے جاؤں گا اور اس کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔

دراب شاہ کو میں نے کوٹھی پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ صوفیہ کے انداز میں بھی ایسی بات نہیں پائی تھی معمول کے مطابق تھی۔ دراب شاہ نے یقینی طور پر ابھی صوفیہ کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ وہ اس کے اور محسن کے تعلقات سے واقف ہو چکا ہے ویسے وہ ایک سنجیدہ قسم کا آدمی تھا۔

غرض یہ کہ میں اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا اس وقت مجھے اپنے کام کرنے تھے چنانچہ سب سے پہلے میں اپنے ایک فوٹو گرافر دوست سے ملا جس سے میری بہت اچھی شناسائی تھی لیکن کبھی کبھی ہی اس سے ملاقات ہوتی تھی۔

فوٹو گرافر دوست نے میرا پُرجوش استقبال کیا تھا اور اس کے بعد کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

”میں اس وقت تمہارے پاس ایک کام سے آیا ہوں۔“

”حکم کرو... میں تمہارا کام کر کے انتہائی خوشی محسوس کروں گا یقین کرو اپنے دوستوں میں بھی تمہارا تذکرہ کرتا رہتا ہوں اور اس بات پر بڑے فخر کا اظہار کرتا ہوں کہ میری تم سے اچھی خاصی شناسائی ہے۔“

یہ فوٹو گرافر دوست استاد عبدالقدوس کے اکھاڑے میں بھی جاتا تھا اور ہم لوگ اس وقت کے ساتھی تھے جب ہم اکھاڑے میں زور کیا کرتے تھے۔ میں نے اپنے اس فوٹو گرافر دوست کو وہ تصویریں دکھائیں جو میرے پاس موجود تھیں اور پھر اس سے کہا۔

”دیکھو دوست اس پردے کے پیچھے جوتے نظر آ رہے ہیں مجھے ان جوتوں کا کلر انلارجمنٹ چاہیے صرف ان جوتوں کا اور یہ کام فوراً ہونا چاہیے۔“

”ہو جائے گا... ماسکنگ کے ذریعے ہم آسانی جوتوں کا کلر انلارجمنٹ نکال سکتے ہیں۔“

”تو پھر میں تمہاری ذہانت کا منتظر ہوں۔“ میرا فوٹو گرافر دوست فوراً ہی اس جانب متوجہ ہو گیا اس نے ایک ماسک بنا کر تصویر پر پیسٹ کیا۔ جو تصویر سب سے زیادہ نمایاں تھی اس کا انتخاب کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد وہ اس کا نیگیٹو نکالنے لگا۔ اس کام میں بہت زیادہ وقت صرف نہیں ہوا تھا اس نے پوری فلم میرے مقصد کے لیے ضائع کر دی تھی اور جوتوں کے بہت سے پرنٹ نکالے تھے۔ اس کے بعد اس نے ان کا انلارجمنٹ بنا دیا اور تقریباً آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس کام سے فارغ ہو گیا اس نے جوتوں کا انلارجمنٹ میرے حوالے کر دیا تھا اب اس انلارجمنٹ میں ان جوتوں کا رنگ اور ان کی ساخت بالکل نمایاں تھی میں انہیں بغور دیکھتا رہا اور اس کے بعد میں نے اپنے دوست کو پیسے دینا چاہے لیکن اس نے ہنس کر میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

”یار اگر میرے پاس ہی یہ کام کرانا تھا تو پھر پیسوں کا ذکر کیوں کرتے ہو یہاں آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا ہی آخر۔ کم از کم اس بات پر فخر کرنے دو کہ تمہیں میری دوستی یاد ہے۔“ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے پیسے نہ لے گا۔ بہرحال میں اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے نکل آیا۔

دوسرا مسئلہ دراب شاہ کی ہینڈ رائٹنگ کا تھا لیکن ابھی اس میں کچھ وقت درکار تھا۔ کیونکہ مجھے دراب شاہ کی کوئی ایسی تحریر درکار تھی جو اس نے عام حالات میں لکھی ہو اگر میں اس سے کوئی تحریر طلب کرتا تو ممکن ہے اس میں کوئی گڑبڑ ہو جاتی۔ اس لیے مجھے دراب شاہ کے کمرے کا جائزہ لینا تھا جو رات سے اس وقت تک ممکن نہ ہو سکا تھا لیکن یہ کام بعد میں بھی کرایا جا سکتا تھا۔

بعد کی مصروفیات کوئی خاص نہیں تھیں۔ کوٹھی چلا گیا۔ تقریباً چار ساڑھے چار بجے تک وہاں کی دلچسپیوں میں گم رہا آشیانہ اب میرے حق میں تھا اور یہاں میرے لیے کوئی بہت زیادہ اختلاف نہیں رہا تھا لیکن سچی بات ہے کہ اگر آشیانے میں اختلاف نہ ہو تو پھر اس کا مزا ہی نہیں میں سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسا چکر چلایا جائے جس سے ایک بار پھر یہاں میرے خلاف کچھ ہونے لگے اسی میں مجھے لطف آتا تھا لیکن فی الحال کوئی ایسا موقع میسر نہیں تھا اور اس کے لیے مجھے وقت کا انتظار کرنا تھا۔

شام کو جب دراب شاہ کی کوٹھی پر واپس پہنچا تو اتفاق سے نہ تو وہ موجود تھا نہ ہی صوفیہ ملازمین البتہ مجھ سے پوری

طرح چوکس تھے اور میرے لیے انہیں ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ الیاس خان دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے بتایا کہ وہ دونوں ساتھ ہی گئے ہیں۔ الیاس خان سے کافی دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں تیز آدمی تھا اور دراب شاہ کا یہ کہنا درست تھا کہ وہ الٹی سیدھی انگریزی بولنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوسف خان بھی میرے آگے پیچھے رہا تھا لیکن دفعتاً ہی میرے ذہن میں ایک چیز آئی اور میں نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا چنانچہ ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا مجھے مشکل نہ ہوا۔ میں اپنے کمرے میں داخل ہو گیا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر جب مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی موجود نہیں ہے تو خاموشی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا اور

... دراب شاہ کے مخصوص کمرے میں داخل ہو گیا کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ میں نے ایک فائل کیبنٹ کو تاکا تھا جسے میں پہلے بھی دراب شاہ کے کمرے میں دیکھ چکا تھا اور پھر پھرتی سے میں نے فائل کیبنٹ کا جائزہ لیا تو ایک فائل میں مجھے دراب شاہ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر مل گئی اور میں نے اس کاغذ کو فائل سے نکال لیا کاغذ کی تحریر سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ دراب شاہ کی فوری ضرورتوں میں سے نہیں ہے اور وہ اسے فوراً ہی تلاش نہیں کرے گا۔ ایک پرانی تحریر تھی اور ایک فلمی سلسلے کے سلسلے ہی میں تھی۔ بہرطور میں نے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے دونوں واپس آ گئے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ دونوں کسی قدر مطمئن اور مسرور تھے میں نے بہرحال اس سلسلے میں ان سے کوئی سوال نہیں کیا ڈنر بڑا پُرتکلف تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں کے اس اطمینان کی وجہ کیا ہے۔ اب اس سلسلے میں کچھ پوچھنا ایک غیر اخلاقی حرکت تھی چنانچہ میں نے کچھ نہ پوچھا دوسرا دن بھی معمول کے مطابق ہی تھا دراب شاہ نے مجھ سے کافی دیر تک باتیں کیں اس کے بعد اپنی مصروفیت کا تذکرہ کیا تھا۔ میں بھی وہاں سے چلا آیا جاوید قریشی اس سلسلے میں کارآمد ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے وہ خط اور دراب شاہ کی اصل تحریر جاوید قریشی کے حوالے کر دیں اور کہا کہ اس کی رپورٹ مجھے جلدی درکار ہے وقت گزرتا جا رہا تھا نگہت شیراز سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ جاوید قریشی نے دوسرے دن ہی مجھے یہ رپورٹ پیش کر دی۔

ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ کا بیان تھا کہ دونوں تحریریں ایک دوسرے سے یکساں ضرور ہیں لیکن ان میں نمایاں تبدیلیاں ہیں۔ گویا وہ تحریر دراب شاہ کی نہیں تھی اور اس طرح ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا یعنی دراب شاہ شبہے کی حد سے باہر نکل گیا تھا لیکن صوفیہ اور وہ جوتے پھر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے ان جوتوں کو میں پوری کوٹھی میں تلاش کروں گا اور اگر یہ کوٹھی میں نہیں ملتے تو اس کے بعد یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہوں گا کہ اگر قتل محسن نے نہیں کیا ہے تو پھر قاتل باہر کی شخصیت ہے وہ لفافہ میں نے دراب شاہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

”شاہ صاحب... میری خواہش ہے کہ آپ یہ لفافہ اسی طرح اور اسی جگہ رکھ دیں جہاں سے آپ نے اسے حاصل کیا ہے اور اپنے آپ کو اس سے بالکل ہی لاتعلق ظاہر کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کو اپنی زندگی کا تحفظ بھی کرنا ہوگا اپنے اطراف سے محتاط رہیں کیونکہ جس شخص نے یہ تحریر لکھ کر آپ تک پہنچائی ہے وہ یہ کوشش کرے گا کہ اس تحریر کے مطابق آپ کو ختم کر دے۔“ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”یہ کام تو میں کرتا رہا ہوں دوست۔ اپنے اطراف پر میں نے بھرپور نگاہیں جما رکھی ہیں۔ ظاہر ہے اپنی زندگی کوئی بھی اتنی آسانی سے دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا ابھی تک مجھے کوئی ایسی شخصیت نہیں ملی ہے جس پر میں شبہ کر سکتا۔“

”آپ ایک بات کا اطمینان رکھیں آپ کا تحفظ میں اپنے طور پر بھی شروع کر دوں گا یہ تحریری لفافہ اس کی جگہ پر رکھ دیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ شخص جس نے یہ تحریر تیار کی کس طرح آپ تک پہنچتا ہے۔“ اس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی اور پھر بولا۔

”میں خوفزدہ نہیں ہوں اگر یہی سب کچھ ہونا ہے تو کیا ہے کہ اسے کوئی روک نہیں سکتا لیکن بس محسن کی زندگی بچ جائے اس کے بعد اگر ایسی کوئی صورتحال پیش آتی بھی ہے تو ٹھیک ہے زندگی جتنی ہوتی ہے اتنی ہی رہتی ہے نہ ہم اسے بڑھا سکتے ہیں نہ گھٹا سکتے ہیں۔“

”آپ بالکل مایوس نہ ہوں میں یہ کوشش کروں گا کہ جو کوئی بھی آپ تک پہنچنے کی کوشش کرے کامیاب نہ ہونے پائے۔“ دراب شاہ نے بے پروائی سے گردن ہلا دی تھی۔

لیکن اب میرے اوپر یہ ذمے داری بھی عائد ہو گئی تھی کہ

میں اُس کے تحفظ کا بندوبست کردوں اور اس کے لیے بدر شاہ سے بہتر اور کون ہوسکتا تھا۔ چنانچہ میں نے بدر شاہ سے اس موضوع پر گفتگو کی اور اس سے چار ایسے آدمی طلب کیے جو میرے معاون ثابت ہوسکیں اور ان لوگوں کو میں نے دراب شاہ کے پیچھے لگادیا۔ ویسے یہ اندازہ بھی تھا مجھے کہ دراب شاہ کو ہلاک کرنے کی جو بھی کوشش کی جائے گی اسے خودکشی کا رنگ دیا جائے گا اور اس کوشش کے لیے ایک خاص ماحول پیدا کرنا پڑے گا اس کے بعد دراب شاہ نے مجھے جو اطلاع دی وہ کافی دلچسپ تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ لفافہ جہاں رکھا ہوا تھا وہاں سے غائب ہوچکا ہے اور اب میری میز کی دراز میں موجود نہیں ہے۔

"اوہ... دراب شاہ کیا آپ یہ اندازہ نہیں لگا پائے کہ لفافہ حاصل کرنے والا کون ہوسکتا ہے"

"نہیں... بالکل نہیں معلوم"

"ہوں... ٹھیک ہے آپ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں جو کچھ ہورہا ہے ہونے دیں ہم لوگ پوری طرح جاگ رہے ہیں" دراب شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عجیب کہانی بن گئی ہے۔ اب کوئی میری تاک میں ہے لیکن شارق حسین یہ ہونا نہیں چاہیے اس طرح تو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ مجرم کے آگے ہر شخص بے بس ہوتا ہے تم وکیل ہو اور ظاہر ہے ایک وکیل کی یہ ذمے داریاں نہیں ہوتیں"

"وکیل کی کیا ذمے داریاں ہوتی ہیں یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجیے آپ اپنے مشاغل جاری رکھیے ویسے کسی ایسے شخص کی نشاندہی نہیں کرسکتے۔ آپ جس پر آپ کو شبہ ہو کہ وہ غیر متوقع طور پر آپ کے آفس تک آیا ہے"

"کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے تمام لوگ بالکل معمول کے مطابق ہیں میں بالکل ایسے کسی شخص کی نشاندہی نہیں کرسکتا کہ جو لفافہ لے اڑا ہو"

دراب شاہ کا مسئلہ ختم ہوگیا اور اس کے بعد میں نے بدر شاہ کے آدمیوں سے رابطہ برابر قائم رکھا۔ بدر شاہ ہر مسئلے میں [illegible] ایک سے بیرا کام کرتا تھا کہ میں اس سے شرمندہ ہونے [illegible] تھا لیکن اب اس کی زندگی بھی میری وجہ سے ایک بہترین [illegible] تھی اور وہ آہستہ آہستہ اپنے کاروبار میں ترقیاں [illegible] تھا اس کے گرگے اس کے ساتھ تھے اور دراب شاہ [illegible] ملازم اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا یہ بھی اس کی شخصیت کا ایک حصہ تھا کئی دن مزید گزر گئے۔

نصرت بھائی نے ایک دو بار مجھ سے رابطہ قائم کرکے اس بارے میں سوالات کیے اور میں نے ان سے کہا کہ میرا کام جاری ہے فکر نہ کریں جو کچھ بھی ہوگا بہتر ہوگا۔

پھر میں نے اپنے اس نئے منصوبے پر کام شروع کردیا۔ ان ہنگاموں کی وجہ سے دو تین دن لیٹ ہوگیا تھا یعنی ان جوتوں کی تلاش اور اس کے لیے میں نے ابتداء کوٹھی کے اندرونی حصوں سے ہی کی اس قسم کے مواقع مجھے پوری طرح حاصل تھے اور چونکہ صاحب مکان نے مجھے تمام اختیارات دے رکھے تھے اس لیے میرے کہیں آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی تاہم میں یہ کوشش کرتا تھا کہ ایسے موقع پر اپنا کام کروں جب نہ صوفیہ گھر میں ہو اور نہ دراب شاہ...

میں نے کوٹھی کے ایک ایک چپے کا جائزہ لے ڈالا لیکن وہ جوتے مجھے کہیں نظر نہ آئے اور میرے اندر مایوسی پیدا ہونے لگی لیکن پھر اچانک ہی مجھے ملازموں کے کوارٹروں کا خیال آیا تھا اور میں نے دل میں سوچا کہ اب اس سلسلے میں کارروائی کرلی چاہیے چنانچہ پہلے یوسف خان کے کوارٹر کی تلاشی لی گئی اس کے بعد الیاس خان کے کوارٹر کی...

الیاس خاں کو میں نے کسی کام سے باہر بھیج دیا تھا اور اس کے کوارٹر میں داخل ہونے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہیں تھا کہ مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوجائے گی لیکن تقدیر شاید ایک اہم انکشاف کرنا چاہتی تھی۔ الیاس خان کے کمرے میں ایک جگہ مجھے وہ جوتے دستیاب ہوگئے اور میں شدید حیرت سے اُچھل پڑا۔

الیاس خاں... میں نے متحیرانہ انداز میں سوچا اور اس شخص پر غور کرنے لگا اب اس کی شخصیت ایک نئی حیثیت سے میرے سامنے آگئی تھی یہ جوتے الیاس خان کی رہائش گاہ پر کیوں موجود ہیں۔ الیاس خان کون ہے بظاہر وہ ایک بے ضرر سا آدمی نظر آتا تھا بس چرب زبانی تھی اس کے اندر اس سے زیادہ میں نے اس کے اندر کوئی ایسی بات محسوس نہیں کی تھی لیکن جوتوں کی یہاں موجودگی نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا بہرحال زیادہ وقت یہاں نہیں گزار سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ہی جوتے ایک کاغذ میں لپیٹے اور خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔ اب یہ بھی تجزیہ کرنا تھا کہ جوتے الیاس خان کے پیروں میں فٹ بھی آتے ہیں یا یہ بھی کوئی چکر چلانے کی

کوشش کی گئی ہے۔ قاتل جو کوئی بھی تھا نہایت مستعدی سے اپنے کاموں میں مصروف تھا اور اس کا ثبوت خط کا غائب ہوجانا تھا لیکن اس سے اس بات کے امکانات زیادہ بڑھ گئے تھے کہ اب قاتل دراب شاہ کو راستے سے ہٹانے کے چکر میں ہے۔

بعض اوقات میری نگاہیں صوفیہ کا جائزہ لینے لگتی تھیں اور میں دور سے ہی اس کی نگرانی کرتے ہوئے اس کی شخصیت کے بارے میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا تھا کہ یہ عورت اس قدر خطرناک ہوسکتی ہے۔

جوتوں کے مل جانے کے بعد الیاس خان بھی میری نگاہوں میں مشتبہ ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے الیاس خان صوفیہ کا آلۂ کار ہو اس سلسلے میں بڑی تندہی سے کام کرنا ہوگا معاملہ کچھ اور آگے بڑھ گیا تھا بہرحال میں نے فوری ضرورت کے تحت بدر شاہ کے ایک اور ذہین آدمی کو منتخب کیا اور اسے الیاس خان کی صورت دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ الیاس خان پر پوری پوری نظر رکھے وہ جہاں کہیں بھی آئے جائے اس کا خیال رکھا جائے۔ اس طرح میں نے ایک اور کارروائی کا آغاز کردیا تھا۔ دفعتاً ہی مجھے احساس ہوا تھا کہ یہ کھیل کچھ آگے بڑھا ہے۔ میں نے ان جوتوں کی تلاش کرکے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اندر کوٹھی میں میں خود الیاس خان اور صوفیہ پر نگاہ رکھتا تھا۔ دراب شاہ نے یہاں میری موجودگی کے مقصد کو پختہ کرنے کے لیے کچھ ایسے کاموں کا آغاز کردیا تھا جن کا سر پاؤں نہیں تھا۔ ویسے میری نظر ہر شخص پر تھی اور خود دراب شاہ بھی میری شک آلود نظروں سے بچا ہوا نہ تھا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ دراب شاہ مجھے ہر سہولت فراہم کررہا تھا اور ان معاملات سے اس کی پوری پوری دلچسپی ظاہر ہو رہی تھی لیکن پھر بھی سابقہ تجربات مدِنگاہ رکھتے ہوئے میں نے کوئی پہلو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ بدر شاہ کے آدمی بدستور ڈیوٹی انجام دے رہے تھے لیکن ایک اور انکشاف نے مجھے چونکا دیا۔ دراب شاہ اسٹوڈیو چلا گیا تھا۔ صوفیہ کوٹھی ہی میں موجود تھی۔ میں باہر نکل آیا۔ کچھ دور نکلا تھا کہ بدر شاہ کا آدمی میرے پاس آگیا جس کی ڈیوٹی الیاس خان پر تھی۔ اس نے مجھے سلام کیا۔

"کہو فاضل... خیریت ہے... کیا بات ہے؟"

"وہ جناب ایک اطلاع دینی ہے"

"ہاں بولو..."

"الیاس خان کی نگرانی زیادہ تر کوٹھی میں ہی کرنی پڑتی ہے وہ کوٹھی کے باہر بہت کم نکلتا ہے مگر یہ ہماری غلط فہمی تھی"

"کیا مطلب...؟"

"وہ کوٹھی کی عقبی دیوار کود کر بھی آتا جاتا ہے"

"کیا مطلب...؟" میں چونک کر بولا۔

"اتفاقاً نگاہ پڑ گئی تھی۔ پہلے میں نے اسے کوٹھی میں دیکھا تھا مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے اس سڑک پر جاتا نظر آیا تھا"

"گڈ... تم نے پیچھا کیا"

"جی شارق صاحب وہ عثمان پورہ کے ایک گھر میں جاتا ہے۔ میں نے دوسری بار اُسے دیکھا ہے"

"عثمان پورہ...!"

"ہاں جی وہ... ایک جگہ"

"میں جانتا ہوں۔ اس گھر کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا؟"

"معلوم ہی کررہے تھے اسی لیے آپ کو اطلاع دی۔ گھر خالی ہے۔ پڑوسیوں کا کہنا ہے کہ یہاں ایک آدمی کبھی کبھی آتا ہے کوئی اس کا شناسا نہیں ہے۔ زیادہ تر گھر میں تالا ہی لگا رہتا ہے"

"اوہ اس کا مطلب ہے وہ الیاس خان کا گھر ہے۔ اچھا تم مجھے وہاں لے جاسکتے ہو"

"کیوں نہیں صاحب"

"تو پھر آؤ اسی وقت چلتے ہیں" میں نے کہا اور فاضل تیار ہوگیا۔ میں نے ٹیکسی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو وہ بولا۔

"میرے پاس بائیک ہے شارق صاحب" میں نے گردن ہلادی اور پھر میں فاضل کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔ عثمان پورہ گندی گلیوں اور غلیظ پانی کے جوہڑوں کی بستی تھی۔ کچے مکانوں اور جھونپڑوں کی اس آبادی میں کافی اندر جاکر فاضل نے بائیک روک دی اور پھر وہ مجھے اس مکان پر لے گیا۔ یہ بھی کچی دیواروں کا گھر تھا اور اس میں داخل ہونے کے لیے دروازے کا تالا کھولنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ فاضل کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کرکے میں نے ایک جگہ منتخب کی۔ مٹی کے ایک ڈھیر پر چڑھ کر دیوار پر اور پھر اس دیوار کے دوسری طرف پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی اور میں صحن میں داخل ہوگیا۔ گھر میں دو کمرے تھے جن پر ٹین کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ اندرونی صحن میں شہتوت کے دو درخت جھول رہے تھے اور ایک عجیب سی بُو پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کمروں کی تلاشی لینا شروع کردی۔ ایک کمرے کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔ دوسرا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کھلے دروازے والے کمرے میں پ

نہ تھا۔ اس لیے میں نے دوسرے کمرے کے دروازے کے تالے کو توڑ دیا تھا۔ اسے توڑنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ البتہ اسے توڑنا مشکل نہ ہوا۔ اندر ایک چارپائی اور دو ٹین کے صندوق رکھے ہوئے تھے جن میں تالے پڑے ہوئے تھے بہرحال میں نے تالے توڑ دیے۔ ایک صندوق میں کپڑے بھرے ہوئے تھے جو کافی قیمتی تھے۔ انہی میں مجھے ایک پاسپورٹ نظر آیا جو میرے کام کی چیز تھی۔ پاسپورٹ کھولا تو الیاس خان کی تصویر نظر آئی جو کافی پرانی تھی۔ اس تصویر میں الیاس خان بہت ہلکا نظر آیا تھا مگر اس کا نام الیاس خان کے بجائے فرید احمد ولد جنید احمد لکھا ہوا تھا۔

میری دلچسپی کا آغاز ہو گیا۔ میں نے پاسپورٹ کا جائزہ لے ڈالا۔ اس پر تین بار دبئی کا ویزا لگا ہوا تھا اور اس کی تاریخیں بہت پرانی تھیں۔ پاسپورٹ کی میعاد کبھی کی ختم ہو چکی تھی بہرحال یہ ایک سنسنی خیز انکشاف تھا جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا پھر میں نے مزید تلاشی لی تو ایک کپڑے میں لپٹے تین ہزار روپے نظر آئے کسی خیال کے تحت میں نے وہ روپے جیب میں ڈال لیے اس کے علاوہ صندوق میں اور کوئی قابل ذکر چیز نہ تھی مگر دوسرے صندوق میں مجھے ایک پستول کارتوس کا ایک پیکٹ اور مزید اٹھارہ سو روپے ملے۔ یہ کچھ بھی میں نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ باقی کمرے کی تلاشی میں اور کچھ نہ ملا تھا۔

میں نے گردن ہلائی اور پھر کپڑے چاروں طرف بکھیر دیے۔ پاسپورٹ، پستول اور رقم میں نے اپنی تحویل میں لے لی تھی اور اس طرح یہ تاثر دیا تھا کہ یہ کیس سو فیصد چوری کا کیس معلوم ہو۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ ملنے کی اُمید نہیں تھی چنانچہ میں احتیاط سے باہر نکل آیا۔

فاضل میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے واپسی کا اشارہ کیا اور ہم دونوں چل پڑے

"تم نے ایک شاندار کارنامہ انجام دیا ہے فاضل"

"کچھ کام بنا صاحب؟"

"بہت عمدہ انکشاف ہوا ہے۔ اب تم مجھے کسی اچھی سڑک پر چھوڑ دو اور زیادہ احتیاط سے اپنا کام انجام دو"

"آپ اطمینان رکھیں" فاضل نے مجھے ایک ایسی جگہ چھوڑ دیا جہاں سے ٹیکسی مل سکتی تھی اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ میرا ذہن [illegible] ٹکا ہوا تھا۔ الیاس خان اب سب سے [illegible] تھا... فرید خان ہے۔ اس کا نام ... اور وہ... دبئی میں رہ چکا ہے... یہ شخص کون ہے... اس پر غور کرنے کے لیے مجھے کوئی تنہا گوشہ درکار تھا اور ایسے گوشے میرے پاس موجود تھے۔ میں نے ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو اپنی اس کوٹھی کا پتا بتا دیا تھا جو خالی پڑی ہوئی تھی اور ٹیکسی چل پڑی۔

میں اپنی خوبصورت کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ یہ کوٹھی استعمال میں نہیں رہتی تھی لیکن ضروریاتِ زندگی کی ہر شے یہاں موجود تھی۔ ابھی تک اس کے بارے میں صحیح طور پر سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا کہ اس کا مصرف کیا ہو۔ بہرحال کام کی جگہ تھی۔ انتہائی پرسکون۔ سب سے پہلے میں کچن میں داخل ہوا اور کافی کے لیے پانی چڑھایا۔ کافی تیار کر کے باہر نکلا اور ایک آراستہ کمرے میں جا بیٹھا۔ میرے ذہن میں الیاس خان کے نام کے دھماکے ہو رہے تھے۔ وہ کون ہے؟ کیا وہ نجمہ کا قاتل ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ میں نے الیاس خان کا پاسپورٹ نکال کر سامنے رکھ لیا۔ فرید احمد ولد جنید احمد... اس کا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اگر نوشادبائی کا کوئی سلسلہ ہے تو پھر اس نے محسن کو پھنسانے کی کوئی کوشش کیوں کی؟ لیکن یہ ایک غلط خیال تھا۔ اگر الیاس کا معاملہ نوشادبائی سے ہوتا تو پھر وہ دراب شاہ کی کوٹھی میں ملازمت کیوں کر رہا ہے؟ اس کے یہاں گھسے رہنے کا مقصد ہے کہ وہ صرف دراب شاہ کے گھرانے سے کوئی فراڈ کر رہا ہے لیکن اس سے اُسے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ بات کسی بھی قیمت پر نوشادبائی تک نہیں جاتی تھی۔ نجمہ صرف ایک مہرہ ثابت ہوئی اور اس کے قتل سے محسن دراب شاہ کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ تصویروں کا ثبوت بہترین تھا اور توصیف رضوی ان تصویروں کو عدالت میں پیش کرتے تو یقینی طور پر اُن کے خلاف ہی جاتی تھیں۔ اس مسئلے کو نہایت احتیاط سے ڈیل کرنا تھا کیونکہ ان تصویروں کا عدالت میں پیش ہونا بے حد ضروری تھا۔ سوال صرف الیاس خان یا فرید احمد کا تھا۔ اُس کی شخصیت کیا ہے؟ ایک بہترین ذریعہ یہ بھی تھا... کہ فرید احمد یا الیاس کو اغوا کیا جائے اور اُسے زبان کھولنے پر مجبور کر دیا جائے۔ بدر شاہ اس سلسلے میں بہترین معاون ثابت ہو سکتا تھا لیکن ایک صورت میں یہ بھی مناسب نہیں تھا، اگر الیاس خان قاتل کی حیثیت رکھتا ہے تو اس کا منظرِ عام پر رہنا ضروری تھا۔ تاکہ اُسے قاتل ثابت کرنے میں کوئی مشکل درپیش نہ ہو۔ میں نے الیاس خان کے پاسپورٹ کا ایک ایک

لفظ غور سے دیکھا۔ دبئی کا ویزا تین بار لگا ہوا تھا اور اس پر جو تاریخیں درج تھیں وہ ایک مخصوص وقت کی تھیں۔ آخری بار وہ اب سے تقریباً چار سال پہلے دبئی سے واپس آیا تھا۔ بہت غور و خوض کرتا رہا ہر کردار کو ذہن میں رکھ کر سوچا۔ صوفیہ، دراب اور الیاس خان کے درمیان کوئی ایسا ربط نظر نہ آیا جو مشتبہ ہوتا لیکن اگر اُن دونوں کا گٹھ جوڑ ہے تب بھی ظاہری بات ہے، اُنہوں نے ایک دوسرے کی قربت سے احتیاط برتی ہوگی۔ نگہت سے ہونے والی گفتگو کے مطابق قصبے کا ایک پہلو دراب شاہ بھی نکلتا تھا لیکن بات کچھ حلق سے اُتر نہیں رہی تھی... اور پھر وہ تحریر جو دراب شاہ کی تحریر کی نقل کے طور پر بنائی گئی تھی ظاہر ہے وہ اُس کی تحریر نہیں تھی۔ ویسے میرا ذہن وسوسوں کا شکار بھی تھا۔ دل چاہتا تھا کہ اب دراب شاہ کی کوٹھی سے نکل آؤں اور باہر رہ کر کام کروں لیکن ایک خطرہ مسلسل تھا، وہ یہ کہ دراب شاہ کو کہیں نقصان نہ پہنچ جائے۔ ہر چند کہ بدر شاہ کے آدمی اُس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر رہے تھے لیکن پھر بھی کوئی مسئلہ پیدا ہو سکتا تھا۔

دماغ کی چولیں ہلی جا رہی تھیں، یہ تحریر وقت سے پہلے دراب شاہ کی میز تک کیوں پہنچا دی گئی یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے... کہ سازش کرنے والے کو اُس کے قتل کا موقع نہ ملا ہو یا اس بات کے امکانات بھی تھے کہ وہ محسن کے مقدمے کا فیصلہ ہونے کا انتظار کر رہا ہو لیکن اس تحریر میں اتنی جلد بازی کیوں برتی گئی؟ غرضیکہ کوئی حل نہیں نکل سکا تھا۔ البتہ میں نے ایک بات ضرور سوچی۔ وہ یہ کہ دبئی سے کم از کم یہ معلوم کیا جائے کہ فرید احمد کون تھا اور وہاں کیا کرتا رہا تھا۔ ہر چند کہ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن ہو سکتا ہے میری کوششیں بارآور ہو جائیں اس کے لیے میرا دبئی جانا ضروری تھا۔ کوٹھی میں کئی گھنٹے رکا اور وہاں سے نکل آیا۔ کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ دل ہی دل میں یہ منصوبہ بندیاں کر رہا تھا کہ دبئی جا کر کس طرح اس سلسلے میں معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بدر شاہ کے آدمی نے میری نگاہوں کے سامنے ایک ایسا کردار لا کھڑا کر دیا تھا جس سے مجھے بے شمار اُمیدیں وابستہ ہو گئی تھیں۔ کافی دیر سڑکوں پر اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ ذہن بے سکون تھا اور ابھی تک کوئی ایسا پوائنٹ ہاتھ نہیں آ سکا تھا جو مکمل طور سے مطمئن کر دے۔

پھر واپس دراب شاہ کی کوٹھی کی جانب چل پڑا... اور تھوڑی دیر بعد کوٹھی میں داخل ہوا تو صوفیہ سامنے ہی نظر آئی تھی۔ بہت خوبصورت اور انتہائی سادہ لباس میں ملبوس تھی غالباً چہل قدمی کر رہی تھی۔ اُس کے بالائی لب پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ جن سے اُس کے حسن میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ میں اُس کے قریب پہنچ گیا اور میں نے نہایت بے تکلفی سے کہا۔

"ہیلو صوفیہ!"

"ہیلو... تم اس طرح مخاطب کرتے ہو تو نہ جانے کیوں مجھے بہت اچھا لگتا ہے، چائے پیو گے؟" اُس نے بھی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے اور اُن کے نیچے یہ سُبک مسکراہٹ، زہر کی پیشکش بھی کرے تو انسان کو اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور وہ ہنس پڑی۔ خوشگوار موڈ میں تھی لیکن چہرے پر ایک ہلکی سی افسردگی کی تہہ صاف محسوس ہوتی تھی۔ وہ مجھے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"تب پھر وہاں بیٹھو۔ میں چائے کے لیے کہہ کر آتی ہوں۔"

"دراب شاہ...؟"

"ابھی آتی ہوں، بعد میں بات کریں گے۔" اُس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی اور میں شانے ہلا کر اُس سمت بڑھ گیا جہاں پھولوں کے کنج کے پاس چند کرسیاں اور اُن کے درمیان ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ کرسی پر بیٹھ کر میں اُس کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد واپس آئی اور میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"شارق! آپ سگریٹ نہیں پیتے؟" اُس نے ایک بے تکا سا سوال کیا۔

"خیریت...؟"

"نہیں، بس یونہی پوچھ رہی ہوں۔"

"کبھی کبھی پی بھی لیتا ہوں۔"

"سگریٹ پینے سے کیا ملتا ہے؟" اُس نے سوال کیا۔

"نہیں معلوم...!"

"کیسے معلوم کیا جائے؟"

"صوفیہ! آپ کی باتیں سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"میں زندگی میں کوئی تبدیلی چاہتی ہوں، کبھی کبھی جی چاہتا ہے سگریٹ پیوں۔"

"سبحان اللہ... سگریٹ پینے سے زندگی میں تبدیلی رونما ہو جائے گی؟"

" شراب کا تو تصوّر بھی نہیں کر سکتی"، صوفیہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہُوئے کہا۔

" مگر اس کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟"

" پتا نہیں" وہ گردن جھٹک کر بولی اور پھر میری آنکھوں میں دیکھتی ہُوئی ہنس دی "شاید مجھ پر دیوانگی طاری ہوئی جا رہی ہے"

" سگریٹ کی طلب دیوانگی کی علامت تو نہیں کہی جا سکتی" مَیں نے کہا اور وہ ہونٹ سکوڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔

" طلب... ایک بات کہوں شارق! بالکل محسوس نہ کریں کہ مَیں کس انداز کی گفتگو کر رہی ہُوں، سگریٹ کی طلب پتا نہیں کیا نوعیت رکھتی ہے لیکن اس کے علاوہ مجھے اپنی زندگی میں کوئی ایسی طلب نہیں محسوس ہوتی جو میرے کردار کو داغ دار کر دے۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا۔ دراصل جی چاہتا ہے کہ کسی سے نہایت بے تکلّفی سے بات کر دوں لیکن خوف زدہ ہو جاتی ہُوں کہ کہیں مجھے غلط نہ سمجھا جائے۔ آپ سے خاص طور سے اس کا تذکرہ اس لیے کیا ہے شارق کہ مَیں نے بارہا آپ سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ آپ مجھ سے بے تکلفی سے باتیں کریں۔ مَیں کسی بہت اچھے دوست کی خواہش مند ہُوں اور آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ ایک دوست کی حیثیت سے اس تصوّر سے دُور ہٹ کر کہ آپ مرد ہیں اور مَیں عورت... یا مَیں عورت ہُوں اور آپ مرد...!"

" بڑی اچھی بات ہے صوفیہ! زندگی میں صرف ایک ہی تصوّر تو اوّلیت نہیں رکھتا۔ اچھے ساتھیوں کی تلاش ہر ایک کو رہتی ہے!"

" شارق صاحب! اگر مَیں نہایت بے تکلّف دوست کی حیثیت سے مخاطب ہُوں تو آپ وہ حیثیت قبول کریں گے ؟"

" بالکل کریں گے!"

" تو میرے دوست بن جائیے!"

" آپ کی اور میری دوستی پکّی ہُوئی!"

" بے حد شکریہ! آپ یقین کیجیے شارق! مَیں... مَیں بہت خوش ہُوں۔ پتا نہیں ذہنی طور پر اتنی کیوں اُلجھ گئی ہُوں۔ ساری باتیں تو بتا چکی ہُوں آپ کو... لیکن بعد میں یہ فیصلہ کیا کہ زندگی صرف عشق کے سہارے نہیں چل سکتی۔ اب یہ فیصلہ کر پائی ہُوں کہ زندگی صرف دولت کے سہارے نہیں چلتی۔ پتا نہیں ان میں سے کون سی چیز زیادہ وزنی ہے ؟" اُس نے کہا اور پھر اُس ملازم کی جانب دیکھنے لگی جو چائے کی ٹرے لیے ہُوئے اسی طرف آ رہا تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے ملازم کی آمد کا انتظار کرتے رہے، چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی تھے۔ اُس نے ملازم کے جانے کے بعد چائے بنانا شروع کر دی اور پھر ایک پیالی میری طرف بڑھا کر دوسری اپنی جانب سرکالی، پھر آہستہ سے بولی۔

" آپ نے جواب نہیں دیا!"

" صحیح معنوں میں مس صوفیہ! مجھے بھی اس کا کبھی تجربہ نہیں ہو سکا!"

" آپ مالی طور پر کیسے ہیں شارق ؟"

" بہت مناسب ہُوں، اتنا کہ کسی ضرورت میں کمی نہیں پاتا!"

" شادی بھی نہیں کی نا آپ نے ؟"

" نہیں!"

" اور محبت... ؟"

" وہ محبت، جو کسی نوجوان لڑکی ہی سے کی جا سکتی ہے، مَیں نے ابھی تک نہیں کی۔ ویسے محبت کرنے کے لیے دوسرے بہت سے کردار ہیں!"

" محبت تو اس عمر تک لازمی شے ہے ہو جانی چاہیے!"

" کسی سے نہیں صوفیہ!"

" جھوٹ تو نہیں بول رہے ؟"

" نہیں!"

" معاف کرنا دوست بن چکے ہیں نا۔ اس لیے مجھے اب حق حاصل ہے کہ مَیں کسی بھی لہجے میں اور کسی بھی زبان میں گفتگو کر سکوں!"

" آپ لہجے اور زبان کی فکر سے بے نیاز ہو کر باتیں کیجیے!"

" بڑی فرحت محسوس ہو رہی ہے یہ گفتگو کرتے ہُوئے۔ تو سوال وہی ہے کہ محبت کیوں نہیں کی ابھی تک ؟"

" شاید فرصت نہیں ملی" مَیں نے مسکراتے ہُوئے جواب دیا۔

" مَیں نہیں مانتی، اس کے لیے فرصت کی ضرورت تو نہیں ہوتی بلکہ میرا خیال ہے انسان کم از کم محبت کے لیے فرصت ضرور نکال لیتا ہے!"

" تب آپ اسے میری کوتاہی تصوّر کریں" مَیں نے جواب دیا اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ ایک بار پھر میرے ذہن میں سرسراہٹ سی ہونے لگی تھی لیکن پھر صوفیہ کے الفاظ نے فوراً ہی میرے اس تصوّر کی نفی کر دی اور مَیں چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دراب شاہ کی کار اندر داخل ہوتی نظر آئی اور ہم دونوں سنبھل گئے۔ دراب شاہ اپنی کار سے اُتر کر اسی سمت آیا تھا، اُس نے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہُوئے کہا۔

" بھئی واہ! بڑے اچھے وقت پر پہنچا ہُوں چائے کی طلب

شدت سے محسوس ہو رہی تھی"، صوفیہ نے چائے کی ایک پیالی بنا کر دراب شاہ کے سامنے رکھی اور وہ میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "کہو شارق! کیا ہو رہا ہے۔ اب میرا خیال ہے کہ تمہیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے، تمہارا جتنا وقت ضائع ہُوا ہے میری وجہ سے ہُوا۔ مَیں اس کے لیے انتہائی معذرت خواہ ہُوں!"

" نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے مجھے بھی کچھ آرام کرنے کا موقع مل گیا ہے" مَیں نے جواب دیا اور وہ خاموشی سے چائے کی چُسکیاں لیتا رہا۔ صوفیہ تھوڑی دیر کے بعد ہمارے درمیان سے اُٹھ گئی تھی۔ اُس نے کوئی بہانہ کر کے معذرت کی اور اندر چلی گئی۔ دراب شاہ گہری نظروں سے میرا جائزہ لینے لگا، پھر اُس نے کہا۔

" کوئی ایسی بات شارق! جس سے آپ کو کوئی مدد ملی ہو؟"

" بس یُوں سمجھو کہ کام جاری ہے، مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا!"

" میرے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے ؟"

" آپ اپنے طور پر اپنی حفاظت کر رہے ہیں ناں!"

" جس حد تک ممکن ہو سکتا ہے، ویسے مَیں کل ذرا چند روز کے لیے یہاں سے جانا چاہتا ہُوں!"

" کہاں ؟"

" کچھ کاروباری کام بھی ہیں کچھ لوگوں سے ملنا ہے ضروری ہے لیکن گھر تاکہ نہیں جاؤں گا بلکہ کل دفتر ہی سے ٹیلی فون کر کے وہاں سے نکل جاؤں گا!"

" واپسی میں کتنا وقت لگ جائے گا ؟"

" ہو سکتا ہے ایک ہفتہ... ہو سکتا ہے اس سے کچھ زیادہ دن لگ جائیں۔ اگر آپ کہیں شارق تو پھر وقت کا تعیّن کر لُوں!"

" ابھی اتنی جلدی نہیں ہے ہو جائے گا کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے!"

" تو پھر ٹھیک ہے!"

" البتہ یہ بات میں آپ سے ضرور کہوں گا کہ جہاں کہیں بھی جائیں اپنا خیال رکھیں!"

" ہاں ان دنوں مَیں نے خاص طور سے اپنا خیال رکھنا شروع کر دیا ہے"، دراب شاہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور ہم دونوں خاموش ہو گئے۔

میرے ذہن میں کوئی کُرید نہیں پیدا ہُوئی تھی۔ ظاہر ہے دراب شاہ کے اپنے معاملات تھے۔ اُس نے مجھے تفصیل بھی نہیں بتائی تھی لیکن میرے لیے یہ سب کچھ جاننا ضروری نہیں تھا۔ مَیں تو اپنے طور پر جن راستوں پر کام کر رہا تھا اُنہی پر لگا رہنا چاہتا تھا۔ چنانچہ مَیں خاموش ہو گیا۔ رات کو کھانے پر دراب شاہ ہمارے ساتھ تھا اور اس کے بعد وہ دونوں زیادہ دیر نہ رُکے اور آرام کرنے چلے گئے۔

رات پُرسکون گزری تھی۔ ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس لیے آرام سے سو گیا۔ دوسرے دن ناشتے پر دراب شاہ نہیں مل سکا، صوفیہ البتّہ موجود تھی اُس نے بتایا کہ وہ کسی کام سے جلدی چلا گیا ہے۔ صوفیہ نے بتایا کہ وہ بھی ذرا مصروف ہے۔ مَیں اگر جانا چاہوں تو ہو آؤں، ورنہ آرام کروں۔ مَیں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ مَیں ابھی گھر پر ہی موجود ہوں۔ دن کو تقریباً ساڑھے دس بجے صوفیہ چلی گئی۔ پتا نہیں دراب شاہ نے اُسے فون کر کے بتایا تھا یا نہیں۔ مَیں کافی دیر تک یونہی بیٹھا رہا... پھر چہل قدمی کے سے انداز میں باہر نکل آیا۔ نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ الیاس خان کا جائزہ لینا چاہتا تھا... تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی رہائش گاہ سے نکلتا ہُوا نظر آیا تو

مَیں نے اُسے آواز دے لی اور وہ مسکراتا ہُوا میرے پاس پہنچ گیا۔

" کہیے الیاس صاحب کیا مصروفیت ہے، کہاں جا رہے ہیں؟"

" کہیں نہیں صاحب! بس ایسے ہی کوئی مصروفیت نہیں ہے!"

" تو پھر ایک کپ چائے ہو جائے آپ کے ساتھ آج!"

" ہمارے ساتھ صاحب!" وہ نیاز مندی سے مسکرا دیا۔

" بھئی مَیں ذرا دوسری قسم کا آدمی ہُوں۔ تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہُوں!"

" جی جی صاحب! ہم جانتے ہیں بڑا آدمی وہی ہوتا ہے جو اپنی بڑائی کو چھوٹوں پر نہ استعمال کرے!"

" واہ، کیا فلسفیانہ بات کہی ہے یار!"

" صاحب تھوڑا بہت فلسفہ تو ہر انسان کو آتا ہے!"

" چلو ٹھیک ہے مان لیا ہے بھائی! چائے کے بارے میں کیا خیال ہے ؟"

" ابھی لاتے ہیں صاحب! ہم خود لے کر آتے ہیں!"

" بہت بہت شکریہ، مگر دو پیالیاں لانا اکیلا نہیں پیوں گا!"

" جی بہت اچھا!"

تھوڑی دیر بعد وہ چائے لے کر میرے پاس پہنچ گیا اور

ہم لان ہی میں گھاس پر بیٹھ گئے۔ ایک درخت کا سایہ سر پر تھا۔ الیاس خان نیازمندی سے پینے لگا اور میں بھی چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ میں نے اُس سے کہا۔

"ویسے ایمانداری کی بات یہ ہے کہ تم جیسے آدمی کو اس قسم کی نوکری کرتے دیکھ کر مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اب بھی شاندار صحت کے مالک ہو، چہرے مہرے سے بھی ایسے نہیں لگتے کہ اس قسم کے کاموں کے لیے موزوں نظر آؤ۔ تم نے کبھی اچھی ملازمت کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"بس صاحب دال روٹی چل جاتی ہے، اچھا وقت بھی دیکھا ہے ہم نے، کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمہارے لیے کوشش کر دوں۔"

"ہمیں کوئی تکلیف نہیں صاحب! اگر کوئی تکلیف ہوتی تو آپ سے ضرور کہتے۔"

"دولت کمانے کی خواہش بھی نہیں ہے تمہیں، میرے ایک دوست کی ریکروٹنگ ایجنسی ہے اور وہ اکثر لوگوں کو مختلف ملکوں کو بھجواتا رہتا ہے۔ ابھی چند روز پہلے اُس کے پاس دبئی کی ایک آفر آئی تھی اور اُس نے بیس آدمیوں کا انتخاب کیا ہے۔ میرا خیال ہے مزید کچھ لوگوں کو بھی بھیجنا ہے اُسے، تم اگر چاہو تو میں تمہارے لیے اُس سے بات کر دوں۔"

"نہیں صاحب جانے دیں۔ اپنا وطن اپنا ہی وطن ہوتا ہے۔ ہم دبئی میں رہ چکے ہیں، کافی عرصے رہ چکے ہیں۔"

"اچھا!" میں نے متعجبانہ انداز میں کہا۔ ذہن میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"جی صاحب! آپ یقین کریں وہاں ہم نے کافی عرصے نوکری کی ہے خوب کمایا اور خوب اُڑایا۔"

"تمہارے اہل خاندان نہیں ہیں؟"

"نہیں جی کوئی نہیں ہے۔ اسی لیے تو زندگی کو سمیٹے ہوئے یہاں پڑے ہوئے ہیں۔"

"دیکھو پھر فلسفہ بول گئے۔ زندگی کو سمیٹے ہوئے معمولی بات نہیں ہے۔ یہ جملہ کسی پڑھے لکھے آدمی ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے۔ ویسے دبئی میں کیا کرتے تھے؟"

"صاحب ایک بہت بڑی فرم تھی، اس میں نوکری کرتے تھے۔"

"کون سی فرم تھی؟" میں نے سوال کیا اور الیاس خان نے ایک فرم کا نام لے دیا۔

"کیا کام کرتے تھے وہاں؟"

"بس صاحب کام تو ایسا ہی تھا، فورمین کے ساتھ اسسٹنٹ فورمین تھے۔"

"نوکری کیوں چھوڑ دی؟"

"دل گھبرا گیا تھا باہر رہتے ہوئے اِدھر چلے آئے۔ چور رونہ جاتا کیا کرتے خواہ مخواہ کی نوکری کر کے۔"

"ہُوں تو یہاں خوش ہو؟"

"ہاں صاحب میں خوش ہوں نہ کوئی پریشانی ہے نہ کوئی اُلجھن ہے۔ کام چل رہا ہے۔" کافی دیر تک وہ میرے ساتھ بیٹھا رہا، مجھے کم از کم ایک آسانی حاصل ہو گئی تھی، جو کچھ اُس نے بتایا تھا اس کے تحت کام کر سکتا تھا، پھر الیاس خان برتن سمیٹ کر چلا گیا اور میں پُرخیال انداز میں رُخسار کھجاتا رہا۔ صوفیہ اور دُراب شاہ دونوں گئے ہوئے تھے۔ میں بھی تیار ہو کر وہاں سے باہر نکل آیا۔ بدر شاہ کا آدمی موجود تھا۔ میں نے اُسے ہدایات دیں اور اس کے بعد وہاں سے فاروقی صاحب کے دفتر کی جانب چل پڑا۔ وہ دفتر میں موجود نہیں تھے لیکن جاوید قریشی بیٹھے ہوئے کچھ کام کر رہے تھے، میری سلام دُعا ہوئی اور انہوں نے کہا۔

"کہیے کیسے مزاج ہیں کیا ہو رہا ہے کچھ بات آگے بڑھی؟"

"ہاں، بڑھ رہی ہے، بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔" میں نے کہا۔

"کچھ دن کے لیے دبئی جا رہا ہوں، ایک ایسا ہی کام درپیش ہو گیا ہے۔" جاوید قریشی نے کہا۔

"کیا...؟" میں حیرت سے اُچھل پڑا۔

"جی ہاں! ایک مؤکل کا کچھ معاہدہ ہے، سوچ رہا ہوں کہ اس موقع سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ فریال نے کچھ فرمائشیں کر دی ہیں، آپ کو بھی کچھ ضرورت ہو تو بتا دیجیے۔"

"بھئی مجھے تو ایک انتہائی اہم ضرورت ہے تم سے، بلکہ یہ جملے کہہ کر تم نے میرا جی خوش کر دیا ہے جاوید!"

"ارشاد، ارشاد خیریت کیا بات ہے؟"

"کب جا رہے ہو؟"

"کل شام ساڑھے پانچ بجے۔"

"واقعی کمال ہے، اگر میں نہ آتا تو یقینی طور پر تم مجھے بتائے بغیر چلے جاتے ذہن میں کچھ تھا نہیں، ویسے بھی پروگرام زیادہ طویل نہیں ہے چار پانچ دن لگ جائیں گے۔"

"یہ انتہائی خوش قسمتی کی بات ہے کہ تمہارا اس طرح اُس جگہ جانا نکل آیا جہاں میں خود جانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"کوئی کام ہو تو مجھے بتائیے۔"

"انتہائی اہم کام ہے، اس کے لیے مجھے تھوڑی سی مہلت درکار ہوگی۔ دفتر سے کب اُٹھ رہے ہو؟"

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، جب آپ کہیں گے اُٹھ... جاؤں گا۔"

"اچھا تو پھر تفصیلات سُن لو۔ ایک فرم کا پتا نوٹ کرو اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔ اس فرم میں ایک شخص ملازمت کرتا تھا، اسسٹنٹ فورمین تھا۔ نوکری کوئی خاص نہیں تھی لیکن اس شخص کے بارے میں جس قدر تفصیلات فراہم ہو سکیں اچھی بات ہے۔"

"اُس آدمی کا نام؟"

"فرید احمد ولد جنید احمد۔"

"ٹھیک، فرم کا نام۔" جاوید نے ایک پنسل سے ایک چھوٹی سی ڈائری پر لکھتے ہوئے کہا اور میں نے اُسے فرم کا نام بھی بتا دیا۔

"عرصہ...؟" اُس نے سوال کیا۔

"یہ عرصہ چار سال پہلے کا ہے۔ اب اس سے پہلے کتنا ہی ہو معلومات اسی سلسلے میں کرنی ہیں۔"

"ہو جائے گا، اس شخص کے بارے میں اور کوئی پتا نشان؟"

"میں تمہیں اُس کا پاسپورٹ دیے دیتا ہوں جس میں اُس کی تصویر بھی ہے۔ کئی بار کا ویزا لگا ہوا ہے۔ اس پیریڈ میں تم کسی بھی وقت وہاں اس کی ملازمت کی کیفیت معلوم کر سکتے ہو۔"

"سمجھ رہا ہوں، سمجھ رہا ہوں ٹھیک ہے معلوم کر لوں گا... پاسپورٹ کہاں ہے؟"

"وہ جا کر لانا پڑے گا۔"

"مجھے پتا بتا دو میں لے آؤں گا۔" اُس نے کہا۔

"نہیں بھئی تم اپنی مصروفیت میں رہو، میرا خیال ہے کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں جا کر وہاں سے واپس آجاؤں گا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" جاوید قریشی نے کہا اور میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس سے اچھی تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ جاوید قریشی بے حد کام کا آدمی تھا اور اس قسم کا کام وہ بآسانی کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے چل پڑا... اور پھر کوٹھی سے میں نے وہ پاسپورٹ وغیرہ حاصل کیا اور واپس جاوید کے پاس پہنچا تو فاروقی صاحب بھی آچکے تھے۔ جاوید نے فاروقی صاحب کو تقریباً تمام تفصیل بتا دی تھی۔ میں نے وہ پاسپورٹ اُسے دیا تو اُس نے اُس کی تصویر کو بغور دیکھا اور پھر ویزا کی تاریخیں دیکھنے لگا۔ اس کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے اور کوئی کام... شارق صاحب...؟"

"نہیں، بہت شکریہ۔ یہ سمجھ لو کہ ایک بڑی مشکل حل ہو گئی ورنہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے دبئی جانا پڑے گا اور اس کے لیے ظاہر ہے اچھی خاصی اُلجھن مول لینا پڑتی۔"

"ٹھیک ہے، یہ کام ہو جائے گا تم اطمینان رکھو۔"

فاروقی صاحب مجھ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ ان دنوں اُن کے پاس کئی کیس تھے جن کے سلسلے میں... وہ اطمینان بخش طریقے سے کام کر رہے تھے۔ غرض کہ کافی وقت اُن کے ساتھ گزرا اور پھر میں وہاں سے اُٹھ گیا، چلتے ہوئے میں نے جاوید سے کہا۔

"ہو سکتا ہے اس دوران میری تم سے ملاقات نہ ہو، کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟"

"نہیں، کیا ضرورت ہے ٹھیک ہے، واپسی میں فوراً ہی اطلاع دوں گا اور آپ کا کام کر کے ہی آؤں گا۔" اُس نے کہا۔

میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی، پھر وہاں سے چل پڑا۔

دُراب شاہ اپنے گھر موجود نہ تھا، صوفیہ کا معاملہ مختلف تھا۔ الیاس خان کی نگرانی جاری تھی اور فی الحال کوئی مسئلہ نہ تھا جس کے لیے مجھے وہاں جانا ضروری ہوتا۔ چنانچہ گھر چل پڑا۔

آشیانے کا ماحول کسی دن خوش گوار ہوتا تھا۔ کبھی دن وہاں خاموشی ہوتی تھی۔ آج کا ماحول پُرسکون تھا۔ حالانکہ سب لوگ موجود تھے۔ شوکت جاہ میری سُن گُن پا کر میرے پاس آگئے۔

"ہیلو شارق...!"

"ہیلو سر... کہیے کیسے مزاج ہیں؟"

"بھئی مزاج نام کی ہر شے کو ہم نے خود سے دُور کر دیا ہے۔ اب ہم بے مزاج ہیں اور خوش ہیں۔ ویسے آج کل تمہاری غیر حاضری زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔"

"آپ کو علم ہے۔"

"کیا...؟"

"نصرت بھائی کے لیے کام کر رہا ہوں۔"

"ہاں، وہ تو پتا ہے۔"

"میں اُسی کے سلسلے میں مصروف ہوں۔"

"مجھے یقین ہے کامیاب ہو گے۔ ویسے بھئی شارق حیرت انگیز انسان ہو، یورپ میں ہوتے تو نہ جانے کیا ہوتے۔"

"یورپ ...!" مَیں نے استہزائیہ انداز میں کہا، "مجھے آپ سے اختلاف ہے۔"

"ہاں، مَیں سمجھتا ہُوں۔ بس اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔"

"یورپ مَیں ایسے کسی کام کے لیے وہ جذبہ کم ہی ہوتے ہیں۔ میرا مسئلہ بالکل مختلف ہے۔"

"مَیں نے کہا نا مَیں جانتا ہُوں۔ ہاں بھائی تم سے کچھ مشورے بھی کرنے ہیں۔"

"ضرور... فرمایئے ...!"

"اب یہاں سے کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ جو کچھ شروع کیا ہے وہ بھی تسلّی بخش ہے۔ میری زندگی میں جاودان کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور جاوداں کے لیے مَیں نے ایک الگ فنڈ رکھا ہے۔ باقی رہ گیا میں تو میرا گزارہ کیا مشکل ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

"ایک مکان لینا چاہتا ہُوں مگر سخت مخالفت ہو رہی ہے۔"

"مکان ...؟"

"ہاں بھئی، کچھ جائز نہیں ہے، دوسروں کی محبّت سے اتنا فائدہ اُٹھانا ...!"

"اب مَیں آپ سے تفصیل کی درخواست کروں گا۔" مَیں نے مُسکراتے ہُوئے کہا اور وہ بھی مُسکرانے لگے، پھر بولے۔

"حالانکہ تم سب کچھ سمجھ رہے ہو۔ بھئی اب جب یہیں رُک جانے کا ارادہ ہے اور سارے مسئلے ختم کر لیے ہیں بلکہ یُوں سمجھو کہ جہاز جلا دیے ہیں تو اب اپنا کوئی ٹھکانہ بھی ہونا چاہیئے۔ آشیانے والے بہت مخلص، بہت سچّے اور بہت اچھے ہیں لیکن ہر گھر کے کچھ مسائل ہوتے ہیں اور ان مسائل میں کسی اور کی ... مداخلت غیر مناسب سی ہوتی ہے۔ ایک گھر کہیں آس پاس ہی بنا لیا جائے، آشیانے کے سائے میں بھی رہیں گے اور آشیانے سے دُور بھی۔"

"تو پھر اس سلسلے میں کیا اُلجھن درپیش ہے؟"

"سب سے بڑی اُلجھن تو وہ پولیس آفیسر ہے جو اپنے عہدے سے ریٹائرڈ ہو گیا ہے لیکن اُس کے احکامات جُوں کے تُوں ہیں اور وہ جو بات بھی کہتا ہے آخری لہجے میں کہتا ہے اور اگر نہ مانوں تو پھر سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے ہنستے ہُوئے کہا۔

"یعنی ڈیڈی ...!"

"ہاں ... پولیس کا سب سے بڑا عہدہ یہی ہوتا ہے۔"

"ویسے انکل! سنجیدگی سے کچھ عرض کروں یا آپ کی دل لگتی ہُوئی کہوں۔"

"مشورے کا مطلب کیا ہوتا ہے بھئی؟" وہ ہنستے ... ہُوئے بولے۔

"میرے خیال میں ڈیڈی کی بات غلط نہیں ہے۔ آشیانے کی وسعتوں میں کوئی کمی پائی ہے آپ نے۔ ایک کمرہ ہے آپ باپ بیٹی کے پاس اور آشیانے میں بے شمار کمرے خالی پڑے ہُوئے ہیں۔ یہاں جو ملازم ہیں وہ بھی اتنے ہیں کہ کسی ایک انسان یا دو افراد کے معاملات سنبھالتے ہُوئے اُنہیں کوئی دِقّت نہیں ہوتی، پھر آپ کو الگ جگہ کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں بہتر زندگی گزر رہی ہے، صاف صاف گفتگو کیجیے، ڈیڈی سے کہ کوئی مرحلہ ایسا نہیں آنا چاہیئے، جب وہ ناک سکوڑیں۔"

"ارے نہیں بیٹے! اتنا میں جانتا ہُوں کہ عطرت حسین کیا چیز ہیں، یہاں تو جانوروں تک کو جگہ مل سکتی ہے۔ ہم باپ بیٹی تو انسان ہیں اور انسان ہی نہیں بلکہ دوست بھی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو کبھی بُرا نہیں منائیں گے مگر ...!"

"یہ لفظ مگر جو ہے نا انکل! شدید تنازعے کا باعث ہے، اس کی شمولیت اتنی پچپس جیسی سی ہوتی ہے کہ اس کے بارے میں کبھی سنجیدگی سے کچھ نہیں سوچا جاتا۔"

"گویا تم بھی ...!"

"سو فی صد، کم از کم کہیں تو اپنے باپ سے اتفاق کرنا چاہیئے مجھے ...!" وہ ہنسنے لگے، پھر بولے۔

"تو پھر کچھ دوسری ذمّے داریاں بھی سنبھالنا پڑیں گی تمہیں۔"

"حاضر ہُوں حُکم دیجیے۔"

"مَیں جانتا ہُوں کہ ابھی لالہ رُخ ہی کا مسئلہ ہے اور اُس کے لیے بہتر رشتے کی تلاش جاری ہے۔ اس میں جاوداں بھی شامل ہو جائے تو مشکلات بڑھ جائیں گی۔ ان مشکلات کا سامنا بھی تم لوگوں ہی کو کرنا پڑے گا، اگر الگ گھر لے لُوں گا تب بھی تم اس سے مستثنیٰ قرار نہیں پا سکتے۔"

"نہیں انکل! سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ہم آپ کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں شریک ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے، لالہ رُخ کا معاملہ تو ہے ہی لیکن جاوداں بھی کسی سے الگ نہیں ہے آپ کو ان تفکّرات کو دل سے نکال دینا چاہیئے۔"

"شکریہ بیٹے ...! یونہی کبھی کبھی کچھ بوجھ سا ذہن پر محسوس ہوتا ہے۔ خیر ... تم لوگ موجود ہو تو پھر میں اعلان کر دُوں کہ آشیانے میں میرا بھی حصّہ ہے۔"

"بالکل، بالکل آپ کو اس سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔"

وہ بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ شام کی چائے لگ گئی اور تقریباً تمام ہی افراد وہاں پہنچ گئے۔ بیرسٹر نصرت نے فوراً ہی مجھے لپک لیا تھا۔ چائے تو چلتی ہی رہی لیکن وہ مجھے گرفتار کر کے ایک گوشے میں لے گئے اور اُنہوں نے مجھ سے تشویش زدہ انداز میں کہا۔

"بھئی توصیف رضوی ڈھکے چھپے انداز میں مجھ پر طنز کرتا رہتا ہے اور تمہاری طرف سے ابھی مکمل خاموشی ہے مل بھی نہیں رہے ہو مجھ سے، کیا کر رہے ہو؟"

"آپ نے ذمّے داری میرے سپرد کر دی بھائی جان اور مَیں نے اُسے قبول کیا تو بس یُوں سمجھ لیجیے کہ آپ کے خانوں پر کوئی بوجھ نہیں رہا۔ ہمارے پاس جو مختصر وقت ہے اس وقت میں ہم یقینی طور پر بہتر نتائج حاصل کریں گے۔"

"اور مجھے اُن سے آگاہ نہیں کرو گے؟"

"اب سارا تعاون آپ کے ساتھ ہے تو ایک تھوڑی سی خرابی بھی برداشت کر لیں۔ آپ سے کچھ چھپانا مقصود نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ذرا سی وضاحتیں ہو جائیں تو پھر آپ کو مکمل رپورٹ کروں گا۔"

"توصیف رضوی سے ذرا نرم رویّہ اختیار کر لیا ہے ... اس تصوّر کے ساتھ کہ کہیں خاموشی نہ اختیار کرنی پڑے۔"

"نرم رویّے سے مَیں متفق ہُوں لیکن جہاں تک دوسرے مسئلے کا سوال ہے تو آپ کو اتنا بتا دینا ہی کافی سمجھتا ہُوں کہ آپ کو ناکامی نہیں ہوگی۔" وہ مجھے دیکھتے رہے، پھر کچھ ... دوسرے لوگوں کی مداخلت نے ہماری تنہائی ختم کر دی۔ اُن سے جو کچھ مَیں نے کہہ دیا تھا میرے خیال میں کافی تھا اور اس سے زیادہ کہنے کے لیے میرے پاس کچھ تھا بھی نہیں۔

معمولات جاری رہے۔ رات کا کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ جاوداں، لالہ رُخ اور نیلوفر وغیرہ سب اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھیں، مجھ سے کوئی خاص بات نہیں ہُوئی تھی۔

رات اپنی خواب گاہ میں پہنچ کر میں نے صوفیہ، الیاس خان، دراب شاہ اور محسن کے بارے میں نہ جانے کتنی دیر تک سوچا تھا اور اس کے بعد آنکھوں میں نیم غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ کمرے میں مدّھم روشنی تھی۔ عقبی کھڑکی کھلی ہُوئی تھی جس سے تازہ ہوا کے جھونکے اندر آ رہے تھے۔ میری مسہری چونکہ عقبی کھڑکی کے پاس ہی تھی۔ اس لیے یہ جھونکے براہ راست مجھے مسرور کر رہے تھے اور انہی کی وجہ سے ذرا جلدی نیند آ گئی تھی لیکن غالباً پوری طرح ذہن سویا نہیں تھا کہ کھڑکی پر ایک آہٹ سی محسوس ہُوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ چند لمحات میں خالی الذہنی کے انداز میں کمرے کے ماحول کا جائزہ لیتا رہا اور اس کے بعد پلکیں پھر جڑنے لگیں، پھر ایک ہلکی سی سرگوشی اُبھری اور اس بار میں پوری طرح جاگ گیا۔ میں نے دہشت زدہ نگاہوں سے کھڑکی کی جانب دیکھا اور دوسرے لمحے میرا بدن پتھرا سا گیا۔ کھڑکی کے دوسری طرف گہری تاریکی پھیلی ہُوئی تھی لیکن ایک ہیولیٰ مجھے کھڑکی کی دوسری سمت نظر آ رہا تھا اور یہ انسانی ہیولیٰ اس تاریکی کے باوجود اپنے اندر ایک نمایاں چمک رکھتا تھا۔ مَیں ششدر نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ ہیولے کے خدوخال میری نگاہوں میں واضح ہوتے گئے اور پھر ذہن میں کانچ کا ایک ٹکڑا سا ٹوٹا۔ مَیں نے اُسے پہچان لیا تھا۔ وہ ... وہ الماس آرا تھی۔ سو فی صد الماس آرا۔ اُس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہُوئی تھیں، چہرہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھا اور غالباً وہ سرگوشی اُسی کے مُنہ سے نکلی تھی۔ مَیں بے اختیارانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔ نہ جانے یہ کون سی حِس تھی، نہ جانے یہ تصوّر کیوں میرے ذہن

میں آگیا تھا۔ تب ہی الماس آرا کی مدّھم سی سرگوشی سُنائی دی۔

"شارق کیسے ہو؟"

میرے مُنہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی، مَیں اُسے دیکھتا رہا۔ نہ جانے کیوں جسم میں حرکت نہیں پیدا ہو سکی تھی۔ غالباً ذہن پر غنودگی طاری تھی۔ اس لیے اس کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، لیکن یہ خواب نہیں تھا، جیتے جاگتے میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ الماس آرا مجھے دیکھتی رہی، پھر اُس نے کہا۔

"کیسے ہو شارق۔۔۔؟"

"تم۔۔۔ تم الماس ہو نا۔۔۔؟"

"میری صورت بھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی؟" اُس نے کہا۔

"یہ۔۔۔ کک۔۔۔ کیا حماقت ہے، وہاں کیوں کھڑی ہو، اندر آؤ۔۔۔ اندر آؤ۔۔۔" اُس کے چہرے پر نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ مَیں نے اس چہرے پر غم کے آثار دیکھے تھے، پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"تم سے ملنے آ گئی۔ بس معاف کرنا سوتے سے جگایا۔۔۔ جنتی ہوں۔۔۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا ادھر آؤ، یہ۔۔۔ یہ کیا چکّر چلا رکھا ہے تم نے، کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟" مَیں تیزی سے بستر سے نیچے اُترا مسہری کے پائنتی سلیپر پڑے ہُوئے تھے اُنہیں پہنا اور کھڑکی کے قریب پہنچ گیا لیکن الماس آرا کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ مَیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کھڑکی سے باہر جھانکنے لگا۔ تا حدِّ نگاہ خاموشی اور سنّاٹے کا راج تھا لیکن جو کچھ مَیں نے دیکھا تھا وہ میری نگاہوں کا واہمہ نہیں تھا، میرے ذہن کی اختراع نہیں تھی۔ سو فی صد الماس آرا۔۔۔ یہ کیا حماقت ہے، کیا دیوانگی ہے؟ کھڑکی سے آس پاس کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد، مَیں برق رفتاری سے پلٹا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ باہر کے راستے طے کر کے میں اُس حصّے میں پہنچ گیا جہاں میری عقبی کھڑکی کھلتی تھی لیکن دُور دُور تک کسی کا وجود نہیں تھا۔ کوئی سایہ، کوئی نشان وہاں موجود نہیں تھا۔

مَیں متحیّرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتا رہا۔ زندگی میں اس سے پہلے کبھی اس قدر پُراسرار کیفیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ الماس آرا۔۔۔ الماس آرا۔۔۔ کیا چکّر ہے یہ۔۔۔ یہ سب کچھ میرے ذہن کے کسی گوشے میں تو الماس کا تصوّر بھی نہیں تھا، پھر یہ سب کچھ کیا تھا؟ خواب کی ہر کیفیت سے واقف تھا اور کسی قیمت پر اُسے خواب یا کوئی ذہنی تصوّر نہیں قرار دے سکتا تھا، پاگلوں کی طرح دیر تک اِدھر سے اُدھر مارا مارا پھرتا رہا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہُوا۔ زندگی کے اس سب سے حیرت انگیز واقعہ سے دوچار ہونے کے بعد مَیں آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہُوا واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہے، الماس آرا! آخر۔۔۔ آخر۔۔۔ یہ سب کیا چکّر ہے؟

کمرے میں آ کر مسہری پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا، آشیانے میں ہر شخص گہری نیند سو چکا تھا، لیکن میری نیند غائب ہو چکی تھی۔ مَیں غور کرتا رہا کھڑکی کو بغور دیکھا۔ اب اگر یہ تصوّر ذہن میں لاتا ہُوں کہ کوئی ذہنی معجزہ تھا تو یہ بھی بات دل کو نہیں لگتی تھی۔ سرگوشی، انداز اپنا جاگنا، ہر چیز ایسی تھی کہ مجھے اس پر یقین کرنا ہی پڑتا تھا۔ اُس کا چہرہ۔۔۔ ایک بار پھر مجھے چونکنا پڑا۔ آخر اتنی تاریکی میں اُس کے خدوخال چمک کیوں رہے تھے، ایسی چمک تھی اُن پر کہ مَیں اُس کے تاثرات کا جائزہ لے سکتا تھا۔ اُس کی آواز تک میری سماعت میں ابھی تک گونج رہی تھی، میرا ذہن پریشانیوں کا شکار ہو گیا اور اُس کے بعد سو نہ سکا۔ بہت سے خیالات، بہت سے وسوسے دل میں جاگ اُٹھے تھے۔ یہ کیا قصّہ ہے، یہ کیا طلسم ہے؟ جب کوئی صورتِ حال نہ بن سکی تو غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ سر پر سے ٹھنڈے پانی کا ایک آبشار گزار دیا، تب کہیں جا کر تھوڑا۔۔۔ بہت سکون محسوس ہُوا۔ نہا کر کمرے سے باہر نکلا، نیند تو کبھی کی گم ہو چکی تھی۔

رات اسی پریشانی میں گزری۔ اپنے آپ کو بارہا سمجھا بجھا کر سونے کی کوشش کی لیکن نیند آنکھوں میں نہیں آ رہی تھی۔ اذان کی آواز پر اُٹھ گیا اور اس کے بعد لباس وغیرہ تبدیل کر کے باہر باغ میں آ گیا۔ یہاں بہت دیر تک چہل قدمی کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد گویڈی نظر آئے اور مَیں وہاں سے کھسک لیا۔ اس وقت اُن سے گفتگو کرنے کے مُوڈ میں نہیں تھا۔ ساری رات پریشانی میں گزری تھی۔ بالآخر فیصلہ کیا کہ اس واقعے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کم از کم اپنے حواس پر بھروسا تھا اور مَیں اسے بدحواسی کے کسی لمحے سے منسلک نہیں کر سکتا تھا۔ کم از کم معلوم تو ہونا چاہیے کہ الماس آرا کی کیا کیفیت ہے؟ اس سلسلے میں انیلا سے زیادہ معاون اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ صبح کا ناشتا معمول کے مطابق

تمام لوگوں کے ساتھ کیا۔ ناشتے وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے بالآخر تیار ہُوا اور گھر سے باہر نکل آیا اور انیلا کے گھر کی جانب چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد مَیں احمد کمال کی کوٹھی میں داخل ہو گیا، ملازموں سے احمد کمال صاحب کے بارے میں معلومات کیں تو پتا چلا کہ وہ جا چکے ہیں، پھر انیلا کے بارے میں پوچھ ہی رہا تھا کہ کہیں سے اُس نے مجھے دیکھ لیا اور بُری طرح دوڑی چلی آئی۔ صدر گیٹ پر اُس نے میرا استقبال کیا تھا۔

"اگر وہ شعر اتنا پُرانا نہ ہو چکا ہوتا تو بار بار پڑھتی۔"

"کون سا شعر۔۔۔؟" مَیں نے مُسکراتے ہُوئے کہا۔

"وہی۔۔۔ کہ وہ آئے گھر میں ہمارے۔۔۔"

"بس، بس بس۔۔۔ کان زخمی ہو جائیں گے، سُنتے سُنتے تنگ آ گیا ہُوں اس شعر کو۔۔۔"

"آئیے، آئیے۔۔۔ ویسے واقعی مجھے بڑی خوشی ہُوئی ہے کہ آپ کو ہم لوگ بھی اس طرح یاد آ جاتے ہیں۔" وہ مجھے بڑے پُراخلاق انداز میں ڈرائنگ رُوم تک لے گئی اور پھر سامنے ہی بیٹھ گئی۔ "اچھا یہ بتائیے۔۔۔ کیا پئیں گے؟"

"کچھ نہیں۔"

"ناممکن۔۔۔ کچھ پینا پڑے گا آپ کو۔"

"اگر یہ زبردستی ہے تو پھر زبردستی کوئی بھی چیز پلائی جا سکتی ہے۔"

"کافی۔۔۔؟" اُس نے کہا۔

"کافی سہی۔" مَیں نے گردن ہلا کر کہا اور وہ مُسکراتی ہُوئی باہر نکل گئی، پھر کچھ ہدایات دے کر واپس میرے سامنے آ گئی۔

"دل بُری طرح دھک دھک کر رہا ہے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اب ذرا جلدی سے بتا دیجیے کہ آخر یہاں آنے کی وجہ کیا ہے، دیکھیے، معاف کیجیے گا بہت بُرا سوال ہے مگر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ آپ بلاوجہ نہیں آئے ہوں گے۔ ہم خود کو اس قابل نہیں سمجھتے۔"

"معذرت کے الفاظ اُسی شعر کے مطابق ہو جائیں گے، اس لیے اُن سے گریز کروں گا۔"

"بالکل، بالکل۔۔۔" اُس نے جواب دیا۔

"ایک سوال پوچھوں؟" مَیں نے کہا۔

"پوچھنے سے پہلے پوچھیے کیا مجھے آپ؟" وہ بولی۔

"میں تمہیں صورت سے کیسا لگتا ہُوں۔۔۔؟"

"شہزادہ گلفام!" وہ سکون سے بولی۔

"مذاق نہیں انیلا! کیا مَیں تمہیں دماغی مریض نظر آ رہا ہُوں؟"

"اللہ نہ کرے کیا ایسا کوئی عارضہ لاحق ہو گیا؟"

"ہاں۔" مَیں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"مَیں یقین نہیں کروں گی کسی قیمت پر یقین نہیں کروں گی۔"

"مجھے خود اس کا احساس ہُوا ہے، ابھی کسی دوسرے کو نشاندہی نہیں کی۔ یہ احساس ہُوا تو سیدھا تم سے پوچھنے چلا آیا ہُوں۔"

"ارے باپ رے۔ اس کا مقصد ہے کہ اس دماغی بیماری میں کہیں مَیں بھی پھنسی ہُوئی ہُوں۔" انیلا بولی۔

"ہاں، اس سلسلے میں تم سے زیادہ میرا معاون اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"معاون کی بات ہے تو ٹھیک ہے۔ ہاں۔۔۔ لیکن آپ کے دماغی عارضے سے مم۔۔۔ میرا کوئی تعلق ہے، اس پر مجھے شدید حیرانی ہو گی۔"

"تھوڑی سی سنجیدگی چاہتا ہُوں۔"

"سنجیدگی حاضر ہے بے تکلّفی سے حکم فرمائیے۔" اُس نے کہا۔

"الماس آرا کے کیا حال احوال ہیں؟"

"ہیں!" وہ اُچھل پڑی۔

"پلیز انیلا سنجیدگی!"

"مجھے کیا معلوم ہے بھئی بہت عرصے سے میری اُس سے ملاقات نہیں ہُوئی۔ البتہ اُس کا آخری خط اسپین سے آیا تھا وہاں عیش کی زندگی گزار رہی تھی۔ بڑی تفصیلات لکھی تھیں مجھے اسپین کے بارے میں کہتی ہے کہ ایک انتہائی پُراسرار جگہ ہے اور وہ وہاں کی تاریخ پر ریسرچ کر رہی ہے۔"

"واپسی کے لیے تو کچھ نہیں لکھا تھا اُس نے؟"

"اگر آپ چاہیں تو مَیں اُسے لکھ دُوں کہ فوراً واپس آ جائے۔" وہ شرارت سے باز نہ رہ سکی تھی۔ مَیں گہری سانسیں لیتا رہا۔ ایک ایسے سلسلے میں گفتگو کر رہا تھا انیلا سے جس کے بارے میں کوئی اور بھی مجھے بتاتا تو مَیں مذاق اُڑانے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا لیکن اس وقت مذاق کا مجھ سے تعلق ہو گیا تھا۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی اور اس کے بعد اُس نے کہا۔

"اب یہ بھی بتا دیں چکّر کیا ہے۔۔۔؟"

"انیلا! مَیں نے رات کو الماس آرا کو دیکھا ہے۔"

"خواب میں...؟" اُس نے سوال کیا۔

"نہیں ہوش و حواس کے عالم میں۔"

"اوہ مائی گاڈ! اس کا مقصد ہے کہ کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

"اس کا فیصلہ بھی تمہیں ہی کرنا ہے کہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے۔ میں نے اُسے مکمل حواس کے عالم میں دیکھا ہے لیکن جو کہانی میں اُس کے بارے میں سُنا رہا ہُوں اسی سے مجھے احساس ہُوا ہے کہ میرے حواس شاید میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔" وہ تعجب بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی، پھر اُس نے کہا۔

"اچھا، اب جو گفتگو ہو گی پوری سنجیدگی سے ہو گی آپ بھی اس کا خیال رکھیے گا۔"

"میں پوری سنجیدگی سے تمہیں یہ بات بتا رہا ہُوں۔ میں اپنی خواب گاہ میں تقریباً نیم غنودگی کی کیفیت میں تھا کہ میری خواب گاہ کی عقبی کھڑکی پر کچھ آہٹیں سُنائی دیں اور اس کے بعد مجھے سرگوشیوں میں مخاطب کیا گیا، وہ مجھ سے خیریت پوچھ رہی تھی، اُس کا چہرہ تاریکی کے باوجود چمک رہا تھا اور جب میں اُس کے قریب پہنچا تو وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ گم ہو گئی۔" انیلا کے ہونٹوں پر ایک دم مسکراہٹ آئی لیکن پھر اُس نے خود کو سنبھال لیا۔

"یہ واقعہ کس وقت کا ہے؟"

"رات کے تقریباً دو بجے ہوں گے۔"

"کیا کھایا تھا رات کے کھانے میں؟"

"میں صرف تم سے چند منٹ لوں گا اور اس کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا صورتِ حال اتنی ہی احمقانہ ہے کہ مجھے کسی کے پاس نہیں آنا چاہیے تھا... لیکن تم سے صرف اس لیے رجوع کیا ہے کہ تمہیں الماس آرا کے بارے میں کوئی خاص بات تو نہیں معلوم؟ میں کسی بھی قسم کے وہم کا قائل نہیں ہُوں، لیکن وہ جس انداز میں میرے سامنے آئی اور اس کے بعد گم ہو گئی، وہ میرے لیے باعثِ تشویش ہے، بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ ہم جدید روشنیوں میں پرورش پانے کے باوجود اُن کی حقیقتوں کو تلاش نہیں کر پاتے۔ دیکھو انیلا! تمہارا تعلق الماس آرا سے زیادہ ہے۔ اس لیے میں نے تم سے رجوع کیا ہے۔ اگر صرف مذاق میں ٹالنا چاہو اس بات کو تو میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا، لیکن اگر تھوڑی سی سنجیدگی اختیار کر لو تو زیادہ بہتر رہے گا کسی بھی طریقے سے الماس آرا کے بارے میں معلومات حاصل کر لو تاکہ ہم دونوں ہی کو سکون ہو جائے۔"

"اوہ! الماس آرا کی قسمت کچھ چمکنے والی ہے شاید... آپ اُس کے اس طرح نظر آنے سے بے سکون ہو گئے ہیں، مسٹر شارق؟"

"اچھا، اب اجازت چاہتا ہُوں۔ میں خود بھی اتنا مصروف ہُوں کہ بہت زیادہ حماقتوں میں نہیں پڑ سکتا۔"

"ارے، ارے کافی آ رہی ہے۔ ناراض ہونے کی بات نہیں ہے بھئی کیا ایسی کہانی پر یقین کیا جا سکتا ہے اس دور میں؟"

"میں پہلے بھی واضح الفاظ میں بتا چکا ہُوں کہ میں نے خود بھی اس پر یقین نہیں کیا، بلکہ کسی شرارت کے امکانات پر غور کر رہا ہُوں، اس کے باوجود بیگم نواب اور الماس آرا اتنی اچھی شخصیت کی مالک ہیں کہ میں اس مسئلے کو صرف ہنس کر نظر انداز نہیں کر سکا۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اُس کے بارے میں چھان بین کر لو، ورنہ ظاہر ہے میں بھی اسے نظر انداز کر دُوں گا۔"

وہ کچھ کچھ سنجیدہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی تھی۔ اُس نے بڑی اپنائیت سے مجھے کافی پیش کی اور کہنے لگی۔

"نہیں شارق! اب میں واقعی سنجیدہ ہُوں۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو کم از کم ہمیں پتا تو لگانا چاہیے۔ ہو سکتا ہے الماس واپس آ گئی ہو، وہ جس طرح آفت کی پرکالہ ہے یہ بات آپ بھی جانتے ہیں، ممکن ہے اُس نے شرارت سے اپنی یہاں آمد کا آغاز کیا ہو۔"

"ہاں، میں بھی اس امکان کو نظر انداز نہیں کر رہا۔ تاہم اپنے آپ کو تسلی دینے کے لیے تھوڑی سی معلومات حاصل کر لینا ضروری ہے۔" کافی پینے کے بعد میں وہاں سے اُٹھ گیا اور انیلا مجھے باہر تک چھوڑنے آئی۔ اُس نے کہا کہ وہ اپنے طور پر کچھ نہ کچھ کرے گی اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی اُسے معلوم ہو سکا مجھے بتائے گی۔ ظاہر ہے اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

میں بُری طرح اُلجھا ہُوا تھا کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرطور یہاں سے سیدھا فاروقی صاحب کے دفتر پہنچا تھا جاوید قریشی کے بارے میں اُستاد جُمّو نے بتایا کہ وہ دُبئی جا چکے ہیں، پھر کافی دیر تک اُستاد سے ہی گفتگو کرتا رہا تھا کیونکہ فاروقی صاحب کورٹ گئے ہُوئے تھے۔ اُستاد جمّو نے سے نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں ہوتی رہیں اور میں ذہن کو پُرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور ریسیور میں نے ہی اُٹھایا۔

"پلیز... شارق صاحب سے رابطہ قائم ہو سکتا ہے؟"... دوسری طرف سے مجھے انیلا کی آواز سُنائی دی اور میں نے جلدی سے کہا۔

"ہیلو بول رہا ہُوں۔"

"شارق صاحب!"

"ہاں، ہاں میں بول رہا ہُوں... خیریت؟"

"ہاں کوئی خاص بات نہیں ہے، آپ کے جانے کے بعد میں بھی کافی اُلٹ گئی اور بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ فوری طور پر فرحت پور چلی جاؤں، پتا نہیں کیوں دل میں بُرے بُرے خیالات آ رہے ہیں۔ کم از کم آنٹی سے جا کر معلومات تو حاصل کی جائیں کہ آخر یہ قصّہ کیا ہے؟"

"تم فرحت پور جا رہی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"کب اور کیسے؟"

"بائی کار ہی جاؤں گی اگر ممکن ہو سکا تو ڈرائیور کو ساتھ لے لوں گی، ورنہ پھر تنہا ہی دیکھا جائے گا۔ ارے ہاں، شارق! آپ بھی اگر میرے ساتھ چلنا پسند کریں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، کیا اعتراض کا کوئی تصوّر ذہن میں اُبھر سکتا ہے؟"

"میرے خیال میں اُبھرنا نہیں چاہیے، ویسے احمد کمال صاحب سے اجازت لے لی ہے تم نے؟"

"ہاں، میں نے ڈیڈی سے پوچھ لیا ہے لیکن اُنہیں صورتِ حال نہیں بتائی۔ ظاہر ہے یہ ہمارے درمیان کی بات ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ کس وقت چلنا پسند کرو گی؟"

"یہ آپ پر منحصر ہے شارق صاحب!"

"تو پھر میرا خیال ہے میں اپنی کار لیے لیتا ہُوں اور جہاں تم تم ہو وہاں پہنچ جاتا ہُوں۔"

"میری کوٹھی پر آ جائیے، کس وقت آئیں گے؟"

"چار بجے تک، فرحت پور ہم رات ہونے تک پہنچ جائیں گے اور میرا خیال ہے کوئی دقت نہیں ہو گی وہاں۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔"

"میں ٹھیک چار بجے تمہاری کوٹھی پر پہنچ رہا ہوں۔"

"اوکے، میں انتظار کروں گی۔" انیلا نے جواب دیا اور میں نے ٹیلی فون بند کر دیا۔

یہ فیصلہ بادلِ نخواستہ ہی کرنا پڑا تھا لیکن اس میں کوئی دُشواری بھی نہیں تھی، کیونکہ دراب شاہ کے مسئلے میں ابھی چند روز کی فرصت تھی۔ ہاں جاوید کے آ جانے کے بعد کام میں ذرا تیزی پیدا ہو سکتی تھی چنانچہ اس دوران فرحت پور تک کا سفر غیر مناسب نہیں تھا۔ میں آفس سے باہر نکل آیا اور اپنے فلیٹ کی جانب چل پڑا کیونکہ میرے زیادہ تر لباس وغیرہ وہیں موجود تھے۔ فلیٹ میں پہنچنے کے بعد میں نے ضروری چیزوں کا ایک سُوٹ کیس تیار کیا۔ اس میں کپڑے وغیرہ اور دوسری ایسی اشیاء جو کام آ سکتی تھیں رکھیں اور اس کے بعد تھوڑی دیر تک آرام کیا، پھر اس سامان کے ساتھ باہر نکل آیا کار میں بیٹھا اور وہاں سے چل پڑا۔ ایک پیٹرول پمپ سے میں نے کار کی ٹنکی فل کرائی اور پھر احمد کمال کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا۔

انیلا برآمدے ہی میں تھی فوراً ہی ملازم کے ساتھ ایک سفری بیگ اور ایک خوبصورت باسکٹ لیے ہُوئے میری گاڑی تک پہنچ گئی۔ اُس نے اپنا سامان بھی ڈِکی میں رکھوایا، باسکٹ البتّہ اُس نے کار کی پچھلی سیٹ پر رکھوا دی تھی اور پھر وہ میرے ساتھ آ بیٹھی اور میں نے کار آگے بڑھا دی۔ اُس نے ایک سفری لباس پہنا ہُوا تھا آنکھوں پر چشمہ چڑھا ہُوا تھا، بال مخصوص انداز میں باندھے تھے بہت ہی دل کش نظر آ رہی تھی وہ اُس کے پاس سے بھینی بھینی خوشبو اُٹھ رہی تھی لیکن چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہُوئی تھی۔ میں بھی خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا اور وہ سڑک کو دیکھتی رہی۔ اُس نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی، پھر اس وقت تک یہ خاموشی ہم دونوں پر ہی طاری رہی جب تک کہ ہم شہر سے باہر نہ نکل آئے۔ دفعتاً انیلا ہنس پڑی اور میں چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"خیریت۔"

"میں اس خاموشی پر ہنس رہی ہُوں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم دونوں گھر سے فرار ہو رہے ہوں۔"

"اوہ!" میں بھی مسکرا دیا پھر میں نے کہا "بہرطور اب خاموشی ختم ہو جانی چاہیے۔ تم نے اچانک ہی اس مسئلے کی سنجیدگی پر کیسے غور کر لیا؟"

"بھئی، وہ میری بہت اچھی دوست ہے، پہلے تو میں نے اپنے آپ کو بہلانا چاہا کہ یہ صرف آپ کا وہم ہے، میں نے یہ بھی سوچا شارق صاحب کہ ہو سکتا ہے آپ کی گہرائیوں میں وہ کہیں پوشیدہ ہو اور آپ کے یہ وسوسے ان گہرائیوں کے پیدا

کردہ ہوں لیکن دل نے اس جواز کو قبول نہیں کیا اور اس کے بعد میں بے چین ہوگئی۔ اتفاق سے ڈیڈی آگئے اور میں نے یونہی اجازت طلب کرلی۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں فرحت پور جانا چاہتی ہوں چند روز کے لیے اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو... ڈیڈی میری خواہشات سے انکار نہیں کرتے، کہنے لگے ڈرائیور کو ساتھ لے جانا۔ میں نے انہیں منع بھی کیا لیکن پھر وہ کہنے لگے کہ اگر تم ناپسند کرو تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"اوہو تو پھر اُنہیں اس بات کا علم کیسے ہوگا کہ میرے ساتھ فرحت پور گئی ہو؟"

"ملازم سے کہہ دیا ہے میں نے۔" انیلا نے جواب دیا۔

بہر طور وہ ایک جدید گھرانے کی فرد تھی اور بلاشبہ صاحبِ کردار تھی۔ احمد کمال صاحب اپنی اس بیٹی کو یہ اجازت بآسانی دے سکتے تھے، پھر میں یہ بھی جانتا تھا کہ میرے لیے اُس خاندان کے دل میں کیا جذبات ہیں، چنانچہ مجھے بھی کوئی تشویش نہ ہوئی۔ وہ کہنے لگی۔

"لیکن آپ بھی فوراً ہی تیار ہو گئے۔"

"ہاں بھئی! زندگی میں پہلی بار ایسے کسی واقعے سے دوچار ہوا ہوں۔ اُس کی تہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"خدا کرے الماس خیریت سے ہو لیکن آپ کی بات واقعی حیرت انگیز ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ باہر تاریکی پھیلی ہوئی تھی لیکن اُس کا چہرہ چمک رہا تھا اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس نے باقاعدہ آپ سے گفتگو کی تھی اور آپ مکمل ہوش و حواس میں تھے۔"

"بھئی انیلا! کسی مفروضے پر میں اس قدر حواس باختہ نہیں ہوسکتا، تمہیں بھی اس کا یقین ہوگا۔"

"اسی یقین نے تو مجھے بھی پریشان کر دیا۔ بہرحال الماس آرا بہت اچھی لڑکی ہے۔ البتہ ایک سوال بار بار میرے ذہن میں چبھ رہا ہے شارق صاحب! آپ یہ بتائیے کہ واقعی پوری سنجیدگی سے آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ الماس آرا کے لیے آپ کے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے؟"

"کمال ہے انیلا! الماس آرا کے لیے میرے دل میں بہت جگہ ہے، وہ ایک اچھی دوست ہے، بہت ہی شوخ اور پسندیدہ فطرت رکھتی ہے، میں اُس کی کسی تکلیف پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ باقی اگر تم اس میں رُومان تلاش کر رہی ہو تو شاید کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"

"شارق! زندگی میں کبھی کسی کو تسلیم کریں گے یا نہیں؟"

"کیوں نہیں، انسانی فطرت یہی ہے اور میں انسانوں سے الگ کوئی چیز تو نہیں ہوں۔"

"تو وہ لمحہ کب آئے گا؟ آخر کتنی لڑکیاں اُمیدواروں کا سائن بورڈ لٹکائے ہوئے پھرتی رہیں گی۔"

"جو کردار میری نگاہوں میں آئے ہیں بدقسمتی سے انہوں نے میرے دل میں اپنے لیے احترام پیدا کر دیا ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو چیز میرے لیے باعثِ احترام ہو، میں اُس سے ان جذبات کا اظہار کیسے کروں؟"

"اظہار نہ کریں، دل میں رکھیں۔" انیلا گردن جھٹک کر بولی اور میں ہنس پڑا۔

"میں شاید غلط لفظ بول گیا ہوں۔ میری مراد یہ ہے کہ جو شخصیتیں میرے لیے باعثِ احترام ہوں میں اُن کے لیے دل میں یہ جذبات کیسے رکھ سکتا ہوں۔"

"خیر... ان شخصیتوں کو تو کوئی اعتراض نہیں ہے... اور جہاں احترام کا تعلق ہے تو آپ نے مس جاوداں کا احترام کیا محترمہ الماس آرا کا احترام بھی کیا، میں بھی اُمیدواروں میں شامل تھی میرا بھی احترام کیا لیکن مس نیلوفر کے بارے میں... آپ کی کیا رائے ہے؟" میں ہنس پڑا، پھر میں نے کہا۔

"وہ میرے معیار کی لڑکی نہیں ہے۔"

"لیجیے جھگڑا ختم کسی جگہ احترام اور کسی جگہ غیر معیاری، کوئی شخصیت ایسی ہوسکتی ہے جو آپ کے لیے باعثِ احترام نہ ہو اور آپ کے معیار پر بھی پوری اُترتی ہو؟"

"ہاں کیوں نہیں میں خود بھی شاید اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور انیلا ٹھنڈی سانس لے کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ دیر تک بھی کچھ نہ بولی تھی۔ میں بھی خاموشی سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔

فرحت پور میں داخل ہوئے تو جھٹ پٹا پھیل چکا تھا۔ میں نے اُس سے کہا "کیا خیال ہے انیلا سیدھی وہیں چلوگی؟"

"کہاں؟"

"میرا مطلب ہے بیگم نواب کے پاس...۔"

"تو اور کہاں جایا جاسکتا ہے؟ ویسے کوئی تکلف نہیں ہے وہاں جانے میں، بیگم نواب ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیں گی۔"

"الماس کے بارے میں اُن سے کیا گفتگو کریں گے؟"

"صرف معلومات حاصل کریں گے۔ ظاہر ہے.... یہ

صورتِ حال بتا کر انہیں پریشان تو نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہوں۔" میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلا دی۔ یہاں آنے کا مقصد یہی تھا اس سے انحراف کیسے کیا جاسکتا تھا۔ کار جانے پہچانے راستوں سے گزر کر حویلی میں داخل ہوگئی۔ بہت سی یادیں وابستہ تھیں اس حویلی سے۔ سب سے پہلے دو جانے پہچانے لوگ نظر آئے تھے، یہ کچے پکے تھے۔ انیلا نے اشارے سے انہیں قریب بلایا اور وہ دونوں کار کے قریب آئے۔

"ہیلو کچے پکے... مجھے پہچانتے ہو؟" میں نے کہا۔

"جی صاحب!" دونوں بیک وقت بولے۔

میرے ہاتھوں مار کھا چکے تھے، بھولنا اتنا آسان نہ تھا۔

"کچے پکے!" انیلا حیرت سے بولی۔

"ہاں یہ کچے ہے یہ پکے۔" میں نے تعارف کرایا۔

"بیگم نواب موجود ہیں؟" انیلا نے پوچھا۔

"نہیں بی بی صاحب! بیگم صاحبہ تو زمینوں پر گئی ہوئی ہیں۔"

"کب تک آئیں گی؟" اُس نے سوال کیا۔

"ہم نوکر لوگ ہیں بیگم صاحبہ! ہمیں کیا معلوم؟"

"سیکرٹری صاحب ہیں؟"

"جی بی بی صاحب وہ ہیں۔"

"جاؤ انہیں اطلاع دو کہ انیلا آئی ہے۔" اُس نے کہا اور اس کے بعد ہم دونوں کار سے اُتر کر اندرونی حصے کی جانب چل پڑے۔ چند ہی لمحات کے بعد ایک شخص باہر آیا تھا اُس سے ہماری ملاقات پہلے نہیں ہوئی تھی، ہوسکتا ہے انیلا اُسے جانتی ہو اور اس کا اظہار بھی فوراً ہی ہوگیا۔ اُس نے بڑے احترام سے اُس کو خوش آمدید کہا تھا۔ اُس نے کہا۔

"بیگم صاحبہ کی واپسی کے بارے میں تمہیں بھی کچھ نہیں معلوم؟"

"آپ اندر آئیے، میں آپ کو تفصیل بتاتا ہوں۔ بیگم صاحبہ کچھ زمینوں پر ہونے والی دھاندلی کا جائزہ لینے گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے انہیں کچھ وقت لگ جائے۔ آپ اندر آئیے سامان کہاں ہے؟"

"مختصر سا سامان ہے، ڈگی میں ہے نکلوا لو۔" انیلا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں سامان پہنچ جائے گا، آپ اندر... تشریف لائیے۔" سیکرٹری بولا اور ہمارے ساتھ ساتھ ہی اندر داخل ہوگیا۔ اُس نے ہمیں ایک کمرے میں پہنچایا اور کہنے لگا۔ "مجھے معلوم ہے بی بی کہ آپ کا اس گھر میں کیا مقام ہے... بے شک بیگم صاحبہ اس وقت گھر پر موجود نہیں ہیں لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو کوئی دقت ہوگی۔"

میں ٹٹولنے والی نظروں سے سیکرٹری کو دیکھ رہا تھا۔ بہت پُراخلاق اور سیدھا سادا سا آدمی معلوم ہوتا تھا جس کمرے میں اُس نے ہمیں پہنچایا تھا، وہ ایک خواب گاہ کی... حیثیت رکھتا تھا۔ انیلا نے کہا۔

"سیکرٹری صاحب! ہم دونوں یہاں کچھ وقت قیام کریں گے۔ آپ ہمارے لیے برابر کے کمرے کا بندوبست اور کر دیجیے۔"

"میں آپ کو برابر برابر کے دو کمرے مہیا کر دوں گا... بیگم صاحبہ کو اطلاع بھجوائی جائے؟"

"اتنی جلدی نہیں ہے۔ بیٹھو الماس کے بارے میں بتاؤ۔" انیلا نے کہا۔

"الماس بی بی تو مُلک سے باہر ہیں۔" اُس نے جواب دیا۔

"کوئی اطلاع وغیرہ نہیں آئی اُن کے آنے کی؟"

"میرے علم میں نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ کو معلوم ہو تو دوسری بات ہے۔" اُس نے جواب دیا اور انیلا سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"کچھ وقت یہاں قیام کرنا پڑے گا انیلا! بیگم صاحبہ سے رجوع کرنے کے بارے میں ہم لوگ بعد میں مشورہ کریں گے۔"

"آپ اطمینان سے یہاں رہیے صاحب کوئی تکلیف نہیں ہوگی آپ کو۔ بیگم صاحبہ کی کچھ لوگوں کے بارے میں خاص ہدایات ہیں اور آپ لوگ اُن میں شامل ہیں انیلا بی بی! آپ مجھے بتائیے کہ آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے؟"

"فی الحال تو دو کمروں کی...۔"

"تھوڑی دیر کی اجازت دیجیے، کھانا کھائیں یا چائے بھجواؤں فوری طور پر۔"

"شکریہ! میرے خیال میں کافی بھجوا دو مل سکے گی؟"

"کیوں نہیں مل سکے گی۔ ابھی بھجواتا ہوں اور کمروں کا بندوبست بھی کر کے آتا ہوں۔" اُس نے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ انیلا اُلجھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی، پھر اُس نے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے مسٹر شارق؟"

"فوری طور پر تو یہاں سے واپسی ممکن بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ تحقیقات کرتے ہیں۔ اس کے بیان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ الماس آرا کی یہاں واپسی کی کوئی خبر نہیں ہے، بیگم نواب زمینوں پر گئی ہوئی ہیں، مشورہ کرو اور بتاؤ کہ کیا

کرنا چاہیے۔ بیگم نواب سے اس سلسلے میں رجوع کیا جائے یا پھر... ؟"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا شارق! اب تو واقعی میں بھی پریشان ہو گئی ہوں۔ کم از کم تم جیسے ذی ہوش انسان پر شبہ نہیں کر سکتی اور تمہاری پریشانی بتاتی ہے کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، وہ غلط نہیں ہے اور کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ ہم الماس آرا کو اس طرح نظر انداز تو نہیں کر سکتے۔ اس بات کی تحقیقات ہونی چاہیے۔ میرے ذہن میں بس یہ ایک شبہ تھا کہ ہو سکتا ہے الماس آرا نے شرارت کی اور اس طرح یہاں پہنچنے کے بعد تمہیں بے وقوف بنایا ہو لیکن یہاں اس کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ ہم خاموش ہو کر تو نہیں بیٹھ سکتے۔ کم از کم بیگم نواب کی واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا۔" میں پُرخیال انداز میں رخسار کھجانے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی... کہ ہمارے لیے بہترین قسم کی کافی دیگر لوازمات کے ساتھ آ گئی اور ہم دونوں اُس سے شغل کرنے لگے۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد سیکریٹری واپس آیا تھا۔ اُس نے کہا۔

"میں نے دو کمرے تیار کرا دیے ہیں، آپ چائے کے بعد اطمینان سے وہاں قیام فرمائیے گا۔ اگر آپ حکم دیں تو بیگم نواب کو آپ کے آنے کی اطلاع دے دی جائے؟"

"یہ بتاؤ اُن کی واپسی کب تک متوقع ہے؟"

"میں نہیں عرض کر سکتا، دیر بھی لگ سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک آدھ دن ہی بعد واپس آ جائیں۔"

"ہوں، ٹھیک ہے، ہمیں ہمارے کمرے دکھا دو۔"

"آپ اطمینان سے کافی پی لیجیے جلدی نہیں ہے۔" سیکریٹری نے جواب دیا لیکن ہم کافی پی چکے تھے۔ چنانچہ ہم اُس کے ساتھ چل پڑے اور اُس نے ہمیں دو خوبصورت کمرے دکھائے جو ہمارے لیے مخصوص کر دیے گئے تھے۔ سامان تو نہ ہونے کے برابر تھا۔ بس چند لباس تھے جو اس تصور کے ساتھ لے آئے گئے تھے کہ ممکن ہے کچھ وقت قیام کرنا پڑ جائے۔

انیلا تھوڑی دیر کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ ایک صوفے پر دراز ہو کر میں ان حالات پر غور کرنے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اگر یہ واقعہ واقعی کوئی گہرائی رکھتا ہے تو میری زندگی میں ایک نیا تجربہ ہوگا۔ اب تک صرف قصے کہانیوں میں روحوں کے تذکرے پڑھے تھے... لیکن الماس آرا کا مسئلہ کیا تھا؟ کم از کم مجھ جیسا آدمی ان تمام توہمات پر یقین نہیں رکھتا تھا لیکن سچائی سامنے لانا بھی ضروری تھی۔ تھوڑی دیر بعد انیلا میرے پاس آ گئی۔ کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی، کہنے لگی۔

"میں تو سچ مچ اب اپنے حواس کھوتی جا رہی ہوں شارق! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ تم اگر چاہو تو یہاں لوگوں سے معلومات حاصل کی جائیں۔"

"کس بارے میں... ؟"

"الماس آرا کے بارے میں، ممکن ہے کسی اور نے بھی اُسے یہاں دیکھا ہو۔"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو، پوری کوٹھی میں یہ خبر پھیل جائے گی اور خواہ مخواہ ہم لوگ اُلجھنوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو بیگم نواب کو بھی اس بات کا افسوس ہوگا کہ ہم نے خواہ مخواہ افواہیں پھیلائیں۔"

"ہاں... یہ تو ہے، پھر دوسری صورت یہی ہو سکتی ہے کہ ہم خاموشی سے یہاں قیام کریں اور بیگم نواب کی واپسی کا انتظار کریں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بالآخر یہ بات طے ہو گئی، رات کا کھانا صرف ہم دونوں ہی نے کھایا تھا۔ سیکریٹری واقعی ہر طرح سے ہمارا خیال رکھ رہا تھا۔

وہ رات گزر گئی۔ دوسرے دن انیلا نے سیر و سیاحت کا کا پروگرام بنایا۔ مقصد یہی تھا کہ اطراف میں گھوما پھرا جائے۔ میں نے کہا۔

"انیلا! اگر تم مناسب سمجھو تو الماس آرا کے موجودہ پتے پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔"

"اوہ... اُس کا اسپین کا پتا ہے تمہارے پاس؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں بھئی، سیکریٹری سے معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔" میں نے کہا اور وہ اس بات پر رضامند ہو گئی۔ سیکریٹری نے اس پتے سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا کہ خط و کتابت براہِ راست بیگم صاحبہ کرتی ہیں۔ یہاں بھی مایوسی ہوئی تھی۔

میں انیلا کے ساتھ باہر نکل آیا اور ہم لوگ فرحت پور کے نواح کی سیاحت کرنے لگے۔ بہت ہی حسین موسم ہو رہا تھا آج کل فرحت پور کا۔ چاروں طرف ہریالی چھائی ہوئی تھی اور بادلوں کی چھاؤں میں حسین ترین مناظر نگاہوں کے سامنے بکھرے پڑے تھے۔ کافی فاصلے پر ایک تیز رفتار دریا بہتا تھا جسے دریائے نیلم کہا جاتا تھا اور یہ دریا اپنے اطراف میں بکھرے

ہوئے حسین مناظر کی وجہ سے بہت ہی دلکش محسوس ہوتا تھا۔ یہاں کے مناظر سحر انگیز تھے۔ انیلا ان خوبصورت مناظر کو دلچسپی سے دیکھنے لگی۔ سبزہ زاروں پر سفید سفید خرگوش چھلانگیں لگاتے پھر رہے تھے۔ انیلا ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور پُرخیال نگاہوں سے دریا کا جائزہ لینے لگی۔ میں بھی خاموشی سے خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ انیلا نے میرا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے شارق کہ تم ایک شاندار انسان ہو اور تمہاری شخصیت بے داغ ہے لیکن الماس آرا کے لیے تمہارے اندر جو تڑپ پائی جاتی ہے، وہ بار بار مجھے اس بات کا احساس دلا رہی ہے کہ بیرونی طور پر نہ سہی اندرونی طور پر تم اُس سے متاثر ضرور ہو۔"

"عجیب احمقانہ گفتگو کر رہی ہو۔ میں نے اس بات سے کب انکار کیا کہ اندرونی طور پر یا بیرونی طور پر میں الماس آرا سے متاثر نہیں ہوں، وہ میری بہت اچھی دوست ہے اور میں سمجھتا ہوں انیلا کہ یہ احساس میرے دل میں تمہارے لیے بھی ہے، جاوداں کے لیے بھی ہے، نیلوفر بھی اگر کسی مصیبت کا شکار ہوئی تو میں اپنے آپ کو لاتعلق نہ رکھ سکوں گا۔ احمقانہ باتیں نہ کرو۔ اس وقت ان کی گنجائش نہیں ہے۔" وہ کھسیا گئی تھی... بہرطور اس کے بعد وہ کچھ نہ بولی۔ ہم لوگوں نے کافی وقت یہاں گزارا تھا۔

پھر ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا اور میں انیلا کے ساتھ واپس چل دیا لیکن حویلی میں ایک اور عجوبہ ہمارا منتظر تھا۔ بیرونی حصے میں ایک شاندار لینڈ کروزر کھڑی ہوئی تھی اور میں اس کروزر سے ناآشنا نہیں تھا۔ یہ شوکت جاہ نے تازہ تازہ خریدی تھی۔ میں نے حیرت سے اُس کو دیکھا اور انیلا کہنے لگی۔

"شاید بیگم نواب واپس آ گئی ہیں۔"

"نہیں محترمہ! یہ گاڑی ہماری اپنی ہے، شوکت جاہ نے خریدی ہے اور مجھے کچھ شبہ ہو رہا ہے۔"

"کیسا شبہ... ؟" انیلا نے تعجب سے پوچھا۔

"یہی کہ شہر سے کوئی آیا ہے۔" انیلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم لوگ اندر داخل ہو گئے اور سب سے پہلی نگاہ نیلوفر پر پڑی جو ایک کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر چونک کر رُک گئی اور پھر اُس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"ارے تم لوگ!" اور پھر وہ چیختی ہوئی اندر بھاگی۔ چند ہی لمحات کے بعد میرے سامنے جاوداں، لالہ رُخ اور دو اجنبی لڑکیاں آ گئیں جو غالباً لالہ رُخ کی دوست تھیں۔ میں تعجب بھری نگاہوں سے اُنہیں دیکھنے لگا۔ لالہ رُخ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھا جاوداں... یہ ہوتی ہے مرد کی ذات اور یہ انیلا! نمٹ لوں گی تم سے تو اچھی طرح..."

"ارے تم لوگ کب اور کیسے آ گئیں؟" انیلا نے حیرت اور دلچسپی کے ساتھ پوچھا۔

"ہم تو جیسے تیسے آ ہی گئے لیکن تم یہ بتاؤ کہ کب سے یہاں مقیم ہو ہمارے پیارے بھائی جان کے ساتھ... ؟"

"کل ہی تو آئے ہیں ہم لوگ۔" اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں، تم تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ابھی آئے ہو، مگر جاوداں اب تم اپنے خیالات تبدیل کر دو۔ یقینی طور پر گھپلا ہے... بہت بڑا گھپلا۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو لالہ رُخ... ؟"

"وہی بکواس جو ہم عرصے سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ بھئی اگر کوئی فیصلہ کر لیا تھا تو ہم کوئی غیر تھوڑی ہیں۔"

"لالہ رُخ! تم حد سے آگے بڑھ رہی ہو۔" انیلا نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔

"حد سے آگے تو آپ لوگ بڑھے ہیں، یہاں فرحت پور میں عیش کیے جا رہے ہیں اور ہمیں سند تک نہیں دی۔"

"بھئی ہم ایک ضروری کام سے یہاں آئے ہیں۔"

"اس سے ضروری کام اور کیا ہو سکتا ہے کہ فرحت پور کا موسم خوبصورت ہے، یہاں کے اطراف حسین ترین ہیں اور آپ دونوں یہاں بیگم نواب کی اس حویلی میں مقیم ہیں۔ کمال ہے بھئی آؤ ہم لوگوں کو کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہیے۔ اے نیلوفر تو کیا حسرت بھری نگاہوں سے اُدھر دیکھ رہی ہے۔ تقدیر... تقدیر کی بات ہے جو تیری تقدیر میں لکھا ہے وہ تجھے مل جائے گا۔" لالہ رُخ نے کہا اور نیلوفر بُرا سا منہ بنا کر لالہ رُخ کے پاس پہنچ گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، کیا میں اپنی تقدیر پر رو رہی ہوں۔" اُس نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"آنسو تیرے دل سے نکل رہے ہیں نیلوفر! ذرا جھانک کر دیکھو۔" لالہ رُخ نے کہا اور جاوداں بُری طرح ہنس پڑی۔ دونوں اجنبی لڑکیاں بھی ہنس پڑی تھیں، پھر لالہ رُخ نے کہا۔ "خیر محترمہ انیلا صاحبہ! ہم آپ کے راستے کی رکاوٹ نہیں بننا چاہتے، ہمارے راستے الگ ہیں۔ آپ اپنے طور

پراپنی تفریحات جاری رکھیے۔"

"لالہ رُخ کی بچی! میں تجھے مار بیٹھوں گی۔ یہ بتاؤ تم لوگوں کا آنا کیسے ہو گیا؟"

"بہت دن سے پروگرام بنا رہے تھے فرحت پور آنے کا۔ چل ہی پڑے۔ تمہیں تلاش کیا تو پتا چلا کہ گھر سے غائب ہیں۔ دو تین دفعہ کوشش کی لیکن ناکام رہے اور بالآخر تمہارے لیے پیغام چھوڑ کر یہاں آ گئے لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ تم ہمارے بھائی جان کے ساتھ۔۔۔"

"انیلا تم خود ہی ان لوگوں سے نمٹو۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" میں نے بور ہو کر کہا اور اپنے کمرے کی جانب چل دیا لیکن ان لوگوں کی آمد میرے لیے بھی حیران کن تھی۔ آخر انہوں نے ادھر کا رُخ کیسے کر لیا تبھی اچانک میرے ذہن میں ایک روشنی سی چمکی اور میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا یہ کوئی سازش تو نہیں ہے کوئی گہری سازش، ان سب کی ملی بھگت۔ انیلا بھی اس میں شریک ہو اور یہ لڑکیاں آخر ان کی یہاں آمد کی وجہ کیا ہے لیکن یہ سازش کیا ہو سکتی ہے؟ دل ہی دل میں، میں اس بارے میں بہت دیر تک سوچتا رہا تھا پھر میں نے کچھ فیصلے کیے، میں اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کہ انیلا مجھے لے کر فرحت پور آئی اور پیچھے سے یہ لڑکیاں پہنچ گئیں الماس آرا کی غیر موجودگی میں بیگم نواب کی حویلی میں آنا کوئی ایسی دلچسپ بات نہیں تھی، ان سب کا یہاں جمع ہو جانا اور پھر الماس آرا کی رُوح۔۔۔ میں ہونٹ بھینچ کر گردن ہلانے لگا۔ شام کی چائے پر ان لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ لالہ رُخ اور نیلوفر سب سے زیادہ چہک رہی تھیں۔ جاوداں ہمیشہ کی مانند سنجیدہ سنجیدہ تھی۔ ویسے اُن دونوں کی چہکار میں وہ دونوں اجنبی لڑکیاں بھی شامل ہو گئی تھیں جن میں سے ایک کا نام ہزدا اور دوسری کا نام فیروزہ تھا، وہ لوگ خواہ مخواہ مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔ میں نے بھی کسی بدمزاجی کا مظاہرہ نہیں کیا البتہ سنجیدہ ہی رہا تھا۔ چائے کے بعد لڑکیاں آپس میں گفتگو کرنے لگیں۔ میں نے انیلا سے کہا۔

"یہ سب کچھ کیا ہے؟ اس کے بارے میں مجھے بتا سکتی ہو۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے ان سب کا تم کیوں سوچ رہے ہو، شارق اس بارے میں فضول باتیں کرتی ہیں تو کرنے دو۔"

"ہوں۔۔۔ لیکن ان کی یہاں آمد میرے لیے حیران کن ہے۔"

"پتا نہیں کیوں الماس آرا کی غیر موجودگی میں انہوں نے بھی ادھر ہی کا رُخ کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے ان میں سے کسی کو الماس آرا کے بارے میں معلوم ہو میں تو اب بھی ذرا اُلجھی ہوئی سی ہوں۔"

"خیر معلومات تو ہو جائے گی۔ میں دیکھوں گا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔" میں نے کہا۔ میری خواہش تھی کہ جاوداں مجھے اکیلی مل جائے لیکن رات کے کھانے کے بعد بہت کوششیں کرتا رہا۔ جاوداں کو نیلوفر اور لالہ رُخ نے ایک لمحے کے لیے تنہا نہیں چھوڑا تھا میں نے ایک بار اُس سے کہا بھی کہ جاوداں میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں لیکن لالہ رُخ نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

"نہیں جناب ممکن نہیں ہے۔ جاوداں کو بور کرنے سے کوئی فائدہ نہیں آپ انیلا کے ساتھ آئے ہیں ہم نے آپ پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔"

"لالہ رُخ تم اپنے اور میرے درمیان ایک بار پھر جھگڑا کھڑا کر رہی ہو۔"

"جھگڑا کھڑا نہ کرنے سے کچھ مزا بھی تو نہیں آ رہا بھائی جان۔ میرا خیال ہے ہمارے اور آپ کے درمیان یہ خلیج قائم رہنی چاہیے۔"

"نقصان اُٹھاؤ گی۔۔۔"

"جی نہیں اب اپنے آپ کو اتنا سُپر مین بھی نہ سمجھیں۔ میں بھی اُسی خون سے متعلق ہوں جو آپ کی رگوں میں گردش کر رہا ہے۔"

"چیلنج کر رہی ہو مجھے۔۔۔"

"ہمیشہ ہی کیا ہے۔ کون سی نئی بات ہے۔" جاوداں مسکراتی رہی پھر اس نے کہا۔

"بھئی لالہ رُخ جھگڑا تمہارا ہے۔ وہ مجھے آواز دے رہے ہیں میرا خیال ہے مجھے جانے دو۔"

"جاوداں زندگی بھر بات نہیں کروں گی تم سے سوچ لو۔" لالہ رُخ نے کہا اور جاوداں بے بسی سے مجھے دیکھنے لگی میں خاموشی سے وہاں سے چلا آیا لیکن جاوداں کو اس طرح روکنے سے میرا شبہ پختہ ہو گیا۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہے اور اس گڑبڑ کا سراغ لگانا ہو گا۔ بعد میں میرا ذہن منصوبے بناتا رہا تھا اور پھر جب مطلوبہ وقت ہو گیا تو میں اپنے کام کے لیے تیار تھا۔

رات کافی ہو چکی تھی میں خاموشی سے اپنے کمرے سے باہر نکل آیا برابر والا کمرہ انیلا کا تھا دوسری لڑکیوں کو بھی یہیں آس پاس کے کمروں میں جگہ دی گئی تھی میں چوروں کی طرح دبے پاؤں چلتا ہوا اس سمت چل پڑا جہاں الماس آرا کا کمرہ تھا پہلے

جب یہاں آیا تھا تو ایک بار اس کمرے کو دیکھنے کا موقع ملا تھا میں یادداشت کے سہارے اُسی جانب چل دیا اور تھوڑی دیر بعد اُس جگہ پہنچ گیا بات اس لحاظ سے خطرناک تھی، بہر حال میں یہاں ایک مہمان کی حیثیت رکھتا تھا اگر کسی نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو صورتِ حال کافی گڑبڑ ہو جائے گی اس لیے بہت زیادہ احتیاط کرنی پڑ رہی تھی الماس آرا کے کمرے میں مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی اپنے خدشے کے پیشِ نظر میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ ممکن ہے الماس آرا کا نام و نشان یہاں کہیں مل جائے۔ یہ صرف ایک مفروضہ تھا جس کا میں تجزیہ کرنا چاہتا تھا کمرے کے دروازے پر پہنچ کر میں نے دروازے کا لاک دیکھا دروازہ لاک تھا چنانچہ میں نے اپنے طور پر کارروائی شروع کر دی اور اب ایسے کاموں میں مجھے کافی مہارت حاصل ہو چکی تھی۔ لاک کھولنے میں مجھے زیادہ دقت نہ پیش آئی اور میں خاموشی سے بے آواز اندر داخل ہو گیا۔ اطراف میں ہُو کا عالم طاری تھا اندر پہنچ کر میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور پھر ٹٹول کر کھڑکیوں کے پردے وغیرہ مکمل طور سے برابر کر دیے اس کے بعد ٹٹول ٹٹول کر ہی دیواروں پر سوئچ بورڈ تلاش کرنے لگا سوئچ بورڈ مل گیا اور میں نے اس پر ٹرائی کرنا شروع کر دی چند ہی لمحات کے بعد ایک نیلا بلب روشن ہو گیا تھا اس ٹرائی کے دوران تیز روشنی والی ٹیوب لائٹیں بھی روشن ہوئی تھیں لیکن وہ پوری طرح جلنے نہ پائی تھیں کہ میں نے انہیں بند کر دیا تھا البتہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ نیلے بلب کی روشنی باہر نہیں جا سکتی اور کچھ اور دیکھنے سے پہلے میں نے کمرے کا چاروں طرف سے جائزہ لے کر پردوں میں جہاں بھی کہیں رخنہ تھا اسے بند کر دیا تھا دروازے کے نیچے اتنی جھری نہیں تھی کہ اس سے روشنی باہر جا سکتی موٹا قالین فرش پر بچھا ہوا تھا اس طرف سے مطمئن ہونے کے بعد میں نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر چاروں طرف کا جائزہ لیا بستر پر نفیس چادر بچھی ہوئی تھی تکیے سلیقے سے سجے ہوئے تھے اور کہیں سے بھی ایسا نہیں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ کمرہ ایک دن کے لیے بھی خالی رہا ہو خیر یہ تو بڑے آدمیوں کے چونچلے ہوتے ہیں کسی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے وہاں سب کچھ کیا جاتا ہے میں اصل چیزیں تلاش کرنے لگا اور پھر میں ایک الماری کے قریب پہنچ گیا یہ ڈریسنگ الماری تھی اور خوش قسمتی سے اس کا تالا بند نہیں تھا ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر میں نے تالا کھولا اور اندر سجے ہوئے لباسوں کو دیکھنے لگا سارے کے سارے لباس استری کیے ہوئے تھے لیکن جو قیمتی شئے مجھے نظر آئی وہ ایک خوبصورت پرس تھا جو کپڑوں کے درمیان ہی الماری میں رکھا ہوا تھا میں نے پرس اُٹھایا اور اسے کھول لیا اور دوسرے لمحے میری آنکھیں چمک اُٹھیں پرس میں جو سب سے کارآمد چیز مجھے ملی تھی وہ الماس آرا کا پاسپورٹ تھا میں نے پاسپورٹ نکال لیا اور مدھم بلب کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا پھر میرے ہونٹوں پر ایک کامیاب مسکراہٹ پھیل گئی الماس آرا کا یہ پاسپورٹ اس کی واپسی

کی تاریخ کا تعین کرتا تھا تقریباً آٹھ دن پہلے وہ اس ملک میں داخل ہوئی تھی اور پاسپورٹ کے اندراجات سے اس کی آمد کا پتا چل جاتا تھا مجھے کامیابی نصیب ہوئی تھی اور اب سارا کیس میری سمجھ میں آگیا تھا شرارت سو فیصد شرارت اور اس شرارت میں یہ پوری ٹیم شریک ہے الماس آرا اسپین سے واپس آئی اور غالباً ان لوگوں کے درمیان یہ تجویز طے پا گئی کہ مجھے بے وقوف بنایا جائے الماس آرا ایک رُوح کی حیثیت سے میری کوٹھی میں پہنچی اور اس نے مجھے مخاطب کیا اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ عارضی طور پر میں بے وقوف بن گیا تھا لیکن ایک فائدہ بھی ہوا تھا یعنی میرے اپنے خیالات کی تصدیق ہوگئی تھی دل مان ہی نہیں رہا تھا کہ ایسی کوئی احمقانہ بات ہو سکتی ہے میں نے پاسپورٹ وغیرہ واپس اس کی جگہ رکھ دیا اور اب مجھے مزید یہاں رُکنے کی ضرورت نہیں تھی چنانچہ میں نے احتیاط سے بلب بند کیا اور اس کمرے سے باہر نکل آیا تمام چیزیں جوں کی توں چھوڑ آیا تھا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے اپنے کمرے میں واپس آنے کے بعد میں نے سکون کی ایک گہری سانس لی کم از کم وہ مسئلہ حل ہوگیا تھا جس کے سلسلے میں ذہنی تردد کا شکار تھا لیکن انیلا، لالہ رُخ، نیلوفر، جاوداں وغیرہ میرے خلاف جو کارروائی کر رہی تھیں اس میں انہیں ناکام کرنا بے حد ضروری تھا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں خاموشی سے انہیں چھوڑ کر یہاں سے چلا جاتا اور ان کے تمام پروگرام درہم برہم ہو جاتے ظاہر ہے انہوں نے یہی سوچا ہوگا کہ یہاں پہنچ کر فرحت پور میں تفریحات کی جائیں کچھ عرصے مجھے بے وقوف بنایا جائے اور اس کے بعد الماس آرا سامنے آجائے پتا نہیں کہاں چھپی ہوئی ہے وہ ویسے اس حویلی کے کسی بھی کمرے میں اس نے بسیرا کر لیا ہوگا بھلا اس کے لیے کیا مشکلات ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی اس شرارت کا جواب انہیں کس طرح دیا جائے بہت دیر تک میں اپنے سلسلے میں تانے بانے بُنتا رہا تھا اور پھر میں نے ایک منصوبہ بنالیا انہیں ان لوگوں کے شایان شان جواب ملنا چاہیے اس منصوبے کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد میں مطمئن ہو کر سو گیا اور دوسری صبح دیر تک سوتا رہا یہاں تک کہ نیلوفر نے مجھے آکر جگایا تھا۔

"اُٹھ جائیے صبح ہوگئی ہے" میں نے چونک کر نیلوفر کو دیکھا۔ دیکھتا رہا اور اس کے بعد میرے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی نیلوفر میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی میں نے خواب ناک انداز میں کہا۔

"کیا اب بھی میں خواب ہی دیکھ رہا ہوں؟" نیلوفر چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"کیسا خواب...؟"

"مجھے یقین دلا دو نیلوفر کہ یہ تم ہی ہو"

"ارے ارے کیا ہوگیا آپ کو...؟"

"آہ میں خواب میں نجانے کیا دیکھ رہا تھا نیلوفر میں دیکھ رہا تھا کہ میرے چاروں طرف برف ہی برف پھیلی ہوئی ہے باریک سفید برف کے ہلکے ہلکے ذرات آسمان سے زمین تک آرہے ہیں اور تم ایک برفانی لباس میں ملبوس بہت دور سے مجھے آواز دے رہی ہو نیلوفر تم اتنی خوبصورت نظر آرہی تھیں جیسے کوئی برف کی شہزادی" نیلوفر کا چہرہ اچانک ہی بگڑ گیا اور اس کی آنکھوں میں غصے کے آثار نظر آنے لگے اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"شارق صاحب آپ اپنے آپ کو بہت زیادہ ذہین سمجھتے ہیں آپ اپنے خیال میں ہر لڑکی کو بے وقوف بنالیتے ہیں لیکن کیا اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ آپ مجھے بے وقوف بنائیں"

"آہ نیلوفر تمہیں بے وقوف بنانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا پورا خواب تو سُن لو میرا"

"ناشتا لگ چکا ہے اگر آپ مزید خواب دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھتے رہیں مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے ناشتا کرنا چاہیں تو تشریف لے آیئے گا"

"تم میرا خواب نہیں سُنو گی نیلوفر میں ناشتا نہیں کروں گا کہہ دینا ان لوگوں سے کہ مجھے ناشتا نہیں کرنا"

"آخر آپ کا خواب ہے کیا؟"

"تم آہستہ آہستہ برف پر پھسلتی ہوئی میرے قریب آگئیں تو میں نے تم سے الماس آرا کے بارے میں پوچھا۔ میں نے پوچھا نیلوفر کہ الماس کہاں ہے میں نے۔ میں نے اسے ایک عجیب کیفیت میں دیکھا ہے"

"پھر"

"پھر تم نے مجھے جگا دیا۔ نیلوفر میں الماس کے لیے سخت پریشان ہوں"

"الماس کے لیے پریشان ہیں"

"ہاں تم تو برف پر موجود تھیں تمہارے لیے پریشانی کیا معنی رکھتی ہے لیکن الماس" میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر

کر کہا اور نیلوفر پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی پھر میں نے غسل خانے میں جاکر منہ ہاتھ وغیرہ دھویا لباس تبدیل کیا اور ناشتے کے کمرے میں داخل ہوگیا لیکن کمرے میں داخل ہوتے ہوئے میں نے اپنے اُوپر دُنیا جہان کی اُداسی طاری کر لی تھی ان لوگوں نے دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں ناشتے کی میز پر جا بیٹھا۔

"میں صرف ایک پیالی چائے پیوں گا" میں نے بھاری لہجے میں کہا اور انیلا چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

"خیریت طبیعت کچھ بھاری ہو رہی ہے"

"انیلا میں جانا چاہتا ہوں" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ارے کیوں...؟"

"بس ایسے ہی ذہن پر نجانے کیسا بوجھ سا طاری ہوگیا ہے میرا خیال ہے اب لوگوں سے کچھ چھپانا مناسب نہیں ہے یقینی طور پر الماس آرا کو کوئی حادثہ پیش آگیا ہے میرا دل اندر سے گواہی دیتا ہے بلکہ بہتر سمجھو تو نواب بیگم کو بھی تلاش کر کے انہیں اطلاع دے دو"

"کیوں خیریت...؟" انیلا نے چونک کر کہا۔

"پلیز میں بہت زیادہ گفتگو نہیں کرنا چاہتا" انیلا خاموشی سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور میرے نزدیک آبیٹھی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"ناشتا کرو شارق میں تم سے اس موضوع پر بعد میں گفتگو کروں گی"

"پلیز میں صرف چائے پیوں گا" میں نے آہستہ سے کہا اور وہ پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ نیلوفر، جاوداں اور لالہ رُخ بھی گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہی تھیں لیکن میں نے ان پر توجہ نہیں دی کافی کی پیالی پینے کے بعد میں اُٹھ گیا اور میں نے آہستہ سے کہا۔

"ممکن ہے میں دوبارہ تم سے ملاقات نہ کر پاؤں انیلا"

"بچوں جیسی باتیں مت کرو شارق آؤ میرے ساتھ آؤ" اس نے کہا اور خود بھی میرے پیچھے ہی پیچھے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"آخر ہوا کیا...؟"

"میں نے خواب میں الماس کو دیکھا ہے کیا بتاؤں تمہیں اس کے بعد میری کیفیت نجانے کیسی ہوگئی ہے شاید انیلا شاید تم لوگوں کا کہنا دُرست ہی ہے میں... میں بہت ہی گہرائیوں سے الماس کو چاہنے لگا ہوں لیکن... لیکن اس سے پہلے میں نے کبھی اس کے بارے میں اس انداز سے نہیں سوچا تھا رات کے خواب نے مجھ پر بہت سی حقیقتیں آشکارا کر دی ہیں آئی ایم سوری میں یہ احمقانہ بات کہتے ہوئے بے حد شرمندہ ہوں لیکن کہے بغیر رہ بھی نہیں سکتا الماس کے مسئلے نے مجھے سخت پریشان کر دیا ہے میں ہر قیمت پر اس کی... اس کی خیریت معلوم کرنا چاہتا ہوں"

"تو واپس جاکر کیا اس کی خیریت معلوم ہو جائے گی تمہیں؟" انیلا نے سوال کیا۔

"پھر کیا کروں یہ تو بتاؤ کسی طرح اسپین سے رابطہ قائم کرو اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو"

"ہم اس سلسلے میں کوئی بہتر فیصلہ کرلیں گے شارق تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے"

"تم نے میرا مذاق نہیں اُڑایا انیلا یہ نہیں کہا مجھ سے کہ آخر الماس کیسے میرے ذہن میں داخل ہوگئی؟"

"میں ان باتوں کو غیر فطری قرار نہیں دے سکتی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے انسان خود اپنی گہرائیاں تلاش نہیں کر پاتا" انیلا نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں ہونٹ سکوڑ کر خلاؤں میں گھورنے لگا انیلا بغور میرا جائزہ لے رہی تھی تھوڑی دیر تک وہ مجھے سمجھاتی رہی اور اس کے بعد وہاں سے باہر نکل گئی میں اپنی مسکراہٹیں نہیں روک سکا تھا۔ عمل تو آج ہی کیا جا سکتا تھا لیکن بدلہ لینا بھی ضروری تھا چنانچہ میں نے اس طرح ان سب کو بور کیا کہ ان کے بھی حواس ٹھکانے آگئے مجھ پر بے پناہ اُداسی طاری تھی کئی بار انہوں نے مجھے باہر نکل کر گھومنے پھرنے کی پیشکش کی لیکن میں نے یہ پیشکش قبول نہیں کی اور اپنے کمرے میں گُھسا رہا انیلا وغیرہ نے میرے کمرے کا دروازہ کھلوانے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے ان سب سے کہا کہ میں تنہائی چاہتا ہوں پتا نہیں ان لوگوں کی کیا کیفیت تھی جاوداں کو بھی نظر انداز ہی کرنا پڑا تھا حالانکہ وہ بے چاری اس شرارت میں اپنے طور پر شامل نہ ہوئی ہوگی بلکہ اسے اس میں گھسیٹ لیا گیا ہوگا دن بھر میں نے زبردست اداکاری کی تھی دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا البتہ انتہائی احتیاط کے ساتھ بچے سے کہہ کر کچھ پھل منگوا لیے تھے جنہیں زہر مار کر کے پیٹ کی آگ بجھائی گئی تھی رات کو البتہ ان سب نے انتہائی ضد کر کے مجھے کھانے کی میز پر بلایا اور میں نے دو چار لقمے لے لیے لڑکیاں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھیں

خاص طورسے جاوداں متحیرانہ نگاہوں سے مجھے گھورتی رہی تھی۔ اس کے چہرے کے عجیب وغریب تاثرات میں اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن اسے بھی سزا دینا ضروری تھا اسے خود چاہیئے تھا کہ کسی نہ کسی طور مجھے ان لوگوں کی شرارت سے آگاہ کرتی رات ہوری انیلا مشکل تمام مجھ تک پہنچ پائی اور اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کچھ کیا ہوگیا ہے تم عجیب وغریب انسان ہو ہر مسئلے میں انتہا پسند کہاں تو اپنے آپ پر کوئی نشان بھی نہ پڑنے دے رہے تھے اور اب سب کے سامنے اس طرح کھل کر رہ گئے ہو یہ مناسب نہیں ہے نہیں۔ تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے"۔

"تم یقین کرو الماس اب اس دُنیا میں نہیں ہے میرا دل اندر سے کہہ رہا ہے کہ وہ ہمارے درمیان سے جا چکی ہے"۔

"معلوم کیے بغیر یہ فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے شارق"۔

"میرا دل جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل غیر مناسب نہیں ہے وہ ہم سے رُوٹھ کر جا چکی ہے اور۔۔اور۔۔۔میں۔۔میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے خسارے سے دوچار ہو چکا ہوں ہاں انیلا میں اب محسوس کرتا ہوں کہ الماس کے علاوہ اس دُنیا میں میرے لیے اور کچھ نہیں ہے میں۔۔۔میں اب دُنیا سے چلا جانا چاہتا ہوں انیلا میں خودکشی کر لینا چاہتا ہوں"۔

"ارے ارے دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اچھا چلو کل اس سلسلے میں آخری کام کیے لیتے ہیں میں بیگم نوب سے رابطہ قائم کر کے مکمل طور پہ الماس کے بارے میں معلومات حاصل کرتی ہوں اس سے پہلے ایسی کوئی احمقانہ حرکت مت کر ڈالنا مجھے تم سے اس کچے پن کی توقع نہیں تھی"۔

"انیلا میں اپنی تمام قوتیں کھوئی ہوئی پاتا ہوں اب مجھ میں سکت نہیں ہے براہ کرم مجھے تنہا چھوڑ دو تنہائی مجھے بہت سکون دیتی ہے"۔ اس کو بمشکل تمام میں نے اپنے کمرے سے روانہ کیا تھا وہ عجیب سے احساسات لے کر گئی تھی غرضیکہ میں اپنی آج کی اس کارروائی سے کافی مطمئن تھا دوسرے دن بھی میں نے وہی عمل برقرار رکھا اور ناشتہ نہ کرنے کے برابر کیا اس کے بعد میں خاموشی سے وہاں سے اُٹھ کر باہر نکل آیا اور پھر میں نے اپنا لباس وغیرہ تبدیل کیا میں اب اپنے اس فیصلے پر عمل کر ڈالنا چاہتا تھا جو میں نے کیا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میری کار سست روی سے حویلی سے باہر نکل آئی مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ بہت سی نگاہیں میرا جائزہ لے رہی ہیں کار کی رفتار میں نے نہایت مدھم رکھی تھی تاکہ اگر میرا اندازہ دُرست ہے تو لڑکیوں کو مجھ تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہو اور نہ ہی ہوا تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے کافی فاصلے پر لینڈ کروزر کو دیکھا تھا جو سست روی سے چلی آ رہی تھی میں کار ڈرائیو کرتا رہا اور اس کے بعد میں نے دریائے نیلم کا رُخ کیا دریائے نیلم کے ایک سرسبز وشاداب حصے میں پہنچ کر میں نے کار پارک کی اور اس کے بعد اپنے منصوبے کے مطابق پیدل آگے بڑھ گیا میں نے تقریباً دو فرلانگ کا فاصلہ پیدل طے کیا تھا دریائے نیلم کے بہاؤ کا میں نے اچھی طرح جائزہ لیا تھا اور اپنے منصوبے کے مطابق اس بلند جگہ پہنچ گیا تھا جہاں سرسبز وشاداب مناظر صاف نظر آتے تھے جیپ میرا پیچھا کرتی ہوئی بالآخر اس جگہ پہنچ گئی جہاں میں موجود تھا اور اس کے بعد انیلا وغیرہ نیچے اُتر کر میری طرف بڑھ گئیں میں نے ان سب کو دیکھا اور افسردگی سے گردن ہلا کر رہ گیا انیلا تنہا ہی میرے پاس آئی تھی۔

"اکیلے چلے آئے ہم لوگوں کو ساتھ نہیں لا سکتے تھے"۔ اس نے شکایتی انداز میں کہا۔

"تم نے یہاں آکر غلطی کی ہے میں تنہائی کے لیے ہی تو یہاں آیا ہوں"۔

"تم پر دیوانگی طاری ہو گئی ہے شارق میں کسی بھی قیمت پر تمہاری یہ دیوانگی برداشت نہیں کر سکتی"۔

"براہ کرم مجھے تنہا چھوڑ دو میں۔۔۔میں انیلا میں۔۔۔ میں تنہائی چاہتا ہوں پلیز اگر تمہارے دل میں میرے لیے ذرا بھی جگہ ہے تو مجھے تنہا چھوڑ دو"۔ میں نے کہا اور ایک پتھر پر بیٹھ گیا وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی دوسری طرف لڑکیاں بھی اسی جانب نگراں تھیں میں کافی دیر تک سوچتا رہا اور پھر دفعتاً مجھ پر ایک ہیجانی سی کیفیت طاری ہو گئی میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا انیلا نے چونک کر مجھے دیکھا اور میں اس کی طرف دیکھ کر افسردہ انداز میں مسکرانے لگا میں نے آہستہ سے کہا۔

"انیلا میری آواز تمہارے کانوں تک پہنچ رہی ہے"؟

"کہو کیا بات ہے؟" اس نے کہا۔

"میں نے اپنی زندگی میں جو کام بھی کیا بھرپور انداز میں کیا آج تک میں جو کچھ کرتا رہا ہوں تم اس کی گواہ ہو اور اس بات کی بھی گواہ رہنا کہ محبت میں بھی میں نے اُسی پامردی

کا ثبوت دیا میں۔۔۔میں تم سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں الماس کو چاہتا ہوں زندگی سے زیادہ چاہتا ہوں اور جب یہ بات میرے علم میں آ گئی کہ الماس اب اس دُنیا میں نہیں ہے تو میں اپنی اس زندگی کو ایک بے کار چیز سمجھتا ہوں میں الماس کے نام پر خودکشی کر رہا ہوں بتا دینا دُنیا کو کہ میں نے محبت کے سلسلے میں بھی اتنے ہی استقلال کا ثبوت دیا"۔

"کک۔۔۔کیا بکواس کر رہے ہو تم۔۔۔خودکشی"! وہ بوکھلا گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے کچھ کہتی میں نے اس بلند پتھر سے دریائے نیلم میں چھلانگ لگا دی انیلا کی تیز چیخ میرے کانوں سے ٹکرائی تھی لیکن اس کے بعد ہواؤں کے شور نے تمام آوازیں بند کر دیں البتہ میں اپنی تمام تر مہارت کے ساتھ پانی کی سمت جا رہا تھا اپنے آپ کو سنبھالنا تھا فن تیراکی میں مجھے اچھی خاصی مہارت حاصل تھی چنانچہ میں نے اپنے آپ کو چوٹ لگنے سے بچایا اور اس کے بعد اس طرح سے ہاتھ پاؤں مارنے لگا جیسے میں ڈوب رہا ہوں نیلم کا تیز بہاؤ مجھے آن کی آن میں اس جگہ سے کافی دُور لے گیا جہاں سے میں پانی میں کودا تھا دوسری طرف کیا ہو رہا تھا اب مجھے معلوم نہیں تھا البتہ جوتوں سمیت پانی میں کودنے کی کوشش خاصی مشکل تھی اور اس طرح تیرنے میں بہت دقتیں پیش آ رہی تھیں میں نے خود کو دریا کے بہاؤ پر چھوڑ دیا اور اس کے بعد ایک مخصوص انداز میں ہاتھ بڑھا کر جوتے اُتار لیے جو بُری طرح بھیگ گئے تھے میں نے جوتوں کو جیبوں میں ٹھونسا اور اس کے بعد تیرنے لگا وہ جگہ اب میری نگاہوں سے کافی دُور ہو گئی تھی جہاں انیلا وغیرہ موجود تھیں ان پر کیا گزر رہی تھی یہ مجھے نہیں معلوم تھا لیکن اب مجھے اپنے آپ کو سنبھالنا تھا۔ بہاؤ پہ کافی دُور تک بہنے کے بعد میں نے تھوڑا سا سر اُبھارا اور اُدھر نگاہیں دوڑائیں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا یہاں کافی نشیب تھا جس سے مجھے آسانیاں حاصل ہو گئی تھیں اور اس جگہ کا انتخاب میں نے بلاوجہ ہی نہیں کیا تھا چنانچہ اب میں پوری قوت صرف کر کے کنارے کی جانب تیرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد لمبی لمبی گھاس کے درمیان پہنچ گیا لباس کا جو کچھ ہوا تھا وہ دیکھنے کے قابل تھا لیکن میں نے اپنے اس لباس میں ایک بھی چیز ایسی نہیں رہنے دی تھی جو خراب ہو جائے تھوڑے ہی فاصلے پر میری کار موجود تھی چنانچہ میں تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا یہاں پہنچ کر میں نے اپنا دوسرا لباس نکالا جو اپنے کمرے سے میں نے راتوں رات کار میں منتقل کر دیا تھا لباس پہننے کے بعد میں کار میں آ بیٹھا جوتے تباہ ہو گئے تھے چنانچہ ننگے پاؤں اسٹیئرنگ سنبھالا اور کار ریورس میں دُور تک لے گیا میری دلی خواہش تھی کہ وہ لوگ میری کار نہ دیکھ پائیں پھر وہاں سے واپس شہر کی طرف چل دیا۔ کوٹھی میں داخل ہو کر کچھ دیر بعد اپنا حُلیہ دُرست کیا پھر پوری طرح تیار ہو کر باہر نکل آیا سب سے پہلے اُستاد چھوسنے سے ملاقات کی جو اس وقت فلیٹ پر موجود تھے۔

"ہیلو اُستاد۔۔"

"کہو میاں۔۔۔چائے بناؤں"؟

"نہیں اُستاد۔ کوٹھی سے تو کوئی خبر نہیں لی گئی۔۔۔؟"

"نہیں میاں کوئی خاص بات تھی کیا۔۔۔؟"

"ایسے ہی پوچھ رہا تھا"۔

"نہیں کوئی ایسی بات نہیں"۔

"دراصل ان لوگوں نے ایک شرارت کی ہے۔ اگر بعد میں کوئی آپ سے تصدیق کرے تو یہی کہیں کہ میں آپ کے سامنے موجود تھا"۔

"سمجھ رہا ہوں شارق میاں"۔ اُستاد نے کہا فلیٹ سے نکل کر فاروقی صاحب کے پاس آیا تھا۔ اندازے کے مطابق ان سے بھی ان کے گھر پہ ملاقات ہوئی۔ فاروقی صاحب کو بھی میں نے یہی ہدایات دی تھیں کہ اگر آشیانے سے میرے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں تو انہیں یہی بتایا جائے کہ میں یہاں موجود ہوں اور باقاعدہ دفتر آ رہا ہوں۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر آشیانہ پہنچا تھا۔

شام ہو چکی تھی اور اہل آشیانہ لان پر نظر آ رہے تھے۔ ڈیڈی، شوکت جاہ۔ تمام قانون داں اور درانیاں یعنی شفق، عصمت اور تنویر بھابی سب لان پہ موجود تھے باقی سب خیریت تھی۔

"یہ بقیہ لوگ کہاں گئے۔۔۔؟" میں نے شفق بھابی سے پوچھا۔

"فرحت پور"۔

"کہاں۔۔۔؟" میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"فرحت پور گئے ہیں"۔

"کب۔۔! اچانک۔۔۔؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں وہ الماس آرا واپس آ گئی ہیں انہوں نے سب کو دعوت دی تھی دو دن ہو گئے گئے ہوئے"۔

"ہمیں تو کبھی کوئی اطلاع ہی نہیں ہوتی"۔

"تم نے آشیانے سے تعلق ہی کب رکھا ہے۔ دو دو تین تین دن میں آتے ہو اور غائب ہو جاتے ہو۔"

"آشیانہ ہماری ضرورت ہی نہیں محسوس کرتا۔"

"کیا سازش ہو رہی ہے دیور بھابی میں" طارق بھائی مسکراتے ہوئے آگئے۔

"یہ پولیس کی نوکری کتنی خراب ہوتی ہے شفق بھابی۔ انسان اپنے سائے سے بھی مشکوک رہتا ہے۔ اب دیکھیے بھائی جان ایک لمحہ برداشت نہیں کر سکے اور نازل ہو گئے۔"

"شیطان سے ہوشیار نہ رہو تو مصیبت لازمی ہے۔ اس لیے بھائی اپنی فکر کرنی ہی پڑتی ہے" طارق حسین کا موڈ بے حد خوشگوار تھا چائے پر سب لوگوں سے باتیں ہوتی رہیں۔ نصرت حسین صاحب نے کہا۔

"شارق مقدمے کی تاریخ یاد ہے"

"جی بھائی جان نو دن باقی ہیں ابھی۔"

"کیا تاریخ بڑھوانی پڑے گی؟"

"نو دن بہت ہوتے ہیں" میں نے کہا۔

"تم کچھ کچے پڑ رہے ہو۔۔"

"فکر نہ کریں۔ کچا پڑوں گا تو آپ کو اطلاع دے دوں گا!"

"پھر بھی پرسٹیج کا معاملہ ہے یار۔ کم از کم اس سلسلے میں ہمیں مار نہیں کھانی چاہیئے توصیف رضوی سر پر تاج پہن لے گا۔"

"آپ اطمینان رکھیں اس کی تاج پوشی کبھی نہ ہونے پائے گی وعدہ ہے آپ سے" میں نے کہا اور وہ خاموش ہو گئے۔ شوکت جاہ مسکراتے ہوئے میرے پاس آگئے تھے۔

"کسی خاص گفتگو میں مصروف ہو۔"

"ہرگز نہیں۔ آئیے" میں نے کہا اور نصرت بھائی کے پاس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ شوکت جاہ میرے ساتھ ٹہلتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔

"بالآخر اس آشیانے میں ہمارا گھونسلا بھی بن گیا اور پھر تمہارا بھی مشورہ یہی تھا۔ بے مالک ہو گئے ہم اس کے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں انکل۔ آپ مالک ہیں اس کے۔"

"اب جاودان کے بارے میں طبیعت کچھ اُلجھنے لگی ہے۔ اس پر توجہ دو بھئی تم اس کے مزاج آشنا ہو۔"

"کیوں نہیں۔ آپ مطمئن رہیں یہ موسم بھی آنے والا ہے۔"

"موسم کی خوب کہی تم نے۔ مصروف ہو کچھ۔"

"نہیں بالکل نہیں۔۔"

"ان لڑکیوں کے چلے جانے سے ماحول بڑا اداس ہو گیا ہے۔ رات کو رُک جانا باتیں کریں گے۔"

"بہتر ہے" میں نے جواب دیا۔ وہ دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے تھے۔ میں نے بھی یہاں رُکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد کوئی خاص بات نہ ہوئی ڈنر معمول کے مطابق تھا ڈنر کے بعد مخصوص نشست رہی پھر جب سب سونے کے لیے گئے تو شوکت جاہ نے مجھے اُچک لیا۔

"نیند آ رہی ہے۔"

"ہرگز نہیں۔"

"مجھے بھی نہیں آ رہی چلو تمہارے کمرے میں چلتے ہیں" میں نے گردن ہلا دی تھی۔ وہ بے چارے باتیں کرنے کے مریض تھے دُنیا جہان کی گفتگو کرتے رہے میں نے بھی ان کی پذیرائی کی تھی اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے جب اچانک ڈیڈی آندھی طوفان کی طرح اندر گھس آئے۔ ہم دونوں بُری طرح چونک پڑے تھے وہ مجھے گھور رہے تھے۔

"خیریت ڈیڈی۔۔!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"فرحت پور گئے تھے۔۔؟" انہوں نے دھڑ سے پوچھا اور ان کے سامنے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ تاہم اس اعصابی جھٹکے کو کسی نہ کسی طرح سنبھالا اور اس طرح شوکت جاہ کو دیکھنے لگا جیسے انہوں نے یہ سوال ان سے کیا ہو۔

"مجھ سے پوچھ رہے ہو۔۔؟" شوکت جاہ خود بھی حیران رہ گئے۔

"شارق سے" انہوں نے جواب دیا۔

"جی۔۔!" میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ خود کو اچھی طرح سنبھال لیا تھا۔

"تم فرحت پور گئے تھے۔۔"

"نہیں تو۔ کیوں خیریت۔۔؟"

"پھر وہ سب پاگل ہو گئے ہیں۔"

"کون ڈیڈی۔۔۔؟"

"نواب بیگم، لالہ رُخ اور دوسرے۔۔"

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔ کیسے پاگل ہو گئے۔ آپ کو کیسے اطلاع ملی" میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شوکت جاہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔

"فون آیا تھا نواب بیگم کا۔۔۔؟"

"کیا۔۔؟"

"ابھی۔ بس فون بند کر کے یہاں آیا ہوں۔"

"بیٹھو بھئی نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تمہاری باتوں میں کوئی ربط ہی نہیں ہے" شوکت جاہ نے کہا۔

"دماغ خراب کر کے رکھ دیا گیا ہے میرا، ربط کیسے ہو۔ گہری نیند سو گیا تھا کہ فرحت پور سے ٹرنک کال کی اطلاع ملی پہنچے وہاں گئے ہوئے ہیں پریشانی لازمی تھی اُدھر سے کچھ اور کہانی سُننے کو ملی۔"

"کیا۔۔؟" شوکت جاہ نے پوچھا۔

"دوسری طرف سے بیگم نواب بول رہی تھیں۔ کہنے لگی ایک دردناک اطلاع ہے تاہم تصدیق نہیں ہو سکی ہے خود یا نصرت طارق میں سے کسی کو بھیج دو ان دماغ اُڑ کر رہ گیا میں نے پوچھا اطلاع کیا ہے تو نہایت ردّ و قدح کے بعد بتایا کہ انہیں شارق میاں کی خودکشی کی اطلاع ملی ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور دردناک اطلاع ہے تو ہونق ہو گئیں مجھے صلواتیں سُنا دیں اور کہا کہ میں ایک سنگدل باپ ہوں بمشکل تمام تفصیل بتانے پر آمادہ ہوئیں فرمایا کہ وہ زمینوں پر گئی ہوئی تھیں یہاں ان کی صاحبزادی نے ان لڑکیوں کو مدعو کر لیا شارق بھی ساتھ تھے اور کچھ پریشان تھے انہوں نے لڑکیوں کی موجودگی میں دریائے نیلم میں کود کر خودکشی کر لی۔ لڑکیوں کے سامنے کی بات ہے وہ حواس باختہ ہو کر حویلی دوڑ پڑیں اور پھر یہاں سے تمام لوگ دریائے نیلم پہنچ گئے۔ غوطہ خوروں نے دریا کھنگال مارا لیکن لاش بہتی ہوئی کہیں دُور نکل گئی۔ انہیں یعنی بیگم نواب کو زمینوں سے بلوا کر یہ اطلاع دی گئی ہے اور وہ سخت پریشان ہیں۔ سمجھے آپ" ڈیڈی بگڑے ہوئے لہجے میں بولے شوکت جاہ کی حالت قابل دید تھی ان کا مُنہ کھلتا اور بند ہو جاتا وہ بار بار مجھے دیکھنے لگتے میں خود بھی بہترین اداکاری کر رہا تھا۔ وہ بولے "اس کے بعد فون پہ لالہ رُخ بیگم آئیں بس ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں کچھ نہیں بول سکیں بعد میں میں نے نواب بیگم کو بتایا کہ شارق یہاں موجود ہے اور آرام سے سو رہا ہے یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا لیکن یہ سب آخر ہے کیا؟"

"خدا جانے" شوکت جاہ بے اختیار بول پڑے۔

"شارق تم بتاؤ۔۔"

"شرارت ڈیڈی۔۔۔ صرف شرارت۔۔۔ بیگم نواب کو پریشان کرنے کا منصوبہ۔۔"

"کس کا منصوبہ ہے یہ۔۔۔؟"

"محترمہ لالہ رُخ اسی قسم کی ایکٹیوٹی پسند کرتی ہیں۔"

"لغو، بیہودہ۔۔۔ انتہائی گھٹیا حرکت اور پھر مجھے بھی رو رو کر بے وقوف بنایا گیا۔ مگر خود تمہاری کوئی شرارت تو نہیں ہے اس میں۔"

"میری تمام تر مصروفیات کی تصدیق کر سکتے ہیں آپ ڈیڈی اور پھر میں بزرگوں کا احترام کبھی نظر انداز نہیں کرتا شرارت ہم عمروں سے کی جاتی ہے بزرگوں کو اس میں ملوث نہیں کیا جاتا۔ آپ اپنا اطمینان کر لیں اور خود فیصلہ کریں۔"

"انتہائی نامعقول حرکت ہے۔ لاحول ولاقوۃ" وہ بس بڑبڑائے اور پھر واپس پلٹ گئے۔ ان کے جانے کے بعد شوکت جاہ بولے۔

"عجیب و غریب شرارت ہے جس نے بھی کی ہے نہایت نامعقولیت کا ثبوت دیا ہے"

"کیا کہا جا سکتا ہے" میں گہری سانس لے کر بولا۔

"اچھا بیٹے آرام کرو۔ چلتا ہوں" شوکت جاہ اُٹھ گئے۔ پھر وہ باہر نکل گئے تھے۔ میں نے دروازہ بند کیا اور پھر میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔ لُطف آ گیا تھا تمام صورتِ حال میرے منصوبے کے مطابق تھی۔ آخر لڑکیاں تھیں چکر کھا گئیں گاڑی کے بارے میں تحقیقات ہی نہیں کی اور بھاگ پڑیں بعد میں کیا ہوا ہوگا ڈیڈی کی رپورٹ سے اندازہ ہو گیا تھا۔ غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کر کے لاش تلاش کی گئی اور پھر بیگم نواب کو طلب کر لیا گیا۔ الماس آرا کے چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں گے ایک طرف بیگم نواب کا عتاب نازل ہوگا تو دوسری طرف ڈیڈی۔۔۔ میں ہنستا ہوا لیٹ گیا تھا بہت دیر میں نیند آئی تھی لیکن نہ جانے کتنی دیر سو سکا تھا کہ زلزلہ آ گیا۔ دروازہ زور زور سے پیٹا جا رہا تھا۔ دماغ سناٹے میں آ گیا۔ کون ہے یہ۔۔۔ کیا ہو گیا۔۔۔ کچھ یاد نہیں رہا تھا۔۔۔ دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھا پانچ بجے تھے۔ ادھر دروازے پر مسلسل دھم دھم ہو رہی تھی۔ بمشکل تمام اُٹھا گون پہنا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھولا ہی تھا کہ بے شمار چیخیں بلند ہوئیں اور میں اُچھل پڑا۔ غول بیابانی دروازے پر موجود تھا۔ لالہ رُخ، جاودان، نیلوفر، روشن اور ان سب کے پیچھے الماس آرا۔۔۔

"خدا کی قسم۔ جان سے مار دوں گی۔۔۔ نہیں چھوڑوں گی۔" لالہ رُخ نے غرّا کر اندر دوڑ لگائی اور میں بمشکل اس کی زد سے بچا۔ جاودان کا چہرہ ضبط کی کوششوں سے سرخ ہو رہا تھا میں زور زور سے چیخنے لگا اور میری ان چیخوں سے لالہ رُخ رُک گئی۔

موقع ملتے ہی میں نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی اور ڈیڈی کے کمرے کی طرف دوڑ پڑا۔ اس شور اور ہنگامے سے دوسرے لوگ بھی جاگ گئے۔ کمروں میں روشنیاں جلنے لگیں۔ خود ڈیڈی بھی جاگ گئے تھے۔ میرے دروازہ بجانے سے پہلے انہوں نے دروازہ کھول دیا اور میں اُن سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ وہ غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر انہوں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا طوفان آگیا۔ کیا بدتمیزی ہے یہ۔۔۔؟"

"ڈیڈی میں تو سو رہا تھا۔ زور زور سے میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا اور جب میں نے دروازہ کھولا تو لالہ رُخ نے اچانک ہی مجھ پر حملہ کر دیا وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ چھوڑوں گی نہیں۔ بمشکل تمام وہاں سے بھاگ کر اس طرف آیا ہوں۔"

"لالہ رُخ۔۔" وہ چونک پڑے۔

"جی۔۔۔ جی ہاں ڈیڈی آپ۔۔۔ خ۔۔۔ خود دیکھ لیجئے" میں نے بوکھلاہٹ کی اداکاری کرتے ہوئے کہا اور وہ سامنے نگاہیں دوڑانے لگے۔ نصرت اور امجد بھائی بھی ڈیڈی کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کے بعد ہم سب ایک گروہ کی شکل میں آگے بڑھے تو انہوں نے سب سے پہلے بیگم نواب کو دیکھا جو پریشانی کے انداز میں اسی طرف آ رہی تھیں۔ وہ ٹھٹک گئے پھر چند قدم آگے بڑھ کر بولے۔

"آپ۔۔"

"خدا کی پناہ۔ کیا بُرا وقت نازل ہوا ہے مجھ پر۔ معاف کیجیے گا عطرت حسین انتہائی شرمندہ ہوں کہ اس طرح آپ تک آنا پڑا۔۔۔"

"کیا باقی بچیاں بھی آگئی ہیں۔۔"

"جی ہاں۔۔۔ رات بھر سفر کرتے رہے ہیں ہم لوگ معاف کیجیے گا ایک بار پھر میں آپ کو پریشان کرنے کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

"تشریف لائیے۔۔۔ جاؤ تم لوگ دیکھو کیا ہوا ہے ان بے وقوف لڑکیوں کو" اس بار انہوں نے نصرت حسین اور امجد حسین سے کہا تھا۔ میں البتہ ان کے ساتھ ہی رہا۔ بیگم نواب مجھے متحیرانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ پھر انہوں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو میں پہلے ہی ونڈر بوائے کہہ چکی ہوں تم بلاشبہ ایسی انوکھی صلاحیتوں کے مالک ہو کہ بعض اوقات نہیں انسان کہنے میں دقت محسوس ہوتی ہے" میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہو گیا۔ ڈیڈی خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے انہوں نے بیگم نواب کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجیے گا ابھی حاضر ہوتا ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے سے ملحق غسل خانے میں داخل ہو گئے۔ بیگم نواب پھر گہری گہری سانسیں لے کر مجھے دیکھنے لگیں تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"قصہ کیا تھا مجھے تو بتا دو۔۔" میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو انتہائی پریشان ظاہر کرنے لگا پھر میں نے کہا۔

"کیا آپ بھی اس بات پر یقین نہیں کریں گی کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔۔۔" بیگم نواب نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ اُن کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا۔ چند ہی لمحات کے بعد ڈیڈی باہر نکل آئے پھر انہوں نے مجھ سے کہا۔

"کسی سے چائے کے لیے کہہ دو۔ سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

"جی بہتر" میں نے کہا۔ اُسی وقت ایک ملازم کسی کام سے اندر داخل ہوا اور انہوں نے خود ہی اُس سے کافی لانے کے لیے کہہ دیا اس طرح میرا جانا بچ گیا تھا۔ باہر کے معاملات سے مجھے کافی دلچسپی تھی لیکن ڈیڈی اور بیگم نواب کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سُننا چاہتا تھا انہوں نے کہا۔

"براہ کرم اگر مناسب سمجھیں تو مجھے پورا قصہ بتا دیں۔"

"افسوس پورا قصہ تو مجھے بھی نہیں معلوم میں زمینوں پر تھی۔ کچھ قانونی معاملات سلجھا رہی تھی کہ یہ طوفان مجھ تک پہنچا۔ مجھے بتایا گیا کہ شارق حسین فرحت پور آئے تھے اور پھر نجانے کیوں انہوں نے دریائے نیلم میں کود کر خودکشی کر لی۔ اس کے بعد اُن کی لاش کی تلاش شروع ہو گئی اور ہم سب انتہائی پریشان ہو گئے۔ یہاں اطلاع دی گئی تو آپ نے مجھے بتایا کہ شارق یہاں موجود ہیں۔ لڑکیاں جو اپنی آنکھوں سے انہیں خودکشی کرتے ہوئے دیکھ چکی تھیں اور بُری طرح بدحواس تھیں اپنے آپ پر قابو نہ پا سکیں اور اُسی وقت روانگی کی تیاریاں شروع کر دی گئیں مجھے بھی گھسیٹ کر یہاں تک لایا گیا یہ ہے کل کہانی اس کا پس منظر کیا ہے مجھے نہیں معلوم" وہ گردن جھٹکنے لگے پھر بولے۔

"مگر شارق نے فرحت پور کا رُخ بھی نہیں کیا۔ لڑکیوں پر کسی دیوانگی کا دورہ تو نہیں پڑا۔"

"وہ سب صحیح الدماغ ہیں۔ بظاہر اُن میں جنون کے آثار نہیں ہیں اب یہ دوسری بات ہے کہ کسی نے ان سب ہی کو پاگل بنا دیا ہو" بیگم نواب نے ایک بار پھر مسکرا کر میری طرف دیکھا لیکن میرے چہرے پر دُنیا بھر کی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ ڈیڈی بھی میری طرف دیکھنے لگے اور بولے۔

"کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ پچھلے کچھ دنوں سے تم یہیں مقیم ہو اور تم نے یہاں سے باہر قدم نہیں نکالا۔"

"آپ کا حکم ہو گا ڈیڈی تو مجھے اس سے انکار نہیں۔ آپ ایسا کیجیے مجھے ایک کمرے میں قید کر دیجیے اور اس کے بعد میرے بارے میں تحقیقات کیجیے گا۔"

"ارے نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ تو ہوا ہی ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہیں کوئی۔۔۔ کوئی۔۔۔" بیگم نواب جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئیں۔ اتنی دیر میں شوکت جاہ بھی آ گئے اور تمام صورتِ حال اُن کے گوش گزار کی گئی۔ شوکت جاہ بھی گردن کھجانے لگے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"میں ذرا اُن بچیوں سے جا کر ملتا ہوں۔ صورتِ حال معلوم کروں آخر اُن پر یہ دیوانگی کیونکر طاری ہوئی۔ وہ فوراً ہی چلے گئے ملازم چائے لے آیا تھا۔ ڈیڈی نے بیگم نواب کو کافی پیش کی۔ میں نے بھی ایک پیالی اپنے لیے بنالی تھی اور ایک ان کے حوالے کر دی تھی۔ ہم تینوں چائے پی رہے تھے کہ شوکت جاہ پوری ٹیم کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ سب سے آخر میں لالہ رُخ تھی جس کے چہرے پر ابھی تک جنون کے آثار چھائے ہوئے تھے۔ انیلا البتہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ یا تو وہ پیچھے رہ گئی تھی یا کھسک گئی تھی۔ جاوداں اور نیلوفر بھی تھیں غرض شوکت جاہ کی سربراہی میں یہ تمام افراد کمرے میں داخل ہو گئے اور وہ کہنے لگے۔

"بھئی چونکہ اس وقت میں ذرا مختلف حیثیت کا حامل ہوں اور ایک فریق چائے پی رہا ہے اس لیے میں بھی چائے کا حقدار بنا۔" میں نے جلدی سے ایک پیالی بنا کر ان کے حوالے کر دی تھی۔ ڈیڈی لالہ رُخ کو گھورنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

"کیا قصہ ہے لالہ رُخ۔ یہ کیا گڑبڑ شروع کر دی تم نے۔ خود تو پریشان ہوتی ہی ہو۔ دوسروں کو بھی پریشان کرتی ہو۔ بیگم صاحبہ کو تم نے۔۔۔"

"ڈیڈی۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ بھائی جان۔۔۔ یہ بھائی جان۔۔۔"

"تمیز سے گفتگو کرو۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہ فرحت پور میں تھے اور۔۔۔ اور انہوں نے ہمارے سامنے دریائے نیلم میں کود کر خودکشی کی تھی۔"

"پھر کیا ہوا۔۔"

"پھر۔۔" لالہ رُخ متحیرانہ انداز میں ان کو دیکھنے لگی۔ وہ بولے۔

"شارق پچھلے طویل عرصے سے یہیں مقیم ہے اور کہیں نہیں گیا۔"

"جھوٹ ڈیڈی۔۔۔ بالکل جھوٹ۔۔۔ بالکل جھوٹ بولتے ہیں بھائی جان۔"

"کیا تمہیں یہ الفاظ اسی طرح ادا کرنے چاہیئے لالہ رُخ۔ بدتمیزی کی آخری حدود میں داخل ہو گئی ہو تم۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ آپ ان سب سے پوچھ لیجیے۔ جاوداں بھی تھیں نیلوفر بھی تھی اور انیلا۔ ارے یہ انیلا کہاں چلی گئی۔ انیلا" لالہ رُخ نے آواز دی لیکن اس کا پتا نہیں چلا تب وہ آہستہ سے بولی "الماس آرا بھی تھیں۔ سب لوگ تھے وہاں موجود جب انہوں نے خودکشی کی تھی۔"

"پوچھ سکتا ہوں خودکشی کی وجہ کیا تھی۔۔۔؟" میں نے سوال کیا اور لالہ رُخ بغلیں جھانکنے لگی پھر بولی۔

"پپ۔۔۔ پتا نہیں۔ بس آپ نے خودکشی کی تھی۔۔۔"

"تو حضرات مجبوری ہے مجھے مردہ تصور کر لیا جائے۔ مگر چائے کی یہ پیالی میں نہیں رکھ سکتا۔ اس تصور کے ساتھ کہ مُردے کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ میں ذرا کھانے پینے والا مُردہ ہوں" میں نے کہا اور کافی کا آخری گھونٹ بھر کر پیالی سامنے رکھ دی بیگم نواب اب مدھم انداز میں مسکرا رہی تھیں پھر انہوں نے کہا۔

"بھئی ایک قصہ میرے کانوں تک پہنچا۔ شارق میاں کو خدا کے فضل سے زندہ دیکھ کر دلی فرحت ہوئی اب اس جھگڑے کو ختم کیا جائے۔" ڈیڈی خاموشی سے ان سب کو دیکھ رہے پھر انہوں نے لالہ رُخ سے کہا۔

"لالہ رُخ شرارتوں میں بھی ایک معیار ہونا چاہیئے بیگم نواب کو اس سلسلے میں پریشان کرنا بالکل مناسب نہیں تھا۔"

"ڈیڈی آپ مجھے ہی کہے جا رہے ہیں۔ آخر۔۔۔ آخر ان سے بھی تو کچھ پوچھیے گا۔"

"تم ثابت کر دو کہ یہ فرحت پور میں تھے۔ میں ان سے بھی بہت کچھ پوچھ لوں گا۔"

"میں ثابت کر کے رہوں گی۔ آپ دیکھ لیجیے گا میں ثابت

کرکے رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر مقدمہ اس وقت ہمارے سامنے لایا جائے جب لالہ رُخ صاحبہ یہ ثابت کردیں کہ شارق فرحت پور میں تھے اور انہوں نے ان کے سامنے دریائے نیلم میں کُود کر خودکشی کی تھی۔" ان کا موڈ بھی نجانے کیوں اچانک خوشگوار ہو گیا لالہ رُخ کمرے سے باہر نکل گئی تھی پھر آہستہ آہستہ جاودداں وغیرہ بھی کمرے سے چلی گئیں آخر میں شوکت جاہ، بیگم نواب میں اور ڈیڈی رہ گئے تب اچانک ڈیڈی نے پوچھا۔

"کیا الماس آرا اسپین سے واپس آگئی؟ آپ نے ہمیں ایک دفعہ فون پر بتایا تھا۔"

"جی وہ واپس آگئی ہے۔" بیگم نواب نے جواب دیا۔

"کہاں ہے۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔آئی نہیں۔ میں بُلاتی ہوں۔"

"نہیں۔۔ نہیں رہنے دیجیے پھر مل لیں گے۔" انہوں نے کہا اور چند لمحات کے بعد اپنی جگہ سے سب ہی اُٹھ گئے۔

"آپ لوگ آرام کیجیے، ساری رات سفر کرتی رہی ہیں کمال ہے ان بے وقوف لڑکیوں نے آپ کو بھی پریشان کردیا۔" انہوں نے میری طرف رُخ کرکے کہا۔

"بیگم نواب کو کسی کمرے میں پہنچاؤ اور ان کے لیے تمام آرام کا بندوبست کردو۔۔"

"نہیں عطرت صاحب اب تو نیند اُڑ ہی گئی ہے۔ بس کمرے کا بندوبست آپ ضرور کردیں تاکہ غسل وغیرہ کرکے تھوڑی دیر ذہن کو پُرسکون کرلوں۔ ویسے کبھی کبھی اس قسم کی تفریحات بُری نہیں لگتیں۔ البتہ ان میں ایک غمناک پہلو شامل کردیا گیا تھا جو خدا کے فضل سے خود بخود ختم ہوگیا۔ چنانچہ اب میں بالکل تازہ دم ہوں۔"

میں خاموشی سے بیگم کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا اور انہوں نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"تم پہلی بار میرے سامنے جس انداز میں آئے تھے یقین کرو میں نے اُسی وقت تمہاری فراست اور ذہانت کا اندازہ لگا لیا تھا، یہ دوسری بات ہے کہ تم اپنے ہی بچّوں میں نکلے لیکن تمہارا یہ کارنامہ بھی سنہری کارنامہ ہے۔ آخر تم نے ان تمام لڑکیوں کو بے وقوف کیسے بنا دیا۔۔"

"بیگم صاحبہ۔۔۔!"

"بھئی اعتبار کرنا چاہو تو کرلو میں مجبور نہیں کروں گی۔ بس تم یوں سمجھو میں اس تفریح میں پورا پورا حصّہ لے رہی ہوں اور مجھے لُطف آئے گا۔ ایک بات کا وعدہ اور بھی کرتی ہوں جو کچھ تم بتاؤ گے وہ صیغۂ راز میں رہے گا۔" میں نے بیگم نواب کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے آپ نے ایسا داؤ مارا ہے کہ میں چاروں شانے چت ہوگیا!"

"اپنے بچّوں کو داؤ نہیں لگایا جاتا بلکہ اُن سے اعتماد کی درخواست کی جاتی ہے۔"

"نہیں کیسی باتیں کررہی ہیں آپ۔ دراصل ان لوگوں نے ایک شرارت کی تھی میرے ساتھ مجھے بہلا پھسلا کر فرحت پور لے گئیں اور وہاں انہوں نے اس قسم کی احمقانہ حرکتیں شروع کردیں جس سے یہ مجھے بے وقوف بنا سکیں۔ جب میں ان حرکتوں سے واقف ہوا تو میں نے جوابی کارروائی کا فیصلہ کیا ایک معمولی سی بات ہے بیگم صاحبہ میں اپنی کار میں فرحت پور پہنچا تھا اور اس وقت جب ہم دریائے نیلم گئے تھے تو میں اپنی کار ہی میں وہاں پہنچا تھا۔ جب کہ یہ لڑکیاں جیپ سے گئی تھیں۔ انہوں نے میری لاش کی تلاش تو شروع کردی میری کار کی تلاش نہیں کی۔۔۔"

"اوہ مائی گاڈ۔۔۔ واقعی واقعی۔" انہوں نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں میں بھی مسکرانے لگا تھا پھر میں انہیں لیے ہوئے ایک کمرے میں آگیا اور وہ کہنے لگیں۔

"الماس اگر مل جائے تو اسے اس کمرے ہی میں بھیج دینا اب تم جاؤ۔" اور میں خاموشی سے مُسکراتا ہوا وہاں سے واپس پلٹ پڑا سامنے ہی سب سے پہلے جاودداں نظر آئی تھی باقی لڑکیاں شاید اپنے اپنے کمروں میں جا گھسی تھیں۔ جاودداں نے مجھے دیکھا ٹھٹک گئی۔ میں مُسکراتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو اُس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لیے مجھ پر کسی قسم کا شک نہ کریں آپ جانتے ہیں کہ میں اس کھیل میں صرف گھسیٹی گئی تھی۔ عملی حصّہ میں نے قطعی نہیں لیا تھا۔"

"ارے۔۔۔ ارے جاودداں کیوں شرمندہ کررہی ہیں۔ کیا میں آپ پر شک کرسکتا ہوں پلیز یہ دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے جُدا کردیجیے میں۔۔۔ میں اپنے طور پر بھی یہ کوشش کرسکتا ہوں۔" جاودداں نے مُسکراتے ہوئے دونوں ہاتھ الگ کرلیے تھے پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

"شارق۔۔۔ یو آر جینیس۔۔۔ رئیلی یو آر جینیس۔۔۔"

"آداب عرض کرتا ہوں۔۔۔ آداب عرض کرتا ہوں۔" میں نے [illegible] کر کہا اور جاودداں ہنسنے لگی پھر بولی۔

"بڑا پُرہول ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ واقعی ہم سب ہی بُری [illegible]ح گھبرا گئے تھے کوئی تصور بھی نہیں تھا ذہن میں کہ یہ شرارت [illegible]ی حصّہ ہوسکتا ہے۔"

"محترمہ الماس آرا کہاں ہیں۔۔۔؟"

"پتا نہیں۔۔۔ میرے خیال میں انیلا بھی فوراً ہی فرار ہوگئی [illegible]سے خدشہ ہوگا کہ اس مسئلے میں اس کی ٹانگ بھی گھسیٹی جائے [illegible]" میں ہنستا رہا جاودداں چند لمحات کے بعد چلی گئی اور میں [illegible]پنے کمرے میں آگیا۔ کمرے میں داخل ہوکر میں نے دروازہ بند کیا [illegible]ر غسل خانے میں چلا گیا۔ لُطف آگیا تھا واقعی اُلٹی آنتیں گلے [illegible]ئی تھیں سوچ سوچ کر ہی ہنسی آرہی تھی دیر تک میں غسل خانے [illegible]ں نہاتا رہا اور اس کے بعد باہر نکل کر لباس وغیرہ تبدیل کیا [illegible]ر ایک آرام کرسی میں دراز ہوکر آنکھیں بند کرلیں یہ تمام کارروائی [illegible]ی نہیں رہی تھی۔ تھوڑا سا وقت ہی گزر گیا۔ جاوید قریشی کی [illegible]اپسی کا انتظار تھا اور اس کے بعد داراب شاہ کے کیس کو آگے [illegible]ھانا تھا۔ انہی سوچوں میں گُم تھا کہ دروازے پر ہلکی سی دستک [illegible]نائی دی اور میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا ایک ملازم [illegible]ی جس نے ناشتے کے کمرے میں طلبی کی اطلاع دی تھی۔ میں [illegible] گردن ہلائی اور خاموشی سے ناشتے کے کمرے کی جانب [illegible]ھ گیا وسیع و عریض میز آج بھری ہوئی تھی۔ سب ہی [illegible]جود تھے۔ بیگم نواب کے قریب ہی الماس آرا بھی بیٹھی ہوئی [illegible]ھی میں نے ایک سرسری نگاہ سب پر ڈالی۔ الماس آرا نے [illegible]یری طرف نگاہیں اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا ویسے کافی حسین [illegible]ظر آرہی تھی۔ چہرہ تو ویسے ہی پُرتمکنت تھا لیکن کوئی بھی نہیں [illegible] سکتا تھا کہ اس پُرتمکنت چہرے کے پیچھے شرارتوں کا ایک [illegible]خیرہ جمع ہے۔ میں نے بھی کوئی خاص توجہ نہ دی اُس پر اور [illegible] کرسی پر بیٹھ گیا ناشتا انتہائی خاموشی سے شروع ہوا تھا [illegible]لہ رُخ کا چہرہ اب بھی سُرخ ہو رہا تھا اور اُس سے کچھ کھایا بھی [illegible]ہیں جا رہا تھا بہرطور بڑی طوفان خیزی کی کیفیت تھی اُس میں۔ [illegible]یکن ایک بات میں بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ تمام کچھ محبت کی وجہ سے تھا لالہ رُخ کے دل میں میرے لیے کیسی بھی کیفیت ہو لیکن میری خودکشی پر وہ دیوانی ہوگئی تھی اور اُس کا میرے کمرے میں داخل ہونے کا انداز یہی بتاتا تھا کہ اُس کا سینہ پھٹا جا رہا ہے بہرطور وہ میری بہن تھی اور میں بھی ان جذبوں سے ناآشنا نہیں تھا بس چھیڑ چھاڑ ہی میں لُطف آتا تھا البتہ اتنا میں ضرور جانتا تھا کہ جب تک وہ دل کی بھڑاس نکال نہ لے گی۔ سکون سے نہ بیٹھے گی۔ کوئی ایسی اہم مصروفیت تو تھی نہیں کہ میں فوراً ہی باہر نکل جاتا۔ چنانچہ میں نے طے کرلیا تھا کہ لالہ رُخ سے ذرا دو دو ہاتھ ہو جانے ہی چاہیئے۔

ناشتے سے فراغت کے بعد سب لوگ وسیع و عریض کمرے سے باہر نکل آئے اور منتشر ہو گئے الماس آرا مجھ سے خاص طور سے اجتناب برت رہی تھی اور ابھی تک اس نے نگاہ بھر کر مجھے دیکھا بھی نہیں تھا چنانچہ میں نے بھی اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنے کمرے کی جانب چل پڑا مزا آرہا تھا اور یہ پورا دن یہیں گزارنے کا ارادہ رکھتا تھا بیگم نواب، ڈیڈی اور شوکت جاہ کے ساتھ تھیں گھر کے دوسرے افراد بھی انہی کے ساتھ تھے پھر ایک ایک کرکے آشیانے کی ذمہ دار چڑیاں تلاشِ رزق کے لیے اُڑ گئیں لڑکیاں اپنا گروہ بنائے بیٹھی تھیں اور ان کے درمیان نجانے کیا کھچڑی پک رہی تھی میں اپنے کمرے ہی میں تھا کہ شفق بھابی کا چہرہ جھانکتا ہوا نظر آیا اور میں نے ڈانٹ کر کہا۔

"خبردار خبردار اس طرح دوسروں کے کمرے میں جھانکنا بداخلاقی ہے۔" شفق بھابی مسکراتی ہوئی اندر آگئیں اور پھر انہوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے حقیقت بتاؤ۔"

"میری حقیقت ہی کیا ہے شفق بھابی آپ خود سمجھتی ہیں بے اوقات سا آدمی ہوں۔"

"لفظوں میں اُڑانے کی کوشش مت کرو تم جو کام بھی کرتے ہو بس ایسا ہی ہوتا ہے کیا قصہ ہے فرحت پور کا یہ سارے کے سارے عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ تمہارے خلاف اسکیمیں بن رہی ہیں لالہ رُخ تو اس وقت تم سے بہت بگڑی ہوئی ہے نیلوفر مجھے بتا رہی تھی کہ لالہ رُخ نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں دُرست کرکے رکھ دے گی۔"

"اچھا ہے بھابی میں خود بھی درست ہونا چاہتا ہوں۔"

"تم فرحت پور گئے تھے؟"

"لعنت ہے فرحت پور جانے والے پر۔"

"مگر یہ سب کچھ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"اب اگر اجتماعی دیوانگی طاری ہوگئی ہے ان پر تو میں

کیا کر سکتا ہوں بھابی ؟"

"بھئی تم کوئی نہ کوئی جھگڑا ایسا ہی کھڑا کر دیتے ہو یہ محترمہ الماس آرا بھی کچھ عجیب سی فطرت کی مالک ہیں ۔"

"جی ہاں ایسا ہی لگتا ہے بہت نک چڑھی ہیں کسی کو نظریں اُٹھا کر دیکھتی بھی نہیں ۔"

"نہیں ایسی بات تو نہیں ہے مجھ سے تو بڑی محبت سے میری خیریت پوچھ رہی تھی ۔" شفق بھابی نے کہا اور گردن ہلا کر بولیں ۔

"تم اس بات کا اعتراف نہیں کرو گے ٹھیک ہے بھئی جب اتنے بڑے بڑے لوگ تم سے کچھ نہ کہلوا سکے تو میں کیا کہلوا سکوں گی ۔"

"کیا پک رہا ہے آج ؟"

"باورچی خانے میں ہنگامہ برپا ہے ڈیڈی نے حکم دیا ہے کہ بیگم نواب کے اعزاز میں بہترین لنچ تیار کیا جائے چلتی ہوں بس ایسے ہی لڑکیوں کی باتیں سُن کر تمہاری طرف آگئی تھی ۔"

شفق بھابی کمرے سے باہر نکل گئیں اور میں سوچنے لگا کہ اب کوٹھی میں تفریحات کا آغاز کیسے کیا جائے ۔ وہ لوگ خصوصاً مجھ سے اجتناب برت رہی تھیں کوئی بھی مجھ تک نہیں آیا تھا انیلا کی تو صورت ہی گم ہو گئی تھی ایسی بھاگی تھی کہ پلٹ کر نہیں دیکھا تھا جانتی تھی کہ ساری آئی گئی اسی پر آئے گی لیکن لنچ پر احمد کمال مع انیلا کے موجود تھے باقی تمام لوگ بھی اس عظیم الشان لنچ میں شریک تھے ۔ باورچیوں نے بھی کمال کر دکھایا تھا بیگم نواب کے اعزاز میں یہ پُرتکلف لنچ بہت ہی شاندار رہا اور انہوں نے یہیں یہ اعلان کیا کہ دو بجے وہ واپس چلی جائیں گی ان کی اپنی مصروفیات ادھوری رہ گئی ہیں ۔ ڈیڈی نے انہیں روکنے کی کوشش تو انہوں نے کہا کہ الماس یہیں رُکے گی کچھ عرصے اس نے مجھ سے اجازت لے لی ہے مجھے موقع ملا تو پھر حاضری دُوں گی زمینوں کے کچھ الجھاوے ہیں ان بے وقوف لڑکیوں نے مجھے مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا جس کی وجہ سے سارے پروگرام ملتوی کر کے آنا پڑا انہیں اجازت مل گئی تھی [illegible] ہم نے انہیں رخصت کیا لینڈ کروزر ڈرائیور کے حوالے کر دی گئی تھی جس کی ذمے داری تھی کہ بیگم نواب کو واپس فرحت پور پہنچا دے ۔ الماس بیگم رُک گئی تھیں میں بھی ان کے استقبال کے لیے اچھی طرح تیار تھا ویسے اتنی بات میں ضرور جانتا تھا کہ باقی لڑکیوں کی نسبت الماس بہت خطرناک تھی اس کا تجربہ مجھے بہت پہلے ہو چکا تھا

وہ باعمل لڑکی تھی اور ہر خطرناک سے خطرناک کام کر گزرتی تھی جب کہ باقی خواتین جو یہاں موجود تھیں زیادہ سے زیادہ سازشیں کر سکتی تھیں الماس کا مقابلہ بڑی پامردی سے کرنا تھا وقت گزرتا رہا جاوداں خصوصاً میرے قریب آنے سے گریز کر رہی تھی کیونکہ اس بات کے امکانات تھے کہ اسے میرا مخبر سمجھ لیا جائے گا اس کا اظہار اس نے شام کو پانچ بجے کر دیا تھا اور میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ فکر نہ کرے میں اکیلا ہی ان سب کے لیے کافی ہوں جاوداں نے البتہ ایک بات میرے کان میں پھونک دی تھی اس نے کہا تھا ۔

"آپ جانتے ہیں کہ الماس بیگم یہاں کیوں رُکی ہیں ؟"

"جلدی سے بتا دیجیے ۔" میں نے کہا ۔

"یہ ذمے داری انہوں نے قبول کی ہے کہ آپ کو دُرست کر کے رکھ دیں گی ۔"

"خیر میں تو ہر شخص کے ہاتھوں درست ہونے کے لیے تیار ہوں ان الماس آرا کو بھی کوشش کر لینے دیں ۔" میں نے جواب دیا دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کے بعد سے کسی لڑکی نے بھی میری جانب رُخ نہیں کیا تھا ۔ البتہ شام کی چائے ذرا باعثِ دلچسپی ہو سکتی ہے شام کی چائے پر کچھ تفریحات کا آغاز ہو جائے لیکن اس سے پہلے ہی ایک اور گڑبڑ ہو گئی میں اپنے کمرے میں تھا کہ شفق بھابی نے مجھے اطلاع دی کہ میرا ٹیلی فون آیا ہے کوئی صاحب بات کرنا چاہتے ہیں طاہر زیدی نام بتایا ہے میں متحیرانہ انداز میں ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا

"ہیلو ۔" ایک مردانہ آواز اُبھری ۔

"کون صاحب بول رہے ہیں ؟"

"فدوی کو طاہر زیدی کہتے ہیں جناب شارق حسین صاحب سے بات کرنی ہے ۔"

"میں شارق بول رہا ہوں ۔"

"آس پاس کون ہے ؟" اسی مردانہ آواز میں پوچھا گیا ۔

"کوئی نہیں ہے فرمائیے ۔" میں نے سرد لہجے میں کہا ۔

"حضور والا جناب من میرا مطلب ہے جناب چیف صاحب خادمہ نگہت شیراز بول رہی ہے ۔" دوسری طرف سے آواز بدل گئی اور میں حیرت سے اُچھل پڑا ۔

"ارے نگہت تم پہلے کون بول رہا تھا ؟"

"قدرت ۔" نگہت نے جواب دیا ۔

"یعنی وہ تم ہی تھیں ۔"

"جی بندہ پرور ۔" نگہت کی شرارت آمیز آواز سنائی دی ۔

"کمال ہے اس کا مقصد ہے کہ تم آواز بدلنے پر بھی قادر ہو ۔"

"بہت سی چیزوں پر قادر ہوں اور بہت سی چیزوں پر قادر نہیں ہوں کہاں ہیں چیف بالکل ہی غائب ہو گئے ؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں بس اتفاق سے تم سے ملاقات نہ ہو سکی ۔"

"کب ہو رہی ہے ملاقات ؟"

"جب تم چاہو ۔"

"تو پھر اگر مناسب فرمائیں تو آج شام کو میرے فلیٹ پر شملے کی مرچیں اور قیمے کا ڈنر فرمائیے گا اس کے ساتھ کچھ اور لوازمات بھی تیار کر لوں گی میرا خیال ہے میں اس میں ایکسپرٹ ہوں ۔"

"ہوں کوئی اہم بات ہے ؟"

"جی ہاں ۔"

"کیا... ؟"

"شملے کی مرچیں اور قیمہ ۔" نگہت نے جواب دیا اور مجھے ہنسی آ گئی ۔

"ہر چند کہ یہ ایک مشکل کام ہے لیکن بہر طور میں پہنچوں گا ۔"

"بہت بہت نوازش میں جانتی ہوں کہ آپ کو سات سمندر پار کر کے آنا ہو گا بڑا مشکل کام ہے واقعی نگرا جائیے گا انتظار کروں گی ۔"

"اوکے نگہت اوکے ۔" میں نے جواب دیا اور نگہت نے فون بند کر دیا ۔ ریسیور رکھ کر میں پُرخیال انداز میں گردن ہلاتا ہوا باہر نکل آیا لان پر چائے کا بندوبست کر دیا گیا تھا اور میں بھی اس طرف چل پڑا ۔ نگہت ذہن میں تھی اس کا یہ بلاوا کوئی معنویت تو نہیں رکھتا اس دوران دراب شاہ کے گھر کا بھی کوئی پتا نہیں چل سکا تھا کئی کام کرنے تھے اس وقت تو شام کی چائے میں شرکت لازمی تھی میرے خلاف متحدہ محاذ بنا ہوا تھا بے چاری جاوداں کو بھی زبردستی اس میں گھسیٹا گیا تھا لڑکیوں نے اپنی نشست گاہ الگ بنائی ہوئی تھی مجبوراً مجھے ڈیڈی کے ساتھ بیٹھنا پڑا اور خشک قسم کی گفتگو میں حصہ لینا پڑا میں نے بھی ان لوگوں کی جانب توجہ نہیں دی تھی حالانکہ بار بار تیکھی نگاہوں سے میری جانب دیکھا جا رہا تھا فی الحال ذہن نگہت کی جانب متوجہ تھا اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ ان تیکھی نگاہوں کا جواب بعد میں دیا جائے گا لڑکیوں نے خصوصاً میرا بائیکاٹ کیا ہوا تھا اور مجھے خوشی تھی کہ کم از کم میرے مشاغل میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہو گی ساڑھے سات بجے ہی خاموشی سے گھر سے باہر نکل آیا تھا اور کسی کو ہوا بھی نہ لگنے دی تھی تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اس کے فلیٹ کی جانب جا رہا تھا ۔ آٹھ بجنے میں چند منٹ باقی تھے جب میں نے اس کے فلیٹ کی بیل بجائی اور چند ہی لمحات کے بعد دروازہ کُھل گیا نگہت اپنی تمام تر شوخیوں کے ساتھ موجود تھی مجھے جُھک کر آداب کیا گیا اور اس کے بعد میں نے اس کی والدہ سے ملاقات کی بڑے اچھے لوگ تھے بہت ہی سادہ لوح اور پُرمحبت نگہت نے ان سے میرا مکمل تعارف کرا دیا تھا اس لیے وہاں میرا بڑا احترام کیا جاتا تھا نگہت مجھے ڈرائنگ رُوم میں لے گئی اور پھر صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کر کے بولی ۔

"چیف کھانا کتنی دیر میں کھائیں گے ۔ میرا مطلب ہے کھانے سے پہلے کچھ چائے وغیرہ کا بندوبست کروں ۔" میں نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا ۔

"پہلے اس تقریب کی وجہ پتا چل جائے تو زیادہ اچھا ہے ۔"

"وجہ بتائی تھی نا چیف آپ کو شملے کی مرچیں اور قیمہ ۔"

"یہ کوئی وجہ ہوئی ؟"

"ہاں ہے کھائیے تو بتائیے کہ میرا کہا دُرست تھا یا نہیں ۔"

"تو پھر ٹھیک ہے چائے وغیرہ کا اہتمام نہ کرو کھانا ہی کھا لیں گے ۔"

"اوکے چیف اوکے ۔" اس نے کہا اور مجھے ڈرائنگ رُوم میں چھوڑ کر باہر نکل گئی تقریباً دس منٹ کے بعد وہ واپس آئی تھی ۔ میں مسلسل مشتبہ نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا اس کا اس طرح بلانا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا میں نے اس سے سوال کیا تو وہ جھلا کر بولی ۔

"کمال ہے چیف یعنی اب ہمارا اتنا حق بھی نہیں ہے آپ پر کہ ہم کبھی آپ کو اپنی کسی خوشی میں شریک کر لیں ۔"

"بھئی میں تمہاری ہر خوشی میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن تم خود اتنی پُراسرار شخصیت کی مالک ہو کہ تمہاری ہر نئی بات پر حیرت ہوتی ہے ۔"

"بڑی خوشی ہوئی یہ بات سُن کر سُنا ہے پُراسرار شخصیتیں پُرکشش بھی ہوتی ہیں ۔ بہر حال چیف بتائیے آپ نے اتنے دن تک کیا کیا دراب شاہ کا معاملہ کس حد تک پہنچا وغیرہ وغیرہ بہت سے ایسے سوالات ہیں جو میرے ذہن میں چکرا رہے ہیں آپ نے تو مجھ سے رجوع نہیں کیا میں نے سوچا خود ہی اپنی انا

کو توڑ لیا جائے ورنہ کبھی کبھی جی یہ چاہتا کہ کوئی ہمیں ... مخاطب کرے ۔" میں مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتے رہ کر میں نے کہا۔

" اپنے آپ کو کون مخاطب کرتا ہے نگہت ؟"

" کک... کیا سمجھی نہیں چیف براہ کرم وضاحت، وضاحت "!

" مطلب یہ کہ میں تمہیں اپنے وجود سے الگ نہیں سمجھتا نہ ملنا مصروفیت کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے وجود تو یکجا ہی رہتے ہیں ۔"

" اللہ میں مر جاؤں کیا کروں ؟" وہ اپنے بال نوچنے لگی اور میں ہنستا رہا پھر وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

" کھانے میں بس اتنی ہی دیر باقی تھی آیئے چیف پہلے اس فریضے سے سبکدوش ہو جائیں ۔" میں نے شانے ہلا دیے تھے وہ مجھے لے کر اس کمرے میں پہنچ گئی جہاں ایک چھوٹی سی خوبصورت ڈائننگ ٹیبل پڑی ہوئی تھی ڈائننگ ٹیبل پر اس کے مختصر سے اہل خاندان کے علاوہ ایک اجنبی شکل بھی موجود تھی ایک دُبلی پتلی دراز قامت لڑکی جو سادہ سے لباس میں ملبوس تھی خدوخال بہت خوبصورت تھے لیکن چہرے پر افلاس کی جھلکیاں تھیں بہت بھی مرنجان مرنج نظر آ رہی تھی میں نے سوالیہ نگاہوں سے نگہت کو دیکھا اور اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی تھوڑے ہی فاصلے پر وہ لڑکی بھی بیٹھ گئی تھی میں نے اس کے بارے میں جاننے پر اصرار نہ کیا اور خاموشی سے کھانے کا آغاز ہو گیا سادہ سا کھانا تھا لیکن لذت سے بھر پور میں نے کھانے سے فراغت حاصل کر کے دل کھول کر اس کھانے کی تعریف کی تھی اور اس نے خوشی سے اُچھلتے ہوئے کہا۔

" آیئے چیف اب ذرا الگ کمرے میں بیٹھ کر چائے وغیرہ سے شغل ہو جائے میں اپنی دوست سے بھی آپ کا تعارف کراؤں گی آپ نے بھی سوچا ہو گا کہ کیسی بد اخلاق ہے کہ ایک اجنبی شخصیت سامنے آئی ہے لیکن تعارف نہیں کرایا میں نے سوچا کہ ذرا اطمینان سے تعارف ہو جائے تو زیادہ لطف آئے گا آؤ نورین ۔" اس نے دُبلی پتلی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر کہا اور اس کے بعد ہمیں لیے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی اپنی والدہ سے اس نے چائے کے لیے کہہ دیا تھا ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اس نے کہا۔

" ہاں تو یہ ہیں مس نورین ایک اسکول میں ٹیچر ہیں اور یہ ہیں شارق آشیانے کے باسی قانون ان کے گھر کی کھیتی ہے سارے کا سارا قانون ان کے گھر میں پلتا ہے خود بڑی عظیم شخصیت کے مالک ہیں ۔" نورین نے گردن خم کی اور مدھم سی آواز میں بولی۔

" اخبارات میں شارق صاحب کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے ۔"

" واہ واہ یہ بات ہمیں پہلے نہیں بتائی گئی غالباً شارق صاحب کے لیے محفوظ کر کے رکھی گئی تھی ۔" نگہت بولی اور نورین آہستہ سے مسکرا دی اس کی مسکراہٹ بہت حسین تھی نگہت شیراز نے کہا۔

" تو جناب اب جگر تھام کے بیٹھ جایئے اب ہماری باری آئی ہے ہم بہت ہی نفیس قسم کے انسان ہیں کسی کو زیادہ پریشان نہیں کرتے اس لیے آپ حضرات کے درمیان بھی تکلف قائم نہیں رہنا چاہیے جناب شارق مس نورین کو آپ نورین دراب شاہ کہہ کر پکار سکتے ہیں ۔" میں نے سرسرے انداز میں نگہت کی بات سُنی لیکن دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک دھماکا ہوا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ میرے چہرے پر اپنے الفاظ کا ردِعمل تلاش کر رہی تھی اور جب اس نے میری یہ کیفیت دیکھی تو اس کی آنکھوں میں فخر کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

" گڈ گڈ آپ کی کیفیت بتاتی ہے کہ ہم واقعی دھماکا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ۔"

" کک... کیا نورین... دد... دراب شاہ ؟"

" جی ہاں فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کی سب سے پہلی بیگم کی صاحبزادی مس نورین دراب شاہ ۔"

" اوہ میرے خدا..." میرے مُنہ سے متحیرانہ انداز میں نکلا۔

" چائے آنے والی ہے چیف باقی گفتگو اگر اس کے درمیان ہی ہو تو کیسا رہے گا ؟" نگہت نے کہا میرے مُنہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے نورین کو دیکھ رہا تھا اور نورین کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں چند لمحات کے بعد میں نے سنبھالا لیا اور پھر نگہت شیراز سے بولا۔

" تو تم پھر ایک کارنامہ سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئیں ۔"

" بات یہ ہے چیف کہ انسان کو روزی برقرار رکھنے کے لیے تھوڑی بہت محنت تو کرنا ہی ہوتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ لوگ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتے حالانکہ بعض لوگ بڑی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں جیسے ہم ۔"

" تم نے مس نورین کو تلاش کر کے واقعی ایک قابلِ فخر کارنامہ انجام دیا ہے نگہت بشرطیکہ تم مجھے اس بات کا یقین دلا دو کہ یہ نورین دراب شاہ ہی ہیں ۔"

" ارے واہ اب آپ نے راستہ تبدیل کر لیا بھئی نورین تم ہی بتاؤ کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں ؟" نورین نے نگاہیں اٹھائیں اور آہستہ سے بولی۔

" نہیں شارق صاحب۔ میرا نام نورین ہی ہے اور میں واقعی فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کی بیٹی ہوں ۔"

" مس نورین آپ کہاں تھیں ؟"

" دوسرے شہر میں۔ میں وہاں ایک اسکول میں ٹیچر ہوں میری والدہ کا انتقال ہو چکا ہے اور میں تنہا ہی زندگی بسر کرتی ہوں اسکول کی ملازمت سے میری کفالت ہو جاتی ہے اور بس ۔" نورین نے جواب دیا میں تعریفی نگاہوں سے نگہت شیراز کو دیکھنے لگا اور پھر میں نے اس سے کہا۔

" نگہت پلیز یہ بتا دو کہ تم نے نورین کو کس طرح دریافت کیا یہ کام واقعی آسان نہیں تھا ۔"

" ہونہہ آسان۔ جناب عالی آسان کام کرنے والے آپ کو سڑکوں پر بہت سے چلتے پھرتے نظر آ جائیں گے ہمارا نام نگہت ہے کیا سمجھے آپ ؟"

" بھئی تم اپنے اس کارنامے کے عوض مجھ سے جتنی تعریف کرانا چاہو کرا لو لیکن کم از کم بتا تو دو کہ تم ان تک پہنچیں کیسے ؟"

" بتانا ضروری ہے چیف ۔"

" تمہاری مرضی ہے نہ بتانا چاہو تو نہ بتاؤ ۔" میں نے کسی قدر ناخوشگوار انداز میں کہا اور نگہت جلدی سے بولی۔

" ارے تمہیں ایسا کر کے بھلا زندہ رہ سکیں گے ہم چیف بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں ہم آپ نے ہمیں یہ تھوڑے سے واقعات بتائے اور ہمارا ذہن ایک جانب دوڑ گیا کچھ عرصے قبل ایک ہفت روزہ رسالے میں جس میں سچی آپ بیتیاں چھپتی ہیں ہمیں مس نورین کی آپ بیتی بھی نظر آئی تھی بس سرسری نگاہ ہی سے پڑھا تھا اس کو لیکن آپ کی بات کا وزن محسوس کر کے وہ آپ بیتی یاد آ گئی اور اس کے بعد ہم نے چھان بین شروع کر دی رسالے کے دفتر سے یہ معلوم کیا کہ یہ آپ بیتی براہِ راست بھیجی گئی تھی یا ڈاک سے آئی تھی پتا چلا ڈاک سے آئی تھی اور بھیجنے والے نے اس پر اپنا پتا بھی لکھا تھا یہ کہہ کر کہ اگر وہ ناقابلِ اشاعت ہو تو اسے واپس کر دیا جائے بس جناب باقی کام ہمارا تھا پتا حاصل کیا اور پہنچ گئے ان کے شہر اور اس کے بعد انہیں تلاش کر لیا۔ نورین نے اپنی آپ بیتی میں اپنے والد دراب شاہ کا نام تو نہیں لکھا تھا لیکن ہم بھی ایک ہی کائیاں ہیں بس جناب اس کے بعد یہ تھیں اور ہم، ہم تھے اور یہ زبردست اخلاقی معرکہ ہوا ہم نے انہیں کچھ اور سچی آپ بیتیاں سُنائیں اور انہیں متاثر کر کے اُڑا لائے ۔"

" تم نے واقعی ناقابلِ یقین کارنامہ انجام دیا ہے ۔"

" شارق صاحب نگہت ہی نے مجھے بتایا ہے کہ ابّو کے بیٹے محسن کی زندگی خطرے میں ہے اور میرا بیان اُن کی زندگی بچا سکتا ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے ؟"

" ہاں نورین۔ اس سلسلے میں تمہاری اشد ضرورت تھی۔ تمہارا مل جانا میں سمجھتا ہوں ایک زندگی کی ضمانت ہے۔ براہِ کرم تم مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دو ۔"

" آپ مجھ سے سوالات کریں۔ آپ کے سوالات کے بغیر میں اپنے حالات کی ترتیب نہ کر پاؤں گی ۔"

" بہتر ہے۔ حالانکہ آپ اپنی سچی کہانی تحریر کر چکی ہیں ۔"

" وہ میں نے نہیں کی تھی ۔"

" پھر... ؟"

" جس اسکول میں، میں پڑھاتی ہوں وہاں میری ایک ٹیچر دوست ہیں جو مضمون نگاری کا شوق رکھتی ہیں۔ انہیں میرے حالات معلوم تھے بس انہوں نے ان کی ترتیب کر کے رسالے کے دفتر بھجوا دی ۔"

" اوہ۔ کوئی حرج نہیں ہے مس نورین۔ میں اپنے سوالات کا آغاز آپ کی مرحومہ والدہ سے کرتا ہوں۔ کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کے والد دراب شاہ اور آپ کی والدہ کے درمیان اختلاف کیوں ہوا... ؟"

" اس وقت میں بہت چھوٹی تھی۔ امّی نے مجھے بعد میں یہی بتایا کہ ان دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی نہیں تھی ۔"

" اس علیحدگی کے بعد آپ کی امّی دوبارہ کبھی دراب شاہ سے نہیں ملیں ؟"

" کبھی نہیں حالانکہ ہم لوگوں نے ہمیشہ عسرت میں زندگی گزاری ہے بمشکل تمام میں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی اس کے لیے امّی کو شدید مشقت کرنی پڑی تھی ۔"

" آپ کے اہلِ خاندان میں کوئی نہ تھا... ؟"

" نزدیک کا کوئی نہ تھا۔ دُور کے چند عزیز تھے لیکن میری ماں خوددار تھی بُرے وقت میں اس نے کسی کا سہارا لینا پسند نہ کیا اور گمنامی میں ہی زندگی بسر کر دی۔ ہم ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے ماں ٹیوشن پڑھاتی تھی اور گزارہ کرتی تھی

طویل عرصے کے بعد ایک بار انہوں نے مجھے میرے باپ کا نام بتایا تھا۔ پھر ایک بار ہم نے ابّو کو اس وقت دیکھا جب وہ ہمارے شہر میں ایک فلم کی شوٹنگ کر رہے تھے۔ میرا دل بہت چاہا تھا ان سے ملنے کے لیے مگر۔۔"

"کیا آپ کی والدہ کو علم تھا کہ دراب شاہ نے دوسری شادی کر لی ہے؟"

"ہاں وہ جانتی تھیں"

"محسن شاہ سے کبھی آپ کی ملاقات ہوئی؟"

"کبھی نہیں۔۔"

"آپ کو اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ محسن کی والدہ بھی انتقال کر گئیں"

"امّی ان معلومات کے کچھ ذرائع رکھتی تھیں انہوں نے ہی مجھے بتایا تھا"

"کیا آپ کو دراب شاہ کی تیسری شادی کے بارے میں بھی معلوم تھا؟"

"جی ہاں۔۔"

"آپ کی والدہ نے اس کے بعد کبھی دراب شاہ سے رابطہ قائم نہیں کیا؟"

"کبھی نہیں۔۔"

"کوئی ایسی بات مس نورین جو محسن شاہ کی زندگی کے لیے معاون ہو سکے۔ آپ نے ابھی کہا تھا کہ آپ کا بیان محسن کی زندگی بچا سکتا ہے؟"

"یہ میں نے نہیں کہا کیونکہ میرے بیان میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے لیکن مس نگہت کا کہنا ہے کہ میرا بیان محسن کی زندگی کی ضمانت ہے بعد میں آپ نے بھی اس کی تصدیق کی"

"بات دراصل یہ ہے چیف کہ میں نورین سے کچھ زیادہ تفصیلی بات کر چکی ہوں اور اس سلسلے میں کچھ کام بھی۔ مس نورین اب آپ وہ تفصیل بھی شارق صاحب کو بتا دیں جس کے تحت میں نے یہ بات کہی تھی"

"جی بہتر۔۔ شارق صاحب میرے اہلِ خاندان میرا مطلب ہے امّی کی طرف کے لوگ کچھ زیادہ بہتر نہیں تھے درمیانے درجے سے بھی نچلے لوگ ہیں سب کے سب تباہ حال اور بعض جرائم پیشہ بھی۔ امّی کے ان سے نہ ملنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ انہیں میں ایک صاحب فرید احمد نام کے بھی تھے جو رشتے میں میرے ماموں لگتے تھے۔ فرید احمد کے بارے میں میں زیادہ نہیں جانتی بس میں نے انہیں پہلی بار اس وقت دیکھا جب وہ امّی کے ساتھ گھر آئے انہیں کہیں راستے میں مل گئے تھے اور دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ بعد میں مجھے ان کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔ وہ خاندان میں اچھی نگاہ سے نہ دیکھے جاتے تھے اور ان کا ذریعہ معاش بہتر نہ تھا۔ بعد میں کسی طرح وہ بیرونِ ملک چلے گئے اور غالباً دبئی میں کوئی ملازمت کرنے لگے۔ ان کی اس ملازمت کا کیا ہوا کچھ پتا نہیں چل سکا لیکن انہوں نے بتایا کہ وہ وہاں سے واپس آ گئے ہیں۔ پھر انہوں نے امّی سے ان کی زندگی کے بارے میں پوچھا تو امّی نے سادگی سے ابّو سے علیحدگی وغیرہ کے بارے میں بتا دیا جس پر فرید احمد مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے امّی کے سامنے قسمیں کھائیں کہ وہ انہیں ان کا حق دلوا کر رہیں گے۔ امّی نے منع کر دیا کہ وہ ایسی کوئی شے نہیں چاہتیں لیکن ماموں صاحب بضد ہو گئے انہوں نے کہا کہ ایک بھائی کی حیثیت سے یہ ان کا فرض ہے کہ اُن کو اُن کا حق دلائیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دراب شاہ عیش کرے اور ہم لوگ بے بسی کی زندگی گزاریں پھر وہ چلے گئے اور طویل عرصے تک ہم سے نہ ملے اسی دوران امّی کا انتقال ہو گیا۔ مجھے ماموں صاحب یاد نہ رہے تھے۔ امّی کے انتقال کو کچھ عرصہ گزر گیا تھا کہ اچانک ماموں صاحب پھر آ گئے۔ امّی کی موت پر انہوں نے بہت آنسو بہائے اور بتایا کہ وہ کسی مسئلے میں اُلجھ گئے تھے لیکن اب وہ اپنا فرض ضرور پورا کریں گے۔ انہوں نے مجھے بڑے سبز باغ دکھائے اور آخر میں یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ اب وہ میرے سامنے اس وقت آئیں گے جب قانون کو میرا حق دلانے پر مجبور کر دیں گے۔ اس کے بعد سے آج تک ان کا پتا نہیں چل سکا۔ اس قصے کو بھی کوئی آٹھ ماہ گزر چکے ہیں"

میرا ذہن بُری طرح چیخنے لگا۔ اچانک ہی بہت سے در کھل گئے تھے۔ فرید احمد۔۔۔ الیاس خاں۔۔ فرید احمد۔۔۔ نورین۔۔۔ دراب شاہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ معمّہ حل ہو گیا تھا اور اس کا سہرا نگہت شیراز کے سر تھا۔۔۔

نگہت نے مجھے جتنا متاثر کیا زندگی میں کسی اور نے نہیں کیا تھا۔ اس کی ذہانت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ حالانکہ میں اسے صرف ضمنی امور میں استعمال کرتا تھا مگر اسے بس ذرا سا موقع ملنا چاہیے کہیں سے کہیں پہنچ جاتی تھی۔ اس وقت بھی اس نے میرے ذہن کے سارے بند دریچے کھول دیے تھے اور میں حالات کی گہرائیوں میں اُترتا جا رہا تھا۔

دیر تک خاموشی طاری رہی پھر نگہت نے مجھے ٹوکا "ہیلو چیف اب واپسی ہو جانی چاہیئے"

"اوہ۔ ہاں واپسی ہو گئی" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت دُور نکل گئے تھے چیف"

"اس میں کوئی شک نہیں، تم نے بہت دُور پہنچا دیا تھا۔ سوری مس نورین" نورین نے گردن خم کر دی تھی۔

"نورین کے بیان سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہوا چیف۔۔؟"

"یوں سمجھ لو نگہت کہ مس نورین ایک زندگی کے لیے مسیحا بن سکتی ہیں اگر یہ تعاون کریں"

"نورین میری دوست بن چکی ہیں اور ہر تعاون کے لیے آمادہ ہیں" نگہت نے جواب دیا۔

"کیوں مس نورین۔۔۔؟"

"میں بھی انسان ہوں شارق صاحب انسانی نقطۂ نگاہ سے اگر میرا ناکارہ وجود کسی کی زندگی بچانے کے لیے کار آمد ہو سکتا ہے تو میں کس طرح انکار کر سکتی ہوں"

"اس سلسلے میں آپ کی مدد سے بساط اُلٹ سکتی ہے مس نورین، ایک سوال کروں آپ سے۔۔۔؟"

"ضرور۔۔"

"آپ کے دل میں کبھی اپنے باپ سے غصّے کی خواہش پیدا ہوئی؟" میرے اس سوال پر نورین کچھ دیر خاموش رہی پھر افسردہ ہو گئی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"جب کچے ذہن کی مالک تھی اور مجھے معلوم ہوا کہ میرے والد زندہ ہیں تو میں نے امّی سے بہت ضد کی تھی مگر انہوں نے اجازت نہ دی"

"اب اگر میں آپ سے درخواست کروں کہ آپ ان سے مل لیں تو کیا یہ ممکن ہو گا۔۔۔؟"

"نہیں۔۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔ آپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر آپ اس سلسلے میں مدد کا وعدہ کرتی ہیں تو دراب شاہ سے آپ کا سامنا تو ہو گا"

"اس پر مجھے اعتراض نہیں ہے"

"بے حد شکریہ۔ ابھی آپ نے فرمایا کہ اخبارات میں میرے بارے میں پڑھا ہے"

"کافی پڑھا ہے اور سوچا بھی ہے۔ دُکھی انسانیت کے لیے آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ ستائش ہے۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ مجھ جیسی معمولی ہستی کی آپ جیسے بڑے انسان سے ملاقات بھی ہو سکتی ہے آپ سے مل کر میں نے خوشی محسوس کی ہے"

"اب مجھے اپنے اس مشن میں آپ کی ضرورت ہے۔ یہ ذرا قابلِ افسوس بات ہے کہ آپ بھی اس سے تھوڑا بہت متعلق ہیں۔ ممکن ہے آپ اسے عجیب محسوس کریں لیکن میرے نقطۂ نگاہ سے آپ متفق ہیں تو بہتر ہے کہ خود کو اس سے غیر متعلق ہی تصور کریں۔ شاید نگہت نے آپ کو اس بارے میں پوری تفصیل بتا دی ہے"

نورین اور نگہت پوری توجہ سے میری باتیں سُن رہی تھیں، میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"المیہ یہ ہے مس نورین کہ محسن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور وہیں کی ایک لڑکی سے متاثر تھا لیکن وہ لڑکی ذرا مختلف فطرت کی مالک تھی۔ وہ امارت پسند تھی اور اس کا نظریہ یہی تھا کہ انسان کے پاس کچھ بھی نہ ہو لیکن اُسے مالی فراغت حاصل ہونی چاہیئے۔ محسن نے جب اُسے یہ بتایا کہ اُسے اپنے باپ سے شدید اختلاف ہے اور وہ زیادہ وقت اُس کے ساتھ نہیں گزارے گا تو اس لڑکی نے محسن کے ساتھ اختلاف کیا اور اس نے اپنا نظریہ بالکل واضح کر دیا۔ محسن نے اس لڑکی کے خیالات جانتے ہوئے اس سے قطع تعلق کر لیا وہ کسی بھی قیمت پر اپنے باپ کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزارنا چاہتا تھا لیکن اسی دوران اس کے ساتھ ایک اور بھیانک المیہ ہو گیا۔ وہ یہ کہ صوفیہ یعنی وہ لڑکی محسن سے دُور ہٹنے کے بعد دراب شاہ سے مل گئی اور کچھ ایسے واقعات پیش آ گئے کہ دراب شاہ نے اسے شادی کی پیشکش کر دی۔ جب کہ دراب شاہ کو یہ بات بالکل نہیں معلوم تھی کہ صوفیہ، محسن سے محبت کرتی ہے اور محسن بھی اُسے چاہتا ہے۔ دراب شاہ اور صوفیہ کی شادی ہو گئی اور صوفیہ جو محسن کی محبوبہ تھی اس کی سوتیلی ماں بن کر اس گھر میں پہنچ گئی۔ میں ایک انسان کی حیثیت سے پوری طرح اس کا تجزیہ کر سکتا ہوں کہ محسن پر کیا گزری ہو گی۔ وہ بالکل ہی دیوانگی کی حدود میں داخل ہو گیا کسی نہ کسی طرح گزارا ہوتا رہا اور اس کے بعد جب محسن پر قتل کا الزام لگا تو اُس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس قتل کو اپنے سر قبول کر لیا۔ یہ ایک اور دُکھ بھری بات ہے نورین کہ ایک بے گناہ انسان اس طرح موت کے مُنہ میں چلا جائے۔ دراب شاہ کو واقعی یہ علم نہیں تھا کہ

صوفیہ نے یہ کردار ادا کیا ہے۔ یہ بہت بعد میں اسے معلوم ہوا۔ غرض یہ کہ یہ معاملات اس شکل میں ہیں۔ جب کہ قاتل کوئی اور ہے اور اس میں براہ راست تمہارا ملوث ہونا پایا جاتا ہے۔"

میرے ان الفاظ پر نورین چونک پڑی۔ اُس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ تو میں نے مسکرا کے اس سے کہا۔

"نہیں نورین اس قتل میں آپ کا ملوث ہونا نہیں پایا جاتا بلکہ ان واقعات سے آپ کا گہرا تعلق ہے۔"

"کیا...؟" نورین سرسراتے لہجے میں بولی۔

"آپ کا یہ ماموں فرید احمد جب یہ عزم کر کے آپ کے پاس سے ہٹا کہ وہ آپ کو دراب شاہ کی دولت دلوا کر رہے گا تو اس نے انتہائی مجرمانہ انداز میں کام شروع کر دیا اور یہ بات میں آپ کے اور نگہت کے سامنے کہنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا کہ اصل قاتل فرید احمد ہے۔ اس نے اس لڑکی نجمہ کو قتل کیا اور اس کا الزام بے چارے محسن پر ڈالنے کے لیے ہر طرح کے ثبوت مہیا کیے۔ مقصد اس کا یہی تھا کہ محسن سزا پا جائے اور اس کے بعد اُس نے ایک اور منصوبہ بنایا۔ وہ دراب شاہ کے قتل کا منصوبہ تھا جس میں وہ ذرا سی جلد بازی کر گیا اور یہ جلد بازی اس کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوئی۔ دراب شاہ کو قتل کر کے وہ اس قسم کے حالات پیدا کرنا چاہتا تھا کہ صوفیہ اس قتل میں ملوث ہو کر سزا پا جائے۔ اس طرح محسن تو راستے سے ہٹ گیا تھا۔ صوفیہ بھی راستے سے ہٹ گئی۔ دراب شاہ کا بھی کام تمام ہو گیا اور رہ گئیں تم۔ ظاہر ہے اس کے بعد تمہیں منظر عام پر لایا جاتا اور دراب شاہ کی دولت تمہارے نام منتقل ہو جاتی۔ نورین مجھ سے زیادہ آپ اُس شخص کے بارے میں جانتی ہوں گی۔ دولت آپ کے نام منتقل کرنے کے بعد اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ اس دولت سے آپ کو عیش کرنے دیتا۔ تو اس خام خیال کو ذہن سے نکال دیجیے گا۔ وہ جرائم پیشہ شخص اس کے بعد آپ کے ذریعے خود اس دولت پر قبضہ جما لیتا۔ وہ اتنا ہی منصوبہ ساز ہے۔"

نورین کے بدن میں کپکپاہٹ طاری ہو گئی اس کے چہرے پر شدید خوف کے آثار اُبھر آئے تھے۔ بہت مشکل سے اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوّل تو میں اس دولت پر تھوکتی ہوں جس سے میری ماں کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا اور دوئم یہ کہ میں کسی ایسے بدکار شخص کے جرم میں کیسے ملوث ہو سکتی ہوں جس نے کسی انسان کو قتل کیا ہو اور دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہو اور دوسرا بھی کوئی غیر نہیں بلکہ میرا باپ میرا بھائی۔ نہیں، میں کسی انسان کو قتل کرنے یا کروانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میں نفرت کرتی ہوں اُس شخص سے۔ ہر چند کہ میرا اپنے باپ سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ لیکن میں نے کبھی اس کی موت کی دُعا نہیں مانگی۔ جہاں تک شارق صاحب، محسن کا تعلق ہے۔ تو وہ کسی شکل میں بھی ہو میرا بھائی ہے اور بہنیں بھائیوں کے لیے زندگی کی دعا کرتی ہیں۔ ان کی موت نہیں چاہتیں۔ سُننے میں آپ کی باتوں کا مطلب سمجھ گئی۔ آپ جسے اپنی مدد قرار دیتے ہیں۔ وہ میری ضرورت بھی ہے۔ میرا فرض بھی اور میرا عزم بھی۔ آپ جس انداز میں چاہیں گے میں اُسی انداز میں آپ کا ساتھ دُوں گی۔ چاہے اس کے لیے مجھے اپنی زندگی کی بازی کیوں نہ لگانی پڑے۔ محسن کو زندہ بچنا چاہیے اور اس بدکار شخص کو سزا ملنا ضروری ہے جو ایک نوجوان کی زندگی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ ان کے اپنے معاملات کیا ہیں یہ وہ جانیں اور ان کا کام۔ میں اپنا فرض پورا کر کے یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے نہ کسی کی دولت سے دلچسپی ہے اور نہ کسی رشتے سے۔ میں نے اپنی الگ دُنیا بسا لی ہے اور اب وہی دُنیا میری ہے۔ ہاں آپ انسانیت کے لیے جو کچھ کر رہے ہیں۔ میں بھی کروں گی اور یہ انسانیت ہی کا نہیں میرے بھائی کی زندگی کا بھی مسئلہ ہے۔ مجھے دراب شاہ یا اس کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا جو مالک ہے وہی اسے استعمال کرے۔ مجھے دُکھ ہے کہ صوفیہ نے ایک عورت ہو کر اتنا گندہ قدم اُٹھایا۔ قابلِ نفرت ہوتی ہیں ایسی عورتیں جو دولت کے لیے ایسے ایسے بھیانک المیے جنم دیتی ہیں۔" نورین کے لہجے میں ایک استقامت تھی اور میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

چند لمحات خاموشی رہی۔ اُس کے بعد میں نے کہا۔

"مس نورین آپ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے یہاں ہیں۔ میں خلوص دل سے آپ کو اپنا مہمان بنانے کا خواہش مند ہوں۔ اور یہ چاہتا ہوں کہ اس وقت تک آپ یہاں قیام کریں جب تک یہ مقدمہ فیصلے کی حد تک نہ پہنچ جائے۔"

"مجھے اعتراض نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ میری ملازمت چھوٹ جائے گی۔ درخواست بھجوا دوں گی اگر منظور ہو گئی تو

ٹھیک ہے۔ ورنہ میری تنہا ذات کے لیے ملازمت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

"ان تمام چیزوں کو ذہن سے نکال دیجیے جو ذمہ داری میں نے قبول کی ہے اس کے مختلف پہلو بھی میرے ذہن میں ہیں۔ اب یہ آپ کا اپنا مسئلہ نہیں ہے۔"

"میرا ایک مسئلہ ہے چیف۔ دخل در معقولات کی بلکہ نامعقولات کی معافی چاہتی ہوں۔ میرے مہمان پر قبضہ جمانے کی کوشش اوّل تو ایک ناکام کوشش ہے دوئم یہ کہ وہ اخلاقی طور پر بھی دُرست نہیں ہے۔ یہ نورین آپ کی مہمان کیسے ہو گئیں۔ میری دریافت ہیں یہ۔ نجانے کس طرح سے میں انہیں لے آئی ہوں۔ آپ انہیں اپنا مہمان بنانے پر کیوں تل گئے۔"

"بھئی بڑی عجیب بات کہی ہے آپ نے۔ اپنا مہمان بنانے کا مطلب تو یہی ہے ناکہ آپ ان کی میزبانی کریں۔"

"اس" وہ سر کھجانے لگی۔

"میرا اور آپ کا مسئلہ الگ الگ تو نہیں ہے مس نورین اگر آپ کے گھر مہمان رہیں گی تو یہ میرے لیے زیادہ باعثِ خوشی ہے۔ کیونکہ آپ دونوں دوست بن چکی ہیں۔"

"سوری چیف سوری۔ بس کبھی کبھی غلط فہمی ہو جاتی ہے بندہ بشر ہوں۔" نگہت نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں بھی مسکرانے لگا۔

نورین تھوڑی دیر تک جذباتی کیفیت کا شکار رہی پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"میں تو پہلے ہی جانتی تھی۔ ماموں فرید احمد کہاں میرے ہمدرد کیسے ہو سکتے ہیں۔ ساری زندگی ہم لوگ در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور رہے۔ اس وقت کسی نے ہماری مدد نہ کی۔ کسی نے ہماری خبر نہ لی اور جب دولت و جائداد کا مسئلہ سامنے آیا تو ماموں ہمارے ہمدرد بن کر پہنچ گئے۔ خیر اس قسم کے رشتہ دار تو گلیوں اور سڑکوں پر بہت مل جاتے ہیں۔ میں تو اس رشتے کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتی۔ کیسا رشتہ کہاں کا رشتہ اور وہ بھی ایک قاتل سے۔ بہرحال یہ بات طے ہو گئی۔ میں ہر قسم کا خطرہ مول لے کر اس سلسلے میں آپ کی معاونت کروں گی شارق صاحب۔"

"بے حد شکریہ نورین آپ یوں سمجھ لیں کہ اب آپ ہمارے دوستوں میں شامل ہیں۔"

میں ان دونوں سے اجازت لے کر باہر نکل آیا تھا۔

درحقیقت میرا دماغ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ نگہت نے نورین کو دریافت کر کے اتنی بڑی مشکل حل کی تھی کہ شاید اس کے لیے مجھے اتنی آسانیاں فراہم نہ ہو سکتیں۔ وہاں سے نکل کر آوارہ گردی کرنے کے سوا اور کوئی کام نہ کر سکا۔ سوچنا چاہتا تھا اس سلسلے میں حالانکہ جو واقعات تھے وہ میرے ذہن میں پختہ ہو چکے تھے اور اب اس بات میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں رہا کہ نجمہ کا قاتل فرید احمد ہے اور میں نے اس کے سلسلے میں جو تجزیہ کیا ہے وہی مناسب ہے۔ مجھے نجمہ سے بھی ہمدردی تھی۔ بے چاری لڑکی ایک سازش کا شکار ہو کر موت کے گھاٹ اُتر گئی۔ لیکن اُس کی ماں سے مجھے کوئی ہمدردی نہیں تھی کیونکہ وہ اپنی بیٹی کی زندگی کی قیمت وصول کرنا چاہتی تھی۔ جب کہ زندگی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ لیکن جس طبقے سے اُس کا تعلق تھا۔ وہاں کسی چیز کی قیمت ہوتی ہی کہاں ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کو میں نے اپنے ذہن میں کوئی جگہ نہ دی اور نظر انداز کر دیا۔ اب مجھے جاوید قریشی کی واپسی کا انتظار تھا۔

دراب شاہ کے بارے میں نہیں معلوم تھا مجھے کہ وہ واپس آیا یا نہیں لیکن مجھے اس کی زندگی کی بھی تشویش تھی الیاس خان یا فرید احمد کسی بھی لمحہ کوئی اقدام کر سکتا تھا۔ میں نے یونہی دل میں سوچا کہ دراب شاہ کی کوٹھی فون کر کے کم از کم صورتِ حال ہی معلوم کی جائے۔ اس کے لیے میں نے فلیٹ ہی کا رُخ کیا تھا۔ اس وقت اچھی خاصی رات ہو گئی تھی اور کوٹھی جانا بھی بے سُود ہی تھا۔ جب کہ میں اپنے ذہن کو آزادی سے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ فلیٹ پر اُستاد چھوٹے موجود تھے انہوں نے معمول کے مطابق میرا استقبال کیا۔ وہ بے چارے بھی بس زندگی گزار رہے تھے۔ بظاہر خوشی کا اظہار کرتے تھے لیکن کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال ضرور آتا تھا کہ اُستاد کی زندگی میں ہے کیا دفتر جانا، گھر واپس آ جانا کبھی تنہا اور کبھی میرے ساتھ زندگی گزارنا۔ البتہ انہوں نے کبھی کسی قسم کے تردد کا اظہار نہیں کیا تھا ان سے ان کی خیریت پوچھی تو انہوں نے معمول کے مطابق ہی جواب دیا۔

"میاں ہماری خیریت کو کیا ہو سکتا ہے۔ تم جیسے محبت کرنے والوں کے درمیان ہیں۔ خیریت ہی خیریت ہے۔" میں نے مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور بولا۔

"اُستاد، زندگی میں کبھی کسی تبدیلی کی خواہش نہیں ہوئی۔"

"لو میاں، جب زندگی کی ساری تبدیلیوں سے گزر چکے تو

پھر کسی خواہش کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اب تو صرف ایک ہی خواہش ہے کہ کسی بھی دن خاموشی سے موت آ جائے باقی کیا رکھا ہے۔"

"ارے نہیں اُستاد ابھی تو آپ کی سخت ضرورت ہے مجھے۔"

"میاں جب تک تقدیر میں لکھا ہے۔ خدمت کریں گے بلاوا آیا تو چل پڑیں گے باقی ہماری طرف سے کسی قسم کی فکر مت کیا کرو۔ بہت مطمئن اور بہت خوش ہیں ہم۔"

اُستاد سے ملنے کے بعد میں اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔ لباس تبدیل کیا۔ اب تو خدا کے فضل سے سب کچھ موجود تھا۔ فلیٹ پر بھی بے شمار لباس تھے۔ کوٹھی میں بھی تھے کسی شے کی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ لباس تبدیل کر کے میں ٹیلی فون کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر میں نے دراب شاہ کی کوٹھی کا نمبر ڈائل کیا فون صوفیہ ہی نے وصول کیا تھا میں نے اُسے مخاطب کیا تو وہ میری آواز پہچان گئی۔

"کہاں غائب ہو گئے ہیں بھئی شارق آپ۔ یہ کوئی اچھی بات ہے مجھے بالکل ہی تنہا چھوڑ دیا گیا ہے۔"

"کیسی ہیں آپ صوفیہ صاحبہ۔۔۔؟"

"سخت بور ہو رہی ہوں۔ کیا چاہتے ہو خودکشی کر لوں۔"

"ارے ارے۔ کیوں بھئی۔۔۔؟"

"کہاں غائب ہو گئے ہو؟"

"بس دراب شاہ گھر پر نہیں تھے۔ میں نے سوچا کہ ذرا میں بھی آوارہ گردی کر لوں۔"

"اور میری گھر پر موجودگی کوئی اہمیت نہیں رکھتی آخر کون کون مجھے نظرانداز کرے گا۔"

"نہیں صوفیہ آپ کی اپنی ایک لائف ہے اب اس زندگی کو آپ نے جو رنگ دیا ہے اُس رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیجیے۔ یہی آپ کے حق میں بہتر ہے۔"

"ہاں اپنے ہاتھوں سے سولی چڑھنے والے مجھ جیسے ہی ہوتے ہیں۔" صوفیہ غم زدہ لہجے میں بولی۔

"دیکھیے ایک اچھے دوست کی حیثیت سے آپ کو مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔"

"صرف مشورہ دینا چاہتے ہو۔"

"اور کیا دے سکتا ہوں۔" میں نے سوال کیا اور دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ پھر کچھ توقف کے بعد صوفیہ بولی۔

"کہو۔ خاموش کیوں ہو گئے۔۔۔؟"

"محسن جیل میں ہے اس کی زندگی خطرے میں ہے اس کے ساتھ کیا ہوگا یہ کوئی نہیں جانتا۔ آپ نے زندگی کا جو رُخ اپنی پسند سے اختیار کیا ہے اب خود کو اس میں ضم کرنے کی کوشش کیجیے۔ یہ ذہنی بحران آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔"

"کون سی نئی بات کہی ہے تم نے۔" صوفیہ نے کہا۔

"سچی بات ایک ہی ہوتی ہے صوفیہ صاحبہ۔ دراب شاہ سے وفا کیجیے اُسے زندہ رکھنے کی کوشش کیجیے۔"

"اور کوئی خاص بات۔۔۔" صوفیہ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"آپ ناراض ہو گئیں۔۔۔؟"

"نہیں ایسی سچائیاں سُنتے سُنتے میرے کان پک گئے ہیں میں اپنے طور پر فیصلہ کروں گی۔ یوں بھی فیصلے وہی اچھے ہوتے ہیں جو خود کیے جائیں ویسے تم بھی ٹھیک کہتے ہو میرے سامنے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"ایک اچھے اور سچے دوست کی حیثیت سے میں آپ کو اس کے علاوہ کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ ویسے دراب شاہ واپس آئے یا نہیں۔۔۔؟"

"نہیں ابھی تک نہیں آئے۔"

"آپ بالکل ٹھیک ہیں۔ میرا مطلب ہے آس پاس کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے؟"

"کیسی گڑبڑ۔۔۔؟"

"بس یونہی۔ ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔"

"تم ہو کہاں؟"

"ایک دوست کے ہاں موجود ہوں۔"

"یا دُشمن ہوں۔"

"نہیں اس نے ایسے ہی ضد کی تھی۔ ویسے بھی اب یہاں چند روزہ قیام ہے۔ جانا تو ہے مجھے۔ دراب شاہ جن مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں اُن میں مجھے اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے کہ جس کام سے میں ان کے پاس پہنچا تھا وہ ممکن نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے کسی سے کیا کہا جا سکتا ہے۔ بند کر دُوں فون؟"

"آرام کیجیے۔" میں نے کہا اور دوسری طرف سے صوفیہ نے فون کا ریسیور رکھ دیا۔ ذہنی طور پر بحران کا شکار تھی لیکن اُس کا غلط فیصلہ تھا نے کس کس کی زندگی پر اثر انداز ہوا تھا اس دُور کی لڑکیاں بھی ذرا مختلف خیالات رکھتی ہیں۔ ان کے نظریات

بہت زیادہ تبدیل ہو چکے ہیں۔ یہ ان کا معاملہ ہے جس حد تک جائیں گی نتائج تو انہیں بھگتنا ہی پڑیں گے۔ دولت بے شک زندگی کی ایک اہم ضرورت ہے۔ لیکن بعض اوقات دولت نہ ہونے پر بھی سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے اور صوفیہ یہ سمجھوتہ نہیں کر سکی تھی لیکن اب وہ دراب شاہ اور اس کی دولت سے بھی سمجھوتہ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے بعد میں سونے کی کوشش کرنے لگا اور اس کوشش میں مجھے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔ دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ اُستاد ناشتا وغیرہ تیار کر چکے تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتا کیا اور اس کے بعد ہم دونوں ہی دفتر کے لیے چل پڑے فاروقی صاحب ابھی دفتر نہیں پہنچے تھے لیکن ہمارے پہنچنے کے دس منٹ کے بعد وہ بھی دفتر پہنچ گئے اور انہوں نے بتایا کہ ایک اہم مسئلے میں انہیں میری مدد کی ضرورت ہے۔ میں تمام چیزوں کو نظرانداز کر کے ان کے ساتھ مصروف ہو گیا اور پھر ہم دونوں کورٹ چل پڑے۔

فاروقی صاحب نے میری مدد سے جو تیاریاں کی تھیں وہ ان کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئیں۔ وہ عدالت میں اپنے کیس کے سلسلے میں پہنچ گئے اور پھر انہوں نے اپنا کیس لڑنا شروع کر دیا۔ میں خاموشی سے بیٹھا ہوا اپنے بتائے ہوئے پوائنٹس پر ان کے دلائل سُن رہا تھا اور مطمئن تھا۔ مدِمقابل بھی ایک گھاگ قسم کے وکیل صاحب تھے جو بار بار فاروقی صاحب کو حیرانی سے دیکھنے لگتے تھے۔ غالباً انہوں نے اب تک جو تیاریاں کی تھیں وہ ان وکیل صاحب کے خیال میں کچی تھیں لیکن آج فاروقی صاحب نے جو دلائل پیش کیے تھے انہوں نے ان وکیل صاحب کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔ اسی دوران میں نے توصیف رضوی کو بھی دیکھا۔ کسی کام سے اندر آئے تھے اور مجھے دیکھ لیا تھا وہ بڑے طنزیہ انداز میں مسکرائے اور باہر نکل گئے۔ بہرطور مجھے اپنے ہم پیشہ افراد سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ ہمارے پیشے میں اس قسم کے تفریحی معاملات تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی ایک دوسرے کے پکے دُشمن کسی اور کے لیے اور جب یہ کیس ختم ہو جاتا تو ہماری دُشمنیاں ختم اور دوستیاں معمول کے مطابق ہو جاتی تھیں۔ تقریباً تمام ہی شعبوں میں یہ منافقت چل رہی ہے ایک ہمارا ہی شعبہ کیا۔ البتہ توصیف رضوی ان معاملات میں ذرا آگے ہی کی چیز تھے۔ خوامخواہ اُلجھنا اور اس کے بعد مجھے بدتمیزی پر آمادہ کرنا۔ غالباً ان کی فطرت بن چکی

تھی۔ دوپہر کو بار رُوم میں پھر ان سے ملاقات ہو گئی۔ خود ہی مسکراتے ہوئے میرے پاس پہنچے تھے۔

"ہیلو سُپرمین۔۔۔؟"

"ہیلو۔" میں نے بھی انہیں انہی کے انداز میں مخاطب کیا۔

"تاریخ قریب آ رہی ہے تیاریاں تو مکمل ہو چکی ہوں گی۔"

"جی جی بالکل۔ آپ سے وعدہ کیا ہے۔ پیچھے کیسے رہ سکتے ہیں۔"

"اور کیا کیا ہنگامہ آرائیاں ہو رہی ہیں۔ آج کل کچھ خاموشی سی ہے؟"

"ایک یہی کیس نہیں ہے بیرسٹر نصرت حسین کے پاس۔ غالباً آپ اپنی تمام تر تیاریاں اسی پر صرف کیے ہوئے ہیں۔"

"ہاں اس بار ایک چیلنج قبول کیا ہے باقی معاملات تو چلتے ہی رہتے ہیں اور چیلنج کے سلسلے میں تو آدمی کو محنت کرنا ہی ہوتی ہے۔ ویسے اس بے چاری طوائف سے تم نے دوبارہ رابطہ قائم نہیں کیا۔۔۔؟"

"طوائفوں سے میں ذرا کم ہی رابطے رکھتا ہوں توصیف رضوی صاحب۔" میں نے چوٹ کی اور وہ تلملا کر رہ گئے۔

"میری بزرگی کا بھی کوئی خیال نہیں ہے تمہیں۔۔۔"

"انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ آپ کی بات کا جواب دیا ہے میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی میں نے۔۔۔"

"چرب زبانی بہرطور ایک اہمیت رکھتی ہے لیکن اتنی بھی

نہیں کہ اس پر توجہ دی جائے ۔ ۔ “

”جی جی۔ مجھے اس پر بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے “

”ویسے اس سلسلے میں تم نے کیا سوچا ۔ ۔ ۔؟“

”آپ خوامخواہ چھیڑ خانی کر رہے ہیں ظاہر ہے ہمارے درمیان کوئی پیشہ ورانہ رقابت نہیں ہے آپ اپنا کام کرتے ہیں میں اپنا کام کرتا ہوں۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو اس سلسلے میں آپ کے خلاف ایک باقاعدہ کیس بنا دیا جائے “

”جی ہاں کیوں نہیں بنا سکتے آپ۔ کر سکتے ہیں آپ بھائی۔ قانون تو آپ کا اپنا ہے۔ آشیانے میں آئی جی، جج، ایس پی صاحب رہتے ہیں اور تم تو خیر ہو ہی۔ جو چاہو کر سکتے ہو “

” تو پھر آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں میں نے تو اس سلسلے میں آپ سے دوبارہ کوئی تذکرہ نہیں کیا “ میں نے کہا اور وہ اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو گئے مگر پھر بولے ۔

” اس کیس کی حد تک ہمارا مقابلہ ضرور ہے۔ یقیناً تم بیرسٹر صاحب کی مدد کر رہے ہو گے ؟“

” آپ کو اس کا یقین ہونا ہی چاہیئے “

” بلاوجہ وقت ضائع کر رہے ہو۔ ایک اقبالی مجرم کو بچانے کی کوشش تمہاری سابقہ روایات سے بھی مطابقت نہیں رکھتی “

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں محسن بے گناہ ہے۔ قتل اُس نے نہیں کیا۔ یہ بات ہمارے سامنے ہے اگر کچھ حالات اسے اس قتل کی ذمہ داری اپنے سر لینے پر مجبور کر رہے ہیں تو وہ قاتل نہ ہوا اور میرا مسلک یہی رہا ہے کہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ہونے پائے “

” ہونہہ ۔ ۔ ۔ وہ قاتل نہیں ہے حالانکہ وہ اقبال کر رہا ہے۔ کمال کی باتیں کرتے ہو۔ ہم تمہارا یہ کارنامہ دیکھنے کے لیے خود بھی بے چین ہیں “

” بہت جلد آپ کی یہ بے چینی رفع ہو جائے گی “ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور توصیف رضوی نے گردن ہلا دی۔ کورٹ سے فاروقی صاحب کے ساتھ ہی واپسی ہوئی تھی راستے میں انہوں نے بتایا کہ جاوید قریشی آج رات واپس آ رہا ہے اس کی فلائٹ گیارہ بجے آئے گی۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ اسے لینے ائرپورٹ چلیں گے اور پھر میں فاروقی صاحب سے دس بجے رات کو آنے کا کہہ کر چل پڑا۔

رات کو ٹھیک دس بجے میں فاروقی صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ انہوں نے میرے لیے کافی کا انتظام کر رکھا تھا ۔ غالباً اس بات کا انہیں یقین تھا کہ میں صحیح وقت پر ہی پہنچوں گا۔ بیگم فاروقی کا رویہ ہمیشہ میرے ساتھ مامتا بھرا ہوتا تھا۔ کافی پینے کے بعد ہم دونوں اُٹھ گئے اور اس کے بعد ائرپورٹ چل پڑے۔ میں کار ڈرائیو کر رہا تھا اور فاروقی صاحب، توصیف رضوی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ راستے میں انہوں نے مجھ سے میرے اس کیس کے بارے میں تفصیلات پوچھیں اور میں نے مختصر الفاظ میں انہیں مختصر واقعات سُنا دیے ۔ انہوں نے مجھ سے کہا ۔

” ویسے تمہیں یقین ہے کہ تم محسن کو اپنا بیان بدلنے پر مجبور کر دو گے “

” محسن کے بارے میں تو میں نہیں کہتا کیونکہ وہ دیوانگی کی حد میں ہے اور اصولی طور پر ان حالات میں اسے ہونا بھی چاہیئے لیکن عدالت میں خاصی محنت کرنا ہو گی اور معزز عدالت کو یہ باور کرانا ہو گا کہ محسن جذباتی ہو رہا ہے “

” لیکن اس سلسلے میں دراب شاہ کی کہانی منظر عام پر لانا ہو گی “

” میں دراب شاہ کا وکیل نہیں ہوں۔ نا ہی محسن کا۔ نصرت بھائی یقیناً دراب شاہ سے فیس وصول کریں گے لیکن مجھے کیا دقت ہو سکتی ہے “

” مگر عدالت میں بیرسٹر نصرت حسین ہی دلائل پیش کریں گے “

” ہاں انہیں اگر مجھ سے اتفاق ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کروں گا کہ ایک بے گناہ شخص کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے مجھے وکالت کا موقع دیا جائے “

” محسن کی مرضی کے بغیر تو یہ ممکن نہیں ہو گا “

” کچھ پیچیدگیاں ضرور ہیں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے نصرت بھائی سے گفتگو کر لوں گا وہ میری بات مان لیں گے ۔ توصیف رضوی کا مسئلہ بھی ہے۔ دراب شاہ کے مسئلے کو اگر منظر عام پر لانا پڑا تو یہ اس کیس کو جیتنے کے لیے بے حد ضروری ہو گا “ ہم لوگ گفتگو کرتے ہوئے ائرپورٹ پہنچ گئے۔ گیارہ بج چکے تھے اور فلائٹ کا اعلان ہو رہا تھا۔ اُس کے بعد ہمیں کافی دیر انتظار کرنا پڑا پھر جاوید قریشی نے ایک سفری بیگ لیے ہوئے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر ہماری طرف دوڑ لگا دی اُن کا استقبال کیا گیا اور انہیں اپنے ساتھ کار میں بٹھا کر ہم لوگ چل پڑے ۔

” یقیناً تم اس وقت اپنے گھر ہی جانا پسند کرو گے “ فاروقی صاحب نے کہا ۔

” میں کیا آپ لوگ بھی میرے ساتھ ہی چل رہے ہیں ۔ فریال سے فون پر بات ہوئی تھی اُس نے کہا ہے کہ کھانے وغیرہ کا بہترین انتظام کیا گیا ہے “

” سوری ۔ ۔ ۔ ہماری فریال سے کوئی بات نہیں ہوئی اور ہم لوگ کھانا کھا چکے ہیں “

” پھر میرے ساتھ کافی پی لیجیے گا۔ ویسے شارق کو دیکھ کر تھوڑی سی حیرت ہوئی ہے “

” کیوں کیا میں نے کبھی کسی ایسے کام سے نظر چرائی ہے “ میں نے کہا۔

” نہیں ۔ ۔ ۔ نہیں یہ مقصد نہیں ۔ ۔ ۔ ؟“

” مطلب تو ہے میرے بھائی۔ میرے ذہن میں تمہارے لیے بڑی کھچڑی پک رہی تھی۔ یقیناً تم میرا کام کر کے آئے ہو گے “

” سو فی صد۔ کام نہ کرنے کا کیا سوال ہے اور کام بھی ایسا جو تمہارے لیے انتہائی تسلی بخش ہو “

” تو پھر بھلا تمہاری آمد کی خبر سُن کر مجھے نیند کہاں آ سکتی تھی میں نے سوچا چلو ائرپورٹ کا ایک چکر ہی لگا لوں “ میں نے کہا اور ہم تینوں ہنسنے لگے۔ فریال واقعی منتظر ملی تھی ہم سب کو دیکھ کر وہ بے حد مسرور ہو گئی اور اُس کے بعد جاوید قریشی نے چند لمحات کی اجازت طلب کی۔ فریال اس دوران کھانا لگانے چلی گئی کھانے کی میز پر ہم لوگ بھی جا بیٹھے اور گفتگو شروع ہو گئی۔ جاوید قریشی نے بہت اصرار کیا کہ ہم اُس کے ساتھ تھوڑا بہت کھا لیں لیکن گنجائش نہیں تھی البتہ سوئیٹ ڈش بہت عمدہ بنی تھی چنانچہ ہم نے اس میں شرکت کی اور اس کے بعد کافی کا انتظام ہو گیا۔ میں نے فریال سے کہا۔

” بہن معذرت خواہ ہوں۔ حالانکہ اس وقت ہم دونوں کو اصولی طور پر چلے جانا چاہیئے تھا لیکن جاوید سے میرا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ مجھے کچھ معلومات حاصل کرنا ہیں اس لیے تم لوگوں کے درمیان تھوڑی سی مداخلت کروں گا “

” نہیں شارق بھائی کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ۔ ۔ ۔ آپ یہیں آرام کریں آپ جائیں ہی نا ایسی کیا بات ہے “ اُس نے کہا ۔

” نہیں بھئی جانا تو پڑے گا۔ ہاں جاوید صاحب اب آپ زیادہ نخرے نہ دکھائیے اور جلدی سے مجھے بتائیے کہ کیا کیا معلومات حاصل ہوئیں۔ جاوید نے اپنا سفری بیگ کھول لیا پھر اُس نے مجھے ایک خوبصورت سینٹ کا تحفہ پیش کیا اور ایک فاروقی صاحب کو۔ اس کے بعد اُس نے کچھ کاغذات ایک پرس سے نکال لیے جسے اس نے الگ محفوظ کر رکھا تھا ۔

” یہ سب تمہارے کاغذات۔ یہ تمام تر معلومات جو مجھے حاصل ہو سکی ہیں لے آیا ہوں میرا خیال ہے مکمل ہیں اور تمہیں کوئی دقت نہیں ہو گی “ میں نے کاغذات کو ایک نگاہ دیکھا ایک کمپنی کے کاغذات تھے۔ اپوائنٹمنٹ لیٹر۔ پاسپورٹ کی فوٹو اسٹیٹ اور ایسی ہی بے شمار دوسری چیزیں پھر اُس کے بعد ایک دوسری کمپنی کے کاغذات بھی تھے۔ میں نے انہیں سرسری نگاہ سے دیکھا اور جاوید قریشی سے کہا ۔

” ٹھیک ہے میں چلتا ہوں “

” ہرگز نہیں ۔ ۔ ۔ آپ ان کاغذات کو میرے سامنے ہی دیکھیں گے اور مجھ سے اس بارے میں سوالات کریں گے “

” یار بلاوجہ تم تھکے ہوئے آئے ہو “

” کیسی باتیں کرتے ہو بھائی۔ آدھے گھنٹے یا پینتیس منٹ کا سفر تھا اس میں بھلا کیا تھکن ہو سکتی ہے اور پھر میں اُونٹ پر بیٹھ کر تو دبئی سے یہاں آیا نہیں ہوں۔ ہوائی جہاز میں آیا ہوں۔ کوئی تھکن وکن نہیں ہے تم اطمینان سے بیٹھو اور اس موضوع پر بات کرو مجھے خود بھی ان معاملات سے پوری پوری دلچسپی ہے “

” تمہاری مرضی ویسے بھی زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کیا تفصیلات معلوم ہوئیں۔ کاغذات وغیرہ تو ساتھ ساتھ دیکھتے ہی جائیں گے “

” فرید احمد نامی یہ شخص۔ پہلی بار اس تاریخ کو دبئی پہنچا اور وہاں اُس نے ملازمت اختیار کی یہ کئی سال تک ملازمت کرتا رہا لیکن اس دوران اس نے اپنے ساتھ رہنے والے تین آدمیوں کو قلاش کر دیا۔ تحریریں بنانے کا ماہر ہے اور اس نے تحریریں بنا کر اُن کی رقومات حاصل کیں لیکن صرف اس خیال کے تحت کر دیا کہ غیر ہے انہوں نے اسے پولیس کے حوالے نہیں کیا تاہم اس سے کچھ تحریریں لے لی گئی تھیں جن میں اس نے ان لوگوں کی رقومات کی واپسی کا وعدہ کیا تھا اور کچھ رقومات واپس بھی کی تھیں یہ تحریروں کی فوٹو اسٹیٹ موجود ہے “ جاوید قریشی نے میرے سامنے فوٹو اسٹیٹ وغیرہ رکھتے ہوئے کہا اور پھر بولا ۔

” اس کے بعد یہ شخص دوبارہ وطن واپس آ گیا پھر کچھ عرصے

یہاں رہ کر واپس پہنچا اور ایک بار پھر اس نے ملازمت کی۔ اس بار بھی اس نے فراڈ کیا تھا اور بہت ہی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوا تھا اس تاریخ کو یہ یہاں سے فرار ہوا ہے اور اس سلسلے میں وہاں ایف۔آئی۔آر درج ہے لیکن کوئی خاص تلاش نہیں کی گئی اس کی اور یہاں ظاہر ہے اس نے اپنا نام بھی بدل لیا تھا۔ یہ ہیں تمام کاغذات میرا خیال ہے تمہاری تسلی ہوگئی ہوگی۔" میں نے کاغذات کا بغور جائزہ لیا اور اس کے بعد مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ بلاشبہ تم نے اتنا ہی کام کیا ہے جتنا میں خود وہاں جاکر کرسکتا تھا اور اب مجھے اجازت دو۔" جاوید قریشی نے کہا۔

"اتنی جلدی نہیں ہے چلے جانا آرام سے۔۔۔"

"نہیں بھئی چچی جان بھی ان کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ اب اجازت ہی دو کل ملاقات ہوگی۔"

"دفتر آؤ گے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ بالکل آؤں گا۔" میں نے کہا اور اُس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس چل دیے راستے میں میں نے فاروقی صاحب کو بتلایا کہ اب یہ کیس تقریباً مکمل ہوگیا ہے۔"

"خوشی کی بات ہے حالانکہ پہلی پیشی ہو رہی ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔ اس وقت ایک کوشش کرنی ہے کہ جلد از جلد پیشیاں لگا کر اس کیس کی تکمیل کردی جائے۔"

فاروقی صاحب کو اُن کے گھر چھوڑنے کے بعد میں اپنی اس کوٹھی کی جانب چل پڑا تھا جس کا مقدر ایسے ہی کسی مرحلے پر جاگنا تھا۔ کوٹھی پہنچنے کے بعد میں نے کچھ ضروری اقدامات کیے۔ کاغذ قلم لے کر بیٹھ گیا اور ایک بار پھر ان تمام کاغذات کو اپنے سامنے پھیلا کر ان کا جائزہ لینے لگا۔ تمام تاریخیں ان تاریخوں سے ملتی تھیں جن تاریخوں کا پاسپورٹ مجھے دستیاب ہوا تھا۔ تصویروں میں بھی کوئی نمایاں فرق نہیں تھا میں نے اس سلسلے میں اپنے منصوبے کا ایک پورا خاکہ کاغذ پر بنایا اور ضروری پوائنٹس اس پر نوٹ کیے اب یہ نوبت آگئی تھی کہ میں نصرت بھائی سے اس سلسلے میں کھلی بات کرسکتا تھا۔ جہاں تک دراب شاہ کا مسئلہ تھا تو اُسے بھی اس تفصیل سے آگاہ کرنا ضروری تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ اور مراحل بھی تھے جنہیں بہرحال طے کرنا تھا مسئلہ یہ تھا کہ الیاس خان یا فرید احمد کی گرفتاری۔ اگر اسے ان واقعات کی بھنک مل گئی تو وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا اور تمام کام مکمل ہو جانے چاہئیے تھے اس سلسلے میں نصرت بھائی سے مشورہ کرلینا بھی غیر مناسب نہیں تھا۔ رات کو تقریباً تین بجے تک مصروف رہا اور اس کے بعد یہ تمام کام مکمل کرکے سونے کے لیے لیٹ گیا۔ نیند بھی مشکل ہی سے آئی تھی اور صبح ساڑھے آٹھ بجے تک سوتا رہا تھا لیکن کوئی اہم بات نہیں تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے میں نے اپنے تمام کاغذات وغیرہ سنبھالے اور اس کے بعد کوٹھی سے باہر نکل آیا اب میرا رُخ آشیانے کی جانب تھا۔ میں جانتا تھا کہ آشیانے میں کچھ نا ہوگا تمام چڑیاں دانا دُنکا تلاش کرنے نکل گئی ہوں گی لیکن وقت گزارنا کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے اس کے بعد مجھے نصرت بھائی سے آخری گفتگو کرنا تھی چنانچہ آشیانے پہنچ گیا میرا اندازہ غلط نہیں تھا آشیانے میں داخل ہوا تو سب سے پہلے جس ہستی سے ملاقات ہوتی تھی اُسی سے ملاقات ہوئی یعنی محترمہ لالہ رُخ۔ مجھے دیکھ کر اُن کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے ناک بھوں چڑھائیں یا مسکرا کر استقبال کریں غالباً پچھلے تعلقات بھول گئی تھیں لیکن فوراً ہی انہیں یاد آگیا کہ میں ان لوگوں کو ایک چوٹ دے چکا ہوں اور انہوں نے ناک بھوں چڑھالی۔ بہرحال میں ان محترمہ کو نظر انداز کرکے آگے بڑھ گیا دوسری شخصیت عصمت بھابی کی تھی جنہوں نے معمول کے مطابق مجھے مسکرا کر خوش آمدید کہا اور کہنے لگیں۔

"عجیب آدمی ہو کبھی آتے ہو تو مسلسل آتے چلے جاتے ہو، اور غائب ہوتے ہو تو ایسے جیسے کہیں پکڑے گئے۔"

"پکڑے گئے۔"

"ہاں۔ وہ آشیانے کے کبوتر جب پرواز کے لیے نکلتے ہیں تو ان کے پکڑے جانے کا بھی تو خطرہ ہوتا ہے نا۔"

"آپ نے کبوتر کا لقب دے کر میری عزت افزائی کی ہے، ویسے تمام بڑے آدمی جاچکے ہوں گے۔"

"ہاں۔ تقریباً سب ہی جاچکے ہیں یہاں تک کہ شوکت جاہ اور ڈیڈی بھی کہیں گئے ہوئے ہیں۔"

"گویا کوٹھی پر عورت راج قائم ہے۔" میں نے کہا۔

"اعتراض ہے تمہیں۔"

"جی قطعی نہیں بلکہ ایسے مرحلے پر تو بہت سی مشکلات حل ہوجاتی ہیں۔"

"تمہاری کوئی مشکل ہے۔" عصمت بھابی نے پوچھا۔

"انتہائی اہم مشکل۔"

"کہو۔ ہم کیا خدمت کرسکتے ہیں۔"

"کچن تک جانا ہوگا آپ کو۔ ناشتا نہیں کیا ہے۔" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑیں۔

"دھت تیرے کی چھوٹے سے مسئلے کو بہت بڑا بنا دیتے ہو ملتا جاؤ اپنے کمرے میں جاؤ میں ناشتا لے کر آتی ہوں۔"

"بڑی بھابی ماں کی جگہ ہوتی ہے اور ماں کبھی اولاد کا پیٹ خالی نہیں دیکھ سکتی بے حد شکریہ۔"

"جاؤ۔ جاؤ مکھن ٹوسٹ پر لگا کر کھانا مجھے مت لگاؤ۔" انہوں نے کہا اور کچن کی جانب چلی گئیں میں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا کمرے میں داخل ہوکر میں آرام کرسی پر دراز ہوگیا یہ تو ممکن نہیں تھا کہ محترمہ لالہ رُخ دیگر خواتین کو میری آمد کی اطلاع نا دیں ناشتا کیے بغیر چلا آیا تھا، اور بہر طور سب سے پہلے ناشتا ہی کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد عصمت بھابی ناشتے کی ٹرے سجائے ہوئے میرے پاس پہنچ گئیں اور میں نے نہایت احترام سے ان کے ہاتھ سے یہ ٹرے لے لی۔

"تمام لوگ مصروف ہیں کیا۔۔۔ آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔"

"ماں بھی کہہ رہے ہو اور پھر زحمت کی بات بھی کرتے ہو۔" انہوں نے نرم لہجے میں کہا اور میں مسکراتی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا، وہ میرے پاس ہی بیٹھی رہی تھیں اپنے لیے بھی چائے کا کپ لے کر آئی تھیں۔ ناشتا کیا اور اس کے بعد عصمت بھابی ناشتے کے برتن لے کر چلی گئیں، میں سوچنے لگا کہ اب باہر نکل کر دیگر خواتین کی خبر لینی چاہیئے، ابھی اُٹھ بھی نا پایا تھا اپنی جگہ سے کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور محترمہ الماس آراء بڑے کروفر کے ساتھ اندر داخل ہوگئیں، انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس تھیں اور بہت ہی اسمارٹ نظر آرہی تھیں یورپ میں رہ کر ان کا حسن پہلے سے بھی زیادہ نکھر آیا تھا، ویسے میں نے انہیں دیکھا تو تھا لیکن اس وقت نہایت غور سے دیکھا بڑے تیکھے نقوش تھے اور بلاشبہ اس لڑکی کو بے حد حسین لڑکی کہا جا سکتا تھا اور کیوں نا ہوتی ظاہر ہے ایک بہت بڑے علاقے کی حکمران تھی میں نے بڑے احترام سے اس کا استقبال کیا لیکن ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اُٹھی تھی۔ جاوداں نے اور کچھ کہا ہو یا نا کہا ہو لیکن مجھے کم از کم یہ بتا دیا تھا کہ محترمہ الماس بیگم میری سرزنش کے لیے رُک گئی ہیں اور تمام خواتین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مجھے فرحت پور میں کی جانے والی حرکت کی بھرپور سزا دی جائے حالانکہ اس حرکت کی روح رواں خود محترمہ الماس آراء بیگم تھیں لیکن اس کے بعد انہیں جو چوٹ ہوئی تھی وہ واقعی قابل افسوس تھی ان کے تمام کیے دھرے پر پانی پھر گیا تھا یہاں تک کہ بیگم صاحبہ تک کو یہاں آنا پڑا تھا۔۔۔ اس بات پر لڑکیاں جس قدر تلملائیں کم تھا۔ الماس آراء کی اس وقت تنہا آمد کو میں طرح محسوس کیا تھا یہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دوسری لڑکیوں نے انہیں بلاوجہ تنہا چھوڑ دیا ہوگا۔ ایک لمحے میں میں نے اپنا لائحہ عمل مقرر کیا اور اسی لائحہ عمل کے تحت میں نے محترمہ الماس آراء کا پُرجوش خیر مقدم کیا تھا۔

"کہاں غائب رہتے ہو بھئی۔ یوں لگتا ہے جیسے اتنے دن کی گمشدگی نے کم از کم آپ کے ذہن سے یہ بات نکال دی ہے شارق حسین صاحب کہ ہمارے اور آپ کے کیا تعلقات تھے۔"

"نہیں۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بس آجکل ذرا کچھ مصروفیت تھی ورنہ میں تو مستقل یہی سوچتا رہا تھا کہ آپ نے مجھے کتنا بد اخلاق سمجھا ہوگا کہ آپ کی آمد کے باوجود گھر سے بھاگا ہوا ہوں۔"

"غائب کہاں رہتے ہو۔"

"بس وہی زندگی کے معمولات۔۔۔ ایک کیس ہے جس پر پوری تندہی سے کام کر رہا ہوں۔"

"اور ہمارے کیس کا کیا ہوگا۔" الماس آرا نے پوچھا۔

"آپ کا کیس۔۔۔؟"

"بھئی ظاہر ہے۔ یہاں آئے ہیں اور اتنے عرصے بعد آئے ہیں بہت سی خواہشات دل میں ہونگی، سوچا تھا کہ تھوڑی سی تفریحات رہیں گی اسی لیے آپ کو فرحت پور بلانے کا چکر چلایا تھا لیکن آپ سب کو ڈاج دے کر ایسے بھاگے کہ سبھی کو پریشان کردیا۔"

"بلانے کا طریقہ کیا مناسب تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب یہ میری عادت ہے میں اسے کیا کروں بس چاہتی تھی تھوڑی سی تفریح رہے لیکن اس سے ایک اندازہ ضرور ہوا۔" الماس آرا نے کہا۔

"کیا۔؟"

"یہی کہ ہم اپنی آگ میں تنہا ہی نہیں سلگ رہے کچھ دوسرے بھی جلنے والے ہیں۔" میں نے اسے [illegible] عجیب سے تاثرات پیدا کرلیے جو اس وقت کے لیے انتہائی موضوں تھے پھر میں نے آہستہ سے کہا۔۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ بہت سے جذبے سینے کے اندر ہی بہتر طور پر پروان چڑھتے ہیں سینے سے باہر نکل آئیں تو رسوائی کا سبب بن جاتے ہیں۔"

ہم قدیم دنیا میں سانس نہیں لے رہے شارق حسین! جدید دنیا کے لوگ ہیں۔ دل میں جو جذبات آئیں کہہ دینا چاہیئے ویسے آپ کے یہ الفاظ بھٹکا دینے والے ہیں کیا آپ مجھے بھٹکانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں... آپ کے لیے تو میں ہر راستے میں اتنی صفائی کر دینا چاہتا ہوں کہ ایک کنکر بھی آپ کے پیروں کے نیچے نہ آ سکے۔"

"بھئی کمال ہے۔ ایسی گفتگو تو اس سے پہلے کبھی نہیں سُنی۔۔ ویسے کچھ پروگرام بنا ئے تھے میں نے وہ جو کچھ ہوا وہ تو خیر ٹھیک تھا میں نے روح بن کر آپ کے ساتھ شرارت کی اور آپ نے اس شرارت کا جواب خودکشی کر کے دے دیا اور سچ بات یہ ہے کہ آپ کا پلہ بھاری رہا ہم سب کے طوطے گم ہو گئے تھے لیکن وہاں بھی آپ نے بھٹکانے والی بات ہی کی۔ اب یہ بتایئے کہ وہ صرف مذاق تھا یا دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی تصور موجود ہے۔"

"کس کا ؟" میں نے سوال کیا۔

"تفصیل میں نہیں جاؤں گی آخر عورت ہوں۔" الماس آراء نے کہا اور میں بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا پھر میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"بہرحال اب فرمایئے کیا حکم ہے میرے لیے۔"

"کوئی پروگرام وغیرہ بنایئے۔ پکنک وغیرہ کر لیجئے۔ اتنے عرصے کے بعد وطن واپس آئی ہوں۔ کچھ دکھایئے یہاں اور پھر آپ کا تو یہ پہلا موقع ہے۔ بداخلاقی کی بھی حد ہوتی ہے ملاقات ہی نہیں ہو سکتی بلکہ اتنی شدت سے انتظار کر رہی تھی۔"

"بالکل بنائیں گے پکنک کا پروگرام، بلکہ ان لڑکیوں کے ساتھ مل کر بنا لیجئے۔ میرے لائق جو حکم ہو گا اس کی تعمیل میں [illegible] کا۔"

"ہوں اچھا اب یہ بتایئے کہ آپ پریشان کیوں ہو گئے تھے۔"

"کب ؟" میں نے سوال کیا۔

"جب میں روح بن کر آپ کے سامنے آئی تھی۔"

"پریشانی کی بات نہیں تھی ؟" میں نے سوال کیا۔

"مطلب ۔؟"

"مطلب یہ کہ آپ ملک سے باہر تھیں اتنے عرصے کے بعد واپس آئیں لیکن اس انداز میں آپ کے لیے معلوم کرنا تو ضروری تھا۔"

"اور آپ اتنے بے چین ہو گئے کہ فرحت پور پہنچ گئے۔"

"اس میں کیا شک تھا۔ میں شدید بے چین ہو گیا تھا۔"

"وجہ بتا سکتے ہو ؟"

"پھر وہی۔ کیا وجہ بتاؤں۔ ؟"

"بے چینی کی وجہ کیا تھی ؟" الماس آراء نے سوال کیا اور میں نے گردن جھکا لی۔ چند لمحات خاموش رہا اور الماس آراء شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"بولو گے نہیں ؟"

"زبانی نہیں بتا سکتا....."

"تو پھر لکھ کر دے دو۔" الماس آراء بولی۔

"ہاں۔ اس کا وعدہ ہے لکھ کر دے دوں گا جو کچھ ذہن میں ہے سب کچھ لکھ دوں گا۔"

"کب ؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"آج ہی....."

"بہتر ہے۔ آج آپ کے حکم کی تعمیل میں دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھاؤں گا اور اس دوران کو وہ تفصیلات لکھ کر دے دوں گا۔ لیکن ایک شرط ہو گی۔"

"کیا ؟"

"میری موجودگی میں وہ سب کچھ نہیں پڑھیں گی۔"

"کیوں ؟"

"بس شرط شرط ہوتی ہے اس میں کیوں کی کیا گنجائش ہے۔"

"پھر کب پڑھوں ؟"

"رات کو۔"

"رات کو کیا آپ کہیں چلے جائیں گے ؟"

"ہاں رات کو میں آپ کو نہیں ملوں گا۔ میں نے کہا اور الماس آراء کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔"

"اور وہ پکنک کا کیا ہو گا... ؟"

"اس سلسلے میں میں نے عرض کیا ناکہ جو پروگرام بھی آپ بنائیں گی۔ میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔"

"اور پروگرام خود نہیں بنائیں گے آپ۔"

"آپ جیسا حکم دیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اس موضوع پر بات ہو جائے گی، ویسے لکھنے والی بات، مجھے شدت سے اس کا انتظار رہے گا۔"

"ٹھیک ہے دوپہر کو آپ کو پیش کر دوں گا کھانے کے بعد۔"

"اوکے... میں جاؤں ؟"

"کہاں... ؟" میں نے سوال کیا۔

"باہر سب لوگ موجود ہیں، ویسے آپ چاہیں تو باہر ہی آ جائیں لیکن تھوڑی دیر کے بعد۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد الماس آراء باہر چلی گئی... میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر قہقہوں کا طوفان میرے حلق سے اُمڈ پڑا۔ نجانے کس کس طرح اپنے آپ کو سنبھالے رکھا تھا۔ الماس آراء سے اس کی مرضی کے مطابق گفتگو کرنے میں مجھے جتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا میرا دل ہی جانتا تھا لیکن میں نے اس بار بھی الماس آراء کی تمام کارکردگی پر پانی پھیر دیا تھا، جو کچھ اُسے لکھ کر دینا تھا وہ میرے ذہن میں محفوظ تھا اور اسے بڑی محنت سے لکھنا تھا۔ فی الحال کوئی خاص مصروفیت تھی نہیں۔ الماس آراء صاحبہ کا حکم تھا کہ میں پہنچ جاؤں چنانچہ میں نے لباس تبدیل کیا، باہر نکل آیا۔ باہر سب ہی موجود تھے۔ نیلوفر تو ویسے بھی کہیں جاتی ہی نہیں تھی ویسے بھی شفیق بھابی کے ساتھ ہی رہتی تھی اور بھلا آشیانے میں کسی نئے پرندے کی موجودگی پر کسی کو اعتراض ہو سکتا تھا جاوداں بھی تھی اور لالہ رُخ صاحبہ بھی سب ہی لوگ تھے، ان کے درمیان پہنچا تو سب سنجیدہ ہو گئے اور پھر اس انداز میں گفتگو کرتے رہے جیسے ان کے ذہنوں پر ایک بات نقش ہے جسے میں محسوس کر رہا تھا اور محسوس کر کے لطف اندوز ہو رہا تھا، تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں نے ان لوگوں سے اجازت طلب کی تو جاوداں نے بھنویں اُٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں ؟"

"کچھ کام ہے لکھنے پڑھنے کا وہ کرنا ہے۔ لنچ پر آپ لوگوں سے ملاقات ہو گی۔" لالہ رُخ نے ایکدم رُخ بدل لیا تھا میں اس بدلے ہوئے رُخ پر غور کیئے بغیر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں پہنچ گیا اس کے بعد میں نے ایک کاغذ قلم نکالا اور اس پر وہ تحریر لکھنے بیٹھ گیا جو الماس آراء کی طلب تھی میں نے اس انداز میں اس تحریر کا آغاز کیا۔

"محترمہ الماس آراء!

انسان ازلی بیوقوف ہوتا ہے اور شاید ابد تک اُسے عقل نہ آئے آپ اتنے مختصر عرصے میں یہ بھول گئیں کہ فرحت پور میں میرا اور آپ کے درمیان ملاقات کس طرح ہوئی تھی اور اس کے بعد آپ نے کون کون سے داؤ پیچ اختیار نہیں کیے تھے اور ان تمام داؤ پیچ کو میں نے جس طرح مسترد کیا تھا وہ بھی آپ کے ذہن میں ضرور ہو گا۔ انہیں ایک بار اپنے ذہن میں تازہ کر لیجیے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ میں کیا چیز ہوں لیکن آپ ناسپاس بھی ہیں میں نے آپ کے ساتھ کتنا تعاون کیا اور آپ کو یورپ بھجوانے میں کتنی مدد کی میں نے لیکن یورپ کی ہوائیں درحقیقت اچھے اچھوں کو بیوقوف بنا دیتی ہیں آپ بھی حماقت کا انبار لیے ہوئے یورپ سے واپس آئیں اور اس کے بعد آپ نے میرے ساتھ ڈراما کیا اس ڈرامے کو جس طرح میں نے ناکام بنایا اُس سے آپ کی طبیعت خوش ہو گئی ہو گی اور اس کے بعد یہ نیا ڈراما جو آپ کر رہی ہیں اس کے لیے میرے خیال میں یہ تحریر ہی کافی ہو گی۔ محترمہ الماس آراء آپ کی حیثیت کو میں نظرانداز نہیں کر سکتا لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آپ وہ گڑ ہیں جس میں چیونٹے نہیں لگ سکتے۔ چنانچہ ان احمقانہ کوششوں کو ان لڑکیوں کے کہنے سے جاری نہ رکھیں اور ترک کر دیں انہیں بتائیں کہ میں کیا چیز ہوں اور آپ کے لیے یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جس کا بیڑا آپ نے ان لوگوں کے چڑھانے میں آ کر اٹھا لیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی فتح کو برقرار رکھیں۔ لالہ رُخ میری بہن ضرور ہے مگر انتہائی احمق ہے۔ محترمہ نیلوفر کی حماقتوں کا علم آپ کو دوسروں کی زبانی ہو جائے گا باقی اور کسی کو کیا کہوں بس آپ خود سمجھدار ہیں جس بات کا جواب آپ نے مجھ سے مانگا ہے اس کا جواب خود آپ کے ذہن میں موجود ہو گا۔ آپ کا فرمانبردار

شارق حسین

یہ تحریر لکھنے کے بعد میں نے ایک لفافے میں بند

کی لفافے کو خوشبویات سے بسایا اور اتنا تر کر دیا اسے ایک اعلیٰ قسم کے سینٹ میں کہ خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی اس کے بعد یہ لفافہ میں نے احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا ۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی ۔ کچھ اور وقت گزر گیا اور اس کے بعد لنچ پر طلبی ہو گئی ۔ لنچ پر خواتین کے علاوہ شوکت جاہ اور ڈیڈی موجود تھے ، باقی برادران میں سے کوئی نہیں آیا تھا میرے لیے لنچ کے بعد رکنا انتہائی خطرناک تھا لیکن اس وقت تک محفوظ تھا جب تک لفافہ محترمہ الماس آراء کے ہاتھوں میں نہ پہنچ جائے ، شوکت جاہ اور ڈیڈی سے مختصر سی گفتگو رہی اور لنچ ختم ہو گیا اس کے بعد میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تھا میں نے غیر محسوس انداز میں الماس آرا کو اشارہ کیا اور الماس آراء نے اسی غیر محسوس انداز میں میرے غیر محسوس اشارے کا جواب دیا تھا ۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ محترمہ الماس آراء میرے کمرے کے سامنے منڈلاتی ہوئی نظر آئیں ۔ میں لباس وغیرہ تبدیل کر چکا تھا خوشبو میں بسا ہوا لفافہ میں نے ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا ۔

”آپ وعدہ کر چکی ہیں کہ اسے میری غیر موجودگی میں پڑھیں گی ۔“

” مگر میں برداشت کیسے کر سکوں گی ؟ “

” زیادہ برداشت نہیں کرنا پڑے گا آپ کو اس وقت میں جا رہا ہوں ۔“

” کہاں ؟“ اس نے سوال کیا ۔

” بس یوں ہی آوارہ گردی کرنے کے لیے ، رات کو ڈنر پر آپ سے مزید ملاقات ہو گی ۔“

” تو پھر ٹھیک ہے ، میں چلوں “ اس نے پوچھا مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے ہوں غالباً وہ ہنسی روکنے کی کوشش میں سرگرداں تھی ، میں نے اس بات کا نوٹس نہ لیا الماس آراء چلی گئی اور میں فوراً ہی یہاں سے بھاگ جانے کی تیاری کرنے لگا کیونکہ جانتا تھا یہ لفافہ پڑھنے کے بعد کیا ہونے والا ہے ۔ ابھی تو تین چار دن اس کوٹھی میں میرے لیے انتہائی خطرناک ہو سکتے تھے اور اس دوران کوٹھی کا رُخ کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہوتی ، تھوڑی دیر کے بعد میری کار کوٹھی سے نکل آئی ۔ اور میں نے اس کا رُخ نصرت بھائی کے دفتر کی طرف کر دیا میں جانتا تھا کہ اس وقت تک وہ کورٹ سے واپس آ چکے ہوں گے وہ تمام کاغذات میں نے اپنے ساتھ لے لیے تھے جن پر مجھے ان سے گفتگو کرنی تھی ۔ بالآخر اس عمارت کے سامنے تھم گیا جس میں ان کا دفتر تھا ۔ دفتر کے سامنے ان کی کار نظر آ رہی تھی ۔ گویا میرا اندازہ درست تھا ۔ میں نے اپنی کار ان کی کار کے قریب پارک کی اور پھر اُتر کر اندر چل پڑا اس کے بعد میں ان کے دفتر میں داخل ہو گیا ۔ اُن کے ماتحت مجھے پہچانتے تھے چنانچہ چند سلام لیے اور پھر یہ معلوم کر کے کہ وہ تنہا ہیں میں اندر داخل ہو گیا ۔

وہ مجھے دیکھ کر چونکے تھے ، پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا ” میں تمہارے لیے بے چین تھا جانتے ہو آج کیا تاریخ ہے ؟“

” کیوں نہیں ۔“

” بھی انتظار کے لیے کہو گے “

” جی نہیں “

” گویا کچھ کر ڈالا “

” مصروف تو تھا بھائی جان پہلے بھی عرض کیا تھا “

” بیٹھو ۔ ایک منٹ “ انہوں نے کہا اور پھر گھنٹی بجا کر چپراسی کو بلایا ” رمزی صاحب سے کہو کہ میں کسی سے نہیں ملنا چاہتا اس دوران جب تک شارق یہاں ہے تو کوئی آئے تو رمزی صاحب سے خود ہی بات کر لیں ۔ کوئی فون بھی میرے پاس نہیں آنا چاہیئے “

” بہتر !“ چپراسی نے کہا ۔

” کچھ پیو گے شارق !“

” ابھی نہیں “

” ٹھیک ہے جاؤ “ انہوں نے چپراسی سے کہا اور وہ باہر نکل گیا میں نے دروازہ باہر سے بند ہونے کی آواز سُنی تھی ۔ وہ بولے ” تمہارے پاس کچھ کاغذات دیکھ رہا ہوں “

” یہ اس وقت تک آپ کے لیے بے کار ہیں جب تک میں آپ کو ان کے متعلق قصہ کہانی نہ سُنا دوں “

” میں تیار ہوں ، ویسے توصیف رضوی بہت بے چین ہے ہمارا اطمینان اسے سخت پریشان کیے ہوئے ہے “

” ملاقات ہوئی تھی ؟“

” ہوتی رہتی ہے ۔ ان دنوں خصوصاً میرے پاس آ جاتا ہے “

” مجھے بھی ملے تھے “

” کوئی خاص بات ہوئی “

” ان کی ہر بات ہی خاص ہوتی ہے بس طنزیہ گفتگو ، اس

علاوہ وہ بے چارے بھلا کیا کر سکتے ہیں “

” بات بہت آگے بڑھ چکی ہے ۔ رضوی صاحب نے کچھ وکیلوں کو بھی اس کیس کی سماعت کے لیے مدعو کیا ہے انتظامات کیے ہیں کہ سماعت مسلسل ہو اور زیادہ وقفہ نہ ہونے پائے ان کا خیال ہے کہ کیس مسلسل جاری رہے تو ہمیں زیادہ موقع نہ مل سکے گا ۔ اس کے لیے انہوں نے افتخار حسین صاحب سے ان کے گھر جا کر بات کی ہے اور جج صاحب نے ان سے وعدہ کر لیا ہے “

” زندہ باد ۔ یہ خواہش تو میری بھی تھی “

” تم بھی یہی چاہتے تھے کہ سماعت جلد از جلد ہو “

” سو فی صد “

” بھئی میرے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے ہیں ۔ نہ جانے تم نے کیا کیا ہے مگر میں پریشان ہوں سب سے زیادہ پریشانی اس بے وقوف کی طرف سے ہے میری مراد محض دراب شاہ سے ہے “

” اب آپ اس کی فکر ہی نہ کریں “ میں نے کہا اور پھر میں ان کو اس سلسلے کی تمام تفصیلات الف سے یے تک سُنانے لگا ۔ ایک ایک نکتے پر میں نے ان سے تفصیلی بحث کی تھی اور ان کا چہرہ فرطِ مسرت سے گلنار ہوا جا رہا تھا ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی تھی ۔ دو گھنٹے گزر گئے اور ہمیں وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا بالآخر میں نے بات ختم کر دی ۔

” خدا کی قسم توصیف رضوی چت ہو گیا ۔ وہ لڑکی کہاں ہے ؟“

” میرے پاس محفوظ ہے “

” اس کا تحفظ ضروری ہے “

” وہ تو محفوظ ہے اصل مسئلہ فرید احمد کا ہے ۔ میں نے سوچا تھا کہ اُسے پولیس کی تحویل میں پہنچا دوں “

” پولیس کی تحویل میں ۔ ۔ “

” جی ہاں ، یہ کام مشکل نہ ہو گا کسی چھوٹے سے جرم میں اسے گرفتار کرا دیتے ہیں تاکہ اسے وقت پر عدالت میں پیش کیا جا سکے “

” ہوں ۔ اپنی تحویل میں کیوں نہ لے لیں “

” مناسب نہ ہو گا اہم آدمی ہے جس بے جا کا معاملہ بن جائے گا “

” جیسا تم مناسب سمجھو “

” اب تو آپ مطمئن ہیں ؟“

” بہت زیادہ ۔ تم نے میرا سر فخر سے اُونچا کر دیا ہے یقین کرو یہاں فیس وغیرہ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بات عزت پر آ گئی تھی “

” اللہ اللہ آپ کی عزت برقرار رہے گی “ اس کے بعد بھی دیر تک ہم دونوں باتیں کرتے رہے تھے ۔ پھر میں نے اُٹھتے ہوئے کہا ” اب اجازت چاہتا ہوں “

” گھر نہیں چلو گے ؟“

” صبح سے گھر پر ہی تھا ۔ کچھ مصروفیات بھی ہیں ۔ آپ کسی بات سے پریشان نہ ہوں پیشی سے پہلی رات کو تمام نوٹس تیار کر لیں گے “

” او کے “ انہوں نے کہا اور میں ان سے اجازت لے کر وہاں سے نکل آیا ۔ اب کافی اطمینان تھا اور اب سب سے اہم کام الیاس خان کو تحویل میں لینے کا تھا ۔ ایس پی بابر جان کام آ سکتے تھے لیکن بڑا کام نہیں تھا اس لیے غالب کی تلاش ہوئی ۔ انسپکٹر غالب کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور بالآخر اس تک پہنچ گیا ۔

” شارق بھائی جی ۔ کیسے مزاج ہیں ؟“

” جو کچھ ہے تمہارے سامنے ہے “

” جو سامنے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے ۔ چائے یا ٹھنڈا ؟“

” چائے ۔ ۔ “

” چائے ۔ ۔ “ غالب دہاڑا اور پھر ہنسنے لگا ” سُناؤ جی کیسی گزر رہی ہے “

” جیسی گزرنی چاہیئے “

” کون سا دھندہ چل رہا ہے ؟“

” جو دھندہ چل رہا ہے اس میں تمہارا رول آ گیا ہے “

” او جی غالب شوٹنگ کے لیے تیار ہے “

” ایک شخص ہے الیاس خان ۔ فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کے ہاں ملازم ہے “

” او یار کیسا دماغ ہے ۔ دراب شاہ کے چھوکرے کے کیس پر کام کر رہے ہو نا ؟“ غالب نے کھوپڑی ٹھونکتے ہوئے کہا ۔

” ہاں !“

” ٹھیک ہے جی ۔ الیاس خاں ہے “

” اسے گرفتار کرنا ہے ۔ کوئی بھی چارج لگا کر اُٹھا لو ۔ کچھ عرصہ اسے حفاظت میں رکھنا ہے دراصل وہ قاتل ہے

اور اسے ایک قاتل کی حیثیت سے پیش کرنا ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد "

"اوہ زندہ باد ۔ دراب شاہ کا چھوکرا قاتل نہیں ہے"

"نہیں ..."

"مگر وہ تو اقبالی ہے شارق بھائی جی ..."

"ہاں مگر قاتل نہیں ہے"

"قاتل دوسرا ہے"

"ہاں الیاس خاں"

"ثبوت مل گئے ؟"

"ہاں !"

"سمجھ گئے ۔ ٹھیک ہے اُٹھالیں گے ٹائم کتنا لینا ہوگا؟"

"پندرہ بیس دن۔ اس سے زیادہ ہو سکتے ہیں"

"ٹھیک ہے کام کریں گے ۔ اس لیے پوچھا تھا ۔ جب تک ہو سکے گا روزنامچہ تیار نہ کریں گے ۔ چیکنگ ہوگئی تو روزنامچہ بنالیں گے اور ریمانڈ پر رکھ لیں گے ۔ ہاں کوٹھی سے اُٹھانا ہے ؟"

"بالکل نہیں ۔ باہر سے ..."

"نکلتا ہے باہر ... ؟"

"ہاں کیوں نہیں "

"بس جی فکر ہی نہ کرو ہاں چہرہ کرانا ہوگا "

"تصویر سے کام چل جائے گا" میں نے پوچھا ۔

"بالکل چل جائے گا ۔ تصویر دکھا دو ۔" انسپکٹر غالب نے کہا اور اس نے اُسے تصویر دکھا دی جو میں نے پاسپورٹ والی تصویر سے بنوائی تھی ۔

"تھوڑا ایسا ہی ہے یا کچھ بدل لیا ہے ؟"

"نہیں ایسا ہی ہے ۔"

"بس جی شارق بھائی جی ۔ اُٹھ جائے گا پرواہ نہ کرو" انسپکٹر غالب نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور میں مسکرانے لگا غالب کے ساتھ چائے پی پھر وہاں سے بھی اُٹھ گیا ۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ فون کر کے میں اس بارے میں معلوم کروں گا ۔"

آزادی تھی ۔ کوٹھی کا رُخ کرنا مناسب نہیں تھا کیوں کہ وہاں کی فضا کا اندازہ تھا ۔ الماس آرا کا مقابلہ ضرور کرتا لیکن اس وقت فرصت نہیں تھی الماس آرا کی فطرت کے بارے میں جانتا تھا انتہا پسند تھی کوئی بڑی بات بھی ہو سکتی تھی ۔ وقت گزاری کے لیے کچھ کرنا تھا نگہت کے ہاں بھی جا سکتا تھا لیکن پھر انیلا یاد آئی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ۔ دانش اگر گھر پر مل جائے تو اس سے ذرا لُطف آسکتا ہے ۔

احمد کمال کی کوٹھی میں داخل ہوا تو احمد کمال صاحب نظر آئے ۔ مجھے دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑے تھے "ارے بھئی واہ ۔ بھئی اس گھر کی بھی یہ تقدیر ہے ۔" انھوں نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا ۔

"میں سمجھا نہیں ۔"

"تم اس طرح بھی یہاں آسکتے ہو ۔"

"کئی بار حاضری دی ۔ آپ سے ملاقات ہی نہ ہوئی ۔ انیلا ملی تھیں ۔"

"تب پھر یہ بدبختی ہے ہماری ۔ سُناؤ کیا حال ہیں ۔ تم تو بڑی زبردست شخصیت کے مالک ہو جی چاہتا ہے کہ تم سے ملاقات کی جائے مگر تمہاری مصروفیت کی وجہ سے ہمت نہیں کر پاتے ۔"

"آپ خود مصروف انسان ہیں ۔"

"بھئی ہماری مصروفیات تو اس پیٹ کے لیے ہیں ۔ تم نے اس نظریے کو ٹھوکر پہ مار دیا ہے ۔"

"نہیں احمد صاحب جینا تو سب کو ہوتا ہے ۔"

"تم کیسے جیتے ہو ۔"

"جی ... ؟"

"میرا مطلب ہے کہ تم تو تاک تاک کر ایسے لوگوں کے کیس لیتے ہو جو خود دولت کے بل پر اپنا دفاع نہیں کر سکتے اور دوسروں کی دولت کا شکار ہو جاتے ہیں ۔"

"تھوڑا بہت کام چل ہی جاتا ہے ۔"

"میرے خیال میں تمھارے لیے ایک فنڈ قائم کیا جائے جس میں "عطیات دیں ۔ نیک کام ہے ۔"

"یہ نیک کام میں نے اپنی ذات تک محدود رکھا ہے ۔ سر مجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئی اس لیے ایسے کسی فنڈ کی ضرورت نہیں ہے ۔"

"ایک تجویز تھی ۔"

"جس وقت اس کی ضرورت پیش آئے گی میرے لیے تجوریاں کُھل جائیں گی مجھے اس کا یقین ہے ۔"

"قیصر پرویز کے بارے میں کچھ علم ہے ؟"

"اس کا کھیل ختم ہو گیا میری اس سے دشمنی ختم ہو گئی ۔ اب اس کے بارے میں کیا علم رکھ سکتا ہوں ۔"

"بھئی یہی بات ہے میرے تو حواس گُم ہو گئے تھے ۔ تمہارا یہ احسان ہمیں زندگی بھر یاد رہے گا ۔" احمد کمال اسی قسم کی باتیں کرتے رہے میری نگاہیں انیلا کو تلاش کر رہی تھیں ۔ میں ان کی باتوں سے انتہا

کی حد تک بور ہو گیا تھا جب کہیں جا کر انیلا نظر آئی ۔ کہیں باہر سے آئی تھی مجھے دیکھ کر بُری طرح اُچھل پڑی ۔

"اوہ مائی گاڈ ... آپ یہاں موجود ہیں ۔" اس نے حیرت سے کہا ۔

"ہیلو کیسی ہیں آپ ؟" میں نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا ۔

"ہیلو، بالکل ٹھیک ہوں ۔" اُس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ احمد کمال صاحب بھی موجود ہیں ۔

"آپ کب تشریف لائے ؟"

"تھوڑی دیر ہو گئی ۔"

"ڈیڈی آپ نے شارق صاحب کی کچھ خاطر مدارات کی ؟"

"نہیں بھئی اب اتنی دیر بھی نہیں ہوئی کہ میں اس دوران ان کی خاطر مدارات کر دیتا بس مجھے ان کی آمد پر حیرت ہوئی تھی لیکن پتہ چلا کہ اس سے پہلے بھی کئی بار آچکے ہیں مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم بھی اتنے بڑے لوگوں میں شامل ہیں ۔" اُس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا ۔

"ڈیڈی سے کچھ اور گفتگو نہ کرنی ہو تو آیئے ۔"

"جیسی آپ کی مرضی ۔" میں نے کہا ۔ احمد کمال صاحب نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا ۔ وہ مجھے لے کر آگے بڑھ گئی اور پھر اس کوٹھی کی اوپری منزل کے ایک خوب صورت برآمدے میں پہنچ کر اُس نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی ۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ یہاں براجمان ہوں گے ۔"

"آپ کو میری یہاں موجودگی سے کچھ زیادہ ہی حیرت ہوئی ہے ؟"

"ہاں ہوئی ہے کیوں کہ میں آشیانے سے آرہی ہوں ۔"

"اوہ ، ویری گڈ ۔ یہ تو بہت عمدہ بات ہے ۔"

"اور میں جانتی ہوں کہ آپ نے بلا وجہ ہی ادھر کا رُخ نہ کیا ہوگا"

"مطلب ؟"

"پہلے یہ بتایئے کیا پلاؤں آپ کو ؟"

"آپ کے گھر آیا ہوں جو جی چاہے پلا دیں ۔"

"میں شیک منگواتی ہوں ۔" اُس نے کہا اور پھر ملازموں کو آواز دینے لگی ۔ برآمدے میں خوب صورت کرسیاں پڑی ہوئی تھیں ہم دونوں انہی پر بیٹھ گئے مجھے اس بات سے بہت لُطف آیا تھا کہ وہ آشیانے سے آرہی ہے اور یقینی طور پر آشیانے میں اس سلسلے میں خاصی ہنگامہ خیزیاں ہوں گی کم از کم انیلا کو ان کا علم ضرور ہوگا وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی ۔

"بعض اوقات فیصلے کرنے میں جلد بازی ہو جاتی ہے ۔"

"کیسے فیصلے ؟"

"بھئی اب دیکھیے نا لالہ رُخ صاحبہ ، محترمہ الماس آرا بیچاری جاوداں ، نیلوفر وغیرہ وغیرہ اگر کوئی سازش یا شرارت کریں اور اس میں میری شمولیت کی استدعا کی جائے تو ظاہر ہے میں انکار نہیں کر سکتی فیصلہ یہ غلط کیا کہ آپ کے خلاف سازش میں حصہ لیا نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا ۔" میں مسکراتا رہا پھر میں نے کہا ۔

"آپ اس وقت آشیانے سے آرہی ہیں ۔"

"جی ہاں بُلائی گئی تھی ۔"

"اوہ خیریت ۔"

"آپ خیریت رہنے کہاں دیتے ہیں ۔ مجلسِ مشاورت میں طلب کیا گیا تھا بہت گھرے گھرے پلان بن رہے ہیں لیکن اب میں ان پروگراموں میں حصہ نہیں لے سکتی بلکہ سرکاری مخبر بننا ہی پڑے گا ۔"

"کیا مطلب ؟"

"آپ کا وہ خط بلکہ محبت نامہ جو آپ محترمہ الماس آرا کو دے آئے ہیں مجلس میں پیش کیا گیا ہے اور اسے انتہائی توہین قرار دیا گیا ہے چنانچہ توہینِ نسواں کے طور پر آپ پر مقدمہ قائم کر دیا گیا ہے اور آپ کے لیے بدترین سزائیں تجویز کی جارہی ہیں ۔"

"اور آپ ان سے غداری کر رہی ہیں ۔"

"بھائی اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ چنانچہ میں جانتی ہوں کہ نتیجہ کیا ہونا ہے پھر حماقتوں کا ثبوت کیوں دوں ۔"

"مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ جو کچھ وہ کرنا چاہیں گی اس میں انہیں یقینی طور پر ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہو سکتا ہے کسی جوابی کارروائی میں مجھے بھی کوئی نقصان پہنچ جائے اس لیے میں نے تو غداری کا فیصلہ کر لیا ہے ۔"

"اچھا فیصلہ ہے ۔" میں نے ہونٹ بھینچ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا اور وہ ہنسنے لگی پھر جلدی سے بولی ۔

"اب ذرا ایک بات جھٹ پٹ بتا دیجیے ۔"

"جی ۔"

"یہاں آپ کی آمد بے مقصد تو نہ ہوگی ۔"

"کیا مطلب ؟"

"میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آپ نے یہی فیصلہ کیوں کیا کہ مجھ سے ملا جائے ظاہر ہے اس فیصلے کے پیچھے آپ کی ذہانت کار فرما ہے ۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے لیکن اسے کیا کیا جائے کہ میری خوش بختی میرے آگے آگے چلتی ہے بہر طور اچھا ہوا میں یہاں آ گیا اور یہ بھی بہت اچھا ہوا کہ مس انیلا آپ نے ایک درست فیصلہ کیا اب آپ کم از کم مجھے یہ بتا سکیں گی کہ وہاں کوٹھی میں میرا مطلب ہے آشیانے میں کیا کیا واقعات پیش آئے؟"

"ذرا تفصیلی گفتگو ہی ہو جائے۔" اُس نے کہا اور ہنس پڑی میں بھی ہنسنے لگا تھا پھر وہ بولی۔

"الماس آرا پہ مجھے حیرت ہوتی ہے خاصی ذہین لڑکی ہے اور بلاشبہ میں اُسے بہتر سمجھتی ہوں لیکن آپ کے سلسلے میں وہ حماقت کا شکار کیسے ہوئی؟"

"دوسروں کے بھڑکانے میں آ گئی ہے ورنہ فرحت پور میں میری اس سے ملاقات ہوئی تھی تو غالباً اس کے ذہن میں بھی یہ بات آ گئی ہو گی کہ ان تلوں میں تیل نام کی کوئی چیز نہیں ہے میں سمجھتا ہوں اس سلسلے میں لالہ رُخ وغیرہ نے اسے چڑھا دیا ہے اور وہ زبردستی ان حماقتوں پر آمادہ ہو گئی ہے۔"

"وہاں سے واپس آئی تو ہم لوگوں کو سرپرائز دینا چاہتی تھی لیکن بعد میں یہ سرپرائز آپ کی طرف منتقل ہو گیا اور اس نے رُوح بن کر آپ کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی ویسے معاف کیجیے گا شارق صاحب ابتدا میں تو آپ کچھ گڑبڑا گئے تھے ورنہ فرحت پور دوڑے جانا کیا معنی رکھتا ہے..."

"بھئی اب جب سچی باتیں کی جا رہی ہیں تو بھلا میں اس بات سے کیسے انکار کر سکتا ہوں کہ الماس آرا سے بہرحال میرا ایک رابطہ ہے ہم اچھے دوستوں کی طرح ساتھ رہے ہیں بلکہ الماس آرا کو یورپ بھجوانے کے لیے میں نے محنت کی تھی اسے میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا نہ کہ وہ ان بے وقوف لڑکیوں کے بہکاوے میں آ گئی اس کی طرف سے تشویش ایک فطری عمل تھی چنانچہ میں اپنی تسکین کے لیے اس کی زندگی کی تصدیق چاہتا تھا۔"

"بہت خوب ایک اچھے دوست کی یہی صفات ہوتی ہیں۔" اُس نے کہا پھر بولی:

"لیکن فرحت پور پہنچنے کے بعد آپ کو یہ شبہ کیسے ہوا کہ یہ سارا ڈراما ہے۔"

"مس انیلا آپ نے بھی اچھی خاصی اداکاری کر ڈالی تھی حالانکہ آپ اس سلسلے میں برابر کی شریک تھیں۔"

"غلطی ہو گئی تھی معافی چاہتی ہوں۔" اُس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا اور مجھے ایک بار پھر ہنسی آ گئی۔

"چلیے آپ بھی کیا یاد کریں گی معاف کر دیا۔"

"بے حد شکریہ تو آپ ذرا فرما دیجیے کہ آپ کو آخر شبہ کیسے ہو گیا تھا۔"

"تم تو میرے ساتھ ہی گئی تھیں لیکن جب یہ تمام لڑکیاں وہاں پہنچیں تو میرا ذہن کھٹک گیا کہ ان کی آمد بے مقصد نہیں ہے بس اس کے بعد الماس آرا کے کمرے کی تلاشی لے ڈالی وہاں اس کا پاسپورٹ اور دیگر چیزیں مل گئیں چنانچہ جوابی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔"

"اصل میں بعض اوقات عقل پر بالکل ہی پردے پڑ جاتے ہیں مجھے کم از کم یہ سوچ لینا چاہیے تھا کہ محترم شارق حسین صاحب ان موذیوں کو بلوں سے نکال کر مارتے ہیں جنھیں مارنے والا کوئی نہیں رہتا ایسے ذہین آدمی کو بے وقوف بنانے کی کوشش اپنی حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں کہی جا سکتی۔" میں خاموشی سے انیلا کو دیکھتا رہا تھا، انیلا نے کہا۔

"آپ نے دریائے نیلم میں چھلانگ لگا دی تھی اور اس کے بعد غائب ہو گئے تھے یقین کریں سب پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ ہماری تو جان ہی نکل گئی تھی یہ احساس تھا کہ ہمارے مذاق نے آپ کی زندگی لے لی۔ اس کے بعد وہاں جو ہنگامہ خیزیاں ہوئی ہیں وہ دیکھنے کے قابل تھیں یہاں تک کہ بیگم صاحبہ کو بھی تلاش کر کے اس معاملے میں ملوث کر لیا گیا جس طرح ہم لوگوں نے واپسی کا سفر کیا ہے ہمارا دل ہی جانتا ہے حواس بحال نہیں تھے۔ کھانے پینے پر لعنت بھیج دی گئی تھی سب کی سب روتی ہوئی یہاں پہنچی تھیں اور نجانے کیسی کیسی کیفیات کا شکار رہی تھیں، الماس آرا کو اس بات پر غصہ آیا اور اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ آپ کو زیر کر کے رہے گی، چنانچہ زیر کرنے کی یہ پہلی کوشش جس طرح بار آور ہوئی ہے اس نے الماس آرا کے دماغ کے پُرزے ڈھیلے کر دیے ہیں غالباً اس نے آپ سے ملاقات کر کے آپ سے کچھ ایسی ویسی باتیں کی تھیں؟" اُس نے کہا۔

"ہاں وہ میرا اظہارِ اُلفت چاہتی تھیں اور میں نے ان سے کہا تھا کہ میں بذریعۂ تحریر انھیں جواب دوں گا۔"

"آپ نے وہ جواب انھیں دے دیا اور الماس آرا نے تمام خواتین کو مدعو کر ڈالا اور اس کے بعد وہ خط ان کے سامنے کھولا گیا لیکن اس کی تحریر کو وہ دوسروں سے نہ چھپا سکیں چہرہ اُتر گیا تھا بے چاری کا۔ میں تو اس وقت موجود نہیں تھی بس سُنا ہے میں نے کہ الماس آرا اتنی شرمندہ ہوئی کہ ناقابلِ بیان ہے اور اس کے بعد اس

کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا اور اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا کہ شارق صاحب آپ کو ناکوں چنے نہ چبوا دوں تو میرا نام بھی الماس آرا نہیں ہے۔"

"ایک اور غلط دعویٰ کیا محاورہ ایک الگ چیز ہے اور حقیقت کچھ اور ظاہر ہے الماس آرا میری ناک میں دانت نہیں اُگا سکتیں۔" میں نے کہا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، مشروب آ گیا تھا اور انیلا نے مجھے بڑے احترام سے یہ مشروب پیش کیا تھا پھر اس نے کہا۔

"شارق صاحب میں نے مخبری کر ڈالی ہے اگر کوئی مسئلہ ہو تو براہِ کرم مجھے اس میں شامل نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے خیال رکھا جائے گا لیکن پروگرام کیا بنایا گیا ہے؟"

"ابھی فیصلے کیے جا رہے ہیں دانشور سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں کہ جناب شارق صاحب کو کس طرح مُرغا بنایا جائے معاف کیجیے گا میں ان کے الفاظ ادا کر رہی ہوں۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا جا سکا ہاں اگر آپ حکم دیں اور ہمیں اپنی پناہ میں لینے کا وعدہ کریں تو پھر ہم اس فیصلے سے آپ کو آگاہ کر دیں۔"

"کون کون شریک ہے ان کارروائیوں میں؟"

"سرِفہرست الماس آرا بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ اس سلسلے میں صدارت الماس آرا کر رہی ہیں جنرل سیکریٹری محترمہ لالہ رُخ ہیں جوائنٹ سیکریٹری مس نیلوفر ہیں اور جاوداں کو ذرا مشکوک نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے تاہم انھیں بھی معاون کا عہدہ دے دیا گیا ہے مجلسِ مشاورت میں مس انیلا شریک ہیں۔" اس نے وضاحت کی اور ہم دونوں ہنستے رہے پھر میں نے کہا۔

"بہرحال ابھی میں ایک مسئلے میں اُلجھا ہوا ہوں اس لیے مقابلے کا اعلان نہیں کروں گا لیکن ذرا ان معاملات سے نمٹ لیا جائے اس کے بعد مس الماس آرا کو یہ بتایا جائے گا کہ یورپ کی سیر کر ڈالنا ایک الگ بات ہے اور ذہانت ایک الگ چیز ہے۔"

"مجھے یقین ہے اور اسی لیے میں نے پارٹی بدل لی ہے۔" اُس نے کہا دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی میرا یہاں آنا ایک طرح سے بہتر ہی ہوا تھا کم از کم کوٹھی کے حالات کا پتا چل گیا تھا اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ خط کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ یہاں آنے کے بعد ذہن میں کافی شگفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ فیصلہ اٹل تھا کہ اس وقت تک جب تک اس مسئلے میں کوئی بہتر صورتِ حال نہ نکل آئے آشیانے کا رُخ کرنا مناسب نہیں تھا چونکہ آشیانے میں ایک خونخوار گروہ میرے خون کا پیاسا تھا خط میں چونکہ نیلوفر اور لالہ رُخ کے بارے میں بھی لکھا گیا تھا اس لیے وہ دونوں بھی چراغ پا ہو گئی ہوں گی بہرطور معاملات دلچسپ تھے بے چاری جاوداں ویسے ہی مرنجان مرنج تھی اور اس کے ساتھ بلا وجہ زیادتی ہو رہی تھی۔ نہ وہ ان لوگوں کے لیے کچھ کر سکتی تھی اور نہ ہی میرے لیے وہ بلاشبہ اُلجھنوں کا شکار ہو گئی بہت دیر تک انیلا کے ساتھ وقت گزارا اور اس کے بعد میں نے اس سے اجازت لی اور کہا کہ ٹیلی فون پر اس سے صورتِ حال معلوم کرتا رہوں۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے نمائندے کی حیثیت سے کام کرے گی، پھر میں کوٹھی سے باہر نکل آیا، احمد کمال صاحب کی کار نظر نہیں آ رہی تھی۔ ماڈرن قسم کے لوگ تھے اور ایسی عام باتوں کو اہمیت نہیں دیتے تھے، اس نے مجھے خدا حافظ کہا اور میری کار اس کی کوٹھی سے باہر نکل آئی، وقت پر لگا کر اُڑ گیا۔ پیشی کی تاریخ بالکل قریب آ گئی میں نے اس دوران اپنے پروگرام کے مطابق آشیانے کا رُخ نہیں کیا تھا لیکن نصرت بھائی سے میرا مسلسل رابطہ تھا اکثر ان کے دفتر چلا جاتا اور بعض اوقات ٹیلی فون کر لیتا اس وقت بھی فاروقی صاحب کے دفتر میں موجود تھا کہ اُن کا فون موصول ہوا جاوید قریشی نے اُن کی آواز سُن کر ریسیور مجھے دے دیا تھا۔

"جی بھائی جان۔" میں نے کہا۔

"کچھ مصروف ہو شارق۔" اُن کی آواز سُنائی دی۔

"نہیں فرمایئے۔"

"یہ داراب شاہ صاحب آئے ہوئے ہیں تمہیں خاص طور سے پوچھ رہے تھے تم سے ملنا چاہتے ہیں میں نے کہا کہ اگر تم دفتر میں مل گئے تو میں تمہیں ابھی بُلائے دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں حاضر ہو رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔ میری کار نصرت بھائی کے دفتر کی عمارت کے سامنے رُکی اور تھوڑی دیر کے بعد میں اندر داخل ہو گیا داراب شاہ بھائی جان سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا اس کی آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے تھے ہونٹ خشک تھے اور وہ کافی نڈھال نظر آ رہا تھا۔

"ہیلو داراب شاہ صاحب خیریت کچھ بیمار معلوم ہوتے ہیں کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" میں نے سلام دُعا کے بعد اُس سے پوچھا اور وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔

"میری ذہنی کیفیت خراب ہے تاریخ قریب آ گئی ہے اور میں نجانے کیسے کیسے وسوسوں کا شکار رہوں حالانکہ بیرسٹر

صاحب نے ابھی مجھ سے جو گفتگو کی ہے وہ بڑی اُمید افزا ہے لیکن بلکن اس وقت میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ ایک باپ کتنا کمزور ہوتا ہے میں شارق حسین، میں دُنیا سے بیزار ہوں آپ یقین کیجیے مجھے ہر قیمت پر اپنے بیٹے کی زندگی درکار ہے کوئی مجھے گندی نالیوں میں پھینک دے لیکن محسن کو اس عذاب سے نکال لے یہ تصوّر ہی میرے لیے ہولناک ہے کہ کہیں وہ کہیں وہ . . .“ داراب شاہ کی آواز رندھ گئی میں نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

”داراب شاہ ہمت سے کام لینا انتہائی ضروری ہوتا ہے ہم مسیحا تو نہیں ہیں جو کچھ ہم نے اس دوران کیا ہے وہ آپ کے لیے اطمینان بخش ہونا چاہیئے آپ بلا وجہ اتنے پریشان ہو رہے ہیں غالباً بیرسٹر صاحب نے آپ کو بتا دیا ہوگا کہ ہماری کوششیں بار آور ہوئی ہیں اور ہم انشاء اللہ محسن کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

”ہاں بیرسٹر نصرت حسین کے یہ الفاظ مجھے نئی زندگی دے رہے ہیں لیکن نجانے کیوں شارق، نجانے کیوں دل بیٹھا جا رہا ہے۔“

”آپ کو ہمت کرنا ہوگی اب تو آپ کو معقول حالات کا سامنا کرنا ہے، مقدمہ پیش کیا جائے گا اور اس دوران آپ کو بہت صبر اور ہمت سے کام لینا ہوگا کیوں کہ بدقسمتی سے وہ تمام حقائق سامنے لانے پڑیں گے جو آپ کی زندگی سے متعلق ہیں آپ کو یقیناً اپنی ذات پر کیچڑ اُچھلتے دیکھ کر دکھ ہوگا لیکن محسن کے لیے آپ یہ برداشت کر لیجیے گا۔“

”کیسی باتیں کرتے ہیں شارق کیچڑ کی بات کر رہے ہیں آپ میں کہتا ہوں محسن کی جگہ مجھے سزائے موت دے دی جائے مجھے خوشی سے قبول ہوگی۔“

”آپ اور محسن زندہ رہیں گے آپ بالکل اطمینان رکھیے گا۔ اب تو ہمیں آپ کی مکمل مدد کی ضرورت ہوگی۔“

”تم لوگوں کے الفاظ میرے لیے آبِ حیات سے کم نہیں ہیں یقین کر دلیسے شارق کوٹھی سے مکمل طور پر چلے آئے صوفیہ نے مجھے بتایا تھا کہ اب تم اُدھر کا رُخ بھی نہیں کرتے۔“

”میری ضرورت پوری ہو چکی ہے ظاہر ہے بلا وجہ کسی جگہ پڑے رہنا تو مناسب نہیں ہوتا پھر آپ بھی موجود نہیں تھے۔“

”میرے لیے یہ الفاظ بہت تسلی بخش ہیں ویسے ایک سوال کروں۔“

”جی ضرور۔“

”کوٹھی پہنچنے سے تمہیں فائدہ ہوا تاں۔“

”فائدہ آپ صرف فائدہ کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہاں اس مختصر قیام نے حقیقت میرے سامنے لا کھڑی کی۔“ داراب شاہ کا چہرہ بدستور سنسنی کا شکار رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”بہت ہی احمقانہ سوال ہے شارق حسین لیکن کیے بغیر باز نہیں رہ سکتا کیا اس حقیقت میں صوفیہ شامل ہے؟“ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے داراب شاہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”نہیں قطعی نہیں آپ اس طرف سے بھی مطمئن ہو جائیے۔“ وہ آنکھیں بند کر کے سکون کی گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین نے اس کے لیے پانی طلب کیا چپراسی نے پانی لا کر دیا تو داراب شاہ نے پورا گلاس خالی کر دیا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر جذباتی لہجے میں بولا۔

”بات صرف اتنی ہی نہیں ہے شارق حسین کہ آپ وکیل ہیں اور میں آپ کا موکل، انسان انتہائی بیمار ہو کر ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے اور اس سے نجانے کیا کیا توقعات وابستہ کر لیتا ہے وہ اپنے عزیز کی زندگی چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر اس کا مسیحا ہے یہاں اس کا رشتہ صرف ڈاکٹر و مریض کا نہیں ہوتا بلکہ نجانے کیا ہو جاتا ہے اس وقت میں بھی اسی عذاب کا شکار ہوں میرا بیٹا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور میں اسے موت سے بچانا چاہتا ہوں میرا گھر تاریک ہو رہا ہے اور اس تاریکیوں میں چراغ جلانے والے آپ لوگ ہیں میرا آپ سے معمولی رشتہ نہیں ہے آپ کے یہ الفاظ مجھے زندگی کی جانب لے جا رہے ہیں گویا اس گھر میں ایک بار پھر سکون کا امکان ہے۔ صوفیہ کے بارے میں میرا دل بار بار دھڑکنے لگتا ہے کیوں کہ جو حقائق ہیں انہیں تسلیم نہ کرنا احمقانہ بات ہے میں نے بار ہا یہ بھی سوچا کہ کہیں صوفیہ کے دل کا کوئی چور اُسے اس جرم پر آمادہ کرنے کا باعث نہ بنا ہو شارق یہ صرف تسلی تو نہیں ہے؟“

”نہیں شاہ صاحب آپ کا گھر بالکل پُرسکون رہے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا ہاں ایک بار پھر اس عدالتی کارروائی کے لیے معذرت طلب کروں گا۔ جس میں ہمیں کچھ ایسے بیانات دینا پڑیں گے جو آپ کے لیے باعثِ دُکھ ہو سکتے ہیں۔“

”مجھے پروا نہیں ہے مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ میرے پہنچنے سے وہ کچھ اور مطمئن ہو گیا تھا ویسے

بھائی جان بھی اسے کافی اطمینان دلا چکے تھے بہت دیر تک وہ ہمارے ساتھ بیٹھا رہا اور اس کے بعد رخصت ہو گیا۔ الیاس خان کے بارے میں نہ اس نے کچھ کہا تھا اور نہ ہی میں نے اس سے کوئی سوال کیا تھا اس دوران غالب سے ملاقات میں مجھے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ غالب اپنا کام کر چکا ہے اور الیاس خان پولیس لاک اپ میں ہے اور کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی ہے ظاہر ہے الیاس خان کو کوٹھی سے نہیں گرفتار کیا گیا تھا اس کی گمشدگی پر ان لوگوں کو کوئی خاص تشویش بھی نہیں ہوئی تھی اسی وجہ سے الیاس خان کا کوئی تذکرہ ہی نہیں ہوا تھا اُس کے جانے کے بعد نصرت بھائی مجھے دیکھنے لگے پھر بولے۔

”بھئی کیس تو میں نے اپنی زندگی میں بے شمار لڑے ہیں لیکن جتنا سنسنی خیز یہ مقدمہ ہے میں اعتراف کرتا ہوں کہ اتنا سنسنی خیز مقدمہ میں نے بھی کبھی نہیں لڑا۔“ میں نے مسکراہٹ پر اکتفا کی تھی۔ نصرت حسین صاحب کہنے لگے۔

”اب یہ بتاؤ پروگرام کیا ہے کل کا دن درمیان میں ہے میرا خیال ہے ہم آج ہی سے کام کیوں نہ شروع کر دیں؟“

”کل صبح سے کریں گے بھائی جان کل آپ کو کورٹ جانا ہے؟“

”بالکل نہیں میں نے اپنی ایک پیشی ملتوی کرا دی ہے جانتا تھا کہ اس سلسلے میں کام کرنا ہوگا۔“

”تو کل دس بجے میں آپ کے دفتر پہنچ جاؤں گا اور شام تک مصروف رہیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے جواب دیا اور پھر میں ان کے پاس سے رخصت ہو کر چلا آیا زندگی کے معمولات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں تھی میں خود بھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس کیس کے لیے تیار کر رہا تھا اور اسی لیے دوسری تمام ذمے داریاں ترک کر دی تھیں دوسرے دن معمول کے مطابق حسبِ وعدہ دس بجے نصرت بھائی کے آفس پہنچ گیا وہ مجھ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے اور کمرہ بند کیے بیٹھے تھے اپنے تمام ماتحتوں کو ہدایات دے چکے تھے میں پہنچا تو انہوں نے متفکرانہ انداز میں گردن ہلائی۔

”خیریت؟“

”ہاں بالکل خیریت ہے۔“

”آپ کچھ متفکر نظر آ رہے ہیں؟“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں بس اسی سلسلے میں غور و خوض کر رہا تھا۔“

”تیاریاں کرتے ہیں۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد ہم کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے انہوں نے اس وقت اپنی تمام انا ترک کر دی تھی اور کسی شاگرد ہی کی طرح مجھ سے نوٹس لے رہے تھے کیس انہی کو لڑنا تھا حالانکہ انہوں نے پیشکش کی تھی کہ اگر میں پسند کروں تو اس کیس کو اپنی طرف منتقل کر لوں دونوں مل جل کر کام کریں گے لیکن میں نے نہایت محبت سے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا کہ اس کیس میں، میں ان کے ماتحت کی حیثیت سے تو کام کر سکتا ہوں انہیں اپنا ماتحت نہیں بنا سکتا ان کی تمام اکڑفوں ختم ہو گئی تھی اب تو خیر صورتِ حال ہی تبدیل ہو گئی تھی ورنہ ابتداً میں انہوں نے مجھے کسی قابل ہی نہیں سمجھا تھا بہرطور وہ میرے بھائی تھے اور انہیں ہر طرح کے حقوق حاصل تھے آج بھی اگر وہ مجھے مُرغا بنا دیتے تو مجھے ذرا برابر اعتراض نہ ہوتا دوپہر کے کھانے تک ہم بہت کام کر چکے تھے۔ میں نے ان کو ایک ایک پوائنٹ پر تیار کر دیا تھا اور وہ بچوں کی طرح اپنی تقاریر رٹتے رہے تھے جس پر بار بار مجھے ہنسی آئی تھی اور وہ بھی مسکرا کر خاموش ہو گئے پھر تمام کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”بھئی تم تو کمال کے آدمی نکلے دلائل بھی بہترین تیار کرتے ہو تمہاری زبان میں بولنے کا یہ میرا پہلا موقع ہوگا۔“

”نہیں بھائی جان ہماری اور آپ کی زبان الگ الگ کہاں ہے۔“

”ہاں مجھ سے کچھ زیادتیاں ہوئی ہیں تمہارے ساتھ دل میں کوئی بُرائی تو نہیں ہے۔“

”بچپن کی بات کر رہے ہیں یا بڑے ہونے کے بعد۔ بچپن میں آپ نے یقینی طور پر مجھے کافی مارا پیٹا ہوگا۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا اور وہ بھی ہنسنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

”کوٹھی کیوں نہیں آ رہے آج کل۔“

”کوئی خاص وجہ نہیں ہے بس انہی معاملات کی تیاریوں میں مصروف تھا۔“

”میرے ساتھ ہی چلو۔“

”نہیں بھائی جان وہاں میرے لیے خطرہ ہے۔“

”کیسا خطرہ؟“

”الماس آرا وہاں موجود ہے اور وہ بہت تیز لڑکی ہے میں نے اسے ایک چوٹ دی ہے اور وہ تھپڑ سے اس کا بدلہ لینے کی

فکر میں ہے یہ تمام معاملات اس کیس سے نمٹنے کے بعد مل کر طے کیے جائیں گے اس لیے میں ابھی کوٹھی کا رُخ نہیں کر رہا ۔"

" شرارتوں سے باز نہیں آتے الماس آرا بہت اچھی لڑکی ہے ۔"

" بے شک وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن بہت خطرناک بھی ہے ۔" میں نے کہا اور وہ بات ٹال گئے ظاہر ہے میں بھی انہیں تفصیلات نہیں بتا سکتا تھا دوسرے دن فاروقی صاحب جاوید قریشی بھی میرے ساتھ تھے میں پہلے نصرت بھائی کے پاس پہنچا اور اس کے بعد ہم چاروں عدالت پہنچ گئے فاروقی صاحب نے بھی آج کوئی کیس اپنے ہاتھ میں نہیں لیا تھا یہی کیفیت جاوید قریشی کی تھی میں نے نصرت بھائی کے فائل سنبھال رکھے تھے اور انہوں نے بار بار مجھے جھینپی ہوئی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ کمرۂ عدالت کے باہر توصیف رضوی بھی اپنے ماتحت کے ساتھ نظر آئے اور اُن کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی جج افتخار صاحب آ چکے تھے اور چیمبر میں بیٹھے ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد ہماری پیشی ہو گئی اور ہم لوگ کمرۂ عدالت میں جا بیٹھے توصیف رضوی پبلک پراسیکیوٹر سے گفتگو کر رہے تھے اور پوائنٹس تیار ہو رہے تھے جج صاحب کی آمد پر سب کو کھڑا ہونا پڑا اور اس کے بعد جب وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے تو ہم لوگ بھی بیٹھ گئے کمرۂ عدالت میں نوشاد بائی بھی تھی دراب شاہ بھی تھے اور بھی چند افراد موجود تھے تھوڑی دیر کے بعد محسن کو بھی عدالت میں پہنچا دیا گیا اور وہ خاموشی سے کٹہرے میں جا کھڑا ہوا۔ جج صاحب نے سماعت کا آغاز کیا اور پبلک پراسیکیوٹر کھڑا ہو گیا۔

جج صاحب نے آج سرسری سی نگاہ اس فائل پر ڈالی جو ان کے سامنے موجود تھا اور اس کے بعد پبلک پراسیکیوٹر کی جانب متوجہ ہو گئے ۔

" جناب والا یہ مقدمہ نجمہ نامی ایک نوخیز لڑکی کے قتل سے تعلق رکھتا ہے۔ مشہور فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کی کوٹھی پر یہ قتل ہوا اور اس کے بعد انسپکٹر غلام احمد نے اس قتل کی رپورٹ ... تفتیش کی اور حقائق اور ثبوتوں کی روشنی میں ڈائریکٹر ... شاہ کے بیٹے محسن شاہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مزید تفتیشی رپورٹ فائل میں موجود ہے۔ مختصر تفصیل یہ ہے کہ نجمہ نامی لڑکی جو فلمی دنیا میں آنے کی شائق تھی اور معزز فلم ڈائریکٹر دراب شاہ سے اس سلسلے میں رابطے قائم کر رہی تھی۔ ان سے ملاقات کے لیے اُن کی کوٹھی میں داخل ہوئی اس وقت ڈائریکٹر صاحب اپنی کوٹھی میں موجود نہیں تھے بلکہ ان کے صاحبزادے محسن وہاں موجود تھے وہ نجمہ کو دھوکا دے کر اپنے کمرے میں لے گئے اور اس پر دست درازی کی۔ نجمہ مدافعت کی کوشش کرتی رہی اور اس مدافعت کے نتیجے میں نجمہ محسن شاہ کے ہاتھوں ہلاک ہو گئی۔ محسن شاہ ایک نوجوان آدمی ہے اور اس نے اپنی ہوس کی تکمیل کے لیے ایک انسانی زندگی کو ختم کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کیا۔ جو ثبوت اور حقائق پولیس نے تفتیش کے دوران حاصل کیے ہیں ان کی تفصیلات فائل میں موجود ہیں اور مزید تفصیلات کے لیے پبلک پراسیکیوٹر کی مدد جناب معزز وکیل توصیف رضوی صاحب کر رہے ہیں۔ جو مقتولہ نجمہ کی ماں نوشاد بائی کے ایما پر اس کیس کی پیروی بھی کر رہے ہیں۔ پولیس رپورٹ کے مطابق یہ مقدمہ عدالت میں پیش کرنے کے بعد میں معزز عدالت کی توجہ توصیف رضوی کی جانب مبذول کرنا چاہتا ہوں ۔"

توصیف رضوی نے وکالت نامہ جج افتخار صاحب کو پیش کیا اور جج نے اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر اسے اپنے قریب رکھ لیا۔ پھر پبلک پراسیکیوٹر اجازت لے کر بیٹھ گیا تھا اور توصیف رضوی صاحب سامنے آ گئے تھے ۔

" جناب والا اجازت ہے۔ میں کچھ حقائق معزز عدالت کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں ۔"

" اجازت دی جاتی ہے ۔" جج صاحب سپاٹ لہجے میں بولے ۔

" جیسا کہ میرے دوست اور محترم پبلک پراسیکیوٹر نے اس کیس کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ محسن شاہ نے اپنی ہوس کی تکمیل کے لیے ایک انسانی زندگی سے کھیلنے میں عار محسوس نہ کی۔ اس کے مطابق جناب والا میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ محسن شاہ کے بارے میں تفصیلات معلوم کر کے اُسے قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ ایک مجرم سے انسانیت کو چھٹکارہ ملے۔ محسن ایک جذباتی نوجوان ہے اور اپنے پُرہوس کھیل میں ناکام رہ کر ایک انسان کو قتل کرنے کے بعد شاید اُس کے ضمیر نے اُسے ملامت کی اور اس نے پولیس کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ نجمہ کو قتل کرنے میں اُسی کا ہاتھ ہے۔ لیکن ڈائریکٹر دراب شاہ نے اپنے بیٹے کی زندگی بچانے کے لیے بہت سی کوششیں کر ڈالی ہیں اور اس سلسلے میں وکیل صفائی معزز

بیرسٹر نصرت حسین صاحب ہیں اور اُن کے معاون کار وکالت کی دُنیا کے حیرت انگیز انسان شارق حسین صاحب ہیں ۔"

بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے کھڑے ہو کر گردن خم کی اور میں بھی ان کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ جج افتخار صاحب نے ایک لمحے کے لیے ہم دونوں کو چونک کر حیرت سے دیکھا اور پھر ان کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی ہم دونوں واپس اپنی نشست پر بیٹھ گئے ۔

" جناب والا۔ جیسا کہ پبلک پراسیکیوٹر نے فرمایا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت نجمہ دراب شاہ سے ملاقات کے لیے اس کے گھر گئی اور وہاں دراب شاہ کو نہ پا کر واپس لوٹ رہی تھی کہ محسن نے اُسے مخاطب کیا اور اس کے بعد اُسے بہلا پھسلا کر اپنے کمرے میں لے گیا۔ جہاں اُس نے نجمہ کے ساتھ زیادتی کی کوشش کی اور اس میں ناکام رہ کر اُسے ہلاک کر دیا۔ محسن شاہ نے چونکہ اپنے جُرم کا اقبال کیا ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ عدالت اس بیان کی روشنی میں کسی قسم کے تردد کے بغیر محسن کو سزا دینے میں دریغ نہ کرے گی۔ تاہم اگر محسن کی غلط وکالت کے لیے اس کے باپ دراب شاہ نے کچھ کارروائیاں کی ہیں تو ان کی تکمیل کر لی جائے ۔"

جج افتخار احمد نے بیرسٹر نصرت حسین کی طرف دیکھا تو وہ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے گردن خم کر کے کہا ۔

" میں سمجھتا ہوں جناب والا کہ عدالتی کارروائی میں ایک نئی اصطلاح کا اضافہ ہوا ہے ۔ اس اصطلاح کی قانونی نوعیت کیا ہے اس کا فیصلہ معزز جج صاحب ہی فرما سکیں گے۔ غلط وکالت ۔" کیا وکالت کو غلط کے نام سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، توصیف رضوی کو اپنے یہ الفاظ واپس لینے پڑیں گے۔ وکالت وکالت ہوتی ہے اُسے غلط یا صحیح کہنے کی اجازت کسی کو نہیں دی جا سکتی ۔" توصیف رضوی کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے بھاری لہجے میں کہا ۔

" میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں ۔"

" شکریہ رضوی صاحب۔ تو جناب والا ہمارے محترم وکیل نے محسن کو ایک اوباش نوجوان قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ وہ نجمہ بائی کا قاتل ہے اس سلسلے میں انہوں نے محسن کے اقبالی بیان کا بھی حوالہ دیا۔ جناب والا قتل کوئی معمولی چیز نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایک جذباتی لمحہ ہی قتل کا محرک بنتا ہے اور اگر انسان اس لمحے کو عقل کے ساتھ گزار جائے۔ تو شاید ایسے بھیانک جرائم کا ارتکاب نہ ہو سکے۔ لیکن بعض اوقات حالات و واقعات کی پیچیدگی کسی بھی بات کو اتنا بدل کر پیش کرتی ہے کہ ان حقائق کی گہرائیوں میں اُترنا ممکن نہیں ہوتا۔ محسن میرے معزز وکیل صاحب کے بیان کے مطابق ایک نوجوان تعلیم یافتہ آدمی ہے وہ ایک فلم ڈائریکٹر کا بیٹا ہے اور دراب شاہ صاحب ایک فلم ڈائریکٹر ہونے کی حیثیت سے بہترین مالی وسائل رکھتے ہیں۔ جب کہ معزز عدالت کے علم میں یہ بات آ چکی ہے کہ مقتولہ نجمہ بائی ایک طوائف نوشاد بائی کی بیٹی تھی۔ ہرچند کہ میں یہ بات مانتا ہوں کہ نجمہ فلمی دُنیا میں آنے کی شائق تھی لیکن طوائف کے کوٹھے پر موجود کسی بھی لڑکی کا حصول۔ دولت مندوں کے لیے مشکل نہیں ہوتا نجمہ بائی قابل حصول تھی اور محسن ایک دولت مند باپ کا بیٹا۔ نوشاد بائی خاندانی طوائف ہے اور اس کے ہاں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو طوائفوں کے ہاں ہوتا ہے۔ نجمہ بائی کی پاکبازی اور اس کی موت کے بعد کوئی حرف زبان سے نکالنا گناہ ہے لیکن ایک انسانی زندگی کا مسئلہ بھی سامنے ہے اس لیے کچھ قابل اعتراض الفاظ استعمال کرنے پہ معافی چاہتا ہوں۔ اگر محسن کے ذہن میں نجمہ کا حصول ہوتا تو اس کے لیے وہ دولت خرچ کر کے اپنے مقصد کی تکمیل کر سکتے تھے۔ دوئم یہ کہ نجمہ بذاتِ خود فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کے پاس آتی جاتی رہتی تھی اور فلموں میں کام کرنے کی خواہشمند تھی۔ اگر محسن یہ بات چاہتے کہ نجمہ کو اپنے کسی مقصد کے لیے حاصل کر سکیں تو وہ اس کے لیے اپنے باپ کا سہارا بھی لے سکتے تھے اور ان کے نام سے اُسے غلط راہوں پر لا سکتے تھے۔ جہاں تک اُس ایک جذباتی لمحے کا تعلق ہے جس کا حوالہ معزز وکیل توصیف رضوی نے دیا تو میں اس کی حقیقت سے انکار نہیں کرتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میری خواہش ہے کہ کچھ گہرائیوں پر غور کر لیا جائے اور اگر ثبوتوں کی روشنی یہ بات واضح کر دے کہ محسن شاہ درحقیقت ایک سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ تو یقینی طور پر عدالت کسی بے گناہ کی زندگی کی خواہاں نہیں ہو گی اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ محسن شاہ ہی وہ قاتل ہے جس نے کسی بھی طبقے سے تعلق رکھنے والی ہو۔ اس زندگی کا خاتمہ کیا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہر صاحب دل اس بات کا متولاں ہو گا کہ ملزم کو سزا ملنی چاہیے ۔" توصیف رضوی نے اس کے جواب میں کہا ۔

”جناب والا۔ فاضل وکیل صفائی نے خاص طور پر طبقے پر زور دیا ہے۔ نجمہ، نوشاد بائی کی بیٹی تھی اور بلاشبہ اس کے نام کے ساتھ ایک ایسی چیز وابستہ ہے جس پر نکتہ چینی کی جاسکتی ہے۔ لیکن پاکیزگی کسی طبقے سے تعلق نہیں رکھتی۔ وہ مدافعت جس نے نجمہ کو زندگی کھونے پر مجبور کر دیا، یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کا تعلق کہیں سے ہو۔ وہ ایک باعزت لڑکی تھی اور عزت سے جینا چاہتی تھی۔ جہاں تک میرے فاضل وکیل کے دلائل کا تعلق ہے۔ میں اس کے سلسلے میں عرض کروں گا کہ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو محسن شاہ کو یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ قتل اُس نے کیا ہے اور جب مجرم اس قتل کا اعتراف کرتا ہے تو پھر وکیل صفائی اُسے بے گناہ قرار دینے پر کیوں مصر ہیں میں اس سلسلے میں اُس انسپکٹر کو پیش کرنا چاہتا ہوں جس نے محسن شاہ کو گرفتار کیا۔“

انسپکٹر کو پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی اور تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر غلام احمد کٹہرے میں آکھڑا ہوا۔ توصیف رضوی نے اس سے سوال کیا؟

”کیا آپ بتا سکتے ہیں انسپکٹر کہ آپ کو اس قتل کی اطلاع کیسے ملی۔۔۔؟“

”جی ہاں اس کے بارے میں نوشاد بائی نے تھانے آکر مجھ سے رابطہ قائم کیا اور مجھے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ اُس کی بیٹی نجمہ فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کے گھر گئی تھی اور اس کے بعد واپس نہیں آئی اور جب وہ نجمہ کی تلاش میں وہاں پہنچی تو اُسے دراب شاہ کی بیوی نے بتایا کہ وہ یہاں نہیں آئی۔ لیکن بعد میں ملازموں نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ وہ یہاں آئی تھی۔ لیکن انہوں نے اُسے واپس جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نوشاد بائی کی رپورٹ پر جب ہم لوگ فلم ڈائریکٹر دراب شاہ کے گھر پہنچے اور گھر کی تلاشی لی تو محسن شاہ کے کمرے کی ایک الماری سے نجمہ کی لاش برآمد ہوئی۔ اُسے گردن میں رومال ڈال کر ہلاک کیا گیا تھا اور وہ رومال ہمیں دستیاب ہوگیا تھا بعد میں محسن شاہ کو گرفتار کر لیا گیا جو شراب کے نشے میں دھت تھا اور جب اُس سے سوالات کیے گئے کہ کیا اس نے نجمہ کو قتل کیا ہے تو اُس نے نجمہ کو قتل کرنے کا اعتراف کر لیا اور یہی بیان اس نے پولیس اسٹیشن اور اس کے بعد پہلی پیشی میں عدالت میں دیا جج صاحب نے نصرت حسین سے پوچھا کہ کیا وہ انسپکٹر غلام احمد سے کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں تو نصرت حسین اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔ اسی دوران پبلک پراسیکوٹر نے وہ رومال جج صاحب کو پیش کر دیا تھا۔

بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے انسپکٹر سے سوال کیا۔

”انسپکٹر یہ رومال آپ کو کہاں سے حاصل ہوا؟“

”محسن شاہ کے تکیے کے نیچے سے۔“

”جس وقت آپ نے یہ لاش دریافت کی تو محسن کہاں تھا؟“

”وہ کمرے میں نشے کے عالم میں سو رہا تھا۔“

”آپ نے اس سے سوال کیا کہ اس نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے؟“

”جی ہاں۔۔۔“

”کیا جواب دیا اُس نے؟“

”اس وقت وہ کچھ پریشان سا ہوگیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ وہ نہیں جانتا کہ یہ سب کیا ہے۔ بس اس کے بعد جب اُسے گرفتار کیا گیا تو بعد میں اُس نے اعتراف کیا کہ اُس نے نجمہ کو قتل کیا ہے اور وہ اس سلسلے میں مزید کچھ بتانا نہیں چاہتا۔“

”شکریہ انسپکٹر غلام۔“ نصرت حسین نے کہا اور غلام احمد اجازت لے کر وہاں سے ہٹ گیا۔ نصرت حسین نے توصیف رضوی سے کہا۔

”جناب وکیل صاحب پہلی بات تو یہ کہ کوئی شخص اس قسم کے جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد اس وقت تک پُرسکون نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جرم کے نشانات نہ مٹا دے۔ آپ کے فرمانے کے مطابق اس رومال سے نجمہ کو قتل کیا گیا اور اس کے بعد محسن شاہ نے یہ قتل کرکے نہایت سکون کے ساتھ شراب پی۔ آلۂ قتل اپنے تکیے کے نیچے رکھا۔ لاش کو الماری میں بند کیا اور سوگیا۔ کیا یہ بات حقیقت سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ اگر اس وقت لاش کو ٹھکانے نہیں لگا سکتا تھا تو کم از کم اس رومال ہی کو ضائع کر دیتا۔۔“

نمبر دو یہ کہ نجمہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی تھی جس کی میڈیکل رپورٹ موجود ہے اور نہ ہی اس کے جسم پر ایسے نشانات پائے گئے۔ جن سے اندازہ ہوتا کہ محسن شاہ نے اس سے دست درازی کی ہے۔“

نمبر تین یہ کہ محسن کی میڈیکل رپورٹ موجود ہے کہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اس نے زندگی میں کبھی شراب نہیں پی تھی اور نہ ہی وہ اُس وقت شراب کے نشے میں تھا۔ میں یہ میڈیکل رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔“

توصیف رضوی کہنے لگے۔” جناب والا اب ایسی رپورٹیں کسی بھی اہمیت کی حامل نہیں رہی ہیں ان کا حصول نہایت آسان ہوتا ہے میرے خیال میں یہ بہت ہی معمولی سی بات ہے اس کے علاوہ جناب والا میں اب ان حقائق کی جانب آنا چاہتا ہوں جو پُراسرار نوعیت کے حامل ہیں اور جن کی بنا پر اس سلسلے میں تمام تفصیلات واضح ہو جاتی ہیں اور یہ پتا چل جاتا ہے کہ محسن نے اس دلیرانہ انداز میں قتل کا ارتکاب کیوں کیا؟“

عدالت کی اجازت پر توصیف رضوی کہنے لگے ”اس سلسلے میں مجھے محسن کی ذہنی کیفیت کا اظہار کرنے کے لیے دراب شاہ کے ماضی پر کچھ تبصرہ آرائی کرنا ہوگی۔ جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن حقائق کو عدالت کے سامنے لانا بے حد ضروری ہے۔ عدالت کی اجازت پر توصیف رضوی نے کہا۔

”بہت عرصے قبل دراب شاہ ایک معمولی سے آدمی تھے۔ انہوں نے زندگی کا آغاز بہت ہی ہلکے انداز میں کیا اور اس کے بعد انہوں نے شادی بھی کر لی۔ سُنا گیا ہے کہ ان کی یہ شادی ناکام رہی اور انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی جو اپنی بچی کو ساتھ لے کر ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگئی اس کے بعد جناب دراب شاہ نے دوسری شادی کی جو محسن کی والدہ سے کی گئی تھی۔ دراب شاہ کا رویّہ اپنی ان دوسری بیگم کے ساتھ بھی بہتر نہ رہا اور محسن بچپن ہی سے اپنے ذہن میں بغاوت کو پالتا رہا۔ جناب والا یہ بغاوت اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ محسن ایک شدید ذہنی تکلیف کا شکار ہوگیا اور اسی دوران اس کی والدہ کا انتقال بھی ہوگیا۔ جناب دراب شاہ صاحب اب فلم کی دُنیا میں آگئے تھے اور وقت نے انہیں کامیابیوں سے ہمکنار کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنے گھر سے بے پروا اپنی زندگی میں مصروف رہے اس دوران انہوں نے تیسری شادی بھی کر لی۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تیسری شادی جو دراب شاہ نے ایک نوجوان لڑکی سے کی تھی۔ ایک ایسی لڑکی سے کی گئی تھی جو یونیورسٹی میں محسن شاہ کی محبوبہ اور اس کی دوست تھی۔ دونوں کے درمیان زندگی گزارنے کے عہد و پیماں ہوچکے تھے اور وہ ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہونا چاہتے تھے لیکن حالات نے کچھ اس طرح تبدیلی قبول کی کہ محسن کی بجائے جناب دراب شاہ نے اس لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کے بعد محسن کا ذہنی طور پر بھٹک جانا ایک یقینی امر تھا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ توصیف رضوی کے اس بیان نے ہلچل مچا دی تھی عدالت میں سخت چہ میگوئیاں شروع ہوگئی تھیں۔ خود جج صاحب بھی ششدر رہ گئے۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے نصرت حسین صاحب کا چہرہ دیکھا تھا اور انہیں آہستہ سے اشارہ کیا تھا۔ یہ تکلیف دہ کام جو ہم لوگوں کو سرانجام دینا تھا توصیف رضوی نے کر ڈالا تھا اور ہمارے لیے نہایت آسانی پیدا کر دی تھی۔ لیکن بہرحال توصیف رضوی کو اس سلسلے میں داد نہ دینا ناسپاسی تھی کہ اُس نے بھی وہی معلومات حاصل کر لی تھیں جس کے لیے مجھے بڑی محنت کرنا پڑی تھی توصیف رضوی نے فخریہ انداز میں ہم میں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھا جج صاحب نے لوگوں سے خاموش رہنے کے لیے کہا اور اس کے بعد انہوں نے بیرسٹر نصرت حسین سے کہا۔

”وکیل صفائی آپ اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔۔؟“

”جی۔ صرف اتنا کہ فاضل وکیل صاحب نے دراب شاہ کے ماضی کو کھنگال کر ایک نہایت قیمتی کارنامہ سرانجام دیا ہے اور یہ بات جیسا کہ دیکھنے میں آیا۔ عدالت میں موجود ہر شخص کے لیے باعث حیرت ہے بہرطور دراب شاہ خود اس سلسلے میں وکیل صاحب کی کہی ہوئی باتوں کا جواب دیں گے۔“

توصیف رضوی نے کر دن ختم کی اور دراب شاہ کو کٹہرے میں آنے کی دعوت دی۔ وہ کٹہرے میں آگیا تھا۔ توصیف رضوی نے اُس سے سوال کیا۔

”دراب شاہ صاحب کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ کی پہلی بیوی نے آپ سے طلاق لی؟“

”جی یہ درست ہے۔“

”اس کی ایک بیٹی بھی تھی۔۔۔؟“

”جی ہاں۔“

”آپ کو علم ہے کہ اب وہ دونوں کہاں ہیں؟“

”جی نہیں۔۔“

”کیا آپ نے اس کے بعد محسن کی والدہ سے شادی کے علاوہ کوئی اور شادی بھی کی؟“

”جی ہاں۔۔“

”کیا یہ سچ ہے کہ محسن کی والدہ سے آپ کے تعلقات بہتر نہیں تھے؟“

"جی ہاں۔ کافی حد تک۔۔"

"کیا یہ بھی سچ ہے کہ آپ نے ان خاتون سے شادی کی جو محسن کی محبوبہ تھی۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔"

"اس کی وجہ؟"

"اُس وقت مجھے یہ علم نہیں تھا کہ صوفیہ محسن کی دوست ہے۔"

"یہ شادی کیسے ہوگئی۔۔۔؟"

"صوفیہ نے خود ہی مجھ سے رجوع کیا تھا۔"

"اور اس کے بعد محسن کا رویّہ کیا رہا۔۔۔؟"

"مجھے بہت عرصے کے بعد اُس وقت جب محسن پر یہ الزام لگایا جاچکا تھا اس کا انکشاف ہوا کہ صوفیہ محسن کی دوست ہے۔"

"نجمہ کے سلسلے میں محسن کا رویّہ کیا تھا۔۔۔؟"

"نجمہ کا محسن سے کبھی رابطہ نہیں رہا اور محسن اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔"

"آپ اس بات کا دعویٰ کیسے کرسکتے ہیں؟"

"اور آپ اس بات کا دعویٰ کرسکتے ہیں کہ محسن اور نجمہ کا کوئی تعلق تھا۔۔۔؟"

"اس لیے کہ بالآخر نجمہ، محسن کے ہاتھوں قتل ہوگئی۔" توصیف رضوی نے کہا۔

"اگر یہ کوئی دلیل ہے تو صرف جج صاحب ہی اسے سمجھ سکتے ہیں میں نہیں۔" دراب شاہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"بہرحال آپ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ محسن کی محبوبہ آپ کی بیوی بن گئی اور محسن ذہنی طور پر اتنا اَپ سیٹ ہوگیا کہ کوئی بھی قدم اُٹھانا اس کے لیے مشکل نہ رہا۔" دراب شاہ دانت پیس کر خاموش ہوگیا تھا۔ توصیف رضوی نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"جناب والا دراب شاہ کے بیان سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ محسن پر کیا کیا ذہنی قیامتیں ٹوٹیں اور اس کے نتیجے میں اس نے جو کچھ کیا وہ ایک فطری چیز تھی۔ وہ اذیت پسند بن گیا اور اسی کیفیت میں اُس نے نجمہ کو قتل کردیا۔ چنانچہ اب بھی اگر اس بات میں شُبہ کیا جاتا ہے کہ محسن اس مظلوم لڑکی کا قاتل نہیں ہے تو میرے لیے حیرت کی بات ہے۔"

اس بیان کے ساتھ ساتھ ہی عدالت کا وقت ختم ہوگیا۔ جج صاحب شاید خود بھی اس سلسلے میں ضرورت سے زیادہ ہی دلچسپی لے رہے تھے۔ کیونکہ انہوں نے نفسِ نفیس اس کیس کو دوسرے دن کے لیے ملتوی کیا تھا اور تمام لوگوں کو دوسرے دن عدالت پہنچنے کا حکم دیا تھا۔ عدالت برخاست ہوگئی۔ ہم لوگ باہر نکل آئے۔ توصیف رضوی صاحب بھی ساتھ ہی تھے۔

بہت سے لوگ توصیف رضوی کی شان میں قصیدہ خوانی کررہے تھے۔ توصیف رضوی نے کہا۔

"بھئی سچی بات ہے کہ اس وقت اگر ہمارے مدِ مقابل جناب نصرت حسین اور شارق حسین نا ہوتے تو ہم اتنی محنت نا کرپاتے درحقیقت ایک عُمدہ مقابل ذہانتوں کو جگا دیتا ہے۔ بیرسٹر نصرت حسین زیرِلب مُسکرا دیے تھے۔ میں تو تھا ہی باادب میں نے کچھ نہیں کہا تھا بہرطور ہم وہاں سے واپس چل پڑے نصرت بھائی سے اس موضوع پر کافی بات چیت ہوئی اور ہم نے دوسرے دن کا لائحہ عمل تیار کرلیا۔ عدالت کا دوسرا دن بھی اتنا ہی دلچسپ تھا جتنا پہلا دن۔ آج شاید عدالت کے خصوصی حکم پہ صوفیہ کو بھی طلب کیا گیا تھا صوفیہ سے میرا سامنا نہیں ہوا میں نے خاص طور سے اس سے رُخ بدلے رکھا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ مجھے دیکھ کر وہ شدید حیران ہوجائے گی نشست بھی ایسی رکھی گئی تھی کہ صوفیہ فوراً ہی مجھے نہ دیکھ سکے بہرطور جج افتخار صاحب کے آنے کے بعد معاملہ وہیں سے شروع ہوگیا جہاں ختم ہوا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین نے کھڑے ہو کر کہا۔

"جناب والا۔ کل فاضل وکیل نے دراب شاہ کا ماضی دُہرا کر یہ ثابت کیا تھا کہ محسن اپنے ماحول سے شدید برگشتہ تھا اور اُس نے یہ قتل کرکے گویا خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے میں محترمہ صوفیہ کا بھی ذکر کیا گیا جو محسن کی محبوبہ تھیں اور یونیورسٹی میں ان کی ساتھی۔ میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ صوفیہ کو طلب کرکے اُن کا بیان لیا جائے۔ صوفیہ کا چہرہ دُھلے لٹھے کی مانند سفید پڑگیا تھا وہ لڑکھڑاتی ہوئی کٹہرے تک آئی تھی اور اُس کے بعد ایک بے جان لاش کی مانند کھڑی ہوگئی تھی توصیف رضوی نے اس سے حلف لیا اور اُس کے بعد بولے۔"

"آپ دراب شاہ صاحب کی بیگم ہیں۔۔"

"جی۔۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ محسن شاہ کے ساتھ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔"

"جی ہاں۔۔"

"اور آپ کے درمیان زندگی گزارنے کے عہد و پیمان بھی ہوئے تھے۔"

"جی۔۔"

"آپ نے یہ پیمان کیوں توڑ دیے۔۔۔؟"

"نادانی کی بنا پہ۔ اس وقت میری نگاہوں میں زندگی صرف دولت کا نام تھی میں دولت کی چمک دمک میں زندہ رہنا چاہتی تھی۔ جب کہ محسن اس بات کے خواہشمند تھے کہ وہ اپنے باپ کی دولت کو ٹھکرا دیں گے اور میرے ساتھ کہیں الگ تھلگ معمولی سی زندگی بسر کریں گے۔"

"جناب والا۔ اس نکتے کو نوٹ کیا جائے کہ محسن کو اپنے باپ کی دولت سے بھی نفرت تھی۔ محترمہ صوفیہ کیا آپ بتاسکتی ہیں کہ دراب شاہ سے آپ نے خود رجوع کیا تھا یا دراب شاہ آپ تک پہنچے تھے۔"

"نہیں یہ صرف اتفاق تھا اور اس وقت میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی لیکن۔ لیکن دراب شاہ سے میں نے ہی اس بات کا اظہار کیا تھا۔"

"دراب شاہ کی بیوی بننے کے بعد محسن سے جب آپ کا پہلی بار سامنا ہوا تو آپ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟"

"مجھے یاد نہیں۔۔۔ بہرطور محسن نے اپنے باپ سے تعاون کیا تھا اور مجھ سے بھی کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی جو اخلاقی طور پر گری ہوئی ہوتی۔"

"کیا آپ کو اپنے محبوب کے باپ سے شادی کرکے عجیب نہیں محسوس ہوا تھا۔"

"جناب والا اب توصیف رضوی ڈرامائیت کی طرف آرہے ہیں۔ میرے خیال میں سوال اخلاقی طور پر انتہائی گرا ہوا ہے اس سے گریز کیا جائے تو بہتر ہے۔" نصرت حسین نے کھڑے ہوکر کہا۔

"ذاتی معاملات نا کریدے جائیں صرف ضرورت کی گفتگو کی جائے۔" جج افتخار صاحب نے کہا۔ توصیف رضوی صاحب بولے۔

"آپ کی کیا رائے ہے۔ کیا محسن نے نجمہ کو قتل کیا۔۔۔؟"

"محسن ایسا نہیں کرسکتے۔ ان کا ماضی میری نگاہوں میں ہے وہ تو اتنے صابر انسان تھے کہ میری اس حرکت پر انہوں نے کوئی قدم نہ اُٹھایا بلکہ سچائیوں کو اسی طرح قبول کیا جس طرح اُن کے اپنے ذہن میں تھا اگر انہیں قتل ہی کرنا ہوتا تو مجھے قتل کرکے اپنی زندگی ختم کرسکتے تھے۔ کیونکہ میں نے انہیں دھوکا دیا تھا۔"

"محسن نے کیسے قتل کیا اور اُس سے وہ کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے یہ ایک الگ بات ہے آپ نے یہ تسلیم کیا۔ اب ذرا یہ فرمائیے کہ اس قتل کے دن آپ کی مصروفیات کیا تھیں؟"

"بہت سے گھریلو معاملات میں نے اپنے شانوں پر اُٹھا رکھے تھے اور اسی سلسلے میں مصروف تھی۔ بعد میں نوشادبائی مجھ سے ملی اور انہوں نے نجمہ کے بارے میں سوال کیا تو میں نے اُس سے لاعلمی کا اظہار کیا پھر پولیس آئی اور اُس نے محسن کے کمرے سے لاش برآمد کی۔ بس یہ تمام صورتِ حال۔۔"

"آپ کی ذاتی رائے میں کیا محسن اس قتل کا ارتکاب نہیں کرسکتے۔۔۔؟"

"ذاتی رائے کی بات ہے تو میں آپ سے یہ عرض کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ محسن کسی جاندار شئے کو نہیں مار سکتے۔" افتخار صاحب نے بیرسٹر نصرت حسین سے سوال کیا کہ کیا وہ صوفیہ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ تو انہوں نے انکار کردیا۔ اس انکار سے توصیف رضوی کے چہرے پر حیرت کے نقوش اُبھر آئے تھے۔ وکیل صفائی کا گواہوں سے خراج نا کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وکیل صفائی کے ذہن میں کوئی ایسا اہم نکتہ موجود ہے جس پر اسے مکمل اعتماد ہوتا ہے اور توصیف رضوی یہ بات اچھی طرح جانتے تھے چنانچہ ایک لمحے کے لیے اُن کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے تھے بہرطور صوفیہ کٹہرے سے واپس آگئی اور توصیف رضوی صاحب نے کہا۔

"معززِ عدالت محترمہ صوفیہ دراب شاہ کے بیان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرے کہ محسن درحقیقت ذہنی طور پر بہت ہی پریشان تھا اور وہ کسی بھی لمحے کوئی کارروائی کرسکتا تھا میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں تمام ردّو قدح بے مقصد ہے۔ عدالتی کارروائی کے طور پر یہ سب کچھ کیا جارہا ہے تو ظاہر ہے یہ ضروری ہے ورنہ یہ قتل کا ایک سیدھا سیدھا مقدمہ ہے اس سلسلے میں ہم جتنی گہرائیوں میں جائیں گے کچھ لوگوں کی توہین ہوگی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ صوفیہ دراب شاہ اس سلسلے میں ملوث ہوں لیکن مجبوری ہے ظاہر ہے حقیقت کو منظرِ عام پر لانا بے حد ضروری ہوتا ہے۔

جج افتخار احمد خود بھی حیران نظروں سے الیاس خاں کی بگڑی ہوئی حالت کا تجزیہ کر رہے تھے تو منیف رضوی کے چہرے پر پیلاہٹ نظر آ رہی تھی عدالت کا ماحول واقعی سنسنی خیز ہو گیا تھا اور بقول رضوی صاحب کے جادو کی چھڑی گھوم گئی تھی۔ بیرسٹر نصرت حسین کی آواز پھر ابھری۔۔۔

معزز عدالت نے دیکھا کہ جو شخص چند لمحات قبل اپنے آپ کو مکمل طور سے الیاس خاں کہہ رہا تھا اب اس نے خود کو فرید احمد تسلیم کر لیا ہے اور معزز عدالت کے سامنے جو پاسپورٹ موجود ہے وہ فرید احمد کا ہے میں اس نئی شخصیت سے محترم عدالت کا تعارف کرانا چاہتا ہوں یہ لڑکی جسے کٹہرے میں لیا گیا ہے نورین دراب شاہ ہے یہ انکشاف بھی ایک ہولناک دھماکے سے کم نہیں تھا عدالت میں چہ میگوئیوں کا غلغلہ اٹھا خود جج صاحب بھی اس طرح متاثر ہو گئے تھے کہ انہوں نے ان چہ میگوئیوں کو روکنے کے لئے اپنی کارروائی نہ کی دراب شاہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور صوفیہ دراب شاہ کی آنکھوں میں بھی شدید حیرت نظر آ رہی تھی بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے اس ڈرامائی کیفیت کو ختم کرتے ہوئے کہا۔

جناب والا نورین دراب شاہ۔۔۔ دراب شاہ صاحب کی ان پہلی بیوی کی بیٹی ہے جن سے دراب شاہ صاحب نے علیحدگی اختیار کر لی تھی یہ دونوں ماں بیٹیاں دراب شاہ سے الگ ہونے کے بعد بد دلی کے عالم میں شہر سے دور چلی گئیں اور فرزانہ دراب شاہ نے اپنے لئے زندگی گزارنے کا ٹھکانہ بنا لیا اس نے دوسری شادی نہ کی اور اپنی بیٹی کی پرورش کے لئے محنت مزدوری کر کے زندگی بتا دی وہ ایک باعزت عورت تھی اور اس نے اس کے بعد دراب شاہ سے ہر طرح کا تعلق ختم کر لیا اور اس طرح کہ خود دراب شاہ کو بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا۔ بہرطور نورین دراب شاہ اپنی ماں کے زیر سایہ پرورش پاتی رہی وہ جانتی تھی کہ دراب شاہ اس کا باپ ہے لیکن ماں کی وجہ سے کبھی یہ بات اس کے ذہن میں نہ آئی کہ وہ اپنے باپ سے ملاقات کرے یہاں تک کہ طویل عرصے کے بعد اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اور نورین دراب شاہ ایک اسکول میں تعلیم دینے لگی اور اپنی تنہا زندگی گزارتی رہی۔ اب میں اس شخص الیاس خاں کی طرف آتا ہوں جس کا

نام فرید احمد ہے۔ فرید احمد نورین دراب شاہ کی ماں کا دور کا رشتہ کا بھائی ہے ایک اوباش فطرت انسان اور ذہنی طور پر جرائم پیشہ اس کے اہل خاندان نے اس سے قطع تعلق کر لیا تھا نہ اس کی شادی ہوئی نہ اس کا خاندان سے کوئی تعلق رہا وہ اپنی مجرمانہ زندگی گزارتے ہوئے دبئی چلا گیا۔ اور وہاں اس نے ملازمت اختیار کر لی اس کی تنہا زندگی کے لئے کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا لیکن اپنی مجرمانہ فطرت کی بنا پر وہ وہاں بھی جرائم کا مرتکب ہوتا رہا اور ایک بار اسے وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ لیکن پھر اس پر جرم نہ ثابت ہوا اور وہ دوبارہ واپس چلا گیا۔ لیکن دوسری بار پھر اس نے وہاں پر ایک جرم کیا جس کی نشاندہی ہو گئی اور یہ چالاک شخص وہاں سے بھاگ آیا۔۔۔ پہلی بار جب یہ دبئی سے فرار ہوا تھا تو کسی طرح اسے فرزانہ دراب شاہ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو گئیں اور یہ دراب شاہ تک پہنچ گیا اس نے اپنی بہن سے یگانگت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ دراب شاہ سے اسے اس کا حق دلوا کر رہے گا فرزانہ دراب شاہ نے اس سلسلے میں سخت مخالفت کی اور کہا کہ اس کا ساتھ نہیں دیگی فرید احمد واپس دبئی چلا گیا لیکن دوسری بار جب وہ آیا تو اس کے بعد اس کے پاس دوبارہ دبئی واپس جانے کا چانس کوئی نہیں تھا دولت کے حصول کے لئے اس کے ذہن میں مختلف منصوبے بنتے رہے اور وہ نورین دراب شاہ سے ملا اس نے نورین سے کہا کہ وہ تیار ہو جائے وہ اسے اس کا حق دلانے کے لئے کوششوں کا آغاز کر رہا ہے نورین نے بھی اس سے انحراف کیا اور اپنی ماں ہی کے الفاظ دہرائے اس نے کہا کہ وہ فرید احمد کا بالکل ساتھ نہیں دے گی لیکن اس بار فرید احمد فرصت سے تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے کاموں کا آغاز کر دیا۔ دراب شاہ بالکل یہ بات نہیں جانتے تھے کہ فرید احمد نامی کسی شخص کا تعلق ان کی پہلی بیوی فرزانہ سے ہے۔ اور پھر ظاہر ہے وہ مسئلہ ان کے ذہن سے محو ہو چکا تھا اس لئے ان کے ذہن میں کوئی اور خیال نہ آیا اس شخص نے الیاس خاں کی حیثیت سے دراب شاہ کے گھر میں ملازمت کر لی اور وہاں اپنا ایک مقام بنا لیا اس کے ذہن میں ایک جامع منصوبہ تھا۔ وہاں رہ کر اس نے تمام تر حالات معلوم کئے صوفیہ دراب شاہ کے بارے میں بھی اسے معلوم ہو چکا تھا اور محسن دراب شاہ کی بد دلی سے بھی یہ واقف تھا اس میں کوئی شک نہیں

ہے جناب کہ محسن دراب شاہ نے اپنی زندگی میں شراب چکھی تک نہ تھی اور شاید ان کے سسٹم پر آج بھی شراب کے اثرات ظاہر نہیں کئے جا سکیں گے۔۔۔ بہرطور فرید احمد اپنے کاموں میں مصروف رہا اور پھر رفتہ رفتہ عمل کرتا رہا تمام تر کوائف سے واقف ہونے کے بعد اس نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے حالات کا گہرا تجزیہ کیا۔ اور پھر اسے ایک موقع مل گیا۔ نجمہ نامی لڑکی ان دنوں۔۔۔ دراب شاہ کے اسٹوڈیو کے ٹکٹ کاٹ رہی تھی اور فلم میں کام حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوششوں میں مصروف تھی ایک دن برسات کے موسم میں وہ دراب شاہ کے گھر اس وقت آ گئی جب دراب شاہ گھر میں موجود نہ تھے وہ خود ہی دراب شاہ کو تلاش کرتی ہوئی محسن کے کمرے میں پہنچ گئی اور فرید احمد اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے تاک میں لگ گیا اس نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کے لیے نجمہ کے قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ نجمہ جب محسن دراب شاہ کے کمرے میں پہنچی کو محسن نے اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔ جناب والا اس سلسلے میں محسن نے کوئی بیان دیا ہے نہ ہی مجھے کسی اور ذرائع سے کچھ معلوم ہوا۔ ہر ممکن حد تک میں جانتا ہوں محسن جیسے باکردار شخص نے اس سے یہ پوچھا ہوگا کہ اس کا معاملہ اس کے باپ سے ہے تو وہ محسن کے کمرے میں کیوں آئی ہے۔ مرحومہ پر میں مزید کوئی الزام نہیں لگانا چاہتا کیونکہ یہ ایک ناپاک کام ہوگا۔ لیکن بہرطور فرید احمد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا ایک انجکشن کے ذریعہ اس نے محسن دراب شاہ کو مفلوج کر دیا اور نجمہ دراب شاہ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ اس وقت اس پردے کے پیچھے کھڑا تھا جب محسن اور نجمہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے وہیں سے فرید احمد نے اپنے عمل کا آغاز کیا اور محسن کو مفلوج کرنے کے بعد اس نے نجمہ کو قتل کر کے اس کی لاش الماری میں چھپا دی اور وہ رومال محسن کے سرہانے رکھ دیا گیا جس سے نجمہ کی گردن دبائی گئی تھی محسن کو بستر پر لٹانے کے بعد فرید احمد کا منصوبہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ اور اب جلد یا بدیر نجمہ کی لاش دستیاب ہونے والی تھی کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ الیاس خان یا فرید احمد نے یہ کام انجام دیا ہے۔ محسن جس کے ذہن میں ہمارے فاضل وکیل صاحب کے بیان کے مطابق اپنی زندگی سے بیزاری مچلتی رہتی تھی اپنے اوپر لگنے والے الزام سے اس لئے انکار نہ کر سکا کہ

وہ اپنی زندگی کا خاتمہ چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کیس کی نوعیت ہی بدل گئی نجمہ کی لاش محسن کی الماری سے برآمد ہو گئی اور محسن نے یہ الزام اپنے سر لے لیا۔ لیکن درحقیقت اصل قاتل فرید احمد ہی ہے جس کا منصوبہ تھا کہ نجمہ کے قتل کا الزام محسن دراب شاہ پر آ جائے گا۔ اور اس طرح۔۔۔ شاہ خود بخود راستے سے ہٹ جائے گا۔ فرید احمد نے دوسرا منصوبہ دراب شاہ کے قتل کا بنایا۔ وہ بہت چالاک آدمی ہے اور اس نے بلاشبہ ایک ذہین ترین انسان کی حیثیت سے اس منصوبے کی تکمیل کی تھی دراب شاہ کے قتل کو وہ خودکشی کا رنگ دینا چاہتا تھا اور یہ رنگ دینے کے لئے اس نے ایک تحریر تیار کی جو دراب شاہ کی

رائٹنگ میں تھی اور اس تحریر میں اس نے دراب شاہ کی طرف سے لکھا تھا کہ وہ ان حالات سے بدل ہو کر خودکشی کر رہے ہیں لیکن درحقیقت یہ منصوبہ قتل کا تھا اور فرید احمد اس میں ایک ایسا سقم چھوڑنا چاہتا تھا جس کی بنا پر یہ قتل ثابت ہو جائے لیکن ثبوت صوفیہ دراب شاہ کے خلاف جائیں معزز عدالت میرے اس نقطے کو خاص طور سے نوٹ کرے۔ فرید احمد نے اس سلسلے میں مکمل تیاریاں کر لی تھیں اور دراب شاہ کی خودکشی کے سلسلے میں وہ خط اتفاق سے ایک ایسی جگہ محفوظ کر دیا تھا جہاں وہ وقت سے پہلے دراب شاہ کے ہاتھ لگ گیا۔ اس طرح دراب شاہ راستے سے ہٹ جاتے اور صوفیہ دراب شاہ اپنے شوہر کے قتل کے الزام میں باآسانی پھنس جاتیں چونکہ اس کے بعد مائی کا سامنے آنا ضروری تھا۔ محسن دراب شاہ اس طرح راستے سے ہٹ گیا کہ اس پر نجمہ کے قتل کا الزام تھا۔ دراب شاہ کی موت واقع ہو گئی اور صوفیہ دراب شاہ کے قتل کے الزام میں گرفتار ہو گئی اس کے بعد کون منظرِ عام پر رہ جاتا تھا سوائے نورین دراب شاہ کے اور ایسے لمحات میں دراب شاہ کی تمام وراثت نورین کو منتقل ہو جاتی اور یوں فرید احمد کے منصوبے کی تکمیل ہو جاتی۔ جناب والا یہ وہ خط ہے جس کے ساتھ ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ نے اس خط کو اسی اوزان کے ساتھ ان تحریروں سے منسلک کر دیا ہے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے وہ خط اور ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ کی تمام رپورٹ جج صاحب کے سامنے پیش کر دی۔ پھر انہوں نے کہا۔

"فرید احمد کا آخری منصوبہ یہ تھا کہ جس وقت یہ دولت نورین دراب شاہ کو منتقل ہو جائے تو وہ نورین دراب شاہ کو بھی قتل کر دے اور اس کی دولت خود سنبھالے۔"

"بکواس کرتا ہے یہ جھوٹ بولتا ہے کمینہ ہے۔ میرا ایسا کوئی منصوبہ نہ تھا۔ میں تو نورین کو اس کا حق دلوانا چاہتا تھا۔ وہ حق جو دراب شاہ نے چھین لیا ہے یہ... یہ بالکل کمینہ انسان ہے اس کا لگایا ہوا یہ الزام غلط ہے میں اپنی بھانجی کو قتل کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میرے دل میں اپنی بہن کی محبت ابھر آئی تھی۔ اور میں نے یہ سب کچھ... اس کے ساتھ ہونے والی حق تلفی کے انتقام کے طور پر کیا تھا میرے سامنے یہ بکواس کرتا ہے جناب والا اسے اس بکواس سے روکا جائے۔ فرید احمد مشتعل ہو گیا اس کا اشارہ بیرسٹر نصرت حسین کی طرف تھا۔ جج صاحب نے ہتھوڑی بجائی اور فرید احمد سے خاموش رہنے کے لئے کہا گیا۔ تو وہ چیخ کر بولا۔

میں خاموش نہیں رہ سکتا اس نے انتہائی شرمناک الزام لگایا ہے مجھ پر میری بھانجی کی نگاہوں میں میری کیا وقعت رہ جائے گی۔ تم یقین کرو نورین میرا یہ مقصد بالکل نہیں تھا میں بھلا تمہیں کیوں قتل کرتا... میں تمہیں اپنی بہن کی نشانی سمجھتا ہوں۔ میں نے صرف اپنی بہن کا انتقام لیا ہے ہاں میں نے یہ سب کچھ کیا ہے میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اس لڑکی نجمہ کو قتل کیا اور اس لئے قتل کیا کہ محسن دراب شاہ پھنس جائے اس شخص کی کہی ہوئی باقی تمام باتیں درست ہیں جناب والا لیکن یہ جو الزام اس نے مجھ پر لگایا ہے میں اُسے برداشت نہیں کر سکتا۔

فرید احمد پر جنون طاری ہو گیا تھا۔ اور عدالت میں... بھنبھناہٹیں گونج رہی تھیں توصیف رضوی صاحب کا چہرہ سینے پر جھک گیا تھا۔ پبلک پراسیکیوٹر خاموش تھا تمام ہی لوگ شدت حیرت سے آنکھیں پھاڑے ہوئے اس تمام کیفیت کو دیکھ رہے تھے تبھی اچانک فرید احمد کو ہوش آ گیا اور اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھا۔ جنون کے عالم میں اُس نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن چکا تھا۔ وہ ہکلانے لگا۔

جج... جناب والا... مم... میں شاید پاگل ہو گیا ہوں میں نہ جانے کیا بکواس کر گیا ہوں مم... میں فرید احمد نہیں ہوں میں الیاس خان ہوں... مم... میں نے یہ قتل وتل نہیں کیا۔ ارے یہ سب بکواس ہے جھوٹ بولتے ہیں یہ سب لوگ مجھے پھنسانے کے چکر میں ہیں۔ جناب والا میں تو کبھی دبئی گیا ہی نہیں یہ... یہ سب کچھ... مگر... مگر اس شخص کا جھوٹ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا... مم... میں بھلا یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے دبئی سے حاصل کی ہوئی وہ تمام رپورٹیں بھی افتخار صاحب کے سامنے پیش کر دیں جن میں فرید احمد کی وہاں موجودگی سے متعلق تفصیلات درج تھیں اور جج صاحب پر خیال نگاہوں سے فرید احمد کو دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

فرید احمد تم اعتراف جرم کر چکے ہو یہ بات عدالت تسلیم کر سکتی ہے کہ تمہارے ذہن میں نورین دراب شاہ کو قتل کرنے کا

منصوبہ نہیں تھا۔ لیکن باقی تمام باتوں کا اعتراف تم نے خود کیا ہے اور تمہارے خلاف تمام ثبوت موجود ہیں اگر تمہیں یہ بتایا جائے کہ عدالت تمہاری اس بات کو سچ تسلیم کرتی ہے کہ تمہارے ذہن میں نورین کو قتل کرنے کا منصوبہ نہیں تھا تو کیا تم باقی تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہو۔"

"جناب والا ٹھیک ہے میں نے قتل کیا ہے۔ درحقیقت میں نے یہ قتل کیا ہے اور باقی باتیں بھی درست ہیں میں دراب شاہ کو اس طرح قتل کر کے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا اور اس کا الزام صوفیہ دراب شاہ پر لگانا چاہتا تھا۔ لیکن میری نیت خراب نہیں تھی۔ میں اپنی بہن کی بیٹی کو اس کا حق دلوانا چاہتا تھا یہ دوسری بات ہے کہ میں بھی بقیہ زندگی اسی کے ساتھ گزار دیتا لیکن میرے دل میں یہ خیال قطعی نہ تھا کہ بعد میں میں نورین دراب شاہ کو بھی قتل کر دوں گا۔ آخر کیسے قتل کر سکتا تھا میں اُسے میری بھانجی ہے وہ، میری بہن کی بیٹی" اس کے بعد کسی اور بات کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ ثبوت عدالت کے پاس موجود تھے۔ جج افتخار صاحب نے پہلا حکم دیا کہ محسن دراب شاہ کو رہا کر دیا جائے۔ اور فرید احمد کو حراست میں لے لیا جائے اس طرح اس قتل کے مقدمے کا فیصلہ فوراً ہی صادر ہو گیا تھا اصل مجرم اعتراف اور ثبوتوں کے ساتھ حکومت کی تحویل میں آ گیا تھا۔ تو اس کے بعد محسن دراب شاہ کو حراست میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے اس سلسلے میں تمام کارروائیاں میرے ایما پر پہلے ہی کر لی تھیں چنانچہ محسن دراب شاہ کے چہرے پر عجیب سی الجھنوں کے آثار تھے بیرسٹر نصرت حسین صاحب کا چہرہ فخر سے اور مسرت سے سرخ ہو رہا تھا اور ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہیں عدالت میں مجھے دبوچ کر سینے سے لگا لیں۔ بہر طور عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی وکیل فاروقی صاحب، جاوید قریشی صاحب ہمارے گرد آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور توصیف رضوی کے چہرے پر پھٹکار برس رہی تھی وہ عجیب سی جھینپی جھینپی کیفیت کا شکار تھا عدالت میں کچھ اور وکلا بھی تھے جو اس دل چسپ مقدمے کی تفصیل سننے کے لئے کمرۂ عدالت میں آ گئے تھے۔ ان سب نے بیرسٹر نصرت حسین صاحب کا گھیراؤ کر لیا اور طرح طرح کے فقرے فٹ کرنے لگے ان کا کہنا تھا کہ واقعی شارق حسین کی جادو کی چھڑی ایسے موقع پر کام کرتی ہے کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بہر طور میری توجہ ان تمام لوگوں کی جانب نہیں تھی نہ ہی میں توصیف رضوی صاحب کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب کی بات دوسری تھی کیونکہ وہ توصیف رضوی صاحب کے ساتھیوں میں سے تھے۔ اور بلاشبہ اس وقت انہوں نے توصیف رضوی کو اس طرح چت کیا تھا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب تک کی پیشیوں کی جتنی تمام کارروائیاں ہوئی تھیں وہ توصیف رضوی کے حق میں ہی جاتی تھیں اور اس بات کا دراب شاہ نے بھی شکوہ کیا تھا لیکن جو کچھ دراب شاہ سے کہا گیا تھا ہم نے وہ سب کچھ کر کے دکھا دیا تھا بس یوں سمجھا جائے کہ پہلوانی کا ایک ہی داؤ توصیف رضوی کو چت کرنے میں کارگر ثابت ہوا تھا تو غلط نہیں ہو گا۔ دراب شاہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے نگہت شیراز بھی اس کیس کے سلسلے میں موجود تھی اس نے نورین دراب شاہ کو سہارا دیا اور کمرۂ عدالت سے باہر لے آئی تھی تبھی دراب شاہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور اس نے نورین دراب شاہ کا چہرہ دیکھا نورین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ دراب شاہ نے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میری بچی میری بیٹی..." لیکن نورین دراب شاہ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں میں نہیں گئی تھی اس نے نگہت شیراز کا لباس پکڑتے ہوئے کہا۔

نگہت چلو یہاں سے چلو... پلیز یہاں سے چلو جلدی چلو اور اس کے بعد وہ نگہت کو گھسیٹتی ہوئی دور لے گئی میں جانتا تھا کہ نورین دراب شاہ شدید ترین ہیجانی کیفیت کا شکار ہے لیکن اس سلسلے میں، میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا تھا البتہ نگہت کے پاس پہنچ کر میں نے اس سے کہا۔

"تم نورین کو احتیاط سے گھر لے جاؤ میں تم سے فلیٹ پر ہی ملاقات کروں گا۔" نگہت کو یہ ہدایت دے کر میں واپس دراب شاہ کے پاس آ گیا جو بے اختیار ہو کر زار و قطار رو رہا تھا۔ اس کے آنسو دیکھ کر مجھے سخت رنج ہو رہا تھا دراب شاہ سے کچھ کہنے سے پہلے صوفیہ نے مجھ سے کہا۔

"شاہ صاحب؟"

"جی صوفیہ۔"

"آپ کا ہمارا واسطہ صرف اس حد تک تھا کیا۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"اتفاق ہے... اتفاق سے آپ مجھے ایک دوست کی حیثیت سے ملے تھے اور نہ جانے کیوں... آپ مجھے دوست جیسے لگتے ہیں ـــ

"اس نے کسی دشمن کا مظاہرہ کیا ہے کیا۔

"اس کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"پھر آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"جی فرمائیے۔"

"آپ نے جو ناقابلِ یقین کارنامہ سرانجام دیا ہے اس کے بعد کے بھی کچھ معاملات ہیں۔"

"کیا ـــ؟"

"دراب شاہ کی کیفیت دیکھ رہے ہیں آپ۔"

"فطری ہے۔"

"لیکن ہمیں ابھی آپ کی ضرورت ہے... آپ... آپ صرف ایک وکیل نہیں... ان جذبوں کو ہمارے دل سے دور نہ کریں جو آپ کے لئے پیدا ہو گئے تھے ـــ

"مجھے آپ کی یہ خدمت کر کے خوشی ہو گی۔"

"ابھی بہت سے مرحلے ہیں۔ دراب شاہ اس لڑکی کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے ـــ

"نورین ـــ کو ـــ؟"

"ہاں ـــ"

"آپ اطمینان رکھیں۔ ویسے محترمہ صوفیہ آپ بھی بال بال بچی ہیں ـــ" میں نے مسکراتے ہوئے کہا ـــ

"ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ صوفیہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی کچھ عجیب سا انداز تھا اُس کا ـــ پھر وہ چونک کر بولی مگر وہ دوسری لڑکی کون تھی۔"

"میری دوست۔"

"وہ اُسے کہاں لے گئی۔"

"اپنے گھر۔"

"وہ ہماری دسترس سے دور تو نہیں۔"

"نہیں!... میں نے کہا... اور دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گیا...

نصرت حسین صاحب محسن دراب شاہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے کچھ فاصلے پر نوشادبائی دوہائیاں دے دے کر توصیف رضوی کو کوس رہی تھیں اس نے توصیف رضوی کے کوٹ کا دامن پکڑا ہوا تھا۔ اور آس پاس موجود لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ توصیف رضوی صاحب کا چہرہ سرخ تھا۔ اور وہ نوشادبائی کو جھڑک جھڑک کر کچھ کہہ رہے تھے۔ غرض ایک ہنگامہ برپا تھا ہمارے اطراف موجود وکلاء اور کچھ دوسرے افراد نصرت حسین صاحب کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے لاتے ہوئے کہہ رہے تھے ـــ کہ انہوں نے محسن دراب شاہ کو مکھن سے بال کی مانند نکال لیا اور یہ واقعی وکالت کی دنیا میں ایک بہت بڑا کارنامہ ہے کہ کسی معترف مجرم کو بےگناہ ثابت کر کے اس کی زندگی بچا لی جائے۔ پولیس فرید احمد کو اپنی تحویل میں لے کر چلی گئی تھی ـــ غرضیکہ خوب ہنگامہ آرائیاں ہو رہی تھیں، جاوید قریشی اور وکیل فاروقی صاحب بھی پیش تھے۔ میں نے دراب شاہ کے شانے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

دراب شاہ صاحب اپنے آپ کو سنبھالئے آپ عدالت کے احاطے میں ہیں۔ خواہ مخواہ لوگوں کے مذاق کا نشانہ بن رہے ہیں ـــ آیئے چلئے یہاں سے چلتے ہیں۔"

"وہ... وہ کہاں گئی ہے میری بیٹی... میری بچی... وہ کہاں گئی۔"

"سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا آپ کی پسند کے مطابق آیئے چلئے یہاں سے۔"

"محسن آؤ میرے ساتھ... میرے بچے میرے ساتھ آؤ ـــ دراب شاہ نے محسن کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور پھر وہ نصرت حسین صاحب سے بولے۔"

بیرسٹر صاحب آپ یقیناً بے پناہ مصروف ہوں گے لیکن براہ کرم میری درخواست قبول کر لیجئے اس وقت میرا ساتھ دیجئے میرے گھر چلئے میں... میں... کہیں میرا ہارٹ فیل نہ ہو جائے خدا کے لئے میرے ساتھ چلئے ـــ

"ہاں... ہاں کوئی حرج نہیں... ہے۔ کیوں شارق میاں کیا خیال ہے؟"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے چلئے دراب شاہ صاحب۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے کہا۔ میں نے وکیل فاروقی اور جاوید قریشی سے کہا کہ وہ گھر جائیں اب ظاہر ہے جو معاملات تھے وہ تو

ہو ہی چکے ہیں بعد کی تفصیلات میں انہیں بتا دوں گی انہوں نے مجھے پرخلوص مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ بالآخر میں نے اپنا ریکارڈ قائم رکھا ہے اور اس کے بعد وہ چلے گئے ـــ میں نے اپنی گاڑی بھی استعمال کی تھی اور بیرسٹر صاحب کی کار واپس ان کے دفتر بھجوا دی تھی اس طرح ہم قافلے کی شکل میں دراب شاہ کی کوٹھی کی جانب چل پڑے صوفیہ دراب شاہ کی آنکھیں بھی جھکی ہوئی تھیں سب کو شدید حیرت ہوئی تھی اور سب کے لئے یہ ایک عجیب سا ذہنی معاملہ تھا وہ خوشی بھی محسوس کر رہے تھے اور عجیب و غریب کیفیات کا شکار بھی تھے۔ بہرطور یہ قافلہ دراب شاہ کی کوٹھی میں داخل ہو گیا اور دراب شاہ ہم لوگوں کو لے کر اپنے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا اس کی کیفیت کافی خراب تھی لیکن وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف تھا۔ صوفیہ بھی اُسے سہارا دیئے ہوئے تھی۔ محسن دراب شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آ رہے تھے اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے وہی کیا جو آپ کی روایات میں شامل ہے لیکن میں جینا تو نہیں چاہتا تھا شارق صاحب ایک ایسے شخص کی زندگی بچا لی ہے آپ نے جسے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ـــ

"یہ الفاظ کہہ کر آپ اپنے باپ کے دل کو دکھ دے رہے ہیں محسن صاحب میری آپ کی تفصیلی بات چیت ابھی باقی رہ گئی ہے براہ کرم آپ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے میرے ساتھ تعاون کریں، محسن صاحب زندگی صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ وہ آپ کی پسند کے مطابق گزر جائے بعض اوقات ایک ناپسندیدہ زندگی کو بھی گزارنا ہوتا ہے اور اگر آپ نے اس سلسلے میں ہم لوگوں سے تعاون نہ کیا تو آپ یقین کیجئے کہ آپ انسانیت کے معیار سے گرے ہوئے انسان قرار دیئے جائیں گے محسن دراب شاہ نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا ان آنکھوں میں نہ جانے کیا کیا کیفیتیں تھیں۔ میں نے محبت بھرے انداز میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

مائی ڈیئر محسن زندگی تو بڑے عجیب و غریب واقعات کا مجموعہ ہے اُسے گزارنا ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنے مسائل سے تھک جائیں تو زندگی سے انتقام لینے پر ہی تل جائیں صبر کرو اس وقت تک صبر کرو جب تک میں تم سے ایک تفصیلی بات نہ کر لوں۔ محسن ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا دراب شاہ نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

محسن میرے بچے اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کو بعض اوقات کچھ ایسے گناہوں کی سزا بھی ملتی ہے جنہیں کرنے میں وہ اس احساس کا شکار نہیں ہوتا کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان یقینی طور پر بہت سی شکایتیں موجود ہیں۔ بلکہ شاید میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں تمہارے دل میں میرے لئے کچھ نفرتیں ضرور موجود ہیں بیٹے... لیکن ایک گناہ گار انسان کو خدا بھی معاف کر دیتا ہے میں تم سے معافی کا طالب ہوں... محسن بہت سی ایسی غلطیاں کیں ہیں میں نے تمہارے ساتھ جن کے لئے کوئی بھی مجھے معاف نہیں کر سکتا لیکن تم میری اولاد ہو... میرے بیٹے ہو ایک باپ اپنے بیٹے سے معافی مانگ رہا ہے اس کے بعد وعدہ کرتا ہوں محسن میں تم سے اور کچھ نہیں مانگوں گا... مجھے معاف کر دو میرے بچے مجھے معاف کر دو... بہت سی ایسی باتیں بھی ہوئی ہیں جو غلط فہمی میں ہوئی تھیں میں نے جان بوجھ کر تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا محسن میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر تم سے صرف معافی مانگتا ہوں۔"

"نہیں ڈیڈی براہ کرم آپ مجھے گناہ گار نہ کیجئے گا... براہ کرم ڈیڈی... براہ کرم... محسن نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا ـــ میں اور نصرت حسین صاحب خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ دراب شاہ نے نصرت حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نصرت حسین صاحب بظاہر آپ ایک وکیل ہیں آپ نے اپنے پیشے سے متعلق ایک کام کیا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہے۔ ہم بیمار ہوتے ہیں تو ڈاکٹروں سے آس لگاتے ہیں۔ اور ڈاکٹر جب ہمارے مریض کا علاج کرتے ہیں تو ہمارے دل میں ان کے لئے صرف ایک کاروباری جذبہ نہیں ہوتا بلکہ سینے کی گہرائیوں سے ان کی کامیابی کے لئے دعائیں اٹھتی ہیں اور ہم نہیں اپنا مسیحا مان لیتے ہیں آپ نے اس وقت ایک ایسے شخص کا کردار ادا کیا ہے جو ہمارا مسیحا ہے میرے بیٹے کو موت تک زندہ سلامت پہنچا کر آپ نے مجھے عمر بھر کے لئے اپنا غلام بنا لیا ہے یہ معمولی بات نہیں ہے یہ رشتہ ایک وکیل اور اس کے موکل کے درمیانی رشتہ نہیں ہے... بلکہ میں دل کی گہرائیوں سے آپ کی غلامی قبول کرتا ہوں میرا لخت جگر آپ نے مجھے زندہ

سلامت واپس دے دیں۔ وکیل صاحب آپ یقین کیجئے اس احسان کا صلہ میں قیامت تک نہیں دے سکتا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"دراب شاہ صاحب بہرطور جیسا کہ آپ نے ایک ڈاکٹر کا حوالہ دیا۔ کاروباری معاملات اپنی جگہ ہیں لیکن جب ڈاکٹر اپنے مریض کی جانب توجہ دیتا ہے تو اس کے دل میں ایک ہی آرزو ہوتی ہے کہ اس کا مریض شفایاب ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں اس قسم کے تمام پیشے ایسے ہی جذبوں سے لبریز ہوتے ہیں اور دراب شاہ صاحب ایک بات میں آپ کے سامنے ضرور عرض کروں گا کہ یہ ایک اعتراف ہے ایک ایسا اعتراف جو میں نے آج تک زندگی میں کبھی نہیں کیا لیکن آج میں اپنے جذبات کو نجانے کیوں چھپا نہیں پا رہا ہوں۔ آپ یقین کیجئے آپ کے بیٹے محسن دراب شاہ کے سلسلے میں میری کارروائیاں صفر کی حیثیت رکھتی ہیں میں اس سلسلے میں انتہائی فخر کے ساتھ اپنے بھائی کا نام لیتا ہوں۔ شارق حسین جو وکالت کی دنیا میں پراسرار روایات کا ایک نشان بن چکے ہیں لیکن ایک بھائی ہونے کے باوجود میں نے اس کیس کے سلسلے میں پہلی بار شارق حسین کی ان تمام پراسرار صلاحیتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جن کے بارے میں میں آج تک صرف کہانیاں ہی سنتا رہا تھا۔ اور سچ جانیے تھوڑا اس پر رقابت کا شکار بھی رہا تھا۔ محسن دراب کے سلسلے میں جو تمام کارروائیاں کی گئیں ان میں سے ایک ایک کا سہرہ شارق حسین کے سر ہے اور مجھے اس بات کا اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں ہے میں نے چونکہ نصرت حسین صاحب کو دیکھا تھا بلاشبہ اس جذباتی ماحول میں وہ بھی جذباتی ہو گئے تھے میں نے مسکراتے ہوئے ہی کہا۔

"اگر میرے بڑے بھائی اپنے طور پر میری عزت افزائی کرنا ہی چاہتے ہیں تو ظاہر ہے میرے لئے خوشی کا مقام ہے لیکن اتنا کہنا میں بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ بیرسٹر صاحب میرے بھائی ہیں اور میں نے ان کی انگلی پکڑ کر چلنا سیکھا ہے۔ میں نے یہ پیشہ انہی کی شان کو آئیڈیل بنا کر اختیار کیا ہے اور مجھے اس پر فخر ہے کہ میرے بھائی ایک بڑے بیرسٹر ہیں اور میں نے جو کچھ سیکھا ہے انہیں سے سیکھا ہے دراب شاہ، حویلیہ دراب شاہ، محسن دراب ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اس دوران کافی کا بندوبست کیا گیا اور ہم سب نے کافی پی۔۔۔ پھر میں نے محسن سے کہا۔

محسن ایک اچھے انسان کی حیثیت سے تم ہماری ان سب کاوشوں کا صلہ دو گے اور ہم سے تعاون کرو گے۔ دراب شاہ صاحب کے بارے میں صرف اتنا میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے تمہاری بحالی کے لئے اپنی زندگی کی بازی لگا دی تھی زندگی میں محسن کچھ ایسے واقعات بیشک پیش آجاتے ہیں جو پیش آجاتے ہیں ان کا کوئی گہرا جواز نہیں ہوتا میرے دوست میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ حالات سے تعاون کرو میری اور تمہاری ملاقات اس وقت تک کے لئے ملتوی کی جاتی ہے جب تک کہ تم لوگ آپس میں تھوڑا سا گھریلو وقت نہ گزار لو اس کے بعد میں تم سے درخواست کروں گا کہ تھوڑا سا وقت میرے ساتھ گزارو۔ اچھا دراب شاہ صاحب آپ کا بیٹا آپ کو مبارک ہمیں اجازت دیجئے۔۔۔"

"وہ۔۔۔ شارق صاحب ایک درخواست اور کرنا چاہتا ہوں" دراب شاہ نے کہا۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ فرمائیے۔۔۔"

نورین کہاں ہے۔ وہ لڑکی کون تھی جو اس کے ساتھ تھی آپ تو یقیناً یہ جانتے ہوں گے کہ اس کا قیام کہاں ہے بہت سی ایسی باتیں ہے جو مجھے آپ سے کرنی ہے۔ نورین سے میں ملنا چاہتا ہوں۔

"سب کچھ ہو جائے گا دراب شاہ صاحب۔۔۔ آپ بالکل بےفکر ہو جائیں پہلے اپنے بیٹے سے اچھی طرح مل لیں اس کے بعد باقی تمام باتیں عمل میں آجائیں گی۔ دراب شاہ نے گردن ہلائی تھی اور اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے واپس چل پڑے۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب فرط مسرت سے پھولے نہیں سما رہے تھے راستے میں انہوں نے کہا۔

یار شارق واقعی توصیف رضوی پر اب مجھے دکھ ہو رہا تھا۔ وہ نوشادہ بائی کمبخت اس کی جان کو ہی آ گئی تھی خیر وہ بھی ایک بیٹی کی ماں ہے اس کا شعبہ جو کچھ بھی ہے یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے دکھ تو اس کے سینے میں بھی ہو گا اسے کچھ نہ مل سکا۔ میں دراب شاہ سے ایک درخواست کروں گا کہ نوشادہ بائی کو اس سلسلے میں کچھ رقم وغیرہ دے دے۔۔۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں بھائی جان۔۔۔۔

تم نے واقعی کمال کیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے

بڑا سماں کہ نورین دراب شاہ کا تھا کمال کیا ہے واقعی تم نے کمال کیا ہے۔۔۔ نصرت حسین صاحب مسکرا کر بولے اور میں خاموشی سے گردن ہلاتا رہا پھر انہوں نے کہا۔

"کیا خیال ہے اب تو کوٹھی واپس چلیں۔"

"وہ بھائی جان اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں شام کو آجاؤں۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو پھر ایسا کرو مجھے میرے دفتر کے سامنے چھوڑ دو۔۔۔ نصرت حسین صاحب کو ان کے دفتر کے باہر چھوڑنے کے بعد میں نے نگہت شیراز کے فلیٹ کا رخ کیا تھا۔ نگہت شیراز اور نورین کمرے میں تھیں میری آمد کی اطلاع پر نگہت مجھے ساتھ لے کر اسی کمرے میں پہنچ گئی۔ نورین کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اندازہ ہوتا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

"بھئی کمال ہے آج تو ہر جگہ یہی منظر نظر آ رہا ہے نگہت اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔!

"کیا کہوں اس باولی لڑکی سے پتہ نہیں کیوں اپنے آپ پر بوجھ لادا رکھے ہیں اس نے بھئی آپ ہی سمجھائیے شارق صاحب اسے۔۔۔ میں تو تھک گئی۔۔۔

"کیا سمجھانا ہے۔۔۔ میں نے سوال کیا۔

بس جانا چاہتی ہے اور جلد از جلد جانا چاہتی ہے کہتی ہے کہ میں واپس اپنی دنیا میں جانا چاہتی ہوں اور مجھے قسمیں دلا رہی ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتاؤں اس کا پتہ تک کسی کو نہ بتاؤں۔"

"ہوں۔ بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نورین نے ایک انسانی زندگی بچانے کے لئے ایثار کیا ہے اور حق کو حق ثابت کیا ہے اب یہ ان لوگوں کے ذاتی معاملات ہیں نگہت ہم اس سلسلے میں مداخلت کیسے کر سکتے ہیں۔"

شارق صاحب میں آپ کے حکم پر اپنا فرض ادا کرنے کیلئے تیار ہو گئی آپ مجھے صرف ایک بات بتائیے کہ میری ماں نے پوری زندگی جو دکھ اٹھائے ہیں کیا میں انہیں نظرانداز کر دوں دراب شاہ صاحب کا رویہ بتاتا ہے کہ وہ مجھ سے رجوع کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ خود غور کر لیجئے صرف ایک پرعیش زندگی کے لئے میں اپنی ماں کو ہمیشہ کے لئے کرب کا شکار کر دوں اس کی روح کسی کرب و اذیت سے تڑپتی رہے گی آپ کو اس کا اندازہ ہے۔۔۔" مس نورین معاف کیجئے میرا نظریہ بہت مختلف ہے یہ ایک تکلیف دہ بات ہو گی آپ کی سماعت کے لئے اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ مرنے والے مرنے کے بعد دنیا کی مصیبتوں سے نجات پا جاتے ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ موت کے بعد ان کے نظریات قائم رہتے بھی ہیں۔ یا نہیں یا ان کی روح دنیاوی معاملات میں اسی طرح الجھی رہتی ہے۔ جس طرح دنیا میں۔۔۔۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں نہ میرا تجربہ ہے نہ آپ کا ہاں ایک بات یہ میرا ایمان ہے اور آپ مجھے اس ایمان سے نہیں ہٹا سکتیں وہ یہ کہ زندہ انسانوں سے محبت مُردوں سے محبت کرنے سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ مُردے آپ کی محبت کے محتاج نہیں ہوتے جبکہ زندہ انسان اس محبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ کوئی اگر زندگی میں کوئی غلطی کر بیٹھے تو اس کے لئے توبہ کے راستے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ یہ خدا کا حکم ہے کہ توبہ کرو اور اپنے گناہوں سے نجات حاصل کر لو۔ تو ہم بے وقعت انسان کیا اہلیت رکھتے ہیں کہ کسی انسان کو نہ معاف کرنے کی۔ اگر دراب شاہ صاحب کسی غرض کی بنا پر آپ سے رجوع کرنا چاہتے ہیں تو میری تو رائے یہ ہے مس نورین کہ انہیں معاف کر دیجئے آپ کی ماں کی روح یقیناً آپ کو زندگی کے کرب کا شکار دیکھ کر کرب میں مبتلا رہے گی اگر آپ کو ایک پرسکون زندگی مل جاتی ہے اور باعزت طریقے سے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ اتنی بری نہیں ہے باقی اپنے لئے فیصلے کرنے میں آپ خود آزاد ہیں۔۔۔ اور یقیناً آپ اس میں حق بجانب ہوں گی۔

یہی تو میں سمجھا رہی ہوں اسے یہ کسی بھی طرح اپنے آپ کو ہلکا نہ کرے لیکن ایک باعزت طریقے سے اگر یہ دراب شاہ صاحب کے ساتھ شامل ہو جائے تو کم از کم میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتی۔"

"نہیں نگہت میرے لئے کسی طرح یہ ممکن نہیں ہے تم خدا کے لئے مجھے جانے دو اب مجھے یہاں رکنا اور ان معاملات میں الجھا دینا میرے ساتھ ناانصافی ہو گی۔

"سنو ایک ہفتے سے پہلے اگر تم نے جانے کا نام لیا تو بس یوں سمجھ لو کہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گی میرا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں مانتی ہوں اس چیز کو لیکن پتہ نہیں حق کیسے بن جاتے ہیں اور میں کیوں اپنے دل میں یہ حق محسوس کرنے لگی ہوں نگہت نے کہا اور نورین خاموشی سے میری صورت دیکھنے لگی پھر بلنے نے

کہا۔

نورین اس میں کوئی حرج نہیں ہے چند روز انتظار کر لو ویسے ایک بات میں پھر کہوں گا کہ تم نے ہم لوگوں سے جو تعاون کیا ہے اس کے لئے ہم تمہارے دلی شکر گزار ہیں ایک انسان کی زندگی بچانے کے سلسلے میں تم نے انسان ہونے ہی کا ثبوت دیا ہے اب سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کس ناطے اور کس رشتے سے روکا جاسکتا ہے۔"

مجھے میری مرضی کے خلاف مجبور نہ کیا جائے رکنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

"ہوئی نا بات... ٹھیک ہے بھئی نگہت اب تم نورین سے اس بارے میں کچھ نہیں کہو گی۔ نگہت منہ ٹیڑھا کر کے رہ گئی تھی بہرطور اس کے بعد کافی وقت میں نے نگہت کے ساتھ گزارا مجھے مبارکباد بھی دی گئی... اور میں نے نگہت کو بھی مبارکباد دی کہ اس سلسلے میں سب سے اہم قدم اس نے اٹھایا ہے پھر شام کو سات آٹھ بجے کے قریب میں گھر پہنچا تو گھر میں ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا پتہ چلا کہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب نے میرے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا ہے۔ سب سے زیادہ خوشی مجھے آئی جی صاحب کی دی ہوئی مبارکباد پر ہوئی انہوں نے آگے بڑھ کر مجھے گلے سے لگا لیا تھا پھر انہوں نے کہا۔

"تمام تفصیلات مجھے نصرت حسین بتا چکے ہیں بھئی بہرطور جو کچھ بھی کر رہے ہو خدا تمہیں اس میں کامیابیاں ہی کامیابیاں عطا فرمائے۔ لالہ رخ صاحبہ موسم کا رخ دیکھ کر کام کرتی تھیں اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا البتہ الماس آرا نے بھی مجھے پرخلوص مبارکباد دی تھی اور سرگوشی کے انداز میں کہا تھا۔

بہرطور میں تم پر فوقیت رکھتی ہوں اور ان لوگوں میں مجھے سب سے نمایاں مقام حاصل ہے اس لئے تمہاری اس کامیابی کی خوشی سب سے زیادہ مجھے ہو رہی ہے میں نے اس فوقیت کی تشریح نہیں چاہی تھی۔ کیونکہ صورتحال بگڑ جانے کا اندیشہ تھا رات کے کھانے کا جو اہتمام کیا گیا تھا وہ واقعی بہت عمدہ تھا اس وقت کھانے سے فراغت حاصل کر کے ہم لوگ ایک میٹنگ کر رہے تھے اور اس میٹنگ میں نصرت حسین صاحب میری زبردست کارروائیوں کا تذکرہ کر رہے تھے کہ ملازموں نے ہمیں کچھ مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی اور ہم چونک پڑے بہرطور مہمانوں کا استقبال کیا۔ آنے والے داراب شاہ محسن داراب شاہ اور صوفیہ داراب شاہ تھے جنہیں اس وقت دیکھ کر خوشی بھی ہوئی تھی ان لوگوں کے چہرے پر ایک عجیب وغریب سنجیدگی طاری تھی داراب شاہ کہنے لگے۔

"معاف کیجئے آپ لوگ غالباً کسی اہم گفتگو میں مصروف تھے۔ ہم نے آپ کے درمیان آکر مداخلت کی ہے۔

موضوع گفتگو آپ ہی تھے داراب شاہ صاحب اور ہم سب شارق حسین کو مبارکباد پیش کرتے رہے۔

"شارق حسین اس دور میں واقعی ایک عجیب وغریب شخصیت کے مالک ہیں ان کی کارکردگی کے انداز پر اب جب میں غور کرتا ہوں تو خود بھی حیران رہ جاتا ہوں۔ صوفیہ بھی ان سے بہت متاثر ہیں۔ بہرطور اس وقت ہماری آمد کی وجہ محسن داراب شاہ کی ضد تھی محسن شارق حسین سے ملنا چاہتے تھے بہت سی باتیں ہوئی ہیں شارق ہمارے اور محسن کے درمیان محسن تمہارے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے خواہشمند ہیں۔"

"میں حاضر ہوں، بلکہ میں تو آپ لوگوں کو وقت دے رہا تھا بلکہ محسن سے گفتگو تو میری اپنی خواہش بھی تھی۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو آج میں آپ کے ساتھ رکنا چاہتا ہوں، محسن نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں مسکرا پڑا۔"

"اس میں اجازت کی کیا بات ہے یہ گھر بھی آپ کا اپنا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ۔ داراب شاہ کی خاطر مدارات کی گئی، صوفیہ اور داراب شاہ صاحب تو تھوڑی دیر کے بعد چلے گئے محسن میرے ساتھ ہی رک گیا تھا تمام لوگ اس میں دلچسپی لے رہے تھے اور محسن کچھ جھینپا جھینپا سا نظر آرہا تھا۔"

"آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے وکیل صاحب کہ اچھا موکل گلے پڑا۔ لیکن میں موکل نہیں ہوں بلکہ آپ یوں سمجھئے کہ ایک ایسا شخص ہوں جسے زبردستی کی زندگی دی گئی ہے اور زندگی دینے والے آپ ہیں، میں آپ سے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس سلسلے میں آپ سے کچھ مدد بھی حاصل کرنے کا خواہشمند ہوں۔"

"میں حاضر ہوں۔ محسن میں وکیل ہی نہیں ہوں ایک انسان

بھی ہوں۔ میں نے کہا رات کو میں نے اپنے کمرے ہی میں محسن کو سونے کے لئے جگہ دی اور تمام لوگوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد میں محسن کے پاس آ بیٹھا۔"

"دراصل میں بڑی عجیب وغریب الجھن کا شکار ہوں شارق حسین صاحب پتہ نہیں کس طرح میں اب تک اس گھر میں زندگی گزارتا رہا ہوں۔ آپ یقین فرمائیے جیل کی زندگی اس گھر کی زندگی سے میرے لئے بدرجہا بہتر تھی اور میں صرف موت کا منتظر تھا۔"

"محسن زندگی موت سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے، موت تو بہرطور ایک دن زندگی کا آخر کر دیتی ہے زندہ رہنا ایک فن ہے، میرے دوست۔"

"آپ کو شارق حسین، آپ کو تقریباً ساری معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ اس کیس کے سلسلے میں آپ نے جو کچھ کیا ہے۔ اس سے مجھے اندازہ ہے کہ میری زندگی کا ہر پہلو آپ کے سامنے عیاں ہے۔ آپ مجھے بتائیے میں ایک ایسے گھر میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں جہاں میری سوتیلی ماں وہ شخصیت ہو جس کے ساتھ میں نے اپنی زندگی کے عہد و پیمان کیے تھے میرے باپ نے جو کچھ بھی کیا۔ بے شک وہ لاعلمی کی بنیاد پر کیا لیکن صوفیہ قابل معافی نہیں ہے، اسے میں کیسے معاف کر سکتا ہوں۔ آپ یقین کیجئے شارق حسین صاحب کہ ہو سکتا ہے زندگی کے کسی دور میں، میں اتنا مشتعل ہو جاؤں کہ صوفیہ کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دوں ایک ایسے مشکوک گھر میں کیا میری زندگی پرسکون گزر سکتی ہے۔ مجھے بتائیے کیا کیا کچھ نہیں لگتے میرے دل پر۔ اس گھر میں میری ماں کے ساتھ مظالم کیے گئے، میرے باپ نے بے شک میری زندگی کی حصول کے لئے بہت محبت کی، آپ کا سہارا حاصل کیا۔ بھاگ دوڑ کی وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں مانتا لیکن آپ مجھے بتائیے کہ میں اپنے دل سے یہ سب کچھ کیسے نکال سکتا ہوں۔ میں صوفیہ کو دیکھ کر اپنی محرومیوں کا اظہار کرتا رہتا ہوں اور یہ محرومیاں ہو سکتا ہے کسی دن ذہنی طور پر مجھے بالکل معطل کر دیں۔ میں نے صوفیہ کے موقف کو تسلیم کیا ہے ہر شخص کو اپنی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے لیکن مجھ پر میری روح پر یہ بوجھ کیوں لاد دیا گیا ہے۔ مجھے بتائیے میں اس گھر میں کیسے زندہ رہ سکتا ہوں۔"

"اس کا کوئی اور حل ہو سکتا ہے محسن۔ میں نے کہا۔"

"کیا۔"؟

"آپ اس گھر کو چھوڑ دیجئے، ملک سے باہر چلے جائیے کم از کم آپ اتنا سہارا ضرور حاصل کر لیجئے۔ داراب شاہ کا کہ آپ ان کے سرمائے سے ملک سے باہر چلے جائیں یہ ایک بہتر طریقہ ہے۔ وہاں آپ کا دل بھی لگ جائے گا۔ محسن داراب شاہ میری صورت دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔"

"ہاں یہ حل قابل قبول ہے۔"

"ونڈرفل تو پھر ملائیے ہاتھ اس سلسلے میں میں داراب شاہ صاحب سے گفتگو کر لیتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں ہے محسن کہ داراب شاہ آپ سے محبت کرتے ہیں ایک باپ ہیں وہ۔ جو کچھ ہوا ہے وہ بھی بہرطور جس انداز میں ہوا ہے وہ ایک الگ بات ہے لیکن داراب شاہ نے آپ کے لئے اپنا سب کچھ ترک کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ داراب شاہ اس بات کے لئے بخوشی تیار ہو جائیں گے کہ آپ کو ملک سے باہر بھیج دیں۔"

"ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں شارق صاحب براہ کرم اس سلسلے میں میری مدد کیجئے۔"

"کیا۔"؟

"میں نورین سے ملنا چاہتا ہوں وہ میری بہن ہے میری ہی طرح کرب و اذیت کا شکار اس کی ماں کے ساتھ بھی بہت ظلم ہوا تھا۔ دفعتاً میں خوشی سے اچھل پڑا تھا میرے ذہن میں ایک تجویز آئی تھی محسن کی اس بات نے اس تجویز کو ہوا دی۔ اور میں نے کہا۔"

"محسن بہت ہی عمدہ بات کی ہے آپ نے اور آپ یقین کیجئے، آپ کی زندگی بچانے میں سب سے بڑا کردار نورین کا ہے۔ وہ مظلوم لڑکی ایک اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہے۔ یار محسن کیوں نا ایک کام کریں، آپ نورین کو بھی اپنے ساتھ بیرون ملک لے جانے کے لئے تیاریاں کر لیں۔"

"کیا نورین تیار ہو جائیں گی۔"

"ایک بھائی اگر اپنی بہن کو متاثر کر سکتا ہے تو میرا خیال ہے نورین کو تیار ہو جانا چاہیئے۔"

" شارق میں ذرا جذباتی قسم کا انسان ہوں۔ بڑا کرب سہاہے میں نے اپنی روح پر، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے ابھی نورین سے ملا دیں۔ میں خود بھی اس سلسلے میں جذباتی ہو گیا تھا، چنانچہ میں نے محسن سے کہا۔"

" میں خود بھی یہ سب کچھ چاہتا ہوں ڈیئر محسن۔ بہرطور وقت تو کافی ہو گیا ہے، لیکن میں کوشش کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر میں ٹیلیفون کی جانب بڑھا۔ میں نے نگہت شیراز کے فون نمبر ملائے۔ اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

" ہیلو۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔"

" شاید مجھے اس بات کا حق ہے کہ میں جب بھی چاہوں تمہیں فون کر سکتا ہوں۔

" شاید نہیں، یقیناً چیف۔ نگہت نے کہا۔

" شکریہ ادا کروں۔"

" نہیں۔ نگہت نے کہا۔

" نورین کیا کر رہی ہے۔"؟

" رو رہی ہے۔"

" سوئی نہیں۔"

" مجھے بھی نہیں سونے دے رہی۔"

" اوہ سوری نگہت۔ وہ ہے کہاں۔"؟

" ٹیلی فون سے گیارہ فٹ کے فاصلے پر۔"

" نگہت۔ میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں۔"

" ارے باپ رے۔ کوئی رومانی خواب دیکھ لیا چیف"؟

" نہیں بھئی۔ کچھ کام ہے۔"

" لاحول ولاقوۃ۔ ساری خوشی کافور کر دی۔ بہرحال آپ کا گھر ہے چیف آ جائیے میں انتظار کر رہی ہوں۔" نگہت نے مردہ سی آواز میں کہا اور میں نے فون بند کر دیا۔"

اس کے بعد میں محسن داراب شاہ کو لے چل پڑا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد میری کار نگہت شیراز کے فلیٹ کے سامنے رک گئی۔ نگہت اور نورین میرا انتظار کر رہے تھے غالباً نگہت نے نورین کو بتا دیا تھا کہ میں آ رہا ہوں لیکن میرے ساتھ محسن داراب شاہ کو دیکھ کر نگہت بھی چونک پڑی تھی اس نے آہستہ سے کہا۔

" میں خود بھی سوچ رہی تھی کہ آخر رات کے اس حصے میں جناب شارق حسین صاحب کو کیا فکر ہوئی ہے کہ وہ اس غریب گھر کا رخ کر رہے ہیں۔ آیئے محسن صاحب، آپ سے ملنے کی تو دل میں بڑی خواہش تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ وقت بہت بُرا ہے۔ نورین ساکت نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ محسن نے اس کی جانب دیکھا تو نجانے کیوں اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار اُمنڈ آئے، اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

" کیسی ہو نورین۔"؟ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے اور کتنی عجیب بات تھی کہ ان کا ایک دوسرے سے اتنا گہرا رشتہ تھا نورین نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن صحیح طور پر آواز نہیں نکل سکی تھی، نگہت ہم سب کو لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی اور پھر اس نے کہا۔

" کتنی خوشی ہوتی ہے ایسی اچانک ہنگامہ خیزیوں پر، ہم لوگ تو سونے کے لئے لیٹ گئے تھے اور نیند کی کوششیں جاری تھیں کہ اچانک یہ ہنگامہ شروع ہو گیا۔ آپ لوگوں کی ناک میں غالباً کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو اٹھ رہی ہوگی، چنانچہ کیوں نہ میں پہلے کافی لے آؤں اس کے بعد ہم لوگ آگے گفتگو کریں۔" میں نے محسن داراب شاہ سے کہا۔

" تمہاری ملاقات زندگی میں بہت سے اچھے لوگوں سے ہوئی ہوگی محسن۔ لیکن اچھے لوگوں یا اچھی خواتین میں میں تمہارا تعارف نگہت شیراز سے کراؤں ان کا نمبر سرفہرست ہے۔"

" آپ کی کافی میں کتنی چینی ڈالوں باس۔ اس کے ساتھ کچھ اور بھی لاؤں۔" نگہت نے شرارت سے کہا۔

" نہیں تمہاری بنائی ہوئی کافی میں ایک قدرتی مٹھاس ہوتی ہے۔"

" پتہ نہیں یہ کافی کی تعریف ہے یا میری۔ بہرطور میں ابھی حاضر ہوئی۔" نورین عجیب سی جذباتی کیفیات کا شکار تھی محسن داراب شاہ نے میری طرف دیکھا پھر اٹھ کر نورین کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے بولا۔

" مجھے تمہارے پاس اس بے تکلفی سے بیٹھنے کا حق ہے نورین۔ ہے یا نہیں۔"

" جی۔"

" میں تمہارا بھائی ہوں، بدقسمتی سے میری اور تمہاری ماں ایک نہیں ہیں، لیکن باپ ایک ہیں۔ ہمارے جسم کی کچھ رگوں میں دوڑنے والے لہو ایک دوسرے سے ملتا ضرور ہوگا۔ میں

تمہاری ذہنی کیفیت نہیں جانتا میری بہن لیکن میرے دل میں تمہیں دیکھنے کے بعد جو جذبے اٹھتے ہیں وہ بڑے انوکھے ہیں ایک بھائی کے لئے بہن کا تصور بڑا دل گداز ہوتا ہے بہن کے دل میں بھائی کی کیا خواہش ہوتی ہے یہ میں نہیں جانتا اور اس کے لئے معافی چاہتا ہوں میرے دل میں محبتوں کے جو جذبے اٹھے ہیں نورین ان میں ایک بات اور بھی یکسانیت رکھتی ہے وہ یہ کہ میری ماں اور تمہاری ماں کے ساتھ یکساں سلوک ہوا۔ میں نہیں جانتا کہ میری ماں کا رابطہ کس طرح محسن داراب شاہ سے ہوا۔ لیکن وہ اتنی اچھی تھیں کہ اگر کبھی تمہاری ماں کی حق تلفی کا سوال آتا تو وہ بالکل یہ حق تلفی کرنا پسند نہ کرتیں۔" نورین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ میں اس دوران بالکل خاموش تھا۔ اسی اثنا میں نگہت شیراز کافی کی ٹرالی ڈھکیلتی ہوئی واپس آ گئی۔ اس پر نمکین بادام اور خوبانیاں رکھی ہوئی تھیں۔ نورین کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھ کر اس نے کہا۔

" یہ گڑبڑ ہو گئی باس، آپ کو ان لوگوں کو گفتگو کرنے سے روکنا چاہیئے تھا وہ مکالمے میں بھی سننا چاہتی ہوں جنہوں نے نورین کی ان آنکھوں کے دریا بہا دیئے۔"

" میں تمہیں ان کا خلاصہ سنائے دیتا ہوں، محسن داراب شاہ نورین سے کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے دل میں اس کے لئے ایک بھائی کا جذبہ پاتے ہیں۔ خیر بھائی تو یہ ہیں بس تھوڑے سے فرق کے ساتھ، اس بات پر نورین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے ہیں۔"

" شکریہ، سلسلہ جاری رہے۔" نگہت نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور محسن داراب شاہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

" میری بہن کے دل میں میری محبت پیدا کرنے میں آپ لوگ میری مدد کریں۔ میں صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں اپنی بہن نورین سے کہ میں خود بھی اس دنیا سے اتنا بددل ہوں کہ میں نے اپنی زندگی دینے کی کوشش کی تھی اور اب اگر موت نے مجھے قبول نہیں کیا تو کچھ تو اس دنیا میں میرے لئے ہونا چاہیئے اگر مجھے ایک بہن کا پیار مل جائے تو شاید جینے میں کچھ مدد حاصل ہو سکے۔"

" اوہ بڑی جذباتی بات ہے اور ہم لوگ یہ نہیں سمجھ پاتے کہ ہم اس جذباتی گفتگو میں اپنی ٹانگ کہاں سے داخل کریں۔ باس، کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اپنی اپنی کافی کی پیالی اور تھوڑے سے بادام مٹھی میں بھر کر یہاں سے نکل چلیں میرے کمرے کا بالکونی بہت وسیع ہے اور وہاں سے چاند اور ستارے اور سیاہ آسمان اتنا حسین نظر آتا ہے کہ بعض اوقات میں گھنٹوں وہاں بیٹھی رہتی ہوں۔ آیئے آپ کو اس رومانی منظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع دوں۔" میں ہنستا ہوا نگہت کے ساتھ اٹھ گیا تھا اس نے کافی کی دونوں پیالیاں اپنے ہاتھ میں اٹھا لیں پھر بولی۔

" ایک پلیٹ میں نمکین بادام اور خوبانیاں آپ ڈال لیجئے۔ آخر کچھ نہ کچھ تو آپ کو بھی کرنا ہی ہوگا۔ اگر میرے دونوں ہاتھ مصروف نہ ہوتے تو میں یہ خدمت بھی انجام دیتی۔"

" ضرور۔" میں نے کہا اور نگہت کی ہدایت پر عمل کرنے کے بعد اس کے کمرے کی جانب چل پڑا۔ بلاشبہ اس کے کمرے کی بالکونی سے باہر کا منظر بے حد حسین نظر آ رہا تھا نگہت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" باس، رومانی جوڑوں کے لئے ایسے مناظر بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ یہ مناظر ان کے ذہنوں پر کیا اثر چھوڑتے ہوں گے لیکن فلموں وغیرہ میں اس قسم کے مناظر پر خاص توجہ دی جاتی ہے، آپ کا کیا خیال ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے اس منظر کو، آپ کے دل میں کچھ کچھ ہوتا ہے۔"

" میرا خیال ہے یہ کافی اتنی عمدہ ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں سوچنے کی گنجائش نہیں ہے۔"

" کچھ بدذوقی ہے، ویسے آپ کی مرضی تشریف رکھئے یہ کرسیاں خصوصی طور پر میں نے یہاں ڈلوا رکھی ہیں۔" میں بالکونی میں پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور نگہت نے برابر کی کرسی سنبھال لی اس کے ہونٹوں پر مایوسی کے آثار نظر آ رہے تھے پھر اس نے کہا۔

" اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کافی ہماری گفتگو کی راہ میں اتنی بڑی رکاوٹ ثابت ہوگی اور ایک رقیب روسیاہ کا کردار ادا کرے گی تو میں کبھی اس کی جانب توجہ نہ دیتی۔"

" چھوڑو نگہت ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کافی کیا حیثیت رکھتی ہے بڑی بڑی رکاوٹیں نہیں آ سکتیں لیکن بہتر یہی ہے کہ ہم کام کے موضوع پر بات کریں۔"

"ایک رقیب یہ کام بھی ہے چیف" نگہت نے کہا اور پھر ہنس پڑی پھر بولی۔

"خیر ایک اچھے انسان کا یہی فرض ہے کہ دوسرے کی دلچسپی کو مدنظر رکھ کر بات کرے چلئے آپ کی خواہش ہے تو کام کی باتیں ہی سہی یہ محسن داراب شاہ صاحب آپ پر کہاں سے نازل ہو گئے اس وقت"

"بے چارہ شدید ذہنی کرب کا شکار ہے ویسے نگہت اس کیس کے سلسلے میں تم نے سب سے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے"

"اب اس کو کیا کیا جائے چیف کہ آپ کے بہت سے کیسوں کے سلسلے میں بڑے کارنامے میں ہی سرانجام دیتی ہوں لیکن بعد میں آپ انہیں بھول جاتے ہیں اور نئے کیس کے سلسلے میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔ خیر یہ بات بھی ایک مذاق کی بات تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ محسن داراب شاہ کے لئے وہ گھر بڑا اذیت ناک گھر ہے جہاں اس کی محبوبہ اس کی ماں کی حیثیت سے رہتی ہو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انسانوں کی کتنی اقسام ہیں ہر بار ایک نئی قسم سامنے آجاتی ہے صوفیہ داراب شاہ کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے اس لڑکی نے کتنی صفائی کے ساتھ دولت اور محبت میں سے ایک چیز کا انتخاب کیا اور پھر کتنی ڈھٹائی سے محبوب کے باپ سے شادی کر لی۔ یہ کام وہ کہیں اور بھی کر سکتی تھی اس سلسلے میں چیف میری رائے اس کے بارے میں یہی ہے کہ وہ شدید اذیت پسند قسم کی بلکہ اذیت رساں قسم کی عورت ہے اور ایسی جگہ کسی ایسے نوجوان کا گزر ممکن نہیں ہے جو اتنی حساس طبیعت کا مالک ہو"

"ہاں یہ درست ہے محسن داراب شاہ میرے پاس اسی مصیبت میں گرفتار ہو کر آیا ہے اور میں اس سلسلے میں کوئی حل دریافت کرنا چاہتا ہوں ویسے نورین سے تمہاری گفتگو ہوئی"؟

"ہاں، وہ شدت سے اب اپنے گھر واپس جانے کی ضد کر رہی ہے اور میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی کہ اب اسے کس بنیاد پر روکوں یہ بھی سچ ہے کہ داراب شاہ کے لئے اس کے دل میں بھلا کیا گنجائش ہو سکتی ہے"

"اس کے باوجود نگہت ہمیں کوئی حل نکالنا ہے"

"چیف ایک بات بتایئے آپ۔ یہ سارے جہاں کا درد آپ کے جگر میں کیوں سمٹ آیا ہے آپ نے اپنا فرض سرانجام دے لیا۔ محسن داراب شاہ بے گناہ تھا۔ آپ اسے اس کے اعتراف کے باوجود موت کے منہ سے نکال لائے اور اصل آدمی کو آپ نے قانون کے حوالے کر دیا بعد کے معاملات میں آپ دلچسپی کیوں لے رہے ہیں"۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے نگہت سے کہا۔

"نگہت انسانوں سے محبت ہی تو میرا مسلک ہے اور اسی مسلک پر میں آج تک کام کرتا رہا ہوں تم نے یہ محسوس نہیں کیا کہ میں نے صرف قانون کے مسئلے پر کبھی توجہ نہیں دی بلکہ میری کوشش یہی رہی کہ ہر بے گناہ انسان کو مصیبت سے نجات ملے یہ انسان دوستی ہی تو ہے میرا فرض تو اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک کہ اس شخص کو اس کا منصب نہ مل جائے جو اس منصب کا حقدار ہے"

"سوری سوری چیف بھول گئی تھی واقعی بھول گئی تھی مگر کتنی خوشی ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ آپ کے دل میں انسانیت کا اتنا درد ہے اور میں خود بھی اپنے آپ کو انسان ہی سمجھتی ہوں" میں پھر ہنسنے لگا تھا نگہت پھر بولی۔

"مگر اس کا حل کیا ہوگا"؟

"یہی میں سوچ رہا ہوں اب دیکھو ان دونوں کو تنہا چھوڑا ہے ہم نے، کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے"

"آپ کے خیال میں کیا نتیجہ برآمد ہوگا چیف"؟

"نورین اور محسن اگر ایک دوسرے سے تعاون کر لیں تو میرا خیال ہے بہت کام بن سکتا ہے محسن بھی اپنے گھر سے برگشتہ ہے اور نورین اپنی اس پسماندہ سی دنیا میں لوٹ جانا چاہتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ نورین کو اب اس پسماندگی کا شکار نہیں رہنا چاہیے محسن اس سلسلے میں کیا کوڑی لاتا ہے اس کا اندازہ تو ان دونوں سے ملنے کے بعد ہی ہو سکے گا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دونوں ہی ہمیں تلاش کرتے ہوئے آئے محسن کے چہرے پر شادابی پھیلی ہوئی تھی اور نورین بھی کسی قدر شگفتہ نظر آ رہی تھی۔

"ہیلو لیڈیز اینڈ جنٹلمین آپ لوگ یقینی طور پر کوئی

اچھی خبر لے کر ہمارے پاس آئے ہوں گے"

"یقیناً ایک بہت اچھی خبر ہے شارق بھائی اور میں بس، میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے قدموں میں اپنا سر رکھ دوں"

"یعنی اچھی خبر کا میرے قدموں سے کیا تعلق ہے"؟ میں نے کہا۔

"آپ ہم لوگوں کے لئے فرشتہ ہی ثابت ہوئے ہیں، آپ نے مجھے موت کے بھیانک غار سے نکال کر زندگی کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ مجھے ایک بہن دے دی ایک ایسی بہن جس کے لئے میں اپنی زندگی قربان کر سکتا ہوں۔ ہاں شارق حسین میں ذرا جذباتی ہو رہا ہوں میری احمقانہ باتوں کو معاف کر دینا اس کائنات میں اب اس بہن کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں ہے اور جب انسان ایک بہن کا بھائی بن جاتا ہے تو اس کے اندر خود غرضی بھی پیدا ہو جاتی ہے میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں نگہت اور شارق صاحب"

"جی جی ارشاد۔ ارشاد، تشریف رکھئے یہاں کافی کرسیاں موجود ہیں" میں نے کہا اور نورین اور محسن بیٹھ گئے، محسن کہنے لگا"

"آپ نے مجھے بتایا ہے کہ ڈیڈی میرے سلسلے میں بہت پریشان تھے اور مجھے ہر قیمت پر بچانا چاہتے تھے خیر اس بات کا اعتراف میں کروں گا کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میری ہر طرح نگہداشت کی اور مجھے کبھی پریشان نہ ہونے دیا بس یوں سمجھئے مجھے ان سے اپنی ماں کے سلسلے میں شدید اختلاف تھا کیونکہ وہ مناظر میری نگاہوں میں ہیں۔ جب میری ماں میرے باپ کے سامنے بے بس ہوا کرتی تھی میں ان حالات کو فراموش کر سکتا ہوں شارق صاحب لیکن ایک شرط پر"

"جی جی شرط بھی فرمایئے" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"داراب شاہ صاحب سے مجھے کچھ رقم درکار ہے۔ میں نورین کے ساتھ اس ملک سے باہر جانا چاہتا ہوں ہم لوگ یہاں سے لندن جائیں گے اور پھر وہاں جا کر یہ فیصلہ کریں گے کہ بقیہ زندگی کے لئے کیا کیا جائے۔ میں نے بمشکل تمام نورین کو اس بات پر راضی کر لیا ہے۔ داراب شاہ صاحب اگر کچھ اور شرائط عائد کریں تو خدا کی قسم میں کسی قیمت پر ان کی کوئی شرط نہیں مانوں گا۔ میرے وسائل بھی اتنے محدود نہیں ہیں اپنے آپ کو آزماؤں گا اور اس وقت تک اپنی بہن کو اپنے ساتھ رکھوں گا جب تک کہ میں باہر جانے کا بندوبست نہ کر لوں۔

"ہوں کیا نورین بھی اس کے لئے تیار ہیں"؟

"میں نے انہیں تیار کیا ہے اب ہم دونوں بھائی بہن اپنے مستقبل کے فیصلے خود کریں گے کسی کو ہم اپنے مستقبل میں مداخلت کی اجازت نہیں دے سکتے جو خود غرض یا بے غیرتی میں نے اپنے اوپر لادی ہے وہ صرف یہ ہے کہ داراب شاہ صاحب مجھے بیرون ملک جانے کے لئے کچھ رقم دے دیں چاہے وہ قرض کے طور پر ہی کیوں نہ ہو"

"میرا خیال ہے محسن داراب شاہ کو اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔

"حالات کے بارے میں اب کچھ کہنا بے سود ہے آپ جانتے ہیں اس گھر میں ایک ایسی عورت موجود ہے جس سے میرا ذہنی تعلق رہا ہے میں وہاں کبھی پرسکون نہ رہ سکوں گا مجھ پر کرب و اذیت کے تازیانے برستے رہیں گے اور نہ ہی اب میں نورین سے جدائی برداشت کر سکتا ہوں ہم لوگ اگر اور کچھ نہ کر سکے تو میں خود بھی نورین ہی کے شہر چلا جاؤں گا اور ہم دونوں اپنی زندگی جس طرح بھی ممکن ہو سکا گزار لیں گے اور آپ یقین کیجئے وہ زندگی بری نہیں ہوگی"

"کیوں نہیں محسن کیوں نہیں۔ بہر طور تمہارا اچھا فیصلہ ہے یہ میں خود بھی اس سے متفق ہوں مگر تمہیں کچھ انتظار کرنا ہوگا اتنا وقت تو دینا ہوگا مجھے کہ میں داراب شاہ سے گفتگو کر لوں"

"آپ ہی ہمارے درمیان ایک ذریعہ ہیں میں اپنی بہن کے لئے کوئی جگہ کا بندوبست کئے لیتا ہوں چاہے وہ کرائے پر کیوں نہ حاصل ہو جائے اور اس کے بعد میں اسے لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا جہاں بھی ممکن ہو سکا"

"ایک ایسا گھر میں تمہیں پیش کر سکتا ہوں محسن"

"آپ کی عنایتوں کا ہم صلہ کس طرح دیں گے"

"اس کا فیصلہ بھی بعد میں ہو جائے گا کیا حرج ہے"؟

"اور اگر نورین یہاں رہیں تو کیا نقصان ہے"؟

نگہت نے کہا "نہیں نگہت جو کچھ میں کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔"

"ٹھیک ہے جناب ہم بھلا کیا اعتراض کر سکتے ہیں" نگہت نے کہا۔

"تو پھر خواتین و حضرات یا حضرات و خواتین اب جب یہ فیصلہ ہو ہی چکا ہے تو پھر اس پر اسی رات کیوں نہ عمل کر لیا جائے۔"

"مطلب۔"؟

"میرا مطلب ہے ان دونوں بہن بھائی کو میں ایک جگہ منتقل کر دوں اور اس کے بعد داراب شاہ صاحب سے اس سلسلے میں گفتگو کروں۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں چیف۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ جا رہے ہیں اور نورین کو بھی لے جا رہے ہیں"

"ہاں بالکل۔"

"کمال ہے، آپ سے ہمیشہ نقصانات ہی ہوتے ہیں۔ ساری رونقیں لوٹ کر لئے جا رہے ہیں۔"

"میں واپس آجاؤں گا" میں نے مسکراتے ہوئے نگہت سے کہا اور نگہت عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"چھوڑیئے، چھوڑیئے ایسا مذاق مجھے ناپسند ہے۔"

"تو پھر اجازت، تمہاری کافی کے لئے بے حد شکریہ۔"

"جی ہاں ہماری حیثیت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی تھی۔" نورین نے جذباتی انداز میں نگہت کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں نگہت، جو کچھ تمہارے ذریعے مجھے ملا ہے میں اس کا احسان زندگی بھر نہیں اتار سکوں گی۔"

"اچھی بات ہے کم از کم احسان مند تو رہو گی اتارنے کی کوشش بھی نہ کرنا۔" نگہت نے کہا اس کے بعد اس نے نورین کا مختصر سا سامان نورین کے حوالے کیا اور پھر ہمیں چھوڑنے ہماری کار تک آئی، بعد میں اس نے کہا۔

"یہ تو آنی جانی چیزیں ہیں چیف، ہماری آپ کی تو کھٹی ہی رہے گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" میں نے ہنس کر کہا اور نگہت کو خدا حافظ کہہ کر ہم لوگ وہاں سے چل پڑے۔ محسن داراب شاہ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ میں انہیں کہاں لئے جا رہا ہوں۔ لیکن وہ کوٹھی وکیل فاروقی صاحب نے مجھے عنایت کی تھی ایسے ہی معاملات کے لئے بڑی معاون ثابت ہوتی تھی چنانچہ میری کار اس کوٹھی کی جانب ہی جا رہی تھی۔ ویسے

نورین اور محسن۔ میں بہت مختصر وقت میں یہ یگانگت میرے لئے بہت سکون کا باعث تھی ورنہ اس سلسلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ بالآخر میری کار کوٹھی میں داخل ہو گئی اور میں نے اسے پورچ میں روک دیا تب پہلی بار محسن اور نورین چونکے۔ بہرطور کچھ کہے بغیر وہ کار سے نیچے اتر آئے اور میں انہیں لئے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ محسن دلچسپ نگاہوں سے اس عمارت کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"یہ آپ کا گھر ہے۔"؟

"فی الحال تو تم دونوں کا ہے آرام کے لئے، اس سے بہتر جگہ میرے خیال میں دوسری ممکن نہیں تھی۔"

"یہ تو بہت شاندار ہے کیوں نورین۔" محسن نے کہا۔

"ہاں۔" نورین کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔ میں انہیں لئے ہوئے اندر آگیا۔ میں نے چاروں طرف روشنیاں کر دیں محسن نے مجھ سے پوچھا۔

"کیا یہاں اور کوئی نہیں رہتا۔"؟

"نہیں محسن بس میں نے اسے ضروریات کے لئے آراستہ کر لیا ہے۔" محسن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بالآخر میں نے انہیں ایک خوبصورت بیڈ روم میں پہنچا دیا اور کہا۔

"تم دونوں اگر چاہو تو یک جا رہ سکتے ہو اور اگر نورین کوئی دوسرا کمرہ چاہیں تو برابر والا کمرہ ان کے لئے کھلوا دوں۔"

"نہیں ہم ساتھ ہی رہیں گے۔" محسن نے کہا۔

"تو بہتر یہ ہے کہ اب صرف آرام کیا جائے، رات بہت مختصر رہ گئی ہے۔"

"معذرت خواہ ہوں صبح کو ملاقات ہو گی۔" محسن نے کہا اور میں گردن ہلا کر ان کے کمرے سے نکل آیا اور میں نے ایک اور کمرے کا رخ کیا اس کے بعد سونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری صبح دیر تک سوتا رہا اور جب جاگا تو باہر آوازیں سنائی دے رہی تھیں میں حیران سا اٹھ گیا پھر بھی غسل خانے میں جا کر منہ وغیرہ دھویا اور باہر نکل آیا۔ محسن اور نورین باہر موجود تھے۔ نورین نے مسکرا کر کہا۔

"ہم آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہے تھے، ایسے بہان بھی آپ نے کم دیکھے ہوں گے شارق صاحب جو فوراً ہی اپنی مدد آپ کرنے لگیں۔" میں نے ایک خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"ناشتہ بالکل تیار ہے آپ ناشتے کے کمرے میں پہنچیں میں لے کر آتی ہوں۔"

"واہ اس میں کوئی شک نہیں محسن کہ خواتین بہن کی صورت میں ہوں، ماں کی صورت میں یا کسی بھی صورت میں، بڑی کارآمد ہوتی ہیں۔ اب دیکھو ناں اتنی جلدی ناشتے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔" محسن مسکراتا ہوا میرے ساتھ اس ڈائننگ ہال میں آگیا جہاں ایک وسیع و عریض میز لگی ہوئی تھی ہم نے اپنے لئے کرسیاں گھسیٹیں اور دونوں بیٹھ گئے۔ محسن عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"شارق صاحب آپ کے بارے میں زیادہ تو نہیں سنا میں نے دراصل دنیا سے بیزار کسی انسان کو دنیاوی معاملات سے کم دلچسپی رہ جاتی ہے لیکن تھوڑا بہت میں نے اخبارات میں ضرور پڑھا ہے اس کے علاوہ نورین تفصیل بتاتی رہی ہے کیا ملتا ہے آپ کو ان تمام باتوں سے کیا فائدہ ہوتا ہے کتنی محنت کرتے ہیں آپ آخر کیوں۔"؟ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر میں نے کہا۔

"کسی نشے باز سے یہ سوال کیا ہے تم نے محسن داراب شاہ کہ وہ نشہ کیوں کرتا ہے، دراصل نشوں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں کسی بے بس کے ہونٹوں کی پرسکون مسکراہٹ مجھے ایک ایسے سرور میں مبتلا کر دیتی ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہوتا۔" محسن نے گردن خم کر دی اسی دوران نورین ناشتے کی ٹرالی لئے ہوئے اندر داخل ہو گئی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"عالم ہوش میں کسی ایسے گھر میں آزادانہ نقل و حرکت میری زندگی میں بالکل اجنبی ہے۔ شارق صاحب کہیں کوئی گڑبڑ ہو جائے تو محسوس نہ کیجئے گا۔" اس نے ناشتہ میز پر لگا دیا اور خود بھی بے تکلفی سے ہمارے ساتھ بیٹھ گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خون کسی بھی شکل میں اور کتنے ہی فاصلے سے ہو نورین بہرطور ایک اہمیت رکھتا ہے تم دونوں میں چند لمحات کے اندر اندر یہ یگانگت دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی اور ساتھ ہی ساتھ حیرت ہوئی ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"آپ کے ابتدائی الفاظ بہت اہمیت کے حامل ہیں شارق صاحب۔ درحقیقت محسن بھیا مجھے ایک ہی نگاہ میں اپنے اپنے لگے اور بعد میں مجھے یہ احساس ہوا کہ اگر خدانخواستہ محسن بھیا کی زندگی بچانے کے لئے میں آپ کی ہدایت پر عمل نہ کرتی تو کیا میری زندگی کا یہ خلا کبھی پُر ہو سکتا تھا محسن بھیا سے میری گفتگو ہوئی شاید ہمارے درمیان ایک اور گہرا رشتہ بھی ہے وہ یہ کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار رہے ہیں۔ بہرطور میں نے اپنے بھائی کی بات مان لی اور کیوں نہ مانتی میری زندگی میں اور ہے ہی کون محسن میرا چھوٹا بھائی ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے اس کی شدید ضرورت تھی میرے سینے میں اس کے لئے وہ جذبے تڑپ رہے ہیں جو شاید ماما کار دیپ رکھتے ہوں بہرطور محسن کی آنکھوں کی کوریں بھیگ گئی تھیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اور میں نے جو فیصلے کئے ہیں شارق صاحب وہ اسی احساس سے متاثر ہو کر کئے ہیں میں اپنی بہن کی پسماندہ زندگی کو ایک اعلیٰ مقام دینے کا خواہش مند ہوں اور اس کے لئے میں نے اپنے ضمیر پر داراب شاہ صاحب کے احسان کا بوجھ بھی برداشت کر لیا ہے یہ عارضی بوجھ میرے لئے بہت ضروری ہے اور اس کے بعد میں اپنی بہن کو اپنے بازوؤں کی کمائی کھلاؤں گا۔" غرض یہ جذباتی باتیں رہیں۔ پھر محسن نے کہا۔

"نام میرا محسن ہے لیکن شارق صاحب احسانات آپ کرتے ہیں دوسروں پر یہ معاملہ صرف کسی کیس اور وکیل کا نہیں ہے آپ نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے وہ ایک بالکل ہی الگ سلسلہ ہے اور ہم مزید آپ کی مدد کے خواہاں ہیں۔"

"کہو اور کیا بات ہے۔"؟

"نورین داراب شاہ صاحب کی کوٹھی میں نہیں جانا چاہتیں۔ وہاں رہنا ہمارے لئے ذہنی طور پر عذاب ہو گا۔ آپ ہمیں کچھ وقت یہاں گزارنے کی اجازت دے دیں گے۔"

"کیسی بات کرتے ہو یار تمہیں یہاں سے نکالنے کے لئے لایا ہوں۔ یہاں سب کچھ موجود ہے جتنا وقت چاہو گزارو مجھے خوشی ہو گی۔"

"بے حد شکریہ، یہاں بہت سکون محسوس ہوا ہے ہمیں ویسے آپ داراب شاہ صاحب سے کب ملیں گے، میں چاہتا ہوں اب اس کام میں جس قدر جلدی ہو جائے بہتر

ہے یا پھر اگر داراب شاہ صاحب اس کے تیار نہ ہوں تو میں دوسرے ذرائع اختیار کر دوں۔"

"فی الحال آرام سے رہو میں آہستہ آہستہ ہی کام کروں گا اور بھی بہت سے مسئلے ہیں داراب شاہ صاحب کے بارے میں۔ میں تمہیں بتا دوں محسن کہ ماضی کچھ بھی رہا ہو لیکن حال میں انہوں نے جس طرح تمہاری محبت میں تڑپ کر وقت گزارا ہے اس کا گواہ میں بھی ہوں اور یہ قطعی غیر انسانی بات ہوگی کہ میں ایک شخص کو پیس کر رکھ دوں تمہیں بھی اپنے اندر لچک پیدا کرنا ہوگی جو گزر چکی ہے وہ گزر چکی ہے اب نئے حالات کا سامنا کرنا ہوگا اور اس کے لئے تمہیں اپنے آپ میں تھوڑی سی لچک بھی پیدا کرنی ہوگی۔" محسن میری صورت دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

"ہرچند کہ یہ بات میرے مزاج کے بہت خلاف ہے۔ لیکن چونکہ شارق حسین نے کہا ہے بس یوں سمجھ لیں شارق بھائی کہ میں آپ کا بھی چھوٹا بھائی ہوں اور آپ کی ہر ہدایت پر عمل کروں گا لیکن خدا کی قسم یہ صرف ایک کوشش ہے ورنہ اپنی بہن کے لئے میں اپنا خون بیچ کر بھی سب کچھ کر سکتا ہوں۔"

"بس بس بہت زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں تو خاتون و حضرت اب آپ لوگ مجھے اجازت دیں مجھے دوسرے کام بھی کرنے ہیں ویسے بھی بہت وقت ہو چکا ہے اور محسن کو یہ بات معلوم ہے کہ ہم ساتوں رات کو کوٹھی سے فرار ہو گئے ہیں کوٹھی میں بھی ہمارے سلسلے میں خاصی ہلچل مچی ہوئی ہوگی لیکن ابھی مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں کوٹھی کے جھنجال میں پھنسوں گا نہیں آپ لوگ آرام سے یہاں قیام فرمایئے میں خود ہی آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔" اس کے بعد میں اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے نکل آیا تھا باہر نکل کر میں نے سوچا کہ اب مجھے کہاں جانا چاہئے۔ کوٹھی کے مکینوں کو اس بات پر حیرت ضرور ہوئی ہوگی کہ میں اور محسن رات کو کہاں غائب ہو گئے لیکن میری فطرت کے بارے میں سبھی جانتے تھے ان میں سے تشویش کسی کو نہیں ہوئی ہوگی۔ ویسے بھی ابھی چند اہم امور تھے جنہیں نمٹانا ضروری تھا چنانچہ کوٹھی میں داخل ہو کر ان مکینوں کو اپنے آپ سے چمٹانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جن کے مختلف نام تھے یعنی الماس آرا، مس نیلو فر ہمشیرہ عزیزہ محترمہ جاد وال وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ وکیل فاروقی صاحب کے دفتر کے سامنے اپنی گاڑی روک دی اوپر پہنچا تو استاد چھوٹے سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے بتایا کہ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی صاحب کورٹ چلے گئے ہیں ایک اہم کیس تھا۔ استاد چھوٹے نے مجھے اس کیس کے بارے میں بتایا تو مجھے یاد آیا کہ اس کیس میں تھوڑی سی مدد وکیل فاروقی صاحب کی مجھے بھی کرنی تھی چنانچہ یہاں رکے بغیر ایک بار پھر نیچے آیا اور میری کار کورٹ کی جانب چل پڑی کورٹ میں پہنچ کر وکیل فاروقی صاحب کو تلاش کیا وہ مجھے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے کہنے لگے۔

"بھئی اس سلسلے میں کچھ بات کرنی تھی تم سے مگر تمہاری مصروفیت کی وجہ سے خاموش ہو گیا۔"

"آپ نے بلا وجہ تکلیف کیا دراصل میرے ذہن سے بات نکل گئی تھی۔"

"خیر کوئی ہرج نہیں ہے میری ساعت ساڑھے گیارہ بجے ہو گی ابھی وقت ہے آؤ بار میں بیٹھیں۔" وکیل فاروقی صاحب کے ساتھ میں بار میں بیٹھ کر اس کیس پر ضروری نقطے تیار کرنے لگا اور وکیل فاروقی صاحب مطمئن ہو گئے۔ جاوید قریشی کسی اور کیس میں الجھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد فاروقی صاحب کے ساتھ ان کے کیس میں پیش ہوا اور فاروقی صاحب کی مدد کرتا رہا۔ ساڑھے بارہ بجے تک اس کیس کی ہیئرنگ ہوتی رہی اور پھر اس سے فارغ ہو کر باہر نکل آئے وکیلوں کی دنیا میں، میں باعث توجہ بنا رہتا تھا اور لوگ میرے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے تھے۔ اب ان کی گفتگو کیا ہوتی تھی اس کا مجھے کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا تھا لیکن ایک بجے کے قریب ایک دلچسپ صورت حال پیش آ گئی اچانک ہی نوشاد بائی بار روم میں داخل ہوئی تھی اور اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا۔

"ارے کہاں مر گیا وہ توصیف رضوی، کہاں ہے تیرا بیڑہ غرق کہاں مر گیا۔ کدھر چلا گیا برباد کر دیا بھیا مجھے دیکھو تو سہی پورے پچیس ہزار روپے لے لئے پینتیس ہزار روپے مانگے تھے دس ہزار روپے باقی ہیں میرے اوپر، میری بچی کی جان بھی گئی اور کوئی کام بھی نہ بنا۔

ارے یہ لوٹ مار دیکھ رہے ہو تم لوگ۔ ہے کہاں وہ وصول کر کے نہ دکھا دوں اپنے پچیس ہزار روپے تو نوشاد بائی نام نہیں، غریب کو مار دیا، محنت کی کمائی خاک میں ملا دی بچی کی جان الگ گئی، پیسہ الگ گیا، ارے پائی پائی کر کے کماتے ہیں ہم لوگ، خدا تجھے غارت کرے۔۔۔۔" بہت سے لوگ مسکرانے لگے لیکن میں سرد نگاہوں سے نوشاد بائی کو دیکھتا رہا، بیچاری بدنصیبی کے ایک پیشے سے منسلک تھی لیکن انسان تھی اور انسانوں سے نفرت نہیں کی جاتی، پیشے تو بعد میں ہی تفریق ہوتے ہیں اور یہ سب نصیب کی بات ہے کہ کس کی شخصیت کس طرح مسخ ہو جائے۔ نوشاد بائی بہرطور انسان ہی تھی اور قابل رحم تھی پھر خود اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی اور وہ میری طرف چلی آئی۔۔۔۔۔۔

"تمہیں کیا کہوں بھیا، تمہیں کیا کہوں، ارے یہ تو سوچو میری بھی تو بچی کی جان گئی، تم تو اپنا مقدمہ جیت گئے بچا لیا اس سانپ کے بچے کو تم نے اس سنپولے کو بچا لیا، جو میری بچی کی زندگی لینے کا باعث بنا اور مجھے مروا دیا، ارے بھیا میرا کیا قصور تھا مجھے تو بتا دو۔۔۔۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں نوشاد بائی سے کہا۔۔۔۔۔۔

"نوشاد بائی صبر کی کوشش کرو اور سنو، جس شخص کو تم اپنی بیٹی کا قاتل سمجھ رہی ہو، ہزاروں ثبوتوں نے اسے بے گناہ ثابت کر دیا ہے اور جو گنہگار ہے وہ پولیس کی تحویل میں ہے اس سے پرخاش اب بے معنی ہے ایک سازش کی گئی تھی جس میں تمہاری بیٹی کام آ گئی۔ انسانی نقطۂ نگاہ سے مجھے تم سے بے حد ہمدردی ہے لیکن جو صورت حال تم نے درمیان میں چلا دی تھی وہ کسی طور جائز نہیں تھی۔ جہاں تک مسئلہ توصیف رضوی کا ہے بہرطور وہ ایک بے گناہ کو سزائے موت دلوانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور تمہیں بھی کسی بے گناہ کو موت دلوانے سے خوشی نہ ہوتی۔۔۔۔"

"یہ سب کچھ تو ٹھیک ہے، مگر میرے پچیس ہزار ڈوب گئے، ارے کم از کم مجھے اس کے گھر کا ہی پتا بتا دو، دفتر میں تو وہ ملے گا نہیں مجھے معلوم ہے۔۔۔۔۔۔"

"خیر پچیس ہزار روپے تو توصیف رضوی صاحب سے تمہیں واپس ملنے سے رہے، میں کوشش کروں گا کہ تمہارے کچھ آنسو خشک ہو جائیں۔۔۔۔"

"اب میرے آنسو قبر میں ہی خشک ہوں گے، اپنی بیٹی کی یاد کو کس طرح دل سے نکال سکوں گی۔ ہم تو بھیا دنیا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں ہمارے لیے کون بھلا کیا کچھ کرے گا۔۔۔" نوشاد بائی آنسو بہاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی، وکیل فاروقی صاحب بھی سرد نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے میں نے ان سے کہا۔۔۔۔۔

"بہرطور انسانی نقطۂ نگاہ سے وہ قابل ہمدردی ہے۔"

"ہاں مجھے بھی افسوس ہوا۔ لیکن کیا کیا جا سکتا ہے۔" فاروقی صاحب نے کہا اور ہم دونوں بار روم سے باہر نکل آئے۔ فاروقی صاحب خاموش تھے۔ راستے میں انھوں نے کہا۔۔۔۔

"تم اس کے آنسو خشک کرنے کی بات کر رہے تھے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔۔۔۔

"کیا کرو گے اس کے لیے۔۔۔۔؟"

"جو کچھ بھی بن پڑا۔۔۔۔"

"اس کی اور بیٹیاں بھی ہیں۔۔۔۔۔"

"شاید۔۔۔!"

"بہرحال انسان ہے۔ اپنی بیٹی کا دکھ تو کبھی نہ بھول سکے گی لیکن اگر اسے کوئی مالی فائدہ پہنچ جائے تو۔۔۔؟"

"میرے ذہن میں بھی یہی خیال ہے۔۔۔۔" میں نے جواب دیا۔۔۔۔۔۔

دفتر میں پہنچے تو جاوید قریشی ابھی تک واپس نہیں آئے تھے، البتہ استاد چھوٹے فوراً ہی میرے پاس آ گئے۔۔۔۔"

"جی وہ صاحب نصرت حسین صاحب کا ٹیلیفون دو بار آ چکا ہے آپ کو پوچھ رہے تھے، کہا ہے کہ اگر آپ آفس آئیں تو فوراً آپ کو ان کے دفتر بھیج دیا جائے۔۔۔۔"

"دوسرا ٹیلی فون کس وقت آیا تھا۔۔۔۔؟"

"ایک ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا صاحب!" استاد چھوٹے نے بتایا، میں وکیل فاروقی صاحب کو اشارہ کر کے ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا اور پھر میں نے نصرت حسین صاحب کے دفتر کا نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگا لیا، دوسری طرف فون نصرت حسین صاحب نے ہی اٹھایا تھا۔۔۔"

"شارق عرض کر رہا ہے..." میں نے کہا...

"ارے بھئی کمال ہے کہاں غائب ہو گئے تم راتوں رات اور اس بے چارے محسن کو بھی لے گئے۔ دراب شاہ صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور کافی پریشان نظر آتے ہیں کیا کر رہے ہو، کوئی اہم مصروفیت ہے...؟"

"نہیں بھائی جان! کوئی خاص بات نہیں، بس محسن کا کچھ کام تھا میں ان کے ساتھ رات ہی کو نکل آیا..."

"محسن کہاں ہیں اس وقت...؟"

"اپنے ایک دوست کے ساتھ ہیں..."

"خیر تم آفس جاؤ، ویسے محسن خیریت سے تو ہیں نا...؟"

"جی بالکل خیریت سے ہیں..."

"آجاؤ... دراب شاہ صاحب میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے ہیں۔ نصرت حسین نے کہا اور میں نے ان سے فوراً پہنچنے کا وعدہ کر کے ٹیلی فون بند کر دیا۔ پھر میں وکیل فاروقی صاحب سے اجازت لے کر وہاں سے چل پڑا تھا، تھوڑی دیر کے بعد میں نصرت حسین صاحب کے دفتر میں داخل ہو گیا، دراب شاہ ایک صوفے پر ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا ہوا تھا اور نصرت حسین صاحب کسی سوچ میں گم تھے مجھے دیکھ کر دونوں کے چہروں پر استقبالیہ تاثرات پھیل گئے، نصرت حسین نے کہا......

"تمہاری رات کی گمشدگی سمجھ میں نہیں آئی، کسی کو بتا کر تو آجاتے بھلے آدمی، پتا ہی نا چل سکا کہ تم رات کو گھر سے نکل گئے ہو، ویسے محسن کسی دوست کے پاس ہیں......"

"ان کے بہت سے جگری دوست ہیں، مجھ سے کہہ کر گئے تھے کہ میں فکر نا کروں، بہرطور مجھے علم ہے کہ وہ وہاں موجود ہیں، دراب شاہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے پھر انھوں نے کہا......"

"شارق صاحب! محسن سے رات کو آپ کی گفتگو تو ہوگی..."

"جی کافی طویل گفتگو..."

"کیا کہتا ہے وہ، اس کے تاثرات میرے بارے میں اچھے نہیں ہیں، میں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں......"

"دراب شاہ صاحب آپ کو محسن کی زندگی درکار تھی، خدا کا شکر ہے کہ آپ اس کی زندگی کے تحفظ میں کامیاب ہو گئے، باقی کچھ معاملات ایسے ہیں تو سہی جن کی بنا پر محسن کے لیے الجھنیں ہیں، آپ خود بتائیے کیا آپ اس سے متفق ہیں یا نہیں...؟

"سو فیصدی متفق ہوں۔ ایک ایسے ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں میں، خیر تفصیل میں جانے سے کیا فائدہ اور پھر آپ لوگوں سے کون سی بات چھپی ہوئی ہے، محسن اب چاہتا کیا ہے......؟"

"آپ نے نورین کے بارے میں نہیں پوچھا دراب شاہ صاحب......؟"

"ہاں... بدقسمتی اسے کہتے ہیں، دو بچے ہیں میرے اور دونوں مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ کوئی بھی میری قربت کے لیے تیار نہیں ہے، دراب شاہ کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی......"

"ہاں دراب شاہ صاحب بعض اوقات حالات عجیب و غریب رُخ اختیار کر جاتے ہیں آپ نے اس سلسلے میں اب کیا سوچا ہے......؟"

"کچھ نہیں......! ابھی نصرت حسین صاحب سے یہی گفتگو کر رہا تھا، والدین کو بچوں کی زندگی عزیز ہوتی ہے اور پھر میں اس سے منحرف تو نہیں ہوں کہ مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں بلکہ کافی غلطیاں ہوئی ہیں اور اب ان کا ازالہ کرنا میرے بس سے باہر ہے، جو کچھ ہو چکا ہے اسے اگر ہوا دوں تو آگ روشن ہوتی چلی جائے گی۔ میں کوئی ایسی ترکیب کرنا چاہتا ہوں جس سے بہرطور ان بچوں کا مستقبل بہتر ہو جائے۔ شارق میاں مجھے نورین سے نہیں ملا سکتے آپ ایک بار، میں سمجھتا ہوں کہ وہ میری صورت سے بھی نفرت کرتی ہوگی لیکن ملنا چاہتا ہوں میں اب اس سے، انوکھی حیثیت ہے میری، کیا بتاؤں کیا کہوں......"

نورین سے آپ کی ملاقات ضرور کرا دی جائے گی دراب شاہ صاحب، لیکن اس سلسلے میں میں آپ کو ایک اور تجویز بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے اصولی طور پر آپ نے جو ذمہ داری بیرسٹر نصرت حسین صاحب کے سپرد کی تھی وہ ہم نے پوری کر دی ہے اور جو وعدہ آپ سے کیا تھا اس کی تکمیل ہو گئی ہے۔ بہرطور اس کے بعد صرف انسانی رشتوں کی بنیاد پر بات کی جا سکتی ہے معاف

کیجیے گا میں ایک بار پھر وہ الفاظ دُہرا رہا ہوں جو مجھے نہیں دُہرانے چاہئیں۔ صوفیہ صاحبہ نے اپنی عجیب و غریب فطرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو قدم اٹھایا، اس نے محسن کے ذہن کو جس انداز میں سلگا دیا وہ ایک فطری امر ہے اور آپ خود سوچیے، محسن اس ماحول میں کیسے پُرسکون رہ سکتا ہے۔ محسن نے خود مجھ سے اس بات کا اظہار کیا ہے اور میں خود بھی اسے بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ محسن سے علیحدگی اختیار کر لیں۔"

"کیا... دراب شاہ کا لہجہ لرز گیا......"

"ہاں پوری تفصیل سُن لیجیے...! محسن چاہتا ہے کہ اُسے ملک سے باہر بھجوا دیا جائے۔ وہ خود اپنے وسائل سے یہ کام کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اس کے انداز میں تھوڑی سی لچک پیدا کی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنے باپ سے ناتا نا توڑے اور اس سلسلے میں دراب شاہ صاحب ہی سے رجوع کرے کہ وہ اُسے ملک سے باہر بھجوا دیں، اور اگر آپ پسند کریں اور نورین سے کسی قسم کا کوئی ذہنی رابطہ رکھنا چاہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ اُسے بھی آپ محسن کے ساتھ ہی باہر بھجوا دیں۔ کچھ وقت گزرے گا دراب شاہ صاحب باہر کی دُنیا میں اُن کے ذہن تبدیل ہو جائیں گے اور اس کے بعد اگر آپ چاہیں تو ان سے ملاقات کرتے رہیں ورنہ پھر جیسا بھی آپ مناسب سمجھیں......"

"لیکن محسن میری مدد لینے پر تیار ہو جائیں گے اور نورین... کیا نورین تیار ہو جائے گی......"

"یہ کام آپ میرے سپرد کر دیں..."

"تو پھر میں بخوشی اس کام کے لیے تیار ہوں، محسن جس ملک میں بھی جانا چاہیں، میں وہاں ان کے لیے بندوبست کر دوں گا اور یہی میں نورین کے لیے کرنے پر تیار ہوں بڑی خوشی کے ساتھ، کم از کم مجھے سکون تو رہے گا کہ میرے بچے بے سکون نہیں ہیں ویسے کیا نورین، محسن کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہے......"

"عرض کیا نا یہ ساری ذمہ داریاں آپ مجھ پر سونپ دیں میں یہ سب کچھ کر لوں گا......"

"مگر وہ لوگ ہیں کہاں......"

"جہاں بھی ہیں پُرسکون ہیں، ابھی آپ کا اُن سے ملنا مناسب نہیں ہے، آپ اگر اس بات کے لیے تیار ہوں تو میں انھیں بھی تیار کیے لیتا ہوں......"

"بصد خلوص... پورے پورے خلوص کے ساتھ، دراب شاہ نے کہا......"

"تو پھر ٹھیک ہے نورین سے آپ کی ملاقات میں بہت جلد کرا دوں گا......"

"محسن گھر نہیں آئیں گے......"

"دراب شاہ صاحب اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ جو کچھ میں نے کہا ہے اگر آپ اس پر عمل کریں تو آنے والے وقت میں آپ کے لیے راہیں ہموار ہو جائیں گی، معاف کیجیے گا یہ آپ کی خواہش کی بنا پر کہہ رہا ہوں میں..."

"سمجھتا ہوں شارق حسین سمجھتا ہوں، یہ الفاظ ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ کو بھلا ان معاملات سے کیا فائدہ پہنچتا ہے میں تہہ دل سے آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنے بڑے احسانات کیے ہیں مجھ پر، کیا صلہ دے سکتا ہوں میں آپ کو ان احسانات کا۔ میں نے دراب شاہ کو بہت سی تسلیاں دیں اور اس کے بعد میں نے کہا......"

"ایک خواہش کا اظہار اور کر دوں گا آپ سے دراب شاہ صاحب......"

"بے دھڑک کہیں بالکل بے دھڑک کہیں..."

"آپ نوشاد بائی کو ان تصویروں کی قیمت دو کروڑ روپے دینے پر آمادہ تھے کیا آپ اس بات سے انکار کرتے ہیں......"

"ہرگز نہیں......"

"وہ ایک ایسے پیشے سے تعلق رکھتی ہے جس میں انداز محبت، بہت سی چیزیں اس طرح مسخ ہو جاتی ہیں کہ لوگوں کے ذہن میں اُن کی اصلی شکلیں تک نہیں رہتیں، ہو سکتا ہے نوشاد بائی کے لیے آپ کے دل میں کچھ ایسے ہی خیالات ہوں لیکن ایک انسان کی حیثیت سے ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ بہرطور نوشاد بائی کی بیٹی نجمہ اس کے مستقبل کا بہت بڑا سہارا تھی اور وہ اس دُنیا سے چلی گئی، بلاشبہ اس میں آپ قطعی طور پر بری الذمہ ہیں لیکن انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر اگر آپ چاہیں تو نوشاد بائی کو کچھ رقم ضرور دے دیں......"

"خلوص دل سے تیار ہوں اپنے بیٹے کی زندگی کا صدقہ

جتنا مجھ سے مانگا جائے میں دینے کے لیے تیار ہوں، کیا کرنا ہے اس دولت کا جو میرے بچوں ہی کے کام نا آئے۔"

"تو پھر آپ جو بھی پسند کریں نوشاد بائی کو ادائیگی کر دیں......"

"اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر لیں شارق، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، کیا دے دوں انھیں....؟"

"کم از کم پانچ لاکھ روپے......"

"بالکل تیار ہوں، اس سے زیادہ دینے پر بھی تیار ہوں......"

"میرا خیال ہے یہ کافی ہے...."

"تو پھر میں چیک لکھے دیتا ہوں، یہ چیک آپ ہی نوشاد بائی کو پہنچا دیں......"

"ٹھیک ہے دراب شاہ صاحب، آپ مجھے دے دیجیے یہ چیک یا آپ خود اسے بُلا کر اس کے حوالے کر دیں بلکہ یہی زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ خود نوشاد بائی کو طلب کر کے یہ رقم اسے دے دیں......"

"جیسا آپ مناسب خیال فرمائیں، دراب شاہ صاحب نے کہا اور اس کے بعد وہ اٹھتا ہوا بولا......"

"تو پھر میں نورین سے ملاقات کے لیے کیا کروں....؟"

"انتظار کریں... میں بہت جلد اُسے اس کے لیے تیار کر لوں گا......"

"اور ان دونوں کی روانگی کے سلسلے میں....؟"

آپ تیاریاں شروع کر دیں۔ میں خود بھی کوشش کرتا ہوں میں نے کہا اور دراب شاہ نے گردن ہلا دی بہرطور یہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ جب دراب شاہ چلا گیا تو نصرت حسین صاحب نے میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر دو چیک نکالے اور انھیں میرے سامنے ڈال دیا، پانچ پانچ لاکھ روپے کے چیک تھے کہنے لگے......"

دراب شاہ نے یہ دس لاکھ روپے اپنی مرضی سے ہمیں دیے ہیں یوں سمجھ لیں ہمارے کیس کا معاوضہ ہے ویسے میں نے اس سے ایک لاکھ روپے طلب کیے تھے وہ ضد کر کے یہ دس لاکھ مجھے دے گیا ہے، میں نے خصوصاً اس سے کہہ کر پانچ پانچ لاکھ کے دو چیک بنوائے ہیں ظاہر ہے ان میں آدھا معاوضہ تمہارا ہے، میں نے مسکراتے ہوئے نصرت حسین صاحب کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے کہا......"

"نہیں بھائی جان یہ صرف آپ کی محنت ہے میں نے تو آپ کے ساتھ تعاون کیا ہے، ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے......" نصرت حسین صاحب کا منہ ایک لمحے کے لیے کھلا اور پھر بند ہو گیا وہ کافی دیر تک خاموش رہے پھر انھوں نے کہا......"

اتنی حماقت زندگی میں کام نہیں آئے گی شارق خلوص، محبت، پیار اہم چیزیں ہوتی ہیں اور ان کے بغیر انسان کا جینا ممکن نہیں ہوتا لیکن دولت بھی اتنی ہی بڑی ضرورت ہے اور اسے کسی بھی شکل میں ٹھکرانا بہتر نہیں ہوتا، میں بڑی خاموشی سے تمہاری اس عنایت کو قبول کر لیتا اور ایک لمحے کے لیے میرے دل نے مجھے بہکایا بھی تھا لیکن میں تمہارا بھائی بھی ہوں اگر میں ہی تمہیں نا سمجھاؤں گا تو دُنیا میں کون سمجھائے گا، رکھ لو یہ رقم دولت بہت بڑی ضرورت ہوتی ہے، جس طرح چاہو اسے خرچ کرو، اپنے اکاؤنٹ میں جمع کر دو، کسی بہتر مقصد کے لیے وقف کر دو، ڈیڈی کو دے دو، جو تمہارا دل چاہے کرو لیکن یہ تمہاری ملکیت ہے اور اسے ٹھکرانا بہتر نہیں ہے، میں نے مسکراتے ہوئے کہا......"

میں دیوانوں ہی کی طرح جینا چاہتا ہوں بھائی جان اور اسی دیوانگی نے مجھے آپ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل کیا تھا اسے ترک کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے، مجھے اس میں سے ایک پیسہ نہیں چاہیے ہاں اگر کبھی کسی مشکل کا شکار ہوا تو آپ سے مانگ لوں گا آپ میرے بڑے بھائی ہیں جہاں تک رہا اس آدھے مسئلے کا تو آپ کی کس کمائی میں سے مجھے کوئی حصّہ نہیں چاہیے، آپ کا کیس تھا میں نے تو ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ کام کیا ہے یہ معاوضہ وصول کرنا میرے لیے کسی طور ممکن نہیں ہے، براہِ کرم اسے کوئی مسئلہ نا بنائیے، رکھ لیجیے پلیز رکھ لیجیے۔ میں نے دونوں چیک نصرت حسین کو دیتے ہوئے کہا اور وہ شانے ہلا کر عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگے پھر بولے......"

"خیر میں انھیں ہمیشہ تمہاری امانت کے طور پر رکھوں گا

جب بھی کبھی ضرورت ہو مجھ سے مانگ لینا......"

"جس طرح چاہیں رکھ لیں مجھے انشاء اللہ ضرورت نہیں پیش آئے گی، میں تو مست قلندر قسم کا آدمی ہوں میں نے کہا تھوڑی دیر تک بیرسٹر صاحب سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں، اور پھر میں وہاں سے اٹھ آیا محسن اور نورین سے ملاقات کی اور انھیں دراب شاہ صاحب سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ نورین کہنے لگی...."

"میں ان سے مل کر کیا کروں گی، کیا کہوں گی آخر....؟"

"نورین... ملنا ضروری ہے بہرطور کچھ بھی ہے وہ تمہارے باپ ہیں......"

"عجیب بات ہے شاید میں ان کی تکریم نا کر سکوں، جو مجھے کرنی چاہیے، بہرحال جیسا آپ پسند کریں.... میں نے دراب شاہ کو ٹیلی فون کر کے یہ بتا دیا کہ نورین اور محسن آج ہی رات اس کے پاس آ رہے ہیں اور پھر میں خود ہی ان دونوں کو لے کر دراب شاہ کی کوٹھی پہنچا۔ نورین کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، دراب شاہ کے چہرے پر عجیب سے حسرت کے آثار تھے، صوفیہ بھی موجود تھی لیکن بالکل خاموش خاموش، ویسے اس نے بار بار دُزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا دراب شاہ کہنے لگے......"

"نورین تمہاری ماں سے میری علیٰحدگی ہو گئی تھی اور اس کی بہت سے وجوہات تھیں جو کچھ بھی ہوا تھا اس کا دُہرانا اب بے معنیٰ ہے بہرطور میری بچی اگر تم اس درمیان کسی طور میرے سامنے آ جاتیں، یا شاید تم اس بات پر یقین کر لو کہ میں نے تم دونوں کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی تھی اور ناکام رہا تھا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر تم اس دوران میرے سامنے آ جاتیں تو میں کم از کم ایک باپ کی حیثیت سے تمہیں نظر انداز نہ کرتا، بہرطور اب جو کچھ ہوا ہے وہ ہو چکا ہے، اور گزری ہوئی داستانیں دُہرائی نہیں جا سکتیں کیا تم اپنے ذہن میں ایک باپ کی حیثیت سے بھی مجھے جگہ دے سکتی ہو..."، نورین نے جو جواب دیا وہ حیران کن تھا اس نے انتہائی سپاٹ لہجے میں کہا......"

باپ کا تصور بیٹیوں کے ذہنوں میں کیا ہوتا ہے یہ میں نہیں جانتی، لیکن بڑی ہونے کے بعد میں نے جو محسوسات اپنے دل میں محسوس کیے ہیں ان میں حسرتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ آپ اب مجسم شکل میں میرے سامنے آئے ہیں تو آپ یقین کیجیے آپ مجھے بالکل اجنبی محسوس ہو رہے ہیں، خون کی کشش رشتوں کا پیار کیا ہوتا ہے میں اسے جاننے سے قاصر ہوں، اب اگر میں آپ سے رجوع کروں اور محبت کا اظہار کروں تو آپ یقین کیجیے کہ وہ مصنوعی ہوگا، مجھ سے کوئی ایسا کام نہ کرائیے کہ جس میں کوئی سچائی نہ ہو...."

دراب شاہ اسے دیکھتے رہے پھر انھوں نے کہا......"

"ٹھیک ہے... بہرطور میں تمہاری جو بھی خدمت کر سکتا ہوں اس کے لیے حاضر ہوں۔ شارق حسن بتا رہے تھے کہ تم بیرون ملک جا رہے ہو محسن بیٹے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، جو کچھ بھی ہے میرے پاس اس میں بہت بڑا حصہ تمہارا اور نورین کا ہے۔ تم اپنی بہن کو لے کر بیرون ملک چلے جاؤ میں تمہاری ہر طرح کی خدمت کرتا رہوں گا بہرطور میری تقدیر میں یہی سب کچھ تھا......"

نورین اور محسن خاموش رہے، بڑی جذباتی سی کیفیت ہو گئی تھی اور مجھے ان معاملات سے الجھن ہوتی تھی جب میں کھانے وغیرہ سے فراغت کے بعد وہاں سے اٹھا تو وہ دونوں بھی میرے ساتھ ہی اٹھ گئے تھے۔ دراب شاہ نے انھیں نہایت حسرت کے ساتھ رخصت کیا تھا......

اس کے بعد میں ان حالات میں زیادہ ملوث نہیں رہ سکتا تھا۔ بس اس حد تک بات تھی کہ نورین اور محسن دراب شاہ میری کوٹھی میں تھے اور نگہت کی پہنچ بھی وہاں تک ہو گئی تھی، کبھی کبھی میں بھی چلا جاتا تھا۔ دراب شاہ ان کے لیے کام کر دیا تھا۔ پھر ایک دن اس کا کام مکمل ہو گیا اور وہ دونوں بہن بھائی یہاں سے چلے گئے۔ اس طرح یہ کھیل ختم ہو گیا۔ کوٹھی کی فضا تو میرے لیے پہلے ہی ہموار ہو گئی تھی، سب کے رویے میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ نصرت حسین صاحب تو میرے دیوانے ہو گئے تھے اور اب اکثر رات کو میرے کمرے میں سو جاتے تھے، ان کے ہاتھ میں اپنے کسی مقدمے کی فائل ہوتی تھی۔ میں حسب توفیق ان کی مدد کرتا تھا۔ وہ اس بات پر مصر ہو گئے کہ میں باقاعدہ ان سے منسلک ہو جاؤں۔ اس پر میں نے جواب دیا تھا......

"بس یہیں گڑبڑ ہو جائے گی بھائی جان۔"

"نہیں ہوگی۔ میں وعدہ کرتا ہوں......"

"آپ یقیناً مجھ سے تعاون کریں گے مجھے آپ سے نہیں اپنے آپ سے خطرہ ہے.....!"

"آخر کیوں.....؟"

"اس لیے کہ آپ مجھے باقاعدہ اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں اور میں بالکل بے قاعدہ انسان ہوں....."

"میں تمہاری بے قاعدگی بھی دور کر دوں گا۔"

"یہ ممکن ہوتا تو پہلے ہی نہ ہو جاتا....."

"اب اور بات ہے۔"

"پھر نصرت حسین نے یہ بات آئی جی صاحب کے ذریعہ کہلوائی پوری مجلس تھی اور شوکت جاہ بھی موجود تھے۔" "اس میں کیا حرج ہے شارق، نصرت حسین صاحب کا کہنا ہے کہ وہ اب تمہاری مرضی کے کیسز لیا کریں گے اور تمہارا ان کا کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ ویسے بھی ظاہر ہے تمہیں زندگی کی کوئی ڈگر تو پکڑنی ہوگی انسان جیسی زندگی گزارتے ہیں ویسی زندگی گزارنی ہوگی....."

"کیا میری زندگی غیر انسانی ہے.....؟"

"انسانی بھی نہیں ہے....."

"کیوں ڈیڈی.....؟"

"بھئی شادی وغیرہ بھی کرنی ہے تمہاری....."

"وہ تو ابھی ممکن نہیں ہے....."

"کیوں.....؟"

"میرا ایک مسلک ہے، میں نے خود کو اس کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اپنا ٹارگٹ پورا کر لوں گا تو گوشہ نشینی کے بارے میں سوچوں گا....."

"ہم سب لوگ احمق ہیں....." آئی جی صاحب جھلا کر بولے۔

"دیکھ رہے ہیں ڈیڈی..... لیکن پچھلے دنوں آپ نے میرے سے اتفاق کیا تھا....."

"اس سے انکار کون کر سکتا ہے تم یہ کام جاری رکھ سکتے ہو۔ ویسے تمہیں پیسے وغیرہ سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے تم نے وراب شاہ کے کیس میں پانچ لاکھ روپے کا چیک بے نیازی سے نصرت حسین کو دے دیا تھا....."

"نہیں وہ کیس ایک دولت مند شخص کا تھا اور میں اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتا تھا اسے قبول کر کے بعد میں میری نگاہ کسی غریب کی جیب کی طرف بھی اٹھنے لگتی اور جب اس غریب کی جیب میں پانچ سو روپے بھی نہ ہوتے تو مجھے بد دلی کا احساس ہوتا۔ نہیں ڈیڈی میری فیس پانچ لاکھ یا دس لاکھ روپے نہیں ہے میری تو فیس ہی مختلف ہے کسی کی نم آنکھوں میں مسرت کی چمک میرا معاوضہ ہوتی ہے۔ کسی حسرت نصیب کے ہونٹوں پر واپس آ جانے والی مسکراہٹ کی قیمت کا کوئی تعین کر دے تو میں ہر بات مان لوں ڈیڈی مجھے وہ قیمت اتنی عزیز ہے کہ میں اس کے لیے ہزار بار اپنی زندگی کی بازی لگا سکتا ہوں یہ صرف ایک جذباتی بات نہیں ہے بلکہ ایک ٹھوس سچائی ہے اور میں اسی سچائی کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہوں، میری موت تو کسی بھی لمحے واقع ہو سکتی ہے ڈیڈی مگر میری زندگی اسی میں ہے....."

نجانے کیوں میرا لہجہ جذباتی ہو گیا تھا شوکت جاہ صاحب جلدی سے بول پڑے.....

"میں لاکھ زبان بند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں عظمت حسین لیکن میری بدقسمتی ہے کہ زبان بند نہیں کر پا رہا، کیوں کسی درویش کو چھیڑ رہے ہو وہ اللہ والا ہے، اپنی عاقبت بنا رہا ہے، عبادت کر رہا ہے وہ، اور تم لوگ اس کی عبادت میں خلل انداز ہو رہے ہو کتنے افسوس کی بات ہے جو کچھ اس نے کہا وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ پانچ لاکھ کیا پچاس لاکھ یا پچاس کروڑ بھی اس کی نگاہوں میں بے وقعت ہیں ہاں کسی فرمانصیب کی مسکراہٹ کی قیمت کوئی لگا سکتا ہے تو مجھے لگا کر بتائیے۔ اگر انسانیت اس معیار سے نہ گزرتی تو دنیا کا اختتام کب کا ہو چکا ہوتا اسے اس کے حال میں مست رہنے دو، قلندر ہے وہ اس دور کا....."

آئی جی صاحب رخسار کھجانے لگے تھے، شوکت جاہ صاحب کی بات سے وہ مشتعل نہ ہوئے۔ بلکہ کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر آہستہ سے بولے.....

"میں نے اس پر اپنی کوئی رائے مسلط تو نہیں کی نصرت حسین نے بس مجھ سے کہا تھا کہ میں اس سے بات کروں سو میں نے کہہ دیا یہ ٹھیک ہے بھئی تم اپنی عبادت کیے جاؤ، ویسے بھی تمہیں اس عبادت سے روکنے کا ارادہ نہیں تھا ہمارا، لیکن عقبیٰ کے ساتھ دنیا بھی تو دی گئی ہے اس دنیا کو نظر انداز کر دینا کیا احکامات الٰہی ہیں.....؟"

"نہیں ڈیڈی.....! میں نے اس دنیا کو نظر انداز نہیں

کیا ہے میں اپنے گھر میں داخل ہوتا ہوں تو ایک مسرت میرے دل میں جاگ اٹھتی ہے اور میں اپنے آپ کو بڑا ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہوں۔ آشیانہ بلند و بالا دیواروں کے درمیان گھرا ہوا ہے، یہاں سسکتی کراہیں دیواروں کو عبور نہیں کر پائیں گی میرا اس سے رابطہ کبھی نہیں ٹوٹا اور کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ بیرسٹر نصرت حسین صاحب جب بھی مجھے اشارے سے بلائیں گے، میں سر کے بل ان کے پاس دوڑا چلا آؤں گا۔ منع کون بدبخت کرتا ہے....."

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے..... بہرطور شوکت جاہ کی بات سمجھ میں آتی ہے، میں خود بھی تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں، بس بیٹے دنیا کے سوچنے کا انداز ذرا مختلف ہے اسے بھی ذہن میں رکھو تو بہتر ہے۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو نجانے کیوں ان پر یہ خبط سوار ہو جاتا ہے کہ اپنی اولادوں کو بھی مستقبل کی جانب گامزن دیکھیں شاید وہی تصور تمہارے ذہن میں، خیر تم جب بھی کہو گے آشیانے میں تمہارے لیے بھی ہنگامہ خیزیاں شروع ہو جائیں گی....."

"مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے....." میں نے جواب دیا۔ نصرت حسین صاحب کا مشن فیل ہو چکا تھا لیکن کوئی شدید اختلاف انھوں نے بھی نہیں کیا، کوٹھی کے معاملات میں بھی کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوئی البتہ ایک کام ضرور ہو گیا وہ یہ کہ الماس آرا بیگم کو بیگم نواب کی طرف سے طلبی کا پروانہ موصول ہوا اور وہ مجھ سے انتقام کی حسرت دل میں لے کر روانہ ہو گئیں اور اس طرح کم از کم ان کا خطرہ ٹل گیا۔ ویسے خواتین میں لالہ رخ صاحبہ اور نیلوفر میرے دشمنوں کی حیثیت سے موجود تھیں اور یقینی طور پر جب تک یہ دونوں موجود تھیں میرے خلاف سازشوں کے امکانات بدستور تھے۔ وکیل فاروقی صاحب کا دفتر، ان کے مقدمات، جاوید قریشی کی دوستی اور ہر طرح کا تعاون، ان ساری چیزوں کا سلسلہ پھر سے جاری ہو گیا.....

نگہت شیراز سے ملاقاتیں بھی جاری رہیں اور زندگی ایک بار پھر اسی ڈھب پر آ گئی جس ڈھب پر کسی اہم مسئلے سے گزرنے کے بعد آ جاتی تھی۔ کورٹ میں ہمارے بارے میں دبی دبی چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں توصیف رضوی صاحب سے بھی کئی بار ملاقات ہوئی تھی لیکن مسئلہ ختم ہو گیا تھا ایک بزرگ وکیل کی حیثیت سے نہ صرف میں بلکہ بیرسٹر نصرت حسین صاحب بھی ان سے ملتے جلتے رہتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے توصیف رضوی کے چہرے پر البتہ ہمیں دیکھ کر رنگ آ جاتا تھا، کافی دھاک بیٹھ گئی تھی میں تو خیر ان چیزوں کا قائل نہیں تھا لیکن نصرت حسین صاحب کی اچھی خاصی دھاندلی چلنے لگی تھی اور وہ جس کیس کو ہاتھ میں لیتے مقابل وکیل اس سے کترانے لگتا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا لیکن توصیف رضوی کے کیس کے بعد اکثر ایسے واقعات ہونے لگے تھے کہ اگر کسی کے مقابل نصرت حسین صاحب آ جاتے تو وہ وکیل ان سے مشورہ کرنے چلا آتا تھا اور پوچھتا تھا کہ کیا وہ اس کیس سے دست بردار ہو جائے۔ نصرت حسین صاحب کہتے کہ کبھی ایسا نہ کرنا ورنہ ہمارا تو بیشہ ہی ٹھپ ہو جائے گا، نصرت حسین صاحب کی اپنی سوچ تھی اور مجھے ان کی اس سوچ پر کوئی اعتراض نہیں تھا البتہ میں اپنے مقصد کی تلاش میں سرگرداں تھا اور میرے اطراف میں پھیلے ہوئے لوگ اس وقت پُرسکون حالت میں زندگی گزار رہے تھے۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ مطمئن زندگی گزار رہا تھا۔ انسپکٹر غالب، ایس پی بابر جان صاحب، جیلر وقار احمد اور میرا دوست بدر شاد تمام کے تمام لوگوں سے میرا مسلسل رابطہ تھا اور زندگی پُرسکون گزر رہی تھی اب مجھ میں ایسی دیوانگی بھی نہیں تھی کہ میں بلاوجہ ہی خواہ مخواہ سڑکوں کے چکر لگاتا رہوں اور کسی کیس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاؤں لیکن اگر کوئی معاملہ میری نگاہوں کے سامنے آ ہی جائے تو پھر معاملہ مختلف ہے۔

وکیل فاروقی صاحب جو بھی مقدمہ لیا کرتے تھے اس میں میری شمولیت ضرور ہو جاتی تھی اور میرا جو بھی کمیشن بنتا وہ میرے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیتے۔ ویسے میرے پاس اچھی خاصی رقم موجود تھی اور سچی بات ہے کہ اگر شوکت جاہ صاحب کا کہنا درست تھا تو یہ درویشیت تو میرے ذہن میں تھی۔ بہت مختصر سے اخراجات تھے اور ان اخراجات کے حصول کے لیے مجھے کوئی دقت نہیں پیش آتی تھی چنانچہ اپنے مقصد کی تکمیل نہ کرتا تو اور کیا کرتا بہرطور وقت گزرتا رہا اور پھر میری ایک مصروفیت نکل ہی آئی.....

دراصل انسان کی کہانی بہت مختصر ہے پیدا ہوتا ہے،

پرورش پاتا ہے، جوانی آتی ہے، کوئی راہ متعین ہوجاتی ہے یہ راہ غلط ہو یا صحیح واقعات بنتے ہیں اور کچھ نہ کچھ اختتام ہوجاتا ہے یا تو بستر کی موت یا پھر کسی بھی طرح وہ کسی کہانی سے منسلک ہوجاتا ہے اس کی مزدوری بھی یکساں ہی ہوتی ہیں بس ان کے انداز بدلے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر شخص انہی بدلے ہوئے راستوں کا راہی ہوتا ہے یہ معاملہ بھی پچھلے بہت سے معاملات سے بالکل مختلف نہیں تھا۔ وکیل فاروقی صاحب کے لیے ہوئے کیس کے سلسلے میں میں بھی وکیل فاروقی صاحب کے ساتھ ہی مصروف تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ یہ کیس جناب جج امجد حسین صاحب کی عدالت میں چل رہا تھا اور اس دن ہمیں اس کے سلسلے میں کچھ کارروائی کرنی تھی لیکن ہم سے پہلے ایک اور دلچسپ کیس جج صاحب کے زیر سماعت آیا اور اس وقت ہم کمرۂ عدالت ہی میں موجود تھے جب میں نے ایک بلند و بالا شخص کو جو قیدیوں کا لباس پہنے ہوئے تھا کٹہرۂ عدالت میں کھڑا ہوا دیکھا، اس شخص کے چہرے پر متانت تھی، بڑی بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سا کرب پوشیدہ تھا نجانے کیوں اس کی شخصیت مجھے متاثر کن محسوس ہوئی پبلک پراسیکیوٹر نے جج صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا...

"جناب والا آج ملزم کے بیان کا دن ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ملزم کا بیان لے لیا جائے..." جج صاحب سے اجازت ملنے پر ملزم سے حلف اٹھوایا گیا اور اس کے بعد پبلک پراسیکیوٹر نے اس سے سوال کیا...

"تمہارا نام...؟"

"شمشیر داور..." اس نے جواب دیا...

"تمہارا تعلق کہاں سے ہے...؟"

"یہ سوال وسیع تر ہے جناب اگر نسبی تعلق کی بات کرتے ہیں تو میں بھی اسی سرزمین کا باشندہ ہوں، اٹھارہ سال پہلے یہاں سے چلا گیا تھا اور اس کے بعد جب وطن کی یاد ستائی تو واپس یہاں آگیا، یہاں آکر میں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا تھا..."

"اس دوران تم کہاں رہے...؟"

"یوگنڈا میں..." اس نے جواب دیا...

"وہاں کیا کرتے تھے...؟"

"مختلف کام، جن سے کچھ رقم کمائی جاسکے، جنگلات کی کٹائی کے ٹھیکے بھی لیا کرتا تھا اور کھدائی کے کام میں بھی میں نے کافی حصہ لیا، خدا کے فضل سے اچھی خاصی دولت اکٹھی کرلی اور اس کے بعد یہاں واپس آگیا..."

"یہاں آنے کے بعد تم نے کس کاروبار کا آغاز کیا...؟"

"میں نے ایک چھوٹی سی فرم بنائی جس کا نام میں نے "سانے باؤ" رکھا، یہ فرم کھیل کا سامان سپلائی کرتی ہے اور یہ سامان میں یہیں سے خریدتا ہوں اور دنیا کے مختلف گوشوں میں بھجواتا ہوں..."

"اس فرم کا کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا...؟"

"ڈھائی سال..." اس نے جواب دیا...

"تمہاری فرم میں کتنے افراد کام کرتے ہیں...؟"

"کل تیرہ..." وہ اسی طرح پرمتانت لہجے میں بولا...

"یہ سانے باؤ کیا نام ہے...؟"

"چونکہ میرا طویل ترین وقت افریقہ میں گزرا ہے۔ سانے باؤ میرا ایک ایسا دوست تھا جس سے میرا قلبی رشتہ تھا وہ ایک حادثے کا شکار ہوکر مر گیا۔ مگر اس کا نام میرے ذہن سے فراموش نہ ہوسکا اور میں نے اسی کے نام پر اپنی فرم کا نام رکھا..."

"تمہاری فرم کی آمدنی کیسی ہے...؟"

"نہایت معقول..." وہ بولا...

"مسٹر شمشیر داور تم نے عمر کا ایک طویل حصہ افریقہ میں گزار دیا اٹھارہ سال پہلے بلکہ ساڑھے بائیس سال پہلے جب تم یہاں سے افریقہ گئے تو نوجوانی کی عمر ہوگی تمہاری اس دوران تم نے شادی کیوں نہ کی...؟"

"اگر شادی نہ کرنا جرم ہے تو اس سلسلے میں مجھ پر کوئی دفعہ لگا دی جائے۔ مجھے علم نہیں تھا کہ میرے وطن کے قانون میں شادی نہ کرنے کا محاسبہ بھی کیا جاسکتا ہے..." اس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا...

"ہوں... رضوانہ نامی لڑکی کو جانتے ہو...؟"

"ہاں اچھی طرح وہ میری فرم میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازمت کرتی تھی..."

"کیا وہ بہت خوب صورت تھی...؟" پبلک پراسیکیوٹر نے سوال کیا۔ اور اس کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر اس نے جج صاحب کی طرف مخاطب ہوکر کہا...

"جناب والا مجھ پر ایک نوجوان لڑکی کے قتل کا الزام لگایا گیا ہے اور اس سے زیادہ گھناؤنی بات یہ ہے کہ مجھے اس کے سلسلے میں بہت ہی کریہہ انداز میں ملوث کیا گیا ہے حقیقت یہ نہیں ہے آپ نے مقدس کتاب پر ہاتھ رکھوا کر مجھے قسم دلائی ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔ میں سوالات کی اس رسوائی سے بچنا چاہتا ہوں اور صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کے قتل میں اور اس کے ساتھ ہونے والے سلوک میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا اور عمر کے اس حصے میں آکر اس عمر کی لڑکیاں میرے لیے بیٹیوں کی مانند حیثیت رکھتی ہیں بس اس کے علاوہ میں نہ ان وکیل صاحب کے کسی سوال کا جواب دوں گا اور نہ اس سلسلے میں اپنی مزید کوئی صفائی پیش کروں گا اگر عدالت کو یہ ثبوت مل جاتے ہیں کہ یہ گھناؤنا جرم میں نے ہی کیا ہے تو ان ثبوتوں کی تردید کرنا میرے بس سے باہر ہے، مجھے سزا دے دی جائے۔ دراصل میں نے زندگی کے سخت گرم و سرد گزارے ہیں اور یہی تجربہ کیا ہے کہ کوئی بھی شے انسان کے بس میں نہیں ہوتی، تقدیر کے فیصلے اسے قبول کرنا ہوتے ہیں۔ میں اس کے بعد زبان بند کر رہا ہوں اور وکیل صاحب کے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ آپ ثبوتوں کو دیکھیے اور اس کے بعد اگر آپ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ گھناؤنا جرم میرا ہی مقدر ہے تو مجھے سزا دے دیجیے۔ میں کسی فضول سوال کا کوئی جواب نہیں دوں گا..."

"لیکن تم پر جو الزام لگایا گیا ہے تمہیں ان کے جوابات تو دینا ہی ہوں گے..." جج امجد حسین صاحب نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اسی وقت اسد اللہ مغلوب صاحب اٹھ کھڑے ہوئے، پرانے وکیل تھے اور مغلوب تخلص کرتے تھے پتا نہیں وکالت ان کے سر کیوں منڈھ دی گئی تھی بات بات پر شعر پڑھنے کے عادی تھے اور ان کی اس عادت سے سبھی لطف لیتے تھے کھڑے ہوکر انھوں نے کہا...

پھولوں کی طرح چاک گریباں نہیں شیوہ
غنچے کی صفت بزم میں لب بستہ رہے ہیں

"مم... معافی چاہتا ہوں جناب، حضور والا کو علم ہے کہ میں جناب شمشیر داور کا وکیل ہوں۔ میں نے وکیل کی حیثیت سے شمشیر داور صاحب سے گفتگو کی ہے..." اور

اسد اللہ مغلوب ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ پبلک پراسیکیوٹر نے کہا...

"معذرت خواہ ہوں جناب والا لیکن کیا میں یہ سوال کرسکتا ہوں کہ عدالت میں شعر و شاعری کا رواج کب سے ہوگیا۔ اسد اللہ مغلوب صاحب نے ایک شعر سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا ہے..."

"اسد اللہ صاحب احتیاط برتیں..." جج امجد حسین صاحب بھی اسد اللہ کی اس عادت سے واقف تھے اس لیے انھوں نے بمشکل تمام مسکراہٹ دبائی تھی اسد اللہ صاحب نے گردن خم کرکے کہا...

"بہتر ہے، خیال رکھوں گا..."

داستان لب و رخسار سے آگے نہ بڑھو
حکم ہے کوچۂ دلدار سے آگے نہ بڑھو

مم... معافی چاہتا ہوں جناب تو میں عرض کر رہا تھا کہ میرے مؤکل نے مجھ سے یہی کہا کہ اگر ثبوت ان کے خلاف جا رہے ہیں تو وہ اپنا دفاع نہیں کرنا چاہتے۔ دراصل میرے مؤکل کو اٹھارہ سال کے بعد اس ملک میں واپسی نصیب ہوئی ہے اور وہ مقامی حالات سے تقریباً ناواقف ہیں بس کیا عرض کیا جائے...

زخم سے یوں چیخ رہے ہیں ہونٹ
آدمی مسکرا نہیں سکتا

اسد اللہ مغلوب صاحب نے زبان دانتوں میں دبا لی اور جلدی سے بولے...

میری مراد یہی تھی جناب کہ بہتر ہوگا کہ پبلک پراسیکیوٹر میرے مؤکل سے بیان لینے کے بجائے حقائق کی روشنی میں مقدمہ لائل

پر غور کریں۔

"یہ عدالت کے آداب کے خلاف بات ہے ملزم اگر اپنا بیان نہیں دیتا تو اس کے بارے میں صحیح فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟"

"گویا آپ کا مطلب ہے"

تم بھی خاموش ہم بھی لب بستہ
کیسے آغازِ داستاں ہو گا

"ایک بار پھر میں عدالت کی توجہ اسد اللہ مغلوب کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں یہ مسلسل شاعری کی زبان میں بات کر رہے ہیں۔" پبلک پراسیکیوٹر نے بھی لطف لیتے ہوئے کہا اور اسد اللہ مغلوب کا چہرہ دھواں ہو گیا بے چارے بُری طرح شعر کی عادت کا شکار تھے اور اُن سے باز رہا جا سکتا تھا جج صاحب نے پھر انہیں وارننگ دی کر وہ خیال رکھیں اور اسد اللہ صاحب نے وعدہ کیا پبلک پراسیکیوٹر نے کہا کہ ملزم کا بیان انتہائی ضروری ہے تاکہ اس پر جرح کی جا سکے وکیل صاحب بعد میں اپنی وکالت کی ذمہ داریاں پوری کر سکتے ہیں جس پر جج امجد حسین نے اسد اللہ مغلوب سے کہا کہ وہ اپنے مؤکل کو بیان دینے کے لئے راضی کریں اور اس مقدمے کی سماعت دوسری پیشی تک کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔ جج صاحب نے فائل بند کر دیا اور اس شخص کو جس کا نام شمشیر داور لیا جا رہا تھا کمرۂ عدالت سے باہر لے جایا گیا۔ لیکن میری نظریں اس کا طواف کر رہی تھیں اس کے انداز میں شانِ بے نیازی نہیں تھی بلکہ ایک اجنبیت ایک معصومیت سی تھی میری نگاہوں نے دھوکہ نہیں کھایا تھا۔

پھر وکیل فاروقی نے مجھے چونکایا۔ "کچھ کاغذات ہیں تمہارے پاس شارق...؟"

"جی... میں چونک پڑا۔

"کہاں کھو گئے بھئی..."

"اوہ... کہیں نہیں..."

"کچھ کاغذات ہیں تمہارے پاس..."

"جی... جی ہاں..."

میرا خیال ہے میں امجد حسین صاحب سے مل لوں۔ وہ کسی دوسرے مقدمے کی سماعت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

"ضرور... بیٹھئے" اور وکیل فاروقی صاحب کے مطلوبہ کاغذات ان کے حوالے کر دیئے۔

"تھوڑی سی مدد کی ضرورت بھی ہے"

"جی فرمایئے"

"ابھی تک میں نے امداد احمد کو نہیں دیکھا ہے ایک بار اسے اور دیکھ لوں"

اسے یہاں ہونا چاہئے تھا فاروقی صاحب مجھے ایسے لوگوں سے سخت اختلاف ہے جو اپنی ذمے داریاں پوری نہیں کرتے کیس اس کا ہے آپ صرف اس کے وکیل ہیں کیا اس نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ وہ آج کی پیشی میں حاضر نہ ہو سکے گا۔

"نہیں فاروقی صاحب نے کہا۔

"اس کے باوجود وہ غائب ہے"

"ہاں ایسا ہی لگتا ہے"

"آپ اس کیس سے دست بردار ہو جائیں تاکہ اسے احساس ہو کہ قانون دولت مندوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں ہوتا اور وکیل کسی کا زر خرید نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے قانون کا احترام زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

"ہو گیا... میرا مطلب ہے دست بردار ہو گیا۔ میں بھی ضروری کارروائیاں کئے لیتا ہوں۔ تاریخ لئے لیتا ہوں اصل کام نہیں کرنا اس کے بعد اُسے اطلاع دے دی جائے گی۔ میں خاموش ہو گیا۔

"وکیل فاروقی صاحب مصروف ہو گئے لیکن میرے ذہن میں بار بار اس شخص کا چہرہ اُبھر آتا تھا۔ بعد میں وکیل فاروقی اور میں بار روم میں آ گئے۔ وکیل فاروقی صاحب مسکرا رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو شارق" انہوں نے کہا اور میں چونک کر انہیں دیکھنے لگا اب مجھے ان کے مسکرانے کا احساس ہوا تھا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا...؟ میں نے الٹا ان سے سوال کر دیا۔

"ہاں ہے تو سہی...."

"خیریت....؟"

"وہ تو تم بتاؤ..."

"مسکرا آپ رہے ہیں اور میں کیا بتاؤں"

"تمہاری کیفیت پر مسکرا رہا ہوں۔

"اوہ... میری کوئی خاص کیفیت ہے...؟"

"بالکل..."

"تشریح فرمائیں گے...؟"

"کیوں نہیں؟"

"ارشاد..." میں نے کہا اور فاروقی صاحب ہنس

پڑے پھر بولے:

"اب میں اسد اللہ کی طرح شاعر تو نہیں ہوں"

"یہ اسد اللہ صاحب کی کمال کے انسان ہیں بار ہا ان کی شاعری ان پر عتاب لائی ہے مگر شعر پیٹ میں درد کی طرح اٹھتے رہتے ہیں۔

"مجبور ہیں بے چارے۔

میرے بارے میں کچھ گُہر افشانیاں ہو رہی تھیں" میں نے فاروقی صاحب کو پھر اُن کی مسکراہٹ کی طرف متوجہ کیا۔

"بعض اوقات تم سے بہت بے تکلف ہو جاتا ہوں شارق اس کا حق تو ہے نا مجھے؟"

"مجھ سے پوچھ رہے ہیں"

"ہاں بھئی... بہر حال اس کی کچھ وجوہ ہیں"

"آپ کی نگاہ میں ہوں گی۔ میں ان سے لاعلم ہوں۔ باقی اگر حقوق کی بات ہے تو میرے تمام حقوق آپ کے نام محفوظ ہیں۔

"شکریہ بہر حال تمہارے بارے میں سوچتا ہوں تو کچھ دلچسپ حقائق کا احساس ہوتا ہے۔ بچپن میں کھلونے توجہ کا باعث ہوتے ہیں اور بچے ان کھلونوں سے متاثر ہو جاتے ہیں جو انہیں پسند ہوں۔ جوانی میں محبوب کا تصور دل گداز ہوتا ہے اور کوئی پسندیدہ ہستی مطلوب نظر اور مطلوب دل بن جاتی ہے مگر تمہاری جوانی انوکھی ہے۔

"کیوں... میں بھی مسکرا کر بولا۔

"شمشیر داور کو دیکھ کر تم کس طرح کھو گئے ہو جیسے کوئی جوان کسی حسین چہرے کو دیکھ کر۔

"واہ... میں نے قہقہہ لگایا... فاروقی صاحب آپ کا تجزیہ بالکل درست ہے۔

"غالب شناس ہیں کوئی معمولی بات ہے"

"مغلوب شناس بھی بن جائیں۔

"آہ بے چارہ مغلوب... اپنی ہی صنف کا آدمی ہے بس یوں سمجھ لو اُسے چراغ اللہ دین نہیں مل سکا"

چراغ اللہ دین..."

"ہاں جیسے ہمیں مل گیا... شرح مصاحب بن کر اتراتے پھرتے ہیں ورنہ کیا تھے فاروقی صاحب...

"آپ مجھے شرمندہ کرتے ہیں فاروقی صاحب۔ براہ کرم ایسی باتیں نہ کیا کریں۔

"بس دعائیں دے سکتے ہیں اس کے جواب میں... اور ہمارے پاس کیا ہے۔

"چھوڑیئے ان سب باتوں کو وہ شخص عجیب نہیں تھا۔

"شمشیر داور...؟"

"ہاں..."

"بالکل تھا... اور درحقیقت متاثر کن شخصیت کا مالک تھا۔ کسی فرم کا مالک ہے۔

"جو کچھ بھی ہے ہمیں اس سے کیا... اوہ... وہ... دیکھئے جناب مغلوب صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

"واہ بڑے مناسب وقت پر آئے مغلوب صاحب۔ وہاں اسد اللہ صاحب اور فاروقی صاحب نے آواز دے ڈالی اور مغلوب صاحب چونک کر ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ پھر حیران سے اس طرف بڑھ آئے۔

"ہونٹوں پہ کبھی اُن کے میرا نام تو آیا
آیا تو سہی بر سرِ الزام ہی آیا"

مغلوب صاحب تیز قدموں سے قریب آتے ہوئے بولے۔

"یہ شعروں میں کھیلا بھی شروع کر دیا آپ نے۔ فاروقی صاحب نے کہا۔

"میاں تین دفعہ آیا ہیں الٹ پھیر کیا ہے لوگ تو پورے پورے دیوان ہضم کر جاتے ہیں... بھئی...

جو میرے شعر میں مجھ سے زیادہ بولتا ہے
میں اس کی بزم میں اک حرف زیر لب بھی نہیں

"تشریف رکھئے... فاروقی صاحب نے کہا اور اسد اللہ صاحب بیٹھ گئے....

"بخدا عزت میں چار چاند لگا دیئے آپ نے۔ سپر اسٹارز کے ساتھ بیٹھنا ایک بڑا اعزاز ہوتا ہے۔

"اوہو... آپ طنز بھی کرتے ہیں مغلوب صاحب"

"طنز... گویا سچائی"

"خدا کے لئے شعر نہیں..." میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ہرگز نہیں... مگر دل کی بات کہی ہے۔ آپ لوگ تو ہماری محفلوں میں سنسنی خیز نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

"ان دیکھنے والوں کو کیا کیا جائے۔ بہر حال مغلوب صاحب ارے ہاں یہ مغلوب کیوں ہو گئے آپ....

"تخلص کیا ہے نا... والدین نے سوچے سمجھے بغیر اسد اللہ

بنا دیا مگر غلبے کی قدرت نہ تھی... وہ غالب تھے ہم نے خود کو مغلوب قرار دیا کہ جھگڑا ہی نہ رہے۔

وہ کیا انکساری ہے۔

"ایک شعر عرض ہے" مغلوب صاحب بولے مگر میں نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

شعر سنانے کا وعدہ کر چکے ہیں آپ؟"

"وہ... وہ ہاں یہ تو ہے" مغلوب صاحب خجل ہو کر بولے اور پھر ہماری صورتیں دیکھنے لگے۔ پھر بولے "اس بزم میں طلبی ___؟"

"کچھ پوچھنا ہے آپ سے۔"

"زہے نصیب.. مغلوب صاحب نے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے آپ ایک صاحب شمشیر داور کی پیروی کر رہے تھے۔

جی ہاں... یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے... وہ یعنی کہ۔ معاف کیجئے گا... مغلوب صاحب شعر پڑھتے پڑھتے رہ گئے۔

"کیا قصہ ہے۔"

"پہلا قصہ تو یہ ہے کہ میں اس کیس کو بالکل نہیں لینا چاہتا تھا... کچھ عجیب سے واقعات ہوئے۔"

"کیا... ؟"

"تفصیل سے بتانا ہوگا... ؟

"جی چائے وغیرہ منگوائی جائے۔"

"واہ قطعی نہیں بس یوں سمجھئے کہ میرا ایک ہی بھتیجہ ہے

"افسوس ہوا... میں نے کہا۔

"جی... مغلوب صاحب حیرت سے بولے۔

"صرف ایک ہی ہے؟"

"جی ہاں... مگر قصہ بھتیجے کا نہیں ہے۔

"پھر؟"

"بس اس نامعقول سے اس قصے کا آغاز ہوا۔ شمشیر داور صاحب کی فرم میں اکاؤنٹنٹ ہے۔ میرے پاس وہی ان کا کیس لے کر آیا تھا۔ قتل کا مقدمہ تھا۔ میں نے کہا میاں کوئی ڈھنگ کا وکیل کر دو نہ مانا کہنے لگا چچا میاں آپ سے زیادہ ڈھنگ کا وکیل میری نگاہ میں کوئی نہیں ہے بس ان الفاظ کے جال میں پھنس گیا۔

"پھر کیا ہوا___ فاروقی صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

"بس جناب ہونا کیا تھا... اس بدبخت نے مجھے سب سے بڑا وکیل قرار دے کر دھوبیا پاٹ مار دیا تھا اور میں سچ مچ خود کو بڑا وکیل سمجھنے لگا تھا۔ کیس شمشیر داور ہی کا تھا اور عجیب و غریب کیس تھا... مغلوب صاحب بات کو طویل ترین کر رہے تھے۔ یہ بھی ان کی عادت میں شامل تھا۔ بہر طور ہم صبر و سکون سے ان کی یہ تفصیلی گفتگو سنتے رہے۔

شمشیر داور کسی زمانے میں، یعنی تقریباً اٹھارہ سال پہلے اس ملک کے باشندے تھے اس کے بعد یہ ترک وطن کر گئے اور شاید افریقہ ہی میں شفٹ ہو گئے پھر نہ جانے کیوں وہاں سے واپسی کی سوجھی... وطن واپس آئے تو اسپورٹ کا سامان تیار کرنے کی ایک فرم کی بنیاد ڈالی اور تیرہ آدمیوں پر مشتمل اسٹاف کے ساتھ کام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ رضوانہ نامی لڑکی اس فرم میں ملازمت کرتی تھی خوب صورت لڑکی تھی اور ایک اندھی ماں کا مدار اور سہارا تھی... وہ کام کرتی رہی، پھر ایک دن شاید الزام کے مطابق شمشیر داور نے اُسے کچھ ضروری امور کے لئے اپنے گھر بلوایا اور اس کے بعد رضوانہ دفتر نہ آئی... کئی دن گزر گئے، چند لوگوں کو اس سلسلے میں تشویش تھی جو رضوانہ کے ساتھی تھے۔ اس کی اندھی ماں بے چاری اس کا انتظار کرتی رہی... پھر ساحل سمندر کی ایک خوبصورت جھونپڑی میں بدبو پھیلنے پر سیر و سیاحت کے لئے جانے والوں نے اس جھونپڑی کا جائزہ لیا تو اس میں سے ایک نوجوان لڑکی کی لاش برآمد ہوئی... یہ نوجوان لڑکی گلا گھونٹ کر قتل کر دی گئی تھی... لاش کو پولیس کی تحویل میں پہنچا دیا گیا۔ اور تحقیقات جاری ہو گئیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہ ظاہر کیا گیا کہ لڑکی کے ساتھ زیادتی بھی ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد پتہ چلا کہ یہ ہٹ شمشیر داور کی ہے جو اسپورٹ کا سامان تیار کرنے والی فرم کے مالک ہیں۔ اور جہاں رضوانہ ملازمت کرتی تھی۔

بس تحقیقات شروع ہوئیں... اور شمشیر داور کو حراست میں لے لیا گیا... وہ یہاں بالکل تنہا تھے اور ان کے اہل خانہ میں سے یہاں کوئی موجود نہیں تھا... بے چارے کافی دن پولیس کی تحویل میں رہے کوئی پرسان حال نہیں تھا ان کا... نہ جانے کیا کیا اُلٹے سیدھے بیانات پولیس کو دیتے رہے اور پولیس نے اُن پر رضوانہ کے قتل کا مقدمہ قائم کر دیا اور کچھ

ثبوت وغیرہ بھی اُسے حاصل ہو گئے... غرض یہ کہ میرے اس نامعقول بھتیجے نے اس کیس میں مجھے پھنسا دیا۔ خیر مالی لحاظ سے... یہ مقدمہ میرے لئے غیر دلچسپ نہیں ہے کیونکہ جب میرے اس احمق بھتیجے نے پیسوں کی بات کی تو شمشیر داور نے ہماری طلب کردہ رقم کا چیک لکھ کر ہمیں دیدیا اور وہ رقم وصول بھی کر لی گئی... میں اس مقدمے کے سلسلے میں... محنت کرنا چاہتا تھا.. مگر بدقسمتی یہ ہے کہ یہ شخص بہت عجیب و غریب اور اس کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے پتہ نہیں کس جنگل میں پرورش پائی ہے ویسے افریقہ کے جنگلات سے براہ راست واسطہ رہا ہے... وہاں جنگلوں کی کٹائی وغیرہ کا کام کرتا رہا ہے... اور بھی دوسرے کچھ کام کئے ہیں اس نے... دولت تو اکٹھی کر لی.. لیکن عقل اکٹھی نہ کر سکا اس مقدمے کو ایسی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے جیسے یہ کسی اور پر مقدمہ چل رہا ہو... بیانات بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں بس میں نہیں کہہ سکتا، ذہنی طور پر کم تر تو نہیں ہے لیکن اس کی باتوں میں اتنی سادگی اور معصومیت پائی جاتی ہے کہ حیرانی ہوتی ہے اور یہ کیس میری گردن میں اٹک کر رہ گیا ہے... وہ جو کہتے ہیں نا.....

"شعر نہیں... شعر نہیں... مغلوب صاحب"۔ میں نے پھر ہاتھ اٹھا کر انہیں یاد دلائی۔

"تو میاں شعر پڑھ کون رہا ہے بس یہی بتا رہا تھا میں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیس کو کس طرح آگے بڑھاؤں وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے یہ قتل وتل نہیں کیا ہے اور نہ ہی وہ ہٹ اس کی ہے۔ لیکن پولیس کی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہے کہ ہٹ کا مالک وہی ہے یہ ہے شمشیر داور کی تفصیل۔

میں پُرخیال نگاہوں سے فاروقی صاحب کو دیکھنے لگا اور پھر میں نے کہا۔ "کمال ہے مغلوب صاحب کیس تو آپ کا کافی دلچسپ ہے۔

"ہے تو دلچسپ، مگر بالکل پھنسا ہے، وہ سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

"وہ کہتا ہے کہ قتل اس نے نہیں کیا۔"

"ہاں میرا بھتیجا بھی یہی کہتا ہے۔"

"یہ سرکاری معاملات میں آپ کے بھتیجے کی بہت زیادہ مداخلت کیا مناسب ہے مغلوب صاحب۔"

"پچیس بار کہہ چکا ہوں اس سے، بقول شاعر کے، مم میرا مطلب ہے بقول میرے کہ بھئی ان تمام باتوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اگر تمہارا باس خود بھی ڈھنگ کی کوئی بات بتائے تو کچھ کام بنے۔ لیکن وہ احمق بس ایسی ہی احمقانہ باتیں کر کے خاموش ہو جاتا ہے، پتہ نہیں اسے قانون سے کچھ واقفیت ہے یا نہیں۔

"جیل ریمانڈ پر ہوگا۔"

"ہاں بھئی۔ مقدمہ چلتے ہوئے کافی دن ہو گئے، جیل ریمانڈ پر ہی ہے۔

"اس کا بیان ہو گیا۔"

"ہاں آج ہی بیان تھا اس کا۔ کہتا ہے کہ جو حالات ہیں ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ وہ کیا بیان دے۔

"ہاں مغلوب صاحب، دلچسپ مقدمہ ہے، اور آپ اس سے کچھ گھبرائے ہوئے بھی معلوم ہوتے ہیں۔

"سو فیصدی گھبرایا ہوا ہوں۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔ اس مقدمے کی حد تک ہمارے پینل میں شامل ہو جایئے۔"

"بخدا وہ بات کہہ رہے ہیں آپ کہ شدت مسرت سے بے ہوش ہو جانے کو جی چاہنے لگا ہے، ہمیں بھی بغلیں بجانے کا موقع مل جائے گا یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

"تو پھر آپ بغلیں بجانے کی تیاریاں کیجئے۔ دیکھتے ہیں کہ اس کیس میں کتنی جان ہے، میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بخدا ایک مشکل مرحلے سے گزار دیں گے آپ شارق میاں، میں تو کبھی یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ کسی بھی مسئلے میں آپ کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں، لیکن اب تقدیر مجھے یہ موقع فراہم کر رہی ہے، اور شاید اس احمق کا ستارہ بھی گردش سے نکلنے کو ہے تو پھر بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے

"تو پھر ٹھیک ہے، آپ یوں کریں اسد اللہ مغلوب صاحب کہ اس سلسلے کے تمام کاغذات لے کر آج یا کل فاروقی صاحب کے دفتر آ جایئے، پھر ہم مشترکہ طور پر اس پر کام کریں گے۔

"میرا تو جی چاہتا ہے کہ تمام کاغذات سمیٹ کر فاروقی صاحب کے دفتر کے دروازے پر بیٹھ جاؤں اور کل جب دفتر کھلے

تو سب سے پہلے اس میں داخل ہونے والا آدمی میں ہی ہوں۔

" ارے نہیں، نہیں ایسا بھی کیا، آپ کا احترام ہمارے دلوں میں ہے، آپ دفتر کے دروازے پر کیوں بیٹھ جائیں ہمارے مہمان رہیں، بہرطور کل آپ کی کیا مصروفیت ہے"

" کوئی خاص نہیں۔ فی الحال اور کوئی کیس نہیں ہے میرے پاس "

" تو پھر کل ہم گیارہ ساڑھے گیارہ بجے آپ کا اپنے دفتر میں انتظار کریں گے، میں نے کہا اور اس کے بعد ہم نے خود ہی ان سے اجازت طلب کر لی، یہ بات ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ اسد اللہ مغلوب صاحب اس وقت تک نہیں اٹھیں گے جب تک ہم خود اٹھ کر کھڑے نہ ہوں گے اور اس دوران ممکن ہے کہ دھوکے سے دو چار شعر سنا جائیں۔ کورٹ کی عمارت سے باہر نکل آئے۔ فاروقی صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

" طبیعت ہلکی ہو گئی "؟

" ہاں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" یہ کیس بھی ایک لڑکی کے قتل کا ہے "

" بھی سے کیا مراد ہے آپ کی "؟

" میرا مطلب ہے پچھلے دنوں تم نے جو کیس نمٹایا ہے وہ بھی ایک لڑکی کے قتل سے متعلق تھا۔

" نجمہ کا قتل "؟

" ہاں "

" کیا کیا جائے فاروقی صاحب، یہ معاشرہ ایک عجیب سی ہنگامی کیفیت کا شکار ہے اور پھر جرم کے بہت سے روپ ہیں خاص طور سے ہمارے وطن میں، یہاں عزت کا تحفظ سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ جرائم کی یہی شکلیں ہمارے سامنے آتی ہیں کسی پولیس اسٹیشن برانچ کا ریکارڈ چھان لیں۔ آپ کو اس قسم کے جرائم کی طویل فہرست ملے گی یہاں اس قسم کے جرائم بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ آپ اگر یورپ اور امریکہ کی مثال دینا چاہیں تو وہاں بے شک جرائم کے اقسام بہت سی ہیں لیکن ان میں آپ دیکھیں گے کہ جرم زیادہ تر اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں دولت کا حصول سر فہرست ہے یا پھر کسی کا ذہنی جنون ہمارے ہاں انداز ذرا مختلف ہے اور ایک عجیب سی کیفیت پائی جاتی ہے "

" مجھے اندازہ ہے میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ اس بار بھی تمہارا یہ کیس ایک لڑکی ہی سے متعلق ہے "

" ہاں۔ اور مجھے اس کا شدید افسوس ہے "

" مغلوب سے واسطہ مسلسل رہے گا "

" کیا حرج ہے شعر و شاعری سے متعلق بھی کچھ معلومات حاصل ہو جائیں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب ہنسنے لگے۔ بہرحال کورٹ سے آفس واپس پہنچے تھوڑی دیر دیر وہیں قیام کیا اور پھر اس کے بعد کوٹھی کا رخ کیا کوٹھی کے معاملات میں آج کل بڑی سنجیدگی چل رہی تھی کوئی بھی حائل نہیں تھا الماس آرا کے جانے سے بڑا سکون ہو گیا تھا۔ بے چاری لالہ رخ اور نیلوفر اپنی الجھنوں کا شکار رہتی تھیں دراصل لالہ رخ کی بھی نیلوفر سے بہت زیادہ نہیں پٹتی تھی۔ اور دونوں میں بہت ہی کم مفاہمت رہتی تھی۔ میں اس رات شمشیر داور کے بارے میں سوچتا رہا۔ کیا ہو سکتا ہے کیا یہ شخص اپنے آپ کو اتنا سادہ لوح ظاہر کر کے کسی طور اپنا جرم چھپانا چاہتا ہے یا پھر وہ واقعی اس کیفیت سے ناواقف ہے۔ عجیب سا بیان تھا اس کا عدالت میں، میرے کانوں میں اس کی آوازیں گونجتی رہیں۔ جناب والا مجھ پر ایک نوجوان لڑکی کے قتل کا الزام ہے اور اس سے زیادہ گھناؤنی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں مجھے نہایت کریہہ انداز میں۔ ملوث کیا گیا ہے اس عمر میں اس عمر کی لڑکیاں میرے لئے بیٹیوں کی مانند حیثیت رکھتی ہیں میں کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ یہ الفاظ خود کو بچانے کی کوشش تو نہیں تھے بلکہ ان میں ایک شدید قسم کی گھٹن پائی جاتی تھی۔ ایک کرب جھلکتا تھا ان الفاظ سے اور میں اس کرب کو محسوس کر رہا تھا۔ عمر کا ایسا حصہ تو نہیں تھا۔ اس کی جسے بالکل آخری عمر کا حصہ کہا جا سکے لیکن اگر محسوسات مختلف ہوں تو اس قسم کا کوئی بردبار شخص اپنے آپ کو ایسی ہی کیفیت کا شکار محسوس کرے گا۔ بہرطور اب دوسرے دن مغلوب صاحب کی آمد کا انتظار تھا اور میں تیار ہونے کے بعد دفتر کی جانب چل پڑا تھا۔ استاد چھوٹے سے باتیں ہوتی رہیں پھر فاروقی صاحب بھی آ گئے اور ہم لوگ خوش گپیاں کرتے رہے۔ فاروقی صاحب کا آج کورٹ جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن پھر انہیں کوئی کام یاد آ گیا اور انہوں نے مجھ

سے کہا۔

" تمہیں تو یقیناً مغلوب صاحب کا انتظار ہو گا مجھے اگر اجازت دو تو کچھ ضروری امور نمٹا آؤں "

" جی۔ جی آپ اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کریں۔ ہم جیسے ناکارہ لوگوں کو ان فضولیات میں الجھا رہنے دیں، آپ کا ان سے کیا واسطہ "

" ارے، ارے یہ الفاظ میں تلخی کیوں پیدا ہو گئی "

" کہاں فاروقی صاحب آپ سے اور کوئی تلخ لہجہ اختیار کیا جائے گا "

" تو پھر اپنے آپ کو ناکارہ کیوں کہہ رہے ہو بھئی "

" نہیں، نہیں چلیے از راہ انکساری سمجھ لیجیے، میں نے ہنستے ہوئے کہا اور فاروقی صاحب بھی ہنس پڑے پھر بولے "

" کوشش کروں گا کہ مغلوب صاحب کی موجودگی ہی میں پہنچ جاؤں "

" بہتر۔ میں نے کہا۔ اور فاروقی صاحب چلے گئے مغلوب صاحب واقعی گیارہ بجے تک انتظار نہیں کر پائے تھے تقریباً سوا دس بجے استاد چھوٹے نے ان کی آمد کی اطلاع دی اور میں نے انہیں اپنے پاس طلب کر لیا "

" سلام عرض کرتا ہوں جناب شارق حسین صاحب۔

" یہ زندگی کا دشت، یہ محرومیوں کی آنچ، بیٹھوں کہاں کہ سایۂ دیوار بھی نہیں "

" اس کرسی پر تشریف رکھیے گا، اس کے اوپر چھت موجود ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا "

" شکریہ، نہایت شکریہ "

تیرے بغیر بھی تو غنیمت ہے زندگی۔
خود کو گنوا کر کون تیری جستجو کرے "

" آپ شب خون مار رہے ہیں مغلوب صاحب سوچ لیجیے "

" بس ایک شعر اور سن لیجیے، اس کے بعد وعدہ کرتا ہوں کہ شعر کبھی نہیں سناؤں گا "

گزری ہماری زندگی یوں ہی رخ بدل بدل کر
کبھی بن کے مسکراہٹ کبھی آنسوؤں میں ڈھل کر "

" خداوند عالم آپ پر رحم کرے، لیکن اپنا وعدہ یاد رکھیے گا تین شعر ہو گئے ہیں آپ کے "

" جو تھا نا ہو گا۔ جو تھا نا ہو گا، مغلوب صاحب نے کہا۔ اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے "

" چائے پئیں گے آپ "

" ضرور پئیں گے، آپ کے مہمان ہیں عزت ہے تو کیوں ناخوشی محسوس کریں۔ میں نے استاد چھوٹے کو بلا کر چائے کے لئے کہہ دیا تھا۔ مغلوب صاحب نے فائل نکال کر سامنے رکھ لیا اور کہنے لگے۔"

" حکم کے مطابق حاضر ہو گیا ہوں، پہلے تمام تفصیلات پیش کر دوں، اس کے بعد جو سوالات مجھ سے کیے جائیں گے ان کے جواب دوں گا "

" جی جی۔ میں نے متوجہ ہوتے ہوئے کہا اور مغلوب صاحب نے ایک کاغذ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا "

" پولیس رپورٹ۔ انہوں نے کہا اور میں نے پولیس رپورٹ کی نقل پر نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں وہی عام سا روزنامچہ تھا۔ جس میں تفصیلات لکھی گئی تھیں اور یہ تفصیلات ان تفصیلات سے مختلف نہیں تھیں جو مختصر الفاظ میں مغلوب صاحب مجھے بتا چکے تھے یعنی قتل کی اطلاع مقتولہ کی شناخت اور ملزم کی گرفتاری، اس کی تمام تفصیلات چالان میں درج کر دی گئیں تھیں۔

" پولیس رپورٹ اسی میں ہے "

" ہاں "

" میڈیکل رپورٹ "؟

" یہ موجود ہے "

" گڈ۔ ملزم کے حالات زندگی "

" یعنی اس کا ماضی "؟

" ہاں "

" اس کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے "

" مطلب یہ کہ اس نے یہاں آکر جو کچھ کیا ہے۔

" اس کی چھان بین کی گئی۔

" کیوں "

" یہ تو پولیس کا کام تھا "

" خیر اور کیا ہے آپ کے پاس "؟ میں نے پوچھا۔

" مقتولہ کی تصویر۔ اسد اللہ صاحب نے مجھے ایک تصویر

دی۔ اور میں اسے دیکھنے لگا۔ کافی خوبصورت لڑکی تھی۔ مگر بے چاری زندگی سے محروم ہو چکی تھی۔ میں نے وہ تصویر بھی رکھ دی۔

"پولیس کے وہ پوائنٹس جو ثبوت کے طور پر استعمال کیے جا رہے ہیں؟"

مغلوب صاحب نے کچھ اور کاغذات مجھے دیئے اور میں ان کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ کافی اہم مسئلہ تھا اور ان پوائنٹس کی ترتیب یوں تھی۔

1۔ مقتولہ خوبصورت اور نوجوان تھی۔ ایک اندھی ماں کے علاوہ اس کا دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔

2۔ وہ ہٹ شمشیر داور کی ملکیت ہے اور شمشیر داور نے اسے کچھ عرصہ قبل ایک اشتہار کے جواب میں خریدا تھا ہٹ کی خریداری کی کچھ تفصیلات اس رپورٹ میں موجود تھیں۔

3۔ مقتولہ کی گمشدگی کا تھا۔ اس قسم کے کچھ واقعات رپورٹوں میں درج کیے گئے تھے۔

4۔ ہٹ میں تالا لگا ہوا تھا۔

5۔ اس میں کچھ ایسے نشانات پائے گئے تھے جو جدوجہد کی نشاندہی کرتے تھے مگر مقتولہ کے جسم پر اور کوئی نشان نہ تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

"مقتولہ کے کردار کی رپورٹ۔؟" میں نے سوال کیا۔

"جی ہاں یہ موجود ہے۔" مغلوب صاحب نے کہا اور دوسرے کاغذات میرے حوالے کر دیئے۔ اسکول اور پھر کالج کی اسناد وغیرہ تھیں۔ اس نے بی۔ اے کیا تھا اور اسے عمدہ کردار کا مالک بتایا گیا تھا۔

"اس کی ماں کا بیان۔؟" میں نے سوال کیا۔

"حاضر ہے۔" مغلوب صاحب بولے۔ اور میں اس بیان کا جائزہ لینے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"اور کچھ مغلوب صاحب۔؟"

"جی ہاں یہ۔" مغلوب صاحب نے کچھ بڑے نوٹ نکال کر میرے سامنے رکھ دیئے اور بولے۔ "اس بدبخت نے دو ہزار روپے ادھار کے طور پر مجھ سے لے لیے میں جانتا ہوں وہ کبھی واپس [illegible] کے علاوہ بڑے صاحبزادے کے پاس کپڑے ختم ہو گئے تھے [illegible] خدمت میں پیش کیے گئے اور کوئی پندرہ سو روپے ضروری اخراجات میں آ گئے بقیہ حاضر خدمت ہیں۔

"کیا مطلب۔؟"

"پچیس ہزار طے ہوئے تھے۔"

"آپ کی فیس۔"

"جی ہاں۔"

"تو پھر یہ مجھے کیوں دے رہے ہیں۔"

"پھر کیا کروں۔؟"

"انھیں جیب میں رکھ لیجئے۔"

"یعنی سارے۔؟"

"بالکل۔"

"مم.... مم۔ میرا مطلب ہے آپ۔ یعنی آپ۔"

"ہاں مغلوب صاحب، فیس آپ کی ہے، میں تو صرف آپ کے معاون کے طور پر کام کروں گا۔"

"رد پڑوں گا۔ خدا کی قسم رو پڑوں گا ان الفاظ پر آپ اور میرے معاون۔ اور یہ۔ یعنی یہ۔ یہ۔" مغلوب صاحب کی آواز بھرا گئی۔

"میرے بزرگ ہیں آپ مغلوب صاحب۔ آپ جیسے تجربہ کار لوگوں کے ساتھ رہ کر کچھ سیکھ لیا ہوں میں۔ میرے کمانے کے لئے زندگی پڑی ہے، بعد میں کما لونگا پیسوں کا معاملہ نہیں ہے۔ وہ شخصیت عجیب لگی تھی مجھے اور نجانے کیوں میرا دل چاہا تھا کہ میں آپ سے بات کروں۔ مغلوب صاحب کی آنکھوں کی کوریں بھیگ گئیں۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"بڑائی بھیک میں نہیں ملتی۔ کچھ ہوتا ہے اس کے پس پردہ، اور جو ہوتا ہے اسے قریب آ کر دیکھنا ضروری ہوتا ہے لوگ شارق حسین کی کہانیاں سناتے ہیں۔ اگرچہ ان کہانیوں پر ان کی کوئی ریسرچ نہیں ہے۔"

"چھوڑیئے مغلوب صاحب ان باتوں کو۔ آپ یہ بتایئے اس سلسلے میں آپ نے کیا کیا۔"

"شروع سے اپنی کارروائی کا رونا روتا رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کیا کروں۔"

"ہوں۔ میری مداخلت آپ کو ناپسند تو نہ ہوگی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں شارق۔"

"تو پھر یوں سمجھیں یہ کیس آپ جیتیں گے۔"

"جیت لوں گا۔؟"

"ہاں۔"

"مگر کیسے۔؟"

"یہ فیصلہ وقت کرے گا۔ میں نے کہا اور پھر مجھے ہنسی آ گئی۔ مغلوب صاحب مجھے دیکھنے لگے تو میں نے کہا۔ خوش بختی ہے اس دوران مجھے ایک دلچسپ مرحلے سے گزرنا پڑ رہا ہے۔

"کیا۔"

"ابھی میں نے ایک کیس نمٹایا ہے جس میں ایک ملزم نے اقرار جرم کر لیا تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ میں نے ثابت کیا کہ قتل اس نے نہیں کیا ہے اور خدا کے فضل سے میں اس میں کامیاب ہو گیا۔

"اس بار بھی ایسا ہی ملزم میرے سامنے ہے۔"

"ہاں۔ دلچسپ اتفاق ہے۔ ویسے کوئی گنجائش نکلتی ہے۔" مغلوب صاحب نے سوال کیا اسی وقت استاد چھوٹے چائے لے کر آئے تھے اور ان کے عقب سے فاروقی صاحب نے بھی اندر جھانکا تھا۔

"دیکھ رہا تھا کہ چائے کی کیپ [illegible]...." انھوں نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"ابھی لے آتا ہوں صاحب۔ استاد چھوٹے نے کہا۔ اور فاروقی صاحب مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔"

"بات کہاں تک پہنچی۔" انھوں نے کہا۔

"قبلہ مغلوب صاحب نے اس کیس کے سلسلے میں مجھے اپنی ماتحتی میں لینا قبول کر لیا ہے۔"

"کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں شارق وہ اب۔ میں صاف الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں فاروقی صاحب کہ شارق میاں مجھ تباہ حال کے پیروں کو توانائی بخشنا چاہتے ہیں اور شاید زندگی کا کوئی نیک کام اس عمر میں کرنا چاہتے ہیں۔ بقول۔ مگر شعر نہیں۔ میں کس قابل ہوں۔

فاروقی صاحب کو چائے کا پھندا لگ گیا تھا۔ میں بھی مسکرا دیا۔ فاروقی صاحب بولے۔ "ریڈنگ کر لی۔؟"

"کافی حد تک۔"

"جان ہے۔؟"

"جان ہی جان ہے۔ وہ قاتل نہیں ہے، میں نے کہا۔ اور فاروقی صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مغلوب صاحب شدتِ جذبات سے بالکل ہی مغلوب ہو گئے تھے۔ فاروقی صاحب نے کہا۔

"اب تو میں یہی کہوں گا شارق حسین کہ تم تصوف کی منزل میں داخل ہو چکے ہو۔ خدا وند قدوس نیکیوں کو پوشیدہ نہیں رکھتا اور وہ کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ چند کاغذات دیکھ کر ایک فیصلہ کن لہجہ اختیار کر لینا آسان کام نہیں ہے یہ اعتماد بہت سے مراحل سے گزر کر ملتا ہے۔

"بے شک۔"

"اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ سچے جذبوں کو خدا اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی فاروقی صاحب میرا نظریہ بھی مستحکم ہے۔ وکالت کا پیشہ بھی جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ ہم صرف پولیس رپورٹوں اور تھانے کی فائلوں کو سامنے رکھ کر ان میں اپنے لیے جگہ تلاش کرتے ہیں مجھے اس سے اختلاف ہے۔ ہمیں ان ثبوتوں کے خلاف ثبوت خود تلاش کرنے چاہئیں تاکہ اگر ثبوت جعلی ہوں تو انھیں باطل کر سکیں۔ اس سلسلے میں کوئی جدوجہد نہیں کرتا۔

"ایک نیا تصور ہے۔ اس طرح تو قانون کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد سراغ رسانی کی تربیت بھی ضروری ہو جاتی ہے ایک وکیل کے لیے۔

"اگر یہ ضروری نہیں ہے تو مجھے بتلایئے۔ ہم کتنے جرائم کو صحیح شکل میں پیش کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ایسے واقعات سامنے آپ کے ہیں کہ صرف بنائے ہوئے ثبوتوں کی روشنی میں بے گناہوں کو سزائیں ہو چکی ہیں۔ اور یہ سزائیں بھگتنے کے بعد حقائق سامنے آئے ہیں۔ کتنی زندگیاں ان المناک واقعات میں ملوث ہو کر فنا ہو چکی ہیں۔ ان کا کوئی حل تلاش کیا گیا ہے۔ ایک سرجن کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ صرف تھیوری پڑھ کر سرجن بن جائے۔ اس کے لئے پریکٹس ضروری ہوتی ہے۔ چیر پھاڑ تو کوئی بھی کر سکتا ہے۔ صحیح جگہ نشتر لگانا ضروری ہوتا ہے۔

وکیل فاروقی اور اسد اللہ خان سنی خیز نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

اسد اللہ مغلوب چلے گئے تمام کاغذات وہ میرے پاس چھوڑ گئے تھے میں نے ان کا بغور مطالعہ شروع کر دیا اور نہ جانے کب تک ان میں الجھا رہا۔ طے کر رہا تھا کہ اس سلسلے میں کام کا آغاز کہاں سے کروں بہت سی باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ بہر طور اتنا فوری معاملہ بھی نہیں تھا اور جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ فاروقی صاحب اور جاوید قریشی بھی مجھ سے اس موضوع پر بات کرتے رہے۔ اسد اللہ مغلوب کو ہم لوگوں نے عارضی طور پر اپنے پینل میں شامل کر لیا تھا لیکن یہ بھی گفتگو ہوئی ہمارے درمیان کہ اسد اللہ مغلوب کو اپنے ساتھ مستقل طور پر شامل کر لیا جائے غرض یہ کہ اس وقت کوئی بات نہیں بنی تھی معمولات جوں کے توں جاری رہے۔ کوٹھی کی شام ہمیشہ کی طرح دلکش تھی اور پھر وہاں میرے مخالفین کی تعداد اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی تقریباً سب ہی مجھ سے گھلتے ملتے جا رہے تھے۔ نصرت حسین صاحب کی پیشکش قبول نہ کر کے ایک بار پھر میں نے انہیں ناراض کر دیا تھا۔ لیکن اب، ان کی ناراضگی وہ رنگ لئے ہوئے نہ تھی۔ مختلف قسم کی بات چیت ہوا کرتی تھی جس میں اب اکثر میرے گھر بسانے کا تذکرہ بھی ہوتا تھا۔ انہی دنوں محترمہ لالہ رخ کے لئے ایک رشتہ آیا ہوا تھا اور مجھے اس کے بارے میں بڑے ڈرتے ڈرتے بتایا گیا تھا آئی جی صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی ہم تو بڑے خوفزدہ ہیں اس رشتے کے بارے میں تمہیں بتاتے ہوئے۔ کیونکہ تم کہیں نہ کہیں سے اس لڑکے کو مجرم ثابت کر دکھاؤ گے اور ہمارا مسئلہ پھر ٹائیں ٹائیں فش ہو جائے گا۔

اگر وہ مجرم ہے تو اسے مجرم ثابت کر دکھانا میرا فرض ہے ڈیڈی.... لالہ رخ کو ہم کسی غلط انسان کے حوالے تو نہیں کر سکتے۔

جی ہاں یہی طے کیا گیا ہے کہ اس بار آپ چھان بین کر لیں بعد میں ہم اس بارے میں بات آگے بڑھائیں گے۔

مجھے اس لڑکے کے بارے میں تفصیلات فراہم کر دی گئیں اور میں نے جنید کے سلسلے میں تفصیلات معلوم کرنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دی مجھے علم ہوا کہ جنید واقعی ایک اچھا نوجوان ہے اس کا ماضی بے داغ تھا خاندانی حالات بہت اچھے تھے۔ چنانچہ پہلی بار میں نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا تو گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ پڑی مجھے ذرا سی تشویش بھی ہوئی تھی کیونکہ میری رضامندی کے بعد گھر میں کافی چہل پہل ہو گئی تھی۔ جنید صاحب کو بر دکھاوے کے لئے بلایا جانے والا تھا ادھر میں شمشیر داور کے کیس کے سلسلے میں کام کا آغاز کرنا چاہتا تھا اب ایک رات اپنی خواب گاہ میں لیٹا ہوا اس سلسلے میں غور کر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میری ٹیلی فون لائن الگ تھی میں نے جلدی سے ریسیور اٹھا لیا۔ تو دوسری طرف سے نگہت شیراز کی آواز سنائی دی۔

"چیف نگہت بول رہی ہے۔ نگہت کی آواز میں ایک عجیب سی گھبراہٹ تھی۔

"ہیلو نگہت اس وقت کیسے ٹیلی فون کیا۔ خیریت تو ہے

"چیف ہاسپٹل میں ہوں ماں پر دل کا دورہ پڑا ہے

نگہت کا لہجہ روہانسا ہو رہا تھا۔

"ارے . . . .

"جی کیفیت زیادہ بہتر نہیں ہے تنہا ہوں۔

کون سے ہسپتال میں ہو؟ میں نے سرد لہجے میں پوچھا اور نگہت نے ہسپتال کا نام دہرا دیا میں نے فون بند کر دیا تھا اور اس کے بعد میری کار طوفانی رفتار سے اس ہسپتال کی جانب دوڑنے لگی نگہت سے ملاقات ہو گئی بڑی افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے بے صبری سے ماں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ڈاکٹر غیر مطمئن نہیں ہیں، اٹیک تھا، لیکن اب صورت حال بہتر ہو گئی ہے میں نے نگہت کے ساتھ جا کر اس کی ماں کو دیکھا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔

"مجھے افسوس ہے نگہت، لیکن کیا پہلے سے طبیعت خراب تھی . . . ؟

ہاں چیف پانچ چھ دن سے کافی بیمار تھیں وہ لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ بیماری اس شکل میں نمودار ہو گی۔

نگہت مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں نے سوال کیا اور نگہت نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا، ان نگاہوں میں نجانے کیا کیفیت تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے کھو سا گیا۔ پھر نگہت نے آہستہ سے کہا۔

"چیف بات دراصل یہ ہے کہ میں آپ سے جس قدر بے تکلف ہو جاتی ہوں اس پر بعض اوقات مجھے شرمندگی

محسوس ہوتی ہے میں اپنے مسائل میں آپ کو اکثر تکلیف دیتی رہتی ہوں، بس یوں ہی اس بار بہت سوچا میں۔ [illegible] ماں کی بیماری کے بارے میں بتاؤں لیکن انتظار کرتی [illegible] آپ خود ٹیلی فون کریں بس میرا جی چاہا آپ کو ٹیلی فون کرنے کے لئے... میں نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔
سوری نگہت مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھے واقعی تمہیں ٹیلی فون کرنا چاہیے تھا۔
نہیں چیف آپ کبھی بھی مجھے بلاوجہ ٹیلی فون نہیں کرتے نگہت نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا اس کی کیفیت اس وقت بہت عجیب ہو رہی تھی۔ میں نے چند لمحہ کے بعد کہا۔
یہ بتاؤ اس وقت سنجیدہ ہو یا وہی مسخرہ پن تمہارے اندر ہے۔ نگہت مجھے دیکھتی ہوئی بولی۔
مسخرہ پن میرے اندر کبھی نہیں رہا چیف... کبھی نہیں لیکن بعض اوقات دل کے دکھوں کو لطیفہ بنا کر پیش کرنا پڑتا ہے یہ ایک مشکل کام ہے لیکن میں نے اس میں مہارت پیدا کرلی ہے۔
نگہت... نگہت بہت سنجیدہ ہو رہی ہو۔
"ہاں ہو رہی ہوں۔ ماں مرگئی تو کچھ بھی نہیں رہے گا... میرے پاس... کچھ بھی تو نہیں رہے گا میرے پاس کوئی بھی تو نہیں ہے میرے پاس، کچھ بھی تو نہیں ہے کوئی تو ایسی چیز ہوتی کوئی تو ایسی شخصیت ہوتی، چیف آئی ایم سوری، آئی ایم ویری سوری شاید میری دماغی کیفیت بھٹکتی جا رہی ہے۔
خود کو پرسکون رکھو۔ ماں کی حالت بہت زیادہ بری نہیں ہے۔
ٹھیک ہو جائے گی کسی دن... ہو جائے گی مگر مگر ٹھیک ہے یہ دنیا ہے آنا جانا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ نگہت شدید جذباتی ہیجان کا شکار تھی اور میں اپنے دل میں اس کے لئے انتہائی دکھ پا رہا تھا۔
ساری رات میں اس کے ساتھ رہا۔ اس نے کتنی ہی بار مجھ سے کہا کہ میں چلا جاؤں۔ لیکن میں نے اُسے ڈانٹ دیا دوسرے دن بھی میں نے جانے کی حامی نہیں بھری تھی۔ لیکن دوسرے دن صبح اس کی ماں ہوش میں آگئی تھی ہم دونوں ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہسپتال میں اس کی بہترین نگہداشت ہو رہی تھی تاہم میں نے کچھ تبدیلیاں بھی کیں اور اسے ایک بہترین جگہ حاصل ہوگئی۔ میں اس دن دن بھر اور پھر رات کو بھی وہیں رہا نگہت میری بہت زیادہ ممنون ہوگئی [illegible]تی۔ میں نے فاروقی صا[illegible]ب کو ٹیلی فون کر دیا تھا گھر میں بھی اطلاع دے دی تھی کہ مصروف ہوں آ نہیں سکتا۔ یہ نہیں بتلایا تھا کہ کیا مصروفیت ہے۔ ورنہ بلاوجہ رش ہو جاتا بس نگہت تھی اور میں... اور اب نگہت کے انداز میں کافی تبدیلی نظر آ رہی تھی اس نے رات کو مجھ سے کہا۔
چیف اپنے ان الفاظ کی معافی چاہتی ہوں آپ سے آپ ہی تو ہیں میرے چیف، آپ واقعی میرے اپنے ہیں، آپ میرے دوست ہیں آپ اجنبی نہیں ہیں۔
"نگہت اتنی جذباتیت ذہن پر طاری نہیں کرتے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں ایک لمحہ بھی تم سے الگ نہیں ہوں۔
"چیف مصروفیات ہوں گی آپ کی۔
"ہیں۔ لیکن سب سے بڑی مصروفیت تم ہے۔
"آپ پلیز اب جائیے آرام کر لیجئے۔ میں جاگ رہی ہوں۔
"میں بھی جاگتے رہنا چاہتا ہوں۔
"ٹھیک ہے چیف آپ کی مرضی ہے۔
بہر حال تیسرا دن بہت بہتر کیفیت کا حامل تھا۔ ڈاکٹروں نے نگہت کی ماں کو واپسی کی اجازت دے دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ ہدایات بھی دی تھیں ڈاکٹروں نے اور اس کا اندازہ مجھے بہت پہلے سے تھا۔ نگہت کچھ بدحواس سی ہوگئی۔ میں خاموشی سے نگہت کی اس کو گاڑی میں لے کر چل پڑا۔ نگہت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی... لیکن گاڑی کا رخ جب اس کے فلیٹ کی بجائے۔ میری اس کوٹھی کی جانب ہو گیا جو میرے پاس موجود تھی تو نگہت نے چونک کر کہا۔
ارے ادھر کہاں... چیف...؟
"گھر چل رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا اور نگہت عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموشی اختیار کر لی۔ میں نگہت کو اپنی کوٹھی میں لے آیا اور یہاں لا کر اس کی ماں کو ایک بہترین کمرے میں منتقل کر دیا۔ نگہت کی ماں بھی پریشان تھی۔ میں نے اس سے کہا۔

"ممی آپ کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر نے آپ کو سیڑھیاں چڑھنے اترنے سے منع کر دیا ہے، اب آپ ایک طویل عرصے تک یہاں رہیں گی بلکہ میں کہتا ہوں کہ آپ کا قیام یہیں ہونا چاہئے۔ یہ گھر میرا ہے، آپ کا ہے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے آپ کو پرہیز کرنا پڑے۔ میں فوری طور پر ایک اور انتظام بھی کیے دیتا ہوں آپ کو کوئی دقت نہیں ہوگی۔
نگہت کی ماں خاموش ہوگئی تھی، نگہت نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ میں نے وہیں سے استاد ممو نے کو ٹیلی فون کیا اور ان سے کہا کہ وہ کوٹھی پہنچ جائیں استاد ممونے فوراً آگئے تھے میں نے ان سے کہا۔
استاد اب آپ کو اس کوٹھی میں ہی رہنا ہوگا۔ دفتر کے لئے ہم کچھ اور انتظام کریں گے۔ یہاں اس کوٹھی میں۔ اب میں آزادی چاہتا ہوں۔
ٹھیک ہے یہاں۔
نگہت بھی یہاں رہے گی اور ممی بھی۔ آپ کو ان دونوں کا پورا پورا خیال رکھنا ہوگا۔
"ٹھیک ہے یہاں آپ مطمئن رہیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔
جن چیزوں کی ضرورت پیش آئے آپ فوراً مہیا کر دیں گے اور نگہت صاحبہ آپ یہیں سے اپنے دفتر جایا کریں گی۔ بس جو کچھ میں نے کہہ دیا ہے اس میں کوئی تبدیلی قبول نہیں کر سکتا۔
"جی چیف، میں جانتی ہوں کہ یہ ایک اہم ضرورت ہے آ[illegible] کیجئے کہ ہسپتال سے نکلتے وقت میں سخت پریشان تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب میں کیا کروں کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی... لیکن... لیکن...
۔ آپ کو بہت زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے خاتون مانا کہ آپ بہت زیادہ ذہین ہیں لیکن ذہانت کا مظاہرہ کم از کم میرے سامنے نہ کیا کریں۔
بہتر ہے نہیں کیا کروں گی۔ نگہت نے جواب دیا اس کی آنکھوں میں کافی سکون کے آثار نظر آ رہے تھے اور میں بھی اس بات سے خوش تھا کہ اس وقت یہ کوٹھی میرے بہت ہی اہم کام آگئی تھی۔ اپنی کوٹھی یعنی آشیانے میں جانے کا مسئلہ بہت زیادہ پریشان کن نہیں تھا۔ عموماً میں آشیانے سے دور ہی رہتا تھا۔ ان دنوں ذرا محبتوں کا دریا زیادہ بہنے لگا تھا چنانچہ میں بھی اس دریا میں منہ ہاتھ دھونے پہنچ جایا کرتا تھا۔ لیکن میں نے نہایت ذہانت سے کچھ معذرتیں کرلیں اور کہا کہ ان دنوں ذرا میری مصروفیات زیادہ ہیں اس لئے میں غائب رہوں گا محسوس نہ کیا جائے اس بات پر خاص طور سے [illegible] حسین صاحب میری جان کو آگئے تھے۔ [illegible] نے کہا۔
ظاہر ہے یہ مصروفیت کسی کیس وغیرہ کی ہوگی۔
"جی ہاں یہی سمجھ لیجئے۔
کیا کیس ہے مجھے بھی نہیں بتاؤ گے۔
ابھی نہیں بتاؤں گا۔ بھائی جان۔ جب سامنے آئے گا تب بتاؤں گا۔
اکیلے ہی تیر مارنا چاہتے ہو۔
جی ہاں۔ میں نے جواب دیا۔
ٹھیک ہے... ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی...
نصرت حسین صاحب خاموش ہوگئے آئی جی صاحب نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا باقی تمام معمولات بھی حسب معمول تھے۔ چنانچہ میں بھی کوٹھی میں ہی منتقل ہو گیا نگہت یہاں مطمئن تھی اس نے بھی اپنے معمولات پر جانا شروع کر دیا تھا میں بھی اپنے کام کاج سے فراغت کے بعد وہیں پہنچ جاتا تھا۔ چوتھے یا پانچویں دن میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔ اس دن مجھے اس سلسلے میں کوئی اہم فیصلہ کر لینا تھا۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ نگہت مجھ پر نازل ہوگئی ہاتھ میں کافی کی دو پیالیاں تھیں۔ وہ ایک بار پھر سے نارمل ہوگئی تھی اور اس کی شوخیاں واپس آگئی تھیں، میں نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
کافی کے لئے کس نے کہا تھا۔
کسی نے نہیں کہا تھا۔ میں نے خود ہی سوچا کہ چیف مصروف ہیں ایسی مصروفیت میں انہیں کافی پلا دی جائے۔
دو پیالی کافی پلا دی جائے۔ میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔
نہیں چیف یہ تو میری ہے۔
"اور اب تم میری مصروفیت میں رخنہ اندازی کرو گی۔
"چیف آپ بہت ذہین ہیں۔ نگہت نے مسکراتے ہوئے

"اچھا آؤ میرے پاس بیٹھو تم سے اس سلسلے میں مشورہ کر لینا ہو سکتا ہے فائدہ مند ثابت ہو سکے میرے لئے۔

تاریخ گواہ ہے چیف کہ ایسا ہی ہوا ہے بلکہ جب تک آپ نے میرے سلسلے میں نہیں سوچا آپ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

ہوں بیٹھو ادھر آجاؤ... نگہت میرے پاس آکر بیٹھ گئی تو میں نے کہا۔

شمشیر داور ایک ایسا شخص جو اب سے ساڑھے بائیس سال پہلے اپنے ملک سے باہر چلا گیا تھا اس کا قیام یوگنڈا میں رہا وہاں اس نے بہت سے کاروبار کیے۔ دولت پتہ نہیں پہلے سے اس کے پاس تھی یا اس کاروبار کے بعد اسے حاصل ہوئی۔ بہر طور بہتر حالت میں آگیا اس کے بعد وہ وطن واپس آیا اور یہاں اس نے ایک فرم قائم کر لی۔ جو اسپورٹس کا سامان باہر بھیجا کرتی ہے اس فرم میں تیرہ افراد کام کرتے ہیں ان تیرہ افراد میں ایک لڑکی بھی تھی جس کا نام رضوانہ تھا۔

"اور جو ایک ہٹ میں قتل کر دی گئی" نگہت نے کہا۔

"گڈ۔۔۔ میں جانتا تھا کہ فوراً ہی تم اپنی ذہانت کا مظاہرہ شروع کر دو گے۔

لو چیف اس میں ذہانت کی کیا بات ہے یہ تو اخبارات کی خبر ہے۔

بہر طور اسے یاد رکھنا بھی اہمیت کا حامل ہے۔

"جی.... جی ٹھیک چیف سمجھ گئی آگے فرمائیے۔

شمشیر ایک بہترین انسان معلوم ہوتا ہے عدالت میں بیان دیتے وقت اس نے کہا تھا کہ اب وہ عمر کی اس منزل میں نہیں ہے جہاں نوخیز لڑکیوں کو اس کا شکار بنا کر پیش کیا جائے اس عمر کی لڑکیاں اس کی نگاہ میں بیٹیوں کے مترادف ہیں اگر وقت اس پر یہ الزام ثابت کرتا ہے کہ رضوانہ کو اس نے قتل کیا اور اس کے ساتھ زیادتی کی تو ظاہر ہے وہ اس سے انحراف نہیں کرے گا۔ کیونکہ تمام ثبوتوں کے بعد یہ بات کہی جائے گی عجیب سا انسان ہے نگہت اور اس کا لہجہ میری سمجھ میں نہیں آیا مجھے اس سلسلے میں کام کرنا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ بے گناہ ہے اور اسے اس کیس میں پھانسا گیا ہے۔

بچ گیا چیف... بچ گیا۔ نگہت نے کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

کیا مطلب۔۔۔؟

میرا مطلب ہے آپ نے اس کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا تو جان بچ گئی اس کی، اب بھلا کون ہے جو یہ ثابت کر سکے گا کہ وہ اس لڑکی کا قاتل ہے۔

نہیں نگہت ایسی بات نہیں ہے اب علاء الدین کا... چراغ تو نہیں ہے میرے پاس کہ اسے گھس کر جن کو بلاؤں اور اس سے کوئی کام لے لوں۔۔۔

"چراغ نہیں ہے آپ کے پاس لیکن چراغ کا جن حاضر ہے میرے آقا۔ حکم فرمائیے کیا کرنا ہے نگہت نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر جھکتے ہوئے کہا اور میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

تو اے چراغ کے جن مجھے بتا کہ اس کیس کا آغاز مجھے کہاں سے کرنا چاہیئے۔۔۔ نگہت نے آنکھیں بند کر کے بھاری لہجے میں کہا۔

مجھے اس سلسلے میں سب کی تحقیقات سے آگاہ کیا جائے آقا۔۔۔ میں نے مسکراتے ہوئے نگہت کو تفصیلات بتانا شروع کر دیا۔ جن میں اندھی ماں کا تذکرہ۔ شمشیر داور کے بارے میں تمام تفصیلات اور پولیس نے اس سلسلے میں اب تک جتنی بھی کارروائیاں کی تھیں ان کے بارے میں رپورٹیں موجود تھیں نگہت اسی انداز میں اداکاری کرتے ہوئے غور کرتی رہی اور پھر اس نے کہا۔

"میرے سیر دا اندھی ماں کا شعبہ کر دیجیے میرے آقا۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر کہا۔

"آنکھیں کھولو" نگہت نے مشینی انداز میں آنکھیں کھول دی تھیں۔

"تو پھر تم اس اندھی ماں سے رابطہ قائم کر رہی ہو؟"

"ہاں میرے آقا میں سمجھتی ہوں کہ وہیں سے آغاز کرنا بہتر ہو گا"

ٹھیک ہے نگہت میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تھا کہ اس اندھی سے ملنا ضروری ہے۔ دراصل شمشیر داور ایک ایسی شخصیت کا مالک ہے کہ اس پر یہ گھناؤنا الزام درست نہیں محسوس ہوتا۔

آپ فکر نہ کریں چیف ہم دونوں مل کر اس سلسلے میں کام کرتے ہیں ویسے چیف ایک حیرتناک بات یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس اسی قسم کے کیس زیادہ آتے ہیں۔۔۔

اس قسم کے لوگ مظلومیت کا کچھ زیادہ ہی شکار ہوتے ہیں۔ نگہت دراصل یہ ایک عجیب و غریب سلسلہ ہے جس کے بارے میں ہم پہلے بھی بہت سی باتیں کر چکے ہیں اس لئے میں اسے دہرانا پسند نہیں کرتا درمیانہ طبقہ سب سے زیادہ مظلوم طبقہ ہوتا ہے غریبوں کے مسائل بہت مختصر ہو جاتے ہیں یا وہ لوگ انہیں مختصر کر لیتے ہیں اور امیروں کے لئے مسائل کوئی حیثیت نہیں رکھتے صرف درمیانے قسم کے لوگ ہیں جو اپنی عزت بھی برقرار رکھنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اس عزت کا تحفظ بھی ان پر بھاری ذمے داریاں ڈال دیتا ہے بس ایک عجیب سلسلہ ہے جس کا کوئی حل کہیں نہیں ہے۔۔۔ نگہت مجھ سے اتفاق کرتی تھی بہت دیر تک ہم لوگ بیٹھے اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے پھر نگہت نے کہا۔

"ذرا اس اندھی عورت کا پتہ نوٹ کرا دیجیے چیف"۔

اور میں نے پولیس رپورٹ میں سے اس کا پتہ نوٹ کرا دیا پھر میں نے اس سے کہا۔

"اس سے مل کر تم کیا کرو گی؟"

بس کچھ معلومات حاصل کروں گی اس سے دیکھیں چیف ظاہر ہے آپ نے اس سلسلے میں قدم اٹھایا ہے تو ہم اپنی جیسی تمام کوششیں کرتے ہیں۔۔۔

ہاں نگہت بہر طور معاشرے کے بہت سے دکھ ہیں ہم ان کے سارے دکھ تو نہیں بانٹ سکتے لیکن جو کچھ بھی ہم سے ہو سکتا ہے ہمیں ضرور کرنا چاہیئے۔

"بالکل کرنا چاہیئے چیف۔۔۔" نگہت اپنے مخصوص انداز میں بولی۔۔۔ نگہت اور اس کی ماں کو یہاں منتقل کر کے مجھے ایک روحانی سکون محسوس ہوا تھا میں نگہت کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا اتنی ذہین اور نفیس لڑکی اس سے پہلے میری نگاہوں میں نہیں آئی تھی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میرے اردگرد پھیلے ہوئے بہت سے لوگوں میں ایسے کردار تھے جو بہترین تھے خاص طور سے لڑکیوں کو ہی لے لیا جائے۔ جادواں ایک معیاری لڑکی تھی اور بلاشبہ کوئی بھی اس کے خواب دیکھ سکتا تھا وہ زندگی کی بہترین ساتھی ثابت ہو سکتی تھی لیکن اس کے اندر ایک ٹھہراؤ ایک تمکنت اور سادگی تھی وہ ان تمام معاملات میں دنیا سے اتنی واقفیت نہیں رکھتی تھی جتنی نگہت۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی الماس آرا بیگم تھیں جو بہر طور ایک اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور ان کی بھی اپنی ایک خاص کیفیت تھی میرا مطلب ہے اگر زندگی کے ساتھی کے چناؤ میں مجھے کبھی مجبور ہی ہو جانا پڑے تو ظاہر ہے یہ دونوں لڑکیاں میرے سلسلے میں ممکن نہیں تھیں اور پھر الماس آرا اس معیار کی لڑکی تھی جس کے قابل کم از کم میں خود کو نہیں پاتا تھا۔ باقی رہی بات نیلوفر صاحبہ کی تو سچی بات یہ ہے کہ وہ کچھ تھی ہی نہیں جن کے بارے میں کچھ کہا جا سکے غرضیکہ اس سلسلے میں نگہت کے نمبر سب سے زیادہ تھے لیکن ایک دوست کی حیثیت سے اس سے زیادہ میرے لئے کچھ ممکن نہیں تھا۔۔۔

اسد اللہ مغلوب صاحب ان دنوں زیادہ طور پر وکیل فاروقی صاحب کے دفتر کے چکر لگایا کرتے تھے۔ بہر طور ایسے آدمی نہیں تھے جو کسی طور پر ناگوار گزرتے تھوڑی بہت ہنسی مذاق کی گفتگو ہو ہی جاتی تھی ان سے شمشیر داور کے مسئلے کو ابھی پوری طرح میں نے خود پر مسلط نہیں کیا تھا ہاں یہ بات یقینی تھی کہ میں اس کام کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا پھر ایک دن اسد اللہ مغلوب صاحب ہی سے گفتگو ہوئی۔۔۔

"مغلوب صاحب اگلی پیشی میں کیا پروگرام ہے آپ کا؟

"میر بقول شاعر..."

"جی نہیں بقول اسد اللہ مغلوب......"

"جی ہاں.... جی ہاں وہی عرض کر رہا ہوں اب میرا کیا پروگرام ہو سکتا ہے اس سلسلے میں ظاہر ہے عدالتی کارروائی آگے بڑھے گی اور کیس چلے گا جہاں تک شمشیر داور کا تعلق ہے وہ بھی ذرا مست مولا قسم کا آدمی ہے پرواہ ہی نہیں کر رہا ہے کسی بات کی میں نے درحقیقت خود اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی کو اپنے آپ سے اتنا لاپرواہ نہیں پایا وہ حیرتناک انسان ہے۔۔۔

ساری باتیں اپنی جگہ اسد اللہ صاحب بہر طور آپ یہ کیس لڑیں گے۔۔۔

"جی ہاں لڑ رہا ہوں اور کسی کے بل پر لڑ رہا ہوں۔

میرا خیال ہے اسد اللہ صاحب شمشیر داور سے ایک ملاقات کر لی جائے۔۔۔

"جیل میں ہے" اسد اللہ صاحب نے کہا۔

"ہاں کیا آپ کو دقت ہو گی"

"نہیں نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ایک وکیل کی حیثیت سے بہر طور میں اس سے مل سکتا ہوں۔

"تو معاون کی حیثیت سے میں بھی آپ کے ساتھ چلونگا" میں نے کہا اور اسد اللہ مغلوب صاحب ہنسنے لگے۔

"جو دل چاہو کہ لو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اسد اللہ صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا بہر طور ان سے بے تکلفی بڑھتی جا رہی تھی وکیل فاروقی صاحب بھی بہت نفیس انسان تھے اور وہ بڑی فراخدلی سے ہر کام کر لیا کرتے تھے پھر ایک دن میں اسد اللہ مغلوب کے ساتھ جیل جیل پڑا یہاں وقار احمد صاحب موجود تھے جو جیل کے معاملے میں ہر مشکل کا حل تھے معمول کے مطابق انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا اور مختلف باتیں کرنے کے بعد بولے۔

"فرمائیے کسے پیش کروں ۔۔۔؟"

"شمشیر داور کو ۔۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اسد اللہ صاحب ذرا گھبری لگا ہوں سے میرے اور وقار احمد نے شمشیر داور پر ذرا غور کیا اور پھر بولے۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے سمجھ گیا او ہو ویری گڈ ..... ویری گڈ .....

"اس کا مطلب ....؟"

"بعد میں بتاؤں گا" وقار احمد صاحب نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد شمشیر داور کو جیلر صاحب کے کمرے ہی میں طلب کر لیا گیا وہ جگہ مخصوص کر دی گئی تھی جہاں میں اس قسم کے ملزموں یا مجرموں سے بات چیت کیا کرتا تھا۔ بہر طور شمشیر داور نے اسد اللہ مغلوب کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہیے وکیل صاحب کیسے زحمت فرمائی ۔۔؟"

"قبلہ آپ یہاں خیریت سے ہیں؟ اسد اللہ مغلوب صاحب نے پوچھا اور شمشیر داور ہنس پڑا پھر اس نے کہا۔

جی ہاں حیرت ناک بات یہ ہے کہ میں یہاں بالکل خیریت سے ہوں"

"ہوں، حیرت ناک بات کیوں ہے۔

معاف ... اپنے ملک کی جیلوں کے بارے میں میں نے بہت کچھ سنا تھا لیکن کچھ حاشیہ آرائی بھی ہوئی ہے ہر بات میں یہاں کے لوگ اتنے برے نہیں ہیں میرے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی جا رہی ہے۔

ہاں اس کی بھی کچھ وجوہات ہیں۔ اسد اللہ صاحب نے کہا۔ میں نے یا شمشیر داور نے ان وجوہات کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم کی تھیں اسد اللہ صاحب نے ان سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

یہ شارق حسین ہیں"۔

"جی میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے؟" شمشیر داور نے کہا۔

"دراصل اس کیس میں میں جناب اسد اللہ مغلوب صاحب کو اسسٹ کر رہا ہوں مسٹر شمشیر داور کچھ ضروری معلومات حاصل کرنی تھیں آپ سے"۔ شمشیر داور کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے اس نے کہا۔

جناب شارق حسین صاحب بات دراصل یہ ہے کہ مجھے زندگی سے کوئی بہت زیادہ دل چسپی نہیں ہے اب عمر کی اس منزل میں ہوں کہ بہت زیادہ جینے کو جی بھی نہیں چاہتا ہاں بس دکھ اتنا سا تھا کہ اگر موت آنی تھی تو کسی بیماری سے آجاتی کسی حادثے سے آجاتی یہ بدنامی کی موت بہت عجیب موت ہے ایک ایسی بچی کے قتل کا الزام مجھ پر عائد کیا گیا ہے۔ جو میری بیٹی کے برابر ہو سکتی ہے کاش اس کی عمر ہی زیادہ ہوتی تو میں اس الزام کو اتنا دکھ بھرے انداز میں محسوس نہ کرتا۔ جہاں تک اس کا مسئلہ ہے یہ بہت گھناؤنی اور دکھ دینے والی بات ہے اور اسی لیے میں نے وکیل صاحب کی معاونت بھی قبول کر لی ہے ورنہ آپ دیکھیے کیسی دل چسپ بات ہے کچھ لوگ کسی بیماری سے مرتے ہیں، کچھ کسی حادثے سے مر جاتے ہیں کچھ کسی اور ذریعے سے مر جاتے ہیں میں اگر کسی ایسی عمر خاتون کے قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا پاتا جس کا قتل میں نے نہ کیا ہوتا تو میں یہ سوچتا تھا کہ وہ بھی ایک بیماری تھی جو مجھ پر مسلط کر دی گئی اور بالآخر مجھے موت آگئی لیکن بات ذرا سی دکھ بھری ہے اس لیے میں نے اسد اللہ صاحب کو زحمت دی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو میری بے گناہی ثابت کر دیں۔

"کیوں نہیں شمشیر داور صاحب اگر انسان بے گناہ ہے تو اس کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا پڑتا ہے آپ یقینی طور پر اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گے۔

ہاں ... ہاں کیوں نہیں فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں!

"چند سوالات کرنے ہیں آپ سے براہ کرم ان کے جوابات دے دیجئے۔

"جی فرمائیے"۔ شمشیر داور نے کہا۔

"شمشیر داور صاحب یہاں اس ملک میں آپ کے اہل خاندان ۔۔!

جی نہیں اب کوئی نہیں ہے۔ والد صاحب تھے ان کا انتقال ہو چکا ہے بہت عرصہ ہوا دوسرے عزیز واقارب میں اگر کچھ ہیں بھی تو میرا ان سے کبھی کوئی تعارف نہیں ہوا۔ شاید اس کی بنیادی وجہ یہ ہو کہ میں یہاں سے چلا گیا تھا۔

"لیکن آپ یہاں سے کسی چھوٹی سی عمر میں تو نہیں گئے تھے شمشیر داور صاحب ۔۔!

جی ہاں جب تک میں یہاں تھا والد صاحب نے کچھ ایسے عزیز واقارب سے میرا تعارف نہیں کرایا جنہیں میں اپنا سمجھتا بس یوں سمجھ لیجئے کہ وہ اپنے آپ کو لیے دیئے رکھنے کے عادی تھے اور مجھے بھی یہی عادت پڑی ہم دونوں باپ بیٹے زندگی گزارتے تھے

آپ نے یہاں سے جانے کا فیصلہ اپنے والد صاحب کی زندگی ہی میں کر لیا تھا۔؟

"جی ہاں ۔۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ!

"جی نہیں بس یوں سمجھ لیجئے نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔

"آپ نے شادی نہیں کی شمشیر داور صاحب! میں نے سوال کیا اور شمشیر داور خاموش ہو گیا چند لمحات سوچتا رہا پھر بولا۔

"اس سوال کو اگر نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

"کیوں ۔۔؟

"بس یوں سمجھ لیجئے میں اس کا جواب نہیں دینا چاہتا۔

"شمشیر داور صاحب ہر پہلو اپنے اندر ایک اہم حیثیت کا حامل ہے .... آپ براہ کرم اس بات کا جواب دیجئے۔

"نہیں میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے شادی کی ہی نہیں۔

"عرض کیا ہے میں نے اس سلسلے میں معذرت خواہ ہوں براہ کرم میرے ذہن کے ان حصوں کو نہ جھنجھوڑیئے جنہیں میں مردہ قرار دے چکا ہوں"۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی سے کوئی حادثہ وابستہ ہے"۔

"وکیل صاحب براہ کرم ایک شخص اگر آپ سے اپنے ذاتی معاملے میں مداخلت نہ کرنے کی درخواست کرتا ہے تو آپ کو اس سے تعاون کرنا چاہیے"۔

"ہوں۔ میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر میں نے کہا۔

"اچھا صرف یہی بتا دیجئے کہ آپ کے والد کے کچھ ایسے ساتھی یا دوست میرا مطلب ہے جو اس دور سے تعلق رکھتے ہوں"؟

"یقیناً ہوں گے لیکن میرا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے نہ ہی کسی نے یہاں آنے کے بعد مجھ سے رابطہ قائم کیا"۔

"ایک اور بات شمشیر داور صاحب، اتنے طویل عرصے یوگنڈا میں رہنے کے بعد آپ نے وطن واپسی کا فیصلہ کیوں کیا ...؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے طبیعت اکتا گئی تھی وہاں سے دراصل اپنا دیس اپنا دیس ہوتا ہے میں نے ایک طویل عرصہ ملک سے باہر گزارا بہت سے لوگ مجھے ملے جن کا تعلق میرے وطن سے بھی تھا ہم لوگ آپس میں ملتے جلتے رہتے تھے لیکن جب ہم جدا ہو جاتے تھے تو باہر کے ماحول کو بالکل اجنبی اجنبی پاتے تھے دوسری دنیا دوسرے جہاں کی تلاش میں جانے والے نہ جانے کیا کیا تصورات رکھتے ہیں وہاں کے بارے میں لیکن کچھ عرصے کے بعد انہیں یہ احساس ہوتا ہے کہ جدید ترین عمارت جدید ترین تفریحات کے مقامات اور سب کچھ ہونے کے بعد وہ اپنے نہیں ہیں جن کی شکلیں سڑکوں گلیوں اور بازاروں میں نظر آتی ہیں اور نگاہیں ان اپنوں کی تلاش میں ضرور بھٹکتی ہیں ان اپنوں کے درمیان زندگی جس انداز میں بھی گزرے وہ بہت حسین ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے"۔

"جی بہر طور شمشیر داور صاحب آپ اس ... مطمئن رہیں کہ کم از کم آپ کو اس سلسلے میں سزا نہیں ہوگی۔

"آہ کاش ایسا ہو سکے یہ میری دلی آرزو ہے۔"

"ویسے آپ نے اس کاروبار کا آغاز کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ زندگی سے تو آپ کو دلچسپی ہے ورنہ آپ کے پاس اتنی دولت یقیناً ہوگی کہ آپ اپنی اس دولت سے زندگی بھر بیٹھ کر کھا سکتے ہیں۔ تنہا ذات کے لئے بھلا کس شے کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ہاں بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایک مشغلہ ہے اور میں جب تک زندہ رہتا اس مشغلے کو جاری رکھتا مگر بدنصیبی نے یہ وقت دکھایا۔"

"اچھا شمشیر داور صاحب آپ مطمئن رہیں اور عدالت کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس سلسلے میں ابھی کچھ وقت ہے آپ کو جو بیان دینا ہوگا اس میں آپ کے جذبات مجروح نہیں ہوں گے یہ دعویٰ کرتا ہوں میں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ وکیل صاحب کوشش کر لیجئے باقی تمام معاملات تقدیر سے تعلق رکھتے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" شمشیر داور نے کہا اور اس کے بعد اسے واپس بھیج دیا گیا۔ وقار احمد صاحب نے ہماری خاطر مدارات کی اور جب وہاں سے چلے تو اسد اللہ مغلوب صاحب بہت متاثر دکھتے کہنے لگے۔

"جیلر صاحب آپ سے بہت متاثر ہیں۔ ویسے شمشیر سے گفتگو کر کے آپ نے کوئی اندازہ لگایا۔"

"ہاں۔ اس کی شادی کے بارے میں غور کرنا پڑے گا۔"

"اوہ آپ کے خیال میں یہ کوئی اہم مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

"ہو بھی سکتا ہے،" میں نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

نگہت کے مسئلے میں چونکہ کافی دن تک مصروف رہا تھا اس لئے آشیانہ نا جا سکا تھا۔ بہرطور آج آشیانہ کا رخ کیا تھا اور اندر داخل ہو گیا تھا آشیانے میں ہمیشہ نت نئے ہنگامے ہوتے رہا کرتے تھے۔ یہاں کے مکین زندگی کو رواں دواں رکھنے کے عادی تھے وہی سارے ہنگامے اس وقت بھی موجود تھے مجھے بڑی پراسرار نگاہوں سے دیکھا گیا تھا ہر شخص ایک عجیب سے انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا اور میں اس انداز میں ذرا کھو کھا سا ہو گیا تھا شفق بھابی کو پکڑا تو وہ مجھ سے اپنا بازو چھڑاتی ہوئی بولیں۔

"کیا بدتمیزی ہے، غیر عورتوں کے بازو پکڑتے پھرتے ہو اپنے لئے کوئی بندوبست نہیں کرتے۔"

"ارے، ارے شفق بھابی آپ غیر کیسے ہو گئیں۔ میرے لئے...."

"ہوں۔ کافی حد تک ہوں۔"

"آپ کا بازو میرے لئے ایک مقدس حیثیت رکھتا ہے...."

"بس بس سب لوگ ناراض ہیں تم سے میں بھی ناراض ہوں۔"....

"خیر آشیانے میں اب میرے لئے ناراضگیاں کچھ کم ہو گئیں ہیں لیکن بالکل ختم بھی نہیں ہونی چاہیئے ورنہ مزا نہیں آتا، مگر ناراضگی کی وجہ تو پتہ چل جائے شفق بھابی۔"

"چل جائے گی، چل جائے گی،" شفق بھابی نے کہا اور ایک طرف چل پڑیں، میں حیران تھا۔ عصمت بھابی سے ملاقات ہو گئی اور ان سے بھی میں نے رجوع کیا۔

"اے مسٹر فضول باتوں سے گریز کیجئے۔ دراصل آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم سب آپ کے لئے غیر ہیں اور ہماری کوئی عزت آپ کی نگاہوں میں نہیں ہے۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ یہ فیصلہ آپ نے کتنے عرصے میں کیوں کیا عصمت بھابی یہ بات تو بہت پہلے سے آپ کے علم میں تھی۔"

"ارے چھوڑ دو چھوڑ دو، سمجھتے کیا ہو خود کو خواہ مخواہ اپنے آپ کو ایک سپرمین بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہو مگر ہم میں سے کوئی تمہیں خاطر میں نہیں لاتا۔"

"لیکن۔"

"بس میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ عصمت بھابی بھی ایک طرف بڑھ گئیں۔ اور میں گردن ہلاتا ہوا اپنے کمرے کی جانب چل پڑا اس کا مقصد تھا کہ آشیانے میں کوئی نئی کھچڑی پک رہی ہے۔ کمرے میں داخل ہی ہوا تھا کہ لالارخ دوڑی ہوئی آئی اور کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکنے لگی۔"

"آ گئے آپ۔" اس نے کہا۔

"اللہ خیر کرے آپ کو بھی میرا انتظار تھا۔"

"جی ہاں سب آپ کا انتظار کر رہے تھے، یہ راتوں کو گھر سے غائب رہنا یہ آوارہ گردیاں کرتے رہنا کیا شریفوں کے لچھن ہیں۔"

"لالارخ بی بی آپ یہ سمجھو کہ آپ کا رشتہ طے ہو گیا ہے اور اس بار میں نے کوئی رخنہ اندازی نہیں کی ہے۔ آپ کے منگیتر کو گھیر گھار کر مجرم ثابت کر دینا میرے لئے زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"بس بس دھمکیاں نہ دیجئے مجھے، اگر ایسا کر بھی ڈالیں گے آپ تو مجھ پر کیا اثر پڑے گا۔"

"کوئی اثر نہیں پڑے گا۔" میں نے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"جی بالکل اثر نہیں پڑے گا پہلے ہی آپ نے جو کچھ کیا ہے اس کا مجھ پر کون سا اثر پڑا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے آپ اس خوشخبری کے لئے تیار رہیئے کہ آپ کے یہ ہونے والے منگیتر نامدار بھی ایک پکے اور چھٹے ہوئے غنڈے ہیں اور کئی قتل کر چکے ہیں۔"

"دیکھئے میں مذاق میں بھی ایسی بے تکی باتیں پسند نہیں کرتی سمجھے آپ۔" لالارخ نے کہا۔

"ٹھیک ہے آنے والا وقت آپ کو بتا دے گا.... لالارخ صاحبہ کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں غلط نہیں ہے۔" لالارخ کے چہرے پر ایک رنگ آ گیا تھا وہ ایک لمحے کے لئے کچھ سنجیدہ سی ہو گئی، میں نے کہا۔

"اور آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے اندر اندر آپ ان کے بارے میں تمام تفصیلات اخبارات میں پڑھ لیں گی۔"

"میں کہتی ہوں مجھ سے فضول بات نا کیجئے آپ، جہنم میں جائے سب کچھ۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، اچھا یہ فرمایئے میرے سلسلے میں کیا حکم ہے۔"

"آپ بھی جہنم میں جایئے۔"

"جی بہتر ہے،" میں نے گردن خم کر کے کہا اور لالارخ پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی نجانے کیا کہنے آئی تھی مجھ سے۔ ویسے ہر شخص کا کردار یہ بات ثابت کر رہا تھا کہ کوئی نا کوئی واقعہ ضرور ہو گیا ہے چنانچہ بہ دے کر ایک جادو داں ہی رہ جاتی ہے جو مجھے صحیح صورت حال سے آگاہ کر سکتی تھی جو میں نے فوری طور پر اس سلسلے میں جادو داں سے رابطہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت شوکت جاہ صاحب بھی جادو داں کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، مجھے دیکھ کر مسکرائے اور جادو داں بھی ہنسنے لگی۔

"یعنی کمال ہو گیا اب میری شکل ایسی ہو گئی کہ ہر شخص مجھے دیکھ کر ہنسنا مسکرانا شروع کر دے۔"

"آؤ بھئی تمہاری شکل تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہے لیکن تم غائب کہاں ہو؟" شوکت جاہ صاحب نے پوچھا۔ اور میں آگے بڑھ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر میں نے کہا۔

"آشیانے کے مکین تو فارغ البال ہیں کوئی بچہ نہیں ہے جج صاحب اعلیٰ ترین نوکری پر لگے ہوئے ہیں بیرسٹر صاحب کی وکالت ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے اور ایس۔ پی صاحب کے الگ عیش ہیں، میرا مسئلہ ذرا مختلف ہے بس کنواں کھودتا ہوں اور رکھاتا ہوں آپ بتایئے میں آشیانے میں اپنا وقت کیسے برباد کر سکتا ہوں، شوکت جاہ صاحب مسکراتے رہے پھر بولے۔"

"خیر بھئی آشیانے کے مکینوں کا جو جذبہ ہے وہ بھی کچھ ایسا برا نہیں ہے ظاہر ان ساری باتوں کے ساتھ ساتھ تم اس گھر میں پیدا ہوئے ہو اور یہاں پلے بڑھے ہو۔ سب کی محبتیں تمہارے ساتھ رہیں اور یہ تو طے ہے شارق میاں کہ اولاد محبتوں کے سہارے ہی پروان چڑھتی ہے صرف یہی ایک جذبہ ہوتا ہے جو ہر دکھ اٹھانے کے لئے مجبور کر دیتا ہے اور اس کے بعد والدین کچھ خواہشمند بھی ہوتے ہیں۔"

"اوہو ہو، شوکت جاہ صاحب آپ پر بھی کوئی گہرا وار کیا گیا ہے جس کی وجہ سے آپ کا لہجہ کچھ بدل گیا ہے۔"

"یہی سمجھ لو بہر طور میں کم از کم اس مسئلے میں ان سے متفق نہیں ہوں۔"

"مسئلہ کچھ پتہ چل سکے گا حضور والا،" میں نے کہا۔

"نہیں۔ یہ وعدہ خلافی ہوگی،" شوکت جاہ صاحب بولے۔

"کیا مطلب۔"

"میں پہلے سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔"

"کاش آپ جادو داں کے پاس نا بیٹھے ہوتے۔" میں نے کہا اور جادو داں ہنس پڑی پھر بولی۔

"اس سلسلے میں بھی آپ کی کوئی مدد نہیں کرتی...."

"ارے ارے یہ آخر ہوا کیا ہے، جادو داں، العام

تم کہہ رہی ہو؟"

"جی ہاں میں یہی عرض کر رہی ہوں۔"

"مسئلہ کیا ہے؟"

"آپ کی شادی۔ جاوداں نے کہا اور پھر زبان دانتوں تلے دبالی۔ شوکت جاہ صاحب ہنس کر بولے۔"

"میں جانتا ہوں بلکہ میں جانتا تھا کہ تم غداری کرو گی۔"

"اوہ نہیں ڈیڈی غلطی سے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔"

"سب سمجھتا ہوں، ساری غلطیاں سمجھتا ہوں۔"

"شوکت جاہ صاحب ایک شخصیت تو ایسی رہنے دیجئے آستیانے میں جس سے میرے دل کے رابطے ہوں۔"

"جاوداں سے تمہارے دل کا رابطہ ہے۔"

"آہ کاش میں آپ کو بتا سکتا۔ شوکت جاہ صاحب کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر انہوں نے کہا۔"

"بہرطور میں کسی کے دلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا اس لئے میں چلتا ہوں۔"

"آپ غدار جاوداں کو چھوڑے جا رہے ہیں۔"

"بات اگر دلوں کے رابطے کی آجائے تو پھر دوسروں کو اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں شوکت جاہ صاحب لالارخ میری سگی بہن ہے میری ماں کی بیٹی لیکن جاوداں سے میرا کوئی خون کا رشتہ نہیں ہے اور اگر آپ اس بات پر بھروسہ کر لیں تو میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ شاید اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرے مجھے جاوداں یا لالارخ میں سے کون زیادہ عزیز ہے تو میں فیصلہ کن لہجے میں یہ بات نا بتا سکوں اور آپ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ میں بے مقصد جھوٹ ہی نہیں بولتا..... شوکت جاہ صاحب نے جاوداں کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جاوداں کے ہونٹوں پر بھی پرسکون مسکراہٹ تھی اس نے آہستہ سے کہا۔"

"ہاں ڈیڈی اگر کوئی مجھ سے یہ سوال کرے کہ شارق کے لئے میرے دل میں کیا تصور ہے یا اگر کوئی یہ کہے کہ شارق کے یہ الفاظ ہیں تو میں تصدیق کرنے والے والوں میں سب سے آگے ہوں گی۔ شوکت جاہ صاحب کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ بولے۔"

"ٹھیک ہے بھائی بہن کے معاملات ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے ان کے لہجے میں ایک عجیب سی لرزش تھی میں ان کی ذہنی کیفیت کو بخوبی سمجھتا تھا لیکن درحقیقت جاوداں میرے لئے ایک مقدس ہستی تو ہو سکتی تھی میں نے اسے دوسری نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا یہی کیفیت دوسرے لوگوں کے لئے بھی میرے ذہن میں تھی۔ تفریح کی حد تک بات دوسری تھی لیکن لیکن نجانے کیوں ان کے لئے میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ کبھی پیدا نہیں ہو سکا تھا۔ شوکت جاہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو جاوداں مسکرائی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔"

"جی بہنوں کے بھائی اب آپ فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔"

"بہنوں کے بھائی کہنے کا مطلب کیا ہے۔"

"بس کچھ عجیب سی پریشانی لاحق ہو گئی ہے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اس شہر میں سب کو اپنی ماں بہنیں بنا رکھا ہے ہم لوگ آپ کی شادی کے لئے بڑے پریشان ہیں۔ میں ہنس پڑا جاوداں کا لہجہ کچھ ایسا ہی تمسخر آمیز تھا۔ میں نے جاوداں سے کہا۔"

"جاوداں سب کو تو میں نے بہن نہیں بنا رکھا۔"

"ہم تو اس کی تلاش میں ہیں جسے آپ بہن کہہ کر کک آؤٹ نا کر دیں۔"

"ارے بھئی بڑے زبردست حملے ہو رہے ہیں قصہ کیا ہے۔"

"بس کسی طرح آئی جی صاحب نے آپ کی ممی کو اس بات کے لئے تیار کر لیا ہے کہ آپ سے وہ اپنا حق مانگیں۔"

"خدا کی پناہ مجھے اگر یہ معلوم ہوتا تو میں اس کوٹھی میں آج نا داخل ہوتا۔"

"جا نہیں سکتے آپ در اصل خود بھی اس معاملے میں دلچسپی لے رہی ہوں، ڈیڈی بھی انٹرسٹڈ ہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ یہ سب کا ایک مشترکہ فیصلہ ہے کہ آپ کی گوشمالی کی جائے۔"

"ہوں۔ اور یہ پروگرام کب ہو گا۔"

"آپ کا انتظار کیا جا رہا تھا۔"

"باپ رے باپ بہت خوفناک مسئلہ پیش آگیا ہے۔"

"بہت ممکن نہیں ہے۔"
"کوئی مدد کرو گی۔"
"ہاں کیوں نہیں۔ جاوداں نے کہا اور میں اچھل پڑا۔"
"خدا تمہیں خوش رکھے، بھلا مجھے اب یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔"
"فیصلہ کر لینا چاہیئے، جاوداں بولی۔"
"کک۔ کیا فیصلہ۔"
"یہی کہ آخر آپ کو کہاں شادی کرنی ہے۔"
"جاوداں..."
"نہیں جناب ساری باتیں اپنی جگہ جس مشن کے لئے سگوداں ہیں اس سے آپ کو روکنے والا تو کوئی نہیں ہے بلکہ اب تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ پوری کوٹھی ہیں، میرا مطلب ہے آشیانے میں لوگ آپ سے متفق ہو چکے ہیں لیکن مجھے یہ بتائیے کہ اگر آپ اپنی زندگی کے لئے کسی ساتھی کو منتخب کر لیتے ہیں تو بھلا آپ کے مقاصد میں کیا رکاوٹ درپیش ہوگی۔"
"کسی بھی سمت سے چلنے والی ایک گولی میری زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے اور اس وقت ایک لڑکی بے چاری زندگی کی تمام خوشیوں سے محروم ہو جائے گی جاوداں۔"
"تمہیں آپ کی زندگی اب اتنی بھی ارزاں نہیں ہے کہ اگر آپ کے جسم میں ایک گولی لگ جائے تو صرف ایک لڑکی زندگی سے محروم ہو جائے بلکہ آشیانے میں جتنے لوگ ہیں ان کی زندگیاں ختم ہو جائیں گی یہ کیوں سوچتے ہیں آپ کہ معاملہ صرف اس لڑکی کا ہوگا۔"
"لیکن۔ لیکن جاوداں۔"
"میں نے کہا نا اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"
"اس کا مقصد ہے کہ یہ سازش بہت عظیم پیمانے پر شروع ہوئی ہے۔"
"جی ہاں اور اب آپ کو اس سازش کا شکار ہونا ہی پڑے گا۔"
"آہ۔ جب ایسے ایسے ساتھی ساتھ چھوڑ دیں تو پھر سازش کا شکار تو ہونا ہی پڑتا ہے میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور جاوداں مسکراتی رہی پھر اس نے کہا۔"
"دیکھنا یہ ہے کہ یہ شیر پنجرے میں کیسے آتا ہے۔"
"گویا تماشہ دیکھیں گی آپ ہمارا، میں نے کہا۔"
"خدا نہ کرے لیکن جو کچھ ہو رہا ہے میرے لئے بھی کافی دلچسپ ہے۔ تھوڑی دیر تک جاوداں کے ساتھ بیٹھنے کے بعد میں باہر نکل آیا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ گھر والوں نے کیا چکر چلایا ہے۔ بہر طور اپنے کمرے میں آ گیا، تھوڑی دیر تک کمرے میں رہا اور پھر یوں ہی ٹہلنے کے سے انداز میں باہر نکل کر راہداری کی جانب چل پڑا راہداری کے آخری سرے پر پہنچا ہی تھا کہ لالارخ صاحبہ پھر سامنے آ گئیں۔"
"کہاں جا رہے ہیں آپ۔"
"جی۔ میں نے چونک کر کہا۔"
"میں پوچھ رہی ہوں کہاں جا رہے ہیں آپ۔"
"آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں۔"
"اس لئے کہ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ آپ کو باہر نا جانے دیا جائے۔"
"آپ کو ہدایت کی گئی ہے۔ میں نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔"
"جی ہاں۔ کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے۔"
"جی نہیں، بہت کچھ سمجھتا ہوں۔"
"تو پھر اندر جائیے۔"
"جی بہتر ہے، میں نے کہا اور واپسی کے لئے چل پڑا دوسری راہداری سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو تنویر بھابی سامنے آ گئیں۔"
"جی۔ کہاں تشریف جا رہی ہے۔"
"ارے باپ رے، گویا میری ناکہ بندی کر دی گئی ہے۔"
"جی ہاں، باہر جانے کی کوشش نا کیجئے گا چوکیدار کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ آپ کو باہر نہ جانے دے کوٹھی کے اطراف کی دیواروں کے پاس بھی لوگ موجود ہیں۔ بے عزتی کرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔"
"خ..... خدا کی پناہ..... یعنی۔ یعنی ایسی منظم ناکہ بندی۔"
"اندر تشریف لے چلیئے میں زیادہ باتیں کرنے کی عادی نہیں ہوں۔ تنویر بھابی نے کہا اور میں ہنستا ہوا

واپس اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ کمرے میں بیٹھ کر میں واقعی سنجیدہ ہو کر ان لوگوں کے بارے میں سوچنے لگا کچھ عجیب سے معاملات تھے۔ بہر طور جو کچھ ہوگا سامنے ہی آ جائے گا لیکن کچھ فیصلے مجھے اپنی زندگی کے لئے خود ہی کرنے تھے اور اس کے سلسلے میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ بہر طور جو کچھ تھا سامنے آ گیا مجھے کانفرنس ہال میں طلب کیا گیا کھانا کھانے کے بعد یہ شغل جاری ہوا والدہ واجبہ کچھ آتش فشانی کی سی کیفیت میں تھیں ویسے بہت ہی سنجیدہ اور متحمل مزاج خاتون تھیں اور کبھی بھی کسی سلسلے میں انہوں نے میرے اوپر دباؤ نہیں ڈالا تھا ڈیڈی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی تمام جج بلکہ یوں کہیئے پورا محکمۂ قانون وہاں موجود تھا شوکت جاہ اور جاوداں بھی تھیں۔ بھابیاں بھی تھیں غرض کہ تمام حضرات میرا محاصرہ کرنے کے لئے تیار تھے تب ڈیڈی نے کہا۔

"بھئی شارق حسین آج باگ کمان تمہاری والدہ نے سنبھالی ہے اور تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہیں، میں صرف اتنا کہوں گا تم سے کہ ایک عزت دار گھرانے کی عزت میں اضافے کی کوشش ہی کرنا ہمیں کسی المیے کا شکار نہ کرنا۔ میں خاموشی سے عطرت حسین صاحب کی صورت دیکھتا رہا والدہ صاحبہ نے کہا۔"
"دراصل شارق اب میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں لالارخ کا مسئلہ بالکل طے ہو گیا ہے چنانچہ میری خواہش ہے کہ تم دونوں کی شادی ایک ہی ساتھ کر دوں تم اس سلسلے میں کیا کہتے ہو؟"
"جی ممی آپ کا حکم ٹالنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں نے کہا اور سب چونک پڑے، والدہ صاحبہ کے ہونٹوں پر مسرت کے آثار نظر آئے انہوں نے فخریہ انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"
"دراصل میں نے ان لوگوں سے یہ کہا تھا کہ ابھی تک میں نے اپنا حق استعمال نہیں کیا میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا۔ اور میں دعویٰ کرتی ہوں کہ شارق سب لوگوں سے منحرف ہو سکتا ہے مجھ سے نہیں۔"
"میں تو کسی سے منحرف نہیں ہوں ممی۔ میں نے کب یہ بات آپ سے کہی۔"
"ہاں میں جانتی ہوں بہر طور جو کچھ الزامات تم پر لگتے رہے ہیں اب وہ خود بخود ختم ہو گئے ہیں اس تصور کو بھی ان لوگوں کے ذہنوں سے مٹا دو کہ تم شادی کے سلسلے میں ہم سے انحراف کرو گے۔"
"جی بہتر ہے میں اقرار کر لیتا ہوں آپ کے سامنے کہ آپ جو کچھ کریں گی مجھے اس سے انحراف نہیں ہوگا۔"
"دیکھا آپ لوگوں نے۔"
"ارے بھائی کیا چکر چلا رہے ہو جو کچھ کہنا ہے۔ صاف صاف کہو کوئی گول مول بات کر کے اگر تم نے ہمیں ڈاج دینے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔ آئی جی عطرت حسین کسی قدر مزاحیہ لہجے میں بولے اور میں ہنسنے لگا۔"
"ڈیڈی آپ لوگوں نے میرے بارے میں غلط انداز میں سوچا ہے۔ آشیانے سے انحراف تو میں نے کبھی نہیں کیا۔ آپ کی عزت آپ کا وقار بھی ہمیشہ میری زندگی کا سنگ میل رہا ہے بس کچھ ایسے معاملات تھے جو میں آپ سے عرض کر چکا ہوں یعنی میرے ذہن میں وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک تصور یہ بھی تھا کہ وکالت کو صرف روایتی انداز میں نہ کیا جائے کیوں کہ اس لفظ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وکیل تو اتنا مقدس اور محترم نام ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ تقدس اور پاکیزگی ذہن میں ابھر آتی ہے۔ اور ہم اگر اس پیشے کو غلط سمتوں میں لے جائیں تو یہ ہمارا قصور ہے بس میں نے اس سے انحراف کیا اور خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس میں کامیابیاں حاصل ہوئیں اور باقی زندگی کے جو معاملات ہیں میں ان سے الگ کیسے ہٹ سکتا ہوں۔"
"عزیزم ان الفاظ سے جو پیار تم کھا سکتے ہو اس کا تم نے تصور نہیں کیا ہے۔ اس بار جج امجد حسین بولے۔"
"جی بھائی جان میرا گھر ہے یہ میں جانتا ہوں کوئی بھی مجھے زخمی نہیں کرے گا۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اچھا یہ بتاؤ شارق شادی کے سلسلے میں تمہارا کیا تصور ہے۔ تم اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"
"اگر آپ لوگ اجازت دیں گے تو اپنی پسند سے کر لوں گا۔ میں نے کہا۔

"ارے سعادت مند صاف صاف بولو ورنہ اس بار تم نکل نہیں سکو گے" تنویر بھابی نے کہا۔

"تنویر بھابی آپ صاف صاف بتا دیجئے مجھے کہ کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"بھئی میں بتاؤں تمہیں ہم لوگوں نے لڑکی کے بارے گفتگو کی ہے، جاوداں کا نام لیتے ہوئے۔ میں تھوڑی سی خجالت محسوس کر رہا ہوں لیکن اگر یہ مسئلہ حل ہو جاتا تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے لئے باعث فخر تھا لیکن جاوداں کا کہنا ہے کہ وہ تمہارے لئے دل میں مقدس جذبات رکھتی ہے اور اس نے تمہیں بھائیوں کی نگاہ سے دیکھا ہے چنانچہ مسئلہ ختم ہو گیا۔ شفق نے نیلوفر کے بارے میں سوچا تھا لیکن اندازہ یہ ہوا کہ تم نیلوفر کی جانب متوجہ نہیں ہو لیکن اب رہ گیا ایک مسئلہ اور ہم اس سلسلے میں تمہاری رائے لینا چاہتے ہیں۔"

"جی وہ کیا" میں نے سوال کیا۔

"الماس آرا، ایک نام یہ ذہن میں ہے اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس سلسلے میں گفتگو کا آغاز کریں تو بیگم صاحبہ بھی اس سے انکار نہیں کریں گی اب تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"جی نہیں میں الماس آرا سے شادی نہیں کرنا چاہتا" میں نے ٹھوس لہجے میں کہا اور ایک لمحے کے لئے تمام چہرے بے رونق ہو گئے، ممی نے کہا۔

"ٹھیک ہے تمہیں اس کا حق ہے تمہارے اپنے ذہن میں شادی کے لئے کوئی تصور ہے؟"

"ابھی تک میرے ذہن میں یہ تصور نہیں ابھرا تھا ممی لیکن اگر آپ یہ حکم دیتی ہیں تو پھر مجھے اس کیلئے تھوڑا سا وقت دیجئے تاکہ میں سوچ کر آپ کو یہ بتا سکوں کہ میں کہاں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کتنا وقت چاہتے ہو؟"

"جتنا آپ زیادہ سے زیادہ دے سکیں۔"

"ایک ہفتہ" ممی نے کہا۔

"بہت کم ہے۔"

"پندرہ دن؟" ممی بولیں۔

"یہ بھی کم ہیں۔"

"نہیں شارق پندرہ اور صرف پندرہ دن یہ آخری بات ہے۔"

"جی بہتر پندرہ دن میں، میں آپ کو جواب دے دوں گا کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم یہ موضوع ختم کرتے ہیں" ممی نے آہستہ سے کہا وہ بہت ٹھوس انداز میں گفتگو کر رہی تھیں اور واقعی اس کے بعد یہ موضوع ختم ہو گیا۔ لیکن یہ رات میرے لئے بڑی تشویش کی رات تھی مجھے یہ سب کچھ کرنا ہو گا یہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا ذہن کو نجانے کون سے راستوں پر موڑتا رہا ممی کی بات اگر نہ مانی اور اس سے انحراف کیا تو اس کے بعد کے حالات زیادہ پریشان کن ہو سکتے تھے وہ نازک طبع تھیں اور بہت کم معاملات میں ضد کرتی تھیں۔ بہرحال اب فیصلہ کرنا ضروری تھا۔ دماغ نجانے کب سے سوچ رہا تھا لیکن بالآخر میں نے ایک فیصلہ کر لیا اور میں نے یہ فیصلہ کیا تو مجھے خود حیرت ہونے لگی اور میں اس پر غور کرتا رہا نجانے کب نیند آ گئی تھی دوسرے دن صبح پرسکون تھا۔ ناشتہ وغیرہ گھر بھر ہی کیا سب لوگ مسکرا مسکرا کر مجھے دیکھ رہے تھے معصومیت تھی اس مسکراہٹ میں اس لیے میں بھی انہیں دیکھ دیکھ کر آنکھیں بھینگی بنا کر مسکراتا رہا۔ لالہ رخ یوں سمجھ رہی تھی جیسے اس نے مجھے پھر چوٹ دے دی ہو غرضیکہ یہ سادہ سادہ اور معصوم معصوم لوگ۔ میرے بارے میں نجانے کیا کیا سوچتے رہے اور میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ فاروقی صاحب کے دفتر پہنچا اور ان سے باتیں کرتا رہا۔ آج ان کا کورٹ میں کوئی کیس نہیں تھا اس لئے وہ دفتر ہی میں موجود تھے جاوید قریشی البتہ کورٹ چلے گئے تھے۔ فاروقی صاحب نے استاد چھوٹے کے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں بتا دیا کہ فی الحال وہ مصروف ہیں اور میں نے اس کے ساتھ ساتھ ہی انہیں تمام صورتحال بھی بتا دی تھی پھر میں نے فاروقی صاحب سے کہا۔

"فاروقی صاحب میرا خیال ہے نگہت شیرازی کا وہ فلیٹ بیچ دیا جائے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"مطلب یہ کہ اب اس کی والدہ کے لئے فلیٹ

بالکل بے کار چیز ہے میں چاہتا ہوں کہ فلیٹ بیچ کر کوئی بڑے کا گھر خرید لیا جائے۔" وکیل فاروقی مسکرانے لگے پھر بولے۔

"تم اتنا حق رکھتے ہو ان لوگوں پر؟"

"جی ہاں میرا خیال ہے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کریں گے اور پھر یہ ان کے حق میں بہتر ہی ہو گا" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر بیچ دو یہ بھی اچھی بات ہے ویسے بھی کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے اس سلسلے میں۔"

"براہ کرم آپ ایک اشتہار اخبار میں ریلیز کر دیجئے۔"

"ہاں ہاں بنا دو اشتہار" فاروقی صاحب نے کہا اور میں نے انہیں اشتہار بنا کر دے دیا۔ فاروقی صاحب بولے کہ یہ اشتہار فوراً ہی وہ اخبار کے دفتر کو بھجوا دیں گے۔

"دو تین دن تک یہ اشتہار آ جانا چاہئے اور فلیٹ کی قیمت کا تعین ہم کسی اسٹیٹ بروکر سے کر لیں گے۔"

"یہ کام بھی مجھے ہی سونپ دو۔ اطمینان رکھو بہتر انداز میں کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے" میں نے جواب [illegible] یہ قدم میں نے اٹھا تو لیا ہے لیکن نجانے کیوں مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اس سلسلے میں کوئی اعتراض کہیں سے بھی نہیں ہو گا۔ بہرطور یہ شعبہ ختم کر دیا گیا تھا، میں کافی دیر تک فاروقی صاحب کے ساتھ رہا میری اپنی بھی کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی اس لئے وہاں سے کوٹھی چل پڑا۔ کوٹھی میں استاد چھوٹے اور نگہت بیٹھے باتیں کر رہے تھے نگہت کی والدہ آرام کر رہی تھیں ویسے اب ان کی حالت کافی بہتر تھی استاد چھوٹے مجھے دیکھ کر اٹھ گئے انہوں نے مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو میں نے ان سے انکار کر دیا اور وہاں سے چلے گئے۔ نگہت شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی تھی۔

"کیوں دفتر نہیں گئیں تم آج؟"

"ہاں چیف۔ موڈ نہیں بنا تھا فون کر دیا یہاں سے میں نے" نگہت نے جواب دیا اور پھر بولی۔

"اگر آپ ابھی تشریف نہ لاتے تو میں آپ کی کوٹھی کی مہم شروع کرنے والی تھی۔"

"خیریت...؟"

"ہاں چیف سب خیریت ہے بس میں نے سوچا آج ذرا چھٹی کی ہے تو پھر آپ ہی کو پریشان کیا جائے۔"

"ہوں ٹھیک ہے میں پریشان ہونے آ گیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے چیف بہت بہت شکریہ آپ کی ان تمام پریشانیوں کا کیا شغل ہونا چاہئے اب یہ بتلائیے؟"

"بہت خوشگوار موڈ میں ہوں۔"

"وجہ......؟"

"بس خوشگوار موڈ کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہے کیا؟" نگہت نے کہا اور پھر بولی۔

"چیف آپ کو کبھی موسیقی سے دلچسپی رہی ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"مجھے ہے۔"

"اچھی بات ہے سنا ہے موسیقی روح کی غذا ہوتی ہے۔"

"جی ہاں سنا ہے میں نے، تھوڑی سی غذا کھلائی جائے آپ کی روح کو کیا خیال ہے؟"

"بیکار بات ہے ہم لوگوں کے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ موسیقی کی باریکیوں سے لطف اندوز ہوں۔"

"مگر آج تو ہم نے وقت نکال لیا ہے چیف ایک منٹ میں ابھی آتی ہوں" نگہت نے کہا اور پھر وہ ایک کیسٹ لے کر کمرے میں پہنچ گئی ڈیک کمرے میں لگا ہوا تھا اس نے ڈیک میں کیسٹ لگایا اور اسے آن کر دیا میں اس کی شرارت کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا لیکن چند ہی لمحات کے بعد ڈیک سے ایک آواز ابھری۔

"ہیلو کیسے مزاج ہیں آپ کے" یہ نگہت شیرازی کی آواز تھی۔

"کیا کہوں تم سے اس کے جواب میں، یہ کہوں کہ ٹھیک ہوں؟"

"نہیں نہیں میرا مطلب ہے آپ" نگہت کی آواز ابھری، دوسری آواز کو میں پہچان نہیں سکا تھا

"بیٹھو کون ہو تم کہاں سے آئی ہو؟"

"جی میں اخبار کی رپورٹر ہوں۔"

"ہوں بہرطور پہلے پل میں تم سے یہ نہیں کہوں گی،

تمہیں میرے پاس نہیں آنا چاہیئے تھا تمہارا اپنا بھی روزگار ہے لیکن ہم جیسے لوگوں کو اس معیار پر نہ لے آیا کرو کہ ہم اپنی اوقات بھول جائیں شاید ایک بڑے آدمی کا مسئلہ ہے اس لئے تم اس اندھی عورت میں بھی دلچسپی لے رہی ہو۔"

"نہیں اخباری نمائندے کسی بڑے اور چھوٹے پر یقین نہیں رکھتے آپ کے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا ہے اور ظاہر ہے آپ کی اپنی ذہنی کیفیت خراب ہو گی میں آپ سے اس حادثے کے بارے میں کچھ تفصیلات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھو بھئی میں کیا بتا سکتی ہوں تمہیں اس بارے میں جو کچھ ہے وہ سامنے آ چکا ہے۔"

"لیکن بہت سی باتیں ابھی سامنے نہیں آئیں۔"

"اگر اس کیس کے سلسلے میں کوئی بات ہے تو ظاہر ہے اس کے لئے میں عدالت میں ہی جواب دہ ہو سکتی ہوں پہلے سے کچھ اخبارات کو دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔"

"معافی چاہتی ہوں کچھ ایسی باتیں جو خالص ذاتی نوعیت کی ہیں اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ آپ کے اس کیس کے سلسلے میں کچھ رکاوٹ بن سکتی ہے تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گی لیکن اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو مجھے میرے سوالات کے جواب دے دیجئے۔"

"خیر پوچھو تم سوالات پوچھو۔"

"آپ ایک تعلیم یافتہ خاتون معلوم ہوتی ہیں؟"

"ہاں، بی۔ اے کیا ہے میں نے۔"

"آپ کے والدین۔"؟

"تھے کبھی اب نہیں ہیں۔"

"میرا مطلب ہے ان کا کلم وغیرہ۔"؟

"بتانا نہیں چاہتی۔" اندھی عورت نے جواب دیا۔

"اس کی کوئی خاص وجہ۔"؟

"ہاں میرے ذہن میں ہے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی میں پریشان نگاہوں سے یہ تمام گفتگو سن رہا تھا اور نگہت شیراز اس طرح دیوار کی جانب دیکھ رہی تھی جیسے میری موجودگی کا اسے یقین ہی نہ ہو، پھر نگہت شیراز کی آواز ابھری۔

"آپ کی بیٹی کا نام رضوانہ تھا۔"؟

"جی۔"

"اور آپ کا نام۔"؟

"فرزانہ ہے میرا نام۔" عورت نے جواب دیا۔

"فرزانہ صاحبہ، رضوانہ کی موت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"؟

"یہ کہ وہ مر گئی اور یہ کہ اب میں اس کائنات میں تنہا ہوں اور یہ کہ اسے وحشت و بربریت کا نشانہ بنا کر ہلاک کیا گیا ہے۔ اور بھی کچھ پوچھنا چاہتی ہو اس سلسلے میں۔"

"نہیں، نہیں میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ رضوانہ نے کبھی آپ کو یہ نہیں بتایا کہ اس کی فرم کے مالک کے ذہن میں اس کے لئے کوئی کھوٹ ہے۔"؟

"نہیں وہ ذاتی طور پر اتنی بُری لڑکی نہیں تھی، اُسے دھوکے سے ٹریپ کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک کیا گیا ہے۔"

"رضوانہ کے والد کون تھے۔"؟

"تھے اب نہیں ہیں۔"

"مطلب ....."؟

"مطلب یہ کہ جو نہیں ہوتا وہ نہیں ہوتا۔"

"دیکھئے خاتون عدالت میں آپ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ رضوانہ کے والد کون ہیں تو آپ کیا جواب دیں گی۔"؟

"میں نے کہا نا عدالت کے جواب عدالت میں ہی دینا زیادہ موثر ہو گا۔"

"ہوں، آپ کچھ تعاون نہیں کر رہیں مجھ سے۔"

"بے بی میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میری ذہنی کیفیت درست نہیں ہے بہتر ہو گا کہ مجھ سے تعاون کرو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، ذرا غور تو کرو میری کیفیت کیا ہو سکتی ہے اندھی ہوں ساری دنیا میں میری صرف ایک ہی بیٹی تھی اور میں اس کی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی ہوں میں نے جس انداز میں صبر کیا ہے میرا دل جانتا ہے بس اس کے بعد اگر مجھ سے فضول [illegible] ت کی جاتی تو یہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔

"آپ نے اپنے لئے کوئی وکیل کیا ہے۔"؟

"نہیں میرا کوئی وکیل نہیں ہے۔"

"اس کی وجہ ....."؟

"میں نے کہا نا کہ یہ سب کچھ ایک آزمائش ہے دوسروں کے لئے میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ دنیا میرے ساتھ کیا کرتی ہے۔"

"آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ شمشیر داور ایک دولتمند انسان ہے اور وہ اپنے لئے پچاس وکیل کھڑے کر سکتا ہے۔"؟

"تو پھر ....."

"وہ بچ گیا تو ....."؟

"میں خدا کی لاٹھی بے آواز سمجھتی ہوں، مجھے پورا بھروسہ ہے خدا پر کہ وہ شمشیر داور کو ضرور سزا دے گا۔"

"یقیناً یقیناً اچھا میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا، میں اجازت چاہتی ہوں۔"

صورتِ حال میری سمجھ میں آ چکی تھی یہ کیسٹ نگہت شیراز نے رضوانہ کی والدہ کی آواز میں ریکارڈ کیا تھا اس نے وہاں پہنچ کر معلومات حاصل کی تھیں۔ بہر طور یہ کیسٹ میرے لئے کافی دلچسپ تھا لیکن میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ رضوانہ کی ماں ایک ٹھوس کردار کی سخت گیر عورت ہے اور خاص طور سے اس کا لہجہ، نگہت ریکارڈ بند کر کے میری طرف دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔

"چیف میرے خیال میں یہ آپ کے معیار کی بات نہیں ہوئی۔"؟

"نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ہے ویسے ایک سوال میرے ذہن میں کلبلا رہا ہے۔ فوراً پوچھے لیتا ہوں ہو سکتا ہے بعد میں بھول جاؤں۔"

"جی چیف جی۔" نگہت شیراز نے کہا۔

"اس کی آواز میں کہیں غم کا شائبہ نہیں ہے، بلکہ ایک عجیب سی پختگی ایک انوکھا سا انداز ہے اس عورت کی ویسے کیا کیفیت تھی۔"؟ نگہت شیراز نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"چیف وہ نکتہ پکڑا ہے آپ نے صرف آواز سے جو میں نے چہرے اور انداز سے پکڑا تھا یہ آپ کی کوالٹی ہے۔"

"مطلب۔"

"میں خود حیران ہوں اس بات پر کہ عورت اتنی زیادہ غم زدہ نظر نہیں آ رہی ہے جتنی غم زدہ ایک ایسی بیٹی کی ماں کو ہونا چاہیئے جس کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں اور جس کی تنہا بیٹی اس دنیا سے اس طرح جا چکی ہو۔"

"گویا میرا اندازہ درست ہے۔"؟

"سو فیصدی درست۔"

"مگر نگہت کیا تصور رکھتی ہو تم اس سلسلے میں۔"؟

"عورت عدالت میں اپنا بیان دے گی میری سمجھ میں کچھ باتیں نہیں آئیں اس کے اندر یہ پختگی آخر کیوں ہے۔ نہ اس نے اپنے والدین کا نام بتایا نہ شوہر کا نام بتایا بس بیٹی ہی کے بارے میں چند باتیں کر کے رہ گئی بے شک وہ ماں ہے لیکن آپ یقین کریں چیف کہ اس کے انداز میں وہ کیفیت نہیں پائی جاتی تھی جس کی ہمیں توقع تھی۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ۔"؟

"ہے چیف۔" نگہت نے کہا اور میں اچھل پڑا۔

"کیا مطلب۔"؟

"ظاہر ہے چیف کہ جب یہ صورتِ حال پیش آئی تو مجھے اس کے بارے میں کھوج ہونی چاہیئے۔"

"آگے بولو نگہت۔ آگے بولو۔"

"بولنے کی بات نہیں ہے چیف ذرا یہ ڈائری ملاحظہ فرمالیجئے۔" نگہت نے کہا اور براؤن رنگ کے چمڑے کی ایک ڈائری میرے حوالے کر دی۔ ڈائری کئی سال پُرانی تھی اور اس میں باقاعدہ اندراجات تھے۔ میں نے پہلے صفحے سے پڑھنا شروع کیا لکھا تھا۔

"زندگی کی کہانی بڑی عجیب ہوتی ہے اور اگر اس میں نت نئے واقعات نہ پیش آئیں تو زندگی ایک طرح سے بے معنی ہو جاتی ہے دل چاہ رہا ہے کہ اپنی زندگی کی کہانی اس ڈائری میں درج کروں دراصل پچھلے کچھ دنوں سے آنکھوں کی کیفیت بہت خراب ہے اور نگاہوں کے سامنے عجیب و غریب چیزیں رقصاں رہتی ہیں یوں لگ رہا ہے جیسے آہستہ آہستہ میری بینائی ختم ہو جائے گی، بینائی ختم ہو گئی تو دل کا وہ بخار نہ نکال سکوں گی جو میرے دل میں پنہاں ہے۔" میں ڈائری میں کھو گیا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ نگہت کب چپکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی ہے ڈائری کا ایک ایک ورق میرے جسم میں خون کی روانی تیز کرتا جا رہا تھا اور میں شدید ہیجان محسوس کر رہا تھا

میں ڈائری پڑھتا رہا اور اس وقت چونکا ... نگہت نے اپنا ہاتھ میرے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"رُک جائیے چیف، جہاں ہیں وہیں رک جائیں۔ آپ کے چہرے کی کیفیت بتاتی ہے کہ اس وقت آپ انتہائی ہائی بلڈ پریشر کا شکار ہیں۔"

"اوہ نگہت اوہ اوہ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"چیف جب آدمی اوہ اوہ کرنے لگے تو اسے فوراً عمدہ قسم کی کافی پی لینی چاہیئے میں یہ کافی آپ کے لئے لے آئی ہوں۔"

"میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی ... نگہت یہ ڈائری تمہیں کہاں سے حاصل ہو گئی۔"؟

"چیف کافی پیئیں کافی۔"

"ہاں بہت بہت شکریہ نگہت واقعی اس ڈائری کو پڑھنے کے بعد جو ذہنی حالت ہوئی ہے کافی اس میں بے حد سکون دے گی۔"

"سکون حاصل کیجئے چیف ذرا دیکھئے کیسی عمدہ کافی بنائی ہے میں نے استاد جمو نے اتنی اچھی کافی نہیں بناتے۔"

"بالکل نہیں بناتے۔" میں نے کہا اور کافی کے کئی سپ لینے کے بعد میں نے پھر اس سے پوچھا۔

"ہاں مجھے بتاؤ، یہ ڈائری تمہارے ہاتھ کہاں سے لگ گئی۔"

"چیف اس نے کچھ نہیں بتایا تھا میں سمجھ گئی کہ تعلیم یافتہ عورت ہے اور اس طرح سے کراس کر سکتی ہے چنانچہ میں اس سے اجازت لی دروازے تک آئی دروازہ کھولا اور پیچھے ہٹ گئی تاکہ عورت یہ سمجھ لے کہ میں دروازے سے باہر نکل گئی ہوں میں یہ بھی جائزہ لینا چاہتی تھی کہ اس کا اندھا پن کیا حیثیت رکھتا ہے مگر چیف وہ بے چاری واقعی اندھی ہے گو اس کی حسیات بہت تیز ہیں لیکن پھر بھی اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں وہیں موجود ہوں میں نے سانس تک روک لیا تھا پھر جب وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی تو میں اسے غور سے دیکھتی رہی وہ ایک کمرہ میں جا کر بیٹھ گئی تھی اور اس کے بعد چیف میں نے اس مکان کے باقی دو کمروں کی تلاشی لینا شروع کر دی، دونوں کمروں کی تلاشی لینے سے مجھے کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اب اس بے چاری کو کمرے سے نکالنا تھا چنانچہ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے ایک بار پھر دروازے پر زور زور سے دستک دی اور وہ عورت نکل کر باہر آ گئی۔ اس دوران میں کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔ دروازہ کھول کر اس نے شاید یہ معلوم کرنا چاہا کہ کون ہے لیکن ظاہر ہے کوئی ہوتا تو پتہ چلتا اس کے بعد چیف قسمت یاور تھی وہ بہت دیر تک دروازے کے پاس رہی غالباً یہ دیکھنے کے لئے کہ آخر کسی نے دستک کیوں دی ہے اور اس تلاشی کے دوران چیف مجھے اس کے پلنگ کی سائیڈ دراز میں یہ ڈائری مل گئی اور بس میں نے اسے تھوڑا سا دیکھا اور اپنے قبضے میں کر لیا اس کے علاوہ اور کوئی چیز مجھے وہاں دستیاب نہیں ہو سکتی تھی۔" میں کیسی چالاکی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ بے چاری اندھی عورت۔" میں کافی کے گھونٹ لیتا رہا اور اس کے بعد میں نے نگہت سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"نگہت میں یہ پوری ڈائری پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"تو پڑھ لیں چیف جس چیز کی ضرورت ہو بتا دیں میں ذرا ممی کے پاس جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے شکریہ۔" میں نے کہا اور ایک بار پھر میں ڈائری میں گم ہو گیا۔ یہ ڈائری کیا تھی یوں سمجھنا چاہیئے کہ میری تقدیر کا باب کھل گیا تھا شمشیر داور کا کیس بالکل ہی نگاہوں کے ... آ گیا تھا اور اس طرح آیا تھا کہ میرے بدن کا رواں رواں تھرا کر رہ گیا تھا۔ پھر میں آہستہ آہستہ ڈائری کے آخری ورق تک پہنچ گیا تھا میرا سر چکرا رہا تھا اور میں فرطِ مسرت سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا جتنی آسانی مجھے اس کیس میں حاصل ہو گئی تھی اس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور نگہت شیراز۔ نگہت شیراز، نگہت شیراز میرے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر حال اس کے بعد میں نگہت شیراز کے اس کمرے میں آ گیا جہاں اس کی ماں موجود تھی وہ اپنی ممی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ نگہت کی والدہ نے ہمیں دیکھا اور بڑے محبت بھرے انداز میں ایک ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔ نگہت شیراز کی والدہ کے چہرے پر ایک ایسی عجیب کیفیت تھی جسے دیکھ کر میں تڑپ اٹھا ان کی آنکھوں میں ایک سوال تھا ایک محبت تھی، ایک طلب تھی

ایک مانگ تھی لیکن لب خاموش تھے وہ چند لمحات میرا چہرا دیکھتی رہیں پھر انہوں نے مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"بیٹھو شارق بیٹھو بیٹے۔"

"جی امی کہیئے کیسی طبیعت ہے آپ کی۔"؟

"تم نے ٹھیک کر دیا مجھے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"تو یہ کہیئے امی تو یہ کہیئے، میری بھلا کیا حیثیت ہے۔"

"نہیں انسان بڑی کمزور شخصیت کا مالک ہوتا ہے وہ محبت کرنے والے اسے نجانے کتنی طویل زندگی بخش دیتے ہیں۔ واقعی تم نے مجھے زندہ کر دیا ہے شارق زندہ کر دیا ہے مجھے ورنہ بڑی تنہائی کا شکار تھی۔"

"میں آپ کو اب تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا ممی آپ۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہو رہا ہے ویسے یہ نگہت بہت نٹ کھٹ ہے آپ کو تنگ تو نہیں کرتی۔"؟

"آپ نہیں تم ہی سے مخاطب کریں مجھے۔ آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔"

"کبھی مجھے اپنے گھر والوں سے نہیں ملاؤ گے۔"؟

"ضرور ملاؤں گا بہت جلد بس اس کے لئے تھوڑا سا انتظار کر لیجئے میں جان بوجھ کر انہیں یہاں نہیں لایا تاکہ آپ کو پورا پورا سکون ملے۔" نگہت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھا آپ نے امی باتیں کتنی عمدہ کرتے ہیں شارق صاحب۔"

"بہت اچھا انسان ہے یہ بہت اچھا انسان ہے اس میں کوئی شک ہے۔"

"نہیں ممی کوئی شک نہیں ہے۔" نگہت نے جواب دیا نگہت کی والدہ کی وہ آنکھیں میں قیامت تک نہیں بھول سکوں گا ان آنکھوں میں جو مانگ تھی، جو طلب تھی وہ میرے دل کی گہرائیوں پر ضربیں لگاتی رہی تھی اور مجھے خوشی تھی کہ میں ان لوگوں کے لئے بہت اچھے انداز میں سوچا تھا پھر میں نگہت کے ساتھ باہر نکل آیا میں نے نگہت سے کہا۔

"اس ڈائری نے تو یہ پورا کیس ہی حل کر دیا ہے نگہت"

"ہاں چیف، اس کا معاوضہ ذرا اتنا تگڑا ہونا چاہیئے کہ ہمارے بہت سے مسائل حل ہو جائیں۔"

"خدا کی بندی اب تمہارا مسئلہ ہے کیا۔"؟

"ارے چیف کیسی باتیں کرتے ہیں بھلا پیسے کی ضرورت کس کو نہیں ہوتی۔"

"کچھ چاہیئے تمہیں۔"؟

"نہیں، نہیں ابھی تو کچھ نہیں چاہیئے لیکن ذرا اسے حساب میں درج کر لیجئے گا۔"

"درج کر لیا ہے بھائی درج کر لیا ہے تم تو واقعی بہت ہی عجیب خاتون ہو، پیسہ، پیسہ ہر وقت پیسہ۔"

"آہ چیف اس دنیا نے پیسے کو نجانے کیا سے کیا بنا دیا ہے کیا بتاؤں آپ کو، اچھا خیر اب چھوڑیئے یہ بتایئے کہ آپ نے کیا فیصلے کیئے۔"؟

"نگہت تم نے واقعی کمال کیا ہے میں تمہاری اس کارکردگی کی داد نہیں دے سکتا۔"

"داد نہ دیجئے چیف بس اس کا معاوضہ ذرا بہتر طور پر ادا کر دیجئے گا۔" نگہت نے کہا۔

"ہوں، میرا خیال ہے اس میں دو کرداروں کی نشاندہی کی گئی ہے تم نے اسے پورا پڑھ تو لیا ہو گا۔"

"بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا چیف کہ میں اسے نہ پڑھتی۔"

"میرا خیال ہے ان دونوں کرداروں کو دیکھ لینا ہے

ضروری ہے۔"

"آپ جیسا مناسب سمجھیں چیف۔" نگہت نے جواب دیا۔

"تم دفتر کل جاؤ گی۔؟"

"ہاں جاؤں گی، کیوں۔؟"

"نہیں ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور نگہت نے گردن ہلا دی۔

کافی دیر تک میں نگہت کے ساتھ وقت گزارا تھا اس کے بعد میں وہاں سے باہر نکل آیا، ڈائری میں نے وہیں اپنی کوٹھی میں ایک جگہ پوشیدہ کر دی تھی البتہ وہ دونوں پتے میں نے نوٹ کر لئے تھے جو اس ڈائری سے مجھے حاصل ہوئے تھے، باہر نکلنے کے بعد میں کچھ دیر تک ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر میں نے بدرشاہ کی جانب رخ کیا تھوڑی دیر کے بعد میں بدرشاہ کے ٹھکانے پر پہنچ چکا تھا۔ پھر اس نے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

"شارق بھائی جی بہت عرصہ ہوگیا آپ نے ہم سے کوئی کام نہیں لیا۔"

"بدرشاہ یہ بات تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جب مجھے تم سے کوئی کام ہوتا ہے تو میں اس میں تکلف نہیں کرتا۔"

"تکلف کرنا بھی نہیں چاہیئے شارق بھائی جی ورنہ پھر ہمارا کیا مصرف ہوگا۔"

"اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ جمال خان نامی کسی آدمی کو جانتے ہو کسی زمانے میں اسٹوڈنٹ رہ چکا ہے خاصا خطرناک آدمی تصور کیا جاتا ہے۔"

"جمال خان کسی زمانے میں اسٹوڈنٹ لیڈر رہ چکا ہے؟"

"پرانی ہی بات ہوگی۔ کیوں کہ بہت عرصے سے ایسا کوئی نام سننے میں نہیں آیا۔"

"نہیں چیف میں نہیں جانتا۔" بدرشاہ نے جواب دیا

"اچھا یہ پتہ نوٹ کرو بدرشاہ اور معلوم کرو کہ یہاں جمال خان نامی کوئی آدمی رہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے چیف پتہ لگ جائے گا آپ پرواہ ہی نہ کریں۔"

"کب اطلاع دو گے۔؟"

"شام تک جہاں حکم کرو۔"

"نہیں میں تمہیں خود ٹیلی فون کروں گا۔" ذرا تفصیلی معلومات حاصل کر لینا اور اس شخص کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دینا میرا مطلب سمجھ رہے ہو ناں اگر یہ خدشہ ہو کہ یہ ہاتھوں سے نکل جائے گا تو پھر اسے اٹھا لینا اور محفوظ کر لینا۔"

"ٹھیک ہے چیف اچار کے مرتبان میں بند کر لوں گا۔" بدرشاہ نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا تھوڑی دیر تک بدرشاہ کے ساتھ رہا، اس کے بعد واپس آگیا دوسرے پتے کو میں نے خود ہی تلاش کر لینا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔ چنانچہ اسے ذہن نشین کرنے کے بعد اس علاقے کی جانب چل پڑا جہاں اس دوسرے آدمی سے ملاقات کی توقع تھی۔

صدیقی کے مکان کو تلاش کرنا میرے لئے زیادہ مشکل نہیں رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک ایسے مکان کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ جو درمیانہ درجے کے کسی آدمی کا مکان ہو سکتا تھا۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ تو ایک دبلے پتلے بدن کا آدمی میرے سامنے کھڑا ہوا۔

"جی فرمایئے۔"

"شاہد حسین صدیقی صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔"

"میں ہی ہوں فرمایئے۔"

"آپ سے بہت ضروری کام ہے شاہد حسین صاحب براہ کرم کچھ وقت عنایت فرمایئے مجھے۔"

"جی بہتر ہے۔ وہاں سامنے درخت کے نیچے چل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ معاف کیجئے گا میرے گھر میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں میں آپ کو بیٹھنے کی پیش کش کر سکوں۔"

"ہوں۔ تشریف لایئے۔" میں نے کہا اور شاہد حسین صدیقی میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ درخت کے نیچے کچھ ایسی پتھریلی جگہیں بنی ہوئی تھیں جہاں ہم دونوں بیٹھ گئے۔ میں نے شاہد حسین صدیقی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاہد حسین صاحب مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے۔ پلیز آپ مجھے بتایئے آپ کیا کرتے ہیں۔؟"

"جی ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہوں۔ کلرک کرتا ہوں وہاں۔"

"بیگم ہیں آپ کی۔؟"

"جی ہاں......"

"بچے کتنے ہیں۔؟"

"تین بچے ہیں۔ دو بیٹے ایک بیٹی۔"

"تنخواہ کیا ملتی ہے آپ کو۔؟"

"جناب دراصل میں آپ کی بات کا مطلب سمجھا نہیں۔ آپ مجھ سے یہ ذاتی سوال کیوں کر رہے ہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے شاہد حسین صدیقی صاحب کہ آپ صورت سے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، میں نہیں چاہتا کہ آپ کسی بھی مصیبت میں پھنسیں، میرا تعلق محکمہ خفیہ سے ہے اور مجھے آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔"

"ج...... جی...... لک...... کس سلسلے میں۔"

"سلسلہ ابھی آپ کو نہیں بتایا جا سکتا شاہد صاحب، دو ہی باتیں ہیں، یا تو آپ میرے سوالات کے تسلی بخش جواب دے دیں اور اگر نہ دینا پسند کریں تو براہ کرم میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیئے وہاں آپ سے ساری تفصیلات معلوم کر لی جائیں گی۔ دراصل ہم لوگ عزت دار لوگوں کو تکلیف نہیں دیتے اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کی عزت نہ اچھلنے پائے۔ لیکن اگر ہمیں مجبور کیا گیا تو ظاہر ہے ہمیں اپنے فرائض تو انجام دینے ہی ہوتے ہیں۔"

شاہد حسین صدیقی واقعی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا میرے الفاظ سن کر تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر بولا۔

"دیکھیئے جناب۔ سرکاری ملازم ہوں اور اس عمر میں ہوں کہ اب مجھے کہیں دوسری ملازمت مل بھی نہیں سکتی بال بچوں والا ہوں ایسا بھی کوئی نہیں ہے جو میری کفالت کر سکے۔ اگر آپ مجھ پر رحم کریں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔"

"اس لئے شاہد حسین صدیقی صاحب آپ کو مجھے تمام تفصیلات سچ سچ بتانا ہوں گی۔ اگر ایک بھی لفظ غلط نکلا تو آپ نے میری ہدایت کے خلاف عمل کیا تو پھر آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا ٹھکانہ کہیں نہیں ہوگا۔"

"نہیں جناب آپ اس علاقے سے معلوم کر لیجئے۔ میں اپنے آپ کو شریف تو نہیں کہتا، لیکن میری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔"

"مجھے یقین ہے صدیقی صاحب اور اسی یقین کے ساتھ میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی جی فرمایئے۔ فرمایئے۔" شاہد حسین صدیقی نے کہا۔ اور میں نے اس سے اپنا پہلا سوال پوچھا۔

"آپ کے اہل خاندان میں کون کون ہے یہاں۔؟"

"بہت مختصر سا خاندان ہے جناب میرا۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ کوئی قریبی عزیز تو ہے ہی نہیں سوائے ایک بہن کے۔"

"کیا اس بہن کا نام فرزانہ ہے۔؟"

"جی ہاں، کیا آپ جانتے ہیں۔؟"

"ہاں شاہد صاحب اور یقیناً یہ بات بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ فرزانہ کی بیٹی رضوانہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"جی ہاں میں جانتا ہوں۔"

"مجھے اس سلسلے میں ماضی کی کچھ باتیں آپ سے دریافت کرنی ہیں آپ بتانا پسند کریں گے۔؟"

"یقیناً جناب اگر آپ یہ فرما دیتے کہ آپ رضوانہ کے قتل کے سلسلے میں تفتیش کر رہے ہیں تو میں ویسے ہی آپ سے پورا پورا تعاون کرتا۔"

"فرزانہ آپ کی سگی بہن ہے۔؟"

"جی نہیں، ماموں زاد بہن ہے، لیکن سگے ماموں کی بیٹی۔"

"ہوں۔ فرزانہ کا ماضی کیا ہے۔" میں نے سوال کیا۔ اور شاہد حسین صدیقی کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے زبان کھول دی۔ میں اس سے جو کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا معلوم کرتا رہا۔ ایک ایک سوال کر کر کے کرید کرید کرتا رہا اور میرے ذہن کے تمام گوشے روشن ہوتے گئے۔ ڈائری کی تحریر کے مطابق بہت سی باتیں میرے علم میں آ چکی تھیں اور شاہد حسین صدیقی کے تمام جوابات کو میں ڈائری کی تحریر کی روشنی میں تول رہا تھا۔ وہ آدمی واقعی شریف تھا اور اس نے ایک جواب بھی غلط نہیں دیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"دیکھیں جناب اس سلسلے میں میرے بارے میں کیا رپورٹ ہے، میرا مطلب ہے میرے بارے میں تو پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔ لیکن آپ کو عدالت میں طلب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بات جو خصوصی طور پر آپ سے کرنی ہے شاہد صاحب وہ یہ ہے کہ آپ میری اور اپنی اس ملاقات کے بارے میں ایک لفظ بھی کسی کو نہیں بتائیں گے یہاں تک کہ اپنی بہن فرزانہ کو بھی نہیں۔

" فرزانہ سے میری ملاقات تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس نے ان دنوں تو خود مجھے منع کر دیا تھا کہ میں اس سے ملنے کی کوشش نہ کروں۔

" یقیناً ایسا ہوا ہوگا، میں آپ سے صرف یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آپ۔ نہ تو اپنا یہ گھر چھوڑیں گے نہ ہی کہیں جائیں گے اس بات کا وعدہ آپ سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو ذرہ برابر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

" جناب عالی ایک شریف آدمی دوسرے شریف آدمی سے بس یہی درخواست کر سکتا ہے۔ ہاں اگر میری ذات سے کوئی جرم ملوث پایا جائے تو آپ بے شک مجھے نہ چھوڑیے لیکن اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو خدا کے لیے میرے بچوں کا خیال کیجیے۔ اب میں اس عمر میں ہوں کہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتا اور بچے ابھی چھوٹے ہیں، سب کا کفیل میں ہی ہوں۔ آپ

آپ شاہد صدیقی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

" نہیں شاہد صاحب، جو معلومات آپ نے مجھے فراہم کی ہیں۔ میں ان سے پوری طرح مطمئن ہوں اور جو تفصیلات آپ نے مجھے بتائی ہیں، وہ بھی میرے لئے بہت اہمیت کی حامل ہیں بہر طور مقصد میرے کہنے کا یہ ہے کہ عدالت میں آپ کو کیس کے سلسلے میں بلایا جا سکتا ہے۔ آپ وہی بیان دیں گے۔ جو آپ نے مجھے بتایا ہے۔ میں اس میں کسی رد و بدل کے بارے میں نہیں کہتا لیکن کم از کم تمام سچائیاں آپ کو عدالت کے سامنے بیان کرنا ہوں گی۔ اور خصوصاً میں اس بات کی ہدایت کرتا ہوں کہ اس دوران آپ فرزانہ صاحبہ سے ملاقات نہ کریں ورنہ اپنی گردن نہ بچا سکیں گے آپ۔"

" آپ مطمئن رہیں، مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ میں ایسا کروں۔"

" بہت بہت شکریہ، شاہد صاحب۔ اب میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔"

" معافی چاہتا ہوں صاحب کہ کوئی خدمت نہ کر سکا۔"

" نہیں کوئی بات نہیں ہے ... میں نے جواب دیا اور اس کے بعد میں شاہد حسین صدیقی سے رخصت ہو کر چل پڑا۔

میرے اندر مستیاں ابھر رہی تھیں، جو کچھ ہوا تھا وہ اتنا شاندار تھا کہ میں اس کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بہر طور میر جیتا اپنا اظہار کرتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگ سچ کو بھی غلط ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جائیں۔ یہ تمام معاملہ میری نگاہوں کے سامنے عریاں ہو چکا تھا لیکن ابھی کچھ تفصیلات اور بھی تھیں جن کا پتہ بدر شاہ ہی سے چل سکتا تھا۔

سات کو میں نے بدر شاہ کو ٹیلی فون کیا۔ کوٹھی میں پہنچ گیا تھا اور نگہت شیراز کے ساتھ وقت گزارنے کا ارادہ تھا۔ نگہت شیراز کسی کام سے گئی ہوئی تھی۔ اس کی والدہ اکیلی تھیں۔ بہر طور بدر شاہ کو فون کر کے میں نے اس سے جمال خان کے بارے میں پوچھا۔

" لو جی شارق بھائی جی آپ بدر شاہ کو کوئی کام سونپیں اور بدر شاہ وہ نہ کر پائے، وہ ہمارا یار جمال خان اس وقت ہمارے اڈے پر ہے، حالت خراب ہے۔ ویسے آدمی خاصا لچا ہے اور ان دنوں بڑے عیش سے ہے۔

" بدر شاہ کیا میں تمہارے پاس آجاؤں ...؟"

" جیسی مرضی شارق بھائی جی کی، ویسے آپ کا مہمان خیریت سے ہے۔"

" میرا مطلب ہے اس سے حاصل ہونے والی تفصیلات۔

" اس سے تو کوئی تفصیل معلوم نہیں کی ہم نے، بس اٹھا لائے ہیں اسے، بدمعاشی پھیلنے کی کوشش کر رہا تھا، جب ہم نے اس کے بارے میں پتہ لگایا تو اسے کسی نہ کسی طرح سے پتہ چل گیا کہ ہم اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں پھر وہ ہمارے اڈے پر پہنچ گیا اور جا تو کھول لیا ہم پر۔ بس جی یہیں سے بات خراب ہو گئی، ہم نے سوچا کہ ایسا آدمی تو کبھی چکر چلا سکتا ہے، چنانچہ ہم نے اسے اٹھا لیا۔ اور اب وہ ہمارے پاس ہے، ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں ہم نے اس کے، مزے میں ہے، کھلا پلا بھی رہے ہیں ہم اسے۔

" اس کی کیفیت کیا ہے ...؟"

" معلومات کر لی ہیں شارق بھائی جی۔ پہلے یونہی معمولی سی حیثیت کا مالک تھا۔ لیکن ان دنوں بڑے عیش کر رہا ہے محلے والوں کا کہنا ہے کہ وہ جرائم پیشہ آدمی ہے جوا، دوا

بھی کھیلتا ہے اور پہلے اس کی مالی حالت بہتر نہیں تھی۔ یا تو جوئے میں کوئی بڑی رقم جیت گیا ہے یا پھر کوئی اور جرم کر ڈالا ہے اس نے، ویسے محلے والے بھی عاجز ہیں اس سے اور انہوں نے ہمارا پورا پورا ساتھ دیا ہے۔

" اسے اپنے پاس محفوظ رکھو، اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کر کے میں تمہیں اطلاع دوں گا۔"

" او جی وہ بالکل محفوظ ہے شارق بھائی جی، آپ بالکل پرواہ مت کرو۔ بدر شاہ نے جواب دیا اور میں نے تھوڑی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد ٹیلی فون بند کر دیا۔ اب میرے ذہن میں دوسرے منصوبے کا آغاز ہو رہا تھا نگہت شیراز مجھ سے بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ اس نے مجھ سے تفصیلات پوچھیں تو میں نے اسے بھی تمام تفصیلات بتا دیں۔"

" یہ تو سارا کیس ہی ٹائیں ٹائیں فش ہو گیا چیف، میرا مطلب ہے اب آپ آرام سے اپنا کام شروع کر سکتے ہیں۔

" نہیں نگہت ابھی کچھ چیزیں باقی ہیں۔"

" تو بتاؤ نا چیف یہ الہ دین کا جن کس کام آئے گا۔

" جن صاحب اب آپ آرام کیجئے۔ بہت زیادہ مشقت میں نہیں لینا چاہتا آپ سے۔ میں نے کہا اور نگہت شیراز نے شانے ہلا دیئے۔

" جیسی چیف کی مرضی۔ ظاہر ہے کسی کام کے لئے چیف کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا۔

تیرا کام میں نے جاوید قریشی کے سپرد کیا تھا یعنی اس ہٹ کی خریداری کے بارے میں تفصیلات جو شمشیر داور کے نام سے خریدی گئی تھی۔ جاوید قریشی نے مجھے بتایا کہ کل کا دن وہ اسی کام میں صرف کر دے گا اور میں نے تمام تفصیلات بتانے کے بعد بدر شاہ کی جانب رخ کیا ... یہاں میری ملاقات جمال خان سے ہوئی۔ نوجوان اور خوبصورت سا آدمی تھا لیکن چہرے پر غنڈہ گردی کے آثار صاف جھلکتے تھے۔

" تو تم جمال خان ہو۔"

" تم کون ہو۔ اس نے سوال کیا۔"

" بس جمال خان کچھ ایسی بات ہو گئی ہے دوست جس سے تمہاری حیثیت کافی مشکوک ہو گئی ہے۔"

" دیکھو جی بات دراصل یہ ہے کہ مجھے موقع ہی نہیں دیا گیا۔ ورنہ اتنا آسان بھی نہیں تھا مجھ پر ہاتھ ڈال دینا۔ ایک بات آپ لوگ اچھی طرح سمجھ لو کہ آپ جو کچھ کر رہے ہو آپ کو نقصان ہی اٹھانا پڑے گا ...

" ہاں جمال خان، ہمیں اس کا اندازہ ہے بہتر ہے کہ اس سلسلے میں اور سے رابطہ قائم کیا جائے۔ کیوں کہ تم خود تو اپنی زبان کھولو گے نہیں۔"

" کیا زبان کھلوانا چاہتے ہو تم ...؟"

" رضوانہ کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی ہیں تم سے۔

" کون رضوانہ ... ؟ جمال خان چونکا تھا لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش بھی کی تھی۔

" وہ اندھی ماں کی بیٹی جس کے پیچھے تم ایک طویل عرصے سے پڑے ہوئے تھے۔"

" تم جانے کہاں کی ہانک رہے ہو تم، میں کسی رضوانہ اور اس کی اندھی ماں کو نہیں جانتا۔ جمال خان نے جواب دیا ...."

" جمال خان بہتر ہے کہ تم اقرار کر لو، ورنہ خواہ مخواہ ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے جس کا تم نے تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

" تم جو کوئی بھی ہو مجھے ایک بار میرے گھر پہنچا دو اس کے بعد میں تمہارا ہر چیلنج قبول کر لوں گا۔ جمال خان نے کہا اور بدر شاہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

" بس بھائی جی، اب تم جاؤ، جو کچھ پوچھنا ہے ہمیں اس کی اجازت دو، ہم پوچھ کر تمہیں بتا دیں گے۔

" نہیں بدر شاہ اس کا ڈیپارٹمنٹ میرے ساتھ الگ موجود ہے، تمہیں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

" یہ زبان نہیں کھولے گا بھائی جی۔ ہم کہہ رہے ہیں آپ سے۔"

" میں نے کہا نا بدر شاہ اس کا مسئلہ تو بہت آگے جائے گا، ہم اپنے ہر ڈیپارٹمنٹ سے کام لیں گے تم غالب کو کیا سمجھتے ہو ...؟"

" جی بدر شاہ نے چونک کر کہا۔

" ہاں ڈی ایس پی غالب، میں نے کہا اور بدر شاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

" ٹھیک ہے شارق بھائی جی. اگر آپ کا یہی خیال ہے تو پھر ہم اس سلسلے میں اعتراض نہیں کریں گے "

" تو پھر ڈی. ایس. پی کو یہیں بلواتے ہیں ہم نے کہا۔

" ور بدرشاہ نے گردن ہلا دی. جمال خان عجیب سی نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے خود کہا۔ تم لوگ آخر کون ہو؟"

" جمال خان ہم جو کوئی بھی ہیں تمہیں تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہو جائے گا. بہتر ہے کہ اب تم آرام کرو۔ انسان کو مضبوط قوت ارادی کا مالک ہونا چاہیئے. تم نے ہمیں کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کیا ہے چنانچہ ہم اب دوسرا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں، میں بدرشاہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جمال خان کو بند کر دیا گیا تھا۔ پھر بدرشاہ کے ٹھکانے سے ہی میں نے ڈی ایس پی غالب کو فون کیا۔ انسپکٹر غالب اب ڈی ایس پی بن چکا تھا۔ لیکن اس کی فطرت میں سادگی پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ وہ میرا فون موصول کرتے ہی اچھل پڑا۔

" لو جی شارق بھائی جی، واقعی کمال ہو گئی۔ ابھی ہم نے آپ کو یاد ہی کیا تھا ایک سلسلے میں۔

تو پھر واقعی کمال ہو گئی ڈی. ایس پی صاحب، آپ مصروفیت کا کیا عالم ہے "

" بس جی کچھ نہ پوچھو، جتنا بڑا عہدہ اتنی ہی ذمہ داریاں ہم تو پہلے ہی جان چھڑاتے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے اس بات پہ کہ ہمیں انسپکٹر سے سب انسپکٹر بنا دیا جاتا تھا، بس جی شارق بھائی جی، آپ نے ہمارے گلے پر یہ بوجھ ڈلوا دیا۔ خیر کہیئے کیا حکم ہے "

" بدرشاہ کے ڈیرے کے بارے میں جانتے ہو "

" وہ اپنا بدرشاہ "

" ہاں ... "

" کیوں نہیں جانیں گے جی، عیش کر رہا ہے آج کل آپ کے راج میں "

" دو چار آدمیوں کو لے کر وہاں آجاؤ، ساری تفصیلات سمجھا دوں گا ... "

" ابھی ... "

" ویسے کوئی مصروفیت ہو تو کوئی بات نہیں ہے۔

" نہیں جی۔ ہم تو اس لئے پوچھ رہے ہیں کہ صحیح ٹائم ہمیں معلوم ہو جائے۔

" تو بس پھر ابھی آجاؤ۔ انتظار کر رہا ہوں۔ میں نے کہا اور اس کے بعد فون بند کر دیا۔ تقریباً پینتیس منٹ کے بعد ڈی ایس پی غالب چند افراد کے ساتھ وہاں پہنچ گیا اور میں اسے صورت حال بتانے لگا ..... غالب غور سے میری تمام باتیں سن رہا تھا، پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

" ٹھیک ہے شارق بھائی جی۔ ہم لے جا رہے ہیں اسے اور آپ بالکل فکر نہ کریں رپورٹ آپ کو مل جائے گی ... "

" شکریہ غالب۔ میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد جمال خان کو ڈی. ایس. پی غالب کی تحویل میں دے دیا گیا غالب نے اسے اپنے اسی مخصوص انداز میں دیکھا تھا جس انداز میں وہ ایسے مجرموں کو دیکھا کرتا تھا۔ جمال خان نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن غالب نے ڈانٹتے ہوتے ہوئے کہا۔

" دیکھ بھائی ہم ہیں سرپھرے آدمی فضول باتیں برداشت نہیں کرتے۔ ہمیں سے پٹنا شروع کرے گا یا بتانے جا کرے گا بہتر طریقہ یہ ہے کہ زبان بند رکھ، جب ہم تجھ سے زبان کھولنے کو کہیں تو زبان کھول دینا فضول بک بک کی ضرورت نہیں۔

" ڈی ایس پی غالب جمال خان کو لے کر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک میں بدرشاہ کے پاس رکا رہا اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ میری منزل میری کوٹھی تھی جہاں نگہت شیراز اور اس کی ماں موجود تھیں ـــ

یہاں سب خیریت تھی اور نگہت شیراز اپنی ماں کے پاس بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ـــ

تشریف رکھئے جناب شارق حسین صاحب۔ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا ـــ

شکریہ ... شکریہ کیا ہو رہا ہے ـــ!

حیرت ہو رہی ہے ـــ نگہت شیراز نے کہا ـــ

" بہت خوب اچھا مشغلہ ہے ـــ میں نے کہا ـــ

" جی ہاں لوگ حیرتوں کے مواقع پیدا کر دیتے ہیں تو

کیا انسان کو حیرت بھی نہ ہو ـــ

اب ذرا ترجمہ فرما دیجئے ان قیمتی باتوں کا ـــ

بس کوئی خاص بات نہیں ہے دراصل اخبار میں ایک اشتہار دیکھا تھا۔ ایک فلیٹ کے فروخت کا اور جب فلیٹ کا نمبر دیکھا تو اپنا تھا۔ اس کے بعد جس نمبر پر رابطے کے لئے کہا گیا اس کے بارے میں غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو وکیل فاروقی صاحب کے دفتر کا نمبر تھا بڑی حیرت ہوئی کہ یہ میرا فلیٹ بیچنے پر کون تل گیا ہے اخبار کے دفتر سے معلومات کی تو پتہ چلا کہ یہ اشتہار وکیل فاروقی صاحب نے ہی بک کرایا ہے ـــ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ خیر وکیل فاروقی صاحب سے تو اس سلسلے میں کیا سوالات کئے جاتے۔ بس ہم دونوں ماں بیٹیاں بیٹھے حیرت کر رہے تھے۔ میرے منہ سے ہنسی نکل گئی ـــ نگہت شیراز عجیب نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی ـــ پھر میں نے کہا ـــ

" نگہت وہ فلیٹ میں نے بیچنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

" کوئی حرج نہیں ہے ـــ مگر یہ کوٹھی ذرا بڑی ہے اور پھر ہمیں شرم بھی آتی ہے۔ اتنے چھوٹے سے فلیٹ کے بدلے میں آپ ہمیں اتنی بڑی کوٹھی دے رہے ہیں ـــ کیوں امی یہ کچھ زیادہ نہیں ہے "

نگہت شیراز کی والدہ نے اسے گھورا اور پھر بولیں بعض اوقات تمہارا مذاق بدتمیزی کی حد میں داخل ہو جاتا ہے میں ہنستا ہی رہا تھا ... پھر نگہت شیراز نے کہا ـــ

کیوں شارق صاحب ویسے آپ کی ذاتی رائے کیا ہے۔

یہ کوٹھی تو واقعی بڑی ہے اور تم لوگوں کے لئے غیر مناسب بھی ہے۔ میں نے دراصل یہ سوچا تھا کہ ماں کے لئے ایک مکان خرید لوں ـــ ظاہر ہے اب انہیں سیڑھیاں چڑھنے میں دقت ہوا کرے گی ایک مکان ان کے لئے خریدنا بے حد ضروری ہے نگہت کی ماں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا ـــ پھر کہنے لگیں ـــ!

لیکن بیٹے فلیٹ کی قیمت میں کوئی اچھا مکان تو نہیں مل سکے گا ـــ

" ماں آپ بھی عجیب باتیں کرتی ہیں چیف کا آئیڈیا برا نہیں ہے اب دیکھئے نا جب انہوں نے فلیٹ بیچنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو مکان خریدنے کی ذمہ داری بھی انہی کی ہوگی

اور یہ پھر ان کے معیار کی بات ہے کہ ہمیں کیسا مکان خرید کر دے دیتے ہیں۔ تھوڑے بہت پیسے اگر اپنے پاس سے ڈال دیں تو کیا ہے حساب کتاب تو ہوتا ہی رہتا ہے نگہت کی ماں نے پھر اسے گھور کر دیکھا اور وہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی میں نے ہنستے ہوئے کہا ــــ

ہاں بھئی میں یہ کر دوں گا ــــ لیکن آپ کے حساب کتاب کے لئے نہیں بلکہ میرے سامنے میری ماں بھی ہے۔ کیوں میں غلط کہہ رہا ہوں امی ـــ میں نے نگہت شیراز کی والدہ کو دیکھتے ہوئے کہا ـــ اور نگہت شیراز کی والدہ خاموش ہو گئیں ـــ پھر کچھ سوچ کر بولیں ...

لیکن بیٹے واقعی ـــــ واقعی ــــ؟

آپ یہ بتائیے کیا آپ کو میرے اس فیصلے پر اعتراض تو نہیں ہے ـــ؟

"جی بالکل نہیں نگہت جلدی سے بولی ـــ

"آپ سے نہیں پوچھ رہا ہوں میں ـــ

"میں ان ہی کی نمائندگی کر رہی ہوں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم لوگ بات کر چکے ہیں اس موضوع پر ـــ

پھر بکواس کر رہی ہو تم ـ نہیں شارق ہم نے کوئی بات نہیں کی اس موضوع پر ــــ ویسے تم دیکھ لینا دراصل فلیٹ کی قیمت میں مکان ملنا مشکل ہے ہم پہلے بھی کئی بار کوشش کر چکے ہیں۔

تو اس بار مجھے کوشش کر لینے دیجئے میں نے ہنستے ہوئے کہا ـــ

ارے ہو غصہ کون کر رہا ہے جو دل چاہے کریں بس اگر ہم لوگ تھوڑا بہت تکلیف کریں تو براہ کرم آپ اسے نظر انداز کر دیجئے گا ـ اب دیکھے نا منہ کھول کر کوئی تھوڑی کہہ دیتا ہے کہ آپ ہمارے لئے یہ کر دیں ... وہ کر دیں ... آخر بڑے لوگوں سے دوستی کسی کام تو آئے ـــ

نگہت تو کیا بکواس کر رہی ہے نگہت کی والدہ غصہ ہو کر بولیں ـــ

"کمال ہے امی ـ اس دنیا میں کچھ تو حاصل کرنے دیں۔

"شارق بیٹے ـــ براہ کرم اس کی بکواس کو نظر انداز کر دینا۔

"جی ضرور ـــ میں نے کہا۔ جب اس کمرے سے نکلا تو نگہت میرے ساتھ آئی تھی ـــ

چیف جب آپ جذباتی ہو گئے ہیں تو براہ کرم کچھ اور زیادہ جذباتی ہو جائیے ــــ

مطلب میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا ـــ

"دیکھیے نا ایک صحافی کا کچھ اسٹیٹس ہوتا ہے مکان ذرا بہتر ہونا چاہیئے ـ میں تو زندگی بھر کماتی تب بھی کوئی اچھا مکان نہ بنا سکتی تھی ـ اب آپ پھنس ہی گئے ہیں تو ـ

میں نے نگہت کو گھور کر خاموش ہو گیا تھا ـــ

دوسرے دن جاوید قریشی نے ہٹ کی خریداری کے سلسلے میں مجھے تمام تفصیلات مہیا کر دیں رجسٹرار آفس سے انہوں نے اس ہٹ کے سلسلے میں جو کچھ بھی کاغذات موجود تھے ان کی نقول حاصل کر لی تھیں اور تمام چیزیں میرے سامنے آ گئیں میں نے انہیں غور سے دیکھا اور اس کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے کہا ـــ

"یہ کیس جس قدر جلد مکمل ہوا ہے میرا خیال ہے اس سے پہلے کسی کیس میں مجھے اس قدر آسانیاں نہیں حاصل ہوئیں ـــ

گویا کیس مکمل ہو گیا ـ وکیل فاروقی صاحب نے پوچھا۔

"جی فاروقی صاحب ـــ"

"تو پھر کچھ ہمیں بھی اس سلسلے میں مطلع ہو جانے دیجئے"

"جی فرمائیے ـــ

"میرا مطلب ہے شمشیر داور کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا ـــ؟

"وہ قاتل نہیں ہے ... میں نے اس کی صورت دیکھی تھی فاروقی صاحب اب آپ کے سامنے بہت زیادہ تجربہ کاری کا مظاہرہ تو نہیں کروں گا لیکن نجانے کیوں بے گناہ چہرے میری نگاہوں کے آگے آ کر بول پڑتے ہیں ـ اور بتلاتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہیں ـــ

میں اس سے انحراف نہیں کرتا ــــ وکیل فاروقی صاحب نے کہا ـــ

"بہر طور شمشیر داور بے قصور ہے اور اب اس سلسلے میں تمام تفصیلات میں بہت جلد آپ کو پیش کروں گا ـــ

"ہمیں نہیں بھائی ـــ اسد اللہ مغلوب کو ـــ

"جی ہاں انہیں ریہرسل کرانی ہے پتہ نہیں ـ ان کی یادداشت کیسی ہے کسی اسکرپٹ کو صحیح طور پر یاد کر سکتے

ہیں یا نہیں ـــ جاوید قریشی ہنس پڑے تھے انہوں نے کہا۔

بس اگر اس میں ان کے اشعار شامل نہ ہوں تو شاید صحیح طور پر یاد کر لیں لیکن شعر کے چکر میں بہت کچھ بھول جاتے ہیں ...

ذرا اسد اللہ مغلوب صاحب کو طلب تو کیجئے گا پتہ نہیں کہاں ہوں گے کورٹ میں یا دفتر میں ...

"دفتر میں لڑائی کر لیتے ہیں وکیل فاروقی صاحب نے کہا اور اپنی ٹیلی فون انڈکس میں اسد اللہ مغلوب کا ٹیلیفون نمبر تلاش کرنے لگے جس میں زیادہ دقت نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے نمبر ڈائل کر کے ریسیور کان سے لگایا تو آواز آئی۔

وصل اس کا خدا نصیب کرے

میر جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

"خدا آپ سے سمجھے اسد اللہ مغلوب صاحب آپ بغیر سوچے سمجھے شعر پڑھ دیتے ہیں ـــ

"کون صاحب کرم فرمائی فرما رہے ہیں۔ اسد اللہ مغلوب صاحب کی آواز سنائی دی ـــ

"جی فدوی کو وکیل فاروقی کہتے ہیں۔"

"سبحان اللہ ... سبحان اللہ اور شعر غلط تھا کیا وہ جو عرض کیا ہے کہ ..... کہ ....

"دیکھیے اسد اللہ صاحب جو کچھ عرض کرنا ہے یہاں آ کر عرض کیجئے گا۔ فوراً شارق حسین صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ دوسرا شعر آپ نے سنایا تو اچھا نہیں ہو گا وکیل فاروقی صاحب نے ریسیور رکھ دیا میں اور جاوید قریشی ہنسنے لگے تھے بہر طور اس کے بعد ہم اسد اللہ مغلوب کا انتظار کرنے لگے ... اور انہوں نے پہنچنے میں دیر نہ لگائی پھر دروازے ہی سے ان کی آواز ابھری تھی ـــ

کوئی خاطر نا مدارات نا تقریب وصال

ہم تو بس چاہتے ہیں تیری نظر میں رہنا

آیئے ... آیئے آپ جو آ گئے تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ شعر و شاعری کی دنیا آباد ہو گئی ـــ

"بدقسمتی ہے کہ یہ اشعار دماغ میں بھد کتے رہتے ہیں۔ اور زبان سے نکل پڑتے ہیں موقع پاتے ہی دراصل کوئی ایسا راستہ دستیاب ہو گیا ہے انہیں جو دماغ سے حلق تک آ گیا ہے اور حلق سے باہر نکلنے کا ایک ہی راستہ ہے۔

میں ہنسنے لگا تھا اسد اللہ مغلوب صاحب بیٹھتے ہوئے بولے۔

"یاد آوری کے لئے دل سے شکر گزار ہوں لیکن تجسس کا شکار بھی ہوں ـــ

"پھر شعر ہو گیا ـ وکیل فاروقی صاحب نے غصیلے انداز میں کہا۔

"بخدا نہیں یہ تو نثر ہے نثر اسد اللہ صاحب گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے اور تمام لوگ ہنستے ہنستے بے حال ہو گئے بہر طور اسد اللہ صاحب کی آمد سے ماحول بے حد خوشگوار ہو گیا تھا پھر اسد اللہ صاحب نے کہا ـــ

"یاد فرمائی کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہے میرا مطلب ہے ویسے تو یہاں حاضری دینا نصیب کی بات ہے ـــ

اسد اللہ صاحب آپ پتہ نہیں کون سے لہجے میں گفتگو کرنے لگے ہیں ذرا لہجہ سنبھالئے یہ ہمارے پیشے کے منافی ہے۔ جاوید قریشی صاحب نے کہا ـــ

میاں دلی جذبات کو اگر الفاظ کا رنگ نہ دیا جائے تو تشنگی رہ جاتی ہے جاوید قریشی صاحب میرے دل میں واقعی ان دنوں بڑی مسرتیں پیدا ہو گئیں ہیں یقین کریں آپ لوگ اس لئے نہیں کہ ایک مقدمہ جیتنے کی امید ہو گئی ہے بلکہ آپ لوگوں کے ساتھ مل کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمیں بھی کچھ بڑائی مل جائے گی ـــ

خیر اسد اللہ صاحب اب آپ میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آ جائیے آپ کو ریہرسل کرانی ہے ـ

کس سلسلے میں اسد اللہ صاحب نے کہا۔

آپ کا کیس مکمل ہو گیا ہے ـــ

بخدا ... بخدا ... اسد اللہ صاحب دم بخود رہ گئے۔

"جی ہاں ـــ؟

"مگر ... مگر میرا مطلب ہے ـــ

آیئے نا پورا اسکرپٹ آپ کو پڑھا دیا جائے۔ آپ کو جس انداز میں میں کہوں ذہن نشین کریں ذرا ایک بات بتائیے آپ کی یادداشت کیسی ہے ـــ

کبھی کام کے معاملے میں تو بہت تیز ہے اشعار بھی یاد رکھ لیتا ہوں اور اسی سے ثبوت ملتا ہے کہ میری یادداشت بہت اچھی ہے ـــ

"تو پھر جو کچھ آپ کو تفصیلات بتائی جائیں آپ اس

کے مطابق دراز بانت سے کام لیجئے گا۔

اطمینان رکھیں شارق میاں اب آپ ہمیں اتنا بودا بھی نہ پائیں گے اسد اللہ صاحب نے کہا۔ بہت زیادہ متجسس ہوگئے تھے وہ وکیل فاروقی اور جاوید قریشی نے یہ بات سمجھ لی کہ میں انہیں جو بات رٹانا چاہتا ہوں وہ تنہائی میں رٹانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ہمارے معاملے میں مداخلت نہ کی تھی پھر میں اور اسد اللہ صاحب ایک کمرے میں بند ہوگئے اور میں اسد اللہ صاحب کو اس کیس کے تمام باریک نکات سمجھانے لگا۔ اسد اللہ مغلوب پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اور وہ بار بار اچھل پڑتے تھے بڑی عجیب کیفیت ہوگئی تھی ان کی میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

مغلوب صاحب آپ تو خود ہی ان حالات سے مغلوب ہوگئے ہیں عدالت میں دوسروں کو مغلوب کیسے کریں گے۔

میاں یہاں مغلوب ہوجانے دو عدالت میں دوسروں کو مغلوب کرنے کے لئے۔ اسد اللہ صاحب نے جواب دیا اور میں مسکرانے لگا بہرطور اسد اللہ صاحب مجھ سے ایک ایک نقطے پر بحث کرتے رہے اور میں نے انہیں کچھ کاغذات دیتے ہوئے کہا۔

یہ ابتدائی فہرست ہے اس کے ساتھ ساتھ ہی میرا خیال ہے میں اور آپ مل کر بلکہ دوسرے لوگوں کی بھی مدد کے ساتھ اس سلسلے کے اہم نکات تیار کرلیں تاکہ عدالت میں اس کے سلسلے میں کارروائی کی جاسکے۔ یہ پورا دن اسد اللہ مغلوب کے ساتھ ہی گزر گیا تھا۔ کام بھی چونکہ اہمیت اور دلچسپی کا حامل تھا اس لئے مجھے بھی کوئی کوفت نہیں ہوئی تھی البتہ وکیل فاروقی صاحب ان گاہکوں کو نپٹاتے رہے تھے جو فلیٹ کی خریداری کے سلسلے میں آئے تھے اور ایک گاہک کے سلسلے میں ہم نے فیصلہ بھی دے دیا تھا یعنی فلیٹ اس کو فروخت کردیا جانے والا تھا اسد اللہ صاحب کو میں نے تمام تفصیلات سمجھانے کے بعد فارغ ہوگیا لیکن ابھی تاریخ کے آنے تک انہیں کئی بار ان تفصیلات پر میرے ساتھ مشق اور محنت کرنا تھی۔ یہ سلسلہ بھی جاری رہا بالآخر وہ دن آگیا جب شمشیر داور کے مقدمے کی تاریخ تھی۔ ہم لوگ جان بوجھ کر اسد اللہ مغلوب سے الگ الگ رہے تھے لیکن یہ فیصلہ کرلیا تھا ہم نے کہ اس کیس کی تمام تفصیلات سنی جائیں گی۔ جاوید قریشی اور وکیل فاروقی نے بھی اپنی مصروفیات سے یہ دن خالی رکھا تھا۔ شمشیر داور کو کمرہ عدالت میں پیش کردیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی دوسرے متعلقہ افراد بھی پہنچ گئے۔ جن میں رضوانہ کی اندھی ماں بھی موجود تھی جج صاحب نے مقدمے کا آغاز کرنے کا حکم دیا اور وکیل سرکار نے کھڑے ہوکر مقدمے کا آغاز کیا اس نے کہا۔

جناب والا یہ سلسلہ قتل کا ہے ایک نوجوان اور نوخیز لڑکی کو اپنی دہشت کا نشانہ بنا کر قتل کردیا اور قاتل شمشیر داور ہے جو ایک فرم کا مالک ہے ایک ایسا شخص جس کی نہ بیوی ہے نہ بچے وہ اپنا کام اسی قسم کی نوخیز لڑکیوں کو شکار کرکے چلاتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس کے پاس اپنی صفائی کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے اگر عدالت اسے اس قتل کا مجرم قرار دیتی ہے تو ٹھیک ہے وہ سزا بھگتنے کے لئے تیار ہے چنانچہ ان حالات کی روشنی میں میرے خیال میں عدالت کے سامنے کوئی مشکل درپیش نہیں ہے شمشیر داور کو رضوانہ کے قتل کے سلسلے میں سزائے موت دی جائے۔

اسد اللہ مغلوب کھڑے ہوئے تو تمام لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی سب ہی متوقع تھے کہ اب کوئی شعر سنائی دے گا اور اس کے بعد اسد اللہ مغلوب کا مخصوص طرز بیان ہوگا۔ کیس سننے کے لئے بہت سے وکلاء بھی کمرۂ عدالت میں آگئے تھے لیکن اس وقت انہیں حیرت ہوئی جب اسد اللہ مغلوب نے کوئی شعر نہیں پڑھا اور کہا۔

جناب والا وکیل سرکار کا یہ کہہ دینا ایک ایسے شخص کی توہین ہے جو صاحب حیثیت بھی ہے اور صاحب عزت بھی وکیل صاحب نے یہ نکال فرمادیا کہ شمشیر داور نے رضوانہ کو شکار کیا اور ہلاک کردیا اور شمشیر داور جیسے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وکیل سرکار کا ایسا کوئی ذاتی تجربہ ہو لیکن اگر حالات کی روشنی میں دیکھا جائے تو میں یہ عرض کردینے میں حرج نہیں سمجھتا کہ شمشیر داور جیسے دولت مند لوگوں کے لئے۔۔۔ معاف کیجئے گا لڑکیوں کا حصول ایک مشکل کام نہیں ہے۔۔۔ اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلے اپنے دفتر میں کسی کو ملازم رکھے اور

اس کے بعد یہ وحشیانہ سلوک اس کے ساتھ کیا جائے۔ وکیل سرکار کو یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ جس شخص کے بارے میں یہ الفاظ وہ ادا کر رہے ہیں وہ ابھی مجرم نہیں صرف ملزم ہے اور اس ملزم کے لئے ہمیں ہر طرح کے آداب ملحوظ رکھنا ہوتے ہیں چنانچہ میں درخواست کرتا ہوں کہ وکیل صفائی کو حکم دیا جائے کہ شمشیر داور کے سلسلے میں کوئی نازیبا لفظ استعمال نہ کرے۔

وکیل سرکار خیال رکھیں۔ جج صاحب نے کہا۔

جناب والا اب جبکہ یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ شمشیر داور نے یہ قتل کیا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں صرف ملزم کیوں قرار دیا جارہا ہے۔

یہ بات پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچی میرے دوست۔۔۔ آپ مکمل طور پر اس کا ثبوت نہیں پیش کرسکے کیا آپ کے خیال میں صرف اتنا ثبوت باقی ہے کہ رضوانہ کی لاش اس ہٹ میں پائی گئی ہے جسے شمشیر داور کے نام سے خریدا گیا ہے معزز وکیل کیا یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ہٹ۔۔۔ شمشیر داور کا نہیں ہے۔

جی ہاں۔۔۔ میں ابتدا میں یہیں سے کرتا ہوں ہٹ شمشیر داور کا نہیں ہے اور میرا موکل اس سلسلے میں پہلے ہی انکار کرچکا ہے ہٹ کی خریداری کے کاغذات ملاحظہ فرمائیے جناب والا۔ یہ ہٹ صرف چند ماہ پہلے خریدا گیا ہے اور ظاہر ہے صرف ایک لڑکی کو قتل کرنے کے لئے یہ خریداری نہ کی گئی ہوگی ہٹ کے مالک جناب فیروز خان ہیں جنہیں میں نے خصوصی طور پر اس وقت عدالت میں تشریف لانے کی دعوت دی ہے فیروز خان صاحب ایک کاروباری آدمی ہیں اور ان کے اور بھی کئی ہٹ ساحل سمندر پر موجود ہیں انہوں نے اخبار میں ہٹ بیچنے کا اشتہار دیا تھا جس کے جواب میں ان سے رابطہ قائم کیا گیا اور بالآخر ہٹ کی خریداری کا سودا ہوگیا انہیں رقم ادا کرکے کاغذات لے لئے گئے میں نے خصوصی کوششیں کرکے عدالت سے ان کے نام سمن جاری کرالئے ہیں اور فیروز خان صاحب اب اس وقت یہاں موجود ہیں میں ان کو پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ جج کی جانب سے ہٹ کے مالک فیروز خان کو طلب کیا گیا اور اسد اللہ مغلوب نے ان سے سوالات کرنا شروع کئے۔

آپ نے ہٹ جناب شمشیر داور کو فروخت کیا ہے کیا آپ شمشیر داور صاحب کو پہچانتے ہیں؟

"جی نہیں۔۔۔"

"یہ شمشیر داور صاحب ہیں کیا آپ کی کبھی ان سے کوئی ملاقات ہوئی۔"

"جی نہیں۔۔۔ فیروز خان نے جواب دیا۔"

"ہٹ کی خریداری کی گفتگو آپ سے کس نے کی تھی"

"ان کے نمائندے نے"

"کوئی چیز اگر کسی شخص کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے تو اس شخص کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔

جی ہاں ہونا تو چاہئے لیکن شمشیر داور صاحب ایک دولت مند آدمی تھے اور ان کے نمائندے نے یہ ہٹ ان کے لئے خریدی تھی۔

"آپ کو ادائیگی نقد کی گئی یا بذریعہ چیک"

"جی نہیں نقد ادائیگی کی گئی تھی۔ فیروز خان نے جواب دیا۔

"ادائیگی کرنے والے شمشیر داور تو نہ تھے۔

"جی نہیں"

جناب والا یہاں پر یہ نقطہ پیدا ہوتا ہے کہ شمشیر داور کے نام سے کسی نے یہ ہٹ خریدا نہ تو شمشیر داور صاحب اس میں کہیں نظر آئے نہ ان کے دستخطوں سے اس ہٹ کی رجسٹری ہوئی کوئی ایسا کام نہیں ہے جس میں شمشیر داور صاحب کے سلسلے میں نمایاں تفصیلات سامنے آسکیں کہ یہ ہٹ انہوں نے ہی خریدا تھا کسی شخص نے یہ ہٹ ان کے نام سے خریدا اور اس کی ادائیگی کردی اس طرح شمشیر داور صاحب اس ہٹ کے مالک قرار نہیں پائے۔

"کیا کسی بھی جگہ شمشیر داور کی ملکیت کے دستخط موجود نہیں ہیں۔۔۔؟ جج صاحب نے سوال کیا۔

جی نہیں یہ تمام کاغذات کی نقول حاصل کرلی گئی ہیں انہیں ملاحظہ فرمالیجئے اسد اللہ صاحب نے کاغذات کی نقول جج صاحب کے سامنے پیش کیں اور جج صاحب نے انہیں دیکھنے کے بعد ایک سمت رکھ دیا۔

اب اگر اجازت ہو تو میں اس کیس کی باقاعدہ تفصیلات آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

"اجازت ہے" جج صاحب نے کہا۔

"جناب والا رضوانہ شمشیر داور صاحب کی فرم میں ملازم تھی اپنی مرضی سے اپنی خوشی سے اس نے وہاں ملازمت حاصل کی تھی ایک اخباری اشتہار کے ذریعہ اور بحسن و خوبی اپنے فرائض سرانجام دے رہی تھی اس بدنصیب کو کسی نے اپنی وحشیانہ خواہش کے بھینٹ چڑھا دیا اور اس کے پس پردہ ایک طویل کہانی ہے جس کے بارے میں میں عدالت کو مکمل تفصیلات بتانا چاہتا ہوں۔

"جی آپ تفصیلات بتا سکتے ہیں" تمام لوگ اس بات پر حیران تھے کہ اسد اللہ مغلوب صاحب کسی شعر کے بغیر اپنی تمام کارروائی جاری رکھے ہوئے تھے تب اسد اللہ صاحب نے کہا۔

اور اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ میں خود آج اپنے موکل ہی سے کچھ سوالات کر رہا ہوں جن کا وہ پہلے بھی عدالت میں جواب دینے سے انکار کر چکے ہیں۔ عدالت کی اجازت سے اسد اللہ مغلوب نے شمشیر داور سے پوچھا۔

"جناب شمشیر داور صاحب اٹھارہ سال قبل آپ ملک چھوڑ کر یوگنڈا چلے گئے تھے وہاں آپ نے اپنے کاروبار کی داغ بیل ڈالی اور وہیں زندگی کے اٹھارہ سال گزارے اس کے بعد آپ ڈھائی سال قبل یہاں آ گئے اور یہاں آپ نے اپنے کاروبار کا آغاز کیا آپ کا نقطہ نظر کیا تھا وطن واپس آنے کا ہم اس پر بحث نہیں کرتے لیکن یہ سوال آپ سے ازحد ضروری ہے کہ آپ نے شادی کیوں نہیں کی۔

یہ ایک سوال ذاتی ہے وکیل صاحب اور میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتا۔

تو پھر مجھے وہ تمام تفصیلات بتانے پر مجبور ہونا پڑے گا شمشیر داور صاحب جو آپ خود نہیں بتانا چاہتے۔

وکیل صاحب آپ میری وکالت کر رہے ہیں اگر آپ مجھے زندگی دلوانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر میری تقدیر میں موت لکھی ہے تو میں اس سے بھی انحراف نہیں کر سکتا آپ براہ کرم صرف اپنا کام کیجئے میرے ماضی کو کریدنے کی ضرورت نہیں۔ شمشیر داور نے کہا۔

وکالت کا پیشہ بس ڈرائیوری نہیں ہے شمشیر داور صاحب کہ سیلف لگایا بس اسٹارٹ کی اور چل پڑے ہمارے اپنے بھی کچھ اقدار ہوتے ہیں اور میں ان اقدار کو پامال کرنے کو پسند نہیں کرتا جناب والا میرا موکل شمشیر داور مجھ سے اس سلسلے میں تعاون نہیں کر رہا لیکن میں اپنے پیشے کے فرائض کو مدنگاہ رکھتے ہوئے آپ کے سامنے مختصر سی کہانی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ شمشیر داور کے والد داور مسعود صاحب ایک درمیانے درجے کے کاروباری آدمی تھے اور بہتر زندگی گزار رہے تھے شمشیر داور ان کا اکلوتا بیٹا تھا نوجوانوں کی طرح شمشیر داور بھی پرجوش اور جذباتی نوجوان تھا۔ اور اس جذباتی نوجوان کو ایک اسکول ٹیچر لڑکی فرزانہ سے محبت ہو گئی۔ فرزانہ ایک غریب لیکن معزز اور باعزت گھرانے کی فرد تھی۔ شمشیر داور کی محبت کا جواب اس نے محبت سے نہ دیا بلکہ ان کی تمام حرکتوں سے پہلو چرا گئی لیکن شمشیر داور اس کے عشق میں دیوانہ ہو چکا تھا اس نے ہر طرح سے اپنی تمام کارروائیاں جاری رکھیں اور کسی طرح فرزانہ کے بھائی شاہد حسین صدیقی سے رجوع کرنے میں کامیاب ہو گیا اس نے شاہد حسین صدیقی کو اپنے بارے میں بہت سی کہانیاں سنائیں یہاں تک کہ اس نے شاہد حسین صدیقی کو اس سے شادی کے لئے رضامند کر لیا شاہد حسین اس سلسلے میں بہت زیادہ پریشان تھے کہ شمشیر داور جیسے شخص سے جس کے بارے میں وہ زیادہ نہیں جانتے اپنی بہن کی شادی کس طرح کر دیں لیکن شمشیر داور نے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے۔ اور بالآخر ایک لاکھ روپے حق مہر کے عوض اس نے فرزانہ سے شادی کر لی۔ فرزانہ ایک شوہر پرست بیوی ثابت ہوئی اور شمشیر داور نے اسے اس کے گھر ہی رہنے دیا اور اس کے بعد شاہد حسین صدیقی کو اس بات کا علم ہوا کہ شمشیر داور دراصل داور مسعود کا بیٹا ہے۔ یہ بات معلوم کرنے کے بعد اسے بڑی تشویش لاحق ہو گئی کیونکہ داور مسعود بہرطور بہت بڑے کاروباری نہیں تھے لیکن پھر بھی ایک دولت مند انسان تھے شاہد حسین صدیقی نے داور مسعود سے رابطہ قائم کر کے تمام تفصیلات انہیں بتا دیں اور مطالبہ کیا کہ ان کا بیٹا اپنی بیوی کو اپنے گھر لے جا کر رکھے داور مسعود صاحب ایک انتہا پسند انسان تھے جب انہیں بیٹے کی اس کارروائی کا علم ہوا تو انہوں نے بیٹے

کو برا بھلا کہنے کے بجائے خود شاہد حسین صدیقی کو بہت برا بھلا کہا۔ نہ صرف برا بھلا کہا بلکہ انہیں دھمکیاں بھی دیں کہ وہ ان کا برا حشر کر دیں گے نتیجے میں شمشیر داور کو بھی یہ تفصیلات معلوم ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے باپ سے رجوع کیا۔ باپ نے صاف انکار کر دیا کہ وہ فرزانہ کو کسی طور پر بہو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں باپ اور بیٹے کی یہ کشمکش چلتی رہی اور مظلوم فرزانہ اس سلسلے میں پستی رہی یہاں تک کہ ایک دن اسے طلاق نامہ موصول ہوا جس کے ساتھ ہی ایک لاکھ روپے کی نقد رقم بھی تھی فرزانہ سے زندگی کی تمام خوشیاں چھین لی گئی تھیں وہ بے بس اور بے گناہ تھی وہ تو کسی طور پر اس سلسلے میں ملوث بھی نہ تھی چنانچہ وہ نیم دیوانی سی ہو گئی اور کافی دن اسی دیوانگی کے عالم میں گزر گئے شمشیر داور ذاتی طور پر فرزانہ کو بہت پسند کرتا تھا اور اس کے دل میں یہ خواہش نہ تھی کہ وہ فرزانہ کو طلاق دے دے لیکن باپ کی وجہ سے اسے مجبور ہونا پڑا تھا اس کیفیت نے اسے انتہائی دل برداشتہ کر دیا اور باپ کی کوششوں کے باوجود اس نے دوسری شادی نہ کی اور ملک چھوڑ کر یوگنڈا چلا گیا۔ جب اس کے باپ کو یہ تفصیلات معلوم ہوئیں تو اس نے یوگنڈا میں بھی شمشیر داور کی مالی مدد کی جس کے ذریعے شمشیر داور نے ایک کاروبار کا آغاز کر دیا بعد میں داور مسعود کا انتقال ہو گیا تھا لیکن یہاں ایک اور نئی کہانی کا آغاز ہو گیا تھا یعنی فرزانہ شمشیر حاملہ تھی اور کچھ عرصے کے بعد اس نے ایک بچی کو جنم دیا شمشیر داور کا اس سے ہر سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اس لئے اسے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا بچی کے وجود میں آنے کے بعد فرزانہ کی حالت کسی حد تک بہتر ہو گئی بہرطور وہ بے بسی کی زندگی گزارتی رہی لیکن شمشیر داور کیلئے اس کے دل میں انتقام کے اتنے شدید جذبے پروان چڑھ چکے تھے کہ وہ ہوش و حواس سے عاری ہو چکی تھی وہ بے گناہ تھی اور اس نے کبھی یہ نہ چاہا تھا کہ شمشیر داور جیسے شخص سے اس کی شادی ہو جائے لیکن رشتہ باقاعدہ باقاعدگی سے دیا گیا تھا اور شاہد حسین صدیقی اپنی سادگی کی وجہ سے شمشیر داور کا شکار ہو گئے تھے۔ فرزانہ کے ذہن میں انتقام کے جذبے پروان چڑھتے رہے، اور اس کی بچی رضوانہ بڑی ہوتی چلی گئی اسد اللہ مغلوب کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ دفعتاً شمشیر داور کی دہاڑ گونجی۔

جھوٹ بولتے ہو تم... جھوٹ بولتے ہو کیا بکواس کر رہے ہو.... رضوانہ... رضوانہ میری بیٹی تھی... رضوانہ... رضوانہ... شمشیر داور کی حالت بگڑنے لگی جج صاحب نے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی لیکن وہ چیختا رہا۔

تم جھوٹ بول رہے ہو وکیل.... یہ بکواس ہے میری کوئی بیٹی نہیں تھی.... میری کوئی بیٹی نہیں تھی.... بمشکل تمام شمشیر داور کو خاموش کیا گیا لیکن اس کا پورا بدن پسینے سے تر ہو رہا تھا آنکھیں ہیجانی انداز میں پھٹی ہوئی تھیں اسد اللہ مغلوب نے کہانی پھر سے شروع کی انہوں نے کہا۔

شمشیر داور آپ نے جس کہانی کو نظر انداز کر دیا تھا وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے اور اب اس کی سچائیاں میری زبان سے سن لیں... جناب والا رضوانہ جس ماحول میں پلی بڑھی وہ ایک پاکیزہ ماحول تھا رضوانہ کو اس کی ماں نے کافی حد تک تعلیم بھی دلوائی تھی وہ اپنی بیٹی سے نفرت نہیں کرتی تھی لیکن یہ احساس اس کے ذہن میں جاگزیں تھا کہ اس کے ساتھ شدید زیادتی ہوئی ہے اس دوران کسی طرح شاہد حسین صدیقی کو یہ معلوم ہو گیا کہ شمشیر داور یوگنڈا سے واپس آ چکا ہے اس نے یہاں داؤ نامی ایک فرم بنا لی ہے اسی دوران بیچاری فرزانہ کی بینائی متاثر ہو گئی تھی۔ اور اس کی بینائی آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی تھی لیکن شمشیر داور کی واپسی کے بارے میں تفصیلات سن کر اس کا خون کھول اٹھا اور پھر وہ شدت جوش سے دیوانی ہو گئی۔ اب میں تذکرہ کروں گا ایک ایسے شخص کا جو اس دوران رضوانہ کے چکر میں بری طرح پڑ گیا تھا۔ یہ اسٹوڈنٹ لیڈر تھا ایک آوارہ اور اوباش قسم کا آدمی تھا اور اس شخص کا نام جمال خان تھا۔

جمال خان نے ہر طرح رضوانہ کو پریشان کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ وہ فرزانہ کے پاس بھی پہنچ گیا اور اس نے کہا کہ وہ رضوانہ سے شادی کرنا چاہتا ہے فرزانہ نے نفرت سے اسے دھتکار دیا اور بھگا دیا۔ لیکن جمال خان مسلسل اس کا تعاقب کرتا رہا۔ فرزانہ سے ملتا رہا رضوانہ کو پریشان کرتا رہا۔ فرزانہ جانتی تھی کہ جمال خان ایک اوباش منش انسان ہے اور اس کی شخصیت جو کچھ ہے اس کے بارے

میں بھی فرزانہ نے اندازہ لگا لیا تھا جب شمشیر داور کی واپسی کا فرزانہ کو یقین ہوگیا تو اس نے ایک بار جمال خان کو خود بلایا اور اس کے سامنے ایک منصوبہ پیش کر دیا اس نے جمال خان سے کہا کہ وہ اسے ایک بڑی رقم دینے کے لئے تیار ہے اور اس کے عوض اسے رضوانہ کو قتل کرنا ہے جمال خان حیران رہ گیا تھا ایک ماں اپنی بیٹی کے قتل کے لئے بات کر رہی تھی بہر طور تمام صورتحال اس کے علم میں نہیں آئی لیکن وہ پچاس ہزار نقد کے عوض رضوانہ کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگیا یہ اس کی فطرت کی بات تھی کہ اس نے دولت کے لئے یہ گھناؤنا کام کرنا قبول کر لیا تھا ادھر فرزانہ دوسری تمام کارروائیاں بھی کر رہی تھی انتقام کے جذبے اسے بہت زیادہ مشتعل کر چکے تھے اور وہ ہر... کوشش کرنے میں مصروف تھی چنانچہ اس نے جمال خان ہی کے ذریعہ وہ ساحل سمندر والی ہٹ خریدی اس کے پاس ایک لاکھ روپیہ وہ موجود تھا جو اسے مہر کی شکل میں دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ اس نے اور بھی بہت کچھ جمع کر لیا تھا۔ چنانچہ یہ کام باآسانی ہوگیا تھا وقت مقررہ پر جمال خان نے رضوانہ کو اس ہٹ میں اغوا کر کے پہنچایا اور پھر اسے وہاں قتل کر دیا۔ یہ ہے اس قتل کی تفصیل... جناب والا۔ اور اب میں اس سلسلے میں آپ کو مکمل ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ معزز عدالت ارکانِ عدالت سارے کے سارے ششدر رہ گئے تھے خود وکیل سرکار کی حالت خراب تھی اور وہ منہ پھاڑے ان تمام باتوں کو بغور سن رہے تھے۔ اسد اللہ مغلوب صاحب نے ایسا تحیر پھونک دیا تھا کہ ہر شخص شدید سنسنی کا شکار ہوگیا تھا بہر طور پہلے شاہد حسین صدیقی کو طلب کیا گیا اور اسد اللہ صاحب نے اسے متعارف کراتے ہوئے اس سے سوالات کا آغاز کیا شاہد حسین صدیقی نے اس پوری کہانی کی تصدیق کر دی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ فرزانہ کا بھائی ہے پھر اسد اللہ مغلوب صاحب نے فرزانہ کو طلب کیا اور جب فرزانہ عدالت میں آئی تو شمشیر داور زار و قطار رونے لگا یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ فرزانہ اس کی بیوی ہے۔ فرزانہ کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا اور اس کے بعد وکیل سرکار کو اجازت دی گئی کہ وہ اس سے سوالات کرے فرزانہ چونکہ آنکھوں سے معذور تھی اس لئے وکیل سرکار نے اس سے شمشیر داور کے بارے میں صرف سوالات کئے اور جب پوری کہانی فرزانہ کے سامنے دہرائی گئی تو اس نے شدید غصے کے عالم میں اس بات کا اعتراف کیا۔

ہاں شمشیر داور میرا شوہر تھا وہ مجھے بے گناہ طلاق دیکر چلا گیا۔ میرا کوئی قصور نہیں تھا۔

تو کیا آپ اس بات کا اقرار کرتی ہیں کہ آپ نے جمال خان نامی شخص کو اپنی بیٹی کے قتل کے لیے تیار کیا۔

"نہیں یہ سب جھوٹ ہے بکواس ہے۔

"جناب والا اب میں جمال خان کو پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں دراصل جب مجھے اس کیس کی تمام تفصیلات معلوم ہوئیں تو میں نے ڈی ایس پی غالب صاحب سے اس سلسلے میں رجوع کیا اور انہیں کچھ ثبوت فراہم کئے جس کی بنا پر انہوں نے جمال خان کو گرفتار کر لیا اور اب میں جمال خان کو سامنے لانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اجازت ملنے کے بعد جمال خان کو کمرہ عدالت میں پیش کر دیا اور اسد اللہ مغلوب نے اس سے سوالات شروع کر دیئے۔

"تمہارا نام جمال خان ہے؟

"جی عالی حضور۔

"تم رضوانہ سے عشق کا دعویٰ کرتے تھے لیکن صرف تھوڑی سی رقم کے عوض تم نے اسے قتل کر دیا۔ جمال خان دہشت زدہ نظر آنے لگا۔

"دلچسپ بات ہے جناب والا کہ یہاں بھی بے چاری فرزانہ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جمال خان نے درحقیقت رضوانہ کو قتل نہیں کیا بلکہ اس سے رقم بھی لے لی۔ اور رضوانہ کو بھی بچا لیا۔ کچھ رقم خرچ کر کے اس نے سول ہسپتال سے ایک نوجوان لڑکی کی لاش حاصل کر لی اور اس کے چہرے پر رضوانہ کا میک اپ کر دیا۔ رضوانہ زندہ ہے اور اپنی ماں سے شدید نفرت کرتی ہے۔ اسد اللہ صاحب نے کہا اور اس کا خاطر خواہ ردعمل ہوا۔ فرزانہ کی چیخ ابھری۔

"وہ نہیں بچ سکتا... وہ نہیں بچ سکتا... بعوز دراندھی عورت کو دھوکہ دیا ہے... مگر وہ نہیں بچ سکتا... جمال خاں تجھے خدا غارت کرے.... آہ خدا تجھے غارت کرے....

"فرزانہ نے شدت جوش میں تمام باتوں کا اقرار کر لیا۔ اور اس طرح شمشیر داور بے گناہ قرار پایا۔ اور عدالت کو اس کی فوری اور باعزت رہائی کے احکامات صادر کرنے پڑے۔ فرزانہ اور جمال خاں پر نئے سرے سے مقدمہ قائم کرنے کی ہدایت کی گئی اور ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اسد اللہ مغلوب کی دھوم مچ گئی۔ خود وکیل سرکار نے انہیں اس حیرتناک کیس کی مبارکباد دی تھی۔ البتہ کچھ لوگوں نے دلچسپ تبصرے کئے تھے۔

آپ کے اسسٹنٹ میں ایک بھی شعر نہیں ہے اسد اللہ مغلوب صاحب۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

آپ کے خیال میں کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

دراصل وہ ادھر سے لائی گئی ہے۔ جواب میں اسد اللہ نے ملا نصیر الدین کا وہ لطیفہ سنا دیا۔ کہ کسی نے ملا کو بتایا کہ پڑوس میں دعوت ہے... ملا بولے۔

"مجھے کیا..... کہنے والے نے کہا کہ آپ کو بھی اس میں مدعو کیا جا رہا ہے.... تو ملا بولے کہ تجھے کیا۔

حوالات میں فرزانہ نے خودکشی کر لی تھی۔ ایسے بھی اصل قاتل جمال خان تھا اس لئے اس پر مقدمہ قائم ہوگیا۔ اس کیس سے بہت جلد فراغت ہوگئی تھی.... اسد اللہ مغلوب بے چارے بہت نیاز مند ہوگئے تھے۔

پھر اس نے بقیہ کام بھی کر لئے اور ایک مہینے کے اندر اندر نگہت شیراز اور اس کی والدہ کو ان کے مکان میں منتقل کر دیا۔ کافی خوبصورت مکان تھا.. اور نگہت اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔

"بہت مہنگا ہوگا چیف یہ تو"۔

"پسند ہے؟

"میرے تصور سے بڑھ کر ہے۔

"یوں سمجھ لو مہر کی ادائیگی اسی میں ہوگئی۔

"کس کی ادائیگی؟

"مہر کی... تم سے شادی کرنے والا ہوں۔

"اوہ... جھینپ کے لوں دفتر سے چیف نگہت دانت نکال کر بولی۔

"ابھی نہیں"

"پھر چیف!

"میں بتاؤں گا۔

"ہائے اب نوکری کس لئے ہوگی... اتنے بڑے آدمی کی بیوی بن کر ایک معمولی سے اخبار کی ملازمت ہونہہ... نگہت نے حسب عادت مسخرے پن سے کہا۔ میں بھی ہنسنے لگا تھا... کوٹھی والے اس بار مجھے سمجھانے بجھانے کے موڈ میں نہ تھے چنانچہ جیسے ہی پندرہ دن پورے ہوئے میرا گھراؤ کر لیا گیا۔ عصمت بھابی نے کہا۔

"ہم لوگوں سے کام چل جائے گا... یا ڈیڈی کی عدالت میں پیش ہوگے!

کس سلسلے میں؟

تمہیں آج اپنی پسند کے بارے میں جواب دینا ہے۔

"پہلے یہ بتائیے میری پسند پر نکتہ چینی ہوگی یا اسے بے چوں چرا تسلیم کر لیا جائے گا۔

طے کیا گیا ہے کہ تم جیسے سرکش انسان سے انحراف کرنا مناسب نہ ہوگا۔ عصمت بھابی نے کہا۔

تو پتہ نوٹ کرا دیجئے... اور وہاں میرا رشتہ لے جایئے

"اللہ.. جلدی بتاؤ عصمت بھابی نے کہا۔ اور میں نے نگہت شیراز کے گھر کا پتہ بتا دیا... عصمت بھابی نے وہ شور مچایا کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ میں ہر ایک کے سامنے جا جا کر شرما رہا تھا۔

پھر آئی جی صاحب، شوکت جاہ میری والدہ اور تمام حملہ آشیانے والے نگہت شیراز کے گھر پہنچے تو وہ ہکا بکا رہ گئی... مگر میری ہدایت پر استاد میو نے عین وقت پر نگہت شیراز کے باورچی خانے کے انچارج بن گئے۔ چند ہی لمحات میں وکیل فاروقی، جاوید قریشی اور ندیم وغیرہ بھی پہنچ گئے اور لڑکی والوں کی حیثیت سے سامنے آئے۔ میرا رشتہ نگہت کی والدہ کو دیا گیا۔ تو ان پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی... نامنظوری کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ رشتہ منظور ہوگیا۔

تمام لوگ چلے گئے تو میں چپکے سے نگہت کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ اپنے کمرے میں کسی سوچ میں گم تھی

"ہیلو نگہت ۔۔۔؟" میں نے کہا اور وہ چونک پڑی ۔۔۔
"ہیلو چیف ۔۔۔"
"کیا سوچ رہی ہو؟"
"آپ ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی چیف ۔۔۔"
"کیا ۔۔۔؟"
"سوری چیف ۔۔۔ بس ایک بات بتا دیں۔ نگہت نے عاجزی سے کہا ۔۔۔
"جی فرمایئے؟"
"یہ سب کچھ فراڈ تو نہیں ہے ۔۔۔"
"میں فراڈ ہوں ۔۔۔ اس نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔
"سوری چیف ۔۔۔ ویری سوری ۔۔۔ مگر یہ سب ہوا کیسے ۔۔۔؟
"بس ہوگیا ۔۔۔!"
"ایک تکلیف دوں گی آپ کو چیف ۔۔۔
"ضرور فرمایئے ۔۔۔"
"دراصل میری شادی ہو رہی ہے کچھ رقم ایڈوانس چاہیئے کسی کیس کا معاوضہ ہو جائے گا ۔۔۔
"یہ ایک اسٹیٹ منٹ ہے اور یہ سائن کی ہوئی چیک بک، رقم بھرنا اور نکال لینا۔۔ اور ہاں سنو، یہ میرا کل سرمایہ ہے ۔۔۔ احتیاط سے خرچ کرنا۔ شادی کے بعد ہمیں سوئٹزرلینڈ جانا ہے ۔۔۔ ہنی مون منانے ۔۔۔
"ہائے چیف، شاید میں شرمارہی ہوں۔ نگہت نے اس انداز میں کہا کہ ۔۔۔ میری ہنسی نکل گئی ۔۔۔
نگہت سے میری شادی ہوگئی اور ہم سوئٹزرلینڈ جارہے ہیں ۔۔۔ چند ماہ وہاں قیام کریں گے اور پھر وہی اپنا وطن اپنے لوگ ۔۔۔ جس مشن کا میں نے آغاز کیا ہے وہ انشاءاللہ جاری رہے گا۔۔ نگہت جیسی بیوی میری دست راست ہوگی ۔۔۔ آپ خود تصور کریں دو آتشہ والی بات ہوگی ۔۔۔ چنانچہ اس وقت کے لئے خدا حافظ! واپسی میں آپ ہوں گے ہم ہوں گے، اس کائنات میں بکھری کہانیاں ہوں گی ۔۔۔ بس اس وقت تک کیلئے اجازت ۔۔۔۔!

اختتام